فتاویٰ شامی

مسمّٰی ردّ المحتار

محمد امین بن عمر الشہیر بابن عابدین

ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

فتاویٰ شامی مترجم

مسمّٰی ردّ المحتار

از محمّد امین بن عُمر الشہیر بابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ

دُرِّ مُختار

از محمّد بن علی بن محمّد الحصکفی رحمۃ اللہ علیہ

تنویرُ الابصار

از محمّد بن عبدُاللہ بن احمد التمرتاشی رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ اہتمام: ادارہ ضیاءُ المصنّفین بھیرہ شریف

ضیاءُ القرآن پبلی کیشنز لاہور کراچی پاکستان

فتاوی شامی مترجم

جلد دوازدہم

مسمّٰی ردّ المحتار

از محمّد امین بن عُمر الشہیر بابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ

دُرِّ مُختار

از محمّد بن علی بن محمّد الحصکفی رحمۃ اللہ علیہ

تنویرُ الابصار

از محمد بن عبدُ اللہ بن احمد التمرتاشی رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ اہتمام: ادارہ ضیاءُ المصنّفین بھیرہ شریف

ضیاءُ القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان
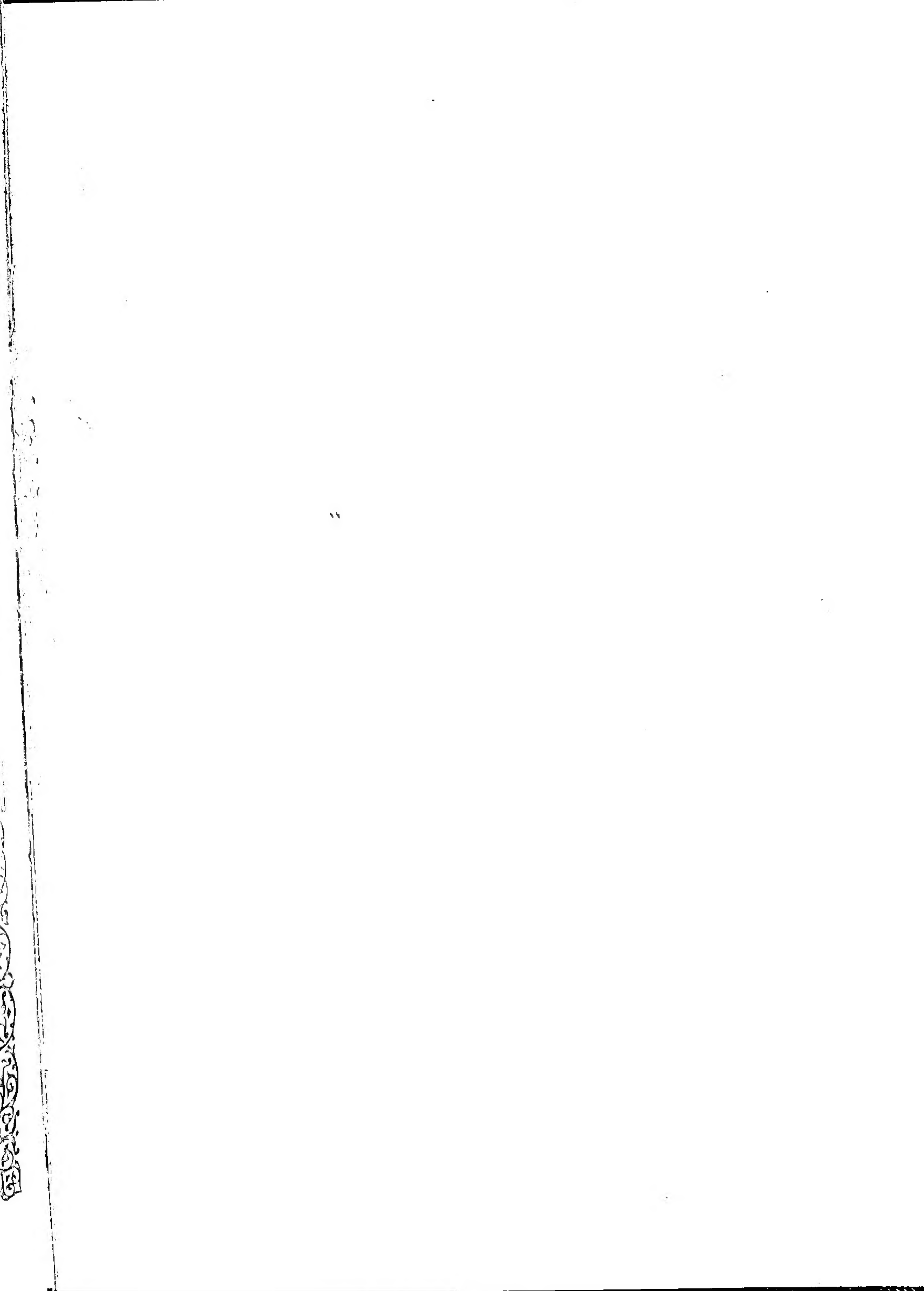
نام کتاب	فتاویٰ شامی مترجم (جلد دوازدہم)
مصنف	محمد امین بن عمر الشہیر بابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	علامہ ملک محمد بوستان، علامہ سید محمد اقبال شاہ، علامہ محمد انور مگھالوی
	من علماء دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
زیر اہتمام	ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
تاریخ اشاعت	ستمبر 2017ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	FQ28

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔فون:۔37221953 فیکس:۔042-37238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون:37247350۔فیکس042-37225085

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔021-32212011-32630411۔فیکس:۔021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست مضامین

کتاب الصید

کتاب الرہن

باب ما یجوز ارتھانہ و مالا یجوز

باب الرھن یوضع علی ید عدل

باب التصرف فی الرھن والجنایۃ علیہ

باب الشہادۃ فی القتل واعتبار حالتہ ای حالۃ القتل

کتاب الدیات

فصل فی الشجاج

کتاب المعاقل

کتاب الوصایا

باب الوصیة بثلث المال

کتاب الفرائض

کِتَابُ الصَّیۡدِ

لَعَلَّ مُنَاسَبَتَهُ أَنَّ كُلًّا مِنْهُمَا مِمَّا يُورِثُ السُّرُورَ

شکار کے احکام

شاید اس کی کتاب الاشربہ کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک فرحت وسرور عطا کرتا ہے۔

صید کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

صید یہ صادہ فعل کا مصدر ہے جب وہ اس شکار کو پکڑ لے۔ اس سے اسم فاعل یعنی پکڑنے والا صائد ہوتا ہے، اور وہ جانور مصید ہوتا ہے۔ مصید یعنی اسم مفعول کو صید بھی کہہ دیتے ہیں اس کی جمع صیود آتی ہے۔ صید ہر وہ جانور ہوتا ہے جو طبعی طور پر اپنا دفاع کرتا ہے اور الگ تھلگ رہتا ہے اس کو حیلہ کے بغیر پکڑنا ممکن نہیں ہوتا، ''مغرب''۔ ممتنع کی قید سے مرغی اور بطخ خارج ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ممتنع سے مراد یہ ہے کہ اس کی ایسی ٹانگیں ہوں یا پر ہوں جن کا وہ مالک ہوتا ہے اور ان دونوں کی وجہ سے وہ بھاگ جانے پر قادر ہوتا ہے اور متوحش جیسے کبوتر ہے۔ کیونکہ اس کا معنی ہے کہ وہ رات اور دن کے وقت لوگوں سے میل جول نہیں رکھتا اور طبعاً سے مراد جو گھروں میں رہنے والوں سے الگ تھلگ رہتے ہوں۔ کیونکہ گھروں میں رہنے والے شکار کرنے سے حلال نہیں ہوتے اور وہ گردن سے ذبح کرنے کے ساتھ حلال ہوتے ہیں۔ اور اس میں وہ جانور داخل ہو جائے گا جو متوحش ہو اور وہ مالوف ہو چکا ہو جیسے ہرن جس کو حیلہ کے بغیر پکڑنا ممکن نہ ہو۔ اس کی مفصل بحث ''قہستانی'' میں ہے۔ یعنی ہرن اگرچہ پکڑ لینے کے بعد مالوف ہو جاتا ہے مگر اس سے قبل وہ شکار تھا وہ شکار کرنے کے ساتھ حلال ہو جاتا ہے۔ اور اس تعریف میں وہ شکاری جانور بھی داخل ہو جائیں گے جن کا گوشت نہیں پکایا جاتا جس طرح عنقریب آگے آئے گا۔

33941۔ (قولہ: مِمَّا يُورِثُ السُّرُورَ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: مايورث الغفلة واللهو، جو غفلت اور لہو کا باعث ہوتا ہے۔ کیونکہ حدیث طیبہ ہے: من اتبع الصيد فقد غفل (1) جس نے شکار کا پیچھا کیا پس وہ غافل ہو گیا۔ ''سعدیہ'' میں ہے: کیونکہ شکار کھانوں میں سے ہے اور کتابوں کی مشروبات کے ساتھ مناسبت مخفی نہیں اور ان میں سے ہر ایک یا تو حرام ہو گا یا حلال ہوگا۔

1۔ مسند امام احمد، روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، صفحہ 280، حدیث نمبر 3362، مطبوعہ بیت الافکار الدولیہ لبنان

ایضاً، سنن نسائی، کتاب الصید، باب اتباع الصید، جلد 3، صفحہ 207، حدیث نمبر 4234

(هُوَ مُبَاحٌ) بِخَمْسَةَ عَشَرَ شَرْطًا مَبْسُوطَةٍ فِي الْعِنَايَةِ، وَسَنُقَرِّرُهُ فِي أَثْنَاءِ الْمَسَائِلِ (إِلَّا لِمُحْرِمٍ فِي غَيْرِ الْحَرَمِ أَوْ (لِلتَّلَهِّي) كَمَا هُوَ ظَاهِرٌ (أَوْ حِرْفَةٍ) عَلَى مَا فِي الْأَشْبَاهِ قَالَ الْمُصَنِّفُ وَإِنَّمَا زِدْتُه تَبَعًا لَهُ، وَإِلَّا فَالتَّحْقِيقُ عِنْدِي إِبَاحَةُ اتِّخَاذِهِ حِرْفَةً

شکار پندرہ شرائط کے ساتھ مباح ہے جو''العنایہ'' میں مفصل مذکور ہیں۔ ہم ان کو مسائل کے ضمن میں بیان کریں گے مگر محرم کے لیے حرم کے علاوہ میں شکار مباح نہیں یا لہو ولعب کے لیے مباح نہیں جس طرح یہ امر ظاہر ہے یا حرفہ کے طور پر مباح نہیں جیسے''الاشباہ''میں ہے۔ مصنف نے کہا میں نے اس کا اضافہ اشباہ کی اتباع میں کیا ورنہ میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ اسے بطور پیشہ اختیار کرنا مباح ہے

شکار کی اباحت کی شرائط

33942۔ (قولہ: بِخَمْسَةَ عَشَرَ شَرْطًا) پانچ شرطیں شکاری میں ہیں (۱) وہ ان افراد میں سے ہو جو ذبح کرنے کے اہل ہوں (۲) اس کی جانب سے شکار کرنے والی چیز چھوڑی جائے (۳) اس شے کو چھوڑنے میں اس کے ساتھ ایسا آدمی شریک نہ ہو جس کا شکار حلال نہ ہو (۴) وہ جان بوجھ کر تکبیر ترک نہ کردے (۵) اس شے کے چھوڑنے اور اور اس کے پکڑنے کے دوران کسی اور عمل میں مشغول نہ ہو۔

پانچ شرطیں کتے میں ہیں (۱) وہ سدھایا ہوا ہو (۲) وہ چھوڑے جانے کے راستہ پر جائے (۳) اس کے پکڑنے میں اس کے ساتھ وہ شریک نہ ہو جس کا شکار کرنا حلال نہ ہو (۴) وہ اسے زخمی کرتے ہوئے مار ڈالے (۵) وہ اس سے کوئی شے نہ کھائے۔ پانچ شرطیں شکار میں ہیں۔ (۱) وہ حشرات الارض میں سے نہ ہو (۲) وہ مچھلی کے علاوہ پانی کے جانوروں میں سے نہ ہو (۳) وہ اپنے پروں اور پاؤں کے ساتھ اپنا دفاع کر سکتا ہو (۴) وہ اپنی ناب اور اپنے پنجہ کے ساتھ قوت حاصل کرنے والا نہ ہو (۵) اور اس کو ذبح کرنے کے مرحلہ تک پہنچنے سے پہلے اس طریقہ سے مر جائے۔ اس بارے میں بحث اس کے جواب کے ساتھ''المنح''میں مذکور ہے۔ ان تمام شرائط کا مجموعہ یہ ہے کہ جس کا کھانا حلال ہو اور وہ اسے زندہ نہ پائے۔

33943۔ (قولہ: فِي غَيْرِ الْحَرَمِ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ یہ قول کرتے: او فی الحرم تا کہ یہ تینوں صورتوں کو جامع ہو جائے۔ وہ صورتیں یہ ہیں محرم حل میں شکار کرے، وہ حرم میں شکار کرے یا غیر محرم حرم میں شکار کرے۔

33944۔ (قولہ: كَمَا هُوَ ظَاهِرٌ) کیونکہ مطلق لہو سے منع کیا گیا ہے مگر تین چیزوں میں یہ ممنوع نہیں جس طرح کتاب الحظر والاباحۃ میں مذکور ہے۔

33945۔ (قولہ: عَلَى مَا فِي الْأَشْبَاهِ) یعنی''بزازیہ''میں جو کچھ ہے اس سے یہ اخذ کیا گیا ہے کہ شکار مباح ہے مگر جب یہ لہو ولعب کے طور پر ہو یا حرفہ کے لیے ہو۔''مجمع الفتاویٰ''میں ہے: لہو ولعب کے لیے اور اسے شراب بنائے یہ مکروہ ہے۔''شرنبلالیہ''میں اسے ثابت رکھا ہے۔

لِأَنَّهُ نَوْعٌ مِنَ الِاكْتِسَابِ، وَكُلُّ أَنْوَاعِ الْكَسْبِ فِي الْإِبَاحَةِ سَوَاءٌ عَلَى الْمَذْهَبِ الصَّحِيحِ كَمَا فِي الْبَزَّازِيَّةِ وَغَيْرِهَا (نَصْبُ شَبَكَةٍ لِلصَّيْدِ مِلْكُ مَا تَعَلَّقَ بِهَا، بِخِلَافِ مَا إِذَا نَصَبَهَا لِلْجَفَافِ) فَإِنَّهُ لَا يَمْلِكُ

کیونکہ یہ بھی کمائی کا ایک ذریعہ ہے اور مباح ہونے میں کسب کی تمام انواع برابر ہیں یہی صحیح مذہب ہے جس طرح کہ بزازیہ وغیرہ میں ہے۔ ایک آدمی نے جال لگایا تو شکار اس میں پھنس گیا اس کا وہ آدمی مالک ہوگا مگر جب وہ خشک کرنے کے لیے جال پھیلائے تو جو چیز اس میں پھنس جائے گی

شکار کو بطور پیشہ اختیار کرنے کا شرعی حکم

33946۔(قولہ: لِأَنَّهُ نَوْعٌ مِنَ الِاكْتِسَابِ)''ہدایہ'' میں کتاب، سنت اور اجماع سے استدلال کرنے کے بعد اس سے شکار کے مباح ہونے پر استدلال کیا ہے۔ شارحین نے اس امر کو ثابت رکھا ہے۔

33947۔(قولہ: وَكُلُّ أَنْوَاعِ الْكَسْبِ) یعنی اس کی تمام مباح انواع، سود، عقود فاسدہ وغیرہ کے ساتھ کمائی کا معاملہ مختلف ہے۔

33948۔(قولہ: عَلَى الْمَذْهَبِ الصَّحِيحِ)''تاتر خانیہ'' میں اس کے بعد کہا: بعض فقہاء نے کہا ہے: زراعت مذموم ہے۔ اور صحیح قول وہ ہے جس طرف جمہور فقہا گئے ہیں۔ پھر تجارت اور زراعت میں اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ دونوں میں سے افضل کون ہے۔ اکثر مشائخ کا یہ نقطہ نظر ہے کہ زراعت افضل ہے۔''الملتقی'' اور''المواہب'' میں ہے: سب سے افضل جہاد ہے، پھر تجارت، پھر زراعت پھر صنعت (ہنر) ہے۔

میں کہتا ہوں: ان کے قول کی مراد یہ ہے کہ مباح ہونے میں تمام انواع برابر ہیں۔ اگر وہ ممنوع طریقہ سے نہ ہوں تو ان میں سے کسی کی مذمت نہ کی جائے گی اگرچہ ان میں سے بعض بعض سے افضل ہوں، تامل

پھر ہر نوع کو بعض اوقات ایک انسان اسے حرفہ اور معاش بناتا ہے اور بعض اوقات اسے ضرورت کے وقت کرتا ہے جب شکار کرنا ان میں سے ایک نوع ہے تو یہ اسے حرفہ کے طور پر اپنانے کے مباح ہونے پر دال ہے خصوصاً جب ادلہ مطلق ہوں۔ متون کی عبارت ہے: کراہت کے لیے خاص دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ اور جو یہ قول کیا جاتا ہے کہ اس میں روح کو ضائع کرنا ہوتا ہے جب کہ یہ دل کو سخت بنا دیتا ہے یہ اس کے مکروہ ہونے پر دال نہیں بلکہ اس کی غایت یہ ہے کہ اس کے علاوہ جیسے تجارت اور کاشتکاری ہے وہ اس سے افضل ہے۔

''تاتر خانیہ'' میں ہے: امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب اس نے لہو ولعب کے طور پر شکار کو تلاش کیا تو اس میں کوئی خیر نہیں اور میں اس کو مکروہ خیال کرتا ہوں اگر وہ اسے تلاش کرے جس کی اسے ضرورت ہو جیسے بیع کرنا، سالن یا کوئی اور ضرورت تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

مَا تَعْقِلُ بِهَا (وَإِنْ وَجَدَ) الْمُقَلِّشُ أَوْ غَيْرُهُ (خَاتَمًا أَوْ دِينَارًا مَضْرُوبًا) بِضَرْبِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ (لَا) يَمْلِكُهُ وَيَجِبُ تَعْرِيفُهُ اعْلَمْ أَنَّ أَسْبَابَ الْمِلْكِ ثَلَاثَةٌ نَاقِلٌ كَبَيْعٍ وَهِبَةٍ وَخِلَافَةٌ كَإِرْثٍ وَأَصَالَةٌ، وَهُوَ الِاسْتِيلَاءُ حَقِيقَةً بِوَضْعِ الْيَدِ أَوْ حُكْمًا بِالتَّهْيِئَةِ كَنَصْبِ شَبَكَةٍ لِصَيْدٍ لَا لِجَفَافٍ

اس کا وہ مالک نہیں ہوگا۔ اگر مقلش یا کوئی اور آدمی انگوٹھی پائے یا ایسے دینار پائے جس پر اہل اسلام کی مہر لگی ہو تو وہ اس کا مالک نہیں ہوگا اور اس کا اعلان کرانا واجب ہوگا۔ یہ جان لو کہ ملک کے اسباب تین ہیں: ناقل جیسے بیع اور ہبہ، نیابت جیسے وراثت، اصالہ وہ غلبہ پانا جو حقیقت کے اعتبار سے ہو جیسے اس پر قبضہ کرلیا جائے یا حکماً غلبہ ہو جیسے وہ اسے تیار کرے جیسے شکار کا جال لگانا نہ کہ خشک کرنے کے لیے جال لگایا جائے جب کہ یہ غلبہ

33949۔ (قولہ: تَعْقِلُ) اس میں عین، قاف پر مقدم ہے۔ یعنی پھنس جائے ''مغرب'' میں ہے: ھو مصنوع غیر مسموع یعنی یہ قیاسی ہے سماعی نہیں۔

اگر مقلش انگوٹھی یا دینار وغیرہ پائے تو اس کا شرعی حکم

33950۔ (قولہ: وَإِنْ وَجَدَ الْمُقَلِّشُ) یہ لفظ قاف کے ساتھ ہے اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو اپنے ہاتھ یا چھلنی کے ساتھ کوڑا کرکٹ میں تلاش کرتا ہے تاکہ اس میں جو نقدی وغیرہ ہے وہ نکال لے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ عامی ہے عربی نہیں۔ پس کتب لغت کی طرف سے رجوع کیا جانا چاہیے۔ باب الصید سے اس مسئلہ کا کوئی تعلق نہیں۔ اس کا محل کتاب اللقطہ ہے، ''حموی''، ملخص۔ ''المنح'' کے بعض نسخوں میں منقش کا لفظ موجود ہے۔

33951۔ (قولہ: بِضَرْبِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ) جہاں تک ان دراہم و دنانیر کا تعلق ہے جن پر دور جاہلیت کی مہر ہو تو وہ رکاز ہوگا اس میں سے خمس لیا جائے گا۔ اور یہ بات گزر چکی ہے کہ جب مہر میں اشتباہ ہو جائے تو اس کو دور جاہلیت کا قرار دیا جائے گا۔

33952۔ (قولہ: وَيَجِبُ تَعْرِيفُهُ) یعنی اس وقت تک اس کا اعلان کرنا واجب ہے کہ اس کا کوئی مطالبہ نہیں کرے گا پھر وہ اس کو صدقہ کردے گا یا اپنی ذات پر صرف کردے گا اگر وہ خود اس کا مصرف ہو۔ ''ط''۔

ملک کے اسباب

33953۔ (قولہ: نَاقِلٌ) یعنی ایک مالک سے دوسرے مالک کی طرف منتقل ہو جائے اور ان کے قول و خلافة سے مراد ذو خلافة ہے۔ اس طرح اس کے مابعد میں کلام کی جائے گی۔ ''ط''۔

33954۔ (قولہ: هُوَ الِاسْتِيلَاءُ حَقِيقَةً) یہ احیاء الموات کو جامع ہے پس اس کو چوتھی قسم شمار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں جس طرح ''حموی'' نے کہا ہے۔

33955۔ (قولہ: كَنَصْبِ شَبَكَةٍ لِصَيْدٍ لَا لِجَفَافٍ) اس سے صاحب ''الاشباہ'' کی پیروی کی ہے۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے قول لصید کو حذف کر دیتے تاکہ یہ اس کو بھی شامل ہو جاتا جب وہ جال پھیلاتے وقت کسی شے کا قصد نہ کرتا۔

عَلَى الْمُبَاحِ الْخَالِي عَنْ مَالِكٍ، فَلَوْ اسْتَوْلَى فِي مَفَازَةٍ عَلَى حَطَبِ غَيْرِهِ لَمْ يَمْلِكْهُ وَلَمْ يَحِلَّ لِلْمُلْتَقِطِ مَا يَجِدُهُ بِلَا تَعْرِيفٍ، وَتَمَامُ التَّفْرِيعِ فِي الْمُطَوَّلَاتِ (وَيَحِلُّ الصَّيْدُ بِكُلِّ ذِي نَابٍ وَمِخْلَبٍ) تَقَدَّمَ مَا فِي الذَّبَائِحِ

مباح چیز پر ہو جو مالک سے خالی ہو۔ اگر ایک آدمی جنگل میں کسی دوسرے آدمی کی لکڑی پر قابض ہو تو اس کا مالک نہیں بنے گا۔ اور مقلش نے جو چیز پائی ہے تعریف کے بغیر اس کے لیے وہ حلال نہ ہوگی۔ تمام تفریعات مطولات میں ہوں۔ ہر کچلی والے اور ناخن والے جانور کے ساتھ شکار کرنا حلال ہے ان دونوں کا ذکر کتاب الذبائح میں گزر چکا ہے۔

کیونکہ ''تاتر خانیہ'' اور ''ظہیریہ'' میں ہے: استیلاء حکمی یہ ہے کہ وہ ایسی چیز استعمال کرے جو شکار کرنے کے لیے بنایا گیا ہو یہاں تک کہ وہ آدمی جو جال لگاتا ہے تو کوئی شکار اس میں پھنس جاتا ہے تو وہ اس کا مالک بن جاتا ہے اس کے ساتھ اس نے شکار کا قصد کیا ہو یا شکار کا قصد نہ کیا ہو اگر اس نے جال کو خشک کرنے کے لیے پھیلایا تو وہ اس کا مالک نہیں ہوگا۔ اگر وہ خیمہ نصب کرے اگر وہ شکار کا قصد کرے تو وہ اس شکار کا مالک ہو جائے گا ورنہ اس کا مالک نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ شکار کرنے کے لیے نہیں لگایا گیا۔ ملخص، فتامل۔

33956۔(قولہ: عَلَى الْمُبَاحِ) یہ الاستیلاء کے متعلق ہے۔

33957۔(قولہ: عَنْ مَالِكٍ) یعنی مالک کی ملکیت سے خالی ہو۔

33958۔(قولہ: عَلَى حَطَبِ غَيْرِهِ) یعنی اسے کسی اور نے جمع کیا ہو۔

33959۔(قولہ: وَلَمْ يَحِلَّ) کیونکہ وہ کسی مالک کی ملکیت سے خالی نہیں۔

33960۔(قولہ: وَتَمَامُ التَّفْرِيعِ) یعنی تیسرے سبب کے متعلق تفریعات مطولات میں ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو ''تاتر خانیہ'' وغیرہا میں ''المنتقی'' سے منقول ہے: ایک شکار ایک آدمی کے گھر میں داخل ہو گیا جب مالک مکان نے اسے دیکھا تو اس پر دروازہ بند کر دیا اور وہ اس حالت میں ہو گیا کہ وہ جال یا تیر کے ساتھ شکار کرنے کے بغیر اس کے پکڑنے پر قادر ہو گیا تو اس کا مالک ہو جائے گا۔ اگر وہ دروازے کو بند کرے اور اسے شکار کا علم نہ ہو تو وہ اس کا مالک نہ ہوگا۔ اگر ایک آدمی نے پھندا لگایا تو اس میں شکار پھنس گیا تو اس پھندے کو توڑ دیا اور اس سے کھسک گیا تو دوسرے آدمی نے اس کو پکڑ لیا۔ تو دوسرا آدمی اس کا مالک بن جائے گا۔ اگر پھندے والا آئے تا کہ اس شکار کو پکڑے اور وہ اس کے قریب ہوا یہاں تک کہ وہ اس کے پکڑنے پر قادر تھا تو شکار اس پھندے سے نکل گیا تو اسے پکڑنے والا اس کا شکار کا مالک نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر پانی میں جال سے وہ شکار نکل گیا جب کہ ابھی اس نے جال باہر نہیں نکالا تھا تو دوسرے شخص نے اس شکار کو پکڑ لیا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔ اگر وہ اسے پانی سے باہر اس جگہ پھینکے جس میں وہ اس کو پکڑنے پر قادر ہو سکتا تھا تو وہ شکار پانی میں جا پڑا تو دوسرا آدمی اس کا مالک نہیں ہوگا۔ بعض نسخوں میں ہے: وتمام التعریف جب کہ یہ غیر مناسب ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔

33961۔(قولہ: تَقَدَّمَ مَا فِي الذَّبَائِحِ) یہ قول اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس سے مراد وہی ہے جو پہلے گزر

(مِنْ كَلْبٍ وَبَازٍ وَنَحْوِهِمَا بِشَرْطِ قَابِلِيَّةِ التَّعْلِيمِ وَ) بِشَرْطِ (كَوْنِهِ لَيْسَ بِنَجِسِ الْعَيْنِ) ثُمَّ فَرَّعَ عَلَى مَا مَهَّدَ مِنْ الْأَصْلِ بِقَوْلِهِ (فَلَا يَجُوزُ الصَّيْدُ بِدُبٍّ وَأَسَدٍ) لِعَدَمِ قَابِلِيَّتِهِمَا التَّعْلِيمَ فَإِنَّهُمَا لَا يَعْمَلَانِ لِلْغَيْرِ، الْأَسَدُ لِعُلُوِّ هِمَّتِهِ، وَالدُّبُّ لِخَسَاسَتِهِ وَأَلْحَقَ بَعْضُهُمْ بِالدُّبِّ الْحِدَأَةَ لِخَسَاسَتِهَا (وَلَا بِخِنْزِيرٍ) لِنَجَاسَةِ عَيْنِهِ، وَعَلَيْهِ فَلَا يَجُوزُ بِالْكَلْبِ عَلَى الْقَوْلِ بِنَجَاسَةِ عَيْنِهِ،

وہ کتا ہو، باز ہو اور ان کی مثل ہو۔ شرط یہ ہے کہ تعلیم کی قابلت رکھتا ہو اور یہ شرط ہے کہ وہ نجس العین نہ ہو، پھر جو قاعدہ بیان کیا ہے اس کے مطابق مسائل بیان کیے ہیں اپنے اس قول کے مطابق کہ ریچھ کے ساتھ اور شیر کے ساتھ شکار کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں تعلیم کی قابلیت نہیں رکھتے کیونکہ یہ دونوں کسی اور کے لیے کام نہیں کرتے شیر اپنی بلند ہمتی کی وجہ سے کسی اور کے لیے کام نہیں کرتا اور ریچھ اپنی خساست کی وجہ سے کسی اور کے لیے کام نہیں کرتا۔ بعض علما نے ریچھ کے ساتھ چیل کو لاحق کیا ہے۔ کیونکہ اس میں خساست پائی جاتی ہے اور نہ ہی خنزیر کے ساتھ شکار کرنا جائز ہے کیونکہ وہ نجس العین ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر اس کے نزدیک کتے سے شکار کرنا جائز نہیں ہوگا جو کتے کے نجس عین کا قول کرتا ہے

چکا ہے۔ وہ ایسا درندہ ہے جس کی کچلی ہو یا اس کے ناخن ہوں جس کے ساتھ وہ شکار کرتا ہو۔ اس کے ساتھ اونٹ اور کبوتر سے احتراز کیا ہے۔ ''قہستانی'' نے کہا: اس میں اس امر کا شعور دلایا جا رہا ہے کہ جس کی کچلی نہ ہو اور نہ ہی اس کے ناخن ہوں تو ذبح کے بغیر اس کا شکار حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایسا جانور شکاری کو زخمی نہیں کرتا جس طرح ''کرمانی'' میں ہے۔

33962۔ (قولہ: وَبَازٍ) ''صحاح'' میں ہے: باز، بازی میں ایک لغت ہے جو شکار کرتا ہے اس کی جمع ابواز اور بیزان ہے اور بازی کی جمع بزاۃ ہے۔ پہلا اجوف ہے اور دوسرا ناقص ہے۔ اس سے بعض فقہاء کے قول کی غلطی ظاہر ہو جاتی ہے کہ بازی میں یا مشدد ہے اور مخفف ہے۔ ''غرر الافکار'' میں اسی طرح ہے یعنی انہوں نے اس میں تشدید کو جائز قرار دیا ہے جب کہ یہ سماع نہیں ہے۔

شیر، خنزیر اور ریچھ کے شکار کا حکم

33963۔ (قولہ: بِدُبٍّ وَأَسَدٍ) ''النہایہ'' میں الدب کی جگہ اوذئب کا لفظ ذکر کیا ہے۔ ''محیط'' میں اسی طرح ہے ''شرنبلالیہ''۔ ''الاختیار'' میں تینوں کو ذکر کیا ہے۔

33964۔ (قولہ: لِعَدَمِ قَابِلِيَّتِهِمَا التَّعْلِيمَ) یہاں تک کہ اگر دونوں سے سیکھنے کا تصور کیا جائے اور یہ پہچان لیا جائے تو یہ جائز ہوگا۔ ''شرنبلالیہ'' میں ''النہایہ'' سے مروی ہے۔

33965۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ الخ) یہ مصنف کی بحث ہے یعنی علت اسکا نجس العین ہونا ہے جس طرح ''الہدایہ'' میں ہے۔

33966۔ (قولہ: فَلَا يَجُوزُ) فافصحہ ہے یعنی جب ہم نے خنزیر میں اس کے نجس عین ہونے کی بنا پر عدم جواز کا قول کیا ہے تو کتے کے ساتھ شکار کرنا جائز نہیں ہوگا جب کہ یہ اس قول پر مبنی ہوگا کہ وہ بھی نجس عین ہے۔ ''معراج'' میں امام

إِلَّا أَنْ يُقَالَ إِنَّ النَّصَّ وَرَدَ فِيهِ فَتَنَبَّهُ وَبِهِ يَنْدَفِعُ قَوْلُ الْقُهُسْتَانِيِّ إِنَّ الْكَلْبَ نَجِسُ الْعَيْنِ عِنْدَ بَعْضِهِمْ، وَالْخِنْزِيرَ لَيْسَ بِنَجِسِ الْعَيْنِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ عَلَى مَا فِي التَّجْرِيدِ وَغَيْرِهِ فَتَأَمَّلْ

مگر اس بارے میں یہ قول کیا جائے کہ اس بارے میں نص وارد ہوئی ہے پس اس پر متنبہ ہو جایئے۔ اس سے ''قہستانی'' کا یہ قول مندفع ہو جاتا ہے کہ کتا بعض علما کے نزدیک نجس العین ہے۔ اور خنزیر امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نجس العین نہیں جس طرح تجرید وغیرہ میں ہے، فتامل۔

''نخعی'' اور حضرت ''حسن بصری'' وغیرہما سے مروی ہے کہ سخت سیاہ کتے کے ساتھ شکار کرنا جائز نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ھو شیطان (1) وہ شیطان ہے۔ اور اس کے قتل کا حکم دیا اور جس کا قتل کرنا واجب ہو تو اس کو پکڑنا اور اس کو تعلیم دینا حرام ہوگا۔ پس اس کا شکار مباح نہ ہوگا جس طرح اس کا شکار مباح نہیں جس کو سدھایا نہ گیا ہو جب کہ ہمارے پیش نظر آیت اور احادیث کا عموم ہے۔

قہستانی کے قول کا رد

33967۔ (قولہ: إِنَّ النَّصَّ وَرَدَ فِيهِ) وہ حضرت عدی بن حاتم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: اذا ارسلت کلبك فاذکر اسم اللہ تعالیٰ فان امسك علیك فادرکته قد قتل ولم یاکل منه فکله فان اخذ الکلب ذکاۃ (2) جب تو اپنا کتا چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کا نام لو اگر وہ تجھ پر اسے روک دے تو اسے پائے کہ اس نے شکار کو قتل کر دیا ہے اور اس میں سے کچھ نہیں کھایا تو اس کو کھاؤ اگر کتے نے اسے پکڑا ہے تو اس کو ذبح کرے۔ اسے امام ''بخاری''، امام ''مسلم'' اور امام ''احمد'' نے اسے روایت کیا ہے۔

33968۔ (قولہ: وَبِهِ يَنْدَفِعُ قَوْلُ الْقُهُسْتَانِيِّ) کیونکہ کہا: ہر کچلی والے جانور کا شکار حلال ہے جیسے کتا، فہد، چیتا، شیر، بجو، ریچھ، خنزیر وغیرہ شرط یہ ہے کہ اس کو سدھایا جائے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ان سے خنزیر مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ وہ نجس العین ہے۔ شیر اور ریچھ مستثنیٰ ہے کیونکہ یہ دونوں کسی اور کے لیے کام نہیں کرتے۔ بعض اوقات چیل کو ریچھ کے ساتھ لاحق کر دیا جاتا ہے، ''مضمرات''۔ ظاہر روایت میں ہے شرط تعلیم کا قبول کرنا ہے۔ ''سغناقی'' نے جو کہا ہے کہ شیر اور ریچھ میں تعلیم کا تصور نہیں کتاب البیع میں اس کے خلاف کی تصریح کی ہے جس طرح ''تجرید'' وغیرہ میں ہے۔ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خنزیر نجس العین نہیں جب کہ بعض علما کے نزدیک کتا نجس العین ہے بالاتفاق اس کا شکار حلال ہے۔ ملخص۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ خنزیر، شیر اور ریچھ کے شکار کی استثنا میں بحث ہے۔ تعلیل میں ہے: ظاہر روایت میں شرط یہ ہے کہ وہ تعلیم کو قبول کرے۔ پس ہر سدھائے ہوئے جانور کا شکار حلال ہوگا اگرچہ وہ خنزیر ہو۔ اور اس کا نجس العین ہونا یہ مانع نہ ہو

1۔ سنن ترمذی، ابواب احکام الفوائد، باب ماجاء فی قتل الکلاب، جلد 1، صفحہ 789، حدیث نمبر 1406

2۔ سنن ترمذی، کتاب الصید، باب ماجاء ما یوکل من صید الکلب، جلد 1، صفحہ 779، حدیث نمبر 1384

(بِشَرْطِ عِلْمِهِمَا) عِلْمِ ذِي نَابٍ وَمِخْلَبٍ (وَذَا
شرط یہ ہے کہ ان دونوں یعنی کچلی والے اور ناخنوں والے شکاری جانور کو سدھایا جائے

گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض علماء کے نزدیک کتا بھی اسی طرح ہوگا جب کہ اس کے شکار کے حلال نہ ہونے کے بارے میں کسی نے کچھ نہیں کہا۔ ان کے قول کے مندفع ہونے کی دلیل جو فاضل شارح نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ نص کتے کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ اگر اس کے نجس العین ہونے کا قول کیا جائے تو خنزیر کو اس کے ساتھ لاحق نہ کیا جائے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ شارح نے اس جواب کے ساتھ دو چیزوں کا رد کیا ہے:

(۱) مصنف نے جو بحث کی ہے کہ شکار کے حلال نہ ہونے میں کتے کو جو خنزیر کے ساتھ لاحق کیا جاتا ہے وہ اس قول پر مبنی ہے کہ کتا نجس العین ہے۔

(۲) ''قہستانی'' نے جو بحث کی ہے کہ شکار کے حلال ہونے میں کتے کو خنزیر کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔

پہلے کی وجہ یہ ہے کہ کتا اگرچہ اس کے نجس العین ہونے کا قول کیا جاتا ہے لیکن جب نص اس کے بارے میں خصوصاً وارد ہوئی تو اس کی اتباع واجب ہے۔

دوسرے کی وجہ یہ ہے کہ خنزیر اگرچہ ظاہر میں اللہ تعالیٰ کے فرمان وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ (المائدہ:4) کے عموم میں داخل ہے۔ لیکن یہ مستثنیٰ ہے کیونکہ نجس العین سے نفع حاصل کرنا حرام ہے۔ اور اس کے خصوص کے متعلق نص وارد نہیں ہوئی کہ اس کی پیروی کی جاتی بلکہ اس سے اجتناب کے بارے میں ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ پس اسے اس کتے پر قیاس کرنا صحیح نہیں جس پر نص وارد ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے مصنف نے اس کی استثنا کو یقین سے بیان کیا ہے جیسے ''ہدایہ''، ''تبیین''، ''بدائع''، ''اختیار''۔ یہ فاضل شارح کے کلام کی وضاحت ہے جب کہ یہ امر کئی لوگوں پر مخفی رہا۔ بعض علماء نے اسے غفلت کی طرف منسوب کیا جب کہ وہ غفلت سے بری ہیں ہر قسم کی خبر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ ہاں یہ ''قہستانی'' کے قول کا جواب ہے: قول یہ ہے: خنزیر نجس العین نہیں لیکن اس کو ترک کر دیا۔ کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ مذہب اس کے برعکس ہے۔ اور اس کے نجس العین کی تعلیل یہ اس پر مبنی ہے۔ جو مذہب ہے۔ تامل۔

33969۔ (قولہ: بِشَرْطِ عِلْمِهِمَا) اس کی دلیل سابقہ حدیث ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: مُكَلِّبِيْنَ (المائدہ:4) یعنی انہیں شکار کی تعلیم دی گئی ہو، تُعَلِّمُوْنَهُنَّ (المائدہ:4) یعنی تم انہیں ادب سکھاتے ہو۔ اس کی مکمل بحث ''زیلعی'' میں ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اس سے پہلے واؤ لاتے اس کا عطف بشرط قابلية التعليم پر ہے پھر یہ شرط اس سے غنی کرنے والی ہے۔

تعلیم یافتہ کتے کی پہچان میں آئمہ کے اقوال

33970۔ (قولہ: وَذَا) اسم اشارہ سے مراد العلم ہے اور بترک میں با یہ صورت بیان کرنے کے لیے ہے، ''ط''۔

بِتَرْكِ الْأَكْلِ) أَمَّا الشُّرْبُ مِنْ دَمِ الصَّيْدِ فَلَا يَضُرُّ قُهُسْتَانِيٌّ وَيَأْتِي (ثَلَاثًا فِي الْكَلْبِ) وَنَحْوِهِ
اور یہ سدھانا اس شکار کو کھانے کو ترک کرنے سے ہوتا ہے۔ جہاں تک شکار کے خون کا تعلق ہے تو یہ نقصان دہ نہیں، ''قہستانی''۔ اور کتے وغیرہ میں یہ ترک کرنے کا عمل تین دفعہ ہو

33971۔(قولہ: بِتَرْكِ الْأَكْلِ ثَلَاثًا) یعنی پے در پے وہ تین دفعہ کھانا ترک کر دے، ''قہستانی''۔ یہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔ اور ایک روایت امام ''احمد'' سے بھی یہی ہے۔ کیونکہ اس سے کم تعداد میں اور احتمال ہو سکتا ہے۔ شاید اس نے ایک دفعہ یا دو دفعہ سیر ہو کر اسے ترک کیا ہو جب وہ اس کو تین دفعہ ترک کر دے تو یہ اس امر پر دلالت ہو گی کہ یہ اس کی عادت ہے۔ اور اس کی مکمل وضاحت ''ہدایہ'' میں ہے۔

''طحطاوی'' نے ''حموی'' سے نقل کیا ہے کہ یہ ضروری ہے کہ اس نے بھوک کے ساتھ کھانا چھوڑا ہو سیر ہونے کی وجہ سے اسے کھانا نہ چھوڑا ہو، فتامل۔ اس کا کھانا جلد، ہڈی، پر، ناخن وغیرہا سب کو شامل ہے جس طرح ''قاضی خان'' وغیرہ میں ہے، ''قہستانی''۔

امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضروری ہے کہ یہ شکاری کا ظن غالب ہو اور ضروری ہے کہ وہ سدھایا ہوا ہو اور تین دفعہ کے ساتھ اس کا اندازہ نہیں لگایا جائے گا۔ ''کنز''، ''نقایہ''، ''اصطلاح'' اور ''مختصر قدوری'' میں تین دفعہ کا اعتبار کیا ہے۔ ''ملتقی'' کا ظاہر امر یہ ہے کہ تین دفعہ کا قول راجح نہیں۔ پھر ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے جو تعداد کی روایت کی گئی ہے تو وہ شکار حلال ہو گا جس کو اس نے تیسری دفعہ شکار کیا ہو ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک تیسری بار کے شکار کے حلال ہونے میں دو روایتیں ہیں۔ ''خلاصہ'' اور ''بزازیہ'' میں ہے: اصح قول یہ ہے کہ یہ حلال ہے۔

33972۔(قولہ: فِي الْكَلْبِ وَنَحْوِهِ) یعنی ہر کچلی والا جانور۔ پس یہ قول تندوا (درندہ) چیتا وغیرہ کو شامل ہے اور ان کا قول: بالرجوع اذا دعوتہ فی البازی و نحوہ سے مراد ہر ایسا شکاری جانور ہے جس کے ناخن ہوں اور شکار کو اپنی گرفت میں لے لے۔ ''ہدایہ'' میں کہا: کیونکہ باز کا بدن مار کو برداشت نہیں کر سکتا اور کتے کا بدن اس کو برداشت کر سکتا ہے اس وجہ سے اس کو مارا جائے گا تا کہ وہ اس کو چھوڑ دے اور کیونکہ سدھائے کی نشانی یہ ہے کہ وہ اس چیز کو چھوڑ دے جو عادت کے متعلق اس کا مالوف ہو اور باز کیونکہ انسان سے الگ تھلگ رہتا ہے اور اس سے متنفر ہوتا ہے پس اس کا واپس آ جانا یہ اس کے سدھائے جانے کی علامت ہے۔

جہاں تک کتے کا تعلق ہے تو یہ مالوف ہے جو جھپٹ لینے کا عادی ہوتا ہے پس اس کے تربیت یافتہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی مالوف اور پسندیدہ چیز کو ترک کر دے وہ اس کا کھانا اور سلب کرنا ہے۔ دوسری تعلیل تیندوے اور چیتے میں متحقق نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ باز کی طرح لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے جب کہ اس میں اور کتے میں حکم ایک جیسا ہوتا ہے۔ پس قابل اعتماد پہلا قول ہے۔ ''کفایہ'' میں ''مبسوط'' سے مروی ہے۔ اس کی مثل ''العنایہ'' اور ''معراج'' میں ہے۔ ''تاترخانیہ''

(وَبِالرُّجُوعِ إِذَا دَعَوْتَهُ فِي الْبَازِي) وَنَحْوِهِ (وَ) بِشَرْطِ (جُرْحِهِمَا فِي أَيِّ مَوْضِعٍ مِنْهُ) عَلَى الظَّاهِرِ وَبِهِ يُفْتَى، وَعَنِ الثَّانِي يَحِلُّ بِلَا جُرْحٍ، وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ

اور باز وغیرہ کو جب تو واپس بلائے تو وہ واپس لوٹ آئے۔ اور یہ شرط ہے کہ دونوں شکار کو اس کی کسی جگہ سے زخمی کر دیں۔ یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے کہ زخمی ہونے کے بغیر بھی وہ شکار حلال ہوگا۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے یہی قول کیا ہے۔

میں ''کافی'' سے مروی ہے: تیندوے اور کتے میں حکم ایک جیسا ہے یعنی اس میں شرط صرف کھانا ترک کرنا ہے۔ ''الاختیار'' میں اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ کہا: تیندوا وغیرہ مار کر برداشت کر لیتے ہیں اس کی عادت چھیڑنا پھاڑنا اور بھاگ جانا ہے۔ پس اس میں کھانے اور واپس بلانے پر واپس آ جانا دونوں شرط ہیں۔ اسی کی مثل ''الدرر''، ''غایۃ البیان'' وغیرہما میں ہے۔ یہ دوسری تعلیل پر مبنی ہے۔

میں کہتا ہوں: پہلی تعلیل پر اعتماد کا مقتضا یہ ہے کہ جو قول گزر چکا ہے اس کو راجح قرار دیا جائے، فتدبر۔

تنبیہ: یہ ذکر نہیں کیا کہ باز کتنی دفعہ واپس آ جانے کی صورت میں تربیت یافتہ ہو جائے گا۔ پس چاہیے کہ وہ اسی اختلاف پر مبنی ہو جس کا ذکر کلب میں ہوا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ ایک دفعہ واپس آ جانے کی صورت میں تربیت یافتہ ہو جائے گا تو اس کی وجہ ہوگی کیونکہ خوف اس کو اور بھگاتا ہے۔ کتے کا معاملہ مختلف ہے، ''زیلعی''۔

میں کہتا ہوں: ''تاتر خانیہ'' اور ''ذخیرہ'' وغیرہما میں ہے: جب باز اپنے مالک سے بھاگ گیا مالک نے اس کو بلایا وہ واپس نہ آیا تو اس پر جاہل ہونے کا حکم لگا دیا جائے گا جب وہ اپنے مالک کو اس کے بعد تین دفعہ پے در پے جواب دے یعنی واپس آ جائے تو ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس کے تربیت یافتہ ہونے کا حکم لگا دیا جائے گا۔ اس سے پہلے ''المحیط'' سے یہ نقل کیا ہے۔ جہاں تک باز اور جو اس کے معنی میں ہیں تو اس کے بارے میں کھانے کو ترک کرنا یہ اس کے تربیت یافتہ ہونے کی علامت نہیں بلکہ جب مالک اس کو بلائے تو اس کے بلانے پر وہ واپس آ جائے یہاں تک کہ اگر وہ اس شکار سے کوئی چیز کھا لے تو اس کا شکار کھایا جائے گا۔ ہمارے بعض مشائخ نے کہا ہے: یہ حکم اس وقت ہے جب اس کو بلایا جائے تو وہ واپس آ جائے کیونکہ وہ اس کے ساتھ مالوف ہو چکا ہے اس لیے واپس نہیں آتا کہ وہ اس کے پاس گوشت کی طمع رکھتا ہے۔ مگر جب وہ گوشت کی طمع میں اس کے بلانے پر واپس آتا ہے تو وہ تربیت یافتہ نہیں ہوگا۔ اس کی مثل ''ظہیریہ'' میں ہے۔

33973۔ (قولہ: إِذَا دَعَوْتَهُ) ہ ضمیر سے مراد جارح ہے یہ موقع محل سے معلوم ہوا ہے۔

33974۔ (قولہ: بِشَرْطِ جُرْحِهِمَا) یعنی یہ شرط ہے کہ کچلی والا شکار جانور اور ناخنوں والا شکاری اس کو زخمی کر دیں۔

33975۔ (قولہ: عَلَى الظَّاهِرِ) ''البدائع'' میں ظاہر روایت یہ ہے: کچلی والے اور ناخن والے جیسے باز اور شاہین ہے ان کا شکار حلال نہیں جب تک وہ زخمی نہ کرے۔ یہ ظاہر روایت میں ہے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ

(وَ) بِشَرْطِ (إِرْسَالِ مُسْلِمٍ أَوْ كِتَابِيٍّ وَ) بِشَرْطِ (التَّسْمِيَةِ عِنْدَ الْإِرْسَالِ)
اور یہ شرط ہے کہ مسلمان یا کتابی اس شکاری جانور کو چھوڑے اور یہ شرط ہے کہ جانور چھوڑتے وقت وہ تکبیر کہے

سے مروی ہے: یہ حلال ہے۔ ''العنایہ''، ''المعراج'' وغیرہما میں یہ اضافہ کیا ہے: فتویٰ ظاہر روایت پر ہے۔

میں کہتا ہوں: متون میں جو مطلق قول ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہی ہے، ''قہستانی'' میں ''النظم'' سے جو منقول ہے کہ باز اور شکرہ اگر شکار کو گلا دبا کر ہلاک کر دیں تو وہ بالاتفاق حلال ہے۔ یہ قول اشکال پیدا کرتا ہے۔ اور ''خانیہ'' میں جو قول ہے: اگر وہ کتا چھوڑے اور وہ شکار کو پکڑ لے اور اس کی گردن توڑ دے اور اس کو زخمی نہ کرے یا اس کے سینے پر بیٹھ جائے اور اس کا گلا دبا دے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: زخم شرط نہیں اور باز جب شکار کو قتل کر دے تو وہ حلال ہوگا اگرچہ وہ زخم نہ لگائے۔ بعض علما نے فرمایا: یہ ظاہر روایت کے خلاف ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی تائید یہ قول کرتا ہے کہ انہوں نے اس کا ذکر اپنے اس قول وعن ابی یوسف کے بعد ذکر کیا ہے اور جو قول ''قہستانی'' میں ہے اس میں انہوں نے ''خانیہ'' کے کلام کو ''نظم'' کے کلام پر محمول کیا ہے۔ اور اس نے ان بعض علما کے قول کو رد کیا ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ تو یہ جان چکا ہے کہ ''النظم'' میں جو قول ہے وہ اس ظاہر روایت کے مخالف ہے جو مفتی بہ ہے تامل۔ ''قہستانی'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ خون بہانا شرط نہیں اور ان میں سے کچھ علما وہ ہیں جنہوں نے اسے شرط قرار دیا ہے اگرچہ زخم چھوٹا سا ہو۔ اس میں کلام ہے جو عنقریب آئے گا۔

33976۔ (قولہ: وَبِشَرْطِ إِرْسَالِ مُسْلِمٍ أَوْ كِتَابِيٍّ) جس سے احتراز کیا ہے اس کا ذکر عنقریب آئے گا وہ مجوسی، وثنی اور مرتد ہے۔ اگر وہ شکاری جانور اپنے مالک کے ہاتھ سے چھوٹ جائے تو وہ شکار کو پکڑ لے اور اسے قتل کر دے تو اسے نہیں کھایا جائے گا جس طرح یہ معلوم نہ ہو کہ اسے کسی نے چھوڑا ہے۔ کیونکہ شرط کے پائے جانے کا قطعی یقین نہیں، ''قہستانی''۔ عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

33977۔ (قولہ: وَبِشَرْطِ التَّسْمِيَةِ) یعنی تکبیر شرط ہے جو ایسے فرد کی جانب سے کہی جائے جو سمجھ بوجھ رکھتا ہو۔ اس کے علاوہ یعنی بچے، مجنون اور نشہ میں مست کا معاملہ مختلف ہے جس طرح ''البدائع'' میں ہے۔

33978۔ (قولہ: عِنْدَ الْإِرْسَالِ) شرط یہ ہے کہ تکبیر چھوڑنے کے ساتھ متصل ہو۔ اگر چھوڑتے وقت [illegible] بوجھ کر اسے چھوڑ دیا ہو پھر اس کے ساتھ ہی اسے جھڑک دیا ہو اور وہ رک گیا تو اس کا شکار نہیں کھایا جائے گا، ''قہستانی''۔ اضطراری ذبح میں شکار پانے کے وقت تکبیر کا اعتبار نہیں ہوگا۔ ذبح اختیاری کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں تسمیہ مذبوح پر واقع ہوتا ہے آلہ پر واقع نہیں ہوتا۔ اگر وہ بکری کو لٹائے اور تکبیر کہے پھر اس کو چھوڑ دے اور دوسری کو پہلی تکبیر کے ساتھ ذبح کرے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اگر وہ شکار کو تیر مارے یا اس پر کتا چھوڑے تو وہ کسی اور شکار کو جا لگے اور اس کو قتل کر دے تو اس کو کھایا جائے گا اگر وہ بکری کو لٹائے اور تکبیر کہے پھر چھری پھینک دے اور دوسری چھری لے لے اور اس کے ساتھ ذبح کرے تو اس کو

وَلَوۡ حُکۡمًا، فَالشَّرۡطُ عَدَمُ تَرۡکِهَا عَمۡدًا (عَلَی حَیَوَانٍ مُمۡتَنِعٍ) أَیۡ قَادِرٍ عَلَی الِامۡتِنَاعِ بِقَوَائِمِهِ أَوۡ بِجَنَاحَیۡهِ (مُتَوَحِّشٍ) فَالَّذِی وَقَعَ فِی الشَّبَکَةِ أَوۡ سَقَطَ فِی الۡبِئۡرِ أَوۡ اسۡتَأۡنَسَ لَا یَتَحَقَّقُ فِیهِ الۡحُکۡمُ الۡمَذۡکُورُ

اگر چہ وہ تکبیر کہنا حکما ہو۔ پس شرط یہ ہے کہ وہ چھوڑتے وقت جان بوجھ کر تکبیر کو ترک نہ کرے۔ شکاری جانور کو ایسے حیوان پر چھوڑا جائے جو خود اپنے پاؤں یا اپنے پروں کے ساتھ اپنا دفاع کر سکتا ہو اور وہ حیوان انسان سے الگ تھلگ رہتا ہو۔ اور جو جال میں پھنس جائے، کنویں میں گر جائے، یا وہ مانوس ہو جائے تو اس میں مذکورہ حکم متحقق نہیں ہوگا۔

کھایا جائے گا: اگر وہ تیر پر تکبیر کہے پھر دوسرا تیر پھینکے تو اس کا معاملہ مختلف ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ''البدائع'' میں ہے۔

33979۔ (قولہ: وَلَوۡ حُکۡمًا) یہ تکبیر کی طرف راجع ہے اور اس قول کے ساتھ یہ قصد کیا ہے کہ بھول جانے والا تکبیر کہنے والے کے حکم میں ہے، ''ط''۔

33980۔ (قولہ: عَلَی حَیَوَانٍ) اگر چہ وہ حیوان غیر معین ہو۔ اگر وہ اسے شکار پر چھوڑے اور وہ کئی شکار پکڑے تو جب تک وہ چھوڑنے والے کی سمت میں ہوں تو ان کو کھایا جائے گا۔ ''قہستانی'' نے ''خانیہ'' سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح اگر وہ اس کو بہت سے شکاروں پر چھوڑے جس طرح آگے آئے گا۔ مصنف نے اس قول کی طرف اشارہ کیا ہے جو ''البدائع'' میں ہے کہ شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ چھوڑنا اور پھینکنا شکار پر ہو یا شکار کی طرف ہو کہا: یہاں تک کہ اگر وہ شکار کے علاوہ پر چھوڑے یا شکار کے علاوہ کی طرف پھینکے اور وہ شکار کو جا لگے تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ شکار کرنا نہیں ہوگا پس اسے چھوڑنے والے اور پھینکنے والے کی طرف منسوب نہیں ہوگا اس پر تمام تفریعات مصنف کے قول سمع حس انسان الخ میں آئیں گی۔ اس تعبیر کی بنا پر ظرف میں عمل کے اعتبار سے تسمیہ اور ارسال کا فعل تنازع کریں گے، فتدبر۔

33981۔ (قولہ: مُتَوَحِّشٍ) یعنی طبعی طور پر وہ انسانوں سے الگ تھلگ رہتا ہو جس طرح کتاب کے شروع میں پہلے بیان کر آئے ہیں۔

''بزازیہ'' میں ہے: ایک شکاری نے کبوتروں والے برج کی طرف تیر پھینکا اور وہ تیر کبوتر کو جا لگا اور ذبح کرنے سے پہلے وہ مر گیا تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ مشائخ کی اس کے متعلق کلام ہے۔ کیا وہ ذبح اضطراری کے ساتھ حلال ہو جائے گا یا نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مباح ہوگا۔ کیونکہ وہ شکار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حلال نہیں۔ کیونکہ کبوتر رات کے وقت برج کی پناہ لیتا ہے۔

33982۔ (قولہ: فَالَّذِی الخ) جس سے احتراز کیا ہے وہ سابقہ قیود ہیں۔

33983۔ (قولہ: لَا یَتَحَقَّقُ فِیهِ الۡحُکۡمُ الۡمَذۡکُورُ) یعنی شکار کرنے کے ساتھ حلال ہو۔ کیونکہ پہلے اور تیسرے کا ذبح گردن کاٹنے کے ساتھ ہے۔ اسی طرح دوسرے کا حکم ہے اگر اس کو ذبح کرنا ممکن ہو۔ ورنہ ''البدائع'' میں ہے: جو شکار کنویں میں گر جائے اور وہ اس کو نکالنے اور اس کو معروف ذبح کرنے پر قادر نہ ہو تو شکار کی ذبح ہوگی یعنی راضی کرنا ہوگا۔

وَلِذَا قَالَ (يُؤْكَلُ) لِأَنَّ الْكَلَامَ فِي صَيْدِ الْأَكْلِ وَإِنْ حَلَّ صَيْدُ غَيْرِهِ كَمَا سَيَجِيءُ، أَوْ أَعَمُّ لِحِلِّ الِانْتِفَاعِ بِالْجِلْدِ مَثَلًا كَمَا يَأْتِي فَتَأَمَّلْ (وَ) بِشَرْطِ (أَنْ لَا يُشْرِكَ الْكَلْبَ الْمُعَلَّمَ كَلْبٌ لَا يَحِلُّ صَيْدُهُ كَكَلْبِ) غَيْرِ مُعَلَّمٍ وَكَلْبِ (مَجُوسِيٍّ)

اسی وجہ سے کہا: اس شکار کو کھایا جائے گا کیونکہ کلام اس شکار کے بارے میں ہے جسے کھایا جاتا ہے اگرچہ اس کے علاوہ (غیر ماکول) کا شکار بھی حلال ہے جس طرح عنقریب آگے آئے گا۔ یا یہ اسے (یعنی دونوں کو) جامع ہے کہ اس کے چمڑے سے نفع حاصل کرنا حلال ہے جس طرح آگے آئے گا پس اس میں غور کیجئے۔ اور شکار کے حلال ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ تربیت یافتہ کتے کے ساتھ ایسا کتا شامل نہ ہو جس کا شکار حلال نہ ہو جیسے غیر تربیت یافتہ کتا اور مجوسی کا کتا

کیونکہ یہ شکار کے معنی میں ہے۔ اسی طرح کتاب الذبائح میں یہ گزر چکا ہے کہ اس میں زخمی کرنا کافی ہوگا جیسے ایسا اونٹ جو بھاگ گیا ہو مگر جب یہ کہا جائے کہ یہاں گفتگو اس شکار میں ہے جو کچلی اور مخلب والا ہو اور وہ یہاں ممکن نہیں اگرچہ اس کی ذکاۃ تیر وغیرہ کے ساتھ ممکن ہے۔ تامل۔

33984۔ (قولہ: وَلِذَا قَالَ الخ) یعنی جس کا ذکر کیا گیا ہے وہ شکار کرنے سے حلال نہیں ہوگا بلکہ اس میں ذبح کرنا حلال ہے۔ کیونکہ صید سے مراد وہ ہے جس کو کھایا جائے یا اس سے مراد عام ہے تاکہ اس کی جلد سے نفع حاصل کیا جائے اور جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے کوئی بھی شے شکار کرنے سے حلال نہ ہوگی نہ کھانے کے لیے اور نہ ہی اس کی جلد سے نفع حاصل کرنے کے لیے۔ کیونکہ گوشت اور جلد کا شکار کرنے کے ساتھ حلال ہونا یہ اسی وقت ہوتا ہے جب اختیاری ذبح نہ ہو اور جس کا ذکر کیا گیا ہے اس میں یہ ممکن ہے کیونکہ وہ محفوظ ہونے یا وحشی ہونے سے خارج ہو چکا ہے۔ فافہم

33985۔ (قولہ: بِشَرْطِ أَنْ لَا يُشْرِكَ الخ) یعنی اس کو زخمی کرنے میں شریک نہ ہو۔

''ہدایہ''، ''زیلعی'' وغیرہما میں جو کچھ ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے: شکار کو پکڑنے اور اسے زخمی کرنے میں یا تو تربیت یافتہ کے ساتھ غیر تربیت یافتہ شریک ہوگا تو وہ حلال نہیں ہوگا یا صرف اسے پکڑنے میں شریک ہوگا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ پہلے سے بھاگ جائے اور دوسرا اسے واپس لوٹا دے اور وہ اس کو زخمی نہ کرے اور پہلے کے زخم سے وہ مر جائے تو صحیح قول کے مطابق اس کا کھانا مکروہ تحریمی ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مکروہ تنزیہی ہوگا۔ اگر مجوسی خود اسے کھائے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں وہ مکروہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ مجوسی کا فعل کتے کے فعل کی جنس سے نہیں ہے۔ پس مشارکت متحقق نہ ہوئی۔ دو کتوں کے فعل کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر دوسرے نے اسے پہلے پر نہ لوٹایا لیکن اس نے پہلے پر حملہ کیا اور پہلے نے شکار پر حملہ کیا تو اس کے سبب سے اس نے شکار کو قتل کر دیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر درندے یا پرندے میں سے ناخن والے نے اسے اس پر لوٹا دیا جس کو سدھارنا ممکن ہو اور اس کے ساتھ شکار کرنا ممکن ہو تو وہ اس طرح ہوگا جس طرح اس پر کتا لوٹائے۔ کیونکہ مجانست پائی جا رہی ہے۔ اگر ایسا جانور شکار کو اس پر لوٹائے جس کے ساتھ شکار نہیں کیا جاتا جیسے اونٹ اور بیل تو معاملہ

أَوْ لَمْ يُرْسِلْ أَوْ لَمْ يُسَمِّ عَلَيْهِ (وَ) بِشَرْطِ أَنْ (لَا تَطُولَ وَقْفَتُهُ بَعْدَ إِرْسَالِهِ) لِيَكُونَ الِاصْطِيَادُ مُضَافًا لِلْإِرْسَالِ (بِخِلَافِ مَا إِذَا كَمَنَ) وَاسْتَخْفَى (كَالْفَهْدِ) أَيْ كَمَا يَكْمُنُ الْفَهْدُ عَلَى وَجْهِ الْحِيلَةِ لَا لِلِاسْتِرَاحَةِ وَلِلْفَهْدِ خِصَالٌ حَسَنَةٌ يَنْبَغِي لِكُلِّ عَاقِلٍ الْعَمَلُ بِهَا كَمَا بَسَطَهُ الْمُصَنِّفُ،

یا نہ وہ اسے شکار پر چھوڑے اور نہ ہی اس پر تکبیر کہے اور شکار کے حلال ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کے چھوڑنے کے بعد وقفہ طویل نہ ہو جائے تاکہ شکار کرنا یہ چھوڑنے کی طرف مضاف ہو جب وہ دبک گیا یا چھپ گیا جس طرح تیندوا کرتا ہے یعنی جس طرح تیندوا حیلہ کے طور پر چھپ جاتا ہے نہ کہ استراحت کے لیے ایسا کرتا ہے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ اور تیندوے کی کچھ اچھی خصلتیں ہیں ہر عقل مند کو ان پر عمل کرنا چاہیے جس طرح مصنف نے اس کی تفصیل ذکر کی ہے۔

مختلف ہوگا۔ پھر باز ان تمام امور میں جن کا ذکر کیا گیا ہے وہ کتے کی مثل ہے۔

33986۔ (قولہ: أَوْ لَمْ يُرْسِلْ الخ) اس کا عطف غیر معلم پر ہے۔ پس اس کا ذکر ان کے قول دبك مجوسی سے پہلے ہونا چاہیے تھا، تامل۔

33987۔ (قولہ: وَ بِشَرْطِ أَنْ لَا تَطُولَ وَقْفَتُهُ) یعنی تربیت یافتہ جانور آرام کے لیے وقفہ کرے اگر وہ چھوڑنے کے بعد روٹی کھائے یا بول کرے تو اس شکار کو نہیں کیا جائے گا جس طرح ''المحیط'' میں ہے۔ زیادہ بہتر یہ قول تھا: لا يشتغل بعمل آخر بعد الارسال جس طرح ''النظم'' وغیرہ میں ہے۔ کیونکہ طویل وقفہ کا نہ ہونا یہ غیر مضبوط امر ہے، ''قہستانی''۔ اگر وہ شکار سے دائیں یا بائیں پھر جائے یا شکار کی طلب کے علاوہ میں مشغول ہو اور شکار کے راستہ سے سستی کرے پھر اس کے پیچھے جائے اور اس کو پکڑ لے تو اسے نہیں کھایا جائے گا مگر جب وہ نئے سرے سے اسے چھوڑے یا اس کا مالک اس کو جھڑکے اور اس میں تکبیر کہے جو زجر کا احتمال رکھے پس وہ رک جائے، ''بدائع''۔ جب ہوا نے تیر کو شکاری کی پشت کی جانب یا دائیں جانب یا بائیں جانب لوٹا دیا پس وہ شکار کو جا لگا تو وہ حلال نہیں ہوگا اگر اسے دیوار یا درخت واپس لوٹا دے تو حکم اسی طرح ہو گا۔ اس کی مکمل بحث ''خانیہ'' میں ہے۔

33988۔ (قولہ: بِخِلَافِ مَا إِذَا كَمَنَ) کمن یہ نصر اور سمع کا وزن ہے جس طرح ''قاموس'' میں ہے۔ اور ان کا قول استخفی یہ عطف تفسیری ہے یہ ماقبل سے استثنا کی طرح ہے۔

تیندوے کی چند پسندیدہ خصلتیں

33989۔ (قولہ: كَمَا بَسَطَهُ الْمُصَنِّفُ) اس کی نص یہ ہے: شمس الائمہ ''سرخسی'' نے اپنے شیخ شمس الائمہ ''حلوانی'' رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے کہا: فہد (تیندوا) کی چند خصلتیں ہیں ہر عاقل کو چاہیے کہ اس سے وہ اخذ کرے۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ شکار کے لیے چھپ جاتا ہے یہاں تک کہ اس پر قدرت حاصل کر لیتا ہے۔ یہ شکار کے لیے حیلہ ہے۔ پس عاقل کو چاہیے کہ وہ اپنے دشمن سے اپنی مخالفت کو ظاہر نہ کرے بلکہ فرصت کو تلاش کرے یہاں تک کہ اس کا

فَإِنْ أَكَلَ مِنْهُ الْبَازِی أُكِلَ لِأَنَّ تَعْلِيمَهُ لَيْسَ بِتَرْكِ أَكْلِهِ (وَإِنْ أَكَلَ الْكَلْبُ) وَنَحْوُهُ (لَا) يُؤْكَلُ مُطْلَقًا عِنْدَنَا (كَأَكْلِهِ مِنْهُ) أَيْ كَمَا لَا يُؤْكَلُ الصَّيْدُ الَّذِي أَكَلَ الْكَلْبُ مِنْهُ (بَعْدَ تَرْكِهِ) لِلْأَكْلِ (ثَلَاثَ مَرَّاتٍ) أَنَّهُ عَلَامَةُ الْجَهْلِ (وَكَذَا) لَا يُؤْكَلُ (مَا صَادَ بَعْدَهُ حَتَّى يَتَعَلَّمَ) ثَانِيًا بِتَرْكِ الْأَكْلِ ثَلَاثًا

اگر باز شکار میں سے کوئی شے کھائے تو اس کو کھایا جائے گا۔ کیونکہ اس کی تربیت اس کے کھانے کے ترک کرنے کے ساتھ نہیں ہے۔ اگر کتے وغیرہ نے کھایا تو ہمارے نزدیک مطلقاً اس سے نہیں کھایا جائے گا جس طرح وہ شکار نہیں کھایا جائے گا جس سے کتے نے کھایا تین دفعہ اس کو ترک کرنے کے بعد کھایا۔ کیونکہ یہ جہالت کی علامت ہے اسی طرح اس شکار کو نہیں کھایا جائے گا جس کو اس نے اس کے بعد کھایا ہو یہاں تک کہ تین دفعہ کھانا چھوڑنے کے بعد دوبارہ وہ تربیت یافتہ ہو

مقصود مشقت کے بغیر حاصل ہو۔

ان میں ایک یہ ہے وہ مار سے نہیں سیکھتا بلکہ وہ اس کے سامنے کتے کو مارے جب وہ شکار میں سے کھائے تو وہ اس کے ساتھ سیکھ جاتا ہے اسی طرح عقل مند کو چاہیے کہ وہ کسی دوسرے سے نصیحت حاصل کرے جس طرح یہ قول کیا گیا ہے: سعادت مند وہ ہے جو غیر سے نصیحت حاصل کرے۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ خبیث شے نہیں کھاتا وہ اپنے مالک سے پاکیزہ گوشت طلب کرتا ہے اسی طرح عاقل کو چاہیے کہ وہ پاکیزہ چیز ہی کھائے۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ تین یا چار دفعہ جھپٹتا ہے جب وہ اس کو پکڑنے پر قادر نہیں ہوتا تو اس کو چھوڑ دیتا ہے اور وہ کہتا ہے: میں ایسے کام میں اپنے آپ کو قتل نہیں کروں گا جو میں کسی اور کے لیے عمل کرتا ہوں۔ ہر عاقل کو اسی طرح کرنا چاہیے۔

33990۔(قولہ: وَإِنْ أَكَلَ الخ) یہ ان کے قول بشرط علیہما الخ پر تفریع ہے۔

33991۔(قولہ: مُطْلَقًا عِنْدَنَا) خواہ وہ نادر ہو یا معتاد ہو جب وہ نادر ہو تو امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے اس بارے میں دو قول ہیں۔ ایک قول میں وہ حرام ہے۔ ایک قول میں وہ حلال ہے۔ امام ''مالک'' نے یہی کہا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''المنح'' میں ہے۔

33992۔(قولہ: بَعْدَ تَرْكِهِ لِلْأَكْلِ) لام تقویہ کے لیے ہے یہ ایسے عامل کے معمول پر داخل ہوا ہے جو تاخیر یا غیر کی فرع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہو گیا ہے جیسے لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ۝ (الاعراف) فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ۝ (البروج)۔

33993۔(قولہ: ثَلَاثَ مَرَّاتٍ) یہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ہے۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شکاری کی رائے کے مطابق ہے،''ط''۔

33994۔(قولہ: صَادَ بَعْدَهُ) یعنی مذکورہ کھانے کے بعد جو تین دفعہ ترک کرنے کے بعد ہو۔ اسی طرح وہ ضمیر جو قبلہ میں ہے۔

(أَوْ) مَا صَادَهُ (قَبْلَهُ لَوْ بَقِيَ فِي مِلْكِهِ) فَإِنَّ مَا أَتْلَفَهُ مِنَ الصَّيْدِ لَا تَظْهَرُ فِيهِ الْحُرْمَةُ اتِّفَاقًا لِفَوَاتِ الْمَحَلِّ، وَفِيهِ إِشْكَالٌ ذَكَرَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ

یا اس نے اس سے قبل جو شکار کیا اگر چہ وہ اس کی ملکیت میں باقی رہے۔ کیونکہ اس نے جو شکار کو تلف کیا ہے تو اس میں بالاتفاق حرمت ظاہر نہ ہوگی کیونکہ محل فوت ہو چکا ہے۔ اس میں اشکال ہے" قہستانی" نے اس کو ذکر کیا ہے۔

33995۔ (قولہ: لَوْ بَقِيَ فِي مِلْكِهِ) یہ ان کے قول او قبلہ کی قید ہے۔ یہ اس کو بھی شامل ہے جب تک وہ اس کو محفوظ نہ کرلے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ابھی تک جنگل میں ہو اور اس میں حرمت بالاتفاق ہے وہ اسے اپنے گھر میں محفوظ کرلے۔ یہ امام" ابوحنیفہ" رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور" صاحبین" رحمہما اللہ کے نزدیک وہ حرام نہیں ہوگا۔ اس کی مکمل بحث" زیلعی" میں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ" امام صاحب" رحمۃ اللہ علیہ نے کتے کی جہالت کا حکم استناد کے طریقہ پر لگایا ہے اور" صاحبین" رحمہما اللہ نے صرف اس پر اکتفا کیا ہے جو اس نے کھایا ہے پہلا قول احتیاط کے زیادہ قریب ہے،" عنایہ"۔ یہی قول صحیح ہے۔" قہستانی" نے" الزاد" سے نقل کیا ہے۔

33996۔ (قولہ: فَإِنَّ مَا أَتْلَفَهُ) یعنی کھانے وغیرہ کے ساتھ اس نے جو تلف کیا ہے یہ ان کے قول لو بقی فی ملکہ کا مفہوم ہے۔

" تاتر خانیہ" میں ہے: اس نے جو بیچا ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ" صاحبین" رحمہما اللہ کے قول کے مطابق وہ ناقص بیع نہیں مگر" امام صاحب" رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق چاہیے کہ وہ ناقص وضو ہو جب کتے کی جہالت پر وہ مشتری کے ساتھ موافقت کرے۔

33997۔ (قولہ: وَفِيهِ إِشْكَالٌ ذَكَرَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ) کیونکہ کہا: یہاں اشکال ہے کیونکہ شے کا حکم وجود کا تقاضا نہیں کرتا۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ مردہ لونڈی کی آزادی کا حکم لگا دیتے ہیں جب اس کا بچہ اس کی آزادی کا دعویٰ کرے۔

جو امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ایک عورت نے نکاح کے ساتھ ایک بچہ جنا تو اس کی موت کے بعد ایک آدمی نے دعویٰ کیا کہ یہ اس کی لونڈی تھی اس نے بچے کے باپ سے اس کی شادی کی تھی۔ پس بچے نے اس کی آزادی کو ثابت کر دیا اس کی آزادی ثابت ہو جائے گی اور اس سے غلامی ختم ہو جائے گی، تامل۔

اس تعبیر کی بنا پر وہ ظاہر نہیں ہوتا جو بعض فضلا نے جواب دیا ہے کہ اس پر آزادی کا حکم اس کی طرف بچے کے واسطہ سے سرایت کر گیا ہے۔ کیونکہ وہ نسب کے دعویٰ میں اصل ہے۔ پس وہ بچہ آزاد ہو جاتا ہے اور ام ولد اس کے تابع ہوگی اور کتنی ہی چیزیں ہوتی ہیں جو ضمناً ثابت ہو جاتی ہیں۔ ہاں اس میں ظاہر ہوگا اگر آقا یہ دعویٰ کرے کہ یہ اس کی مردہ لونڈی کا بچہ ہے، تامل۔

بعض اوقات اشکال کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ کوئی ثمرہ نہیں جو حرمت کے ثبوت پر مرتب ہو۔ اور جو یہ قول کیا گیا ہے ثمرہ بیع کا باطل ہونا ہے اگر وہ اس کو بیچے اور ثمن کو واپس لے سکتا ہے کیونکہ یہ مردہ ہے یا توبہ لازم ہوگی۔ اس میں ہے کہ فوت شدہ

(كَصَقْرٍ فَرَّ مِنْ صَاحِبِهِ فَمَكَثَ حِينًا ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ فَأَرْسَلَهُ) فَصَادَ لَمْ يُؤْكَلْ لِتَرْكِهِ مَا صَارَ بِهِ مُعَلَّمًا فَيَكُونُ كَالْكَلْبِ إِذَا أَكَلَ (وَلَوْ أَخَذَ) الصَّيَّادُ (الصَّيْدَ مِنَ الْكَلْبِ وَقَطَعَ مِنْهُ بَضْعَةً وَأَلْقَاهَا إِلَيْهِ فَأَكَلَهَا أَوْ خَطِفَ الْكَلْبُ مِنْهُ وَأَكَلَهُ أَكَلَ مَا بَقِيَ: كَمَا لَوْ شَرِبَ الْكَلْبُ مِنْ دَمِهِ) لِأَنَّهُ مِنْ غَايَةِ عِلْمِهِ (وَلَوْ نَهَشَ الصَّيْدَ فَقَطَعَ مِنْهُ بَضْعَةً فَأَكَلَهَا ثُمَّ أَدْرَكَهُ فَقَتَلَهُ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ لَا يُؤْكَلْ) لِأَكْلِهِ حَالَةَ الِاصْطِيَادِ (وَلَوْ أَلْقَى مَا نَهَشَهُ وَاتَّبَعَ الصَّيْدَ فَقَتَلَهُ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ حَتَّى أَخَذَهُ صَاحِبُهُ

جیسے شکرہ اپنے مالک سے بھاگ گیا اور کچھ وقت ٹھہرا رہا پھر مالک کی طرف لوٹ آیا تو مالک نے اس کو شکار کے لیے چھوڑا اور اس نے شکار کیا تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ کیونکہ جس کے باعث وہ تربیت یافتہ ہوا تھا اس نے اس کو ترک کر دیا تھا تو وہ اس کتے کی طرح ہو گیا جس نے شکار کھا لیا ہو۔ اگر شکاری نے کتے سے شکار کو پکڑا اور اس کا ایک ٹکڑا کاٹا اور اس کی طرف پھینک دیا اور اس سے کھا لیا یا کتے نے اس کا کچھ حصہ مالک سے جھپٹ لیا اور اس کو کھا لیا تو باقی ماندہ حصہ کو وہ کھائے گا جس طرح اگر کتا اس شکار کا خون پی جائے۔ کیونکہ یہ تو اس کے حد درجہ تربیت یافتہ ہونے کی علامت ہے۔ اگر اس نے شکار کو نوچ اور اس سے ایک ٹکڑا کاٹا اور اس سے کھا لیا پھر اس کو پکڑا اور اسے قتل کر دیا اور اس سے نہ کھایا تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ کیونکہ اس نے اسے شکار کرنے کی حالت میں شکار کیا ہے۔ جو اس نے نوچا تھا اگر اس کو پھینک دیا اور شکار کا پیچھا کیا اور اس کو قتل کر دیا اور اس سے نہ کھایا یہاں تک کہ اس کے مالک نے اس کو لے لیا

میں کلام کھانے کی مثل ہے۔ اور بیع کا مسئلہ مختلف فیہ ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ یہ متفق علیہ ہے۔ اس کا علم ہونے سے پہلے کھانا معصیت نہیں یہاں تک کہ توبہ لازم ہو، تامل۔

33998۔ (قولہ: كَصَقْرٍ فَرَّ مِنْ صَاحِبِهِ) یعنی وہ اس طرح ہو گیا کہ جب وہ اس کو بلاتا وہ اس کو جواب نہ دیتا جس طرح تعلیل اس کو بیان کرتی ہے۔

33999۔ (قولہ: فَيَكُونُ كَالْكَلْبِ إِذَا أَكَلَ) پس اس کا شکار حلال نہ ہو گا یہاں تک کہ وہ دوبارہ تربیت یافتہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ پے در پے تین دفعہ اپنے مالک کی بات مانے جس طرح ہم پہلے ''تاتر خانیہ'' سے نقل کر چکے ہیں۔

34000۔ (قولہ: أَكَلَ مَا بَقِيَ) کیونکہ محفوظ کرنے کے بعد وہ شکار نہیں رہا۔ ماقبل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں شکار کی جہت موجود ہے۔ ''زیلعی'' نے اس کو بیان کیا ہے۔

34001۔ (قولہ: لِأَنَّهُ مِنْ غَايَةِ عِلْمِهِ) کیونکہ اس نے وہ چیز لی ہے جو اس کے مالک کے لیے مناسب نہ تھی اور اس چیز سے وہ رک گیا ہے جو مالک کے لیے مناسب تھی، ''زیلعی''۔

34002۔ (قولہ: وَلَوْ نَهَشَ) یہ لفظ شین معجمہ یا سین مہملہ کے ساتھ ہے۔ معنی ایک ہے وہ اگلے دانتوں کے ساتھ گوشت لینا ہے۔

ثُمَّ أَكَلَ مَا أَلْقَى حَلَّ) لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ لَوْ أَكَلَ مِنْ نَفْسِ الصَّيْدِ لَمْ يَضُرَّ كَمَا مَرَّ (وَإِذَا أَدْرَكَ) الْمُرْسِلُ أَوْ الرَّامِي (الصَّيْدَ حَيًّا) بِحَيَاةٍ فَوْقَ مَا فِي الْمَذْبُوحِ (ذَكَّاهُ) وُجُوبًا (وَشُرِطَ لِحِلِّهِ بِالرَّمْيِ التَّسْمِيَةُ) وَلَوْ حُكْمًا كَمَا مَرَّ (وَ) شُرِطَ (الْجُرْحُ) لِيَتَحَقَّقَ مَعْنَى الذَّكَاةِ (وَ) شُرِطَ (أَنْ لَا يَقْعُدَ عَنْ طَلَبِهِ لَوْ غَابَ) الصَّيْدُ (مُتَحَامِلًا بِسَهْمِهِ) فَمَا دَامَ فِي طَلَبِهِ يَحِلُّ،

پھر مالک نے جسے پھینکا اسے کھایا تو وہ شکار حلال ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ شکار سے کھاتا تو وہ نقصان نہ دیتا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ جب شکاری جانور چھوڑنے والے نے یا تیر پھینکنے والے نے شکار کو زندہ پکڑ لیا جب کہ اس کی زندگی مذبوح کی زندگی سے بڑھ کر ہو تو وہ وجوبی طور پر اس کو ذبح کرے گا۔ اور اس کے حلال ہونے کے لیے یہ شرط ہو کہ تیر پھینکتے وقت تکبیر کہے اگرچہ وہ تکبیر حکماً ہو جس طرح قول گزر چکا ہے۔ اور زخمی کرنا شرط ہے تاکہ ذبح کرنے کا معنی متحقق ہو جائے۔ اور یہ شرط ہے کہ وہ اس کی تلاش سے بیٹھ ہی نہ جائے۔ اگر شکار اس کا تیر اٹھائے غائب ہو جائے جب تک وہ اس کی طلب میں رہے گا وہ شکار حلال ہوگا۔

34003۔ (قولہ: وَإِذَا أَدْرَكَ الْمُرْسِلُ) یعنی کتے اور باز کو چھوڑنے والا۔ اور ان کا قول او الرامی یعنی تیر وغیرہ کو پھینکنے والا اس سب کو ساقط کر دینا چاہیے۔ کیونکہ اس کو عنقریب تفصیل سے ذکر کریں گے۔

34004۔ (قولہ: وَشُرِطَ الخ) یہ شکار کے آلوں میں سے دوسرے آلہ کے احکام میں شروع ہو رہا ہے۔ کیونکہ وہ یا تو حیوانیہ ہوگا، یا جمادیہ ہوگا۔

34005۔ (قولہ: التَّسْمِيَةُ) یعنی تیر پھینکتے وقت جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

34006۔ (قولہ: وَلَوْ حُكْمًا) جیسے بھولنے والا۔

34007۔ (قولہ: وَشُرِطَ الْجُرْحُ) اگر تیر اس کو کوٹے تو اسے نہیں کھایا جائے گا کیونکہ خون بہانا نہیں پایا گیا۔ اور خون نکالنے میں سابقہ اختلاف پایا گیا ہے۔ ''قہستانی'' نے اسے بیان کیا ہے، ''ط''۔

34008۔ (قولہ: لِيَتَحَقَّقَ مَعْنَى الذَّكَاةِ) یعنی خون نکالنے کے ساتھ پاک کرنا جو زخم لگانے کے قائم مقام ہے، ''ط''۔

34009۔ (قولہ: وَشُرِطَ أَنْ لَا يَقْعُدَ) یعنی شکاری جانور چھوڑنے والا یا شکار پر تیر چلانے والا یا جو اس کے قائم مقام ہو، ''بدائع''۔ جیسے اس کا خادم اور اس کا رفیق۔

34010۔ (قولہ: مُتَحَامِلًا) چلنے میں متحامل یہ ہے وہ مشقت اور تھکاوٹ پر تکلف سے چلے۔ اسی سے تحامل الصید ہے یعنی گرنے میں تکلف کرے، ''مغرب''۔

اس کے ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ اگر وہ غائب ہو جائے یا وہ اس سے چھپ جائے تو وہ اس کو مردہ پائے تو وہ شکار حلال نہ ہوگا جب تک اس شکار کا زخمی ہونا یقینی طور پر معلوم نہ ہو، ''معراج''۔

34011۔ (قولہ: يَحِلُّ) مگر جب اس کے تیر کے زخم کے علاوہ اس میں زخم پایا جائے پس وہ حلال نہ ہوگا۔ ''ہدایہ''۔

وَإِنْ قَعَدَ عَنْ طَلَبِهِ ثُمَّ أَصَابَهُ مَيِّتًا لَا لِاحْتِمَالِ مَوْتِهِ بِسَبَبٍ آخَرَ وَشَرَطَ فِي الْخَانِيَّةِ لِحِلِّهِ أَنْ لَا يَتَوَارَى عَنْ بَصَرِهِ، وَفِيهِ كَلَامٌ مَبْسُوطٌ فِي الزَّيْلَعِيِّ وَغَيْرِهِ (فَإِنْ أَدْرَكَهُ الرَّامِي أَوْ الْمُرْسِلُ حَيًّا ذَكَّاهُ) وُجُوبًا فَلَوْ تَرَكَهَا حَرُمَ وَسَيَجِيءُ
اگر وہ اس کی تلاش سے بیٹھ جائے پھر شکار کو مردہ حالت میں پائے تو اس کا کھانا حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی موت کا سبب کوئی اور ہوسکتا ہے۔ ''خانیہ'' میں اس کے حلال ہونے کی یہ شرط لگائی ہے کہ شکار اس کی آنکھ سے اوجھل نہ ہو۔ اس بارے میں ''زیلعی'' وغیرہ میں ''مبسوط'' کلام ہے۔ اگر تیر پھینکنے والے یا شکاری جانور چھوڑنے والے نے اسے زندہ پایا تو اسے وجوبی طور پر ذبح کرے۔ اگر وہ اس کو اسی طرح چھوڑ دے تو وہ شکار حرام ہو جائے گا۔ اور عنقریب اس کا ذکر آئے گا

اس کی مفصل بحث ''ہدایہ'' میں ہے۔

34012۔ (قولہ: لِاحْتِمَالِ مَوْتِهِ بِسَبَبٍ آخَرَ) یہ احتمال اس صورت میں بھی موجود ہے جب وہ اس کی تلاش سے نہ بیٹھا ہو لیکن وہ ضرورت کی وجہ سے ساقط ہے جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے جس طرح متن کا ظاہر ہے کہ یہ شرط نہیں کہ وہ اس کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہو۔

اگر زخمی شکار بھاگ جائے تو اس کی حلت یا عدم حلت کا حکم طلب اور عدم طلب پر ہے

34013۔ (قولہ: وَفِيهِ كَلَامٌ مَبْسُوطٌ فِي الزَّيْلَعِيِّ) کیونکہ انہوں نے پہلے ''خانیہ'' کی عبارت ذکر کی اور یہ ذکر کیا کہ یہ اس کے شرط ہونے پر نص ہے۔ اور صاحب ''ہدایہ'' نے اس کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جب کہ یہ اس کی کلام کے آغاز کے مناقض ہے۔ کیونکہ انہوں نے امر کی بنا طلب اور عدم طلب پر رکھی ہے چھپنے نہ چھپنے پر نہیں رکھی۔ ہمارے اصحاب کی اکثر کتب اسی پر ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابو ثعلبہ کو فرمان ہے: اذا رميت سهمك فغاب ثلاثة ليال وادركته فكله مالم ينتن (1) جب تو نے اپنا تیر پھینکا اور وہ شکار تین دن تک غائب رہا اور تو نے اس کو پالیا تو اس کو کھاؤ جب تک وہ بدبودار نہ ہو۔ اسے امام ''مسلم''، امام ''احمد'' اور ''ابوداؤد'' نے روایت کیا ہے۔ اور یہ روایت کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شکار کو کھانے کو ناپسند کیا جب شکاری سے غائب ہو جائے (2)۔ اور کہا: شاید زمین کے جانوروں نے اسے قتل کیا ہو۔ اس حدیث کو اس پر محمول کیا جائے گا جب وہ اس کی تلاش سے بیٹھ جائے۔ اور پہلا قول اس صورت میں ہے جب وہ اس کی تلاش سے نہ بیٹھے۔ ملخص۔

میں کہتا ہوں: ''خانیہ'' کی عبارت اسی طرح ہے۔ ساتویں صورت یہ ہے کہ وہ اس کی آنکھوں سے نہ چھپے یا وہ اس کی تلاش سے نہ بیٹھے۔ پس وہ اس کی تلاش میں رہے اور وہ کسی اور عمل میں مشغول نہ ہو یہاں تک کہ اس کو پالے۔ کیونکہ جب وہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصید، باب اذا غاب عنه الصید، جلد 3، صفحہ 25، حدیث نمبر 3618

2۔ نصب الرایہ، کتاب الصید، فصل فی الرمی، جلد 5، صفحہ 33

....

اس کی آنکھوں سے غائب ہو تو بعض اوقات شکار کی موت کسی اور سبب سے ہوتی ہے پس وہ حلال نہ ہوگا۔

تو نے دیکھ لیا ہے کہ انہوں نے کیسے دونوں امروں میں سے ایک کو شرط قرار دیا ہے یا تو وہ نہ چھپے یا وہ نہ بیٹھے۔ کیونکہ انہوں نے او کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ شاید ''زیلعی'' کا نسخہ واؤ کے ساتھ ہے۔ تو کہا جو کہا۔ جہاں تک ان کے قول لانه اذا غاب الخ کے ساتھ علت بیان کرنا یعنی وہ تلاش کرنے سے بیٹھ جائے۔ اس کی دلیل ''الخانیہ'' میں اس کے بعد کا قول ہے: جب کتا یا شکار جانور چھوڑنے والے سے چھپ جائے یا اس نے شکار کی طرف تیر پھینکا اور اس کے بعد اس کو مردہ پایا اور اس میں اس کا تیر ہو، اس میں کوئی اور زخم نہ ہو تو اس کا کھانا حلال ہوگا جب وہ طلب نہ چھوڑے۔ کیونکہ آنکھوں سے چھپ جانے سے حفاظت واقع نہیں ہوتی۔ پس یہ امر زائد ہوگا۔ اسی کی مثل ''ہدایہ'' میں ہے۔ پس اس کا حمل متعین ہو جائے گا جو اس کے برعکس وہم دلاتا تھا۔

''البدائع'' میں ہے: ان میں سے یہ ہے کہ وہ اسے جا لاحق ہو اس سے قبل کہ وہ اس کی آنکھ سے چھپے یا طلب کا انقطاع واقع ہو۔ اگر وہ شکار اس سے چھپ جائے اور وہ اس کی تلاش سے بیٹھ جائے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ مگر جب وہ اس سے نہ چھپے یا چھپ جائے اور وہ اس کی تلاش سے نہ بیٹھے تو بطور استحسان اس کو کھایا جائے گا۔ یہ اس امر کو متعین کرتا ہے کہ ''خانیہ'' کا نسخہ او کے ساتھ ہے، واؤ کے ساتھ نہیں پس اس وضاحت کو غنیمت جانو۔

تنبیہ

جو ذکر کیا گیا ہے اس میں اس امر کا شعور دلایا گیا ہے کہ تلاش کی مدت مقرر نہیں۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ نصف دن یا نصف رات مقرر ہے اگر وہ اس سے زیادہ وقت تلاش کرتا رہا تو اس کو نہ کھائے ''زیادات'' میں ہے: اگر ایک دن سے کم اس کو تلاش کرے تو اس کو کھائے گا جس طرح ''المضمرات'' میں ہے، ''قہستانی''۔

فروع: ''شرح المقدسی'' میں ہے: ایک آدمی نے پرندے کو تیر مارا تو وہ پانی میں جا گرا اگر وہ اپنے موزے کے ساتھ پانی میں داخل ہو جاتا تو اس کو پا لیتا پس وہ موزہ اتارنے میں مشغول ہو گیا تو اس نے اسے مردہ پایا تو اس نے اسے حرام کر دیا۔ ''بدیع الدین''۔

دوسرے علما نے فرمایا: وہ حلال ہوگا۔ کیونکہ موزے کے ساتھ اس کا داخل ہونا مال کو ضائع کرنا ہے اور معمول کے خلاف ہے۔ پس یہ کپڑے اتارنے کی طرح ہے۔ ''سائحانی'' نے کہا: یہ حکم اس صورت میں ہے جب اس میں زندگی ہو جو مذبوح کے علاوہ ہو ورنہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ اگر اس نے پھندے والا جال نصب کیا اور اس نے تکبیر کہہ دی اور اس میں ایک شکار پھنس گیا اور وہ زخمی ہو کر مر گیا تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ اگر اس کے ساتھ زخمی کر دے تو ہمارے نزدیک یہ حلال ہوگا جس طرح اگر وہ اسے اس کی طرف پھینکے۔ ''بزازیہ'' میں ہے: اس نے صحرا میں ایک درانتی رکھی تاکہ جنگلی گدھا شکار کرے وہ اس کے پاس آیا تو وہ اس کے ساتھ پیوست تھی جب کہ گدھا مرا پڑا تھا اور اس نے درانتی رکھتے ہوئے تکبیر کہی تھی تو یہ حلال نہیں ہوگا۔

''مقدسی'' نے کہا: یہ اس صورت پر محمول ہوگا جب وہ اس کی تلاش سے بیٹھ جائے۔ اس میں کلام ہے جسے ہم نے پہلے کتاب

(وَالْحَيَاةُ الْمُعْتَبَرَةُ هُنَا مَا) يَكُونُ (فَوْقَ ذَكَاةِ الْمَذْبُوحِ) بِأَنْ يَعِيشَ يَوْمًا، وَرُوِيَ أَكْثَرُهُ مَجْمَعٌ أَمَّا مِقْدَارُهَا وَهُوَ مَا لَا يُتَوَهَّمُ بَقَاؤُهُ كَمَا فِي الْمُلْتَقَى فَلَا يُعْتَبَرُ هَاهُنَا، حَتَّى لَوْ وَقَعَ فِي مَاءٍ لَمْ يَحْرُمْ

یہاں جو زندگی معتبر ہے وہ وہ ہے جو مذبوح جانور کی زندگی سے زیادہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ایک دن تک زندہ رہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ دن کا اکثر حصہ زندہ رہے، ''مجمع''۔ جہاں تک مذبوح کی زندگی کی مقدار کا تعلق ہے تو وہ وہ ہوتی ہے جس کی بقا کا توہم نہ ہو جس طرح ''الملتقی'' میں ہے۔ یہاں اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا یہاں تک کہ اگر وہ پانی میں نہ گرے تو وہ حرام نہ ہوگا۔

الذبائح میں ذکر کر دیا ہے۔

شکار میں حیات معتبرہ

34014۔(قولہ: وَالْحَيَاةُ الْمُعْتَبَرَةُ هُنَا) یعنی شکار میں جس حیات کا اعتبار ہوتا ہے یہ اس سے احتراز کیا ہے جس کا ذکر متردیہ وغیرہا میں آئے گا۔

34015۔(قولہ: فَوْقَ ذَكَاةِ الْمَذْبُوحِ) صحیح قول حیاۃ المذبوح ہے۔ ''الملتقی'' میں اس کی تعبیر کی ہے۔

34016۔(قولہ: بِأَنْ يَعِيشَ يَوْمًا الخ) میں کہتا ہوں: ''صاحب المجمع'' نے اس کا ذکر منخنقہ وغیرہا میں کیا ہے۔ اس کی عبارت اس کی شرط کے ساتھ یہ ہے: اگر اس نے منخنقہ اور موقوذہ کو ذبح کیا جب کہ اس میں زندگی ہو تو ظاہر روایت میں وہ حلال ہوگا۔

اور اس کا ایک دن تک باقی رہنا یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں شرط ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ دن کے اکثر حصہ کا اعتبار کرتے ہیں۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر اس میں مذبوح سے زیادہ زندگی ہو تو اس کو کھایا جائے گا ورنہ نہیں کھایا جائے گا، ''البدائع'' میں کہا: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اگر اس کے ساتھ صرف موت کا اضطراب باقی ہو تو اس نے اس کو ذبح کیا تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ اگر وہ کچھ وقت کے لیے زندہ رہے جیسے ایک دن یا اس کا نصف تو وہ حلال ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ مذبوح کی زندگی اور اس کے زائد کی تفسیر ظاہر ہو جاتی ہے۔ جہاں تک مجمع کا تعلق ہے تو یہ اس کی تفسیر نہیں ہے۔ تامل

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے جو قول نقل کیا ہے وہ ان سے بھی ایک روایت ہے جس طرح ''بدائع'' میں ہے اور یہ ذکر کیا کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہر روایت یہ ہے کہ اس زندگی کا اعتبار کیا جائے گا جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ اس کے ساتھ زندہ رہے گا۔ اگر اسے یہ علم ہو کہ وہ اس کے ساتھ زندہ نہیں رہے گا اور اس نے اس کو ذبح کر دیا تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔

34017۔(قولہ: أَمَّا مِقْدَارُهَا) یعنی مذبوح کی زندگی کی مقدار۔

34018۔(قولہ: فَلَا يُعْتَبَرُ هَاهُنَا) یہاں شکار میں اس کا اعتبار نہیں ہوگا، ''ہدایہ'' میں کہا: جب کتے نے اس کا

....

بطن پھاڑ دیا اور اس میں جو کچھ ہو اس کو نکال دیا پھر وہ اس کے مالک کے ہاتھ آ لگا ہو تو وہ حلال ہے۔ کیونکہ جو چیز باقی بچی ہے وہ مذبوح کا اضطراب و حرکت ہے پس اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا جس طرح اگر ایک بکری ذبح کیے جانے کے بعد پانی میں جا پڑی ہو۔

''الخانیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے اپنا تربیت یافتہ کتا شکار پر چھوڑا اور اس میں زندگی باقی تھی جو ذبح کے بعد مذبوح میں باقی تھی تو مالک نے اسے پکڑ لیا اور اس کو ذبح نہ کیا تو اس کا کھانا حلال ہوگا۔ ''الظہیریہ'' میں یہ زائد کیا ہے: یہ جانور بالاتفاق حلال ہوگا۔ کیونکہ عمل، ذبح کرنا بن چکا ہے۔ پس دوسری دفعہ ذبح کرنے سے وہ مستغنی ہو جائے گا۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جس میں مذبوح کی زندگی ہو تو وہ ذبح کے قابل نہیں رہتا۔ کیونکہ اضطراری ذبح کے ساتھ اختیاری ذبح سے استغنا حاصل ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اگر وہ پانی میں گر پڑے اور مر جائے تو وہ حرام نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی موت اس کے پانی گرنے کی طرف منسوب نہیں ہوگی۔ کیونکہ وہ اس سے قبل مردہ کے حکم میں تھا تو اس زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ جو پہاڑ سے لڑھک کر مر جائے وغیرہا کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں زندگی کا اعتبار کیا جاتا ہے اگرچہ وہ زندگی تھوڑی ہو۔ پس وہ ذبح کے ساتھ حلال ہو جائے گی۔ پس یہ امر ظاہر ہوا کہ شکار وغیرہ میں فرق ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس میں کوئی فرق نہیں ہوگا کہ وہ اس صورت میں شکار کو ذبح کرنے پر قادر ہے یا نہیں ہے۔

''العنایہ'' میں جو قول ہے وہ اس کے خلاف ہے کہ اگر وہ اس کو ذبح کرنے پر قادر ہو اور وہ اس کو ذبح نہ کرے یہاں تک کہ وہ مر جائے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا خواہ اس میں زندگی واضح ہو یا مخفی ہو اگر ذبح کرنا ممکن نہ ہو۔ اگر زندگی مذبوح کی زندگی سے بڑھ کر ہو تو ظاہر روایت کے مطابق حکم اسی طرح ہوگا۔ اگر اس کی مقدار کے برابر ہو تو اس کو کھایا جائے گا۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ جو ہم نے پہلے ''الخانیہ'' سے نقل کیا ہے اسے اس پر محمول کیا جائے گا جب وہ قدرت نہ رکھے۔

یہ سب اس کے خلاف ہے جو ''زیلعی'' میں موجود ہے۔ کیونکہ انہوں نے جو کہا جس کا حاصل یہ ہے جب وہ اس کو زندہ پائے اور اسے ذبح اختیاری نہ کرے تو وہ جانور حرام ہو جائے گا اگر اس کا ذبح کرنا ممکن ہو۔ اگر اس میں اتنی زندگی ہو جو مذبوح میں ہوتی ہے جیسے کتا اس کا پیٹ وغیرہ چاک کر دے اور وہ مذبوح کی حرکت کی طرح حرکت کر رہا ہو تو وہ حلال ہوگا۔ اور ''شہید'' نے اس کو اجماع قرار دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ حلال نہیں مگر جب وہ اس کو ذبح اختیاری کرے۔ کیونکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مخفی زندگی معتبر ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک مخفی زندگی معتبر نہیں جس طرح پہاڑ سے لڑھکنے والا جانور وغیرہ میں ہے۔ اگر اس میں اتنی زندگی ہو جو مذبوح کی زندگی سے بڑھ کر ہو تو اس کو نہیں کھایا جائے گا یہ ظاہر روایت میں ہے۔

پھر کہا: وہ ذبح اختیاری کے بغیر حلال نہیں ہوگا وہ زندگی مخفی ہو یا ظاہر ہو تربیت یافتہ جانور نے اس کو زخمی کیا ہو یا کسی اور درندے نے اس کو زخمی کیا ہے۔ اس پر فتویٰ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ (المائدہ: 3) پس یہ مطلقاً ہر زندہ

(وَ) الْمُعْتَبَرُ (فِي الْمُتَرَدِّيَةِ وَأَخَوَاتِهَا) كَنَطِيحَةٍ وَمَوْقُوذَةٍ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ (وَالْمَرِيضَةُ) مُطْلَقُ (الْحَيَاةِ وَإِنْ قَلَّتْ) كَمَا أَشَرْنَا إلَيْهِ (وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) وَتَقَدَّمَ فِي الذَّبَائِحِ (فَإِنْ تَرَكَهَا) أَيْ الذَّكَاةَ (عَمْدًا)
پہاڑ سے لڑھکنے والے اور اس کے اخوات جیسے جسے کسی نے سینگ مار دیا ہو اور اسے لاٹھی سے مارا ہو اور جسے درندے نے کھایا ہو اور مریضہ ہو۔ اس میں مطلق حیات کا اعتبار ہوگا اگرچہ وہ زندگی تھوڑی ہو جس طرح ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور کتاب الذبائح میں پہلے گزر چکا ہے اگر وہ قدرت کے باوجود ذبح اختیاری کو ترک کر دے

کو شامل ہوگا۔ اسی طرح سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مطلقاً ہے: فان ادرکته حیا فاذبحه (1)، اگر تو اس کو زندہ پائے تو اس کو ذبح کر دے۔ حدیث صحیح ہے اسے امام ''بخاری''، امام ''مسلم'' اور امام ''احمد'' نے روایت کیا ہے۔ یہ ''صدر شہید'' کے قول کے مقابل کی ترجیح ہے۔ یہ امام ''رازی'' کا قول ہے جس طرح ''غایۃ البیان'' میں ہے۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس کے علاوہ کو ترجیح دی ہو۔ یہ ''ہدایہ'' وغیرہ کے ظاہر کے خلاف ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر شکار وغیرہ میں معتبر زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔

حاصل کلام یہ ہے: اگر وہ شکار کو پکڑے اور اس میں زندگی ہو جس طرح مذبوح میں ہے اور وہ اس کو ذبح نہ کرے تو ''خانیہ'' اور ''ظہیریہ'' کے قول کے مطابق وہ حلال ہے۔ اور ''العنایہ'' میں جو قول ہے اس کے مطابق وہ حلال ہے اگر اس کے ذبح پر قادر نہ ہو۔ اور ''زیلعی'' میں جو قول ہے اس کے مطابق جو اصلاً حلال نہیں مگر جب وہ اسے اختیاری ذبح کرے جس طرح جب وہ قادر نہ ہو یا اس میں ایسی زندگی ہو جو اس سے بڑھ کر ہو جو مذبوح میں زندگی ہوتی ہے۔ یہ ادلہ کے اطلاق سے ظاہر کرتے ہیں۔ ''البدائع'' میں پہلے قول کو انہوں نے عام مشائخ سے نقل کیا ہے اور تیسرا قول جو ''جصاص'' سے مروی ہے۔ ان کے کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ انہوں نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔ جو قول ''ہدایہ'' میں ہے یہ اس کا ظاہر معنی ہے۔ فتامل۔

پھر یہ جان لو کہ یہ سب کچھ اس بارے میں ہے جب وہ اسے پائے اور اسے پکڑ لے اگر وہ اس کو پائے اور اسے نہ پکڑے اگر اتنا وقت ہو کہ اگر وہ اسے پکڑتا تو اس کا ذبح کرنا ممکن تھا تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ اگر اس کو ذبح کرنا ممکن نہ ہو تو اس کو کھایا جائے گا جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔

34019۔ (قوله: فِي الْمُتَرَدِّيَةِ) یعنی جو کنویں میں گر جائے یا پہاڑ سے گر جائے اور نطیحہ جس کو دوسرے جانور نے سینگ مار کر قتل کر دیا ہو اور موقوذہ سے مراد ہے جسے پیٹنے کے ساتھ قتل کر دیا ہو۔

34020۔ (قوله: كَمَا أَشَرْنَا إلَيْهِ) یعنی جو قول گزر چکا ہے اسے اس قول کے ساتھ مقید کیا ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔

34021۔ (قوله: وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) یعنی وہ ذبح کرنے کے ساتھ حلال ہو جائے گا۔ اسی طرح فتویٰ اس پر ہے کہ شکار میں مطلقاً زندگی کا اعتبار کیا جائے گا اس کا اعتبار کرتے ہوئے جو ''زیلعی'' میں گزر چکا ہے۔

34022۔ (قوله: فَإِنْ تَرَكَهَا أَيْ الذَّكَاةَ) یعنی شکار کو ذبح کرنا۔ اور ان کا قول حرم یہ شرط کا جواب ہے جو عنقریب متن میں آئے گا لیکن یہ بعید ہے اس وجہ سے شارح نے یہاں اسے مقدر کیا ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، باب صید الکلاب المعلمۃ، جلد 3، صفحہ 23، حدیث نمبر 3615

مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهَا (فَمَاتَ) حَرُمَ، وَكَذَا يَحْرُمُ لَوْ عَجَزَ عَنْ التَّذْكِيَةِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ يَحِلُّ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، قَالَ الْمُصَنِّفُ وَفِي مَتْنِي وَمَتْنِ الْوِقَايَةِ إشَارَةٌ إلَى حِلِّهِ،

اور وہ مرجائے تو وہ جانور حرام ہو جائے گا۔ اسی طرح وہ حرام ہو جائے گا اگر وہ ذبح کرنے سے عاجز آجائے۔ یہ ظاہر روایت میں ہے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''ابویوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: وہ حلال ہوگا۔ یہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ مصنف نے کہا: میرے متن اور ''وقایہ'' کے متن میں اس کے حلال ہونے کی طرف اشارہ ہے

اگر شکاری شکار کو ذبح کرنے سے عاجز آجائے تو اس کے حکم میں آئمہ کے اقوال

34023۔ (قولہ: لَوْ عَجَزَ عَنْ التَّذْكِيَةِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اصلاً آلہ نہ پائے یا آلہ پائے لیکن اتنا وقت باقی نہ ہو جس میں آلہ اور ذابح کا استعداد حاصل کرنا ممکن ہو۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب اس میں زندگی اس سے زیادہ ہو جو ذبح کے بعد مذبوح میں ہوتی ہے مگر جب اس میں زندگی مذبوح کی مثل ہو تو وہ حکماً میت ہے۔ پس وہ بالا جماع حلال ہوگا جس طرح ''ہدایہ'' وغیرہا میں ہے ''قہستانی''۔ تفصیل اس کے مخالف ہے جس کو ہم نے ''زیلعی'' سے نقل کیا ہے۔

34024۔ (قولہ: وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ) ''ہدایہ'' میں اسی طرح ہے اور جو قول ''التبیین'' میں ہے وہ یہ ہے کہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرق بیان کیا ہے اور کہا: اگر آلہ کے گم ہونے کی وجہ سے وہ ذبح کرنے پر قادر نہ ہو تو اسے نہیں کھایا جائے گا۔ کیونکہ کوتاہی اس کی جانب سے واقع ہوئی ہے اگر وقت کی تنگی کی وجہ سے وہ ذبح نہ کر سکا تو اسے کھایا جائے گا۔ کیونکہ کوتاہی نہیں ہوئی۔

''تاتر خانیہ'' میں ہے: اگر وقت کی تنگی کی وجہ سے قدرت نہ ہوئی ہو۔ اس کی صورت یہ ہے اگر اس میں اتنی زندگی باقی ہو جس میں ذبح کا عمل نہیں ہو سکتا تو شمس الائمہ ''سرخسی'' نے اس کی شرح میں کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ حلال نہیں۔ ''حسن بن زیاد'' اور ''محمد بن مقاتل'' نے کہا: وہ حلال ہوگا۔ یہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ''صدر الشہید'' نے اسی قول کو اپنایا ہے۔ ''غیاثیہ'' میں ہے: یہی مذہب مختار ہے۔ ''ینابیع'' میں ہے: ہمارے تینوں ائمہ سے یہ مروی ہے کہ اسے استحسان کے طور پر کھایا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اصح قول ہے۔

اگر یہ کہا جائے: مسئلہ کی صورت میں اس بارے میں ہے جس میں زندگی مذبوح کی زندگی سے بڑھ کر ہو تو ذبح کے وقت تنگی کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے؟

اس کا یہ جواب دیا جائے گا کہ زندگی کی وہ مقدار جو مذبوح میں ہوتی ہے وہ تو نہ ہونے کی طرح ہے۔ کیونکہ شکار میت کے حکم میں ہوتا ہے۔ اس سے جو زائد ہوتا ہے بعض اوقات اس میں ذبح کی گنجائش نہیں ہوتی۔ پس قدرت کا نہ ہونا متصور ہو سکتا ہے۔ ''عنایہ''۔

34025۔ (قولہ: إشَارَةٌ إلَى حِلِّهِ) کیونکہ انہوں نے عمد کی قید لگائی ہے۔

وَالظَّاهِرُ مَا سَمِعْتَه قُلْت وَوَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ الْعَجْزَ عَنْ التَّذْكِيَةِ فِي مِثْلِ هَذَا لَا يُحِلُّ الْحَرَامَ (أَوْ أَرْسَلَ مَجُوسِيٌّ كَلْبًا فَزَجَرَهُ مُسْلِمٌ فَانْزَجَرَ أَوْ قَتَلَهُ مِعْرَاضٌ بِعَرْضِهِ) وَهُوَ سَهْمٌ
اور ظاہر معنی وہ ہے جسے تو نے سن لیا۔ میں کہتا ہوں: ظاہر روایت کی دلیل یہ ہے کہ اس جیسی صورت میں ذبح کرنے سے عجز حرام کو حلال نہیں بناتا۔ یا مجوسی نے کتا چھوڑا تو ایک مسلمان نے اس پر بلہ شیری کی تو وہ کتا تیز ہو گیا۔ یا معراض تیر نے اپنی چوڑائی کی جانب سے شکار کو قتل کیا تھا۔ معراض ایسا تیر ہوتا ہے

34026۔ (قولہ: أَنَّ الْعَجْزَ الخ) ''المنح'' کی عبارت یہ ہے: اس جیسی صورت میں عجز حرام کو حلال نہیں کرتا پانی اور خوراک کے حصول میں عجز سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ یہ اس کے لیے شراب اور مردار کھانے کو مباح کر دیتا تھا یہ شارح کی عبارت سے مفہوم نہیں ہوتا اس کا سبب ان کا قول التذکیۃ ہے۔ ''طحطاوی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

تنبیہ

ایک آدمی نے شکار کو تیر مارا تو وہ شکار مجوسی یا سوئے ہوئے آدمی کے پاس جا لگا اگر وہ سونے والا جاگ رہا تھا تو اس کے ذبح کرنے پر قادر ہوتا اور وہ شکار مر گیا تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ مجوسی اس پر قادر نہ تھا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ پہلے اسلام قبول کرتا اور پھر جانور کو ذبح کرتا اور سونے والا تمام مسائل میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جاگنے والے کی طرح ہے ان مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے، ''خانیہ''۔ ملخص

فعل کا اثر اس سے اقوی یا مساوی فعل سے ختم ہوتا ہے ادنی فعل سے نہیں ہوتا

34027۔ (قولہ: أَوْ أَرْسَلَ الخ) یہ اور اس کا مابعد ان کے قول ترکہا پر معطوف ہے۔ ضابطہ یہ ہے کہ فعل کا اثر اس سے اقوی فعل یا اس کے مساوی فعل سے ختم ہوتا ہے ادنی فعل سے اس کا اثر ختم نہیں ہوتا۔ جب مسلمان اپنا کتا چھوڑے اور مجوسی اسے بھڑکائے تو وہ شکار حلال ہوگا۔ کیونکہ کتا چھوڑتے وقت بھڑکانے کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ کیونکہ بھڑکانا یہ چھوڑنے سے درجہ میں کم ہے۔ کیونکہ بھڑکانا یہ چھوڑنے پر مبنی ہوتا ہے۔ اور اس کے برعکس وہ حرام ہوتا ہے۔ اور یہ شخص جس کا ذبیحہ جائز نہ ہو جیسے مرتد محرم اور جان بوجھ کر جو تکبیر نہ کہے تو وہ اس حکم میں مجوسی کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اگر کتا اس کے ہاتھ سے چھوٹ جائے اور اسے کوئی بھی نہ چھوڑے اور مسلمان اس کو بھڑکائے اور وہ تیز ہو جائے تو وہ شکار حلال ہوگا۔ کیونکہ بھڑکانا چھوڑے جانے کی مثل ہے۔ اور زجر سے مراد آواز دیتے ہوئے جوش دلانا اور بھڑکانا ہے اور انزجار سے مراد شکار کی تلاش میں زیادتی کا اظہار ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''ہدایہ'' میں ہے۔ ''قہستانی'' نے کہا: یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب مجوسی کتے کے جانے میں اسے جوش دلائے اگر وہ کتا ٹھہر جائے پھر مجوسی اس کو جوش دلائے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا جس طرح ''ذخیرہ'' میں ہے۔

معراض کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

34028۔ (قولہ: وَهُوَ سَهْمٌ الخ) ''قاموس'' میں ہے: معراض محراب کے وزن پر ہے یہ ایسا تیر ہوتا ہے جس کا پر

لَا رِيشَ لَهُ، سُمِّيَ بِهِ لِإِصَابَتِهِ بِعَرْضِهِ؛ وَلَوْ لِرَأْسِهِ حِدَّةٌ فَأَصَابَ بِحَدِّهِ حَلَّ (أَوْ بُنْدُقَةٍ ثَقِيلَةٍ ذَاتِ حِدَّةٍ) حُرِمَ لِقَتْلِهَا بِالثِّقْلِ لَا بِالْحَدِّ، وَلَوْ كَانَتْ خَفِيفَةً بِهَا حِدَّةٌ حَلَّ: لِقَتْلِهَا بِالْجُرْحِ، وَلَوْ لَمْ يَجْرَحْهُ

جس کے پر نہیں ہوتے۔ اسے یہ نام دیا گیا ہے کیونکہ یہ شکار کو چوڑائی کی جانب سے لگتا ہے اگر اس کے سرے پر دھار بنی ہو اور وہ اسے دھار کی جانب سے لگے تو شکار حلال ہوگا یا بھاری غلیلہ سے جو دھار والا ہو تو وہ حرام ہو جائے گا کیونکہ اس نے شکار کو وزنی ہونے کی وجہ سے قتل کیا ہے تیز دھار سے قتل نہیں کیا۔ اگر وہ وزنی نہ ہو اور اس کی دھار ہو تو وہ حلال ہوگا۔ کیونکہ اسے زخم لگا کر قتل کرتا ہے اور اس نے اس کو زخمی نہیں کیا ہوتا

نہیں ہوتا جس کی دونوں اطراف باریک اور درمیانی حصہ موٹا ہوتا ہے وہ چوڑائی کے بل شکار کو لگتا ہے تیز جانب سے نہیں لگتا۔

34029۔ (قولہ: لَوْ لِرَأْسِهِ حِدَّةٌ) یہ مصنف کے قول بعرضہ سے احتراز ہے۔

34030۔ (قولہ: فَأَصَابَ بِحَدِّهِ) یعنی اپنی تیز جانب سے لگے اور اس کو زخمی کر دے۔

مٹی کے غلیلے، پتھر، معراض تیر اور عصا سے شکار کا شرعی حکم

34031۔ (قولہ: أَوْ بُنْدُقَةٍ) یہ لفظ با اور دال کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد گول مٹی (روڑہ) ہے جس کو شکار کی طرف پھینکا جاتا ہے۔

34032۔ (قولہ: وَلَوْ كَانَتْ خَفِيفَةً) یہ قول اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ بھاری ہو تو شکار کو حلال نہیں کرے گا اگر چہ وہ اس کو زخمی کر دے۔ ''قاضی خان'' نے کہا: مٹی کے غلیلہ، پتھر، معراض تیر، عصا اور اس جیسی چیز کے ساتھ شکار حلال نہیں اگر چہ وہ اسے زخمی کر دے۔ کیونکہ یہ جسم کو نہیں پھاڑتا۔ مگر ان میں سے کوئی ایسی شے ہو جسے اس نے تیز کیا ہو اور اسے طویل بنایا ہو جیسے تیر ہوتا ہے اور اس کے ساتھ شکار کو مارنا ممکن ہو۔ اگر معاملہ اسی طرح ہو اور وہ اپنی تیز دھار کی وجہ سے شکار کے جسم کو پھاڑ دے تو وہ جانور حلال ہو جائے گا اور اس کو کھانا حلال ہوگا۔ مگر وہ زخم جو جلد کے اندر سے کوٹ دے اور اس کے ظاہر سے نہ پھاڑے تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ خون کا بہانا واقع نہیں ہوا وہ وزنی چیز ہو یا کوئی اور چیز ہو وہ برابر ہے۔ اگر وہ اس کے جسم سے آر پار ہو جائے تو وہ حلال ہوگا ورنہ حلال نہیں ہوگا۔ خزق کا لفظ خا اور زا کے ساتھ ہے جس کا معنی آر پار ہو جانا۔ ''مغرب'' میں کہا: سین کے ساتھ یہ ایک لغت ہے اور را کے ساتھ خطا ہے۔ ''معراج'' میں ''مبسوط'' سے مروی ہے: یہ لفظ زا کے ساتھ حیوان میں استعمال ہوتا ہے اور را کے ساتھ کپڑے میں استعمال ہوتا ہے۔ ''تبیین'' میں ہے: اصل یہ ہے کہ موت جب یقینی طور پر زخم سے حاصل ہو تو وہ شکار حلال ہوگا۔ اگر وزنی چیز لگنے سے موت واقع ہو یا اس میں شک ہو تو وہ جانور حلال نہیں ہوگا یا وہ احتیاطاً حلال نہیں ہوگا۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ سکہ کے ساتھ زخم وہ جلانے اور وزن کے ساتھ شدید مدافعت کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی تیز دھار نہیں ہوتی پس وہ شکار حلال نہیں ہوگا۔ ''ابن نجیم'' نے یہی فتویٰ دیا ہے۔

لَا يُؤْكَلُ مُطْلَقًا وَشُرِطَ فِي الْجُرْحِ الْإِدْمَاءُ، وَقِيلَ لَا مُلْتَقَى، وَتَمَامُهُ فِيمَا عَلَّقْتُه عَلَيْهِ (أَوْ رَمَى صَيْدًا فَوَقَعَ فِي مَاءٍ) لِاحْتِمَالِ قَتْلِهِ بِالْمَاءِ فَيَحْرُمُ، وَلَوِ الطَّيْرُ مَائِيًّا

تو اسے مطلقاً نہیں کھایا جائے گا۔ زخمی کرنے میں خون بہانا شرط ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شرط نہیں، ''ملتقی''۔ اس کی مکمل وضاحت اس میں ہے جو میں نے اس پر تعلیق میں ذکر کیا ہے۔ یا اس نے شکار کو تیر مارا تو وہ پانی میں گر گیا۔ کیونکہ اس کے قتل کے بارے میں یہ احتمال ہے کہ وہ پانی سے قتل ہوا ہو تو وہ حرام ہوگا اگر پرندہ پانی والا ہو

34033۔(قولہ: مُطْلَقًا) یعنی وہ وزنی ہو یا وہ ہلکی چیز ہو۔

34034۔(قولہ: وَشُرِطَ فِي الْجُرْحِ الْإِدْمَاءُ) ''زیلعی'' نے کہا: اگر خون نکالنے والا نہ ہو تو علما نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ جانور حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ ذبح کرنے کا معنی معدوم ہے وہ ناپاک خون کا نکالنا ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں شرط لگائی ہے: انھر الدم بما شئت (1)، خون بہاؤ جس چیز کے ساتھ تم چاہو۔ اسے امام ''احمد''، ''ابوداؤد'' وغیرہما نے روایت کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حلال ہے۔ کیونکہ اس کی وسعت میں جو کچھ ہے وہ لا چکا ہے وہ زخم لگانا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات خون گاڑھا ہونے کی وجہ سے یا سوراخ کے تنگ ہونے کی وجہ سے رک جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر زخم بڑا ہو تو خون نکلنے کے بغیر وہ حلال ہوگا اگر وہ زخم چھوٹا ہو تو حلال نہ ہوگا۔ جب تیر شکار سے کھریا اس کے سینگ میں جا لگا اگر وہ اس کے خون کو نکالے تو وہ حلال ہوگا ورنہ حلال نہیں ہوگا۔ یہ قول پہلے قول کی تائید کرتا ہے ملخص۔ اس کی مثل ''ہدایہ'' میں ہے۔ ''الدر المنتقی'' میں کہا: میں نے کہا: اس میں کلام (اعتراض) ہے۔ کیونکہ ''برجندی'' میں ''الخلاصہ'' سے مروی ہے: یہ تیر گوشت کی جگہ میں نہیں لگا اور ''قہستانی'' میں ''المحیط'' سے جو قول گزر چکا ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ قابل اعتماد قول یہ ہے کہ خون بہانا شرط نہیں۔ فلیتامل، ملخص

میں کہتا ہوں: ''ہدایہ''، ''زیلعی'' اور ''ملتقط'' کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اعتماد اس پر ہے کہ یہ شرط ہے ساتھ ہی حدیث اس کی تائید کرتی ہے ''مواہب'' کے متن میں جو قول ہے اس کے ساتھ اس کے شرط نہ ہونے کو ترجیح دی جاتی ہے۔ مصنف نے کتاب الذبائح میں پہلے ذکر کیا ہے کہ وہ ذبح حلال ہوتا ہے جس کی زندگی معلوم ہو اگرچہ وہ حرکت نہ کرے اور اس سے خون نہ نکلے اگر زندگی معلوم نہ ہو تو دونوں (حرکت اور خون کا نکلنا) میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے، تامل۔

34035۔(قولہ: وَتَمَامُهُ الخ) یہ وہ ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

34036۔(قولہ: أَوْ رَمَى صَيْدًا الخ) یہ حکم اس صورت میں جب اس میں ثابت شدہ زندگی ہو تو وہ بالاتفاق حرام ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کی موت تیر پھینکنے کی طرف منسوب نہیں ہوگی۔ اگر اس میں زندگی اس سے کم درجہ کی ہو تو امر اس اختلاف پر مبنی ہوگا جس کا ذکر کتے کے چھوڑنے میں ہے ''زیلعی'' وغیرہ۔ ''طحطاوی'' نے ''ہندیہ'' سے نقل کیا ہے۔

1۔ سنن نسائی، کتاب الضحایا، باب اباحۃ الذبح بالعود، جلد 3، صفحہ 234، حدیث نمبر 4324

فَوَقَعَ فِیهِ، فَإِنْ انْغَمَسَ جُرْحُهُ فِیهِ حَرُمَ وَإِلَّا حَلَّ مُلْتَقًی (أَوْ وَقَعَ عَلَی سَطْحٍ أَوْ جَبَلٍ فَتَرَدَّی مِنْهُ إِلَی الْأَرْضِ حَرُمَ) فِی الْمَسَائِلِ کُلِّهَا، لِأَنَّ الِاحْتِرَازَ عَنْ مِثْلِ هَذَا مُمْکِنٌ (فَإِنْ وَقَعَ عَلَی الْأَرْضِ ابْتِدَاءً) إِذْ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ غَیْرُ مُمْکِنٍ فَیَحِلُّ (أَوْ أَرْسَلَ مُسْلِمٌ کَلْبَهُ فَزَجَرَهُ) أَیْ أَغْرَاهُ بِصِیَاحِهِ (مَجُوسِیٌّ فَانْزَجَرَ) إِذْ الزَّجْرُ دُونَ الْإِرْسَالِ وَالْفِعْلُ یُرْفَعُ بِمَا هُوَ فَوْقَهُ

اور وہ پانی میں گر جائے اگر اس کا زخم پانی میں ڈوب جائے تو وہ شکار حرام ہو جائے گا ورنہ وہ حلال ہو گا، ''ملتقی''۔ یا وہ شکار چھت یا پہاڑ پر گرے تو وہ وہاں سے زمین پر لڑھک کر آئے تو تمام مسائل میں وہ شکار حرام ہو گا۔ کیونکہ اس جیسی صورت میں بچنا ممکن ہے۔ اگر وہ شکار ابتدا میں ہی زمین پر گرے تو کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں تو وہ شکار حلال ہو گا یا مسلمان نے اپنے کتے کو چھوڑا اور اسے ایک مجوسی نے بھڑکایا تو وہ تیز ہو گیا۔ کیونکہ برانگیختہ کرنا یہ چھوڑنے سے کم درجہ کا فعل ہے اور فعل اپنے سے برتر فعل کے ساتھ

34037۔ (قولہ: فَوَقَعَ فِیهِ) ظاہر یہ ہے کہ یہ قید اتفاقی ہے اس کی مثل ہی صورتحال ہو گی جب وہ اسے پانی میں تیر مارے تو وہ جانور حرام ہو گا۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ اس کی موت پانی سے ہوتی ہو۔ ''طحطاوی'' نے ''ہندیہ'' سے نقل کیا ہے۔

34038۔ (قولہ: وَإِلَّا حَلَّ) کیونکہ اس کی موت کے پانی کے سبب سے واقع ہونے کا احتمال نہیں۔

34039۔ (قولہ: مُلْتَقًی) اسی کی مثل ''ہدایہ'' میں ہے۔

''خانیہ'' میں ذکر کیا گیا ہے اگر شکار پانی میں گر پڑے اور وہ مر جائے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ شاید پانی میں اس کے گرنے نے اسے مار ڈالا ہو۔ اس میں پانی کا پرندہ برابر حکم رکھتا ہے۔ کیونکہ پانی کا پرندہ وہ پانی میں زخمی ہونے کے بعد زندگی بسر کرتا ہے۔ ''ذخیرہ'' میں ''سرخسی'' سے نقل کیا ہے: پھر کہا فتویٰ کے وقت تامل کیا جائے۔ اس کی مکمل بحث ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔

34040۔ (قولہ: فَتَرَدَّی مِنْهُ) یہ قید ذکر کی ہے اگر وہ اسی پر ٹھہرا رہے اور وہ نہ لڑھکے تو بغیر کسی اختلاف کے حلال ہو گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ لڑھک جائے اور فی الحال اسے مہلک زخم نہ لگا ہو۔ کیونکہ اگر اس میں اتنی زندگی باقی ہو جس قدر مذبوح کی زندگی ہوتی ہے پھر وہ لڑھک جائے تو وہ شکار بھی حلال ہو گا، ''معراج''۔

34041۔ (قولہ: فَإِنْ وَقَعَ عَلَی الْأَرْضِ ابْتِدَاءً) یعنی زمین پر کوئی ایسی چیز نہ ہو جو اس کو قتل کرے جیسے نیزے کی انی اور نصب کیا گیا چھلکا۔ ''عنایہ''۔ اس کی مکمل بحث ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔

34042۔ (قولہ: إِذْ الِاحْتِرَازُ) یہ ایسی علت ہے جو معلول پر مقدم ہے۔ وہ معلول آنے والا قول ہے: اکل۔ یہ ان کی کلام میں بہت زیادہ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مِمَّا خَطِیْٓــٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا (نوح: 25) اسی طرح اس کے بعد بھی کلام کی جا سکتی ہے، فافہم۔

34043۔ (قولہ: فَزَجَرَهُ مَجُوسِیٌّ) یعنی جب وہ کتا جا رہا تھا تو اس نے اسے بھڑکایا اگر وہ کتا کھڑا ہو گیا تھا پھر اس

أَوْ مِثْلُهُ كَنَسْخِ الْحَدِيثِ (أَوْ لَمْ يُرْسِلْهُ أَحَدٌ فَزَجَرَهُ مُسْلِمٌ فَانْزَجَرَ) إِذْ الزَّجْرُ إِرْسَالٌ حُكْمًا (أَوْ أَخَذَ غَيْرَ مَا أُرْسِلَ إِلَيْهِ) لِأَنَّ غَرَضَهُ أَخْذُ كُلِّ صَيْدٍ يَتَمَكَّنُ مِنْهُ،

یا اپنے مثل فعل کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے جس طرح حدیث اپنے سے فائق یا اپنی مثل سے منسوخ ہو جاتی ہے یا اسے کسی نے نہ چھوڑا ہو اور مسلمان نے اسے بھڑکایا ہو تو وہ تیز ہو گیا ہو۔ کیونکہ بھڑکانا حکماً چھوڑنا ہے۔ یا اس نے اس شکار کو پکڑ لیا جس کی طرف اس کو نہیں چھوڑا گیا تھا۔ کیونکہ اس کی غرض یہ اس شکار کو پکڑنا ہے جس پر وہ قادر تھا

نے اسے جوش دلایا اور وہ کتا تیز ہو گیا تو اس کو نہیں کھایا جائے گا جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

34044۔ (قولہ: كَنَسْخِ الْحَدِيثِ) صحیح حدیث منسوخ نہیں ہوتی مگر صحیح سے یا اس سے اصح سے، وہ ضعیف حدیث سے منسوخ نہیں ہوتی، ''ط''۔

اگر شکاری نے کتا یا باز تکبیر پڑھ کر شکار پر چھوڑا تو اس کا حکم

34045۔ (قولہ: أَوْ أَخَذَ غَيْرَ مَا أُرْسِلَ إِلَيْهِ) خواہ اس نے اس شکار کو پکڑا جس کی طرف اسے چھوڑا گیا تھا یا اس کو نہ پکڑا۔ شرط یہ ہے اس نے چھوڑنے کے فوراً بعد شکار کر لیا ہو جس طرح گزر چکا ہے۔

''البدائع'' میں کہا: اگر ایک آدمی نے کتا یا باز شکار پر چھوڑا اور تکبیر کہی تو اس نے شکار پکڑ لیا پھر اس نے اس کے فوراً بعد دوسرا شکار پکڑ لیا پھر اس کے بعد اسی طرح شکار پکڑتا رہا تو سب کو کھایا جائے گا کیونکہ شکار میں تعین شرط نہیں۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں۔ پس یہ اسی طرح ہو گیا کہ تیر دو شکاروں کو جا لگا، ملخص۔ اگر اس نے اسے شکار پر چھوڑا پھر اس سے خطا واقع ہو گئی پھر دوسرا شکار اس کے سامنے آ گیا تو اس نے اس کو قتل کر دیا تو وہ حلال ہو جائے گا اگر لوٹنے کے بعد شکار اس کے سامنے آ گیا تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے لوٹنے کے ساتھ اس کا چھوڑنا باطل ہو چکا ہے جس طرح ''خانیہ'' وغیرہ میں ہے۔ ''قہستانی'' نے کہا: اس میں اس امر کا شعور دلایا جا رہا ہے کہ اگر وہ اس شکار کو جا لگے جس کی طرف اس کو نہیں پھینکا گیا تھا تو وہ شکار حلال ہو گا جس طرح ''قاضی خان'' میں ہے۔ اسی طرح اگر وہ شکار کو تیر مارے اور وہ تیر اس کو جا لگے اور اس کے آر پار ہو جائے پھر اس طرح سلسلہ چلتا رہے تو سب شکار حلال ہوں گے جس طرح ''نظم'' میں ہے۔ پس شکاری جانور چھوڑنا تیر پھینکنے کے قائم مقام ہوتا ہے جس طرح ''ہدایہ'' اور ''زیلعی'' میں ہے۔ اس کی مثل ''الملتقی'' میں ہے۔

34046۔ (قولہ: لِأَنَّ غَرَضَهُ الخ) یعنی شکاری جانور چھوڑنے والے کی غرض کسی شکار کا حصول ہے جس پر کتا یا تیندوا قادر ہو۔ یہ ''ہدایہ'' کے قول کا معنی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ تعین ایسی شرط ہے جو مفید نہیں کیونکہ اس کا مقصود شکار کا حصول ہے۔ کیونکہ کتا معین شکار کو پکڑنے پر قادر نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس طریقہ پر اس کی تربیت ممکن نہیں کہ وہ وہی شکار پکڑے جو اس شکار نے معین کیا۔ پس اس کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔

حَتَّى لَوْ أَرْسَلَهُ عَلَى صُيُودٍ كَثِيرَةٍ بِتَسْمِيَةٍ وَاحِدَةٍ فَقَتَلَ الْكُلَّ أَكَلَ الْكُلَّ (أَكَلَ) فِي الْوُجُوهِ الْمَذْكُورَةِ لِمَا ذَكَرْنَا (كَصَيْدٍ رُمِيَ فَقُطِعَ عُضْوٌ مِنْهُ) فَإِنَّهُ يُؤْكَلُ (لَا الْعُضْوُ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَا أُبِينَ مِنَ الْحَيِّ فَهُوَ مَيْتَةٌ وَلَوْ قَطَعَهُ وَلَمْ يُبِنْهُ، فَإِنْ اشْتَمَلَ الْتِئَامُهُ أُكِلَ الْعُضْوُ أَيْضًا وَإِلَّا لَا مُلْتَقَى (وَإِنْ قَطَعَهُ) الرَّامِي (أَثْلَاثًا وَالْأَكْثَرُ مَعَ عَجُزِهِ أَوْ قَطَعَ نِصْفَ رَأْسِهِ أَوْ أَكْثَرَهُ أَوْ قَدَّهُ نِصْفَيْنِ أُكِلَ كُلُّهُ) لِأَنَّ فِي هَذِهِ الصُّوَرِ لَا يُمْكِنُ حَيَاةٌ فَوْقَ حَيَاةِ الْمَذْبُوحِ

یہاں تک کہ اگر اس نے اسے کثیر شکاروں پر چھوڑا جب کہ تکبیر ایک کہی تھی تو اس نے سب کو قتل کر دیا تو سب کو کھایا جائے گا تو اس کو کھایا جائے گا۔ تمام مذکورہ وجوہ میں اس کی دلیل وہ ہے جو ہم نے ذکر کر دی ہے جس طرح ایک شکار ہے جس کو تیر مارا گیا تو اس کا ایک عضو کٹ گیا تو اس شکار کو کھایا جائے گا عضو نہیں کھایا جائے گا۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: زندہ سے جو عضو الگ کر دیا گیا تو وہ مردہ ہے اگر وہ اس کو کاٹ دے اور اس کو جدا نہ کرے۔ اگر اس کے جڑ جانے کا احتمال ہو تو عضو بھی کھایا جائے گا ورنہ نہیں کھایا جائے گا، ''ملتقی''۔ اگر تیر مارنے والے نے اس کو تین ٹکڑوں میں کاٹ دیا اور اس کا اکثر حصہ اس کی دم کی طرف ہے یا اس کے نصف سر کو یا اس کے اکثر حصہ کو کاٹ دیا یا اسے نصف نصف کاٹ دیا تو اس کو مکمل کھایا جائے گا کیونکہ ان تمام صورتوں میں ایسی زندگی ممکن نہیں جو مذبوح کی زندگی سے فائق ہو۔

34047۔(قولہ: بِتَسْمِيَةٍ وَاحِدَةٍ) یعنی چھوڑنے کی حالت میں وہ ایک ہی دفعہ تکبیر کہہ دے۔

34048۔(قولہ: لِمَا ذَكَرْنَا) یعنی چاروں وجوہ میں چاروں علتیں۔

34049۔(قولہ: لَا الْعُضْوُ) یعنی جدائی کے بعد اس کی زندگی ممکن ہو۔ ورنہ دونوں کو کھایا جائے گا، ''عنایہ''۔ یہ سر کے علاوہ باقی تمام اعضاء میں یہی متصور ہوتا ہے، ''نہایہ''۔

34050۔ (قولہ: خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ) کیونکہ آپ نے فرمایا: دونوں کو کھایا جائے گا اگر اس زخم سے شکار مر جائے، ''ہدایہ''۔

34051۔(قولہ: مَا أُبِينَ مِنَ الْحَيِّ) یہ حکم اگرچہ مچھلی کو بھی شامل ہوتا ہے مگر اس کا مردار حلال ہوتا ہے۔ یہ حدیث سے ثابت ہے۔ ''ہدایہ''۔

34052۔(قولہ: وَإِلَّا) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس کی جلد کے ساتھ لٹکا رہے، ''ہدایہ''۔

34053۔(قولہ: أَوْ قَطَعَ نِصْفَ رَأْسِهِ) یعنی لمبائی یا چوڑائی کی صورت میں، ''بدائع''۔

34054۔(قولہ: أَوْ قَدَّهُ نِصْفَيْنِ) قد کا معنی کاٹنا ہے وہ جڑ سے ہو یا لمبائی کی صورت ہو ''قاموس''۔ ضمیر صید کے لیے ہے جس طرح ''البدائع'' میں ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں یہ ذکر کیا ہے کثیر کتب میں کاٹنے کی تفصیل ذکر نہیں کی۔ پھر ''خانیہ''

فَلَمْ یَتَنَاوَلْهُ الْحَدِيثُ الْمَذْكُورُ، بِخِلَافِ مَا لَوْ كَانَ أَكْثَرُهُ مَعَ رَأْسِهِ لِلْإِمْكَانِ الْمَذْكُورِ (وَحَرُمَ صَيْدُ مَجُوسِيٍّ وَوَثَنِيٍّ وَمُرْتَدٍّ) وَمُحْرِمٍ لِأَنَّهُمْ لَيْسُوا مِنْ أَهْلِ الزَّكَاةِ، بِخِلَافِ كِتَابِيٍّ لِأَنَّ ذَكَاةَ الِاضْطِرَارِ كَذَكَاةِ الِاخْتِيَارِ (وَإِنْ رَمَى صَيْدًا فَلَمْ يُثْخِنْهُ

پس مذکورہ حدیث اس کو شامل نہ ہوگی اگر اس کے جسم کا اکثر حصہ اس کے سر کی جانب ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ مذکورہ امکان موجود ہے۔ مجوسی، بت پرست مرتد اور محرم کا شکار حرام ہے۔ کیونکہ وہ ذبح کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ کتابی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اضطراری ذبح اختیاری کی طرح ہے۔ اگر وہ شکار کو تیر مارے پس وہ اس کو ست نہ کرے

اور ''مبسوط'' سے یہ نقل کیا ہے: اگر وہ طولاً نصف نصف کاٹے تو اس کو کھایا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ یہاں طول قید نہیں ہے۔ اس پر ''بدائع'' کی تعلیل جو ان کے قول یؤکل کے ساتھ بیان کی ہے دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ رگوں کا کاٹنا پایا گیا ہے۔ کیونکہ یہ دل سے دماغ کے ساتھ متصل ہوتی ہیں۔ پس یہ ذبح کے مشابہ ہے۔ اسی طرح اگر اس نے سر کی جانب سے نصف سے کم کو قطع کیا، تامل۔

34055۔ (قولہ: فَلَمْ يَتَنَاوَلْهُ الْحَدِيثُ الْمَذْكُورُ) کیونکہ اس میں حی (زندہ) کا ذکر مطلقاً کیا گیا ہے۔ پس یہ اس زندہ کی طرف پھر جائے گا جو حقیقتاً اور حکماً زندہ ہو۔ یہ صورتاً زندہ ہے حکماً زندہ نہیں۔ کیونکہ اس زخم کے بعد زندگی کا باقی رہنا متوہم نہیں۔ اسی وجہ سے اگر وہ پانی میں گر پڑے اور اس میں اتنی زندگی ہو یا وہ پہاڑ سے لڑھک پڑے یا چھت سے لڑھک پڑے تو وہ حرام نہیں ہوگا۔ اس کی مکمل وضاحت ''ہدایہ'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کے ساتھ مصنف کے بیٹے کا وہ اعتراض ساقط ہو جاتا ہے جو ''بزازیہ'' میں ان کے قول پر ہے۔ اگر شکار جدا کیے گئے عضو کے بغیر زندہ رہتا ہو تو جدا کیا گیا عضو نہیں کھایا جائے گا۔ اگر اس کے بغیر زندہ نہ رہ سکتا ہو جیسے سر ہے تو دونوں کو کھایا جائے گا۔ کیونکہ کہا: حدیث عام ہے تو ''بزازی'' نے جو قول کیا ہے اس کی دلیل کہاں سے ہے؟

میں کہتا ہوں: وہ ''ہدایہ'' سے ماخوذ ہے اس کے شارحین وغیرہم نے اس کی صراحت کی ہے۔

34056۔ (قولہ: بِخِلَافِ مَا لَوْ كَانَ أَكْثَرُهُ مَعَ رَأْسِهِ) اس کی صورت یہ ہے کہ اس کا ہاتھ، پاؤں، ران، سرین یا ایک چوتھائی جو پاؤں کے ساتھ ملا ہوا ہے یا سر کے نصف سے کم ہو تو جو عضو جدا کیا گیا ہے وہ حرام ہو جائے گا اور جس سے جدا کیا گیا ہے وہ حلال ہوگا، ''ہدایہ''۔

34057۔ (قولہ: وَمُرْتَدٍّ) اگرچہ وہ قریب البلوغ لڑکا ہو یہ شیخین کے نزدیک ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے یہ اس پر مبنی ہے کہ شیخین کے نزدیک ایسے لڑکے کا ارتداد صحیح ہے، ''بدائع''۔

34058۔ (قولہ: لِأَنَّ ذَكَاةَ الِاضْطِرَارِ الخ) یعنی وہ اختیاری ذبح کا اہل ہے تو اسی طرح اضطراری کا بھی اہل ہوگا۔

34059۔ (قولہ: فَلَمْ يُثْخِنْهُ) ''مغرب'' میں کہا: اثخنته الجراحات، یعنی زخموں نے اسے کمزور کر دیا۔ قرآن

فَرَمَاهُ آخَرُ فَقَتَلَهُ فَهُوَ لِلثَّانِي وَحَلَّ، وَإِنْ أَثْخَنَهُ الْأَوَّلُ بِأَنْ أَخْرَجَهُ عَنْ حَيِّزِ الِامْتِنَاعِ وَفِيهِ مِنْ الْحَيَاةِ مَا يَعِيشُ (فَ) الصَّيْدُ (لِلْأَوَّلِ وَحَرُمَ) لِقُدْرَتِهِ عَلَى ذَكَاةِ الِاخْتِيَارِ، فَصَارَ قَاتِلًا لَهُ فَيَحْرُمُ (وَضَمِنَ الثَّانِي لِلْأَوَّلِ قِيمَتَهُ) كُلَّهَا وَقْتَ إِتْلَافِهِ (غَيْرَ مَا نَقَصَتْهُ جِرَاحَتُهُ وَحَلَّ اصْطِيَادُ مَا يُؤْكَلُ لَحْمُهُ وَمَا لَا يُؤْكَلُ) لَحْمُهُ لِمَنْفَعَةِ جِلْدِهِ أَوْ شَعْرِهِ أَوْ رِيشِهِ أَوْ لِدَفْعِ شَرِّهِ، وَكُلُّهُ مَشْرُوعٌ لِإِطْلَاقِ النَّصِّ

تو اس کو دوسرا آدمی تیر مارے اور وہ اس کو قتل کر دے تو یہ شکار دوسرے شخص کا ہوگا اور وہ حلال ہوگا۔ اگر پہلے نے ہی اسے ست کر دیا ہو اس کی صورت یہ ہے کہ اسے اپنے دفاع سے خارج کر دے اور اس میں اتنی زندگی ہو جس کے ساتھ وہ زندہ رہ سکتا ہو تو شکار پہلے فرد کا ہوگا اور وہ حرام ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ ذبح اختیاری پر قادر ہوگا۔ پس وہ دوسرا شخص اس کا قاتل ہوگا پس وہ شکار حرام ہو جائے گا اور دوسرا شخص پہلے شخص کے لیے اس کی تمام قیمت کا ضامن ہوگا جو اس کے تلف کے وقت تھی سوائے اس کے جو اس کے زخم نے اس میں کمی کر دی۔ جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اور جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا اس کا شکار حلال ہے۔ یہ حلت اس کی جلد، اس کے بالوں اور اس کے پروں کی منفعت کی بنا پر ہوتا ہے یا اس کے شر کو دور کرنے کے لیے شکار حلال ہوتا ہے۔ یہ سب حلال ہے کیونکہ نص مطلق ہے۔

حکیم میں ہے: حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ (الانفال: 67) یعنی زمین میں بہت زیادہ قتل کرے۔

34060۔ (قولہ: فَهُوَ لِلثَّانِي) کیونکہ وہی اس کو پکڑنے والا ہے۔

34061۔ (قولہ: وَحَلَّ) جب پہلے زخم کے ساتھ وہ اپنی حفاظت کے دائرہ سے نہیں نکلا تو اس کی ذبح ذبح اضطراری ہے اور وہ صرف زخم لگانا ہے وہ زخم کسی جگہ لگا ہو جب کہ وہ زخم پایا گیا۔ ''زیلعی''۔

اگر کوئی شکاری کسی شکار پر تیر پھینکے جو اسے زخمی کرے پھر اسی شکار پر دوسرا شکاری تیر پھینکے تو اس کا حکم

34062۔ (قولہ: وَفِيهِ مِنْ الْحَيَاةِ مَا يَعِيشُ) یعنی وہ اس سے نجات پا جاتا ہے مگر جب وہ ایسی حالت میں ہو کہ وہ محفوظ نہ رہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس میں اتنی زندگی نہ رہے مگر اسی قدر جو مذبوح میں باقی ہوتی ہے جس طرح جب وہ اس کا سر جدا کر دے تو وہ حلال ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کا وجود اس کے عدم کی طرح ہے اگر وہ ایسی حالت میں ہو کہ اس کے ساتھ وہ زندہ نہ رہے مگر اس میں زندگی مذبوح سے زائد ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس زخم کے ساتھ وہ ایک دن یا اس سے کم زندہ رہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ دوسرے تیر سے حرام نہیں ہوگا کیونکہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ حرام ہو جائے گا کیونکہ آپ کے نزدیک یہ زندگی معتبر ہے، ''زیلعی''، ملخص۔

34063۔ (قولہ: لِقُدْرَتِهِ عَلَى ذَكَاةِ الِاخْتِيَارِ) اس کا سبب یہ ہے کہ وہ حفاظت و امتناع کے دائرے سے نکل چکا ہے پس وہ اس طرح ہو گیا کہ وہ بکری کی طرف تیر پھینک رہا ہے۔ ''البدائع'' میں اس کو بیان کیا ہے۔

34064۔ (قولہ: وَضَمِنَ الثَّانِي لِلْأَوَّلِ قِيمَتَهُ الخ) کیونکہ اس نے ایک ایسا شکار تلف کیا ہے جو کسی اور کی ملکیت

وَفِي الْقُنْيَةِ يَجُوزُ ذَبْحُ الْهِرَّةِ وَالْكَلْبِ لِنَفْعٍ

''القنیہ'' میں ہے بلی اور کتے کو کسی نفع کے لیے ذبح کرنا جائز ہے۔

تھا۔ کیونکہ جب گہرا زخم لگا کر اسے ست کر دیا تھا تو اس کا مالک بن گیا تھا تو اس نے جو شکار تلف کیا تو اس کی قیمت اس پر لازم ہوگی اور اس کی قیمت اس کے تلف کرنے کے وقت کی قیمت ہوگی پہلے کے زخم لگانے کی وجہ سے وہ ناقص ہو چکی تھی پس اس کو یہ لازم ہوگا۔

اس کی وضاحت یہ ہے: پہلے شکاری نے جب ایسے شکار کی طرف تیر مارا تو جو دس دراہم کے برابر تھا تو اس تیر نے اس میں دو دراہم کا نقص پیدا کر دیا پھر دوسرے شکاری نے تیر مارا تو اس نے اس میں دو دراہم کا نقص پیدا کر دیا پھر وہ مر گیا تو دوسرا آٹھ دراہم کا ضامن ہوگا اور اس کی قیمت سے دو درہم ساقط ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہ پہلے کے زخم کی وجہ سے تلف ہو گیا ہے۔ مصنف نے مسئلہ کی صورت اس میں بیان کی ہے جب اسے یہ علم ہو کہ قتل دوسرے سے واقع ہوا اگر یہ معلوم ہو کہ قتل دونوں زخموں سے واقع ہوا ہے یا اس کا پتہ نہ ہو تو ''ہدایہ'' کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ضمان میں حکم مختلف ہو جاتا ہے۔ ''زیلعی'' نے فرق نہ ہونے کو ثابت کیا ہے پس تو اس کی طرف رجوع کر لے۔

تتمہ: یہ صورت باقی رہ گئی ہے اگر وہ دونوں اکٹھے تیر پھینکیں تو دونوں میں سے ایک تیر اسے دوسرے سے پہلے جا لگا ہو پھر دوسرا تیر اسے لگا ہو یا دونوں میں سے ایک نے تیر پہلے پھینکا ہو پھر دوسرے نے تیر پھینکا یہ اس سے قبل ہو کہ اسے پہلا تیر لگا ہو یا اس کے تیر لگنے کے بعد پھینکا ہو مگر ابھی اسے ست نہ کیا ہو پھر اسے دوسرا تیر لگا ہو اور اسے ست کر دیا ہو یا اسے پہلے تیر نے ست کر دیا ہو پھر اسے دوسرا تیر لگا ہو اور اسے قتل کر دیا ہو تو وہ شکار پہلے کا ہوگا اور اسے کھایا جائے گا۔ یہ امام ''زفر'' کے خلاف ہے۔ اگر دونوں اسے اکٹھے تیر پھینکیں اور دونوں اکٹھے لگیں تو ان دونوں سے وہ مر جائے تو وہ شکار دونوں میں مشترک ہوگا اس میں کتا تیر کی طرح ہے یہاں تک کہ اس کے ست کرنے کے ساتھ مالک ہو جائے گا اور اسے ست کرنے کے بغیر پکڑ لینے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا یہاں تک کہ اگر وہ اپنے باز کو چھوڑے اور اس نے اپنے پنجے سے شکار کو روک لیا اور اسے گھائل نہ کیا تو دوسرے آدمی نے اپنا باز چھوڑا تو دوسرے باز نے اس کو قتل کر دیا تو وہ شکار دوسرے شکاری کا ہوگا اور وہ حلال ہوگا۔ کیونکہ پہلے باز کا قبضہ یہ حفاظت والا قبضہ نہیں کہ وہ مالک کے قبضہ کے قائم مقام ہو جائے اگر وہ تیر پھینکے اور اسے ست کر دے پھر وہ دوبارہ تیر پھینکے اور وہ اسے قتل کر دے تو وہ جانور حرام ہو جائے گا۔ اس کی مکمل وضاحت ''زیلعی'' میں ہے۔ اگر وہ دو کتے شکار پر چھوڑے تو دونوں میں سے ایک کتے نے اسے ضرب لگائی اور اسے پچھاڑ دیا پھر اسے دوسرے نے ضرب لگائی اور اسے قتل کر دیا تو اس جانور کو کھایا جائے گا۔

34065۔ (قولہ: لِنَفْعٍ مَا) یعنی اگرچہ وہ نفع تھوڑا سا ہو بلی اگرچہ اذیت دینے والی ہو اس کو نہیں مارا جائے گا اور اس کے کان کو نہیں رگڑا جائے گا بلکہ اس کو ذبح کر دیا جائے گا۔

مَا (وَالْأَوْلَى ذَبْحُ الْكَلْبِ إِذَا أَخَذَتْهُ حَرَارَةُ الْمَوْتِ، وَبِهِ يَطْهُرُ لَحْمُ غَيْرِ نَجِسِ الْعَيْنِ) كَخِنْزِيرٍ فَلَا يَطْهُرُ أَصْلًا (وَجِلْدُهُ) وَقِيلَ يَطْهُرُ جِلْدُهُ لَا لَحْمُهُ وَهَذَا أَصَحُّ مَا يُفْتَى بِهِ كَمَا فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ عَنِ الْمَوَاهِبِ هُنَا وَمَرَّ فِي الطَّهَارَةِ (أَخْذُ الطَّيْرِ لَيْلًا مُبَاحٌ وَالْأَوْلَى عَدَمُ فِعْلِهِ) خَانِيَّةٌ (يُكْرَهُ تَعْلِيمُ الْبَازِي بِالطَّيْرِ الْحَيِّ لِتَعْذِيبِهِ (سَمِعَ) الصَّائِدُ (حِسَّ إِنْسَانٍ، أَوْ غَيْرِهِ مِنَ الْأَهْلِيَّاتِ)

زیادہ بہتر یہ ہے کہ کتے کو ذبح کر دیا جائے جب اسے موت کی حرارت نے آلیا ہو۔ ذبح کرنے کے ساتھ نجس العین کے علاوہ کا گوشت پاک ہو جاتا ہے جیسے خنزیر ہے۔ پس وہ اصلاً پاک نہیں ہوگا۔ اور اس کی جلد پاک ہو جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذبح کرنے سے اس کی جلد پاک ہو جائے گی اس کا گوشت پاک نہیں ہوگا۔ یہ وہ اصح قول ہے جس کا فتویٰ دیا جاتا ہے جس طرح یہاں ''شرنبلالیہ'' میں ''مواہب'' سے مروی ہے۔ اور کتاب الطہارت میں گزر چکا ہے۔ رات کے وقت پرندے کو پکڑنا مباح ہے۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ ایسا نہ کرے، ''خانیہ''۔ باز کو زندہ پرندہ کے ساتھ تعلیم دینا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ اس پرندہ کو عذاب دینا ہے۔ شکاری نے انسان یا اہلی جانوروں

34066۔ (قولہ: وَالْأَوْلَى الخ) کیونکہ اس میں اس سے درد اور اذیت میں تخفیف ہوتی ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: کتے کی قید لگانے کا کوئی مفہوم مخالف نہیں۔

34067۔ (قولہ: وَبِهِ يَطْهُرُ) یعنی شکار کرنے کے ساتھ وہ پاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ذبح کرنے کے ساتھ وہ پاک ہو جاتا ہے کیا اس کے پاک ہونے میں یہ شرط ہے کہ وہ ذبح کرنے والا ذبح کرنے کا اہل ہو ساتھ ہی وہ تکبیر کہے۔ اس میں اختلاف ہے جسے ہم نے پہلے کتاب الذبائح کے آخر میں بیان کیا ہے۔ ''جوہرہ'' میں اس شرط کو ظاہر روایت قرار دیا ہے اور ''البحر'' میں یہ معدوم ہے۔

34068۔ (قولہ: كَخِنْزِيرٍ) یہ نجس عین کی تمثیل ہے۔

34069۔ (قولہ: فَلَا يَطْهُرُ أَصْلًا) یعنی نہ اس کی جلد اور نہ ہی اس کا گوشت پاک ہوگا، اور نہ اس میں سے کوئی شے پاک ہوگی۔

34070۔ (قولہ: وَهَذَا أَصَحُّ) اسی طرح علامہ ''قاسم'' نے ''کافی''، ''غایہ''، ''نہایہ'' وغیرہما کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس کی تصحیح کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ پہلا قول صاحب ''ہدایہ'' کا مختار مذہب ہے۔

اگر شکاری نے کسی انسان یا اہلی جانور کی آہٹ محسوس کی اور تیر پھینکا تو اس کا حکم

34071۔ (قولہ: سَمِعَ حِسَّ إِنْسَانٍ) یعنی اس کی آواز سنی۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ تیر پھینکتے وقت اسے علم ہو کہ انسان کی آہٹ ہے اور اس میں حکم اسی طرح ہے جس طرح یہاں اس کا ذکر کیا ہے جس طرح ''البدائع'' میں ہے۔

''ہدایہ'' میں مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ جب وہ آہٹ سنے اور اسے تیر مارے پھر اس پر واضح ہو کہ یہ انسان کی آہٹ ہے

كَفَرَسٍ وَشَاةٍ (فَرَمَى إِلَيْهِ فَأَصَابَ صَيْدًا لَمْ يَحِلَّ بِخِلَافِ مَا إِذَا سَمِعَ حِسَّ أَسَدٍ) أَوْ خِنْزِيرٍ
جیسے گھوڑے اور بکری کی آہٹ محسوس کی اور اس نے اس کی طرف تیر پھینکا تو وہ تیر شکار کو جالگا تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ جب وہ شکار یا خنزیر کی آہٹ محسوس کرے

یا شکار کی آہٹ ہے تو دونوں میں کوئی مخالفت نہیں جس طرح وہم کیا جاتا ہے۔

34072۔(قولہ: كَفَرَسٍ وَشَاةٍ) اور مانوس پرندہ اور پالتو خنزیر۔ مراد ہر وہ جانور ہے جو شکار کے ساتھ حلال نہ ہوتا ہو۔

34073۔(قولہ: فَأَصَابَ صَيْدًا لَمْ يَحِلَّ) کیونکہ اس کا فعل شکار کرنا نہیں ہے اگر تیر اسے لگا جس کی آہٹ کو اس نے محسوس کیا تھا جب کہ آدمی نے گمان کیا تھا تو وہ شکار تھا تو وہ حلال ہوگا۔ کیونکہ اس کی تعیین کے ساتھ اس کے گمان کا کوئی اعتبار نہیں ''ہدایہ''۔

''الملتقی'' میں یہ ذکر کیا ہے کہ یہ بھی حلال نہیں۔ کیونکہ اس نے تیر مارا تھا جب کہ شکار کا ارادہ نہیں کر رہا تھا۔ پھر کہا: شکار حلال نہیں ہوگا مگر دو وجوہ میں حلال ہوگا۔(۱) اسے تیر مارے جب کہ وہ شکار کا ارادہ کرتا ہو۔(۲) اور جس کا اس نے ارادہ کیا اور اس کی آہٹ محسوس کی ہو اور شکار جانتے ہوئے اس کی طرف تیر پھینکا ہو خواہ وہ ماکول اللحم ہو یا ایسا نہ ہو۔ ''زیلعی'' نے کہا: یہ اس کے مناقض ہے جو ''ہدایہ'' میں ہے: یہ زیادہ مناسب ہے۔ پھر یہ ذکر کیا کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے اس میں دو قول ہیں: ایک قول میں حلال ہے اور ایک قول میں حلال نہیں۔ اور کہا: جو قول ''ہدایہ'' میں ہے اسے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کی روایت پر محمول کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: ''ہدایہ'' میں جو قول ہے اس کے شارحین نے اسے ثابت رکھا ہے اور ''ملتقی'' میں اس پر گامزن ہوئے ہیں ''البدائع'' میں اسی طرح ہے۔ اور کہا: اس کی مثل وہ ہے کہ جب وہ اپنی بیوی سے کہے اور اس کی طرف اشارہ کرے۔ یہ کتیا طلاق والی ہے اس بیوی کو طلاق ہو جائے گی اور اسم (کتیا) باطل ہو جائے گا۔

''تاتر خانیہ'' وغیرہا میں ہے: اگر اس نے کتا اس چیز کی طرف چھوڑا جس کو وہ درخت یا انسان گمان کرتا تھا تو وہ چیز شکار تھی تو اس کو کھایا جائے گا۔ یہی مختار مذہب ہے اور مختار وہی ہے جو ''ہدایہ'' میں ہے۔

34074۔(قولہ: بِخِلَافِ مَا إِذَا سَمِعَ حِسَّ أَسَدٍ أَوْ خِنْزِيرٍ) یعنی جو پالتو نہ ہو بلکہ متوحش ہو مراد یہ ہے کہ وہ جانور جس کو شکار کرنا حلال ہو۔

''النہایہ'' میں یہ استثنا کی ہے جس کی آہٹ محسوس کی گئی اگر وہ مکڑی ہو یا مچھلی ہو اور وہ ان کے علاوہ کسی اور کو جا لگے تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ کیونکہ ذبح کرنے کا عمل ان دونوں پر واقع نہیں ہوتا پس یہ فعل، ذبح کرنا نہیں ہوگا۔

''زیلعی'' نے اس پر اس قول کے ساتھ اعتراض کیا ہے جو ''خانیہ'' میں ہے: اگر اس نے مکڑی یا مچھلی کی طرف تیر پھینکا اور تکبیر کو ترک کر دیا تو وہ ایک پرندہ کو جا لگا یا کسی اور شکار کو جا لگا اور اس کو قتل کر دیا تو اس کا کھانا حلال ہے۔ امام ''ابو یوسف''

(فَرَمَى إِلَيْهِ) وَأَرْسَلَ كَلْبَهُ (فَإِذَا هُوَ صَيْدٌ حَلَالُ الْأَكْلِ حَلَّ) وَلَوْ لَمْ يَعْلَمْ أَنَّ الْحِسَّ حِسُّ صَيْدٍ أَوْ غَيْرِهِ لَمْ يَحِلَّ جَوْهَرَةٌ، لِأَنَّهُ إِذَا اجْتَمَعَ الْمُبِيحُ وَالْمُحَرِّمُ غُلِّبَ الْمُحَرِّمُ (رَمَى ظَبْيًا فَأَصَابَ قَرْنَهُ أَوْ ظِلْفَهُ فَمَاتَ، إِنْ أَدْمَاهُ أُكِلَ) لِوُجُودِ الْجُرْحِ (وَإِلَّا لَا)،

اور اس کی طرف تیر پھینکے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ یا اس نے اپنا کتا چھوڑا تو وہ شکار تھا جس کا کھانا حلال ہے تو وہ حلال ہوگا اگر یہ معلوم نہ ہو کہ آہٹ شکار کی ہے یا کسی اور چیز کی ہے تو وہ حلال نہیں ہوگا ''جوہرہ''۔ کیونکہ مبیح اور محرم جمع ہو جائیں تو محرم غالب ہو جائے گا۔ ایک آدمی نے ہرن کو تیر مارا تو وہ اس کے سینگ یا اس کے کھر کو جالگا اور وہ مر گیا اگر اس نے اس کا خون نکال دیا ہو تو اس کو کھایا جائے گا۔ کیونکہ زخم موجود ہے ورنہ نہیں کھایا جائے گا

رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایات مروی ہیں۔ صحیح قول یہ ہے کہ اس کو کھایا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''خانیہ'' کا قول و ترك التسمية جب کہ اس کی مثل ''بزازیہ'' میں ہے مشکل ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں اس مسئلہ کو ذکر کیا ہے۔ اور کہا: مختار مذہب یہ ہے کہ اس کو کھایا جائے گا۔ ''تاتر خانیہ'' میں اس مسئلہ کو ذکر کیا ہے اور کہا: مختار مذہب یہ ہے کہ اس کو کھایا جائے گا اور ان کے قول و ترك التسمية کا ذکر نہیں کیا۔ میں نے بعض علما کو دیکھا انہوں نے اسے اپنے قول ناسیا کے ساتھ مقید کیا ہے۔ یہ لازمی قید ہے، فتامل۔

34075۔ (قولہ: فَرَمَى إِلَيْهِ) اسی نے اسے تیر مارا اور وہ تیر اس شکار کو جالگا جس کی آہٹ اس نے نہیں سنی تھی۔

34076۔ (قولہ: اوَأَرْسَلَ كَلْبَهُ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ شکاری جانور چھوڑنا تیر پھینکنے کی طرح ہے۔ ''زیلعی'' کا قول ہے: باز اور تیندوا (چیتا) ان تمام امور میں کتے کی طرح ہے جن امور کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ صحیح قول تیر پھینکنے کی طرح ہے۔

34077۔ (قولہ: حَلَّ) وہ شکار حلال ہے جسے وہ تیر لگا۔ کیونکہ فعل شکار کرنا ہی واقع ہوا ہے۔ پس وہ اس طرح ہو گیا گویا اس نے شکار کی طرف تیر پھینکا اور وہ کسی اور شکار کو جالگا، ''ہدایہ'' ملخص۔

مبیح اور محرم جمع ہو جائیں تو محرم غالب ہوگا

34078۔ (قولہ: لَمْ يَحِلَّ) یعنی وہ شکار حلال نہیں ہوگا جسے تیر لگا ہے جس طرح ایک آدمی اونٹ کو تیر مارتا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ کیا وہ بھاگا ہوا ہے یا بھاگا ہوا نہیں۔ پس وہ کسی اور شکار کو جالگتا ہے تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس میں اصل مانوس ہونا ہے۔ یہ صورت مختلف ہوگی: اگر وہ کسی پرندے کو تیر مارے یہ پتا نہ ہو کہ کیا وہ وحشی ہے یا وحشی نہیں (بلکہ مانوس ہے) تو وہ کسی اور شکار کو جالگتا ہے تو وہ حلال ہو جاتا ہے تو دوسرا شکار حلال ہوگا۔ کیونکہ پرندے میں غالب توحش ہے۔ پس ہر ایک پر اس کے ظاہر حال کے مطابق حکم لگایا جائے گا جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔

34079۔ (قولہ: لِوُجُودِ الْجُرْحِ) کیونکہ خون کے پائے جانے سے زخم کے پائے جانے پر استدلال کیا جاتا ہے

وَالْعِبْرَةُ بِحَالَةِ الرَّمْيِ فَحَلَّ الصَّيْدُ بِرِدَّتِهِ) إذَا رَمَى مُسْلِمًا (لَا بِإِسْلَامِهِ وَوَجَبَ الْجَزَاءُ بِحِلِّهِ) إذَا رَمَى مُحْرِمًا (لَا بِإِحْرَامِهِ) وَسَيَجِيءُ قُبَيْلَ كِتَابِ الدِّيَاتِ فَرْعٌ لَوْ أَنَّ بَازِيًا مُعَلَّمًا أَخَذَ صَيْدًا فَقَتَلَهُ وَلَا يُدْرَى أَرْسَلَهُ إنْسَانٌ أَوْ لَا

اعتبار تیر پھینکنے کی حالت کا ہوگا۔ پس جب اس نے مسلمان ہونے کی حالت میں تیر پھینکا تھا تو بعد میں مرتد ہو جانے کی صورت میں شکار حلال ہوگا (اگر تیر پھینکنے کی حالت میں مرتد ہوا اور تیر حالت اسلام میں لگے) تو اب اس کے اسلام لانے کی وجہ سے وہ شکار حلال نہیں ہوگا جب اس نے احرام کی حالت میں تیر پھینکا ہو تو احرام کھول دینے کی صورت میں اس پر جزا لازم ہوگی احرام باندھنے کی صورت میں جزا لازم نہ ہوگی (یعنی جب تیر پھینکا تھا تو اس وقت محرم نہ تھا)۔ کتاب الدیات سے تھوڑا پہلے یہ آئے گا۔ فرع: اگر سدھایا ہوا باز کسی شکار کو پکڑے اور اس کو قتل کر دے اور یہ پتا نہ ہو کہ کسی انسان نے اس کو چھوڑا تھا یا نہیں

اگر چہ اس کے علاوہ میں خون بہانا شرط نہیں جیسا پہلے گزر چکا ہے، "ط"۔

34080۔ (قولہ: وَالْعِبْرَةُ بِحَالَةِ الرَّمْيِ) اعتبار تیر پھینکنے کی حالت کا ہے۔ مگر ایک ایسے مسئلہ میں جس کا امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ وہ یہ ہے: ایک غیر محرم شخص ہے وہ شکار کی طرف تیر پھینکتا ہے جب کہ دونوں حل میں تھے۔ پس شکار حرم میں داخل ہو گیا تو اسے تیر آ لگا اور وہ حرم میں مر گیا یا حل میں مر گیا تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ اس مسئلہ کے علاوہ میں اعتبار تیر پھینکنے کی حالت کا ہوتا ہے" تاتر خانیہ"۔ یعنی یہ حکم لگانے کے حق میں ہے۔ جہاں تک مالک ہونے کا تعلق ہے تو اس میں اعتبار تیر لگنے کے وقت کا ہے جس طرح "ذخیرہ" میں ہے۔ اگر ایک آدمی نے شکار کی طرف تیر پھینکا اور اس کے بعد دوسرے نے تیر پھینکا تو دوسرا تیر اسے آ لگا اور اسے ست کر دیا جب کہ یہ پہلے سے قبل لگا تو یہ شکار دوسرے کا ہوگا۔

34081۔ (قولہ: فَحَلَّ الصَّيْدُ بِرِدَّتِهِ) ظاہر یہ ہے کہ اس میں با مصاحبت کے لیے ہے جس طرح اس جملہ میں ہے: اهبط بسلام "سلامتی کے ساتھ اتر جا" میں ہے۔ یعنی تیر پھینکنے کے بعد اور اسے تیر لگنے سے پہلے یا اس کے بعد مرتد ہو جانے۔ یہ مذکورہ اصل پر تفریع ہے۔ پس وہ شکار حلال ہوگا۔ کیونکہ رمی کے وقت وہ مسلمان تھا۔ اسی طرح وہ شکار حلال ہوگا۔ اگر وہ شکار کو تیر مارے اور ہر شکار کسی اور سبب سے گر پڑے پھر اس کو تیر آ لگے کیونکہ جب تیر پھینکا گیا تھا تو وہ شکار تھا،" خانیہ"۔

34082۔ (قولہ: لَا بِإِسْلَامِهِ) یعنی اگر اس نے مرتد ہوتے ہوئے تیر مارا تھا۔

34083۔ (قولہ: وَوَجَبَ الْجَزَاءُ بِحِلِّهِ) یعنی اپنے احرام سے فارغ ہونے کے ساتھ۔

34084۔ (قولہ: لَا بِإِحْرَامِهِ) یعنی جب اس نے تیر احرام کے بغیر مارا تھا تو احرام باندھنے سے جزا واجب نہ ہوگی "تاتر خانیہ" میں ہے: ایک شخص احرام کے بغیر ہے اس نے شکار کو تیر مارا تو وہ تیر حل میں اسے لگا اور وہ حرم کی حدود میں جا کر مر گیا یا اسے حرم سے تیر مارا اور وہ حل میں جا کر شکار کو لگا اور حل میں وہ شکار مر گیا تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ اس پر دوسری صورت میں جزا لازم ہوگی پہلی صورت میں جزا لازم نہیں ہوگی۔

لَا يُؤْكَلُ لِوُقُوعِ الشَّكِّ فِي الْإِرْسَالِ وَلَا إِبَاحَةَ بِدُونِهِ، وَإِنْ كَانَ مُرْسَلًا فَهُوَ مَالُ الْغَيْرِ فَلَا يَجُوزُ تَنَاوُلُهُ إِلَّا بِإِذْنِ صَاحِبِهِ زَيْلَعِيٌّ قُلْت وَقَدْ وَقَعَ فِي عَصْرِنَا حَادِثَةُ الْفَتْوَى، وَهِيَ أَنَّ رَجُلًا وَجَدَ شَاتَه مَذْبُوحَةً بِبُسْتَانِهِ هَلْ يَحِلُّ لَهُ أَكْلُهَا أَمْ لَا؟ وَمُقْتَضَى مَا ذَكَرْنَاهُ أَنَّهُ لَا يَحِلُّ لِوُقُوعِ الشَّكِّ فِي أَنَّ الذَّابِحَ مِمَّنْ تَحِلُّ ذَكَاتُهُ أَمْ لَا، وَهَلْ سَمَّى اللهَ تَعَالَى عَلَيْهَا أَمْ لَا لَكِنْ فِي الْخُلَاصَةِ مِنْ اللُّقَطَةِ قَوْمٌ أَصَابُوا بَعِيرًا مَذْبُوحًا فِي طَرِيقِ الْبَادِيَةِ، إنْ لَمْ يَكُنْ قَرِيبًا مِنْ الْمَاءِ وَوَقَعَ فِي الْقَلْبِ أَنَّ صَاحِبَهُ فَعَلَ

تو اس کو نہیں کھایا جائے گا۔ کیونکہ چھوڑنے میں شک واقع ہو چکا ہے اور اس کے بغیر شکار مباح نہیں ہوتا۔ اگر اس کو چھوڑا گیا تھا تو وہ کسی اور کا مال ہے تو اس کی اجازت کے بغیر اسے لینا جائز نہیں، ''زیلعی''۔ میں کہتا ہوں: ہمارے زمانہ میں حادثۃ الفتویٰ واقع ہوا۔ وہ یہ ہے: ایک آدمی نے اپنے باغ میں اپنی بکری کو ذبح شدہ پایا کیا اس مالک کے لیے اس کو کھانا حلال ہے یا حلال نہیں؟۔ جو ہم نے ذکر کیا ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ وہ حلال نہیں۔ کیونکہ اس امر میں شک واقع ہے کہ ذبح کرنے والا ان لوگوں میں سے ہے جس کا ذبح حلال ہوتا ہے یا حلال نہیں ہوتا کیا اس نے اس پر تکبیر کہی یا نہ کہی۔ لیکن ''الخلاصہ'' کتاب اللقطہ میں ہے: ایک قوم نے ایک اونٹ کو جنگل کے راستہ میں ذبح شدہ پایا اگر وہ پانی کے قریب نہ ہو اور دل میں یہ واقع ہو کہ اس کے مالک نے یہ عمل

34085۔(قولہ: قُلْت الخ) یہ مصنف کے کلام میں سے ہے جو ''المنح'' میں موجود ہے۔

34086۔(قولہ: لِوُقُوعِ الشَّكِّ الخ) اس میں ہے: وہ باز جس کی طبیعت میں شکار کرنا ہے۔ اس کا ظاہر حال یہ ہے کہ اس کو چھوڑا نہیں گیا اور وہ کسی کا مملوک نہیں ہے۔ مسلمانوں کے شہروں میں ذبح کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ اس کا ذبیحہ حلال ہوتا ہے اور اس نے اس پر تکبیر کہی ہوگی۔ تکبیر کا نہ ہونا اس گوشت میں موجود ہے جو بازار میں بیچا جاتا ہے یہ ایسا احتمال ہے جو تحریم میں مطلقاً غیر معتبر ہے۔

34087۔(قولہ: لَكِنْ فِي الْخُلَاصَةِ) یہ ان کے قول لا یحل پر استدراک ہے الخ۔

34088۔(قولہ: إنْ لَمْ يَكُنْ قَرِيبًا مِنْ الْمَاءِ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ جب یہ اس طرح ہے تو یہ احتمال موجود ہے کہ وہ پانی میں گرا ہو تو اس کے مالک نے اسے باہر نکالا ہو تو اس نے اس کی زندگی کا گمان کرتے ہوئے اس کو ذبح کر دیا ہو تو اسے باہر نکالا ہو تو اس نے اس کی زندگی کا گمان کرتے ہوئے اس کو ذبح کر دیا ہو تو اس نے حرکت کی ہو اور اس سے خون نکلا ہو تو اس کے مالک نے اسے چھوڑ دیا ہو۔ کیونکہ اسے یہ علم تھا کہ اس کی موت پانی کی وجہ سے ہوئی ہو تو یہ احتمال واقع نہیں ہوتا کہ اس نے اسے لوگوں کے لیے مباح کرتے ہوئے اس کو چھوڑ دیا ہو یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے، تامل۔

34089۔(قولہ: وَوَقَعَ فِي الْقَلْبِ) ظاہر یہ ہے کہ مراد ظن غالب ہے محض دل کا کھٹکا نہیں۔ کیونکہ اس پر حکم مرتب ہوگا، ''ط''۔

ذٰلِكَ إِبَاحَةً لِلنَّاسِ لَا بَأْسَ بِالْأَخْذِ وَالْأَكْلِ لِأَنَّ الثَّابِتَ بِالدَّلَالَةِ كَالثَّابِتِ بِالصَّرِيحِ اهـ. فَقَدْ أَبَاحَ أَكْلَهَا بِالشَّرْطِ الْمَذْكُورِ. فَعُلِمَ أَنَّ الْعِلْمَ بِكَوْنِ الذَّابِحِ أَهْلًا لِلذَّكَاةِ لَيْسَ بِشَرْطٍ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ قُلْتُ قَدْ يُفَرَّقُ بَيْنَ حَادِثَةِ الْفَتْوَى وَاللُّقَطَةِ بِأَنَّ الذَّابِحَ فِي الْأَوَّلِ غَيْرُ الْمَالِكِ قَطْعًا وَفِي الثَّانِي يَحْتَمِلُ وَرَأَيْتُ بِخَطٍّ ثِقَةٍ

لوگوں کے لیے مباح کرنے کے لیے کیا تو اس کے لینے اور کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ جو دلالت سے ثابت ہو وہ صریح سے ثابت کی طرح ہے۔ پس مذکورہ شرط کے ساتھ اس کے کھانے کو مباح کیا ہے۔ پس اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ علم ہونا کہ ذبح کرنے والا ذبح کرنے کا اہل ہے یہ شرط نہیں۔ یہ مصنف کا قول ہے۔ میں کہتا ہوں: بعض اوقات حادثۃ الفتویٰ اور لقطہ کے درمیان اس اعتبار سے فرق کیا جاتا ہے کہ پہلی صورت میں ذبح کرنے والا قطعی طور پر مالک نہیں اور دوسری صورت میں احتمال ہے۔ میں نے ایک ثقہ آدمی کی تحریر دیکھی۔

34090۔ (قولہ: إِبَاحَةً لِلنَّاسِ) ہم نے حج کے راستہ میں ایسے لوگوں کو دیکھا جو اس مقصد کے لیے اونٹ ذبح کر دیتے تھے۔

34091۔ (قولہ: لِأَنَّ الثَّابِتَ بِالدَّلَالَةِ) اس کے مالک کے حال کی دلالت جو دل میں واقع ہوئی۔ پس وہ اس صریح قول کی طرح ہے: ابحتہ لمن یاخذہ میں اسے اس آدمی کے لیے مباح کرتا ہوں جو اس کو لے لے۔ خصوصاً وہ مذبوحہ جانور جو حج کے موسم میں منیٰ میں موجود ہوتے ہیں۔

34092۔ (قولہ: وَفِي الثَّانِي يَحْتَمِلُ) اس میں ہے: دوسرا احتمال کہ ذبح کرنے والا وہ مالک ہے وہ اس احتمال کی نفی نہیں کرتا کہ وہ مجوسی ہو یا جان بوجھ کر تکبیر چھوڑنے والا ہو۔ زیادہ بہتر یہ قول تھا: اگر وہ ایسی جگہ ہو جہاں مجوسی رہتے ہوں یا وہاں چلتے پھرتے ہوں تو اس ذبیحہ کو نہیں کھایا جائے گا ورنہ اس کو کھایا جائے گا۔

جان بوجھ کر تکبیر چھوڑ دینے کے ساتھ اعتراض نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ مسلمان اور کتابی کا ظاہر حال یہ ہے کہ وہ تکبیر کہتا ہے۔ کیونکہ وہ بطور دین کے اس کا اعتقاد رکھتا ہے۔ اس کے برعکس صورتحال موہوم ہے یہ راجح قول کے معارض نہیں۔

میں کہتا ہوں: جگہ کا اعتبار کرنے کی تائید وہ قول کرتا ہے جو علماء نے لقیط کے بارے میں کیا ہے جب کوئی ذمی اس کا دعوت دے تو اس کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا لیکن وہ لقیط مسلمان ہو گا اگر وہ لقیط ذمیوں کے مکان میں نہ پایا جائے جیسے ان کی بستی، بیعہ، کنیسہ۔

34093۔ (قولہ: وَرَأَيْتُ الخ) یہ دونوں میں فرق کی تائید ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ اس کا معتمد اس کے برعکس ہے۔ اس کی دلیل ان کا یہ قول ہے کہ غصب کی بکری کی قربانی صحیح ہے۔ علماء کا اختلاف اس میں ہے کہ ودیعت کی بکری کی قربانی صحیح ہے۔ اسی وجہ سے ''سائحانی'' نے کہا: میں کہتا ہوں: یہ اس کے منافی ہے جو کتاب الغصب اور کتاب

سَرَقَ شَاةً فَذَبَحَهَا بِتَسْمِيَةٍ فَوَجَدَ صَاحِبُهَا هَلْ تُؤْكَلُ؟ الْأَصَحُّ لَا لِكُفْرِهِ بِتَسْمِيَتِهِ عَلَى الْحَرَامِ الْقَطْعِيِّ بِلَا تَمَلُّكٍ وَلَا إِذْنٍ شَرْعِيٍّ فَلْيُحَرَّرْ وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ

وَمَا مَاتَ لَا تُطْعِمْهُ كَلْبًا فَإِنَّهُ خَبِيثٌ حَرَامٌ نَفْعُهُ مُتَعَذِّرُ

وَتَمْلِيكُ عُصْفُورٍ لِوَاجِدِهِ أَجِزْ وَإِعْتَاقَهُ بَعْضُ الْأَئِمَّةِ يُنْكِرُ

وَإِنْ يَلْقَهُ مَعْ غَيْرِهِ جَازَ أَخْذُهُ كَقِشْرٍ لِرُمَّانٍ رَمَاهُ الْمُقَشِّرُ

ایک آدمی نے ایک بکری چوری کی اور اس پر تکبیر پڑھ کر ذبح کی تو اس کے مالک نے اس کو پالیا کیا اس کو کھایا جائے گا۔ اصح قول یہ ہے کہ اسے نہیں کھایا جائے گا۔ کیونکہ اس نے حرام قطعی پر ملکیت حاصل کیے بغیر اور شرعی اذن کے بغیر تکبیر کہی تو وہ کافر ہو گیا۔ پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ ''وہبانیہ'' میں ہے: جو چیز مر جائے تو وہ کتے کو نہ کھلائے۔ کیونکہ وہ خبیث ہے اس کا نفع حرام اور متعذر ہے۔ اس آدمی کی چڑیا کا مالک بنانا جو اس کو پائے یہ جائز ہے۔ اور بعض علماء اس کے آزاد کرنے کا انکار کرتے ہیں۔ اگر مالک اسے غیر کے ہاں پائے تو اس کا لینا جائز ہے جس طرح انار کا چھلکا جسے چھلکا اتارنے والے نے پھینکا ہو۔

الاضحیہ میں گزر چکا ہے پس اس پر اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

34094۔ (قولہ: لَا تُطْعِمْهُ كَلْبًا) یہاں اطعام سے مراد کتے کو اس پر برانگیختہ کرنا ہے۔ جہاں تک کتے کو اس پر برانگیختہ کرنے کا تعلق ہے تو یہ بلی کو مردار پر برانگیختہ کرنے کی مثل ہے۔ جو جائز ہے۔ ''شرنبلالی''۔

34095۔ (قولہ: وَتَمْلِيكُ عُصْفُورٍ) تملیک کا لفظ یہ نصب کے ساتھ ہے یہ اجیز کا مفعول مقدم ہے یعنی اس کا مالک بنانا اس قول کے ساتھ جعلتہ لمن اخذہ میں یہ اس کے لیے کرتا ہوں جو اس کو پکڑ لے۔ اگر وہ یہ قول نہ کرے تو وہ چڑیا اس کی ہوگی جس نے اس کو پکڑ لیا ہو۔ یہی قول مختار ہے اگر اس نے مباح میں اختلاف کیا ہو تو قول قسم کے ساتھ اس کے مالک کا ہوگا۔ کہ اس نے یہ قول نہ کیا تھا۔ کیا یہ شرط ہے کہ اباحت معلوم قوم کے لیے ہو اس میں اختلاف ہے۔

34096۔ (قولہ: وَإِعْتَاقَهُ) یہ منصوب ہے ینکر کا مفعول ہے ان کے قول بعض الائمۃ ینکر کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اکثر علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور یہ منقول نہیں بلکہ ظاہر یہ ہے کہ مذہب حرمت ہے۔ ''ش''۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے یہ اس وقت ہے جب وہ یہ قول نہ کرے جو اس کو پکڑ لے یہ اس کا ہے ورنہ یہ بعینہ متقدم مسئلہ ہوگا۔

34097۔ (قولہ: جَازَ أَخْذُهُ) یعنی اگر چھوڑتے وقت اس نے اس کو مباح نہ کیا ہو جس طرح قول گزر چکا ہے۔

34098۔ (قولہ: كَقِشْرٍ لِرُمَّانٍ) یہ تشبیہ اس حیثیت سے ہے کہ اس کا لے لینا حلال ہے۔ جہاں تک اس کے مالک بننے کا تعلق ہے اور پہلے کو اس سے روکنے کا تعلق ہے تو اس میں اختلاف ہے۔ مختار مذہب یہ ہے کہ وہ اس کا مالک بن جائے گا۔ اور شکار میں یہ ہے کہ وہ اس کا مالک نہیں بنے گا جب وہ اس کو مباح قرار نہ دے۔ جانور میں یہی معاملہ ہے جب وہ اس کو آزاد چھوڑ دے جس طرح ''شرنبلالی'' نے اپنی شرح میں اس کا ذکر کیا ہے۔

وَفِي مُعَايَاتِهَا وَأَيُّ حَلَالٍ لَا يَحِلُّ اصْطِيَادُهُ صَيُودًا وَمَا صِيدَتْ وَلَا هِيَ تَنْفِرُ
اس کی پہیلیوں میں ہے: کون سا ایسا حلال جانور ہے جس کا شکار کرنا حلال نہیں جب کہ وہ شکار ہو نہ ہی اس کو شکار کیا گیا ہو اور نہ ہی وہ بھاگا ہوا ہو۔

پہیلی

34099۔(قولہ: وَأَيُّ حَلَالٍ) یعنی ایک آدمی ہے جو نہ محرم ہے اور نہ ہی حرم کے علاقہ میں ہے وہ ایک شکار کو دیکھتا ہے جس کو غیر نے شکار نہیں کیا اور نہ ہی مالک سے وہ بھاگا ہوا ہے اور اس کا شکار کرنا حلال نہیں۔

جواب ہے: ایک شکار ایک آدمی کے گھر میں داخل ہو جب مالک نے شکار کو دیکھا تو دروازہ بند کر دیا اس طرح کہ بغیر شکار کرنے کے اس کو پکڑنے پر قادر ہو جاتا ہے تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا یہاں تک کہ اگر وہ شکار نکلے تو دوسرے آدمی کے لیے اس کو شکار کرنا حلال نہیں ہوگا یا اس سے مراد ہے گھر کا مالک جو بغیر احرام کے ہے کے لیے حلال نہیں کہ وہ زخم لگانے والے کے ساتھ اس کا شکار کرے۔ کیونکہ وہ اختیاری ذبح پر قادر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

كِتَابُ الرَّهْنِ

مُنَاسَبَتُهُ أَنَّ كُلًّا مِنَ الرَّهْنِ وَالصَّيْدِ سَبَبٌ لِتَحْصِيلِ الْمَالِ (هُوَ لُغَةً حَبْسُ الشَّيْءِ وَشَرْعًا (حَبْسُ شَيْءٍ مَالِيٍّ)

رہن کے احکام

اس کی کتاب الصید کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ رہن اور صید میں سے ہر ایک مال کے حصول کا سبب ہوتا ہے۔ لغت میں رہن سے مراد کسی شے کو روک لینا ہے اور شرع میں اس سے مراد کسی مالدار چیز کو حق کے بدلے میں روک لینا جس حق کو اس شے سے کلی طور پر یا اس کا بعض وصول کرنا ممکن ہو۔

یہ مشروع ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ (البقرہ: 283) اور یہ حدیث طیبہ کی وجہ سے مشروع ہے انه عليه الصلاة والسلام اشترى من يهودى طعاما ورهنه به درعه (1) رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے کھانا خریدا اور اس کے پاس زرہ رہن رکھی۔ اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ اس کے محاسن میں سے یہ ہے کہ ادھار دینے والے کی جانب کی رعایت ہے اس کے حق کے ہلاک ہونے سے امن ہوتا ہے اور مدیون کی جانب کی رعایت یہ ہے کہ ادھار دینے والے کا اس کے ساتھ جھگڑا کم ہو جاتا ہے اور جب وہ عاجز ہوتا ہے تو اس کی ادائیگی پر قادر ہو جاتا ہے۔ اس کا رکن صرف ایجاب ہے یا ایجاب اور قبول ہے جس طرح آگے آئے گا اور اس کی شروط آگے آئیں گی۔ اس کا حکم یہ ہے کہ وصول کرنے کا قبضہ ثابت ہو جائے۔ اور اس کا سبب بقائے مقدر کا تعلق ہے۔ آیت میں سفر کو خاص کیا ہے۔ کیونکہ غالب یہ ہوتا ہے کہ اس میں تحریر اور گواہ بنانا ممکن نہیں ہوتا پس رہن کے ساتھ اعتماد حاصل کیا جاتا ہے۔

رہن کا لغوی معنیٰ

34100۔(قولہ: هُوَ لُغَةً حَبْسُ الشَّيْءِ) یعنی کسی بھی سبب سے ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾ (المدثر) ہر نفس نے جو عمل کیا ہے اس کے بدلے میں محبوس ہے رہن کے لفظ کا اطلاق مرہون پر ہوتا ہے۔ یہ مصدر کے ساتھ مفعول کا نام رکھنا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: رهنت الرجل شيئا و رهنته عنده میں نے کوئی شے اس کے پاس رہن رکھی۔ اس میں ارهنته بھی ایک لغت ہے۔ اس کی جمع ارہان، رہون اور رہن آتی ہے۔ رہن اور رہینہ بھی رہن ہی ہوتا ہے۔ یہ ترکیب ثبات اور دوام پر دال ہے راہن مالک ہوتا ہے اور مرتہن رہن لینے والا ہوتا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الرہن، باب من رهن درعه، جلد 1، صفحہ 1059، حدیث نمبر 2326

أَیْ جَعْلُهُ مَحْبُوسًا لِأَنَّ الْحَابِسَ هُوَ الْمُرْتَهِنُ بِحَقٍّ يُمْكِنُ اسْتِيفَاؤُهُ أَیْ أَخْذُهُ (مِنْهُ) كُلًّا أَوْ بَعْضًا كَأَنْ كَانَ قِيمَةُ الْمَرْهُونِ أَقَلَّ مِنَ الدَّيْنِ (كَالدَّيْنِ)

یعنی اس شے کو محبوس کر لینا۔ کیونکہ ایسے حق کے بدلے روکنے والا مرتہن ہوتا ہے۔ جس کا پورا پورا لینا اس سے کلی طور پر یا بعض لینا ممکن ہو اس کی صورت یہ ہے کہ مرہون شے کی قیمت دین سے کم ہو جیسے دین ہوتا ہے۔ کالدین میں

شرعی تعریف

34101۔ (قولہ: أَیْ جَعْلُهُ مَحْبُوسًا) ''ایضاح الاصلاح'' میں کہا: کسی شے کو حق کے بدلے میں محبوس کرنا ہے یہ نہیں کہا: حبس الشیء بحق کیونکہ روکنے والا مرتہن ہوتا ہے راہن نہیں ہوتا۔ جو اسے محبوس بناتا ہے اس کا معاملہ مختلف ہے، ''ح''۔ یہ رہن تام یا رہن لازم کی تعریف ہے ورنہ رہن کے انعقاد میں محبوس کرنا لازم نہیں ہوتا بلکہ یہ قبضہ کرنے سے ساتھ ہوتا ہے، ''سعدی''۔

''قہستانی'' نے کہا: متبادر یہ ہے کہ محبوس کرنا تبرع کے طریقہ پر ہو اگر مالک کو دینے پر مجبور کیا جائے تو وہ رہن نہیں ہوگا جس طرح ''الکبریٰ'' میں ہے۔ پس اس پر یہ لازم نہیں کہ وہ اجازت کا ذکر کرتا جس طرح گمان کیا گیا ہے۔ آنے والے باب کے آخر میں آئے گا کہ اگر اس نے مدیون کا عمامہ لے لیا تو یہ رہن ہوگا اگر وہ اس عمامہ کے ترک پر راضی ہو۔

34102۔ (قولہ: بِحَقٍّ) یعنی مالی حق کے سبب سے اگرچہ وہ مجہول ہو اس کے ساتھ قصاص، حد اور یمین سے احتراز کیا ہے ''قہستانی''۔ اس میں بدل کتابت داخل ہوگا۔ کیونکہ اس کے بدلے میں رہن جائز ہے اگرچہ اس کی ضمانت اٹھانا جائز نہیں جس طرح ''معراج'' میں ''خانیہ'' سے مروی ہے۔

34103۔ (قولہ: يُمْكِنُ اسْتِيفَاؤُهُ) اس رہن جو مرہون کے معنی میں ہے سے اس کا حق وصول کرنا ممکن ہوتا ہے اس قول کے ساتھ اس سے احتراز کیا ہے جو فاسد ہو جیسے برف اور امانت، مدبر۔ ام ولد اور مکاتب سے احتراز کیا ہے، ''شرنبلالیہ'' میں کہا ہے: جہاں تک شراب کا تعلق ہے تو وہ بھی مال ہے۔ اس سے حق کی وصولی ممکن ہے کہ ذمی کو اس کی بیع کا وکیل بنا دیا جائے یا خود ہی بیچ دے اگر مرتہن اور راہن اہل ذمہ میں سے ہوں۔ لیکن مسلمان کے حق میں شراب [illegible] نہیں پس اس کا اسے رہن کے طور پر رکھنا اور نہ ہی مسلمان یا ذمی سے اسے رہن کے طور پر قبضہ میں لینا جائز ہے اگرچہ ذمی کے لیے اس کا ضامن ہوگا جس طرح آنے والے باب میں آئے گا۔

34104۔ (قولہ: كُلًّا أَوْ بَعْضًا) یہ استیفاؤہ کی ہا سے دونوں تمیز ہیں جو اس حق کی طرف لوٹ رہی ہے جو دین ہے، ''ح''۔ پس یہ دونوں مضاف الیہ سے پھیرے گئے ہیں جو مضاف الیہ معنی میں مفعول ہے۔ کیونکہ اصل کلام یہ ہے: استیفاء کلہ او بعضہ۔ شارح نے جو ذکر کیا ہے وہ ''قہستانی'' کا جواب ہے یہ اسے شامل نہیں ہوگا جو رہن دین سے کم ہو، فافہم۔

34105۔ (قولہ: كَالدَّيْنِ) یہ حق کی تمثیل ہے۔

كَافُ الِاسْتِقْصَاءِ لِأَنَّ الْعَيْنَ لَا يُمْكِنُ اسْتِيفَاؤُهَا مِنَ الرَّهْنِ إِلَّا إِذَا صَارَ دَيْنًا حُكْمًا كَمَا سَيَجِيءُ (حَقِيقَةً) وَهُوَ دَيْنٌ وَاجِبٌ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا أَوْ ظَاهِرًا فَقَطْ كَثَمَنِ عَبْدٍ أَوْ خَلٍّ وُجِدَ حُرًّا أَوْ خَمْرًا (أَوْ حُكْمًا) كَالْأَعْيَانِ (الْمَضْمُونَةِ بِالْمِثْلِ أَوِ الْقِيمَةِ

کاف کاف الاستقصاء ہے۔ کیونکہ رہن سے عین کا وصول کرنا ممکن نہیں ہوتا مگر جب وہ حکماً دین بن جائے جس طرح عنقریب آئے گا خواہ دین حقیقتاً ہو وہ وہ دین ہوتا ہے جو دین ظاہر اور باطن کے اعتبار سے واجب ہو یا صرف ظاہر کے اعتبار سے واجب ہو جیسے غلام یا سرکہ کی قیمت جسے آزاد یا شراب پایا جائے خواہ وہ دین حکماً ہو جیسے ایسے اعیان جن کا ضمان مثل یا قیمت سے ہو

34106۔(قولہ: كَافُ الِاسْتِقْصَاءِ) یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ یہ بعض افراد کی تمثیل کے لیے نہیں۔ کیونکہ یہاں مراد دین کے علاوہ نہیں۔ اس کا داعی یہ ہے کہ مصنف نے دین کو عین کا جامع بنایا ہے مگر جب وہ اسے مطلق ذکر کرے تو کاف تمثیل کے لیے بنانا ممکن ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دین سے مراد وہ دین ہے جو حقیقت میں دین ہے۔

34107۔(قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی قریب ہی ان کے قول او حکماً میں آئے گا۔

34108۔(قولہ: وُجِدَ حُرًّا أَوْ خَمْرًا) یہ لف نشر مرتب ہے۔ اور جیسے ذبیحہ کا ثمن انکار کی صورت میں بدل صلح اگرچہ اسے مردار پایا جائے یا دونوں ایک دوسرے کی تصدیق کریں کہ کوئی دین نہیں۔ کیونکہ دین ظاہراً واجب ہوا ہے جب کہ یہ کافی ہے۔ کیونکہ یہ دین موعود سے زیادہ مقلد ہے جس طرح عنقریب آئے گا، ''درر''۔ یعنی رہن مضمون ہے۔ ''قدوری'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ اس کے ہلاک ہو جانے سے کوئی شے لازم نہ ہو گی جس طرح اگر وہ ابتدا میں آزاد اور شراب کے بدلے کوئی شے رہن کے طور پر رکھے۔

امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''مبسوط'' اور ''جامع'' میں یہ ذکر کیا ہے کہ فاسد دین کے رہن کے حکم سے جس شے پر قبضہ کیا جائے تو اس کی قیمت اور دین میں سے جس کو کھا لیا جائے اس کی ضمانت ہو گی۔ مختار مذہب امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جس طرح ''الاختیار'' میں ہے، ''ابو سعود''، ملخص۔

34109۔(قولہ: كَالْأَعْيَانِ الْمَضْمُونَةِ بِالْمِثْلِ أَوِ الْقِيمَةِ) انہیں مضمونة بنفسها کہا جاتا ہے۔ کیونکہ مثل یا اس کی قیمت اس کے قائم مقام ہو جاتی ہے جیسے مغصوب وغیرہ ہے۔ یہ ان میں سے ہے جس کا ذکر عنقریب آئے گا۔ اس قول کے ساتھ مضمونة بغیرها سے احتراز کیا ہے جیسے مبیع جو بائع کے قبضہ میں ہو۔ کیونکہ مضمون بغیرہ ہے جو ثمن ہے۔ اور اصلاً غیر مضمونہ سے احتراز کیا ہے جیسے امانات۔ پس ان دونوں صورتوں میں رہن باطل ہو گا۔ اسے دین حکمی کا نام دیا ہے کیونکہ اس میں اصل موجب قیمت یا مثل ہے اور عین کو واپس کرنا یہ چھٹکارا دلانے والا ہے اگر اس کو لوٹانا ممکن ہو جس پر جمہور علماء ہیں جب کہ وہ دین ہے۔ اور جس قول پر بعض علماء ہیں اگرچہ قیمت ہلاکت کے بعد واقع ہوتی ہے لیکن سابقہ قبضہ کی وجہ سے ہلاکت کے وقت واجب ہوتا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''ہدایہ'' اور ''زیلعی'' میں ہے۔

كَمَا سَيَجِيءُ) كَوْنُهُ (وَيَنْعَقِدُ بِإِيجَابٍ وَقَبُولٍ) حَالَ (غَيْرُ لَازِمٍ) وَحِينَئِذٍ فَلِلرَّاهِنِ تَسْلِيمُهُ وَالرُّجُوعُ عَنْهُ كَمَا فِي الْهِبَةِ (فَإِذَا سَلَّمَهُ وَقَبَضَهُ الْمُرْتَهِنُ) حَالَ كَوْنِهِ

جس طرح عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔ اور یہ عقد ایجاب وقبول کے ساتھ منعقد ہوجاتا ہے حال یہ ہے کہ وہ لازم نہیں ہوتا اور اس وقت راہن کو حق حاصل ہے کہ رہن اس کے حوالے کرے اور اس سے رجوع کر لے جس طرح ہبہ میں ہوتا ہے جب وہ حوالے کردے اور مرتہن اسی پر قبضہ کر لے اس حال میں

3410۔(قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی آنے والے باب میں آئے گا۔

رہن کا رکن

34111۔(قولہ: وَيَنْعَقِدُ بِإِيجَابٍ) تیرا مجھ پر جو دین ہے اس کے بدلے میں میں نے تجھے تیرے ہاں یہ رہن رکھا ہے یا یہ شے اس کے بدلے میں بطور رہن لے لے، ''قہستانی''۔ رہن کا لفظ شرط نہیں جس طرح آنے والے باب میں اس کا ذکر کریں گے۔

34112۔(قولہ: وَقَبُولٍ) جیسے میں نے اسے بطور رہن قبول کرلیا خواہ مسلمان سے یا کافر سے، غلام سے یا بچے سے، اصیل سے یا وکیل سے صادر ہو۔ پس قبول رکن ہے جیسے ایجاب ہے۔ اسی طرح اکثر مشائخ مائل ہوئے ہیں۔ کیونکہ یہ بیع کی طرح ہے۔ اسی وجہ سے وہ آدمی حانث نہیں ہوگا جو یہ قسم اٹھائے کہ وہ رہن نہیں رکھے گا جب کہ اس میں قبول نہ پایا گیا ہو۔ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہ قول ایجاب کے علت بننے کے لیے شرط ہے۔ کیونکہ یہ عقد تبرع ہے۔ اسی وجہ سے یہ تسلیم کیے بغیر لازم نہیں ہوتا، ''قہستانی''۔ ''ہدایہ'' میں دوسرے قول پر اکتفا کیا ہے۔ ''قہستانی'' نے ''کرمانی'' سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ بطریق ایک ہاتھ سے لینے اور دوسرے ہاتھ سے دینے کے ساتھ جائز ہے۔

34113۔(قولہ: غَيْرُ لَازِمٍ) کیونکہ یہ عقد تبرع ہے کیونکہ رہن اس کے مقابلہ میں مرتہن پر کسی شے کو لازم کرنے والا نہیں ہوتا۔

34114۔(قولہ: وَحِينَئِذٍ) یعنی جب وہ لازم ہوئے بغیر منعقد ہو۔ تفریع کی فا اس سے غنی کر دیتی ہے جس طرح ''طحطاوی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

34115۔(قولہ: وَقَبَضَهُ) یعنی راہن صریح اذن سے قبضہ کرے یا مجلس میں یا اس کے بعد جو اس کے قائم مقام ہو وہ خود قبضہ کرے یا اس کا نائب قبضہ کرے جیسے باپ، وصی اور عادل، ''ہندیہ'' ملخص۔ اگر مرتہن نے اس پر قبضہ کیا جب کہ راہن خاموش ہو چاہیے کہ وہ رہن ہو پس متنبہ ہو جایئے۔

34116۔(قولہ: حَالَ كَوْنِهِ) ضمیر سے مراد رہن ہے یہ احوال مترادفہ ہیں یا متداخلہ ہیں، ''عینی''۔ اس کے ساتھ یہ بیان کیا ہے کہ ان صفات کے ساتھ رہن عقد کے وقت لازم نہیں ہوتا جب کہ قبضہ کے وقت لازم ہوتا ہے اگر وہ متصل ہو یا

(مَحُوزًا) لَا مُتَفَرِّقًا كَثَمَرٍ عَلَى شَجَرٍ (مُفَرَّغًا) لَا مَشْغُولًا بِحَقِّ الرَّاهِنِ كَشَجَرٍ بِدُونِ الثَّمَرِ (مُمَيَّزًا) لَا مُشَاعًا وَلَوْ حُكْمًا بِأَنْ اتَّصَلَ الْمَرْهُونُ بِغَيْرِ الْمَرْهُونِ خِلْقَةً كَالشَّجَرِ وَسَيَتَّضِحُ (لَزِمَ)

کہ رہن مجتمع ہو متفرق نہ ہو جس طرح درخت پر پھل ہوتا ہے فارغ ہو، راہن کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو جیسے پھل کے بغیر درخت وہ ممیز ہو مشترک نہ ہو اگرچہ حکماً ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مرہون غیر مرہون کے ساتھ خلقۃ متصل ہو جیسے درخت ہے۔ عنقریب اس کی وضاحت ہوگی تو یہ عقد لازم ہو جائے گا۔

غیر کے ساتھ مشغول ہو تو عقد فاسد ہوگا باطل نہیں ہوگا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر دین مشترک شے ہو۔ بعض علماء کے نزدیک عقد باطل ہوگا یہ امام ''کرخی'' کا اختیار ہے۔ اگر قبضہ کے ساتھ فساد ختم ہو جائے تو وہ صحیح لازم ہو جائے گا جس طرح ''کرمانی'' میں ہے۔ ''قہستانی''۔

34117۔ (قولہ: مَحُوزًا) یہ حوز سے مشتق ہے جس کا معنی شے کو جمع کرنا ہے اور ملانا ہے، ''قاموس''۔ ''الدرر'' میں جو قول ہے اس کو دیکھیے۔

34118۔ (قولہ: كَثَمَرٍ عَلَى شَجَرٍ) یہ متفرق کی مثال ہے اور جس طرح زمین پر کھیتی ہوتی ہے یعنی جب درختوں اور زمین کے بغیر پھلوں کو رہن رکھا جائے۔ کیونکہ پھل اور کھیتی مرتہن کے قبضہ میں جمع نہیں ہوتے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کا قبضہ ان دونوں کو جمع کرنے والا نہیں۔ کیونکہ درخت کے بغیر پھلوں کو جمع کرنا اور زمین کے بغیر کھیتی کو جمع کرنا ممکن نہیں، ''ط''۔

34119۔ (قولہ: لَا مَشْغُولًا) جہاں تک شاغل کا تعلق ہے تو اس کا رہن جائز ہوتا ہے جس طرح کثیر کتب میں ہے۔ حق راهن کے قول کے ساتھ اس سے احتراز کیا ہے کہ اگر وہ غیر کی ملکیت سے مشغول ہے پس یہ مانع نہیں ہوگا جس طرح ''عمادیہ'' میں ہے، ''حموی''۔

میں کہتا ہوں: چاہیے یہ کہ شاغل کی یہ قید لگائی جائے کہ یجوز رھنہ بغیر المتصل غیر متصل کا رہن جائز ہوگا۔ کیونکہ تو یہ جان چکا ہے کہ پھل یا کھیتی کا رہن رکھنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح صرف عمارت کو رہن رکھنا جائز نہیں جس طرح عنقریب آئے گا، فافہم۔

34120۔ (قولہ: لَا مُشَاعًا) جس طرح نصف غلام یا نصف گھر اگرچہ وہ شریک ہو۔ اس کی مکمل وضاحت آئے گی۔ جس کا مشترک ہونا ضرورت کے اعتبار سے ثابت ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہوگا۔

34121۔ (قولہ: وَلَوْ حُكْمًا) مصنف کا قول محوزا اس سے مستغنی کر دیتا ہے۔

34122۔ (قولہ: خِلْقَةً) اس کے ساتھ قید لگانے میں اعتراض ہے ہم عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔

34123۔ (قولہ: وَسَيَتَّضِحُ) یعنی آنے والے ابواب کے شروع میں۔

34124۔ (قولہ: لَزِمَ) یہ اذا کا جواب ہے۔

أَفَادَ أَنَّ الْقَبْضَ شَرْطُ اللُّزُومِ كَمَا فِي الْهِبَةِ، وَصُحِّحَ فِي الْمُجْتَبَى أَنَّهُ شَرْطُ الْجَوَازِ (وَالتَّخْلِيَةِ) بَيْنَ الرَّهْنِ وَالْمُرْتَهِنِ (قَبْضٌ) حُكْمًا عَلَى الظَّاهِرِ (كَالْبَيْعِ) فَإِنَّهَا فِيهِ أَيْضًا قَبْضٌ
اس قول نے یہ فائدہ دیا ہے کہ قبضہ لزوم کی شرط ہے جس طرح ہبہ میں ہے۔ ''مجتبیٰ'' میں اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ یہ جواز کی شرط ہے۔ رہن اور مرتہن کے درمیان رکاوٹ کو ختم کرنا یہی اس پر حکما قبضہ ہے۔ یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے جس طرح بیع میں ہوتا ہے۔ کیونکہ بیع میں بھی یہ قبضہ ہوتا ہے

رہن کے لزوم کی شرط

34125۔ (قولہ: شَرْطُ اللُّزُومِ) ''ہدایہ''، ''ملتقی'' وغیرہ میں اسی پر گامزن ہوئے ہیں۔ ''العنایہ'' میں کہا: یہ ''شیخ الاسلام'' کا مذہب مختار ہے۔ یہ عام کی روایت کے خلاف ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: رہن جائز نہیں مگر جب وہ مقبوض ہو۔ اس کی مثل ''کافی الحاکم''، ''مختصر الطحاوی'' اور ''کرخی'' میں ہے، ملخص۔

''سعدیہ'' میں ہے: میں کہتا ہوں: کتاب الہبہ میں پہلے گزر چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا تجوز الهبة الا مقبوضة(1) ہبہ جائز نہیں مگر اس پر قبضہ کرلیا جائے ہبہ میں قبضہ کرنا یہ اس کے جواز کی شرط نہیں۔ پس یہاں بھی اسی طرح ہونا چاہیے، فلیتامل۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں بھی جواز کی تفسیر لزوم سے کی جائے صحت کے ساتھ نہ کی جائے جس طرح انہوں نے ہبہ میں یہ تفسیر کی ہے۔ کیونکہ ان کی کلام اور حدیث کے درمیان اس کے بغیر تطبیق ممکن نہیں۔

34126۔ (قولہ: وَصُحِّحَ فِي الْمُجْتَبَى) ''قہستانی'' میں ''ذخیرہ'' سے اسی طرح مروی ہے۔

34127۔ (قولہ: وَالتَّخْلِيَةِ) اس سے مراد موانع کا اٹھا لینا ہے اور قبضہ کی قدرت دینا ہے۔

34128۔ (قولہ: قَبْضٌ حُكْمًا) کیونکہ تخلیہ یہ سپرد کرنا ہے تو اس کی ضرورت میں سے ہے کہ قبضہ کا حکم لگایا جائے پس غایت کا ذکر جس پر حکم مبنی ہے کیونکہ یہی مقصود ہے۔ اس کے ساتھ ''زیلعی'' کا قول اٹھ جاتا ہے۔ قول یہ ہے: صحیح یہ ہے کہ تخلیہ سپرد کرنا ہے کیونکہ اس سے مراد قبضہ سے مانع کو اٹھا دینا ہے۔ یہ سپرد کردینے والے کا عمل ہے قبضہ میں رہنے والے کا عمل نہیں۔ اور قبضہ کرنا یہ وصول کرنے والے کا فعل ہے۔ ''المنح'' میں اس کو بیان کیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس پر وہی حکم مرتب ہوتا ہے جو حقیقی قبضہ پر مرتب ہوتا ہے۔

34129۔ (قولہ: عَلَى الظَّاهِرِ) یعنی ظاہر روایت کے مطابق یہی قول اصح ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: منقول میں کوئی امر نقل سے ہی ثابت ہوتا ہے، ''ہدایہ''۔

1۔ نصب الرایہ، کتاب الھبۃ، جلد 4، صفحہ 299

(وَهُوَ مَضْمُونٌ إِذَا هَلَكَ
اور رہن پر اس کی قیمت اور دین میں سے

رہن رکھی ہوئی چیز کا شرعی حکم

34130۔(قولہ: وَهُوَ مَضْمُونٌ الخ) یعنی اس کی مالیت کی ضمانت ہوتی ہے۔ جہاں تک اس کے عین کا تعلق ہے تو وہ امانت ہوتی ہے۔

''الاختیار'' میں کہا ہے: وہ چیز راہن کی ملکیت پر ہلاک ہوگی یہاں تک کہ اگر وہ غلام یا لونڈی ہو، تو راہن اس کو کفن دے گا۔ کیونکہ یہ حقیقت میں اس کی ملک ہے اور مرتہن کے ہاتھ میں امانت ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر وہ اس کو خرید لے تو رہن کا قبضہ یہ خریداری کا قبضہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ امانت ہے۔ پس یہ ضمان کے قبضہ کا نائب نہیں ہوگا جب یہ راہن کی ملکیت ہے تو جب وہ مرجائے تو اس کا کفن راہن کے ذمہ ہوگا۔ ''حموی'' نے ''الاشباہ'' پر حاشیہ میں اسے ذکر کیا ہے۔ جب وہ جان بوجھ کر ہلاک کرے تو اس سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں وہ اس سب کا ضامن ہوگا جس طرح اس کی وضاحت آگے آئے گی۔ اسے مطلق ذکر کیا ہے۔ پس یہ اس صورت کو شامل ہوگا جب وہ ضائع ہونے کی صورت میں ضمان نہ ہونے کی شرط لگائے۔ پس رہن جائز ہے اور شرط باطل ہے۔ اور یہ رہن کے بدلے میں ہلاک ہوگی جس طرح ''خلاصہ'' وغیرہ میں ہے۔ اور یہ قول اس صورت کو شامل ہے جب عیب کی وجہ سے اس میں نقص واقع ہو جائے۔ ''جامع الفصولین'' میں ہے: اگر ایک غلام کو رہن کے طور پر رکھا تو وہ بھاگ گیا تو رہن ساقط ہو جائے گا اگر وہ اس غلام کو پالے تو وہ پھر رہن بن جائے گا اور رہن سے اسی حساب سے ساقط ہو جائے گا اگر اس کا بھاگنا پہلی دفعہ ہو ورنہ کوئی شے ساقط نہ ہوگی۔ اس کا ذکر کتاب الرہن کے آخر میں آئے گا۔ یہ فاسد رہن کو بھی شامل ہوگا۔ کیونکہ یہ اس کے ساتھ بھی صحیح کا معاملہ کیا جاتا ہے جس طرح اس کی وضاحت کتاب الرہن کے آخر میں آئے گی۔

تنبیہ

''عمادیہ'' کی فصل نمبر تیس میں ذکر کیا گیا ہے: اگر ایک آدمی نے ہزار کے بدلے میں دو غلام رہن رکھے اور دونوں غلاموں میں سے ایک ہلاک ہوگیا اور ہلاک ہونے والے کی قیمت دین سے زیادہ ہے تو اس غلام کو ہلاک ہونے سے تمام دین ساقط نہیں ہوگا بلکہ دین کو آزاد کی قیمت اور ہلاک ہونے والے کی قیمت پر تقسیم کیا جائے گا اور جو ہلاک ہونے والے کے برابر پہنچے تو وہ ساقط ہو جاتا ہے اور جو باقی کو پہنچے تو وہ دین باقی رہے گا۔ اسی طرح ایک آدمی نے ایک گھر ہزار کے بدلے میں رہن رکھا اور وہ گھر خراب ہوگیا تو دین کو عمارت کی قیمت اور سفیدہ زمین کی قیمت پر قبضہ کے دن تقسیم کیا جائے گا پس جو عمارت کو پہنچے تو وہ دین ساقط ہو جائے گا اور جو سفیدہ زمین کو پہنچے وہ باقی رہے گا۔ ''مبسوط'' میں اسی طرح ہے۔

''تاتر خانیہ'' میں اس کی وضاحت یہ ہے: ایک آدمی نے ایک پوستین دس درہم کے عوض رہن رکھی اس کی قیمت چالیس

بِالْأَقَلِّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنَ الدَّيْنِ) وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ هُوَ أَمَانَةٌ (وَالْمُعْتَبَرُ قِيمَتُهُ يَوْمَ الْقَبْضِ)
جو کم ہو اس کے بدلے میں مضمون ہوتا ہے جب وہ ہلاک ہو جائے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ امانت ہے اور معتبر یوم قبض کی قیمت ہے

درہم ہے اس کو کیڑی کھا گئی تو اس کی قیمت دس درہم رہ گئی تو وہ اڑھائی درہم دے کر اسے واپس لے لے گا۔ کیونکہ جو ہلاک ہوا ہے وہ رہن کا تین چوتھائی ہے۔ پس دین میں سے اس کی مقدار کے مطابق ساقط ہو جائے گا جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ کیونکہ یہ امر بہت سے علماء پر مخفی ہے عنقریب آنے والے باب کے آخر میں اس کا ذکر کریں گے۔ اگر جانور ہی چلا جائے تو دین کا چوتھائی ساقط ہو جائے گا اس کی وضاحت آگے آئے گی۔ اور عنقریب یہ آئے گا کہ بھاؤ میں کمی دین کے سقوط کو ثابت نہیں کرتی۔ عین کے نقصان کا معاملہ مختلف ہے۔ اور دین کی بڑھوتری جو تبعی طور پر رہن بن جاتی ہے وہ بغیر عوض کے ہلاک ہو گی مگر جب وہ اصل کے ہلاک ہونے کے بعد ہلاک ہو۔ سب کی وضاحت عنقریب آئے گی، ان شاء اللہ

34131۔ (قولہ: بِالْأَقَلِّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنَ الدَّيْنِ) ''نہایہ'' میں کہا ہے: ''قدوری'' کے بعض نسخوں میں باقل کے الفاظ ہیں یعنی الف لام کے بغیر ہے جب کہ یہ خطا ہے۔ اسے اس آدمی کے قول پر قیاس کر جو یہ کہتا ہے: مررت باعلم من زید و عمرو تو زیادہ جاننے والا ان دونوں کے علاوہ ہوگا۔ اگر وہ بالاعلم من زید و عمرو ہوتا تو دونوں میں سے ایک ہوتا۔ پس من کا کلمہ تمیز کے لیے ہے۔ ''موصل شرح المفصل'' میں کہا، بے شک یہ من اس تفضیلیہ میں سے نہیں ہے جو الف لام کے ساتھ جمع نہیں ہوتا بلکہ یہ من بیانیہ ہے جو تیرے اس قول میں ہے: انت الافضل من قریش تو قریش میں سے افضل ہے جس طرح تو کہتا ہے انت من قریش ''شرنبلالیہ''۔ مراد یہ ہے اگر قیمت دین سے کم ہو یا معاملہ اس کے برعکس ہو تو ان دونوں میں سے جو کم ہوگا اس کی ضمانت ہوگی جو ان دونوں میں سے ایک ہے۔ اگر باقل نکرہ کہا جائے تو یہ اس کا تقاضا کرے گا کہ وہ ان دونوں کے علاوہ تیسری چیز کی ضمانت ہوگی جو ان دونوں سے کم ہو جب کہ یہ مراد نہیں مگر یہ کہا جائے جس طرح ''قہستانی'' میں ہے: ای بدین او بقیمة اقل من قیمتہ او من الدین یعنی دین کے بدلہ میں یا اس قیمت کے بدلہ میں جو اس کی قیمت یا دین سے اقل ہو یہ ترتیب وار ہوگا۔ پس من کا کلمہ تفضیلیہ ہے اور مفضل پہلی صورت میں دین ہے اور دوسری صورت میں قیمت ہے اور مفضل علیہ اس کے برعکس ہے۔ پس معنی ہوگا: ایسے دین کے بدلہ میں جو اس کی قیمت سے کم ہو یا ایسی قیمت کے بدلہ میں جو دین سے کم ہو۔ اس میں جو ضعف ہے وہ مخفی نہیں۔

34132۔ (قولہ: وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ هُوَ أَمَانَةٌ) یعنی وہ سب کا سب مرتہن کے قبضہ سے امانت ہے اس کے ہلاک ہونے سے کوئی شے ہلاک نہ ہوگی۔ مکمل گفتگو مطولات میں ہے۔

34133۔ (قولہ: وَالْمُعْتَبَرُ قِيمَتُهُ يَوْمَ الْقَبْضِ) ''الخلاصہ'' میں کہا: رہن کا حکم یہ ہے کہ اگر رہن مرتہن کے قبضہ

لَا يَوْمَ الْهَلَاكِ كَمَا تَوَهَّمَهُ فِي الْأَشْبَاهِ لِمُخَالَفَتِهِ لِلْمَنْقُولِ كَمَا حَرَّرَهُ الْمُصَنِّفُ (الْمَقْبُوضُ عَلَى سَوْمِ الرَّهْنِ إِذَا لَمْ يُبَيِّنِ الْمِقْدَارَ) أَيْ مِقْدَارَ مَا يُرِيدُ أَخْذَهُ مِنَ الدَّيْنِ (لَيْسَ بِمَضْمُونٍ فِي الْأَصَحِّ) كَذَا فِي الْقُنْيَةِ وَالْأَشْبَاهِ

ہلاک ہونے والے دن کی قیمت نہیں ہوتی جس طرح ''الاشباہ'' میں اس کا وہم ہوا ہے۔ کیونکہ یہ منقول کے مخالف ہے جس طرح مصنف نے اس کی وضاحت کی ہے۔ جس رہن (مرہون) پر بطور رہن کی گفتگو کے قبضہ ہوا جب مرتہن دین کی اس مقدار کی وضاحت نہ کرے جو وہ دین لینا چاہتا ہے اصح قول کے مطابق اس رہن کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ ''القنیہ'' اور ''الاشباہ'' میں اس طرح ہے۔

میں یا عادی کے پاس ہلاک ہو جائے تو قبضہ کے دن اس کی جو قیمت ہوگی اس کی طرف اور رہن کی طرف دیکھا جائے گا۔ اگر اس کی قیمت دین کی مثل ہو تو رہن اس کے ہلاک ہونے کے ساتھ ساقط ہو جائے گا۔

''زیلعی'' نے کہا: اس کی قیمت کا اعتبار قبضہ کے دن کا ہوگا۔ اگر اسے اجنبی آدمی تلف کر دے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ مرتہن اس سے اس کی اس قیمت کی ضمانت لے گا جس روز اس اجنبی نے اس کو جان بوجھ کر ہلاک کیا اور وہ قیمت اس مرتہن کے پاس دین ہو جائے گا۔ اس کی مکمل وضاحت ''المنح'' میں ہے۔ ''شرح الملتقی'' میں یہ زائد ذکر کیا ہے: اس میں قول مرتہن کا معتبر ہوگا اور گواہ راہن کے ہوں گے۔

34134۔ (قولہ: لَا يَوْمَ الْهَلَاكِ كَمَا تَوَهَّمَهُ فِي الْأَشْبَاهِ) یعنی فن ثالث (تیسرے فن) کی مثل کی ثمن کی بحث میں۔

میں کہتا ہوں: ''الاشباہ'' میں جو قول ہے اسے اس پر محمول کرنا ممکن ہے جب مرتہن اس کو جان بوجھ کر ہلاک کر دے۔ اس وجہ سے ''رملی'' نے کلام کے بعد کہا: جب تو دقت نظر سے کام لے گا تو تیرے لیے ہلاک اور استہلاک میں فرق ظاہر ہوگا تو ہلاک ہونے کی صورت میں تو یہ یقینی بات کہے گا کہ معتبر قبضہ کے دن کی اس کی قیمت ہے اور جان بوجھ کر ہلاک کرنے کی صورت میں اس کی اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا جس روز وہ شے ہلاک ہوئی۔ کیونکہ یہ اس عین پر واقع ہوئی ہے جو کہ ودیعت رکھا گیا تھا۔

34135۔ (قولہ: إِذَا لَمْ يُبَيِّنِ الْمِقْدَارَ) مگر جب وہ وضاحت کر دے تو وہ اس کی ضمانت ہوگی۔

اس کی صورت یہ ہے اس نے دین اس شرط پر وصول کیا کہ وہ اس کو اتنا قرض دے گا تو قرض دینے سے پہلے ہی وہ رہن کا مالک ہو گیا تو وہ رہن کا مال اپنی قیمت اور اس نے جس قرض کا ذکر کیا اس میں سے کم کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔ کیونکہ اس نے رہن کے بارے گفتگو کے طریقہ پر اس پر قبضہ کیا ہے اور جس چیز پر رہن پر گفتگو کے طریقہ پر قبضہ کیا جائے وہ خریداری کے لیے گفتگو کے طریقہ پر مقبوض کی طرح ہے۔ جب وہ باہم گفتگو میں ہلاک ہو جائے تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ ''شرح الطحاوی'' میں اسی طرح ہے۔ ''حموی''۔

34136۔ (قولہ: كَذَا فِي الْقُنْيَةِ) اس کی نص یہ ہے: جیسے رہن پر گفتگو کے طریقہ پر قبضہ کیا گیا ہو جب اس حقدار کی

(فَإِنْ) هَلَكَ وَ (سَاوَتْ قِيمَتُهُ الدَّيْنَ صَارَ مُسْتَوْفِيًا) دَيْنَهُ (حُكْمًا، أَوْ زَادَتْ كَانَ الْفَضْلُ أَمَانَةً) فَيَضْمَنُ بِالتَّعَدِّي (أَوْ نَقَصَتْ سَقَطَ بِقَدْرِهِ وَرَجَعَ) الْمُرْتَهِنُ (بِالْفَضْلِ) لِأَنَّ الِاسْتِيفَاءَ بِقَدْرِ الْمَالِيَّةِ

اگر رہن ہلاک ہوجائے اور اس کی قیمت رہن کے برابر ہوجائے تو وہ اپنا دین حکماً پورے کا پورا لینے والا ہوگا یا زائد ہوتو زائد رہن مرتہن کے پاس امانت ہوگا۔ پس وہ تعدی کی صورت میں ضامن ہوگا یا کم ہوتو اس کے حساب سے ساقط ہوجائے گا اور مرتہن زائد کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ مالیت کی مقدار کے مطابق وصولی ہوتی ہے۔

وضاحت نہ کرے جس کے بدلے میں اس نے اسے رہن رکھا ہو جب کہ اس میں دین نہ ہو تو روایتوں میں سے اصح روایت کے مطابق اس کی ضمانت نہ ہوگی۔

امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ، امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مرتہن جو چاہے گا اسے دے دے گا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: میں ایک درہم سے کم مستحسن نہیں سمجھتا۔ مصنف بھی آنے والے باب میں اس کا ذکر کریں گے۔

34137۔ (قولہ: فَإِنْ هَلَكَ الخ) زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس قول کو اپنے قول: المقبوض علی سوم الرھن پر مقدم کرتے کیونکہ یہ ماقبل کا تتمہ ہے، ''ط''۔

اس کی وضاحت یہ ہے: جب ایک آدمی نے ایک کپڑا رہن کے طور پر رکھا جس کی قیمت دس ہو اور اسے دس کے عوض رہن رکھا گیا ہو تو وہ مرتہن کے پاس ہلاک ہوگیا تو اس کا دین ساقط ہوجائے گا۔ اگر اس کی قیمت پانچ ہو تو راہن سے پانچ اور کا مطالبہ کرے گا۔ اگر وہ پندرہ ہو تو زائد امانت ہوگی ''کفایہ''۔ ہلاک کو مطلقاً ذکر کیا ہے پس یہ اسے شامل ہوگا اگر یہ رہن کی ادائیگی کے بعد ہو۔ پس راہن وہ واپس لے گا جو اس نے دین ادا کیا تھا۔ کیونکہ ہلاک ہوجانے سے یہ واضح ہوگیا کہ وہ قبضہ کے سابقہ وقت سے ہی اسے وصول کرنے والا تھا ''بزازیہ'' وغیرہا۔ اور کتاب الرہن کے آخر میں ہوگا۔

34138۔ (قولہ: فَيَضْمَنُ بِالتَّعَدِّي) اگر اس نے ایک کپڑا دس درہم کے عوض رہن کے طور پر رکھا جو بیس درہم کا تھا مرتہن نے راہن کی اجازت سے اسے پہنا تو اس میں چھ درہم کی کمی واقع ہوئی پھر اس نے اجازت کے بغیر اسے پہنا تو چار درہم کی کمی واقع ہوئی پھر وہ ہلاک ہوگیا جب کہ اس کی قیمت دس درہم تھی تو مرتہن اپنے دین میں سے صرف ایک درہم کا مطالبہ کرے گا اور نو درہم ساقط ہوجائیں گے۔ کیونکہ رہن رکھنے کے روز کپڑے کا نصف دین کے بدلے مضمون تھا اور اس کا نصف امانت تھا۔ اور راہن کے اذن سے کپڑا پہننے سے جو اس میں نقص واقع ہوا جو چھ ہے تو اس کا ضامن نہیں ہوگا اور اذن کے بغیر پہننے سے جو کمی واقع ہوئی جو چار درہم ہے تو اس کا ضامن ہوگا۔ تو دین میں سے اس مقدار کا ادلے کا بدلہ ہوجائے گا جب وہ ہلاک ہوا تو اس کی قیمت دس درہم تھی اس کا نصف مضمون تھا اور اس کا نصف امانت تھی۔ پس مضمون کی مقدار کا مرتہن اپنا حق وصول کرنے والا ہوگا اور اس کا ایک درہم باقی ہوگا جس کا وہ راہن سے مطالبہ کرے گا، ''ظہیریہ'' و ''خانیہ'' ملخص۔

(وَضَمِنَ) الْمُرْتَهِنُ (بِدَعْوَى الْهَلَاكِ بِلَا بُرْهَانٍ مُطْلَقًا) سَوَاءٌ كَانَ مِنْ أَمْوَالٍ ظَاهِرَةٍ أَوْ بَاطِنَةٍ، وَخَصَّهُ مَالِكٌ بِالْبَاطِنَةِ (وَلَهُ طَلَبُ دَيْنِهِ مِنْ رَاهِنِهِ، وَلَهُ حَبْسُهُ بِهِ وَإِنْ كَانَ الرَّهْنُ فِي يَدِهِ لِأَنَّ) الْحَبْسَ جَزَاءُ مَطْلِهِ (وَلَهُ حَبْسُ رَهْنِهِ بَعْدَ الْفَسْخِ) لِلْعَقْدِ (حَتَّى يَقْبِضَ دَيْنَهُ أَوْ يُبْرِئَهُ)

اور مرتہن جب گواہوں کے بغیر رہن کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ ضامن ہوگا خواہ وہ اموال ظاہرہ میں سے ہو یا اموال باطنہ میں سے ہو۔ امام ''مالک'' نے اسے اموال باطنہ کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اور مرتہن کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ راہن سے اپنے دین کا مطالبہ کرے اور دین کے بدلے میں اس کو محبوس کر دے اگر زمین مرتہن کے قبضہ میں ہو۔ کیونکہ محبوس کرنا یہ اس کے ٹال مٹول کی جزا ہے اور عقد رہن کے فسخ کرنے کے بعد اس کو رہن کے محبوس کرنے کا حق ہوگا یہاں تک کہ وہ اپنے دین پر قبضہ کر لے یا اس کو بری کر دے۔

مرتہن جب گواہوں کے بغیر رہن کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کا حکم

34139۔(قولہ: وَضَمِنَ بِدَعْوَى الْهَلَاكِ بِلَا بُرْهَانٍ) ''الدرر'' اور ''شرح المجمع الملکی'' میں اسی طرح ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اس کی قیمت جہاں تک پہنچے اور برہان کے بغیر اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ اور گواہیاں قائم کرنے کی صورت میں ضمان کی نفی ہو جائے گی۔ یہ امام ''مالک'' کا مذہب ہے۔ جہاں تک ہمارے مذہب کا تعلق ہے تو اس میں کوئی فرق نہیں کہ اس کا ہلاک ہونا ثابت ہو جائے اس کی قسم کے ساتھ اس کے قول سے ہو یا برہان کے ساتھ ہو جب کہ دونوں صورتوں میں اس کی قیمت اور دین میں سے جو کم ہوگا اس کے ساتھ اس کی ضمانت ہوگی جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں حقائق سے نقل کرتے ہوئے اس کی وضاحت کی ہے۔ ''ابن حلبی'' نے یہی فتویٰ دیا ہے۔ ''فتاویٰ کازرونی'' اور فتاویٰ مصنف میں اسی طرح ہے۔

مصنف کی پیروی میں یہاں علامہ ''رملی'' کے قدم پھسلے ہیں اور قیمت کی ضمانت کا فتویٰ دیا ہے وہ خواہ قیمت کہاں تک پہنچے۔ جس طرح یہ ان کے فتاویٰ میں مسطور ہے۔ ''حاشیۃ المنح'' میں بھی اس کی صراحت کی ہے۔ جن علماء نے ان کا رد کیا ہے وہ صاحب ''الفتاویٰ رحیمیہ'' ہیں انہوں نے اپنے شیخ ''شرنبلالی'' کی اتباع میں یہ کہا ہے۔ کہا: یہ مذہب کے کلی طور پر مخالف ہے اور حق کی طرف رجوع کرنا یہ زیادہ مناسب ہے۔

34140۔(قولہ: ظَاهِرَةٍ) جیسے حیوان، غلام اور جاندار یا باطنی ہو جیسی دونوں نقدیاں زیورات اور سامان تجارت، ''درر''۔

34141۔ (قولہ: وَخَصَّهُ مَالِكٌ بِالْبَاطِنَةِ) یعنی تہمت کی وجہ سے ضمان کو اموال باطنہ کے ساتھ خاص کیا ہے، ''غرر الافکار''۔

34142۔(قولہ: وَلَهُ حَبْسُهُ بِهِ) یعنی رہن کے بدلے میں رہن کو محبوس کرنا۔

34143۔(قولہ: لِلْعَقْدِ) یعنی رہن کا عقد۔ اشارہ اس طرف ہے کہ الف لام مضاف الیہ کے حذف کے عوض میں ہے۔

لِأَنَّ الرَّهْنَ لَا يَبْطُلُ بِمُجَرَّدِ الْفَسْخِ بَلْ يَبْقَى رَهْنًا مَا بَقِيَ الْقَبْضُ وَالدَّيْنُ مَعًا فَإِذَا فَاتَ أَحَدُهُمَا لَمْ يَبْقَ رَهْنًا زَيْلَعِيٌّ وَدُرَرٌ وَغَيْرُهُمَا (لَا انْتِفَاعَ بِهِ مُطْلَقًا) لَا بِاسْتِخْدَامٍ، وَلَا سُكْنَى وَلَا لُبْسٍ وَلَا إجَارَةٍ وَلَا إعَارَةٍ، سَوَاءٌ كَانَ مِنْ مُرْتَهِنٍ أَوْ رَاهِنٍ

کیونکہ رہن محض فسخ سے باطل نہیں ہو جاتا بلکہ جب تک قبضہ اور دین رہتے ہیں رہن باقی رہتا ہے جب دونوں میں سے کوئی ایک فوت ہو جاتا ہے تو رہن باقی نہیں رہتا، ''زیلعی''۔ ''درر'' وغیرہما۔ رہن سے مطلقاً انتفاع جائز نہیں نہ خدمت لینے کی صورت میں، نہ رہائش کی صورت میں، نہ پہننے کی صورت میں، نہ اجارہ کی صورت میں اور نہ ہی اعارہ کی صورت میں خواہ یہ مرتہن کی جانب سے ہو یا راہن کی جانب سے ہو

34144۔(قولہ: لَا يَبْطُلُ بِمُجَرَّدِ الْفَسْخِ) بلکہ اس کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ وہ اسے رہن کی طرف لوٹا دے۔

34145۔(قولہ: بَلْ يَبْقَى رَهْنًا) یعنی وہ مضمون رہے گا اگر وہ اس کے پاس ہلاک ہو جائے تو دین ساقط ہو جائے گا جب اس سے قرض کی مکمل ادائیگی ہوتی ہو، ''ہدایہ''۔

34146۔(قولہ: مَا بَقِيَ الْقَبْضُ وَالدَّيْنُ مَعًا) یعنی مرتہن کے ہاتھ میں رہن کا قبضہ رہے اور دین راہن کے ذمہ رہے۔

34147۔(قولہ: فَإِذَا فَاتَ أَحَدُهُمَا) اس کی صورت یہ ہے کہ رہن کو واپس کر دیا یا رہن سے راہن کو بری کر دیا تو رہن باقی نہیں رہے گا پس ضمان ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ علت جب دو وصفوں والی تھی تو دونوں میں سے ایک کے معدوم ہونے سے حکم معدوم ہو جائے گا اگر سپرد کرنے سے قبل اور دین کی ادائیگی کے بعد ہلاک ہو جائے تو رہن کو اس پر لوٹا دے گا اور ضمان لے گا اور راہن وہ چیز واپس لے لے گا جو اس نے ادا کیا ہو گا جس طرح گزر چکا ہے اور آگے آئے گا۔ اور اس کا جواب ساتھ ہی اس میں جو ضعف ہے وہ ''عنایہ'' میں ہے۔

رہن سے انتفاع کا شرعی حکم

34148۔(قولہ: وَلَا إجَارَةٍ) اگر مرتہن نے اجازت کے بغیر اسے اجرت پر دے دیا تو اجرت اس کے لیے ہوگی جس طرح کتاب الرہن کے آخر میں اس کی باقی ماندہ فروع کے ساتھ ذکر کریں گے۔

34149۔(قولہ: وَلَا إعَارَةٍ) باب التصرف فی الرہن میں عنقریب اس کے عاریۃً دینے کے احکام ذکر کریں گے وہ اعارہ رہن کی جانب سے ہو یا اجنبی کی جانب سے ہو وہ اذن کے ساتھ ہو، اذن کے بغیر ہو۔

34150۔(قولہ: سَوَاءٌ كَانَ) کان کی ضمیر سے مراد الانتفاع ہے۔

34151۔(قولہ: مِنْ مُرْتَهِنٍ أَوْ رَاهِنٍ) پہلے کی تصریح عام متون میں ہے اور دوسرے کی تصریح ''درر اجار''، ''شرح مختصر الکرخی'' اور ''شرح الزاہدی'' میں ہے۔ اس میں امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وطی کے بغیر اس سے نفع حاصل کرنا جائز ہے اور پہلے میں کوئی اختلاف نہیں جس طرح ''غرر الافکار'' میں ہے۔

(إِلَّا بِإِذْنٍ) كُلٍّ لِلْآخَرِ، وَقِيلَ لَا يَحِلُّ لِلْمُرْتَهِنِ لِأَنَّهُ رِبًا، وَقِيلَ إِنْ شَرَطَهُ كَانَ رِبًا وَإِلَّا لَا وَفِي الْأَشْبَاهِ وَالْجَوَاهِرِ أَبَاحَ الرَّاهِنُ لِلْمُرْتَهِنِ أَكْلَ الثِّمَارِ أَوْ سُكْنَى الدَّارِ أَوْ لَبَنَ الشَّاةِ الْمَرْهُونَةِ

مگر جب یہ ایک دوسرے کو اجازت دے دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مرتہن کے لیے یہ حلال نہیں۔ کیونکہ یہ سود ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر وہ نفع اٹھانے کی شرط لگائے تو یہ ربا ہوگا ورنہ ربا نہیں ہوگا۔ ''اشباہ'' اور ''جواہر'' میں ہے: راہن نے مرتہن کو پھل کھانے، گھر کی رہائش یا مرہونہ بکری کا دودھ مباح کیا

ایک چیز باقی رہ گئی ہے اگر وہ رہن کے گھر میں سکونت اختیار کرے کیا اس پر اجرت لازم ہوگی؟ ''خیریہ'' میں اس کا یہ جواب دیا ہے: اسے مطلقاً لازم نہ ہوگی راہن اس کی اجازت دے یا اجازت نہ دے، وہ منافع حاصل کرنے کے لیے تیار کیا گیا ہو یا منافع حاصل کرنے کے لیے تیار نہ کیا گیا ہو۔ اس کی مثل ''بزازیہ'' میں ہے۔ ''خیریہ'' میں یہ بھی اس کا جواب دیا ہے: اگرچہ وہ گھر کسی یتیم کا ہو۔ کتاب الغصب کے آخر میں یہ گزر چکا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

34152۔ (قولہ: إِلَّا بِإِذْنٍ) جب مرتہن راہن کی اجازت سے نفع حاصل کرے اور رہن اس کے استعمال کی حالت میں ہلاک ہو جائے تو وہ بغیر کسی اختلاف کے بطور امانت ہلاک ہو جائے گا مگر استعمال سے قبل یا اس کے بعد وہ رہن کے بدلے میں ہلاک ہوگا اگر وہ لونڈی ہو تو اس کے ساتھ وطی کرنا حلال نہیں۔ کیونکہ شرمگاہ کی حرمت بہت ہی شدید ہے لیکن اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی بلکہ ہمارے نزدیک اسی پر مہر واجب ہوگا۔ ''معراج''۔

34153۔ (قولہ: وَقِيلَ لَا يَحِلُّ لِلْمُرْتَهِنِ) ''المنح'' میں کہا: ''عبداللہ محمد بن اسلم'' سمرقندی سے مروی ہے جب کہ وہ علماء سمرقند کے بڑے علما میں سے تھے: اس کے لیے حلال نہیں کہ کسی وجہ سے کچھ بھی نفع حاصل کرے اگرچہ راہن اسے اجازت دے۔ کیونکہ اس نے اسے سود کی اجازت دی ہے کیونکہ وہ اپنا دین پورا وصول کرے گا اور اس کے لیے منفعت زائدہ باقی رہے گی۔ پس یہ ربا ہوگا۔ یہ عظیم امر ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ عام معتبر کتابوں کے خلاف ہے کہ یہ اجازت کے ساتھ حلال ہے مگر اسے دیانت پر محمول کیا جائے۔ اور جو کچھ معتبرات میں ہے اسے حکم پر محمول کیا جائے۔ پھر میں نے ''جواہر الفتاویٰ'' میں دیکھا ہے۔ جب وہ مشروط ہو تو وہ دین قرض بن جاتا ہے جس میں منفعت ہو جب کہ یہ ربا ہے ورنہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ''المنح'' میں جو قول ہے وہ ملخص ہے ان کے بیٹے شیخ صالح نے اسے ثابت رکھا ہے۔ ''حموی'' نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ جو سود ہو اس میں دیانت اور قضا میں فرق ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ تطبیق کی کوئی حاجت نہیں بعد اس کے فتویٰ متقدم قول پر ہے کہ یہ مباح ہے۔

میں کہتا ہوں: جو قول ''جواہر'' میں ہے وہ تطبیق کی صلاحیت رکھتا ہے جب کہ وہ قابل قدر ہے۔ علما نے اس کی مثل اس صورت میں ذکر کیا ہے: اگر قرض لینے والا قرض دینے والے کو کوئی چیز ہدیہ کے طور پر دے اگر شرط کے ساتھ دے تو یہ مکروہ ہوگا اگر شرط کے بغیر ہو تو مکروہ نہیں ہوگا۔ شارح نے ''جواہر'' سے بھی جو قول ذکر کیا ہے: لا یضمن یہ اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ یہ ربا

فَأَكَلَهَا لَمْ يَضْمَنْ وَلَهُ مَنْعُهُ، ثُمَّ أَفَادَ فِي الْأَشْبَاهِ أَنَّهُ يُكْرَهُ لِلْمُرْتَهِنِ الِانْتِفَاعُ بِذَلِكَ، وَسَيَجِيءُ آخِرَ الرَّهْنِ (مَاتَتْ الشَّاةُ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ قُسِّمَ الدَّيْنُ عَلَى قِيمَةِ الشَّاةِ وَلَبَنِهَا الَّذِي شَرِبَهُ،

اور اس نے اس کو کھالیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا اور اسے روکنے کا حکم ہوگا۔ پھر ''الاشباہ'' میں یہ بیان کیا ہے کہ مرتہن کے لیے اس سے نفع حاصل کرنا مکروہ ہوتا ہے کتاب الرہن کے آخر میں یہ آئے گا۔ بکری مرتہن کے قبضہ میں مرگئی تو دین کو بکری کی قیمت اور اس کے دودھ کی قیمت پر تقسیم کیا جائے گا جس کو اس نے پیا تھا

نہیں ہے۔ کیونکہ ربا مضمون ہوتا ہے پس اسے غیر مشروط پر محمول کیا جائے گا۔ ''الاشباہ'' میں جو کراہت ہے وہ مشروط پر محمول ہو گی۔ شارح کا آنے والا قول جو کتاب الرہن کے آخر میں ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے۔ یہ تعلیل کہ یہ ربا ہے اس امر کا فائدہ دیتی ہے کہ کراہت تحریمی ہے، فتامل۔ جب وہ مشروط ہو تو وہ ضامن ہوگا جس طرح ''خیریہ'' میں اس آدمی کے بارے میں فتویٰ دیا جو زیتون کا درخت رہن رکھتا ہے اس شرط پر کہ مرتہن اس کا پھل کھائے یہ اس کے رہن کے بدلے میں صبر کرنے کی مثل ہے۔

''طحطاوی'' نے کہا: میں کہتا ہوں: لوگوں کے اموال میں سے غالب یہ ہے کہ جب وہ رہن کی چیز دیتے ہیں کہ وہ نفع حاصل کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو اسے دراہم رہن کے طور پر نہ دیتا یہ شرط کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ معروف مشروط کی طرح ہے۔ یہ ان چیزوں میں سے ہے جو منع کی تعیین کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فائدہ: ''تاتر خانیہ'' میں کہا جس کی نص یہ ہے: اگر ایک آدمی نے دراہم قرض پر لیے اور اپنا ادھا قرض دینے والے کے حوالے کیا تا کہ وہ دو ماہ تک اس کو استعمال کرے یہاں تک کہ وہ دین ادا کردے یا وہ اپنا گھر دے تا کہ وہ اس میں رہائش رکھے تو یہ اجارہ فاسدہ کے قائم مقام ہوگا۔ اگر وہ اس سے کام لے تو اس پر اجرت مثلی ہوگی اور وہ رہن نہیں ہوگا۔ ہم کتاب الاجارات میں پہلے اس کو بیان کر چکے ہیں، فتنبہ۔

34154۔ (قولہ: فَأَكَلَهَا) کتاب الرہن کے آخر میں فتاویٰ مصنف سے یہ بات آئے گی ظاہر یہ ہے۔ اکل یہ اس کے ثمن کے کھانے کو شامل ہے۔

34155۔ (قولہ: لَمْ يَضْمَنْ) اور اس کے رہن میں سے کوئی شے ساقط نہ ہوگی ''قنیہ''۔ یعنی جب اصل ہلاک ہو جائے جس طرح اس کی وضاحت آگے آئے گی۔

34156۔ (قولہ: وَسَيَجِيءُ) یہ بحث زیادہ وضاحت کے ساتھ آئے گی۔

34157۔ (قولہ: مَاتَتْ الشَّاةُ الخ) بعض نسخوں میں بطور متن کے یہ پایا جا رہا ہے اور بعض نسخوں سے ساقط ہے اور مصنف نے اس پر کچھ نہیں لکھا۔

34158۔ (قولہ: الَّذِي شَرِبَهُ) یعنی جسے راہن کی اجازت سے اسے پیا جس طرح ''ولوالجیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ فافہم۔

فَحَظُّ الشَّاةِ يَسْقُطُ وَحَظُّ اللَّبَنِ يَأْخُذُهُ الْمُرْتَهِنُ، فَلَوْ حصل) الِانْتِفَاعُ قَبْلَ إِذْنِهِ (صَارَ مُتَعَدِّيًا وَلَمْ يَبْطُلْ) الرَّهْنُ (بِهِ وَإِذَا طَلَبَ) الْمُرْتَهِنُ (دَيْنَهُ أُمِرَ بِإِحْضَارِ رَهْنِهِ) لِئَلَّا يَصِيرَ مُسْتَوْفِيًا مَرَّتَيْنِ إِلَّا إِذَا كَانَ لَهُ حَمْلٌ

پس بکری کا حصہ ساقط ہو جائے گا اور دودھ کا حصہ مرتہن وصول کرے گا۔ اگر نفع حاصل کرنا یہ راہن کی اجازت سے پہلے ہو تو وہ متعدی ہوگا اور اس کے ساتھ رہن کا عقد باطل نہیں ہوگا۔ جب مرتہن اپنے رہن کا مطالبہ کرے تو اسے اپنے رہن کو حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا تا کہ وہ اپنا حق دو دفعہ وصول کرنے والا نہ ہو مگر جب اس کی بار برداری کی مؤنت ہو

34159۔ (قولہ: وَحَظُّ اللَّبَنِ يَأْخُذُهُ الْمُرْتَهِنُ) یعنی مرتہن راہن سے وصول کرے گا۔ کیونکہ عنقریب یہ آئے گا کہ رہن کا نما اصل کے ساتھ رہن ہوتا ہے جب مرتہن نے راہن کی اجازت سے اس کو تلف کیا تو وہ یوں ہو گیا گویا راہن نے اس کو تلف کر دیا۔ پس اس پر ضمانت ہوگی۔ پس رہن میں سے اس کا حصہ ہوگا۔ یہ ہمارے اس قول کا معنی ہے جو ابھی گزرا ہے یعنی جب اصل ہلاک نہ ہو۔ اس کی مکمل وضاحت کتاب الرہن کے آخر میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

34160۔ (قولہ: صَارَ مُتَعَدِّيًا) پس غصب کی طرح اس کا ضامن ہوگا۔ اگر وہ متفق علیہ کی طرف لوٹ آئے تو وہ رہن کی حیثیت میں لوٹ آئے گا۔ اس کی مکمل وضاحت آگے آئے گی۔

جب مرتہن اپنے رہن کا مطالبہ کرے تو اسے اپنے رہن کو حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا

34161۔ (قولہ: لِئَلَّا يَصِيرَ مُسْتَوْفِيًا مَرَّتَيْنِ) یہ اس تقدیر پر ہے کہ رہن ہلاک ہو جائے۔ ''غرر الافکار'' میں ہے: اگر رہن حاضر کرنے سے پہلے رہن ادا کرنے کا حکم دیا جائے تو بعض اوقات رہن ہلاک ہو جاتا ہے یا وہ ہلاک ہو چکا ہوتا ہے تو وہ اپنا رہن دو دفعہ وصول کرنے والا ہوگا۔

34162۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا كَانَ لَهُ حَمْلٌ) کیونکہ وہ عاجز ہے ''شرح مجمع''۔ یعنی حکما عاجز ہے اس وجہ سے جو اسے مؤنت لاحق ہوتی ہے ''شلبی'' نے یہ نقل کیا ہے: اگر وہ رہن کے شہر میں ہو تو مطلقاً اس کو رہن حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ اگر حمل یا مؤنت نہ ہو تو حکم اسی طرح ہوگا۔ اگر اس کی بار برداری ہو تو اس کو حکم نہیں دیا جائے گا۔ ''شرح المجمع'' میں جو قول ہے اسے اس پر محمول کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ ان کی کلام کا متبادر معنی ہے لیکن اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ اس پر واجب تخلیہ ہے نقل نہیں جس طرح آگے آئے گا کہ یہ اس کے مخالف ہے جو ''بزازیہ'' میں ہے۔ کیونکہ کہا: اگر اس کے حاضر کرنے میں کوئی مشقت نہ ہو تو اسے اس کا حکم دیا جائے گا اگر اس سے اسے مؤنت لاحق ہوتی ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کسی اور جگہ ہو تو اسے اس کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

''الذخیرہ'' میں ہے: اصل یہ ہے کہ اگر مؤنت کے بغیر وہ حاضر کرنے پر قادر ہو تو راہن کو حق حاصل ہوگا کہ وہ ادائیگی

أَوْ عِنْدَ الْعَدْلِ لِأَنَّهُ لَمْ يَأْتَمِنْهُ شَرْحُ مَجْمَعٍ (فَإِنْ أَحْضَرَ سَلَّمَ) لَهُ (كُلَّ دَيْنِهِ أَوَّلًا ثُمَّ) سَلَّمَ الْمُرْتَهِنُ (رَهْنَهُ) تَحْقِيقًا لِلتَّسْوِيَةِ (وَإِنْ طَلَبَ) دَيْنَهُ (فِي غَيْرِ بَلَدِ الْعَقْدِ) لِلرَّهْنِ (فَكَذَلِكَ) الْحُكْمُ (إنْ لَمْ يَكُنْ لِلرَّهْنِ مُؤْنَةٌ، وَإِنْ كَانَ) لِحَمْلِهِ مُؤْنَةٌ (سَلَّمَ دَيْنَهُ وَإِنْ لَمْ يُحْضِرْهُ) لِأَنَّ الْوَاجِبَ عَلَيْهِ التَّسْلِيمُ بِمَعْنَى التَّخْلِيَةِ لَا النَّقْلُ مِنْ مَكَانٍ إلَى مَكَانٍ وَنَقَلَ الْقُهُسْتَانِيُّ عَنْ الذَّخِيرَةِ أَنَّهُ لَوْ لَمْ يَقْدِرْ عَلَى إحْضَارِهِ أَصْلًا مَعَ قِيَامِهِ

یا وہ کسی عادل آدمی کے پاس موجود ہو۔ کیونکہ اس نے مرتہن پر اعتماد نہیں کیا تھا "شرح مجمع"۔ اگر وہ حاضر کر دے تو پہلے اس کا پورا دین حوالے کرے گا پھر مرتہن رہن حوالے کرے گا۔ یہ تسویہ کی تحقیق کے لیے ہے۔ اگر وہ اپنے دین کا مطالبہ عقد رہن کے شہر کے علاوہ میں کرے تو حکم اسی طرح ہوگا۔ اگر رہن کی مؤنت نہ ہوا گر اس کے اٹھانے کی مؤنت ہے تو وہ اپنے دین کو سپرد کرے گا اگرچہ وہ رہن حاضر نہ کرے۔ کیونکہ اس پر واجب سپرد کرنا ہے۔ یہ تخلیہ کے معنی میں ہے ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل کرنا نہیں، "قہستانی" نے "ذخیرہ" سے نقل کیا ہے: اگر وہ اصلاً اس کو حاضر کرنے پر قادر نہ ہو جب کہ وہ موجود ہو

سے رک جائے۔ اگر رہن کے ہوتے ہوئے اصلاً قادر نہ ہو یا مؤنت کے بغیر قادر نہ ہو تو وہ نہ رکے پھر کلام کے بعد کہا: اگر وہ رہن کے شہر میں اسے ملے اور رہن لونڈی ہو تو اس کے حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ بغیر مشقت کے اس کے حاضر کرنے پر قادر ہوتا ہے ہم نے اس میں قیاس کو ترک کر دیا ہے جس میں مؤنت لاحق ہوتی ہے۔ پس باقی ماندہ قیاس کے اصل پر باقی رہیں گے، ملخص، فتامل۔

34163۔ (قولہ: أَوْ عِنْدَ الْعَدْلِ) عنقریب یہ متن میں آئے گا۔

34164۔ (قولہ: ثُمَّ سَلَّمَ الْمُرْتَهِنُ رَهْنَهُ) اگر سپرد کرنے سے پہلے وہ ہلاک ہو جائے تو راہن نے جو ادا کیا وہ واپس لے لے گا۔ کیونکہ سابقہ قبضہ کی وجہ سے رہن کے ہلاک ہونے کے ساتھ وہ حق وصول کرنے والا ہو جائے گا۔ پس دوسری دفعہ ایک دفعہ حق وصول کرنے کے بعد دوسری دفعہ حق وصول کرنا ہے۔ پس اس کا لوٹانا واجب ہے، "ہدایہ"۔ عنقریب کتاب الرہن کے آخر میں آئے گا۔

34165۔ (قولہ: تَحْقِيقًا لِلتَّسْوِيَةِ) یعنی ہر ایک کے حق کی تعیین میں۔ "الذخیرہ" میں کہا: کیونکہ مرتہن نے راہن کا حق متعین کر لیا تو راہن پر واجب ہے کہ وہ مرتہن کے حق کو متعین کرے مگر دراہم اور دنانیر کی تعیین یہ سپرد کرنے کے ساتھ واقع ہوتی ہے تاکہ تعین حاصل ہو جائے۔ یہی دین کو پہلے سپرد کرنے کے واجب ہونے کی تعلیل ہے۔ جہاں تک رہن کے حاضر کرنے کا تعلق ہے تو یہ شارح کے قول میں گزر چکا ہے تاکہ وہ دو دفعہ اپنا حق وصول کرنے والا نہ ہو، فافہم۔

34166۔ (قولہ: لِلرَّهْنِ) یہ عقد کے متعلق ہے۔

34167۔ (قولہ: مَعَ قِيَامِهِ) یعنی رہن موجود ہو۔ اس قول کے ساتھ اس سے احتراز کیا ہے کہ جب وہ اس پر قادر

لَمْ يُؤْمَرْ بِهِ فَلْيُحْفَظْ (وَ) لَكِنْ (لِلرَّاهِنِ أَنْ يُحَلِّفَهُ بِاللهِ مَا هَلَكَ) وَهَذَا كُلُّهُ إِذَا ادَّعَى الرَّاهِنُ هَلَاكَهُ، أَمَّا إِذَا لَمْ يَدَّعِ فَلَا فَائِدَةَ فِي إِحْضَارِهِ، وَكَذَا الْحُكْمُ عِنْدَ كُلِّ نَجْمٍ حَلَّ

تو اسے یہ حکم نہیں دیا جائے گا۔ پس اس کو یاد رکھا جائے۔ لیکن راہن کو حق حاصل ہے کہ وہ مرتہن سے قسم لے کہ رہن ہلاک نہیں ہوا۔ یہ سب حکم اس صورت میں ہے جب راہن اس کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے۔ مگر جب وہ اس کے ہلاک ہونے کا دعویٰ نہ کرے تو اس کے حاضر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس طرح کا حکم ہوگا ہر اس قسط کے وقت جس کا وقت آ پہنچا ہو

نہ ہو کیونکہ رہن ہلاک ہو چکا ہے۔

34168۔ (قولہ: لَمْ يُؤْمَرْ بِهِ) یعنی جس طرح وہ اس پر قادر نہ ہو مگر اس میں مؤنت کی وجہ سے جو اسے لاحق ہوتی ہے۔ یہ قول ''الذخیرہ'' میں بھی مذکور ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

34169۔ (قولہ: وَلَكِنْ لِلرَّاهِنِ الخ) یہ ان کے قول وان لم یحضرہ کا استدراک ہے۔ اور ان (شارح) کا قول لم یومر بہ ماقبل کی تقیید ہے متن کی عبارت اس کو بیان کرتی ہے لکن کے لفظ کے ساتھ اسے لائے ہیں۔ یہ ''ذخیرہ''، ''کفایہ'' وغیرہما کی عبارت کی موافقت ہے، فافہم

34170۔ (قولہ: أَنْ يُحَلِّفَهُ) یعنی قطعی طور پر اس سے قسم لے کیونکہ یہ اس کے قبضہ میں ہلاک ہونے پر اس سے قسم کا مطالبہ ہے، ''ذخیرہ''۔

مرہون کے حاضر کرنے کے مطالبہ پر راہن کا حق ہے

34171۔ (قولہ: وَكَذَا الْحُكْمُ عِنْدَ كُلِّ نَجْمٍ حَلَّ) یعنی اگر دین کی قسطیں بنائی گئی ہوں تو ایک قسم کی ادائیگی کا وقت آ پہنچا ہو۔ ''النہایہ'' میں کہا: جس طرح مرتہن کو اس امر کا مکلف بنایا جائے گا کہ وہ رہن کو حاضر کرے تاکہ پورے کا پورا رہن لے لے تو اسے اس قسط کی ادائیگی کا مکلف بنایا جائے گا جس کی ادائیگی کا وقت آ پہنچا ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب راہن رہن کے ہلاک ہونے کا عویٰ کرے اور قاضی سے اس امر کا مطالبہ کرے کہ وہ اسے حاضر ہونے کا حکم دے تاکہ اس کا حال ظاہر ہو جائے اور وہ اسے اس کے بارے میں حکم دے اگر وہ رہن والے شہر میں ہو۔ مگر جب وہ رہن کے ہلاک ہو جانے کا دعویٰ نہ کرے تو اس کے حاضر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں، ملخص۔ اس کی مثل ''زیلعی'' میں ہے۔

علامہ ''طرسوسی'' نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اپنے اس قول ھذا اذا ادعی الراھن ھلاك الرھن کی قید انہوں نے اپنی جانب سے لگائی ہے اسے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا۔ یہ فاسد ہے۔ کیونکہ یہ تو قضا میں احتیاط کو ترک کرنا ہے بلکہ قاضی اس کو حاضر کرنے کا حکم دے گا اگرچہ راہن رہن کے ہلاک ہونے کا دعویٰ نہ کرے تاکہ وہ دو دفعہ حق وصول کرنے والا نہ ہو جائے۔ مگر راہن اس کے باقی رہنے کی تصدیق کرے۔ ''ابن وہبان'' نے اسے ثابت رکھا ہے اور کہا: میرے پاس جو کتب تھیں میں نے اس میں تلاش کیا تو میں نے یہ قید نہ پائی۔ اور ان کی عبارت اس قول کی صحت کا فائدہ دیتی ہے جس کو ''طرسوسی'' نے ذکر کیا

كَمَا حَرَّرَهُ ابْنُ الشِّحْنَةِ
جس طرح ''ابن شحنہ'' نے تحریر کیا ہے۔

ہے اور قیاس اس قول کی صحت کا تقاضا کرتا ہے جو ''النہایہ'' میں ہے۔ کیونکہ اصل ہلاک نہ ہونا ہے۔ اور مرہون کے حاضر کرنے کا مطالبہ یہ راہن کا حق ہے جب وہ اس کو طلب نہ کرے تو حاکم پر یہ واجب نہیں کہ وہ مرتہن کو اس پر مجبور کرے اور ہلاک نہ ہونے کی قسم لینا ان چیزوں میں جن میں رہن کے لیے بار برداری اور مشقت ہوتی ہے یہ اس طرح ہے کہ ان دونوں قولوں کی بنا پر اسے حاضر کرنے کا حکم دیا جائے۔ یہ ابن شحنہ کی ''شرح وہبانیہ'' کی تلخیص ہے: پھر ''ابن شحنہ'' نے مسئلہ کی وضاحت کی اور اس میں تفصیل کو اختیار کیا وہ گزشتہ تعلیل کی وجہ سے مکمل رہن کی ادائیگی والے مسئلہ میں مطلقاً حاضر کرنا لازم ہے۔ جہاں تک اس کی ایک قسط دینے کا مسئلہ ہے تو رہن (مرہون) کو حاضر کرنا لازم نہیں مگر جب رہن اس کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے کیونکہ دین کی ایک قسط دینے کے ساتھ وہ مرتہن پورا حق وصول کرنے والا نہیں۔ پس اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ تمام رہن حاضر کرے لیکن اس کے ہلاک ہونے کے دعویٰ کی صورت میں طلب کی طرف توجہ کی جائے گی۔ پس اسے حاضر کرنا لازم ہوگا۔ پھر قسم کا مطالبہ اسی تفصیل پر ہوگا ملخص۔

اس تفصیل کو آنے والے اشعار میں ذکر کیا ہے: ''شرنبلالی'' نے کہا: شارح نے یہ سمجھا ہے کہ مدعی کے مطالبہ کے تقیید صرف اس صورت میں ہے جب وہ صرف ایک قسط ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہے لیکن یہ غیر مسلم ہے۔ لیکن ''زیلعی'' کا کلام جان چکا ہے جو ''نہایہ'' کے کلام کے منافی ہے۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ سے مدد کا طالب ہوں جو امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ حق صاحب ''نہایہ'' کے ساتھ ہے اور قید دونوں مسئلوں کے لیے ہے جس طرح شارح نے سمجھا ہے۔ پس قاضی پر یہ لازم نہیں ہوگا کہ مرتہن کو رہن حاضر کرنے کا حکم دے مگر جب راہن مطالبہ کرے اور ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے۔ کیونکہ یہ اس کا حق ہے۔ اس پر یہ قول دلالت کرتا ہے کہ ''ذخیرہ'' میں ہلاک نہ ہونے پر تحلیف کو راہن کے مطالبہ کے ساتھ مقید کیا ہے۔ ''قہستانی'' نے ان کی پیروی کی ہے۔ اس کی مثل ''غرر الافکار'' میں ہے۔

''بزازیہ'' میں ہے: اگر راہن اس کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے تو مرتہن اس کے موجود ہونے پر قسم اٹھائے۔ اگر مرتہن قسم اٹھا دے تو راہن کو حکم دیا جائے گا کہ وہ دین ادا کر دے۔ اور علماء نے اسے اس صورت کے ساتھ مقید نہیں کیا کہ وہ پورا دین دے یا اس کی ایک قسط دے جو قول گزر چکا ہے۔ اس سے تو یہ جان چکا ہوگا کہ مرہون کو حاضر کرنے کا حکم اور مرتہن سے قسم لینا برابر ہے جب کہ نزاع ان دونوں کے درمیان ہے جب منقول یہ ہے کہ قاضی پر یہ واجب نہیں کہ مرتہن سے قسم لے مگر وہ حق دار کے مطالبہ پر ایسا کر سکتا ہے تو اسی طرح یہ واجب نہیں کہ وہ مرہون کے حاضر کرنے کا حکم دے۔ یہ امر مطلق ہے۔ یہ میرے فہم قاصر کے ساتھ ظاہر ہوا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

34172۔(قولہ: كَمَا حَرَّرَهُ ابْنُ الشِّحْنَةِ) جس کی انہوں نے وضاحت کی ہے وہ تفصیل ہے جس طرح تو جان

وَقَالَ نَظْمًا وَلَا دَفْعَ مَا لَمْ يُحْضِرِ الرَّهْنَ أَوْ يَكُنْ بِغَيْرِ مَكَانِ الْعَقْدِ وَالْحَمْلُ يَعْسُرُ كَذَا النَّجْمُ أَوْلَا دُونَ دَعْوَى مَدِينِهِ هَلَاكًا وَهَذَا فِي النِّهَايَةِ يُذْكَرُ

جب تک وہ رہن کو حاضر نہ کرے تو راہن پر رہن دینا لازم نہیں یا مرتہن عقد رہن کے علاوہ مکان میں ہو اور رہن کو اٹھالانا مشکل ہو۔ اسی طرح قسط پہلے دینا لازم ہے جب تک مدیون رہن کے ہلاک ہونے کا دعویٰ نہ کرے۔ یہ ''نہایہ'' میں مذکور ہے۔

چکا ہے۔ ''طحطاوی'' نے یہ بیان کیا ہے۔

34173۔ (قولہ: وَلَا دَفْعَ الخ) یعنی راہن مکمل دین ادا نہیں کرے گا جب تک مرتہن رہن حاضر نہیں کرے گا اگرچہ راہن رہن کے ہلاک ہونے کا دعویٰ نہ کرے مگر جب وہ عقد رہن کے شہر کے علاوہ میں ہو اور اس کی بار برداری میں مؤنت ہو پس وہ رہن ادا کرے گا اور اسے حق حاصل ہو گا کہ مرتہن سے رہن کے ہلاک نہ ہونے پر قسم لے۔ ان کا قول کذا النجم اس سے مراد یہ ہے: وہ قسط ادا نہیں کرے گا جس کی ادائیگی کا وقت آچکا ہو جب تک مرتہن رہن کو حاضر نہ کرے اگرچہ وہ رہن کے ہلاک ہونے کا دعویٰ نہ کرے۔ اس وقت قسط اور مکمل رہن کا حکم برابر ہے۔ یہ اس کے علاوہ ہے جو ''نہایہ'' میں ہے۔ جو قول ''النہایہ'' میں ہے اس کو بنیاد بنایا جائے تو دونوں میں فرق ہے اس حیثیت سے کہ قسط میں مرتہن کو رہن حاضر کرنے کا حکم اس وقت تک نہیں دیا جائے گا جب تک راہن اس کے ہلاک ہونے کا دعویٰ نہ کرے۔ انہوں نے اپنے قول اولا سے آخر تک اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان کے قول کذا النجم کا اس پر عطف ہے اور جس کی لا کے ساتھ نفی کی گئی ہے وہ محذوف ہے جس پر ماقبل کلام کا مضمون دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ ان کا قول مالم یحضر الرھن یہ اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اسے حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا یعنی مرتہن کو قسط کی صورت میں رہن حاضر کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا مگر جب راہن ہلاک ہو جانے کا دعویٰ کرے۔ یہ اس نظم کی وضاحت ہے جو ''ابن شحنہ'' نے سمجھا کہ ''نہایہ'' کے کلام میں ہلاک ہونے کے دعویٰ کی قید صرف قسط کے مسئلہ کی طرف پھیرا جائے گا۔ اور دونوں میں جو فرق کا دعویٰ کیا ہے اور اس میں جو ضعف ہے اس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

34174۔ (قولہ: أَوْ يَكُنْ الخ) یہ اس تفصیل کی مؤید ہے جو پہلے گزر چکی ہے، ''ط''۔ ''سائحانی'' نے کہا: یہاں الا کے معنی میں ہے۔ اس کے بعد جو فعل ہے اس کا حق یہ ہے کہ ان مضمرہ کے ساتھ اس کو نصب دی جائے مگر اس کی وجہ سے جزم وارد ہوئی ہے اس کا عطف یحضر پر صحیح ہے یعنی لا دفع مالم یکن الخ معنی ہوگا: اس عرصہ تک دینا واجب نہیں جب تک وہ عقد رہن کے مکان کے علاوہ نہ ہو، یعنی جب تک وہ عقد کے مکان میں ہو۔ کیونکہ نفی کی نفی، اثبات ہوتا ہے۔ لیکن ان کا قول والحمل یعسر بعید ہے۔ کیونکہ جب وہ عقد کے مکان میں ہو تو بار برداری کی ضرورت نہیں مگر یہ کہا جائے: یہ ممکن ہے کہ اس نے اسے اپنے گھر منتقل کر دیا ہو پھر شعر کا معنی یہ ہو وہ دین ادا نہ کرے جب رہن عقد کے شہر میں ہو مگر جب مرتہن اسے حاضر کر دے جب تک اس کے لیے بار برداری اور مشقت نہ ہو۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ اس کے مخالف ہو گا جو ''شلبی'' سے روایت گزر چکی ہے۔ یہ اس قول کی تائید کرتا ہے جو ہم نے پہلے ''بزازیہ'' اور ''الذخیرہ'' سے نقل کیا ہے لیکن وہ بعید ہے، فتامل۔

(وَلَا يُكَلَّفُ مُرْتَهِنٌ) قَدْ (طَلَبَ دَيْنَهُ إِحْضَارَ رَهْنٍ قَدْ وُضِعَ عِنْدَ الْعَدْلِ بِأَمْرِ الرَّاهِنِ وَلَا) إِحْضَارَ (ثَمَنِ رَهْنٍ بَاعَهُ الْمُرْتَهِنُ بِأَمْرِهِ) أَيْ بِأَمْرِ الرَّاهِنِ (حَتَّى يَقْبِضَهُ) لِإِذْنِهِ بِذَلِكَ (وَ) حِينَئِذٍ فَ (إِذَا قَبَضَهُ) أَيْ الثَّمَنَ (يُكَلَّفُ إِحْضَارَهُ) لِقِيَامِ الْبَدَلِ مَقَامَ الْمُبْدَلِ (وَلَا يُكَلَّفُ) (مُرْتَهِنٌ مَعَهُ رَهْنُهُ تَمْكِينَ الرَّاهِنِ مِنْ بَيْعِهِ لِيَقْضِيَ دَيْنَهُ) بِثَمَنِهِ لِأَنَّ حُكْمَ الرَّهْنِ الْحَبْسُ الدَّائِمُ حَتَّى يَقْبِضَ دَيْنَهُ (وَلَا يُكَلَّفُ (مَنْ قُضِيَ بَعْضُ دَيْنِهِ)

جب مرتہن نے اپنے دین کا مطالبہ کیا اسے رہن کے حاضر کرنے کا مکلف نہیں بنایا جائے گا جس نے رہن راہن کے حکم سے ایک آدمی کے پاس رکھا تھا۔ اور نہ ہی اس کو اس امر کا مکلف بنایا جائے گا کہ وہ اس ثمن کو حاضر کرے جس کو مرتہن نے راہن کے حکم سے بیچا تھا یہاں تک کہ وہ اس پر قبضہ کر لے۔ کیونکہ اس نے خود اس کی اجازت دی تھی۔ اس وقت جب اس نے ثمن پر قبضہ کر لیا تو اسے اس کو حاضر کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ بدل مبدل منہ کے قائم مقام ہے۔ اور وہ مرتہن جس کے پاس رہن موجود ہے اسے اس امر کا مکلف نہیں بنایا جائے گا کہ وہ راہن کو یہ قدرت دے کہ وہ رہن کو بیچ دے تا کہ اس کی ثمن کے ساتھ اپنا دین ادا کرے۔ کیونکہ رہن کا حکم دائمی حبس ہے یہاں تک کہ اس کے رہن پر قبضہ کر لے اور جس کا بعض ادا کیا گیا یا اس کے بعض دین سے بری کیا

34175۔ (قولہ: وَلَا يُكَلَّفُ مُرْتَهِنٌ الخ) کیونکہ مرتہن پر اعتماد نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اسے کسی اور کے قبضہ میں دیا گیا پس اس کو سپرد کرنا اس کی قدرت میں نہیں۔

34176۔ (قولہ: عِنْدَ الْعَدْلِ) اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے ہاں رہن رکھا جاتا ہے اور اس کے لیے مخصوص باب آئے گا۔

34177۔ (قولہ: بِأَمْرِ الرَّاهِنِ) یہ وضع کے متعلق ہے۔

34178۔ (قولہ: لِإِذْنِهِ بِذَلِكَ) یعنی اس نے بیع کی اجازت دی تھی۔ پس یہ ایسے ہو گیا گویا انہوں نے رہن کو فسخ کیا اور ثمن رہن ہو گیا اور اسے اس کے سپرد نہیں کیا بلکہ اسے عادل آدمی کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ اس کی مکمل بحث ''ہدایہ'' اور اس کی شروح میں ہے۔

34179۔ (قولہ: تَمْكِينُ الرَّاهِنِ مِنْ بَيْعِهِ) یعنی رہن کو سپرد کرنے کا مکلف نہیں بنایا جائے گا تا کہ اسے دین کے بدلے میں بیچ دے۔ کیونکہ بیع کا عقد اس چیز سے ہے جس پر روکنے پر مرتہن کو قدرت حاصل نہیں، ''شرنبلالیہ''۔ ہاں بیع کا نفاذ مرتہن کی اجازت پر یا رہن کی ادائیگی پر موقوف ہے۔ اور اصح قول کے مطابق اس کے فسخ کرنے سے وہ فسخ نہیں ہو گا جس طرح اس کی وضاحت آگے آئے گی۔

34180۔ (قولہ: وَلَا يُكَلَّفُ مَنْ قُضِيَ الخ) من سے مراد مرتہن ہے قضی یہ مجہول کا صیغہ ہے اور بعض کا لفظ

أَوْ أَبْرَأَ بَعْضَهُ (تَسْلِيمَ بَعْضِ رَهْنِهِ حَتَّى يَقْبِضَ الْبَقِيَّةَ مِنَ الدَّيْنِ) أَوْ يُبْرِئَهَا اعْتِبَارًا بِحَبْسِ الْمَبِيعِ (وَيَجِبُ) عَلَى الْمُرْتَهِنِ (أَنْ يَحْفَظَهُ بِنَفْسِهِ وَعِيَالِهِ) كَمَا فِي الْوَدِيعَةِ (وَضَمِنَ إِنْ حَفِظَ بِغَيْرِهِمْ) كَمَا مَرَّ فِيهَا (وَ) ضَمِنَ (بِإِيدَاعِهِ) وَإِعَارَتِهِ وَإِجَارَتِهِ وَاسْتِخْدَامِهِ

اس کو اس امر کا مکلف نہیں بنایا جائے گا کہ وہ اپنے رہن کے بعض کو سپرد کر دے یہاں تک کہ وہ باقی ماندہ رہن پر قبضہ کر لے یا اس باقی ماندہ سے بری کر دے اسے مبیع کے محبوس کرنے پر قیاس کیا جائے گا۔ مرتہن پر واجب ہے کہ وہ رہن کی خود اور اپنے عیال کے ذریعے حفاظت کرے جس طرح ودیعت میں ہوتا ہے۔ اگر اس نے ان کے علاوہ کسی دوسرے فرد کے ذریعے اس کی حفاظت کی تو وہ اس کا ضامن ہوگا جس طرح ودیعت کے باب میں یہ گزر چکا ہے۔ وہ رہن کسی اور کو ودیعت کرے، عاریۃً دے، اجارہ پر دے، اس سے خدمت لے

نائب الفاعل ہے یعنی اس دین کا بعض جو راہن پر ثابت ہے اور ان کا قول اذا ابرأیہ معروف کا صیغہ ہے۔

34181۔ (قولہ: اعْتِبَارًا بِحَبْسِ الْمَبِيعِ) یعنی مبیع جو بائع کے پاس محبوس رہتا ہے۔ کیونکہ بائع پر یہ لازم نہیں کہ وہ بعض ثمن پر قبضہ کرنے کی صورت میں رہن کا بعض سپرد کر دے۔ لیکن اگر وہ دو غلام رہن کے طور پر رکھے اور ہر ایک کے لیے رہن میں سے کسی شے کا ذکر کرے تو اس نے جو معین کیا تھا اس کی ادائیگی سے ایک پر قبضہ کر سکتا ہے۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے جس طرح آنے والے باب میں اس کا ذکر کریں گے۔

رہن کی حفاظت مرتہن پر اور اس کے عیال کے ذمہ واجب ہے

34182۔ (قولہ: وَعِيَالِهِ) کسی شخص کے عیال میں سب سے معتبر یہ ہے کہ وہ اس کو اپنے ساتھ رکھتا ہو خواہ اس کا نفقہ اس کے ذمہ ہو یا نفقہ اس کے ذمہ نہ ہو جیسے بیوی، ولد اور خادم اور اس کے اس عیال میں بیوی، خاوند اور اجیر خاص جو مہینہ اور سال کے اعتبار سے ہو نہ کہ دنوں کے اعتبار سے۔ عیال کے قائم مقام شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان کا شریک ہوگا۔ بیوی اور بچے میں یہ شرط نہیں کہ دونوں اس کے عیال میں ہوں۔ ''غرر الافکار''۔

اگر مرتہن نے رہن کسی اور کو ودیعت کر دیا اس سے خدمت لی تو تعدی کی صورت میں ضامن ہوگا

34183۔ (قولہ: وَضَمِنَ الخ) اس فعل کا مفعول ان کا آنے والا یہ قول ہے کل قیمتہ پس یہ غصب کا ضمان ہے رہن کا ضمان نہیں۔ مراد یہ ہے جب ان امور کے سبب سے ہلاک ہو جائے۔ ہر وہ فعل جس کی وجہ سے مودع چٹی بھرے گا مرتہن بھی اس کے باعث چٹی ادا کرے گا اور جس کی وجہ سے مودع چٹی ادا نہیں کرے گا مرتہن بھی چٹی ادا نہیں کرے گا مگر ودیعت تلف ہونے کی صورت میں اس کی ضمانت نہیں ہوگی جس طرح ''جامع الفصولین'' میں ہے۔ اس میں ہے اگر وہ مخالفت کرے پھر وہ اصل کی طرف لوٹ آئے تو وہ چیز اپنے مال پر ہی رہن ہوگی۔ اگر موافقت کا دعویٰ کرے اور اس کا راہن اس کو جھٹلا دے تو اس کے رہن کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ مرتہن نے ضمان کے سبب کا اقرار کیا ہے۔

(وَتَعَدِّيهِ كُلَّ قِيمَتِهِ) فَيَسْقُطُ الدَّيْنُ بِقَدْرِهِ (وَكَذَا) يَضْمَنُ (كُلَّ قِيمَتِهِ بِجَعْلِ خَاتَمِ الرَّهْنِ فِي خِنْصَرِهِ) سَوَاءٌ جَعَلَ فَصَّهُ لِبَطْنِ كَفِّهِ أَوْ لَا، وَبِهِ يُفْتَى بُرْجُنْدِيٌّ (الْيُسْرَى أَوْ الْيُمْنَى) عَلَى مَا اخْتَارَهُ الرَّضِيُّ لَكِنْ قَدَّمْنَا فِي الْحَظْرِ عَنْ الْبُرْجَنْدِيِّ هُنَا أَنَّهُ شِعَارُ الرَّوَافِضِ وَأَنَّهُ يَجِبُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ فَتَنَبَّهْ قُلْتُ وَلَكِنْ جَرَتْ الْعَادَةُ فِي زَمَانِنَا بِلُبْسِهِ

اوراس پر تعدی کرے تو اس پر مکمل قیمت (واجب ہوگی)۔ پس اسی حساب سے دین ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح اس کی مکمل قیمت کا ضامن ہوگا جب رہن کی انگوٹھی اپنی خنصر انگلی میں ڈالے خواہ اس کا نگینہ اپنی ہتھیلی کے باطن کی طرف کرے یا ایسا نہ کرے۔ یہی فتویٰ دیا جاتا ہے ''برجندی''۔ وہ خنصر بائیں ہاتھ کی ہو یا دائیں ہاتھ کی ہو جیسا کہ ''رضی'' نے اختیار کیا ہے۔ لیکن ہم نے کتاب الحظر میں ''برجندی'' سے یہ نقل کیا تھا کہ یہ روافض کا شعار ہے اس سے بچنا واجب ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جایئے۔ لیکن میں کہتا ہوں: ہمارے زمانے میں یہ معمول ہے کہ اسے اسی طرح پہنا جاتا ہے

تنبیہ: اگر مرتہن مجہول رکھتے ہوئے مرگیا تو وہ ضامن ہوگا جس طرح ''خیریہ'' وغیرہ میں ہے۔

34184۔ (قولہ: وَتَعَدِّيهِ) یہ عام کا خاص پر عطف ہے جیسے قراءت، بیع، پہننا، سوار ہونا اور رہائش رکھنا جب کہ یہ اذن کے بغیر ہو، ''قہستانی''۔

34185۔ (قولہ: كُلَّ قِيمَتِهِ) یعنی وہ جہاں تک پہنچے کیونکہ وہ غاصب ہو چکا ہے ''اتقانی''۔ ''ہدایہ'' میں ہے: کیونکہ دین کی مقدار سے زائد امانت ہوتی ہے اور امانات میں تعدی کی جائے تو اس کی ضمانت ہوتی ہے۔

34186۔ (قولہ: فَيَسْقُطُ الدَّيْنُ بِقَدْرِهِ) یعنی اس کا تمام دین ساقط ہو جائے گا اس حال میں کہ دین اس کی مقدار کے برابر ہو جو اس نے ضمانت اٹھائی تھی ورنہ دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی سے اس کا مطالبہ کرے گا جو بچ گیا ہے اولیٰ یہ تھا کہ وہ اس کو حذف کرے۔ کیونکہ اس قول میں اس امر کی تفصیل ہے جو عنقریب متن میں آ رہا ہے۔

34187۔ (قولہ: عَلَى مَا اخْتَارَهُ الرَّضِيُّ) میں یہ کہتا ہوں: جو ''بزازیہ'' وغیرہما میں ہے یہ ''سرخسی'' کا اختیار ہے۔ گویا جو یہاں ہے وہ لکھنے والوں کی تحریف ہے۔ کیونکہ جو سب جانتا ہو یہ نام ہمارے ائمہ میں سے کسی پر مشہور نہیں، تامل۔

34188۔ (قولہ: لَكِنْ قَدَّمْنَا فِي الْحَظْرِ عَنْ الْبُرْجَنْدِيِّ هُنَا) یعنی ''شرح البرجندی'' سے اس محل میں۔ وہ کتاب الرہن ہے پھر جیسے کتاب الحظر میں پہلے ذکر کیا ہے اسے ''برجندی'' کی طرف منسوب نہیں کیا۔ ہاں اسے ''درمنتقی'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ کیونکہ کہا: اسی ''برجندی'' نے کتاب الرہن میں ''کشف بزدوی'' سے نقل کیا ہے: بعض نسخوں میں فیہا کے لفظ کی جگہ ہے فقال ''ط'': ای فی الیمن۔

34189۔ (قولہ: أَنَّهُ) یعنی اگر اسے دائیں ہاتھ میں رکھے یعنی انگوٹھی دائیں ہاتھ میں ڈالے۔

34190۔ (قولہ: قُلْتُ وَلَكِنْ الخ) یہ وہ معنی ہے جسے الحظر میں پہلے بیان کیا ہے کہ یہ شعار تھا اور وہ ختم ہو چکا ہے۔

كَذٰلِكَ فَيَنْبَغِي لُزُومُ الضَّمَانِ قِيَاسًا عَلٰى مَسْأَلَةِ السَّيْفِ الْآتِيَةِ فَلْيُحَرَّرْ لَا يَجْعَلُهُ فِي أُصْبُعٍ أُخْرٰى إِلَّا إِذَا كَانَ الْمُرْتَهِنُ امْرَأَةً فَتَضْمَنُ لِأَنَّ النِّسَاءَ يَلْبَسْنَ كَذٰلِكَ فَيَكُونُ اسْتِعْمَالًا لَا حِفْظًا ابْنُ كَمَالٍ مَعْزِيًّا لِلزَّيْلَعِيِّ (وَ) مِثْلُهُ (تَقَلُّدُ سَيْفَيِ الرَّهْنِ لَا الثَّلَاثَةِ) فَإِنَّ الشُّجْعَانَ يَتَقَلَّدُونَ فِي الْعَادَةِ بِسَيْفَيْنِ

پس چاہیے کہ تلوار کے آنے والے مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے ضمان لازم کی جائے۔ پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے اسے دوسری انگلی میں نہ ڈالے مگر جب مرتہن عورت ہو تو وہ ضامن ہوگی۔ کیونکہ عورتیں اسی طرح پہنتی ہیں پس یہ استعمال ہوگا حفاظت نہ ہوگی۔ ''ابن کمال''۔ جب کہ ''زیلعی'' کی طرف منسوب ہے۔ اور اسی کی مثل ہے وہ رہن کی دو تلواریں گلے میں لٹکالے، نہ کہ تین۔ کیونکہ بہادر لوگ عام معمول کے مطابق دو تلواریں لٹکاتے ہیں

ہم نے وہاں پہلے بیان کیا ہے کہ دائیں اور بائیں میں برابری یہی حق ہے۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک نبی کریم سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ پھر یہ استدراک پر استدراک ہے۔ پس متن میں جو دونوں میں برابری کی ہے اس کی تائید ہے۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ وہ ان دونوں انگلیوں میں پہنتا ہو پس یہ استعمال ہوگا حفاظت نہ ہوگی۔ اسی وجہ سے وہ ضامن ہوگا اس تعبیر کی بنا پر ان کا قول ینبغی اس کی کوئی حاجت نہیں۔ کیونکہ یہ بعینہ وہی چیز ہے جو متن میں ہے۔ ''ہدایہ'' وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔ پس بحث اور قیاس کے ساتھ اس کو ثابت کرنے کی ضرورت نہیں جس کے قیاس کے ہم اہل نہیں۔

34191۔ (قولہ: لَا يَجْعَلُهُ الخ) اس جملے کا عطف مصنف کے قول: بجعل خاتم الرھن فی خنصرہ پر ہے یعنی جب وہ انگوٹھی خنصر کے علاوہ میں ڈالے تو ضامن نہیں ہوگا۔

اس میں اصل یہ ہے کہ مرتہن کو اس کی حفاظت کی اجازت دی گئی ہوتی ہے اسے اس کے استعمال کی اجازت نہیں ہوتی۔ پس انگوٹھی کو خنصر میں ڈالنا یہ استعمال ہے جو ضمان کا موجب ہے۔ اس کے علاوہ انگلی میں ڈالنا یہ حفاظت ہے پہننا نہیں۔ کیونکہ عادت میں اس کا قصد نہیں کیا جاتا۔ پس ضمانت نہ ہوگی۔ اسی طرح بڑی چادر کا معاملہ ہے۔ اگر وہ اس طرح پہنے جس طرح طیلسان زیب تن کی جاتی ہے تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ یہ استعمال ہے ورنہ جیسے وہ اسے گردن پر رکھ لے تو ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ حفاظت ہے۔ پھر جسے حفاظت شمار کیا جاتا ہے اسے استعمال شمار نہیں کیا جاتا۔ اس میں ضمانت کے نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ غصب کی ضمانت نہیں دے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اصلاً ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کی قیمت اور اس کے دین میں سے جو کم ہوگا اس کا ضامن ہوگا جس طرح ''شرح طحطاوی'' میں اس کی تصریح کی ہے، ''اتقانی''، ملخص۔

34192۔ (قولہ: فَإِنَّ الشُّجْعَانَ الخ) ''ہدایہ'' اور ''تبیین'' میں اسی طرح ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہی ہے کہ ضمان لازم ہوگی اگرچہ مرتہن بہادر نہ ہو حالانکہ انہوں نے انگوٹھی کے پہننے میں مرتہن کی حالت کا اعتبار کیا ہے۔ ظاہر یہ ہے یہاں مراد یہ ہے کہ جب وہ بہادروں میں سے ایک ہو۔ اس کی دلیل ''قاضی خان'' وغیرہ کا قول ہے: دو تلواروں کی صورت میں جب مرتہن اور تلواریں گلے میں ڈالتا ہے تو ضامن ہوگا۔ کیونکہ یہ استعمال ہے۔ پس مرتہن کی حالت کی طرف دیکھا ہے جس طرح

لَا الثَّلَاثَةِ (وَ) فِي (لُبْسِ خَاتَمِهِ) أَيْ خَاتَمِ الرَّهْنِ (فَوْقَ آخَرَ يَرْجِعُ إِلَى الْعَادَةِ) فَإِنْ كَانَ مِمَّنْ يَتَجَمَّلُ بِلُبْسِ خَاتَمَيْنِ ضَمِنَ وَإِلَّا كَانَ حَافِظًا فَلَا يَضْمَنُ (ثُمَّ إِنْ قَضَى بِهَا) أَيْ بِالْقِيمَةِ الْمَذْكُورَةِ (مِنْ جِنْسِ الدَّيْنِ يَلْتَقِيَانِ قِصَاصًا بِمُجَرَّدِهِ) أَيْ بِمُجَرَّدِ الْقَضَاءِ بِالْقِيمَةِ (إِذَا كَانَ الدَّيْنُ حَالًّا وَ طَالَبَ) الْمُرْتَهِنُ (الرَّاهِنَ بِالْفَضْلِ إِنْ كَانَ) ثَمَّةَ فَضْلٌ (وَإِنْ) كَانَ الدَّيْنُ (مُؤَجَّلًا يَضْمَنُ الْمُرْتَهِنُ قِيمَتَهُ وَتَكُونُ رَهْنًا عِنْدَهُ، فَإِذَا حَلَّ الْأَجَلُ أَخَذَهُ بِدَيْنِهِ وَإِنْ قَضَى بِالْقِيمَةِ مِنْ خِلَافِ جِنْسِهِ كَانَ الضَّمَانُ رَهْنًا عِنْدَهُ إِلَى قَضَاءِ دَيْنِهِ) لِأَنَّهُ بَدَلُ الرَّهْنِ فَأَخَذَ حُكْمَهُ

تین تلواریں نہیں لٹکاتے۔ رہن والی انگوٹھی کو دوسری انگوٹھی پر پہننا یہ عادت کی طرف لوٹے گی اگر یہ ان لوگوں میں سے ہے جو دو انگوٹھیاں پہننے کے ساتھ خوبصورتی حاصل کرتا ہے تو وہ ضامن ہوگا ورنہ وہ حفاظت کرنے والا ہوگا۔ پس ضامن نہ ہوگا۔ پھر اگر وہ مذکور قیمت کے ساتھ ادا کرے جو رہن کی جنس سے ہے تو وہ ادلے کے بدلہ کے طور پر مل جائیں گے یعنی محض قیمت کے ساتھ ادائیگی کی صورت میں ایسا ہوگا جب رہن فوری ادا کرنا ہو اور مرتہن راہن سے زیادتی کا مطالبہ کرے گا اگر وہاں کچھ زیادتی ہو۔ اگر دین موجل ہو تو مرتہن اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اور وہ اس کے پاس رہن ہوگا۔ جب وقت مقررہ آجائے گا تو وہ اپنے دین کے عوض اسے لے لے گا اگر قیمت کے ساتھ ادائیگی کرے جب کہ وہ دین کی جنس سے نہ ہو تو ضمان دین کی ادائیگی تک اس کے پاس رہن ہوگی۔ کیونکہ یہ رہن کا بدل ہے۔ پس یہ اس کا حکم لے گی۔

انگوٹھی میں ہے جو یہاں ہے اسے اس پر محمول کیا جائے تو منافات ختم ہو جاتی ہے، فافہم۔

34193۔(قولہ: لَا الثَّلَاثَةِ) پس یہ حفظ ہوگا استعمال نہیں ہوگا پس وہ ضامن نہیں ہوگا۔

34194۔(قولہ: وَفِي لُبْسِ خَاتَمِهِ الخ) اسی طرح اگر اس نے اس کے پاس دو انگوٹھیاں رہن رکھیں تو اس نے ایک انگوٹھی پر دوسری انگوٹھی پہن لی،''زیلعی''۔

34195۔(قولہ: يَرْجِعُ إِلَى الْعَادَةِ) یعنی مرتہن کی جو عادت ہے اگرچہ کسی اور کی عادت کے خلاف ہو جس طرح اس کے مابعد قول سے اخذ کیا جاتا ہے۔

34196۔(قولہ: ثُمَّ إِنْ قَضَى بِهَا الخ) یہ اس کی تفصیل اور بیان ہے جس کو پہلے مجمل ذکر کیا ہے۔

34197۔(قولہ: أَيْ بِالْقِيمَةِ الْمَذْكُورَةِ) یعنی ان کے قول کل قیمتہ۔

34198۔(قولہ: مِنْ جِنْسِ الدَّيْنِ) یعنی دراہم اور دنانیر دو جنسیں ہیں جو مختلف ہیں جس طرح ''شرح حموی'' سے مستفاد ہے''ابوسعود''۔''طحطاوی'' نے کہا:''معدن نکی'' میں اس کی تصریح کی ہے۔

34199۔(قولہ: وَ طَالَبَ الْمُرْتَهِنُ الرَّاهِنَ بِالْفَضْلِ) یعنی دین میں سے جو اس پر زائد ہو جس کی اس نے ضمان اٹھائی تھی اگر دین قلیل ہو تو راہن مرتہن سے زیادتی کا مطالبہ کرے گا۔ اگر یہ اس طرح کا قول کرتے جو''زیلعی'' میں ہے تو یہ

(وَأُجْرَةُ بَيْتِ حِفْظِهِ وَحَافِظِهِ) وَمَأْوَى الْغَنَمِ (عَلَى الْمُرْتَهِنِ وَأُجْرَةُ رَاعِيهِ) لَوْ حَيَوَانًا (وَنَفَقَةُ الرَّهْنِ وَالْخَرَاجُ) وَالْعُشْرُ (عَلَى الرَّاهِنِ) وَالْأَصْلُ فِيهِ أَنَّ كُلَّ مَا يَحْتَاجُ إلَيْهِ لِمَصْلَحَةِ الرَّهْنِ بِنَفْسِهِ وَتَبْقِيَتُهُ فَعَلَى الرَّاهِنِ لِأَنَّهُ مِلْكُهُ، وَكُلُّ مَا كَانَ لِحِفْظِهِ فَعَلَى الْمُرْتَهِنِ لِأَنَّ حَبْسَهُ لَهُ وَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا يَلْزَمُ شَيْءٌ مِنْهُ لَوْ اشْتَرَطَ عَلَى الرَّاهِنِ قُهُسْتَانِيٌّ عَنْ الذَّخِيرَةِ

رہن کی حفاظت کے کمرہ، اس کے نگہبان اور ریوڑ کے باڑہ کی اجرت مرتہن پر ہوگی اور اس کے چرواہے کی اجرت راہن پر ہو گی۔ اگر رہن حیوان ہو رہن کا نفقہ، خراج اور عشر راہن کے ذمہ ہوگا۔ اس میں قاعدہ یہ ہے کہ رہن کی مصلحت اور اس کی بقا کی مصلحت کے لیے جس چیز کی خدمت ہو تو وہ راہن کے ذمہ ہوگی۔ کیونکہ رہن اس کی ملکیت ہے اور ہر وہ عمل جو اس کی حفاظت کے لیے ہو تو وہ مرتہن کے ذمہ ہوگا۔ کیونکہ اس کو محبوس کرنا یہ مرتہن کے لیے ہے۔ یہ جان لو کہ اس میں سے کوئی شے لازم نہ ہو گی اگر وہ راہن پر شرط لگائے۔ "قہستانی" نے "ذخیرہ" سے نقل کیا ہے۔

زیادہ جامع ہوتا وہ قول یہ ہے: و طالب کل واحد منهما صاحبه بالفضل۔

34200۔ (قولہ: وَحَافِظِهِ) اس کی بیت پر عطف ہے۔

34201۔ (قولہ: وَنَفَقَةُ الرَّهْنِ) جیسے اس کا کھانا، مشروب، غلام کا لباس، رہن کے بچے کی دائی کی اجرت، باغ کو سیراب کرنے، نہر کھودنے، کھجوروں کے ملاقحہ، ان کو کاٹنے اور اس کے مصالح کو بجالانے کی اجرت یہ راہن کے ذمہ ہوگی، "ہدایہ"۔

فرع: ایک آدمی نے ایک غلام معین روٹی کے عوض بیچا بائع اور مشتری نے باہم قبضہ نہ کیا یہاں تک کہ غلام روٹی کھا گیا تو بائع ثمن وصول کرنے والا ہو جائے گا۔ یہ صورت مختلف ہوگی اگر ایک آدمی ایک قفیز جو کے عوض جانور رہن رکھے تو جانور نے جو نکالے تو مرتہن اپنا دین وصول کرنے والا نہیں ہوگا۔ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں نفقہ بائع کے ذمہ تھا اور دوسری صورت میں راہن کے ذمہ تھا۔ "جوہرہ"، ملخص۔

34202۔ (قولہ: وَالْخَرَاجُ وَالْعُشْرُ) یہ رفع کے ساتھ ہے اور اجرۃ پر اس کا عطف ہے۔

"بزازیہ" میں ہے: سلطان نے مرتہن سے خراج یا عشر لیا تو وہ راہن سے اس کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ اگر اس نے نفلی طور پر دیا تو وہ احسان کرنے والا ہے۔ اگر اس کو مجبور کیا گیا تو سلطان نے اس پر ظلم کیا اور مظلوم ظالم سے ہی مطالبہ کرے گا۔

اگر رہن اور اس کی بقا کی مصلحت کے لیے کسی چیز کی ضرورت ہو تو اس کا حکم

34203۔ (قولہ: فَعَلَى الرَّاهِنِ) خواہ رہن میں زیادتی ہو یا نہ ہو، "ہدایہ"۔

34204۔ (قولہ: لِأَنَّهُ مِلْكُهُ) پس اسی پر کفایت اور مؤنت ہے۔

34205۔ (قولہ: شَيْءٌ مِنْهُ) یعنی اس میں سے جو مرتہن پر واجب ہو۔

وَأَمَّا مُؤْنَةُ رَدِّهِ كَجُعْلِ آبِقٍ (أَوْ رَدِّ جُزْءٍ مِنْهُ) كَمُدَاوَاةِ جَرِيحٍ (إلَى يَدِهِ) أَيْ إلَى يَدِ الْمُرْتَهِنِ (فَتَنْقَسِمُ عَلَى الْمَضْمُونِ وَالْأَمَانَةِ فَالْمَضْمُونُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ وَالْأَمَانَةُ مَضْمُونَةٌ عَلَى الرَّاهِنِ) لَوْ قِيمَتُهُ أَكْثَرَ مِنْ الدَّيْنِ وَإِلَّا فَعَلَى الْمُرْتَهِنِ، وَكَذَا مُعَالَجَةُ أَمْرَاضٍ وَقُرُوحٍ وَفِدَاءِ جِنَايَةٍ (وَكُلُّ مَا وَجَبَ عَلَى أَحَدِهِمَا فَأَدَّاهُ الْآخَرُ كَانَ مُتَبَرِّعًا إلَّا أَنْ يَأْمُرَهُ الْقَاضِي بِهِ وَيَجْعَلَهُ دَيْنًا عَلَى الْآخَرِ) فَحِينَئِذٍ يَرْجِعُ عَلَيْهِ،

جہاں تک اس کے مرتہن کی طرف لوٹانے کی مؤنت کا تعلق ہے جیسے بھاگ جانے والے غلام کا انعام یا اس کے کسی جز کو واپس لانے کی مؤنت جیسے زخمی کا علاج تو یہ مضمون اور امانت پر تقسیم ہوگی۔ پس مضمون مرتہن پر لازم ہوگا اور امانت راہن کے ذمہ ہوگی اگر اس کی قیمت دین سے زیادہ ہو، ورنہ مرتہن کے ذمہ لازم ہوگا۔ اسی طرح امراض اور زخموں کا علاج معالجہ ہے اور جنایت کا فدیہ ہے۔ اور ہر وہ شے جو دونوں میں سے ایک پر واجب ہو اور دوسرا اسے ادا کر دے تو وہ تبرع ہوگا مگر قاضی اس کا حکم دے اور دوسرے پر اسے دین قرار دے اس وقت وہ اس سے مطالبہ کرے گا

''جوہرہ'' میں ہے: اگر راہن نے مرتہن کے لیے رہن کی حفاظت پر اجرت کی شرط لگائی تو وہ کسی شے کا مستحق نہیں ہوگا۔ کیونکہ حفاظت کرنا اس پر واجب ہے۔ ودیعت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ حفاظت کرنا مودع پر واجب نہیں۔

34206۔ (قولہ: كَمُدَاوَاةِ جَرِيحٍ) یعنی زخمی کے عضو کا علاج کرنا یا اس کی آنکھ کا علاج کرنا جو سفید ہو چکی ہو اس کی مثل جس کا ذکر کریں گے۔

34207۔ (قولہ: عَلَى الْمَضْمُونِ) یعنی جو مرتہن کی ضمان میں داخل ہو اور امانت اس کے برعکس ہے۔

34208۔ (قولہ: وَإِلَّا فَعَلَى الْمُرْتَهِنِ) یعنی صرف مرتہن کے ذمہ ہوگی کیونکہ وہ اس امر کا محتاج ہے کہ حق وصول کرنے کا قبضہ اس کی طرف لوٹ آئے جو اس کے لیے تھا۔

34209۔ (قولہ: وَكَذَا) یعنی مضمون اور امانت پر تقسیم ہوگا جس طرح ''ہدایہ'' وغیرہا میں ہے۔ ''بزازیہ'' میں ہے: دوا کی ثمن اور طبیب کی اجرت مرتہن کے ذمہ ہے۔ ''قدوری'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ امانت میں سے جو حصہ ہے وہ راہن کے ذمہ ہے۔ اور مشائخ میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے کہا: دوائی کی قیمت مرتہن کے ذمہ ہے یہ اس پر لازم ہوگی۔ اگر زخم اس کے قبضہ میں واقع ہو، اگر راہن کے پاس زخم لگے تو یہ راہن کے ذمہ ہوگا۔ بعض علماء نے کہا: ہر حال میں یہ مرتہن کے ذمہ ہے۔ امام ''محمد'' رالیٹھایہ کا مطلق ذکر کرنا یہ اس پر دلالت کرتا ہے۔

34210۔ (قولہ: كَانَ مُتَبَرِّعًا) کیونکہ وہ اس میں مجبور نہیں ہے کیونکہ قاضی کے پاس مسئلہ پیش کرنا ممکن ہے۔

34211۔ (قولہ: فَحِينَئِذٍ يَرْجِعُ عَلَيْهِ) اگر انکار کرنے والا راہن ہو تو مرتہن اس سے مطالبہ کرے گا خواہ مرہون موجود ہو یا موجود نہ ہو۔ پس وہ نفقہ کے عوض رہن نہیں ہوگا۔ پس اس کے بدلے میں اسے محبوس کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ یہ ''امام صاحب'' رالیٹھایہ کا قول ہے ''بزازیہ''۔

وَبِمُجَرَّدِ أَمْرِ الْقَاضِي بِلَا تَصْرِيحٍ يَجْعَلُهُ دَيْنًا عَلَيْهِ لَا يَرْجِعُ كَمَا فِي الْمُلْتَقَطِ۔ وَعَنْ الْإِمَامِ لَا يَرْجِعُ لَوْ صَاحِبُهُ حَاضِرًا مُطْلَقًا خِلَافًا لِلثَّانِي، وَهِيَ فَرْعُ مَسْأَلَةِ الْحَجْرِ زَيْلَعِيٌّ (قَالَ الرَّاهِنُ الرَّهْنُ غَيْرُ هَذَا وَقَالَ الْمُرْتَهِنُ بَلْ هَذَا هُوَ الَّذِي رَهَنْتَهُ عِنْدِي فَالْقَوْلُ لِلْمُرْتَهِنِ) لِأَنَّهُ الْقَابِضُ،

محض قاضی کے حکم سے جب کہ وہ اس کی تصریح نہ کرے کہ اس نے اسے دوسرے پر مرتہن قرار دیا ہو اس کا مطالبہ نہیں کرے گا جس طرح ''الملتقط'' میں ہے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: وہ مطلقاً مطالبہ نہیں کرے گا اگر اس کا ساتھی حاضر ہو۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ یہ مسئلہ حجر کی فرع ہے، ''زیلعی''۔ راہن نے کہا: رہن رکھی چیز اس کے علاوہ تھی مرتہن نے کہا: بلکہ یہ وہی چیز ہے جو تو نے میرے پاس رہن رکھی تو قول مرتہن کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہی قابض ہے۔

34212۔ (قولہ: لَا يَرْجِعُ) اکثر مشائخ کا یہی نقطہ نظر ہے۔ کیونکہ یہ امر الزام کے لیے نہیں بلکہ یہ امر منافع کے پیش نظر ہے۔ یہ حکم بطور ثواب یا بطور دین کے درمیان متردد ہے۔ اور ادنیٰ زیادہ بہتر ہوتا ہے جب تک اعلیٰ پر نص قائم نہ کرے جس طرح ''ذخیرہ'' میں ہے۔

یہ چیز باقی رہ گئی ہے جب شہر میں قاضی نہ ہو یا وہ ظالم قاضیوں میں سے ہو علامہ ''مقدسی'' نے کہا: نفقہ پر مرتہن کی تصدیق نہیں کی جائے گی مگر گواہوں کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی یعنی اس کی تصدیق نہ کی جائے گی کہ اس نے خروج کیا تا کہ وہ واپس لے مگر جب واپسی پر گواہ قائم کردے جیسا میرے لیے امر ظاہر ہوا ہے، ''سائحانی''۔

34213۔ (قولہ: وَعَنْ الْإِمَامِ الخ) یہ قول حاضر میں اختلاف کی حکایت بیان کرتا ہے کیونکہ متن میں جو قول ہے وہ غائب میں فرض کیا گیا ہے۔

34214۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی اگرچہ یہ قاضی کے حکم سے ہو کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کرے اور وہ اس کے ساتھی کو اس بارے میں حکم دے، ''ح''۔

34215۔ (قولہ: خِلَافًا لِلثَّانِي) کیونکہ انہوں نے کہا: وہ حاضر اور غائب سے واپسی کا مطالبہ کرے جس طرح ''ذخیرہ'' میں ہے۔ لیکن ''خانیہ'' میں ہے: اگر وہ حاضر ہو اور وہ خرچ کرنے سے انکار کردے اور قاضی اس کا حکم دے دے تو وہ اس سے واپسی کا مطالبہ کرے گا۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، ''قہستانی''۔ مفتی بہ قول امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اس تعبیر کی بنا پر حاضر اور غائب کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ یہ متن کے اطلاق کا ظاہر معنی ہے۔

رہن رکھی چیز میں راہن اور مرتہن کے درمیان اختلاف ہو جائے تو اس کا حکم

34216۔ (قولہ: وَهِيَ فَرْعُ مَسْأَلَةِ الْحَجْرِ) کیونکہ قاضی حاضر کے خلاف ولایت نہیں رکھتا اور اس کا امر اس پر نافذ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر اس کا امر اس پر نافذ ہو جائے تو وہ محجور ہو جائے گا جب کہ قاضی ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر حجر کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر حجر کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ پس اس پر اس کا امر نافذ

بِخِلَافِ مَا لَوْ ادَّعَى الْمُرْتَهِنُ رَدَّهُ عَلَى الرَّاهِنِ بَعْدَ قَبْضِهِ فَإِنَّ الْقَوْلَ لِلرَّاهِنِ لِأَنَّهُ الْمُنْكِرُ، فَإِنْ بَرْهَنَا فَلِلرَّاهِنِ أَيْضًا وَيَسْقُطُ الدَّيْنُ لِإِثْبَاتِهِ الزِّيَادَةَ، وَلَوْ قَبْلَ قَبْضِهِ فَالْقَوْلُ لِلْمُرْتَهِنِ لِإِنْكَارِهِ دُخُولَهُ فِي ضَمَانِهِ، وَإِنْ بَرْهَنَا فَلِلرَّاهِنِ لِإِثْبَاتِهِ الضَّمَانَ بَزَّازِيَّةٌ

یہ صورت مختلف ہوگی اگر مرتہن دعویٰ کرے کہ اس نے قبضہ کے بغیر راہن کو چیز واپس کر دی تھی تو قول راہن کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہی منکر ہے۔ اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو راہن کا قول بھی معتبر ہوگا اور دین ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے زیادتی کو ثابت کیا ہے۔ اگر یہ قبضہ سے پہلے ہو تو قول مرتہن کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ اس امر کا انکار کرے گا کہ وہ اس کی ضمان میں داخل ہے۔ اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو قول راہن کا معتبر ہوگا کیونکہ وہ ضمان کو ثابت کر رہا ہے۔ ''بزازیہ''۔

ہو جائے گا، ''زیلعی''۔

34217۔(قولہ: بِخِلَافِ مَا لَوْ ادَّعَى الْمُرْتَهِنُ رَدَّهُ الخ) یعنی وہ رد کے بعد ہلاک ہو جائے اور راہن اس پر یہ دعویٰ کرے کہ وہ مرتہن کے پاس ہلاک ہوا ہے۔

34218۔(قولہ: لِأَنَّهُ الْمُنْكِرُ) کیونکہ وہ دونوں اس پر متفق ہیں کہ وہ ضمان میں داخل ہے اور مرتہن براءت کا دعویٰ کرتا ہے اور راہن اس کا انکار کرتا ہے تو قول اس کا معتبر ہوگا، ''بدائع''۔

34219۔(قولہ: وَيَسْقُطُ الدَّيْنُ) یعنی اس کے ہلاک ہونے سے دین ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ کلام اس کے بارے میں ہے، ''ط''۔

34220۔(قولہ: لِإِثْبَاتِهِ الزِّيَادَةَ) یہ ان کے قول فللراهن ایضا کی علت ہے، ''ط''۔

''البدائع'' کی عبارت ہے: اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو گواہیاں بھی راہن کی ہی تسلیم کی جائیں گی۔ کیونکہ یہ دین کے وصول کر لینے کو ثابت کرتی ہیں اور مرتہن کی گواہیاں اس کی نفی کرتی ہیں پس جو امر کو ثابت کرے وہ اولیٰ ہے۔ یہ اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ مرتہن کی گواہیاں قبول کی جائیں گی جب وہ منفرد ہوں۔ ''شرنبلالی''۔

34221۔(قولہ: وَلَوْ قَبْلَ قَبْضِهِ) زیادہ بہتر یہ کہنا ہے: ولوفی هلاكه قبل قبضه، یعنی اگر دونوں دین کے ہلاک ہونے میں اختلاف کریں تو مرتہن نے یہ گمان کیا کہ وہ راہن کے ہاتھ میں اس پر قبضہ سے پہلے ہلاک ہو گیا اور راہن نے کہا: قبضہ کے بعد ہلاک ہوا، ''ط''۔

34222۔(قولہ: بَزَّازِيَّةٌ) اس کی عبارت یہ ہے: راہن نے مرتہن کے پاس اس کے ہلاک ہونے اور دین کے ساقط ہونے کا گمان کیا اور مرتہن نے یہ گمان کیا کہ اس نے اس پر قبضہ کے بعد اسے راہن کو واپس کر دیا تھا اور وہ چیز راہن کے پاس ہلاک ہوئی تو قول راہن کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ اس پر ایسی واپسی کا دعویٰ کرتا ہے جو بعد میں واقع ہوئی جب کہ راہن اس کا انکار کرتا ہے اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو بھی راہن کی گواہیاں قبول ہوں گی اور رہن ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ زیادتی کو

....

ثابت کرتا ہے۔ اگر مرتہن یہ گمان کرے کہ وہ راہن کے ہاتھ میں قبضہ سے پہلے ہلاک ہو گیا تو قول مرتہن کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کے ضمان میں داخل ہونے کا انکار کرتا ہے اگر دونوں گواہیاں قائم کریں تو راہن کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ ضمان کو ثابت کرتا ہے۔ یہ واضح عبارت ہے اس پر کوئی غبار نہیں "ط"۔

تنبیہ

اس سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ مسئلہ ہلاک ہونے کے دعویٰ میں فرض کیا گیا ہے اور اختلاف اس کے زمانہ میں ہے کہ کیا وہ واپس کرنے سے پہلے تھا یا اس کے بعد تھا۔ یہی عام کتابوں میں مذکور ہے۔ مگر جب اختلاف واپس کرنے کے دعویٰ میں ہو جب کہ ہلاک ہونے کا ذکر نہ کرے تو "شرنبلالی" نے اس میں ایک رسالہ لکھا جس کا نام "الامتناع فی الراھن والمرتھن اذا اختلفافی رد الرھن ولم یذکر الضیاع" رکھا۔ حکم کے جواب میں اس میں تردد کا اظہار کیا۔ اور کہا: بعض اوقات یہ جواب دیا جاتا ہے کہ قول قسم کے ساتھ راہن کا قبول کیا جائے گا "معراج الدرایہ" میں اسی پر اس قول کے ساتھ نص قائم کی ہے: اگر رہن کے لوٹانے میں دونوں اختلاف کریں تو بغیر کسی اختلاف کے قول راہن کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ منکر ہے۔ کہا: لیکن بعض اوقات اس کو اس پر محمول کیا جاتا ہے کہ جب دونوں واپس کر دے اور اس کے ہلاک ہونے میں اختلاف کریں۔ کیونکہ "معراج" کی کلام کا سیاق ہلاک ہونے میں جو اختلاف ہے اس بارے میں ہے۔ علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ رہن ایسی ودیعت کے قائم مقام ہے جو مرتہن کے قبضہ میں ہے۔ اور یہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے۔ اور ہر امین یہ دعویٰ کرتا ہے کہ امانت اس کے مستحق تک پہنچ چکی ہے۔ مستحق کی زندگی میں ہو یا اس کی وفات کے بعد ہو قبول کیا جائے گا۔ پس جو اس قاعدہ کلیہ سے مرتہن کے مستثنیٰ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس پر اس کی وضاحت لازم ہے۔ "معراج" کے کلام کا اس کے ساتھ معارضہ کیا جاتا ہے: اگر مرتہن رہن کے اس کے پاس ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے اور راہن اس کا انکار کرے تو قول قسم کے ساتھ مرتہن کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ امین ہے جس طرح مودع اور مستعیر ہوتا ہے حالانکہ راہن منکر ہوتا ہے۔ پھر کہا: جو کچھ "معراج" میں ہے اس کا اعتبار کیا جائے تو کیا دین کی مقدار ساقط ہو جاتی ہے اور زائد کی ضمانت نہیں ہوگی یا اصلاً کوئی ضمان نہ ہوگی یہ امانت اور راہن کے اقرار، کہ دین ادا نہیں ہوا، کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے یا وہ تمام قیمت کا ضامن ہوگا۔ پس حاکم اور مفتی کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور اسے اس نص میں غور کرنا چاہیے جو اس امر کا فائدہ دے، ملخص۔

میں کہتا ہوں: رہن اور دوسری امانات میں فرق ظاہر ہے۔ کیونکہ رہن دین کے بدلے میں مضمون ہوتا ہے پس رد کرنے میں کیسے اس کی تصدیق کی جاسکتی ہے مگر جس کے ساتھ "معراج" کی کلام کا معارضہ کیا ہے تو یہ امر مخفی نہیں کہ معارضہ وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ عندہ میں ضمیر اگر مرتہن کے لیے ہو تو اس کا کوئی معنی نہیں کہ قول اس کا معتبر ہو۔ کیونکہ دین مرتہن کے پاس رہن کے ہلاک ہونے سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ پس کوئی معارضہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنی ذات سے ضمان کی نفی نہیں کی۔ اور

يَجُوزُ لَهُ السَّفَرُ بِهِ) بِالرَّهْنِ (إذَا كَانَ الطَّرِيقُ أَمْنًا) كَمَا فِي الْوَدِيعَةِ (وَإِنْ كَانَ لَهُ حِمْلٌ وَمُؤْنَةٌ) وَكَذَا الِانْتِقَالُ عَنْ الْبَلَدِ، وَكَذَا الْعَدْلُ الَّذِي الرَّهْنُ فِي يَدِهِ كَمَا فِي الْعِمَادِيَّةِ مَعْزِيًّا لِلْعُدَّةِ

مرتہن کے لیے جائز ہے کہ وہ رہن کے ساتھ سفر کرے جب راستہ پر امن ہو جس طرح ودیعت کے بارے حکم ہے اگر چہ اس میں بار برداری اور مشقت ہو۔ اسی طرح ایک شہر سے منتقل ہونے کا مسئلہ ہے۔ اسی طرح اس عادل آدمی کا حکم ہے جس کے قبضہ میں رہن ہے جس طرح ''عمادیہ'' میں ہے جو ''عدہ'' کی طرف منسوب ہے۔

لوٹانے کے دعویٰ میں وہ اپنی ذات سے ضمان کی نفی کرتا ہے۔ اگر ضمیر رہن کے لیے ہو تو قول قسم کے ساتھ مرتہن کا ہوگا جب وہ رہن پر قبضہ سے پہلے رہن کے ہلاک ہو جانے کا دعویٰ کرے اس کے بعد ہلاک ہونے کا دعویٰ نہ کرے جس طرح ''بزازیہ'' سے یہ قول گزر چکا ہے۔ اس میں اور قبضہ کے بعد محض لوٹانے کے دعویٰ میں فرق مخفی ہونے سے زیادہ ظاہر ہے۔

میں نے ''قاری الہدایہ'' کے فتاویٰ میں دیکھا جس کی نص یہ ہے: جب مرتہن عین مرہونہ کے واپس کرنے کا دعویٰ کرے اور راہن اس کو جھٹلائے تو اس مرتہن کے بارے میں سوال کیا گیا: کیا قول اس کا معتبر ہوگا؟

انہوں نے جواب دیا: واپس کرنے میں اس کا قول اس کی قسم کے ساتھ تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ امانت کا معاملہ ہے مضمونات کا معاملہ نہیں بلکہ قول قسم کے ساتھ راہن کا تسلیم کیا جائے گا جب کہ راہن نے یہ کہا ہو کہ اس نے عین کو واپس نہیں کیا تھا۔ اسی کی مثل ''فتاوی ابن شلبی'' اور ''فتاویٰ ابن نجیم'' میں ہے۔ یہ بعینہ وہ قول ہے جو ''المعراج'' میں ہے۔ پس منقول کی اتباع لازم ہے کیسے لازم نہ ہو جب کہ یہی معقول ہے۔ اس کے قول کے قبول نہ کرنے کا مقتضا یہ ہے کہ سب کی ضمان ہو۔ لیکن یہ کہنا مناسب ہے کہ یہ سب اس صورت میں ہے جب رہن دین پر زائد نہ ہو۔ اگر وہ زائد ہوں تو وہ زیادتی کا ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ خالص امانت ہے اس پر کوئی ضمانت نہیں۔ پس اس میں قول اس کا معتبر ہوگا۔ خواہ وہ محض لوٹانے کا دعویٰ کرے یا ساتھ ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہ وضاحت ہماری اس کتاب کے خواص میں سے ہے، وللہ تعالیٰ الحمد۔

راستہ پر امن ہو تو مرتہن کے لیے رہن کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے

34223۔(قولہ: إذَا كَانَ الطَّرِيقُ أَمْنًا) شہر کی قید نہ لگائی ہو مگر جب وہ اس کی قید لگائے تو وہ اس کا مالک نہیں ہوگا۔ اس کی مکمل وضاحت ''طحطاوی'' میں ہے۔

34224۔(قولہ: وَكَذَا الِانْتِقَالُ عَنْ الْبَلَدِ) یعنی جب وہ رہائش کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل ہونا چاہے، تامل۔

34225۔(قولہ: وَكَذَا الْعَدْلُ) مرتہن کی طرح ان امور میں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔

على خلاف ما في فتاوى القاضيين، ولعل ما في العدة قول الإمام، وما في الفتاوى قولهما كما يفيده كلام القنية. فائدة في الحديث: إذا عمي الرهن فهو بما فيه، قالوا معناه: إذا اشتبهت قيمته بعد هلاكه بأن قال كل: لا أدري كم كانت قيمته، ضمن بما فيه من الدين، كذا ذكره المصنف أول الباب.

یہ ان کے برعکس ہے جو دو قاضیوں کے فتاویٰ میں ہے شاید جو "العدۃ" میں ہے وہ "امام صاحب" رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور جو فتاویٰ میں ہے وہ "صاحبین" رحمہما اللہ کا قول ہے جس طرح "القنیہ" کا کلام اس کو بیان کرتا ہے۔ فائدہ: حدیث میں ہے: جب رہن مجہول ہو تو یہ اس کے بدلے میں ہوگا جس میں یہ رکھا گیا۔ علماء نے کہا: اس کا معنی یہ ہے رہن کے ہلاک ہو جانے کے بعد جب اس کی قیمت میں اشتباہ ہو جائے جیسے ہر ایک کہے: میں یہ نہیں جانتا اس کی کتنی قیمت تھی تو وہ اس کا ضامن ہوگا جس میں یہ رہن رکھا گیا تھا مصنف نے باب کے شروع میں یہی ذکر کیا ہے۔

34226۔ (قولہ: عَلَى خِلَافِ مَا فِي فَتَاوَى الْقَاضِيَيْنِ) یعنی "قاضی خان" اور "قاضی ظہیر الدین"۔ کیونکہ دونوں نے کہا: مسافر کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ رہن کو ساتھ لے کر سفر کرے اور پہلے یعنی "قاضی خان" نے یہ زائد ذکر کیا ہے کہ یہ "صاحبین" رحمہما اللہ کے نزدیک ہے۔

34227۔ (قولہ: وَلَعَلَّ مَا فِي الْعُدَّةِ) اس تطبیق کی طرف صاحب "جامع الفصولین" سبقت لے گئے ہیں۔ "رملی" نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس تطبیق کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ "قاضی خان" میں جو قول ہے وہ اس میں صریح ہے کہ یہ "صاحبین" رحمہما اللہ کا قول ہے۔

34228۔ (قولہ: إِذَا عَمِيَ الرَّهْنُ) یہ قول ہے عمی علیہ الخبر یعنی خبر اس پر مخفی ہوگئی یہ عمی البصر سے ماخوذ ہے "مغرب"۔ "الطحطاوی" نے کہا: میں اس کی حرکات وسکنات یعنی باب پر آگاہ نہ ہو سکا اللہ تعالیٰ کے فرمان **فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ** (ہود: 28) کو تخفیف اور تشدید دونوں طرح پڑھا گیا ہے مراد ہے جب اس کا حال مخفی ہو گیا اور اس کی قیمت کا پتہ نہ چلا جب کہ دونوں اس کی ہلاکت پر متفق ہو گئے۔

34229۔ (قولہ: فَهُوَ بِمَا فِيهِ) با مقابلہ اور معاوضہ کے لیے، "سعدی"۔

34230۔ (قولہ: ضَمِنَ بِمَا فِيهِ مِنَ الدَّيْنِ) پس دین راہن سے ساقط ہو جائے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب یہ معلوم نہ ہو کہ اس کی قیمت کم ہے اگر یہ معلوم ہو جائے اور اس کی قیمت مشتبہ ہو جائے تو اس کے حکم کو جاننے کے لیے کتب کی طرف رجوع کیا جائے گا، "ط"۔

34231۔ (قولہ: كَذَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ) "ہدایہ" اور "عنایہ" میں اسی طرح ہے۔ "النہایہ" میں کہا: "مبسوط" میں اسی طرح ہے جب کہ اس تاویل کو "فقیہ ابو جعفر" سے حکایت کیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ مَا يَجُوزُ ارْتِهَانُهُ وَمَا لَا يَجُوزُ

(لَا يَصِحُّ رَهْنُ مَشَاعٍ) لِعَدَمِ كَوْنِهِ مُمَيَّزًا كَمَا مَرَّ (مُطْلَقًا) مُقَارِنًا أَوْ طَارِئًا مِنْ شَرِيكِهِ أَوْ غَيْرِهِ

جو چیز رہن رکھی جاسکتی ہے اس کے احکام

مشترک شے کو رہن کے طور پر رکھنا مطلقاً صحیح نہیں۔ کیونکہ وہ ممیز نہیں جس طرح گزر چکا ہے۔ وہ اشتراک مقارن ہو یا طاری ہو، یہ شریک کا ہو یا کسی اور کا ہو۔

34232۔ (قولہ: لَا يَصِحُّ رَهْنُ مَشَاعٍ) مشترک چیز کو رہن رکھنا صحیح نہیں مگر جب وہ ایسا غلام ہو جو دونوں میں مشترک ہو جیسے دونوں کسی آدمی کے پاس اس دین کے بدلے میں رہن رکھیں جو اس کا ان دونوں افراد پر لازم ہو۔ جب کہ وہ ایک ہی رہن ہو اگر دونوں میں سے ہر ایک غلام میں سے اپنے حصہ کو رہن کے طور پر رکھیں گے جس طرح ''قہستانی'' میں ''ذخیرہ'' سے مروی ہے۔ مگر جب اس میں اشتراک ضرورت کی بنا پر ثابت ہو جائے جس طرح سوادہ کے آخر میں آئے گا۔

34233۔ (قولہ: مُطْلَقًا) مابعد اس کی تفسیر بیان کرتا ہے یہ جائز نہیں۔ کیونکہ رہن کا موجب دائمی حبس ہے۔ مشترک میں دوام فوت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں مہایاۃ ضروری ہے۔ پس یہ یوں ہو جائے گا گویا اس نے کہا: میں نے تیرے ہاں ایک دن رہن رکھا ایک دن نہیں رکھا۔ اس کی مکمل بحث ''ہدایہ'' میں ہے۔

34234۔ (قولہ: مُقَارِنًا) جیسے نصف گھر یا نصف غلام۔

34235۔ (قولہ: أَوْ طَارِئًا) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ مکمل رہن کے طور پر رکھے پھر اس کے بعض میں عقد رہن فسخ کر دیا یا راہن عادل آدمی کو اجازت دے کہ وہ رہن کو بیچ دے جیسے چاہے اور اس کا نصف بیچ دے، ''منح''۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں ہے کہ طاری اشتراک کچھ نقصان نہیں دیتا۔ صحیح پہلا قول ہے جس طرح ''النہایہ'' اور ''الدرر'' میں ہے۔ شارح کتاب الرہن کے آخر میں اس کا ذکر کریں گے۔ اگر اس کے کل کا کوئی مستحق نکل آیا یا اس کے بعض کا کوئی مستحق نکل آیا۔

34236۔ (قولہ: مِنْ شَرِيكِهِ أَوْ غَيْرِهِ) کیونکہ شریک ایک دن رہن کے طور پر روکے گا اور ایک دن اس سے خدمت لے گا تو وہ یوں ہو جائے گا گویا اس نے ایک دن رہن رکھا دوسرے دن نہ رکھا۔ جہاں تک مشترک کے اجارہ کا تعلق ہے تو یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شریک کی جانب سے جائز ہے کسی اور کی جانب سے جائز نہیں۔ کیونکہ مستاجر اس چیز کو پوری طرح لینے پر قادر نہیں ہوتا جو عقد کا اقتضا تھا مگر باہمی موافقت کے ساتھ ایسا ہو سکتا ہے۔ یہ معنی شریک میں نہیں پایا جا سکتا۔ یہ ''اتقانی'' نے بیان کیا ہے۔ بعض شریک اس سے عقد کی وجہ سے مدت میں مہایاۃ کے ساتھ نفع حاصل کر سکتا ہے۔ اور

يُقْسَمُ أَوَّلًا، وَالصَّحِيحُ إِنَّهُ فَاسِدٌ يُضْمَنُ بِالْقَبْضِ، وَجَوَّزَهُ الشَّافِعِيُّ وَفِي الْأَشْبَاهِ مَا قَبِلَ الْبَيْعَ قَبِلَ الرَّهْنَ إِلَّا فِي أَرْبَعَةٍ الْمُشَاعُ وَالْمَشْغُولُ وَالْمُتَّصِلُ بِغَيْرِهِ

پہلے اسے تقسیم کیا جائے گا۔ صحیح یہ ہے کہ یہ فاسد ہے۔ وہ قبضہ کرنے کی صورت میں ضامن ہوگا۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ اور ''اشباہ'' میں ہے: جو چیز بیع کو قبول کرتی ہے وہ رہن کو قبول کرتی ہے مگر چار چیزوں میں ایسا نہیں مشاع، مشغول، متصل بغیر

ملک اس کے غیر کے خلاف ہے۔

34237۔ (قولہ: يُقْسَمُ أَوَّلًا) ہبہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں مانع تقسیم کی غرامت یعنی تقسیم کرنے والے کی اجرت ہے۔ یہ اس میں ہوتی ہے جو تقسیم کو قبول کرے نہ کہ اس میں جو اس کا احتمال نہ رکھے۔ ''معراج''۔

34238۔ (قولہ: الصَّحِيحُ إِنَّهُ فَاسِدٌ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ باطل ہے اس کے ساتھ ضمان متعلق نہیں۔ یہ صحیح نہیں کیونکہ اس سے باطل وہ ہے جو مال نہ ہو یا اس کا مقابل مضمون نہ ہو۔ جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں وہ اس طرح نہیں۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ قبض تمام عقد کی شرط ہے اس کے جواز کی شرط نہیں، ''عنایہ''۔ عنقریب یہ رہن کے آخر میں آئے گا اور عنقریب وہاں یہ بھی آئے گا کہ ہر وہ حکم جو رہن صحیح میں معروف ہے وہ رہن فاسد میں حکم ہے۔ لیکن یہ اس کے ساتھ مقید ہے جب رہن پر سابق ہو۔ اس کی وضاحت عنقریب آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

جو چیز بیع کو قبول کرتی ہے وہ رہن کو قبول کرتی ہے سوائے چار چیزوں کے

34239۔ (قولہ: مَا قَبِلَ الْبَيْعَ قَبِلَ الرَّهْنَ) یعنی ہر وہ چیز جس کی بیع صحیح ہو اس کو رہن رکھنا صحیح ہوگا۔

34240۔ (قولہ: وَالْمَشْغُولُ) یعنی راہن کے حق کے ساتھ مشغول ہو جس طرح شارح نے کتاب الرہن کے شروع میں اس کی قید لگائی ہے۔ یہ راہن کے علاوہ کی ملک سے مشغول ہونے سے احتراز کیا ہے۔ پس یہ مانع نہ ہوگا جس طرح ''حاشیہ حموی'' میں ''عمادیہ'' سے منقول ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح جو رہن کی ذات سے مشغول ہو وہ بھی مانع ہوگا۔ کیونکہ ''ہدایہ'' میں ہے: سپرد کرنے کے یہ چیز مانع ہوگی کہ راہن یا اس کا سامان اس گھر میں موجود ہو جس کو رہن کے طور پر رکھا گیا ہے۔ ''معراج'' میں کہا: جب مرتہن اس گھر سے نکلے تو نئے سرے سے سپرد کرنے کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ وہ اس کو مشغول رکھنے والا ہے جس طرح سامان کے ساتھ اسے مشغول رکھنے والا ہے۔ اسی طرح رہن رکھے گئے برتن میں سامان کا موجود ہونا یہ سپرد کرنے کے مانع ہے۔ حیلہ یہ ہے کہ پہلے مرتہن کے پاس وہ چیز ودیعت رکھے جو اس میں ہے پھر جو رہن رکھتا ہے وہ اس کے حوالے کردے۔

34241۔ (قولہ: وَالْمُتَّصِلُ بِغَيْرِهِ) یہ محذوف موصوف کی صفت ہے یعنی شاغل جو غیر کے ساتھ متصل ہو جیسے صرف عمارت، کھجور کا درخت یا پھل جب زمین یا درخت کے بغیر ہو جس کا عنقریب ذکر کریں گے۔ اس کے ساتھ منفصل

وَالْمُعَلَّقُ عِتْقُهُ بِشَرْطٍ قَبْلَ وُجُودِهِ غَيْرِ الْمُدَبَّرِ فَيَجُوزُ بَيْعُهَا لَا رَهْنُهَا
اور جس کا عتق اس شرط کے ساتھ معلق ہو جو اس کے وجود سے پہلے ہو سوائے مدبر کے ان کی بیع جائز ہے ان کو رہن رکھنا جائز نہیں۔

شاغل سے احتراز کیا ہے جس طرح اگر وہ چیز رہن رکھے جو دار میں ہے یا جو برتن میں ہے جب ان دونوں (یعنی برتن اور گھر) کے بغیر رہن رکھے اور تمام اس کے حوالے کر دے تو یہ جائز ہوگا جس طرح ''ہدایہ'' اور ''خانیہ'' میں ہے، فافہم۔

متصل سے تابع کا ارادہ کیا ہے۔ کیونکہ ''ہدایہ'' میں ہے: ایک آدمی نے جانور پر زین کو یا لگام جو اس کے سر میں ہے رہن رکھی اور زین اور لگام کے ساتھ جانور اس کے حوالے کر دیا۔ یہ رہن نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ اس کو اتارے اور پھر اس کے حوالے کرے۔ کیونکہ یہ جانور کے توابع میں سے ہے اور پھل درخت کے جس طرح تابع ہوتا ہے اس کے قائم مقام ہے یہاں تک کہ علماء نے کہا: یہ بغیر ذکر کے اس میں داخل ہوں گے۔ یعنی اگر وہ جانور رہن رکھے اس پر زین یا لگام ہو تو یہ رہن میں داخل ہوں گے۔ ''معراج''۔ اس سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ گزشتہ میں متصل کی قید لگانا اور آنے والے قول میں خلقۃً کی قید لگانا ظاہر نہیں، فتدبر۔

34242_(قولہ: وَالْمُعَلَّقُ عِتْقُهُ بِشَرْطٍ قَبْلَ وُجُودِهِ) جس طرح ایک آدمی اپنے غلام سے کہے: ان دخلت هذه الدار فانت حر، اس غلام کی بیع صحیح ہے اس کو رہن رکھنا صحیح نہیں ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ رہن کا حکم حق وصول کرنے تک دائمی حبس ہے اور اس جیسے کا حبس دائمی نہیں ہوتا۔ کیونکہ بعض اوقات وہ گھر میں داخل ہوتا ہے اور آزاد ہو جاتا ہے پس حق کو وصول کرنا ممکن نہیں ہوتا؛ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: شارح نے جو ذکر کیا ہے۔ ''بیری'' نے اسے ''شرح الاقطع'' سے نقل کیا ہے۔ پھر ''روضۃ القضاۃ'' سے نقل کیا ہے: اگر وہ اپنے غلام کی آزادی کو کسی صفت کے ساتھ معلق کرے پھر وہ اس کو رہن رکھ دے تو یہ جائز ہوگا۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے، تامل۔

34243_(قولہ: غَيْرِ الْمُدَبَّرِ) یہ مطلق اور مقید سب کو شامل ہے، ''حموی''۔ یعنی ان دونوں میں سے کسی کو بھی رہن رکھنا جائز نہیں اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ شارح نے اس کے باب میں ذکر کیا ہے کہ مقید کو بیچا جا سکتا ہے، [illegible] ہے اور اسے رہن رکھا جا سکتا ہے وہاں ''باقانی'' نے بھی ''شرح الملتقی'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ وہ یہ ہے جس نے اس کی آزادی کو اپنے آقا کی موت کے ساتھ معلق کیا مطلقاً نہیں بلکہ خاص صفت پر جیسے وہ کہے: اگر میں اس مرض میں مر گیا اس سفر میں مر گیا وغیرہ۔ پس اس فرق میں غور کیا جائے جو اس شخص میں ہے جس کی آزادی موت کے علاوہ شرط کے ساتھ معلق ہے جس کو انہوں نے ذکر کیا جب کہ یہ جائز نہیں اور جو مقید مدبر میں ہے وہ جائز ہے۔

34244_(قولہ: فَيَجُوزُ بَيْعُهَا لَا رَهْنُهَا) یعنی مدبر کے علاوہ جن چار کا ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ نہ مطلق کی بیع جائز ہے اور نہ ہی اس کو رہن رکھنا جائز ہے مطلقاً میں یہ دونوں امور جائز ہیں۔

وَفِيهَا الْحِيلَةُ فِي جَوَازِ رَهْنِ الْمُشَاعِ أَنْ يَبِيعَهُ النِّصْفَ بِالْخِيَارِ ثُمَّ يَرْهَنَهُ النِّصْفَ ثُمَّ يَفْسَخُ الْبَيْعَ قَالَ الْمُصَنِّفُ وَفِيهِ نَظَرٌ وَلَعَلَّهُ مُفَرَّعٌ عَلَى الضَّعِيفِ فِي الشُّيُوعِ الطَّارِئِ قُلْتُ بَلْ وَلَا عَلَيْهِ، لِأَنَّهُ بِالْخِيَارِ لَا يَخْلُو إمَّا أَنْ يَبْقَى فِي مِلْكِهِ أَوْ يَعُودَ لِمِلْكِهِ وَعَلَى كُلٍّ يَكُونُ رَهْنُ الْمُشَاعِ ابْتِدَاءً

اس میں ہے: مشاع (مشترک) کے رہن کے جواز میں یہ حیلہ ہے کہ وہ اس کے ہاتھ میں نصف خیار شرط کے ساتھ بیچ دے پھر اس کے پاس نصف رہن رکھ دے پھر وہ بیع کو فسخ کر دے۔ مصنف نے کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ شاید یہ طاری شیوع میں ضعیف قول پر تفریع ہے۔ میں کہتا ہوں: بلکہ اس پر مبنی نہیں۔ کیونکہ خیار کی صورت میں وہ اس حالت سے خالی نہیں کہ وہ اس کی ملک میں باقی رہے اور اس کی ملک کی طرف لوٹ آئے۔ تمام صورتوں میں وہ ابتداءً مشترک کا رہن ہوگا

مشترک چیز کو رہن رکھنے کے جواز میں حیلہ

34245۔ (قولہ: وَفِيهَا) یعنی ''الاشباہ'' میں الفن الخامس فی الحیل میں ہے۔ مسئلہ ''حیل الولوالجیہ'' میں کتاب کے آخر میں مذکور ہے۔

34246۔ (قولہ: أَنْ يَبِيعَهُ) منہ کی ضمیر سے مراد مرتہن ہے یعنی مرتہن کو ہی دین کی مقدار کی ثمن کے ساتھ بیچ دے جس کے بدلے میں وہ رہن رکھنے کا ارادہ کرتا تھا۔

34247۔ (قولہ: ثُمَّ يَفْسَخُ الْبَيْعَ) یعنی خیار کے حکم سے۔

34248۔ (قولہ: قَالَ الْمُصَنِّفُ) یعنی ''المنح'' میں اس باب کے آخر میں اس کی نص یہ ہے: میں کہتا ہوں: میرے نزدیک اس حیلہ کے صحیح ہونے میں اعتراض ظاہر ہے جب پہلے یہ ثابت ہو چکا کہ صحیح یہ ہے کہ طاری اشتراک اس کو فاسد کر دیتا ہے جس طرح مقارن اشتراک اس کو فاسد کر دیتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ یہ اس قول پر تفریع ہو جو صحیح کے مقابل ہے وہ یہ ہے کہ طاری اشتراک مفسد نہ ہو۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ نظر ثانی (دوسرے اعتراض) سے مراد وہ ہے جس کا شارح نے بعد میں ذکر کیا ہے، فافہم۔

34249۔ (قولہ: إمَّا أَنْ يَبْقَى فِي مِلْكِهِ) یعنی بائع کی ملک میں رہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب خیار کا حق اسے حاصل ہو۔ کیونکہ اس کا خیار اس ملک سے بیع کو نکلنے سے روکتا ہے۔ پس اس کا خیار کی مدت میں نصف کا رہن یہ اپنی بعض کو رہن رکھنا ہے جب کہ یہ ابتداءً مشترک کا رہن ہے، فافہم۔

34250۔ (قولہ: أَوْ يَعُودَ لِمِلْكِهِ) جب خیار مشتری کو ہو تو ملکیت بائع کی طرف لوٹے گی۔ کیونکہ مبیع اس کے ساتھ بائع کی ملک سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مشتری اس کا مالک نہیں ہوتا اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس کا مالک ہو جاتا ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے مطابق ابتداءً مشاع کا رہن شریک کی جانب سے ہے خواہ وہ بیع کو فسخ کرے یا اس کو جائز قرار دے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اگر وہ اس کو جائز قرار دے تو وہ اس

كَمَا بَسَطَهُ فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ فَتَنَبَّهْ قُلْتُ وَالْحِيلَةُ الصَّحِيحَةُ مَا فِي حِيَلِ مُنْيَةِ الْمُفْتِي أَرَادَ رَهْنَ نِصْفِ دَارِهِ مُشَاعًا بِبَيْعِ نِصْفِهَا مِنْ طَالِبِ الرَّهْنِ وَيَقْبِضُ مِنْهُ الثَّمَنَ عَلَى أَنَّ الْمُشْتَرِيَ بِالْخِيَارِ وَيَقْبِضُ الدَّارَ ثُمَّ يَنْقُضُ البيعَ بِحُكْمِ الْخِيَارِ فَتَبْقَى فِي يَدِهِ بِمَنْزِلَةِ الرَّهْنِ بِالثَّمَنِ،

جس طرح ''تنویر البصائر'' میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ پس اس پر متنبہ رہیے۔ میں کہتا ہوں: صحیح حیلہ یہ ہے جو ''منیۃ المفتی'' کے حیلوں میں سے ہے۔ ایک آدمی نے اپنے نصف گھر کو رہن کے طور پر رکھنے کا ارادہ کیا جو مشترک تھا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس کا نصف رہن طالب کے ہاتھ بیچ دے اور ثمن پر قبضہ کرے اس شرط کے ساتھ کہ مشتری کو اختیار ہوگا اور وہ گھر پر قبضہ کر لے پھر خیار کے حکم سے بیع کو توڑ دے تو گھر ثمن کے بدلے میں اس کے پاس رہن کے طور پر باقی رہے گا۔

کی ملک میں داخل ہو جائے گا ورنہ وہ بائع کی ملک کی طرف لوٹ آئے گا۔ ہر صورت میں اس کا خیار کی مدت میں نصف کا دین یہ ابتداءً مشترک کا رہن ہے جو اجنبی کی جانب سے ہے۔ شارح کو یہ چاہیے تھا کہ وہ او یعود لملکه کے بعد او یدخل فی ملك المشتری کو زائد ذکر کرتے۔

34251۔ (قولہ: كَمَا بَسَطَهُ فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ) جو ''شرف غزی'' کی تالیف ہے جو ''الاشباہ'' کے محشی ہیں۔ اس کا حاصل وضاحت کے ساتھ وہ ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

34252۔ (قولہ: فَتَبْقَى فِي يَدِهِ بِمَنْزِلَةِ الرَّهْنِ بِالثَّمَنِ) اگر اسے عیب لاحق ہو جائے تو رہن میں سے اسی کے حساب سے ختم ہو جائے گا۔ ''منح'' نے ''حیل الخصاف'' سے اسے لیا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے: یہ حقیقت میں رہن نہیں نہ صحیح نہ فاسد۔ کیونکہ اس کا عقد نہیں پایا گیا یہ رہن کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ گھر کو محبوس رکھنا اس وقت تک ہے جب وہ ثمن پر قبضہ کر لے جس طرح وہ اجارہ کو فسخ کر دے۔ کیونکہ اسے اس چیز کو روکنے کا حق ہے جسے اجرت پر دیا گیا یہاں تک کہ وہ اجرت پر قبضہ کر لے۔ جب اسے محبوس کرنے میں اس کے لیے منفعت ہے تو محبوس پر اس کی قیمت کی ضمانت ہوگی جب وہ ہلاک ہو جائے۔ امانات کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ان کی ضمانت صرف اس صورت میں ہوتی ہے جب ان کو جان بوجھ کر ہلاک کیا جائے۔ رہن حقیقی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کی ضمانت اس کی قیمت اور رہن میں سے جو کم ہو اس کی لازم ہوتی ہے۔ جو ہم نے وضاحت کی ہے اس سے ان کے قول بمنزلۃ الرھن کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں صرف محبوس کرنے کا حق ثابت ہوتا ہے اس حیثیت سے نہیں کہ اس کی ضمانت رہن کی ضمانت کی مثل ہوتی ہے اس پر اور اس پر کہ یہ باقی امانات کی طرح نہیں وہ ہے جو خیارات ''جامع الفصولین'' میں ہے: ایک آدمی نے خیار شرط کی بنا پر زمین بیچی دونوں نے دونوں بدلوں پر قبضہ کر لیا تو بائع نے مدت میں بیع کو توڑ دیا زمین قیمت کے بدلے میں مشتری کے پاس مضمون رہے گی اور اسے اس ثمن کے بدلے میں روکنے کا حق ہوگا جو اس نے بائع کو دی تھی۔ اس تعبیر کی بنا پر اگر وہ زمین ہلاک ہو گئی اور اس کی قیمت اس ثمن کی مثل ہو جس پر بائع نے قبضہ کیا تھا وہ ساقط ہو جائے گی۔ اگر

وَاعْتَمَدَهُ ابْنُ الْمُصَنِّفِ فِي زَوَاهِرِ الْجَوَاهِرِ وَفِيهَا الشُّيُوعُ الثَّابِتُ ضَرُورَةً لَا يَضُرُّ لِمَا فِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ وَلَوْ جَاءَ بِثَوْبَيْنِ وَقَالَ خُذْ أَحَدَهُمَا رَهْنًا وَالْآخَرَ بِضَاعَةً عِنْدَكَ، فَإِنَّ نِصْفَ كُلٍّ مِنْهُمَا يَصِيرُ رَهْنًا بِالدَّيْنِ، لِأَنَّ أَحَدَهُمَا لَيْسَ بِأَوْلَى مِنَ الْآخَرِ فَيَشِيعُ الرَّهْنُ فِيهِمَا بِالضَّرُورَةِ فَلَا يَضُرُّ (وَ) لَا رَهْنُ (ثَمَرَةٍ عَلَى نَخْلٍ دُونَهُ وَ) لَا (زَرْعُ أَرْضٍ أَوْ نَخْلٍ) أَوْ بِنَاءٍ (بِدُونِهَا وَكَذَا عَكْسُهَا) كَرَهْنِ الشَّجَرِ لَا الثَّمَرِ وَالْأَرْضِ لَا النَّخْلِ وَالْأَصْلُ أَنَّ الْمَرْهُونَ مَتَى اتَّصَلَ بِغَيْرِ الْمَرْهُونِ

مصنف کے بیٹے نے ''زواہر الجواہر'' میں اس پر اعتماد کیا ہے۔ اس میں اشتراک ضرورت کی بنا پر ہے جو نقصان نہیں دیتا۔ کیونکہ ''ولوالجیہ'' میں ہے: اگر ایک آدمی دو کپڑے لایا اور اس نے کہا: ان دونوں میں سے ایک بطور رہن لے لے اور دوسرا بضاعت کے طور پر تیرے پاس ہے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا نصف دین کے بدلے میں رہن ہوگا۔ کیونکہ دونوں میں سے ایک دوسرے سے اولیٰ نہیں۔ پس دونوں میں رہن ضرورت کے طور پر مشترک ہوگا۔ پس یہ نقصان دہ نہیں ہوگا۔ اور کھجور پر پھل درخت کے بغیر رہن رکھنا جائز نہیں اور نہ ہی زمین کی کھیتی یا کھجور کے درخت یا عمارت زمین کے بغیر جائز نہیں۔ اسی طرح اس کے برعکس کا حکم ہے جیسے درخت پھل کے بغیر اور زمین درختوں کے بغیر رکھی جائے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب مرہون غیر مرہون کے ساتھ

اس سے کم ہو تو اس کے حساب سے ساقط ہو جائے گی۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے، فافہم۔

34253۔ (قولہ: وَفِيهَا الخ) اس میں اس مسئلہ کے ساتھ جو متن میں اس باب کے آخر میں آرہا ہے، غور کیجئے۔

34254۔ (قولہ: لَيْسَ بِأَوْلَى) یعنی اس کے رہن ہونے میں اولیٰ نہیں۔

34255۔ (قولہ: أَوْ بِنَاءٍ) جس طرح ایسی عمارت جو وقف کی زمین میں موجود ہو جس طرح ''حامدیہ'' میں فتویٰ دیا یا سلطانی زمین میں ہو جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔

34256۔ (قولہ: بِدُونِهَا) ضمیر سے مراد زمین ہے یعنی زمین کے بغیر۔

پھل درخت کے بغیر یا درخت پھل کے بغیر رہن رکھنا جائز نہیں

34257۔ (قولہ: كَرَهْنِ الشَّجَرِ لَا الثَّمَرِ) یعنی درختوں کو اس کے مواضع کے ساتھ یا زمین کی تبع میں ساتھ ہی ثمر کی نفی صراحۃً کر دی تاکہ فساد اس جہت سے ہو۔ اگر وہ وضاحت نہ کرے تو پھل تبعاً داخل ہو جائے گا۔ یہ عقد کی تصحیح کے لیے ہے۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کی بیع ثمر کے بغیر جائز ہے۔ اور ذکر کے بغیر اس کے داخل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ گھر میں جو سامان ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ جب تک اس سامان کا ذکر نہ کیا جائے تو گھر کے رہن میں وہ داخل نہیں ہوگا۔ کیونکہ سامان کسی بھی اعتبار سے تابع نہیں۔ اسی طرح کھیتی، سبزیاں، عمارت اور درخت، زمین، گھر اور دیہات کے رہن میں داخل ہوں گے۔ اس کی دلیل وہ ہے جسے ہم نے ذکر کیا ہے جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔

خِلْقَةً لَا يَجُوزُ لِامْتِنَاعِ قَبْضِ الْمَرْهُونِ وَحْدَهُ دُرَرٌ وَعَنْ الْإِمَامِ جَوَازُ رَهْنِ الْأَرْضِ بِلَا شَجَرٍ وَلَوْ رَهَنَ الشَّجَرَ بِمَوَاضِعِهَا أَوْ الدَّارَ بِمَا فِيهَا جَازَ مُلْتَقًى لِأَنَّهُ اتِّصَالُ مُجَاوَرَةٍ وَفِي الْقُنْيَةِ رَهَنَ دَارًا وَالْحِيطَانُ مُشْتَرَكَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِيرَانِ صَحَّ فِي الْعَرْصَةِ، وَلَا يَضُرُّ اتِّصَالُ السَّقْفِ بِالْحِيطَانِ الْمُشْتَرَكَةِ لِكَوْنِهِ تَبَعًا (وَ) لَا (رَهْنُ الْحُرِّ

پیدائشی طور پر متصل ہو تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ مرہون پر الگ طور پر قبضہ کرنا ممتنع ہے،''درر''۔''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درختوں کے بغیر زمین کو رہن کے طور پر رکھنا جائز ہے۔ اگر درختوں کو اس کی جگہوں کے ساتھ اور گھر کو اس میں موجود اشیا کے ساتھ رہن کے طور پر رکھا جائے تو یہ جائز ہوگا''ملتقی''۔ کیونکہ یہ اتصال مجاورت کے اعتبار سے ہے۔''قنیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے گھر رہن رکھا جب کہ دیواریں اس میں اور اس کے پڑوسیوں میں مشترک ہیں تو سفیدہ زمین میں صحیح ہوگا اور چھت کا مشترک دیواروں کے ساتھ اتصال نقصان نہیں دے گا۔ کیونکہ یہ تابع ہے آزاد،

جب مرہون غیر مرہون کے ساتھ خلقۃً متصل ہو تو رہن رکھنا جائز نہیں

34258۔(قولہ: خِلْقَةً) مناسب یہ تھا کہ اس کو حذف کر دیتے جس طرح ''ہدایہ'' وغیرہا میں کیا ہے تا کہ عمارت، زمین اور لگام کو جامع ہو جائے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

34259۔(قولہ: وَعَنْ الْإِمَامِ) کیونکہ شجر کا لفظ اگنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ پس درخت کی استثنا اس کے مواضع کے ساتھ ہوگی۔ جو عمارت کے بغیر ہو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ''بنا'' یہ بنائی گئی عمارت کا نام ہے پس وہ تمام زمین کو رہن پر رکھنے والا ہوگا جب کہ وہ رہن کی ملکیت کے ساتھ مشغول ہے۔''ہدایہ''۔

34260۔(قولہ: لِأَنَّهُ اتِّصَالُ مُجَاوَرَةٍ) یہ اس امر کی علت ہے کہ درختوں کو اس کے مواضع کے ساتھ رہن رکھنا جائز ہے: یعنی کیونکہ درختوں اور ان کے مواضع کا اتصال، جن میں درخت موجود ہوتے ہیں، باقی زمین کے ساتھ مجاورت کا اتصال ہے۔ یہ تبعیت کا اتصال نہیں ہے جیسے عمارت اور جانور کی زین، یہ خلقت کا اتصال نہیں جیسے پھل ہوتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے برتن میں موجود سامان کو رہن رکھا جائے تو یہ کوئی نقصان نہیں دے گا۔

34261۔(قولہ: صَحَّ فِي الْعَرْصَةِ) سفیدہ زمین، چھت اور خاص دیواروں میں سے صحیح ہے جس طرح ''القنیہ'' میں ہے۔

34262۔(قولہ: لِكَوْنِهِ تَبَعًا) یہ اس کے مخالف ہے جس کو ہم نے پہلے ''ہدایہ'' سے اس زین کے رہن کے بارے میں ذکر کیا ہے جو زین جانور پر ہو یہ جائز نہیں یہاں تک کہ اس کو الگ کر لے کیونکہ یہ اس توابع میں سے ہے، فتامل۔

آزاد، مدبر، مکاتب، ام ولد اور وقف کو رہن رکھنا جائز نہیں

34263۔(قولہ: وَلَا رَهْنُ الْحُرِّ الخ) کیونکہ اس سے حق کی وصولی متحقق نہیں ہوتی کیونکہ آزاد میں مالیت متحقق نہیں

وَالْمُدَبَّرِ وَالْمُكَاتَبِ وَأُمِّ الْوَلَدِ) وَالْوَقْفِ ثُمَّ لَمَّا ذَكَرَ مَا لَا يَجُوزُ رَهْنُهُ ذَكَرَ مَا لَا يَجُوزُ الرَّهْنُ بِهِ فَقَالَ (وَ) لَا (بِالْأَمَانَاتِ كَوَدِيعَةٍ وَأَمَانَةٍ (وَ) لَا (بِالدَّرَكِ) خَوْفَ اسْتِحْقَاقِ الْمَبِيعِ فَالرَّهْنُ بِهِ بَاطِلٌ، بِخِلَافِ الْكَفَالَةِ

مدبر، مکاتب، ام ولد اور وقف کو رہن رکھنا جائز نہیں۔ پھر جب یہ ذکر کیا کہ جس کو رہن رکھنا جائز نہیں تو ان کا ذکر کیا جس کے بدلے میں رہن رکھنا جائز نہیں اور کہا: امانات کے بدلے میں رہن رکھنا جائز نہیں جیسے ودیعت اور امانت۔ اور نہ ہی درک کے بدلے میں جس میں بیع کے بارے میں استحقاق کا خوف ہوتا ہے۔ پس اس کے بدلے میں رہن باطل ہے۔ کفالہ کا معاملہ مختلف ہے

اور باقی میں مانع موجود ہے، ''ہدایہ''۔

34264۔ (قولہ: وَالْمُدَبَّرِ) یعنی مدبر مطلق جس طرح ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے یہ مذکورہ تعلیل سے مستفاد ہے۔

34265۔ (قولہ: وَلَا بِالْأَمَانَاتِ) یعنی امانات کے بدلے میں رہن لینا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ضمان سے مراد ہلاک ہونے والی چیز کی مثل کو لوٹانا ہے اگر وہ مثلی ہو یا اس کی قیمت لوٹانا ہے اگر وہ ذوات القیم میں سے ہو۔ امانت اگر ہلاک ہو جائے تو اسکے مقابلہ میں کوئی شے نہ ہوگی اگر وہ اسے جان بوجھ کر ہلاک کرے تو وہ امانت نہیں رہے گی بلکہ وہ مغصوبہ ہو جائے گی، ''حموی''۔

34266۔ (قولہ: كَوَدِيعَةٍ وَأَمَانَةٍ) زیادہ صحیح وعاریۃ ہے۔ اسی طرح مال مضاربہ اور مال شرکت ہے جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔ باب التدبیر میں یہ گزر چکا ہے کہ کتب کو وقف کرنے والے کی یہ شرط کہ ان کتابوں کو نہ نکالا جائے مگر ان کے بدلے میں رہن رکھا جائے یہ شرط باطل ہے۔ کیونکہ یہ امانت ہے جب وہ ہلاک ہو جائے تو کوئی شے واجب نہ ہوگی۔ ''الاشباہ'' میں بحث الدین میں یہ ذکر کیا ہے کہ اس کی شرط کی پیروی کا واجب ہونا اور دین کو لغوی معنی پر محمول کرنا یہ بعید نہیں ہے۔

34267۔ (قولہ: وَلَا بِالدَّرَكِ) درک، کالفظ را کی حرکت کے ساتھ ہے۔

34268۔ (قولہ: خَوْفَ اسْتِحْقَاقِ الْمَبِيعِ) یہ حاصل معنی کی تفسیر ہے۔ کیونکہ رہن یہ ثمن کے عوض میں ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مشتری کو بیع کے استحقاق کا خوف ہو پس وہ بائع سے ثمن کے بدلے رہن وصول کرتا ہے۔

34269۔ (قولہ: فَالرَّهْنُ بِهِ بَاطِلٌ) پس یہ امانت ہوگی جس طرح آگے آئے گا۔

34270۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْكَفَالَةِ) یعنی درک (تاوان، نقصان) کے اندیشہ کے بدلے میں رہن رکھنا صحیح ہے۔ کیونکہ یہ جائز ہے فرق یہ ہے کہ رہن پورا حق لینے کے لیے ہے اور وجوب سے پہلے کوئی حق کی وصولی نہیں ہوتی۔ کیونکہ نقصان کے اندیشہ کی ضمانت مبیع کے استحقاق کے وقت ہوتی ہے۔ پس دین کے وجوب کی حالت کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ حق کو وصول کرنا یہ معاوضہ ہے اور تملیک کو مستقبل کی طرف منسوب کرنا یہ جائز نہیں۔ جہاں تک کفالت کا تعلق ہے یہ مطالبہ کے التزام کے لیے ہے اصل دین کو لازم کرنے کے لیے نہیں۔ اسی وجہ سے اگر وہ یہ ضمانت اٹھائے کہ فلاں پر اس کا جو

كَمَا مَرَّ (وَ) لَا بِعَيْنٍ مَضْمُوْنَةٍ بِغَيْرِهَا أَيْ بِغَيْرِ مِثْلٍ أَوْ قِيمَةٍ مِثْلُ (الْمَبِيعِ فِي يَدِ الْبَائِعِ) فَإِنَّهُ مَضْمُوْنٌ بِالثَّمَنِ فَإِذَا هَلَكَ ذَهَبَ بِالثَّمَنِ (وَ) وَلَا (بِالْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ وَ) لَا (بِالْقِصَاصِ مُطْلَقًا)

جس طرح گزر چکا ہے۔ اور ایسے عین کے بدلے میں رہن رکھنا جائز نہیں جس کی ضمانت اس کے غیر سے ہو یعنی مثل یا قیمت کے علاوہ سے ہو جیسے مبیع جو بائع کے ہاتھ میں ہو۔ کیونکہ وہ ثمن کے ساتھ مضمون ہوتا ہے۔ جب وہ ہلاک ہو جائے تو ثمن جاتی رہتی ہے۔ اور نہ کفالت بالنفس کے عوض رہن رکھنا جائز ہے اور نہ ہی قصاص کے عوض مطلقاً رہن رکھنا جائز ہے

حق ثابت ہوگا وہ میرے ذمہ ہے تو یہ جائز ہوگا اگر وہ اس کے بدلے میں رہن رکھے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ ملخص

34271۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی کتاب الکفالہ میں گزر چکا ہے۔

ایسے عین کے بدلے میں رہن رکھنا جائز نہیں جس کی ضمانت اس کے غیر سے ہو

34272۔ (قولہ: أَيْ بِغَيْرِ مِثْلٍ أَوْ قِيمَةٍ) کیونکہ یہ دونوں ذات کے قائم مقام ہیں جس طرح اس کی وضاحت آگے آئے گی۔

34273۔ (قولہ: مِثْلُ الْمَبِيعِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ عین کو خریدے اور اس پر قبضہ نہ کرے پھر اس کے بدلے میں بائع سے رہن لے تو رہن باطل ہوگا۔ کیونکہ مبیع کے ہلاک ہو جانے سے بائع پر کوئی شے واجب نہیں ہوتی جو رہن سے پوری کی جائے اس سے بیع باطل ہو جاتی ہے اور ثمن ساقط ہو جاتی ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''کفایہ''، ''غایۃ البیان''، ''جوہرہ''، اور ''زیلعی'' میں ہے۔ اس کو ذہن نشین کر لیجئے۔

''قہستانی'' میں ہے: ''شیخ الاسلام'' نے کہا: یہ فاسد ہے کیونکہ دین مال ہے اور بیع متقدم ہے اور فاسد احکام میں صحیح کو لاحق ہو جاتی ہے جس طرح ''کرمانی'' میں ہے۔ ''مبسوط'' میں یہ ذکر کیا ہے کہ یہ جائز ہے۔ پس اس کی قیمت اور عین کی قیمت میں سے جو کم ہوگی اس کے ساتھ اس کی ضمانت ہوگی۔ اسی کو فقیہ ''ابوسعید بردعی'' اور ''ابولیث'' نے اپنایا ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے جس طرح ''کرمانی'' وغیرہ میں ہے۔

کفالت بالنفس اور قصاص کے عوض مطلقاً رہن رکھنا جائز نہیں

34274۔ (قولہ: وَلَا بِالْكَفَالَةِ بِالنَّفْسِ) اس کی صورت یہ ہے کہ زید عمرو کی ذات کی قسم اٹھائے کہ اس نے سال تک اس کا حق ادا نہ کیا تو جو ہزار اس کے ذمہ ہے وہ ادا کرے گا پھر عمر نے اسے عطا کر دیا اور سال تک مال کے بدلے میں رہن یہ باطل ہے۔ کیونکہ عمرو پر ابھی تک مال واجب نہیں ہوا۔ اسی طرح اگر وہ کہے: اگر عمرو فوت ہو جائے اور وہ تجھے ادا نہ کرے تو وہ میرے ذمہ ہے پھر عمرو اسے رہن کے طور پر کوئی چیز دے دے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ''المنح'' میں ''خانیہ'' سے مروی ہے۔

34275۔ (قولہ: وَلَا بِالْقِصَاصِ) کیونکہ مرہون سے اس کا پورا حق لینا متعذر ہے۔

فِي نِصْفٍ وَمَا دُونَهَا (بِخِلَافِ الْجِنَايَةِ خَطَأً) لِإِمْكَانِ اسْتِيفَاءِ الْأَرْشِ مِنَ الرَّهْنِ (وَلَا بِالشُّفْعَةِ وَبِأُجْرَةِ النَّائِحَةِ وَالْمُغَنِّيَةِ وَبِالْعَبْدِ الْجَانِي أَوِ الْمَدْيُونِ) وَإِذَا لَمْ يَصِحَّ الرَّهْنُ فِي هَذِهِ الصُّوَرِ فَلِلرَّاهِنِ أَخْذُهُ، فَلَوْ هَلَكَ عِنْدَ الْمُرْتَهِنِ قَبْلَ الطَّلَبِ هَلَكَ مَجَّانًا إِذْ لَا حُكْمَ لِلْبَاطِلِ فَبَقِيَ الْقَبْضُ بِإِذْنِ الْمَالِكِ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ وَابْنُ كَمَالٍ (وَ) لَا (رَهْنُ خَمْرٍ وَارْتِهَانُهَا مِنْ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ لِلْمُسْلِمِ)

وہ نصف میں ہو یا اس سے کم میں ہو۔ خطأ جنایت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ رہن سے چٹی کا پورا کرنا ممکن ہے اور نہ ہی شفع کے عوض اور نہ ہی نوحہ کرنے والی اور مغنیہ کی اجرت کے عوض رہن رکھنا جائز ہے۔ اور نہ ہی جانی غلام اور مدیون کے عوض رہن رکھنا جائز ہے۔ جب ان صورتوں میں رہن صحیح نہیں تو راہن کا مرتہن سے مرہون کا لینا جائز ہوگا۔ اگر وہ مطالبہ سے قبل مرتہن کے پاس ہلاک ہو جائے تو وہ عوض کے بغیر ہلاک ہو جائے گا۔ کیونکہ باطل کا کوئی حکم نہیں ہوتا۔ پس مالک کی اجازت سے قبضہ باقی رہے گا ''صدر الشریعہ'' اور ''ابن کمال''۔ اور جائز نہیں کہ مسلمان خمر کو بطور رہن دے اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ مسلمان یا ذمی سے خمر کو بطور رہن لے۔

34276۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْجِنَايَةِ خَطَأً) دیت اور ایسا زخم جس میں قصاص کی گنجائش نہیں ہوتی اس میں ارش کا فیصلہ کیا جائے اس کا معاملہ مختلف ہوگا اگر اس کے بدلے میں رہن لے تو یہ جائز ہوگا ''در منتقی''۔

34277۔ (قولہ: وَلَا بِالشُّفْعَةِ) یعنی اس مشتری سے رہن لینا جس پر بیع کو سپرد کرنا شفعہ کی وجہ سے ہو یہ جائز نہیں کیونکہ بیع پر ضمانت نہیں، ''ط''۔

نوحہ کرنے والی اور مغنیہ کی اجرت کے عوض رہن رکھنا جائز نہیں

34278۔ (قولہ: وَبِأُجْرَةِ النَّائِحَةِ وَالْمُغَنِّيَةِ) کیونکہ اجارہ باطل ہو چکا ہے پس رہن مضمون نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے مقابلہ میں کوئی مضمون شے نہیں ہے۔

34279۔ (قولہ: وَبِالْعَبْدِ الْجَانِي أَوِ الْمَدْيُونِ) کیونکہ وہ آقا پر غیر مضمون ہے۔ کیونکہ اگر وہ ہلاک ہو جائے تو اس پر کوئی شے واجب نہیں ہوتی، ''منح''۔

34280۔ (قولہ: قَبْلَ الطَّلَبِ) اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے بعد ضمان ہوگی۔ ''جامع الفصولین'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ کیونکہ کہا: امانت جیسے ودیعت کے بدلے میں رہن یہ باطل ہے۔ اگر محبوس کرنے سے قبل ہلاک ہو تو امانت کے طور پر ہلاک ہوگی اور اس کے بعد ہلاک ہو تو ضامن ہوگا۔

مسلمان کا خمر کو بطور رہن دینا یا مسلمان یا ذمی کا خمر کو بطور رہن لینا جائز نہیں

34281۔ (قولہ: وَلَا رَهْنُ خَمْرٍ الخ) کیونکہ مسلمان جب راہن ہو تو وہ ادا کرنے کا مالک نہیں ہوتا اور جب وہ مرتہن ہو تو وصول کرنے کا مالک نہیں ہوتا خنزیر میں ایسا ہی حکم ہے، ''اتقانی''۔

أَيْ لَا يَجُوزُ لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَرْهَنَ خَمْرًا أَوْ يَرْتَهِنَهَا مِنْ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ (وَلَا يَضْمَنُ لَهُ) أَيْ لِلْمُسْلِمِ (مُرْتَهِنُهَا) حَالَ كَوْنِهِ (ذِمِّيًّا، وَفِي عَكْسِهِ الضَّمَانُ) لِتَقَوُّمِهَا عِنْدَهُمْ وَلَا عِنْدَنَا وَصَحَّ) الرَّهْنُ (بِعَيْنٍ مَضْمُونَةٍ بِنَفْسِهَا) أَيْ بِالْمِثْلِ أَوْ بِالْقِيمَةِ (كَالْمَغْصُوبِ وَبَدَلِ الْخُلْعِ وَالْمَهْرِ وَبَدَلِ الصُّلْحِ عَنْ عَمْدٍ)

یعنی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ خمر کو کسی کے ہاں بطور رہن رکھے یا مسلمان یا ذمی سے بطور رہن اپنے پاس رکھے۔ اور اس کا مرتہن مسلمان کے لیے اس کا ضامن نہیں ہوگا اس حال میں کہ مرتہن ذمی ہو۔ اور اس کے برعکس صورت میں ضمان ہو گی۔ کیونکہ ذمیوں کے نزدیک وہ متقوم ہے ہمارے نزدیک وہ مال متقوم نہیں۔ اور ایسی چیز کے بدلے میں رہن رکھنا صحیح ہے جس کی ذات کی ضمانت ہو یعنی ضمانت مثل کے ساتھ ہو یا قیمت کے ساتھ ہو جیسے مغصوبہ چیز، بدل خلع، مہر، بدل صلح اگر یہ صلح عمد سے ہو۔

میں کہتا ہوں: اب کلام اس کے بارے میں ہے جس کے بدلے میں رہن رکھنا جائز نہیں اور جس کا یہاں ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس کو رہن رکھنا جائز نہیں یہ اس سے متعلق نہیں جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں۔ پس چاہیے یہ تھا کہ اس کو مقدم کرتے۔ تامل اس کے بدلے میں رہن کے مسئلہ کو ''جامع الفصولین'' میں ذکر کیا ہے اور کہا: خمر کے بدلے میں رہن باطل ہے۔ پس وہ امانت ہوگی یہ مسلمانوں کے متعلق ہے۔ اسی طرح اگر مرتہن مسلمان ہو اور راہن کافر ہو۔ اگر دونوں کافر ہوں تو دونوں کے درمیان یہ صحیح ہوگا۔ لیکن ''جوہرہ'' میں ہے کہ خمر اور خنزیر کے بدلے میں رہن فاسد ہے اس کے ساتھ ضمانت متعلق ہوگی۔ ہم نے پہلے ''العنایہ'' سے نقل کیا ہے کہ باطل اس وقت ہوگا جب اس کے مقابل قابل ضمانت شے نہ ہو، فتامل۔

34282۔ (قولہ: وَلَا يَضْمَنُ لَهُ) جس طرح جب اس سے اسے غصب کر لیا جائے تو اس کی ضمانت نہیں لے گا کیونکہ مسلمان کے حق میں یہ مال نہیں، ''منح''۔

34283۔ (قولہ: وَفِي عَكْسِهِ الضَّمَانُ) یعنی اگر راہن ذمی ہو اور مرتہن مسلمان ہو تو وہ ذمی کے لیے خمر کا ضامن ہوگا جس طرح جب وہ اس سے غصب کرے، ''منح''۔

اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس کی ضمانت لی جائے گی جب کہ رہن کی ضمانت سے تعدی نہ ہو۔ کیونکہ یہاں راہن ذمی کے نزدیک مال ہے اور اس کے مقابل جو چیز ہے اس پر ضمانت ہے یہ صحیح رہن ہے فاسد رہن نہیں اور نہ ہی باطل ہے تامل۔

34284۔ (قولہ: أَيْ بِالْمِثْلِ أَوْ بِالْقِيمَةِ) نفس کی تفسیر ان دونوں چیزوں سے کی ہے اس اعتبار سے کہ یہ دونوں اس کے قائم مقام ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ان کی ضمانت مثل سے ہوگی اگر وہ مثلی ہو اور قیمت سے ہوگی اگر وہ ذوات القیم میں سے ہو۔

اعیان کی اقسام

34285۔ (قولہ: كَالْمَغْصُوبِ الخ) یعنی عین مغصوبہ کی طرح یا جسے بدل خلع یا بدل مہر یا بدل صلح بنایا جائے۔ کیونکہ ضمان ثابت ہے۔ کیونکہ اگر وہ موجود ہو تو اس کا سپرد کرنا واجب ہوگا اگر وہ ہلاک ہو چکی ہو تو اس کی قیمت واجب ہوگی۔ پس اس

اعْلَمْ أَنَّ الْأَعْيَانَ ثَلَاثَةٌ عَيْنٌ غَيْرُ مَضْمُونَةٍ أَصْلًا كَالْأَمَانَاتِ وَعَيْنٌ غَيْرُ مَضْمُونَةٍ وَلَكِنَّهَا تُشْبِهُ الْمَضْمُونَةَ كَمَبِيعٍ فِي يَدِ الْبَائِعِ وَعَيْنٌ مَضْمُونَةٌ بِنَفْسِهَا كَالْمَغْصُوبِ وَنَحْوِهِ وَتَمَامُهُ فِي الدُّرَرِ (وَ) صَحَّ (بِالدَّيْنِ وَلَوْ مَوْعُودًا بِأَنْ رَهَنَ لِيُقْرِضَهُ كَذَا) كَأَلْفٍ مَثَلًا، فَلَوْ دَفَعَ لَهُ الْبَعْضَ وَامْتَنَعَ لَا أَجْبَرَ أَشْبَاهٌ (فَإِذَا هَلَكَ) هَذَا الرَّهْنُ (فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ كَانَ مَضْمُونًا عَلَيْهِ بِمَا وَعَدَ) مِنْ الدَّيْنِ فَيُسَلِّمُ الْأَلْفَ لِلرَّاهِنِ جَبْرًا (إذَا كَانَ الدَّيْنُ مُسَاوِيًا لِلْقِيمَةِ أَوْ أَقَلَّ، أَمَّا إذَا كَانَ أَكْثَرَ فَهُوَ مَضْمُونٌ بِالْقِيمَةِ) هَذَا إذَا سَمَّى قَدْرَ الدَّيْنِ،

یہ چیز جان لو کہ اعیان تین قسم کے ہیں (۱) ایسا عین جس پر اصلا ضمانت نہیں جیسے امانات ہیں (۲) عین جس پر ضمانت نہیں ہوتی لیکن مضمونہ کی طرح ہوتا ہے جس طرح بائع کے قبضہ میں مبیع (۳) ایسا عین جس کی ذات پر ضمانت ہوتی ہے جیسے مغصوب وغیرہ۔ اس کی مکمل بحث ''الدرر'' میں ہے۔ اور دین کے بدلے میں رہن رکھنا صحیح ہے اگر رہن کا وعدہ کیا گیا ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ رہن رکھے تا کہ وہ اسے اتنا قرضہ دے گا جیسے مثلاً ہزار اگر وہ اسے بعض دے اور باقی سے رک جائے تو اس پر جبر نہ کیا جائے گا ''اشباہ''۔ جب یہ رہن مرتہن کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو اس نے جس رہن کا وعدہ کیا تھا اس کے بدلے میں یہ مضمون ہوگا۔ پس مرتہن پر جبر کرتے ہوئے ہزار اس کے حوالے کیا جائے گا جب دین قیمت کے مساوی ہو یا اس سے کم ہو مگر جب وہ اس سے زائد ہو تو قیمت کے بدلے میں مضمون ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ دین کی مقدار کا ذکر کرے۔

کے بدلے میں رہن یا اس کے بدلے میں رہن ہے جس کی ضمانت لازم ہوتی ہے۔ پس یہ صحیح ہوگا جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔

34286_(قولہ: كَالْأَمَانَاتِ) یعنی ان کے بدلے میں رہن رکھنا صحیح نہیں اور ہم اس کی وجہ پہلے ''حموی'' سے نقل کر چکے ہیں۔

34287_(قولہ: وَعَيْنٌ غَيْرُ مَضْمُونَةٍ) یعنی ایسا عین جو حقیقت میں غیر مضمون ہو۔ کیونکہ جب وہ ہلاک ہو تو بائع کی ملکیت ہلاک ہوتی ہے تو اس پر کوئی شے واجب نہ ہوگی جس طرح جب ودیعت ہلاک ہو جائے لیکن ان کا یہ قول تشبہ المضمونۃ یہ ثمن کے ساقط ہونے کے اعتبار سے ہے اگر وہ قبضہ نہ کرے اور جب وہ قبضہ کرے تو اس کو واپس کر دے۔ اسی وجہ سے جو قول گزر چکا ہے اس میں اسے مضمونۃ بغیرھا کا نام دیا ہے اور ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس کے بدلے میں رہن باطل ہے، فاسد ہے یا جائز ہے۔

34288_(قولہ: فَلَوْ دَفَعَ لَهُ الْبَعْضَ) یعنی جو وعدہ کیا تھا اس کا بعض دیا اور باقی ماندہ کے دینے سے وہ رک گیا تو اس پر جبر نہیں کیا جائے گا۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب رہن باقی ہو ورنہ اس کا حکم وہی ہوگا جو متن میں ہے۔

34289_(قولہ: فَإِذَا هَلَكَ) یعنی قرض دینے سے قبل ہلاک ہو گیا، ''بزازیہ''۔

34290_(قولہ: لِلْقِيمَةِ) یعنی قبضہ کے روز دین کی قیمت۔

فَإِنْ لَمْ يُسَمِّهِ بِأَنْ رَهَنَهُ عَلَى أَنْ يُعْطِيَهُ شَيْئًا فَهَلَكَ فِي يَدِهِ هَلْ يَضْمَنُ خِلَافٌ بَيْنَ الْإِمَامَيْنِ مَذْكُورٌ فِي الْبَزَّازِيَّةِ وَغَيْرِهَا وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ غَيْرُ مَضْمُونٍ، وَقَدْ تَقَدَّمَ أَنَّ الْمَقْبُوضَ عَلَى سَوْمِ الرَّهْنِ إذْ لَمْ يُبَيِّنْ الْمِقْدَارُ غَيْرُ مَضْمُونٍ فِي الْأَصَحِّ (وَ) صَحَّ (بِرَأْسِ مَالِ السَّلَمِ وَثَمَنِ الصَّرْفِ وَالْمُسْلَمِ فِيهِ،

اور اگر وہ دین کی مقدار کا ذکر نہ کرے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس کے پاس رکھے اس شرط پر کہ اسے کوئی چیز عطا کرے تو وہ شے اس کے پاس ہلاک ہو جائے تو کیا وہ ضامن ہوگا۔ یہ امر دو اماموں کے درمیان مختلف فیہ ہے جو ''بزازیہ'' وغیرہ میں مذکور ہے۔ اصح یہ ہے کہ اس پر ضمانت نہیں ہوگی اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ رہن کی طلب پر جس چیز پر قبضہ کیا گیا ہو جب وہ مقدار بیان نہ کرے تو اصح قول کے مطابق اس کی ضمانت نہیں ہوگی۔ بیع سلم کے راس المال، بیع صرف کی ثمن اور مسلم فیہ کے بدلے میں رہن رکھنا صحیح ہے۔

34291_(قولہ: فَإِنْ لَمْ يُسَمِّهِ بِأَنْ رَهَنَهُ الخ) بعض نسخوں میں یہ اسی طرح ہے اور اس کے بعض نسخوں میں ہے اگر وہ ذکر نہ کرے تو اصح قول کے مطابق اس کی ضمانت نہ ہوگی جس طرح قول المقبوض علی سوم الرھن بانہ رھنہ میں گزر چکا ہے، الخ۔

اس نسخہ کی بنا پر چاہیے یہ تھا کہ ان کے قول ھل یضمن کو ساقط کر دیا جاتا تاکہ تکرار ختم ہو جاتی۔

34292_(قولہ: خِلَافٌ بَيْنَ الْإِمَامَيْنِ) یعنی اس کی ضمانت اور عدم ضمانت میں اختلاف ہے۔ ہم نے کتاب الرہن کے شروع میں ''القنیہ'' سے یہ نقل کیا ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ ''امام صاحب'' رطیٹھلیہ اور ''صاحبین'' رحمۃاللہ علیہما نے کہا: مرتہن جو چاہے اسے کوئی شے دے دے۔ اسی پر ''زیلعی'' گامزن ہوئے جب کہ یہ علت بیان کی ہے کہ ہلاک ہونے کی صورت میں وہ پورا پورا حق لینے والا ہے۔ پس اس کی وضاحت اس کے ذمہ ہوگی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ روایت مختلف ہے۔

34293_(قولہ: وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ غَيْرُ مَضْمُونٍ) دو روایتوں میں سے اصح یہ ہے جس طرح ہم نے پہلے قبضہ سے بیان کیا ہے۔

34294_(قولہ: وَقَدْ تَقَدَّمَ) یعنی کتاب الرہن کے شروع میں متن میں یہ گزر چکا ہے یہ ماقبل سے معلوم ہو چکا ہے۔ لیکن اس نے یہ ارادہ کیا کہ اس پر متنبہ کریں کہ جو گزر چکا ہے وہی یہاں مراد ہے وعدہ کیے گئے دین کے بدلے میں جو رہن ہوتا ہے رہن کے بھاؤ پر مقبوض ہوتا ہے، فافہم۔

تنبیہ

وہ رہن جس کا وعدہ کیا گیا ہو اس کو پورا کرنا لازم نہیں ہوتا اور مصنف کے قول باع عبدا الخ میں عنقریب آئے گا۔

بیع سلم کے راس المال بیع صرف کی ثمن اور مسلم فیہ کے بدلے رہن رکھنا صحیح ہے

34295_(قولہ: وَصَحَّ بِرَأْسِ مَالِ السَّلَمِ وَثَمَنِ الصَّرْفِ وَالْمُسْلَمِ فِيهِ الخ) ان مسائل کی صورت یہ ہے کہ

فَإِنْ هَلَكَ) الرَّهْنُ (فِي الْمَجْلِسِ) ثُمَّ الصَّرْفُ وَالسَّلَمُ وَ (صَارَ الْمُرْتَهِنُ (مُسْتَوْفِيًا) حُكْمًا خِلَافًا لِلثَّلَاثَةِ (وَإِنْ افْتَرَقَا قَبْلَ نَقْدٍ وَهَلَاكٍ بَطَلَا) أَيْ السَّلَمُ وَالصَّرْفُ،

اگر مجلس میں رہن ہلاک ہوگیا تو بیع صرف اور بیع سلم مکمل ہو جائیں گی اور مرتہن حکماً اپنا پورا حق لینے والا ہو جائے گا۔ تینوں ائمہ نے اس سے اختلاف کیا ہے اگر نقد اور ہلاک ہونے سے پہلے دونوں فریق جدا ہو گئے تو بیع سلم اور بیع صرف باطل ہو جائے گی۔

مثلاً کھانے کے بدلے میں سو حوالے کیے یا دینار درہم کے بدلے میں بیچے پھر قبضہ سے پہلے مسلم الیہ کو سو کے بدلے میں رہن دے دے یا درہم یا کھانے کے بدلے میں لے لے۔ بعض علماء نے پہلی کی یہ صورت بیان کی ہے کہ مسلم راس المال کے عوض مسلم الیہ سے رہن لے جو راس المال اس نے مسلم الیہ کو دیا تھا۔ میرے لیے یہ ظاہر ہوا ہے کہ صحیح وہ ہے جو میں نے صورت بیان کی ہے۔ کیونکہ جب مجلس میں رہن ہلاک ہو جائے تو مسلم راس المال کو واپس لینے والا ہوگا۔ پس یہ کیسے کہا جائے گا: عقد اس کے ساتھ مکمل ہو جاتا ہے اگر ہلاک ہونے سے پہلے وہ جدا ہو جائیں تو عقد باطل ہو جائے گا، تامل۔

34296۔ (قولہ: فَإِنْ هَلَكَ الخ) مذکورہ اشیا کے بدلے میں رہن رکھنے کے فائدہ کا بیان ہے، ''عینی''۔ ''قہستانی'' نے یہ بیان کیا ہے کہ مراد راس المال کے عوض یا ثمن صرف کے عوض رہن ہلاک ہوا ہے نہ کہ مسلم فیہ کے عوض یہ ہلاک ہوا ہے۔ کیونکہ یہ اس کے اس قول کے منافی ہے جو اس کے بعد قول ہے وان افترقا الخ، کیونکہ مسلم فیہ مطلقاً صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی وجہ سے ''الدرر'' میں صرف مسلم فیہ کا مسئلہ موخر ذکر کیا ہے۔

34297۔ (قولہ: وَ صَارَ الْمُرْتَهِنُ مُسْتَوْفِيًا) یعنی مرتہن راس المال، ثمن صرف اور ثمن مسلم فیہ کو پورا پورا وصول کرنے والا ہو جائے گا۔ ''طحطاوی'' نے ''شمنی'' سے اسے نقل کیا ہے۔ اسی کی مثل ''ابوسعود'' کا ''حموی'' سے قول ہے۔ مرتہن سے مراد پہلی صورت میں مسلم الیہ، دوسری صورت میں عقد صرف کرنے والے ہیں۔ ایک اور تیسری صورت میں رب المال ہے۔ ملخص

میں کہتا ہوں: یہاں تیسرے کا کوئی عمل دخل نہیں۔ پھر پہلی صورت میں مرتہن کی تفسیر مسلم الیہ سے کرنا یہ اس کی موید ہے جو ہم نے سابقہ مسئلہ میں صورت بیان کی ہے۔

یہ امر ذہن نشین کر لو۔ ''قہستانی'' نے یہ بیان کیا ہے کہ جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ پورا پورا حق لینے والا ہو جائے گا۔ یہ اس صورت میں ہوگا اگر دین کی قیمت راس المال اور ثمن الصرف کے مساوی ہو۔ اگر وہ کم ہو تو صرف اسی مقدار سے صحیح ہوگا۔

34298۔ (قولہ: قَبْلَ نَقْدٍ وَهَلَاكٍ) تقدیر کلام یہ ہے: قبل نقد المرهون به و قبل هلك الرهن یعنی جسے رہن رکھا جا رہا ہے اگر اس کے نقد ادا کرنے سے قبل اور رہن کے ہلاک ہونے سے قبل۔

34299۔ (قولہ: بَطَلَا) کیونکہ نہ حقیقت کے اعتبار سے اور نہ ہی حکم کے اعتبار سے قبضہ ہوا ہے۔ ''جوہرہ'' نے کہا: اس پر رہن کو لوٹانا لازم ہے۔ اگر لوٹانے سے پہلے مرتہن کے پاس رہن ہلاک ہو جائے تو وہ راس المال کے بدلے میں ہلاک ہوگا۔ کیونکہ رہن کے ہلاک ہونے کی صورت میں وہ راس المال کو وصول کرنے والا ہے جب کہ بیع سلم کا عقد باطل ہو چکا ہے

وَأَمَّا الْمُسْلَمُ فِيهِ فَيَصِحُّ مُطْلَقًا، فَإِنْ هَلَكَ الرَّهْنُ ثَمَّ الْعَقْدُ وَصَارَ عِوَضًا لِلْمُسْلَمِ فِيهِ (وَلَوْ لَمْ يَهْلِكْ وَلَكِنْ (تَفَاسَخَا السَّلَمَ، وَبِالْمُسْلَمِ فِيهِ رَهْنٌ فَهُوَ رَهْنٌ بِرَأْسِ الْمَالِ) اسْتِحْسَانًا لِأَنَّهُ بَدَلُهُ فَقَامَ مَقَامَهُ (وَإِنْ هَلَكَ) الرَّهْنُ (بَعْدَ الْفَسْخِ) الْمَذْكُورِ (هَلَكَ بِهِ) أَيْ بِالْمُسْلَمِ فِيهِ فَيَلْزَمُ رَبُّ السَّلَمِ دَفْعُ مِثْلِ الْمُسْلَمِ فِيهِ لِبَقَاءِ الرَّهْنِ حُكْمًا إِلَى أَنْ يَهْلِكَ (وَلِلْأَبِ أَنْ يَرْهَنَ بِدَيْنٍ) كَائِنٍ

جہاں تک مسلم فیہ کا تعلق ہے تو وہ مطلقاً صحیح ہوگا۔ اگر رہن ہلاک ہوگیا تو عقد مکمل ہو جائے گا اور وہ مسلم فیہ کا عوض بن جائے گا اگر وہ ہلاک نہ ہو لیکن دونوں بیع سلم کو فسخ کر دیں اور مسلم فیہ کے بدلے میں رہن ہو تو وہ راس المال کے عوض رہن ہوگا یہ بطور استحسان ہوگا۔ کیونکہ یہ اس کا بدل ہے پس اس کے قائم مقام ہوگا۔ اگر مذکورہ فسخ کے بعد رہن ہلاک ہو جائے تو وہ مسلم فیہ کے بدلے میں ہلاک ہوگا تو رب السلم پر مسلم فیہ کی مثل لازم ہوگا۔ کیونکہ ہلاک ہونے تک رہن حکماً باقی تھا۔ اور باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بچے کے غلام کو اس دین کے بدلے میں رہن رکھے

اور عقد سلم جائز نہیں ہوتا۔

34300۔ (قولہ: فَيَصِحُّ مُطْلَقًا) یعنی اگرچہ افتراق کے بعد ہو کیونکہ مجلس میں قبضہ واجب نہیں، ''زیلعی''۔

34301۔ (قولہ: وَصَارَ عِوَضًا لِلْمُسْلَمِ فِيهِ) یعنی وہ مسلم فیہ کو پورا پورا وصول کرنے والا ہوگا اور زیادتی میں امین ہوگا اگر اس کی قیمت کم ہو تو وہ اسی حساب سے وصول کرنے والا ہوگا ''جوہرہ''۔

34302۔ (قولہ: وَلَوْ لَمْ يَهْلِكْ) اس کا عطف شروع میں جو قول ہے فان هلك اس پر ہے۔

34303۔ (قولہ: فَقَامَ مَقَامَهُ) یعنی وہ مغصوب کی طرح ہو جائے گا جب وہ ہلاک ہو اس کے بدلے میں جو رہن ہے وہ اس کی قیمت کے بدلے میں رہن ہوگا۔ ''ہدایہ''۔

34304۔ (قولہ: هَلَكَ بِهِ) پھر دونوں نے اقالہ کر لیا تو اسے حق حاصل ہوگا کہ مبیع لینے کے لیے اسے روک لے۔ کیونکہ رہن ثمن کا بدل ہے اگر مرہون ہلاک ہو جائے تو وہ ثمن کے بدلے ہلاک ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کے بدلے میں مرہون ہے، ''زیلعی''۔

34305۔ (قولہ: فَيَلْزَمُ الخ) جب ہمارے مسئلہ میں مسلم فیہ کے مقابلہ میں رہن ہلاک ہو گیا تو رب السلم پر واجب ہوگا کہ مسلم فیہ کی مثل مسلم الیہ کے حوالے کرے اور راس المال لے۔ کیونکہ یہ ضمانت ہے۔ رہن کا حکم باقی رہ گیا ہے یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو جائے۔ پس رب السلم رہن کے ہلاک ہونے کی صورت میں مسلم فیہ کو وصول کرنے والا ہو جاتا ہے۔ اگر وہ حقیقت کے اعتبار سے اسے وصول کرنے والا ہو پھر دونوں اقالہ کریں یا اقالہ کے بعد اپنا حق پورا پورا لے لے تو جو لیا تھا اس کو لوٹانا اور راس المال کو واپس لینا لازم ہے۔ اسی طرح یہاں یہی حکم ہے۔

34306۔ (قولہ: بِدَيْنٍ) یعنی اجنبی کا رہن۔

(عَلَيْهِ عَبْدًا لِطِفْلِهِ) لِأَنَّ لَهُ إِيدَاعَهُ، فَهَذَا أَوْلَى لِهَلَاكِهِ مَضْمُونًا الْوَدِيعَةُ أَمَانَةٌ (وَالْوَصِيُّ كَذَلِكَ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ لَا يَمْلِكَانِ ذَلِكَ، ثُمَّ إِذَا هَلَكَ ضَمِنَا قَدْرَ الدَّيْنِ لِلصَّغِيرِ لَا الْفَضْلِ لِأَنَّهُ أَمَانَةٌ، وَقَالَ التُّمُرْتَاشِيُّ يَضْمَنُ الْوَصِيُّ الْقِيمَةَ لِأَنَّ لِلْأَبِ أَنْ يَنْتَفِعَ بِمَالِ الصَّبِيِّ، بِخِلَافِ الْوَصِيِّ، لَكِنْ جَزَمَ فِي الذَّخِيرَةِ وَغَيْرِهَا بِالتَّسْوِيَةِ بَيْنَهُمَا (وَلَهُ) أَيْ لِلْأَبِ (رَهْنُ مَالِهِ عِنْدَ وَلَدِهِ الصَّغِيرِ بِدَيْنٍ لَهُ) أَيْ لِلصَّغِيرِ (عَلَيْهِ) أَيْ عَلَى الْأَبِ (وَيَحْبِسُهُ لِأَجْلِهِ)

جو اس پر لازم ہونے والا ہے۔ کیونکہ باپ کو اس کا غلام بطور ودیعت رکھنے کی بھی اجازت ہے تو یہ رہن رکھنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ کیونکہ رہن ضمانت کے ساتھ ہلاک ہوتا ہے اور ودیعت بطور امانت ہلاک ہوتی ہے وصی کا حکم اسی طرح ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وہ دونوں اس کے مالک نہیں ہیں پھر جب وہ ہلاک ہو جائے تو وہ صغیر کے لیے دین کی مقدار کے ضامن ہوں گے زیادتی کے ضامن نہیں ہوں گے۔ کیونکہ یہ امانت ہے۔ ''تمرتاشی'' نے کہا: وصی قیمت کا ضامن ہوگا کیونکہ باپ کو حق حاصل ہے کہ وہ بچے کے مال سے نفع حاصل کرے۔ وصی کا معاملہ مختلف ہے۔ لیکن ''ذخیرہ'' وغیرہ دونوں میں تسویہ کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور باپ کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مال کو اپنے چھوٹے بچے کے پاس بطور رہن رکھے اس دین کے بدلے میں جو بچے کے باپ کے ذمہ لازم ہے۔

34307۔ (قولہ: عَبْدًا) یہ یرھن کا مفعول ہے اور ان کا قول لطفلہ اس کی صفت ہے۔

34308۔ (قولہ: لِهَلَاكِهِ مَضْمُونًا) یہ اولویت کا بیان ہے اور اس لیے کہ چٹی کے خوف سے مرتہن اس کی حفاظت کا زیادہ اہتمام کرتا ہے۔ ''ہدایہ''۔

34309۔ (قولہ: الْوَدِيعَةُ أَمَانَةٌ) یہ مبتدا اور خبر ہے یعنی یہ معلوم ہو چکا ہے کہ امانت کی ضمانت نہیں ہوتی۔

34310۔ (قولہ: وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ) یعنی امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''زفر'' نے کہا: اور ان دونوں کا قول قیاس ہے۔ پہلا قول ظاہر ہے اور وہ استحسان ہے، ''ہدایہ''، ''زیلعی''۔

34311۔ (قولہ: ثُمَّ إِذَا هَلَكَ) یہ اس پر مبنی ہے جو متن میں ہے۔

34312۔ (قولہ: لَا الْفَضْلِ) یعنی رہن کی قیمت میں سے جو رہن کی مقدار سے زائد ہو۔ اگر وہ قیمت رہن سے زائد ہو۔

34313۔ (قولہ: يَضْمَنُ الْوَصِيُّ الْقِيمَةَ) یعنی وصی تمام قیمت کا ضامن ہوگا قیمت زائد ہو۔ باب التصرف فی الرہن میں آگے آرہا ہے شارح نے اسی پر اکتفا کیا ہے۔

34314۔ (قولہ: وَغَيْرِهَا) جیسے ''مغنی''، ''عنایہ'' اور ''ملتقی''۔

34315۔ (قولہ: بِالتَّسْوِيَةِ بَيْنَهُمَا) وہ پہلا قول ہے۔

34316۔ (قولہ: وَيَحْبِسُهُ) یعنی باپ اپنے پاس رہن کو محبوس رکھے گا۔

أَيْ لِأَجْلِ الصَّغِيرِ (بِخِلَافِ الْوَصِيِّ) فَإِنَّهُ لَا يَمْلِكُ ذَلِكَ سِرَاجِيَّةٌ (وَكَذَا عَكْسُهُ) فَلِلْأَبِ رَهْنُ مَتَاعِ طِفْلِهِ مِنْ نَفْسِهِ، لِأَنَّهُ لِوُفُورِ شَفَقَتِهِ جُعِلَ كَشَخْصَيْنِ وَعِبَارَتَيْنِ كَشِرَائِهِ مَالَ طِفْلِهِ، بِخِلَافِ الْوَصِيِّ لِأَنَّهُ وَكِيلٌ مَحْضٌ فَلَا يَتَوَلَّى طَرَفَ الْعَقْدِ فِي رَهْنٍ وَلَا بَيْعٍ، وَتَمَامُهُ فِي الزَّيْلَعِيِّ (وَ) صَحَّ (بِثَمَنِ عَبْدٍ أَوْ خَلٍّ أَوْ ذَكِيَّةٍ إِنْ ظَهَرَ الْعَبْدُ حُرًّا وَالْخَلُّ خَمْرًا وَالذَّكِيَّةُ مَيْتَةً، وَ) صَحَّ (بِبَدَلِ صُلْحٍ عَنْ إِنْكَارٍ

اور وہ اسے چھوٹے بچے کے لیے روک لے۔ وصی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ اس کا مالک نہیں ہوتا۔ ''سراجیہ''۔ اس کے برعکس بھی معاملہ اسی طرح ہے۔ باپ کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بچے کا مال اپنے پاس بطور رہن رکھ لے۔ کیونکہ وفور شفقت کی وجہ سے اسے دو افراد اور دو کلاموں کی طرح بنا دیا جائے گا جس طرح وہ اپنے چھوٹے بچے کا مال خرید لے۔ وصی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ محض وکیل ہے تو وہ نہ رہن میں عقد کی طرف کا والی ہوگا اور نہ بیع کی طرف کا ولی ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ''زیلعی'' میں ہے۔ غلام، سرکہ یا جس کو ذبح کیا گیا ہو۔ اس کی ثمن کے عوض رہن رکھنا صحیح ہے اگرچہ غلام، آزاد، سرکہ، خمر اور ذبح شدہ، مردار ظاہر ہو دعویٰ کے مقابلہ میں انکار کی صورت میں صلح کی جائے تو اس کے بدل کے عوض میں رہن رکھنا صحیح ہے

34317۔ (قولہ: وَكَذَا عَكْسُهُ) یعنی جب باپ کا اپنے چھوٹے بیٹے پر رہن ہو تو باپ کے لیے یہ ہے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر رہن اس کے دوسرے چھوٹے بیٹے کا ہو یا باپ کے تاجر غلام کا ہو تو باپ کو حق حاصل ہوگا کہ وہ مدیون بیٹے کا سامان دوسرے بیٹے کے پاس یا اپنے غلام کے پاس رکھ دے جس طرح ''ہدایہ'' اور ''ملتقی'' میں ہے۔

34318۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْوَصِيِّ) یعنی اگر اس کا صغیر پر رہن ہو تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ چھوٹے بچے کا سامان اپنے پاس بطور رہن رکھے۔

34319۔ (قولہ: وَلَا بَيْعٍ) یہ قاضی کے وصی پر محمول ہوگا۔

مصنف نے باب الوصی میں کہا: اگر اس کا مال خود اپنے آپ کو بیچے یا خود ہی اسے خرید ے۔ اگر وہ قاضی کا وصی ہے تو مطلقاً جائز نہیں۔ اگر باپ کا وصی ہے تو اس شرط کے ساتھ جائز ہوگا کہ بچے کے حق میں منفعت ظاہر ہو اور باپ کا اپنے چھوٹے بچے کا مال اپنے آپ کو بیچنا جائز ہے جب وہ بیع مثل قیمت یا اتنے غبن کے ساتھ ہو جو لوگوں میں معمول ہے،'' ''ط''۔

34320۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ فِي الزَّيْلَعِيِّ) یہاں علت بیان کرنے اور مسائل کی تفریع میں طویل گفتگو کی ہے جیسے ''ہدایہ''، ''منح''۔

''الملتقی'' میں ہے: اگر وصی نے یتیم کے لباس اور اس کے کھانے کے لیے ادھار لیا اور اس کے بدلے میں اس کا سامان رکھا تو یہ صحیح ہوگا بچے کو حق حاصل نہیں کہ جب وہ بالغ ہو جائے کہ ان میں سے کسی شے میں رہن کا عقد توڑ دے جب تک وہ رہن ادا نہ کرے۔

34321۔ (قولہ: وَ صَحَّ بِثَمَنِ عَبْدٍ الخ) پس وہ رہن کی ضمانت کا ضامن ہوگا اگر وہ ہلاک ہو جائے اور اس کی

إِنْ أَقَرَّ) بَعْدَ ذَلِكَ (أَنْ لَا دَيْنَ عَلَيْهِ) وَالْأَصْلُ مَا مَرَّ أَنَّ وُجُوبَ الدَّيْنِ ظَاهِرًا يَكْفِي لِصِحَّةِ الرَّهْنِ وَالْكَفِيلِ (وَ) صَحَّ (رَهْنُ الْحَجَرَيْنِ وَالْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ، فَإِنْ رَهَنَ) الْمَذْكُورَ بِخِلَافِ جِنْسِهِ هَلَكَ بِقِيمَتِهِ وَهُوَ ظَاهِرٌ،

اگر چہ وہ بعد میں اقرار کرے کہ اس پر کوئی دین لازم نہیں۔ اس میں قاعدہ وہ ہے جو گزر چکا ہے کہ دین کا ظاہر میں وجوب یہ رہن اور کفیل کی صحت کے لیے کافی ہے۔ اور سونے چاندی، کیلی اور وزنی چیز کو رہن رکھنا صحیح ہے۔ اگر مذکورہ چیز کو اس کی جنس کے خلاف رہن رکھا تو وہ اپنی قیمت کے ساتھ ہلاک ہوگئی جب کہ یہ ظاہر ہے

قیمت دین کی مثل ہو یا اس سے زائد ہو تو دین کی مقدار راہن تو دے گا۔ اگر اس سے کم ہو تو اس کی قیمت اس کو دے دے گا۔ کیونکہ اس نے اس رہن کے بدلے میں رہن رکھا تھا جو ظاہر أواجب تھا۔ ''ابن کمال''۔

34322۔ (قولہ: إِنْ أَقَرَّ) یعنی مرتہن اقرار کرے اور ان کا قول بعد ذلك سے مراد رہن کے بعد ہے۔

اس کی صورت یہ ہے: ایک آدمی نے دوسرے پر ہزار کا دعویٰ کیا تو دوسرے نے اس کا انکار کر دیا پھر پانچ سو پر اس سے صلح کر لی اور اسے بطور رہن ایسی چیز دے دی جو پانچ سو کے مساوی تھی اور وہ چیز مرتہن کے پاس ہلاک ہوگئی پھر انہوں نے باہم ایک دوسرے کی تصدیق کی کہ کوئی رہن نہیں تو دوسرے مرتہن کے ذمہ رہن کی قیمت لازم ہوگی۔ ''معراج''۔

34323۔ (قولہ: وَالْأَصْلُ مَا مَرَّ) یعنی کتاب الرہن کے شروع میں یا قاعدہ گزر چکا ہے۔

دین کا ظاہر میں وجوب رہن اور کفیل کی صحت کے لیے کافی ہے

34324۔ (قولہ: يَكْفِي لِصِحَّةِ الرَّهْنِ وَالْكَفِيلِ) ''المنح'' میں اسی طرح ہے۔ میں نے اسے کسی اور کتاب میں نہیں دیکھا۔ ''النہایہ'' وغیرہا کی عبارت ہے: رہن کے صحیح ہونے اور اس کے مضمون ہونے کے لیے اتنا کافی ہے۔ شاید کفیل سے مراد غرامات کا ضامن ہے کیونکہ ان کی ضمان صحیح ہے جو مصنف نے کتاب الکفالہ میں نقطہ نظر اپنایا ہے۔ جہاں تک اسے غلام کی قیمت اور اس کے مابعد کی کفالت پر محمول کرنے کا تعلق ہے تو یہ ظاہر نہیں۔ کیونکہ ''ذخیرہ'' کے کتاب الکفالہ میں ''المنتقی'' سے مروی ہے: اگر کفیل طالب کے اقرار پر گواہیاں قائم کر دے کہ یہ مال خمر یا بیع فاسد کی ثمن ہے تو اس کی گواہیاں قبول کی جائیں گی اور مال باطل ہو جائے گا۔ فلیتامل۔

34325۔ (قولہ: وَصَحَّ رَهْنُ الْحَجَرَيْنِ) حجرین سے مراد سونا اور چاندی ہے، ''منح''۔

34326۔ (قولہ: بِخِلَافِ جِنْسِهِ) جیسے مثلاً کپڑے ہوں۔

34327۔ (قولہ: هَلَكَ بِقِيمَتِهِ) یعنی سونا چاندی وغیرہما میں سے مذکور رہن ہلاک ہو جائے تو وہ قیمت کے حساب سے ہلاک ہوگا وزن اور قیمت کے اعتبار سے ہلاک نہیں ہوگا اس تعبیر کی بنا پر اس میں عمدگی کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ جنس کے خلاف رہن رکھا گیا ہے وہ مثلاً کپڑے ہیں جنس کے مقابلہ میں عمدگی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جس طرح آگے آئے گا۔ فافہم

وَإِنْ (بِجِنْسِهِ وَهَلَكَ، هَلَكَ بِمِثْلِهِ) وَزْنًا أَوْ كَيْلًا لَا قِيمَةً خِلَافًا لَهُمَا (مِنَ الدَّيْنِ، وَلَا عِبْرَةَ بِالْجَوْدَةِ) عِنْدَ الْمُقَابَلَةِ بِالْجِنْسِ ثُمَّ إنْ تَسَاوَيَا فَظَاهِرٌ، وَإِنْ الدَّيْنُ أَزْيَدَ فَالزَّائِدُ فِي ذِمَّةِ الرَّاهِنِ، وَإِنْ الرَّهْنُ أَزْيَدَ فَالزَّائِدُ أَمَانَةٌ دُرَرٌ وَصَدْرُ شَرِيعَةٍ (بَاعَ عَبْدًا عَلَى أَنْ يَرْهَنَ الْمُشْتَرِي بِالثَّمَنِ شَيْئًا بِعَيْنِهِ أَوْ يُعْطِيَ كَفِيلًا

اگر اس کی جنس سے ہو اور وہ ہلاک ہو جائے تو دین میں اس سے اس کی مثل یعنی وزن اور کیل کے ساتھ ہلاک ہو گی۔ قیمت کے اعتبار سے ہلاک نہ ہو گی۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور جنس کا مقابلہ کرتے وقت عمدگی کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا پھر اگر دونوں برابر ہوں تو امر ظاہر ہو گا۔ اگر زائد ہو تو زائد راہن کے ذمہ ہو گا اگر رہن زائد ہو تو زائد امانت ہو گی۔ ''درر''، ''صدر الشریعۃ''۔ ایک آدمی نے اس شرط پر غلام بیچا کہ مشتری ثمن کے بدلے میں کوئی معین شے اس کے پاس رہن رکھے گا یا اس طرح اسے ضامن دے گا

34328۔ (قولہ: وَإِنْ بِجِنْسِهِ) یعنی جب وہ چاندی کو چاندی کے بدلے رہن رکھے یا سونے کو چاندی کے بدلے رہن رکھے، گندم کو گندم کے بدلے رہن رکھے یا جو کو جو کے بدلے رہن رکھے۔

34329۔ (قولہ: وَزْنًا أَوْ كَيْلًا) خواہ قیمت کم ہو یا زیادہ ہو، ''زیلعی''۔

34330۔ (قولہ: لَا قِيمَةً خِلَافًا لَهُمَا) ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک وہ خلاف جنس قیمت کا ضامن ہو گا اور وہ قیمت اس کی جگہ رہن ہو گی اور مرتہن ضمان کے ساتھ ہلاک ہونے والی چیز کا مالک ہو جائے گا، ''عینی''۔

اختلاف کا ثمرہ ظاہر ہو گا جب قیمت رہن سے کم ہو گی مگر جب قیمت اس کی مثل ہو یا اس سے زیادہ ہو تو جواب دونوں صورتوں میں بالاتفاق ہے۔ کیونکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حق کی وصولی وزن کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک قیمت کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہ پہلی صورت میں رہن کی مثل ہو گی اور دوسری صورت میں اس پر زائد ہو گی۔ پس وہ رہن کی مقدار اپنا پورا حق لینے والا ہو گا اور باقی امانت ہو گی جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔

34331۔ (قولہ: لَا عِبْرَةَ بِالْجَوْدَةِ الخ) کیونکہ ان دونوں کی کوئی قیمت نہ ہو گی جب وہ جنس کے مقابل ہوتا کہ امر ربا کی طرف نہ لے جائے۔

34332۔ (قولہ: ثُمَّ إنْ تَسَاوَيَا) یعنی اگر رہن اور مرتہن کیل یا وزن میں برابر ہوں۔ تو یہ امر ظاہر ہے یعنی رہن قیمت اور عمدگی کی طرف توجہ کیے بغیر ساقط ہو جائے گا۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ یہ سب اس وقت ہے جب وہ ہلاک ہو جائے مگر جب اس میں کمی واقع ہو جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ چاندی کا لوٹا ہو تو وہ ٹوٹ گیا تو اس میں دوسری بحث ہے۔ ہلاک اور نقصان کی صورت میں اس مسئلہ کی صورتوں کا جو حاصل ہے وہ چھبیس صورتوں تک جا پہنچتا ہے جو مطولات میں مفصل ذکر کی گئی ہیں۔ ''تبیین'' اور ''غایۃ البیان'' میں ان کی وضاحت کی گئی ہے۔

34333۔ (قولہ: أَوْ يُعْطِيَ كَفِيلًا) یعنی کفیل مجلس میں موجود ہو تو اس کو قبول کیا جاتا ہے اگر رہن ہو اور کفیل معین نہ

كَذَلِكَ بِعَيْنِهِ (صَحَّ، وَلَا يُجْبَرُ الْمُشْتَرِي (عَلَى الْوَفَاءِ) لِمَا مَرَّ أَنَّهُ غَيْرُ لَازِمٍ (وَلِلْبَائِعِ فَسْخُهُ) لِفَوَاتِ الْوَصْفِ الْمَرْغُوبِ (إِلَّا أَنْ يَدْفَعَ الْمُشْتَرِي الثَّمَنَ حَالًّا) أَوْ يَدْفَعَ (قِيمَةَ الرَّهْنِ) الْمَشْرُوطِ (رَهْنًا) لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ (وَإِنْ قَالَ) الْمُشْتَرِي (لِبَائِعِهِ) وَقَدْ أَعْطَاهُ شَيْئًا غَيْرَ مَبِيعِهِ (أَمْسِكْ هَذَا حَتَّى أُعْطِيَكَ الثَّمَنَ فَهُوَ رَهْنٌ)

تو یہ صحیح ہوگا اور مشتری کو اس کے بجالانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ یہ لازم نہیں اور بائع کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اس کو فسخ کر دے۔ کیونکہ مرغوب وصف فوت ہو گیا ہے مگر مشتری اسی وقت ثمن ادا کر دے یا اس رہن کی قیمت دے دے جس کی بطور رہن شرط لگائی گئی تھی۔ کیونکہ مقصود حاصل ہو چکا ہے۔ اگر مشتری اپنے بائع سے کہے جب کہ مشتری نے اسے مبیع کے علاوہ کوئی چیز دی تھی اسے اپنے پاس روک لو یہاں تک کہ میں تجھے ثمن ادا کر دوں تو وہ رہن ہوگا۔

ہو یا کفیل غائب تھا یہاں تک کہ وہ دونوں جدا ہو گئے تو عقد فاسد ہو جائے گا۔ اگر کفیل حاضر ہوا اور اس نے قبول کر لیا یا دونوں رہن کی تعیین پر متفق ہو گئے یا مشتری نے فوراً ثمن نقد دے دی تو بیع جائز ہو جائے گی اور مجلس کے بعد جائز نہ ہو گی، ''زیلعی''، ملخص۔

34334۔(قولہ: وَلَا يُجْبَرُ الْمُشْتَرِي) یعنی رہن حوالے کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ جہاں تک کفیل کا تعلق ہے تو تو یہ جان چکا ہے کہ شرط اس کا حاضر ہونا اور مجلس میں اس کا قبول کرنا ہے اس میں امتناع اور اجبار واقع نہیں ہوسکتا، تامل۔

34335۔(قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی کتاب الرہن کے شروع میں گزر چکا ہے کہ محض ایجاب وقبول کے ساتھ قبضہ سے پہلے یہ لازم نہیں یہاں تک کہ اگر وہ رہن کا عقد کرے تو اسے سپرد کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا تو محض وعدہ سے بدرجہ اولیٰ مجبور نہیں کیا جائے گا۔

34336۔(قولہ: لِفَوَاتِ الْوَصْفِ الْمَرْغُوبِ) کیونکہ وہ ثمن جس کے بدلے میں رہن رکھا جائے وہ اس سے زیادہ قابل وثوق ہوتی ہے جس میں رہن نہ ہو پس رہن ثمن کی صفت ہوگی یہ مرغوب وصف ہے پس اس کے فوت ہو جانے کے ساتھ اسے اختیار ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ''غایۃ البیان'' میں ہے۔

34337۔(قولہ: لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ) کیونکہ رہن کا مقصود اس کی قیمت ہوتی ہے اس کا عین نہیں ہوتا۔

34338۔(قولہ: وَقَدْ أَعْطَاهُ) ضمیر مستتر مشتری کے لیے ہے اور ضمیر بارز بائع کے لیے ہے۔

34339۔(قولہ: شَيْئًا غَيْرَ مَبِيعِهِ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ اس کو حذف کر دیتے تاکہ مصنف کے آنے والے قول ولو کان المبیع میں تعمیم اچھی ہوتی۔ کیونکہ اس قول میں لو وصلیہ ہے اس کے مابعد اور اس کی نقیض کو جمع نہیں کیا جاتا۔ یہ جملہ نہیں کہا جاتا: اکرمك ان جئتنی ولو لم تجئنی۔

لِتَلَفُّظِهِ بِمَا يُفِيدُ الرَّهْنَ، وَالْعِبْرَةُ لِلْمَعَانِي خِلَافًا لِلثَّانِي وَالثَّلَاثَةِ، وَ(لَوْ كَانَ) ذٰلِكَ الشَّيْءُ الَّذِي قَالَ لَهُ الْمُشْتَرِي أَمْسِكْهُ هُوَ (الْمَبِيعَ) الَّذِي اشْتَرَاهُ بِعَيْنِهِ لَوْ (بَعْدَ قَبْضِهِ) لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ يَصْلُحُ أَنْ يَكُونَ رَهْنًا بِثَمَنِهِ (وَلَوْ قَبْلَهُ لَا) يَكُونُ رَهْنًا لِأَنَّهُ مَحْبُوسٌ بِالثَّمَنِ كَمَا مَرَّ بَقِيَ لَوْ كَانَ الْمَبِيعُ

کیونکہ اس نے ایسا لفظ بولا ہے جو رہن کا فائدہ دیتا ہے اعتبار معانی کا ہوتا ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اور تینوں ائمہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر وہ شے جس کے بارے میں مشتری نے کہا: اسے روک لو وہ مبیع ہو جس کو ہی اس نے خریدا تھا اگر وہ اس کے قبضہ کے بعد ہو۔ کیونکہ اس وقت یہ اس امر کی صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ اس ثمن کے بدلے میں رہن ہو اور اگر وہ اس سے قبل ہو تو رہن نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ ثمن کے بدلے میں روکا گیا ہے جس طرح قول گزر چکا ہے۔ یہ باقی رہ گیا ہے اگر مبیع

34340۔(قولہ: لِتَلَفُّظِهِ بِمَا يُفِيدُ الرَّهْنَ) وہ ثمن کی ادائیگی تک اسے روکنا ہے۔

34341۔(قولہ: وَالْعِبْرَةُ) یعنی عقود میں اعتبار معانی کا ہوتا ہے اسی وجہ سے ایسی کفالت جس میں اصیل کو بری کر دیا جائے وہ حوالہ ہو جاتا ہے اور ایسا حوالہ جس میں اصیل بدنی نہ ہو وہ کفالت ہوتی ہے، ''اتقانی''۔

34342۔(قولہ: خِلَافًا لِلثَّانِي وَالثَّلَاثَةِ) کیونکہ یہ رہن اور ودیعت کا احتمال رکھتا ہے اور دوسرا یہ ان دونوں میں سے اقل ہے۔ پس اس کے ثبوت کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ کہے: اپنا رہن یا اپنا مال روک لے۔ کیونکہ جب اسے رہن کے مقابل ذکر کیا تو اس نے رہن کی جہت کو معین کیا ہم نے کہا: جب عطا کرنے کے وقت تک اسے لمبا کیا تو اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ اس کی مراد رہن ہے۔ ''ہدایہ''۔

34343۔(قولہ: وَلَوْ كَانَ) لو یہ وصلیہ ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اور اس کا مابعد شرطیہ ہے۔

34344۔(قولہ: لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ يَصْلُحُ الخ) یعنی کیونکہ اس کی ملک اس میں متعین ہو چکی ہے یہاں تک کہ اگر وہ ہلاک ہو جائے تو وہ مشتری پر ہلاک ہوگا اور عقد منسوخ نہیں ہوگا، ''ط''۔

34345۔(قولہ: لِأَنَّهُ مَحْبُوسٌ بِالثَّمَنِ) یعنی اس کی ضمانت رہن کی ضمان کے مخالف ہے پس وہ دو مختلف ضمانتوں کے ساتھ مضمون نہیں ہوگا۔ کیونکہ دونوں کا اجتماع محال ہے یہاں تک کہ اگر اس نے کہا: بیع کو روک لو یہاں تک کہ تجھے پہلے میں تجھے ثمن دوں تو وہ ہلاک ہو گیا تو بیع منسوخ ہو جائے گی، ''زیلعی''۔

34346۔(قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی مصنف کے قول لا بالمبیع فی ید البائع، کے پاس گزر چکا ہے۔

34347۔(قولہ: بَقِيَ لَوْ كَانَ الْمَبِيعُ) یعنی جسے مشتری نے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے رہن بنایا ہو، ''ط''۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ قبضہ کے بعد ایسا نہیں۔

میں کہتا ہوں: کتاب البیع کے باب التفرقات کے شروع میں گزر چکا ہے: اگر ایک آدمی نے کوئی چیز خریدی اور قبضہ اور ثمن نقد دینے سے پہلے معروف غیبت کے ساتھ غائب ہو گیا اس کے بائع نے گواہیاں قائم کر دیں کہ اس نے اس کے ہاتھ

مِمَّا يَفْسُدُ بِمُكْثِهِ كَلَحْمٍ وَجَمَدٍ فَأَبْطَأَ الْمُشْتَرِي وَخَافَ الْبَائِعُ تَلَفَهُ جَازَ بَيْعُهُ وَشِرَاؤُهُ، وَلَوْ بَاعَهُ بِأَزْيَدَ تَصَدَّقَ بِهِ لِأَنَّ فِيهِ شُبْهَةً (رَهَنَ) رَجُلٌ (عَيْنًا عِنْدَ رَجُلَيْنِ بِدَيْنٍ لِكُلٍّ مِنْهُمَا صَحَّ وَكُلُّهُ رَهْنٌ مِنْ كُلٍّ مِنْهُمَا) وَلَوْ غَيْرَ شَرِيكَيْنِ

ان چیزوں سے ہو جو کچھ وقت رہنے کے ساتھ خراب ہو جاتا ہو جیسے گوشت اور برف مشتری نے سستی کی اور بائع کو یہ خوف لاحق ہوا تو اس کی بیع وشرا جائز ہوگی۔ اگر وہ زائد رقم کے ساتھ اسے بیچے تو اس کو صدقہ کر دے۔ کیونکہ اس میں شبہ موجود ہے۔ ایک آدمی نے کوئی عینی چیز دو آدمیوں کے پاس اس دین کے عوض رہن رکھی جو ان دونوں کا تھا تو یہ صحیح ہوگا۔ تو وہ چیز دونوں میں سے ہر ایک کے رہن کے بدلے میں رہن ہوگا۔ اگر وہ دونوں شریک نہ ہوں

بیچا ہے تو اس چیز کو اس کے رہن میں نہیں بیچے گا۔ اگر اس کے مکان سے جاہل ہو تو اس کو بیچا جائے گا یعنی قاضی اس کو بیچ دے گا۔ وہاں ''النہر'' میں کہا: یہ کہنا چاہیے اگر اس کے تلف ہونے کا خوف ہو تو اس کی بیع جائز ہوگی اس کے مکان کا علم ہو یا علم نہ ہو الخ۔ اسے رہن بنایا ہوا اس کی قید نہیں لگائی۔ تامل

34348۔ (قولہ: وَجَمَدٍ) یہ لفظ میم کی حرکت کے ساتھ ہے یعنی برف ''قاموس''۔

34349۔ (قولہ: جَازَ بَيْعُهُ) جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اسے جو بیچے گا وہ قاضی ہے اور باب کے آخر میں اس کی تصریح آئے گی۔

34350۔ (قولہ: وَشِرَاؤُهُ) یعنی مشتری کے لیے یہ جانتے ہوئے بھی جائز ہے۔

34351۔ (قولہ: تَصَدَّقَ بِهِ) یعنی پہلی ثمن پر جو زائد ہے اس کو صدقہ کر دے۔

34352۔ (قولہ: لِأَنَّ فِيهِ شُبْهَةً) یعنی غیر کے مال کا شبہ وہ پہلا مشتری ہے۔

34353۔ (قولہ: عِنْدَ رَجُلَيْنِ) یعنی ان دونوں افراد نے اسے بطور رہن قبول کیا۔ اگر دونوں میں سے ایک اسے قبول کرے دوسرا قبول نہ کرے تو یہ صحیح نہیں ہوگا جس طرح اگر وہ کہے: میں نے نصف اس میں سے اور نصف اس میں سے رہن رکھا۔ ''سائحانی'' نے اسے ''مقدسی'' سے نقل کیا ہے۔

34354۔ (قولہ: وَكُلُّهُ رَهْنٌ مِنْ كُلٍّ مِنْهُمَا) یعنی سب دونوں میں سے ہر ایک کے دین کے بدلے میں محبوس ہو جائے گا نہ کہ اس کا نصف اس کی جانب سے رہن ہے اور دوسرا اس کی جانب سے رہن ہے ''ابن کمال''۔ یہ ہبہ کے خلاف ہے کیونکہ اس کا موجب ملک کا ثبوت ہوتا ہے اور ایک شے پوری کی پوری دونوں افراد میں سے ہر ایک کے لیے کامل طور پر ایک زمانہ میں ملکیت ہو۔ اس میں اشتراک ضرورت کی بنا پر داخل ہوا ہے اور رہن کا حکم محبوس کرنا ہے۔ یہ جائز ہے کہ ایک عین دونوں میں سے ہر ایک کے حق میں کلی طور پر محبوس ہے۔ اس کی مکمل بحث ''الکفایہ'' میں ہے۔

34355۔ (قولہ: وَلَوْ غَيْرَ شَرِيكَيْنِ) یعنی رہن میں شریک نہ ہوں۔ اگر وہ دو جنسوں میں مختلف ہوں۔ اس کی

(فَإِنْ تَهَايَآ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِي نَوْبَتِهِ كَالْعَدْلِ فِي حَقِّ الْآخَرِ) هَذَا لَوْ مِمَّا لَا يَتَجَزَّأُ، وَإِنْ مِمَّا يَتَجَزَّأُ فَعَلَى كُلٍّ حَبْسُ النِّصْفِ فَلَوْ دَفَعَ لَهُ كُلَّهُ ضَمِنَ عِنْدَهُ خِلَافًا لَهُمَا، وَأَصْلُهُ مَسْأَلَةُ الْوَدِيعَةِ زَيْلَعِيٌّ (وَلَوْ هَلَكَ ضَمِنَ كُلٌّ حِصَّتَهُ) لِتَجَزُّئِ الِاسْتِيفَاءِ (فَإِنْ قَضَى دَيْنَ أَحَدِهِمَا فَكُلُّهُ رَهْنُ الْآخَرِ)

اگر وہ دونوں تہایو کریں تو دونوں میں سے ہر ایک اپنی باری میں دوسرے کے حق میں عادل کی طرح ہوگا۔ یہ حکم اس مسئلہ میں ہے جو تقسیم کو قبول نہ کرے اگر وہ تجزی کو قبول کرے تو ہر ایک پر یہ لازم ہوگا کہ وہ نصف کو محبوس رکھے اگر وہ سب کا سب اسے دے دے تو امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ ضامن ہوگا۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے اس کی اصل ودیعت کا مسئلہ ہے، ''زیلعی''۔ اگر وہ ہلاک ہو جائے تو ہر ایک اپنے حصہ کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ حق کی وصولی تقسیم کو قبول کرتی ہے اگر وہ دونوں میں سے ایک کا دین ادا کردے تو وہ سب کا سب دوسرے کا دین ہوگا۔

صورت یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کا رہن سو درہم ہو اور دوسرے کا رہن دنانیر ہوں۔ ''عنایہ''۔

34356۔ (قولہ: ضَمِنَ عِنْدَهُ) یعنی دینے والا غصب کی ضمان کا ضامن ہوگا، ''ط''۔

34357۔ (قولہ: وَأَصْلُهُ مَسْأَلَةُ الْوَدِيعَةِ) یعنی جب وہ دو آدمیوں کے پاس ایک ایسی شے ودیعت رکھے جو تقسیم کو قبول کرتی ہو تو دونوں میں سے ایک نے سب کا سب دوسرے کے حوالے کیا تو دینے والا ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضامن ہوگا۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے، ''زیلعی''۔

34358۔ (قولہ: ضَمِنَ كُلٌّ حِصَّتَهُ) لفظ کل، ضمن کا فاعل ہے اور حصتہ اس کا مفعول ہے۔

''طحطاوی'' نے ''مکی'' سے نقل کیا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے جس طرح ''بنایہ'' میں ہے کہ دونوں میں سے ایک کے راہن کے ذمہ دس ہوں اور دوسرے کے پانچ ہوں اور رہن تیس درہم ہوں اور رہن میں سے بیس ہلاک ہو جائیں تو دس دونوں کے قبضہ میں تہائی کے اعتبار سے ہوگا۔ دس والے کے دو تہائی ساقط ہو جائیں گے اور پانچ والے کے دو تہائی ساقط ہو جائیں گے۔ پس راہن پر دس والے کے لیے دس کا تہائی اور وہ تین اور ایک درہم کا تہائی ہے اور پانچ والے کے لیے پانچ کا تہائی اور وہ ایک درہم اور درہم کے دو تہائی ہے۔

34359۔ (قولہ: لِتَجَزُّئِ الِاسْتِيفَاءِ) کیونکہ حق کی وصولی تقسیم کو قبول کرتا ہے۔

34360۔ (قولہ: فَإِنْ قَضَى الخ) زیادہ صحیح یہ ہے کہ اسے ان کے قول ولو هلك الخ پر مقدم کرتے جس طرح ''ابن کمال'' نے کیا ہے تا کہ اس امر کا فائدہ دے کہ دونوں میں سے ہر ایک اپنے حصے کا ضامن ہوگا اگر راہن دونوں میں سے ایک کا حصہ ادا کردے۔ کیونکہ ''النہایہ'' میں ''المبسوط'' سے مروی ہے: اگر رہن دوسرے کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو راہن اس چیز کو واپس لے لے گا جو اس نے پہلے کو قرض دے دیا ہے۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک کا رہن باقی ہے جب تک رہن راہن تک نہ پہنچے۔ کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک اپنی باری میں دوسرے کی باری میں عادل (ثالث) کی طرح ہوگا۔

لِمَا مَرَّ أَنَّ كُلَّ الْعَيْنِ رَهْنٌ فِي يَدِ كُلٍّ مِنْهُمَا بِلَا تَفَرُّقٍ (وَإِنْ رَهَنَا رَجُلًا رَهْنًا) وَاحِدًا (بِدَيْنٍ عَلَيْهِمَا صَحَّ بِكُلِّ الدَّيْنِ وَيُمْسِكُهُ إِلَى اسْتِيفَاءِ كُلِّ الدَّيْنِ) إِذْ لَا شُيُوعَ (وَلَوْ رَهَنَ عَبْدَيْنِ بِأَلْفٍ لَا يَأْخُذُ أَحَدَهُمَا بِقَضَاءِ حِصَّتِهِ) لِحَبْسِ الْكُلِّ بِكُلِّ الدَّيْنِ كَالْمَبِيعِ فِي يَدِ الْبَائِعِ فَإِنْ سَمَّى

کیونکہ یہ بات گزر چکی ہے کہ تمام کا تمام عین دونوں میں سے ہر ایک کے قبضہ میں تفریق کے بغیر رہن ہے۔ اگر دونوں ایک آدمی کے پاس ایک رہن ایسے دین کے بدلے میں رہن رکھیں جو ان دونوں پر تھا تو یہ رہن تمام دین کے لیے صحیح ہوگا اور وہ اس رہن کو مکمل دین وصول کرنے تک اپنے پاس رکھے گا۔ کیونکہ کوئی اشتراک موجود نہیں۔ اگر ایک آدمی دو غلام ہزار کے بدلے میں رہن رکھے تو وہ ان دونوں میں سے ایک اس کے حصہ کو ادا کرنے کے ساتھ واپس نہیں لے گا۔ کیونکہ مکمل کا حبس مکمل دین کے عوض ہے جیسے بائع کے ہاتھ میں مبیع ہوتا ہے۔ اگر دونوں میں سے

34361۔(قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی مصنف کے قول وکلہ رہن من کل منہما کے قریب ہی گزر چکا ہے۔

34362۔(قولہ: بِلَا تَفَرُّقٍ) یعنی تجزی کے بغیر، پس اس کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ رہن میں سے کوئی شے واپس لے جب تک دین میں سے کوئی شے باقی ہو جس طرح اگر مرتہن ایک ہو۔

34363۔(قولہ: رَهْنًا وَاحِدًا) یعنی ایک ہی صفقہ۔ کیونکہ ''کرخی'' کا قول ہے: ہو عبد او عبدان تو مراد مرہون کا توحد نہیں۔ بلکہ رہن کا توحد ہے یعنی عقد کا توحد ہے۔

34364۔(قولہ: بِدَيْنٍ عَلَيْهِمَا) خواہ یہ ایک صفقہ ہو یا دونوں میں سے ہر ایک پر علیحدہ دین ہو۔ ''اتقانی'' نے ''کرخی'' سے نقل کیا ہے۔

34365۔(قولہ: وَيُمْسِكُهُ الخ) یعنی اگر دونوں میں سے ایک وہ ادا کر دے جو اس پر لازم ہے تو اسے کوئی حق حاصل نہیں کہ رہن میں سے کسی شے پر قبضہ کرے کیونکہ دس میں مرتہن پر امساک میں صفقہ میں تفریق ہے۔ ''اتقانی''۔

34366۔(قولہ: إِذْ لَا شُيُوعَ) ظاہر یہ ہے کہ یہ ان کے قول صح کی علت ہے۔ ''اتقانی'' نے کہا: یہ اس لیے ہے کیونکہ دو آدمیوں کا ایک آدمی کے پاس رہن رو کنے سے بغیر اشتراک کے قبضہ حاصل ہو جاتا ہے۔ پس یہ اس طرح ہو گیا کہ ایک آدمی ایک آدمی کے ہاں رہن رکھ رہا ہے۔

34367۔(قولہ: لِحَبْسِ الْكُلِّ بِكُلِّ الدَّيْنِ) تو وہ دین کے ہر جز کے بدلے میں محبوس ہوگا یہ رہن کی ادائیگی پر برانگیختہ کرنے کے لیے بطور مبالغہ ذکر کیا ہے ''ہدایہ''۔ کیونکہ اگر راہن کے لیے ممکن ہو کہ وہ چیز لے لے جس کی اسے ضرورت ہے تو وہ باقی ماندہ کی ادائیگی میں سستی کرے گا۔

34368۔(قولہ: كَالْمَبِيعِ الخ) کیونکہ مشتری جب مبیع کی ثمن کا بعض ادا کر دے تو وہ اسے لینے پر قادر نہیں ہوگا۔

34369۔(قولہ: فَإِنْ سَمَّى الخ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: میں نے یہ دو غلام تیرے پاس بطور رہن رکھے

لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا شَيْئًا مِنَ الدَّيْنِ لَهُ أَنْ يَقْبِضَ أَحَدَهُمَا إِذَا أَدَّى مَا سَمَّى لَهُ بِخِلَافِ الْبَيْعِ) لِتَعَدُّدِ الْعَقْدِ بِتَفْصِيلِ الثَّمَنِ فِي الرَّهْنِ لَا الْبَيْعِ هُوَ الْأَصَحُّ (وَبَطَلَ بَيِّنَةُ كُلٍّ مِنْهُمَا) أَيْ مِنْ رَجُلَيْنِ

ہر ایک کے لیے دین میں سے کسی شے کی تعین کر دے تو جب وہ ادا کر دے جس کا ذکر کیا تھا تو اسے دونوں میں سے ایک کو قبضہ میں لینا صحیح ہوگا۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ عقد متعدد ہو گئے جب اس نے رہن میں ثمن کو الگ الگ کر دیا۔ بیع میں ایسا نہیں یہی زیادہ صحیح ہے۔ اور دونوں میں سے ہر ایک کے گواہ

ہیں ان میں سے ہر ایک پانچ سو کے بدلے میں ہے اور وہ دونوں غلام اس کے سپرد کر دے پھر پانچ سو نقد دے دے اور کہے: میں نے اس غلام کے ادا کر دیئے اور اس نے یہ ارادہ کیا کہ وہ غلام لے لے۔ اصل کی روایت یہ ہے: اسے یہ حق حاصل نہیں زیادات کی روایات میں ہے اسے یہ حق حاصل ہے۔ ''کفایہ''۔

اگر وہ کہے: ان دونوں میں سے ایک بیس کے بدلے میں ہے اور دوسرا باقی کے بدلے میں ہے اور ان میں سے کسی کی تعیین و وضاحت نہیں کرتا تو رہن جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ ایسی جہالت ہے جو منازعہ کی طرف لے جاتی ہے جب دونوں میں سے ایک ہلاک ہو جائے یا اس کو واپس لے جس طرح ''اتقانی'' نے ''کافی الحاکم'' سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔

34370۔ (قولہ: لِتَعَدُّدِ الْعَقْدِ بِتَفْصِيلِ الثَّمَنِ) زیادہ صحیح یہ ہے کہ ثمن کے لفظ کو بدل وغیرہ کے الفاظ سے بدل دیتے۔ کیونکہ رہن میں مفصل وہ رہن ہے۔

34371۔ (قولہ: فِي الرَّهْنِ لَا الْبَيْعِ) کیونکہ دونوں مرہونوں میں سے ایک میں عقد کی قبولیت یہ دوسرے میں عقد کے صحیح ہونے کے لیے شرط نہیں یہاں تک کہ اگر وہ دونوں میں سے ایک میں قبول کر لے تو اس میں صحیح ہوگا۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں عقد ثمن کی تفصیل سے متعدد نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے اگر یہ کہا جائے: بیع دونوں میں سے ایک میں ہے دوسرے میں نہیں ہے تو تمام میں بیع باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ بائع کو نقصان ہوتا ہے جب اس پر صفقہ متعدد ہو۔ کیونکہ عادت یہ جاری ہے کہ بیع میں آدمی کو جید کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے پس تفریق کے ساتھ ضرر لاحق ہوگا، ''زیلعی''۔

34372۔ (قولہ: هُوَ الْأَصَحُّ) جب وہ دو مرہونوں میں سے ہر ایک کے لیے ایک شے ذکر کرے اس کے درمیان اور جب وہ ذکر نہ کرے اس کے درمیان فرق ہے۔ یہی قول اصح ہے جس طرح ''التبیین'' اور ''کفایہ'' میں ہے۔ یہ ''زیادات'' کی روایات ہیں۔

34373۔ (قولہ: وَبَطَلَ بَيِّنَةُ كُلٍّ مِنْهُمَا الخ) یہ مستقل مسئلہ ہے اس کا سابقہ مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں، ''درر''۔ ''العنایہ'' میں جوان کا قول ہے: انها من شعب قوله رهنا رجلا، اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ یہاں دو آدمی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ دونوں مرتہن ہیں اور ایک آدمی راہن ہے۔ ''معراج'' میں اپنے اس قول فالحاصل ان المرتهن اثنان والراهن واحد کی تصریح کی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ مرتہن دو ہیں اور راہن ایک ہے۔ فتنبہ۔

(عَلَى رَجُلٍ أَنَّهُ) أَيْ أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ (رَهَنَهُ هَذَا الشَّيْءَ) كَعَبْدٍ مَثَلًا عِنْدَهُ (وَقَبَضَهُ) لِاسْتِحَالَةِ كَوْنِ كُلِّهِ رَهْنًا لِهَذَا وَكُلِّهِ رَهْنًا لِذَاكَ

ایک آدمی پر باطل ہو جائیں گے کہ ان میں سے ہر ایک نے اس شے جیسے مثلاً ایک غلام کو اس کے پاس رہن رکھا اور اس نے اس پر قبضہ کیا۔ باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ محال ہے وہ سب ایک ہی وقت میں اس کا رہن ہے اور وہ سب اس کا رہن ہو

پھر یہ جان لو کہ اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں۔ کیونکہ دعویٰ یا تو رہن کی زندگی میں ہوگا یا اس کی زندگی میں نہیں ہوگا پہلے کی تین وجوہ ہیں۔ کیونکہ یا تو رہن دو مدعیوں میں سے ایک کے قبضہ میں ہوگا تو اس کا اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا اگر چہ دوسرا اس کی تاریخ بیان کرے۔ کیونکہ قبضہ تاریخ سے ختم نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ قبضہ اس تاریخ سے پہلے ہو مگر جب دوسرا یہ ثابت کر دے کہ اس کا عقد اس کے قبضہ سے پہلے ہو یا وہ دونوں کے قبضہ میں ہوگا یا راہن کے قبضہ میں ہوگا اور ان دونوں صورتوں میں اگر دونوں تاریخ بیان کریں اور ان دونوں میں سے ایک پہلے ہو تو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر دونوں میں سے ایک تاریخ کا ذکر کرے اگر دونوں تاریخ کا ذکر نہ کریں یا دونوں برابر طور پر تاریخ کا ذکر کریں تو یہ باطل ہو جائے گا۔ دوسرے کے بھی تین صورتیں ہیں ان میں اگر سب تاریخ بیان کریں اور ان دونوں میں سے ایک پہلے ہو تو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا اگر دونوں تاریخ بیان نہ کریں یا دونوں برابر کی تاریخ بیان کریں۔ اگر راہن دونوں کے قبضہ میں ہو یا راہن کے قبضہ میں ہو تو بطور استحسان نصف نصف کیا جائے گا۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اپنایا ہے۔ یہ ''غایۃ البیان'' اور ''تاتر خانیہ'' کی تلخیص ہے۔

34374۔ (قولہ: أَيْ أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ) مصنف نے ''المنح'' میں اس کی پیروی کی ہے۔ ''حلبی'' نے کہا: صحیح یہ ہے کہ انہ کی ضمیر اور رھنہ کی ضمیر مستتر رجل کے لیے ہو اور ضمیر بارز دونوں میں سے ہر ایک کے لیے ہو۔ کیونکہ دونوں آدمی مرتہن ہیں راہن نہیں جس طرح تو جان چکا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ وہم دلاتا ہے کہ شارح نے عبارت کا جو حل پیش کیا ہے وہ خطا ہے جب کہ معاملہ اس طرح نہیں۔ ہاں اگر رھنہ میں ضمیر مستتر کو کل احد کی طرف لوٹائی جائے تو یہ خطا ہوگی۔ جہاں تک انہ کی ضمیر کا تعلق ہے تو اسے رجل یا کل احد کی طرف لوٹایا جائے تو معنی کی صحت میں کوئی فرق نہیں مگر پہلی تعبیر زیادہ ظاہر ہے، فتدبر۔

34375۔ (قولہ: رَهَنَهُ هَذَا الشَّيْءَ كَعَبْدٍ مَثَلًا عِنْدَهُ) میں کہتا ہوں: صحیح یہ ہے کہ ضمیر کو حذف کر دیا جائے یا عندہ کو حذف کر دیا جائے۔ کیونکہ اس میں یہ لازم آتا ہے کہ رھن کا فعل اپنے دوسرے مفعول کی طرف بذات خود اور ظرف کے ساتھ متعدی ہو۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ کہا جاتا ہے: رھنت الرجل شیئاو رھنتہ عندہ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

34376۔ (قولہ: لِاسْتِحَالَةِ كَوْنِ كُلِّهِ رَهْنًا لِهَذَا وَكُلِّهِ رَهْنًا لِذَاكَ) یعنی دو عقدوں کے ساتھ انفرادی طور پر اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک اس کو محبوس کرنے میں منفرد ہو اور اس میں دوسرے کا کوئی حق نہ ہو۔ سابقہ

فِي آنٍ وَاحِدٍ وَلَا يُمْكِنُ تَنْصِيفُهُ لِلُزُومِ الشُّيُوعِ فَتَهَاتَرَتَا وَحِينَئِذٍ فَتَهْلِكُ أَمَانَةً إِذِ الْبَاطِلُ لَا حُكْمَ لَهُ هَذَا (إِنْ لَمْ يُؤَرِّخَا، فَإِنْ أَرَّخَا كَانَ صَاحِبُ التَّارِيخِ الْأَقْدَمِ أَوْلَى وَكَذَا إِذَا كَانَ) الرَّهْنُ (فِي يَدِ أَحَدِهِمَا كَانَ) ذُو الْيَدِ (أَحَقَّ) لِقَرِينَةِ سَبْقِهِ

اور اس کو نصف نصف کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ اشتراک لازم آتا ہے تو دونوں گواہیاں ساقط ہو گئیں اس وقت وہ بطور امانت ہلاک ہو گا۔ کیونکہ باطل کا کوئی حکم نہیں ہوتا۔ یہ حکم اس مدت پر ہے اگر وہ تاریخ ذکر نہ کریں اگر دونوں تاریخ ذکر کریں تو پہلی تاریخ والا زیادہ حق دار ہو گا۔ اسی طرح جب رہن دونوں میں سے ایک کے قبضہ میں ہو تو جس کا قبضہ ہے وہ زیادہ حق دار ہو گا۔ کیونکہ یہ اس کے سابق ہونے کا قرینہ ہے۔

مسئلہ جو اس قول میں ہے رهن عينا عند رجلين کا معاملہ مختلف ہے۔ اور ان کے قول لهذا اور لذا لك میں لام تعلیل کے لیے ہے، تامل۔

34377۔(قولہ: وَلَا يُمْكِنُ تَنْصِيفُهُ الخ) اسی طرح تمام کی قضا دونوں میں سے کسی ایک کے لیے ممکن نہیں۔ کیونکہ روایت موجود نہیں۔ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ یوں بنا دیا جائے گویا دونوں نے اکٹھے اسے اپنے پاس رہن رکھا ہو جب تاریخ میں جہالت پائی جا رہی ہے۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے گواہوں کے ساتھ کل کے رہن ہونے کو ثابت کیا ہے۔ پس قضا دعویٰ کے خلاف ہو گی ''ہدایہ'' میں اس کو بیان کیا ہے۔

34378۔(قولہ: فَتَهَاتَرَتَا) یعنی دونوں گواہیاں ساقط ہو گئیں کیونکہ دونوں پر عمل کرنا متعذر رہے۔ یہ قیاس ہے۔ اور استحسان یہ ہے کہ دونوں میں اس کو نصف نصف کیا جائے۔ یہ ان مسائل میں سے ہے جن میں قیاس استحسان پر راجح ہوتا ہے۔

34379۔(قولہ: هَذَا إِنْ لَمْ يُؤَرِّخَا) اسی طرح کا حکم ہے اگر دونوں تاریخ بیان کریں اور دونوں کی تاریخ برابر ہو، ''اتقانی''۔

34380۔(قولہ: كَانَ صَاحِبُ التَّارِيخِ الْأَقْدَمِ أَوْلَى) کیونکہ اس نے عقد کو ایسے وقت میں ثابت کیا ہے جس میں اس کا صاحب اس کے ساتھ منازعہ نہیں کرتا۔ اسی طرح اگر دونوں میں سے ایک تاریخ بیان کرے۔ کیونکہ اس کے حق میں عقد تاریخ کے وقت سے ظاہر ہو گا اور دوسرے کے حق میں عقد فی الحال ظاہر ہو گا۔ ''اتقانی''۔

34381۔(قولہ: وَكَذَا إِذَا كَانَ الرَّهْنُ فِي يَدِ أَحَدِهِمَا) اس قول نے یہ بیان کیا ہے کہ جو قول گزر چکا ہے یہ اس میں فرض کیا گیا ہے جب وہ راہن کے قبضہ میں ہو یا دونوں کے قبضہ میں ہو۔

34382۔(قولہ: كَانَ ذُو الْيَدِ أَحَقَّ) خواہ دوسرے نے تاریخ بیان کی تھی یا تاریخ بیان نہیں کی تھی جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

34383۔(قولہ: لِقَرِينَةِ سَبْقِهِ) کیونکہ قبضہ قدرت اس کے عقد کے پہلے ہونے کی دلیل ہے تو وہ اولیٰ ہو گا، ''نہایہ''۔

(وَلَوْ مَاتَ رَاهِنُهُ) أَيْ رَاهِنُ الْعَبْدِ مَثَلًا (وَ) الْحَالُ أَنَّ (الرَّهْنَ مَعَهُمَا) أَيْ فِي أَيْدِيهِمَا (أَوْ لَا) أَيْ أَوْ لَيْسَ الْعَبْدُ مَعَهُمَا فَإِنَّ الْحُكْمَ وَاحِدٌ زَيْلَعِيٌّ (فَبَرْهَنَ كُلٌّ كَذَلِكَ) كَمَا وَصَفْنَا (كَانَ فِي يَدِ كُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفُهُ) أَيْ الْعَبْدِ (رَهْنًا بِحَقِّهِ) اسْتِحْسَانًا لِانْقِلَابِهِ بِالْمَوْتِ اسْتِيفَاءً وَالشَّائِعُ يَقْبَلُهُ

اگر مثلاً غلام کا راہن مر گیا حال یہ ہے کہ رہن دونوں کے پاس ہے یعنی ان دونوں کے قبضہ میں ہے یا غلام ان دونوں کے پاس نہیں ہے تو حکم ایک ہوگا ''زیلعی''۔ تو ہر ایک نے اسی طرح گواہیاں قائم کیں جس طرح ہم نے بیان کیا تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے پاس اس غلام کا نصف اس کے حق کے بدلے میں رہن ہوگا۔ یہ بطور استحسان ہے۔ کیونکہ راہن کی موت کی وجہ سے یہ پورے حق کی وصولی بن چکا ہے اور مشترک اسے قبول کرتا ہے۔

34384۔(قولہ: وَلَوْ مَاتَ رَاهِنُهُ) اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ جو گزر چکا ہے وہ اس بارے فرض کیا گیا ہے جب دعویٰ راہن کی زندگی میں ہو۔

34385۔(قولہ: أَيْ رَاهِنُ الْعَبْدِ مَثَلًا) زیادہ بہتر یہ قول تھا ای راھن الشیء کیونکہ یہی متن میں مذکور ہے۔

34386۔(قولہ: زَيْلَعِيٌّ) کیونکہ کہا: ان کا قول: ''کنز'' کا قول: والعبد فی ایدیھم پر اتفاقاً واقع ہوا ہے یہاں تک کہ اگر غلام ان دونوں کے قبضہ میں نہ ہو اور ہر ایک اس کے بارے میں رہن اور قبضہ ثابت کرے تو حکم اس طرح ہوگا۔ اسی وجہ سے پہلے مسئلہ میں ید کا ذکر نہیں کیا۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ یہ اس صورت سے احتراز کے لیے ہے: اگر وہ دونوں میں سے ایک کے قبضہ میں ہو تو اس وقت قابض کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا جس طرح زندگی کی حالت میں ہوتا ہے جس طرح ''ابوسعود'' نے اسے ''کنز'' پر ''شرح اکبر'' سے اور ''شلبی'' سے نقل کیا ہے۔ ''طحطاوی'' نے اسے ''کشف'' سے نقل کیا ہے۔

34387۔(قولہ: فَبَرْهَنَ كُلٌّ الخ) یعنی دونوں نے تاریخ بیان نہ کی ہو یا ایک ہی تاریخ بیان کی ہو مگر جب دونوں میں سے ایک پہلے کی تاریخ ہو تو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا جس طرح ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ یہ صورت باقی رہ گئی ہے اگر دونوں میں سے ایک تاریخ بیان کرے جو قول گزر چکا ہے۔ اس کا قیاس یہ ہے مگر جب دوسرا اکیلے قبضہ کرنے والا ہو تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا ورنہ جو تاریخ بیان کرے۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے، تامل۔

34388۔(قولہ: كَمَا وَصَفْنَا) یعنی مسئلہ کے شروع میں بیان کیا کہ ہر ایک نے یہ گواہیاں قائم کیں کہ اس شخص نے اس کے پاس اسے رہن رکھا تھا۔

34389۔(قولہ: نِصْفُهُ) یہ کان کا اسم ہے اور رھنا اس کی خبر ہے اور فی ھدیہ اس کے متعلق ہے یا محذوف کے متعلق ہے اور رھنا اس کی تمیز ہے۔ تامل

34390۔(قولہ: لِانْقِلَابِهِ الخ) یہ دونوں مسئلوں میں فرق کا بیان ہے۔ کیونکہ پہلے مسئلہ میں قیاس سے اخذ کیا اور

(أَخَذَ عِمَامَةَ الْمَدْيُونِ لِتَكُونَ رَهْنًا عِنْدَهُ لَمْ تَكُنْ رَهْنًا) وَإِذَا هَلَكَتْ تَهْلِكُ هَلَاكَ الْمَرْهُونِ قَالَ وَهٰذَا ظَاهِرٌ إِذَا رَضِيَ الْمَطْلُوبُ بِتَرْكِهِ رَهْنًا عِمَادِيَّةٌ، وَمَفَادُهُ أَنَّهُ إِنْ رَضِيَ بِتَرْكِهِ كَانَ رَهْنًا وَإِلَّا لَا، وَعَلَيْهِ يُحْمَلُ إِطْلَاقُ السِّرَاجِيَّةِ وَغَيْرِهَا كَمَا أَفَادَهُ الْمُصَنِّفُ وَفِي الْمُجْتَبَى لِرَبِّ الْمَالِ مَسْكُ مَالِ الْمَدْيُونِ

ایک آدمی نے مدیون کی پگڑی لی تا کہ اس کے پاس بطور رہن رہے تو وہ رہن نہ ہوگی اور جب پگڑی ہلاک ہوگئی تو وہ مال مرہون کی حیثیت سے ہلاک ہوگا۔ کہا: یہ امر ظاہر ہے جب مطلوب اس کے رہن کے ترک کرنے کے طور پر راضی ہو۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے جب وہ اس کے کرنے پر راضی ہو تو وہ رہن ہوگا ورنہ نہیں۔ ''سراجیہ'' وغیرہ کا اطلاق اس پر محمول کیا جائے گا جس طرح مصنف نے بیان کیا ہے۔ ''مجتبیٰ'' میں ہے: رب المال کو حق حاصل ہے کہ مدیون کے مال کو

دوسرے مسئلہ میں استحسان کو اخذ کیا۔ ''زیلعی'' نے کہا: قیاس میں یہ باطل ہے۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ استحسان کی دلیل یہ ہے کہ عقد کا ارادہ اس کی ذات کی وجہ سے نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے حکم کی وجہ سے کیا جاتا ہے زندگی کی حالت میں اس کا حکم محبوس کرنا ہے اور مشترک اس کو قبول نہیں کرتا اور وقت کے بعد بیع کے ساتھ حق کی وصولی اس کی ثمن سے ہوگی اور مشترک اس کو قبول کرتا ہے۔ ملخص۔

34391۔ (قولہ: قَالَ) ''العمادیہ'' میں کہا۔

34392۔ (قولہ: وَهٰذَا) اسم اشارہ سے مراد ان کا قول تهلك هلاك المرهون ہے۔

34393۔ (قولہ: ظَاهِرٌ إِذَا رَضِيَ) اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جو ''الخلاصہ'' میں ''فتاویٰ النسفی'' سے منقول ہے۔ یہ درست ہے جب اس کو واپس لینا ممکن ہو تو اس کو ترک کر دے مگر جب وہ اس کے عجز کی وجہ سے اسے ترک کر دے تو اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہی اس کا محل ہے جو ''بزازیہ'' میں ''عتابی'' سے مروی ہے: اس نے رہن کا تقاضا کیا اور اس نے اس کو ادا نہ کیا تو اس نے اس کی پگڑی بطور رہن اس کے سر سے اٹھا لی اور اسے رومال دے دیا جسے وہ اپنے سر پر ڈال لے تو پگڑی رہن ہوگی۔ کیونکہ مقروض اس کے پاس چھوڑ دینے سے اس کے رہن ہونے پر راضی ہے۔

34394۔ (قولہ: مَفَادُهُ) یہ بغیر فائدہ کے طویل کلام ہے اگر وہ کہے: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے: اگر وہ اس سے راضی نہ ہو تو وہ غصب کی ہلاکت کے ساتھ ہلاک ہو جائے گا تو یہ کلام زیادہ واضح ہوتی۔ ''ط''۔

34395۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ) یعنی جو ان کے قول والا لا سے مستفید ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ غصب کے ہلاک ہونے کے ساتھ غصب ہو ''سراجیہ'' کا اطلاق اس پر محمول کیا جائے گا۔ اس کی نص یہ ہے: جب اس نے مدیون کی پگڑی اس کی رضا مندی کے بغیر لے لی تا کہ وہ اس کے پاس رہن ہو تو وہ رہن نہ ہوگی بلکہ غصب ہوگی۔ ان کا قول بل غصبا اس پر دلالت کرے گا کہ اگر وہ اسے اس کی رضامندی کے بغیر ترک کرے۔

34396۔ (قولہ: لِرَبِّ الْمَالِ مَسْكُ مَالِ الْمَدْيُونِ) ''المجتبیٰ'' کی عبارت ہے: ان یمسك یہ اولیٰ ہے مگر جب یہ

رَهْنًا بِلَا إِذْنِهِ وَقِيلَ إِذَا أَيِسَ فَلَهُ أَخْذُهُ مَكَانَ حَقِّهِ قَضَاءً عَنْ دَيْنِهِ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ۔ (دَفَعَ ثَوْبَيْنِ فَقَالَ خُذْ أَيَّهُمَا شِئْتَ رَهْنًا بِكَذَا فَأَخَذَهُمَا لَمْ يَكُنْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا رَهْنًا

اس کی اجازت کے بغیر بطور رہن روک لے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب وہ مایوس ہو تو اسے اپنے حق کی جگہ اپنا رہن وصول کرنے کیلئے اس کا مال لینے کا حق ہوگا مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے۔ ایک آدمی نے دو کپڑے دیئے اور کہا: ان دونوں میں سے جو چاہو اتنے کے بدلے میں بطور رہن لے لو تو اس نے ان دونوں کو لے لیا تو ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی رہن نہ ہوگا

ثابت ہو جائے کہ فعل مجرد بذات خود متعدی آتا ہے۔ ''قاموس'' میں ہے: مسك به، امسك، تماسك، تمسك اور استمسك، اس کا معنی محبوس ہونا اور اسے مضبوطی سے تھام لینا ہے امسکہ اسے روک لیا۔ امسك عن الكلام ہو تو اس کا معنی خاموش ہو جانا ہوتا ہے، تامل۔

34397۔ (قولہ: رَهْنًا بِلَا إِذْنِهِ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ وہ رہن کی حیثیت سے ہلاک ہوگا۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ رہن کی شرط یہ ہوتی ہے کہ وہ تبرع واحسان کے طریقہ پر ہوتا ہے جس طرح ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ ''بزازیہ'' میں ہے: دین کا مالک مدیون کے مال میں سے اس کے حق کی جنس کے علاوہ کو پانے میں کامیاب ہو گیا تو وہ اسے بطور رہن نہیں روکے گا مگر اس وقت جب اس کا مدیون راضی ہو، فتامل۔

فرع: ایک آدمی سرائے میں داخل ہوا تو سرائے کے مالک نے اسے کہا: میں تجھے یہاں ٹھہرنے کی اجازت نہیں دوں گا جب تک تو مجھے رہن کے طور پر کوئی شے نہ دے تو اس نے سرائے کے مالک کو کپڑے دے دیئے تو وہ کپڑے مرتہن کے پاس ہلاک ہو گئے اگر اس نے کمرے کی اجرت کے بدلے میں رہن رکھے تو رہن ہوگا ان تمام احکام کے ساتھ جو رہن میں لازم ہوتا ہے اگر وہ اس سے اس لیے لیتا ہے۔ کیونکہ وہ سارق ہے یا یہ امر اس پر مخفی ہے تو سرائے کا مالک ضامن ہوگا۔ ''ابولیث'' نے کہا: میرے نزدیک دونوں صورتوں میں کوئی ضمانت نہیں کیونکہ وہ کپڑے دینے میں مجبور نہیں تھا، خلاصہ۔

34398۔ (قولہ: وَقِيلَ إِذَا أَيِسَ الخ) ''المنح'' میں اسی طرح تعبیر کی ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ وہ چیز اس کے حق کی جنس میں سے نہیں ہے اگر وہ اس کی جنس میں سے ہوتی تو بغیر کسی اعتراض اور وجہ کے اپنے حق کی مقدار میں لینے کا حق ہوتا۔ کیونکہ اسے قیل کے لفظ کے ساتھ حکایت کیا ہے۔ کیونکہ ہم پہلے کتاب الحجر میں ''مقدسی'' سے بعض علماء کا یہ فتوی نقل کر چکے ہیں کہ آج کل مطلقاً اس کا لینا جائز ہے۔

34399۔ (قولہ: وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ) اس میں یہ ہے کہ مصنف نے جس تطبیق کا ذکر کیا ہے وہ رضامندی کے شرط ہونے کا فائدہ دیتی ہے۔ پس ''مجتبیٰ'' میں جو قول ہے اس پر اعتماد کیا جائے گا۔

وہ اشتراک جو ضرورت کی بنا پر واقع ہو نقصان نہیں دیتا

34400۔ (قولہ: لَمْ يَكُنْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا رَهْنًا) پس رہن میں سے کوئی چیز ساقط نہ ہوگی یہ اس آدمی کے قائم مقام

قَبْلَ أَنْ يَخْتَارَ أَحَدَهُمَا، بَرَاءِيَةٌ فُرُوعٌ غَصْبُ الرَّهْنِ كَهَلَاكِهِ
قبل اس کے کہ دونوں میں سے ایک کو اختیار کرے۔ فروع: رہن کا غصب ہو جانا یہ اس کے ہلاک ہونے کی طرح ہے

ہے جس کے ذمہ بیس درہم ہوں تو وہ طالب کو سو درہم دے اور اسے کہے: اس سے بیس لے لو تو وہ سو درہم اس کے وصول کرنے سے قبل ضائع ہو جائیں تو یہ دینے والے کے مال سے ضائع ہوں گے اور رہن اپنی جگہ باقی رہے گا۔ ''تاتر خانیہ'' نے ''منتقی'' سے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کرتے ہیں۔ ''خانیہ'' میں یہ اضافہ کیا ہے: اگر وہ اس کو دو کپڑے دے اور وہ کہے: ان میں سے اپنے دین کے بدلے میں رہن لے لے اس نے دونوں لے لیے اور دونوں کی قیمت برابر ہو۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ان دونوں میں سے ہر ایک کی قیمت دین کے بدلے میں چلی جائے گی اگر وہ رہن کی مثل ہو۔ یہ اس کے موافق ہے جو شارح نے باب کے شروع میں زوائد سے نقل کی ہے۔ کہا: وہ اشتراک جو ضرورت کی بنا پر واقع ہو وہ نقصان نہیں دیتا دونوں مسئلوں میں جو فرق ہے اسے دیکھنا چاہیے۔ شاید پہلے مسئلہ میں رہن اسے بنایا ہے جس پر مرتہن کی مشیت واقع ہوئی جب اس نے دو کپڑوں میں سے ایک کپڑے کو اختیار کیا تو وہ متعین ہو گیا اس سے قبل ان دونوں میں سے ایک رہن نہیں بنا۔ پس دونوں میں سے ہر ایک اس کے پاس امانت کے طور پر باقی رہا۔

جہاں تک دوسرے مسئلے کا تعلق ہے تو دونوں میں سے ایک کو فی الحال رہن بنا دیا گیا جب اس میں کوئی خیار نہیں لیکن اس کو مبہم قرار دیا تو دونوں میں سے ایک دوسرے سے اولیٰ نہیں تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا نصف رہن ہو جائے گا۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

لیکن ''خانیہ'' میں ایک صفحہ کے بعد کہا: ایک آدمی نے دوسرے آدمی کے پاس دو کپڑے دس دراہم کے دین پر رہن رکھے ان میں سے ایک نے کہا: تیرے دس کے عوض رہن ہیں یا کہا: ان دونوں میں سے جو چاہو اپنے دین کے عوض رہن لے لو۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ باطل ہے اگر دونوں ضائع ہو گئے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہو گی اور اس کا دین اپنی حالت پر برقرار رہے گا۔ اس کی مثل ''ظہیریہ'' میں ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں مسئلوں میں کوئی فرق نہیں۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔

34401۔ (قولہ: قَبْلَ أَنْ يَخْتَارَ أَحَدَهُمَا) کیونکہ وہ رہن ہو گا جب وہ اسے اختیار کرے گا مگر اس سے پہلے وہ رہن نہیں ہو گا ''ولوالجیہ''۔ یہ اس کا مؤید ہے جو ہم نے پہلے فرق بیان کیا ہے جب وہ ان دونوں میں سے ایک کو اختیار کرے تو اس پر ضمانت ہو گی دوسرے پر ضمانت نہ ہو گی۔

34402۔ (قولہ: غَصْبُ الرَّهْنِ) یعنی جب مرتہن سے کسی نے رہن غصب کر لیا تو یہ غصب اس کے ہلاک ہونے کی طرح ہو گا۔ پس مرتہن دین اور قیمت میں سے کم کا ضامن ہو گا۔ اور یہ مخفی نہیں اگر مرتہن اس کو غصب کرے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ جانور پر سوار ہو، غلام سے خدمت لے یا اجازت کے بغیر کپڑا پہنے تو وہ ہلاک ہو جائے تو جان بوجھ کر ہلاک کرنے

إِلَّا إِذَا غُصِبَ فِي حَالِ انْتِفَاعِ مُرْتَهِنٍ بِإِذْنِ رَاهِنٍ أَمَرَهُ بِدَفْعِهِ لِلدَّلَّالِ فَدَفَعَ فَهَلَكَ لَمْ يَضْمَنْ حَمَّامِيٌّ وَضَعَ الْمُصْحَفَ الرَّهْنَ فِي صُنْدُوقِهِ وَوَضَعَ عَلَيْهِ قَصْعَةَ مَاءٍ لِلشُّرْبِ فَانْصَبَّ الْمَاءُ عَلَى الْمُصْحَفِ فَهَلَكَ ضَمِنَ ضَمَانَ الرَّهْنِ لَا الزِّيَادَةِ، وَالْمُودَعُ لَا يَضْمَنُ شَيْئًا قُنْيَةٌ الْأَجَلُ فِي الرَّهْنِ يُفْسِدُهُ

مگر جب اسے اس حالت میں غصب کیا جائے جب مرتہن راہن کی اجازت سے اس سے نفع حاصل کر رہا ہو۔ راہن نے مرتہن کو کہا کہ وہ رہن دلال کو دے مرتہن نے رہن دلال کے حوالے کر دیا وہ ہلاک ہو گیا تو ضامن نہیں ہوگا۔ ایک حمامی نے مصحف جو اس نے رہن کے طور پر لیا تھا اپنے صندوق میں رکھا اور اس پر پانی پینے کے لیے پانی کا پیالہ رکھ دیا تو پانی مصحف پر بہہ گیا تو وہ ضائع ہو گیا تو حمامی ضمان رہن کا ضامن ہوگا زیادتی کا ضامن نہیں ہوگا اور مودع کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا، ''قنیہ''۔ رہن میں مدت کا تعین کرنا یہ اسے فاسد کر دیتا ہے۔

والا ہوگا تو وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا جہاں تک پہنچے۔

34403۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا غُصِبَ الخ) کیونکہ نفع حاصل کرنے کی حالت میں عاریۃً لینے والا ہے۔ پس رہن کا حکم باطل ہو جائے گا۔ جب وہ اس سے غصب کر لیا جائے یا اس حالت میں وہ ہلاک ہو جائے تو دین میں سے کوئی شے ساقط نہ ہو گی جب وہ نفع حاصل کرنے سے فارغ ہوگا تو وہ دوبارہ ایسا رہن بن جائے گا جس پر ضمانت ہوگی جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یہ باب التصرف فی الرہن میں آئے گا۔

34404۔ (قولہ: أَمَرَهُ) راہن نے مرتہن کو حکم دیا۔

34405۔ (قولہ: لَمْ يَضْمَنْ) یعنی مرتہن ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ راہن کے قبضہ میں حکماً ہلاک ہو گیا ہے۔

34406۔ (قولہ: ضَمِنَ ضَمَانَ الرَّهْنِ) کیونکہ اس کا قبضہ قابل ضمانت ہوتا ہے۔ مودع کا معاملہ مختلف ہے۔ ان کا قول لا الزیادۃ زیادتی اس لیے لازم نہیں ہوگی کیونکہ وہ تعدی کرنے والا نہیں۔ کیونکہ عادت یہ جاری ہے کہ حمامی اپنے صندوق سے حفاظت کرتا ہے اور اس پر پانی کا پیالہ رکھتا ہے۔ یہ صورت مختلف ہوگی کہ وہ تعدی کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ جان بوجھ کر پانی بہائے۔ پس وہ زائد قیمت کا ضامن ہوگا۔

34407۔ (قولہ: وَالْمُودَعُ لَا يَضْمَنُ شَيْئًا) اس کی دلیل وہ ہے جو ہم نے کہہ دی ہے۔

رہن میں مدت کا تعین کرنا اسے فاسد کر دیتا ہے

34408۔ (قولہ: الْأَجَلُ فِي الرَّهْنِ يُفْسِدُهُ) کیونکہ رہن کا حکم یہ ہے کہ اسے دائمی طور پر محبوس کیا جائے اور مدت کا تعین اس کے منافی ہے۔ رہن کے دین کی مدت کے تعین کا معاملہ مختلف ہے۔ ''حموی'' نے ''قنیہ'' سے نقل کیا ہے: جب وہ ہلاک ہو جائے تو رہن کی ضمان کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس کا فاسد عقد اس کے صحیح کی طرح ہے جس کی وضاحت عنقریب آئے گی۔

سَلَّطَهُ بِبَيْعِ الرَّهْنِ وَمَاتَ لِلْمُرْتَهِنِ بَيْعُهُ بِلَا مَحْضَرِ وَارِثِهِ غَابَ الرَّاهِنُ غَيْبَةً مُنْقَطِعَةً فَرَفَعَ الْمُرْتَهِنُ أَمْرَهُ لِلْقَاضِي لِيَبِيعَهُ بِدَيْنِهِ يَنْبَغِي أَنْ يَجُوزَ وَلَوْ مَاتَ وَلَا يُعْلَمُ لَهُ وَارِثٌ فَبَاعَ الْقَاضِي دَارَهُ جَازَ، كَذَا فِي مُتَفَرِّقَاتِ بُيُوعِ النَّهْرِ وَفِي الذَّخِيرَةِ لَيْسَ لِلْمُرْتَهِنِ بَيْعُ ثَمَرَةِ الرَّهْنِ

راہن نے رہن کو بیچنے پر مرتہن کو اختیار دیا اور مر گیا تو مرتہن کو راہن کے وارث کی موجودگی کے بغیر اس کو بیچنے کا حق ہے۔ راہن غیبت منقطع کے ساتھ غائب ہو گیا اور مرتہن نے اس کا معاملہ قاضی کے سامنے پیش کیا تا کہ اس کے دین کے بدلے میں رہن کو بیچ دے۔ قاضی کو چاہیے کہ وہ اس کی اجازت دے دے۔ اگر وہ مر جائے اور اس کا وارث معلوم نہ ہو تو قاضی اس کا گھر بیچ دے تو یہ جائز ہوگا۔ ''النہر'' متفرقات بیوع میں اسی طرح ہے۔ ''ذخیرہ'' میں ہے: مرتہن کو یہ حق حاصل نہیں کہ رہن کے پھل کو بیچ دے

34409_(قولہ: سَلَّطَهُ بِبَيْعِ الرَّهْنِ) زیادہ بہتر قول علی بیعہ تھا۔ گویا سلط کا فعل امر کے معنی کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے اس لیے باکے ساتھ متعدی کیا۔

34410_(قولہ: لِلْمُرْتَهِنِ بَيْعُهُ) پس وارث کو اس کی بیع کے توڑنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے ساتھ اس کا حق متعلق ہے۔ یہ نہیں کہا جائے گا: یہ وکالت ہے موت کے ساتھ باطل ہو جائے گی۔ اس کی مکمل بحث اس کے بعد آئے گی۔

34411_(قولہ: يَنْبَغِي أَنْ يَجُوزَ) ''عمادیہ'' میں اسی طرح ہے۔ پھر کہا: یہ مسئلہ واقع الفتویٰ ہے۔ ''الاشباہ'' میں اس کے عدم جواز کو یقین سے بیان کیا ہے۔ ''بیری'' نے ''بزازیہ'' میں ''منیہ'' سے نقل کرتے ہوئے استدراک کیا ہے: مرتہن کو حاکم کی اجازت سے رہن کی بیع کرنا اور اپنا رہن لینا جائز ہے جب راہن غائب ہو نہ اس کی موت کا علم ہو اور نہ ہی اس کی زندگی کا علم ہو۔

میں کہتا ہوں: ''الاشباہ'' میں جو قول ہے اسے اس پر محمول کرنا ممکن ہے جب غیبت منقطع نہ ہو اگرچہ انہوں نے غیوبت کو مطلق ذکر کیا ہے، تامل۔ یہ صورت باقی رہ گئی ہے جب وہ حاضر ہو اور اس کی بیع سے رک جائے۔

''ولوالجیہ'' میں ہے: اسے بیع پر مجبور کیا جائے گا۔ جب وہ اس سے رک جائے تو قاضی یا اس کا سیکرٹری مرتہن کے لیے اسے بیچے اور اس کا حق ادا کر دے اور ذمہ داری مرتہن پر ہو ملخص۔ ''حامدیہ'' میں یہ فتویٰ دیا ہے۔ ''خیریہ'' میں یہ وضاحت کی ہے کہ اسے اس کی بیع پر مجبور کیا جائے گا اگرچہ وہ گھر ہو اس کے علاوہ جس کا کوئی گھر نہ ہو جس میں وہ رہے۔ کیونکہ مرتہن کا حق اس کے متعلق ہے۔ مفلس کا معاملہ مختلف ہے۔

مرتہن کے لیے رہن کے پھل کی بیع جائز نہیں

34412_(قولہ: لَيْسَ لِلْمُرْتَهِنِ بَيْعُ ثَمَرَةِ الرَّهْنِ) یعنی جب راہن اس کے لیے اس امر کو مباح قرار نہ دے۔ ''بیری'' میں ''ولوالجیہ'' سے مروی ہے: جس کے بارے میں خراب ہونے کا خوف ہو اسے حاکم کی اجازت سے بیچ دے اور

وَإِنْ خَافَ تَلَفَهَا لِأَنَّ لَهُ وِلَايَةَ الْحَبْسِ لَا الْبَيْعِ وَيُمْكِنُ رَفْعُهُ إِلَى الْقَاضِي، حَتَّى لَوْ كَانَ فِي مَوْضِعٍ لَا يُمْكِنُهُ الرَّفْعُ لِلْقَاضِي، أَوْ كَانَ بِحَالٍ يَفْسُدُ قَبْلَ أَنْ يَرْفَعَ جَازَ لَهُ أَنْ يَبِيعَهُ، وَاللّٰهُ تَعَالَى أَعْلَمُ

اگر چہ اس کے تلف کا خوف ہو۔ کیونکہ اسے محبوس کرنے کی ولایت ہے بیع کی ولایت نہیں قاضی کے سامنے اس کو پیش کرنا ممکن ہے یہاں تک کہ اگر وہ ایسی جگہ ہو جہاں قاضی کے سامنے پیش کرنا ممکن نہ ہو یا وہ ایسی حالت میں ہو کہ قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کرنے سے قبل وہ خراب ہو جائے تو اس کے لیے جائز ہوتا ہے کہ اس کو بیچ دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وہ اس کے قبضہ میں رہن ہوگا۔ کیونکہ اس کو روکنا یہ ہلاک ہونا نہیں ہے۔ اگر اس کے امر کے بغیر بیچے تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ بیع کی ولایت جو مالک کے مفاد کے لیے ہو یہ صرف حاکم کے لیے ثابت ہوتی ہے۔

''بیری'' نے کہا: میں کہتا ہوں۔ اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ اس گھر کی بیع جائز ہے جس کو رہن کے طور پر رکھا گیا ہو جب وہ خراب ہونے لگے۔ اور یہ واقعہ الفتویٰ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ الرَّهْنِ يُوضَعُ عَلَى يَدِ عَدْلٍ

(سُمِّيَ بِهِ لِعَدَالَتِهِ فِي زَعْمِ الرَّاهِنِ وَالْمُرْتَهِنِ إِذَا وَضَعَا الرَّهْنَ عَلَى يَدِ عَدْلٍ صَحَّ وَيَتِمُّ بِقَبْضِهِ وَلَا يَأْخُذُهُ أَحَدُهُمَا مِنْهُ، وَضَمِنَ لَوْ دَفَعَ إِلَى أَحَدِهِمَا)

عادل آدمی کے پاس رہن رکھنے کے احکام

اسے یہ نام دیا گیا ہے کیونکہ راہن اور مرتہن کے گمان میں وہ عادل ہے۔ جب دونوں ایک عادل آدمی کے ہاتھ میں رہن رکھیں تو یہ صحیح ہوگا اور عادل کے قبضہ کے ساتھ وہ عقد مکمل ہو جائے گا۔ اور دونوں میں سے کوئی ایک بھی اس سے نہیں لے گا۔ اگر وہ دونوں میں سے ایک کو دے گا تو عادل اس کا ضامن ہوگا۔

جب ان احکام میں اپنی گفتگو کو انتہا تک پہنچایا جو نفس راہن اور مرتہن کی طرف راجع ہیں اب ان احکام کا ذکر کرنے لگے ہیں جو اس کے نائب کی طرف راجع ہیں وہ عدل ہے اور اصل کے بعد نائب ہے یہاں اس سے مراد وہ ہے جس کے پاس دونوں رہن رکھنے پر راضی ہو جائیں خواہ وہ دونوں اس کی بیع پر راضی ہوں یا راضی نہ ہوں جس طرح ''سعدی'' نے اس کو بیان کیا، فافہم۔

باب: یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے وہ مبتدا ھذا ہے الرھن میں الف لام جنس کے لیے ہے اور اس کے بعد والا جملہ صفت ہے یا حال ہے۔ کیونکہ مضاف سے استغنا صحیح ہے اور اس میں عامل مبتدا ہے۔ کیونکہ اس میں الاشر کا معنی پایا جاتا ہے،

جب راہن اور مرتہن ایک عادل آدمی کے ہاتھ میں رہن رکھیں تو یہ صحیح ہوگا

34413۔(قولہ: عَلَى يَدِ عَدْلٍ) اس کی صورت یہ ہے کہ رہن کے عقد میں اس کی شرط لگائی ہو''خانیہ''۔

34414۔(قولہ: صَحَّ وَيَتِمُّ بِقَبْضِهِ) یعنی رہن صحیح ہوگا اور مکمل ہو جائے گا اور عادل آدمی کے قبضہ کرنے کے ساتھ لازم ہو جائے گا۔ کیونکہ مالیت کے حق میں اس کا قبضہ مرتہن کا قبضہ ہے۔ اسی وجہ سے اگر وہ ہلاک ہو جائے تو وہ مرتہن کی ضمان میں ہوگا جس طرح آگے آئے گا۔ ''خانیہ'' میں ہے: اگر عادل کو اس کی بیع کا اختیار دیا جب مقررہ وقت آ جائے عادل نے رہن پر قبضہ نہ کیا یہاں تک کہ رہن کی ادائیگی کا وقت آ پہنچا تو رہن باطل ہوگا اور بیع کی وکالت باقی ہوگی۔

34415۔(قولہ: وَلَا يَأْخُذُهُ أَحَدُهُمَا) اگر عادل کے پاس رہن رکھنے کی شرط لگائی گئی تھی تو وہ رہن اس کے پاس رکھ دیا گیا تو اس کا لینا جائز ہوگا جس طرح ''الاختیار'' میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا، ''قہستانی''۔

34416۔(قولہ: وَضَمِنَ الخ) مصنف کی شرح میں بطور متن یہ قول نہیں پایا گیا۔ اسے انہوں نے اپنے قول واذا ھلك کے بعد بطور شرح ذکر کیا ہے۔

لِتَعَلُّقِ حَقِّهِمَا بِهِ، فَلَوْ دَفَعَهُ فَتَلِفَ ضَمِنَ لِتَعَدِّيهِ وَأَخَذَا مِنْهُ قِيمَتَهُ وَجَعَلَاهَا عِنْدَهُ أَوْ عِنْدَ غَيْرِهِ، وَلَيْسَ لِلْعَدْلِ جَعْلُهَا رَهْنًا فِي يَدِهِ لِئَلَّا يَصِيرَ قَاضِيًا وَمُقْضِيًا، وَهَلْ لِلْعَدْلِ الرُّجُوعُ مَبْسُوطٌ فِي الْمُطَوَّلَاتِ

کیونکہ دونوں کا حق اس سے متعلق ہے۔ اگر وہ کسی کو دے اور رہن تلف ہو جائے تو عادل ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے تعدی کی ہے اور دونوں اس سے قیمت وصول کریں گے دونوں اسے اس کے پاس یا کسی اور کے پاس رکھ دیں گے۔ عادل کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اسے یعنی قیمت کو خود اپنے پاس رہن بنا دے تا کہ وہ خود ہی ادا کرنے والا اور تقاضا کرنے والا نہ ہو جائے۔ کیا عادل کو رجوع کا حق ہوگا یہ مطولات میں مفصل موجود ہے۔

34417۔(قولہ: لِتَعَلُّقِ حَقِّهِمَا بِهِ) رہن کا حق عین میں ہے اور مرتہن کا حق مالیت میں ہے۔ پس عادل دونوں کا مودع ہے اور دونوں میں سے ایک دوسرے سے اجنبی ہے پس اس کو لینے کا حق نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی عادل کو حق ہوگا کہ وہ اس کو دے۔ کیونکہ مودع اجنبی کو دینے کی صورت میں ضامن ہوگا۔

34418۔(قولہ: وَأَخَذَا مِنْهُ قِيمَتَهُ الخ) اگر دونوں کا اجتماع متعذر ہو تو دونوں میں سے ایک معاملہ قاضی کے سامنے پیش کر دے تا کہ وہ یہ کام کر دے، ''زیلعی''۔

34419۔(قولہ: لِئَلَّا يَصِيرَ قَاضِيًا وَمُقْضِيًا) جو قول ''الہدایہ'' اور ''المنح'' میں ہے وہ مقضیا ہے۔ کیونکہ یہ جملہ کہا جاتا ہے: قضاه الدين واعطاه واقتضى دينه و تقاضاه یعنی اس پر قبضہ کیا۔

اس کا حال یہ ہے کہ قیمت اس کے ذمہ واجب ہوگی اگر وہ اسے اپنے قبضہ میں رہن بنا لے تو اس پر جو واجب ہوا اس کو ادا کرنے والا ہوگا اور اس کا تقاضا کرنے والا ہوگا اور دونوں کے درمیان منافات پایا جا رہا ہے۔

34420۔(قولہ: مَبْسُوطٌ فِي الْمُطَوَّلَاتِ) یعنی اس کا جواب مطولات میں مفصل موجود ہے جس طرح ''زیلعی'' اور ''ہدایہ'' کی شروح میں ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے: جب قیمت دونوں کی رائے یا قاضی کی رائے سے پہلے عادل یا کسی اور کے ہاں رکھ دی جائے پھر راہن رہن کا فیصلہ کر دے اگر عادل نے قیمت کی ضمانت دی ہو اس کا سبب یہ ہو کہ اس لیے مرہون شے راہن کو دی تھی تو قیمت عادل کے لیے ہوگی یہ اس سے لے گا جس کے پاس وہ ہے۔ کیونکہ پہلی دفعہ حوالے کرنے سے مرہون راہن تک پہنچ چکا ہے اور رہن مرتہن تک پہنچ چکا ہے۔ کیونکہ راہن اسے دے چکا ہے۔ اگر قیمت راہن کی ہو تو یہ لازم آئے گا کہ بدل اور مبدل منہ ایک ملک میں جمع ہو جائیں اگر عادل مرتہن کو دینے کے باعث ضامن بنا ہو تو قیمت راہن کے لیے ہوگی وہ قیمت اس سے وصول کرے گا جس کے پاس وہ ہے۔ کیونکہ یہ عین مرہونہ کے قائم مقام ہے۔ اس میں دو بدلوں کا ایک ملک میں جمع ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ عین راہن کے قبضہ تک نہیں پہنچا۔ عادل ضمان کے ساتھ اس کا مالک بن چکا ہے پھر جب عادل مرتہن کو دینے کی وجہ سے ضامن بنا تو کیا عادل مرتہن سے مطالبہ کرے گا۔ یہ دیکھا جائے گا اگر اس نے عین اسے عاریتاً یا ودیعۃً دیا تھا

(وَإِذَا هَلَكَ يَهْلِكُ مِنْ ضَمَانِ الْمُرْتَهِنِ) (فَإِنْ وَكَّلَ) الرَّاهِنُ (الْمُرْتَهِنَ أَوْ) وَكَّلَ (الْعَدْلَ أَوْ غَيْرَهُمَا بِبَيْعِهِ عِنْدَ حُلُولِ الْأَجَلِ صَحَّ) تَوْكِيلُهُ (لَوْ الْوَكِيلُ (أَهْلًا لِذَلِكَ) أَيْ لِلْبَيْعِ (عِنْدَ التَّوْكِيلِ وَإِلَّا) يَكُنْ أَهْلًا لِذَلِكَ عِنْدَ التَّوْكِيلِ (لَا) تَصِحُّ الْوَكَالَةُ وَحِينَئِذٍ (فَلَوْ وَكَّلَ بَيْعَهُ صَغِيرًا) لَا يَعْقِلُ (فَبَاعَهُ بَعْدَ بُلُوغِهِ لَمْ يَصِحَّ) خِلَافًا لَهُمَا (فَإِنْ شُرِطَتْ) الْوَكَالَةُ (فِي عَقْدِ الرَّهْنِ لَمْ يَنْعَزِلْ بِعَزْلِهِ

جب وہ ہلاک ہوجائے تو مرتہن کی ضمان سے ہلاک ہوگا اگر راہن نے مرتہن یا عادل یا ان دونوں کے علاوہ کسی اور کو رہن کی بیع کا وکیل بنایا جب وقت مقررہ آجائے تو اس کا وکیل بنانا صحیح ہوگا اگر وکیل بنائے جانے کے وقت بیع کا اہل ہو۔ اگر وہ وکیل بنائے جانے کے وقت اس کا اہل نہ ہو تو وکالت صحیح نہ ہوگی اس وقت اگر وہ ایسے چھوٹے، جو سمجھ بوجھ نہیں رکھتا، کو بیع کا وکیل بنائے اس نے اسے بالغ ہونے کے بعد بیچا تو یہ صحیح نہ ہوگا۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر عقد رہن میں وکالت شرط ہو تو وہ معزول کرنے سے معزول نہیں ہوگا

تو وہ واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا مگر جب مرتہن اسے جان بوجھ کر ہلاک کرے۔ کیونکہ عادل ضمان ادا کرنے کے ساتھ اس کا مالک بن گیا تھا اور یہ واضح ہو گیا تھا کہ اس نے اسے عاریتاً دیا تھا یا اس نے اپنی مملوکہ چیز اس کے پاس ودیعت رکھی تھی۔ مودع اور مستعیر ضامن نہیں ہوتا مگر جب تعدی کرے اگر وہ اسے اس کے حق کے رہن کے طور پر دے۔ اس کی صورت یہ ہے وہ کہے: اسے اپنے حق کے بدلے میں لے لے یا اسے محبوس کر دے تو عادل اس سے واپسی کا مطالبہ کرے گا خواہ وہ ہلاک ہوجائے یا وہ جان بوجھ کر ہلاک کر دے۔ کیونکہ اس نے ضمان کے طریقہ پر ادا کیا ہے۔

34421۔ (قولہ: وَإِذَا هَلَكَ) یعنی جب وہ عادل، اس کی بیوی، اس کے بچے، اس کے خادم یا اس کے اجیر کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا، ''قہستانی''۔

34422۔ (قولہ: عِنْدَ حُلُولِ الْأَجَلِ) یا مطلقاً ہو جس طرح ''قہستانی'' اور ''در منتقی'' میں ہے۔ ''خانیہ'' میں ہے: اگر وہ عند حلول الاجل کا قول نہ کرتے تو عادل کو اس سے قبل ہی بیع کرنے کا حق ہوگا۔

34423۔ (قولہ: صَحَّ تَوْكِيلُهُ) یعنی اگر عادل رہن پر قبضہ نہ کرے یہاں تک کہ وقت مقررہ آجائے اگرچہ [illegible] رہن باطل ہو جائے جس طرح گزر چکا ہے ان کا قول فان شرطت الوکالۃ۔ یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اس کی بیع پر رضا مندی عادل میں لازم نہیں جس طرح ہم نے پہلے سے نقل کیا ہے۔

اگر عقد رہن میں وکالت شرط ہو تو اس کا حکم

34424۔ (قولہ: لَمْ يَنْعَزِلْ بِعَزْلِهِ) یعنی راہن اس کو معزول کرے تو وہ معزول نہیں ہوگا مگر جب مرتہن اس پر راضی ہو جائے، ''اتقانی''۔ معزول کرنے میں مطلقاً ذکر کیا ہے۔

پس یہ اس کو شامل ہوگا اگر وہ اسے مطلقاً بیع کا وکیل بنائے پھر اسے بیع نسیئہ (ادھار بیع) سے منع کر دے تو وہ اس کی نہی پر عمل

وَ لَا (بِمَوْتِ الرَّاهِنِ وَ) لَا (الْمُرْتَهِنِ) لِلُزُومِهَا بِلُزُومِ الْعَقْدِ، فَهِيَ تُخَالِفُ الْوَكَالَةَ الْمُفْرَدَةَ مِنْ وُجُوهٍ أَحَدُهَا هٰذَا (وَ الثَّانِي أَنَّ الْوَكِيلَ هُنَا (يُجْبَرُ عَلَى الْبَيْعِ عِنْدَ الِامْتِنَاعِ)

اور نہ ہی راہن کی موت اور نہ ہی مرتہن کی موت سے معزول ہوگا۔ کیونکہ عقد کے لزوم کے ساتھ وکالت لازم ہوجاتی ہے۔ یہ کئی وجوہ سے وکالت مفردہ کے مخالف ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے اور دوسری یہ ہے کہ وکیل کو یہاں بیع پر مجبور کیا جائے گا جب وہ رک جائے۔

نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ اپنی اصل کے ساتھ لازم ہے اسی طرح اس کے وصف کے ساتھ لازم ہے جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔

34425۔ (قولہ: وَ لَا بِمَوْتِ الرَّاهِنِ) یعنی عزل حکمی کے ساتھ وہ معزول نہیں ہوگا جس طرح موکل مرجائے، وہ مرتد ہوجائے اور دار الحرب میں لاحق ہوجائے۔ کیونکہ عقد رہن اس کی موت کے ساتھ باطل نہیں ہوگا۔ کیونکہ مرتہن کا حق وارثوں کے حق سے پہلے ہے۔ ''زیلعی''۔

34426۔ (قولہ: وَ لَا الْمُرْتَهِنِ) مگر جب وہ وکیل ہو، ''ط''۔ عنقریب اس کا ذکر و تبطل بموت الوکیل مطلقا میں آئے گا۔

34427۔ (قولہ: لِلُزُومِهَا بِلُزُومِ الْعَقْدِ) کیونکہ جب اسے عقد رہن کے ضمن میں بطور شرط مانا گیا تو یہ اس کے اوصاف میں ایک وصف اور اس کے حقوق میں سے ایک حق ہوگئی کیا تو نہیں دیکھتا کہ عقد وکالت زیادہ اعتماد کے لیے ہوتا ہے۔ پس اس کے اصول کے لزوم کے ساتھ لازم ہوجائے گا۔ اس کی مکمل بحث ''ہدایہ'' میں ہے۔

رہن کی وکالت اور وکالت مفردہ میں فرق

34428۔ (قولہ: فَهِيَ تُخَالِفُ الْوَكَالَةَ الْمُفْرَدَةَ) یعنی جس کا عقد رہن کے ضمن میں ذکر نہیں کیا گیا اور وکالت خصومت، مدعی کے مطالبہ کے ساتھ مستثنیٰ ہوگی جب موکل غائب ہو اسی طرح اگر جسے خیار حاصل ہو اسے یہ خوف ہو کہ دوسرا شخص غائب ہوجائے گا۔ پس وہ وکیل بناتا ہے تاکہ اس پر رد کرے پس اس کے معزول کرنے سے وہ معزول نہیں ہوگا۔ ''رحمتی'' نے اسے بیان کیا ہے۔ وکیل بالامر بالید کا حکم بھی یہ ہوگا جس طرح باب عزل الوکیل میں گزر چکا ہے۔

34429۔ (قولہ: مِنْ وُجُوهٍ) یہاں ان میں سے پانچ کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک وہ ہے جس کا ذکر ''النہایہ'' میں کیا ہے کہ عادل جب مرتد ہوجائے والعیاذ باللہ اور اس پر دار الحرب چلے جانے کا حکم لگا دیا جائے پھر وہ مسلمان کی حیثیت سے لوٹ آئے تو وہ وکیل کی حیثیت سے لوٹ آئے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق وکالت مفردہ کا معاملہ الگ ہے وہ دوبارہ وکیل نہیں بنتا۔

34430۔ (قولہ: يُجْبَرُ عَلَى الْبَيْعِ الخ) یعنی اگر راہن غائب ہو اور وقت مقررہ آجائے اور وکیل بیع سے رک جائے تو اس کو مجبور کیا جائے گا۔ اس کی وضاحت قریب ہی آئے گی۔

وَكَذَا لَوْ شُرِطَتْ بَعْدَ الرَّهْنِ فِي الْأَصَحِّ زَيْلَعِيٌّ عَلَى خِلَافِ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَإِنْ صَحَّحَهَا قَاضِي خَانْ وَغَيْرُهُ عَلَى مَا نَقَلَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ وَغَيْرُهُ فَتَنَبَّهْ، بِخِلَافِ الْوَكَالَةِ الْمُفْرَدَةِ، (وَ) الثَّالِثُ

اسی طرح اگر رہن کے عقد کے بعد شرط لگائی جائے یہ اصح قول کے مطابق ہے''زیلعی''۔ جب کہ یہ ظاہر روایت کے خلاف ہے اگرچہ''قاضی خان''وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے جس طرح''قہستانی''وغیرہ نے اس کو نقل کیا ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ وکالت مفردہ کا معاملہ مختلف ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے

34431۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ شُرِطَتْ الخ) ان کے قول وان باعه العدل کی شرح میں''زیلعی''کی عبارت ہے: فتكون الوكالة غير المشروطة في العقد كالمشروطة فيه في حق جميع ما ذكرنا من الاحكام وہ وکالت جس کی عقد میں شرط نہ لگائی گئی ہو۔ اس کی وکالت اسی طرح ہے جس کی عقد میں شرط لگائی گئی ہو یہ ان تمام احکام میں ہے جن کو ہم نے ذکر کیا ہے۔

34432۔ (قولہ: زَيْلَعِيٌّ)''زیلعی''نے اس کی تصحیح ان کے قول فان حل الاجل میں کی ہے۔''الملتقی''میں اس کی تصریح کی ہے۔''ہدایہ''میں اس طرح ہے۔ اور اس میں کہا:''جامع صغیر''اور''اصل''میں جواب کا اطلاق اس کی تائید کرتا ہے۔ شارحین نے اس کو ثابت رکھا ہے۔

اگر عقد رہن میں بیع شرط نہ ہو پھر مرتہن یا عادل کو بیع پر مسلط کر دیا گیا تو توکیل صحیح ہوگی

34433۔ (قولہ: وَإِنْ صَحَّحَهَا قَاضِي خَانْ) ضمیر کو مؤنث ذکر کیا ہے جب کہ یہ ظاہر روایت کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ مضاف نے مضاف الیہ سے تانیث حاصل کی ہے پھر''قاضی خان''کی طرف اس کی نسبت عجیب ہے۔ شاید''قہستانی''اور جنہوں نے ان کی پیروی کی ہے ان کی کتابت کی غلطی ہے۔ کیونکہ''خانیہ''میں یہ اس طرح ہے: ولو لم يكن البيع شرطا في عقد الرهن الخ اگر عقد رہن میں بیع شرط نہ ہو پھر مرتہن یا عادل کو بیع پر مسلط کر دیا گیا تو توکیل صحیح ہوگی۔ اور راہن کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اس وکالت کو منسوخ کر دے اور اسے بیع سے روک دے اگر راہن مر جائے تو وکالت باطل ہو جائے گی اور مرتہن کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ عادل سے اس صورت میں بیع کا مطالبہ کرے۔ امام''ابو یوسف''رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: وکالت باطل نہیں ہوگی جیسے جو عقد میں مشروط ہو۔ یہی صحیح ہے۔

''خانیہ''میں بھی ہے: ایک آدمی نے کوئی شے عادل آدمی کے پاس رہن رکھی اور عادل کو بیع پر مسلط کر دیا پھر راہن غائب ہو گیا تو عادل کو بیع پر مجبور کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حکم اس صورت میں ہے جب بیع کی عقد میں شرط لگائی گئی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے ہر حال میں مجبور کیا جائے گا۔ یہی صحیح ہے۔ اسی طرح''جامع صغیر''پر اپنی شرح میں ہر حال میں جبر کو صحیح قرار دیا ہے جس طرح''النہایہ''میں ہے۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس روایت کے برعکس کو صحیح قرار دیا ہو۔ ''معراج''میں ہے:''شیخ الاسلام''،''فخر الاسلام''اور''قاضی خان''نے کہا: یہ روایت اصح ہے۔

أَنَّهُ (يَمْلِكُ بَيْعَ الْوَلَدِ وَالْأَرْشِ وَ) الرَّابِعُ (إِذَا بَاعَ بِخِلَافِ جِنْسِ الدَّيْنِ كَانَ لَهُ أَنْ يَصْرِفَهُ إِلَى جِنْسِهِ) أَيْ الدَّيْنِ، بِخِلَافِ الْوَكَالَةِ الْمُفْرَدَةِ (وَ) الْخَامِسُ (إِذَا كَانَ عَبْدًا وَقَتَلَهُ عَبْدٌ خَطأً فَدُفِعَ - بِالْجِنَايَةِ كَانَ لَهُ بَيْعُهُ، بِخِلَافِ الْمُفْرَدَةِ) مُتَعَلِّقٌ بِالْجَمِيعِ (وَلَهُ بَيْعُهُ فِي غَيْبَةِ وَرَثَتِهِ) أَيْ وَرَثَةِ الرَّاهِنِ (كَمَا كَانَ لَهُ حَالَ حَيَاتِهِ الْبَيْعُ بِغَيْرِ حَضْرَتِهِ) أَيْ حَضْرَةِ الرَّاهِنِ وَتَبْطُلُ الْوَكَالَةُ (بِمَوْتِ الْوَكِيلِ

کہ وکیل بچے کی بیع اور دیت کے مال کی بیع کا مالک ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے جب وہ اسے دین کی جنس کے برعکس سے بیچے تو اس کو حق حاصل ہوگا کہ اسے دین کی جنس کی طرف پھیر دے۔ وکالت مفردہ میں معاملہ مختلف ہے۔ پانچویں وجہ یہ ہے جب وہ غلام ہو اور اسے کوئی غلام خطأ قتل کر دے اور وہ غلام جنایت کے بدلے میں دے دیا جائے تو اسے وہ غلام بیچنے کا حق ہو گا۔ وکالت مفردہ کا معاملہ مختلف ہے۔ بخلاف المفردہ یہ اس کے متعلق ہے۔ اسے راہن کے ورثا کی عدم موجودگی میں بیچنے کا حق ہوگا جس طرح راہن کی زندگی میں راہن کی عدم موجودگی میں بیچنے کا حق تھا اور وکیل کے مرجانے سے وکالت مطلقاً باطل

34434۔ (قولہ: أَنَّهُ يَمْلِكُ بَيْعَ الْوَلَدِ وَالْأَرْشِ) یعنی مرہون کے ولد اور اس کی ارش (چٹی) کی بیع کرنے کا مالک ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس پر کوئی جنایت کرے تو جنایت کی چٹی سامان تجارت دیا گیا تو یہاں وکیل کو حق حاصل ہوگا کہ اسے بیچ دے۔ کیونکہ مصنف فصل المتفرقات میں عنقریب ذکر کریں گے یعنی رہن کا نما راہن کے لیے ہوگا اور وہ اصل کے ساتھ ہی رہن ہوگا اور وکیل مفرد اس کا مالک نہیں ہوتا۔

34435۔ (قولہ: كَانَ لَهُ أَنْ يَصْرِفَهُ إِلَى جِنْسِهِ) کیونکہ وہ دین کی ادائیگی اور ثمن کو دین کی جنس سے بنانے پر مامور ہے وکیل مفرد کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ جونہی وہ بیچتا ہے اس کی وکالت ختم ہو جاتی ہے، ''اتقانی''۔

34436۔ (قولہ: إِذَا كَانَ) ضمیر سے مراد مرہون ہے۔

34437۔ (قولہ: فَدُفِعَ) یعنی قاتل غلام دے دیا جائے۔

34438۔ (قولہ: كَانَ لَهُ بَيْعُهُ) کیونکہ یہ غلام رہن ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ رہن کے قائم مقام ہے۔

34439۔ (قولہ: وَلَهُ بَيْعُهُ) یعنی مذکورہ وکیل بیع کرنے کا حق ہوگا خواہ وہ مرتہن ہو، عادل ہو یا ان کے علاوہ ہو اسے وارثوں کی عدم موجودگی میں بیع کرنے کا حق ہوگا۔ کیونکہ وہ رہن کی موت سے معزول نہیں ہوا جس طرح پہلے قول گزر چکا ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: اسی طرح کا حکم ہے جب مرتہن کے وارث غائب ہوں یعنی اگر وکیل مرتہن کے علاوہ ہو۔ یہ صورت باقی رہ گئی ہے جب بیع کا وکیل نہ ہو اور راہن مرجائے۔ مصنف آنے والے باب کے آخر میں عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔

34440۔ (قولہ: وَتَبْطُلُ الْوَكَالَةُ بِمَوْتِ الْوَكِيلِ) یعنی جب کہ رہن باقی ہے۔ کیونکہ رہن اگر مرتہن کے قبضہ میں ہو اور وہ مرجائے تو عقد باطل نہیں ہوگا تو عادل کے مرجانے سے عقد بدرجہ اولیٰ باطل نہیں ہوگا، ''عنایہ''۔ اور یہ ذکر نہیں کیا کہ عادل کی موت اور اس کی وکالت کے بطلان کے بعد اس رہن کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔

مُطْلَقًا) وَعَنْ الثَّانِي أَنَّ وَصِيَّهُ يَخْلُفُهُ لَكِنَّهُ خِلَافُ جَوَابِ الْأَصْلِ (وَلَوْ أَوْصَى إِلَى آخَرَ بِبَيْعِهِ لَمْ يَصِحَّ) إِلَّا إِذَا كَانَ مَشْرُوطًا لَهُ ذَلِكَ فِي الْوَكَالَةِ (وَلَا يَمْلِكُ رَاهِنٌ وَلَا مُرْتَهِنٌ بَيْعَهُ بِغَيْرِ رِضَا الْآخَرِ

ہو جائے گی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت مروی ہے کہ اس کا وصی اس کا نائب ہوگا۔ لیکن یہ اصل کے جواب کے خلاف ہے۔ اگر وہ کسی اور کو اس کی بیع کی وصیت کرے تو یہ صحیح نہیں ہوگا مگر جب وکالت میں اس کی شرط لگائے راہن اور مرتہن دوسرے کی رضامندی کے بغیر رہن کو بیچنے کا مالک نہیں

''ولوالجیہ''، ''ظہیریہ'' وغیرہما میں ہے: اگر عادل فوت ہو جائے تو رہن باہمی رضامندی سے کسی اور عادل کے پاس رکھ دیا جائے گا اگر دونوں اختلاف کریں تو قاضی اسے کسی اور عادل کے پاس رکھ چھوڑے گا دوسرے عادل کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ رہن کو بیچے اگرچہ پہلے کو بیع پر اختیار دیا گیا ہو مگر جب راہن فوت ہو جائے۔ کیونکہ قاضی اس کے دیون کی ادائیگی کا والی بنایا گیا ہے۔

34441۔ (قولہ: مُطْلَقًا) خواہ وہ مرتہن ہو، عادل ہو یا کوئی اور ہو نہ اس کا وارث، نہ اس کا وصی اس کے قائم مقام ہو گا۔ کیونکہ وکالت میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ موکل اس کی رائے سے راضی ہوا ہے اس کے علاوہ کی رائے سے راضی نہیں ہوا، ''درر''۔

34442۔ (قولہ: وَعَنْ الثَّانِي الخ) اگر وہ اس قول کو اپنے قول ولو اوصی الی آخر بیعہ لم یصح کے بعد ذکر کرتے تو زیادہ مناسب ہوتا، ''ط''۔

34443۔ (قولہ: لَكِنَّهُ خِلَافُ جَوَابِ الْأَصْلِ) ''قہستانی'' نے اس طرح ذکر کیا ہے 'الاصل' سے مراد امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی مبسوط ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اصل میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا جواب ذکر کیا ہے جو ان دونوں کے قول کی طرح ہے، ''ط''۔

34444۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا كَانَ مَشْرُوطًا لَهُ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اصل وکالت میں کہے: میں نے تجھے اس کی بیع کا وکیل بنایا ہے اور تو اس کے متعلق جو بھی کرے اس کی میں نے تجھے اجازت دی ہے اس وقت اس کے وصی کو اس کی بیع کی اجازت ہوگی اور اس کے وصی کو تیسرے کو وصی بنانے کی اجازت نہ ہوگی۔ ''اتقانی''۔

فرع: ایک آدمی نے عادل کو وکیل بنایا اور اس نے اس کو بیچ دیا اگر عادل کی موجودگی میں اس طرح ہو تو یہ جائز ہوگا ورنہ ایسا نہیں ہوگا مگر جب وہ اس کو جائز قرار دے۔ اگر عادل بعض رہن کو بیچ دے تو باقی ماندہ میں عقد باطل ہو جائے گا۔ ''ہندیہ''۔ یعنی طاری اشتراک کی وجہ سے عقد فاسد ہو جائے گا۔

34445۔ (قولہ: وَلَا يَمْلِكُ الخ) یعنی عادل کی موت کے بعد، جس طرح میں نے بعض علما کی تحریر دیکھی ہے۔ یہ سیاق کا مقتضا ہے لیکن یہ احتراز کے لیے نہیں۔

فَإِنْ حَلَّ الْأَجَلُ وَغَابَ الرَّاهِنُ أُجْبِرَ الْوَكِيلُ عَلَى بَيْعِهِ كَمَا هُوَ الْحُكْمُ (فِي الْوَكِيلِ بِالْخُصُومَةِ) إِذَا غَابَ مُوَكِّلُهُ وَأَبَاهَا فَإِنَّهُ يُجْبَرُ عَلَيْهَا بِأَنْ يَحْبِسَهُ أَيَّامًا لِيَبِيعَ، فَإِنْ لَجَّ بَعْدَ ذَلِكَ بَاعَ الْقَاضِي دَفْعًا لِلضَّرَرِ (وَإِنْ بَاعَهُ الْعَدْلُ

اگر وقت مقررہ آ جائے اور راہن غائب ہو جائے تو وکیل کو اس کی بیع پر مجبور کیا جائے گا جس طرح خصومت کے وکیل میں حکم ہے۔ جب اس کا موکل غائب ہو یا وکیل خصومت کا انکار کرتا ہو تو وکیل کو خصومت پر مجبور کیا جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اسے قاضی چند دن محبوس کر دے گا تا کہ وہ اس کو بیچ دے اگر اس کے بعد وہ اصرار کرے تو قاضی ضرر کو دور کرنے کے لیے اسے بیچے گا اگر رہن کو عادل بیچے

34446۔(قولہ: فَإِنْ حَلَّ الْأَجَلُ الخ) یہ مسئلہ قریب ہی گزرا ہے۔

34447۔(قولہ: وَغَابَ الرَّاهِنُ) راہن غائب ہو گیا یا اس کی موت کے بعد اس کا وارث غائب ہو گیا اور وکیل بیع کرنے سے انکار کر دے تو بالاتفاق اسے مجبور کیا جائے گا۔ اس میں اس امر کی طرف رمز ہے کہ اگر راہن حاضر ہو تو وکیل کو مجبور کیا جائے گا بلکہ راہن کو مجبور کیا جائے گا۔ اگر وہ انکار کر دے تو قاضی، صاحبین کے نزدیک اسے بیچ دے گا۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے لیے یہ گنجائش نہیں، ''قہستانی''۔ ''رملی'' نے کہا: یہ آزاد پر حجر کی فرع ہے۔ حجر میں یہ گزرا ہے کہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: ''بزازیہ'' میں ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تمام ائمہ کا قول ہے۔ کیونکہ بیع پر اس کی رضا پہلے ہو چکی ہے یہی قول صحیح ہے۔

34448۔(قولہ: أُجْبِرَ) کیونکہ مرتہن کا حق اس کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے۔

34449۔(قولہ: كَمَا هُوَ الْحُكْمُ فِي الْوَكِيلِ بِالْخُصُومَةِ) یعنی جب مدعی مطالبہ کرے۔ ''اتقانی'' نے کہا: مدعی جب قاضی کے نزدیک اپنے خصم سے وکیل کا مطالبہ کرے وہ اس کے لیے وکیل معین کر دے تو موکل کو یہ حق نہیں کہ اس کو معزول کر دے۔ کیونکہ خصم کا حق اس وکالت کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے جب وکالت اس کے مطالبہ سے ثابت ہوئی ہے۔ اگر وہ مطالبہ کے بغیر ابتدا میں وکیل معین کر دے تو اس کو معزول کرنا جائز ہوگا۔

34450۔(قولہ: بِأَنْ يَحْبِسَهُ) یہ ان کے قول اجبر الوکیل کی صورت کا بیان ہے۔ بعض نسخوں میں یہ یوں ہے: و كيفية الاجبار بان يحبسه ہے۔

34451۔(قولہ: فَإِنْ لَجَّ) یہ لفظ جیم کے ساتھ ہے۔ ''مصباح'' میں کہا: لج فی الامر لجا و لجاجا و لجاجة۔ یہ تعب کے باب سے ہے۔ اسم فاعل لجوج ہے اور مبالغہ کے لیے لجوجة استعمال ہوتا ہے جب وہ اسے لازم ہو اور اس پر مواظبت اختیار کرے۔ یہ ضرب کے باب سے ہے۔ ''ط''۔

34452۔(قولہ: وَإِنْ بَاعَهُ الْعَدْلُ) یعنی اگر اسے وہ عادل بیچ دے جسے عقد رہن میں یا اس کے بعد بیع پر مسلط کیا

فَالثَّمَنُ رَهْنٌ) كالمثمن (فَيَهْلِكُ كَهُلْكِهِ، فَإِنْ أَوْفَى ثَمَنَهُ) بَعْدَ بَيْعِهِ (الْمُرْتَهِنَ فَاسْتَحَقَّ الرَّهْنَ) وَضُمِنَ (فَإِنْ) كَانَ الْمَبِيعُ (هَالِكًا فِي يَدِ الْمُشْتَرِي ضَمَّنَ الْمُسْتَحِقُّ الرَّاهِنَ قِيمَتَهُ) إِنْ شَاءَ لِأَنَّهُ غَاصِبٌ (وَ) حِينَئِذٍ (صَحَّ الْبَيْعُ وَالْقَبْضُ) لِتَمَلُّكِهِ بِضَمَانِهِ (أَوْ ضَمَّنَ الْمُسْتَحِقُّ (الْعَدْلَ)

تو ثمن رہن ہوگا جس طرح مثمن (مرہون) رہن تھا۔ پس ثمن مرہون کے ہلاک ہونے کی طرح ہلاک ہوگا اگر اس کی بیع کے بعد عادل مرتہن کو اس کی ثمن ادا کر دے پھر رہن کا کوئی مستحق نکل آیا اور اس کی ضمانت دی گئی۔ اگر مبیع مشتری کے قبضہ میں ہلاک ہوگئی تو مستحق راہن سے اس کی قیمت کی ضمانت لے گا اگر چاہے۔ کیونکہ وہ غاصب ہے۔ اس وقت بیع اور قبضہ صحیح ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ اس کی ضمان کے ساتھ مالک بنا ہے یا مستحق عادل سے ضمانت لے گا۔

گیا ہو'' بزازیہ''۔

34453۔(قولہ: فَالثَّمَنُ رَهْنٌ) یعنی اگرچہ وہ ثمن پر قبضہ نہ کرے تو بھی وہ رہن ہوگی۔ کیونکہ ثمن اس کے قائم مقام ہے جو پہلے مقبوض تھا،'' ہدایہ''۔ اگر وہ عادل کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو دین ساقط ہو جائے گا جس طرح جب وہ مرتہن کے پاس ہلاک ہو جائے۔ اسی طرح جب ثمن ہلاک ہو جائے مشتری پر ہلاک ہونے کی وجہ سے تو وہ مرتہن پر ہلاک ہو جائے گی اور دین ساقط ہو جائے گا اور اس میں رہن کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا اس میں ثمن کا اعتبار ہوگا'' بزازیہ''۔

یہ اعتراض نہ کیا جائے گا وہ کیسے مضمون ہوگا جب کہ اس نے اس پر قبضہ نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے یہ مشتری کے ذمہ میں مرتہن کے حق کی وجہ سے ثابت ہوا ہے۔ گویا وہ مرتہن کے قبضہ میں ہے یا بائع کے قبضہ میں ہے،'' اتقانی''۔ جب عادل نے اقرار کیا کہ اس نے ثمن پر قبضہ کر لیا تھا اور مرتہن کے حوالے کر دیا تھا اور مرتہن نے اس کا انکار کیا ہو تو قول عادل کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ عادل امین ہے اور مرتہن کا رہن باطل ہو گیا ہے۔'' ولوالجیہ''،'' جوہرہ''۔

34454۔(قولہ: وَضُمِنَ) یہ مجہول کا صیغہ ہے معروف کا صیغہ نہیں جس طرح گمان کیا گیا ہے اور نائب فاعل رہن کی ضمیر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی طلب ضمانہ۔ طالب وہی مستحق ہے بے شک اس فعل کو لاتے ہیں تا کہ اس کا مابعد مذکور کی تفصیل ہو جائے۔ تمام خیر اللہ کے لیے ہے اس نے کس قدر دقائق کو مخفی رکھا ہے، فافہم۔

34455۔(قولہ: ضَمَّنَ الْمُسْتَحِقُّ الرَّاهِنَ) یعنی مستحق راہن سے رہن کی قیمت کی ضمانت لے گا پس دوسرا مفعول محذوف ہے مابعد میں بھی یہی قول کیا جائے گا۔

34456۔(قولہ: لِأَنَّهُ غَاصِبٌ) کیونکہ اس نے ایک چیز کو لیا اور مالک کی اجازت کے بغیر اسے آگے سپرد کر دیا،'' ط''۔

34457۔(قولہ: وَالْقَبْضُ) یعنی مرتہن ثمن پر قبضہ کر لے،'' ح''۔

34458۔(قولہ: لِتَمَلُّكِهِ بِضَمَانِهِ) کیونکہ راہن ضمان کے ادا کرنے کے ساتھ اس کا مالک بن گیا ہے تو یہ واضح ہو گیا کہ اس نے اسے اپنی مملوکہ چیز کے بیچنے کا حکم دیا ہے،'' ہدایہ''۔

لِتَعَدِّيهِ بِالْبَيْعِ (ثُمَّ هُوَ) أَيِ الْعَدْلُ (يُضَمِّنُ الرَّاهِنَ وَصَحَّا) أَيْضًا (أَوْ ضَمَّنَ) (الْمُرْتَهِنَ ثَمَنَهُ الَّذِي) أَدَّاهُ إِلَيْهِ (وَهُوَ) أَيِ الثَّمَنُ (لَهُ) أَيِ الْعَدْلِ لِأَنَّهُ بَدَلُ مِلْكِهِ (وَيَرْجِعُ الْمُرْتَهِنُ عَلَى رَاهِنِهِ بِدَيْنِهِ) ضَرُورَةَ بُطْلَانِ قَبْضِهِ (وَإِنْ) كَانَ الرَّهْنُ (قَائِمًا) فِي يَدِ مُشْتَرِيهِ

کیونکہ اس نے بیع کرنے کے ساتھ تعدی کی تھی پھر عادل راہن سے ضمان لے گا اور دونوں امور (بیع قبض) بھی صحیح ہو جائیں گے یا وہ مرتہن سے ضمانت لے گا اس ثمن کی جو اس نے ادا کی اور ثمن عادل کی ملکیت ہوگی۔ کیونکہ یہ ثمن اس کی ملکیت کا بدل ہے اور مرتہن راہن سے اپنے دین کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ اس کا قبضہ باطل ہو چکا ہے۔ اگر رہن مشتری کے ہاتھ میں موجود ہو

34459۔ (قولہ: لِتَعَدِّيهِ بِالْبَيْعِ) یعنی بیع کرنے اور سپرد کرنے کے ساتھ اس نے تعدی کی چاہیے یہ تھا کہ تسلیم کا بھی ذکر کرتے جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔

34460۔ (قولہ: يُضَمِّنُ الرَّاهِنَ) یعنی راہن سے قیمت کی ضمانت لے گا۔ کیونکہ یہ اس کی جہت سے وکیل ہے اور اس کے لیے عمل کرنے والا ہے تو جو ذمہ داری اسے لاحق ہوئی اس کے بارے مین اس کی طرف رجوع کیا جائے ''ہدایہ''۔

34461۔ (قولہ: وَصَحَّا أَيْضًا) یعنی بیع اور قبض دونوں صحیح ہو جائیں گے اگر بیع نافذ ہو جائے۔ کیونکہ جب ضمان کا ثبوت راہن پر ہے اور اس نے اس کی ضمانت ادا کر دی تو وہ اس شے کا مالک ہو جائے گا جس طرح گزر چکا ہے۔ اور مرتہن کا ثمن پر قبضہ صحیح ہو جائے گا۔ پس دین میں سے کسی شے کا راہن سے مطالبہ نہیں کرے گا جس طرح ''عنایہ'' وغیرہ میں ہے۔ اور ''منح'' کا ''درر'' کی طرح قول کہ یہ عادل کے ذمہ ہے سبقت قلم ہے۔

34462۔ (قولہ: أَوْ ضَمَّنَ) زیادہ بہتر یہ عبارت ہے: یضمن کیونکہ یہ اس یضمن پر معطوف ہے جو اس سے پہلے ہے اور دونوں میں فاعل العدل کی ضمیر ہے۔

34463۔ (قولہ: الَّذِي أَدَّاهُ إِلَيْهِ) الیہ کی ضمیر سے مراد مرتہن ہے۔ کیونکہ استحقاق سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ اس نے ثمن حق کے بغیر لی ہے۔ کیونکہ عدل اس کا ضمان کے ساتھ مالک ہوا ہے، ''درر''۔

34464۔ (قولہ: لِأَنَّهُ بَدَلُ مِلْكِهِ) کیونکہ جب اس نے اس کی ضمانت ادا کر دی تو اس کی اس میں ملکیت ثابت ہو گئی اور عادل نے راہن سے ضمانت نہیں لی یہاں تک کہ وہ راہن کی طرف منتقل نہیں ہوئی۔

یہاں ایک چیز باقی رہ گئی ہے وہ یہ ہے کہ مستحق جب عادل سے قیمت کی ضمانت لے۔ پس قیمت اس ثمن سے زائد ہے جو عادل نے مرتہن سے وصول کی ہے تو اس زیادتی کا ضامن کون ہوگا؟

میں نے ''شرنبلالی'' کو دیکھا انہوں نے بحث ذکر کی ہے کہ چاہیے کہ وہ زیادتی کو راہن کی طرف لوٹا دے۔ ''شرنبلالی'' نے ایک دوسری بحث ذکر کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مصنف نے اس مشق میں مشتری کی طرف رجوع کا ذکر نہیں کیا بلکہ عنقریب اس کا ذکر کریں گے اگر رہن قائم ہو تو چاہیے کہ اگر ثمن مرتہن کو سپرد کیا جائے تو اس کا مطالبہ اس سے کیا جائے۔ اگر ثمن عادل کے

(أَخَذَهُ الْمُسْتَحِقُّ مِنْ مُشْتَرِيهِ وَرَجَعَ هُوَ) أَيْ الْمُشْتَرِي (عَلَى الْعَدْلِ بِثَمَنِهِ) لِأَنَّهُ الْعَاقِدُ (ثُمَّ) يَرْجِعُ (هُوَ) أَيْ الْعَدْلُ (عَلَى الرَّاهِنِ بِهِ) أَيْ بِثَمَنِهِ (وَ) إِذَا رَجَعَ عَلَيْهِ (صَحَّ الْقَبْضُ)

تو مستحق مشتری سے وہ لے لے گا اور مشتری عادل سے اس کی ثمن لے لے گا۔ کیونکہ وہی عقد کرنے والا ہے پھر عادل راہن سے اس کی ثمن کا مطالبہ کرے گا۔ جب عادل (معتمد) نے راہن سے تاوان بھر لیا تو قبضہ صحیح ہو جائے گا

سپرد کی جائے تو اس کا مطالبہ اس سے کیا جائے پھر عادل مرتہن سے اس کا مطالبہ کرے گا پھر مرتہن اپنے دین کا مطالبہ راہن سے کرے گا الخ۔ جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: میرے لیے اس کے صحیح ہونے کی وجہ ظاہر نہیں ہے۔ کیونکہ مشتری نے جب کسی شے کی چٹی نہیں بھری تو وہ اس کی ثمن کا کیسے مطالبہ کرے گا جو اس کے ہاتھ میں ہلاک ہوا۔ ہاں اگر وہ یہ ذکر کرتے کہ مستحق مشتری سے قیمت کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ قبضہ کرنے کی وجہ سے وہ غاصب ہے اور مغصوبہ چیز اس کے قبضہ میں ہلاک ہوئی ہے تو یہ کہنا چاہیے: مشتری اس ثمن کی واپسی کا مطالبہ کرے گا جو اس نے عادل یا مرتہن کو ادا کی اور مرتہن اس کا مطالبہ عادل سے کرے گا اور عادل راہن سے مطالبہ کرے گا ان علما نے جو اس کا ذکر نہیں کیا اس کی وجہ کو پیش نظر رکھنا چاہیے بلکہ علماء نے اس پر اکتفا کیا ہے کہ مستحق راہن سے مطالبہ کرے گا یا عادل سے مطالبہ کرے گا ساتھ ہی اس کو ذکر بھی کرنا چاہیے تھا۔

پھر میں نے ''الحواشی السعدیہ'' میں دیکھا جس کی نص یہ ہے: ظاہر یہ ہے کہ مستحق کو خیار حاصل ہونا چاہیے کہ وہ مشتری سے ضمانت لے لے۔ کیونکہ وہ چیز کو لینے اور ثمن سپرد کرنے کے ساتھ تعدی کرنے والا ہے۔ لیکن اس کا ذکر نہیں کیا۔

34465۔ (قولہ: وَرَجَعَ هُوَ أَيْ الْعَدْلُ عَلَى الرَّاهِنِ بِهِ أَيْ بِثَمَنِهِ) یہ حکم اس صورت میں ہے جب مشتری خود ثمن عادل کے سپرد کرے۔ اگر وہ اسے مرتہن کے حوالے کرے تو وہ عادل سے اس کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ اگر اس نے وہ مرتہن کے حوالے کیا ہو تو وہ عادل سے اس کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ بیع میں عادل وہ راہن کے لیے کام کرتا ہے وہ اس سے مطالبہ کرے گا جب وہ قبضہ کرے اور جب اس میں سے کسی شے پر قبضہ نہ کرے تو ثمن کا ضمان مرتہن پر اور رہن کا ضمان راہن پر باقی رہے گا۔ ''شرنبلالی'' نے ''زیلعی'' سے نقل کیا ہے۔

34466۔ (قولہ: لِأَنَّهُ الْعَاقِدُ) اس کے ساتھ عقد کے حقوق متعلق ہوتے ہیں، ''درر''۔

34467۔ (قولہ: ثُمَّ هُوَ عَلَى الرَّاهِنِ) کیونکہ راہن وہ شخص ہے جس نے اسے اس ذمہ داری میں داخل کیا ہے تو اس سے چھٹکارا دلانا بھی اس کی ذمہ داری ہے، ''ہدایہ''۔

34468۔ (قولہ: بِهِ) ضمیر سے مراد اس کی ثمن ہے۔ ''ہدایہ'' میں واقع ہوا ہے اور ''زیلعی'' نے اس کی تعبیر قیمت سے کی ہے۔ شارحین نے یہ ذکر کیا ہے کہ اس سے مراد ثمن ہے۔

34469۔ (قولہ: صَحَّ الْقَبْضُ) یعنی مرتہن کا ثمن پر قبضہ کرنا صحیح ہے۔

وَسَلَّمَ الثَّمَنَ لِلْمُرْتَهِنِ (أَوْ رَجَعَ الْعَدْلُ (عَلَى الْمُرْتَهِنِ بِثَمَنِهِ ثُمَّ) رَجَعَ (هُوَ) أَيْ الْمُرْتَهِنُ (عَلَى الرَّاهِنِ بِهِ) أَيْ بِدَيْنِهِ زَادَ هُنَا فِي الدُّرَرِ، وَالْوِقَايَةِ وَإِنْ شُرِطَتْ الْوَكَالَةُ بَعْدَ الرَّهْنِ رَجَعَ الْعَدْلُ عَنِ الرَّاهِنِ فَقَطْ، سَوَاءٌ قَبَضَ الْمُرْتَهِنُ ثَمَنَهُ أَوْ لَا (فَإِنْ هَلَكَ الرَّهْنُ عِنْدَ الْمُرْتَهِنِ فَاسْتَحَقَّ) الرَّهْنَ (وَضَمِنَ الرَّاهِنُ قِيمَتَهُ

اور مرتہن کے لیے ثمن سلامت ٹھہرا یا عادل مرتہن سے اس کی ضمان کا مطالبہ کرے گا پھر مرتہن راہن سے اپنے دین کا مطالبہ کرے گا۔ ''الدرر'' اور ''الوقایہ'' میں یہاں یہ زائد ذکر کیا ہے: اگر رہن کے بعد وکالت کی شرط لگائی گئی ہو تو عادل صرف راہن سے مطالبہ کرے گا خواہ مرتہن نے اس کی ثمن پر قبضہ کیا ہو یا قبضہ نہ کیا۔ اگر مرتہن کے پاس رہن ہلاک ہو گیا اور رہن کا کوئی مستحق نکل آیا اور مستحق نے راہن سے اس کی قیمت کی ضمانت لی تو رہن،

34470_(قولہ: وَسَلَّمَ الثَّمَنَ لِلْمُرْتَهِنِ) ''ہدایہ'' میں اسے علت بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے یہی احسن ہے۔

34471_(قولہ: أَوْ رَجَعَ الْعَدْلُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ بِثَمَنِهِ) کیونکہ جب عقد ٹوٹ گیا تو ثمن باطل ہو جائے گی جب کہ اس نے ثمن کی حیثیت سے قبضہ کیا تھا۔ پس ضرورۃ اس پر قبضہ کو توڑ دینا واجب ہوگا۔ ''ہدایہ''۔

34472_(قولہ: ثُمَّ رَجَعَ الخ) کیونکہ جب اس کا قبضہ ختم ہو گیا تو رہن میں اس کا حق لوٹ آیا جس طرح وہ حق پہلے سے موجود تھا۔

34473_(قولہ: أَيْ بِدَيْنِهِ) مصنف پر اس کی تصریح الزام تھی تا کہ ضمیر نہ لوٹے جب کہ کلام میں اس کا ذکر تک نہ ہو ساتھ ہی وہم دلائے۔ ''طحطاوی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

34474_(قولہ: وَإِنْ شُرِطَتْ الْوَكَالَةُ الخ) یعنی گزشتہ تفصیل اس صورت میں ہے جب عقد میں وکالت کی شرط لگائی جائے۔ کیونکہ مرتہن کا حق اس کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے اس کے بعد جو مشروط ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کے بعد اس کا حق متعلق نہیں پس عادل اس سے مطالبہ نہیں کرے گا۔ ''زیلعی'' نے کہا: یہ اس آدمی کے قول کی تائید کرتا ہے جو یہ رائے نہیں رکھتا کہ اس وکیل کو بیع پر مجبور کیا جائے۔ ''سرخسی'' نے کہا: یہ ظاہر روایت ہے مگر ''فخر الاسلام'' اور ''شیخ الاسلام'' نے کہا: اصح یہ ہے کہ اس کو مجبور کیا جائے۔ کیونکہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''جامع الاصل'' میں اسے مطلق ذکر کیا ہے۔ پس وہ وکالت جس کی عقد میں شرط نہ لگائی گئی ہو۔ وہ اس وکالت کی طرح ہے جس کی عقد میں شرط لگائی گئی ہو۔ یہ ان تمام احکام میں ہے جس کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ ملخص

34475_(قولہ: فَقَطْ) یعنی اسے مرتہن سے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

34476_(قولہ: أَوْ لَا) اس کی صورت یہ ہے کہ ثمن عادل کے قبضہ میں تعدی کے بغیر ضائع ہو جائے ''درر''۔

34477_(قولہ: وَضَمِنَ الرَّاهِنُ) راہن کا لفظ مرفوع ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ فعل ثلاثی مجرد سے تعلق رکھتا ہے یا یہ نصب کے ساتھ ہوگا اس شرط پر کہ فعل مزید فیہ سے تعلق رکھتا ہے اور فاعل مستحق کی ضمیر ہے جو موقع محل سے معلوم ہے

هَلَكَ) الرَّهْنُ (بِدَيْنِهِ، وَإِنْ ضَمِنَ الْمُرْتَهِنُ) الْقِيمَةَ (يَرْجِعُ عَلَى الرَّاهِنِ بِقِيمَتِهِ) الَّتِي ضَمِنَهَا لِضَرَرِهِ (وَبِدَيْنِهِ) لِانْتِقَاضِ قَبْضِهِ فَرْعٌ فِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ ذَهَبَتْ عَيْنُ دَابَّةِ الْمُرْتَهِنِ يَسْقُطُ رُبْعُ الدَّيْنِ وَسَيَجِيءُ

مستحق کے دین کے بدلے میں ہلاک ہوگا اگر مستحق نے مرتہن سے قیمت کا مطالبہ کیا تو وہ راہن سے اس کی اس قیمت کا مطالبہ کرے گا جس کی اس نے ضمانت ادا کی ہے۔ کیونکہ اسے ضرر لاحق ہوا ہے اور اپنے دین کی ضمانت دے گا کیونکہ اس کا قبضہ ختم ہو چکا ہے۔ فرع: ''ولوالجیہ'' میں ہے: رہن رکھے گئے جانور کی آنکھ جاتی رہی تو رہن کا چوتھائی ساقط ہو جائے گا۔ اس کا ذکر عنقریب آئے گا۔

اس کا مابعد اسی طرح ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اسے راہن سے ضمانت لینے کا حق ہے۔ کیونکہ اس نے سپرد کرنے کے ساتھ تعدی کی ہے یا مرتہن سے ضمان لے۔ کیونکہ اس نے قبضہ کرنے کے ساتھ تعدی کی ہے۔

34478_(قولہ: هَلَكَ الرَّهْنُ بِدَيْنِهِ) یعنی رہن دین کے مقابلہ میں ہلاک ہوا ہے۔ ''زیلعی'' نے کہا: اگر وہ راہن سے ضمانت لے تو مرتہن رہن کے ہلاک ہونے کے ساتھ اپنا رہن وصول کرنے والا ہو جائے گا۔ کیونکہ راہن اس ضمان کی ادائیگی کے ساتھ مالک ہوا ہے جو سپرد کرنے سے پہلے کی طرف منسوب ہے۔ پس یہ بات واضح ہوگئی کہ اس نے اپنی مملوکہ چیز کو رہن کے طور پر رکھا ہے پھر مرتہن اس کے ہلاک ہونے کے ساتھ اپنے رہن کو وصول کرنے والا ہو گیا۔

34479_(قولہ: لِضَرَرِهِ) زیادہ بہتر قول لغرورہ ہے یعنی یہ لفظ غین کے ساتھ ہے۔ ''الدرر'' میں کہا: جہاں تک قیمت کا تعلق ہے تو راہن کی جانب سے سپرد کرنے کے ساتھ وہ مغرور ہے۔ اسی کی مثل ''زیلعی'' وغیرہ میں ہے،''ط''۔

34480_(قولہ: لِانْتِقَاضِ قَبْضِهِ) مرتہن کا رہن پر قبضہ اس کی ضمانت لینے سے ختم ہو گیا پس اس کا حق اسی طرح لوٹ آئے گا جس طرح وہ پہلے تھا۔ کیونکہ رہن راہن کی ملکیت نہیں تھا یہاں تک کہ اس کے ہلاک ہونے سے وہ اپنا حق پورے کا پورا وصول کرنے والا ہوتا،''عنایہ''۔ یہاں اشکال اور اس کا جواب ہے جو''ہدایہ''،''تبیین'' میں مذکور ہیں۔

34481_(قولہ: ذَهَبَتْ عَيْنُ دَابَّةِ الْمُرْتَهِنِ) مرتہن کی طرف اضافت ادنی ملابست کی وجہ سے ہے زیادہ صحیح رہن کے ساتھ اس کا بدلنا ہے۔

''ولوالجیہ'' کی عبارت ہے: اگر رہن کے جانور کی آنکھ ضائع ہو جائے تو رہن کا چوتھائی ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ اس جانور کی آنکھ جس سے کام لیا جاتا ہے وہ اس دابہ کا چوتھائی ہے۔ پس اس کا چوتھائی ضائع ہو گیا پس رہن کا چوتھائی ساقط ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ اس صورت میں مقدر ہوگا جب اس کی قیمت رہن کی مثل ہے جس طرح ''مبسوط'' میں اسے مقید کیا ہے۔ اور انہوں نے اپنے قول: التی یستعمل علیها کالبقرة والفرس کے ساتھ بکری وغیرہ سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ وہ اس صورت میں نقصان کا ضامن ہوگا۔

34482_(قولہ: وَسَيَجِيءُ) یعنی باب جنایة البهيمة میں عنقریب آئے گا کہ اس دابہ کے ساتھ عمل کا قیام یہ چار

....

آنکھوں کے ساتھ ہوتا ہے دو آنکھیں اس جانور کی ہوتی ہیں اور دو آنکھیں اس کے مستعمل کی ہوتی ہیں۔

خاتمہ: آقا اپنے ماذون کے رہن میں عادل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اگر وہ ماذون غلام مدیون ہو یہاں تک کہ اگر وہ شرط لگائے تو عقد رہن جائز نہیں ہوگا اور اس کے برعکس صحیح ہوگا۔ اور مکاتب اپنے آقا کے رہن میں عادل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جس طرح اس کے برعکس صحیح ہے۔ اور مکفول عنہ کفیل کے رہن میں عادل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا جس طرح اس کے برعکس ہوتا ہے۔ اسی طرح مضارب کے رہن میں رب المال کا حکم ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس کی صورتحال ہے۔ اسی طرح کا حکم شرکت مفاوضہ یا شرکت عنان کے دو شریکوں میں سے ایک کا حکم ہے مگر جب یہ شرکت تجارت کے علاوہ میں ہو۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے سے اس میں اجنبی ہوتا ہے۔ اسی طرح راہن رہن میں عادل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور عقد فاسد ہو جائے گا اگرچہ مرتہن نے اس پر قبضہ کر لیا ہو پھر اسے عادل کے پاس رکھ دیا ہو تو اس کی بیع جائز ہوگی۔ ''طحطاوی'' نے ''ہندیہ'' سے نقل کیا ہے، ملخص۔

بَابُ التَّصَرُّفِ فِي الرَّهْنِ وَالْجِنَايَةِ عَلَيْهِ

وَجِنَايَتُهُ أَيْ الرَّهْنِ عَلَى غَيْرِهِ (تَوَقَّفَ بَيْعُ الرَّاهِنِ رَهْنَهُ عَلَى إِجَازَةِ مُرْتَهِنِهِ أَوْ قَضَاءِ دَيْنِهِ، فَإِنْ وَجَدَ أَحَدُهُمَا نَفَذَ وَصَارَ ثَمَنُهُ رَهْنًا) فِي صُورَةِ الْإِجَازَةِ (وَإِنْ لَمْ يُجِزِ الْمُرْتَهِنُ الْبَيْعَ (وَفَسَخَ) بَيْعَهُ

رہن میں تصرف اور اس پر جنایت کے احکام

راہن اپنی مرہونہ چیز کو بیچ دے تو اس کی بیع اس کے مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوگی یا اس کے دین کی ادائیگی پر موقوف ہو گی۔ اگر دونوں میں سے ایک صورت پائی جائے تو وہ بیع نافذ ہو جائے گی۔ اور اجازت کی صورت میں اس کا ثمن رہن ہو جائے گا۔ اگر مرتہن بیع کی اجازت نہ دے اور اس کی بیع فسخ کر دے

جب رہن اور اس کے احکام کا ذکر کیا تو ان چیزوں کا ذکر کیا جو اس کو عارض آتے ہیں جب عقد رہن کے وجود کے بعد اسے عارض آئیں، ''معراج''۔

راہن اپنی مرہونہ چیز کو بیچ دے تو اس کی بیع مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوگی

34483_(قولہ: تَوَقَّفَ بَيْعُ الرَّاهِنِ رَهْنَهُ الخ) اسی طرح بیع راہن کی اجازت پر موقوف ہوگی جب مرتہن اس کو بیچ دے اگر وہ اس کو جائز قرار دے تو بیع جائز ہو جائے گی ورنہ جائز نہیں ہوگی۔ اور اسے حق حاصل ہے کہ وہ اس کو باطل کر دے اور اسے رہن کے طور پر لوٹا دے۔ اگر اجازت سے پہلے وہ مشتری کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو اس کے ہلاک ہونے کے بعد اجازت جائز نہیں ہوگی۔ اور راہن کو یہ حق حاصل ہوگا کہ ان دونوں میں سے جسے چاہے اس سے ضمانت لے لے۔ ''قہستانی'' نے ''شرح الطحاوی'' سے اسے نقل کیا ہے۔ مصنف نے جو ذکر کیا ہے وہی صحیح اور ظاہر روایت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بیع نافذ ہو جائے گی۔ اس کی مکمل بحث ''زیلعی'' میں ہے۔

فرع: مرتہن نے راہن سے کہا: مرہونہ چیز کو فلاں کے ہاتھ بیچ دے تو اس نے کسی اور کے ہاتھ اسے بیچ دیا تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اگر مستاجر نے موجر سے یہ کہا تو اس کی بیع کسی اور سے جائز ہوگی، ''جامع الفصولین''۔

34484_(قولہ: عَلَى إِجَازَةِ مُرْتَهِنِهِ الخ) یعنی بیع مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوگی یا مرتہن راہن کو دین سے بری کر دے اس پر موقوف ہوگی، ''حموی''۔

34485_(قولہ: نَفَذَ) وہ نافذ ہو جائے گی کیونکہ مانع زائل ہو چکا ہے وہ مرتہن کا حق اس سے متعلق ہونا ہے اور اس کے سپرد کرنے پر قدرت نہ ہونا ہے، ''زیلعی''۔

34486_(قولہ: وَصَارَ ثَمَنُهُ رَهْنًا) خواہ اس نے مشتری سے ثمن لے لی ہو یا اس سے ثمن نہ لی ہو۔ کیونکہ یہ ثمن

(لَا يَنْفَسِخُ) بِفَسْخِهِ فِي الْأَصَحِّ (وَ) إِذَا بَقِيَ مَوْقُوفًا فَ (الْمُشْتَرِي) بِالْخِيَارِ (إِنْ شَاءَ صَبَرَ إِلَى فِكَاكِ الرَّهْنِ أَوْ رَفَعَ الْأَمْرَ إِلَى الْقَاضِي لِيَفْسَخَ الْبَيْعَ) وَهَذَا إِذَا اشْتَرَاهُ وَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّهُ رَهْنٌ ابْنُ كَمَالٍ (وَلَوْ بَاعَهُ الرَّاهِنُ مِنْ رَجُلٍ ثُمَّ بَاعَهُ) الرَّاهِنُ أَيْضًا (مِنْ) رَجُلٍ (آخَرَ قَبْلَ أَنْ يُجِيزَ الْمُرْتَهِنُ)

تو اصح قول کے مطابق اس کے فسخ کرنے سے بیع فسخ نہ ہوگی۔ اور جب وہ موقوف کی حیثیت سے باقی رہے تو مشتری کو اختیار ہوگا اگر وہ چاہے تو رہن کے آزاد ہونے تک صبر کرے یا معاملہ قاضی کے سپرد کردے تا کہ بیع فسخ ہوجائے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب وہ اسے خریدے اور اسے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ رہن ہے۔ ''ابن کمال''۔ اگر راہن نے ایک آدمی کے ہاتھ میں اسے بیچ دیا پھر راہن نے اسے ایک اور آدمی کے ہاتھ بیچ دیا جب کہ ابھی مرتہن نے پہلی بیع کو جائز قرار نہیں دیا تھا

عین کے قائم مقام ہے۔ ثمن اگر رہن ہو تو ابتداءً اس کا رہن رکھنا صحیح نہیں لیکن بقاءً اس کو رہن رکھنا صحیح ہوگا جس طرح وہ غلام جس کو رہن کے طور پر رکھا گیا ہو جب اس کو قتل کر دیا جائے تو اس کی قیمت بقاءً رہن ہوگی یہاں تک کہ اس رہن کی ثمن مشتری کے پاس ہلاک ہوجائے تو وہ مرتہن کی جانب سے ہلاک ہوگی جس کے ساتھ اس کا رہن ساقط ہوجائے گا۔ جس طرح وہ چیز اس کے قبضہ میں ہو، ''بزازیہ''۔ یہاں ''الاشباہ'' کے بعض محشین کا ایسا کلام ہے جس کا منشا تامل اور کتب کی طرف رجوع ہونے کا باعث ہے۔ مصنف نے جو ذکر کیا ہے وہی صحیح اور ظاہر روایت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مرتہن نے اگر یہ شرط لگائی کہ ثمن اجازت کے وقت رہن ہوگی تو وہ رہن ہوگی ورنہ رہن نہیں ہوگی۔ اس کی مکمل بحث ''زیلعی'' میں موجود ہے۔

34487۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) کیونکہ نفاذ کا امتناع اس کے حق کی وجہ سے ہے وہ روک لینا ہے اور توقف اس کو فوت نہیں کرتا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اس کے فسخ کرنے سے فسخ ہوجائے گا یہاں تک کہ اگر راہن رہن کو چھڑا لیتا ہے تو اس کے بعد مشتری کو اس پر کوئی اختیار نہیں ہوگا، ''زیلعی''، ملخص۔

34488۔ (قولہ: رَفَعَ الْأَمْرَ إِلَى الْقَاضِي) کیونکہ یہ فسخ منازعہ کو ختم کرنے کے لیے ہے اور وہ قاضی کے سامنے سے اسے پیش کرنے کی صورت میں ہے، ''عنایہ''۔

34489۔ (قولہ: وَهَذَا الخ) اسم اشارہ سے مراد مشتری کے لیے خیار کا ثابت ہونا ہے لیکن فرق ضد ہونا یہ اصح ہے۔ ''رملی'' نے ''منیۃ المفتی'' سے نقل کیا ہے: فتویٰ کے لیے یہی مختار قول ہے۔ ''حموی'' وغیرہ نے ''تجنیس'' سے یہ قول نقل کیا ہے۔ ''جامع الفصولین'' میں ہے: جس چیز کو خریدا گیا ہے وہ رہن رکھی گئی ہو یا اسے اجرت پر دیا گیا ہو اس میں اختیار ہوگا اگر اس کے بارے میں آگاہ ہو۔ یہ طرفین کا نقطہ نظر ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ جاہل ہو تو اسے اختیار حاصل ہوگا عالم کو اختیار نہیں ہوگا۔ ظاہر روایت طرفین کا قول ہے۔ ''رملی'' نے اس پر اپنے حاشیہ میں کہا: یہ صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جس طرح ''ولوالجیہ'' میں ہے۔

34490۔ (قولہ: مِنْ رَجُلٍ آخَرَ) عنقریب اس کی غیر المرتہن کی قید کا ذکر آئے گا۔

الْبَيْعَ (فَالثَّانِي مَوْقُوفٌ أَيْضًا عَلَى إجَازَتِهِ) إذْ الْمَوْقُوفُ لَا يَمْنَعُ تَوَقُّفَ الثَّانِي (فَأَيُّهُمَا أَجَازَ لَزِمَ ذَلِكَ وَبَطَلَ الْآخَرُ، وَلَوْ بَاعَهُ) الرَّاهِنُ (ثُمَّ أَجَّرَهُ أَوْ رَهَنَهُ أَوْ وَهَبَهُ مِنْ غَيْرِهِ فَأَجَازَ الْمُرْتَهِنُ الْإِجَارَةَ أَوْ الرَّهْنَ أَوْ الْهِبَةَ جَازَ الْبَيْعُ الْأَوَّلُ) لِحُصُولِ النَّفْعِ بِتَحَوُّلِ حَقِّهِ لِلثَّمَنِ عَلَى مَا تَقَرَّرَ وَفِي مَحَلِّهِ تَحَرَّرَ (دُونَ غَيْرِهِ مِنْ هَذِهِ الْعُقُودِ) إذْ لَا مَنْفَعَةَ لِلْمُرْتَهِنِ فِيهَا فَكَانَتْ إجَازَتُهُ إسْقَاطًا لِحَقِّهِ فَزَالَ الْمَانِعُ فَيَنْفُذُ الْبَيْعُ

تو دوسری بیع بھی مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوگی۔ کیونکہ موقوف دوسرے کے توقف کے مانع نہیں ہوتی تو دونوں میں سے جس نے اسے جائز قرار دیا تو وہ لازم ہو جائے گی اور دوسری بیع باطل ہو جائے گی۔ اگر راہن اسے بیچ دے پھر اسے کسی دوسرے کو اجرت پر دے دیا، اسے رہن پر دے دیا یا اسے ہبہ کر دیا تو مرتہن نے اجارہ، رہن یا ہبہ کو جائز قرار دے دیا تو پہلی بیع جائز ہو جائے گی۔ کیونکہ نفع حاصل ہو چکا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مرتہن کا حق ثمن کی طرف منتقل ہو چکا ہے جیسے یہ واضح ہو چکا ہے اور یہ اپنے محل میں مرقوم ہے بیع کے علاوہ ان عقود میں سے کوئی عقد جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس میں مرتہن کے لیے کوئی منفعت نہیں۔ پس اس کی اجازت اس کے حق کا اسقاط ہے۔ پس مانع زائل ہو گیا اور بیع نافذ ہو جائے گی۔

34491۔ (قولہ: فَأَيُّهُمَا أَجَازَ لَزِمَ) اگر راہن دین ادا کر دے کیا پہلی بیع یا دوسری بیع نافذ ہو جائے گی؟ اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ بظاہر پہلا قول ہے۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جس کو ہم قریب ہی ''الکفایہ'' سے ذکر کریں گے، تامل۔ مصنف نے جو ذکر کیا ہے وہ اجارہ کے مخالف ہے اگر موجر کی بیع متکرر ہو اور مستاجر نے دوسری بیع کو جائز قرار دیا تو پہلی بیع نافذ ہو جائے گی۔ اس کی وجہ آگے آئے گی۔

34492۔ (قولہ: ثُمَّ أَجَّرَهُ الخ) یعنی ابھی قاضی نے بیع کو فسخ نہیں کیا اس سے قبل ہی اجرت پر دے دیا، ''اتقانی''۔

34493۔ (قولہ: أَوْ رَهَنَهُ أَوْ وَهَبَهُ) یعنی ساتھ ہی اسے سپرد کر دیا ہو۔ کیونکہ سپرد کرنے کے بغیر ان عقود کا کوئی اعتبار نہیں۔ ''اتقانی'' نے ''ابو معین'' سے نقل کیا ہے۔

34494۔ (قولہ: جَازَ الْبَيْعُ الْأَوَّلُ) اسے اول کا نام دیا ہے اگرچہ ان عقود کی طرف منسوب ہونے کے اعتبار سے دو بیعیں نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ عقود بیع سے متاخر ہیں یہ جائز ہے کہ اس نے اسے ایک آدمی کے ہاتھ بیچا ہو یا دوسرے آدمی کے ہاتھ بیچا ہو پھر یہ عقود کیے ہوں تو مرتہن نے اس کی اجازت دے دی ہو تو پہلی بیع نافذ ہو جائے گی دوسری بیع نافذ نہیں ہوگی۔ کیونکہ پہلی بیع سبقت کی وجہ سے غالب ہے، ''کفایہ''۔

34495۔ (قولہ: لِحُصُولِ النَّفْعِ) دونوں مسئلوں میں فرق کا بیان ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں اجازت کے ساتھ دوسری بیع جائز ہے اور دوسری صورت میں مذکورہ تصرفات تمام کی اجازت کے ساتھ جائز نہیں۔ ''کفایہ'' میں کہا ہے: اس میں اصل یہ ہے کہ راہن کا تصرف جب مرتہن کے حق کو باطل کر دیتا ہے تو وہ نافذ نہیں ہوگا مگر مرتہن کی اجازت کے ساتھ باطل ہو

وَفِي الْأَشْبَاهِ بَاعَ الرَّاهِنُ الرَّهْنَ مِنْ زَيْدٍ ثُمَّ بَاعَهُ مِنَ الْمُرْتَهِنِ انْفَسَخَ الْأَوَّلُ (وَصَحَّ إِعْتَاقُهُ وَتَدْبِيرُهُ وَاسْتِيلَادُهُ)

''اشباہ'' میں ہے: راہن نے رہن زید کے ہاتھ میں بیچ دیا پھر اسے مرتہن کے ہاتھ میں بیچ دیا تو پہلی بیع منسوخ ہوجائے گی۔ اس کا آزاد کرنا، اس کو مدبر بنانا اور اس کو ام ولد بنانا صحیح ہے۔

جائے گی۔ جب وہ اسے جائز قرار دے اگر وہ ایسا تصرف ہو جو مرتہن کا حق بننے کی صلاحیت رکھتا ہو تو وہ نافذ ہو جائے گا جب اجازت اسے لاحق ہوگی اگر وہ اس کا حق بننے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اجازت کے ساتھ مرتہن کا حق باطل ہو جائے گا اور راہن کے تصرفات میں سے جو سابق ہوگا وہ نافذ ہو جائے گا اگرچہ مرتہن نے لاحق کو جائز قرار دیا ہو۔

جب یہ امر ثابت ہو گیا تو ہم کہیں گے: مرتہن دوسری بیع سے حصہ والا ہے۔ کیونکہ اس کا حق ثمن کی طرف تبدیل ہو جاتا ہے جب کہ ان عقود میں ان کا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ ہبہ اور رہن میں کوئی بدل نہیں اور اجارہ میں بدل منفعت کے مقابلہ میں ہوتا ہے اس کا حق عین کی مالیت میں ہوتا ہے منفعت میں نہیں ہوتا۔ پس اس کی اجازت اس کے حق کو ساقط کرنے والے ہو گی۔ پس نفاذ سے جو امر مانع تھا وہ زائل ہو گیا۔ پس سابقہ بیع نافذ ہو جائے گی۔ جس طرح ایک معین موجر کو دو آدمیوں کے ہاتھ میں بیچا اور مستاجر نے دوسری بیع کو جائز قرار دیا تو پہلی نافذ ہو جائے گی۔ کیونکہ ثمن میں اس کا کوئی حق نہیں پس اجازت حق کو ساقط کرنا ہوگا، ملخص۔

34496۔ (قولہ: وَفِي الْأَشْبَاهِ الخ) یہ مصنف کے سابقہ قول پر استدراک ہے۔ پس دوسری بیع موقوف ہوگی۔ گویا وہ کہہ رہے ہیں: اور دوسری بیع کے توقف کا محل پہلی بیع کی طرح ہے جب دوسری بیع مرتہن کے علاوہ کے ساتھ ہو مگر جب دوسری بیع مرتہن سے ہو تو وہ موقوف نہیں ہوتی۔ بے شک پہلی بیع باطل ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ قطعی ملکیت موقوف ملکیت پر طاری ہوتی ہے پس اس نے اسے باطل کر دیا ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''ابوسعود'' سے نقل کیا ہے۔

34497۔ (قولہ: وَصَحَّ إِعْتَاقُهُ الخ) جو گزر چکا ہے وہ ان تصرفات کے بارے میں تھا جو فسخ کو قبول کرتے ہیں جیسے بیع، اجارہ، کتابت، ہبہ، صدقہ اور اقرار۔ مرتہن کے حق میں اصلاً جائز نہیں ہوگا اور محبوس ہونے کی صورت اس کا حق باطل نہیں ہوگا مگر رہن کی ادائیگی کے بعد محبوس کرنے کا حق باطل ہو جائے گا۔ یہاں یہ ایسے تصرفات کے بارے میں ہیں جو فسخ کو قبول نہیں کرتے۔ پس وہ نافذ ہو جائیں گے اور رہن باطل ہو جائے گا۔ یہ ''قہستانی'' نے بیان کیا ہے۔ یعنی خواہ وہ خوشحال ہو یا تنگدست ہو۔ کیونکہ یہ اس کے اہل کی جانب سے اس کے محل میں صادر ہوا ہے جب کہ وہ اس کی ملک ہے۔ پس اس کا تصرف مرتہن کی اجازت نہ ہونے سے اور بیع و ہبہ میں نفاذ کے ممتنع ہونے سے لغو نہ ہوگا۔ بیع اور ہبہ کا نفاذ اس لیے ممتنع ہے کہ سپرد کرنے پر قدرت موجود نہیں۔ اس کی مکمل بحث ''ہدایہ'' میں ہے۔ اعتاق کی مثل وقف ہے۔

''الاسعاف'' وغیرہ میں ہے: اگر مرہون سپرد کرنے کے بعد اس نے اسے وقف کر دیا قاضی اسے مجبور کرے گا کہ جو اس

أَيْ نَفَذَ إِعْتَاقُ الرَّاهِنِ (رَهْنَهُ، فَإِنْ) كَانَ (غَنِيًّا وَ) كَانَ (دَيْنُهُ) أَيْ الْمُرْتَهِنِ (حَالًّا أَخَذَ) الْمُرْتَهِنُ (دَيْنَهُ مِنْ الرَّاهِنِ، وَإِنْ مُؤَجَّلًا أَخَذَ قِيمَتَهُ لِلرَّهْنِ بَدَلَهُ إِلَى) زَمَانِ (حُلُولِهِ) فَإِنْ حَلَّ اسْتَوْفَى حَقَّهُ لَوْ مِنْ جِنْسِهِ وَرَدَّ الْفَضْلَ (وَإِنْ) كَانَ الرَّاهِنُ (مُعْسِرًا) فَفِي الْعِتْقِ سَعَى الْعَبْدُ فِي الْأَقَلِّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنْ الدَّيْنِ

یعنی راہن جب اپنے رہن کو آزاد کرے تو راہن کا آزاد کرنا نافذ ہو جائے گا اگر وہ غنی ہو اور مرتہن کا دین حال ہو تو مرتہن اپنا دین راہن سے وصول کرے گا اگر وہ موجل ہو تو رہن کی قیمت اس کے بدلے میں رہن کے طور پر لے لے گا۔ یہ اس رہن کے وقت کے آنے تک کے لیے ہو۔ اگر وہ مدت آپہنچے تو وہ اپنا پورا حق لے لے گا اگر وہ اس کی جنس سے ہو اور زائد کو واپس کر دے گا۔ اگر راہن تنگدست ہو تو آزادی کی صورت میں غلام اپنی قیمت اور دین میں سے جو اقل ہے اس میں سعایت کرے گا۔

کے ذمہ ہے وہ ادا کر دے اگر وہ خوشحال ہوا اگر وہ تنگدست ہو تو قاضی وقف کو باطل کر دے اور اس دین میں اس کو بیچ دے جو اس کے ذمہ ہے۔

34498۔(قولہ: أَيْ نَفَذَ) اس کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کے ساتھ تعبیر کرنا اولیٰ ہے۔ کیونکہ سابقہ تصرفات صحیح میں نافذ نہیں۔ یصح کے ساتھ تعبیر اس امر کا وہم دلاتی ہے کہ یہ غیر صحیح ہے،''ط''۔ ان کا قول اعتاق الراھن یعنی اس کے جو مابعد ہے اور اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے اور ان کا قول رھنہ یہ منصوب ہے اور مصدر کا مفعول ہے۔

34499۔(قولہ: لِلرَّهْنِ) یعنی رہن رکھنے کے لیے۔ ان کا قول بدلہ یعنی رہن کے بدلے میں جب کہ رہن کا لفظ مرہون کے معنی میں ہے، تامل۔

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ اس کی قیمت لے لے گا اور اس قیمت کو اس کی جگہ رہن بنا دیا جائے گا۔

34500۔(قولہ: وَرَدَّ الْفَضْلَ) یعنی اگر وہ زائد ہوا اور وہ اس کے دین سے کم ہو تو زیادتی کا مطالبہ کرے گا،''ط''۔

34501۔(قولہ: فَفِي الْعِتْقِ) یعنی جو مرتہن کی اجازت کے بغیر ہو،''جوہرہ''۔ اگر اس کی اجازت سے ہو تو غلام کے ذمہ کوئی کمائی لازم نہیں۔''ابوسعود''۔

34502۔(قولہ: سَعَى الْعَبْدُ الخ) کیونکہ جب مرتہن کے لیے یہ مشکل ہو گیا کہ وہ راہن سے اپنا پورا حق لے تو اس سے لے لے جو آزاد ہونے کے ساتھ نفع حاصل کرتا ہے اور غلام اپنی مالیت کی مقدار کے مطابق نفع حاصل کرتا ہے۔ پس وہ اس میں کمائی نہیں کرے گا جو دین اس کی قیمت سے زائد ہو۔''ابن کمال''۔

34503۔(قولہ: فِي الْأَقَلِّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنْ الدَّيْنِ) اس کی کیفیت یہ ہے کہ آزادی کے دن اور رہن کے دن غلام کی قیمت اور دین کی طرف دیکھے تو ان دونوں میں سے جو اقل ہے اس میں سعایت کرے،''زیلعی''۔ اور دین کو کمائی کرنے کے ساتھ ادا کرے مگر جب وہ مرتہن کے حق کی جنس کے خلاف ہو پس وہ اس کی جنس سے بدلے گا اور اس کے ساتھ

وَيَرْجِعُ عَلَى سَيِّدِهِ غَنِيًّا، وَفِي التَّدْبِيرِ وَالِاسْتِيلَادِ (سَعَى كُلٌّ فِي كُلِّ الدَّيْنِ) بِلَا رُجُوعٍ لِأَنَّ كَسْبَ الْمُدَبَّرِ وَأُمِّ الْوَلَدِ مِلْكُ الْمَوْلَى (فَإِذَا أَتْلَفَ) الرَّاهِنُ (الرَّهْنَ فَحُكْمُهُ حُكْمُ مَا إِذَا أَعْتَقَهُ غَنِيًّا) كَمَا مَرَّ (وَ) الرَّهْنُ (إِنْ أَتْلَفَهُ أَجْنَبِيٌّ) أَيْ غَيْرُ الرَّاهِنِ (فَالْمُرْتَهِنُ يَضْمَنُهُ) أَيِ الْمُتْلِفَ (قِيمَتَهُ يَوْمَ هَلَكَ وَتَكُونُ) الْقِيمَةُ (رَهْنًا عِنْدَهُ) كَمَا مَرَّ وَأَمَّا ضَمَانُهُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ

اور اپنے غنی آقا سے اس کا مطالبہ کرے گا۔ مدبر بنانے اور ام ولد بنانے کی صورت میں ہر ایک پورے دین میں کمائی کرے گا جب کہ مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ مدبر اور ام ولد کی کمائی آقا کی ملکیت ہے۔ جب راہن نے رہن کو تلف کر دیا تو اس کا حکم اسی طرح ہوگا جب وہ اسے غنی ہونے کی حالت میں آزاد کرے جس طرح قول گزر چکا ہے۔ اور رہن کو اگر کوئی اجنبی یعنی راہن کے علاوہ تلف کر دے تو مرتہن تلف کرنے والے سے اس کے ہلاک ہونے کے دن کی قیمت کی ضمانت لے گا اور قیمت اس کے پاس رہن ہوگی جس طرح قول گزر چکا ہے۔ جہاں تک مرتہن سے اس کی ضمانت کا تعلق ہے

اپنا دین ادا کر دے گا،''عنایہ''۔

34504۔(قولہ: وَيَرْجِعُ عَلَى سَيِّدِهِ غَنِيًّا) یعنی جب وہ خوشحال ہو جائے۔ کیونکہ اس غلام نے اس کا دین ادا کیا جب کہ وہ شرع کے حکم کی وجہ سے مجبور تھا تو اس سے اس کا مطالبہ کرے گا جس کو اس نے اس کی جانب سے برداشت کیا تھا۔''ابن کمال''۔

34505۔(قولہ: سَعَى كُلٌّ) یعنی مدبر اور مستولدہ میں سے۔

34506۔(قولہ: فِي كُلِّ الدَّيْنِ) یعنی اگرچہ وہ قیمت سے زائد ہو۔ کیونکہ شارح نے اس کا ذکر کیا ہے۔

34507۔(قولہ: لِأَنَّ كَسْبَ الْمُدَبَّرِ الخ) یہ ان کے قول فی کل الدین اور ان کے قول بلا رجوع کی علت ہے۔

34508۔(قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی اگر رہن فی الفور ادا کرنا ہو تو اس سے مکمل وصول کرے گا ورنہ اس سے قیمت وصول کرے گا تا کہ مدت کے آنے تک وہ رہن ہو جائے۔

34509۔(قولہ: فَالْمُرْتَهِنُ يَضْمَنُهُ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مرتہن ہی اس سے ضمان وصول کرنے میں خصم ہوگا جس طرح''ہدایہ'' میں ہے۔

34510۔(قولہ: قِيمَتَهُ يَوْمَ هَلَكَ) اگر اس کی قیمت اس روز پانچ سو ہو جب کہ رہن کے دن اس کی قیمت ہزار تھی جیسے دین ہوتا ہے تو وہ پانچ سو کی ضمانت لے اور یہ پانچ سو رہن ہو جائیں گے اور دین میں سے پانچ سو ساقط ہو جائیں گے گو یا وہ آفت سے ہلاک ہوئے ہیں جس طرح''ہدایہ'' میں ہے۔

مرتہن پر زیادتی کی ضمانت کا بیان

34511۔(قولہ: وَأَمَّا ضَمَانُهُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ) مرتہن نے جو زیادتی کی ضمانت لی اس کا بیان ہے۔ کیونکہ دین میں

فَتُعْتَبَرُ قِيمَتُهُ يَوْمَ الْقَبْضِ لِأَنَّهُ مَضْمُونٌ بِالْقَبْضِ السَّابِقِ زَيْلَعِيٌّ (وَبِإِعَارَتِهِ) أَيِ الْمُرْتَهِنِ الرَّهْنَ (مِنْ رَاهِنِهِ يَخْرُجُ مِنْ ضَمَانِهِ) تَسْمِيَتُهَا عَارِيَّةً مَجَازًا

تو اس کی قیمت کا اعتبار قبضہ کے دن ہوگا۔ کیونکہ سابقہ قبضہ کی بنا پر اس کی ضمانت دی جائے گی،'' زیلعی''۔ اور مرتہن مرہونہ چیز اپنے راہن کو عاریتاً دے دے تو وہ اس کے ضمان سے زائل ہو جائے گی اسے عاریتاً کا نام دینا یہ مجاز ہے۔

اس کی مثل ساقط ہو گیا۔'' اتقانی'' نے کہا: کیونکہ رہن کی ضمان میں اس پر قبضہ کے دن ہو جو اس کی قیمت تھی اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس وقت وہ ہزار تھی پس وہ زیادتی کا ضامن ہوگا جیسا کہ اس نے اجنبی سے چٹی لی۔'' الکفایہ'' میں کہا: یہ اعتراض نہیں کیا جائے گا: اگر رہن باقی ہو جس طرح وہ پہلے موجود تھا اور بھاؤ کم ہو گیا اور اس کی قیمت کم ہو گئی تو رہن میں سے کوئی شے کم نہ ہوگی۔

ہم کہتے ہیں: کیونکہ وہاں عین (ذات رہن) باقی ہے جس طرح وہ پہلے تھی اس میں تغیر بھاؤ کے کم ہونے کے سبب ہوا جب کہ عین اس حال پر ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی مالیت بھاؤ کے بدلے سے اسی طرح ہو جائے جس طرح قبضہ کے دن تھی۔ پس تبدیلی کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ یہاں جو تبدیلی حاصل ہوئی ہے وہ بھاؤ میں تبدیلی کی وجہ سے ہے جو ہلاک ہونے کے ساتھ پختہ ہو گئی ہے۔ اور یہ اس حال پر باقی نہیں رہی جس کی مالیت لوٹ جائے جس طرح وہ پہلے تھی۔

یہ صورت باقی رہ گئی ہے جب مرتہن اس کو تلف کر دے اور وہ قیمت کی چٹی بھرے تو وہ قیمت اس کے قبضہ میں رہن ہو گی۔ جب وقت مقررہ آ جائے جب کہ دین قیمت کی جنس سے ہو تو اس سے پورا پورا حق لے لے گا۔ اگر اس میں زیادتی ہو تو اس کو واپس لوٹا دے گا۔ اگر اس کو تلف کرنے سے پہلے بھاؤ کے کم ہونے سے قیمت پانچ سو تک پہنچ جائے جب کہ وہ ہزار تھی تو ہلاک کرنے کے ساتھ پانچ سو واجب ہوگا اور رہن میں سے پانچ سو ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ جو کم ہوا ہے وہ ہلاک ہونے والے کی طرح ہے اور رہن سے اس کی مقدار کے مطابق ساقط ہو جائے گا اور رہن کی قیمت کا اعتبار سابقہ قبضہ کے دن کا کیا جائے گا نہ کہ بھاؤ میں تبدیلی کی وجہ سے جو قیمت ہو چکی ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور اتلاف کی صورت میں اس پر باقی ماندہ واجب ہوگا وہ اس کی وہ قیمت ہے جس روز اس کو تلف کیا گیا'' ہدایہ'' ملخص۔ اور سابقہ قبضہ کی وجہ سے اسے قابل ضمانت بنا دیا جائے گا نہ کہ بھاؤ کی تبدیلی سے اس کو قابل ضمانت بنایا جائے گا۔'' زیلعی'' نے جس اشکال کا ذکر کیا ہے کہ بھاؤ میں تبدیلی پر کوئی ضمانت نہیں وہ ختم ہو جاتا ہے۔

جواب کی وضاحت جو'' غایۃ البیان'' میں'' قدوری'' سے مروی ہے وہ یہ ہے: بھاؤ کی کمی کی عین کے باقی رہنے کی صورت میں کوئی ضمانت نہیں ہوگی مگر جب عین تلف ہو جائے تو ضمان قبضہ کی صورت میں ہوگی۔ اور اتلاف کی ضمانت رہن کی ضمان کی جنس کے علاوہ سے اسی وجہ سے اس کی قیمت تلف کرنے کے دن کی واجب ہوگی۔ اور زیادتی سابقہ قبضہ کے ساتھ رہن کی ضمانت پر واجب ہوگی ملخص۔ اس کی مثل وہ ہے جو'' الکفایہ'' سے گزر چکی ہے۔

34512۔ (قولہ: مَجَازًا)'' ہدایہ'' کے شارحین نے اسے تسامح قرار دیا ہے۔ علما نے کہا: کیونکہ اعارہ عوض کے بغیر

فَلَوْ هَلَكَ الرَّهْنُ (فِي يَدِ الرَّاهِنِ هَلَكَ مَجَّانًا) حَتَّى لَوْ كَانَ أَعْطَاهُ بِهِ كَفِيلًا لَمْ يَلْزَمِ الْكَفِيلَ شَيْءٌ لِخُرُوجِهِ مِنَ الرَّهْنِ، نَعَمْ لَوْ كَانَ الرَّاهِنُ أَخَذَهُ بِغَيْرِ رِضَا الْمُرْتَهِنِ جَازَ ضَمَانُ الْكَفِيلِ تَتَارْخَانِيَّةٌ (فَإِنْ عَادَ) قَبْضُهُ (عَادَ ضَمَانُهُ) وَلِلْمُرْتَهِنِ اسْتِرْدَادُهُ مِنْهُ إِلَى يَدِهِ، فَلَوْ مَاتَ الرَّاهِنُ قَبْلَ ذَلِكَ)

اگر رہن راہن کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو وہ بغیر عوض کے ہلاک ہوگا یہاں تک اگر وہ اس کے بدلے میں کوئی ضامن دے تو کفیل پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ رہن سے نکل چکا ہے۔ ہاں اگر راہن نے مرتہن کی رضا کے بغیر اسے لیا ہو تو کفیل کی ضمانت جائز ہوگی ''تاتر خانیہ''۔ اگر اس کا قبضہ لوٹ آئے تو اس کی ضمانت لوٹ آئے گی۔ اور مرتہن کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس سے اپنے قبضہ میں واپس لے لے۔ اگر واپس لینے سے پہلے ہی راہن مرجائے

منافع کا مالک بنانا ہے۔ وہ مرتہن اس کا مالک نہیں تو کوئی اور اس کا کیسے مالک ہو سکتا ہے۔ لیکن جب یہ ضمانت کے بغیر اور واپس لینے کی قدرت کے ساتھ اعارہ کا سا معاملہ کیا گیا تو اس پر اعارہ کے اسم کا اطلاق کیا گیا۔

بعض محققین نے تسامح کی تفسیر اس سے کی ہے کہ یہ لفظ کا اس کے غیر حقیقی معنی میں استعمال جب کہ کسی معتبر علاقہ کا قصد نہیں کیا گیا اور نہ ہی کوئی قرینہ قائم کیا گیا جب کہ صرف مقام کے ظہور پر اعتماد کیا ہے نہ یہ حقیقت ہے اور نہ ہی مجاز ہے۔ مصنف نے ''المنح'' میں اعارہ کے لفظ کو یہاں استعارہ تصریحیہ بنایا ہے اس کا علاقہ مشابہت کا ہے۔ قرینہ اعارہ کو مرتہن کی طرف منسوب کرنا ہے۔ کیونکہ اس کا اسناد مالک کے لیے حقیقت ہے۔ کہا: جب قرینہ اور جامع یعنی علاقہ پایا گیا تو ان کا یہ قول کہ یہ مجاز ہے جائز ہے، تامل۔

34513۔ (قولہ: هَلَكَ مَجَّانًا) یعنی رہن میں سے کسی شے کے ساقط ہونے کے بغیر ہلاک ہوگا۔ کیونکہ وہ قبضہ ختم ہو چکا ہے جس پر ضمانت ہوتی ہے۔

34514۔ (قولہ: حَتَّى لَوْ كَانَ) یعنی راہن مرتہن کو رہن کے بدلے میں کوئی ضامن دے یعنی اس کے سپرد کرنے پر کفیل دے نہ کہ رہن کی ذات کے عوض کفیل دے۔ کیونکہ کتاب الکفالہ میں قول ہے: ولا تصح الكفالة بمبيع قبل قبضه و مرهون و امانة باعيانها فلو بتسليمها صح مبیع پر قبضہ سے پہلے، مرہون، امانت کے عین کی کفالت صحیح نہیں۔ اگر ان کے حوالے کرنے کی کفالت ہو تو یہ صحیح ہے، تامل۔

34515۔ (قولہ: لِخُرُوجِهِ مِنَ الرَّهْنِ) یعنی وہ رہن کے حکم سے خارج ہو جاتا ہے وہ ضمانت ہے ورنہ عقد باقی رہے گا۔

34516۔ (قولہ: جَازَ ضَمَانُ الْكَفِيلِ) یعنی اس کے سپرد کرنے کو لازم کرنا اس کی دلیل وہ ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

34517۔ (قولہ: عَادَ ضَمَانُهُ) کیونکہ رہن کا عقد باقی ہے مگر ضمان کے حکم میں باقی نہیں، ''منح''۔

أَيْ قَبْلَ الِاسْتِرْدَادِ (فَالْمُرْتَهِنُ أَحَقُّ مِنْ سَائِرِ الْغُرَمَاءِ) لِبَقَاءِ حُكْمِ الرَّهْنِ (وَلَوْ أَعَارَهُ) أَوْ أَوْدَعَهُ (أَحَدُهُمَا أَجْنَبِيًّا بِإِذْنِ الْآخَرِ سَقَطَ ضَمَانُهُ وَلِكُلٍّ مِنْهُمَا أَنْ يُعِيدَهُ رَهْنًا) كَمَا كَانَ

تو مرتہن باقی غرما سے زیادہ حق دار ہوگا۔ کیونکہ رہن کا حکم باقی ہے۔ اگر دونوں میں سے ایک نے کسی اجنبی کو دوسرے کی اجازت کے بغیر اسے عاریۃً دے دیا یا اسے ودیعت کر دیا تو رہن کی ضمانت ساقط ہو جائے گی۔ اور دونوں میں سے ہر ایک کو حق حاصل ہوگا کہ اسے رہن کے طور پر واپس لوٹا دے جس طرح وہ پہلے رہن تھا۔

34518۔ (قولہ: مِنْ سَائِرِ الْغُرَمَاءِ) یعنی راہن کے جو غرماء ہیں یعنی جنہوں نے راہن سے کوئی چیز لینی ہے۔ پس وہ مرتہن کے ساتھ اس معاملہ میں شریک نہیں ہوں گے۔

34519۔ (قولہ: لِبَقَاءِ حُكْمِ الرَّهْنِ) زیادہ صحیح یہ قول ہے: لبقاء عقد الرهن۔ مگر یہاں حکم سے مراد پورا پورا حق لینے کا قبضہ ہے ضمانت نہیں ہے، تامل۔

تصرفات کی اقسام

34520۔ (قولہ: وَلَوْ أَعَارَهُ الخ) یہ تمام تصرفات چھ ہیں: عاریہ، رہن، ودیعت، اجارہ، بیع، ہبہ۔ عاریہ یہ ضمان کے سقوط کو واجب کرتا ہے خواہ عاریۃً لینے والا راہن ہو یا مرتہن ہو جب وہ استعمال کی حالت میں ہلاک ہو جائے یا وہ اجنبی ہو۔ یہ رہن کے عقد کو ختم نہیں کرتا۔ ودیعت کا حکم عاریہ کے حکم کی طرح ہے۔ رہن یہ رہن کے عقد کو باطل کر دیتا ہے۔ جہاں تک اجارہ کا تعلق ہے تو مستاجر اگر راہن ہی ہو تو یہ باطل ہو جائے گا اور یہ اجارہ اس کے قائم مقام ہوگا۔ جب وہ اسے عاریۃً دے یا اسے ودیعت کے طور پر دے اگر وہ مرتہن ہو اور اجارہ کے لیے نیا قبضہ کرے یا وہ اجنبی ہو جب کہ دونوں میں سے ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر عقد کرے تو رہن باطل ہو جائے گا۔ اجرت راہن کے لیے ہوگی اور قبض کا اختیار عاقد کو ہو گا۔ اور وہ رہن کی حیثیت سے واپس نہیں لوٹے گا مگر جب وہ نئے سرے سے عقد کرے۔

جہاں تک بیع اور ہبہ کا تعلق ہے تو عقد دونوں کے ساتھ باطل ہو جائے گا جب وہ دونوں (بیع اور ہبہ) مرتہن سے یا اجنبی سے ہوں جب کہ دونوں میں سے ایک دوسرے کی اجازت سے یہ فعل کر رہا ہو۔ جہاں تک راہن سے اس فعل کے واقع کرنے کا تعلق ہے تو اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ''عنایہ''۔ اس کے حاشیہ جو ''سعدی آفندی'' کی تالیف ہے میں ہے: جب اجنبی کو یہ ودیعت کیا جائے تو چاہیے کہ ضمان ساقط نہ ہو کیونکہ وہ عادل ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ عمدہ بحث ہے۔ پھر میں نے اسے ''خانیہ'' میں منصوص دیکھا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس میں کہا: جب راہن نے مرتہن کو اجازت دے دی کہ وہ کسی انسان کے ہاں ودیعت رکھ دے یا اسے عاریۃً دے دے اگر اس نے اسے ودیعت رکھ دیا تو وہ اپنی حالت پر رہن ہوگا۔ اگر وہ مودع کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو رہن ساقط ہو جائے گا اگر وہ اسے عاریۃً دے دے تو وہ رہن کی ضمان سے خارج ہو جائے گا۔ اور مرتہن کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اسے واپس لے لے۔ پس

(بِخِلَافِ الْإِجَارَةِ وَالْبَيْعِ وَالْهِبَةِ) وَالرَّهْنِ (مِنَ الْمُرْتَهِنِ أَوْ مِنْ أَجْنَبِيٍّ إِذَا بَاشَرَهَا أَحَدُهُمَا بِإِذْنِ الْآخَرِ)

اجارہ، بیع، ہبہ اور رہن جو مرتہن کے لیے ہوں یا کسی اجنبی کے لیے ہوں جب دونوں میں سے ایک دوسرے کی اجازت کے ساتھ یہ معاملہ خود کرے

انہوں نے عاریۃ اور ودیعت میں اس کے برعکس فرق بیان کیا ہے جس کا ذکر ''العنایہ'' میں کیا ہے۔ شارح نے اس میں ان کی پیروی کی ہے۔ فتنبہ

34521۔(قولہ: بِخِلَافِ الْإِجَارَةِ) یہ ان کے قول: ولکل واحد منهما ان یعیدہ رهنا سے حال ہے۔ اجارہ کی صورت میں نئے سرے سے قبضہ کی شرط ہے جس طرح تو نے ابھی جان لیا ہے۔ ''بزازیہ'' میں ہے: اگر مرتہن نے اسے اجارہ پر لیا جب کہ عقد فاسد ہے اور وہ رہن اس کے پاس پہنچ گیا اور اتنا زمانہ گزر گیا جس میں اجرت میں سے کوئی شے واجب ہو گئی تو رہن باطل ہو جائے گا۔

اس میں ہے: اگر مرتہن نے زمین زراعت کے لیے لی تو رہن باطل ہو جائے گا۔ اگر بیج مرتہن کی جانب سے ہو اگر بیج راہن کی جانب سے ہو تو عقد رہن باطل نہیں ہو گا۔ یعنی اس کی وجہ یہ ہے کہ جو ہم کتاب المزارعہ میں پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بیج کا مالک ہی متاجر ہوتا ہے۔ اگر وہ عامل ہو تو وہ زمین کو اجرت پر لینے والا ہو گا۔ اگر وہ زمین کا مالک ہو تو وہ عامل کو اجرت پر لینے والا ہو گا۔

34522۔(قولہ: وَالرَّهْنِ) یعنی رہن کو آگے رہن رکھنے کا معاملہ مختلف ہے اس بارے میں کلام قریب ہی آئے گا۔

34523۔(قولہ: مِنَ الْمُرْتَهِنِ) یہ من ماقبل کا صلہ ہے یہ من ابتدائیہ نہیں۔ تو کہتا ہے: اجرت منه الدار اسی طرح بعتها منه اور وهبتها منه ہے جب وہ عقد کو قبول کرنے والا ہو اور تو عقد کرنے والا ہو گا۔ مرتہن یا اجنبی یہاں عقد قبول کرنے والا اور مباشر ہے یعنی عاقد مرتہن کے ساتھ وہ راہن ہے اور اجنبی کے ساتھ ان دونوں میں سے ایک ہے۔ لیکن رہن کی طرف نسبت کے اعتبار سے اس تعمیم میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ اس کا مرتہن کے ساتھ عقد رہن کرنا کچھ مفید نہیں۔ پس ظاہر یہ ہے کہ یہ اس حالت سے خاص ہے جب دونوں میں سے ایک اجنبی کے ساتھ عقد رہن کرے۔

''تاتر خانیہ'' میں ''شرح الطحاوی'' سے مروی ہے: مرتہن کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ آگے اسے رہن کے طور پر کسی کے ہاں رکھے اگر راہن کی اجازت کے بغیر اسے رہن رکھے اگر پہلے کے قبضہ کی طرف لوٹ آنے سے پہلے دوسرے کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو راہن کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ پہلے مرتہن سے ضمان لے اور اس کی ضمان رہن ہو جائے گی اور دوسرا مرتہن رہن کے بدلے میں اس کا مالک بن جائے گا یا وہ دوسرے مرتہن سے ضمانت لے اور ضمان سے پہلے مرتہن کے پاس رہن ہو گی اور دوسرے کا عقد رہن باطل ہو جائے گا اور دوسرا مرتہن پہلے مرتہن سے ضمانت اور اپنے رہن کا مطالبہ کرے گا۔ اگر راہن کی اجازت سے اس نے رہن رکھا تو دوسرا عقد صحیح ہو جائے گا اور پہلا عقد باطل ہو جائے گا۔

حَيْثُ يَخْرُجُ عَنِ الرَّهْنِ ثُمَّ لَا يَعُودُ إِلَّا بِعَقْدٍ مُبْتَدَإٍ لِأَنَّهَا عُقُودٌ لَازِمَةٌ، بِخِلَافِ الْعَارِيَةِ، وَبِخِلَافِ بَيْعِ الْمُرْتَهِنِ مِنَ الرَّاهِنِ لِعَدَمِ لُزُومِهِمَا بَقِيَ لَوْ مَاتَ الرَّاهِنُ قَبْلَ رَهْنِهِ ثَانِيًا فَالْمُرْتَهِنُ أُسْوَةُ الْغُرَمَاءِ (وَلَوْ أَذِنَ الرَّاهِنُ لِلْمُرْتَهِنِ فِي اسْتِعْمَالِهِ أَوْ إِعَارَتِهِ لِلْعَمَلِ فَهَلَكَ) الرَّهْنُ (قَبْلَ أَنْ يَشْرَعَ فِي الْعَمَلِ أَوْ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنْهُ هَلَكَ) بِالدَّيْنِ لِبَقَاءِ عَقْدِ الرَّهْنِ (وَلَوْ هَلَكَ فِي حَالَةِ الْعَمَلِ) وَالِاسْتِعْمَالِ

اس طرح کہ وہ رہن سے خارج ہو جائے پھر وہ نہ لوٹے گا مگر عقد جدید کے ساتھ لوٹے گا۔ کیونکہ یہ ایسے عقود ہیں جو لازم ہیں۔ عاریتاً کا معاملہ مختلف ہے۔ مرتہن راہن کو بیع کرے یہ معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ لازم نہیں۔ ایک صورت باقی رہ گئی ہے: اگر راہن دوبارہ رہن رکھنے سے پہلے مرجائے تو مرتہن دوسرے قرض خواہوں کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا۔ اگر راہن نے مرتہن کو اس کے استعمال یا عمل کے لیے اس کے اعارہ کی اجازت دی تو عمل میں شروع ہونے سے پہلے یا اس سے فارغ ہونے کے بعد ہلاک ہو جائے تو وہ دین کے بدلے میں ہلاک ہوگا۔ کیونکہ عقد رہن باقی ہے۔ اگر وہ عمل اور استعمال کی حالت میں ہلاک ہو جائے

34524۔ (قولہ: حَيْثُ يَخْرُجُ عَنِ الرَّهْنِ) ودیعت اور ان عقود میں جو مخالفت کی جہت ہے اس کا بیان ہے۔ لیکن بیع کی صورت میں مرتہن کا حق ثمن کی طرف متغیر ہو جائے گا خواہ وہ اس پر قبضہ کرے یا قبضہ نہ کرے یہاں تک کہ اگر وہ مشتری کے پاس ہلاک ہو جائے تو رہن ساقط ہو جائے گا۔ بدل اجارہ کا معاملہ مختلف ہے۔ دونوں میں فرق پہلے گزر چکا ہے۔ ''معراج'' میں اس پر نص قائم کی ہے۔

34525۔ (قولہ: لِأَنَّهَا عُقُودٌ لَازِمَةٌ) اسی وجہ سے ان کا فسخ کرنا ممکن نہیں۔

34526۔ (قولہ: بِخِلَافِ بَيْعِ الْمُرْتَهِنِ مِنَ الرَّاهِنِ) اسی طرح اس کے اجارہ اور اس کے ہبہ کا معاملہ ہے۔ یہ مصنف کے قول من المرتہن سے احتراز ہے۔

34527۔ (قولہ: لِعَدَمِ لُزُومِهِمَا) یعنی عاریہ اور بیع لازم نہیں ہیں۔ زیادہ بہتر یہ قول تھا: لزومہما یعنی ضمیر تثنیہ کی ہوتی۔ یعنی راہن کے حق میں یہ لازم نہیں۔ کیونکہ اس کی ملک مرہون کے حق میں باقی ہے پس عقد باطل ہو جائے گا۔

34528۔ (قولہ: بَقِيَ لَوْ مَاتَ الخ) یہ مصنف کے قول بخلاف الاجارہ کے متعلق ہے، الخ۔

34529۔ (قولہ: فَالْمُرْتَهِنُ أُسْوَةُ الْغُرَمَاءِ) یعنی مال مرہون میں یہ دوسرے قرض خواہوں کے ہم پلہ ہیں۔ کیونکہ ان عقود کی وجہ سے عقد رہن باطل ہو گیا ہے۔ ''معراج''۔

34530۔ (قولہ: لَوْ أَذِنَ الرَّاهِنُ لِلْمُرْتَهِنِ فِي اسْتِعْمَالِهِ) اگر اس نے استعمال کی اجازت نہ دی اور مرتہن نے مخالفت کی پھر وہ لوٹ آیا تو یہ اپنی حالت پر رہن ہوگا ''جامع الفصولین''۔

34531۔ (قولہ: وَلَوْ هَلَكَ فِي حَالَةِ الْعَمَلِ) یہ ان کے قول او اعارتہ کی طرف راجع ہے اور ان کا قول

(هَلَكَ أَمَانَةً) لِثُبُوتِ يَدِ الْعَارِيَةِ حِينَئِذٍ (لَوْ اخْتَلَفَا فِي وَقْتِهِ) أَيْ وَقْتِ هَلَاكِهِ فَقَالَ الْمُرْتَهِنُ هَلَكَ فِي وَقْتِ الْعَمَلِ وَقَالَ الرَّاهِنُ فِي غَيْرِهِ (فَالْقَوْلُ لِلْمُرْتَهِنِ) لِأَنَّهُ مُنْكِرٌ (وَالْبَيِّنَةُ لِلرَّاهِنِ) لِأَنَّهُمَا اتَّفَقَا عَلَى زَوَالِ يَدِ الرَّهْنِ فَلَا يُصَدَّقُ الرَّاهِنُ فِي عَوْدِهِ إِلَّا بِحُجَّةٍ بَزَّازِيَّةٌ۔ وَفِيهَا أَذِنَ لِلْمُرْتَهِنِ فِي لُبْسِ ثَوْبِ الرَّهْنِ يَوْمًا فَجَاءَ بِهِ الْمُرْتَهِنُ مُتَخَرِّقًا وَقَالَ تَخَرَّقَ فِي لُبْسِ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَقَالَ الرَّاهِنُ مَا لَبِسْتَهُ فِيهِ وَلَا تَخَرَّقَ فِيهِ فَالْقَوْلُ لِلرَّاهِنِ، وَإِنْ أَقَرَّ الرَّاهِنُ بِاللُّبْسِ فِيهِ وَلَكِنْ قَالَ تَخَرَّقَ قَبْلَ لُبْسِهِ أَوْ بَعْدَهُ فَالْقَوْلُ لِلْمُرْتَهِنِ

تو وہ امانت کے طور پر ہلاک ہوگا۔ کیونکہ اس وقت عاریہ کا قبضہ ثابت ہوتا ہے۔ اگر اس کے ہلاک ہونے کے وقت میں اختلاف کریں مرتہن کہے: وہ عمل کے وقت ہلاک ہوا ہے اور راہن کہے: وہ اس کے علاوہ میں ہلاک ہوا ہے تو قول مرتہن کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ منکر ہے اور گواہیاں راہن کی معتبر ہوں گی۔ کیونکہ وہ دونوں اس پر متفق ہیں کہ رہن کا قبضہ زائل ہو چکا ہے۔ پس راہن کی اس کے لوٹنے میں تصدیق نہ کی جائے گی مگر حجت کے ساتھ ہی تصدیق کی جائے گی، ''بزازیہ''۔ اس میں ہے: مرتہن کو اجازت دی کہ وہ رہن کا کپڑا ایک دن پہن لے تو مرتہن اس کو پھٹے ہونے کی حالت میں لے آیا اور کہا: یہ اس دن پہننے کی حالت میں پھٹا ہے راہن نے کہا: تو نے اس دن نہیں پہنا تھا اور نہ ہی وہ اس دن پھٹا ہے تو قول راہن کا معتبر ہوگا۔

والاستعمال یہ ان کے قول فی استعمالہ کی طرف راجع ہے۔ یہ لف نشر غیر مرتب ہے۔

34532۔ (قولہ: لِثُبُوتِ يَدِ الْعَارِيَةِ) یہ عقد رہن کے قبضہ کے خلاف ہے پس ضمان منتفی ہو جائے گی، ''منح''۔

34533۔ (قولہ: لِأَنَّهُ مُنْكِرٌ) جو چیز ضمان کو واجب کرتی ہے وہ اس کا انکاری ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ آنے والی تعلیل دونوں مسئلوں کی ہے۔

34534۔ (قولہ: وَقَالَ الرَّاهِنُ فِي غَيْرِهِ) ''خانیہ'' وغیرہا میں یہ اسی طرح ہے۔ پس یہ قول اس کو شامل ہے کہ یہ عمل سے پہلے ہو یا اس کے بعد ہو۔

34535۔ (قولہ: لِأَنَّهُمَا اتَّفَقَا عَلَى زَوَالِ يَدِ الرَّهْنِ) یعنی وہ قبضہ زائل ہو چکا ہے جو ضمان کا موجب ہے۔ کیونکہ دونوں نے ایسے عمل کے وجود کا اعتراف کیا ہے جو ضمان کو زائل کر دیتا ہے۔

34536۔ (قولہ: فِي عَوْدِهِ) ضمیر سے مراد رہن ہے۔ یعنی اس کے قبضہ کا لوٹ آنا۔ بعض نسخوں میں فی حقہ کے الفاظ ہیں اور بعض نسخوں میں فی دعواہ کے الفاظ ہیں۔ ''بزازیہ'' کی عبارت فی العود ہے۔

34537۔ (قولہ: مَا لَبِسْتَهُ) یہ واحد مذکر مخاطب کا صیغہ ہے یعنی تا مخاطبہ مفتوحہ ہے۔

34538۔ (قولہ: فَالْقَوْلُ لِلرَّاهِنِ) کیونکہ وہ عمل کے وجود کا منکر ہے۔ پس دونوں قبضہ کے زوال پر متفق نہیں ہوئے۔

34539۔ (قولہ: فَالْقَوْلُ لِلْمُرْتَهِنِ الخ) ''بزازیہ'' کی عبارت ہے: فالقول للمرتھن یعنی قول مرتہن کا معتبر ہوگا

فِي قَدْرِ مَا عَادَ مِنَ الضَّمَانِ فُرُوعٌ رَهَنَ الْأَبُ مِنْ مَالِ طِفْلِهِ شَيْئًا بِدَيْنٍ عَلَى نَفْسِهِ جَازَ، فَلَوِ الرَّهْنُ قِيمَتُهُ أَكْثَرَ مِنَ الدَّيْنِ فَهَلَكَ ضَمِنَ الْأَبُ قَدْرَ الدَّيْنِ دُونَ الزِّيَادَةِ بِخِلَافِ الْوَصِيِّ فَإِنَّهُ يَضْمَنُ قِيمَتَهُ وَالْفَرْقُ أَنَّ لِلْأَبِ أَنْ يَنْتَفِعَ بِمَالِ الصَّغِيرِ عِنْدَ الْحَاجَةِ وَلَا كَذٰلِكَ الْوَصِيُّ وَلَوْ أَدْرَكَ الِابْنُ وَمَاتَ الْأَبُ لَيْسَ لِلِابْنِ أَخْذُهُ قَبْلَ قَضَاءِ الدَّيْنِ، وَيَرْجِعُ الِابْنُ فِي مَالِ الْأَبِ إِنْ كَانَ رَهَنَهُ لِنَفْسِهِ لِأَنَّهُ مُضْطَرٌّ

اگر راہن نے اس دن میں پہننے کا اقرار کیا لیکن اس نے کہا: وہ اس کے پہننے سے پہلے یا اس کے بعد پھٹا تو ضمان کے لوٹ آنے کی مقدار میں قول مرتہن کا معتبر ہوگا۔ باپ نے اپنے بچے کے مال میں سے کسی شے کو اپنی ذات پر موجود دین کے عوض رہن رکھا تو یہ جائز ہوگا۔ اگر رہن کی قیمت دین سے زائد ہو۔ پس وہ ہلاک ہو جائے تو باپ دین کی مقدار کا ضامن ہوگا زائد کا ضامن نہیں ہوگا۔ وصی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ اس شے کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ فرق یہ ہے کہ باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ضرورت کے وقت صغیر کے مال سے نفع حاصل کرے وصی کا معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ اگر صغیر بالغ ہو گیا اور باپ مر گیا تو بیٹے کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دین کی ادائیگی سے قبل اسے لے اور بیٹا باپ کے مال سے واپس لے گا۔ اگر باپ نے اسے اپنے دین کے لیے اسے رہن رکھا تھا۔ کیونکہ وہ بیٹا مجبور ہے

کہ اس نے اسے پہنا ہے۔ کیونکہ دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ وہ رہن ضمان سے نکل چکا ہے تو ضمان کے اس کی طرف لوٹ آنے میں قول مرتہن کا معتبر ہوگا۔ پہلے مسئلہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہاں ضمان سے نکلنے میں اتفاق نہیں۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ دونوں جب ضمان سے نکلنے میں متفق ہیں تو اس معاملہ میں قول مرتہن کا معتبر ہوگا کہ ضمان سے نکلنے کے بعد وہ رہن کی ضمانت کے ساتھ نہیں لوٹے گا مگر پھٹے ہوئے کپڑے کی ضمانت کے ساتھ لوٹے گا یعنی جب اس کے بعد ہلاک ہو تو وہ پھٹے ہوئے کپڑے کی قیمت کی ضمانت دے گا۔

34540۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْوَصِيِّ) باب ما یجوز ارتہانہ میں یہ پہلے بیان کیا ہے کہ یہ امام ''تمرتاشی'' کا قول ہے اور ''ذخیرہ'' وغیرہا میں باپ اور وصی میں برابری کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مصنف نے وہاں اسے یقین کے صیغوں کے ساتھ بیان کیا ہے جیسے ''عنایہ'' اور ''ملتقی'' ہے۔ ہم اس کی توجیہ پہلے بیان کر چکے ہیں۔

34541۔ (قولہ: لَيْسَ لِلِابْنِ أَخْذُهُ الخ) کیونکہ باپ کا تصرف نافذ اور لازم ہے۔

34542۔ (قولہ: وَيَرْجِعُ الِابْنُ) یعنی جب باپ کا دین ادا کرے اور رہن کو چھڑا لے۔

34543۔ (قولہ: إِنْ كَانَ) یعنی باپ نے اپنے اوپر لازم دین کے لیے اسے رہن رکھا۔ اور اسی طرح اگر اسے رہن رکھا ایسے دین کے عوض جو اس کی ذات پر تھا اور ایسے دین کے عوض جو چھوٹے بچے پر تھا تو باپ کے دین کے حصہ میں اس کا حکم اس کے حکم کی طرح ہوگا اگر یہ سارے کا سارا باپ کے دین کے عوض ہو۔ جس طرح ''المنح'' میں ہے۔

34544۔ (قولہ: لِأَنَّهُ) کیونکہ بیٹا رہن کو آزاد کرانے کے لیے رہن کی ادائیگی میں مجبور ہے۔ پس وہ متبرع نہیں یہ

كَمُعِيرِ الرَّهْنِ وَلَوْ رَهَنَ شَيْئًا ثُمَّ أَقَرَّهُ بِالرَّهْنِ لِغَيْرِهِ لَا يُصَدَّقُ فِي حَقِّ الْمُرْتَهِنِ وَيُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الدَّيْنِ وَرَدِّهِ إِلَى الْمُقَرِّ لَهُ وَلَوْ رَهَنَ دَارَ غَيْرِهِ فَأَجَازَ صَاحِبُهَا جَازَ، وَبَيِّنَةُ الرَّاهِنِ عَلَى قِيمَةِ الرَّهْنِ أَوْلَى وَزَوَائِدُ الرَّهْنِ كَوَلَدٍ وَثَمَرَةٍ رَهْنٌ لَا غَلَّةُ دَارٍ وَأَرْضٍ وَعَبْدٍ فَلَا يَصِيرُ رَهْنًا وَالرَّهْنُ الْفَاسِدُ كَالصَّحِيحِ فِي ضَمَانِهِ (وَصَحَّ اسْتِعَارَةُ شَيْءٍ لِيَرْهَنَهُ فَيَرْهَنُ بِمَا شَاءَ)

جس طرح رہن کو عاریتاً دینے والا ہوتا ہے۔ اگر ایک آدمی نے کسی شے کو رہن کے طور پر رکھا پھر غیر کے لیے اس کے رہن کے رکھنے کا اقرار کیا تو مرتہن کے حق میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ اور اسے رہن کی ادائیگی اور مقرلہ کی طرف لوٹانے کا اسے حکم دیا جائے گا۔ اگر ایک آدمی نے کسی اور کا گھر رہن کے طور پر رکھا اور اس گھر کے مالک نے اس کو جائز قرار دے دیا تو یہ جائز ہوگا اور رہن کی قیمت پر راہن کی گواہیاں اولیٰ ہیں۔ رہن کے زوائد جیسے بچہ اور رہن کا پھل رہن ہیں نہ کہ گھر کی زمین اور غلام کا کرایہ اور اجرت وغیرہ میں یہ رہن نہ ہوں گے۔ فاسد رہن اس کی ضمانت میں صحیح کی طرح ہیں۔ کسی شے کو عاریۃً لینا صحیح ہے تا کہ اسے وہ رہن رکھے پس جس چیز کے بدلے میں چاہے رہن رکھے

رہن کو عاریۃً دینے والے کی مثل ہے جس کا بیان آگے آئے گا جس طرح ''المنح'' میں ہے۔

34545۔ (قولہ: ثُمَّ أَقَرَّهُ بِالرَّهْنِ الخ) یعنی یہ اقرار کیا ہے کہ مثلاً یہ مرہون زید کی ملکیت ہے تو یہ مرتہن کے حق میں صادق نہیں آئے گا یہاں تک کہ محض اس کے اقرار سے اس کے قبضہ سے اسے نہیں لیا جائے گا۔ جب تک مقرلہ اس پر دلیل قائم نہیں کرے گا بلکہ مقر کا مواخذہ صرف اس کے اپنے حق میں ہوگا۔ یہاں تک کہ اسے مرتہن کو اس کا قرض ادا کرنے اور مرہون کو مقرلہ کو واپس کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ کیا اسے فی الحال ادا کرنے کا حکم دیا جائے گا اگر وہ موجل ہو یا اس کی قیمت مرتہن کو ادا کرے پھر رہن مقرلہ کے حوالے کرنے کا اسے حکم دیا جائے گا یا وقت مقررہ آنے کا انتظار کیا جائے گا۔ پس کتب کی طرف رجوع کیا جائے۔

34546۔ (قولہ: جَازَ) یہ اس کے قائم مقام ہوگا اگر وہ اسے عاریۃ دے تا کہ وہ اسے رہن کے طور پر رکھے۔

34547۔ (قولہ: أَوْلَى) یعنی مرتہن کے بینہ سے اولیٰ ہیں۔ کیونکہ یہ ضمان کی زیادتی کو ثابت کرتے ہیں اگر وہ گواہیوں کو قائم نہ کریں تو قول مرتہن کا معتبر ہوگا۔ ''ہندیہ'' سے اسی طرح مستفاد ہے، ''ط''۔

34548۔ (قولہ: وَزَوَائِدُ الرَّهْنِ الخ) یہ مسئلہ بعد والے مسئلہ کی طرح عنقریب مفصل آئے گا۔ اسی وجہ سے بعض نسخوں میں یہ نہیں پایا گیا، ''ط''۔

34549۔ (قولہ: وَصَحَّ اسْتِعَارَةُ شَيْءٍ لِيَرْهَنَهُ) کیونکہ مالک اس پر راضی ہے کہ مستعیر کے دین کو اپنے مال سے متعلق کرے جب کہ وہ اس کا مالک ہے جس طرح کفالت کے ساتھ اس کو اپنے ذمہ کے ساتھ متعلق کرنے کا مالک تھا، ''ط''۔

34550۔ (قولہ: فَيَرْهَنُ بِمَا شَاءَ) یعنی جس جنس یا قدر کے بدلے میں رہن رکھے اسی طرح وہ جس مرتہن کے پاس

إِذَا أَطْلَقَ وَلَمْ يُقَيِّدْ بِشَيْءٍ (وَإِنْ قَيَّدَهُ بِقَدْرٍ أَوْ جِنْسٍ أَوْ مُرْتَهِنٍ أَوْ بَلَدٍ تَقَيَّدَ بِهِ) وَحِينَئِذٍ (فَإِنْ خَالَفَ مَا قَيَّدَهُ بِهِ الْمُعِيرُ ضَمِنَ) الْمُعِيرُ (الْمُسْتَعِيرَ أَوْ الْمُرْتَهِنَ) لِتَعَدِّي كُلٍّ مِنْهُمَا

جب اس نے مطلق قول کیا ہو اور اس نے کسی شے کی قید نہیں لگائی اگر اس نے کسی مقدار، جنس، مرتہن یا شہر کی قید لگائی تو وہ امر اس کے ساتھ مقید ہوگا۔ اگر اس وقت وہ اس کی مخالفت کرے جس کی معیر نے قید لگائی ہو تو عاریتاً دینے والا، مستعیر یا مرتہن سے ضمانت لے گا۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک نے تعدی کی ہے

اسے رہن رکھے۔ اور جس شہر میں چاہے رہن رکھے جس طرح ''قہستانی'' میں ہے۔

34551۔ (قولہ: إِذَا أَطْلَقَ) یعنی معیر نے اسے مطلق ذکر کیا۔ کیونکہ اطلاق کا اعتبار واجب ہے۔ خصوصاً اعارہ میں اس کا اعتبار واجب ہے۔ کیونکہ اس میں جہالت منازعہ کی طرف نہیں لے جاتی، ''ہدایہ''۔ کیونکہ اسکی بنیاد مسامحہ پر ہے۔ ''معراج''۔

34552۔ (قولہ: تَقَيَّدَ بِهِ) اس پر یہ حق نہیں کہ اس پر وہ زائد کرے یا اس سے کم کرے۔ جہاں تک زیادتی کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات وہ رہن کے آزاد کرانے کا محتاج ہوتا ہے تو وہ رہن کی مقدار ادا کرے گا اور زائد مقدار کی ادائیگی کے ساتھ راضی ہو یا کیونکہ اس پر یہ مشکل ہے۔ پس اس سے اس کو نقصان اور ضرر لاحق ہوتا ہے۔ جہاں تک نقصان کا تعلق ہے تو رہن سے جو زائد ہے وہ امانت ہوگی اور وہ راضی نہیں مگر یہ اس سب کی ضمانت ہو پس تعیین مفید ہوگی۔ اسی طرح محبوس کرنے، مرتہن اور شہر کی قید کا معاملہ ہے۔ کیونکہ یہ سب کچھ مفید ہے۔ کیونکہ بعض کا بعض کی طرف منسوب ہونا آسان ہوتا ہے اور لوگ امانت اور حفاظت میں متفاوت ہوتے ہیں۔ یہ ''ہدایہ'' اور ''اختیار'' سے مروی ہے۔

تنبیہ

''حامدیہ'' میں اس صورت میں فتویٰ دیا ہے اگر عاریتاً کو معلوم مدت کے ساتھ مقید کیا ہو اور مدت گزر گئی ہو تو معیر کو وہ شے مستعیر سے لے لینے کا حق ہوگا۔ کہا: اسی کے مطابق ''خیریہ'' اور ''اسماعیلیہ'' میں فتویٰ دیا ہے۔ اس کی مثل ''فتاویٰ ابن نجیم'' میں ہے جب کہ یہ کہا: مدت گزرنے سے پہلے اسے رہن کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں جب مدت گزر گئی اور وہ مرتہن سے اس کو چھٹکارا دلانے سے رک گیا تو اسے اس پر مجبور کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: ''ذخیرہ'' میں جو قول ہے وہ اس کے مخالف نہیں۔ وہ قول یہ ہے: ایک آدمی نے اس سے کوئی چیز ادھار لی تاکہ اپنے رہن کے بدلے میں رہن رکھے تو اس نے اسے ایک سال کے لیے سو کے بدلے میں رہن رکھا تو معیر کو یہ حق حاصل ہے کہ اس سے اس کا مطالبہ کرے اگرچہ مستعیر نے معیر کو یہ بتایا ہے کہ وہ اسے ایک سال تک رہن رکھے گا۔ کیونکہ یہاں یہ عقد رہن فاسد ہے۔ کیونکہ اس کی مدت مقرر کی گئی ہے۔ ہماری گفتگو عاریہ کی مدت مقرر کے بارے میں ہے، تامل۔

34553۔ (قولہ: ضَمِنَ الْمُعِيرُ الْمُسْتَعِيرَ أَوْ الْمُرْتَهِنَ الخ) یعنی اس سے رہن کی قیمت کی ضمانت لی اگر وہ مرتہن کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے۔ کیونکہ اس نے اس کی مملوکہ چیز میں اس طرح تصرف کیا ہے جس کی اسے اجازت نہ دی گئی تھی۔

(اِلَّا إِذَا خَالَفَ إِلَى خَيْرٍ بِأَنْ عَيَّنَ لَهُ أَكْثَرَ مِنْ قِيمَتِهِ فَرَهَنَهُ بِأَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ) لَمْ يَضْمَنْ لِمُخَالَفَتِهِ إِلَى خَيْرٍ (فَإِنْ ضَمَّنَ) الْمُعِيرُ (الْمُسْتَعِيرَ تَمَّ عَقْدُ الرَّهْنِ) لِتَمَلُّكِهِ بِالضَّمَانِ (وَإِنْ ضَمَّنَ الْمُرْتَهِنَ

مگر جب وہ خیر میں مخالفت کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے اس کی قیمت سے زیادہ تعیین کی تو اس نے کم کے بدلے میں اسے رہن رکھا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے خیر میں مخالفت کی ہے۔ اگر معیر نے مستعیر سے ضمانت لی تو رہن کا عقد مکمل ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ ضمانت دینے کے ساتھ اس کا مالک بن جاتا ہے اگر وہ مرتہن سے ضمانت لے

پس وہ غاصب ہو گیا اور معیر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مرتہن سے وہ لے لے اور رہن کو فسخ کر دے،''جوہرہ''۔

34554۔(قولہ: فَرَهَنَهُ بِأَقَلَّ مِنْ ذَلِكَ) یعنی اس سے کم چیز کے بدلے میں رہن رکھا جو اس نے اس کے لیے معین کیا تھا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ رہن کی قیمت سے کم نہ ہو بلکہ یا تو اس کی مثل ہو یا اس سے زائد ہو۔ پس اس کی تین وجوہ ہیں: (ا) کپڑے کی قیمت معین رہن کی مثل ہوا گر وہ مسمی سے زائد ہو تو وہ قیمت کی ضمانت لے گا اگر وہ کم ہوا گر نقصان کپڑے کی قیمت کے مکمل ہونے تک ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا اگر نقصان اس سے کم تک ہو تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا، ملخص۔''النہایہ'' میں اسے نقل کیا ہے۔

پھر کہا: اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ معیر کسی صورت میں بھی قیمت سے زائد کی ضمانت نہیں لے گا۔ اسی طرح کپڑے کی تمام قیمت کی ضمانت نہیں لے گا جب وہ قیمت رہن سے زائد ہو بے شک وہ رہن کی مقدار کی ضمانت اس سے لے گا اور زائد امانت کے طور پر ہلاک ہو جائے گا۔

34555۔(قولہ: لِتَمَلُّكِهِ بِالضَّمَانِ) پس یہ واضح ہو گیا کہ اس نے اپنی ذاتی ملکیت کو رہن رکھا،''تبیین''۔''قاری الہدایہ'' نے کہا: اس میں میرا اعتراض ہے کیونکہ اس میں ملک قبضہ کے وقت کی طرف منسوب نہیں۔ کیونکہ قبضہ مالک کی اجازت سے ہوتا ہے۔ بے شک یہ مخالفت کے وقت کی طرف منسوب ہوگا۔ وہ مرتہن کو سپرد کرنا ہے اور عقد رہن اس سے پہلے تھا۔ پس اس کی ملکیت سپرد کرنے کے وقت تک محدود ہوگی۔ پس یہ واضح نہ ہوا کہ اس نے اپنی مملوکہ چیز رہن رکھی۔ کیونکہ وہ عقد رہن کے بعد اس کا مالک بنا ہے۔''ابوسعود'' اور''طحطاوی'' نے''شلبی'' سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ رہن سپرد کرنے سے ہی لازم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے مرتہن کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس سے قبل اس سے رجوع کرلے جس طرح کتاب الرہن کے شروع میں گزر چکا ہے جب عقد سپرد کرنے پر موقوف ہو گیا تو جو اس پر سابق ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا گویا دونوں نے اکٹھے اسے سپرد کرنے کے وقت پایا جو مخالفت کا وقت ہے۔ پس عقد رہن کے بعد وہ اس کی ملکیت نہیں۔ یہ وہ امر ہے جو میرے لیے فتاح علیم کے فیض سے ظاہر ہوا ہے۔ پس اس کو غنیمت جانو۔

34556۔(قولہ: وَإِنْ ضَمَّنَ الْمُرْتَهِنَ) کیونکہ وہ غیر کے مال پر اس کی اجازت کے بغیر قبضہ کرنے کے ساتھ تعدی

يَرْجِعُ بِمَا ضَمِنَ وَبِالدَّيْنِ عَلَى الرَّاهِنِ) كَمَا مَرَّ فِي الِاسْتِحْقَاقِ (فَإِنْ وَافَقَ وَهَلَكَ عِنْدَ الْمُرْتَهِنِ صَارَ الْمُرْتَهِنُ (مُسْتَوْفِيًا لِدَيْنِهِ وَوَجَبَ مِثْلُهُ) أَيْ مِثْلُ الدَّيْنِ (لِلْمُعِيرِ عَلَى الْمُسْتَعِيرِ) وَهُوَ الرَّاهِنُ لِقَضَاءِ دَيْنِهِ بِهِ (إِنْ كَانَ كُلُّهُ مَضْمُونًا وَإِلَّا) يَكُنْ كُلُّهُ مَضْمُونًا (ضَمِنَ قَدْرَ الْمَضْمُونِ وَالْبَاقِي أَمَانَةٌ) وَكَذَا لَوْ تَعَيَّبَ فَيَذْهَبُ مِنَ الدَّيْنِ بِحِسَابِهِ وَيَجِبُ مِثْلُهُ لِلْمُعِيرِ (وَلَوْ افْتَكَّهُ) أَيْ الرَّهْنَ (الْمُعِيرُ أُجْبِرَ الْمُرْتَهِنُ عَلَى الْقَبُولِ

تو اس نے جو ضمانت دی ہے اس کا اور راہن کے ذمہ جو دین تھا اس کا مطالبہ کرے گا جس طرح باب الاستحقاق میں گزر چکا ہے۔ اگر مستعیر معیر کی موافقت کرے اور وہ مرتہن کے پاس ہلاک ہو جائے تو مرتہن اپنے رہن کو پورا کرنے والا ہوگا اور مستعیر پر معیر کے لیے دین کی مثل واجب ہوگا مستعیر ہی راہن ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے دین کو اس کے ساتھ ادا کیا ہے اگر وہ سب کا سب مضمون ہو۔ اگر سب کا سب مضمون نہ ہو تو وہ مضمون کی مقدار کا ضامن ہوگا اور باقی ماندہ امانت ہوگا۔ اسی طرح اگر اس میں عیب واقع ہو جائے تو دین میں سے اسی کی حساب سے ضائع ہو جائے گا اور معیر کے لیے اس کی مثل واجب ہوگا۔ اگر معیر نے رہن کو چھوڑ دیا تو مرتہن کو اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا

کرنے والا ہوا ہے پس وہ غاصب کے غاصب کی طرح ہے۔

34557_(قولہ: كَمَا مَرَّ فِي الِاسْتِحْقَاقِ) یعنی اس باب سے تھوڑا پہلے۔

34558_(قولہ: صَارَ الْمُرْتَهِنُ مُسْتَوْفِيًا لِدَيْنِهِ) یعنی اگر رہن کی قیمت رہن کی مثل ہو یا اس سے زائد ہو اگر وہ اس سے کم ہو تو وہ اس کی مقدار کے مطابق حق پورا پورا لینے والا ہوگا اور زائد کا راہن سے مطالبہ کرے گا، ''مسکین''۔

34559_(قولہ: أَيْ مِثْلُ الدَّيْنِ) ''الدرر'' میں یہ اسی طرح ہے زیادہ صحیح یہ کہنا ہے ای مثل الرهن یعنی صورت اور معنی کے اعتبار سے مثل ہو۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ مثلی ہو اور صرف معنی کے اعتبار سے مثل ہو وہ اس کی قیمت ہے۔ اگر وہ ذوات القیم میں سے ہوتا کہ اس کے بعد ضمائر میں تشتیت (انتشار) لازم نہ آئے، ''رحمتی'' ملخص۔ اسی کی مثل ''شرح الطحاوی'' میں ہے۔

34560_(قولہ: لِقَضَاءِ دَيْنِهِ بِهِ) کیونکہ راہن معیر کے مال کے ساتھ اپنا رہن ادا کرنے والا ہو گیا ہے جس [illegible] رہن ہے۔

34561_(قولہ: إِنْ كَانَ كُلُّهُ) یعنی رہن کی ضمانت ہوگی اگر وہ رہن کی مثل ہو یا اس سے کم ہو۔

34562_(قولہ: وَإِلَّا الخ) یعنی اس کی صورت یہ ہے کہ وہ رہن سے زائد ہو۔

34563_(قولہ: بِحِسَابِهِ) یعنی عیب کے حصہ کی مقدار، ''اتقانی''۔

34564_(قولہ: وَيَجِبُ مِثْلُهُ) یعنی مستعیر پر معیر کے لیے عیب کی مثل واجب ہوگا۔

ثُمَّ يَرْجِعُ) الْمُعِيرُ (عَلَى الرَّاهِنِ) لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَبَرِّعٍ لِتَخْلِيصِ مِلْكِهِ بِخِلَافِ الْأَجْنَبِيِّ (بِمَا أَدَّى) بِأَنْ سَاوَى الدَّيْنُ الْقِيمَةَ، وَإِنْ الدَّيْنُ أَزْيَدَ فَالزَّائِدُ تَبَرُّعٌ، وَإِنْ أَقَلَّ فَلَا جَبْرَ دُرَرٌ، لَكِنْ اسْتَشْكَلَهُ الزَّيْلَعِيُّ وَغَيْرُهُ، وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ فَلِذَا لَمْ يصرح عَلَيْهِ فِي مَتْنِهِ

پھر معیر راہن سے مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ وہ اپنی مملوکہ کو چھڑانے میں غیر متبرع ہے۔ اجنبی کا معاملہ مختلف ہے اس نے جوادا کیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ رہن کی قیمت کے برابر ہوا گر رہن زائد ہوتو زائد تبرع ہوگا اگر وہ اس سے کم ہوتو اس پر کوئی جبر نہیں ہوگا ''درر''۔ لیکن ''زیلعی'' وغیرہ نے اس میں اشکال کا ذکر کیا اور مصنف نے اس کو ثابت رکھا ہے۔ اسی وجہ سے اس پر اس کے متن میں تصریح نہیں کی

34565۔ (قولہ: لِتَخْلِيصِ مِلْكِهِ) یعنی وہ اس کے ساتھ اپنی مملوکہ چیز کی خلاصی کا ارادہ نہیں کرتا۔ جب کہ وہ اس کا محتاج ہے۔

34566۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْأَجْنَبِيِّ) یعنی جب وہ رہن ادا کردے کیونکہ وہ متبرع ہے۔ کیونکہ وہ اپنی مملوکہ چیز کو چھٹکارا دلانے میں کوشش نہیں کرتا اور نہ ہی اپنے ذمہ سے فراغت میں کوشش کرتا ہے۔ پس طالب کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسے قبول نہ کرے، ''ہدایہ''۔

34567۔ (قولہ: وَإِنْ أَقَلَّ فَلَا جَبْرَ) یعنی مرتہن کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ رہن سپرد کردے۔ ''درر'' نے ''تاج الشریعہ'' سے نقل کیا ہے۔ کیونکہ زیادتی راہن کی جانب سے امانت ہے۔ اسی طرح کا قول کیا گیا ہے ہم نے اسے شارحین کے کلام میں نہیں پایا۔ اسے ''تاج الشریعہ'' کی طرف منسوب کرنا بغیر کسی شک وشبہ کے بہتان ہے۔ ''عزمی زادہ'' نے اسی طرح بیان کیا ہے۔

34568۔ (قولہ: لَكِنْ اسْتَشْكَلَهُ الزَّيْلَعِيُّ وَغَيْرُهُ) زائد کے تبرع ہونے کو اشکال کا باعث قرار دیا ہے کیونکہ کہا: ھذا اشکل۔ کیونکہ رہن کو چھڑانا یہ بعض حق ادا کرنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ پس وہ مجبور ہوگا یہ حکم اس لیے ہے۔ کیونکہ اس کی غرض اس کو چھٹکارا دلانا ہے تاکہ اس سے نفع حاصل کیا جائے اور یہ چیز حاصل نہیں ہوتی مگر جب تمام رہن ادا کیا جائے۔ کیونکہ مرتہن کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کو روک لے یہاں تک کہ پورا پورا حق لے لے۔ اشکال کا ذکر ''ہدایہ'' کے تمام شارحین نے جواب کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ ضمان مستعیر پر اس بنا پر واجب ہوئی ہے اس اعتبار سے کہ وہ دین اپنی ملک سے ادا کرے۔ پس اس پر رجوع اسی قدر ہوگا جس سے حق کی ادائیگی ہوجائے۔ علماء نے اسے ''ایضاح''، ''خانیہ'' وغیرہما سے نقل کیا ہے۔ گویا ''زیلعی'' اس جواب سے مطمئن نہیں اس لیے انہوں نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ اسی وجہ سے ''سعدیہ'' میں کہا: ان للکلام فیہ مجالا بے شک اس میں گفتگو کی گنجائش ہے۔

34569۔ (قولہ: فَلِذَا لَمْ يُعَرِّجْ عَلَيْهِ) **نوٹ**: متن میں لفظ لم یصرح ہے متن کا ترجمہ اس کے مطابق کیا گیا ہے

مَعَ مُتَابَعَتِهِ لِلدُّرَرِ فَتَدَبَّرْ (وَلَوْ هَلَكَ الرَّهْنُ الْمُسْتَعَارُ مَعَ الرَّاهِنِ قَبْلَ رَهْنِهِ أَوْ بَعْدَ فَكِّهِ لَمْ يَضْمَنْ، وَإِنِ اسْتَخْدَمَهُ أَوْ رَكِبَهُ) وَنَحْوَ ذٰلِكَ (مِنْ قَبْلُ) لِأَنَّهُ أَمِينٌ خَالَفَ ثُمَّ عَادَ إِلَى الْوِفَاقِ فَلَا يَضْمَنُ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ،

جب کہ وہ ''الدرر'' کی پیروی کرتے ہیں، فتدبر۔ اگر وہ رہن جسے ادھار لیا گیا راہن کے پاس اس کے رہن رکھنے سے پہلے یا رہن چھڑانے کے بعد ہلاک ہو گیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا اگرچہ اس نے اس سے قبل اس سے جو خدمت لی ہو یا اس پر سوار ہوا ہو وغیرہ۔ کیونکہ وہ امین ہے جس نے مخالفت کی تھی پھر موافقت کی طرف لوٹ آیا تھا پس وہ ضامن نہیں ہوگا۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

لیکن شرح میں لم یعرج ہے۔ علیہ یہ اس امر کا قرینہ ہے کہ متن میں لفظ لم یعرج ہونا چاہیے۔ ''مترجم''۔

میں کہتا ہوں: منقول قول کی پیروی واجب ہے اگرچہ وہ عقول کے لیے ظاہر نہ ہو جب کہ جواب ظاہر ہے وہ معیر کا ابتدا سے ہی رہن کو قیمت کے ساتھ مقید کرنے سے کوتاہی کرنا ہے جب وہ اس چیز کو ترک کردے جو افراد کو دور کرتا ہو تو وہ اس اعتبار سے زوائد کے دور کرنے میں مختار ہوگا۔ پس تو صاحب بصیرت کے لوگوں میں سے ہو جا، ''سائحانی''۔

34570۔ (قولہ: مَعَ مُتَابَعَتِهِ لِلدُّرَرِ) یعنی یہ ان کی عام عادت ہے۔ ''الدرر'' میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ زوائد تبرع ہے۔ پس ان کی عدم متابعت اس امر پر دلالت کی ہے کہ ''زیلعی'' نے استشکال کو ثابت رکھا ہے۔

34571۔ (قولہ: لَمْ يَضْمَنْ) کیونکہ وہ اس کے ساتھ اپنا رہن ادا کرنے والا نہیں ہوگا۔

34572۔ (قولہ: إِنِ اسْتَخْدَمَهُ أَوْ رَكِبَهُ الخ) یہ ان وصلیہ ہے یعنی اس کی صورت یہ ہے کہ وہ غلام ہو۔ پس اس نے اس سے خدمت لی ہو یا وہ رہن جانور ہو جس پر اس نے سواری کی ہو یہ امور رہن رکھنے سے پہلے واقع ہوئے پھر اس نے دونوں کو ان کی قیمت کی مثل مال کے بدلے میں رہن رکھ دیا پھر اس نے مال دے دیا اور اس نے ان دونوں چیزوں پر قبضہ نہ کیا یہاں تک کہ دونوں مرتہن کے پاس ہلاک ہو گئے تو راہن پر کوئی ضمانت نہ ہوگی، ''ہدایہ''۔ یعنی تعدی کی ضمانت لازم ہوگی دین کے ادا کرنے کی ضمانت نہ ہوگی۔ کیونکہ راہن رہن ادا کرنے کے بعد اس کی واپسی کا مطالبہ کرے گا جو اس نے ادا کیا تھا۔ کیونکہ رہن جب مرتہن کے قبضہ میں ہلاک ہوا تو وہ رہن کی مالیت سے اپنا حق پورے کا پورا وصول کرنے والا ہوگا۔ پس معیر رہن سے اس چیز کا مطالبہ کرے گا جس کے ساتھ حق کی ادائیگی ہو جاتی ہے، ''کفایہ''، ملخص۔

34573۔ (قولہ: وَنَحْوَ ذٰلِكَ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کپڑا پہن لے۔

34574۔ (قولہ: مِنْ قَبْلُ) یعنی رہن سے پہلے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ رہن کو چھڑا لے پھر اس سے کام لے تو وہ ہلاک نہ ہو پھر اس کے بعد اس کے عمل کے بغیر وہ ہلاک ہو جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ رہن کے چھڑانے کے بعد وہ مودع کے قائم مقام ہے مستعیر کے قائم مقام ہے کیونکہ عاریۃ لینے کا حکم رہن کو چھڑانے کے بعد ختم ہو چکا ہے پس وہ موافقت کی طرف لوٹ آیا ہے پس وہ ضمان سے بری ہو جائے گا، ''ہدایہ''۔

لَكِنْ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ عَنِ الْعِمَادِيَّةِ الْمُسْتَأْجِرُ أَوِ الْمُسْتَعِيرُ إِذَا خَالَفَا ثُمَّ عَادَ إِلَى الْوِفَاقِ لَا يَبْرَأُ عَنِ الضَّمَانِ عَلَى مَا عَلَيْهِ الْفَتْوَى بَقِيَ لَوِ اخْتَلَفَا فَالْقَوْلُ لِلرَّاهِنِ لِأَنَّهُ يُنْكِرُ الْإِيفَاءَ بِمَالِهِ، وَلَوِ اخْتَلَفَا فِي قَدْرِ مَا أَمَرَهُ بِالرَّهْنِ بِهِ

لیکن ''شرنبلالیہ'' میں ''عمادیہ'' سے مروی ہے: مستاجر یا مستعیر جب مخالفت کریں پھر موافقت کی طرف لوٹ آئیں تو وہ ضمان سے بری نہ ہوں گے۔ یہ اس قول کے مطابق ہے جس پر فتویٰ ہے۔ یہ صورت باقی رہ گئی ہے اگر دونوں اختلاف کریں تو قول راہن کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ ضمان کے واجب ہونے کا انکار کرتا ہے۔ اگر وہ اس مقدار میں اختلاف کریں جس کے بدلے میں اسے رہن رکھنے کا حکم دیا تھا

34575۔ (قولہ: لَكِنْ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ) یہ استدراک مستاجر یا مستعیر کے بارے میں ہے جو کسی شے کو لیتا ہے تاکہ اس سے نفع اٹھائے اور ہماری گفتگو اس مستعیر کے بارے میں ہے جو کسی شے کو اس لیے عاریۃً لیتا ہے تاکہ اسے رہن کے طور پر رکھے۔ یہ مودع کے قائم مقام ہے مستعیر کے قائم مقام نہیں۔ جس طرح قریب ہی گزر چکا ہے مودع جب موافقت کی طرف لوٹ آئے تو بری نہیں ہوتا۔ ''ہدایہ'' اور اس کی شروح میں ان دونوں کے درمیان یہ تفریق کی ہے کہ مستعیر کا قبضہ اس کا اپنا ہی قبضہ ہے۔ پس وہ (اصل کی طرف) لوٹ آنے سے مالک پر لوٹانے والا نہیں نہ حقیقت کے اعتبار سے اور نہ ہی حکم کے اعتبار سے۔ مودع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کا قبضہ مالک کا قبضہ ہے۔ پس موافقت کی طرف لوٹنے والا حکمی طور پر اس پر لوٹانے والا ہوگا۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح مستاجر کا حکم ہے اس کا قبضہ اس کا اپنا ہی قبضہ ہے۔ کیونکہ وہ عین کو اپنے لیے روکتا ہے اس کے مالک کے لیے نہیں روکتا۔

34576۔ (قولہ: إِذَا خَالَفَا) زیادہ بہتر یہ تھا کہ ضمیر مفرد کی ہوتی۔ کیونکہ عطف او کے ساتھ ہے اور اس لیے کہ یہ ما بعد کے موافق ہو جائے ''ط''۔ کثیر نسخوں میں یہ اسی طرح ہے۔

34577۔ (قولہ: بَقِيَ لَوِ اخْتَلَفَا) یعنی اس شے کے ہلاک ہونے کے زمانہ میں دونوں نے اختلاف کیا۔ معیر نے کہا: وہ مرتہن کے پاس ہلاک ہوا ہے مستعیر نے کہا: رہن رکھنے سے پہلے ہلاک ہوا ہے یا رہن کو چھڑانے کے بعد ہلاک ہوا ہے، ''غایۃ''۔

34578۔ (قولہ: فَالْقَوْلُ لِلرَّاهِنِ) یعنی قسم کے ساتھ قول راہن کا ہوگا، ''معراج''۔ بینہ معیر کے معتبر ہوں گے کیونکہ وہ اس پر ضمانت کا دعویٰ کرتا ہے۔ ''عنایہ''۔

34579۔ (قولہ: لِأَنَّهُ يُنْكِرُ) کیونکہ راہن اس بات کا انکار کرتا ہے کہ معیر کے مال کی اس پر ضمانت لازم ہے۔

34580۔ (قولہ: وَلَوِ اخْتَلَفَا فِي قَدْرِ مَا أَمَرَهُ بِالرَّهْنِ بِهِ) اس کی صورت یہ ہے کہ معیر کہے: میں نے تجھے حکم دیا

فَالْقَوْلُ لِلْمُعِيرِ هِدَايَةٌ اخْتَلَفَا فِي الدَّيْنِ وَالْقِيمَةِ بَعْدَ الْهَلَاكِ فَالْقَوْلُ لِلْمُرْتَهِنِ فِي قَدْرِ الدَّيْنِ وَقِيمَةِ الرَّهْنِ شَرْحُ تَكْمِلَةٍ (وَلَوْ مَاتَ مُسْتَعِيرُهُ مُفْلِسًا) مَدْيُونًا (فَالرَّهْنُ) بَاقٍ (عَلَى حَالِهِ فَلَا يُبَاعُ إِلَّا بِرِضَا الْمُعِيرِ) لِأَنَّهُ مِلْكُهُ (وَلَوْ أَرَادَ الْمُعِيرُ بَيْعَهُ وَأَبَى الرَّاهِنُ) الْبَيْعَ (بِيعَ بِغَيْرِ رِضَاهُ إِنْ كَانَ بِهِ) أَيْ بِالرَّهْنِ

توقول معیر کا معتبر ہوگا،''ہدایہ''۔دونوں نے ہلاک ہونے کے بعد دین اور قیمت میں اختلاف کیا تو رہن کی مقدار اور دین کی قیمت میں مرتہن کا قول معتبر ہوگا،''شرح تکملہ''۔اگر اس کا مستعیر مفلس مدیون کی حیثیت سے مر جائے تو رہن اپنے حال پر باقی رہے گا۔پس معیر کی رضامندی کے بغیر اسے نہیں بیچا جائے گا۔کیونکہ یہ اس کی ملک میں ہے۔اگر معیر اس کو بیچنے کا ارادہ کرے اور راہن اس کی بیع کا انکار کر دے تو اس کی رضامندی کے بغیر اس کو بیچا جائے گا اگر رہن کے بدلے میں اس کا حق پورا ہوتا ہے

تھا کہ تو پانچ کے عوض میں رہن رکھے گا۔مستعیر نے کہا: اس کے عوض رہن رکھنے کا حکم دیا تھا تو قول معیر کا معتبر ہوگا۔کیونکہ اگر وہ امر کا اصلاً انکار کرے تو قول اس کا معتبر ہوگا۔اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ اس میں وصف کا انکار کرے اور بینہ مستعیر کے معتبر ہوں گے۔کیونکہ وہی امر ثابت کرنے والا ہے،''اتقانی''۔

34581۔(قولہ: اخْتَلَفَا فِي الدَّيْنِ وَالْقِيمَةِ الخ) مسئلہ کی صورت میں جو''خانیہ'' وغیرہا میں ہے: اگر راہن ہزار کے بدلے میں رہن کا دعویٰ کرتا ہے اور مرتہن پانچ سو کے بدلے میں رہن کا دعویٰ کرتا ہے اگر رہن موجود ہو جو ہزار کے برابر ہو تو دونوں قسم اٹھائیں گے اور دونوں واپس کر دیں گے اگر وہ رہن ہلاک ہو چکا ہو تو قول مرتہن کا معتبر ہوگا۔کیونکہ وہ رہن کے سقوط کی زیادتی کا انکار کرتا ہے۔''الاتقانی'' نے یہ زائد ذکر کیا ہے: اگر دونوں اس پر متفق ہوں کہ یہ ہزار کے بدلے میں ہے اور مرتہن کہے: اس کی قیمت پانچ سو ہے راہن کہے: ہزار ہے تو قول مرتہن کا معتبر ہوگا مگر جب راہن گواہیاں پیش کر دے۔کیونکہ وہ ضمان کی زیادتی کا دعویٰ کرتا ہے، ملخص۔اس سے وہ ایجاز ظاہر ہو جاتا ہے جو عبارت میں موجود ہے جو پہیلی کے مشابہ ہے۔

34582۔(قولہ: مَدْيُونًا) اس کو زائد ذکر کیا ہے کیونکہ افلاس سے رہن لازم نہیں آتا۔لیکن اگر مصنف کے قول کو مفلسا لام کی تشدید کے ساتھ مضاعف سے پڑھا جائے تو وہ اس سے غنی کر دیتا ہے۔کیونکہ اس کا معنی ہے قاضی نے اس پر افلاس کا حکم دے دیا، تامل۔

34583۔(قولہ: بَاقٍ عَلَى حَالِهِ) یعنی مرتہن کے پاس ہی رہے گا۔

34584۔(قولہ: وَأَبَى الرَّاهِنُ)''المنح'' میں اسی طرح ہے۔صحیح المرتہن ہے جس طرح''رملی'' نے اس پر متنبہ کیا ہے۔کیونکہ مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ راہن جو مستعیر ہے مر گیا ہے۔

34585۔(قولہ: بِيعَ بِغَيْرِ رِضَاهُ الخ) کیونکہ اس کا حق اپنا حق پورا وصول کرنے میں تھا جب کہ وہ حاصل ہو چکا ہے،''زیلعی''۔

(وَفَاءٌ وَإِلَّا لَا) يُبَاعُ (إلَّا بِرِضَاهُ) أَيْ الْمُرْتَهِنِ (وَلَوْ مَاتَ الْمُعِيرُ مُفْلِسًا وَعَلَيْهِ دَيْنٌ أُمِرَ الرَّاهِنُ بِقَضَاءِ دَيْنِ نَفْسِهِ وَيَرُدُّ الرَّهْنَ) لِيَصِلَ كُلُّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ (وَإِنْ عَجَزَ لِفَقْرِهِ فَالرَّهْنُ عَلَى حَالِهِ) كَمَا لَوْ كَانَ الْمُعِيرُ حَيًّا (وَلِوَرَثَتِهِ) أَيْ وَرَثَةِ الْمُعِيرِ (أَخْذُهُ) أَيْ الرَّهْنِ (بَعْدَ قَضَاءِ دَيْنِهِ) كَمُوَرِّثٍ (فَإِنْ طَلَبَ غُرَمَاءُ الْمُعِيرِ مِنْ وَرَثَتِهِ بَيْعَهُ، فَإِنْ بِهِ وَفَاءٌ بِيعَ وَإِلَّا فَلَا) يُبَاعُ (إلَّا بِرِضَا الْمُرْتَهِنِ) كَمَا مَرَّ لِمَا مَرَّ (وَ) اعْلَمْ أَنَّ (جِنَايَةَ الرَّاهِنِ عَلَى الرَّهْنِ) كُلًّا أَوْ بَعْضًا (مَضْمُونَةٌ)

ورنہ اسے مرتہن کی رضامندی کے بغیر نہیں بیچا جائے گا۔ اگر معیر مفلس کی حیثیت سے مرجائے اور اس پر دین ہو تو راہن کو حکم دیا جائے گا کہ اپنا دین ادا کرے اور رہن کو واپس کر دے تا کہ ہر حقدار اپنے حق تک پہنچ جائے۔ اگر وہ اسے فقر کی وجہ سے عاجز آ جائے تو رہن اپنے حال پر ہو گا جس طرح اگر معیر زندہ ہو۔ اور معیر کے ورثاء کو حق حاصل ہو گا کہ معیر کے دیون ادا کرنے کے بعد اسے لے لیں جیسے مورث کا حکم ہوتا ہے۔ اگر معیر کے قرض خواہ اس کے وارثوں سے اس کی بیع کا مطالبہ کریں اگر اس کے ساتھ حق کی ادائیگی ہوتی ہو تو اس کو بیچ دیا جائے گا ورنہ اسے نہیں بیچا جائے گا مگر مرتہن کی اجازت سے اس کو بیچا جا سکتا ہے جس طرح گزر چکا ہے اس کی علت وہی ہے جو گزر چکی ہے۔ یہ جان لو کہ راہن کی رہن کے کل یا بعض پر جنایت قابل ضمانت ہے

34586۔(قولہ: وَإِلَّا) یعنی اگر اس میں حق کی ادائیگی نہ ہوئی ہو تو اسے مرتہن کی اجازت کے بغیر نہیں بیچا جائے گا۔ کیونکہ اس کے محبوس کرنے میں اس کی منفعت ہے شاید معیر بھی رہن کا محتاج ہو۔ پس وہ حق لے کر اس کو چھوڑ دے یا اس کی قیمت بھاؤ کے بڑھ جانے سے بڑھ جائے پس وہ اس میں سے اپنا پورا پورا حق لے لے، ''زیلعی''۔

34587۔(قولہ: أُمِرَ الرَّاهِنُ بِقَضَاءِ دَيْنِ نَفْسِهِ) یعنی اسے اس پر مجبور کیا جائے گا اس میں غور کرو اگر رہن موجل ہو تو کیا اسے مجبور کیا جائے گا یا اسے دیت دی جائے گی۔

34588۔(قولہ: بَعْدَ قَضَاءِ دَيْنِهِ) ضمیر سے مراد رہن ہے یعنی راہن کے رہن ادا کرنے کے بعد۔

34589۔(قولہ: كَمُوَرِّثٍ) یعنی ان کی عورت کی طرح کیونکہ وارث اس کے قائم مقام ہیں۔

34590۔(قولہ: مِنْ وَرَثَتِهِ) یعنی معیر کے وارث۔

34591۔(قولہ: كَمَا مَرَّ لِمَا مَرَّ) یعنی مستعیر کی موت کے مسئلہ میں۔ بعض نسخوں میں لما مر کا قول ساقط ہے۔ یہی زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ پہلے تعلیل ذکر نہیں کی وہ ہمارا یہ قول ہے: لان له في الحبس منفعة الخ۔

34592۔(قولہ: كُلًّا أَوْ بَعْضًا) یہ دونوں اسماء تمیز کی حیثیت سے منصوب ہیں یعنی قلت اور بعضیت کی جہت سے، تامل۔

34593۔(قولہ: مَضْمُونَةٌ الخ) کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک کا حق محترم ہے تو اس پر اس شے کی ضمان واجب ہو گی

كَجِنَايَةِ الْمُرْتَهِنِ عَلَيْهِ وَيَسْقُطُ مِنْ دَيْنِهِ) أَيْ دَيْنِ الْمُرْتَهِنِ (بِقَدْرِهَا) أَيْ الْجِنَايَةِ لِأَنَّهُ أَتْلَفَ مِلْكَ غَيْرِهِ فَلَزِمَهُ ضَمَانُهُ وَإِذَا لَزِمَهُ وَقَدْ حَلَّ الدَّيْنُ سَقَطَ بِقَدْرِهِ وَلَزِمَهُ الْبَاقِي بِالْإِتْلَافِ لَا بِالرَّهْنِ، وَهَذَا لَوْ الدَّيْنُ مِنْ جِنْسِ الضَّمَانِ وَإِلَّا لَمْ يَسْقُطْ مِنْهُ شَيْءٌ وَالْجِنَايَةُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ وَلِلْمُرْتَهِنِ أَنْ يَسْتَوْفِيَ دَيْنَهُ،

جس طرح مرتہن اس پر جنایت کرے تو اس کی ضمانت لازم ہوگی اور مرتہن کے رہن سے جنایت کی مقدار ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے غیر کی ملک کو تلف کیا ہے تو اس کی ضمان اس پر لازم ہوگی۔ جب ضمان اس پر لازم ہو جائے گی جب کہ دین کی ادائیگی کا وقت آچکا ہے تو اسی مقدار کے مطابق دین ساقط ہو جائے گا۔ اور تلف کرنے کی وجہ سے باقی ماندہ اس پر لازم ہوگا نہ کہ رہن کی وجہ سے لازم ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب رہن ضمان کی جنس میں سے ہو ورنہ رہن میں سے کوئی شے ساقط نہ ہوگی۔ اور جنایت مرتہن پر لازم ہوگی۔ اور مرتہن کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنا دین پورا پورا لے لے۔

جس کو اس لیے تلف کیا ضمان کے حق میں مالک کو اجنبی کی طرح کر دیا جائے گا۔ اس کی مکمل وضاحت ''المنح'' میں موجود ہے۔

34594۔ (قولہ: عَلَيْهِ) ضمیر سے مراد رہن ہے رہن سے مراد مرہون ہے۔

34595۔ (قولہ: وَإِذَا لَزِمَهُ وَقَدْ حَلَّ الدَّيْنُ الخ) اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ جب وہ مؤجل ہو تو محض لازم ہونے سے سقوط کا حکم نہیں لگایا جائے گا بلکہ جو اس پر لازم ہوا اسے وقت مقررہ کے آنے تک اسے رہن میں محبوس کر دیا جائے گا۔ جب وہ وقت مقررہ آجائے گا تو اسے اپنے رہن کے بدلے میں لے لے گا اگر اس کی جنس میں سے ہو ورنہ یہاں تک کہ وہ اپنا رہن پورا کرلے، ''شرنبلالیہ''۔ ہم مفصل کلام اس باب میں ان کے قول وان ضمانہ علی المرتہن کے ہاں کر چکے ہیں۔

34596۔ (قولہ: سَقَطَ بِقَدْرِهِ) یعنی رہن کی مقدار ضمان ساقط ہو جائے گی۔

34597۔ (قولہ: وَلَزِمَهُ الْبَاقِي) یعنی ضمان میں سے باقی اسے لازم ہوگا جب ضمان رہن پر زائد ہو۔

34598۔ (قولہ: بِالْإِتْلَافِ) کیونکہ زائد امانت ہے پس وہ ودیعت کی طرح ہے جب مودع اس کی تلف کر دے۔

34599۔ (قولہ: لَا بِالرَّهْنِ) یعنی رہن کے عقد کے بدلے میں نہیں جہاں تک کہ اس زائد کی ضمان ان پر اشکال واقع کرے۔

34600۔ (قولہ: مِنْ جِنْسِ الضَّمَانِ) اس کی صورت یہ ہے کہ رہن درہم ہوں یا دنانیر ہوں، ''کفایہ''۔

رہن کی راہن یا مرتہن پر جنایت کا شرعی حکم

34601۔ (قولہ: وَالْجِنَايَةُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ الخ) امر کا عطف ان کے قول لم یسقط پر ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے: اگر دین کیلی یا وزنی چیز ہو تو جنایت مرتہن پر واجب ہوگی اور رہن راہن پر باقی رہے گا۔ پس ہر ایک کو اپنے ساتھی سے حق لینے کا حق ہوگا۔

لَكِنْ لَوْ اعْوَرَّ عَيْنُهُ يَسْقُطُ نِصْفُ دَيْنِهِ عَنْهُ قُهُسْتَانِيٌّ وَبُرْجُنْدِيٌّ (وَجِنَايَةُ الرَّهْنِ عَلَيْهِمَا) أَيْ عَلَى الرَّاهِنِ أَوْ الْمُرْتَهِنِ (وَعَلَى مَالِهِمَا هَدَرٌ)

لیکن اگر اس کی آنکھ کا نور جاتا رہے یعنی وہ کانا ہو جائے تو اس سے نصف دین ساقط ہو جائے گا، ''قہستانی''، ''برجندی''۔ رہن کی راہن یا مرتہن پر جنایت اور ان کے مال پر جنایت باطل ہوگی

34602۔ (قولہ: لَكِنْ لَوْ اعْوَرَّ عَيْنُهُ) میں کہتا ہوں: ''خلاصہ'' اور ''بزازیہ'' کی عبارت ہے: او اعور العبد الرهن الخ اگر عبد رہن کانا ہو جائے۔

''تاتر خانیہ'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے: ایک آدمی نے دوسرے کو ایک غلام سو کے عوض میں رہن کے طور پر دیا جو مثلاً دو سو کے مساوی تھے تو وہ غلام کانا ہو گیا امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''زفر'' نے کہا: سو کا نصف ضائع ہو گیا۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا قول ہے۔ پھر آپ نے رجوع کیا اور کہا: غلام جب صحیح ہو اور کانا ہو تو اس کی قیمت لگائی جائے گی تو نقصان کے حساب سے اس کا رہن ختم ہو جائے گا، ملخص۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں اعور کا لفظ را کی شد کے ساتھ ہے۔ یہ اعورار سے مشتق ہے اس کا مابعد اس کا فاعل ہے۔ لفظ عین کی طرف اس کی نسبت اس کی تانیث کو ثابت نہیں کرتی۔ کیونکہ یہ اسم ظاہر ہے جس کی تانیث مجازی ہے۔ پس اس میں دونوں وجوہ جائز ہیں جس طرح اس کے محل میں اس کی وضاحت کی ہے۔ یہ انفعال کے باب سے نہیں ہے جو متعدی ہے اور فاعل اس کا مستتر ہو جو مرتہن کی طرف لوٹے عینہ کا لفظ اس کا مفعول ہو۔ کیونکہ اس وقت واجب آنکھ کی دیت کا لزوم ہے وہ جہاں تک پہنچے جس طرح مصنف کی عبارت اس کا مفہوم بیان کرتی ہے نہ کہ رہن کا نصف ساقط ہوتا ہے۔ نیز اگر معاملہ اس طرح ہو تو سابقہ اختلاف واقع نہیں ہوگا اس وقت اس محل میں اس مسئلہ کے ذکر کی کوئی وجہ نہیں اور نہ ہی اس سے قبل جو استدراک ہے اس کی کوئی وجہ نظر آتی ہے۔ کیونکہ اگر یہ رہن پر جنایت کے قبیل سے متعلق نہیں بلکہ اس کے عیب دار ہونے سے متعلق ہے اور گفتگو اس کے متعلق نہیں، فافہم واغتنم۔

34603۔ (قولہ: هَدَرٌ) جہاں تک راہن پر جنایت کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مملوک کی مالک پر جنایت ہے اور ایسی جنایت جو واجب کرے وہ رائیگاں ہے۔ کیونکہ راہن ہی اس کا مستحق ہے۔ جہاں تک مرتہن پر اس کی جنایت کا تعلق ہے تو کیونکہ اگر ہم اس کا اعتبار کریں تو اس سے چھٹکارا پانا اس پر واجب ہوگا۔ کیونکہ یہ جنایت اس کی ضمان میں حاصل ہوئی ہے، ملخص۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔

''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: مرتہن پر اس کی جنایت معتبر ہے۔

پھر یہ جان لو کہ مرتہن کے مال پر اس کی جنایت بالاتفاق رائیگاں ہوگی اگر اس کی قیمت اور رہن برابر ہوں۔ اگر اس کی قیمت رہن سے بڑھ کر ہو تو امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے کہ امانت کے حساب سے اس کا اعتبار کیا جائے گا اور ان سے

أَيْ بَاطِلٌ (إِذَا كَانَتْ) الْجِنَايَةُ (غَيْرَ مُوجِبَةٍ لِلْقِصَاصِ) فِي النَّفْسِ دُونَ الْأَطْرَافِ، إِذْ لَا قَوَدَ بَيْنَ طَرَفَيْ عَبْدٍ وَحُرٍّ (وَإِنْ كَانَتْ مُوجِبَةً لِلْقِصَاصِ فَمُعْتَبَرَةٌ) فَيُقْتَصُّ مِنْهُ وَيَبْطُلُ الدَّيْنُ خَانِيَّةٌ

جب جنایت نفس میں نہ کہ اطراف میں قصاص کی موجب نہ ہو۔ کیونکہ غلام اور آزاد کے اطراف میں کوئی قصاص نہیں۔ اگر وہ جنایت قصاص کا موجب ہو تو وہ معتبر ہو گی پس اس سے قصاص لیا جائے گا اور دین باطل ہو جائے گا''خانیہ''۔

ایک روایت یہ مروی ہے کہ یہ رائیگاں ہے جس طرح مضمون کا حکم ہے،''ہدایہ''۔

''معراج'' میں ''مبسوط'' سے مروی ہے: اگر اس کی قیمت دو ہزار ہو اور رہن ایک ہزار ہو اور وہ مرتہن پر جنایت کرے یا اس کے غلام پر جنایت واقع کرے تو راہن سے کہا جائے گا اس کو حوالے کر دے یا اس کا فدیہ دے دے۔ جہاں تک ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کا تعلق ہے تو وہ اشکال کا باعث نہیں۔ جہاں تک ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا تعلق ہے تو اس کی یہاں جنایت ظاہر روایت کے مطابق معتبر ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ معتبر نہیں۔

ظاہر روایت کی دلیل یہ ہے کہ یہاں اس کا نصف امانت ہے اور مودع پر ودیعت کی جنایت معتبر ہے۔ راہن کو کہا جائے گا اس کے حوالے کر دے یا اس کا فدیہ دے دے اگر وہ اس کے حوالے کر دے اور مرتہن اس کو قبول کر لے تو وہ غلام مرتہن کا ہو جائے گا پس رہن ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ اس کے قبضہ میں ہلاک ہونے والے کی طرح ہے جو رہن کے سقوط کے حکم میں ہے جس طرح اگر وہ اجنبی پر جنایت کرے اور دونوں غلام اس اجنبی کے حوالے کر دیں۔ اگر دونوں اس کا فدیہ دیں تو فدیہ کا نصف راہن پر امانت کا حصہ ہو گا اور مرتہن پر نصف حصہ مضمون کا حصہ ہو گا پس اس کا حصہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے اپنے آپ پر رہن کو واجب نہیں کیا اور فدیہ میں اپنا حصہ راہن سے وصول کرے گا اور فدیہ اپنے حال پر رہن ہو گا ملخص۔

34604۔ (قولہ: غَيْرَ مُوجِبَةٍ لِلْقِصَاصِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ نفس یا اس سے کم میں جنایت خطا کی صورت میں ہو،''درر''۔

34605۔ (قولہ: فِي النَّفْسِ دُونَ الْأَطْرَافِ الخ) مناسب یہ تھا کہ اس کا ذکر اپنے قول: وان كانت موجبة للقصاص کے بعد کرے۔ کیونکہ نفس یا اطراف میں جو قصاص کو واجب نہ کرے وہ یہ ہے۔ جہاں تک اس جنایت کا تعلق ہے جو اس کو واجب کرے تو وہ معتبر ہے اگر وہ قصاص کو نفس میں واجب کرے۔ جو اطراف میں قصاص واجب کرے وہ معتبر نہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اطراف میں جنایت ہدر ہے، تامل۔

34606۔ (قولہ: وَيَبْطُلُ الدَّيْنُ) یعنی اگر غلام دین کی مثل ہو یا اس سے زائد ہو۔ ہم اس کی وجہ ابھی پہلے ''معراج'' سے بیان کر چکے ہیں۔ اگر وہ اس سے کم ہو تو رہن میں سے اتنی مقدار ساقط ہو جائے گی جس طرح رہن کے ہلاک ہونے میں حکم ہے۔ یہ ''حلبی'' نے بیان کیا ہے۔

کہا: دین کے ساتھ تعبیر کی وجہ ظاہر ہو چکی ہے جس طرح رہن کے ساتھ تعبیر کی بھی وجہ ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں یعنی

وَعِبَارَةُ الْقُهُسْتَانِيِّ وَشَرْحُ الْمَجْمَعِ يَبْطُلُ الرَّهْنُ (كَجِنَايَتِهِ) أَيِ الرَّهْنِ عَلَى ابْنِ الرَّاهِنِ أَوْ عَلَى ابْنِ الْمُرْتَهِنِ فَإِنَّهَا مُعْتَبَرَةٌ فِي الصَّحِيحِ حَتَّى يَدْفَعَ بِهَا أَوْ يَفْدِيَ وَإِنْ كَانَتْ عَلَى الْمَالِ فَيُبَاعُ كَمَا لَوْ جَنَى عَلَى الْأَجْنَبِيِّ إِذْ هُوَ أَجْنَبِيٌّ لِتَبَايُنِ الْأَمْلَاكِ زَيْلَعِيٌّ

''قہستانی'' اور ''شرح المجمع'' کی عبارت ہے: وہ رہن کو باطل کر دے گی جس طرح رہن راہن کے بیٹے یا مرتہن کے بیٹے پر جنایت کرے۔ کیونکہ یہ صحیح قول کے مطابق معتبر ہے یہاں تک کہ اس کے بدلے میں وہ رہن دے دیا جائے گا یا اس کا فدیہ دیا جائے گا۔ اگر جنایت مال پر ہو تو اس کو بیچ دیا جائے گا جس طرح اگر وہ اجنبی پر جنایت کرے۔ کیونکہ وہ اجنبی ہے کیونکہ املاک میں تباین پایا جا رہا ہے۔ ''زیلعی''۔

کیونکہ دین کے بطلان سے رہن کا بطلان لازم آتا ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: اس میں غور و فکر کرو جب ولی الدم اس کو معاف کر دے۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ اپنے رہن پر باقی رہے گا۔

34607۔ (قولہ: وَإِنْ كَانَتْ عَلَى الْمَالِ فَيُبَاعُ) یعنی اگر راہن یا مرتہن اس کا فدیہ نہ دے۔

''بزازیہ'' میں ہے: مرہون نے ایک انسان کا مال تلف کر دیا جو اس کی قیمت کو محیط ہے اگر مرتہن اس کا فدیہ دے تو رہن اور راہن اپنے حال پر رہے گا۔ اگر وہ انکار کر دے تو مرتہن سے کہا جائے گا اس کو فدیہ دو اگر وہ فدیہ دے دے تو رہن اور عقد دین باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ فدیہ اس امر کی وجہ سے لازم ہوا ہے جو مرتہن کے پاس واقع ہوا پس فدیہ اس کے ذمہ ہوگا۔ اگر راہن بھی اس کا فدیہ نہ دے تو اس کو بیچ دیا جائے گا تو غلام کا دائن اپنا دین لے گا اور مرتہن کے دین میں اتنی مقدار باطل ہو جائے گی اگر اس کا دین اقل ہو تو غلام کی ثمن میں سے جو باقی بچے گا وہ راہن کے لیے ہوگا۔ اگر مرتہن کا دین غلام کے دین سے زیادہ ہو تو مرتہن باقی ماندہ سے وصول کرے گا اگر اس کے رہن کی ادائیگی کا وقت آ گیا ہو ورنہ وہ باقی ماندہ اس کے پاس رہن ہوگا یہاں تک کہ اس کا وقت آ پہنچے۔ پس وہ اسے ادلے کے بدلے طور پر لے گا۔

جنایت کی اقسام

34608۔ (قولہ: إِذْ هُوَ) یعنی بیٹا ملک کے حق میں اپنے باپ سے اجنبی ہے یہ اس امر کی تعلیل ہے کہ مرہون کی راہن کے بیٹے یا مرتہن کے بیٹے پر جنایت معتبر ہے۔

تتمہ: یہ اس بارے میں ہے کہ رہن کا بعض بعض پر جنایت کرے جس طرح اگر ایک آدمی کے دو غلام ہوں تو دونوں میں سے ایک دوسرے پر جنایت کرے اگر دونوں کا کل کل سے مضمون ہو تو ضمانت رائیگاں چلی جائے گی جس طرح آفت سماویہ سے ہلاک ہونے سے رائیگاں جاتی ہے۔ دین سے جو ساقط ہوا ہے اس کا نصف مجنی علیہ کے حصہ سے جنایت کرنے والے کی طرف پھر جائے گا۔ کیونکہ جنایت چار قسم کی ہے: مشغول (جس کے ذمہ رہن ہو) کی مشغول پر جنایت، مشغول کی فارغ پر جنایت، فارغ (جس کے ذمہ قرض نہ ہو) کی فارغ پر جنایت یا مشغول پر جنایت۔ یہ سب رائیگاں ہیں مگر چوتھی رائیگاں

(وَلَوْ رَهَنَ عَبْدًا يُسَاوِي أَلْفًا بِأَلْفٍ مُؤَجَّلٍ فَرَجَعَتْ قِيمَتُهُ إِلَى مِائَةٍ فَقَتَلَهُ رَجُلٌ وَغَرِمَ مِائَةً وَحَلَّ الْأَجَلُ فَالْمُرْتَهِنُ يَقْبِضُهَا) أَيْ الْمِائَةَ قَضَاءً لِحَقِّهِ (وَلَا يَرْجِعُ عَلَى الرَّاهِنِ بِشَيْءٍ) كَمَوْتِهِ بِلَا قَتْلٍ، وَالْأَصْلُ أَنَّ نُقْصَانَ السِّعْرِ لَا يُوجِبُ سُقُوطَ الدَّيْنِ

اگر ایک آدمی نے ایک غلام ادھار ہزار کے بدلے میں رہن رکھا جو ہزار کے مساوی تھا تو اس غلام کی قیمت کم ہوگئی ایک آدمی نے اس غلام کو قتل کر دیا اور اس کی چٹی سو ادا کر دی اور اجل یعنی مقررہ وقت آپہنچا پس مرتہن جس نے سو پر قبضہ کیا ہوا ہے وہ اس کے حق کی ادائیگی ہو جائے گی اور وہ راہن سے کسی شے کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ جس طرح اگر وہی غلام قتل کے بغیر فوت ہو جائے (تو مرتہن کے لیے مطالبہ کا کوئی حق باقی نہیں رہتا)۔ قاعدہ یہ ہے بھاؤ کا کم ہونا یہ دین کے سقوط کو ثابت نہیں کرتا۔

نہیں۔ جب دونوں ہزار کے بدلے میں رہن ہوں اور ہر ایک کی قیمت ہزار ہو۔ پس جو مقتول ہے اس کا نصف کیونکہ فارغ ہے پس وہ رائیگاں ہوگا۔

یہ صورت باقی رہ گئی ہے جس کا نصف مشغول تھا اس نے فارغ اور مشغول کو تلف کر دیا تو اس نصف کا نصف رائیگاں چلا جائے گا۔ کیونکہ وہ مشغول کے مقابلہ میں تلف ہوا ہے اور اس کے دوسرے نصف کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ فارغ کے مقابلہ میں تلف ہوا ہے۔ پس ہدر اس کو ساقط کر دے گا جو اس کے مقابلہ میں دین ہوگا اور معتبر جان کی طرف پھر جائے گا وہ دو سو پچاس ہیں۔ پس جنایت کرنے والا سات سو پچاس کے عوض نہیں ہوگا۔ اس کی مکمل وضاحت ''ولوالجیہ'' اور ''تاتر خانیہ'' کی کتاب المتفرقات میں ہے۔ عنقریب یہ آئے گا: اگر رہن غلام یا جانور ہو۔

34609۔ (قولہ: فَرَجَعَتْ قِيمَتُهُ) یعنی بھاؤ کے کم ہونے سے اس کی قیمت کم ہوگئی۔

بھاؤ کا کم ہونا دین کے سقوط کو ثابت نہیں کرتا

34610۔ (قولہ: وَالْأَصْلُ الخ) یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ یہ قاعدہ ان کے قول: ولا یرجع علی الراهن شیء فانه قد اعتبر فیه نقصان السعر کے منافی نہیں۔ کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں: اس کا اعتبار نہ کرنا اس صورت میں ہے جب عین باقی ہو یہاں تک کہ مرتہن کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ راہن سے اپنے تمام دین کا مطالبہ کرے جب وہ اسے بھاؤ کی وجہ سے ناقص حالت میں واپس کرے مگر جب وہ تلف ہو جائے تو ضمان سابقہ قبضہ کی وجہ سے ہوگا۔ کیونکہ مرتہن کا قبضہ ابتدا سے ہی اپنے پورے حق کو وصول کرنا ہے اور ہلاک ہونے کے ساتھ وہ ثابت ہو جاتا ہے۔ پس وہ ابتدا سے ہی اپنے پورے حق کو وصول کرنے والا ہوگا تو اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ قاعدہ اپنے اطلاق پر نہیں۔ اس محل میں میرے لیے یہی ظاہر ہوا ہے جب کہ یہ ''ہدایہ'' کے شارحین کے گزشتہ صریح کلام جو اس باب کے شروع میں گزرا ہے سے اخذ کیا گیا ہے۔ پھر میں نے ''طوری'' وغیرہ کو دیکھا جنہوں نے یہاں اس کی تصریح کی ہے، وللہ تعالی الحمد۔

بِخِلَافِ نُقْصَانِ الْعَيْنِ، فَإِذَا كَانَ الدَّيْنُ بَاقِيًا، وَيَدُ الْمُرْتَهِنِ يَدُ اسْتِيفَاءٍ فَيَصِيرُ مُسْتَوْفِيًا لِلْكُلِّ مِنَ الِابْتِدَاءِ (وَلَوْ بَاعَهُ) أَيِ الْعَبْدَ الْمَذْكُورَ (بِمِائَةٍ بِأَمْرِ الرَّاهِنِ قَبَضَ الْمِائَةَ قَضَاءً لِحَقِّهِ وَرَجَعَ بِتِسْعِمِائَةٍ) لِأَنَّهُ لَمَّا كَانَ الدَّيْنُ بَاقِيًا وَقَدْ أَذِنَ بِبَيْعِهِ بِمِائَةٍ كَانَ الْبَاقِي فِي ذِمَّتِهِ كَأَنَّهُ اسْتَرَدَّهُ وَبَاعَهُ لِنَفْسِهِ (وَلَوْ قَتَلَهُ عَبْدٌ قِيمَتُهُ مِائَةٌ فَدَفَعَ بِهِ افْتَكَّهُ) الرَّاهِنُ وُجُوبًا (بِكُلِّ الدَّيْنِ وَهُوَ الْأَلْفُ) لِقِيَامِ الثَّانِي مَقَامَ الْأَوَّلِ لَحْمًا وَدَمًا وَقَالَ مُحَمَّدٌ إِنْ شَاءَ افْتَكَّهُ بِكُلِّ دَيْنِهِ أَوْ تَرَكَهُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ بِدَيْنِهِ وَهُوَ الْمُخْتَارُ

عین کے نقصان کا معاملہ مختلف ہے۔ جب رہن باقی ہو اور مرتہن کا قبضہ یہ پورے حق کو وصول کرنے کا قبضہ ہے۔ پس وہ ابتدا سے ہی پورا حق لینے والا ہوگا۔ اگر مرتہن راہن کے کہنے سے مذکورہ غلام بیچ دے تو سو پر قبضہ یہ اس کے لیے حق کی ادائیگی ہے اور وہ نوسو کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ جب دین باقی تھا اور راہن نے سو کے عوض اس کے بیچ دینے کی اجازت دے دی تو باقی ماندہ اس کے ذمہ میں ہوگا گویا راہن نے خود اس کو لے لیا اور خود اسے بیچا۔ اگر اس غلام کو کسی دوسرے غلام نے قتل کر دیا جس کی قیمت سو درہم ہو تو قاتل غلام مقتول کے عوض میں حوالے کر دیا گیا تو راہن وجوبی طور پر تمام دین ادا کر کے اس کو چھڑائے وہ کل رہن ہزار ہے۔ کیونکہ دوسرا غلام گوشت اور خون میں پہلے کے قائم مقام ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر چاہے تو مکمل دین ادا کر کے رہن کو چھڑائے یا اپنے رہن کے عوض مرتہن کے پاس چھوڑ دے۔ یہی مذہب مختار ہے

34611۔ (قولہ: بِخِلَافِ نُقْصَانِ الْعَيْنِ) کیونکہ عین کا نقصان دین میں سے اپنے حصہ کو ختم کر دیتا ہے، ''اتقانی''۔

34612۔ (قولہ: فَإِذَا كَانَ الخ) یہ تفریع ان کے قول بخلاف نقصان العین کی تعلیل کے قائم مقام ہے۔

34613۔ (قولہ: بِأَمْرِ الرَّاهِنِ) مراد یہ ہے: اسے بیع کا حکم دیا جب کہ وہ سو کے ساتھ مقید نہیں پس سو کا حکم نہیں دیا گیا، ''شرنبلالیہ''۔

34614۔ (قولہ: لِأَنَّهُ لَمَّا كَانَ الدَّيْنُ بَاقِيًا الخ) بعض نسخوں میں اس تعلیل سے پہلے ایک اور تعلیل ہے جو اس کے معنی میں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ بھاؤ کے کم ہونے سے دین میں سے کوئی شے ساقط نہ ہوگی۔ کیونکہ عین باقی ہے اور حق وصولی کرنے کے قبضہ میں نقص واقع ہوا ہے۔ کیونکہ جب راہن نے اسے رہن کے بیچ دینے کا حکم دے دیا تو گویا راہن نے مرتہن سے رہن واپس لے لیا اور خود اسے بیچا۔

34615۔ (قولہ: وَلَوْ قَتَلَهُ) ضمیر سے مراد وہ غلام ہے جو متن میں مذکور ہے۔

34616۔ (قولہ: لَحْمًا وَدَمًا) یعنی صورت اور معنی کے اعتبار سے۔ جہاں تک صورت کا تعلق ہے تو یہ ظاہر ہے۔ جہاں تک معنی کا تعلق ہے تو قاتل آدمیت میں مقتول کی طرح ہے اور شرع نے اسے آدمیت کے اعتبار سے اسے جز شمار کیا ہے، ''عنایہ''۔

34617۔ (قولہ: أَوْ تَرَكَهُ عَلَى الْمُرْتَهِنِ) کیونکہ وہ مرتہن کی ضمان میں متغیر ہو چکا ہے، ''ہدایہ''۔

كَمَا فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ عَنِ الْمَوَاهِبِ، لَكِنَّ عَامَّةَ الْمُتُونِ وَالشُّرُوحِ عَلَى الْأَوَّلِ (فَإِنْ جَنَى) تَرْكُ التَّفْرِيعِ أَوْلَى (الرَّهْنُ خَطَأً فَدَاهُ الْمُرْتَهِنُ) لِأَنَّهُ مِلْكُهُ (وَلَمْ يَرْجِعْ) عَلَى الرَّاهِنِ بِشَيْءٍ (وَلَا يَمْلِكُ أَنْ يَدْفَعَهُ إِلَى وَلِيِّ الْجِنَايَةِ) لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ التَّمْلِيكَ (فَإِنْ أَبَى) الْمُرْتَهِنُ مِنَ الْفِدَاءِ (دَفَعَهُ الرَّاهِنُ) إِنْ شَاءَ (أَوْ فَدَاهُ وَيَسْقُطُ الدَّيْنُ) بِكُلٍّ مِنْهُمَا (لَوْ أَقَلَّ مِنْ قِيمَةِ الرَّهْنِ أَوْ مُسَاوِيًا وَلَوْ أَكْثَرَ يَسْقُطُ قَدْرُ قِيمَةِ الْعَبْدِ) فَقَطْ، وَ (لَا يَسْقُطُ (الْبَاقِي) مِنَ الدَّيْنِ، وَلَوِ اسْتَهْلَكَ مَا لَا يَسْتَغْرِقُ رَقَبَتَهُ فَدَاهُ الْمُرْتَهِنُ، فَإِنْ أَبَى

جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں ''مواہب'' سے مروی ہے۔ لیکن عام متون اور شروح پہلے قول پر ہیں۔ اگر رہن خطأ جنایت کرے تو مرتہن اس کا فدیہ دے گا۔ کیونکہ یہ اس کی ملکیت میں ہے۔ اس تفریع کو ترک کرنا اولیٰ ہے۔ اور مرتہن راہن سے کسی شے کا مطالبہ نہیں کرے گا اور مرتہن اس امر کا مالک نہیں ہوگا کہ غلام ولی جنایت کے حوالے کر دے۔ کیونکہ کسی کی ملک میں دینے کا مالک نہیں۔ اگر مرتہن فدیہ دینے سے انکار کر دے تو راہن چاہے تو اس کے حوالے کر دے یا اسے فدیہ کے طور پر دے دے۔ اور دونوں صورتوں میں دین راہن کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اگر وہ رہن کی قیمت سے کم ہو یا اس کے مساوی ہو۔ اگر وہ زائد ہو تو صرف غلام کی قیمت کے حساب سے ساقط ہوگا اور باقی ماندہ دین ساقط نہیں ہوگا۔ اگر وہ غلام ایسی چیز کو جان بوجھ کر تلف کرے جو اس کی ذات کو محیط نہ ہو تو مرتہن اس کا فدیہ دے اگر وہ مرتہن انکار کرے

34618۔(قولہ: فَدَاهُ الْمُرْتَهِنُ) یعنی دین اپنے حال پر باقی رہے گا''ہدایہ''۔

34619۔(قولہ: لِأَنَّهُ مِلْكُهُ) یہ ظاہر نہیں۔ شارحین کی عبارت ہے: کیونکہ جنایت اس کی ضمان میں حاصل ہوئی ہے۔

34620۔(قولہ: بِشَيْءٍ) یعنی فدیہ میں سے کوئی شے۔

34621۔(قولہ: فَإِنْ أَبَى) مرتہن سے اس کا آغاز کیا۔ کیونکہ اگر ہم راہن کو خطاب کرتے تو یہ جائز ہوتا کہ وہ غلام حوالے کرنے کو پسند کرتے۔ پس مرتہن اس سے روک دیتا۔ کیونکہ اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ کہے: میں فدیہ دوں گا یہاں تک کہ میں اپنے رہن کو درست کر لوں گا''معراج''۔

34622۔(قولہ: وَيَسْقُطُ الدَّيْنُ بِكُلٍّ مِنْهُمَا) جہاں تک غلام حوالے کرنے کی صورت میں دین کے ساقط ہونے کا تعلق ہے تو کیونکہ غلام پر استحقاق ثابت ہوا ہے اس علت کی وجہ سے جو مرتہن کی ضمان میں واقع ہوئی ہے پس وہ غلام ہلاک ہونے کی طرح ہے۔ جہاں تک فدیہ دینے کی صورت کا تعلق ہے تو وہ کیونکہ اسے اس عوض کے بدلے میں حاصل ہوا ہے جو عوض مرتہن پر لازم تھا''ہدایہ''۔

34623۔(قولہ: فَدَاهُ الْمُرْتَهِنُ) یعنی اس کا دین اپنی حالت پر رہے گا''زیلعی''۔

34624۔(قولہ: فَإِنْ أَبَى) یعنی اگر مرتہن انکار کر دے کہ وہ اس کی جانب سے ادا کرے تو راہن سے کہا جائے گا: اسے رہن میں بیچ دو۔

بَاعَهُ الرَّاهِنُ أَوْ فَدَاهُ وَلَوْ قَتَلَ وَلَدُ الرَّهْنِ إِنْسَانًا أَوْ اسْتَهْلَكَ مَالًا دَفَعَهُ الرَّاهِنُ وَخَرَجَ عَنِ الرَّهْنِ أَوْ فَدَاهُ وَبَقِيَ رَهْنًا مَعَ أُمِّهِ وَأَمَّا جِنَايَةُ الدَّابَّةِ فَهَدَرٌ وَيَصِيرُ كَأَنَّهُ هَلَكَ بِآفَةٍ سَمَاوِيَّةٍ وَتَمَامُهُ فِي الْخَانِيَّةِ (مَاتَ الرَّاهِنُ بَاعَ وَصِيُّهُ رَهْنَهُ بِإِذْنِ مُرْتَهِنِهِ وَقَضَى دَيْنَهُ)

تو راہن اس کو بیچ دے یا اس کا فدیہ دے۔ مرہون کے بچے نے کسی انسان کو قتل کر دیا یا اس نے جان بوجھ کر مال ہلاک کر دیا راہن وہ بچہ اس کے حوالے کر دے اور وہ بچہ رہن سے نکل جائے گا یا اس کا فدیہ دے دے اور وہ بچہ اپنی ماں کے ساتھ رہن باقی رہے گا۔ جہاں تک جانور کی جنایت کا تعلق ہے تو وہ رائیگاں ہے اور وہ یوں ہو جائے گا گویا وہ آفت ساویہ کے ساتھ ہلاک ہوا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''خانیہ'' میں موجود ہے۔ راہن مر گیا تو اس کا وصی مرتہن کی اجازت سے اس کے مرہون کو بیچ دے اور اس کا دین ادا کر دے۔

34625۔ (قولہ: بَاعَهُ الرَّاهِنُ أَوْ فَدَاهُ) اگر راہن فدیہ دے دے تو مرتہن کا دین باطل ہو جائے گا اگر وہ اس کو بیچ دے تو غلام کا قرض خواہ اپنا دین لے لے اگر غلام کی قیمت میں سے کوئی شے بچ جائے اور غریم کا دین مرتہن کے دین کی مثل ہو یا اس سے زائد ہو تو زائد راہن کے لیے ہوگا اور مرتہن کا دین باطل ہو جائے گا۔ اگر وہ اس سے کم ہو تو مرتہن کے دین سے غلام کے دین کی مقدار ساقط ہو جائے گا اور غلام کے دین سے ثمن میں سے جو زائد ہوگا وہ بطور رہن باقی رہے گا جس طرح وہ پہلے رہن تھا اگر مرتہن کے دین کا وقت آ پہنچے تو اپنے دین کے بدلے میں اس سے لے لے گا۔ کیونکہ یہ مال اس کی جنس سے ہے ورنہ وہ اس کو روکے رکھے۔ یہاں تک کہ وقت مقررہ آ جائے۔ اگر ثمن غریم کے دین کو پوری نہ ہو تو غریم ثمن لے لے اور باقی ماندہ کا مطالبہ غلام کی آزادی کے بعد اس سے کرے اور غلام کسی سے کسی شے کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ اس کی مکمل بحث ''ہدایہ'' میں ہے۔

34626۔ (قولہ: دَفَعَهُ الرَّاهِنُ الخ) اس قول میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں مرتہن کو کسی شے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ بچے پر کوئی ضمانت نہیں۔ کیونکہ اس کے ہلاک ہونے سے اس کے دین میں سے کوئی شے ساقط نہیں ہوتی جس طرح ''اتقانی'' نے اسے ذکر کیا ہے۔

''طحطاوی'' نے ''حموی'' سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے: اگر مرتہن کہے: میں فدیہ دیتا ہوں تو اسے قبول کر لیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اپنے دین کے بدلے میں محبوس ہے۔ وثوق کی زیادتی میں اس کی صحیح غرض موجود ہے اور راہن کو کوئی ضرر لاحق نہیں۔

34627۔ (قولہ: وَخَرَجَ عَنِ الرَّهْنِ) دین میں سے کوئی شے ساقط نہ ہوگی جس طرح اگر وہ ابتدا میں ہی ہلاک ہو جائے گا، ''زیلعی''۔

34628۔ (قولہ: وَيَصِيرُ كَأَنَّهُ) ضمیر سے مراد وہ ہے جس پر جنایت کی گئی۔

34629۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ فِي الْخَانِيَّةِ) جہاں حاصل کا ذکر کیا جسے ہم نے سابقہ صفحہ پر ذکر کیا ہے کہ رہن کے دو

لِقِيَامِهِ مَقَامَهُ (فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَصِيٌّ نَصَبَ الْقَاضِي لَهُ وَصِيًّا وَأَمَرَهُ بِبَيْعِهِ) لِأَنَّ نَظَرَهُ عَامٌّ وَهَذَا لَوْ وَرَثَتُهُ صِغَارًا، فَلَوْ كِبَارًا خَلَفُوا الْمَيِّتَ فِي الْمَالِ فَكَانَ عَلَيْهِمْ تَخْلِيصُهُ جَوْهَرَةٌ فُرُوعٌ رَهَنَ الْوَصِيُّ بَعْضَ التَّرِكَةِ لِدَيْنٍ عَلَى الْمَيِّتِ عِنْدَ غَرِيمٍ مِنْ غُرَمَائِهِ تَوَقَّفَ عَلَى رِضَا الْبَقِيَّةِ وَلَهُمْ رَدُّهُ، فَإِنْ قَضَى دَيْنَهُمْ قَبْلَ الرَّدِّ نَفَذَ، وَلَوِ اتَّحَدَ الْغَرِيمُ جَازَ وَبِيعَ فِي دَيْنِهِ- وَإِذَا ارْتَهَنَ بِدَيْنٍ لِلْمَيِّتِ عَلَى آخَرَ جَازَ دُرَرٌ- وَفِي مُعِينِ الْمُفْتِي لِلْمُصَنِّفِ لَا يَبْطُلُ الرَّهْنُ بِمَوْتِ الرَّاهِنِ وَلَا بِمَوْتِ الْمُرْتَهِنِ

کیونکہ وصی اس کے قائم مقام ہے۔ اگر اس کا وصی نہ ہو تو قاضی اس کا وصی معین کرے اور اس کو بیچ دینے کا حکم دے۔ کیونکہ قاضی کی ولایت نظریہ عام ہے یہ حکم اس صورت میں ہے جب اس کے وارث چھوٹے ہوں۔ اگر اس کے وارث بڑے ہوں تو مال میں یہ اس کے نائب ہوں گے پس ان پر یہ لازم ہوگا کہ رہن کو چھڑائیں، ''جوہرہ''۔ فروع: وصی نے بعض ترکہ کو اس دین کے لیے قرض خواہوں میں سے کسی کے پاس رہن رکھا جو قرض میت کے ذمہ لازم تھا تو یہ عقد رہن باقی ماندہ کی رضا پر موقوف ہوگا اور انہیں اسے واپس کرنے کا حق ہوگا۔ اگر وہ واپس کرنے سے پہلے ان کا حق ادا کر دے تو یہ نافذ ہو جائے گا۔ اگر غریم ایک ہی ہو تو یہ عقد رہن جائز ہوگا اور اسے اس کے دین میں بیچا جائے گا۔ جب وصی اس دین کے بدلے میں کوئی چیز رہن کے طور پر رکھے جو میت کا کسی دوسرے شخص کے ذمہ لازم تھا تو یہ جائز ہوگا، ''درر''۔ مصنف کی ''معین المفتی'' میں ہے: رہن نہ راہن کی موت سے، نہ مرتہن کی موت سے

غلاموں میں سے ایک غلام دوسرے پر جنایت کرے۔ پھر وہ کہے: اگر وہ غلام اور جانور کو رہن کے طور پر رکھے تو جانور کی غلام پر جنایت رائیگاں چلی جائے گی۔ اور اسکے برعکس جنایت معتبر ہوگی جس طرح غلام کی دوسرے غلام پر جنایت کا معاملہ ہے، ملخص۔

34630_(قولہ: لِقِيَامِهِ) وصی راہن کے قائم مقام ہے۔

34631_(قولہ: فَلَوْ كِبَارًا) یہ امر ظاہر ہے جب وہ موجود ہوں۔ اگر وہ غائب ہوں تو ''عمادیہ'' کی پانچویں فصل میں ''فتاویٰ رشید الدین'' جو قاضی کی تالیف ہے، میں پہلے وہ وصی کو معین کرے گا جب وارث غائب ہو اور وصایا کے نسخہ میں یہ لکھے گا کہ اس (قاضی) نے اس آدمی کو وصی بنایا ہے اور میت کا وارث سفر کی مدت سے غائب ہے۔

34632_(قولہ: تَوَقَّفَ عَلَى رِضَا الْبَقِيَّةِ) یعنی باقی ماندہ غرماء کی رضامندی پر موقوف ہوگا۔

34633_(قولہ: وَلَهُمْ رَدُّهُ) انہیں لوٹانے کا حق اس لیے ہے کہ یہ بعض غرماء کو ایفاء (حق ادا کرنا) حکمی کے ساتھ ترجیح دینا ہے۔ پس یہ ایفاء حقیقی کے مشابہ ہے، ''ہدایہ''۔

34634_(قولہ: نَفَذَ) کیونکہ مانع زائل ہو چکا ہے کیونکہ ان کا حق ان تک پہنچ چکا ہے، ''ہدایہ''۔

34635_(قولہ: وَإِذَا ارْتَهَنَ) یعنی وصی کوئی چیز بطور رہن وصول کرے۔

34636_(قولہ: جَازَ) کیونکہ یہ حکما پورا پورا حق وصول کرنا ہے جب کہ وہ اس کا مالک ہو جائے گا، ''درر''۔

وَلَا بِمَوْتِهِمَا وَيَبْقَى الرَّهْنُ رَهْنًا عِنْدَ الْوَرَثَةِ
اور نہ ہی دونوں کی موت سے باطل ہوگا اور رہن رہن کے طور پر وارثوں کے پاس باقی رہے گا۔

34637۔(قولہ: عِنْدَ الْوَرَثَةِ) یعنی دونوں کے پاس، اس وصی کے پاس جس کو اختیار کیا گیا یا جسے معین کیا گیا اس کے پاس رہنے دیا جائے گا راہن کے وارث اس میت کے قائم مقام ہوں گے جس طرح پہلے گزر چکا ہے،''ط''۔

خاتمہ: مرتہن عقد رہن کو تنہا ہی فسخ کر سکتا ہے اور راہن تنہا اس کو فسخ نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ اگر مرتہن کہے: میں نے عقد رہن کو فسخ کر دیا اور راہن راضی نہ ہوا اور مرہون ہلاک ہو جائے تو رہن میں سے کوئی شے ساقط نہ ہوگی اور اس کے برعکس صورت میں اس کے حساب سے رہن ساقط ہو جائے گا جس طرح ''القنیہ'' وغیرہا میں ہے۔

فَصْلٌ فِي مَسَائِلَ مُتَفَرِّقَةٍ

(رَهَنَ عَصِيرًا قِيمَتُهُ عَشَرَةٌ بِعَشَرَةٍ فَتَخَمَّرَ ثُمَّ تَخَلَّلَ وَهُوَ يُسَاوِي الْعَشَرَةَ فَهُوَ رَهْنٌ بِعَشَرَةٍ) كَمَا كَانَ، ثُمَّ الْمُعْتَبَرُ فِي الزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ الْقَدْرُ لَا الْقِيمَةُ عَلَى مَا أَفَادَهُ ابْنُ الْكَمَالِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى،

متفرق مسائل کا بیان

ایک آدمی نے انگور کا رس دس کے عوض رہن رکھا جب کہ اس کی قیمت دس درہم تھی تو وہ شراب بن گیا پھر وہ سرکہ بن گیا جب کہ وہ دس کے مساوی ہے تو وہ دس کے عوض رہن ہوگا جس طرح وہ پہلے تھا پھر اس میں معتبر مقدار کی کمی بیشی ہے قیمت معتبر نہیں جس طرح ''ابن کمال'' نے بیان کیا ہے۔ اس پر فتویٰ ہے۔

34638۔ (قولہ: رَهَنَ عَصِيرًا الخ) یہ جان لو جب رہن رکھا گیا رس شراب بن جائے یا تو راہن اور مرتہن دونوں مسلمان ہوں گے یا دونوں کافر ہوں گے یا صرف راہن مسلمان ہوگا یا اس کے برعکس ہوگا۔ اگر دونوں کافر ہوں تو رہن اپنی حالت پر باقی رہے گا وہ سرکہ بنے یا سرکہ نہ بنے باقی اقسام میں اگر وہ سرکہ بن جائے تو حکم اسی طرح ہوگا ورنہ کیا مرتہن کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اس کو سرکہ بنا دے تو اس میں تفصیل ہے۔ اگر دونوں مسلمان ہوں یا صرف راہن مسلمان ہو تو اس کو سرکہ بنانا جائز ہے۔ کیونکہ مالیت اگرچہ سرکہ بن جانے سے تلف ہو چکی ہے لیکن سرکہ بنا کر مالیت کو لوٹانا ممکن ہے۔ پس یہ اس طرح ہو گیا جس طرح رہن کو جنایت سے خلاصی دلائی جائے جب مسلمانوں میں یہ جائز ہے جب کہ مسلمانوں کی طرف منسوب ہونے کے اعتبار سے یہ حلت کا محل نہیں تو جب مرتہن کافر ہو تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ حلت کا محل ہے۔ رہی صورت اگر راہن کافر ہو تو اسے رہن لینے کا حق ہوگا اور رہن اپنے حال پر ہوگا۔ کیونکہ مسلمان کے حق میں شراب مال نہیں تو مسلمان کو حق نہیں کہ اس کو سرکہ بنائے۔ اگر وہ اس کو سرکہ بنائے تو جس روز اس نے اسے سرکہ بنایا ہے اس روز کی شراب کی قیمت کا ضامن ہوگا اور سرکہ مرتہن کا ہوگا اور برابری واقع ہوگئی اگر اس کا رہن قیمت کی جنس سے ہوگا۔ اگر سرکہ بنائے جانے کے دن سے اس کی قیمت کم ہوئی تو زیادتی کا مطالبہ کرے گا'' عنایہ'' ملخص۔

34639۔ (قولہ: فَهُوَ رَهْنٌ بِعَشَرَةٍ) یعنی دس کے عوض میں وہ رہن باقی رہے گا۔ بے شک یہ عقد باطل نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ سرکہ بن جانے کے قریب ہے۔ اسی وجہ سے جب وہ اسے خریدے اور قبضہ سے پہلے وہ شراب بن جائے تو بیع باطل نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ وہ سرکہ بن جائے ''درر''۔

34640۔ (قولہ: ثُمَّ الْمُعْتَبَرُ) ''ہدایہ'' کے شارحین وغیرہم نے جو کہا ہے اس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ مصنف نے جو ذکر کیا ہے ''ہدایہ'' وغیرہ کی طرح وہ یہ اس کے ساتھ مقید ہے کہ اس کے کیل میں سے کوئی شے کم نہ ہو اور ان کا قول: ھو

فَإِنْ انْتَقَصَ شَيْءٌ مِنْ قَدْرِهِ سَقَطَ بِقَدْرِهِ وَإِلَّا فَلَا (وَلَوْ رَهَنَ شَاةً قِيمَتُهَا عَشَرَةٌ بِعَشَرَةٍ) هَذَا قَيْدٌ لَا بُدَّ مِنْهُ، لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ قِيمَتُهَا أَكْثَرَ مِنَ الدَّيْنِ يَكُونُ الْجِلْدُ أَيْضًا بَعْضُهُ أَمَانَةٌ بِحِسَابِهِ فَتَنَبَّهْ (فَمَاتَتْ) بِلَا ذَبْحٍ (فَدُبِغَ جِلْدُهَا بِمَا لَا قِيمَةَ لَهُ) فَلَوْ لَهُ قِيمَةٌ ثَبَتَ لِلْمُرْتَهِنِ حَقُّ حَبْسِهِ بِمَا زَادَ دِبَاغُهُ،

اگر اس کی مقدار میں سے کوئی شے کم ہوگئی تو اسی مقدار کے مطابق رہن کم ہو جائے گا ورنہ کوئی شے کم نہ ہوگی۔ اگر ایک آدمی نے ایک بکری جس کی قیمت دس ہے دس کے عوض رہن رکھی۔ یہ قید ہے جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ کیونکہ اس کی قیمت دین سے زائد ہو تو اس کی جلد کا بعض بھی اس کے حساب سے امانت ہوگا۔ پس اس پر متنبہ رہیے۔ پھر وہ بکری ذبح کے بغیر مر گئی اس کی جلد کو ایسی چیز سے دباغت کی گئی جس کی کوئی قیمت نہیں اگر اس کی قیمت ہو تو مرتہن کے لیے اس کے روکنے کا حق ثابت ہو جائے گا اس کے بدلے میں جو اس کی دباغت نے اس کی قدر میں اضافہ کیا۔

ساوی العشرۃ یہ بطور اتفاق واقع ہوا ہے۔ کیونکہ جب اس کا کیل اس کے حال پر باقی رہے اور اس کی قیمت کم ہوگئی تو رہن میں سے کوئی شے باقی نہ رہے گی۔ کیونکہ فوت ہونے والی چیز محض وصف ہے اور کیلی اور وزنی چیزوں میں اس کے فوت ہونے سے رہن میں سے کوئی شے ساقط نہیں ہوتی۔ لیکن راہن کو اختیار ہوگا جس طرح کنگن ٹوٹ جائے اگر راہن چاہے تو تمام رہن کے عوض اس کو ناقص چھڑا لے اگر چاہے تو ضمانت لے لے اور اس کی قیمت شیخین کے نزدیک رہن ہوگی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ناقص چھڑا لے گا یا اسی کو رہن کے بدلے رہن کر دے گا جس طرح ''شرح الکافی'' میں ہے۔ اگر اس کی قیمت کم نہ ہو تو اسے اختیار نہیں ہوگا پس وہ رہن کے طور پر باقی نہیں رہے گا جس طرح وہ تھا، ''اتقانی'' و ''عنایہ''۔

34641۔ (قولہ: وَإِلَّا فَلَا) کیونکہ بھاؤ کے کم ہونے کا اعتبار نہیں ہوگا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

34642۔ (قولہ: هَذَا) اسم اشارہ کا مشار الیہ وہ ہے جو قیمت کے دین کے مساوی ہونے کا مفہوم ہے۔

34643۔ (قولہ: لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ قِيمَتُهَا أَكْثَرَ مِنَ الدَّيْنِ) جس طرح جب رہن دس ہو اور بکری بیس کی ہو اور جلد ایک درہم کی ہو۔ پس جلد نصف درہم میں رہن ہوگی۔ کیونکہ بکری کے ہر درہم کے مقابلہ میں رہن کا نصف درہم ہے۔ پس جلد نصف درہم کے عوض میں رہن ہوگی اور گوشت کے مقابلہ میں زائد نصف ساقط ہو جائیں گے۔ اگر اس کی قیمت رہن سے کم ہو اس کی صورت یہ ہے کہ بکری پانچ کے بدلے میں ہو اور جلد ایک کے بدلے میں ہو تو جلد چھ کے بدلے میں رہن ہوگی جب اس کے بعد جلد ہلاک ہو جائے تو وہ ایک درہم کے عوض ہلاک ہوگی۔ پس وہ راہن سے رہن میں سے باقی ماندہ پانچ کا مطالبہ کرے گا۔ اس کی مکمل وضاحت ''کفایہ'' وغیرہا میں ہے۔

34644۔ (قولہ: بِلَا ذَبْحٍ) مگر جب اس کو ذبح کیا جائے تو مکمل کی مکمل مضمون ہوگی، ''ط''۔

34645۔ (قولہ: بِمَا لَا قِيمَةَ لَهُ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس کی مٹی سے دباغت کرے یا سورج میں خشک کرے، ''معراج''۔

وَهَلْ يَبْطُلُ الرَّهْنُ؟ قَوْلَانِ (وَهُوَ) أَيْ الْجِلْدُ (يُسَاوِي دِرْهَمًا فَهُوَ رَهْنٌ بِهِ، بِخِلَافِ مَا إذَا مَاتَتْ الشَّاةُ الْمَبِيعَةُ قَبْلَ الْقَبْضِ فَدُبِغَ جِلْدُهَا) حَيْثُ لَا يَعُودُ الْبَيْعُ بِقَدْرِهِ عَلَى الْمَشْهُورِ وَالْفَرْقُ أَنَّ الرَّهْنَ يَتَقَرَّرُ بِالْهَلَاكِ وَالْبَيْعُ قَبْلَ الْقَبْضِ يُفْسَخُ بِهِ (وَلَوْ أَبَقَ عَبْدُ الرَّهْنِ وَجُعِلَ) الْعَبْدُ (بِالدَّيْنِ

کیا رہن باطل ہوجائے گا۔ اس بارے میں دو قول ہیں۔ وہ جلد ایک درہم کے مساوی ہے۔ پس وہ اس کے بدلے میں رہن ہوگی۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ بکری قبضہ سے پہلے مرگئی جسے بیچا گیا تھا۔ پس اس کی جلد کی دباغت کی گئی تو مشہور قول کے مطابق اس کے حساب سے بیع نہیں لوٹے گی۔ فرق یہ ہے رہن ہلاک ہونے کے ساتھ ثابت ہوجاتا ہے اور بیع قبضہ سے پہلے موت کی صورت میں فسخ ہوجاتی ہے۔ اگر رہن کا غلام بھاگ گیا اور غلام کو دین کے بدلے میں بنادیا گیا

34646۔ (قولہ: وَهَلْ يَبْطُلُ الرَّهْنُ قَوْلَانِ) ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ باطل ہوجائے گا اور جلد اس قیمت کے بدلے میں رہن ہوگی دباغت نے اس میں جس کا اضافہ کیا ہے یہاں تک اگر راہن وہ ادا کردے تو وہ جلد لے لے گا۔ کیونکہ وہ دوسرے دین کے عوض حکماً مرہون ہوگا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ باطل نہیں ہوگا۔ کیونکہ شے اس چیز کے بدلے میں باطل ہوتی ہے جو اس کی مثل ہو یا اس سے خاص ہو اپنے سے کم کے ساتھ باطل نہیں ہوتی۔ یہاں دوسرا رہن سے پہلے سے درجہ میں کم ہے۔ کیونکہ جلد کو روکنے کا حق اس مالیت کی وجہ سے ثابت ہوا ہے جو دباغت کے حکم سے جلد کے ساتھ متصل ہے جب کہ یہ مالیت جلد کے تابع ہے اور پہلا رہن یہ اس کے بدلے میں ہے جو بذات خود اصل ہے جو دین ہے۔ پس وہ اقوی ہے۔ پس وہ دوسرے سے نہیں ختم ہوگا اور دوسرا بھی ثابت ہوجائے گا۔ کیونکہ اس کا رد کرنا ممکن نہیں، ''کفایہ''، ملخص۔

34647۔ (قولہ: وَهُوَ يُسَاوِي دِرْهَمًا) مراد رہن کے دن۔ مگر جب اس کی قیمت دو درہم ہوں تو وہ دو درہم کے عوض رہن ہوگا اس کو اس طریقہ سے پہچانا جاسکتا ہے کہ وہ بکری جو زندہ ہے اور جس بکری سے چمڑا اتار دیا گیا ہے کی قیمت کو دیکھا جائے گا۔ اگر اس کی زندہ حالت میں قیمت دس ہو اور چمڑہ اتارنے کے بعد اس کی قیمت نو ہو تو رہن رکھنے اور چمڑے کی قیمت ایک درہم ہوگی۔ اگر چمڑہ اتارنے کی صورت میں اس کی قیمت آٹھ ہو تو اس کی قیمت دو درہم ہوگی۔ ''عنایہ''۔

34648۔ (قولہ: عَلَى الْمَشْهُورِ) یہ عام لوگوں کا قول ہے۔ مشائخ میں سے کچھ علماء نے کہا: بیع لوٹ آئے گی جس طرح عقد رہن لوٹ آتا ہے۔ ''اتقانی''۔

34649۔ (قولہ: يَتَقَرَّرُ بِالْهَلَاكِ) کیونکہ مرتہن ہلاک ہونے کے ساتھ اپنے حق کو پورا وصول کرنے والا ہے۔ پس عقد رہن متاکد ہوجائے گا جب دباغت کے ساتھ مالیت لوٹ آئی تو اس نے ایسے عقد کو پایا جو قائم تھا۔ پس اس میں اس کا حکم اس کی قسط کے ساتھ ثابت ہوجائے گا۔ ''اتقانی''۔

34650۔ (قولہ: يُفْسَخُ بِهِ) یعنی ہلاک ہونے کے ساتھ بیع ٹوٹ جاتی ہے اور ٹوٹ جانے کے بعد کوئی لوٹتا نہیں۔

34651۔ (قولہ: وَجُعِلَ الْعَبْدُ) یہ مجہول کا صیغہ ہے۔ یعنی راہن اور قاضی نے غلام کو مرتہن کے رہن کے مقابل کردیا، ''ط''۔

ثُمَّ عَادَ يَعُودُ الدَّيْنُ وَالرَّهْنُ خِلَافًا لِزُفَرَ (وَنَمَاءُ الرَّهْنِ) كَالْوَلَدِ وَالثَّمَرِ وَاللَّبَنِ وَالصُّوفِ وَالْوَبَرِ وَالْأَرْشِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ (لِلرَّاهِنِ) لِتَوَلُّدِهِ مِنْ مِلْكِهِ (وَهُوَ رَهْنٌ مَعَ الْأَصْلِ) تَبَعًا لَهُ (بِخِلَافِ مَا هُوَ بَدَلٌ عَنِ الْمَنْفَعَةِ كَالْكَسْبِ وَالْأُجْرَةِ) وَكَذَا الْهِبَةُ وَالصَّدَقَةُ (فَإِنَّهَا غَيْرُ دَاخِلَةٍ فِي الرَّهْنِ وَتَكُونُ لِلرَّاهِنِ) الْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَا يَتَوَلَّدُ مِنْ عَيْنِ الرَّهْنِ يَسْرِي إِلَيْهِ حُكْمُ الرَّهْنِ وَمَا لَا فَلَا مَجْمَعُ الْفَتَاوٰى (وَإِذَا هَلَكَ النَّمَاءُ الْمَذْكُورُ (هَلَكَ مَجَّانًا) لِأَنَّهُ لَمْ يَدْخُلْ تَحْتَ الْعَقْدِ مَقْصُودًا

پھر وہ غلام لوٹ آیا تو دین اور عقد رہن لوٹ آئیں گے۔ امام ''زفر'' کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ اور رہن کا نما جیسے بچہ، پھل، دودھ، روئی، بال، چٹی وغیرہ راہن کے ہوں گے۔ کیونکہ یہ اس کی مملوکہ چیز سے پیدا ہوتے ہیں جب کہ یہ نما اپنے اصل کے ساتھ اس کی تبع میں رہن ہوگا۔ جو منفعت کا بدل ہے اس کا معاملہ مختلف ہے جیسے کسب اور اجرت۔ اسی طرح ہبہ اور صدقہ ہے۔ یہ رہن میں داخل نہیں۔ پس وہ راہن کی ہوں گی۔ قاعدہ یہ ہے ہر وہ چیز جو عین رہن سے پیدا ہوتی ہے رہن کا حکم اس کی طرف سرایت کرتا ہے۔ اور جو عین رہن سے پیدا نہیں ہوتا تو رہن کا حکم اس کی طرف سرایت نہیں کرتا، ''مجمع الفتاویٰ''۔ جب مذکورہ نما ہلاک ہو جائے تو وہ بغیر عوض کے ہلاک ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ نما عقد کے تحت بطور مقصود داخل نہیں۔

34652۔ (قولہ: یَعُودُ الدَّیْنُ) دین لوٹ آئے گا مگر بھاگ جانے کے عیب سے جو نقصان واقع ہوا ہے جس طرح اس کا ذکر آئے گا، ''ط''۔ بعض نسخوں میں یعود الرھن ہے اور بعض نسخوں میں یعود الدین فی الرھن۔

رہن کی بڑھوتری کا حکم

34653۔ (قولہ: وَھُوَ رَھْنٌ مَعَ الْأَصْلِ) پس راہن کے لیے اسے محبوس رکھنے کا حق ہے۔

نوٹ: شرح میں راہن لکھا ہوا ہے صحیح مرتہن ہے، ''مترجم''۔

دین ان دونوں پر ان دونوں کی قیمت کے حساب سے تقسیم ہو جائے گا۔ شرط یہ ہے کہ رہن کو چھوڑنے تک نما باقی رہے۔ اگر وہ اس سے پہلے ہلاک ہو جائے تو اس کے مقابلہ میں کوئی شے ساقط نہ ہوگی۔ اور اسے یوں بنا دیا جائے گا گویا وہ تھی ہی نہیں جس طرح عنقریب اس کی وضاحت کریں گے۔

ہر وہ چیز جو عین رہن سے پیدا ہوتی ہے رہن کا حکم اس طرف سرایت کرتا ہے

34654۔ (قولہ: الْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَا يَتَوَلَّدُ مِنْ عَيْنِ الرَّهْنِ) قاعدہ یہ ہے ہر وہ چیز جو عین راہن سے پیدا ہو یا رہن کے اجزاء میں سے کسی جز کے بدلے میں ہو جیسے چٹی اور عقر ہے، ''ہندیہ''۔

34655۔ (قولہ: ھَلَکَ مَجَّانًا) وہ بغیر عوض کے ہلاک ہوگا مگر چٹی کے۔ کیونکہ جب وہ ہلاک ہو جائے گا تو رہن میں سے وہ ساقط ہو جائے گا جو اس کے بالمقابل ہوگا۔ کیونکہ یہ اس کے جز کا بدل ہے۔ پس یہ مبدل کا قائم مقام ہوگا۔ ''قہستانی'' میں اسی طرح ہے، ''ح''۔

(وَإِذَا بَقِيَ) النَّمَاءُ أَيْ وَلَوْ حُكْمًا بِأَنْ أَكَلَ بِالْإِذْنِ فَإِنَّهُ لَا يُسْقِطُ حِصَّةَ مَا أَكَلَ مِنْهُ فَيَرْجِعُ بِهِ عَلَى الرَّاهِنِ، كَمَا إِذَا هَلَكَ الْأَصْلُ بَعْدَ الْأَكْلِ فَإِنَّهُ يُقْسَمُ الدَّيْنُ عَلَى قِيمَتِهِمَا قُهُسْتَانِيٌّ ذَكَرَهُ بِقَوْلِهِ (بَعْدَ هَلَاكِ الْأَصْلِ فَكَّ بِحِصَّتِهِ) مِنْ الدَّيْنِ لِأَنَّهُ صَارَ مَقْصُودًا بِالْفِكَاكِ، وَالتَّبَعُ يُقَابِلُهُ شَيْءٌ إِذَا كَانَ مَقْصُودًا (وَ) حِينَئِذٍ (يُقْسَمُ الدَّيْنُ عَلَى قِيمَتِهِ

جب نما باقی رہ جائے اگرچہ حکماً ہو اس کی صورت یہ ہے کہ اجازت کے ساتھ اس کو کھایا جائے تو اس میں سے جو کھایا گیا اس کا حصہ ساقط نہیں ہوگا۔ پس اس کا راہن سے مطالبہ کیا جائے گا جس طرح جب کھانے کے بعد اصل ہلاک ہو جائے۔ کیونکہ دین کو ان دونوں کی قیمت پر تقسیم کر دیا جائے گا ''قہستانی''۔ جس طرح اس کا ذکر اس قول کے ساتھ کیا ہے: اصل کے ہلاک ہونے کے بعد رہن میں سے اس کے حصہ کے ساتھ آزاد کر دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ چھڑانے کے ساتھ مقصود بن چکا ہے۔ اور تبع کے مقابل کوئی شے ہوتی ہے جب وہ مقصود ہو اور اس وقت دین کو اس کی اس قیمت پر تقسیم کیا جائے گا جو آزاد کرنے کے وقت اس کی قیمت تھی

34656۔ (قولہ: أَيْ وَلَوْ حُكْمًا الخ) اس کی تعمیم کی تصریح عنقریب مصنف اپنے آنے والے قول میں کریں گے: وان لم یفتك الرهن الخ۔

34657۔ (قولہ: كَمَا إِذَا هَلَكَ الْأَصْلُ بَعْدَ الْأَكْلِ) ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے اپنے پہلے قول: بان اکل بالاذن سے اس کے برعکس ارادہ کیا وہ یہ ہے: جب اس نے اصل کے ہلاک ہونے کے بعد کہا: اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ہلاک ہو جائے اور اس کا نما باقی رہ جائے جیسے پھل ہے پھر وہ اس کو کھائے ورنہ ایک شے اسی کی ذات سے تشبیہ دینی ہے۔ ''قہستانی'' کی عبارت یہ ہے: اگر اصل ہلاک ہو جائے اور نما باقی رہ جائے اگرچہ حکماً باقی ہے جس طرح جب راہن یا مرتہن یا اجنبی، نما میں سے اجازت کے ساتھ کھائے تو اس میں سے جو حصہ اس نے کھایا ہے اس کا حصہ ساقط نہیں ہوگا۔ پس وہ راہن سے اس کا مطالبہ کرے گا جس طرح کھانے کے بعد اصل ہلاک ہو جائے۔ پس رہن ان دونوں کی قیمت پر تقسیم کیا جائے گا اور اس نے جو کھایا ہے اس کی قیمت کا مطالبہ راہن سے کیا جائے گا۔ یہ سب ''شرح الطحاوی'' میں ہے۔

34658۔ (قولہ: ذَكَرَهُ بِقَوْلِهِ) ضمیر منصوب کا جو مرجع ہے اس میں غور کیجئے۔

34659۔ (قولہ: فَكَّ) یعنی نما اپنے حصہ کے مطابق۔ اگر اصل کے ہلاک ہونے کے بعد نما بھی ہلاک ہو جائے تو بغیر کسی شے کے ہلاک ہو جائے گا گویا وہ نما تھا ہی نہیں اور تمام رہن اموال کے ہلاک ہونے کے ساتھ ہلاک ہو جائے گا۔ اس کی مکمل وضاحت ''غرر الافکار'' میں ہے۔

34660۔ (قولہ: وَالتَّبَعُ يُقَابِلُهُ شَيْءٌ إِذَا كَانَ مَقْصُودًا) جیسے مبیع کا بچہ بے شک یہ تبعاً مبیع ہوگا اور ثمن میں سے اس کا حصہ نہیں ہوگا۔ مگر جب وہ قبضہ کے ساتھ مقصود ہو جائے، ''معراج''۔

يَوْمَ الْفِكَاكِ وَقِيمَةُ الْأَصْلِ يَوْمَ الْقَبْضِ، وَيَسْقُطُ مِنَ الدَّيْنِ حِصَّةُ الْأَصْلِ وَفُكَّ النَّمَاءُ بِحِصَّتِهِ) كَمَا لَوْ كَانَ الدَّيْنُ عَشَرَةً وَقِيمَةُ الْأَصْلِ يَوْمَ الْقَبْضِ عَشَرَةٌ وَقِيمَةُ النَّمَاءِ يَوْمَ الْفَكِّ خَمْسَةٌ فَثُلُثَا الْعَشَرَةِ حِصَّةُ الْأَصْلِ فَيَسْقُطُ وَثُلُثُ الْعَشَرَةِ حِصَّةُ النَّمَاءِ فَيُفَكُّ بِهِ (وَلَوْ أَذِنَ الرَّاهِنُ لِلْمُرْتَهِنِ فِي أَكْلِ الزَّوَائِدِ) أَيْ أَكْلِ زَوَائِدِ الرَّهْنِ بِأَنْ قَالَ لَهُ مَهْمَا زَادَ فَكُلْهُ (فَأَكَلَهَا) ظَاهِرُهُ يَعُمُّ أَكْلَ ثَمَنِهَا، وَبِهِ أَفْتَى الْمُصَنِّفُ قَالَ إِلَّا أَنْ يُوجَدَ نَقْلٌ يُخَصِّصُ حَقِيقَةَ الْأَكْلِ فَيُتَّبَعَ (فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ) أَيْ عَلَى الْمُرْتَهِنِ،

اور اصل کی اس قیمت پر تقسیم کیا جائے گا جو قبضہ کے دن تھی۔ اور دین میں سے اصل کے حصہ کو ساقط کر دیا جائے گا اور نما کو اس کے حصے کے بدلے میں چھڑا دیا جائے گا۔ جس طرح اگر دین دس تھا اور اصل کی قیمت قبضہ کے روز دس تھی اور آزاد کرنے کے وقت نما کی قیمت پانچ تھی۔ پس دس کے دو تہائی اصل کا حصہ ہے۔ پس وہ ساقط ہو جائے گا اور دس کا ایک تہائی یہ نما کا حصہ ہے۔ پس اس کو آزاد کر دیا جائے گا۔ اگر راہن مرتہن کو زوائد کے کھانے کی اجازت دے یعنی رہن کے زوائد کے کھانے کی اجازت دے اس کی صورت یہ ہے کہ اسے کہے: جو زائد ہو تو اس کو کھاؤ تو اس نے اس کو کھایا۔ اس قول کا ظاہر معنی یہ ہے کہ وہ اس کی ثمن کھائے۔ مصنف نے اس کے بارے فتویٰ دیا ہے۔ کہا: مگر ایسا منقول قول پایا جائے جو کھانے کی حقیقت کو خاص کر دے پس اس کی پیروی کی جائے گی۔ پس مرتہن پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔

34661۔ (قولہ: يَوْمَ الْفِكَاكِ) کیونکہ آزاد کرانے کے ساتھ وہ مضمون ہو چکا ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس سے پہلے ہلاک ہو جائے تو وہ بغیر عوض کے ہلاک ہو جائے گا۔ ''عنایہ''۔

34662۔ (قولہ: يَوْمَ الْقَبْضِ) کیونکہ یہ قبضہ کرنے کے ساتھ مضمون ہو چکا ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے، ''عنایہ''۔

34663۔ (قولہ: فَيَسْقُطُ) یعنی اصل کے ہلاک ہونے کے سبب ساقط ہو جائے گا۔

34664۔ (قولہ: وَبِهِ أَفْتَى الْمُصَنِّفُ) کیونکہ اس آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے کھجور کے درخت رہن کے طور پر رکھے اور مرتہن کے لیے اس کے پھلوں کو مباح کر دیا کیا مرتہن ان کو بیچنے کا مالک ہے اور اس سے مال حاصل کر سکتا ہے یا صرف خود ہی کھا سکتا ہے؟

اس کا جواب دیا ان کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اسے مطلقاً تصرف کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ ان کے قول فاکلھا سے مراد اس کو کھانا یا اس کی ثمن کو کھانا ہے مگر کوئی صریح قول پایا جائے جو دوسروں کے علاوہ صرف اس کے کھانے کی تخصیص کرے۔ یہ ''حاشیۃ الحموی'' سے ماخوذ ہے، ''ملخص''۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ معنی حقیقی وہ ظاہر ہے اور اعم ہونے کا مدعی دلیل کا محتاج ہے۔

میں کہتا ہوں: شارح عنقریب ''جواہر'' سے اس کو ذکر کریں گے اگر وہ اس کے ذات کے لیے مباح کرے تو اسے یہ حق حاصل نہیں کہ اسے اجرت پر دے، تامل۔

لِأَنَّهُ أَتْلَفَهُ بِإِذْنِ الْمَالِكِ وَالْإِطْلَاقُ يَجُوزُ تَعْلِيقُهُ بِالشَّرْطِ وَالْخَطَرِ، بِخِلَافِ التَّمْلِيكِ (وَلَا يَسْقُطُ شَيْءٌ مِنَ الدَّيْنِ) قَالَ فِي الْجَوَاهِرِ رَجُلٌ رَهَنَ دَارًا وَأَبَاحَ السُّكْنَى لِلْمُرْتَهِنِ فَوَقَعَ بِسُكْنَاهُ خَلَلٌ وَخَرِبَ الْبَعْضُ لَا يَسْقُطُ شَيْءٌ مِنَ الدَّيْنِ لِأَنَّهُ لَمَّا أَبَاحَ لَهُ السُّكْنَى أَخَذَ حُكْمَ الْعَارِيَةِ، حَتَّى لَوْ أَرَادَ مَنْعَهُ كَانَ لَهُ ذَلِكَ وَفِي الْمُضْمَرَاتِ وَلَوْ رَهَنَ شَاةً فَقَالَ لَهُ الرَّاهِنُ كُلْ وَلَدَهَا وَاشْرَبْ لَبَنَهَا فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ، وَكَذَا لَوْ أَذِنَ لَهُ فِي ثَمَرَةِ الْبُسْتَانِ فَصَارَ أَكْلُهُ كَأَكْلِ الرَّاهِنِ ثُمَّ نُقِلَ عَنِ التَّهْذِيبِ أَنَّهُ يُكْرَهُ لِلْمُرْتَهِنِ أَنْ يَنْتَفِعَ بِالرَّهْنِ وَإِنْ أَذِنَ لَهُ الرَّاهِنُ

کیونکہ اس نے مالک کی اجازت سے اس کو تلف کیا ہے۔ اور اطلاق کو شرط اور خطر کے ساتھ معلق کرنا جائز ہے۔ تملیک کا معاملہ مختلف ہے۔ اور دین میں سے کوئی شے ساقط نہ ہوگی۔ ''جواہر'' میں کہا: ایک آدمی نے ایک گھر رہن رکھا اور مرتہن کے لیے رہائش کو مباح کیا۔ پس اس کی رہائش کی وجہ سے اس میں خلل واقع ہوگیا اور بعض خراب ہوگیا تو دین میں سے کوئی شے ساقط نہ ہوگی۔ کیونکہ جب اس کے لیے رہائش کو مباح کیا تو وہ عاریہ کا حکم لے گا۔ یہاں تک کہ اگر وہ اس سے منع کا ارادہ کرے تو اسے یہ حق حاصل ہوگا۔ ''مضمرات'' میں ہے: اگر ایک آدمی نے بکری رہن کے طور پر رکھی تو راہن نے اس کو کہا: اس کا بچہ کھاؤ اور اس کا دودھ پیو تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر وہ اسے باغ کے پھل کے بارے میں اجازت دے تو اس کا کھانا راہن کے کھانے کی طرح ہوگا۔ پھر ''تہذیب'' سے نقل کیا گیا کہ مرتہن کے لیے یہ مکروہ ہے کہ وہ رہن سے نفع اٹھائے اگرچہ راہن اس کی اجازت دے۔

''سائحانی'' نے کہا: میں کہتا ہوں: اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ زوائد ماکولہ کو کھانے سے مراد ان کی ذات کو کھانا ہے ان کے بدل کو کھانا نہیں۔ یہ بدیہی امر ہر کسی کے لیے واضح ہے۔ ہاں یہ امر ظاہر ہوگا جب وہ ان چیزوں میں سے ہو جن کو نہیں کھایا جاتا جس طرح ''رحمتی'' نے ذکر کیا ہے۔

34665۔ (قولہ: لِأَنَّهُ أَتْلَفَهُ بِإِذْنِ الْمَالِكِ) اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے تو اگر اس نے اجازت کے بغیر اس کو تلف کیا تو وہ ضامن ہوگا اور قیمت بکری کے ساتھ رہن ہوگی۔ اسی طرح کا حکم ہوگا جب راہن مرتہن کی اجازت کے بغیر یہ فعل کرے۔ ''عنایہ''۔

34666۔ (قولہ: وَالْإِطْلَاقُ) یعنی مراد مباح کرنا ہے، ''ح''۔

34667۔ (قولہ: يَجُوزُ تَعْلِيقُهُ) کیونکہ یہ تملیک نہیں۔ ''اتقانی''۔

34668۔ (قولہ: بِالشَّرْطِ) وہ یہاں ان کا یہ قول ہے: مہما زادہ فکلہ۔

34669۔ (قولہ: وَالْخَطَرِ) یہ خا اور طا کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد ہلاک کے قریب ہونا ہے جس طرح ''قاموس'' اور ''مغرب'' میں ہے۔ یہاں اس سے مراد جو وجود اور عدم کا احتمال رکھے۔ پس یہ شرط کے معنی میں ہے۔ تامل

قَالَ الْمُصَنِّفُ وَعَلَيْهِ يُحْمَلُ مَا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْلَمَ مِنْ أَنَّهُ لَا يَحِلُّ لِلْمُرْتَهِنِ ذَلِكَ وَلَوْ بِالْإِذْنِ لِأَنَّهُ رِبًا قُلْتُ وَتَعْلِيلُهُ يُفِيدُ أَنَّهَا تَحْرِيمِيَّةٌ فَتَأَمَّلْهُ (وَإِنْ لَمْ يَفْتَكَّ) الرَّاهِنُ (الرَّهْنَ) بَلْ بَقِيَ عِنْدَ الْمُرْتَهِنِ عَلَى حَالِهِ (حَتَّى لَوْ هَلَكَ) الرَّهْنُ كَمَا فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ (قُسِمَ الدَّيْنُ عَلَى قِيمَةِ النَّمَاءِ) أَيْ الزِّيَادَةِ (الَّتِي أَكَلَهَا الْمُرْتَهِنُ وَعَلَى قِيمَةِ الْأَصْلِ، فَمَا أَصَابَ الْأَصْلَ سَقَطَ وَمَا أَصَابَ الزِّيَادَةَ أَخَذَهُ الْمُرْتَهِنُ مِنْ الرَّاهِنِ) كَمَا فِي الْهِدَايَةِ وَالْكَافِي وَالْخَانِيَّةِ وَغَيْرِهَا وَفِي الْجَوَاهِرِ الْأَصْلُ أَنَّ الْإِتْلَافَ بِإِذْنِ الرَّاهِنِ كَإِتْلَافِ الرَّاهِنِ بِنَفْسِهِ لِتَسْلِيطِهِ، وَفِيهَا أَبَاحَ لِلْمُرْتَهِنِ نَفْعَهُ هَلْ لِلْمُرْتَهِنِ أَنْ يُؤَجِّرَهُ؟

مصنف نے کہا: ''محمد بن اسلم'' سے جو قول مروی ہے اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ مرتہن کے لیے یہ حلال نہیں اگرچہ اجازت کے ساتھ ہو۔ کیونکہ یہ ربا ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کی تعلیل اس امر کا فائدہ دیتی ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے پس اس میں غور کیجئے۔ اگر راہن رہن کو آزاد نہ کروائے بلکہ وہ مرتہن کے پاس اپنے حال پر باقی رہے یہاں تک کہ رہن ہلاک ہو جائے جس طرح وہ مرتہن کے قبضہ میں ہو تو راہن کو اس زیادتی پر جسے مرتہن نے کھایا ہوگا اور اصل کی قیمت پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور جو اصل کو پائے گا وہ ساقط ہو جائے گا اور جو زیادتی کو پائے گا اسے مرتہن راہن سے وصول کرلے گا جس طرح ''ہدایہ''، ''کافی'' اور ''خانیہ'' وغیرہا میں ہے۔ ''جواہر'' میں ہے: اصل یہ ہے راہن کی اجازت سے اس کو تلف کرنا اس طرح ہے جس طرح راہن خود اس کو تلف کرے۔ کیونکہ اس نے اسے مسلط کیا تھا۔ اس میں ہے: اس نے مرتہن کے لیے اس کا نفع مباح کیا۔ کیا مرتہن کے لیے یہ جائز ہے کہ اسے اجرت پر دے دے؟

34670۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ يُحْمَلُ الخ) اس کی صورت یہ ہے کہ نفی حل سے مراد کراہت لی جائے۔

34671۔ (قولہ: مَا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَسْلَمَ) جو ''المنح'' کے کتاب الرہن کے آغاز میں ہے وہ ''عبداللہ بن محمد بن مسلم'' ہے، ''ح''۔

میں کہتا ہوں: ہم نے پہلے وہاں جو ''المنح'' سے نقل کیا ہے اور اس کی مثل اس کے علاوہ میں نقل کیا ہے وہ اس کے موافق ہے جو یہاں ہے۔ شاید نسخے مختلف ہیں۔

34672۔ (قولہ: قُلْتُ الخ) اس کا ظاہر یہ ہے کہ اجازت کے ساتھ کراہت کے قول کو تسلیم کرلیا جائے اور یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ ربا ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ اس پر ضمانت ہے۔ لیکن کتاب الرہن کے شروع میں جو ہم پہلے ''المنح'' سے نقل کر چکے ہیں کہ یہ عام معتبر کتابوں کے خلاف ہے۔ اس کی مکمل وضاحت گزر چکی ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

34673۔ (قولہ: وَمَا أَصَابَ الزِّيَادَةَ) جیسے سابقہ مثال میں دس کا ایک تہائی ہے۔

34674۔ (قولہ: كَإِتْلَافِ الرَّاهِنِ بِنَفْسِهِ) رہن میں سے جو اس کے مقابل ہے وہ ساقط نہیں ہوگا لیکن مرتہن پر اس کی ضمانت نہیں۔ جو اس کے قبضہ میں ہلاک ہو اس کا معاملہ مختلف ہے۔

قَالَ لَا، قِيلَ فَلَوْ أَجَرَهُ وَمَضَتْ الْمُدَّةُ فَالْأَجْرَةُ لَهُ أَمْ لِلرَّاهِنِ؟ قَالَ لَهُ إنْ أَجَرَهُ بِلَا إذْنٍ، وَإِنْ بِإِذْنٍ فَلِلْمَالِكِ وَبَطَلَ الرَّهْنُ وَفِيهَا رَهَنَ كَرْمًا وَتَسَلَّمَهُ الْمُرْتَهِنُ ثُمَّ دَفَعَهُ لِلرَّاهِنِ لِيَسْقِيَهُ وَيَقُومَ بِمَصَالِحِهِ لَا يَبْطُلُ الرَّهْنُ رَهَنَ كَرْمًا وَأَبَاحَ ثَمَرَهُ ثُمَّ بَاعَ الْكَرْمَ فَقَبَضَ الْمُرْتَهِنُ الثَّمَنَ، إنْ ثَمَرُهُ حَصَلَ بَعْدَ الْبَيْعِ فَلِلْمُشْتَرِي، وَإِنْ قَبْلَهُ فَلِلرَّاهِنِ إنْ قَضَى دَيْنَ الْمُرْتَهِنِ وَإِلَّا يَكُونُ رَهْنًا وَيُجْعَلُ الْبَيْعُ رُجُوعًا عَنْ الْإِبَاحَةِ فَإِنَّهَا تَقْبَلُ الرُّجُوعَ

کہا: نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر وہ اسے اجرت پر دے دے اور مدت گزر جائے تو کیا اجرت مرتہن کے لیے ہوگی یا راہن کے لیے ہوگی؟ کہا: اجرت مرتہن کے لیے ہوگی اگر مرتہن نے اجازت کے بغیر اسے اجرت پر دیا۔ اگر اجازت کے ساتھ اجرت پر دیا تو وہ مالک کے لیے ہوگی۔ اور پس عقد رہن باطل ہو جائے گا۔ اس میں ہے: ایک آدمی نے بیل رہن کے طور پر دی اور مرتہن نے اس کو اپنے قبضہ میں لے لیا پھر اس نے وہ راہن کو دے دیا تا کہ وہ ان کو پانی دے اور اس کے مصالح کو بجالائے تو عقد رہن باطل نہیں ہوگا۔ ایک آدمی نے انگور کی بیلیں رہن رکھیں اور اس کا پھل مباح کر دیا پھر بیلیں بیچ دیں۔ پس مرتہن نے ثمن پر قبضہ کر لیا۔ اگر اس کا پھل بیع کے بعد حاصل ہوا تو وہ مشتری کا ہوگا۔ اگر اس سے قبل حاصل ہوا تو وہ راہن کا ہوگا۔ اگر وہ مرتہن کا دین ادا کر دے ورنہ وہ رہن ہوگا۔ اور بیع کو اباحت سے رجوع قرار دے دیا جائے گا۔ کیونکہ اباحت رجوع کو قبول کرتا ہے

34675۔(قولہ: قَالَ لَا الخ) ''تاتر خانیہ'' میں ہے: مرتہن نے مرہون اجنبی کو اجرت پر راہن کی اجازت کے بغیر دیا تو منافع مرتہن کے ہوں گے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ اس کو صدقہ کر دے گا۔ اسے حق حاصل ہوگا کہ اسے رہن کی طرف لوٹا دے۔

34676۔(قولہ: وَبَطَلَ الرَّهْنُ) یہاں تک کہ متاجر کے ہاں اس کے ہلاک ہو جانے پر مرتہن کا دین ساقط نہیں ہو گا، ''ط''۔ اور وہ بطور رہن نہیں لوٹے گا مگر اس میں تجدید کرے گا، ''تاتر خانیہ''۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر راہن مرتہن کو اجرت پر دے جیسے سابقہ باب میں گزر چکا ہے۔

34677۔(قولہ: وَتَسَلَّمَهُ الْمُرْتَهِنُ) مگر جب مرتہن اس کو قبضہ میں نہ لے تو رہن مکمل نہیں ہوگا یا سابقہ اختلاف کی بنا پر صحیح نہیں ہوگا، ''ط''۔

34678۔(قولہ: ثُمَّ بَاعَ) یعنی راہن نے بیع کر دی۔

34679۔(قولہ: فَقَبَضَ الْمُرْتَهِنُ الثَّمَنَ) کیونکہ جب بیع جائز ہوگی تو ثمن رہن ہو جائے گی لیکن قبضہ شرط نہیں۔ کیونکہ وہ رہن ہو جائے گی اگرچہ قبضہ نہ کرے جس طرح سابقہ باب کے شروع میں ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

34680۔(قولہ: وَإِلَّا يَكُونُ رَهْنًا) یعنی مبیع کی ثمن کے ساتھ جس کو اس نے قبضہ میں لیا، ''ط''۔

كَمَا مَرَّ وَفِيهَا زَرَعَ الْمُرْتَهِنُ أَرْضَ الرَّهْنِ، إِنْ أُبِيحَ لَهُ الِانْتِفَاعُ لَا يَجِبُ شَيْءٌ، وَإِنْ لَمْ يُبَحْ لَزِمَهُ نُقْصَانُ الْأَرْضِ وَضَمَانُ الْمَاءِ لَوْ مِنْ قَنَاةٍ مَمْلُوكَةٍ فَلْيُحْفَظْ زَرَعَهَا الرَّاهِنُ أَوْ غَرَسَهَا بِإِذْنِ الْمُرْتَهِنِ يَنْبَغِي أَنْ تَبْقَى رَهْنًا وَلَا يَبْطُلُ الرَّهْنُ فَتَنَبَّهْ اسْتَحَقَّ الرَّهْنَ لَيْسَ لِلْمُرْتَهِنِ طَلَبُ غَيْرِهِ مَقَامَهُ اسْتَحَقَّ بَعْضَهُ إِنْ شَائِعًا يَبْطُلُ الرَّهْنُ فِيمَا بَقِيَ، وَإِنْ مَفْرُوزًا بَقِيَ فِيمَا بَقِيَ وَيُحْبَسُ بِكُلِّ الدَّيْنِ لَكِنْ هَلَكُهُ بِحِصَّتِهِ آجَرَ دَارَهُ لِغَيْرِهِ ثُمَّ رَهَنَهَا مِنْهُ صَحَّ وَبَطَلَتِ الْإِجَارَةُ، وَلَوْ ارْتَهَنَ ثُمَّ آجَرَهُ مِنْ رَاهِنِهِ

جس طرح پہلے گزر چکا ہے اس میں ہے: مرتہن نے رہن کی زمین کو کاشت کیا اگر اس کے لیے نفع حاصل کرنے کو مباح قرار دیا گیا تھا تو اس پر کوئی شے واجب نہ ہوگی۔ اگر اسے مباح نہ کیا گیا ہو تو اس پر زمین کا نقصان اور پانی کی ضمانت لازم ہوگی۔ اگر وہ پانی کی مملوکہ نالی سے لیا گیا تھا۔ پس اس کو یاد رکھا جائے۔ مرتہن کی اجازت سے راہن نے زمین کو کاشت کیا یا اس میں درخت لگائے چاہیے کہ وہ رہن ہی رہے۔ پس رہن باطل نہیں ہوگا۔ پس اس پر متنبہ ہو جایئے۔ رہن کے بعض کا کوئی مستحق نکل آیا اگر وہ رہن مشترک ہو تو باقی ماندہ میں رہن باطل ہو جائے گا اگر وہ مشترک نہ ہو تو باقی ماندہ میں رہن باقی رہے گا اور تمام دین کے بدلے میں اس کو محبوس کر دیا جائے گا لیکن اس کے حصہ کے عوض وہ ہلاک ہو جائے گا۔ ایک آدمی نے اپنا گھر کسی اور کو اجرت پر دیا پھر وہ اس کے ہاں رہن رکھ دیا تو عقد رہن صحیح ہوگا اور اجارہ باطل ہو جائے گا اگر وہ رہن کے طور پر اسے قبول کرے پھر اپنے راہن کو اجرت پر دے دے

34681۔(قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی ان کے قول: حتی لو اراد منعه کان ذلك کے قریب ہی گزرا ہے۔

34682۔(قولہ: لَوْ مِنْ قَنَاةٍ مَمْلُوكَةٍ) یہ قول اس کے خلاف ہے جو مفتی بہ ہے کہ وہ ضامن نہیں ہوگا مگر جس کا وہ محفوظ کرنے کے ساتھ مالک ہوا جس طرح کتاب الشرب میں گزر چکا ہے اور نالی کا پانی محفوظ کیا گیا نہیں۔

34683۔(قولہ: يَنْبَغِي أَنْ تَبْقَى رَهْنًا) ''خانیہ'' میں اس کو یقین سے بیان کیا ہے۔ اور کہا: اس نے مرتہن کی اجازت سے اس کو کاشت کیا یا اس میں سکونت اختیار کی تو عقد رہن باطل نہیں ہوگا۔ اسے حق حاصل ہوگا کہ وہ اس سے واپس لے لے۔ جب تک وہ راہن کے قبضہ میں ہوگی تو مرتہن اس کا ضامن نہیں ہوگا۔

34684۔(قولہ: بَقِيَ فِيمَا بَقِيَ) اشتراک نہ ہونے کی صورت میں باقی ماندہ کو ابتداءً رہن رکھنا صحیح ہے۔

34685۔(قولہ: لَكِنْ هَلَكُهُ بِحِصَّتِهِ) اگرچہ اسکی قیمت میں پورا دین ادا ہو جاتا ہے جس طرح ''خانیہ'' میں ہے۔

34686۔(قولہ: ثُمَّ رَهَنَهَا مِنْهُ) یعنی مستاجر کو رہن کے طور پر دے دیا۔

34687۔(قولہ: وَبَطَلَتِ الْإِجَارَةُ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اجارہ محض عقد رہن کے ساتھ باطل ہو جائے گا جب کہ صورتحال ایسے نہیں ہوتی بلکہ اس پر قبضہ کرنا ضروری ہے جس طرح ''القنیہ'' میں ہے۔ جہاں تک اس کے برعکس کا تعلق ہے اس کی صورت یہ ہے کہ راہن مرتہن کو رہن اجرت پر دے تو وہ محض عقد اجارہ کے ساتھ فسخ ہو جائے گا اور اسے نئے سرے

فَالْإِجَارَةُ بَاطِلَةٌ أَبَقَ الرَّهْنُ سَقَطَ الدَّيْنُ كَهَلَاكِهِ، فَإِنْ عَادَ سَقَطَ بِحِسَابِ نَقْصِهِ لِأَنَّ الْإِبَاقَ عَيْبٌ حَدَثَ فِيهِ ثُمَّ لَمَّا فَرَغَ مِنَ الزِّيَادَةِ الضِّمْنِيَّةِ ذَكَرَ الزِّيَادَةَ الْقَصْدِيَّةَ فَقَالَ (وَالزِّيَادَةُ فِي الرَّهْنِ تَصِحُّ)

تو اجارہ باطل ہوگا۔ رہن بھاگ گیا تو دین ساقط ہو جائے گا جس طرح اس کے ہلاک ہو جانے سے دین ساقط ہو جاتا ہے۔ اگر وہ لوٹ آئے تو جس قدر اس میں نقص واقع ہوا اس حساب سے دین ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ بھاگ جانا عیب ہے جو اس میں واقع ہوا ہے۔ جب ضمنی زیادتی سے فارغ ہوئے تو قصدی زیادتی کا ذکر کیا اور کہا: رہن میں زیادتی صحیح ہے۔

سے قبضہ کی ضرورت نہیں ہوگی جس طرح ''بزازیہ'' کا کلام اس کو بیان کرتا ہے۔ لیکن ''عمادیہ'' میں ہے کہ اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں یہاں تک کہ اگر وہ ہلاک ہو جائے قبل اس کے وہ اجارہ کے لیے نئے سرے سے قبضہ کرے تو وہ رہن کے ہلاک ہونے کی طرح ہلاک ہوگا۔ یہ امر اشکال کا باعث ہے۔ کیونکہ ''عمادیہ'' میں اس کو ثابت کیا ہے کہ جو چیز غیر کے بدلے میں قابل ضمانت ہو اس پر قبضہ یہ غیر مضمون پر قبضہ کے قائم مقام ہے۔ اس کی مکمل بحث ''شرف غزی'' کے ''حاشیۃ الاشباہ'' میں ہے۔ ہم سابقہ فصل میں ''عنایہ'' سے یہ نقل کر چکے ہیں کہ نیا قبضہ شرط ہے۔

34688۔ (قولہ: فَالْإِجَارَةُ بَاطِلَةٌ) اجارہ اس طرح ہوگا جس طرح اگر وہ اسے عاریۃ دے یا اس کے پاس ودیعت رکھے پس عقد رہن باطل نہیں ہوگا۔

تنبیہ

''نہایہ'' میں کہا: امام ''ابوالحسن ماتریدی'' سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنا گھر کسی اور شخص کو معلوم ثمن کے بدلے میں بیچا اور یہ ایسی بیع ہو جو اس کے حق کو کافی ہو اور دونوں اس پر قبضہ کر لیں پھر وہ اسے مشتری سے اجارہ کے صحیح ہونے کی شرائط کے ساتھ اجارہ پر لے اور اس پر قبضہ کر لے اور مدت گزر جائے کیا اس پر اجرت لازم ہوگی۔ فرمایا: نہیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک یہ رہن ہے اور راہن جب مرتہن سے رہن اجرت پر لے تو اجرت واجب نہیں ہوگی۔ ''خیریہ''۔ پھر اس میں ''بزازیہ'' سے وہ قول نقل کیا گیا ہے جو اس کے موافق ہے۔ اس کے بارے میں کئی دفعہ فتویٰ دیا ہے یہ سب ان کے فتاویٰ میں ہے جو ''حامدیہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جائے کیونکہ اس کا وقوع بہت زیادہ ہے۔

34689۔ (قولہ: سَقَطَ بِحِسَابِ نَقْصِهِ) مرتہن کے دین سے اتنا ساقط ہو جائے گا جو بھاگنے کی وجہ سے اس کی قیمت میں نقص واقع کیا ہے، ''ط''۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ پہلی دفعہ بھاگا ہو جس طرح تعلیل اس کا شعور دلا رہی ہے اگر وہ اس سے بھاگا ہو تو کوئی شے ساقط نہ ہوگی، ''بزازیہ''۔

34690۔ (قولہ: ثُمَّ لَمَّا فَرَغَ مِنَ الزِّيَادَةِ الضِّمْنِيَّةِ) اس سے مراد رہن کا نما ہے اور ضمنیہ سے مراد وہ ہے جس پر قصداً رہن واقع نہ ہوا ہو، ''ط''۔

34691۔ (قولہ: وَالزِّيَادَةُ فِي الرَّهْنِ تَصِحُّ) اس کی مثال یہ ہے کہ وہ ایک کپڑا دس کے بدلے میں رہن رکھے جو

وَتُعْتَبَرُ قِيمَتُهَا يَوْمَ الْقَبْضِ أَيْضًا (وَفِي الدَّيْنِ لَا) تَصِحُّ خِلَافًا لِلثَّانِي- وَالْأَصْلُ أَنَّ الْإِلْحَاقَ بِأَصْلِ الْعَقْدِ إِنَّمَا يُتَصَوَّرُ إِذَا كَانَتِ الزِّيَادَةُ فِي مَعْقُودٍ بِهِ أَوْ عَلَيْهِ وَالزِّيَادَةُ فِي الدَّيْنِ لَيْسَتْ مِنْهُمَا (فَإِنْ رَهَنَ) نُسَخُ الْمَتْنِ وَالشَّرْحِ بِالْفَاءِ مَعَ أَنَّهُ نَبَّهَ فِي شَرْحِهِ

اور اس کی قیمت کا اعتبار قبضہ کے دن کا ہوگا اور دین میں زیادتی صحیح نہیں۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ قاعدہ یہ ہے اصل عقد کے ساتھ الحاق یہ متصور ہوتا ہے جب زیادتی معقود بہ یا معقود علیہ میں ہو اور دین میں زیادتی ان دونوں میں سے نہیں ہے۔ متن اور شرح کے نسخے فا کے ساتھ ہیں ساتھ ہی اپنی شرح میں اس پر متنبہ کیا

دس کے مساوی ہو پھر راہن ایک اور کپڑے کا اضافہ کر دے تا کہ وہ اصل کے ساتھ دس کے بدلے میں رہن ہو'' عنایہ''۔

34692۔ (قولہ: يَوْمَ الْقَبْضِ أَيْضًا) یعنی زیادتی پر قبضہ کے دن جس طرح اصل کی قیمت کا اعتبار اس کے قبضہ کے دن کا ہوتا ہے۔

34693۔ (قولہ: وَفِي الدَّيْنِ لَا تَصِحُّ) مراد یہ ہے کہ رہن زیادتی کے بدلے میں مضمون نہیں ہوگا۔ جہاں تک زیادتی کی ذات کا تعلق ہے تو وہ جائز ہے۔

مسئلہ کی صورت یہ ہے وہ اس کے پاس ایک غلام ہزار کے بدلے میں رہن رکھے جو دو ہزار کے مساوی ہو پھر اس سے ایک ہزار روپے قرض کا مطالبہ کرے اس شرط پر کہ غلام دو ہزار کے عوض رہن ہوگا۔ اگر وہ غلام ہلاک ہو جائے تو وہ ایک ہزار کے بدلے ہلاک ہوگا دو ہزار کے بدلے ہلاک نہیں ہوگا۔ اگر وہ اس کو ایک ہزار دے دے اور کہے: میں نے اسے پہلے کے بدلے میں ادا کیے ہیں تو اسے حق حاصل ہوگا کہ وہ غلام واپس لے لے'' اتقانی''۔

34694۔ (قولہ: فِي مَعْقُودٍ) جیسے ثمن یا معقود علیہ جیسے مبیع'' ط''۔

34695۔ (قولہ: وَالزِّيَادَةُ فِي الدَّيْنِ لَيْسَتْ مِنْهُمَا) بلکہ اصل دین ان دونوں میں سے نہیں ہے۔'' العنایہ'' میں کہا: رہی یہ صورت جب وہ مقصود علیہ نہ ہو تو یہ ظاہر ہے۔ جہاں تک اس صورت کا تعلق ہے کہ وہ معقود بہ نہ ہو تو رہن کے عقد سے پہلے اس کے سبب سے واجب ہے۔ رہن کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ مقصود علیہ ہے کیونکہ وہ عقد رہن سے پہلے محبوس نہیں تھا اور اس کے بعد باقی نہیں رہے گا۔

تتمہ: '' ذخیرہ'' میں کہا: '' عیون'' میں، امام '' محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: ایک آدمی نے دو غلام ہزار کے بدلے میں رہن رکھے پھر مرتہن نے کہا: مجھے ان دونوں میں سے ایک کی ضرورت ہے اسے میری طرف لوٹا دے اس نے اسی طرح کر دیا تو باقی ماندہ ہزار کے نصف کے بدلے رہن ہوگا اگر وہ ہلاک ہو جائے تو رہن سے نصف ہلاک ہوگا مگر وہ اس کو پورا ہزار دے کر چھڑوائے گا۔ فلیحفظ

34696۔ (قولہ: مَعَ أَنَّهُ) ضمیر سے مراد مصنف ہے۔

عَلَى أَنَّهُ إِنَّمَا عَطَفَهَا بِالْوَاوِ لَا بِالْفَاءِ لِيُفِيدَ أَنَّهَا مَسْأَلَةٌ مُسْتَقِلَّةٌ لَا فَرْعٌ لِلْأُولَى فَتَنَبَّهْ۔ (عَبْدًا بِأَلْفٍ فَدَفَعَ عَبْدًا آخَرَ رَهْنًا مَكَانَ الْأَوَّلِ وَقِيمَةُ كُلٍّ) مِنَ الْعَبْدَيْنِ (أَلْفٌ فَالْأَوَّلُ رَهْنٌ حَتَّى يَرُدَّهُ إِلَى الرَّاهِنِ۔ وَالْمُرْتَهِنُ فِي الْآخَرِ أَمِينٌ حَتَّى يُجْعَلَ مَكَانَ الْأَوَّلِ) بِأَنْ يَرُدَّ الْأَوَّلَ إِلَى الرَّاهِنِ فَحِينَئِذٍ يَصِيرُ الثَّانِي مَضْمُونًا (أَبْرَأَ الْمُرْتَهِنُ الرَّاهِنَ عَنِ الدَّيْنِ أَوْ وَهَبَهُ مِنْهُ ثُمَّ هَلَكَ الرَّهْنُ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ هَلَكَ بِغَيْرِ شَيْءٍ) اسْتِحْسَانًا لِسُقُوطِ الدَّيْنِ

کہ واؤ کے ساتھ عطف کیا ہے فا کے ساتھ عطف نہیں کیا تا کہ یہ اس امر کا فائدہ دے کہ یہ مستقل مسئلہ ہے پہلے کی فرع نہیں پس متنبہ ہو جایئے۔ اگر وہ ایک غلام ہزار کے بدلے میں رہن رکھے تو اس نے پہلے غلام کی جگہ دوسرا غلام رہن کے طور پر دے دیا جب کہ دونوں غلاموں میں سے ہر ایک کی قیمت ہزار ہے تو پہلا رہن ہوگا یہاں تک کہ وہ رہن کی طرف لوٹا دے اور مرتہن دوسرے میں امین ہوگا یہاں تک کہ اسے پہلے کی جگہ بنا دیا جائے اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے کو رہن کی طرف لوٹا دیا جائے اس صورت میں دوسرا قابل ضمانت ہوگا۔ مرتہن نے رہن کو دین سے بری کر دیا یا اسے ہبہ کر دیا پھر رہن مرتہن کے قبضہ میں ہلاک ہو گیا تو بطور استحسان وہ کسی شے کے بغیر ہلاک ہو گیا۔ کیونکہ دین ساقط ہو گیا ہے

34697۔(قولہ: لِيُفِيدَ أَنَّهَا مَسْأَلَةٌ مُسْتَقِلَّةٌ) یہ دوسرے رہن کے ساتھ پہلے رہن کے تبدیل ہونے کے حکم کا بیان ہے۔

34698۔(قولہ: قِيمَةُ كُلٍّ مِنَ الْعَبْدَيْنِ أَلْفٌ) ''ہدایہ'' میں اسی طرح قید لگائی گئی ہے۔ یہ اتفاقی قید ہے۔ کیونکہ ''تاتر خانیہ'' میں ''تجرید'' سے مروی ہے: اگر پہلے کی قیمت پانچ سو اور دوسرے کی قیمت ہزار ہو اور رہن اتنا ہی ہو پس وہ ہلاک ہو جائے تو وہ ہزار کے بدلے میں ہلاک ہوگا۔ اسی طرح جب دوسرے کی قیمت پانچ سو ہو اور پہلے کی قیمت پانچ سو ہو تو دوسرا اس کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا تو وہ پانچ سو کے عوض ہلاک ہوگا۔ اسی وجہ سے ''الخانیہ'' میں قید کو ترک کر دیا گیا۔

34699۔(قولہ: حَتَّى يُجْعَلَ مَكَانَ الْأَوَّلِ) کیونکہ پہلا غلام اس کی ضمان میں قبضہ اور رہن کے بدلے میں داخل ہوا ہے جب کہ یہ دونوں باقی ہیں پس وہ ضمان سے خارج نہیں ہوگا مگر جب وہ قبضہ ختم ہو جائے جب تک رہن باقی ہو جب پہلا غلام اس کی ضمان میں باقی ہے تو دوسرا اس کی ضمان میں داخل نہیں ہوگا۔ کیونکہ دونوں اس بات پر راضی ہیں کہ دونوں میں سے ایک ضمان میں داخل ہو جب پہلے کو لوٹائے گا تو دوسرا اس کی ضمان میں داخل ہوگا۔

پھر یہ قول کیا گیا: نیا قبضہ شرط ہے۔ کیونکہ دوسرے غلام پر مرتہن کا قبضہ امانت کا قبضہ ہے اور راہن کا قبضہ اپنا حق وصول کرنے اور ضمان کا قبضہ ہے۔ پس یہ اس کے قائم مقام نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ شرط نہیں۔ اس کی مکمل بحث ''ہدایہ'' میں ہے۔ ''قہستانی'' نے یہ ذکر کیا ہے پہلا قول ''قاضی خان'' کے نزدیک مختار ہے۔ بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ صاحب ''ہدایہ'' کا معمول سب سے بہتر قول کو اختیار کرنا ہے جو ''قاضی خان'' کی عادت کے برعکس ہے اور اس کا مقتضا

إِلَّا إِذَا مَنَعَهُ مِنْ صَاحِبِهِ فَيَصِيرُ غَاصِبًا بِالْمَنْعِ (وَلَوْ قَبَضَ الْمُرْتَهِنُ دَيْنَهُ) كُلَّهُ (أَوْ بَعْضَهُ مِنْ رَاهِنِهِ أَوْ غَيْرِهِ) كَمُتَطَوِّعٍ (أَوْ شَرَى) الْمُتَّهَمُ (بِالدَّيْنِ عَيْنًا أَوْ صَالَحَ عَنْهُ) أَيْ عَنْ دَيْنِهِ (عَلَى شَيْءٍ) لِأَنَّهُ اسْتِيفَاءٌ (أَوْ أَحَالَ الرَّاهِنُ مُرْتَهِنَهُ بِدَيْنِهِ عَلَى آخَرَ ثُمَّ هَلَكَ رَهْنُهُ مَعَهُ) أَيْ فِي يَدِ الْمُرْتَهِنِ (هَلَكَ بِالدَّيْنِ وَرَدَّ مَا قَبَضَ إِلَى مَنْ أَدَّى) فِي صُورَةِ إِيفَاءِ رَاهِنٍ

مگر جب وہ اس کو اس کے مالک سے روک دے۔ پس وہ روکنے کے ساتھ غاصب ہو جائے گا۔ اگر مرتہن نے اپنے تمام دین یا بعض دین اپنے راہن یا کسی اور سے قبضہ میں لے لیا جیسے کسی نے بطور احسان اسے قرض ادا کر دیا یا مرتہن نے دین کے بدل میں عین خرید لیا یا اپنے دین کے بارے میں کسی شے پر صلح کر لی۔ کیونکہ یہ پورا پورا حق وصول کرنا ہے یا راہن نے اپنے مرتہن سے اپنے دین کے بدل میں کسی اور سے حوالہ کر دیا پھر مرتہن کے قبضہ میں اس کا رہن ہلاک ہو گیا تو وہ دین کے بدلے میں ہلاک ہو گا اور جو اس نے قبضہ کیا تھا وہ اس شخص کو واپس کر دے جس نے اسے ادا کیا تھا۔ یہ اس صورت میں ہے جب راہن حق ادا کر دے

پہلے قول کی ترجیح ہے، تامل۔

34700۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا مَنَعَهُ مِنْ صَاحِبِهِ) یعنی اس سے طلب کرنے کے وقت وہ حوالے نہ کرے پھر اس کے بعد ہلاک ہو جائے۔

34701۔ (قولہ: أَوْ شَرَى الْمُتَّهَمُ) یعنی مرتہن راہن سے خرید لے۔

34702۔ (قولہ: لِأَنَّهُ) کیونکہ شرا اور عین پر صلح میں سے ہر ایک اپنے حق کو وصول کرنا ہے،''عنایہ''۔ یعنی جب اقرار کے بعد صلح ہو تو وہ اپنے حق کو پورا پورا وصول کرنا ہو گا۔ کیونکہ خریدنے اور اس سے صلح کرنے کی صورت میں دائن پر اس کی مثل واجب ہو گا،''کفایہ''۔ یعنی مقاصہ کی طریقہ پر ساقط ہو جائے گا۔

34703۔ (قولہ: عَلَى آخَرَ) یعنی خواہ راہن کا اس پر رہن ہو یا نہ ہو اس میں اس امر کا شعور دلایا جا رہا ہے کہ حوالہ کے بعد راہن کو حق حاصل ہو گا کہ مرتہن سے رہن واپس لے لے جس طرح''زیادات''سے ایک موقع و محل میں موجود ہے۔ ایک اور موقع پر ہے: اسے یہ حق حاصل نہیں،''قہستانی''۔

34704۔ (قولہ: هَلَكَ بِالدَّيْنِ) فرق یہ ہے کہ ابرا سے دین اصلاً ساقط ہو جاتا ہے جس طرح اس سے پہلے ذکر کیا ہے اور حق وصول کرنے سے دین ساقط نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ دیون کو ان کی مثل سے ادا کیا جاتا ہے ان کی ذاتوں سے ادا نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ دین ایسا وصف ہے جو ذمہ میں ہوتا ہے جس کی ادائیگی ممکن نہیں ہوتی لیکن جب وہ دیون ادا کر دے تو اس کے لیے دائن پر اس کی مثل واجب ہوتا ہے۔ پس فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے مطالبہ ساقط ہو جاتا ہے جب اس کے بعد رہن ہلاک ہو جائے تو پہلا استیفا حکمی ثابت ہو گیا اور دوسرا استیفا ٹوٹ گیا تاکہ وہ دو دفعہ اپنا حق وصول کرنے والا نہ ہو۔

أَوْ مُتَطَوِّعٍ أَوْ شِرَاءٍ أَوْ صُلْحٍ (وَبَطَلَتْ الْحَوَالَةُ وَهَلَكَ الرَّهْنُ بِالدَّيْنِ) لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الْإِبْرَاءِ بِطَرِيقِ الْأَدَاءِ هِدَايَةٌ، وَمُفَادُهُ عَدَمُ بُطْلَانِ الصُّلْحِ وَأَنَّ الدَّيْنَ لَيْسَ بِأَكْثَرَ مِنْ قِيمَةِ الرَّهْنِ وَإِلَّا فَيَنْبَغِي أَنْ لَا تَبْطُلَ الْحَوَالَةُ فِي قَدْرِ الزِّيَادَةِ قُهُسْتَانِيٌّ

یا متطوع کو واپس کردے۔ اسی طرح خرید لے یا صلح کی صورت میں اس کو واپس کردے۔ حوالہ باطل ہو جائے گا اور رہن دین کے بدلے میں ہلاک ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ ادائیگی کے طریقہ پر بری کرنے کے معنی میں ہے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ صلح باطل نہ ہوگی اور دین رہن کی قیمت سے زائد نہ ہو ورنہ چاہیے کہ زیادتی کی مقدار میں حوالہ باطل نہ ہو، ''قہستانی''۔

34705۔ (قولہ: أَوْ مُتَطَوِّعٍ) یہ متطوع کی ملک کی طرف لوٹ آئے گا نہ کہ متطوع عنہ کی طرف لوٹے گا۔ ''خانیہ''۔

34706۔ (قولہ: أَوْ شِرَاءٍ أَوْ صُلْحٍ) ''المنح'' اور ''الدرر'' میں اسی طرح ہے۔ اس میں میرا ایک اعتراض ہے کیونکہ وہ چیز جس پر مرتہن نے شرا اور صلح کی صورت میں قبضہ کیا ہے وہ عین ہے جس کو بیچا گیا تھا اور جو مصالح علیہا ہے۔ ''النہایہ''، ''العنایہ'' اور ''غایۃ البیان'' میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ جب رہن ان دو صورتوں میں ہلاک ہو گیا تو مرتہن پر اس کی قیمت کا لوٹانا واجب ہے۔ اور علما نے یہ نہیں کہا: عین کا لوٹانا واجب ہے۔ پس اسی نے یہ تقاضا کیا کہ شرا اور صلح ختم نہ ہوگی۔ میں نے اس بارے میں تصریح ''حواشی سعدیہ'' میں دیکھی ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ یہ عقد معاوضہ ہے پس رہن کے ہلاک ہونے سے اس کے باطل ہونے کی کیا وجہ ہے۔ ادا اور حوالہ کے ساتھ حق وصول کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ فتاح علیم کے فیض سے میرے لیے امر ظاہر ہوا ہے۔

34707۔ (قولہ: وَهَلَكَ الرَّهْنُ بِالدَّيْنِ) اس کو دوبارہ ذکر کیا ہے تا کہ اس پر تعلیل کی بنیاد رکھی جا سکے۔

34708۔ (قولہ: لِأَنَّهُ) کیونکہ عقد حوالہ ابرا کے معنی میں بطریق ادا ہے نہ کہ بطریق اسقاط ہے۔ ''ہدایہ'' کے بعض نسخوں میں فی معنی البراءۃ کے الفاظ ہیں یہ زیادہ ظاہر ہے۔

حاصل کلام یہ ہے جس طرح ''کفایہ'' میں ہے کہ حوالہ دین کو ساقط نہیں کرتا لیکن محتال علیہ کا ذمہ محیل کے ذمہ کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے دین محیل کے ذمہ کی طرف لوٹ آئے گا جب محتال علیہ مفلس کی حیثیت سے فوت ہو جائے۔

34709۔ (قولہ: وَمُفَادُهُ) تقدیر کلام یہ ہے: مفاد تقييد المصنف البطلان بالحوالة، مصنف نے بطلان کو حوالہ کے ساتھ مقید کیا ہے اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے۔

34710۔ (قولہ: عَدَمُ بُطْلَانِ الصُّلْحِ) ہم نے پہلے اس کے بارے میں ''سعدیہ'' سے اس کی تصریح کو ذکر کر دیا ہے اور یہ ذکر کر دیا ہے کہ یہ ''ہدایہ'' کے شارحین کے کلام کا مقتضا ہے اگرچہ ان کا سابقہ کلام اس کے برعکس کا تقاضا کرتا ہے اور شرا صلح کی مثل ہے، فافہم۔

34711۔ (قولہ: وَأَنَّ الدَّيْنَ الخ) یہ اس تعلیل سے ماخوذ ہے جس کا ذکر ''قہستانی'' نے کیا ہے۔ اس کی عبارت ہے: او تبطل الحوالة بالهلاك لحصول الاستيفاء كما في النظم وغيره الخ اس کے ہلاک ہونے سے حوالہ باطل ہو جاتا

(وَكَذَا) أَيْ كَمَا يَهْلِكُ الرَّهْنُ بِالدَّيْنِ فِي الصُّوَرِ الْمَذْكُورَةِ يَهْلِكُ بِهِ أَيْضًا (لَوْ تَصَادَقَا عَلَى أَنْ لَا دَيْنَ عَلَيْهِ (ثُمَّ هَلَكَ) الرَّهْنُ بِالدَّيْنِ لِتَوَهُّمِ وُجُوبِ الدَّيْنِ بِتَصَادُقِهِمَا عَلَى قِيَامِهِ فَتَكُونُ الْمُطَالَبَةُ بِهِ بَاقِيَةً، بِخِلَافِ الْإِبْرَاءِ فَإِنَّهُ يُسْقِطُ الدَّيْنَ أَصْلًا (كُلُّ حُكْمٍ) عُرِفَ (فِي الرَّهْنِ الصَّحِيحِ فَهُوَ الْحُكْمُ فِي الرَّهْنِ الْفَاسِدِ) كَمَا فِي الْعِمَادِيَّةِ قَالَ وَذَكَرَ الْكَرْخِيُّ أَنَّ الْمَقْبُوضَ

یعنی جس طرح رہن مذکورہ صورتوں میں دین کے بدلے میں ہلاک ہوتا ہے۔اس کے بدلے میں اس صورت میں بھی ہلاک ہوگا اگر دونوں باہم اس کی تصدیق کریں کہ اس کے ذمہ کوئی دین نہیں پھر رہن دین کے بدلے میں ہلاک ہوجائے۔ کیونکہ دین کے وجوب کا توہم موجود ہے۔اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں اس کے قیام پر ایک دوسرے کی تصدیق کریں۔پس اس کا مطالبہ باقی رہے گا۔ بری کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ دین کو اصلاً ساقط کر دیتا ہے۔ ہر وہ حکم جو رہن صحیح میں معروف ہے وہی حکم رہن فاسد میں ہے جس طرح ''عمادیہ'' میں ہے۔کہا: ''کرخی'' نے یہ ذکر کیا ہے

ہے کیونکہ حق کی وصولی حاصل ہو چکی ہے جس طرح ''النظم'' وغیرہ میں ہے۔اس میں اس امر کا شعور دلایا جارہا ہے کہ دین رہن کی قیمت سے زائد نہ ہو ورنہ چاہیے کہ حوالہ اس صورت میں باطل نہ ہو جس میں دین اس پر زائد ہو۔ کیونکہ مکمل حق کی وصولی متحقق نہیں ہوئی اور صلح باطل نہیں ہوئی،''ط''۔

میں کہتا ہوں: شارح نے کتاب الاجارہ کے شروع میں یہ بیان کیا ہے کہ مصنف نے اس پر اعتماد کیا ہے کہ جب بعض میں عقد فاسد ہو گیا تو عقد کل میں فاسد ہو جائے گا، تامل۔

34712۔(قولہ: ثُمَّ هَلَكَ الرَّهْنُ بِالدَّيْنِ) زیادہ بہتر یہ ہے کہ ان کے قول: بالدین کو ساقط کر دیا جائے۔ کیونکہ ان کا قول یہلك بہ اس سے غنی کر دیتا ہے۔

34713۔(قولہ: لِتَوَهُّمِ وُجُوبِ الدَّيْنِ الخ) کیونکہ رہن کی دین کے بدلے میں ضمانت ہوتی ہے جب اس کے وجود کا وہم ہو جس طرح اس دین میں ضمانت ہوتی ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہو جب کہ جہت باقی ہے۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ وہ دونوں دین کے قائم ہونے پر ایک دوسرے کی تصدیق کریں جب کہ دونوں نے اس کے عدم پر تصدیق کی ہے۔ بری کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ اس کے ساتھ ساقط ہو جاتا ہے،''درر''۔ لیکن ''التبیین'' وغیرہ میں ''شمس الائمہ'' کی ''مبسوط'' سے مروی ہے: یا دونوں رہن کے ہلاک ہونے سے پہلے باہم ایک دوسرے کی تصدیق کریں پھر وہ ہلاک ہو جائے تو وہ امانت کے طور پر ہلاک ہو جائے گا۔ کیونکہ دونوں کے باہم تصدیق کرنے سے رہن اصل سے ہی منتفی ہو جائے گا۔اور رہن کی ضمان دین کے بغیر باقی نہیں رہتی۔''اسبیجابی'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ صحیح ہے۔صاحب''ہدایہ'' نے اس کے ہلاک ہونے کو دونوں صورتوں میں مضمون ہونے کو پسند کیا ہے،''سعدیہ''۔

34714۔(قولہ: فَهُوَ الْحُكْمُ فِي الرَّهْنِ الْفَاسِدِ) یعنی زندگی اور موت کی حالت میں۔ اگر راہن نے عقد کو فساد

بِحُكْمِ الرَّهْنِ الْفَاسِدِ يَتَعَلَّقُ بِهِ الضَّمَانُ۔ وَفِيهَا أَيْضًا (وَفِي كُلِّ مَوْضِعٍ كَانَ الرَّهْنُ مَالًا وَالْمُقَابِلُ بِهِ مَضْمُونًا إلَّا أَنَّهُ فَقَدَ بَعْضَ شَرَائِطِ الْجَوَازِ كَرَهْنِ الْمُشَاعِ (يَنْعَقِدُ الرَّهْنُ) لِوُجُودِ شَرْطِ الِانْعِقَادِ لَكِنْ (بِصِفَةِ الْفَسَادِ) كَالْفَاسِدِ مِنْ الْبُيُوعِ (وَفِي كُلِّ مَوْضِعٍ لَمْ يَكُنْ) الرَّهْنُ (كَذَلِكَ) أَيْ لَمْ يَكُنْ مَالًا وَلَمْ يَكُنْ الْمُقَابِلُ بِهِ مَضْمُونًا (لَا يَنْعَقِدُ الرَّهْنُ أَصْلًا) وَحِينَئِذٍ (فَإِذَا هَلَكَ هَلَكَ بِغَيْرِ شَيْءٍ)

کہ جسے رہن فاسد کے حکم سے قبضہ میں لیا گیا اس کے ساتھ ضمان متعلق ہوگی۔ اس میں یہ بھی ہے: اور ہر وہ موقع جس میں رہن مال تھا اور اس کا مقابل قابل ضمانت ہے مگر جواز کی بعض شرائط مفقود ہیں جیسے مشترک چیز کو رہن رکھا جائے تو رہن منعقد ہو جائے گا۔ کیونکہ عقد رہن کے انعقاد کی شرط پائی جا رہی ہے لیکن فساد کی صفت کے ساتھ متحقق ہے جس سے بیع فاسد ہوتی ہے۔ ہر وہ جگہ جہاں رہن اس طرح نہیں ہوتا اگر مال نہ ہو اور نہ ہی اس کا مقابل قابل ضمانت ہو تو عقد دین اصلاً منعقد نہ ہوگا اس وقت جب وہ ہلاک ہو جائے تو وہ بغیر کسی شے کے ہلاک ہوگا۔

کے حکم کی وجہ سے توڑ دیا اور اس نے یہ ارادہ کیا کہ مرہون کو واپس لے لے تو مرتہن کو اس کو روکنے کا حق ہوگا یہاں تک کہ راہن اس کے وہ چیز حوالے کر دے جو اس نے قبضہ میں لی جب راہن مرجائے اور اس پر کثیر دیون ہوں تو مرتہن باقی ماندہ غرماء سے زیادہ حق دار ہوگا۔ یہ سب کچھ اس وقت ہے جب فاسد رہن دین پر سابق ہو۔ اگر یہ اس دین کے بدلے میں ہو جو راہن پر اس سے پہلے ہے تو اسے محبوس کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس مال کے مقابلہ میں اس قبضہ کا استفادہ نہیں کیا اور فوت کے بعد یہ دوسرے غرماء کے مساوی ہوگا۔ کیونکہ یہ محل پر مستحق قبضہ نہیں۔ صحیح رہن کا معاملہ مختلف ہے جو مقدم ہو یا موخر ہو۔ اس کی مکمل بحث "عمادیہ"، "ذخیرہ" اور "بزازیہ" میں ہے۔

34715۔ (قولہ: يَتَعَلَّقُ بِهِ الضَّمَانُ) اس میں صحیح قول یہ ہے: لا یتعلق۔ کیونکہ "عمادیہ" وغیرہا میں "کرخی" سے جو قول منقول ہے وہ یہ ہے: انه یهلك امانة۔

"ذخیرہ" میں ہے: "ابن سماعہ" نے امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ مرتہن کو اسے روکنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ کیونکہ یہ معصیت پر اصرار ہے۔ کیونکہ جو ظاہر روایت میں ہے وہ اصح ہے۔ کیونکہ راہن نے جب عقد کو توڑا تو معصیت ختم ہو گئی اور مرتہن کا مرہون کو محبوس رکھنا تا کہ اپنے حق تک جا پہنچے یہ اصولاً نہیں ہوگا۔ کیونکہ رہن کو اس چیز کے تسلیم کرنے پر مجبور کیا جائے گا جس کو قبضہ میں لیا گیا جب وہ رک جائے تو وہ اصرار کرنے والا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ شراء فاسد میں مشتری کو حق حاصل ہوتا ہے کہ ثمن وصول کرنے تک اس کو روک لے، ملخص۔

34716۔ (قولہ: أَيْ لَمْ يَكُنْ مَالًا) جیسے مدبر اور ام ولد ہو کیونکہ راہن کو یہ حق حاصل ہوگا کہ ان دونوں کو لے لے کیونکہ دونوں کا رہن باطل ہے، "منح"۔

34717۔ (قولہ: وَلَمْ يَكُنْ الْمُقَابِلُ بِهِ مَضْمُونًا) جس طرح اگر وہ کوئی عینی چیز مسلمان کے شراب کے عوض رہن

بِخِلَافِ الْفَاسِدِ فَإِنَّهُ يَهْلِكُ بِالْأَقَلِّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنَ الدَّيْنِ وَمَنْ مَاتَ وَلَهُ غُرَمَاءُ فَالْمُرْتَهِنُ أَحَقُّ بِهِ كَمَا فِي الرَّهْنِ الصَّحِيحِ فَرْعٌ رَهْنُ الرَّهْنِ بَاطِلٌ كَمَا حَرَّرْنَاهُ فِي الْعَارِيَةِ مَعْزِيًّا لِلْوَهْبَانِيَّةِ وَفِي مُعَايَاتِهَا قَالَ

وَأَيُّ رَهِينٍ لَا يُرَامُ انْفِكَاكُهُ وَمَجْنِيُّهُ لَوْ مَاتَ بِالْمَوْتِ يُشْطَرُ

فاسد کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ اس کی قیمت اور دین میں سے جو اقل ہے اس کے بدلے میں ہلاک ہوگا۔ اور وہ شخص جو فوت ہو جائے جب کہ اس کے قرض خواہ موجود ہوں تو مرتہن اس کا زیادہ حقدار ہوگا جس طرح رہن صحیح کا حکم ہے فرع: رہن کو رہن رکھنا باطل ہے جس طرح ہم نے کتاب العاریہ میں ''وہبانیہ'' کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس کی وضاحت کر دی ہے۔ اس کی پہیلیوں میں سے ہے: کون سا مرہون ہے جس کے چھوڑنے کا قصد نہیں کیا جاتا اور کون ایسا قاتل ہے جس کا مقتول اگر مر جائے تو موت کے ساتھ اس کی دیت نصف ہو جاتی ہے۔

رکھے تو اسے وہ چیز اس سے لینے کا حق ہوگا۔ قول میں واؤ یہ او کے معنی میں ہے۔ ''جامع الفصولین'' میں کہا: اگر دونوں میں سے ایک مفقود ہو جائے تو اصلاً عقد منعقد نہیں ہوگا۔

34718۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْفَاسِدِ) مصنف کے قول کل حکم الخ سے اسے غنا حاصل ہو جاتی ہے۔ الخ

34719۔ (قولہ: رَهْنُ الرَّهْنِ بَاطِلٌ) یعنی جب راہن یا مرتہن اجازت کے بغیر رہن کو رہن رکھیں اگر اجازت کے ساتھ رہن رکھیں تو دوسرا رہن صحیح ہوگا اور پہلا عقد رہن باطل ہو جائے گا۔ ہم اس کی وضاحت باب التصرف فی الرہن میں نقل کر چکے ہیں۔

34720۔ (قولہ: كَمَا حَرَّرْنَاهُ فِي الْعَارِيَةِ) کیونکہ انہوں نے اس میں کہا: جہاں تک رہن کا تعلق ہے وہ ودیعت کی طرح ہے۔ مصنف نے کتاب العاریہ میں کہا: اسے اجرت پر نہیں دیا جائے گا اور نہ ہی اسے رہن رکھا جائے گا جیسے ودیعت ہے، ''ط''۔

34721۔ (قولہ: وَمَجْنِيُّهُ الخ) یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ اس کی تقدیر یہ ہے: جان۔ شطر کی ضمیر والواجب بالجنایۃ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ''حلبی'' نے کہا: یعنی کون سا جنایت کرنے والا ہے جب وہ مر جائے جس پر جنایت کی گئی تو اس پر دیت کا نصف واجب ہوتا ہے اگر وہ زندہ رہے تو پوری دیت واجب ہوتی ہے۔

جواب ہے: ختنہ کرنے والا حشفہ کاٹتا ہے اگر بچہ مر جائے تو اس پر نصف دیت واجب ہوتی ہے۔ اگر وہ زندہ رہے تو پوری دیت واجب ہوتی ہے۔ اسی طرح غلام میں نصف دیت واجب ہوتی ہے اور مکمل قیمت واجب ہوتی ہے۔ کیونکہ اس امر میں ہلاکت واقع ہوئی جس کی اجازت دی گئی ہے وہ قلفہ کو کاٹنا ہے۔ اور ہلاکت واقع ہوتی ہے ایسے امر سے جس کی اجازت نہیں وہ حشفہ کاٹنا ہے۔ مسئلہ باب ضمان الاجیر میں گزر چکا ہے۔ باب القسامۃ سے تھوڑا پہلے آگے آئے گا۔

هَذَا تَفْسِيرُ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ وَالْمَعْنَى كُلُّ نَفْسٍ تُرْتَهَنُ بِكَسْبِهَا عِنْدَ اللهِ تَعَالَى

یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کل نفس بما کسبت رهينة کی تفسیر ہے معنی ہے ہر نفس اپنے عمل کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں رہن رکھا گیا ہے۔

34722_(قوله: هَذَا تَفْسِيرُ) بعض نسخوں میں تفسیر کا لفظ ال کے بغیر ہے وہ زیادہ واضح ہے اور اشارہ ان کے قول: وای رهين کی طرف ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کل نفس کی تفسیر اور وضاحت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

كِتَابُ الْجِنَايَاتِ

مُنَاسَبَتُهُ أَنَّ الرَّهْنَ لِصِيَانَةِ الْمَالِ وَحُكْمُ الْجِنَايَةِ لِصِيَانَةِ الْأَنْفُسِ وَالْمَالُ وَسِيلَةٌ لِلنَّفْسِ فَقُدِّمَ، ثُمَّ الْجِنَايَةُ لُغَةً اسْمٌ لِمَا يُكْتَسَبُ مِنَ الشَّرِّ وَشَرْعًا اسْمٌ لِفِعْلٍ مُحَرَّمٍ حَلَّ بِمَالٍ أَوْ نَفْسٍ، وَخَصَّ الْفُقَهَاءُ الْغَصْبَ وَالسَّرِقَةَ بِمَا حَلَّ بِمَالٍ وَالْجِنَايَةَ بِمَا حَلَّ بِنَفْسٍ وَأَطْرَافٍ (الْقَتْلُ) الَّذِي يَتَعَلَّقُ بِهِ الْأَحْكَامُ الْآتِيَةُ مِنْ قَوَدٍ وَدِيَةٍ وَكَفَّارَةٍ وَإِثْمٍ وَحِرْمَانِ إِرْثٍ (خَمْسَةٌ) وَإِلَّا فَأَنْوَاعُهُ كَثِيرَةٌ

جنایات کے احکام

کتاب الرہن کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ عقد رہن مال کی حفاظت کے لیے ہوتا ہے۔ اور جنایت کا حکم انفس کی حفاظت کے لیے ہوتا ہے۔ اور مال نفس کا وسیلہ ہوتا ہے۔ پس اس وجہ سے کتاب الرہن کو مقدم کیا گیا۔ پھر لغت میں جنایت سے مراد برے فعل کا ارتکاب ہے۔ اور شرع میں جنایت سے مراد ایسا فعل ہے جو حرام ہو جو مال یا نفس میں واقع ہو۔ فقہاء نے مال میں جو برا فعل واقع ہوتا ہے اسے غصب اور سرقہ کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اور وہ برا فعل جو نفس اور اطراف میں واقع ہوتا ہے اسے جنایت کے ساتھ خاص کیا ہے۔ قتل جس کے ساتھ آنے والے احکام جیسے قصاص، دیت، کفارہ، گناہ اور وراثت سے محرومی متعلق ہوتے ہیں اس کی پانچ قسمیں ہیں ورنہ اس کی انواع کثیر ہیں

34723۔ (قولہ: وَحُكْمُ الْجِنَايَةِ) اس سے مراد قصاص ہے یا دیت، کفارہ اور وراثت سے محرومی ہے،''ط''۔

34724۔ (قولہ: وَالْمَالُ وَسِيلَةٌ) یہ اس اعتراض کا جواب ہے جو یہ کیا جاتا ہے۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ کتاب الجنایات کو مقدم ذکر کیا جاتا۔ کیونکہ یہ زیادہ اہم ہے کیونکہ ان کا تعلق نفوس سے ہوتا ہے،''ط''۔

میں کہتا ہوں: کتاب الرہن کے ساتھ جو مناسبت پہلے گزری ہے وہ اس سے غنی کر دیتی ہے۔

جنایت کی لغوی تعریف

34725۔ (قولہ: اسْمٌ لِمَا يُكْتَسَبُ) یہ اصل میں مصدر ہے پھر اس سے اسم مفعول کا ارادہ کیا گیا ہے۔

جنایت کی شرعی تعریف

34726۔ (قولہ: وَالْجِنَايَةَ بِمَا حَلَّ بِنَفْسٍ وَأَطْرَافٍ) یعنی وہ جنایات جس کا ذکر کتاب الجنایات میں ہے۔ ورنہ حج کی جنایات وہ آدمی کی ذات اور اس کے جز سے متعلق نہیں ہوتیں جن پر فقہا جنایت کا اطلاق کرتے ہیں،''شرنبلالیہ''۔

قتل کی اقسام

34727۔ (قولہ: وَإِلَّا) اگر یہاں وہ قتل سے مراد مذکورہ قتل لے تو پانچ میں حصر صحیح نہیں ہوگا۔

كَرَجْمٍ وَصَلْبٍ وَقَتْلِ حَرْبِيٍّ الْأَوَّلُ (عَمْدٌ، وَهُوَ أَنْ يَتَعَمَّدَ ضَرْبَهُ) أَيْ ضَرْبَ الْآدَمِيِّ فِي أَيِّ مَوْضِعٍ مِنْ جَسَدِهِ (بِ) آلَةٍ تُفَرِّقُ الْأَجْزَاءَ مِثْلِ (سِلَاحٍ) وَمُثَقَّلٍ لَوْ مِنْ حَدِيدٍ جَوْهَرَةٌ

جیسے رجم، سولی پر لٹکانا اور حربی کو قتل کرنا۔ وہ قتل عمد ہے وہ یہ ہے کہ ایک انسان کسی دوسرے آدمی کے جسم کے کسی حصہ پر ایک ایسے آلہ کے ساتھ ضرب لگائے جو اس کے اجزاء کو علیحدہ علیحدہ کر دے جیسے اسلحہ اور کسی وزنی چیز کے ساتھ ضرب لگائے جو لوہے کی ہو،''جوہرہ''۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہاں قتل سے مراد وہ قتل ہے جو حرام ہے۔ پس یہ اس قتل کو شامل نہ ہوگا جس کی شرعاً اجازت دی گئی ہے جیسے رجم اور قصاص۔

قتل عمد

34728۔ (قولہ: أَنْ يَتَعَمَّدَ ضَرْبَهُ) یعنی مقتول کو ضرب لگانے کا ارادہ کرے۔ پس ایسا عمد جو نفس سے کم درجہ کا ہو وہ اس سے خارج ہو گیا،''سعدی''۔ یہ قول نہیں کیا: ان يتعمد قتله کیونکہ شارح عنقریب اس کو ذکر کریں گے کہ اگر ایک آدمی کسی آدمی کے ہاتھ پر ضرب لگانے کا ارادہ کرے اور وہ اس کی گردن کو جا لگے تو یہ عمد ہوگا۔ اگر کسی اور کی گردن کو جا لگے تو یہ خطا ہوگا۔ اسی وجہ سے''المجتبیٰ'' میں کہا: اگر وہ قتل کا قصد کرے تو یہ شرط نہیں ہوگا کیونکہ وہ عمد ہے شارح نے اپنے قول فی ای موضع من جسده میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ متعمد کے لفظ کے ساتھ خطا سے احتراز کیا ہے اور اپنے قول بآلة کے ساتھ باقی ماندہ سے احتراز کیا ہے۔

قتل عمد کی شرط

34729۔ (قولہ: بِآلَةٍ تُفَرِّقُ الْأَجْزَاءَ) اس میں اس کو شرط قرار دیا ہے۔ کیونکہ عمد یہی قصد ہے اور قصد و ارادہ پر آگاہی دلیل سے ہی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قاتل اپنے آلہ کو استعمال کرے۔ پس دلیل دوسری کے قائم مقام ہوگی۔ کیونکہ دلائل معارف ظنیہ شرعیہ میں اپنے مدلول کے قائم مقام ہوتے ہیں،''منح''۔ یہ اس میں صحیح ہے کہ قصاص واجب ہے اگرچہ گواہوں نے عمد کا ذکر نہیں کیا،''الاتقانی''۔ اور یہ اس میں صریح ہے کہ قاتل کا یہ قول قبول نہیں کیا جائے گا میں نے اس کے قتل کا قصد نہیں کیا۔ یہ صورت مختلف ہوگی اگر وہ اقرار کرے اور کہے: میں نے اس کے علاوہ کا ارادہ کیا ہے۔ پس اس کو ادنیٰ پر محمول کیا جائے گا پس وہ خطا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت''حاشیۃ الرملی'' میں ہے۔ ہم عنقریب باب الشهادة على القتل پر اس کا ذکر کریں گے، ان شاء اللہ۔

34730۔ (قولہ: جَوْهَرَةٌ) اس کی عبارت ہے: عمد وہ ہے جس کے قتل کا وہ لوہے کے ساتھ قصد کرے جیسے تلوار، چھری، نیزہ، خنجر، تیر، سوئی، ستالی اور تمام وہ چیزیں جو لوہے کی ہیں خواہ وہ قطع کریں یا پھاڑ دیں جیسے تلوار، ہتھوڑا، زبرہ (آئرن، لوہے کا بڑا ٹکڑا) وغیرہ خواہ اس میں غالب ہلاکت ہو یا نہ ہو۔ ظاہر روایت میں لوہے میں زخم لگانا شرط نہیں۔ کیونکہ

(وَمُحَدَّدٍ مِنْ خَشَبٍ) وَزُجَاجٍ (وَحَجَرٍ) وَإِبْرَةٍ فِي مَقْتَلٍ بُرْهَانٌ

اور اس کی دھار بنائی گئی ہو وہ لکڑی کی ہو، شیشے کی ہو، پتھر کی ہو یا سوئی کے ساتھ جو محل قتل میں ہو، ''برہان''۔

لوہے کو قتل کے لیے بنایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ (حدید: 25) اسی طرح ہر وہ چیز جو لوہے کے مشابہ ہے جیسے تانبا، سکہ، سونا اور چاندی خواہ وہ کاٹ دے یا کوٹ دے۔ یہاں تک کہ اگر وہ اسے وزنی چیز کے ساتھ قتل کرے تو اس پر قصاص واجب ہوگا جس طرح وہ اس کو تانبے یا سکے کے ستون کے ساتھ مارے۔ امام ''طحاوی'' نے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے لوہے وغیرہ میں زخمی ہونے کا اعتبار کیا ہے۔ ''صدر الشہید'' نے کہا: یہی اصح ہے۔ ''ہدایہ'' وغیرہا میں اس کو ترجیح دی ہے جس طرح آنے والی فصل میں مسئلہ مر (بیلچہ، پھاوڑا) میں اس کا ذکر آئے گا۔

میں کہتا ہوں: تمام تعبیرات کی بنا پر جسے سکے کی گولی کے ساتھ قتل کیا گیا تو وہ قتل عمد ہے۔ کیونکہ یہ لوہے کی جنس سے ہے اور وہ زخم لگاتی ہے۔ پس اس کے بدلے میں قصاص لیا جائے گا۔ مگر جب وہ زخم نہ لگائے تو اس کے بدلے میں قصاص نہیں لیا جائے گا۔ یہ ''طحاوی'' کی روایت کے مطابق ہے جس طرح ''طحطاوی'' نے ''شلبی'' سے بیان کیا ہے۔ اشفی یہ شین کے ساتھ ہے جس کے ساتھ سیا جاتا ہے جس طرح ''قاموس'' میں ہے۔

34731۔ (قولہ: وَمُحَدَّدٍ مِنْ خَشَبٍ) یعنی اسے چھیلے یہاں تک کہ اس کی دھار بن جائے جس کے ساتھ اس کو کاٹا جائے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ ایک جانب لوہا لگا یا گیا ہو جس طرح وہم کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ بیلچا، پھاوڑا کا آنے والا مسئلہ ہے۔ اس میں تفصیل و اختلاف ہے۔

34732۔ (قولہ: وَإِبْرَةٍ فِي مَقْتَلٍ) ''الاختیار'' میں ہے: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس آدمی کے بارے میں روایت کیا ہے جس نے ایک آدمی کو سوئی جیسی چیز جان بوجھ کر ماری تو وہ آدمی مر گیا تو اس میں قصاص نہیں ہوگا۔

مِسلّہ: سُوا (بڑی سوئی) وغیرہ میں قصاص ہے۔ کیونکہ سوئی کے ساتھ عموماً قتل کا ارادہ نہیں کیا جاتا اور مِسلّہ کے ساتھ قتل کا قصد کیا جاتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے: اگر مقتل (وہ عضو جس پر چوٹ لگنے سے موت واقع ہو جاتی ہے) میں سوئی کے ساتھ چھوئے تو اسے قتل کیا جائے گا ورنہ نہیں۔

''بزازیہ'' میں ہے: وہ سوئی کے ساتھ چھوتا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ کیونکہ اعتبار لوہے کا ہے ایک اور موقع پر کہا: کوئی قصاص نہیں ہوگا مگر جب وہ قتل کے محل میں سوئی چھوئے۔ اسی طرح اگر وہ اسے کاٹے۔ ''شرح الوہبانیہ'' میں ہے: ظاہر روایت کے مطابق سوئی میں قصاص ہے۔ ''قہستانی'' میں ہے: اسی پر فتویٰ ہے۔ ''خانیہ'' میں اس کے عدم کو یقین سے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ ممکن ہے کہ تطبیق دینے کے لیے مقتل کی قید لگائی جائے۔ مقاتل۔

(وَلِيطَةٍ) وَقَوْلُهُ (وَنَارٍ) عَطْفٌ عَلَى مُحَدَّدٍ لِأَنَّهَا تَشُقُّ الْجِلْدَ وَتَعْمَلُ عَمَلَ الذَّكَاةِ، حَتَّى لَوْ وُضِعَتْ فِي الْمَذْبَحِ فَأَحْرَقَتْ الْعُرُوقَ أُكِلَ، يَعْنِي إِنْ سَالَ بِهَا الدَّمُ وَإِلَّا لَا كَمَا فِي الْكِفَايَةِ قُلْت فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ كُلُّ مَا بِهِ الذَّكَاةُ بِهِ الْقَوَدُ وَإِلَّا فَلَا وَفِي الْبُرْهَانِ وَفِي حَدِيدٍ غَيْرِ مُحَدَّدٍ كَالسَّنْجَةِ رِوَايَتَانِ أَظْهَرُهُمَا أَنَّهَا عَمْدٌ

اور چھلکے کے ساتھ اور آگ کے ساتھ اس کا عطف محدد پر ہے۔ کیونکہ یہ جلد کو شق کر دیتا ہے اور ذبح کا سا عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اگر اسے ذبح کرنے کی جگہ رکھا جائے تو وہ ان لوگوں کو جلا دے تو اسے کھایا جائے گا یعنی اگر اس کے ساتھ خون بہہ پڑے ورنہ نہیں جس طرح ''الکفایہ'' میں ہے۔ میں کہتا ہوں: ''شرح الوہبانیہ'' میں ہے: جس چیز کے ساتھ ذبح کا عمل کیا جاتا ہے اس میں قصاص کا حکم جاری ہوگا ورنہ قصاص نہیں ہوگا۔ ''برہان'' میں ہے: ایسا لوہا جس کی دھار نہ بنائی گئی ہو جیسے ترازو کا باٹ۔ اس میں دو روایتیں ہیں۔ ان دونوں میں سے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ وہ عمد ہے۔

34733۔ (قولہ: وَلِيطَةٍ) یہ لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد سرکنڈے کا وہ چھلکا ہے جو اس کے ساتھ چسپاں ہوتا ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''حموی'' سے نقل کیا ہے۔

34734۔ (قولہ: عَطْفٌ عَلَى مُحَدَّدٍ) اس کا عطف محدد پر ہے خشب پر نہیں۔ کیونکہ وہ محدد میں سے نہیں ہے۔ ''سعدی'' نے کہا: چاہیے کہ یہ اس قبیل سے ہو علفتها تبنا وماء باردا۔ کیونکہ آگ کی صورت میں واقع ہونے والا عمل اس آگ میں پھینکنا ہے اس کے ساتھ مارنا نہیں۔

34735۔ (قولہ: لِأَنَّهَا تَشُقُّ الْجِلْدَ الخ) یہ اس کے عمد ہونے کا بیان ہے۔

34736۔ (قولہ: كَمَا فِي الْكِفَايَةِ) ''طحطاوی'' نے کہا: اس کی مثل ''خزانہ'' اور ''نہایہ'' میں ہے۔ ''حموی'' نے ''مقدسی'' سے نقل کیا ہے۔

34737۔ (قولہ: وَفِي الْبُرْهَانِ) ان تین نقول کو کلیہ کے عکس یعنی الا فلا کو توڑنے کے لیے ذکر کیا ہے جب کہ یہ ظاہر ہے۔ کیونکہ ذبح میں مشروط رگوں کو کاٹنا اور خون بہانا ہے۔ یہ ترازو کے باٹ، گرم تنور اور سوئی کے ساتھ نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے سوئی کے مسئلہ کو دوبارہ ذکر کیا ہے اگرچہ اس کا ذکر ابھی ہوا ہے، فافہم۔

34738۔ (قولہ: غَيْرِ مُحَدَّدٍ) یعنی اس کی تیز دھار نہ ہو۔

34739۔ (قولہ: كَالسَّنْجَةِ) ''قاموس'' میں ہے: سنجة الميزان۔ سنجه کا لفظ یہ سین کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اس کا سین کے ساتھ ہونا یہ صاد سے زیادہ فصیح ہے۔ فصل صاد میں ذکر کیا ہے: الصنج ایک ایسی شے ہے جو تانبے سے بنائی جاتی ہے۔ دونوں میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ بجایا جاتا ہے۔ اور اوتار کا آلہ ہے جس کے ساتھ اسے بجایا جاتا ہے۔ ''مغرب'' میں یہ زائد ذکر کیا ہے: يقال لما يجعل في اطار الدف من الهنات المدورة صنوج، ایضا۔

34740۔ (قولہ: أَظْهَرُهُمَا أَنَّهَا عَمْدٌ) یہ قول لوہے وغیرہ میں زخم لگانے کی شرط نہ ہونے پر مبنی ہے۔

وَ فِي الْمُجْتَبَى وَإِحْمَاءُ التَّنُّورِ يَكْفِي لِلْقَوَدِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ نَارٌ وَفِي مُعِينِ الْمُفْتِي لِلْمُصَنِّفِ الْإِبْرَةُ إِذَا أَصَابَتْ الْمَقْتَلَ فَفِيهِ الْقَوَدُ وَإِلَّا فَلَا فَيُحْفَظُ وَقَالَا الثَّلَاثَةُ ضَرْبُهُ قَصْدًا بِمَا لَا تُطِيقُهُ الْبِنْيَةُ كَخَشَبٍ عَظِيمٍ عَمْدٌ (وَمُوجَبُهُ الْإِثْمُ) فَإِنَّ حُرْمَتَهُ أَشَدُّ مِنْ حُرْمَةِ إِجْرَاءِ كَلِمَةِ الْكُفْرِ لِجَوَازِهِ لِمُكْرَهٍ،

''المجتبیٰ'' میں ہے: تنور کا گرم ہونا یہ قصاص کے لیے کافی ہے اگرچہ اس میں آگ نہ ہو۔ مصنف کی ''معین المفتی'' میں ہے: سوئی جب قتل کے محل میں لگ جائے تو اس میں قصاص ہوگا ورنہ قصاص نہیں ہوگا۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما اور دوسرے تینوں ائمہ نے فرمایا: اس نے قصداً ایسی ضرب لگائی ڈھانچہ جس کی طاقت نہ رکھتا ہو جیسے عظیم لکڑی۔ یہ قتل عمد ہوتا ہے اس کا موجب گناہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی حرمت کلمہ کفر کے جاری کرنے سے زیادہ شدید ہوتی ہے۔ کیونکہ مکرہ کے لیے ایسا کلمہ کہنا جائز ہے۔

34741۔ (قولہ: وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ نَارٌ) یعنی صحیح قول کے مطابق جیسے ''قہستانی''۔ اس میں ہے: اگر اسے اس سے باندھا گیا پھر اسے ایک ہنڈیا میں ڈالا گیا جس میں بہت زیادہ پانی ابل رہا تھا تو وہ اسی سے مرگیا یا اس میں گرم پانی تھا تو اس کی جلد پک گئی اور وہ ایک ساعت بھر ٹھہرا پھر وہ مرگیا تو اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا جس طرح ''ظہیریہ'' میں ہے۔

34742۔ (قولہ: لَا تُطِيقُهُ الْبِنْيَةُ) بنیہ سے مراد بدن ہے۔ ''قاموس'' میں ہے: بنیہ کا لفظ ضمہ اور کسرہ کے ساتھ ہے جسے تو بنائے: بنی الطعام بدنہ، یعنی اس کو موٹا کیا اور گوشت والا بنایا اس کو پروان چڑھایا۔

قتل عمد کا حکم

34743۔ (قولہ: فَإِنَّ حُرْمَتَهُ) زیادہ بہتر یہ قول ہے: وحرمتہ ''ط''۔

34744۔ (قولہ: أَشَدُّ مِنْ حُرْمَةِ إِجْرَاءِ كَلِمَةِ الْكُفْرِ) یعنی صوری کفر سے زیادہ شدید ہے۔ کیونکہ جب اسے اکراہ ملجی کے ساتھ مجبور کیا گیا تو اسے رخصت حاصل ہوگی ساتھ ہی اطمینان قلب ہوگا تاکہ وہ اپنی جان کو زندہ رکھ سکے اگر اسے غیر کے قتل پر قتل سے دھمکی دی جائے تو اسے اصلاً رخصت حاصل نہ ہوگی۔ کیونکہ دونوں نفس برابر ہیں۔ اس کے ساتھ کفر قلبی سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ وہ زیادہ شدید ہے اور اس کی کسی حال میں رخصت نہیں۔

''جوہرہ'' میں ہے: یہ جان لو ناحق کسی نفس کو قتل کرنا یہ کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے۔ اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ اگر وہ کسی مسلمان کو قتل کرے پھر اس سے توبہ سے پہلے وہ مرجائے تو جہنم میں اس کا داخل ہونا حتمی نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت میں ہوتا ہے جس طرح باقی ماندہ کبیرہ گناہ والے ہیں۔ اگر وہ اس میں داخل ہو تو اس میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ جہاں تک آیت کریمہ کا تعلق ہے تو اس میں تاویل ہوگی کہ اس نے اسے اس کے ایمان کی وجہ سے قتل کیا ہے یا اس کو حلال سمجھتے ہوئے قتل کیا ہے یا خلود سے مراد طویل عرصہ تک ٹھہرنا ہے۔ شارح آنے والی فصل میں ''وہبانیہ'' سے نقل کرتے ہوئے ذکر کریں گے کہ قاتل کی توبہ قبول نہ ہوگی جب تک وہ اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش نہ کرے۔

بِخِلَافِ الْقَتْلِ (وَ) مُوجَبُهُ (الْقَوَدُ عَيْنًا) فَلَا يَصِيرُ مَالًا إِلَّا بِالتَّرَاضِي فَيَصِحُّ صُلْحًا وَلَوْ بِمِثْلِ الدِّيَةِ أَوْ أَكْثَرَ ابْنُ كَمَالٍ عَنِ الْحَقَائِقِ (لَا الْكَفَّارَةُ) لِأَنَّهُ كَبِيرَةٌ مَحْضَةٌ، وَفِي الْكَفَّارَةِ مَعْنَى الْعِبَادَةِ فَلَا يُنَاطُ بِهَا

قتل کا معاملہ مختلف ہے۔ اور اس کا حکم عین قصاص ہے اس کا حکم مال نہیں ہوگا مگر باہم رضامندی کے ساتھ۔ پس یہ صلح کے طور پر صحیح ہوگا اگرچہ مثل دیت سے ہو اس سے زائد کے ساتھ ہو''ابن کمال'' نے''الحقائق'' سے نقل کیا ہے۔ اس کا حکم کفارہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ عمل خالص کبیرہ گناہ ہے۔ کفارہ میں عبادت کا معنی ہوتا ہے۔ پس وہ کفارہ کے ساتھ مربوط نہیں ہوگا۔

34745۔ (قولہ: وَ مُوجَبُهُ الْقَوَدُ) قود یہ واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد قصاص ہے۔ اسے قود کا نام دیا ہے کیونکہ جنایت کرنے والے یعنی قاتل کو رسی وغیرہ سے پکڑ کر کھینچا کرتے تھے۔ یہ''ازہری'' نے کہا ہے۔''سعدی''۔ قصاص واجب ہوگا جب قاتل اور مقتول میں ایسی شرط پائی جائے جس کا ذکر آنے والی فصل میں ہوگا۔

34746۔ (قولہ: فَلَا يَصِيرُ مَالًا) یہ ان کے قول عینا پر تفریع ہے یعنی ولی جنایت کو دیت دینے کی طرف پھر جانے کا حق حاصل نہیں ہوگا جب تک قاتل راضی نہ ہو۔ یہ امام''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے۔ ان کے دوسرے قول میں دونوں میں سے ایک واجب ہوگا۔ نہ کہ صرف قصاص لازم ہوگا اور وہ اس کے اختیار سے متعین ہوگا۔ دلائل مطولات میں موجود ہیں۔

34747۔ (قولہ: فَيَصِحُّ صُلْحًا) یعنی جب قصاص ہمارے نزدیک قتل عمد میں واجب ہے تو وہ صلح کے طریقہ سے ہی مال کی طرف منقلب ہوگا۔

34748۔ (قولہ: وَلَوْ بِمِثْلِ الدِّيَةِ أَوْ أَكْثَرَ) اسے مطلق ذکر کیا ہے پس یہ اسے شامل ہوگا جو اس کی جنس سے ہو، اس کے علاوہ سے ہو وہ فی الحال ادا کرنی ہو یا اس کی کوئی مدت مقرر کی گئی ہو جس طرح''جوہرہ'' میں ہے۔ اور امام''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ امام''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے قول کے مطابق اگر وہ اس کے ساتھ دیت سے زائد پر صلح کرے جب کہ وہ اس کی جنس سے ہو تو یہ صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ ربا ہو جاتا ہے۔ اور ان کے پہلے قول کے مطابق صحیح ہے۔ اس کی مکمل وضاحت''الکفایہ'' میں ہے۔

34749۔ (قولہ: لِأَنَّهُ كَبِيرَةٌ مَحْضَةٌ) یہ حکم حدیث صحیح کی نص سے ثابت ہے۔ وہ حدیث صحیح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اكبر الكبائر الاشراك بالله تعالى و قتل النفس و عقوق الوالدين و قول الزور او قال شهادة الزور (1)۔ کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ شرک کرنا ہے، نفس کو قتل کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، جھوٹی بات کرنا یا فرمایا جھوٹی گواہی دینا۔ امام''بخاری'' نے اسے روایت کیا ہے۔

34750۔ (قولہ: فِي الْكَفَّارَةِ مَعْنَى الْعِبَادَةِ) اس کی دلیل یہ ہے کہ اس میں روزے اور آزادی کا عمل دخل ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الکبائر، جلد 1، صفحہ 149، حدیث نمبر 178

قُلْتُ لَكِنْ فِي الْخَانِيَّةِ، لَوْ قَتَلَ مَمْلُوكَهُ أَوْ وَلَدَهُ الْمَمْلُوكَ لِغَيْرِهِ عَمْدًا كَانَ عَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ (وَ) الثَّانِي (شِبْهُهُ وَهُوَ أَنْ يَقْصِدَ ضَرْبَهُ بِغَيْرِ مَا ذُكِرَ) أَيْ بِمَا لَا يُفَرِّقُ الْأَجْزَاءَ وَلَوْ بِحَجَرٍ وَخَشَبٍ كَبِيرَيْنِ عِنْدَهُ خِلَافًا لِغَيْرِهِ

میں کہتا ہوں: لیکن ''خانیہ'' میں ہے: اگر وہ اپنے غلام کو جان بوجھ کر قتل کرے یا اس کے اس بچے کو قتل کرے جو کسی اور کا مملوک ہو تو اس پر کفارہ ہوگا۔ دوسری قسم شبہ عمد وہ یہ ہے کہ اس کو ضرب کا قصد کرے مگر اس کے علاوہ چیز کے ساتھ جن کا ذکر کیا گیا ہے یعنی ایسی چیز کے ساتھ جو اس کے اجزاء کو جدا جدا نہ کرے اگرچہ پتھر کے ساتھ اور لکڑی کے ساتھ جو دونوں بڑے ہوں۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ آپ کے علاوہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

پس وہ عبادت اور عقوبت میں دائر ہے تو ضروری ہوگا کہ اس کا سبب بھی حظر و اباحت میں دائر ہو۔ کیونکہ عبادت مباح کے متعلق ہے اور عقوبت محظور کے متعلق ہے جیسے قتل خطا۔ کیونکہ کفارہ مقدرات میں سے ہے۔ پس یہ قیاس سے ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ قتل خطا گناہ میں قتل عمد سے کم درجہ میں ہے۔ اس کی مکمل بحث مطولات میں ہے۔

34751۔ (قولہ: لَكِنْ فِي الْخَانِيَّةِ) یعنی فصل المعاقل کے آخر میں۔

میں کہتا ہوں: لیکن یہ اس کے مخالف ہے جو شروح میں ہے جیسے ''النہایہ''، ''عنایہ'' اور ''معراج'' ہے۔ یعنی اس قتل عمد میں کوئی کفارہ نہیں جب اس میں قصاص واجب ہو یا قصاص واجب نہ ہو جیسے ایک باپ ہے وہ اپنے بیٹے کو جان بوجھ کر قتل کرتا ہے اور مسلمان جب دارالحرب میں اس آدمی کو جان بوجھ کر قتل کر دے جو اسلام لایا ہو اور اس نے ہماری طرف ہجرت کی ہو۔ تامل

قتل شبہ عمد

34752۔ (قولہ: وَالثَّانِي شِبْهُهُ) یہ دو فتحوں یا کسرہ اور سکون کے ساتھ ہے۔ یعنی عمد کی مثل۔ کہا جاتا ہے: اسے خطا کے ساتھ مشابہت ہے۔ کیونکہ اس میں عمد کا معنی پایا جاتا ہے۔ کیونکہ فاعل نے ضرب کا قصد کیا ہے اور خطا کا معنی قتل کا ارادہ نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ یہ آلہ قتل کا آلہ نہیں۔ یہ ''الدرر'' اور ''قہستانی'' سے ماخوذ ہے۔ ''اتقانی'' نے یہ زائد ذکر کیا ہے کہ اس کو خطا عمد کا نام دیا جاتا ہے۔

34753۔ (قولہ: كَبِيرَيْنِ) اگر وہ صغیر ہوں تو یہ بالاتفاق شبہ عمد ہوگا۔

34754۔ (قولہ: خِلَافًا لِغَيْرِهِ) یعنی دونوں ائمہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ اور تینوں دوسرے ائمہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ وہ ان کے نزدیک عمد ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کی تعریف ہے۔

''قہستانی'' نے کہا: یہ جان لو کہ انہوں نے جو ائمہ، قصاص اور کفارہ کے احکام ذکر کیے ہیں جس طرح وہ عمد اور شبہ عمد میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لازم ہوتے ہیں وہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک لازم ہوتے ہیں۔ مگر ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک عمد اس کا ارادۃ ایسی چیز کے ساتھ ضرب لگانا ہے جس کے ساتھ غالباً اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔ اور شبہ عمد اس کو کہتے

(وَمُوجَبُهُ الْإِثْمُ وَالْكَفَّارَةُ وَدِيَةٌ مُغَلَّظَةٌ عَلَى الْعَاقِلَةِ)
اس کا حکم گناہ، کفارہ اور عاقلہ کے ذمہ دیت مغلظہ ہے۔

ہیں جس کے ساتھ غالباً قتل نہیں کیا جاتا۔ اگر ایک آدمی تھوڑے سے پانی میں غرق ہو جائے اور مر جائے تو وہ عمد نہیں اور نہ ہی ان کے نزدیک شبہ عمد ہے۔ اگر اس کو کنویں میں، چھت سے یا پہاڑ سے پھینک دیا جائے اور اس سے نجات کی امید نہ ہو تو وہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قتل شبہ عمد ہوگا اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک قتل عمد ہوگا۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے جس طرح ''تتمہ'' میں ہے۔ ان تمام مسائل کو آنے والی فصل میں ذکر کر دیا جائے گا۔ ''معراج'' میں ''المجتبیٰ'' سے مروی ہے: امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شبہ عمد میں یہ شرط ہے کہ تادیب کا قصد کیا جائے اتلاف کا قصد نہ کیا جائے۔

قتل شبہ عمد کا حکم

34755۔ (قولہ: وَمُوجَبُهُ الْإِثْمُ) یعنی قتل کا گناہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے جان بوجھ کر ضرب لگائی ہے۔ ''مکی'' نے ''برہان'' سے نقل کیا ہے۔

''زیلعی'' کا کلام جس امر کو بیان کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اس پر ضرب لگانے کا گناہ ہوگا قتل کا گناہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے کہا: اثم اثم الضرب الخ، وہ ضرب کے گناہ سے گناہگار ہوگا۔ کیونکہ اس نے مارنے کا قصد کیا وہ قتل کے گناہ سے گناہگار نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس کا قصد نہیں کیا یہ کفارہ قتل کی وجہ سے واجب ہوا ہے جب کہ وہ اس میں خطا کرنے والا ہے اور ضرب لگانے کی وجہ سے واجب نہیں ہوتا۔ اس پر ''برہان'' کی دلیل دلالت کرتی ہے جو ان الفاظ کے ساتھ ہے: للتعمد الضرب۔ پس اس کی تعلیل اس کے مدعا کے منافی ہے۔ اگر یوں قول کیا جاتا ہے: ولو قیل بانا طة الاثم بالقصد الخ اگر یہ قول کیا جاتا ہے: گناہ کا دارومدار ارادہ پر ہے اگر وہ قتل کا قصد کرے تو قتل کے گناہ سے گناہگار ہوگا۔ اگر وہ ضرب کا قصد کرے تو اس کے گناہ سے گناہگار ہوگا تو اس کی کوئی شان ہوتی، ''ط''۔

34756۔ (قولہ: وَدِيَةٌ مُغَلَّظَةٌ) یعنی سو اونٹ۔ اگر اونٹوں کے علاوہ اور دیت کا فیصلہ کیا جاتا تو وہ غلیظہ نہ ہوگی، ''قہستانی''۔ بنت مخاض، بنت لبون، حقہ اور جذعہ میں سے چوتھائی چوتھائی لیے جائیں گے جس طرح آگے آئے گا۔

34757۔ (قولہ: عَلَى الْعَاقِلَةِ) یعنی جو قاتل کی مددگار ہے، ''قہستانی''۔ قاعدہ یہ ہے ہر وہ دیت جو ابتداءً قتل کی وجہ سے واجب ہوئی ہو نہ کہ اس سبب سے جو بعد میں پیدا ہوا تو ایسی دیت عاقلہ پر ہوگی یہ خطا کا اعتبار کرنے کی وجہ سے ہے۔ اور یہ دیت تین سالوں میں واجب ہوگی، ''ہدایہ''۔

انہوں نے ابتدا کے قول سے اس دیت سے احتراز کیا ہے جو قتل عمد میں صلح سے واجب ہوئی ہے یا والد پر واجب ہوئی جب اس نے اپنے بیٹے کو جان بوجھ کر قتل کر دیا ہو، ''کفایہ''۔

حاصل کلام یہ ہے: وہ مال جو خالص عمد میں واجب ہوتا ہے وہ قاتل کے مال میں واجب ہوتا ہے جب کہ نفس کے قتل سے

سَیَجِیءُ تَفْسِیرُ ذٰلِكَ (لَا الْقَوَدُ) لِشُبْهِهِ بِالْخَطَأِ نَظَرًا لِآلَتِهِ إِلَّا أَنْ یَتَکَرَّرَ مِنْهُ فَلِلْإِمَامِ قَتْلُهُ سِیَاسَةً اخْتِیَارٌ (وَهُوَ) أَیْ شِبْهُ الْعَمْدِ (فِیمَا دُونَ النَّفْسِ) مِنَ الْأَطْرَافِ (عَمْدٌ) مُوجِبٌ لِلْقِصَاصِ، فَلَیْسَ فِیمَا دُونَ النَّفْسِ شِبْهُ عَمْدٍ (وَ) الثَّالِثُ (خَطَأٌ وَهُوَ نَوْعَانِ) لِأَنَّهُ إِمَّا خَطَأٌ فِی ظَنِّ الْفَاعِلِ كَ (أَنْ یَرْمِیَ شَخْصًا ظَنَّهُ صَیْدًا

اس کی تفسیر عنقریب آئے گی۔ قصاص لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ قتل خطا کے مشابہ ہے۔ یہ اس کے آلہ کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے مگر جب وہ یہ عمل بار بار کرے تو امام کو حق حاصل ہوگا کہ اس کو بطور سیاست قتل کر دے، ''اختیار''۔ شبہ عمد جو نفس سے کم میں ہو یعنی اطراف میں یہ عمد ہوگا جو قصاص کو ثابت کرے گا نفس سے کم میں جنایت شبہ عمد نہیں ہوتی۔ تیسری قسم قتل خطا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں یا تو فاعل کے گمان میں خطا ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ایک شے کو تیر مارتا ہے جس کو وہ شکار گمان کرتا ہے

کم جنایت ہو۔ نفس میں ہو یا خطا کی صورت میں ہو تو یہ دیت عاقلہ پر ہوگی۔ شبہ عمد میں اگر نفس کے قتل کرنے کی صورت میں ہو تو دیت عاقلہ پر واجب ہوگی اور جو نفس سے کم میں ہے اگر چہ مکمل دیت تک پہنچ جائے تو یہ عاقلہ کے ذمہ ہوگی۔ ''بزازیہ''۔

34758۔ (قولہ: سَیَجِیءُ تَفْسِیرُ ذٰلِكَ) کفارہ اور دیت کی تفسیر عنقریب آئے گی اور اس میں سے مغلظہ کا ذکر کتاب الدیات میں ہوگا اور عاقلہ کی وضاحت کتاب المعاقل میں آئے گی۔

34759۔ (قولہ: إِلَّا أَنْ یَتَکَرَّرَ مِنْهُ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے اگر چہ دو دفعہ ہو اس پر وہ چیز دلالت کرتی ہے جس کو ہم آنے والی فصل کے بعد ذکر کریں گے۔

34760۔ (قولہ: فَلَیْسَ فِیمَا دُونَ النَّفْسِ شِبْهُ عَمْدٍ) کیونکہ یہ ایک آلہ کے بغیر دوسرے آلہ کے ساتھ خاص نہیں پس اس میں شبہ عمد کا تصور نہیں ہوگا۔ نفس کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کی مکمل بحث ''زیلعی'' میں ہے۔

قتل خطا

34761۔ (قولہ: وَ الثَّالِثُ خَطَأٌ) ''ابن کمال'' نے کہا: اگر چہ وہ جنایت غلام پر ہو یا کہا: کیونکہ غلام کے مال ہونے سے دین میں متبادر تصور آتا ہے وہ یہ ہے کہ جس کا ذکر کیا گیا ہے وہ اموال کی ضمانت سے متعلق ہے۔ پس یہ دیت عاقلہ کے ذمہ نہ ہوگی۔

قتل خطا کی اقسام

34762۔ (قولہ: وَهُوَ نَوْعَانِ) کیونکہ مثلاً کسی شے کی طرف جو کوئی چیز پھینکی جاتی ہے یہ عمل دل کے فعل پر مشتمل ہوتی ہے۔ اور دل کا تعلق قصد و ارادہ ہے۔ اور عضو کے فعل پر مشتمل ہوتا ہے اور وہ تیر پھینکنا ہے۔ اگر خطا پہلے کے ساتھ متصل ہو تو وہ پہلی قسم ہے اگر دوسرے کے ساتھ متصل ہو تو وہ دوسری قسم ہے، ''عنایہ''۔

34763۔ (قولہ: ظَنَّهُ صَیْدًا) اس میں غور و فکر کیجئے کیا ظن کے دعویٰ کا اعتبار کیا جائے گا یا پہلے اس کا تحقق ضروری

أَوْ حَرْبِيًّا) أَوْ مُرْتَدًّا (فَإِذَا هُوَ مُسْلِمٌ أَوْ) خَطَأٌ فِي نَفْسِ الْفِعْلِ كَأَنْ يَرْمِيَ (غَرَضًا) أَوْ صَيْدًا (فَأَصَابَ آدَمِيًّا) أَوْ رَمَى غَرَضًا فَأَصَابَهُ ثُمَّ رَجَعَ عَنْهُ أَوْ تَجَاوَزَ عَنْهُ إلَى مَا وَرَاءَهُ فَأَصَابَ رَجُلًا أَوْ قَصَدَ رَجُلًا فَأَصَابَ غَيْرَهُ أَوْ أَرَادَ يَدَ رَجُلٍ فَأَصَابَ عُنُقَ غَيْرِهِ، وَلَوْ عُنُقَهُ فَعَمْدٌ قَطْعًا أَوْ أَرَادَ رَجُلًا فَأَصَابَ حَائِطًا ثُمَّ رَجَعَ السَّهْمُ فَأَصَابَ الرَّجُلَ فَهُوَ خَطَأٌ؛ لِأَنَّهُ أَخْطَأَ فِي إصَابَةِ الْحَائِطِ وَرُجُوعُهُ سَبَبٌ آخَرُ وَالْحُكْمُ يُضَافُ لِآخِرِ أَسْبَابِهِ ابْنُ كَمَالٍ عَنْ الْمُحِيطِ قَالَ وَكَذَا لَوْ سَقَطَ مِنْ يَدِهِ خَشَبَةٌ أَوْ لَبِنَةٌ فَقَتَلَ رَجُلًا يَتَحَقَّقُ الْخَطَأُ فِي الْفِعْلِ وَلَا قَصْدَ فِيهِ فَكَلَامُ صَدْرِ الشَّرِيعَةِ فِيهِ مَا فِيهِ وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ

یا حربی گمان کرتا ہے یا مرتد گمان کرتا ہے تو وہ مسلمان تھا یا نفس فعل میں خطا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ایک ٹارگٹ یا شکار کو تیر مارتا ہے تو وہ تیر کسی اور کو جا لگتا ہے یا وہ ایک آدمی کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کسی اور کی گردن میں جا لگتا ہے اگر وہ اس کی گردن ہو اور وہ قطعی طور پر اس کا قصد کرتا ہے یا اس نے ایک آدمی کا ارادہ کیا تو وہ تیر دیوار کو جا لگا پھر تیر پلٹا اور آدمی کو جا لگا تو یہ خطا ہے۔ کیونکہ دیوار کو لگنے میں اس سے خطا صادر ہوگئی اور اس کا لوٹنا دوسرا سبب ہے اور حکم کو آخری سبب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔''ابن کمال'' نے ''المحیط'' سے نقل کیا ہے کہا: اسی طرح اگر اس کے ہاتھ سے لکڑی یا اینٹ گر پڑی تو اس نے ایک آدمی کو قتل کر دیا تو فعل میں خطا متحقق ہوگئی اور اس میں اس کا کوئی قصد نہیں۔ پس اس میں ''صدر الشریعہ'' کے کلام میں جو خلل ہے وہ اس میں ہے اور جو ''وہبانیہ'' میں ہے:

ہے اس کی صورت یہ ہے کہ اس پر گواہی دی جائے ''ط''۔ پھر اس کو نقل کیا جس سے مراد مکمل نہیں ہوتا ہم عنقریب اس بارے میں باب الشہادۃ علی القتل میں وضاحت کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

34764۔(قولہ: غَرَضًا) یہ لفظ دو حروف معجمہ کے ساتھ ہے درمیان را متحرک ہے یہ وہ ہدف ہے جس کی طرف کوئی شے پھینکی جاتی ہے۔

34765۔(قولہ: فَأَصَابَ رَجُلًا) یہ ان کے قول ثم رجع یا تجاوز پر مرتب ہے۔

34766۔(قولہ: وَرُجُوعُهُ سَبَبٌ آخَرُ) وہ دیوار کو لگنا ہے جو رمی کا سبب ہے۔

34767۔(قولہ: فَكَلَامُ صَدْرِ الشَّرِيعَةِ فِيهِ مَا فِيهِ) کیونکہ خطا فی الفعل میں یہ شرط لگائی ہے کہ اس سے وہ فعل صادر نہ ہو جس کا قصد کیا تھا بلکہ دوسرا فعل صادر ہو۔

اس پر وہ اعتراض وارد ہوتا ہے جو گزر چکا ہے کہ جب وہ کسی ٹارگٹ پر کوئی شے پھینکے وہ اس کو لگے پھر اس سے لوٹے یا اس سے تجاوز کر جائے تو وہ ایک اور آدمی کو جا لگے تو فعل میں خطا متحقق ہو گی اور شرط دونوں صورتوں میں مفقود ہو گی۔ جب اس کے ہاتھ میں لکڑی یا اینٹ گر جائے اور کسی آدمی کو قتل کر دے تو فعل میں خطا متحقق ہو جائے گی اور اس میں کوئی قصد نہیں۔ یہ ''ابن کمال'' نے بیان کیا ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: لیکن عنقریب یہ آئے گا کہ یہ اس قسم میں سے ہے جو مجری الخطا کے قائم مقام ہے۔

وَقَاصِدِ شَخْصٍ إِنْ أَصَابَ خِلَافَهُ . فَذَا خَطَأٌ وَالْقَتْلُ فِيهِ مُعَذَّرُ
وَقَاصِدِ شَخْصٍ حَالَةَ النَّوْمِ إِنْ يمت فَيُقْتَصُّ إِنْ أَبْقَى دَمًا مِنْهُ يُنْهَرُ
(وَ) الرَّابِعُ (مَا جَرَى مَجْرَاهُ) مَجْرَى الْخَطَأِ (كَنَائِمِ انْقَلَبَ عَلَى رَجُلٍ فَقَتَلَهُ)؛ لِأَنَّهُ مَعْذُورٌ كَالْمُخْطِئِ (وَمُوجَبُهُ) أَيْ مُوجَبُ هٰذَا النَّوْعِ مِنَ الْفِعْلِ وَهُوَ الْخَطَأُ وَمَا جَرَى مَجْرَاهُ (الْكَفَّارَةُ وَالدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ) وَالْإِثْمُ دُونَ إِثْمِ الْقَتلِ إِذِ الْكَفَّارَةُ تُؤْذِنُ بِالْإِثْمِ

ایک ذات کا قصد کرنے والا اگر اس کے برعکس کو جا پہنچے تو وہ خطا ہے اور اس میں قتل ممنوع ہے نیند کی حالت میں ایک ذات کا ارادہ کرنے والا اگر وہ مرجائے تو اس میں قصاص لیا جائے گا اگر اس سے بہتا ہوا خون چھوڑے۔ اور چوتھی قسم وہ ہے جو خطا کے قائم مقام ہے جیسے سونے والے ایک آدمی پر کروٹ بدلی تو اس کو قتل کر دیا۔ کیونکہ یہ مخطی کی طرح معذور ہے اس کا موجب یہ ہے یعنی فعل کی اس نوع جو قتل خطا ہے اور جو اس کے قائم مقام ہے۔ اس کا حکم کفارہ اور عاقلہ پر دیت ہے اور گناہ قتل کے گناہ سے کم ہوگا۔ کیونکہ کفارہ گناہ کے بارے میں آگاہ کرتا ہے۔

34768۔ (قولہ: إِنْ أَصَابَ خِلَافَهُ) یعنی ایسی ذات کو جا لگا جو ٹارگٹ کے علاوہ تھا۔

34769۔ (قولہ: وَالْقَتْلُ فِيهِ مُعَذَّرُ) یعنی اس میں قصاص ممتنع ہے۔

34770۔ (قولہ: حَالَةَ النَّوْمِ) یعنی اس شخص کی نیند کی حالت میں۔

34771۔ (قولہ: إِنْ أَبْقَى دَمًا) یعنی خون بہتا ہوا چھوڑا۔ جو ''وہبانیہ'' میں الفاظ ہیں وہ یقطر ہے۔ اس میں غور وفکر کرو جو حالۃ النوم کی قید لگانے کی وجہ ہے۔ یہ قول گزر چکا ہے کہ سوئی جب مقتل کو پہنچے گی تو اس میں قصاص ہوگا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ قصداً کا محل قتل کی جگہ کے علاوہ ہے جب وہ سویا ہوا نہ ہو اور اس نے اس کے خون کو بہتا ہوا چھوڑا تو اس کی موت اس کی طرف منسوب ہوگی، فلیتامل۔

قتل جاری مجری الخطا

34772۔ (قولہ: وَالرَّابِعُ مَا جَرَى مَجْرَاهُ الخ) اس کا حکم شرع میں خطا کا حکم ہے لیکن حقیقت میں جو خطا ہو اس سے کم ہوگا۔ کیونکہ جو آدمی سوار ہو وہ اصلاً اہل ارادہ میں سے نہیں ہے بے شک کفارہ واجب ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس جگہ نیند سے بچنے کو ترک کیا ہے جہاں اس کے قاتل ہونے کا وہم ہو سکتا تھا۔ قتل خطا میں کفارہ یہ احتیاط کو ترک کرنے سے بھی واجب ہوتا ہے۔ میراث سے محرومی یہ براہ راست قتل کرنے کی وجہ سے ہے۔ اور یہ وہم بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اونگھ رہا ہو سو رہا ہو جب کہ اس کا ارادہ یہ ہو کہ وہ جلدی اس کا وارث بنے وہ آدمی جو چھت سے گرے اور کسی انسان پر جا پڑے یا اس کے ہاتھ میں اینٹ ہو یا لکڑی ہو اور وہ اس کے ہاتھ سے کسی انسان پر جا گری ہو یا وہ سواری پر ہو تو اس نے کسی انسان کو روند دیا ہو اور اس کو قتل کر دیا ہو یہ سونے والے کی مثل ہوگا۔ کیونکہ یہ ارادہ کے بغیر معصوم کا قتل ہے۔ ''کفایہ''۔

لِتَرْكِ الْعَزِيمَةِ (وَ) الْخَامِسُ (قَتْلٌ بِسَبَبٍ كَحَافِرِ الْبِئْرِ وَوَاضِعِ حَجَرٍ فِي غَيْرِ مِلْكِهِ) بِغَيْرِ إِذْنٍ مِنَ السُّلْطَانِ ابْنُ كَمَالٍ؛ وَ كَذَا وَضْعُ خَشَبَةٍ عَلَى قَارِعَةِ الطَّرِيقِ وَنَحْوُ ذَلِكَ إِلَّا إِذَا مَشَى عَلَى الْبِئْرِ وَنَحْوِهِ بَعْدَ عِلْمِهِ بِالْحَفْرِ وَنَحْوِهِ دُرَرٌ
کیونکہ اس نے عزیمت کو ترک کیا ہے۔ پانچویں قسم قتل بالسبب ہے جیسے غیر کی ملک کنواں کھودنے والا اور لکڑی رکھنے والا جب کہ سلطان کی جانب سے کوئی اجازت نہ ہو، ''ابن کمال''۔ اسی طرح شارع عام پر لکڑی رکھنے والا وغیرہ مگر جب کوئی آدمی کنواں وغیرہ کے بارے میں آگاہ ہونے کے باوجود اس پر چلے، ''درر''۔

34773۔(قولہ: لِتَرْكِ الْعَزِيمَةِ) یہ یہاں تثبت میں مبالغہ کے لیے ہے۔ ''کفایہ'' میں کہا: یہ گناہ قتل کا گناہ ہے۔ کیونکہ تثبت میں مبالغہ کو ترک کرنا یہ گناہ نہیں وہ اس کے ساتھ اس وقت گناہ گار ہوگا جب اس کے ساتھ قتل متصل ہو۔ پس کفارہ قتل کے گناہ کی وجہ سے ہے اگرچہ اس میں قتل کے قصد کا اثم نہیں۔ تامل

قتل بالسبب

34774۔(قولہ: وَوَاضِعِ حَجَرٍ) جب کوئی دوسرا اس کو ایک طرف نہ کرے اگر کوئی دوسرا اس کو ایک طرف کرے اور اس کی وجہ سے کوئی آدمی ہلاک ہو جائے تو ایک طرف کرنے والا ضامن ہوگا جس طرح مصنف باب ما یحدثہ الرجل فی الطریق میں عنقریب ذکر کریں گے۔

34775۔(قولہ: فِي غَيْرِ مِلْكِهِ) یہ کھودنے اور لکڑی رکھنے کی علت ہے، ''درر''۔ اگر وہ اس کی ملک میں ہو تو کوئی تعدی نہیں پھر نہ دیت ہوگی اور نہ ہی کفارہ ہوگا، ''ط''۔

34776۔(قولہ: مِنَ السُّلْطَانِ) ظاہر یہ ہے کہ مراد ہے جو اس کے نائب کو عام ہو، ''ط''۔

34777۔(قولہ: وَنَحْوُ ذَلِكَ الخ) یعنی لکڑی کی مثل جیسے بطیخ کے چھلکے۔ پس اس کی وجہ سے جو تلف ہو وہ رکھنے والا اس کا ضامن ہوگا جس طرح ''قاری الہدایہ'' نے فتویٰ دیا ہے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا جب وہ راستہ میں چھڑکاؤ کرے۔ ''ذخیرہ'' میں کہا: اسی طرح ''الکتاب'' میں مطلقاً ذکر کیا ہے۔ علما نے کہا: چھڑکاؤ کرنے والا ضامن ہوگا۔ جب کوئی گزرنے والا چھڑکاؤ پر گزرے اور اس کا اسے علم نہ ہو جیسے رات ہو یا گزرنے والا نابینا ہو۔ اسی طرح کا حکم ہوگا جب وہ لکڑی یا پتھر پر گزرے۔ مشائخ میں سے کچھ علما ایسے ہیں جنہوں نے اس کے علاوہ کے ساتھ تفصیل بیان کی ہے۔ کہا: اگر اس نے بعض راستہ پر چھڑکاؤ کیا یہاں تک کہ خشک جگہ پر گزرنا اس کے لیے ممکن تھا تو کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ اگر اس نے مکان کے فنا میں اس کے مالک کی اجازت سے چھڑکاؤ کیا تو ضمان بطور استحسان آمر پر ہوگی۔ اس کی مکمل بحث ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔

فرع: ایک آدمی پتھر سے ٹکرایا اور ایک کنواں میں جا گرا جس کو کسی آدمی نے کھودا تھا تو ضمان پتھر رکھنے والے کے ذمہ ہوگی اگر اسے کسی انسان نے نے رکھا ہو تو کنواں کھودنے والے پر ضمان ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی ایسے پانی سے پھسلا جسے کسی آدمی

(وَمُوجَبُهُ الدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ لَا الْكَفَّارَةُ) وَلَا إِثْمُ الْقَتْلِ بَلْ إِثْمُ الْحَفْرِ وَالْوَضْعِ فِي غَيْرِ مِلْكِهِ دُرَرٌ (وَكُلُّ ذَلِكَ يُوجِبُ حِرْمَانَ الْإِرْثِ) لَوْ الْجَانِي مُكَلَّفًا ابْنُ كَمَالٍ (إِلَّا هَذَا) أَيْ الْقَتْلَ بِسَبَبٍ لِعَدَمِ قَتْلِهِ وَأَلْحَقَهُ الشَّافِعِيُّ بِالْخَطَأِ فِي أَحْكَامِهِ

اس کا حکم یہ ہے کہ عاقلہ پر دیت لازم ہوگی کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی قتل کا گناہ لازم ہوگا بلکہ کھودنے اور غیر کی ملک میں لکڑی رکھنے کا گناہ لازم ہوگا،''درر''۔ یہ سب وراثت کی محرومی کو ثابت کرے گی اگر جنایت کرنے والا مکلف ہو قتل خطا کے ساتھ۔ مگر یہ قتل بسبب کیونکہ یہ قتل نہیں۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسے احکام میں لاحق کیا ہے۔

نے بہایا تھا تو وہ کنویں میں گر پڑا تو ضمان پانی بہانے والے پر ہوگی اگر وہ بارش کا پانی ہو تو کنواں کھودنے والے کے ذمہ ہوگی، ''تاتر خانیہ''۔ ''جوہرہ'' میں ہے: قول کھودنے والے کا بطور استحسان معتبر ہوگا کہ اس نے اپنے آپ کو جان بوجھ کر گرایا ہے۔

34778۔ (قولہ: وَكُلُّ ذَلِكَ) یعنی قتل کی وہ اقسام جن کی اجازت نہیں جو گزر چکی ہے، ''ط''۔

34779۔ (قولہ: لَوْ الْجَانِي مُكَلَّفًا) اگر وہ قاتل بچہ یا مجنون ہو تو وارث ہوگا جس طرح سید کی شرح ''سراجیہ'' میں ہے، ''ط''۔

34780۔ (قولہ: لِعَدَمِ قَتْلِهِ) یعنی اس نے براہ راست اسے قتل نہیں کیا۔ ضمان کے واجب کرنے میں اسے مباشر کے ساتھ لاحق کیا ہے تاکہ خون کے رائیگاں ہونے سے اسے بچایا جائے یہ اصل کے خلاف ہے۔ پس کفارہ اور میراث سے محرومی میں یہ اپنے اصل پر رہے گا۔ ''کفایہ''، واللہ اعلم۔

فَصْلٌ فِيمَا يُوجِبُ الْقَوَدَ وَمَا لَا يُوجِبُهُ

(يَجِبُ الْقَوَدُ) أَيِ الْقِصَاصُ (بِقَتْلِ كُلِّ مَحْقُونِ الدَّمِ) بِالنَّظَرِ لِقَاتِلِهِ دُرَرٌ، وَسَيَتَّضِحُ عِنْدَ قَوْلِهِ لَوْقَتَلَ الْقَاتِلَ أَجْنَبِيٌّ (عَلَى التَّأْبِيدِ عَمْدًا) وَهُوَ الْمُسْلِمُ وَالذِّمِّيُّ لَا الْمُسْتَأْمِنُ وَالْحَرْبِيُّ (بِشَرْطِ كَوْنِ الْقَاتِلِ مُكَلَّفًا)

قصاص کے احکام

قصاص واجب ہوگا ہر ایسے شخص کے قتل سے جس کا خون دائمی محفوظ ہو یہ اس کے قاتل کے پیش نظر ہے، ''درر''۔ اس کی وضاحت عنقریب ان کے قول لوقتل القاتل اجنبی کے ہاں آئے گی۔ اور قاتل نے اسے جان بوجھ کر قتل کیا ہو جس کا خون دائمی طور پر محفوظ ہے وہ مسلمان ہے یا ذمی ہے نہ کہ وہ مستامن حربی ہے۔ شرط یہ ہے کہ قاتل مکلف ہو۔

34781۔ (قولہ: مَحْقُونِ الدَّمِ) حقن کا معنی بچانا ہے۔ ''مغرب'' میں ہے: حقن دمہ جب اس کا خون بہانے سے بچالیا۔ اس لفظ کے ساتھ مباح الدم سے احتراز کیا ہے جیسے ایسا زانی جو شادی شدہ ہو، حربی اور مرتد۔ مراد کامل حقن ہے جو آدمی دار الحرب میں مسلمان ہوا تو وہ ہمیشہ کے لیے محقون الدم ہو جائے گا وہاں اس کے قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ کیونکہ کمال حقن یعنی کامل بچاؤ اس عصمت کے ساتھ ہوتا ہے جو مقوم (جس کی قیمت لگائی جائے) اور موثم (جو گناہ کو ثابت کردے) ہو اور اسلام قبول کرنے سے عصمت موثمہ تو حاصل ہو جاتی ہے مقومہ حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ عصمت دار الاسلام کے ساتھ حاصل ہوتی ہے۔ اسے ''کفایہ'' میں بیان کیا ہے۔

34782۔ (قولہ: بِالنَّظَرِ لِقَاتِلِهِ) یہ قاتل کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے مطلقاً نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی اجنبی آدمی مقتول کی جانب سے قاتل کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو اجنبی سے قاتل کا قصاص لیا جائے گا اگر اجنبی نے اسے جان بوجھ کر قتل کیا ہو۔ ''وانی'' نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ یہ اس سے عام ہے کہ یہ حکم سے پہلے ہو یا اس کے بعد ہو۔ کیونکہ حکم کے بعد اولیاء کی جانب سے معاف کرنے کا احتمال موجود ہے۔

34783۔ (قولہ: عَلَى التَّأْبِيدِ) اس قول کے ساتھ مستامن سے احتراز کیا ہے۔

اس تعریف پر یہ صورت اشکال کا باعث نہیں ہوتی کہ ایک مسلمان اپنے مسلمان بیٹے کو جان بوجھ کر قتل کر دے کیونکہ اس وقت اس سے قصاص نہیں لیا جاتا کیونکہ قصاص اصل میں واجب تھا لیکن باپ ہونے کے شبہ کی وجہ سے مال کی طرف پھر گیا ہے جب کہ یہ امر عارض ہے اور گفتگو اصل کے بارے میں ہو رہی ہے۔ اسی وجہ سے بیٹا اس قتل کے ساتھ شہید ہوتا ہے۔ پس اس کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا جب وقف کا غلام جان بوجھ کر قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ قصاص واجب نہیں ہوگا

لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّهُ لَيْسَ لِصَبِيٍّ وَمَجْنُونٍ عَمْدٌ فِي الْبَزَّازِيَّةِ حُكِمَ عَلَيْهِ بِقَوَدٍ فَجُنَّ قَبْلَ دَفْعِهِ لِلْوَلِيِّ انْقَلَبَ دِيَةً مَنْ يُجَنُّ وَيُفِيقُ قَتَلَ فِي إِفَاقَتِهِ قُتِلَ، فَإِنْ جُنَّ بَعْدَهُ، إِنْ مُطْبِقًا سَقَطَ، وَإِنْ غَيْرَ مُطْبِقٍ قُتِلَ قَتَلَ عَبْدٌ مَوْلَاهُ عَمْدًا لَا رِوَايَةَ فِيهِ

کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بچے اور مجنون کا فعل عمد نہیں۔ ''بزازیہ'' میں ہے: اس پر قصاص کا حکم دیا گیا تو ولی کے حوالے کرنے سے قبل اسے جنون لاحق ہو گیا۔ یہ قصاص دیت کی طرف پھر جائے گا۔ جس کو جنون لاحق ہوتا ہو اور جسے افاقہ ہوتا ہو اس نے اپنے افاقہ کی حالت میں قتل کیا تو اس کو قتل کیا جائے گا۔ اگر اس کے بعد اسے جنون لاحق ہو گیا اگر جنون مطبق ہو تو قصاص ساقط ہو جائے گا۔ اگر غیر مطبق ہو تو اس کو قتل کیا جائے گا۔ غلام نے اپنے آقا کو جان بوجھ کر قتل کیا اس بارے میں کوئی روایت نہیں۔

جس طرح آگے آئے گا۔ کیونکہ قصاص موجب اصلی ہے اور وقف کے نفع کی رعایت کرنے کے عارض کی وجہ سے وہ مال بن گیا ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''مکی'' سے روایت کیا ہے، ''ملخص''۔

34784۔ (قولہ: لِمَا تَقَرَّرَ) اس کی وضاحت فصل الجنین سے تھوڑا پہلے آئے گی۔

بچے اور مجنون سے قصاص کا شرعی حکم

34785۔ (قولہ: انْقَلَبَ دِيَةً) یعنی بطور استحسان اس پر کوئی قصاص نہیں ہوگا اگر حوالے کرنے کے بعد اسے جنون لاحق ہو جائے تو اسے قتل کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ کیونکہ اس پر قصاص کے وجوب کی شرط یہ ہے کہ حالت وجوب میں وہ مخاطب ہے۔ اور یہ امر قضا کے ساتھ ہے اور یہ حوالے کرنے کے ساتھ مکمل ہو جائے گا۔ جب حوالے کرنے سے قبل اسے جنون لاحق ہو جائے تو وجوب میں خلل واقع ہوگا۔ پس وہ اسی طرح ہو گیا جب قضا سے پہلے اسے جنون لاحق ہو گیا ہو۔ ''ولوالجیہ''۔

34786۔ (قولہ: مَنْ يُجَنُّ) یہ مجہول کا صیغہ ہے اور یفیق یہ افاق سے مشتق ہے۔ ''ط''۔ من مبتدا ہے پہلا قتل یہ معروف کا صیغہ ہے اور حال ہے یا یہ محذوف ادات شرط کی شرط ہے اور دوسرا قتل یہ مجہول کا صیغہ ہے یہ خبر ہے۔ اس کا معنی ہے اس کے قتل کا حکم دیا جائے گا۔

34787۔ (قولہ: فَإِنْ جُنَّ بَعْدَهُ) یعنی اس نے افاقہ میں اس کو قتل کیا تو اس کے بعد اس کو جنون لاحق ہو گیا۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کی قید لگائی جائے جب اس کا جنون قضا اور حوالے کرنے سے قبل لاحق ہو جائے یہ ماقبل سے ماخوذ ہے۔ فلیتامل۔

34788۔ (قولہ: إِنْ مُطْبِقًا) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ایک مہینہ رہے یا سال رہے جب کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ ''ولوالجیہ''۔

34789۔ (قولہ: سَقَطَ) یعنی قصاص ساقط ہو جائے گا۔

34790۔ (قولہ: وَإِنْ غَيْرَ مُطْبِقٍ قُتِلَ) یعنی افاقہ کے بعد جس طرح ''ولوالجیہ'' وغیرہا میں ہے۔

وَقَالَ أَبُو جَعْفَرٍ يُقْتَلُ قَتَلَ عَبْدَ الْوَقْفِ عَمْدًا لَا قَوَدَ فِيهِ قَتَلَ خَتَنَهُ عَمْدًا وَبِنْتُهُ فِي نِكَاحِهِ سَقَطَ الْقَوَدُ اهـ (وَ) بِشَرْطِ (انْتِفَاءِ الشُّبْهَةِ) كَوِلَادٍ أَوْ مِلْكٍ أَوْ أَعَمَّ كَقَوْلِهِ أُقْتُلْنِي فَقَتَلَهُ (بَيْنَهُمَا)

''ابوجعفر'' نے کہا: اس کو قتل کیا جائے گا ایک آدمی نے وقف کے غلام کو جان بوجھ کر قتل کیا تو اس میں کوئی قصاص نہیں ہوگا۔ ایک آدمی نے اپنے داماد کو جان بوجھ کر قتل کر دیا جب کہ اس کی بیٹی اس کے عقد میں تھی قصاص ساقط ہو جائے گا۔ اور پس شرط کی بنا پر کہ دونوں کے درمیان شبہ نہ ہو جیسے ولادت، ملک یا جو اس سے عام ہو جس طرح اس کا قول تو مجھے قتل کر دے تو اس نے اسے قتل کر دیا

غلام اپنے آقا کو عمداً قتل کر دے تو اس کا شرعی حکم

34791۔ (قولہ: وَقَالَ أَبُو جَعْفَرٍ يُقْتَلُ) یہ متن کے قول: و جنايته على الراهن والمرتهن معتبرة کے ہاں صراحۃً گزر چکا ہے۔ ''حموی'' نے کہا: کیونکہ قصاص آدمیت کی جہت سے ہے جب کہ اس میں آقا سے اجنبی ہے، ''سائحانی''۔

اگر کوئی شخص اپنے داماد کو عمداً قتل کر دے تو اس کے قصاص کا شرعی حکم

34792۔ (قولہ: لَا قَوَدَ فِيهِ) بلکہ وہ مال کی طرف پھر جائے گا۔ کیونکہ یہ وقف کے لیے زیادہ نافع ہے جس طرح پہلے ''مکی'' سے گزر چکا ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں ہے: شاید اس کی وجہ اس کا ''اشتباہ'' ہے کہ کسے قصاص کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وقف مالک کی ملکیت پر عین کو محبوس کرنا ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ملکیت کے حکم پر اسے محبوس کرنا ہے۔ جو قاتل کو لازم آتا ہے اس سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ شاید وہ قیمت ہو۔ پس اس میں غور و فکر کیا جانا چاہیے۔

میں کہتا ہوں: ''البحر'' کی کتاب الوقف میں کہا: یہ امر مخفی نہیں کہ قیمت واجب ہوگی جس طرح اگر وہ قتل خطا کرے اور متولی اس قیمت کے ساتھ غلام خرید لے اور وہ وقف ہو جائے جس طرح اگر مدبر کو خطاً قتل کر دیا جائے اور آقا اس کی قیمت لے لے تو وہ اس قیمت کے ساتھ غلام خریدے گا اور وہ مدبر ہو جائے گا۔ ''ذخیرہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔

34793۔ (قولہ: قَتَلَ خَتَنَهُ) ختن ہر اس رشتے دار کو کہتے ہیں جو عورت کی جانب سے رشتہ دار ہو جیسے باپ اور بھائی۔ عربوں کے ہاں یہ اسی طرح ہے۔ عام علما کے نزدیک اس کی بیٹی کا خاوند ہے۔ یہاں مراد دوسری تعبیر ہے۔

34794۔ (قولہ: سَقَطَ الْقَوَدُ) کیونکہ وہ اپنے باپ کے خلاف قصاص کی وارث بنی ہے۔

میں کہتا ہوں: بلکہ ابتداءً اس کے لیے قصاص ثابت ہوا ہے وراثت کے طور پر ثابت نہیں ہوا جس طرح شارح نے ''صدر الشریعہ'' پر اعتراض کیا ہے اس قول میں جو مصنف کے قول: و يسقط قود ورثه على ابيه کے ہاں آئے گا۔

34795۔ (قولہ: أَوْ أَعَمَّ كَقَوْلِهِ أُقْتُلْنِي) یہ قول بعض نسخوں سے ساقط ہے اور بعض نسخوں میں ہے او اعم کی جگہ او امرہ ہے جب کہ یہ اولیٰ ہے فصل کے آخر میں عنقریب آئے گا: انه تجب الدية في ماله في الصحيح۔

كَمَا سَيَجِيءُ (فَيُقْتَلُ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَبِالْعَبْدِ) غَيْرِ الْوَقْفِ كَمَا مَرَّ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ وَلَنَا إطْلَاقُ قَوْلِهِ تَعَالَى أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ فَإِنَّهُ نَاسِخٌ لِقَوْلِهِ تَعَالَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ الْآيَةَ كَمَا رَوَاهُ السُّيُوطِيُّ فِي الدُّرِّ الْمَنْثُورِ عَنْ النَّحَّاسِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلَى أَنَّهُ تَخْصِيصٌ بِالذِّكْرِ فَلَا يَنْفِي مَا عَدَاهُ كَيْفَ وَلَوْ دَلَّ لَوَجَبَ أَنْ لَا يُقْتَلَ الذَّكَرُ بِالْأُنْثَى وَلَا قَائِلَ بِهِ قِيلَ وَلَا الْحُرُّ بِالْعَبْدِ

جس طرح اس کا ذکر آئے گا۔ پس آزاد کو آزاد کے بدلے میں اور غلام کے بدلے میں جو وقف کا نہ ہو قتل کیا جائے گا جس طرح گزر چکا ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کے ارشاد نفس کے بدلے نفس ہے، کا اطلاق ہے۔ کیونکہ یہ ارشاد باری تعالیٰ: الحر بالحر، آزاد کے بدلے آزاد کے لیے ناسخ ہے جس طرح امام ''سیوطی'' نے ''الدر المنثور'' میں ''نحاس'' سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے اس شرط پر کہ تخصیص بالذکر ہے۔ پس یہ ماعدا کی نفی نہیں کرتی اگر یہ دلالت کرے تو یہ واجب آئے گا کہ مذکر کو مونث کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے گا جب کہ اس قول کا کوئی قائل نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: اور نہ ہی آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل کیا جائے

34796۔ (قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی تینوں مسائل اس فصل میں متن میں آئیں گے۔

آزاد کو غلام کے بدلے قتل کرنے کے حکم میں امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

34797۔ (قولہ: خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ) امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غلام کے بدلے میں آزاد کو نہیں قتل کیا جائے گا۔

احناف کا موقف اور اس کی دلیل

34798۔ (قولہ: أَنَّ النَّفْسَ) یہ ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ (المائدہ:45) کا معمول ہے۔

34799۔ (قولہ: عَلَى أَنَّهُ تَخْصِيصٌ بِالذِّكْرِ) آیت میں اختصار آزاد پر ہے اور یہ اس کا بعض ہے جس کو اللہ تعالیٰ کا فرمان: ان النفس بالنفس شامل ہے۔ یہ غلام سے حکم کی نفی کا تقاضا نہیں کرتا۔ پس یہ اس مقابلہ کی طرح ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: الانثی بالانثی، اور مذکر مونث کے مقابلہ میں قتل کو ممنوع قرار نہیں دیا گیا۔ ''زیلعی'' نے کہا: انثی کے مقابل انثی کا آنا یہ آزاد اور لونڈی کے درمیان قصاص کے جاری ہونے پر دلیل ہے۔

34800۔ (قولہ: وَلَا الْحُرُّ بِالْعَبْدِ) صحیح یہ قول ہے: ولا العبد بالحر جس طرح ''المنح'' میں ہے، ''ح''۔ یعنی امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض میں یہ کہا گیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فرمان اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ (البقرہ:178) اس امر پر دال ہوتا کہ آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کا خصوصاً ذکر کیا ہے تو واجب آئے گا کہ غلام آزاد کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے۔

وَرُدَّ بِدُخُولِهِ بِالْأَوْلَى وَلِأَبِي الْفَتْحِ الْبُسْتِيِّ نَظْمًا قَوْلُهُ

خُذُوا بِدَمِي هَذَا الْغَزَالَ فَإِنَّهُ رَمَانِي بِسَهْمَيْ مُقْلَتَيْهِ عَلَى عَمْدٍ

وَلَا تَقْتُلُوهُ إِنَّنِي أَنَا عَبْدُهُ وَلَمْ أَرَ حُرًّا قَطُّ يُقْتَلُ بِالْعَبْدِ

فَأَجَابَهُ بَعْضُ الْحَنَفِيَّةِ رَادًّا عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ

خُذُوا بِدَمِي مَنْ رَامَ قَتْلِي بِلَحْظِهِ وَلَمْ يَخْشَ بَطْشَ اللهِ فِي قَاتِلِ الْعَمْدِ

وَقُودُوا بِهِ جَبْرًا وَإِنْ كُنْتُ عَبْدَهُ لِيَعْلَمَ أَنَّ الْحُرَّ يُقْتَلُ بِالْعَبْدِ

اور اس کے بطریق اولیٰ داخل ہونے سے اس کو رد کر دیا گیا ہے۔''ابوالفتح البستی'' کے اشعار ہیں: میرے خون کے بدلے میں اس غزال کو پکڑ لو کیونکہ اس نے جان بوجھ کر مجھے اپنے گوشہ چشم کے دو تیروں سے مار ڈالا ہے۔ تم اس کو قتل نہ کرنا کیونکہ میں اس کا غلام ہوں۔ اور میں نے کبھی آزاد کو نہیں دیکھا کہ اسے غلام کے بدلے میں قتل کیا جاتا ہو۔ بعض حنفیہ نے اس کا رد کرتے ہوئے جواب دیا: اس کو میرے خون کے بدلے میں پکڑ لو جو اپنی نظر سے میرے قتل کا ارادہ کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہ ڈرا جو جان بوجھ کر قتل کرنے والا ہے۔ اس سے زبردستی قصاص لو اگرچہ میں اس کا غلام ہوں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل کیا جاتا ہے۔

34801۔(قولہ: وَرُدَّ) اس قول کو رد کیا گیا ہے۔ کیونکہ جب آزاد کو آزاد کے بدلے میں عبارۃ النص کی وجہ سے قتل کیا جائے گا تو غلام کو آزاد کے بدلے میں بدرجہ اولیٰ دلالۃ النص سے قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ غلام آزاد سے درجہ میں کم ہے جس طرح اف کہنے کی حرمت مارنے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ اعتراض ''صدر الشریعہ'' کی جانب سے ہے۔ اور اس کا رد کرنے والے ''منلا خسرو'' اور ''ابن کمال'' ہیں۔

34802۔(قولہ: وَلِأَبِي الْفَتْحِ الخ) بعض نسخوں سے یہ قول ساقط ہے۔

34803۔(قولہ: خُذُوا بِدَمِي الخ) اس میں محبت کی سچائی کا موجود نہ ہونا ایسا امر ہے جو مخفی نہیں۔

34804۔(قولہ: وَلَا تَقْتُلُوهُ الخ) اس کی ماقبل سے منافات ہے۔ کیونکہ خون کے بدلے پکڑنا یہ قتل کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ صحیح نہیں کہ اسے دیت پر محمول کیا جائے۔ کیونکہ غلام کی دیت آقا پر واجب نہیں ہوتی، ''ط''۔

34805۔(قولہ: وَلَمْ أَرَ حُرًّا قَطُّ يُقْتَلُ بِالْعَبْدِ) بعض نسخوں میں یہ الفاظ ہیں: لا یقتل الحر بالعبد۔

34806۔(قولہ: لِيَعْلَمَ الخ) اس میں ہے کہ آزاد کو اپنے غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جاتا اگر اس نے غیر کے غلام کا ارادہ کیا ہے تو یہ اس قول: وان کنت عبدہ الخ کے مناسب نہیں، ''ح''۔

میں کہتا ہوں: مراد لطیف اسلوب سے حکم کا اظہار کرنا ہے۔ پس اس پر اس جیسے کلام کے ساتھ اعتراض نہ کیا جائے گا ورنہ یہ الزام آئے گا کہ اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ انہوں نے کہا من رام۔ اور قتل کی تصریح نہیں کی۔ اور ایسا قتل جو محض نظر سے

(وَالْمُسْلِمِ بِالذِّمِّيِّ) خِلَافًا لَهُ (لَا هُوَ بِمُسْتَأْمِنٍ بَلْ هُوَ بِمِثْلِهِ قِيَاسًا)

اور مسلمان کو ذمی کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے اور نہ ہی ان دونوں کو مستامن کے بدلے قتل کیا جائے گا بلکہ اس کو اس کی مثل کے بدلے قتل کیا جائے گا۔ یہ قیاس کے طور پر ہے

ہو اس کا قصاص نہیں لیا جاتا۔ کیونکہ اس پر عمد کی تعریف صادق نہیں آتی۔ میں نے ایسے اشعار نظم کیے ہیں جو ادب کے ساتھ طعن سے خالی ہیں اور ساتھ ہی اس امر کی رعایت کی گئی ہے جو حبیب کے لیے محب پر لازم ہوتا ہے۔ میں نے کہا:

دَعُوا مَنْ بِرُمْحِ القدِّ قد قدّ مجهتی و صارمُ لحظٍ سَلّه لی علی عمدٍ

فلا قود فی قتل مولًی لعبدِهٖ وان کان شرعا یقتل الحرُّ بالعبدِ

اس آدمی کو چھوڑ دو جس نے قد کے نیزے کے ساتھ میری روح کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور نظر کی تلوار کو میرے لیے ارادی طور پر سونتنے والا ہے۔

آقا اپنے غلام کو قتل کر دے تو کوئی قصاص نہیں اگرچہ شرعی طور پر یہ آزاد کو غلام کے بدلے قتل کیا جائے گا۔

اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے تو اس کا شرعی حکم

34807۔ (قولہ: وَالْمُسْلِمِ بِالذِّمِّيِّ) کیونکہ کتاب اور سنت کا حکم مطلق ہے۔ حضرت ''ابن سلمانی'' اور حضرت ''ابن منکدر'' کی حدیث ہے: انّ رسولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أُتی برجلٍ مِنَ المسلمینِ قد قَتَلَ مُعاهَدا من اهل الذمة فأُمِربه فضُرِبَ عنقُه و قَالَ اَنَا اَوْلٰی مَنْ وفّٰی بذمّتِہٖ (1)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک مسلمان کو لایا گیا جس نے ایک ذمی کو قتل کیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق حکم دیا اور اس کی گردن اڑا دی گئی اور فرمایا جو اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں وہ ان سب سے اولیٰ ہوں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انہوں نے جزیہ دیا تا کہ ان کے خون ہمارے خون کی طرح ہو جائیں اور ان کے اموال ہمارے اموال کی طرح ہو جائیں۔ اسی وجہ سے اس مسلمان کا ہاتھ کاٹا جائے گا جو ذمی کا مال چوری کرے جب کہ مال کا معاملہ نفس سے زیادہ آسان ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: لا یقتل مومن بکافرٍ ولا ذو عهدٍ فی عهدہٖ (2) کا معنی ہے کسی مومن اور کسی ذمی کو کافر حربی کے مقابلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا اور آپ کا ارشاد ولا ذو عهدٍ یعنی ذمی اس کا عطف مومن پر ہے اگر یہ صحیح ہو کہ ذو عہد کو ذی عہد روایت کیا گیا ہے یعنی حالت جری کے ساتھ ہے تو یہ جر جوار کی وجہ سے ہے یہ دونوں روایتوں میں تطبیق کی بنا پر ہے۔ اس کی مکمل بحث ''زیلعی'' میں ہے۔

34808۔ (قولہ: خِلَافًا لَهُ) یعنی امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے آقا ہیں نے اختلاف کیا ہے۔

34809۔ (قولہ: لَا هُوَ بِمُسْتَأْمِنٍ) یعنی کسی مسلمان اور ذمی کو کسی مستامن کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

1۔ نصب الرایہ، کتاب الجنایات، باب ما یوجب القصاص، جلد 5، صفحہ 88

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الدیات، باب ایقاد المسلم بالکافر، جلد 3، صفحہ 358، حدیث نمبر 3927

لِلْمُسَاوَاةِ لَا اسْتِحْسَانًا لِقِيَامِ الْمُبِيحِ هِدَايَةٌ وَمُجْتَبَى وَدُرَرٌ وَغَيْرُهَا قَالَ الْمُصَنِّفُ وَيَنْبَغِي أَنْ يُعَوَّلَ عَلَى الِاسْتِحْسَانِ لِتَصْرِيحِهِمْ بِالْعَمَلِ بِهِ إلَّا فِي مَسَائِلَ مَضْبُوطَةٍ لَيْسَتْ هَذِهِ مِنْهَا، وَقَدْ اقْتَصَرَ مُنْلَا خُسْرو فِي مَتْنِهِ عَلَى الْقِيَاسِ اهـ، يَعْنِي فَتَبِعَهُ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى عَلَى عَادَتِهِ قُلْت وَيَعْضُدُهُ عَامَّةُ الْمُتُونِ حَتَّى الْمُلْتَقَى (وَ) يُقْتَلُ (الْعَاقِلُ بِالْمَجْنُونِ وَالْبَالِغُ بِالصَّبِيِّ

تاکہ مساوات ثابت ہو نہ کہ استحسان کے طریقہ پر اسے قتل کیا جائے۔ کیونکہ مبیح موجود ہے۔ ''ہدایہ''، ''مجتبیٰ''، ''درر'' وغیر ہا۔ مصنف نے کہا: چاہیے کہ استحسان پر اعتماد کیا جائے۔ کیونکہ علما نے اس کی تصریح کی ہے کہ استحسان پر عمل کیا جائے مگر چند مسائل میں جس کو شمار کر دیا گیا ہے جب کہ یہ ان میں سے نہیں ہے۔ ''منلا خسرو'' نے اپنے متن میں قیاس پر اکتفا کیا ہے۔ مراد ہو گا پس مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عادت کے مطابق ان کی پیروی کی ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کی تائید عام متون یہاں تک کہ ''ملتقی'' کرتی ہے۔ عقلمند کو مجنون، بالغ کو بچے،

کیونکہ ہمیشہ کے لیے اس کا خون محفوظ نہیں۔ کیونکہ وہ واپس لوٹ جائے اور محاربہ کرنے پر عزم رکھتا ہے، ''اختیار''۔

34810۔(قولہ: لِلْمُسَاوَاةِ) یعنی دونوں جو امان لے کر آئے ہیں جان کی حفاظت میں دونوں میں مساوات واقع ہو جائے۔

34811۔(قولہ: لِقِيَامِ الْمُبِيحِ) وہ واپس لوٹ جانے کے ساتھ جنگ پر اس کا عزم ہے۔

34812۔(قولہ: وَيَنْبَغِي أَنْ يُعَوَّلَ عَلَى الِاسْتِحْسَانِ) اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جو ''ہندیہ'' میں ''محیط'' سے مروی ہے کہ یہ ظاہر روایت ہے، ''ط''۔

34813۔(قولہ: وَيَعْضُدُهُ) یعنی قیاس اس کی تائید کرتا ہے۔

34814۔(قولہ: عَامَّةُ الْمُتُونِ) جیسے ''وقایہ''، ''اصلاح'' اور ''غرر'' ہے۔ ''کنز''، ''مجمع''، ''مواہب'' اور ''درر البحار'' میں اس مسئلہ کو ذکر نہیں کیا۔ جہاں تک ''ہدایہ'' میں جو قول ہے وہ یہ ہے: مستامن کو مستامن کے بدلے میں بطور قیاس قتل کیا جائے گا اور اسے بطور استحسان قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس کی مثل ''التبیین'' اور ''جوہرہ'' میں ہے۔ ہاں ''الاختیار'' میں کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ یہی استحسان ہے۔

مرد کو عورت، صحیح کو ناقص کے بدلے میں قتل کرنے کا شرعی حکم

34815۔(قولہ: وَالْبَالِغُ بِالصَّبِيِّ) ایک آدمی نے ایک ایسے بچے کو قتل کر دیا جس کا سر نکل چکا تھا اور اس نے آواز نکالی تو اس پر دیت لازم ہے۔ اگر اس کا نصف بدن سر کے ساتھ نکل چکا تھا یا دونوں قدموں کے ساتھ زیادہ حصہ نکل چکا تھا تو اس میں قصاص لازم ہو گا۔ اس کے اعضا میں سے ایک عضو کے کاٹنے میں یہی حکم ہے۔ ''مجتبیٰ'' اور ''تاتر خانیہ'' نے ''المنتقی'' سے نقل کیا ہے۔

وَالصَّحِيحُ بِالْأَعْمَى وَالزَّمِنِ وَنَاقِصِ الْأَطْرَافِ وَالرَّجُلُ بِالْمَرْأَةِ بِالْإِجْمَاعِ (وَالْفَرْعُ بِأَصْلِهِ وَإِنْ عَلَا لَا بِعَكْسِهِ) خِلَافًا لِمَالِكٍ فِيمَا إذَا ذَبَحَ ابْنَهُ ذَبْحًا أَيْ لَا يُقْتَصُّ الْأُصُولُ وَإِنْ عَلَوْا مُطْلَقًا وَلَوْ إنَاثًا مِنْ قِبَلِ الْأُمِّ فِي نَفْسٍ أَوْ أَطْرَافٍ بِفُرُوعِهِمْ وَإِنْ سَفَلُوا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا يُقَادُ الْوَالِدُ بِوَلَدِهِ وَهُوَ وَصْفٌ مُعَلَّلٌ بِالْجُزْئِيَّةِ فَيَتَعَدَّى لِمَنْ عَلَا؛

صحیح کو اعمی، اپاہج اور ناقص اطراف اور مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ اس پر اجماع ہے۔ فرع کو اس کی اصل کے عوض اگرچہ وہ بہت ہی دور ہو کو قتل کیا جائے گا اس کے برعکس نہیں ہو گا۔ امام ''مالک'' نے اس میں اس صورت میں اختلاف کیا ہے جب وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دے یعنی اصول سے قصاص نہیں لیا جائے گا اگرچہ وہ بہت ہی دور ہوں۔ اگرچہ ماں کی جانب سے مؤنث ہوں۔ یہ قصاص نفس میں ہو گا یا طرف میں جوان کے فروع کے بدلے میں ہوا اگرچہ فروع بہت ہی نیچے چلے جائیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: والد سے اس کے بچے کے عوض قصاص نہ لیا جائے گا۔ یہ ایسا وصف ہے جس کی علت جزئیت سے بیان کی گئی ہے۔ پس یہ متعدی ہو گا اس کی طرف جو دور ہے۔

34816۔ (قولہ: وَالصَّحِيحُ) ''ابن کمال'' نے لفظ سالم سے اس کو تعبیر کیا ہے۔ پھر کہا: لم یقل والصحیح۔ کیونکہ اعمی میں مفقود سلامتی ہے صحت مفقود نہیں ہے۔ اسی وجہ سے عینین کی سلامتی کے ذکر کی ضرورت ہے جب کہ باب الجمعہ میں صحت کا ذکر کیا ہے۔

34817۔ (قولہ: وَالزَّمِنِ) اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے مرض کا زمانہ طویل ہو گیا ہے، ''مغرب''۔

34818۔ (قولہ: وَنَاقِصِ الْأَطْرَافِ) کیونکہ عمومات گزر چکی ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے اگر ہم عصمت کے علاوہ میں تفاوت کا اعتبار کریں جیسے اطراف اور اوصاف تو قصاص ممتنع ہو جائے گا اور یہ باہم قتال اور باہم غبن کی طرف ہمیں لے جائے گا، ''اختیار''۔

یہاں تک کہ اگر ایک آدمی ایک ایسے آدمی کو قتل کر دے جس کے ہاتھ، پاؤں، کان، شرمگاہ کٹے ہوئے ہوں اور اس کی دونوں آنکھیں مفقود ہوں تو قصاص واجب ہو گا جب وہ قتل عمد ہو۔ ''جوہرہ'' نے ''خجندی'' سے نقل کیا ہے۔

اصول کو فروع کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا

34819۔ (قولہ: لَا بِعَكْسِهِ) اس قول میں صحیح با کا حذف ہے۔

34820۔ (قولہ: أَيْ لَا يُقْتَصُّ الخ) یہ ان کے قول لا بعکسہ کی تفسیر ہے۔

34821۔ (قولہ: وَلَوْ إنَاثًا مِنْ قِبَلِ الْأُمِّ) یہ اطلاق کی تفسیر ہے تو باپ یا ماں کی جانب سے جدا ہو گا یعنی نانا اور دادا اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اگرچہ وہ بہت ہی اوپر چلا جائے۔ اسی طرح دادیاں اور نانیاں ہیں۔

34822۔ (قولہ: بِفُرُوعِهِمْ) یہ ان کے قول لا یقتص کے متعلق ہے۔

لِأَنَّهُمْ أَسْبَابٌ فِي إِحْيَائِهِ فَلَا يَكُونُ سَبَبًا لِإِفْنَائِهِمْ، وَحِينَئِذٍ فَتَجِبُ الدِّيَةُ فِي مَالِ الْأَبِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ: لِأَنَّ هَذَا عَمْدٌ وَالْعَاقِلَةُ لَا تَعْقِلُ الْعَمْدَ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ تَجِبُ حَالَّةً كَبَدَلِ الصُّلْحِ زَيْلَعِيٌّ وَجَوْهَرَةٌ، وَسَيَجِيءُ فِي الْمَعَاقِلِ وَفِي الْمُلْتَقَى وَلَا قِصَاصَ عَلَى شَرِيكِ الْأَبِ أَوْ الْمَوْلَى أَوْ الْمُخْطِئِ أَوْ الصَّبِيِّ أَوْ الْمَجْنُونِ وَكُلِّ مَنْ لَا يَجِبُ الْقِصَاصُ بِقَتْلِهِ لِمَا تَقَرَّرَ مِنْ عَدَمِ تَجَزِّي الْقِصَاصِ فَلَا يُقْتَلُ الْعَامِدُ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ بُرْهَانٌ (وَلَا سَيِّدٌ بِعَبْدِهِ) أَيْ بِعَبْدِ نَفْسِهِ (وَمُدَبَّرِهِ وَمُكَاتَبِهِ وَعَبْدِ وَلَدِهِ)

کیونکہ وہ سب اس کی زندگی میں اسباب ہیں۔ پس یہ ان کے فنا کا سبب نہیں ہوگا اس وقت باپ کے مال میں تین سالوں میں دیت واجب ہوگی۔ کیونکہ یہ عمد ہے اور عاقلہ پر عمد کی دیت لازم نہیں ہوتی۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: یہ فی الوقت واجب ہوگا جس طرح بدل صلح ہوتا ہے ''زیلعی''، ''جوہرہ''۔ معاقل میں یہ آئے گا۔ ''ملتقی'' میں ہے: باپ، آقا، مخطی، بچے یا مجنون کے شریک پر کوئی قصاص نہیں اور ہر وہ شخص جس کے قتل سے قصاص واجب نہیں ہوتا اس پر قصاص نہیں۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قصاص تقسیم کو قبول نہیں کرتا۔ پس ہمارے نزدیک جان بوجھ کر قتل کرنے والے کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور اپنے غلام، اپنے مدبر، اپنے مکاتب اور اپنے بچے کے غلام کو قتل کرنے والے پر قصاص نہیں۔

34823۔ (قولہ: فَلَا يَكُونُ سَبَبًا لِإِفْنَائِهِمْ) یعنی کلی طور پر اور جزوی طور پر تاکہ اطراف اس میں داخل ہو جائیں۔ فافہم

34824۔ (قولہ: وَفِي الْمُلْتَقَى الخ) ''جوہرہ'' میں کہا: اگر انسان کے قتل میں دو آدمی شریک ہو جائیں ان میں سے ایک پر قصاص واجب ہوتا ہے اگر وہ اکیلا ہوتا اور دوسرے پر قصاص واجب نہیں ہوتا جیسے اجنبی اور باپ، خطا کرنے والا اور جان بوجھ کر قتل کرنے والا یا دونوں میں سے ایک تلوار کے ساتھ قتل کرے اور دوسرا ڈنڈے کے ساتھ قتل کرے تو اس پر قصاص واجب نہیں ہوگا اور دیت واجب ہو جائے گی۔ وہ آدمی جس پر قصاص واجب نہیں ہوتا اگر وہ اکیلا ہوتا تو دیت اس کی عاقلہ پر واجب ہوگی جیسے خاطی ہے۔ وہ آدمی جس پر قصاص واجب ہوتا ہے اگر وہ اکیلا ہو تو اس کے مال میں دیت واجب ہوگی۔ یہ باپ کے شریک کے علاوہ میں ہے۔ جہاں تک باپ اور اجنبی کا معاملہ ہے جب وہ دونوں قتل میں شریک ہوں تو دیت ان دونوں کے مال میں واجب ہوگی۔ کیونکہ باپ اگر اکیلا ہو تو دیت اس کے مال میں واجب ہوتی ہے۔ اس کی مکمل بحث آنے والے باب کے آخر میں آئے گی۔

اپنے غلام، مدبر، مکاتب اور بچے کے غلام کو قتل کرنے والے پر قصاص نہیں

34825۔ (قولہ: وَلَا سَيِّدٌ بِعَبْدِهِ الخ) کیونکہ اس کا غلام اس کا مال ہے۔ پس وہ اپنے خلاف مطالبہ کا مستحق نہیں ہوگا۔ مدبر مملوک ہے اور مکاتب رقیق ہوتا ہے جب تک اس پر درہم موجود ہو۔ اس کے بچے کا غلام اس کی ملک کے حکم میں

هٰذَا دَاخِلٌ تَحْتَ قَوْلِهِمْ وَمَنْ مَلَكَ قِصَاصًا عَلَى أَبِيهِ سَقَطَ كَمَا سَيَجِيءُ (وَلَا بِعَبْدٍ يَمْلِكُ بَعْضَهُ)؛ لِأَنَّ الْقِصَاصَ لَا يَتَجَزَّأُ (وَلَا بِعَبْدِ الرَّهْنِ حَتَّى يَجْتَمِعَ الْعَاقِدَانِ) وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا قَوَدَ وَإِنْ اجْتَمَعَا جَوْهَرَةٌ، وَعَلَيْهِ يُحْمَلُ مَا فِي الدُّرَرِ مَعْزِيًّا لِلْكَافِي كَمَا فِي الْمِنَحِ، لَكِنْ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ عَنِ الظَّهِيرِيَّةِ أَنَّهُ أَقْرَبُ إِلَى الْفِقْهِ

یہ ان کے قول: ومن ملك قصاصا علی ابیه سقط کے تحت داخل ہے جس طرح عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔ اور نہ اپنے ایسے غلام کے قتل کرنے سے قصاص لازم ہوگا جس کے بعض کا مالک ہو۔ کیونکہ قصاص تقسیم کو قبول نہیں کرتا۔ اور نہ ہی رہن کے غلام کو قتل کرنے سے قصاص لازم ہوگا یہاں تک کہ دونوں عقد کرنے والے جمع ہو جائیں۔ امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کوئی قصاص نہیں اگرچہ دونوں جمع ہو جائیں "جوہرہ"۔ اس پر اسے محمول کیا جائے گا جو "الدرر" میں ہے جب کہ "کافی" کی طرف منسوب ہے جس طرح "المنح" میں ہے۔ لیکن "شرنبلالیہ" میں "الظہیریہ" سے مروی ہے: یہ فقہ کے زیادہ قریب ہے۔

ہوتا ہے۔ کیونکہ حدیث طیبہ ہے: انت و مالك لابيك(1) تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ لیکن ان تمام صورتوں میں کفارہ لازم ہوگا۔ جس طرح "جوہرہ" میں ہے۔

34826۔ (قوله: هٰذَا) یعنی ان کا قول وعبد ولده اور اس سے علت بیان کرنے کا ارادہ کیا ہے۔

34827۔ (قوله: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی عنقریب آئے گا۔

34828۔ (قوله: وَلَا بِعَبْدِ الرَّهْنِ) یعنی رہن کا جو غلام ہوگا اس کے قاتل کو قتل نہیں کہا جائے گا یہاں تک کہ راہن اور مرتہن جمع ہو جائیں۔ کیونکہ یہ مرتہن کی ملکیت نہیں ہوتا۔ پس وہ قصاص کا مالک نہیں ہوتا اور راہن اگر قصاص کا والی بنے تو رہن میں مرتہن کا حق باطل ہو جاتا ہے۔ پس دونوں کا اجتماع شرط ہوتا ہے تاکہ اسکی رضامندی سے مرتہن کا حق ساقط ہو جائے "درر"۔

اس میں ہے: مرتہن کا حق وصول کرنا یہ رہن کے ہلاک ہونے سے مکمل ہو گیا ہے۔ پس اس کے حق کے ساقط ہونے کے بعد اس کی رضامندی کا کیا سبب ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا کہ حق کو وصول کرنا یہ ثابت نہیں۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ قصاص نہ لیا جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ یا تو صلح واقع ہو جائے یا شبہ بالقتل کا دعویٰ کیا جائے تو وہ قتل خطا ہو جائے "ط"۔

34829۔ (قوله: وَعَلَيْهِ) یعنی امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اسے محمول کیا جائے جو قول "الدرر" میں ہے کہ اس میں قصاص نہیں اگرچہ دونوں اتفاق کرلیں۔

34830۔ (قوله: أَنَّهُ) یعنی جو قول "الدرر" میں ہے وہ فقہ کے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ جس کو طلب کا حق ہے اس کے لیے اشتباہ ہو جیسے مکاتب ہے جس نے اتنا مال چھوڑا جو اس کے بدل کتابت کے لیے کافی ہے اور وہ وارث (بھی)

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب ماللرجل من مال ولدہ، جلد 2، صفحہ 67، حدیث نمبر 2281

بَقِیَ لَوِ اخْتَلَفَا فَلَهُمَا الْقِیمَةُ تَکُونُ رَهْنًا مَکَانَهُ، وَلَوْ قُتِلَ عَبْدُ الْإِجَارَةِ فَالْقَوَدُ لِلْمُؤَجِّرِ وَأَمَّا الْمَبِیعُ إِذَا قُتِلَ فِی یَدِ بَائِعِهِ قَبْلَ الْقَبْضِ، فَإِنْ أَجَازَ الْمُشْتَرِی الْبَیْعَ فَالْقَوَدُ لَهُ، وَإِنْ رَدَّهُ فَلِلْبَائِعِ الْقَوَدُ، وَقِیلَ الْقِیمَةُ جَوْهَرَةٌ (وَلَا بِمُکَاتَبٍ) وَکَذَا ابْنِهِ وَعَبْدِهِ شُرُنْبُلَالِیَّةٌ (قُتِلَ عَمْدًا) لَا حَاجَةَ لِقَیْدِ الْعَمْدِ؛ لِأَنَّهُ شَرْطٌ فِی کُلِّ قَوَدٍ

یہ صورت باقی رہ گئی ہے اگر دونوں اختلاف کریں تو ان دونوں کے لیے قیمت ہوگی جو اس کی جگہ رہن ہوگی۔ اگر اجارہ کا غلام قتل کیا گیا تو قصاص کا حق موجر کے لیے ہوگا۔ جہاں تک مبیع کا تعلق ہے جب قبضہ سے پہلے اس کے بائع کے ہاتھ میں قتل کیا گیا اگر مشتری بیع کو جائز قرار دے تو قصاص اس کا حق ہوگا اگر وہ مبیع کو رد کر دے تو بائع کو قصاص لینے کا حق ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بائع کے لیے قیمت ہوگی ''جوہرہ'' اور نہ ہی مکاتب کا قصاص لینے کا حق ہوگا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا جب مکاتب کا بیٹا اور اس کا غلام قتل کیا گیا ہو ''شرنبلالیہ''۔ جسے جان بوجھ کر قتل کیا گیا ہو یہاں عمد کی قید لگانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ ہر قصاص میں شرط ہے

چھوڑتا ہے۔ لیکن ''زیلعی'' نے کہا: دونوں میں فرق ظاہر ہے۔ کیونکہ مرتہن قصاص کا مستحق نہیں۔ کیونکہ رہن میں نہ اس کی ملکیت ہے اور نہ ہی اس کے لیے ولاء ہے۔ پس جس کے لیے حق ثابت ہے اس کے ساتھ کوئی شبہ نہیں۔ مکاتب کا معاملہ مختلف ہے۔ جس طرح آگے آئے گا''۔

34831۔ (قولہ: بَقِیَ لَوِ اخْتَلَفَا) یعنی دونوں میں سے ایک نے قصاص کا مطالبہ کیا اور دوسرے نے دیت کا مطالبہ کیا یہ ان کے قول حتی یجتمع العاقدان سے احتراز ہے۔

34832۔ (قولہ: فَالْقَوَدُ لِلْمُؤَجِّرِ) کیونکہ وہ مالک ہے اور مستاجر کا اس میں کوئی حق نہیں اور نہ ہی اس کے بدل میں اس کا حق ہے۔

34833۔ (قولہ: فَإِنْ أَجَازَ الْمُشْتَرِی الْبَیْعَ) یعنی اس کے مال پر اسے جاری کیا اور اس کے فسخ کو اختیار نہیں کیا اور ثمن کا مطالبہ بائع سے ہوگا۔ کیونکہ وہ موقوف نہیں ورنہ اس کے ہلاک ہونے کے بعد اجازت صحیح نہ ہوگی، تامل۔

34834۔ (قولہ: فَالْقَوَدُ لَهُ) یعنی قصاص لینے کا حق مشتری کو حاصل ہوگا کیونکہ وہی مالک ہے، ''زیلعی''۔

34835۔ (قولہ: وَإِنْ رَدَّهُ) یعنی بیع کو فسخ کر دے اور ثمن کا مطالبہ کرے۔

34836۔ (قولہ: فَلِلْبَائِعِ الْقَوَدُ) کیونکہ بیع ختم ہو چکی ہے اور یہ امر ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ مالک ہے، ''زیلعی''۔

34837۔ (قولہ: وَقِیلَ الْقِیمَةُ) یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ کیونکہ زخمی ہونے کے وقت اس کے لیے قصاص ثابت نہیں کیونکہ ملک مشتری کے لیے ہے، ''جوہرہ''۔

34838۔ (قولہ: وَکَذَا ابْنِهِ وَعَبْدِهِ) ضمیر مکاتب کے لیے ہے۔

(عَنْ وَفَاءٍ وَوَارِثٍ وَسَيِّدٍ وَإِنْ اجْتَمَعَا) لِاخْتِلَافِ الصَّحَابَةِ فِي مَوْتِهِ حُرًّا أَوْ رَقِيقًا فَاشْتَبَهَ الْوَلِيُّ فَارْتَفَعَ الْقَوَدُ (فَإِنْ لَمْ يَدَعْ وَارِثًا غَيْرَ سَيِّدِهِ سَوَاءٌ تَرَكَ وَفَاءً أَوْ لَا أَوْ تَرَكَ وَارِثًا وَلَا وَفَاءً أَقَادَ سَيِّدُهُ) لِتَعَيُّنِهِ وَفِي أُولَى الصُّوَرِ الْأَرْبَعِ خِلَافُ مُحَمَّدٍ

وہ مکاتب اتنا مال چھوڑ کر مرجائے۔ جو بدل کتابت کے لیے کافی ہو اور وارث اور آقا چھوڑ کر مرجائے اگرچہ دونوں اتفاق کر لیں۔ کیونکہ صحابہ کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ وہ آزاد کی حیثیت سے مرا ہو یا غلام کی حیثیت سے مرا ہو پس ولی میں اشتباہ پیدا ہو گیا اور قصاص اٹھ گیا اگر وہ اپنے آقا کے علاوہ کوئی وارث نہ چھوڑے خواہ وہ اتنا مال چھوڑ جائے جو اس کے بدل کتابت کو کافی ہو یا اتنا مال نہ چھوڑ جائے یا وہ وارث چھوڑ جائے اور اتنا مال نہ چھوڑے جو اس کے بدل کتابت کو کافی ہو تو اس کا آقا قصاص میں لے گا۔ کیونکہ وہ متعین ہو چکا ہے۔ پہلی چار صورتوں میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔

34839۔ (قولہ: عَنْ وَفَاءٍ) یعنی اتنا مال جو بدل کتابت کو کافی ہو۔

34840۔ (قولہ: فَاشْتَبَهَ الْوَلِيُّ) اگر ہم کہیں وہ آزاد کی حیثیت سے مرا ہے تو ولی اس کا وارث ہو گا یا رقیق کی حیثیت سے مرا ہے تو اس کا آقا وارث ہوگا۔

34841۔ (قولہ: لِتَعَيُّنِهِ) یعنی تینوں صورتوں میں ولی متعین ہو چکا ہے جو سید ہے۔

34842۔ (قولہ: وَفِي أُولَى الصُّوَرِ الْأَرْبَعِ) یہ سبقت قلم ہے اس میں انہوں نے ''ابن کمال'' کی پیروی کی ہے۔ ''حلبی'' نے کہا: صحیح یہ ہے ثانیۃ الصور الاربع، وہ یہ صورت ہے جب وہ اپنے آقا کے سوا کوئی وارث نہ چھوڑے اور اتنا مال چھوڑ جائے جو اس کے بدل کو کافی ہو۔ کیونکہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف اسی صورت میں ہے جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔

امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے حق وصول کرنے کا سبب مشتبہ ہو گیا ہے۔ بے شک ولا اس کی ہو گی اگر وہ آزاد کی حیثیت سے مرجائے اور ملک اس کی ہو گی اگر غلام کی حیثیت سے مرجائے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ دونوں تقدیروں کی صورت میں حق وصول کرنے کا اختیار یقینی طور پر آقا کا ہوگا۔

پھر جان لو کہ قصاص چوتھی صورت میں ہے۔ یہ وہ صورت ہے جب وہ ایک وارث چھوڑے اور اس نے اتنا مال نہ چھوڑا ہو جو بدل کتابت کے لیے کافی ہو۔ ''شیخ الاسلام'' نے اس کی قید ذکر کی ہے جس طرح ''کفایہ'' میں ہے۔ جب اس کی قیمت میں بدل کتابت بھی پورا نہ ہوتا ہو اگر اس میں بدل کتابت پورا ہو جاتا ہو تو قصاص نہیں ہو گا اور قاتل پر اس کے مال میں قیمت واجب ہو گی۔ کیونکہ قتل عمد کا حکم اگرچہ قصاص ہے مگر قاتل کی رضامندی کے بغیر مال کی طرف عدول جائز ہے۔ یہ اس آدمی کے حق کی رعایت کی وجہ سے ہے جس کے لیے قصاص ثابت ہے جس طرح جب قاطع کا ہاتھ شل ہو تو جس کا ہاتھ کاٹا گیا ہو اس کو مال کی طرف عدول کرنا جائز ہے جب کہ کاٹنے والا راضی نہ ہو۔ یہ اس کے حق کی رعایت کی بنا پر ہے جب اس کے حق کی مثل کامل اس پر واجب نہ ہو۔ اسی طرح یہاں صورتحال ہو گی۔ کیونکہ قیمت اس کے لیے زیادہ نافع ہے۔ کیونکہ جب قیمت

(وَيَسْقُطُ قَوَدٌ) قَدْ (وَرِثَهُ عَلَى أَبِيهِ) أَيْ أَصْلِهِ؛ لِأَنَّ الْفَرْعَ لَا يَسْتَوْجِبُ الْعُقُوبَةَ عَلَى أَصْلِهِ وَصُورَةُ الْمَسْأَلَةِ فِيمَا إذَا قَتَلَ الْأَبُ أَبَ امْرَأَتِهِ مَثَلًا وَلَا وَارِثَ لَهُ غَيْرُهَا ثُمَّ مَاتَتْ الْمَرْأَةُ

اور وہ قصاص ساقط ہو جائے گا جس میں کوئی اپنے باپ پر قصاص کا وارث ہو۔ باپ سے مراد اس کی اصل ہے۔ کیونکہ فرع اپنی اصل کے خلاف عقوبت کا مستحق نہیں ہوتا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جب باپ نے اپنی بیوی کے باپ کو مثلاً قتل کیا جب کہ اس کا اس عورت کے سوا کوئی وارث نہیں۔ پھر بیوی مرگئی

سے وہ بدل ادا کر دے گا تو اس کی آزادی اور اس کی اولاد کی آزادی کا حکم لگا دیا جائے گا۔ اور غلام کی موت کی وجہ سے قصاص کا حکم لگایا جائے گا اور اس سے کوئی نفع حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ پس قیمت کے واجب ہونے کا قول زیادہ مناسب ہے ''الدر المنتقی'' اور ''قہستانی'' میں اس کو ثابت رکھا ہے۔

فرع اپنی اصل کے خلاف عقوبت کا مستحق نہیں ہوتا

34843۔(قولہ: وَرِثَهُ عَلَى أَبِيهِ) یعنی وہ اپنے باپ کے خلاف وراثت کا مستحق بن گیا، ''قہستانی''۔ پس یہ قول اس کو شامل ہوگا کہ وہ ابتداءً اس کے لیے ثابت ہو۔ شارح کا اس سے پہلے قول: ومن ملك قصاصا الخ اس کی موافقت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ آنے والا اعتراض ختم ہو جائے گا۔ لیکن اس میں ہے کہ فرع کے لیے اپنی اصل کے خلاف قصاص کے ثبوت کی صورت ابتداءً ہو یہ ان کے قول لا بعكسه میں گزر چکا ہے۔ اسی وجہ سے یہاں انہوں نے اس کو لیث سے ثابت کیا ہے، فتدبر۔

34844۔(قولہ: أَيْ أَصْلِهِ) کیونکہ ''الخانیہ'' میں ہے: اگر مقتول کے ورثا میں قاتل کا لڑکا یا اس کا پوتا ہوا گرچہ وہ بہت نیچے چلا جائے تو قصاص باطل ہو جائے گا اور دیت واجب ہوگی۔

34845۔(قولہ: مثلا) یعنی یا اس کا بھائی ہو یا اس کا اس کے علاوہ سے بیٹا ہو۔

34846۔(قولہ: ثُمَّ مَاتَتْ الْمَرْأَةُ) اسی طرح علما نے اس کو مطلق ذکر کیا ہے۔ چاہیے کہ اس عورت کی موت اس کے بعد ہو جب قاتل خاوند نے اسے طلاق بائنہ دے دی ہو یہاں تک کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ علت یہ ہے کہ اس کا بیٹا اس کے خلاف قصاص کا وارث بنتا ہے ورنہ وہ خاوند قاتل اس عورت کے جز کا وارث ہوگا۔ پس اس سے قصاص اس طریقہ سے بھی ساقط ہو جائے گا۔

''تاتر خانیہ'' میں ہے: تین بھائی ہیں ان میں سے ایک نے اپنے باپ کو جان بوجھ کر قتل کیا تو باقی ماندہ دو کو اس کے قتل کرنے کا حق ہوگا۔ اگر ان دونوں میں سے ایک مر جائے تو تیسرے کو قتل کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ قاتل میت کے حصہ میں سے ایک جز کا وارث ہے اور وہ حصہ قصاص ہے۔ پس وہ حصہ ساقط ہو جائے گا اور دوسرے کا حصہ مال کی طرف پھر جائے گا۔ پس اس کے دوسرے کے لیے دیت کے چار حصوں میں سے تین حصے لازم ہوں گے۔ یہ اس کے مال میں سے تین سالوں میں لازم ہوں گے، ملخص۔

فَإِنَّ ابْنَهَا مِنْهُ يَرِثُ الْقَوَدَ الْوَاجِبَ عَلَى أَبِيهِ فَسَقَطَ لِمَا ذَكَرْنَا وَأَمَّا تَصْوِيرُ صَدْرِ الشَّرِيعَةِ فَثُبُوتُهُ فِيهِ لِلِابْنِ ابْتِدَاءً لَا إِرْثًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَإِنْ اتَّحَدَ الْحُكْمُ كَمَا لَا يَخْفَى وَفِي الْجَوْهَرَةِ لَوْ عَفَا الْمَجْرُوحُ أَوْ وَارِثُهُ قَبْلَ مَوْتِهِ صَحَّ اسْتِحْسَانًا

تو اس عورت کا اس قاتل سے بیٹا اس قصاص کا وارث بنتا ہے جو اس کے باپ پر واجب ہوتا ہے۔ پس وہ قصاص ساقط ہو جائے گا اس دلیل کی وجہ سے جسے ہم نے ذکر کیا ہے۔ جہاں تک ''صدرالشریعہ'' نے صورت بیان کی ہے تو اس میں بیٹے کے لیے ثبوت ابتداءً ہے وراثۃً نہیں۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اگرچہ حکم ایک ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ ''جوہرہ'' میں ہے: اگر مجروح یا اس کے وارث نے اس کی موت سے پہلے قصاص معاف کر دیا تو بطور استحسان یہ صحیح ہوگا۔

''قہستانی'' میں ہے: دو حقیقی بھائیوں میں سے ایک نے اپنے باپ کو جان بوجھ کر قتل کر دیا اور دوسرے نے اپنی ماں کو قتل کر دیا تو پہلے کو حق حاصل ہوگا کہ دوسرے کو ماں کے عوض میں قتل کر دے اور پہلے سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ ماں کی جانب سے اپنے قصاص میں سے آٹھویں حصہ کا مالک بن گیا تو اتنی مقدار اس سے ساقط ہو گئی اور باقی ماندہ مال ہو گیا تو دوسرے بھائی کے وارث رہن کے آٹھ حصوں میں سے سات کی چٹی بھریں گے۔ اس کی مکمل وضاحت اس میں ہے۔

34847۔ (قولہ: وَأَمَّا تَصْوِيرُ صَدْرِ الشَّرِيعَةِ) کیونکہ انہوں نے کہا: جب باپ کسی شخص کو قتل کرے اور قاتل کا بیٹا قصاص کا والی بنے تو وہ ساقط ہو جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی ماں کو جان بوجھ کر قتل کرے یا اپنے بیٹے کے ماں کی جانب سے بھائی کو قتل کر دے، ''جوہرہ''۔

34848۔ (قولہ: فَثُبُوتُهُ فِيهِ لِلِابْنِ ابْتِدَاءً لَا إِرْثًا) اس کی دلیل یہ ہے کہ مورث کی موت سے پہلے وارث کا معاف کرنا صحیح ہے اور مورث موت کے بعد قصاص کا مالک ہوتا ہے جب کہ وہ اس وقت تملیک کا اہل نہیں ہوتا۔ پس وارث کے لیے ابتداءً یہ حق ثابت ہوگا، ''جوہرہ''۔

پھر اس کا یہ جواب دیا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک وراثت کے طریقہ پر یہ امر ثابت ہوتا ہے۔

''المجتبیٰ'' میں یہ جواب دیا ہے کہ قصاص کا اولاً مستحق مقتول ہوتا ہے۔ پھر وارث کے لیے یہ حق بطریق خلافت اور بطریق وراثت ثابت ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مجروح جب معاف کرے تو قصاص ثابت ہوگا اگر وہ ابتداءً اس کے لیے ثابت نہ ہو تو اس کے معاف کرنے سے وہ قصاص ثابت نہیں ہوگا، تامل۔

اگر مجروح یا اس کا وارث اس کی موت سے پہلے معاف کر دے تو اس کا حکم

34849۔ (قولہ: لَوْ عَفَا الْمَجْرُوحُ الخ) اس سے آزاد کا ارادہ کیا۔ کیونکہ غلام کا معاف کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ قصاص اس کے آقا کا حق ہے اس کا حق نہیں۔ ''شرنبلالیہ'' نے ''بدائع'' سے نقل کیا ہے۔ پھر یہ واضح نہیں کیا کہ کیا یہ زخم سے معافی یا زخم اور جو اس سے امر واقع ہو اس سے معافی یا جنایت سے معافی ہے؟ کیا یہ عمد میں ہے یا خطا میں ہے؟ کیا جنایت کرنے والے

لِانْعِقَادِ السَّبَبِ لَهُمَا (لَا قَوَدَ بِقَتْلِ مُسْلِمٍ مُسْلِمًا ظَنَّهُ مُشْرِكًا بَيْنَ الصَّفَّيْنِ) لِمَا مَرَّ أَنَّهُ مِنَ الْخَطَإِ وَإِنَّمَا أَعَادَهُ لِيُبَيِّنَ مُوجَبَهُ بِقَوْلِهِ (بَلْ) الْقَاتِلُ (عَلَيْهِ كَفَّارَةٌ وَدِيَةٌ) قَالُوا هَذَا إِذَا اخْتَلَطُوا، فَإِنْ كَانَ فِي صَفِّ الْمُشْرِكِينَ لَا يَجِبُ شَيْءٌ لِسُقُوطِ عِصْمَتِهِ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ قُلْت

کیونکہ دونوں کے لیے سبب منعقد ہو چکا ہے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو قتل کر دے جس نے اس سے دوصفوں کے درمیان مشرک گمان کیا ہو۔ کیونکہ یہ قول گزر چکا ہے کہ یہ قتل خطا میں سے ہے اسے دوبارہ ذکر کیا ہے تا کہ اس کا حکم اس قول کے ساتھ بیان کرے بلکہ قاتل پر کفارہ اور دیت ہوگی۔ علما نے کہا: جب وہ لوگ خلط ملط ہوں اگر وہ مشرکوں کی صف میں ہو تو اس کی عصمت کے سقوط کی وجہ سے کوئی شے واجب نہ ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جس نے کسی قوم کی جمعیت کو زائد کیا تو وہ ان میں سے ہے (1)۔ میں کہتا ہوں:

کے مال میں واجب ہوگی یا عاقلہ پر ہوگی یا ساقط ہو جائے گی؟ اس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ فصل فی الفعلین میں آئے گی۔

34850۔ (قولہ: لِانْعِقَادِ السَّبَبِ لَهُمَا) یعنی موت سے پہلے مجروح کے حق میں اصل کے اعتبار سے اور وارث کے حق میں نیابت کے طریقہ پر سبب منعقد ہو چکا ہے، تامل۔ "المنح" میں "جوہرہ" سے جو مروی ہے اس کی طرف رجوع کیجئے۔

34851۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی اس قول میں گزر چکا ہے۔ کان یرمی شخصا ظنه صیدا او حربیا۔

34852۔ (قولہ: لِيُبَيِّنَ مُوجَبَهُ) اس میں ہے: جو قول گزر چکا ہے اس میں خطا کا حکم بیان کیا ہے۔ پس یہ تکرار ہو گا، "ح"۔

34853۔ (قولہ: قُلْت الخ) یہ "زاہدی" کے کلام میں سے ہے جو "المجتبیٰ" میں ہے اگرچہ مصنف کا جو کلام "المنح" میں ہے وہ اس کے خلاف ہے۔

تنبیہ

"معراج" میں کہا ہے: ایک معین مسلمان کے بارے میں وہ آگاہ ہوا کہ دشمن اسے زبردستی لے آئے ہیں تو اس نے اسے تیر مارنے کا ارادہ کیا جب کہ وہ اس کا حال جانتا ہے تو قیاس کے مطابق اس پر قصاص واجب ہوگا۔ اور بطور استحسان واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کا ایسے محل میں ہونا جس میں قتل مباح ہے یہ قصاص کے ساقط کرنے میں شبہ ہے۔ اس پر اس کے مال میں دیت لازم ہوگی اور کوئی کفارہ نہیں ہوگا۔ اگر اس کا ولی کہے: تو نے اسے تیر مارنے کا قصد کیا ہے جب کہ تجھے علم ہو چکا ہے کہ وہ مکروہ ہے۔ تیر مارنے والے نے کہا: میں نے مشرکوں کا قصد کیا تھا تو قول تیر پھینکنے والے کا ہوگا کیونکہ وہ اصل سے تمسک کر چکا تھا اور وہ ان کی صف کی طرف تیر پھینکنے کا مباح ہونا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت اس میں ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن، تفسیر سورۃ النساء، جلد 2، صفحہ 846، حدیث نمبر 4230

فَإِذَا كَانَ مُكَثِّرَ سَوَادِهِمْ مِنْهُمْ وَإِنْ لَمْ يَتَزَيَّ بِزِيِّهِمْ فَكَيْفَ بِمَنْ تَزَيَّا قَالَهُ الزَّاهِدِيُّ وَقَالَ الْمُصَنِّفُ حَتَّى لَوْ تَشَكَّلَ جِنِّيٌّ بِمَا يُبَاحُ قَتْلُهُ كَحَيَّةٍ فَيَنْبَغِي الْإِقْدَامُ عَلَى قَتْلِهِ ثُمَّ إِذَا تَبَيَّنَ أَنَّهُ جِنِّيٌّ فَلَا شَيْءَ عَلَى الْقَاتِلِ. وَاللّٰهُ أَعْلَمُ (وَلَا يُقَادُ إِلَّا بِالسَّيْفِ) وَإِنْ قَتَلَهُ بِغَيْرِهِ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ وَفِي الدُّرَرِ عَنِ الْكَافِي الْمُرَادُ بِالسَّيْفِ السِّلَاحُ قُلْتُ وَبِهِ صَرَّحَ فِي حَجِّ الْمُضْمَرَاتِ حَيْثُ قَالَ وَالتَّخْصِيصُ بِاسْمِ الْقَوَدِ لَا يَمْنَعُ إِلْحَاقَ غَيْرِهِ بِهِ، أَلَا تَرَى أَنَّا أَلْحَقْنَا الرُّمْحَ وَالْخِنْجَرَ بِالسَّيْفِ

جب ان کی تعداد میں اضافہ کرنے والا ان میں سے ہے اگرچہ ان کا لباس نہ پہنے تو اس کا کیا حال ہوگا جب وہ ان کا لباس پہنے۔ یہ ''زاہدی'' نے قول کیا ہے۔ مصنف نے کہا: یہاں تک کہ اگر ایک جن نے ایسی صورت اپنائی جس کا قتل کرنا مباح ہو جیسے سانپ تو اس کو قتل کرنے کا اقدام کرنا مناسب ہوگا۔ پھر یہ واضح ہو کہ یہ تو جن ہے تو قاتل پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔ اور تلوار کے ساتھ ہی قصاص لیا جائے گا اگرچہ قاتل تلوار کے علاوہ کسی شے سے قتل کرے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ''الدرر'' میں ''الکافی'' سے مروی ہے: سیف سے مراد اسلحہ ہے۔ میں کہتا ہوں: ''المضمرات'' کے کتاب الحج میں اس امر کی تصریح کی ہے کیونکہ کہا: قود کے اسم کی تخصیص غیر کو اس کے ساتھ لاحق کرنے کے مانع نہیں کیا تو نہیں دیکھتا کہ ہم نے نیزے اور خنجر کو تلوار کے ساتھ لاحق کیا ہے۔

ناحق جن کو قتل کرنا جائز نہیں

34854۔ (قولہ: فَيَنْبَغِي الْإِقْدَامُ عَلَى قَتْلِهِ) یعنی چاہیے کہ اس پر حملہ کرنا جائز ہو اور اولیٰ یہ ہے کہ فا کو حذف کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ لکا جواب ہے۔

''الاشباہ'' میں ''احکام الجان'' سے ہے: انسان کی طرح ناحق جن کو قتل کرنا جائز نہیں۔ ''زیلعی'' نے کہا: علما نے فرمایا: چاہیے کہ سفید سانپ کو قتل نہ کیا جائے جو سیدھا چلتا ہے کیونکہ وہ جنوں میں سے ہوتا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: دو دھاری والے اور دم بریدہ سانپ کو قتل کرو اور سفید سانپ کے قتل سے بچو کیونکہ یہ جنوں میں سے ہوتا ہے (1)۔ ''طحطاوی'' نے کہا: تمام کو قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں سے معاہدہ فرمایا کہ وہ آپ کی امت کے گھروں میں داخل نہیں ہوں گے اور اپنے آپ کو ظاہر نہیں کریں گے۔ جب وہ مخالفت کریں تو انہوں نے عہد کو توڑ دیا۔ پس ان کے لیے کوئی حرمت نہ ہوگی (2) زیادہ بہتر خبردار کرنا اور عذر پیش کرنا ہے۔ اسے کہا جاتا ہے: اللہ تعالیٰ کے حکم سے تو لوٹ جا یا مسلمانوں کے راستے کو چھوڑ دے اگر وہ انکار کر دے تو اس کو قتل کر دے۔ خبردار یہ نماز کے باہر ہے۔ اس کی مکمل وضاحت وہاں ہے۔

34855۔ (قولہ: خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ) کیونکہ فرمایا اسے ایسی چیز کے ساتھ قتل کیا جائے جس کے ساتھ اس نے قتل کیا تھا مگر جب اس نے لواطت کے ساتھ قتل کیا تو اسے تلوار کے ساتھ قتل کیا جائے گا۔

1۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، باب ما یحل اکلہ، فصل فی ما ذکرہ، صفحہ 85، مکتبہ امدادیہ ملتان 2۔ ایضاً

فِي قَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا قَوَدَ إِلَّا بِالسَّيْفِ فَمَا فِي السِّرَاجِيَّةِ مَنْ لَهُ قَوَدٌ قَادَ بِالسَّيْفِ، فَلَوْ أَلْقَاهُ فِي بِئْرٍ أَوْ قَتَلَهُ بِحَجَرٍ أَوْ بِنَوْعٍ آخَرَ عُزِّرَ وَكَانَ مُسْتَوْفِيًا يُحْمَلُ عَلَى أَنَّ مُرَادَهُ بِالسَّيْفِ السِّلَاحُ وَاللهُ أَعْلَمُ (وَلِأَبِي الْمَعْتُوهِ الْقَوَدُ) تَشَفِّيًا لِلصَّدْرِ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: قصاص نہیں مگر تلوار سے (1)۔ جو قول ''السراجیہ'' میں ہے: جس کو قصاص کا حق ہو تو وہ تلوار سے قصاص لے۔ اگر وہ اس کو کنویں میں پھینکے یا پتھر سے قتل کر دے یا کسی اور نوع سے قتل کرے تو اس پر تعزیر لگائی جائے گی۔ پس وہ پورا حق وصول کرنے والا ہوگا۔ اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ سیف سے مراد اسلحہ ہے، واللہ اعلم۔ معتوہ کے باپ کو قصاص کا حق ہوگا تا کہ اس کے دل کو تشفی ہو

34856۔ (قولہ: أَوْ بِنَوْعٍ آخَرَ) یعنی اسلحہ کے علاوہ کسی اور چیز سے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے اپنے چوپائے، سواری کو ہانکے یا اسے آگ میں پھینک دے جب کہ وہ ناقص العقل تو ہے مگر اسے جنون نہیں، ''منح''۔

معتوہ کے قصاص کی مشروعیت

34857۔ (قولہ: وَلِأَبِي الْمَعْتُوهِ الْقَوَدُ) کیونکہ یہ نفس پر دیت میں سے ہے۔ کیونکہ یہ دل کی تشفی کے لیے مشروع کیا گیا ہے۔ پس باپ اس کا والی ہوگا جس طرح وہ اس کا نکاح کرنے کا والی ہوتا ہے۔ لیکن ہر وہ شخص جو نکاح کرانے کا مالک ہوتا ہے تو وہ قصاص کا مالک نہیں ہوتا۔ کیونکہ بھائی نکاح کرانے کا مالک ہوتا ہے اور قصاص کا مالک نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ دل کی تشفی کے لیے مشروع کیا گیا ہے باپ کو کامل شفقت حاصل ہوتی ہے وہ بچے کے ضرر کو اپنا ذاتی ضرر شمار کرتا ہے۔ اسی وجہ سے باپ کی تشفی کو یوں بنایا گیا ہے جیسے بیٹے کو وہ حاصل ہو۔ بھائی کا معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ ''شروح ہدایہ'' میں یہ اسی طرح ہے۔

''اتقانی'' نے ان پر اعتراض کیا ہے کہ بھائی بھی اس کا مالک ہوگا جب وہاں اس سے کوئی زیادہ قریبی نہ ہو۔ اگر وہاں اس سے زیادہ قریبی ہو تو وہ نکاح کرانے کا بھی مالک نہیں ہوگا۔ کیونکہ جو قصاص کا مالک ہوگا وہی مقتول کے مال کا مستحق ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں مذکر اور مونث برابر ہیں۔ یہاں تک کہ خاوند اور بیوی برابر ہیں امام ''کرخی'' نے اس امر کی تصریح کی ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ جب معتوہ کے بیٹے کو مثلاً قتل کیا تو وہی اس کے دم کا مستحق ہوگا۔ کیونکہ وہی اس کے مال کا مستحق ہوگا جب معتوہ کا بھائی یا چچا ہو اور اس کا کوئی باپ نہ ہو تو اسے کیسے کہا جائے گا کہ بھائی یا چچا معتوہ کی زندگی میں بیٹے کے قصاص کا مستحق ہوگا جب کہ اسے اصلاً معتوہ پر کوئی ولایت نہ ہوگی جب کہ جو وصی کا معتوہ ہوتا ہے جسے معتوہ پر ولایت حاصل ہوتی ہے اسے قصاص کا حق نہیں ہوتا تو اس بھائی کو کیسے حق حاصل ہوگا جب کہ اسے ولایت کا حق نہ ہو۔ ہاں اگر مقتول خود ہی معتوہ ہو تو اس نے جو کہا ہوگا وہ صحیح ہوگا۔ گویا اس پر حال مشتبہ ہو گیا ہے۔ اسی وجہ سے ''سعدیہ'' میں کہا ہے: گفتگو اس کے بارے میں ہے جب معتوہ کا ولی قتل کرے جیسے اس کا بیٹا اور معتوہ کا باپ زندہ ہو یہ کلام اس بارے میں نہیں ہے جب معتوہ قتل کرے۔

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات، باب لاقود الا بالسیف، جلد 2، صفحہ 183، حدیث نمبر 2656

(وَ) إذَا مَلَكَهُ مَلَكَ (الصُّلْحَ) بِالْأَوْلَى (لَا الْعَفْوَ) مَجَّانًا (بِقَطْعِ يَدِهِ) أَيْ فِي يَدِ الْمَعْتُوهِ (وَقَتْلِ قَرِيبِهِ)؛ لِأَنَّهُ إبْطَالُ حَقِّهِ وَلَا يَمْلِكُهُ (وَتَقَيَّدَ صُلْحُهُ بِقَدْرِ الدِّيَةِ أَوْ أَكْثَرَ مِنْهُ، وَإِنْ وَقَعَ بِأَقَلَّ مِنْهُ لَمْ يَصِحَّ) الصُّلْحُ (وَتَجِبُ الدِّيَةُ كَامِلَةً)؛

جب وہ اس کا مالک ہے تو صلح کا بدرجہ اولی مالک ہوگا۔ معتوہ کے ہاتھ کو کاٹنے کی صورت میں اور اس کے قریبی کو قتل کرنے کی صورت میں معاف کرنے کا اختیار نہیں رکھے گا۔ کیونکہ یہ اس کے حق کو باطل کرنا ہے اور وہ اس کا مالک نہیں اور اس کی صلح دیت کے برابر یا اس سے زائد کے ساتھ مقید ہے۔ اگر اس سے کم سے صلح واقع ہو تو صلح صحیح نہ ہوگی اور کامل دیت واجب ہوگی۔

34858۔ (قولہ: مَلَكَ الصُّلْحَ بِالْأَوْلَى) کیونکہ وہ معتوہ کے حق میں زیادہ فائدہ سوچنے والا ہے۔ ''ہدایہ''۔

34859۔ (قولہ: بِقَطْعِ يَدِهِ وَقَتْلِ قَرِيبِهِ) مذکورہ قول قصاص، صلح اور عفو سب اس کے مخالف ہیں۔

34860۔ (قولہ: وَقَتْلِ وليه) یعنی معتوہ کا ولی جیسے اس کا بیٹا اور اس کی ماں، ''منح''۔ بعض نسخوں میں ہے: وقتل قریبہ یہ زیادہ ظاہر ہے۔ ''النہایہ'' میں ولی کی تفسیر اسی سے کی گئی ہے پھر کہا: یعنی جب معتوہ کا ایک بیٹا ہو تو اس کے بیٹے کو قتل کر دیا گیا تو معتوہ کا باپ جو مقتول کا دادا ہے، قصاص وصول کرنے اور صلح کی ولایت رکھے گا۔

34861۔ (قولہ: لِأَنَّهُ إبْطَالُ حَقِّهِ) یہ ان کے قول لا العفو مجانا کی علت ہے۔

34862۔ (قولہ: وَتَقَيَّدَ صُلْحُهُ) یعنی باپ کی صلح مقید ہے۔

قصاص سے صلح کی مشروعیت

34863۔ (قولہ: وَإِنْ وَقَعَ بِأَقَلَّ مِنْهُ لَمْ يَصِحَّ الصُّلْحُ) ''اتقانی'' نے یہ اعتراض کیا ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے دیت کی مقدار کی قید نہیں لگائی بلکہ اس کو مطلق ذکر کیا ہے۔

''مختصر الکرخی'' میں ہے: جب ایک آدمی کا دوسرے آدمی پر نفس یا اس سے کم میں قصاص واجب ہو تو اس نے اس کے ساتھ مال پر صلح کر لی تو یہ جائز ہوگا وہ قلیل ہو یا کثیر ہو۔ ''شلبی'' نے ''قاری الہدایہ'' سے نقل کیا ہے کہ یہ اعتراض وہم ہے۔ ''ابو سعود'' نے کہا: یہ وہم کیسے ہوگا جب کہ ''کرخی'' نے اس کی تصریح کی ہے۔

میں کہتا ہوں: ''النہایہ'' وغیرہا جو ''ہدایہ'' کی شروح میں لم یصلح الصلح کی بجائے لم یجز الحط سے تعبیر کی ہے۔ اگر وہ کمی کرے تو پوری دیت واجب ہوگی۔ اس قول نے اس امر کو بیان کیا کہ صلح صحیح ہے کمی کرنا صحیح نہیں۔ اسی وجہ سے پوری دیت واجب ہوگی ورنہ جو امر واجب ہے وہ قصاص ہے اس سے ان کی کلام میں تطبیق حاصل ہوگئی۔ امام ''کرخی'' نے جس کی تصریح کی ہے اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا کلام جو بیان کرتا ہے کہ صلح صحیح ہے اس سے مراد تمام دیت کا لازم کرنا صحیح ہے۔ جس نے کہا: لم یجز الحط اس کی یہی مراد ہے یہاں شارح کا قول جو ''المنح'' کی تبع میں ہے: لم یصح الصلح اس کی مراد ہے اس سے قدر ناقص لازم نہ آئے گی۔ اگر اس کو ان الفاظ کے ساتھ تعبیر کرتے جو ''ہدایہ'' کے شارحین نے کہا ہے تو وہ زیادہ مناسب ہوتا۔

لِأَنَّهُ أَنْظَرُ لِلْمَعْتُوهِ (وَالْقَاضِي كَالْأَبِ) فِي جَمِيعِ مَا ذَكَرْنَا فِي الْأَصَحِّ كَمَنْ قُتِلَ وَلَا وَلِيَّ لَهُ لِلْحَاكِمِ قَتْلُهُ وَالصُّلْحُ لَا الْعَفْوُ؛ لِأَنَّهُ ضَرَرٌ لِلْعَامَّةِ (وَالْوَصِيُّ) كَالْأَخِ (يُصَالِحُ) عَنِ الْقَتْلِ (فَقَطْ) بِقَدْرِ الدِّيَةِ،

کیونکہ یہ معتوہ کے حق میں زیادہ نفع کا باعث ہے اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے ان تمام صورتوں میں قاضی اصح قول کے مطابق باپ کی طرح ہے جس طرح ایک آدمی کو قتل کیا گیا اور اس کا کوئی ولی نہیں تو حاکم کو حق حاصل ہے کہ اسے قتل کرے اور اسے صلح کا حق ہوگا اس کو معاف کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ عام لوگوں کے لیے ضرر ہے۔ وصی بھائی کی طرح صرف دیت کی مقدار پر قتل کے بارے میں صلح کرے گا۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام ''اتقانی'' کا اعتراض بے محل ہے۔ پس اس تحریر کو غنیمت جانو۔

34864۔ (قولہ: لِأَنَّهُ أَنْظَرُ لِلْمَعْتُوهِ) ان کی کلام میں اس تعلیل کا ذکر ان کے قول: ملك الصلح کے ہاں ہے جس طرح ہم اسے پہلے بیان کر آئے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں اس کے قول کے ساتھ علت بیان کرنا: بان فیه ابطال حقه یہ اس کے ماقبل کی مثل ہے۔

34865۔ (قولہ: وَالصُّلْحُ) باپ کے معاملہ میں قیاس کرتے ہوئے چاہیے کہ اس کو صلح کو بقدر الدیة او اکثر کے ساتھ مقید کرتے یعنی کمی کرنا بدرجہ اولی جائز نہیں۔

34866۔ (قولہ: وَالْوَصِيُّ كَالْأَخِ يُصَالِحُ) وصی مبتدا ہے اور یصالح کا جملہ خبر ہے اور کالاخ ترکیب کلام میں حال ہے اور اس میں کاف تنظیر کے لیے ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اس (کالاخ) کو ساقط کر دیا جائے۔ لیکن ''رحمتی'' نے کہا: یعنی وہ قصاص کا مالک نہیں ہوگا نہ ہی بھائی مصالحت کرے گا۔ کیونکہ اسے اپنے بھائی کے مال میں تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں جب کہ قصاص یہ امر بعید ہے۔

نفس اور اس سے کم میں قصاص لینے اور صلح کے حق میں باپ اور وصی کا حکم

34867۔ (قولہ: يُصَالِحُ عَنِ الْقَتْلِ فَقَطْ) یعنی اسے معاف کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ اس کی دلیل وہ ہے جو گزر چکا ہے اور نہ ہی اسے قصاص کا حق ہے۔ کیونکہ اسے اس کی ذات پر کوئی ولایت حاصل نہیں یہ اس کے قبیل میں سے ہے [illegible] کمال''۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ عن القتل کے قول کو ساقط کر دیتے۔ کیونکہ اسے یہ حق حاصل ہے کہ طرف کے بارے میں بھی صلح کر لیتے۔ ہاں قتل کے بارے میں صلح میں روایت میں اختلاف ہے۔

حاصل یہ ہے جس طرح ''غایۃ البیان'' میں ''بزدوی'' سے مروی ہے کہ روایات اس میں متفق ہیں کہ باپ کو نفس اور اس سے کم میں پورا پورا قصاص لینے کا حق ہے اور اسے ان دونوں میں صلح کا حق ہے معافی کا حق نہیں۔ اور روایات اس میں متفق ہیں کہ وصی نفس کا حق وصول کرنے کا مالک نہیں اور اس سے کم کا مالک ہے اور اس سے کم میں صلح کا مالک ہے اور معاف کرنے کا مالک نہیں۔

وَلَهُ الْقَوَدُ فِي الْأَطْرَافِ اسْتِحْسَانًا؛ لِأَنَّهُ يَسْلُكُ بِهَا مَسْلَكَ الْأَمْوَالِ (وَالصَّبِيُّ كَالْمَعْتُوهِ) فِيمَا ذُكِرَ (وَلِلْكِبَارِ الْقَوَدُ قَبْلَ كِبَرِ الصِّغَارِ)

اسے اطراف کے معاملہ میں بطور استحسان قصاص کا حق حاصل ہوگا۔ کیونکہ اطراف میں اموال کی راہ پر چلے گا۔ اور بچہ ان معاملات میں جن کا ذکر کیا گیا ہے وہ معتوہ کی طرح ہے۔ چھوٹوں کے بڑا ہونے سے پہلے بڑوں کو قصاص کا حق ہوگا۔

وصی جب نفس میں مال پر صلح کرے تو روایات میں اختلاف ہے یہاں "جامع صغیر" میں یصح کا لفظ ہے اور کتاب الصلح میں لا یصح کا لفظ ہے "ملخص"۔ "رملی" نے پہلی روایت کو ترجیح دینے کا قول کیا ہے۔

34868_(قولہ: اسْتِحْسَانًا) قیاس میں اس کا مالک نہیں کیونکہ مقصود متحد ہے وہ دل کی تشفی ہے، "ہدایہ"۔

34869_(قولہ: لِأَنَّهُ يَسْلُكُ بِهَا مَسْلَكَ الْأَمْوَالِ) اسی وجہ سے امام "ابوحنیفہ" رحمۃ اللہ علیہ نے طرف میں قسم سے انکار کی صورت میں قضا کو جائز قرار دیا ہے، "اتقانی"۔

34870_(قولہ: وَالصَّبِيُّ كَالْمَعْتُوهِ) جب بچے کے قریبی کو قتل کر دیا جائے تو اس کے باپ اور اس کے وصی کو وہی حق حاصل ہوگا جو معتوہ کے باپ اور اس کے وصی کو حق حاصل تھا اور اس کے باپ کو قصاص اور صلح کا حق حاصل ہوگا معاف کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ اور وصی کے لیے صرف صلح کرنے کا حق حاصل ہے۔ بھائی وغیرہ کے لیے اس میں سے کوئی شے نہیں کیونکہ اسے اس پر کوئی ولایت حاصل نہیں جس طرح ہم نے اسے معتوہ میں ثابت کیا ہے۔ "ہندیہ" میں "المحیط" سے مروی ہے: علما نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ جب قصاص مکمل صغیر کے لیے ہو تو بڑے بھائی کو اسے وصول کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہوگا۔ اس کی مکمل بحث قریب ہی آئے گی۔

تتمہ: "حانوتی" نے صغیر کے وصی کی صلح جو دیت کی مقدار سے کم ہو اس کے صحیح ہونے کا فتویٰ دیا ہے جب قاتل متکبر ہو اور وصی قتل کو ثابت کرنے پر قادر نہ ہو۔ یہ مال پر قیاس کرنے کی بنا پر فتویٰ دیا ہے کیونکہ "عمادیہ" میں ہے: وصی جب میت کے حق کے بارے میں یا صغیر کے حق کے بارے میں جو کسی آدمی پر لازم ہو صلح کرے اگر وہ مال کا اقرار کرتا ہو یا اس پر گواہیاں ہوں یا اس کا اس پر فیصلہ کر دیا گیا ہو تو حق سے کم پر صلح جائز نہ ہوگی اگر ایسا نہ ہو تو جائز ہوگی۔

34871_(قولہ: وَلِلْكِبَارِ الْقَوَدُ الخ) یعنی جب ایک آدمی کو قتل کیا جائے جب کہ اس کا ایک ولی بڑا اور ایک ولی چھوٹا ہو تو بڑے کو حق حاصل نہیں کہ وہ اس کے پاس اس کو قتل کرے۔ کیونکہ یہ مشترک حق ہے۔ "الاصل" میں ہے: اگر بڑا باپ ہو تو بالاجماع قصاص لے سکتا ہے۔ اگر وہ اجنبی ہو اس کی صورت یہ ہے: ایک غلام دو اجنبی آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اس کو قتل کر دیا جائے جو دو اجنبی صغیر اور کبیر ہوں تو اسے یہ حق حاصل نہ ہوگا۔ کلام اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے اگر سب چھوٹے ہوں تو بھائی اور چچا کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس سے حق وصول کرے جس طرح "جامع صغار" میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان میں سے ایک کے بڑے ہونے کا انتظار کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سلطان قصاص کا پورا پورا حق لے گا جس طرح

خِلَافًا لَهُمَا وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَا لَا يَتَجَزَّأُ إِذَا وُجِدَ سَبَبُهُ كَامِلًا ثَبَتَ لِكُلٍّ عَلَى الْكَمَالِ كَوِلَايَةِ إِنْكَاحٍ وَأَمَانٍ (إِلَّا إِذَا كَانَ الْكَبِيرُ أَجْنَبِيًّا عَنِ الصَّغِيرِ فَلَا) يَمْلِكُ الْقَوَدَ (حَتَّى يَبْلُغَ الصَّغِيرُ) إِجْمَاعًا زَيْلَعِيٌّ فَلْيُحْفَظْ

''صاحبین'' رحمہما اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جس کو تقسیم نہ کیا جا سکے جب اس کا سبب کامل صورت میں پایا جائے تو ہر ایک کے لیے وہ کامل صورت میں ثابت ہوگا جیسے ولایت انکاح اور ولایت امان سے۔ مگر جب بڑا صغیر اجنبی ہو تو وہ قصاص کا مالک نہیں ہوگا یہاں تک کہ چھوٹا بالغ ہو جائے۔ اس پر اجماع ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔

''الاختیار'' میں ہے۔ اور قاضی سلطان کی طرح ہے اگر سب بڑے ہوں تو بعض کو حق حاصل نہیں کہ وہ دوسروں کے بغیر قصاص لیں اور نہ اس کا حق وصول کرنے کے لیے انہیں وکیل بنایا جائے گا۔ کیونکہ مؤکل غائب ہو تو معافی کا احتمال موجود ہوگا۔ پس قصاص کا وہ مستحق ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے معین کردہ حصوں کے مطابق مال کا مستحق ہوگا ان میں خاوند اور بیوی داخل ہوں گے جس طرح ''خلاصہ'' میں ہے۔ اور یہ کہ قضا شرط نہیں جس طرح ''خزانہ'' میں ہے۔ اور یہ کہ اگر قتل خطا ہو تو بڑے کو صرف اپنا حق وصول کرنے کا حق ہوگا جس طرح جامع میں ہے ''قہستانی''۔ اور ان کا قول: لا یشترط القاضی یعنی اس کی قضا شرط نہیں جسے قصاص لینے کا حق ہوتا ہے اسے قصاص لینے کا حق ہوگا خواہ اس کا فیصلہ یا فیصلہ نہ کیا جائے جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔

34872۔(قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک انہیں اس کا حق نہیں ہوگا مگر جب بڑا شریک چھوٹے کا باپ ہو''نہایہ''۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے اسے اس پر قیاس کیا ہے جب وہ دو میں مشترک ہو اور دونوں میں ایک غائب ہو۔

34873۔(قولہ: وَالْأَصْلُ الخ) یہ امام کے قول سے استدلال ہے۔ ''ہدایہ'' میں کہا: آپ کی دلیل یہ ہے یہ ایسا حق ہے جو تقسیم و تجزی کو قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ ایسے سبب سے ثابت ہے جو تجزی کو قبول نہیں کرتا وہ قرابت ہے اور صغیر کی جانب سے معافی کا احتمال منقطع ہے یعنی فی الحال منقطع ہے۔ پس ہر کسی کے لیے کامل طور پر ثابت ہے جس طرح ''ولایۃ النکاح'' میں ہے اور بڑوں کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ غائب سے عفو کا احتمال ثابت ہے۔

''سعدی'' نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ سبب قرابت ہو۔ کیونکہ یہ حق میاں اور بیوی کے لیے ثابت ہے جب کہ کوئی قرابت نہیں۔ ''طوری'' نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ تغلیب کی بنا پر ہے یا اس سے مراد ایسا اتصال ہے جو وراثت کو ثابت کرتا ہو۔

34874۔(قولہ: وَأَمَانٍ) یعنی مسلمان حربی کی امان۔

34875۔(قولہ: إِلَّا إِذَا كَانَ الْكَبِيرُ أَجْنَبِيًّا عَنِ الصَّغِيرِ) ''نہایہ'' میں کہا: اس کی صورت یہ ہے کہ غلام صغیر اور اجنبی کے درمیان مشترک ہو تو اسے جان بوجھ کر قتل کر دیا گیا تو اجنبی کو کوئی حق حاصل نہیں کہ اس صغیر کے بالغ ہونے سے پہلے قصاص لے یہ بالاجماع ثابت ہے مگر جب صغیر کا باپ ہو تو اس وقت دونوں قصاص لے سکتے ہیں۔ پھر ''مبسوط'' سے نقل کرتے ہوئے کہا: کیونکہ سبب ملک ہے جو دونوں میں سے کسی کے لیے بھی کامل نہیں۔ کیونکہ ملک رقبہ تجزی کا احتمال رکھتی ہے جس میں ہم ہیں اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں سبب قرابت ہے یہ ان چیزوں میں سے ہے جو تجزی کو قبول نہیں کرتی۔

(وَلَوْ قَتَلَ الْقَاتِلَ أَجْنَبِيٌّ وَجَبَ الْقِصَاصُ عَلَيْهِ فِي) الْقَتْلِ (الْعَمْدِ)؛ لِأَنَّهُ مَحْقُونُ الدَّمِ بِالنَّظَرِ لِقَاتِلِهِ كَمَا مَرَّ (وَالدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ) أَيْ لِلْقَاتِلِ (فِي الْخَطَأِ، وَلَوْ قَالَ وَلِيُّ الْقَتِيلِ بَعْدَ الْقَتْلِ) أَيْ بَعْدَ قَتْلِ الْأَجْنَبِيِّ (كُنْتُ أَمَرْتُهُ بِقَتْلِهِ وَلَا بَيِّنَةَ لَهُ) عَلَى مَقَالَتِهِ (لَا يُصَدَّقُ) وَيُقْتَلُ الْأَجْنَبِيُّ دُرَرٌ،

اگر قاتل کو کسی اجنبی نے قتل کر دیا تو قتل عمد میں اس پر قصاص واجب ہوگا۔ کیونکہ اس کے قاتل کا اعتبار کیا جائے تو اس کی جان محفوظ ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے اور دیت قتل خطا کی صورت میں قاتل کی عاقلہ پر ہوگی اگر اجنبی کے قتل کرنے کے بعد مقتول کے ولی نے کہا: میں نے اس کے قتل کا حکم دیا تھا جب کہ اس کے قول پر کوئی گواہ نہ ہوں تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور اجنبی کو قتل کیا جائے گا''درر''۔

مبحث شریف

اس صورت کے بیان اور تعلیل اور جو اس کی مثل ہے اس کا ظاہر معنی وہ ہے جو ہم نے ابھی ''قہستانی'' سے اور انہوں نے اصل سے روایت کیا ہے کہ اجنبی سے مراد وہ ہے جو ملک میں شریک ہو قرابت میں شریک نہ ہو اگر ایک آدمی قتل کر دیا جائے اور اس کا ایک پھوپھی زاد ہے جو بڑا ہے اور ایک چھوٹا بھانجا ہے جب کہ دونوں اجنبی ہیں تو کبیر کے لیے قصاص ہوگا۔ کیونکہ سبب مقتول سے قرابت ہے۔ یہ ان چیزوں میں سے ہے جو تقسیم کو قبول نہیں کرتی۔ اس طرح اگر اسے قتل کیا جاتا ہے جب کہ اس کی ایک بیوی ہے اور اس عورت کے علاوہ کسی اور عورت سے اس کا بیٹا ہے تو بیوی کو قصاص کا حق ہوگا۔ کیونکہ قرابت سے ان کی مراد وہ ہے جو زوجیت کی جامع ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ علامہ ''ابن شلبی'' نے اپنے مشہور فتاویٰ میں اس آدمی کے بارے فتویٰ دیا ہے جس نے ایک عورت کو جان بوجھ کر قتل کیا جب کہ اس خاوند اور کسی اور خاوند سے اس کا بیٹا تھا تو انہوں نے جواب دیا بچے کے بالغ ہونے سے پہلے خاوند کے لیے قصاص ہوگا۔ لیکن اس کے مخالف وہ قول ہے جو ''فتاویٰ علامہ حانوتی'' میں ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس آدمی کے بارے میں فتویٰ دیا جس کو جان بوجھ کر قتل کیا تھا جب کہ اس کی ایک بالغ بیٹی، چھوٹا بچہ اور چار بیویاں تھیں کہ بیٹے کے بالغ ہونے کا انتظار کیا جائے گا کیونکہ بعض بیویاں اس سے اجنبی ہیں۔ یہ ''زیلعی'' کی عبارت سے ماخوذ ہے۔

34876_(قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی فصل کے شروع میں گزر چکا ہے۔

34877_(قولہ: وَلَوْ قَالَ الخ) اس قول نے یہ بیان کیا ہے کہ قصاص کے ولی کو یہ حق حاصل ہے کہ خود قصاص لے لے یا کسی کو حکم دے دے جس طرح ''بزازیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے لیکن کسی اور کو موکل کی عدم موجودگی میں قصاص لینے کا حق نہیں جس طرح ہم پہلے ''قہستانی'' سے نقل کر چکے ہیں۔

34878_(قولہ: أَيْ بَعْدَ قَتْلِ الْأَجْنَبِيِّ) یہ مصدر ہے اور اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے۔

34879_(قولہ: كُنْتُ أَمَرْتُهُ) یعنی میں نے اجنبی کو حکم دیا۔

34880_(قولہ: لَا يُصَدَّقُ) کیونکہ اس میں غیر کے حق کا اسقاط ہے وہ غیر پہلے قاتل کا ولی ہے۔

بِخِلَافِ مَنْ حَفَرَ بِئْرًا فِي دَارِ رَجُلٍ فَمَاتَ فِيهَا شَخْصٌ فَقَالَ رَبُّ الدَّارِ كُنْت أَمَرْتُهُ بِالْحَفْرِ صُدِّقَ مُجْتَبَى، يَعْنِي لِأَنَّهُ يَمْلِكُ اسْتِئْنَافَهُ لِلْحَالِ فَيُصَدَّقُ بِخِلَافِ الْأَوَّلِ لِفَوَاتِ الْمَحَلِّ بِالْقَتْلِ كَمَا هُوَ الْقَاعِدَةُ، وَظَاهِرُهُ أَنَّ حَقَّ الْوَلِيِّ يَسْقُطُ رَأْسًا كَمَا لَوْ مَاتَ الْقَاتِلُ حَتْفَ أَنْفِهِ (وَلَوْ اسْتَوْفَاهُ بَعْضُ الْأَوْلِيَاءِ

جس نے ایک آدمی کے گھر میں کنواں کھودا تو اس میں ایک شخص مر گیا تو گھر کے مالک نے کہا: میں نے اسے کھودنے کا حکم دیا تھا تو اس کی تصدیق کی جائے گی، ''مجتبیٰ''۔ یعنی وہ فی الحال اس کو نئے سرے سے کھودنے کا حکم دینے کا مالک ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ پہلے قول کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ قتل کے ساتھ محل فوت ہو چکا ہے جس طرح یہ قاعدہ ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ولی کا حق کلی طور پر ساقط ہو جاتا ہے جس طرح قاتل اپنی طبعی موت مر جائے۔ اگر بعض اولیا نے قصاص لے لیا

34881۔ (قولہ: يَعْنِي الخ) مصنف نے ''المنح'' میں اس کو بیان کیا ہے۔ ''الظہیریہ'' میں اس کی یہ علت بیان کی ہے۔ جب کہا: لانہ اخبر عما یملک کیونکہ وہ اس امر کے بارے میں خبر دے رہا ہے جس کا وہ مالک ہے۔

34882۔ (قولہ: كَمَا هُوَ الْقَاعِدَةُ) وہ یہ ہے کہ جو آدمی کسی اور کی حکایت بیان کرے اگر وہ فی الحال اس کو نئے سرے سے شروع کرنے کا مالک ہو تو اس کی تصدیق کی جائے گی ورنہ اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی جس طرح وہ خبر دے کہ اس نے عورت سے رجوع کر لیا ہے جب کہ وہ عدت میں ہو تو اس کی تصدیق کی جائے گی اگر اس کے بعد ہو تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اگر وہ عورت اس کو جھٹلا دے مگر گواہوں کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی یہاں وہ کنواں کھدوانے کے ساتھ نئے سرے سے اجازت دینے کا مالک ہوتا ہے اور وہ قتل کی اجازت دینے کا مالک نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کا محل فوت ہو چکا ہے جو مقتول ہے۔

قاتل اپنی موت مر جائے تو ولی کا حق کلی طور پر ساقط ہو جاتا ہے

34883۔ (قولہ: وَظَاهِرُهُ الخ) یعنی متن کے قول: ولو قتل القاتل اجنبی وجب القصاص الخ کا ظاہر معنی یہ ہے کہ پہلے مقتول کے ولی کا حق کلی طور پر ساقط ہو چکا ہے یعنی دیت میں اس کا حق اسی طرح ساقط ہو چکا ہے جس طرح قصاص میں اس کا حق ساقط ہو چکا ہے جس طرح قاتل کسی کے قتل کیے بغیر مر جائے۔ ظہور کی وجہ یہ ہے کہ مصنف نے اس چیز کی شے سے تعرض نہیں کیا جب کہ یہ امر ظاہر ہے۔ کیونکہ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ قتل عمد کا حکم قصاص ہی ہے یہ باہمی رضامندی کے بغیر مال نہیں ہوگا اور رضامندی یہاں موجود نہیں۔ پھر میں نے ''تاتر خانیہ'' میں دیکھا ہے کیونکہ انہوں نے اس مسئلہ میں کہا: جب قاتل کو حق یا ناحق قتل کر دیا جائے تو اس سے قصاص بغیر مال کے ساقط ہو جائے گا جس طرح جب وہ مر جائے تو اس سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔

34884۔ (قولہ: وَلَوْ اسْتَوْفَاهُ) یعنی وہ قصاص جو جماعت کے لیے ثابت تھا وہ اس نے لے لیا۔ چاہیے یہ تھا کہ

لَمْ يَضْمَنْ شَيْئًا) وَفِي الْمُجْتَبَى وَالدُّرَرِ: دَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ فَعَفَا أَحَدُهُمَا وَقَتَلَهُ الْآخَرُ إِنْ عَلِمَ أَنَّ عَفْوَ بَعْضِهِمْ يُسْقِطُ حَقَّهُ يُقَادُ وَإِلَّا فَلَا وَالدِّيَةُ فِي مَالِهِ، بِخِلَافِ مُمْسِكِ رَجُلٍ لِيَقْتُلَهُ عَمْدًا فَقَتَلَ وَلِيُّ الْقَتِيلِ الْمُمْسِكَ فَعَلَيْهِ الْقَوَدُ؛ لِأَنَّهُ مِمَّا لَا يُشْكِلُ عَلَى النَّاسِ

تو وہ کسی شے کے ضامن نہیں ہوں گے۔ ''مجتبیٰ'' اور ''درر'' میں ہے: ایک قصاص دو آدمیوں میں مشترک ہے ان دونوں میں سے ایک نے معاف کر دیا اور دوسرے نے اسے قتل کر دیا اگر یہ معلوم ہو کہ ان میں سے بعض کا معاف کرنا اس کے حق کو ساقط کر دیتا ہے تو اس سے قصاص لیا جائے گا ورنہ قصاص نہیں لیا جائے گا اور دیت اس کے مال میں ہوگی۔ یہ صورت مختلف ہوگی کہ ایک آدمی ایک آدمی کو پکڑتا ہے تا کہ اس کو عمداً قتل کرے تو مقتول کا ولی پکڑنے والے کو قتل کر دیتا ہے تو اس پر قصاص لازم ہوگا۔ کیونکہ یہ ایسا امر نہیں جو اشکال کا باعث ہو۔

اسی مسئلہ کو اپنے اس قول: ولو قتل القاتل اجنبی سے پہلے ذکر کرتے۔ کیونکہ یہ اس کے ماقبل کے متعلقات میں سے ہے۔ شارحین نے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قاعدہ کی تائید میں ذکر کیا ہے کہ قصاص ہر ایک کے لیے کامل طور پر ثابت ہوتا ہے۔ علماء نے کہا: اس پر دلیل یہ ہے اگر ایک قصاص لے لے تو وہ باقی ماندہ کے لیے کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا اور نہ ہی قاتل کے لیے کسی شے کا ضامن ہوگا اگر تمام قصاص اس کے حق میں ثابت نہ ہوتا تو تمام قصاص وصول کرنے سے ضامن نہیں ہوتا۔

اگر ایک قصاص دو آدمیوں میں مشترک ہو تو اس کا حکم

34885۔ (قولہ: دَمٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ) یعنی دونوں کے حق میں کسی اور کے خلاف ثابت ہوا یہاں سے لے کر والا تک ''الدرر'' کی عبارت ہے۔ جہاں تک ''مجتبیٰ'' کی عبارت کا تعلق ہے تو اس کی نص ہے: اگر قصاص دو افراد کے درمیان مشترک ہو تو دونوں میں سے ایک اسے معاف کر دے اور دوسرا اسے قتل کر دے اگر اسے اپنے شریک کے معاف کرنے کا علم نہ ہو تو قصاص کے اعتبار سے اسے قتل کر دیا جائے گا۔ استحسان کے طریقہ پر قتل نہیں کیا جائے گا اگرچہ اسے عفو کا علم ہو چکا ہو۔ اگر اس کی حرمت نہ رکھتا ہو اور وہ کہے: میں نے یہ گمان کیا کہ اسے قتل کرنا میرے لیے حلال ہے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اور دیت اس کے مال میں سے ہوگی۔ اگر اسے حرمت کا علم ہو تو اس کو قتل کیا جائے گا خواہ قاضی نے خاموش کے حق میں قصاص کے سقوط کا فیصلہ کیا ہو یا فیصلہ نہ کیا ہو۔ یہ حکم اسی طرح ہے جس نے ایک آدمی کو پکڑا یہاں تک کہ دوسرے آدمی نے اسے عمداً قتل کر دیا تو مقتول کے ولی نے پکڑنے والے کو قتل کر دیا تو اس پر قصاص لازم ہوگا خواہ قاضی نے پکڑنے والے سے قصاص کے سقوط کا قول کیا یا نہ کیا ہو۔

34886۔ (قولہ: بِخِلَافِ) یہ ان کے قول فلا ممسک کے ساتھ مربوط ہے۔ اور الممسک کا لفظ جو منصوب ہے۔ یہ قتل کا مفعول ہے۔ اس کی تعبیر میں خفا کی نوع پائی جاتی ہے۔ اس کا حکم وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

34887۔ (قولہ: مِمَّا لَا يُشْكِلُ عَلَى النَّاسِ) یہ امر مخفی نہیں کہ جس نے پکڑا ہے اس کو قتل کرنا حلال نہیں۔ یہ

(جَرَحَ إِنْسَانًا وَمَاتَ) الْمَجْرُوحُ (فَأَقَامَ أَوْلِيَاءُ الْمَقْتُولِ بَيِّنَةً أَنَّهُ مَاتَ بِسَبَبِ الْجُرْحِ، وَأَقَامَ الضَّارِبُ بَيِّنَةً أَنَّهُ بَرِئَ) مِنَ الْجُرْحِ (وَمَاتَ بَعْدَ مُدَّةٍ فَبَيِّنَةُ وَلِيِّ الْمَقْتُولِ أَوْلَى) كَذَا فِي مُعِينِ الْحُكَّامِ مَعْزِيًّا لِلْحَاوِي (أَقَامَ أَوْلِيَاءُ الْمَقْتُولِ الْبَيِّنَةَ عَلَى أَنَّهُ جَرَحَهُ زَيْدٌ وَقَتَلَهُ وَأَقَامَ زَيْدٌ الْبَيِّنَةَ عَلَى أَنَّ الْمَقْتُولَ قَالَ إِنَّ زَيْدًا لَمْ يَجْرَحْنِي وَلَمْ يَقْتُلْنِي فَبَيِّنَةُ زَيْدٍ أَوْلَى) كَذَا فِي الْمُشْتَمِلِ مَعْزِيًّا لِمَجْمَعِ الْفَتَاوَى (قَالَ الْمَجْرُوحُ لَمْ يَجْرَحْنِي فُلَانٌ ثُمَّ مَاتَ) الْمَجْرُوحُ

ایک آدمی نے کسی دوسرے کو زخمی کیا اور مجروح مر گیا اور مقتول کے اولیا نے گواہیاں قائم کر دیں کہ وہ اسی زخم کے سبب مرا ہے اور ضارب نے گواہیاں قائم کر دیں کہ وہ زخم سے صحت یاب ہو گیا تھا اور کچھ مدت بعد مر گیا تھا تو مقتول کے ولی کے بینہ اولیٰ ہوں گے۔ ''معین الحکام'' میں اسی طرح ہے جب کہ ''حاوی'' کی طرف منسوب ہے۔ مقتول کے اولیا نے گواہیاں قائم کیں کہ اسے زید نے زخمی کیا ہے اور اسے قتل کر دیا ہے اور زید نے گواہیاں قائم کیں کہ مقتول نے کہا تھا زید نے مجھے زخمی نہیں کیا تھا اور اس نے مجھے قتل نہیں کیا تو زید کی گواہیاں اولیٰ ہوں گی۔ ''المشتمل'' میں جب کہ ''مجمع الفتاویٰ'' کی طرف منسوب ہے اسی طرح ہے۔ زخمی نے کہا: مجھے فلاں نے زخمی نہیں کیا پھر مجروح مر گیا

صورت مختلف ہو گی جیسے مقتول کے اولیا میں سے کسی نے معاف کر دیا ہو تو یہ امر مخفی ہے کہ باقی ماندہ اولیاء کا حق ساقط ہو گیا یا ساقط نہ ہوا بلکہ ''الدرر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے کہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔ بعض علماء کے نزدیک بعض کے معاف کرنے سے قصاص ساقط نہیں ہو گا۔ پس اس کا ظن شبہ ہو جائے گا۔

34888۔ (قوله: فَبَيِّنَةُ وَلِيِّ الْمَقْتُولِ أَوْلَى) یہ اس کے موافق ہے جسے ''صاحب القنیہ'' نے باب البینتین المتضادتین میں ذکر کیا ہے۔ بعض علما نے یہ تعلیل کی ہے کہ اولیا کے گواہ امر کو ثابت کرنے والے ہیں اور مارنے والے کے گواہ اس کی نفی کرنے والے ہیں۔ لیکن یہ اس کے مخالف ہے جسے ''صاحب الخلاصہ'' نے کتاب الدعویٰ کے آخر میں اپنے اس قول کے ساتھ ذکر کیا ہے: ایک آدمی نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ اس نے اس کی لونڈی کے پیٹ پر ضرب لگائی ہے اور اس کی ضرب سے وہ مر گئی ہے تو مدعیٰ علیہ نے اس کا دفاع کرتے ہوئے کہا، وہ لونڈی اس ضرب کے بعد بازار گئی تو یہ دفاع صحیح نہ ہو گا۔ اگر اس نے یہ گواہیاں قائم کیں کہ وہ عورت ضرب کے بعد صحیح ہو گئی تھی تو دفاع صحیح ہو گا اگر دونوں نے گواہیاں قائم کر دیں ایک نے اس کے صحت مند ہونے پر، اور دوسرے نے ضرب کے ساتھ موت پر، تو صحت مند ہونے کی گواہیاں اولیٰ ہوں گی۔ ''بزازیہ'' اور ''مشتمل الاحکام'' میں یہ اسی طرح ہے۔ فاضل ''ابو سعود'' نے یہ فتویٰ دیا ہے ''شیخ غانم بغدادی'' کی تالیف ''تعارض البینۃ'' میں اسی طرح کا حکم ہے۔ مصنف نے جو یہاں ذکر کیا ہے کتاب الشہادات میں باب الاختلاف فی الشہادۃ سے تھوڑا پہلے اسی پر گامزن ہوئے ہیں جب کہ ''البحر'' کی پیروی کی ہے، فتامل۔

34889۔ (قوله: فَبَيِّنَةُ زَيْدٍ أَوْلَى) کیونکہ یہ گواہیاں صاحب حق کے قول پر قائم ہوئی ہیں یہ گواہیاں نفی پر قائم

(وَلَیْسَ لِوَرَثَتِهِ الدَّعْوَی عَلَی الْجَارِحِ بِهٰذَا السَّبَبِ) مُطْلَقًا، وَقِیلَ إِنْ کَانَ الْجُرْحُ مَعْرُوفًا عِنْدَ الْقَاضِی أَوْ النَّاسِ قُبِلَتْ قُنْیَةٌ وَفِی الدُّرَرِ عَنِ الْمَسْعُودِیَّةِ لَوْ عَفَا الْمَجْرُوحُ أَوْ الْأَوْلِیَاءُ بَعْدَ الْجُرْحِ قَبْلَ الْمَوْتِ جَازَ الْعَفْوُ اسْتِحْسَانًا وَفِی الْوَهْبَانِیَّةِ جَرِیحٌ قَالَ قَتَلَنِی فُلَانٌ وَمَاتَ فَبَرْهَنَ وَارِثُهُ عَلَی آخَرَ أَنَّهُ قَتَلَهُ لَمْ تُسْمَعْ؛ لِأَنَّهُ حَقُّ الْمُورِثِ وَقَدْ أَکْذَبَهُمْ وَلَوْ قَالَ جَرَحَنِی فُلَانٌ وَمَاتَ

تو اسی سبب سے اس کے وارثوں کو مطلقاً زخم لگانے پر کوئی دعویٰ کا حق نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر زخم قاضی یا لوگوں کے ہاں معروف ہو تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا،''قنیہ''۔''الدرر'' میں ''مسعودیہ'' سے مروی ہے: اگر زخمی یا اولیا نے زخم کے بعد موت سے پہلے معاف کر دیا تو بطور استحسان معافی جائز ہوگی۔''وہبانیہ'' میں ہے: ایک زخمی ہے اس نے کہا: فلاں نے مجھے قتل کیا اور وہ مر گیا اس کے وارث نے ایک اور آدمی کے خلاف گواہیاں قائم کیں کہ فلاں نے اسے قتل کیا ہے تو ان کو نہیں سنا جائے گا۔ کیونکہ یہ مورث کا حق ہے جب کہ اس نے ان وارثوں کو جھٹلا دیا ہے اگر وہ کہے: مجھے فلاں نے زخمی کیا اور وہ مر گیا

نہیں ہوئیں۔''ط''۔

34890۔(قولہ: لَیْسَ لِوَرَثَتِهِ الدَّعْوَی) کیونکہ وارث پہلے دیت کے لیے حق کا دعویٰ کرتا ہے پھر وہ وراثت کی وجہ سے اس کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ مورث اگر زندہ ہوگا تو اس قول کے بعد اس کا دعویٰ قبول نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کا یہ قول پہلے قولوں کے مناقض ہے۔ پس اس آدمی کا دعویٰ صحیح نہیں ہوگا جو اس کے لیے دعویٰ کرتا ہے۔''ولوالجیہ''۔ اسے کتاب القول لمن یقولہ) میں مقید کیا ہے صاحب''المحیط'' نے کہا: یہ حکم اس صورت میں ہے جب جارح اجنبی تھا اگر وہ وارث ہو تو صحیح نہ ہوگا۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے''المحیط'' سے جو نقل کیا ہے یہ اس کے بارے میں ہے جب زخم خطا سے لگا ہو۔ کیونکہ یہ معنی میں اس کے وارث کو مال سے بری کرنا ہے۔''طحطاوی'' نے مصنف کے کلام کو اس قول کے ساتھ مقید کیا ہے۔ مقید بالقتل العمد مگر جب وہ قتل خطا ہو اور مسئلہ اس حال پر ہو تو گواہیوں کو قبول کیا جائے گا اور دیت سے اس کا ایک تہائی ساقط ہو جائے گا اور ان کے قول لم یجزی کو ساقط کرنا شمار ہوگا۔ پس یہ ایک تہائی سے ہی نافذ ہوگا۔ اسی قول کو کسی کی طرف منسوب نہیں کیا۔

34891۔(قولہ: وَفِی الدُّرَرِ عَنِ الْمَسْعُودِیَّةِ الخ) یہ اس قول کے ساتھ تکرار ہے جو ان کے قول لا قود بقتل مسلم مسلما سے تھوڑا پہلے گزرا ہے،''ح''۔

34892۔(قولہ: عَلَی آخَرَ) یعنی دوسرے آدمی پر جو مورث سے اجنبی ہے اس کا قرینہ اس کے بعد ہے۔

34893۔(قولہ: وَقَدْ أَکْذَبَهُمْ) یعنی گواہوں کو جھٹلا دیا ہے جس طرح''حاشیۃ الاشباہ'' میں''مجموع النوازل'' سے مروی ہے۔

فَبَرْهَنَ ابْنُهُ عَلَى ابْنِ آخَرَ أَنَّهُ جَرَحَهُ خَطَأً قُبِلَتْ لِقِيَامِهَا عَلَى حِرْمَانِهِ الْإِرْثَ (سَقَاهُ سُمًّا حَتَّى مَاتَ، إِنْ دَفَعَهُ إِلَيْهِ حَتَّى أَكَلَهُ وَلَمْ يَعْلَمْ بِهِ فَمَاتَ لَا قِصَاصَ وَلَا دِيَةَ لَكِنَّهُ يُحْبَسُ وَيُعَزَّرُ، وَلَوْ أَوْجَرَهُ) السُّمَّ (إِيجَارًا تَجِبُ الدِّيَةُ) عَلَى عَاقِلَتِهِ (وَإِنْ دَفَعَهُ لَهُ فِي شَرْبَةٍ فَشَرِبَهُ وَمَاتَ) مِنْهُ (فَكَالْأَوَّلِ)؛ لِأَنَّهُ شَرِبَ مِنْهُ بِاخْتِيَارِهِ إِلَّا أَنَّ الدَّفْعَ خُدْعَةٌ

اور اس کے بیٹے نے دوسرے بیٹے پر گواہیاں قائم کر دیں کہ اس نے اسے خطاءً زخمی کیا تھا تو ان کو قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ گواہیاں اس کی وراثت سے محرومی پر قائم ہوئی ہیں۔ اسے زہر پلایا یہاں تک کہ وہ مرگیا اگر اس نے وہ زہر اسے دیا یہاں تک کہ اس نے اسے کھالیا اور اسے اس کا علم نہ تھا تو وہ مرگیا تو کوئی قصاص نہیں ہوگا اور نہ ہی دیت ہوگی لیکن اس کو محبوس کیا جائے گا اور اس پر تعزیر جاری کی جائے گی۔ اگر اس نے زہر کو اس کے حلق میں انڈیلا تو اس کی عاقلہ پر دیت لازم ہوگی۔ اگر اس نے اسے زہر کسی مشروب میں ملا کر دیا تو اس نے اس کو پی لیا اور اس سے مرگیا تو حکم پہلے کی طرح ہوگا۔ کیونکہ اس نے اسے اپنے اختیار سے پیا ہے مگر اس طرح دینا دھوکا ہے

34894۔ (قولہ: فَبَرْهَنَ ابْنُهُ عَلَى ابْنِ آخَرَ) ''الاشباہ'' کی عبارت ہے: اس کے بیٹے نے گواہیاں قائم کر دیں کہ فلاں دوسرے شخص نے اسے زخمی کر دیا ہے صحیح وہ ہے جو یہاں ہے۔ اسی وجہ سے ''بیری'' نے کہا: ''الاشباہ'' میں جو قول ہے وہ منقول کے خلاف ہے۔

34895۔ (قولہ: لِقِيَامِهَا عَلَى حِرْمَانِهِ الْإِرْثَ) یہ اس فرق کا بیان ہے جو اس کے درمیان ہے جب گواہیاں اجنبی پر قائم کی جائیں تو ان کو قبول نہ کیا جائے گا جس طرح پہلے گزر چکا ہے اور اس کے درمیان ہے جب وہ مجروح کے بیٹے پر قائم کی گئی ہوں۔ ''الظہیریہ'' میں کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ گواہیاں اس پر قائم ہوتی ہیں کہ بچہ وراثت سے محروم ہے۔ جب ہم نے میراث میں اسے جائز قرار دیا ہے تو ہم نے دیت کو اس کی عاقلہ پر لازم کر دیا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی کو زہر پلا دے یہاں تک کہ وہ مرجائے تو اس کا حکم

34896۔ (قولہ: وَلَمْ يَعْلَمْ بِهِ) اگر اسے علم ہو تو حکم بدرجہ اولیٰ اسی طرح ہوگا ''ط''۔

34897۔ (قولہ: لَا قِصَاصَ وَلَا دِيَةَ) وہ اس کا وارث ہوگا ''ہندیہ''، ''ط''۔

34898۔ (قولہ: حَتَّى أَكَلَهُ) یعنی اس نے اپنے اختیار سے اس کو کھالیا زیادہ بہتر یہ قول تھا حتی شربہ یہاں تک کہ وہ اسے پی لے۔

34899۔ (قولہ: وَلَوْ أَوْجَرَهُ الخ) یعنی اس کے حلق میں زبردستی انڈیل دے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا جب وہ اسے دے اور اسے پینے پر مجبور کرے یہاں تک کہ وہ پی لے پس قصاص نہیں ہوگا اور اس کی عاقلہ پر دیت ہوگی ''تاترخانیہ''۔ پھر کہا: ''ذخیرہ'' میں ہے: اصل میں اس مسئلہ کو اختلاف کے بغیر مطلقاً ذکر کیا ہے اور اس کی تفصیل بیان نہیں کی۔ یہ امام

فَلَا یَلْزَمُ إِلَّا التَّعْزِیْرُ وَالِاسْتِغْفَارُ خَانِیَّةٌ (وَإِنْ قَتَلَهُ بِمَرٍّ) بِفَتْحِ الْمِیمِ مَا یُعْمَلُ فِی الطِّیْنِ

تو کوئی شے لازم نہ ہوگی مگر تعزیر اور استغفار لازم ہوگی، ''خانیہ''۔ اگر اسے پھاوڑے یا بیلچے سے قتل کر دیا، مراس آلہ کو کہتے ہیں جس کے ساتھ مٹی میں کام کیا جاتا ہے یہ لفظ میم کے فتحہ کے ساتھ ہے

''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اشکال کا باعث نہیں۔ کیونکہ قتل ایسی چیز سے واقع ہوا ہے جس نے زخم نہیں لگایا۔ پس ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق یہ خطا العمد ہوگا۔

جہاں تک ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کا تعلق ہے تو علماء میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے کہا: یہ تفصیل پر مبنی ہے یعنی اگر اس نے زہر کی اتنی مقدار حلق میں انڈیلی جس کی مثل سے عموماً قتل واقع ہو جاتا ہے تو وہ قتل عمد ہوگا ورنہ وہ قتل خطا عمد ہوگا۔ علماء میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے کہا: یہ تمام ائمہ کے نزدیک مطلقاً خطا عمد ہے۔ ''سائحانی'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ ان کے شیخ ''ابوسعود'' نے باب قطع الطریق میں یہ ذکر کیا ہے اگر اس نے زہر کے ساتھ قتل کیا تو قصاص واجب ہوگا۔ کیونکہ زہر آگ اور چھری کا سا عمل کرتا ہے ''سمرقندی'' نے اس کو ترجیح دی ہے یعنی جب وہ اس کے حلق میں انڈیل دے یا اس کے پینے پر اسے مجبور کرے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔

34900۔ (قولہ: فَلَا یَلْزَمُ إِلَّا التَّعْزِیْرُ وَالِاسْتِغْفَارُ) کیونکہ اس نے معصیت کا ارتکاب کیا ہے کہ وہ نفس کے قتل کا سبب بنا ہے۔

تنبیہ

ایک آدمی نے اقرار کیا کہ اس نے فلاں کو دعا، باطنی تیروں یا سورۃ انفال کی قراءت کے ساتھ ہلاک کیا ہے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ محض جھوٹ ہے کیونکہ یہ اس علم غیب کے دعویٰ کی طرف لے جاتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ (النمل: 65) میں نفی کی گئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔ ان اشیاء کے ساتھ ہلاک کرنے کے باب میں کوئی نص موجود نہیں اور جھوٹے اقرار کے ساتھ اس پر کوئی شے لازم نہیں آتی۔ جس طرح ایک آدمی ایسے آدمی کے بارے میں بیٹا ہونے کا اقرار کرتا ہے جو عمر میں اس سے بڑا ہے اگر وہ اقرار کرے کہ اس نے فلاں کو اللہ تعالیٰ کے اسماء قہریہ کی قراءت کے ساتھ ہلاک کیا ہے تو مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ قراءت کا وقوع ہوا ہے۔ اصح یہ ہے کہ اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ شرع نے اسے آلہ قتل میں اور سبب سے نہیں بنایا۔ ''بیری'' نے ''حاوی الفتاویٰ'' سے نقل کیا ہے اور اس امر کا ذکر نہیں کیا جب وہ یہ اقرار کرے کہ اس نے نظر لگانے کے ساتھ فلاں کو قتل کیا ہے۔ فتامل

اگر کوئی شخص کسی کو پھاوڑے یا بیلچے سے قتل کر دے تو اس کا حکم

34901۔ (قولہ: مَا یُعْمَلُ فِی الطِّیْنِ) ''عینی'' نے کہا: مر یہ میم کے فتحہ اور را کی تشدید کے ساتھ ہے یہ طویل لکڑی

فَلَا يَلْزَمُ إِلَّا التَّعْزِيرُ وَالِاسْتِغْفَارُ خَانِيَّةٌ (وَإِنْ قَتَلَهُ بِمَرٍّ بِفَتْحِ الْمِيمِ مَا يُعْمَلُ فِي الطِّينِ (يُقْتَصُّ إِنْ أَصَابَهُ حَدُّ الْحَدِيدِ) أَوْ ظَهْرُهُ وَجَرَحَهُ إِجْمَاعًا كَمَا نَقَلَهُ الْمُصَنِّفُ عَنْ الْمُجْتَبَى (وَإِلَّا) يُصِبْهُ حَدُّهُ بَلْ قَتَلَهُ بِظَهْرِهِ وَلَمْ يَجْرَحْهُ (لَا) يُقْتَصُّ فِي رِوَايَةِ الطَّحَاوِيِّ، وَظَاهِرُ الرِّوَايَةِ أَنَّهُ يُقْتَصُّ بِلَا جُرْحٍ فِي حَدِيدٍ وَنُحَاسٍ وَذَهَبٍ وَنَحْوِهَا، وَعَزَاهُ فِي الدُّرَرِ لِقَاضِي خَانْ؛ لَكِنْ نَقَلَ الْمُصَنِّفُ عَنْ الْخُلَاصَةِ أَنَّ الْأَصَحَّ اعْتِبَارُ الْجُرْحِ عِنْدَ الْإِمَامِ لِوُجُوبِ الْقَوَدِ، وَعَلَيْهِ جَرَى ابْنُ الْكَمَالِ وَفِي الْمُجْتَبَى ضَرَبَ بِسَيْفٍ فِي غِمْدِهِ فَخَرَقَ السَّيْفُ الْغِمْدَ وَقَتَلَهُ فَلَا قَوَدَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

تو کوئی شے لازم نہ ہوگی مگر تعزیر اور استغفار لازم ہوگی،''خانیہ''۔ اگر اسے پھاوڑے یا بیلچے سے قتل کر دیا، مراس آلہ کو کہتے ہیں جس کے ساتھ مٹی میں کام کیا جاتا ہے یہ لفظ میم کے فتحہ کے ساتھ ہے تو اس سے قصاص لیا جائے گا اگر اسے وہ جانب لگے جس جانب سے لوہے کی حد (دھار) بنائی گئی ہو یا اس کی پشت لگی ہو اور اس نے اسے زخمی کر دیا ہو اس پر اجماع ہے جس طرح مصنف نے اسے''المجتبیٰ'' سے نقل کیا ہے۔ اگر اسے اس کی حد نہ لگے بلکہ اسے اس کی پشت کے ساتھ قتل کیا ہو اور اس نے اسے زخمی نہ کیا ہو تو''طحاوی'' کی روایت میں اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور ظاہر روایت یہ ہے کہ لوہے، تانبے، سونے وغیرہ کی صورت میں زخم کے بغیر بھی اس سے قصاص لیا جائے گا۔ اسے''الدرر'' میں''قاضی خان'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن مصنف نے''الخلاصہ'' سے نقل کیا ہے کہ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قصاص کے واجب ہونے کے لیے زخم کا اعتبار ہے۔ یہ اصح قول کے مطابق ہے۔''ابن کمال'' اسی پر گامزن ہوئے ہیں۔''مجتبیٰ'' میں ہے: نیام میں موجود تلواروں کے ساتھ کسی کو مارا تلوار نے نیام کو توڑ دیا اور اس کو قتل کر دیا تو امام''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قصاص نہیں ہوگا

ہوتی ہے جس کے سرے پر چوڑا لوہا ہوتا ہے اس کے اوپر ایک چوڑی لکڑی ہوتی ہے جس پر ایک آدمی اپنا پاؤں رکھتا ہے اور اس کے ساتھ زمین کو کھودتا ہے۔

34902۔(قولہ: بَلْ قَتَلَهُ بِظَهْرِهِ الخ) اگر اسے لکڑی لگے تو یہ وزنی چیز کے ساتھ قتل کا مسئلہ ہے یہ کتاب کے شروع میں گزر چکا ہے،''معراج''۔ یعنی یہ شبہ عمد ہوگا۔ اس کے بارے میں کلام پہلے گزر چکی ہے۔

34903۔(قولہ: أَنَّ الْأَصَحَّ اعْتِبَارُ الْجُرْحِ الخ)''ہدایہ'' میں بھی اس کے متعلق تصریح کی ہے اور شارحین نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ پس''ہدایہ'' سے اسے نقل کرنا اولیٰ ہے۔ کیونکہ وہ اقویٰ ہے۔

اگر نیام میں موجود تلوار مارنے کے ساتھ کسی کو قتل کر دے تو قصاص کا حکم

34904۔(قولہ: فَلَا قَوَدَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) کیونکہ اس نے زخمی کرنے والے آلہ کے ساتھ ضرب لگانے کا قصد نہیں کیا،''ولوالجیہ''۔

میں کہتا ہوں: یہ اس کے موافق ہے جو عمد کی تعریف پہلے گزر چکی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ایسے آلہ کے ساتھ

(كَالْخَنِقِ وَالتَّغْرِيقِ) خِلَافًا لَهُمَا وَالشَّافِعِيِّ وَلَوْ أَدْخَلَهُ بَيْتًا فَمَاتَ فِيهِ جُوعًا لَمْ يَضْمَنْ شَيْئًا

جس طرح گلا دبانے اور پانی میں غرق کرنے کے ساتھ "صاحبین" رحمۃ اللہ علیہما اور امام "شافعی" رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر اسے ایک کمرے میں داخل کیا تو وہ اس میں بھوکا مر گیا تو وہ کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا۔

ضرب لگائے جو اجزاء کو الگ الگ کر دے۔ اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ اگر وہ اس صورت میں تلوار سے وار کا قصد کرے تو اس پر قصاص لازم ہوگا۔ کیونکہ آلہ قتل کے ساتھ زخم واقع ہوا ہے ساتھ ہی ضرب کا قصد کیا گیا تھا مگر ہم نے کتاب کے شروع میں "مجتبیٰ" سے جو قول نقل کیا ہے کہ عمد میں قتل کا قصد شرط نہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ دھار والے آلہ کے ساتھ ضرب کے قصد کے بعد قتل کا ارادہ شرط نہیں۔ پس شرط ضرب کا قصد ہے قتل کا قصد شرط نہیں۔ پھر تیز دھار والے آلے کے ساتھ قتل پائے جانے کی صورت میں یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عمد ہو۔ کیونکہ بعض اوقات وہ خطا ہوتا ہے۔ پس اس لیے اس کے ساتھ ضرب کا قصد شرط ہوتا ہے یہاں جب اس نے تلوار کے ساتھ مارنے کا قصد نہیں کیا تو وہ عمد نہ ہوگا اگرچہ اس کے ساتھ قتل حاصل ہو۔

34905۔ (قولہ: كَالْخَنِقِ) یہ ان کے قول: والالۃ کے ساتھ متصل ہے خنق یہ نون کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ "فارابی" نے کہا: سکون کے ساتھ قول نہیں کیا جائے گا جب کہ وہ خنقہ کا مصدر ہے جب وہ اس کے حلق کو دبائے۔ خناق اس سے اسم فاعل یعنی مبالغہ کا صیغہ ہے خناق جب خا کے کسرہ اور تخفیف کے ساتھ ہو۔ اس سے مراد وہ چیز ہے جس کے ساتھ گلا دبایا جاتا ہے وہ رسی ہو یا تانت ہو۔ "مغرب"۔

34906۔ (قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) "صاحبین" رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس میں قصاص ہے۔ "الولوالجیہ" میں ہے: یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ گلا دبانے میں دوام اختیار کرے یعنی گلا دبائے رکھے یہاں تک کہ وہ مر جائے مگر جب وہ مرنے سے پہلے اسے ترک کر دے تو یہ دیکھا جائے گا اگر وہ اتنی مقدار گلا دبائے جس سے عموماً انسان مر جاتا ہے تو "صاحبین" رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک قصاص لازم ہوگا ورنہ نہیں۔ اس پر اجماع ہے۔ غرق کرنے کا معاملہ اسی طرح ہے۔ اس میں یہ شرط ہے کہ پانی عظیم ہو اس حیثیت میں کہ نجات ممکن نہ ہو تا کہ وہ "صاحبین" رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک قتل عمد بن جائے جو قصاص کا موجب ہو۔ اگر یہ عمل تھوڑا ہو تو غالباً یہ قتل نہیں کرتا یا عظیم ہو جس سے نجات تیرنے کے ساتھ ممکن ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس سے بندھا ہوا نہ ہو جب کہ وہ اچھی طرح تیر سکتا ہو پس وہ شبہ عمد ہوگا۔ اسے "تاتر خانیہ" وغیرہا میں بیان کیا ہے۔

کمرے میں محبوس مقتول کے قصاص میں آئمہ احناف کا اختلاف

34907۔ (قولہ: وَلَوْ أَدْخَلَهُ بَيْتًا) "تاتر خانیہ" میں "المحیط" سے اسے اسی طرح مطلقاً ذکر کیا ہے۔ اس میں "ظہیریہ" سے مروی ہے: ولو قیدہ وحبسہ فی بیت الخ ظاہر معنی یہ ہے کہ معتبر باہر نکلنے پر قادر نہ ہونا ہے خواہ اسے جکڑا ہو یا نہ جکڑا ہو۔

وَقَالَا تَجِبُ الدِّيَةُ وَلَوْ دَفَنَهُ حَيًّا فَمَاتَ، عَنْ مُحَمَّدٍ يُقَادُ بِهِ مُجْتَبَى بِخِلَافِ قَتْلِهِ بِمُوَالَاةِ ضَرْبِ السَّوْطِ كَمَا سَيَجِيءُ

اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: دیت واجب ہوگی اگر اسے زندہ دفن کیا اور وہ مرگیا امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اس سے قصاص لیا جائے گا، ''مجتبیٰ''۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ سوٹے کی پے در پے ضربوں سے اسے قتل کر ڈالے جس طرح عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

34908۔ (قولہ: وَقَالَا تَجِبُ الدِّيَةُ) ''تاتر خانیہ'' میں ''المحیط'' اور ''الکبریٰ'' سے مروی ہے: اس پر دیت واجب ہوگی۔ ظاہر یہ ہے کہ پہلا قول علیہ الدیۃ میں مضاف محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے: علی عاقلتہ الدیۃ، تامل۔ ''الظہیریہ'' میں ہے: فتویٰ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے: اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ امام ''طحاوی'' نے کتاب کے شروع میں کہا: ''شرح الحموی'' میں ''خزانۃ المفتین'' سے مروی ہے: اگر وہ اس کو کنویں میں پھینکے یا پہاڑ کی چوٹی سے پھینکے یا چھت سے پھینکے تو اس کے بدلے میں اس کو قتل نہیں کیا جائے گا اگر ایک انسان پر ایک کمرہ بنا دیا یہاں تک کہ وہ بھوکا مرگیا یا پیاسا مرگیا تو ضامن نہیں ہوگا۔

''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: اس پر دیت ہوگی۔ کیونکہ یہ ایسا سبب ہے جو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔ پس ضمان واجب ہوگی۔ ہمارے زمانے میں یہی مختار ہے تا کہ ظالموں کو ظلم سے روکا جائے۔

34909۔ (قولہ: عَنْ مُحَمَّدٍ يُقَادُ) یہ اس امر پر مبنی ہے کہ ان کے نزدیک شبہ عمد میں قصاص واجب ہوگا جس طرح ''المعراج'' میں نقل کیا ہے یا یہ اس پر مبنی ہے کہ یہ قتل عمد ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: اس میں اس سے قصاص لیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے اسے جان بوجھ کر قتل کیا ہے۔ یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ فتویٰ اس بات پر ہے کہ اس کی عاقلہ پر دیت ہوگی۔

اس میں اور اس میں جب وہ اس کو محبوس کر دے یہاں تک کہ وہ بھوکا مر جائے فرق یہ ہے کیونکہ اس پر قصد ہے کہ اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی جس طرح گزر چکا ہے کہ بھوک اور پیاس انسان کے لوازم میں سے ہیں۔ جہاں تک یہاں کا تعلق ہے تو وہ غم کی وجہ سے مرگیا ہے جب کہ یہ اس کے لوازم میں سے نہیں ہے۔ پس اس کی نسبت فاعل کی طرف ہوگی جس طرح ''ظہیریہ'' میں بیان کیا ہے۔

34910۔ (قولہ: بِخِلَافِ قَتْلِهِ الخ) کیونکہ اس میں اس پر کوئی قیاس نہیں۔ ''اتقانی'' نے کہا: جب چھوٹے ڈنڈے کے ساتھ پے در پے ضربیں لگائے اور چھوٹے ڈنڈے سے قصاص واجب نہیں ہوتا۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: قصاص واجب ہوگا جب وہ اس طریقہ سے پے در پے ضربیں لگائے کہ نفس معمول کے مطابق اس کو برداشت نہ کر سکے۔ اس سے قبل یہ نقل کیا ہے کہ یہ شبہ عمد ہے۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما سے یہ منقول ہے کہ یہ عمد ہے۔

34911۔ (قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) میں نے اس بارے میں کوئی قول نہیں دیکھا۔

وَفِيهِ لَوْ اعْتَادَ الْخَنْقَ قُتِلَ سِيَاسَةً وَلَا تُقْبَلُ تَوْبَتُهُ لَوْ بَعْدَ مَسْكِهِ كَالسَّاحِرِ وَفِيهِ (قَمَطَ رَجُلًا وَطَرَحَهُ قُدَّامَ أَسَدٍ أَوْ سَبُعٍ فَقَتَلَهُ فَلَا قَوَدَ فِيهِ وَلَا دِيَةَ وَيُعَزَّرُ وَيُضْرَبُ وَيُحْبَسُ إِلَى أَنْ يَمُوتَ) زَادَ فِي الْبَزَّازِيَّةِ وَعَنْ الْإِمَامِ عَلَيْهِ الدِّيَةُ،

اس میں ہے: اگر وہ گلا دبا کر مارنے کا عادی ہو جائے تو اس کو بطور سیاست قتل کر دیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی اگر وہ گرفتاری کے بعد توبہ کرے جیسے جادوگر کی توبہ گرفتاری کے بعد قبول نہیں ہوتی۔ اس میں ایک آدمی کے ہاتھ پاؤں باندھے اور اسے شیر یا درندے کے سامنے پھینک دیا تو اس جانور نے اس کو قتل کر دیا تو اس میں نہ قصاص ہوگا نہ دیت ہوگی اس کو تعزیر لگائی جائے گی، اس کو مارا جائے گا اور اس کو قید رکھا جائے گا یہاں تک کہ مر جائے۔ ''بزازیہ'' میں یہ زائد ذکر کیا ہے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے کہ اس پر دیت لازم ہوگی

34912۔ (قولہ: لَوْ اعْتَادَ الْخَنْقَ) ''خانیہ'' میں ہے: اگر اس نے کسی کا گلا دبایا تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا مگر جب وہ معروف گلا دبانے والا تھا جس نے کئی افراد کا گلا دبایا۔ پس اس کو بطور سیاست قتل کیا جائے گا۔ شارح کی عبارت جو کتاب الجہاد سے پہلے ہے بصورت دیگر اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ایک دفعہ گلا دبائے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا اسے وہاں مصنف کے قول کے بعد ذکر کیا ہے شہر میں جس سے گلا دبانے کا عمل بار بار ہوا اسے قتل کیا جائے گا۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ تکرار دو دفعہ سے حاصل ہو جاتا ہے پھر یہ گلا دبانے کے ساتھ خاص نہیں۔ کیونکہ شبہ العمد میں یہ پہلے بیان کیا ہے کہ اس میں قصاص نہیں ہوگا مگر جب اس سے یہ عمل متکرر ہو۔ پس امام کو حق حاصل ہوگا کہ اسے بطور سیاست قتل کرے۔

34913۔ (قولہ: لَوْ بَعْدَ مَسْكِهِ) یعنی امام کے قابو میں آنے کے بعد۔ اگر وہ اس سے پہلے توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی، ''مجتبیٰ''۔

کمرے میں محبوس شخص کو اگر کوئی درندہ قتل کر دے تو اس کا حکم

34914۔ (قولہ: فَلَا قَوَدَ فِيهِ وَلَا دِيَةَ) اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ اسے ایک کمرہ میں داخل کرے اور ساتھ ہی ایک درندہ داخل کر دے اور دروازہ اس پر بند کر دے اور درندہ اس انسان کو قتل کر دے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر سانپ اسے ڈس لے یا بچھو اسے ڈنگ مارے اگر وہ یہ عمل بچے کے ساتھ کرے تو اس پر دیت لازم ہوگی ''تاتر خانیہ''۔ ''طحطاوی'' نے اس کی مثل ''ہندیہ'' سے نقل کیا ہے۔ ان کا قول: فعلیہ الدیۃ یعنی اس کی عاقلہ پر دیت لازم ہوگی اس میں مضاف حذف ہے۔ اس کی دلیل وہ ہے جو آگے آئے گی۔ کیونکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اس پر قتل عمد کا صدق نہیں آتا، تامل۔ اس میں غور و کرو۔ بچے اور مرد میں کیا فرق ہے مصنف عنقریب ''کتاب القسامہ'' سے تھوڑا پہلے ذکر کریں گے۔ اگر آزاد بچے کو غصب کیا تو وہ بجلی کی کڑک یا سانپ کے ڈسنے سے مر گیا تو اس کی دیت غاصب کی عاقلہ پر ہوگی۔ شارح نے وہاں یہ علت بیان کی ہے کہ وہ مسبب ہے۔ یہ ذکر کیا اگر بڑے آزاد کو مقید حالت میں قتل کیا گیا اور اس سے بچنا اس کے لیے ممکن نہ تھا تو وہ

وَلَوْ قَمَطَ صَبِيًّا وَأَلْقَاهُ فِي الشَّمْسِ أَوْ الْبَرْدِ حَتَّى مَاتَ فَعَلَى عَاقِلَتِهِ الدِّيَةُ وَفِي الْخَانِيَّةِ قَمَطَ رَجُلًا وَأَلْقَاهُ فِي الْبَحْرِ فَرَسَبَ وَغَرِقَ كَمَا أَلْقَاهُ فَعَلَى عَاقِلَتِهِ الدِّيَةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَلَوْ سَبَحَ سَاعَةً ثُمَّ غَرِقَ فَلَا دِيَةَ لِأَنَّهُ غَرِقَ بِعَجْزِهِ، وَفِي الْأُولَى غَرِقَ بِطَرْحِهِ فِي الْمَاءِ (قَطَعَ عُنُقَهُ وَبَقِيَ مِنَ الْحُلْقُومِ قَلِيلٌ وَفِيهِ الرُّوحُ فَقَتَلَهُ آخَرُ فَلَا قَوَدَ فِيهِ) عَلَيْهِ؛ لِأَنَّهُ فِي حُكْمِ الْمَيِّتِ

اگر وہ بچے کے ہاتھ پاؤں باندھ دے اور اسے دھوپ یا سردی میں پھینک دے یہاں تک کہ مر جائے تو اس کی عاقلہ پر اس کی دیت لازم ہوگی۔ ''خانیہ'' میں ہے: ایک آدمی کے ہاتھ پاؤں باندھے اور اسے سمندر میں پھینک دیا وہ تہ نشین ہو گیا اور غرق ہو گیا جس طرح اس نے اسے پھینکا تو اس کی عاقلہ پر دیت ہوگی۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے۔ اگر وہ ایک لحہ کے لیے تیرا پھر غرق ہو گیا تو دیت نہیں ہوگی۔ کیونکہ وہ اس کے عاجز آنے سے غرق ہوا ہے۔ پہلی صورت میں پانی میں پھینکنے سے وہ غرق ہوا ہے۔ ایک آدمی نے کسی انسان کی گردن کاٹی اور حلقوم میں سے تھوڑا چھوڑ دیا گیا جب کہ اس میں روح موجود تھی تو ایک اور آدمی نے اسے قتل کر دیا تو اس میں قصاص نہیں ہوگا کیونکہ وہ آدمی میت کے حکم میں ہے۔

ضامن ہوگا۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ بڑے اور چھوٹے میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ یہ اس روایت کے موافق ہے جسے یہاں ''بزازیہ'' سے نقل کیا ہے۔ اس پر مکمل گفتگو وہاں آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اگر کوئی کسی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر دھوپ میں پھینک دے اور وہ مر جائے تو اس کا حکم

34915_(قولہ: وَلَوْ قَمَطَ صَبِيًّا الخ) ''تاتر خانیہ'' میں اس کو ذکر کیا۔ اس سے پہلے یہ ذکر کیا ہے: اگر ایک آدمی نے ایک بچے یا ایک آدمی کے ہاتھ پاؤں باندھے پھر اسے دھوپ میں پھینک دیا تو اس پر دیت لازم ہوگی۔ یعنی اس کی عاقلہ پر دیت لازم ہوگی جس طرح ہم نے پہلے اس کا ذکر کیا ہے، تامل۔ پس اس میں غور و فکر کیا جائے کہ دھوپ اور درندے میں کیا فرق ہے۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک فعل کا یہ حکم نہیں جب کہ یہ ہر ایک میں قتل کا متسبب ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ اس روایت پر متفرع ہے۔

34916_(قولہ: فَرَسَبَ) ''مغرب'' میں کہا: رسب فی الماء رسوبا وہ نیچے چلا گیا یہ طلب کے باب میں سے ہے۔

34917_(قولہ: وَغَرِقَ الخ) اس سے اس کی موت کا وقوع معلوم ہو گیا۔ ''تاتر خانیہ'' میں کہا: اگر جس وقت سے پھینکا گیا تو وہ پانی میں نیچے چلا گیا اور یہ پتہ نہ چلا کہ وہ مر گیا ہے یا وہ نکلا ہے اور اس کا کوئی نشان دکھائی نہ دیا تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ وہ مر گیا ہے۔

34918_(قولہ: فَعَلَى عَاقِلَتِهِ الدِّيَةُ) یعنی اس پر دیت مغلظہ لازم ہوگی۔ ''تاتر خانیہ''۔

34919_(قولہ: وَلَوْ سَبَحَ سَاعَةً الخ) اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ اچھی طرح تیر سکتا ہو۔ ''تاتر خانیہ''۔

34920_(قولہ: لِأَنَّهُ فِي حُكْمِ الْمَيِّتِ) اگر اس کا بیٹا مر جائے تو وہ اس حالت پر ہوگا اس کا بیٹا اس کا وارث ہوگا اور

(وَلَوْ قَتَلَهُ وَهُوَ فِي) حَالَةِ (النَّزْعِ قُتِلَ بِهِ) إِلَّا إِذَا كَانَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا يَعِيشُ مِنْهُ، كَذَا فِي الْخَانِيَّةِ وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ شَقَّ بَطْنَهُ بِحَدِيدَةٍ وَقَطَعَ آخَرُ عُنُقَهُ، وَإِنْ تَوَهَّمَ بَقَاءَهُ حَيًّا بَعْدَ الشَّقِّ قُتِلَ قَاطِعُ الْعُنُقِ وَإِلَّا قُتِلَ الشَّاقُّ وَعُزِّرَ الْقَاطِعُ (وَمَنْ جَرَحَ رَجُلًا عَمْدًا فَصَارَ ذَا فِرَاشٍ وَمَاتَ يُقْتَصُّ) إِلَّا إِذَا وُجِدَ مَا يَقْطَعُهُ

اگر اسے قتل کیا جب کہ وہ حالت نزع میں تھا تو اس کے بدلے میں اس کو قتل کیا جائے گا مگر جب اسے علم ہو کہ وہ اس سے زندہ نہیں رہے گا۔ ''خانیہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''بزازیہ'' میں ہے: اس کے پیٹ کو لوہے سے پھاڑا اور دوسرے نے اس کی گردن کاٹ ڈالی اگر پیٹ پھاڑ دینے کے بعد اس کے زندہ رہنے کا وہم ہو تو گردن کاٹنے والے کو قتل کیا جائے گا ورنہ جس نے پیٹ چاک کیا تھا اس کو قتل کیا جائے گا اور جس نے گردن کاٹی تھی اس کو تعزیر لگائی جائے گی۔ جس نے کسی شخص کو عمداً زخمی کیا پس وہ صاحب فراش ہو گیا اور مر گیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا مگر جب ایسی چیز پائی جائے جو اس عمل کو ختم کر دے

وہ اپنے بیٹے کا وارث نہیں ہوگا''ذخیرہ''، ''ط''۔

34921۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا كَانَ يَعْلَمُ الخ) اس مسئلہ میں مصنف نے ''المنح'' میں پیروی کی ہے۔ صحیح یہ قول ہے: وان کان یعلم القاتل انہ لایعیش بہ۔ کیونکہ میں نے یہی قول ''الخانیہ''، ''الخلاصہ''، ''تاتر خانیہ'' اور ''بزازیہ'' میں دیکھا ہے۔

اگر کوئی کسی شخص کا پیٹ پھاڑ دے دوسرا اس کی گردن اڑا دے تو اس کا حکم

34922۔ (قولہ: شَقَّ بَطْنَهُ الخ) ''تاتر خانیہ'' میں ہے: اس کا پیٹ پھاڑ دیا اور اس کی آنتوں کو نکال دیا پھر ایک آدمی نے اس کی گردن جان بوجھ کر تلوار سے اڑا دی تو قاتل دوسرا شخص ہوگا۔ اگر قتل خطا ہو تو دیت واجب ہوگی اور جس نے پیٹ پھاڑا اس پر دیت کا ایک تہائی لازم ہوگا۔ اگر وہ زخم دوسری جانب نکل گیا تو دو تہائی دیت لازم ہوگی۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب پیٹ پھاڑنے کے بعد ایک دن یا دن کا کچھ حصہ زندہ رہے۔ اگر وہ ایسی حالت میں ہو جس کے ساتھ زندگی کے وجود کا وہم نہ ہو اور اس کے ساتھ موت کا اضطراب ہی باقی ہو تو قاتل پہلا شخص ہوگا۔ پس عمد کی صورت میں اس سے قصاص لیا جائے گا اور قتل خطا کی صورت میں اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا، ملخص۔ شاید اس میں اور اس میں جو حالت نزع میں پڑا ہوا ہے فرق یہ ہے کہ نزاع غیر متحقق ہے۔ کیونکہ مریض بعض اوقات شبہ نزاع کی حالت تک جا پہنچتا ہے بلکہ بعض اوقات یہ گمان کیا جاتا ہے کہ وہ مر چکا ہے اور اس کے ساتھ مردوں کا سا معاملہ کیا جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد وہ طویل عرصہ تک زندہ رہتا ہے مگر جس کا پیٹ چاک کر دیا جائے اور اس کی آنتوں کو نکال دیا جائے تو اس کی موت متحقق ہوتی ہے۔ لیکن جب اس میں اتنی زندگی ہو جس کے ساتھ وہ ایک دن تک زندہ رہ سکتا ہو تو وہ زندگی شرعاً معتبر ہوتی ہے جس طرح کتاب الذبائح میں گزر چکا ہے۔ اسی وجہ سے قاتل دوسرا شخص ہوگا مگر جب پیٹ پھاڑنے سے وہ موت کے تڑپنے کی طرح تڑپ رہا ہو تو ایسی زندگی اصلاً معتبر نہیں ہوتی تو وہ حکماً میت ہوگا اسی وجہ سے قاتل پہلا شخص ہوگا۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے۔

34923۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا وُجِدَ مَا يَقْطَعُهُ الخ) ''المنح'' میں کہا: کیونکہ زخم اس کی موت کا ظاہری سبب ہے تو موت کو

كَحَزِّ الرَّقَبَةِ وَالْبُرْءِ مِنْهُ، وَقَدَّمْنَا أَنَّهُ لَوْ عَفَا الْمَجْرُوحُ أَوْ الْأَوْلِيَاءُ قَبْلَ مَوْتِهِ صَحَّ اسْتِحْسَانًا (وَإِنْ مَاتَ) شَخْصٌ (بِفِعْلِ نَفْسِهِ وَزَيْدٍ وَأَسَدٍ وَحَيَّةٍ ضَمِنَ زَيْدٌ ثُلُثَ الدِّيَةِ فِي مَالِهِ إِنْ) كَانَ الْقَتْلُ (عَمْدًا وَإِلَّا فَعَلَى عَاقِلَتِهِ)؛ لِأَنَّ فِعْلَ الْأَسَدِ وَالْحَيَّةِ جِنْسٌ وَاحِدٌ؛ لِأَنَّهُ هَدَرٌ فِي الدَّارَيْنِ وَفِعْلُ زَيْدٍ مُعْتَبَرٌ فِي الدَّارَيْنِ وَفِعْلُ نَفْسِهِ هَدَرٌ فِي الدُّنْيَا لَا الْعُقْبَى حَتَّى يَأْثَمَ بِالْإِجْمَاعِ فَصَارَتْ ثَلَاثَةَ أَجْنَاسٍ وَمُفَادُهُ أَنْ يُعْتَبَرَ فِي الْمَقْتُولِ التَّكْلِيفُ لِيَصِيرَ فِعْلُهُ جِنْسًا آخَرَ غَيْرَ جِنْسِ فِعْلِ الْأَسَدِ وَالْحَيَّةِ وَأَنْ لَا يَزِيدَ عَلَى الثُّلُثِ لَوْ تَعَدَّدَ قَاتِلُهُ؛

جیسے گردن کو کاٹ دینا اور اس زخم سے صحت یاب ہو جانا۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اگر زخمی یا اس کے اولیاء اس کی موت سے قبل معاف کریں تو بطور استحسان یہ صحیح ہوگا۔ اگر کوئی شخص اپنے فعل، زید کے فعل اور شیر اور سانپ کے عمل سے مر گیا تو زید ایک تہائی دیت کا اپنے مال میں سے ضامن ہوگا۔ اگر زید کی جانب سے قتل، قتل عمد ہو ورنہ اس کی تہائی دیت زید کی عاقلہ پر ہوگی۔ کیونکہ شیر اور سانپ کا فعل ایک جنس ہے۔ کیونکہ وہ فعل دونوں جہانوں میں رائیگاں ہے۔ اور زید کا فعل دونوں جہانوں میں معتبر ہے اور اس کا اپنا فعل دنیا میں رائیگاں ہے آخرت میں رائیگاں نہیں یہاں تک کہ وہ بالاجماع گناہگار ہوگا۔ پس یہ تین جنسیں ہو گئیں۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مقتول میں تکلیف کا اعتبار کیا جائے تا کہ اس کا فعل کوئی دوسری جنس بن جائے تو شیر اور سانپ کے فعل کی جنس سے مختلف ہو (اس صورت میں) اگر قاتل متعدد افراد ہوں تو دیت ایک تہائی سے زائد لازم نہ ہوگی

اس پر محمول کیا جائے گا جب تک کوئی ایسا سبب نہ پایا جائے تو اس کو قطع کر دے جیسے کہ گردن کا کاٹنا اور اس زخم سے صحت مند ہو جانا۔ حز کا لفظ پہلے حا مہملہ ہے اور پھر زا معجمہ ہے جس کا معنی کاٹنا ہے اور منه کی ضمیر زخم کے لیے ہے۔

34924۔ (قولہ: وَقَدَّمْنَا الخ) یعنی اس فعل میں۔ اس کے ساتھ دوسرے قاطع کی طرف اشارہ کیا ہے۔

34925۔ (قولہ: ضَمِنَ زَيْدٌ ثُلُثَ الدِّيَةِ فِي مَالِهِ) کیونکہ عاقلہ قتل عمد کی ذمہ دار نہیں ہوتی۔ بے شک اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا اس علت کی وجہ سے جو گزر چکی ہے۔ اور آگے آئے گا کہ کیونکہ وہ تجزی و تقسیم کو قبول نہیں کرتا۔

34926۔ (قولہ: فَصَارَتْ ثَلَاثَةَ أَجْنَاسٍ) پس نفس تین افعال سے تلف ہوا۔ پس ہر فعل سے تلف ہونے والا کا تہائی ہے۔ پس اس پر دیت کا ایک تہائی واجب ہوگا "ہدایہ"۔

34927۔ (قولہ: وَمُفَادُهُ) ضمیر سے مراد تعلیل ہے یعنی تعلیل کا مستفاد۔

34928۔ (قولہ: لِيَصِيرَ فِعْلُهُ الخ) کیونکہ اگر مکلف نہ ہو تو وہ دارین میں رائیگاں جائے گا جس طرح شیر کا عمل ہے۔ پس زید پر نصف دیت ہوگی۔

اگر قاتل متعدد ہوں تو دیت کا حکم

34929۔ (قولہ: وَأَنْ لَا يَزِيدَ عَلَى الثُّلُثِ لَوْ تَعَدَّدَ قَاتِلُهُ) اس کی صورت یہ ہے کہ زید کے ساتھ کوئی اور ہو پس

لِأَنَّ فِعْلَ كُلِّ جِنْسٍ وَاحِدٌ ابْنُ كَمَالٍ (وَيَجِبُ قَتْلُ مَنْ شَهَرَ سَيْفًا عَلَى الْمُسْلِمِينَ)
کیونکہ ہرایک کا فعل ایک جنس ہے، ''ابن کمال''۔ جس نے مسلمانوں پر تلوار کو سونتا اسے فی الحال قتل کرنا

وہ اور غیر ایک تہائی میں شریک ہوں گے۔

میں کہتا ہوں: ''تاتر خانیہ'' کے متفرقات میں یہ ذکر کیا گیا ہے: اگر ایک آدمی نے اسے زخمی کیا اور دوسرے آدمی نے اسے زخمی کیا پھر اس کے ساتھ وہ شامل ہو گیا جس کا عمل ہدر ہے تو دونوں میں سے ہر ایک پر دیت کا ایک تہائی ہوگا اور اس کا ایک تہائی رائیگاں جائے گا۔ اس کی مثل ''جوہرہ'' میں ''جنایۃ المملوک'' سے تھوڑا پہلے ہے۔ ''تکملۃ الطوری'' میں ہے: اگر ایک آدمی نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا اور دوسرے نے اسے زخمی کر دیا اور اس نے خود بھی اپنے نفس کو زخمی کر دیا اور اسے ایک درندے نے چیر پھاڑ دیا تو قاطع چوتھائی دیت کا ضامن ہوگا اور زخمی کرنے والا اس کے چوتھائی کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ نفس چار جنایتوں سے تلف ہوا جس میں سے دو معتبر ہیں۔ اسی کی مثل متن میں باب مایحدثہ فی الطریق کے آخر میں آئے گا۔ اگر ایک آدمی نے چار آدمیوں کو ایک کنواں کھودنے کے لیے اجرت پر لیا تو وہ کنواں گر گیا اور ان میں ایک آدمی مر گیا تو دیت کا چوتھائی ساقط ہو جائے گا اور ہر ایک پر چوتھائی واجب ہوگا۔ پس یہ امر ظاہر ہوا کہ منقول اس کے خلاف ہے جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے، فتنبہ۔

میں کہتا ہوں: اس سے ہمارے زمانے میں حادثۃ الفتوی کا جواب اخذ کیا جا سکتا ہے جو اس آدمی کے بارے میں ہے جس نے ایک چھری کے ساتھ بچے کے پیٹ کو زخمی کر دیا تو اس کی کچھ آنتیں ظاہر ہو گئیں اس کے لیے اس آدمی کو لایا گیا جو اس کے زخم کو سی دے اور آنتوں کو واپس کر دے اس کے لیے یہ ممکن ہو مگر اس صورت میں کہ وہ زخم کو کھلا کرے۔ بچے کے باپ نے اسے اس بارے میں اجازت دے دی۔ اس حکیم نے اس زخم کو کھلا کیا پھر وہ بچہ اسی رات مر گیا تو واجب ہوگا کہ نصف دیت زخم لگانے والے پر اس کے مال میں واجب ہو۔ کیونکہ دوسرے فعل کی اجازت دی گئی تھی۔ پس وہ عمل رائیگاں چلا جائے گا۔ جس طرح عنقریب آئے گا۔

نفس اور مال کے دفاع کے احکام

34930۔ (قولہ: وَيَجِبُ قَتْلُ مَنْ شَهَرَ سَيْفًا) شھر سیفہ، یہ فعل منع کے وزن پر ہے، شھرہ اسے سونتا اور لوگوں پر اسے بلند کیا، ''قاموس''۔

34931۔ (قولہ: عَلَى الْمُسْلِمِينَ) علی المسلمین میں یجب اور شھر دونوں عامل ہو سکتے ہیں اور یہاں تنازع فعلین کا قاعدہ جاری ہو رہا ہے۔

''جامع صغیر'' کی عبارت ہے: اس نے مسلمانوں کے خلاف تلوار کو سونتا۔ کہا: مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس کو قتل کر دیں اور ان پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ ''ابوسعود'' نے بحث کرتے ہوئے ''شیخ عبدالحی'' سے اسے ذکر کیا ہے کہ ذمی لوگ مسلمانوں کی طرح ہیں۔

يَعْنِي فِي الْحَالِ كَمَا نَصَّ عَلَيْهِ ابْنُ الْكَمَالِ حَيْثُ غَيَّرَ عِبَارَةَ الْوِقَايَةِ فَقَالَ وَيَجِبُ دَفْعُ مَنْ شَهَرَ سَيْفًا عَلَى الْمُسْلِمِينَ وَلَوْ بِقَتْلِهِ إِنْ لَمْ يُمْكِنْ دَفْعُ ضَرَرِهِ إِلَّا بِهِ صَرَّحَ بِهِ فِي الْكِفَايَةِ أَيْ لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ دَفْعِ الصَّائِلِ صَرَّحَ بِهِ الشُّمُنِّيُّ وَغَيْرُهُ، وَيَأْتِي مَا يُؤَيِّدُهُ (وَلَا شَيْءَ بِقَتْلِهِ) بِخِلَافِ الْجَمَلِ الصَّائِلِ (وَلَا يُقْتَلُ (مَنْ شَهَرَ سِلَاحًا

واجب ہے جس طرح ''ابن کمال'' نے اس کی وضاحت کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے ''وقایہ'' کی عبارت کو بدل ڈالا ہے اور کہا: جس نے مسلمانوں پر تلوار کو سونتا اس کو روکنا واجب ہے اگرچہ اس کو روکنا اس کے قتل کرنے کے ساتھ ہو۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جس کے ضرر کو روکنا صرف اس کو قتل کرنے کے ساتھ ہو۔ اس کی تصریح ''کفایہ'' میں کی ہے: یعنی یہ حکم اس لیے ہے۔ کیونکہ یہ حملہ آور کو روکنے کے باب سے ہے۔ ''شمنی'' وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ عنقریب اس کے بارے میں ایسا قول آئے گا جو اس کی تائید کرے گا۔ حملہ کرنے والے اونٹ کا معاملہ مختلف ہے۔ جس نے شہر میں یا کسی اور جگہ کسی آدمی پر اسلحہ سونتا

34932۔ (قولہ: يَعْنِي فِي الْحَالِ) یعنی اس حال میں کہ اس نے مسلمانوں پر تلوار کو سونت رکھا ہے جب کہ وہ ان پر وار کرنے کا ارادہ رکھتا ہو نہ کہ اس کے بعد اسے قتل کرنا جائز ہے جب ان سے وہ واپس چلا گیا ہو۔ کیونکہ اب اسے قتل کرنا جائز نہیں جس طرح آگے آئے گا۔

34933۔ (قولہ: كَمَا نَصَّ عَلَيْهِ ابْنُ الْكَمَالِ) یعنی كما نص على كونه حالا، ''ابن کمال'' نے فی الحال اس کے قتل کرنے پر نص قائم کی ہے۔ زیادہ بہتر یہ قول ہے جس طرح اس کی طرف اشارہ کیا ہے: کیونکہ انہوں نے اس پر کوئی نص قائم نہیں کی یہ ان کے قول دفع سے بطریق اشارہ اخذ کیا جا سکتا ہے کیونکہ دفاع کرنے میں کوئی سستی نہیں ہو سکتی، ''ط''۔

34934۔ (قولہ: صَرَّحَ بِهِ فِي الْكِفَايَةِ) یہ ''ابن کمال'' کی عبارت میں سے نہیں ہے۔ اور ''کفایہ'' کی عبارت ہے: یعنی قتل کرنا واجب ہے کیونکہ ضرر کو دور کرنا واجب ہے۔ ''معراج'' میں ہے: وجوب کا معنی ضرب کو دور کرنے کا وجوب ہے نہ کہ عین قتل کرنا واجب ہے۔

34935۔ (قولہ: وَيَأْتِي مَا يُؤَيِّدُهُ) یعنی جو اس امر کی تائید کرتا ہے کہ ان کی مراد اس کو قتل کرنا ہے جب ضرر سے دفاع صرف اسی صورت میں ہو۔ یہ ''صدر الشریعہ'' کی آنے والی عبارت میں ہے جو قریب ہی آئے گی۔ اور اس سے ... کی عبارت میں یہی ہے۔

34936۔ (قولہ: وَلَا شَيْءَ بِقَتْلِهِ) یعنی جب وہ مکلف ہو جس طرح اس کے آنے والے قول سے معلوم ہوتا ہے وان شهر المجنون اگر مجنون اسلحہ سونتے الخ، جب عین قتل واجب نہیں تو یہ احتمال ہوگا کہ قتل ضمان کو واجب کرنے والا ہوگا۔ پس اس کے عدم کی تصریح کی ہے۔ ''ابن کمال'' نے اس کو بیان کیا ہے۔

34937۔ (قولہ: وَلَا يُقْتَلُ) اس کا عطف لا شیء بقتلہ پر ہے۔

عَلَى رَجُلٍ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فِي مِصْرٍ أَوْ غَيْرِهِ أَوْ شَهَرَ عَلَيْهِ عَصًا لَيْلًا فِي مِصْرٍ أَوْ نَهَارًا فِي غَيْرِهِ فَقَتَلَهُ الْمَشْهُورُ عَلَيْهِ) وَإِنْ شَهَرَ الْمَجْنُونُ عَلَى غَيْرِهِ سِلَاحًا فَقَتَلَهُ الْمَشْهُورُ عَلَيْهِ (عَمْدًا تَجِبُ الدِّيَةُ) فِي مَالِهِ (وَمِثْلُهُ الصَّبِيُّ وَالدَّابَّةُ) الصَّائِلَةُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا ضَمَانَ فِي الْكُلِّ؛ لِأَنَّهُ لِدَفْعِ الشَّرِّ (وَلَوْ ضَرَبَهُ الشَّاهِرُ فَانْصَرَفَ) وَكَفَّ عَنْهُ عَلَى وَجْهٍ لَا يُرِيدُ ضَرْبَهُ ثَانِيًا (فَقَتَلَهُ الْآخَرُ) أَيْ الْمَشْهُورُ عَلَيْهِ

یا رات کے وقت شہر میں ڈنڈا سونتا یا شہر کے علاوہ دن میں اس پر ڈنڈا سونتا اور جس پر اسے سونتا گیا تھا اس نے اس کو قتل کر دیا تو اس قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اگر مجنون نے کسی اور شخص پر اسلحہ سونتا اور جس پر اسلحہ سونتا گیا تھا اس نے جان بوجھ کر اسے قتل کر دیا تو اس کے مال میں دیت واجب ہوگی۔ اس کی مثل بچہ اور حملہ کرنے والا جانور ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تمام میں کوئی ضمانت نہیں۔ کیونکہ اس نے یہ عمل شر کو دور کرنے کے لیے کیا ہے۔ اگر اسلحہ سونتنے والے نے اس پر وار کیا پھر واپس پلٹ گیا اور اس طریقہ سے رک گیا کہ وہ دوبارہ اس پر وار کا ارادہ نہیں رکھتا تھا تو جس پر اسلحہ سونتا گیا تھا اس نے

34938۔ (قولہ: عَلَى رَجُلٍ) یعنی دلالت حال سے اس کے قتل کا قصد کیا۔ مزاح یا دل لگی کے لیے ایسا نہیں کیا۔ ''زیلعی'' نے یہ کتاب الطلاق میں بیان کیا ہے اور اس مسئلہ کو بیان کیا ہے کہ ایک مسلمانوں کی طرح ہے۔

34939۔ (قولہ: لَيْلًا أَوْ نَهَارًا الخ) کیونکہ اسلحہ نہیں ٹھہرتا (انتظار نہیں کرتا) پس اس سے دفاع کے لیے وہ قتل کا محتاج ہوتا ہے، ''ہدایہ''۔ یعنی قتل کے بغیر دفاع کی مہلت نہیں ہوتی۔

34940۔ (قولہ: أَوْ شَهَرَ عَلَيْهِ عَصًا الخ) کیونکہ چھوٹا ڈنڈا اگرچہ اس میں گنجائش ہوتی ہے لیکن رات کے وقت اسے مدد نہیں پہنچ سکتی۔ پس اس سے دفاع کے لیے وہ قتل کا محتاج ہوتا ہے۔ اسی طرح دن کے وقت جب شہر کے علاوہ وہ راستہ میں ہو تو اسے مدد نہیں پہنچ سکتی۔ علماء نے کہا: اگر وہ ڈنڈا جس میں مہلت نہ ہو اس میں یہ احتمال ہے کہ وہ اسلحہ کی مثل ہو۔ یہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ہے، ''ہدایہ''۔

34941۔ (قولہ: فَقَتَلَهُ الْمَشْهُورُ عَلَيْهِ) یعنی جس پر اسلحہ سونتا گیا یا اس کے علاوہ نے اس کا دفاع کرتے ہوئے اسے قتل کر دیا، ''زیلعی''۔ ''کفایہ'' میں ہے: جس پر اسلحہ سونتا گیا تھا اگر اس نے قتل کرنے سے چھوڑ دیا تو وہ گناہ گار ہوگا۔

34942۔ (قولہ: عَمْدًا) یعنی اس نے تیز دھار وغیرہ کے ساتھ قتل کیا ہو۔ اسی طرح بدرجہ اولیٰ شبہ العمد کا حکم ہوگا۔

34943۔ (قولہ: تَجِبُ الدِّيَةُ) قصاص واجب نہیں ہوگا کیونکہ مبیح موجود ہے وہ شر کو دور کرنا ہے۔ اس کی مکمل بحث ''ہدایہ'' میں ہے۔

34944۔ (قولہ: وَمِثْلُهُ الصَّبِيُّ وَالدَّابَّةُ) ضمان کے وجوب میں مجنون کی مثل بچہ اور جانور ہے۔ لیکن بچے میں دیت بھی واجب ہوگی۔ اور دابہ میں قیمت واجب ہوگی۔ ''رملی'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ اگر وہ مجنون یا بچہ غلام ہو تو واجب، قیمت ہوگی جس طرح دابہ مملوکہ میں ہے۔ تامل۔

أَوْ غَيْرُهُ، كَذَا عَمَّمَهُ ابْنُ الْكَمَالِ تَبَعًا لِلْكَافِي وَالْكِفَايَةِ (قُتِلَ الْقَاتِلُ)؛ لِأَنَّهُ بِالِانْصِرَافِ عَادَتْ عِصْمَتُهُ قُلْت فَتَحَرَّرَ أَنَّهُ مَا دَامَ شَاهِرًا لِلسَّيْفِ ضَرَبَهُ وَإِلَّا لَا فَلْيُحْفَظْ (وَمَنْ دَخَلَ عَلَيْهِ غَيْرُهُ لَيْلًا فَأَخْرَجَ السَّرِقَةَ) مِنْ بَيْتِهِ (فَاتَّبَعَهُ) رَبُّ الْبَيْتِ (فَقَتَلَهُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَاتِلْ دُونَ مَالِكَ وَكَذَا لَوْ قَتَلَهُ قَبْلَ الْأَخْذِ

یا کسی اور آدمی نے اسے قتل کر دیا۔ ''ابن کمال'' نے اسی طرح عام قول کیا ہے۔ وہ یہ قول ''کافی''، ''الدرر'' میں ''کفایہ'' کی تبع میں کرتے ہیں تو قاتل کو قتل کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے پھر جانے سے اس کی عصمت لوٹ آئی تھی۔ میں کہتا ہوں: یہ واضح ہو گیا ہے کہ جب تک وہ تلوار سونتے رہے تو وہ اس پر وار کرے ورنہ وہ وار نہ کرے پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔ جو آدمی کسی دوسرے شخص پر رات کے وقت داخل ہوا تو اس نے چوری کا مال اس کے گھر سے نکالا تو گھر کے مالک نے اس کا پیچھا کیا اور اسے قتل کر دیا تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے مال کی حفاظت کی خاطر قتال کرو۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگرچہ مال لینے سے پہلے اسے قتل کر دے

میں کہتا ہوں: ''النہایہ'' میں ہے جس کی نص ہے: علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ اگر حملہ آور غلام یا حرم کا شکار ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ امام ''تمرتاشی'' نے یہی ذکر کیا ہے۔ اس کی مثل ''المعراج'' میں ہے دونوں میں اور روایہ میں فرق علامہ اتقانی نے ''غایۃ البیان'' میں ''شرح الطحاوی'' سے نقل کیا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

34945۔ (قولہ: أَوْ غَيْرُهُ الخ) اس قول کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ محل وہم نہیں یہاں تک کہ نقل کے ساتھ اس کو قوت بہم پہنچاتے، فتدبر، ''ط''۔

34946۔ (قولہ: عَادَتْ عِصْمَتُهُ) جب وہ اس کے بعد اس کو قتل کرے تو اس نے ایک معصوم اور مظلوم شخص کو قتل کیا پس اس پر قصاص واجب ہوگا۔ ''زیلعی''۔

34947۔ (قولہ: مَا دَامَ شَاهِرًا لِلسَّيْفِ) یعنی ساتھ ہی وہ وار کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

34948۔ (قولہ: لَيْلًا) اس کا مفہوم یہ ہے اگر وہ دن ہو تو اسے قتل کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ چیخنے سے اسے روکا جا سکتی تھی۔

34949۔ (قولہ: دُونَ مَالِكَ) یعنی اپنے مال کی حفاظت کے لیے عنایہ وغیرہا۔

34950۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ قَتَلَهُ قَبْلَ الْأَخْذِ الخ) ''خانیہ'' میں کہا: اس نے ایک ایسا آدمی دیکھا جو اس کا مال چوری کر رہا ہے پس اس نے شور مچایا اور چور نہ بھاگا یا اس نے ایک آدمی کو دیکھا جو اس کی دیوار میں نقب لگا رہا ہے یا کسی دوسرے آدمی کی دیوار میں نقب لگا رہا ہے جب کہ نقب لگانے والا چوری کرنے میں مصروف ہے تو اس آدمی نے شور مچایا اور وہ نقب لگانے والا بھاگا تو اس کے لیے قتل کرنا حلال ہے اور قاتل پر کوئی قصاص نہ ہوگا۔

إذَا قَصَدَ أَخْذَ مَالِهِ وَلَمْ يَتَمَكَّنْ مِنْ دَفْعِهِ إلَّا بِالْقَتْلِ صَدْرُ شَرِيعَةٍ وَفِي الصُّغْرَى قَصَدَ مَالَهُ، إنْ عَشَرَةً أَوْ أَكْثَرَ لَهُ قَتْلُهُ، وَإِنْ أَقَلَّ قَاتَلَهُ وَلَمْ يَقْتُلْهُ، وَهَلْ يُقْبَلُ قَوْلُهُ أَنَّهُ كَابَرَهُ إنْ بِبَيِّنَةٍ نَعَمْ، وَإِلَّا فَإِنْ الْمَقْتُولُ مَعْرُوفًا بِالسَّرِقَةِ وَالشَّرِّ لَمْ يُقْتَصَّ اسْتِحْسَانًا وَالدِّيَةُ فِي مَالِهِ لِوَرَثَةِ الْمَقْتُولِ بَزَّازِيَّةٌ هَذَا إذَا لَمْ يَعْلَمْ أَنَّهُ لَوْ صَاحَ عَلَيْهِ طَرَحَ مَالَهُ، وَإِنْ عَلِمَ ذَلِكَ فَقَتَلَهُ مَعَ ذَلِكَ

جب وہ اس کے مال کو لینے کا قصد کرے اور قتل کے بغیر مال کا دفاع ممکن نہ ہو۔ ''صدر الشریعہ''۔ ''صغریٰ'' میں ہے: ایک آدمی نے اس کا مال چھیننے کا قصد کیا اگر وہ مال دس (درہم) یا زیادہ ہو تو مالک اس کو قتل کر دے اگر وہ اس سے کم ہو تو اس کے ساتھ جھگڑا کرے اور اسے قتل نہ کرے۔ کیا اس قاتل کا یہ قول قبول کیا جائے گا: اس نے اس کے ساتھ مکابرہ (غلبہ پانے کی کوشش کی تھی) کیا تھا اگر بینہ کے ساتھ وہ سبقت کرے تو اس کی بات مان لی جائے گی ورنہ اگر مقتول چوری کرے اور شر میں معروف ہو تو بطور استحسان اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور مقتول کے وارثوں کے لیے اس کے مال میں دیت ہو گی، ''بزازیہ''۔ یہ حکم اس وقت ہے جب یہ نہ جانتا ہو کہ اگر اس پر چیخے گا تو وہ اس کا مال پھینک دے گا۔ اگر وہ یہ امر جانتا ہو اور اس کے باوجود اس کو قتل کر دے

34951۔ (قولہ: وَفِي الصُّغْرَى) اس قول کے ساتھ وہ یہ ارادہ کر رہے ہیں کہ اسے مقید کر دیں جیسے متون اور شروح نے مطلق ذکر کیا ہے جب کہ یہ فتاویٰ میں جو کچھ ہے اس کے ساتھ مقید نہیں ہوتیں۔ ''ماتن'' نے باب قطع الطریق کے آخر میں کہا: یہ جائز ہے کہ اپنے مال کے دفاع کے لیے قتال کرے اگرچہ وہ مال نصاب کی مقدار تک نہ پہنچے اور جو آدمی اس پر اس سے قتال کرے اسے قتل کر دے۔

''المنح'' میں ''البحر'' سے یہ نقل کیا ہے: چور اسے ملے جب کہ اس کے پاس اتنا مال تھا جو دس درہم کے برابر تھا تو اس کے لیے یہ حلال ہو گا کہ وہ ان سے قتال کرے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: قاتل دون مالك(1) مال کا لفظ قلیل اور کثیر دونوں پر بولا جاتا ہے۔ ''سائحانی''۔

34952۔ (قولہ: بَزَّازِيَّةٌ) اس کی نص کتاب الوصایا سے تھوڑا پہلے ہے۔ اسے گھر کے مالک نے قتل کر دیا اور اس پر گواہیاں قائم کر دیں کہ اس نے اس کے ساتھ مکابرہ کیا تو اس کا دم رائیگاں چلا جائے گا۔ اگر اس کے پاس گواہیاں نہ ہوں اگر مقتول شر اور سرقہ میں معروف نہ ہو تو گھر کے مالک کو قصاص کے طور پر قتل کیا جائے گا اگر وہ اس میں مقیم ہو تو قیاس کے مطابق قاتل سے قصاص لیا جائے گا اور استحسان کے مطابق اس کے مال میں مقتول کے وارثوں کے لیے دیت واجب ہو گی۔ کیونکہ دلالت حال نے قصاص میں شبہ پیدا کیا ہے مال میں شبہ پیدا نہیں کیا۔

34953۔ (قولہ: مَعَ ذَلِكَ) اس کی کوئی ضرورت نہیں، ''ط''۔

1۔ سنن نسائی، باب ما یفعل من تعرض مالہ، جلد 3، صفحہ 134، حدیث نمبر 4012

وَجَبَ عَلَيْهِ الْقِصَاصُ) لِقَتْلِهِ بِغَيْرِ حَقٍّ (كَالْمَغْصُوبِ مِنْهُ إِذَا قَتَلَ الْغَاصِبَ) فَإِنَّهُ يَجِبُ الْقَوَدُ لِقُدْرَتِهِ عَلَى دَفْعِهِ بِالِاسْتِغَاثَةِ بِالْمُسْلِمِينَ وَالْقَاضِي (مُبَاحُ الدَّمِ الْتَجَأَ إِلَى الْحَرَمِ لَمْ يُقْتَلْ فِيهِ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ (وَلَمْ يُخْرَجْ عَنْهُ لِلْقَتْلِ لَكِنْ يُمْنَعُ عَنْهُ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ حَتَّى يُضْطَرَّ فَيَخْرُجَ مِنَ الْحَرَمِ فَحِينَئِذٍ يُقْتَلُ خَارِجَهُ) وَأَمَّا فِيمَا دُونَ النَّفْسِ فَيُقْتَصُّ مِنْهُ فِي الْحَرَمِ إِجْمَاعًا

تو اس پر قصاص واجب ہوگا۔ کیونکہ اس نے ناحق اس کو قتل کر دیا ہے جس طرح جس کا مال غصب کیا گیا جب وہ غاصب کو قتل کر دے تو قصاص واجب ہوگا۔ کیونکہ وہ مسلمانوں اور قاضی سے مدد لینے کے ساتھ اپنا دفاع کر سکتا تھا۔ جس کا خون (قتل) مباح ہو چکا تھا اس نے حرم کی پناہ لی تو ایسے شخص کو اس میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ اور اسے قتل کرنے کے لیے حرم سے باہر نہیں نکالا جائے گا لیکن اسے کھانے اور پانی سے روک دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ خود حرم سے نکل آئے تو اس وقت حرم سے باہر اس کو قتل کیا جائے گا۔ جہاں تک نفس سے کم میں قصاص کا معاملہ ہے تو بالاجماع حرم میں اس سے قصاص لیا جائے گا۔

34954_(قولہ: لِقُدْرَتِهِ عَلَى دَفْعِهِ) اس میں غور کیجیے جب مسلمان اور قاضی قادر نہ ہوں جس طرح ہمارے زمانہ میں مشاہدہ ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ حدیث کے ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے اسے قتل کرنا واجب ہے'' ط''۔

مباح الدم حرم میں پناہ لے تو اس کا حکم

34955_(قولہ: مُبَاحُ الدَّمِ) اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے قتل کیا تھا یا بدکاری کی تھی اور اس کی مثل ہے اگر وہ شراب کو پیے یا اس کے علاوہ کوئی ایسا عمل کرے جو حد کو واجب کر دے جس طرح علامہ ''سندی'' نے ''المنسک المتوسط'' میں ذکر کیا ہے۔ اور اس امر کی تصریح کی ہے کہ مرتد کا حکم اسی طرح ہے۔ لیکن ہم نے پہلے کتاب الحج کے آخر میں ''المنتقی'' سے نقل کیا ہے کہ مرتد پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر وہ اسلام قبول کر لے تو محفوظ ہو جائے گا ورنہ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اور ''قاری'' نے ''شرح المنسک'' میں ''الخنف'' سے نقل کیا ہے اور یہ ذکر کیا کہ یہ ان کے اطلاق کے مخالف ہے مگر یہ کہا جائے مرتد کا حرم میں اسلام قبول کرنے سے انکار یہ جنایت ہے جب کہ یہ امر ظاہر ہے۔ پھر ''البدائع'' سے ذکر کیا کہ حربی اگر حرم کی پناہ لے تو اسے اس میں قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو وہاں سے نکالا جائے گا۔ یہ طرفین کا نقطہ نظر ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس کو حرم سے نکالنا مباح ہے۔

34956_(قولہ: فَيَخْرُجَ مِنَ الْحَرَمِ) یعنی وہ خود حرم سے نکل آئے۔

34957_(قولہ: فَيُقْتَصُّ مِنْهُ) اس پر حد جاری کی جائے گی۔ ''خانیہ'' میں امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: حرم میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے اس سے اختلاف کیا۔ اگر وہ حرم میں ان میں سے کوئی فعل کرے تو اس میں اس پر حد جاری کی جائے گی۔

(وَلَوْ أَنْشَأَ الْقَتْلَ فِي الْحَرَمِ قُتِلَ فِيهِ) إِجْمَاعًا سِرَاجِيَّةٌ؛ وَلَوْ قَتَلَ فِي الْبَيْتِ لَا يُقْتَلُ فِيهِ ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ فِي الْحَجِّ (وَلَوْ قَالَ أُقْتُلْنِي فَقَتَلَهُ) بِسَيْفٍ (فَلَا قِصَاصَ وَتَجِبُ الدِّيَةُ) فِي مَالِهِ فِي الصَّحِيحِ؛ لِأَنَّ الْإِبَاحَةَ لَا تَجْرِي فِي النَّفْسِ وَسَقَطَ الْقَوَدُ لِشُبْهَةِ الْإِذْنِ وَكَذَا لَوْ قَالَ أُقْتُلْ أَخِي أَوْ ابْنِي أَوْ أَبِي فَتَلْزَمُهُ الدِّيَةُ اسْتِحْسَانًا كَمَا فِي الْبَزَّازِيَّةِ عَنْ الْكِفَايَةِ وَفِيهَا عَنْ الْوَاقِعَاتِ لَوْ ابْنُهُ صَغِيرًا يُقْتَصُّ

اگر ایک آدمی نے حرم میں کسی کو قتل کیا تو اس میں اس کو قتل کیا جائے گا اس پر اجماع ہے ''سراجیہ''۔ اگر اس نے بیت اللہ میں قتل کیا تو اس میں اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ مصنف نے اسے کتاب الحج میں ذکر کیا ہے۔ اگر اس نے کہا: مجھے قتل کر دو تو اس نے تلوار کے ساتھ اسے قتل کر دیا تو اس پر کوئی قصاص نہیں ہوگا۔ اور صحیح قول کے مطابق اس کے مال میں دیت واجب ہوگی۔ کیونکہ اباحت، نفس میں جاری نہیں ہوتی۔ اور اذن کے شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ کہے: میرے بھائی، میرے بیٹے یا میرے باپ کو قتل کر دو تو بطور استحسان اس پر دیت لازم ہوگی جس طرح ''بزازیہ'' میں ''کفایہ'' سے مروی ہے۔ اس میں ''الواقعات'' سے مروی ہے: اگر اس کا بیٹا چھوٹا ہو تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔

34958_(قولہ: وَلَوْ قَتَلَ فِي الْبَيْتِ الخ) اس کی مثل باقی مساجد ہیں۔ کیونکہ مسجد کو اس جیسے عمل سے محفوظ رکھا جاتا ہے، ''رحمتی''۔

34959_(قولہ: بِسَيْفٍ) ان کے قول: و تجب الدیۃ فی مالہ کی اس قول کے ساتھ قید لگائی ہے: اگر اسے کسی وزنی چیز کے ساتھ قتل کرے تو دیت عاقلہ کے ذمہ ہوگی، ''ط''۔

34960_(قولہ: فِي الصَّحِيحِ) ''عمدۃ المفتی'' میں اس قول کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے: بلکہ ''مختصر المحیط'' میں یہ بیان کیا ہے کہ یہ متفق علیہ ہے جس طرح ''شرح الوہبانیہ'' میں ہے۔

34961_(قولہ: وَسَقَطَ الْقَوَدُ) یہ ان کے قول: ان الاباحۃ لا تجری فی النفس پر استدراک کی طرح ہے۔ کیونکہ اس سے متبادر قصاص ہے، ''ط''۔

34962_(قولہ: وَكَذَا لَوْ قَالَ) یعنی وہی وارث ہے۔

34963_(قولہ: أَوْ ابْنُهُ صَغِيرًا يُقْتَصُّ) یعنی اگر اس کا چھوٹا بیٹا ہو تو بطور قیاس اس سے قصاص لیا جائے گا۔ ظاہر یہ ہے کہ صغیر قید نہیں۔ اس کی مثل بھائی ہے۔

''بزازیہ'' کی عبارت ہے: ''الواقعات'' میں: (کہا) میرے بیٹے کو قتل کر دو جب کہ وہ چھوٹا ہو تو اس نے اس کو قتل کر دیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ اگر اس نے کہا: اس کا ہاتھ کاٹ دو تو اس نے ہاتھ کو کاٹ دیا اس پر قصاص لازم ہوگا۔ اگر اس نے کہا: میرے بھائی کو قتل کر دو تو اس نے اس کو قتل کر دیا جب کہ وہ اس کا وارث ہو تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت مروی ہے یہی قیاس ہے: اس میں قصاص واجب ہوگا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے:

وَفِي الْخَانِيَّةِ بِعْتُكَ دَمِي بِفَلْسٍ أَوْ بِأَلْفٍ فَقَتَلَهُ يُقْتَصُّ وَفِي اُقْتُلْ أَبِي عَلَيْهِ دِيَةٌ لِابْنِهِ وَفِي اقْطَعْ يَدَهُ فَقَطَعَ يَدَهُ يُقْتَصُّ وَفِي شُجَّ ابْنِي فَشَجَّهُ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ، فَإِنْ مَاتَ فَعَلَيْهِ الدِّيَةُ (وَقِيلَ لَا) تَجِبُ الدِّيَةُ أَيْضًا وَصَحَّحَهُ رُكْنُ الْإِسْلَامِ كَمَا فِي الْعِمَادِيَّةِ، وَاسْتَظْهَرَهُ الطَّرَسُوسِيُّ، لَكِنْ رَدَّهُ ابْنُ وَهْبَانَ (كَمَا لَوْ قَالَ اُقْتُلْ عَبْدِي أَوْ اقْطَعْ يَدَهُ فَفَعَلَ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ) إجْمَاعًا كَقَوْلِهِ اقْطَعْ يَدِي أَوْ رِجْلِي

''خانیہ'' میں ہے: میں نے تجھے فلس کے بدلے میں یا ہزار کے بدلے میں اپنا دم بیچ دیا تو اس نے اسے قتل کر دیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ اور اس قول کہ میرے باپ کو قتل کرو، میں اس پر اس کے بیٹے کے لیے دیت لازم ہوگی۔ اس قول میں، کہ اس کا ہاتھ کاٹ دو، تو دوسرے شخص نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ اس قول میں، کہ میرے بیٹے کو زخمی کر دو تو دوسرے آدمی نے اس کو زخمی کر دیا، تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی اگر وہ مر جائے تو اس پر دیت لازم ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دیت بھی واجب نہ ہوگی اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ''رکن الاسلام'' نے اس قول کی تصحیح کی ہے جس طرح ''عمادیہ'' میں ہے۔ اور ''طرسوی'' نے اسے ظاہر روایت قرار دیا ہے۔ لیکن ابن وہبان نے اس کو رد کر دیا۔ جس طرح وہ کہے: میرے غلام کو قتل کر دو یا اس کا ہاتھ کاٹ دو تو اس نے اس طرح کیا تو اس پر کوئی ضمان لازم نہ ہوگی۔ اس پر اجماع ہے جس طرح اس کا یہ قول ہے: میرے ہاتھ کو کاٹ دو یا میرے پاؤں کو کاٹ دو

اس میں دیت لازم ہوگی۔ ''الکفایہ'' میں بیٹے اور بھائی کے درمیان برابری کی ہے۔ ''القیاس'' میں کہا: سب میں قصاص واجب ہوگا۔ استحسان کے مطابق دیت واجب ہوگی۔ ''الایضاح'' میں اس کے قریب قریب قول ذکر کیا ہے۔

34964۔(قولہ: فَقَتَلَهُ يُقْتَصُّ) کیونکہ یہ بیع باطل ہے جب کہ قتل کا اذن نہیں یہ اس کے اس قول کی طرح نہیں اقتلنی (مجھے قتل کر دو)۔

34965۔(قولہ: وَفِي اقْطَعْ يَدَهُ فَقَطَعَ يَدَهُ يُقْتَصُّ) کیونکہ حق وصول کرنے کی ولایت اسے حاصل نہ تھی بلکہ وہ باپ کے لیے تھی۔ پس اس کا امر قصاص کو ساقط کرنے والا نہیں ہوگا، ''رحمتی''، تامل۔

34966۔(قولہ: وَفِي شُجَّ ابْنِي الخ) میں نے اس مسئلہ کو ''خانیہ'' میں نہیں دیکھا بلکہ یہ ''المجتبیٰ'' میں مذکور ہے۔ اس کی نص ہے: اگر اس نے اسے حکم دیا کہ وہ اس کو زخمی کر دے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ اگر وہ اس سے مر جائے تو اس پر دیت لازم ہوگی۔ شجہ میں جو ضمیر ہے وہ آمر یا الابن جو ''المجتبیٰ'' میں اس سے پہلے مذکور ہے اس کی طرف لوٹنے کا احتمال رکھتی ہے۔ پس اس پر کوئی شے لازم نہیں ہوگی۔ اور دوسری ضمیر وہ وہی ہے جو شارح نے سمجھی ہے۔ لیکن اس میں ہے کہ قطع اور شجہ میں فرق ظاہر نہیں ہوگا، فلیتامل۔

34967۔(قولہ: وَقِيلَ لَا الخ) یہ ان کے قول: وتجب الدية في ماله في الصحيح کے مقابل ہے۔

وَإِنْ سَرَى لِنَفْسِهِ وَمَاتَ؛ لِأَنَّ الْأَطْرَافَ كَالْأَمْوَالِ فَصَحَّ الْأَمْرُ وَلَوْ قَالَ اقْطَعْهُ عَلَى أَنْ تُعْطِيَنِي هَذَا الثَّوْبَ أَوْ هَذِهِ الدَّرَاهِمَ فَقَطَعَ يَجِبُ أَرْشُ الْيَدِ لَا الْقَوَدُ وَبَطَلَ الصُّلْحُ بَزَّازِيَّةٌ

اگر وہ زخم اس کی جان تک سرایت کر گیا اور وہ مر گیا کیونکہ اطراف اموال کی طرح ہیں پس امر صحیح ہوگا۔ اور اگر اس نے کہا: اسے قطع کر واس شرط پر کہ تو مجھے یہ کپڑے دے یا یہ دراہم دے تو اس نے ہاتھ کو قطع کر دیا تو ہاتھ کی چٹی واجب ہوگی قصاص لازم نہیں ہوگا۔ اور صلح باطل ہو جائے گی، ''بزازیہ''۔

34968۔ (قولہ: وَإِنْ سَرَى لِنَفْسِهِ وَمَاتَ) ''تاتر خانیہ'' میں اسے ''شیخ الاسلام'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس میں ''شرح الطحاوی'' سے مروی ہے: دوسرے سے کہا: میرے ہاتھ کو کاٹ دو اگر یہ علاج کے لیے ہو جس طرح جب اس کے ہاتھ میں بیماری لگی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اگر علاج کے علاوہ ہو تو یہ حلال نہیں ہوگا۔ اگر دونوں حالوں میں یہ قطع کرے اور وہ زخم نفس تک سرایت کر جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔

34969۔ (قولہ: وَلَوْ قَالَ اقْطَعْهُ) یعنی طرف یہ الاطراف سے مفہوم ہے۔

34970۔ (قولہ: وَبَطَلَ الصُّلْحُ) یعنی ارش کے بدلے میں جس پر راضی ہوا (وہ باطل ہو جائے گا)

تنبیہ

''جامع الفصولین'' کی فصل 23 میں کہا: بخارا میں ایک واقعہ رونما ہوا وہ یہ ہے ایک آدمی نے دوسرے سے کہا: میری طرف تیر پھینکو تاکہ میں اس کو پکڑ لوں اس نے اس کی طرف تیر پھینکا تو وہ تیر اس آنکھ کو جا لگا اور آنکھ ضائع ہوگئی ''حلبی'' نے کہا: وہ ضامن نہیں ہوگا جس طرح وہ کہے: مجھ پر جنایت کر تو اس نے اس پر جنایت کی۔ بعض مشائخ نے اسی بارے میں اسے فتویٰ دیا ہے۔ اور علما نے اس پر اسے قیاس کیا ہے اگر وہ اسے کہے: میرا ہاتھ کاٹ دو۔ صاحب ''المحیط'' نے کہا: کلام قصاص کے وجوب میں ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دیت اس کے مال میں واجب ہوگی۔ کیونکہ ''کتاب'' میں ذکر کیا گیا ہے: اگر دو افراد نے باہم مکے مارے تو ان میں سے ایک کی آنکھ ضائع ہوگئی تو اس سے قصاص لیا جائے گا اگر قصاص ممکن ہو۔ کیونکہ یہ فعل جان بوجھ کر ہوا ہے اگر دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے سے کہا: دہ دہ۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر دونوں ملاعبت یا تعلیم کے لیے دعوت مبارزت دیں تو لکڑی اس کی آنکھ میں جا لگی تو اس کی آنکھ ضائع ہوگئی تو اس سے قصاص لیا جائے گا اگر ممکن ہو۔

علامہ ''رملی'' نے اس پر اپنے حاشیہ میں کہا: میں کہتا ہوں: مسئلہ میں دو قول ہیں۔ ''مجمع الفتاویٰ'' میں کہا: اگر ہر ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: دہ دہ۔ اور ہر ایک نے اپنے ساتھی کو مکہ مارا اور اس کا دانت توڑ دیا تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ یہ اس کے قائم مقام ہے اگر وہ کہے: میرا ہاتھ کاٹ دو تو اس نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ ''الخانیہ'' میں اسی طرح ہے۔ کتاب میں جو قول ہے اس کی توجیہ میں میرے لیے جو ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے جس نے ان کے قول: دہ دہ کو لازم قرار دیا ہے اس میں اس کی آنکھ کی اباحت کا کوئی ذکر نہیں۔ کیونکہ مکہ مارنے کی صورت میں سلامتی کا احتمال موجود ہے جس طرح تیر پھینکنے کی صورت میں آنکھ کی

فُرُوعٌ هِبَةُ الْقِصَاصِ لِغَيْرِ الْقَاتِلِ لَا تَجُوزُ؛ لِأَنَّهُ لَا يَجْرِي فِيهِ التَّمْلِيكُ عَفْوُ الْوَلِيِّ عَنِ الْقَاتِلِ أَفْضَلُ مِنَ الصُّلْحِ وَالصُّلْحُ أَفْضَلُ مِنَ الْقِصَاصِ، وَكَذَا عَفْوُ الْمَجْرُوحِ لَا تَصِحُّ تَوْبَةُ الْقَاتِلِ حَتَّى يُسْلِمَ نَفْسَهُ لِلْقَوَدِ وَهْبَانِيَّةٌ الْإِمَامُ شَرْطُ اسْتِيفَاءِ الْقِصَاصِ كَالْحُدُودِ عِنْدَ الْأُصُولِيِّينَ

فروع: غیر قاتل کو قصاص کا ہبہ جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں تملیک جاری نہیں ہوتی۔ ولی کا قاتل کو معاف کرنا یہ صلح سے افضل ہے اور صلح قصاص سے افضل ہے۔ اسی طرح مجروح کا عفو کرنا ہے۔ قاتل کی توبہ قبول نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کر دے،''وہبانیہ''۔ قصاص کا حق لینے میں امام کا ہونا شرط ہے جیسے حدود کو قائم کرنے کے لیے امام کا ہونا شرط ہے۔ یہ اصولیین کے نزدیک ہے۔

سلامتی کا احتمال موجود ہے۔ تو ان کا قول: ارم السهم، ان کے قول: دہ دہ تک یہ اس کے عضو کے اتلاف میں صریح نہیں۔ ان کے قول: اقطع یدی یا اجن علی کے قول کا معاملہ مختلف ہے۔ پس اس پر واقعہ کو قیاس کرنا صحیح نہیں جس کی تصریح کی گئی ہے وہ یہ ہے اطراف اموال کی طرح ہیں جس میں امر صحیح ہے، تامل۔

34971۔ (قولہ: لِغَيْرِ الْقَاتِلِ) اسی طرح قاتل کا حکم ہے کیونکہ اس میں علت موجود ہے۔''حموی'' نے اسے بیان کیا ہے۔ اس میں غور کرو کیا دونوں صورتوں میں قصاص ساقط ہو جائے گا،''ط''۔ ظاہر یہ ہے کہ عدم سقوط میں توقف نہیں کیا جائے گا کیونکہ عدم جواز کا کوئی معنی نہیں مگر یہی اس کا معنی ہے۔

ولی کا قاتل کو معاف کرنا صلح سے اور صلح قصاص سے افضل ہے

34972۔ (قولہ: عَفْوُ الْوَلِيِّ عَنِ الْقَاتِلِ أَفْضَلُ) قاتل دنیا میں دیت اور قصاص سے بری ہو جائے گا کیونکہ یہ دونوں چیزیں وارث کا حق ہیں،''بیری''۔

قاتل کی توبہ اور اس کے تقاضے

34973۔ (قولہ: لَا تَصِحُّ تَوْبَةُ الْقَاتِلِ حَتَّى يُسْلِمَ نَفْسَهُ لِلْقَوَدِ)''تبیین المحارم'' میں کہا ہے: یہ جان لو کہ قاتل کی توبہ صرف استغفار اور شرمندگی کے ساتھ نہیں ہوتی بلکہ مقتول کے اولیا کو راضی کرنے پر موقوف ہوتی ہے۔ اگر قتل عمد ہو تو یہ ضروری ہے کہ انہیں اس سے قصاص لینے کی قدرت دی جائے اگر وہ چاہیں تو اس کو قتل کر دیں اور اگر وہ چاہیں تو بغیر بدل کے اس کو معاف کر دیں۔ اگر وہ اس کو معاف کر دیں تو توبہ اسے کافی ہو جائے گی۔ ملخص۔

ابھی پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس کے معاف کرنے کے ساتھ وہ دنیا میں بری ہو جائے گا۔ کیا وہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو معاملہ ہے اس سے بری ہو جائے گا۔ یہ اس دین کے قائم مقام ہوگا جو ایک آدمی تھا تو طالب مر گیا اور وارثوں نے اسے بری کر دیا تو وہ باقی ماندہ سے بری ہو جائے گا۔ جہاں تک پہلے ظلم کا تعلق ہے اس سے بری نہیں ہوگا۔ اسی طرح قاتل اپنے ظلم سے بری نہیں ہوگا اور وہ قصاص اور دیت سے بری ہو جائے گا،''تاتر خانیہ''۔

وَفَرَّقَ الْفُقَهَاءُ أَشْبَاهَهُ، وَفِيهَا فِي قَاعِدَةِ الْحُدُودِ تُدْرَأُ بِالشُّبُهَاتِ كَالْحُدُودِ الْقِصَاصِ إِلَّا فِي سَبْعٍ يَجُوزُ الْقَضَاءُ بِعِلْمِهِ فِي الْقِصَاصِ دُونَ الْحُدُودِ الْقِصَاصُ يُورَثُ وَالْحَدُّ لَا يَصِحُّ عَفْوُ الْقِصَاصِ لَا الْحَدِّ

اور فقہا نے اس میں فرق کیا ہے۔''اشباہ''۔ اس میں ایک قاعدہ میں ہے: حدود، شبہات کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہیں جیسے حدود اور قصاص مگر سات مواقع میں ایسا نہیں ہوتا۔ قاضی قصاص میں اپنے علم کے مطابق فیصلہ کر دیتا ہے۔ حدود میں ایسا نہیں کر سکتا۔ قصاص میں وراثت جاری ہوتی ہے اور حد میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ قصاص کو معاف کرنا صحیح ہے حد میں ایسا کرنا صحیح نہیں۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ متقدم ظلم توبہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ کیونکہ مقتول کا حق اس سے متعلق ہو چکا ہے۔ جہاں تک اس کا اپنی ذات پر ظلم کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ اس نے اپنی ذات پر معصیت کا اقدام کیا ہے پس اس توبہ کے ساتھ وہ ساقط ہو جائے گا۔

''حامدیہ'' میں ''فتاویٰ امام نووی'' سے ایک مسئلہ جو اس آدمی کے بارے میں ہے جس نے ایک غلام کو قتل کیا تو اس کے وارث نے اس سے قصاص لیا یا دیت لے کر معاف کر دیا یا ویسے ہی معاف کر دیا کیا اس کے بعد قاتل سے آخرت میں مواخذہ ہوگا۔

جواب یہ ہے کہ شرع کے طور پر آخرت میں مطالبہ کے سقوط کا تقاضا کرتے ہیں۔ ''تبیین المحارم'' میں اسی طرح کہا ہے۔ بعض احادیث کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مطالبہ نہیں ہوگا۔ ''مختاری الفتاویٰ'' میں کہا: قصاص اولیاء کے حق سے خلاصی دینے والا ہے۔ جہاں تک مقتول کا تعلق ہے تو وہ قیامت کے روز اس سے مخاصمہ کرے گا کیونکہ قصاص سے مقتول کو کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوا اور اس کا حق اس پر باقی ہے یہ قول اس کی تائید کرتا ہے جس کو میں نے ظاہر روایت قرار دیا ہے۔

34974۔(قولہ: وَفَرَّقَ الْفُقَهَاءُ) یعنی فقہا نے حدود و قصاص میں فرق کیا ہے۔ حدود کو جاری کرنے کے لیے امام کا ہونا شرط ہے قصاص شرط نہیں ''حموی''۔ ''ہندیہ'' میں کہا ہے: جب ایک آدمی کو جان بوجھ کر قتل کیا گیا جب کہ اس کا ایک ہی ولی ہو تو اسے قصاص کے طور پر قتل کرنے کا حق ہے قاضی اس کا فیصلہ کرے یا فیصلہ نہ کرے، ''ط''۔

34975۔(قولہ: يَجُوزُ الْقَضَاءُ بِعِلْمِهِ فِي الْقِصَاصِ) یہ اس امر پر مبنی ہے کہ قاضی حدود کے علاوہ میں اپنے علم کے مطابق فیصلہ کر دیتا ہے۔ آج فتویٰ اس پر ہے کہ وہ اپنے علم کی بنا پر مطلقاً فیصلہ نہیں کر سکتا، ''حموی''، ''ط''۔ شارح جنایات المملوک کے شروع میں اس کا ذکر کریں گے۔

34976۔(قولہ: الْقِصَاصُ يُورَثُ) اس کی وضاحت باب الشہادۃ فی القتل کے شروع میں آئے گی۔

قصاص کو معاف کرنا صحیح ہے حد کو نہیں

34977۔(قولہ: لَا الْحَدِّ) یہ حد قذف کو شامل ہے۔ یہ مسئلہ قاضی کے سامنے پیش کرنے کے بعد پر محمول ہے۔ جہاں تک اس سے قبل کا تعلق ہے تو وہ جائز ہے۔ ''حاوی'' میں ہے: جب حد ثابت ہو گی تو اسقاط جائز نہ ہوگا جب مقذوف

التَّقَادُمُ لَا يَمْنَعُ الشَّهَادَةَ بِالْقَتْلِ، بِخِلَافِ الْحَدِّ سِوَى حَدِّ الْقَذْفِ وَيَثْبُتُ بِإِشَارَةِ أَخْرَسَ وَكِتَابَتِهِ، بِخِلَافِ الْحَدِّ تَجُوزُ الشَّفَاعَةُ فِي الْقِصَاصِ لَا الْحَدِّ السَّابِعَةُ لَا بُدَّ فِي الْقِصَاصِ مِنَ الدَّعْوَى، بِخِلَافِ الْحَدِّ

تقادم قتل کی شہادت کے مانع نہیں۔ حد کا معاملہ مختلف ہے سوائے حد قذف کے۔ قصاص گونگے کے اشارہ اور اس کی تحریر سے ثابت ہو جاتی ہے۔ حد کا معاملہ مختلف ہے۔ قصاص میں شفاعت جائز ہے حد میں جائز نہیں۔ ساتویں چیز یہ ہے کہ قصاص میں دعویٰ ضروری ہے۔ حد قذف

نے قاذف کو معاف کر دیا تو اس کا معاف کرنا باطل ہو جائے گا۔ اسے یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ حد کا مطالبہ کرے مگر جب وہ یہ کہے: اس نے مجھ پر بہتان نہیں لگایا یا میرے گواہوں پر جھوٹ بولا ہے تو یہ صحیح ہو گا جس طرح ''البحر'' میں ''الشاملی'' سے مروی ہے۔ معافی کے باطل ہونے سے مراد یہ ہے کہ جب وہ لوٹے اور وہ مطالبہ کرے تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ کیونکہ معاف کرنا لغو ہو گا گویا اس نے اس تک مخاصمہ نہیں کیا۔ مراد یہ نہیں کہ امام کو یہ حق حاصل ہے کہ مقذوف کے چلے جانے اور اس کے معاف کر دینے کے بعد اس پر حد جاری کرے۔ ''ابوسعود'' نے ''حاشیۃ الاشباہ'' میں اسے بیان کیا ہے،'' ط''۔

تقادم قتل کی شہادت کے مانع نہیں حد کے مانع ہے

34978_(قولہ: بِخِلَافِ الْحَدِّ) تقادم حد کے مانع ہے۔ شراب میں تقادم یہ ہے کہ بو ختم ہو جائے اور دوسری حد میں یہ ہے کہ ایک ماہ گزر جائے یہ کتاب الحدود میں گزر چکا ہے،'' ط''۔

34979_(قولہ: لَا الْحَدِّ) حاکم تک حد کا معاملہ پہنچنے کے بعد اس میں شفاعت جائز نہیں۔ جہاں تک حاکم پہنچنے سے پہلے کا تعلق ہے اور اس کے ہاں ثابت ہونے سے پہلے کا تعلق ہے تو حاکم تک پہنچانے سے پہلے شکایت کرنے والے کے ہاں شفاعت جائز ہو گی تا کہ وہ اسے چھوڑ دے۔ کیونکہ حد ثابت نہیں جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ ''بیری'' میں ہے: ''اکمل'' نے حدیث اشفعوا اتوجروا (1) تم سفارش کرو تم کو اجر دیا جائے گا کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: حدیث طیبہ حدود کو شامل نہیں پس شفاعت مباح حاجات والوں کے لیے ہو گی جس طرح ظلم کو دور کرنا اور خطا سے چھٹکارا دلانا اور ان کی مثل جو معاملات ہیں اس طرح ایسے گناہ کو معاف کرنا جس میں حد نہ ہو جب گناہگار مصر نہ ہو۔ اگر وہ مصر ہو تو یہ جائز نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ گناہ اور اصرار سے رک جائے۔ اس کی مثل ''حاشیۃ الحموی'' میں امام ''نووی'' کی ''شرح مسلم'' سے مروی ہے۔

قصاص میں دعویٰ ضروری ہے

34980_(قولہ: السَّابِعَةُ الخ) ''الاشباہ'' میں کہا: خالص حد، وقف، لونڈی کی آزادی اور اس کے اصلاً آزاد ہونے میں دعویٰ کے بغیر شہادت کو سنا جائے گا۔ اور وہ حدود جو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جیسے رمضان، طلاق، ایلاء اور ظہار۔

1۔ الکامل لابن عدی، راوی عبد اللہ بن زید بن اسلم مدنی، جلد 5، صفحہ 312

سِوَى حَدِّ الْقَذْفِ وَفِي الْقُنْيَةِ نَظَرَفِي بَابِ دَارِ رَجُلٍ فَفَقَأَ الرَّجُلُ عَيْنَهُ لَا يَضْمَنُ إِنْ لَمْ يُمْكِنْهُ تَنْحِيَتُهُ مِنْ غَيْرِ فَقْئِهَا وَإِنْ أَمْكَنَهُ ضَمِنَ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا يَضْمَنُ فِيهِمَا۔ وَلَوْ أَدْخَلَ رَأْسَهُ فَرَمَاهُ بِحَجَرٍ فَفَقَأَهَا لَا يَضْمَنُ إِجْمَاعًا، إِنَّمَا الْخِلَافُ فِيمَنْ نَظَرَمِنْ خَارِجِهَا، وَاللّٰهُ تَعَالَى أَعْلَمُ

کے سوا حد کا معاملہ مختلف ہے۔ ''القنیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے ایک آدمی کو گھر کے دروازہ میں دیکھا تو گھر کے مالک نے اس کی آنکھ پھوڑ دی تو وہ ضامن نہ ہوگا اس کی آنکھ پھوڑے بغیر اس کو ہٹانا ممکن نہ ہو۔ اگر ممکن ہو تو وہ ضامن ہوگا۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دونوں صورتوں میں ضامن نہیں ہوگا۔ اگر وہ اپنا سر داخل کرے تو گھر کا مالک اسے پتھر مارے اور وہ پتھر اس کی آنکھ پھوڑ دے تو بالاجماع ضامن نہیں ہوگا۔ اختلاف اس کے بارے میں ہے جو اس کے باہر سے دیکھے۔

34981۔(قولہ: سِوَى حَدِّ الْقَذْفِ) حد سرقہ میں اس طرح ہے۔ کیونکہ اس کے محل میں یہ گزر چکا ہے کہ جس کا مال چوری کیا گیا ہے قطع ید کے لیے اس کا مطالبہ شرط ہے اگر کوئی آدمی یہ اقرار کرے کہ اس نے غائب کا مال چوری کیا ہے تو حد اس کے حاضر ہونے اور اس کے مخاصمہ پر موقوف ہوگی۔

تنبیہ

''حموی'' نے اس کی آٹھویں صورت کا اضافہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ حدود کو قائم کرنے کے لیے امام کا ہونا شرط ہے، قصاص کے نفاذ کے لیے امام شرط نہیں۔ ''ابوسعود'' نے کہا: نویں کا اضافہ کیا جاسکتا ہے وہ قصاص میں عوض لینے کا جائز ہونا ہے۔ حد قذف کا معاملہ مختلف ہے یہاں تک کہ اگر قاذف نے مقذوف کو مال دیا تاکہ وہ اپنا حق ساقط کردے تو وہ اس کا مطالبہ کرے گا۔

میں کہتا ہوں: دسویں کا اضافہ کیا جاسکتا ہے وہ حد میں اقرار ہے اس کے رجوع کا صحیح ہونا ہے۔

34982۔(قولہ: لَا يَضْمَنُ إِجْمَاعًا) کیونکہ وہ آدمی اس کی ملک میں مشغول ہوا جس طرح اس آدمی نے اس کے کپڑے لینے کا قصد کیا تو اس نے اسے دھکا دیا یہاں تک کہ اس کو قتل کردیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ ''منح'' نے ''القنیہ'' سے نقل کیا ہے۔

''معراج الدرایہ'' میں ہے: جس نے سوراخ سے کسی انسان کے کمرے میں دیکھا یا دروازہ کے شق سے یا اس کے علاوہ سے دیکھا، گھر کے مالک نے اسے لکڑی ماری یا اسے پتھر مارا اور اس کی آنکھ کو پھوڑ دیا تو ہمارے نزدیک وہ ضامن ہوگا۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لو ان امرا اطلع علیك بغیر اذن فحذفته بحصاۃ ففقأت عینه لم یکن علیك جناح(1) اگر کوئی آدمی تیرے پاس بغیر اجازت کے جھانکے تو تو اس کو کنکری مار دے اور تو اس کی آنکھ پھوڑ دے تو تجھ پر کوئی حرج نہیں ہوگا۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الدیات، باب من طلع بیت قوم، جلد 3، صفحہ 744، حدیث نمبر 6393

ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے: فی العین نصف الدية (1) آنکھ میں نصف دیت ہے۔ یہ حکم عام ہے اور اس لیے کہ محض اس کی طرف دیکھنا اس پر جنایت کو مباح نہیں کرتا جس طرح اگر وہ کھلے ہوئے دروازے سے اسے دیکھے اور جس طرح وہ اس کے گھر میں داخل ہوا اور اس میں دیکھے یا اس کی بیوی کی شرمگاہ کے علاوہ کو پائے تو اس کی آنکھ پھوڑنا جائز نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان: لا يحل دم امرىء مسلم (2) کسی مسلمان کا خون حلال نہیں۔ یہ حدیث اس کی عصمت سے سقوط کا تقاضا نہیں کرتی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو روایت کیا ہے وہ اس بارے میں زجر میں مبالغہ ہے۔ اس کی مثل ''طحطاوی'' میں ''شمنی'' سے مروی ہے۔ اور ان کا قول: وكما لو دخل بيته الخ یہ اس کے مخالف ہے جسے شارح نے ذکر کیا ہے مگر جو انہوں نے ذکر کیا ہے اسے اس پر محمول کیا جائے گا جب اسے اس کے علاوہ کسی صورت سے ہٹانا ممکن نہ ہو۔ اور جو قول یہاں ہے وہ اس پر محمول ہو کہ جب اسے ہٹانا ممکن ہو، فلیتامل، واللہ تعالیٰ اعلم۔

1۔ سنن نسائی، کتاب القسامة، باب ذکر حدیث عمرو بن حزم، جلد 3، صفحہ 377، حدیث نمبر 4770

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الدیات، باب الامام یامر بالعفو، جلد 3، صفحہ 344، حدیث نمبر 3903

بَابُ الْقَوَدِ فِيمَا دُونَ النَّفْسِ

(وَهُوَ فِي كُلِّ مَا يُمْكِنُ فِيهِ رِعَايَةُ حِفْظِ الْمُمَاثَلَةِ) وَحِينَئِذٍ (فَيُقَادُ قَاطِعُ الْيَدِ عَمْدًا مِنَ الْمَفْصِلِ) فَلَوْ الْقَطْعُ مِنْ نِصْفِ سَاعِدٍ أَوْ سَاقٍ أَوْ مِنْ قَصَبَةِ أَنْفٍ لَمْ يُقَدْ لِامْتِنَاعِ حِفْظِ الْمُمَاثَلَةِ وَهِيَ الْأَصْلُ فِي جَرَيَانِ الْقِصَاصِ

جان سے کم میں قصاص کے احکام

یہ حکم ہر اس چیز میں ہے جس میں مماثلت کی حفاظت کی رعایت ممکن ہوتی ہے جس نے جان بوجھ کر مفصل (جوڑ) سے ہاتھ کاٹا تھا اس سے قصاص لیا جائے گا اگر اس نے نصف کلائی، نصف پنڈلی یا ناک کے بانسے سے کاٹا تھا تو قصاص نہیں لیا جائے گا۔ کیونکہ مماثلت کی حفاظت ممتنع ہے۔ قصاص جاری کرنے میں مماثلت اصل ہے

جب نفس میں قصاص کے حکم کے بیان سے فارغ ہوئے تو اس کے پیچھے اس کو ذکر کیا جو تبع کے حکم میں ہے پس یہ اطراف میں قصاص ہے" عنایہ"۔ پھر یہ جان لو کہ زخم کا قصاص اس کے صحیح ہونے کے بعد لیا جائے گا۔ امام "شافعی" رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے جس طرح باب الشجاج کے آخر میں آئے گا۔

نفس سے کم میں قصاص جاری کرنے کے لیے مماثلت اصل ہے

34983۔ (قولہ: رِعَايَةُ حِفْظِ الْمُمَاثَلَةِ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ متن پر اکتفا کرتے۔ کیونکہ رعایت کا معنی حفاظت کرنا ہے،"ط"۔

34984۔ (قولہ: فَيُقَادُ الخ) خواہ وار اسلحہ سے واقع ہو یا کسی اور چیز سے۔ کیونکہ پہلے ذکر کیا ہے کہ نفس سے کم میں شبہ عمد نہیں ہے۔

34985۔ (قولہ: مِنَ الْمَفْصِلِ) مفصل یہ مسجد کا وزن ہے یہ اعضاء کے جوڑ میں سے ایک ہے۔ "مصباح"۔

34986۔ (قولہ: مِنْ نِصْفِ سَاعِدٍ الخ) اس سے مراد وہ ہے جو جوڑ سے نہ کاٹا گیا ہو۔

34987۔ (قولہ: أَوْ مِنْ قَصَبَةِ أَنْفٍ) اسے من کے ساتھ لائے ہیں اسکا عطف پہلے من پر ہے۔ اسکا عطف ساعد پر نہیں ہے۔ کیونکہ پورا بانسا یا نصف قطع کرنے سے قصاص نہیں ہوتا کیونکہ یہ ہڈی ہوتا ہے جس طرح "جوہرہ" میں ہے، "منح"۔

34988۔ (قولہ: لِامْتِنَاعِ حِفْظِ الْمُمَاثَلَةِ) کیونکہ بعض اوقات جنایت کرنے والے کے زیادہ عضو کو توڑ دیتا ہے یا اس میں زائد خلل واقع ہو جاتا ہے، "ط"۔

(وَإِنْ كَانَتْ يَدُهُ أَكْبَرَ مِنْهَا) لِاتِّحَادِ الْمَنْفَعَةِ (وَكَذَا) الْحُكْمُ فِي (الرِّجْلِ وَالْمَارِنِ وَالْأُذُنِ)،
اگرچہ اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے بڑا ہو جس ہاتھ کو کاٹا گیا۔ کیونکہ منفعت ایک ہے۔ پاؤں، ناک کا نرم گوشہ اور کان کا یہی حکم ہے۔

34989۔ (قولہ: وَإِنْ كَانَتْ يَدُهُ أَكْبَرَ مِنْهَا) یعنی جس کا ہاتھ کاٹا گیا اس کے ہاتھ سے کاٹنے والے کا ہاتھ بڑا ہو یہ حکم اس کے خلاف ہے جب اسے موضحہ زخم کے ساتھ زخم لگائے اور زخم زخمی آدمی کے سر کے دونوں کناروں کے درمیان کو اپنی گرفت میں لے لے اور وہ اس حصہ کو اپنی گرفت میں نہیں لیتا جو زخمی کرنے والے کے سر کے دو کناروں کے درمیان ہے۔ کیونکہ اس کا سر بڑا ہے کیونکہ اس کے بڑا ہونے کا اعتبار کیا جائے گا جس کو زخمی کیا گیا تھا اس کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ اپنے زخم کے برابر قصاص لے لے۔ موضحہ کی چٹی لے لے۔ کیونکہ اس میں معتبر عیب ہے اس کی مقدار کے برابر قصاص لینے سے دوسرے میں عیب قلیل ہوگا۔ اور زخم لگانے والے کے سر کے اطراف کے درمیان زخم لگانے سے اس کے حق پر زیادتی ہوگی۔ پس صورت اور معنی کے اعتبار سے مماثلت ختم ہو جائے گی۔ اگر چاہے تو معنوی اعتبار سے پورا پورا حق لے لے اور وہ اپنے زخم کے مقدار کے مطابق زخم لگانا ہے اور صورت کو ترک کر دے۔ اگر چاہے تو چٹی لے لے۔ جہاں تک بڑے اور چھوٹے ہاتھ کا تعلق ہے تو دونوں کی منفعت مختلف نہیں ہوتی، ''عنایہ'' وغیرہ۔ کبر کے ساتھ قید لگائی ہے کیونکہ صحت مند ہاتھ کو شل ہاتھ کے بدلے میں قطع نہیں کیا جائے گا اور دائیں کو بائیں ہاتھ سے نہیں کاٹا جائے گا۔ اور اس کے برعکس معاملہ اسی طرح ہے جس طرح ''جوہرہ'' میں ہے۔ اس کی مکمل وضاحت آگے آئے گی۔

کان اور ناک کے نرم گوشے کے قصاص کا حکم

34990۔ (قولہ: وَالْمَارِنِ) یہ ناک کا نرم گوشہ ہے۔ اس قول کے ساتھ حقبہ سے احتراز کیا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: جب اس کا کچھ کاٹ دیا تو قصاص واجب نہیں ہوگا، ''ذخیرہ''۔ ارنبہ (ناک کا سرا) میں ایک عادل کا فیصلہ ہوگا یہ صحیح قول کے مطابق ہے۔ ''خزانۃ المفتین''۔ اگر کاٹنے والے کی ناک چھوٹی ہو جس کی بڑی ناک کاٹی گئی اس کو اختیار دیا جائے گا اگر وہ اس کی ناک کاٹ لے اور اگر چاہے تو چٹی لے لے، ''محیط''۔ اسی طرح اگر ناک کو کاٹنے والا چوڑی ناک والا ہو جو بو محسوس نہیں کرتا یا کٹی ناک والا ہو یا اس کی ناک میں کوئی نقص ہو ایسی چیز کی وجہ سے جو اسے لگی ہو تو جس کی ناک کاٹی گئی اس کو اختیار ہوگا کہ وہ اس ناک کو کاٹ دے یا اپنی ناک کی دیت لے لے، ''ظہیریہ''۔

34991۔ (قولہ: وَالْأُذُنِ) یعنی مکمل کان یا اس کا بعض، اگر کاٹنے کی معروف حد ہو جس میں مماثلت ممکن ہو تو قصاص ہوگا ورنہ قصاص ساقط ہو جائے گا، ''اتقانی''۔ اگر قاطع کا کان چھوٹا ہو یا سوراخ والا ہو یا اس کو پھاڑ دیا گیا ہو یا جس کو کاٹا گیا وہ بڑا ہے یا وہ صحیح سالم ہے تو جس پر جنایت کی گئی ہے اس کو اختیار دیا جائے گا۔ اگر چاہے تو کاٹ دے اگر چاہے تو نصف دیت کی ضمانت لے لے۔ جسے کاٹا گیا ہے اگر وہ چھوٹی ہو تو اس کے لیے عادل آدمی کی حکومت ہوگی، ''تاتر خانیہ''۔

وَ کَذَا (عَیْنٌ ضُرِبَتْ فَزَالَ ضَوْءُهَا وَهِیَ قَائِمَةٌ) غَیْرُ مُنْخَسِفَةٍ (فَیُجْعَلُ عَلَی وَجْهِهِ قُطْنٌ رَطْبٌ وَ تُقَابَلُ عَیْنُهُ بِمِرْآةٍ مُحْمَاةٍ، وَلَوْ قُلِعَتْ لَا) قِصَاصَ لِتَعَذُّرِ الْمُمَاثَلَةِ وَفِی الْمُجْتَبَی فَقَأَ الْیُمْنَی وَ یُسْرَی الْفَاقِیْ ذَاهِبَةٌ اُقْتُصَّ مِنْهُ وَ تُرِكَ اَعْمَی وَعَنِ الثَّانِی لَا قَوَدَ فِی فَقْءِ عَیْنِ حَوْلَاءَ (وَ) کَذَا هُوَ اَیْضًا (فِی کُلِّ شَجَّةٍ یُرَاعَی وَیَتَحَقَّقُ (فِیهَا الْمُمَاثَلَةُ)

اسی طرح سے اس آنکھ کا حکم ہے جس پر ضرب لگائی گئی تو اس کی روشنی زائل ہوگئی جب کہ آنکھ موجود ہے خسف نہیں ہوئی۔ پس اس کے چہرے پر تر روئی رکھی جائے گی اور اس کی آنکھ کے بالمقابل گرم آئینہ رکھا جائے۔ اگر آنکھ کو نکال دیا گیا ہو تو قصاص لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ مماثلت متعذر ہے۔ ''مجتبیٰ'' میں ہے: ایک آدمی نے دائیں آنکھ پھوڑ دی اور پھوڑنے والے کی بائیں آنکھ ضائع ہو چکی ہے اس سے قصاص لیا جائے گا اور اس کو اندھا چھوڑ دیا جائے گا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: بھینگے کی آنکھ کے پھوڑنے میں کوئی قصاص نہیں۔ اسی طرح قصاص ہوگا ایسے زخم میں جس میں مماثلت کی رعایت کی جائے اور اس میں وہ متحقق ہو

آنکھ کے قصاص کا حکم

34992۔ (قولہ: وَ کَذَا عَیْنٌ الخ) اگرچہ بڑی چھوٹا کے بدلے میں ہو یا اس کے برعکس ہو اسی طرح دائیں کا قصاص بائیں سے لیا جائے گا اس کے برعکس نہیں ہوگا بلکہ اس میں دیت ہوگی۔ ''خانیہ'' میں معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔ اگر اس کی سفیدی جاتی رہی پھر وہ روشن ہوگئی تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی یعنی اگر وہ اس طرح ہو جائے جس طرح پہلے تھی۔ اگر اس سے کم ہو تو عادل کی حکومت ہوگی جس طرح مثلاً اگر وہ سفید ہو جائے جس طرح ''قہستانی'' میں ''الذخیرہ'' سے مروی ہے۔ ''در منتقی''۔

میں کہتا ہوں: ان کا قول و کذا یقتص الخ، ''قہستانی'' میں اس کے برعکس ہے۔ جو ''الخانیہ'' میں ہے وہ وہ ہے جسے عنقریب ''المجتبیٰ'' سے ذکر کریں گے، فتنبہ۔

34993۔ (قولہ: فَزَالَ ضَوْءُهَا) بعض نے کہا: یہ اس وقت پہچان ہوگی جب اس بارے میں دو اہل علم خبر دیں۔ ''ابن مقاتل'' نے کہا: جب کھلی ہوئی آنکھ سوراخ کے بالمقابل کی جائے تو اس سے آنسو نہ نکلے۔

34994۔ (قولہ: فَیُجْعَلُ الخ) یہ ایسا حادثہ ہے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں واقع ہوا آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو انہوں نے کوئی جواب نہ دیا یہاں تک کہ حضرت علی شیر خدا تشریف لائے اور آپ نے قصاص کا فیصلہ کیا اور اسی طرح وضاحت کی اس پر آپ کا انکار نہ کیا گیا پس تمام صحابہ نے اس پر اتفاق کر لیا۔ ''معراج''۔

34995۔ (قولہ: بِمِرْآةٍ) یہ میم کے کسرہ اور ہمزہ کی مد کے ساتھ ہے۔ یہ دیکھنے کا آلہ ہے۔ میں نے ایک عالم کی تحریر دیکھی یہاں اس سے مراد صیقل شدہ فولاد ہے جس میں چہرہ دیکھا جا سکتا ہے شیشہ کا معروف آئینہ مراد نہیں۔

34996۔ (قولہ: عَنِ الثَّانِی الخ) ''المجتبیٰ'' کی عبارت ہے۔ اگر وہ بھینگی آنکھ پھوڑ دے اور بھینگا پن اس کی

كَمُوْضِحَةٍ (وَلَا قَوَدَ فِي عَظْمٍ إِلَّا السِّنَّ وَإِنْ تَفَاوَتَا) طُولًا وَ كِبَرًا لِمَا مَرَّ

جیسے موضحہ۔ ہڈی میں قصاص نہیں مگر دانت میں قصاص ہے اگرچہ طول اور بڑے ہونے میں مختلف ہوں اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔

بصارت کو نقصان نہیں دیتا تھا تو اس سے قصاص لیا جائے گا ورنہ اس میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: بھینگی آنکھ کے پھوڑنے میں مطلقاً قصاص نہیں۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ پہلے قول کو ترجیح دی جائے گی۔ ''الخانیہ'' میں ''ابوالحسن'' سے نقل کرتے ہوئے اس پر اکتفا کیا ہے۔ لیکن اس سے ایک ورقہ قبل کہا: بھینگے کی آنکھ میں کوئی قصاص نہیں۔ اس کا معنی اطلاق ہے۔ اس کا معمول یہ ہے کہ جو زیادہ مشہور ہے اس کو مقدم کیا جائے۔ اسی وجہ سے ''شارح'' نے اس پر اکتفا کیا ہے اس طرح ''شرنبلالیہ'' کے کلام کا ظاہر اس طرف مائل ہے۔ فافہم۔

تنبیہ

ایک آدمی نے انسان کی آنکھ پر ضرب لگائی تو وہ سفید ہوگئی اس طرح وہ اس کے ساتھ دیکھ نہیں سکتا عام علما کے نزدیک اس میں قصاص نہیں۔ کیونکہ ایک آدمی نے کسی آدمی کی آنکھ پھوڑ دی اور پھوڑنے والے کی آنکھ میں سفیدی ہے جو آنکھ میں نقص واقع کرتی ہے تو آدمی کو چاہیے کہ وہ سفید آنکھ کو پھوڑ دے یا اس کی آنکھ کی چٹی بھرے۔ ایک آدمی نے آنکھ پر جنایت کی جس میں سفیدی تھی جس کے ساتھ وہ آدمی دیکھ لیتا تھا اور جنایت کرنے والے کی آنکھ اسی طرح ہے تو دونوں میں کوئی قصاص نہیں ہوگا۔ وہ آنکھ جو موجود ہو جس کا نور ختم ہو گیا ہے اس میں ایک عادل آدمی کا فیصلہ ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ اس پر ضرب لگائے اور آنکھ کا کچھ حصہ سفید ہو جائے یا اسے زخم ہو جائے، اس میں بو پیدا ہو جائے، اس کی آنکھ پر پردہ چھا جائے یا کوئی ایسی چیز پیدا ہو جائے جو آنکھ کو خراب کر دے تو اس سے اس میں نقص واقع ہوگا، ''تاتر خانیہ''۔

34997۔ (قولہ: كَمُوْضِحَةٍ) یہ وہ زخم ہے جو ہڈی کو ظاہر کر دیتا ہے۔ اس طرح ظاہر روایت میں اس سے کم میں قصاص واجب ہوتا ہے جس طرح ''باب الشجاج'' میں آئے گا۔

ہڈی کے قصاص کا شرعی حکم

34998۔ (قولہ: إِلَّا السِّنَّ) یہ مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع ہے۔ کیونکہ اطبا نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خشک پٹھا ہے۔ کیونکہ یہ خلقت کے مکمل ہونے کے بعد جنم لیتا ہے اور بڑھتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ہڈی ہے۔ گویا صاحب ''ہدایہ'' کے نزدیک یہ ہڈی ہے یہاں تک کہ کہا: اس سے مراد دانت کے علاوہ ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ مستثنیٰ متصل ہوگا۔ اس میں اس کے علاوہ میں فرق مساوات کا امکان ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ریتی کے ساتھ اس کو ریتا جائے، ''معراج''، ''عنایہ''۔

34999۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی منفعت ایک ہے۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اصلی اور سالم ہو۔

(فَتُقْطَعُ إِنْ قُلِعَتْ؛ وَقِيلَ تُبْرَدُ إِلَى اللَّحْمِ (مَوْضِعِ أَصْلِ السِّنِّ) وَيَسْقُطُ مَا سِوَاهُ لِتَعَذُّرِ الْمُمَاثَلَةِ إِذْ رُبَّمَا تُفْسَدُ لَهَاتُهُ، وَبِهِ أَخَذَ صَاحِبُ الْكَافِي

اگر دانت اکھیڑا گیا ہو تو اس کا دانت اکھیڑا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: گوشت تک یعنی دانت کی جڑ تک اس کو ریتا جائے گا اور اس کے علاوہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ مماثلت متعذر ہے۔ کیونکہ بعض اوقات اس سے کوا فاسد ہو جاتا ہے۔ ''صاحب الکافی'' نے اسی کو اپنایا ہے۔

''قہستانی'' میں ہے: الف لام عہد خارجی کا ہے یعنی دانت اصلی ہو۔ پس زائد دانت میں کوئی قصاص نہیں بلکہ اس میں ایک عادل آدمی کی حکومت ہے جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔ اس میں یہ بھی ہے: جنایت کرنے والے کا دانت سیاہ ہو، زرد ہو، سرخ ہو یا سبز ہو جس پر جنایت کی گئی ہے اگر وہ چاہے تو قصاص لے لے یا اپنے دانت کی دیت پانچ سو لے لے جس پر جنایت واقع کی گئی اگر اس کا دانت عیب دار ہو تو اس کی چٹی عادل کا فیصلہ ہے اور اس میں قصاص نہیں۔

35000۔(قولہ: مَوْضِعِ أَصْلِ السِّنِّ) یہ ماقبل کا بدل ہے، ''ط''۔

35001۔(قولہ: وَيَسْقُطُ مَا سِوَاهُ) یعنی جو گوشت میں داخل ہو۔

35002۔(قولہ: إِذْ رُبَّمَا تُفْسَدُ لَهَاتُهُ) یعنی اگر اس کو اکھیڑا جائے۔ لہاۃ کی تعبیر ''النہایہ'' میں واقع ہوئی ہے۔ ''زیلعی''۔ مصنف اور شارح نے ان کی پیروی کی ہے صحیح لثاتہ ہے جس طرح ''کفایہ'' میں واقع ہے۔ ''المغرب'' میں کہا: اللھاۃ گوشت کا ایسا لوتھڑا ہے جو حلق پر لٹک رہا ہوتا ہے۔ اور ان کا قول: من تسحر بسویق لابد ان یبقی بین اسنان ولھاتہ شیء کانہ تصحیف لثاتۃ وھی لحمات اصول الاثنان جس نے ستو سے سحری کی تو ضروری ہے کہ ستو اس کے دانتوں اور اس کے لہات کے درمیان کوئی شے باقی رہ جائے گویا یہ لثاث کی تصحیف ہے جو دانتوں کی جڑوں کا گوشت ہوتا ہے۔

35003۔(قولہ: وَبِهِ أَخَذَ صَاحِبُ الْكَافِي) یعنی رگڑنے کے بارے میں جو قول ہے اس کو ''صاحب کافی'' نے اپنایا ہے۔ ''ہدایہ'' کے شارحین اسی پر گامزن ہوئے ہیں اور اسے ''ذخیرہ'' اور ''مبسوط'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ ''جوہرہ'' اور ''تبیین'' میں ان کی پیروی کی ہے۔ اور اس کو اکھیڑنے کے قول سے انہوں نے اصلاً تعرض نہیں کیا بلکہ علماء نے یہ کہا: اس کو نہیں اکھیڑا جائے گا اسے رگڑا جائے گا جب کہ ''ہدایہ'' میں انہوں نے کہا: اگر اس کو اس کی جڑ سے اکھیڑا تھا تو دوسرے کو جڑ سے اکھیڑا جائے گا۔ پس دونوں ایک دوسرے کی ہم مثل ہو جائیں گے گویا شارحین اس سے راضی نہیں ہوئے۔ لیکن ''مختصر النقایہ''، ''الملتقی''، ''الاختیار'' اور ''الدرر'' وغیرہا میں اسی پر گامزن ہوئے ہیں۔ ''طوری'' نے ''المحیط'' سے نقل کیا ہے کہ مسئلہ میں دو روایتیں ہیں بعض علماء نے ''مقدسی'' سے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: جب اکھیڑنا مشکل ہو تو چاہیے کہ ریتنے کو اختیار کیا جائے جس طرح اگر اس کے دانتوں کے درمیان فاصلہ نہ ہو اس طرح کہ یہ خوف ہو کہ ایک کو اکھیڑنے سے دوسرا اس کے ساتھ اکھڑ جائے یا کوا خراب ہو جائے۔

قَالَ الْمُصَنِّفُ وَفِی الْمُجْتَبَی وَبِهِ یُفْتَی (کَمَا تُبْرَدُ) إلَی أَنْ یَتَسَاوَیَا إنْ کُسِرَ تَوَفِی الْمُجْتَبَی یُؤَجَّلُ حَوْلًا، فَإِنْ لَمْ تَثْبُتْ یُقْتَصُّ

مصنف نے کہا: ''مجتبیٰ'' میں ہے: اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے جس طرح اس کو ریتا جائے گا یہاں تک کہ وہ دونوں برابر ہو جائیں اگر دانت کو توڑا گیا ہو۔ ''مجتبیٰ'' میں ہے: اسے سال بھر کے لیے مہلت دی جائے گی اگر وہ دانت نہ اگے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: ''شرح مسکین'' میں جو ''الخلاصہ'' سے مروی ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے: دانت کو اکھیڑنا مشروع ہے اور ریتی کے ساتھ ریتنا یہ احتیاط ہے۔

35004۔ (قولہ: قَالَ الْمُصَنِّفُ) میں نے یہ قول ''المنح'' اور ''المجتبیٰ'' میں نہیں دیکھا۔

35005۔ (قولہ: کَمَا تُبْرَدُ إلَی أَنْ یَتَسَاوَیَا إنْ کُسِرَتْ) یہ حکم اس صورت میں ہے جب باقی سیاہ نہ ہوا گر وہ سیاہ ہو جائے تو قصاص واجب نہ ہوگا جس پر جنایت کی گئی اگر وہ توڑے گئے دانت کی مقدار کا حق لینا چاہے اور جو سیاہ ہوا اس کو چھوڑنے کا ارادہ کرے تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا۔ ظاہر روایت میں ہے: جب دانت کو توڑا جائے تو اس میں قصاص نہیں، ''خانیہ''۔ کتاب الدیات میں عنقریب آئے گا۔ ''بزازیہ'' میں ہے: قاضی امام نے کہا: بعض دانتوں کے توڑنے میں اسے ریتی کے ساتھ ریتا جائے گا جب وہ چوڑائی کی صورت میں توڑا جائے۔ اگر لمبائی کی صورت میں اس کو توڑا جائے تو اس میں فیصلہ ہوگا، ''شرنبلالیہ''۔ ''تاترخانیہ'' میں ہے: اگر اسے برابر توڑا جائے تو اس سے قصاص لینا ممکن ہوگا تو قصاص لیا جائے گا ورنہ اس پر اس کی چٹی ہوگی۔ یہ دانت میں پانچ اونٹ یا پانچ گائیں ہوں گی۔ اس میں بھی یہ تقیید معلوم ہو جائے گی جب اس میں مساوات ممکن ہو۔

''خانیہ'' میں ہے: ایک آدمی کے دانت کو ضرب لگائی گئی تو وہ سیاہ ہو گیا تو دوسرے آدمی نے اسے اکھیڑ دیا تو پہلے پر مکمل دیت پانچ سو ہوگی اور دوسرے پر عادل کی حکومت ہوگی۔ اس میں ہے: ایک آدمی کے دانت کا چوتھائی توڑا گیا اور توڑنے والے کے دانت کا چوتھائی (شاید صحیح صرف دانت ہے مترجم) توڑے جانے والے دانت کی مثل ہے۔ ''ابن رستم'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ توڑنے والے کے دانت کو توڑا جائے گا اور اس میں صغر اور کبر کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا بلکہ جس قدر توڑا گیا ہے اس کا اعتبار ہوگا۔ اس طرح کا حکم ہوگا اگر ایک انسان کا کان یا اس کا ہاتھ کاٹا گیا اور قاطع کا کان یا اس کا ہاتھ زیادہ لمبا ہو۔

تنبیہ: ''الخلاصہ'' میں کہا: اگر کچھ دانت توڑا گیا اور باقی گر گیا تو مشہور روایت کے مطابق قصاص واجب نہیں ہوگا۔ اگر وہ اسے مارے اور وہ دانت حرکت کرنے لگے اور وہ اپنی جگہ نہ چھوڑے تو دوسرے نے اس کو اکھیڑ دیا تو ہر ایک پر ایک عادل کا فیصلہ ہوگا۔

35006۔ (قولہ: فَإِنْ لَمْ تَثْبُتْ یُقْتَصُّ) یعنی جب اس کو اکھیڑا گیا ہو۔ ''المجتبیٰ'' میں بھی ذکر کیا گیا ہے: جب اس کا

وَقِيلَ يُؤَجَّلُ الصَّبِيُّ لَا الْبَالِغُ، فَلَوْ مَاتَ الصَّبِيُّ فِي الْحَوْلِ بَرِئَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ فِيهِ حُكُومَةُ عَدْلٍ، وَكَذَا الْخِلَافُ إِذَا أُجِّلَ فِي تَحْرِيكِهِ فَلَمْ يَسْقُطْ،

ایک قول یہ کیا گیا ہے: بچے کو مہلت دی جائے گی بالغ کو مہلت نہیں دی جائے گی۔ اگر بچہ سال میں مرجائے تو وہ بری ہو جائے گا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس میں ایک عادل کا فیصلہ ہوگا۔ اسی طرح کا اختلاف اس میں ہے جب اس کے حرکت کرنے کی صورت میں اسے مہلت دی جائے تو وہ نہ گرے۔

بعض توڑ دیا گیا تو ایک سال انتظار کیا جائے گا جب وہ متغیر نہ ہو تو اس کو ریتا جائے گا۔ اسی طرح ذکر کیا گیا ہے جب وہ حرکت کرنے لگے تو ایک سال انتظار کیا جائے گا۔ اگر وہ سرخ ہو جائے، سبز ہو جائے یا سیاہ ہو جائے تو اس کے مال میں اس کی دیت واجب ہوگی۔ کہا: اس کے زرد ہونے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

35007۔ (قولہ: وَقِيلَ يُؤَجَّلُ الصَّبِيُّ) ''مجتبیٰ'' کی عبارت یہ ہے: ہمارے نزدیک قاعدہ یہ ہے: عام جنایات وہ عمداً ہوں یا خطأً ہوں ڈھیل اور مہلت دی جائے گی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے حرکت کرنے میں مہلت دینے کا ذکر کیا ہے اکھیڑنے میں اس کا ذکر نہیں کیا۔

اکھیڑنے میں اختلاف ہے۔ ''امام قدوری'' نے کہا: بچے کے بارے میں مہلت دی جائے بالغ کے معاملہ میں مہلت نہیں دی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں کے بارے میں مہلت دی جائے گی۔ ''طحاوی'' نے ''ظہیریہ'' سے نقل کیا ہے: اگر ایک آدمی کے دانت کو مارا گیا تو وہ دانت گر گیا تو اس کو مہلت دی جائے گی یہاں تک کہ دانت کی جگہ صحیح ہو جائے اور اس کو سال بھر مہلت نہیں دی جائے گی مگر ''مجرد'' کی ایک روایت میں ایسا ہے۔ صحیح قول پہلا ہے۔ کیونکہ بالغ کے دانت کا پیدا ہونا نادر ہے۔ شارح باب الشجاج میں ''الخلاصہ'' اور ''النہایہ'' سے ذکر کریں گے اس کی تحقیق ان شاء اللہ وہاں آئے گی۔

35008۔ (قولہ: فَلَوْ مَاتَ الصَّبِيُّ فِي الْحَوْلِ بَرِئَ) یعنی سال کے مکمل ہونے سے پہلے بچہ اگر مر جائے تو جنایت کرنے والے پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ یہ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے، ''مجتبیٰ''۔

35009۔ (قولہ: وَكَذَا الْخِلَافُ الخ) ''مجتبیٰ'' میں کہا: جب حرکت دینے میں انتظار کیا اور وہ دانت نہ گرا تو اس پر کوئی شے نہ ہوگی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: درد کی چٹی میں عادل کا فیصلہ واجب ہوگا یعنی دانت نکالنے والے اور طبیب کی اجرت لازم ہوگی۔ اگر دانت گر جائے تو عمد میں قصاص واجب ہوگا اور خطا میں دیت واجب ہوگی۔ اگر مارنے والا کہے: دانت گرا مگر میری ضرب سے نہیں گرا تو قول بطور استحسان مضروب کا ہوگا۔ ''تاتر خانیہ'' میں یہ اضافہ کیا ہے: یہ حکم جنایات میں نہیں ہے مگر دانت میں ہے۔ کیونکہ اس بارے میں اثر پایا جا رہا ہے اگر وہ سال کے بعد آئے جب کہ دانت گرا ہوا ہو تو ضارب کہے: وہ سال میں گرا ہے تو قول مضروب کا معتبر ہوگا کہ دانت اس کی ضرب کی وجہ سے گرا ہے۔ اگر کہے: سال کے بعد گرا ہے تو قول ضارب کا معتبر ہوگا۔

فَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ تَجِبُ حُكُومَةُ عَدْلِ الْأَلَمِ أَيْ أَجْرُ الْقَلَّاعِ وَالطَّبِيبِ وَسَنُحَقِّقُهُ (وَتُؤْخَذُ الثَّنِيَّةُ بِالثَّنِيَّةِ وَالنَّابُ بِالنَّابِ، وَلَا يُؤْخَذُ الْأَعْلَى بِالْأَسْفَلِ وَلَا الْأَسْفَلُ بِالْأَعْلَى) مُجْتَبَى الْحَاصِلُ أَنَّهُ لَا يُؤْخَذُ عُضْوٌ إِلَّا بِمِثْلِهِ (وَ) لَا قَوَدَ عِنْدَنَا فِي (طَرَفَيْ رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ وَ) طَرَفَيْ (حُرٍّ وَعَبْدٍ وَ) طَرَفَيْ (عَبْدَيْنِ)

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو درد کی چٹی یعنی اس بارے میں عادل کا فیصلہ واجب ہوگا۔ یعنی دانت نکالنے والے اور طبیب کی اجرت لازم ہوگی۔ ہم اس کو عنقریب ثابت کریں گے۔ ثنیہ کے بدلے ثنیہ کا مواخذہ کیا جائے گا، اور ناب کے بدلے ناب کا فیصلہ کیا جائے گا، اور اوپر والے کا مواخذہ نیچے والے سے اور نیچے والے کا مواخذہ اوپر والے سے نہیں کیا جائے گا، ''مجتبیٰ''۔ حاصل کلام یہ ہے کہ عضو کا مواخذہ عضو سے ہوگا۔ مرد اور عورت کے اطراف (اعضا) میں اور غلام اور آزاد کے اعضا میں اور دونوں کے اعضا میں ہمارے نزدیک قصاص جاری نہیں ہوگا۔

35010۔ (قولہ: حُكُومَةُ عَدْلِ الْأَلَمِ) حکومۃ العدل سے مراد چٹی ہے گویا انہوں نے یہ قول کیا ہے: ارش الالم، ''ح''۔ یا کہا جائے اضافت بیانیہ ہے۔ یعنی حکومت جو درد کے مساوی ہو یعنی دراہم میں سے جو اس کے مساوی ہیں، تامل۔

35011۔ (قولہ: أَيْ أَجْرُ الْقَلَّاعِ) ''تاترخانیہ'' میں، میں نے جو قول دیکھا ہے: وہ اجر العلاج ہے۔

35012۔ (قولہ: وَسَنُحَقِّقُهُ) یعنی فصل الشجاج کے درمیان اور اس کے آخر میں ہم اسے ثابت کریں گے۔

35013۔ (قولہ: الْحَاصِلُ) یہ قول اس امر کو بیان کرتا ہے کہ یہ حکم دانت میں خاص نہیں بلکہ اس کے علاوہ میں حکم اسی طرح ہے۔

''جوہرہ'' میں کہا: مسلمانوں نے اس پر اجماع کیا کہ بائیں آنکھ کے بدلے میں دائیں اور دائیں آنکھ کے بدلے میں بائیں آنکھ کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کا معاملہ ہے۔ اسی طرح ان دونوں کی انگلیوں کا معاملہ ہے۔ اور دائیں کا دائیں، سبابہ کا سبابہ اور وسطیٰ کا وسطیٰ کے بدلے مواخذہ ہوگا۔ دائیں کے اعضاء میں سے کسی شے کا مواخذہ نہیں ہوگا مگر دائیں کے بدلے میں اور بائیں کے اعضاء کا مواخذہ نہیں ہوگا مگر بائیں کے مقابلہ میں۔

مرد اور عورت، غلام اور آزاد کے اعضا میں قصاص کا حکم

35014۔ (قولہ: وَلَا قَوَدَ عِنْدَنَا الخ) اس کے مال میں فی الحال دیت لازم ہوگی، قصاص لازم نہ ہوگا ''جوہرہ''۔

35015۔ (قولہ: فِي طَرَفَيْ رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ) ''قدوری'' کی عبارت ہے: نفس سے کم میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی قصاص نہیں ہوتا، الخ۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ طرف سے مراد جو نفس سے کم ہو۔ پس یہ لفظ دانت، آنکھ، ناک وغیرہ کو شامل ہوگا۔ یہ آنے والی دلیل سے مستفاد ہے۔

''الکفایہ'' میں ہے: اگر یہ کہا جائے اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ (المائدہ: 45) یہ مطلق ہے یہ نزاع کے مواضع کو شامل ہے۔

لِتَعَذُّرِ الْمُمَاثَلَةِ بِدَلِیلِ اخْتِلَافِ دِینِهِمْ وَقِیمَتِهِمْ وَالْأَطْرَافُ كَالْأَمْوَالِ قُلْت هَذَا هُوَ الْمَشْهُورُ، لَكِنْ فِی الْوَاقِعَاتِ لَوْ قَطَعَتْ الْمَرْأَةُ یَدَ رَجُلٍ كَانَ لَهُ الْقَوَدُ لِأَنَّ النَّاقِصَ یُسْتَوْفَى بِالْكَامِلِ إذَا رَضِیَ صَاحِبُ الْحَقِّ،

اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کی دیت اور ان کی قیمت میں اختلاف ہے اور اطراف اموال کی طرح ہیں۔ میں کہتا ہوں: یہ ہی مشہور ہے لیکن ''واقعات'' میں ہے: اگر عورت مرد کا ہاتھ کاٹ دے تو اسے قصاص لینے کا حق ہوگا۔ کیونکہ ناقص کامل کا پورا حق ہوسکتا ہے جب صاحب حق راضی ہو۔

ہم کہیں گے: اس سے حربی مستامن خاص ہے۔ اور عام جب خص عنہ البعض ہو تو خبر واحد سے اس کی تخصیص جائز ہوگی۔

''شرنبلالیہ'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: مرد اور عورت میں زخموں میں قصاص جاری نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی بنیاد منفعت اور قیمت میں مساوات ہے اور وہ نہیں پائی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قصاص جاری ہوگا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''المبسوط'' میں بیان کیا ہے۔ کیونکہ اطراف کے قطع کرنے میں منفعت کو فوت کرنا اور شین کو لاحق کرنا ہے۔ جب کہ یہ دونوں متفاوت ہیں۔ ان زخموں میں منفعت کا فوت کرنا نہیں یہ تو عیب کو لاحق کرنا ہے جب کہ دونوں اس میں برابر ہیں۔ ''الاختیار'' میں دوسرے قول پر اکتفا کیا ہے، فتامل۔

35016۔ (قولہ: بِدَلِیلِ الخ) ''زیلعی'' نے کہا: ہماری دلیل یہ ہے کہ اطراف (اجزاء) ہیں اموال کا اسلوب اپنایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ اموال کی طرح انفس کی حفاظت و صیانت ہے اور مذکر و مونث کے اجزاء میں کوئی مماثلت نہیں۔ کیونکہ دونوں میں قدر و قیمت کے اعتبار سے فرق ہے۔ کیونکہ ''شارح'' نے ان کی قدر و قیمت معین کردی ہے اور نہ آزاد اور غلام میں مماثلت ہے اور نہ ہی دو غلاموں میں مماثلت ہے۔ کیونکہ قیمت میں مخالفت پائی جارہی ہے اگر دونوں برابر ہوں تو یہ تخمینہ اور گمان ہے۔ یہ یقین نہیں پس شبہ واقع ہوگیا اور قصاص ممتنع ہوگیا۔ دو آزاد افراد کی اطراف کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ دونوں میں مساوات یقینی ہے کیونکہ شارع نے ان کی قدر و قیمت معین کردی ہے۔ انفس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ان میں قصاص روح کے چلے جانے کے متعلق ہے اور اس میں کوئی تفاوت نہیں۔ اس کے ساتھ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے آنے والے اعتراض کا جواب بھی حاصل ہوجاتا ہے انہوں نے اطراف کو انفس کے ساتھ لاحق کیا ہے۔

35017۔ (قولہ: قُلْت هَذَا هُوَ الْمَشْهُورُ) شروح میں یہی مذکور ہے اور متون کے اطلاق سے یہی مستفاد ہے۔ پس یہی قابل اعتماد ہوگا۔

''کفایہ'' میں یہاں فرق ذکر کیا ہے جو اس بارے میں ہے کہ ناقص کامل کے بدلے میں لینا جائز نہیں اور جو آگے قول آرہا ہے اس میں اس کے جواز کو بیان کیا ہے جب قطع کرنے والے کا ہاتھ شل ہو یا اس کی انگلیاں کم ہوں۔ اس کا حاصل یہ ہے کیونکہ یہاں نقصان اصلی ہے پس محل کے فوت ہونے کی وجہ سے یہ قصاص کے مانع ہوگا۔ اور جو آگے آرہا ہے اس میں مساوات اصل میں ثابت ہے اور تفاوت عارضی امر کی وجہ سے ہے۔

فَلَا فَرْقَ بَيْنَ حُرٍّ وَعَبْدٍ وَلَا بَيْنَ عَبْدَيْنِ وَأَقَرَّهُ الْقُهُسْتَانِيُّ وَالْبُرْجُنْدِيُّ (وَطَرَفُ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ سِيَّانِ) لِلتَّسَاوِي فِي الْأَرْشِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ كُلُّ مَنْ يُقْتَلُ بِهِ يُقْطَعُ بِهِ وَمَا لَا فَلَا (وَ) لَا فِي (قَطْعِ يَدٍ مِنْ نِصْفِ السَّاعِدِ) لِمَا مَرَّ (وَ) لَا فِي (جَائِفَةٍ بَرِئَتْ) فَلَوْ لَمْ تَبْرَأْ، فَإِنْ سَارِيَةً يُقْتَصُّ وَإِلَّا يُنْتَظَرُ الْبُرْءُ أَوْ السِّرَايَةُ ابْنُ كَمَالٍ (وَلِسَانٍ وَذَكَرٍ) وَلَوْ مِنْ أَصْلِهِمَا بِهِ يُفْتَى شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ،

پس آزاد اور دو غلاموں میں کوئی فرق نہیں۔ ''قہستانی'' نے ''برجندی'' سے اسے ثابت رکھا ہے۔ مسلمان اور کافر کی طرف برابر ہیں۔ کیونکہ ارش میں دونوں برابر ہیں۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہر وہ شخص جس کو جس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اس کے بدلے میں اس کا عضو کاٹا جائے گا اور جس کو جس کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا اس کو اس کے بدلے میں قطع نہیں کیا جائے گا اور جب نصف پنڈلی سے قطع کیا جائے تو اس میں قطع نہیں۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے اور نہ ہی ایسے جائفہ زخم میں قصاص ہے جو صحیح ہو جائے اگر وہ ٹھیک نہ ہو۔ اگر وہ سرایت کر جائے تو اس سے قصاص لیا جائے گا ورنہ صحیح ہونے کا انتظار کیا جائے گا یا سرایت کرنے کا انتظار کیا جائے گا ''ابن کمال''۔ اور نہ ہی زبان اور شرمگاہ کے کاٹنے میں قصاص ہوگا اگرچہ دونوں کو ان کی جڑوں سے کاٹا جائے۔ اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''شرح وہبانیہ'' میں مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے۔

35018۔ (قولہ: وَلَا بَيْنَ عَبْدَيْنِ) جو عبد اعلیٰ کا مالک ہے اسے ادنیٰ سے حق لینے کا اختیار ہے، ''ط''۔

35019۔ (قولہ: وَطَرَفُ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرِ) سے مراد ہے مسلم کا جز اور کافر کا جز۔ یعنی ذمی دونوں برابر ہیں پس ان دونوں میں قصاص جاری ہوگا۔ اسی طرح دو عورتوں کے درمیان جو مسلمان اور کتابیہ ہیں۔ اسی طرح کا حکم دو کتابیتین کے درمیان ہے، ''جوہرہ''۔

35020۔ (قولہ: وَلَا فِي قَطْعِ يَدٍ) بلکہ اس میں عادل کی حکومت ہوگی، ''اتقانی''۔

35021۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی مماثلت کی رعایت ممتنع ہے، ''ط''۔

35022۔ (قولہ: وَلَا فِي جَائِفَةٍ بَرِئَتْ) کیونکہ اس کا صحیح ہونا نادر ہے۔ پس دوسرا عموماً ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے، ''ہدایہ''۔ جائفہ یہ وہ زخم ہوتا ہے جو سینہ سے بطن تک یا پشت سے بطن تک پہنچ جاتا ہے۔ پس قصاص نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی شرط منتفی ہے بلکہ دیت کا تیسرا حصہ واجب ہوگا اور جائفہ زخم گردن، حلق، ہاتھوں اور پاؤں میں نہیں ہوتا۔ اگر وہ خصیتین اور دبر میں ہو تو وہ جائفہ ہوگا۔ ''اتقانی''۔

35023۔ (قولہ: فَإِنْ سَارِيَةً) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس سے مر جائے۔ زیادہ مختصر یہ ہے کہ کہا جائے: اگر وہ صحیح نہ ہو تو صحیح ہونے یا سرایت کر جانے کا انتظار کیا جائے گا پس اس سے قصاص لیا جائے گا۔

زبان اور شرمگاہ کے کاٹنے میں قصاص کا شرعی حکم

35024۔ (قولہ: بِهِ يُفْتَى) یہی قول ہے ''قہستانی'' نے ''مضمرات'' سے نقل کیا ہے۔ یہ متون کے اطلاق سے

وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ لِأَنَّهُ يَنْقَبِضُ وَيَنْبَسِطُ قُلْتُ لَكِنْ جَزَمَ قَاضِي خَانَ بِلُزُومِ الْقِصَاصِ، وَجَعَلَهُ فِي الْمُحِيطِ قَوْلُ الْإِمَامِ وَنَصُّهُ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ

کیونکہ یہ سکڑ جاتے ہیں اور پھیل جاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں: لیکن ''قاضی خان'' نے قصاص کے لازم ہونے کو یقین کے الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور ''محیط'' میں اسے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول قرار دیا ہے۔ اس کی نص یہ ہے: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

مستفاد ہے خصوصاً استثنائیہ عموم کے ادوات میں سے ہے جب کہ وہ ان کا یہ قول ہے: الا ان یقطع الحشفة پس یہ قول اس امر کا فائدہ دے گا کہ ان کے علاوہ کے قطع کرنے میں کوئی قصاص نہیں۔

35025۔ (قولہ: لَكِنْ جَزَمَ قَاضِي خَانَ بِلُزُومِ الْقِصَاصِ) یعنی صرف آلہ تناسل میں اس کو یقین سے بیان کیا ہے جب اس کو جڑ سے کاٹا جائے زبان میں یہ بیان نہیں کیا۔ کیونکہ ''الخانیہ'' میں کہا: ایک آدمی نے انسان کی زبان کاٹ دی تو ''الاصل'' میں یہ مذکور ہے کہ اس میں کوئی قصاص نہیں اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: زبان کا کچھ حصہ کاٹنے میں کوئی قصاص نہیں۔

پھر ''الخانیہ'' میں کہا: جب آلہ تناسل کو جڑ سے جان بوجھ کر کاٹا جائے تو اس میں قصاص ہوگا اگر اس کو درمیان سے کاٹا جائے تو اس میں قصاص نہیں ہوگا۔ یہ نر کے آلہ تناسل میں ہے۔ جہاں تک خصی اور عنین کے آلہ تناسل کا تعلق ہے تو اس میں عادل کا فیصلہ ہے۔ بچے کے آلہ تناسل میں یہ حکم ہے اگر اس میں حرکت ہوتی ہو تو قصاص واجب ہوگا اگر قطع بھی جان بوجھ کر ہو، اگر خطا ہو تو دیت واجب ہوگی۔ اگر وہ حرکت نہ کرے تو اس میں ایک عادل کا فیصلہ ہوگا۔ زبان کے کاٹنے میں کوئی حق نہیں ہوگا۔ پس زبان اور آلہ تناسل میں فرق کیا ہے جس طرح آپ نے دیکھ لیا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ زبان کی جڑ تک پہنچنا مشکل ہے۔ آلہ تناسل کا معاملہ مختلف ہے۔ لیکن ''قاضی خان'' نے ''جامع صغیر'' کی شرح میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے آلہ تناسل اور زبان میں ایک روایت ذکر کی ہے اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس بارے میں کہا: جب ایسے بچے کے آلہ تناسل کو قطع کیا گیا جو حرکت کرے جس کا درست ہونا ظاہر ہو چکا تھا اگر آلہ تناسل جڑ سے جان بوجھ کر قطع کیا گیا تو اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ ''بشر'' نے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایات نقل کی ہیں کہ اس میں قصاص واجب ہوگا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے قصاص کے واجب نہ ہونے کو روایت کیا ہے ''ملخص''۔ پھر کہا: اگر بچے کی زبان کاٹی گئی جس نے چیخ ماری تھی تو اس میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔ کیونکہ زبان کا درست ہونا دلیل سے معلوم نہ ہوا تھا۔ اگر اس نے گفتگو کی ہو تو اس میں کامل دیت لازم ہوگی اس میں قصاص کا ذکر نہیں کیا تو ذکر نہ کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ زبان میں قصاص واجب نہیں ہوگا وہ تمام کاٹی جائے یا بعض کاٹی جائے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔ تو یہ جان چکا ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ متون کے اطلاق کا ظاہر معنی ہے۔ ''قہستانی'' میں ہے:

إِنْ قَطَعَ الذَّكَرُ ذَكَرَهُ مِنْ أَصْلِهِ أَوْ مِنَ الْحَشَفَةِ أُقْتُصَّ مِنْهُ إِذْ لَهُ حَدٌّ مَعْلُومٌ، وَأَقَرَّهُ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ فَلْيُحْفَظْ (إِلَّا أَنْ يَقْطَعَ) كُلَّ (الْحَشَفَةِ) فَيُقْتَصُّ، وَلَوْ بَعْضَهَا لَا، وَسَيَجِيءُ مَا لَوْ قَطَعَ بَعْضَ اللِّسَانِ (وَيَجِبُ الْقِصَاصُ فِي الشَّفَةِ إِنْ اسْتَقْصَاهَا بِالْقَطْعِ) لِإِمْكَانِ الْمُمَاثَلَةِ (وَإِلَّا) يَسْتَقْصِهَا (لَا) يُقْتَصُّ مُجْتَبَى وَجَوْهَرَةٌ، وَفِي لِسَانِ أَخْرَسَ وَصَبِيٍّ لَا يَتَكَلَّمُ حُكُومَةُ عَدْلٍ (فَإِنْ كَانَ الْقَاطِعُ أَشَلَّ أَوْ نَاقِصَ الْأَصَابِعِ أَوْ كَانَ رَأْسُ الشَّاجِّ أَكْبَرَ مِنَ الْمَشْجُوجِ

اگر مذکر نے اس کا آلہ تناسل اس کی جڑ سے یا حشفہ سے کاٹا تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ کیونکہ اس کی حد معلوم ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں اس کو ثابت رکھا ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے مگر جب پورا حشفہ کاٹ دیا جائے پس اس سے قصاص لیا جائے گا۔ اگر اس کا بعض کاٹا گیا ہو تو قصاص نہیں لیا جائے گا۔ عنقریب اس کا ذکر آئے گا اگر زبان کا کچھ حصہ کاٹا۔ ہونٹ میں قصاص واجب ہوگا اگر وہ کاٹنے میں اس کی انتہا تک جا پہنچے۔ کیونکہ مماثلت ممکن ہے۔ اگر کاٹنے میں اس کی انتہا تک نہ پہنچے تو قصاص نہیں لیا جائے گا۔ ''مجتبیٰ''، ''جوہرہ''۔ گونگے اور بچے کی زبان میں جو بچہ گفتگو نہیں کرتا اس میں عادل کا فیصلہ ہے۔ اگر کاٹنے والے کا ہاتھ شل ہو، اس کی انگلیاں ناقص ہوں یا جس نے زخم لگایا اس کا سر اس سے بڑا ہو جس کو زخم لگایا گیا

یہ ظاہر روایت ہے۔ علامہ ''قاسم'' کی تصحیح میں ہے: صحیح ظاہر روایت ہے۔

35026۔ (قولہ: إِنْ قَطَعَ الذَّكَرُ ذَكَرَهُ مِنْ أَصْلِهِ) عام نسخوں میں اسی طرح ہے۔ اور الذکر کا لفظ ''شرنبلالیہ'' کی عبارت سے ساقط ہے۔ اس سے مراد مرد ہے۔ یہ قطع کا فاعل ہے اور ذکرہ اس کا مفعول ہے یعنی دوسرے مرد کا آلہ تناسل۔ اس کے ساتھ اس سے احتراز کیا ہے اگر قاطع یا مقطوع عورت ہو تو اس صورت میں کوئی قصاص نہیں ہوگا جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔

35027۔ (قولہ: وَأَقَرَّهُ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ) لیکن ''شرنبلالیہ'' نے ''وہبانیہ'' کی شرح میں کہا: فتویٰ اسی پر ہے کہ زبان اور آلہ تناسل میں قصاص نہیں ہوگا۔ یہ جمہور کا قول ہے جس طرح ''ہدایہ'' وغیرہا میں ہے۔

35028۔ (قولہ: وَسَيَجِيءُ) یعنی ''کتاب الدیات'' کے شروع میں ہے۔

اگر ضارب اور قاطع کا جز عیب والا ہو تو مجنی علیہ کو قصاص اور دیت میں اختیار ہوگا

35029۔ (قولہ: فَإِنْ كَانَ الْقَاطِعُ أَشَلَّ) یعنی جب اس نے ہاتھ کاٹا تھا اس وقت اس کا ہاتھ شل تھا مگر جب قاطع کا ہاتھ صحیح ہو پھر قطع کے بعد شل ہو گیا ہو تو جس کا ہاتھ کاٹا گیا اس کا دیت میں کوئی حق نہ ہوگا۔ کیونکہ مقطوع کا حق ہاتھ میں ثابت ہو چکا ہے۔ پس محل کے ہلاک ہونے کی مقدار حق ساقط ہو جائے گا۔ ''طحطاوی'' نے ''ولوالجیہ'' سے نقل کیا ہے۔

35030۔ (قولہ: أَوْ كَانَ رَأْسُ الشَّاجِّ أَكْبَرَ) اس کی صورت یہ ہے کہ زخم زخمی کے سر کی اطراف کو محیط ہے زخم لگانے والے کے سر کی اطراف کو محیط نہیں اس کے برعکس میں بھی اس کو اختیار دیا جائے گا۔ کیونکہ کامل صورت میں حق لینا متعذر ہے۔ کیونکہ وہ اس کے حق کے علاوہ کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر زخم سر کی لمبائی کی صورت میں ہو اور وہ اس کی پیشانی

(خُيِّرَ الْمَجْنِيُّ عَلَيْهِ بَيْنَ الْقَوَدِ وَ) أَخْذِ (الْأَرْشِ) وَعَلَى هَذَا فِي السِّنِّ وَسَائِرِ الْأَطْرَافِ الَّتِي تُقَادُ إِذَا كَانَ طَرَفُ الضَّارِبِ وَالْقَاطِعِ مَعِيبًا يَتَخَيَّرُ الْمَجْنِيُّ عَلَيْهِ بَيْنَ أَخْذِ الْمَعِيبِ وَالْأَرْشِ كَامِلًا قَالَ بُرْهَانُ الدِّينِ هَذَا لَوْ الشَّلَّاءُ يَنْتَفِعُ بِهَا، فَلَوْ لَمْ يَنْتَفِعْ بِهَا لَمْ تَكُنْ مَحَلًّا لِلْقَوَدِ، فَلَهُ دِيَةٌ كَامِلَةٌ بِلَا خِيَارٍ، وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى مُجْتَبَى وَفِيهِ لَا تُقْطَعُ الصَّحِيحَةُ بِالشَّلَّاءِ

توجس پر جنایت کی گئی ہے اسے اختیار ہوگا کہ وہ قصاص لے لے یا دیت لے لے۔ اس تعبیر کی بنا پر دانت اور باقی اجزاء جن میں قصاص جاری ہوتا ہے جب ضارب اور قاطع کا جز عیب والا ہو توجس پر جنایت کی گئی ہے اسے اختیار ہوگا کہ وہ عیب دار سے قصاص لے لے یا کامل دیت لے لے۔ ''برہان الدین'' نے کہا: یہ حکم اس صورت میں ہے اگر شل ہاتھ سے نفع حاصل کیا جاسکتا ہو۔ اگر اس سے نفع حاصل نہ کیا جاسکتا ہو تو وہ قصاص کا محل نہ ہوگا تو اس کے لیے اختیار کے بغیر کامل دیت ہو گی۔ اس پر فتویٰ ہے، ''مجتبیٰ''۔ اس میں ہے: صحیح ہاتھ کو شل ہاتھ کے بدلے میں نہیں کاٹا جائے گا۔

سے اس کی گدی تک پہنچتا ہو اور وہ زخم لگانے والے کی گدی تک نہ پہنچے تو اس کو اختیار ہوگا، ''ہدایہ''۔

35031۔ (قولہ: خُيِّرَ الْمَجْنِيُّ عَلَيْهِ) کیونکہ پورا حق لینا یہ متعذر ہے تو اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے حق کے بغیر درگزر سے کام لے اور اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ عوض کی طرف پھر جائے۔

اگر جنایت کرنے والے کا ہاتھ کسی آفت کی وجہ سے اس کے اختیار سے قبل ہی گر جائے جس پر جنایت کی گئی تھی یا اس کا ہاتھ بطور ظلم کاٹ دیا گیا تو ہمارے نزدیک کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کا حق قصاص میں متعین ہے۔ بے شک وہ مال کی طرف اپنے اختیار سے منتقل ہوا۔ پس اس کے فوت ہونے سے اس کا حق فوت ہو جائے گا۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب اس کا ہاتھ اس حق کی وجہ سے کاٹ دیا گیا جو اس پر لازم تھا وہ قصاص ہو یا سرقہ ہو۔ کیونکہ اس صورت میں اس پر قصاص واجب ہو گا۔ کیونکہ جنایت کرنے والے نے ایسا حق دیا ہے جو اس پر لازم تھا۔ پس وہ اس کے حق میں ہے، ''ہدایہ''۔

''زیلعی'' نے کہا: نفس کا معاملہ مختلف ہے۔ جس قاتل پر قصاص اس کے علاوہ کی وجہ سے واجب ہوا تو اسے اس کے بدلے میں قتل کر دیا گیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ مال کے معنی میں نہیں۔ پس وہ اس کے لیے درست نہ ہوگا۔

35032۔ (قولہ: مُجْتَبَى) اسے اس میں ''معراج'' سے نقل کیا ہے اور اسے ثابت رکھا ہے۔ اسے ''تاتر خانیہ'' میں بھی ذکر کیا ہے۔

شل ہاتھ کے بدلے صحیح ہاتھ کو کاٹنا جائز نہیں

35033۔ (قولہ: لَا تُقْطَعُ الصَّحِيحَةُ بِالشَّلَّاءِ) یہ اس کی مثل ہے جسے پہلے بیان کیا ہے کہ بھینگی آنکھ کے بدلے میں صحیح آنکھ سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔

''تاتر خانیہ'' میں ہے: جب کاٹے گئے ہاتھ میں زخم ہو جو ہاتھ کی دیت کے نقصان کو ثابت نہ کرتا ہو اس کی صورت یہ

(وَيَسْقُطُ الْقَوَدُ بِمَوْتِ الْقَاتِلِ) لِفَوَاتِ الْمَحَلِّ (وَيَعْفُو الْأَوْلِيَاءُ وَيُصَالِحُهُمْ عَلَى مَالٍ وَلَوْ قَلِيلًا، وَيَجِبُ حَالًا) عِنْدَ الْإِطْلَاقِ (وَبِصُلْحِ أَحَدِهِمْ وَعَفْوِهِ، وَلِمَنْ بَقِيَ) مِنَ الْوَرَثَةِ (حِصَّتُهُ مِنَ الدِّيَةِ) فِي ثَلَاثِ سِنِينَ عَلَى الْقَاتِلِ هُوَ الصَّحِيحُ، وَقِيلَ عَلَى الْعَاقِلِ مُلْتَقًى

قاتل کی موت کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ محل فوت ہو چکا ہے اور قصاص ساقط ہو جاتا ہے جب اولیاء اسے معاف کر دیں اور جب وہ مال پر صلح کر لیں اگر چہ مال قلیل ہو۔ اور اطلاق کے وقت وہ مال فی الحال واجب ہوگا۔ اور قصاص ساقط ہو جاتا ہے جب ان میں سے کوئی ایک صلح کر لے اور وہ قصاص معاف کر دے۔ اور وارثوں میں سے جو باقی ہے اس کا دیت میں سے حصہ تین سالوں میں قاتل پر ہوگا۔ یہی قول صحیح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عاقلہ کے ذمہ ہوگی، ''ملتقی''۔

ہے کہ اس میں ایسا نقص ہو جو گرفت میں کمزوری کو نہ پیدا کرتا ہو تو وہ قصاص کے وجوب کے مانع نہیں۔ اگر وہ کمزوری کا باعث ہو یہاں تک کہ اس کے کاٹنے سے عادل کا فیصلہ واجب ہوگا نصف دیت لازم نہ ہوگی تو ایسا ہاتھ شل ہاتھ کے قائم مقام ہوگا اور صحیح ہاتھ کو شل ہاتھ کے بدلے میں نہیں کاٹا جائے گا، ملخص۔

قاتل کی موت سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے

35034۔ (قولہ: وَيَسْقُطُ الْقَوَدُ بِمَوْتِ الْقَاتِلِ) پس ترکہ میں سے ولی کے لیے کوئی شے ثابت نہ ہوگی، ''قہستانی''۔ اسی طرح نفس سے کم میں قصاص ساقط ہو جائے گا جس طرح یہ امر ظاہر ہے۔ ''رملی'' نے اسے بیان کیا ہے ہم ابھی بیان کر آئے ہیں کہ یہ اس صورت میں بھی ساقط ہو جائے گا اگر قاطع کا ہاتھ کسی آفت یا ظلم کی وجہ سے تلف ہوگا نہ کہ اس صورت میں کہ اگر وہ حق کے بدلے میں ساقط ہو۔

35035۔ (قولہ: وَلَوْ قَلِيلًا) قتل خطا کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ دیت شرعاً مقدر ہے اور صلح جب اس سے زائد میں ہو تو وہ ربا ہو جائے گا۔ جہاں تک قصاص کا تعلق ہے تو وہ مال نہیں اس کی قدر و قیمت عقد کی وجہ سے ہوئی ہے۔ پس اس کی قدر و قیمت وہی ہوگی جو صلح نے ثابت کی ہے وہ قلیل ہو یا کثیر ہو، ''معراج''۔ اس سے یہ امر ظاہر ہو جاتا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ وہ کہے: ولو کثیرا تا کہ خطا اور عمد کے درمیان فرق کی طرف اشارہ ہو جائے، فتدبر۔

35036۔ (قولہ: وَيَجِبُ حَالًا عِنْدَ الْإِطْلَاقِ) کیونکہ یہ مال عقد کی وجہ سے واجب ہوا ہے اور اس جیسی صورت میں مال فی الحال لازم آ جاتا ہے جیسے ثمن اور مہر ہے ''حموی''۔ اور اپنے قول عند الاطلاق کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس میں مہلت نہیں ہوگی مگر جب شرط لگائی جائے۔ ''بدر الدین عینی'' نے ''فصل التشاجر'' کے آخر میں اسے بیان کیا ہے، ''ط''۔

35037۔ (قولہ: وَقِيلَ عَلَى الْعَاقِلِ) ''الاختیار'' اور ''شرح المجمع'' میں اس پر گامزن ہوئے ہیں۔ اس کے ''محشی علامہ قاسم'' نے اس کا رد اس کے ساتھ کیا ہے جو ''الاصل''، ''جامع صغیر''، ''مبسوط''، ''محیط''، ''ہدایہ''، ''کافی'' اور باقی کتب میں ہے کہ یہ قاتل کے مال میں سے اس کے ذمہ ہوگی۔ کہا: یہ روایت اور درایت کے اعتبار سے ثابت ہے۔ اس کی مکمل بحث

(أَمَرَ الْحُرُّ الْقَاتِلَ وَسَيِّدُ) الْعَبْدِ (الْقَاتِلِ رَجُلًا بِالصُّلْحِ عَنْ دَمِهِمَا) الَّذِي اشْتَرَكَا فِيهِ (عَلَى أَلْفٍ فَفَعَلَ الْمَأْمُورُ) الصُّلْحَ عَنْ دَمِهِمَا (فَالْأَلْفُ عَلَى) الْحُرِّ وَالسَّيِّدِ (الْآمِرَيْنِ نِصْفَانِ) لِأَنَّهُ مُقَابَلٌ بِالْقَوَدِ وَهُوَ عَلَيْهِمَا سَوِيَّةً فَبَدَلُهُ كَذَلِكَ (وَيُقْتَلُ جَمْعٌ بِمُفْرَدٍ إِنْ جَرَحَ كُلُّ وَاحِدٍ جُرْحًا مُهْلِكًا) لِأَنَّ زُهُوقَ الرُّوحِ يَتَحَقَّقُ بِالْمُشَارَكَةِ

آزاد قاتل اور قاتل غلام کے آقا نے ایک آدمی کو ان دونوں کے قصاص کے معاملہ پر صلح کا کہا جو دونوں اس کے قتل میں شریک تھے جب کہ عوض ہزار معین کیا مامور نے ان کے قصاص کے بارے میں صلح کرلی تو ہزار آزاد اور آقا کے ذمہ نصف نصف ہوگا، دونوں کے آخر میں۔ کیونکہ ہزار قصاص کے مقابل ہے جب کہ قصاص ان دونوں پر برابر تھا تو اس کا بدل بھی اسی طرح ہوگا۔ ایک جماعت کو ایک آدمی کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اگر ہر ایک مہلک زخم لگائے۔ کیونکہ روح کا چلے جانا یہ مشارکت سے متحقق ہوئی ہے۔

''طحطاوی'' میں ہے۔ اسی طرح اس کا رد اپنی تصحیح میں کیا ہے کہ یہ کسی کا مطلقاً قول نہیں۔

35038۔ (قولہ: بِالصُّلْحِ) یہ امر کے متعلق ہے۔

اگر ایک گروہ کسی آدمی کو قتل کر دے تو قصاص کا حکم

35039۔ (قولہ: إِنْ جَرَحَ كُلُّ وَاحِدٍ جُرْحًا مُهْلِكًا) یعنی اکٹھے وہ زخم لگائیں یکے بعد دیگرے نہیں جس طرح ان کے قول جو اس باب سے پہلے تھا اس سے معلوم ہو چکا ہے قول یہ ہے: قطع عنقه وبقي من الحلقوم قليل الخ۔

''جوہرہ'' میں ہے: جب اسے زخم لگایا جس کے ساتھ وہ زندہ نہیں رہ سکتا تھا اور دوسرے نے اسے دوسرا زخم لگایا تو قاتل پہلا شخص ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب دو زخم یکے بعد دیگرے لگائے گئے ہوں۔ اگر دونوں زخم اکٹھے لگائے گئے ہوں تو وہ دونوں قاتل ہوں گے۔ ''الخلاصہ'' میں یہ زائد ذکر کیا ہے: اسی طرح اگر اسے ایک آدمی نے اسے دس زخم لگائے اور دوسرے نے ایک زخم لگایا تو دونوں قاتل ہوں گے۔ کیونکہ ایک انسان بعض اوقات ایک زخم سے مر جاتا ہے اور بہت سے زخموں سے سلامت رہتا ہے۔

''قہستانی'' میں ''الخانیہ'' سے نقل کیا ہے: اگر دونوں نے ایک آدمی کو قتل کیا دونوں میں سے ایک نے عصا سے اور دوسرے نے لوہے سے جان بوجھ کر تو کوئی قصاص نہیں ہوگا جب کہ دونوں پر دیت نصف نصف ہوگی۔

''حاشیہ ابی سعود'' میں ہے: اگر اس کو پے در پے زخم لگائے گئے اور وہ آدمی مر گیا اور یہ قید نہ ہو کہ کون مہلک ہے اور کون مہلک نہیں تو تمام سے قصاص لیا جائے گا۔ کیونکہ مہلک اور غیر مہلک پر آگاہی متعذر ہے جس طرح ''فتاویٰ ابو سعود'' میں ہے یعنی ''فتاویٰ مفتی روم'' میں ہے: مگر جب وہ مہلک اور غیر مہلک پر آگاہ ہو جائے اور یہ نہیں ہو سکتا مگر اس کی موت سے پہلے ایسا ہو سکتا ہے تو قصاص اس پر ہوگا جس نے مہلک زخم لگایا جس طرح ''الخلاصہ'' اور ''بزازیہ'' میں ہے۔

لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَجَزِّئٍ بِخِلَافِ الْأَطْرَافِ كَمَا سَيَجِيءُ (وَإِلَّا لَا) كَمَا فِي تَصْحِيحِ الْعَلَّامَةِ قَاسِمٍ وَفِي الْمُجْتَبَى إِنَّمَا يُقْتَلُونَ إِذَا وُجِدَ مِنْ كُلٍّ جُرْحٌ يَصْلُحُ لِزُهُوقِ الرُّوحِ، فَأَمَّا إِذَا كَانُوا نَظَّارَةً أَوْ مُغْرِينَ أَوْ مُعِينِينَ بِإِمْسَاكِ وَاحِدٍ فَلَا قَوَدَ عَلَيْهِمْ، وَالْأَوْلَى أَنْ يُعَرَّفَ الْجَمْعُ بِلَامِ الْعَهْدِ؛

کیونکہ وہ تجزی کو قبول نہیں کرتی۔ اطراف کا معاملہ مختلف ہے جس طرح عنقریب آئے گا ورنہ نہیں جس طرح ''علامہ قاسم'' کی تصحیح میں ہے: ''مجتبیٰ'' میں ہے: ان کو قتل کیا جائے گا جب ہر ایک میں ایسا زخم پایا جائے جو روح کے چلے جانے کے مناسب ہو مگر جب وہ دیکھ رہے ہوں، جوش دلا رہے ہوں یا ایک کو پکڑنے میں معاون ہوتو ان پر کوئی قصاص نہیں ہوگا۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ لفظ جمع کو معرف باللام ذکر کیا جاتا۔

35040۔ (قولہ: لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَجَزِّئٍ) جماعت اس میں شریک ہوئی جو تقسیم کو قبول نہیں کرتی تو یہ ان میں سے ہر ایک کے حق میں تکامل کو ثابت کرتی ہے۔ پس ان میں سے ہر ایک کی طرف وہ کامل طور پر منسوب ہوگا گویا اس کے ساتھ کوئی دوسرا فرد شریک نہیں ہوا تھا جس طرح نکاح کرانے کی ولایت ہے ''زیلعی''۔ اور یہ ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اجماع سے یہ ثابت ہوا ہے۔

35041۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْأَطْرَافِ) کیونکہ اس میں قطع تقسیم کو قبول کرتا ہے۔ پس ایک آدمی کے قطع کرنے سے جماعت کے اعضاء کو نہیں کاٹا جائے گا جس طرح عنقریب آئے گا۔

35042۔ (قولہ: وَإِلَّا لَا) یہ اسے شامل ہے جب بعض ایسا زخم لگائیں جو مہلک ہو اور بعض ایسا زخم لگائیں جو مہلک نہ ہو اور وہ آدمی مرجائے تو قصاص اس آدمی پر ہوگا جس نے مہلک زخم لگایا اور باقی ماندہ افراد پر تعزیر ہوگی کیا تعزیر کے علاوہ کوئی شے واجب ہوگی۔ اس کی وضاحت کی جانی چاہیے اور یہ اسے شامل ہے جب ہر ایک نے ایسا زخم لگایا جو مہلک نہیں تھا۔ ''طحطاوی'' نے یہ بیان کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: دوسرے میں ظاہر قول یہ ہے کہ ان سب پر دیت واجب ہوگی۔ اگر وہ زخم عمداً ہو یا دیت ان کی عاقل کے ذمہ ہوگی اگر وہ غیر عمد ہو، تامل۔

35043۔ (قولہ: نَظَّارَةً) یہ لفظ نون کے فتحہ اور ظا کی تشدید کے ساتھ ہے۔ ''قاموس'' میں کہا: القوم ینظرون الی الشیء قوم شے کی طرف دیکھتی ہے۔

35044۔ (قولہ: أَوْ مُغْرِينَ) یہ اغراء سے مشتق ہے یعنی اسے اس کے قتل پر برانگیختہ کرنے والے تھے۔

35045۔ (قولہ: فَلَا قَوَدَ عَلَيْهِمْ) یعنی نہ ہی اس پر دیت ہوگی، ''ط''۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب ایک آدمی ڈاکہ ڈالے اور دوسرے لوگ اس کی معاونت کے لیے مستعد ہوں تو ڈاکو کی سزا سب پر جاری ہوگی۔ ''ابوسعود'' نے شیخ ''حمید الدین'' سے نقل کیا ہے۔

35046۔ (قولہ: بِلَامِ الْعَهْدِ) معہود جمع فقیہ کے ذہن میں ہے۔ اس سے مراد وہ جماعت ہے جس کے ساتھ کوئی

فَإِنَّهُ لَوْ قَتَلَ فَرْدًا جَمْعٌ أَحَدُهُمْ أَبُوهُ أَوْ مَجْنُونٌ سَقَطَ الْقَوَدُ قُهُسْتَانِيٌّ (وَ) يُقْتَلُ (فَرْدٌ بِجَمْعٍ اكْتِفَاءً) بِهِ لِلْبَاقِينَ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ (إِنْ حَضَرَ وَلِيُّهُمْ، فَإِنْ حَضَرَ) وَلِيُّ (وَاحِدٍ قُتِلَ بِهِ وَسَقَطَ) عِنْدَنَا (حَقُّ الْبَقِيَّةِ كَمَوْتِ الْقَاتِلِ) حَتْفَ أَنْفِهِ لِفَوَاتِ الْمَحَلِّ كَمَا مَرَّ (قَطَعَ رَجُلَانِ) فَأَكْثَرُ (يَدَ رَجُلٍ) أَوْ رِجْلَهُ أَوْ قَلَعَا سِنَّهُ وَنَحْوَ ذَلِكَ مِمَّا دُونَ النَّفْسِ جَوْهَرَةٌ (بِأَنْ أَخَذَا سِكِّينًا وَأَمَرَّاهَا عَلَى يَدِهِ حَتَّى انْفَصَلَتْ فَلَا قِصَاصَ)

کیونکہ اگر ایک جماعت ایک فرد کو قتل کردے جب کہ ان میں سے ایک اس کا باپ ہو یا مجنون ہو تو قصاص ساقط ہو جائے گا، ''قہستانی''۔ ایک فرد کو جماعت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ یہ باقیوں کے لیے ایک پر اکتفا کرنے کی بنا پر ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر ان مقتولین کا ولی حاضر ہوا گر ایک مقتول کا ولی حاضر ہو تو اس کے بدلے میں اسے قتل کیا جائے گا اور ہمارے نزدیک باقی کا حق ساقط ہو جائے گا جس طرح جب اپنی طبعی موت مر جائے (تو ان کا حق باطل ہو جاتا ہے)۔ کیونکہ اس کا محل فوت ہو چکا ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ دو یا زیادہ افراد نے ایک آدمی کا ہاتھ یا اس کا پاؤں کاٹ دیا یا اس کا دانت توڑ دیا اس کی مثل جو نفس سے کم ہو ''جوہرہ''۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں نے ایک چھری پکڑی اور اسے اس کے ہاتھ پر اسے چلایا یہاں تک وہ ہاتھ جدا ہو گیا تو ہمارے نزدیک دونوں

ایسا فرد نہیں جس پر قصاص جاری نہ ہوتا ہو جس طرح اس کی وضاحت گزر چکی ہے اور اس کا ذکر قریب ہی آئے گا۔

تتمہ: ولی نے ایک قاتل کو معاف کر دیا یا اس سے صلح کر لی تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ دوسرے سے قصاص لے جس طرح ''جواہر الفقہ'' وغیرہا میں ہے۔ لیکن ''قاضی خان'' وغیرہ نے کہا ہے کہ اسے قصاص لینے کا حق ہوگا، ''قہستانی''۔

میں کہتا ہوں: دوسرے قول پر فتویٰ دیا ہے جس طرح ان کے فتاویٰ میں ''کتاب الجنایات'' کے شروع میں ہے۔

35047۔ (قولہ: خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ) کیونکہ انہوں نے کہا: اگر اس نے ان کو یکے بعد دیگرے قتل کیا تھا تو اسے پہلے کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور اس کے بعد جو مقتول ہوں گے ان کے حق میں اس کے ترکہ میں دیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر اس نے سب کو ایک ہی بار قتل کیا یا یہ معلوم نہ ہو کہ کس کو پہلے قتل کیا گیا تو ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی۔ اور جس کے نام قرعہ نکلے گا اس کے حق میں قصاص کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور باقی ماندہ کے حق میں دیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سب کے حق میں دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان کے درمیان دیت کو تقسیم کر دیا جائے گا، ''منح''۔

35048۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی جس طرح قریب ہی گزرا ہے۔

35049۔ (قولہ: بِأَنْ أَخَذَا الخ) اس کے ساتھ قید لگائی ہے کیونکہ اگر دونوں میں سے ایک نے ایک جانب سے چھری چلائی اور دوسرے نے دوسری جانب سے چھری چلائی یہاں تک کہ دونوں چھریاں درمیان میں مل گئیں اور ہاتھ جدا ہو گیا تو بالاتفاق دونوں میں سے کسی پر قصاص واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ دونوں میں سے کسی سے اسلحہ چلانا نہیں پایا گیا مگر عضو کے کچھ حصہ پر یہ فعل پایا گیا، ''زیلعی''۔

عِنْدَنَا (عَلَى وَاحِدٍ منهما) أَوْ مِنْهُمْ لِانْعِدَامِ الْمُمَاثَلَةِ لِأَنَّ الشَّرْطَ فِي الْأَطْرَافِ الْمُسَاوَاةُ فِي الْمَنْفَعَةِ وَالْقِيمَةِ، بِخِلَافِ النَّفْسِ فَإِنَّ الشَّرْطَ فِيهَا الْمُسَاوَاةُ فِي الْعِصْمَةِ فَقَطْ دُرَرٌ (وَضَمِنَا) أَوْ ضَمِنُوا (دِيَتَهَا) عَلَى عَدَدِهِمْ بِالسَّوِيَّةِ (وَإِنْ قَطَعَ وَاحِدٌ يَمِينَيْ رَجُلَيْنِ فَلَهُمَا قَطْعُ يَمِينِهِ وَدِيَةُ يَدٍ) بَيْنَهُمَا إِنْ حَضَرَا مَعًا (وَإِنْ أَحْضَرَ أَحَدُهُمَا وَقُطِعَ لَهُ فَلِلْآخَرِ عَلَيْهِ)

میں سے کسی پر قصاص لازم نہیں ہوگا یا ان میں سے کسی پر قصاص لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ مماثلت معدوم ہے۔ کیونکہ اطراف میں شرط منفعت اور قیمت میں مساوات ہے۔ نفس کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اس میں شرط صرف عصمت میں مساوات ہے۔ ''درر''۔ اور دونوں یا وہ سب اس کی دیت کے ضامن ہوں گے۔ یہ ان کی تعداد پر برابر تقسیم ہوگی۔ اگر ایک آدمی نے دو آدمیوں کے دودائیں ہاتھوں کو قطع کر دیا تو دونوں کو حق حاصل ہوگا کہ اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیں اور ہاتھ کی دیت ہوگی جو دونوں میں تقسیم ہوگی اگر دونوں اکٹھے حاضر ہوں۔ اگر دونوں میں سے ایک حاضر ہوا اور اس کے لیے اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا

35050۔ (قولہ: عِنْدَنَا) یہ ہمارے نزدیک ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں کے ہاتھ، نفوس کا اعتبار کرتے ہوئے کاٹے جائیں گے۔

اطراف کے قصاص میں منفعت اور قیمت میں مساوات شرط ہے

35051۔ (قولہ: لِانْعِدَامِ الْمُمَاثَلَةِ الخ) اس کی وضاحت یہ ہے: ان دونوں میں سے ہر ایک بعض کو کاٹنے والا ہے کیونکہ جسے دونوں میں سے ایک کی قوت کے ساتھ کاٹا گیا ہے دوسرے کی قوت کے ساتھ نہیں کٹا۔ پس یہ جائز نہیں کہ کسی کو بعض کے بدلے میں کاٹا جائے اور نہ ہی دو کو ایک کے بدلے میں کاٹا جائے۔ کیونکہ مساوات نہیں پائی گئی۔ پس یہ اسی طرح ہو گیا جس طرح ہر ایک نے ایک جانب سے چھری چلائی، ''زیلعی''۔ ''المنح'' میں جو قول ہے اس کو دیکھیے۔

35052۔ (قولہ: وَالْقِيمَةِ) اس سے مراد دیت ہے۔

35053۔ (قولہ: بِخِلَافِ النَّفْسِ الخ) اسی وجہ سے صحیح کو شل کے مقابلہ میں قطع نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی آزاد کے ہاتھ کو غلام کے بدلے میں اور نہ ہی عورت کے بدلے میں قطع کیا جائے گا۔ سالم نفس کو عیب دار نفس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ اسی طرح دو کو ایک کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ پس نفس پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

35054۔ (قولہ: يَمِينَيْ رَجُلَيْنِ) اس کے ساتھ قید لگائی۔ کیونکہ جب وہ ایک آدمی کا دایاں اور دوسرے کا بایاں ہاتھ کاٹے تو اس کے دونوں ہاتھ ان دونوں کی وجہ سے کاٹ دیئے جائیں گے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر ایک آدمی کے دونوں ہاتھ کاٹ دے۔ کیونکہ تنگی نہیں پائی گئی اور مماثلت پائی جارہی ہے۔ ''اتقانی''۔

35055۔ (قولہ: فَلَهُمَا قَطْعُ يَمِينِهِ الخ) خواہ اس نے ان دونوں کو اکٹھے کاٹا ہو یا یکے بعد دیگرے کاٹا ہو۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: پے در پے کاٹنے کی صورت میں پہلے کے بدلے میں کاٹا جائے گا اور اکٹھے کاٹنے کی صورت میں

أَیْ عَلَی الْقَاطِعِ (نِصْفُ الدِّیَةِ) لِمَا مَرَّ أَنَّ الْأَطْرَافَ لَیْسَتْ کَالنُّفُوسِ (وَلَوْ قَضَی بِالْقِصَاصِ بَیْنَهُمَا ثُمَّ عَفَا أَحَدُهُمَا قَبْلَ اسْتِیفَاءِ الدِّیَةِ فَلِلْآخَرِ الْقَوَدُ) وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَهُ الْأَرْشُ

تو قاطع پر نصف دیت لازم ہوگی۔ کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ اطراف نفوس کی طرح نہیں۔ اگر دونوں کے درمیان قصاص کا فیصلہ کر دیا گیا پھر دونوں میں سے ایک نے دیت وصول کرنے سے پہلے معاف کر دیا تو دوسرے کو قصاص لینے کا حق ہوگا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے دیت لینے کا حق ہوگا۔

قرعہ اندازی کی جائے گی، ''ہدایہ''۔

35056۔ (قولہ: أَیْ عَلَی الْقَاطِعِ) یعنی دو آدمیوں کے ہاتھ کاٹنے والے پر۔

35057۔ (قولہ: نِصْفُ الدِّیَةِ) جو پانچ ہزار درہم ہیں یہ ایک ہاتھ کی دیت ہے ''اتقانی''۔ مراد نفس (جان) کی نفس دیت ہے۔

35058۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) قریب ہی گزرا ہے اور یہ ارادہ کیا ہے کہ اجزاء اور جان میں فرق بیان کریں۔ کیونکہ اگر اس نے اس کو قتل کیا جو حاضر ہوا تھا تو جو غائب ہو اس کا حق ساقط ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اطراف اموال کے حکم میں ہیں اور قصاص ہر ایک کے لیے کامل صورت میں ثابت ہوگا۔ جب دونوں میں سے ایک اپنا تمام حق وصول کرے تو دونوں کا حق ایک ہاتھ کی مکمل دیت میں باقی رہے گا۔ بے شک جو حاضر ہے اس کو پورا پورا حق لینے کا اختیار ہے۔ کیونکہ اس کا حق یقینی طور پر ثابت ہے اور دوسرے کا حق متردد ہے۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ اس کو طلب نہ کرے یا اس کو عوض کے بغیر معاف کر دے یا صلح کی صورت میں معاف کر دے جس طرح ''الدرر'' میں ہے۔

35059۔ (قولہ: وَلَوْ قَضَی بِالْقِصَاصِ بَیْنَهُمَا) یعنی دونوں کے درمیان، قصاص اور ہاتھ کی دیت کا فیصلہ کر دیا گیا۔

35060۔ (قولہ: وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَهُ الْأَرْشُ) یعنی ہاتھ کی مکمل دیت اور معاف کرنے والے کیلئے نصف دیت۔ ''مجمع''۔

اس کے شارح نے کہا: کیونکہ قصاص اور دیت، قضا کے ساتھ، دونوں میں مشترک تھے جب دونوں میں سے ایک نے معاف کرنے کے ساتھ اپنا حق نصف قصاص میں ساقط کر دیا تو دوسرے کا حصہ مال بن جائے گا۔ پس معاف کرنے والا نصف دیت وصول کرے گا جو دونوں میں مشترک تھی۔ اور جس نے معاف نہیں کیا تھا وہ پوری دیت لے لے گا اس کا نصف مشترک میں سے اور اس کا نصف جو اس میں سے جو مال بن چکا ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: ''برہان'' میں یہ ذکر کیا گیا کہ یہ استحسان ہے اور شیخین کے قول کو قیاس قرار دیا ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ قابل اعتماد امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: شروح کا ظاہر معنی یہ ہے کہ شیخین کے قول کو ترجیح دی جائے۔ ''اتقانی'' نے اس پر اکتفا کیا ہے جب کہ اسے ''شرح کافی'' اور ''مختصر کرخی'' سے نقل کیا ہے۔ اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ ہر ایک کا حق تمام ہاتھ میں ثابت ہوا تھا۔ مزاحمت کی وجہ سے اس میں کمی واقع ہوئی تھی۔ جب معاف کرنے کے ساتھ مزاحمت زائل ہوگئی تو دوسرے کا قول اپنے حال

(وَيُقَادُ عَبْدٌ أَقَرَّ بِقَتْلٍ عَمْدًا) خِلَافًا لِزُفَرَ (وَلَوْ أَقَرَّ بِخَطَأٍ) أَوْ بِمَالٍ (لَمْ يَنْفُذْ إقْرَارُهُ) عَلَى مَوْلَاهُ، بَلْ يَكُونُ فِي رَقَبَتِهِ إلَى أَنْ يُعْتَقَ كَمَا نَقَلَهُ الْمُصَنِّفُ عَنْ الْجَوْهَرَةِ قَالَ وَظَاهِرُ كَلَامِ الزَّيْلَعِيِّ بُطْلَانُ إقْرَارِهِ بِالْخَطَإِ أَصْلًا يَعْنِي لَا فِي حَقِّهِ وَلَا فِي حَقِّ سَيِّدِهِ، وَنَحْوُهُ فِي أَحْكَامِ الْعَبِيدِ مِنْ الْأَشْبَاهِ مُعَلِّلًا بِأَنَّ مُوجَبَهُ الدَّفْعُ

اور اس غلام سے قصاص لیا جائے گا جس نے جان بوجھ کر قتل کرنے کا اقرار کیا۔ امام ''زفر'' نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر اس نے قتل خطا کا اقرار کیا یا اس نے مال کا اقرار کیا تو اس کا اقرار اپنے آقا پر نافذ نہیں ہوگا بلکہ یہ مال اس کے ذمہ ہوگا یہاں تک کہ وہ آزاد ہو جائے جس طرح مصنف نے ''جوہرہ'' سے نقل کیا ہے۔ کہا: ''زیلعی'' کے کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ غلام خطا کا اقرار کرے تو وہ اصلاً باطل ہوگا یعنی وہ اقرار نہ اس کے حق میں ثابت ہوگا اور نہ ہی اس کے آقا کے حق میں ثابت ہوگا۔ اور اسی کی مثل ''الاشباہ'' کے ''احکام العبید'' میں ہے جب کہ اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اس کا حکم غلام اس کے حوالے کرنا ہے

پر رہا جس طرح دو فدیہ ہوں اور دو شفع کرنے والے ہوں۔

اگر کوئی غلام قتل عمد کا اقرار کرے تو قصاص کا شرعی حکم

35061۔ (قولہ: وَيُقَادُ عَبْدٌ أَقَرَّ بِقَتْلٍ عَمْدًا) کیونکہ وہ اس میں غیر متہم ہے کیونکہ یہ امر اس کو نقصان دینے والا ہے۔ پس اس کو قبول کیا جائے گا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کیونکہ وہ دم کے حق میں اصل حریت پر باقی رکھنے والا ہے۔ یہ آدمیت پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے یہاں تک کہ آقا کا اس پر حدود و قصاص کا اقرار صحیح نہیں ہوگا۔ اور مولی کے حق کا باطل ہونا یہ بطریق ضمنی ہے۔ پس اس کی پرواہ نہ کی جائے گی۔ ''ہدایہ''۔

35062۔ (قولہ: وَظَاهِرُ كَلَامِ الزَّيْلَعِيِّ) کیونکہ کہا: اقرار بالمال کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ آقا کے خلاف اقرار ہے کیونکہ وہ ارادۃً آقا کے حق کو باطل کر رہا ہے۔ کیونکہ اس کا موجب غلام کی بیع ہے یا اس سے مزدوری کرانا ہے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ قتل خطا کا اقرار کرے۔ کیونکہ اس کا موجب غلام کو متحقق کے حوالے کرنا ہے یا آقا پر فدیہ کا اطلاق ہے غلام پر اس میں سے کوئی شے واجب نہ ہوگی اور یہ صحیح نہیں خواہ غلام پر حجر ہو یا اسے تجارت کی اجازت ہو۔ کیونکہ یہ تجارت کے باب میں سے نہیں ہے۔ پس یہ امر باطل ہوگا۔

35063۔ (قولہ: يَعْنِي لَا فِي حَقِّهِ الخ) زیادہ بہتر یہ ہے کہ دونوں جگہ حرف لا کو حذف کر دیا جاتا ''ط''۔

35064۔ (قولہ: مُعَلِّلًا) ''زیلعی'' نے یہ تعلیل بیان کی ہے ''صاحب الاشباہ'' نے یہ تعلیل بیان نہیں کی۔ کیونکہ جب انہوں نے تعلیل ذکر نہیں کی۔ کیونکہ انہوں نے فرمایا: اسی طرح اس کا ایسی جنایت کا اقرار جو غلام حوالے کرنے کا موجب ہو یا فدیہ دینے کا موجب ہو صحیح نہیں۔ حد یا قصاص کا معاملہ مختلف ہے۔ مگر جب یہ کہا جائے اس کا جنایت کا وصف اپنے قول موجبہ کے ساتھ لگانا یہ تعلیل کے معنی میں ہے۔

أَوْ الْفِدَاءُ اھ فَتَأَمَّلْهُ، لَكِنْ عَلَّلَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ بِأَنَّهُ إِقْرَارٌ بِالدِّيَةِ عَلَى الْعَاقِلَةِ فَتَدَبَّرْهُ إِذْ قَدْ أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلَى الْعَمَلِ بِمُقْتَضَى قَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا تَعْقِلُ الْعَوَاقِلُ عَبْدًا وَلَا عَمْدًا وَلَا صُلْحًا وَلَا اعْتِرَافًا حَتَّى لَوْ أَقَرَّ الْحُرُّ بِالْقَتْلِ خَطَأً لَمْ يَكُنْ إِقْرَارُهُ إِقْرَارًا عَلَى الْعَاقِلَةِ

یا فدیہ دینا ہے۔ پس اس میں غور کرو۔ لیکن ''قہستانی'' نے اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ یہ عاقلہ پر دیت کا اقرار ہے۔ پس اس میں تدبر کرو۔ کیونکہ علماء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مقتضا پر عمل کرنے پر اجماع کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: عاقلہ نہ غلام کی دیت دے گی، نہ عمد کی دیت دے گی اور نہ ہی اعتراف کی دیت دے گی (1)۔ یہاں تک کہ آزاد اگر قتل خطا کا اقرار کرے تو اس کا اقرار عاقلہ پر اقرار نہیں ہوگا

35065۔(قولہ: فَتَأَمَّلْهُ) یہ قول اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مصنف نے ''زیلعی'' کے کلام سے جو سمجھا ہے وہ ظاہر نہیں۔ کیونکہ تعلیل سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ حالت رقبہ میں اقرار باطل ہوگا۔ کیونکہ آزادی کے بعد آقا پر یہ لازم نہیں آتا کہ وہ غلام حوالے کر دے یا آقا فدیہ دے جب غلام آزاد ہو جائے گا تو غلام سے اس کا مطالبہ کیا جائے گا۔ کیونکہ علت نہیں پائی جا رہی، فافہم۔ اس پر ''زیلعی'' کی تعلیل بھی دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ مال کا اقرار باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ آقا پر اقرار ہے۔ اور یہ آزادی کے بعد نہیں ہوتا۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عبد محجور کا مال کے بارے میں اقرار یہ آزادی کے بعد تک موخر ہوگا۔ کیونکہ آزادی کے بعد آقا کے لیے کوئی ضرر نہیں۔ اسی وجہ سے علامہ ''رملی'' نے کہا: ''جوہرہ'' میں جو قول ہے وہ وہی ہے جو ''زیلعی'' اور ''الاشباہ'' کے کلام کا محمل ہے اس میں کوئی اشتباہ نہیں۔

میں کہتا ہوں: لیکن عنقریب شارح باب جنایۃ المملوک میں ''البدائع'' سے قول نقل کریں گے بے شک خطا یہ گواہیوں سے اور ولی کے اقرار سے ثابت ہوگا نہ کہ اس کے اقرار سے اصلاً ثابت ہوگا۔ کتاب الحجر میں ہم پہلے ''جوہرہ'' سے مسئلہ میں دو قول نقل کر چکے ہیں اس کی مکمل وضاحت آئے گی ان شاء اللہ۔ پس اس پر متنبہ ہو جایئے۔

35066۔(قولہ: لَكِنْ عَلَّلَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ الخ) یعنی غلام نے جو (قتل) خطا کا اقرار کیا ہے اس کے عدم جواز کی علت بیان کی ہے اور عاقلہ سے مراد آقا ہے۔ کیونکہ علماء اس پر یہ اطلاق کرتے ہیں کہ وہ اس کے غلام کی عاقلہ ہے۔ جب اس (آقا) پر عاقلہ کا اطلاق ہوا تو غلام کا اس پر اقرار صحیح نہ ہوگا۔ پھر ''قہستانی'' کا کلام اس امر کا فائدہ نہیں دیتا کہ غلام کا آزادی کے بعد مواخذہ نہیں ہوگا۔ ''زیلعی'' کا کلام جس کا فائدہ دیتا ہے وہ اس کے خلاف ہے یہ اس پر مبنی ہے کہ مصنف نے جو سمجھا ہے کہ اس کا اقرار اصلاً باطل ہے۔ اس سے استدراک کی وجہ ظاہر ہو گئی، فافہم۔

35067۔(قولہ: فَتَدَبَّرْهُ) یعنی یہ صحیح تعلیل ہے جو اس حدیث کے موافق ہے جس کے مقتضا پر عمل کے حوالے سے اجماع ہے۔ کیونکہ عاقلہ جب غلام کی دیت نہیں دیتی اور نہ ہی اعتراف کی صورت میں دیت دیتی ہے تو یہاں غلام کا اقرار

1۔ سنن دارقطنی، کتاب الحدود والدیات، جلد 3، صفحہ 178، حدیث نمبر 277

أَيْ إلَّا أَنْ يُصَدِّقُوهُ وَكَذَا قَرَّرَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ فِي الْمَعَاقِلِ فَتَنَبَّهْ (رَمَى رَجُلًا عَمْدًا فَنَفَذَ السَّهْمُ مِنْهُ إلَى آخَرَ فَمَاتَا يُقْتَصُّ لِلْأَوَّلِ) لِأَنَّهُ عَمْدٌ (وَلِلثَّانِي الدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ) لِأَنَّهُ خَطَأٌ (وَقَعَتْ حَيَّةٌ عَلَيْهِ فَدَفَعَهَا عَنْ نَفْسِهِ فَسَقَطَتْ عَلَى آخَرَ فَدَفَعَهَا عَنْ نَفْسِهِ فَوَقَعَتْ عَلَى ثَالِثٍ فَلَسَعَتْهُ) أَيْ الثَّالِثَ (فَهَلَكَ) فَعَلَى مَنْ الدِّيَةُ؟ هَكَذَا سُئِلَ أَبُو حَنِيفَةَ بِحَضْرَةِ جَمَاعَةٍ، فَقَالَ لَا يَضْمَنُ الْأَوَّلُ لِأَنَّ الْحَيَّةَ لَمْ تَضُرَّ الثَّانِيَ، وَكَذَلِكَ لَا يَضْمَنُ الثَّانِي وَالثَّالِثُ لَوْ كَثُرُوا وَأَمَّا الْأَخِيرُ (فَإِنْ لَسَعَتْهُ مَعَ سُقُوطِهَا) فَوْرًا (مِنْ غَيْرِ مُهْلَةٍ فَعَلَى الدَّافِعِ الدِّيَةُ) لِوَرَثَةِ الْهَالِكِ (وَإِلَّا) تَلْسَعْهُ فَوْرًا (لَا) يَضْمَنُ دَافِعُهَا عَلَيْهِ أَيْضًا

یعنی مگر جب وہ اس مقر کی تصدیق کریں۔ ''قہستانی'' نے معاقل میں اس کو ثابت رکھا ہے، فتنبہ۔ ایک آدمی نے کسی آدمی کو جان بوجھ کر تیر مارا تو تیر اس سے نکل کر دوسرے کو جا لگا پھر دونوں مر گئے تو پہلے کے لیے اس سے قصاص لیا جائے گا۔ کیونکہ یہ فعل عمد ہے اور دوسرے کے لیے اس کی عاقلہ پر دیت ہوگی۔ کیونکہ یہ خطا ہے۔ ایک سانپ ایک آدمی پر گرا تو اس نے اسے اپنے آپ سے پرے پھینکا تو وہ سانپ دوسرے آدمی پر گرا اس نے اس کو اپنے آپ سے پرے پھینکا تو وہ تیسرے پر گرا تو اس نے تیسرے کو ڈس لیا تو وہ ہلاک ہو گیا تو دیت کس پر ہوگی؟ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک جماعت کی موجودگی میں یہی سوال پوچھا گیا فرمایا: پہلا آدمی ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ سانپ نے دوسرے کو نقصان نہیں دیا اسی طرح دوسرا اور تیسرا ضامن نہیں ہوگا اگرچہ وہ بہت زیادہ ہو جائیں جہاں تک آخری کا تعلق ہے اگر تو سانپ نے گرتے ہی فوراً اسے ڈسا جب کہ کوئی مہلت نہ ہو تو پھینکنے والے پر ہلاک ہونے والوں کے وارثوں کے لیے دیت ہوگی۔ اگر سانپ نے فوراً اسے نہ ڈسا ہو تو اس کی طرف پھینکنے والا بھی اس کا ضامن نہیں ہوگا

جائز نہیں ہوگا جب تک آقا اس کی تصدیق نہ کرے۔ کیونکہ جب اس کا اقرار جائز ہو تو غلام کی دیت اور اس کا اعتراف لازم آئے گا۔ یہ امر میرے لیے اس محل کی وضاحت میں ظاہر ہوا ہے، فتأمل۔ ان شاء اللہ کتاب المعاقل کے آخر میں حدیث کے معنی کا بیان آئے گا۔

35068۔ (قولہ: لِأَنَّهُ خَطَأٌ) کیونکہ رمی (پھینکنے) کے ساتھ اس کا قصد نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اس نے اس کے غیر کا قصد کیا تھا۔ لیکن وہ تیر پیچھے سے نکل کر دوسرے تک پہنچا یہ خطا کی نوعوں میں سے ایک نوع ہے۔ اور یہ خطا فی القصد ہے۔ پس وہ اس طرح ہو گیا جس طرح ایک آدمی نے شکار کا قصد کیا تو وہ ایک آدمی کو جا لگا تو دیت اس کی عاقلہ پر واجب ہوگی، ''اتقانی''۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے اگر اس نے دونوں کا اکٹھے قصد کیا تھا تو دوسرا بھی عمد ہوگا۔ یہ ظاہر ہے۔

35069۔ (قولہ: بِحَضْرَةِ جَمَاعَةٍ) ان میں ثوری، ابن ابی لیلیٰ اور شریک بن عبداللہ تھے، ''منح''۔

35070۔ (قولہ: لَوْ كَثُرُوا) یعنی اپنے آپ سے دور پھینکنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہو۔

35071۔ (قولہ: فَعَلَى الدَّافِعِ الدِّيَةُ) یعنی جس نے سب سے آخر میں پرے پھینکا اس پر دیت لازم ہوگی۔

فَاسْتَصْوَبُوهُ جَمِيعًا، وَهٰذِهِ مِنْ مَنَاقِبِهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ صَيْرَفِيَّةٌ وَمَجْمَعُ الْفَتَاوٰى قَالَ الْمُصَنِّفُ وَبِهٰذَا التَّفْصِيلِ أَجَبْتُ فِي حَادِثَةِ الْفَتْوٰى، وَهِيَ أَنَّ كَلْبًا عَقُورًا وَقَعَ عَلٰى آخَرَ فَأَلْقَاهُ عَلَى الثَّانِي وَالثَّانِي عَلَى الثَّالِثِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ فُرُوعٌ أَلْقٰى حَيَّةً أَوْ عَقْرَبًا فِي الطَّرِيقِ فَلَدَغَتْ رَجُلًا ضَمِنَ إِلَّا إِذَا تَحَوَّلَتْ ثُمَّ لَدَغَتْهُ وَضَعَ سَيْفًا فِي الطَّرِيقِ فَعَثَرَ بِهِ إِنْسَانٌ وَمَاتَ وَكَسَرَ السَّيْفَ فَدِيَتُهُ عَلٰى رَبِّ السَّيْفِ وَقِيمَتُهُ عَلَى الْعَاثِرِ ثَوْرٌ نَطُوحٌ سَيَّرَهُ

تو تمام حاضرین نے اس کو صحیح قرار دیا۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب میں سے ہے۔ ''صیرفیہ'' اور ''مجمع الفتاویٰ''۔ مصنف نے کہا: میں نے ''حادثۃ الفتویٰ'' میں اسی تفصیل کے مطابق فتویٰ دیا وہ یہ تھا ایک کاٹنے والا کتا ایک آدمی پر گرا اس نے اسے دوسرے پر پھینکا اور دوسرے نے تیسرے پر پھینکا، واللہ اعلم۔ فروع: ایک آدمی نے راستہ میں سانپ یا بچھو پھینکا اس نے کسی آدمی کو ڈس لیا تو وہ پھینکنے والا ضامن ہوگا مگر جب وہ اپنی جگہ سے حرکت کرے پھر اس کو ڈسے۔ ایک آدمی نے راستہ میں تلوار رکھی ایک انسان اس سے لڑکھڑایا اور مر گیا اور تلوار کو توڑ دیا تو اس میت کی دیت تلوار کے مالک پر ہوگی۔ اور اس کی قیمت لڑکھڑانے والے پر ہوگی۔ ایک سینگ مارنے والا بیل ہے جس کو اس نے چراگاہ میں چھوڑا

''رملی'' نے کہا: عاقلہ اس کی دیت کی ذمہ داری اٹھائے گا۔ جیسے یہ امر ظاہر ہے، تامل۔

امام الآئمہ کی فضیلت

35072۔ (قولہ: وَهٰذِهِ مِنْ مَنَاقِبِهِ) کیونکہ زمانے کے فقہا نے اس میں خطا کی ہے، ''منح''۔

35073۔ (قولہ: فَلَدَغَتْ رَجُلًا) لدغت کا لفظ دال مہملہ اور عین معجمہ کے ساتھ ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: لدغته العقرب والحية لدغا وتلداغا۔ لدغ کا وزن منع ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے لذعته النار یہ لفظ ذال اور عین کے ساتھ ہے جس طرح ''قاموس'' میں ہے۔ جہاں تک دال اور غین کا تعلق ہے جس طرح بعض نسخوں میں ہے میں نے اس طرح نہیں دیکھا۔

35074۔ (قولہ: ضَمِنَ) سابقہ مسئلہ میں ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کا مقتضا یہ ہے کہ اس کی یہ قید لگائی جائے کہ وہ فوراً اسے ڈسے۔ مگر جب پھینکنے کے بعد ساعت بھر ٹھہر جائے پھر ڈسے تو ضامن نہیں ہوگا۔ پس اس میں تدبر کیجئے ''ط''۔

میں کہتا ہوں: ان کے قول فلدغت سے مستفاد ہے۔ کیونکہ اسے فا کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ لیکن یہ اس میں ظاہر ہے جب وہ اسے کسی آدمی پر پھینکے۔ اگر وہ راستہ میں ہو تو ''الخانیہ'' میں کہا: یعنی راستہ میں سانپ پھینکا تو وہ اس کا ضامن ہوگا جس کو وہ سانپ پہنچے یہاں تک کہ وہ اس مکان سے ہٹ جائے۔

35075۔ (قولہ: فَدِيَتُهُ عَلٰى رَبِّ السَّيْفِ) یعنی تلوار کے مالک کی عاقلہ پر ہوگی جس طرح کنویں کو کھدوانے والے کا مسئلہ ہے، تامل۔

35076۔ (قولہ: وَقِيمَتُهُ عَلَى الْعَاثِرِ) اس کے بعد ''تاتر خانیہ'' میں کہا: اگر وہ تلوار کی وجہ سے لڑکھڑایا پھر اس پر گر

لِلْمَرْعَى فَنَطَحَ ثَوْرَ غَيْرِهِ فَمَاتَ، إِنْ أَشْهَدَ عَلَيْهِ ضَمِنَ وَإِلَّا لَا وَقَالَ فِي الْبَدَائِعِ لَا ضَمَانَ لِأَنَّ الْإِشْهَادَ إِنَّمَا يَكُونُ فِي الْحَائِطِ لَا فِي الْحَيَوَانِ نَاجِيَةٌ وَاعْلَمْ أَنَّهُ إِذَا (اشْتَرَكَ قَاتِلُ الْعَمْدِ مَعَ مَنْ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ الْقَوَدُ كَأَجْنَبِيٍّ شَارَكَ الْأَبَ فِي قَتْلِ ابْنِهِ) وَكَأَجْنَبِيٍّ شَارَكَ الزَّوْجَ فِي قَتْلِ زَوْجَتِهِ

اس نے دوسرے آدمی کے بیل کو سینگ مارا اور وہ مر گیا اگر اس پر وہ گواہ بنا لے تو وہ ضامن ہوگا ورنہ وہ ضامن نہیں ہوگا۔ ''البدائع'' میں کہا: کوئی ضمانت نہیں ہوگی۔ کیونکہ گواہ تو بنائے جاتے ہیں جھکی دیوار میں، حیوان میں گواہ نہیں بنائے جاتے، ''ناجیہ''۔ یہ جان لو جب جان بوجھ کر قتل کرنے والا ایسے آدمی کے ساتھ شریک ہوتا ہے جس پر قصاص واجب نہیں ہوتا جیسے کوئی اجنبی ہو جو باپ کے ساتھ اس کے بیٹے کے قتل میں شریک ہوا اور اس اجنبی کی طرح جو خاوند کے ساتھ اس کی بیوی کے قتل میں شریک ہوا

گیا تو وہ تلوار ٹوٹ گئی اور آدمی مر گیا تو تلوار کا مالک لڑکھڑانے والے کی دیت کا ضامن ہوگا اور لڑکھڑانے والا کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا۔ اس میں ہے: راستہ میں چلنے والا راستہ میں سونے والے سے لڑکھڑایا تو دونوں کی انگلیاں ٹوٹ گئیں تو ہر ایک کی عاقلہ پر وہ لازم ہوگا جو دوسرے کو نقصان پہنچا۔

35077۔(قولہ: إِنْ أَشْهَدَ عَلَيْهِ ضَمِنَ) انسان کی جان اور اس کے عضو کے تلف ہونے میں جو چیز واجب ہوتی ہے وہ عاقلہ کے ذمہ ہوتی ہے اور اموال میں خاص کر مالک کے ذمہ ہوتی ہے جس طرح جھکی دیوار میں آئے گا، ''زیلعی''۔

35078۔(قولہ: وَقَالَ فِي الْبَدَائِعِ الخ) ''المنح'' میں اس کے بعد کہا: میں کہتا ہوں: ''بزازیہ'' میں اسے یقین سے بیان کیا ہے اور اختلاف کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی اس کا شعور دلایا ہے۔

میں کہتا ہوں: ''بزازیہ'' میں جو قول ہے وہ یہ ہے: اس کا ایک کتا ہے جس کی عادت کاٹنا ہے جب بھی کوئی اس کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ اس کو کاٹتا ہے بستی والوں کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کو قتل کر دیں۔ اگر وہ انسان کو کاٹے اور وہ انسان اس کو قتل کر دے۔ اگر اس کتے کی طرف بڑھنے سے پہلے انسان قتل کرے تو کوئی ضمان نہ ہوگی۔ اگر اس کتے کی طرف بڑھنے کے بعد قتل کرے تو ضمان ہوگی جس طرح دیوار کے جھکنے کے بارے میں گواہ بنانے سے پہلے اور اس کے بعد کا حکم ہے (یعنی پہلے نقصان ہو تو ضمان نہیں بعد میں ضمان ہے)۔

''المنیہ'' میں بیل کے سینگ مارنے کے بارے میں حکم ہے: گواہ بنانے کے بعد وہ نفس اور مال کا ضامن ہوگا تو اس کے بارے میں یقین کا کیا حکم ہے۔ ''بزازیہ'' میں اس سے پہلے کہا: ایک آدمی نے سینگ مارنے والے بیل کو ایک انسان کی چراگاہ میں داخل کیا تو اس نے بچھڑے کو سینگ مارا تو ضامن نہیں ہوگا۔ اگر اس نے اس جزم سے وہم کیا ہے تو یہ ایسا توہم ہے جو ساقط ہے۔ کیونکہ اس نے اس میں اس چیز کو رکھا ہے جس پر گواہ نہیں بنائے گئے جس طرح یہ امر ظاہر ہے، ''رملی''۔ اس کی مکمل بحث جناية البهيمة کے آخر میں آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس مسئلہ کے ذکر کا محل وہاں ہے۔

وَلَهُ مِنْهَا وَلَدٌ، وَكَعَامِدٍ مَعَ مُخْطِئٍ وَعَاقِلٍ مَعَ مَجْنُونٍ وَبَالِغٍ مَعَ صَغِيرٍ وَشَرِيكِ حَيَّةٍ وَسَبُعٍ كَمَا فِي الْخَانِيَّةِ (فَلَا قَوَدَ عَلَى أَحَدِهِمَا) أَيْ لَا قِصَاصَ عَلَى وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِيمَا ذُكِرَ (دَخَلَ رَجُلٌ بَيْتَهُ فَرَأَى رَجُلًا مَعَ امْرَأَتِهِ أَوْ جَارِيَتِهِ فَقَتَلَهُ حَلَّ) لَهُ ذَلِكَ (وَلَا قِصَاصَ) عَلَيْهِ هَذَا سَاقِطٌ مِنْ نُسَخِ الْمَتْنِ ثَابِتٌ فِي نُسَخِ الشَّرْحِ مَعْزِيًّا لِشَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ، وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ فِي بَابِ التَّعْزِيرِ فُرُوعٌ صَبِيٌّ مَحْجُورٌ قَالَ لَهُ رَجُلٌ شُدَّ فَرَسِي فَأَرَادَ شَدَّهَا فَرَفَسَتْهُ فَمَاتَ فَدِيَتُهُ عَلَى عَاقِلَةِ الْآمِرِ

جب کہ اس خاوند کا اسی عورت سے ایک بیٹا ہے اور اس جان بوجھ کر قتل کرنے والے کی طرح ہے جو خطا کرنے والے کے ساتھ شریک ہوتا ہے اور عاقل کی طرح ہے جو مجنون کے ساتھ شریک ہوتا ہے اور بالغ کی طرح جو صغیر کے ساتھ شریک ہوتا ہے سانپ اور درندے کے ساتھ شریک ہونے والے کی طرح جس طرح ''الخانیہ'' میں ہے۔ پس دونوں میں سے کسی پر قصاص نہیں ہوگا اس میں جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک آدمی اپنے گھر میں داخل ہوا اس نے اپنی بیوی کے ساتھ یا اپنی لونڈی کے ساتھ مرد دیکھا اور اس کو قتل کر دیا یہ اس کے لیے حلال ہے اور اس پر کوئی قصاص نہیں ہوگا۔ یہ متن کے نسخہ سے ساقط ہے اور شرح کے نسخہ میں ثابت ہے جب کہ یہ ''شرح الوہبانیہ'' کی طرف منسوب ہے ہم نے باب التعزیر میں اس کو ثابت رکھا ہے۔ فروع: ایک مجور بچہ ہے ایک آدمی نے اسے کہا: میرے گھوڑے کو باندھ دو تو اس بچے نے گھوڑے کو باندھنے کا ارادہ کیا گھوڑے نے اسے لات ماردی تو بچہ مر گیا تو اس کی دیت آمر کی عاقلہ پر ہوگی۔

35079۔ (قولہ: وَلَهُ مِنْهَا وَلَدٌ) کیونکہ قصاص والد سے ساقط ہو جاتا ہے جس طرح مصنف نے اسے اپنے قول و سقط قود ورثہ علی ابیہ میں بیان کیا ہے اس وجہ سے شریک سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔

35080۔ (قولہ: وَكَعَامِدٍ مَعَ مُخْطِئٍ) یا اس کے ساتھ جس کا فعل شبہ عمد ہو جس طرح عصا مارنا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی بیوی یا لونڈی کے ساتھ کسی دوسرے مرد کو دیکھے تو اسے قتل کرنا جائز ہے

35081۔ (قولہ: فَرَأَى رَجُلًا مَعَ امْرَأَتِهِ) یا کسی اور مرد کی بیوی کے ساتھ جس کے ساتھ وہ زنا کر رہا تھا۔ ''خانیہ''۔

35082۔ (قولہ: حَلَّ لَهُ) ''خانیہ'' میں اس کی یہ قید لگائی ہے: جب وہ محصن ہو اور جب وہ شور مچائے اور وہ زنا سے نہ رکے۔ پہلی قید میں کلام ہے۔ ''ابن وہبان'' نے اس کا رد کیا ہے۔ یہ حد میں سے نہیں بلکہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں سے ہے۔ ''النہر'' میں کہا: یہ حسن ہے۔ کیونکہ یہ ایسا منکر ہے جب قتل، اس کے ازالہ میں ایک طریق متعین ہو چکا ہے تو اس میں احصان کی شرط لگانے کا کوئی معنی نہیں۔ اسی وجہ سے ''بزازی'' نے اسے مطلقاً ذکر کیا ہے۔

35083۔ (قولہ: وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ فِي بَابِ التَّعْزِيرِ) یعنی اس کے شروع میں، اس میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ عورت اگر خوشی سے اس میں شریک ہو تو دونوں کو قتل کر دے۔ اگر مرد نے اسے مجبور کیا ہو تو عورت کو اس کے قتل کرنے کا حق ہے اور اس کا

وَكَذَا لَوْ أَعْطَى صَبِيًّا عَصًا أَوْ سِلَاحًا وَأَمَرَهُ بِحَمْلِ شَيْءٍ أَوْ كَسْرِ حَطَبٍ وَنَحْوِ ذٰلِكَ بِلَا إِذْنِ وَلِيِّهِ فَمَاتَ وَلَوْ أَعْطَاهُ السِّلَاحَ وَلَمْ يَقُلْ امْسِكْهُ فَقَوْلَانِ۔ صَبِيٌّ عَلَى حَائِطٍ صَاحَ بِهِ رَجُلٌ فَوَقَعَ فَمَاتَ، إِنْ صَاحَ بِهِ فَقَالَ لَا تَقَعْ فَوَقَعَ لَا يَضْمَنُ، وَلَوْ قَالَ قَعْ فَوَقَعَ ضَمِنَ بِهِ يُفْتَى۔ وَقِيلَ لَا يَضْمَنُ مُطْلَقًا نَاجِيَةٌ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ

اسی طرح اگر ایک آدمی نے بچے کو عصا یا اسلحہ دیا اور اسے کوئی شے اٹھانے یا لکڑی وغیرہ توڑنے کا حکم دیا جب کہ اس کے ولی نے اسے اجازت نہ دی ہو اور وہ مر گیا ہو اگر اس نے اسے اسلحہ دیا اور اسے یہ نہ کہا: اس کو پکڑے رکھو تو اس میں دو قول ہیں۔ ایک بچہ دیوار پر موجود ہے ایک آدمی نے اس کے متعلق شور مچایا اور کہا: گر نہ پڑنا تو وہ بچہ گر گیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اگر اس نے کہا: نیچے چھلانگ لگا دو اس نے چھلانگ لگا دی تو اس کا ضامن ہوگا۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مطلقاً وہ ضامن نہ ہوگا، "ناجیہ" واللہ اعلم۔

خون رائیگاں جائے گا۔ لڑکے کا یہی حکم ہے یعنی جب قتل کے بغیر چھٹکارے کی کوئی صورت نہ ہو۔

35084۔(قولہ: وَكَذَا لَوْ أَعْطَى صَبِيًّا عَصًا أَوْ سِلَاحًا) تاکہ اس کو اس کے لیے پکڑ کر رکھے اور اسے کسی شے کا حکم نہ دیا تو بچہ اس کی وجہ سے مر گیا، "منح"۔ "تاتر خانیہ" میں کہا: انہوں نے اپنے قول عطب سے یہ ارادہ نہیں کیا کہ اس نے اسلحہ وغیرہ سے اپنے آپ کو قتل کر دیا۔ کیونکہ اس صورت میں اس دینے والے پر کوئی ضمانت نہ ہوگی انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ وہ اس کے ہاتھ سے اس کے بدن کے کسی حصہ پر گرا تو اس وجہ سے وہ ہلاک ہو گیا۔ خلاصہ یہ ہے: بچے کو اسلحہ دیا تو اس نے اپنے آپ کو یا کسی اور کو قتل کر دیا تو دینے والا بالاجماع ضامن نہیں ہوگا۔

35085۔(قولہ: فَمَاتَ) یعنی اس عمل میں مر گیا۔ "خلاصہ" میں ہے: اگر ایک آدمی کسی اور کے غلام کو لکڑیاں کاٹنے کا یا کسی اور کے کام کا حکم دیا تو وہ اس کا ضامن ہوگا جو اس سے متولد ہوگا، "ط"۔

35086۔(قولہ: فَقَوْلَانِ) مختار قول یہ ہے کہ ضمان بھی لازم ہوگی، "تاتر خانیہ"۔

35087۔(قولہ: صَبِيٌّ عَلَى حَائِطٍ الخ) بچے کی قید کا ذکر ہے کیونکہ بڑے آدمی پر جب کوئی آدمی شور مچائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا جس طرح ان کا کلام یہاں اور دوسرے مواقع پر وضاحت کر رہا ہے۔ لیکن "تاتر خانیہ" میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے پر اچانک چیخ ماری تو دوسرا آدمی اس کی چیخ سے مر گیا تو اس میں دیت لازم ہوگی تو پہلے قول کو اس پر محمول کیا جائے گا جب وہ چیخ اچانک نہ ہو یا یہ روایت کا اختلاف ہے۔ "مجمع الفتاویٰ" میں ہے: اگر ایک آدمی نے اپنی صورت کو تبدیل کیا اور بچے کو خوفزدہ کیا تو اس کو جنون کا مرض لاحق ہو گیا تو وہ ضامن ہوگا۔ "رملی"، ملخص۔

35088۔(قولہ: ضَمِنَ) جس طرح وہ کہے: تو اپنے آپ کو پانی میں یا آگ میں پھینک دے اور اس نے اس طرح کر دیا تو وہ ضامن ہوگا۔ "تاتر خانیہ" میں اسی طرح ہے، واللہ تعالیٰ۔

فَصْلٌ فِي الْفِعْلَيْنِ

(قَطَعَ يَدَ رَجُلٍ ثُمَّ قَتَلَهُ أُخِذَ بِالْأَمْرَيْنِ) أَيْ بِالْقَطْعِ وَالْقَتْلِ (وَلَوْ كَانَا عَمْدَيْنِ أَوْ) كَانَا (خَطَأَيْنِ أَوْ) كَانَا (مُخْتَلِفَيْنِ) أَيْ أَحَدُهُمَا عَمْدٌ وَالْآخَرُ خَطَأٌ تَخَلَّلَ بَيْنَهُمَا بُرْءٌ أَوْ لَا فَيُؤْخَذُ بِالْأَمْرَيْنِ فِي الْكُلِّ بِلَا تَدَاخُلٍ

دو افعال کے احکام

ایک آدمی کا ہاتھ کاٹا پھر اس کو قتل کر دیا تو دونوں امروں یعنی قطع اور قتل دونوں میں اس کا مواخذہ ہوگا۔ اگر دونوں عمداً ہوں یا دونوں خطاءً ہوں یا دونوں مختلف ہوں جن کے درمیان صحت یابی ہو یا دونوں کے درمیان صحت یابی نہ ہو تو سب میں تداخل کے بغیر مواخذہ ہوگا

اسے بعد میں ذکر کیا کیونکہ یہ مفرد میں مرکب کے درجہ میں ہے۔

35089۔(قولہ: وَلَوْ كَانَا عَمْدَيْنِ) صحیح یہ ہے کہ واؤ کو ساقط کر دیا جائے تا کہ لو شرطیہ ہو جائے کیونکہ یہ واؤ کے ساتھ وصلیہ ہوتا ہے پس یہ اس امر کا فائدہ دے گا کہ تمام صورتوں میں اس سے دونوں امور کے بارے میں مواخذہ ہوگا۔ پس یہ ان کے قول الا فی الخطأین کے مناقض ہوگا، الخ۔ تامل

دو فعلوں کے مواخذہ میں تداخل یا عدم تداخل کا حکم

35090۔(قولہ: فَيُؤْخَذُ بِالْأَمْرَيْنِ فِي الْكُلِّ) ''الکفایہ'' میں کہا: یہ جان لو قطع اور قتل اس سے خالی نہ ہوگا کہ دونوں کے دمیان صحت یابی ہوگی یا صحت یابی نہیں ہوگی۔ اگر درمیان میں صحت یابی ہو تو ہر ایک، الگ فعل معتبر ہوگا اور اس کا دونوں فعلوں کے بارے میں مواخذہ ہوگا۔ کیونکہ پہلا حکم صحت یابی کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے تو ایک دوسرے میں داخل نہیں ہوگا یہاں تک کہ اگر دونوں فعل عمداً ہوں تو ولی کو قطع اور قتل کا اختیار ہوگا۔ اگر دونوں خطأً ہوں تو ایک مکمل اور ایک نصف دیت لازم ہوگی۔ اگر قطع عمداً ہو اور قتل خطأً ہو تو ہاتھ میں قصاص ہوگا اور نفس میں دیت ہوگی۔ اگر اس کے برعکس ہو تو ہاتھ میں نصف دیت اور نفس میں قصاص ہوگا۔ اگر درمیان میں صحت یابی نہ ہو اگر ایک عمداً ہو اور دوسرا خطأً ہو تو ہر ایک فعل علیحدہ شمار ہوگا، خطا میں دیت لازم ہوگی اور عمد میں قصاص لازم ہوگا۔ اگر دونوں خطا ہوں تو بالاتفاق ایک جنایت ہوگی۔ پس دیت لازم ہوگی۔ اگر دونوں عمداً ہوں تو ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اسے قتل کیا جائے گا اور اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر ولی چاہے تو ہاتھ کاٹے اور قتل کرے اگر چاہے تو قتل کرے اور مجلس کے متحد ہونے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ یہی قول ظاہر ہے۔ ''نصر بن سلام'' سے مروی ہے: وہ کہا کرتے تھے: اختلاف اس صورت میں ہے جب وہ ایک مجلس میں ہاتھ کاٹے اور دوسری مجلس میں اسے قتل کرے اگر ایک مجلس میں دو فعل ہوں تو اس کو قتل کیا جائے گا۔ اور ائمہ کے نزدیک

(إِلَّا فِي الْخَطَأَيْنِ لَمْ يَتَخَلَّلْ بَيْنَهُمَا بُرْءٌ) فَإِنَّهُمَا يَتَدَاخَلَانِ (فَيَجِبُ فِيهِمَا دِيَةٌ وَاحِدَةٌ) وَإِنْ تَخَلَّلَ بُرْءٌ لَمْ يَتَدَاخَلَا كَمَا عَلِمْتَ فَالْحَاصِلُ أَنَّ الْقَطْعَ إِمَّا عَمْدٌ أَوْ خَطَأٌ وَالْقَتْلُ كَذَلِكَ صَارَ أَرْبَعَةً، ثُمَّ إِمَّا أَنْ يَكُونَ بَيْنَهُمَا بُرْءٌ أَوْ لَا صَارَ ثَمَانِيَةً وَقَدْ عُلِمَ حُكْمُ كُلٍّ مِنْهَا (كَمَنْ ضَرَبَهُ مِائَةَ سَوْطٍ فَبَرَأَ مِنْ تِسْعِينَ وَلَمْ يَبْقَ أَثَرُهَا) أَيْ أَثَرُ الْجِرَاحَةِ (وَمَاتَ مِنْ عَشَرَةٍ) فَفِيهِ دِيَةٌ وَاحِدَةٌ، لِأَنَّهُ لَمَّا بَرَأَ مِنْ تِسْعِينَ لَمْ تَبْقَ مُعْتَبَرَةً إِلَّا فِي حَقِّ التَّعْزِيرِ، وَكَذَلِكَ كُلُّ جِرَاحَةٍ انْدَمَلَتْ وَلَمْ يَبْقَ لَهَا أَثَرٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ

مگر جب دونوں خطا ہوں درمیان میں صحت یابی نہ ہو۔ دونوں متداخل ہوں گے پس ان دونوں میں ایک دیت واجب ہوگی اگر درمیان میں صحت یابی ہو جائے تو دونوں متداخل نہ ہوں گے جس طرح تو جان چکا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ قطع یا تو عمداً ہوگا یا خطا ہوگا یا قتل اسی طرح ہوگا تو یہ چار ہو جائیں گے۔ پھر یا ان دونوں کے درمیان صحت یابی ہوگی یا صحت یابی نہ ہوگی تو یہ آٹھ صورتیں ہو گئیں۔ ان میں سے ہر ایک کا حکم معلوم ہو چکا ہے جس طرح اس کو سو کوڑے مارے اور وہ نوے سے صحت یاب ہو گیا یعنی زخم کا اثر باقی نہ رہا اور دس سے مر گیا تو اس میں ایک دیت لازم ہوگی۔ کیونکہ جب وہ نوے سے صحت یاب ہو گیا تو وہ معتبر نہ رہے مگر تعزیر کے حق میں معتبر رہے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا ہر اس زخم کا جو مندمل ہو جائے اور اس کا اثر باقی نہ رہے۔ یہ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔

اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ ملخص

35091۔(قولہ: إِلَّا فِي الْخَطَأَيْنِ) یہ ان کے قول اخذ بالامرین سے مستثنیٰ ہے، ''طوری''۔

35092۔(قولہ: فَيَجِبُ فِيهِمَا دِيَةٌ وَاحِدَةٌ) یعنی دونوں میں قتل کی دیت واجب ہوگی۔ کیونکہ قطع کی دیت یہ اس وقت واجب ہوتی ہے جب فعل کا اثر مستحکم ہو وہ یہ ہے کہ اسے معلوم ہو کہ وہ سرایت نہ کرے۔ اس کی مکمل بحث ''ابن کمال'' میں ہے۔

35093۔(قولہ: صَارَ ثَمَانِيَةً) ان میں سے ہر ایک یا تو ایک شخص سے واقع ہوں گے یا دو شخصوں سے واقع ہوں گے تو یہ سولہ صورتیں بنتی ہیں۔ اگر یہ دونوں فعل دو اشخاص سے واقع ہوں تو دونوں میں سے ہر ایک کے ساتھ قصاص اور دیت لینے کے اعتبار سے جو حکم ہوگا وہی اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ یہ حکم مطلق ہے۔ کیونکہ تداخل یہ محل کے متحد ہونے کے اعتبار سے ہوتا ہے اس کے علاوہ تداخل نہیں ہوتا، ''عنایہ''۔

35094۔(قولہ: فَبَرَأَ مِنْ تِسْعِينَ الخ) یہ حکم اس صورت میں ہے جب دس ضربیں ایک جگہ اور نوے ضربیں دوسری جگہ لگائی گئی ہوں تو نوے والی جگہ ٹھیک ہو گئی اور دس والی جگہ میں زخم سرایت کر گیا ورنہ یہ ممکن نہیں کہ دس کے سرایت کرنے اور نوے کے صحیح ہونے کا اعتبار کیا جائے، ''معراج''۔

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ فِي مِثْلِهِ حُكُومَةُ عَدْلٍ، وَعَنْ مُحَمَّدٍ تَجِبُ أُجْرَةُ الطَّبِيبِ وَثَمَنُ الْأَدْوِيَةِ دُرَرٌ وَصَدْرُ شَرِيعَةٍ وَهِدَايَةٌ وَغَيْرُهَا (وَتَجِبُ حُكُومَةُ) عَدْلٍ مَعَ دِيَةِ النَّفْسِ (فِي مِائَةِ سَوْطٍ جَرَحَتْهُ وَبَقِيَ أَثَرُهَا) بِالْإِجْمَاعِ لِبَقَاءِ الْأَثَرِ وَوُجُوبِ الْأَرْشِ بِاعْتِبَارِ الْأَثَرِ هِدَايَةٌ وَغَيْرُهَا وَفِي جَوَاهِرِ الْفَتَاوَى رَجُلٌ جَرَحَ رَجُلًا فَعَجَزَ الْمَجْرُوحُ عَنِ الْكَسْبِ يَجِبُ عَلَى الْجَارِحِ النَّفَقَةُ وَالْمُدَاوَاةُ وَفِيهَا رَجُلٌ جَاءَ بِعَوَانٍ إِلَى رَجُلٍ فَضَرَبَهُ الْعَوَانُ فَعَجَزَ عَنِ الْكَسْبِ فَمُدَاوَاةُ الْمَضْرُوبِ وَنَفَقَتُهُ عَلَى الَّذِي جَاءَ بِالْعَوَانِ

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی مثل میں عادل کا فیصلہ ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے: طبیب کی اجرت اور ادویہ کی ثمن واجب ہوگی، ''درر''، ''صدر شریعہ''، ''ہدایہ'' وغیرہ۔ عادل کا فیصلہ واجب ہوگا ساتھ ہی نفس کی دیت لازم ہوگی اس صورت میں جب وہ سو کوڑے مارے اور اس کا اثر باقی رہے۔ یہ بالا جماع ہے۔ کیونکہ اثر باقی ہے اور چٹی کا وجوب اثر کے اعتبار سے ہے ''ہدایہ'' وغیرہ۔ ''جواہر الفتاویٰ'' میں ہے: ایک آدمی نے ایک آدمی کو زخمی کر دیا اور زخمی کمائی کرنے سے عاجز آ گیا تو زخمی کرنے والے پر نفقہ اور دوائی لازم ہوگی۔ اس میں ہے: ایک آدمی ظالم سپاہی کے ساتھ ایک آدمی کی طرف آیا اور مددگار نے اسے مارا تو وہ کمائی سے عاجز آ گیا تو مضروب کی دوائی اور اس کا نفقہ اس آدمی پر ہوگا جو سپاہی لایا تھا۔

35095۔ (قولہ: وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ فِي مِثْلِهِ حُكُومَةُ عَدْلٍ) یعنی دیت کے ساتھ عادل کا فیصلہ ہے، ''رملی''۔

35096۔ (قولہ: وَتَجِبُ حُكُومَةُ عَدْلٍ) اس کی تفسیر یہ ہے: اگر ایک غلام زخمی ہو تو زخمی ہونے کے ساتھ اس کی کتنی قیمت ہے اور زخمی نہ ہونے کی صورت میں اس کی کیا قیمت ہے تو وہ اس تفاوت کا ضامن ہوگا جو دونوں میں ہے یعنی آزاد میں دیت کے اعتبار سے اور غلام میں قیمت کے اعتبار سے کفایہ جو تفاوت ہے۔

35097۔ (قولہ: مَعَ دِيَةِ النَّفْسِ) اس میں ہے کہ مسئلہ اس صورت میں فرض کیا گیا ہے جب زخم کا اثر باقی ہو اور یہ زخم کے ٹھیک ہونے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے ''الملتقی'' میں مسئلہ کو اس قول ولم یمت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی کو زخمی کر دے تو نفقہ اور دوائی زخمی کرنے والے پر لازم ہوگی

35098۔ (قولہ: فَعَجَزَ الْمَجْرُوحُ عَنِ الْكَسْبِ) یعنی جب تک زخم موجود رہا۔ اس میں غور و فکر کیجیے اگر وہ کمائی سے اصلاً عاجز آ جائے ظاہر یہ ہے کہ جب دیت کا فیصلہ کر دیا گیا یا عادل نے فیصلہ کر دیا تو کوئی شے واجب نہ ہوگی، ''ط''۔

35099۔ (قولہ: جَاءَ بِعَوَانٍ) اس سے مراد ایک ہے یہ ظالموں کے پیروکاروں ہوتے ہیں۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ عون ذکر کرتے۔ کیونکہ یہ اس طرح ہے جس طرح ''قاموس'' میں ہے۔ ظہیر واحد، جمع اور مونث کے لیے آتا ہے اس کی جمع مکسر اعوان آتی ہے۔ کیونکہ وہ ظالم کی حمایت کرتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے۔ ''بزازیہ'' میں ہے: علما نے فتویٰ دیا ہے کہ اعونہ اور سعات کو فتنہ کے ایام میں قتل کرنا جائز ہے، ''ط'' ملخص۔

قَالَ الْمُصَنِّفُ وَظَاهِرٌ أَنَّهُ مُفَرَّعٌ عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ قُلْت وَقَدَّمْنَاهُ مَعْزِيًّا لِلْمُجْتَبَى عَنْ أَبِي يُوسُفَ وَنَحْوِهِ، وَسَنُحَقِّقُهُ فِي الشِّجَاجِ (وَمَنْ قُطِعَ) أَيْ عَمْدًا

مصنف نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر متفرع ہے۔ میں کہتا ہوں: ہم نے اسے بیان کیا ہے جب کہ یہ ''مجتبیٰ'' کی طرف منسوب ہے۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی مثل مروی ہے۔ ہم ''فصل الشجاج'' میں اس کو ثابت کریں گے۔ جس کا ہاتھ جان بوجھ کر

35100۔ (قولہ: وَظَاهِرٌ أَنَّهُ) یعنی ''جواہر الفتاویٰ'' میں ہے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر متفرع ہے یعنی امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے جس طرح قول گزر چکا ہے کہ وہ زخم جس کا اثر باقی نہ رہا ہو اس میں طبیب کی اجرت اور دواؤں کی ثمن واجب ہوگی ''رملی'' نے اسے بیان کیا ہے، فافہم۔ اس کو ذہن نشین کر لو۔

''الفتاویٰ النعمیہ'' میں جو ہمارے مشائخ کے شیخ ''سائحانی'' کی تالیف ہے میں ہے: جب اس نے کسی دوسرے شخص کے ہاتھ پر ضرب لگائی اور اس کو توڑ دیا اور کمائی سے عاجز آ گیا تو ضارب پر دوائی اور نفقہ لازم ہوگا یہاں تک کہ وہ بری ہو جائے۔ جب وہ بری ہو جائے گا اور اس کا ہاتھ معطل ہو جائے اور وہ شل ہو جائے تو اس کی دیت واجب ہوگی۔ ظاہر یہ ہے کہ جو کچھ صرف کیا گیا ہے اس کا دیت میں سے حساب کیا جائے گا۔

اس میں ہے: زخمی جب صحیح ہو جائے اور اثر زائل ہو جائے تو زخمی کرنے والے پر طبیب کی اجرت اور ادویہ کی ثمن لازم ہوگی۔ یہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کا قول ہے۔ اور استحسان وہ ہے جسے ''صدر'' نے ذکر کیا ہے، ملخص۔ تامل۔ اس کی تمام بحث فصل الشجاج میں آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

35101۔ (قولہ: وَقَدَّمْنَاهُ) یعنی سابقہ باب میں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

35102۔ (قولہ: وَنَحْوِهِ) یعنی اس کی مثل جو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔

35103۔ (قولہ: وَسَنُحَقِّقُهُ فِي الشِّجَاجِ) اس کے باب کے آخر میں اس کا حاصل یہ ہے کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس میں درد کی چٹی ہوگی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے قول سے یہی مراد ہے۔

35104۔ (قولہ: وَمَنْ قُطِعَ الخ) یہ مجہول کا صیغہ ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے: معافی یا تو اس سے فعل ... عمداً کیا گیا ہوگا یا خطأ کیا گیا ہوگا۔ ہر ایک صورت میں یا تو صرف قطع سے ہوگی یا جنایت سے ہوگی یا قطع اور جو اس سے پیدا ہوا اس سے ہوگی۔ اگر جنایت عمداً ہو اور قطع کو معاف کر دے تو یہ اس زخم کے سرایت کرنے سے معافی نہ ہوگی۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر وہ جنایت کو معاف کرے یا قطع اور جو اس سے پیدا ہوا اس کو معاف کرے تو وہ قطع اور سرایت دونوں سے بری ہو جائے گا۔ جب جنایت خطا ہو اور وہ قطع کو معاف کر دے پھر وہ سرایت کر جائے تو یہ اختلاف پر مبنی ہوگا۔ اگر وہ قطع اور جو امر اس سے پیدا ہوا اس کو یا جنایت کو معاف کر دے تو یہ سب کی جانب سے معافی صحیح ہوگی۔ اور عمد کی

أَوْ خَطَأً بِدَلِيلِ مَا يَأْتِي، وَبِهِ صَرَّحَ فِي الْبُرْهَانِ كَمَا فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ، لَكِنْ فِي الْقُهُسْتَانِيِّ عَنْ شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ أَنَّ الدِّيَةَ عَلَى الْعَاقِلَةِ فِي الْخَطَإِ، وَمَنْ ظَنَّ أَنَّهَا عَلَى الْقَاطِعِ فِي الْخَطَإِ فَقَدْ أَخْطَأَ وَكَذَا لَوْ شَجَّ أَوْ جَرَحَ (فَعَفَا عَنْ قَطْعِهِ) أَوْ شَجَّتِهِ أَوْ جِرَاحَتِهِ (فَمَاتَ مِنْهُ ضَمِنَ قَاطِعُهُ الدِّيَةَ) فِي مَالِهِ خِلَافًا لَهُمَا قُلْنَا إِنَّهُ عَفَا عَنْ الْقَطْعِ وَهُوَ غَيْرُ الْقَتْلِ

یا خطأً قطع کیا گیا اس تعبیر کی دلیل وہ ہے جو آگے آئے گی۔ ''برہان'' میں اس کی تصریح کی ہے جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔ لیکن ''قہستانی'' میں ''شرح الطحاوی'' سے مروی ہے کہ قتل خطا میں دیت عاقلہ پر ہوگی اور جس نے گمان کیا کہ وہ قاطع پر ہوگی تو اس نے خطا کی اس طرح کا حکم ہوگا۔ اگر وہ زخمی کر دے یا جراحت لگائے اور اس کے قطع، شج یا جراحت کو معاف کر دے اور وہ آدمی اس وجہ سے مرجائے تو اس کا قاطع اپنے مال میں دیت کا ضامن ہوگا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں: اس نے قطع کو معاف کر دیا ہے جب کہ یہ قتل کے علاوہ ہے۔

صورت میں ارش پورے مال سے ہوگی اور خطا کی صورت میں ایک تہائی سے ہوگی۔

35105۔ (قولہ: بِدَلِيلِ مَا يَأْتِي) کیونکہ انہوں نے آنے والا مسئلہ میں عمداً اور خطأً میں فرق کیا ہے اور یہاں سے مطلقاً ذکر کیا ہے۔

35106۔ (قولہ: لَكِنْ فِي الْقُهُسْتَانِيِّ) یہ اطلاق پر استدراک ہے۔ کیونکہ یہ قطع کے تمام احکام میں عمد اور خطا میں اشتراک کا فائدہ دیتا ہے حالانکہ عنقریب آئے گا کہ حریت قاطع کے مال میں واجب ہوگی۔ تو یہ امر متعین ہو جائے گا کہ مراد صرف عمد ہے۔ کیونکہ صحیح یہ ہے کہ خطا میں دیت عاقلہ کے ذمہ ہوگی۔

''الکفایہ'' میں یہ جواب دیا ہے کہ ان کا قول فی مالہ یہ دونوعوں میں سے ایک نوع کا بیان ہے یعنی اگر وہ فعل عمداً ہوا تو اس پر اس کے مال میں دیت ہوگی لیکن مصنف نے اپنے قول میں لم یقید کی قید نہیں لگائی پس اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

35107۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ شَجَّ) مصنف کے آنے والے قول سے اس سے استغنا حاصل ہو جاتی ہے۔ الشجہ اس کی مثل ہے، ''ط''۔

35108۔ (قولہ: فَعَفَا عَنْ قَطْعِهِ) یعنی یہ نہیں کہا: وما یحدث منه اور عن الجناية نہیں کہا۔

35109۔ (قولہ: ضَمِنَ قَاطِعُهُ) اس کا قاطع اسی طرح اس کا شاج اور جارح ضامن ہوگا۔

35110۔ (قولہ: فِي مَالِهِ) کیونکہ عاقلہ عمد کی متحمل نہیں ہوتی یعنی عاقلہ اس جرم کی ذمہ دار نہیں ہوتی، جو جان بوجھ کر کیا گیا ہو۔

35111۔ (قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) کیونکہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: یہ نفس کو بھی معاف کرنا ہے۔ کیونکہ یہ اسکے حکم کو معاف کرنا ہے۔

35112۔ (قولہ: وَهُوَ غَيْرُ الْقَتْلِ) چاہیے یہ تھا کہ قصاص واجب ہو یہی قیاس ہے۔ کیونکہ وہی عمد کا موجب ہے مگر

(وَلَوْ عَفَا عَنِ الْجِنَايَةِ أَوْ عَنِ الْقَطْعِ وَمَا يَحْدُثُ مِنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ عَنِ النَّفْسِ) فَلَا يَضْمَنُ شَيْئًا، وَحِينَئِذٍ (فَالْخَطَأُ يُعْتَبَرُ مِنْ ثُلُثِ مَالِهِ) فَإِنْ خَرَجَ مِنَ الثُّلُثِ فِيهَا (وَإِلَّا فَعَلَى الْعَاقِلَةِ ثُلُثَا الدِّيَةِ) كَمَا فِي شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ، فَمَنْ ظَنَّ أَنَّهَا عَلَى الْقَاطِعِ فَقَدْ أَخْطَأَ قَطْعًا،

اگر وہ جنایت کو معاف کر دے یا قطع اور جو اس پر مرتب ہوتا ہے اس کو معاف کر دے تو یہ نفس کو معاف کرنا ہے۔ پس وہ کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا۔ اس وقت خطا اس کے مال کے تہائی سے معتبر ہوگی۔ اگر وہ ایک تہائی مال سے نکلے تو ٹھیک ورنہ عاقلہ پر دیت کا دو تہائی ہوگا جس طرح ''شرح الطحاوی'' میں ہے۔ جس نے یہ گمان کیا کہ یہ قاطع کے ذمہ ہے تو اس نے قطعا خطا کی۔

استحسان میں دیت واجب ہوگی۔ کیونکہ عفو کی صورت نے شبہ پیدا کیا اور یہ قیاس کو ختم کرنے والی ہے'' ہدایہ''۔

35113۔ (قولہ: وَلَوْ عَفَا عَنِ الْجِنَايَةِ) یعنی وہ جنایت جو عمداً واقع ہوئی یا خطأ واقع ہوئی خواہ اس نے اس کے ساتھ یہ ذکر کیا ہو مایحدث منہا یا اس نے اس کا ذکر نہ کیا ہو، ''قہستانی''۔

35114۔ (قولہ: فَهُوَ عَفْوٌ عَنِ النَّفْسِ) کیونکہ جنایت اس کو شامل ہے جو سرایت کر جائے اور اس کو بھی شامل ہے جو سرایت نہ کرے اس کا قطع اور جو اس سے جنم لے اس میں صریح ہے۔ صرف قطع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ قتل کا غیر ہے جس طرح پہلے بیان کیا ہے۔ پس یہ سرایت کرنے والے کو شامل نہ ہوگا۔

35115۔ (قولہ: فَلَا يَضْمَنُ شَيْئًا) یعنی دیت میں سے کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا۔ یہ عمد میں ظاہر ہے۔ اسی طرح کا حکم خطا میں ہوگا اگر وہ ایک تہائی سے نکلے ورنہ اس کی عاقلہ پر اس کے حساب سے ہوگی جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں اس کو بیان کیا ہے۔

خطا میں عفو ایک تہائی سے معتبر ہوگا

35116۔ (قولہ: فَالْخَطَأُ الخ) یعنی خطا میں عفو ایک تہائی سے معتبر ہوگا۔ ''المحیط'' میں کہا: یہ عاقلہ کے لیے وصیت ہوگی خواہ ان میں سے قاتل ایک ہو یا ایسا نہ ہو۔ کیونکہ قاتل کے لیے وصیت جب قاتل کے لیے صحیح نہ ہو تو وہ عاقلہ کے لیے صحیح ہوگی جس طرح ایک آدمی زندہ اور میت کے لیے وصیت کرے تو تمام وصیت زندہ کے لیے ہوگی۔ اس سے اس اعتراض کا فساد ظاہر ہو جائے گا جو کیا گیا کہ قاتل کے لیے وصیت صحیح نہیں اور جب وہ عاقلہ میں سے ایک ہے تو پھر پورے ایک تہائی سے کیسے جائز ہے، فتامل، ''طوری''۔

35117۔ (قولہ: مِنْ ثُلُثِ مَالِهِ) کیونکہ خطا کا موجب مال ہے اور اس کے ساتھ وارثوں کا حق متعلق ہوتا ہے پس ایک تہائی سے معتبر ہوگا، ''ہدایہ''۔

35118۔ (قولہ: وَإِلَّا فَعَلَى الْعَاقِلَةِ ثُلُثَا الدِّيَةِ) یعنی جب معاف کرنے والے کا اس کے علاوہ کوئی مال نہ ہو۔ اگر مال ہو تو وہ اسی حساب سے ہوگا۔ اگر وہ کہے: والا فعلی العاقلۃ بقدرہ تو یہ زیادہ مختصر اور زیادہ ظاہر ہوتا۔

وَمُفَادُهُ أَنَّ عَفْوَ الصَّحِيحِ لَا يُعْتَبَرُ مِنَ الثُّلُثِ ذَكَرَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ (وَالْعَمْدُ مِنْ كُلِّهِ) لِتَعَلُّقِ حَقِّ الْوَرَثَةِ بِالدِّيَةِ لَا بِالْقَوَدِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَالٍ (وَالشَّجَّةُ مِثْلُهُ) أَيْ مِثْلُ الْقَطْعِ حُكْمًا وَخِلَافًا (قَطَعَتْ امْرَأَةٌ يَدَ رَجُلٍ عَمْدًا) أَيْ أَوْ خَطَأً لِمَا يَأْتِي؛ فَلَوْ أَطْلَقَ كَمَا سَبَقَ وَكَالْمُلْتَقَى وَغَيْرِهِ كَانَ أَوْلَى فَتَأَمَّلْ (فَنَكَحَهَا) الْمَقْطُوعُ يَدُهُ

اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ صحیح کی معافی ایک تہائی سے معتبر نہیں ہوگی۔ ''قہستانی'' نے اس کو ذکر کیا ہے۔ اور عمد پورے مال سے معتبر ہوگا۔ کیونکہ دونوں کا حق دیت سے متعلق ہوا ہے قصاص سے متعلق نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ مال نہیں، شجہ حکم اور اختلاف میں قطع کی مثل ہے۔ ایک عورت نے ایک مرد کا ہاتھ جان بوجھ کر قطع کیا یا خطأً قطع کیا اس کی دلیل وہ ہے جو آگے آ رہی ہے۔ اگر وہ اس کو مطلق ذکر کرتے جس طرح پہلے گزر چکا ہے اور ''ملتقی'' وغیرہ کی طرح تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔ پس اس میں غور وفکر کرو۔ جس کا ہاتھ کاٹا گیا تھا اس نے اس عورت سے اپنے ہاتھ پر

35119۔ (قولہ: وَمُفَادُهُ) ایک تہائی سے معافی کے اعتبار سے یہ مستفاد ہوتا ہے اگر معاف کرنے والا صحیح ہو یعنی صحیح کے حکم میں ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ صاحب فراش نہ ہو، ''تاتر خانیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے کہ وہ جنایت کے بعد نکلتا تھا، آتا تھا اور جاتا تھا تو ایک تہائی سے اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ تمام مال سے اعتبار کیا جائے گا۔ یہ بعض مشائخ کا قول ہے: ''تاتر خانیہ'' میں کہا: ''المنتقی'' میں یہ ذکر کیا ہے کہ یہ ایک تہائی میں سے ہے۔

35120۔ (قولہ: وَالْعَمْدُ مِنْ كُلِّهِ) اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہاں موجب قصاص ہے وہ مال نہیں تو اس قول کی کوئی وجہ نہیں کہ یہ تمام مال سے ہو۔

بعض اوقات یہ جواب دیا جاتا ہے کہ یہاں قصاص معافی سے ساقط ہو گیا ہے لیکن جب معاف کرنے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ دیت پر وہ صلح کر لیتا تو اس وہم کا امکان ہے کہ اس کے معاف کرنے میں وارثوں کے حق کا ابطال ہو تو کہا: یہ تمام مال سے ہوگا۔ کیونکہ اصلی حکم وہ قصاص ہے اور ان وارثوں کا حق یہ مال سے متعلق ہوتا ہے، تامل۔

35121۔ (قولہ: وَالشَّجَّةُ مِثْلُهُ) اسی طرح جراحہ ہے جس طرح پہلے بیان کیا ہے۔ پس شجہ اور جراحہ سے معافی یہ قطع سے معافی کی طرح ہے اس معاملہ میں کہ زخم سرایت کرنے سے دیت کی ضمانت ہوگی۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے ان دونوں سے معافی، ساتھ ہی جو ان دونوں سے جنم لے سے معافی، یہ قطع اور جو اس سے جنم لے سے معافی کی طرح ہے۔

35122۔ (قولہ: قَطَعَتْ امْرَأَةٌ الخ) یہ مسئلہ سابقہ مسئلہ پر متفرع ہے جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔

35123۔ (قولہ: لِمَا يَأْتِي) یعنی عمد اور خطا کے حکم کے بیان میں اس کا ذکر آئے گا۔

35124۔ (قولہ: فَلَوْ أَطْلَقَ) یعنی اگر عمد کے ساتھ مقید نہ کرتے جس طرح سابقہ مسئلہ میں کیا ہے۔

(عَلَى يَدِهِ ثُمَّ مَاتَ) فَلَوْ لَمْ يَمُتْ مِنَ السِّرَايَةِ فَمَهْرُهَا الْأَرْشُ، وَلَوْ عَمْدًا إجْمَاعًا (يَجِبُ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ (مَهْرُ مِثْلِهَا وَالدِّيَةُ فِي مَالِهَا إنْ تَعَمَّدَتْ) وَتَقَعُ الْمُقَاصَّةُ بَيْنَ الْمَهْرِ وَالدِّيَةِ إنْ تَسَاوَيَا

نکاح کیا پھر وہ مرگیا اگر وہ زخم کے سرایت کرنے سے نہ مرتا تو اس کا مہر چٹی ہوتی اگرچہ قطع ید عمداً ہو۔ امام ''ابوحنیفہ'' رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کا مہر مثل واجب ہوگا اور اس کی دیت اس عورت کے مال میں سے واجب ہوگی اگر وہ یہ فعل جان بوجھ کر کرتی۔ اور مہر اور دیت میں ادلے کا بدلہ واقع ہوگا اگر وہ دونوں برابر ہوں

35125۔ (قولہ: عَلَى يَدِهِ) یعنی اس کے ہاتھ پر جو حکم مرتب ہوگا اس پر نکاح کیا۔ ''معراج''۔

35126۔ (قولہ: مِنَ السِّرَايَةِ) یعنی قطع ہلاکت تک سرایت کر جائے۔ اس کے ساتھ مقید کیا ہے تاکہ یہ اس کو شامل ہو جب وہ اصلاً نہ مرا ہو یا کسی اور وجہ سے مرگیا ہو۔

35127۔ (قولہ: فَمَهْرُهَا الْأَرْشُ) وہ پانچ ہزار درہم ہیں۔

35128۔ (قولہ: وَلَوْ عَمْدًا) خواہ اس نے قطع پر شادی کی ہو یا قطع ید اور جو اس کے بعد واقع ہوتا ہے یا جنایت پر نکاح کیا۔ کیونکہ جب وہ صحت یاب ہوگیا تو یہ امر واضح ہوگیا کہ اس کا حکم ارش ہے قصاص نہیں۔ کیونکہ قیاس اطراف میں مرد اور عورت کے درمیان جاری نہیں ہوتا اور ارش مہر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ''کفایہ''۔

35129۔ (قولہ: عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) اس کی اصل وہ ہے جو مسئلہ متقدم میں گزر چکا ہے کہ قتل، شجہ اور ید سے معافی جب نفس تک سرایت کر جائے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ نفس سے عفو نہیں اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک اس سے عفو ہے۔ ''اتقانی''۔

''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک یہاں حکم آنے والے حکم کی طرح ہے جب وہ اس عورت سے ہاتھ اور اس پر جو وقوع پذیر ہوتا ہے اس پر شادی کرے۔

35130۔ (قولہ: إنْ تَعَمَّدَتْ) یہ ان کے قول: والدية في مالها کی قید ہے۔ جہاں تک مہر مثل کے وجوب کا تعلق ہے تو یہ مطلق ہے۔ کیونکہ قطع ید اگر عمداً ہو تو یہ طرف میں قصاص پر شادی ہوگی جب کہ یہ مال نہیں بلکہ یہ مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھے گا۔ پس اس کے لیے مہر مثل واجب ہوگا۔

یہ اعتراض نہ کیا جائے: قصاص مرد اور عورت کے درمیان طرف میں جاری نہیں ہوتا تو اس پر کیسے شادی ہوگی۔

کیونکہ ہم کہتے ہیں: قتل عمد کا اصلی حکم قصاص ہے۔ بے شک یہ عذر کی وجہ سے ساقط ہوگا۔ پھر اس کے مال میں اس پر دیت لازم ہوگی کیونکہ تزوج اگرچہ عضو کو متضمن ہے لیکن یہ طرف میں قصاص کے بدلے میں ہے۔ جب وہ زخم سرایت کر گیا تو یہ واضح ہو جائے گا کہ یہ نفس کا قتل ہے اور عفو اسے شامل نہ ہوگی۔ پس اس کے مال میں دیت واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ عمد ہے اگر قطع ید خطأ ہو تو یہ ہاتھ کی دیت پر شادی ہوگی جب وہ نفس تک سرایت کر جائے تو یہ امر واضح ہوگیا کہ ہاتھ کی کوئی دیت نہیں

وَإِلَّا تَرَادَّا الْفَضْلَ (وَعَلَى عَاقِلَتِهَا إِنْ أَخْطَأَتْ) فِي قَطْعِ يَدِهِ وَلَا يَتَقَاصَّانِ لِأَنَّ الدِّيَةَ عَلَى الْعَاقِلَةِ فِي الْخَطَإِ، بِخِلَافِ الْعَمْدِ فَإِنَّ الدِّيَةَ عَلَيْهَا، وَالْمَهْرُ عَلَى الزَّوْجِ فَيَتَقَاصَّانِ قُلْت وَقَالَ صَاحِبُ الدُّرَرِ يَنْبَغِي أَنْ تَقَعَ الْمُقَاصَّةُ فِي الْخَطَإِ أَيْضًا لِأَنَّهَا عَلَيْهَا دُونَ الْعَاقِلَةِ عَلَى الْقَوْلِ الْمُخْتَارِ فِي الدِّيَةِ، لَكِنَّهُ لَيْسَ عَلَى إطْلَاقِهِ بَلْ فِي الْعَجَمِ وَلَعَلَّهُ أَطْلَقَهُ لِإِحَالَتِهِ لِمَحَلِّهِ فَلْيُحْفَظْ (وَإِنْ نَكَحَهَا عَلَى الْيَدِ وَمَا يَحْدُثُ مِنْهَا أَوْ عَلَى الْجِنَايَةِ

ورنہ زائد کو واپس لے لیں گے۔ اور اس کی عاقلہ پر دیت ہوگی اگر اس کے ہاتھ کے کاٹنے میں خطا کریں اور وہ باہم ادلے کا بدلہ نہ کریں گے۔ کیونکہ خطا میں دیت عاقلہ پر ہوتی ہے۔ عمد کا مسئلہ مختلف ہے۔ کیونکہ دیت اس کے ذمہ لازم ہوگی اور مہر خاوند کے ذمہ ہوگا۔ پس وہ دونوں ادلے کا بدلہ کریں گے۔ میں کہتا ہوں: صاحب ''درر'' نے کہا کہ خطا میں بھی ادلے کا بدلہ جاری ہو۔ کیونکہ دیت کے بارے میں جو مختار قول ہے وہ یہ ہے کہ یہ اس کے ذمہ ہے عاقلہ پر نہیں ہے۔ لیکن یہ حکم اپنے اطلاق پر نہیں بلکہ یہ عجمیوں میں ہے۔ شاید اسے مطلقاً ذکر کیا ہے کہ اس کے محل پر حوالہ کیا ہے۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ اگر مرد نے اس عورت سے ہاتھ اور اس سے جو واقع ہوگا یا جنایت پر نکاح کیا

اور مہر مسمی معدوم ہے اور مہر مثل واجب ہوگا، ''ابن کمال''۔

35131۔ (قولہ: وَإِلَّا تَرَادَّا الْفَضْلَ) یعنی اگر دیت میں کوئی شے بچ جائے تو اسے وارثوں کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ اگر مہر میں زیادتی ہو وارث اس کو دے دیں گے، ''ابن کمال''۔

35132۔ (قولہ: الدِّيَةَ عَلَى الْعَاقِلَةِ فِي الْخَطَإِ) یعنی مہر عورت کے لیے ہوگا اور بے شک ادلے کا بدلہ ہوگا جب عورت کے حق میں اور عورت کے خلاف وجوب میں ذمہ متحد ہو جائے جس طرح العمد میں ہے، ''اتقانی''۔

35133۔ (قولہ: لَكِنَّهُ الخ) یہ ''حاشیۃ الدرر'' میں ''شرنبلالی'' کا قول ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ خطا میں دیت کا وجوب قاتل پر ہوگا۔ بے شک عجمیوں میں ہے یعنی جس کی عاقلہ نہ ہو پس یہ قاتل پر واجب نہ ہوگی۔ یہ صاحب ''درر'' کی مراد ہے۔ عجم کی قید نہیں لگائی اسے محل کی طرف پھیرنے کی بنا پر ہے یعنی اس پر اعتماد کیا جن کو اس کے محل میں ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ بلکہ ''الدرر'' کی مراد یہ ہے کہ یہ مطلق قاتل کے ذمہ ہے اس کی وضاحت وہ قول کرتا ہے جو ''کفایہ'' میں ہے کیونکہ کہا:

صحیح یہ ہے کہ یہ قاتل پر واجب ہوگا پھر عاقلہ اس کی ذمہ دار بن جاتی ہے

یہ اعتراض نہ کیا جائے گا صحیح یہ ہے کہ یہ قاتل پر واجب ہوگا پھر عاقلہ اس کی ذمہ دار بن جاتی ہے پس اصل وجوب قاتل کے ذمہ ہے اس کا اعتبار ثابت کرتا ہے کہ مقاصہ جائز ہے۔

ثُمَّ مَاتَ مِنْهُ وَجَبَ لَهَا فِي الْعَمْدِ مَهْرُ الْمِثْلِ وَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا) لِرِضَاهُ بِالسُّقُوطِ (لَوْ خَطَأً رُفِعَ عَنِ الْعَاقِلَةِ مَهْرُ مِثْلِهَا وَالْبَاقِي وَصِيَّةٌ لَهُمْ) أَيْ لِلْعَاقِلَةِ (فَإِنْ خَرَجَ مِنَ الثُّلُثِ سَقَطَ وَإِلَّا سَقَطَ ثُلُثُ الْمَالِ) فَقَطْ (وَلَوْ قُطِعَتْ يَدُهُ فَاقْتُصَّ لَهُ فَمَاتَ) الْمَقْطُوعُ (الْأَوَّلُ قَبْلَ الثَّانِي قُتِلَ) الثَّانِي (بِهِ)

پھر وہ اس سبب سے مر گیا تو عمد میں مہر مثل واجب ہوگا اور اس عورت پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ مرد سقوط پر راضی ہے اگر وہ خطأً ہو تو عاقلہ سے اس کا مہر مثل ساقط کر دیا جائے گا اور باقی عاقلہ کے لیے وصیت ہوگی۔ اگر وہ ایک تہائی سے نکل آئے تو وہ ساقط ہو جائے گا ورنہ مال کا صرف ایک تہائی ساقط ہو جائے گا۔ اگر اس کا ہاتھ کاٹا گیا تو اس کے لیے قصاص لیا گیا تو پہلا مقطوع دوسرے سے پہلے مر گیا تو دوسرے کو اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔

کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں: بعض علماء کے نزدیک عاقلہ پر ابتداءً واجب ہوگا۔ اور بعض کے نزدیک عاقل پر قاتل کی جانب سے ذمہ داری اٹھائے گی یہ حوالے کے طریقہ سے ہوگا اور حوالہ براءت کو ثابت کرتا ہے۔ پس مقاصہ واقع نہ ہوگا۔

35134۔(قولہ: ثُمَّ مَاتَ مِنْهُ) یعنی قطع سے مر گیا۔

35135۔(قولہ: مَهْرُ الْمِثْلِ) کیونکہ یہ قصاص پر نکاح ہے۔ کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عمد میں یہی اصلی حکم ہے اور قصاص مال نہیں۔ پس مہر مثل واجب ہوگا جس طرح جب وہ خمر یا خنزیر پر نکاح کرے۔

35136۔(قولہ: لِرِضَاهُ بِالسُّقُوطِ) کیونکہ جب اس نے قصاص کو مہر قرار دے دیا تو مہر کی جہت سے اس کے سقوط پر راضی ہو گیا۔ پس وہ اصلاً ساقط ہو جائے گا۔ ''ابن کمال''۔

35137۔(قولہ: لَوْ خَطَأً رُفِعَ عَنِ الْعَاقِلَةِ مَهْرُ مِثْلِهَا الخ) کیونکہ ہاتھ اور جو امر اس پر واقع ہو یعنی موت یہ جنایت پر نکاح کرنا یہ حقیقت میں اس کے حکم پر شادی کرنا ہے۔ اور اس کا حکم یہاں دیت ہے جب کہ دیت مہر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ پس تسمیہ صحیح ہوگا مگر مہر مثل کی مقدار کا اعتبار تمام مال سے کیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں یہ بات نہیں۔ اور مریض پر نکاح کے معاملہ میں حجر نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ نکاح حوائج اصلیہ میں سے ہے۔ پس تمام مال سے مہر مثل کی مقدار اور جو ایک تہائی سے زائد ہوگا وہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ تبرع ہے اور دیت عورت کی عاقلہ پر واجب ہوگی جب کہ دیت مہر بن چکی ہے۔ پس وہ دیت ان سے ساقط ہو جائے گی اگر اس کا مہر مثل دیت کی مثل یا اس سے زائد ہو۔ اور عورت ان سے کسی شے کا مطالبہ نہ کرے گی کیونکہ وہ اس عورت کی جنایت کے سبب اس دیت کے ذمہ دار بن رہے تھے۔ جب وہ اس عورت کی ملکیت ہو گیا تو اس کے مہر مثل کی مقدار ان سے وہ ساقط ہو گیا۔ اس کی دلیل وہی ہے جو ہم نے ذکر کر دی ہے۔ اور جو اس سے زائد ہے اس کو دیکھا جائے گا۔ اگر وہ ایک تہائی سے نکل آئے تو ایک تہائی کی مقدار ان سے ساقط ہو جائے گی اور زیادتی ولی کے حوالے کر دیں گے۔ کیونکہ وصیت کا نفاذ ایک تہائی مال میں ہوتا ہے، ''زیلعی''۔

میں کہتا ہوں: اس کا عاقلہ کے لیے وصیت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے دیت مہر کے مقابلہ میں ساقط کر دی ہے اور خطا

لِسِرَايَتِهِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ لَا قَوَدَ لِأَنَّهُ لَمَّا أَقْدَمَ عَلَى الْقَطْعِ فَقَدْ أَبْرَأَهُ عَمَّا وَرَاءَهُ وَظَاهِرُ إشْكَالِ ابْنِ الْكَمَالِ يُفِيدُ تَقْوِيَةَ قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ۔ قَالَ الْمُصَنِّفُ (وَلَوْ مَاتَ الْمُقْتَصُّ مِنْهُ فَدِيَتُهُ عَلَى عَاقِلَةِ الْمُقْتَصِّ لَهُ)

کیونکہ اس کا زخم سرایت کر گیا ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: کوئی قصاص نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے جب قطع کا اقدام کیا تو اس نے ماوراء سے اسے بری کر دیا۔ ''ابن کمال'' کے اشکال کا ظاہر امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تقویت بیان کرتا ہے۔ مصنف نے کہا: اگر وہ مر گیا جس سے قصاص لیا گیا تھا تو اس کی دیت اس کی عاقلہ سے لی جائے گی جس کے لیے قصاص لیا گیا تھا۔

میں دیت عاقلہ کے ذمہ ہوتی ہے۔ پس جو مہر سے زیادہ ہے اس نے ان کے لیے تبرعاً ساقط کر دی ہے، فافہم۔

35138۔ (قولہ: لِسِرَايَتِهِ) کیونکہ پہلا قطع قتل تک سرایت کر گیا ہے اور قطع کا پورا حق لے لینا یہ قصاص کو ساقط نہیں کرتا جس طرح جس آدمی کا نفس میں قصاص کا حق ہو جب وہ قاتل کا ہاتھ کاٹ دے۔

35139۔ (قولہ: لِأَنَّهُ لَمَّا أَقْدَمَ الخ) اس کا جواب یہ ہے: اس نے قطع کا اقدام کیا یہ گمان کرتے ہوئے کہ اس کا حق قطع ید میں ہے اور سرایت کرنے کے بعد یہ واضح ہوا کہ اس کا حق قصاص میں تھا۔ پس اس کا علم ہونے کے بغیر وہ اس سے بری کرنے والا نہیں جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔

''ابن کمال'' نے اس میں اشکال کا ذکر کیا اس چیز کے ساتھ جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ گزشتہ مسئلہ میں ہیں وہ مسئلہ یہ ہے جب اس کا ہاتھ کاٹا اور قطع کو معاف کر دے اور مر جائے انہوں نے قصاص کے سقوط کی علت اس کو قرار دیا کہ معافی کی صورت قصاص کے سقوط میں کافی ہے۔ کیونکہ یہ شبہ پیدا کرتی ہے اور وہ اس امر کی طرف متوجہ نہیں ہوتے کہ وہ علم کے بغیر اس سے بری کرنے والا ہے تو انہوں نے دیت کو واجب کر دیا۔

''رحمتی'' نے کہا: فرق کرنا واجب ہے کہ قطع کو معاف کرنے والا، اس سے معاف کرنے کا میلان ظاہر ہوا ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس نے وہ حق پورا لے لیا ہے جو اس کے لیے ظاہر ہوا ہے کہ وہ اس کے لیے واجب ہے۔ پس اس سے معافی کی صورت نہ پائی گئی۔

35140۔ (قولہ: يُفِيدُ تَقْوِيَةَ قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ) اس میں یہ ہے کہ یہ ان کے معارض نہیں جو متون اور شروح میں ہے، ''ط''۔ جب کہ تو اس کا جواب سن چکا ہے۔

35141۔ (قولہ: وَلَوْ مَاتَ الْمُقْتَصُّ مِنْهُ) یہ ان کے قول فمات المقطوع الاول کے مقابل ہے۔

35142۔ (قولہ: فَدِيَتُهُ عَلَى عَاقِلَةِ الْمُقْتَصِّ) کیونکہ اس کا حق قطع ید پر تھا جب کہ وہ قتل کر دیا گیا۔ ''اتقانی'' نے کہا: لیکن دیت عاقلہ پر ہوگی۔ کیونکہ یہ خطا کے معنی میں ہے۔ کیونکہ اس نے قطع میں سے جو اس کا حق تھا اس کو پورا لیا اور

خِلَافًا لَهُمَا قُلْت هَذَا إذَا اسْتَوْفَاهُ بِنَفْسِهِ بِلَا حُكْمِ الْحَاكِمِ، وَأَمَّا الْحَاكِمُ وَالْحَجَّامُ وَالْخَتَّانُ وَالْفَصَّادُ وَالْبَزَّاغُ فَلَا يَتَقَيَّدُ فِعْلُهُمْ بِشَرْطِ السَّلَامَةِ كَالْأَجِيرِ وَتَمَامُهُ فِي الدُّرَرِ، وَالْأَصْلُ أَنَّ الْوَاجِبَ لَا يَتَقَيَّدُ بِوَصْفِ السَّلَامَةِ وَالْمُبَاحُ يَتَقَيَّدُ بِهِ وَمِنْهُ ضَرْبُ الْأَبِ ابْنَهُ تَأْدِيبًا أَوْ الْأُمِّ أَوْ الْوَصِيِّ

''صاحبین'' رحمہما اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ حاکم کے حکم کے بغیر اپنا قصاص لے۔ جہاں تک حاکم، حجام، ختان، فصاد اور نشتر زن کا تعلق ہے تو ان کا فعل سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید نہیں جیسے اجیر ہوتا ہے۔ اس کی مکمل بحث ''الدرر'' میں ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ واجب سلامتی کے وصف کے ساتھ مقید نہیں ہوتا اور مباح اس کے ساتھ مقید ہوتا ہے۔ اس میں سے یہ ہے کہ باپ اپنے بیٹے کو یا ماں یا وصی ادب سکھانے کے لیے مارے قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا۔

35143۔(قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک وہ کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنا پورا حق جو قطع ہے وصول کیا ہے اور یہ ممکن نہیں کہ سلامتی کے وصف کی قید لگائی جائے۔ کیونکہ اس میں قصاص کا دروازہ بند کرنا پڑ جاتا ہے۔ کیونکہ زخم کے سرایت کرنے سے بچنا اس کے بس میں نہیں، ''ابن کمال''۔

35144۔(قولہ: بِلَا حُكْمِ الْحَاكِمِ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اگر اس نے حاکم کے حکم کے بعد اپنا حق پورا لیا تھا تو وہ ضامن نہیں ہوگا، فتامل۔

حاکم، حجام، ختان، فصاد اور نشتر زن کا فعل سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید نہیں

35145۔(قولہ: وَأَمَّا الْحَاكِمُ الخ) یعنی جب چور کا ہاتھ کاٹا گیا اور وہ مر گیا یہ ایسے مسائل ہیں جن کی وجہ سے دو اماموں کو ان کے قول کی وجہ سے تشبیہ دی گئی۔ کیونکہ ان میں کوئی ضمانت نہیں۔ شارح نے فرق پر متنبہ کیا ہے کہ حد دو قطع کرنا یہ امام پر واجب ہے۔ اسی طرح حجام وغیرہ کا فعل یہ عقد کے ساتھ واجب ہوجاتا ہے اور سلامتی کے ساتھ مقید نہیں ہوتا۔ جبکہ مسئلہ میں ولی کو اختیار ہوتا ہے جبکہ اس کی معافی مندوب ہوتی ہے پس وہ اصل مذکور کی وجہ سے اس کے ساتھ مقید ہوگا۔

35146۔(قولہ: وَالْبَزَّاغُ) یعنی بیطار فعل بندی کرنے والا۔

واجب سلامتی کے وصف کے ساتھ مقید نہیں ہوتا جب کہ مباح مقید ہوتا ہے

35147۔(قولہ: وَالْمُبَاحُ يَتَقَيَّدُ بِهِ) اس سے اس کو مستثنیٰ کیا گیا ہے جب وہ اپنی بیوی سے وطی کرے اور اس کے پردہ کو پھاڑ دے یا وہ عورت مرجائے۔ پس اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی جب کہ مباح ہے۔ کیونکہ وطی اپنے حکم کا باعث ہوتی اور وہ حکم مہر ہے پس اس پر دوسری ضمان واجب نہ ہوگی، ''اشباہ''۔ عنقریب اس کی مکمل بحث آگے آئے گی۔

35148۔(قولہ: وَمِنْهُ) یعنی مباح میں سے ہے۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہے۔ اس کی مکمل بحث قریب ہی آئے گی۔

وَمِنَ الْأَوَّلِ ضَرْبُ الْأَبِ أَوْ الْوَصِيِّ أَوْ الْمُعَلِّمِ بِإِذْنِ الْأَبِ تَعْلِيمًا فَمَاتَ لَا ضَمَانَ فَضَرْبُ التَّأْدِيبِ مُقَيَّدٌ؛ لِأَنَّهُ مُبَاحٌ وَضَرْبُ التَّعْلِيمِ لَا لِأَنَّهُ وَاجِبٌ وَمَحَلُّهُ فِي الضَّرْبِ الْمُعْتَادِ، وَأَمَّا غَيْرُهُ فَمُوجِبٌ لِلضَّمَانِ فِي الْكُلِّ وَتَمَامُهُ فِي الْأَشْبَاهِ (وَإِنْ قَطَعَ) وَلِيُّ الْقَتْلِ (يَدَ الْقَاتِلِ وَ) بَعْدَ ذَلِكَ (عَفَا) عَنْ الْقَتْلِ (ضَمِنَ الْقَاطِعُ دِيَةَ الْيَدِ)؛ لِأَنَّهُ اسْتَوْفَى غَيْرَ حَقِّهِ لَكِنْ لَا يُقْتَصُّ لِلشُّبْهَةِ وَقَالَا لَا شَيْءَ عَلَيْهِ (وَضَمَانُ الصَّبِيِّ إذَا مَاتَ مِنْ ضَرْبِ أَبِيهِ أَوْ وَصِيِّهِ تَأْدِيبًا) أَيْ لِلتَّأْدِيبِ

اور پہلی قسم سے باپ، وصی یا معلم کا باپ کی اجازت سے تعلیم کے لیے مارنا ہے اور وہ مر جائے تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ پس تادیب کے لیے مارنا یہ مقید ہے۔ کیونکہ یہ مباح ہے۔ اور تعلیم کے لیے مارنا یہ واجب ہے۔ ضرب میں اس کا محل معتاد جگہ ہے اور اس کے علاوہ جگہ تمام صورتوں میں ضمان کا موجب ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ''الاشباہ'' میں ہے۔ اگر قتل کا ولی قاتل کا ہاتھ کاٹ دے اور اس کے بعد قتل کو معاف کر دے تو قاطع ہاتھ کی دیت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس چیز کو حاصل کیا ہے جو اس کا حق نہ تھا لیکن شبہ کی وجہ سے اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے فرمایا: اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ بچہ جب اپنے باپ یا اپنے وصی کی مار، جو ادب سکھانے کے لیے ہو، سے مر گیا تو بچے کی ضمان

35149۔ (قولہ: وَمِنَ الْأَوَّلِ) یعنی واجب میں سے، شارح نے باب التعزیر میں کہا: ''القنیہ'' میں ہے: قرآن کی تعلیم، ادب اور علم پر بچے کو مجبور کرنا یہ اس کا حق ہے۔ کیونکہ یہ اس کے والدین پر فرض ہے۔ وصی کو حق حاصل ہے کہ یتیم کو اس معاملہ میں مارے جس میں وہ اپنے بچے کو مارتا ہے۔ اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا ہے کہ ماں تعلیم میں باپ کی طرح ہے مگر تادیب کا معاملہ مختلف ہے جس طرح آگے آئے گا۔

35150۔ (قولہ: بِإِذْنِ الْأَبِ) یعنی باپ کے اذن سے یا وصی کے اذن سے اگر دونوں کی اجازت کے بغیر مارے تو ضامن ہوگا جس طرح آگے آئے گا۔ ''ط''۔

35151۔ (قولہ: تَعْلِيمًا) یہ ان کے قول ضرب کی علت ہے۔

35152۔ (قولہ: مُقَيَّدٌ) یعنی سلامتی کے وصف کے ساتھ مقید ہے۔

35153۔ (قولہ: وَمَحَلُّهُ فِي الضَّرْبِ الْمُعْتَادِ) یعنی تعداد، کیفیت اور محل کے اعتبار سے۔ اگر وہ اس کے چہرے یا شرمگاہ پر مارے تو بغیر کسی خوف کے ضمان واجب ہوگی اگرچہ ایک ڈنڈا مارے۔ کیونکہ یہ تو اس کو تلف کرنا ہے۔ ''ابوسعود'' نے ''تلخیص الکبریٰ'' سے نقل کیا ہے، ''ط''۔

35154۔ (قولہ: مِنْ ضَرْبِ أَبِيهِ أَوْ وَصِيِّهِ) دونوں کی قید لگائی ہے کیونکہ ماں جب ادب سکھانے کے لیے مارے تو بالاتفاق ضامن ہوگی اگرچہ ان کے قول تادیبا سے یہ پتہ چلتا ہے جب دونوں (ماں، باپ) میں سے ہر ایک تعلیم کے لیے ماریں تو بالاتفاق ضامن نہ ہوں گے۔ ''غرر الافکار''۔

(عَلَيْهِمَا) أَيْ عَلَى الْأَبِ وَالْوَصِيِّ؛ لِأَنَّ التَّأْدِيبَ يَحْصُلُ بِالزَّجْرِ وَالتَّعْرِيكِ وَقَالَا لَا يَضْمَنُ لَوْ مُعْتَادًا، وَأَمَّا غَيْرُ الْمُعْتَادِ فَفِيهِ الضَّمَانُ اتِّفَاقًا (كَضَرْبِ مُعَلِّمٍ صَبِيًّا أَوْ عَبْدًا بِغَيْرِ إِذْنِ أَبِيهِ وَمَوْلَاهُ) لَفٌّ وَنَشْرٌ فَالضَّمَانُ عَلَى الْمُعَلِّمِ إِجْمَاعًا (وَإِنْ) الضَّرْبُ (بِإِذْنِهِمَا لَا) ضَمَانَ عَلَى الْمُعَلِّمِ إِجْمَاعًا قِيلَ هٰذَا

ان دونوں یعنی باپ اور وصی پر ہوگی۔ کیونکہ تادیب جھڑکنے اور گوشمالی سے ہوسکتی ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے فرمایا: وہ ضامن نہیں ہوگا اگر وہ مار معتاد ہو۔ اگر غیر معتاد ہو تو اس میں بالاتفاق ضمان ہوگی۔ جیسے معلم بچے کو مارے یا غلام کو مارے جب کہ نہ باپ سے اجازت لی ہو اور نہ ہی آقا سے اجازت لی ہو، یہ لف نشر مرتب ہے، تو ضمان بالاجماع معلم پر ہوگی۔ اگر مار ان دونوں کی اجازت سے ہو تو معلم پر بالاجماع ضمان نہ ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:

اگر کسی آدمی نے قرآن کی تعلیم میں اپنے چھوٹے بچے کو مارا اور وہ مر گیا تو اس کا حکم

35155۔(قولہ: وَإِنْ الضَّرْبُ بِإِذْنِهِمَا) یعنی باپ اور ماں کے اذن سے۔ اسی طرح کا حکم وصی کا ہے اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے: اگر دونوں خود ماریں تو بالاتفاق کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ ہم نے ابھی پہلے ذکر کیا ہے۔ لیکن ''الخانیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے قرآن کی تعلیم میں اپنے چھوٹے بچے کو مارا اور وہ مر گیا ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وہ دیت کا ضامن ہوگا اور وہ اس کا وارث نہیں ہوگا۔

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وہ اس کا وارث ہوگا اس کا ضامن نہیں ہوگا۔ اگر معلم نے والد کی اجازت سے قرآن کی تعلیم میں مارا تو معلم اس کا ضامن نہیں ہوگا۔ ''ولوالجیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے ادب سکھانے کے لیے اپنے بیٹے کو یا وصی نے ادب سکھانے کے لیے یتیم کو مارا تو وہ مر گیا تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ ضامن ہوگا۔ اسی طرح اگر معلم اسے مارے جب کہ اس کو انہوں نے اجازت نہ دی ہو تو وہ ضامن ہوگا اگر اجازت سے مارا ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ باپ اور وصی کو ادب سکھانے کی اجازت ہوتی ہے۔ شرط یہ ہے کہ اس کی سلامتی باقی رہے۔ کیونکہ یہ دونوں اس کے نفس اور اس کے مال میں تصرف کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اگرچہ وہ تصرف ان کے لیے ضرر کا باعث ہو۔ جہاں تک معلم کا تعلق ہے اس نے ان کی اجازت سے ادب سکھایا ہے اور ان کی جانب سے اذن مطلقاً پایا گیا ہے نہ کہ مقید پایا گیا ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تادیب اور تعلیم کے بارے میں باپ کے ضامن ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ دوسری روایت ہے، تامل۔

35156۔(قولہ: قِيلَ هٰذَا) یعنی ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا معلم کے ضامن نہ ہونے کا قول یہ باپ کی جانب سے اذن ہونے کی صورت میں ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اختلاف تادیب کی مار میں ہے اور یہاں گفتگو تعلیم کی ضرب میں ہے جب کہ یہ واجب ہے سلامتی کے ساتھ مقید نہیں۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ ''طحطاوی'' نے یہ بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ''حاشیۃ الشرف للغزی'' میں ''صغریٰ'' سے منقول ہے: ''ابوسلیمان'' نے کہا: جب ایک آدمی نے اپنے بیٹے کو قرآن کی تعلیم یا ادب سکھانے کے لیے مارا تو وہ مر گیا تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ ضامن ہوگا۔ امام ''ابو

رُجُوعٌ مِنْ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَى قَوْلِهِمَا (وَكَذَا يَضْمَنُ زَوْجُ امْرَأَةٍ ضَرَبَهَا تَأْدِيبًا)؛ لِأَنَّ تَأْدِيبَهَا لِلْوَلِيِّ كَذَا عَزَاهُ الْمُصَنِّفُ لِشَرْحِ الْمَجْمَعِ لِلْعَيْنِيِّ قُلْت وَهُوَ فِي الْأَشْبَاهِ وَغَيْرِهَا كَمَا قَدَّمْنَاهُ۔ وَفِي دِيَاتِ الْمُجْتَبَى لِلزَّوْجِ وَالْوَصِيِّ كَالْأَبِ تَفْصِيلًا وَخِلَافًا فَعَلَيْهِمُ الدِّيَةُ وَالْكَفَّارَةُ وَقِيلَ رَجَعَ الْإِمَامُ إِلَى قَوْلِهِمَا وَتَمَامُهُ ثَمَّةَ

یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کی طرف رجوع ہے۔ اسی طرح بیوی کا خاوند ضامن ہوگا جس نے ادب سکھانے کے لیے مارا ہو۔ کیونکہ اسے ادب سکھانے کا حق ولی کو حاصل ہے۔ مصنف نے اسی طرح اسے ''عینی'' کی ''شرح المجمع'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ ''الاشباہ'' وغیرہ میں اسی طرح ہے جس طرح ہم اسے بیان کر چکے ہیں۔ ''المجتبیٰ'' کی کتاب الدیات میں ہے: خاوند اور وصی تفصیل اور اختلاف میں باپ کی طرح ہے۔ پس ان پر دیت اور کفارہ لازم ہوگا ایک قول یہ کیا گیا ہے: ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ اس کی مکمل بحث وہاں ہے۔

یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ ضامن نہیں ہوگا۔ ہم ابھی ''خانیہ'' سے اس کی مثل نقل کر چکے ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر رجوع ظاہر ہو جاتا ہے اور اس فرق کی ضرورت نہیں رہتی جو ہم نے ''الولوالجیہ'' سے نقل کیا ہے۔ کتاب الاجارات میں ان کے قول و ضمن بضربھا و کبحھا عن غایۃ البیان کے ہاں گزر چکا ہے کہ اصح یہ ہے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا اس طرح ''بیری'' نے ''کفایۃ المجیب'' سے نقل کیا ہے۔ فتدبر

شوہر ادب سکھانے کے لیے بیوی کو مارے تو وہ ضامن ہوگا

35157۔ (قولہ: لِأَنَّ تَأْدِيبَهَا لِلْوَلِيِّ) یہ تعلیل ظاہر نہیں۔ کیونکہ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ باپ ضامن نہیں ہوگا جب کہ باپ اپنے بیٹے کو مارنے کے ساتھ ضامن ہوتا ہے جب کہ وہ ادب سکھانے کے لیے ایسا کرے جیسا کہ گزر چکا ہے زیادہ ظاہر ''بیری'' کا قول ہے۔ کیونکہ وہ اس کی ذات کے نفع کے لیے ہے۔ قاضی تعزیر لگائے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ مضروب کے نفع کے لیے ہوتی ہے۔ باب التعزیر میں یہ گزر چکا ہے کہ خاوند بیوی کو مارے تو بیوی کے لیے خاوند پر کیا لازم ہوتا ہے۔

35158۔ (قولہ: وَهُوَ) یعنی جو متن میں ہے وہ ''اشباہ'' وغیرہ میں اختلاف سے مطلق مذکور ہے جس طرح ہم اسے متن میں بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ متن کی عبارت اس امر کا فائدہ دیتی ہے کہ خاوند بالاتفاق اس کا ضامن ہوگا۔ ''ابن ملک'' وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے اس تعبیر کی بنا پر ان کا قول وفی دیات المجتبیٰ الخ اس پر استدراک کی طرح ہے، تامل۔

35159۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ ثَمَّةَ) اس میں کہا: اگر اس نے اپنے چھوٹے بیٹے کو بطور تادیب مارا اگر اس نے ایسی جگہ مارا جہاں بطور تادیب نہیں مارا جاتا۔ جتنا تادیب کے لیے مارا جاتا ہے اس سے زائد مارا تو اس پر دیت اور کفارہ لازم ہوگا۔ جب اس نے تادیب کے لیے وہاں مارا جہاں مارا جاتا ہے اور اتنا مارا جتنا مارا جاتا ہے تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حکم اسی طرح ہوگا۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے

فُرُوعٌ ضَرَبَ امْرَأَةً فَأَفْضَاهَا، فَإِنْ كَانَتْ تَسْتَمْسِكُ بَوْلَهَا فَفِيهِ ثُلُثُ الدِّيَةِ، وَإِلَّا فَكُلُّ الدِّيَةِ وَإِنْ افْتَضَّ بِكْرًا بِالزِّنَا فَأَفْضَاهَا

فروع: ایک آدمی نے عورت کو مارا تو اس کو مفضاۃ بنا دیا اگر وہ اپنے بول کو روک سکتی ہو تو اس میں دیت کا ایک تہائی لازم ہوگا ورنہ پوری دیت لازم ہوگی۔ اگر ایک مرد نے باکرہ عورت کی مس کو زنا کے ساتھ توڑا اور اسے مفضاہ بنا دیا

''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ اسی تفصیل اور اختلاف پر مبنی ہوگا وصی اور خاوند جب وہ یتیم یا اپنی بیوی کو ادب سکھانے کے لیے مارے۔ اسی طرح معلم کا حکم ہے جب تعلیم قرآنی یا کسی اور امر کے لیے باپ، وصی کی اجازت سے بچے کو مارے اس قدر مارے جس قدر اس میں مارا جاتا ہے تو اس میں وہ ضامن نہیں ہوگا اور نہ ہی باپ اور نہ ہی وصی ضامن ہوگا اس پر اجماع ہے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے باپ پر دیت اور کفارہ کو واجب کیا ہے اور معلم پر کوئی شے واجب نہیں کی جب باپ کے اذن سے یہ عمل ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا باپ کے حق میں ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کی طرف رجوع ہے۔ اگر معلم نے باپ کی اجازت کے بغیر مارا اور وہ مر گیا تو وہ ضامن ہوگا اور والدہ جب اپنے بچے کو ادب سکھانے کے لیے مارے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ضامن ہوگی اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے مطابق مشائخ میں اختلاف ہے۔ ''منح''۔

اگر کوئی شخص عورت کو مارے اور اسے مفضاۃ بنا دے تو اس کا حکم

35160۔ (قولہ: ضَرَبَ امْرَأَةً فَأَفْضَاهَا) یعنی اس کے پیشاب اور اس کے حیض کے راستہ کو ایک کر دیا یا اس کے حیض اور اس کے براز والے راستہ کو ایک کر دیا اور وطی ضرب کی طرح ہے جس طرح آگے آئے گا اس سے مراد اجنبی عورت ہے۔ جہاں تک بیوی کا تعلق ہے جب وہ اس سے وطی کرے اور اس کو مفضاہ بنا دے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی اگرچہ اس کا بول نہ رکے۔ اور امام ''ابویوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ اجنبی کی طرح ہے۔ ''ابن وہبان'' نے ان کی اس تصریح پر اعتماد کیا ہے کہ دس چیزیں ایسی ہیں جن میں کامل دیت واجب ہوتی ہے ان میں سلسل البول ہے۔ ''شرنبلالی'' نے اس کا رد کیا کہ یہاں کوئی شے نہ ہوگی جب کہ اس مسئلہ کے علاوہ میں یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یعنی کیونکہ یہ ایسے فعل کے ساتھ ہوا جس کی اسے اجازت دی گئی تھی۔ اور طرفین کے قول کی یہ قید لگائی ہے جب وہ بالغ ہو، مختار ہو اور اس کی وطی کی طاقت رکھتی ہو جب کہ وہ اس سے نہ مرے اگرچہ وہ صغیرہ یا مکرہہ ہو یا وہ اس کی طاقت نہ رکھتی ہو تو اس کی دیت موت اور افضاء سے بالاتفاق لازم ہوگی۔ اور اس میں طویل گفتگو ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

35161۔ (قولہ: فَفِيهِ ثُلُثُ الدِّيَةِ) کیونکہ یہ جائفہ زخم ہے، ''ط''۔

35162۔ (قولہ: وَإِلَّا فَكُلُّ الدِّيَةِ) یعنی عورت کی دیت۔ کیونکہ اس نے منفعت کی جنس کو کامل صورت میں فوت کر دیا ہے۔

فَإِنْ مُطَاوِعَةً حُدَّا وَلَا غُرْمَ، وَإِنْ مُكْرَهَةً فَعَلَيْهِ الْحَدُّ وَأَرْشُ الْإِفْضَاءِ لَا الْعُقْرُ حَاوِي الْقُدْسِيِّ۔ قَطَعَ الْحَجَّامُ لَحْمًا مِنْ عَيْنِهِ وَكَانَ غَيْرَ حَاذِقٍ فَعَمِيَتْ فَعَلَيْهِ نِصْفُ الدِّيَةِ أَشْبَاهٌ وَفِي الْقُنْيَةِ سُئِلَ مُحَمَّدٌ نَجْمُ الدِّينِ عَنْ صَبِيَّةٍ سَقَطَتْ مِنْ سَطْحٍ

اگر تو عورت کی رضامندی تھی تو دونوں پر حد جاری کی جائے گی اور کوئی چٹی نہ ہوگی۔ اگر اس عورت کو مجبور کیا گیا تھا تو مرد پر حد اور مفضاہ بنانے کی چٹی ہوگی عقر لازم نہیں ہوگا ''حاوی القدسی''۔ حجام نے اس کی آنکھ سے گوشت کاٹا جب کہ وہ ماہر نہیں تھا تو آنکھ نابینا ہوگئی تو اس پر نصف دیت لازم ہوگی، ''اشباہ''۔ ''قنیہ'' میں ہے: ''محمد نجم الدین'' سے ایک ایسے بچی کے بارے میں پوچھا گیا جو چھت سے گرگئی تھی

35163۔ (قولہ: حُدَّا) یعنی دونوں میں سے ہر ایک پر حد جاری کی جائے گی۔ اور افضاء کی صورت میں اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ عورت اس فعل پر راضی تھی اور حد کے واجب ہونے کی وجہ سے اس کے لیے کوئی مہر نہیں ہوگا۔ اگر ایک آدمی شبہ کا دعویٰ کرے تو اس پر کوئی حد جاری نہیں ہوگی اور افضاء میں کوئی شے نہ ہوگی اور عقر واجب ہوگا۔

35164۔ (قولہ: فَعَلَيْهِ الْحَدُّ) یعنی مرد پر حد ہوگی عورت پر حد نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔

35165۔ (قولہ: وَأَرْشُ الْإِفْضَاءِ) اگر وہ اپنا بول روک سکے تو دیت کا ایک تہائی ہوگا ورنہ پوری دیت ہوگی اور ان کا قول الا العقر اس کی وجہ یہ ہے کہ عقر حد کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔ اس کی مکمل بحث ''طحطاوی'' میں ہے۔

تتمہ: اگر ایک آدمی نے لونڈی کے ساتھ بدکاری کی اور اسے اس کے ساتھ قتل کر دیا تو زنا کی وجہ سے حد اور قتل کی وجہ سے قیمت لازم ہوگی۔ اگر اس کی آنکھ کو ضائع کر دے تو اس کی قیمت اس پر لازم ہو جائے گی اور حد ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ نابینا چیز کا مالک بن چکا ہے۔ پس اس امر نے شبہ پیدا کر دیا اگر وہ اسے مفضاہ بنا دے تو اس کی تفصیل شرح میں ہے۔ اسے شارح نے کتاب الحدود میں باب الشہادۃ علی الزنا سے تھوڑا پہلے ذکر کیا ہے۔

35166۔ (قولہ: فَعَلَيْهِ نِصْفُ الدِّيَةِ) یعنی آنکھ کی دیت کا نصف۔ ''ابوسعود''۔ کیونکہ یہ ماذون فعل سے واقع ہوا ہے۔

میں کہتا ہوں: میرے لیے یہ امر ظاہر ہوا ہے کہ مراد نفس کی دیت کا نصف ہے جو آنکھ کی دیت ہے پھر میں نے ''رحمتی'' کو دیکھا انہوں نے اس کی تفسیر اسی طرح بیان کی ہے اس پر ختان کا آنے والا مسئلہ جو القسامہ سے تھوڑا پہلے ہے دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ جب اسے حکم دیا گیا تا کہ وہ بچے کا ختنہ کرے تو اس نے حشفہ کو قطع کر دیا اور بچہ نہ مرا تو اس پر حشفہ کی کامل دیت لازم ہوگی وہ نفس کی دیت ہے۔ تامل۔

نوٹ: متن میں فانفتح ہے اور شرح میں فانتضخ ہے ترجمہ شرح کے مطابق کیا ہے''۔

35167۔ (قولہ: سُئِلَ مُحَمَّدٌ) لفظ محمد زائد ہے جیسا کہ ''قنیہ'' میں ہے۔

فَانْتَفَخَ رَأْسُهَا فَقَالَ كَثِيرٌ مِنَ الْجَرَّاحِينَ إِنْ شَقَقْتُمْ رَأْسَهَا تَمُوتُ وَقَالَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ إِنْ لَمْ تَشُقُّوهُ الْيَوْمَ تَمُوتُ وَأَنَا أَشُقُّهُ وَأُبْرِئُهَا فَشَقَّهُ فَمَاتَتْ بَعْدَ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ هَلْ يَضْمَنُ؟ فَتَأَمَّلَ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لَا إِذَا كَانَ الشَّقُّ بِإِذْنٍ وَكَانَ الشَّقُّ مُعْتَادًا وَلَمْ يَكُنْ فَاحِشًا خَارِجَ الرَّسْمِ، قِيلَ لَهُ فَلَوْ قَالَ إِنْ مَاتَتْ فَأَنَا ضَامِنٌ هَلْ يَضْمَنُ؟ قَالَ لَا قُلْت إِنَّمَا لَمْ يُعْتَبَرْ شَرْطُ الضَّمَانِ لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ شَرْطَهُ عَلَى الْأَمِينِ بَاطِلٌ عَلَى مَا عَلَيْهِ الْفَتْوَى وَاللهُ أَعْلَمُ

تو اس کے سر میں ورم ہو گیا تو بے شمار جراحین نے کہا اگر تم اس کا سر چیرو گے تو یہ مر جائے گی ان میں سے ایک نے کہا: اگر آج تم اس کا سر نہیں چیرو گے تو یہ مر جائے گی میں اس کا سر چیرتا ہوں اور میں اس کا علاج کرتا ہوں اس نے اس کا سر چیرا تو وہ ایک یا دو دن بعد مر گئی کیا وہ ضامن ہو گا؟ انہوں نے طویل وقت تک سوچ و بچار کیا پھر کہا: نہیں۔ جب اس کا چیرنا اجازت سے ہو اور اس کا چیر معتاد تھا اور وہ زیادہ معمول سے بڑھ کر نہ تھا ان سے عرض کی گئی اگر وہ کہے: اگر یہ مر گئی تو میں ضامن ہوں گا کیا وہ ضامن ہو گا؟ تو کہا: نہیں۔ میں کہتا ہوں: ضمان کی شرط معتبر نہیں ہو گی۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ امین پر اسکا شرط لگانا باطل ہے جس پر فتویٰ ہے۔ واللہ اعلم

35168۔(قولہ: فَانْتَفَخَ) جو لفظ ''قنیہ'' میں ہے وہ فانتفخ ہے یعنی فا سے پہلے تا اور خا نقطہ والی ہے۔

35169۔(قولہ: مَلِيًّا) یعنی طویل وقت۔

35170۔(قولہ: ثُمَّ قَالَ لَا الخ) آنکھ والا مسئلہ جو ابھی گزرا ہے اس کے منافی نہیں کیونکہ یہاں اس نے اس سے تجاوز نہیں کیا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔

35171۔(قولہ: إِذَا كَانَ الشَّقُّ بِإِذْنٍ) اگر اجازت کے بغیر اس نے سر چیرا تو ظاہر یہی ہے کہ قصاص ہو گا اس کی وضاحت کی جائے گی، ''ط''۔

35172۔(قولہ: وَلَمْ يَكُنْ فَاحِشًا) یہ ما قبل کی تفسیر ہے، ''ط''۔

35173۔(قولہ: خَارِجَ الرَّسْمِ) یعنی معمول سے ہٹ کر، ''ط''۔

35174۔(قولہ: قُلْت الخ) اس کا قائل مصنف ہے جنہوں نے ''المنح'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ''رملی'' نے اس پر اعتراض کیا ہے۔ یہ فقہاء کی اصطلاح سے بعید ہے۔ کیونکہ اس پر امانت کے اسم کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ یہ وہ مال ہے جو قبضہ کے اثبات کو قبول کرتا ہے اور اس کو ظاہر روایت قرار دیا ہے اور علت اس کی یہ ہے کہ اس پر قدرت نہیں ہوتی جس طرح مکفول بہ کی شرط ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ الشَّهَادَةِ فِي الْقَتْلِ وَاعْتِبَارِ حَالَتِهِ أَيْ حَالَةِ الْقَتْلِ

(الْقَوَدُ يَثْبُتُ لِلْوَرَثَةِ ابْتِدَاءً بِطَرِيقِ الْخِلَافَةِ) مِنْ غَيْرِ سَبْقِ مِلْكِ الْمُوَرِّثِ، لِأَنَّ شَرْعِيَّةَ الْقَوَدِ لِتَشْفِي الصُّدُورُ وَدَرْكِ الثَّأْرِ وَالْمَيِّتُ لَيْسَ بِأَهْلٍ لَهُ وَقَوْلِهِ تَعَالَى فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا

قتل کی گواہی کے احکام

قصاص ابتداءً وارثوں کے لیے نیابت کے طریقہ پر ثابت ہوتا ہے جب کہ اس سے پہلے مورث کی ملکیت نہیں ہوتی۔ کیونکہ قصاص کی مشروعیت یہ سینوں کی تشفی اور بدلہ لینے کے لیے ہے اور میت اس کی اہل نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''ہم نے مقتول کے وارث کو (قصاص کے مطالبہ کا) حق دے دیا ہے''

یعنی یہ باب ہے اس شہادت کے بارے میں جو قتل کے بارے میں ہوتی ہے اور یہ باب ہے اس بارے میں کہ قتل کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا یعنی اس حالت کے بارے میں جس میں اس کا سبب واقع کیا گیا۔ کیونکہ معتبر رمی کی حالت ہے وصول کی حالت نہیں جس طرح آگے آئے گا۔ جب قتل کے وقوع پذیر ہونے کے بعد بعض اوقات جب اس کا انکار کر دیا جاتا ہے تو قصاص جس کا حق ہوتا ہے وہ گواہیوں کے ساتھ اس کے اثبات کا محتاج ہوتا ہے اور کسی شے کی حالت اس کی صفت ہوتی ہے اور اس کے تابع ہوتی ہے۔ اس کا ذکر اس کے حکم کے بیان کے بعد کیا۔

''طحطاوی'' نے کہا: یہ جان لو کہ قتل خطا اور وہ قتل جو قصاص کو واجب نہیں کرتا اس میں عورتوں کی گواہی قبول کی جاتی ہے اس طرح شہادت پر شہادت اور قاضی کا قاضی کی طرف مکتوب ہے۔ کیونکہ اس کا موجب مال ہے اگر اس پر ایک عادل آدمی قتل کی شہادت دے تو اس کو محبوس کیا جائے گا۔ اگر وہ دوسرا گواہ لے آئے تو ٹھیک ورنہ اس کو آزاد کر دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر دو مستور الحال قتل عمد کی شہادت دیں تو ان کو محبوس کر دیا جائے گا یہاں تک کہ گواہوں کی عدالت ظاہر ہو جائے۔ کیونکہ وہ متہم ہو چکا ہے۔ اسی طرح اظہر قول کے مطابق قتل خطا ہے۔

35175۔ (قولہ: الْقَوَدُ يَثْبُتُ لِلْوَرَثَةِ) ''الخانیہ'' میں کہا: قصاص کا مستحق وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ سے مقرر کردہ حصوں کے مطابق میراث کا مستحق ہوتا ہے اس میں خاوند اور بیوی داخل ہوں گے۔

قصاص کی مشروعیت میں حکمت

35176۔ (قولہ: مِنْ غَيْرِ سَبْقِ مِلْكِ الْمُوَرِّثِ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں خلافت سے مراد وہ ہے جو وراثت کے مقابل ہو ورنہ وراثت بھی خلافت ہے جس طرح علما نے اس کی تصریح کی ہے لیکن وراثت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ مورث کی ملکیت پہلے ثابت ہو۔ اور مورث کے معاف کرنے کے صحیح ہونے سے اعتراض وارد نہیں ہو گا۔ کیونکہ سبب

نَصَّ فِيهِ (وَقَالَا بِطَرِيقِ الْإِرْثِ) كَمَا لَوِ انْقَلَبَ مَالًا وَثَمَرَةُ الْخِلَافِ مَا أَفَادَهُ بِقَوْلِهِ (فَلَا يَصِيرُ أَحَدُهُمْ) أَيْ أَحَدُ الْوَرَثَةِ (خَصْمًا عَنِ الْبَقِيَّةِ) فِي اسْتِيفَاءِ الْقِصَاصِ، خِلَافًا لَهُمَا، وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَا يَمْلِكُهُ الْوَرَثَةُ بِطَرِيقِ الْوِرَاثَةِ فَأَحَدُهُمْ خَصْمٌ عَنِ الْبَاقِينَ وَقَائِمٌ مَقَامَ الْكُلِّ فِي الْخُصُومَةِ، وَمَا يَمْلِكُهُ الْوَرَثَةُ لَا بِطَرِيقِ الْوِرَاثَةِ لَا يَصِيرُ أَحَدُهُمْ خَصْمًا عَنِ الْبَاقِينَ ثُمَّ فَرَّعَ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ فَلَوْ أَقَامَ حُجَّةً بِقَتْلِ أَبِيهِ عَمْدًا مَعَ غَيْبَةِ أَخِيهِ يُرِيدُ الْقَوَدَ

اس میں نص ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: یہ بطریق وراثت ثابت ہے جسے جب وہ مال کی طرف منقلب ہو جائے۔ اختلاف کا ثمرہ وہ ہے جسے انہوں نے اپنے اس قول میں بیان کیا ہے۔ پس وارثوں میں سے کوئی بھی قصاص وصول کرنے میں باقی ماندہ افراد کا خصم نہیں ہوگا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ قاعدہ یہ ہے ہر وہ چیز، وارث جس کے وراثت کے طریقہ پر مالک ہوں تو ان میں سے ایک باقی ماندہ افراد کا خصم ہوگا اور خصومت میں کل کے قائم مقام ہوگا اور وارث جس کے وراثت کے طریقہ پر مالک نہ ہوں تو ان میں سے ایک باقی ماندہ افراد کا خصم نہیں ہوگا۔ پھر اس ضابطہ پر اپنے اس قول سے تفریع بیان کی ہے اگر وہ اپنے باپ کے عمداً قتل پر حجت قائم کرے ساتھ ہی اپنے بھائی کے غائب ہونے کا ذکر کرے اور وہ قصاص لینے کا ارادہ رکھتا ہے

اس کے لیے منعقد ہوا ہے۔ اس وجہ سے ''اتقانی'' نے کہا ہے: یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ابتداءً وارثوں کا حق ہے اس حیثیت سے کہ یہ تشفی اور بدلہ پانے کے لیے مشروع ہوا ہے۔ کیونکہ اس سے نفع نہیں اٹھا سکتا اور میت کا حق اس حیثیت سے کہ یہ نفس کا بدل ہے۔ اسی وجہ سے یہ اس مال کی طرف منقلب ہو گیا ہے جس کے ساتھ اس کے دیون ادا کیے جاتے ہیں اور اس سے اس کی وصیتیں پوری کی جاتی ہیں۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ آنے والی تفریعات اور خلافت کی ایسی چیز سے تفسیر جس کا ذکر کیا گیا ہے یہ پہلی حیثیت کے اعتبار سے ہے اور مورث کے معاف کرنے کا صحیح ہونا یہ دوسری حیثیت کے اعتبار سے ہے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے فتنہ و فساد کو دور کرنے کے لیے حیلہ کو اختیار کرتے ہوئے دونوں حیثیتوں کا اعتبار کیا ہے جس طرح ''طوری'' نے اس کو ثابت کیا ہے۔

35177_(قولہ: نَصَّ فِيهِ) کیونکہ (آیت کریمہ میں) لام تملیک کے لیے ہے اللہ تعالیٰ نے ولی کو اس آدمی کے قتل کے بعد غلبہ (تسلط) کا مالک بنایا ہے۔ اس میں ہے کہ تسلط بعض اوقات ابتداءً اس کے لیے حق کے ثبوت کے لیے ہوتا ہے اور بعض اوقات حق مورث کی جانب سے اس کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ پس آیت نص نہ ہوگی۔

35178_(قولہ: كَمَا لَوِ انْقَلَبَ مَالًا) یعنی اس کی صورت یہ ہے کہ صلح ہو جائے یا بعض وارث اس کو معاف کر دیں۔

35179_(قولہ: أَحَدُهُمْ خَصْمًا عَنِ الْبَاقِينَ) کیونکہ وہ تمام حق اپنے علاوہ دوسرے فرد کے لیے ثابت کرتا ہے وہ میت ہے۔ پس باقی ماندہ افراد کے لیے ثابت کرے گا جو اس کے بعد ذکر کیا گیا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ وہ نہ اپنے

لَا يُقَيَّدُ إِجْمَاعًا حَتَّى يَحْضُرَ الْغَائِبُ لَكِنَّهُ يُحْبَسُ؛ لِأَنَّهُ صَارَ مُتَّهَمًا فَإِنْ حَضَرَ الْغَائِبُ يُعِيدُهَا ثَانِيًا لِيَقْتُلَا الْقَاتِلَ وَقَالَا لَا يُعِيدُ وَفِي الْقَتْلِ الْخَطَأِ وَالدَّيْنِ لَا يَحْتَاجُ إِلَى إِعَادَةِ الْبَيِّنَةِ بِالْإِجْمَاعِ لِمَا مَرَّ فَلَوْ بَرْهَنَ عَلَى الْقَاتِلِ عَلَى عَفْوِ الْغَائِبِ فَالْحَاضِرُ خَصْمٌ لِانْقِلَابِهِ مَالًا وَسَقَطَ الْقَوَدُ وَكَذَا لَوْ قَتَلَ عَبْدَهُمَا عَمْدًا أَوْ خَطَأً وَالْحَالُ

تو بالا جماع اس سے قصاص نہیں لے گا یہاں تک کہ غائب حاضر ہو لیکن اس کو محبوس کر دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ مدعی علیہ متہم ہو چکا ہے اگر غائب آ جائے تو دوبارہ حجت قائم کرے تا کہ دونوں مل کر قاتل کو قتل کریں۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: وہ دوبارہ حجت قائم نہیں کرے گا قتل خطا اور دین میں وہ دوبارہ گواہیاں پیش کرنے کا محتاج نہیں ہوگا اس پر اجماع ہے۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔ اگر قاتل نے غائب کے معاف کر دینے پر گواہیاں قائم کر دیں تو حاضر خصم ہوگا۔ کیونکہ وہ اب مال بن چکا ہے اور قصاص ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر وہ دو افراد کے غلام کو عمداً یا خطاً قتل کر دے حال یہ ہے

لیے حق کو ثابت کرتا ہے اور نہ ہی غیر کے حق کو ثابت کرتا ہے،'' ط''۔

35180۔ (قولہ: لَا يُقَيَّدُ) یہ لفظ یا کے ضمہ کے ساتھ ہے: یہ اقاد الامیر القاتل سے مشتق ہے۔ معنی ہے اس کو قصاص کے طور پر قتل کر دیا۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ گواہیاں قبول کی جائیں گی مگر جب تک غائب حاضر نہیں ہوگا بالاجماع قصاص کا فیصلہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ قصاص کا مقصود پورا پورا حق لینا ہے اور حاضر بالاجماع اس پر قادر نہیں جس طرح ''کفایہ'' میں ہے۔

35181۔ (قولہ: وَفِي الْقَتْلِ الْخَطَأِ) یعنی جب اس کے باپ کو غلطی سے قتل کیا گیا اور اس رہن میں جو اس کے باپ کا دوسرے شخص پر ہوا گر حاضر اس پر حجت قائم کر دے تو غائب دوبارہ حجت قائم نہیں کرے گا۔ جب وہ حاضر ہوگا کیونکہ مال وارثوں کے لیے بطور ہلاکت ثابت ہوتا ہے۔ یہ سب علماء کے نزدیک ہے۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ حاضر اور غائب کے لیے قاضی ایک ہے۔ اگر وہ اس میں سے اپنے حصہ کو ثابت کرے یا قاضی متعدد ہوں تو وہ دوبارہ حجت قائم کرے گا بے شک دین کو خاص کیا۔ کیونکہ زمین کے لیے دوبارہ حجت قائم کرنے میں اختلاف ہے اگرچہ اصح یہی ہے کہ دوبارہ حجت قائم نہیں کرے گا جس طرح ''عمادیہ'' میں ہے۔ ''قہستانی''۔

35182۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی جو قاعدہ گزر چکا ہے۔

35183۔ (قولہ: فَالْحَاضِرُ خَصْمٌ) کیونکہ اس نے حاضر پر حق کا دعویٰ کیا وہ قصاص میں اس کے حق کا سقوط اور اس کا مال بن جانا ہے اور وہ اس کے اثبات پر قادر نہ ہو تو وہ غائب کی جانب سے معافی کو ثابت کر سکتا ہے کہ وہ اس کی جانب سے خصم ہے جب اس حاضر پر فیصلہ کر دیا جائے گا تو حاضر کے خلاف بھی تبعاً فیصلہ کر دیا جائے گا۔ '' زیلعی''۔

35184۔ (قولہ: وَسَقَطَ الْقَوَدُ) یعنی اگرچہ غائب آئے اور معافی کا انکار کرے اور اس کا حق دیت کا نصف ہوگا۔

أَيْ السَّيِّدَيْنِ أَحَدُهُمَا غَائِبٌ فَهُوَ عَلَى التَّفْصِيلِ السَّابِقِ (وَلَوْ أُخْبِرَ وَلِيًّا قَوَدٍ بِعَفْوِ أَخِيهِمَا) الثَّالِثِ (فَهُوَ) أَيْ إِخْبَارُهُمَا (عَفْوٌ لِلْقِصَاصِ مِنْهُمَا) عَمَلًا بِزَعْمِهِمَا وَهِيَ رُبَاعِيَّةٌ فَالْأَوَّلُ (إِنْ صَدَّقَهُمَا) أَيْ الْمُخْبِرَيْنِ (الْقَاتِلَ وَالْأَخُ) الشَّرِيكُ (فَلَا شَيْءَ لَهُ) أَيْ لِلشَّرِيكِ عَمَلًا بِتَصْدِيقِهِ (وَلَهُمَا ثُلُثَا الدِّيَةِ وَ) الثَّانِي

کہ دو آقاؤں میں سے ایک غائب ہے تو یہ معاملہ سابقہ تفصیل پر مبنی ہوگا اگر قصاص کے دو ولی یہ خبر دیں کہ ان دونوں کے تیسرے بھائی نے قصاص معاف کر دیا ہے تو یہ خبر دینا ان دونوں کی جانب سے قصاص کو معاف کرنا ہے۔ یہ ان دونوں کے گمان پر عمل کرنے کی بنا پر ہے جب کہ اس کی چار صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے اگر دونوں خبر دینے والوں کی تصدیق قاتل اور بھائی جو شریک ہے کر دیں تو تصدیق کرنے پر عمل کرتے ہوئے ایک کے لیے کوئی شے نہ ہوگی اور ان دونوں کے لیے میت کا دو تہائی ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے

35185۔ (قولہ: فَهُوَ عَلَى التَّفْصِيلِ السَّابِقِ) پس ان گواہیوں کو قبول نہ کیا جائے گا جنہیں حاضر نے قائم کیا جب کہ غائب کے لوٹ آنے کے بعد ان کا اعادہ نہیں ہوگا۔ اگر قاتل نے گواہیاں قائم کیں کہ غائب نے اسے معاف کر دیا تو حاضر خصم ہوگا اور قصاص ساقط ہو جائے گا۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ مسئلہ ان تمام صورتوں میں جن کا ذکر کیا گیا ہے پہلے کی مثل ہوگا مگر جب قتل عمداً ہو یا خطأ ہو تو حاضر بالاجماع غائب کی جانب سے خصم نہیں ہوگا دونوں کا فرق سب میں ہوگا۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا خطا میں قول یہ ہے کہ وارثوں میں سے ایک باقیوں کا خصم ہوگا دو آقاؤں میں سے ایک اس طرح نہ ہوگا، ''زیلعی''۔

اگر قصاص کے دو ولی تیسرے کی طرف سے معافی کی خبر دیں تو اس کی صورتیں

35186۔ (قولہ: وَلَوْ أُخْبِرَ الخ) اخبار کے ساتھ اس کو تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ یہ چاروں وجوہ کو جامع ہے۔ شہادت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت میں صرف تیسری وجہ میں پائی جاتی ہے جس طرح ''ابن کمال'' نے اسے بیان کیا ہے۔

35187۔ (قولہ: عَفْوٌ لِلْقِصَاصِ مِنْهُمَا) قصاص کی قید لگائی کیونکہ یہ دونوں کی جانب سے مال کی معافی نہیں مگر بعض صورتوں میں مال کی معافی ہے جس طرح تو پہچانتا ہے۔

35188۔ (قولہ: عَمَلًا بِزَعْمِهِمَا) کیونکہ دونوں نے یہ گمان کیا کہ تیسرے نے معاف کر دیا ہے اور بعض کے معاف کرنے سے قصاص ساقط ہو گیا ہے۔

35189۔ (قولہ: وَهِيَ رُبَاعِيَّةٌ) یعنی اس کی وجوہ چار ہیں۔

35190۔ (قولہ: وَلَهُمَا ثُلُثَا الدِّيَةِ) کیونکہ ان دونوں کا حصہ مال بن چکا ہے، ''درر''۔

35191۔ (قولہ: وَ الثَّانِي إِنْ كَذَّبَهُمَا) ''رملی'' نے کہا: مصنف کی متن اور شرح میں تحریر اسی طرح ہے صحیح کذباھما ہے۔

(إِنْ كَذَّبَهُمَا فَلَا شَيْءَ لِلْمُخْبِرَيْنِ وَلِأَخِيهِمَا ثُلُثُ الدِّيَةِ وَ) الثَّالِثُ (إِنْ صَدَّقَهُمَا الْقَاتِلُ وَحْدَهُ فَلِكُلٍّ مِنْهُمَا ثُلُثُهَا وَ) الرَّابِعُ (إِنْ صَدَّقَهُمَا الْأَخُ فَقَطْ فَلَهُ ثُلُثُهَا) لِأَنَّ إِقْرَارَهُ ارْتَدَّ بِتَكْذِيبِ الْقَاتِلِ إِيَّاهُ فَوَجَبَ لَهُ ثُلُثُ الدِّيَةِ (وَ) لَكِنَّهُ (يُصْرَفُ ذَلِكَ إِلَى الْمُخْبِرَيْنِ) اسْتِحْسَانًا

اگر ان دونوں کو جھٹلا دے تو خبر دینے والوں کے لیے کوئی شے نہ ہوگی اور دونوں بھائیوں کے لیے دیت کا ایک تہائی ہوگا۔ اور تیسری صورت یہ ہے اگر صرف قاتل ان دونوں کی تصدیق کرے تو دونوں میں سے ہر ایک کے لیے دیت کا ایک تہائی ہوگا۔ اور چوتھی صورت یہ ہے اگر صرف بھائی ان دونوں کی تصدیق کرے تو اس کے لیے دیت کا ایک تہائی ہوگا۔ کیونکہ اس کا اقرار رد ہو گیا جب قاتل نے اس کو جھٹلا دیا تو اس کے لیے دیت کا ایک تہائی ثابت ہو جائے گا لیکن اسے دونوں خبر دینے والوں کی طرف بطور استحسان پھیر دیا جائے گا۔

35192۔ (قولہ: فَلَا شَيْءَ لِلْمُخْبِرَيْنِ) کیونکہ ان دونوں نے خبر دینے کے ساتھ قصاص میں اپنے حق کو ساقط کر دیا پس وہ مال بن گیا اور ان کا کوئی مال نہیں۔ کیونکہ قاتل اور شریک نے ان کو جھٹلا دیا، ''درر''۔

35193۔ (قولہ: وَلِأَخِيهِمَا ثُلُثُ الدِّيَةِ) کیونکہ ان دونوں کا دعویٰ معاف کرنا ہے جب کہ وہ اس کا انکار کرتا ہے یہ اس کے قائم مقام ہے کہ اس کے حق میں ان دونوں کی جانب سے معافی کی ابتدا ہوئی ہے۔ پس اس کا حصہ مال ہو جائے گا، ''ابن کمال''۔

35194۔ (قولہ: وَحْدَهُ) یعنی صرف قاتل نے تصدیق کی اس بھائی نے تصدیق نہیں کی جو شریک تھا۔

35195۔ (قولہ: فَلِكُلٍّ مِنْهُمَا ثُلُثُهَا) کیونکہ قاتل نے جب دونوں کی تصدیق کی تو اس نے دونوں کے حق میں دیت کے دو تہائی کا اقرار کیا۔ پس یہ لازم ہوگا اور اس نے معاف کرنے کے ساتھ تیسرے کے حق کو باطل کرنے کا دعویٰ کیا اور تیسرے نے اس کی تصدیق نہ کی۔ پس وہ مال میں متغیر ہو گیا پس وہ قاتل اس تیسرے کو ادا کرے، ''درر''۔

35196۔ (قولہ: إِنْ صَدَّقَهُمَا الْأَخُ فَقَطْ) یعنی اور قاتل نے ان دونوں کو جھٹلا دیا۔

35197۔ (قولہ: لِأَنَّ إِقْرَارَهُ الخ) یعنی یہ اعتراض نہیں کیا جائے گا کہ اس نے اقرار کیا کہ وہ قاتل پر کسی شے کا مستحق نہیں۔ کیونکہ اس نے قاتل کے حق میں عفو کا اقرار کر لیا ہے تو اس کے لیے کیسے تہائی واجب ہوگا۔

35198۔ (قولہ: فَوَجَبَ لَهُ ثُلُثُ الدِّيَةِ) اور دو تہائی ساقط ہو جائیں۔ کیونکہ قاتل نے ان دونوں کو جھٹلا دیا ہے۔ جب تیسرے نے معافی کا اقرار کر لیا تو قصاص واقع نہیں ہوگا، ''ط''۔

35199۔ (قولہ: وَلَكِنَّهُ يُصْرَفُ ذَلِكَ إِلَى الْمُخْبِرَيْنِ) کیونکہ بھائی نے معافی کا گمان کیا کیونکہ ان خبر دینے والوں کی تصدیق کی اور اس لیے کہ قاتل پر اس کے حق میں کوئی شے لازم نہ ہوگی بے شک قاتل کے ذمہ ان دونوں کے حق میں دیت کا دو تہائی ہوگا۔ اور اس کے قبضہ میں جو کچھ ہے وہ قاتل کا مال ہے جب کہ وہ ان دونوں کے حق کی جنس میں سے

وَهُوَ الْأَصَحُّ زَيْلَعِيٌّ لِأَنَّهُ صَارَ مُقِرًّا لَهُمَا بِمَا أَقَرَّ لَهُ بِهِ الْقَاتِلُ (وَإِنْ شَهِدَ أَنَّهُ ضَرَبَهُ بِشَيْءٍ جَارِحٍ فَلَمْ يَزَلْ صَاحِبُ فِرَاشٍ حَتَّى مَاتَ يُقْتَصُّ) لِأَنَّ الثَّابِتَ بِالْبَيِّنَةِ كَالثَّابِتِ مُعَايَنَةً

یہی قول اصح ہے''زیلعی''۔ کیونکہ اس نے ان دونوں کے لیے اسی چیز کا اقرار کیا ہے جس کا قاتل نے ان کے لیے اقرار کیا ہے۔ اگر اس نے گواہی دی کہ اس نے زخمی کرنے والی شے سے اسے مارا اور وہ لگا تار صاحب فراش رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ کیونکہ جو گواہیوں سے ثابت ہو وہ آنکھوں دیکھی چیز کے ثابت ہونے کی طرح ہے

ہے۔ پس اس کو ان دونوں کی طرف پھیر دیا جائے گا قیاس تو یہ ہے کہ اس پر کوئی شے لازم نہ ہو۔ کیونکہ دونوں نے قاتل پر مال کا دعویٰ کیا ہے اور قاتل منکر ہے۔ پس وہ مال ثابت نہ ہوگا اور قاتل نے بھائی کے حق میں جس چیز کا اقرار کیا ہے تو بھائی کے معاف کرنے کے اقرار کے ساتھ وہ باطل ہو چکا ہے۔ کیونکہ یہ قاتل کو جھٹلاتا ہے۔ استحسان کی دلیل یہ ہے قاتل نے جب دونوں خبر دینے والوں کو جھٹلانے کے ساتھ بھائی کے لیے دیت کی ایک تہائی کا اقرار کیا۔ کیونکہ اس کا یہ گمان ہے کہ قصاص ساقط ہو چکا ہے۔ کیونکہ دونوں نے یہ خبر دی ہے کہ اس نے معاف کر دیا ہے یہ ان دونوں کی جانب معاف کرنے کی ابتدا کی ہے مقرلہ نے حقیقت میں قاتل کو نہیں جھٹلایا بلکہ وجوب کو اس کے علاوہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کی مثل میں اقرار رد نہیں ہوتا جس طرح ایک آدمی نے کہا: فلاں کے مجھ پر سو ہیں تو مقرلہ نے کہا: وہ میرے نہیں لیکن وہ فلاں کے ہیں تو مال دوسرے مقرلہ کے لیے ہوگا اسی طرح یہاں ہے،''درر''، موضحا۔

35200۔(قولہ: وَهُوَ الْأَصَحُّ زَيْلَعِيٌّ) اس کی عبارت ہے:''جامع صغیر'' میں ہے: یہ ایک تہائی دو موجود افراد کے لیے ہوگا مشہود علیہ کے لیے نہیں ہوگا۔ یہی قول اصح ہے۔ الخ۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اصح کا مقابل یہ ہے کہ وہ اس بھائی کے لیے ہو جو مشہود علیہ ہے۔

اسلحہ کے ساتھ وار کرنے کی گواہی سے لامحالہ عمد ثابت ہوتا ہے

35201۔(قولہ: يُقْتَصُّ) یہ اعتراض نہیں کیا جائے گا کہ اسلحہ کے ساتھ وار بعض اوقات قتل خطا ہوتا ہے تو قصاص کس طرح واجب ہوگا۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں جب انہوں نے اسلحہ کے ساتھ وار کرنے کی گواہی دی تو لامحالہ عمد ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ خطا ہوتو وہ کہتے: اس نے اس کے علاوہ کا قصد کیا پس وہ اس کو جا لگا۔

''شرح الکافی'' میں کہا: یہ نہیں چاہیے کہ گواہوں سے پوچھا جائے کہ وہ اس ضرب سے مرا یا اس سے نہیں مرا۔ اس طرح جب وہ گواہی دیں کہ اس نے تلوار ماری یہاں تک کہ وہ مر گیا اگرچہ وہ عمداً ذکر نہ کریں۔ کیونکہ عمد حقیقت میں دل کا قصد و ارادہ ہوتا ہے یہ باطنی امر ہے جس پر آگاہی نہیں ہو سکتی۔ لیکن دلیل سے اس کو پہچانا جا سکتا ہے وہ ایسے آلہ سے ضرب لگانا ہے جو عام طور پر قتل کر دیتا ہے اگر وہ اس امر کی گواہی دیں کہ اس نے اس کو جان بوجھ کر قتل کیا ہے اور وہ مر گیا ہے تو یہ زیادہ احتیاط کا حامل ہے،''اتقانی''۔

وَلَا يَحْتَاجُ الشَّاهِدُ أَنْ يَقُولَ إِنَّهُ مَاتَ مِنْ جِرَاحَتِهِ بَزَّازِيَّةٌ (وَإِنْ اخْتَلَفَ شَاهِدَا قَتْلٍ فِي زَمَانٍ أَوْ فِي الْمَكَانِ أَوْ فِي آلَتِهِ أَوْ قَالَ أَحَدُهُمَا قَتَلَهُ بِعَصًا وَقَالَ الْآخَرُ لَمْ أَدْرِ بِمَاذَا قَتَلَهُ أَوْ شَهِدَ أَحَدُهُمَا عَلَى مُعَايَنَةِ الْقَتْلِ وَالْآخَرُ عَلَى إِقْرَارِ الْقَاتِلِ بِهِ بَطَلَتْ)؛

اور شاہد اس امر کا محتاج نہیں ہوگا کہ وہ کہے کہ وہ اس کے زخم سے مرا ہے، ''بزازیہ''۔ اگر قتل کے دو گواہوں نے زمانہ، مکان یا آلہ میں اختلاف کیا یا دونوں میں سے ایک نے کہا: اس نے اسے ڈنڈے کے ساتھ قتل کیا اور دوسرے نے کہا: میں نہیں جانتا کہ اس نے کس کے ساتھ قتل کیا ہے یا دونوں میں سے ایک نے قتل کو آنکھوں سے دیکھنے کے بارے میں گواہی دی اور دوسرے نے قاتل کے قتل کے اقرار پر گواہی دی تو گواہی باطل ہو جائے گی

''رملی'' نے کہا: پہلی جنایت یہ اس امر میں صریح ہے کہ زخمی کرنے والے آلہ کے ساتھ جب گواہوں کے ساتھ قتل ثابت ہو جائے تو اس کے بعد قاتل کا یہ قول قبول نہیں کیا جائے گا میں نے اس کا قصد نہیں کیا اگر وہ یہ اقرار کرے میں نے اس کے علاوہ کا قصد کیا تھا۔ کیونکہ اس کی جانب سے وہ مطلقاً ثابت ہو گیا اس میں عمدیت اور خطییت کی کوئی قید نہیں۔ پس اس کے ساتھ اس کو قبول کیا جائے گا جس کا اس نے اقرار کیا ہے اور اسے ادنیٰ پر محمول کیا جائے گا۔

''تاتر خانیہ'' میں کہا: ''مجرد'' میں ''حسن بن زیاد'' نے امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے اقرار کیا ہے۔ اگر اس نے یہ اقرار کیا کہ اس نے فلاں کو لوہے یا تلوار سے قتل کیا ہے۔ پھر اس نے کہا: میں نے اس کے علاوہ کا اقرار کیا ہے تو میں نے اس کو قتل کر دیا تو اس سے یہ قول قبول نہ کیا جائے گا اور اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: جب اس نے کہا: میں نے فلاں کو تلوار ماری تو میں نے اس کو قتل کر دیا کہا: یہ قتل خطا ہے یہاں تک کہ وہ کہے عمداً ملخص۔

میں کہتا ہوں: شہادت اور اقرار میں فرق یہ دوسری روایت پر ظاہر ہوگا پہلی روایت پر ظاہر نہیں ہوگا، تامل۔

35202۔ (قولہ: وَلَا يَحْتَاجُ الشَّاهِدُ الخ) کیونکہ موت جب ایسے سبب کے بعد واقع ہو جو اس کی صلاحیت رکھتا ہے کہ موت کو اس کی طرف منسوب کیا جائے نہ کہ کسی اور سبب کی طرف منسوب کی جائے جب ظاہر میں کوئی دوسرا سبب نہ ہو اگرچہ احتمال موجود ہو۔ کیونکہ خلاف ظاہر کے احتمال کا احکام میں اعتبار نہیں کیا جاتا، ''اتقانی''۔

اگر قتل کے دو گواہوں میں زمان، مکان یا آلہ میں اختلاف ہو جائے تو گواہی باطل ہو گی

35203۔ (قولہ: أَوْ فِي الْمَكَانِ) یعنی مکان جو ایک دوسرے سے دور ہو اگر وہ قریب قریب ہو جس طرح ایک کمرہ ہے ان دونوں میں سے ایک کہتا ہے: میں نے اسے دیکھا اس نے اس جانب سے اسے قتل کیا ہے اور دوسرے نے گواہی دی میں نے اسے دیکھا اس نے اس کو دوسری جانب سے قتل کیا۔ پس اس کو قبول کیا جائے گا۔ ''ولوالوالجیہ''۔

35204۔ (قولہ: أَوْ فِي آلَتِهِ) اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک نے کہا: اس نے اس عصا کے ساتھ قتل کیا

لِأَنَّ الْقَتْلَ لَا يَتَكَرَّرُ (وَكَذَا) تَبْطُلُ الشَّهَادَةُ (لَوْ كَمَّلَ النِّصَابَ فِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا) لِتَيَقُّنِ الْقَاضِي بِكَذِبِ أَحَدِ الْفَرِيقَيْنِ وَلَا أَوْلَوِيَّةَ (وَلَوْ كَمَّلَ أَحَدُ الْفَرِيقَيْنِ دُونَ الْآخَرِ قُبِلَ الْكَامِلُ مِنْهُمَا)

کیونکہ قتل متکرر نہیں ہوتا۔ اگر دونوں میں سے ہر ایک میں نصاب شہادت مکمل ہو جائے تو اسی طرح شہادت باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ قاضی کو دونوں فریقوں میں سے ایک کے جھوٹ کا یقین ہے اور کوئی اولویت نہیں پائی جا رہی۔ اگر دونوں فریقوں میں سے ایک دوسرے کے بغیر نصاب شہادت مکمل کر دے تو ان دونوں میں سے جس کا نصاب کامل ہوگا اس کو قبول کر لیا جائے گا۔

اور دوسرے نے اسے کہا اس نے اسے تلوار کے ساتھ قتل کیا ہے۔ ''خزانہ'' میں کہا: اگر دونوں میں سے ایک نے تلوار سے قتل کا ذکر کیا اور دوسرے نے چھری سے قتل کا ذکر کیا تو یہ جائز نہیں ہوگا اگر دونوں گواہیاں اس کے اقرار کی ہوں تو یہ جائز ہوگا اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ شہادت کے باطل ہونے کی وجہ محض اختلاف ہے نہ یہ دونوں میں سے ایک کی شہادت کا موجب عمد ہے اور دوسرے کی شہادت کا موجب خطا ہے ''عزمیہ''۔

35205۔ (قولہ: لِأَنَّ الْقَتْلَ لَا يَتَكَرَّرُ) یہ زمان، مکان یا آلہ میں جو اختلاف ہے اس میں ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ تینوں میں سے ہر ایک میں دو گواہوں میں سے ایک نے اس میں قتل کی شہادت دی اور دوسرے نے دوسری چیز کے ساتھ قتل کی شہادت دی اس سے مشہود بہ دونوں کا اختلاف لازم آئے گا۔ جہاں تک چوتھی صورت کا تعلق ہے تو علت یہ ہے کہ ان دونوں سے ایک نے شبہ عمد کی شہادت دی اور دوسرے نے مطلق قتل کی شہادت دی جو عمد شبہ عمد اور خطا کا احتمال رکھتا ہے تو مشہود بہ میں ان کا اتفاق ثابت نہیں۔ یہی صورتحال پانچویں میں ہے ان دونوں میں سے ایک فعل اور دوسرا قول پر گواہی دیتا ہے اگر وہ کہتے: لاختلاف المشہود بہ تو یہ سب کو جامع ہو جاتا۔

35206۔ (قولہ: وَكَذَا تَبْطُلُ الشَّهَادَةُ الخ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ شہادت پانچوں صورتوں میں باطل ہو جائے گی جب کہ ''زیلعی'' نے اسے صرف پہلی تین صورتوں کے بعد ذکر کیا ہے۔ اس کے ساتھ وہ علت ظاہر ہو جاتی ہے جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ ہر فریق نے ایک اور قتل کی گواہی دی ہے اور قتل متکرر نہیں ہوتا۔ پس دونوں فریقوں میں سے ایک کے جھوٹ بولنے کا یقین حاصل ہو جائے گا۔ جہاں تک چوتھی اور پانچویں صورت کا تعلق ہے تو وہ ظاہر نہیں، فتدبر۔

35207۔ (قولہ: وَلَا أَوْلَوِيَّةَ) کیونکہ دونوں گواہیوں میں سے کوئی بھی قبولیت میں دوسری سے بڑھ کر نہیں۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب دونوں ایک کے بارے میں حکم سے پہلے متعارض ہوں ورنہ دوسری گواہی سنی ہی نہ جائے گی۔ کیونکہ دونوں گواہیاں متعارض ہیں جب دونوں میں سے ایک کے بارے میں حکم سبقت لے جائے تو دوسری لغو ہو جائے گی۔

35208۔ (قولہ: وَلَوْ كَمَّلَ أَحَدُ الْفَرِيقَيْنِ) یعنی نصاب شہادت ایک جانب سے دوسری جانب کے بغیر مکمل ہو گیا۔

لِعَدَمِ الْمُعَارِضِ (وَلَوْ شَهِدَا) بِقَتْلِهِ (وَقَالَا جَهِلْنَا آلَتَهُ تَجِبُ الدِّيَةُ فِي مَالِهِ) فِي ثَلَاثِ سِنِينَ شُرُنْبُلَالِيَّةٌ اسْتِحْسَانًا حَمْلًا عَلَى الْأَدْنَى وَهُوَ الدِّيَةُ وَكَانَتْ فِي مَالِهِ؛ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي الْفِعْلِ الْعَمْدُ (وَإِنْ أَقَرَّ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا) أَيْ مِنَ الرَّجُلَيْنِ (أَنَّهُ قَتَلَهُ وَقَالَ الْوَلِيُّ قَتَلْتُمَاهُ جَمِيعًا لَهُ قَتْلُهُمَا) عَمَلًا بِإِقْرَارِهِمَا (وَلَوْ كَانَ مَكَانَ الْإِقْرَارِ) وَالْمَسْأَلَةُ بِحَالِهَا (شَهَادَةٌ لَغَتْ) الشَّهَادَتَانِ لِأَنَّ التَّكْذِيبَ تَفْسِيقٌ وَفِسْقُ الشَّاهِدِ يُبْطِلُ شَهَادَتَهُ أَمَّا فِسْقُ الْمُقِرِّ لَا يُبْطِلُ الْإِقْرَارَ (وَلَوْ قَالَ) الْوَلِيُّ (فِي) صُورَةِ (الْإِقْرَارِ) السَّابِقَةِ صَدَقْتُمَا

کیونکہ معارض نہیں پایا گیا۔ اگر دو نے اس کے قتل کی گواہی دی اور دونوں کہیں ہم اس کے آلہ سے جاہل ہیں تو اس کے مال میں دیت واجب ہوگی جو تین سالوں میں ادا کرنا ہوگی ''شرنبلالیہ''۔ یہ بطور استحسان ہے جب کہ یہ ادنیٰ پر محمول ہوگی جو دیت ہے اور وہ دیت اس کے مال میں لازم ہوگی۔ کیونکہ اصل (قصاص) فعل عمد میں واقع ہوتا ہے۔ اگر دونوں آدمیوں میں سے ہر ایک نے یہ اقرار کیا کہ اس نے دونوں کو قتل کیا اور ولی نے کہا: تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے تو ولی کو حق حاصل ہوگا کہ ان دونوں کو قتل کر دے۔ یہ حکم ان دونوں کے اقرار کی وجہ سے ہوگا۔ اگر اقرار کی جگہ شہادت ہو جب کہ مسئلہ اپنی حالت پر ہو تو دونوں شہادتیں لغو چلی جائیں گی۔ کیونکہ تکذیب کرنا یہ اس کو فاسق قرار دینا ہے اور شاہد کا فسق اس کی شہادت کو باطل کر دیتا ہے۔ جہاں تک مقر کا فسق ہے یہ اقرار کو باطل نہیں کرتا۔ اگر ولی نے اقرار کی سابقہ صورت میں کہا: تم دونوں نے سچ کہا ہے

35209۔ (قولہ: اسْتِحْسَانًا) قیاس یہ ہے کہ شہادت کو قبول نہ کیا جائے۔ کیونکہ فعل آلہ کے مختلف ہو جانے سے مختلف ہو جاتا ہے۔ پس مشہود بہ مجہول ہو جائے گا ''ہدایہ''۔

35210۔ (قولہ: حَمْلًا عَلَى الْأَدْنَى) کیونکہ انہوں نے مطلق قتل کی شہادت دی اور مطلق مجمل نہیں۔ پس اس کے دونوں حکموں میں سے جو اقل ہے وہ واجب ہوگا جو دیت ہے اور ان کے قول لانڈری کو غفلت پر محمول نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے محمول کیا جائے گا کہ انہوں نے اس کو ساقط کرنے کی کوشش کی۔ عقوبات میں جو مندوب ہے یہ ان دونوں کے بارے میں حسن ظن کے اعتبار سے ہے، ''عینی''۔

35211۔ (قولہ: لَغَتْ) مگر جب ولی دونوں گواہوں میں سے ایک کی تصدیق کر دے جس طرح آگے آئے گا، ''ط''۔ یعنی مصنف کے قول میں آئے گا جس طرح اگر وہ دونوں مشہود علیہ میں سے ایک کہے یعنی اسے کہا: تو نے اس کو قتل کر دیا ہے۔

شاہد کا فسق اس کی شہادت کو باطل کر دیتا ہے جب کہ مقر کا فسق اقرار کو باطل نہیں کرتا

35212۔ (قولہ: لِأَنَّ التَّكْذِيبَ تَفْسِيقٌ) کیونکہ ان کا قول قتلتماہ یہ بعض مشہود بہ میں گواہوں کی تکذیب ہے۔ کیونکہ دونوں نے قتل میں اشتراک کا دعویٰ کیا ہے۔ گویا اس نے کہا: وہ اس کے قتل میں منفرد نہیں۔ بلکہ دوسرا اس کے ساتھ شریک ہے تکذیب کی اتنی مقدار شہادت کے قبول کرنے کے مانع ہے۔ کیونکہ اس نے اس کے ساتھ ان کے فسق کا دعویٰ کیا ہے نہ کہ اقرار کے قبول کرنے کے مانع ہے، ''زیلعی''۔

(لَيْسَ لَهُ أَنْ يَقْتُلَ وَاحِدًا مِنْهُمَا) لِأَنَّ تَصْدِيقَهُ بِانْفِرَادِ كُلٍّ بِقَتْلِهِ وَحْدَهُ إِقْرَارٌ بِأَنَّ الْآخَرَ لَمْ يَقْتُلْهُ بِخِلَافِ قَوْلِهِ قَتَلْتُمَاهُ، لِأَنَّهُ دَعْوَى الْقَتْلِ بِلَا تَصْدِيقٍ فَيَقْتُلُهُمَا بِإِقْرَارِهِمَا زَيْلَعِيٌّ (وَلَوْ أَقَرَّ) رَجُلٌ (بِأَنَّهُ قَتَلَهُ وَقَامَتْ الْبَيِّنَةُ عَلَى آخَرَ أَنَّهُ قَتَلَهُ وَقَالَ الْوَلِيُّ قَتَلَهُ كِلَاهُمَا كَانَ لَهُ) لِلْوَلِيِّ (قَتْلُ الْمُقِرِّ دُونَ الْمَشْهُودِ عَلَيْهِ) لِأَنَّ فِيهِ تَكْذِيبًا لِبَعْضِ مُوجِبِهِ كَمَا مَرَّ، وَلَوْ قَالَ الْوَلِيُّ لِأَحَدِ الْمُقِرِّينَ صَدَقْتَ أَنْتَ قَتَلْتَهُ وَحْدَكَ

تو اسے حق حاصل نہیں ہوگا کہ ان دونوں میں سے ایک کو قتل کرے۔ کیونکہ اس کا ہر ایک کی علیحدہ قتل کی تصدیق کرنا یہ اس کا اقرار ہے کہ دوسرے نے اسے قتل نہیں کیا اس کا قول قتلتما اس کے برخلاف ہے۔ کیونکہ یہ تصدیق کے بغیر قتل کا دعویٰ ہے۔ پس وہ ان دونوں کے اقرار کے ساتھ ان دونوں کو قتل کرے گا، ''زیلعی''۔ اگر ایک آدمی نے اقرار کیا کہ اسے فلاں نے قتل کیا اور گواہیاں ایک اور آدمی پر قائم ہوئیں کہ فلاں نے اسے قتل کیا ہے۔ ولی نے کہا: اسے ان دونوں نے قتل کیا ہے تو ولی کو حق حاصل ہوگا کہ مقر کو قتل کرے نہ کہ جس پر گواہی دی گئی ہے اسے قتل کردیں۔ کیونکہ اس میں اس کے بعض حکم کی تکذیب ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ اگر ولی نے دونوں اقرار کرنے والوں میں سے ایک سے کہا: تو نے سچ کہا ہے تو نے اسے اکیلے قتل کیا ہے

35213_(قولہ: لَيْسَ لَهُ أَنْ يَقْتُلَ وَاحِدًا مِنْهُمَا) اس کے لیے دیت بھی نہ ہوگی۔ اس کی دلیل وہی ہے جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے، ''ط''۔

35214_(قولہ: إِقْرَارٌ بِأَنَّ الْآخَرَ لَمْ يَقْتُلْهُ) پس وہ ان دونوں کی اس امر میں تکذیب کرنے والا ہوگا جو ان دونوں نے قتل کے بارے میں خبر دی ہے، ''ط''۔

35215_(قولہ: بِلَا تَصْدِيقٍ) یعنی دو افراد میں تصدیق کے بغیر۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک نے انفرادی طور پر قتل اور اپنے اوپر قصاص کا اقرار کیا ہے مقتولہ نے اس پر قتل کے واجب ہونے میں اس کی تصدیق کی ہے لیکن انفرادی طور پر اس کے قتل کو جھٹلایا ہے اور مقر کا ان چیزوں میں سے بعض کی تکذیب جن کا اس نے اقرار کیا تھا یہ نقصان نہیں دیتا جس طرح یہ قول گزر چکا ہے۔

35216_(قولہ: وَلَوْ أَقَرَّ رَجُلٌ الخ) اس کی صورت یہ ہے: ولی نے دو آدمیوں کے خلاف قتل کا دعویٰ کیا اور گواہ لے آیا گواہوں نے دونوں میں سے ایک کے خلاف گواہی دی اور دوسرے نے اقرار کیا، تامل۔

35217_(قولہ: لِأَنَّ فِيهِ) یعنی ان کے اس قول میں اسے ان دونوں نے قتل کر دیا۔

35218_(قولہ: لِبَعْضِ مُوجِبِهِ) یعنی جس کی ان دونوں نے گواہی دی اس کے موجب کی۔ کیونکہ دونوں نے مشہود علیہ کے قتل میں منفرد ہونے کو ثابت کیا ہے۔ مدعی کہتا ہے نہیں بلکہ اس اور دوسرے نے اسے قتل کیا ہے۔

35219_(قولہ: كَمَا مَرَّ) کہ جھٹلانا اس کے فسق کو ثابت کرنا ہے۔

كَانَ لَهُ قَتْلُهُ لِتَصَادُقِهِمَا عَلَى وُجُوبِ الْقَتْلِ عَلَيْهِ وَحْدَهُ (كَمَا لَوْ قَالَ ذَلِكَ لِأَحَدِ الْمَشْهُودِ عَلَيْهِمَا) كَانَ لَهُ قَتْلُهُ لِعَدَمِ تَكْذِيبِهِ شُهُودَهُ عَلَيْهِ وَإِنَّمَا كَذَّبَ الْآخَرِينَ وَكَذَا حُكْمُ الْخَطَأِ فِي كُلِّ مَا ذُكِرَ ذَكَرَهُ الزَّيْلَعِيُّ (شَهِدَا عَلَى رَجُلٍ بِقَتْلِهِ خَطَأً وَحَكَمَ بِالدِّيَةِ) عَلَى الْعَاقِلَةِ (فَجَاءَ الْمَشْهُودُ بِقَتْلِهِ حَيًّا ضَمَّنَ الْعَاقِلَةُ الْوَلِيَّ) لِقَبْضِهِ الدِّيَةَ بِلَا حَقٍّ (أَوْ الشُّهُودُ وَرَجَعُوا) أَيْ الشُّهُودُ (عَلَيْهِ) عَلَى الْوَلِيِّ لِتَمَلُّكِهِمْ الْمَضْمُونَ الَّذِي فِي يَدِ الْوَلِيِّ (وَ) الشَّهَادَةُ عَلَى قَتْلِ (الْعَمْدِ) فِي هَذَا الْحُكْمِ (كَالْخَطَأِ)

تو اسے اس کو قتل کرنے کا حق ہوگا۔ کیونکہ دونوں نے اس کی تصدیق کی ہے کہ اس پر قتل واجب ہے جس طرح وہ یہ قول دو مشہود علیہ میں سے ایک کے بارے میں کہے تو اس کو قتل کرنے کا حق ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس پر گواہی دینے والوں کو نہیں جھٹلایا اس نے دوسرے افراد کو جھٹلایا ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے ان تمام میں خطا کا حکم اسی طرح ہے ''زیلعی'' نے اس کا ذکر کیا ہے۔ دو آدمیوں نے ایک آدمی کے بارے میں اس کے خطأ قتل ہونے کی گواہی دی اور عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کر دیا گیا پھر وہ شخص جس کے قتل ہونے کے بارے میں گواہی دی گئی تھی وہ زندہ واپس آیا تو عاقلہ اس ولی سے ضمانت لے گی۔ کیونکہ اس ولی نے ناحق دیت پر قبضہ کیا تھا یا گواہ ولی سے واپسی کا مطالبہ کریں گے۔ کیونکہ اس مضمون کے مالک بنے جو ولی کے قبضہ میں تھا۔ قتل عمد پر شہادت اس حکم میں قتل خطا کی طرح ہے

35220۔(قولہ: كَمَا لَوْ قَالَ ذَلِكَ) یعنی تو نے اکیلے اسے قتل کیا ہے۔

35221۔(قولہ: شَهِدَا عَلَى رَجُلٍ بِقَتْلِهِ خَطَأً) یعنی اس نے کسی دوسرے شخص کو خطأ قتل کیا۔

یہ چیز ذہن نشین کرلو کہ یہاں سے ان کے قول والمعتبر حالۃ الرمی تک جتنے مسائل ہیں صاحب ''الدرر'' نے ان کا ذکر کیا۔ ان کی اصل ''تاتر خانیہ'' کی فصل چوبیس میں مذکور ہیں جو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے ''جامع کبیر'' میں موجود ہیں۔

35222۔(قولہ: ضَمَّنَ الْعَاقِلَةُ الْوَلِيَّ) ولی کسی سے مطالبہ نہیں کرے گا، ''تاتر خانیہ''۔

35223۔(قولہ: أَوْ الشُّهُودُ) کیونکہ مال ان کی شہادت کے ساتھ تلف ہو چکا ہے، ''درر''۔

35224۔(قولہ: لِتَمَلُّكِهِمْ الْمَضْمُونَ الخ) ''الدرر'' کی یہ عبارت ہے: کیونکہ وہ مضمون کے مالک ہیں اور مضمون وہ ہے جو ولی کے قبضہ میں ہے جس طرح غاصب کا غاصب کے غاصب کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے۔

35225۔(قولہ: وَالشَّهَادَةُ عَلَى الْقَتْلِ الْعَمْدِ الخ) یعنی جب وہ قتل عمد کی گواہی دیں اور قاتل سے قصاص لے لیا جائے پھر جس آدمی کے قتل ہو جانے کے بارے میں گواہی دی گئی تھی وہ زندہ واپس آ گیا تو ان میں سے کسی پر قصاص لازم نہیں ہوگا۔ لیکن قاتل کے ورثا کو خیار ہوگا اگر وہ ولی سے ضمانت لیں تو کسی سے مطالبہ نہیں کریں گے اور اگر وہ گواہوں سے ضمانت لیں تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس بارے میں ولی سے مطالبہ نہیں کریں گے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک وہ مطالبہ کریں گے، ''تاتر خانیہ''۔

فَإِذَا جَاءَ حَيًّا يُخَيَّرُ الْوَرَثَةُ بَيْنَ تَضْمِينِ الْوَلِيِّ الدِّيَةَ أَوْ الشُّهُودِ (إِلَّا فِي الرُّجُوعِ) فَلَا رُجُوعَ لِلشُّهُودِ عَلَى الْوَلِيِّ لِأَنَّهُمْ أَوْجَبُوا لَهُ الْقَوَدَ، وَهُوَ لَيْسَ بِمَالٍ وَقَالَا يَرْجِعُونَ كَالْخَطَإِ (وَلَوْ شَهِدَا عَلَى إِقْرَارِهِ) أَيْ إِقْرَارِ الْقَاتِلِ بِالْخَطَإِ أَوْ الْعَمْدِ ثُمَّ جَاءَ حَيًّا (أَوْ شَهِدَا عَلَى شَهَادَةِ غَيْرِهِمَا فِي الْخَطَإِ) وَقَضَى بِالدِّيَةِ عَلَى الْعَاقِلَةِ ثُمَّ جَاءَ حَيًّا (لَمْ يَضْمَنَا) إِذْ لَمْ يَظْهَرْ كَذِبُهُمَا فِي شَهَادَتِهِمَا (وَضَمِنَ الْوَلِيُّ الدِّيَةَ) فِي الصُّورَتَيْنِ (لِلْعَاقِلَةِ)

جب وہ مشہود علیہ زندہ آ جائے تو وارثوں کو اختیار دیا جائے گا کہ ولی سے دیت لے لیں یا گواہوں سے دیت لے لیں مگر جب وہ گواہ شہادت سے رجوع کریں تو گواہوں کو ولی سے رجوع کرنے کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ گواہوں نے اس کے لیے قصاص کے حق کو ثابت کیا تھا جب کہ قصاص مال نہیں۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: وہ قتل خطا کی طرح اس سے دیت کا مطالبہ کریں گے اگر گواہوں نے قاتل کے اقرار پر گواہی دی وہ قتل خطا ہو یا قتل عمد ہو پھر وہ زندہ واپس آئے یا دونوں نے قتل خطا میں غیر کی شہادت پر شہادت دی اور دیت کا فیصلہ عاقلہ پر کر دیا گیا پھر وہ زندہ آیا تو دونوں ضامن نہیں ہوں گے۔ کیونکہ دونوں کا جھوٹ ان کی شہادت میں ظاہر نہیں ہوا۔ اور دونوں صورتوں میں ولی عاقلہ کے لیے دیت کا ضامن ہوگا۔

اقرار کی صورت میں عاقلہ دیت کی ذمہ دار نہیں ہوتی

35226۔ (قولہ: أَيْ إِقْرَارِ الْقَاتِلِ بِالْخَطَإِ أَوْ الْعَمْدِ) قتل خطا کی صورت میں اس کے مال میں سے دیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ کیونکہ عاقلہ اقرار کی صورت میں دیت کی ذمہ دار نہیں ہوتی اور قصاص قتل عمد کی صورت میں ہوتا ہے۔ تامل۔

35227۔ (قولہ: فِي الْخَطَإِ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ قصاص میں شہادت پر شہادت کو قبول نہیں کیا جاتا جیسے حد ہے جس طرح علما نے اس کی تصریح کی ہے، فافہم۔

35228۔ (قولہ: ثُمَّ جَاءَ) یعنی وہ مشہود علیہ آ گیا جس کے قتل کا اس نے اقرار کیا تھا۔

35229۔ (قولہ: إِذْ لَمْ يَظْهَرْ كَذِبُهُمَا) کیونکہ دونوں نے اس کے قتل کی گواہی نہیں دی بلکہ اس بارے میں گواہی دی کہ قاتل نے اس کا اقرار کیا تھا ظاہر یہ ہے کہ اس نے جھوٹا اقرار کیا اور دوسری صورت میں انہوں نے اصول کی گواہی پر گواہی دی ہے نفس قتل پر گواہی نہیں دی۔

35230۔ (قولہ: وَضَمِنَ الْوَلِيُّ الدِّيَةَ فِي الصُّورَتَيْنِ) یعنی صورتیں سے مراد اس کے اقرار پر گواہی اور شہادت ہے۔ پس ولی نے جس پر قبضہ کیا تھا اس کو وہ واپس کر دے گا۔ لیکن قتل عمد کے بارے میں اقرار پر جب شہادت دے گا تو وہ کسی شے پر قبضہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس کا موجب قصاص ہے شاید معنی یہ ہے کہ ولی جب مقر سے قصاص لے گا تو وہ اپنے اولیاء کے لیے دیت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ اس کا قصاص میں کوئی حق نہیں ہے اس کے بعد کہ وہ آ گیا ہے جس کی وجہ سے قصاص لیا جا رہا تھا کیونکہ وہ تو زندہ ہے، تامل۔

35231۔ (قولہ: لِلْعَاقِلَةِ) ''الدرر'' میں اسی طرح ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ عاقلہ نہ اقرار

إِذْ ظَهَرَ أَنَّهُ أَخَذَهَا مِنْهُمْ بِغَيْرِ حَقٍّ (وَالْمُعْتَبَرُ حَالَةُ الرَّمْيِ) فِي حَقِّ الْحِلِّ وَالضَّمَانِ (لَا الْوُصُولِ) وَحِينَئِذٍ (فَتَجِبُ الدِّيَةُ) فِي مَالِهِ وَسَقَطَ الْقَوَدُ لِلشُّبْهَةِ (بِرِدَّةِ الْمَرْمِيِّ إِلَيْهِ قَبْلَ الْوُصُولِ) وَقَالَا لَا شَيْءَ عَلَيْهِ (لَا تَجِبُ دِيَةُ الْمَرْمِيِّ إِلَيْهِ (بِإِسْلَامِهِ) بِالْإِجْمَاعِ (وَ) تَجِبُ (الْقِيمَةُ بِعِتْقِهِ)

کیونکہ یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ اس نے ان سے ناحق دیت وصول کی ہے۔ حلت اور ضمان کے حق میں معتبر تیر پھینکنے کی حالت ہے پہنچنے کی حالت نہیں۔ اس وقت اس کے مال میں دیت واجب ہوگی اور شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کی طرف تیر پھینکا گیا تھا اس تک تیر پہنچنے سے پہلے مرتد ہو گیا تھا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ جس کی طرف تیر پھینکا گیا تھا اس کے اسلام قبول کر لینے سے دیت بالا جماع واجب نہ ہوگی اور تیر پھینکنے کے بعد اور تیر لگنے سے پہلے

کی صورت میں اور نہ ہی عمد کی صورت میں دیت کی ذمہ دار ہوتی ہے بلکہ عاقلہ کے لیے اس کی ضمان صرف دوسری صورت میں مقصود ہے۔ کیونکہ دیت کا ان پر فیصلہ کیا گیا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ ''تاتر خانیہ'' جو ''جامع صغیر'' سے مروی عبارت ہے جس پر کوئی غبار نہیں۔ کیونکہ کہا: اگر قتل خطا یا قتل عمد میں قاتل کے اقرار پر شہادت ہو جب کہ مسئلہ اس حالت میں رہے تو گواہوں پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ بے شک ضمان دونوں فصلوں میں ولی پر ہوگی۔ اسی طرح اگر دونوں نے قتل خطا میں گواہوں پر گواہی دی اور قاضی عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کر دے اور باقی مسئلہ اپنی حالت پر رہے تو فروع پر کوئی ضمانت نہ ہو گی۔ لیکن ولی عاقلہ کو دیت واپس کر دے گا۔ اور باقی مسئلہ کے بارے میں یہ ارادہ کیا ہے کہ جس کے قتل کی شہادت دی گئی تھی وہ زندہ واپس آ گیا ہے۔

35232۔ (قولہ: وَالْمُعْتَبَرُ حَالَةُ الرَّمْيِ) کیونکہ ضمانت اس کے فعل کے بدلے میں ہے وہ رمی ہے۔ کیونکہ اس کے بعد اس کا کوئی فعل نہیں۔ پس رمی کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا جب کہ جس کی طرف تیر پھینکا گیا ہے وہ اس حالت میں متقوم ہو، ''ہدایہ''۔

35233۔ (قولہ: فِي حَقِّ الْحِلِّ وَالضَّمَانِ) حل سے مراد حج کے احرام سے خارج ہونا ہے جس طرح اس کا مسئلہ آگے آئے گا۔ ''عزمیہ''۔

35234۔ (قولہ: لِلشُّبْهَةِ) یعنی تیر اسے جا کر لگا ہے اس وقت عصمت کے ساقط ہونے کا شبہ ہے۔

35235۔ (قولہ: بِرِدَّةِ الْمَرْمِيِّ إِلَيْهِ) یعنی اس صورت میں جب اس نے مسلمان کو تیر مارا تو جس کی طرف تیر پھینکا گیا تھا وہ مرتد ہو گیا العیاذ باللہ پھر اسے جا کر تیر لگا۔

35236۔ (قولہ: وَقَالَا لَا شَيْءَ عَلَيْهِ) کیونکہ تلف اس کے محل میں واقع ہوا ہے اسے کوئی عصمت حاصل نہ ہو گی، ''منح''۔

35237۔ (قولہ: وَتَجِبُ الْقِيمَةُ بِعِتْقِهِ الخ) قیاس تو یہ ہے کہ قصاص لازم ہو لیکن شبہ کی وجہ سے یہ ساقط ہو گیا

بَعْدَ الرَّمْيِ قَبْلَ الْإِصَابَةِ (وَ) يَجِبُ (الْجَزَاءُ عَلَى مُحْرِمٍ رَمَى صَيْدًا فَحَلَّ) فَوَصَلَ لَا عَلَى حَلَالٍ رَمَاهُ فَأَحْرَمَ فَوَصَلَ وَلَا يَضْمَنُ مَنْ رَمَى مَقْضِيًّا عَلَيْهِ بِرَجْمٍ فَرَجَعَ شَاهِدُهُ فَوَصَلَ وَحَلَّ صَيْدٌ رَمَاهُ مُسْلِمٌ فَتَمَجَّسَ فَوَصَلَ لَا يَحِلُّ (مَا رَمَاهُ مَجُوسِيٌّ فَأَسْلَمَ فَوَصَلَ) لِمَا عَرَفْتَ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ حَالَةُ الرَّمْيِ لُغْزٌ أَيُّ جَانٍ لَوْ مَاتَ مَجْنِيُّهُ فَعَلَيْهِ نِصْفُ الدِّيَةِ وَلَوْ عَاشَ فَالدِّيَةُ؟ فَقُلْ خَتَّانٌ قَطَعَ الْحَشَفَةَ بِإِذْنِ أَبِيهِ أَيُّ إِنْسَانٍ بِقَطْعِ أُذُنِهِ يَجِبُ نِصْفُ الدِّيَةِ وَبِقَطْعِ رَأْسِهِ نِصْفُ عُشْرِهَا؟

وہ آزاد ہو گیا کہ قیمت واجب ہوگی اور اس محرم پر جزا واجب ہوگی جس نے تیر پھینکا پھر احرام اتار دیا تو تیر شکار کو جا لگا۔ اس غیر محرم پر جزا واجب نہ ہوگی جس نے پہلے تیر پھینکا اور پھر احرام باندھا تو تیر شکار کو جا لگا۔ جس آدمی پر رجم کا فیصلہ ہو چکا تھا اس کو جس نے تیر مارا تو اس کے گواہ نے گواہی سے رجوع کر لیا اور پھر تیر جا کر اسے لگا ایسا آدمی ضامن نہ ہوگا۔ وہ شکار حلال ہو گا جسے کسی مسلمان نے تیر مارا پھر وہ آدمی مجوسی ہو گیا تو تیر اسے جا لگا۔ وہ شکار حلال نہ ہوگا جسے مجوسی نے تیر مارا تھا تو وہ مسلمان ہو گیا اور تیر جا کر اسے لگا۔ کیونکہ تو یہ پہچان چکا ہے کہ معتبر رمی کی حالت ہے۔ پہیلی: کون سا وہ جنایت کرنے والا ہے اگر وہ آدمی مر جائے جس پر اس نے جنایت کی تھی تو اس پر نصف دیت لازم ہوگی اگر وہ زندہ رہے تو پوری دیت ہوگی؟ تو کہہ ایسا ختنہ کرنے والا جس نے اس بچے کے باپ کی اجازت سے حشفہ کاٹا تھا۔ وہ کون سا انسان ہے اس کا کان کاٹنے سے نصف دیت واجب ہوتی ہے اور اس کا سر کاٹنے سے دیت کا بیسواں حصہ لازم ہوتا ہے؟

ہے۔ اگر تیر پھینکنے کا اعتبار کیا جائے تو آقا کے لیے ثابت ہوگا اور غلام کے لیے ثابت ہوگا پھر غلام سے اس کے وارث کی طرف منتقل ہوگا اگر تیر لگنے کا اعتبار کیا جائے۔ پس اس نے ایسا شبہ پیدا کیا جو قصاص کو ختم کرنے والا ہے۔ ''شرح المجمع'' میں جو مصنف کی تالیف ہے وہاں ''قہستانی'' نے قتل خطا کی جو قید لگائی ہے وہ محل نظر ہے۔ ''ابو سعود'' نے اس کو بیان کیا ہے۔

35238_(قولہ: فَوَصَلَ) یعنی وہ تیر جس کو پھینکا گیا۔

35239_(قولہ: وَلَا يَضْمَنُ الخ) کیونکہ رمی کی حالت میں وہ مباح الدم ہے ضمان رجوع کرنے والے پر ہوگی۔ اگر وہ رجوع کرنے والا ایک ہو تو وہ ایک چوتھائی کا ضامن ہوگا اگر سب رجوع کر لیں تو پوری دیت لازم ہوگی، ''ابو سعود''۔

35240_(قولہ: فَرَجَعَ شَاهِدُهُ) یہ (شاہدہ) اضافت جنس کے لیے ہے کیونکہ یہ اضافت اس کے سبب آتی ہے جس پر الف لام (جنسی) آتا ہے پس یہ چار میں سے ایک یا سب کے رجوع کو شامل ہوگی۔

35241_(قولہ: أَيُّ جَانٍ الخ) اس کی وضاحت باب القسامۃ سے تھوڑا پہلے آئے گی۔

35242_(قولہ: بِإِذْنِ أَبِيهِ) یہ ختان کے متعلق ہے قطع کے متعلق نہیں کیونکہ حشفہ کے کاٹنے کے اذن کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ باپ اس کے اذن دینے کا مالک نہیں، ''رحمتی''۔

فَقُلْ جَنِينٌ خَرَجَ رَأْسُهُ فَقَطَعَهُ فَفِيهِ الْغُرَّةُ أَيُّ شَيْءٍ يَجِبُ بِإِتْلَافِهِ دِيَةٌ وَثَلَاثَةُ أَخْمَاسِهَا؟ فَقُلْ دِيَةٌ لِأَسْنَانِهِ أَشْبَاهٌ، وَاللهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

تو تو جواب دے ایسا جنین جس کا سر باہر نکلے تو وہ اس کو کاٹ دے تو اس میں غرہ لازم ہوگا۔ کون سی وہ چیز ہے جس کے تلف کرنے سے دیت اور اس کا 3/5 واجب ہوتا ہے؟ تو تو جواب دے اس کے دانتوں کی دیت، ''اشباہ''۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

وہ انسان جس کا کان کاٹنے سے نصف دیت جب کہ سر کاٹنے سے بیسواں حصہ لازم آتا ہے

35243۔ (قولہ: جَنِينٌ خَرَجَ رَأْسُهُ) یعنی جنین کا سر نکلا تھا اور اس نے اسے کاٹ دیا تھا جس طرح کہ بعض نسخوں میں موجود ہے پس اس میں غرہ ہوگا یعنی پانچ سو درہم ہوگا جو دیت کا نصف عشر ہے۔ اور ''الاشباہ'' کی عبارت ہے: اس کا سر نکلا تو اس نے اس کا سر کاٹ دیا اور وہ نہ مرا تو اس میں نصف دیت ہوگی اگر وہ اس کا سر کاٹے تو اس میں غرہ ہوگا۔

یہ جان لو کہ یہ سب اس وقت ہوگا جب وہ چیخے اور اس کا نصف سر کے ساتھ نہ نکلے یا اکثر حصہ دونوں قدموں کے ساتھ نکل آئے اگر وہ چیخے اور اس سے وہ نکل آئے تو قتل اور قطع عضو میں قصاص لازم ہوگا جس طرح ہم نے کتاب الجنایات کے آغاز میں مجتبیٰ اور ''تاتر خانیہ'' سے نقل کر دیا ہے۔

35244۔ (قولہ: فَقُلْ دِيَةٌ لِأَسْنَانِهِ) اس کی وضاحت قریب ہی آئے گی۔ یہ اس کے لطائف میں سے ہے کیونکہ وہ ہر کتاب پر ایسا مسئلہ داخل کرتے ہیں جو عموماً اس کے مناسب ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کِتَابُ الدِّیَاتِ

الدِّیَةُ فِی الشَّرْعِ اسْمٌ لِلْمَالِ الَّذِی هُوَ بَدَلٌ لِلنَّفْسِ لَا تَسْمِیَةً لِلْمَفْعُولِ بِالْمَصْدَرِ، لِأَنَّهُ مِنَ الْمَنْقُولَاتِ الشَّرْعِیَّةِ وَالْأَرْشُ اسْمٌ لِلْوَاجِبِ فِیمَا دُونَ النَّفْسِ (دِیَةُ شِبْهِ الْعَمْدِ مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ أَرْبَاعًا

دیتوں کا بیان

شرع میں دیت اس مال کو کہتے ہیں جو نفس کا بدل ہوتا ہے یہ مصدر کے ساتھ مفعول کا نام نہیں۔ کیونکہ یہ منقولات شرعیہ میں سے ہے۔ ارش اس کو کہتے ہیں جو نفس سے کم میں واجب ہو۔ شبہ عمد کی دیت سو اونٹ ہوتی ہے جو چوتھائی چوتھائی ہوتے ہیں

قصاص کو مقدم ذکر کیا تھا کیونکہ وہ اصل ہے اور اس میں زندگی اور نفس کی حفاظت زیادہ قوی ہے اور دیت اس کے نائب کی طرح ہے۔ اسی وجہ سے دیت عوارض جیسے خطا اور جو اس کے معنی میں ہو اس سے واجب ہوتی ہے۔

دیت کی لغوی اور شرعی تعریف

35245۔ (قولہ: الدِّیَةُ فِی الشَّرْعِ) لغت میں یہ ودی القاتل المقتول کا مصدر ہے جب قاتل مقتول کے ولی کو وہ مال دے جو نفس کا بدل ہو اس کے آخر میں تا اس واؤ کا عوض ہے جو اس کے اول میں تھی جیسے عدة میں ہے۔

35246۔ (قولہ: الَّذِی هُوَ بَدَلٌ لِلنَّفْسِ) ''اتقانی'' نے ان میں الطرف کا اضافہ کیا ہے۔

35247۔ (قولہ: لَا تَسْمِیَةً لِلْمَفْعُولِ الخ) ابن کمال نے ''زیلعی'' وغیرہ کا رد کرتے ہوئے اسی طرح کہا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے: یہ لغت میں مجاز اور عرف میں حقیقت ہے جس طرح نحویوں نے لفظ کا اطلاق ملفوظ پر کیا ہے اور مقصود معنی عرفی حقیقی کا بیان ہے اور حقائق کے لیے اصل کو تلاش نہیں کیا جاتا۔ اور یہ بیان کہ یہ مفعول کو مصدر کے ساتھ نام دیا گیا ہے اس امر سے آگاہ کرتا ہے کہ معنی لغوی مجازی کی وضاحت ہے۔ فتامل

ارش کی تعریف

35248۔ (قولہ: وَالْأَرْشُ اسْمٌ لِلْوَاجِبِ فِیمَا دُونَ النَّفْسِ) بعض اوقات اس کا اطلاق نفس کے بدل اور عادل کی حکومت پر کیا جاتا ہے۔

35249۔ (قولہ: أَرْبَاعًا) یہ مائة سے یا البدل سے حال ہے یعنی اس حال میں کہ آنے والی انواع میں ہر نوع پر تقسیم ہوں گے ہر نوع سو کا چوتھائی ہو گی۔

مِنْ بِنْتِ مَخَاضٍ وَبِنْتِ لَبُونٍ وَحِقَّةٍ إِلَى جَذَعَةٍ بِإِدْخَالِ الْغَايَةِ (وَهِيَ) الدِّيَةُ (الْمُغَلَّظَةُ لَا غَيْرُ) وَ الدِّيَةُ
بنت مخاض بنت لبون، حقہ اور جذعہ اس میں غایت داخل ہوگی۔ یہی دیت مغلظہ ہے اس کے علاوہ نہیں۔ اور قتل خطأ میں دیت

دیت مغلظہ

35250۔ (قولہ: مِنْ بِنْتِ مَخَاضٍ) یہ وہ بچہ ہوتا ہے جو دوسرے سال میں قدم رکھ چکا ہو اور بنت لبون وہ ہوتا ہے جو تیسرے سال میں قدم رکھ چکا ہو، حقہ وہ ہوتا ہے جو چوتھے سال میں قدم رکھ چکا ہو اور جذع وہ ہوتا ہے جو پانچویں سال میں قدم رکھ چکا ہو۔

35251۔ (قولہ: وَهِيَ الدِّيَةُ الْمُغَلَّظَةُ لَا غَيْرُ) یہ جان لو کہ یہاں متون کی عبارت مختلف مفہوم رکھتی ہے "ہدایہ"، "اختیار"، "کنز" اور "ملتقی" کا ظاہر معنی یہ ہے کہ شبہ عمد میں دیت اونٹوں کے علاوہ نہیں ہوتی۔ مصنف کی عبارت کا یہاں بھی یہی معنی ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر تغلیظ ظاہر ہے کیونکہ کوئی اختیار نہیں۔ "وقایہ"، "اصلاح"، "غرر" وغیرہا کا ظاہر معنی یہ ہے کہ یہ اونٹ کے علاوہ ہوگی۔ "قدوری" کے متن میں اس کی تصریح کی ہے۔ کیونکہ کہا، تغلیظ صرف اونٹوں سے ثابت ہوتی ہے اگر اونٹوں کے علاوہ کا فیصلہ کیا جائے تو وہ غلیظہ نہ ہوگی۔ اس تعبیر کی بنا پر اس میں تغلیظ کا معنی ہوگا کہ جب دیت اونٹوں میں سے دی جائے تو وہ چار اقسام کے دیئے جائیں گے قتل خطا کی دیت کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ پانچ اقسام میں ہوتی ہے۔ "المجمع" میں ہے۔ شبہ عمد کی دیت اونٹوں میں مغلظہ ہوگی اس کے شارح نے کہا: یہاں تک کہ لوگ اس کی دیت کا اونٹوں کے علاوہ میں فیصلہ کریں تو وہ مغلظہ نہ ہوگی "درر البحار" اور اس کی "شرح غرر الافکار" میں اور "غایۃ البیان" کی جنایات میں اسی طرح ہے اونٹوں میں شبہ العمد میں دیت مغلظہ ہوگی جب اونٹوں میں دیت فرض کی جائے جہاں تک اونٹوں کے علاوہ کا تعلق ہے تو اس میں مغلظہ نہ ہوگی۔ "جوہرہ" میں ہے یہاں تک کہ چاندی میں دس ہزار سے زائد نہ کی جائے گی اور نہ ہی سونے میں ایک ہزار دینار سے زائد کی جائے گی "درر البحار" میں ہے: ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ قتل خطا اور شبہ العمد سونے میں سے دیت پر ایک ہزار دینار ہوگی۔ یہ عبارات اس میں صریح ہیں کہ شبہ عمد کی دیت اونٹوں کے ساتھ خاص نہیں۔

"طحطاوی" نے کہا: "زیلعی" نے کتاب کے شروع میں جو پہلے بیان کیا ہے کہ شبہ عمد میں دیت اونٹوں میں ہی مغلظہ ہوگی یہ عاقلہ پر تین سالوں میں ادا کرنا لازم ہوگی ہر سال میں اونٹوں میں سے سو کا ایک تہائی دیا جائے گا "شرنبلالی" میں اسے ترجیح دی ہے اگر واجب وہ ہے جو اونٹوں سے ہے تو تغلیظ کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ وہ اخف کو اختیار کرنے والا ہے پس تغلیظ کی حکمت فوت ہو جائے گی۔

میں کہتا ہوں: "زیلعی" سے جو نقل کیا ہے میں نے اسے اپنے نسخہ میں نہیں دیکھا پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے اور اس کے ثابت ہونے کی صورت میں ظاہر یہ ہوگا کہ مسئلہ میں دو روایتیں ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(فِی الْخَطَإِ أَخْمَاسٌ مِنْهَا وَمِنْ ابْنِ مَخَاضٍ أَوْ أَلْفِ دِينَارٍ مِنْ الذَّهَبِ أَوْ عَشَرَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ مِنْ الْوَرِقِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ اثْنَا عَشَرَ أَلْفًا وَقَالَا مِنْهَا وَمِنْ الْبَقَرِ مِائَتَا بَقَرَةٍ، وَمِنْ الْغَنَمِ أَلْفَا شَاةٍ وَمِنْ الْحُلَلِ مِائَتَا حُلَّةٍ كُلُّ حُلَّةٍ ثَوْبَانِ إزَارٌ وَرِدَاءٌ هُوَ الْمُخْتَارُ (وَكَفَّارَتُهُمَا) أَيْ الْخَطَإِ وَشِبْهِ الْعَمْدِ (عِتْقُ قِنٍّ

سو اونٹ ہیں۔ پانچ اقسام میں سے ہیں جو مذکورہ انواع میں سے اور ابن مخاض میں سے یا سونے کے ہزار دینار ہیں یا چاندی کے دس ہزار دراہم ہیں۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بارہ ہزار ہیں۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے فرمایا ان میں سے اور گائیوں میں سے دو سو گائیں ہیں اور غنم میں سے دو ہزار ہیں اور حلوں میں سے دو سو حلے ہیں۔ ہر حلہ دو کپڑوں پر مشتمل ہو گا: تہبند اور چادر۔ یہی مختار قول ہے۔ قتل خطأ اور شبہ عمد کا کفارہ ایک مومن غلام کو آزاد

قتل خطا کی دیت

35252۔ (قولہ: أَخْمَاسٌ مِنْهَا وَمِنْ ابْنِ مَخَاضٍ) یعنی چار گزشتہ اقسام اور مخاض میں سے پانچواں، پانچواں حصہ وصول کیا جائے گا ہر نوع میں سے بیس ہوں گے۔

35253۔ (قولہ: وَقَالَا مِنْهَا) یعنی گزشتہ تین اقسام میں سے جو اونٹ، دنانیر اور دراہم ہیں اور گائیوں میں سے الخ۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک چھ انواع میں سے اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف پہلی تین اقسام میں سے۔ ''الدر المنتقی'' میں کہا: گائیں گائیوں والوں سے اور حلے حلے والوں سے۔ اسی طرح بھیڑ بکریوں کا معاملہ ہے۔ ہر گائے یا حلہ کی قیمت پچاس درہم ہے اور ہر بکری کی قیمت پانچ دراہم ہے جس طرح ''شرنبلالی'' میں ''برہان'' سے مروی ہے۔ ''قہستانی'' نے یہ زائد ذکر کیا ہے کہ بھیڑ بکریاں دندی ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس طرح قربانی کے جانور ہوتے ہیں۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول کی طرح مروی ہے۔ اختلاف ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے اگر اس نے دو سو گائیوں سے زیادہ پر صلح کی تو ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک جائز نہیں ہوگا۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس چیز پر مصالحت کی ہے جو دیت کی جنس میں سے نہیں ہے جب کہ یہ قول گزر چکا ہے صحیح قول وہ ہے جس طرف ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ گئے ہیں جس طرح ''المضمرات'' میں ہے۔ اس قول نے یہ فائدہ دیا ہے کہ تمام انواع اصول ہیں اس پر ہمارے اصحاب ہیں اور اس نے یہ بیان کیا ہے کہ تعیین رضا یا قضا سے ہوگی اس پر قاضیوں کا عمل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اختیار قاتل کو حاصل ہے۔ ''قہستانی'' نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''المنح'' میں ہے۔

35254۔ (قولہ: هُوَ الْمُخْتَارُ) یعنی حلہ کی جو یہ تفسیر کی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہمارے علاقوں میں قمیص اور پائجامہ ہے۔ ''نہایہ''۔

شبہ عمد اور قتل خطا کا کفارہ

35255۔ (قولہ: عِتْقُ قِنٍّ) یعنی کامل غلام کی آزادی پس کانا غلام آزاد کرنا کافی ہوگا۔ اندھی غلام آزاد کرنا کافی نہ ہو

مُؤْمِنٍ فَإِنْ عَجَزَ عَنْهُ صَامَ شَهْرَيْنِ وَلَاءً وَلَا إِطْعَامَ فِيهِمَا) إِذْ لَمْ يَرِدْ بِهِ النَّصُّ وَالْمَقَادِيرُ تَوْقِيفِيَّةٌ (وَصَحَّ إِعْتَاقُ (رَضِيعٍ أَحَدُ أَبَوَيْهِ مُسْلِمٌ)؛ لِأَنَّهُ مُسْلِمٌ تَبَعًا (لَا الْجَنِينُ وَدِيَةُ الْمَرْأَةِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ دِيَةِ الرَّجُلِ فِي دِيَةِ النَّفْسِ وَمَا دُونَهَا) رُوِيَ ذَلِكَ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَوْقُوفًا وَمَرْفُوعًا

کرنا ہے اگر وہ غلام آزاد کرنے سے عاجز آجائے تو وہ دو ماہ کے پے در پے روزے رکھے اور ان میں مساکین کو کھانا کھلانا نہیں ہے۔ کیونکہ اس بارے میں نص وارد نہیں ہوئی۔ اور مقادیر توقیفی ہیں۔ کفارہ کے طور پر اس دودھ پیتے بچے کو آزاد کرنا صحیح ہے جس کے والدین میں سے ایک مسلمان ہو۔ کیونکہ بچہ تبعاً مسلمان ہے جنین کو کفارہ کے طور پر آزاد کرنا جائز نہیں۔ اور عورت کی دیت نفس اور اس سے کم میں مرد کی دیت کا نصف ہوگی۔ یہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اور مرفوعاً مروی ہے (1)۔

گا۔ ''درر''، ''منتقی''۔

35256۔ (قولہ: مُؤْمِنٍ) باقی ماندہ کفارات کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس بارے میں نص موجود ہے۔ نص اگرچہ قتل خطا کے بارے میں وارد ہے لیکن جب شبہ عمد میں خطا کا معنی موجود ہے تو اس میں خطا کا حکم ثابت ہوا۔ ''اتقانی''۔

35257۔ (قولہ: فَإِنْ عُجِزَ عَنْهُ) یعنی ادائیگی کے وقت وہ عاجز آگیا وجوب کے وقت عاجز نہیں تھا، ''قہستانی''۔

35258۔ (قولہ: وَلَاءً) یعنی پے در پے۔

35259۔ (قولہ: وَلَا إِطْعَامَ فِيهِمَا) یعنی ان میں کھانا کھلانا نہیں باقی کفارات میں کھانا کھلانے کی صورت ہے۔

35260۔ (قولہ: وَصَحَّ إِعْتَاقُ رَضِيعٍ) یعنی اگر وہ اس کے بعد زندہ رہے یہاں تک کہ اس کے اعضاء اور اطراف کی سلامتی ظاہر ہو جائے اگر وہ اس سے قبل مرجائے تو اس کے ساتھ کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ ''اتقانی''۔

35261۔ (قولہ: لَا الْجَنِينُ) کیونکہ اس کی زندگی معروف نہیں اور نہ ہی اس کی سلامتی معروف ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ من وجہ عضو ہے۔ پس وہ مطلق نص کے تحت داخل نہیں ہوگا، ''زیلعی''۔

عورت کی دیت

35262۔ (قولہ: وَدِيَةُ الْمَرْأَةِ الخ) عورت کو خطا قتل کر دیا جائے تو اس میں پانچ ہزار دیت ہوگی اور اس کا ایک ہاتھ کاٹنے کی صورت میں اڑھائی ہزار دیت لازم ہوگی۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جس میں دیت معین ہو مگر جس میں عادل کا فیصلہ ہوتا ہے تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ مقدرہ کی طرح ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں میں برابری کی جائے گی جس طرح ''ظہیریہ'' میں ہے۔ جنین جس میں غرہ لازم آتا ہے اس کی وجہ سے اعتراض وارد نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ مستثنیٰ ہے جس طرح آگے آئے گا، ''در منتقی''۔ ''تاتر خانیہ'' میں ''شرح الطوری'' سے مروی ہے: جس میں اولاد مقدر نہ ہو اس میں مرد اور عورت ہمارے ائمہ کے نزدیک برابر ہے۔

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الدیات، جلد 8، صفحہ 96، حدیث نمبر 16309

(وَالذِّمِّيُّ وَالْمُسْتَأْمِنُ وَالْمُسْلِمُ) فِي الدِّيَةِ (سَوَاءٌ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ وَصَحَّحَ فِي الْجَوْهَرَةِ أَنَّهُ لَا دِيَةَ فِي الْمُسْتَأْمِنِ وَأَقَرَّهُ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ لَكِنْ بِالتَّسْوِيَةِ جَزَمَ فِي الِاخْتِيَارِ وَصَحَّحَهُ الزَّيْلَعِيُّ (وَفِي النَّفْسِ) خَبَرُ الْمُبْتَدَإِ وَهُوَ قَوْلُهُ الْآتِي الدِّيَةُ (وَالْأَنْفِ)

ذمی، مستامن اور مسلمان دیت میں برابر ہیں۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ ''جوہرہ'' میں اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ مستامن میں دیت نہیں اور ''شرنبلالیہ'' میں اسی کو برقرار رکھا ہے لیکن تسویہ کے ساتھ ''اختیار'' میں اسی پر جزم کیا ہے اور ''زیلعی'' نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور نفس میں، یہ لفظ مبتدا کی خبر ہے وہ مبتدا آنے والا قول الدیۃ ہے۔ ناک میں،

تنبیہ

''الاشباہ'' کے احکام الخنثیٰ میں ہے اس کے ہاتھ کو جس نے کاٹا اس پر قصاص نہیں اگرچہ وہ جان بوجھ کر کاٹے اور اگرچہ اس کی قاطع عورت ہو اور اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا جب وہ خنثیٰ کسی اور کا ہاتھ جان بوجھ کر کاٹے۔ اور اس کی عاقلہ پر اس کی چٹی ہوگی جب وہ خطاً قتل کرے تو عورت کی دیت واجب ہوگی اور باقی ماندہ واضح ہونے تک توقف کیا جائے گا۔ اسی طرح کا حکم ہے جب وہ نفس میں معاملہ ہو کفارہ کے طور پر خنثیٰ غلام کو آزاد کرنا صحیح ہوگا۔

35263۔ (قولہ: خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ) کیونکہ انہوں نے کہا: یہودی اور نصرانی کی علت چار ہزار درہم اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہوگی، ''ہدایہ''۔

35264۔ (قولہ: وَصَحَّحَ فِي الْجَوْهَرَةِ) کیونکہ انہوں نے ''النہایہ'' سے نقل کرتے ہوئے کہا: مستامن کیلئے کوئی دیت نہیں۔ یہی قول صحیح ہے۔ اور یہ اعتراض کیا کہ جو ''النہایہ'' میں ہے وہ دیت میں برابری کی اور قصاص میں تفریق کی تصریح ہے۔

میں کہتا ہوں: میں نے ''النہایہ'' اور ''غایۃ البیان'' میں اسی طرح دیکھا ہے۔

35265۔ (قولہ: وَأَقَرَّهُ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ) یہ قول مسلم نہیں۔ کیونکہ انہوں نے ''جوہرہ'' کی مذکورہ تصریح کو نقل کیا اور اس کے بعد نقل کیا جس کی نص میں ہے: ''زیلعی'' نے کہا: مستامن کی دیت صحیح قول کے مطابق وہ ہے جو ذمی کی ہے اس کی دلیل وہ ہے جو ہم نے روایت کردی ہے۔ پس تصحیح میں اختلاف ہے، ''ط''۔

میں کہتا ہوں: ''رملی'' نے اسے ظاہر روایت قرار دیا ہے جس کی تصحیح ''رملی'' وغیرہ نے کی ہے۔ اور تصحیح کا اختلاف اس کے ثبوت کے بعد ہے جیسے ''جوہرہ'' میں ''النہایہ'' سے نقل کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

35266۔ (قولہ: وَفِي النَّفْسِ) فی سببیہ ہے۔ نفس کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس کا حکم اس سے معلوم ہو چکا ہے جو پہلے گزر چکا ہے، ''ط''۔

بے بدل اعضا اور معانی مقصودہ میں کامل دیت ہوگی

35267۔ (قولہ: وَالْأَنْفِ الخ) قاعدہ یہ ہے کہ انسان کا کوئی جز کاٹا جائے اگر یہ عمل اس کی مکمل منفعت کو فوت کر

وَمَارِنِهِ وَأَرْنَبَتِهِ وَقِيلَ فِي أَرْنَبَتِهِ حُكُومَةُ عَدْلٍ عَلَى الصَّحِيحِ (وَالذَّكَرُ وَالْحَشَفَةُ

ناک کے نرم گوشہ میں اور اس کے سرے میں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ناک کے گوشہ میں عادل کا فیصلہ ہے۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے مرد کے آلہ تناسل کاٹنے میں، حشفہ کاٹنے میں،

دے یا اس کا وہ جمال زائل کر دے جو کامل طور پر مقصود ہے تو اس میں مکمل دیت لازم ہوگی۔ کیونکہ یہ من وجہ نفس کا اتلاف ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان اور ناک میں مکمل دیت کا فیصلہ فرمایا (1) تو جو اس کے معنی میں ہے ہم نے اسے اس پر قیاس کر لیا، "اتقانی"۔

یہ جان لو ہر وہ چیز جس کا بدن انسانی میں کوئی بدل نہ ہو وہ اعضا ہوں یا معانی مقصودہ ہوں اس میں کامل دیت لازم ہو گی۔ اعضاء کی چار اقسام ہیں (ا) مفرد۔ یہ تین ہیں: ناک، زبان اور آلہ تناسل۔ وہ معانی جو بدن میں مفرد ہیں۔ عقل، نفس، سونگھنا، چکھنا۔ جہاں تک ان اعضا کا تعلق ہے جو جوڑا جوڑا ہیں وہ دو آنکھیں، دو ابھرے ہوئے کان، دو آبرو، دو ہونٹ، دو ہاتھ، عورت کے دو پستان، خصیتین، دونوں پاؤں تو ان دونوں میں مکمل دیت ہوگی۔ اور ان دونوں میں سے ایک میں نصف دیت ہوگی اور وہ چار ہیں وہ دونوں آنکھوں کی پلکوں ہیں اور ہر پلک میں چوتھائی دیت ہے اور وہ اعضا جو دس ہیں وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اور دونوں پاؤں کی انگلیاں ہیں تو اس میں مکمل دیت ہوگی اور ایک میں اس کا دسواں حصہ ہوگا۔ اور جو اس سے زائد ہیں وہ دانت ہیں ان میں سے ہر ایک میں دیت کا دسواں حصہ ہے۔ اس کی وضاحت عنقریب آئے گی۔

35268۔ (قولہ: مَارِنِهِ) یہ ناک کے دو نرم گوشے ہیں اور اس کے ارنبہ سے مراد ناک کا کنارہ۔ کیونکہ ان کا کاٹنا جمال کو کلی طور پر ختم کر دیتا ہے۔ اسی طرح منفعت کا معاملہ ہے۔ کیونکہ ناک کا نرم گوشہ ناک میں بو، خوشبو سونگھنے کے لیے ہوتا ہے تا کہ اس سے دماغ کی طرف بلند ہو، اور جب ناک کا نرم گوشہ کاٹ دیا جاتا ہے یہ صلاحیت فوت ہو جاتی ہے اگر ناک کے بانسہ سے نرم گوشے کو کاٹا جائے تو ایک دیت سے زائد دیت نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ ایک عضو ہے۔ اگر اس کا ناک کاٹ دے تو اس کے سونگھنے کی صلاحیت ختم ہو جائے تو اس پر دو دیتیں لازم ہو جائیں گی۔ کیونکہ سونگھنے کی صلاحیت ناک کے علاوہ میں تھی۔ پس دونوں میں سے ایک کی دیت دوسرے میں داخل نہ ہوگی جس طرح کان کے ساتھ سننے کی صلاحیت کو ختم کر دے، "معراج"۔

35269۔ (قولہ: وَقِيلَ الخ) "قہستانی" نے اس کو بیان کیا ہے۔ "ہدایہ" وغیرہا میں اس کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے اور اسے اولیٰ کے ساتھ تبدیل کر دیا ہے۔

ذکر، حشفہ، شم، ذوق، سمع، بصر کو ضائع کرنے اور زبان کو کاٹنے میں پوری دیت ہوگی

35270۔ (قولہ: وَالذَّكَرُ وَالْحَشَفَةُ) کیونکہ آلہ تناسل کاٹ دینے سے وطی، بچہ پیدا کرنے، بیوی کو روکنے، بدن کو دور پھینکنے، مادہ منویہ کو روکنے اور عورت کی شرمگاہ میں داخل کرنے، جو حمل ٹھہرانے کا عام معمول ہے کی منفعت ختم ہو جاتی ہے

1۔ سنن نسائی، کتاب القسامۃ، باب ذکر حدیث عمرو بن حزم فی العقول، جلد 3، صفحہ 376، حدیث نمبر 4769

وَالْعَقْلِ وَالشَّمِّ وَالذَّوْقِ وَالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ وَاللِّسَانُ إِنْ مَنَعَ النُّطْقَ، أَفَادَ أَنَّ فِي لِسَانِ الْأَخْرَسِ حُكُومَةَ عَدْلٍ جَوْهَرَةٌ وَهٰذَا سَاقِطٌ مِنْ نُسَخِ الشَّارِحِ

عقل، شم، ذوق، سمع، بصر کو ضائع کرنے اور زبان کو کاٹنے میں پوری دیت ہوگی یعنی زبان کو اس طرح نقصان دے کہ جو بولنے سے مانع ہو اس قول نے یہ بیان کیا کہ اخرس کی زبان میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔''جوہرہ'' یہ شارح کے نسخہ سے ساقط ہے۔

اور حشفہ یہ عورت کی شرمگاہ میں آلہ تناسل کے داخل کرنے اور مادہ منویہ کے ٹپکانے میں اصل ہے اور باقی قصبہ حشفہ کے تابع ہے،''ہدایہ''۔ مصنف نے جان بوجھ کر حشفہ کے کاٹنے میں قصاص کے وجوب کو پہلے ذکر کیا ہے اور آلہ تناسل میں اختلاف ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

35271۔(قولہ: وَالْعَقْلُ) کیونکہ عقل کے ساتھ معاش اور معاد کا نفع ہے۔''خیریہ'' میں ہے: ایک ایسے آدمی کے بارے میں ان سے سوال کیا گیا جس نے دوسرے کو زمین پر پٹخ دیا تھا اور اسے مارا اور اسے مرگی کا مرض لگ گیا تو اس پر کیا شے لازم ہوگی۔

انہوں نے جواب ارشاد فرمایا: جس چیز کا ذکر کیا گیا ہے اگر اس کے ساتھ عقل کا زائل ہونا ثابت ہو گیا تو اس میں کامل دیت ہوگی اگر بعض عقل زائل ہوا تو اس کے حساب سے دیت لازم ہوگی اگر زمان وغیرہ کے ساتھ اس کو منضبط کیا جا سکے ورنہ عادل کا فیصلہ ہوگا اور قاضی کو حق حاصل ہوگا کہ اگر وہ اپنے اجتہاد میں اس کا اندازہ لگائے۔ یہ قول میں نے ان کی کلام سے اخذ کرتے ہوئے بطور تفقہ کیا ہے۔ بعض علماء نے تصریح کی ہے کہ اصراع (مرگی) جنون کی ایک قسم ہے۔

35272۔(قولہ: وَالشَّمُّ وَالذَّوْقُ وَالسَّمْعُ وَالْبَصَرُ) کیونکہ ان میں سے ہر ایک کی ایسی منفعت ہے جو مقصود ہے۔ یہ روایت کی گئی ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ضرب سے چار دیتوں کو لازم کیا جس کے ساتھ عقل، گفتگو کرنے، سننے اور دیکھنے کی صلاحیت ضائع ہو گئی تھی،''ہدایہ''(1)۔ ان کے تلف ہونے کا ادراک جنایت کرنے والے کی تصدیق، قسم کے مطالبہ پر ہر قسم سے انکار، غفلت کے ساتھ خطاب، ناپسندیدہ چیز کے قریب ہونا اور کڑوی شے کھانے سے ہو سکتا ہے،''قہستانی''۔

35273۔(قولہ: أَفَادَ أَنَّ فِي لِسَانِ الْأَخْرَسِ حُكُومَةَ عَدْلٍ) یعنی جب اس کے چکھنے کی صلاحیت ختم نہ ہو۔ کیونکہ اس سے مقصود کلام ہے اور اس میں کلام کی صلاحیت نہیں۔ پس یہ اس طرح ہو گیا جس طرح شل ہاتھ ہوتا ہے، خصی اور عنین کا آلہ تناسل ہوتا ہے، ٹیڑھا پاؤں ہوتا ہے، ایسی آنکھ جو موجود ہو اور کانی ہو اور سیاہ دانت ہوتا ہے۔''معراج''۔ کیونکہ ان میں عادل کا فیصلہ ہے۔ کیونکہ اس نے منفعت کو ختم نہیں کیا اور کامل صورت میں منفعت فوت نہیں ہوئی۔''عنایہ''۔ جب اس کے چکھنے کی صلاحیت ختم ہو گئی ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔

35274۔(قولہ: وَهٰذَا) اسم اشارہ سے مراد ان کا قول ہے: ان منع النطق۔

1۔ ہدایہ، کتاب الدیات، جلد 4، صفحہ 587، مطبوعہ شرکت علمیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

فَتَنَبَّهُ (أَوْ مَنَعَ أَدَاءَ أَكْثَرِ الْحُرُوفِ) وَإِلَّا قُسِمَتْ الدِّيَةُ عَلَى عَدَدِ حُرُوفِ الْهِجَاءِ الثَّمَانِيَةِ وَعِشْرِينَ أَوْ حُرُوفِ اللِّسَانِ السِّتَّةَ عَشَرَ تَصْحِيحَانِ فَمَا أَصَابَ الْغَائِبَ يَلْزَمُهُ وَتَمَامُهُ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ وَغَيْرِهَا

پس اس پر متنبہ ہو جایئے۔ یا وہ اکثر حروف کو ادا کرنے سے روک دے ورنہ دیت کو اٹھائیس حروف تہجی کی تعداد پر تقسیم کر دیا جائے گا یا زبان سے ادا ہونے والے سولہ حروف تہجی پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ یہ دو تصحیحیں ہیں پس جو فوت ہونے والے حروف کو پہنچے گی وہ اس پر لازم ہو جائے گی۔ اس کی مکمل وضاحت ''شرح الوہبانیہ'' وغیرہا میں ہے۔

35275۔(قولہ: وَإِلَّا قُسِمَتْ الدِّيَةُ الخ) یعنی اگر اکثر حروف کی ادائیگی سے مانع نہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ان کی ادائیگی پر مادر اہو تو دیت کو تقسیم کیا جائے گا الخ۔ لیکن ''قہستانی'' نے کہا: اگر وہ اکثر کا تکلم کرے تو (عادل کا) فیصلہ لازم ہوگا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حروف کی تعداد پر اسے تقسیم کیا جائے گا تو ان میں سے جس کا وہ تکلم کرے تو اس کا حصہ دیت سے ساقط ہو جائے گا خواہ وہ نصف ہو، چوتھائی ہو یا اس کے علاوہ ہو صحیح اصح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: زبان کے حروف پر اسے تقسیم کیا جائے گا۔ یہی قول صحیح ہے جس طرح ''کرمانی'' میں ہے۔ ملخص۔

اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اقوال تین ہیں۔ ''ہدایہ'' وغیرہا میں اس کی تصریح کی ہے۔ ''شرح المجمع''، ''الاختیار''، ''غرر الافکار''، ''الاصلاح'' وغیرہا میں پہلے قول پر گامزن ہوئے ہیں۔ ''جوہرہ'' میں آخری دو کی تصحیح کی ہے جیسے ''قہستانی''۔ پہلے قول کی بھی تصحیح کی گئی ہے جس سے آپ آگاہ ہو چکے ہیں۔ شارح کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ آخری دو سے اس فیصلہ کی تفسیر ہے جسے پہلے قول نے ثابت کیا ہے۔ پس اس میں اور دوسرے دونوں اقوال میں کوئی منافات نہیں۔ یہ تعبیر بہت اچھی ہے لیکن یہ ان کی کلام کے مفہوم کے خلاف ہے، فتامل۔

35276۔(قولہ: السِّتَّةَ عَشَرَ) وہ تا، ثا، جیم، دال، ذال، را، زا، سین، شین، صاد، ضاد، طا، ظا، لام، نون اور یا ہیں، ''زیلعی''۔ ''جوہرہ'' میں انہیں اٹھارہ شمار کیا ہے اس میں قاف اور کاف زائد ذکر کیا ہے۔ ''ابن شحنہ'' نے کہا: مصنف نے یہ بیان کیا ہے: یہ نحویوں اور قاریوں کا قول ہے۔ ''خاصی'' نے ان کو چودہ شمار کیا ہے لیکن حصر کے بغیر ہے کیونکہ وہ کاف تشبیہ لائے ہیں۔

35277۔(قولہ: وَتَمَامُهُ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ) کیونکہ انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ ان کے سولہ ہونے کی صورت میں ہر حرف میں چھ سو پچیس درہم لازم ہوں گے اور سونے میں سے ساڑھے باسٹھ لازم ہوں گے اور اٹھارہ ہونے کی صورت میں ایک حروف میں پچپن پورے دینار اور 5/9 اور درہم میں سے پانچ سو پچیس اور 5/9۔

تنبیہ

''معراج'' میں کہا: اگر حلق یا ہونٹوں پر جنایت کی وجہ سے بعض حروف حلقیہ یا شفویہ کی ادائیگی ختم ہو جائے تو چاہیے کہ اٹھائیس حروف میں سے اس کے حساب سے وہ واجب ہو۔ اگر وہ ایک حرف کی جگہ دوسرے کو بدل دے وہ درہم کہتے

(وَلِحْيَةٌ حُلِقَتْ فَلَمْ تَنْبُتْ) وَيُؤَجَّلُ سَنَةً فَإِنْ مَاتَ فِيهَا بَرِئَ وَفِي نِصْفِهَا نِصْفُ الدِّيَةِ وَفِيمَا دُونَهَا حُكُومَةُ عَدْلٍ كَشَارِبٍ وَلِحْيَةِ عَبْدٍ فِي الصَّحِيحِ، وَلَا شَيْءَ فِي كَوْسَجٍ عَلَى ذَقَنِهِ شَعَرَاتٌ مَعْدُودَةٌ وَلَوْ عَلَى خَدِّهِ أَيْضًا،

اور ایسی ڈاڑھی میں (دیت لازم ہوگی) جس کا حلق کیا گیا پس وہ نہ اگی اور اسے ایک سال کی مہلت دی جائے گی اگر وہ سال میں مرجائے تو جنایت کرنے والا بری ہوجائے گا اور اس کے نصف میں نصف دیت ہوگی اس سے کم میں عادل کی حکومت ہو گی جیسے مونچھ، غلام کی ڈاڑھی۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے۔ کوسج (کھودا) کی ڈاڑھی (جس کی ٹھوڑی پر چند بال ہوں) میں کوئی شے لازم نہ ہوگی اگرچہ اس کے رخسار پر کچھ بال ہوں۔

وقت دلھم کہے تو اس پر ایک حرف کی ضمانت ہوگی۔ کیونکہ اس نے اس کو تلف کیا ہے اور جس کو وہ بدل رہا ہے وہ اصل کے قائم مقام نہیں ہے۔

اگر کسی کی داڑھی مونڈ دی گئی اور وہ نہ اگی تو دیت کا شرعی حکم

35278_(قولہ: وَلِحْيَةٌ حُلِقَتْ) اگر ان کو نوچا جائے تو بھی یہی حکم ہوگا ''قہستانی''۔ کیونکہ اس کے عمل نے جمال کو کلی طور پر زائل کردیا ہے اور عورت کی ڈاڑھی میں کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ (اس میں) نقص ہے جس طرح ''جوہرہ'' میں ہے۔

35279_(قولہ: فَإِنْ مَاتَ فِيهَا بَرِئَ) یعنی اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے فرمایا: اس میں عادل کا فیصلہ ہوگا، ''کنایہ''۔

35280_(قولہ: وَفِي نِصْفِهَا نِصْفُ الدِّيَةِ) ہمارے بعض ائمہ نے کہا: پوری دیت لازم ہوگی کیونکہ بعض کے حلق کردینے سے جمال فوت ہوگیا ہے۔ ''معراج''۔ ''غایۃ البیان'' میں ہے: اگر اس نے بعض ڈاڑھی کا حلق کیا اور وہ نہ اگی بعض علماء نے فرمایا: اس میں عادل کی حکومت ہوگی۔ ''شرح الکافی'' میں کہا: صحیح مکمل دیت ہے۔ کیونکہ یہ بدصورتی میں اس سے بڑھ کر ہے جس کی اصلاً ڈاڑھی نہ ہو۔

35281_(قولہ: فِي الصَّحِيحِ) کیونکہ مونچھ ڈاڑھی کے تابع ہوتی ہے۔ پس یہ اسی طرح ہوگئی کہ اس کے بعض اطراف کو مونڈ دیا جائے غلام میں مقصود خدمت لینے کے ساتھ منفعت ہے جمال نہیں۔ آزاد کا معاملہ مختلف ہے۔

میں کہتا ہوں: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے اگر اس نے ڈاڑھی کے ساتھ مونچھ کا حلق کردیا تو وہ مونچھ ڈاڑھی کی ضمان میں داخل ہوجائے گی۔ کیونکہ یہ اس کے تابع ہے ''سائحانی'' نے ''مقدسی'' سے نقل کیا ہے کہ وہ داخل نہ ہوگی۔ ''خزانۃ المفتین'' میں ہے: وہ داخل ہوگی۔

کوسج کا حکم

35282_(قولہ: وَلَا شَيْءَ فِي كَوْسَجٍ) کوسج فتحہ اور ضمہ کے ساتھ ہے ''قاموس''۔ کیونکہ یہ اس کے لیے بدصورتی

وَلٰكِنَّهُ غَيْرُ مُتَّصِلٍ فَحُكُومَةُ عَدْلٍ وَلَوْ مُتَّصِلًا فَكُلُّ الدِّيَةِ (وَشَعْرُ الرَّأْسِ كَذٰلِكَ) أَيْ إذَا حُلِقَ وَلَمْ يَنْبُتْ كَذَا رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ فِيهِمَا حُكُومَةُ عَدْلٍ وَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا قِصَاصَ فِي الشَّعْرِ مُطْلَقًا، وَلَوْ مَاتَ قَبْلَ تَمَامِ السَّنَةِ وَلَمْ يَنْبُتْ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ كَشَعْرِ صَدْرٍ وَسَاعِدٍ وَسَاقٍ

لیکن غیر متصل ہوں تو اس میں عادل کا فیصلہ ہوگا اگر وہ بال متصل ہوں تو پوری دیت لازم ہوگی۔ سر کے بالوں کا یہی حکم ہے یعنی جب ان کا حلق کیا گیا اور وہ نہ اگیں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں عادل کا فیصلہ ہے۔ یہ جان لو کہ بالوں میں کوئی شے لازم نہ ہوگی اگر سال مکمل ہونے سے پہلے مر جائے۔ اور بال نہ اگیں تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی جس طرح سینہ، کلائی اور پنڈلی کے بالوں کا معاملہ ہے۔

کا باعث ہوتی ہے اس کے لیے زینت کا باعث نہیں ہوتی۔

35283۔ (قولہ: فَحُكُومَةُ عَدْلٍ) کیونکہ اس میں بعض جمال ہوتا ہے۔ ''ہدایہ''۔

35284۔ (قولہ: فَكُلُّ الدِّيَةِ) کیونکہ وہ کوسج (کھودا) نہیں اور اس میں جمال کا معنی پایا جا رہا ہے، ''ہدایہ''۔

35285۔ (قولہ: وَشَعْرُ الرَّأْسِ كَذٰلِكَ) خواہ وہ مرد کے بال ہوں، عورت کے بال ہوں، بڑے کے ہوں یا چھوٹے کے ہوں، ''معراج''۔

35286۔ (قولہ: أَيْ إذَا حُلِقَ وَلَمْ يَنْبُتْ) یعنی اس طریقہ پر اس کو مونڈے کہ اس میں گنجا پن ظاہر ہو جائے۔ کیونکہ اس کو عظیم عیب شمار کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے گنجا آدمی اپنا سر ڈھانپنے کا تکلف کرتا ہے جس طرح وہ اپنے عیوب پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ ''اتقانی''۔ یہ سب اس وقت ہے جب اگنے کی جگہ خراب ہو جائے اگر وہ اگ آئے یہاں تک کہ وہ درست ہو جائے جس طرح وہ تھے تو کوئی شے واجب نہ ہوگی ورنہ صحیح یہ ہے کہ اس میں عادل کا فیصلہ ہوگا ''اتقانی''۔ اگر وہ غلام ہو تو اس میں نقصان کی چٹی ہوگی۔ ''جوہرہ''۔

35287۔ (قولہ: فِيهِمَا) یعنی ڈاڑھی اور اس کے بالوں میں۔

35288۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی اگرچہ ڈاڑھی اور سر کے بالوں میں عمداً ہو۔ اسی طرح ابرو کے بالوں میں ہے، ''معراج''۔ کیونکہ قصاص عقوبت ہے پس یہ قیاس سے ثابت نہیں ہوگا۔ بے شک یہ نص یا دلالت سے ثابت ہوگا۔ نص نفس اور زخموں میں وارد ہے۔ یہ ان دونوں کے معنی میں نہیں۔ کیونکہ اس سے اسے درد نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں سرایت کرنے کا وہم ہوتا ہے ''زیلعی''۔ عمد کی صورت میں اس کے مال میں سے اور خطا کی صورت میں اس کی عاقلہ پر نیت لازم ہوگی جس طرح قتل میں ہوتا ہے۔ ''اتقانی'' نے اسے بیان کیا ہے۔ ''معراج'' میں ہے: پھر یہ قول کیا گیا ہے: بالوں کے حق میں خطا کی صورت یہ ہے کہ وہ اسے گمان کرے کہ یہ مباح الدم ہے پھر یہ واضح ہوا کہ یہ غیر مباح الدم ہے۔

35289۔ (قولہ: فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ) یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: عادل کا

(وَالعَيۡنَيۡنِ وَالشَّفَتَيۡنِ وَالۡحَاجِبَيۡنِ وَالرِّجۡلَيۡنِ وَالۡأُذُنَيۡنِ وَالۡأُنۡثَيَيۡنِ) أَيِ الۡخُصۡيَتَيۡنِ (وَثَدۡيَيِ الۡمَرۡأَةِ) وَحَلَمَتَيۡهِمَا وَالۡأَلۡيَتَيۡنِ إِذَا اسۡتَأۡصَلَهُمَا وَإِلَّا فَحُكُومَةُ عَدۡلٍ وَكَذَا فَرۡجُ الۡمَرۡأَةِ مِنَ الۡجَانِبَيۡنِ (الدِّيَةُ) وَفِي ثَدۡيِ الرَّجُلِ حُكُومَةُ عَدۡلٍ

اور دونوں آنکھوں میں، دونوں ہونٹوں میں، دونوں ابروؤں میں، دونوں پاؤں میں، دونوں کانوں میں اور دونوں خصیوں میں، عورت کے دونوں پستانوں میں، ان دونوں گھنڈیوں میں اور دونوں سرینوں میں جب ان دونوں کو جڑ سے کاٹ دے (تو پوری دیت لازم ہوگی) بصورت دیگر عادل کی حکومت ہوگی۔ اسی طرح عورت کی شرمگاہ جانبین سے قطع کرنے میں دیت ہوگی۔ مرد کا پستان کاٹنے میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔

فیصلہ واجب ہوگا ''معراج''۔ اسی کی مثل ڈاڑھی میں گزر چکا ہے۔

آنکھوں، ہونٹوں، ابروؤں، پاؤں، کانوں، خصیوں، عورت کے پستانوں وغیرہ میں دیت کا حکم

35290۔ (قولہ: وَالۡعَيۡنَيۡنِ) کیونکہ ان اشیا میں سے دونوں کے فوت کر دینے میں جنس منفعت کو فوت کرنا ہے یا کامل جمال کو فوت کرنا ہے پس کامل دیت ہوگی۔ اور دونوں میں سے ایک کے فوت کرنے میں نصف کو فوت کرنا ہے پس نصف دیت واجب ہوگی۔ ''ہدایہ''۔

35291۔ (قولہ: وَالۡأُنۡثَيَيۡنِ) کیونکہ اس سے منی ٹپکانے اور نسل کی منفعت کو فوت کرنا لازم آتا ہے، ''زیلعی''۔

تنبیہ: ''تاتر خانیہ'' میں ''تحفہ'' سے مروی ہے: جب اس نے دونوں خصیوں کو آلہ تناسل کے ساتھ قطع کر دیا تو اس پر دو دیتیں لازم ہوں گی۔ اسی طرح اگر وہ آلہ تناسل کو پہلے قطع کرے۔ کیونکہ آلہ تناسل کے قطع کرنے سے خصیتین کی منفعت قائم رہتی ہے جو منفعت، منی کو روکنا ہے۔ جہاں تک اس کے برعکس کا تعلق ہے تو اس میں خصیتین کی دیت ہوگی۔ اور آلہ تناسل کے لیے عادل کا فیصلہ ہوگا ملخص۔ کیونکہ آلہ تناسل کے قطع کرنے سے قبل اس کی منفعت فوت ہو چکی ہے۔

اس میں ہے: اس کے ایک خصیہ کو قطع کیا تو اس کا پانی منقطع ہو گیا تو ایک مکمل دیت اور نصف دیت لازم ہوگی۔

35292۔ (قولہ: وَثَدۡيَيِ الۡمَرۡأَةِ وَحَلَمَتَيۡهِمَا) کیونکہ دودھ پلانے کی منفعت کو فوت کر چکا ہے، ''زیلعی''۔ اس میں صغیرہ اور کبیرہ برابر ہیں۔ ''اتقانی''۔ کیا دونوں پستانوں کو جب عمداً کاٹے تو اس میں قصاص ہوگا۔ کتب ظاہرہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ انثیین کا معاملہ اسی طرح ہے۔ ''تاتر خانیہ''۔

35293۔ (قولہ: وَكَذَا فَرۡجُ الۡمَرۡأَةِ) ''الخلاصہ'' میں ہے: اگر وہ عورت کی شرمگاہ کو قطع کر دے اور وہ اس حال میں ہو جائے کہ وہ بول کو نہیں روک سکتی تو اس میں دیت لازم ہوگی۔ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: اگر وہ اس حال میں ہو کہ اس کے ساتھ جماع کرنا ممکن نہ ہو تو اس میں دیت ہوگی۔

35294۔ (قولہ: وَفِي ثَدۡيِ الرَّجُلِ حُكُومَةُ عَدۡلٍ) کیونکہ اس میں منفعت کو فوت کرنا نہیں پایا جاتا اور نہ ہی کامل

(وَفِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ) الْمُزْدَوِجَةِ (نِصْفُ الدِّيَةِ وَفِي أَشْفَارِ الْعَيْنَيْنِ الْأَرْبَعَةِ) جَمْعُ شُفْرَةٍ بِضَمِّ الشِّينِ وَتُفْتَحُ الْجَفْنُ أَوْ الْهُدْبُ (الدِّيَةُ) إِذَا قَلَعَهَا لَمْ تَنْبُتْ (وَفِي أَحَدِهَا رُبُعُهَا) وَلَوْ قَطَعَ جُفُونَ أَشْفَارِهَا فَدِيَةٌ وَاحِدَةٌ لِأَنَّهُمَا كَشَيْءٍ وَاحِدٍ وَفِي جَفْنٍ لَا شَعْرَ عَلَيْهِ حُكُومَةُ عَدْلٍ،

ان جوڑہ جوڑہ چیزوں میں سے ہر ایک میں نصف دیت ہوگی اور دونوں آنکھوں کی چار پلکوں میں دیت ہوگی۔ اشفار یہ شُفرہ کی جمع ہے بعض اوقات اس کو شَفرہ پڑھتے ہیں۔ اس سے مراد پلک یا پلک کے بال ہیں جب وہ ان کو اکھیڑ دے اور وہ نہ رگیں۔ اور ان میں سے ایک میں دیت کا چوتھائی ہوگا۔ اگر اس کی پلکوں کو کاٹ دے تو ایک دیت لازم ہوگی۔ کیونکہ دونوں ایک شے کی طرح ہیں۔ اور ایسی پلک جس پر بال نہ ہوں عادل کا فیصلہ ہوگا۔

طور پر جمال کو فوت کرنا لازم آتا ہے، ''زیلعی''۔ اس کے پستان کی گھنڈی میں اس کے علاوہ عادل کا فیصلہ ہوگا ''خلاصہ''۔

35295۔ (قولہ: جَمْعُ شُفْرَةٍ) ''المنح'' میں اسی طرح تا کے ساتھ ہے میں نے اسے کسی اور جگہ نہیں دیکھا ان کی کلام میں شفر تا کے بغیر ہے۔

35296۔ (قولہ: الْجَفْنُ) یعنی اس کی طرف۔ ''قہستانی'' نے کہا: یہ شفر جس کی شین مضموم ہے کی جمع ہے۔ اس سے مراد حرف چھپر کی طرف ہے جو آنکھ کو ڈھانپ دے۔ یہ جفن (نیام) سے ماخوذ ہے۔ اس سے مراد بال نہیں جو اس کے اوپر ہوتے ہیں جنہیں ہدب کہتے ہیں۔ یہ جائز ہے کہ مجازاً ہدب لیا جائے۔ ''مغرب'' میں ہے: ہر شے کا شفر اس کا حرف (کنارہ) ہوتا ہے اور آنکھ کا شفر اہداب کے اگنے کی جگہ ہے۔ کیونکہ شفر میں سے ہر ایک اور اس کے منابت میں کامل دیت ہے جس طرح ان دونوں کو اکٹھے کاٹ دے تو کامل دیت ہوتی ہے۔ کیونکہ دونوں ایک شے ہیں جیسے ناک کا نرم گوشہ بانسہ کے کاٹنے کے ساتھ ہوتا ہے۔

35297۔ (قولہ: لَمْ تُنْبِتْ) یہ حرف مضارع کے ضمہ کے ساتھ ہے یہ انبات سے ہے اگر اس سے معنی حقیقی کا ارادہ کیا جائے جو جفون ہیں اور فتحہ کے ساتھ ہوگا اگر اس سے مراد اہداب لیا جائے۔ ''شرنبلالیہ'' میں کہا: تاخیر اور مہلت کا ذکر نہیں کہا شاید یہ لحیہ کی طرح ہے۔

35298۔ (قولہ: وَفِي أَحَدِهَا رُبُعُهَا) کیونکہ ان کے ساتھ جمال کامل طور پر متعلق ہوتا ہے اور ان کے ساتھ آنکھ سے آلودگی اور تنکے کو دور کیا جاتا ہے۔ اس کا ختم کر دینا یہ بصارت میں کمی کر دیتا ہے اور اندھے پن کا باعث ہوتا ہے۔ جب سب میں دیت واجب ہوتی ہے جب کہ وہ چار ہیں تو ایک میں دیت کا چوتھائی ہوگا اور دو میں اس کا نصف ہوگا۔ اور تین میں اس کا تین چوتھائی ہوگا، ''زیلعی''۔ عورت میں اس کا نصف واجب ہوگا جو مرد میں واجب ہوتا ہے، ''اتقانی''۔

35299۔ (قولہ: وَلَوْ قَطَعَ جُفُونَ أَشْفَارِهَا) یہ ''المنح'' میں اسی طرح ہے۔ زیادہ واضح الجفون باشفارھا ہے۔ ''التبیین'' میں کہا: اگر وہ جفون کو اس کے بالوں کے ساتھ کاٹ دے تو ایک دیت واجب ہوگی۔ کیونکہ اشفار، جفون کے ساتھ ایک شے کی طرح ہیں جس طرح ناک کا نرم گوشہ بانسے کے ساتھ اور موضحہ بالوں کے ساتھ۔ اگر آنکھ کو اس کے جفون کے ساتھ

لَكِنَّ الْمُعْتَمَدَ أَنَّ فِي كُلِّ دِيَةٍ كَامِلَةٍ جَفْنًا أَوْ شَعْرًا (وَفِي كُلِّ أُصْبُعٍ مِنْ أَصَابِعِ الْيَدَيْنِ أَوْ الرِّجْلَيْنِ عُشْرُهَا وَمَا فِيهَا مَفَاصِلُ فَفِي أَحَدِهِمَا ثُلُثُ دِيَةِ الْإِصْبَعِ وَنِصْفُهَا) أَيْ نِصْفُ دِيَةِ الْأُصْبُعِ (لَوْ فِيهَا مَفْصَلَانِ كَالْإِبْهَامِ (وَفِي كُلِّ سِنٍّ) يَعْنِي مِنْ الرَّجُلِ إِذْ دِيَةُ سِنِّ الْمَرْأَةِ

لیکن قابل اعتماد قول یہ ہے کہ ہر ایک میں کامل دیت ہے وہ پلک ہو یا بال ہوں۔ دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کی انگلیوں میں سے ہر ایک انگلی میں دیت کا دسواں ہوگا اور ان میں جو جوڑ ہیں تو ایک جوڑ میں انگلی کی دیت کا ایک تہائی اور انگلی کی دیت کا نصف ہوگا اگر اس میں دو جوڑ ہوں جیسے انگوٹھا۔ مرد کے ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں۔ کیونکہ عورت کے دانت

نکال دے تو دو دیتیں واجب ہوں گی: آنکھ کی دیت اور ان جفون کی دیت جیسے دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں۔ ''جوہرہ''۔ ''ط''۔

35300۔ (قولہ: وَفِي جَفْنٍ لَا شَعْرَ عَلَيْهِ حُكُومَةُ عَدْلٍ) ''غایۃ البیان'' میں ''تحفہ'' سے اسی طرح مروی ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''ہندیہ'' سے انہوں نے ''المحیط'' سے نقل کیا ہے۔

35301۔ (قولہ: لَكِنَّ الْمُعْتَمَدَ الخ) میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس نے یہ ذکر کیا'' ط''۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ صرف دوسرے مسئلہ پر استدراک ہے۔

جہاں تک ان کے قول: ولو قطع جفون اشفارھا ہدایہ، ''تبیین'' وغیرہما۔ شارحین نے اسی پر اکتفا کیا ہے۔

ان کے کلام کا حاصل یہ ہے: یہ جفن (پلک) جس پر بال نہ ہوں یا صرف بال جب وہ صرف ایک کو قطع کرے تو اس میں کامل دیت ہوگی۔ اس کی موافقت وہ قول کرتا ہے جو ''الاختیار'' میں ہے کیونکہ کہا: اگر وہ صرف اس کی پلکیں کاٹے جب کہ ان میں اہداب (بال) نہ ہوں تو ان میں دیت ہوگی۔ اسی طرح اہداب کا معاملہ ہے۔ اگر دونوں کو اکٹھے کاٹے تو ایک دیت ہوگی۔

35302۔ (قولہ: جَفْنًا أَوْ شَعْرًا) خواہ وہ جفن ہو یا جفن کے بال ہوں یہ کان محذوفہ کی خبر ہے۔ ایک نسخہ میں شفرہ فا کے ساتھ ہے'' ط''۔

35303۔ (قولہ: كَالْإِبْهَامِ) کاف استقصائیہ (کسی مسئلہ کی انتہا تک پہنچنا) ہے۔'' ط''۔

دانتوں کی دیت کا شرعی حکم

35304۔ (قولہ: وَفِي كُلِّ سِنٍّ) سن اسم جنس ہے جس کے تحت بتیس داخل ہو جاتے ہیں ان میں سے چار ثنایا ہیں۔ یہ چار سامنے کے دانت ہیں دو اوپر کے اور دو نیچے کے۔ ان کی مثل رباعیات ہیں یہ وہ دانت ہیں جو ثنایا کے ساتھ ملے ہوتے ہیں۔ ان کی مثل انیاب ہیں جو رباعیات کے ساتھ ملے ہوتے ہیں۔ ان کی مثل ضواحک ہیں جو انیاب کے ساتھ ملے ہوتے ہیں۔ اور بارہ دانت ایسے ہوتے ہیں جن کو طواحن کہتے ہیں ہر جانب تین اوپر اور تین نیچے ہوتے ہیں۔ ان کے بعد ایک دانت ہوتا ہے یہ دانتوں میں سے آخری ہوتا ہے جسے ضرس الحلم کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ بالغ ہونے کے بعد کمال عقل کے وقت پیدا ہوتی ہیں، ''عنایۃ''۔

نِصْفُ دِيَةِ الرَّجُلِ جَوْهَرَةٌ (خَمْسٌ مِنَ الْإِبِلِ) أَوْ خَمْسُونَ دِينَارًا (أَوْ خَمْسُمِائَةِ دِرْهَمٍ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي كُلِّ سِنٍّ خَمْسٌ مِنَ الْإِبِلِ يَعْنِي نِصْفَ عُشْرِ دِيَتِهِ لَوْ حُرًّا وَنِصْفَ عُشْرِ قِيمَتِهِ لَوْ عَبْدًا فَإِنْ قُلْتَ تَزِيدُ حِينَئِذٍ دِيَةُ الْأَسْنَانِ كُلِّهَا عَلَى دِيَةِ النَّفْسِ بِثَلَاثَةِ أَخْمَاسِهَا قُلْتُ نَعَمْ وَلَا بَأْسَ فِيهِ لِأَنَّهُ ثَابِتٌ بِالنَّصِّ عَلَى خِلَافِ الْقِيَاسِ كَمَا فِي الْغَايَةِ وَغَيْرِهَا وَفِي الْعِنَايَةِ وَلَيْسَ فِي الْبَدَنِ مَا يَجِبُ بِتَفْوِيتِهِ أَكْثَرُ مِنْ قَدْرِ الدِّيَةِ سِوَى الْأَسْنَانِ وَقَدْ تُوجَدُ نَوَاجِذُ أَرْبَعَةٌ فَتَكُونُ أَسْنَانُهُ سِتًّا وَثَلَاثِينَ ذَكَرَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ قُلْتُ وَحِينَئِذٍ فَلِلْكَوْسَجِ دِيَةٌ وَخُمُسَا دِيَةٍ

کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہوگی "جوہرہ"۔ یا پچاس دینار ہوگی یا پانچ سو درہم ہوگی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ہر دانت میں پانچ اونٹ ہیں (1) یعنی اس کی دیت کے دسواں کا نصف اگر وہ آزاد ہوا گر وہ غلام ہو تو اس کی قیمت کے دسویں کا نصف لازم ہوگا۔ اگر تو کہے: اس وقت تمام دانتوں کی دیت نفس کی دیت سے 3/5 زائد ہوگی۔ میں کہتا ہوں: ہاں اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ خلاف قیاس نص سے ثابت ہے جس طرح "الغایہ" وغیرہا میں ہے۔ "العنایہ" میں ہے: بدن میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کی تفویت سے دیت سے زائد واجب ہو۔ مگر دانتوں کا معاملہ مختلف ہے۔ بعض اوقات چار ڈاڑھیں پائی جاتی ہیں تو اس کے دانت چھتیس ہو جاتے ہیں، "قہستانی" نے اس کا ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: اس وقت کوسج کے لیے پوری دیت اور دیت کا 2/5 ہوگا

35305۔ (قولہ: نِصْفُ دِيَةِ الرَّجُلِ) یعنی اس کے دانت کی دیت کا نصف۔

35306۔ (قولہ: خَمْسٌ مِنَ الْإِبِلِ) ہر اونٹ کی قیمت دو سو درہم ہے۔ "اتقانی"۔

35307۔ (قولہ: يَعْنِي الخ) جس کا ذکر کیا گیا اس سے مراد آزاد ہے۔ جہاں تک غلام کا تعلق ہے تو اس کی دیت اس کی قیمت ہوگی پس اس کا بیسواں حصہ واجب ہوگا۔

35308۔ (قولہ: بِثَلَاثَةِ أَخْمَاسِهَا) یہ غالب پر مبنی ہے کہ دانت بتیس ہوتے ہیں پس ان میں سولہ ہزار درہم واجب ہوتے ہیں یہ نفس کی دیت اور اس کا 3/5 ہے۔

35309۔ (قولہ: وَلَا بَأْسَ فِيهِ) اگرچہ قیاس کے مخالف ہے کیونکہ نص کے ساتھ کوئی قیاس نہیں۔

35310۔ (قولہ: كَمَا فِي الْغَايَةِ) یعنی امام قوام الدین کی "غایۃ البیان"۔ "اتقانی"۔

35311۔ (قولہ: وَقَدْ تُوجَدُ نَوَاجِذُ أَرْبَعَةٌ) نواجذ یہ دانش کی ڈاڑھیں ہیں۔ "مغرب"۔

35312۔ (قولہ: فَلِلْكَوْسَجِ الخ) یعنی جب اس کے تمام دانت اکھیڑ دیے جائیں تو اس کی مکمل دیت اور دیت کے دو خمس ہوں گے یعنی 2/5 دیت لازم ہوگی۔ یہ چودہ ہزار درہم ہیں۔ کیونکہ اس کے دانت اٹھائیس ہیں۔ حکایت بیان

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدیات، باب دیۃ الاسنان، جلد 2، صفحہ 179، حدیث نمبر 2640

وَلِغَيْرِهِ إِمَّا دِيَةٌ وَنِصْفٌ أَوْ ثَلَاثَةُ أَخْمَاسٍ أَوْ أَرْبَعَةُ أَخْمَاسٍ وَعَلِمْتَ أَنَّ الْمَرْأَةَ عَلَى النِّصْفِ فَتَبَصَّرْ (وَتَجِبُ دِيَةٌ كَامِلَةٌ
اور اس کے علاوہ کے لیے دیت اور نصف یا 3/5 یا 4/5 دیت ہوگی۔ اور تو یہ جان چکا ہے کہ عورت مرد کے مقابلہ میں نصف کی مستحق ہوتی ہے۔ پس اس میں خبردار ہو جایئے اور ہر ایسے عضو میں کامل دیت واجب ہوتی ہے

کی جاتی ہے ایک عورت نے اپنے خاوند سے کہا: یا کوسبح۔ اے کھودے! خاوند نے کہا: اگر میں کوسج ہوں تو تجھے طلاق ہے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: اس کے دانت شمار کیے جائیں اگر اٹھائیس ہوں تو وہ کوسج ہیں۔ ''معراج''۔

35313۔ (قولہ: وَلِغَيْرِهِ الخ) ضمیر سے مراد کوسج ہے یعنی کوسج کے علاوہ کے لیے۔ کیونکہ اس کے علاوہ یا تو اس کے تیس دانت ہوں گے تو اس کے لیے مکمل دیت اور نصف دیت ہوگی۔ اور وہ پندرہ ہزار ہے یا اس کے دانت بتیس ہوں گے تو اس کے ایک پوری دیت اور دیت کا 3/5 ہوگا۔ اور وہ سولہ ہزار ہے یا اس کے دانت چھتیس ہوں گے تو اس کے لیے مکمل دیت اور اس کی دیت کا 4/5 ہوگا اور وہ اٹھارہ ہزار ہے۔

تنبیہ

''خلاصہ'' میں کہا: ایک آدمی کے دانت کو ضرب لگائی گئی یہاں تک کہ وہ حرکت کرنے لگا اور وہ دانت گر گیا وہ ضرب خطا ہو تو عاقلہ پر پانچ سو واجب ہوں گے اگر وہ عمداً ہو تو قصاص لیا جائے گا۔

یہ جان لو کہ دیت اور اس کا 3/5 جو سولہ ہزار ہے یہ تین سالوں میں واجب ہوگی۔ لیکن ''جوہرہ'' وغیرہا میں کہا: پہلے سال دیت کے دو تہائی واجب ہوں گے۔ ایک تہائی کی مکمل دیت اور دوسرا تہائی 3/5 کا اور دوسرے سال دیت کا ایک تہائی اور 3/5 کا باقی ماندہ اور تیسرے سال دیت کا ایک تہائی۔ وہ وہ ہے جو کامل دیت میں سے باقی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے دیت تین سالوں میں ادا کرنا ہوتی ہے ہر سال میں ایک تہائی لازم ہوتا ہے۔ اور اس کے 3/5 واجب ہوتا ہے یہ چھ ہزار ہوتے ہیں جو دو سالوں میں ادا کرنا ہوتے ہیں ان میں سے پہلے سال ایک تہائی اور باقی ماندہ دوسرے سال۔ ''اتقانی'' نے ''شرح الطحاوی'' سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس تعبیر کی بنا پر چھ ہزار، چھ سو اور سڑسٹھ اور دو تہائی دوسرے سال چھ ہزار اور تیسرے سال تین ہزار، تین سو، تینتیس اور تہائی۔ لیکن ''مجتبیٰ''، ''تاتر خانیہ'' وغیرہا میں ''المحیط'' سے مروی ہے کہ دوسرے سال چھ ہزار چھ سو، تینتیس اور ایک تہائی اور تیسرے سال تین ہزار۔ اس کی مثل ''المنح'' میں ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ دوسری روایتیں ہیں۔ تامل۔

ہر ایسا عضو جس کی منفعت ضائع ہو جائے اس میں کامل دیت ہوگی

35314۔ (قولہ: وَتَجِبُ دِيَةٌ كَامِلَةٌ) یعنی اس عضو کی دیت۔ ''رملی''۔ کیونکہ ہاتھ یا آنکھ میں نفس کی دیت

فِي كُلِّ عُضْوٍ ذَهَبَ نَفْعُهُ) بِضَرْبِ ضَارِبٍ (كَيَدٍ شُلَّتْ وَعَيْنٍ ذَهَبَ ضَوْءُهَا وَصُلْبٍ انْقَطَعَ مَاؤُهُ) وَكَذَا أَوْ سَلَسِ بَوْلِهِ أَوْ أَحْدَبِهِ وَلَوْ زَالَتْ الْحُدُوبَةُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَلَوْ بَقِيَ أَثَرُ الضَّرْبَةِ فَحُكُومَةُ عَدْلٍ (وَيَجِبُ حُكُومَةُ عَدْلٍ بِإِتْلَافِ عُضْوٍ ذَهَبَ نَفْعُهُ إِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ جَمَالٌ كَالْيَدِ الشَّلَّاءِ أَوْ أَرْشُهُ كَامِلًا إِنْ كَانَ فِيهِ جَمَالٌ كَالْأُذُنِ الشَّاخِصَةِ) هُوَ الطَّرَشُ

جس کی منفعت ضارب کے ضرب لگانے سے ضائع ہو جائے جیسے ہاتھ جو شل ہو جائے، عین جس کا نور ختم ہو جائے اور صلب جس کا پانی منقطع ہو جائے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر اس کو مسلسل بول کا مرض لگ جائے یا اس کی کمر کو دہرا کر دے۔ اگر اس کا کبڑا پن زائل ہو جائے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی اگر ضرب کا اثر باقی رہے تو عادل کا فیصلہ ہوگا اور ایسے عضو کے تلف کر دینے سے عادل کا فیصلہ واجب ہوگا۔ جس کا نفع واجب ہو جائے اگر اس میں جمال نہ ہو جیسے شل ہاتھ یا اس کی کامل دیت اگر اس میں جمال ہو جیسے اٹھا ہوا کان وہ گوش کی گرانی ہے۔

واجب ہوتی ہے۔ کیونکہ نفس کی دیت دس چیزوں میں واجب ہوتی ہے وہ جس طرح ''المنح'' میں ''المجتبیٰ'' سے مروی ہے: عقل، سر کے بال، ناک، زبان، ڈاڑھی، پشت جب وہ اس کو توڑ دے اور جب اس کا پانی منقطع ہو جائے، جب اس کو سلس البول کا مرض لگ جائے۔ اور دبر جب اس میں نیزہ مارے پس وہ کھانے کو نہ روک سکے۔ اور آلہ تناسل کو کاٹ دے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

35315۔ (قولہ: أَوْ أَحْدَبِهِ) کیونکہ اس میں جمال کی منفعت کامل طور پر فوت کرنا ہے کیونکہ آدمی کا جمال اس میں ہے کہ سیدھے قد والا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کے فرمان: لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (التین) میں یہی مراد ہے، ''زیلعی''۔

35316۔ (قولہ: فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ) ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: اس پر طبیب کی اجرت لازم ہوگی۔ ''طحطاوی'' نے ''ہندیہ'' سے نقل کیا ہے۔

35317۔ (قولہ: أَوْ أَرْشُهُ) اس کا عطف حکومۃ پر ہے۔ اور آنے والی مثال میں ارش سے مراد نصف دیت ہے۔

35318۔ (قولہ: كَالْأُذُنِ الشَّاخِصَةِ) جو اٹھا ہوا ہو۔ یہ شخص سے مشتق ہے جس کا معنی بلند ہونا ہے ''معراج'' ''عزمیہ''۔ اس کی قید لگانا اس وہم کو دور کرنے کے لیے ہے جو یہ کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد قوت سماعت لی جائے، ''عنایہ''۔ کیونکہ کلام اس کے بارے میں ہے جس میں جمال کو ختم کرنا اور قوت سماعت کا ختم ہونا ہے جنس میں منفعت کی جنس کو فوت کرنا ہے اور اس میں کامل دیت ہوگی۔

35319۔ (قولہ: هُوَ الطَّرَشُ) میں نے اس کے علاوہ کسی کے ہاں یہ نہیں دیکھا اور یہ نہیں جانتا کہ انہوں نے اسے کہاں سے اخذ کیا ہے۔

وَسَيَجِيءُ مَا لَوْ أَلْصَقَهُ فَالْتَحَمَ فِي أَوَاخِرِ هَذَا الْفَصْلِ
عنقریب اس فصل کے اواخر میں آئے گا: اگر وہ کان چپائے اور اس کا گوشت ابھر آئے۔

35320_(قولہ: وَسَيَجِيءُ مَا لَوْ أَلْصَقَهُ) یعنی کان کو چسپاں کر دے اس کی ضمیر کو مذکر ذکر کیا ہے یعنی الصقہ کہا الصقھا نہیں کہا یہ عضو کے اعتبار سے ہے جو آگے آئے گا۔ وہ ریش کا جواب ہے اگر وہ ساتھ ملائے اور اس میں گوشت اگ آئے۔ کیونکہ وہ پہلے جس طرح تھا اس طرح نہیں ٹوٹتا۔

35321_(قولہ: فِي أَوَاخِرِ هَذَا الْفَصْلِ) یعنی جس میں شروع کرنے کا ارادہ کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فَصلٌ فِی الشِّجَاجِ

(وَتَخْتَصُّ) الشَّجَّةُ (بِمَا يَكُونُ بِالْوَجْهِ وَالرَّأْسِ) لُغَةً (وَمَا يَكُونُ بِغَيْرِهِمَا فَجِرَاحَةٌ) أَيْ تُسَمَّى جِرَاحَةً وَفِيهَا حُكُومَةُ عَدْلٍ مُجْتَبَى وَمِسْكِينٌ (وَهِيَ) أَيْ الشِّجَاجُ (عَشَرَةٌ الْحَارِصَةُ) بِمُهْمَلَاتٍ وَهِيَ الَّتِي تَحْرِصُ الْجِلْدَ

زخموں کا بیان

لغت میں شجہ کا لفظ ایسے زخم کے ساتھ خاص ہے جو چہرے اور سر کے ساتھ خاص ہوتا ہے اور جو زخم چہرہ اور سر کے علاوہ میں ہوتا ہے اسے جراحہ کہتے ہیں اس میں ایک عادل آدمی کا فیصلہ ہوتا ہے، ''مجتبیٰ''، ''مسکین''۔ یہ زخم دس ہیں: حارصہ: یہ لفظ نقطوں کے بغیر ہے یہ وہ زخم ہوتا ہے جو جسم میں خراش ڈال دیتا ہے۔

یہ شجہ کی جمع ہے جب ان انواع میں سے ایک نوع ہے جو نفس سے کم ہے اور اس کے مسائل بہت زیادہ ہیں تو ان کو علیحدہ فصل میں ذکر کیا، ''منح''۔

شجہ کی تعریف

35322۔(قولہ: وَتَخْتَصُّ الشَّجَّةُ الخ) ''ہدایہ'' میں کہا: حکم حقیقت پر ایک ہے یعنی شجاج کا حکم چہرے اور سر میں ثابت ہوگا جیسا لغت میں اس کا حقیقی معنی ہے۔ کیونکہ لغت میں شجہ صرف اسے کہتے ہیں جو ان دونوں میں نہ کسی اور عضو میں ہو۔ ان کے علاوہ میں جو زخم ہو ان دونوں میں جو مقدر ہے وہ ثابت نہیں بلکہ عادل کی حکومت ثابت ہوگی، ''اتقانی''۔ اگر مثلاً موضحہ مستحق ہو جیسے پنڈلی اور ہاتھ میں تو وہ چٹی (دیت) لازم نہ ہوگی جو اس کے لیے مقدر ہے۔ کیونکہ یہ جراحہ ہے موضحہ نہیں۔ اور زخموں میں سے کوئی ایسا زخم نہیں جس کی دیت معلوم ہو مگر جائفہ ایسا زخم ہے جس کی دیت معلوم ہو جس طرح ''ظہیریہ'' میں ہے۔ دونوں جبڑے ہمارے نزدیک چہرے میں سے ہیں یہاں تک کہ اگر اس میں موضحہ، ہاشمہ اور منقلہ زخم پائے جائیں تو ان کے لیے مقدر دیت ہوگی جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔ شجاج میں سے صرف موضحہ، ہاشمہ، منقلہ اور آمہ میں مقدر دیت ہے جس طرح عنقریب اس کی وضاحت آئے گی۔

شجہ کا شرعی حکم

35323۔(قولہ: وَفِيهَا حُكُومَةُ عَدْلٍ) کیونکہ تقدیر توفیق تعیین سے ہوتی ہے یہ اس زخم میں وارد ہوا ہے جو سر اور چہرے کے ساتھ خاص ہیں، ''ہدایہ''۔ جراحہ کو شجہ کے ساتھ نہ دلالۃً نہ قیاساً لاحق کیا جائے گا کیونکہ وہ اس کے معنی میں نہیں۔ کیونکہ چہرہ اور سر عموماً ظاہر ہوتے ہیں پس عیب بہت ہی بڑھ کر ہوتا ہے۔ ''زیلعی'' وغیرہ نے اسے بیان کیا ہے۔

أَيْ تَخْدِشُهُ (وَالدَّامِعَةُ) بِمُهْمَلَاتٍ الَّتِي تُظْهِرُ الدَّمَ كَالدَّمْعِ وَلَا تُسِيلُهُ (وَالدَّامِيَةُ) الَّتِي تُسِيلُهُ (وَالْبَاضِعَةُ) الَّتِي تُبْضِعُ الْجِلْدَ أَيْ تَقْطَعُهُ (وَالْمُتَلَاحِمَةُ) الَّتِي تَأْخُذُ فِي اللَّحْمِ (وَالسِّمْحَاقُ) الَّتِي تَصِلُ إِلَى السِّمْحَاقِ أَيْ جِلْدَةٍ رَقِيقَةٍ بَيْنَ اللَّحْمِ وَعَظْمِ الرَّأْسِ (وَالْمُوضِحَةُ) الَّتِي تُوضِحُ الْعَظْمَ أَيْ تُظْهِرُهُ (وَالْهَاشِمَةُ) الَّتِي تَهْشِمُ الْعَظْمَ أَيْ تَكْسِرُهُ (وَالْمُنَقِّلَةُ) الَّتِي تَنْقُلُهُ بَعْدَ الْكَسْرِ (وَالْآمَّةُ الَّتِي) تَصِلُ إِلَى أُمِّ الدِّمَاغِ

دامعہ: یہ لفظ بے نقطہ ہے جو خون کو ظاہر کر دیتا ہے جیسے آنسو ہوتا ہے اور اس کو بہاتا نہیں۔ دامیہ: یہ وہ زخم ہوتا ہے جو خون کو بہاتا ہے۔ باضعہ: جو جلد کو کاٹ دیتا ہے۔ متلاحمہ: جو گوشت کو کاٹ دیتا ہے۔ سمحاق: جو سمحاق تک جا پہنچتا ہے۔ سمحاق سے مراد ایسی باریک جلد ہے جو گوشت اور سر کی ہڈی کے درمیان ہوتی ہے۔ موضحہ: جو ہڈی کو ظاہر کر دیتا ہے۔ ہاشمہ: جو ہڈی کو توڑ دیتا ہے۔ منقلہ: جو توڑنے کے بعد اس کو منتقل کر دیتا ہے۔ آمہ: جو ام دماغ تک جا پہنچتا ہے

شجہ کی اقسام

35324_(قولہ: أَيْ تَخْدِشُهُ) یہ باب ضرب سے ہے،''مختار''۔''ابن شحنہ'' نے''قاضی خان'' سے کہا: یہ وہ زخم ہوتا ہے جو جلد پر خراش ڈال دیتا ہے اس سے خون نہیں نکلتا۔ اس کو خارش کہتے ہیں۔

35325_(قولہ: الَّتِي تُبْضِعُ الْجِلْدَ) جس طرح''زیلعی'' وغیرہ نے اس کی تفسیر بیان کی ہے۔''طوری'' نے اس کا رد کیا ہے تو''زیلعی'' نے خود دس انواع میں جلد کے کٹنے کے متحقق ہونے کی تصریح کی ہے۔ پس اس میں ظاہر وہ قول ہے جو ''المحیط'' اور''البدائع'' وغیرہا میں ہے کہ یہ زخم گوشت کو کاٹ دیتا ہے۔ اس کی مثل کتب لغت میں ہے۔ اس کی تعبیر کی بنا پر متلاحم میں ایک قید کا اضافہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا جس طرح''البدائع'' وغیرہ میں ہے: یہ وہ زخم ہوتا ہے جو گوشت میں باضعہ زخم کی بنسبت زیادہ دور تک چلا جاتا ہے۔

35326_(قولہ: الَّتِي تَأْخُذُ فِي اللَّحْمِ)''مغرب'' میں کہا: یہ وہ زخم ہے جو گوشت کو پھاڑ دیتا ہے ہڈی کو نہیں توڑتا۔ پھر پھٹ جانے کے بعد گوشت بھر آتا ہے اور مل جاتا ہے۔''ازہری'' نے کہا: زیادہ مناسب یہ ہے کہ اسے لاحمہ کہا جائے یعنی جو گوشت کو کاٹ دے۔ اس کو یہ نام مایکون کے اعتبار سے دیا گیا ہے یا تفاؤل کے طریقہ پر نام دیا گیا ہے۔

35327_(قولہ: وَالسِّمْحَاقُ) جیسے قرطاس میں ہے۔

35328_(قولہ: وَالْمُوضِحَةُ) یہ ضا معجمہ کے ساتھ ہے''قہستانی''۔ شارح وغیرہ کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ یہ کسرہ کے ساتھ ہے۔

35329_(قولہ: الَّتِي تَهْشِمُ) یہ ضرب کے باب سے ہے،''مغرب''۔

35330_(قولہ: وَالْمُنَقِّلَةُ) یہ قاف کی تشدید کے ساتھ اس کے فتحہ یا کسرہ کے ساتھ ہے،''شرح وہبانیہ''۔

35331_(قولہ: وَالْآمَّةُ) یہ مد اور شد کے ساتھ ہے۔ اسے مامونہ بھی کہتے ہیں۔ اور دماغ کتاب کے وزن پر

وَهِيَ الْجِلْدَةُ الَّتِي فِيهَا الدِّمَاغُ وَبَعْدَهَا الدَّامِغَةُ بِغَيْنٍ مُعْجَمَةٍ وَهِيَ الَّتِي تُخْرِجُ الدِّمَاغَ وَلَمْ يَذْكُرْهَا مُحَمَّدٌ لِلْمَوْتِ بَعْدَهَا عَادَةً فَتَكُونُ قَتْلًا لَا شَجًّا فَعُلِمَ بِالِاسْتِقْرَاءِ بِحَسَبِ الْآثَارِ أَنَّهَا لَا تَزِيدُ عَلَى الْعَشَرَةِ (وَيَجِبُ فِي الْمُوضِحَةِ نِصْفُ عُشْرِ الدِّيَةِ) أَيْ لَوْ غَيْرَ أَصْلَعَ وَإِلَّا فَفِيهَا حُكُومَةٌ، لِأَنَّ جِلْدَهَا أَنْقَصُ زِينَةً مِنْ غَيْرِهِ قُهُسْتَانِيٌّ عَنِ الذَّخِيرَةِ

یہ وہ جلد ہوتی ہے جس میں دماغ ہوتا ہے۔ اس کے بعد دافعہ ہے یہ غین معجمہ کے ساتھ ہے۔ یہ وہ زخم ہوتا ہے جو دماغ کو خارج کر دیتا ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ اس زخم کے بعد عموماً موت واقع ہو جاتی ہے۔ پس یہ عمل قتل ہو گا زخم لگانا نہیں ہو گا۔ آثار میں بحث و تمحیص اور غور و فکر سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ دس سے زائد نہیں۔ موضحہ میں دیت کا بیسواں حصہ واجب ہو گا یعنی اگر وہ گنجا نہ ہو ورنہ اس میں عادل کا فیصلہ ہو گا۔ کیونکہ گنجے کی جلد زینت میں دوسرے شخص سے زینت میں ناقص ہوتی ہے۔ ''قہستانی'' نے ''ذخیرہ'' سے نقل کیا ہے۔

ہے یہ سر کا مغز ہے، ''قاموس''۔

35332۔ (قولہ: تُخْرِجُ الدِّمَاغَ) یعنی وہ زخم جلد کو کاٹ دیتا ہے اور دماغ کو ظاہر کر دیتا ہے۔

35333۔ (قولہ: وَلَمْ يَذْكُرْهَا مُحَمَّدٌ) اسی طرح امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے حارصہ کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ عموماً اس کا اثر باقی نہیں رہتا۔ اور جس کا کوئی اثر نہ رہے اس کا کوئی حکم باقی نہیں رہتا، ''اتقانی''۔ اسی وجہ سے ''غرر الافکار'' میں کہا: مصنف پر یہ لازم تھا کہ وہ اس کو ذکر نہ کرتے لیکن جو کتاب میں عموماً موجود ہے اس کی پیروی کی ہے۔

35334۔ (قولہ: لِلْمَوْتِ بَعْدَهَا عَادَةً) اگر وہ زندہ رہا تو اس میں ایک تہائی دیت ہو گی، ''غرر الافکار''۔

35335۔ (قولہ: نِصْفُ عُشْرِ الدِّيَةِ) اگر وہ زخم خطأ لگایا گیا ہو اگر وہ زخم عمداً لگایا گیا ہو تو قصاص میں واجب ہو گا جس طرح آگے آئے گا۔ ''کافی'' کے متفرقات میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے کو بیس زخم لگائے اگر درمیان میں صحت یابی نہ ہو تو تین سالوں میں کامل دیت واجب ہو گی اگر درمیان میں صحت یابی ہو گئی تو ایک سال میں کامل دیت واجب ہو گی، ''ط''۔

موضحہ زخم کی دیت

35336۔ (قولہ: أَيْ لَوْ غَيْرَ أَصْلَعَ) ''ہندیہ'' میں ہے: ایک گنجا آدمی ہے اس کے بال بڑھاپے کی وجہ سے گر گئے ایک انسان نے اسے جان بوجھ کر موضحہ زخم لگایا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا اس پر دیت ہو گی۔ اگر زخم لگانے والا کہے: میں اس پر راضی ہوں کہ مجھ سے قصاص لیا جائے تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہو گا۔ اگر زخم لگانے والا بھی گنجا ہو تو اس پر قصاص لازم ہو گا۔ ''محیط سرخسی'' میں اسی طرح ہے۔ ''ناطفی'' کی تالیف ''واقعات'' میں ہے: اصلع (گنجے) کا موضحہ زخم کسی اور کے موضحہ زخم سے زیادہ ناقص ہوتا ہے۔ پس چٹی بھی اس سے کم ہو گی۔ ہاشمہ زخم میں دونوں برابر ہوں گے۔ ''المنتقی'' میں ہے: ایک آدمی نے گنجے آدمی کو خطأ موضحہ زخم لگایا تو اس کے مال میں دیت لازم ہو گی موضحہ لازم

(وَفِي الْهَاشِمَةِ عُشْرُهَا وَفِي الْمُنَقِّلَةِ عُشْرٌ وَنِصْفُ عُشْرٍ وَفِي الْآمَّةِ وَالْجَائِفَةِ ثُلُثُهَا فَإِنْ نَفَذَتْ الْجَائِفَةُ فَثُلُثَاهَا) لِأَنَّهَا إذَا نَفَذَتْ صَارَتْ جَائِفَتَيْنِ فَيَجِبُ فِي كُلٍّ ثُلُثُهَا (وَفِي الْحَارِصَةِ وَالدَّامِعَةِ وَالدَّامِيَةِ وَالْبَاضِعَةِ وَالْمُتَلَاحِمَةِ وَالسِّمْحَاقِ حُكُومَةُ عَدْلٍ)

ہاشمہ میں اس کا دسواں حصہ ہوگا، منقلہ میں دسواں اور بیسواں حصہ ہوگا، آمہ اور جائفہ میں دیت کا ایک تہائی ہوگا۔ اگر جائفہ زخم آر پار ہو جائے تو اس کی دیت دو تہائی ہوگی۔ کیونکہ جب وہ آر پار ہو جائے تو وہ دو جائفہ ہو جاتے ہیں۔ پس ہر ایک میں ایک تہائی واجب ہوتا ہے۔ حارصہ، دامعہ، دامیہ، باضعہ، متلاحمہ اور سمحاق میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔

نہ ہوگا۔ اگر اسے ہاشمہ کا زخم لگائے تو اس میں ارش ہوگی جو ہاشمہ کی ارش سے کم ہوگی۔ یہ اس کی عاقلہ پر لازم ہوگی۔ ''المحیط'' میں یہ اسی طرح ہے، ''ط''۔

جائفہ کی دیت

35337۔ (قولہ: وَالْجَائِفَةِ) علما نے کہا: جائفہ زخم جوف کے ساتھ خاص ہے وہ سر کا جوف ہو یا بطن کا جوف ہو، ''ہدایہ''۔ اس تعبیر کی بنا پر شجاج کے ساتھ اس کے ذکر کرنے کی خاص وجہ ہے۔ کیونکہ بعض اوقات یہ سر میں ہوتا ہے لیکن ''اتقانی'' نے اس میں اس قول کے ساتھ اعتراض کیا ہے جو ''مختصر الکرخی'' میں ہے کہ یہ زخم نہ گردن میں ہوتا ہے اور نہ ہی حلق میں ہوتا ہے اور یہ نہیں ہوتا مگر جو سینہ، پشت، بطن اور دونوں پہلوؤں کی جانب سے جوف تک پہنچ جائے اور اس کے ساتھ اعتراض کیا ہے کہ ''الاصل'' میں موجود ہے کہ یہ ٹھوڑی سے اوپر نہیں ہوتا اور نہ ہی عانہ سے نیچے ہوتا ہے۔ ''عینی'' نے کہا: جائفہ زخم دس زخموں میں داخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس پر شجہ کا اطلاق نہیں ہوتا اسے آمہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یہ دونوں حکم میں برابر ہیں۔

35338۔ (قولہ: فَيَجِبُ فِي كُلٍّ ثُلُثُهَا) یعنی دیت کا ایک تہائی واجب ہوتا ہے۔

تنبیہ

''اتقانی'' نے کہا: تیرے لیے یہ پہچان کرنا ممکن ہے کہ جس کی دیت دیت کے بیسویں حصہ سے لے کر اس کے ایک تہائی تک ہو وہ مرد میں ہو یا عورت میں وہ خطا میں ہو عاقلہ پر وہ ایک سال میں ادا کرنا لازم ہوگی۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عاقلہ پر دیت کا فیصلہ تین سال میں لازم کیا تھا۔ پس جس کے ساتھ اس کا ایک تہائی واجب ہوگا تو وہ ایک سال میں ہوگا اگر وہ زائد ہو تو زیادتی دوسرے سال میں ہوگی۔ کیونکہ تہائی سے زائد ان میں سے ہے جو عاقلہ پر دوسرے سال لازم ہوگی۔ اگر وہ منفرد ہو تو حکم اسی طرح ہوگا اور جو دو تہائی سے زائد ہو تو دو تہائی دو سالوں تک ادا کرنا ہوگی اور زائد تیسرے سال ادا کرنا ہوگی اور جو دیت کے بیسویں حصہ میں کم ہو یا وہ جنایت عمد کی وجہ سے لازم ہوئی ہو تو وہ جنایت کرنے والے کے مال سے لازم ہوگی، ملخص۔ کیونکہ کتاب المعاقل میں آئے گا کہ عاقلہ فعل عمد کی دیت کی ذمہ دار نہ ہوگی اور نہ ہی اس دیت کی ذمہ دار ہوگی جو موضحہ سے کم ہو۔

35339۔ (قولہ: حُكُومَةُ عَدْلٍ) خطا میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔ اسی طرح عمد میں حکم ہوگا اگر ہم قصاص کا حکم نہ کریں

إِذْ لَيْسَ فِيهِ أَرْشٌ مُقَدَّرٌ مِنْ جِهَةِ السَّمْعِ، وَلَا يُمْكِنُ إِهْدَارُهَا فَوَجَبَ فِيهَا حُكُومَةُ عَدْلٍ (وَهِيَ) أَيْ حُكُومَةُ الْعَدْلِ (أَنْ يَنْظُرَ كَمْ مِقْدَارُ هَذِهِ الشَّجَّةِ مِنَ الْمُوضِحَةِ فَيَجِبُ بِقَدْرِ ذَلِكَ مِنْ نِصْفِ عُشْرِ الدِّيَةِ) قَالَهُ الْكَرْخِيُّ وَصَحَّحَهُ شَيْخُ الْإِسْلَامِ (وَقِيلَ) قَائِلُهُ الطَّحَاوِيُّ (يُقَوَّمُ الْمَشْجُوجُ (عَبْدًا بِلَا هَذَا الْأَثَرِ ثُمَّ مَعَهُ فَقَدْرُ التَّفَاوُتِ بَيْنَ الْقِيمَتَيْنِ) فِي الْحُرِّ (مِنَ الدِّيَةِ) وَفِي الْعَبْدِ مِنَ الْقِيمَةِ

کیونکہ اس میں سمع کے اعتبار سے کوئی چٹی مقدر نہیں اور اس کارائیگاں کرنا ممکن نہیں۔ پس اس میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔ عادل کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ یہ غور کرے موضحہ کے مقابلہ میں اس زخم کی کیا نسبت ہے پس دیت کے بیسویں حصہ میں سے اس کی مقدار کے مطابق حکم واجب ہو جائے گا۔ یہ امام ''کرخی'' کا قول ہے۔ ''شیخ الاسلام'' نے اس کی تصحیح کی ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے قائل ''طحاوی'' ہیں زخمی کی قیمت لگائی جائے گی جب وہ غلام ہو اس زخم کے اثر کے بغیر، پھر زخم کے ساتھ اس کی قیمت لگائی جائے گی تو دونوں قیمتوں کے درمیان تفاوت کی مقدار دیت ہوگی۔ آزاد میں اور غلام میں قیمت جیسا کہ قریب ہی آئے گا۔

35340۔ (قولہ: مِنْ جِهَةِ السَّمْعِ) یعنی دلیل سمعی سے یہ ثابت نہیں۔ کیونکہ یہ قول گزر چکا ہے کہ تعیین شارع کی جانب سے آگاہی پر منحصر ہے۔

35341۔ (قولہ: مِنَ الْمُوضِحَةِ) اسے خاص کیا ہے کیونکہ یہ ان چار زخموں سے اقل ہے جس میں معین دیت ہے۔ ''محیط'' کے قول: من اقل شجة لها ارش مقدر کی یہی مراد ہے، فافہم۔

35342۔ (قولہ: فَيَجِبُ بِقَدْرِ ذَلِكَ مِنْ نِصْفِ عُشْرِ الدِّيَةِ) جو موضحہ زخم کی دیت ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ شجہ مثلاً اگر باضعہ ہو تو دیکھا جائے گا کہ موضحہ کے مقابلہ میں باضعہ کی کیا حیثیت ہے۔ اگر وہ موضحہ کا تہائی ہو تو موضحہ کی دیت کا ایک تہائی واجب ہوگا۔ اگر وہ موضحہ کا چوتھائی ہو تو موضحہ کی دیت کا چوتھائی ہوگا ''غایۃ''۔

35343۔ (قولہ: وَصَحَّحَهُ شَيْخُ الْإِسْلَامِ) کیونکہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث ہے کیونکہ آپ نے اس پر قیاس کرتے ہوئے اس آدمی کے بارے میں عادل کے فیصلہ کا اعتبار کیا تھا جس نے اس کی زبان کی ایک جانب کاٹی تھی اور غلام کا اعتبار نہیں کیا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آزاد کا چھوٹا اور بڑا موضحہ برابر ہیں اور غلام میں صغیرہ زخم میں کبیرہ کی بنسبت تھوڑا واجب ہوتا ہے۔ ''معراج''۔

35344۔ (قولہ: فِي الْحُرِّ) یعنی یہ حکم آزاد میں شجہ کے متعلق ہے۔ یہ اس محذوف کے متعلق ہے جو ترکیب میں حال بن رہا ہے اور ان کا قول من الدية یعنی دیت لی جائے گی۔ یہ مبتدا کی خبر ہے، فافہم۔

35345۔ (قولہ: وَفِي الْعَبْدِ مِنَ الْقِيمَةِ) یعنی غلام کے شجہ میں فرق کا اندازہ لگایا جائے گا جو اس کی قیمت سے اخذ کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کی قیمت ہی اس کی دیت ہوتی ہے۔

فَإِنْ نَقَصَ الْحُرُّ عُشْرَ قِيمَتِهِ أَخَذَ عُشْرَ دِيَتِهِ، وَكَذَا فِي النِّصْفِ وَالثُّلُثِ (هُوَ) أَيْ هَذَا التَّفَاوُتُ (هِيَ) أَيْ حُكُومَةُ الْعَدْلِ (بِهِ يُفْتَى) كَمَا فِي الْوِقَايَةِ وَالنُّقَايَةِ وَالْمُلْتَقَى وَالدُّرَرِ وَالْخَانِيَّةِ وَغَيْرِهَا وَجَزَمَ بِهِ فِي الْمَجْمَعِ وَفِي الْخُلَاصَةِ إِنَّمَا يَسْتَقِيمُ قَوْلُ الْكَرْخِيِّ لَوْ الْجِنَايَةُ فِي وَجْهٍ وَرَأْسٍ فَحِينَئِذٍ يُفْتَى بِهِ وَلَوْ فِي غَيْرِهِمَا أَوْ تَعَسَّرَ عَلَى الْمُفْتِي يُفْتَى بِقَوْلِ الطَّحَاوِيِّ مُطْلَقًا لِأَنَّهُ أَيْسَرُ انْتَهَى، وَنَحْوُهُ فِي الْجَوْهَرَةِ بِزِيَادَةٍ وَقِيلَ تَفْسِيرُ الْحُكُومَةِ هُوَ مَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ مِنَ النَّفَقَةِ، وَأُجْرَةُ الطَّبِيبِ وَالْأَدْوِيَةِ إِلَى أَنْ يَبْرَأَ

پھر اگر آزاد اس کی قیمت کا دسواں حصہ کم کردے تو آزاد کی دیت کا دسواں حصہ لے گا اسی طرح نصف اور تہائی میں یہ تفاوت ہی عادل آدمی کا فیصلہ ہے اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ''وقایہ''، ''نقایہ''، ''ملتقی''، ''درر'' اور ''خانیہ'' وغیرہ میں ہے۔ اور ''مجمع'' میں اس پر جزم کیا ہے۔ خلاصہ'' میں ہے: امام ''کرخی'' کا قول درست ہو سکتا ہے اگر جنایت چہرہ اور سر میں ہو اس وقت اس کا فتویٰ دیا جائے گا۔ اگر جنایت ان دو کے علاوہ میں ہو یا مفتی پر معاملہ مشکل ہو جائے تو مطلقاً امام ''طحاوی'' کے قول پر فتویٰ دے گا۔ کیونکہ یہ زیادہ آسان ہے کلام ختم ہوئی۔ اس کی مثل ''جوہرہ'' میں وقیل کی زیادتی کے ساتھ ہے۔ حکومت کی تفسیر یہ ہے نفقہ جس کا محتاج ہوتا ہے، طبیب کی اجرت اور دوائیاں یہاں تک کہ وہ صحت مند ہو جائے۔

35346۔ (قولہ: فَإِنْ نَقَصَ) اس کی مثال ہے جب اس کی قیمت زخم کے بغیر ہزار تک پہنچتی ہے اور زخم کے ساتھ نو سو تک پہنچتی ہے تو اس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ زخم نے اس کی قیمت کے دسویں حصہ کا نقصان کیا۔ پس یہ دیت کے دسویں حصہ کو ثابت کرے گا۔ کیونکہ آزاد کی قیمت اس کی دیت ہوگی۔ ''عنایہ''۔

35347۔ (قولہ: بِهِ يُفْتَى) ''حلوانی'' نے اس کو اخذ کیا ہے تینوں ائمہ نے یہی قول کیا ہے۔ ''ابن منذر'' نے کہا: یہ ہر اس عالم کا قول ہے جس سے علم محفوظ کیا جاتا ہے، ''معراج''۔

35348۔ (قولہ: لَوْ الْجِنَايَةُ فِي وَجْهٍ وَرَأْسٍ) کیونکہ یہ دونوں موضحہ کا محل ہے، ''جوہرہ''۔

35349۔ (قولہ: أَوْ تَعَسَّرَ عَلَى الْمُفْتِي) یعنی ''کرخی'' نے جو قیاس کیا ہے۔

35350۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی چہرہ، سر یا ان دونوں کے علاوہ میں۔ یہ اطلاق ان کے قول او تعسر کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے۔

35351۔ (قولہ: وَقِيلَ الخ) لفظ زیادۃ اس کی طرف مضاف ہے اس کے ساتھ یہ محل جر میں ہے۔ ''قہستانی'' نے اس کے بعد کہا: یہ تمام احکام اس صورت میں ہیں جب زخم کا اثر باقی ہے ورنہ شیخین کے نزدیک کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس قدر لازم ہوگی جو اس نے خرچ کیا یہاں تک کہ وہ صحت مند ہو جائے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے: درد میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔ اس کی مکمل وضاحت فصل کے آخر میں آئے گی۔

(وَلَا قِصَاصَ) فِي جَمِيعِ الشِّجَاجِ (إلَّا فِي الْمُوضِحَةِ عَمْدًا) وَمَا لَا قَوَدَ فِيهِ يَسْتَوِي الْعَمْدُ وَالْخَطَأُ فِيهِ، لَكِنَّ ظَاهِرَ الْمَذْهَبِ وُجُوبُ الْقِصَاصِ فِيمَا قَبْلَ الْمُوضِحَةِ أَيْضًا ذَكَرَهُ مُحَمَّدٌ فِي الْأَصْلِ، وَهُوَ الْأَصَحُّ دُرَرٌ وَمُجْتَبًى وَابْنُ الْكَمَالِ وَغَيْرُهَا لِإِمْكَانِ الْمُسَاوَاةِ، بِأَنْ يَسْبُرَ غَوْرَهَا بِمِسْبَارٍ ثُمَّ يَتَّخِذُ حَدِيدَةً بِقَدْرِهِ فَيَقْطَعُ وَاسْتَثْنَى فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ السِّمْحَاقَ

جتنے بھی شجاج ہیں ان میں کوئی قصاص نہیں مگر ایسے موضحہ میں قصاص ہے جو عمداً کیا جائے۔ اور جس میں قصاص نہیں ہوتا اس میں عمداً اور خطا برابر ہوتے ہیں۔ لیکن ظاہر مذہب یہ ہے کہ وہ زخم جو موضحہ سے قبل مذکور ہیں ان میں قصاص واجب ہو۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے الاصل میں اس کا ذکر کیا ہے۔ یہی قول اصح ہے، ''درر''، ''مجتبیٰ''، ''ابن کمال'' وغیرہا۔ کیونکہ مساوات ممکن ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ آلہ کے ساتھ اس کی گہرائی ماپی جائے۔ پھر اس قدر لوہے کی چیز لی جائے اور اسے کاٹ دیا جائے۔ ''شرنبلالیہ'' میں سمحاق کو مستثنیٰ کیا ہے۔

35352۔ (قوله: وَلَا قِصَاصَ فِي جَمِيعِ الشِّجَاجِ) یعنی جو موضحہ سے بڑھ کر ہیں وہ بالاجماع اور جو اس سے کم درجہ کے ہیں ان میں اختلاف کے ساتھ یہ حکم ہے۔

35353۔ (قوله: إلَّا فِي الْمُوضِحَةِ عَمْدًا) یعنی جب اس کی وجہ سے کسی عضو میں خلل واقع نہ ہوا گر وہ جان بوجھ کر موضحہ زخم لگائے اور اس کی آنکھیں ضائع ہو جائیں تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قصاص واجب نہیں ہوگا۔ پس دونوں میں دیت واجب ہوگی۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: موضحہ میں قصاص ہوگا اور آنکھ میں دیت ہوگی، ''شرح المجمع'' نے ''الکافی'' سے نقل کیا ہے۔

35354۔ (قوله: وُجُوبُ الْقِصَاصِ) یعنی عمد میں قصاص کا وجوب۔

35355۔ (قوله: وَهُوَ الْأَصَحُّ) ''کافی'' میں یہ قول صحیح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ (المائدہ: 45) کا ظاہر معنی یہی ہے۔ اور مساوات کا اعتبار کرنا ممکن ہے، ''معراج''۔ عام مشائخ نے اسے اخذ کیا ہے۔ ''تاتر خانیہ''۔

35356۔ (قوله: بِأَنْ يَسْبُرَ غَوْرَهَا) سبر سے مراد زخم وغیرہ کی گہرائی کا جائزہ لینا ہے جس طرح استبار کا یہ معنی ہے غور سے مراد ہر شے کی گہرائی ہے۔ مسبار کا لفظ کتاب کے وزن پر ہے۔ مسبار اسے کہتے ہیں جس کے ساتھ زخم کی گہرائی کو پہچانا جاتا ہے ''قاموس''۔

35357۔ (قوله: وَاسْتَثْنَى فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ السِّمْحَاقَ) کیونکہ کہا: الا السمحاق۔ کیونکہ اس میں بالاجماع قصاص نہیں کیونکہ کوئی مماثلت نہیں پائی جارہی۔ کیونکہ وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ پھاڑے یہاں تک ہڈی کے اوپر باریک جلد تک پہنچ جائے۔

میں کہتا ہوں: لیکن یہ اس کے مخالف ہے جو ''ہدایہ'' کے عام شارحین وغیرہم نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ علماء نے اس کی تصریح

فَلَا يُقَادُ إِجْمَاعًا كَمَا لَا قَوَدَ فِيمَا بَعْدَهَا كَالْهَاشِمَةِ وَالْمُنَقِّلَةِ بِالْإِجْمَاعِ وَعَزَاهُ لِلْجَوْهَرَةِ فَلْيُحْفَظْ قَالَ فِي الْمُجْتَبَى وَلَا قَوَدَ فِي جِلْدِ رَأْسٍ وَبَدَنٍ وَلَحْمِ خَدٍّ وَبَطْنٍ وَظَهْرٍ وَلَا فِي لَطْمَةٍ وَوَكْزَةٍ وَوِجَاءَةٍ وَفِي سَلْخِ جِلْدِ الْوَجْهِ كَمَالُ الدِّيَةِ (وَفِي) كُلِّ أَصَابِعِ الْيَدِ الْوَاحِدَةِ نِصْفُ دِيَةٍ وَلَوْ مَعَ الْكَفِّ (لِأَنَّهُ تَبَعٌ لِلْأَصَابِعِ)

پس بالا جماع قصاص نہیں لیا جائے گا جس طرح اس کے مابعد میں قصاص نہیں لیا جائے گا۔ جیسے ہاشمہ اور منقلہ ہے اس پر علما کا اجماع ہے۔ اسے ''جوہرہ'' کی طرف منسوب کیا ہے اس کو یاد رکھا جائے۔ ''مجتبیٰ'' میں کہا: سر اور بدن کی جلد میں اور رخسار، پیٹ اور پشت کے گوشت میں قصاص نہیں۔ اور نہ ہی قصاص ہے طمانچہ میں، گھونسا میں اور ہاتھ کی ضرب میں۔ اور چہرے کی جلد کے اتارنے میں کامل دیت لازم ہوگی۔ ایک ہاتھ کی تمام انگلیوں میں نصف دیت لازم ہوگی اگر چہ ہتھیلی کے ساتھ ان کو کاٹ دے۔ کیونکہ ہتھیلی انگلیوں کے تابع ہے

کی ہے کہ ظاہر روایت ان زخموں میں قصاص واجب ہوگا جو ''موضحہ'' سے پہلے ہیں وہ چھ ہیں جو حارصہ سے سمحاق تک ہیں۔

35358_(قولہ: كَالْهَاشِمَةِ وَالْمُنَقِّلَةِ) کیونکہ ان دونوں میں ہڈی کا توڑنا ہے۔ پس مساوات ممکن نہیں۔ اسی طرح آمہ کیونکہ اس میں عموماً ہلاکت ہو جاتی ہے۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ سرایت نہ کرے۔

35359_(قولہ: وَعَزَاهُ لِلْجَوْهَرَةِ) ''طحطاوی'' نے اسے بحر زاخر کی طرف منسوب کیا ہے۔

رخسار، پیٹ اور پشت کے گوشت میں، سر اور بدن کی جلد میں قصاص نہیں

35360_(قولہ: وَلَا قَوَدَ فِي جِلْدِ رَأْسٍ) شاید یہ ظاہر روایت کے علاوہ ہے جس طرح رخسار کے گوشت میں قول کیا جاتا ہے یا جو سر میں زخم ہے اسے سمحاق پر محمول کیا جائے گا۔ جہاں تک بدن کی جلد اور بطن اور پشت کی گوشت کا تعلق ہے تو ''ہندیہ'' میں کہا: وہ زخم جو چہرے اور سر کے علاوہ ہیں ان میں عادل کا فیصلہ ہے جب تو ہڈی کو واضح کر دے اور اس کو توڑ دے جب اس کا کوئی اثر باقی ہو۔ ورنہ شیخین کے نزدیک اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس نے جو خرچ کیا ہے اس کی قیمت لازم ہوگی یہاں تک کہ وہ صحت یاب ہو جائے ''محیط سرخسی'' میں اسی طرح ہے'' ''ط''۔

تھپڑ اور مکے میں قصاص کا حکم

35361_(قولہ: وَلَا فِي لَطْمَةٍ) لطم کا معنی رخسار اور جسم کے ظاہر پر کھلی ہتھیلی کے ساتھ مارنا ہے۔ وکز سے مراد ہتھیلی اور بند ہتھیلی کے ساتھ مارنا ہے اور وجء سے مراد ہاتھ اور چھری سے مارنا ہے'' قاموس''۔ ''طحطاوی'' نے کہا: مراد ہاتھ سے مارنا ہے۔ کیونکہ چھری کے ساتھ جو مارا جائے وہ زخموں میں داخل ہوتا ہے۔ پس تینوں ہاتھ کے ساتھ مارنے کی طرف راجع ہیں جس کا ذکر کیا ہے وہ تعزیر کے ثبوت کے منافی نہیں۔

چہرے کی جلد اور ہاتھ کی ہتھیلی اور انگلیوں میں دیت کا حکم

35362_(قولہ: وَفِي سَلْخِ جِلْدِ الْوَجْهِ كَمَالُ الدِّيَةِ) کیونکہ اس صورت میں جمال مکمل طور پر فوت ہو جاتا ہے۔

وَمَعَ نِصْفِ سَاعِدٍ نِصْفُ دِيَةٍ (لِلْكَفِّ) وَحُكُومَةُ عَدْلٍ لِنِصْفِ السَّاعِدِ وَكَذَا السَّاقُ (وَفِي) قَطْعِ (كَفٍّ وَفِيهِ أُصْبُعٌ أَوْ أُصْبُعَانِ عُشْرُهَا أَوْ خُمُسُهَا) لَفٌّ وَنَشْرٌ مُرَتَّبٌ (وَلَا شَيْءَ فِي الْكَفِّ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ كَمَا لَوْ كَانَ فِي الْكَفِّ ثَلَاثُ أَصَابِعَ، فَإِنَّهُ لَا شَيْءَ فِي الْكَفِّ إِجْمَاعًا، إِذْ لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ وَفِي جَوَاهِرِ الْفَتَاوَى ضَرَبَ يَدَ رَجُلٍ وَبَرِئَ إِلَّا أَنَّهُ لَا تَصِلُ يَدُهُ إِلَى قَفَاهُ فَبِقَدْرِ النُّقْصَانِ

اور ساتھ ہی نصف کلائی کاٹ دینے میں ہتھیلی کی نصف دیت اور نصف کلائی کے لیے عادل کا فیصلہ ہوگا۔ اسی طرح پنڈلی ہے۔ اور ہتھیلی کے کاٹنے میں جب کہ اس میں ایک انگلی یا دو انگلیاں ہوں اس کا دسواں یا پانچواں حصہ ہوگا، یہ لف نشر مرتب ہے، امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کوئی شے لازم نہ ہوگی جس طرح ہتھیلی میں تین انگلیاں ہوں۔ کیونکہ ہتھیلی میں بالاجماع کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ اکثر کا حکم، کل کا حکم ہوتا ہے۔ ''جواہر الفتاویٰ'' میں ہے: ایک آدمی نے ایک آدمی کے ہاتھ پر ضرب لگائی اور وہ صحت مند ہو گیا مگر اس کے ہاتھ اس کی گدی تک نہیں پہنچتا تو نقصان کے حساب سے

35363۔ (قولہ: نِصْفُ دِيَةٍ لِلْكَفِّ) یعنی انگلیوں کے ساتھ۔

35364۔ (قولہ: وَفِيهِ أُصْبُعٌ) یہ قید نہیں۔ کیونکہ جب انگلی میں سے صرف ایک جوڑ رہ جائے تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظاہر روایت میں اس جوڑ کی دیت لازم ہوگی اور ہتھیلی کو اس کے تابع کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اس جوڑ کی دیت مقدر ہے۔ اور اصل میں سے جو چیز باقی ہے اگرچہ قلیل ہے تو تبع کی وجہ سے اس کا کوئی حکم نہیں ہوگا۔ پھر یہ جان لو کہ جب ہتھیلی کو کاٹ دیا جائے اور اس میں کوئی انگلیاں نہ ہوں۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔ اور انگلی کی دیت تک نہیں پہنچا جائے گا۔ کیونکہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہتھیلی ایک انگلی کے تابع ہے۔ پس تابع کی قیمت متبوع تک نہیں پہنچ سکتی۔ ''کفایہ''۔

35365۔ (قولہ: عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک ہتھیلی اور انگلی کی طرف دیکھا جائے گا۔ پس اس پر اکثر لازم ہو جائے گی اور قلیل کثیر میں داخل ہو جائے گی، ''ہدایہ''۔

35366۔ (قولہ: فَإِنَّهُ لَا شَيْءَ فِي الْكَفِّ) بلکہ اس پر انگلیوں کی 3/10 دیت لازم ہوگی۔

35367۔ (قولہ: إِذْ لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ) یہ ہتھیلی کا انگلیوں کے تابع ہونے کا ذکر ہے۔ پس جس طرح ہتھیلی پانچ انگلیوں کے تابع ہوتی ہے جو کل ہیں تو وہ تین کے بھی تابع ہوگی۔ پس صرف تین انگلیوں کی دیت لازم ہوگی اور ہتھیلی میں کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ ہتھیلی انگلیوں کے تابع ہے۔ یہ تعلیل حقیقت میں ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے قول کی ہے۔ جہاں تک ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا تعلق ہے تو ہتھیلی اقل کے بھی تابع ہوگی جس طرح قول گزر چکا ہے۔

35368۔ (قولہ: فَبِقَدْرِ النُّقْصَانِ) یعنی اسکی قیمت میں سے نقصان کا اندازہ لگایا جائے گا اور اس آدمی کو غلام تصور کیا جائے جب اس میں یہ عیب پایا جائے اور اس میں عیب نہ پایا جائے۔ یہ اس پر قیاس کے طریقہ پر ہے جو قول گزر چکا ہے۔ تامل

يُؤْخَذُ مِنْ جُمْلَةِ الدِّيَةِ إِنْ نَقَصَ الثُّلُثَانِ فَثُلُثَا الدِّيَةِ وَهٰكَذَا وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ، وَلَوْ قَطَعَ مِفْصَلًا مِنْ أُصْبُعٍ فَشَلَّ الْبَاقِي أَوْ قَطَعَ الْأَصَابِعَ فَشَلَّ الْكَفُّ لَزِمَ دِيَةُ الْمَقْطُوعِ فَقَطْ وَسَقَطَ الْقِصَاصُ فَافْهَمْهُ وَإِنْ خَالَفَ الدُّرَرَ ذَكَرَهُ الشُّرُنْبُلَالِيُّ

مجموعی دیت سے اسے لیا جائے گا۔ اگر دو تہائی نقصان ہوا تو دو تہائی کی دیت لازم ہوگی۔ اسی طرح باقی کو قیاس کرلو۔ مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے اگر انگلی کا جوڑ کاٹ دیا اور باقی ماندہ انگلی شل ہوگئی یا اس نے انگلیاں کاٹیں تو ہاتھ شل ہوگیا تو صرف مقطوع کی دیت لازم ہوگی اور قصاص ساقط ہو جائے گا۔ اس کو خوب سمجھ لو اگرچہ یہ ''درر'' کے خلاف ہے اسے ''شرنبلالی'' نے ذکر کیا ہے

35369۔(قولہ: فَشَلَّ الْبَاقِي) یعنی اس انگلی کی وجہ سے وہ ہاتھ شل ہوگیا۔

35370۔(قولہ: لَزِمَ دِيَةُ الْمَقْطُوعِ فَقَطْ) یعنی پہلے مسئلہ میں انگلی کی پوری قیمت اور دوسرے مسئلہ میں تمام انگلیوں کی قیمت لازم ہوگی۔ ہتھیلی میں کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ تابع ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ یہ ان کے قول فقط کا یہی معنی ہے پہلے مسئلہ میں مقطوع سے مراد صرف جوڑ نہیں جس طرح وہم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ علامہ ''وانی'' نے ''طحاوی''، ''جامع صغیر''، ''برہان'' اور ''قاضی خان'' سے نقل کیا ہے کہ انگلی کی دیت واجب ہوگی جب انگلی سے باقی ماندہ انگلی شل ہوگئی اور ہاتھ کی دیت لازم ہوگی جب وہ شل ہوگیا۔

''النہایہ'' میں ہے: جب اس نے ایک مفصل والی انگلی کاٹی تو باقی ماندہ انگلی یا ہتھیلی شل ہوگئی تو قصاص واجب نہیں ہوگا۔ لیکن جو شل ہوا ہے اس کی دیت واجب ہوگی۔ اگر وہ ہتھیلی ہو تو ہتھیلی کی دیت لازم ہوگی یہ متفق علیہ ہے۔ ''غایۃ البیان'' میں اس کی مثل ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ باقی ماندہ سے نفع نہ اٹھا سکے ورنہ اس میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔

''زیلعی'' نے کہا: ایک آدمی نے انگلی کے اوپر والے جوڑ سے کاٹا تو باقی ماندہ شل ہوگئی اگر باقی ماندہ سے نفع حاصل نہ ہوسکے تو ایک دیت کافی ہوگی۔ اگر وہ اس سے نفع حاصل کرسکتا ہو تو مقطوع حصہ کی دیت ہوگی۔ اور باقی میں حاکم عادل کا فیصلہ ہوگا۔

اسی طرح ایک آدمی نے نصف دانت توڑ دیا اور باقی ماندہ دانت سیاہ ہوگیا، زرد ہوگیا یا سرخ ہوگیا تو پوری دانت کی دیت واجب ہوگی۔ ''شرنبلالی'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ ''زیلعی'' کے قول: یکتفی بارش واحد سے مراد ایک انگلی کی دیت ہے۔ اس کی دلیل ان کا یہ قول ہے: وکذا اذا کسر السن، الخ۔

35371۔(قولہ: وَإِنْ خَالَفَ الدُّرَرَ) کیونکہ کہا: صرف جوڑ کی دیت واجب ہوگی اگرچہ مابقی سے فائدہ نہ اٹھائے اور فیصلہ مابقی میں ہوگا اگر اس سے نفع حاصل کیا جا سکتا ہو۔ صحیح یہ ہے کہ وہ کہتے: دیۃ الاصبع۔ گویا ''زیلعی'' کی گزشتہ عبارت نے انہیں وہم دلایا جب کہ تو اس کی مراد جان چکا ہے، فافہم۔

وَسَيَجِيءُ مَتْنًا (وَفِي الْأَصْبُعِ الزَّائِدَةِ وَعَيْنِ الصَّبِيِّ وَذَكَرِهِ وَلِسَانِهِ إِنْ لَمْ تُعْلَمْ صِحَّتُهُ يُنْظَرُ فِي الْعَيْنِ (وَحَرَكَةٍ) فِي الذَّكَرِ (وَكَلَامٍ) فِي اللِّسَانِ (حُكُومَةُ عَدْلٍ) فَإِنْ عُلِمَتْ الصِّحَّةُ فَكَبَالِغٍ فِي خَطَأٍ أَوْ عَمْدٍ إِذَا ثَبَتَ بِبَيِّنَةٍ أَوْ بِإِقْرَارِ الْجَانِي وَإِنْ أَنْكَرَ أَوْ قَالَ لَا أَعْرِفُ صِحَّتَهُ فَحُكُومَةُ الْعَدْلِ جَوْهَرَةٌ (وَدَخَلَ أَرْشُ مُوضِحَةٍ أَذْهَبَتْ عَقْلَهُ أَوْ شَعْرَ رَأْسِهِ فِي الدِّيَةِ)

عنقریب متن میں یہ آئے گا۔ زائد انگلی، بچے کی آنکھ، اس کے آلہ تناسل اور اس کی زبان میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔ اگر اس کے صحت مند ہونے کا علم نہ ہو آنکھ کی صحت کا علم اس کے دیکھنے سے ہوگا۔ آلہ تناسل میں اس کے تندرست ہونے کا علم اس کے حرکت کرنے سے اور زبان میں اس کی کلام کرنے سے ہوگا۔ اگر صحت کا علم ہو جائے تو خطا یا عمد میں وہ بالغ کی طرح ہے جب یہ گواہیوں یا جانی کے اقرار سے ثابت ہو جائے۔ اگر وہ انکار کرے یا کہے: میں اس کی صحت کو نہیں پہچانتا تھا تو عادل کا فیصلہ ہوگا، ''جوہرہ''۔ ایسا موضحہ جو اس کی عقل کو ختم کر دے یا اس کے سر کے بالوں کو ختم کر دے اس کی دیت مکمل دیت میں داخل ہو جائے گی۔

35372۔ (قولہ: وَسَيَجِيءُ) یعنی چند سطروں بعد یہ آئے گا۔

زائد انگلی، بچے کی آنکھ، زبان اور آلہ تناسل میں دیت کا حکم

35373۔ (قولہ: وَفِي الْأَصْبُعِ الزَّائِدَةِ الخ) یہ آنے والے مبتدا کی خبر ہے وہ مبتدا ان کا قول حکومۃ عدل ہے۔ پہلی صورت میں دیت واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ جمال کا اس سے تعلق نہیں اور باقی ماندہ میں ان سے مقصود ان کے منافع ہیں جب وہ منفعت کے وجود سے جاہل ہو تو شک کی وجہ سے کامل دیت واجب نہ ہوگی۔ ''زیلعی'' نے کہا: قصاص واجب نہیں اگرچہ قاطع کی زائد انگلی ہو۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

35374۔ (قولہ: وَحَرَكَةٍ) یعنی بول کے لیے حرکت۔ ''قہستانی''۔

35375۔ (قولہ: وَكَلَامٍ فِي اللِّسَانِ) چیخنا یہ کلام نہیں یہ تو محض آواز ہے اور اس میں تندرست ہونے کی پہچان گفتگو سے ہوئی، ''ہدایہ'' وغیرہ۔ ''قہستانی'' میں ہے: اگر وہ چیخے تو اس میں دیت ہوگی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس میں عادل کا فیصلہ ہوگا جس طرح ''ذخیرہ'' میں ہے۔

35376۔ (قولہ: فَكَبَالِغٍ) اسی طرح کا حکم ہوگا ان اعضا میں جن کا ذکر نہیں کیا گیا جیسے ناک، ہاتھ، پاؤں وغیرہا وہ جان بوجھ کر جنایت کرنے کی صورت میں قصاص میں اور خطا کی صورت میں دیت میں بالغ کی طرح ہوگا، ''قہستانی''۔

ایسا موضحہ جو عقل یا سر کے بالوں کو ختم کر دے کی دیت کا حکم

35377۔ (قولہ: أَوْ شَعْرَ رَأْسِهِ) یعنی سر کے تمام بال گر جائیں مگر جب ان میں سے بعض گر جائیں یا ان میں سے معمولی گر جائیں تو اس پر موضحہ زخم کی دیت ہوگی اس میں بال داخل ہوں گے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ موضحہ کی دیت اور

لِدُخُولِ الْجُزْءِ فِی الْكُلِّ كَمَنْ قَطَعَ أُصْبُعًا فَشَلَّتِ الْيَدُ (وَإِنْ ذَهَبَ سَمْعُهُ أَوْ بَصَرُهُ أَوْ نُطْقُهُ لَا) تَدْخُلُ لِأَنَّهُ كَأَعْضَاءٍ مُخْتَلِفَةٍ بِخِلَافِ الْعَقْلِ لِعَوْدِ نَفْعِهِ لِلْكُلِّ (وَلَا قَوَدَ إِنْ ذَهَبَتْ عَيْنَاهُ بَلِ الدِّيَةُ فِيهِمَا) خِلَافًا لَهُمَا (وَلَا يُقْطَعُ أُصْبُعٌ شُلَّ جَارُهُ)

کیونکہ جز کل میں داخل ہو جاتا ہے جس طرح ایک آدمی انگلی کاٹتا ہے تو ہاتھ شل ہو جاتا ہے۔ اگر اس کی قوت سماعت، اس کی بصارت یا اس کی قوت گویائی ختم ہو جائے تو ان کی دیت اس میں داخل نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ مختلف اعضاء کی طرح ہیں۔ عقل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کا نفع کل کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اگر اس کی دونوں آنکھیں ضائع ہو جائیں تو قصاص نہیں ہوگا بلکہ دونوں میں دیت ہوگی۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ اور وہ انگلی جس کی پڑوس والی انگلی شل ہو گئی ہو اس کو نہیں کاٹا جائے گا۔

بالوں میں عادل کے فیصلہ کو دیکھا جائے گا۔ اگر دونوں برابر ہوں تو موضحہ کی دیت واجب ہوگی۔ اگر دونوں میں سے ایک دوسرے سے زائد ہو تو اقل اکثر میں داخل ہوگا۔ یہ حکم اس وقت ہوگا جب بال نہ اگے ہوں مگر جب وہ اگ آئیں اور وہ پہلے کی طرح ہو جائیں تو کوئی شے لازم نہ ہوگی، ''جوہرہ''۔

35378۔ (قولہ: لِدُخُولِ الْجُزْءِ فِی الْكُلِّ) کیونکہ عقل کے فوت ہونے کی صورت میں تمام اعضا کی منفعت فوت ہو جاتی ہے۔ پس یہ اس طرح ہو جائے گا جب وہ اس کو موضحہ زخم لگائے اور وہ مر جائے اور موضحہ کی دیت بالوں میں سے کچھ کے ضائع ہونے سے واجب ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اگر وہ اگے تو وہ ساقط ہو جائے گی، ''ہدایہ''۔ ان دو صورتوں کے علاوہ موضحہ کی دیت داخل نہیں ہوگی۔

35379۔ (قولہ: كَمَنْ قَطَعَ أُصْبُعًا الخ) کیونکہ انگلی کی دیت غلام کی دیت میں داخل ہوتی ہے۔

35380۔ (قولہ: لَا تَدْخُلُ) پس اس کے ذمہ دیت کے ساتھ موضحہ کی دیت لازم ہوگی۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب جنایت سے موت واقع نہ ہو مگر جب موت واقع ہو جائے تو دیت ساقط ہو جائے گی۔ اور اگر عمداً ہو تو دیت تین سالوں میں اس کے مال میں واجب ہوگی۔ اگر وہ خطا ہو تو دیت عاقلہ پر ہوگی جس طرح ''جوہرہ'' میں ہے۔

35381۔ (قولہ: لِأَنَّهُ كَأَعْضَاءٍ مُخْتَلِفَةٍ) او کے ساتھ عطف کرنے کی وجہ سے ضمیر کو مفرد ذکر کیا ہے۔ بعض نسخوں میں لانھا ہے۔

35382۔ (قولہ: وَلَا قَوَدَ) یعنی شجہ میں کوئی قصاص نہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ شجہ زخم لگائے تو اس کی دونوں آنکھیں جاتی رہیں بلکہ دونوں میں دیت ہوگی ساتھ ہی شجہ کی دیت ہوگی۔

35383۔ (قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک موضحہ میں قصاص ہے اور دونوں آنکھوں میں دیت ہے، ''منح''۔

35384۔ (قولہ: وَلَا يُقْطَعُ أُصْبُعٌ شُلَّ جَارُهُ) بلکہ دونوں میں سے ہر ایک کی دیت پوری پوری واجب ہوگی،

خِلَافًا لَهُمَا (وَ) لَا (أُصْبُعٌ قُطِعَ مَفْصِلُهُ الْأَعْلَى فَشَلَّ مَا بَقِيَ) مِنَ الْأَصَابِعِ (بَلْ دِيَةُ الْمَفْصِلِ وَالْحُكُومَةُ فِيمَا بَقِيَ وَلَا) قَوَدَ (بِكَسْرِ نِصْفِ سِنٍّ أَسْوَدَ) أَوْ أَصْفَرَ أَوْ أَحْمَرَ (بَاقِيهَا بَلْ كُلُّ دِيَةِ السِّنِّ)

''صاحبین'' رحمہما اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور نہ ہی وہ انگلی کاٹی جائے گی جس کا اوپر والا جوڑ کاٹا گیا تو باقی ماندہ انگلیاں شل ہو گئیں بلکہ مفصل کی دیت اور مابقی میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔ اس نصف دانت کے توڑنے میں قصاص نہیں جس کا باقی ماندہ سیاہ، زرد یا سرخ ہو گیا ہو بلکہ دانت کی پوری دیت ہوگی

''منح''۔ اصبع کا لفظ بعض اوقات مذکر ہوتا ہے، ''قاموس''۔

35385۔ (قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک پہلی انگلی میں اس پر قصاص ہوگا اور دوسری میں دیت ہوگی ''جوہرہ''۔ اگر مصنف یہ قول کرتے: ولا قود ان ذهب عيناه او قطع اصبعا فشل جارة بل الدية فيهما خلافا لهما تو یہ زیادہ ظاہر ہوتا۔

35386۔ (قولہ: مِنَ الْأَصَابِعِ) زیادہ ظاہر ''ہدایہ'' کا قول ہے: من الاصبع۔

35387۔ (قولہ: بَلْ دِيَةُ الْمَفْصِلِ وَالْحُكُومَةُ فِيمَا بَقِيَ) ''ہدایہ''، ''کافی'' اور ''ملتقی'' میں اسی طرح ہے۔ یہ اس پر محمول ہے جب مابقی سے نفع حاصل کیا جا سکتا ہو جس طرح ہم نے پہلے ''زیلعی'' سے بیان کیا ہے۔ پس یہ اس کے منافی نہیں ہوگا جو ہم نے پہلے ''ہدایہ'' کی شروح وغیرہا میں سے نقل کیا ہے کہ انگلی کی دیت واجب ہوگی۔ لیکن ''عزمیہ'' میں اسے اس پر محمول کیا ہے کہ یہ دوسرا قول ہے۔ انتفاع اور عدم انتفاع میں تطبیق حقیقت میں بہت ہی بعید ہے۔ کیونکہ شل ہونا لازمی طور پر عدم انتفاع سے جدا نہیں ہو سکتا، تامل۔ جہاں تک ''درر'' کی عبارت کا تعلق ہے تو وہ سہو ہے جس طرح اس پر پہلے تنبیہ گزر چکی ہے یہاں اختلاف کا ذکر نہیں کیا تا کہ اس امر کی طرف اشارہ ہو کہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ یہاں قصاص کا قول نہیں کرتے۔ جو قول گزر چکا ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ''تاتر خانیہ'' میں ہے کہ ہمارے اصحاب نے ایک عضو میں یہ اتفاق کیا ہے جب وہ اس کے بعض کو قطع کرے تو باقی ماندہ شل ہو جائے یا وہ شل ہو جائے جو مقطوع کے تابع ہے یعنی جس طرح ہتھیلی تابع ہوتی ہے تو کوئی قصاص نہیں ہوگا۔

دو عضووں میں علما نے اختلاف کیا ہے جن میں سے ایک دوسرے کے تابع نہیں ہوتا جیسے انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی۔ کیونکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انگلی میں کوئی قصاص نہیں۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ مراد ایسے دو عضو ہیں جو متباین نہیں ورنہ دونوں میں سے ایک کی دیت ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی دوسرے کے قصاص کے مانع نہیں جس طرح قریب ہی آئے گا۔

35388۔ (قولہ: أَوْ أَصْفَرَ أَوْ أَحْمَرَ) وہ زرد ہو جائے یا سرخ ہو جائے یا اس میں کسی وجہ سے عیب داخل ہو جائے۔ ''مکی'' نے ''کافی'' سے نقل کیا ہے۔ ''ط''۔ جس نے زرد ہونے کا ذکر کیا ہے وہ ہی مختار قول ہے جس طرح ''الدرر'' میں ہے۔

إِذَا فَاتَ مَنْفَعَةُ الْمَضْغِ وَإِلَّا فَلَوْ مِمَّا يُرَى حَالَ التَّكَلُّمِ فَالدِّيَةُ أَيْضًا وَإِلَّا فَحُكُومَةُ عَدْلٍ زَيْلَعِيٌّ فَقَوْلُ الدُّرَرِ وَإِلَّا فَلَا شَيْءَ فِيهِ فِيهِ مَا فِيهِ ثُمَّ الْأَصْلُ أَنَّ الْجِنَايَةَ مَتَى وَقَعَتْ عَلَى مَحَلَّيْنِ مُتَبَايِنَيْنِ حَقِيقَةً فَأَرْشُ أَحَدِهِمَا لَا يَمْنَعُ قَوَدَ الْآخَرِ، وَمَتَى وَقَعَتْ عَلَى مَحَلٍّ وَأَتْلَفَتْ شَيْئَيْنِ فَأَرْشُ أَحَدِهِمَا يَمْنَعُ الْقَوَدَ (وَيَجِبُ الْأَرْشُ عَلَى مَنْ أَقَادَ سِنَّهُ)

جب چبانے کی منفعت فوت ہوجائے۔ اگر ایسا نہ ہوتو اگر گفتگو کے وقت وہ دانت دکھائی دیتا ہے تو بھی دیت لازم ہوگی ورنہ عادل کا فیصلہ ہوگا،''زیلعی''۔''الدرر'' کا قول ہے: والا فلا شئی فیہ تو اس میں ضعف ہے جو ضعف ہے۔ پھر قاعدہ یہ ہے کہ جنایت جب دو میں واقع ہو جو حقیقت میں متباین ہوں تو دونوں میں سے ایک کی دیت دوسرے کے قصاص کے مانع نہ ہوگی اور جب وہ ایک محل پر واقع ہو اور دو چیزوں کو تلف کردے تو دونوں میں سے ایک کی دیت قصاص کے مانع ہوگی۔ جس نے سال گزرنے کے بعد

''التبیین'' میں پہلے قول کو یقین سے بیان کیا ہے۔ لیکن اس کے تقریباً ایک ورقہ بعد ذکر کیا ہے: اگر ضرب سے وہ زرد ہوجائے تو اس میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا زرد ہونا نہ جمال کے فوت ہونے کا باعث ہوتا ہے اور نہ ہی منفعت کے فوت ہونے کا باعث ہوتا ہے مگر کامل جمال سفیدی میں ہوتا ہے شاید علماء نے توڑنے کے ساتھ زرد ہونے اور مارنے کے ساتھ زرد ہونے میں فرق کیا ہے۔ تامل۔

35389۔(قولہ: وَإِلَّا فَلَوْ مِمَّا يُرَى الخ) امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت مطلق ہے۔''الکفایہ'' وغیرہا میں کہا: واجب ہے کہ اس میں جواب تفصیل کے ساتھ ہو، الخ۔

35390۔(قولہ: فَالدِّيَةُ أَيْضًا) کیونکہ اس نے کامل طریقہ سے ظاہری جمال کو فوت کردیا ہے،''کفایہ''۔

35391۔(قولہ: فِيهِ مَا فِيهِ) اس کا یہ جواب دیا گیا ہے: معنی ہے اس میں کوئی شے مقدر نہیں۔ پس یہ عادل کی حکومت کے منافی نہیں،''ط''۔

35392۔(قولہ: مُتَبَايِنَيْنِ حَقِيقَةً) جیسے ہاتھ اور پاؤں،''ط''۔

35393۔(قولہ: عَلَى مَحَلٍّ) جیسے موضحہ نے اس کی عقل، اس کی قوت سماعت، اس کی قوت بصارت یا اس کی قوت گویائی کو زائل کردیا خواہ محل ایک عضو میں ہو یا دو غیر متباین عضو ہیں جیسے انگلی جس کے ساتھ ملی انگلی شل ہوگئی ہو۔''صاحبین'' رحمہما اللہ کا دونوں عضو میں اختلاف ہے جس طرح گزر چکا ہے۔

35394۔(قولہ: وَيَجِبُ الْأَرْشُ) یعنی پانچ سو درہم واجب ہوں گے،''ہدایہ''۔

35395۔(قولہ: أَقَادَ سِنَّهُ) یہ جملہ کہا جاتا ہے: اقاد القاتل بالقتل، جب وہ قاتل کو مقتول کے عوض قتل کردے جس طرح''مغرب'' اور''قاموس'' میں ہے۔ وہ پہلے مفعول کی طرف ہمزہ کے ساتھ اور دوسرے کی طرف با کے ساتھ متعدی

بَعْدَ مُضِیِّ حَوْلٍ (ثُمَّ نَبَتَ) بَعْدَ ذٰلِكَ لِتَبَيُّنِ الْخَطَأِ حِينَئِذٍ وَسَقَطَ الْقَوَدُ لِلشُّبْهَةِ وَفِي الْمُلْتَقَى وَيُسْتَأْنَى فِي اقْتِصَاصِ السِّنِّ وَالْمُوضِحَةِ حَوْلًا وَكَذَا لَوْ ضَرَبَ سِنَّهُ فَتَحَرَّكَتْ لَكِنْ فِي الْخُلَاصَةِ الْكَبِيرِ الَّذِي لَا يُرْجَى نَبَاتُهُ لَا يُؤَجَّلُ بِهِ يُفْتَى قُلْتُ وَقَدْ يُوَفَّقُ بِمَا نَقَلَهُ الْمُصَنِّفُ وَغَيْرُهُ عَنِ النِّهَايَةِ

اپنے دانت کا قصاص لیا پھر وہ دانت اگ آیا تھا تو اس پر دیت واجب ہوگی۔ کیونکہ اس وقت خطا واضح ہو چکی تھی اور شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔ ''ملتقی'' میں ہے: دانت اور موضحہ کے قصاص لینے میں وہ ایک سال انتظار کرے گا۔ اسی طرح کا حکم ہے اگر وہ اس کے دانت پر ضرب لگائے اور وہ حرکت کرنے لگے۔ لیکن ''الخلاصہ'' میں ہے: وہ بڑا دانت جس کے اگنے کی امید نہ ہو اس میں مہلت نہیں دی جائے گی اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں: بعض اوقات دونوں قولوں میں اس کے ساتھ تطبیق دی جاتی ہے جسے مصنف وغیرہ نے ''النہایہ'' سے نقل کیا ہے۔

ہوتا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر حق یہ تھا کہ یہ قول کرتے اقاد بسنہ، تامل۔

35396۔ (قولہ: ثُمَّ نَبَتَ) یعنی وہ تمام اگ آیا اس میں کوئی کجی نہ تھی جس طرح آگے آئے گا۔

35397۔ (قولہ: بَعْدَ مُضِيِّ حَوْلٍ) اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ اس کے لیے اس سے پہلے قصاص کا حق نہیں جس طرح اس کی وضاحت ان کا بعد والا قول کرتا ہے یعنی بعد الاقادة۔

35398۔ (قولہ: لِتَبَيُّنِ الْخَطَأِ) یعنی قصاص میں خطا واضح ہو چکی ہے۔ کیونکہ اس کا موجب منبت کا فاسد ہونا ہے اور جب اس کی جگہ دوسرا دانت اگ آیا تو منبت فاسد نہ ہوا۔ پس جنایت معدوم ہوگئی۔ ''ہدایہ''۔

35399۔ (قولہ: لِلشُّبْهَةِ) یعنی اگنے سے پہلے قصاص کے واجب ہونے کا شبہ، ''ط''۔

35400۔ (قولہ: وَيُسْتَأْنَى) یہ لفظ ہمزہ کے سکون اور نون کی تخفیف کے ساتھ ہے یعنی انتظار کیا جائے گا۔ قاضی کو چاہیے کہ وہ قاطع سے ضمان لے جس طرح ''الکنایہ'' میں ہے۔

35401۔ (قولہ: وَكَذَا) یعنی ایک سال انتظار کرے۔

35402۔ (قولہ: لَكِنْ فِي الْخُلَاصَةِ) کیونکہ کہا: قلع سن بالغ لا یوجل سنة انما ذلك فی الصبی اس نے بالغ آدمی کے دانت کو اکھیڑ دیا اسے ایک سال کی مہلت نہ دی جائے گی۔ یہ حکم بچے کے بارے میں ہے۔ لیکن انتظار کیا جائے گا کہ دانت والی جگہ صحیح ہو جائے مگر جب وہ ضرب لگائے اور وہ دانت حرکت کرنے لگے تو وہ ایک سال انتظار کرے۔ اور ''سرخسی'' کے نسخہ میں ہے: وہ بڑے آدمی کے معاملہ میں ایک سال انتظار کرے جس کے دانت کے ٹوٹنے اور اکھیڑ دینے میں اگنے کی امید نہ ہو پہلے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ملخص۔

35403۔ (قولہ: يُوَفَّقُ الخ) یعنی جو قول ''ملتقی'' میں ہے اسے صغیر پر محمول کیا جائے۔ اور جو ''الخلاصہ'' میں ہے: کبیر پر محمول کیا جائے جس طرح اس کی عبارت صریح ہے۔

الصَّحِيحِ تَأْجِيلُ الْبَالِغِ لِيَبْرَأَ لَا سَنَةً؛ لِأَنَّ نَبَاتَهُ نَادِرٌ (أَوْ قَلَعَهَا فَرُدَّتْ) أَيْ رَدَّهَا صَاحِبُهَا (إِلَى مَكَانِهَا وَنَبَتَ عَلَيْهَا اللَّحْمُ) لِعَدَمِ عَوْدِ الْعُرُوقِ كَمَا كَانَتْ فِي النِّهَايَةِ قَالَ شَيْخُ الْإِسْلَامِ إِنْ عَادَتْ إِلَى حَالَتِهَا الْأُولَى فِي الْمَنْفَعَةِ وَالْجَمَالِ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ كَمَا لَوْ نَبَتَتْ (وَكَذَا الْأُذُنُ) إِذَا أَلْصَقَهَا فَالْتَحَمَتْ يَجِبُ الْأَرْشُ لِأَنَّهَا لَا تَعُودُ إِلَى مَا كَانَتْ عَلَيْهِ دُرَرٌ (إِلَّا إِنْ قُلِعَتْ) السِّنُّ (فَنَبَتَتْ أُخْرَى فَإِنَّهُ يَسْقُطُ الْأَرْشُ عِنْدَهُ كَسِنِّ صَغِيرٍ) خِلَافًا لَهُمَا وَلَوْ نَبَتَتْ مُعْوَجَّةً فَحُكُومَةُ عَدْلٍ،

صحیح یہ ہے کہ بالغ کو جو مہلت دی جاتی ہے وہ اس لیے ہے کہ وہ صحت یاب ہو جائے نہ کہ سال بھر کے لیے دیت دی جاتی ہے۔ کیونکہ دانت کا اگنا نادر ہوتا ہے۔ یا ایک آدمی نے دانت کو اکھیڑ دیا تو اس کو روک دیا گیا یعنی اس کے مالک نے اس کو اسی کی جگہ کی طرف لوٹا دیا اور اس دانت پر گوشت جم گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رگیں پہلی والی حالت کی طرف نہیں لوٹتیں، ''نہایہ'' میں ہے: ''شیخ الاسلام'' نے فرمایا: اگر منفعت اور جمال میں پہلی حالت کی طرف لوٹ آئے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی جس طرح وہ اُگ آئے۔ اسی طرح کان کا مسئلہ ہے جب وہ اس کو چسپاں کرے تو اس پر گوشت اگ آئے تو دیت لازم ہوگی۔ کیونکہ وہ پہلے والی حالت کی طرف نہیں لوٹتا جس پر وہ تھا، ''درر''۔ مگر جب دانت اکھیڑ دیا جائے اور دوسرا اُگ آئے تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی دیت ساقط ہو جائے گی جس طرح صغیر کے دانت کا معاملہ ہوتا ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر وہ دانت ٹیڑھا اگے تو اس میں عادل کا فیصلہ ہوگا۔

35404_(قولہ: أَوْ قَلَعَهَا فَرُدَّتْ) یعنی قصاص سے پہلے ''ط''۔

35405_(قولہ: لِعَدَمِ عَوْدِ الْعُرُوقِ) یہ دیت کے واجب ہونے کی علت ہے، ''ط''۔ یہاں یہ جان پر واجب ہوگی۔

35406_(قولہ: إِنْ عَادَتْ) یعنی اگر اس کے لوٹ آنے کا تصور کیا جائے۔

35407_(قولہ: لِأَنَّهَا لَا تَعُودُ) ظاہر معنی یہ ہے کہ ''شیخ الاسلام'' نے جو کچھ کہا ہے وہ یہاں بھی جاری ہوگا، تامل۔

35408_(قولہ: فَإِنَّهُ يَسْقُطُ الْأَرْشُ) یعنی جنایت کرنے والے سے دیت ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ جنایت معناً معدوم ہو چکی ہے۔

35409_(قولہ: كَسِنِّ صَغِيرٍ) کیونکہ جب وہ اگ آئے تو دیت بالاجماع واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ نہ اس کی منفعت فوت ہوئی اور نہ ہی زینت فوت ہوئی، ''ہدایہ''۔

35410_(قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) کیونکہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: اس پر کامل دیت لازم ہوگی کیونکہ جنایت متحقق ہو چکی ہے اور نیا دانت یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نئی نعمت ہے، ''ہدایہ''۔

35411_(قولہ: فَحُكُومَةُ عَدْلٍ) یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے ''زیلعی''۔ اگر وہ سیاہ اگے تو اسے یوں قرار دیا جائے گا گویا وہ اگا ہی نہیں، ''تاتر خانیہ''۔

وَلَوْ نَبَتَتْ إِلَى النِّصْفِ فَعَلَيْهِ نِصْفُ الْأَرْشِ، وَلَا شَيْءَ فِي ظُفْرٍ نَبَتَ كَمَا كَانَ (أَوْ الْتَحَمَ شَجَّهُ أَوْ الْتَحَمَ جُرْحٌ) حَاصِلٌ ذَلِكَ (بِضَرْبٍ وَلَمْ يَبْقَ) لَهُ (أَثَرٌ) فَإِنَّهُ لَا شَيْءَ فِيهِ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ عَلَيْهِ أَرْشُ الْأَلَمِ وَهِيَ حُكُومَةُ عَدْلٍ وَقَالَ مُحَمَّدٌ قَدْرُ مَا لَحِقَهُ مِنَ النَّفَقَةِ إِلَى أَنْ يَبْرَأَ مِنْ أُجْرَةِ الطَّبِيبِ وَثَمَنِ دَوَاهُ

اگر وہ نصف تک اگے تو اس پر نصف دیت ہوگی اس ناخن میں کوئی شے نہ ہوگی جو اس طرح اُگ آئے جس طرح وہ پہلے تھا یا اس کا شج گوشت سے بھر جائے یا جرح گوشت سے بھر جائے جو زخم ضرب سے حاصل ہوا تھا اور اس کا کوئی اثر باقی نہ رہا ہو تو اس میں کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس پر درد کی چٹی ہوگی۔ یہی عادل کا فیصلہ ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو اخراجات اس کو لاحق ہوئے یہاں تک کہ وہ صحت یاب ہوگا وہ لازم ہوں گے وہ طبیب کی اجرت اور اس کی دوا کی ثمن ہے۔

35412۔(قولہ: وَلَا شَيْءَ فِي ظُفْرٍ الخ) پس یہ دانت کی طرح ہے۔ یہ صورت باقی رہ گئی ہے جب وہ نہ اگے ''الاختیار'' میں کہا: ایسے ناخن جو اکھاڑے گئے ہوں اور وہ نہ اگیں ان میں ایک عادل کا فیصلہ ہوگا۔ کیونکہ ان میں معین دیت نہیں۔ اگر ناخن عیب دار پیدا ہوا تو عادل کا فیصلہ ہوگا جو فیصلہ پہلے کے علاوہ ہوگا، ''ظہیریہ''۔

35413۔(قولہ: وَلَمْ يَبْقَ لَهُ أَثَرٌ) اگر اس کا اثر باقی رہے اگر وہ شجہ ہو جس کی مقدار ارش لازم ہو ورنہ عادل کا فیصلہ ہوگا۔

35414۔(قولہ: فَإِنَّهُ لَا شَيْءَ فِيهِ) یعنی ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں کوئی شے نہ ہوگی جس طرح دانت جب اگ آئے۔ ''برجندی'' میں ''خزانہ'' سے مروی ہے۔ مختار قول امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ''در منتقی''، ''محبوبی''، ''نسفی'' وغیرہما نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ لیکن ''العیون'' میں کہا: بطور قیاس اس پر کوئی شے واجب نہ ہوگی۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے کہا: یہ مستحسن ہے کہ عادل کا فیصلہ واجب ہو جیسے طبیب کی اجرت۔ ہر وہ زخم جو صحیح ہو جائے اس کا یہی حکم ہوگا۔ یہ علامہ ''قاسم'' کی ''تصحیح'' سے ملخص ہے۔

''سائحانی'' نے کہا: میرے لیے استحسان کا راجح ہونا ظاہر ہوا ہے کیونکہ آدمی کا حق باہم بخل کرنے پر مبنی ہے۔ ''بزازیہ'' میں ہے: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا قیاس بھی ہے۔ استحسان میں عادل کا فیصلہ ہے۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ فقیہ نے کہا: فتویٰ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے کہ اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی مگر ادویہ کی ثمن لازم ہوگی۔

قاضی نے کہا: میں ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کا قول ترک نہیں کرتا۔ اگر اثر باقی رہے تو اس اثر کی دیت لازم ہوگی مثلاً وہ زخم منقلہ ہو تو منقلہ کی دیت لازم ہوگی۔ ''رملی'' نے کہا: اس میں اور یہاں جو قول ہے اس میں اختلاف کے بیان میں جو مخالفت ہے اس میں غور کیجئے۔ جو یہاں ہے وہی ''زیلعی''، ''عینی'' اور اکثر شروح میں مذکور ہے۔

35415۔(قولہ: وَهِيَ حُكُومَةُ عَدْلٍ) خبر کی رعایت کرتے ہوئے ضمیر (ھی) مونث ذکر کی ہے۔

وَفِي شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ فَسَّرَ قَوْلَ أَبِي يُوسُفَ أَرْشُ الْأَلَمِ بِأُجْرَةِ الطَّبِيبِ وَالْمُدَاوَاةِ فَعَلَيْهِ لَا خِلَافَ بَيْنَهُمَا قَالَهُ الْمُصَنِّفُ وَغَيْرُهُ قُلْت وَقَدْ قَدَّمْنَا نَحْوَهُ عَنْ الْمُجْتَبَى وَذَكَرَ هُنَا عَنْهُ رِوَايَتَيْنِ فَتَنَبَّهْ (وَلَا يُقَادُ جُرْحٌ إلَّا بَعْدَ بُرْئِهِ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ

''شرح الطحاوی'' میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول: ارش الالم کی تفسیر طبیب کی اجرت اور علاج سے کی ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر دونوں میں کوئی اختلاف نہیں یہ قول مصنف وغیرہ نے کیا ہے۔ میں کہتا ہوں ہم نے اس کی مثل پہلے ''المجتبیٰ'' سے نقل کیا ہے۔ اور یہاں ان سے دو روایات ذکر کی ہیں۔ پس متنبہ ہو جایئے اور زخم کا قصاص نہیں لیا جائے گا مگر جب وہ تندرست ہو جائے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

35416_(قوله: قَالَهُ الْمُصَنِّفُ) مصنف وغیرہ جیسے ''زیلعی'' نے کہا ہے۔

35417_(قوله: وَقَدْ قَدَّمْنَا) یعنی ہم اس کی مثل اسے پہلے باب القود فیما دون النفس میں ذکر کر چکے ہیں یعنی اس کی مثل جس کا امام ''طحاوی'' نے ذکر کیا ہے۔

35418_(قوله: وَذَكَرَ هُنَا) یعنی ''صاحب المجتبیٰ'' نے اس مسئلہ کی شرح میں ان سے یعنی امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ذکر کی ہیں کیونکہ کہا: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس پر الم کی دیت ہو گی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس پر طبیب کی اجرت اور دوائیوں کی ثمن ہو گی۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت مروی ہے جب کہ مقصود سفیہ کو جھڑکنا اور ضرر کو دور کرنا ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے الم کا ارش واجب کیا ہے اور اس سے مراد عادل کا فیصلہ لیا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ صحیح غلام کی قیمت لگائے اور اس تکلیف میں مبتلا غلام کی قیمت لگائی جائے۔

پھر کہا: میں کہتا ہوں۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حکومت عدل سے مراد طبیب کی اجرت ہے۔ میں نے ایک اور جگہ دیکھا کہ آپ نے طبیب کی اجرت اور ادویہ کی قیمت مراد لی ہے۔ امام ''قدوری'' نے کہا: طبیب کی اجرت امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

35419_(قوله: فَتَنَبَّهْ) اس کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ ''طحاوی'' کی تفسیر امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے جو دو روایتیں ہیں ان میں سے ایک پر مبنی ہے، ''ط''۔

زخم کا قصاص زخم کے مندمل ہونے کے بعد لیا جائے گا

35420_(قوله: وَلَا يُقَادُ جُرْحٌ إلَّا بَعْدَ بُرْئِهِ) کیونکہ یہ روایت کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا کہ زخم کا قصاص لیا جائے یہاں تک کہ زخمی صحت مند ہو جائے (1)۔ امام ''احمد'' اور ''دارقطنی'' نے اسے روایت کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ زخموں میں اعتبار انجام کا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہوتا ہے کہ زخم نفس کے ہلاک ہونے تک سرایت کر

1_سنن دارقطنی، کتاب الحدود والدیات، جلد 3، صفحہ 88، حدیث نمبر 24

(وَعَمْدُ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ) وَالْمَعْتُوهِ (خَطَأٌ) بِخِلَافِ السَّكْرَانِ وَالْمُغْمَى عَلَيْهِ (وَعَلَى عَاقِلَتِهِ الدِّيَةُ) إِنْ بَلَغَ نِصْفَ الْعُشْرِ فَأَكْثَرَ وَلَمْ يَكُنْ مِنَ الْعَجَمِ وَإِلَّا فَفِي مَالِهِ دُرَرٌ (وَلَا كَفَّارَةَ وَلَا حِرْمَانَ إِرْثٍ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ وَلَوْ جُنَّ بَعْدَ الْقَتْلِ قُتِلَ

بچے مجنون اور معتوہ کا عمد خطا ہوگا۔ سکران اور مغمی علیہ کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کی عاقلہ پر دیت ہوگی اگر وہ بیسویں حصہ یا دس سے زائد تک پہنچ جائے اور وہ عجمیوں میں سے نہ ہو ورنہ اس کے مال میں سے واجب ہوگی، ''درر''۔ نہ اس پر کفارہ لازم ہوگا اور نہ ہی وراثت سے محرومی ہوگی۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر قتل کے بعد مجنون ہو جائے تو اس کو قتل کیا جائے گا۔

جائے۔ پس یہ امر ظاہر ہوگا کہ اس کو قتل کیا گیا تو یہ معلوم نہ ہوگا کہ اس کو زخمی کیا گیا مگر جب وہ صحت مند ہو جائے۔ پس اس کے ساتھ وہ قرار پذیر ہو جائے گا۔ ''زیلعی''۔

35421۔ (قولہ: خَطَأٌ) یعنی مال کے وجوب میں خطا کے حکم میں ہوگا۔

بچے، مجنون، معتوہ کے عمد کا اور سکران اور مغمیٰ علیہ کے عمد کا حکم

35422۔ (قولہ: بِخِلَافِ السَّكْرَانِ وَالْمُغْمَى عَلَيْهِ) ''قہستانی'' میں یہ اسی طرح ہے۔ ظاہر معنی یہ ہے کہ مراد ایسی چیز سے نشہ کا طاری ہونا ہے جو مباح نہ ہوتا کہ اسے اس سے جھڑکا جائے ورنہ فعل عمد کے لیے قصد کا ہونا ضروری ہے اور جب مباح چیز سے نشہ آ جائے تو اس کا کوئی قصد و ارادہ نہیں ہوتا اور اس پر کوئی زجر نہیں ہوگا، تامل۔ جس کو غشی ہو اس کے بارے میں یہی قول کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کا کوئی قصد نہیں ہوتا جیسے سوئے ہوئے کا معاملہ ہے بلکہ وہ زیادہ شدید ہوتا ہے نیز بچے کا کسی اعتبار سے قصد و ارادہ ہوتا ہے جب اس کے فعل عمد کو خطا بنایا گیا ہے تو یہ بدرجہ اولیٰ ایسا ہوگا۔ اس میں غور و فکر کیجیے اور اس کی طرف رجوع کیجیے۔ ''الاشباہ'' میں ہے: نشہ میں مست وہ معتبر ہے جو حرام چیز سے آئے اور وہ آدمی مکلف ہو اگر وہ نشہ مباح چیز سے آجائے تو پھر ایسا نہیں جس طرح مغمی علیہ ہوتا ہے۔

35423۔ (قولہ: وَعَلَى عَاقِلَتِهِ) زیادہ بہتر عاقلتھما ہے۔

35424۔ (قولہ: إِنْ بَلَغَ) زیادہ بہتر بلغت ہے۔

35425۔ (قولہ: نِصْفَ الْعُشْرِ) وہ مرد میں پانچ سو اور عورت میں اڑھائی سو ہے۔ ''قہستانی''۔

35426۔ (قولہ: وَإِلَّا فَفِي مَالِهِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ نصف عشر تک نہ پہنچے۔ بے شک وہ اس میں اوروں کی راہ پر چلے گا، ''زیلعی''۔ یا وہ عجمیوں میں سے ہو کیونکہ ان میں مختار یہ ہے کہ ان کی عاقلہ نہیں ہوتی جس طرح عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

35427۔ (قولہ: وَلَا كَفَّارَةَ) کیونکہ دونوں کا کوئی گناہ نہیں کفارہ جس کو ڈھانپ لے اور میراث کی محرومی عقوبت

وَقِيلَ لَا وَتَمَامُهُ فِيمَا عَلَّقْته عَلَى الْمُلْتَقَى (صَبِيٌّ ضَرَبَ سِنَّ صَبِيٍّ فَانْتَزَعَهَا يُنْتَظَرُ بُلُوغُ الْمَضْرُوبِ) إنْ بَلَغَ وَلَمْ يَنْبُتْ فَعَلَى عَاقِلَتِهِ الدِّيَةُ وَلَوْ مِنْ الْعَجَمِ فَفِي مَالِهِ دُرَرٌ وَسَنُحَقِّقُهُ فِي الْمَعَاقِلِ مُهِمَّةٌ حُكُومَةُ الْعَدْلِ لَا تَتَحَمَّلُهَا الْعَاقِلَةُ مُطْلَقًا عَلَى الصَّحِيحِ

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس کی مکمل وضاحت اس میں ہے جسے میں نے ''الملتقی'' پر بطور تعلیق ذکر کیا ہے۔ ایک بچہ ہے جس نے ایک بچے کے دانت پر ضرب لگائی اور اس کو نکال دیا مضروب کے بالغ ہونے تک انتظار کیا جائے گا اگر وہ بالغ ہو جائے اور وہ نہ اگے تو اس کی عاقلہ پر دیت لازم ہوگی اگر وہ عجمی ہو تو اس کے مال میں واجب ہو گی۔ ''درر''۔ ہم اس کو کتاب المعاقل میں ثابت کریں گے۔ مہمہ۔ عادل کے فیصلہ کی عاقلہ مطلقاً متحمل نہیں ہوگی۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے

ہے اور وہ دونوں اس کے اہل نہیں۔ جہاں تک مرتد بچے کا اپنے باپ کی میراث سے محرومی کا تعلق ہے تو یہ دنیا میں اختلاف کی بنا پر ہوتا ہے یہ ارتداد کی جز نہیں ہوتی۔

اگر قاتل قتل کے بعد مجنون ہو جائے تو اس کا حکم

35428۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ فِيمَا عَلَّقْته عَلَى الْمُلْتَقَى) کیونکہ کہا: اس میں اس امر کا شعور دلایا گیا ہے اگر قتل کرنے کے بعد وہ مجنون ہوا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے اگر جنون ہمیشہ رہنے والا ہو ورنہ قصاص ساقط ہو جائے گا۔ ''شیخ الاسلام'' نے اس طرح ذکر کیا ہے۔ اور ان دونوں سے یہ مروی ہے: اسے مطلقاً قتل نہیں کیا جائے گا مگر جب اس پر قصاص کا فیصلہ کیا جائے۔ ''المنتقی'' میں ہے: اگر مقتول کے ولی کی طرف سپرد کرنے سے پہلے وہ مجنون ہو جائے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا جس طرح وہ قتل کے بعد معتوہ ہو جائے اس میں دیت اس کے مال میں لازم ہوگی۔ ''قہستانی'' نے ''الظہیریہ'' سے نقل کیا ہے۔ مسئلہ فی فصل مایوجب القود میں پہلے گزر چکا ہے۔

35429۔ (قولہ: يُنْتَظَرُ بُلُوغُ الْمَضْرُوبِ) اس فصل میں ہماری پہلی گفتگو ہے جو واضح ہو چکا ہے وہ یہ ہے اگر مضروب بالغ ہو تو اس کو مہلت دی جائے گی یہاں تک کہ وہ صحت مند ہو جائے اگر وہ بچہ ہو تو ایک سال مہلت دی جائے گی۔ جہاں تک بالغ ہونے تک مہلت کا تعلق ہے تو ظاہر یہ ہے کہ یہ دوسرا قول ہے یا یہ اس کے ساتھ خاص ہے کہ مضروب کی صرح ضارب بچہ ہو۔ لیکن اس کے اور جب ضارب بالغ ہو کے درمیان ان کی ضرورت ہوگی۔ فلیتامل۔

35430۔ (قولہ: وَلَمْ يَنْبُتْ) مگر جب وہ اگ آئے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ ''ط''۔

35431۔ (قولہ: وَسَنُحَقِّقُهُ فِي الْمَعَاقِلِ) یعنی یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ عجمیوں میں دیت جانی کے مال سے ہو گی۔ ''ط''۔

35432۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی اگرچہ وہ موضحہ کے زخم سے بڑھ کر ہو۔ ''ط''۔

كَمَا فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ مَعْزِيًّا لِلتَّتَارْ خَانِيَّةِ وَاللهُ أَعْلَمُ
جس طرح ''تنویر البصائر'' میں ہے جو کہ ''تاتر خانیہ'' کی طرف منسوب ہے۔

35433۔(قولہ: كَمَا فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ) اس کی عبارت ہے مهمة: حکومة عدل الخ یعنی عادل کا فیصلہ ہوگا اگر وہ موضحہ کی دیت سے کم ہو یا موضحہ کی دیت کی مثل ہو عاقلہ اس کی متحمل نہ ہوگی۔ اگر وہ یقینی طور پر اس سے زائد ہو تو پھر ہمارے اصحاب سے کوئی روایت نہیں۔ متاخرین نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ ''شیخ الاسلام'' نے فرمایا: صحیح یہ ہے کہ عاقلہ دیت کی ذمہ دار نہیں ہوتی۔ ''تاتر خانیہ'' میں یہ اسی طرح ہے، ''ط''۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فَصْلٌ فِي الْجَنِينِ

(ضَرَبَ بَطْنَ امْرَأَةٍ حُرَّةٍ) حَامِلٍ

جنین کے احکام

ایک آدمی نے ایک آزاد عورت کے پیٹ پر ضرب لگائی جو حاملہ تھی

جب اجزاء حقیقیہ کے احکام پر گفتگو اختتام پر پہنچادی اس کے بعد انسان کے احکام حکمیہ پر گفتگو کی۔ وہ جنین ہے کیونکہ یہ اپنی ماں کا جز ہوتا ہے۔ یہ فعیل کا وزن ہے جو مفعول کے معنی میں ہے۔ یہ جنہ سے مشتق ہے جب وہ اس کو ڈھانپے یہ طلب کے باب میں سے ہے جب تک وہ ماں کے رحم میں ہے وہ ولد ہے،''ط''۔ ملخص۔ اس کے بعض اعضا کا ظاہر ہونا کافی ہے جیسے ناخن اور بال جس طرح عنقریب متن میں آئے گا۔

حاملہ عورت کو ضرب لگانے سے بچہ ضائع ہو جائے تو اس کا حکم

35434۔ (قولہ: ضَرَبَ بَطْنَ امْرَأَةٍ) اسی طرح اگر وہ اس کی پشت، اس کے پہلو، اس کے سر یا اس کے اعضا میں سے کسی عضو پر ضرب لگائے، ''فتامل''، ''رملی''۔ اس کی مثل ''ابو سعود'' میں ''تحریری'' سے منقول ہے۔ ''سائحانی'' نے کہا: جو قول آگے آرہا ہے اسقطتہ بدواء او فعل اس سے یہ ماخوذ ہوتا ہے کہ بطن اور ضرب قید نہیں یہاں تک کہ اگر وہ اس کے سر پر ضرب لگائے یا عورت نے اپنی فرج کا علاج کیا تو اس میں ضمان ہوگی۔ جس طرح علما نے اس کی تصریح کی ہے۔

''خیریہ'' میں کہا: ہمارے شیخ کے والد ''امین الدین بن عبد العالی'' نے یہ فتویٰ دیا جب کوئی آدمی کسی عورت پر شور کرے تو عورت جنین پھینک دے تو وہ ضامن نہیں ہوگا جب ضرب لگا کر اسے خوف زدہ کرے تو ضامن ہوگا۔

میں کہتا ہوں: فرق کی وجہ یہ ہے کہ خوفزدہ کرنے کی صورت میں اس کی موت جب کہ تخویف کا فعل اس خوفزدہ کرنے والے سے صادر ہو رہا ہے یہ اس کی طرف منسوب ہوگا اور چیخنے کی صورت میں اس کی موت اس خوف کی وجہ سے ہے جو عورت سے صادر ہوا۔ اور ''عطا'' نے اس کی تصریح کی ہے کہ اگر وہ بڑے آدمی پر چیخ مارے اور وہ مر جائے تو چیخ مارنے والا ضامن نہیں ہوگا۔ اگر وہ اس پر اچانک چیخ مارے اور وہ اس چیخ کی وجہ سے فوراً مر جائے تو دیت واجب ہوگی۔

میں کہتا ہوں: اس میں کوئی مخالفت نہیں۔ کیونکہ پہلی صورت میں وہ اس خوف کی وجہ سے مرا ہے جو اس مرنے والے کی طرف منسوب ہے اور دوسری صورت میں چیخ کے ساتھ اچانک مرا ہے جو چیخنے والے کی طرف منسوب ہے اور قول فاعل کا معتبر ہوگا کہ وہ خوف سے مرا ہے اولیا پر یہ گواہیاں لازم ہیں کہ وہ تخویف سے مرا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر اگر وہ عورت پر اچانک چیخ مارے اور وہ عورت اس چیخ کی وجہ سے جنین پھینک دے تو وہ آدمی ضامن ہوگا۔ اگر عورت اس کے علاوہ کی وجہ سے پھینک

خَرَجَ الْأَمَةُ وَالْبَهِيمَةُ وَسَيَجِيءُ حُكْمُهُمَا قُلْت بَلْ الشَّرْطُ حُرِّيَّةُ الْجَنِينِ دُونَ أُمِّهِ كَأَمَةٍ عَلِقَتْ مِنْ سَيِّدِهَا أَوْ مِنْ الْمَغْرُورِ فَفِيهِ الْغُرَّةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ دُرَرٌ عَنْ الزَّيْلَعِيِّ فَالْعَجَبُ مِنْ الْمُصَنِّفِ كَيْفَ لَمْ يَذْكُرْهُ (وَلَوْ) كَانَتْ (الْمَرْأَةُ كِتَابِيَّةً أَوْ مَجُوسِيَّةً) أَوْ زَوْجَتَهُ (فَأَلْقَتْ جَنِينًا مَيِّتًا) حُرًّا (وَجَبَ) عَلَى الْعَاقِلَةِ (غُرَّةٌ) غُرَّةُ الشَّهْرِ أَوَّلُهُ وَهَذِهِ أَوَّلُ مَقَادِيرِ الدِّيَةِ (نِصْفُ عُشْرِ الدِّيَةِ) أَيْ دِيَةِ الرَّجُلِ لَوْ كَانَ الْجَنِينُ ذَكَرًا وَعُشْرُ دِيَةِ الْمَرْأَةِ لَوْ أُنْثَى وَكُلٌّ مِنْهُمَا خَمْسُمِائَةِ دِرْهَمٍ

اس قید سے لونڈی اور جانور خارج ہو گئے ان دونوں کا حکم عنقریب آئے گا۔ میں کہتا ہوں: بلکہ شرط جنین کا آزاد ہونا ہے نہ کہ اس کی ماں کی آزادی شرط ہے جیسے ایک لونڈی ہو جس کو اپنے آقا سے حمل ٹھہرایا جس کو مغرور سے حمل ٹھہرا اس میں عاقلہ پر غرہ لازم ہوگا۔ ''درر'' نے ''زیلعی'' سے نقل کیا ہے مصنف پر تعجب ہے انہوں نے اسے کہیں ذکر نہیں کیا۔ اگرچہ وہ عورت کتابیہ ہو، مجوسیہ ہو یا اس کی بیوی ہو تو وہ مردہ آزاد جنین پھینک دے تو عاقلہ پر غرہ واجب ہوگا غرۃ الشہر یہ اس کا آغاز ہوتا ہے یہ مقدر و معین دیت کا آغاز ہے جو دیت کا بیسواں حصہ ہوتا ہے یعنی مرد کی دیت کا دسواں حصہ اگر جنین مذکر ہو اور عورت کی دیت کا دسواں حصہ اگر وہ مؤنث ہو اور دونوں میں سے ہر ایک پانچ سو درہم

دے تو وہ ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے عورت پر کوئی تعدی نہیں کی۔ اس میں غور کیجئے کیونکہ یہ عمدہ تحریر ہے۔ ملخص

35435۔ (قولہ: خَرَجَ الْأَمَةُ وَالْبَهِيمَةُ) اس میں لف نشر غیر مرتب ہے۔

35436۔ (قولہ: وَسَيَجِيءُ حُكْمُهُمَا) یعنی اس فصل میں دونوں کا حکم آئے گا۔

35437۔ (قولہ: أَوْ مِنْ الْمَغْرُورِ) جس طرح اگر وہ اس سے شادی کرے اس شرط پر کہ عورت آزاد ہے یا اس سے خریدے۔ پس اس کا کوئی اور مستحق نکل آیا جب کہ وہ اس سے حاملہ ہو چکی ہو۔

35438۔ (قولہ: فَالْعَجَبُ مِنْ الْمُصَنِّفِ كَيْفَ لَمْ يَذْكُرْهُ) یعنی وہ ''الدرر'' کی سختی سے متابعت کرتے ہیں اس کے باوجود ان سے یہ فعل صادر ہوا۔ پس ان پر یہ لازم تھا کہ پہلے آزادی کی شرط کو ساقط کرتے اور اسے اپنے قول فالقت جنینا میتا کے بعد اسے ذکر کرتے جس طرح شارح نے کہا ہے یا وہ کہتے: ضرب بطن امراۃ حامل بحر تا کہ یہ قول یہ وہم نہ رکھتا کہ ماں کی آزادی شرط ہے۔

غرہ کا مفہوم

35439۔ (قولہ: غُرَّةُ الشَّهْرِ أَوَّلُهُ الخ) یہ وجہ تسمیہ کی وضاحت ہے۔

35440۔ (قولہ: وَهَذِهِ أَوَّلُ مَقَادِيرِ الدِّيَةِ) کیونکہ مقدر و معین دیت میں سے سب سے کم وہ بیسواں حصہ ہے جس طرح فصل فی الشجاج میں گزر چکا ہے۔

35441۔ (قولہ: أَيْ دِيَةِ الرَّجُلِ) یعنی مصنف کی کلام میں دیت سے مراد مرد کی دیت ہے اور اس کا بیسواں حصہ

(فِي سَنَةٍ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ كَالدِّيَةِ وَقَالَ مَالِكٌ فِي مَالِهِ وَلَنَا فِعْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (فَإِنْ أَلْقَتْهُ حَيًّا فَمَاتَ فَدِيَةٌ كَامِلَةٌ)

ایک سال میں ادا کرنے ہوں گے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دیت کی طرح تین سالوں میں ادا کرنے ہوں گے۔ امام ''مالک'' نے فرمایا: اس کے مال میں سے غرہ ادا کرنا ہوگا۔ ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے۔ اگر وہ جنین کو زندہ پھینکے اور پھر وہ مرجائے تو کامل دیت لازم ہوگی

پانچ سو درہم ہے۔ یہی جنین کا غرہ ہے وہ جنین مذکر ہو یا مونث ہو۔ کیونکہ مونث جنین کا غرہ عورت کی دیت کا دسواں حصہ ہوتا ہے اور وہ بھی پانچ سو ہے۔ کیونکہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ مذکر اور مؤنث کے غرہ میں کوئی فرق نہیں۔ اسی وجہ سے مصنف نے یہ وضاحت نہیں کی کہ وہ مذکر ہے یا مؤنث ہے۔

35442۔(قولہ: فِي سَنَةٍ) یعنی عاقلہ پر سال بھر میں لازم ہوگی جس طرح وہ عنقریب اس کی وضاحت کریں گے۔ یہ آزاد عورت کے جنین میں ہے۔ جہاں تک لونڈی کے جنین کا تعلق ہے تو وہ فی الحال ضرب لگانے والے کے مال میں ہوگی جس طرح عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

35443۔(قولہ: وَلَنَا فِعْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ) یہ وہ حدیث ہے جو امام ''محمد بن حسن'' سے مروی ہے انہوں نے کہا: بلغنا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى بالغرة على العاقلة في سنة(1) ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاقلہ پر سال بھر میں غرہ کا فیصلہ کیا، ''عینی''۔

یہ جان لو کہ غرہ کا وجوب قیاس کے مخالف ہے اور یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ ایک سائل نے امام ''زفر'' سے عرض کیا: جنین اس سے خالی نہیں ہوگا کہ وہ ضرب سے مرجائے تو اس میں کامل دیت ہو یا اس میں روح ہی نہ پھونکی گئی ہو تو اس میں کوئی شے لازم نہ ہو امام ''زفر'' خاموش رہے تو سائل نے آپ سے عرض کیا میں نے آپ کو گرفت سے آزاد کر دیا۔ امام ''زفر'' نے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے کہا: تعبد تعبد یعنی سنت سے ثابت ہے اسے عقل سے ادراک نہیں کیا جاسکتا، ''عنایہ'' ملخص۔

زندہ اور مردہ جنین کی دیت میں فرق

35444۔(قولہ: فَإِنْ أَلْقَتْهُ حَيًّا) اس کی زندگی ہر اس چیز سے ثابت ہوگی جو زندگی پر دلالت کرے گی جیسے چیخنا، دودھ پینا، سانس لینا اور چھینکنا وغیرہ۔ مگر جب صرف اس کا عضو متحرک ہو تو زندگی ثابت نہیں ہوگی کیونکہ بعض اوقات یہ اختلاج ہوتا ہے یا تنگ جگہ سے نکلنے سے ہوتا ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''مکی'' سے نقل کیا ہے۔

35445۔(قولہ: فَدِيَةٌ كَامِلَةٌ) یعنی کامل دیت اور کفارہ لازم ہوگا جس طرح ''الاختیار'' میں ہے۔ اور عنقریب اس

1۔ نصب الرایہ، کتاب الدیات، فصل فی الجنین، جلد 5، صفحہ 160

وَإِنْ أَلْقَتْهُ مَيِّتًا فَمَاتَتْ الْأُمُّ فَدِيَةٌ فِي الْأُمِّ (وَغُرَّةٌ) فِي الْجَنِينِ لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ الْفِعْلَ يَتَعَدَّدُ بِتَعَدُّدِ أَثَرِهِ وَصَرَّحَ فِي الذَّخِيرَةِ بِتَعَدُّدِ الْغُرَّةِ لَوْ مَيِّتَيْنِ فَأَكْثَرَ قُلْتُ وَظَاهِرُهُ تَعَدُّدُ الدِّيَةِ وَلَمْ أَرَهُ فَلْيُرَاجَعْ

اگر وہ اس کو مردہ پھینکے اور وہ ماں مرجائے تو اس میں دیت اور جنین میں غرہ لازم ہوگا۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ فعل اثر کے متعدد ہونے سے متعدد ہو جائے گا۔''ذخیرہ''میں متعدد غرہ کی تصریح کی ہے اگر میتیں دو یا زیادہ ہوں۔ میں کہتا ہوں: اس کا ظاہر معنی تو یہ ہے کہ دیتیں متعدد واجب ہوں مگر ایسا قول نہیں دیکھا۔ پس کتب کی طرف رجوع کیا جائے۔

کا ذکر آئے گا کیونکہ یہ شبہ عمد ہے یا وہ خطا ہے یہاں بھی دیت عاقلہ پر ہوگی۔''جوہرہ''اور''الاختیار''میں اس کی تصریح کی ہے۔''المنح''میں مصنف کا قول علی الضارب اس میں مضاف حذف ہے یا یہ صحیح قول پر مبنی ہے کہ اولاً اس کا وجوب ضارب پر ہوتا ہے پھر اس میں مضاف حذف ہے پھر اس کی عاقلہ اس کی ذمہ دار ہوتی ہے جس طرح ہم پہلے فصل الفعلین میں بیان کر چکے ہیں۔ اسی وجہ سے فی مالہ ذکر نہیں کیا، تامل۔

35446۔ (قولہ: وَإِنْ أَلْقَتْهُ مَيِّتًا فَمَاتَتْ الْأُمُّ الخ) یہ ان دونوں میں ہر ایک کی موت کا بیان ہے اس کی چار صورتیں ہیں: یا تو اس جنین کا خروج صرف ماں کی زندگی میں ہوگا، ان دونوں کی موت کی حالت میں ہوگا، صرف ماں کی موت کی حالت میں ہوگا یا دونوں کی زندگی میں ہوگا۔

35447۔ (قولہ: لِمَا تَقَرَّرَ) جس طرح وہ تیر پھینکے اور وہ ایک شخص کو جا لگے اور اس سے نکل کر دوسرے کو جا لگے اور اس کو قتل کر دے تو اس پر دو دیتیں لازم ہوں گی اگر وہ دونوں خطأً ہوں۔ اگر پہلا عمداً ہو تو قصاص اور دیت دونوں واجب ہوں گے،''زیلعی''۔

35448۔ (قولہ: وَظَاهِرُهُ تَعَدُّدُ الدِّيَةِ) یعنی اگر اس نے دونوں کو زندہ پھینکا تو وہ دونوں مر گئے۔

اگر عورت دو جنین پھینکے تو ان کی دیت کا حکم

35449۔ (قولہ: وَلَمْ أَرَهُ فَلْيُرَاجَعْ) میں کہتا ہوں:''جوہرہ''اور''الدرر''میں اس کی تصریح کی ہے۔''رملی''نے کہا:''شرح الطحاوی''میں ہے: اگر عورت دو جنین پھینکے تو دو غرے واجب ہوں گے اگر ان دونوں میں سے ایک زندہ ہو اور وہ مر جائے اور دوسرا میت ہو تو ایک غرہ اور ایک دیت لازم ہوگی اور اگر ماں مر جائے پھر دونوں مردہ نکلیں تو صرف ماں کی دیت واجب ہوگی مگر جب دونوں زندہ نکلیں اور دونوں مر جائیں تو تین دیتیں لازم ہوں گی۔ اسی پر قیاس کیا جائے گا اگر دونوں میں سے ایک ماں کی موت سے پہلے نکلے اور دوسرا موت کے بعد نکلے جب کہ دونوں مردہ ہوں تو جو پہلے نکلا ہے اس میں غرہ ہوگا اور جو بعد میں نکلا اس میں کوئی شے نہ ہوگی۔ جو اپنی ماں کی موت سے پہلے نکلا وہ اپنی ماں کی دیت میں سے کسی شے کا وارث نہیں ہوگا ماں اس کی وارث ہوگی اور دوسرا کسی کا وارث نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کا کوئی وارث ہوگا۔ مگر جب وہ زندہ نکلے پھر مر جائے تو اس میں کامل دیت ہوگی اور اس کے وارث وارث ہوں گے۔''تاتر خانیہ''میں اسی طرح ہے، مختصر۔

(وَإِنْ مَاتَتْ فَأَلْقَتْهُ فَدِيَةٌ فَقَطْ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ غُرَّةٌ وَدِيَةٌ (وَإِنْ أَلْقَتْهُ حَيًّا بَعْدَمَا مَاتَتْ يَجِبُ عَلَيْهِ دِيَتَانِ كَمَا إِذَا أَلْقَتْهُ حَيًّا وَمَاتَا وَمَا يَجِبُ فِيهِ) مِنْ غُرَّةٍ أَوْ دِيَةٍ (يُورَثُ عَنْهُ وَتَرِثُ) مِنْهُ (أُمُّهُ وَلَا يَرِثُ ضَارِبُهُ) مِنْهَا (فَلَوْ ضَرَبَ بَطْنَ امْرَأَتِهِ فَأَلْقَتْ ابْنَهُ مَيِّتًا فَعَلَى عَاقِلَةِ الْأَبِ غُرَّةٌ وَلَا يَرِثُ مِنْهَا) لِأَنَّهُ قَاتِلٌ (وَفِي جَنِينِ الْأَمَةِ) الرَّقِيقِ الذَّكَرِ (نِصْفُ عُشْرِ قِيمَتِهِ لَوْ حَيًّا وَعُشْرُ قِيمَتِهِ لَوْ أُنْثَى) لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ دِيَةَ الرَّقِيقِ قِيمَتُهُ وَلَا يَلْزَمُ زِيَادَةُ الْأُنْثَى لِزِيَادَةِ قِيمَةِ الذَّكَرِ غَالِبًا

اگر وہ مرجائے اور اسے مردہ پھینک دے تو صرف دیت ہوگی۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: غرہ اور دیت ہوگی۔ اگر اسے زندہ پھینکے اس کے بعد خود مرجائے تو اس پر دو دیتیں واجب ہوں گی جس طرح جب وہ اس کو زندہ پھینکے اور دونوں مرجائیں اور اس میں جو غرہ یا دیت واجب ہوگی اس میں وراثت جاری ہوگی اور اس کی ماں اس کی وارث بنے گی اور اس کو مارنے والا اس کا وارث نہیں بنے گا۔ اگر وہ اپنی بیوی کے بطن میں ضرب لگائے اور اس کے بیٹے کو مردہ باہر پھینک دے تو باپ کی عاقلہ پر غرہ لازم ہوگا اور باپ اس کا وارث نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ قاتل ہے۔ اور لونڈی کے جنین مملوک مذکر میں اس کی قیمت کا بیسواں حصہ ہے اگر وہ جنین مؤنث ہے تو اس کی قیمت دسواں حصہ ہے۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ غلام کی دیت اس کی قیمت ہوتی ہے اور مؤنث کی زیادتی لازم نہیں آتی۔ کیونکہ عموماً مذکر کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔

35450۔(قولہ: فَدِيَةٌ فَقَطْ) کیونکہ ماں کی موت عموماً جنین کی موت کا سبب ہوتا ہے۔ کیونکہ جنین کی زندگی ماں کی زندگی کے ساتھ ہوتی ہے اور اس کے سانس لینے کا عمل عورت کے سانس لینے سے ہوتا ہے۔ پس اس جنین کی موت عورت کی موت کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ پس یہ اس معنی میں نہیں ہوگا جس میں نص وارد ہوئی ہے۔ کیونکہ اس میں احتمال اقل ہوتا ہے۔ پس شک کی وجہ سے وہ ضمان نہیں ہوگا، ''زیلعی''۔

35451۔(قولہ: وَلَا يَرِثُ ضَارِبُهُ مِنْهَا) جس مردہ نے اس کو مارا وہ اس عورت کا وارث نہیں ہوگا اور نہ ہی اس عورت کے علاوہ کا وارث ہوگا کیونکہ وہ براہ راست قاتل ہے۔

لونڈی کے جنین کی دیت کا حکم

35452۔(قولہ: وَفِي جَنِينِ الْأَمَةِ) یعنی وہ جنین جس کو عورت نے مردہ پھینک دیا جس طرح مسئلہ کا موضوع ہے۔ ان کا قول لوحیا، یہ اس کی قیمت کی طرف راجع ہے۔ یعنی اس کی قیمت اگر وہ زندہ ہو۔ مگر جب وہ اس کو زندہ پھینکے پھر اس کے مارنے سے وہ مرجائے تو اس میں مکمل قیمت ہوگی جس طرح شارح عنقریب اشارہ کریں گے۔ اور ان کا قول الرقیق یہ اس سے احتراز ہے جب وہ جنین اس کے آقا سے ہو یا مغرور سے ہو۔ کیونکہ وہ اس وقت آزاد ہوگا۔ اس میں عاقلہ پر غرہ ہوگا جس طرح پہلے بیان کیا ہے۔ اور ان کا قول لوانثی یہ ان کے قول الذکر کا مقابل ہے یہ ان کے قول حیا کا مقابل نہیں۔

35453۔(قولہ: وَلَا يَلْزَمُ زِيَادَةُ الْأُنْثَى) یہ حکم اس صورت میں ہے جب مؤنث کی قیمت لڑکے کی قیمت سے زیادہ

وَفِيهِ إشَارَةٌ إلَى أَنَّهُ إذَا لَمْ يُمْكِنْ الْوُقُوفُ عَلَى كَوْنِهِ ذَكَرًا أَوْ أُنْثَى فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ كَمَا إذَا أُلْقِيَ بِلَا رَأْسٍ لِأَنَّهُ إنَّمَا تَجِبُ الْقِيمَةُ إذَا نُفِخَ فِيهِ الرُّوحُ وَلَا تُنْفَخُ مِنْ غَيْرِ رَأْسٍ ذَخِيرَةٌ (فِي مَالِ الضَّارِبِ) لِلْأَمَةِ (حَالًا) وَلَوْ أَلْقَتْهُ حَيًّا وَقَدْ نَقَصَتْهَا الْوِلَادَةُ فَعَلَيْهِ قِيمَةُ الْجَنِينِ لَا نُقْصَانُهَا لَوْ بِقِيمَتِهِ وَفَاءٌ بِهِ،

اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جب یہ آگاہی حاصل کرنا ممکن نہ ہو کہ وہ مذکر ہے یا مؤنث ہے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی جس طرح جب اس کے سر کے بغیر پھینک دیا جائے۔ کیونکہ قیمت اس وقت واجب ہوتی ہے جب اس میں روح پھونکی جائے اور سر کے بغیر اس میں روح نہیں پھونکی جاتی۔ ''ذخیرہ''۔ یہ لونڈی کو ضرب لگانے والے کے مال میں فی الحال لازم ہوگی اگر وہ زندہ پھینکے اور ولادت نے اس لونڈی میں نقص ڈال دیا ہو تو اس پر جنین کی قیمت ہوگی اس کا نقصان واجب نہیں ہوگا اگر اس کی قیمت کے ساتھ اس کے نقصان کا عوض پورا ہو سکے

ہو۔ کیونکہ ایسا ہونا نادر ہے۔ غالب یہ ہے کہ مذکر کی قیمت زائد ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے: مذکورہ لزوم میں کوئی محذور (ممنوع) نہیں۔ کیونکہ مذکر کی مؤنث پر زیادتی کا اعتبار یہ آزاد لوگوں میں ہوتا ہے تاکہ آزادی کا شرف ظاہر ہو یہ غلاموں میں نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ سامان کی طرح ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے لیے زیادتی مقدر نہیں ہوتی۔

35454۔ (قولہ: فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ) اس میں ''اتقانی'' کی پیروی کی ہے جو قول ''الکفایہ''، ''العنایہ'' وغیرہا میں ہے وہ یہ ہے کہ متیقن کو اپنایا جائے گا جس طرح غلام خنثی خطأً قتل کر دے۔ اگر جنین ضائع ہو جائے اور اس کی قیمت میں نزاع، اس کے رنگ اور اس کی ہیئت کے بارے میں ہو اگر وہ زندہ رہتا تو قول ضارب کا ہوگا۔ کیونکہ وہ زیادتی کا انکار کرتا ہے۔

35455۔ (قولہ: كَمَا إذَا أُلْقِيَ بِلَا رَأْسٍ) یہ نظیر ہے تمثیل نہیں۔

میں کہتا ہوں: عنقریب یہ آئے گا کہ جس کے بعض اعضا ظاہر ہو جائیں تو وہ اس کی طرح ہے جس کی خلقت مکمل ہو چکی ہو۔ شاید مراد سر کے ظاہر ہونے کے بعد ہے۔ کیونکہ سر کے بغیر زندگی کا کوئی تصور نہیں ہوتا۔ باقی اعضاء کا معاملہ مختلف ہے، تامل۔

35456۔ (قولہ: فِي مَالِ الضَّارِبِ) کیونکہ عاقلہ غلام کی دیت ادا نہیں کرتی ''اختیار''، تامل۔ ان کا قول للامۃ۔ بعض نسخوں میں اسی طرح ہے۔ یہ الضارب کے متعلق ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: یہ جنین کا حکم ہے۔ مگر جب ماں مرجائے تو ''ہندیہ'' میں ''ذخیرہ'' سے کہا: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ضارب پر ماں کی قیمت لازم ہوگی جو تین سال میں ادا کرنا لازم ہوگی۔ فلیتامل

میں کہتا ہوں: حاصل کلام یہ ہے جنین اس کے ایک عضو کی طرح ہے۔ کتاب المعاقل کے آخر میں آئے گا: آزاد آدمی جب غلام کی ذات پر خطأً جنایت کرے تو دیت اس کی عاقلہ کی ذمہ ہوگی جب وہ اس کو قتل کرے۔ کیونکہ عاقلہ غلام کے اطراف کی ذمہ دار نہیں ہوتی۔

35457۔ (قولہ: بِهِ) ضمیر سے مراد ولادت کی وجہ سے نقصان ہے۔

وَإِلَّا فَعَلَيْهِ إِتْمَامُ ذَلِكَ مُجْتَبَى وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ فِيهِ لِنُقْصَانِهَا كَالْبَهِيمَةِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِيهِ عُشْرُ قِيمَةِ الْأُمِّ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ وَلَا يَخْفَى أَنَّهَا لِلْمَوْلَى (فَإِنْ حَرَّرَهُ) أَيِ الْجَنِينَ (سَيِّدُهُ بَعْدَ ضَرْبِهِ) ضَرْبِ بَطْنِ الْأَمَةِ (فَأَلْقَتْهُ) حَيًّا (فَمَاتَ فَفِيهِ قِيمَتُهُ حَيًّا) لِلْمَوْلَى لَا دِيَتُهُ وَإِنْ مَاتَ بَعْدَ الْعِتْقِ لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ حَالَةُ الضَّرْبِ،

ورنہ اس پر یہ لازم ہوگا کہ وہ اس کو مکمل کرے، ''مجتبیٰ''۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس یعنی جنین میں اس لونڈی کا نقصان لازم ہے جیسے جانور میں حکم ہوتا ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: اس میں ماں کی قیمت کا دسواں حصہ ہے ''صدر الشریعہ''۔ یہ امر مخفی نہیں کہ قیمت لونڈی کے آقا کے لیے ہوگی۔ اگر آقا لونڈی کے بطن پر ضرب لگانے کے بعد جنین کو آزاد کر دے اور وہ لونڈی اس جنین کو زندہ پھینک دے اور پھر وہ جنین مر جائے تو اس میں آقا کے لیے اس کی قیمت ہوگی جب کہ وہ زندہ ہو اس کی دیت نہ ہوگی اگر آزادی کے بعد وہ مر جائے۔ کیونکہ معتبر ضرب کی حالت ہے۔

35458۔ (قولہ: وَإِلَّا) اس کی صورت یہ ہے کہ نقصان مثلاً دس کا ہوا اور جنین کی قیمت پانچ ہے تو اس پر دس لازم ہوں گے۔

35459۔ (قولہ: وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ الخ) یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہر روایت کے علاوہ ہے۔ ''مبسوط'' میں کہا: لونڈی کے جنین میں بدل کا وجوب یہ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ یہی امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہر روایت ہے۔ ان سے ایک روایت ہے: اگر ماں میں نقص واقع ہو گیا ہو تو صرف ماں کا نقصان واجب ہوگا۔ اگر نقصان واقع نہ ہو تو کوئی شے واجب نہ ہوگی۔ ''عنایہ''۔

35460۔ (قولہ: بَعْدَ ضَرْبِهِ) اگر وہ اس کو اس سے قبل آزاد کر دے اور اس کا آزاد باپ ہو تو غرہ باپ کے لیے ہوگا آقا کے لیے نہیں ہوگا۔ ''تاتر خانیہ''۔

35461۔ (قولہ: ضَرْبِ بَطْنِ الْأَمَةِ) یہ ان کے قول ضربۃ سے بدل ہے اور اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے اور یہ جائز ہے کہ ضمیر جنین کی طرف لوٹے۔ پس ضمائر کا مرجع متحد ہو جائے گا، تامل۔

35462۔ (قولہ: لِلْمَوْلَى) ''ابولیث'' نے کہا: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ آقا کے لیے ہوگی یا جنین کے وارثوں کے لیے ہوگی۔ پس یہ جائز ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ آقا کے لیے ہو کیونکہ ضمائر ضرب کی طرف منسوب ہے اور ضرب کے وقت وہ مملوک تھا، ''اتقانی'' ملخص۔ ''تاتر خانیہ'' میں اسی بارے میں اختلاف ذکر کیا گیا ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس کے وارثوں کے لیے ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جنین کے لیے ہوگی۔

35463۔ (قولہ: لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ حَالَةُ الضَّرْبِ) کیونکہ اس نے سابقہ ضرب کے ساتھ اسے قتل کر دیا جب کہ وہ حالت غلامی میں تھا اس وجہ سے قیمت واجب ہوگی دیت واجب نہ ہوگی اور اس کی قیمت زندہ کی حیثیت میں واجب ہوگی۔ کیونکہ وہ اس کا قاتل بنے گا جب کہ زندہ تھا۔ پس ہم نے سبب اور تلف کی حالت کی طرف دیکھا، ''ہدایہ''۔ یعنی ہم نے دیت

وَعِنْدَ الثَّلَاثَةِ تَجِبُ دِيَةٌ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنَّا (وَلَا كَفَّارَةَ فِي الْجَنِينِ) عِنْدَنَا وُجُوبًا بَلْ نَدْبًا زَيْلَعِيٌّ (إِنْ وَقَعَ مَيِّتًا وَإِنْ خَرَجَ حَيًّا ثُمَّ مَاتَ فَفِيهِ الْكَفَّارَةُ) كَذَا صَرَّحَ بِهِ فِي الْحَاوِي الْقُدْسِيِّ وَهُوَ مَفْهُومٌ مِنْ كَلَامِهِمْ لِتَصْرِيحِهِمْ بِوُجُوبِ الدِّيَةِ حِينَئِذٍ فَتَجِبُ الْكَفَّارَةُ فِيهِ كَمَا لَا يَخْفَى فَلْيُحْفَظْ (وَمَا اسْتَبَانَ بَعْضُ خَلْقِهِ كَظُفْرٍ وَشَعْرٍ (كَتَامٍّ فِيمَا ذُكِرَ) مِنَ الْأَحْكَامِ وَعِدَّةٍ وَنِفَاسٍ كَمَا مَرَّ

تینوں ائمہ کے نزدیک دیت واجب ہوگی۔ یہ ہمارے مشائخ سے بھی ایک روایت ہے۔ ہمارے نزدیک ایک جنین میں بطور وجوب کوئی کفارہ نہیں بلکہ ندب کفارہ ہے،''زیلعی'' اگر وہ مردہ کی حیثیت سے گرے۔ اگر وہ زندہ کی حیثیت سے گرے پھر وہ مر جائے تو اس میں کفارہ ہوگا۔''حاوی قدسی'' نے اسی طرح تصریح بیان کی ہے یہ ان کی کلام کا مفہوم ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس وقت دیت کے وجوب کی تصریح بیان کی ہے۔ پس اس میں کفارہ واجب ہوگا جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔ اور جس کے بعض اعضا ظاہر ہوئے جیسے ناخن اور بال تو وہ اس کی طرح ہے جس کی خلقت مکمل ہو چکی ہو ان امور میں جن کا ذکر کیا گیا ہے جیسے احکام، عدت، نفاس جس طرح اس کے باب میں گزر چکا ہے

کی بجائے قیمت کو واجب کیا یہ اس کی حالت ضرب کا اعتبار کرنے کی وجہ سے ہے اور ہم نے اس کی قیمت کو واجب کیا جب کہ وہ زندہ تھا کہ اس کی زندگی میں جب شک تھا یہ اس کی تلف کی حالت کا اعتبار کرنے کی بنا پر ہے۔ کیونکہ اگر اس کی حالت ضرب کا اعتبار کیا جاتا تو یہ جائز ہوتا کہ وہ زندہ نہ ہو۔ پس اس کی قیمت واجب نہ ہوتی بلکہ غرہ واجب ہوتا،''کفایہ''، ملخص۔

35464۔ (قولہ: فَفِيهِ الْكَفَّارَةُ) کیونکہ اس نے ایک آدمی کو خطأ یا شبہ عمد کے طور پر تلف کیا ہے۔

35465۔ (قولہ: كَذَا صَرَّحَ بِهِ فِي الْحَاوِي الْقُدْسِيِّ) میں کہتا ہوں:''الاختیار'' میں اسی طرح تصریح کی ہے جس طرح ہم نے پہلے اس سے نقل کر چکے ہیں شارح عنقریب''واقعات'' سے اسے نقل کریں گے۔

35466۔ (قولہ: وَهُوَ مَفْهُومٌ الخ) یہ شرکت میں تفصیل کی تصریح نہ ہونے پر معذرت پیش کی جا رہی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے قول: ولا کفارۃ فی الجنین کو مطلق ذکر کیا ہے۔

35467۔ (قولہ: وَمَا اسْتَبَانَ بَعْضُ خَلْقِهِ) باب الحیض میں یہ پہلے گزر چکا ہے کہ اس کی خلقت ظاہر نہیں ہوتی مگر ایک سو بیس دنوں کے بعد ایسا ہوتا ہے جیسے پہلے''ذخیرہ'' سے نقل کیا ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ سر کا پایا جانا ضروری ہے۔ ''دشمنی'' میں ہے: اگر وہ مضغہ پھینک دے اور اس کی خلقت (اعضاء) میں سے کوئی شے واضح نہ ہو اور قابل اعتماد دائیاں اس کی گواہی دے دیں تو یہ انسان کی صورت کا آغاز ہے اگرچہ شکل وصورت باقی ہو۔ پس اس میں غرہ واجب نہیں ہوگا اور ہمارے نزدیک اس میں عادل کا فیصلہ واجب ہوگا۔

35468۔ (قولہ: وَعِدَّةٍ وَنِفَاسٍ) یعنی اس کے ساتھ عدت ختم ہو جائے گی اور اس کے ساتھ اس کی ماں نفاس والی ہو جائے گی۔

فِي بَابِهِ (وَضَمِنَ الْغُرَّةَ عَاقِلَةُ امْرَأَةٍ) حُرَّةٍ فِي سَنَةٍ وَاحِدَةٍ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهَا عَاقِلَةٌ فَفِي مَالِهَا فِي سَنَةٍ أَيْضًا صَدْرُ الشَّرِيعَةِ وَلَا تَأْثَمُ مَا لَمْ يَسْتَبِنْ بَعْضُ خَلْقِهِ وَمَرَّ فِي الْحَظْرِ نَظْمًا (أَسْقَطَتْهُ مَيِّتًا) عَمْدًا (بِدَوَاءٍ أَوْ فِعْلٍ) كَضَرْبِهَا بَطْنَهَا (بِلَا إِذْنِ زَوْجِهَا فَإِنْ أَذِنَ) أَوْ لَمْ يَتَعَمَّدْ

اور عورت جو آزاد ہو اس کی عاقلہ غرہ کی ایک سال میں ضامن ہوگی۔ اگر اس کی عاقلہ نہ ہو تو بھی غرہ اس کے مال میں ایک سال میں لازم ہوگا، ''صدر الشریعہ''۔ جب تک اس کے بعض اعضا ظاہر نہ ہوں اس وقت تک وہ گنہگار نہ ہوگی اور کتاب الحظر میں اشعار کی صورت میں یہ گزر چکا ہے۔ ایک عورت نے اسے مردہ حالت میں جان بوجھ کر دوائی کے ساتھ یا کسی فعل کے ساتھ ساقط کر دیا جس طرح وہ اپنے بطن پر ضرب لگائے جب کہ خاوند سے اجازت نہ لی ہو (تو اس پر غرہ واجب ہوگا) اگر خاوند نے اس کو اجازت دی ہو یا اس نے جان بوجھ کر اس طرح نہ کیا ہو

35469_(قولہ: فَفِي مَالِهَا) یعنی ایک روایت میں ہے غرہ اس کے مال میں لازم ہوگا۔ ایک روایت میں ہے: یہ اس کی عاقلہ پر لازم ہوگا۔ یہی مختار ہے۔ ''جامع الفصولین'' یعنی کتاب المعاقل کے آخر میں آئے گا کہ جس کی عاقلہ نہ ہو تو دیت ظاہر روایت کے مطابق بیت المال میں ہوگی۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ اس کے مال میں غرہ کے واجب ہونے کا قول شاذ ہے اس کی مکمل وضاحت وہاں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

35470_(قولہ: وَلَا تَأْثَمُ) تعبیر میں زیادہ مناسب یہ ہے داثمت کیونکہ گفتگو اس کے بارے میں ہے جب غرہ واجب ہو اور غرہ اس وقت واجب ہوتا ہے جب اس کے بعض اجزاء ظاہر ہو جائیں۔ پھر وہ کہتے ہیں: اگر اس کے بعض اجزاء ظاہر نہ ہوں تو کوئی گناہ نہیں ہوگا ''ط''۔

''الخانیہ'' میں علما نے کہا: اگر اس کے اعضاء میں سے کوئی ظاہر نہ ہو تو وہ گناہگار نہ ہوگی۔ فرمایا: میں یہ قول نہیں کرتا کیونکہ محرم جب شکار کا انڈہ توڑ دے تو وہ ضامن ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ شکار کی اصل ہے جب وہاں جزا کے ساتھ اس کا مواخذہ ہوتا ہے تو یہ اس سے کم نہیں کہ یہاں اسے گناہ لاحق ہو جب وہ عذر کے بغیر ساقط کرے مگر اسے قتل کا گناہ نہیں ہوگا۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ اگر اس کے بعض اعضاء ظاہر ہو جائیں اور عورت کے فعل سے وہ مر جائے وہ قتل کے گناہ سے گناہگار ہوگی۔

اگر عورت عمداً حمل کو ساقط کر دے تو اس کا حکم

35471_(قولہ: أَسْقَطَتْهُ مَيِّتًا عَمْدًا) ''الکفایہ'' وغیرہا میں یہی قید ذکر کی ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں کہا: ورنہ اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی اور ماں کے علاوہ کے حق میں بچے کے ساقط کرنے کا ارادہ شرط نہیں جس طرح ''الخانیہ'' میں ہے۔

35472_(قولہ: كَضَرْبِهَا بَطْنَهَا) اور جس طرح وہ اپنی شرمگاہ کا علاج کرے یہاں تک کہ وہ اس کو ساقط کر دے ''کفایہ''۔ یا وزنی بوجھ اٹھائے ''تاتر خانیہ'' یعنی اس کو ساقط کرنے کا قصد پایا جائے جس طرح گزشتہ قول سے معلوم ہو چکا ہے۔

35473_(قولہ: فَإِنْ أَذِنَ أَوْ لَمْ) ''زیلعی''، صاحب ''الکافی'' وغیرہما نے اس کا ذکر کیا ہے۔

(لَا) غُرَّةَ لِعَدَمِ التَّعَدِّي، وَلَوْ أَمَرَتْ امْرَأَةً فَفَعَلَتْ لَا تَضْمَنُ الْمَأْمُورَةُ،

تو اس پر غرہ لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ عورت کی جانب سے تعدی نہیں پائی گئی۔ اگر اس نے ایک عورت کو حکم دیا تو اس عورت نے وہ عمل کیا تو جس عورت کو حکم دیا گیا تھا وہ ضامن نہیں ہوگی۔

''شرنبلالیہ'' میں ہے: میں کہتا ہوں: یہ ضعیف روایت پر جاری ہو رہی ہے نہ کہ صحیح روایت پر جاری ہو رہی ہے۔ کیونکہ ''الکافی'' میں کہا: اس نے کسی اور سے کہا: مجھے قتل کر دے تو مامور نے اسے قتل کر دیا تو صحیح قول کے مطابق اس کے مال میں دیت واجب ہوگی۔ کیونکہ اباحت نفوس میں جاری نہیں ہوتی اور شبہ کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے: کوئی شے واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس کا نفس اس کا اپنا حق ہے اور اس نے اپنے حق کو تلف کرنے کی اجازت دی ہے، انتہی۔ اسی طرح غرہ یا جنین کی دیت اس کا حق ہے مگر اباحت منتفی ہے۔ پس صرف خاوند کے امر سے کہ اسے جنین تلف کرنے کی اجازت دی ہے۔ عورت کی عاقلہ سے غرہ ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ عورت کا امر خاوند کے فعل سے کم درجہ کا نہیں۔ کیونکہ خاوند اپنی بیوی کو مارے اور وہ عورت جنین کو پھینک دے تو اس کی عاقلہ پر غرہ لازم ہوگا اور خاوند اس کا وارث نہیں بنے گا۔ اگر ہم اس میں غور کریں کہ غرہ خاوند کا حق ہے اور خاوند کے مارنے سے کوئی شے واجب نہ ہوگی لیکن جب آدمی کسی انسان کے خون کو رائیگاں کرنے کا مالک نہیں تو اس کو تلف کرنے سے شارع نے جو مقدر کیا ہے وہ اس پر لازم ہو جائے گا اور جانی کے علاوہ اس کا مستحق بن جائے گا، ملخص۔

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ علماء نے اس کی تصریح کی ہے کہ ہمارے نزدیک جنین نفس معتبر نہیں۔ کیونکہ اس کی آدمیت محقق نہیں۔ اور علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ اسے من وجہ اپنی ماں کا جز تصور کیا جائے گا۔ اسی وجہ سے اس میں قیمت یا کامل دیت واجب نہیں ہوگی اور نہ ہی کفارہ واجب ہوگا جب اس کی زندگی ثابت نہ ہو۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ غرہ کا وجوب تعبدی ہے۔ پس اس کا نفس محققہ کے ساتھ الحاق صحیح نہیں یہاں تک کہ یہ کہا جائے: اباحت نفوس میں جاری نہیں ہوتی۔ گزشتہ تفریع میں ضمان کے صحیح ہونے سے اس میں اس کی تصحیح لازم نہیں آتی۔ کتاب الجنایات کے شروع میں گزر چکا ہے اگر وہ کہے: میرا ہاتھ یا میرا پاؤں کاٹ دے تو اس میں کوئی شے لازم نہ ہوگی اگرچہ اس کے نفس تک سرایت کر جائے۔ کیونکہ اطراف اموال کی طرح ہیں۔ پس یہ امر صحیح ہوگا اسے اس فرع کے ساتھ لاحق کرنا اولیٰ ہے۔ کیونکہ جب وہ جنایت نہیں تو حق اس کا ہے جب کہ وہ اپنے حق کو تلف کرنے پر راضی ہیں۔ جب وہ خود ہی مناسب ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ غرہ کسی اور کا حق ہو گا۔ اسی وجہ سے وہ اس میں سے کسی شے کا وارث نہیں ہوگا۔ یہ وہ بات ہے جو میرے قاصر فہم کے لیے ظاہر ہوئی، فتامل۔

35474۔ (قولہ: وَلَوْ أَمَرَتْ امْرَأَةً) یعنی بیوی نے کسی اور عورت کو یہ کہا: ظاہر یہ ہے کہ خاوند نے جب اپنی بیوی کو اجازت دے دی کہ وہ جنین کو گرا دے اس میں ضمان کا لازم نہ ہونا ایسی چیز ہے جس پر صاحب ''خلاصہ'' کا کلام دلالت کرتا ہے ورنہ محض ماں کا امر یہ باپ کے حق کو ساقط کرنے کا سبب نہیں جب کہ یہ ظاہر ہے۔ ''وانی''۔ لیکن ''عزمی'' نے یہ ذکر کیا کہ مامورہ سے ضمان کی نفی، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آمرہ سے بھی اس کی نفی ہو گئی ہے۔ جب اس کا خاوند اس کی اجازت نہ دے۔

وَأَمَّا أُمُّ الْوَلَدِ إِذَا فَعَلَتْهُ بِنَفْسِهَا حَتَّى أَسْقَطَتْهُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا لِاسْتِحَالَةِ الدَّيْنِ عَلَى مَمْلُوكِهِ مَا لَمْ تَسْتَحِقَّ فَحِينَئِذٍ تَجِبُ لِلْمَوْلَى الْغُرَّةُ لِأَنَّهُ مَغْرُورٌ وَفِي الْوَاقِعَاتِ شَرِبَتْ دَوَاءً لِتُسْقِطَهُ عَمْدًا فَإِنْ أَلْقَتْهُ حَيًّا فَمَاتَ فَعَلَيْهَا الدِّيَةُ وَالْكَفَّارَةُ، وَإِنْ مَيِّتًا فَالْغُرَّةُ وَلَا تَرِثُ فِي الْحَالَيْنِ (وَيَجِبُ فِي جَنِينِ الْبَهِيمَةِ

جہاں تک ام الولد کا تعلق ہے جب وہ خود ایسا فعل کرے یہاں تک کہ وہ جنین کو ساقط کردے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ دین کا اس کے مملوک پر واقع ہونا محال ہے جب تک اس کا کوئی اور مستحق نہ نکل آئے اس وقت آقا کے لیے غرہ ہوگا۔ کیونکہ وہ مغرور ہے۔ ''واقعات'' میں ہے: عورت نے دوائی پی تاکہ جان بوجھ کر جنین کو گرادے اگر اس نے اسے زندہ پھینکا اور وہ جنین مر گیا تو اس پر دیت اور کفارہ لازم ہوگا۔ اگر میت پھینکا تو غرہ لازم ہوگا۔ اور عورت دونوں حالتوں میں اس کی وارث نہ ہوگی اور جانور کے جنین میں وہ واجب ہوگا

''شرنبلالی'' نے یہاں ایسا ہی اعتراض کیا جس طرح کا اعتراض گزر چکا ہے اور اس میں جو ضعف ہے تو اس کو جان چکا ہے۔ فتدبر۔

35475۔ (قولہ: لِاسْتِحَالَةِ الدَّيْنِ) یعنی دین کا وجوب محال ہے۔ وہ آقا کے لیے اس کے مملوک پر غرہ ہے۔''ط''۔

35476۔ (قولہ: مَا لَمْ تَسْتَحِقَّ الخ) ''زیادات'' میں کہا: ایک آدمی نے لونڈی خریدی اور اس پر قبضہ کر لیا اور وہ عورت اس مرد سے حاملہ ہوگئی پھر اس لونڈی نے اپنے پیٹ پر عمداً ضرب لگائی اور اس نے جنین کو مردہ حیثیت میں ساقط کر دیا پھر ایک آدمی گواہوں کے ساتھ اس کا مستحق نکل آیا اور اس آدمی کے حق میں اس لونڈی کا فیصلہ کر دیا گیا یا مشتری پر اس کے عقد کا فیصلہ کر دیا گیا تو مستحق سے کہا جائے گا اس نے اپنے آزاد بچے کو قتل کیا ہے۔ کیونکہ مغرور کا بچہ قیمت کے بدلے میں آزاد ہوتا ہے اور آزاد کا جنین غرہ کے بدلے میں مضمون ہوتا ہے۔ پس اپنی لونڈی دے دو یا اس کے غرہ کا فدیہ دے دو'' تاتر خانیہ''۔

پھر ''جامع الفصولین'' میں کہا: میں کہتا ہوں: جب اس نے غرہ لے لیا تو چاہیے کہ مستحق کے لیے یہ جائز ہو کہ وہ اس سے جنین کی قیمت کا مطالبہ کرے۔ کیونکہ بدل کا وجود مبدل کے وجود کی طرح ہوتا ہے لیکن غرہ اس کے لیے سلامت رہے گا۔ پس اس کے حساب سے اس سے چٹی لی جائے گی۔ اس کی مکمل وضاحت ''طحطاوی'' میں ''ہندیہ'' سے مروی ہے۔

35477۔ (قولہ: لِلْمَوْلَى) جو مستولد ہے یعنی ام ولد بنانے والا ہے۔

اگر عورت عمداً دوائی پی کر جنین گرادے تو اس کا حکم

35478۔ (قولہ: فَعَلَيْهَا الدِّيَةُ وَالْكَفَّارَةُ) یعنی اگرچہ خاوند کی اجازت سے ہو۔ کیونکہ جنایت زندہ نفس پر متحقق ہوگی ہے۔ پس اس میں اباحت جاری نہ ہوگی۔ جس کو اس نے مردہ پھینکا تھا اس کا معاملہ مختلف ہوگا۔ پس اس عورت سے اس کا غرہ ساقط ہو جائے گا اگر خاوند کی اجازت سے ہو جس طرح گزر چکا ہے، تامل۔

جانور کے جنین کا حکم

35479۔ (قولہ: وَيَجِبُ فِي جَنِينِ الْبَهِيمَةِ) یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ اسے مردہ حیثیت میں پھینک

مَا نَقَصَتْ الْأُمُّ إنْ نَقَصَتْ (وَإِنْ لَمْ تَنْقُصْ) الْأُمُّ (لَا يَجِبُ) فِيهِ (شَيْءٌ) سِرَاجِيَّةٌ فَرْعٌ فِي الْبَزَّازِيَّةِ ضَرَبَ بَطْنَ امْرَأَتِهِ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَ الْبَطْنَ وَوَقَعَ أَحَدُ الْوَلَدَيْنِ حَيًّا مَجْرُوحًا بِالسَّيْفِ وَالْآخَرُ مَيِّتًا وَبِهِ جِرَاحَةُ السَّيْفِ وَمَاتَتْ أَيْضًا يُقْتَصُّ لِأَجْلِ الزَّوْجَةِ لِأَنَّهُ عَمْدٌ وَعَلَى عَاقِلَتِهِ دِيَةُ الْوَلَدِ الْحَيِّ إذَا مَاتَ، وَتَجِبُ غُرَّةُ الْوَلَدِ الْمَيِّتِ، لِأَنَّهُ لَمَّا ضَرَبَ وَلَمْ يَعْلَمْ بِالْوَلَدَيْنِ فِي بَطْنِهَا كَانَ الضَّرْبُ خَطَأً

جس قدر ماں میں نقص پیدا ہوا اگر اس میں نقص واقع ہوا۔ اگر ماں میں نقص واقع نہ ہوا تو اس میں کوئی شے واجب نہ ہوگی، ''سراجیہ''۔ فروع: ''بزازیہ'' میں ہے: اپنی بیوی کے بطن پر تلوار ماری اور اس کے بطن کو کاٹ دیا۔ دو بچوں میں سے ایک زندہ زخمی اور دوسرا مردہ گر پڑا جب کہ اس میں تلوار کا زخم تھا اور ماں بھی مرگئی تو بیوی کا اس سے قصاص لیا جائے گا۔ کیونکہ اس کا یہ عمل عمد ہے۔ اور زندہ بچہ جب مرجائے گا تو زندہ بچہ کی دیت اس کی عاقلہ پر ہوگی۔ اور مردہ بچے کا غرہ واجب ہوگا۔ کیونکہ جب اس نے مارا اور بطن میں دو بچوں کا علم نہ تھا تو یہ ضرب ضرب خطا ہوگی۔

دے۔ مگر جب اسے زندہ حالت میں پھینکے اور وہ ضرب سے مرجائے تو اس کی قیمت اس کے مال میں فی الحال واجب ہوگی۔ اور اس کے ساتھ ماں کے نقصان کو پورا نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح لونڈی کے نقصان کو اس کے جنین کی قیمت سے پورا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ مال سے جس کو اس نے تلف کیا ہے۔ پس وہ مال کے نقصان کے ساتھ اس کا ضامن ہوگا۔ تامل ''رملی''۔

35480۔ (قولہ: وَوَقَعَ أَحَدُ الْوَلَدَيْنِ حَيًّا الخ) یعنی پھر وہ گرنے والا مرجائے۔

35481۔ (قولہ: وَمَاتَتْ أَيْضًا) یعنی ماں بھی مرجائے جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں تعبیر کیا ہے۔ پس اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا ہے کہ اس کی موت اس بچے کی موت کے بعد ہوئی جو زندہ گرا۔ کیونکہ اگر وہ پہلے مرتا تو وہ اپنے باپ کے خلاف قصاص کا وارث ہوتا پس وہ قصاص ساقط ہو جاتا جس طرح محشی ''حلبی'' نے کہا ہے۔

35482۔ (قولہ: وَتَجِبُ غُرَّةُ الْوَلَدِ الْمَيِّتِ) اگر وہ تجب ساقط کر دیتے اور الغرۃ کا عطف الدیۃ پر کرتے تو یہ کلام زیادہ بہتر ہوتی۔ تا کہ یہ اس امر کا فائدہ دے کہ یہ بھی عاقلہ کے ذمہ ہے۔ اس میں بھی دیت واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کی زندگی محقق نہیں جس طرح گزر چکا ہے۔

35483۔ (قولہ: لِأَنَّهُ لَمَّا ضَرَبَ الخ) یہ اس کی عاقلہ پر دیت کے واجب ہونے کی علت کا بیان ہے نہ کہ اس کے مال میں دیت کے وجوب کی علت کا بیان ہے۔ کیونکہ اگر بچے کی طرف نسبت کے حوالے سے ضرب عمدا ہو تو عاقلہ پر دیت ہوگی۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ اگر اس کو دونوں کے حوالے سے ضرب عمدا ہو تو عاقلہ پر دیت ہوگی۔ اس کا مقتضا یہ ہے اگر اس کو دونوں بچوں کا علم ہو اور وہ دونوں کو ضرب لگانے کا بھی قصد کرے تو زندہ کی دیت اس کے مال میں تین سالوں میں واجب ہوگی۔ کیونکہ اجرت کے شبہ کے باعث قصاص ساقط ہو چکا ہے مگر جب اسے دونوں کا علم ہو اور اس نے دونوں بچوں کو ضرب لگانے کا قصد نہیں کیا بلکہ صرف ان کی ماں کو ضرب لگانے کا قصد کیا تو زندہ کی دیت اس کے مال میں واجب نہ ہوگی جس طرح ایک آدمی کسی شخص کو تیر مارنے کا ارادہ کرے تو تیر اس سے نکل کر ایک اور آدمی کو جا لگے، تامل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ مَا يُحْدِثُهُ الرَّجُلُ فِي الطَّرِيقِ وَغَيْرِهِ

لَمَّا ذَكَرَ الْقَتْلَ مُبَاشَرَةً شَرَعَ فِيهِ تَسَبُّبًا فَقَالَ (أَخْرَجَ إِلَى طَرِيقِ الْعَامَّةِ كَنِيفًا) هُوَ بَيْتُ الْخَلَاءِ (أَوْ مِيزَابًا أَوْ جُرْصُنًا كَبُرْجٍ وَجِذْعٍ وَمَمَرِّ عُلُوٍّ وَحَوْضِ طَاقَةٍ وَنَحْوِهَا عَيْنِيٌّ أَوْ دُكَّانًا جَازَ)

راستہ کے متعلقہ امور کے احکام

جب براہ راست قتل کا ذکر کر چکے تو اب اس قتل کے ذکر میں شروع ہوئے جو قتل بالسبب ہے۔ کہا: جب عام راستہ کی جانب کنیف جو بیت الخلاء ہے، پرنالہ یا جرصن جیسے برج، چھجا، چھتا اور طاقہ کا حوض بنائے وغیرہا، ''عینی''۔ یا دکان بنائے تو اس کا بنانا جائز ہے۔

35484۔(قولہ: إِلَى طَرِيقِ الْعَامَّةِ) یعنی ایسا راستہ جو آگے سے بند نہ ہو جو شہروں میں دیہاتوں میں واقع ہوتے ہیں نہ کہ وہ راستے جو جنگلوں اور صحراؤں میں واقع ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان سے عموماً عدول کرنا ممکن ہوتا ہے جس طرح ''زہری'' میں ہے۔ اور عام راستہ وہ ہوتا ہے جس کی قوم کا شمار نہ کیا جا سکے یا جسے گزرنے کے لیے ایسی قوم نے چھوڑ دیا ہو جنہوں نے غیر مملوکہ زمین میں گھر بنائے ہوں تو یہ راستہ عام لوگوں کی ملکیت میں باقی رہے گا۔ یہ ''شیخ اسلام'' کا مختار مذہب ہے۔ اور پہلا قول ''امام حلوانی'' کا مختار مذہب ہے جس طرح ''عمادی'' میں ہے، ''قہستانی''۔

جرصن کی لغوی تحقیق

35485۔(قولہ: أَوْ جُرْصُنًا) یہ لفظ جیم کے ضمہ را کے سکون اور صاد مہملہ کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ یہ لفظ دخیل ہے یعنی اصل میں عربی نہیں۔ اس کی وضاحت میں علما نے اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد برج ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ پانی کی وہ گزرگاہ ہے جو دیوار میں بنائی جاتی ہے۔ ''امام بزدوی'' سے مروی ہے: اس سے مراد وہ لکڑی ہے جسے انسان دیوار سے باہر نکالتا ہے تاکہ اس پر کوئی شے تعمیر کرے۔ ''مغرب''۔ ''عینی'' نے کہا: یہ بلندی کی جانب گزرنے کی جگہ ہے جو رف (مچان) کی طرح ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ لکڑی ہوتی ہے جو دو چھتوں کی دیوار پر رکھی جاتی ہے تاکہ گزرنا ممکن ہو جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وہ چیز ہے جو محراب کے سامنے بنائی جاتی ہے تاکہ اس پر کوزے وغیرہ رکھے جائیں۔

35486۔(قولہ: كَبُرْجٍ الخ) یہ جرصن کی تفسیر میں جو گزشتہ اقوال ہیں ان کی حکایت ہے۔

35487۔(قولہ: وَنَحْوِهَا) یہ ''عینی'' کی عبارت ہے جو نحو الکیزان کے معنی میں ہے۔

35488۔(قولہ: أَوْ دُكَّانًا) یہ چبوترہ کی طرح بلند جگہ ہوتی ہے ''عینی''۔

إِحْدَاثُهُ (وَإِنْ لَمْ يَضُرَّ بِالْعَامَّةِ) وَلَمْ يَمْنَعْ مِنْهُ، فَإِنْ ضَرَّ لَمْ يَحِلَّ كَمَا سَيَجِيءُ (وَلِكُلِّ أَحَدٍ مِنْ أَهْلِ الْخُصُومَةِ) وَلَوْ ذِمِّيًّا (مَنْعُهُ) ابْتِدَاءً (وَمُطَالَبَتُهُ بِنَقْضِهِ) وَرَفْعُهُ (بَعْدَهُ) أَيْ بَعْدَ الْبِنَاءِ، سَوَاءٌ كَانَ فِيهِ ضَرَرٌ أَوْ لَا وَقِيلَ إِنَّمَا يَنْقُضُ بِخُصُومَتِهِ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ مِثْلُ ذَلِكَ وَإِلَّا كَانَ تَعَنُّتًا زَيْلَعِيٌّ

اگر عام لوگوں کو تکلیف نہ دے اور کوئی اسے اس امر سے منع نہ کرے۔ اگر وہ ضرر کا باعث ہو تو اس کے لیے ایسا کرنا حلال نہ ہوگا جس طرح عنقریب آگے آئے گا۔ اہل خصومت میں سے ہر ایک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسے ابتداءً روکے اگر چہ وہ ذمی ہو اور اس کے بنا لینے کے بعد اس کے توڑ دینے اور اس کے اٹھا دینے کا حق ہوگا خواہ اس میں ضرر ہو یا ضرر نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی خصومت کے باعث اسے توڑ دیا جائے گا جب اس کے لیے اس کی مثل نہ ہو ورنہ اس کا یہ مطالبہ کرنا تعنت وعناد ہوگا، ''زیلعی''۔

اگر کوئی شخص راستے میں دکان وغیرہ بنائے تو اس کا حکم

35489۔ (قولہ: فَإِنْ ضَرَّ لَمْ يَحِلَّ) ان پر یہ لازم تھا کہ وہ کہتے: فان ضر او منع لم یحل۔ ''قہستانی'' میں ہے: اس کے لیے حلال ہے کہ اس سے نفع حاصل کرے اگر چہ اسے اس سے منع کیا گیا ہو جس طرح ''کرمانی'' میں ہے۔ ''امام طحاوی'' نے کہا: اگر اسے اس سے منع کیا گیا ہو تو اس کے لیے مباح نہیں ہوگا کہ وہ اسے بنائے اور اس سے نفع اٹھالے اور اس کو اسی حال پر چھوڑنے سے وہ گناہگار ہوگا جس طرح ''ذخیرہ'' میں ہے۔

35490۔ (قولہ: مِنْ أَهْلِ الْخُصُومَةِ) وہ آزاد و بالغ اور عاقل ہے۔ غلاموں اور بچوں، جو مجبور ہیں ان کا معاملہ مختلف ہوگا۔ ''الدر المنتقی'' میں اسے بیان کیا ہے کہ اجازت کے ساتھ ان کے لیے یہ حلال ہے۔

35491۔ (قولہ: وَلَوْ ذِمِّيًّا) کیونکہ اس کا راستہ میں حق ہے ''کفایہ''۔ ''تاتر خانیہ'' کی عبارت ہے: اس میں کافر داخل ہوگا خصوصاً جب وہ ذمی ہو، فتنبہ۔

35492۔ (قولہ: سَوَاءٌ كَانَ فِيهِ ضَرَرٌ أَوْ لَا) ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق یہی صحیح ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس کو روکنے کا حق ہے اس کو ختم کرنے کا حق نہیں۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نہ روکنے کا حق ہے نہ ختم کرنے کا حق ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب اس کے بنانے کا علم ہوا گر علم نہ ہو تو اسے نیا شمار کیا جائے گا تو امام کو حق حاصل ہوگا کہ اسے توڑ دے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اگر وہ لوگوں کو تکلیف دے تو اس کو توڑ دے گا، ''در منتقی''۔

35493۔ (قولہ: وَقِيلَ الخ) اس کے قائل ''اسماعیل صفار'' ہیں جس طرح ''زیلعی'' میں ہے۔

35494۔ (قولہ: وَإِلَّا كَانَ تَعَنُّتًا) کیونکہ اگر وہ لوگوں سے ضرر کو دور کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس کا آغاز اپنی ذات سے کرے، ''کفایہ''۔

(هٰذَا) كُلُّهُ (إِذَا بَنَى لِنَفْسِهِ بِغَيْرِ إِذْنِ الْإِمَامِ) زَادَ الصَّفَّارُ وَلَمْ يَكُنْ لِلْمُطَالِبِ مِثْلُهُ (وَإِنْ بَنَى لِلْمُسْلِمِينَ كَمَسْجِدٍ وَنَحْوِهِ) أَوْ بَنَى بِإِذْنِ الْإِمَامِ (لَا) يُنْقَضُ

یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ امام کی اجازت کے بغیر اپنے لیے کوئی چیز بنائے۔ ''صفار'' نے یہ اضافہ کیا ہے: جب مطالبہ کرنے والے کی اس کی مثل کوئی چیز نہ ہو اگر وہ مسلمانوں کے لیے مسجد وغیرہ بنائے یا امام کی اجازت سے بنائے تو اس کو نہیں توڑا جائے گا۔

35495۔(قولہ: بِغَيْرِ إِذْنِ الْإِمَامِ) اگر امام نے اسے اجازت دی ہو تو کسی کو حق حاصل نہیں کہ اس کا پیچھا کرے یا اس کے ساتھ منازعہ کرے لیکن امام کو حق حاصل نہیں کہ وہ اسے اجازت دے جب وہ لوگوں کے لیے تکلیف کا باعث ہو اس کی صورت یہ ہے کہ راستہ تنگ ہو اگر اس کے باوجود امام اس کی اجازت میں مصلحت دیکھے اور اجازت دے دے تو یہ جائز ہوگا۔ ''حموی'' نے ''مسکین'' سے روایت کیا ہے۔ ''شمنی'' میں ہے: ضرر کے ساتھ بغیر کسی اختلاف کے جائز ہوگا۔ امام اس کی اجازت دے یا اجازت نہ دے، ''ط''۔ شاید مراد یہ ہے کہ وہ اس سے گناہگار ہوگا اگرچہ کسی کا اس کے ساتھ منازعہ نہ ہو۔ کیونکہ امام کی اجازت سے جو عمل کیا جاتا ہے اس کے ساتھ منازعہ یہ امام پر سبقت لے جانا ہے۔ پس یہ قول اس کے مخالف نہیں جو اس سے ماقبل ہے۔

35496۔(قولہ: زَادَ الصَّفَّارُ الخ) وہی متقدم مفصل قول ہے اس کے اعادہ کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی ان کی کلام کا ظاہر یہ ہے کہ اطلاق پر اعتماد کیا جائے۔ کیونکہ انہوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ قول ''صفار'' کی طرف منسوب ہے جب کہ پہلے حکم کو مطلقاً بیان کر دیا گیا ہے گویا یہ سب کا قول ہے۔ وجہ یہ ہے: منکر سے نہی اس کے ساتھ متقید نہیں ہوتی کہ ناہی اس منکر سے متباعد ہے جس طرح کتاب الحظر میں گزر چکا ہے، ''ط''۔

میں کہتا ہوں: یہ وجہ ظاہر ہو گئی اگر اس میں ضرر ہو کیونکہ اس وقت وہ منکر ہوگا فتدبر۔

اگر کوئی شخص راستے میں مسجد وغیرہ بنائے تو اس کا حکم

35497۔(قولہ: وَإِنْ بَنَى لِلْمُسْلِمِينَ) یعنی ان کو تکلیف نہ دے جس طرح ''کفایہ'' اور ''قہستانی'' میں ہے۔

35498۔(قولہ: أَوْ بَنَى بِإِذْنِ الْإِمَامِ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے: اگر وہ اس کی اجازت سے بنائے تو کسی کو حق حاصل نہیں کہ اس کے ساتھ منازعہ کرے اگرچہ وہ ضرر کا باعث ہو۔ ہم پہلے اسے ''مسکین'' سے صراحۃً بیان کر چکے ہیں عنقریب جو آئے گا کہ اگر امام کی اجازت سے ہو تو ضمان لازم نہ ہوگی وہ اس پر دلالت کرے گا۔ ''الکفایۃ'' وغیرہا میں ہے: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کمزور سے کمزور آدمی کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ اسے اس کی تعمیر سے روکے اور تعمیر کرنے کے بعد اسے توڑ دینے کا مکلف بنائے خواہ اس میں ضرر ہو یا ضرر نہ ہو جب وہ امام کی اجازت کے بغیر اسے تعمیر کرے۔ کیونکہ وہ معاملات جو عام لوگوں کے لیے ہوتے ہیں ان کی تدبیر کرنا امام کی ذمہ داری ہوتی ہے تاکہ فتنہ کو ختم کیا جائے۔ پس جسے امام کی اجازت

(وَإِنْ كَانَ يَضُرُّ بِالْعَامَّةِ لَا يَجُوزُ إِحْدَاثُهُ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ فِي الْإِسْلَامِ (وَالْقُعُودُ فِي الطَّرِيقِ لِبَيْعٍ وَشِرَاءٍ) يَجُوزُ إِنْ لَمْ يَضُرَّ بِأَحَدٍ وَإِلَّا لَا (عَلَى هَذَا التَّفْصِيلِ) السَّابِقِ وَهَذَا فِي النَّافِذِ (وَفِي غَيْرِ النَّافِذِ لَا يَجُوزُ أَنْ يَتَصَرَّفَ بِإِحْدَاثٍ مُطْلَقًا) أَضَرَّ بِهِمْ أَوْ لَا

اگر اس کا یہ عمل عام لوگوں کو تکلیف دیتا ہو تو اس کا بنانا جائز نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اسلام میں نہ ضرر ہے نہ ہی ضرار ہے (1)۔ بیع وشرا کے لیے راستہ میں بیٹھنا جائز ہے اگر وہ کسی کو نقصان نہ دے ورنہ بیٹھنا جائز نہیں۔ یہ حکم سابقہ تفصیل پر مبنی ہے۔ یہ اس راستہ میں ہے جو آگے سے بند نہ ہو اور جو راستہ آگے سے بند ہو تو یہ جائز نہیں ہوگا کہ کسی نئی چیز بنانے کے ساتھ مطلقاً تصرف کرے وہ لوگوں کو تکلیف دے یا تکلیف نہ دے

کے بغیر بنایا گیا ہے تو امام کی رائے پہلے لی جائے۔ پس ہر کسی کو حق حاصل ہوگا کہ اس کا انکار کرے۔ افتیات سے مراد سبق (پہل کرنا) ہے۔ ''صحاح''، فافہم

35499۔ (قولہ: وَإِنْ كَانَ يَضُرُّ) یہ ان کے قول جاز ان لم یضر کے مقابل ہے۔

35500۔ (قولہ: ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ) یعنی ایک آدمی کو ابتداءً نہ ضرر پہنچائے اور نہ ہی جزاءً ضرر پہنچائے۔ کیونکہ ضرر یہ ضر کے معنی میں ہے اور یہ ایک آدمی کی جانب سے ہوتا ہے اور ضرار دو آدمیوں سے وقوع پذیر ہوتا ہے یہ مضارہ کے معنی میں ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ تو اس کو نقصان پہنچائے جو تجھے نقصان پہنچائے ''مغرب''۔ جزا میں ضرر یہ ہے کہ جزا دینے والا قصاص وغیرہ میں اپنے حق سے تجاوز کرے، ''کفایہ''۔

35501۔ (قولہ: وَالْقُعُودُ) اسی طرح درخت لگانا ہے، ''قہستانی''۔

35502۔ (قولہ: يَجُوزُ إِنْ لَمْ يَضُرَّ بِأَحَدٍ) تعبیر میں زیادہ مناسب یہ ہے کہ وہ اس جملہ کو علی هذا التفصيل کے بعد لائے۔ ''ط''

35503۔ (قولہ: وَفِي غَيْرِ النَّافِذِ الخ) غیر نافذ سے مراد مملوکہ ہے یہ ملک کی علت کے ساتھ نہیں ہوتا۔ بعض اوقات اس کو آگے سے کھول دیا جاتا ہے جب کہ وہ مملوکہ ہوتی ہے۔ بعض اوقات اس کا راستہ بند کر دیا جاتا ہے جب کہ وہ عام لوگوں کے لیے ہوتی ہے لیکن یہ عموم ملک پر دلیل ہوتی ہے۔ پس اس کو ملک کے قائم مقام رکھ دیا جاتا ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے خلاف پر دلیل قائم ہو۔ صاحب ''کفایہ'' نے ''جامع صغیر''، جو ''فخر الاسلام'' کی تالیف ہے، سے نقل کیا ہے۔

بند راستے کے احکام

35504۔ (قولہ: لَا يَجُوزُ أَنْ يَتَصَرَّفَ بِإِحْدَاثٍ) میں ''الخانیہ'' میں کہتا ہوں: امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر راستہ بند ہو تو اس کے مالکوں کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اس میں کھڑکیاں رکھ لیں اور اس میں جا کر رہنا شروع کر دیں اس میں وضو

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب من بنی فی حقہ مایضر بجارہ، جلد 2، صفحہ 83، حدیث نمبر 2330

(إِلَّا بِإِذْنِهِمْ) لِأَنَّهُ كَالْمِلْكِ الْخَاصِّ بِهِمْ ثُمَّ الْأَصْلُ فِيمَا جُهِلَ حَالُهُ أَنْ يُجْعَلَ حَدِيثًا لَوْ فِي طَرِيقِ الْعَامَّةِ وَقَدِيمًا لَوْ فِي طَرِيقِ الْخَاصَّةِ بُرْجُنْدِيٌّ (فَإِنْ مَاتَ أَحَدٌ) مِنَ النَّاسِ (بِسُقُوطِهَا عَلَيْهِ

اگر چہ لوگوں کی اجازت سے تصرف کر سکتا ہے۔ کیونکہ ایسی چیز ان کی خاص ملکیت کی طرح ہے جس کا حال مجہول ہو اس میں اصل (قاعدہ) یہ ہے کہ اگر وہ عام راستہ میں ہو کہ وہ نئی چیز ہے اگر وہ خاص راستہ میں ہو تو وہ پرانی چیز ہے ''برجندی''۔ اگر لوگوں میں سے کوئی اس شے کے گرنے سے مرجائے

کریں اگر کوئی آدمی ہلاک ہو جائے تو اس کی ضمانت نہ ہوگی اگر وہ عمارت بنائے یا کنواں کھودیں تو وہ ضامن ہوگا۔

''جامع الفصولین'' میں ہے: ایک آدمی نے ارادہ کیا کہ وہ مٹی بنائے اگر وہ راستہ سے اتنی جگہ چھوڑ دے جس سے گزرا جا سکتا ہے وہ ایک ہی بار کئی اوقات میں اس کو بناتا ہے اور فوراً اس کو اٹھا لیتا ہے تو اس کو یہ حق حاصل ہوگا۔ ہر ایک کو جانور اپنے دروازے پر باندھنے کا حق ہوگا۔ کیونکہ ایسی گلی جو آگے سے بند ہو وہ مشترک گھر جیسی ہوتی ہے ہر شریک کو حق حاصل ہوگا کہ وہ صحن کے کسی حصہ میں سکونت اختیار کرے نہ کہ اس میں کوئی شے تعمیر کرے اور ہمارے علاقوں میں جانور باندھنا یہ رہائش رکھنے میں سے شمار ہوتا ہے۔

''تاتر خانیہ'' میں ہے: اگر اس نے بند گلی میں ایسا کیا جو رہائش رکھنے کے زمرہ میں سے نہیں تو وہ اپنے حصہ کی ضمانت نہیں دے گا اور اپنے شرکا کے حصہ کا ضامن ہوگا اگر چہ وہ رہائش کے زمرہ میں سے ہے۔ قیاس یہی ہے استحسان یہ ہے کہ وہ کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا۔ اس کی مثل ''کفایہ'' میں سے ہے۔

میں کہتا ہوں: اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ جن چیزوں کا ذکر ہو چکا ہے جو باقی رہتی ہیں جیسے میزاب، دکان وغیرہ اس کو نئے سرے سے بنانا جائز نہیں جس طرح ''سائحانی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

35505۔ (قولہ: إِلَّا بِإِذْنِهِمْ) یعنی سب اجازت میں یہاں تک کہ وہ مشتری جس نے اجازت کے بعد ان میں سے کسی سے کوئی مکان خریدا تھا۔ کیونکہ ''الخانیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے اس گلی پر جو آگے سے بند ہے ایک گھر یا کمرے بنایا اور گلی والے اس پر راضی تھے تو اس کے مکینوں کے علاوہ ایک آدمی آیا اور اس گلی میں ایک گھر خریدا تو مشتری کو حق حاصل ہوگا کہ وہ کمرے والے کو کہے وہ اس کمرے کو ختم کر دے۔ ''سائحانی''۔

35506۔ (قولہ: لِأَنَّهُ كَالْمِلْكِ) زیادہ بہتر یہ قول تھا: لانہ ملك جب حرف تشبیہ کے بغیر ہوتا جس طرح ''الہدایہ'' میں کہا گیا ہے اس پر وہ قول دلالت کرتا ہے جسے ہم نے پہلے ''الجامع'' سے نقل کیا ہے۔

35507۔ (قولہ: ثُمَّ الْأَصْلُ الخ) اس کا فائدہ یہ ہے کہ جو نئی چیز بنائی گئی ہو امام کو حق حاصل ہے کہ اس کو توڑ دے اور قدیمی کو کوئی بھی فرد نہیں توڑ سکتا جس طرح ''قہستانی'' میں ہے۔ ''سائحانی'' نے کہا: اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو جس نے تعمیر کرنے میں پہلے عرصہ کے گواہ پیش کیے ان کو قبول کیا جائے گا۔ ''کافی'' میں ہے: جس نے قریبی وقت میں اسے نئے

فَدِيَتُهُ عَلَى عَاقِلَتِهِ) أَيْ عَاقِلَةِ الْمُخْرِجِ لِتَسَبُّبِهِ (كَمَا تَدِي الْعَاقِلَةُ (لَوْحَفَرَ بِئْرًا فِي طَرِيقٍ أَوْ وَضَعَ حَجَرًا) أَوْ تُرَابًا أَوْ طِينًا مُلْتَقَى (فَتَلِفَ بِهِ إِنْسَانٌ) لِأَنَّهُ سَبَبٌ (فَإِنْ تَلِفَ بِهِ) أَيْ بِوَاحِدٍ مِنَ الْمَذْكُورَاتِ (بَهِيمَةٌ ضَمِنَ) فِي مَالِهِ (إِنْ لَمْ يَأْذَنْ بِهِ الْإِمَامُ)

تو اس کی دیت اس آدمی کی عاقلہ پر ہوگا جس نے اس کو نکالا تھا کیونکہ وہ اس کا سبب بنا تھا۔ جس طرح عاقلہ دیت دے گی اگر اس نے راستہ میں کنواں کھودا یا راستہ میں پتھر، خشک مٹی یا کیچڑ ڈالا ''ملتقی''۔ تو اس سے ایک انسان تلف ہو گیا عاقلہ پر اس کی دیت کی وجہ یہ ہے۔ کیونکہ کھودنے والا سبب بنا ہے اگر ان مذکورہ چیزوں میں سے کوئی جانور ہلاک ہو گیا تو وہ اپنے مال سے ضمانت دے گا اگر امام نے اس کی اجازت نہ دی ہو

سرے سے بنانے کے گواہ پیش کیے انہیں قبول کیا جائے گا جب کہ عمارت کی تعمیر کا معاملہ نہ ہو جیسے پانی کی گزرگاہ اور راستہ بنانا۔ ''شیخ خیر الدین'' نے ''صغریٰ'' سے نقل کیا ہے: اس آخری وقت کو اس کی تعمیر کا وقت قرار دیا جائے گا جسے لوگ قدیمی چیز کی حفاظت کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ تعبیر بہت ہی اچھی ہے۔

35508۔ (قولہ: فَدِيَتُهُ عَلَى عَاقِلَتِهِ) اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ اس کو زخمی کر دے اگر اس کی دیت موضحہ کی دیت تک جا پہنچے اگر اس سے کم ہو تو اس کے مال میں لازم ہوگی ''کفایہ''۔ اس نے اس امر کا شعور دلایا ہے وہ کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ اور وہ میراث سے محروم نہیں ہوگا جس طرح ''ذخیرہ'' میں ہے۔ ''قہستانی''۔

35509۔ (قولہ: مُلْتَقَى) شرح میں یہ زائد ذکر کیا اسی طرح کا حکم ہوگا ہر اس فعل میں جو عام راستہ میں کیا جاتا ہے۔ ''ملتقی'' میں یہ ہے: جس آدمی نے راستہ میں پانی بہایا جس کی وجہ سے کوئی ہلاک ہو گیا تھا تو وہ ضامن ہوگا۔ اسی طرح کا حکم ہے جب وہ پانی چھڑکاؤ کرے اس حیثیت میں کہ وہ پھیل جائے یا اس سے وضو کرے اگر اس نے ان میں سے کوئی فعل ایسی گلی میں کیا جو آگے سے بند ہے جب کہ وہ اس گلی میں رہتا ہے یا اس میں بیٹھا یا اس نے اپنا سامان رکھا تو ضامن نہیں ہو گا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ ایسا مال رکھے جو عموماً پھیل جاتا ہے یا ایک آدمی نے بعض راستہ پر چھڑکاؤ کیا تو گزرنے والا اس پر جان بوجھ کر گزرا تو چھڑکاؤ کرنے والا ضامن نہیں ہوگا اور لکڑی رکھنا گزرنے کی طرح ہے (شاید صحیح چھڑکاؤ کرنے کی طرح ہے جیسے ''تقریرات رافعی'' میں ہے، مترجم) کہ وہ لکڑی پورے راستے کو محیط ہے یا محیط نہیں۔ اگر ایک آدمی نے مالک کی اجازت سے دکان کے سامنے کے حصہ پر چھڑکاؤ کیا تو ضمان بطور استحسان آمر پر ہوگی۔

35510۔ (قولہ: فِي مَالِهِ) کیونکہ عاقلہ نفس کی ضامن ہوتی ہے مال کی ضامن نہیں ہوتی ''ہدایہ''۔

35511۔ (قولہ: إِنْ لَمْ يَأْذَنْ بِهِ) یعنی ان چیزوں کی اجازت نہ دی جن کا ذکر کیا گیا جیسے بیت الخلا، جرصن اور چبوترہ بنانا، پتھر رکھنا اور راستے میں کنواں کھودنا۔ ''قہستانی'' نے اس کو بیان کیا ہے۔

35512۔ (قولہ: الْإِمَامُ) اس سے مراد سلطان ہے۔ ''قہستانی''۔

(فَإِنْ أَذِنَ) الْإِمَامُ (فِي ذَلِكَ أَوْ مَاتَ وَاقِعٌ فِي بِئْرِ طَرِيقٍ جُوعًا أَوْ عَطَشًا أَوْ غَمًّا لَا) ضَمَانَ بِهِ يُفْتَى خُلَاصَةٌ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ (وَلَوْ سَقَطَ الْمِيزَابُ فَأَصَابَ مَا كَانَ فِي الدَّاخِلِ رَجُلًا فَقَتَلَهُ فَلَا ضَمَانَ) أَصْلًا لِكَوْنِهِ فِي مِلْكِهِ فَلَمْ يَكُنْ تَعَدِّيًا (وَإِنْ أَصَابَ الْخَارِجُ) أَوْ وَسَطُهُ بَزَّازِيَّةٌ (فَالضَّمَانُ عَلَى وَاضِعِهِ) لِتَعَدِّيهِ وَلَوْ مُسْتَأْجِرًا أَوْ مُسْتَعِيرًا وَغَاصِبًا وَلَا يَبْطُلُ الضَّمَانُ

اگر امام نے اس کی اجازت دی ہو یا راستہ کے کنواں میں گرنے والا بھوک، پیاس یا غم سے مرگیا ہو تو کوئی ضمانت نہ ہوگی اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے ''خلاصہ''۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر پرنالہ گرا تو پرنالہ کا داخلی حصہ تھا وہ ایک آدمی کو جا لگا اور اسے قتل کر دیا تو اصلاً کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ چیز اس کی ملک میں تھی اور وہ تعدی نہ ہوگی۔ اگر پرنالے کا باہر والا حصہ یا اس کے درمیان والا حصہ کسی کو لگا ''بزازیہ''۔ تو ضمان اس پر لازم ہوگا جس نے اس کو رکھا تھا۔ کیونکہ اس نے تعدی کی اگر وہ رکھنے والا مستاجر ہو، مستعیر ہو یا غاصب ہو بیع کی وجہ سے ضمان باطل نہ ہوگی۔

35513۔ (قولہ: فَإِنْ أَذِنَ الخ) کیونکہ وہ اس وقت تعدی کرنے والا نہیں۔ کیونکہ امام کو راستہ پر ولایت عامہ حاصل ہے۔ کیونکہ وہ عام لوگوں کی نیابت کرتا ہے تو اسی طرح ہو گیا کہ اس نے اس کی ملک میں عمل کیا، ''قہستانی''۔ ''الدر المنتقی'' میں کہا، اجازت جائز ہوگی جب وہ عام لوگوں کے لیے نقصان دہ نہ ہو۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے، فتنبہ۔

راستے کے کنویں میں گرنے والا بھوک، پیاس یا گھٹن کی وجہ سے مرجائے تو اس کا حکم

35514۔ (قولہ: جُوعًا أَوْ عَطَشًا) کیونکہ وہ اس معنی میں ہے کہ وہ خود اپنی موت آپ مرا ہے۔ ضمان اس وقت واجب ہوگی جب وہ اس میں گرنے سے مرا ہو، ''زیلعی''۔

35515۔ (قولہ: أَوْ غَمًّا) یعنی بدبو سے دم گھٹنے سے۔ ''صحاح'' میں کہا: یوم غم جب وہ گرمی کی شدت سے نفس کو گرفت میں لے لے، ''عنایہ''۔ ''شرنبلالیہ'' میں اسے غین کے ضمہ کے ساتھ حرکت دی ہے۔ پھر ''شرح المجمع'' سے نقل کیا ہے ''الفتح''۔

35516۔ (قولہ: خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ) سب میں ضمانت کو واجب کیا ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے بھوک کے معاملہ میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت کی ہے غم میں موافقت نہیں کی، ''ط''۔

35517۔ (قولہ: أَوْ وَسَطُهُ) اس سے مراد اس کا وسط ہے جو واضع کی ملک سے باہر ہے۔ کیونکہ ضمان کی علت وہ تعدی ہے جو راستہ کی فضا کو مشغول رکھنا ہے جس طرح ''زیلعی'' نے اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ اس معنی کے اعتبار سے خارج کا لفظ اس وسط کو جامع ہے۔ پس اس کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں۔ شاید خارج سے مراد اس کا آخری کنارہ ہے۔ پس وسط کا ذکر کرنا ان کے لیے صحیح ہے۔ اس میں اور اس کے ماقبل ضمان کا محل اس وقت ہے جب امام اجازت نہ دے یا محلہ کے لوگ اجازت نہ دیں جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ پس وہ تعلیل دلالت کرتی ہے جس کا ذکر تعدی کی صورت میں کیا گیا ہے۔

35518۔ (قولہ: فَالضَّمَانُ عَلَى وَاضِعِهِ) یعنی جس نے اسے رکھا تھا اس کی عاقلہ پر ضمان ہوگی۔ اسی طرح کا قول

بِالْبَیْعِ لِبَقَاءِ فِعْلِهِ وَهُوَ الْمُوجِبُ لِلضَّمَانِ بِخِلَافِ الْحَائِطِ الْمَائِلِ كَمَا بَسَطَهُ الزَّیْلَعِیُّ (وَلَوْ أَصَابَهُ الطَّرَفَانِ) مِنَ الْمِیزَابِ (وَعُلِمَ ذَلِكَ وَجَبَ) عَلَى وَاضِعِهِ (النِّصْفُ وَهُدِرَ النِّصْفُ وَلَوْ لَمْ یَعْلَمْ أَیَّ طَرَفٍ) مِنْهُمَا (أَصَابَهُ ضَمِنَ النِّصْفَ اسْتِحْسَانًا) زَیْلَعِیٌّ (وَمَنْ نَحَّى حَجَرًا وَضَعَهُ آخَرُ فَعَطِبَ بِهِ رَجُلٌ ضَمِنَ) لِأَنَّ فِعْلَ الْأَوَّلِ نُسِخَ بِفِعْلِ الثَّانِی (كَمَنْ حَمَلَ عَلَى رَأْسِهِ) أَوْ ظَهْرِهِ (شَیْئًا فِی الطَّرِیقِ فَسَقَطَ مِنْهُ عَلَى آخَرَ

کیونکہ اس کا فعل باقی ہے اور فعل ضمان کو واجب کرنے والا ہے۔ وہ دیوار جو جھکی ہوئی ہے اس کا معاملہ مختلف ہے جس طرح ''زیلعی'' نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اگر اسے پرنالے کی دونوں جانب لگیں اور یہ معلوم ہو جائے تو اس کو رکھنے والے پر نصف دیت لازم ہوگی اور نصف رائیگاں چلی جائے گی اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کون سی جانب لگی ہے تو وہ بطور استحسان نصف دیت کا ضامن ہوگا، ''زیلعی''۔ اور جس نے اس پتھر کو کنارے پر کر دیا جس کو دوسرے آدمی نے رکھا تھا تو ایک آدمی اس سے ٹکرا کر ہلاک ہو گیا تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ پہلے کا فعل دوسرے کے فعل سے منسوخ ہو گیا ہے جس طرح وہ شخص جس نے اپنے سر یا اپنی پشت پر راستہ میں کوئی شے اٹھائی تو وہ شے کسی اور پر جا گری

اس کے بارے میں کیا جائے گا جس کا ذکر بعد میں ہوا ہے کیونکہ یہ قتل بالسبب ہے، ''ط''۔

35519۔ (قولہ: كَمَا بَسَطَهُ الزَّیْلَعِیُّ) کیونکہ فرمایا: اگر اس نے راستہ کی طرف کوئی چھجا نکالا یا دھنیا باہر نکالیں یا اس میں لکڑی رکھی پھر سب کچھ بیچ دیا اور مشتری نے اسے اسی طرح رہنے دیا یہاں تک کہ ایک انسان اس سے ہلاک ہو گیا تو ضمان بائع پر ہوگی۔ کیونکہ اس کا فعل ملکیت کے زائل ہونے سے منسوخ نہیں ہوا۔ اس دیوار کا معاملہ مختلف ہے جو جھکی ہوئی ہے جب وہ اسے گواہ بنانے کے بعد بیچے، اس وقت مشتری ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے گواہ نہیں بنائے اور نہ ہی بائع ضامن ہوگا کیونکہ گواہ بنانے کے صحیح ہونے کے لیے ملکیت شرط ہے اور بیع کے ساتھ ملکیت باطل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ غیر کی ملک کو ختم کرنے کا مالک نہیں یہاں ضمانت راستہ کی فضا کو مشغول کرنے کی بنا پر ہے یہ ملکیت کے اعتبار سے نہیں اور مشغولیت باقی ہے۔ پس وہ ضامن ہوگا جس طرح یہ عمل مستاجر، مستعیر یا غاصب کی جانب سے حاصل ہو۔ دیوار کے معاملہ میں مالک کے علاوہ کوئی ضامن نہ ہوگا، ملخص۔

35520۔ (قولہ: اسْتِحْسَانًا) کیونکہ وہ ایک حال میں سب کا ضامن ہوتا ہے اور ایک حال میں کسی شے کا ضامن نہیں ہوتا۔ پس وہ نصف کا ضامن ہوگا۔ قیاس تو یہ ہے کہ شک کی وجہ سے کسی شے کا ضامن نہ ہو۔ اس کی مکمل بحث ''زیلعی'' میں ہے۔

35521۔ (قولہ: وَمَنْ نَحَّى حَجَرًا) یعنی اس نے پتھر اس کی جگہ سے دوسری جگہ کی طرف پھیر دیا۔

راستہ میں اپنے سر یا پشت پر سلامتی کی شرط پر سامان اٹھانا مباح ہے

35522۔ (قولہ: فَسَقَطَ مِنْهُ عَلَى آخَرَ) اسی طرح کا حکم ہوگا جب کوئی انسان اس سے لڑکھڑا کر گر گیا ''ہدایہ''۔

أَوْ دَخَلَ بِحَصِيرٍ أَوْ قِنْدِيلٍ أَوْ حَصَاةٍ فِي مَسْجِدِ غَيْرِهِ) أَيْ جَعَلَ فِيهِ حَصًى أَوْ بَوَارِي ابْنُ كَمَالٍ (أَوْ جَلَسَ فِيهِ لَا لِلصَّلَاةِ) وَلَوْ لِقُرْآنٍ أَوْ تَعْلِيمٍ (فَعَطِبَ بِهِ أَحَدٌ) كَأَعْمَى ضَمِنَ خِلَافًا لَهُمَا (لَا) يَضْمَنُ (مَنْ سَقَطَ مِنْهُ رِدَاءٌ لَبِسَهُ)

یا ایک آدمی دوسرے کی مسجد میں چٹائی یا قندیل یا سنگریزے لے گیا یعنی اس میں سنگریزوں یا چٹائیوں کا فرش بچھایا ''ابن کمال''۔ یا اس میں بیٹھا مگر نماز کے لیے نہ بیٹھا اگرچہ وہ قرآن کے لیے یا تعلیم کے لیے بیٹھا کوئی آدمی اس کی وجہ سے ہلاک ہو گیا جیسے وہ اندھا ہو تو اس پر ضمان لازم ہو گی۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے ان سے اختلاف کیا ہے۔ جس آدمی نے اپنی چادر زیب تن کر رکھی تھی

کیونکہ راستہ میں اپنے سر پر اپنی پشت پر سامان اٹھانا مباح ہے لیکن سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید ہے۔ یہ ہدف کی طرف تیر پھینکنے کی طرح ہے یا شکار کی طرف تیر پھینکنے کی طرح ہے۔ ''زیلعی''۔

35523۔ (قولہ: أَوْ دَخَلَ بِحَصِيرٍ أَوْ قِنْدِيلٍ أَوْ حَصَاةٍ الخ) یعنی چٹائی یا قندیل کسی پر گر گئی یا وہ برتن کسی پر گر گیا جس میں سنگریزے (بجری) تھے، ''منح''۔

میں کہتا ہوں: ''ہدایہ'' کی عبارت ہے: جب مسجد قبیلہ کی ہو ان میں سے ایک آدمی نے اس میں قندیل لٹکائی یا اس میں چٹائیاں ڈالیں یا بجری ڈالی الخ۔ اس کا ظاہر تو یہ ہے کہ حصافعل ماضی ہے جس کا صاد مشدد ہے اس کا عطف جعل پر ہے۔ اس پر ''ابن کمال'' کی تفسیر دلالت کرتی ہے۔ جہاں تک اسے وحدت کی تا کے ساتھ مفرد بنانا یہ بہت ہی بعید ہے۔ اسی طرح برتن کا ارادہ بہت ہی بعید ہے۔ ''منہوات ابن کمال'' میں ہے جس نے یہ وہم کیا اس سے مراد وہ برتن ہے جس میں بجری ہو تو اس نے وہم کیا ہے۔

''شرنبلالی'' نے اس صورت میں اختلاف کیا ہے جب وہ یہ عمل اہل مسجد کی اجازت کے بغیر کرے۔ اگر وہ ان کی اجازت سے ایسا عمل کرے تو بالاتفاق کوئی ضمانت نہ ہو گی جس طرح اگر وہ اہل محلہ میں سے ہو اور وہ روشنی کے لیے قندیل لٹکائے اگر وہ حفاظت کی غرض سے اسے اٹھائے تو بالاتفاق ضامن ہو گا جس طرح ''شرح المجمع'' میں ہے۔ ''بزازیہ'' میں قاضی کے اذن کو اہل محلہ کے اذن کی طرح قرار دیا ہے۔

35524۔ (قولہ: فِي مَسْجِدِ غَيْرِهِ) یعنی اپنے محلہ کی مسجد کے علاوہ مسجد میں ایسا کرے اس کا مفہوم آگے آئے گا۔ ظاہر یہ ہے کہ جامع مسجد اس کا حکم اپنے محلہ کے مسجد کی طرح ہے پس جس کا ذکر کیا گیا ہے اس کا ضامن نہیں ہو گا'' ط''۔

35525۔ (قولہ: وَلَوْ لِقُرْآنٍ أَوْ تَعْلِيمٍ) کیونکہ مسجد نماز کے لیے بنائی گئی ہے اور عبادت کے علاوہ اس کے تابع ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب جگہ تنگ ہو تو نمازی کو حق حاصل ہے کہ اس آدمی کو اس کی جگہ سے ہٹا دے جو ذکر، قراءت اور تدریس کے لیے بیٹھا ہوا ہے تا کہ وہ اپنی جگہ نماز پڑھے اس کے برعکس نہیں کیا جا سکتا۔

35526۔ (قولہ: لَا يَضْمَنُ مَنْ سَقَطَ مِنْهُ رِدَاءٌ لَبِسَهُ) یعنی وہ چادر کسی انسان پر گر گئی اور وہ اس سے ہلاک ہو

عَلَيْهِ (أَوْ أَدْخَلَ هَذِهِ) الْأَشْيَاءَ الْمَذْكُورَاتِ (فِي مَسْجِدِ حَيِّهِ) أَيْ مَحَلَّتِهِ لِأَنَّ تَدْبِيرَ الْمَسْجِدِ لِأَهْلِهِ دُونَ غَيْرِهِمْ فَفِعْلُ الْغَيْرِ مُبَاحٌ فَيَتَقَيَّدُ بِالسَّلَامَةِ (أَوْ جَلَسَ فِيهِ لِلصَّلَاةِ) الْحَاصِلُ أَنَّ الْجَالِسَ لِلصَّلَاةِ فِي مَسْجِدِ حَيِّهِ أَوْ غَيْرِهِ لَا يَضْمَنُ، وَلِغَيْرِ الصَّلَاةِ يَضْمَنُ مُطْلَقًا خِلَافًا لَهُمَا، وَاسْتَظْهَرَ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ

اس سے وہ چادر گر گئی یا اس نے ان مذکورہ چیزیں اپنے محلہ کی مسجد میں داخل کیں۔ کیونکہ مسجد کی تدبیر ان کے اہل کے ذمہ ہے کسی اور کے ذمہ نہیں غیر کا فعل مباح ہوگا۔ پس وہ سلامتی کے ساتھ مقید ہوگا یا وہ آدمی اس مسجد میں نماز کے لیے بیٹھا۔ خلاصہ یہ کہ اپنے محلے یا محلے کے علاوہ کسی دوسری مسجد میں نماز کے لیے بیٹھنے والا ضامن نہیں ہوگا اور اگر نماز کے لیے نہ بیٹھا ہو تو مطلقاً ضامن ہوگا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور ''شرنبلالیہ'' میں اسے ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کو ظاہر روایت قرار دیا ہے

گیا یا وہ چادر گری اور وہ اس سے لڑکھڑا گیا۔ ''ہدایہ'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے پھر کہا: محمول اور ملبوس میں فرق ہے کہ شے کا حامل اس کی حفاظت کا قصد کرنے والا ہے۔ پس سلامتی کے وصف کی قید لگانے میں کوئی حرج نہیں۔ جو لباس پہننے والا ہوتا ہے وہ حفاظت کی نظر سے اسے نہیں مانتا۔ پس سلامتی کی قید لگائی جائے تو اسے حرج لاحق ہوگا۔ پس اس کو مطلق مباح قرار دیا گیا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: جب وہ ایسا کپڑا پہنے جس کو نہیں پہنا جاتا تو وہ اس کے اٹھانے والے کی طرح ہے۔ کیونکہ حاجت اسے پہننے کا تقاضا نہیں کرتی چادر کی طرح تلوار طیلسان وغیرہما ہے جس طرح ''العنایہ'' میں ہے۔

35527۔ (قولہ: عَلَيْهِ) یہ ان کے قول بسببہ کے متعلق ہے اسے سقط کے متعلق کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ معنی فاسد ہو جاتا ہے، فافہم۔

35528۔ (قولہ: فَفِعْلُ الْغَيْرِ مُبَاحٌ) یہ قول اس امر کو بیان کرتا ہے کہ اس مسجد کے لوگوں کا فعل مثلاً واجب ہے جب کہ اس طرح نہیں بلکہ دونوں کا فعل مباح ہے مگر اہل محلہ کا فعل مباح مطلق ہے سلامتی کے ساتھ مقید نہیں اور دوسرے کا فعل مباح ہے جو سلامتی کے ساتھ مقید ہے، ''ط''۔

35529۔ (قولہ: الْحَاصِلُ أَنَّ الْجَالِسَ لِلصَّلَاةِ الخ) ''شمس الائمہ'' نے ذکر کیا کہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ نماز کی انتظار میں بیٹھنے والا ضامن نہ ہوگا۔ اختلاف ایسے عمل میں ہے جو مسجد کے ساتھ خاص نہ ہو جس طرح قرآن کی قراءت، فقہ اور حدیث کا درس۔ ''الذخیرہ'' میں یہ ذکر کیا ہے جب وہ اس میں بات چیت کے لیے بیٹھا، یا اس میں نماز کے علاوہ کے لیے سو گیا یا اس میں سے گزرا تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضامن ہوگا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: وہ ضامن نہیں ہوگا۔ مگر وہ عبادت کے لیے بیٹھا جس طرح نماز کا انتظار ہو، اعتکاف یا قرآن کی تلاوت کر رہا ہو یا تدریس کے لیے یا ذکر کے لیے بیٹھے تو متاخرین نے اس میں دو قول پر اختلاف کیا ہے ضمانت ہوگی یا ضمانت نہ ہوگی، ''زیلعی''، ملخص۔

35530۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی اپنے محلہ کی مسجد یا محلہ کے علاوہ کی مسجد۔

مَعْزِيًّا لِلزَّيْلَعِيِّ وَغَيْرِهِ قَوْلُهُمَا وَقَدْ حَقَّقْتُه فِي شَرْحِ الْمُلْتَقَى وَفِيهِ لَوِ اسْتَأْجَرَهُ لِيَبْنِيَ أَوْ لِيَحْفِرَ لَهُ فِي فِنَاءِ حَانُوتِهِ أَوْ دَارِهِ فَتَلِفَ بِهِ الْأَجِيرُ وَإِنْ بَعْدَهُ فَعَلَى شَيْءٍ إِنْ قَبْلَ فَرَاغِهِ فَعَلَى الْآمِرِ كَمَا لَوْ كَانَ فِي غَيْرِ فِنَائِهِ وَلَمْ يَعْلَمْ بِهِ الْأَجِيرُ فَإِنْ عَلِمَهُ فَعَلَيْهِ كَمَا لَوْ أَمَرَهُ بِالْبِنَاءِ فِي وَسَطِ الطَّرِيقِ لِفَسَادِ الْأَمْرِ، وَلَوْ قَالَ الْآمِرُ هُوَ فِنَائِي وَلَيْسَ لِي حَقُّ الْحَفْرِ فَعَلَى الْأَجِيرِ

جب کہ اسے ''زیلعی'' وغیرہ کی طرف منسوب کیا ہے اور میں نے ''شرح الملتقی'' میں اسے ثابت رکھا ہے۔ اس میں ہے: اگر ایک آدمی نے اسے اجرت پر لیا تا کہ وہ کوئی عمارت بنائے یا اس کی دکان اور اس کے گھر کے صحن میں کوئی کنواں کھودے اس میں کوئی چیز تلف ہوگئی اگر اس کے فارغ ہونے سے پہلے تلف ہوئی تو اس کی ضمانت اجیر کے ذمہ ہوگی۔ اگر اس کے فارغ ہونے کے بعد تلف ہوئی تو اس کی ضمان آجر کے ذمہ ہوگی جس طرح اگر یہ عمل اس کے اپنے صحن کے علاوہ میں ہو اور اجیر کو اس کا علم نہ ہو اگر اسے اس کا علم ہو تو اس کے ذمہ ہوگی جس طرح اگر وہ اسے راستہ کے درمیان کوئی شے تعمیر نہ کرنے کا حکم دے۔ کیونکہ امر فاسد ہے۔ اگر آمر کہے: یہ میرا صحن ہے اور کنواں کھودنے کا مجھے حق نہیں تو اس کی ضمان اجیر پر ہوگی۔

35531۔ (قولہ: مَعْزِيًّا لِلزَّيْلَعِيِّ) کیونکہ انہوں نے ''حلوانی'' سے نقل کیا ہے۔ اکثر مشائخ نے ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول کو اپنایا ہے اور اس پر فتویٰ ہے۔ ''صدر الاسلام'' سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ اظہر قول وہ ہے جو ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے کیا۔ کیونکہ بیٹھنا یہ نماز کی ضرورت میں سے ہے۔ پس یہ اس کے ساتھ ملحق ہوگا۔ ''عینی'' میں ہے: ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول کے موافق تینوں ائمہ کا قول ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، ''ط''۔

35532۔ (قولہ: وَقَدْ حَقَّقْتُه فِي شَرْحِ الْمُلْتَقَى) اس کا حاصل یہ ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ممنوع کلام کے لیے بیٹھنے میں بالاتفاق ضمان ہوگی۔ ''فخر الاسلام'' نے جو مطلقاً قول کیا ہے اسے اس پر محمول کیا جائے گا۔

اگر کوئی شخص گھر کے فنا میں کنواں کھدوائے تو اس کا حکم

35533۔ (قولہ: وَفِيهِ لَوِ اسْتَأْجَرَهُ الخ) ''زیلعی'' وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر وہ اسے اجرت پر رکھے تا کہ اس کے گھر کے فنا میں دھنیاں، چھجا نکالے اور اسے کہا: یہ میری ملکیت ہے یا میرا اس میں دھنیاں نکالنے یا راستہ کھولنے کا قدیمی حق ہے اور اجیر کو اس کا علم نہ تھا اور حقیقت حال اس کے برعکس ظاہر ہوئی اور اس کے فارغ ہونے سے پہلے یا اس کے بعد کسی انسان پر گر گیا تو ضمان مزدور کے ذمہ ہوگی۔ اور وہ قیاس واستحسان کی بنا پر آمر سے اس کا مطالبہ کرے گا۔ اگر وہ یہ خبر دے کہ دروازہ کھولنے کا کوئی حق نہیں یا اس نے مزدور کو اس بارے میں خبر نہیں دی یہاں تک کہ اس نے اسے تعمیر کر دیا اور وہ گر گیا اور کسی کو تلف کرنا اگر فراغت سے پہلے ہو تو ضامن ہوگا اور وہ آمر سے مطالبہ نہیں کرے گا۔ اگر اس کے بعد ہو تو حکم اس طرح ہوگا۔ وہ اسے امر کے فساد پر قیاس کرتے ہیں جس طرح وہ اسے راستہ میں تعمیر کرنے کا حکم دے۔ استحسان میں ہے آمر ضامن ہوگا۔ کیونکہ امر صحیح ہے کیونکہ اس کا فنا اس کا مملوک ہے۔ کیونکہ اسے اس سے نفع حاصل کرنے کا

قِيَاسًا أَيْ لِعِلْمِهِ بِفَسَادِ الْأَمْرِ فَمَا أَغَرَّهُ وَعَلَى الْمُسْتَأْجِرِ اسْتِحْسَانًا قُلْتُ وَقَدْ قَدَّمَ هُوَ وَغَيْرُهُ الْقِيَاسَ هُنَا وَظَاهِرُهُ تَرْجِيحُهُ سِيَّمَا عَلَى دَأْبِ صَاحِبِ الْمُلْتَقَى مِنْ تَقْدِيمِهِ الْأَقْوَى فَتَأَمَّلْ (وَمَنْ حَفَرَ بَالُوعَةً فِي طَرِيقٍ بِأَمْرِ السُّلْطَانِ

یہ قیاس کی بنا پر ہے۔ کیونکہ اسے امر کے فاسد ہونے کا علم ہے۔ پس مستاجر نے اسے دھوکا نہیں دیا اور مستاجر پر استحساناً ضمان واجب ہوگی۔ میں کہتا ہوں: انہوں نے اور دوسرے علما نے یہاں قیاس کو مقدم کیا ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ قیاس کو انہوں نے اسے استحسان پر ترجیح دی ہے خصوصاً صاحب ''ملتقی'' کا طریقہ ہے کہ وہ اقوی کو مقدم کرتے ہیں فتامل۔ جس نے آب ریز راستہ میں سلطان کی اجازت سے کھودایا

حق ہے۔ ساتھ ہی سلامتی کی شرط ہے۔ اور اس حیثیت سے غیر مملوک ہے کہ اس کا بیع کرنا جائز نہیں۔ امر کے صحیح ہونے کی بنا پر فراغت کے بعد ضمان کا قرار آمر پر ہوگا۔ اور فساد کے اعتبار سے فراغت سے پہلے اس کی ضمان عامل کے ذمہ ہوگی۔ اگر وہ اسے اجرت پر لے تاکہ وہ اس کے لیے اس کی غنا کے علاوہ میں کھودے تو آمر ضامن ہوگا عامل ضامن نہیں ہوگا جب یہ معلوم نہ ہو کہ یہ اس کا صحن نہیں۔ کیونکہ اس وقت امر صحیح ہے۔ پس اس کا فعل آمر کی طرف منسوب ہوگا۔ کیونکہ اس نے مزدور کو دھوکہ دیا ہے اگر مزدور کو اس کا علم ہو تو مزدور ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس میں کوئی دھوکہ نہیں۔ پس فعل اس کی طرف مضاف ہوگا اگر وہ کہے: یہ میرا صحن ہے اور اس میں مجھے کنواں کھودنے کا کوئی حق نہیں تو مزدور ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس میں دھوکہ نہیں۔ استحسان میں ہے آمر ضامن ہوگا۔ اسے ''بزازیہ'' میں ان کان بعد الفراغ زائد ذکر کیا ہے۔

اس قول نے یہ بیان کیا کہ فراغت سے پہلے اور اس کے بعد کی تفصیل یہ صرف کنواں کھودنے میں جاری ہوگی جس طرح شارح نے یہ ذکر کیا ہے کنواں کھودنے اور دروازہ کھولنے میں فرق کی وجہ، دروازہ کھولنے میں مزدور جب آگاہ نہ ہو تو ضامن ہوگا اور وہ آمر سے مطالبہ کرے گا اور کنواں کھودنے میں اصلاً ضامن نہیں ہوگا۔ وہ یہ ہے کہ آمر متسبب ہے یا دھنیاں باہر نکالنے والا، راستہ کھولنے والا، کنواں کھودنے والے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ بھی متسبب ہے۔ اور متسبب اس وقت ضامن ہوتا ہے جب وہ تعدی کرنے والا ہو یہاں متعدی صرف آمر ہے ''اتقانی''۔ ملخص۔ ''مغرب'' میں ہے: فنا سے مراد گھروں کے سامنے جو کھلی جگہ ہوتی ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے جو اس کے اطراف میں جگہ ممتد ہوتی ہے۔

35534۔ (قولہ: فَمَا أَغَرَّهُ) ''شرح الملتقی'' میں جملہ اسی طرح ہے۔ فعل ہمزہ کے بغیر (یعنی باب افعال لائے بغیر) متعدی ہے ''قاموس'' میں ہے: غرہ۔ اسے دھوکا دیا، ''ط''۔

35535۔ (قولہ: وَظَاهِرُهُ) یعنی تقدیم جو اس سے ماخوذ ہے کہ انہوں نے قیاس کی ترجیح کو استحسان پر مقدم کیا ہے۔ یہ اگرچہ ''الملتقی'' کی عبارت میں ظاہر ہے یہ اس کے علاوہ کی عبارت میں ظاہر نہیں خصوصاً صاحب ''ہدایہ'' کی عبارت میں ظاہر نہیں کیونکہ یہ دونوں (''زیلعی''، صاحب ''ہدایہ'') معتمد قول کی دلیل کو موخر لاتے ہیں جب کہ صاحب ''ہدایہ'' نے

أَوْ فِي مِلْكِهِ أَوْ وَضَعَ خَشَبَةً فِيهَا) أَيْ الطَّرِيقِ (أَوْ قَنْطَرَةً بِلَا إِذْنِ الْإِمَامِ) وَكَذَا كُلُّ مَا فُعِلَ فِي طَرِيقِ الْعَامَّةِ (فَتَعَمَّدَ رَجُلٌ الْمُرُورَ عَلَيْهَا لَمْ يَضْمَنْ) لِأَنَّ الْإِضَافَةَ لِلْمُبَاشِرِ أَوْلَى مِنَ الْمُتَسَبِّبِ وَبِهَذَا تَبَيَّنَ أَنَّ الْمُتَسَبِّبَ إِنَّمَا يَضْمَنُ فِي حَفْرِ الْبِئْرِ وَوَضْعِ الْحَجَرِ إِذَا لَمْ يَتَعَمَّدْ الْوَاقِعُ الْمُرُورَ كَذَا فِي الْمُجْتَبَى وَفِيهِ حَفَرَ فِي طَرِيقِ مَكَّةَ أَوْ غَيْرِهِ مِنَ الْفَيَافِي لَمْ يَضْمَنْ

اسے اپنی ملک میں کھودا یا راستہ میں لکڑی رکھی یا پل بنایا جب کہ امام سے اجازت نہ لی۔ اور اسی طرح کا حکم ہے ہر اس چیز میں جو اس نے عام راستہ میں کیا تو ایک آدمی جان بوجھ کر اس پر سے گزرا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ جو فعل کرنے والا ہے اس کی طرف اسے منسوب کرنا یہ متسبب سے عام ہے۔ اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ متسبب کنواں کھودنے اور لکڑی رکھنے میں ضامن ہوگا۔ جب گرنے والے نے جان بوجھ کر گزرنے کا ارادہ نہ کیا ہو۔ ''مجتبیٰ'' میں اسی طرح ہے۔ اس میں ہے: اس نے مکہ مکرمہ یا کسی کے راستہ یا کسی اور کے راستہ میں کھلے میدانوں میں کنواں کھودا تو کھودنے والا ضامن نہیں ہوگا۔

استحسان کو اس کی دلیل کے ساتھ موخر ذکر کیا ہے،''ط''۔

35536۔(قولہ: أَوْ فِي مِلْكِهِ) اس طرح کا حکم ہوگا جب وہ ایسے گھر کے سامنے کے میدان، صحن میں کنواں کھودے جس میں اسے تصرف کا حق ہو۔ اسکی صورت یہ ہے کہ وہ جگہ ہر کسی کی نہ ہو اور نہ ہی گلی کے لوگوں کی مشترک ہو جو گلی بند ہو۔ ''ملتقی''

35537۔(قولہ: وَكَذَا كُلُّ مَا فُعِلَ فِي طَرِيقِ الْعَامَّةِ) یعنی بیت الخلا، پرنالہ، جرصن کو باہر نکالنا، چبوترہ بنانا، روشن دان لگانا، کنواں کھودنا، سائبان تعمیر کرنا، درخت لگانا، برف پھینکنا، بیع کے لیے راستہ میں بیٹھنا اگر وہ یہ فعل اس آدمی کے امر سے بجالائے جسے امر کرنے کا حق ہو تو مامور ضامن نہ ہوگا ورنہ ضامن ہوگا۔ اسے ''العنایہ'' میں بیان کیا ہے۔

35538۔(قولہ: فَتَعَمَّدَ الخ) یہ ان کے قول او وضع خشبة الخ، پر تفریع ہے''رملی'' نے کہا: اس کا حذف متعین ہو چکا ہے۔ کیونکہ ضمان مذکورہ تعمد سے منتفی ہو جاتی ہے اگرچہ اسے رکھنا امام کی اجازت کے ساتھ ہو۔ لیکن یہ بدرجہ اولی معلوم ہو جائے گا کہ یہ ان کے بلا اذن الامام میں آجاتا ہے مگر ان کا قول فتعمد یہ اپنے خلاف کے ساتھ معنی میں فساد پیدا کر دیتا ہے، تامل۔

35539۔(قولہ: لِأَنَّ الْإِضَافَةَ الخ) یہ آخری دو مسئلوں کی تعلیل ہے اور پہلے دو کی علت تعدی کا نہ ہونا ہے جس طرح ''التبیین'' میں ہے۔

اگر کوئی راستے میں یا کھلے میدان میں کنواں کھودے اور اس میں کوئی چیز تلف ہو جائے تو اس کا حکم

35540۔(قولہ: مِنَ الْفَيَافِي) ''قاموس'' میں ہے: الفیف سے مراد ہموار جگہ ہے یا اس سے مراد جنگل ہے جس میں کوئی پانی نہ ہو جیسے فیفاۃ اور فیفاء۔ اس کی جمع افیاف، فیوف اور فیافی آتی ہے۔

35541۔(قولہ: لَمْ يَضْمَنْ) کیونکہ اس میں وہ تعدی کرنے والا نہیں۔ کیونکہ وہ اس جگہ سے فائدہ اٹھا سکتا ہے

بِخِلَافِ الْأَمْصَارِ قُلْت وَبِهَذَا عُرِفَ أَنَّ الْمُرَادَ بِالطَّرِيقِ فِي الْكُتُبِ الطَّرِيقُ فِي الْأَمْصَارِ دُونَ الْفَيَافِي وَالصَّحَارِي؛ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ الْعُدُولُ عَنْهُ فِي الْأَمْصَارِ غَالِبًا دُونَ الصَّحَارِي (وَلَوْ اسْتَأْجَرَ رَجُلٌ (أَرْبَعَةً لِحَفْرِ بِئْرٍ لَهُ فَوَقَعَتْ الْبِئْرُ عَلَيْهِمْ) جَمِيعًا (مِنْ حَفْرِهِمْ فَمَاتَ أَحَدُهُمْ فَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ الثَّلَاثَةِ الْبَاقِيَةِ رُبُعُ الدِّيَةِ وَيَسْقُطُ رُبُعُهَا) لِأَنَّ الْبِئْرَ وَقَعَ عَلَيْهِمْ بِفِعْلِهِمْ

شہروں کا معاملہ مختلف ہے۔ میں کہتا ہوں: اس سے یہ معروف ہوجاتا ہے کہ کتب میں طریق سے مراد شہروں میں راستہ ہے جنگلوں اور صحراؤں میں جو راستہ ہوتا ہے وہ مراد نہیں۔ کیونکہ شہروں میں پہلے سے ہٹ کر گزرنا عموماً ممکن نہیں ہوتا۔ صحراؤں کا معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ اگر ایک آدمی نے چار افراد کو اجرت پر لیا تاکہ وہ اس کے لیے کنواں کھودیں اور کنواں ان سب پر جا گرا ان کے کھودنے کی وجہ سے تو ان میں سے ایک مر گیا تو باقی ماندہ تین افراد میں سے ہر ایک پر دیت کا چوتھائی ہوگا اور اس کا چوتھائی ساقط ہوجائے گا۔ کیونکہ کنواں ان کے فعل کی وجہ سے ان پر گرا ہے۔

ٹھہرنے کے اعتبار سے، جانور باندھنے کے حوالے سے اور خیمہ لگانے کے حوالے سے جب کہ سلامتی کی کوئی شرط نہیں۔ کیونکہ اس میں لوگوں پر ان کے گزرنے کے حق میں کوئی ابطال نہیں۔ پس اسے نفع اٹھانے کا حق ہوگا اس حیثیت سے کہ وہ کھانا پکانے کے لیے گڑھا کھودے یا پانی کے لیے کنواں کھودے پس وہ تعدی کرنے والا نہیں ہوگا۔ ''بزازیہ''۔

35542۔ (قولہ: قُلْت الخ) یہ ''مجتبیٰ'' کے کلام میں سے ہے۔ ''مجتبیٰ'' میں بعض کتب سے بیابانوں میں کنواں کھودنے کی قید کو نقل کیا گیا ہے جب وہ لوگوں کی گزرگاہ نہ ہو۔ پھر دوسری کتاب سے اس قید کے بغیر نقل کیا گیا ہے۔ پھر کہا: میں کہتا ہوں یہ اسی طرح معروف ہے۔ پس یہ اس کی طرف اشارہ ہے جسے انہوں نے دوبارہ نقل کیا ہے وہ وہ ہے جس پر شارح نے اکتفا کیا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلی صورت میں وہ ضامن ہوگا اگر وہ راستہ کے بیچ میں اسے کھودے جس کے اوپر سے لوگ اور جانور گزرتے ہیں اس صورت میں وہ ضامن نہیں ہوگا اگر وہ راستہ کی دائیں جانب یا بائیں جانب اسے کھودے اس طرح کہ کوئی اس کے اوپر سے نہ گزرا ہو جب کہ ''بزازیہ'' میں ہے: ''محیط'' سے مروی ہے: دوسری صورت میں وہ مطلقاً ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے لیے یہ ممکن ہے کہ کنواں کھودنے والی جگہ سے ہٹ کر گزر جائے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: لیکن یہ تاریکی اور گزرنے والے جانوروں کے حق میں ظاہر نہیں۔ پس مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

اگر کھدائی کے دوران کنواں مزدوروں پر گر جائے تو اس کا حکم

35543۔ (قولہ: مِنْ حَفْرِهِمْ) اس کی مثل ہے اگرچہ وہ اس کی مددگار ہوں مگر جب کھودنے والا ایک ہو اور کنواں اس پر گر پڑا جس نے اس کو کھودا ہے تو اس کا خون رائیگاں چلا جائے گا۔ ''طحطاوی'' نے ''ہندیہ'' سے انہوں نے ''المبسوط'' سے نقل کیا ہے۔

فَقَدْ مَاتَ مِنْ جِنَايَتِهِ وَجِنَايَةِ أَصْحَابِهِ فَيَسْقُطُ مَا قَابَلَ فِعْلَهُ خَانِيَّةٌ وَغَيْرُهَا زَادَ فِي الْجَوْهَرَةِ وَهَذَا لَوْ الْبِئْرُ فِي الطَّرِيقِ فَلَوْ فِي مِلْكِ الْمُسْتَأْجِرِ فَيَنْبَغِي أَنْ لَا يَجِبَ شَيْءٌ لِأَنَّ الْفِعْلَ مُبَاحٌ فَمَا يَحْدُثُ غَيْرُ مَضْمُونٍ قُلْت وَيُؤْخَذُ مِنْهُ جَوَابُ حَادِثَةٍ هِيَ أَنَّ رَجُلًا لَهُ كَرْمٌ وَأَرْضُهُ تَارَةً تَكُونُ مَمْلُوكَةً وَعَلَيْهَا الْخَرَاجُ كَأَرَاضِي بَيْتِ الْمَالِ وَتَارَةً تَكُونُ لِلْوَقْفِ وَتَارَةً تَكُونُ فِي يَدِهِ مُدَّةً طَوِيلَةً يُؤَدِّي خَرَاجَهَا

پس وہ آدمی اپنی جنایت اور اپنے ساتھیوں کی جنایت کی وجہ سے مرا ہے۔ پس دیت میں سے وہ حصہ ساقط ہو جائے گا جو اس کے فعل کے مقابل ہے''خانیہ''وغیرہا۔''جوہرہ''میں اس کو زائد ذکر کیا ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے اگر کنواں راستہ میں ہو اگر وہ مستاجر کی ملک میں ہو تو چاہیے کہ کوئی شے واجب نہ ہو۔ کیونکہ فعل مباح ہے۔ پس جو امر وقوع پذیر ہوگا اس کی ضمانت نہ ہوگی۔ میں کہتا ہوں: اس سے ایک حادثہ کا جواب اخذ کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک آدمی ہے جس کی انگوروں کی بیل ہے اور اس کی زمین کبھی مملوکہ ہوتی ہے اور اس پر خراج ہوتا ہے جس طرح بیت المال کی زمینیں ہیں اور کبھی وقف ہوتی ہے اور کبھی ایک کے قبضہ میں طویل مدت تک رہتی ہے وہ آدمی اس کا خراج دیتا ہے

35544_(قولہ: خَانِيَّةٌ) اس کی عبارت ہے: کیونکہ کنواں ان لوگوں کے فعل سے واقع ہوا ہے اور وہ الگ براہ راست ان کو کھودنے والے تھے اور میت بھی خود اس فعل کو کرنے والا تھا۔''المنح''۔

35545_(قولہ: فَيَنْبَغِي أَنْ لَا يَجِبَ شَيْءٌ الخ) تو اس وضاحت کو جان چکا ہے کہ یہ براہ راست قتل ہے۔ پس اس میں ملک اور عدم ملک برابر ہوگی۔ پس یہ ایسی بحث ہے جو منقول کے مخالف ہے۔

35546_(قولہ: قُلْت الخ) یہ''المنح''میں مصنف کا قول ہے۔

35547_(قولہ: لَهُ كَرْمٌ) الکرم سے مراد انگور ہے،''قاموس''۔

35548_(قولہ: وَأَرْضُهُ تَارَةً تَكُونُ مَمْلُوكَةً الخ) مراد یہ ہے کہ اس کی زمین ان اشیاء میں سے کسی سے خالی نہیں ہوتی یہ معنی نہیں کہ یہ اشیاء ایک ہی زمین پر متداول ہوتی ہیں،''ط''۔

35549_(قولہ: كَأَرَاضِي بَيْتِ الْمَالِ) کاف تمثیل کے لیے ہے۔ اگر مملوکہ کے قول سے مراد عام مسلمانوں کی ملکیت ہو یا کاف تنظیر کے لیے ہوگا۔ اگر اس سے اس کی ملکیت ہے جس کے قبضہ میں وہ ہو یعنی اس پر خراج ہوگا جیسے بیت المال کی زمینیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ بیت المال کی اکثر زمین خراجی ہوتی ہیں، تامل۔

35550_(قولہ: وَتَارَةً تَكُونُ فِي يَدِهِ الخ)''المنح''میں میں نے جو کچھ دیکھا ہے وہ یہ قول ہے: و تارۃ تکون للوقف و تکون فی یدہ مدۃ طویلۃ الخ یہ اولیٰ ہے۔ کیونکہ جو زمین اس کے قبضہ میں ہے۔ اسی طرح بیت المال یا وقف کی زمینیں ہیں۔

35551_(قولہ: يُؤَدِّي خَرَاجَهَا) مناسب لفظ اجرتہا ہے۔ اگر ہم کہیں: یہ بیت المال کے لیے ہوگی کیونکہ''فتح

وَيَمْلِكُ الِانْتِفَاعَ بِهَا بِغَرْسٍ أَوْ غَيْرِهِ فَيَسْتَأْجِرُ هَذَا الرَّجُلُ جَمَاعَةً يَحْفِرُونَ لَهُ بِئْرًا لِيَغْرِسَ فِيهِ أَشْجَارَ الْعِنَبِ وَغَيْرِهِ فَسَقَطَ عَلَى أَحَدِهِمْ هَلْ لِوَرَثَتِهِ مُطَالَبَتُهُ بِدِيَتِهِ قَالَ الْمُصَنِّفُ وَالْحُكْمُ فِيهَا أَوْ شِبْهِهَا عَدَمُ وُجُوبِ شَيْءٍ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ وَكَذَا عَلَى الْأَجْرَاءِ كَمَا يُفِيدُهُ كَلَامُ الْجَوْهَرَةِ وَيُحْمَلُ إِطْلَاقُ الْفَتَاوَى عَلَى مَا وَقَعَ مُقَيَّدًا لِاتِّحَادِ الْحُكْمِ وَالْحَادِثَةِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ

اور اس سے نفع حاصل کرنے کا مالک ہوتا ہے وہ درخت لگائے یا اس کے علاوہ کسی اور چیز سے نفع حاصل کرے پس یہ آدمی ایک جماعت کو اجرت پر لیتا ہے جو اس کے لیے کنواں کھودتے ہیں تا کہ وہ اس میں انگور وغیرہ کے درخت لگائے پس وہ ان میں سے ایک پر گر پڑتا ہے کیا اس کے ورثا کو اس کی دیت کے مطالبہ کا حق ہوگا۔فتاویٰ کا اطلاق اس پر محمول کیا جائے گا جو مقید واقع ہوئے ہیں کیونکہ حکم اور حادثہ ایک ہے، واللہ اعلم۔

القدیر'' میں ہے آج کل مصر کی زمینوں سے جو کچھ لیا جاتا ہے وہ اجرت ہے نہ کہ خراج ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ یہ کاشت کاروں کی مملوکہ نہیں گویا مالکوں کے آہستہ آہستہ وارث کے بغیر مرنے سے وہ بیت المال کی ہوگئی ہیں۔

35552۔(قولہ: عَلَى الْأَجْرَاءِ) اجراء کے آخر میں الف ممدودہ ہے یہ اجیر کی جمع ہے بعض نسخوں میں الآجر ہے یعنی شروع میں مد ہے وہ اجیر ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے آپ کو اجرت پر دیا زیادہ بہتر پہلا ہے یعنی الاجراء۔

35553۔(قولہ: كَمَا يُفِيدُهُ كَلَامُ الْجَوْهَرَةِ) یعنی ''جوہرہ'' کا سابقہ کلام۔وہ یہ ہے: ان الفعل مباح فمایحدث غیر مضمون۔

35554۔(قولہ: وَيُحْمَلُ إِطْلَاقُ الْفَتَاوَى) یعنی ''الخانیہ'' وغیرہ میں ضمان کے اطلاق کو اس پر محمول کیا جائے گا جو جوہرہ کی عبارت میں ان کے قول کے ساتھ مقید واقع ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے اگر کنواں راستہ میں ہو۔ کیونکہ وہ شرط پائی جارہی ہے جسے اصولیوں نے ذکر کیا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔ وہ حکم اور حادثہ کا اتحاد ہے یہاں حکم ضمان ہے اور حادثہ راستہ میں کنواں کھودنا ہے اس کی مثل کفارہ یمین کا کفارہ ہے۔ کیونکہ یہ آیت میں مطلق ہے۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں تتابع کی قید لگائی ہے۔ پس مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ حکم، جو روزہ ہے اور حادثہ، جو کفارہ یمین ہے وہ ایک ہے۔ کیونکہ دونوں کو جمع کرنا متعذر ہے۔ اس کلام میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ یہاں کوئی نص نہیں۔ ''جوہرہ'' کا ضامن کو اس کے ساتھ مقید کرنا، جب وہ راستہ میں ہو، اس کے منافی ان کی یہ تصریح ہے کہ ضمان اس کے ذمہ ہوگی جو خود فعل کرے اگرچہ وہ ملک میں ہے۔ اسی وجہ سے ''رملی'' نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے بحث کرتے ہوئے کہا نہ کہ نقل کرتے ہوئے اور اس کا فساد مخفی نہیں کیونکہ انہوں نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ مباشرت ہے یہ تسبب نہیں ہے۔ اور مباشرت میں بدرجہ اولیٰ نہیں دیکھا جائے گا کہ فعل اس کی ملک میں ہو جیسے ایک آدمی اپنی ملک میں تیر پھینکے اور وہ کسی شخص کو جا لگے تو وہ ضامن ہوگا تو تم نے یہ پہچان لیا کہ وہ حادثہ جس کا وقوع بار بار ہوا اس میں حکم مذکورہ کیفیت

فُرُوعٌ لَوِ اسْتَأْجَرَ رَبُّ الدَّارِ الْفَعَلَةَ لِإِخْرَاجِ جَنَاحٍ أَوْ ظُلَّةٍ فَوَقَعَ فَقَتَلَ إِنْسَانًا إِنْ قَبْلَ فَرَاغِهِمْ مِنْ عَمَلِهِ فَالضَّمَانُ عَلَيْهِمْ؛ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ لَمْ يَكُنْ مُسْلِمًا لِرَبِّ الدَّارِ، وَيَضْمَنُ لَوْ رَشَّ الْمَاءَ بِحَيْثُ يَزْلَقُ وَاسْتَوْعَبَ الطَّرِيقَ وَلَوْ رَشَّ فِنَاءَ حَانُوتٍ بِإِذْنِ صَاحِبِهِ فَالضَّمَانُ عَلَى الْآمِرِ اسْتِحْسَانًا وَتَمَامُهُ فِي الْمُلْتَقَى وَاللّٰهُ تَعَالَى أَعْلَمُ
فروع: اگر گھر کے مالک نے مزدور اجرت پر لیے تا کہ وہ چھجا یا چھتا نکالے پس وہ گر گیا تو اس نے ایک انسان کو قتل کر دیا اگر یہ ان مزدوروں کے عمل سے فارغ ہونے سے پہلے ہو تو ان پر ضمان ہوگی۔ کیونکہ اس وقت وہ مالک کے سپرد نہیں ہوا تھا اور وہ ضامن ہوگا اگر وہ اس قدر پانی کا چھڑکاؤ کرے کہ آدمی پھسل جائے اور وہ پورے راستہ کو محیط ہو اگر وہ دکان کی فنا پر اس کے مالک کی اجازت سے چھڑکاؤ کرے تو ضمان بطور استحسان آمر کے ذمہ ہوگی۔ اس کی مکمل بحث ''الملتقی'' میں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

میں اجراء پر واجب ہوگا، ملخص۔

35555۔(قولہ: فُرُوعٌ) بعض نسخوں سے یہ ساقط ہے ہم اس پر پہلے گفتگو کر چکے ہیں، واللہ تعالیٰ

فَصْلٌ فِی الْحَائِطِ الْمَائِلِ

(مَالَ حَائِطٌ إِلَى طَرِيقِ الْعَامَّةِ ضَمِنَ رَبُّهُ) أَيْ صَاحِبُهُ (مَا تَلِفَ) بِهِ مِنْ نَفْسِ إِنْسَانٍ أَوْ حَيَوَانٍ أَوْ مَالٍ (إِنْ طَالَبَ رَبُّهُ) حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا كَالْوَاقِفِ وَالْقَيِّمِ وَلَوْ حَائِطَ الْمَسْجِدِ فَتَضْمَنُ عَاقِلَةُ الْوَاقِفِ

دیوار کے احکام

ایک دیوار عام راستہ کی طرف جھکی ہوئی ہے اس کی وجہ سے جو بھی شے تلف ہو گی اس دیوار کا مالک اس کا ضامن ہوگا وہ انسان ہو، حیوان ہو یا مال ہو اگر اس کے حقیقی یا حکمی مالک سے مطالبہ کرے۔ حکمی سے مراد واقف اور نگران ہے۔ اگر وہ دیوار مسجد کی ہو تو واقف کی عاقلہ اس کی ضامن ہو گی۔

35556۔(قولہ: مَالَ حَائِطٌ) یعنی دیوار اس سے جھک گئی جو اس کی اصل ہے یعنی استقامت وغیرہ جو دیوار میں اصل ہے۔ پس مائل کا لفظ ٹوٹی ہوئی اور کمزور کو شامل ہوگا، ''قہستانی''۔ اسی طرح بالا خانہ ہے جب وہ ٹوٹ جائے تو نچلی منزل والے بالا خانے والوں پر گواہیاں قائم کریں۔ اسی طرح دیوار ہے اس کا اوپر والا حصہ ایک آدمی کا ہے اور نیچے والا کسی اور کا ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں اس پر نص قائم کی ہے جب کہ ''نوازل'' سے نقل کیا ہے، ''رملی''۔

35557۔(قولہ: إِلَى طَرِيقِ الْعَامَّةِ) یعنی عام لوگوں یا خاص لوگوں کے راستے کی طرف۔ پس یہ کلام اکتفا کے قبیل سے تعلق رکھتی ہے، ''قہستانی''۔ لیکن دونوں کے درمیان بعض احکام میں فرق ہے جس طرح آگے آئے گا۔

35558۔(قولہ: أَوْ مَالٍ) یعنی حیوان کے علاوہ مال ہو۔ کیونکہ مال نفس کے تحت داخل ہے۔ اگر نفس سے مراد نفس کاملہ لے تو وہ انسان کا نفس ہے اور مال سے مراد ہے جو حیوان کو عام ہو تو یہ آنے والے قول کے موافق ہو جاتا۔ پھر نفوس میں سے جو تلف ہو گا تو وہ عاقلہ کے ذمہ ہو گا۔ کیونکہ حیوان کی ضمانت ان کے ذمہ نہیں ہے بلکہ وہ اس کے مال میں ہے، ''رحمتی''۔

35559۔(قولہ: إِنْ طَالَبَ رَبُّهُ) لفظ رب منصوب ہے یہ طالب کا مفعول ہے اس کا فاعل مصنف کا آنے والا قول مکلف ہے۔ مطالبہ یہ ہے کہ وہ اس کو کہے: تیری یہ دیوار خوفناک ہے یا کہے: تیری یہ دیوار جھکی ہوئی ہے اس کو توڑ دو یا اس کو گرا دو یہاں تک کہ وہ ساقط نہ ہو یا کسی شے کو تلف نہ کرے۔ اگر وہ کہے: چاہیے کہ تو اس کو گرا دے یہ مشورہ ہے، ''عنایہ''۔

35560۔(قولہ: أَوْ حُكْمًا) اس حیثیت سے کہ وہ اس ضرر کو اٹھانے پر قادر ہے۔

35561۔(قولہ: فَتَضْمَنُ عَاقِلَةُ الْوَاقِفِ) یعنی دونوں صورتوں میں واقف کی عاقلہ ضامن ہو گی۔ کیونکہ نگران تو واقف کا نائب ہے۔ پس نگران پر گواہیاں قائم کرنا یہ واقف پر گواہیاں قائم کرنا ہے جس طرح ولی پر گواہیاں قائم کرنا یہ اس پر گواہیاں قائم کرنا ہے جو اس کی ولالت کے تابع ہے جیسے صغیر اور مجنون۔ ''رملی'' نے کہا: واقف کی عاقلہ کا مواخذہ ہو گا اگر ان کی

وَكَالْقَيِّمِ الْوَلِيُّ وَالرَّاهِنُ وَالْمُكَاتَبُ وَالْعَبْدُ التَّاجِرُ وَكَذَا أَحَدُ الشُّرَكَاءِ وَلَوْ الْوَرَثَةُ
اور نگران کی طرح ولی، راہن، مکاتب اور تاجر غلام ہے۔ اس طرح شرکاء میں سے ایک ہے اگرچہ وہ وارث ہوں

عاقلہ ہو مگر یہ مواخذہ ان میں مملوکہ میں ہوگا جس کی ذمہ دار عاقلہ ہوتی ہے۔ اگر اس کی عاقلہ نہ ہو یا وہ ایسا امر ہے جس کی عاقلہ ذمہ دار نہیں ہوتی تو نہ نگران کا مواخذہ ہوگا اور نہ ہی وقف کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ کیونکہ وقف ایسی چیز ہے جس کا کوئی ذمہ نہیں۔

35562۔ (قولہ: وَكَالْقَيِّمِ الْوَلِيُّ) یعنی جسے ولایت حاصل ہو وہ باپ ہو، دادا ہو یا وصی ہو۔ ''ہدایہ'' میں ماں کو زائد ذکر کیا ہے۔ پھر کہا: کیونکہ ان لوگوں کا فعل اس کے فعل کی طرح ہے معنی وصی اور ماں کا فعل بچے کے فعل کی طرح ہے۔ ان کے سامنے گواہیاں پیش کرنا اسی طرح ہے جس طرح بالغ ہونے کے بعد اس بچے کے سامنے معاملہ پیش کیا جائے ''عنایہ''، تامل۔

''الدر المنتقی'' میں ہے: اگر چھوٹے بچے کی دیوار اس کے ولی سے مطالبہ کے بعد گر گئی تو ضمان بچے کے مال سے ہوگی۔ اگر وہ مطالبہ کے بعد بالغ ہو جائے یا مطالبہ کے بعد ولی مر جائے تو اس کے بعد گرنے کی صورت میں وہ ضامن نہیں ہوگا جس طرح ''عمادیہ'' وغیرہا میں ہے۔

35563۔ (قولہ: وَالرَّاهِنُ) کیونکہ وہ مالک ہے مرتہن مالک نہیں اور راہن گرانے پر قادر ہے یعنی عین کو آزاد کرانے کے ساتھ اور دوبارہ اس کو مرتہن کے قبضہ میں دینے کے ساتھ اسی طرح جس نے اجارہ پر وہ دیوار دے رکھی ہے اس کے سامنے گواہیاں پیش کرنے کا معاملہ ہے۔ کیونکہ عذر کے ساتھ فسخ کر دیا جاتا ہے۔ یہ ایک عذر ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''جوہرہ'' سے نقل کیا ہے۔

35564۔ (قولہ: وَالْمُكَاتَبُ) کیونکہ وہ اس کو توڑ دینے کا مالک ہے۔ اگر کوئی آدمی اس کی وجہ سے مر جاتا ہے تو وہ اس کی قیمت اور مقتول کی دیت میں سے جو کم ہوگا اس میں سعی کرے گا یا مال ہلاک ہو جائے تو اس کی قیمت میں سعی کرے گا وہ جہاں بھی پہنچ جائے۔ وہ حقیقی جنایت پر قیاس کرتے ہیں جس طرح ''قہستانی'' میں ''کرمانی'' سے مروی ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے اگر تلف کتابت کی بقا کی حالت میں ہو۔ اگر وہ اس کی آزادی کے بعد ہو تو دیت اس کے آقا کی عاقلہ پر ہوگی۔ اگر اس کے عاجز آنے کے بعد اس شے کا تلف ہو تو کسی پر کوئی شے واجب نہ ہوگی اور دم رائیگاں چلا جائے گا۔ کیونکہ مکاتب قادر نہیں ہے اور مولی پر گواہ قائم نہیں کیے گئے جس طرح ''المنح'' وغیرہا میں ہے ''برجندی'' میں ''قاضی خان'' سے مروی ہے۔ اگر وہ آقا پر گواہ بنائے تو بھی گواہ بنانا صحیح ہوگا، ''در منتقی''۔

35565۔ (قولہ: وَالْعَبْدُ التَّاجِرُ) اسے توڑ دینے کی ولایت حاصل ہے وہ مدیون ہو یا مدیون نہ ہو اگر اس سے کوئی آدمی مر جائے تو مولیٰ کی عاقلہ پر ضمانت ہوگی یا مال ہلاک ہو جائے تو اس کی گردن میں اس کی ضمان ہوگی یعنی اس کے ذمہ ہوگی یہاں تک کہ اس غلام کو اس میں بیچ دیا جائے گا۔ ''در منتقی''۔

35566۔ (قولہ: وَكَذَا أَحَدُ الشُّرَكَاءِ) یعنی اس کی طرف منسوب ہونے کے اعتبار سے پس وہ صرف اپنے حصہ

اسْتِحْسَانًا نَعَمْ فِي الظَّهِيرِيَّةِ لَوْ مَاتَ رَبُّهُ عَنْ ابْنٍ فَقَطْ وَدَيْنٍ مُسْتَغْرِقٍ صَحَّ الْإِشْهَادُ عَلَى الِابْنِ وَإِنْ لَمْ يَمْلِكْ الدَّارَ بُرْجُنْدِيٌّ وَغَيْرُهُ (بِنَقْضِهِ مُكَلَّفٌ مُسْلِمٌ أَوْ ذِمِّيٌّ) يَعْنِي مِنْ أَهْلِ الطَّلَبِ فَيُشْتَرَطُ فِي الصَّبِيِّ وَالْعَبْدِ إذْنُ وَلِيِّهِ وَمَوْلَاهُ بِالْخُصُومَةِ زَيْلَعِيٌّ (حُرٌّ أَوْ مُكَاتَبٌ وَإِنْ لَمْ يُشْهِدْ)

یہ بطور استحسان ہے۔ ہاں ''ظہیریہ'' میں ہے: اگر اس دیوار کا مالک صرف ایک بیٹا اور ایسا دین چھوڑ کر مر گیا جو دین اس کے تمام ترکہ کو محیط ہے تو بیٹے پر گواہ بنانا صحیح ہے اگرچہ بچہ اس گھر کا مالک نہ ہو ''برجندی'' وغیرہ۔ (اس کے مالک سے) اس کے توڑنے کا مطالبہ کرے ایسا مکلف جو مسلمان ہے یا ذمی ہے یعنی مطالبہ کرنے والا اہل طلب میں سے ہو۔ پس بچے اور غلام کی جانب سے خصومت میں اس کے ولی اور اس کے آقا کی اجازت شرط ہے۔ (یعنی مطالبہ کرنے والا) وہ آزاد ہو یا مکاتب اگرچہ وہ اس پر گواہ نہ بنائے

کے مطابق ضامن ہوگا جس طرح متن میں آگے آئے گا۔

35567۔ (قولہ: اسْتِحْسَانًا) کیونکہ وہ اس کا طریقہ اپنانے کے ساتھ اس پر قادر تھا وہ طریقہ یہ ہے کہ شرکاء کے مطالبہ سے وہ قاضی کے سامنے مسئلہ رکھ دیتا۔ پس وہ کوتاہی کرنے والا ہو گیا۔ پس وہ اس کے حصہ کے مطابق اس کا ضامن ہو گا۔ قیاس میں ہے وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اکیلا اس کو توڑنے پر قادر نہیں تھا۔ ''اتقانی''۔

35568۔ (قولہ: نَعَمْ فِي الظَّهِيرِيَّةِ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان کے قول طالب ربہ پر استدراک ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ یہ ان کے قول او حکما کے تحت داخل ہے۔ کیونکہ گھر میت کا ہے۔ اسی وجہ سے اس کے دیون ادا کیے جاتے ہیں اور وارث اس کا خلیفہ ہے۔ اسی وجہ سے اسے یہ حق حاصل ہے کہ گھر لے لے اور اپنے مال سے اس کے دیون ادا کرے۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے: یہ ان کے قول احد الشرکاء پر استدراک ہے۔ کیونکہ ان کے قول عن ابن فقط کی قید سے یہ سمجھ آتا ہے کہ اگر وارث متعدد ہوں تو گواہ بنانا صحیح نہ ہوگا، تامل۔ شاید قید اتفاقی ہے۔

35569۔ (قولہ: صَحَّ الْإِشْهَادُ) گواہ بنانا صحیح ہوگا اور دیت باپ کی عاقلہ پر ہوگی بیٹے کی عاقلہ پر نہ ہوگی جس طرح ''المنح'' میں ہے۔

35570۔ (قولہ: بِنَقْضِهِ) یہ طالب کے متعلق ہے اور مکلف اس کا فاعل ہے۔

35571۔ (قولہ: يَعْنِي مِنْ أَهْلِ الطَّلَبِ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مولف سے مراد وہ ہے جسے مطالبہ کا حق ہے اگرچہ وہ بچہ ہو نہ کہ وہ مراد ہے جو بالغ ہو۔ لیکن ''زیلعی'' میں ہے کہ غلام اور بچے اجازت کے ساتھ آزاد بالغ کے ساتھ لاحق ہو جاتے ہیں، تامل۔

35572۔ (قولہ: وَإِنْ لَمْ يُشْهِدْ) اگر اس نے دیوار گرانے کے مطالبہ پر گواہ نہ بنائے ''زیلعی'' نے کہا گواہ بنانے کا ذکر کیا ہے تاکہ اس کے انکار یا اس کی عاقلہ کے انکار پر اس کو ثابت کرنا ممکن ہو تو یہ احتیاط کے باب میں سے ہوگا شرط کے

وَلَا يَصِحُّ الطَّلَبُ قَبْلَ الْمَيْلِ لِعَدَمِ التَّعَدِّي (وَ) الْحَالُ أَنَّهُ (لَمْ يَنْقُضْهُ) وَهُوَ يَمْلِكُ نَقْضَهُ فِي مُدَّةٍ يَقْدِرُ عَلَى نَقْضِهِ فِيهَا لِأَنَّ دَفْعَ الضَّرَرِ الْعَامِّ وَاجِبٌ ثُمَّ مَا تَلِفَ بِهِ مِنَ النُّفُوسِ فَعَلَى الْعَاقِلَةِ وَمِنَ الْأَمْوَالِ فَعَلَيْهِ لِأَنَّ الْعَاقِلَةَ لَا تَعْقِلُ الْمَالَ، وَلَا ضَمَانَ إِلَّا بِالْإِشْهَادِ عَلَى ثَلَاثَةِ أَشْيَاءَ عَلَى التَّقَدُّمِ إِلَيْهِ،

اور جب تک دیوار نہ جھکے تو دیوار گرانے کا مطالبہ صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ تعدی نہیں پائی گئی۔ حال یہ ہے کہ اس نے دیوار کو نہ توڑا جب کہ وہ اتنی مدت میں اس کو توڑنے کا مالک ہوگا جس مدت میں وہ اس کے توڑنے پر قادر ہو۔ کیونکہ عام ضرر کو دور کرنا یہ واجب ہے۔ اس کے بعد پھر جو اس سے نفوس تلف ہوں تو ضمان عاقلہ کے ذمہ ہوگی اور اموال میں سے جو تلف ہو تو ضمان اس پر لازم ہوگی۔ کیونکہ عاقلہ مال کی ضامن نہیں ہوتی۔ اور ضمان لازم نہ ہوگی مگر تین چیزوں پر گواہ بنائے دیوار گرانے کا اس سے مطالبہ کیا ہو،

طریقہ پر نہ ہوگا۔

35573۔(قولہ: وَلَا يَصِحُّ الخ) اس کا ذکر عنقریب متن میں آئے گا۔

35574۔(قولہ: وَ الْحَالُ الخ) ''ذوالحال'' ضمن کا فاعل ہے یا طالب کا مفعول ہے۔

35575۔(قولہ: وَهُوَ يَمْلِكُ نَقْضَهُ) اس جملہ سے مابعد کلام سے استغنا حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ یہ کلام ہے: ولو تقدم الخ۔

35576۔(قولہ: فِي مُدَّةٍ يَقْدِرُ عَلَى نَقْضِهِ فِيهَا) اگر وہ مطالبہ کے بعد ان کی تلاش میں گیا جو اس کو گرا دیں وہ اس کوشش میں تھا کہ وہ دیوار گر گئی تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ مزدوروں کے لانے پر قدرت کا عرصہ شرع میں اسی سے مستثنیٰ ہوگا، ''قہستانی''۔

35577۔(قولہ: لِأَنَّ دَفْعَ الضَّرَرِ الْعَامِّ وَاجِبٌ) یہ مصنف کے سابقہ قول ضمن ربہ کی علت ہے یعنی اگر ہم اس پر ضمان واجب نہیں کریں گے تو وہ اس سے فارغ ہونے سے رکا رہے گا اور کتنی ہی خاص ضرر ہوتی ہیں عام ضرر کو دور کرنے کے لیے اس کو برداشت کرنا واجب ہوتا ہے۔

35578۔(قولہ: مِنَ النُّفُوسِ) مراد زندہ لوگ ہیں اس کا قرینہ ان کا یہ قول ہے: لان العاقلة لا تعقل الاموال، ''ط''۔ نفوس سے مراد وہ ہے جو اموال کے مقابل ہو۔ پس حیوان خارج ہو جائے گا اور نفس سے کم اس میں داخل ہو جائے گا۔

35579۔(قولہ: فَعَلَى الْعَاقِلَةِ) یعنی دیوار کے مالک کی عاقلہ پر۔

35580۔(قولہ: وَلَا ضَمَانَ الخ) یعنی عاقلہ پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ اگر عاقلہ ان تین میں سے کسی ایک کا انکار کر دے اور گھر کا مالک ان کا اقرار کرے تو ضمان اس کے مال میں لازم ہو جائے گی، ''طوری''، ملخص۔

35581۔(قولہ: عَلَى التَّقَدُّمِ إِلَيْهِ) اس سے دیوار کو توڑنے کا مطالبہ جو اس کا مالک ہو۔

وَعَلَى الْهَلَاكِ بِالسُّقُوطِ عَلَيْهِ، وَعَلَى كَوْنِ الْجِدَارِ مِلْكًا لَهُ مِنْ وَقْتِ الْإِشْهَادِ إِلَى وَقْتِ السُّقُوطِ وَلِذَا قَالَ (وَلَوْ تَقَدَّمَ إِلَى مَنْ) لَا يَمْلِكُ نَقْضَهُ مِمَّنْ (يَسْكُنُهَا بِإِجَارَةٍ أَوْ إِعَارَةٍ أَوْ إِلَى الْمُرْتَهِنِ أَوْ إِلَى الْمُودَعِ لَا يُعْتَدُّ بِهِ) لِعَدَمِ قُدْرَتِهِمْ عَلَى التَّصَرُّفِ وَحِينَئِذٍ فَلَوْ سَقَطَ بَعْدَ التَّقَدُّمِ لِمَنْ ذُكِرَ (وَأَتْلَفَ شَيْئًا فَلَا ضَمَانَ أَصْلًا) لَا عَلَى سَاكِنٍ وَلَا مَالِكٍ (كَمَا لَوْ خَرَجَ) الْحَائِطُ (عَنْ مِلْكِهِ بِبَيْعٍ) أَوْ غَيْرِهِ كَهِبَةٍ حَاوِي قُدْسِيٌّ وَكَذَا لَوْ جُنَّ مُطْبَقًا أَوْ ارْتَدَّ وَلَحِقَ وَحُكِمَ بِلَحَاقِهِ

دیوار کے گرنے سے اس کی ہلاکت ہوئی اور تیسری یہ کہ دیوار گواہ بنانے سے لے کر اس کے گرنے تک اس کی ملکیت رہی ہے۔ اگر دیوار گرانے کا مطالبہ اس شخص کے سامنے پیش کیا گیا جو دیوار توڑنے کا مالک نہیں تھا وہ ان لوگوں میں سے ہے جو اس میں اجارہ یا اعارہ کے طور پر رہتے ہیں یا اس کا مطالبہ مرتہن کے سامنے پیش کیا گیا یا مودع کے سامنے پیش کیا گیا تو اس کا کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ کیونکہ ان لوگوں کو تصرف پر قدرت حاصل نہیں اس وقت اگر ان لوگوں کے سامنے مطالبہ پیش کرنے کے بعد دیوار گرگئی جن کا ذکر ہو چکا ہے اور کسی شے کو تلف کر دے تو نہ اس میں رہائش رکھنے والے پر ضمانت ہوگی اور نہ ہی مالک پر ضمانت ہوگی جس طرح دیوار بیع وغیرہ جیسے ہبہ کے ساتھ اس کی ملک سے نکل جائے، ''حاوی قدسی''۔ اسی طرح کا حکم ہوگا یعنی ضمانت ہوگی اگر دیوار کے مالک کو ایسا جنون ہو گیا جس میں افاقہ نہیں ہوتا یا وہ مرتد ہو گیا اور دار الحرب چلا گیا اور اس پر دار الحرب چلے جانے کا حکم لگا دیا گیا۔

35582_(قولہ: عَلَيْهِ) ضمیر سے مراد ہلاک ہونے والا ہے۔

35583_(قولہ: وَعَلَى كَوْنِ الْجِدَارِ مِلْكًا لَهُ) کیونکہ گھر کا اس کا قبضہ میں ہونا ظاہر ہے۔ اور ظاہر کے ساتھ غیر پر استحقاق ثابت نہیں ہوتا، ''غایہ''۔

35584_(قولہ: وَلِذَا) یعنی اس وجہ سے کہ گھر اس کی ملکیت میں ہونا شرط ہے، الخ، ''ط''۔

35585_(قولہ: وَلَا مَالِكٍ) کیونکہ اس کے سامنے گواہ نہیں بنائے گئے، ''ط''۔

35586_(قولہ: عَنْ مِلْكِهِ) یعنی اس کی ولایت ہے تا کہ یہ ان کے اس قول وکذا لوجن کو شامل ہو جائے، تامل۔

35587_(قولہ: كَهِبَةٍ) ظاہر یہ ہے کہ اس میں سپرد اور حوالے کرنا ضروری ہے یہاں تک گواہ بنانا باطل ہو جائے کیونکہ سپرد کرنے سے قبل اس کا کوئی حکم نہیں۔

35588_(قولہ: وَكَذَا لَوْ جُنَّ) یعنی گواہ بنانے کے بعد اسے جنون ہو جائے۔

35589_(قولہ: مُطْبَقًا) مطبق کی قید لگائی ہے تا کہ مقطع (جن کو کبھی کبھی جنون سے افاقہ ہو جاتا ہے، دائمی نہ ہو) کو خارج کیا جائے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے یہ گواہ بنانے کے عمل کو باطل نہیں کرتا جب وہ جنون کے بعد اور گواہیاں بنانے کے بعد کوئی شے تلف کرے گا تو غیر مطبق مجنون اس سے اس شے کی ضمانت لی جائے گی، ''ط''۔

ثُمَّ عَادَ أَوْ أَفَاقَ خَانِيَّةٌ (بَعْدَ الْإِشْهَادِ وَلَوْ قَبْلَ الْقَبْضِ) لِزَوَالِ وِلَايَتِهِ بِالْبَيْعِ وَنَحْوِهِ وَإِنْ عَادَ مِلْكُهُ بَعْدَهُ حَاوِي وَخَانِيَّةٌ بِخِلَافِ الْجَنَاحِ لِبَقَاءِ فِعْلِهِ كَمَا مَرَّ (وَإِنْ مَالَ إِلَى دَارِ إِنْسَانٍ) مِنْ مَالِكٍ أَوْ سَاكِنٍ بِإِجَارَةٍ أَوْ غَيْرِهَا

پھر وہ واپس لوٹ آیا یا اسے جنون سے افاقہ ہو گیا'' خانیہ''۔ یہ گواہیاں قائم کرنے کے بعد ہو اگرچہ قبضہ سے پہلے ہو۔ کیونکہ بیع وغیرہ سے اس کی ولایت زائل ہو چکی ہے اگرچہ اس کے بعد اس کی ملکیت لوٹ آئے'' حاوی''،'' خانیہ''۔ جناح کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کا فعل باقی ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ اگر دیوار کسی انسان کے گھر کی طرف جھک جائے وہ انسان اس گھر کا مالک ہو یا وہ اس میں اجارہ یا کسی اور طریقہ سے سکونت پذیر ہو

35590۔(قولہ: ثُمَّ عَادَ) یعنی وہ مسلمان کی حیثیت میں واپس لوٹ آیا اور اس کا گھر اس پر لوٹا دیا گیا'' خانیہ''۔ یا اسے اس کے جنون سے افاقہ ہو گیا۔ اس میں لف نشر غیر مرتب ہے یعنی وہ ضامن نہیں ہو گا مگر جب آئندہ زمانہ میں گواہ بنائے جائیں تب وہ ضامن ہو گا۔

35591۔(قولہ: وَلَوْ قَبْلَ الْقَبْضِ) یعنی مشتری مبیع کو قبضہ میں لے لے پس قبضہ کرنا شرط نہ ہو گا جس طرح عام کتب میں ہے۔ اور'' ہدایہ'' میں جو اس کی قید لگائی گئی ہے وہ'' اتفاقی'' ہے،'' قہستانی'' نے یہ بیان کیا ہے۔

35592۔(قولہ: لِزَوَالِ وِلَايَتِهِ) یعنی اس کی روایت توڑنے کی ملکیت سے زائل ہو چکی ہے یہ اس عدم ضمان کی علت ہے جو ان کے قول کما لو خرج عن ملکہ اور اس کے بعد جو قول ہے اس کی علت ہے۔

35593۔(قولہ: وَنَحْوِهِ) یعنی ہبہ، جنون اور ارتداد وغیرہ سے، فافہم۔

35594۔(قولہ: وَإِنْ عَادَ مِلْكُهُ) یعنی مسلمان کی حیثیت سے لوٹ آنے یا اس کے افاقہ کی وجہ سے اس کی ولایت کے لوٹ آنے کی صورت میں بیع میں معاملہ اسی طرح ہے۔

'' قہستانی'' نے کہا: بیع کا اطلاق اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اگر اسے بائع پر قاضی کے فیصلہ یا اس کے علاوہ سے یا مشتری کے خیار شرط یا خیار رویت کی بنا پر لوٹا دیا گیا تو وہ ضامن نہیں ہو گا مگر جب لوٹنے کے بعد اس سے (اس دیوار کے توڑنے کا) مطالبہ کیا گیا ہو جب خیار شرط بائع کو ہو۔ اگر وہ بیع کو توڑ دے پھر دیوار گر جائے اور اس کا گرنا کسی شے کو تلف کر دے تو وہ ضامن نہ ہو گا۔ کیونکہ بائع کا خیار درست کرنے کے اختیار کو باطل نہیں کرتا۔ پس یہ گواہ بنانے کے عمل کو باطل نہیں کرے گا۔ اگر بائع اپنے خیار کو باطل کر دے تو گواہ بنانے کا عمل بھی باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے دیوار کو اپنی ملک سے زائل کر دیا ہے،'' منح''۔

35595۔(قولہ: بِخِلَافِ الْجَنَاحِ) اس کی ملکیت کے زائل ہونے سے ضمان زائل نہ ہو گی۔ کیونکہ اس میں جنایت اس کے رکھنے یعنی وہ بنانے سے واقع ہوتی ہے جب کہ وہ باقی ہے اور دیوار میں جنایت نہ توڑنے کے ساتھ ہے اور جب دیوار پر اس کی ملکیت نہ رہی تو اسے توڑنے پر قدرت باقی نہ رہی پس جنایت زائل ہو گئی۔

فَالْإِضَافَةُ لِأَدْنَى مُلَابَسَةٍ قُهُسْتَانِيٌّ (فَالطَّلَبُ إِلَيْهِ) لِأَنَّ الْحَقَّ لَهُ (فَيَصِحُّ تَأْجِيلُهُ وَإِبْرَاؤُهُ مِنْهَا) أَيْ مِنَ الْجِنَايَةِ (وَإِنْ مَالَ إِلَى الطَّرِيقِ فَأَجَّلَهُ الْقَاضِي أَوْ مَنْ طَلَبَ) النَّقْضَ (لَا) يَبْرَأُ لِأَنَّهُ بِحَقِّ الْعَامَّةِ وَتَصَرُّفُ الْقَاضِي فِي حَقِّ الْعَامَّةِ نَافِذٌ فِيمَا يَنْفَعُهُمْ لَا فِيمَا يَضُرُّهُمْ ذَخِيرَةٌ بِخِلَافِ تَأْجِيلِ مَنْ بِالدَّارِ وَلَوْ مَالَ بَعْضُهُ لِلطَّرِيقِ وَبَعْضُهُ لِلدَّارِ فَأَيُّ طَلَبٍ صَحَّ الطَّلَبُ لِأَنَّهُ إِذَا صَحَّ الْإِشْهَادُ فِي الْبَعْضِ صَحَّ فِي الْكُلِّ بُرْجُنْدِيٌّ (فَإِنْ بَنَى مَائِلًا ابْتِدَاءً ضَمِنَ بِلَا طَلَبٍ كَمَا فِي إِشْرَاعِ الْجَنَاحِ وَنَحْوِهِ) كَمِيزَابٍ لِتَعَدِّيهِ بِهِ (حَائِطٌ بَيْنَ خَمْسَةٍ أَشْهَدَ عَلَى أَحَدِهِمْ فَسَقَطَ عَلَى رَجُلٍ ضَمِنَ) عَاقِلَتُهُ (خُمُسَ الدِّيَةِ)

یہاں (دار انسان میں) اضافت ادنی تعلق کی بنا پر ہے ''قہستانی''۔ تو دیوار کے گرانے کے مطالبہ کا حق اس کو حاصل ہوگا۔ پس اسے مہلت دینا اور جنایت سے بری کرنا صحیح ہوگا۔ اگر وہ دیوار راستہ کی طرف جھکی ہوئی ہو تو قاضی نے اور جس نے اس دیوار کے توڑنے کا مطالبہ کیا تھا اس نے اسے مہلت دی تو وہ بری نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ عام لوگوں کا حق ہے اور قاضی کا عام لوگوں کے حق میں تصرف نافذ ہے ان امور میں جو انہیں نفع دے ان امور میں نافذ نہیں ہوگا جو انہیں نقصان دے ''ذخیرہ''۔ جو گھر کا مالک ہے وہ مہلت دے تو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر دیوار کا بعض حصہ راستہ کی طرف اور اس کا بعض حصہ گھر کی طرف جھک جائے تو جو بھی اس دیوار کے توڑنے کا مطالبہ کرے گا طلب صحیح ہوگی۔ کیونکہ جب بعض میں گواہ بنانا صحیح ہے تو کل میں گواہ بنانا صحیح ہوگا۔ اگر وہ ابتدا سے ہی جھکی ہوئی دیوار بنائے تو بغیر مطالبہ کے ضامن ہوگا جس طرح چھجا وغیرہ دیوار سے باہر نکالنے کا معاملہ ہے جیسے پرنالہ۔ کیونکہ وہ باہر نکالنے کے ساتھ تعدی کرنے والا ہے ایک دیوار پانچ افراد میں مشترک ہے اس نے ان میں سے ایک پر گواہ بنا دیے تو وہ دیوار کسی پر گر گئی تو اس کی عاقلہ دیت کے پانچویں حصہ کی ضامن ہوگی

35596۔ (قولہ: فَالْإِضَافَةُ لِأَدْنَى مُلَابَسَةٍ) یعنی ادنی تعلق اور ادنی وابستگی ہے جیسے کوکب الخرقاء کی اضافت میں ہے جو ایک شعر میں ہے۔

اذا كوكب الخرقاء لاح بسحرة سهيل اذاعت غزلها فى الارقاب

جونہی خرقاء کا ستارہ جو سہیل ہے سحری کے وقت ظاہر ہوا تو اس نے اپنا سوت قریبی عورتوں میں تقسیم کر دیا۔

35597۔ (قولہ: فَالطَّلَبُ إِلَيْهِ) زیادہ بہتر لہ ہے یعنی مالک اور رہائش رکھنے والے۔ اگر وہ دیوار اس گلی کی طرف جھکی ہوئی ہو جو آگے سے بند ہے تو خصومت کا حق اس گلی والوں میں سے کسی کے لیے ہوگا، ''اتقانی''۔

35598۔ (قولہ: وَإِنْ مَالَ إِلَى الطَّرِيقِ الخ) آنے والی تعلیل کا ظاہر یہ ہے کہ مراد عام راستہ ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ خاص راستہ کا یہی حکم ہے۔ پس ضروری ہے کہ ہر ایک اس کو مہلت دے اور ہر ایک کا بری کرنا صحیح ہو، تامل۔

35599۔ (قولہ: وَلَوْ مَالَ الخ) ''خانیہ'' میں کہا: ایک آدمی کی دیوار ہے اس کا بعض حصہ راستہ کی طرف جھکا ہوا ہے اور اس کا بعض حصہ ایک قوم کے گھر کی طرف جھکا ہوا ہے گھر والوں نے اس پر گواہ بنائے اور اس کا وہ جھکا ہوا حصہ گر گیا تو

أَيْ خُمُسَ مَا تَلِفَ بِهِ مِنْ مَالٍ أَوْ نَفْسٍ لِتَمَكُّنِهِ مِنْ إِصْلَاحِهِ بِمُرَافَعَتِهِ لِلْحَاكِمِ (دَارٌ بَيْنَ ثَلَاثَةٍ حَفَرَ أَحَدُهُمْ فِيهَا بِئْرًا أَوْ بَنَى حَائِطًا فَعَطِبَ بِهِ رَجُلٌ ضَمِنَ ثُلُثَيْ الدِّيَةِ) لِتَعَدِّيهِ فِي الثُّلُثَيْنِ، وَقَدْ حَصَلَ التَّلَفُ بِعِلَّةٍ وَاحِدَةٍ، فَيُقْسَمُ بِالْحِصَّةِ وَقَالَا أَنْصَافًا، لِأَنَّ التَّلَفَ قِسْمَانِ مُعْتَبَرٌ وَهَدَرٌ

یعنی جو مال یا نفس تلف ہوا ہے اس کے خمس کا ضمان ہوگا۔ کیونکہ قاضی کے سامنے پیش کر کے وہ اس کی اصلاح کر سکتا تھا۔ ایک گھر تین افراد میں مشترک ہے ان میں سے ایک آدمی نے اس میں ایک کنواں کھدوایا، یا دیوار بنائی تو ایک آدمی اس سے مر گیا تو وہ دیت کے دو تہائی کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے دو تہائی میں تعدی کی ہے پس تلف ہونا ایک علت سے حاصل ہوا پس حصہ کے مطابق اس کو تقسیم کیا جائے گا اور "صاحبین" رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: نصف نصف تقسیم کیا جائے گا۔ کیونکہ تلف ہونے والے کی دو قسمیں ہیں: معتبر اور رائیگاں۔

وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ دیوار ایک ہے تو گھر والوں کی جانب جو جھکی ہوئی ہے اس کے بارے میں گھر والوں سے گواہ بنانا صحیح ہے۔ کیونکہ گھر والے عام لوگوں میں سے ہیں۔ اگر گواہ بنانے والا گھر والوں کے علاوہ تھا تو دیوار کے اس حصہ میں گواہ بنانا صحیح ہوگا جو راستہ کی طرف جھکا ہوگا۔ جب بعض میں گواہ بنانا صحیح ہے تو تمام میں گواہ بنانا صحیح ہے، ملخص۔

35600۔(قولہ: أَيْ خُمُسَ مَا تَلِفَ بِهِ) یہ متن کی عمومیت کا بیان ہے۔ لیکن شارح پر یہ لازم تھا کہ وہ اپنے قول عاقلتہ کو ساقط کر دیتے "ح"۔ یعنی کیونکہ اموال کی ضمان اس کے مال میں ہوگی جس طرح پہلے گزر چکا ہے "ط"۔

35601۔(قولہ: بِمُرَافَعَتِهِ لِلْحَاكِمِ) یہ مصدر ہے جو اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے یعنی جس پر گواہ بنائے گئے تھے کہ وہ باقی ماندہ شرکاء کو قاضی کے سامنے اس مطالبہ کے ساتھ پیش کرتا کہ وہ اس کو توڑ دیں۔ جس کا ذکر کیا گیا ہے وہ استحسان کی دلیل ہے۔ قیاس میں ہے کوئی ضامن نہ ہوگا جس طرح ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں۔

35602۔(قولہ: حَفَرَ أَحَدُهُمْ) یعنی اس نے باقی افراد سے اجازت لیے بغیر کنواں کھودا۔

35603۔(قولہ: ضَمِنَ ثُلُثَيْ الدِّيَةِ) یعنی دیت کے دو تہائی کی ضمانت اس کے عاقلہ پر ہوگی اور مال کے دو تہائی کا ضامن وہ خود ہوگا جس طرح گزر چکا ہے۔

35604۔(قولہ: بِعِلَّةٍ وَاحِدَةٍ) وہ وزن ہے جو دیوار میں مقدر ہے اور وہ گہرائی ہے جو کنویں میں مقدر ہے۔ کیونکہ تھوڑا سا وزن اور تھوڑی سی گہرائی ہلاک کرنے والی نہیں یہاں تک کہ ہر چیز کی علت معتبر مانیں۔ پس بہت سی علتیں جمع ہو جائیں گی۔ جب معاملہ اس طرح ہو تو حکم ایک علت کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ پس ملکیت کے اعتبار سے اسے مالکوں پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس کی مکمل وضاحت "عنایہ" میں ہے۔

35605۔(قولہ: وَقَالَا أَنْصَافًا) یعنی اس مسئلہ میں اور اس سے ماقبل مسئلہ میں۔ کیونکہ جس پر گواہ بنائے گئے اس کے حصہ کا تلف معتبر ہے اور دوسرے کا حصہ رائیگاں ہے کنواں کھودنے میں اور عمارت بنانے میں اس کی اپنی ملکیت کا اعتبار

(الْإِشْهَادُ عَلَى الْحَائِطِ إِشْهَادٌ عَلَى النِّقْضِ) بِالْكَسْرِ مَا يَنْقُضُ مِنَ الْجِدَارِ وَحِينَئِذٍ (فَلَوْ وَقَعَ الْحَائِطُ عَلَى الطَّرِيقِ بَعْدَ الْإِشْهَادِ فَعَثَرَ إِنْسَانٌ بِنِقْضِهِ فَمَاتَ ضَمِنَ) لِأَنَّ النِّقْضَ مِلْكُهُ فَتَفْرِيغُهُ عَلَيْهِ (وَإِنْ عَثَرَ رَجُلٌ) (بِقَتِيلٍ مَاتَ بِسُقُوطِهَا) أَيِ الْحَائِطِ (لَا يَضْمَنُهُ) لِأَنَّ تَفْرِيغَهُ لِلْأَوْلِيَاءِ لَا إِلَيْهِ بِخِلَافِ الْجَنَاحِ حَيْثُ يَضْمَنُ رَبُّهُ الْقَتِيلَ الثَّانِيَ أَيْضًا لِبَقَاءِ جِنَايَتِهِ فَيَلْزَمُهُ تَفْرِيغُ الطَّرِيقِ عَنِ الْقَتِيلِ أَيْضًا

دیوار پر گواہ بنانا یہ اس کے ملبہ پر گواہ بنانا ہے۔ نقض کا لفظ نون کے کسرہ کے ساتھ ہے اس سے مراد وہ ملبہ ہے جو دیوار سے گرتا ہے۔ اس وقت اگر دیوار گواہ بنانے کے بعد راستہ پر گر گئی اور کوئی انسان اس کے ملبہ سے لڑکھڑایا، اور مر گیا تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ ملبہ اسی آدمی کی ملک ہے اس کو وہاں سے ہٹانا مالک کی ذمہ داری ہے۔ اگر کوئی آدمی کسی مقتول سے ٹکرایا، یا لڑکھڑایا جو اس دیوار کے گرنے سے مرا تھا تو دیوار کا مالک اس دوسرے آدمی کا ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ پہلے فرد کو وہاں سے اٹھانا یہ اس کے اولیاء کی ذمہ داری تھی دیوار کے مالک کی ذمہ داری نہ تھی۔ چھجا وغیرہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کا مالک دوسرے مقتول کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس کی جنایت باقی ہے۔ پس اس پر یہ لازم ہے کہ وہ اس پہلے مقتول کو بھی راستہ سے ہٹائے۔

کیا جائے تو وہ تعدی کرنے والا نہیں اور اس کے شریک کی ملک کا اعتبار کیا جائے تو وہ تعدی کرنے والا ہوگا۔ پس یہ دو حصے ہوتے ہیں۔ یہ دونوں اس پر نصف نصف منقسم ہوں گے، ابن کمال۔

35606۔ (قولہ: إِشْهَادٌ عَلَى النِّقْضِ) کیونکہ مقصود یہ ہے کہ جو چیز رکاوٹ کا باعث ہے اس کو دور کیا جائے۔ ''منح''۔

35607۔ (قولہ: مَاتَ بِسُقُوطِهَا) یہ جملہ قتیل کی صفت ہے اور سقوطھا کی ضمیر کا مونث ہونا یہ اس نقل کی محتاج ہے کہ حائط کا لفظ مونث استعمال ہو۔ میں نے اس بارے میں کوئی قول نہیں دیکھا پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

35608۔ (قولہ: لِبَقَاءِ جِنَايَتِهِ) کیونکہ چھجا وغیرہ کو دیوار سے باہر نکالنا یہ فی نفسہ جنایت ہے جب کہ یہ اس مالک کا فعل ہے۔ گویا یہ یوں ہو گیا کہ اس نے اسے اپنے ہاتھ سے اس مقتول پر پھینکا ہے۔ پس مقتول کا راستہ میں پڑا ہونا یہ اس طرح ہے کہ چھجا وغیرہ راستہ میں موجود ہو۔ جو آدمی راستہ میں کوئی شے پھینکتا ہے تو وہ اس چیز کا ضامن ہے جو اس سے ہلاک ہو اگرچہ وہ راستہ کو اس سے خالی کرنے کا مالک نہیں۔ دیوار کا مسئلہ مختلف ہے۔ کیونکہ دیوار کی تعمیر فی نفسہ جنایت نہیں اس کے بعد اس کی جانب سے کوئی ایسا فعل نہیں پایا گیا جس کے ساتھ وہ جنایت کرنے والا ہو جائے لیکن ملبہ راستے میں چھوڑنے کی صورت میں وہ جنایت کرنے والے کی طرح ہو جائے گا جب کہ وہ اسے خالی کرنے پر قادر تھا اور قدرت کے ہوتے ہوئے ترک کرنا یہ ملبہ کے حق میں موجود ہے مقتول کے حق میں موجود نہیں۔ اسی وجہ سے پہلے مقتول کے حق میں اسے فاعل بنایا گیا دوسرے مقتول کے حق میں اسے فاعل قرار نہیں دیا گیا، ''عنایہ''۔

يُؤَيِّدُهُ أَنَّهُ لَوْ بَاعَ الْحَائِطَ أَوْ النَّقْضَ بَرِئَ وَلَوْ بَاعَ الْجَنَاحَ لَا زَيْلَعِيٌّ (وَلَا يَصِحُّ الْإِشْهَادُ قَبْلَ أَنْ يَهِيَ الْحَائِطُ) لِانْعِدَامِ التَّعَدِّي ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً (وَتُقْبَلُ فِيهِ شَهَادَةُ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ) لِأَنَّهُ شَهَادَةٌ عَلَى التَّقَدُّمِ لَا عَلَى الْقَتْلِ فُرُوعٌ حَائِطٌ بَعْضُهُ صَحِيحٌ وَبَعْضُهُ وَاهٍ فَأُشْهِدَ عَلَيْهِ فَسَقَطَ كُلُّهُ وَقَتَلَ إِنْسَانًا ضَمِنَهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْحَائِطُ طَوِيلًا فَيَضْمَنُ مَا أَصَابَ الْوَاهِي فَقَطْ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ كَحَائِطَيْنِ فَالْإِشْهَادُ يَصِحُّ فِي الْوَاهِي لَا فِي الصَّحِيحِ حَائِطَانِ أَحَدُهُمَا مَائِلٌ وَالْآخَرُ صَحِيحٌ فَأُشْهِدَ عَلَى الْمَائِلِ فَسَقَطَ الصَّحِيحُ فَأَتْلَفَ شَيْئًا كَانَ هَدَرًا خَانِيَّةٌ مَسْجِدٌ مَالَ حَائِطُهُ فَالْإِشْهَادُ عَلَى مَنْ بَنَاهُ وَالدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَةِ مَنْ بَنَاهُ وَحَائِطُ الْوَقْفِ عَلَى الْمَسَاكِينِ

اس کی تائید یہ قول کرتا ہے: اگر اس نے دیوار بیچی یا ملبہ بیچ دیا تو وہ بری ہو جائے گا اگر اس نے چھجا وغیرہ بیچا تو ضمانت سے بری نہ ہوگا،''زیلعی''۔ دیوار کے کمزور ہونے سے گواہ بنانا صحیح نہیں۔ کیونکہ تعدی ابتدا اور انتہا کے اعتبار سے معدوم ہے۔ اس میں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول ہوگی۔ کیونکہ یہ تقدم پر شہادت ہے قتل پر شہادت نہیں۔ فروع: ایک دیوار ہے جس کا بعض صحیح ہے اور اس کا بعض کمزور ہے۔ ایک آدمی نے اس پر گواہی قائم کی تو تمام دیوار گر گئی اور ایک انسان کو قتل کر دیا تو مالک اس کا ضامن ہوگا مگر جب دیوار طویل ہو تو وہ اس کا ضامن ہوگا جس کو کمزور دیوار نے نقصان پہنچایا ہو۔ کیونکہ اس وقت وہ دیوار دو دیواروں کی طرح ہے۔ پس اس پر گواہ بنانا کمزور میں صحیح ہوگا، صحیح میں صحیح نہیں ہوگا۔ دو دیواریں ہیں ان میں سے ایک جھکی ہوئی ہے اور دوسری صحیح ہے ایک آدمی نے جھکی ہوئی پر گواہ بنائے تو صحیح گر گئی تو اس نے کسی شے کو تلف کر دیا تو وہ رائیگاں ہوگا،''خانیہ''۔ ایک مسجد ہے اس کی دیوار جھکی ہوئی ہے تو جس نے اسے بنایا ہے گواہ اس پر بنائے جائیں گے اور دیت اس کی عاقلہ پر ہوگی جس نے اس کو بنایا۔ جو مساکین پر کوئی چیز وقف کی گئی

35609۔(قولہ: يُؤَيِّدُهُ) یعنی اس امر کی تائید کرتا ہے کہ جنایت چھجے وغیرہ میں باقی ہے دیوار میں باقی نہیں۔

35610۔(قولہ: قَبْلَ أَنْ يَهِيَ) یہ جملہ کہا جاتا ہے وهى الحائط، يهى وهيا جب وہ کمزور ہو اور گرنے لگے۔''صحاح''

35611۔(قولہ: لَا فِي الصَّحِيحِ) یعنی اس دیوار کا وہ بعض حصہ جو صحیح ہے اس میں گواہ بنانا صحیح نہیں۔ پس جو صحیح گری ہے جا گرا تو مالک اس کا ضامن نہیں ہوگا جس طرح جب حقیقت میں دو دیواریں ہوں۔

35612۔(قولہ: عَلَى مَنْ بَنَاهُ) اگر وہ زندہ ہو اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ نگران وقف کی طرح ہے۔ پس واقف نہ ہو تو نگران پر گواہ بنائے جائیں گے، تامل۔

35613۔(قولہ: وَالدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَةِ مَنْ بَنَاهُ) جہاں تک اموال پر جنایت کا تعلق ہے تو وہ عاقلہ کے ذمہ نہ ہوں گی تو ظاہر یہی ہے کہ وہ بنانے والے اور واقف کے مال میں سے ہوگی۔ پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے،''ط''۔ ہم پہلے''رملی'' سے بیان کر چکے ہیں وقف کے مال سے اسے نہیں لیا جائے گا کیونکہ اس کا کوئی ذمہ نہیں۔

عَلَی عَاقِلَةِ الْوَقْفِ، وَحَائِطُ الْعَبْدِ التَّاجِرِ عَلَى عَاقِلَةِ مَوْلَاهُ وَلَوْ مُسْتَغْرَقًا اسْتِحْسَانًا قَالَ وَلِيُّ الْقَتِيلِ إِذَا جَاءَ غَدٌ عَفَوْتُ عَنِ الْقِصَاصِ لَا يَصِحُّ؛ لِأَنَّهُ تَمْلِيكٌ دَلَّ عَلَيْهِ مَسْأَلَةُ الْأَصْلِ جَارِيَةٌ قَتَلَتْ رَجُلًا عَمْدًا فَزَنَى بِهَا وَلِيُّ الْقَتِيلِ قَبْلَ أَنْ يَقْتَصَّ لَا يُحَدُّ لِأَنَّهَا صَارَتْ مَمْلُوكَةً وَلْوَالِجِيَّةٌ وَاللهُ تَعَالَى أَعْلَمُ

اس کی دیوار کی ضمانت واقف کی عاقلہ پر ہوگی۔ اور غلام تاجر کی دیوار ہے اس کی ضمانت اس کے آقا کی عاقلہ پر ہوگی اگرچہ دین اس غلام کو محیط ہو۔ یہ حکم بطور استحسان ہے۔ کہا: مقتول کے ولی نے کہا جب اگلا روز آئے گا تو میں تجھے قصاص معاف کر دوں گا تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ تملیک ہے جس پر اصل کا مسئلہ دلالت کرتا ہے۔ ایک لونڈی ہے جس نے ایک مرد کو عمداً قتل کر دیا تو مقتول کے ولی نے قصاص لینے سے پہلے اس کے ساتھ بدکاری کی تو اس ولی پر حد جاری نہیں ہوگی۔ کیونکہ وہ لونڈی اس کی مملوک بن چکی تھی۔ ''ولوالجیہ''۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

35614۔ (قولہ: عَلَی عَاقِلَةِ الْوَقْفِ) یعنی اس بارے میں جو دیت ہوگی وہ اس کی عاقلہ کے ذمہ ہوگی۔

35615۔ (قولہ: عَلَی عَاقِلَةِ مَوْلَاهُ) جہاں تک مال کا تعلق ہے تو وہ اس کے ذمہ ہوگی جس طرح ہم پہلے بیان کر آئے ہیں ہم پہلے مکاتب کا حکم بیان کر آئے ہیں۔

35616۔ (قولہ: قَالَ وَلِيُّ الْقَتِيلِ الخ) مکمل مسئلہ ''المنح'' میں موجود ہے۔

35617۔ (قولہ: لِأَنَّهُ تَمْلِيكٌ) یعنی اس تملیک کی اضافت صحیح نہیں۔ یہ قول اس قول کے مخالف ہے جو باب القود فیما دون النفس سے تھوڑا پہلے بیان کیا ہے کہ قصاص میں تملیک جاری نہیں۔ تامل

35618۔ (قولہ: دَلَّ عَلَيْهِ الخ) یعنی اس پر دال ہے کہ عفو قصاص کا مالک بنانا ہے۔ تیرے لیے دلالت کی وجہ ظاہر نہیں ہوئی۔ کیونکہ انہوں نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کی غایت یہ ہے کہ لونڈی اس کی مملوک بن چکی ہے۔ پس یہ اس پر دال نہیں کہ یہ تملیک ہے جس کی اضافت صحیح نہیں جب کہ وہ اس کی مملوک بن چکی ہے تو اس کا ملک ہونا یہ اشکال کا باعث ہے۔

بعض محشیوں نے کہا: ''ولوالجیہ'' کی عبارت ہے: اگر ایک لونڈی نے کسی مرد کو جان بوجھ کر قتل کیا تو ولی نے جان بوجھ کر اس کے ساتھ بدکاری کی تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی اگرچہ وہ شبہ کا دعویٰ نہ کرے۔ کیونکہ علماء میں سے کچھ لوگ وہ ہیں ولی کو اس پر ملکیت کی ولایت حاصل ہے جب کہ آقا اس پر راضی نہ ہو اگر ولی چاہے۔ اور اگر وہ اس کو قتل کرنا چاہے تو یہ حد کے ساقط کرنے میں شبہ ہو جائے گا۔ پس حد کے ساقط ہونے کی علت اس امر کو قرار دیا ہے کہ بعض علماء کے قول کے مطابق اسے اس پر مالک بننے کی ولایت حاصل ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس کی مملوکہ بن چکی ہے اور دونوں عبارتوں میں فرق بیان کیا ہے۔ ملخص

35619۔ (قولہ: جَارِيَةٌ) یہ ''الاصل'' کے مسئلہ کا بدل ہے اور ان کا قول: قبل ان یقتص یہ امر معلوم کی تصریح ہے، ''ط''۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ جِنَايَةِ الْبَهِيمَةِ وَالْجِنَايَةِ عَلَيْهَا

الْأَصْلُ أَنَّ الْمُرُورَ فِي طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ مُبَاحٌ بِشَرْطِ السَّلَامَةِ فِيمَا يُمْكِنُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ (ضَمِنَ الرَّاكِبُ فِي طَرِيقِ الْعَامَّةِ مَا وَطِئَتْ دَابَّتُهُ

جانور کے متعلقہ جنایات کا بیان

قاعدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے راستہ میں سے گزرنا مباح ہے ان معاملات میں سلامتی کی شرط کے ساتھ جن سے بچنا ممکن ہے۔ عام راستہ میں سوار اس چیز کا ضامن ہوگا جس کو وہ سواری روند دے

انسان کی جنایت کے بعد اس کا ذکر کیا۔ انسان پر جنایت ان امور میں سے ہے جن کے بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن جب جانور اس حیثیت سے جمادات کے ساتھ ملحق ہیں کہ ان میں عقل نہیں پائی جاتی اس کا ذکر اس کے بعد کیا جو انسان راستہ میں واقع کرتا ہے جب کہ اسے غلام کی جنایت سے پہلے ذکر کیا ہے۔ جنایت کی نسبت بہیمہ کی طرف کرنا یہ اس پر جنایت کے مشاکلہ میں سے ہے۔

35620۔(قولہ: الْأَصْلُ) یعنی اس باب کے مسائل میں۔ نیز یہ بھی اصل ہے کہ متسبب ضامن ہوتا ہے جب وہ تعدی کرنے والا ہو ورنہ وہ ضامن نہ ہوگا اور جو آدمی براہ راست فعل کرتا ہے وہ مطلقاً ضامن ہوگا جس طرح فروع سے یہ ثابت وظاہر ہو جاتا ہے''رحمتی''۔

35621۔(قولہ: بِشَرْطِ السَّلَامَةِ) کیونکہ وہ من وجہ اپنے حق میں تصرف کرتا ہے اور من وجہ دوسرے کے حق میں تصرف کرتا ہے۔ لیکن کیونکہ وہ تمام لوگوں میں مشترک ہے۔ پس ہم نے اباحت کا قول کیا جو سلامتی کی قید کے ساتھ مقید ہے تاکہ نظر وفکر جانبین سے اعتدال میں رہے ان امور میں جن سے احتراز ممکن ہے نہ کہ ان امور میں جن سے بچنا ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ تصرف سے منع کرنے کی طرف لے جاتا ہے،''زیلعی''، ملخص۔

کسی نفس یا مال کو سواری روند دے تو اس کا حکم

35622۔(قولہ: مَا وَطِئَتْ دَابَّتُهُ) یعنی کسی نفس یا مال کو روند دے،''در منتقی''۔ پس اس پر دیت واجب ہوگی اور اس کی عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔ اگر ہلاک ہونے والا غلام ہو تو اس کی قیمت بھی عاقلہ پر واجب ہوگی۔ کیونکہ غلام کی دیت اس کی قیمت ہوتی ہے۔ اگر مال ہو تو اس کی قیمت اس کے مال میں واجب ہوگی۔ اگر نفس سے کم ہو تو جس کی ارش دیت کے بیسویں حصہ سے کم ہو تو یہ اس کے مال میں لازم ہوگی۔ اگر بیسواں حصہ ہو یا اس سے زائد ہو تو اس کی عاقلہ ذمہ دار ہوگی۔''جوہرہ''۔ ملخص

وَمَا أَصَابَتْ بِيَدِهَا أَوْ رِجْلِهَا أَوْ رَأْسِهَا أَوْ كَدَمَتْ) بِفَمِهَا (أَوْ خَبَطَتْ) بِيَدِهَا أَوْ صَدَمَتْ (فَلَوْ حَدَثَتْ) الْمَذْكُورَاتُ (فِي السَّيْرِ فِي مِلْكِهِ لَمْ يَضْمَنْ رَبُّهَا إِلَّا فِي الْوَطْءِ وَهُوَ رَاكِبُهَا لِأَنَّهُ) مُبَاشِرٌ لِقَتْلِهِ بِثِقَلِهِ فَيُحْرَمُ الْمِيرَاثُ (وَلَوْ حَدَثَتْ فِي مِلْكِ غَيْرِهِ بِإِذْنِهِ فَهُوَ كَمِلْكِهِ) فَلَا يَضْمَنُ كَمَا إِذَا لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهَا مَعَهَا قُهُسْتَانِيٌّ

یا جس کو اپنا اگلے پاؤں، اپنی ٹانگ، اپنا سر مار دے یا اپنے منہ سے کاٹا یا اپنے اگلے پاؤں سے اسے مارا یا اسے دھکا دیا اپنے جسم سے اگر یہ تمام مذکورہ امور اپنی مملوکہ جگہ پر چلنے میں وقوع پذیر ہوئے تو جانور کا مالک ضامن نہیں ہوگا مگر جب وہ کسی کو اپنے پاؤں کے نیچے روند دے جب کہ وہ اس پر سوار ہو۔ کیونکہ وہ اس کو اپنے وزن کے واسطہ سے براہ راست قتل کرنے والا ہے۔ پس اس مقتول کی میراث سے وہ محروم ہو جائے گا۔ اگر غیر کی اجازت سے غیر کی ملک میں یہ امور واقع ہوں تو یہ اس کی ملک کی طرح ہے۔ پس وہ ضامن نہیں ہوگا جس طرح جب اس جانور کا مالک اس جانور کے ساتھ نہ ہو (تو یہ امور واقع ہو جائیں) ''قہستانی''۔

35623۔ (قولہ: وَمَا أَصَابَتْ بِيَدِهَا أَوْ رِجْلِهَا) یعنی جب اسے روندنے کی حالت نہ ہو جیسے وہ اس کو پاؤں اٹھانے کی صورت میں یا اسے نیچے رکھنے کی صورت میں اس کو تلف کر دے۔ ''ط''۔

کدم، خبط اور صدم میں فرق

35624۔ (قولہ: أَوْ كَدَمَتْ) کدم سے مراد اپنے اگلے دانتوں سے کاٹنا ہے جس طرح گدھا کاٹتا ہے، خبط سے مراد اگلا پاؤں مارنا، اور صدم سے مراد دھکیلنا ہے اور جانور اپنے جسم کے ساتھ کسی شے کو مارے، ''مغرب''۔

35625۔ (قولہ: فِي مِلْكِهِ) وہ ملک خاص ہو یا مشترک ہو۔ کیونکہ شرکاء میں سے ہر ایک کو اس میں چلانے اور روکنے کا حق ہوتا ہے، ''زیلعی''۔

35626۔ (قولہ: لَمْ يَضْمَنْ) وہ مرتب ہے اس کو خود کرنے والا نہیں جب وہ اپنی مملوکہ جگہ میں جانور چلا رہا ہے تو وہ حد سے تجاوز کرنے والا نہیں۔

35627۔ (قولہ: لِأَنَّهُ مُبَاشِرٌ) پس وہ ضامن ہوگا اگرچہ اس نے تعدی نہیں کی۔

35628۔ (قولہ: فَيُحْرَمُ الْمِيرَاثُ) کیونکہ وہ حقیقت میں قاتل ہے اور اس پر کفارہ لازم ہوگا جس طرح اس کی تصریح کی گئی ہے۔

35629۔ (قولہ: وَلَوْ حَدَثَتْ) یعنی مذکورہ چیزیں واقع ہوں۔

35630۔ (قولہ: فَلَا يَضْمَنُ) یعنی وہ صرف اس صورت میں ضامن ہوگا جو اس کو روند دے جب کہ وہ اس پر سوار ہو۔

35631۔ (قولہ: كَمَا إِذَا لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهَا) خواہ وہ سواری خود اس میں داخل ہوئی یا اجازت کے ساتھ اس میں داخل کیا ہو۔

(وَإِلَّا) يَكُنْ بِإِذْنِهِ (ضَمِنَ مَا تَلِفَ مُطْلَقًا) لِتَعَدِّيهِ (لَا) يَضْمَنُ الرَّاكِبُ (مَا نَفَحَتْ بِرِجْلِهَا) أَوْ ذَنَبِهَا سَائِرَةً خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ (أَوْ عَطِبَ إِنْسَانٌ بِمَا رَاثَتْ أَوْ بَالَتْ فِي الطَّرِيقِ سَائِرَةً)

اگر غیر کی اجازت کے بغیر وہ یہ افعال کرے تو جو تلف ہو اس کا مطلقاً ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے تعدی کی ہے سوار اس چیز کا ضامن نہیں ہوگا جو اس کے پاؤں یا اس کی دم کے ہلانے سے نقصان ہو جب کہ وہ جانور چل رہا ہو۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اس نے جو راستہ میں گوبر کیا یا بول کیا اس وجہ سے ہلاک ہو گیا وہ جانور چل رہا ہو

35632۔(قولہ: ضَمِنَ) جو تلف ہوا سوار اس کا مطلقاً ضامن ہوگا خواہ اس نے اس کو روندا ہو، اگلا پاؤں مارا ہو، دھکا دیا ہو، وہ سواری چل رہی ہو یا کھڑی ہو سوار کی طرح ہانکنے والا اور قائد ہے جس طرح آگے متن میں آئے گا۔ یہ ظاہر ہوا ہے کہ کلام اس بارے میں ہے جب وہ سواری خود داخل نہ ہو۔

''العنایہ'' میں کہا: اگر جنایت اپنے مالک کے علاوہ کی ملک میں ہو یا اگر اس کے مالک نے اس میں داخل کیا ہوگا یا ایسا نہیں ہوگا اگر دوسری صورت میں ہو تو کسی حال میں بھی ضمانت نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ نہ تو مباشر ہے نہ ہی متسبب ہے۔ اگر پہلی صورت ہو تو اس پر ہر حال میں ضمانت ہوگی خواہ اس کے ساتھ ہانکنے والا ہو، اس کا قائد ہو یا اس کا سوار ہو وہ سواری کھڑی ہو یا چل رہی ہو۔ کیونکہ یا تو وہ مباشر ہوگا یا متسبب ہوگا تو ضرور حد سے تجاوز کرنے والا ہوگا۔ کیونکہ اسے کوئی حق حاصل نہ تھا کہ غیر کی ملک میں سواری ٹھہرائے یا اس کو چلائے۔

جو نقصان جانور کے پاؤں یا دم کے ہلانے سے ہوا سوار اس کا ضامن نہیں ہوگا

35633۔(قولہ: لَا يَضْمَنُ الرَّاكِبُ) یعنی عام راستہ میں اور اس کے علاوہ میں۔

35634۔(قولہ: مَا نَفَحَتْ الخ) یہ حا مہملہ کے ساتھ ہے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: نفحت الدابۃ یعنی اپنے کھر کی تیز دھار سے ضرب لگائی ''مغرب''۔ ان کا قول ہے برجلہا یہ مقید کو مطلق میں استعمال کرنے کی قبیل سے تعلق رکھتا ہے جس طرح ''قہستانی'' وغیرہا نے ذکر کیا ہے۔ لیکن ''صحاح'' میں ہے: اس نے اپنے پاؤں کے ساتھ ضرب لگائی۔ اور حاضر کی قید نہیں لگائی۔ ان کے قول او ذنبہا کی طرف نسبت کے حوالہ سے مجاز کا دعویٰ کا باقی رہے گا، تامل۔

35635۔(قولہ: سَائِرَةً) یہ قید لگائی کیونکہ پاؤں کے ساتھ ضرب لگانے سے ضمان لازم نہیں آتی۔ کیونکہ چلنے کے ساتھ پاؤں کی ضرب سے احتراز ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ اس کے ضروری امر میں سے ہے اگر وہ اس کو راستہ میں ٹھہرائے تو وہ پاؤں کی ضرب سے ہونے والے نقصان کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ ٹھہرنے کی حالت میں جانوروں سے حفاظت ممکن ہے اگرچہ پاؤں کی ضرب سے بچنا ممکن نہیں۔ پس ٹھہرانا یہ تعدی ہوگا یا مباح ہوگا یہ سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید ہے۔ ''اتقانی''۔

35636۔(قولہ: أَوْ عَطِبَ) اس کا عطف نفحت پر ہے اس میں ضعف ہے ''الملتقی'' کی عبارت ہے: ولا ما عطب بروثها، او بولها اور نہ ہی اس چیز کی ضمانت ہوگی جو ان کی لید یا بول سے (پھسل) کر ہلاک ہو۔

أَوْ وَاقِفَةً لِأَجْلِ ذٰلِكَ، لِأَنَّ بَعْضَ الدَّوَابِّ لَا يَفْعَلُهُ إِلَّا وَاقِفًا (فَلَوْ أَوْقَفَهَا) لِغَيْرِهِ فَبَالَتْ (ضَمِنَ) لِتَعَدِّيهِ بِإِيقَافِهَا إِلَّا فِي مَوْضِعِ إِذْنِ الْإِمَامِ بِإِيقَافِهَا فَلَا يَضْمَنُ وَمِنْهُ سُوقُ الدَّوَابِّ وَأَمَّا بَابُ الْمَسْجِدِ فَكَالطَّرِيقِ إِلَّا إِذَا أَعَدَّ الْإِمَامُ لَهَا مَوْضِعًا (فَإِنْ أَصَابَتْ بِيَدِهَا أَوْ رِجْلِهَا حَصَاةً أَوْ نَوَاةً وَأَثَارَتْ غُبَارًا أَوْ حَجَرًا صَغِيرًا فَفَقَأَ عَيْنًا)

یا اس کام کے لیے کھڑا ہو۔ کیونکہ بعض جانور یہ عمل صرف کھڑے ہو کر کرتے ہیں۔ اگر اس نے کسی اور مقصد کے لیے سواری کو ٹھہرایا اور اس نے بول کر دیا تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس کو کھڑا کر کے تعدی کی ہے مگر جب وہ ایسی جگہ کھڑی کرے جہاں امام نے کھڑا کرنے کی اجازت دے رکھی ہے پس وہ ضامن نہ ہوگا۔ اس قسم سے جانور کو ہانکنا ہے جہاں تک مسجد کے دروازے کا تعلق ہے تو وہ راستہ کی طرح ہے مگر جب امام ان کے لیے کوئی جگہ تیار کر دے اگر وہ سواری اپنے اگلے پاؤں اپنی ٹانگوں کے ساتھ سنگریزہ یا گٹھلی کو اچھالے یا غبار اڑائے یا چھوٹا پتھر اڑا دے جس نے کسی کی آنکھ کو پھوڑ دیا

35637۔ (قولہ: أَوْ وَاقِفَةً) یعنی اس نے اسے پہلے ٹھہرایا ہوا ہو، ''بزازیہ''۔

35638۔ (قولہ: لِأَجْلِ ذٰلِكَ) یعنی لید یا پیشاب کی وجہ سے یہ ان کے قول او واقفۃ کے قول کی علت ہے۔

35639۔ (قولہ: لِأَنَّ بَعْضَ الدَّوَابِّ الخ) یہ ضمان کے واجب نہ ہونے کی علت ہے۔ ''فخر الاسلام'' نے کہا: کیونکہ پیشاب اور لید وغیرہ سے بچنا ممکن نہیں۔ پس اس کو عفو قرار دیا گیا ہے اور اس کا ٹھہرنا اس جانور کی ضرورتوں میں سے ہے۔ کیونکہ جانور عمومی طور پر کھڑے ہو کر ہی گوبر اور پیشاب کرتا ہے پس اس کو بھی عفو قرار دیا جائے گا، ''اتقانی''۔

35640۔ (قولہ: فَلَوْ أَوْقَفَهَا) ''مغرب'' میں ہے: یہ نہیں کہا جاتا او قفہ مگر ایک ردی لغت میں ایسا ہوتا ہے، ''کفایہ''۔

35641۔ (قولہ: لِتَعَدِّيهِ بِإِيقَافِهَا) یعنی اس نے جو سواری کو روکا ہے۔ پس مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے یعنی وہ متسبب اور متعدی ہے۔ کیونکہ سواری کو کھڑا کرنے کا اسے کوئی حق حاصل نہ تھا کہ مسلمانوں کے راستہ کو مشغول کرتا جس طرح ''العنایہ'' میں ہے۔ ''رحمتی'' نے کہا: اگر وہ بھیڑ کی وجہ سے اسے روکے یا کسی اور ضرورت کی وجہ سے روکے تو چاہیے اگر اس کے لیے لوٹنا یا اس سے خلاصی پانا ممکن ہو تو وہ ضامن ہو ورنہ ضامن نہ ہو۔

35642۔ (قولہ: إِلَّا فِي مَوْضِعِ إِذْنِ الْإِمَامِ بِإِيقَافِهَا) اس طرح کا حکم ہوگا جب وہ جنگل میں راستہ کے وسط کی بجائے کسی اور جگہ روکے۔ کیونکہ اس صورت میں وہ ضامن نہیں ہوگا اگرچہ اجازت کے بغیر ہو۔ کیونکہ اس کا لوگوں کو کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ راستہ کے وسط کا معاملہ مختلف ہے جس طرح ''الاختیار'' میں ہے۔ محجہ کا معنی راستہ ہے۔ ''مغرب''۔

35643۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا أَعَدَّ الْإِمَامُ لَهَا) امام جانوروں کے لیے جگہ تیار کر دے یا مسجد کے دروازے کے پاس ان کے ٹھہرانے کے لیے جگہ مختص کر دے اگر اس جگہ میں ٹھہرانے سے کوئی نقصان ہوگا تو کوئی ضمانت نہ ہوگی، ''ط''۔ وقوف (ٹھہرانے) کی قید ذکر کی ہے کیونکہ ان مواقع پر اگر وہ چل رہا ہو جس میں امام نے ٹھہرانے کی اجازت دے رکھی ہے یا وہ

أَوْ أَفْسَدَ ثَوْبًا (لَمْ يَضْمَنْ) لِعَدَمِ إِمْكَانِ الِاحْتِرَازِ عَنْهُ (وَلَوْ الْحَجَرُ (كَبِيرًا ضَمِنَ) لِإِمْكَانِهِ (وَضَمِنَ السَّائِقُ وَالْقَائِدُ مَا ضَمِنَهُ الرَّاكِبُ) وَصَحَّحَ فِي الدُّرَرِ أَنَّهُ مَطْرُودٌ مُنْعَكِسٌ

یا کپڑا پھاڑ دیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ اگر پتھر بڑا ہو تو ضامن ہوگا کیونکہ اس سے بچنا ممکن ہے۔ ہانکنے والا اور قیادت کرنے والا اس کا ضامن ہوگا جس کا سوار ضامن ہوتا ہے۔ ''الدرر'' میں اس کی تصحیح کی ہے کہ یہ قول مطرود منعکس ہے

آگے سے پکڑے ہوئے چل رہا ہو یا اسے ہانک رہا ہو تو نقصان کی صورت میں ضامن ہوگا۔ امام کی اجازت اس سے اس ضمان کو زائل نہ کرے گی۔ ان مواقع پر سواری کے ٹھہرانے کی صورت میں جو نقصان ہوا جب تک وہ سوار ہے وہ اس سے ساقط ہو جائے گا نہ کہ چلانے، ہانکنے اور آگے سے پکڑ کر چلنے کی صورت میں نقصان ہوگا۔ ''اتقانی''۔

35644۔ (قولہ: لَمْ يَضْمَنْ) اس کا محل یہ ہے کہ جب وہ اس کو کچوکہ نہ لگائے اور اس کو نہ بھگائے مگر جب وہ اس کو کچوکہ لگائے یا اس کو بھگائے اور وہ غبار اڑائے یا سنگریزہ اڑائے تو وہ کسی شے کو تلف کر دیں تو اس کا ضامن ہوگا۔ یہ ''مکی'' نے بیان کیا ہے۔ ''ط''۔ ''قہستانی'' کی عبارت ہے: اگر اس نے ان صورتوں میں سواری پر سختی کی تو وہ ضامن ہوگا جس طرح ''ذخیرہ'' میں ہے۔

35645۔ (قولہ: لِإِمْكَانِهِ) کیونکہ اس سے بچنا ممکن ہے ظاہر یہ ہے کہ ہانکنے میں سختی ہوتی ہے۔ پس اس کو تعدی کے ساتھ موصوف کیا جائے گا پس اس وجہ سے اس کا مواخذہ ہوگا۔ ''اتقانی''۔

35646۔ (قولہ: مَا ضَمِنَهُ الرَّاكِبُ) یعنی وہ ضمان میں برابر ہیں اس طرح وہ آدمی ہے جو پیچھا کر رہا ہو۔ ''اتقانی''۔ پس عام راستہ میں جو حادثہ رونما ہوگا اس کے ضامن ہوں گے مگر نفح کے ضامن نہیں ہوں گے۔ اور اسی طرح جوان لوگوں کی ملک میں واقعہ رونما ہوگا اس کے ضامن نہیں ہوں گے یا غیر کی ملک میں جو حادثہ ہوگا اس کے ضامن نہیں ہوں گے اگر وہ عمل ان کی اجازت سے ہو مگر جب وہ کسی کو روند دے الی آخرہ جو گزر چکا ہے۔

35647۔ (قولہ: أَنَّهُ مَطْرُودٌ مُنْعَكِسٌ) اطراد سے مراد ملکیت میں باہم لازم ولزوم ہونا ہے اور انعکاس سے مراد نفی میں باہم لازم وملزوم ہونا ہے یعنی ہر وہ امر جس میں سوار ضامن ہوگا اس میں ہانکنے والا اور قائد ضامن ہوگا۔ اور جن امور میں سوار ضامن نہیں ہوگا ان میں ہانکنے والا اور قائد ضامن نہیں ہوں گے۔ ''قدوری'' نے ہانکنے والے میں اختلاف کیا ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ جب ٹانگ سے ضرب لگائے تو ضامن ہوگا کیونکہ وہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ پس اس سے بچنا ممکن ہے۔ بعض مشائخ اسی نقطہ نظر کے حامل ہیں جب کہ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اس سواری کو ٹانگ سے ضرب لگانے سے روک سکے پس اس سے بچنا ممکن نہیں۔ اور منہ سے کاٹنے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کی لگام کے ساتھ اس کو روکنا ممکن ہے جس طرح ''شرح المجمع'' میں ہے۔ ''الدرر'' میں جس قول کو صحیح قرار دیا

(وَ) الرَّاكِبُ (عَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ) فِي الْوَطْءِ كَمَا مَرَّ (لَا عَلَيْهِمَا) أَيْ لَا عَلَى سَائِقٍ وَقَائِدٍ، وَلَوْ كَانَ سَائِقٌ وَرَاكِبٌ لَمْ يَضْمَنْ السَّائِقُ عَلَى الصَّحِيحِ خِلَافًا لِمَا جَزَمَ بِهِ الْقُهُسْتَانِيُّ وَغَيْرُهُ، لِأَنَّ الْإِضَافَةَ إِلَى الْمُبَاشِرِ أَوْلَى مِنَ الْمُتَسَبِّبِ

سواری کسی کو روند ڈالے تو سوار پر کفارہ لازم ہوگا جس طرح گزر چکا ہے ہانکنے والے اور آگے سے پکڑ کر چلنے والے پر کوئی شے لازم نہیں۔ اگر ہانکنے والا اور سوار ہو تو صحیح قول کے مطابق ہانکنے والا ضامن نہیں ہوگا۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے۔ ''قہستانی'' وغیرہ نے جس کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ جس نے خود کام کیا ہے اس کی طرف فعل کی نسبت کرنا متسبب کی طرف نسبت کرنے سے اولی ہے

ہے وہ اکثر کا قول ہے۔ ''ہدایہ''، ''ملتقی'' وغیرہما میں اس کی تصحیح کی ہے۔

اگر سواری کسی کو روند ڈالے تو سوار پر کفارہ لازم ہوگا

35648۔ (قولہ: وَ الرَّاكِبُ عَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ فِي الْوَطْءِ) یعنی اگر وہ جانور کسی انسان کو روند ڈالے جب کہ وہ اس سواری پر سوار ہو۔ اسی طرح ردیف کا معاملہ ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اپنے وزن کے ساتھ حقیقت میں اس کو براہ راست قتل کرنے والے ہیں۔ پس ان دونوں پر کفارہ لازم ہوگا اور وہ دونوں میراث سے محروم ہو جائیں گے جیسے سونے والا جب کسی انسان پر کروٹ لے، ''اتقانی''۔

35649۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) ان کی کلام میں نہیں گزرا زیادہ ظاہر لما مر ہے یعنی لام کے ساتھ جب یہ قول ہو اس وقت ان کے گزشتہ قول لانہ مباشر کی طرف اشارہ ہے۔ الخ

35650۔ (قولہ: لَا عَلَيْهِمَا) کیونکہ یہ دونوں متسبب ہیں۔ یہ اس معنی میں ہے کہ اگر ہانکنا اور اسے آگے سے کھینچنا نہ ہوتا تو یہ روندنا نہ پایا جاتا۔ اور کفارہ اس کی جزا ہے جب وہ براہ راست وہ فعل کرے، ''اتقانی''۔

35651۔ (قولہ: أَيْ لَا عَلَى سَائِقٍ وَقَائِدٍ) ''قہستانی'' نے المرتدف کا اضافہ کیا ہے جب کہ یہ غیر ظاہر ہے اور جس قول کو تو نے ابھی سنا ہے اس کے مخالف ہے۔

مباشر کی طرف فعل کی نسبت کرنا متسبب کی طرف کرنے سے اولیٰ ہے

35652۔ (قولہ: لَمْ يَضْمَنْ السَّائِقُ عَلَى الصَّحِيحِ) یہ جان لو کہ ''زیلعی'' نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: سواری نے جس کو روند ڈالا ہے ہانکنے والا اس کا ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ سوار اس نقصان کا مباشر ہے یعنی خود نقصان کرنے والا ہے اور ہانکنے والا متسبب ہے اور مباشر کی طرف فعل کی نسبت کرنا اولی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمان دونوں پر لازم ہوگی۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک ضمان کا سبب ہے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاصل'' میں ذکر کیا ہے کہ سوار نے جب ایک انسان کو کہا تو جس کو کہا گیا تھا اس نے سواری کو کچوکا دیا تو اس سواری نے ایک انسان کو روند ڈالا تو ضمان دونوں افراد پر ہو

كَمَا مَرَّ أَيْ إِذَا كَانَ سَبَبًا لَا يَعْمَلُ بِانْفِرَادِهِ إِتْلَافًا كَمَا هُنَا
جس طرح گزر چکا ہے یعنی جب وہ ایسا سبب ہو جو تلف کرنے میں اکیلے کام نہ کرتا ہو جس طرح یہاں ہے۔

گی۔ پس دونوں ضمان میں شریک ہوں گے کچوکا دینے والا ہانکنے والا ہے اور حکم دینے والا سوار ہے۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ وہ دونوں برابر ہیں اور صحیح قول پہلا قول ہے۔ اس کی دلیل وہ ہے جسے ہم نے ذکر کیا ہے۔

جو ''الاصل'' میں مذکور ہے اس کا جواب یہ ہے کہ متسبب مباشر کے ساتھ ضامن نہیں ہوگا جب سبب ایسی شے ہو جو تلف کرنے میں انفرادی طور پر عمل نہیں کرتی جس طرح کنواں کھودنا جب پھینکنے کے ساتھ ہو۔ کیونکہ کنواں کھودنا پھینکنے کے بغیر علیحدہ طور پر کچھ مؤثر نہیں ہوتا، مگر جب سبب علیحدہ مؤثر ہو۔ پس وہ دونوں شریک ہوں گے۔ یہ اس سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ ہانکنا یہ تلف کرنا ہے اگرچہ سواری پر کوئی سوار نہ ہو۔ کنواں کھودنے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ پھینکنے کے بغیر تلف کرنے والا نہیں اور جب اسے پھینکا گیا تو تلف کرنا دونوں سے پایا گیا۔ پس اسے ان دونوں میں سے آخری کی طرف منسوب کیا جائے گا مصنف نے اسے ''المنح'' میں نقل کیا ہے۔ ''حاشیہ'' میں اس کلام کو اپنے قلم سے لکھا ہے جو مزید وضاحت کی محتاج ہے۔

''سعدیہ'' میں یہ ذکر کیا ہے جسے ''زیلعی'' نے جواب کے ضمن میں ذکر کیا ہے وہ اس وضاحت سے خالی ہے۔ ''اصل'' میں جو کلام ہے اس کا جواب سننے کی یہ صلاحیت نہیں رکھتی بلکہ یہ اس کی تحقیق اور تفصیل ہے اس سے جو لازم ہوتی ہے وہ ہانکنے والے پر ضمان کا وجوب ہے عدم وجوب کو صحیح قرار دیا گیا ہے یہ ان جیسے لوگوں سے غریب ہے۔

''رملی'' نے ''حلبی'' سے انہوں نے ''قاری الہدایہ'' سے یہ ذکر کیا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے: یہ کہنا چاہیے: وھو الصحیح والجواب عن الاول۔ پس یہ دوسرے قول کی تصحیح اور پہلے قول کا جواب ہوگا۔ ''النہایہ'' کا قول اس کی تائید کرتا ہے: اما الجواب عن الاول الخ۔ اسی طرح ''الولوالجیہ'' کا قول ہے: الراکب والسائق والقائد والردیف فی الضمان سواء حالۃ الانفراد والاجتماع الخ سوار، ہانکنے والا، آگے سے کھینچنے والا اور ردیف حالت انفراد اور حالت اجتماع میں ضمان میں برابر ہیں اگرچہ سوار مباشر ہے۔ کیونکہ یہاں تلف کرنے میں مؤثر ہے۔ پس اس کو لغو قرار نہیں دیا جا سکتا۔ پس تلف کرنا دونوں کی طرف منسوب ہوگا۔ کنواں کھودنے کا معاملہ مختلف ہے۔

اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ صحیح قول وہ ہے جسے ''قہستانی'' نے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ''ہدایہ'' میں اسے بعد میں ذکر کیا ہے۔ پس اپنے معمول کے مطابق اس کی ترجیح کا شعور دلایا ہے۔ ''مواہب'' اور ''ملتقی'' میں اسے مقدم ذکر کیا ہے۔ اور دونوں نے اس کے مقابل قول کو قیل کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

35653۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی باب ما یحدثہ الرجل فی الطریق گزر چکا ہے۔

35654۔ (قولہ: كَمَا هُنَا) یعنی ہانکنے والے کے بارے میں یہاں ہے جب کہ تو جان چکا ہے کہ وہ کچوکہ لگانے والے کی طرح ہے وہ تلف کرنے میں انفرادی طور پر مؤثر ہے اور تو اسے جان چکا ہے جو مؤثر نہیں جیسے کنواں کھودنا۔

أَمَّا فِي سَبَبٍ يَعْمَلُ بِانْفِرَادِهِ فَيَشْتَرِكَانِ كَمَا يَأْتِي فِي مَسْأَلَةِ نَفْسِ الدَّابَّةِ بِإِذْنِ رَاكِبِهَا فَلْيُحْفَظْ (وَضَمِنَ عَاقِلَةُ كُلِّ فَارِسٍ) أَوْ رَاجِلٍ (دِيَةَ الْآخَرِ إِنْ اصْطَدَمَا وَمَاتَا مِنْهُ) فَوَقَعَا عَلَى الْقَفَا (لَوْ كَانَا حُرَّيْنِ) لَيْسَا مِنَ الْعَجَمِ وَلَا عَامِدَيْنِ وَلَا وَقَعَا عَلَى وُجُوهِهِمَا (وَلَوْ كَانَا (عَبْدَيْنِ) أَوْ وَقَعَا عَلَى الْوَجْهِ ابْنُ كَمَالٍ (يَهْدِرُ دَمُهُمَا) فِي الْعَمْدِ وَالْخَطَأِ شُرُنْبُلَالِيَّةٌ وَغَيْرُهَا، وَلَوْ كَانَ مِنَ الْعَجَمِ فَالدِّيَةُ فِي مَالِهِمْ كَمَا مَرَّ مِرَارًا وَلَوْ كَانَا عَامِدَيْنِ،

جہاں تک اس سبب کا تعلق ہے جو اکیلے مؤثر ہو تو وہ دونوں میں شریک ہوں گے جس طرح سوار کی اجازت سے سواری کو کچوکا لگانے کے مسئلہ میں ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔ اور ہر شاہسوار یا پیدل کی عاقلہ دوسرے کی دیت کی ضامن ہوگی اگر دونوں آپس میں ٹکراتے ہوں اور اس سے دونوں مر گئے ہوں اور دونوں اپنی گدیوں کے بل گرے ہوں، اگر دونوں آزاد ہوں عجمیوں میں سے نہ ہوں اور نہ ہی جان بوجھ کر ٹکراتے ہوں اور نہ ہی وہ اپنے منہ کے بل گرے ہوں، اگر دونوں غلام ہوں یا اپنے چہرے کے بل گرے ہوں۔ ''ابن کمال''۔ تو دونوں کا خون رائیگاں چلا جائے گا خواہ انہوں نے عمداً ایسا کیا ہو یا خطاءً ایسا کیا ہو ''شرنبلالیہ'' وغیرہ۔ اگر وہ عجمیوں میں سے ہو تو دیت ان کے مال میں ہوگی جس طرح یہ کئی دفعہ گزر چکا ہے۔ اگر دونوں نے عمداً ایسا کیا ہو

35655۔ (قولہ: بِإِذْنِ رَاكِبِهَا) اگر اس کے بغیر ہو تو صرف کچوکہ لگانے والا ضامن ہوگا جس طرح عنقریب آگے آئے گا۔

35656۔ (قولہ: أَوْ رَاجِلٍ) اس امر کی طرف طرف اشارہ کیا ہے کہ فارس کی قید اتفاقی ہے مصنف نے راجل کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ اس باب سے تعلق نہیں رکھتا۔ کیونکہ اس کا جانور سے تعلق نہیں۔ یہ ''سعدی'' نے بیان کیا ہے۔

35657۔ (قولہ: إِنْ اصْطَدَمَا) یعنی دونوں کے جسم باہم ٹکرائے، ''در منتقی''۔ یہ قول اپنے اطلاق پر نہیں بلکہ یہ اس پر محمول ہے جب دونوں آپس میں آمنے سامنے ہوں۔ کیونکہ ''الاختیار'' میں ہے: ایک آدمی ایک سواری پر چلا تو ایک سوار اس کے پیچھے سے آیا اور اس کے ساتھ ٹکرایا تو پیچھے والا ہلاک ہو گیا تو جو آگے تھا اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ اگر آگے والے ہلاک ہو گیا تو جو پیچھے سے آیا اس پر ضمانت ہوگی۔ سفینتین میں اسی طرح ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''ابو سعود'' سے نقل کیا ہے۔

35658۔ (قولہ: يَهْدِرُ دَمُهُمَا) کیونکہ دونوں غلاموں میں سے ہر ایک کی جنایت اور فدیہ میں اس کی ذات سے متعلق ہے جب کہ اس کی ذات فوت ہو گئی ہے جب کہ اس فعل کے سوا کوئی نائب نہیں چھوڑا جس کے ساتھ مولیٰ فدیہ دینے میں مختار ہو جاتا، ''منح''۔ مگر جب دونوں آزاد اپنے منہ کے بل گرے تو ان دونوں میں سے ہر ایک کی موت اپنی ذاتی قوت سے واقع ہوئی ہے۔

35659۔ (قولہ: وَلَوْ كَانَا عَامِدَيْنِ) یعنی وہ دونوں آزاد یا دونوں غلام عمداً ایسا کریں جس طرح ''ہدایہ'' سے معلوم

فَعَلَى كُلٍّ نِصفُ الدِّيَةِ، وَلَوْ وَقَعَ أَحَدُهُمَا عَلَى وجهه هَدَرَ دَمُهُ فَقَط، وَلَوْ أَحَدُهُمَا حُرًّا وَالْآخَرُ عَبْدًا فَعَلَى عَاقِلَةِ الْحُرِّ قِيمَةُ الْعَبْدِ فِي الْخَطَأِ وَنِصْفُهَا فِي الْعَمْدِ

تو ہر ایک پر نصف دیت ہوگی۔ اگر دونوں میں سے ایک اپنے چہرے کے بل گرا ہو تو صرف اس کا خون رائیگاں جائے گا۔ اگر دونوں میں سے ایک آزاد ہو اور دوسرا غلام ہو تو آزاد کی عاقلہ پر قتل خطاء میں غلام کی قیمت لازم ہوگی اور قتل عمد میں اس کی نصف قیمت لازم ہوگی۔

ہوا ہے۔ اس میں اس قول کی مخالفت ہے جسے پہلے ''شرنبلالیہ'' سے نقل کیا ہے، فتامل۔

35660۔ (قولہ: فَعَلَى كُلٍّ نِصفُ الدِّيَةِ) جو قول ''زیلعی'' میں ہے وہ یہ ہے ہر ایک کی عاقلہ پر نصف دیت واجب ہوئی۔ ''شلبی'' نے اپنے ''حاشیہ'' میں کہا: کیونکہ یہاں عمد خطا کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ یہ شبہ عمد ہے کیونکہ ٹکرانے کا تو ارادہ تھا اور قتل کا ارادہ نہیں تھا۔ اسی وجہ سے دیت عاقلہ پر واجب ہوئی۔ عمد میں نصف دیت ہے خطا میں نصف دیت نہیں۔ کیونکہ خطا میں ہر ایک کا فعل مباح ہے اور وہ راستہ میں چلنا ہے۔ پس یہ ضمان کے حق میں اس کی ذات کی طرف منسوب ہونے کے اعتبار سے معتبر نہیں جس طرح ایک آدمی راستہ میں موجود کنویں میں گر پڑے۔ کیونکہ اگر اس کا چلنا نہ ہوتا تو وہ نہ گرتا اور غیر کی طرف نسبت کے اعتبار سے وہ ضمان میں معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید ہے۔ عمد میں یہ مباح نہیں۔ پس جو واقع ہوا اسے اس کی ذات کے حق میں اس کی طرف منسوب ہوگا۔ پس وہ اپنے فعل اور غیر کے فعل کے ساتھ ہلاک ہونے والا ہو گیا۔ پس جو اس کے اپنے فعل کے ساتھ ہلاک ہوا وہ رائیگاں جائے گا اور جو غیر کے فعل کے ساتھ ہلاک ہوا وہ واجب ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ''ولوالجیہ'' میں ہے۔

35661۔ (قولہ: فَعَلَى عَاقِلَةِ الْحُرِّ قِيمَةُ الْعَبْدِ فِي الْخَطَأِ وَنِصْفُهَا فِي الْعَمْدِ) یعنی آزاد مقتول کے ورثا اسے لیں گے۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کا قاتل ہو گیا ہے اور آزاد کی عاقلہ پر غلام کی قیمت لازم ہوگی یا اس کی نصف قیمت لازم ہوگی۔ پھر جنایت کرنے والا غلام تلف ہو چکا ہے اور اس بدل کو پیچھے چھوڑا ہے پس آزاد، جس پر جنایت کی گئی، کے ورثا اسے اس جہت سے لیں گے کہ وہ مقتول ہے نہ کہ اس جہت سے لیں گے کہ وہ قاتل ہے اور ان کا حق اس میں باطل ہو جائے گا جو اس پر زائد ہے۔ کیونکہ یہاں کوئی نائب نہیں۔

اور یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا جب عورت کسی مرد کا ہاتھ کاٹ دے اور وہ مرد اس عورت سے اس ہاتھ پر شادی کر لے بے شک اس عورت کی عاقلہ سے ضمان ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ اس کی جانب سے اس کے ذمہ دار تھے جب اس مرد نے اس عورت سے شادی کر لی جس کا ہاتھ کاٹا گیا تھا۔ اگر اس عورت کی عاقلہ سے ضمان ساقط نہ ہوتی تو اس عورت کے حق میں ان پر ضمان واجب ہوتی تو یہ صحیح نہ ہوتا کہ وہ اس کی جانب سے دیت کے ذمہ دار نہیں اور اس کے لیے ضمانت اٹھائیں۔ جہاں تک یہاں کا تعلق ہے تو عاقلہ نے آزاد کی جانب سے دیت کی ذمہ داری اٹھائی اس اعتبار سے کہ وہ قاتل ہے پھر وارث اسے لے

(كَمَا لَوْ تَجَاذَبَ رَجُلَانِ حَبْلًا فَانْقَطَعَ الْحَبْلُ فَسَقَطَا وَمَاتَا عَلَى الْقَفَا) هَدَرَ دَمُهُمَا لِمَوْتِ كُلٍّ بِقُوَّةِ نَفْسِهِ (فَإِنْ وَقَعَا عَلَى الْوَجْهِ وَجَبَ دِيَةُ كُلٍّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى عَاقِلَةِ الْآخَرِ) لِمَوْتِهِ بِقُوَّةِ صَاحِبِهِ (فَإِنْ تَعَاكَسَا) بِأَنْ وَقَعَ أَحَدُهُمَا عَلَى الْقَفَا وَالْآخَرُ عَلَى الْوَجْهِ (فَدِيَةُ الْوَاقِعِ عَلَى الْوَجْهِ عَلَى عَاقِلَةِ الْآخَرِ) لِمَوْتِهِ بِقُوَّةِ صَاحِبِهِ (وَهَدَرَ دَمُ) (مَنْ وَقَعَ عَلَى الْقَفَا) لِمَوْتِهِ بِقُوَّةِ نَفْسِهِ (وَلَوْ قَطَعَ إِنْسَانٌ الْحَبْلَ بَيْنَهُمَا فَوَقَعَ كُلٌّ مِنْهُمَا عَلَى الْقَفَا فَمَاتَ فَدِيَتُهُمَا عَلَى عَاقِلَةِ الْقَاطِعِ) لِتَسَبُّبِهِ بِالْقَطْعِ

جس طرح دو آدمی ایک رسی کو باہم کھینچیں اور رسی ٹوٹ جائے اور دونوں گر پڑیں اور گدی کے بل گر کر مر جائیں) دونوں کا خون رائیگاں چلا جائے گا۔ کیونکہ ہر ایک کی موت اس کی ذاتی قوت سے ہوتی ہے۔ مگر دونوں منہ کے بل گریں تو ہر ایک کی دیت دوسرے کی عاقلہ پر ہوگی۔ کیونکہ وہ اپنے ساتھی کی قوت سے مرا ہے اگر وہ ایک دوسرے کے برعکس کریں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک گدی کے بل گرے اور دوسرا چہرے کے بل گرے تو جو منہ کے بل گرا ہے اس کی دیت دوسرے کی عاقلہ پر ہوگی۔ کیونکہ وہ اپنے ساتھی کی قوت سے مرا ہے اور جو اپنی گدی کے بل گر کر مرا ہے اس کا خون رائیگاں چلا جائے گا۔ کیونکہ وہ اپنی ذاتی قوت سے مرا ہے۔ اگر ایک انسان نے دونوں کے درمیان کی رسی کاٹ دی تو دونوں میں سے ہر ایک اپنی گدی کے بل گر پڑا اور مر گیا تو دونوں کی دیت اس قطع کرنے والی کی عاقلہ پر ہوگی۔ کیونکہ وہ رسی کاٹنے کے ساتھ ان کی موت کا سبب بنا ہے

لیں گے۔ کیونکہ وہ مقتول ہے۔ یہ ''کفایہ'' سے دوسری کتب کے ساتھ ماخوذ ہے۔

''وانی'' نے اس مسئلہ پر اس کے ساتھ اعتراض کیا ہے کہ عاقلہ، نہ تو جو جان بوجھ کر جرم کیا جائے، اس کی دیت کی ذمہ دار ہوتی ہے اور نہ ہی غلام کی دیت کی ذمہ دار ہوتی ہے جس طرح حدیث میں ہے (1)۔

میں کہتا ہوں: تو یہ جان چکا ہے کہ یہاں عمد خطا کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ یہ شبہ عمد ہے عنقریب یہ آئے گا کہ حدیث اس صورت پر محمول ہے جب غلام اس پر جنایت کرے نہ کہ جب غلام پر جنایت کی جائے، فتدبر

35662۔ (قولہ: كَمَا لَوْ تَجَاذَبَ رَجُلَانِ الخ) یہ رائیگاں جانے میں تشبیہ ہے جو ہدر مصنف کے قول یهدر دمهما پر محمول ہے یہ مسئلہ حکم میں مصادمہ کے مسئلہ کے برعکس ہے۔ ''ط''۔

35663۔ (قولہ: فَإِنْ وَقَعَا عَلَى الْوَجْهِ الخ) امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا: جب وہ اسے کاٹے تو دونوں منہ کے بل گریں۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ رسی کاٹنے کی صورت میں نہیں ہو سکتا۔

35664۔ (قولہ: فَدِيَتُهُمَا عَلَى عَاقِلَةِ الْقَاطِعِ) ''الملتقی''، ''الاختیار'' اور ''الخانیہ'' میں اسی طرح ہے۔ اس میں ایک اور جگہ ہے اس میں نہ قصاص ہے اور نہ ہی دیت ہے۔ شاید یہ دوسری روایت ہے یا مراد ہے اس کے مال میں دیت نہیں۔

1۔ مصنف لابن ابی شیبہ، کتاب الدیات۔ ہدایہ، کتاب المعاقل، جلد 4، صفحہ 651

(وَعَلَى سَائِقِ دَابَّةٍ وَقَعَ أَدَاتُهَا) أَيْ آلَاتُهَا كَسَرْجٍ وَنَحْوِهِ (عَلَى رَجُلٍ فَمَاتَ وَقَائِدِ قِطَارٍ) بِالْكَسْرِ قِطَارِ الْإِبِلِ (وَطِئَ بَعِيرٌ مِنْهُ رَجُلًا الدِّيَةُ وَإِنْ كَانَ مَعَهُ سَائِقٌ ضَمِنَا) لِاسْتِوَائِهِمَا فِي التَّسَبُّبِ لَكِنَّ ضَمَانَ النَّفْسِ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَضَمَانَ الْمَالِ فِي مَالِهِ هَذَا لَوْ السَّائِقُ مِنْ جَانِبٍ مِنَ الْإِبِلِ

اور جانور کے ہانکنے والے پر دیت لازم ہوگی جس جانور کے آلات جیسے زین وغیرہ ایک آدمی پر گر گئے ہوں اور وہ مر گیا ہو اور اونٹوں کی قطار کے قائد پر دیت ہوگی۔ قطار یہ قاف کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اس قطار میں سے ایک اونٹ نے ایک آدمی کو روند دیا ہو اگر اس کے ساتھ ہانکنے والا ہو تو دونوں ضامن ہوں گے کیونکہ دونوں تسبب میں برابر ہیں۔ لیکن نفس کی ضمانت عاقلہ پر ہوگی اور مال کی ضمانت اس کے مال میں ہوگی۔ یہ حکم اس صورت میں ہے اگر ہانکنے والا اونٹوں کی ایک جانب ہو۔

35665۔(قولہ: وَعَلَى سَائِقِ دَابَّةٍ) یہ خبر ہے اس کا مبتدا آنے والا قول الدیۃ ہے۔ یہ دیت اس پر واجب ہے کیونکہ وہ نسب میں تعدی کرنے والا ہے۔ کیونکہ اس کا گرنا یہ اس کی جانب سے کوتاہی کی بنا پر ہے وہ اسے مضبوطی سے نہ باندھنا ہے پس یہ اس طرح ہو گیا گویا اس نے اپنے ہاتھ سے اسے پھینکا جس طرح ''الدرر'' میں ہے،''ط''۔ پس وہ اس طرح ہے جیسے وہ چیز گر جائے جو اس کے کندھے پر ہے۔ اس چادر کا معاملہ مختلف ہے جس کو اس نے زیب تن کر رکھا ہے۔ اور وہ چادر ان میں سے ہے جسے ایک انسان عام معمول کے مطابق پہنتا ہے۔ کیونکہ اس کے لیے اس سے احتراز کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ اس کے بغیر اس کے لیے چارہ کار نہیں۔ جس طرح باب ما یحدثہ الرجل فی الطریق میں گزر چکا ہے۔''اتقانی''۔

33666۔(قولہ: وَقَائِدِ قِطَارٍ) قائد ضامن ہوگا کیونکہ اس کے ہانکنے سے وہ جانور چلتا ہے اور اس کے روکنے سے وہ ٹھہر جاتا ہے۔ پس جو اس سواری سے واقعہ رونما ہوگا اسے قائد کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ متسبب ہے۔ پس وہ حکم میں اس طرح ہوگا گویا اس نے اسے خطاً قتل کیا ہے۔ پس اس کی عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔

فقیہ ابولیث نے ''شرح الجامع'' میں کہا ہے: اگر نابینا کو آگے سے پکڑ کر چلایا تو نابینے نے کسی انسان کو روند دیا اور اسے قتل کر دیا تو چاہیے کہ قائد ضامن نہ ہو۔ کیونکہ نابینا اہل ضمان میں سے ہے۔ پس اس کا فعل اس کی طرف منسوب ہوگا اور عجماء کا فعل رائیگاں ہوتا ہے اس کی ذات کے حکم میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ پس اس کو قائد کی طرف منسوب کیا جائے گا''اتقانی''۔ ملخص

35667۔(قولہ: قِطَارِ الْإِبِلِ) ''مغرب'' میں کہا: قطار سے مراد اونٹ ہیں جو ایک ہی اسلوب میں چلتے ہیں اس کی جمع قطر ہے جیسے کتاب کی جمع کتب آتی ہے۔

35668۔(قولہ: الدِّيَةُ) جسے تلف کیا گیا ہے جب وہ مال نہ ہو اور حکم موضحہ زخم کی دیت اور جو اس سے فائق ہو کا ہو جس طرح کئی دفعہ گزر چکا ہے،''مکی''،''ط''۔

35669۔(قولہ: هَذَا لَوْ السَّائِقُ مِنْ جَانِبٍ مِنَ الْإِبِلِ) یعنی درمیان میں ہو وہ قطار کے پہلو میں چل رہا ہو نہ اس کے آگے ہو اور نہ ہی اس کے پیچھے ہو۔''اتقانی'' نے کہا: یہ یعنی ضمان کا وجوب ہانکنے والے اور قیادت کرنے والے پر ہوگا

فَلَوْ تَوَسَّطَهَا وَأَخَذَ بِزِمَامِ وَاحِدٍ ضَمِنَ مَا خَلْفَهُ وَضَمِنَا مَا قُدَّامَهُ وَرَاكِبُ وَسَطِهَا يَضْمَنُهُ فَقَطْ مَا لَمْ يَأْخُذْ بِزِمَامِ مَا خَلْفَهُ (فَإِنْ قَتَلَ بَعِيرٌ رُبِطَ عَلَى قِطَارٍ سَائِرٍ بِلَا عِلْمِ قَائِدِهِ رَجُلًا) مَفْعُولُ قَتَلَ (ضَمِنَ عَاقِلَةُ الْقَائِدِ الدِّيَةَ رَجَعُوا بِهَا عَلَى عَاقِلَةِ الرَّابِطِ)

اگران کے وسط میں ہواوراس نے ایک کی مہار پکڑی ہوئی ہوتو جواس کے پیچھے ہیں ان کا وہ ضامن ہوگااور جواونٹ اس کے آگے ہیں دونوں اس کے ضامن ہوں گے۔ اور جو صرف اس کے درمیانی اونٹ پر سوار ہے صرف اس اونٹ کا ضامن ہوگا جب تک وہ اپنے پیچھے والے اونٹوں کی زمام نہ پکڑے۔ اگراس اونٹ نے کسی آدمی کو قتل کر دیا۔ جسے قائد کے علم کے بغیر قطار کے ساتھ باندھا گیا تھا رجلا، قتل کا مفعول بہ ہے تو قائد کی عاقلہ دیت کی ضامن ہوگی جس کا مطالبہ وہ باندھنے والے کی عاقلہ سے کریں گے

جب ہانکنے والا اونٹوں کو ہانکتا ہے جب کہ وہ اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے نہیں ہوتا، مگر جب وہ زمام پکڑ لے تو ضمان اس پر واجب ہوگی اس صورت میں جب وہ اس کے پیچھے ہلاک ہو نہ قائد پر جو آگے ہے ضمان لازم ہوگی۔ کیونکہ جب زمام قطار سے منقطع ہوگئی تو مقدم قائد ان کا قائد نہیں ہوگا جو اس کے ہانکنے کے پیچھے ہیں مگر جو ہانکنے والے سے آگے ہلاک ہو اس میں ہانکنے اور اور قائد دونوں ضامن ہوں گے۔ کیونکہ ضمان نے وجوب کے سبب میں مشترک ہیں۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک جنایت کے قریب کرنے والا ہے یہ اپنے ہانکنے کے ساتھ اور وہ قیادت کرنے کے ساتھ۔

35670۔ (قولہ: وَرَاكِبُ وَسَطِهَا يَضْمَنُهُ) یعنی اگر کوئی آدمی قطار کے وسط میں اونٹ پر سوار ہے اور ان میں سے کسی کو ہانک نہیں رہا تو اس کا اونٹ جس پر وہ سوار تھا جس کو روندے گا اس کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس کو روندنے میں وہ مباشر ہے مگر جسے ادا کرنے کے بعد نقصان پہنچائے تو وہ اس کے ذمہ اور قائد کے ذمہ ہوگا۔ ''زیلعی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اس پر مبنی ہے جس کی انہوں نے پہلے تصحیح کی ہے اس میں جو ضعف ہے تو اسے پہچان چکا ہے۔ ''النہایہ'' اور ''الکفایہ'' میں دونوں پر بغیر تفصیل کے ضمان کو لازم کیا ہے۔ یہ اس کی مؤید ہے جس تصحیح پر ہم نے پہلے کلام کی ہے۔

35671۔ (قولہ: فَقَطْ) یعنی جو اس کے سامنے ہے نہ اس کا ضامن ہوگا کیونکہ وہ اس کو ہانکنے والا نہیں اور نہ اس کا ضامن ہے جو اس کے پیچھے ہے۔ کیونکہ وہ قائد نہیں مگر جب وہ اس کی زمام پکڑے ہوئے ہو جو اس کے پیچھے ہے، ''زیلعی''۔ یہ بعض متاخرین کا قول ہے۔ جہاں تک دوسرے علماء کا تعلق ہے تو انہوں نے صرف اس پر اکتفا کیا ہے کہ جو اس کے پیچھے ہے وہ اس کے اونٹ کے ساتھ بندھا ہوا ہو جس طرح ''النہایہ'' وغیرہ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

35672۔ (قولہ: بِلَا عِلْمِ قَائِدِهِ) یہ ربط کے متعلق ہے۔ یہ قید لگائی ہے تا کہ اس پر اپنے قول ورجعوا بہا کی بنیاد رکھ سکیں۔ کیونکہ جب اسے علم ہو تو پھر انہیں مطالبہ کا حق نہیں ہوگا۔ ''کفایہ''۔

35673۔ (قولہ: ضَمِنَ عَاقِلَةُ الْقَائِدِ الدِّيَةَ) کیونکہ جب اس نے اپنی قطار کو اس اونٹ کے باندھنے سے محفوظ

لِأَنَّهُ دِيَةٌ لَا خُسْرَانٌ كَمَا تَوَهَّمَهُ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ فَلَوْ رَبَطَ وَالْقِطَارُ وَاقِفٌ ضَمِنَهَا عَاقِلَةُ الْقَائِدِ بِلَا رُجُوعٍ لِقَوْدِهِ بِلَا إذْنٍ (وَمَنْ أَرْسَلَ بَهِيمَةً) أَوْ كَلْبًا مُلْتَقًى (وَكَانَ خَلْفَهَا سَائِقًا لَهَا فَأَصَابَتْ فِي فَوْرِهَا ضَمِنَ) لِأَنَّهُ الْحَامِلُ لَهَا وَإِنْ لَمْ يَمْشِ خَلْفَهَا فَمَا دَامَتْ فِي دَوْرِهَا

کیونکہ یہ دیت ہے خسران (نقصان) نہیں ہے جس طرح صدر الشریعہ کو وہم ہوا۔ پھر اگر اس نے اس اونٹ کو باندھا جب کہ قطار رکی ہوئی تھی تو قائد کی عاقلہ اس کی ضامن ہوگی جب کہ وہ اس کا کسی سے مطالبہ نہ کریں گے۔ کیونکہ اس نے اجازت کے بغیر قیادت کی ہے۔ جس آدمی نے کوئی جانور یا کتا چھوڑا۔ ''ملتقی'' میں اسی طرح ہے جب کہ وہ چھوڑنے والا اس کے پیچھے اسے ہانکنے والا تھا تو اس جانور نے فی الفور کسی شے کو تلف کر دیا تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ وہی آدمی اس کو بھڑکانے والا ہے۔ اگر چھوڑنے والا اس کے پیچھے نہ چلے تو جب تک وہ جانور اسی تیز رفتاری میں رہا یعنی رکا نہیں

نہیں کیا تو وہ متسبب اور متعدی ہوگا۔ اور وہ اونٹ باندھنے والے کی عاقلہ سے مطالبہ کریں گے۔ کیونکہ اس نے ان کو اس مصیبت میں ڈالا ہے۔

35674۔ (قولہ: كَمَا تَوَهَّمَهُ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ) کیونکہ کہا: چاہیے کہ وہ باندھنے والے کے مال میں سے ہو۔ کیونکہ باندھنے والے نے اسے مال کے خسارہ میں واقع کیا ہے یہ ان امور میں سے ہے عاقلہ جس کی ذمہ دار نہیں ہوتی ''ح''۔

35675۔ (قولہ: وَالْقِطَارُ وَاقِفٌ) یہ ان کے قول سائر سے احتراز ہے۔

35676۔ (قولہ: لِقَوْدِهِ بِلَا إذْنٍ) یعنی باندھنے والے کی اجازت کے بغیر۔ جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تو جب اس نے اونٹ باندھا تھا اور قطار چل رہی تھی تو باندھنے والے کی جانب سے اجازت دلالۃً پائی گئی تھی کہ وہ مربوط اونٹ کی قیادت کرے اسی وجہ سے انہوں نے اس کی عاقلہ سے مطالبہ کیا تھا کیونکہ وہ (باندھنے والا) سبب بنا تھا۔ ''کفایہ''۔

اگر کوئی شخص جانور یا کتا چھوڑے اور وہ کسی چیز کو تلف کر دے تو اس کا حکم

35677۔ (قولہ: وَمَنْ أَرْسَلَ بَهِيمَةً الخ) پہلے یہ جان لو کہ کتے اور اس کے علاوہ کے چھوڑنے میں فرق ہے وہ یہ ہے کہ اگر وہ کتا چھوڑے اور وہ اسے جوش دلانے والا نہ ہو تو چھوڑنے والا ضامن نہ ہوگا اگرچہ وہ کتا فی الفور کسی شے کا نقصان کر دے۔ کیونکہ وہ حد سے تجاوز کرنے والا نہیں کیونکہ اس کا پیچھا کرنا ممکن ہی نہیں۔ متسبب ضامن نہیں ہوتا جب وہ حد سے تجاوز کرے۔ اگر وہ کوئی اور جانور چھوڑ دے تو وہ فی الفور جس کو تلف کر دے اس کا ضامن ہوگا خواہ اس کو ہانکا ہو یا نہ ہانکا ہو۔ کیونکہ راستہ میں اسے چھوڑنے سے تعدی کرنے والا ہے ساتھ ہی اس کو پیچھے لگانا ممکن تھا۔ ''نہایہ'' نے اسے بیان کیا ہے۔ لیکن ''القہستانی'' میں ہے: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: وہ ہر حال میں ضامن ہوگا۔ عام مشائخ نے اسی کو اپنایا ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق جانور اور کتے میں کوئی فرق نہیں۔ پہلی صورت میں وہ ضامن نہیں ہوگا کتا جسے

فَسَائِقٌ حُكْمًا، وَإِنْ تَرَاخَى انْقَطَعَ السَّوْقُ فَالْمُرَادُ بِالسَّوْقِ الْمَشْيُ خَلْفَهَا وَالْمُرَادُ بِالدَّابَّةِ الْكَلْبُ زَيْلَعِيٌّ (وَإِنْ أَرْسَلَ طَيْرًا) سَاقَهُ أَوْ لَا أَوْ دَابَّةً (أَوْ كَلْبًا وَلَمْ يَكُنْ سَائِقًا) لَهُ

تو چھوڑنے والا حکماً اس کو ہانکنے والا ہوگا۔ اگر اس میں تراخی واقع ہوگئی یعنی وہ جانور رک گیا تو ہانکنا منقطع ہو جائے گا۔ پس ہانکنے سے مراد اس کے پیچھے چلنا ہے۔ دابہ سے مراد کتا ہے،''زیلعی''۔ اگر ایک آدمی نے پرندا چھوڑا اسے انگیخت دلائی یا نہ دلائی یا اس نے جانور چھوڑا یا کتا جب کہ وہ اسے انگیخت دلانے والا نہ ہو

فی الفور نقصان پہنچائے مگر جب وہ کتے کو انگیخت دے اور جانور جس کو فی الفور نقصان پہنچائے تو وہ مطلقاً اس کا ضامن ہوگا۔ اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کا کلام پہلے قول پر جاری ہے۔ کیونکہ انہوں نے ضمان میں ہانکنے کو شرط قرار دیا ہے اور یہ صرف کتے میں شرط ہے۔ اسی وجہ سے ''زیلعی'' وغیرہ نے بہیمہ کی تفسیر کتے سے کی ہے۔ شارح نے آخر میں ان کی پیروی کی ہے لیکن ان کا قول او کلبہ اس کے مناسب نہیں خصوصاً جو آنے والا قول ہے: المراد بالدابة الکلب۔

35678_(قولہ: فَسَائِقٌ حُكْمًا) کیونکہ اس کا دوڑنا یہ اس چھوڑنے والے کی طرف منسوب ہوگا جب تک وہ جانور اسی راستہ پر دوڑتا جائے اگر وہ دائیں بائیں متوجہ ہو تو چھوڑنے کا حکم منقطع ہو جائے گا مگر جب اس کے سوا کوئی راستہ نہ ہو۔ اسی طرح جب وہ ٹھہر جائے اور پھر چلے تو چھوڑنے کا حکم منقطع ہو جائے گا۔ اس کی مکمل بحث ''ہدایہ'' میں ہے۔ اگر کوئی لوٹانے والا اسے لوٹائے تو اس کے اس عمل میں جو اس کا نقصان کر دے تو اس کا لوٹانے والا ضامن ہوگا۔ کیونکہ وہی اس کو ہانکنے والا ہے اور وہ اس کے ہانکنے والے سے مطالبہ نہیں کرے گا مگر جب اس نے ہانکنے والے کے کہنے پر اسے لوٹایا ہو،''اتقانی''۔

35679_(قولہ: فَالْمُرَادُ بِالسَّوْقِ الخ) یہ ان کے قول: و کان خلفھا سائقا لھا کی تفریع ہے۔ ان علماء کی عبارت سے جو متبادر معنی سمجھ آتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے پیچھے چلے اگرچہ اس کو نہ ہانکے مگر ''منلا علی'' سے ہانکنے دھتکارنے کی قید لگائی ہے۔

میں کہتا ہوں: ''غایۃ البیان'' میں ''اسبیجابی'' سے مروی ہے: اس سے ارادہ کیا ہے جب اسے چھوڑا اور اسے مارا یا اسے اس وقت جھڑکا یہاں تک وہ اس کے لیے ہانکنے والا ہو گیا۔

35680_(قولہ: وَالْمُرَادُ بِالدَّابَّةِ) زیادہ بہتر یہاں بھیمۃ کا لفظ تھا۔ کیونکہ متن اور ''زیلعی'' میں بھیمۃ کا لفظ موجود ہے تو اس تفسیر کی وجہ اور اس میں جو ضعف ہے اس کو جان چکا ہے۔

35681_(قولہ: سَاقَهُ أَوْ لَا) کیونکہ اس کا بدن ہانکنے کا احتمال نہیں رکھتا۔ بہیمہ کا معاملہ مختلف ہے۔

35682_(قولہ: أَوْ دَابَّةً أَوْ كَلْبًا وَلَمْ يَكُنْ سَائِقًا لَهُ) اسے مطلقاً ذکر کیا ہے۔ پس یہ اس کو شامل ہوگا جب کتا فوراً کسی شے کا نقصان کر دے۔ پس چھوڑنے والا ضامن نہ ہوگا۔ دابہ کا معاملہ مختلف ہے،''نہایہ''۔ ہم فرق کی وجہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ مطلقاً ضمان ہوگی۔ اس تعبیر کی بنا پر صحیح یہ ہے کہ شارح اپنے قول او دابة کو ساقط کر دیتے۔

(أَوْ انْفَلَتَتْ دَابَّةٌ) بِنَفْسِهَا (فَأَصَابَتْ مَالًا أَوْ آدَمِيًّا نَهَارًا أَوْ لَيْلًا لَا ضَمَانَ) فِي الْكُلِّ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ الْعَجْمَاءُ جُبَارٌ أَيْ الْمُنْفَلِتَةُ هَدَرٌ (كَمَا لَوْ جَمَحَتْ) الدَّابَّةُ (بِهِ) أَيْ بِالرَّاكِبِ وَلَوْ سَكْرَانَ (وَلَمْ يَقْدِرْ) الرَّاكِبُ (عَلَى رَدِّهَا) فَإِنَّهُ لَا يَضْمَنُ كَالْمُنْفَلِتَةِ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ لَيْسَ بِمُسَيِّرٍ لَهَا فَلَا يُضَافُ سَيْرُهَا إِلَيْهِ حَتَّى لَوْ أَتْلَفَتْ إِنْسَانًا فَدَمُهُ هَدَرٌ عِمَادِيَّةٌ

یا جانور خود بخود اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تو اس نے کوئی مال یا انسان کو دن یا رات میں تلف کر دیا تو سب میں کوئی ضمان نہ ہوگی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: یعنی جانور کا زخم باطل ہے (1) یعنی جو جانور خود بخود چھوڑ گیا تھا اس کا زخم باطل ہے جس طرح جانور سوار پر سرکش ہو گیا۔ اگر وہ نشہ کی حالت میں ہو اور سوار اس کے لوٹانے پر قادر نہ ہو تو وہ چھوٹ جانے والے کی طرح ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ اس وقت سوار اس کو چلانے والا نہیں لہٰذا اس کے چلنے کی نسبت چلانے والے کی طرف نہیں ہو گی۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی انسان کو تلف کر دے تو اس کا خون رائیگاں جائے گا، ''عمادیہ''۔

35683۔ (قولہ: أَوْ انْفَلَتَتْ دَابَّةٌ) خواہ راستہ میں ایسا ہو یا کسی اور کی ملکیت میں ایسا ہو۔ ''اتقانی''۔

35684۔ (قولہ: أَوْ لَيْلًا) امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر رات کو وہ نقصان کرے تو ضامن ہوگا۔ کیونکہ معمول یہ ہے کہ رات میں اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔ پس وہ کوتاہی کرنے والا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''معراج'' میں ہے۔

35685۔ (قولہ: الْعَجْمَاءُ جُبَارٌ) یعنی اس کا فعل رائیگاں ہے جب وہ چھوٹ جائے ''صحیحین''۔ امام ''مالک'' نے امام ''احمد'' اور اصحاب سنن کی روایت میں ہے: العجماء جرحها جبار، (2) ''ط''۔ اور عجماء کا لفظ عمومی طور پر بھیمہ پر بولا جاتا ہے۔ ''مغرب''۔

35686۔ (قولہ: أَيْ الْمُنْفَلِتَةُ) یہ عجماء کی تقیید ہے اس کی تفسیر نہیں جس طرح یہ امر مخفی نہیں، ''ح''۔

''زیلعی'' نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل کرنے کے بعد کہا: یہ صحیح ظاہر ہے کیونکہ جس کو ہانکا گیا ہو، جس پر سواری کی گئی ہو، جس کی لگام آگے سے پکڑی گئی ہو وہ راستہ میں ہو یا غیر کی ملک میں ہو یا اسے راستہ میں چھوڑا گیا ہو اس کا فعل معتبر ہوتا ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔

35687۔ (قولہ: عِمَادِيَّةٌ) اس میں ان کا قول حتی لو اتلفت انسانا الخ کا ذکر نہیں کیا مصنف نے اس کا ذکر یہ ہے کہ مولیٰ ''ابو سعود عمادی'' مفتی الروم نے فتویٰ دیا لیکن جب یہ ''فصول عمادیہ'' کے کلام سے مفہوم ہو رہا تھا تو اسے اس کی طرف منسوب کر دیا۔ ''رملی'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ دونوں اگر اس میں اختلاف کریں کہ وہ اس کے لوٹانے پر قادر نہیں تھا تو قول خصم کا معتبر ہوگا اور گواہیاں اس کے ذمہ ہوں گے جو عجز کا دعویٰ کرے۔ کیونکہ جب سبب متحقق ہو جائے اس کے بعد دعویٰ کے ضمن میں ضمان کی اصل کا انکار کچھ فائدہ مند نہیں ہوتا، تامل۔ ملخص

1۔ صحیح بخاری، کتاب الدیات، باب المعدن جبار الخ، جلد 3، صفحہ 747، حدیث نمبر 6402 2۔ ایضاً

(وَمَنْ ضَرَبَ دَابَّةً عَلَيْهَا رَاكِبٌ أَوْ نَخَسَهَا) بِعُودٍ بِلَا إِذْنِ الرَّاكِبِ (فَنَفَحَتْ أَوْ ضَرَبَتْ بِيَدِهَا) شَخْصًا (آخَرَ) غَيْرَ الطَّاعِنِ (أَوْ نَفَرَتْ فَصَدَمَتْهُ وَقَتَلَتْهُ ضَمِنَ هُوَ) أَيْ النَّاخِسُ (لَا الرَّاكِبُ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ يَضْمَنَانِ نِصْفَيْنِ كَمَا لَوْ كَانَ مُوقِفًا دَابَّتَهُ عَلَى الطَّرِيقِ

جس نے کسی سواری کو ضرب لگائی جس پر سوار موجود تھا یا اس کو لکڑی کے ساتھ کچوکا دیا تو اس نے پیچھے پاؤں یا اگلے پاؤں سے کسی ایسے شخص کو ضرب لگائی جو ضرب لگانے کے علاوہ تھا یا وہ سواری بھاگ کھڑی ہوئی تو اس آدمی کے ساتھ جا ٹکرائی اور اسے قتل کر دیا تو جس نے کچوکا دیا تھا وہ ضامن ہوگا سوار ضامن نہیں ہوگا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: دونوں نصف نصف ضامن ہوں گے جس طرح وہ اپنی سواری کو راستے پر کھڑا کیے ہوئے تھا۔

35688۔ (قولہ: أَوْ ضَرَبَتْ بِيَدِهَا) اس کو اگلے پاؤں سے مارا یا کیسے ہی اسے تلف کیا، ''خلاصہ''۔ پس اس میں وہ صورت بھی داخل ہو جائے گی جب وہ اس کو روند ڈالے۔ ''ہدایہ'' میں کہا: اگر اس کے کچوکا لگانے سے وہ ایک آدمی پر اچل پڑی یا اسے روند ڈالا اور اسے قتل کر دیا تو ضمانت کچوکا لگانے والے کے ذمہ ہوگی سوار کے ذمہ نہ ہوگی جو اپنی ملکیت میں ٹھہرا ہوا ہو یا جو اس میں چل رہا ہو دونوں برابر ہیں۔ جو راستہ میں کھڑا رہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس نے تعدی کی ہے، ''کفایہ''۔ عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

35689۔ (قولہ: فَصَدَمَتْهُ) یعنی وہ سواری کسی اور سے ٹکرا گئی اور اسے قتل کر دیا ''تاتر خانیہ'' میں ہے: یہ حکم اس صورت میں ہے جب پاؤں سے ضرب لگانا، مارنا اور اچھلنا کچوکا لگانے کے فوراً بعد ہو ورنہ اس پر ضمان نہ ہوگی۔

35690۔ (قولہ: لَا الرَّاكِبُ) کیونکہ وہ متعدی نہیں ہے پس تعدی کی وجہ سے چٹی لازم کرنے میں کچوکا لگانے والے کی جانب راجح ہو جائے گی۔ اس کی مکمل بحث ''ہدایہ'' میں ہے ورنہ اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔

35691۔ (قولہ: وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ) یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت مروی ہے جس طرح ''قہستانی'' وغیرہ میں ہے۔

35692۔ (قولہ: كَمَا لَوْ كَانَ مُوقِفًا دَابَّتَهُ عَلَى الطَّرِيقِ) یعنی ایک آدمی نے اسے کچوکا دیا تو اس سواری نے کسی اور کو قتل کر دیا تو وہ دونوں نصف نصف کے ضامن ہوں گے۔ کیونکہ وہ اسے ٹھہرانے کے ساتھ حد سے تجاوز کرنے والا ہے۔ ''منح'' وغیرہ۔

''رملی'' نے کہا: میں کہتا ہوں: اس کا ظاہر معنی یہ ہے اگر اس کی اجازت کے بغیر ہو۔ کیونکہ یہ متن کے اس مسئلہ کا موضوع ہے جس پر گفتگو ہو رہی ہے۔ ''الخلاصہ'' اور ''بزازیہ'' میں جس کی تصریح ہے وہ اس کے برعکس ہے۔

''خلاصہ'' میں کہا: اگر اس کی اجازت سے ہو تو ضمان دونوں پر ہوگی مگر جب وہ اسے ضرب لگائے۔ جہاں تک دم مارنے کا تعلق ہے تو یہ رائیگاں ہے مگر جب سوار اپنی مملوکہ جگہ کے علاوہ کھڑا ہو تو اس نے ایک آدمی کو حکم دیا تو اس نے اسے کچوکا دیا تو

لِتَعَدِّيهِ فِي الْإِيقَافِ أَيْضًا، وَكَمَا لَوْ كَانَ بِإِذْنِهِ وَوَطِئَتْ أَحَدًا فِي فَوْرِهَا فَدَمُهُ عَلَيْهِمَا؛ وَلَوْ نَفَحَتْ النَّاخِسَ فَدَمُهُ هَدَرٌ وَلَوْ أَلْقَتْ الرَّاكِبَ فَقَتَلَتْهُ فَدِيَتُهُ عَلَى عَاقِلَةِ النَّاخِسِ ثُمَّ النَّاخِسُ إِنَّمَا يَضْمَنُ

کیونکہ کھڑا کرنے کے ساتھ وہ بھی تعدی کرنے والا تھا اور جس طرح اس نے سوار کی اجازت سے اسے ضرب لگائی تھی یا کچوکا دیا تھا اور اس نے فی الفور کسی کو روند دیا تھا تو اس کا خون دونوں پر رائیگاں جائے گا۔ اگر کچوکا لگانے والے کو اس نے پچھلے پاؤں سے ضرب لگائی تو اس کا خون رائیگاں جائے گا اگر اس نے سوار کو نیچے پھینک دیا اور اس کو قتل کر دیا تو اس کی دیت کچوکا دینے والے کی عاقلہ پر ہوگی پھر کچوکا لگانے والا ضامن ہوگا۔

اس نے پاؤں سے ضرب لگائی تو ضمان لازم ہوگی۔ اگر اجازت کے بغیر ہو تو مکمل ضمانت کچوکا لگانے والے پر ہوگی۔

''طحطاوی'' نے ''المنتقی'' سے نقل کیا ہے: ایک آدمی ہے جو راستہ میں اپنی سواری پر بیٹھا ہوا ہے اس نے ایک آدمی کو کہا تو اس نے سواری کو کچوکا دیا تو سواری نے ایک دوسرے آدمی اور آمر کو قتل کر دیا تو اجنبی کی دیت دونوں پر ہوگی اور آمر کا خون رائیگاں چلا جائے گا۔ اگر وہ سواری اپنی جگہ سے چل پڑی پھر اس نے کچوکا لگانے کے فوراً بعد پاؤں سے ضرب لگا دی تو ضمان صرف کچوکا لگانے والے پر ہوگی اگر وہ نہ چلے اور اس نے کچوکا لگانے والے اور دوسرے آدمی کو ضرب لگائی تو اجنبی کی دیت دونوں پر ہوگی۔ اور کچوکا لگانے والے کی نصف دیت سوار پر ہوگی، ملخص۔

اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ دونوں کی ضمان بھی اس امر کے ساتھ مقید ہوگی جب وہ اپنی جگہ سے نہ چلے ورنہ صرف کچوکا لگانے والا ضامن ہوگا جس طرح اگر وہ سواری کی اجازت کے بغیر کچوکا لگائے۔

35693۔ (قولہ: لِتَعَدِّيهِ فِي الْإِيقَافِ) اگر وہ سواری رک گئی اور ٹھہر گئی تو اس نے یا کسی اور نے اسے کچوکا دیا تا کہ وہ چل پڑے تو ان دونوں پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ ''طحطاوی'' نے اسے نقل کیا ہے۔

35694۔ (قولہ: أَيْضًا) یعنی جس طرح کچوکا دینے والا کچو کے ساتھ حد سے تجاوز کرتا ہے۔ ''ط''۔

35695۔ (قولہ: وَوَطِئَتْ) یعنی چلتے ہوئے کسی کو روند دے، ''ہدایہ''۔ روندنے کی جو قید لگائی ہے یہ پاؤں سے ضرب لگانے والے وغیرہ کو خارج کرنا مقصود ہے۔ پس جو اجازت کے ساتھ ضرب لگاتا ہے وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا جس طرح وہ گزر چکا ہے۔ ''خانیہ'' میں ہے: یہاں کچوکا لگانے والا ضمانت نہیں دے گا جب تک سوار اسے پاؤں، دم وغیرہ کی ضرب کی ضمانت اسے نہیں دے گا۔

35696۔ (قولہ: فَدَمُهُ عَلَيْهِمَا) کیونکہ اس وقت اس کا چلنا ان دونوں افراد کی طرف منسوب ہوگا پھر کیا کچوکا لگانے والا سوار سے اس چیز کی واپسی کا مطالبہ کرے گا جو اس نے روندنے کی ضمانت دی ہے۔ کیونکہ یہ عمل اس کے کہنے پر یہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہاں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے نہیں۔ ''ہدایہ'' میں اس کی تصحیح کی ہے۔

35697۔ (قولہ: فَدِيَتُهُ عَلَى عَاقِلَةِ النَّاخِسِ) یعنی اگر اس کی اجازت کے بغیر ہو اگر اس کی اجازت کے ساتھ

لَوِ الْوَطْءُ فَوْرَ النَّخْسِ وَإِلَّا فَالضَّمَانُ عَلَى الرَّاكِبِ لِانْقِطَاعِ أَثَرِ النَّخْسِ دُرَرٌ وَبَزَّازِيَّةٌ (وَ) ضَمِنَ (فِي فَقْءِ عَيْنِ دَجَاجَةٍ أَوْ شَاةِ قَصَّابٍ) أَوْ غَيْرِهِ

اگر روندنے کا عمل کچوکا لگانے کے فوراً بعد ہو ورنہ ضمان سوار پر ہوگی۔ کیونکہ کچوکے کا اثر ختم ہو چکا ہے، ''درر''، ''بزازیہ''۔ قصاب یا کسی اور کی مرغی یا بکری کی آنکھ پھوڑنے میں اس کی ضمانت دے گا

ہوتو وہ ضامن نہیں ہوگا۔

35698۔ (قولہ: لَوِ الْوَطْءُ فَوْرَ النَّخْسِ) اسی طرح نفحہ (پاؤں سے ضرب لگانا) ضرب اور (مارنا) اور وثبہ (اچھلنا) ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

تتمہ: سوار کے ساتھ صرف کچوکا لگانے والے کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔ ''الملتقی'' کے متن میں کہا: اس طرح کا حکم ہے جب کچوکا لگائے اور اس کے ساتھ ہانکنے والا ہو یا اس کو آگے سے پکڑ کر چلنے والا ہو۔ اگر راستہ میں گری ہوئی چیز اسے کچوکا لگائے تو ضمان اس شخص پر ہوگی جس نے اس چیز کو گاڑا۔ اس میں کوئی فرق نہیں جب کچوکا لگانے والا بچہ ہو یا بالغ ہو اگر وہ غلام ہو تو ضمان اس کی گردن میں ہوگی اس فصل اور جو اس سے ماقبل ہے۔ اس سب کا خلاصہ یہ ہے اگر ہلاک ہونے والا انسان ہو تو دیت اس کی عاقلہ پر ہوگی اگر اس کے علاوہ جیسے جانور تو ضمان جنایت کرنے والے کے مال میں ہوگی۔

جہاں تک ''ہدایہ'' کا قول ہے: اگر کچوکا لگانے والا بچہ ہو تو ضمان اس کے مال میں ہوگی۔ علامہ ''نسفی'' نے ''الکافی'' میں کہا: یہ احتمال ہے کہ یہ مراد لیا جائے جب جنایت مال پر ہو یا جس میں موضحہ کی دیت سے کم لازم آتا ہو۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد بچہ لیا جائے جب وہ عجمیوں میں سے ہو۔ کیونکہ ان کی کوئی عاقلہ نہیں ہوتی ''کفایہ''۔ اور ''الملتقی'' میں ہے: جہاں کچوکے کا خصوصی ذکر کیا ہے کیونکہ اگر وہ اپنا ہاتھ گھوڑے کی پشت پر رکھے جب کہ اس کی عادت یہ ہو کہ ٹانگ سے ضرب لگاتا ہے تو اس گھوڑے نے ایسا کر دیا اور اس نے کسی شے کو تلف کر دیا تو وہ ہاتھ رکھنے والا ضامن نہ ہوگا۔ کچوکا لگانے کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اضطراب اسے لازم ہے نہ کہ ہاتھ رکھنے سے جس طرح ''برجندی'' میں ''القنیہ'' سے مروی ہے۔

''تاتر خانیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے راستہ میں کسی شے کو رکھا تو اس سے سواری بدک گئی اور ایک آدمی کو قتل کر دیا تو واضع پر کوئی شے لازم نہ ہوگی جب وہ شے کسی شے کو ہلاک نہ کرے۔ لیکن ''طحطاوی'' میں ''المحیط السرخی'' سے نقل کیا ہے: اگر سواری اس پتھر سے بدک گئی جسے ایک آدمی نے راستہ پر رکھا ہو تو رکھنے والا کچوکا لگانے والے کے قائم مقام ہے۔

35699۔ (قولہ: وَفِي فَقْءِ عَيْنِ دَجَاجَةٍ) اس کی مثل کبوتر اور اس کے علاوہ پرندے ہیں۔ اسی طرح کتا اور بلی ہے جس طرح ''ذخیرہ'' میں ہے، ''قہستانی''۔

35700۔ (قولہ: أَوْ غَيْرِهِ) اسی وجہ سے ''ابن کمال'' سے قصاب کی طرف اضافت کو ترک کر دیا ہے اور کہا: کیونکہ

(مَا نَقَصَهَا) لِأَنَّهَا لِلَّحْمِ (وَفِي عَيْنَيْهَا يُخَيَّرُ رَبُّهَا إنْ شَاءَ تَرَكَهَا عَلَى الْفَاقِئِ وَضَمَّنَهُ قِيمَتَهَا أَوْ أَمْسَكَهَا وَضَمَّنَهُ النُّقْصَانَ زَيْلَعِيٌّ (وَفِي عَيْنِ بَقَرَةِ جَزَّارٍ وَجَزُورِهِ) أَيْ إبِلِهِ فَائِدَةُ الْإِضَافَةِ عَدَمُ اعْتِبَارِ الْإِعْدَادِ لِلَّحْمِ فِي الْحُكْمِ الْآتِي ابْنُ كَمَالٍ (وَحِمَارٍ وَبَغْلٍ وَفَرَسٍ رُبْعُ الْقِيمَةِ) لِأَنَّهُ إقَامَةُ الْعَمَلِ،

اس قدر اس کا نقصان ہوا۔ کیونکہ یہ گوشت کے لیے ہوتی ہیں اور اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ دینے کی صورت میں اس کے مالک کو اختیار ہوگا۔ اگر چاہے تو اسے آنکھ پھوڑنے والے کے پاس چھوڑ دے اور اس کی قیمت کی ضمانت لے لے یا اس کو اپنے پاس روک لے اور نقصان کی ضمانت لے لے، ''زیلعی''۔ قصاب کی گائے اور اس کے اونٹ اور عام گدھے، خچر اور گھوڑے کی آنکھ کے پھوڑنے میں اس کی قیمت کے چوتھائی کا ضامن ہوگا۔ یہاں اضافت کا فائدہ یہ ہے کہ آنے والے حکم میں انہیں گوشت کے لیے تیار کیے جانے کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ کیونکہ ان سے جو کام لیا جاتا ہے

اس میں اختصاص کا گمان ہے خصوصاً جب آنے والی تعلیل کو پیش نظر رکھا جائے جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔

35701_(قولہ: مَا نَقَصَهَا) پس جس کی آنکھ صحیح ہو اور جس کی آنکھ پھوڑی جا چکی ہو اس کی قیمت لگائی جائے گی پس وہ زائد کا ضامن ہوگا، ''قہستانی''۔ اور نقصان اس کو شامل ہوگا جو آنکھ کو پھوڑ دینے سے کمزوری سے حاصل ہوا۔ ''طحطاوی'' نے ''وانی'' سے نقل کیا ہے۔

35702_(قولہ: لِأَنَّهَا لِلَّحْمِ) پس اس میں صرف نقصان کا اعتبار ہوگا۔ ''ابن کمال''۔

میں کہتا ہوں: یہ کتے اور بلی وغیرہ کو شامل نہیں ہوگا لیکن اس میں نقصان کا ضمان اس قاعدہ پر جاری ہوگا جو متلفات کی ضمان میں ہے۔ جہاں تک قیمت کی چوتھائی کی ضمانت کا تعلق ہے تو وہ آنے والے مسئلہ میں ہے۔ پس وہ قیاس کے مخالف ہے اور نص پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے۔

35703_(قولہ: وَفِي عَيْنَيْهَا الخ) یہ وہ ہے جسے ''زیلعی'' نے گائے وغیرہ میں ذکر کیا ہے اور اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ جس پر عمل ہے وہ نص ہے اور وہ نص ایک آنکھ میں وارد ہوئی ہے۔ پس اسی پر اکتفا کیا جائے گا، تامل۔

35704_(قولہ: أَيْ إبِلِهِ) ''قاموس'' میں کہا: ابل کا لفظ واحد ہے جو جمع پر واقع ہوتا ہے اس کی جمع نہیں بنائی جاتی اور نہ ہی اسم جمع ہے اس کی جمع آبال ہے، فافہم

35705_(قولہ: فَائِدَةُ الْإِضَافَةِ الخ) تا کہ یہ وہم نہ ہو کہ دونوں کیونکہ گوشت کے لیے تیار کیے جاتے ہیں تو ان کا حکم بکری کا حکم ہوگا بلکہ خواہ وہ گوشت کے لیے، کھیتی کے لیے یا سواری کے لیے تیار کیے گئے ہیں تو ان میں چوتھائی قیمت لازم ہوگی جس طرح اس چیز کا حکم ہے جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا۔ ''منح''۔

35706_(قولہ: وَحِمَارٍ) ''خلاصہ'' میں ''المنتقی'' سے مروی ہے: جس پر اس کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے کوئی شے نہ لادی جا سکے جیسے فصیل اور جحش ہے تو اس کی آنکھ کے ضائع ہونے میں چوتھائی قیمت لازم ہوگی۔

إِنَّمَا يكون بِأَرْبَعِ أَعْيُنٍ وَعَيْنَاهَا وَعَيْنَا مُسْتَعْمِلِهَا فَصَارَتْ كَأَنَّهَا ذَاتُ أَعْيُنٍ أَرْبَعٍ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَالشَّاةِ وَالْفَرْقُ مَا قَدَّمْنَاهُ لَكِنْ يَرِدُ عَلَيْهِ أَنَّهُ لَوْ فَقَأَ عَيْنَيْ حِمَارٍ مَثَلًا أَنَّهُ يَضْمَنُ نِصْفَ قِيمَتِهِ وَلَيْسَ كَذَلِكَ كَمَا مَرَّ

وہ آنکھوں سے ہی ہوتا ہے آنکھیں چار ہوتی ہیں دو آنکھیں اس جانور کی دو آنکھیں اس کے مستعمل کی۔ پس وہ جانور یوں ہو گیا گویا اس کی چار آنکھیں ہیں امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ جانور بکری کی طرح ہیں فرق وہ ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے اگر وہ مثلاً گدھے کی دونوں آنکھوں کو پھوڑ دے تو وہ اس کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا جب کہ معاملہ اس طرح نہیں جس طرح گزر چکا ہے۔

میں کہتا ہوں: جسے ''قہستانی'' نے ''المنتقی'' سے نقل کیا ہے کہ فصیل میں نقصان لازم ہوگا، تامل۔ پھر میں نے ''جامع الفصولین'' میں ''المنتقی'' سے نقل کیا ہے جس طرح ''خلاصہ'' میں ہے۔

35707۔ (قولہ: وَالْفَرْقُ مَا قَدَّمْنَاهُ) یعنی اس قول لان اقامۃ العمل بھا میں فرق بیان کر چکے ہیں۔ ''ہدایہ'' میں کہا: ہماری دلیل ہے جو روایت کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کی آنکھ میں چوتھائی قیمت کا فیصلہ کیا(1) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح فیصلہ فرمایا۔ کیونکہ اس میں گوشت کے علاوہ اور مقاصد ہیں جیسے سواری کرنا زینت حاصل کرنا، سامان لادنا اور مزدوری کرنا۔ اس وجہ سے یہ آدمی کے مشابہ ہوگئیں۔ بعض اوقات انہیں کھانے کے لیے پکڑا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ ماکولات کے مشابہ ہو جاتی ہیں۔ پس ہم نے دونوں مشابہتوں پر عمل کیا ہے چوتھائی مال واجب کرنے میں آدمی کے ساتھ مشابہت کا اور نصف کی نفی میں دوسری شے کے ساتھ مشابہت پر عمل کیا ہے۔ کیونکہ اس سے کام لینا ہو تو چار آنکھوں سے ممکن ہے، الخ۔

35708۔ (قولہ: لَكِنْ يَرِدُ عَلَيْهِ) یعنی مذکورہ فرق پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے۔ ''فخر الاسلام'' نے کہا: قابل اعتماد چیز وہ پہلی تعلیل ہے یعنی جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کیونکہ دونوں آنکھوں کی ضمان نصف قیمت سے نہیں دی جاتی، ''اتقانی''۔ یعنی جہاں تک تعلیل کا تعلق ہے کہ وہ چار آنکھوں والی ہوگئی ہے تو اس سے دو آنکھوں کی ضمانت نصف قیمت کے ساتھ لازم ہوتی ہے۔

35709۔ (قولہ: أَنَّهُ يَضْمَنُ) یہ ان کے قول انہ لوفقأ سے بدل ہے اور مصدر مؤول محذوف کا فاعل ہے اور یہ لو کا جواب ہے اس کی تقدیر یلزمہ انہ یضمن ہے، تامل

35710۔ (قولہ: وَلَيْسَ كَذَلِكَ) یعنی وہ نصف کی ضمانت نہیں دے گا جس طرح ''ہدایہ'' کے شارحین نے وضاحت کی ہے۔

35711۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) اور ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے یہ علت بیان کی ہے کہ معمول بہ نص ہے جب کہ نص ایک آنکھ میں وارد ہوئی ہے پس اس کا اکتفا اس پر ہوگا۔

1۔ المصنف لابن ابی شیبہ، جلد 5، صفحہ 402۔ نصب الرایۃ، کتاب الدیات، باب جنایۃ البہیمۃ، جلد 5، صفحہ 176

فَالْأَوْلَى التَّمَسُّكُ بِمَا رُوِيَ أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضَى فِي عَيْنِ الدَّابَّةِ بِرُبْعِ الْقِيمَةِ وَالتَّقْيِيدُ بِالْعَيْنِ لِأَنَّهُ لَوْ قَطَعَ أُذُنَهَا أَوْ ذَنَبَهَا يَضْمَنُ نُقْصَانَهَا، وَكَذَا اللِّسَانُ الثَّوْرِ وَالْحِمَارِ وَقِيلَ جَمِيعَ الْقِيمَةِ كَمَا لَوْ قَطَعَ إحْدَى قَوَائِمِهَا فَإِنَّهُ يَضْمَنُ قِيمَتَهَا وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى أَيْ لَوْ غَيْرَ مَأْكُولٍ وَإِنْ مَأْكُولًا خُيِّرَ كَمَا مَرَّ فِي الْعَيْنَيْنِ لَكِنْ فِي الْعُيُونِ إنْ أَمْسَكَهُ لَا يُضَمِّنُهُ شَيْئًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى

اولیٰ یہ ہے کہ اس سے تمسک کیا جائے جو روایت کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کی آنکھ میں چوتھائی قیمت کا فیصلہ کیا(1)۔ آنکھ کی قید لگائی ہے کیونکہ وہ اس کا کان یا دم کاٹ دے تو وہ اس کے نقصان کا ضامن ہوگا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر بیل اور گدھے کی زبان کاٹ دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام قیمت کی ضمانت دے گا جس طرح اگر وہ اس کا ایک پاؤں کاٹ دے تو وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ اس پر فتویٰ ہے یعنی اگر وہ ایسا جانور ہو جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا۔ اگر اس کا گوشت کھایا جاتا ہو تو اس کو اختیار ہوگا جس طرح دونوں آنکھوں میں حکم گزر چکا ہے۔ لیکن ''عیون'' میں ہے: اگر مالک اس کو اپنے پاس روک لے گا تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی شے کی ضمانت نہ دے گا۔ اس پر فتویٰ ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ آنکھ کی چوتھائی کے ساتھ ضمانت یہ قیاس کے مخالف ہے اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا بلکہ نص پر اکتفا کیا جائے گا۔ اسی وجہ سے کہا: زیادہ بہتر یہ ہے کہ روایت سے تمسک کیا جائے۔

35712۔(قولہ: وَالتَّقْيِيدُ بِالْعَيْنِ) مصنف نے اپنے قول د فی عین بقرۃ کے ساتھ قید لگائی ہے۔

35713۔(قولہ: وَقِيلَ جَمِيعَ الْقِيمَةِ) کیونکہ وہ چارہ نہیں کھا سکتا۔ ''تحفۃ الاقران'' اور ''القنیہ'' میں اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے دوسرے علماء نے قیل کا قول کیا ہے۔ ''سائحانی''۔

35714۔(قولہ: أَيْ لَوْ غَيْرَ مَأْكُولٍ) کیونکہ یہ اسے ہر اعتبار سے ہلاک کرنا ہے۔ ''ہدایہ''۔

35715۔(قولہ: وَإِنْ مَأْكُولًا خُيِّرَ) یعنی اسے قطع کرنے والے کے پاس چھوڑ دے اور اس کی قیمت کی ضمانت لے لے اور اسے اپنے پاس روک لے اور نقصان کی ضمانت لے لے۔ ''الہدایہ'' کی کتاب الغصب میں ہے: یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہر روایت ہے اور آپ سے روایت مروی ہے: اگر چاہے تو اس کو لے لے اور اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔ پہلا قول اصح ہے۔ اسی پر متون اور شروح ہوں گی۔ ہم نے کتاب الغصب میں اس پر کلام کی ہے۔

35716۔(قولہ: لَكِنْ فِي الْعُيُونِ إنْ أَمْسَكَهُ لَا يُضَمِّنُهُ شَيْئًا الخ) یعنی اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ماکول کو اپنے پاس روک لے اور نقصان کی ضمانت اٹھائے اس تعبیر کی بنا پر ماکول اور غیر ماکول میں کوئی فرق نہیں تو یہ جان چکا ہے کہ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ ظاہر روایت یہ ہے کہ ماکول میں اختیار ہوگا۔ یہی اصح ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے جس طرح ''جامع الفصولین'' میں ہے۔ کیونکہ کہا: ''ابوجعفر'' سے مروی ہے: اگر اس نے بکری لے لی تو

1۔ المصنف لابن ابی شیبہ، جلد 5، صفحہ 402۔ نصب الرایہ، کتاب الدیات، باب جنایۃ البہیمۃ، جلد 5، صفحہ 176

وَعَرَجُهَا كَقَطْعِهَا فُرُوعٌ نَقَلَ الْمُصَنِّفُ عَنِ الدُّرَرِ لَهُ كَلْبٌ يَأْكُلُ عِنَبَ الْكَرْمِ فَأَشْهَدَ عَلَيْهِ فِيهِ فَلَمْ يَحْفَظْهُ حَتَّى أَكَلَ الْعِنَبَ لَمْ يَضْمَنْ وَإِنَّمَا يَضْمَنُ فِيمَا أُشْهِدَ عَلَيْهِ فِيمَا يُخَافُ تَلَفُ بَنِي آدَمَ كَالْحَائِطِ الْمَائِلِ وَنَطْحِ الثَّوْرِ وَعَقْرِ كَلْبٍ عَقُورٍ فَيَضْمَنُ إِذَا لَمْ يَحْفَظْهُ قَالَ الْمُصَنِّفُ وَيُمْكِنُ حَمْلُ الْمُتْلَفِ فِي قَوْلِ الزَّيْلَعِيِّ وَإِنْ أَتْلَفَ الْكَلْبُ فَعَلَى صَاحِبِهِ الضَّمَانُ إِنْ كَانَ تَقَدَّمَ عَلَيْهِ قَبْلَ الْإِتْلَافِ وَإِلَّا فَلَا كَالْحَائِطِ الْمَائِلِ عَلَى الْآدَمِيِّ فَيَحْصُلُ التَّوْفِيقُ

اس کا لنگڑا ہونا اس کے کاٹنے کی طرح ہے۔ فروع: مصنف نے ''الدرر'' سے یہ نقل کیا ہے: ایک شخص کا ایک کتا ہے جو بیلوں کے انگور کھاتا ہے اس کے مالک نے اس بارے میں اس پر گواہیاں قائم کیں تو باغ کے مالک نے اس کی حفاظت نہ کی یہاں تک کہ وہ انگور کھا گیا تو ضامن نہ ہوگا۔ بے شک وہ اس میں ضامن ہوگا جب وہ ایسے معاملہ میں گواہیاں قائم کرے جس میں اسے بنی آدم کے تلف ہونے کا خوف ہو جس طرح ایسی دیوار جو جھکی ہوئی ہو، بیل کا سینگ مارنا، کاٹنے والے کتے کے کاٹنے کے بارے میں۔ پس جب وہ اس کی حفاظت نہیں کرے گا تو ضامن ہوگا۔ مصنف نے کہا: ''زیلعی'' کے قول میں تلف شدہ کو آدمی پر محمول کرنا ممکن ہے اگر کتا کسی شے کو تلف کرتا ہے تو اس کے مالک پر ضمان ہوگا اگر تلف کرنے سے پہلے اس پر گواہ قائم کر چکا ہو ورنہ اس طرح نہیں ہوگا جس طرح جھکی ہوئی دیوار ہو۔ پس تطبیق حاصل ہو جاتی ہے۔

اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔ ظاہر روایت پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے بعد نقل کیا ہے ظاہر روایت میں جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے اور جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے وہ برابر ہیں اگر وہ اسے اپنے پاس روک لے تو اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔ کہا: یہ قول اس کی تائید کرتا ہے جو ''ابو جعفر'' سے حکایت کیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ظاہر روایت سے جو قول منقول ہے اور جس پر فتویٰ دیا گیا اس میں اختلاف ہے تو جس پر متون ہیں اور شروح ہیں تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ ''ہدایہ'' میں اس کی تصحیح کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

35717۔(قولہ: وَعَرَجُهَا كَقَطْعِهَا) ''جامع الفصولین'' میں کہا: اگر ایک آدمی نے ایک جانور کو مارا تو وہ لنگڑا ہو گیا تو وہ اس طرح ہے جس طرح اس کی ٹانگ کاٹ دی گئی ہو۔

35718۔(قولہ: فَيَحْصُلُ التَّوْفِيقُ) گویا انہوں نے ''الدرر'' کے کلام سے سمجھا ہے کہ انسان کے علاوہ میں کتے کے کسی شے کو تلف کرنے میں کوئی ضمان نہ ہوگی۔ یہ مراد نہیں اس کے کلام کا معنی ہے جس سے آدمی کے تلف ہونے کا خوف ہو تو اس میں گواہی ضمان کا موجب ہوگی جب اس کے بعد تلف واقع ہو خواہ جسے تلف کیا گیا ہے وہ مال ہے یا آدمی ہے۔ اور جس سے آدمی کے تلف ہونے کا خوف نہ ہو بلکہ اس سے صرف مال کے تلف ہونے کا خوف ہو جس طرح بیلوں کے انگور تو اس میں گواہ بنانا کوئی فائدہ نہ دے گا۔ اس پر یہ امر دلالت کرتا ہے کہ اسے جھکی ہوئی دیوار کے ساتھ تشبیہ دی جائے۔ کیونکہ اس میں گواہ بنانا مال اور نفس کی ضمان کا موجب ہے ''رملی''۔ یہ بہت اچھا کلام ہے جو مخالفت کو اس کی اصل سے ہی ختم کر دینے والا ہے۔ پس ''زیلعی'' کے کلام

قُلْت وَقَدْ وَقَعَ الِاسْتِفْتَاءُ عَمَّنْ لَهُ نَحْلٌ يَضَعُهُ فِي بُسْتَانِهِ فَيَخْرُجُ فَيَأْكُلُ عِنَبَ النَّاسِ وَفَوَاكِهَهُمْ هَلْ يَضْمَنُ رَبُّ النَّحْلِ مَا أَتْلَفَهُ النَّحْلُ مِنْ الْعِنَبِ وَنَحْوِهِ أَمْ لَا وَهَلْ يُؤْمَرُ بِتَحْوِيلِهِ عَنْهُمْ إلَى مَكَانٍ آخَرَ أَمْ لَا وَجَوَابُهُ أَنَّهُ لَا يَضْمَنُ رَبُّهُ شَيْئًا مُطْلَقًا أَشْهَدُوا عَلَيْهِ أَمْ لَا أَخْذًا مِنْ مَسْأَلَةِ الْكَلْبِ بَلْ أَوْلَى وَكَذَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ فِي مَعِينِهِ

میں کہتا ہوں: ایسے آدمی کے بارے میں فتویٰ طلب کیا گیا جس کی شہد کی مکھیاں ہوں جنہیں وہ اپنے باغ میں رکھتا ہے۔ پس وہ اس سے نکلتی ہیں اور لوگوں کے انگور اور پھل کھاتی ہیں۔ کیا شہد کی مکھیوں کا مالک اس کا ضامن ہوگا جو مکھیوں سے انگور وغیرہ تلف کیے یا ضامن نہیں ہوگا۔ کیا اس کی جگہ سے کسی اور جگہ کی طرف منتقل کرنے کا حکم دیا جائے گا یا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے اس کا مالک مطلقاً کسی شے کی ضمانت نہیں دے گا ان مالکوں نے اس پر گواہ بنائے ہوں یا گواہ نہ بنائے ہوں۔ یہ انہوں نے کتے والے مسئلہ سے اخذ کیا ہے بلکہ بدرجہ اولیٰ ضامن نہیں ہوگا۔ مصنف نے اپنی ''معین'' میں اس طرح ذکر کیا ہے۔

کو مطلقاً تلف کرنے پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ ان کی کلام میں جو لفظ کلب واقع ہے اس سے مراد کاٹنے والا کتا ہے جس طرح اس کی تصریح کی ہے۔ پس یہ ان میں سے ہے جس سے آدمی کے تلف ہو جانے کا خوف ہوتا ہے جس طرح جھکی ہوئی دیوار اور سینگ مارنے والا بیل۔ انگور کھانے والے کتے کا معاملہ مختلف ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ سب اس کے مخالف ہے جسے شارح نے باب القود فیما دون النفس میں قاضی ''بدیع'' سے نقل کیا ہے کہ گواہ بنانا یہ صرف دیوار میں ہوتا ہے حیوان میں نہیں ہوتا۔

''خیریہ'' میں اس گھوڑے کے بارے میں ضمان کا فتویٰ دیا ہے جو درختوں سے کاٹنے کا عادی ہو اور اس پر گواہیاں قائم کر دی گئی ہوں۔ اسی طرح کا حکم سینگ مارنے والے بیل کے بارے میں ہے۔ ''بزازیہ'' میں ''المنیہ'' سے بیل کے سینگ کے بارے میں کہا: وہ گواہوں کے بغیر نفس اور مال میں ضامن ہوگا۔ مسئلہ میں اختلاف ہے اور اکثر علما ضمان کے قائل ہیں جس طرح جھکی ہوئی دیوار کا حکم ہے۔ ''حامدیہ'' میں اس کے متعلق یہی فتویٰ دیا ہے۔

35719_(قولہ: قُلْت) یہ بھی مصنف کا ''المنح'' میں قول ہے۔

35720_(قولہ: أَخْذًا مِنْ مَسْأَلَةِ الْكَلْبِ) یعنی انگور کھانے والے کتے کا مسئلہ۔ اس سے آدمی کے تلف ہونے کا خوف نہیں۔

35721_(قولہ: بَلْ أَوْلَى) کیونکہ وہ پرندہ ہے۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اس پر ضمانت نہیں جب ایک آدمی نے اپنا پرندہ چھوڑا جسے انگیخت دی یا نہ دی۔ جانور اور کتے کا معاملہ مختلف ہے۔ یہاں اس نے شہد کی مکھی کو نہیں چھوڑا اور اسے اصلاً انگیخت دی ہے تو اس میں بدرجہ اولیٰ ضمانت نہ ہوگی اور نہ شہد کی مکھی کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اذن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ (النحل: 69) پھر تو ہر پھل سے کھا۔

35722_(قولہ: فِي مَعِينِهِ) یعنی ان کی کتاب جسے ''معین المفتی'' کہتے ہیں۔

لَكِنْ رَأَيْت فِي فَتْوَاهُ أَنَّهُ أَفْتَى بِالضَّمَانِ فِي مَسْأَلَةِ النَّحْلِ فَرَاجِعْهُ عِنْدَ الْفَتْوَى وَأَمَّا تَحْوِيلُهُ عَنْ مِلْكِهِ فَلَا يُؤْمَرُ بِذَلِكَ عَلَى مَا هُوَ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ وَأَمَّا جَوَابُ الْمَشَايِخِ فَيَنْبَغِي أَنْ يُؤْمَرَ بِتَحْوِيلِهِ إذَا كَانَ الضَّرَرُ بَيِّنًا عَلَى مَا عَلَيْهِ الْفَتْوَى وَفِي الصَّيْرَفِيَّةِ حِمَارٌ يَأْكُلُ حِنْطَةَ إنْسَانٍ فَلَمْ يَمْنَعْهُ حَتَّى أَكَلَ الصَّحِيحُ ضَمَانُهُ أَدْخَلَ غَنَمًا أَوْ ثَوْرًا أَوْ فَرَسًا أَوْ حِمَارًا فِي زَرْعٍ أَوْ كَرْمٍ إنْ سَائِقًا ضَمِنَ مَا أَتْلَفَ وَإِلَّا لَا،

لیکن میں نے ان کے فتویٰ میں دیکھا ہے کہ انہوں نے شہد کی مکھیوں کے بارے میں ضمان کا فتویٰ دیا ہے۔ پس فتویٰ کے وقت اس کی طرف رجوع کیجئے۔ جہاں تک اپنی مملوکہ جگہ سے کسی اور جگہ کی طرف منتقل کرنے کا تعلق ہے تو اسے اس کا حکم نہیں دیا جائے گا جیسا کہ ظاہر مذہب ہے۔ جہاں تک مشائخ کے جواب کا تعلق ہے۔ پس چاہیے کہ وہاں سے اسے منتقل کرنے کا حکم دیا جائے گا جب ضرر واضح ہو جس پر فتویٰ ہے۔ ''صیرفیہ'' میں ہے: ایک گدھا ایک انسان کی گندم کھاتا ہے اور مالک اس سے اس کو نہیں روکتا یہاں تک کہ وہ گندم کھا جاتا ہے صحیح یہ ہے کہ اس پر ضمانت لازم ہوگی۔ ایک آدمی نے ریوڑ، بیل، گھوڑا یا گدھا کھیتی میں یا انگور کی بیلوں میں داخل کر دیا اگر وہ ہانکنے والا ہو تو اس نے جو شے تلف کی ہوگی اس کا ضامن ہوگا ورنہ ضامن نہیں ہوگا۔

35723۔ (قولہ: فَرَاجِعْهُ عِنْدَ الْفَتْوَى) تو نے یہ جان لیا کہ منقول کے صراحۃ اور دلالۃ جو موافق ہے وہ پہلا قول ہے۔ پس اس پر اعتماد ہوگا۔

35724۔ (قولہ: عَلَى مَا هُوَ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ) یہ وہ ہے جسے کتاب القسمہ سے تھوڑا پہلے بیان کیا ہے کہ اسے اپنی مملوکہ چیز میں تصرف کا حق ہے اگرچہ اس کے پڑوسی کو ضرر لاحق ہے۔

35725۔ (قولہ: وَأَمَّا جَوَابُ الْمَشَايِخِ) جس کا ضرر واضح ہو اس سے اس کو روکا جائے گا۔

35726۔ (قولہ: عَلَى مَا عَلَيْهِ الْفَتْوَى) زیادہ واضح یہ قول ہے: وھو ما علیہ الفتوی۔

35727۔ (قولہ: حِمَارٌ يَأْكُلُ حِنْطَةَ إنْسَانٍ الخ) اس کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اگر گدھا دیکھنے والے کے علاوہ کسی اور کا ہو کتاب اللقطہ میں ان کے کلام سے یہی مستفاد ہے۔ جو قول ''القنیہ'' وغیرہ میں ہے ایک آدمی نے اپنا گدھا دیکھا الخ یہ قول اضافت کے ساتھ ہے اور ضمیر دیکھنے والے کے لیے ہے۔ تامل۔

پھر میں نے ''جامع الفصولین'' پر ''حاشیہ رملی'' میں احکام السکوت میں دیکھا جس کی نص یہ ہے: میں کہتا ہوں: اگر ایک آدمی کسی اور کا گدھا دیکھے جو کسی اور کی گندم کھا رہا ہو اور اسے نہ روکے تو یہ واقعۃ الفتویٰ ہو جائے گا۔

پس میں نے اس کا جواب دیا کہ وہ ضامن نہیں ہوگا۔ فرق ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ اس کے گدھے کا فعل اس کی طرف منسوب ہوگا جب کہ منفعت اس کی طرف لوٹتی ہو اور اس کا روکنا ممکن ہو۔ پس ضمان کی علت قوی ہو گئی۔ دوسرے کے گدھے کا معاملہ مختلف ہوتا ہے، تامل۔

وَقِيلَ يَضْمَنُ وَتَمَامُهُ فِي الْبَزَّازِيَّةِ
ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے ضمانت لی جائے گی۔ اس کی مکمل وضاحت ''بزازیہ'' میں ہے۔

35728۔ (قولہ: وَقِيلَ يَضْمَنُ) یعنی اگر چہ وہ اس کو نہ ہانکے اسے اس پر قیاس کیا ہے جب اس کے گھر میں اونٹ ہوتو دوسرے آدمی نے ایک اونٹ داخل کر دیا جو پہلے سے ہی مست تھا تو اس اونٹ نے گھر کے مالک کے اونٹ کو قتل کر دیا۔ اگر گھر کے مالک کی اجازت کے بغیر ایسا کیا تو وہ ضامن ہوگا جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔ مغتلم سے مراد جو ہیجان میں مبتلا ہو مست ہو۔

میں کہتا ہوں: اس قول کا راجح ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اس کے موافق ہے جو باب کے شروع میں گزرا ہے کہ وہ اس چیز کا مطلقاً ضامن ہوگا جو جانور نے کیا جب وہ کسی اور کی ملکیت میں اس کو اس کی اجازت کے بغیر داخل کرے۔ کیونکہ اس نے اس پر تعدی کی ہے مگر جب وہ اس گھر میں داخل نہ کرے تو ''ہدایہ'' میں ہے: اگر ایک آدمی جانور کو کھلا چھوڑ دے تو وہ جانور فوری طور پر کھیتی کو خراب کر دے تو چھوڑنے والا ضامن ہوگا۔ اگر وہ دائیں یا بائیں مائل ہو جائے یا اس کا کوئی اور راستہ ہوتو ضامن نہیں ہوگا۔ اس کی دلیل وہ ہے جو گزر چکی ہے۔

35729۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ فِي الْبَزَّازِيَّةِ) اس میں سے وہ ہے جو ابھی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس میں سے ان کا قول ہے لکڑیوں والے گدھے کو ہانکنے والا جب یہ نہ کہے تو پرے ہو جا۔ بے شک وہ ضامن ہوگا جب گدھا کپڑے والے کی جانب چلے۔ اس کے برعکس صورت میں ضامن نہ ہوگا جب کہ وہ آدمی اس گدھے کو دیکھ رہا ہو اور وہ اس سے دور نہ ہو اور وہاں سے فرار ہونے کی فرصت پائے۔

ایک آدمی نے اپنی کھیتی میں جانور پایا اور اس کو نکالا تو وہ جانور ہلاک ہو گیا تو مختار مذہب یہ ہے اگر باہر نکالنے کے بعد ہانکے تو ضامن ہوگا ورنہ ضامن نہیں ہوگا اور گھر کھیتی کی طرح ہے۔ کیونکہ جانور اس کو نقصان پہنچاتا ہے۔ جانوروں کے باڑے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ اس کا محل ہے۔

ایک آدمی نے اپنا گدھا ایک ستون کے ساتھ باندھا تو ایک دوسرے آدمی نے اپنا گدھا اس کے ساتھ باندھ دیا تو اس گدھے نے پہلے کے گدھے کو کاٹا اگر ایسی جگہ ہو جہاں دونوں کو باندھنے کا اختیار ہو تو ضامن نہ ہوگا ورنہ ضامن ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ جِنَايَةِ الْمَمْلُوكِ وَالْجِنَايَةِ عَلَيْهِ

اعْلَمْ أَنَّ جِنَايَاتِ الْمَمْلُوكِ لَا تُوجِبُ إِلَّا دَفْعًا وَاحِدًا لَوْ مَحَلًّا وَإِلَّا فَقِيمَةٌ وَاحِدَةٌ وَلَوْ فَدَى الْقِنَّ ثُمَّ جَنَى فَكَالْأَوَّلِ ثُمَّ وَثُمَّ بِخِلَافِ الْمُدَبَّرِ وَأُخْتَيْهِ فَإِنَّهَا لَا تُوجِبُ إِلَّا قِيمَةً وَاحِدَةً وَسَيَتَّضِحُ (جَنَى عَبْدٌ خَطَأً) التَّقْيِيدُ بِالْخَطَإِ هُنَا إِنَّمَا يُفِيدُ فِي النَّفْسِ

غلام کے متعلقہ جنایات کا بیان

یہ جان لو کہ مملوک کی جنایت صرف ایک دفعہ مستحقین کے حوالے کر دینے کو واجب کرتی ہے اگر وہ مملوک مستحقین کے حوالے کر دینے کا محل ہو ورنہ ایک قیمت ادا کرنا واجب ہوگی اگر غلام کا فدیہ دیا گیا پھر اس نے جنایت کی تو وہ اول دفعہ کی مانند ہو گا۔ پھر اسی طرح پھر اسی طرح مدبر اور اس کی جو اخت ہیں ان کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ صرف ایک قیمت کو واجب کریں گے اور عنقریب اس کی وضاحت آئے گی ایک غلام نے خطاء جنایت کی یہاں خطا کی قید لگانا یہ نفس میں مفید ہے۔

جب مالک جو آزاد ہے کی جنایت کے ذکر سے فارغ ہوئے تو مملوک کی جنایت سے شروع ہو گئے جب جانور کی جنایت راکب اور اس کے ساتھیوں یعنی ہانکنے والے اور قائد جو مالک ہوتے ہیں کے اعتبار سے ہے تو اس کو قصداً پہلے ذکر کیا۔

35730۔ (قولہ: لَا تُوجِبُ إِلَّا دَفْعًا وَاحِدًا) اگرچہ متعدد اشخاص میں وہ کثیر ہو۔

35731۔ (قولہ: لَوْ مَحَلًّا) یعنی وہ کسی کے حوالے کرنے کا محل ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ قن ہو مکمل غلام ہو آزادی کے اسباب، مدبر بنایا جانا، ام ولد بنایا جانا اور عقد مکاتبہ میں سے کوئی شے منعقد نہ ہو، ''زیلعی''۔

35732۔ (قولہ: وَإِلَّا فَقِيمَةٌ وَاحِدَةٌ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کسی کے حوالے کر دینے کا محل نہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے لیے آزادی کے اسباب میں سے کوئی سبب منعقد ہو چکا ہو تو ایسے غلام کی جنایت ایک قیمت کو واجب کرے گی اور اس سے زائد لازم نہ ہوگا اگرچہ جنایت متکرر ہو، ''زیلعی''۔

35733۔ (قولہ: فَكَالْأَوَّلِ) یعنی اسے اختیار دیا جائے گا کہ وہ غلام مستحق کے حوالے کر دے یا اس کا فدیہ دے دے۔

35734۔ (قولہ: وَأُخْتَيْهِ) یعنی ام ولد اور مکاتب۔

اگر کوئی غلام خطاً جنایت کرے تو اس کا حکم

35735۔ (قولہ: إِنَّمَا يُفِيدُ) یعنی آنے والی اختیار کو بیان کرتی ہے۔

35736۔ (قولہ: فِي النَّفْسِ) یعنی آدمی کا نفس۔ ''تاتر خانیہ'' کے نمبر 9 میں آدمی یا مال پر جو اس کی جنایت واقع ہو گی اس میں فرق کیا ہے۔ پہلی صورت میں مولیٰ کو غلام حوالے کرنے اور فدیہ دینے میں اختیار ہو گا اور دوسری صورت میں غلام

لِأَنَّ بِعَمْدِهِ يُقْتَصُّ وَأَمَّا فِيمَا دُونَهُ فَلَا يُفِيدُ لِاسْتِوَاءِ خَطَئِهِ وَعَمْدِهِ فِيهَا دُونَهَا، ثُمَّ إِنَّمَا يَثْبُتُ الْخَطَأُ بِالْبَيِّنَةِ أَوْ إِقْرَارِ مَوْلَاهُ، أَوْ عِلْمِ الْقَاضِي لَا بِإِقْرَارِهِ أَصْلًا بَدَائِعُ قُلْت لَكِنَّ قَوْلَهُ أَوْ عِلْمِ الْقَاضِي عَلَى غَيْرِ الْمُفْتَى بِهِ، فَإِنَّهُ لَا يُعْمَلُ بِعِلْمِ الْقَاضِي فِي زَمَانِنَا شُرُنْبُلَالِيَّةٌ عَنْ الْأَشْبَاهِ
کیونکہ جب وہ جان بوجھ کر جنایت کرے گا تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ جہاں تک نفس سے کم کا تعلق ہے تو یہ فائدہ مند نہیں۔ کیونکہ اس میں خطا اور عمد برابر ہیں پھر خطا یا تو گواہوں سے یا آقا کے اقرار سے یا قاضی کے جاننے کی وجہ سے ثابت ہوگی اس کے اقرار سے اصلاً ثابت نہ ہوگی۔ میں کہتا ہوں: لیکن ان کا قول ''یا قاضی جانتا ہو'' مفتی بہ قول نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے زمانے میں قاضی کے علم پر عمل نہیں کیا جاتا۔ ''شرنبلالیہ'' نے ''الاشباہ'' سے نقل کیا ہے۔

حوالے کرنے اور بیع میں اختیار ہوگا۔

''القنیہ'' میں ''خواہرزادہ'' سے مروی ہے: مجور غلام نے مال پر جنایت کی جنایت کا علم ہونے کے بعد آقا نے اسے بیچ دیا تو وہ اس غلام کے ذمہ ہوگا جس کی ادائیگی کے لیے اسے بیچا جائے گا اس آدمی پر جس نے اسے خریدا جب وہ نفس پر جنایت کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ ہم نے کتاب الحج کے شروع میں اس پر مکمل گفتگو کر دی ہے۔

35737۔ (قولہ: لِأَنَّ بِعَمْدِهِ) اِنَّ کے اسم کو حذف کر دیا گیا ہے۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ اس کا اسم ذکر کیا جاتا اور وہ اسم ضمیر شان ہوگی۔ ''ط''۔

35738۔ (قولہ: فِيمَا دُونَهُ) ضمیر سے مراد نفس ہے دونوں حالتوں میں مال واجب ہوگا۔ کیونکہ قصاص غلاموں اور غلاموں کے درمیان جاری نہیں ہوتا اور نہ غلاموں اور آزاد افراد کے درمیان جاری ہوتا ہے جب کہ جنایت نفس سے کم میں ہو۔ ''عنایہ''۔

خطا کا ثبوت

35739۔ (قولہ: لَا بِإِقْرَارِهِ أَصْلًا) یعنی اگرچہ آزادی کے بعد اقرار کرے۔

''شرنبلالیہ میں ''البدائع'' سے نقل کیا ہے: جب اس کا اقرار صحیح نہیں تو نہ فی الحال اور نہ ہی آزادی کے بعد اس کا مواخذہ ہوگا۔ اسی طرح کا حکم ہے اگر وہ آزادی کے بعد اقرار کرے کہ اس نے غلامی کی حالت میں جنایت کی تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ یہ قول مجور اور ماذون دونوں غلاموں کو شامل ہوگا۔ یہ وہ قول ہے جو ''الولوالجیہ'' میں جس پر گامزن ہوئے ہیں۔ شارح نے پہلے باب العقود فیما دون النفس میں جو قول ''جوہرہ'' سے نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ آزادی کے بعد اس کا مواخذہ ہوگا۔

میں کہتا ہوں: ''جوہرہ'' کے کتاب الحجر میں ہے: اگر غلام قتل خطا کا اقرار کرے تو آقا پر کوئی شے لازم نہ ہوگی یہ غلام کے ذمہ میں ہوگا اس کی وجہ سے اس کا مواخذہ آزادی کے بعد ہوگا۔ ''خجندی'' میں اسی طرح ہے۔ ''کرخی'' میں ہے: یہ باطل ہے۔ اگر اس کو اس کے بعد آزاد کر دیا گیا تو جنایت میں سے کسی شے کی بنا پر اس کا پیچھا نہیں کیا جائے گا۔ جہاں تک مجور کا

وَتَقَدَّمَ (دَفْعُهُ مَوْلَاهُ) إِنْ شَاءَ (بِهَا فَيَمْلِكُهُ وَلِيُّهَا أَوْ) إِنْ شَاءَ (فَدَاهُ بِأَرْشِهَا حَالًّا) لَكِنَّ الْوَاجِبَ الْأَصْلِيَّ هُوَ الدَّفْعُ عَلَى الصَّحِيحِ وَلِهَذَا سَقَطَ الْوَاجِبُ بِمَوْتِهِ

اور یہ بات گزر چکی ہے اگر آقا چاہے تو جنایت کے بدلے میں آقا اسے حوالے کر دے گا اور ولی جنایت اس غلام کا مالک ہو جائے گا یا اگر چاہے گا تو جنایت کی روش کے بدلے میں اس کا فدیہ دے دے گا یہ فی الحال کرنا ہوگا۔ لیکن صحیح قول کے مطابق اصلی واجب وہ غلام حوالے کرنا ہے۔ اسی وجہ سے غلام کے مرجانے سے واجب ساقط ہو جاتا ہے۔

تعلق ہے تو یہ مال کا اقرار ہے تو اس کا حکم تبدیل نہیں ہوگا جس طرح وہ دین کا اقرار کرے۔ جہاں تک ماذون کا تعلق ہے تو اس کا ان دیون کا اقرار جائز ہوگا جو تجارت کی وجہ سے لازم ہوئے۔ کیونکہ اس میں اس کو اجازت دی گئی تھی۔ جنایت کا معاملہ مختلف ہے۔ تو وہ اس میں مجور کی طرح ہے۔

35740۔ (قولہ: وَتَقَدَّمَ) یعنی کتاب القضاء کے باب المتفرقات سے تھوڑا پہلے۔

35741۔ (قولہ: دَفْعُهُ مَوْلَاهُ إِنْ شَاءَ) ان کے لیے تخفیف کا اہتمام کرنے کے لیے اسے اختیار دیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے مملوک کی کوئی عاقلہ نہیں مگر وہ خود ہی اپنی عاقلہ ہے۔ ''غرر الافکار''۔

35742۔ (قولہ: حَالًّا) یعنی اس حال میں کہ غلام حوالے کرنا اور فدیہ دینا فی الحال ہوگا۔ کیونکہ اعیان میں مدت کا تعین باطل ہے اور فدیہ اس کا بدل ہے۔ پس اس بدل کا حکم بھی وہی ہوگا جو عین کا ہے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ خیار آقا کا ہے اگرچہ وہ مفلس ہو جب مفلس نے فدیہ دینے کو اختیار کیا تو جب وہ اس کو پائے گا ادا کر دے گا۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غلام حوالے کرنے پر اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے جس طرح ''المجمع'' میں ہے۔ ''در منتقی''۔

35743۔ (قولہ: لَكِنَّ الْوَاجِبَ الْأَصْلِيَّ الخ) یہ اس اعتراض کا جواب ہے جو یہ کیا جاتا ہے اگر جنایت آقا کے ذمہ میں واجب ہو جائے یہاں تک کہ تخییر ثابت ہو جائے تو وہ غلام کے مرنے سے ساقط نہ ہوگی جس طرح آزاد جنایت کرنے والے میں یہ حکم ہے جب وہ مر جائے۔ کیونکہ دیت عاقلہ کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ واجب اصلی وہ غلام حوالے کرنا ہے اگرچہ اسے فدیہ کی طرف منتقل کرنے کا اسے حق ہے جس طرح مال زکوٰۃ میں ہے۔ کیونکہ اس میں موجب اصلی نصاب کا ایک جز ہے اور مالک کو حق حاصل ہے کہ وہ قیمت کی طرف منتقل ہو جائے۔ ''عنایہ''۔

35744۔ (قولہ: عَلَى الصَّحِيحِ) اسی طرح ''ہدایہ'' اور ''زیلعی'' میں ہے۔ اسے دوسرے شارحین نے ثابت رکھا ہے۔

جب تک آقا جنایت کرنے والے غلام کو ولی جنایت کے حوالے نہ کرے اسے خدمت لینے کا حق ہے

35745۔ (قولہ: وَلِهَذَا سَقَطَ الْوَاجِبُ بِمَوْتِهِ) یعنی فدیہ اختیار کرنے سے پہلے اس کی موت کے ساتھ واجب

بِخِلَافِ مَوْتِ الْحُرِّ كَمَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ وَغَيْرُهُ لَكِنْ فِي الشُّرُنْبُلَالِيِّ عَنْ السِّرَاجِ وَالْجَوْهَرَةِ عن الْبَزْدَوِيِّ أَنَّ الصَّحِيحَ أَنَّهُ الْفِدَاءُ حَتَّى لَوْ اخْتَارَهُ وَلَمْ يَقْدِرْ عَلَيْهِ أَدَّاهُ مَتَى وَجَدَ، وَلَمْ يُبْرَأْ بِهَلَاكِ الْعَبْدِ، وَعَلَّلَهُ الزَّيْلَعِيُّ وَغَيْرُهُ، بِأَنَّهُ اخْتَارَ أَصْلَ حَقِّهِمْ، فَبَطَلَ حَقُّهُمْ فِي الْعَبْدِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ اھ، وَمُفَادُهُ

آزاد کی موت کا معاملہ مختلف ہے جس طرح مصنف وغیرہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ لیکن ''شرنبلالیہ'' میں ''سراج'' سے اور ''جوہرہ'' میں ''بزدوی'' سے مروی ہے کہ صحیح یہ ہے کہ واجب فدیہ ہے یہاں تک کہ اگر وہ یہ اختیار کرے اور اس پر قادر نہ ہو تو جب پائے گا ادا کر دے گا اور غلام کے ہلاک ہونے سے وہ بری نہیں ہوگا۔ ''زیلعی'' وغیرہ نے اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ اس نے ان کے اصل حق کو اختیار کیا ہے۔ پس غلام میں ان کا حق باطل ہو جائے گا۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے

ساقط ہوگا۔ جہاں تک فدیہ اختیار کرنے کے بعد کا تعلق ہے تو پھر ساقط نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ مولی کے ذمہ کی طرف منتقل ہو چکا ہے۔ ''غرر الافکار''۔ مولی نے اسے مطلق ذکر کیا ہے۔ پس یہ اس کو شامل ہوگا جب وہ آفت سماویہ سے مر جائے یا آقا نے اسے اپنے کام کے لیے بھیجا ہو یا اس سے خدمت لی ہو۔ کیونکہ جانی غلام سے خدمت لینے کا اسے حق ہے جب تک وہ اسے ولی جنایت کے حوالے نہ کر دے پس یہ تعدی نہ ہوگی۔ ''معراج'' نے ''مبسوط'' سے نقل کیا ہے۔ مگر جب وہ اس کو قتل کر دے تو وہ دیت کو اختیار کرنے والا ہوگا اگر اجنبی آدمی اس کو قتل کر دے۔ اگر اس نے عمداً یہ کام کیا ہو تو جنایت باطل ہو جائے گی اور مولی کو حق حاصل ہوگا کہ اس کے قاتل سے قصاص لے۔ اس اجنبی نے اسے خطاً قتل کیا تھا تو آقا قیمت وصول کرے گا اور ولی جنایت کے حوالے کر دے گا اور اسے کوئی اختیار نہیں ہوگا یہاں تک کہ اگر وہ اس قیمت میں تصرف کرے تو وہ ارش کو اختیار کرنے والا نہیں ہوگا۔ ''جوہرہ''۔

35746۔ (قولہ: لَكِنْ فِي الشُّرُنْبُلَالِيِّ) یہ غیر مشہور دلالت ہے ''العنایہ'' وغیرہا میں ''الاسرار'' سے مروی ہے: اس کے برعکس روایت کئی جگہ ہے۔ امام ''محمد بن حسن'' نے بیان کیا ہے کہ واجب غلام ہے۔

35747۔ (قولہ: وَالْجَوْهَرَةِ) اس کا عطف ''السراج'' پر ہے ان کا قول ''البزدوی'' یہ ''السراج'' اور ''جوہرہ'' میں ہر ایک کے متعلق ہے جس طرح ''شرنبلالیہ'' سے معلوم ہوتا ہے۔

35748۔ (قولہ: وَعَلَّلَهُ الزَّيْلَعِيُّ الخ) یعنی حکم کی علت بیان کی ہے یہ اختیار کا صحیح ہونا ہے اگرچہ وہ قدرنہ ہو جس طرح اس کی عبارت سے مفہوم ہے۔

35749۔ (قولہ: أَصْلَ حَقِّهِمْ) یعنی جنایت کے اولیاء کا حق۔

35750۔ (قولہ: وَمُفَادُهُ) ''زیلعی'' کی تعلیل جس کا ذکر کیا گیا اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے یہ دوسری تصحیح پر مبنی ہے لیکن ''زیلعی'' نے پہلے کی تصحیح کی تصریح کی ہے جس طرح ''ہدایہ'' وغیرہ میں ہے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہی منصوص ہے جس طرح

أَنَّ الْأَصْلَ عِنْدَهُ الْفِدَاءُ لَا الدَّفْعُ وَأَفَادَ شَارِحُ الْمَجْمَعِ فِي تَعْلِيلِ الْإِمَامِ أَنَّ الْوَاجِبَ أَحَدُهُمَا وَأَنَّهُ مَتَى اخْتَارَ أَحَدَهُمَا تَعَيَّنَ لَكِنَّهُ قَدَّمَ أَنَّ الدَّفْعَ هُوَ الْأَصْلُ وَأَنَّهُ لَيْسَ فِي لَفْظِ الْكِتَابِ دَلَالَةٌ عَلَيْهِ (فَإِنْ فَدَاهُ فَجَنَى بَعْدَهُ فَهِيَ كَالْأُولَى) حُكْمًا (فَإِنْ جَنَى جِنَايَتَيْنِ دَفَعَهُ بِهِمَا إِلَى وَلِيِّهِمَا أَوْ فَدَاهُ بِأَرْشِهِمَا

کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اصل فدیہ ہے غلام حوالے کرنا نہیں۔ اور ''مجمع'' کے شارح نے امام کی تعلیل میں یہ بیان کیا ہے کہ واجب دونوں میں سے ایک ہے اور جب اس نے دونوں میں سے ایک کو اختیار کیا تو وہ متعین ہو جائے گا لیکن یہ پہلے گزر چکا ہے کہ غلام حوالہ کرنا اصل ہے اور کتاب کے لفظ میں اس پر کوئی دلالت نہیں۔ اگر وہ اس کا فدیہ دے دے تو اس نے اس کے بعد جنایت کی تو وہ حکماً پہلی جنایت کی طرح ہے۔ اگر ایک آدمی نے دو جنایتیں کیں تو آقا دونوں جنایتوں کے عوض ان کے ولی کے حوالے کر دے گا یا ان دونوں کی دیت ادا کر دے گا اگر اس نے جنایت کا علم ہونے کے باوجود تو جان چکا ہے۔

35751۔ (قولہ: وَأَفَادَ الخ) یہ تیسرا قول ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں ''البدائع'' سے مروی ہے: اگر واجب اصلی تخییر ہو تو غلام کے ہلاک ہونے پر فدیہ متعین ہو جائے گا اور جس پر جنایت کی گئی اس کا حق باطل نہیں ہو گا جس طرح قاعدہ ہے جب دو چیزوں میں اختیار دیا گیا ہو جب دونوں میں سے ایک ہلاک ہو جائے تو دوسرا متعین ہو جاتا ہے یہ قول صحیح نہیں۔

35752۔ (قولہ: وَأَنَّهُ الخ) اس کا عطف ان الدفع پر ہے۔ اور کتاب سے مراد ''المجمع'' کا متن ہے۔ اس کے شارح نے اس کے ساتھ اس کے مصنف کا رد کیا جو انہوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ متن کے الفاظ میں ایسا قول ہے جو اس امر کو بیان کرتا ہے، ''ط'' ملخص۔

35753۔ (قولہ: فَإِنْ فَدَاهُ) اس قول کے ساتھ قید لگائی ہے۔ کیونکہ جب وہ فدیہ نہ دے اور وہ دوسری جنایت کر دے تو یہ دوسرے مسئلہ کا عین ہو گا وہ ان کا یہ قول ہے: فان جنی جنایتین الخ ''کفایہ''۔

35754۔ (قولہ: فَهِيَ كَالْأُولَى) کیونکہ فدیہ دینے کے ساتھ جب وہ جنایت سے پاک ہو گیا تو اس کو یوں بنا دیا جائے گا گویا جنایت تھی ہی نہیں یہ نئی جنایت ہے۔ ''ہدایہ''۔

اگر کسی غلام نے دو جنایتیں کیں تو اس کا شرعی حکم

35755۔ (قولہ: دَفَعَهُ بِهِمَا الخ) پس وہ دونوں جنایت کی ارش (چٹی، دیت) کی مقدار حصوں کے مطابق تقسیم کر دیں گے اگر وہ جماعت ہوں تو وہ اپنے حصہ کے مطابق اس کو تقسیم کر لیں گے۔ اگر فدیہ دے گا تو ان کی تمام دیتوں کا فدیہ دے گا اگر وہ ایک کو قتل کر دے اور دوسرے کی آنکھ پھوڑ دے تو وہ دونوں تہائی کے اعتبار سے تقسیم کریں گے۔ کیونکہ آنکھ کی دیت نفس کی دیت کا نصف ہوتی ہے اس پر زخموں کے حکم کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ اور مولی کو یہ حق حاصل ہے کہ بعض کو فدیہ دے دے اور بعض کو غلام حوالے کر دے اس حساب سے جس قدر غلام میں اس کا حق بنتا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''ہدایہ'' میں ہے۔

وَإِنْ وَهَبَهُ) أَوْ أَعْتَقَهُ أَوْ دَبَّرَهُ أَوِ اسْتَوْلَدَهَا الْمَوْلَى (أَوْ بَاعَهُ غَيْرَ عَالِمٍ بِهَا) بِالْجِنَايَةِ (ضَمِنَ الْأَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ وَ) الْأَقَلَّ (مِنَ الْأَرْشِ وَإِنْ عَلِمَ بِهَا غَرِمَ الْأَرْشَ) فَقَطْ إِجْمَاعًا (كَبَيْعِهِ) عَالِمًا بِهَا

غلام کسی کو ہبہ کر دیا یا اس کو آزاد کر دیا، اسے مدبر بنا دیا، اسے آقا نے ام ولد بنا دیا، یا اس کو بیچ دیا یا اس کی قیمت اور اس کی دیت میں سے جو اقل ہوگا اس کا ضامن ہوگا اگر اس کو علم ہو تو صرف ارش کا ضامن ہوگا۔ یہ متفق علیہ صورت ہے جس طرح دیت واجب ہوتی ہے جب وہ جنایت کے بارے میں علم رکھنے کے باوجود اس کو بیچ دے اور اس طرح ارش کا ضامن ہوگا۔

اگر آقا جنایت کرنے والے غلام میں تصرف کرے تو اس کا حکم

35756_(قولہ: وَإِنْ وَهَبَهُ الخ) قاعدہ یہ ہے کہ جب وہ اس غلام میں ایسا تصرف کر بیٹھتا ہے جس سے وہ غلام حوالے کرنے سے عاجز آجاتا ہے جب کہ اسے جنایت کا علم ہے تو وہ فدیہ کو اختیار کرنے والا ہوگا ورنہ نہیں۔ پس پہلے کی مثال وہ ہے جس کا اس نے ذکر کیا ہے اور دوسرے کی مثال ثیبہ عورت سے وطی کرنا ہے جب کہ حمل نہ ٹھہرے۔ کیونکہ یہ اس میں نقص کا باعث نہیں۔ اسی طرح اس کا نکاح کرنا اور اس سے خدمت لینا ہے۔ اسی طرح اظہر قول کے مطابق اجارہ اور رہن ہے۔ کیونکہ اجارہ عذر کے ساتھ ٹوٹ جاتا ہے اور ولی جنایت کے حق کا موجود ہونا یہ عذر ہے۔ راہن دین ادا کرنے پر قادر ہو جائے تو وہ عاجز نہیں ہوگا اسی طرح تجارت کا اذن ہو جانا اگرچہ اس پر دین غالب آجائے۔ کیونکہ اذن حوالے کرنے کو فوت نہیں کرتا۔ اور ظاہر میں کوئی نقص پیدا نہیں کرتا مگر ولی جنایت کو حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ قبول نہ کرے۔ کیونکہ اس کے حق میں دین یہ آقا کی جانب سے ہے۔ پس آقا پر اس کی قیمت لازم ہوگی۔ یہ ''ہدایہ'' اور ''عنایہ'' سے منقول ہے۔

35757_(قولہ: أَوْ بَاعَهُ) یعنی صحیح بیع کرے۔ اگرچہ مشتری کو اختیار ہو نہ کہ جب بیع فاسد کی جائے مگر جب وہ اس کے سپرد کر دے۔ کیونکہ ملک صرف اس کے ساتھ زائل ہو جاتی ہے اگر خیار آقا کو ہو تو ملکیت زائل نہیں ہوتی پھر وہ خیار کو توڑ دے۔ ''زیلعی'' وغیرہ نے اس کو بیان کیا ہے۔

35758_(قولہ: ضَمِنَ الْأَقَلَّ الخ) کیونکہ اس نے اس کے حق کو فوت کر دیا ہے۔ پس اس کی ضمانت دے گا اور اس کا حق ان دونوں میں سے اقل میں ہے۔ پس وہ فدیہ کو اختیار کرنے والا نہیں ہوگا۔ کیونکہ علم کے بغیر کوئی اختیار نہیں ''ہدایہ''۔

اس امر پر دلیل کہ اس کا حق اقل ہے یہ ہے کہ اسے اکثر کے مطالبہ کا حق نہیں ''کفایہ''۔

35759_(قولہ: كَبَيْعِهِ) اس کا ساقط کرنا واجب ہے کیونکہ یہ اپنی ہی ذات سے تشبیہ دینا ہے۔ ''ح''۔

میں کہتا ہوں: یہ ممکن ہے کہ جس پر جنایت کی گئی ہے اس کو بیچ دینا مراد ہو پس اس میں ماقبل سے کچھ مغایرت پائی جاتی ہے۔ ''الاختیار'' میں کہا: اسی طرح اگر وہ اس غلام کو اس کے ہاتھ بیچ دے جس پر جنایت کی گئی تو یہ اختیار ہوگا اس کا یہ مطلب نہیں اگر وہ اس کو ہبہ کر دے۔ کیونکہ مستحق کو یہ حق حاصل ہے کہ بغیر عوض کے اسے لے لے جب کہ یہ ہبہ میں پایا گیا بیع میں نہیں پایا گیا۔

(وَكَتَعْلِيقِ عِتْقِهِ بِقَتْلِ زَيْدٍ أَوْ رَمْيِهِ أَوْ شَجِّهِ فَفَعَلَ) الْعَبْدُ ذَلِكَ كَمَا يَصِيرُ فَارًّا بِقَوْلِهِ إِنْ مَرِضْتَ فَأَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا (وَإِنْ قَطَعَ عَبْدٌ يَدَ حُرٍّ عَمْدًا وَدُفِعَ إِلَيْهِ فَأَعْتَقَهُ فَمَاتَ مِنَ السِّرَايَةِ فَالْعَبْدُ صُلْحٌ بِهَا) أَيْ بِالْجِنَايَةِ لِأَنَّ عِتْقَهُ دَلِيلُ تَصْحِيحِ الصُّلْحِ (وَإِنْ لَمْ يُعْتِقْهُ) وَقَدْ سَرَى (يُرَدُّ عَلَى سَيِّدِهِ فَيُقْتَلُ أَوْ يُعْفَى) لِبُطْلَانِ الصُّلْحِ

اگر اس کی آزادی کو زید کے قتل کرنے، اس کو تیر مارنے یا اس کو زخمی کرنے کے ساتھ معلق کر دے تو غلام نے وہ کر دیا جس طرح وہ اپنے اس قول کے ساتھ فرار اختیار کرنے والا بن جاتا ہے۔ اگر میں مریض ہوا تو تجھے تین طلاقیں ہیں۔ اگر غلام نے آزاد کا ہاتھ جان بوجھ کر قطع کر دیا اور غلام اس کو دے دیا گیا تو اس ولی جنایت نے اس غلام کو آزاد کر دیا اور خود زخم سرایت کر جانے سے مر گیا تو غلام جنایت کے بدلے میں صلح ٹھہر گیا۔ کیونکہ اس کا آزاد کرنا صلح کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ اگر وہ غلام کو آزاد نہ کرے جب کہ زخم سرایت کر جائے اس غلام کو آقا کی طرف لوٹا دیا جائے گا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا یا اس کو معاف کر دیا جائے گا۔ کیونکہ صلح باطل ہو چکی ہے۔

35760۔ (قولہ: وَكَتَعْلِيقِ عِتْقِهِ) کیونکہ اس کی آزادی کو معلق کرنا جب کہ یہ علم ہو کہ وہ قتل کرنے والے کے ساتھ آزاد ہو جائے گا۔ یہ اس کے اختیار کی دلیل ہے پس اس پر دیت لازم ہو جائے گی، ''منح''۔

35761۔ (قولہ: بِقَتْلِ زَيْدٍ الخ) یعنی ایسی جنایت کے ساتھ جو دیت کو واجب کر دیتی ہے اگر وہ اسے جنایت کے بغیر معلق کر دے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: اگر تو گھر میں داخل ہو پھر اس پر جنون طاری ہو گیا پھر وہ داخل ہوا یا ایسی جنایت کے معلق کرے جو قصاص کو واجب کر دیتی ہے جیسے اگر تو اسے تلوار سے مارے تو تو آزاد ہے تو بالاتفاق ولی پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ اس جنایت کا علم نہ ہوتا اگر وہ اس کے علاوہ کے ساتھ اس کی آزادی کو معلق کرتا کیونکہ جو جنایت قصاص کو واجب کرتی ہے تو وہ غلام کے ذمہ ہوگی یہ امر غلامی اور آزادی کے ساتھ مختلف نہیں ہوتا۔ پس آقا نے اسے معلق کرنے کے ساتھ ولی جنایت پر کسی شے کو فوت نہیں کیا، ''عنایہ''۔ ملخص۔

35762۔ (قولہ: كَمَا يَصِيرُ فَارًّا) یعنی بیوی کو وارثت دینے سے فرار اختیار کرنے والا ہے کیونکہ مرض پائے جانے کے بعد وہ مطلقہ ہو جائے گی۔

35763۔ (قولہ: لِأَنَّ عِتْقَهُ دَلِيلُ تَصْحِيحِ الصُّلْحِ) کیونکہ عقل مند آدمی اپنے تصرف کے صحیح ہونے کا قصد کرتا ہے اور اس کی تصحیح نہیں ہو سکتی مگر جب جنایت اور جو کچھ جنایت کے نتیجہ میں واقع ہوا اس سے صلح کی جائے، ''زیلعی''۔

35764۔ (قولہ: فَيُقْتَلُ أَوْ يُعْفَى) یہ مجہول کے صیغے ہیں اور دونوں ضمیریں العبد کے لیے ہیں اور یعفی کا صلہ مقدر ہے۔

35765۔ (قولہ: لِبُطْلَانِ الصُّلْحِ) کیونکہ ہاتھ کی دیت کے مقابلہ میں مال جو غلام ہے پر صلح واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ

(فَإِنْ جَنَى مَأْذُونٌ لَهُ مَدْيُونٌ خَطَأً فَأَعْتَقَهُ سَيِّدُهُ بِلَا عِلْمٍ بِهَا غَرِمَ لِرَبِّ الدَّيْنِ الْأَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنْ دَيْنِهِ وَ) غَرِمَ (لِوَلِيِّهَا الْأَقَلَّ مِنْهَا) أَيْ الْقِيمَةِ (وَمِنْ الْأَرْشِ وَلَوْ أَتْلَفَهُ) أَيْ الْعَبْدَ الْجَانِيَ (أَجْنَبِيٌّ فَقِيمَةٌ وَاحِدَةٌ لِمَوْلَاهُ) لَا غَيْرُ

اگر ماذون مدیون غلام نے جنایت کی جو خطا تھی تو اس کے آقا نے بغیر جنایت کا علم ہوتے ہی اسے آزاد کر دیا تو وہ قرض خواہ کے لیے اس کی قیمت اور اس کے دین میں سے جو کم ہوگا اس کی چٹی بھرے گا اور ولی جنایت کے لیے اس کی قیمت اور ارش میں سے جو کم ہوگا۔ اس کی ضمانت دے گا اگر جنایت کرنے والے غلام کو کسی اجنبی نے قتل کر دیا تو اس کے آقا کے لیے ایک قیمت ہوگی جو اس کے آقا کو دینی ہوگی اس کے علاوہ کچھ لازم نہ ہوگا۔

قصاص اعضاء اور زخم کے سرایت کرنے کی صورت میں آزاد اور غلام میں جاری نہیں ہوتا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہاتھ کی دیت ثابت نہیں اور جو چیز واجب ہے وہ قصاص ہے صلح باطل ہوگی۔ کیونکہ صلح کے لیے مصالح عنہ کا ہونا ضروری ہے اور مصالح عنہ مال ہے اور وہ نہیں پایا گیا۔ ''زیلعی''۔

''طحطاوی'' نے کہا: اور تعلیل کا ظاہر معنی یہ ہے کہ غلام کو ولی دم کی طرف لوٹانا واجب ہے تا کہ باطل عقد کو ختم کیا جا سکے ''عنایہ'' میں ہے: اسے صلح کا نام دیا ہے یہ اس پر مبنی ہے جو بعض مشائخ نے پسند کیا ہے کہ اصلی حکم فدیہ دینا ہے۔

35766۔ (قولہ: فَأَعْتَقَهُ سَيِّدُهُ) جب وہ اس کو آزاد کرے تو اسے اختیار ہوگا۔ ''العنایہ'' میں کہا: قاعدہ یہ ہے کہ جب غلام جنایت کرے اور اس پر دین ہو تو آقا کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ غلام حوالے کر دے اور فدیہ دے دے۔ اگر وہ غلام حوالے کر دے تو غرماء کے دین میں اسے بیچ دیا جائے گا۔ اگر کوئی چیز بچ گئی تو وہ اصحاب جنایت کے لیے ہوگی۔ کیونکہ یہ بیع ان کی ملک پر ہو رہی ہے۔ اگر وہ دین کو پورا نہ ہو تو اسے آزادی تک موخر کر دیا جائے گا جس طرح اگر اسے غلام کو پہلے آقا کی ملکیت پر بیچ دیا جائے۔ ملخص

35767۔ (قولہ: بِلَا عِلْمٍ) یہ قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر اسے علم ہو تو وہ فدیہ دینے میں مختار ہوتا اور اس پر ولی جنایت کے لیے جنایت کی دیت ہوگی اور رب الدین کے لیے غلام کی قیمت ہوگی۔

35768۔ (قولہ: الْأَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ الخ) جہاں تک ''ہدایہ'' وغیرہ کا قول ہے اس پر دو قیمتیں لازم ہوں گی ایک قیمت رب الدین کی ہوگی ایک قیمت ولی جنایت کے لیے ہوگی۔ مراد یہ ہے کہ جب قیمت دیت سے کم ہو جس طرح ''العنایہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔

35769۔ (قولہ: أَيْ الْعَبْدَ الْجَانِيَ) یعنی جو ماذون ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

35770۔ (قولہ: فَقِيمَةٌ وَاحِدَةٌ لِمَوْلَاهُ) یعنی وہ غرماء کے حوالے کر دے گا۔ کیونکہ یہ غلام کی مالیت ہے اور غریم مالیت میں ولی جنایہ سے مقدم ہے۔ اس کی مکمل بحث ''زیلعی'' میں ہے۔ اجنبی پر ایک قیمت لازم ہوگی۔ مولی کا معاملہ مختلف

(فَإِنْ وَلَدَتْ مَأْذُونَةٌ مَدْيُونَةٌ بِيعَتْ مَعَ وَلَدِهَا فِي الدَّيْنِ) إِنْ كَانَتْ الْوِلَادَةُ بَعْدَ لُحُوقِ الدَّيْنِ، فَلَوْ وَلَدَتْ ثُمَّ لَحِقَهَا دَيْنٌ لَمْ يَتَعَلَّقْ حَقُّ الْغُرَمَاءِ بِالْوَلَدِ بِخِلَافِ أَكْسَابِهَا (فَإِنْ جَنَتْ فَوَلَدَتْ لَمْ يُدْفَعْ الْوَلَدُ لَهُ) أَيْ لِوَلِيِّ الْجِنَايَةِ لِتَعَلُّقِهَا بِذِمَّةِ الْمَوْلَى لَا ذِمَّتِهَا بِخِلَافِ الدَّيْنِ (عَبْدٌ) لِرَجُلٍ، (زَعَمَ رَجُلٌ أَنَّ سَيِّدَهُ حَرَّرَهُ فَقَتَلَ) الْعَبْدُ الْمُعْتَقُ

اگر ماذونہ مدیونہ لونڈی نے بچہ جنا تو رہن میں اس کو ماں کے ساتھ بیچا جائے گا۔ اگر ولادت دین کے لاحق ہونے کے بعد ہو اگر وہ بچہ جنے پھر اسے دین لاحق ہو جائے تو غرماء کا حق بچے کے متعلق نہیں ہوگا۔ اس کی کمائی کا معاملہ مختلف ہوگا۔ اگر وہ عورت جنایت کرے اور بچہ جنے تو بچہ ولی جنایت کے سپرد نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ جنایت محل کے ذمہ متعلق ہے لونڈی کے ذمہ پر نہیں۔ دین کا معاملہ مختلف ہے۔ ایک آدمی نے گمان کیا کہ اس کے آقا نے اسے آزاد کر دیا ہے تو آزاد کردہ غلام نے

ہے۔ کیونکہ اجنبی غلام حوالے کرنے میں ماخوذ نہیں اور نہ ہی دین کی قضا میں وہ ماخوذ ہے۔ پس اس پر اس سے زیادہ واجب نہیں ہوگا جو اس نے تلف کیا ہے۔ جہاں تک آقا کا تعلق ہے تو اس سے اس کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔''اتقانی''۔

35771۔ (قولہ: بِخِلَافِ أَكْسَابِهَا) کیونکہ ان کے ساتھ غرماء کا حق دین سے پہلے اور دین کے بعد متعلق ہوتا ہے۔ کیونکہ کمائی میں اس کا ایسا قبضہ ہے جو معتبر ہے۔

35772۔ (قولہ: لَمْ يُدْفَعِ الْوَلَدُ لَهُ الخ)''عنایہ'' میں کہا ہے: عورت نے قرض لینے کے بعد بچہ جنا اور اس نے جنایت کے بعد جو بچہ جنا ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں ماں کے ساتھ بچے کو بیچا جائے گا دوسری صورت میں ایسا نہیں ہوگا۔ کیونکہ رہن اس میں وصف حکمی ہے اس کے ذمہ میں واجب ہے حق پورا لینے میں اس کی ذات کے متعلق ہے یہاں تک کہ آقا کو اس کی ذات میں بیع، ہبہ وغیرہما کے ساتھ تصرف کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ پس دین لینا یہ ان اوصاف شرعیہ میں سے ہے جو ثابت رہتے ہیں۔ پس وہ بچے کی طرف سرایت کر جائیں گے جیسے عقد مکاتبہ، مدبر بنانا اور رہن رکھنا۔ جہاں تک جنایت کا حکم ہے وہ غلام حوالے کرنا یا فدیہ دینا ہے۔ یہ آقا کے ذمہ ہے لونڈی کے ذمہ نہیں یہاں تک کہ آقا کو اس کی ذات میں بیع، ہبہ یا خدمت لینے میں تصرف سے نہیں روکا گیا فعل حقیقی جس کا اثر اس سے ملے گا اور وہ اس کا حوالے کر دینا ہے۔ پس یہ سرایت نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ ایسا وصف ہے جو قرار پذیر نہیں جو حوالے کرنے کے وقت حاصل ہوا ہے اور سرایت کرنا یہ اوصاف شرعیہ میں ہوتا ہے اوصاف حقیقیہ میں نہیں ہوتا۔

35773۔ (قولہ: زَعَمَ رَجُلٌ) یعنی اس نے اقرار کیا۔

35774۔ (قولہ: فَقَتَلَ) یعنی جنایت سے قبل آزادی کا اقرار کیا۔''مبسوط'' میں ہے اس کے بعد اقرار کیا جب کہ دونوں میں کوئی تفاوت نہیں۔''عنایہ''۔

35775۔ (قولہ: الْمُعْتَقُ) یعنی اس میں جسے آزاد کیا گیا ہے۔

(وَلِيَّهُ) أَيْ وَلِيَّ الزَّاعِمِ عِتْقَهُ (خَطَأً فَلَا شَيْءَ لِلْحُرِّ عَلَيْهِ) لِأَنَّهُ بِزَعْمِهِ عِتْقَهُ أَقَرَّ أَنَّهُ لَا يَسْتَحِقُّ الْعَبْدَ، بَلْ الدِّيَةَ لَكِنَّهُ لَا يُصَدَّقُ عَلَى الْعَاقِلَةِ إِلَّا بِحُجَّةٍ (فَإِنْ قَالَ مُعْتَقٌ) رِقُّهُ مَعْرُوفٌ لِرَجُلٍ (قَتَلْتُ أَخَاكَ) يُخَاطِبُ بِهِ مَوْلَاهُ الَّذِي أَعْتَقَهُ (خَطَأً قَبْلَ عِتْقِي فَقَالَ الْأَخُ) الَّذِي هُوَ الْمَوْلَى (لَا بَلْ بَعْدَهُ صُدِّقَ الْأَوَّلُ) لِأَنَّهُ مُنْكِرٌ لِلضَّمَانِ (وَإِنْ قَالَ لَهَا قَطَعْتُ يَدَكِ وَأَنْتِ أَمَتِي وَقَالَتْ) هِيَ لَا بَلْ

اس کی آزادی کا گمان کرنے والے کے ولی کو خطاً قتل کر دیا تو آزاد کے لیے اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے اس کی آزادی کا گمان کر کے یہ اقرار کیا ہے کہ وہ غلام کا مستحق نہیں بلکہ دیت کا مستحق ہے لیکن عاقلہ کے خلاف دلیل سے ہی اس کی تصدیق کی جائے۔ اگر آزاد کردہ غلام نے کہا جس کی غلامی ایک آدمی کے لیے معروف تھی: میں نے تیرے بھائی کو اپنی آزادی سے پہلے خطاً قتل کیا تھا وہ اس کے ساتھ اپنے اس آقا کو خطاب کرتا ہے جس نے اس کو آزاد کیا تھا تو وہ بھائی جو اس غلام کا آقا ہے نے کہا: نہیں بلکہ تو نے اسے بعد میں قتل کیا ہے تو پہلے کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ وہ ضمان کا منکر ہے اگر ایک آدمی کسی عورت سے کہتا ہے: میں نے تیرا ہاتھ کاٹا تھا جب کہ تو میری لونڈی تھی اس عورت نے کہا: نہیں بلکہ تو نے

35776۔ (قولہ: فَلَا شَيْءَ لِلْحُرِّ) یعنی اس آزاد کے لیے کوئی شے نہ ہوگی جو گمان کرنے والا ہے۔

35777۔ (قولہ: عَلَيْهِ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ اسے حذف کر دیتے کیونکہ عاقلہ پر کوئی شے لازم نہیں ہوتی۔ ''ط''۔

35778۔ (قولہ: لِأَنَّهُ بِزَعْمِهِ الخ) ''ہدایہ'' کی عبارت یہ ہے: کیونکہ جب اس نے گمان کیا کہ اس کے آقا نے اسے آزاد کر دیا ہے تو اس نے عاقلہ پر دیت کا دعویٰ کر دیا اور غلام و آقا کو بری کر دیا مگر عاقلہ پر دلیل کے بغیر اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ یہ مولیٰ کو بری کرنا ہوگا۔ کیونکہ اس نے مولی کے خلاف جنایت کے بعد آزادی کا دعویٰ نہیں کیا یہاں تک کہ آقا اس کے ساتھ فدیہ دینے میں مختار ہوتا اور جس پر جنایت کی گئی ہے آزاد کرنے کے ساتھ اس کا حق ہلاک کرنے والا ہوتا۔ ''کفایہ''۔

35779۔ (قولہ: لَا يَسْتَحِقُّ الْعَبْدَ) یعنی اس کو حوالے کرنے یا اس کا فدیہ دینا اس پر لازم نہیں۔

35780۔ (قولہ: بَلْ الدِّيَةَ) کیونکہ یہ آزاد لوگوں کی جنایت کا حکم ہے۔

35781۔ (قولہ: عَلَى الْعَاقِلَةِ) وہ آزاد کرنے والے آقا کی عاقلہ ہے جس طرح عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔ فافہم

35782۔ (قولہ: يُخَاطِبُ بِهِ مَوْلَاهُ الخ) شارح نے اس میں مصنف کی پیروی کی ہے جب کہ یہ لازم نہیں۔

''الملتقی'' اور ''الدرر'' کی عبارت یہ ہے: جس کو آزاد کیا گیا اس نے کہا، میں نے زید کے بھائی کو قتل کیا۔ اس کی مثل ''ہدایہ'' وغیرہا میں ہے۔ مسئلہ آسان ہے کیونکہ آقا اور اجنبی کے درمیان فرق ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ آقا کا قول بلکہ تو نے اسے آزادی کے بعد قتل کیا ہے تو اس سے یہ ارادہ کرتا ہے کہ دیت کو قاتل کی عاقلہ پر لازم کر دے وہ مولی کا قبیلہ ہے۔ کیونکہ وہ معتق کی عاقلہ ہے الزام صرف اس کی ذات پر نہیں ہے، فافہم۔

35783۔ (قولہ: لِأَنَّهُ مُنْكِرٌ لِلضَّمَانِ) کیونکہ اس نے اسے معروف حالت کی طرف منسوب کیا ہے جو ضمان کے

(فَعَلْتُ بَعْدَ الْعِتْقِ فَالْقَوْلُ لَهَا) لِأَنَّهُ أَقَرَّ بِسَبَبِ الضَّمَانِ ثُمَّ ادَّعَى مَا يُبَرِّئُهُ فَلَا يَكُونُ الْقَوْلُ لَهُ (وَكَذَا الْقَوْلُ لَهَا فِي كُلِّ مَا أَخَذَهُ الْمَوْلَى (مِنْهَا) مِنَ الْمَالِ لِمَا ذَكَرْنَا اسْتِحْسَانًا (إِلَّا الْجِمَاعَ وَالْغَلَّةَ) فَالْقَوْلُ لَهُ لِإِسْنَادِهِ لِحَالَةٍ مَعْهُودَةٍ مُنَافِيَةٍ لِلضَّمَانِ (عَبْدٌ مَحْجُورٌ

آزادی کے بعد یہ عمل کیا تھا تو قول اس عورت کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ مرد نے ضمان کے سبب کا اقرار کیا پھر اس نے ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو اس کو بری کردے تو اس کا قول معتبر نہیں ہوگا۔ اسی طرح اس عورت کا قول معتبر ہوگا ہر اس معاملہ میں جس میں آقا نے اس عورت سے مال لیا ہو۔ اس کی دلیل وہی ہے جس کو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ یہ بطور استحسان ہے مگر جماع اور لونڈی کی کمائی تو اس معاملہ میں قول مرد کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ اسے ایسی معروف حالت کی طرف منسوب کر رہا ہے جو ضمان کے منافی ہے۔ مجور غلام

منافی ہے۔ کیونکہ کلام اس کے بارے میں ہے جس میں اس کی غلامی معروف ہے۔ پس وہ اس طرح ہو گیا جس طرح ایک بالغ عاقل کہے: میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی جب کہ میں بچہ تھا یا مجنون تھا جب کہ اس کا جنون معروف تھا تو قول اس کا معتبر ہوگا''ہدایہ''۔

35784۔ (قولہ: فَلَا يَكُونُ الْقَوْلُ لَهُ) یہ حکم اس لیے ہے کیونکہ اس نے اسے اس حالت کی طرف منسوب نہیں کیا جو ضمان کے منافی ہو کیونکہ وہ اس کی ضمانت دیتا اگر اس کا ہاتھ اس حالت میں کاٹتا جب کہ وہ مدیونہ ہوتی۔''ہدایہ''۔

ہر ایسا معاملہ جس میں آقا نے عورت سے مال لیا ہو تو قول عورت کا معتبر ہوگا

35785۔ (قولہ: مِنَ الْمَالِ) یعنی ایسا مال جو لونڈی کی کمائی نہ ہو جیسے ایسا مال جو اسے ہبہ کیا گیا یا اسے اس کی وصیت کی گئی،''ط''۔

جماع اور لونڈی کی کمائی میں قول مرد کا معتبر ہوگا

35786۔ (قولہ: إِلَّا الْجِمَاعَ وَالْغَلَّةَ) یعنی جب اس نے کہا: میں نے اس سے اس کی آزادی سے پہلے جماع کیا تھا یا میں نے اس کی کمائی اس کی آزادی سے پہلے لی تھی تو اس صورت میں اس عورت کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ آقا کا اپنی مدیونہ لونڈی سے وطی کرنا یہ عقد کو واجب نہیں کرتا۔ اسی طرح جب وہ اس سے اس کی کمائی لے لے تو کچھ واجب نہیں کرتا۔ اگر لونڈی مدیونہ ہو تو آقا پر کوئی ضمان واجب نہ ہوگا۔ پس اسناد ایسی حالت کی طرف منسوب ہوا جو معروف ہے اور ضمان کے منافی ہے۔''ابن کمال''۔''شرنبلالیہ'' میں''مواہب'' اور''زیلعی'' سے نقل کرتے ہوئے اس امر کی استثنا کی ہے جو مقر کے ہاتھ میں بعینہ موجود ہو۔ کیونکہ جب اس نے اقرار کیا کہ اس نے اس لونڈی سے یہ چیز لی تھی تو اس نے لونڈی کے قبضہ کا اقرار کیا پھر اس پر ملکیت کا دعویٰ کیا جب کہ وہ عورت اس کا انکار کرتی ہے تو قول منکر کا معتبر ہوگا اس وجہ سے اسے واپس کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

مجور غلام یا بچے کے کہنے پر کسی بچے یا آدمی کو قتل کر دیا تو اس کا حکم

35787۔ (قولہ: عَبْدٌ مَحْجُورٌ) غلام کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ آمر اگر غلام بالغ ہو تو بچے کی عاقلہ آمر کی عاقلہ سے

أَوْ صَبِيٌّ أَمَرَ صَبِيًّا بِقَتْلِ رَجُلٍ فَقَتَلَهُ فَدِيَتُهُ عَلَى عَاقِلَةِ الْقَاتِلِ) لِأَنَّ عَمْدَ الصَّبِيِّ خَطَأٌ (وَ رَجَعُوا عَلَى الْعَبْدِ بَعْدَ عِتْقِهِ) وَقِيلَ لَا (لَا عَلَى الصَّبِيِّ الْآمِرِ أَبَدًا) لِقُصُورِ أَهْلِيَّتِهِ (وَإِنْ كَانَ مَأْمُورُ الْعَبْدِ) عَبْدًا (مِثْلَهُ دَفَعَ سَيِّدُ الْقَاتِلِ أَوْ فَدَاهُ فِي الْخَطَإِ وَلَا رُجُوعَ لَهُ عَلَى الْآمِرِ فِي الْحَالِ وَيَرْجِعُ بَعْدَ الْعِتْقِ

یا بچے نے کسی بچے کو کوئی آدمی قتل کرنے کا کہا تو اس بچے نے اسے قتل کر دیا تو اس کی دیت قاتل کی عاقلہ پر ہوگی۔ کیونکہ بچے کا عمداً فعل بھی خطا ہوتا ہے اور وہ غلام سے غلام کی آزادی کے بعد مطالبہ کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس سے مطالبہ نہیں کریں گے۔ اس بچے پر دیت لازم نہ ہوگی جس نے غلام کو حکم دیا۔ کیونکہ اس کی اہلیت میں کوتاہی ہے اگر غلام کا ماموراس جیسا غلام ہو قاتل کے آقا نے وہ غلام ولی جنایت کے حوالہ کر دیا یا قتل خطا میں اس کا فدیہ دے دیا تو اسے فی الحال آمر سے مطالبہ کا حق نہ ہوگا اور اس کی آزادی کے بعد

مطالبہ کرے گی۔ اور مجور کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر آمر مکاتب بالغ ہو تو بچے کی عاقلہ اس سے اس کی قیمت اور دیت میں سے جو اقل ہوگی اس کا مطالبہ کرے گی۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب آمر ماذون غلام ہو۔ کیونکہ وہ اس سے اس کی آزادی کے بعد مطالبہ کریں گے۔ ''کفایہ''۔

35788۔ (قولہ: وَرَجَعُوا عَلَى الْعَبْدِ بَعْدَ عِتْقِهِ) کیونکہ اس کے قول کا اعتبار نہ کرنا یہ آقا کے حق کی بنا پر تھا اہلیت کے نقصان کی وجہ سے نہ تھا جب کہ آقا کا حق آزاد کرنے کے ساتھ زائل ہو چکا ہے۔ ''زیلعی''۔ یہ وہ امر ہے جس کا ذکر ''صدر الشہید'' ''القاضی خان'' نے اپنی شرح میں کیا ہے جب کہ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ یہ اس روایت کے خلاف ہے جو ''زیادات'' میں ہے۔ ''اتقانی''۔

35789۔ (قولہ: وَقِيلَ لَا) یہ ''زیادات'' کی روایت ہے۔ ''زیلعی'' نے کہا: کیونکہ یہ جنایت کی ضمان ہے۔ یہ ضمان آقا پر ہوگی غلام پر نہیں ہوگی۔ حجر کی وجہ سے آقا پر اس کو واجب کرنا متعذر ہے۔ یہ قواعد کے زیادہ موافق ہے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

35790۔ (قولہ: أَبَدًا) یعنی اگرچہ وہ بالغ ہو جائے۔

35791۔ (قولہ: عَبْدًا مِثْلَهُ) یہ قید نہیں لگائی کہ وہ غلام بھی مجور ہو۔ کیونکہ آمر کا مجور ہونا اس کو کفایت کر جاتا جب مجور غلام ہو یا وہ ماذون غلام کو امر کیا تو حکم اسی طرح ہوگا مگر جب آمر ماذون غلام ہے اور مامور مجور غلام ہو یا وہ ماذون ہو تو قاتل غلام کا آقا غلام حوالے کرنے کے بعد یا فدیہ ادا کرنے کے بعد آمر غلام کی ذات سے فی الحال اپنے غلام کی قیمت کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ آمر اپنے امر کے ساتھ مامور کو غصب کرنے والا ہو جائے گا۔ اس کی مکمل وضاحت ''کفایہ'' میں ہے۔ اگر مامور آزاد بالغ ہو عاقل ہو تو دیت اس کی عاقلہ پر ہوگی اور عاقلہ آمر سے مطالبہ نہیں کرے گی کیونکہ اس کا امر صحیح نہیں۔ ''زیلعی''۔

35792۔ (قولہ: وَيَرْجِعُ بَعْدَ الْعِتْقِ الخ) گزشتہ قیل پر قیاس کرتے ہوئے کوئی شے واجب نہ ہوگی۔ یہ ''زیلعی''

بِالْأَقَلِّ مِنَ الْفِدَاءِ وَقِیمَةِ الْعَبْدِ) لِأَنَّهُ مُخْتَارٌ فِی دَفْعِ الزِّیَادَةِ لَا مُضْطَرٌّ (وَكَذَا) الْحُكْمُ فِی الْعَمْدِ (إنْ كَانَ الْعَبْدُ الْقَاتِلُ صَغِیرًا) لِأَنَّ عَمْدَهُ خَطَأٌ (فَإِنْ كَبِیرًا اُقْتُصَّ) مِنْهُ (عَبْدٌ حَفَرَ بِئْرًا فَأَعْتَقَهُ مَوْلَاهُ ثُمَّ وَقَعَ فِیهَا إنْسَانٌ أَوْ أَكْثَرُ فَهَلَكَ فَلَا شَیْءَ عَلَیْهِ) لِأَنَّ جِنَایَةَ الْعَبْدِ لَا تُوجِبُ عَلَیْهِ شَیْئًا (وَیَجِبُ عَلَی الْمَوْلَی قِیمَةٌ وَاحِدَةٌ) وَلَوْ الْوَاقِعُ أَلْفًا زَیْلَعِیٌّ

فدیہ اور غلام کی قیمت میں سے جو اقل ہوگا اس کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ زیادتی کے دینے میں وہ مختار ہے وہ مجبور نہیں۔ قتل عمد میں یہی حکم ہے اگر قاتل غلام صغیر ہو۔ کیونکہ اس کا عمد خطا ہوتا ہے اگر وہ بڑا ہو تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ ایک غلام ہے جس نے ایک کنواں کھودا اس کے آقا نے اسے آزاد کر دیا پھر اس کنویں میں ایک انسان گر گیا یا زیادہ انسان گر گئے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ غلام کی جنایت غلام پر کوئی شے لازم نہیں کرتی اور آقا پر ایک قیمت واجب کرتی ہے اگرچہ اس میں گرنے والے ہزار ہوں، ''زیلعی''۔

نے بیان کیا ہے۔

35793۔(قولہ: وَقِیمَةِ الْعَبْدِ) یعنی قاتل غلام کی قیمت۔

35794۔(قولہ: لِأَنَّهُ مُخْتَارٌ الخ) یعنی جب وہ فدیہ دے دے اور وہ مثلاً غلام کی قیمت سے زائد ہو تو وہ صرف قیمت کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ وہ مجبور نہیں کیونکہ اگر وہ غلام حوالے کرے تو ولی جنایت کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس کو قبول کرے۔

35795۔(قولہ: فَأَعْتَقَهُ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ یہی وہم کا محل ہے۔ کیونکہ جب وہ اس کو آزاد نہیں کرے گا تو حکم اسی طرح ہوگا۔

''ہندیہ'' میں ہے: علمانے اس پر اتفاق کیا ہے کہ کنواں کھودنے والا جب محض غلام تھا تو آقا نے غلام مقتول کے ولی کے سپرد کر دیا پھر اس میں دوسرا آگر گیا اور مر گیا تو دوسرا آقا سے کسی شے کا مطالبہ نہیں کرے گا خواہ آقا نے پہلے کو قاضی کے فیصلہ کے بغیر حوالہ کیا ہو۔ اس کی مکمل وضاحت اس میں ہے۔''ط''۔

35796۔(قولہ: ثُمَّ وَقَعَ فِیهَا إنْسَانٌ) اگر اس انسان کا گرنا آزادی سے پہلے ہو تو دیت واجب ہوگی اگر دوسرا اس میں گر جائے تو وہ پہلے کے ولی کے ساتھ شریک ہوگا لیکن پہلے کا حصہ دیت کی مقدار اور دوسرے کا حصہ قیمت کے حساب سے ہوگا ''مقدسی''۔ یعنی آزادی کے بدلے میں فدیہ اختیار کرنا یہ صرف پہلے میں واقع ہوا ہے تو دیت واجب ہوگی اور دوسرے میں یہ اختیار واقع نہیں ہوا تو صرف قیمت واجب ہوگی۔ یہ حکم اس صورت میں ہے اگر آزادی علم کے بعد ہو ورنہ صرف قیمت اسے لازم ہوگی اس میں دوسرے کا ولی پہلے کے ولی کے ساتھ شریک ہوگا جس طرح اسے بعد میں بیان کیا ہے۔''سائحانی''

35797۔(قولہ: وَیَجِبُ عَلَی الْمَوْلَی قِیمَةٌ وَاحِدَةٌ) یہ جنایت کی حالت کی ابتدا کا اعتبار کرتے ہوئے حکم لگایا ہے کیونکہ یہ اس کا رفیق تھا۔''ط''۔

(فَإِنْ قَتَلَ) عَبْدٌ (عَمْدًا) رَجُلَيْنِ (حُرَّيْنِ لِكُلٍّ) مِنْهُمَا (وَلِيَّانِ فَعَفَا أَحَدُ وَلِيَّيْ كُلٍّ مِنْهُمَا دَفَعَ السَّيِّدُ نِصْفَهُ إِلَى الْحُرَّيْنِ) الَّذَيْنِ لَمْ يَعْفُوَا (أَوْ فَدَاهُ بِدِيَةٍ) كَامِلَةٍ لِأَنَّهُ بِذَلِكَ الْعَفْوِ سَقَطَ الْقَوَدُ وَانْقَلَبَ مَالًا، وَهُوَ دِيَتَانِ وَسَقَطَ دِيَةُ نَصِيبِ الْعَافِيَيْنِ وَبَقِيَ دِيَةُ نَصِيبِ السَّاكِتَيْنِ أَوْ يَدْفَعَ نِصْفَهُ لَهُمَا (فَإِنْ قَتَلَ الْعَبْدُ أَحَدَهُمَا عَمْدًا وَالْآخَرَ خَطَأً وَعَفَا أَحَدُ وَلِيَّيْ الْعَمْدِ فَدَى بِدِيَةٍ لِوَلِيِّ الْخَطَإِ وَنِصْفِهَا لِأَحَدِ وَلِيَّيْ الْعَمْدِ الَّذِي لَمْ يَعْفُ (أَوْ دُفِعَ إِلَيْهِمَا وَقُسِمَ أَثْلَاثًا عَوْلًا) عِنْدَهُ وَأَرْبَاعًا مُنَازَعَةً عِنْدَهُمَا

اگر ایک غلام نے دو آزاد آدمیوں کو جان بوجھ کر قتل کر دیا دونوں مقتولوں میں سے ہر ایک کے دو ولی ہیں تو دونوں میں سے ایک ولی نے معاف کر دیا تو آقا اس کا نصف ان دو آزاد افراد کے حوالے کر دے جنہوں نے معاف نہیں کیا یا کامل دیت کا فدیہ دے دے گا۔ کیونکہ اسی معافی کے ساتھ قصاص ساقط ہو گیا اور وہ مال بن گیا جب کہ وہ دو دیتیں ہیں اور معاف کرنے والوں کے حصہ کی دیت ساقط ہو گئی اور دو خاموش افراد کے حصہ کی دیت باقی رہ گئی یا اس غلام کا نصف ان دونوں کے حوالے کر دے گا۔ اگر غلام دونوں میں سے ایک کو عمداً اور دوسرے کو خطاءً قتل کر دے اور جس کو جان بوجھ کر قتل کیا تھا اس کے ایک ولی نے اسے معاف کر دیا تو جسے خطاءً قتل کیا تھا اس کے ولی کو پوری دیت اور جس کو جان بوجھ کر قتل کیا اس کے ایک ولی جس نے معاف نہیں کیا اس کو نصف دیت دے دے یا وہ غلام ان دونوں کے حوالے کر دے۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تہائی تہائی کے حساب سے بطریق عول تقسیم کر دے اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک چوتھائی چوتھائی کے حساب سے بطریق منازعہ تقسیم کر دے۔

35798۔ (قولہ: إِلَى الْحُرَّيْنِ) ''المنح'' میں متن کی عبارت الی الآخرین ہے ''الکنز'' اور ''الملتقی'' میں اسی طرح ہے۔

35799۔ (قولہ: أَوْ يَدْفَعَ نِصْفَهُ لَهُمَا) اور یہ الا کے معانی میں ہے اس کے بعد فعل ان مضمرہ کے ساتھ منصوب ہے تاکہ متن کے ساتھ تکرار نہ ہو۔ تامل

35800۔ (قولہ: عَوْلًا عِنْدَهُ) یہ عول کی تفسیر ہے اس کی صورت یہ ہے کہ تو دونوں میں سے ہر ایک کو اس کے جمع حصہ کے ساتھ ضرب دے ایک کے حصہ کو نصف مال کے ساتھ اور دوسرے کے حصہ کو کل مال کے ساتھ ضرب دے ''کفایہ''۔ پس اس کے دو تہائی قتل خطاء کے ولی کے لیے ہوں گے۔ کیونکہ وہ کل کا دعویٰ کرتے ہیں اور ایک تہائی قتل عمد کے ولی کے لیے ہوں گا۔ کیونکہ وہ نصف کا دعویٰ کرتا ہے۔ پس ان دونوں کو کل کے ساتھ ضرب دی جائے گی اور اس کو نصف کے ساتھ ضرب دی جائے گی۔

35801۔ (قولہ: وَأَرْبَاعًا مُنَازَعَةً عِنْدَهُمَا) یعنی قتل خطا کے ولی کے لیے تین چوتھائی اور ولی عمد کے لیے ایک چوتھائی ہو گا۔ یہ منازعہ کے طریقہ پر ہے۔ پس نصف ولی خطا کے لیے سالم رہا جس میں کوئی منازعہ نہیں اور دونوں فریقوں کا منازع نصف آخر میں ہے۔ پس اسکو نصف نصف کیا جائے گا۔ اس وجہ سے اسکو چوتھائی چوتھائی کے حوالے سے تقسیم کیا جائے گا۔

(فَإِنْ قَتَلَ عَبْدُهُمَا قَرِيبَهُمَا وَإِنْ عَفَا أَحَدُهُمَا بَطَلَ كُلُّهُ) وَقَالَا يَدْفَعُ الَّذِي عَفَا نِصْفَ نَصِيبِهِ لِلْآخَرِ أَوْ يَفْدِيهِ بِرُبْعِ الدِّيَةِ وَقِيلَ مُحَمَّدٌ مَعَ الْإِمَامِ وَوَجْهُهُ

اگر دو افراد کے غلام نے ان دونوں کے قریبی کو قتل کر دیا اگر دونوں میں سے ایک معاف کر دے تو تمام کا تمام باطل ہو جائے گا۔ اور "صاحبین" رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: جس نے معاف کر دیا ہے وہ اپنے حصہ کا نصف دوسرے کو دے دے یا دیت کا چوتھائی اسے فدیہ دے دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ "امام صاحب" رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے

اس کی وضاحت یہ ہے کہ جو متفق علیہ قانون ہے وہ یہ ہے کہ رہن کی تقسیم جب ذمہ میں دین کے سبب سے ہو جس طرح ترکہ وغیرہا میں دو غریم ہوں تو تقسیم عول کے طریقہ پر ہوگی اور مضاربت ذمہ میں عدم تفریق کی وجہ سے ہے۔ پس دونوں میں سے ہر ایک کا حق کلی طور پر ثابت ہوگا۔ پس اسے اس کے تمام حق کے ساتھ ضرب دی جائے گی اگر وہ واجب ہو مگر ذمہ میں دین کے سبب سے نہ ہو جس طرح فضولی کی بیع ہوتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ایک انسان کا غلام مکمل طور پر بیچ دے اور دوسرا اس کا نصف بیچ دے اور مالک ان دونوں کی بیع کو جائز قرار دے دے۔ پس غلام دونوں مشتریوں کے ہاں بطریق منازعہ چوتھائی چوتھائی کے حساب سے ہوگا۔ کیونکہ ایک عین کامل طریقہ پر دونوں سے تنگ ہوتا ہے جب یہ امر ثابت ہو جائے تو "صاحبین" رحمۃ اللہ علیہما نے اس مسئلہ میں کہا: وہ غلام جس کو حوالے کیا گیا ہے اس کے تین چوتھائی ولی خطا کے لیے اور اس کا ایک چوتھائی ولی عمد کے لیے ہے جو خاموش رہا۔ کیونکہ ولی عمد کا حق تمام غلام میں تھا جب دونوں میں سے ایک نے معاف کر دیا تو اس کا حق باطل ہو گیا اور نصف فارغ رہ گیا۔ پس ولی خطاء کا حق اس نصف سے متعلق ہو گیا جس میں کوئی منازعہ نہیں دوسرا نصف باقی رہ گیا اس میں ولی خطا اور جو ولی خاموش رہا اس کا منازعہ برابر ہے۔ پس اسے ان میں نصف نصف تقسیم کر دیا جائے گا۔

امام "ابوحنیفہ" رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے کہ ان دونوں کا اصلی حق غلام کی ذات میں نہیں بلکہ اس دیت میں ہے جو تلف کیے جانے والے کا بدل ہے عین کے علاوہ میں تقسیم عدل کے طریقہ پر ہوتی ہے یہ حکم اس لیے ہے۔ کیونکہ ولی خطا کا حق دس ہزار میں ہے اور معاف کرنے والا کا حق پانچ ہزار میں ہے۔ پس ان دونوں میں سے ہر ایک کو اس کے حصہ کے ساتھ ضرب دی جائے گی جیسا جس پر ایک آدمی کے دو ہزار اور دوسرے کا ایک ہزار لازم ہوا اور وہ ہزار چھوڑ کر مر گیا ہے۔ پس یہ ہزار ان دونوں کے درمیان تین حصوں کے اعتبار سے تقسیم ہوگا فضولی کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ مشتری کے لیے ملکیت ابتداءً ثابت ہو جاتی ہے۔ "عنایہ"۔

35802۔ (قولہ: فَإِنْ قَتَلَ عَبْدُهُمَا قَرِيبَهُمَا) دو آدمیوں کے غلام نے اپنے مالکوں کے قریبی کو قتل کر دیا۔

35803۔ (قولہ: وَقَالَا يَدْفَعُ الخ) کیونکہ جس نے معاف نہ کیا ہو اس کا حصہ جب اس کے ساتھی کے معاف کرنے سے مال ہو گیا تو اس کا نصف اس کی ملک میں ہو گیا اور اس کا نصف اس کے ساتھی کی ملک میں ہو گیا جو اس کے ساتھی کی ملک میں ہو گیا تھا وہ ساقط نہ ہوا وہ چوتھائی ہے اور جو اس کی ملکیت بنا تو وہ ساقط ہو جائے گا۔ "کفایہ"۔

35804۔ (قولہ: وَوَجْهُهُ) یعنی "امام صاحب" رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل۔ "کفایہ" میں کہا: آپ کی دلیل ہے کہ

أَنَّهُ انْقَلَبَ بِالْعَفْوِ مَالًا وَالْمَوْلَى لَا يَسْتَوْجِبُ عَلَى عَبْدِهِ دَيْنًا فَلَا تَخْلُفُهُ الْوَرَثَةُ فِيهِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ

معافی کے ساتھ وہ مال کی طرف پھر گیا ہے اور آقا اپنے غلام پر رہن کا استحقاق نہیں رکھتا۔ پس وارث اس میں اس کے خلیفہ نہ ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

قصاص دونوں میں سے ہر ایک کے لیے نصف میں بغیر تعین کے واجب ہوا ہے جب وہ مال کی طرف پھر گیا تو یہ ہر اعتبار سے وجوب کا احتمال رکھے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اسے اپنے ساتھی کے حصہ کے ساتھ متعلق کرنے کا اعتبار کرے اور ہر اعتبار سے سقوط کا احتمال رکھے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اپنے حصہ سے اسے متعلق خیال کرے۔ پس نصف نصف کرنے کا احتمال ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں کے متعلق ہونے کا اعتبار کرے اس حیثیت سے کہ وہ مشترک ہے۔ پس شک کی وجہ سے مال واجب نہیں ہوگا۔

35805۔ (قولہ: فَلَا تَخْلُفُهُ الْوَرَثَةُ فِيهِ) واجب یہ تھا کہ اس کو ساقط کر دیتے۔ کیونکہ مقتول قاتل کا مولی نہیں۔ ہاں یہ ایک اور مسئلہ میں ظاہر ہوگا جو مسئلہ یہاں ''ہدایہ'' کے بعض نسخوں اور ''زیلعی'' میں مذکور ہے جس کا حکم اس مسئلہ کا حکم ہے۔ وہ مسئلہ یہ ہے اگر غلام اپنے آقا کو قتل کر دے جس کے دو بیٹے ہوں دونوں میں سے ایک اسے معاف کر دے تو تمام حق باطل ہو جائے گا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ دیت مقتول کا حق ہے پھر وارث اس کے نائب بن جائیں گے آقا کا اپنے غلام پر کوئی دین ثابت نہیں ہوتا۔ پس وارث اس میں اس کے نائب نہ ہوں گے جو شارح نے ذکر کیا ہے وہ صاحب ''الدرر'' کا کلام ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

فَصْلٌ فِی الْجِنَایَةِ عَلَی الْعَبْدِ

(دِیَةُ الْعَبْدِ قِیمَتُهُ فَإِنْ بَلَغَتْ هِیَ دِیَةَ الْحُرِّ وَ) بَلَغَتْ قِیمَةُ الْأَمَةِ دِیَةَ الْحُرَّةِ (نَقَصَ مِنْ كُلٍّ) مِنْ دِیَةِ عَبْدٍ وَأَمَةٍ (عَشَرَةَ) دَرَاهِمَ إِظْهَارًا لِانْحِطَاطِ رُتْبَةِ الرَّقِیقِ عَنِ الْحُرِّ وَتَعْیِینُ الْعَشَرَةِ بِأَثَرِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالَی عَنْهُ وَعَنْهُ مِنَ الْأَمَةِ خَمْسَةٌ، وَیَكُونُ حِینَئِذٍ عَلَی الْعَاقِلَةِ فِی ثَلَاثِ سِنِینَ

غلام پر جنایت کے احکام

غلام کی دیت اس کی قیمت ہے اگر وہ قیمت آزاد کی دیت تک پہنچ جائے اور لونڈی کی قیمت آزاد عورت کی دیت تک پہنچ جائے تو غلام اور لونڈی کی دیت میں سے دس درہم کم کر دے تا کہ غلام کے رتبہ کو آزاد کے مرتبہ سے کم ظاہر کیا جائے اور اس کو (کم کرنے) کی تعیین حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر کی وجہ سے ہے۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ لونڈی میں پانچ درہم کم کیے جائیں گے اس وقت وہ عاقلہ پر تین سالوں میں ادائیگی لازم ہوگی۔

غلام اور لونڈی کی دیت

35806۔ (قولہ: فَإِنْ بَلَغَتْ هِیَ) یعنی اس کی قیمت پہنچ جائے۔

مقادیر قیاس سے نہیں بلکہ صاحب وحی کے سماع سے پہچانی جاتی ہے

35807۔ (قولہ: بِأَثَرِ ابْنِ مَسْعُودٍ) وہ یہ ہے کہ غلام کی قیمت کے ساتھ آزاد کی دیت تک نہیں پہنچا جائے گا اور اس میں سے دس دراہم کم کر دیئے جائیں گے۔ یہ اثر اسی طرح ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے۔ کیونکہ مقادیر قیاس سے نہیں پہنچانی جاتیں۔ ان کی معرفت کا طریقہ صاحب وحی سے سماع ہے۔ ''کفایہ''۔

35808۔ (قولہ: وَعَنْهُ) یعنی امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے۔ یہ امام ''حسن بن زیاد'' کی ان سے روایت ہے۔ یہی قیاس ہے پہلی ظاہر روایت ہے۔ ''اتقانی''۔

35809۔ (قولہ: مِنَ الْأَمَةِ) یعنی اس کی دیت میں کمی کر دی جائے گی یہ مطلقاً نہیں جس طرح یہ گمان کیا گیا ہے کیونکہ یہ سہو ہے۔ ''در منتقی''۔

35810۔ (قولہ: وَیَكُونُ حِینَئِذٍ عَلَی الْعَاقِلَةِ الخ) یعنی غلام اور لونڈی میں سے جس کا ذکر کیا گیا یعنی نفس کی دیت عاقلہ پر ہوگی۔ کیونکہ عاقلہ غلام کے اطراف کے ذمہ دار نہیں ہوتی جس طرح کتاب المعاقل کے آخر میں آئے گا۔

خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ (وَفِي الْغَصْبِ تَجِبُ الْقِيمَةُ بَالِغَةً مَا بَلَغَتْ) بِالْإِجْمَاعِ (وَمَا قُدِّرَ مِنْ دِيَةِ الْحُرِّ قُدِّرَ مِنْ قِيمَتِهِ) وَحِينَئِذٍ (فَفِي يَدِهِ نِصْفُ قِيمَتِهِ) بَالِغَةً مَا بَلَغَتْ

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے اور غصب کی صورت میں قیمت واجب ہوگی وہ جہاں تک پہنچ جائے اس کے بارے میں اجماع ہے اور آزاد کی دیت میں جو اندازہ لگایا جائے گا وہی اس کی قیمت میں اندازہ لگایا جائے گا اس وقت اس کے ہاتھ میں اس کی نصف قیمت ہوگی وہ جہاں تک پہنچے۔

35811۔ (قولہ: خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ) کیونکہ کہا: اس کی قیمت اس کے مال میں واجب ہوگی وہ جہاں بھی پہنچے یہ ایک روایت میں ہے اور دوسری روایت میں ہے اس کی عاقلہ پر واجب ہوگی۔ ''جوہرہ'' میں ہے: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: قاتل کے مال میں واجب ہوگی۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: عاقلہ نے عمداً کی گئی جنایت کی ذمہ دار ہوگی اور نہ ہی غلام کی دیت کی ذمہ دار ہوگی۔

ہم کہتے ہیں یہ اس پر محمول ہے جو غلام نے جنایت کی نہ کہ اس پر محمول ہے جو غلام پر جنایت کی گئی۔ کیونکہ غلام جو جنایت کرتا ہے عاقلہ اس کی ذمہ دار نہیں ہوتی۔ کیونکہ مولیٰ عاقلہ سے بڑھ کر اس کا قریبی ہوتا ہے۔

جو اندازہ آزاد کی قیمت میں لگایا جائے گا وہی غلام کی قیمت میں لگایا جائے گا

35812۔ (قولہ: وَمَا قُدِّرَ) یعنی آزاد کی دیت میں سے جو مقدر کیا گیا ہے یعنی آزاد کے اطراف میں جنایت کی صورت میں جو مقدر کیا گیا ہے تو غلام کی قیمت سے اسی طرح مقدر کی جائے گی۔ ان کا قول ففی یدہ نصف قیمتہ یہ اس پر تفریع ہے۔ کیونکہ آزاد کے ہاتھ میں جو واجب ہے وہ دیت میں سے نصف مقدار ہے۔ پس غلام کے ہاتھ میں اس کی نصف قیمت مقدر ہوگی۔ اسی طرح اس کے موضحہ میں اس کی قیمت کا بیسواں حصہ واجب ہوگا۔ کیونکہ آزاد کے موضحہ میں دیت کا بیسواں حصہ ہے۔ ''العنایہ'' میں یہ ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس سے ڈاڑھی کا حق وغیرہ مستثنیٰ ہے اس میں عادل کا فیصلہ ہوگا جس طرح آگے آئے گا۔ اسی طرح دونوں آنکھوں کو پھوڑنے کا معاملہ ہے۔ کیونکہ اس کے آقا کو اختیار ہوگا جس طرح آگے اس کا ذکر بھی آئے گا تامل۔ اس طرح وہ ہے جو ''الخانیہ'' میں ہے: اگر ایک آدمی نے اس غلام کا ہاتھ کاٹ دیا جس کا ہاتھ پہلے ہی کٹا ہوا ہے اگر وہ ہاتھ کی جانب سے کاٹے تو اس پر وہ لازم ہوگا جو مقطوع الید کی قیمت میں سے جو کمی ہوئی۔ کیونکہ یہ اتلاف ہے۔ اور مرد کے لیے جو دیت مقدر تھی وہ واجب نہیں ہوگی اگر وہ ہاتھ کی جانب سے نہ کاٹے تو مقطوع الید کی جو قیمت ہوتی ہے اس کا نصف لازم ہوگا۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔ ''جوہرہ'' میں ہے: نفس سے کم جو غلام پر جنایت ہوگی عاقلہ اس کی ذمہ دار نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ اموال کی ضمان کے قائم مقام ہے یعنی وہ فی الحال جانی کے مال میں جاری ہوگی جس طرح غصب اور جان بوجھ کر ہلاک کرنے کی ضمانت کا معاملہ ہے جس طرح ''منیۃ المفتی'' میں ہے۔

فِي الصَّحِيحِ دُرَرٌ، وَقِيلَ لَا يُزَادُ عَلَى خَمْسَةِ آلَافٍ إِلَّا خَمْسَةً جَزَمَ بِهِ فِي الْمُلْتَقَى (وَتَجِبُ حُكُومَةُ عَدْلٍ فِي لِحْيَتِهِ

یہ صحیح قول کے مطابق ہے،''درر''۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: پانچ ہزار سے پانچ کم سے زائد نہ کی جائے گی۔''الملتقی''میں اسے یقین کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔صحیح قول کے مطابق اس کی ڈاڑھی میں

35813۔(قولہ: فِي الصَّحِيحِ) یہ ظاہر روایت ہے مگر امام''محمد''رحمۃ اللہ علیہ نے بعض روایات میں کہا ہے: اس کے مطابق قول اس امر کی طرف لے جاتا ہے کہ اس کا عضو کاٹنے کی صورت میں اس سے بڑھ کر واجب ہو جو اس کے قتل میں واجب ہوتا ہے جس طرح اگر وہ اپنے غلام کا ہاتھ کاٹے جو تیس ہزار کا ہو تو وہ پندرہ ہزار کی ضمانت دے گا۔''النہایہ''وغیرہا میں شروح سے اسی طرح مروی ہے۔

35814۔(قولہ: جَزَمَ بِهِ فِي الْمُلْتَقَى) عام کتب جیسے''ہدایہ''،''خلاصہ''،''مجمع البحر''میں اس کی دونوں شروح، ''الاختیار''،''فتاوی الولوالجی''اور''الملتقی''میں یہی ہے۔''المجتبیٰ''میں''المحیط''سے مروی ہے: یہاں پانچ کی کمی کرنا یہ روایت کے اتفاق کی بنا پر ہے۔فصل الامۃ کا معاملہ مختلف ہے''شلبی''،''ط''۔''الظہیریہ''اور''جامع المحبوبی''میں جو قول ہے وہ اس کے موافق ہے۔غلام کا موضحہ زخم آزاد کے موضحہ زخم کی مثل ہے۔پانچ سو میں سے نصف درہم کی کمی کا فیصلہ کیا جائے گا اگر ایک آدمی نے ایک غلام کی انگلی عمداً یا خطاءً کاٹی اور اس کی قیمت دس ہزار تھی یا اس سے زائد تھی تو اس پر دیت کا دسواں حصہ لازم ہوگا مگر ایک درہم منہا کیا جائے گا۔''معراج''۔

ڈاڑھی کی دیت کا حکم

35815۔(قولہ: وَتَجِبُ حُكُومَةُ عَدْلٍ فِي لِحْيَتِهِ) یعنی جب وہ ڈاڑھی نہ اُگے۔''بزازیہ''میں کہا:''العیون''میں امام''احمد''سے مروی ہے: اس کا کان یا اس کی ناک کاٹنے میں یا اس کی ڈاڑھی کا حلق کر دینے میں جب وہ دوبارہ نہ آئے تو مکمل دیت ہوگی اگر غلام اس کے حوالے کر دیا جائے۔''امام قدوری''نے اس کے بالوں اور ڈاڑھی میں عادل کا فیصلہ ہے۔

قاضی نے کہا: اس کا کان، اس کی ناک کاٹنے اور اس کی ڈاڑھی کے حق میں جب وہ نہ اگے فتویٰ یہ ہے کہ اس کی قیمت میں جو کمی واقع ہوگئی ہے وہ لازم ہوگی جس طرح''صاحبین''رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا ہے۔حاصل کلام یہ ہے کہ غلام پر جنایت اگر جان بوجھ کر ہلاک کرنے والی ہو۔اس کی صورت یہ ہے کہ وہ جنایت آزاد میں مکمل دیت واجب کرنے والی ہو تو غلام میں مکمل قیمت لازم کرے گی اگر وہ جان بوجھ کر ہلاک کرنے والی نہ ہو۔اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس میں نصف دیت واجب کرے تو اس میں نصف قیمت لازم ہوگی۔پہلی یہ ہے جیسے دونوں ہاتھوں اور اس کی مثل کا قطع کرنا ایک جانب سے ہاتھ اور پاؤں کا کاٹنا۔

دوسری یہ ہے: ہاتھ یا پاؤں کا ٹنا یا مخالف سمت سے ہاتھ اور پاؤں کاٹنا اور دونوں کان کاٹنا اور دونوں آبروؤں کا حلق کر دینا۔جب ڈاڑھی نہ اگے تو ایک روایت کے مطابق وہ پہلے کے قبیل سے ہوگی اور دوسری روایت کے مطابق دوسرے کے

فِي الصَّحِيحِ وَقِيلَ كُلُّ قِيمَتِهِ (قُطِعَ يَدُ عَبْدٍ فَحَرَّرَهُ سَيِّدُهُ فَسَرَى فَمَاتَ مِنْهُ) وَلَهُ (لِلْعَبْدِ وَرَثَةٌ غَيْرُهُ) غَيْرُ الْمَوْلَى (لَا يُقْتَصُّ) لِاشْتِبَاهِ مَنْ لَهُ الْحَقُّ (وَإِلَّا) يَكُنْ لَهُ غَيْرُ الْمَوْلَى (اُقْتُصَّ مِنْهُ) خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ (قَالَ) لِعَبْدَيْهِ (أَحَدُكُمَا حُرٌّ فَشُجَّا فَبَيَّنَ الْمَوْلَى الْعِتْقَ فِي أَحَدِهِمَا) بَعْدَ الشَّجِّ (فَأَرْشُهُمَا لِلسَّيِّدِ) لِأَنَّ الْبَيَانَ كَالْإِنْشَاءِ

عادل کا فیصلہ واجب ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی تمام قیمت واجب ہوگی۔ ایک غلام کا ہاتھ کاٹا گیا تو اس کے آقا نے اسے آزاد کر دیا تو وہ زخم سرایت کر گیا اور وہ غلام اس سے مر گیا اور اس غلام کے آقا کے علاوہ اور وارث ہیں تو اس کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔ کیونکہ جس کا حق ہے وہ مشتبہ ہے۔ اگر آقا کے علاوہ اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ایک آدمی نے اپنے دو غلاموں کو کہا: تم میں سے ایک غلام آزاد ہے تو دونوں کو زخمی کر دیا گیا تو آقا نے زخم لگانے کے بعد دونوں میں سے ایک میں آزادی کو واضح کر دیا تو دونوں کی دیت آقا کے لیے ہو گی۔ کیونکہ بیان نئے سرے سے امر واقع کرنے کی طرح ہے۔

قبیل سے ہوگی۔ فتامل۔

35816۔ (قوله: فِي الصَّحِيحِ) کیونکہ عبد کا مقصود خدمت ہوتی ہے جمال مقصود نہیں ہوتا۔ ''منح''۔

35817۔ (قوله: لِاشْتِبَاهِ مَنْ لَهُ الْحَقُّ) کیونکہ قصاص موت کے وقت واجب ہوتا ہے جب کہ زخم لگنے کے وقت کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ پس جرح کی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے حق آقا کے لیے ہوگا اور دوسری حالت کا اعتبار کرتے ہوئے یہ حق وارثوں کا ہے۔ پس اشتباہ متحقق ہو گیا۔ ''منح''۔

35818۔ (قوله: خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ) امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں کوئی قصاص نہیں اور قطع کرنے والے پر ہاتھ کی دیت اور اس نے اس میں جو نقص واقع کیا ہے یہاں تک آقا نے اسے آزاد کر دیا لازم ہوگی۔ کیونکہ وصیت کا سبب مختلف ہے۔ کیونکہ زخم لگانے کی حالت کے اعتبار سے یہ ملک ہے اور ولا کی وراثت دوسرے اعتبار سے ہے۔ پس اس کو اس کے قائم مقام رکھا جائے گا کہ مستحق میں اختلاف ہے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے ہم کو آقا کے لیے ولایت کے ثبوت کا یقین ہے۔ پس سبب کا اختلاف معتبر نہیں۔ اس کی مکمل بحث ''ہدایہ'' میں ہے۔

35819۔ (قوله: لِأَنَّ الْبَيَانَ كَالْإِنْشَاءِ) کیونکہ بیان من وجہ امر کو نئے سرے سے واقع کرنا ہے یہاں تک کہ نئے سرے سے امر کو واقع کرنے کے لیے محل کا اس کی صلاحیت رکھنا شرط ہے۔ اگر دونوں میں سے ایک مر جائے تو وہ اس کے بارے میں آزادی کو واضح کرے تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ اور من وجہ اظہار ہے یہاں تک کہ اس کو اس پر مجبور کیا جا سکتا ہے اگر یہ ہر اعتبار سے اظہار ہوتا تو اس کو مجبور نہ کیا جاتا۔ کیونکہ انسان کو غلام کے آزاد کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اور زخم لگنے کے بعد غلام

وَلَوْ قَتَلَا فَدِيَةُ حُرٍّ وَقِيمَةُ عَبْدٍ لَوْ الْقَاتِلُ وَاحِدًا مَعًا وَقِيمَتُهُمَا سَوَاءٌ وَإِنْ قَتَلَ كُلًّا وَاحِدٌ مَعًا أَوْ عَلَى التَّعَاقُبِ، وَلَمْ يَدْرِ الْأَوَّلَ فَقِيمَةُ الْعَبْدَيْنِ زَيْلَعِيٌّ (فَقَأَ) رَجُلٌ (عَيْنَيْ عَبْدٍ)

اگر دونوں کو قتل کر دیا گیا تو ایک آزاد کی دیت اور ایک غلام کی قیمت لازم ہوگی۔ اگر قاتل ایک ہو تو اس نے دونوں کو اکٹھے قتل کیا ہو اور دونوں کی قیمت برابر ہو۔ اگر دونوں کو ایک نے اکٹھے قتل کیا ہو یا یکے بعد دیگرے قتل کیا ہو اور پہلے کا پتا نہ ہو تو دو غلاموں کی قیمت لازم ہوگی۔ ''زیلعی''۔ ایک آدمی نے ایک غلام کی دونوں آنکھیں پھوڑ دیں

بیان کا محل ہوتا ہے۔ پس اس کو انشاء معتبر مان لیا جائے گا۔ ''عنایہ''۔

35820۔ (قولہ: فَدِيَةُ حُرٍّ وَقِيمَةُ عَبْدٍ) کیونکہ غلام موت کے بعد محل نہیں رہا۔ پس ہم نے اس کو محض اظہار اعتبار کیا اور ان دونوں میں سے ایک یقینی طور پر آزاد ہے۔ پس جو ذکر کیا گیا وہ واجب ہو گیا اور اسے آقا اور وارثوں کے درمیان نصف۔ نصف کیا جائے گا کیونکہ اولویت نہیں پائی گئی۔ ''زیلعی''۔

35821۔ (قولہ: لَوْ الْقَاتِلُ وَاحِدًا مَعًا) یعنی اگر اس نے دونوں کو اکٹھے قتل کر دیا ہو اگر قاتل دو ہوں تو وہ آگے آئے گا اگر وہ قاتل ایک ہو اور ان دونوں کو یکے بعد دیگرے قتل کر دے تو اس پر پہلے کی قیمت کی آقا کے لیے اور دوسرے کی قیمت اس کے وارثوں کے لیے ہوگی۔ کیونکہ دونوں میں سے ایک کے قتل کرنے کے ساتھ دوسرا آزادی کے لیے متعین ہو گیا۔ پس یہ امر واضح ہو گیا کہ اس نے اس وقت قتل کیا ہے جب وہ آزاد تھا۔ ''کفایہ''۔

35822۔ (قولہ: وَقِيمَتُهُمَا سَوَاءٌ) اگر دونوں کی قیمت مختلف ہو تو اس پر دونوں میں سے ہر ایک کی نصف قیمت لازم ہوگی۔ اور آزاد کی دیت لازم ہوگی۔ پس پہلے کی طرح اس کو تقسیم کر دیا جائے گا۔ ''زیلعی''۔

35823۔ (قولہ: وَلَمْ يَدْرِ الْأَوَّلَ) یعنی اگر اس کا علم ہو تو اس کے قاتل پر اس کے آقا کے لیے قیمت ہوگی۔ اور دوسرے کے قاتل پر اس کے وارثوں کے لیے دیت ہوگی کیونکہ پہلے کی موت کے بعد آزادی متعین ہوگئی۔ ''زیلعی''۔

35824۔ (قولہ: فَقِيمَةُ الْعَبْدَيْنِ) کیونکہ ہمیں یقین نہیں کہ دونوں قاتلوں میں سے ہر ایک نے آزاد کو قتل کیا ہے جب کہ دونوں میں سے ہر ایک اس کا انکار کر رہا ہے اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ قیاس مجہول میں عتق کے ثبوت کا انکار کرتا ہے۔ پس دونوں میں قیمت واجب ہوگی۔ پس وہ آقا اور وارثوں کے درمیان دو نصف ہوگی۔ کیونکہ آزادی کا حکم دونوں میں سے ایک میں آقا کے حق میں ثابت ہے۔ پس وہ اس کے بدل کا مستحق نہ ہوگا ''زیلعی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

اگر کوئی غلام کسی غلام کی آنکھیں پھوڑ دے تو اس کے حکم میں آئمہ فقہا کے اقوال

35825۔ (قولہ: فَقَأَ رَجُلٌ عَيْنَيْ عَبْدٍ) یہ اسی طرح کا حکم ہوگا جب وہ اس کے دونوں ہاتھوں کو یا اس کے دونوں پاؤں کو کاٹ دے۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: فقأعينه جب اسے اپنی جگہ سے ہلا دے اور اسے باہر نکال دے۔ ''اتقانی''۔

خُيِّرَ مَوْلَاهُ إِنْ شَاءَ (دَفَعَ مَوْلَاهُ عَبْدَهُ) الْمَفْقُوءَ لِلْفَاقِئِ (وَأَخَذَ مِنْهُ (قِيمَتَهُ) كَامِلَةً (أَوْ أَمْسَكَهُ وَلَا يَأْخُذُ مِنْهُ النُّقْصَانَ وَقَالَا لَهُ أَخْذُ النُّقْصَانِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ) ضَمَّنَهُ الْقِيمَةَ وَأَمْسَكَ الْجُثَّةَ الْعَمْيَاءَ (وَلَوْ جَنَى مُدَبَّرٌ أَوْ أُمُّ وَلَدٍ ضَمِنَ السَّيِّدُ الْأَقَلَّ مِنَ الْقِيمَةِ

تو اس کے آقا کو اختیار دیا جائے گا اگر چاہے تو اس غلام کا آقا اس غلام کو جس کی آنکھیں پھوڑی گئی ہیں آنکھیں پھوڑنے والے کے حوالے کر دے اور اس سے اس غلام کی مکمل قیمت لے لے یا اس غلام کو اپنے پاس روک لے اور اس سے نقصان نہ لے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: اسے نقصان لینے کا حق ہو گا۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس سے قیمت کی ضمانت لے اور نابینا غلام کو اپنے پاس رکھے اگر مدبر یا ام ولد غلام نے جنایت کی تو آقا قیمت اور دیت میں سے جو اقل ہو گا

35826۔(قولہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ الخ) وہ ضمان کو فوت شدہ کے مقابل کر دیتے ہیں۔ اور باقی ماندہ اس کی ملک پر رہے گا جس طرح جب وہ اس کی دونوں آنکھوں میں سے ایک کو پھوڑ دے۔

''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ اطراف کے حق میں مالیت معتبر ہوتی ہے اور مالیت صرف ذات کے حق میں ساقط ہوتی ہے اور اموال کا حکم وہ ہے جسے ذکر کر دیا گیا ہے جس طرح ایسی پھٹن جو بہت زیادہ ہو۔

''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ مالیت اگرچہ معتبر ہے انسانیت رائیگاں جانے والی چیز نہیں۔ دونوں قسموں پر عمل اس کو واجب کرتا ہے جس کو ذکر کیا گیا ہے۔ ''ابن کمال''۔

مدبر یا ام ولد نے جنایت کی تو اس کا حکم

35827۔(قولہ: وَلَوْ جَنَى مُدَبَّرٌ أَوْ أُمُّ وَلَدٍ) یعنی اگر مدبر یا ام ولد نے نفس پر خطا یا نفس سے کم پر جنایت کی، ''جوہرہ''۔ اگر اس نے مال میں جنایت کی تو اس پر لازم ہو گا کہ وہ اپنے مالک کے لیے اس مال کی قیمت میں سعی کرے وہ جہاں تک بھی پہنچے اور آقا پر کوئی شے لازم نہ ہو گی۔ ''طحطاوی'' نے ''مکی'' سے روایت کیا ہے۔ جہاں تک مکاتب کی جنایت کا تعلق ہے تو یہ اس کی ذات پر ہے اس کے آقا پر نہیں اور نہ ہی عاقلہ پر ہے۔ کیونکہ اس کی کمائی اس کی ذات کے لیے ہے۔ پس اس کی قیمت اور اس کی جنایت کی دیت میں سے جو کم ہو گا اس پر اس کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اس کی مکمل تفریعات ''غایۃ البیان'' میں ہیں۔

35828۔(قولہ: ضَمِنَ السَّيِّدُ) آقا اس وقت ان معاملات میں ضامن ہو گا جو اس کے لیے ہیں اس کی عاقلہ ضامن نہ ہو گی۔ ''جوہرہ''۔ وہ اس لیے ضمان دے گا کیونکہ وہ غلام کو جنایت میں سپرد کرنے سے مانع ہے جب کہ اسے فدیہ دینے کا اختیار نہیں دیا گیا۔ کیونکہ جو کچھ وقوع پذیر ہو چکا ہے اس کا اسے علم نہیں ہوا۔ پس وہ اس طرح ہو گیا جب وہ یہ عمل جنایت کے بعد کرے جب کہ اسے علم نہ ہو۔ ''زیلعی''۔

35829۔(قولہ: الْأَقَلَّ مِنَ الْقِيمَةِ) یعنی دونوں میں سے ہر ایک کی قیمت جو جنایت کے دن مدبر بننے اور ام ولد

وَمِنَ الْأَرْشِ) لِقِيَامِ قِيمَتِهِمَا مَقَامَهُمَا (فَإِنْ دَفَعَ الْقِيمَةَ بِقَضَاءٍ فَجَنَى الْمُدَبَّرُ أَوْ أُمُّ الْوَلَدِ جِنَايَةً أُخْرَى يُشَارِكُ الثَّانِي الْأَوَّلَ) إِذْ لَيْسَ فِي جِنَايَاتِهِ كُلِّهَا إِلَّا قِيمَةٌ وَاحِدَةٌ وَلَا شَيْءَ عَلَى الْمَوْلَى لِأَنَّهُ مَجْبُورٌ عَلَى الدَّفْعِ (وَلَوْ دَفَعَ الْقِيمَةَ لِوَلِيِّ الْأُولَى (بِغَيْرِ قَضَاءٍ اتَّبَعَ السَّيِّدَ) بِحِصَّتِهِ مِنَ الْقِيمَةِ وَرَجَعَ

اس کی ضمانت دے گا۔ کیونکہ دونوں کی قیمت ان کے قائم مقام ہے۔ اگر اس نے قاضی کے فیصلہ سے قیمت دی تو مدبر یا ام ولد نے دوسری جنایت کی تو دوسرا پہلے کے ساتھ شریک ہوگا۔ کیونکہ اس کی تمام جنایات میں صرف ایک قیمت لازم ہوگی اور آقا پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ حوالے کرنے پر مجبور ہے اگر پہلی جنایت کے ولی کو قاضی کے فیصلہ کے بغیر قیمت دے دی تو اس کی قیمت میں سے جو حصہ ہے اس میں آقا کا پیچھا کرے گا اور آقا پہلے ولی جنایت سے

بننے کے وصف کے ساتھ ہو۔ اس کی مکمل وضاحت ''کنایہ'' میں ہے۔ ''در منتقی'' یعنی مطالبہ کے دن جو قیمت ہے وہ لازم نہیں اور نہ ہی تدبیر کے دن کی قیمت لازم ہے اور ام ولد کی قیمت اس کی قیمت کا ایک تہائی ہوتی ہے اور مدبر کی قیمت اس کا دو تہائی ہوتی ہے۔ ''جوہرہ''۔

35830۔ (قولہ: لِقِيَامِ قِيمَتِهِمَا) ''زیلعی'' کی عبارت ہے: کیونکہ ولی جنایت کا دیت سے زیادہ کوئی حق نہیں ہوتا اور نہ ہی آقا کو عین سے زیادہ دینے سے روکا جا سکتا ہے۔ پس اس کی قیمت عین کے قائم مقام ہوگی۔

35831۔ (قولہ: يُشَارِكُ الثَّانِي الْأَوَّلَ الخ) یعنی دوسرا قیمت میں اول کے ساتھ شریک ہے اور اس میں احوال میں تفاوت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اگر غلام ایک آزاد آدمی کو قتل کرتا ہے جب کہ اس وقت قاتل غلام کی قیمت ہزار ہے پھر وہ ایک اور آدمی کو قتل کرتا ہے جب کہ اس وقت قاتل غلام کی قیمت دو ہزار ہے پھر ایک اور کو قتل کرتا ہے جب کہ اس کی قیمت پانچ سو ہے تو اس قاتل غلام کا آقا دو ہزار کی ضمانت دے گا۔ یہ اوسط کے اعتبار سے ہے۔ دوسرے مقتول کا ولی ایک ہزار لے گا۔ کیونکہ اس میں پہلے کا کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ اس کی جنایت کی حالت میں غلام کی قیمت ایک ہزار ہے اور ہم نے اس کو باقی رکھا ہے۔ اور تیسرے کا پانچ سو سے زیادہ میں کوئی تعلق نہیں۔ پس باقی ماندہ ہزار کا نصف پہلے اور درمیانے میں مشترک ہوگا جس ہزار میں اول کو اس کی دیت کے ساتھ جو دس ہزار ہے ضرب دی جائے گی اور اوسط کو باقی کے ساتھ ضرب دی جائے گی وہ نو ہزار ہے۔ پھر باقی ماندہ پانچ سو کو تین سو کے درمیان پس تیسرے کو تمام دیت سے ضرب دی جائے گی اور باقی میں سے ہر ایک، ان دونوں نے جو کچھ لیا ان کے غیر کے ساتھ ضرب دی جائے گی۔ یہ ''زیلعی'' وغیرہ سے ملخص ہے۔

35832۔ (قولہ: إِلَّا قِيمَةٌ وَاحِدَةٌ) کیونکہ آقا کی جانب سے منع صرف ایک رقبہ میں ہے۔ ''زیلعی''۔

35833۔ (قولہ: لِأَنَّهُ مَجْبُورٌ عَلَى الدَّفْعِ) یعنی اس کے خلاف اس کا فیصلہ ہونے کی وجہ سے۔

35834۔ (قولہ: اتَّبَعَ السَّيِّدَ) کیونکہ اس نے اس کا حق اس کی اجازت کے بغیر دے دیا۔

35835۔ (قولہ: وَرَجَعَ) آقا اس کے بارے میں پہلے والی جنایت سے مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ یہ امر ظاہر ہوا ہے

بِهَا عَلَى الْأَوَّلِ، لِأَنَّهُ قَبَضَهُ بِغَيْرِ حَقٍّ، لِأَنَّ الْمَوْلَى لَا يَجِبُ عَلَيْهِ إِلَّا قِيمَةٌ وَاحِدَةٌ (أَوْ اتَّبَعَ (وَلِيَّ الْجِنَايَةِ) الْأُولَى وَقَالَا لَا شَيْءَ عَلَى الْمَوْلَى (وَإِنْ أَعْتَقَ) الْمَوْلَى (الْمُدَبَّرَ وَقَدْ جَنَى جِنَايَاتٍ لَمْ تَلْزَمْهُ) أَيِ الْمَوْلَى (إِلَّا قِيمَةٌ وَاحِدَةٌ عَلَى عِلْمٍ بِالْجِنَايَةِ) قَبْلَ الْعِتْقِ (أَوْ لَا) لِأَنَّ حَقَّ الْوَلِيِّ لَمْ يَتَعَلَّقْ بِالْعَبْدِ، فَلَمْ يَكُنْ مُفَوِّتًا بِالْإِعْتَاقِ (وَأُمُّ الْوَلَدِ كَالْمُدَبَّرِ فِيمَا مَرَّ (أَقَرَّ الْمُدَبَّرُ أَوْ أُمُّ الْوَلَدِ بِجِنَايَةٍ تُوجِبُ الْمَالَ

اس کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ اس نے ناحق اس پر قبضہ کیا ہے۔ کیونکہ آقا پر صرف ایک قیمت واجب ہوتی ہے یا دوسرا ولی جنایت پہلے ولی جنایت کا پیچھا کرے گا۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا آقا پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ اگر آقا نے مدبر کو آزاد کر دیا جب کہ اس نے کئی جنایات کی تھیں تو آقا پر صرف ایک قیمت لازم ہوگی اسے آزادی سے پہلے جنایت کا علم ہو یا علم نہ ہو۔ کیونکہ ولی کا حق غلام کے متعلق نہیں ہوا۔ پس وہ آزاد کرنے کے ساتھ کسی کا حق فوت کرنے والا نہیں۔ اور ام ولد، مدبر کی طرح ہے ان تمام معاملات میں جو گزر چکے ہیں۔ مدبر اور ام ولد نے ایسی جنایت کا اقرار کیا جو مال کو واجب کرتی ہے

کہ اس نے اپنے حق سے زیادہ لے لیا ہے۔ ''عنایہ''۔

35836۔ (قولہ: أَوْ اتَّبَعَ وَلِيَّ الْجِنَايَةِ الْأُولَى) کیونکہ اس نے اس کا حق ظلماً قبضہ میں لیا ہے ضمانت لازم کرنے میں اختیار دیا ہے۔ کیونکہ دوسری جنایت من وجہ مقارن ہے یہاں تک وہ دو ہزار میں اس کے ساتھ شریک ہوگا اور من وجہ وہ متاخر ہے یہاں تک کہ اس کے حق میں اس کی قیمت کا اعتبار دوسری جنایت کے روز کیا جائے گا۔ پس ضمانت لازم کرنے کے حق میں بھی اس کے مقارن ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔ ''کفایہ'' میں اسے بیان کیا ہے۔

35837۔ (قولہ: وَقَالَا لَا شَيْءَ عَلَى الْمَوْلَى) کیونکہ یہ بعینہ وہ فعل ہے جو قاضی بجالایا ہے۔

35838۔ (قولہ: لِأَنَّ حَقَّ الْوَلِيِّ) ولی پر الف لام جنسی ہے یعنی جنایت کے اولیاء کا حق۔ ''ط''۔

35839۔ (قولہ: لَمْ يَتَعَلَّقْ بِالْعَبْدِ) غلام کے متعلق نہیں بلکہ اس کی قیمت کے متعلق ہے۔ کیونکہ اس کا حوالے کرنا ممکن نہیں اور قیمت عین کے قائم مقام ہوتی ہے جس طرح گزر چکا ہے۔

35840۔ (قولہ: فَلَمْ يَكُنْ مُفَوِّتًا) یہ احتمال موجود ہے کہ یکن میں ضمیر عبد کے لیے ہے اور مفوتا یہ اسم مفعول کا صیغہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ ضمیر مولی کی طرف لوٹ رہی ہو اور مفوتا اسم فاعل کا صیغہ ہو۔ ''ط''۔

35841۔ (قولہ: فِيمَا مَرَّ) وہ ان کا قول ہے: و ان اعتق المدبر۔ جہاں تک اس سے قبل کا تعلق ہے تو مصنف سے ان دونوں کے بارے میں صراحت کردی ہے۔ ''ط''۔

مدبر اور ام ولد نے ایسی جنایت کا اقرار کیا جو مال کو واجب کرتی ہو تو اس میں اقرار جائز نہیں

35842۔ (قولہ: بِجِنَايَةٍ تُوجِبُ الْمَالَ) اس سے مراد جنایت خطا ہے ''اتقانی'' نے ''کرخی'' سے نقل کیا ہے۔

لَمْ يَجُزْ إِقْرَارُهُ) لِأَنَّهُ إِقْرَارٌ عَلَى الْمَوْلَى (بِخِلَافِ مَا إِذَا أَقَرَّ بِالْقَتْلِ عَمْدًا فَإِنَّهُ يَصِحُّ إِقْرَارُهُ) عَلَى نَفْسِهِ (فَيُقْتَلُ بِهِ) وَلَوْ جَنَى الْمُدَبَّرُ خَطَأً فَمَاتَ لَمْ تَسْقُطْ قِيمَتُهُ عَنْ مَوْلَاهُ، وَلَوْ قَتَلَ الْمُدَبَّرُ مَوْلَاهُ خَطَأً سَعَى فِي قِيمَتِهِ،

تو اس کا اقرار جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ آقا کے خلاف اقرار ہے۔ جب وہ قتل کا عمداً اقرار کرے تو اس کا معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ اس کا اپنے خلاف اقرار صحیح ہے۔ پس اس کے بدلے میں اس کو قتل کیا جائے گا۔ اگر مدبر نے خطا جنایت کی اور وہ مر گیا تو اس کی قیمت اس کے مولی سے ساقط نہ ہوگی۔ اگر مدبر اپنے آقا کو خطاً قتل کر دے تو وہ اس کی قیمت میں کوشش کرے گا۔

35843۔(قولہ: لَمْ يَجُزْ إِقْرَارُهُ) نہ ہی اس پر فی الحال کوئی شے لازم ہوگی اور نہ اس کی آزادی کے بعد کوئی شے لازم ہوگی۔ ”ملتقی“۔

35844۔(قولہ: لِأَنَّهُ إِقْرَارٌ عَلَى الْمَوْلَى) کیونکہ اس کی جنایت کا حکم اس کے آقا پر مرتب ہوگا اس کی ذات پر مرتب نہیں ہوگا۔ ”زیلعی“۔

35845۔(قولہ: وَلَوْ جَنَى الْمُدَبَّرُ) اس کی مثل ام ولد ہے۔ ”ملتقی“۔

35846۔(قولہ: لَمْ تَسْقُطْ قِيمَتُهُ عَنْ مَوْلَاهُ) کیونکہ اس کی قیمت اس کو مدبر بنانے کے سبب ثابت ہو چکی ہے اور موت کے ساتھ وہ ساقط نہ ہوگی۔ ”درر“۔

اگر غلام اپنے آقا کو خطاً یا عمداً قتل کرے تو اس کا حکم

35847۔(قولہ: سَعَى فِي قِيمَتِهِ) کیونکہ تدبیر (مدبر بنانا) اس کی گردن کی وصیت ہے جب کہ وہ اس کے سپرد کر دی گئی ہے۔ کیونکہ یہ اس کے آقا کی موت کے ساتھ آزادی ہے اور قاتل کے لیے کوئی وصیت نہیں ہوتی۔ پس اس پر لازم ہوگا کہ وہ اپنی ذات کو واپس کر دے جب کہ وہ اس سے عاجز آ چکا ہے۔ پس اس پر اس کا بدل لوٹانا واجب ہے وہ قیمت ہے، ”درر“۔ ”سائحانی“ نے یہ ذکر کیا ہے کہ قتل خطا میں وہ دو قیمتوں میں مزدوری کرے گا۔ کیونکہ ”شرح مقدسی“ میں ہے: ایک آدمی نے اپنی مرض الموت میں اپنا غلام آزاد کر دیا تو غلام نے اسے خطا قتل کر دیا تو ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ دو قیمتوں میں مزدوری کرے گا۔ ان میں سے ایک وصیت کو توڑنا ہے۔ کیونکہ مرض الموت میں آزاد کرنا وصیت ہے جب کہ یہ وصیت قاتل کے حق میں باطل ہے مگر آزادی متحقق ہونے کے بعد ختم نہیں ہوتی۔ پس اس کی قیمت واجب ہوگی پھر اپنے آقا کو قتل کرنے کے ساتھ اس پر دوسری وصیت لازم ہوگی۔ کیونکہ اپنی قیمت میں مزدوری کرنے والا ”امام صاحب“ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکاتب کی طرح ہے اور مکاتب جب اپنے آقا کو قتل کرے تو اس پر اس کی قیمت اور دیت میں سے جو اقل ہوگا وہ واجب ہوگا یہاں قیمت اقل ہے۔ ”صاحبین“ رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: وہ وصیت لوٹانے کے لیے ایک قیمت میں محنت مزدوری کرے اور اس کی عاقلہ پر دیت ہوگی۔ کیونکہ وہ مقروض مدیون ہے۔

وَلَوْ عَمْدًا قَتَلَهُ الْوَارِثُ أَوْ اسْتَسْعَاهُ فِي قِيمَتِهِ ثُمَّ قَتَلَهُ دُرَرٌ وَاللهُ أَعْلَمُ

اگر اس نے اپنے آقا کو جان بوجھ کر قتل کیا ہو تو آقا کا وارث اس کو قتل کرے گا یا اس کی قیمت میں سعایت کرائے گا پھر اس کو قتل کر دے گا، ''درر''۔ اللہ تعالیٰ اس کو بہتر جانتا ہے۔

35848۔(قولہ: قَتَلَهُ الْوَارِثُ أَوْ اسْتَسْعَاهُ الخ) جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے وہ ظاہر ہے۔ جہاں تک دوسری صوت کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے جو ذکر کی گئی ہے کہ تدبیر وصیت ہے۔ ''درر''۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فَصْلٌ فِي غَصْبِ الْقِنِّ وَغَيْرِهِ

(قَطَعَ يَدَ عَبْدِهِ فَغَصَبَهُ رَجُلٌ) وَسَرَى فَمَاتَ (مِنْهُ ضَمِنَ) الْغَاصِبُ (قِيمَتَهُ أَقْطَعَ وَإِنْ قَطَعَ يَدَهُ وَهُوَ فِي يَدِ غَاصِبٍ فَمَاتَ مِنْهُ بَرِئَ) الْغَاصِبُ لِصَيْرُورَتِهِ مُتْلِفًا فَيَصِيرُ مُسْتَرِدًّا (غَصَبَ عَبْدٌ مَحْجُورٌ مِثْلَهُ فَمَاتَ فِي يَدِهِ ضَمِنَ)

غلام کے غصب کے احکام

ایک آدمی نے اپنے غلام کے ہاتھ کو کاٹا تو ایک آدمی نے اسے غصب کر لیا اور وہ زخم سرایت کر گیا اور اس وجہ سے وہ مر گیا تو غاصب اس کی قیمت کا غاصب ہوگا جب کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہو اگر اس کا ہاتھ کاٹا جب کہ وہ غاصب کے قبضہ میں ہو اور وہ مر جائے تو غاصب بری ہو جائے گا۔ کیونکہ مالک خود اس کو تلف کرنے والا ہو گیا ہے پس وہ اس کو لوٹانے والا ہو جائے گا۔ مجور غلام نے اپنے جیسے غلام کو غصب کیا تو وہ غلام اس کے ہاتھ میں مر گیا تو وہ ضامن ہوگا۔

لفظ غیر سے مراد مدبر اور (بچہ) ہے مراد حالت غصب میں ان کی جنایت کا حکم ہے۔ ''اتقانی'' نے کہا: جب غلام اور مدبر کی جنایت کا ذکر کیا تو ان کے غصب کے ساتھ ان دونوں کی جنایت کا ذکر کیا۔ کیونکہ مفرد مرکب سے پہلے ہوتا ہے پھر اپنی کلام کو بچے کے غصب کے بیان تک لے گئے۔

مغصوبہ غلام اگر سابقہ زخم کی وجہ سے ہلاک ہو جائے تو اس کا حکم

35849۔ (قولہ: قَطَعَ يَدَ عَبْدِهِ الخ) اگر قاطع اجنبی ہو چاہے تو مالک اس سے قصاص لے لے اور اگر چاہے تو غاصب سے غصب کیے ہوئے غلام کی قیمت لے لے اگر وہ قتل خطا ہو اگر چاہے تو قاطع کی عاقلہ سے اس کی وہ قیمت لے لے جو اس کی حالت صحت میں تھی اور عاقلہ غاصب سے وہ قیمت واپس لے لے جو مقطوع الید کی ہے یا غاصب سے کٹے ہاتھ غلام کی قیمت لے لے اور باقی معاملات میں غاصب کے علاوہ کا پیچھا کرے۔ ''مقدسی'' میں جو تفریعات ہیں ان سے یہی مستفاد ہوتا ہے۔ ''سائحانی''۔

35850۔ (قولہ: ضَمِنَ الْغَاصِبُ قِيمَتَهُ أَقْطَعَ) کیونکہ جب آقا نے اپنے قبضہ میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا تو اس کی قیمت قطع ید سے کم ہو گئی۔ ''زیلعی''۔

35851۔ (قولہ: فَيَصِيرُ مُسْتَرِدًّا) کیونکہ اس کا قبضہ اس پر واقع ہو چکا ہے اور غاصب اس کی ضمان سے بری ہو جائے گا کیونکہ اس کی ملک اس قبضہ میں آ چکی ہے۔ ''زیلعی''۔

لِأَنَّ الْمَحْجُورَ مُؤَاخَذٌ بِأَفْعَالِهِ لَا بِأَقْوَالِهِ إِلَّا بَعْدَ عِتْقِهِ (مُدَبَّرٌ جَنَى عِنْدَ غَاصِبِهِ) فَرُدَّ (ثُمَّ جَنَى عِنْدَ سَيِّدِهِ) أُخْرَى (ضَمِنَ السَّيِّدُ قِيمَتَهُ لَهُمَا) نِصْفَيْنِ (وَرَجَعَ) الْمَوْلَى (بِنِصْفِ) قِيمَتِهِ عَلَى الْغَاصِبِ وَدَفَعَهُ أَيْ دَفَعَ الْمَوْلَى نِصْفَ قِيمَتِهِ (إِلَى) وَلِيِّ الْجِنَايَةِ (الْأَوَّلِ)

کیونکہ مجور کا مواخذہ اس کے افعال پر کیا جاتا ہے اس کے اقوال پر مواخذہ نہیں کیا جاتا ہے۔ ہاں اقوال پر اس کی آزادی کے بعد مواخذہ کیا جاتا ہے۔ مدبر نے اپنے غاصب کے پاس جنایت کی تو اس کو لوٹا دیا گیا۔ پھر اس نے اپنے آقا کے پاس دوسری جنایت کی تو آقا ان دونوں کے لیے نصف نصف قیمت کا ضامن ہوگا اور آقا اس کی نصف قیمت کا مطالبہ اس کے غاصب سے کرے گا اور آقا اس کی نصف قیمت پہلے ولی جنایت کے حوالے کر دے گا۔

مجور کا مواخذہ اس کے افعال پر کیا جاتا ہے اقوال پر نہیں

35852۔(قولہ: مُؤَاخَذٌ بِأَفْعَالِهِ) یعنی اس کی غلام کی حالت میں اس کے افعال پر اس کا مواخذہ ہوگا۔ ''عنایہ''۔ یہاں تک کہ اگر غصب گواہوں کے ساتھ ثابت ہو جائے تو اس میں اس کو بیچ دیا جائے گا۔ ''درر''۔

35853۔(قولہ: لَا بِأَقْوَالِهِ الخ) یعنی جن اقوال میں مال واجب ہوتا ہے۔ پس اس کی غلامی میں اس کا مواخذہ نہیں ہوگا آزادی کے بعد اس کے متعلق اس سے مواخذہ کیا جائے گا۔ جہاں تک ان امور کا تعلق ہے جن میں حدود و قصاص واجب ہوتا ہے تو فی الحال ان امور میں اس کا مواخذہ ہوگا۔ ''العنایہ'' میں اس کو بیان کیا ہے۔ جہاں تک ماذون کا تعلق ہے تو ہمارے نزدیک ایسے غلام کا اقوال کی وجہ سے بھی مواخذہ ہوگا۔ ''معراج''۔

مدبر نے اپنے غاصب کے پاس جنایت کی پھر اپنے آقا کے پاس دوسری جنایت کی تو اس کا حکم

35854۔(قولہ: ضَمِنَ السَّيِّدُ قِيمَتَهُ لَهُمَا) کیونکہ مدبر اگرچہ اس کی جنایات بہت زیادہ ہو جائیں اس کی ایک ہی قیمت واجب ہوتی ہے اور یہ آقا پر واجب ہوگی۔ کیونکہ اس نے اسے پہلے مدبر بنانے کے ساتھ اسے حوالے کرنے سے اپنے آپ کو عاجز کر دیا ہے اس کے بغیر کہ وہ اس میں فدیہ دینے کا اختیار رکھتا ہو ''زیلعی''۔ چاہیے کہ قیمت کا وجوب اس صورت میں ہو جب وہ دیت سے کم ہو۔ کیونکہ مدبر کی جنایت کا حکم یہ ہے کہ آقا پر وہ لازم ہو جو ان دونوں سے کم ہے۔ ''اتقانی''۔

35855۔(قولہ: وَرَجَعَ الْمَوْلَى بِنِصْفِ قِيمَتِهِ عَلَى الْغَاصِبِ) کیونکہ اس نے دو جنایتوں کے بدلے میں قیمت کی ضمانت دی ہے اس کا نصف اس سبب سے ہے تو غاصب کے ہاں واقع ہوا اور دوسرا نصف ایسے سبب سے ہے جو آقا کے ہاں پایا گیا۔ پس وہ اس سے اس سبب کے بدلے میں مطالبہ کرے گا جو غاصب کی جہت سے لاحق ہوا۔ پس وہ یوں ہو گیا گویا اس نے نصف غلام واپس نہیں کیا تھا۔ ''زیلعی''۔

35856۔(قولہ: أَيْ دَفَعَ الْمَوْلَى نِصْفَ قِيمَتِهِ) یعنی وہ نصف قیمت جو اس نے غاصب سے وصول کی تھی وہ دے دے گا۔ یہ دوسری دفعہ دینا شیخین کے نزدیک ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

لِأَنَّ حَقَّهُ لَمْ يَجِبْ إِلَّا وَالْمُزَاحِمُ قَائِمٌ (ثُمَّ رَجَعَ) الْمَوْلَى (بِهِ عَلَى الْغَاصِبِ) لِأَنَّهُ أَخَذَ مِنْهُ بِسَبَبٍ كَانَ عِنْدَ الْغَاصِبِ (وَبِعَكْسِهِ) بِأَنْ جَنَى عِنْدَ مَوْلَاهُ ثُمَّ عِنْدَ غَاصِبِهِ (لَا يَرْجِعُ) الْمَوْلَى عَلَى الْغَاصِبِ (بِهِ ثَانِيًا) لِأَنَّ الْجِنَايَةَ الْأُولَى كَانَتْ فِي يَدِ مَالِكِهِ (وَالْقِنُّ) فِي الْفَصْلَيْنِ (كَالْمُدَبَّرِ غَيْرَ أَنَّ الْمَوْلَى يَدْفَعُ الْعَبْدَ) نَفْسَهُ

کیونکہ اس کا حق ثابت نہیں ہوا مگر مزاحم موجود ہے پھر آقا غاصب سے اس کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ آقا سے جو لیا گیا وہ اس سبب کی وجہ سے لیا گیا جو غاصب کے پاس متحقق ہوا تھا اور اس کے برعکس یعنی وہ اپنے آقا کے پاس جنایت کرے پھر اپنے غاصب کے پاس جنایت کرے تو آقا غاصب سے دوبارہ اس کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ پہلی جنایت اس کے مالک کے قبضہ میں ہوئی ہے۔ دونوں فصلوں میں قن خالص (غلام) مدبر کی طرح ہے مگر آقا یہاں غلام حوالے کر دے گا

35857۔ (قولہ: لِأَنَّ حَقَّهُ لَمْ يَجِبْ الخ) صحیح تعبیر یہ تھی کہ کہتے: دون الثانی لان حقہ الخ جس طرح ''ابن کمال'' نے تعبیر کیا ہے یعنی ولی جنایت کا حق۔

''العنایہ'' میں کہا: ان دونوں کی دلیل یہ ہے کہ پہلے کا حق تمام قیمت میں ہے۔ کیونکہ جب اس کے حق میں جنایت کی گئی تو کوئی بھی اس کے مزاحم نہیں تھا۔ بے شک اس کے حق میں کمی دوسرے کی مزاحمت کی وجہ سے ہوئی ہے۔ جب اس نے غلام کے بدل میں سے کوئی شے مالک کے ہاتھ میں فارغ پائی تو اپنے حق کو مکمل کرنے کے لیے اسے لے لے گا۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ یہ اس کے مناقض ہے جو پہلے گزر چکا ہے: مدبر کی جنایت صرف ایک قیمت واجب کرتی ہے یہاں وہ ایک مکمل قیمت اور نصف واجب کرے گی۔

اس کا یہ جواب دیا گیا کہ وہاں حکم اس صورت میں ہے جب جنایت ایک شخص کے قبضہ میں کئی بار ہو۔ یہاں کا معاملہ مختلف ہے۔ تامل

35858۔ (قولہ: ثُمَّ رَجَعَ الْمَوْلَى بِهِ) یعنی آقا نصف قیمت کا مطالبہ کرے گا اور کسی کے حوالے نہیں کرے گا۔ کیونکہ دونوں اولیاء کو ان کا مکمل حق پہنچ گیا ہے۔ ''اتقانی''۔

35859۔ (قولہ: لِأَنَّ الْجِنَايَةَ الْأُولَى كَانَتْ فِي يَدِ مَالِكِهِ) یعنی آقا نے مالک کو جو دوسری دفعہ دیا ہے یہ پہلی جنایت کی وجہ سے ہے تو وہ اس کا مطالبہ کسی سے نہیں کرے گا۔ پہلے مسئلہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ اس سبب سے تھا جو غاصب کے پاس واقع ہوا۔ پس آقا اس کا مطالبہ کرے گا۔ یہ ''زیلعی'' نے بیان کیا ہے۔

35860۔ (قولہ: وَالْقِنُّ فِي الْفَصْلَيْنِ) یعنی خالص غلام دونوں مسئلوں میں مدبر کی طرح ہے یعنی مدبر کی سابقہ تفسیر قن سے احترازی نہیں۔ اور عنقریب یہ آئے گا کہ ام ولد اسی طرح ہے۔

35861۔ (قولہ: يَدْفَعُ الْعَبْدَ نَفْسَهُ) کیونکہ اسے ایک ملک سے دوسری ملک کی طرف منتقل کرنا ممکن ہے۔ مدبر کا معاملہ مختلف ہے۔ ظاہر معنی یہ ہے کہ مراد یہ ہے کہ فدیہ اور دونوں ولی جنایت کے حوالے کرنے میں اختیار دیا جائے گا۔ تامل۔

(هُنَا وَثَمَّةَ) أَيْ فِي الْمُدَبَّرِ (الْقِيمَةَ) كَمَا مَرَّ (مُدَبَّرٌ جَنَى عِنْدَ غَاصِبٍ فَرَدَّهُ فَغَصَبَ) ثَانِيًا (فَجَنَى عِنْدَهُ) كَانَ (عَلَى سَيِّدِهِ قِيمَتُهُ لَهُمَا وَرَجَعَ بِقِيمَتِهِ عَلَى الْغَاصِبِ) لِكَوْنِهِمَا عِنْدَهُ (وَدَفَعَ) الْمَوْلَى (نِصْفَهَا) أَيْ الْقِيمَةِ مَأْخُوذَةً ثَانِيًا (إلَى) وَلِيِّ الْجِنَايَةِ (الْأُولَى وَرَجَعَ) الْمَوْلَى (بِذَلِكَ النِّصْفِ عَلَى الْغَاصِبِ) وَأُمُّ الْوَلَدِ فِي كُلِّهَا كَمُدَبَّرٍ (غَصَبَ) رَجُلٌ (صَبِيًّا حُرًّا) لَا يُعَبِّرُ عَنْ نَفْسِهِ

اور وہاں یعنی مدبر میں قیمت دے گا جس طرح گزر چکا ہے۔ مدبر نے اپنے غاصب کے ہاں جنایت کی غاصب نے اسے مالک کی طرف لوٹا دیا تو غاصب نے اسے دوبارہ غصب کر لیا تو مدبر نے غاصب کے ہاں جنایت کی تو اس کے آقا پر لازم ہے کہ وہ اس کی قیمت ان دونوں کے حوالے کرے اور اس کی قیمت کا مطالبہ غاصب سے کرے۔ کیونکہ دونوں جنایتیں اس کے پاس واقع ہوئی ہیں اور آقا اس قیمت کا نصف جو اس نے دوسری دفعہ لی ہے پہلے ولی جنایت کے حوالے کر دے گا۔ اور آقا اس نصف کا غاصب سے مطالبہ کرے گا۔ ان تمام معاملات میں ام ولد مدبر کی طرح ہے۔ ایک آدمی نے آزاد بچے کو غصب کیا جو اپنے بارے میں تعبیر نہیں کر سکتا

پھر جب وہ دے گا تو اس کی نصف قیمت کا غاصب سے مطالبہ کرے گا جو قول گزر چکا ہے اس کے آخر تک معاملہ اسی طرح ہے۔

35862۔ (قولہ: فَغَصَبَ ثَانِيًا) یعنی پہلے غاصب نے دوسری دفعہ اس کو غصب کر لیا بعض نسخوں میں ہے فغصبه یعنی فعل کے بعد ضمیر ہے یہ زیادہ ظاہر ہے۔

35863۔ (قولہ: كَانَ عَلَى سَيِّدِهِ قِيمَتُهُ لَهُمَا) دونوں ولی جنایت کے لیے اس کے آقا پر اس کی قیمت لازم ہو گی۔ کیونکہ آقا نے مدبر بنانے کے ساتھ غلام حوالے کرنے سے روک دیا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔

35864۔ (قولہ: لِكَوْنِهِمَا) کیونکہ دونوں جنایتیں غاصب کے پاس واقع ہوئیں۔ جو قول گزر چکا ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ان دونوں جنایتوں میں سے ایک اس کے پاس واقع ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے نصف کا مطالبہ کرے گا۔

35865۔ (قولہ: وَرَجَعَ الْمَوْلَى بِذَلِكَ النِّصْفِ) یعنی جو اس نے دوسری دفعہ پہلی جنایت کے ولی کو دی اس نصف کا آقا مطالبہ کرے گا۔

35866۔ (قولہ: وَأُمُّ الْوَلَدِ فِي كُلِّهَا) یعنی مذکورہ تمام احکام میں جیسے مدبر ہے۔ کیونکہ وہ دونوں اس امر میں شریک ہیں کہ جنایت کی وجہ سے لونڈی حوالے کرنے سے مانع چیز آقا کی جانب سے واقع ہے۔ ''درر''۔

35867۔ (قولہ: لَا يُعَبِّرُ عَنْ نَفْسِهِ) کیونکہ اگر وہ تعبیر کر سکتا تو وہ اپنی زبان کے ساتھ اس کا معارضہ کرتا تو حکما اس کا غلبہ ثابت نہ ہوتا۔ ''شرنبلالیہ'' میں ''برہان'' سے اسی طرح مروی ہے اس کی مثل ''الکفایہ''، ''قہستانی'' وغیرہما میں ہے۔ ''معراج'' میں کہا: لیکن آنے والا فرق جو مکاتب اور بچے کے درمیان ہے اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مراد مطلق بچہ ہے بے شک وہ بچہ جس کی شادی اس کا ولی کرتا ہے وہ اس کے ساتھ مقید نہیں۔ ''کافی'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ملخص

وَالْمُرَادُ بِغَصْبِهِ الذَّهَابُ بِهِ بِلَا إِذْنِ وَلِيِّهِ (فَمَاتَ) هَذَا الْحُرُّ (فِي يَدِهِ فُجَاءَةً أَوْ بِحُمَّى لَمْ يَضْمَنْ وَإِنْ مَاتَ بِصَاعِقَةٍ أَوْ نَهْشِ حَيَّةٍ فَدِيَتُهُ عَلَى عَاقِلَةِ الْغَاصِبِ) اسْتِحْسَانًا لِتَسَبُّبِهِ بِنَقْلِهِ لِمَكَانِ الصَّوَاعِقِ أَوْ الْحَيَّاتِ حَتَّى لَوْ نَقَلَهُ

اس بچے کو غصب کرنے سے مراد یہ ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر اس بچے کو لے جانا تو وہ آزاد بچہ اس کے قبضہ میں اچانک مرجاتا ہے یا بخار کے ساتھ مرجاتا ہے وہ ضامن نہ ہوگا۔ اگر وہ بجلی کی کھڑک سے یا سانپ کے ڈسنے سے مرجاتا ہے تو بطور استحسان اس غاصب کی عاقلہ پر دیت ہوگی۔ کیونکہ وہ اس بچے کو صاعقہ کی جگہ یا سانپوں کی جگہ منتقل کرنے کا سبب بنا ہے یہاں تک اگر وہ اس کو ایسی جگہ منتقل کرتا ہے

مشاکلہ کا معنی

35868_(قولہ: وَالْمُرَادُ بِغَصْبِهِ الخ) پس غصب کا ذکر مشاکلہ کے طریقہ پر ہے۔ مشاکلہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک شے کو اس کے لفظ کے علاوہ کسی اور لفظ سے ذکر کیا جائے۔ کیونکہ وہ اس کی صحبت میں واقع ہو رہا ہے۔ ''عنایہ''۔

اگر کوئی شخص بغیر اجازت چھوٹے بچے کو لے جائے اور وہ ہلاک ہوجائے تو اس کا حکم

35869_(قولہ: فُجَاءَةً) یہ لفظ فا کے ضمہ یا فتحہ اور مد کے ساتھ ہے اور جیم کے سکون کے ساتھ مد کے بغیر ہے۔ ''قہستانی''۔

35870_(قولہ: بِصَاعِقَةٍ) یعنی ایسی آگ جو آسمان سے گرتی ہے یا اس سے مراد ہر مہلک عذاب ہے جس طرح ''قاموس'' میں ہے۔ یہ شدید گرمی، شدید ٹھنڈک، پانی میں غرق ہونے اور بلند جگہ سے نیچے گر جانے کو شامل ہوتا ہے جس طرح ''خانیہ'' وغیرہا میں ہے۔ ''قہستانی''۔

35871_(قولہ: لَمْ يَضْمَنْ) کیونکہ یہ اماکن کے مختلف ہونے کے ساتھ مختلف ہوجاتا ہے۔ ''ہدایہ''۔

35872_(قولہ: اسْتِحْسَانًا) قیاس یہ ہے کہ مطلقاً ضمان نہ ہو۔ کیونکہ آزاد آدمی کا غصب متحقق نہیں ہوتا۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اگر مکاتب صغیر ہو تو اس کا غاصب ضامن نہیں ہوگا اگرچہ وہ کمائی کے لحاظ سے آزاد ہے تو یہ بدرجہ اولیٰ ضامن نہیں ہوگا۔

اس کا جواب وہ ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ضمان غصب کی وجہ سے نہیں بلکہ بطریق سبب اس کو تلف کرنے کی بنا پر ہے جب کہ اس نے ولی کی حفاظت کو زائل کر دیا ہے۔ پس تلف کرنا اس کی طرف منسوب ہوگا۔ جہاں تک مکاتب کا تعلق ہے تو وہ اپنی ہی ذات کے قبضہ میں ہوتا ہے اگرچہ وہ صغیر ہو اسی وجہ سے کوئی اس کی شادی نہیں کرتا۔ پس وہ بڑے آزاد کی طرح ہے۔ جہاں تک بچے کا تعلق ہے تو وہ اپنے ولی کے قبضہ میں ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ولی اس کی شادی کراتا ہے۔ یہ ''ہدایہ'' اور ''کفایہ'' سے ماخوذ ہے۔

لِمَوَاضِعَ یَغْلِبُ فِیهِ الْحُمّٰی وَالْأَمْرَاضُ ضَمِنَ فَتَجِبُ فِیهِ الدِّیَةُ عَلَی الْعَاقِلَةِ لِكَوْنِهِ قَتْلًا تَسَبُّبًا هِدَایَةٌ وَغَیْرُهَا قُلْت بَقِیَ لَوْ نَقَلَ الْحُرَّ الْكَبِیرَ لِهٰذِهِ الْأَمَاكِنِ تَعَدِّیًا إنْ مُقَیَّدًا وَلَمْ یُمْكِنْهُ التَّحَرُّزُ عَنْهُ ضَمِنَ وَإِنْ لَمْ یَمْنَعْهُ مِنْ حِفْظِ نَفْسِهِ لَا لِأَنَّهُ بِتَقْصِیرِهِ۔ فَحُكْمُ صَغِیرٍ كَكَبِیرٍ مُقَیَّدٍ عِنَایَةٌ (وَلَوْ غَصَبَ صَبِیًّا فَغَابَ عَنْ یَدِهِ حُبِسَ) الْغَاصِبُ (حَتّٰی یَجِیءَ بِهِ أَوْ یُعْلَمَ مَوْتُهُ) خَانِیَّةٌ كَمَا لَوْ خَدَعَ امْرَأَةَ رَجُلٍ

جس میں بخار اور امراض عام ہو جاتے ہیں تو وہ ضامن ہوگا تو اس میں عاقلہ پر دیت واجب ہوگی۔ کیونکہ یہ قتل بالسبب ہے ''ہدایہ'' وغیرہا۔ میں کہتا ہوں: یہ صورت باقی رہ گئی ہے اگر تعدی کرتے ہوئے ان جگہوں کی طرف بڑے آزاد کو منتقل کیا اگر وہ بڑا مقید ہو اور اس سے بچاؤ ممکن نہ ہو تو وہ ضامن ہوگا۔ اگر اسے اپنی جان کی حفاظت سے نہ روکے تو ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ نقصان بالغ کی تقصیر سے واقع ہوا ہے تو چھوٹے کا حکم بڑے مقید کی طرح ہوگا ''عنایہ''۔ اگر اس نے بچے کو غصب کیا اور وہ اس کے قبضہ سے غائب ہو گیا تو غاصب کو محبوس کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اس کو لے آئے یا اس کی موت کا علم ہو جائے۔ ''خانیہ''۔ جس طرح کسی نے مرد کی عورت سے دھوکہ کیا

35873۔(قولہ: لِمَوَاضِعَ یَغْلِبُ فِیهِ الْحُمّٰی وَالْأَمْرَاضُ) اس کی صورت یہ ہے کہ مکان کے ساتھ مخصوص ہو پس وہ ضامن ہوگا مگر عدوی کے سبب ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ عدوی (مرض کا متعدی ہونا) کا قول باطل ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے بنی آدم وغیرہ میں مؤثر ہے جیسے غذا ہے۔ ''بزازیہ''۔

35874۔(قولہ: لِهٰذِهِ الْأَمَاكِنِ) یعنی ان میں غالب امر یہ ہے کہ انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ یہاں لام، الی کے معنی میں ہے۔

35875۔(قولہ: ضَمِنَ) کیونکہ مغصوب کے ساتھ جو اس جگہ سلوک کیا گیا ہے وہ اپنی حفاظت کرنے سے عاجز آ گیا، ''عنایہ''۔ اسی طرح وہ ضامن ہوگا اگر وہ مکاتب کے ساتھ اس طرح کا سلوک کرے جس طرح ''زیلعی'' نے ذکر کیا ہے۔

35876۔(قولہ: فَحُكْمُ صَغِیرٍ كَكَبِیرٍ مُقَیَّدٍ) تعبیر میں یہ کہنا اولیٰ تھا فحکم کبیر مقید کصغیر۔ کیونکہ صغیر کا مسئلہ متون میں منصوص ہے اور کبیر کے مسئلہ کو شارحین نے ''محبوبی'' سے نقل کیا ہے۔

''حاشیہ ابی سعود'' میں ہے: علامہ ''مقدسی'' نے اس قول میں علماء کے اس قول کے ساتھ اشکال کا ذکر کیا ہے اگر ایک آدمی نے کسی کی مشکیں کسیں اور اسے رسیوں سے جکڑ دیا اور اسے پھینک دیا تو درندے اسے کھا گئے تو اس پر نہ قصاص لازم ہوگا اور نہ ہی دیت لازم ہوگی لیکن اس پر تعزیر لگائی جائے گی اور اس کو محبوس کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اس پر دیت لازم ہوگی۔ بچے کو کپڑے میں لپیٹا اور اسے دھوپ یا سردی میں پھینک دیا یہاں تک کہ مر گیا تو اس کی عاقلہ پر دیت لازم ہوگی۔ ''الحافظیہ'' میں اسی طرح ہے فلیتامل۔ شاید بڑے آزاد، جو مقید ہو، کے بارے میں ضمان کا قول اسی روایت پر محمول ہے۔ اسی کی مثل ''حاشیہ رملی'' میں ہے۔ اشکال کی اصل صاحب ''المعراج'' کا قول ہے

حَتَّى وَقَعَتْ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا فَإِنَّهُ يُحْبَسُ حَتَّى يَرُدَّهَا أَوْ تَمُوتَ خُلَاصَةٌ (أَمَرَ خَتَّانًا لِيَخْتِنَ صَبِيًّا فَفَعَلَ) الْخَتَّانُ ذَلِكَ (فَقَطَعَ حَشَفَتَهُ وَمَاتَ الصَّبِيُّ) مِنْ ذَلِكَ (فَعَلَى عَاقِلَةِ الْخَتَّانِ نِصْفُ الدِّيَةِ وَإِنْ لَمْ يَمُتْ فَعَلَى عَاقِلَتِهِ كُلُّهَا) وَقَدْ تَقَدَّمَتْ فِي بَابِ ضَمَانِ الْأَجِيرِ وَفِي مُعَايَاةِ الْوَهْبَانِيَّةِ نَظْمًا

یہاں تک کہ دونوں میاں بیوی میں جدائی واقع ہوگئی تو اس کو محبوس رکھا جائے گا یہاں تک کہ وہ عورت کو لوٹا دے یا وہ عورت مرجائے،''خلاصہ''۔ایک آدمی نے ختنہ کرنے والے کو حکم دیا کہ اس بچے کا ختنہ کرے تو ختان نے بچہ کا ختنہ کیا اور اس کا حشفہ کاٹ دیا اور اس سے بچہ مرگیا تو ختان کی عاقلہ پر نصف دیت لازم ہوگی۔اگر وہ نہ مرے تو اس کی عاقلہ پر مکمل دیت لازم ہوگی۔باب ضمان للاجیر میں گزر چکا ہے اور''معایاۃ الوہبانیہ''میں''اشعار''میں ہے:

کیونکہ انہوں نے کہا: اس پر یہ امر اشکال کا باعث ہے اگر وہ کسی انسان کو محبوس کرے اور وہ بھوک کی وجہ سے مرجائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا حالانکہ وہ اس عمل سے اپنی حفاظت کرنے سے عاجز تھا جو اس کو محبوس کرنے والے نے اس کے ساتھ کیا تھا۔

میں کہتا ہوں: تو یہ جان چکا ہے کہ بچے کا مسئلہ استحسان پر مبنی ہے اور بڑے کو بچے کے ساتھ لاحق کیا ہے تو یہ بھی استحسان ہے۔اس پر جو قیاس کیا گیا ہے اس کی تفریع قیاس پر کی گئی ہے اور استحسان قیاس پر راجح ہے اور وہ روایت استحسان کے موافق ہے۔پس اس وجہ سے یہ روایت ترجیح کا تقاضا کرتی ہے۔مگر جب وہ اس کو محبوس کردے اور بھوک کی وجہ سے مرجائے تو اس کی ضمان کا نہ ہونا یہ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ فرق یہ ہے کہ بھوک اور پیاس انسان کے لازم میں سے ہیں۔پس ان کو جنایت کرنے والے کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔ان افعال کا معاملہ مختلف ہے۔پس یہ ہمارے مسئلہ پر اشکال کا باعث نہیں ہوگا اور تو اس سے بخوبی آگاہ ہے کہ عمل اس پر ہوتا ہے جو متون اور شروح میں ہوتا ہے۔پس اس وضاحت کو تو غنیمت جان۔

35877۔(قولہ: حَتَّى وَقَعَتْ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا) یعنی بدنی طور پر ان میں جدائی واقع ہوگی۔''رحمتی''۔اس طرح کہ خاوند کو اپنی بیوی کے مکان کا علم نہ ہو اس کی مثل اس عورت کے رشتہ داروں کا معاملہ ہے اس میں جو ظاہر ہے۔''ط''۔

35878۔(قولہ: أَوْ تَمُوتَ) یعنی یا اس کی موت کا علم ہوجائے جس طرح سابقہ مسئلہ میں ہے۔ایک نسخہ میں ہے: او یسوت یہاں تک کہ وہ مرجائے۔''ط''۔

اگر ختان ختنہ کے دوران بچے کا حشفہ کاٹ دے تو اس کا حکم

35879۔(قولہ: فَعَلَى عَاقِلَةِ الْخَتَّانِ نِصْفُ الدِّيَةِ الخ) یعنی اگرچہ وہ غلام ہو یا آزاد ہو تو نصف قیمت یا مکمل قیمت واجب ہوگی۔کیونکہ موت دو فعلوں کے ساتھ حاصل ہوئی جن دونوں میں سے ایک فعل کی اجازت دی گئی تھی وہ قلفہ کا قطع کرنا ہے اور دوسرے کی اجازت نہیں دی گئی تھی وہ حشفہ کا قطع کرنا ہے۔پس نصف ضمان واجب ہوگی جب وہ صحت یاب ہوگیا تو جلد کو کاٹنا جس کی اجازت تھی، گویا یہ فعل واقع ہی نہیں ہوا اور حشفہ کو کاٹنا جس کی اجازت نہ تھی پس حشفہ کی کامل ضمانت واجب ہوگی وہ دیت ہے،''منح''۔اور مسئلہ کو''الخانیہ''اور''السراجیہ''کی طرف منسوب کیا ہے۔اور علامہ''طرسوسی''کی نظم جو

وَمَنْ ذَا الَّذِي إِنْ مَاتَ مَجْنِيُّهُ فَمَا عَلَيْهِ إِذَا مَاتَ بِالْمَوْتِ يُشْطَرُ

(كَمَنْ حَمَلَ صَبِيًّا عَلَى دَابَّةٍ وَقَالَ امْسِكْهَا لِي فَسَقَطَ الصَّبِيُّ وَلَمْ يَكُنْ مِنْهُ تَسْيِيرٌ فَمَاتَ كَانَ عَلَى عَاقِلَةِ مَنْ حَمَلَهُ دِيَتُهُ) أَيْ دِيَةُ الصَّبِيِّ (كَانَ الصَّبِيُّ مِمَّنْ يَرْكَبُ مِثْلُهُ أَوْ لَا يَرْكَبُ وَتَمَامُهُ فِي الْخَانِيَّةِ (كَصَبِيٍّ أُودِعَ عَبْدًا فَقَتَلَهُ) أَيْ قَتَلَ الصَّبِيُّ الْعَبْدَ الْمُودَعَ ضَمِنَ عَاقِلَتُهُ قِيمَتَهُ (فَإِنْ أُودِعَ طَعَامًا) بِلَا إِذْنِ وَلِيِّهِ،

کوئی شخص اگر وہ مرجائے جس پر اس نے جنایت کی تھی تو اس پر وہ لازم ہوتا ہے جب وہ نہ مرے جس کا نصف لازم ہوتا ہے اس کی موت کے ساتھ۔ جس طرح ایک آدمی نے سواری پر ایک بچہ بٹھایا۔ یہ کہا: اس سواری کو میرے لیے روک رکھو تو بچہ سواری سے گر گیا جب کہ بچہ کی جانب سے سواری کو چلانا واقع نہ ہوا تھا اور وہ بچہ مر گیا تو بچے کی دیت اس آدمی کی عاقلہ پر ہو گی جس نے اس بچے کو سوار کیا تھا وہ بچہ ان میں سے تھا جو اس کی مثل پر سوار ہوتا ہے یا سوار نہیں ہوتا۔ اس کی مکمل وضاحت ''خانیہ'' میں ہے۔ جس طرح ایک بچہ ہے جس کے پاس ایک غلام ودیعت کے طور پر رکھا تھا تو بچے نے اس مودع غلام کو قتل کر دیا تو بچے کی عاقلہ اس کی قیمت کی ضامن ہوگی۔ اگر اس صغیر کے پاس کھانا اس کے ولی کی اجازت کے بغیر رکھا گیا

سوال وجواب کی صورت میں ہے اس کا ذکر کیا۔

35880_(قولہ: فَمَا عَلَيْهِ) پہلا ما موصولہ ہے اور دوسرا ما نافیہ ہے۔ یہ اس کے برعکس ہے جو عام معروف ہے کہ اذا کے بعد ما کا ذکر کیا جاتا ہے۔ معنی اس شعر کا یہ ہے: موت نہ ہونے کی صورت میں جو واجب ہوتا ہے موت کی صورت میں اس کا نصف ہو جاتا ہے۔

35881_(قولہ: وَلَمْ يَكُنْ مِنْهُ تَسْيِيرٌ) مگر جب وہ اس سواری کو چلائے وہ اس حیثیت میں ہو کہ وہ اس سواری کو چلا سکتا ہو تو اس نئے عمل کی وجہ سے اس کا سبب ہونا منقطع ہو جائے گا۔ ''جامع الفصولین''۔

35882_(قولہ: وَتَمَامُهُ فِي الْخَانِيَّةِ) اس کی عبارت کو ''المنح'' میں ذکر کیا ہے۔

35883_(قولہ: كَصَبِيٍّ أُودِعَ عَبْدًا) یہ فعل مجہول کا صیغہ ہے۔

35884_(قولہ: فَقَتَلَهُ) مگر جب وہ اس پر نفس سے کم کی جنایت کرے تو اس کی چٹی بالاجماع بچے کے مال میں سے ہوگی۔ ''اتقانی''۔

35885_(قولہ: ضَمِنَ عَاقِلَتُهُ قِيمَتَهُ) تشبیہ کے کاف نے جس کو بیان کیا تھا یہ اس کی تصریح ہے۔ لیکن مشبہ میں جس کی ضمانت دی گئی ہے وہ دیت ہے اور یہاں قیمت ہے۔ یہاں ''ہدایہ'' میں اسے دیت کے ساتھ بھی تعبیر کیا ہے۔ یہ اس اعتماد پر کیا ہے جو گزر چکا ہے کہ غلام کی دیت اس کی قیمت ہے۔

35886_(قولہ: فَإِنْ أُودِعَ طَعَامًا) یعنی مثلاً کھانا ودیعت کرے۔ ''در منتقی''۔

35887_(قولہ: بِلَا إِذْنِ وَلِيِّهِ الخ) جس سے احتراز کیا ہے اس کا عنقریب ذکر کریں گے۔

وَلَيْسَ مَأْذُونًا لَهُ فِي التِّجَارَةِ (فَأَكَلَهُ لَمْ يَضْمَنْهُ) لِأَنَّهُ سَلَّطَهُ عَلَيْهِ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَالشَّافِعِيُّ يَضْمَنُ وَكَذَا لَوْ أُودِعَ عَبْدٌ مَحْجُورٌ مَالًا فَاسْتَهْلَكَهُ ضَمِنَهُ بَعْدَ عِتْقِهِ، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَالشَّافِعِيِّ فِي الْحَالِ وَكَذَا الْخِلَافُ لَوْ أُعِيرَا أَوْ أُقْرِضَا، وَلَوْ كَانَ بِإِذْنٍ أَوْ مَأْذُونًا ضَمِنَ بِالْإِجْمَاعِ كَمَا لَوْ اسْتَهْلَكَ الصَّبِيُّ مَالَ الْغَيْرِ

جب کہ اس بچے کو تجارت کی اجازت نہ دی گئی ہو تو اس بچے نے اس کو کھالیا تو وہ ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے خود اس بچے کو اس کھانے پر تسلط عطا کیا تھا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وہ ضامن ہوگا۔ اسی طرح اگر مجور غلام کے پاس مال ودیعت رکھا گیا تو اس غلام نے اسے جان بوجھ کر ہلاک کر دیا تو وہ آزادی کے بعد اس کا ضامن ہوگا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ فی الحال اس کا ضامن ہوگا۔ اسی طرح کا اختلاف ہوگا اگر دونوں کے پاس کوئی چیز عاریۃ رکھی گئی یا دونوں کو قرض دیا گیا اگر ولی کی اجازت سے اس کے پاس وہ مال رکھا گیا تھا یا اس غلام کو اجازت دی تھی تو بالاجماع ضامن ہوگا جس طرح بچہ غیر کا ایسا مال ہلاک کر دے

35888۔ (قولہ: لِأَنَّهُ سَلَّطَهُ عَلَيْهِ) یعنی اسے حق حاصل تھا کہ وہ کسی اور کو اس کے ہلاک کرنے کی قدرت دے دیتا۔ کیونکہ اس کی عصمت و حفاظت اس کے مالک کا حق ہے۔ اس آدمی کا معاملہ مختلف ہے جو مملوک ہے۔ پس اس کی عصمت اپنے حق کے لیے ہے اپنے مولیٰ کے حق کے لیے نہیں۔ اسی وجہ سے دم کے معاملہ میں آزادی کی اصل پر باقی رہے گا۔ اس کے مولیٰ کو اس کے ہلاک کرنے کا حق نہیں۔ پس وہ کسی اور کو اس کے ہلاک کرنے کا اختیار نہیں دے سکتا۔ ''شرنبلالیہ'' میں اس کو بیان کیا ہے۔

35889۔ (قولہ: يَضْمَنُ) یعنی فی الحال ضامن ہوگا۔

35890۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ أُودِعَ عَبْدٌ مَحْجُورٌ مَالًا) یعنی ودیعت سے پہلے جو اس کے آقا کی اجازت کے بغیر ہو مگر جب وہ غلام ماذون ہو یا مجور ہو۔ لیکن ودیعت سے پہلے آقا کی اجازت لی گئی ہو تو وہ اس کو جان بوجھ کر ہلاک کر دیا تو وہ فی الحال ضامن نہیں ہوگا بلکہ آزادی کے بعد ضامن ہوگا اگر وہ عاقل بالغ ہو۔ یہ طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ فی الحال ضامن ہوگا۔ اگر ودیعت غلام ہو تو نفس یا نفس سے کم میں اس پر جنایت کی گئی تو اس کے آقا کو حکم دیا جائے گا کہ وہ جنایت کرنے والے غلام کو مستحق کے حوالے کر دے یا اس کا فدیہ دے دے اس پر اجماع ہے۔ ''اتقانی''۔

35891۔ (قولہ: وَكَذَا الْخِلَافُ الخ) فخر الاسلام نے کہا، اختلاف ودیعت رکھنے، عاریتاً چیز دینے، قرض اور بیع میں ہے۔ اور جس کو سپرد کرنے کی وجوہ میں سے ہر وجہ کی ایک ہو۔ ''اتقانی''۔

35892۔ (قولہ: وَلَوْ كَانَ بِإِذْنٍ) یعنی اگر وہ کھانا اس کے ولی کی اجازت سے اس کے پاس ودیعت رکھے یا اس کو تجارت کا اذن دیا گیا ہو تو وہ فی الحال ضامن ہوگا۔ یہ وہ قول ہے جس سے گزشتہ قول بلا اذن ولیہ سے احتراز ہے۔ الخ

بِلَا وَدِيعَةٍ ضَمِنَهُ لِلْحَالِ قُلْت وَهٰذَا كُلُّهُ لَوْ الصَّبِيُّ عَاقِلًا، وَإِلَّا فَلَا يَضْمَنُ بِالْإِجْمَاعِ، وَتَمَامُهُ فِي الْعِنَايَةِ الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ عَنْ الشَّلَبِيِّ وَمِسْكِينٍ عَلَى خِلَافِ مَا فِي الْمُلْتَقَى وَالْهِدَايَةِ وَالزَّيْلَعِيِّ فَلْيُحْفَظْ

جو ودیعت نہ ہو تو فی الحال اس کا ضامن ہوگا۔ میں کہتا ہوں: یہ تمام حکم اس صورت میں ہے جب بچہ عقل مند ہو ورنہ بالا جماع وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ''العنایہ'' اور ''شرنبلالیہ'' میں ''شلبی'' اور ''مسکین'' سے مروی ہے جب کہ یہ اس کے برعکس ہے جو ''ملتقی''، ''ہدایہ'' اور ''زیلعی'' میں ہے اس کو یاد رکھا جائے۔

35893۔(قولہ: بِلَا وَدِيعَةٍ) اور ودیعت کی مثل جس میں کسی شے کو حوالے کیا گیا ہو۔

35894۔(قولہ: ضَمِنَهُ لِلْحَالِ) کیونکہ اس کا اس کے افعال پر مواخذہ ہوگا۔ ''درر''۔

35895۔(قولہ: عَلَى خِلَافِ مَا فِي الْمُلْتَقَى الخ) یعنی ''الملتقی'' میں ہے کہ ایسا بچہ جو سمجھ سوجھ نہیں رکھتا وہ بالا جماع ضامن ہوگا۔ ''العنایہ'' وغیرہا میں یہ ذکر کیا ہے کہ یہ ''فخر الاسلام'' کا مذہب ہے۔ اسے ''شرح الجامع'' میں ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ جو الجامع کے شارحین ہیں انہوں نے ذکر کیا ہے وہ بچہ بالا جماع ضامن نہیں ہوگا۔ ''طحطاوی'' نے کہا ہے: اس سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ یہ دونوں اہل مذہب کے طریقے ہیں۔

تتمہ

ایک بچہ ہے جو چھت سے گرا یا پانی میں گر گیا اور مر گیا اگر یہ ان میں سے ہو جو اپنی حفاظت کر سکتا ہو تو والدین پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ ورنہ دونوں پر کفارہ لازم ہوگا اگر وہ دونوں کی گود میں ہو اور ان دونوں میں سے ایک پر کفارہ ہوگا اگر وہ ایک کی گود میں ہو۔ ''نصیر'' سے اسی طرح مروی ہے۔ ''ابو القاسم'' سے مروی ہے: دونوں پر کوئی شے لازم نہ ہوگی مگر توبہ اور استغفار لازم ہوگا۔ ''ابولیث'' کا یہ پسندیدہ نقطہ نظر ہے کہ دونوں میں سے کسی پر کفارہ لازم نہیں ہوگا مگر جب وہ اس کے ہاتھ سے ساقط ہوا اسی پر فتویٰ ہے۔ ''ظہیریہ'' واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ الْقَسَامَةِ

هِيَ لُغَةً بِمَعْنَى الْقَسَمِ وَهُوَ الْيَمِينُ مُطْلَقًا وَشَرْعًا الْيَمِينُ بِاللّٰهِ تَعَالَى بِسَبَبٍ مَخْصُوصٍ وَعَدَدٍ مَخْصُوصٍ عَلَى شَخْصٍ مَخْصُوصٍ عَلَى وَجْهٍ مَخْصُوصٍ وَسَيَأْتِي بَيَانُهُ

قسم لینے کے احکام

لغت میں یہ قسم کے معنی میں ہے اور وہ مطلقاً یمین ہے۔ اور شرع میں اس سے مراد مخصوص سبب، مخصوص تعداد، مخصوص شخص اور مخصوص طریقہ سے اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھانا ہے۔ اس کی وضاحت آگے آئے گی۔

جب مقتول کا معاملہ بعض اوقات قسامہ کی طرف لوٹتا ہے تو اسے دیات کے آخر میں علیحدہ باب میں ذکر کیا۔ ''عنایہ''۔

قسامت کا لغوی معنی

35896۔ (قولہ: هِيَ لُغَةً بِمَعْنَى الْقَسَمِ) علامہ ''نوح'' نے کہا، اہل لغت نے قسامہ میں اختلاف کیا ہے۔ بعض علماء نے کہا، یہ مصدر ہے۔ ''ابن اثیر'' نے یہ ''نہایہ'' میں اپنایا ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا: قسامہ کا لفظ جب قاف کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی یمین ہے جیسے لفظ قسم ہے۔ پھر کہا: وقد اقسم قسما و قسامة یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ قسم اٹھائے۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ مصدر ہے۔ اور ''مطرزی'' نے اسے ''المغرب'' میں اختیار کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا: القسم الیمین قسم یمین ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اقسم باللہ اقساما۔ اور علماء کا قول: حکم القاضی بالقسامة یہ اس کا اسم ہے جسے اقسام کی جگہ رکھا گیا ہے۔ ''عینی'' نے ''الکنز'' کی شرح میں پہلی تعبیر کو اختیار کیا ہے اور ''مسلا مسکین'' نے دوسری تعبیر کو اختیار کیا ہے۔

قسامت کی شرعی تعریف

35897۔ (قولہ: بِسَبَبٍ مَخْصُوصٍ) اس سے مراد ہے کہ محلہ یا جو محلہ کے معنی میں ہے یعنی جو کسی ایک کی ملکیت ہو یا کسی ایک کے قبضہ میں ہو میں مقتول پایا جائے۔

35898۔ (قولہ: وَعَدَدٍ مَخْصُوصٍ) وہ پچاس قسمیں ہیں۔

35899۔ (قولہ: عَلَى شَخْصٍ مَخْصُوصٍ) یعنی ایسے شخص پر جس کی نوع مخصوص ہو وہ آزاد، بالغ اور عاقل مرد ہے یا مالک مکلف ہو خواہ آزاد مرد کی عورت ہو اگر وہ کمائی کے اعتبار سے آزاد ہو جیسے مکاتب ہے جب مقتول ایسے محلہ میں پایا جائے جو اس کی ملک میں ہو۔ یہ بعض شروط کی طرف اشارہ ہے۔

قسامت کا رکن، حکم اور شروع ہونے کی دلیل

35900۔ (قولہ: عَلَى وَجْهٍ مَخْصُوصٍ) یہ باقی ماندہ شروط کی طرف اشارہ ہے ان میں سے یہ ہیں تعداد پچاس ہو

(مَيِّتٌ) حُرٌّ وَلَوْ ذِمِّيًا أَوْ مَجْنُونًا شُرُنْبُلَالِيَّةٌ (بِهِ جُرْحٌ أَوْ أَثَرُ ضَرْبٍ أَوْ خَنْقٍ أَوْ خُرُوجِ دَمٍ مِنْ أُذُنِهِ أَوْ عَيْنِهِ وُجِدَ

ایک آزاد میت ہے اگر چہ وہ ذمی یا مجنون ہو''شرنبلالیہ''۔اسے زخم ہو،ضرب کا نشان ہو یا گلا گھوٹنے کی علامت ہو یا اس کے کان یا آنکھ سے خون نکلے

اور اگر تعداد پوری نہ ہو تو قسم بار بار لی جائے گی۔اور قسم اٹھانے والے قسم میں یہ کہیں گے: اللہ کی قسم ہم نے اس کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی اس کے قاتل کو جانتے ہیں اور یہ قسم دعویٰ، انکار اور قسم کے مطالبہ کے بعد ہو۔ کیونکہ قسم اس کے بغیر واجب نہیں ہوتی، میت کوئی انسان ہو، اس میں قتل کا اثر پایا جاتا ہو، اور اس کے قاتل کا علم نہ ہو۔ انہوں نے جو ذکر کیا وہ قسامت کے معنی، اس کے سبب اور اس کی شرط کو متضمن ہے۔

''المنح'' میں کہا: قسامت کا رکن یہ ہے کہ مذکورہ یمین کو اس کی زبان پر جاری کرایا جائے۔ اس کا حکم یہ ہے دیت کے واجب ہونے کا فیصلہ کیا جائے اگر وہ لوگ قسم اٹھادیں۔ اگر وہ قسم سے انکار کریں تو قسم اٹھانے تک انہیں محبوس رکھا جائے اگر ولی قتل عمد کا دعویٰ کرے۔ اور اگر وہ قتل خطا کا دعویٰ کرے تو قسم سے انکار کرتے وقت دیت کا فیصلہ کرے گا۔ اس کی بنیاد جان کی شان بیان کرنا اور رائیگاں جانے سے اس کو بچانا ہے اور جس پر قتل کی تہمت ہے اس کو قصاص سے چھٹکارا دلانا ہے۔ اس کے مشروع ہونے کی دلیل اس باب میں احادیث ہیں جو''ہدایہ''اور ان کی شروح میں مذکور ہیں۔

35901۔(قولہ: مَيِّتٌ) اگر چہ وہ حکماً میت ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ محلہ میں زخمی حالت میں پایا جائے۔ اسے محلہ سے نقل کیا گیا اور وہ صاحب فراش کی حیثیت سے باقی رہا یہاں تک کہ وہ اس زخم سے مر گیا تو بے شک قسامت اور دیت اس محلہ کے مکینوں پر ہوگی جس طرح متن میں آئے گا۔

35902۔(قولہ: حُرٌّ) جہاں تک غلام کا تعلق ہے تو اس میں قسامت اور قیمت واجب ہوگی جب اسے آقا کی ملکیت کے علاوہ میں پایا گیا۔ اسی طرح مدبر ام ولد، مکاتب اور ماذون مدیون کا معاملہ ہے۔ اگر وہ اس کی مملوکہ جگہ میں پایا گیا تو اس کا خون رائیگاں جائے گا۔ مگر مکاتب اور ماذون مدیون کا معاملہ مختلف ہے تو ان دونوں میں آقا پر ان کی قیمت لازم ہوگی۔ اس کی عاقلہ پر لازم نہ ہوگی یہ فی الحال ادا کرنا ہوگی۔ ماذون غلام کی صورت میں وہ غرماء کو ادا کرے گا۔ اور مکاتب کی صورت میں تین سالوں میں یہ دینا ہوگی جس طرح''شرنبلالیہ''میں''البدائع''سے مروی ہے۔

فروع میں باب کے آخر میں عنقریب آئے گا۔

35903۔(قولہ: وَلَوْ ذِمِّيًا أَوْ مَجْنُونًا) اس میں مذکر، مؤنث، بڑا اور چھوٹا داخل ہوگا اور چوپائے اس سے خارج ہو جائیں گے۔ پاؤں میں کوئی شے لازم نہ ہوگی جس طرح عنقریب آئے گا۔

35904۔(قولہ: بِهِ جُرْحٌ الخ) اس قول کے ساتھ جن سے احتراز کیا ہے متن میں ان کا ذکر آئے گا۔

فِي مَحَلَّةٍ أَوْ) وُجِدَ (بَدَنُهُ أَوْ أَكْثَرُهُ) مِنْ أَيِّ جَانِبٍ كَانَ (أَوْ نِصْفُهُ مَعَ رَأْسِهِ) وَالنَّصُّ وَإِنْ وَرَدَ فِي الْبَدَنِ لَكِنْ لِلْأَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ حَتَّى لَوْ وُجِدَ أَقَلُّ مِنْ نِصْفِهِ وَلَوْ مَعَ رَأْسِهِ لَا يُؤَدِّي لِتَكْرَارِ الْقَسَامَةِ فِي قَتِيلٍ وَاحِدٍ وَهُوَ غَيْرُ مَشْرُوعٍ (وَلَمْ يَعْلَمْ قَاتِلَهُ) إِذْ لَوْ عَلِمَ كَانَ هُوَ الْخَصْمُ وَسَقَطَ الْقَسَامَةُ (وَادَّعَى وَلِيُّهُ الْقَتْلَ عَلَى أَهْلِهَا) أَيْ الْمَحَلَّةِ كُلِّهِمْ

میت اس کے محلہ میں پایا جائے یا اس کا بدن یا بدن کا اکثر حصہ پایا جائے وہ جسم کی کسی بھی جانب سے پایا جائے یا اس کا نصف سر کے ساتھ پایا جائے نص اگر چہ بدن کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ لیکن اکثر کا حکم وہی ہے جو کل کا ہے یہاں تک کہ اگر نصف سے کم پایا جائے اگر چہ اس کے ساتھ سر ہو تو قسامت ثابت نہ ہوگی تا کہ ایک قتل میں قسامت کا تکرار نہ ہو جب کہ یہ غیر مشروع ہے اور اس کے قاتل کا علم نہ ہو۔ اگر اس کا علم ہو تو وہی خصم ہوگا اور قسامت ساقط ہو جائے گی اور اس کا ولی محلہ کے تمام مکینوں پر قتل کا دعویٰ کرے۔

35905۔ (قولہ: فِي مَحَلَّةٍ) یہ لفظ میم کے فتحہ کے ساتھ ہے جس سے مراد وہ مکان ہے جہاں لوگ رہتے ہیں۔ ''طحطاوی'' نے ''المصباح'' سے نقل کیا ہے۔

35906۔ (قولہ: أَوْ نِصْفُهُ مَعَ رَأْسِهِ) اگر چہ لمبائی کی صورت میں بدن کو کاٹا گیا۔ ''منح''۔ یعنی اس کے ساتھ سر ہو مگر جب اس کو لمبائی کی صورت میں سر کے بغیر کاٹا گیا ہو یا سر کو اس کے ساتھ کاٹا گیا ہو تو کوئی قسامت نہ ہوگی۔ یہی وہ چیز ہے جسے مصنف نے بعد میں اپنے متن میں ذکر کیا ہے۔ ''ط''۔

35907۔ (قولہ: حَتَّى لَوْ وُجِدَ الخ) اصل یہ ہے اگر موجود ایسی حالت میں ہو اگر باقی پایا جائے تو اس میں قسامت جاری ہو تو موجود میں قسامت واجب نہ ہوگی اگر وہ ایسی حالت میں ہو۔ اگر باقی ماندہ پایا جائے تو تو اس میں قسامت ثابت نہ ہو تو قسامت واجب ہوگی۔ اور اس معاملہ میں نماز جنازہ اسی قاعدہ پر جاری ہوگی۔ ''ہدایہ''۔

35908۔ (قولہ: لَا يُؤَدِّي لِتَكْرَارِ الْقَسَامَةِ الخ) یعنی وہ قسامت اور دیت کے تکرار کی طرف نہ لے جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے بدن کا اقل حصہ اس کے سر کے ساتھ ایک محلہ میں پایا جائے اور باقی ماندہ دوسرے محلہ میں پایا جائے۔ کیونکہ جب قسامت اور دیت اس میں پائی جائے گی تو اکثر میں بھی ان دونوں کا وجوب پایا جائے گا۔

35909۔ (قولہ: إِذْ لَوْ عَلِمَ) کیونکہ اگر گواہوں اور اقرار کے ساتھ قاتل کا علم ہو جائے۔ ''قہستانی''۔ یعنی قاتل کے اقرار کے ساتھ علم ہو جائے۔ ضروری ہے کہ گواہ محلہ کے علاوہ کے لوگ ہوں جس طرح عنقریب متن میں آئے گا اور اس پر مفصل گفتگو آگے آئے گی۔

35910۔ (قولہ: وَادَّعَى وَلِيُّهُ الخ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کی شرط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ مقتول کے اولیاء دعویٰ کریں۔ کیونکہ قسم اس کے بغیر واجب نہیں ہوتی جس طرح ''طوری'' میں ہے۔ ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں

(أَوْ ادَّعَى عَلَى (بَعْضِهِمْ حَلَفَ خَمْسُونَ رَجُلًا مِنْهُمْ يَخْتَارُهُمُ الْوَلِيُّ بِاللّٰهِ مَا قَتَلْنَاهُ وَلَا عَلِمْنَا لَهُ قَاتِلًا) بِأَنْ يَحْلِفَ كُلٌّ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ مَا قَتَلْتُ وَلَا عَلِمْتُ لَهُ قَاتِلًا (لَا يَحْلِفُ الْوَلِيُّ)

یا وہ ان میں سے بعض پر دعویٰ کرے تو ان میں سے پچاس افراد قسم اٹھائیں گے جن کا انتخاب ولی کرے گا اللہ کی قسم ہم نے اسے قتل نہیں کیا اور نہ ہی ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک یہ قسم اٹھائے گا نہ میں نے قتل کیا ہے اور نہ ہی میں اس کے قاتل کو جانتا ہوں ولی قسم نہیں اٹھائے گا۔

اس میں غور کرو کہ کیا حکم ہوگا جب اس کا ولی نہ ہو کیا امام اس کا دعویٰ کرے گا یا دعویٰ نہیں کرے گا۔ پھر میں نے ''شرح الحموی'' سے منقول دیکھا ہے کہ انہوں نے آنے والی تخییر میں توقف کیا ہے جب ولی نہیں۔ کیا امام پچاس قسموں کو اختیار کرے گا یا نہیں۔ کہا: پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

35911۔ (قولہ: أَوْ ادَّعَى عَلَى بَعْضِهِمْ الخ) اگرچہ وہ بعض معین ہوں یہ صورت مختلف ہوگی اگر وہ ان سے کسی اور کے خلاف دعویٰ کر دے تو ان لوگوں سے قسامت ساقط ہو جائے گی جس طرح متن میں آئے گا۔

35912۔ (قولہ: حَلَفَ خَمْسُونَ رَجُلًا مِنْهُمْ الخ) اس سے بچے، عورت اور غلام نکل جائیں گے جس طرح گزر چکا ہے اور آگے اس کا ذکر آئے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے اگر ولی قسم اٹھانے کا مطالبہ کرے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اسے اس کے ترک کا بھی حق ہے۔ ''رملی'' نے اس کی تصریح کی ہے جب وہ اس کو ترک کرے کیا اس کے حق میں دیت کا فیصلہ کیا جائے گا یا نہیں۔ کیونکہ اگر وہ ان سے قسم لے تو قاتل کے ظہور کا امکان موجود ہے میں نے اسے نہیں دیکھا۔ پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

''زیلعی'' نے کہا: ان کا قول يَخْتَارُهُمُ الْوَلِيُّ، اس میں نص ہے کہ اختیار ولی کو ہوگا۔ کیونکہ یمین اس کا حق ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ ان کا انتخاب کرے جن پر وہ قتل کی تہمت لگائے، یا اس بارے میں باخبر ہوں یا اہل محلہ کے صالح لوگ ہوں وہ کیونکہ ان کا جھوٹی قسم سے بچنا زیادہ ممکن ہے۔ پس قاتل ظاہر ہو جائے گا اگر وہ نابینا یا جس پر حد قذف جاری کی جا چکی ہو اس کا انتخاب کرے تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ یہ قسم ہے یہ شہادت نہیں۔

قسامت کا طریقہ

35913۔ (قولہ: بِأَنْ يَحْلِفَ الخ) یہ جمع کے جمع کے تقابل کے قبیل سے ہے ''قہستانی''۔ پس ہر ایک اس سے قتل کی نفی اور اس کے علم کی نفی پر قسم اٹھائے گا۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ اس نے اکیلے ہی اسے قتل کیا۔ پس وہ اپنی قسم پر جری ہو جائے اللہ کی قسم ہم سب نے اس کو قتل نہیں کیا۔ اور نہ ہی اس کے برعکس کیا جائے گا۔ کیونکہ جب اس نے کسی اور کے ساتھ مل کر اس کو قتل کیا ہو تو وہ قاتل ہوگا۔ اور ان کے قول: ولا علمنا له قاتلا حالانکہ اہل محلہ کی قتل کے بارے میں شہادت ان میں سے ایک فرد پر ہو یا ان کے علاوہ پر ادا ہو جائے گی کہ قسم اٹھانے والا اپنے غلام کے خلاف اقرار کر لے تو اس کا اقرار قبول کیا

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ إنْ كَانَ ثَمَّةَ لَوْثٌ أُسْتُحْلِفَ الْأَوْلِيَاءُ خَمْسِينَ يَمِينًا أَنَّ أَهْلَ الْمَحَلَّةِ قَتَلُوهُ ثُمَّ يُقْضَى بِالدِّيَةِ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ وَقَضَى مَالِكٌ بِالْقَوَدِ لَوْ الدَّعْوَى بِالْعَمْدِ (ثُمَّ قُضِيَ عَلَى أَهْلِهَا بِالدِّيَةِ) لَا مُطْلَقًا بَلْ (إنْ وَقَعَتْ الدَّعْوَى بِقَتْلِ عَمْدٍ وَإِنْ) وَقَعَتْ الدَّعْوَى (بِخَطَأٍ فَعَلَى) أَيْ فَيُقْضَى بِالدِّيَةِ عَلَى (عَوَاقِلِهِمْ)

امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر وہاں اشتباہ ہو تو اولیا سے پچاس قسمیں لی جائیں گی کہ اہل محلہ نے اسے قتل کیا ہے پھر مدعی علیہ پر دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور امام ''مالک'' نے قصاص کا فیصلہ کیا ہے اگر دعویٰ قتل عمد ہو پھر اس اہل محلہ پر دیت کا فیصلہ کر دیا جائے گا مطلقاً نہیں بلکہ اگر دعویٰ قتل عمد کا ہو۔ اگر قتل خطا کا دعویٰ ہو تو دیت کا فیصلہ ان کی عاقلہ پر کیا جائے گا

جائے یا اہل محلہ کے علاوہ کے خلاف اقرار کرے اور مقتول کا ولی اس کی تصدیق کرے پس حکم اہل محلہ سے ساقط ہو گا۔ ''منح''، ملخص۔ عنقریب یہ آئے گا اگر ان میں سے کوئی ایک کہے: اسے زید نے قتل کیا ہے وہ تو اپنی قسم میں کہے گا: اور میں زید کے علاوہ کوئی اور قاتل نہیں جانتا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

35914۔ (قولہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ الخ) لوث یہ ہے کہ ان میں سے ایک کے خلاف قتل کی علامت ہو یا ایسا ظاہر ہو جو مدعی کے حق میں شاہد ہو کہ فلاں کی ظاہر عداوت تھی یا کوئی عادل آدمی گواہی دے یا غیر عادل جماعت گواہی دے دے کہ اس نے اسے قتل کیا ہے۔

ان کے مذہب کا حاصل یہ ہے: اگر ظاہر پایا جائے تو مدعی کے حق میں گواہی دیتا ہو۔ اگر وہ قسم اٹھائے کہ انہوں نے مقتول کو خطاءً قتل کیا ہے تو ان کے خلاف اس کے لیے دیت لازم ہو گی یا انہوں نے اسے عمداً قتل کیا ہے تو ایک قول میں قصاص لازم ہو گا اور ایک قول میں دیت لازم ہو گی۔ اگر وہ قسم سے انکار کر دے تو سب لوگ قسم اٹھائیں اگر وہ قسم اٹھا دیں تو ان پر کوئی شے لازم نہ ہو گی ورنہ ایک قول کے مطابق ان پر قصاص لازم ہو گا اور ایک قول کے مطابق دیت لازم ہو گی۔ اگر ظاہر مدعی کی تائید نہ کرے تو اہل محلہ اس پر قسم اٹھائیں گے جو ہم نے قول کیا ہے۔ جب کوئی اشتباہ نہ ہو تو ان کا قول ہمارے قول کی طرح ہے۔ اختلاف دو مواقع پر ہو گا ان دونوں میں سے ایک یہ ہے: مدعی ہمارے نزدیک قسم نہیں اٹھائے گا اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قسم اٹھائے گا۔ دوسرا محل یہ ہے: اہل محلہ کی براءت قسم میں ہے۔ یہ ''کفایہ'' وغیرہ میں ہے۔ ادلہ کی وضاحت مطولات میں ہے لوث کا لفظ لام کے فتحہ، واؤ کے سکون اور ثا کے ساتھ ہے جس طرح ''ابن ملقن'' نے ''لغات المنہاج'' میں حرکات وسکنات بیان کی ہیں۔

35915۔ (قولہ: وَقَضَى مَالِكٌ بِالْقَوَدِ) امام مالک اس پر قصاص کا فیصلہ کرتے ہیں مدعی علیہم میں سے جن کو مدعی چن لے گا۔ ''غرر الافکار''۔

كَمَا فِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ مَعْزِيًّا لِلذَّخِيرَةِ وَالْخَانِيَّةِ وَنَقَلَ ابْنُ الْكَمَالِ عَنِ الْمَبْسُوطِ أَنَّ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ الْقَسَامَةَ عَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ وَالدِّيَةَ عَلَى عَوَاقِلِهِمْ أَيْ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ وَكَذَا قِيمَةُ الْقِنِّ

جس طرح ''شرح المجمع'' میں ہے جب کہ ''ذخیرہ'' اور ''خانیہ'' کی طرف منسوب ہے۔ ''ابن کمال'' نے ''مبسوط'' سے نقل کیا ہے کہ ظاہر روایت کے مطابق اہل محلہ پر قسامت ہوگی اور دیت ان کی عاقلہ پر ہوگی جس کی ادائیگی تین سالوں میں ہوگی۔

35916۔(قولہ: كَمَا فِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ) اسی طرح ''غرر الافکار'' اور ''شرنبلالیہ'' میں ''برہان'' سے مروی ہے جب کہ ''ذخیرہ'' اور ''خانیہ'' کی طرف بھی منسوب ہے۔

35917۔(قولہ: وَنَقَلَ ابْنُ الْكَمَالِ الخ) یہ جو قول گزر چکا ہے اس پر استدراک ہے۔ کیونکہ ''ابن کمال'' نے قتل عمد اور قتل خطا میں آنے والے مسئلہ میں فرق نہیں کیا جس طرح شارح عنقریب ان سے اس کا ذکر کریں گے۔ پس یہ امر اس پر دلالت کرے گا کہ یہاں اطلاق کا ارادہ کیا ہے۔ اسی طرح ''ہدایہ'' کے شارحین نے عاقلہ پر اس کے وجوب کو مطلق ذکر کیا ہے۔

''النہایہ'' وغیرہ میں کہا: ''مبسوط'' میں ہے: پھر اہل محلہ کی عاقلہ پر تین سالوں میں دیت کی ادائیگی کا فیصلہ کر دیا جائے گا کیونکہ یہاں ان کا حال اس آدمی کی حالت سے کم ہے جس نے خطاء کسی کو قتل کر دیا تھا جب دیت وہاں تین سالوں میں اس کی عاقلہ پر لازم ہوتی ہے تو یہاں بدرجہ اولی اس طرح لازم ہوگی۔ ظاہر روایت کے مطابق قسامت اہل محلہ پر ہوگی اور دیت ان کی عاقلہ پر ہوگی۔ امام ''زفر'' کے نزدیک دونوں چیزیں ان کی عاقلہ پر لازم ہوں گی۔ ملخص

میں کہتا ہوں: اول ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں موجود محض دعویٰ ہے۔ کیونکہ یہ ثابت نہیں کہ اہل محلہ نے اسے قتل کیا ہے پس اس کا حال اس کے حال سے ادنیٰ ہوگا جس نے خود لوگوں کے سامنے قتل خطا کیا تو عاقلہ بدرجہ اولی اس کی ذمہ دار ہوگی اگرچہ دعویٰ قتل عمد کا ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ جو ہم نے کہا کہ ثبوت نہیں پایا گیا۔ پس یہ اس امر کے منافی نہیں کہ عاقلہ عمد کی ذمہ دار نہیں ہوتی۔ یہ وہ امر ہے جو میرے ناقص عقل کے لیے ظاہر ہوا۔ متون کی عبارت اس میں مطلق ہے کہ قسامت اور دیت اہل محلہ پر لازم ہوگی۔ پس دعویٰ عمد کی تخصیص ضروری ہے جس طرح مصنف نے کیا ہے یا مضاف کو مقدر ماننا پڑے گا۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: ای على عاقلتهم جس طرح ''ہدایہ'' کے شارحین نے کیا ہے۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ قاتل عاقلہ میں سے ایک ہے۔ پس وہ ان کے ساتھ اس کو برداشت کرے گا جس طرح عنقریب اپنے محل میں آئے گا۔ اسی طرح یہاں اس کا حکم ہے۔ اسی وجہ سے ''بزازیہ'' میں ''شیخ الاسلام'' سے نقل کیا ہے کہ قسامت ان پر ہوگی اور دیت ان کی عاقلہ پر اور ان پر ہوگی۔ کیونکہ اہل محلہ نے اس کو حکماً قتل کیا ہے تو یوں ہو جائے گا جس طرح انہوں نے اسے حقیقت میں قتل کیا۔

35918۔(قولہ: فِي ثَلَاثِ سِنِينَ) أَيْ کا لفظ لائے ہیں یعنی اس کی وجہ یہ ہے کہ ''ابن کمال'' نے اس کا ذکر نہیں کیا لیکن یہ ''مبسوط'' میں مذکور ہے۔

35919۔(قولہ: وَكَذَا قِيمَةُ الْقِنِّ) یعنی جب اسے اس کے آقا کی ملکیت کے علاوہ میں پایا جائے جس طرح ہم

تُؤْخَذُ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ شُرُنْبُلَالِيَّةٌ (وَإِنْ لَمْ يَتِمَّ الْعَدَدُ كُرِّرَ الْحَلِفُ عَلَيْهِمْ لِيَتِمَّ خَمْسِينَ يَمِينًا وَإِنْ تَمَّ الْعَدَدُ (وَأَرَادَ الْوَلِيُّ تَكْرَارَهُ لَا، وَمَنْ نَكَلَ مِنْهُمْ حُبِسَ حَتَّى يَحْلِفَ عَلَى الْوَجْهِ الْمَذْكُورِ هُنَا) هَذَا فِي دَعْوَى الْقَتْلِ الْعَمْدِ أَمَّا فِي الْخَطَأِ فَيُقْضَى بِالدِّيَةِ عَلَى عَاقِلَتِهِمْ وَلَا يُحْبَسُونَ ابْنُ كَمَالٍ مَعْزِيًّا لِلْخَانِيَّةِ

اسی طرح غلام کی قیمت تین سالوں میں ہوگی ''شرنبلالیہ''۔ اگر عدد مکمل نہ ہو تو ان پر قسم بار بار لازم کی جائے گی تا کہ پچاس قسمیں ہو جائیں۔ اگر عدد مکمل ہو جائے اور ولی اس کے تکرار کا ارادہ کرے تو ایسا نہیں کر سکتا۔ اور جس نے ان سے قسم اٹھانے سے انکار کر دیا تو اس کو محبوس کر دیا جائے گا یہاں تک کہ اس سے اس طریقہ پر قسم لی جائے گی۔ جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے یہ قتل عمد کے معاملہ میں ہے۔ جہاں تک قتل خطا کا تعلق ہے تو اس کی عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کیا جائے گا اور ان کو محبوس نہیں کیا جائے گا۔

اسے پہلے بیان کر چکے ہیں اور آگے اس کا ذکر آئے گا۔

35920۔ (قولہ: وَأَرَادَ الْوَلِيُّ تَكْرَارَهُ) یعنی ان میں سے بعض سے دوبارہ قسم لینے کا ارادہ کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً وہ ان میں سے صالحین کا انتخاب کرے اور وہ پچاس پورے نہ ہوتے ہوں تو یہ امر ان پر مکرر نہیں ہوگا بلکہ باقی ماندہ سے پچاس پورے کرے گا۔ اسے ''اتقانی'' نے بیان کیا ہے۔

اگر کوئی قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو اس کا حکم

35921۔ (قولہ: حَتَّى يَحْلِفَ) یعنی وہ قسم اٹھائے یا وہ اس کا اقرار کرے۔ پس جس کا وہ اقرار کرے وہ اس پر لازم ہو جائے گا محض قسم سے انکار کی بنا پر حکم نہیں لگایا جائے گا۔ کیونکہ یہاں قسم نفس حق ہے۔ مقصود جان کے معاملہ کی تعظیم ہے یہ دیت کا بدل نہیں۔ اسی وجہ سے دونوں کو جمع کیا جائے گا۔ مال کے دعویٰ میں یمین کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ اس کا بدل ہے۔ اسی وجہ سے ادائیگی کے ساتھ قسم ساقط ہو جاتی ہے۔ ''اتقانی''۔ ''ملخص''۔ اور یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ اہل محلہ کے علاوہ کسی معین شخص پر دعویٰ نہ کرے ورنہ اس کا حکم عنقریب آگے آئے گا۔

35922۔ (قولہ: عَلَى الْوَجْهِ الْمَذْكُورِ هُنَا) وہ یہ ہے اللہ کی قسم اس نے اسے قتل نہیں کیا۔ الخ

35923۔ (قولہ: هَذَا) قسم سے انکار کی بنا پر محبوس کرنا۔

35924۔ (قولہ: أَمَّا فِي الْخَطَأِ الخ) یعنی اس کا حکم مال ہے پس قسم سے انکار کے وقت اس کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ یہ اس تعلیل کے مقتضا کے خلاف ہے جس تعلیل کو ہم نے قریب میں ذکر کیا ہے۔ تامل

35925۔ (قولہ: مَعْزِيًّا لِلْخَانِيَّةِ) میں کہتا ہوں: یہ ''ذخیرہ'' میں مذکور ہے۔ ''المنح'' میں اس کی عبارت کو ذکر کیا ہے اور ''قہستانی'' نے اسے ''المجتبیٰ''، ''کرمانی'' وغیرہما کی طرف منسوب کیا ہے مگر جب سے میں نے ''الخانیہ'' میں دیکھا ہے وہ ان کا یہ قول ہے: فان امتنعوا عن اليمين حبسوا حتى يحلفوا۔ اگر وہ قسم اٹھانے سے رک جائیں تو ان کو قید کر لیا جائے گا

وَلَوْ أَقَرَّ عَلَى نَفْسِهِ أَوْ عَبْدِهِ قُبِلَ إِقْرَارُهُ، وَلَوْ عَلَى غَيْرِهِ فَصَدَّقَهُ الْوَلِيُّ سَقَطَ التَّحْلِيفُ عَنْ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ (وَلَا قَسَامَةَ عَلَى صَبِيٍّ وَمَجْنُونٍ وَامْرَأَةٍ وَعَبْدٍ وَلَا قَسَامَةَ وَلَا دِيَةَ فِي مَيِّتٍ لَا أَثَرَ بِهِ) لِأَنَّهُ لَيْسَ بِقَتِيلٍ، لِأَنَّ الْقَتِيلَ عُرْفًا هُوَ فَائِتُ الْحَيَاةِ بِسَبَبِ مُبَاشَرَةِ الْحَيِّ،

اگر ایک آدمی اپنی ذات کے خلاف یا اپنے غلام کے خلاف اقرار کرے تو اس کا اقرار قبول کیا جائے اگر وہ کسی اور پر اقرار کرے اور مولی اس کی تصدیق کر دے تو اہل محلہ سے قسم اٹھانے کا امر ساقط ہو جائے گا۔ بچے، مجنون، عورت اور غلام پر کوئی قسامت نہیں ایسی میت میں نہ قسامت ہے اور نہ ہی دیت جس میت میں زخم کا نشان نہ ہو۔ کیونکہ یہ قتیل نہیں۔ کیونکہ عرف میں قتل اس کو کہتے ہیں جو زندگی ایسے سبب سے فوت کرنے والا ہو جو زندہ کے سبب واقع کیا گیا ہو۔

یہاں تک کہ وہ قسم اٹھائیں۔ انہوں نے عمداً اس میں کوئی فرق نہیں کیا یہ متون کا ظاہر ہے۔

اگر ایک آدمی اپنے خلاف یا اپنے غلام کے خلاف اقرار کرے تو اس کا حکم

35926۔(قولہ: أَوْ عَبْدِهِ) یعنی خطا میں اقرار کرے۔ جہاں تک عمد کا تعلق ہے جو قصاص کا موجب ہوتا ہے تو اس کا اپنے غلام کے خلاف اقرار کا قبول نہ ہونا پہلے گزر چکا ہے۔ ''سائحانی''۔

35927۔(قولہ: وَلَوْ عَلَى غَيْرِهِ) یہ کلام اس محل کی نہیں جس طرح ہم پہلے ''المنح'' سے ذکر کر چکے ہیں۔ جو کلام آگے آ رہی ہے اس سے اس کا علم ہو جائے گا۔

35928۔(قولہ: سَقَطَ التَّحْلِيفُ الخ) اسی طرح قسم اٹھوانا ساقط ہو جائے گا جب وہ اپنی ذات پر اقرار کرے یا اپنے غلام کے خلاف اقرار کرے۔ اگر وہ یہ کہتے: ولو اقر علی نفسہ او عبدہ او غیرہ من غیر محلتہ و صدقہ ولیہ سقط التحلیف عن اھل محلتہ، تو یہ زیادہ اچھا ہوتا۔ یعنی اگر وہ اپنے اپنے غلام یا اپنے محلہ کے علاوہ کسی اور کے خلاف اقرار کرے اور مقتول کا ولی اس کی تصدیق کر دے تو اہل محلہ سے قسم ساقط ہو جائے گی۔

وہ افراد جن پر قسامت نہیں

35929۔(قولہ: وَلَا قَسَامَةَ عَلَى صَبِيٍّ الخ) کیونکہ وہ اہل نصرت میں سے نہیں وہ تو تابع ہیں اور نصرت و مدد تابع لوگوں سے نہیں ہوتی اور یمین ان لوگوں پر ہوتی ہے جو اہل نصرت ہوتے ہیں اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ بچہ اور مجنون صحیح قول والے نہیں ہوتے اور یمین ایک قول ہے۔ ''زیلعی''۔

میں کہتا ہوں: مراد یہ ہے کہ وہ اہل محلہ کے ساتھ محلہ کے مقتول کی قسامت میں داخل نہیں ہوں گے۔ پس یہ اس قول کے منافی نہیں ہوگا جو آگے متن میں آ رہا ہے کہ قسامت عورت پر واجب ہوگی اگر مقتول ایک ایسی بستی میں پایا جائے جو بستی اس عورت کی ہو اور نہ ہی یہ اس قول کے منافی ہے جس کا ''طوری'' نے ''البدائع'' سے نقل کیا ہے کہ قسامت ایسے مکاتب پر واجب ہوگی جس کے گھر میں مقتول پایا گیا ہو۔ اگر وہ قسم اٹھا دے تو اس کی قیمت اور دیت میں سے جو کم ہوگی وہ واجب ہو

وَأَنَّهُ مَاتَ حَتْفَ أَنْفِهِ وَالْغَرَامَةُ تَتْبَعُ فِعْلَ الْعَبْدِ (أَوْ يَسِيلُ دَمٌ مِنْ فَمِهِ أَوْ أَنْفِهِ أَوْ دُبُرِهِ أَوْ ذَكَرِهِ) لِأَنَّ الدَّمَ يَخْرُجُ مِنْهَا عَادَةً بِلَا فِعْلِ أَحَدٍ بِخِلَافِ الْأُذُنِ وَالْعَيْنِ

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی موت آپ مرا ہے غرامت بندے کے قتل کے تابع ہوتی ہے۔ یا خون اس کے منہ، اس کی ناک، اس کی دبر یا اس کے آلہ تناسل سے بہے۔ کیونکہ خون ان سے کسی دوسرے کے فعل کے بغیر معمول کے مطابق نکلتا ہے کان اور آنکھ کا معاملہ اور ہے

گی۔ مگر جب وہ ماذون کے گھر میں پایا جائے تو ''ولوالجیہ'' میں ہے کہ استحسان یہ ہے کہ قسامت آقا پر واجب ہو اور اسے اختیار دیا جائے گا کہ وہ غلام حوالے کر دے یا اس کا فدیہ دے دے۔ کیونکہ اگر غلام جنایت خطا کا اقرار کرے تو اس کا اقرار صحیح نہیں ہوگا پس اس سے قسم نہ لی جائے گی۔

35930۔ (قولہ: وَأَنَّهُ مَاتَ حَتْفَ أَنْفِهِ) واؤ حالیہ ہے ہمزہ کے نیچے کسرہ ہے اور ضمیر اس میت کے لیے ہے جس پر کوئی نشان نہیں ہوتا۔ ''ح''۔

35931۔ (قولہ: وَالْغَرَامَةُ) یعنی دیت یہ تو بندے کے فعل کے تابع ہوتی ہے یعنی جب کہ بندے کا فعل نہیں پایا گیا۔ اسی طرح قسامت ہے قسامت اہل محلہ پر واجب ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ احتمال ہوتا ہے کہ اس سے فعل کے وقوع کا احتمال ہے اور کسی عورت کے نہ ہونے سے یہ احتمال نہیں پس دیت واجب نہ ہوگی۔ ''اتقانی''۔

35932۔ (قولہ: أَوْ يَسِيلُ دَمٌ) اس کا عطف لا اثر بہ ہے۔ ''ح''۔

35933۔ (قولہ: مِنْ فَمِهِ) ''ہدایہ'' وغیرہا میں اسی طرح ہے۔ ''ذخیرہ'' میں یہ ذکر کیا ہے: یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ سر سے نیچے آئے اگر وہ پیٹ سے اوپر چڑھے تو وہ قتل ہے۔ ''قہستانی'' اور ''اتقانی'' نے ''فخر الاسلام'' سے نقل کیا ہے۔

قسامت کی شرط

35934۔ (قولہ: بِلَا فِعْلِ أَحَدٍ) کیونکہ بعض اوقات جو خون منہ یا ناک سے نکلتا ہے وہ نکسیر ہوتا ہے اور دبر سے نکلتا ہے جب پیٹ میں بیماری ہوتی ہے یا ایسی چیز کھانے سے خون نکلتا ہے جو موافق نہ ہو اور آلہ تناسل سے خون اس رگ کی وجہ سے نکلتا ہے جو پیٹ میں کھل گئی ہو یا گردہ میں یا جگر میں ضعف ہو یا زیادہ خوف پایا جائے۔ ''اتقانی'' نے یہ بیان کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بدرجہ اولی یہ حکم ہوگا اگر اس کی موت کا علم جلانے، سطح سے گرنے یا پانی میں گرنے سے ہو جب کہ کسی کا فعل اس میں نہ پایا جائے تو نہ قسامت ہوگی نہ دیت ہوگی۔ کیونکہ شرط یہ ہے کہ قتل کو ایسے قوی ظاہر سبب کی طرف نہ پھیرا جا سکتا ہو جو ان دونوں کے وجوب کے مانع ہو جس طرح ''خیریہ'' میں ہے۔

35935۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْأُذُنِ وَالْعَيْنِ) کیونکہ قتل کی دلالت ظاہر ہے کیونکہ دونوں اعضاء سے عام معمول کے مطابق خون نہیں نکلتا مگر جب کوئی نیا عمل واقع ہو۔ ''اتقانی''۔

(أَوْ نِصْفِ مِنْهُ) أَیْ وَلَا قَسَامَةَ فِي نِصْفِ مَيِّتٍ (شُقَّ طُولًا أَوْ أَقَلَّ مِنْهُ) أَیْ مِنْ نِصْفِهِ (وَلَوْ مَعَهُ الرَّأْسُ) لِمَا مَرَّ (أَوْ عَلَى رَقَبَتِهِ) أَیْ الْمَيِّتِ (حَيَّةٌ مُلْتَوِيَةٌ) لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّهُ مَاتَ بِهَا بَزَّازِيَّةٌ (وَمَا تَمَّ خِلْقَةً كَكَبِيرٍ) أَیْ وُجِدَ سَقْطٌ تَامَّ الْخِلْقَةِ بِهِ أَثَرُ الضَّرْبِ وَجَبَتْ الْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ وَفِي الظَّهِيرِيَّةِ مَا يُخَالِفُهُ (فَإِنْ ادَّعَى الْوَلِيُّ عَلَى وَاحِدٍ مِنْ غَيْرِهِمْ) كَانَ إِبْرَاءٌ مِنْهُ لِأَهْلِ الْمَحَلَّةِ

یا اس کے نصف میں قسامت نہیں یعنی میت کے نصف میں قسامت نہیں جس کو لمبائی میں شق کیا گیا ہو یا وہ نصف سے کم ہو اگرچہ اس کے ساتھ سر ہو۔ اس کی دلیل وہ ہے جو گزر چکی ہے یا میت کی گردن پر ایک ایسا سانپ ہو جو لپٹا ہوا ہو۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ اس سانپ کی وجہ سے مرا ہے''بزازیہ''۔ جس کی شکل وصورت مکمل ہو چکی ہو وہ بڑے کی طرح ہے یعنی ایسا سالم بچہ گرا ہوا پایا گیا جس پر ضرب کا اثر ہو تو اس میں قسامت اور دیت واجب ہوگی۔ ''ظہیریہ'' میں ایسا قول ہے جو اس کے مخالف ہے۔ اگر ولی اہل محلہ کے علاوہ کسی اور پر دعویٰ کرے تو یہ اس کی جانب سے اہل محلہ کو بری کرنا ہوگا

35936_(قولہ: أَوْ نِصْفِ مِنْهُ) جر کے ساتھ اس کا عطف میت پر ہے جس طرح شارح نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ''حلبی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

35937_(قولہ: وَلَوْ مَعَهُ) ضمیر سے مراد اقل ہے۔

35938_(قولہ: لِمَا مَرَّ) اس سے مراد یہ قول ہے لئلا یودی لتکرار القسامة فی قتیل واحد۔

وہ بچہ جس کی شکل وصورت مکمل ہو چکی ہو وہ بڑے کی طرح ہے

35939_(قولہ: وَجَبَتْ الْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ) یعنی اہل محلہ پر قسامت اور دیت واجب ہوگی۔ کیونکہ ظاہر امر یہ ہے کہ جس کی شکل وصورت مکمل ہو چکی ہو اس نے زندہ کی حیثیت سے اپنی جگہ چھوڑی ہے۔ اگر اس کی شکل وصورت مکمل نہ ہو تو ان پر کوئی شے لازم نہ ہوگی کیونکہ وہ مردہ کی حیثیت سے اپنی جگہ چھوڑتا ہے۔ ''ہدایہ''۔

35940_(قولہ: وَفِي الظَّهِيرِيَّةِ مَا يُخَالِفُهُ) اس کی نص ہے جب جنین ایک محلہ میں مقتول پایا گیا تو نہ قسامت ہو گی نہ دیت ہوگی۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول ''شروح''، ''ہدایہ''، ''ملتقی''، ''وقایہ'' اور ''درر'' وغیرہا میں مذکور ہے۔

اگر ولی اہل محلہ کے علاوہ کسی اور کے خلاف دعویٰ کرے تو اہل محلہ سے قسامت ساقط ہو جائے گی

35941_(قولہ: كَانَ إِبْرَاءٌ مِنْهُ لِأَهْلِ الْمَحَلَّةِ) کیونکہ ان میں مقتول کے ظاہر ہونے سے ان پر چیز لازم نہ ہو گی۔ بلکہ ولی دعویٰ کرے گا تب وہ اس کے ذمہ دار ہوں گے جب وہ ان کے علاوہ کسی اور پر دعویٰ کرے گا تو ان پر دعویٰ ممتنع ہو جائے گا کیونکہ اس کی شرط مفقود ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''شمنی'' سے نقل کیا ہے محلہ کی طرح مملوک جگہ ہے جس طرح ہم عنقریب ''تاتر خانیہ'' سے نقل کریں گے۔

وَ (سَقَطَتْ) الْقَسَامَةُ عَنْهُمْ (وَ) إِنْ ادَّعَى الْوَلِيُّ (عَلَى مُعَيَّنٍ مِنْهُمْ لَا) تَسْقُطُ وَقِيلَ تَسْقُطُ (قَتِيلٌ عَلَى دَابَّةٍ مَعَهَا سَائِقٌ أَوْ قَائِدٌ أَوْ رَاكِبٌ فَدِيَتُهُ عَلَى عَاقِلَتِهِ) دُونَ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ

اور اہل محلہ سے قسامت ساقط ہو جائے گی اگر ولی اہل محلہ میں سے کسی معین فرد پر دعویٰ کرے تو اہل محلہ سے قسامت ساقط نہیں ہو گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان سے ساقط ہو جائے گی۔ ایک مقتول سواری پر ہے اس سواری کے ساتھ ایک ہانکنے والا، قائد یا سوار ہے تو اس کی دیت اس کی عاقلہ پر ہو گی اہل محلہ پر نہیں ہو گی۔

35942۔ (قولہ: وَ سَقَطَتْ الْقَسَامَةُ عَنْهُمْ) اسی طرح کا حکم ہو گا اگر اولیاء میں سے کوئی ایک اس کا دعویٰ کرے جب کہ ان میں سے باقی حاضر اور خاموش رہیں۔ اگر وہ باقی ماندہ غائب ہوں تو پھر ایسا نہ ہو گا جب تک مدعی اس مسئلہ میں اس کی جانب سے وکیل نہ ہو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک کہے: اسے زید نے قتل کیا ہے، دوسرے نے کہا: اسے عمرو نے قتل کیا ہے ایک اور نے کہا: میں اسے نہیں پہچانتا تو اس میں باہم کوئی جھوٹ بولنا نہیں اور قسامت ساقط ہو جائے گی۔ ''سائحانی'' نے ''زاہدی'' سے نقل کیا ہے اور مدعی علیہ کا حکم بیان نہیں کیا۔ اس کی وضاحت وہ ہے جس کا ذکر ''اتقانی'' نے کیا ہے۔ اگر ولی گواہیاں قائم کر دے تو بہتر ورنہ مدعی علیہ سے صرف ایک قسم لی جائے گی اگر وہ قسم اٹھا دے تو وہ بری ہو جائے گا ورنہ اگر دعویٰ مال یعنی قتل خطا میں ہو تو وہ ثابت ہو جائے گا اگر دعویٰ قصاص میں ہو تو اس کو محبوس کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اقرار کرے وہ قسم اٹھا دے یا بھوکا مر جائے۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: اس پر دیت لازم ہو جائے گی۔ ملخص۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

35943۔ (قولہ: لَا تَسْقُطُ) یعنی ظاہر روایت میں ہے کہ قسامت ساقط نہ ہو گی۔ ''مواہب''۔ کیونکہ شارع نے ابتداءً اسے اہل محلہ پر واجب کیا ہے۔ پس اس کا انہی میں سے ایک کو معین کرنا یہ اس کے منافی نہیں جو شارع نے حکم دیا تھا۔ پس قسامت اور دیت اہل محلہ پر ثابت ہو گی۔ ''کفایہ''

35944۔ (قولہ: وَقِيلَ تَسْقُطُ) یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے اصل کی روایت کے علاوہ کی روایت ہے کہ قسامت اور دیت اہل محلہ کے باقی ماندہ افراد سے ساقط ہو جائے گی۔ ولی کو کہا جائے گا: کیا تیرے پاس بینہ ہیں اگر وہ کہے: نہیں تو مدعی علیہ سے ایک قسم کا مطالبہ کیا جائے گا۔ ''ابن مبارک'' نے امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہی روایت کیا ہے۔ ''زیلعی''۔

اگر مقتول سواری پر ہو اور اس کے ساتھ سواری کو ہانکنے والا قائد یا سوار ہو تو اس کی دیت کا حکم

35945۔ (قولہ: فَدِيَتُهُ عَلَى عَاقِلَتِهِ) یعنی قسامت واجب ہو گی جب وہ قسم اٹھا دے تو دیت اس کی عاقلہ پر واجب ہو گی۔ پھر مشائخ میں سے کچھ ہیں جنہوں نے فرمایا: یہ اس سے عام ہے کہ اس سواری کا کوئی معروف مالک ہو یا کوئی معروف مالک نہ ہو۔ اسی میں سے کتاب کا اطلاق ہے۔ ان میں سے کچھ علماء نے فرمایا: اگر اس کا مالک ہو تو اس پر قسامت اور دیت لازم ہو گی ''قہستانی''۔ مصنف پہلے قول پر گامزن ہوئے جب انہوں نے یہ کہا ہے: اگرچہ سواری ان کی ملکیت میں

لِأَنَّهُ فِي يَدِهِ فَصَارَ كَأَنَّهُ فِي دَارِهِ (وَلَوْ اجْتَمَعَ) فِيهَا (سَائِقٌ وَقَائِدٌ وَرَاكِبٌ فَالدِّيَةُ عَلَيْهِمْ جَمِيعًا وَإِنْ لَمْ تَكُنْ مِلْكًا لَهُمْ) عَمَلًا بِيَدَيْهِمْ وَقِيلَ الْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ عَلَى مَالِكِ الدَّابَّةِ كَالدَّارِ وَقِيلَ لَا يَجِبُ عَلَى السَّائِقِ إِلَّا إِذَا كَانَ يَسُوقُهَا مُخْتَفِيًا وَبِهِ جَزَمَ فِي الْجَوْهَرَةِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهَا أَحَدٌ فَالدِّيَةُ وَالْقَسَامَةُ عَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ الَّتِي فِيهَا الْقَتِيلُ عَلَى الدَّابَّةِ

کیونکہ مقتول اس کے قبضہ میں ہے تو وہ یوں ہو گیا گویا وہ مقتول اس کے گھر میں ہے۔ اگر جانور میں ہانکنے والا، قائد اور سوار جمع ہو جائیں تو دیت ان سب پر ہو گی اگر چہ وہ سواری ان کی ملکیت نہ ہو یہ ان کے قبضہ پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے قسامت اور دیت جانور کے مالک پر لازم ہو گی جس طرح گھر میں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہانکنے والے پر واجب نہ ہو گی مگر جب وہ اس کو خفیہ طریقے سے ہانکے۔ ''جوہرہ'' میں اس کو یقین سے بیان کیا ہے اگر اس کے ساتھ کوئی نہ ہو تو دیت اور قسامت اہل محلہ پر لازم ہو گی جس محلہ میں مقتول سواری پر ہو۔

نہ ہو اس وقت فرق دابہ (جانور) اور دار میں ہو گا۔ کیونکہ اس وقت دیت اس کے مالک پر ہو گی اس کے ساکن پر نہ ہو گی جس طرح عنقریب آگے آئے گا کہ گھر سے اس کی ملکیت کا قبضہ رائے اور تدبیر میں منقطع نہیں ہوتا اگر چہ وہ اس کو اجرت پر دے دے دابہ کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اس میں تصرف قابض کا ہوتا ہے۔

35946_(قولہ: لِأَنَّهُ فِي يَدِهِ) پہلی ضمیر مقتول کے لیے اور دوسری ضمیر ہانکنے والے کے لیے ہے۔ اسی طرح ان کا قول ہے فصار کانہ فی دارہ۔

35947_(قولہ: فَالدِّيَةُ عَلَيْهِمْ جَمِيعًا) یعنی ان کی عاقلہ پر دیت ہو گی اور ان پر قسامت ہو گی۔ ''عنایہ''۔

35948_(قولہ: وَإِنْ لَمْ تَكُنْ مِلْكًا لَهُمْ) یہاں ان وصلیہ ہے یعنی خواہ ان کی ملکیت ہو یا ان کی ملکیت نہ ہو اس میں غور کیا جائے گا اگر مالک ان میں سے ایک ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ مثلاً ہانکنے والا ہو اور قائد یا راکب اجنبی ہو یا معاملہ اس کے برعکس ہو۔ اطلاق اس صورت کو شامل ہے۔ ''اتقانی'' نے جو ذکر کیا ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے اگر مقتول کشتی میں پایا جائے تو دیت اس پر ہو گی جو اس کشتی میں مالک اور سوار پایا جائے گا۔ کیونکہ کشتی منتقل کرتی ہے۔ پس اس میں ضمان قبضہ کے ثبوت کے ساتھ ہے نصرت کے ساتھ نہیں جیسے دابہ ہے۔ ''سعدی'' نے اسے بیان کیا ہے۔

35949_(قولہ: عَمَلًا بِيَدَيْهِمْ) اس فرق کی طرف اشارہ ہے جو سواری اور گھر میں گزر چکا ہے۔

35950_(قولہ: وَقِيلَ لَا يَجِبُ عَلَى السَّائِقِ الخ) ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ سائق کے ساتھ خاص نہ ہو۔ پس چاہیے کہ قائد اور راکب اس کی مثل ہوں۔ اس کی طرف وہ قول اشارہ کرتا ہے جو ''حموی'' میں ''الرمز'' سے مروی ہے انہوں نے ظاہر جنازہ کو اٹھایا تو وہ مقتول تھا تو اس میں کوئی شے لازم نہ ہو گی۔ ''ابوسعود''۔

35951_(قولہ: وَبِهِ جَزَمَ فِي الْجَوْهَرَةِ) لیکن ''الکفایہ'' میں ہے: یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے لیکن

(وَإِنْ مَرَّتْ دَابَّةٌ عَلَيْهَا قَتِيلٌ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ) أَوْ قَبِيلَتَيْنِ (فَعَلَى أَقْرَبِهِمَا) لِمَا رُوِيَ أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ فِي قَتِيلٍ وُجِدَ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ بِأَنْ يُذْرَعَ فَوُجِدَ إِلَى أَحَدِهِمَا أَقْرَبَ بِشِبْرٍ فَقَضَى عَلَيْهَا بِالْقَسَامَةِ وَلَوْ اسْتَوَيَا فَعَلَيْهِمَا

اگر جانور دو دیہاتوں یا دو قبیلوں کے درمیان سے گزرے جب کہ اس پر مقتول ہو تو ان دونوں میں سے جو زیادہ قریب ہوگا اس کے مکینوں پر قسامت لازم ہوگی۔ کیونکہ روایت بیان کی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قتیل کے بارے میں حکم دیا جو دو بستیوں کے درمیان پایا گیا تھا کہ پیمائش کی جائے تو دونوں میں سے ایک کے بالشت بھر زیادہ قریب تھا تو اس پر قسامت کا فیصلہ کر دیا گیا(1)۔ اگر دونوں بستیاں برابر ہوں تو دونوں پر قسامت لازم ہوگی۔

اصول کی روایت کے علاوہ ہے۔

اگر جانور دو دیہاتوں یا قبیلوں کے درمیان سے گزرے تو قسامت کا حکم

35952۔(قولہ: وَإِنْ مَرَّتْ دَابَّةٌ) یعنی اس کے ساتھ کوئی نہ ہو، ''مسکین''۔ کیونکہ اگر اس کے ساتھ ہانکنے والا ہو یا اس طرح کا کوئی اور ہو تو ابھی اس کے بارے میں گزر چکا ہے۔

35953۔(قولہ: أَوْ قَبِيلَتَيْنِ) یعنی دو قبیلوں کے درمیان جو گلیوں کے درمیان یا دو محلوں کے درمیان۔ ''قہستانی''۔

35954۔(قولہ: فَعَلَى أَقْرَبِهِمَا) یعنی جو مقتول کے زیادہ قریب ہوگا۔ یہ حکم اس وقت ہے جب وہ ایسی جگہ ہو جو کسی کی مملوک نہ ہو ورنہ اس جگہ کا جو مالک ہوگا اس کے ذمہ ہوگی ''قہستانی''۔ قریب ہی یہ آئے گا کہا: اس میں اس امر کا شعور دلانا ہے اگر وہ قریہ کی زمین اور قریہ کے گھروں کے درمیان پایا جائے تو جو زیادہ قریبی ہوگا اس پر لازم ہوگا۔

35955۔(قولہ: وَلَوْ اسْتَوَيَا فَعَلَيْهِمَا) یعنی اگر دو دیہاتوں میں سے ایک میں ہزار آدمی ہیں اور دوسرے میں اس سے کم ہیں تو دیت دونوں دیہاتوں کے لوگوں پر ہوگی اور نصف نصف لازم ہوگی اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ ''طحطاوی'' نے ''ہندیہ'' سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: تو یہ جان چکا ہے کہ شروط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ ولی کی جانب سے دعویٰ کیا جائے جب وہ دونوں میں سے ایک کے خلاف دعویٰ کرے دوسرے کے خلاف نہ کرے تو حکم کیسے ہوگا۔ جو امر میرے لیے بطور بحث ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اگر دو برابر بستیوں میں سے ایک پر دعویٰ کرے تو دوسری سے قسامت ساقط نہ ہوگی۔ کیونکہ وجوب دونوں پر ہوگا۔ پس وہ اس طرح ہوگا اگر وہ اہل محلہ میں سے معین پر دعویٰ کرے مگر جب وہ دو پر دعویٰ کرے تو یہ اس کی جانب سے قریبی کو بری کرنا ہے۔ کیونکہ اصل وجوب صرف اس پر ہے جس طرح جب وہ اہل محلہ کے علاوہ میں سے کسی پر دعویٰ کرے پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب القسامۃ۔ ہدایہ، کتاب القسامۃ، جلد 4، صفحہ 638

وَقَيْدُ الدَّابَّةِ اتِّفَاقِيٌّ قُهُسْتَانِيٌّ (بِشَرْطِ سَمَاعِ الصَّوْتِ مِنْهُمْ) هٰكَذَا عِبَارَةُ الزَّيْلَعِيِّ وَعِبَارَةُ الدُّرَرِ وَغَيْرِهَا مِنْهُ عِبَارَةُ الْبُرْجَنْدِيِّ نَقْلًا عَنِ الْكَافِي يَسْمَعُونَ صَوْتَهُ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ يَلْحَقُهُ لِلْغَوْثِ فَيُنْسَبُونَ إِلَى التَّقْصِيرِ فِي النُّصْرَةِ (وَإِلَّا) بِأَنْ كَانَ فِي مَوْضِعٍ لَا يُسْمَعُ مِنْهُ الصَّوْتُ (لَا) تَلْزَمُهُمْ نُصْرَتُهُ فَلَا يُنْسَبُونَ إِلَى التَّقْصِيرِ فَلَا يُجْعَلُونَ قَاتِلِينَ تَقْدِيرًا (وَيُرَاعَى حَالُ الْمَكَانِ الَّذِي وُجِدَ فِيهِ الْقَتِيلُ فَإِنْ كَانَ مَمْلُوكًا تَجِبُ الْقَسَامَةُ عَلَى الْمُلَّاكِ وَالدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَتِهِمْ)

دابہ کی قید اتفاقی ہے۔ ''قہستانی''۔ شرط یہ ہے کہ ان کی آواز سنی جائے ''زیلعی'' کی عبارت اسی طرح ہے اور ''درر'' وغیرہ کی عبارت یوں ہے کہ مقتول کی آواز اہل قریہ کو سنائی دیتی ہو۔ ''برجندی'' کی عبارت جو ''کافی'' سے منقول ہے یہ ہے کہ اہل وہ مقتول کی آواز سنتے ہیں۔ کیونکہ اسی صورت میں مدد ان تک پہنچ سکتی ہو۔ پس وہ مدد میں کوتاہی کرنے کی طرف منسوب ہوں گے۔ اگر ایسا نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ مقتول ایسی جگہ ہو جس کی آواز نہ سنی جاتی ہو ان پر اس کی مدد لازم نہ ہوگی۔ پس ان کی کوتاہی کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔ پس وہ تقدیراً قاتل قرار نہیں دیئے جائیں گے۔ اور اس مکان کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا جس میں وہ مقتول پایا گیا۔ اگر وہ کسی کی ملکیت ہو تو قسامت مالکوں پر واجب ہوگی اور دیت ان کی عاقلہ پر لازم ہوگی۔

35956۔(قولہ: وَقَيْدُ الدَّابَّةِ اتِّفَاقِيٌّ) اگر اسے دونوں کے درمیان پھینکا گیا ہو تو حکم اسی طرح ہوگا۔ ''ط''۔

35957۔(قولہ: بِشَرْطِ سَمَاعِ الصَّوْتِ مِنْهُمْ) ''زیلعی'' اور صاحب ''ہدایہ'' نے اسے قیل کے ساتھ تعبیر کیا ہے لیکن ''الخانیہ'' اور ''الولواجیہ'' میں اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ''ابن کمال'' اور ''صاحب الدرر'' نے ان دونوں کی پیروی کی ہے اور مصنف کی طرح اسے متن بنایا ہے۔ ''مواہب'' میں یہ اسی طرح ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے اگر اس سے آواز نہ سنی جائے تو اس کا خون رائیگاں چلا جائے گا۔ لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب مکان مملوک نہ ہو یا اس پر خاص یا عام قبضہ ہو جس طرح اس کی وضاحت آگے آئے گی۔

35958۔(قولہ: هٰكَذَا عِبَارَةُ الزَّيْلَعِيِّ) یعنی اس کے بعض نسخوں میں اس طرح ہے اور اس کے بعض نسخوں میں اس کی مثل ہے جو ''الدرر'' میں ہے ان سب کو ایک معنی کی طرف لوٹانا ممکن ہے ان کا قول منھم یہ سماع کا صلہ ہے اور ان کا قول منه یہ صوت سے حال ہے۔ ''کافی'' میں جو قول ہے یہ اس کا معنی ہے یہ اس شرط پر ہے کہ غالب یہ ہے کہ جب وہ اس طرح ہو کہ وہ اس کی آواز سنتا ہو تو وہ ان کی آواز سنتا ہوگا۔ لیکن ضمان کا دار و مدار جب اس امر پر ہے کہ کوتاہی کی نسبت ان لوگوں کی طرف ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس کی مدد نہ کی تو ملحوظ ان لوگوں کا اس کی آواز کو سننا ہوگا نہ کہ اس کا برعکس ملحوظ ہوگا۔ شارح نے ''الدرر'' وغیرہا کی عبارت اس مراد کو بیان کرنے کے لیے ذکر کی ہے جو مصنف کی کلام میں ہے۔ فتدبر

35959۔(قولہ: يَسْمَعُونَ) میں نے جو نسخے دیکھے ہیں ان میں یہ عبارت اسی طرح ہے اور صحیح یہ ہے کہ لا کو ساقط کر

وَكَذَا لَوْ مَوْقُوفًا عَلَى أَرْبَابٍ مَعْلُومِينَ، لِأَنَّ الْعِبْرَةَ لِلْمِلْكِ وَالْوِلَايَةِ كَمَا أَفَادَهُ الْمُصَنِّفُ مُسْتَنِدًا لِلْوَلْوَالِجِيَّةِ وَالْبَزَّازِيَّةِ قُلْت وَسَيَجِيءُ التَّصْرِيحُ بِهِ فِي الْمَتْنِ تَبَعًا لِلدُّرَرِ وَغَيْرِهَا وَحِينَئِذٍ فَلَا عِبْرَةَ لِلْقُرْبِ إلَّا إذَا وُجِدَ فِي مَكَانٍ مُبَاحٍ لَا مِلْكَ لِأَحَدٍ وَلَا يَدَ وَإِلَّا فَعَلَى ذِي الْمِلْكِ وَالْيَدِ وَالْمُرَادُ بِالْوِلَايَةِ وَالْيَدِ الْخُصُوصُ

اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ جگہ معلوم افراد پر وقف ہو۔ کیونکہ اعتبار ملک اور ولایت کا ہوتا ہے جس طرح مصنف نے اس کو بیان کیا ہے جب کہ وہ ''ولوالجیہ'' اور ''بزازیہ'' کی طرف منسوب ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کے بارے میں تصریح ''درر'' وغیرہا کی پیروی میں متن میں آئے گی۔ اس وقت قرب کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا مگر جب وہ مباح مکان میں پایا جائے جو نہ کسی کی ملکیت ہو اور نہ ہی اس پر کسی کا قبضہ ہو ورنہ قسامت اس پر ہوگی جو مالک اور قابض ہو۔ اور ولایت اور قبضہ سے مراد خصوصی ولایت اور قبضہ ہے

دیا جائے تا کہ یہ تعلیل کے مناسب ہو جائے۔

35960۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ مَوْقُوفًا عَلَى أَرْبَابٍ مَعْلُومِينَ) یعنی قسامت اور دیت ان پر واجب ہوگی جس طرح عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

35961۔ (قولہ: عَلَى أَرْبَابٍ مَعْلُومِينَ) اس قید سے غیر معلوم خارج ہو گئے جیسے وہ جگہ فقراء مساکین پر وقف کی گئی ہو اس صورت میں دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی جس طرح عنقریب مصنف سے اس قسم کا قول بحث کی صورت میں آئے گا۔

35962۔ (قولہ: لِأَنَّ الْعِبْرَةَ لِلْمِلْكِ وَالْوِلَايَةِ) اس میں یہ مذکور ہے وقف میں ولایت کا حق اس کے واقف کو خاص ہوتا ہے یا اسے ولایت کا حق ہوتا ہے جس کے لیے واقف ولایت مختص کر دے ولایت کا حق ان لوگوں کو حاصل نہیں ہوتا جن پر اسے وقف کیا گیا ہو۔

مملوک اور موقوف خاص میں دیت اس کے مالکوں پر ہوگی

35963۔ (قولہ: وَحِينَئِذٍ) یعنی مملوک اور موقوف خاص میں دیت اس کے مالکوں پر ہوگی۔ پس اس قرب کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا جو آواز کے سننے کے ساتھ مشروط ہو مگر ایسی مباح جگہ میں جس پر نہ کسی کی ملکیت ہو اور نہ ہی اس پر کسی کا قبضہ ہو یعنی مخصوص قبضہ نہ ہو اس مباح کے تحت جنگل کی وہ جگہ داخل ہوگی جس سے کوئی بھی فائدہ نہیں اٹھاتا اور وہ جنگل جس سے نفع اٹھایا جاتا ہے جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہوتا ہے دونوں میں قرب کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے اس قریبی جگہ کی طرف دیکھا جائے گا جس سے آواز سنی جاتی ہے۔ پس اس کے اہل پر قسامت واجب ہوتی ہے اگرچہ اس سے آواز نہ سنی جائے اگر وہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہو تو دیت بیت المال میں ہوگی جس طرح مصنف قریب ہی اس کو ذکر کریں گے ورنہ اس کا

وَلَوْ لِجَمَاعَةٍ يُحْصَوْنَ فَلَوْ لِعَامَّةِ الْمُسْلِمِينَ فَلَا قَسَامَةَ وَلَا دِيَةَ عَلَى أَحَدٍ بَدَائِعُ لَكِنْ سَيَجِيءُ وُجُوبًا فِي بَيْتِ الْمَالِ فَتَأَمَّلْ وَالْمُرَادُ بِالْيَدِ أَيْضًا الْمُحِقَّةُ وَأَمَّا الْأَرَاضِي الَّتِي لَهَا مَالِكٌ أَخَذَهَا وَالٍ ظُلْمًا فَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ الْقَتِيلُ فِيهَا هَدَرًا لِأَنَّهُ لَيْسَ عَلَى الْغَاصِبِ دِيَةٌ قُهُسْتَانِيٌّ عَنْ الْكَرْمَانِيِّ

اگر معین جماعت کو حاصل ہو۔ اگر وہ عام مسلمانوں کو حاصل ہو تو نہ کسی پر قسامت ہوگی اور نہ ہی دیت ہوگی ''بدائع''۔ لیکن عنقریب اس کا ذکر آئے گا کہ یہ بیت المال میں واجب ہے فتامل۔ اور ید (قبضہ) سے مراد حق دار کا قبضہ ہے۔ رہی وہ زمین جن کے مالک ہوں جن کو ظالم والی نے ظلم سے لے لیا ہو تو چاہیے کہ اس میں پائے جانے والے مقتول کا خون رائیگاں جائے۔ کیونکہ غاصب کے ذمہ دیت لازم نہیں ہوتی۔ ''قہستانی'' نے ''کرمانی'' سے نقل کیا ہے۔

خون رائیگاں چلا جائے گا جس طرح مصنف کے قول آواز کے سننے کی شرط سے سمجھا جا رہا ہے جس طرح ہم نے اس کو ثابت کیا ہے۔ یہ وہ قول ہے جس کو ''طحطاوی'' نے ''ہندیہ'' سے اور انہوں نے ''المحیط'' سے نقل کیا ہے کہ مقتول جب جنگل میں پایا جائے اگر وہ کسی کی ملکیت ہو تو قسامت اس کے مالک اور اس کے قبیلہ پر ہوگی۔ اگر وہ کسی کی ملکیت نہ ہو اگر اس کی آواز مصر میں سنی جا سکتی تھی مثلاً تو اس شہر کے لوگوں پر قسامت ہوگی۔ اگر ایسا نہ ہو اگر اس جنگل میں مسلمانوں کی منفعت ہو جیسے لکڑیاں کاٹنا، گھاس کاٹنا اور خشک گھاس کاٹنا تو دیت بیت المال میں ہوگی ورنہ اس کا خون رائیگاں چلا جائے گا۔ ملخص

اس تعبیر کی بنا پر ''خانیہ'' کا قول: ولو فی موضع مباح الا انه فی مباح المسلمین فالدية فی بيت المال (اگر وہ مقتول مباح جگہ میں ہو مگر جگہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہو تو دیت بیت المال میں سے ہوگی) اس پر محمول ہوگا جب اس کے قریب شہر یا دیہات ہوں جس کی آواز سنی جا سکتی ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ''الخانیہ'' میں پہلے آواز کے سننے کی شرط لگائی ہے جس طرح ہم پہلے ان سے یہ نقل کر چکے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ پہلے معتبر ملک اور خاص قبضہ ہے پھر قریب ہونا اور عام قبضہ ہے۔

تنبیہ

''تاتر خانیہ'' میں کہا: اگر زمین کسی کی ملک میں نہ ہو اور اس کی آواز سنی جا سکتی ہو تو شہر کے قبائل میں سے اس قبیلہ [illegible] قسامت لازم ہوگی جو اس جگہ کے زیادہ قریب بستا ہو اس قول نے یہ فائدہ دیا ہے کہ قسامت شہر کے تمام شہر [illegible] گی بلکہ شہر کے اس قبیلہ کے ذمہ ہوگی جو اس جگہ کے زیادہ قریب ہو پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔

35964۔ (قولہ: وَلَوْ لِجَمَاعَةٍ) یعنی اگر وہ کسی ایک کے قبضہ میں ہو یا کسی جماعت کے قبضہ میں جن کو شمار کیا جا سکتا ہے جس طرح معلوم افراد پر اس جگہ کو وقف کیا گیا ہو۔

35965۔ (قولہ: لَكِنْ سَيَجِيءُ) یعنی متن میں قریب ہی آئے گا۔

35966۔ (قولہ: فَتَأَمَّلْ) اس قول کے ساتھ قولوں کے جمع ہونے کے ممکن ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اس کی

فَلْيُحَرَّرْ (وَإِنْ مُبَاحًا لَكِنَّهُ فِي أَيْدِي الْمُسْلِمِينَ تَجِبُ الدِّيَةُ فِي بَيْتِ الْمَالِ) لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّهُ إِذَا كَانَ بِحَالٍ يُسْمَعُ مِنْهُ الصَّوْتُ، يَجِبُ عَلَيْهِ الْغَوْثُ كَذَا فِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ وَفِيهَا (وَلَوْ وُجِدَ) قَتِيلٌ (فِي أَرْضِ رَجُلٍ إِلَى جَانِبِ قَرْيَةٍ لَيْسَ صَاحِبُ الْأَرْضِ مِنْهَا) أَيْ مِنْ أَهْلِ الْقَرْيَةِ

پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ اگر وہ جگہ مباح ہو لیکن وہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہو تو دیت بیت المال میں واجب ہو گی۔ اس کی دلیل وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اگر وہ ایسی حالت میں ہو جس سے آواز سنی جا سکتی ہو تو اس پر مدد کرنا واجب ہوگا۔ ''ولوالجیہ'' میں اسی طرح ہے۔ اس میں ہے: اگر مقتول ایک آدمی کی زمین میں بستی کی ایک جانب پایا جائے

صورت یہ ہے کہ ''البدائع'' کے قول ولا دیة علی احد کو اس پر محمول کیا جائے کہ لوگوں میں سے کسی پر واجب نہ ہوگی، ''ح''۔ یعنی یہ بیت المال میں دیت کے واجب ہونے کے منافی نہیں۔ لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب قریب نہ ہو ورنہ اس پر قسامت اور دیت واجب ہوگی جو آواز کو سن سکتا ہو جس طرح تو جان چکا ہے۔

35967۔ (قولہ: فَلْيُحَرَّرْ) میں کہتا ہوں: اس کی وضاحت میں اختلاف ہے۔ کیونکہ ''قہستانی'' نے جسے ''کرمانی'' کی طرف منسوب کیا ہے، غاصب پر کوئی دیت لازم نہیں۔ یہ ''ہدایہ'' کی شروح میں آنے والے قول کے تحت مذکور ہے: وان بیعت ولم تقبض۔ ''زیلعی'' نے وہاں کہا: بخلاف اذا کانت الدار ودیعة یعنی مالک ضامن ہوگا۔ کیونکہ یہ ضمان حفاظت ترک کرنے کی ضمانت ہے۔ یہ اس پر واجب ہوگی جو حفظ پر قادر ہو وہ وہ شخص ہوتا ہے جس کا قبضہ اصلاً ہو نہ کہ قبضہ نیابت کے طریقہ پر ہو اور مودع کا قبضہ نیابت کا قبضہ ہوتا ہے۔ اسی طرح مستعیر اور مرتہن غاصب کا حکم اسی طرح ہے۔ کیونکہ اس کا قبضہ امانت کا قبضہ ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک جائیداد پر غصب کیا جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ یہ ''النہایہ'' میں ذکر کیا ہے۔ ''ہدایہ'' میں جو قول ذکر کیا ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ضمان غاصب پر ہوگی یعنی یہ اس قول پر مبنی ہوگا کہ غصب عقار میں متحقق ہوگا۔ ہمارے ائمہ میں سے کئی ائمہ نے اسے ترجیح دی ہے۔ ''منح''۔

35968۔ (قولہ: وَإِنْ مُبَاحًا) اگر وہ جگہ مباح ہو اور نہ ہی اس کی آواز سنی جاتی ہو جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

35969۔ (قولہ: لِمَا ذَكَرْنَا الخ) اس کو ''ولوالجی'' نے اپنے اس قول کی علت بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے جو اس سے پہلے ہے۔ بے شک دیت اور قسامت دونوں دیہاتوں میں سے زیادہ قریبی دیہات پر واجب ہوگی جب وہ ایسے حال میں ہو جس سے آواز سنی جاتی ہو۔ لیکن تعلیل اور معلل میں اس کے ساتھ فرق بیان کیا ہے جس کا ذکر مصنف نے اپنے قول و یراعی حال المکان الخ میں ذکر کیا ہے۔ پس شارح نے یہ گمان کیا کہ یہ اس کی تعلیل ہے جب کہ صورتحال اس طرح نہیں۔ کیونکہ تو یہ جان چکا ہے کہ یہاں دیت بیت المال پر واجب ہوگی جب وہ آبادی سے دور ہو جس سے آواز نہ سنی جاتی ہے۔

35970۔ (قولہ: لَيْسَ صَاحِبُ الْأَرْضِ مِنْهَا) اس کا مفہوم یہ ہے اگر وہ اس دیہات کا رہنے والا ہوتا تو وہ لوگ اس کے ساتھ داخل ہوتے جب وہ اس کی عاقلہ ہوتے۔ تامل

(فَهِيَ عَلَيْهِ) عَلَى رَبِّ الْأَرْضِ (لَا عَلَى أَهْلِهَا) أَيْ الْقَرْيَةِ لِأَنَّ الْعِبْرَةَ لِلْمِلْكِ وَالْوِلَايَةِ قُلْت فَهَذَا صَرِيحٌ فِي أَنَّ الْقُرْبَ إنَّمَا يُعْتَبَرُ إذَا وُجِدَ فِي أَرْضٍ مُبَاحَةٍ لَا مَمْلُوكَةٍ وَ لَا مَوْقُوفَةٍ لِأَنَّ تَدْبِيرَهُ لِأَرْبَابِهِ وَسَيَجِيءُ مَتْنًا فَتَنَبَّهْ (وَإِنْ وُجِدَ فِي دَارِ إنْسَانٍ فَعَلَيْهِ الْقَسَامَةُ) وَلَوْ عَاقِلَتُهُ حُضُورًا دَخَلُوا فِي الْقَسَامَةِ أَيْضًا خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ مُلْتَقًى (وَالدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ) إنْ ثَبَتَ أَنَّهَا لَهُ بِالْحُجَّةِ كَمَا سَيَجِيءُ وَكَانَ لَهُ عَاقِلَةٌ وَإِلَّا فَعَلَيْهِ

جب کہ زمین کا مالک اس بستی کا رہنے والا نہیں تو قسامت زمین کے مالک کے ذمہ ہوگی بستی والوں پر نہ ہوگی۔ کیونکہ اعتبار ملکیت اور ولایت کا ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ اس میں صریح ہے کہ قرب کا اعتبار کیا جائے گا جب وہ مقتول مباح زمین میں پایا جائے نہ کہ وہ مملوکہ میں پایا جائے اور نہ ہی موقوفہ زمین میں پایا جائے۔ کیونکہ اس کی تدبیر اس کے مالکوں کا حق ہے عنقریب اس کا ذکر متن میں آئے گا۔ فتنبہ۔ اگر وہ مقتول کسی انسان کے گھر میں پایا جائے تو اس پر قسامت لازم ہوگی۔ اگر اس کی عاقلہ موجود ہو تو وہ بھی قسامہ میں داخل ہوں گے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے، ''ملتقی''۔ اور دیت اس کی عاقلہ کے ذمہ ہوگی اگر یہ دلیل سے ثابت ہو کہ یہ اس کی عاقلہ ہے ورنہ دیت اس پر لازم ہوگی۔

35971_(قولہ: فَهَذَا صَرِيحٌ) اس قول کی کوئی ضرورت نہیں جب کہ اس سے قبل یہ قول ذکر کیا ہے: وحینئذ فلا عبرۃ الاقرب۔ ''ط''

35972_(قولہ: لِأَنَّ تَدْبِيرَهُ الخ) یہ محذوف کی علت ہے تقدیر کلام یہ ہے: والا فعلی المالك و ذی الولایۃ لان تدبیرہ الخ۔ ''ط''۔

35973_(قولہ: فَعَلَيْهِ الْقَسَامَةُ) پس اس پر قسمیں متکرر ہوں گی۔ ''ولوالجیہ''۔ اگر گھر کو تالا لگا ہو اور اس میں کوئی نہ ہو۔ ''طوری''۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب مقتول کا ولی گھر کے مالک پر قتل کا دعویٰ کرے اگر وہ کسی اور پر قتل کا دعویٰ کرے تو نہ گھر کے مالک پر نہ قسامت لازم ہوگی اور نہ ہی دیت لازم ہوگی۔ ''تاتر خانیہ''۔

35974_(قولہ: وَلَوْ عَاقِلَتُهُ حُضُورًا) یعنی اس کے شہر میں اس کی عاقلہ موجود ہو جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں ''برہان'' سے مروی ہے۔

35975_(قولہ: خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ) کیونکہ انہوں نے کہا: وہ اس کے ساتھ داخل نہ ہوں گے۔ کیونکہ کسی اور کو اس کے گھر پر ولایت کا حق نہیں ہوگا۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جب وہ حفاظت کے لیے اور باہم مدد کے لیے جمع ہوتے ہیں تو گھر کے مالک کی حفاظت کے ساتھ گھر کی حفاظت کی ولایت ان کے لیے ثابت ہوگی۔ جب وہ غائب ہوں تو اس وقت ان کا معاملہ مختلف ہوگا۔ ''ولوالجیہ''۔

(وَهِيَ) أَيْ الدِّيَةُ وَالْقَسَامَةُ (عَلَى أَهْلِ الْخِطَّةِ) الَّذِينَ خَطَّ لَهُمُ الْإِمَامُ أَوَّلَ الْفَتْحِ وَلَوْ بَقِيَ مِنْهُمْ وَاحِدٌ (دُونَ السُّكَّانِ وَالْمُشْتَرِينَ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ كُلُّهُمْ مُشْتَرِكُونَ (فَإِنْ بَاعَ كُلُّهُمْ عَلَى الْمُشْتَرِينَ) بِالْإِجْمَاعِ (وَإِنْ وُجِدَ فِي دَارٍ بَيْنَ قَوْمٍ لِبَعْضٍ أَكْثَرُ

اور وہ دیت اور قسامت ان لوگوں پر ہوگی جن کے لیے امام نے فتح کے شروع میں زمین مختص کی ہوگی اگرچہ وہ ان میں سے ایک ہی باقی ہے جو اس میں رہ رہے ہیں۔ اور جنہوں نے اس کو خریدا ہے ان کے ذمہ نہ ہوگی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: سب اس میں شریک ہوں گے اگر ان سب نے اس کو بیچ دیا ہو تو بالاجماع خریداروں پر یہ لازم ہوگی۔ اگر ایک مقتول کچھ لوگوں کے گھر میں پایا گیا ان میں سے کچھ لوگوں کا حصہ زیادہ ہے

35976۔ (قولہ: أَيْ الدِّيَةُ وَالْقَسَامَةُ) زیادہ بہتر یہ ہے کہ قسامت پر اکتفا کیا جائے تا کہ ضمیر کے مفرد ہونے کی رعایت کی جائے۔ کیونکہ دیت اس کی عاقلہ کے ذمہ لازم ہے جس کے حق میں اس زمین کو مختص کیا گیا جس طرح ''العنایہ'' وغیرہا میں ہے۔

''شرنبلالیہ'' میں ہے: چاہیے کہ تفصیل ہو جس طرح محلہ کے بارے میں گزر چکا ہے۔ پس جب قتل عمد کا دعویٰ کیا جائے تو دیت ان پر واجب ہوگی اور قتل خطا میں ان کی عاقلہ کے ذمہ دیت ہوگی۔ ''ابو سعود'' نے اس پر اعتراض کیا کہ تفصیل ظاہر روایت کے خلاف ہے جس طرح گزر چکا ہے۔

35977۔ (قولہ: عَلَى أَهْلِ الْخِطَّةِ) خطہ خا کے کسرہ کے ساتھ ہے اس سے مراد وہ زمین ہے جسے امام نے دوسری زمینوں سے الگ کر دیا ہو اور ممتاز کر دیا ہو اور کسی کو دے دیا ہو جس طرح ''الطلبہ'' میں ہے۔ ''قہستانی''۔

35978۔ (قولہ: دُونَ السُّكَّانِ) جس طرح اجرت پر لینے والے اور عاریۃً لینے والے ہیں پس قسامت اس کے مالکوں کے ذمہ ہوگی اگرچہ وہ غائب ہوں۔ ''تاتر خانیہ''۔ اور خریدنے والوں کی طرح وہ لوگ ہیں جو ہبہ، مہر، وصیت وغیرہا اسباب ملک سے اس کے مالک بن جائیں اگرچہ وہ اس پر قابض ہوں۔ ''قہستانی''۔

اگر کسی محلہ میں پرانے اور نئے مالک ہوں اور کچھ لوگ سکونت اختیار کیے ہوئے ہوں تو قسامت کا حکم

35979۔ (قولہ: فَإِنْ بَاعَ كُلُّهُمْ عَلَى الْمُشْتَرِينَ) یعنی اگر سب بیچ دیں تو قسامت اور دیت خریدنے والوں کے ذمہ ہوگی۔

حاصل کلام یہ ہے: جب ایک محلہ میں پرانے اور نئے مالک ہوں اور کچھ لوگ سکونت اختیار کیے ہوتے ہوں تو قسامت قدیمی لوگوں پر ہوگی اور دوسرے دو قسم کے لوگوں پر قسامت نہیں ہوگی۔ کیونکہ محلہ کی تدبیر کی ولایت ان کے سپرد ہوتی ہے اگر اس میں نئے مالک اور کچھ رہائشی لوگ ہوں تو جو نئے مالک ہیں ان کے ذمہ قسامت ہوگی جب وہ صرف رہائشی ہوں تو ان پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ یہ سب طرفین کے نزدیک ہے۔ جہاں تک امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے تو قسامت کے معاملہ

فَهِيَ عَلَى) عَدَدِ (الرُّءُوسِ) كَالشُّفْعَةِ (وَإِنْ بِيعَتْ وَلَمْ تُقْبَضْ) حَتَّى وُجِدَ فِيهَا قَتِيلٌ (فَعَلَى عَاقِلَةِ الْبَائِعِ وَفِي الْبَيْعِ بِخِيَارٍ عَلَى عَاقِلَةِ ذِي الْيَدِ) خِلَافًا لَهُمَا (وَلَا تَعْقِلُ عَاقِلَةٌ حَتَّى يَشْهَدَ الشُّهُودُ أَنَّهَا) أَيْ الدَّارَ الَّتِي فِيهَا قَتِيلٌ (لِذِي الْيَدِ) وَلَوْ هُوَ قَتِيلٌ كَمَا سَيَجِيءُ

تو یہ قسم و دیت ان افراد کی تعداد کے اعتبار سے ہوگی جس طرح شفعہ کا معاملہ ہوتا ہے۔ اگر اس گھر کو بیچ دیا جائے اور اس پر قبضہ نہ کیا جائے یہاں تک اس میں مقتول پایا جائے تو دیت اور قسامت بائع کی عاقلہ پر ہوگی۔ اور خیار شرط کی صورت میں بیع ہو تو قابض کی عاقلہ پر یہ چیزیں لازم ہوں گی۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور عاقلہ دیت کی ذمہ دار نہ ہوگی یہاں تک کہ گواہ گواہی دیں کہ وہ گھر جس میں مقتول پایا گیا ہے وہ قابض کا ہے اگرچہ قابض ہی مقتول ہو جس طرح عنقریب آگے آئے گا۔

میں تینوں برابر ہیں۔ اس کی مکمل وضاحت ''شرح الطحاوی'' میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان کے عرف میں ہے۔ جہاں تک ہمارے عرف کا تعلق ہے تو وہ خریداروں کے ذمہ ہوگا۔ کیونکہ تدبیر ان کے سپرد ہوتی ہے جس طرح ''کرمانی'' میں اشارہ کیا گیا ہے ''قہستانی''۔ محلہ کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر مقتول ایسے گھر میں پایا جائے جو مشتری اور اصل مالک کے درمیان مشترک ہو تو وہ بالا جماع قسامت اور دیت میں برابر ہوں گے۔ اس کی مکمل بحث ''العنایہ'' میں ہے۔

35980۔ (قولہ: فَهِيَ عَلَى عَدَدِ الرُّءُوسِ) اگر اس کا نصف زید کا ہو اور اس کا دسواں حصہ عمرو کا ہو اور باقی ماندہ بکر کا ہو تو قسامت سب پر لازم ہوگی اور دیت ان تینوں کی عاقلہ پر برابر ہوگی۔ کیونکہ قلیل اور کثیر حفاظت اور تدبیر میں برابر کا درجہ رکھتے ہیں اس طرح کا حکم ہوگا۔ ''قہستانی''۔

35981۔ (قولہ: فَعَلَى عَاقِلَةِ الْبَائِعِ) یعنی بائع کی عاقلہ پر دیت لازم ہوگی۔ شارحین نے یہی کہا ہے۔ ''المنح'' میں دو چیزوں کا ذکر ہے: دیت اور قسامت۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ اس میں گزشتہ تفصیل جاری ہوگی۔ وہ تفصیل یہ ہے اگر عاقلہ حاضر ہو تو وہ اس کے ساتھ قسامت میں شامل ہوں گے ورنہ شامل نہیں ہوں گے۔ تامل

35982۔ (قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) کیونکہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے کہا: اگر اس میں خیار شرط نہ ہو تو وہ مشتری کی عاقلہ کے ذمہ ہوگی۔ اگر خیار ہوگا تو یہ اس کی عاقلہ کے ذمہ ہوگی جس کی طرف وہ چیز جائز ہوگی خواہ خیار بائع کو حاصل ہو یا مشتری کو حاصل ہو۔ ''ابن کمال''۔

حاصل کلام یہ ہے: ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے قبضہ کا اعتبار کیا ہے اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے ملک کا اعتبار کیا ہے ورنہ جس کے حق میں ملکیت ثابت ہوگی اس پر یہ موقوف ہوگی۔ ''کفایہ''۔

35983۔ (قولہ: وَلَا تَعْقِلُ عَاقِلَةٌ الخ) یعنی جب عاقلہ اس بات کا انکار کر دے کہ گھر قابض کی ملکیت ہے اور

وَلَا يَكْفِي مُجَرَّدُ الْيَدِ حَتَّى لَوْ كَانَ بِهِ لَمْ تَدِ عَاقِلَتُهُ وَلَا نَفْسُهُ دُرَرٌ مُعَلِّلًا بِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُ الْإِيجَابُ عَلَى الْوَرَثَةِ لِلْوَرَثَةِ، لَكِنْ فِيهِ بَحْثٌ لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ الدِّيَةَ لِلْمَقْتُولِ حَتَّى يَقْضِيَ مِنْهُ دُيُونَهُ، وَإِنْ لَمْ يَبْقَ لِلْوَرَثَةِ شَيْءٌ ثُمَّ الْوَرَثَةُ يَخْلُفُونَ، فَيَكُونُ الْإِيجَابُ عَلَى الْوَرَثَةِ لِلْمَيِّتِ كَذَا قِيلَ قُلْتُ وَقَدْ يُقَالُ لَمَّا كَانَ هُوَ لَا يَدِي لِنَفْسِهِ فَغَيْرُهُ بِالْأَوْلَى لِقُوَّةِ الشُّبْهَةِ فَتَأَمَّلْ (وَإِنْ) وُجِدَ (فِي الْفُلْكِ

اور محض قبضہ کافی نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر صرف قبضہ سے ملکیت کا ثبوت ہو تو نہ اس کی عاقلہ دیت دے گی اور نہ ہی وہ خود دیت دے گا'' درر''۔ اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ بعض وارثوں کو بعض وارثوں پر دیت واجب کرنے کا اختیار نہیں۔ لیکن اس میں بحث ہے۔ کیونکہ یہ واضح ہو چکا ہے کہ دیت مقتول کا حق ہے یہاں تک کہ اس سے اس مقتول کے دیون کو ادا کیا جائے گا اگر چہ دونوں کے لیے کوئی شے نہ بچے پھر وارث نائب ہوتے ہیں تو وارثوں پر اس کا وجوب میت کے لیے ہوگا وارثوں کے لیے اس کا وجوب نہیں ہوگا اس طرح کا قول کیا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں: بعض اوقات یہ قول کیا جاتا ہے: جب وہ خود اپنے لیے دیت نہیں دے گا تو دوسرا بدرجہ اولی دیت نہیں دے گا۔ کیونکہ قوی شبہ پایا جارہا ہے۔ فتامل۔ اگر مقتول کشتی میں پایا جائے

علماء نے کہا: یہ ودیعت ہے یا عاریۃ ہے یا اجرت پر ہے۔'' عنایہ''۔

35984۔ (قولہ: وَلَا يَكْفِي مُجَرَّدُ الْيَدِ) کیونکہ ظاہر حال استحقاق کی حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور یہ دعویٰ کو ختم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

35985۔ (قولہ: حَتَّى لَوْ كَانَ بِهِ) بہ کی ضمیر سے مراد محض قبضہ ہے۔'' ح''۔

35986۔ (قولہ: وَلَا نَفْسُهُ) یہ رفع کے ساتھ عاقلتہ پر معطوف ہے۔ فافہم

35987۔ (قولہ: دُرَرٌ الخ)'' الدرر'' کی عبارت ہے: تدی عاقلتہ الخ اس کی عاقلہ دیت دے گی جب دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ گھر اس کا ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب اس کی عاقلہ ہو ورنہ دیت اس کے ذمہ لازم ہوگی جس طرح یہ کئی دفعہ گزر چکا ہے یہ قبضہ سے ثابت نہ ہوگی۔ اگر محض قبضہ سے ثابت ہو تو نہ اس کی عاقلہ دیت دے گی اور نہ وہ خود دیت دے گا۔ اور ان کا قول ولا نفسہ اس کا معنی ہے نہ وہ خود دیت دے گا جب اس کی عاقلہ نہ ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب ایک گھر کسی آدمی کے قبضہ میں ہو اور اس میں کوئی مقتول پایا جائے خواہ مقتول قابض ہو یا نہ ہو تو محض قبضہ کی وجہ سے دونوں صورتوں میں مقتول کی دیت لازم نہ ہوگی نہ اس کی عاقلہ پر دیت لازم ہوگی اگر اس کی عاقلہ ہو اور نہ ہی اس کی ذات پر دیت لازم ہوگی اگر اس کی عاقلہ نہ ہو۔ دیت اس وقت واجب ہوگی جب یہ ثابت ہو جائے کہ یہ گھر قابض کا ہے جب یہ ثابت ہو جائے کہ گھر اس کا ہے۔ اگر مقتول کوئی اور ہو تو دیت گھر کے مالک کی عاقلہ پر ہوگی یا اس کی ذات پر ہوگی اگر اس کی عاقلہ نہ ہو اگر مقتول گھر کا مالک ہو تو یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے مصنف جسے بعد میں ذکر کریں گے۔'' امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی دیت اس کے وارثوں کی عاقلہ پر ہوگی اور'' صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس میں کوئی شے

فَالْقَسَامَةُ) وَالدِّيَةُ دُرَرٌ (عَلَى مَنْ فِيهَا مِنَ الرُّكَّابِ وَالْمَلَّاحِينَ) اتِّفَاقًا لِأَنَّهُ فِي أَيْدِيهِمْ كَالدَّابَّةِ (وَكَذَا الْعَجَلَةُ) حُكْمُهَا كَذٰلِكَ (وَفِي مَسْجِدِ مَحَلَّةٍ وَشَارِعِهَا)

تو ''درر'' میں ہے کہ قسامت اور دیت ان لوگوں پر لازم ہوگی جو اس کشتی میں سوار اور ملاح ہیں اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔ کیونکہ وہ کشتی ان کے قبضہ میں ہے جس طرح سواری کا حکم ہوتا ہے۔ اسی طرح تانگے کا معاملہ ہے یعنی اس کا حکم کشتی کے حکم کی طرح ہے اور جب مقتول محلہ کی مسجد یا محلہ کی اس سڑک پر پایا جائے

لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ وارثوں کے حق میں وارثوں پر کوئی شے واجب نہیں کی جائے گی۔

''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے دلیل یہ ہے کہ دیت مقتول کے لیے واجب ہوتی ہے اور وارث اس کے نائب ہوتے ہیں تو ان وارثوں پر اس کا وجوب اس مقتول کے لیے ہے یہ وارثوں کے لیے نہیں لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب اس کی عاقلہ نہ ہو اور نہ اس کے وارثوں کی عاقلہ ہو تو وہ نہ خود اپنے لیے دیت دے گا اور نہ ہی کوئی اور بدرجہ اولی اس کی دیت دے گا اس محل میں جو شارح کی مراد ہے اس کی وضاحت ہے لیکن ان کی اس بارے میں تعبیر غیر واضح ہے فتدبر۔ مختلف فیہ مسئلہ کے بارے میں کلام اپنے محل میں آئے گی۔

35988۔ (قولہ: فَالْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ الخ) ظاہر یہ ہے کہ دیت (شاید صحیح قسامت ہے اس کی دلیل تعلیل ہے) ان پر واجب ہوگی ان کی عاقلہ پر دیت واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ عاقلہ حاضر نہیں پس گزشتہ تفصیل گھر میں جاری نہ ہوگی۔ تامل

35989۔ (قولہ: عَلَى مَنْ فِيهَا الخ) یہ قول ان کے مالکوں کو شامل ہوگا یہاں تک کہ یہ ان پر واجب ہوگی جو اس گھر میں ہیں اس میں رہائش پذیر ہیں اسی طرح ان پر یہ واجب ہوگی جو ان کی امداد کرتے ہیں اس میں مالک اور غیر مالک برابر ہیں۔ ''ہدایہ''۔

35990۔ (قولہ: اتِّفَاقًا الخ) امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے جو قول مروی ہے اس کے مطابق یہ ظاہر ہے۔ کیونکہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ مکینوں اور مالکوں کو محلہ میں موجود مقتول کے بارے میں برابر قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح یہاں کا معاملہ ہے۔ جہاں تک طرفین کا نقطہ نظر ہے تو محلہ میں مکین لوگ مالکوں کے ساتھ شریک نہ ہوں گے۔ کیونکہ محلہ کے معاملات کو چلانا یہ مالک کی ذمہ داری ہوتی ہے مکینوں کے سپرد نہیں ہوتی۔ کشتی میں سب اس کی تدبیر میں برابر شریک ہوتے ہیں۔ کیونکہ کشتی کو منتقل کیا جاتا ہے تو اس میں معتبر قبضہ ہے ملکیت نہیں جس طرح سواری کا معاملہ ہوتا ہے جب کہ وہ سب قبضہ کے معاملہ میں برابر ہوتے ہیں۔ محلہ اور دار کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اسے منتقل نہیں کیا جاتا۔ ''کفایہ''۔

اگر مقتول محلہ کی مسجد یا متصل سڑک پر پایا جائے تو اس کا حکم

35991۔ (قولہ: وَفِي مَسْجِدِ مَحَلَّةٍ) اس کی مثل قبیلہ کی مسجد ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں ''منتقی'' سے مروی ہے: اگر وہ مقتول قبیلہ کی مسجد میں پایا جائے تو قسامت قبیلہ کے ذمہ ہوگی۔ اگر یہ معلوم نہ ہو کہ یہ مسجد کس کی ہے اس میں مسافر لوگ نماز

الْخَاصِّ بِأَهْلِهَا كَمَا أَفَادَهُ ابْنُ كَمَالٍ مُسْتَنِدًا لِلْبَدَائِعِ وَقَدْ حَقَّقَهُ مُنْلَا خُسْرو وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ (عَلَى أَهْلِهَا وَسُوقٍ مَمْلُوكٍ عَلَى الْمُلَّاكِ) وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ عَلَى السُّكَّانِ مُلْتَقَى (وَفِي غَيْرِهِ) أَيْ غَيْرِ الْمَمْلُوكِ (وَالشَّارِعِ الْأَعْظَمِ) هُوَ النَّافِذُ (وَالسِّجْنِ

جو اس محلہ کے لوگوں کے لیے خاص ہے، جس طرح ''ابن کمال'' نے ''البدائع'' کی طرف منسوب کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ ''منلا خسرو'' نے اس کو ثابت کیا ہے۔ اور مصنف نے اس کو ثابت کیا ہے تو قسامت اور دیت اس کے اہل پر ہوگی اور جب ایسے بازار میں مقتول پایا جائے تو قسامت اس کے مالکوں پر ہوگی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ قسامت اور دیت اس کے مکینوں پر لازم ہوگی، ''ملتقی''۔ جس مقتول کو ایسے بازار میں پایا جائے جو مملوک نہیں اور وہ بڑی شاہراہ پر پایا جائے شارع اعظم سے مراد وہ سڑک ہے جو آگے سے بند نہ ہو۔ مقتول قید خانہ میں پایا جائے

پڑھتے ہیں اگر یہ معلوم ہو کہ اس جگہ کو کس نے خریدا تھا اور کس نے اس کو بنایا تھا تو اس کی عاقلہ پر قسامت اور دیت لازم ہوگی اگر یہ معروف نہ ہو کہ اسے کس نے بنایا ہے تو جو گھر اس مسجد کے زیادہ قریب ہے اس کے ذمہ ہوگی۔ اگر مقتول ایسی گلی میں ہو جو آگے سے بند ہے اور ان کی نماز پڑھنے کی جگہ ایک ہے تو ان لوگوں کی عاقلہ ذمہ دار ہوگی جو ان لوگوں کی عاقلہ ہے جو اس میں رہتے ہیں جب مقتول ایسے قبیلہ میں پایا جائے جس میں کئی مساجد ہیں تو اس کی ذمہ داری قبیلہ پر ہوگی اگر وہ قبیلہ نہ ہو تو یہ اہل محلہ پر ہوگی۔ اور یہ مسجد کے اہل اس کا محلہ ہیں۔

35992۔ (قولہ: الْخَاصِّ بِأَهْلِهَا) جو آگے سے بند ہو جس طرح ان کے قول: فی الشارع الاعظم هو النافذ سے معلوم ہو جاتا ہے۔

گھر میں موجود راستہ کی اقسام

35993۔ (قولہ: وَقَدْ حَقَّقَهُ مُنْلَا خُسْرو) یہ جان لو کہ ''منلا خسرو'' رحمۃ اللہ علیہ نے گھر میں موجود راستہ کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے خاص جو آگے سے بند ہوتا ہے عام جو آگے سے بند نہیں ہوتا۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں: محلہ کی سڑک۔ یہ وہ راستہ ہوتا ہے جس میں عموماً محلہ کے لوگ گزرتے ہیں بعض اوقات ان کے علاوہ بھی گزرتے ہیں، شارح اعظم۔ جس میں تمام طائفے برابر طور پر گزرنے کا حق رکھتے ہیں۔ مصنف نے ''المنح'' میں اس کو ثابت رکھا ہے اور ''ابن کمال'' نے ان سے منازعہ کیا ہے۔ ''شرنبلالیہ'' نے اسی طرح کہا ہے کہ یہ قول قابل تسلیم نہیں بلکہ صحیح محل یہ ہے کہ مراد محلہ کی سڑک لی جائے جو صرف اس کے ساتھ خاص ہو وہ وہ ہوتی ہے جو آگے سے کھلی نہ ہو ان پر قسامت اور دیت کا لزوم تدبیر اور حفاظت کے ترک کرنے کی بنا پر ہے۔ اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب محل میں تصرف میں ان کا خصوصی حق ہو۔ اسی وجہ سے ''البدائع'' میں کہا: جو مقتول مسجد جامع میں پایا جائے اس میں قسامت نہیں اور جو عام شاہراہ اور ان کی پلوں پر مقتول پایا جائے نہ ان میں یہ لازم ہے۔ کیونکہ نہ ہی ملک پائی گئی اور نہ خصوصی قبضہ پایا گیا ہے اس سے وہ ضعف معلوم ہو جاتا ہے جو شارح کے قول میں ہے اور ''منلا خسرو''

وَالْجَامِعِ) وَكُلِّ مَكَانٍ يَكُونُ التَّصَرُّفُ فِيهِ لِعَامَّةِ الْمُسْلِمِينَ لَا لِوَاحِدٍ مِنْهُمْ وَلَا لِجَمَاعَةٍ يُحْصَوْنَ (لَا قَسَامَةَ) وَلَا دِيَةَ عَلَى أَحَدٍ ابْنُ كَمَالٍ (وَ) إِنَّمَا (الدِّيَةُ عَلَى بَيْتِ الْمَالِ) لِأَنَّ الْغُرْمَ بِالْغُنْمِ ثُمَّ إِنَّمَا تَجِبُ الدِّيَةُ فِيمَا لَوْ ذُكِرَ عَلَى بَيْتِ الْمَالِ (إِنْ كَانَ نَائِيًا) أَيْ بَعِيدًا (عَنِ الْمَحَلَّاتِ

وہ جامع مسجد میں پایا جائے اور ہر ایسے مکان میں پایا جائے جس میں عام مسلمانوں کو تصرف کا حق ہوتا ہے ان میں سے کسی فرد واحد کو تصرف کا حق حاصل نہیں ہے اور نہ مخصوص جماعت کو تصرف کا حق حاصل ہے تو کسی پر بھی نہ قسامت ہو گی اور نہ ہی دیت ہو گی۔ ''ابن کمال''۔ دیت بیت المال کے ذمہ ہو گی۔ کیونکہ ضمان منفعت کے بدلہ میں ہے جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں دیت بیت المال پر واجب ہو گی اگر وہ محلات سے بعید ہو اگر وہ دور نہ ہو

نے اسے ثابت رکھا ہے۔

35994۔ (قولہ: وَالْجَامِعِ) یہ حکم اس صورت میں ہے جب اس کا بنانے والا معروف نہ ہو ورنہ قسامت اس کے ذمہ ہو گی۔ اور دیت اس کی عاقلہ کے ذمہ ہو گی۔

''تاتر خانیہ'' میں ''المنتقی'' سے مروی ہے: جامع مسجد میں مقتول پایا گیا یا لوگوں نے جمعہ کے روز اس پر بھیڑ کی تو اسے قتل کر دیا اور یہ پتہ نہیں کہ قاتل کون ہے دیت بیت المال کے ذمہ ہو گی جس طرح اگر مقتول محلہ میں پایا جائے تو وہ اہل محلہ کے ذمہ ہو گی۔ اسی طرح اگر اسے کسی آدمی نے اسے تلوار سے قتل کر دیا تو یہ پتہ نہیں کہ وہ قاتل کون ہے تو دیت بیت المال کے ذمہ ہو گی۔

35995۔ (قولہ: لَا قَسَامَةَ) کیونکہ یہ ایسا امر ہے جو عام معمول کے مطابق رات کے وقت واقع ہوتا ہے اور وہاں کوئی ایسا شخص نہیں جو اس کی حفاظت کرے اور قسامت اس جگہ جاری ہوتی ہے جہاں ایسے شخص کے پائے جانے کا وہم ہوتا ہے جو اس قاتل کو پہچانتا ہو۔ یہ ''اتقانی'' نے بیان کیا ہے۔

35996۔ (قولہ: إِنَّمَا الدِّيَةُ عَلَى بَيْتِ الْمَالِ) اس دیت کو تین سال میں وصول کیا جائے گا۔ کیونکہ دیت کا حکم یہ ہے کہ اسے فوری ادا کرنا لازم نہیں ہوتا جس طرح عاقلہ کے بارے میں حکم ہے۔ اسی طرح ان کے علاوہ کا حکم ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جو آدمی قتل خطا کا اقرار کرے تو اس کی دیت فقر کے مال سے تین سالوں میں وصول کی جاتی ہے۔ ''اختیار''۔

35997۔ (قولہ: لِأَنَّ الْغُرْمَ بِالْغُنْمِ) جب عام مسلمان جامع مسجد، قید خانہ اور شارع اعظم سے فائدہ اٹھاتے ہیں تو ضمان ان پر لازم ہو گا۔ پس یہ ضمان ان کے اس مال سے دی جائے گی جو ان کے لیے بیت المال میں رکھا گیا ہے۔ ''ط''۔

35998۔ (قولہ: فِيمَا لَوْ ذُكِرَ) یہ قول شارح اعظم، سجن اور جامع مسجد کو شامل ہے۔ میں نے جو ''ہدایہ'' کی شرح میں دیکھا ہے تو اس قید کو ذکر کیا گیا میری مراد ان کا یہ قول ہے: اذا كان نائيا في السوق الغير المملوك۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ مطلق ہے کیونکہ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ اگر اس کو غیر مملوک جگہ میں پایا گیا تو معتبر قرب ہو گا۔ لیکن ''طوری'' میں ''ملتقی'' سے مروی ہے: اگر مسجد حرام میں مقتول پایا جائے جب کہ لوگوں کی بھیڑ نہ ہو تو دیت بیت المال میں ہو گی جب کہ قسامت لازم نہ ہو گی۔

وَإِلَّا يَكُنْ نَائِيًا بَلْ قَرِيبًا مِنْهَا (فَعَلَى أَقْرَبِ الْمَحَلَّاتِ إِلَيْهِ) الدِّيَةُ وَالْقَسَامَةُ لِأَنَّهُ مَحْفُوظٌ بِحِفْظِ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ، فَتَكُونُ الْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ عَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ، وَكَذَا فِي السُّوقِ النَّائِي إِذَا كَانَ مَنْ يَسْكُنُهَا فِي اللَّيَالِي، أَوْ كَانَ لِأَحَدٍ فِيهَا دَارٌ مَمْلُوكَةٌ تَكُونُ الْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ يَلْزَمُهُ صِيَانَةُ ذَلِكَ الْمَوْضِعِ، فَيُوصَفُ بِالتَّقْصِيرِ، فَيَجِبُ عَلَيْهِ مُوجِبُ التَّقْصِيرِ كَمَا فِي الْعِنَايَةِ مَعْزِيًّا لِلنِّهَايَةِ قُلْت وَبِهِ أَفْتَى الْمَرْحُومُ أَبُو السُّعُودِ أَفَنْدِي مُفْتِي الرُّومِ، وَاعْتَمَدَ الْمُصَنِّفُ وَإِنْ خَلَا عَنْهُ الْمُتُونُ، لِأَنَّهُ مُصَرَّحٌ بِهِ فِي غَالِبِ الْفَتَاوَى وَالشُّرُوحِ فَلْيُحْفَظْ (وَيُهْدَرُ لَوْ وُجِدَ

بلکہ ان کے قریب ہو تو ان میں سے جو جگہ اس کے زیادہ قریب ہوگی اس پر دیت اور قسامت لازم ہوگی۔ کیونکہ محل اہل محلہ کی حفاظت کے ساتھ محفوظ ہے۔ پس قسامت اور دیت اہل محلہ پر لازم ہوگی۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ بازار دور ہو جب کوئی ایسا شخص ہو جو راتوں میں اس میں رہائش رکھتا ہو یا اس میں کسی کا ایسا گھر ہو جس پر ملکیت ہو تو قسامت اور دیت اس کے ذمہ ہوگی۔ کیونکہ اس پر اس جگہ کی حفاظت لازم ہے۔ پس کوتاہی کرنے کی صفت اس کی طرف منسوب ہوگی۔ پس کوتاہی کا حکم اسی پر واجب ہوگا جس طرح ''عنایہ'' میں ہے جب کہ ''النہایہ'' کی طرف منسوب ہے۔ میں کہتا ہوں: مرحوم ''ابوسعود افندی'' مفتی روم نے یہی فتویٰ دیا ہے۔ مصنف نے اس پر اعتماد کیا ہے اگرچہ متون اس سے خالی ہیں۔ کیونکہ اکثر فتاویٰ اور شروح میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ اگر مقتول جنگل میں

کیونکہ مسجد حرام محلوں سے دور نہیں۔ اسی طرح کا حکم قید خانہ کا ہے عام معمول یہی ہے۔ فلیتامل

35999_(قولہ: بَلْ قَرِيبًا مِنْهَا) ظاہر یہ ہے کہ معتبر آواز کا سننا ہے۔

36000_(قولہ: وَكَذَا فِي السُّوقِ النَّائِي الخ) یہ معنوی اعتبار سے ان کے قول: اذا کان نائیا سے مستثنیٰ ہے یعنی جو بازار دور ہو اس میں کوئی مقتول پایا جائے تو دیت بیت المال کے ذمہ ہوگی مگر جب ایسا شخص ہو جو رات کے وقت وہاں رہتا ہو الخ۔ اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ اعتبار دن کے وقت رہنے کا ہے۔ تامل۔ سوق کا لفظ مونث ہے اور اس کو مذکر ذکر کیا جاتا ہے جس طرح ''قاموس'' میں ہے۔

36001_(قولہ: مُوجِبُ التَّقْصِيرِ) یہ لفظ جیم کے فتحہ کے ساتھ ہے موجب سے مراد قسامت اور دیت ہے۔ ''ط''۔

36002_(قولہ: مَعْزِيًّا لِلنِّهَايَةِ) ''النہایہ'' میں اسے فخر الاسلام کی ''مبسوط'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کی مثل ''کفایہ'' اور ''معراج'' میں ہے۔ ''اتقانی'' نے اسے ''شرح الکافی'' کی طرف منسوب کیا ہے۔

36003_(قولہ: قُلْت وَبِهِ) یعنی میں وہی کہتا ہوں جو متن میں گزر چکا ہے کہ یہ قریب ترین جگہ کے لوگوں پر واجب ہوگی۔

میں کہتا ہوں: یہ اس کے موافق ہے جس کی وضاحت گزر چکی ہے کہ پہلے معتبر ملکیت اور خاص قبضہ ہے پھر قرب اور

(فِي بَرِّيَّةٍ أَوْ وَسَطِ الْفُرَاتِ) إِذَا كَانَ يَمُرُّ بِهِ الْمَاءُ لَا مُحْتَبِسًا كَمَا سَيَجِيءُ إِذْ لَا يَدَ لِأَحَدٍ وَقِيلَ إِذَا كَانَ مَوْضِعُ انْبِعَاثِ مَائِهِ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ تَجِبُ الدِّيَةُ فِي بَيْتِ الْمَالِ لِأَنَّهُ فِي أَيْدِي الْمُسْلِمِينَ ابْنُ كَمَالٍ (وَفِي نَهْرٍ صَغِيرٍ) هُوَ مَا يَسْتَحِقُّ بِهِ الشُّفْعَةَ (عَلَى أَهْلِهِ) لِاخْتِصَاصِهِمْ بِهِ (وَلَوْ كَانَتْ الْبَرِّيَّةُ مَمْلُوكَةً)

یا فرات کے وسط میں پایا جائے جب اس کا پانی بہالے جارہا ہو وہ لاش رکی ہوئی نہ ہو جس طرح عنقریب آگے آئے گا۔ کیونکہ کسی کا اس پر قبضہ نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب اس کے پانی کا منبع دارالاسلام میں ہو تو دیت بیت المال میں واجب ہوگی۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہے۔ ''ابن کمال''۔ اور چھوٹی نہر میں مقتول پایا جائے تو یہ اس کے نہر والوں کے ذمہ ہوگا۔ چھوٹی نہر سے مراد وہ ہے جس کے ساتھ ایک آدمی شفعہ کا مستحق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ اس کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے ہیں اگر جنگل کسی کی ملک میں ہو

عام قبضہ ہے۔

36004۔ (قولہ: فِي بَرِّيَّةٍ) یعنی ایسا جنگل جو کسی کی ملکیت نہ ہو اور نہ ہی وہ دیہات وغیرہا کے قریب ہو جس طرح ما بعد سے معلوم ہو جاتا ہے اور نہ ہی عام مسلمان اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ورنہ دیت بیت المال کے ذمہ ہوگی۔ جس طرح قول گزر چکا ہے۔

36005۔ (قولہ: أَوْ وَسَطِ الْفُرَاتِ) یہ قید نہیں بلکہ مراد بڑی نہر ہے اس کو بہا کر لے جانا ہے۔ یہ چھوٹی نہر سے احتراز ہے اور اس سے احتراز ہے جب وہ لاش کنارہ پر رکی ہوئی ہو یا بندھی ہوئی ہو یا کنارہ پر پھینکی گئی ہو۔ ''ابن کمال'' وغیرہ نے اس کو بیان کیا ہے اور مابعد سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

36006۔ (قولہ: ابْنُ كَمَالٍ) ان کی مکمل عبارت یہ ہے: بخلاف ما اذا كان موضع انبعاثه في دار الحرب یہ صورت مختلف ہوگی کہ جب اس کے پانی کا منبع دارالحرب میں ہو۔ کیونکہ اس صورت میں یہ احتمال ہوگا کہ یہ اہل حرب کا مقتول ہو۔ اور اسے ''کرخی'' کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے اور اسے ''قیل'' کے ساتھ تعبیر نہیں کیا جس طرح شارح نے کہا ہے۔ ''قہستانی'' نے اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ''ہدایہ'' کے شارحین نے اسے ''مبسوط'' شیخ الاسلام وغیرہ کی طرف منسوب کیا ہے لیکن علامہ ''اتقانی'' نے کہا: یہ کوئی شے نہیں۔ کیونکہ یہ اس کے برعکس ہے جس پر امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاصل''، ''جامع صغیر'' اور ''طحاوی'' وغیرہ میں بیان کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس کا اعتبار نہیں کیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ فرات وغیرہ کسی کی ولایت میں نہیں اور نہ ہی اس کی حفاظت کسی پر لازم ہے ورنہ اس کا اعتبار دور کے جنگل میں بھی لازم آتا۔ کیونکہ یہ لامحالہ مسلمانوں کا مقتول ہے۔ ملخص

میں کہتا ہوں: ما وضع انبعاثه اس کے پھوٹنے کی جگہ ہے

36007۔ (قولہ: عَلَى أَهْلِهِ) یعنی ان پر قسامت اور دیت واجب ہوگی ''ہدایہ''۔ یعنی ان کی عاقلہ پر یہ واجب ہو

أَوْ وَقْفًا (لِأَحَدٍ) كَمَا مَرَّ وَسَيَجِيءُ (أَوْ كَانَتْ قَرِيبَةً مِنَ الْقَرْيَةِ) أَوْ الْأَخْبِيَةِ أَوْ الْفُسْطَاطِ بِحَيْثُ يُسْمَعُ مِنْهُ الصَّوْتُ (تَجِبُ عَلَى الْمَالِكِ) أَوْ ذِي الْيَدِ (أَوْ عَلَى أَهْلِ الْقَرْيَةِ) أَوْ أَقْرَبِ الْأَخْبِيَةِ زَيْلَعِيٌّ (وَلَوْ مُحْتَبِسًا بِالشَّطِّ) أَوْ بِالْجَزِيرَةِ أَوْ مَرْبُوطًا أَوْ مُلْقًى عَلَى الشَّطِّ (فَعَلَى أَقْرَبِ) الْمَوَاضِعِ إلَيْهِ مِنَ الْقُرَى وَالْأَمْصَارِ زَادَ فِي الْخَانِيَّةِ وَالْأَرَاضِي وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ (إذَا كَانَ يَصِلُ صَوْتُ أَهْلِ الْأَرْضِ وَالْقُرَى إلَيْهِ وَإِلَّا لَا) كَمَا مَرَّ (وَإِنْ الْتَقَى قَوْمٌ بِالسُّيُوفِ فَأَجْلَوْا) أَيْ تَفَرَّقُوا (عَنْ قَتِيلٍ فَعَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ) لِأَنَّ حِفْظَهَا عَلَيْهِمْ

یا کسی پر وقف ہو جس طرح یہ گزر چکا ہے اور عنقریب اس کا ذکر آئے گا یا وہ کسی بستی یا کمبل کے خیموں یا کپڑے کے قریب ہو اس طرح کہ اس مقتول کی آواز آتی ہو تو دیت مالک، قابض، بستی والوں یا سب سے قریبی خیمہ والوں پر لازم ہوگی ''زیلعی''۔ اگر وہ لاش کنارے کے ساتھ رکی ہوئی ہو یا جزیرہ پر رکی ہوئی ہو یا بندھی ہوئی ہو یا کنارہ پر پھینکی گئی ہو تو دیہاتوں اور شہروں میں سے جو سب سے قریبی ہیں ان پر یہ لازم ہوگی۔ ''خانیہ'' میں یہ زائد ذکر کیا ہے: والاراضی۔ مصنف نے اس کو ثابت رکھا ہے جب زمین کے مالک اور دیہات کے لوگوں کی آواز اس تک پہنچتی ہو ورنہ لازم نہ ہوگی جس طرح یہ قول گزر چکا ہے۔ اگر ایک قوم تلواروں کے ساتھ لڑ پڑی پس وہ جدا ہوئے کہ ایک مقتول وہاں موجود تھا تو دیت اہل محلہ کے ذمہ ہوگی کیونکہ محلہ کی حفاظت ان کی ذمہ تھی۔

گی۔ ''اتقانی'' تامل۔

36008۔ (قولہ: أَوْ وَقْفًا لِأَحَدٍ) یعنی معلوم افراد کے لیے وقف ہو۔

36009۔ (قولہ: فَعَلَى أَقْرَبِ الْمَوَاضِعِ الخ) امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت جس طرح ''اتقانی'' نے نقل کی ہے یہ ہے: شہر کے قبائل میں سے جو قبیلہ اس جگہ کے زیادہ قریب ہو اس پر قسامت اور دیت لازم ہوگی۔ ظاہر یہ ہے کہ دیہات اسی طرح ہے اگر اس میں کئی قبائل ہوں ورنہ جو گھروں میں سے جو قریب ہوگا اس کے ذمہ ہوگا۔

''بزازیہ'' میں ہے: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس مقتول کے بارے میں پوچھا گیا جو دو دیہاتوں کے درمیان ہے کہ کیا دیواروں یا زمینوں کا اعتبار ہوگا۔ فرمایا: زمین ان کی ملکیت نہیں زمین ان کی طرف اس طرح منسوب ہوتی ہے جس طرح صحرا ان کی طرف منسوب ہوتے ہیں تو ان لوگوں میں سے گھروں کے اعتبار سے جو قریب ہوگا اس کے ذمہ یہ لازم ہوگا۔

36010۔ (قولہ: وَالْأَرَاضِي) یعنی مملوکہ زمیں۔ کیونکہ ان کا حکم عمارت کا حکم ہے ان کے مالکوں کے ذمہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے اہل کے ذمہ اس کی حفاظت اور جو ان کے قریب ہو اس کی حفاظت لازم ہوتی ہے۔ ''رحمتی''۔

36011۔ (قولہ: وَإِلَّا لَا) یعنی اگر آواز نہ پہنچتی ہو تو زمین اور دیہات کے اہل پر یہ واجب نہ ہوگی بلکہ یہ دیکھا جائے گا اگر مقتول اپنی جگہ پایا جائے جس سے عام لوگ نفع اٹھاتے ہیں تو دیت بیت المال میں لازم ہوگی ورنہ وہ رائیگاں جائے گا۔

36012۔ (قولہ: وَإِنْ الْتَقَى قَوْمٌ بِالسُّيُوفِ الخ) یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ عصبیت کی وجہ سے لڑ پڑیں

(إِلَّا أَنْ يَدَّعِيَ الْوَلِيُّ عَلَى أُولَئِكَ أَوْ يَدَّعِي (عَلَى) بَعْضٍ (مُعَيَّنٍ مِنْهُمْ) فَلَمْ يَكُنْ عَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ شَيْءٌ وَلَا عَلَى أُولَئِكَ حَتَّى يُبَرْهِنَ، لِأَنَّ بِمُجَرَّدِ الدَّعْوَى لَا يُثْبِتُ الْحَقَّ وَبَرِئَ أَهْلُ الْمَحَلَّةِ لِأَنَّ قَوْلَهُ حُجَّةٌ عَلَيْهِ (وَمُسْتَحْلَفٌ) عَلَى صِيغَةِ اسْمِ الْمَفْعُولِ (قَالَ قَتَلَهُ زَيْدٌ حَلَفَ بِاللّٰهِ مَا قَتَلْتُ وَلَا عَرَفْتُ لَهُ قَاتِلًا غَيْرَ زَيْدٍ) وَلَا يُقْبَلُ قَوْلُهُ فِي حَقِّ مَنْ يَزْعُمُ أَنَّهُ قَتَلَهُ (وَبَطَلَ شَهَادَةُ بَعْضِ أَهْلِ الْمَحَلَّةِ بِقَتْلِ غَيْرِهِمْ)

مگر اس مقتول کا ولی ان لوگوں کے خلاف دعویٰ کرے یا ان میں کسی معین شخص کے خلاف دعویٰ کرے تو نہ ان اہل محلہ کے خلاف اور نہ ہی ان لوگوں کے خلاف کوئی شے لازم ہوگی مگر جب مقتول کا ولی گواہیاں قائم کر دے۔ کیونکہ محض دعویٰ حق کو ثابت نہیں کرتا اور اہل محلہ بری ہو جائیں گے۔ کیونکہ اس کا قول اس کے خلاف حجت ہے۔ جس سے قسم کا مطالبہ کیا گیا (یہاں مستحلف اسم مفعول کا صیغہ ہے) اس نے کہا: اسے زید نے قتل کیا وہ قسم اٹھائے کہ نہ میں نے اس کو قتل کیا ہے اور نہ ہی میں زید کے علاوہ اس کے قاتل کو جانتا ہوں اس کا قول اس آدمی کے حق میں قبول نہیں کیا جائے گا جس کے بارے میں وہ گمان کرتا ہو کہ اس نے اسے قتل کیا ہے بعض اہل کی ان کے علاہ کسی اور کے قاتل ہونے کی شہادت باطل ہو جائے گی۔

ورنہ ان میں کوئی شے لازم نہ ہوگی جس طرح باب کے آخر میں آئے گا جب کہ دونوں میں فرق کا ذکر ہوگا۔

36013۔ (قولہ: عَلَى أُولَئِكَ) یعنی اس قوم پر۔ اس کے ساتھ تعبیر کرنا زیادہ ظاہر ہے جس طرح ''ملتقی'' میں ہے۔

36014۔ (قولہ: مِنْهُمْ) ضمیر سے مراد قوم ہے۔

36015۔ (قولہ: حَتَّى يُبَرْهِنَ) یعنی اہل محلہ کے علاوہ دو آدمی اس کی گواہی دیں نہ کہ اہل محلہ میں سے گواہی دیں جس طرح قریب ہی آئے گا۔

36016۔ (قولہ: لِأَنَّ بِمُجَرَّدِ الخ) یہ ان کے قول ولا علی اولئك کی علت ہے۔

36017۔ (قولہ: لِأَنَّ قَوْلَهُ حُجَّةٌ عَلَيْهِ) کیونکہ ان کا دعویٰ اہل محلہ کی براءت کو متضمن ہے۔

36018۔ (قولہ: حَلَفَ بِاللّٰهِ الخ) اس کے قول قتلہ فلان اس کو فلاں نے قتل کیا کے قول سے اس سے قسم ساقط نہ ہوگی۔ اس باب میں جو گفتگو کی گئی ہے اس کا مدعا اور غایت یہ ہے کہ اسے اس کی قسم سے استثنا کیا جائے۔ یہ اس کے منافی نہیں کہ مقر اس کے ساتھ قتل میں شریک ہو یا اس کا غیر اس کے ساتھ شریک ہو جب وہ اس طرح ہے تو وہ یہ قسم اٹھائے گا کہ اس نے مقتول کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی فلاں کے علاوہ اس کے قاتل کو جانتا ہے۔ ''عنایہ''۔

36019۔ (قولہ: وَلَا يُقْبَلُ الخ) اس قول میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ استثنا کا یہ فائدہ نہیں کہ اس کا زید کے خلاف قول قبول کیا جائے۔

ولی اہل محلہ کے علاوہ کسی اور پر دعویٰ کرے اور دو افراد اس کے خلاف شہادت دیں تو اس کا حکم

36020۔ (قولہ: وَبَطَلَ الخ) جب ولی نے اہل محلہ کے علاوہ ایک اور آدمی کے خلاف دعویٰ کیا اور ان میں سے دو

خِلَافًا لَهُمَا (أَوْ بِقَتْلِ (وَاحِدٍ مِنْهُمْ) بِعَيْنِهِ لِلتُّهْمَةِ (وَمَنْ جُرِحَ فِي حَيٍّ فَنُقِلَ) مِنْهُ

''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس قول سے اختلاف کیا ہے یا وہ ان میں سے کسی معین شخص کے بارے میں قتل کی گواہی دے دیں کیونکہ یہاں تہمت پائی جارہی ہے۔ جو آدمی کسی قبیلہ میں زخمی ہوا اور اس سے اس کو منتقل کیا گیا

افراد سے اس کے خلاف شہادت دے دی تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: اسے قبول کیا جائے گا کیونکہ وہ اس کیفیت میں ہیں کہ وہ خود مدعی علیہ ہوں جب ولی نے ان کے علاوہ کسی اور کے خلاف دعویٰ کر دیا تو ان کا خصم باطل ہو جائے گا جس طرح وکیل خصومت ہو جب خصومت سے قبل اس کو معزول کر دیا جائے۔

''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ وہ تقدیراً خصم ہیں۔ کیونکہ انہیں قاتل کے قائم مقام رکھا جائے گا۔ کیونکہ ان سے کوتاہی صادر ہو چکی ہے اگرچہ وہ خصوم کے زمرہ سے نکل گئے ہیں تو ان کی شہادت قبول نہ کی جائے گی جس طرح وصی کا معاملہ ہوتا ہے جب بچے کے بالغ ہونے کے ساتھ یا معزول کر دینے کے ساتھ وہ وصایہ سے خارج ہو جائے۔ اس کی مکمل بحث ''العنایہ'' میں ہے۔ مگر جب ولی ان میں سے کسی معین شخص کے خلاف دعویٰ کرے تو بالاجماع اس کے خلاف ان دونوں کی شہادت قبول نہ کی جائے گی جس طرح ''الملتقی'' میں ہے۔ کیونکہ خصومت سب کے ساتھ قائم ہے کیونکہ قسامت ان سے ساقط نہیں ہوگی۔ ''خیریہ'' میں کہا: مگر ایک ضعیف روایت میں جو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے جس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

تنبیہ

''حموی'' نے ''مقدسی'' سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا: میں نے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دینے سے توقف کیا اور میں نے اس کو عام کرنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ اس پر عام ضرر مترتب ہوتا ہے۔ کیونکہ سرکشوں میں سے جو اس کو جان لے گا تو وہ لوگوں کو ایسے محلوں میں قتل کرنے میں جری ہو جائے گا جو اس کے مکینوں کے علاقہ سے خالی ہوں گے۔ کیونکہ وہ اس پر اعتماد کرے گا کہ اس کے خلاف ان کی شہادت قبول نہ ہوگی یہاں تک کہ میں نے یہ کہا: چاہیے کہ فتویٰ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر دیا جائے خصوصاً احکام زمانہ کے مختلف ہونے کے ساتھ مختلف ہو جاتے ہیں۔ اور مفتی کو اختیار ہوتا ہے جب ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما متفق ہوں۔ اس کی مکمل بحث ''حاشیہ رملی'' میں ہے۔ ''سائحانی'' نے اسے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن علامہ ''قاسم'' کی تصحیح یہ ہے کہ صحیح ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کیونکہ مذکورہ ضرر دوسرے مسئلہ میں بھی موجود ہے جب کہ تو اس میں اتفاق کو جان چکا ہے مگر ایک ضعیف روایت میں ہے۔ ہاں دل اسی طرف مائل ہے جو ''حموی'' نے ''مقدسی'' سے نقل کیا ہے۔ لیکن منقولہ روایت کی پیروی کرنا یہ غلطی کے ارتکاب سے زیادہ سلامتی کا باعث ہے۔

کوئی آدمی کسی قبیلہ میں زخمی ہوا اور صاحب فراش رہنے کے بعد فوت ہو جائے تو اس کا حکم

36021۔ (قولہ: وَمَنْ جُرِحَ فِي حَيٍّ) یعنی زخمی کرنے والے کا علم نہ ہو تو یہ حکم ہے۔ اگر علم ہو جائے تو اس میں قسامت نہ ہوگی بلکہ اس میں زخمی کرنے والے پر قصاص لازم ہوگا یا اس کی عاقلہ پر دیت لازم ہوگی۔ ''عنایہ''۔

(فَبَقِيَ ذَا فِرَاشٍ حَتَّى مَاتَ فَالدِّيَةُ وَالْقَسَامَةُ عَلَى) ذَلِكَ (الْحَيِّ) خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ فَلَوْ مَعَهُ جَرِيحٌ بِهِ رَمَقٌ فَحَمَلَهُ آخَرُ لِأَهْلِهِ فَمَكَثَ مُدَّةً فَمَاتَ لَمْ يَضْمَنْ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ، وَفِي قِيَاسِ قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ يَضْمَنُ

تو وہ زخمی صاحب فراش رہا یہاں تک کہ مر گیا تو دیت اور قسامت اس قبیلہ پر ہوگی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے اگر اس کے ساتھ ایک زخمی ہے جس میں زندگی کی رمق ہے تو دوسرا اسے اپنے گھر میں اٹھا لایا وہ ایک مدت تک اس کے پاس رہا تو وہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق وہ ضامن ہوگا۔

36022۔(قولہ: فَبَقِيَ ذَا فِرَاشٍ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جونہی اسے زخمی کیا گیا وہ صاحب فراش ہو گیا اگر وہ اس قدر صحیح ہو کہ آجا سکتا ہو تو بالاتفاق اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی جس طرح ''العنایہ'' میں ہے۔

36023۔(قولہ: فَالدِّيَةُ وَالْقَسَامَةُ عَلَى ذَلِكَ الْحَيِّ) کیونکہ زخم کے ساتھ جب قتل متصل ہو جائے تو وہ قتل ہو جائے گا اس وجہ سے قصاص واجب ہو جائے گا۔ اس کی مکمل بحث ''العنایہ'' میں ہے۔

36024۔(قولہ: خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ) یعنی کہا: نہ اس پر ضمانت ہوگی نہ ہی اس پر قسامت ہوگی۔ کیونکہ اس قبیلہ میں جو واقع ہوا وہ نفس کی ہلاکت سے کم ہے تو اس میں کوئی قسامت نہ ہوگی تو وہ اس طرح ہو جائے گا جب وہ صاحب فراش نہ ہو۔ ''شرنبلالیہ''۔

36025۔(قولہ: فَلَوْ مَعَهُ) ضمیر سے مراد رجل ہے۔

36026۔(قولہ: بِهِ رَمَقٌ) رمق سے مراد باقی ماندہ روح ہے، ''اتقانی''۔ اگر وہ آتا جاتا ہو تو اس میں کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ ''کفایہ''۔

36027۔(قولہ: فَحَمَلَهُ آخَرُ) صحیح یہ ہے کہ آخر کے لفظ کو ساقط کر دیا جائے۔ ''الملتقی'' کی عبارت یہ ہے: اگر زخمی کے ساتھ کوئی آدمی ہو تو وہ اس کو اٹھائے اور زخمی اس کے اہل میں مر جائے تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر کوئی ضمان نہ ہوگی۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق وہ ضامن ہوگا۔ ''الولوالجیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے کہ یہ مسئلہ اس صورت پر مبنی ہے کہ جب وہ قبیلہ میں زخمی ہو پھر وہ اس کے اہل میں مر جائے۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ گفتگو اس آدمی کے بارے میں ہے جس کے قبضہ میں زخم پایا گیا (شاید صحیح جس کے قبضہ میں زخمی پایا گیا ہے) پے فتدبر۔

36028۔(قولہ: يَضْمَنُ) کیونکہ اس کا قبضہ محلہ کے قائم مقام ہے اس آدمی کا اس کے قبضہ میں زخمی پایا جانا یہ اس کے محلہ میں پائے جانے کی طرح ہے، ''ہدایہ''۔ پس اس پر قسامت واجب ہوگی۔ اور اس کی عاقلہ کے ذمہ دیت ہوگی تو گویا اس نے اس کو مقتول کی حیثیت سے اٹھایا ہے، ''اتقانی''۔ ''الملتقی'' میں امام ابو یوسف کے قول کو پہلے ذکر کیا ہے جس طرح شارح نے کیا ہے تو ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔

(وَفِي رَجُلَيْنِ بِلَا ثَالِثٍ وُجِدَ أَحَدُهُمَا قَتِيلًا ضَمِنَ الْآخَرُ) لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ الْإِنْسَانَ لَا يَقْتُلُ نَفْسَهُ (دِيَتَهُ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ

اور تیسرے آدمی کے بغیر دو شخصوں میں ایک شخص مقتول پایا گیا تو دوسرا آدمی اس کی دیت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو قتل نہیں کرتا۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے۔ (دوسرے نسخہ میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا نام ہے۔ یہی ظاہر ہے اور اس پر اعتماد کیا جائے گا مترجم)۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

36029۔ (قولہ: وَفِي رَجُلَيْنِ) یعنی دونوں ایک کمرہ میں ہوں جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔ ''رملی'' نے کہا: دو عورتوں اور ایک مرد عورت میں یہی حکم ہوگا جب اس کے ساتھ کوئی نہ ہو۔ پس قسامت اور دیت مالک کی عاقلہ پر ہوگی۔

36030۔ (قولہ: بِلَا ثَالِثٍ) کیونکہ اگر اس کے ساتھ کوئی تیسرا فرد ہو تو قاتل میں شک واقع ہو جائے گا تو ان دونوں میں سے کوئی متعین نہ ہوگا۔ ''کفایہ''۔ رملی نے کہا: یہ قید لگائی ہے کیونکہ اگر تیسرا آدمی پایا گیا تو وہ گھر کی طرح ہو جائے گا۔ پس دیت مالک پر واجب ہوگی۔

میں کہتا ہوں: اس مسئلہ سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ان کا جو قول گزرا ہے اس کی قید لگائی جائے جب وہ مقتول کسی انسان کے گھر پایا جائے تو اس پر قسامت لازم ہوگی جب قتیل کے ساتھ کوئی اور آدمی نہ ہو اسی طرح اس سے قبل اس کا قول ہے اگر مقتول ایسے مکان میں پایا جائے جو کسی کی ملک میں ہو تو قسامت اور دیت اس کے مالکوں پر ہوگی ورنہ جو یہاں ظاہر ہے وہ اس کمرے کے مالک پر واجب ہوگی جس میں دونوں رہائش پذیر تھے۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس پر متنبہ کیا ہو۔ فلیتامل۔ پھر میں نے ''الدر المنتقی'' میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ذکر کرنے کے بعد دیکھا اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہا: ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے قیاس میں قسامت اور دیت گھر کے مالک پر ہوگی۔ اس کی مثل ''قہستانی'' میں ہے۔ اس سے اشکال زائل ہو جاتا ہے لیکن یہ باقی ہے کہ یہ کہا جاتا ہے: وہ گزشتہ مسائل میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر گامزن ہوئے ہیں کیونکہ انہوں نے مالکوں کا اعتبار کیا ہے اور وہ یہاں ''ہدایہ''، ''ملتقی'' وغیرہ میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر گامزن ہوئے۔ شاید اس مسئلہ میں ان سے روایت مروی نہیں۔ اس کی دلیل ان کا یہ قول ہے: وفی قیاس قول الامام فتامل۔

36031۔ (قولہ: خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ) کیونکہ انہوں نے کہا: وہ ضامن نہیں ہوگا کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ اس نے خود اپنے آپ کو قتل کیا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسے کسی اور نے قتل کیا ہو پس شک کی وجہ سے وہ ضامن نہیں ہوگا ''ہدایہ''۔ ''رملی'' نے کہا، یعنی قسامت اور دیت مالک کے ذمہ ہوگی یعنی کمرہ کے مالک کی عاقلہ پر ہوگی۔ اس پر متنبہ ہو جایئے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا قیاس ہے۔ فتامل۔ ''رملی'' نے بھی کہا ہے: میرے نزدیک یہ ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ صاحب کا قول موقع محل کے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ بعض اوقات اسے دوسرے کے علاوہ کوئی اور قتل کر دیتا ہے اور یہ بے شمار دفعہ واقع ہوا ہے۔

(وَفِي قَتِيلِ قَرْيَةٍ لِامْرَأَةٍ كُرِّرَ الْحَلِفُ عَلَيْهَا وَتَدِي عَاقِلَتُهَا) وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ الْقَسَامَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ أَيْضًا قَالَ الْمُتَأَخِّرُونَ وَالْمَرْأَةُ تَدْخُلُ فِي التَّحَمُّلِ مَعَ الْعَاقِلَةِ فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ كَذَا فِي الْمُلْتَقَى، وَهُوَ الْأَصَحُّ ذَكَرَهُ الزَّيْلَعِيُّ (وَإِنْ وُجِدَ قَتِيلٌ فِي دَارِ نَفْسِهِ

ایسی بستی میں مقتول پایا جائے جو کسی عورت کی ملکیت ہے تو اس پر قسم بار بار لوٹائی جائے گی اور اس کی عاقلہ دیت دے گی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی دیت عاقلہ کے ذمہ ہوگی۔ متاخرین علماء نے فرمایا: عورت اس مسئلہ میں دیت کی ذمہ داری اٹھانے میں عاقلہ کے ساتھ ہوگی۔ ''الملتقی'' میں مسئلہ اس طرح ہے یہی اصح ہے۔ یہ ''زیلعی'' نے ذکر کیا ہے۔ اگر مقتول اپنے ذاتی گھر میں پایا گیا

کسی ایسی بستی میں مقتول پایا جائے جو کسی عورت کی ملکیت ہو تو اس کا حکم

36032۔ (قولہ: وَفِي قَتِيلِ قَرْيَةٍ) قتیل قریہ میں اضافت فیوی ہے۔ یعنی فی کے معنی میں ہے۔

36033۔ (قولہ: وَتَدِي عَاقِلَتُهَا) یعنی وہ قبائل جو نسب کے اعتبار سے اس کے زیادہ قریبی ہیں نہ کہ جو پڑوسی کے اعتبار سے زیادہ قریبی ہیں۔ ''اتقانی''۔

36034۔ (قولہ: فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ) اس کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ عورت دیت کی ذمہ داری اٹھانے میں عاقلہ میں داخل نہیں ان صورتوں میں سے کسی صورت میں جن کا ذکر کتاب المعاقل میں آئے گا اس مسئلہ میں عورت داخل ہوگی۔ کیونکہ ہم نے اس عورت کو قاتلہ قرار دیا ہے اور قاتلہ عاقلہ کے ساتھ شریک ہوگی۔ کیونکہ جب اس پر دیت واجب ہوتی ہے جس نے قتل کا فعل خود نہیں کیا تو جس نے خود قتل کیا ہے اس پر بدرجہ اولیٰ واجب ہوگی۔ مسئلہ کا موضوع اس میں ہے جب شہر میں عورت کے گھر میں مقتول پایا جائے جس میں اس عورت کے خاندان کا کوئی آدمی موجود نہ ہو مگر جب اس کا خاندان موجود ہو تو وہ عورت کے ساتھ قسامہ میں داخل ہوگا۔ ''کفایہ''۔

اگر مقتول اپنے ذاتی گھر میں پایا جائے تو اس کا حکم

36035۔ (قولہ: وَإِنْ وُجِدَ قَتِيلٌ الخ) یہ حکم آزاد کے بارے میں ہے۔ جہاں تک مکاتب کا تعلق ہے جب وہ اپنے گھر میں بطور مقتول پایا جائے تو اس کا خون بالاتفاق رائیگاں جائے گا۔ کیونکہ اس کے قتل کے ظہور کی حالت میں گھر اس کی ملکیت میں باقی ہے۔ کیونکہ عقد مکاتبہ اس صورت میں منسوخ نہیں ہوتا جب وہ اتنا مال چھوڑ کر مر جائے جو اس کے بدل کتابت کو کافی ہو جائے تو اس مکاتب کو یوں بنا دیا جائے گا کہ اس نے اپنے آپ کو خود قتل کیا ہے تو اس کا خون رائیگاں چلا جائے گا۔ ''عنایہ''، ''غرر الافکار''۔ پھر یہ حکم اس صورت میں ہے جب یہ معلوم نہ ہو کہ چوروں نے اس کو قتل کیا ہے۔ کیونکہ ''البدائع'' میں کتاب الجنائز کے باب الشہید میں ہے: اگر شہر میں رات کے وقت اسے چور پڑیں اور اس کو اسلحہ وغیرہ کے ساتھ قتل کر دیں تو وہ شہید ہوگا۔ کیونکہ قتیل نے بدل نہیں چھوڑا جو مال ہے۔

فَالدِّیَةُ عَلَی عَاقِلَةِ وَرَثَتِهِ) عِنْدَ أَبِي حَنِیفَةَ (وَعِنْدَهُمَا وَزُفَرَ لَا شَيْءَ فِیهِ) أَيْ فِي الْقَتِیلِ الْمَذْکُورِ (وَبِهِ یُفْتَی) کَذَا ذَکَرَهُ مُنْلَا خُسْرو وَتَبِعَا لِمَا رَجَّحَهُ صَدْرُ الشَّرِیعَةِ، وَتَبِعَهُمَا الْمُصَنِّفُ وَخَالَفَهُمْ ابْنُ الْکَمَالِ فَقَالَ لَهُمَا إنَّ الدَّارَ فِي یَدِهِ حِینَ وُجِدَ الْجُرْحُ فَیُجْعَلُ کَأَنَّهُ قَتَلَ نَفْسَهُ فَیَکُونُ هَدَرًا

تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دیت اس کے ورثا کی عاقلہ پر ہوگی۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما اور امام ''زفر'' کے نزدیک کہ مذکورہ مقتول میں کوئی شے لازم ہوگی۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''مُنلا خسرو'' نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ انہوں نے اس کی تابع داری کی جسے ''صدر الشریعہ'' نے راجح قرار دیا تھا اور مصنف نے دونوں کی تابع داری کی ہے۔ ''ابن کمال'' نے ان علما کی مخالفت کی ہے اور کہا: ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ گھر اس کے قبضہ میں تھا جب زخم پایا گیا۔ پس اس کو یوں بنا دیا جائے گا گویا اس نے خود اپنے آپ کو قتل کیا ہے۔ پس وہ رائیگاں چلا جائے گا۔

''البحر'' میں وہاں کہا: اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جسے چور اس کے گھر میں قتل کر دیں اور ان چوروں میں سے یعنی قاتل کا علم نہ ہو۔ کیونکہ چوروں کا وجود نہیں تو نہ کوئی قسامت ہوگی اور نہ ہی کسی پر دیت ہوگی۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں واجب نہیں ہوتیں مگر جب قاتل کا علم نہ ہو جب کہ یہاں معلوم ہو چکا ہے کہ اس کا قاتل چور ہے اگرچہ ان کے بھاگ جانے کی وجہ سے ان پر کوئی شے ثابت نہ ہوگی۔ اس کو یاد رکھنا چاہیے کیونکہ لوگ اس سے غافل ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ قول اس کو بھی شامل ہوگا جسے چوروں نے اس کے گھر کے علاوہ میں قتل کیا ہو۔ فتامل

36036۔ (قولہ: فَالدِّیَةُ عَلَی عَاقِلَةِ وَرَثَتِهِ) ایک قول یہ کیا گیا ہے دیت اس مقتول کی عاقلہ پر لازم ہوگی جب مقتول کی عاقلہ اور اس کے وارثوں کی عاقلہ مختلف ہو پہلا قول اصح ہے جس طرح ''الکفایہ'' میں ''المبسوط'' سے مروی ہے۔ ''العنایہ'' میں کہا ہے: ''الاصل'' میں قسامت کا ذکر نہیں کیا تو ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے کہا: یہ واجب نہ ہوگی۔ ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے کہا یہ واجب ہوگی۔ مصنف نے اسے اختیار کیا ہے یعنی صاحب ''ہدایہ'' نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔

36037۔ (قولہ: وَعِنْدَهُمَا الخ) یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے بھی روایت ہے۔ ''اتقانی''۔

36038۔ (قولہ: تَبِعَا لِمَا رَجَّحَهُ صَدْرُ الشَّرِیعَةِ) کیونکہ انہوں نے کہا: یہی حق ہے کیونکہ مقتول کے ظاہر ہونے کے وقت گھر اس کے قبضہ میں تھا تو اس کو یوں بنا دیا جائے گا کہ اس نے خود اپنے آپ کو قتل کیا ہے۔ پس یہ رائیگاں چلا جائے گا اگر گھر وارثوں کا ہو تو عاقلہ دیت کی ذمہ دار ہوگی۔ الخ۔ ''رملی'' نے کہا: ''حاوی قدسی'' میں ہے: یعنی ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کو ہم اپناتے ہیں۔

36039۔ (قولہ: وَخَالَفَهُمْ ابْنُ الْکَمَالِ) کیونکہ انہوں نے اپنے متن میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے اور ''صدر الشریعہ'' نے جو ذکر کیا ہے اس پر اعتماد نہیں کیا بلکہ جو اس کی طرف منسوب ہے اس کو اپنے اس

وَلَهُ أَنَّ الْقَسَامَةَ إِنَّمَا تَجِبُ بِظُهُورِ الْقَتِيلِ، وَحَالَ ظُهُورِهِ الدَّارُ لِوَرَثَتِهِ فَدِيَتُهُ عَلَى عَاقِلَتِهِمْ لَا يُقَالُ الْعَاقِلَةُ إِنَّمَا يَتَحَمَّلُونَ مَا يَجِبُ عَلَى الْوَرَثَةِ تَخْفِيفًا لَهُمْ وَلَا يُمْكِنُ الْإِيجَابُ عَلَى الْوَرَثَةِ لِلْوَرَثَةِ، لِأَنَّ الْإِيجَابَ لَيْسَ لِلْوَرَثَةِ بَلْ لِلْقَتِيلِ حَتَّى تُقْضَى مِنْهُ دُيُونُهُ وَتَنْفُذَ وَصَايَاهُ ثُمَّ يَخْلُفُهُ الْوَارِثُ فِيهِ وَهُوَ نَظِيرُ الصَّبِيِّ وَالْمَعْتُوهِ إِنْ قَتَلَ أَبَاهُ تَجِبُ الدِّيَةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ وَتَكُونُ لَهُ مِيرَاثًا

''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے: قسامت قتل کے ظاہر ہونے کی وجہ سے واجب ہوگی اور گھر میں ظاہر ہونے کی وجہ سے قسامت اس کے وارثوں پر لازم ہوگی اور ان کی دیت اس کی عاقلہ پر ہوگی۔ یہ اعتراض نہیں کیا جائے گا کہ جو چیز وارثوں پر واجب ہوتی ہے عاقلہ ان پر تخفیف کرنے کے لیے اس کو برداشت کرتی ہے اور وارثوں کے لیے وارثوں پر اس کو واجب کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ دیت کا وجوب یہ وارثوں کے لیے نہیں بلکہ یہ مقتول کے لیے ہے یہاں تک کہ اس سے اس کے دیون ادا کیے جاتے ہیں اور اس کی وصیتیں نافذ کی جاتی ہیں۔ پھر اس میں اس کا وارث اس کا نائب ہوتا ہے۔ یہ بچے اور معتوہ کی مثل ہے۔ اگر وہ اپنے باپ کو قتل کر دے تو دیت اس کی عاقلہ پر واجب ہوگی۔ پس یہ اس کی میراث ہوگی۔

قول: لا یقال المشعر بالسقوط راسا کے ساتھ رد کیا ہے۔ اسی طرح ''ہدایہ'' اور اس کے شارحین کی پیروی کی ہے۔ کیونکہ صاحب ''ہدایہ'' نے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کو موخر ذکر کیا ہے جو اس امر کو متضمن ہے کہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کی دلیل صحیح نہیں ساتھ ہی جو آپ پر اعتراض وارد ہوتا ہے اس کو دور کیا ہے ایسا کیوں نہ ہو جب کہ متون ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہیں۔ فافہم

36040۔ (قولہ: وَلَا يُمْكِنُ الْإِيجَابُ عَلَى الْوَرَثَةِ) یہ اصل کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے۔ کیونکہ جو عاقلہ پر چیز لازم آتی ہے یہ ان پر ابتداءً واجب کرنے کے طریقہ پر نہیں بلکہ تحمل کے طریقہ پر ہے۔ بے شک اصل میں وارثوں پر واجب ہے جس طرح اس کو اپنے اس قول انما یتحملون الخ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ ابتداءً عاقلہ پر واجب ہے یہ صحیح کے خلاف ہے جس طرح ہم اسے جنایات میں فصل فی الفعلین میں بیان کر چکے ہیں۔

36041۔ (قولہ: لِأَنَّ الْإِيجَابَ لَيْسَ لِلْوَرَثَةِ الخ) یہ ان کے قول لا یقال کا جواب ہے اور اس میں اس کا جواب ہے جسے شرح نے ایک ورق قبل اپنے اس قول کے ساتھ بیان کیا ہے: وقد یقال لما کان ھو لنفسہ لا یدی فغیرہ بالاولی لقوۃ الشبھۃ الخ تو یہ کہا جائے گا جب دیت کا واجب کرنا اصل کے اعتبار سے اس کی ذات کے لیے ہے تو وہ اس کی جانب سے کیسے دیت دے گا۔ پس اصلاً شبہ نہیں پایا جاتا۔

36042۔ (قولہ: حَتَّى تُقْضَى مِنْهُ الخ) یعنی واجب سے اس کے دیون ادا کیے جاتے ہیں جو واجب ایجاب سے مفہوم ہے۔ ''اتقانی'' نے بھی اس کا جواب دیا ہے کہ عاقلہ اس سے عام ہے کہ وہ وارث ہو یا وارث نہ ہوں تو جو عاقلہ میں سے غیر وارثوں کے لیے واجب ہوگا تو وہ وارثوں کے لیے ان کی جانب سے ثابت ہو جائے گا۔ یہ حکم اس لیے ہے کیونکہ آدمی

فَتَنَبَّهْ (وَلَوْ وُجِدَ فِي أَرْضٍ مَوْقُوفَةٍ أَوْ دَارٍ كَذَلِكَ) يَعْنِي مَوْقُوفَةً (عَلَى أَرْبَابٍ مَعْلُومَةٍ فَالْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ عَلَى أَرْبَابِهَا) لِأَنَّ تَدْبِيرَهُ إلَيْهِمْ (وَإِنْ كَانَتْ) الْأَرْضُ أَوْ الدَّارُ (مَوْقُوفَةً عَلَى الْمَسْجِدِ فَهُوَ كَمَا لَوْ وُجِدَ فِيهِ) أَيْ فِي الْمَسْجِدِ زَيْلَعِيٌّ وَدُرَرٌ وَسِرَاجِيَّةٌ وَغَيْرُهَا وَقَدْ قَدَّمْنَاهُ قُلْت التَّقْيِيدُ بِكَوْنِ الْأَرْبَابِ الْمَوْقُوفِ عَلَيْهِمْ مَعْلُومِينَ لِيَخْرُجَ غَيْرُ الْمَعْلُومِينَ كَمَا لَوْ كَانَ وَقْفًا عَلَى الْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ فَإِنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ الدِّيَةَ تَكُونُ فِي بَيْتِ الْمَالِ، لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ يَكُونُ مِنْ جُمْلَةِ مَا أُعِدَّ لِمَصَالِحِ الْمُسْلِمِينَ فَأَشْبَهَ الْجَامِعَ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ بَحْثًا (وَلَوْ وُجِدَ فِي مُعَسْكَرٍ فِي فَلَاةٍ غَيْرِ مَمْلُوكَةٍ فَفِي الْخَيْمَةِ وَالْفُسْطَاطِ

پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ اگر وہ مقتول وقف کی گئی زمین میں یا اسی طرح کے گھر میں پایا جائے جو معلوم افراد پر وقف ہو تو قسامت اور دیت اس کے مالکوں کے ذمہ ہوگی۔ کیونکہ اس کی تدبیر ان کے سپرد ہے اگر گھر یا زمین مسجد پر وقف ہو تو اس کا حکم اسی طرح ہے جس طرح مقتول مسجد میں پایا جائے۔ ''زیلعی''، ''درر''، ''سراجیہ'' وغیرہا جب کہ ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یہ قید کہ جن پر وہ زمین وغیرہ وقف کی گئی ہے وہ معدوم ہو اس لیے ہے کہ غیر معلوم افراد اس سے خارج ہو جائیں جس طرح اگر وہ مساکین اور فقراء پر وقف ہو۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ دیت بیت المال میں ہوگی۔ کیونکہ اس وقت یہ ان چیزوں میں سے ہوگی جسے مسلمانوں کے مصالح کے لیے تیار کیا گیا۔ پس وہ جامع مسجد کے مشابہ ہوگی یہ مصنف نے بحث کرتے ہوئے قول کیا ہے۔ اگر مقتول ایسی چھاؤنی میں پایا گیا جو ایسے جنگل میں ہے جو مملوک نہیں خیمہ اور فسطاط میں پایا جائے

کی عاقلہ ہمارے نزدیک اس کے اہل دیوان ہیں۔

36043۔ (قولہ: فَتَنَبَّهْ) یعنی ''صدر الشریعہ'' وغیرہ کی مخالفت کی جو وجہ ہے اس کو سمجھ لے جب کہ مخالفت ظاہر ہے۔

36044۔ (قولہ: عَلَى أَرْبَابِهَا) ظاہر یہ ہے کہ اس کے مالکوں کی جانب سے عاقلہ اس کو برداشت کرے گی۔ تامل

36045۔ (قولہ: فَهُوَ كَمَا لَوْ وُجِدَ فِيهِ) پس جو مقتول محلہ کی مسجد یا جامع مسجد کے وقف میں موجود ہو تو وہ اس طرح ہے جو ان دونوں میں موجود ہو اور ان دونوں کا حکم پہلے گزر چکا ہے۔ ''رملی''۔

36046۔ (قولہ: قَالَهُ الْمُصَنِّفُ بَحْثًا) رملی نے اس کو ثابت کیا ہے اور کہا: یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تصانیف کا مفہوم حجت ہوتا ہے۔

اگر مقتول کسی ایسی چھاؤنی کے خیمے میں پایا جائے جو غیر مملوک جنگل میں ہو تو اس کا حکم

36047۔ (قولہ: وَلَوْ وُجِدَ فِي مُعَسْكَرٍ فِي فَلَاةٍ) ''ہدایہ'' میں معسکر کے بارے میں جو قول ہے اس سے یہ قول اچھا ہے وہ جنگل میں ٹھہرے۔ کیونکہ معسکر جب کاف کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد لشکر کی جگہ ہے وہ لشکر ہے تو ان کا حق یہ تھا کہ کہیں: فی عسکر جس طرح ''اتقانی'' نے کہا: جہاں تک یہاں کا تعلق ہے تو مکان کا ارادہ کرنا صحیح ہوگا۔

36048۔ (قولہ: فَفِي الْخَيْمَةِ وَالْفُسْطَاطِ) یعنی اگر مقتول خیمہ اور فسطاط میں پایا جائے جب کہ فسطاط سے مراد بڑا

عَلَى مَنْ يَسْكُنُهُمَا وَفِي خَارِجِهِمَا) أَيِ الْخَيْمَةِ وَالْفُسْطَاطِ (وَإِنْ كَانُوا) أَيْ سَاكِنُو خَارِجِهَا (قَبَائِلَ فَعَلَى قَبِيلَةٍ وُجِدَ الْقَتِيلُ فِيهَا وَلَوْ بَيْنَ الْقَبِيلَتَيْنِ كَانَ) حُكْمُهُ (كَمَا) مَرَّ (بَيْنَ الْقَرْيَتَيْنِ) وَلَوْ نَزَلُوا جُمْلَةً مُخْتَلِفِينَ فَعَلَى كُلِّ الْعَسْكَرِ وَلَوْ كَانُوا قَدْ قَاتَلُوا عَدُوًّا فَلَا قَسَامَةَ وَلَا دِيَةَ مُلْتَقًى

تو دیت ان پر واجب ہوگی جو اس میں رہتے ہیں اور جو مقتول خیمہ اور فسطاط کے باہر پایا جائے اگر اس کے باہر قبائل رہتے ہیں تو اس قبیلہ پر دیت لازم ہوگی جس میں وہ مقتول پایا جائے اگر وہ مقتول دو قبیلوں کے درمیان پایا جائے تو اس کا حکم اس طرح ہوگا جو دو دیہاتوں میں گزر چکا ہے اگر وہ سب مل جل کر پڑاؤ ڈالیں تو پورے لشکر پر لازم ہوگی اگر انہوں نے دشمن سے قتال کیا ہو تو نہ قسامت لازم ہوگی اور نہ ہی دیت لازم ہوگی۔ ''ملتقی''۔

خیمہ ہے۔ ''مغرب''۔

36049۔ (قولہ: عَلَى مَنْ يَسْكُنُهُمَا) یعنی قسامت اور دیت ان کے ذمہ لازم ہوگی جو اس میں رہتے ہیں۔ کیونکہ خیمہ اور فسطاط ان کے قبضہ میں ہے جس طرح دار کا حکم ہے۔ ''زیلعی''۔

36050۔ (قولہ: وَفِي خَارِجِهِمَا الخ) ''زیلعی'' کی عبارت ہے: اگر مقتول ان سے باہر پایا جائے تو دیکھا جائے گا اگر وہ متفرق قبائل کی صورت میں پڑاؤ ڈالیں تو اس قبیلہ پر قسامت اور دیت لازم ہوگی جس میں مقتول پایا گیا الخ۔ مراد ہے مقتول خیمہ اور فسطاط کے باہر ہو عسکر کے باہر ہونا مراد نہیں۔ کیونکہ یہ پیش نظر نہیں ہوتا کہ وہ اس کے باہر ہوں یا اندر ہوں۔ شارح کا قول ''منح'' اور ''الدرر'' کی پیروی میں ہے یعنی اسکے باہر رہائش رکھے ہوئے ہوں تو یہ ان میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ فتدبر

36051۔ (قولہ: فَعَلَى قَبِيلَةٍ) کیونکہ جب وہ قبیلہ قبیلہ مختلف جگہوں پر اتریں تو وہ جگہ محلوں کے قائم مقام ہوگی جو شہر میں ہوتے ہیں۔ ''زیلعی''۔

36052۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ بَيْنَ الْقَرْيَتَيْنِ) یعنی ان دونوں دیہاتوں میں سے جو قریب ہوگا اس پر قسامت اور دیت لازم ہوگی اگر وہ برابر ہوں تو دونوں پر یہ لازم ہوں گی۔ ''زیلعی''۔

36053۔ (قولہ: مُخْتَلِفِينَ) یعنی مل جل کر اتریں۔

36054۔ (قولہ: فَعَلَى كُلِّ الْعَسْكَرِ) یعنی جو خیموں سے باہر پایا گیا اس کی چٹی ان سب لشکریوں پر ہوگی۔ ''زیلعی''۔

36055۔ (قولہ: فَلَا قَسَامَةَ وَلَا دِيَةَ) کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ دشمن نے اس کو قتل کیا ہے تا کہ مسلمانوں کو صلح پر ابھارا جائے۔ گزشتہ مسئلہ کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ یہ ہے: جب مسلمان عصبیت کی وجہ سے باہم لڑ پڑیں اور وہ ایک مقتول کو چھوڑ کر الگ الگ ہوں تو اس میں تو صلح پر ابھارنے کی کوئی صورت موجود نہیں۔ پس قتل کا حال مشکل ہو جائے گا۔ پس ہم نے قسامت اور دیت کو اس مکان کے اہل پر واجب کر دیا۔ کیونکہ نص وارد ہے کہ اشکال کے وقت قتل ان کی طرف منسوب ہے۔ پس احتمال کے وقت جس بارے میں نص وارد ہو اس پر عمل کرنا اولیٰ ہوتا ہے۔ اسے ''العنایہ'' میں بیان کیا ہے۔

(وَلَوْ كَانَتِ الْأَرْضُ الَّتِي نَزَلَ فِيهَا الْعَسْكَرُ) (مَمْلُوكَةً فَعَلَى الْمَالِكِ) بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّهُمْ سُكَّانٌ وَلَا يُزَاحِمُونَ الْمَالِكَ فِي الْقَسَامَةِ وَالدِّيَةِ دُرَرٌ لَكِنْ فِي الْمُلْتَقَى خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ فَتَنَبَّهْ (وَ) فِيهَا (لَوْ وُجِدَ فِي قَرْيَةٍ لِأَيْتَامٍ لَمْ يَكُنْ عَلَى الْأَيْتَامِ قَسَامَةٌ وَهِيَ عَلَى عَاقِلَتِهِمْ) لِأَنَّهُمْ لَيْسُوا مِنْ أَهْلِ الْيَمِينِ (وَإِنْ كَانَ فِيهِمْ مُدْرِكٌ فَعَلَيْهِ) لِأَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْيَمِينِ وَلْوَالِجِيَّةٌ فُرُوعٌ لَوْ وُجِدَ فِي دَارِ صَبِيٍّ أَوْ مَعْتُوهٍ فَعَلَى عَاقِلَتِهِمَا، وَلَوْ فِي دَارِ ذِمِّيٍّ حَلَفَ خَمْسِينَ وَيَدِي مِنْ مَالِهِ وَلَوْ تَعَاقَلُوا، فَعَلَى الْعَاقِلَةِ وَلَوْ مَرَّ رَجُلٌ

اگر وہ زمین جس میں لشکر اترا ہے اگر وہ کسی کی مملوک ہو تو بالا جماع قسامت اور دیت مالک کے ذمہ ہوگی۔ کیونکہ لشکری تو رہائش رکھنے والے ہیں وہ قسامت اور دیت میں مالک کے مزاحم نہیں ہوں گے،''درر''۔لیکن''الملتقی''میں امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف موجود ہے۔پس اس پر متنبہ ہو جایئے۔اس میں ہے: اگر مقتول یتیموں کے دیہات میں پایا گیا تو یتیموں پر قسامت لازم نہ ہوگی یہ ان کی عاقلہ پر ہوگی۔ کیونکہ وہ اہل یمین نہیں اگر ان میں کوئی بالغ ہو تو اس پر لازم ہوگی۔ کیونکہ وہ اہل یمین میں سے ہے۔''ولوالجیہ''۔فروع: اگر بچے یا معتوہ کے گھر میں مقتول پایا گیا تو ان کی عاقلہ پر یہ لازم ہوگی۔ اگر ذمی کے گھر میں مقتول پایا جائے تو وہ پچاس قسمیں اٹھائے گا اور اپنے مال سے دیت دے گا اگر عاقلہ رکھتے ہوں تو یہ عاقلہ کے ذمہ ہوگی۔اگر کوئی آدمی محلہ سے گزرا

36056۔(قولہ: لَكِنْ فِي الْمُلْتَقَى) یہ ان کے قول بالا جماع پر استدراک ہے۔''ہدایہ'' میں اسی طرح ہے جس طرح''الملتقی''میں ہے۔یہ اس کے موافق ہے جو قول امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے محلہ اور گھر کے بارے میں گزرا ہے کہ رہائش رکھنے والے مالکوں کے ساتھ شریک ہوں گے جو قول''الدرر''میں ہے۔امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ فرق کرنے کے محتاج ہوں گے''زیلعی''نے اسے ذکر کیا ہے کہ یہاں لشکر کا پڑاؤ ڈالنا یہ کوچ کرنے کے لیے ہے۔پس اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

36057۔(قولہ: وَفِيهَا) اس میں غور کرو کہ ضمیر کا مرجع کون سا ہے۔ کیونکہ میں نے''الدرر''میں مسئلہ نہیں دیکھا اور نہ ہی''ملتقی''میں دیکھا ہے۔

36058۔(قولہ: وَهِيَ عَلَى عَاقِلَتِهِمْ) دیت کا حکم اسی طرح ہے جب کہ یہ ظاہر ہے۔''ط''۔

36059۔(قولہ: فَعَلَيْهِ) یعنی قسامت اور دیت اس پر لازم ہوگی۔''طحطاوی''نے''ہندیہ''سے نقل کیا ہے۔ظاہر یہ ہے کہ اس کی جانب سے اس کی عاقلہ دیت کی ذمہ دار ہوگی۔کیا اس پر مکمل لازم ہوگی یا افراد کی تعداد کے اعتبار سے لازم ہو گی جس طرح مشترک گھر میں گزر چکا ہے اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔

پھر میں نے''غایۃ البیان''میں''شرح الکافی''سے دیکھا کہ قسامت بالغ پر لازم ہے اس پر یمین تکرار ہوگی۔ کیونکہ وہ اس کا اہل ہے اور دونوں صورتوں میں قبائل میں جو سب سے قریب ہوگا اس پر دیت لازم ہوگی۔اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

36060۔(قولہ: تَعَاقَلُوا) اگر ذمی لوگ عاقلہ رکھتے ہو۔

فِي مَحَلَّةٍ خَاصَابِهِ سَهْمٌ أَوْ حَجَرٌ وَلَمْ يَدْرِ مِنْ أَيْنَ وَمَاتَ مِنْهُ فَعَلَى أَهْلِ الْمَحَلَّةِ الْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ سِرَاجِيَّةٌ وَفِي الْخَانِيَّةِ وُجِدَ بَهِيمَةٌ أَوْ دَابَّةٌ مَقْتُولَةٌ فَلَا شَيْءَ فِيهَا وَإِنْ وُجِدَ مُكَاتَبٌ أَوْ مُدَبَّرٌ أَوْ أُمُّ وَلَدٍ قَتِيلًا فِي مَحَلَّةٍ فَالْقَسَامَةُ وَالْقِيمَةُ عَلَى عَوَاقِلِهِمْ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ وَلَوْ وُجِدَ الْعَبْدُ قَتِيلًا فِي دَارِ مَوْلَاهُ فَهَدَرٌ إِلَّا مَدْيُونًا فَقِيمَتُهُ عَلَى مَوْلَاهُ لِغُرَمَائِهِ حَالَّةً وَإِلَّا مُكَاتَبًا فَقِيمَتُهُ عَلَى مَوْلَاهُ مُؤَجَّلَةً وَلَوْ وُجِدَ الْمَوْلَى قَتِيلًا فِي دَارِ مَأْذُونٍ مَدْيُونًا أَوْ لَا فَعَلَى عَاقِلَةِ الْمَوْلَى وَلَوْ وُجِدَ الْحُرُّ قَتِيلًا فِي دَارِ أَبِيهِ أَوْ إِمَاءٌ أَوْ الْمَرْأَةُ فِي دَارِ زَوْجِهَا

تو اسے تیر یا پتھر لگا اور یہ پتہ نہ چلا کہ کہاں سے آیا ہے اور وہ آدمی مر گیا تو اہل محلہ کے ذمہ قسامت اور دیت ہوگی۔ ''سراجیہ''۔ ''خانیہ'' میں ہے: مقتول جانور یا سواری پائی گئی تھی تو اس میں کوئی شے لازم نہ ہوگی اگر مکاتب، مدبر یا ام ولد محلہ میں مقتول پایا گیا تو قسامت اور قیمت تین سالوں میں ان کی عاقلہ پر لازم ہوگی۔ اگر غلام اپنے آقا کے گھر میں مقتول پایا گیا تو وہ رائیگاں جائے گا۔ مگر جب وہ غلام مدیون ہو تو اس کی قیمت اس کے غرماء کے حق میں اس کے آقا پر فی الحال لازم ہو گی۔ مگر جب وہ مکاتب ہو تو اس کی قیمت اس کے آقا پر موجل لازم ہوگی اگر آقا اپنے ماذون غلام کے گھر میں مقتول پایا جائے وہ مدیون ہو یا مدیون نہ ہو تو اس کی دیت آقا کی عاقلہ پر ہوگی۔ اگر آزاد اپنے والد کے گھر میں مقتول پایا جائے یا اپنی ماں کے گھر میں مقتول پایا گیا یا عورت اپنے خاوند کے حق میں مقتول پائی گئی

36061۔(قولہ: فَلَا شَيْءَ فِيهَا) یعنی نہ غرامت ہوگی نہ قسامت ہوگی۔ کیونکہ خلاف قیاس انسان کے بارے میں نص وارد ہے۔ پس کسی اور کو اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔

36062۔(قولہ: فِي دَارِ مَوْلَاهُ) اگر وہ اپنے آقا کی ملکیت کے علاوہ گھر میں وہ پایا جائے تو قسامت اور دیت واجب ہوگی اور قیمت تین سالوں میں وصول کی جائے گی جس طرح شارح نے پہلے بیان کیا ہے۔

36063۔(قولہ: فَقِيمَتُهُ عَلَى مَوْلَاهُ الخ) یعنی اس کی قیمت آقا کے مال میں سے آقا پر لازم ہوگی۔ کیونکہ غرماء کا حق اس کی مالیت سے متعلق تھا ہم نے اسے یوں بنا دیا گویا اس نے اسے ہلاک کر دیا ہے۔''ولوالجیہ''۔

36064۔(قولہ: عَلَى مَوْلَاهُ) یعنی قیمت اس کے آقا پر لازم ہوگی نہ کہ اس کی عاقلہ پر لازم ہوگی ''خانیہ''۔

36065۔(قولہ: مُؤَجَّلَةً) یعنی تین سالوں میں اس کو ادا کرنا ہوگا۔ اسی قیمت میں سے اس کا بدل کتابت ادا کیا جائے گا اور اس کی آزادی کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور جو مال باقی بچے گا تو وہ اس کی جانب سے اس کے وارثوں کے لیے میراث ہوگی۔''خانیہ''۔

36066۔(قولہ: عَاقِلَةِ الْمَوْلَى) یعنی مولی کی عاقلہ پر دیت اور قسامت لازم ہوگی۔''طحطاوی'' نے ''ہندیہ'' سے نقل کیا ہے۔

فَالْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَلَا يُحْرَمُ مِنَ الْمِيرَاثِ
تو قسامت اور دیت عاقلہ پر ہوگی اور وہ میراث سے محروم نہیں ہوگا۔

36067۔(قولہ: فَالْقَسَامَةُ وَالدِّيَةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ) یعنی قسامت اور دیت گھر کے مالک کی عاقلہ پر لازم ہو گی۔''خانیہ'' کی عبارت ہے: اس میں عاقلہ پر قسامت اور دیت لازم ہوگی۔ ظاہر یہ ہے کہ ان کا قول: ولا دية على العاقلة یہ جملہ مستانفہ ہے اور قسامت گھر کے مالک کے ذمہ ہوگی مگر اسے اس پر محمول کیا جائے کہ اس کی عاقلہ حاضر ہے۔ پس یہ اس مالک اور اس کی عاقلہ پر لازم ہوگی۔''ولوالجیہ'' میں ہے: جب کوئی آدمی باپ یا بھائی کے گھر میں مقتول پایا جائے تو دیت اس کی عاقلہ پر ہوگی اگرچہ وہی وارث ہو۔ واللہ اعلم

كِتَابُ الْمَعَاقِلِ

(هِيَ جَمْعُ مَعْقُلٍ) بِفَتْحٍ فَسُكُونٍ فَضَمٍّ (وَالدِّيَةُ) تُسَمَّى عَقْلًا لِأَنَّهَا تَعْقِلُ الدِّمَاءَ مِنْ أَنْ تُسْفَكَ أَيْ تُمْسِكُهُ وَمِنْهُ الْعَقْلُ لِأَنَّهُ يَمْنَعُ الْقَبَائِحَ (وَالْعَاقِلَةُ أَهْلُ الدِّيوَانِ)

معاقل کے احکام

معاقل یہ معقل کی جمع ہے۔ معقل کا پہلا حرف مفتوح دوسرا ساکن اور تیسرا مضموم ہے۔ اس سے مراد دیت ہے۔ اسے عقل کا نام دیا کیونکہ یہ خونریزی سے مانع ہے۔ اسی سے عقل ہے کیونکہ عقل قبیح افعال سے روکتا ہے۔ عاقلہ اہل دیوان ہیں

عام معتبر کتابوں میں یہی عنوان رکھا ہے۔ اس میں ہے جب یہ لفظ معقلہ کی جمع ہو اور وہ دیت ہے تو تکرار لازم آئے گا۔ کیونکہ دیات کی اقسام مفصل گزر چکی ہے۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ جن لوگوں پر دیت واجب ہوتی ہے ان کی انواع اور احکام کو بیان کر دیا جائے، وہ عاقلہ ہے۔ پس مناسب یہ تھا کہ عنون کتاب العواقل ہوتا کیونکہ یہ عاقلہ کی جمع ہے۔ ''طوری''، ''شرنبلالیہ''۔

لفظ معاقل کی لغوی تحقیق اور اس کا مفہوم

36068_(قولہ: جَمْعُ مَعْقُلٍ) جس طرح مکارم یہ مکرم کی جمع ہے۔

36069_(قولہ: لِأَنَّهَا تَعْقِلُ الدِّمَاءَ مِنْ أَنْ تُسْفَكَ) یعنی یہ خون ریزی سے روکتی ہے یا اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ اونٹوں کو مقتول کے ولی کے فنا میں باندھا جاتا ہے۔ پھر یہ اسم عام ہوا تو دیت کو معقلہ کا نام دیا گیا اگرچہ وہ درہم یا دنانیر ہوں۔ ''اتقانی''۔

36070_(قولہ: أَيْ تُمْسِكُهُ) زیادہ بہتر او تمسکھا ہے بعض نسخوں میں یہ لفظ ضمیر کے بغیر ہے۔

عاقلہ کے مصداق پر ملحدین کا اعتراض اور اس کا رد

36071_(قولہ: وَالْعَاقِلَةُ أَهْلُ الدِّيوَانِ) ''مغرب'' میں کہا ہے: دیوان سے مراد رجسٹر ہے۔ یہ دون الکتب سے مشتق ہے جب وہ ان کو جمع کرے کیونکہ یہ جمع شدہ کاغذوں کا ایک حصہ ہوتا ہے۔

یہ روایت کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے دیوانوں کو مدون کیا یعنی والیوں اور قاضیوں کے لیے جرائد کو مرتب کیا۔ اور یہ کہا جاتا ہے: فلان من اهل الديوان یعنی یہ ان لوگوں میں سے ہے جس کا نام جریدہ میں لکھا ہوا ہے۔

''غایۃ البیان'' میں ''کافی الحاکم'' سے مروی ہے: ہمیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے اہل دیوان پر دیت کو فرض کیا۔ کیونکہ آپ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے دیوان کا نظام قائم فرمایا اور اس میں دیت کو نافذ کیا اس سے قبل یہ آدمی کے خاندان پر ان کے اموال میں لازم ہوتی تھی یہ آپ کی جانب سے شرع کے حکم میں تبدیلی نہیں تھی بلکہ اس کی

وَهُمُ الْعَسْكَرُ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ أَهْلُ الْعَشِيرَةِ وَهُمُ الْعَصَبَاتُ (لِمَنْ هُوَ مِنْهُمْ فَيَجِبُ عَلَيْهِمْ كُلُّ دِيَةٍ وَجَبَتْ

اور اہل دیوان سے مراد لشکر ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اہل عشیرہ ہیں اور ان سے مراد عصبات ہیں۔ قاتل جب ان میں سے ہو تو ان پر ہر وہ دیت واجب ہوگی

وضاحت اور اثبات تھا۔ کیونکہ آپ خوب پہچانتے تھے کہ ان کے خاندان نصرت کے طریقہ سے اس کو برداشت کرتے ہیں جب باہم معاونت اور مدد علم اور جھنڈوں کے ذریعے ہونے لگی تو ان پر دیت کو لازم کر دیا۔ یہاں تک کہ یہ عورتوں اور بچوں پر یہ واجب نہ ہوگی کیونکہ ان کے ذریعے باہم مدد حاصل نہیں ہوتی۔

''معراج'' میں ہے: بعض ملحد لوگوں نے یہ طعن کیا اور کہا: عاقلہ سے تو کوئی جنایت واقع نہیں ہوئی پس وہ دیت قاتل کے مال سے لازم ہوگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (الاسراء: 15) کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

ہم کہتے ہیں: عاقلہ پر اس دیت کا وجوب مشہور ہے احادیث مشہورہ سے ثابت ہے اسی پر صحابہ اور تابعین کا عمل ہے۔ پس خبر مشہور کے ساتھ کتاب اللہ کے حکم پر زیادتی ہوگی کہ عاقلہ اپنی کوتاہی، اس کی حفاظت اور نگرانی کو ترک کرنے کی وجہ سے اس کے متحمل ہوں گے اور اس کے ساتھ ملانے میں ان کو خاص کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اسے کوتاہی اس لیے قرار دیا گیا ہے کیونکہ وہ قاتل اپنے حمایتیوں کے ساتھ قوی ہوتا ہے۔ پس وہ ہی کوتاہی کرنے والے ہوں گے۔ شرع کا حکم نازل ہونے سے پہلے وہ بطور کرامت اور بطور نیک عمل کرنے کے حوالے سے اس کی جانب سے اس کی ذمہ داری اٹھاتے تھے شرع نے اس حکم کو ثابت رکھا لوگوں میں یہ معمول پایا جاتا ہے۔ کیونکہ جس کا نقصان ہو جائے وہ چوری کی صورت میں ہو یا جل جانے کی صورت میں وہ اسی مقصد اور معنی کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر اس کے لیے مال جمع کرتے ہیں۔ ملخص

36072۔ (قولہ: هُمُ الْعَسْكَرُ) یہاں ان سے مراد لشکر ہے۔ ''الدر المنتقی'' میں کہا: عورتیں اور اولاد جن کا دیوان میں حصہ ہو۔ اسی طرح مجنون جس کا دیوان میں حصہ ہو تو دیت میں سے کوئی شے اس پر لازم نہ ہوگی۔ اگر وہ براہ راست قتل کا فعل کریں تو اس معاملہ میں اختلاف کیا گیا ہے کہ کیا وہ عاقلہ کے ساتھ غرامت میں شریک ہوں گے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ عاقلہ کے ساتھ شریک ہوں گے جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں ''تبیین'' سے مروی ہے۔

36073۔ (قولہ: لِمَنْ هُوَ مِنْهُمْ) یعنی وہ اس قاتل کی جانب سے دیت ادا کریں گے جو اہل دیوان میں سے ہوگا۔ ''غرر الافکار'' میں سے ہے: اگر وہ غازی ہے تو اس کی عاقلہ وہ ہوگی جسے غازیوں کے دیوان سے ادا کیا جاتا ہے اگر وہ کاتب ہو تو اس کی عاقلہ ہوگی جسے دیوان الکتاب سے روزینہ دیا جاتا ہے۔ ''الدر المنتقی'' میں یہ قید لگائی ہے جس طرح ''قہستانی'' میں ہے کہ وہ ان کے شہر کا ہو وہ دوسرے شہر کا نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مطلق ہے۔

میں کہتا ہوں: ''ہدایہ'' میں ہے: ایک شہر والے دوسرے شہر والوں کی دیت نہ دیں گے جب شہر والوں کا دیوان علیحدہ

بِنَفْسِ الْقَتْلِ) خَرَجَ مَا انْقَلَبَ مَالًا بِصُلْحٍ أَوْ بِشُبْهَةٍ كَقَتْلِ الْأَبِ ابْنَهُ عَمْدًا فَدِيَتُهُ فِي مَالِهِ كَمَا مَرَّ فِي الْجِنَايَاتِ (فَتُؤْخَذُ مِنْ عَطَايَاهُمْ) أَوْ مِنْ أَرْزَاقِهِمْ وَالْفَرْقُ بَيْنَ الْعَطِيَّةِ وَالرِّزْقِ أَنَّ الرِّزْقَ مَا يُفْرَضُ فِي بَيْتِ الْمَالِ بِقَدْرِ الْحَاجَةِ وَالْكِفَايَةِ مُشَاهَرَةً أَوْ مُيَاوَمَةً وَالْعَطَاءُ مَا يُفْرَضُ فِي كُلِّ سَنَةٍ

جو نفس قتل سے واجب ہوئی اس قید سے وہ نکل گیا جو صلح کی وجہ سے یا شبہ کی وجہ سے مال کی طرف پھر گیا جس طرح باپ اپنے بیٹے کو جان بوجھ کر قتل کرے۔ پس اس کی دیت اس کے مال میں واجب ہوگی جس طرح کتاب الجنایات میں گزر چکا ہے۔ پس وہ دیت ان کی عطیوں سے یا ان کے روزینوں سے لی جائے گی۔ عطیہ اور رزق میں فرق یہ ہے کہ رزق وہ ہوتا ہے جو بیت المال میں بقدر حاجت اور بطریق کفایت مہینہ کے اعتبار سے یا دن کے اعتبار سے مقرر کیا جاتا ہے اور عطیہ اسے کہتے ہیں جو ہر سال کے لیے مقدر کیا جاتا ہے

ہو۔ ''اتقانی'' نے کہا: یہ حکم اس صورت میں ہے جب ہر شہر کا دیوان مختلف ہو۔ کیونکہ اس وقت ان کے درمیان باہم نصرت نہیں ہوتی مگر جب دونوں کا دیوان ایک ہو اور جنایت کرنے والا اس دوسرے شہر کے دیوان والا ہو تو اس شہر کے اہل اس کی جانب سے دیت ادا کریں گے۔

36074۔ (قولہ: خَرَجَ مَا انْقَلَبَ مَالًا الخ) وہ قتل اس سے نکل جائے گا جس کا حکم صلح یا شبہ کی وجہ سے مال کی طرف منتقل ہو گیا ہو۔ کیونکہ وہ نفس قتل کی وجہ سے واجب نہیں ہوا۔ پس عاقلہ اس کی متحمل نہ ہوگی جس طرح آگے آئے گا۔

عطیہ اور رزق میں فرق

36075۔ (قولہ: فَتُؤْخَذُ مِنْ عَطَايَاهُمْ أَوْ مِنْ أَرْزَاقِهِمْ) یعنی ان کے عطیوں یا ان کے روزینوں سے اس کو وصول کیا جائے گا ان کے اصل اموال سے اسے وصول نہیں کیا جائے گا۔

''ہدایہ'' میں کہا: اگر اس آدمی کی عاقلہ روزینے والے ہوں تو تین مالوں میں ان کے روزینوں میں دیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ کیونکہ ان کے حق میں روزینہ عطیہ کے قائم مقام ہے۔ پھر دیکھا جائے گا اگر ان کے رزق ہر سال نکالے جاتے ہیں تو جب بھی روزینہ نکالا جائے گا تو عطیہ کے قائم رکھتے ہوئے اس سے ایک تہائی نکالا جائے گا یا ہر چھ ماہ میں روزینہ نکالا جاتا ہوگا تو اس سے دیت کا چھٹا حصہ نکالا جائے گا یا ہر ماہ روزینہ نکالا جاتا ہوگا تو مہینہ کا حصہ نکالا جائے گا یہاں تک کہ جو وصول کیا جائے گا وہ سال میں ایک تہائی ہوگا۔ اگر ان کو ہر ماہ روزینہ دیا جاتا ہو اور عطیہ سال میں دیا جاتا ہو تو دیت عطیہ میں مقدر کی جائے گی۔ کیونکہ یہ آسان طریقہ ہے۔ کیونکہ عطیہ زائد ہوتا ہے اور رزق وقت کی کفایت کے لیے ہوتا ہے تو اس روزینے سے ادائیگی مشکل ہوتی ہے۔

36076۔ (قولہ: وَالْفَرْقُ الخ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: عطیہ وہ ہے جو مقاتل کے لیے معین کیا جاتا ہے اور روزینہ وہ ہوتا ہے جو مسلمان فقراء کے لیے مختص کیا جاتا ہے جب وہ مقاتل نہ ہوں۔ ''اتقانی'' نے اس میں اعتراض کیا ہے۔

لَا بِقَدْرِ الْحَاجَةِ بَلْ بِصَبْرِهِ وَعَنَائِهِ فِي أَمْرِ الدِّينِ (فِي ثَلَاثِ سِنِينَ) مِنْ وَقْتِ الْقَضَاءِ وَكَذَا مَا تَجِبُ فِي مَالِ الْقَاتِلِ عَمْدًا بِأَنْ قَتَلَ الْأَبُ ابْنَهُ يُؤْخَذُ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ عِنْدَنَا وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ تَجِبُ حَالًا (فَإِنْ خَرَجَتْ الْعَطَايَا فِي أَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثٍ أَوْ أَقَلَّ تُؤْخَذُ مِنْهُ) لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ (وَإِنْ لَمْ يَكُنْ) الْقَاتِلُ (مِنْ أَهْلِ الدِّيوَانِ فَعَاقِلَتُهُ قَبِيلَتُهُ)

اس میں حاجت کا اندازہ نہیں لگایا جاتا بلکہ دین کے معاملہ میں اس کے صبر اور اس کی مشقت کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ یہ دیت فیصلہ کے وقت سے تین سالوں میں ادا کی جائے گی۔ اسی طرح جو اس قاتل کے مال سے واجب ہوئی جس نے جان بوجھ کر اسے قتل کیا ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ باپ نے اپنے بیٹے کو قتل کیا ہو ہمارے نزدیک تین سالوں میں اسے لیا جائے گا اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ فی الحال ادا کرے گا۔ اگر عطیات تین بار سے زیادہ یا اس سے کم میں نکلے تو اس سے دیت وصول کی جائے گی۔ کیونکہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر قاتل اہل دیوان سے نہ ہو تو اس کی عاقلہ اس کا قبیلہ،

دیت کی ادائیگی کی مدت

36077۔ (قولہ: فِي ثَلَاثِ سِنِينَ) یہ چیز ذہن نشین کر لو کہ واجب جب دیت کا تہائی ہو یا اس سے کم ہو تو وہ صرف ایک سال میں واجب ہوگی۔ اور جو ایک تہائی سے زائد ہو تو دو تہائی کے مکمل ہونے تک دوسرے سال میں دے گا اور جو اس سے زائد ہو دیت کے مکمل ہونے تک تیسرے سال میں دے گا۔ ''ہدایہ''۔ اس میں ہے: اگر دس آدمی ایک فرد کو خطاء قتل کر دیتے ہیں تو ہر ایک پر دیت کا دسواں تین سال میں ادا کرنا ہوگا۔ یہ جز کو کل پر قیاس کرنے کی بنا پر ہے۔

36078۔ (قولہ: مِنْ وَقْتِ الْقَضَاءِ) یہ عرصہ دیت کا فیصلہ ہونے کے وقت سے ہے قتل یا جنایت کے وقت سے نہیں جس طرح امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ ''غرر الافکار''۔

36079۔ (قولہ: فَإِنْ خَرَجَتْ الْعَطَايَا الخ) ''المجمع'' اور ''درر البحار'' میں یہ ذکر کیا ہے کہ وہ تین سالوں میں وصول کی جائے گی خواہ وہ کم ہو یا زیادہ میں نکلیں۔ ''غرر الافکار'' میں کہا ہے: لیکن ''ہدایہ'' وغیرہا میں ہے: اگر دیت کا فیصلہ ہونے کے بعد آنے والے تین سال کے عطیات ایک سال میں یا چار سالوں میں دیئے گئے تو تمام دیت ایک سال میں یا چار سالوں میں لی جائے گی۔ کیونکہ عطیات میں اس کا واجب ہونا یہ تخفیف کے لیے ہے تو وہ جس وقت میں عطیہ لے گا اس میں تخفیف حاصل ہو جائے گی۔ اس تعبیر کی بنا پر تین سالوں سے مراد تین عطیے ہیں۔ اگر دیت کا فیصلہ ہونے سے پہلے گزشتہ کئی سالوں کے عطیات جمع ہو گئے پھر فیصلہ کے بعد وہ عطیات نکلے تو ان سے وہ دیت نہ لی جائے گی۔ کیونکہ دیت کا وجوب قاضی کے فیصلہ کے ساتھ ہے۔

میں کہتا ہوں: اس تعبیر کی بنا پر عطیہ اور رزق میں فرق کیا جائے گا۔ کیونکہ رزق جب تین سے کم سالوں میں نکلے تو اسی حساب سے اس سے وہ وصول کی جائے گی روزینہ میں سال اپنے حقیقی معنی پر ہیں۔ عطیہ کا معاملہ مختلف ہے تامل۔ پھر میں نے

وَأَقَارِبُهُ وَكُلُّ مَنْ يَتَنَاصَرُ هُوَ بِهِ تَنْوِيرُ الْبَصَائِرِ (وَتُقَسَّمُ) الدِّيَةُ (عَلَيْهِمْ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ لَا يُؤْخَذُ فِي كُلِّ سَنَةٍ إِلَّا دِرْهَمٌ أَوْ دِرْهَمٌ وَثُلُثٌ وَلَمْ تَزِدْ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ كُلِّ الدِّيَةِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ عَلَى أَرْبَعَةٍ) عَلَى الْأَصَحِّ

اس کے قریبی اور ہر وہ شخص ہے جس سے وہ مدد حاصل کرتا ہے۔ ''تنویر البصائر''۔ ان پر دیت تین سالوں میں تقسیم کی جائے گی۔ ہر سال میں ان سے ایک درہم یا ایک درہم اور اس کا ایک تہائی وصول کیا جائے گا اور ان میں سے ہر ایک مکمل دیت سے تین سالوں میں چار درہموں سے زائد نہ کیا جائے گا۔ یہ اصح قول کے مطابق ہے۔

''المجتبیٰ'' میں فرق کی تصریح دیکھی ہے جب کہ اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ روزینہ جب کفایت کے اعتبار سے مقدر ہے تو تین سالوں سے کم عرصہ میں اس کو وصول کرنے سے حرج لازم آتا ہے۔

36080۔ (قولہ: وَكُلُّ مَنْ يَتَنَاصَرُ هُوَ بِهِ) ''ہدایہ'' اور ''تبیین'' میں کہا ہے: ہر شہر والے اپنے دیہات والوں کی دیت دیں گے۔ کیونکہ وہ اہل شہر کے تابع ہیں۔ کیونکہ جب انہیں کوئی مصیبت لاحق ہوتی ہے تو وہ ان سے مدد لیتے ہیں تو اہل مصر قرب اور نصرت کے معنی کے اعتبار سے ان کی دیت ادا کریں گے وہ آدمی جس کی رہائش بصرہ میں ہو اور اس کا دیوان کوفہ میں ہو تو اہل کوفہ اس کی جانب سے دیت ادا کریں گے۔ کیونکہ وہ اپنے اہل دیوان کی مدد طلب کرتا ہے اپنے پڑوسیوں کی مدد طلب نہیں کرتا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ دیوان سے مدد لینا یہ زیادہ ظاہر ہے۔ پس اس کے ساتھ قرابت، نسب، ولا اور رہائش کے قرب کا حکم ظاہر نہیں ہوگا۔ دیوان کے بعد نسب سے مدد حاصل کی جاتی ہے۔ اس تعبیر پر معاقل کے بہت سے مسائل کا استخراج ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے: دو بھائی ہیں ایک مدیون بصرہ میں ہے اور دوسرے کا دیوان کوفہ میں ہے تو دونوں میں سے ایک اپنے ساتھی کی جانب سے دیت نہیں دے گا اس کی جانب سے دیت اس کے دیوان والے دیں گے۔ اہل بصرہ میں سے ایک نے جنایت کی اس کے اہل دیوان میں عطیہ نہیں ہے اور دیہات والے اس کے نسب کے اعتبار سے زیادہ قریب ہیں اس کا مسکن شہر میں ہے تو اس شہر کے اہل دیوان اس کی دیت ادا کریں گے۔ یہ شرط نہیں لگائی گئی کہ اس میں اور اہل دیوان میں قرابت ہے۔ کیونکہ اہل دیوان وہ ہیں جو شہر کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب وہ اس کے قریبی نہ ہوں تو وہ اس کی دیت ادا نہ کریں گے۔ وہ اس کی دیت ادا کریں گے جب وہ اس کے قریبی ہوں گے جب کہ دیہات میں نسب کے اعتبار سے ان سے زیادہ قریبی لوگ موجود ہوں۔ کیونکہ وجوب، قرابت کے حکم سے ہے اور شہروں والے از روئے مکان کے اس سے زیادہ قریب ہیں۔ پس مدد پر قدرت ان کو حاصل ہوگی۔ اور یہ غیبت منقطعہ کے مسئلہ کی مثل ہو جائے گا۔ یعنی جو بعیدی رشتہ دار ہے وہ شادی کر دے گا جب ولی اقرب غائب ہو ''عنایہ''۔ ''اتقانی'' نے یہ ذکر کیا ہے: دوسرا قول اصح ہے۔

36081۔ (قولہ: عَلَى الْأَصَحِّ) ایک قول یہ ہے: ان میں سے ہر ایک سے ہر سال تین دراہم یا چار دراہم وصول

ثُمَّ السِّنِينَ بِمَعْنَى الْعِطِيَّاتِ قُهُسْتَانِيٌّ فَلْيُحْفَظْ (فَإِنْ لَمْ تَسَعْ الْقَبِيلَةُ لِذَلِكَ ضُمَّ إلَيْهِمْ أَقْرَبُ الْقَبَائِلِ نَسَبًا عَلَى تَرْتِيبِ الْعَصَبَاتِ وَالْقَاتِلُ) عِنْدَنَا (كَأَحَدِهِمْ وَلَوْ) الْقَاتِلُ (امْرَأَةً أَوْ صَبِيًّا أَوْ مَجْنُونًا) فَيُشَارِكُهُمْ عَلَى الصَّحِيحِ زَيْلَعِيٌّ

پھر مال عطیات کے معنی میں ہے، ''قہستانی''۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ اگر قبیلہ اس کی گنجائش نہ رکھتا ہو تو عصبات کی ترتیب کے مطابق قبائل میں سے نسب کے اعتبار سے جو زیادہ قریبی ہوگا اس کو ملا دیا جائے گا۔ اور ہمارے نزدیک قاتل ان میں سے ایک کی طرح ہے۔ اگر قاتل عورت ہو یا بچہ ہو یا مجنون ہو تو صحیح قول کے مطابق وہ ان کے ساتھ شریک ہوگا۔ ''زیلعی''۔

کیے جائیں گے جس طرح ''الملتقی'' میں ہے۔

36082۔ (قولہ: ثُمَّ السِّنِينَ الخ) مناسب تو یہ تھا کہ: فان خرجت العطایا الخ کے بعد ثم کی بجائے فا کا ذکر کرتے۔

36083۔ (قولہ: فَإِنْ لَمْ تَسَعْ الْقَبِيلَةُ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ لوگ تھوڑے ہوں۔ پس حصہ تین یا چار سے زیادہ ہو ''در منتقی''۔ پھر ''الہدایہ'' وغیرہا کی عبارت ہے: تتسع شروع میں دو تا کے ساتھ ہے۔ مصنف پر لازم تھا کہ اس کے ساتھ تعبیر کرتے یا لذلك کے قول سے لام کو حذف کر دیتے اور قبیلہ قید نہیں ہے۔

''ہدایہ'' میں کہا: اسی پر جھنڈوں کا حکم قیاس کیا جائے گا جب ایک جھنڈے والے اتنی گنجائش نہ رکھتے ہوں تو جھنڈے والوں میں سے جو سب سے قریبی ہوگا اسے اس کے ساتھ ملا لیا جائے گا یعنی جب انہیں کوئی مصیبت لاحق ہوگی تو ان میں سے جو سب سے قریبی ہوگا پھر اس سے جو قریبی ہوگا۔ یہ امام کے سپرد کر دیا جائے گا۔ کیونکہ وہی اس کے بارے میں آگاہ ہے۔

36084۔ (قولہ: عَلَى تَرْتِيبِ الْعَصَبَاتِ) پس بھائی مقدم ہوں گے پھر ان کے بیٹے پھر چچے پھر ان کے بیٹے مثلاً جنایت کرنے والا امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہو آپ کا قبیلہ اتنی وسعت نہ رکھتا ہو تو امام حسن رضی اللہ عنہ کا قبیلہ اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا پھر ان کے بیٹے اگر یہ دونوں قبیلے اتنی گنجائش نہ رکھتے ہوں تو حضرت عقیل کو اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا پھر ان کے بیٹے ملائے جائیں گے جس طرح ''کرمانی'' میں ہے۔ قاتل کے آباء اور اس کے بیٹے عاقلہ میں داخل نہ ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: داخل ہوں گے۔ میاں بیوی میں سے ایک دوسرے کی عاقلہ نہ ہوگی۔ اس کی مکمل بحث ''قہستانی'' میں ہے۔

36085۔ (قولہ: وَالْقَاتِلُ عِنْدَنَا كَأَحَدِهِمْ) یعنی جب وہ اہل عطا میں سے ہو مگر جب وہ ان میں سے نہ ہو تو ہمارے نزدیک بھی اس پر دیت میں سے کوئی شے نہ ہوگی۔ اسے ''مبسوط'' میں ذکر کیا ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقاً اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ ''معراج''۔

36086۔ (قولہ: فَيُشَارِكُهُمْ عَلَى الصَّحِيحِ) قسامہ میں یہ پہلے گزر چکا ہے کہ یہ متاخرین کا مختار قول ہے۔ ''ہدایہ'' میں یہاں شریک نہ ہونے پر گامزن ہوئے ہیں۔ ''الکفایہ'' میں کہا: یہ ''طحاوی'' کا پسندیدہ قول ہے۔ یہی اصح ہے۔ یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کی اصل ہے۔ لیکن ''العنایہ'' میں یہ ذکر کیا ہے کہ جو قول گزر چکا ہے وہ اس کے باب میں ہے جب

(وَعَاقِلَةُ الْمُعْتَقِ قَبِيلَةُ سَيِّدِهِ) وَيَعْقِلُ عَنْ مَوْلَى الْمُوَالَاةِ مَوْلَاهُ وَقَبِيلَةُ مَوْلَاهُ (وَ) اعْلَمْ أَنَّهُ (لَا تَعْقِلُ عَاقِلَةٌ جِنَايَةَ عَبْدٍ وَلَا عَمْدٍ) وَإِنْ سَقَطَ قَوَدُهُ بِشُبْهَةٍ أَوْ قَتَلَهُ ابْنُهُ عَمْدًا كَمَا مَرَّ

آزاد کردہ غلام کی عاقلہ اس کے آقا کا قبیلہ ہے اور مولی موالات کی جانب سے اس کی دیت اس کا آقا اور اس کے آقا کا قبیلہ دے گا۔ اور یہ جان لو کہ غلام کی جنایت کی عاقلہ دیت نہ دے گی اور نہ ہی عمداً جنایت کی دیت دے گی اگرچہ شبہ کی وجہ سے اس کا قصاص ساقط ہو جائے یا اس کا بیٹا اسے جان بوجھ کر قتل کر دے جس طرح گزر چکا ہے۔

مقتول عورت کے گھر میں پایا جائے تو متاخرین نے اس عورت کو عاقلہ کے ساتھ شامل کیا ہے۔ کیونکہ قسامت کے واجب ہونے کی بنا پر وہ اسے قاتل شمار کرتے ہیں مگر جو قول یہاں ہے وہ اس کے بارے میں ہے جب وہ حقیقت میں قاتل ہو۔

فرق یہ ہے کہ قسامت قسم اٹھانے والے پر دیت کے وجوب کو لازم کرتی ہے یا تو مستقل طور پر یا عاقلہ میں داخل ہونے کی بنا پر یہ ہمارے نزدیک استقرا سے ثابت ہے۔ تحقیق، ملزوم متحقق ہو گیا تو لازم متحقق ہو گیا۔ براہ راست قتل کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ بعض اوقات دیت کو مستلزم نہیں ہوتا۔ ملخص۔ اس تعبیر کی بنا پر مسئلہ میں تصحیح کا اختلاف نہیں۔ کیونکہ موضوع مختلف ہے۔ فتأمل

آزاد کردہ غلام کی عاقلہ

36087۔ (قولہ: قَبِيلَةُ سَيِّدِهِ) یعنی آقا کے ساتھ اس کا قبیلہ جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں ''برہان'' سے مروی ہے۔ ''ملتقی'' کی عبارت ہے: وعاقلة المعتق و مولی الموالاة مولاه وعاقلته۔ یہ عبارت زیادہ مختصر اور زیادہ ظاہر ہے۔

36088۔ (قولہ: جِنَايَةَ عَبْدٍ) مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے مگر جب آزاد غلام پر جنایت کرے تو اس کا حکم آگے آئے گا۔ ''ط''۔

36089۔ (قولہ: وَلَا عَمْدٍ) وہ عمداً نفس میں جنایت کرے یا کسی جز میں۔ کیونکہ جو جرم جان بوجھ کر کیا جائے تو عاقلہ کے ذمہ داری اٹھانے کے ساتھ یہ تخفیف کو ثابت نہیں کرے گا۔ پس اس سے قصاص واجب ہو گا۔ ''قہستانی''۔

تنبیہ

''الاشباہ'' میں کہا: عاقلہ عمداً جنایت کی دیت نہ دے مگر ایک مسئلہ میں دیت دے گی جب بعض اولیاء اس جنایت کو معاف کر دیں اور بعض صلح کر لیں تو باقی ماندہ کا حصہ مال کی طرف پھر جائے گا اور عاقلہ اس کی ذمہ دار ہو گی۔

میں کہتا ہوں: ہم باب القود فی مادون النفس میں علامہ ''قاسم'' سے نقل کر آئے ہیں کہ یہ روایت کے برعکس ہے اور اس کے متعلق کسی نے بھی قول نہیں کیا۔ باقی ماندہ کتب میں جو قول ہے وہ یہ ہے کہ یہ قاتل کے مال میں واجب ہو گی۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

36090۔ (قولہ: أَوْ قَتَلَهُ ابْنُهُ عَمْدًا) زیادہ بہتر یہ تھا کقتلہ جس طرح اس کی تعبیر اس میں کی ہے جو ابھی گزرا

(وَلَا مَا لَزِمَ بِصُلْحٍ أَوْ اعْتِرَافٍ) وَلَا مَا دُونَ نِصْفِ عُشْرِ الدِّيَةِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا تَعْقِلُ الْعَوَاقِلُ عَمْدًا وَلَا عَبْدًا وَلَا صُلْحًا وَلَا اعْتِرَافًا

اسی طرح وہ دیت جو صلح یا اعتراف سے لازم ہوتی ہو وہ دیت عاقلہ ادا نہ کرے گی۔ اسی طرح عاقلہ وہ دیت ادا نہ کرے گی جو دیت کے بیسویں حصہ سے کم ہو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: عاقلہ نہ جنایت عمد کی، نہ غلام کی جنایت کی اور صلح کی صورت میں جو دیت لازم ہوئی نہ اس کی، نہ جرم کے اعتراف کی دیت

ہے تاکہ یہ شبہ کی تمثیل ہو جائے۔ ان میں سے یہ ہے کہ جب دونوں ایک آدمی کو قتل کر دیں جب کہ دونوں میں سے ایک بچہ ہو یا معتوہ ہو اور دوسرا عاقل بالغ ہو یا ایک تیز دھار لوہے سے اور دوسرا عصا سے قتل کرے۔

جو دیت صلح یا اعتراف سے لازم ہو یا بیسویں حصہ سے کم ہو عاقلہ ادا نہیں کرے گی

36091۔ (قولہ: وَلَا مَا لَزِمَ بِصُلْحٍ) یعنی جان بوجھ کر قتل کرنے کی صورت میں صلح ہو، قتل خطا سے صلح ہو تو وہ مال فی الحال عاقل کے ذمہ ہو گا مگر جب اس کی موت معین کر دی جائے۔ ''قہستانی''۔

36092۔ (قولہ: أَوْ اعْتِرَافٍ) یعنی قتل خطا کا اعتراف کرے کیونکہ یہ مقر پر تین سالوں میں واجب ہو گا۔ ''قہستانی''۔

36093۔ (قولہ: وَلَا مَا دُونَ نِصْفِ عُشْرِ الدِّيَةِ) یعنی جو موضحہ کی دیت سے کم ہو وہ پانچ سو ہے یہ اس میں خاص ہے جو نفس سے کم میں ہو۔ جہاں تک نفس کے بدلے میں جو دیت ہے تو عاقلہ اس کی ذمہ دار ہو گی اگرچہ وہ اس سے کم ہو جس طرح سو آدمی ایک آزاد کو قتل کریں تو ہر ایک کی عاقلہ پر سو درہم ہوں گے یا ایک آدمی نے ایک غلام کو قتل کیا جس کی قیمت مثلاً سو تھی تو وہ عاقلہ پر لازم ہو گی۔ کیونکہ نفس کا بدل نص سے ثابت ہے کہ وہ عاقلہ پر واجب ہو گی۔ یہ ''العنایہ'' اور ''الکفایہ'' سے ملخص ہے۔

تنبیہ

شارح نے فصل الجنین سے تھوڑا پہلے یہ ذکر کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ عادل کے فیصلے کی عاقلہ ذمہ دار نہ ہو گی یہ مطلقاً ہے یعنی اگرچہ وہ موضحہ کے زخم تک جا پہنچے۔ ''اتقانی'' نے ''کرخی'' سے نقل کیا ہے: عاقلہ اس جنایت کی ذمہ دار نہ ہو گی جو دار الحرب میں واقع ہو گی۔ پس دیت جانی کے مال میں واقع ہو گی۔

عدم لزوم کی دلیل

36094۔ (قولہ: لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ) فقہا نے اسے اپنی کتب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوف اور مرفوع دونوں طرح روایت کیا ہے۔ لیکن ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امام ''شعبی'' کا قول ہے۔ ''قاموس'' میں کہا: امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: عاقلہ عمد کی دیت نہ دے گی اور نہ ہی غلام کی جنایت کی دیت دے گی۔ یہ حدیث نہیں جس طرح ''جوہری'' کو وہم ہوا ہے۔ اس کا معنی ہے آزاد غلام پر جنایت کرے نہ کہ غلام آزاد پر جنایت کرے جس طرح امام ''ابوحنیفہ''

وَلَا مَا دُونَ أَرْشِ الْمُوضِحَةِ بَلْ الْجَانِي (إلَّا أَنْ يُصَدِّقُوهُ فِي إقْرَارِهِ أَوْ تَقُومَ حُجَّةٌ) وَإِنَّمَا قُبِلَتْ بِالْبَيِّنَةِ هُنَا مَعَ الْإِقْرَارِ مَعَ أَنَّهَا لَا تُعْتَبَرُ مَعَهُ لِأَنَّهَا تُثْبِتُ مَا لَيْسَ بِثَابِتٍ

اور نہ ہی وہ دیت جو موضحہ زخم سے کم ہوا سے ادا کرے گی بلکہ یہ دیت جنایت کرنے والا خود ادا کرے گا۔ مگر یہ کہ عاقلہ قاتل کے اقرار میں اس کی تصدیق کرے یا حجت قائم ہو جائے یہاں اقرار کے ساتھ گواہیاں قبول ہوں گی حالانکہ وہ اقرار کے ساتھ معتبر نہیں ہوتیں۔ کیونکہ گواہیاں اس امر کو ثابت کر رہی ہیں جو مدعی علیہ کے اقرار سے اس پر ثابت نہیں ہوتا

رحمۃ اللہ علیہ کو وہم ہوا ہے۔ کیونکہ اگر معنی وہ ہوتا جو آپ کو وہم ہوا ہے تو کلام یہ ہوتی: لا تقبل العاقلة عن عبد نہ کہ لا تعقل عبدا ہوتی۔ ''اصمعی'' نے کہا: میں نے اس بارے میں ہارون الرشید کی موجودگی میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے کلام کی تو انہوں نے عقلته اور عقلت عنه میں کوئی فرق بیان نہ کیا یہاں تک کہ میں نے انہیں سمجھایا یعنی کیونکہ یہ قول کیا جاتا ہے: عقلت القتيل جب تو اس کی دیت ادا کرے و عقلت عن فلان جب اس پر دیت لازم ہوا اور تو اس کی جانب سے وہ ادا کر دے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا کہ عقلته کا لفظ عقلت عنه کے معنی میں استعمال ہوتا ہے سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے۔ وہ ان کا قول عمدا ہے۔ اسی طرح یہ سیاق ولا صلحا ولا اعترافا ہے۔ کیونکہ اس کا معنی ہے: عن عمد و عن صلح و عن اعتراف، عمد، صلح اور اعتراف کی صورت میں، تامل۔ احسن یہ ہے کہ یوں جواب دیا جائے کہ یہ حذف اور اتصال کے قبیل سے ہے یعنی حرف جار حذف ہے اور فعل براہ راست عامل ہے اصل کلام یہ تھی عن عبد۔

اس پر قوی ترین دلیل وہ ہے جسے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ''موطا'' میں اس قول کے ساتھ روایت کیا ہے: حدثنی عبد الرحمٰن بن ابی الزناد عن ابیه عن عبد الله بن عتبه بن مسعود عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: لا تعقل العاقلة عمدا ولا صلحا ولا اعترافا ولا ما جنى المملوك(1)، عاقلہ عمد کی دیت نہ دے گی نہ صلح، نہ اعتراف نہ ہی جو مملوک جنایت کرے اس کی دیت دے گی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے جانی کو مملوک بنا دیا ہے۔

36095۔ (قوله: بَلْ الْجَانِي) یہ حدیث کا لفظ نہیں بلکہ یہ ان کے قول: واعلم انه لا تعقل جناية عبد الخ پر معطوف ہے بلکہ وہ جانی خود ادا کرے گا۔ یعنی اگرچہ وہ حکماً ہو جس طرح غلام کا آقا ہے جس طرح ''قہستانی'' نے بیان کیا ہے یا یہ ان کے قول ولا ما لزم بصلح او اعتراف یہ اعتراف پر عطف ہے اسے لائے ہیں تاکہ مصنف کے قول کے ساتھ ۔۔۔ جائے: مگر علماء یہ تصدیق کر دیں کہ اس کا ماقبل متن میں سے ہے۔

36096۔ (قوله: أَوْ تَقُومَ حُجَّةٌ) یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ گواہیاں قائم کر دے جب کہ قاضی نے ابھی مقر پر دیت کا فیصلہ نہ کیا ہو مگر جب قاضی اس کے مال میں اس کا فیصلہ کر دے پھر وہ گواہیاں قائم کرے تاکہ دیت کو عاقلہ کی طرف پھیر دے تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ مال اس پر قاضی کے فیصلہ سے واجب ہوا ہے تو اسے یہ حق حاصل نہیں

1۔ نصب الرایۃ، کتاب الدیات، جلد 5، صفحہ 135

بِإِقْرَارِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ وَهُوَ الْوُجُوبُ عَلَى الْعَاقِلَةِ (وَلَوْ تَصَادَقَ الْقَاتِلُ وَأَوْلِيَاءُ الْمَقْتُولِ عَلَى أَنَّ قَاضِي بَلَدِ كَذَا قَضَى بِالدِّيَةِ عَلَى عَاقِلَتِهِ بِالْبَيِّنَةِ وَكَذَّبَهُمَا الْعَاقِلَةُ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهَا) أَيْ عَلَى الْعَاقِلَةِ لِأَنَّ تَصَادُقَهُمَا لَيْسَ بِحُجَّةٍ عَلَيْهِمْ وَلَا عَلَيْهِ فِي مَالِهِ إِلَّا حِصَّتُهُ لِأَنَّ تَصَادُقَهُمَا حُجَّةٌ فِي حَقِّهِمَا زَيْلَعِيٌّ وَاعْلَمْ أَنَّ الْخَصْمَ فِي ذَلِكَ هُوَ الْجَانِي؛ لِأَنَّ الْحَقَّ عَلَيْهِ، وَلَوْ كَانَ صَبِيًّا فَالْخَصْمُ أَبُوهُ خَانِيَةٌ قُلْت يُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهِ الْخَصْمُ هُوَ الْجَانِي لَا الْعَاقِلَةُ جَوَابُ حَادِثَةِ الْفَتْوَى وَهِيَ أَنَّ صَبِيًّا فَقَأَ عَيْنَ صَبِيَّةٍ فَمَاتَتْ فَأَرَادَ وَلِيُّهَا تَحْلِيفَ الْعَاقِلَةِ عَلَى نَفْيِ فِعْلِ الصَّبِيِّ وَالْجَوَابُ أَنَّهُ لَا تَحْلِيفَ

وہ عاقلہ پر اس کا واجب ہونا ہے اگر قاتل اور مقتول کے اولیا اس پر باہم ایک دوسرے کی تصدیق کریں کہ فلاں شہر کے قاضی نے گواہوں کے ساتھ اس کی عاقلہ پر دیت کا فیصلہ کیا ہے اور عاقلہ نے اس کو جھٹلا دیا تو عاقلہ پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ ان دونوں کا باہم تصدیق کرنا عاقلہ کے خلاف حجت نہیں اور نہ ہی قاتل کے خلاف اس کے مال میں حجت ہے مگر جتنا اس کا حصہ بنتا ہے۔ کیونکہ ان دونوں کا باہم تصدیق کرنا ان دونوں کے حق میں حجت ہے۔''زیلعی'' یہ جان لو کہ اس مسئلہ میں خصم جنایت کرنے والا ہے کیونکہ حق اس پر لازم ہوتا ہے اگر جنایت کرنے والا بچہ ہو تو خصم اس کا باپ ہوگا۔''خانیہ''۔ میں کہتا ہوں: ان کے قول: الخصم ھو الجانی لا العاقلة مدعی علیہ جنایت کرنے والا ہے عاقلہ مدعی علیہ نہیں ہے۔ اس سے حادثۃ الفتویٰ کا جواب اخذ کیا جا سکتا ہے۔ حادثۃ الفتوی یہ ہے: ایک بچے نے ایک بچی کی آنکھ پھوڑ دی اور وہ بچی مرگئی تو بچے کے ولی نے ارادہ کیا کہ بچے کے فعل کی نفی پر عاقلہ سے قسم لے۔ جواب یہ ہے کہ عاقلہ پر کوئی قسم نہ ہوگی۔

کہ اپنی گواہیوں کے ساتھ اس کو باطل کر دے۔''مبسوط'' میں اس کی تصریح کی ہے۔''رملی''۔

36097۔(قولہ: بِإِقْرَارِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ) یہ ثابت کے متعلق ہے اور وھو کی ضمیر ما کی طرف لوٹ رہی ہے۔

36098۔(قولہ: وَلَا عَلَيْهِ فِي مَالِهِ) اس کا عطف ان کے قول فلا شئی علیہ پر ہے اور ضمیر قاتل کے لیے ہے۔

36099۔(قولہ: لِأَنَّ تَصَادُقَهُمَا) قاتل پر جو اس کا صرف حصہ لازم ہوتا ہے اس کی یہ علت ہے۔ بے شک تمام دیت لازم نہیں ہوتی جس طرح پہلے مسئلہ میں ہے۔ کیونکہ پہلے مسئلہ میں ولی کی طرف سے یہ تصدیق موجود نہیں کہ عاقلہ پر دیت کا فیصلہ ہوا ہے جب کہ یہاں یہ تصدیق موجود ہے۔ پس دونوں مختلف ہو گئے''زیلعی'' نے یہ بیان کیا ہے۔

36100۔(قولہ: فِي ذَلِكَ) یعنی قتل کے دعویٰ میں۔''ط''۔

اگر کوئی بچہ کسی بچی کی آنکھ پھوڑ دے اور وہ بچی مر جائے تو اس کا حکم

36101۔(قولہ: لِأَنَّ الْحَقَّ عَلَيْهِ) حق تو مدعی علیہ جو جنایت کرنے والا ہے اس پر لازم ہوتا ہے۔ عاقلہ پر اس کا ثبوت اس کی ذمہ داری اٹھانے کے طریقہ پر ہے۔''خانیہ''۔

36102۔(قولہ: لَا الْعَاقِلَةُ) یہ''الخانیہ'' کی عبارت میں نہیں ہے لیکن ان کے قول: ھو الجانی میں جو حصر ہے اس

لِأَنَّ ذٰلِكَ فَرْعُ الدَّعْوٰى وَهِيَ غَيْرُ مُتَوَجِّهَةٍ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَبَقِيَ هُنَا شَيْءٌ وَهُوَ أَنَّ الْعَاقِلَةَ، لَوْ أَقَرُّوا بِفِعْلِ الْجَانِي هَلْ يَصِحُّ إِقْرَارُهَا بِالنِّسْبَةِ إِلَيْهِمْ حَتّٰى يُقْضٰى عَلَيْهِمْ بِالدِّيَةِ أَمْ لَا فَإِنْ قُلْنَا نَعَمْ يَنْبَغِي أَنْ يَجْرِيَ الْحَلِفُ فِي حَقِّهِمْ لِظُهُورِ فَائِدَتِهِ

کیونکہ قسم یہ دعویٰ کے صحیح ہونے کے فرع ہے اور دعویٰ عاقلہ کی طرف متوجہ نہیں۔ یہاں ایک شے باقی رہ گئی ہے وہ یہ ہے کہ عاقلہ اگر جنایت کرنے والے کے فعل کا اقرار کرے تو کیا ان کی طرف نسبت کے اعتبار سے اس کا اقرار صحیح ہوگا یہاں تک کہ ان کے خلاف دیت کا فیصلہ کیا جائے گا یا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ اگر ہم کہیں ہاں تو چاہیے کہ قسم ان کے حق میں جاری ہو۔ کیونکہ اس کا فائدہ ظاہر ہے۔

کے مفہوم سے ماخوذ ہے۔

36103۔(قولہ: وَهِيَ غَيْرُ مُتَوَجِّهَةٍ عَلَى الْعَاقِلَةِ) بلکہ یہ اس کے باپ کی طرف متوجہ ہے اگر اس کا کوئی باپ ہو۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس دعویٰ سے کوئی شے لازم نہیں ہوتی۔ ''ط''۔

عاقلہ اگر جنایت کرنے والے کے فعل کا اقرار کرے تو اس کا حکم

36104۔(قولہ: وَبَقِيَ هُنَا شَيْءٌ الخ) یہ ایک اور وجہ سے جواب کی تخریج ہے اس کا ماحصل یہ ہے جب ہم نے ان کے اقرار کی صحت کا قول کیا تو قسم کا حاوی ہونا لازم آجائے گا۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے ہر وہ موقع جس میں اقرار کرے تو وہ اس پر لازم ہو جائے گا جب وہ انکار کرے تو اس سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا مگر باون صورتوں میں اس سے قسم نہیں لی جائے گی جو کتاب الوقف کے آخر میں گزر چکا ہے یہ ان میں سے نہیں ہے۔ لیکن اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ خصم وہ جنایت کرنے والا ہے جس طرح گزر چکا ہے اور جو خصم نہ ہو اس سے قسم نہیں لی جائے گی۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ ان کا اقرار صحیح نہیں ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان پر دیت قاتل کی جانب سے بطریق ذمہ داری اٹھانے کے لازم ہوتی ہے حقیقت میں ان کا اقرار یہ قاتل کے خلاف اقرار ہے جب ان کا اقرار قاتل کے خلاف صحیح نہیں تو اس کا حکم ان پر لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ جو امر ثابت ہی نہ ہو اس کی ذمہ داری اٹھانا ممکن نہیں ہوتا۔ جب وہ قتل کا اقرار کرے اور یہ اس کی تصدیق کردیں تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ یہ ان پر لازم ہو جائے گا جس طرح گزر چکا ہے۔ کیونکہ ان کی تصدیق نے ان پر اس امر کو لازم کر دیا کہ وہ اس کی ذمہ داری اٹھائیں جو اس کے اس اقرار سے ثابت ہوا ہے۔

علامہ ''رملی'' نے جس کی وضاحت کی ہے وہ یہ ہے علم نہ ہونے پر قسم اٹھانا لازم ہوگا۔ کیونکہ علما نے اس کی تصریح کی ہے کہ اگر وہ کہے: تیرا زید کے ذمہ جو مال ہے میں نے اس کی ضمانت اٹھالی ہے اور کفیل نے یہ اقرار کیا ہے کہ اس کا زید پر اتنا حق لازم ہے زید نے اس کا انکار کیا ہے اور کوئی گواہ نہ ہوں تو یہ کفیل پر لازم ہوگا اصیل پر لازم نہیں ہوگا۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ اقرار جب مقر پر بطور نفاذ پایا گیا تو وہ اصیل پر موقوف نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ حجت ہے اگرچہ حجت قاصرہ ہے۔ ہمارے مسئلہ میں

قَالَهُ الْمُصَنِّفُ بَحْثًا فَلْيُحَرَّرْ (وَإِنْ جَنَى حُرٌّ عَلَى نَفْسِ عَبْدٍ خَطَأً فَهِيَ عَلَى عَاقِلَتِهِ) يَعْنِي إِذَا قَتَلَهُ لِأَنَّ الْعَاقِلَةَ لَا تَتَحَمَّلُ أَطْرَافَ الْعَبْدِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا تَتَحَمَّلُ النَّفْسَ أَيْضًا (وَلَا يَدْخُلُ صَبِيٌّ وَامْرَأَةٌ وَمَجْنُونٌ فِي الْعَاقِلَةِ إِذَا لَمْ يَتَنَاصَرُوا) يَعْنِي لَوِ الْقَاتِلُ غَيْرَهُمْ وَإِلَّا فَيَدْخُلُونَ عَلَى الصَّحِيحِ كَمَا مَرَّ (وَلَا يَعْقِلُ كَافِرٌ عَنْ مُسْلِمٍ وَلَا بِعَكْسِهِ) لِعَدَمِ التَّنَاصُرِ (وَالْكُفَّارُ يَتَعَاقَلُونَ فِيمَا بَيْنَهُمْ وَإِنِ اخْتَلَفَتْ مِلَلُهُمْ)

یہ مصنف نے بحث کرتے ہوئے کہا ہے۔ پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ اگر آزاد نے غلام کی ذات پر خطاء جنایت کی تو دیت اس کی عاقلہ کے ذمہ ہوگی یعنی جب وہ اس کو قتل کر دے کیونکہ عاقلہ غلام کے اجزاء کی دیت کی ذمہ دار نہیں ہوتی۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وہ نفس کی دیت کی بھی ذمہ دار نہ ہوگی۔ کوئی بچہ، عورت اور مجنون عاقلہ میں داخل نہیں ہوگا جب وہ باہم ایک دوسرے کی مدد نہ کریں یعنی اگر قاتل ان کے علاوہ ہو ورنہ وہ صحیح قول کے مطابق اس میں داخل ہوں گے جس طرح گزر چکا ہے۔ کافر مسلمان کی دیت ادا نہیں کرے گا اور نہ ہی اس کے برعکس ہوگا۔ کیونکہ وہ آپس میں باہم مدد نہیں کرتے۔ کفار باہم ایک دوسرے کی دیت ادا کریں گے اگرچہ ان کی ملتیں مختلف ہوں۔

اس کی مثل ہے کہا: میں ایک روایت پانے میں کامیاب ہوگیا۔ ''جامع فصولین'' کی تیسری فصل میں ہے: قاتل کے خلاف قتل خطا کا دعویٰ سنا جائے گا اور اس کے خلاف دعویٰ عاقلہ کی عدم موجودگی میں سنا جائے گا اور قاتل کی عدم موجودگی میں عاقلہ کے خلاف دیت کا دعویٰ کیا صحیح ہوگا۔ ہم نے بغ سے چھٹی فصل کے آخر میں جو لکھا ہے تو اس کی بنا پر اس کے خلاف مکمل دیت کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا۔ ملخص۔ یعنی اس کا مفہوم یہ ہے کہ دیت میں ان کا جو حصہ بنتا ہے اس کی مقدار میں صحیح ہو۔

36105۔ (قولہ: قَالَهُ الْمُصَنِّفُ) یعنی انہوں نے کہا: قلت یوخذ اسے یہاں تک نقل کیا ہے۔

36106۔ (قولہ: يَعْنِي إِذَا قَتَلَهُ الخ) متن کے قول نفس عبد کے ساتھ اس کی کوئی حاجت نہیں، ''ح''۔ ہاں ''زیلعی'' نے اسے ''الکنز'' کی عبارت پر ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اس میں نفس کا ذکر نہیں ہے پس شارح کے لیے مناسب یہ تھا کہ وہ کہتے: قید بالنفس لان العاقلہ الخ۔

36107۔ (قولہ: لَا تَتَحَمَّلُ أَطْرَافَ الْعَبْدِ) کیونکہ غلام کی اطراف میں اموال کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے آزاد اور غلام کے درمیان ان میں قصاص جاری نہیں ہوتا۔ ''اتقانی''۔

کیا بچہ، عورت اور مجنون عاقلہ میں داخل ہوں گے؟

36108۔ (قولہ: إِذَا لَمْ يَتَنَاصَرُوا) میں نے جو نسخے دیکھے ہیں ان میں یہ لفظ اس طرح ہے اور اس کا صحیح لفظ اذا لم یباشروا ہے۔ کیونکہ انہوں نے ان کے عاقلہ میں داخل نہ ہونے کی یہ علت بیان کی ہے کہ وہ اہل نصرت میں سے نہیں۔ اسی وجہ سے اصل روایت ان کا عاقلہ میں داخل نہ ہونا ہے اگرچہ وہ خود شریک ہوں۔ جس طرح ہم اس کی وضاحت پہلے بیان کر چکے ہیں۔

36109۔ (قولہ: وَإِنِ اخْتَلَفَتْ مِلَلُهُمْ) ''الملتقی'' میں اس کی یہ قید لگائی ہے۔ اگر دونوں حالتوں میں دشمنی ظاہر

لِأَنَّ الْكُفْرَ كُلَّهُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ يَعْنِي إِنْ تَنَاصَرُوا وَإِلَّا فَفِي مَالِهِ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ كَالْمُسْلِمِ كَمَا بَسَطَهُ فِي الْمُجْتَبَى وَإِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْقَاتِلِ عَاقِلَةٌ كَاللَّقِيطِ وَحَرْبِيٍّ أَسْلَمَ (فَالدِّيَةُ فِي بَيْتِ الْمَالِ) فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى دُرَرٌ وَبَزَّازِيَّةٌ وَجَعَلَ الزَّيْلَعِيُّ رِوَايَةً وَجَوَابَهَا فِي مَالِهِ رِوَايَةً شَاذَّةً قُلْت وَظَاهِرُ مَا فِي الْمُجْتَبَى عَنْ خَوَارِزْمَ مِنْ أَنَّ تَنَاصُرَهُمْ قَدْ انْعَدَمَ وَبَيْتُ الْمَالِ قَدْ انْهَدَمَ

کیونکہ کفر سب ایک ملت ہیں یعنی اگر وہ باہم مدد کریں ورنہ دیت مسلمان کی طرح اس کے مال میں تین سال میں ادا کرنا ہو گی جس طرح ''المجتبیٰ'' میں اس کی تفصیل بیان کی ہے جب قاتل کی عاقلہ نہ ہو جس طرح وہ لقیط ہو یا حربی مسلمان ہوا ہو تو دیت بیت المال میں سے ادا کی جائے گی۔ یہ ظاہر روایت میں ہے اسی پر فتویٰ ہے ''درر''، ''بزازیہ''۔ ''زیلعی'' نے اس کے مال میں دیت کے وجوب کی روایت کو شاذ روایت قرار دیا ہے۔ میں کہتا ہوں: ''المجتبیٰ'' میں جو خوارزم کے احوال کے بارے میں مروی ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ان کی باہمی مدد معدوم ہو چکی ہے اور بیت المال منہدم ہو چکا ہے

نہ ہو جس طرح یہودیوں کی نصاریٰ کے ساتھ دشمنی ظاہر ہے۔ یہ شارح کے قول یعنی ان تناصروا سے مستفاد ہے۔

36110۔(قولہ: كَالْمُسْلِمِ) ''اتقانی'' وغیرہ کی عبارت ہے ورنہ اس کے مال میں تین سالوں میں ادا کرنا ہو گی یہ تین سال اس دن سے شمار ہوں گے جس دن اس کے بارے میں فیصلہ ہوا جس طرح مسلمان کے بارے میں ہے۔ یہ حکم ذمی کے بارے میں ہے۔ جہاں تک مسلمان کا معاملہ ہے تو اس کی دیت بیت المال میں لازم ہو گی۔

36111۔(قولہ: كَمَا بَسَطَهُ فِي الْمُجْتَبَى) کیونکہ کہا: کیونکہ اصل میں وجوب حکم قاتل پر ہے یہ عاقلہ پر قاضی کے فیصلہ سے تبدیل ہوئی ہے جب اس کی عاقلہ نہ پائی گئی تو اس پر دیت باقی رہے گی جس طرح دار الحرب میں دو مسلمان تاجر ہوں ان دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی کو قتل کر دیا تو اس کی دیت اس کے مال میں ہو گی۔

قاتل کی عاقلہ نہ ہو تو دیت کا حکم

36112۔(قولہ: وَحَرْبِيٍّ أَسْلَمَ) اور اس نے کسی کے ساتھ عقد موالات نہیں کیا۔

36113۔(قولہ: فَالدِّيَةُ فِي بَيْتِ الْمَالِ) کیونکہ مسلمانوں کی جماعت اس کی مدد کرنے والے ہیں اس وجہ سے جب وہ مر جائے گا تو اس کی میراث بیت المال کے لیے ہو گی۔ اسی طرح اس پر جو چٹی لازم ہو گی وہ بیت المال پر لازم ہو گی ''زیلعی'' و''ہدایہ''۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے اگر اس کا معروف وارث ہو تو پھر میت بیت المال میں لازم نہ ہو گی۔ اس کی وضاحت عنقریب آئے گی۔

36114۔(قولہ: وَجَعَلَ الزَّيْلَعِيُّ) صاحب ''ہدایہ'' وغیرہ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔

36115۔(قولہ: عَنْ خَوَارِزْمَ) یعنی اہل خوارزم کا حال بیان کرتے ہوئے (مجتبیٰ میں ذکر کیا ہے) ''ح''۔ ''المجتبیٰ'' کی عبارت ہے۔

يُرَجَّحُ وُجُوبُهَا فِي مَالِهِ فَيُؤَدِّي فِي كُلِّ سَنَةٍ ثَلَاثَةَ دَرَاهِمَ أَوْ أَرْبَعَةً كَمَا نَقَلَهُ فِي الْمُجْتَبَى عَنِ النَّاطِفِيِّ قَالَ هٰذَا حَسَنٌ لَا بُدَّ مِنْ حِفْظِهِ

تو یہ حال قاتل کے مال میں اس کے وجوب کو راجح قرار دیتا ہے۔ پس وہ دیت میں سے ہر سال تین یا چار درہم ادا کرتا رہے گا جس طرح اسے ''المجتبیٰ'' میں ''ناطفی'' سے نقل کیا ہے۔ کہا: یہ قول اچھا ہے اس کو یاد رکھنا ضروری ہے

میں کہتا ہوں: ہمارے زمانہ میں خوارزم میں دیت، یہ صرف جنایت کرنے والے کے مال میں ہوگی مگر جب وہ ایسے دیہات یا ایسے محلہ میں رہتا ہو جو باہم ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوں۔ کیونکہ ان میں قبائل کمزور ہو چکے ہیں اور لوگوں کے درمیان باہم مدد کا جذبہ ختم ہو چکا ہے اور بیت المال منہدم ہو چکا ہے۔ ہاں اس کے مکینوں کے نام دیوانوں میں ہزاروں اور سینکڑوں لکھے ہوئے ہیں لیکن وہ باہم مدد نہیں کرتے۔ پس یہ متعین ہو گیا کہ وہ اس کے مال میں واجب ہو۔

36116۔ (قولہ: يُرَجَّحُ وُجُوبُهَا فِي مَالِهِ) یہ ان کے قول و ظاہر کی خبر ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ وہ شاذ روایت کو ترجیح دیتے بلکہ جو ظاہر روایت کے مطابق ذکر کیا گیا ہے اس کو ترجیح دینا ممکن ہے۔ کیونکہ اصلی طور پر وجوب قاتل پر لازم ہوتا ہے جب اس کی کوئی عاقلہ نہ ہو جو اس کی ذمہ داری اٹھائے نہ ہی بیت مال ہو جس سے وہ دی جائے تو یہ اس کے مال سے لی جائے گی جس طرح ذمی میں یہ گزر چکا ہے ظاہر روایت بیت المال کے منظم ہونے پر مشتمل ہے۔ ورنہ مسلمانوں کے خون کا رائیگاں جانا لازم آئے گا۔ فتدبرہ پھر میں نے اسے ''مختصر النقایہ'' اور ''قہستانی'' کی شروح میں دیکھا انہوں نے کہا: عربوں اور عجمیوں میں جس کی عاقلہ نہ ہو تو بیت المال میں سے دیت دی جائے گی اگر بیت المال موجود یا مضبوط ہو اگر اس طرح نہ ہو تو یہ جانی کے ذمہ ہوگی۔

36117۔ (قولہ: فَيُؤَدِّي فِي كُلِّ سَنَةٍ الخ) اس کا ظاہر معنی تو یہ ہے کہ یہ تین سالوں کے ساتھ مقید نہیں ورنہ یہ اس پر لازم ہوگی جو باقی ہوگا اس کے ساتھ ساتھ یہ اشکال کا باعث بھی ہے۔ کیونکہ اگر وہ اپنی عمر کے ہر سال تین درہم یا چار درہم دے تو دیت کب مکمل ہوگی۔ جب وہ مر جائے تو کیا باقی ماندہ ساقط ہو جائے گی یا وہ اس کے ترکہ سے لے لی جائے گی یا اس کے علاوہ سے لی جائے گی ہم نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس مقام کی وضاحت کی ہو۔

36118۔ (قولہ: قَالَ) یعنی صاحب ''المجتبیٰ'' نے کہا: اس کی نص ہے: میں کہتا ہوں: یہ قول اچھا ہے اس کو یاد کرنا ضروری ہے۔ میں نے بے شمار مواقع پر دیکھا ہے کہ دیت اس کے مال میں تین سال میں واجب ہوگی۔

میں کہتا ہوں: اس کے مال میں یہ دیت تین سالوں میں واجب ہوگی۔ یہ اس کے موافق ہے جو علماء نے ذمی میں ذکر کیا ہے اس میں کوئی اشکال نہیں۔ پس اس میں غور کیا جانا چاہیے۔ جو کثیر مواقع پر ذکر کیا گیا ہے وہ زیادہ مناسب ہے۔ پس اس سے عدول نہیں کیا جائے گا۔

36119۔ (قولہ: هٰذَا) یعنی اسم اشارہ کا مشار الیہ یا تو یہ ہے اس کا وجوب بیت المال میں ہوگا یا مشار الیہ بیت

وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ فَلْيُحْفَظْ فَقَدْ وَقَعَ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْمَوَاضِعِ أَنَّهَا فِي ثَلَاثِ سِنِينَ فَافْهَمْ وَهٰذَا (إذَا كَانَ الْقَاتِلُ (مُسْلِمًا) فَلَوْ ذِمِّيًّا فَفِي مَالِهِ إجْمَاعًا بَزَّازِيَّةٌ (وَمَنْ لَهُ وَارِثٌ مَعْرُوفٌ مُطْلَقًا) وَلَوْ بَعِيدًا أَوْ مَحْرُومًا بِرِقٍّ أَوْ كُفْرٍ (لَا يَعْقِلُهُ بَيْتُ الْمَالِ) وَهُوَ الصَّحِيحُ كَمَا بَسَطَهُ فِي الْخَانِيَّةِ

مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ بے شمار مواقع پر یہ واقع ہوا ہے کہ یہ تین سالوں میں ادا کرنا ہوگی۔ پس اس کو سمجھ لو۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب قاتل مسلمان ہو اگر قاتل ذمی ہو تو بالا جماع اس کے مال میں لازم ہوگی۔ ''بزازیہ''۔ جس کا مطلقاً ایسا وارث ہو جو معروف ہو اگر چہ وہ بعیدی ہو یا وراثت سے محروم ہو محرومی غلامی کی وجہ سے ہو یا کفر کی وجہ سے ہو تو بیت المال اس کی دیت ادا نہیں کرے گا۔ یہی قول صحیح ہے جس طرح ''الخانیہ'' میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

المال میں یا اس کے مال، میں اس کے وجوب میں اختلاف ہے۔

36120۔(قولہ: فَلَوْ ذِمِّيًّا) یعنی جس کی عاقلہ نہیں۔

وہ شخص جس کا مطلقاً ایسا وارث ہو جو معروف ہو اس کی دیت کا حکم

36121۔(قولہ: وَمَنْ لَهُ وَارِثٌ مَعْرُوفٌ) یہ ان کے قول: وان لم یکن للقاتل عاقلة فالدية فی بيت المال کی ایک اور قید ہے جس طرح ''قاضی خان'' نے متنبہ کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ جو پہلے گزر چکا ہے وہ اس پر محمول ہے جب قاتل کا معروف وارث نہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ لقیط ہو یا جو اس کے مشابہ ہو۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ ''زیلعی'' اور ''ہدایہ'' کی کلام سے مستفاد ہوتا ہے اور ''رملی'' نے یہ بحث کی ہے کہ یہ عام کتب کے اطلاق کے مخالف ہے اور اس میں طویل گفتگو کی ہے لیکن ''قاضی خان'' ان لوگوں میں سے سب سے جلیل القدر ہیں جن کی تصحیح پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ فقیہ النفس ہے جس طرح علامہ ''قاسم'' نے کہا ہے۔

36122۔(قولہ: أَوْ مَحْرُومًا بِرِقٍّ أَوْ كُفْرٍ) جس طرح مستامن نے ایک مسلمان غلام خریدا اور اس کو آزاد کر دیا پھر مستامن اپنے دار کی طرف چلا گیا اور اس کو غلام بنا لیا گیا پھر آزاد کردہ غلام نے جنایت کی تو یہ دیت اس کے مال میں لازم ہوگی۔ کیونکہ اس کا ایک معروف وارث ہے وہ اس کو آزاد کرنے والا ہے جب کہ اگر وہ مر جائے تو اس کی میراث بیت المال کے لیے ہوگی۔ کیونکہ اس کو آزاد کرنے والا فی الحال غلام ہے۔ اسے ''خانیہ'' میں ''الاصل'' سے بیان کیا ہے۔ اسی طرح حکم ہوگا اگر آزاد کرنے والا ذمی ہو تو بھی دیت جنایت کرنے والے کے مال میں سے لازم ہوگی۔ کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ کافر مسلمان کی دیت ادا نہیں کرتا۔ پس وہ اعتراض وارد نہیں ہوگا جو گزر چکا ہے کہ آزاد کردہ فرد کی عاقلہ اس کے آقا کا قبیلہ ہوگا جس طرح میرے لیے امر ظاہر ہوا ہے۔

36123۔(قولہ: لَا يَعْقِلُهُ بَيْتُ الْمَالِ) بلکہ دیت اس کے اپنے مال میں ہوگی اگر چہ اس کا ایسا وارث ہو جو اس کے مال کا مستحق بنتا ہو جس طرح یہ اس قول سے مستفاد ہوتا ہے جسے ہم ثابت کر چکے ہیں۔ کیونکہ جب بیت المال اس کا وارث

(وَلَا عَاقِلَةَ لِلْعَجَمِ) وَبِهِ جَزَمَ فِي الدُّرَرِ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ لِعَدَمِ تَنَاصُرِهِمْ وَقِيلَ لَهُمْ عَوَاقِلُ لِأَنَّهُمْ يَتَنَاصَرُونَ كَالْأَسَاكِفَةِ وَالصَّيَّادِينَ وَالصَّرَّافِينَ وَالسَّرَّاجِينَ فَأَهْلُ مَحَلَّةِ الْقَاتِلِ وَصَنْعَتِهِ عَاقِلَتُهُ وَكَذَلِكَ طَلَبَةُ الْعِلْمِ قُلْت وَبِهِ أَفْتَى الْحَلْوَانِيُّ وَغَيْرُهُ خَانِيَّةٌ زَادَ فِي الْمُجْتَبَى وَالْحَاصِلُ أَنَّ التَّنَاصُرَ أَصْلٌ فِي هَذَا الْبَابِ وَمَعْنَى التَّنَاصُرِ أَنَّهُ إذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ قَامُوا مَعَهُ فِي كِفَايَتِهِ وَتَمَامُهُ فِيهِ وَفِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ مَعْزِيًّا لِلْحَافِظِيَّةِ وَالْحَقُّ أَنَّ التَّنَاصُرَ فِيهِمْ بِالْحِرَفِ فَهُمْ عَاقِلَتُهُ إلَى آخِرِهِ فَلْيُحْفَظْ

اور عجمیوں کی کوئی عاقلہ نہیں ''الدرر'' میں اس کو یقین سے بیان کیا ہے۔ یہ مصنف نے قول کیا ہے۔ کیونکہ وہ آپس میں باہم مدد نہیں کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی عاقلہ ہوگی کیونکہ وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں جیسے کفش گر، شکار کرنے والا، صراف اور زین بنانے والے، قاتل کے محلے والے اور اس کی صنعت والے اس کی عاقلہ ہیں اسی طرح طلباء ہیں۔ میں کہتا ہوں: ''حلوانی'' وغیرہ نے یہی فتویٰ دیا ہے، ''خانیہ''۔ ''المجتبیٰ'' میں یہ زائد ذکر کیا ہے: حاصل کلام یہ ہے کہ اس باب میں باہم مدد کرنا اصل ہے اور تناصر کا معنی یہ ہے جب اسے کوئی مصیبت پیش آئے تو اس کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔ ''تنویر البصائر'' میں ''حافظیہ'' کی طرف منسوب کرتے ہوئے یہ قول کیا ہے: حق یہ ہے کہ عجمیوں میں باہم مدد پیشوں کی وجہ سے ہوتی ہے تو وہ ہی ہمیشہ اس کی عاقلہ ہوں گے۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔

بنتا ہے اور اس کی دیت نہیں دیتا تو جب بیت المال اس کا وارث نہیں ہوگا تو بدرجہ اولی دیت اس کے مال میں ہوگی اور وارث پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ مسئلہ کی صورت اس کے بارے میں ہے جس کی عاقلہ نہیں ہوتی۔

36124۔ (قولہ: وَلَا عَاقِلَةَ لِلْعَجَمِ) یہ عجمی کی جمع ہے وہ عربی کے علاوہ ہوتا ہے اگرچہ وہ فصیح گفتگو کرتا ہو۔ ''مغرب''

36125۔ (قولہ: وَبِهِ جَزَمَ فِي الدُّرَرِ) یہ ''ابو بکر بلخی'' اور ''ابو جعفر ہندوانی'' کا قول ہے۔ کیونکہ عجمیوں نے اپنے نسب کی حفاظت نہیں کی اور وہ باہم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے اور ان کا کوئی دیوان نہیں جنایت کی دیت کو دوسرے فرد پر لازم کر دینا یہ عرف ہے۔ یہ عربوں کے حق میں خلاف قیاس ثابت ہے۔ استاذ ''ظہیر الدین'' نے اس کو اپنایا ہے۔ ''خانیہ''۔

36126۔ (قولہ: عَاقِلَتُهُ) یعنی جب وہ باہم مدد کریں گے۔ ''ط''۔ اور اس قول کو نہ بھول جو یہ گزر چکا ہے: ہر سال میں عاقلہ میں سے کسی فرد سے ایک درہم یا ایک درہم اور اس کے ایک تہائی سے زائد وصول نہ کیا جائے گا۔

36127۔ (قولہ: إذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ) ''مغرب'' میں ہے: حزبهم امر انہیں مصیبت لاحق ہوئی یہ طلب کے باب میں سے ہے۔

36128۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ فِيهِ) کیونکہ کہا: اگر اس کے مددگار، اہل دیوان، قبیلہ، محلہ اور بازار والے ہوں تو اس کی عاقلہ اہل دیوان، پھر قبیلہ، پھر اہل محلہ ہوں گے۔ ''ناطفی'' نے یہی قول کیا ہے۔ ''ط''۔

36129۔ (قولہ: وَالْحَقُّ الخ) میں کہتا ہوں دارومدار باہم مدد کرنے پر ہے جس طرح علماء نے ذکر کیا ہے جب

وَأَقَرَّهُ الْقُهُسْتَانِيُّ لَكِنْ حَرَّرَ شَيْخُ مَشَايِخِنَا الْحَانُوتِيُّ أَنَّ التَّنَاصُرَ مُنْتَفٍ الْآنَ لِغَلَبَةِ الْحَسَدِ وَالْبُغْضِ وَتَمَنِّي كُلِّ وَاحِدٍ الْمَكْرُوهَ لِصَاحِبِهِ فَتَنَبَّهْ قُلْت وَحَيْثُ لَا قَبِيلَةَ وَلَا تَنَاصُرَ فَالدِّيَةُ فِي مَالِهِ أَوْ بَيْتِ الْمَالِ

''قہستانی'' نے اس کو ثابت رکھا ہے لیکن ہمارے مشائخ کے شیخ ''حانوتی'' نے یہ وضاحت کی ہے کہ آج کل حسد، بغض کے غلبہ کی وجہ سے اور ہر ایک کے اپنے ساتھی کے بارے میں ناپسندیدہ چیز کو پسند کرنے کی وجہ سے باہم مدد ختم ہو چکی ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ میں کہتا ہوں: جہاں نہ کوئی قبیلہ ہے اور نہ ہی باہمی مدد تو دیت اس کے مال یا بیت المال میں ہوگی۔

اسے طائفہ کے ساتھ پایا گیا تو وہ ہی طائفہ اس کی عاقلہ ہوگی ورنہ نہیں۔ ''ط''۔

36130۔(قولہ: لَكِنْ حَرَّرَ الخ) یہ اس قول کی تائید ہے جسے ''الدرر'' میں یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔

36131۔(قولہ: فَالدِّيَةُ فِي مَالِهِ) یعنی یہ حکم اس وقت ہے جب بیت المال موجود نہ ہو یا اس کا انتظام نہ ہو جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کِتَابُ الْوَصَایَا

یَعُمُّ الْوَصِیَّةَ وَالْإِیصَاءَ یُقَالُ أَوْصَی إِلَی فُلَانٍ أَیْ جَعَلَهُ وَصِیًّا وَالِاسْمُ مِنْهُ الْوَصَایَةُ وَسَیَجِیءُ فِی بَابٍ مُسْتَقِلٍّ وَأَوْصَی لِفُلَانٍ بِمَعْنَی مَلَّکَهُ بِطَرِیقِ الْوَصِیَّةِ

وصیتوں کا بیان

یہ لفظ وصیت اور ایصا (وصی بنانا) دونوں کو شامل ہے۔ کہا جاتا ہے: أوصی الی فلانٍ یعنی اس نے فلاں کو وصی بنایا اور اس سے اسم ''الوصایۃ'' ہے اور عنقریب یہ مستقل باب میں آئے گا۔ اور أوصی لفلانٍ اسکا معنی ہے: اس نے فلاں کو بطریق وصیت مالک بنایا۔

اس کو کتاب کے آخر میں لانے کی مناسبت ظاہر ہے۔ کیونکہ دنیا میں آدمی کے احوال میں سے آخری حالت موت ہے، اور وصیت موت کے وقت کا معاملہ ہے، اور ان کو جنایات اور دیات کے ساتھ اختصاص کی زیادتی حاصل ہے۔ اس لیے کہ جنایۃ کبھی اس موت تک پہنچا دیتی ہے جس کا وقت وصیت کا وقت ہے، ''عنایہ''۔ اور یہاں مراد یہ ہے کہ یہ آخر نسبی ہے۔ ہاں اس بنا پر جو ''الہدایہ'' میں ہے یہ آخر حقیقی ہے کیونکہ انہوں نے اس میں فرائض ذکر نہیں کیے۔ لیکن اس میں ہے کہ انہوں نے ''الہدایہ'' میں اس کے بعد کتاب الخنثیٰ کو ذکر کیا ہے لہٰذا وہ بھی آخر نسبی ہی ہے جیسا کہ ''الطوری'' نے اسے بیان کیا ہے۔

لفظ وصایا کی لغوی تحقیق

36132۔ (قولہ: یَعُمُّ الْوَصِیَّةَ وَالْإِیصَاءَ الخ) یہ لفظ وصیت اور ایصاء دونوں کو شامل ہے۔ ''المغرب'' میں ہے: أوصی الی زیدٍ بکذا ایصاءً و وصی بہٖ توصیۃً (اس نے زید کو اتنے کے بارے وصیت کی)، اور الوصیۃ اور الوصاۃ دونوں مصدر کے معنی میں اسم ہیں، پھر موصیٰ بہٖ (وہ شے جس کے بارے وصیت کی جائے) کو وصیت کا نام دے دیا گیا ہے۔ اور الوصایۃ کسرہ کے ساتھ وصی کا مصدر ہے اور کہا گیا ہے: الایصاء کا معنی ہے: طلب الشئ من غیرہ لیفعلہ علی غیب منہ حال حیاتہ و بعد وفاتہ، (کسی غیر سے شے کا مطالبہ کرنا تا کہ وہ اسے اس کی عدم موجودگی میں اس کی زندگی میں اور اس کی وفات کے بعد کرے) اور حدیث ظہار میں ہے: استوصی بابن عمك خیراً أی اقبلی وصیتی فیہ(1) (یعنی تو اس میں میری وصیت قبول کر)، اور اس میں خیراً مصدر کی (صفت ہونے کی) بناء پر منصوب ہے: یعنی استیصاءً خیرًا۔ اور ''المصباح'' میں ہے: وَصَّیتُ الی فلان توصیۃً و أوصیتُ الیہ ایصاءً (میں نے فلاں کو وصی بنایا) اس میں الوصایۃ کسرہ کے ساتھ اسم ہے اور اس میں واؤ کا فتحہ بھی ایک لغت ہے، اور أوصیتُ الیہ بمالٍ (میں نے اس کے لیے مال کی وصیت کی) یعنی میں نے مال اس کے لیے کر دیا۔ اور ''القاموس'' میں ہے: أوصاہ و وصّاہ توصیۃً: عهد الیہ یعنی اس نے اس سے عہد

1۔ مسند امام احمد بن حنبل، حدیث خولہ بنت ثعلبہ، جز6، صفحہ 410۔ ایضاً صحیح ابن حبان، باب الظہار، جز10، صفحہ 107

فَحِينَئِذٍ (هِيَ تَمْلِيكٌ مُضَافٌ إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ) عَيْنًا كَانَ أَوْ دَيْنًا قُلْت يَعْنِي بِطَرِيقِ التَّبَرُّعِ
پس اس وقت وصیت ایسی تملیک ہے جو مابعد الموت کی طرف منسوب ہے چاہے وہ عین کے بارے ہو یا دین کے بارے۔ میں کہتا ہوں: اس سے مراد بطریق تبرع اور احسان ہے

لیا، اور اس میں اسم الوصاۃ، الوصایۃ اور الوصیۃ ہے۔

اور امام ''نووی'' نے اہل لغت سے نقل کیا ہے: کہا جاتا ہے أوصیتہ و وصّیتُہ بکذا (میں نے اسے اتنے کے بارے وصیت کی) اور أوصیت و وصّیتُ لہٗ و أوصیتُ الیہِ: جعلتہ کوصیًا (میں نے اسے وصی کی مثل بنایا)

میں کہتا ہوں: اور اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ لغت میں بذات خود متعدی ہونے یا لام یا الی کے واسطہ کے ساتھ متعدی ہونے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ ان تمام صورتوں میں یہ بمعنی جعلتہ وصیًا استعمال ہوتا ہے، اور بلاشبہ الی کے واسطہ کے ساتھ متعدی بمعنی تملیك المال (مال کا مالک بنانا) استعمال ہوتا ہے، اور یہ کہ وصیۃ اور ایصاء میں سے ہر ایک ان دونوں کے لیے آتا ہے، اور یہ کہ متعدی باللام اور متعدی بالی کے درمیان فرق کرنا اصطلاح شرعی ہے جیسا کہ ''الدرر'' سے سمجھا جاتا ہے۔ اور اسی کے بارے ''الطوری'' نے بعض متاخرین سے تصریح کی ہے۔ گویا انہوں نے اس میں اصل معنی کی طرف دیکھا ہے کیونکہ أوصیتُ الیہ کا معنی ہے: عهدت الیه بأمر اولادی (میں نے اپنی اولاد کے معاملہ میں اس سے عہد لیا ہے)، اور أوصیتُ لہ کا معنی ہے: ملکتُ لہٗ کذا (میں نے اسے اتنے کا مالک بنا دیا)، پس انہوں نے دونوں میں سے ہر ایک کو اس کے ساتھ شمار کیا ہے جس کے ساتھ وہ متعدی ہوتا ہے جس کے معنی کو وہ دونوں متضمن ہیں۔

پھر تو جان کہ وصیۃ کی جمع وصایا ہے، اور اس کی اصل وصایِیی ہے، پھر پہلی یا کو مفاعل کے الف کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے ہمزہ سے بدل دیا گیا، پھر اس کے کسرہ کو فتحہ سے بدل دیا گیا، پھر دوسری یا الف سے بدل گئی پھر ہمزہ کو یا سے بدل دیا گیا، اس لیے کہ دو الفوں کے درمیان اس کا واقعہ ہونا مکروہ ہے۔ باقی یہ کہ وصیت اور ایصاء کے لیے اس کا عام ہونا اس معنی پر نہیں ہے کہ یہ دونوں کو جمع کئے ہوئے ہے جیسا کہ یہ امر مخفی نہیں ہے بلکہ اس معنی پر ہے کہ وصیت متعدی بالی اور متعدی باللام سے اسم آتا ہے اور اس کی جمع وصایا ذکر کی گئی ہے درآنحالیکہ اس سے دونوں معنوں میں سے ہر ایک مراد ہے۔ اور یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ اس کتاب میں باب الوصی کا ذکر کرنا طفلانہ عمل ہے۔ فلیتامل۔

36133۔ (قولہ: فَحِينَئِذٍ) یہ ان کے قول: بمعنی ملکه بطریق الوصیة پر تفریع ہے اور یہ کہنا زیادہ واضح تھا: دھی تملیك یعنی واؤ کی زیادتی کے ساتھ (اور وہ تملیک ہے)، اور ضمیر ان کے کلام میں وصیۃ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ''طحطاوی''۔

36134۔ (قولہ: عَيْنًا كَانَ أَوْ دَيْنًا) چاہے وہ عین ہو یا دین، ''المنح'' وغیرہ کی عبارت ہے: عَیناً أو منفعةً وہ عین ہو یا منفعت ہو۔ ''حلبی''۔

36135۔ (قولہ: بِطَرِيقِ التَّبَرُّعِ) یعنی بطور احسان اور تبرع، یہ تملیک کے متعلق ہے، ''حلبی''۔ اور اس قید کو

لِيُخْرِجَ نَحْوَ الْإِقْرَارِ بِالدَّيْنِ فَإِنَّهُ نَافِذٌ مِنْ كُلِّ الْمَالِ كَمَا سَيَجِيءُ وَلَا يُنَافِيهِ وُجُوبُهَا لِحَقِّهِ تَعَالَى فَتَأَمَّلْهُ (وَهِيَ) عَلَى مَا فِي الْمُجْتَبَى أَرْبَعَةُ أَقْسَامٍ (وَاجِبَةٌ بِالزَّكَاةِ) وَالْكَفَّارَةِ (وَ) فِدْيَةِ (الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ الَّتِي فَرَّطَ فِيهَا)

تا کہ دین کے بارے اقرار وغیرہ اس سے خارج ہو جائے۔ کیونکہ وہ کل مال سے نافذ ہوتا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے حق کی وجہ سے اس کا واجب ہونا اس کے منافی نہیں ہے۔ پس تو اس میں غور وفکر کر لے۔ اور اس کی اس بنا پر جو ''المجتبیٰ'' میں ہے چار قسمیں ہیں: 1۔ واجب: یہ زکوٰۃ، کفارہ اور وہ روزے اور نمازیں جن میں کوتاہی اور سستی ہوئی ان کے فدیہ کے بارے واجب ہے۔

''زیلعی'' نے ''النہایہ'' کی اتباع میں ذکر کیا ہے۔

36136۔ (قولہ: لِيُخْرِجَ نَحْوَ الْإِقْرَارِ بِالدَّيْنِ) تا کہ وہ قرض کے اقرار وغیرہ کو نکال دے۔ مراد کسی اجنبی کے لیے قرض کا اقرار ہے۔ اور اس میں ہے کہ ہمارے علماء میں سے یہ کہنے والے کہ اقرار اخبار ہے تملیک نہیں ہے۔ انہوں نے اسی مسئلہ سے استدلال کیا ہے کیونکہ اگر وہ تملیک ہوتا تو لازم ہوتا کہ وہ کل مال سے نافذ نہ ہو جیسا کہ ہم نے کتاب الاقرار میں اس کی وضاحت کر دی ہے۔ پس اس وقت اسے خارج کرنے کی کوئی حاجت نہیں اس لیے کہ وہ داخل ہی نہیں۔ اور تحقیق یہ ہے کہ تبرع کی قید بالعوض مالک بننے کو خارج کرنے کے لیے ہے جیسا کہ بیع اور اجارہ، اور یہ کہ انہوں نے اپنے قول: مضاف الی مابعد الموت کے ساتھ ہبہ وغیرہ سے احتراز کیا ہے کیونکہ وہ تملیک ہے اور فی الحال تبرع ہے۔

36137۔ (قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) جیسا کہ عنقریب یعنی باب العتق فی المرض کے شروع میں آئے گا۔

36138۔ (قولہ: وَلَا يُنَافِيهِ الخ) یہ مقدر سوال کا جواب ہے جو ان کے قول: بطریق التبرّع پر وارد ہوتا ہے، اس کی تقریر ظاہر ہے، اور ''شارح'' نے اپنے قول فتأملہ کے ساتھ جواب کی دقت کی طرف اشارہ کیا ہے، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حق کیلئے واجب جب موت کے ساتھ ساقط ہو گیا تو وہ تبرع کے مشابہ ہو گیا اور وہ بندوں کے قرضوں کی طرح نہیں ہے۔ ''حلبی''۔

میں کہتا ہوں: اس کا دارومدار اس پر ہے کہ تبرع سے مراد یہ ہو کہ اگر وہ چاہے تو اسے کرے اور اگر چاہے تو اسے ترک کر دے، اور اس بنا پر جو ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے اس سے مراد وہ ہے جو مفت ہو نہ کہ کسی عوض کے مقابلہ میں، اور اس کے ساتھ سوال ختم ہو جاتا ہے۔

وصیت کی اقسام

36139۔ (قولہ: وَهِيَ عَلَى مَا فِي الْمُجْتَبَى) اور یہ اس بنا پر ہے جو ''المجتبیٰ'' میں ہے، اس کی عبارت ہے: وصیت کی چار قسمیں ہیں۔ (1) واجب: جیسا کہ مال ودیعت اور مجہول قرضے واپس لوٹانے کی وصیت کرنا۔ (2) مستحب: جیسا کہ کفارات، نماز اور روزوں کے فدیہ کی وصیت کرنا۔ (3) مباح: جیسا کہ اجنبی اور قریبی لوگوں میں سے اغنیاء کے لیے وصیت

وَمُبَاحَةٌ لِغَنِيٍّ وَمَكْرُوهَةٌ لِأَهْلِ فُسُوقٍ (وَإِلَّا فَمُسْتَحَبَّةٌ) وَلَا تَجِبُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ

2۔مباح: غنی کے لیے وصیت مباح ہے۔3۔مکروہ: اہل فسق کے لیے یہ مکروہ ہے۔4۔مستحب: ان کے علاوہ وصیت کرنا مستحب ہے۔اور یہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے واجب نہیں ہے،

کرنا۔(4) مکروہ: جیسا کہ اہل فسق و معاصی کے لیے وصیت کرنا۔اور اس میں تامل اور غور و فکر ہے، اس لیے کہ ''البدائع'' میں کہا ہے: اس کے بارے وصیت کرنا جو اس پر فرائض اور واجبات میں سے ہیں، واجب ہے جیسا کہ حج، زکوٰۃ اور کفارات۔''شرنبلالیہ'' اور علامہ ''زیلعی'' اس پر چلے ہیں جو ''البدائع'' میں ہے۔اور ''المواہب'' میں ہے: ''مدیون پر اس کے بارے وصیت کرنا واجب ہے جو اس پر اللہ تعالیٰ یا بندوں کے لیے لازم ہے۔'' اسی کو ''مصنف'' نے اختیار کیا ہے بخلاف اس کے جو ''المجتبیٰ'' میں ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کے درمیان فرق کیا ہے، اور جو یہ گزرا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا حق واجب ہے وہ موت کے سبب ساقط ہو جاتا ہے وہ عدم وجوب پر دلالت نہیں کرتا، کیونکہ اس سے مراد اس کی ادائیگی کا ساقط ہونا ہے، ورنہ وہ اس کے ذمہ میں تو ہے۔پس ''شارح'' کا قول علی ما فی المجتبیٰ چار کی طرف تقسیم کی حیثیت سے ہے۔تامل۔

36140۔(قولہ: وَمُبَاحَةٌ لِغَنِيٍّ) اور غنی کے لیے مباح ہے، شاید مراد یہ ہے کہ جب وہ قربت کا قصد نہ کرے۔ رہی یہ صورت! اگر وہ اس کے لیے وصیت اس لیے بطور اعانت کرے کہ وہ اہل علم یا اہل الصلاح میں سے ہے یا اس لیے کہ وہ پہلو تہی اختیار کرنے والا رشتہ دار ہے یا وہ عیالدار ہے تو پھر چاہیے کہ یہ مستحب ہو۔تامل۔

36141۔(قولہ: وَمَكْرُوهَةٌ لِأَهْلِ فُسُوقٍ) اور وہ اہل فسق کے لیے مکروہ ہے۔اس پر وہ اعتراض وارد ہوتا ہے جو ''صحیح بخاری'' میں ہے: شاید غنی کا اعتبار کیا جاتا ہے کہ وہ صدقہ کر دے، اور سارق (چور) اس کے سبب چوری سے مستغنی ہو جائے، اور زانیہ زنا سے باز آ جائے اور ان کی مراد یہ ہے کہ جب اس کا ظن غالب یہ ہو کہ اسے (وصیت کو) فسق و فجور کے لیے خرچ کرے گا۔''رحمتی''۔

میں کہتا ہوں: جو گزرا ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ وصیت صحیح ہے، لیکن عنقریب باب الوصیۃ للأقارب کے آخر میں قبر کو لیپ کرنے کے بارے وصیت کے باطل ہونے کے قول کی تعلیل اس طرح آئے گی کہ یہ مکروہ کے بارے وصیت ہے۔اور عنقریب اس کی مکمل بحث وہاں آئے گی۔

36142۔(قولہ: وَإِلَّا فَمُسْتَحَبَّةٌ) یعنی جب اسے کوئی ایسا امر عارض نہ آئے جو اسے باطل کر دے تو وہ مستحب ہے۔

والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیت کے وجوب کے قائلین کا رد

36143۔(قولہ: وَلَا تَجِبُ الخ) یہ اس کا رد ہے جس نے یہ کہا ہے کہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنا واجب ہے جب وہ ان میں سے ہوں جو وارث نہیں بنتے، یہ سورہ بقرہ کی آیت کی وجہ سے ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد

لِأَنَّ آيَةَ الْبَقَرَةِ مَنْسُوخَةٌ بِآيَةِ النِّسَاءِ (سَبَبُهَا) مَا هُوَ (سَبَبُ التَّبَرُّعَاتِ وَشَرَائِطُهَا كَوْنُ الْمُوصِي أَهْلًا لِلتَّمْلِيكِ) فَلَمْ تَجُزْ مِنْ صَغِيرٍ وَمَجْنُونٍ وَمُكَاتَبٍ

کیونکہ سورہ بقرہ کی آیت سورہ النساء کی آیت سے منسوخ ہے۔ اس کا سبب وہی ہے جو تبرعات کا سبب ہے، اور اس کی شرائط موصی کا مالک بنانے کا اہل ہونا ہے، پس صغیر، مجنون اور مکاتب کی طرف سے وصیت جائز نہیں ہوتی۔

ہے: كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ (البقرہ: 180) الآیۃ (فرض کیا گیا ہے تم پر جب قریب آ جائے تم میں سے کسی کے موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال کہ وصیت کرے اپنے ماں باپ کے لیے اور قریبی رشتہ داروں کے لیے انصاف کے ساتھ ایسا کرنا پرہیزگاروں پر ضروری ہے) اور آیۃ النساء سے مراد آیۃ المواریث ہے۔

''امام بخاری'' نے اپنی ''صحیح'' میں حضرت ''عطا'' اور حضرت ''ابن عباس'' رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: كان المال للولد، فكانت الوصية للوالدين، فنسخ الله ذالك بأحب، فجعل للذكر مثل حظ الأنثيين، و جعل للأبوين لكل واحد منهما السدس (1) (مال بیٹے کے لیے تھا، اور وصیت والدین کے لیے تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اس سے بہتر کے ساتھ منسوخ کر دیا، پس اس نے مذکر کے لیے دو مؤنثوں کے حصہ کے برابر حصہ قرار دیا، اور والدین میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ مقرر کیا) اور ''سنن'' میں حضرت ''ابوامامہ'' رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: إِنَّ اللهَ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فلا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ (2) (بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اس کا حق ادا کر دیا ہے، پس وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں) اور اسے ''ترمذی'' اور ''ابن ماجہ'' نے روایت کیا ہے اور ''ترمذی'' نے کہا ہے: یہ حدیث حسن ہے۔ اور یہ حدیث مشہور ہے اسے ائمہ نے قبولیت کے ساتھ لیا ہے، اور ہمارے نزدیک اس جیسی حدیث سے کتاب کا نسخ جائز ہے۔ ''اتقانی''۔

وصیت کا سبب

36144۔ (قولہ: سَبَبُهَا مَا هُوَ سَبَبُ التَّبَرُّعَاتِ) وصیت کا سبب وہی ہے جو تبرعات کا سبب ہے، اور وہ دنیا میں خیر اور بھلائی کے ذکر کو حاصل کرنا اور آخرت میں بلندی درجات کو پانا ہے۔ ''نہایہ''۔ اور یہ وصیت مستحبہ میں ہے، رہی وصية واجبه تو ظاہر ہے کہ اس کا سبب وہی ادا کا سبب ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ان واجبات کو ادا کرنے کے بارے خطاب ہے اور علمائے اصول نے کہا ہے: بے شک قضاء اسی سبب کے ساتھ واجب ہوتی ہے جس کے ساتھ ادا واجب ہوتی ہے۔ فتدبر۔

وصیت کی شرائط

36145۔ (قولہ: أَهْلًا لِلتَّمْلِيكِ) وہ مالک بنانے کے اہل ہو، اولیٰ ''النہایہ'' کا قول ہے: أهلاً للتبرع یعنی وہ تبرع

1۔ صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب لا وصیة لوارث، جلد 2، صفحہ 63، حدیث نمبر 2542

2۔ جامع ترمذی، کتاب الوصایا عن رسول اللہ، باب ماجاء لا وصیة لوارث، جلد 2، صفحہ 105، حدیث نمبر 2046

إِلَّا إِذَا أَضَافَ لِعِتْقِهِ كَمَا سَيَجِيءُ (وَعَدَمُ اسْتِغْرَاقِهِ بِالدَّيْنِ) لِتَقَدُّمِهِ عَلَى الْوَصِيَّةِ كَمَا سَيَجِيءُ (وَ) كَوْنُ (الْمُوصَى لَهُ حَيًّا وَقْتَهَا) تَحْقِيقًا أَوْ تَقْدِيرًا لِيَشْمَلَ الْحَمْلَ الْمُوصَى لَهُ فَافْهَمْهُ فَإِنَّ بِهِ يَسْقُطُ إِيرَادُ الشُّرُنْبُلَالِيِّ (وَ) كَوْنُهُ (غَيْرَ وَارِثٍ)

مگر جب وہ اس کی نسبت اپنے آزاد ہونے کی طرف کرے جیسا کہ آگے آئے گا۔ اور اس کا قرض کے ساتھ مستغرق نہ ہونا ہے، اس لیے کہ قرض کی ادائیگی وصیت پر مقدم ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے اور موصی لہ کا وصیت کے وقت زندہ ہونا چاہیے تحقیقاً ہو یا تقدیراً تا کہ یہ حمل موصی لہ کو بھی شامل ہو جائے، پس اسے سمجھ لو۔ اور اس کے ساتھ ''شرنبلالیہ'' کا اعتراض ساقط ہو جاتا ہے۔ اور اس کا موت کے وقت وارث ہونا

اور احسان کرنے کے اہل ہو۔

36146۔ (قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی تقریباً ایک ورق بعد آئے گا۔

36147۔ (قولہ: وَعَدَمُ اسْتِغْرَاقِهِ) یعنی موصیٰ بِہٖ کا قرض کے ساتھ مستغرق نہ ہونا، مگر جب قرض خواہ اسے اس سے بری الذمہ قرار دیں۔ ''قہستانی''۔

36148۔ (قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی عنقریب متن میں آئے گا۔

36149۔ (قولہ: وَقْتَهَا) میں کہتا ہوں: ''التاتر خانیہ'' میں ہے: موصیٰ لہٗ جب اہل استحقاق میں سے معین ہو تو ایجاب کے صحیح ہونے کا اعتبار اس دن سے کیا جائے گا جس دن اس نے وصیت کی، اور جب وہ غیر معین ہو تو ایجاب کے صحیح ہونے کا اعتبار اس دن سے کیا جائے گا جس دن مُوصِی (وصیت کرنے والا) فوت ہوا، پس اگر اس نے بنی فلاں کے لیے ثلث کی وصیت کی اور ان کے نام نہ لیے اور نہ ان کی طرف اشارہ کیا تو یہ وصیت مُوصِی کی موت کے وقت ان میں سے موجود لوگوں کے لیے ہوگی، اور اگر اس نے ان کا نام لیا یا ان کی طرف اشارہ کیا تو پھر وصیت انہی کے لیے ہوگی، یہاں تک کہ اگر وہ فوت ہو گئے تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ موصیٰ لہٗ معین ہے۔ پس وصیت کے دن سے ایجاب کے صحیح ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔ ملخصاً۔

36150۔ (قولہ: لِيَشْمَلَ الْحَمْلَ) تا کہ وہ حمل کو شامل ہو جائے، اس سے پہلے کہ اس میں روح پھونکی جائے۔ کیونکہ روح پھونکے جانے کے بعد تو وہ حقیقۃً زندہ ہوتا ہے۔ ''حلبی''۔

36151۔ (قولہ: إِيرَادُ الشُّرُنْبُلَالِيِّ) اس حیثیت سے کہ انہوں نے کہا ہے: اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حمل کے لیے وصیت جائز ہے جبکہ اس کے لیے اس کا وجود شرط ہے نہ کہ اس کا زندہ ہونا۔ کیونکہ روح کا پھونکنا اس کے پائے جانے کے بعد ہی ہوتا ہے اور اس وقت وہ زندہ نہیں ہوتا۔ ''حلبی''۔

36152۔ (قولہ: وَ كَوْنُهُ غَيْرَ وَارِثٍ) اور اس کا غیر وارث ہونا، یعنی اگر وہاں دوسرا وارث ہو ورنہ وصیت صحیح ہوگی،

وَقْتَ الْمَوْتِ (وَلَا قَاتِلٍ) وَهَلْ يُشْتَرَطُ كَوْنُهُ مَعْلُومًا قُلْت نَعَمْ كَمَا ذَكَرَهُ ابْنُ سُلْطَانٍ وَغَيْرُهُ فِي الْبَابِ الْآتِي (وَ) كَوْنُ (الْمُوصَى بِهِ قَابِلًا لِلتَّمَلُّكِ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوصِي) بِعَقْدٍ مِنَ الْعُقُودِ مَالًا أَوْ نَفْعًا

اور نہ قاتل ہونا۔ اور کیا اس کا معلوم ہونا شرط ہے؟ میں کہتا ہوں: ہاں جیسا کہ اسے ''ابن سلطان'' وغیرہ نے آنے والے باب میں ذکر کیا ہے۔ اور موصٰی بہ کا موصی کی موت کے بعد تملک کے قابل ہونا عقود میں سے کسی عقد کے ساتھ چاہے وہ مال ہو یا نفع ہو،

جیسا کہ اگر زوجین میں سے ایک دوسرے کے لیے وصیت کرے اور اس کے سوا کوئی وارث نہ ہو جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

36153۔ (قولہ: وَقْتَ الْمَوْتِ) یعنی موت کے وقت نہ کہ وصیت کے وقت۔ یہاں تک کہ اگر اس نے اپنے بھائی کے لیے وصیت کی درآنحالیکہ وہی وارث ہو پھر اس کا بیٹا پیدا ہوا تو بھائی کے لیے وصیت صحیح ہے، اور اگر اس نے اپنے بھائی کے لیے وصیت کی اور اس کا بیٹا ہو پھر مُوصِی کی موت سے پہلے بیٹا فوت ہو گیا تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ ''زیلعی''۔

36154۔ (قولہ: وَلَا قَاتِلٍ) یعنی وہ خود قتل کرنے والا نہ ہو چاہے خطأً ہو یا عمداً۔ بخلاف اس کے کہ وہ سبب بننے والا ہو، کیونکہ اس صورت میں وہ حقیقۃً قاتل نہیں ہوتا۔ اور یہ تب ہے جب وہاں وارث ہو، اور اگر وارث نہ ہو تو وصیت صحیح ہے، اور قاتل مکلف ہو۔ اور اگر مکلف نہ ہو تو قاتل کے لیے وصیت صحیح ہو گی اگر وہ بچہ ہو یا مجنون ہو جیسا کہ آگے آئے گا۔

36155۔ (قولہ: وَهَلْ يُشْتَرَطُ كَوْنُهُ) یعنی کیا موصٰی لہٗ کا معلوم یعنی معین ہونا شرط ہے چاہے وہ شخص ہو جیسے: زید یا وہ نوع ہو۔ جیسے مساکین؟ پس اگر اس نے کہا: میں نے فلاں کے لیے یا فلاں کے لیے اپنے ثلث مال کی وصیت کی تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جہالت کی وجہ سے یہ وصیت باطل ہے جیسا کہ عنقریب وہ اسے وصایا الذمی سے پہلے ذکر کریں گے۔ اور ''الولوالجیہ'' میں ہے۔ کسی عورت نے وصیت کی کہ وہ اس کی طرف سے اتنے کے عوض لونڈی آزاد کرے اور اس کو ثلث مال میں سے اتنا دے دے: پس اگر وہ لونڈی معین ہو تو دونوں وصیتیں جائز ہیں۔ اور اگر وہ معین نہ ہو تو عتق (آزادی) کے بارے وصیت جائز ہے، مال کے بارے نہیں، مگر یہ کہ وہ مال وصی کے سپرد کر دے اور اسے یہ کہے: تو اسے دے دے اگر تو پسند کرے۔ کیونکہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بارے ذکر کیا ہے جس نے یہ وصیت کی کہ اس کی لونڈی اسے بیچ دی جائے جسے وہ (لونڈی) پسند کرے تو ورثاء کو اس کے ہاتھ اسے فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا جسے اس نے پسند کیا۔ پس اگر آدمی اسے اس کی قیمت کے عوض لینے سے انکار کر دے تو موصی کے ثلث مال کی مقدار اس سے کم ہو جائے گی۔ ملخصاً۔

میں کہتا ہوں: اس سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ تخییر کے وقت مجہول کے لیے وصیت صحیح ہوتی ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے۔ کیونکہ یہ جہالت باہمی جھگڑے تک نہیں پہنچاتی کیونکہ جس کو اختیار ہوتا ہے اس کے معین کرنے کے ساتھ جہالت ختم ہو جاتی ہے۔ بخلاف اس کے کہ اگر وہ کہے: لرجل او قال لزید او عمرو۔ تأمل۔

36156۔ (قولہ: بِعَقْدٍ) یہ تملیک کے متعلق ہے۔

36157۔ (قولہ: مَالًا أَوْ نَفْعًا الخ) یہ موصٰی بِہٖ کے عام ہونے کا بیان ہے یعنی وہ مال ہو یا نفع ہو۔

مَوْجُودًا لِلْحَالِ أَمْ مَعْدُومًا وَأَنْ يَكُونَ بِمِقْدَارِ الثُّلُثِ (وَرُكْنُهَا قَوْلُهُ وَأَوْصَيْتُ بِكَذَا لِفُلَانٍ وَمَا يَجْرِي مَجْرَاهُ مِنَ الْأَلْفَاظِ الْمُسْتَعْمَلَةِ فِيهَا)

فی الحال موجود ہو یا معدوم ہو، اور یہ کہ وہ ثلث کی مقدار کے برابر ہو۔ اور اس کا رکن اس کا یہ قول ہے: میں نے فلاں کے لیے اتنے کے بارے وصیت کی، اور اس میں استعمال ہونے والے الفاظ میں سے جو اس کے قائم مقام ہیں۔

36158۔ (قولہ: أَمْ مَعْدُومًا) یعنی درآنحالیکہ وہ عقود میں سے کسی عقد کے ساتھ تملیک کو قبول کرتی ہو۔ ''النہایہ'' میں کہا ہے: ''اور اسی لیے ہم نے کہا ہے کہ اس بارے وصیت کرنا کہ اس کا کھجور کا درخت پورا سال یا ہمیشہ پھل لائے، یہ جائز ہے، اگرچہ موصیٰ بہ معدوم ہو، کیونکہ وہ موصی کی زندگی کے دوران عقد معاملہ کے ساتھ تملیک کو قبول کرتی ہے۔ اور ہم نے کہا ہے کہ اگر اس کی وصیت اس بارے ہو جو اس کی بکریاں جنیں گی تو وہ استحسانا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ موصی کی حیات کے دوران عقود میں سے کسی عقد کے ساتھ تملیک کو قبول نہیں کرتی''۔ اور ''القہستانی'' میں ہے: ''موصی بہ جب معین ہو یا غیر معین ہو اور وہ بعض مال میں شائع ہو تو وصیت کے وقت اس کا موجود ہونا شرط ہے، اور اگر وہ کل مال میں شائع ہو تو پھر موت کے وقت اس کا موجود ہونا شرط ہے، جیسا کہ جب کوئی وصیت کرے بعز من غنمی او من مالی یعنی میرے ریوڑ میں سے بھیڑوں کی یا اپنے مال میں سے بھیڑوں کی۔ تو پہلی صورت میں وصیت کے وقت بھیڑوں کا موجود ہونا شرط ہے اور دوسری صورت میں موت کے وقت۔ اور اسی کی مثل ''التاتر خانیہ'' میں ہے اور اس کی مکمل بحث آنے والے باب میں آئے گی۔

36159۔ (قولہ: وَأَنْ يَكُونَ بِمِقْدَارِ الثُّلُثِ) اور یہ کہ وہ ثلث مقدار کے برابر ہو، یعنی اگر وہاں وارث ہو تو پھر ثلث سے زیادہ کے بارے وصیت جائز نہیں، اور جو ہم نے بیان کیا ہے اس سے یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ ان شروط میں سے بعض لزوم کی شروط ہیں اور وہ وہ ہے جو غیر کے حق کے لیے موقوف ہو اور اس کی اجازت کے ساتھ نافذ ہو اور بعض صحیح ہونے کی شرائط ہیں۔

وصیت کا رکن

36160۔ (قولہ: وَمَا يَجْرِي مَجْرَاهُ الخ) اور جو اس کے قائم مقام ہیں الخ۔ ''الخانیہ'' میں کہا ہے: اوصیت لفلان بکذا ولفلان بکذا (میں نے فلاں کے لیے اتنے کی اور فلاں کے لیے اتنے کی وصیت کی) اور جعلتُ رُبع داری صدقة لفلان (میں نے اپنے گھر کا چوتھائی حصہ فلاں کے لیے صدقہ کر دیا)۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: میں اسے وصیت سے جائز قرار دیتا ہوں۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال میں جو ان پر پیش کیا گیا یہی کہا ہے۔ اور رہا اس کا قول جعلت وہ وصیت ہے اس میں قبضہ کرنا اور اسے تقسیم کے ساتھ الگ کرنا شرط نہیں ہے۔ ملخصاً۔ اور ''النہایہ'' میں ہے: اور رہا اس میں الفاظ مستعملہ کا بیان: تو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے ''النوادر'' میں ہے: جب اس نے کہا: اشھدوا انی اوصیت لفلان بالف درھم (تم گواہ رہو میں نے فلاں کے لیے ہزار درہم کی وصیت کی ہے) اور اوصیت ان لفلان فی مالی الف درھم (تم گواہ رہو میں

وَفِي الْبَدَائِعِ رُكْنُهَا الْإِيجَابُ وَالْقَبُولُ وَقَالَ زُفَرُ الْإِيجَابُ فَقَطْ قُلْتُ وَالْمُرَادُ بِالْقَبُولِ مَا يَعُمُّ الصَّرِيحَ وَالدَّلَالَةَ بِأَنْ يَمُوتَ الْمُوصَى لَهُ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوصِي بِلَا قَبُولٍ كَمَا سَيَجِيءُ

اور ''البدائع'' میں ہے: ''اس کا رکن ایجاب اور قبول ہیں۔'' اور امام ''زفر'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس کا رکن صرف ایجاب ہے۔ میں کہتا ہوں: قبول سے مراد وہ ہے جو صریح اور دلالۃ کو عام ہو اس طرح کہ موصیٰ لہٗ موصی کی موت کے بعد بغیر قبول کیے فوت ہو جائے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

نے وصیت کی ہے کہ میرے مال میں فلاں کے ہزار درہم ہیں)، تو اس میں پہلا قول وصیت ہے اور دوسرا اقرار ہے۔ اور اصل میں اس کا قول: سدس داری لفلانٍ (میرے گھر کا چھٹا حصہ فلاں کے لیے ہے) یہ وصیت ہے۔ اور اس کا قول: لفلانٍ سدسٌ فی داری (فلاں کا میرے گھر میں چھٹا حصہ ہے) یہ اقرار ہے۔ اور اسی بنا پر اس کا قول: لفلانٍ الف درهم من مالی (فلاں کے لیے میرے مال سے ہزار درہم ہیں) استحساناً وصیت ہے جب یہ اس کی وصیت کے ذکر میں ہو، اور فی مالی اقرار ہے، اور جب وہ اپنی وصیت اپنے ہاتھ سے لکھے پھر کہے: اشهدوا علیّ فی هذا الکتاب (اس تحریر میں تم مجھ پر گواہ ہو جاؤ) تو استحساناً یہ جائز ہے، اور اگر اسے کسی غیر نے لکھا تو وہ جائز نہیں۔ ملخصاً۔

36161۔ (قولہ: وَفِي الْبَدَائِعِ الخ) اس کی عبارت اسی کے مطابق ہے جو ''الشرنبلالیہ'' میں ہے۔ اور رہا وصیت کا رکن تو اس میں اختلاف ہے۔ ہمارے اصحاب ثلاثہ یعنی ''امام صاحب اور آپ کے صاحبین'' رحمہم اللہ نے کہا ہے: وہ ایجاب اور قبول ہے۔ ایجاب مُوصِی کی طرف سے ہوتا ہے اور قبول موصیٰ لہٗ کی طرف سے۔ پس جب تک یہ دونوں اکٹھے نہ پائے جائیں تو رکن مکمل نہیں ہوتا۔ اور اگر تو چاہے تو یہ کہہ: وصیت کا رکن موصی کی جانب سے ایجاب ہے، اور موصیٰ لہٗ کی جانب عدم رد ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس کے رد کرنے سے مایوسی واقع نہ ہو، اور یہ تخریج مسائل کو زیادہ شامل ہے۔

اور امام ''زفر'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: رکن صرف موصی کی طرف سے ایجاب ہے۔ اور ''مصنف'' کا کلام شارحین ''ہدایہ'' کی اتباع میں ہے جو اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ قبول شرط ہے رکن نہیں ہے۔ اور جو ''البدائع'' میں ہے وہ اس کے موافق ہے جسے وہ تمام عقود جیسے بیع وغیرہ میں ذکر کرتے ہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک رکن ہے۔

36162۔ (قولہ: قُلْتُ الخ) اسے ''الشرنبلالیہ'' میں ''الخلاصہ'' کی طرف منسوب کیا ہے، اور ظاہر ہے کہ قبول سے مراد رد نہ کرنے پر دلالت ہے۔ پس وہ اسی معنی میں ہے جسے ہم نے ''البدائع'' سے اس قول کے ساتھ بیان کر دیا ہے: وان شئتَ قلت الخ، پھر قبول اور رد میں وہ معتبر ہے جو موت کے بعد ہو نہ کہ وہ جو اس سے پہلے ہو جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

36163۔ (قولہ: بِأَنْ يَمُوتَ الخ) یہ دلالت کی صورت بیان ہو رہی ہے۔ اور اسی کی مثل حمل کے لیے وصیت ہے۔ اور باقی یہ رہا کہ اگر موصیٰ لہٗ غیر معین ہو جیسا کہ فقراء، تو پھر ظاہر ہے کہ قبول شرط نہیں ہے یا وہ دلالۃ موجود ہوگا۔ تامل۔

36164۔ (قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی جیسا کہ عنقریب دوسرے ورقہ میں آئے گا۔

(وَحُكْمُهَا كَوْنُ الْمُوصَى بِهِ مِلْكًا جَدِيدًا لِلْمُوصَى لَهُ) كَمَا فِي الْهِبَةِ فَيَلْزَمُهُ اسْتِبْرَاءُ الْجَارِيَةِ الْمُوصَى بِهَا (وَتَجُوزُ بِالثُّلُثِ لِلْأَجْنَبِيِّ) عِنْدَ عَدَمِ الْمَانِعِ (وَإِنْ لَمْ يُجِزْ الْوَارِثُ ذَلِكَ لَا الزِّيَادَةَ عَلَيْهِ إِلَّا أَنْ تُجِيزَ وَرَثَتُهُ بَعْدَ مَوْتِهِ)

اور اس کا حکم یہ ہے: کہ موصی بہ موصیٰ لہٗ کے لیے ملک جدید ہو جیسا کہ ہبہ میں ہوتا ہے۔ پس موصٰی بہا لونڈی کو استبرا کرانا اس پر لازم ہوگا اور اجنبی کے لیے مانع نہ ہونے کے وقت ثلث کی وصیت جائز ہوتی ہے اگرچہ وارث اس کی اجازت نہ دے، اس سے زیادہ کی نہیں، مگر یہ کہ اس کی موت کے بعد اس کے وارث اجازت دے دیں۔

وصیت کا حکم

36165۔ (قولہ: وَحُكْمُهَا الخ) اور وصیت کا حکم الخ، یہ موصیٰ لہٗ کی جانب میں ہے۔ اور رہی مُوصِی کی جانب تو گزر چکا ہے کہ اس کی چار اقسام ہیں۔ اسے ''الشرنبلالیہ'' میں بیان کیا ہے۔ علامہ ''طحطاوی'' نے کہا ہے: اور اس میں ہے کہ یہاں حکم سے مراد کسی شی پر مرتب ہونے والا اثر ہے، اور اس بارے میں جو گزر چکا ہے اسے صفت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اگر کوئی مانع موجود نہ ہو تو اجنبی کے لیے ثلث مال سے وصیت کرنا جائز ہے

36166۔ (قولہ: عِنْدَ عَدَمِ الْمَانِعِ) مانع نہ ہونے کے وقت، مانع مثلاً قتل کرنا یا ڈاکہ ڈالنا، یا قرض کے ساتھ مستغرق ہونا وغیرہ۔

36167۔ (قولہ: لَا الزِّيَادَةَ عَلَيْهِ الخ) نہ کہ ثلث سے زیادہ ہو۔ پس جب اس نے ثلث سے زیادہ کے بارے وصیت کی اور اس کا ایسا وارث ہو جو اسے رد کر سکتا ہو اور وہ اس کی اجازت دے دے تو مابقی اس وارث کے لیے ہوگا، اور اگر اس نے اجازت دی جو اسے رد نہیں کر سکتا تو مابقی میں اس کا حصہ ہوگا اور جو باقی ہوگا وہ بیت المال کے لیے ہوگا۔ پس اگر اس نے اپنے مال کے دو تہائی کی وصیت کی اور بیوی نے اجازت دے دی تو اس کے لیے ایک ثلث کا چوتھا حصہ ہوگا یعنی بارہ میں سے ایک حصہ ہوگا جو دو ثلث اور باقی چوتھائی کا مخرج ہے، اور بیت المال کے لیے اس میں سے تین حصے ہوں گے اور زید موصیٰ لہٗ کے لیے آٹھ حصے (دو ثلث) ہوں گے۔ اور اس کی مکمل بحث ''شرح السائحانی'' باب الفرائض میں ہے جو منظومہ ''ابن الشحنۃ'' پر لکھی گئی ہے۔ اور اگر وہ اجازت نہ دے اور وہ اس کے لیے بھی وصیت کرے یا نہ کرے تحقیق انہوں نے اس کی وضاحت ''الجوہرہ'' میں کی ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کرو۔

36168۔ (قولہ: إِلَّا أَنْ تُجِيزَ وَرَثَتُهُ الخ) مگر یہ کہ اس کے ورثاء اس کی وصیت کے بارے علم ہونے کے بعد اس کی اجازت دے دیں، لیکن جب وہ یہ جانتے ہوں کہ اس نے کئی وصیتیں کی ہیں اور یہ نہ جانتے ہوں جس کے ساتھ اس نے وصیت کی ہے، اور وہ کہہ دیں ہم نے اس کی اجازت دے دی تو ان کی اجازت صحیح نہیں ہوگی۔ اسے ''الخانیۃ'' نے ''المنتقی'' سے نقل کیا ہے۔ اور ''سائحانی'' نے ''المقدسی'' سے نقل کیا ہے: جب بعض ورثاء اجازت دے دیں تو اس کے حصہ کی مقدار

وَلَا تُعْتَبَرُ إِجَازَتُهُمْ حَالَ حَيَاتِهِ أَصْلًا بَلْ بَعْدَ وَفَاتِهِ (وَهُمْ كِبَارٌ) يَعْنِي يُعْتَبَرُ كَوْنُهُ وَارِثَهُ

اور اس کی حیات کی حالت میں ان کی اجازت بالکل معتبر نہیں ہوگی بلکہ اس کی وفات کے بعد اور وہ بڑے (بالغ اور مکلف) ہوں یعنی اس کے وارث ہونے

کے برابر اس پر جائز ہے اگر کل ورثاء اجازت دیتے، یہاں تک کہ اگر کسی نے کسی آدمی کے لیے نصف کی وصیت کی اور دو مساوی وارثوں میں سے ایک نے اس کی اجازت دے دی تو اجازت دینے والے کے لیے چوتھائی حصہ (ربع) ہوگا اور اس کے ساتھی وارث کے لیے تہائی حصہ (ثلث) ہوگا اور موصی لہٗ کے لیے ایک ثلث اصلی ہوگا اور مجیز کی طرف سے چھٹے حصہ (سدس) کا نصف ہوگا۔ اور اسی کی مثل ''غایۃ البیان'' میں ہے۔

تنبیہ

جب موت کے بعد اجازت صحیح ہے تو مُوصِی کی جانب سے ہمارے نزدیک مُجازلہٗ (جس کے لیے اجازت دی جائے) اس کا مالک بن جاتا ہے، اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مجیز کی طرف سے وہ مالک بنتا ہے جیسا کہ ''زیلعی'' میں ہے۔ اور عنقریب آنے والے باب کے آخر میں اس کا بیان آئے گا۔

36169۔ (قولہ: وَلَا تُعْتَبَرُ الخ) اور مُوصی کی حیات میں ان کی اجازت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ ان کا حق ثابت ہونے سے پہلے ہے۔ کیونکہ حق موت کے وقت ثابت ہوتا ہے۔ پس ان کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے اس کی وفات کے بعد رد کر دیں، بخلاف موت کے بعد اجازت کے۔ کیونکہ وہ حق ثابت ہونے کے بعد ہے۔ اور اس کی مکمل بحث ''المنح'' میں ہے۔ اور ''البزازیہ'' میں ہے: موت کے بعد اجازت کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ اس سے پہلے، یہ وصیت میں ہے۔ رہے وہ تصرفات جو اس کے احکام کے لیے مفید ہیں مثلاً اعتاق وغیرہ، جب ان میں سے کوئی مرض موت میں صادر ہوا اور وارث موت سے پہلے اس کی اجازت دے دے تو اس بارے میں ہمارے اصحاب سے کوئی روایت نہیں ہے۔ الامام ''علاء الدین سمرقندی'' نے کہا ہے: مریض نے اپنے غلام کو آزاد کر دیا اور ورثاء اس کی موت سے پہلے اس کے ساتھ راضی ہو گئے تو غلام کوئی شئ کما کر نہیں دے گا۔ تحقیق انہوں نے اس پر نص بیان کی ہے کہ زخمی آدمی کا وارث جب زخم لگانے والے کو معاف کر دے تو وہ صحیح ہوتا ہے اور وہ زخمی آدمی کی موت کے بعد مطالبہ کا مالک نہیں ہوتا۔

36170۔ (قولہ: وَهُمْ كِبَارٌ) اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اہل تصرف میں سے ہوں۔ اس کی مکمل بحث آگے آ رہی ہے۔

36171۔ (قولہ: يَعْنِي يُعْتَبَرُ الخ) اسے مستقل مسئلہ بنانا زیادہ مناسب ہے۔ پس اسے واؤ کے ساتھ تعبیر کیا جائے۔ ''طحطاوی''۔

میں کہتا ہوں: شاید ''شارح'' اسے ''مصنف'' کی عبارت سے ظرف بنا لینے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، اور وہ بعد موتہ ہے جس میں اس کا قول: تجیزو اور اس کا قول: ورثتہ تنازع کر رہے ہیں، اور جب اس میں خفا ہوا تو وہ اسے یعنی کے

أَوْ غَيْرَ وَارِثٍ وَقْتَ الْمَوْتِ لَا وَقْتَ الْوَصِيَّةِ عَلَى الْعَكْسِ إِقْرَارُ الْمَرِيضِ لِلْوَارِثِ (وَنُدِبَتْ بِأَقَلَّ مِنْهُ) وَلَوْ (عِنْدَ غِنَى وَرَثَتِهِ
یا نہ ہونے کا اعتبار موت کے وقت کیا جائے گا نہ کہ وصیت کے وقت، یہ مریض کے وارث کے لیے اقرار کرنے کے برعکس ہے۔ اور ثلث سے کم کے ساتھ وصیت کرنا مستحب ہے اگر چہ وہ اس کے ورثاء کے غنی اور دولتمند ہونے کے وقت ہو

لفظ کے ساتھ لائے۔ تأمل۔

36172۔ (قولہ: وَقْتَ الْمَوْتِ لَا وَقْتَ الْوَصِيَّةِ) موت کے وقت نہ کہ وصیت کے وقت۔ کیونکہ یہ (وصیت) تملیک ہے جو اس کی طرف مضاف ہے جو موت کے بعد ہے۔ پس تملیک کا اعتبار اپنے وقت میں کیا جائے گا، ''زیلعی''۔ اور ہم اس پر ان سے تفریع پہلے بیان کر چکے ہیں۔

36173۔ (قولہ: عَلَى الْعَكْسِ إِقْرَارُ الْمَرِيضِ) مریض کے اقرار کے برعکس۔ پس اس میں اس کے وارث یا غیر وارث ہونے کا اعتبار اقرار کے وقت کیا جائے گا یہاں تک کہ اگر اس نے غیر وارث کے لیے اقرار کیا تو وہ جائز ہے اگر چہ وہ اس کے بعد وارث ہو جائے۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اقرار کے بعد اس کا وارث ہونا نئے پیدا ہونے والے سبب کے ساتھ ہو جیسا کہ اگر وہ کسی اجنبیہ عورت کے لیے اقرار کرے اور پھر اس سے شادی کر لے، بخلاف اس صورت کے کہ جب سبب وہی قائم ہو لیکن کوئی مانع اسے وراثت سے روک دے پھر اس کے بعد وہ مانع زائل ہو جائے، جیسا کہ اگر وہ اپنے کافر بیٹے یا غلام کے لیے اقرار کرے پھر وہ اسلام قبول کر لے یا غلام آزاد ہو جائے تو یہ اقرار کو باطل کر دے گا جیسا کہ وصیت اور ہبہ ہیں جیسا کہ عنقریب متن میں آئے گا، پس جو ''زیلعی'' وغیرہ نے ''النہایہ'' کی اتباع میں ذکر کیا ہے کہ اگر اس نے اپنے غلام بیٹے کے لیے اقرار کیا تو وہ آزاد ہونے کے ساتھ باطل نہیں ہوگا وہ اس لیے ہے کیونکہ اس کے لیے وراثت کا حق اقرار کے بعد نئے سبب کے ساتھ ثابت ہو رہا ہے، اس لیے کہ یہ اس کے اجنبی آقا کے اقرار کے معنی میں ہے۔ پس علامہ ''اتقانی'' نے اسے رد کیا ہے اس طرح کہ یہ سہو ہے اس کو نقل کرنا صحیح نہیں ہے۔ تحقیق ''جامع صغیر'' میں اس کے خلاف پر نص موجود ہے۔

میں کہتا ہوں: بلکہ یہ متون کے بھی مخالف ہے جیسا کہ اس پر بحث آرہی ہے کہ اس میں نئے پیدا ہونے والے سبب کے ساتھ وراثت ہونا محل نظر ہے۔ ہاں ''ہدایہ'' میں ذکر کیا ہے کہ اگر وہ غیر مقروض ہو تو اقرار صحیح ہوگا اور اگر مقروض ہو تو نہیں اور عنقریب بحث آئے گی۔ فتدبر۔

ثلث مال سے کم کی وصیت کرنا مستحب ہے

36174۔ (قولہ: وَلَوْ عِنْدَ غِنَى وَرَثَتِهِ الخ) اگر چہ وہ اپنے ورثا کے غنی ہونے کے وقت ہو الخ۔ ''شارح'' نے لو وصلیہ کا اضافہ کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ غنی یا استغناء نہ ہونے کے وقت ثلث سے کم کے ساتھ وصیت کرنا بھی مستحب ہے، اور وہ اسی طرح ہے جیسا کہ ''صاحب ہدایہ'' نے کہا ہے: اور مستحب ہے کہ ثلث سے کم کے ساتھ وصیت کرے چاہے

....

ورثاء اغنیاء ہوں یا فقرا۔ کیونکہ کم کرنے کی صورت میں قرابتداروں کے ساتھ صلہ رحمی ہے اپنے اس حق کو ترک کرنے کی وجہ سے جو اس کا ان پر ہے، بخلاف وصیت میں ثلث کو مکمل کرنے کے۔ کیونکہ اس میں اپنا کامل حق لینا ہے۔ پس اس میں صلہ نہیں ہے۔ پھر کیا ثلث سے اُقل کے ساتھ وصیت کرنا اولیٰ ہے یا اسے ترک کرنا؟ تو فقہاء نے کہا ہے: اگر ورثا فقیر ہوں، اور وہ اس کے ساتھ مستغنی نہ ہوں جس کے وہ وارث بنیں گے، تو وصیت ترک کرنا اولیٰ ہے، کیونکہ اس میں قرابتداروں پر صدقہ کرنا ہے۔ اور حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: افضل الصَّدَقَةِ عَلَى ذِی الرَّحِمِ الكَاشِحِ(1) (افضل صدقہ ایسے رشتہ دار پر صدقہ کرنا ہے جو اپنے اندر عداوت چھپائے ہوئے ہو) اور اس لیے بھی کہ اس میں فقر اور قرابت دونوں کے حق کی رعایت ہے، اور اگر وہ غنی ہوں یا وہ اپنا حصہ لینے کے ساتھ مستغنی ہو جائیں تو پھر وصیت کرنا اولی ہے، کیونکہ یہ اجنبی پر صدقہ ہوتا ہے، اور ترک کرنا قریبی کو ہبہ کرنا ہے، اور ان میں سے پہلا (یعنی صدقہ) اولیٰ ہے، کیونکہ وہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہے، اور اس وجہ سے یہ بھی کہا گیا ہے: اسے اختیار دیا جائے گا اس لیے کہ ان میں ہر ایک فضیلت پر مشتمل ہے اور وہ صدقہ یا صلہ ہے۔ یہاں ''ہدایہ'' کا کلام اختتام پذیر ہوا۔

حاصل کلام

اس کا حاصل یہ ہے کہ مکمل ثلث کے بارے وصیت مناسب نہیں، بلکہ اس سے مطلقاً کچھ کم کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثلث کو اپنے اس ارشاد: وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ(2) کے ساتھ کثیر قرار دیا ہے، لیکن ورثاء کے فقیر ہونے کے وقت اس میں کمی کرنا اگرچہ مستحب ہے مگر یہ کہ وہاں جو ہے وہ اس سے اولیٰ ہے، اور وہ بالکل ترک کرنا ہے۔ کیونکہ مستحب اپنے درجات میں متفاوت ہوتا ہے، اور اسی طرح مسنون اور مکروہ وغیرہ ہیں۔ اور اسی سے تیرے لیے ظاہر ہو گیا کہ ''شارح'' محقق کا لو وصلیہ کے ساتھ لانا ''ہدایہ'' کے موافق ہے، فافہم۔ اسے یاد کر لو۔ اور ''القہستانی'' میں ہے: جب مال قلیل ہو تو مناسب نہیں کہ وہ اس کی وصیت کرے، یہ اس بنا پر ہے جو امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اور یہ تب ہے جب اولاد بڑی (یعنی تصرف کرنے کے اہل) ہو، پس اگر وہ چھوٹے ہوں تو مطلق وصیت ترک کرنا افضل ہے۔ اور یہ اس بنا پر ہے جو شیخین رحمہما اللہ علیہما سے مروی ہے جیسا کہ ''قاضی خان'' میں ہے۔ پس تفصیل بلاشبہ کبار میں ہے۔ اور رہے صغار! تو ان کے لیے مال چھوڑنا افضل ہے اگرچہ وہ اغنیاء اور مالدار ہوں۔

تنبیہ

''الحاوی القدسی'' میں کہا ہے: جس کا کوئی وارث نہ ہو اور نہ اس پر کوئی قرض ہو تو اولیٰ یہ ہے کہ وہ اپنے ہاتھ کے ساتھ صدقہ کرنے کے بعد اپنے تمام مال کے بارے وصیت کرے۔

1۔ مسند امام احمد، بروایت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ، صفحہ 1733، حدیث نمبر 23927

2۔ سنن نسائی، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بالثلث، جلد 2، صفحہ 621، حدیث نمبر 3566

أَوْ اسْتِغْنَائِهِمْ بِحِصَّتِهِمْ كَتَرْكِهَا) أَيْ كَمَا نُدِبَ تَرْكُهَا (بِلَا أَحَدِهِمَا) أَيْ غِنًى وَاسْتِغْنَاءٍ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ صِلَةٌ وَصَدَقَةٌ (و تؤخر عن الدين) لتقدم حق العبد (وَصَحَّتْ بِالْكُلِّ عِنْدَ عَدَمِ وَرَثَتِهِ) وَلَوْ حُكْمًا كَمُسْتَأْمَنٍ لِعَدَمِ الْمُزَاحِمِ (وَلِمَمْلُوكِهِ بِثُلُثِ مَالِهِ) اتِّفَاقًا وَتَكُونُ وَصِيَّةً بِالْعِتْقِ فَإِنْ خَرَجَ مِنَ الثُّلُثِ فِيهَا وَإِلَّا سَعَى بِقِيَّةِ قِيمَتِهِ وَإِنْ فَضَلَ مِنَ الثُّلُثِ شَيْءٌ فَهُوَ لَهُ

یا ان کے اپنے حصہ کے ساتھ مستغنی ہونے کے وقت ہو جیسا کہ اسے ترک کرنا یعنی جیسا کہ ان دو میں سے ایک یعنی غنا اور استغنا کے بغیر وصیت کو ترک کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ اس وقت اس کا ترک صلہ اور صدقہ ہے۔ اور اسے قرض سے مؤخر کیا جائے گا۔ کیونکہ بندے کا حق مقدم ہوتا ہے۔ اور ورثاء نہ ہونے کے وقت کل مال کی وصیت کرنا صحیح ہے اگر چہ وہ حکماً ہو جیسا کہ مستأمن۔ اور یہ حکم عدم مزاحم کی وجہ سے ہے۔ اور اپنے مملوک غلام کے لیے اپنے ثلث مال کی وصیت کرنا بالاتفاق صحیح ہے، اور یہ وصیت اس کی آزادی کے بارے وصیت ہوگی۔ پس اگر وہ اس کے ثلث مال سے نکل گیا تو بہتر ورنہ وہ اپنی بقیہ قیمت کے لیے سعی اور کوشش کرے گا، اور اگر ثلث سے کوئی شی زائد بچ گئی تو وہ اسی کے لیے ہوگی۔

36175_(قولہ: أَوْ اسْتِغْنَائِهِمْ بِحِصَّتِهِمْ) یعنی اپنے حصہ کے ساتھ ان کے غنی ہو جانے کے وقت، اس طرح کہ ان میں سے ہر ایک چار ہزار درہم کا وارث ہو۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، یا وہ دس ہزار درہم کا وارث ہو، یہ علامہ ''فضلی'' سے مروی ہے۔ اسے ''قہستانی'' نے ''الظہیریہ'' سے نقل کیا ہے۔ اور ''الاتقانی'' نے پہلے قول پر اقتصار کیا ہے۔

36176_(قولہ: أَيْ غِنًى وَاسْتِغْنَاءٍ) اسے واؤ کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ان کے قول: بلا احداھما سے مراد دونوں کا ایک ساتھ نہ ہونا ہے، کیونکہ اگر ان میں سے ایک دوسرے کے بغیر پایا جائے تو پھر فعل (وصیت کرنا) مستحب ہے نہ کہ ترک، تو یہ اپنے ماقبل کے مناقض ہو جاتا ہے، فتدبر۔

36177_(قولہ: لِأَنَّهُ) اس میں ہ ضمیر سے مراد ترک وصیت ہے۔

36178_(قولہ: كَمُسْتَأْمَنٍ) جیسا کہ مستأمن۔ کیونکہ وہ جب اپنے کل مال کے بارے کسی مسلمان یا ذمی کے لیے وصیت کرے تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ کل مال کی وصیت سے مانع ورثاء کا حق ہے، اور دار الحرب میں ورثاء کا کوئی حق نہیں، ''ولوالجیہ''۔ اور اس کی مکمل بحث عنقریب باب وصایا الذمی میں آئے گی۔

36179_(قولہ: لِعَدَمِ الْمُزَاحِمِ) مزاحم نہ ہونے کی وجہ سے۔ یہ ان کے قول: وَصَحَّتْ اور اسکے مابعد کی علت ہے۔

اپنے مملوک غلام کے لیے اپنے ثلث مال کی وصیت کرنا بالاتفاق صحیح ہے

36180_(قولہ: وَتَكُونُ وَصِيَّةً بِالْعِتْقِ) یعنی یہ وصیت غلام کی ذات کے لیے وصیت ہوگی وصیت کو صحیح قرار دینے کے لیے اور اس کے بارے جو ثلث مکمل ہونے تک غلام کی قیمت سے زائد ہے۔

36181_(قولہ: فَإِنْ خَرَجَ مِنَ الثُّلُثِ الخ) پس اگر وہ ثلث سے نکلے الخ، اس میں اجمال ہے۔ اور اس کا بیان

(وَبِدَرَاهِمَ أَوْ بِدَنَانِيرَ مُرْسَلَةٍ لَا) تَصِحُّ فِي الْأَصَحِّ كَمَا لَا تَصِحُّ بِعَيْنٍ مِنْ أَعْيَانِ مَالِهِ لَهُ (وَصَحَّتْ لِمُكَاتَبِ نَفْسِهِ

اور مطلق دراہم ودنانیر کے بارے وصیت اصح قول کے مطابق صحیح نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اس کے مال کی اجناس میں سے ایک جنس کی وصیت صحیح نہیں ہوتی۔ اور وصیت اپنے مکاتب

اور تفصیل وہ ہے جسے ''طحطاوی'' نے ''ہندیہ'' سے، اور انہوں نے ''البدائع'' سے نقل کیا ہے: ''اگر مال دراہم یا دنانیر کی صورت میں ہو اور غلام کے دو تہائی کی قیمت اس کی مثل ہو جو اس کے لیے ثابت ہے تو اس کا بدلہ اور قصاص ہوگا، اور اگر مال زیادہ ہو تو وہ زیادتی غلام کو دے دی جائے یا غلام کے دو تہائی میں زیادتی ہو تو وہ ورثاء کو دے دی جائے، اور اگر مال سامان کی صورت میں ہو تو وہ قصاص نہیں ہوگا مگر باہم رضامندی کے ساتھ اس لیے کہ جنس مختلف ہے۔ اور غلام اپنی قیمت کے دو ثلث کمائے گا اور اس کے لیے اس کے تمام اموال کا ایک ثلث ہوگا۔ اور یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے، اور رہے ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما تو ان کے نزدیک وہ سارے کا سارا مدبر ہے، پس وہ مکمل آزاد ہو جائے گا اور وہ تمام وصایا پر مقدم ہوگا۔ اور اگر ثلث اس کی قیمت سے زائد ہوا، تو وہ ورثاء اسے دے دیں۔ اور اگر اس کی قیمت زیادہ ہوئی تو وہ زیادتی اور اضافی قیمت کما کر ورثاء کے حوالے کرے، ملخصاً۔

میں کہتا ہوں: اختلاف کا دارومدار اس پر ہے کہ کیا اعتاق تجزی کو قبول کرتا ہے یا نہیں جیسا کہ ''شرح المجمع'' میں ہے۔ اور عتق کو تمام وصایا پر مقدم کرنے کے ساتھ اختلاف کے ثمرہ کی طرف اشارہ کیا ہے، اور اس کی وضاحت ''العزمیہ'' میں اس کے ساتھ کی ہے کہ جب کوئی اپنے مال کے تیسرے حصہ کی وصیت اپنے اس غلام کے لیے کرے اس کی قیمت ایک ہزار درہم ہو اور وہ ایک ہزار کے دو ثلث کی وصیت فقراء کے لیے کرے اور پھر وہ فوت ہو جائے اور اس نے ترکہ میں ایک غلام اور دو ہزار درہم چھوڑے تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غلام کا ایک تہائی مفت آزاد ہوگا اور اس کی قیمت کے دو تہائی غلام اور فقراء کے درمیان برابر برابر ہوں گے اور غلام اپنی قیمت کا ایک تہائی فقراء کو دے گا۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اولاً مکمل غلام مفت آزاد ہو جائے گا، اور فقراء کے لیے کوئی شے نہ ہوگی، فتامل۔ پھر اگر اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ عتق کے بارے وصیت کا ہونا ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر مبنی ہے، تامل۔

مطلق دراہم اور دنانیر کے بارے وصیت اصح قول کے مطابق صحیح نہیں ہوتی

36182۔ (قولہ: أَوْ بِدَنَانِيرَ الخ) اگر یہ لا کے ساتھ واقع ہوتا اور وہ کہتے: لابدنانیر تو یہ زیادہ واضح ہوتا۔ اور مرسلہ سے مراد جیسا کہ عنقریب آنے والے باب میں ''شارح'' ذکر کریں گے، مطلقہ اور ثلث اور نصف وغیرہ کے ساتھ غیر مقیدہ ہے یعنی جیسا کہ جب وہ کہے: مثلاً ایک سو (بمائۃ)، فافہم۔

36183۔ (قولہ: وَصَحَّتْ لِمُكَاتَبِ نَفْسِهِ) اور اپنے ذاتی مکاتب کے لیے وصیت صحیح ہے، یعنی جب اس کی

أَوْ لِمُدَبَّرِهِ أَوْ لِأُمِّ وَلَدِهِ) اسْتِحْسَانًا لَا لِمُكَاتَبِ وَارِثِهِ (وَ) صَحَّتْ (لِلْحَمْلِ وَبِهِ) كَقَوْلِهِ (أَوْصَيْتُ بِحَمْلِ جَارِيَتِي أَوْ دَابَّتِي هٰذِهِ لِفُلَانٍ ثُمَّ إِنَّمَا تَصِحُّ إِنْ وُلِدَ) الْحَمْلُ

یا اپنے مدبر یا اپنی ام ولد کے لیے استحساناً صحیح ہے نہ کہ اپنے وارث کے مکاتب کے لیے۔ اور حمل کے لیے اور حمل کی وصیت کرنا صحیح ہے جیسا کہ اس کا قول: میں نے اپنی لونڈی کے حمل کی یا اپنے اس جانور کے حمل کی فلاں کے لیے وصیت کی۔ پھر بلاشبہ یہ صحیح ہوگی اگر حمل

ذات عاجز نہ ہوا گرچہ آقا کی موت کے بعد ہو۔ رہی یہ صورت جب اس کی ذات عاجز آ جائے تو کیا وہ مملوک کے لیے وصیت کے حکم میں ہوگا؟ اسے نقلاً تحریر کیا ہے، ''طحطاوی''۔

36184۔ (قولہ: أَوْ لِمُدَبَّرِهِ أَوْ لِأُمِّ وَلَدِهِ) یا اپنے مدبر یا اپنی ام ولد کے لیے۔ کیونکہ وصیت کا نفاذ آقا کی موت کے بعد ہوتا ہے اور اس وقت وہ دونوں آزاد ہیں، ''طحطاوی''۔

36185۔ (قولہ: لَا لِمُكَاتَبِ وَارِثِهِ) نہ کہ اپنے وارث کے مکاتب کے لیے۔ کیونکہ وہ موصی کی موت کے بعد وارث کی ملکیت پر باقی رہتا ہے۔ پس وہ وارث کے لیے وصیت ہوگی، تامل۔ اور ''القہستانی'' میں ہے: اپنے وارث کے غلام، اس کے مدبر، اور اس کی ام ولد کے لیے وصیت صحیح نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ درحقیقت وارث کے لیے وصیت ہے، بخلاف اپنے وارث کے بیٹے کے لیے وصیت کرنے کے جیسا کہ ''النظم'' میں ہے۔

36186۔ (قولہ: وَ صَحَّتْ لِلْحَمْلِ) اور حمل کے لیے صحیح ہے، کیونکہ یہ من وجہ خلیفہ اور نائب بنانا ہے۔ کیونکہ وہ اسے اپنے بعض مال میں نائب اور خلیفہ بنا رہا ہے۔ اور جنین وراثت میں خلیفہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے تو اسی طرح وصیت میں بھی وہ خلیفہ بن سکتا ہے۔ اور یہ نہیں کہا جائے گا: وصیت کی شرط تو قبول کرنا ہے اور جنین قبول کرنے کے اہل نہیں ہے، کیونکہ وصیت ہبہ اور میراث دونوں سے مشابہت رکھتی ہے، پس ہبہ کے ساتھ اس کی مشابہت کی وجہ سے قبول ہونا ہے جب ممکن ہو، اور میراث کے ساتھ اس کی مشابہت کی وجہ سے یہ ساقط ہو جاتا ہے جب دونوں مشابہتوں کے ساتھ عمل کرنا ممکن نہ ہو۔ اسی لیے قبول سے پہلے موصی لہ کی موت کے ساتھ یہ ساقط ہو جاتا ہے، ''زیلعی''۔

حمل کے بارے وصیت کرنا صحیح ہے

36187۔ (قولہ: وَبِهِ) یعنی حمل کے بارے وصیت کرنا صحیح ہے، کیونکہ اس میں وراثت جاری ہوتی ہے، پس اس میں وصیت بھی جاری ہوگی کیونکہ یہ اخت ارث ہے، ''زیلعی''۔ اور یہ تب ہے جب حمل مولیٰ سے نہ ہو، ''اتقانی''۔ اور ''شارح'' نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

تنبیہ

ہم نے باب اللعان میں ''فتح القدیر'' سے بیان کیا ہے کہ حمل کو وارث بنانا اور اس کے بارے اور اس کے لیے وصیت

(لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ لَوْ زَوْجُ الْحَامِلِ حَيًّا وَلَوْ مَيِّتًا وَهِيَ مُعْتَدَّةٌ حِينَ الْوَصِيَّةِ فَلِأَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ بِدَلِيلِ ثُبُوتِ نَسَبِهِ اخْتِيَارٌ وَجَوْهَرَةٌ

چھ مہینے سے کم مدت میں پیدا ہو بشرطیکہ حاملہ کا خاوند زندہ ہو اور اگر مردہ ہو اور یہ وصیت کے وقت معتدہ ہو، تو پھر دو سال سے کم کی مدت میں (اگر حمل پیدا ہو تو وصیت صحیح ہوگی) اور اس کی دلیل اس کے نسب کا ثابت ہونا ہے۔ ''اختیار'' اور ''جوہرہ''۔

کرنا دونوں اس کے انفصال اور جدا ہونے کے بعد ہی ثابت ہوتے ہیں، پس یہ دونوں ولد (بچے) کے لیے ثابت ہوتے ہیں نہ کہ حمل کے لیے۔

میں کہتا ہوں: اور مراد ان دونوں کے حکم کا ثابت ہونا ہے، ورنہ تو یہ دونوں اس سے پہلے ثابت ہو جاتے ہیں، لہٰذا یہاں ان کا کلام ان کے منافی نہیں ہے۔

''الظہیریہ'' میں تفریع بیان کی ہے کہ اگر ورثاء نے موصی بہ حمل کو آزاد کر دیا تو ان کا آزاد کرنا جائز ہے، اور وہ ولادت کے دن اس کی قیمت کے ضامن ہوں گے۔

میں کہتا ہوں: اور اس کی وجہ جو میں جانتا ہوں یہ ہے کہ اس کے بارے وصیت کا حکم ولادت کے بعد ہی ثابت ہوتا ہے، پس وہ ولادت سے پہلے اپنی ماں کی تبع میں ورثاء کی ملکیت میں ہی ہے، اور ولادت کے ساتھ موصی لہ کا حق ثابت ہوا اور انہوں نے اسے ضائع کر دیا، لہٰذا وہ اس وقت اس کی قیمت کے ضامن ہوں گے، تامل۔

36188۔ (قولہ: لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ) چھ مہینے سے کم کی مدت میں وہ پیدا ہو، اور اگر وہ چھ مہینے یا اس سے زیادہ گزرنے کے بعد پیدا ہوا تو اس کے موجود ہونے اور نہ ہونے کا احتمال ہے، لہٰذا وصیت صحیح نہیں ہوگی۔ اسے ''الاتقانی'' نے بیان کیا ہے۔

36189۔ (قولہ: وَلَوْ مَيِّتًا) موت کی مثل طلاق بائن ہے، ''طحطاوی''۔

میں کہتا ہوں: اور اسی کی مثل ہے اگر موصی اس بارے اقرار کرے کہ وہ حاملہ ہے تو اس کے لیے وصیت ثابت ہوگی اگر اس نے اسے وصیت کرنے کے دن سے دو سال کی مدت کے دوران جنم دیا۔ کیونکہ پیٹ میں وصیت کے وقت اس کا موجود ہونا موصی کے اقرار کے ساتھ ثابت ہے۔ کیونکہ وہ اس سے متہم نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا موجب وہ ہے جو اس کا خالص حق ہے، اس کی بنا اس اقرار پر ہے اور وہ ثلث ہے، پس اسے اس کے ساتھ ملحق کیا جائے گا اگر وہ یقیناً معلوم ہو جائے اس طرح کہ وہ اسے چھ ماہ سے کم مدت میں جنم دے دے۔ اسی طرح اسے ہمارے مشائخ کے شیخ علامہ ''محمد التافلاتی'' حنفی مفتی القدس الشریف نے ''مبسوط سرخسی'' سے نقل کیا ہے۔

36190۔ (قولہ: فَلِأَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ) یعنی موت یا طلاق کے وقت سے لے کر دو سال گزرنے سے پہلے، اگرچہ وصیت کے وقت سے لے کر چھ ماہ سے زیادہ مدت ہو، ''طحطاوی''۔

وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْآدَمِيِّ وَغَيْرِهِ مِنَ الْحَيَوَانَاتِ، فَلَوْ أَوْصَى لِمَا فِي بَطْنِ دَابَّةِ فُلَانٍ لِيُنْفِقَ عَلَيْهِ صَحَّ وَمُدَّةُ الْحَمْلِ لِلْآدَمِيِّ سِتَّةُ أَشْهُرٍ وَلِلْفِيلِ إِحْدَى عَشْرَةَ سَنَةً وَلِلْإِبِلِ وَالْخَيْلِ وَالْحِمَارِ سَنَةٌ وَلِلْبَقَرِ تِسْعَةُ أَشْهُرٍ وَلِلشَّاةِ خَمْسَةُ أَشْهُرٍ، وَلِلسِّنَّوْرِ شَهْرَانِ، وَلِلْكَلْبِ أَرْبَعُونَ يَوْمًا وَلِلطَّيْرِ أَحَدٌ وَعِشْرُونَ يَوْمًا قُهُسْتَانِيٌّ مَعْزِيًّا لِلِاسْتِيفَاءِ (مِنْ وَقْتِهَا) أَيْ مِنْ وَقْتِ الْوَصِيَّةِ وَعَلَيْهِ الْمُتُونُ وَفِي النِّهَايَةِ مِنْ وَقْتِ مَوْتِ الْوَصِيِّ وَفِي الْكَافِي مَا يُفِيدُ أَنَّهُ مِنَ الْأَوَّلِ

اور آدمی اور اس کے سوا حیوانات کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ پس اگر اس نے اس کے لیے وصیت کی جو فلاں کے جانور کے پیٹ میں ہے تا کہ وہ اس پر خرچ کرے تو یہ صحیح ہے، اور آدمی کے لیے حمل کی مدت چھ مہینے، ہاتھی کے لیے گیارہ سال، اونٹ، گھوڑے اور گدھے کے لیے ایک سال، اور گائے کے لیے نو مہینے، اور بکری کے لیے پانچ مہینے اور بلی کے لیے دو مہینے، اور کتے کے لیے چالیس دن، اور پرندے کے لیے اکیس دن ہے۔ ''قہستانی'' میں اس مدت کو پورا کرنے کے لیے وصیت کے وقت سے منسوب کیا گیا ہے اور اسی پر متون ہیں۔ اور ''النہایہ'' میں ہے: حمل کی ابتدائے مدت موصی کی موت کے وقت سے ہوگی۔ اور ''الکافی'' میں جو ہے وہ اس کا فائدہ دیتا ہے

36191۔ (قولہ: وَلَا فَرْقَ) یعنی حمل کے لیے یا حمل کے بارے میں وصیت کے صحیح ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

36192۔ (قولہ: لِيُنْفِقَ عَلَيْهِ) تا کہ وہ اس پر خرچ کرے، اس کے ساتھ مقید کیا، اس لیے کہ آگے ان کا قول آئے گا: اوصی بھذا التبن لدواب فلان (اس نے اس بھوسے کی فلاں کے جانوروں کے لیے وصیت کی) تو یہ وصیت باطل ہے، اور اگر اس نے کہا: يَعلِفُ بها دوابُّ فلانٍ (اسے فلاں کے جانور چریں گے) تو یہ جائز ہے۔

36193۔ (قولہ: صَحَّ) یہ صحیح ہے، جب فلاں اسے قبول کر لے، ''اتقانی''۔ کیونکہ یہ اسی کے لیے وصیت ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

36194۔ (قولہ: وَمُدَّةُ الْحَمْلِ) یعنی حمل کی کم سے کم مدت، اور یہی اس کا صریح مفہوم ہے جو ''القہستانی'' میں ہے، ''طحطاوی''۔

36195۔ (قولہ: وَلِلْفِيلِ إِحْدَى عَشْرَةَ سَنَةً) اور ہاتھی کے لیے گیارہ سال۔ جسے میں نے ''القہستانی'' کے اپنے نسخہ میں دیکھا ہے وہ گیارہ مہینے ہے، پس چاہیے کہ تو دوسرے نسخہ کی طرف رجوع کرے۔

36196۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ الْمُتُونُ) اور اسی پر متون ہیں، اس کے ساتھ ''شارح'' نے اس کے معتمد علیہ ہونے کو بیان کیا ہے، ''طحطاوی''۔

36197۔ (قولہ: وَفِي الْكَافِي الخ) اور ''الکافی'' میں ہے: میں کہتا ہوں: یہی ہے جسے معتمد علیہ ہونا چاہیے، کیونکہ اصحاب متون نے جس طرح اس کے ساتھ تصریح کی ہے جو گزر چکا ہے، تحقیق انہوں نے باب الوصیۃ بالخدمہ کے آخر میں اس

إِنْ كَانَ لَهُ وَمِنَ الثَّانِي إِنْ كَانَ بِهِ زَادَ فِي الْكَنْزِ وَلَا تَصِحُّ الْهِبَةُ لِلْحَمْلِ لِعَدَمِ قَبْضِهِ وَلَا وِلَايَةَ لِأَحَدٍ عَلَيْهِ لِيَقْبِضَ عَنْهُ زَيْلَعِيٌّ وَغَيْرُهُ فَلَوْ صَالَحَ أَبُو الْحَمْلِ عَنْهُ بِمَا أَوْصَى لَهُ لَمْ يَجُزْ لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لِلْأَبِ عَلَى الْجَنِينِ وَلْوَالِجِيَّةٌ

کہ اگر وصیت حمل کے لیے ہو تو مدت کی ابتدا وصیت کے وقت سے ہوگی۔ اور اگر حمل کے بارے وصیت ہو تو پھر ابتدا موصی کی موت کے وقت سے ہوگی۔ ''الکنز'' میں یہ زیادہ کیا ہے: حمل کے لیے اس کے عدم قبضہ کی وجہ سے ہبہ صحیح نہیں ہوتا، اور نہ کسی کو اس پر ولایت حاصل ہے کہ وہ اس کی طرف سے قبضہ کر لے، ''زیلعی'' وغیرہ۔ پس اگر حمل کا باپ اس کی طرف سے اس کے بدلے صلح کرے جس کی اس کے لیے وصیت کی گئی تو یہ جائز نہیں، کیونکہ باپ کو جنین پر ولایت حاصل نہیں، ''ولوالجیہ''۔

کے ساتھ بھی تصریح کی ہے کہ اگر اس نے اپنی بکری کی اون اور اس کے بچے کی وصیت کی یعنی اس کا وہ حمل جو اس کی موت کے وقت موجود تھا، اور ''شارح'' نے اسے قائم رکھا ہے اور وہ یہاں ان کے اطلاق کا مخصص ہے، فافہم۔

36198۔ (قولہ: إِنْ كَانَ لَهُ) یعنی اگر وصیت حمل کے لیے ہو جیسا کہ گزر چکا ہے اس کی شرائط میں سے ہے کہ موصی لہ وصیت کے وقت موجود ہے، اور اس کے وجود کا یقین نہیں ہوتا مگر تبھی جب وہ وصیت کے وقت سے لے کر چھ ماہ سے کم مدت میں پیدا ہو جائے۔

36199۔ (قولہ: إِنْ كَانَ بِهِ) اگر وہ موصی بہ ہو، کیونکہ ہم ''النہایہ'' سے یہ بیان کر چکے ہیں کہ موصی بہ اگر معدوم ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ عقود میں سے کسی عقد کے ساتھ تملیک کو قبول کرنے والا ہو، اسی لیے اس بارے وصیت جائز نہیں کہ جو اس کی بکریاں جنم دیں گی۔

36200۔ (قولہ: لِعَدَمِ قَبْضِهِ) اس کا قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے، یہ وصیت اور ہبہ کے درمیان فرق کا بیان ہے، کیونکہ ہبہ تملیک محض ہے، اور ہبہ کے ساتھ ملکیت بلا شبہ قبضہ کرنے کے ساتھ ثابت ہوتی ہے، اور جنین اس کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اسے ''العنایہ'' میں بیان کیا ہے۔ رہی وصیت! تو وہ من وجہ تملیک ہے اور من وجہ استخلاف ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

36201۔ (قولہ: لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لِلْأَبِ عَلَى الْجَنِينِ) کیونکہ جنین پر باپ کی ولایت نہیں ہے۔ کیونکہ ولایت کا ثبوت مولیٰ کے اس پر نظر رکھنے کی حاجت کے لیے ہے، اور جنین کے لیے اس کی کوئی حاجت نہیں ہے، اور اس لیے بھی کہ جنین ماں کے اجزاء میں سے ایک جز کے حکم میں ہے، اور جس طرح باپ کی ماں پر ولایت ثابت نہیں تو اسی طرح اس کے اجزاء میں سے کسی جز پر بھی ولایت ثابت نہیں ہوگی، اور اسی طرح ماں ہے اگر یہ اس کے لیے کوئی صلح کرے، کیونکہ ولایت میں أبوّة (باپ ہونا) اقوی ہے، تو جب باپ کے لیے ولایت ثابت نہیں ہے تو ماں کے لیے بدرجہ اولیٰ ثابت نہیں ہوگی۔ اور جنین اگرچہ من وجہ بمنزلہ اس کے جز کے ہے لیکن فی الحقیقت وہ ایسا نفس ہے جو اس میں ودیعت رکھا گیا ہے، پس نفس ہونے کے معنی کا اعتبار کرنے کی وجہ سے وصیت صحیح ہے، اور اجزاء کے لیے وصیت صحیح نہیں ہوتی۔ اور ماں کی طرف سے اس صلح کو صحیح

قُلْتُ وَبِهِ عُلِمَ جَوَابُ حَادِثَةِ الْفَتْوَى وَهِيَ أَنَّهُ لَيْسَ لِلْوَصِيِّ وَلَوْ مُخْتَارًا التَّصَرُّفُ فِيمَا وُقِفَ لِلْحَمْلِ بَلْ قَالُوا الْحَمْلُ لَا يَلِي وَلَا يُولَى عَلَيْهِ

میں کہتا ہوں: اس سے حادثۃ الفتویٰ کا جواب معلوم ہو گیا، اور وہ یہ ہے کہ وصی اگرچہ مختار ہو اس کیلئے اس شے میں تصرف کرنا جائز نہیں جو حمل کے لیے وقف ہو، بلکہ انہوں نے کہا ہے: حمل نہ کسی کا ولی ہوتا ہے اور نہ اس پر کسی کو ولایت دی جا سکتی ہے۔

قرار دینا ممکن نہیں، اس اعتبار سے کہ اس معنی کے لیے جزئیت ثابت ہے۔ اسے ''تافلاتی'' نے ''المبسوط'' سے نقل کیا ہے۔

36202۔ (قولہ: قُلْتُ وَبِهِ عُلِمَ الخ) یہ ''المنح'' میں مصنف کا قول ہے۔ ''طحطاوی'' اور ''حموی'' کے ''حاشیۃ الاشباہ'' میں قاعدہ التابع تابع (تابع تابع ہی ہوتا ہے) کے تحت ہے: مناسب یہ ہے کہ یہ کہا جائے: اگر وہ ایسی شے ہو جس پر تلف ہونے کا خوف ہو تو پھر آقا کے لیے اس کی بیع کرنا جائز ہے، اور اگر ایسا نہ ہو، تو پھر اگر وہ حیوان ہو تو حکم اسی طرح ہے، کیونکہ اس کی محنت و مشقت اسے نفقہ کے ساتھ گھیر لیتی ہے، اور اگر وہ زمین ہو تو پھر نہیں۔ یہی میرے لیے غور وفکر کے بعد ظاہر ہوا ہے اور قواعد اس کا تقاضا کرتے ہیں۔

36203۔ (قولہ: بَلْ قَالُوا الخ) یہ اضراب انتقالی ہے، کیونکہ اس نے یہ فائدہ دیا ہے کہ اس پر بالکل ولایت ثابت نہیں ہوتی چہ جائیکہ وہ تصرف کے صحیح ہونے اور صحیح نہ ہونے کے بارے ثابت ہو، فافہم۔ ''الرملی'' نے کہا ہے: جنین پر باپ اور وصی کی ولایت کے شمار میں بہت سی نقول ظاہر ہیں۔

تنبیہ

''الحامدیہ'' میں جو یہاں ہے اس سے اخذ کرتے ہوئے یہ فتویٰ دیا ہے کہ باپ کو اپنے حمل پر وصی مقرر کرنا صحیح نہیں ہے، لیکن ''الاشباہ'' کتاب البیوع کے شروع میں ہے: چاہیے کہ اس پر وصیت کی طرح وقف صحیح ہو۔ ''حموی'' نے کہا ہے: اسی علیہ (یعنی جس طرح اس پر وصیت صحیح ہوتی ہے) پس اس نے یہ فائدہ دیا ہے کہ اس پر وصی مقرر کرنا صحیح ہے، اور یہی گزشتہ بحث کے موافق ہے، اور اسی کے ساتھ علامہ ''ابن الشلبی'' نے ان کے قول کی طرف منسوب کرتے ہوئے فتویٰ دیا ہے کہ اس کی اولاد میں سے نئے پیدا ہونے والوں پر وقف کرنا صحیح ہے، اور ان کا قول کہ وقف اخوالوصیۃ ہے۔ پس اس حیثیت سے جو وقف میں داخل ہیں وہ وصیت میں بھی داخل ہیں۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ ان کی مراد وہ وصیت ہے جو تملیک ہے، کیونکہ وقف اسی کی مثل ہے، کیونکہ اس نے منفعت کو صدقہ کیا ہے، اور کلام حمل پر وصی مقرر کرنے کے بارے میں ہے، اور یہ اس پر وقف کرنے کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا جیسا کہ یہ امر مخفی نہیں ہے، اور اسی سے وہ بھی ظاہر ہو گیا جو ''حموی'' کے کلام سابق میں ہے، یہ اور ہمارے مولیٰ شیخ ''محمد التافلاتی'' کا اس مسئلہ میں ایک رسالہ ہے اس میں اس کے ساتھ تطبیق کی ہے کہ یہ صحیح ہے، لیکن یہ ولادت تک موقوف ہے، یہ اس سے اخذ کرتے ہوئے ہے جو ہم نے پہلے ''فتح القدیر'' سے بیان کیا ہے کہ اس کو وارث بنانا اور اس کے

(وَصَحَّتْ بِالْأَمَةِ إِلَّا حَمْلَهَا) لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ كُلَّ مَا صَحَّ إِفْرَادُهُ بِالْعَقْدِ صَحَّ اسْتِثْنَاؤُهُ مِنْهُ وَمَا لَا فَلَا (وَمِنْ الْمُسْلِمِ لِلذِّمِّيِّ وَبِالْعَكْسِ لَا حَرْبِيٍّ فِي دَارِهِ) قَيَّدَ بِدَارِهِ

اورلونڈی کی اس کے حمل کے بغیر وصیت کرنا صحیح ہے۔ کیونکہ یہ ثابت ہے کہ ہر وہ جس کا علیحدہ اور انفرادی عقد صحیح ہے، اس کا عقد سے استثنا کرنا بھی صحیح ہے، اور جس کا عقد صحیح نہیں اس کی استثنا کرنا بھی صحیح نہیں۔ اور مسلمان کی طرف سے ذمی کے لیے اور اس کے برعکس وصیت صحیح ہے، لیکن (مسلمان کی طرف سے) حربی کے لیے دارالحرب میں صحیح نہیں ہے۔ ''مصنف'' نے اسے دارالحرب کے ساتھ مقید کیا ہے،

بارے اور اس کے لیے وصیت کرنا یہ دونوں بھی ولادت تک موقوف ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

36204۔ (قولہ: وَصَحَّتْ بِالْأَمَةِ إِلَّا حَمْلَهَا) اور لونڈی کے بارے اس کے حمل کے بغیر وصیت کرنا صحیح ہے، یعنی جب وہ کہے: أوصیتُ بھذہ الأمة الاحملھا (میں نے اس لونڈی کی وصیت کی سوائے اس کے حمل کے) تو یہ وصیت اور استثنا بھی صحیح ہے۔ اور یہ استثنا منقطع ہے بمعنی لکن ہے۔ کیونکہ حمل کو أمة (لونڈی) کا اسم لفظاً شامل نہیں ہوتا، بلکہ وہ تبعاً اطلاق کے سبب مستحق ہوتا ہے۔ اس کی مکمل بحث ''العنایہ'' میں ہے۔

36205۔ (قولہ: صَحَّ اسْتِثْنَاؤُهُ مِنْهُ) اس سے اس کی استثنا کرنا صحیح ہے، یعنی جب حمل کی الگ وصیت کرنا صحیح ہے تو اسی طرح وصیت سے اس کی استثنا کرنا بھی صحیح ہے، ''زیلعی''۔

حربی کے لیے دارالحرب میں وصیت کرنا صحیح نہیں

36206۔ (قولہ: لَا حَرْبِيٍّ فِي دَارِهِ) حربی کے لیے اس کے دار میں وصیت صحیح نہیں ہے اگرچہ ورثا اجازت بھی دیں، اس لیے کہ ہمیں ان کے ساتھ احسان کرنے سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ الآیہ (الممتحنۃ: 9) (اللہ تمہیں صرف ان لوگوں سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا یا مدد دی تمہارے نکالنے میں کہ تم انہیں دوست بناؤ اور جو انہیں دوست بناتے ہیں تو وہی (اپنے آپ پر) ظلم توڑتے ہیں)۔ (جمال القرآن)۔

پس عدم جواز حق شرع کی وجہ سے ہے نہ کہ ورثاء کے حق کی وجہ سے بخلاف وارث کے لیے یا کسی اجنبی کے لیے ثلث سے زیادہ کی وصیت کرنے کے، کیونکہ وہ ورثاء کے حق کی وجہ سے ممنوع ہے، اور اس لیے کہ حربی دارالحرب میں ہمارے حق میں میت کی مثل ہے اور میت کے لیے وصیت باطل ہے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاصل'' میں حربی کے لیے وصیت جائز نہ ہونے کے بارے میں صریحاً بیان کیا ہے، اور اسی طرح ''الجامع الصغیر'' میں ہے، اور اس کے شارحین نے ذکر کیا ہے کہ جو ''السیر الکبیر'' میں ہے وہ اس کے جواز پر دلالت کرتا ہے، اور علامہ ''قاضی زادہ'' نے اس کا رد اس طرح کیا ہے کہ ''السیر الکبیر'' کے الفاظ ہیں: لو أوصی مسلمٌ لحربیّ والحربیُّ فی دار الحرب لایجوزُ (اگر مسلمان نے حربی کے لیے وصیت کی اور

لِأَنَّ الْمُسْتَأْمَنَ كَالذِّمِّيِّ كَمَا أَفَادَهُ الْمُنْلَا بَحْثًا قُلْتُ

اس لیے کہ مستأمن تو ذمی کی مثل ہے جیسا کہ اسے ''منلا خسرو'' نے بحث کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ میں کہتا ہوں:

حربی دارالحرب میں ہو تو وہ جائز نہیں ہے)، اور ''العزمیہ'' میں اس پر اس کے ساتھ اعتراض کیا ہے کہ جواز کے ناقلین اخذ کرنے اور نقل کرنے میں امین ہیں اور علامہ ''جوی زادہ'' نے ذکر کیا ہے کہ جو جواز پر دلالت کرتا ہے اس سے ان کی مراد وہ ہے جسے علامہ ''سرخسی'' نے ''شرح السیر الکبیر'' میں اس قول کے ساتھ ذکر کیا ہے: کوئی حرج نہیں ہے کہ مسلمان آدمی مشرک کے ساتھ صلہ رحمی کرے چاہے وہ اس کا قریبی ہو یا بعیدی ہو، دارالحرب میں رہنے والا ہو یا ذمی ہو'' اور اس پر کئی احادیث سے استدلال کیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ سو دینار اس وقت اہل مکہ کی طرف بھیجے جب وہ قحط میں مبتلا تھے اور ابوسفیان بن حرب اور صفوان ابن امیہ کو دیتے وقت یہ حکم دیا کہ وہ انہیں اہل مکہ کے فقراء پر تقسیم کر دیں تو ابوسفیان نے انہیں قبول کر لیا اور صفوان نے انکار کر دیا'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو انہیں لے لے، اور اس لیے بھی کہ صلہ رحمی ہر عقلمند کے نزدیک اور ہر دین میں پسندیدہ اور قابل ستائش ہے اور غیر کو ہدیہ دینا مکارم اخلاق میں سے ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأَخلاق(1) (میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں) پس ہم نے پہچان لیا کہ یہ مسلمانوں اور مشرکین تمام کے حق میں اچھا ہے۔ پس حربی کے ساتھ صلہ رحمی کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف ہے، وصیت کے جواز اور عدم جواز میں کوئی اختلاف نہیں، ملخصاً۔ اور اس کی مکمل بحث ''الشرنبلالیہ'' میں ہے۔

حاصل کلام

حاصل یہ ہے کہ یہ علت بیان کرنا کہ حربی میت کی طرح ہے یہ اس کے لیے وصیت جائز نہ ہونے کا تقاضا کرتا ہے، اور نہی کے ساتھ علت بیان کرنا وصیت اور صلہ رحمی میں سے ہر ایک کے عدم جواز کا تقاضا کرتا ہے، اور جو ''السیر'' میں ہے وہ وصیت کے بغیر صلہ رحمی کے جواز پر دلالت کرتا ہے بخلاف اس کے جو ''الجامع'' کے شراح سمجھے ہیں، پس اختلاف صرف صلہ رحمی کے جواز میں ہوا۔

میں کہتا ہوں: تحقیق میں نے ہدیہ کے جواز پر امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی نص دیکھی ہے اس حیثیت سے کہ انہوں نے ''موطا'' باب ما یکرہ من لبس الحریر والدیباج میں کہا ہے: حربی مشرک کی طرف بھی ہدیہ بھیجنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب تک وہ اس کی طرف ہتھیار یا زرہ بطور ہدیہ نہ بھیجے، اور یہی امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور ہمارے عام فقہاء کا قول ہے۔

36207۔ (قولہ: لِأَنَّ الْمُسْتَأْمَنَ كَالذِّمِّيِّ) کیونکہ مستأمن ذمی کی طرح ہے، پس جب اس نے کسی مسلمان یا ذمی کے لیے اپنے تمام مال کی وصیت کی تو یہ جائز ہے جیسا کہ یہ گزر چکا ہے، اور اس کی مکمل بحث آگے آئے گی۔

36208۔ (قولہ: كَمَا أَفَادَهُ الْمُنْلَا) بعض نسخوں میں ''المنلا خسرو'' ہے۔

1۔ شفاء شریف، باب 2، صفحہ 90، فصل 10

وَبِهِ صَرَّحَ الْحَدَّادِيُّ وَالزَّيْلَعِيُّ وَغَيْرُهُمَا وَسَيَجِيءُ مَتْنًا فِي وَصَايَا الذِّمِّيِّ (وَلَا لِوَارِثِهِ وَقَاتِلِهِ مُبَاشَرَةً)

اور اسی کے بارے ''حدادی'' اور ''زیلعی'' وغیرہ نے تصریح کی ہے، اور عنقریب یہ وصایا الذمی کے متن میں آئے گا۔ اور (وصیت صحیح نہیں) اپنے وارث کے لیے اور اپنے قاتل کے لیے جو مباشرۃً ہو

36209۔ (قولہ: وَلَا لِوَارِثِهِ) اور اپنے وارث کے لیے صحیح نہیں ہے، مراد وہ وارث ہے جو موت کے وقت وارث ہو، جیسا کہ اس کا بیان گزر چکا ہے۔ ''القہستانی'' نے کہا ہے: تو جان کہ علامہ ''الناطفی'' نے اپنے بعض شیوخ سے ذکر کیا ہے: کہ مریض جب ورثا میں سے کسی ایک کے لیے کوئی شے مثلاً دار وغیرہ معین کر دے اس شرط پر کہ سارے ترکہ میں اس کے لیے کوئی حق نہیں ہے تو یہ جائز ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب وہ وارث بھی اس کی موت کے بعد اس کے ساتھ راضی ہو، تو اس وقت میت کی تعیین اس کے ساتھ باقی ورثاء کی تعیین کی طرح ہو جائے گی جیسا کہ ''الجواہر'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: دونوں قول ''جامع الفصولین'' میں بیان کیے ہیں اور کہا ہے: بعض نے کہا ہے: یہ جائز ہے، اور ان میں سے بعض نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے، اور بعض نے کہا ہے: جائز نہیں ہے۔

فرع

''البزازیہ'' اور ''العتابی'' میں کہا ہے: مریض کے پاس اس کے قرابتدار جمع ہوئے اور وہ اس کے مال سے کھانے لگے اگر وہ وارث ہوں تو پھر یہ جائز نہیں مگر یہ کہ مریض اپنی دیکھ بھال کے لیے ان کا محتاج ہو تو وہ فضول خرچی کیے بغیر اس کے اہل وعیال کے ساتھ کھا سکتے ہیں، اور اگر وہ وارث نہ ہوں تو پھر اس کے مال کے تیسرے حصہ سے کھانا جائز ہے بشرطیکہ وہ مریض کے حکم کے ساتھ ہو۔

قاتل کے لیے وصیت کا عدم جواز

36210۔ (قولہ: وَقَاتِلِهِ مُبَاشَرَةً) اور اپنے قاتل بالفعل کے لیے وصیت صحیح نہیں۔ اس لیے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَا وَصِيَّةَ لِقَاتِلٍ(1) (قاتل کے لیے کوئی وصیت نہیں)، اور اس لیے کہ اس نے اس کے حصول میں جلد بازی کی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موخر کیا ہے۔ پس وہ میراث کی طرح وصیت سے بھی محروم رہے گا، چاہے وہ اس کے لیے قتل سے پہلے وصیت کرے پھر وہ اسے قتل کر دے، یا زخمی ہونے کے بعد وہ اس کے لیے وصیت کرے۔ کیونکہ یہ حدیث مطلق ہے، ''زیلعی''۔

میں کہتا ہوں: استعجال (جلد بازی کرنا) سے مراد وہ ہے جو قاتل کی حالت سے ظاہر ہوتا ہے، ورنہ تو اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ مقتول اپنی موت کا وقت آنے پر فوت ہوتا ہے، تامل۔

1۔ الکامل لابن عدی، جلد 8، صفحہ 165، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
نصب الرایہ، فی ہذا الباب، جلد 5، صفحہ 218، حدیث نمبر 4، مطبوعہ بیروت، راوی مبشر بن عبید

لَا تَسْبِيبًا كَمَا مَرَّ (إِلَّا بِإِجَازَةِ وَرَثَتِهِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ إِلَّا أَنْ يُجِيزَهَا الْوَرَثَةُ يَعْنِي عِنْدَ وُجُودِ وَارِثٍ آخَرَ كَمَا يُفِيدُهُ آخِرُ الْحَدِيثِ وَسَنُحَقِّقُهُ (وَهُمْ كِبَارٌ) عُقَلَاءُ فَلَمْ تَجُزْ إِجَازَةُ صَغِيرٍ وَمَجْنُونٍ وَإِجَازَةُ الْمَرِيضِ كَابْتِدَاءِ وَصِيَّةٍ وَلَوْ أَجَازَ الْبَعْضُ وَرَدَّ الْبَعْضُ

نہ کہ تسبیبًا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، مگر اپنے ورثا کی اجازت کے ساتھ، کیونکہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں، مگر یہ کہ ورثاء اس کی اجازت دیں (1)'' یعنی جس وقت کوئی دوسرا وارث موجود ہو جیسا کہ حدیث کا آخر اس کا فائدہ دیتا ہے، اور ہم عنقریب اس کی تحقیق کریں گے۔ اور وہ بڑے یعنی صاحب عقل ہوں، پس صغیر اور مجنون کی اجازت جائز نہیں، اور مریض کی اجازت وصیت کی ابتدا کی مثل ہے، اور اگر بعض نے اجازت دی اور بعض نے اسے رد کر دیا

فرع

ایک آدمی نے اسے زخمی کیا اور دوسرے نے اسے قتل کر دیا تو زخم لگانے والے کے لیے وصیت جائز ہے، اس لیے کہ وہ قاتل نہیں ہے، ''ولوالجیہ''۔

36211۔(قولہ: لَا تَسْبِيبًا) نہ کہ سبب بنتے ہوئے جیسا کہ غیر کی ملکیت میں کنواں کھودنے والا اور پتھر پھینکنے والا، کیونکہ وہ حقیقۃً قاتل نہیں ہوتا۔

36212۔(قولہ: كَمَا مَرَّ) جیسا کہ کتاب الجنایات میں گزر چکا ہے۔

36213۔(قولہ: إِلَّا بِإِجَازَةِ وَرَثَتِهِ) مگر اپنے ورثاء کی اجازت کے ساتھ، استثنا کا تعلق دونوں مسئلوں کے ساتھ ہے۔ ''البرہان'' میں کہا ہے: ''طرفین'' رحمہما اللہ کے نزدیک ورثاء کی اجازت کے ساتھ قاتل کے لیے وصیت جائز ہے، اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: جائز نہیں۔ اختلاف وصیت کے بعد اس کے عمداً نہ قتل کرنے میں ہے۔ کیونکہ وصیت بالاتفاق مُلغی ہو جاتی ہے، ''شرنبلالیہ''۔

362214۔(قولہ: وَسَنُحَقِّقُهُ) یعنی ہم قریب ہی اس کی تحقیق کریں گے۔

36215۔(قولہ: وَإِجَازَةُ الْمَرِيضِ كَابْتِدَاءِ وَصِيَّةٍ) اور مریض کی اجازت وصیت کی ابتدا کی طرح ہے۔ پس جب موصی کا وارث مریض ہو اور وہ وصیت کی اجازت دے دے درآنحالیکہ وہ عاقل بالغ ہو، اگر وہ صحت یاب ہو گیا تو اس کی اجازت صحیح ہے۔ اور اگر وہ اسی مرض میں فوت ہو گیا تو پھر اگر موصی لہ اس کا وارث ہو تو اس کی اجازت جائز نہیں ہو گی مگر یہ کہ مریض کے ورثاء اس کے فوت ہونے کے بعد اس کی اجازت دے دیں۔ اور اگر وہ اجنبی ہو تو اس کی اجازت جائز ہے اور وہ ثلث سے معتبر ہو گی، ''منح''۔

1۔ سنن سعید بن منصور، حدیث نمبر 426

جَازَ عَلَى الْمُجِيزِ بِقَدْرِ حِصَّتِهِ (أَوْ يَكُونُ الْقَاتِلُ صَبِيًّا أَوْ مَجْنُونًا) فَتَجُوزُ بِلَا إِجَازَةٍ لِأَنَّهُمَا لَيْسَا أَهْلًا لِلْعُقُوبَةِ (أَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَارِثٌ سِوَاهُ) كَمَا فِي الْخَانِيَّةِ أَيْ سِوَى الْمُوصَى لَهُ الْقَاتِلِ أَوْ الْوَارِثِ، حَتَّى لَوْ أَوْصَى لِزَوْجَتِهِ أَوْ هِيَ لَهُ وَلَمْ يَكُنْ ثَمَّةَ وَارِثٌ آخَرُ تَصِحُّ الْوَصِيَّةُ ابْنُ كَمَالٍ زَادَ فِي الْمُجْتَبِيَّةِ

تو مجیز پر اس کے حصہ کی مقدار جائز ہے، یا قاتل بچہ یا مجنون ہو، تو وصیت بغیر اجازت کے جائز ہو گی۔ کیونکہ یہ دونوں سزا کے اہل نہیں ہیں، یا اس کا اس کے سوا کوئی وارث نہ ہو، جیسا کہ ''الخانیہ'' میں ہے: یعنی قاتل یا وارث موصی لہ کے سوا (اور کوئی وارث نہ ہو)، یہاں تک کہ اگر اس نے اپنی بیوی کے لیے یا بیوی نے اس کے لیے وصیت کی اور وہاں کوئی دوسرا وارث نہ ہو تو وصیت صحیح ہو گی۔ ''ابن کمال'' نے ''المجتبیہ'' میں یہ اضافہ کیا ہے:

36216۔ (قولہ: جَازَ عَلَى الْمُجِيزِ الخ) وہ مجیز پر جائز ہے الخ، اس طرح کے مجیز (اجازت دینے والا) کے حق میں فرض کیا جائے کہ گویا تمام نے اجازت دے دی ہے اور اس کے علاوہ کے حق میں فرض کیا گیا ہے کہ گویا تمام نے اجازت نہیں دی، اور ہم اس کی وضاحت پہلے ''المقدسی'' سے کر چکے ہیں۔

36217۔ (قولہ: أَوْ يَكُونُ) یہ نصب کے ساتھ ان کے قول: باجازۃ ورثتہ پر معطوف ہے، کیونکہ وہ أن یجیز کی تاویل میں ہے۔

36218۔ (قولہ: لِأَنَّهُمَا لَيْسَا أَهْلًا لِلْعُقُوبَةِ) کیونکہ یہ دونوں سزا کے اہل نہیں ہیں، اور اسی لیے یہ دونوں میراث سے محروم نہیں ہوئے، اور یہ تعلیل ''شرنبلالی'' نے اس کے بارے بحث کرتے ہوئے ذکر کی ہے، اور میرے لیے اس میں نظر ہے، کیونکہ اگر کبیر (عاقل بالغ) میں علت عقوبۃ (سزا) ہو تو پھر اجازت کے ساتھ وصیت جائز نہ ہو جیسا کہ میراث نہیں ہوتی، ہاں یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر تو ظاہر ہے اس طرح کہ وصیت قاتل کے لیے جائز نہیں ہوتی اگرچہ ورثاء اسے جائز قرار دیں، اور اس کے لیے علت اس طرح بیان کریں کہ اس کی جنایت باقی ہے۔ اور اس کی وجہ سے (وصیت سے) اس کا رکن اور محروم ہونا اس کے لیے سزا ہے۔ اور رہا ''طرفین'' رحمۃ اللہ علیہما کا قول! تو وہ ورثا کے حق کی وجہ سے ہے ان سے غیظ و غضب کو دور کرنے کے لیے یہاں تک کہ ان کے ساتھ اس کے مال میں وہ شریک ہی نہ ہو جس کے قتل کی اس نے سعی اور کوشش کی، اور یہ علت ان کی اجازت کے ساتھ معدوم ہو جاتی ہے، اور بچہ غیظ و غضب سے الگ اور جدا ہوتا ہے، پس اس کے حق میں وہ ثابت نہیں جو بالغ کے حق میں ثابت ہے۔ اسی طرح ''الکفایہ'' وغیرہ میں ہے۔

36219۔ (قولہ: أَيْ سِوَى الْمُوصَى لَهُ) یعنی موصی لہ کے سوا، یہ سواہ کی ضمیر کی تفسیر ہے اور ان کا قول: القاتل أو الوارث موصی لہ سے بدل ہے۔

36220۔ (قولہ: حَتَّى لَوْ أَوْصَى الخ) یہ ان کے قول: أو الوارث پر تفریع ہے۔ اور ''القہستانی'' میں ہے: اور اگر اس نے اپنے قاتل کے لیے وصیت کی، اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کے لیے وصیت صحیح ہے، اور یہ ''طرفین'' رحمۃ اللہ علیہما کے

فَلَوْ أَوْصَتْ لِزَوْجِهَا بِالنِّصْفِ كَانَ لَهُ الْكُلُّ قُلْت وَإِنَّمَا قَيَّدُوا بِالزَّوْجَيْنِ لِأَنَّ غَيْرَهُمَا لَا يَحْتَاجُ إِلَى الْوَصِيَّةِ لِأَنَّهُ يَرِثُ الْكُلَّ بِرَدٍّ أَوْ رَحِمٍ وَقَدْ قَدَّمْنَاهُ فِي الْإِقْرَارِ مَعْزِيًّا لِلشُّرُنْبُلَالِيَّةِ، وَفِي فَتَاوَى النَّوَازِلِ أَوْصَى لِرَجُلٍ بِكُلِّ مَالِهِ وَمَاتَ وَلَمْ يَتْرُكْ وَارِثًا إِلَّا امْرَأَتَهُ، فَإِنْ لَمْ تُجِزْ فَلَهَا السُّدُسُ وَالْبَاقِي لِلْمُوصَى لَهُ لِأَنَّ لَهُ الثُّلُثَ بِلَا إجَازَةٍ فَيَبْقَى الثُّلُثَانِ فَلَهَا رُبُعُهُمَا وَهُوَ سُدُسُ الْكُلِّ وَلَوْ كَانَ مَكَانَهَا زَوْجٌ فَإِنْ لَمْ يُجِزْ فَلَهُ الثُّلُثُ وَالْبَاقِي لِلْمُوصَى لَهُ (وَلَا مِنْ صَبِيٍّ غَيْرِ مُمَيِّزٍ أَصْلًا) وَلَوْ فِي وُجُوهِ الْخَيْرِ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ

پس اگر بیوی نے اپنے خاوند کے لیے نصف کی وصیت کی تو اس کے لیے کل مال ہوگا۔ میں کہتا ہوں: بلا شبہ انہوں نے زوجین کے ساتھ مسئلہ کو مقید کیا ہے: کیونکہ ان دونوں کے سوا کوئی وارث وصیت کا محتاج نہیں ہوتا، کیونکہ وہ کل مال کا رد یا قرابت کے ساتھ وارث ہو جاتا ہے، اور ہم پہلے اسے ''الشرنبلالیہ'' کی طرف نسبت کرتے ہوئے باب الاقرار میں بیان کر چکے ہیں۔ اور ''فتاویٰ النوازل'' میں ہے: کسی نے کسی آدمی کے لیے اپنے کل مال کی وصیت کی اور فوت ہو گیا، اور اس نے سوائے اپنی بیوی کے کوئی وارث نہ چھوڑا، تو اگر اس نے اجازت نہ دی تو اس (بیوی) کے لیے چھٹا حصہ ہوگا اور باقی موصی لہ کے لیے ہوگا، کیونکہ اس (موصی لہ) کے لیے ایک ثلث تو بغیر اجازت کے ہے، اور باقی دو ثلث ہیں، تو بیوی کے لیے ان میں سے چوتھا حصہ ہے اور وہ کل مال کا چھٹا حصہ ہے، اور اگر بیوی کی جگہ خاوند ہو، اور وہ اجازت نہ دے، تو اس کے لیے ثلث ہوگا اور باقی موصی لہ کے لیے ہوگا۔ اور وصیت بالکل صحیح نہیں ہے ایسے بچے سے جو خیر اور شر میں تمیز نہ کر سکتا ہو اگرچہ وہ خیر کے معاملات میں ہی ہو بخلاف امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے۔

نزدیک ہے۔

36221۔ (قولہ: فَلَهَا رُبُعُهُمَا) پس اس کے لیے ان دونوں کا چوتھا حصہ ہوگا، کیونکہ وصیت کے بعد وراثت میں اس کا حصہ مابقی دو ثلث کا چوتھائی ہے۔

36222۔ (قولہ: فَلَهُ الثُّلُثُ) پس اس کے لیے تیسرا حصہ ہے، اور یہ باقی کا نصف ہے۔

فرع

کسی نے عورت پیچھے چھوڑی اور اس کے لیے نصف کی وصیت کی اور نصف کی وصیت اجنبی کے لیے کی تو اجنبی کو پہلے ثلث دیا جائے گا اور عورت کے لیے باقی کا چوتھا حصہ بطور میراث ہوگا اور مابقی ان دونوں کے درمیان ان کے حقوق کی مقدار کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا، ''تاتر خانیہ''۔ اور اسی میں ہے: عورت نے صرف اپنا خاوند پیچھے چھوڑا درآنحالیکہ اس نے اجنبی کے لیے نصف کی وصیت کی تو موصی لہ کے لیے نصف مال ہوگا اور خاوند کے لیے ثلث ہوگا اور چھٹا حصہ (سدس) بیت المال کے لیے ہوگا۔ اور اگر اس نے دونوں میں سے ہر ایک کے لیے کل مال کی وصیت کی تحقیق اس کی وضاحت ''الجوہرہ'' میں کی ہے۔

(وَكَذَا) لَا تَصِحُّ (مِنْ مُمَيِّزٍ إِلَّا فِي تَجْهِيزِهِ وَأَمْرِ دَفْنِهِ) فَتَجُوزُ اسْتِحْسَانًا وَعَلَيْهِ تُحْمَلُ إِجَازَةُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لِوَصِيَّةِ يَافِعٍ

اور اسی طرح وصیت تمیز کرنے والے بچے کی طرف سے بھی صحیح نہیں ہوتی، مگر اپنی تجہیز وتکفین اور اپنے دفن کے امور میں۔ پس وہ استحساناً صحیح ہوتی ہے۔ اور اسی پر حضرت ''عمر'' رضی اللہ عنہ کی قریب البلوغ بچے کی وصیت کے لیے اجازت کو

ایسا بچہ جو خیر اور شر میں تمیز کرسکتا ہو اس کی طرف سے وصیت کرنا صحیح نہیں

36223۔ (قولہ: إِلَّا فِي تَجْهِيزِهِ وَأَمْرِ دَفْنِهِ) مگر اپنی تجہیز وتکفین اور دفن کے معاملات میں، لیکن اس میں مصلحت کا لحاظ رکھا جائے گا، اس لیے کہ ''الخلاصہ'' میں ''الروضہ'' سے کہا ہے: ''اگر وہ وصیت کرے کہ اسے ایک ہزار دینار کے ساتھ کفن دیا جائے تو اسے درمیانے کفن کے ساتھ کفن دیا جائے گا، اور اگر وہ وصیت کرے کہ اسے دو کپڑوں میں کفن دیا جائے تو وصیت کی شرائط کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا، اور اگر وہ وصیت کرے کہ اسے پانچ یا چھ کپڑوں میں کفن دیا جائے تو اس کی شرائط کا لحاظ رکھا جائے گا، اور اگر وہ وصیت کرے کہ اسے فلاں مقبرہ میں فلاں زاہد کے قرب میں دفن کیا جائے تو اس کی شرائط کا لحاظ رکھا جائے گا بشرطیکہ ترکہ میں اسے اٹھا کر لے جانے کی مشقت اور بوجھ لازم نہ آئے، اور اگر وہ وصیت کرے کہ اسے فلاں کے ساتھ ایک قبر میں دفن کیا جائے تو اس کی شرائط کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا'' ''شرنبلالیہ''۔

میں کہتا ہوں: ان کا ظاہر کلام یہ وہم دلاتا ہے کہ ''صاحب الخلاصہ'' نے بچے کی وصیت کے بارے میں مسئلہ ذکر کیا ہے حالانکہ اس طرح نہیں ہے، بلکہ ''خلاصہ'' کی عبارت مطلق ہے، اور اس کی مثل ''البزازیہ'' میں بھی ہے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف سے قریب البلوغ کی وصیت کی اجازت کی توجیہہ

36224۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ تُحْمَلُ إِجَازَةُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ الخ) اور اسی پر حضرت ''عمر'' فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اجازت کو محمول کیا جائے گا۔ ''العنایہ'' میں کہا ہے: اور اثر اس پر محمول ہے کہ وہ بالغ ہونے کے قریب ہو: یعنی وہ بالغ ہوا اور اس کی بلوغت پر زیادہ وقت نہ گزرا ہو، اور اسی کی مثل کو مجازاً یافع کا نام دیا جاتا ہے، یا اس کی وصیت اپنی تجہیز وتکفین اور اپنی تدفین کے بارے میں ہو، اور رد اس طرح کیا گیا ہے کہ حدیث کی روایت میں یہ صحیح ہے کہ وہ بچہ تھا جو ابھی بالغ نہیں ہوا تھا، اور یہ کہ اس نے اپنے چچا کی بیٹی کے لیے مال کی وصیت کی تھی تو پھر یہ تاویل کیسے صحیح ہوسکتی ہے؟ علامہ ''طحاوی'' نے کہا ہے: اس اثر کے ساتھ استدلال کرنا امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ مرسل ہے، (اور مرسل روایت ان کے نزدیک حجت نہیں)، اور ہمارے نزدیک مرسل روایت اگرچہ حجت ہے، لیکن یہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد گرامی رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثٍ(1) (تین سے قلم اٹھالیا گیا ہے) کے مخالف ہے، اور اس میں نظر ہے۔ کیونکہ قلم سے مراد تکلیف (احکام کا مکلف بنانا) ہے۔ اور وہ جس میں ہم بحث کر رہے ہیں وہ اس میں سے نہیں ہے۔ اور ''ابن حزم'' نے کہا ہے: اور یہ

1۔ سنن ترمذی، کتاب الحدود عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب ماجاء فی من لایجب علیہ الحد، جلد 1، صفحہ 755، حدیث نمبر 1343

يَعْنِي الْمُرَاهِقَ (وَإِنْ) وَصْلِيَّةٌ (مَاتَ بَعْدَ الْإِدْرَاكِ أَوْ أَضَافَهَا إِلَيْهِ) كَأَنْ أَدْرَكْتُ فَثُلُثِي لِفُلَانٍ لَمْ يَجُزْ لِقُصُورِ وِلَايَتِهِ فَلَا يَمْلِكُ تَنْجِيزًا أَوْ تَعْلِيقًا كَمَا فِي الطَّلَاقِ، بِخِلَافِ الْعَبْدِ كَمَا أَفَادَهُ بِقَوْلِهِ (وَلَا مِنْ عَبْدٍ وَمُكَاتَبٍ وَإِنْ تَرَكَ) الْمُكَاتَبُ (وَفَاءً) وَقِيلَ عِنْدَهُمَا تَصِحُّ فِي صُورَةِ تَرْكِ الْوَفَاءِ دُرَرٌ (إِلَّا إِذَا أَضَافَهَا)

محمول کیا جائے گا اگر چہ وہ بالغ ہونے کے بعد فوت ہوا ہو، یا اس نے وصیت کی نسبت بلوغت کی طرف کی ہو جیسا کہ ''اگر میں بالغ ہوا تو میرا تہائی مال فلاں کے لیے ہے'' تو یہ اس کی ولایت قاصرہ اور کم ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔ پس وہ نہ تنجیزاً مالک ہوتا ہے اور نہ تعلیقاً جیسا کہ طلاق میں ہے بخلاف غلام کے جیسا کہ ''مصنف'' نے اسے اپنے اس قول کے ساتھ بیان کیا ہے: اور غلام اور مکاتب کی طرف سے وصیت صحیح نہیں ہوتی اگر چہ مکاتب نے بدل کتابت ادا کرنے کے لیے مال چھوڑا ہو، اور بعض نے کہا ہے: صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک بدل کتابت ادا کرنے کے لیے مال چھوڑنے کی صورت میں وصیت صحیح ہوتی ہے۔ ''درر''۔ مگر جب دونوں میں سے ہر ایک اسے عتق کی طرف مضاف کرے۔

قول باری تعالیٰ: وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى (النساء:6) الآیہ کے مخالف ہے کیونکہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ بچے کو اس کے مال سے روک دیا گیا ہے، ملخصاً۔

میں کہتا ہوں: کبھی کہا جاتا ہے کہ تکلیف کا اٹھالیا جانا یہ اقوال اور تصرفات سے روکنے کی دلیل ہے، کیونکہ یہ شرعاً اس کے لیے لازم ہے، تأمل۔

36225۔ (قولہ: يَعْنِي الْمُرَاهِقَ) یہ یافع کی تفسیر ہے، اور مراہق وہ ہوتا ہے جو قریب البلوغ ہو۔ اور یہ تفسیر اس کے موافق ہے جو ''المغرب'' میں ہے۔

36226۔ (قولہ: وَقِيلَ عِنْدَهُمَا الخ) یہ اختلاف اس صورت میں ہے مثلاً جب وہ اپنے مال کے ثلث کی وصیت کرے لیکن اگر اس نے اپنے مال میں سے معین مال کے بارے وصیت کی تو وہ بالاجماع صحیح نہیں ہوگی جیسا کہ یہ بالاجماع صحیح ہے جب وہ وصیت کی اضافت اس کی طرف کرے جس کا وہ آزاد ہونے کے بعد مالک ہوگا، اور دلیل مطولات میں مذکور ہے، ''طحطاوی''۔

36227۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا أَضَافَهَا) مگر جب وہ اسے مضاف کرے، اس طرح کہ وہ کہے: اذا عتقتُ فثلثُ مالي وصيةٌ لفلانٍ أو أوصيتُ بثلثِ مالي له (جب میں آزاد ہوا تو میرے مال کا ثلث فلاں کے لیے وصیت ہے، یا میں نے اپنے مال کے ثلث کی اس کے لیے وصیت کی)، یہاں تک کہ اگر وہ موت سے پہلے بدل کتابت ادا کرنے کے ساتھ یا کسی اور طرح سے آزاد ہو گیا، پھر وہ فوت ہوا، تو موصی لہ کے لیے اس کے مال کا تیسرا حصہ ہوگا، اور اگر وہ آزاد نہ ہوا یہاں تک کہ وہ بدل کتابت پورا کرنے سے پہلے ہی فوت ہو گیا، تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ اس کی حقیقی ملکیت نہیں پائی گئی، ''زیلعی''۔

كُلٌّ مِنْهُمَا وَعِبَارَةُ الدُّرَرِ أَضَافَاهَا (إِلَى الْعِتْقِ) فَتَصِحُّ لِزَوَالِ الْمَانِعِ وَهُوَ حَقُّ الْمَوْلَى (وَلَا مِنْ مُعْتَقَلِ اللِّسَانِ بِالْإِشَارَةِ إِلَّا إِذَا امْتَدَّتْ عُقْلَتُهُ حَتَّى صَارَتْ لَهُ إِشَارَةٌ مَعْهُودَةٌ فَهُوَ كَأَخْرَسَ) وَقَدْرُ الِامْتِدَادِ سَنَةٌ وَقِيلَ إِنْ امْتَدَّتْ لِمَوْتِهِ جَازَ إِقْرَارُهُ بِالْإِشَارَةِ وَالْإِشْهَادِ عَلَيْهِ وَكَانَ كَأَخْرَسَ قَالُوا وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى دُرَرٌ وَسَيَجِيءُ فِي مَسَائِلَ شَتَّى

اور ''الدرر'' کی عبارت ہے: مگر جب وہ دونوں اسے عتق کی طرف مضاف کریں تو مانع زائل ہونے کی وجہ سے وصیت صحیح ہو گی اور وہ مانع مولیٰ کے لیے وصیت کا حق ہے اور وہ آدمی جس کی زبان بند ہو اس کی طرف سے اشارہ کے ساتھ وصیت صحیح نہیں مگر جب اس کی بندش طویل ہو جائے یہاں تک کہ اس کے لیے اشارہ معہود اور معین ہو جائے تو پھر وہ گونگے کی طرح ہے، اور طویل ہونے کی مقدار ایک سال ہے، اور بعض نے کہا ہے: اگر وہ اس کی موت تک ممتد رہے تو اشارہ کے ساتھ اس کا اقرار کرنا اور اس پر گواہ لانا جائز ہے اور وہ گونگے کی طرح ہے۔ فقہاء نے کہا ہے: اسی پر فتویٰ ہے، ''درر''۔ عنقریب اس کا بیان متفرق مسائل میں آئے گا۔

36228۔ (قولہ: وَعِبَارَةُ الدُّرَرِ أَضَافَاهَا) اور ''الدرر'' کی عبارت أضافاها (تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ) ہے، گویا اس کا ایک نسخہ اسی طرح ہے، ورنہ جو نسخہ میں نے دیکھا ہے اس میں عبارت ''مصنف'' کی عبارت کی مثل ہے۔

36229۔ (قولہ: لِزَوَالِ الْمَانِعِ الخ) مانع کے زائل ہونے کی وجہ سے، یہ ان دونوں اور بچے کے درمیان وجہ مخالفت کا بیان ہے۔ کیونکہ ان دونوں کی اہلیت کامل ہے، اور مولیٰ کے حق کی وجہ سے انہیں منع کیا گیا ہے۔ پس ان دونوں کی ایسی حالت کی طرف اضافت کرنے سے جس میں مولیٰ کا حق ساقط ہو جاتا ہے، وصیت صحیح ہوگی، رہا بچہ! تو اس کی اہلیت قاصر اور ناقص ہے، لہٰذا وہ کوئی شے لازم کرنے والے قول کرنے کے اہل نہیں ہے، اور نہ وہ اس کا تنجیزاً یا تعلیقاً مالک ہوتا ہے۔

36230۔ (قولہ: بِالْإِشَارَةِ) اشارہ کے ساتھ، یہ حرف نفی کے بعد تصح فعل مقدر کے متعلق ہے۔

36231۔ (قولہ: وَقِيلَ إِنْ امْتَدَّتْ لِمَوْتِهِ جَازَ) اور بعض نے کہا ہے: اگر وہ اس کی موت تک ممتد ہو گئی تو جائز ہے، ''الکفایہ'' میں کہا ہے: اور ''حاکم'' نے ایک روایت امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کی ہے: اگر اس کی بندش موت تک باقی رہی تو اشارہ کے ساتھ اس کا اقرار کرنا اور اس پر گواہ لانا جائز ہے۔ کیونکہ وہ بولنے سے عاجز ہے اس معنی میں کہ وہ اس کے زائل ہونے کی امید نہیں رکھتا تو گویا وہ گونگے کی طرح ہے۔ فقہاء نے کہا ہے: اور اسی پر فتویٰ ہے۔

''سائحانی'' نے کہا ہے: برابر ہے مدت طویل ہو یا کم ہو، اور پہلا قول ایک سال تک اس کے ممتد ہونے کے ساتھ مشروط ہے اگرچہ اس کے ساتھ موت متصل نہ ہو، یہی ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔

36232۔ (قولہ: دُرَرٌ) اور اسی کے ساتھ ''المواہب'' کے متن میں اعتماد اور یقین کیا ہے۔

(وَإِنَّمَا يَصِحُّ قَبُولُهَا بَعْدَ مَوْتِهِ) لِأَنَّ أَوَانَ ثُبُوتِ حُكْمِهَا بَعْدَ الْمَوْتِ (فَبَطَلَ قَبُولُهَا وَرَدُّهَا قَبْلَهُ) وَإِنَّمَا تُمْلَكُ بِالْقَبُولِ (إِلَّا إِذَا مَاتَ مُوصِيهِ ثُمَّ هُوَ بِلَا قَبُولِهَا فَهُوَ) أَيْ الْمَالُ الْمُوصَى بِهِ (لِوَرَثَتِهِ) بِلَا قَبُولٍ اسْتِحْسَانًا كَمَا مَرَّ

بلاشبہ وصیت کو قبول کرنا موصی کی موت کے بعد صحیح ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے حکم کے ثابت ہونے کا وقت موت کے بعد ہی ہے۔ پس اس سے پہلے اسے قبول کرنا اور رد کرنا باطل ہے، بلاشبہ وہ قبول کے ساتھ ہی ملک میں آتی ہے، مگر جب موصی فوت ہو جائے پھر موصی لہ اسے قبول کئے بغیر فوت ہو جائے تو وہ یعنی موصی بہ مال استحساناً بغیر قبول کے موصی لہ کے ورثاء کے لیے ہوگا جیسا کہ گزر چکا ہے،

36233_(قولہ: وَإِنَّمَا تُمْلَكُ بِالْقَبُولِ) بلاشبہ قبول کے ساتھ اس کا مالک بنا جاتا ہے، یہ متن پر دخول ہے۔ پس اگر وہ موت کے بعد قبول نہ کرے تو یہ (وصیت) اس کے قبول کرنے پر موقوف ہوتی ہے، اور یہ وارث کی ملکیت میں آتی ہے نہ موصی لہ کی ملکیت میں یہاں تک کہ وہ اسے قبول کر لے یا وہ فوت ہو جائے۔ اسے ''اتقانی'' نے ''مختصر الکرخی'' سے نقل کیا ہے۔

36234_(قولہ: ثُمَّ هُوَ بِلَا قَبُولِهَا) پھر وہ (موصیٰ لہٗ) بغیر قبول اور رد کے فوت ہو جائے۔

36235_(قولہ: اسْتِحْسَانًا) اور قیاس اس کے باطل ہونے کا تقاضا کرتا ہے، کیونکہ اس (وصیت) کی تکمیل قبول پر موقوف ہے، اور استحسان کی وجہ فوت ہو چکی ہے کہ یہ موصی کی جہت سے اس طرح مکمل ہو چکی ہے کہ فسخ اسے لاحق نہیں ہو سکتا، اور وہ موصی لہ کے خیار پر موقوف ہے۔ پس وہ مشتری کے لیے بیع بالخیار کی طرح ہو گیا اگر وہ تیسرے دن اجازت سے پہلے فوت ہو جائے۔ تو بیع مکمل ہو جاتی ہے اور سامان اس کے ورثاء کے لیے ہوتا ہے۔ پس اسی طرح یہاں بھی ہے۔ پس بغیر رد کے اس کا فوت ہونا دلالۃً اس کے قبول کرنے کی طرح ہے، ''اتقانی''۔

تنبیہ

''المقدسی'' نے کہا ہے: اور جب موصی لہ قبول کر لے تو وہ موصی بہ کا مالک ہو جاتا ہے، ورنہ نہیں۔ یہ جمہور کے نزدیک ہے بشرطیکہ وہ معین ہو اور اسے قبول کرنا ممکن ہو، بخلاف فقراء، بنی ہاشم، مصلحت مسجد، حج اور غزوہ وغیرہ کے۔ اور ''الظہیریہ'' میں کہا ہے: اس نے کہا: تم میری موت کے بعد میرے مال کا تیسرا حصہ مکہ کے اتنے مساکین کو دے دینا، پس جب وہ فوت ہو گیا تو وصی مال لے کر ان کے پاس آیا، تو انہوں نے کہا: ہم اس کی خواہش نہیں رکھتے اور نہ ہمیں اس کی حاجت اور ضرورت ہے۔ ''ابوالقاسم'' نے کہا ہے: وہ مال ورثاء کو لوٹا دے گا اگرچہ وہ ورثاء کو واپس لوٹانے سے پہلے رجوع کر لیں، اس لیے کہ ان کا حق رد کرنے کے سبب باطل ہو چکا ہے۔ اور ''الاشباہ'' میں ہے: اور جب اس نے اسے قبول کر لیا پھر اسے ورثاء پر واپس لوٹا دیا، اگر انہوں نے اسے قبول کر لیا تو اس کی ملک فسخ ہو گئی اور اگر انہوں نے قبول نہ کیا تو انہیں مجبور نہ کیا جائے، ''سائحانی''۔

وَكَذَا لَوْ أَوْصَى لِلْجَنِينِ يَدْخُلُ فِي مِلْكِهِ بِلَا قَبُولٍ اسْتِحْسَانًا لِعَدَمِ مَنْ يَلِي عَلَيْهِ لِيَقْبَلَ عَنْهُ كَمَا مَرَّ (وَلَهُ) أَيْ لِلْمُوصِي (الرُّجُوعُ عَنْهَا بِقَوْلٍ صَرِيحٍ) أَوْ فِعْلٍ يَقْطَعُ حَقَّ الْمَالِكِ عَنِ الْغَصْبِ (بِأَنْ يُزِيلَ اسْمَهُ) وَأَعْظَمَ مَنَافِعِهِ كَمَا عُرِفَ فِي الْغَصْبِ

اوراسی طرح اگر وہ جنین کے لیے وصیت کرے تو وہ استحساناً بغیر قبول کے اس کی ملک میں داخل ہوگا، کیونکہ ایسا آدمی موجود نہیں جسے اس پر ولایت حاصل ہوتا کہ وہ اس کی طرف سے قبول کرے جیسا کہ گزر چکا ہے، اور موصی کے لیے صریح قول کے ساتھ وصیت سے رجوع کرنا جائز ہے یا ایسے فعل کے ساتھ جو ملک کا حق مغصوبہ شے سے ختم کردے، اس طرح کہ وہ اس کا نام اور اس کے بڑے بڑے منافع زائل کردے جیسا کہ غصب کے بیان میں معلوم ہو چکا ہے۔

موصی کے لیے وصیت سے رجوع کا جواز

36236۔(قولہ: وَلَهُ الرُّجُوعُ عَنْهَا) اور اس (موصی) کے لیے وصیت سے رجوع جائز ہے۔ کیونکہ اس کی تکمیل موصی کی موت کے ساتھ ہوتی ہے، اور اس لیے کہ قبول موت پر موقوف ہوتا ہے، اور اکیلے ایجاب کو معاوضات جیسا کہ بیع وغیرہ میں باطل کرنا جائز ہوتا ہے۔ پس تبرع میں تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا''عنایہ''۔

تو جان! کہ وصیت میں رجوع کی کئی انواع ہیں: ایک وہ جو قول اور فعل کے ساتھ فسخ کا احتمال نہیں رکھتی جیسا کہ کسی معین شے کے بارے وصیت کرنا، دوسری وہ جو فسخ کا احتمال رکھتی ہے مگر قول کے ساتھ جیسا کہ تہائی یا چوتھائی حصہ کے بارے وصیت کرنا۔ کیونکہ اگر وہ بیع کرے یا ہبہ کرے تو وہ باطل نہیں ہوتی اور ماںقی کے ثلث میں وصیت نافذ ہوجاتی ہے۔ اور تیسری وہ ہے جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتی مگر فعل کے ساتھ جیسا کہ تدبیر مقید۔ پس اگر اس نے اسے (مدبر غلام) کو بیچ دیا تو وہ بیع صحیح ہے، لیکن اگر اس نے اسے خرید ا تو وہ اپنی پہلی حالت پر لوٹ آئے گا، اور چوتھی قسم وہ جو دونوں (یعنی قول وفعل) کے ساتھ فسخ کا احتمال نہیں رکھتی جیسا کہ تدبیر مطلق، یہ''الاتقانی'' اور''القہستانی'' سے ملخص ہے۔

36237۔(قولہ: أَوْ فِعْلٍ الخ) یا فعل کے ساتھ، یہ دلالۃً رجوع ہے، اور پہلا صریح ہے اور کبھی ضرورۃً رجوع ثابت ہوتا ہے اس طرح کہ موصی بہ بدل جاتی ہے اور اس کا نام بھی بدل جاتا ہے، جیسا کہ جب وہ انگور کے بارے اس کی بیل میں وصیت کرے اور وہ کشمش ہو جائے یا وہ انڈے کی وصیت کرے اور پھر موصی کی موت سے پہلے مرغی اس سے لے یہاں تک کہ اس سے بچے نکال دے۔ اس کی مکمل بحث''الکفایہ'' میں ہے۔

36238۔(قولہ: بِأَنْ يُزِيلَ اسْمَهُ الخ) اس طرح کہ اس کا نام زائل کردے جیسا کہ وہ لوہے کو تلوار بنادے یا سلور کو برتن بنادے۔ کیونکہ جب اس نے مالک کی ملک ختم کرنے میں اثر کیا ہے تو چاہیے کہ وہ مانع میں بدرجہ اولیٰ موثر ہو، ''زیلعی''۔ یعنی موصی لہ کے لیے ملکیت کے حصول سے منع کرنے اور روکنے میں بدرجہ اولیٰ موثر ہے، اور جب وہ موصی بھا بکری ذبح کردے تو خالی ذبح سے رجوع ہوا، اور رجوع کا نہ ہونا مناسب ہے۔ کیونکہ یہ نقصان ہے جیسا کہ وہ کپڑے کو کاٹ

(أَوْ فِعْلٍ (يَزِيدُ فِي الْمُوصَى بِهِ مَا يَمْنَعُ تَسْلِيمَهُ إِلَّا بِهِ كَلَتِّ السَّوِيقِ) الْمُوصَى بِهِ (بِسَمْنٍ وَالْبِنَاءِ) فِي الدَّارِ الْمُوصَى بِهَا بِخِلَافِ تَجْصِيصِهَا وَهَدْمِ بِنَائِهَا لِأَنَّهُ تَصَرُّفٌ فِي التَّابِعِ (وَتَصَرُّفٍ) عَطْفٌ عَلَى بِقَوْلٍ صَرِيحٍ وَعَطَفَ ابْنُ كَمَالٍ تَبَعًا لِلدُّرَرِ بِأَوْ وَعَلَيْهِ فَهُوَ أَصْلٌ ثَالِثٌ فِي كَوْنِ فِعْلِهِ يُفِيدُ رُجُوعَهُ عَنْهَا كَمَا يُفِيدُهُ مَتْنُ الدُّرَرِ فَتَدَبَّرْ

یا ایسے فعل کے ساتھ جو موصی بہ میں ایسی زیادتی کردے جو اسے اس کے حوالے کرنے کے مانع ہو مگر اسی کے ساتھ جیسا کہ موصی بہ ستو کو گھی کے ساتھ تلنا، اور موصی بہ دار میں کوئی عمارت بنالینا، بخلاف دار کو چونا کرانے اور اس کی عمارت گرانے کے، کیونکہ یہ تابع میں تصرف ہے، اور تصرف کرنے کے ساتھ اس کا عطف بقول صریح پر ہے، اور ''ابن کمال'' نے ''الدرر'' کی اتباع کرتے ہوئے ''أو'' کے ساتھ عطف کیا ہے اور اس بنا پر تو تصرف اس کا فعل ہونے میں تیسرا اصل ہے جو وصیت سے اس کے رجوع کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ ''الدرر'' کا متن اس کا فائدہ دیتا ہے، فتدبر۔

دے اور اس کی سلائی نہ کرے، اور گھر کی عمارت کا گرادینا وغیرہ۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ ذبح اسے اپنی ملکیت پر رکھنے کی دلیل ہے اور یہی دلیل رجوع ہے۔ کیونکہ گوشت موت کے وقت تک عادۃً کم ہی باقی رہتا ہے، ''اتقانی''۔

36239۔ (قولہ: كَلَتِّ السَّوِيقِ الخ) جیسا کہ ستو کو گھی کے ساتھ تلنا، اور جیسا کہ روئی وہ اس کے ساتھ تکیہ بھر دے، اور اندرونی کپڑے کو وہ اندر لگادے، اور بیرونی کو وہ باہر لگادے۔ کیونکہ زیادتی کے بغیر اسے حوالے کرنا ممکن نہیں ہوتا، اور نہ اسے توڑنا ممکن ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ موصی کی ملک میں اسی کی جہت سے حاصل ہوتی ہے، ''ہدایہ''۔ اور اسی طرح ہے اگر اس نے زمین میں درخت یا بیلیں لگادیں نہ کہ اگر وہ اس میں گھاس اور سبزی کاشت کردے، ''خانیہ''۔

36240۔ (قولہ: لِأَنَّهُ تَصَرُّفٌ فِي التَّابِعِ) کیونکہ وہ تابع میں تصرف ہے، اور وہ عمارت بنانا اور زینت کے لیے چونا کرنا ہے، ''اتقانی''۔ اور تو غور کر کیا دار کو مٹی کا لیپ کرنا اور اسے چونے کا استر کرنا عمارت بنانے یا چونا کرنے کی طرح ہے؟ پھر میں نے ''الخانیہ'' میں دیکھا جو انہوں نے بیان کیا ہے: بلاشبہ گھر کو مٹی کا لیپ کرنا رجوع ہوتا ہے جبکہ وہ کثیر ہو۔ اور اس کی مکمل بحث ''شرح الوہبانیہ'' میں ہے۔ پس تو اس کی طرف رجوع کر۔

36241۔ (قولہ: عَطْفٌ عَلَى بِقَوْلٍ) اس میں مسامحہ ہے، کیونکہ یہ مجرور پر عطف بغیر حرف جار کے ہے۔ اسے ''حلبی'' نے بیان کیا ہے۔

36242۔ (قولہ: فَهُوَ أَصْلٌ ثَالِثٌ الخ) یعنی یہ رجوع کا فائدہ دینے والے فعل کی تیسری قسم ہے، بخلاف اس کے کہ مصنف کی تعبیر نے اس کا فائدہ نہیں دیا کہ یہ فعل کا مقابل ہے، لیکن ''حلبی'' نے کہا ہے: یہ بلاشبہ ''الدرر'' کی عبارت میں ظاہر ہوتا ہے اس حیثیت سے کہ انہوں نے کہا ہے: أو يزيد (یا وہ اضافہ کردے) اور انہوں نے لفظة الصرف ذکر نہیں کیا، اور رہی اسے ذکر کرنے کی صورت تو اس میں یہ ثابت نہیں ہوتا، برابر ہے وہ أو کے ساتھ ہو یا واؤ کے ساتھ۔

(يُزِيلُ مِلْكَهُ) فَإِنَّهُ رُجُوعٌ عَادَ لِمِلْكِهِ ثَانِيًا أَمْ لَا (كَالْبَيْعِ وَالْهِبَةِ) وَكَذَا إذَا خَلَطَهُ بِغَيْرِهِ بِحَيْثُ لَا يُمْكِنُ تَمْيِيزُهُ (لَا) يَكُونُ رَاجِعًا (بِغُسْلِ ثَوْبٍ أَوْصَى بِهِ) لِأَنَّهُ تَصَرُّفٌ فِي التَّبَعِ وَاعْلَمْ أَنَّ التَّغْيِيرَ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوصِي لَا يَضُرُّ أَصْلًا (وَلَا بِجُحُودِهَا) دُرَرٌ وَكَنْزٌ وَوِقَايَةٌ وَفِي الْمَجْمَعِ بِهِ يُفْتَى وَمِثْلُهُ فِي الْعَيْنِيِّ ثُمَّ نَقَلَ عَنْ الْعُيُونِ أَنَّ الْفَتْوَى عَلَى أَنَّهُ رُجُوعٌ وَفِي السِّرَاجِيَّةِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى

وہ تصرف اس کی ملک کو زائل کردے گا، کیونکہ وہ رجوع ہے، وہ شے اس کی ملک میں دوبارہ لوٹ کر آئے یا نہ آئے جیسا کہ بیع کرنا اور ہبہ کرنا، اور اسی طرح ہے جب وہ اسے غیر کے ساتھ اس طرح ملا دے کہ اسے الگ کرنا ممکن نہ ہو، وہ اس کپڑے کو دھونے کے ساتھ رجوع کرنے والا نہیں ہوگا جس کے بارے وصیت کی گئی، کیونکہ یہ تبع میں تصرف ہے۔ اور تو جان کہ موصی کی موت کے بعد تبدیلی کرنا بالکل نقصان دہ نہیں ہے، اور نہ وہ وصیت کا انکار کرنے کے ساتھ اس سے رجوع کرنے والا ہو گا۔ ''درر''، ''کنز'' اور ''وقایہ''۔ اور ''المجمع'' میں ہے: اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے، اور اسی کی مثل ''العینی'' میں ہے۔ پھر ''العیون'' سے نقل کیا ہے: ''فتویٰ اس پر ہے کہ یہ رجوع ہے۔'' اور ''السراجیہ'' میں ہے: ''اور اسی پر فتویٰ ہے۔''

36243۔ (قولہ: عَادَ لِمِلْكِهِ ثَانِيًا) یعنی خریدنے کے ساتھ یا ہبہ سے رجوع کرنے کے ساتھ وہ دوبارہ اس کی ملکیت میں لوٹ کر آئے، ''زیلعی''۔ اور یہ مدبر مقید کے سوا میں ہے جیسے اس کا قول: اگر میں اپنے اس مرض سے فوت ہو گیا تو تو آزاد ہے۔ کیونکہ وہ اگر اسے بیچ دے پھر اسے خرید لے تو وہ اپنی پہلی حالت پر لوٹ آئے گا جیسا کہ ''الاتقانی'' نے اسے نقل کیا ہے اور ہم نے اسے پہلے ذکر کر دیا ہے۔

36244۔ (قولہ: وَكَذَا إِذَا خَلَطَهُ بِغَيْرِهِ بِحَيْثُ لَا يُمْكِنُ تَمْيِيزُهُ) اور اسی طرح ہے جب وہ اسے غیر کے ساتھ اس طرح ملا دے کہ اسے الگ کرنا ممکن نہ رہے۔ میں کہتا ہوں: اور اسی طرح ہے اگر اسے الگ کرنا ممکن تو ہو لیکن انتہائی مشکل اور تکلیف کے ساتھ جیسا کہ جب جو گندم کے ساتھ مل جائیں، اور ''شارح'' پر لازم تھا کہ وہ اسے متن کے قول: أو فعل يقطع لحق المالك کے پاس ذکر کرتے، ''سائحانی''۔

36245۔ (قولہ: لِأَنَّهُ تَصَرُّفٌ فِي التَّبَعِ) کیونکہ یہ تبع میں تصرف ہے، اسی طرح بعض نسخوں میں ہے، اور بعض میں فی النفع نون اور فا کے ساتھ ہے، اور تمام کی بنا پر اس سے مراد میل کچیل کو دور کرنا ہے۔ اور ''ہدایہ'' کی عبارت ہے: ''کیونکہ جو کوئی اپنا کپڑا کسی غیر کو دینے کا ارادہ کرے تو عادت اور عرف یہی ہے کہ وہ اسے دھوتا ہے، پس یہ تو وصیت کو باقی رکھنے کے لیے مزید تقریر اور پختگی ہے نہ کہ اس سے رجوع ہے۔

36246۔ (قولہ: لَا يَضُرُّ أَصْلًا) وہ بالکل نقصان نہیں دیتا، چاہے وہ تغیر اور تبدیلی قبول سے پہلے ہو یا اس کے بعد ہو، ''زیلعی''۔ کیونکہ وہ تغیر وصیت مکمل ہونے کے بعد ہوا ہے، اس لیے کہ اس کی تکمیل موت کے ساتھ ہو جاتی ہے، ''کفایہ''۔

36247۔ (قولہ: وَلَا بِجُحُودِهَا) اور نہ وہ وصیت کا انکار کرنے کے ساتھ رجوع کرنے والا ہوتا ہے، کیونکہ کسی شی

وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ (وَكَذَا) لَا يَكُونُ رَاجِعًا (بِقَوْلِهِ كُلُّ وَصِيَّةٍ أَوْصَيْتُ بِهَا فَحَرَامٌ أَوْ رِبَاءٌ أَوْ أَخَّرْتُهَا بِخِلَافِ قَوْلِهِ تَرَكْتُهَا وَبِخِلَافِ قَوْلِهِ (كُلُّ وَصِيَّةٍ أَوْصَيْتُهَا فَهِيَ بَاطِلَةٌ أَوِ الَّذِي أَوْصَيْتُ بِهِ لِزَيْدٍ فَهُوَ لِعَمْرٍو أَوْ لِفُلَانٍ وَارِثِي) فَكُلُّ ذٰلِكَ رُجُوعٌ عَنِ الْأَوَّلِ تَكُونُ لِوَارِثِهِ بِالْإِجَازَةِ كَمَا مَرَّ (وَلَوْ كَانَ فُلَانٌ) الْآخَرُ (مَيِّتًا وَقْتَهَا فَالْأُولَى مِنَ الْوَصِيَّتَيْنِ بِحَالِهَا) لِبُطْلَانِ الثَّانِيَةِ

اور''مصنف'' نے اسے برقرار اور ثابت رکھا ہے۔ اور اسی طرح وہ اپنے اس قول کے ساتھ رجوع کرنے والا نہیں ہوگا ہر وہ وصیت جو میں نے کی ہے۔ پس وہ حرام ہے یا وہ ربا ہے، یا میں نے اسے موخر کر دیا ہے، بخلاف اس کے اس قول کے: میں نے اسے ترک کر دیا ہے، اور بخلاف اس قول کے: ہر وہ وصیت جو میں نے کی ہے پس وہ باطل ہے یا وہ جو میں نے زید کے لیے وصیت کی ہے پس وہ عمرو کے لیے ہے، یا وہ میرے فلاں وارث کے لیے ہے۔ پس یہ سب پہلی وصیت سے رجوع ہے۔ اور اس کے وارث کے لیے وصیت دوسرے وارث کی اجازت کے ساتھ ہوتی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور اگر دوسرا فلاں وصیت کے وقت مردہ ہو تو دونوں وصیتوں میں سے پہلی اپنے حال پر رہے گی، اس لیے کہ دوسری باطل ہو چکی ہے،

سے رجوع اس سے پہلے اس کے وجود کا تقاضا کرتا ہے اور کسی شی کا انکار اس سے پہلے اس کے عدم وجود کا تقاضا کرتا ہے، کیونکہ انکار کرنا اصل عقد کی نفی ہے، پس اگر انکار کرنا رجوع ہو تو یہ اس حالت میں وصیت کے وجود اور عدم وجود کا تقاضا کرتا ہے، جو انکار سے پہلے ہے اور یہ محال ہے''کفایہ''۔

36248۔ (قولہ: وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ) اور''مصنف'' نے اسے برقرار اور ثابت رکھا ہے،''شرح الملتقی'' میں کہا ہے: ''لیکن متون پہلے قول پر ہیں، اسی لیے''مصنف'' نے اسے اپنی عادت کے مطابق مقدم کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اور''ہدایہ'' میں اس کی دلیل کو موخر کیا ہے پس یہی ان کا مختار قول ہے۔''النہایہ'' میں کہا ہے: ''اور اسی پر ''المواہب'' اور''الاصلاح'' میں اعتماد کیا ہے۔ اور''البحر'' کے باب القضاء الفوائت میں کہا ہے: جب تصحیح اور افتا مختلف ہے تو پھر اس کے مطابق عمل کرنا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے جو متون کے موافق ہے۔

36249۔ (قولہ: فَحَرَامٌ أَوْ رِبَاءٌ الخ) پس وہ حرام ہے یا ربا ہے الخ، کیونکہ وصف اصل کی بقا کا تقاضا کرتا ہے اور تاخیر سقوط کے لیے نہیں ہوتی جیسا کہ دین کو موخر کرنا،''زیلعی''۔

36250۔ (قولہ: فَكُلُّ ذٰلِكَ رُجُوعٌ) پس یہ سب رجوع ہے، کیونکہ ترک کرنا ساقط کرنا ہوتا ہے اور باطل کرنے سے مراد ختم کرنا اور معدوم کرنا ہے، اور اس لیے کہ اس کا قول: الذی أوصیتُ بِهٖ الخ قطع شرکت پر دلالت کرتا ہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ جب وہ پہلے ایک آدمی کے لیے اس کی وصیت کرے اور پھر دوسرے کے لیے اس کی وصیت کرے، کیونکہ محل شرکت کا احتمال رکھتا ہے اور لفظ اس کی صلاحیت رکھتا ہے،''زیلعی''۔

36251۔ (قولہ: لِبُطْلَانِ الثَّانِيَةِ) دوسری کے باطل ہونے کی وجہ سے۔ کیونکہ پہلی وصیت دوسرے کے لیے اس

وَلَو حَیًّا وَقتَهَا فَمَاتَ قَبلَ المُوصَی بَطَلَتَا الأُولَی بِالرُّجُوعِ وَالثَّانِیَةُ بِالمَوتِ (وَتَبطُلُ هِبَةُ المَرِیضِ وَوَصِیَّتُهُ لِمَن نَكَحَهَا بَعدَهُمَا) أَی بَعدَ الهِبَةِ وَالوَصِیَّةِ لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّهُ یُعتَبَرُ لِجَوَازِ الوَصِیَّةِ كَونُ المُوصَی لَهُ وَارِثًا أَو غَیرَ وَارِثٍ وَقتَ المَوتِ لَا وَقتَ الوَصِیَّةِ، بِخِلَافِ الإِقرَارِ، لِأَنَّهُ یُعتَبَرُ كَونُ المُقَرِّ لَهُ وَارِثًا أَو غَیرَ وَارِثٍ یَومَ الإِقرَارِ فَلَو أَقَرَّ لَهَا فَنَكَحَهَا فَمَاتَ جَازَ

اور اگر وہ وصیت کے وقت زندہ ہو، پھر موصی سے پہلے فوت ہو جائے تو دونوں وصیتیں باطل ہو گئیں۔ پہلی اس سے رجوع کرنے کی وجہ سے اور دوسری اس کے فوت ہو جانے کی وجہ سے۔ اور مریض کا ہبہ اور اس کی وصیت اس عورت کے لیے باطل ہے جس کے ساتھ اس نے ان دونوں یعنی ہبہ اور وصیت کے بعد نکاح کیا ہو، اس لیے کہ یہ بات ثابت ہے کہ وصیت کے جائز ہونے کے لیے موصی لہ کے وارث یا غیر وارث ہونے کا اعتبار موت کے وقت کیا جاتا ہے نہ کہ وصیت کے وقت بخلاف اقرار کے، کیونکہ مقرلہ کے وارث یا غیر وارث ہونے کا اعتبار اقرار کے دن کیا جاتا ہے، پس اگر اس نے عورت کے لیے اقرار کیا پھر اس سے نکاح کر لیا اور فوت ہو گیا تو یہ جائز ہے۔

کے ہونے کی ضرورت کے تحت باطل ہوتی ہے اور وہ ضرورت باقی نہیں رہی، تو پہلی اپنے حال پر باقی رہے گی، ''زیلعی''۔

اگر مریض نے کسی عورت سے ہبہ اور وصیت کے بعد نکاح کیا تو اس کا حکم

36252۔(قولہ: وَتَبطُلُ هِبَةُ المَرِیضِ وَوَصِیَّتُهُ الخ) اور مریض کا ہبہ اور اس کی وصیت باطل ہے الخ، کیونکہ وصیت موت کے وقت ثابت اور لازم ہوتی ہے اور وہ (عورت) موت کے وقت اس کی وارث ہے، اور وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں ہے، اور ہبہ اگرچہ صورۃً بالفور ثابت ہو جاتا ہے لیکن یہ حکماً اس کی طرح ہے جو موت کے بعد کی طرف مضاف ہو۔ کیونکہ اس کا حکم موت کے وقت پختہ اور ثابت ہوتا ہے۔ کیا آپ جانتے نہیں ہیں کہ یہ ایسے قرض اور دین کے ساتھ باطل ہو جاتا ہے جو اس کے کل مال کو مستغرق اور محیط ہو، اور قرض نہ ہونے کی صورت میں اس کا اعتبار ثلث مال سے کیا جاتا ہے، ''ہدایہ''۔

36253۔(قولہ: بَعدَهُمَا) اسی طرح نسخوں میں ہے، اور جو میں نے ''المنح'' میں دیکھا ہے وہ بعدھما تثنیہ کی ضمیر کے ساتھ ہے اور یہی زیادہ مناسب ہے۔

36254۔(قولہ: لِجَوَازِ الوَصِیَّةِ) یعنی اثباتاً اور نفیاً وصیت کے جواز کے لیے۔

36255۔(قولہ: وَقتَ المَوتِ الخ) پس وصیت صحیح ہو گی اگر اس نے اپنی بیوی کے لیے وصیت کی پھر اسے تین طلاقیں دے دیں یا ایک طلاق دی اور اس کی عدت گزر گئی پھر موصی فوت ہو گیا، ''قہستانی''۔

36256۔(قولہ: لِأَنَّهُ یُعتَبَرُ الخ) کیونکہ اقرار بذات خود لازم ہونے والا ہے وہ کسی زائد شرط پر موقوف نہیں ہوتا جیسا کہ وصیت موت پر موقوف ہوتی ہے تو قرض کے بارے اس کا اقرار صحیح ہو گا کیونکہ وہ اقرار اجنبیہ عورت کے لیے ہے، ''الاتقانی''۔

36257۔(قولہ: فَلَو أَقَرَّ لَهَا) پس اگر اس نے اجنبی عورت کے لیے اقرار کیا جسے کلام سے سمجھا گیا ہے، اور یہ ان

(وَيَبْطُلُ إِقْرَارُهُ وَوَصِيَّتُهُ وَهِبَتُهُ لِابْنِهِ) كَافِرًا أَوْ عَبْدًا أَوْ مُكَاتَبًا (إِنْ أَسْلَمَ أَوْ أُعْتِقَ بَعْدَ ذَلِكَ) لِقِيَامِ الْبُنُوَّةِ وَقْتَ الْإِقْرَارِ فَيُورِثُ تُهْمَةَ الْإِيثَارِ (وَهِبَةُ مُقْعَدٍ وَمَفْلُوجٍ وَأَشَلَّ وَمَسْلُولٍ) بِهِ عِلَّةُ السُّلِّ وَهُوَ قَرْحٌ

اور اس کا اپنے بیٹے کے لیے اقرار کرنا، وصیت کرنا، اور ہبہ کرنا باطل ہے وہ کافر ہو یا غلام ہو یا مکاتب ہو، اگر وہ اس کے بعد اسلام لے آئے یا وہ اسے آزاد کر دے، اس لیے کہ اقرار کے وقت بنوۃ (بیٹا ہونا) قائم ہے اور یہ تہمۃ الایثار کا وارث بنائے گا۔ اور اپاہج، فالج زدہ، وہ جس کا ہاتھ شل ہو جائے اور وہ جسے سل کی بیماری ہو اس کا ہبہ

کے قول: أو غیرَ وارثٍ یومَ الاقرار پر تفریع ہے، یعنی اس کے لیے اقرار جائز ہے، کیونکہ وہ اس وقت اس کی وارث نہیں ہے اگرچہ وہ موت کے وقت وارث ہو گئی ہے۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اقرار کے بعد نئے پیدا ہونے والے سبب کے ساتھ وراثت کا ہونا شرط ہے جیسا کہ یہاں اس کا شادی کرنا نیا سبب ہے، بخلاف اس صورت کے کہ اگر وہ اقرار کے وقت موجود سبب کے ساتھ ہو، لیکن کوئی مانع اس سے رکاوٹ ہو، پھر موت کے وقت وہ مانع زائل ہو جائے جیسا کہ انہوں نے اسے اپنے قول: ویبطل الخ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور اسی کی مثل یہ ہے کہ اگر وہ اپنی کتابیہ بیوی یا لونڈی کے لیے اقرار کرے، پھر وہ اس کی موت سے پہلے اسلام لے آئے یا اسے آزاد کر دیا جائے تو اس کے صادر ہونے کی حالت میں سبب موجود ہونے کی وجہ سے اقرار صحیح نہیں ہو گا جیسا کہ "زیلعی" نے اسے بیان کیا ہے۔

36258_(قولہ: أَوْ عَبْدًا) "زیلعی" نے اسے اس حالت کے ساتھ مقید کیا ہے جب اس پر دین اور قرض ہو۔ کیونکہ اقرار اس کے لیے واقع ہوا ہے، اور وہ موت کے وقت وارث ہے، پس وہ وصیت کی طرح باطل ہو گا۔ اور اگر اس پر دین نہ ہو تو اقرار صحیح ہے کیونکہ وہ آقا کے لیے ہے۔ کیونکہ غلام مالک نہیں ہوتا اور اسے "ہدایہ" میں کتاب الاقرار کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اس کا ظاہر جسے ہم نے چند اوراق پہلے "زیلعی" اور "النہایہ" سے ذکر کیا ہے وہ مقرلہ بیٹے کے عتق (آزاد ہونے) کے ساتھ مطلق اقرار کا باطل نہ ہونا ہے، اور اس کی تفصیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، فتنبہ۔

36259_(قولہ: لِقِيَامِ الْبُنُوَّةِ وَقْتَ الْإِقْرَارِ) اس وجہ سے کہ اقرار کے وقت بنوۃ کا قیام ہے، یہ اقرار کے بطلان کی علت ہے۔ اور رہے وصیت اور ہبہ تو وہ اس لیے کہ ان دونوں میں موت کا وقت معتبر ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، اور بیٹا اس وقت وارث ہو گیا ہے پس دونوں باطل ہیں۔

اپاہج، فالج زدہ اور وہ آدمی جس کا ہاتھ شل ہو جائے اور وہ جسے سل کی بیماری ہو اس کے ہبہ کا حکم

36260_(قولہ: وَهِبَةُ مُقْعَدٍ الخ) مقعد میم کے ضمہ اور قاف کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ مراد وہ آدمی ہے جو کھڑا ہونے پر قدرت نہ رکھتا ہو، اور مفلوج: وہ آدمی ہے جس کا نصف بدن ضائع ہو جائے اور اس کی حس و حرکت باطل ہو جائے، اور اشل وہ جس کا ہاتھ شل اور خشک ہو جائے۔ "عنایہ"۔

36261_(قولہ: بِهِ عِلَّةُ السُّلِّ) وہ جسے سل کی بیماری ہو۔ یہ اس سے اولیٰ ہے جو "النہایہ" میں "المغرب" سے ہے

فِي الرِّئَةِ (مِنْ كُلِّ مَالِهِ إِنْ طَالَتْ مُدَّتُهُ) سَنَةً (وَلَمْ يُخَفْ مَوْتُهُ مِنْهُ وَإِلَّا) تَطُلْ وَخِيفَ مَوْتُهُ (فَمِنْ ثُلُثِهِ)
اس کے کل مال میں نافذ ہو جاتا ہے۔ مسلول سے مراد وہ ہے جو سل کا مریض ہو، اور اس سے مراد پھیپھڑوں کا زخم ہے۔ بشرطیکہ بیماری کی مدت ایک سال تک طویل ہو جائے، اور اس بیماری کے سبب اس کی موت کا خوف نہ ہو۔ اور اگر اتنی طویل نہ ہو اور اس کی موت کا خوف ہو تو پھر اس کے تہائی مال سے ہبہ نافذ ہوگا۔

کہ سلول وہ ہے جس کے خصیتین کمزور اور لاغر ہو جائیں، اس لیے کہ ''الاتقانی'' نے کہا ہے: بلاشبہ یہاں یہ معنی مناسب نہیں ہے، کیونکہ طویل زمانہ گزرنے کے بعد اسے بالکل مریض کا نام نہیں دیا جاتا۔

36262۔ (قولہ: إِنْ طَالَتْ مُدَّتُهُ سَنَةً) اگر اس کی مدت ایک سال تک طویل ہو جائے، یہ اس بنیاد پر ہے جو ہمارے اصحاب نے کہا ہے۔ اور ان میں سے بعض نے کہا ہے: اگر اسے عرف میں طویل شمار کیا گیا تو وہ طویل ہوگی، ورنہ نہیں۔ ''قہستانی''۔

36263۔ (قولہ: وَلَمْ يُخَفْ مَوْتُهُ مِنْهُ) اور اس سے اس کی موت کا خوف نہ ہو، یہ جملہ جملہ شرطیہ کی وضاحت کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔ اسے ''حموی'' نے ''المفتاح'' سے نقل کیا ہے۔ ''طحطاوی''۔ پھر یہاں خوف سے مراد ظن غالب ہے نہ کہ نفس خوف ''کفایہ'' اور ''قہستانی'' نے عدم خوف کی تفسیر اس کے ساتھ کی ہے کہ وقتاً فوقتاً اس کی بیماری زیادہ نہ ہو۔ کیونکہ جب زیادہ زمانہ گزر جائے تو وہ اس کی طبائع میں سے ایک طبع بن جاتی ہے جیسا کہ اندھا (نابینا) اور لنگڑا ہونا، اور یہ اس لیے ہے کہ تصرف سے مانع مرض الموت ہے، اور وہ وہ ہے جو اغلباً موت کا سبب بن جاتی ہے، اور بلاشبہ یہ اسی طرح ہوتی ہے جب وہ اس حیثیت میں ہو کہ کبھی کبھی وہ بڑھ جاتی ہو یہاں تک کہ اس کا آخر اور اس کی انتہا موت ہوتی ہے، لیکن جب وہ مستحکم ہو جائے، اور وہ اس طرح ہو جائے کہ اس میں اضافہ نہ ہو، اور نہ اس سے موت کا خوف ہو، تو وہ موت کا سبب نہیں ہوتی جیسا کہ اندھا ہونا وغیرہ۔ کیونکہ اس سے کوئی خوف نہیں ہوتا، اس لیے وہ علاج میں مشغول نہیں ہوتا، ''زیلعی'' وغیرہ۔

36264۔ (قولہ: وَإِلَّا تَطُلْ وَخِيفَ مَوْتُهُ) اور ''قہستانی'' کی عبارت ہے: والا يكن واحدٌ منهما بأن لم تطل موتهُ بأن مات قبل سنةٍ أو خيفَ موته بأن يزدا دَمابِهِ يوماً فيوماً۔ (اور اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک نہ ہو، اس طرح کہ اس کی مدت طویل نہ ہو یعنی وہ سال سے پہلے فوت ہو جائے یا اس کی موت کا خوف ہو اس طرح کہ دن بدن اس کا مرض بڑھ رہا ہو)۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب وہ طویل نہ ہو اور اس کی موت کا خوف نہ ہو تو وہ ثلث مال سے ہوگا، اور ''زیلعی'' کی عبارت اور اس کی نص اس کے مخالف ہے یعنی اگر مرض طویل نہ ہو تو ثلث میں اس کے تصرف کا اعتبار کیا جائے گا جب وہ صاحب فراش ہو، اور اسی مرض کے سبب وہ انہی ایام میں فوت ہو جائے۔ کیونکہ اسے ابتدا میں اس کے سبب موت کا خوف ہوتا ہے، اسی لیے وہ علاج کرتا ہے۔ پس وہ مرض الموت ہوگی، اور اگر وہ طویل ہونے کے بعد صاحب فراش ہوا تو وہ نئے مرض کی طرح ہے، یہاں تک کہ ثلث میں اس کے تصرفات کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور یہی شارح کے کلام کے موافق ہے۔

لِأَنَّهَا أَمْرَاضٌ مُزْمِنَةٌ لَا قَاتِلَةٌ قَبْلَ مَرَضِ الْمَوْتِ أَنْ لَا يَخْرُجَ لِحَوَائِجِ نَفْسِهِ وَعَلَيْهِ اعْتَمَدَ فِي التَّجْرِيدِ بَزَّازِيَّةٌ وَالْمُخْتَارُ أَنَّهُ مَا كَانَ الْغَالِبُ مِنْهُ الْمَوْتُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبَ فِرَاشٍ قُهُسْتَانِيٌّ عَنْ هِبَةِ الذَّخِيرَةِ
کیونکہ یہ امراض اپاہج کر دینے والی ہیں، مرض موت سے پہلے مارنے والی نہیں ہیں۔ (اور مرض موت وہ ہے) کہ وہ اپنی ذاتی ضروریات وحاجات کے لیے باہر نہ نکل سکے اور اسی پر ''التجرید'' میں اعتماد کیا ہے، ''بزازیہ''۔ اور مختار یہ ہے کہ اس سے موت کا گمان غالب ہو اگرچہ وہ صاحب فراش نہ ہو۔ اسے ''قہستانی'' نے ''الذخیرہ'' کے باب الہبہ سے نقل کیا ہے۔

اور باقی رہی یہ صورت کہ جب وہ طویل ہوگئی اور اس کی موت کا خوف ہو تو ''القہستانی'' کی عبارت کا مقتضی یہ ہے کہ وہ بھی ثلث سے ہوگا۔ اور ''مصنف'' کے مایکون من کل المال کو اپنے قول: ولم یخف موتہٗ کے ساتھ مقید کرنے کا یہی مفہوم ہے۔

36265۔ (قولہ: لِأَنَّهَا أَمْرَاضٌ مُزْمِنَةٌ) کیونکہ یہ اپاہج کر دینے والی بیماریاں ہیں، یعنی یہ طویل عرصہ تک رہنے والی بیماریاں ہیں۔ اور یہ ''مصنف'' کے قول: من کل مالہ کی تعلیل ہے۔ پس اس کا ذکر ان کے قول: ولا الخ سے پہلے ہونا چاہیے۔ ''المنح'' میں کہا ہے: اور ''الفصول العمادیہ'' میں ہے: اور رہا مُقعَد اور مفلوج تو ''الکتاب'' میں کہا ہے: اگر وہ قدیم (پرانا) نہ ہو تو وہ بمنزلہ مریض کے ہے، اور اگر وہ قدیم اور پرانا ہو تو وہ بمنزلہ صحیح (تندرست) کے ہے، کیونکہ یہ اپاہج کر دینے والی بیماری ہے اور یہ قاتل (مار دینے والی) نہیں ہے۔

36266۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ اعْتَمَدَ فِي التَّجْرِيدِ) اور اسی پر ''التجرید'' میں اعتماد ہے۔ اور ''المعراج'' میں ہے: ''صاحب المنظومہ'' سے مرض موت کی تعریف کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: اس بارے میں مشائخ کے اقوال کثیر ہیں، اور اس میں ہمارا اعتماد ''الفضل'' کے قول پر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ آدمی اپنی ذاتی حوائج کے لیے گھر سے باہر نہ جا سکے اور عورت گھر کے اندر اپنی حاجت کے لیے چھت پر چڑھنے سے قاصر ہو، اور اسی پر وہ باب طلاق المریض میں چلے ہیں، اور علامہ ''زیلعی'' نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اور ظاہر ہے کہ یہ ان امراض مزمنہ کے غیر کے ساتھ مقید ہے جو طویل ہوتی ہیں، اور ان سے موت کا خوف نہیں ہوتا جیسا کہ فالج وغیرہ اگرچہ وہ اسے صاحب فراش کر دیں اور اسے حوائج کے لیے نکلنے سے روک دیں۔ پس یہ اس کے مخالف نہیں ہے جس پر اصحاب متون وشرح چلے ہیں، تامل۔

36267۔ (قولہ: وَالْمُخْتَارُ الخ) اسی طرح صاحب ''ہدایہ'' نے اسے اپنی کتاب ''التجنیس'' میں اختیار کیا ہے۔

تنبیہ

حاملہ عورت طلاق کی حالت میں ثلث سے احسان اور تبرع کر سکتی ہے، اور اگر دو گروہ باہمی جنگ وقتال کے لیے مل جائیں اور ان میں سے ہر گروہ دوسرے سے انتقام لینے والا ہو یا مقہور ومظلوم ہو تو وہ مرض موت کے حکم میں ہے، اور اگر ان کا اختلاط نہ ہو تو پھر نہیں۔ اور بحری جہاز میں سوار اگر سمندر ساکن ہو تو پھر اس پر کوئی خوف نہیں اور اگر ہوا چل پڑے یا اس میں

وَإِذَا اجْتَمَعَ الْوَصَايَا قُدِّمَ الْفَرْضُ وَإِنْ أَخَّرَهُ الْمُوصِي
اور جب وصیتیں جمع ہو جائیں تو فرض کو مقدم کیا جائے گا اگرچہ موصی نے اسے موخر کیا ہو،

اضطراب ہو تو پھر اس پر خوف ہے، اور قیدی جب اس کی عادت سے قتل ہو تو وہ خائف (ڈرنے والا) ہے ورنہ نہیں۔ ''معراج''، ملخصاً۔ اس میں غور کرو اس کے ساتھ ساتھ جو باب طلاق المریض میں گزر چکا ہے۔

وصیتیں جمع ہو جائیں تو ان کا حکم

36268۔ (قولہ: وَإِذَا اجْتَمَعَ الْوَصَايَا الخ) اور جب وصیتیں جمع ہو جائیں الخ، تو جان! کہ وصیتیں یا تو تمام اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں گی، یا بندوں کے لیے، یا وہ دونوں کے درمیان جمع ہوں گی، بلاشبہ تقدیم کا اعتبار اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ مختص ہے، اس لیے کہ صاحب حق ایک ہے، لیکن جب وہ (صاحب حق) متعدد ہوں تو پھر اعتبار نہیں کیا جائے گا، پس وہ وصایا جو صرف بندوں کے لیے ہوں تو ان میں تقدیم کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ اگر وہ پہلے ایک انسان کے لیے اپنے ثلث مال کی وصیت کرے پھر دوسرے کے لیے اس کے بارے وصیت کرے، مگر یہ کہ وہ تقدیم پر نص بیان کرے، یا بعض عتق یا محاباۃ ہوں جیسا کہ عنقریب ذکر آئے گا، اور وہ وصایا جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں پس اگر وہ تمام کی تمام فرائض ہوں جیسا کہ زکوٰۃ اور حج یا وہ واجبات ہوں جیسا کہ کفارات نذریں اور صدقہ فطر، یا وہ نوافل ہوں جیسا کہ نفلی حج اور فقراء کے لیے صدقہ تو وہ اس سے ابتدا کرے گا جس سے میت نے ابتدا کی ہے۔ اور اگر وصایا مخلوط ہوں تو وہ فرائض سے ابتدا کرے گا چاہے موصی انہیں مقدم کرے یا موخر، پھر اس کے بعد واجبات سے آغاز کرے گا۔ اور وہ وصایا جن میں اللہ تعالیٰ اور بندوں کا حق جمع ہو جائے تو ثلث ان تمام پر تقسیم کیا جائے گا اور قرب کی جہات میں سے ہر جہت کو منفرد اور الگ قسم بنایا جائے گا اور تمام کو ایک جہت نہیں قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ اگرچہ ان تمام سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے، چونکہ ان میں سے ہر ایک ذاتی طور پر مقصود ہے پس وہ منفرد ہوگی جیسا کہ کئی آدمیوں کی وصایا، پھر انہیں جمع کیا جائے گا اور ان میں أھم فالأھم کے طریقہ پر أھم کو مقدم کیا جائے گا، پس اگر اس نے کہا: میرے مال کا تیسرا حصہ حج، زکوٰۃ، زید اور کفارات کے لیے ہے تو اسے چار حصوں میں تقسیم کر دیا جائے، اور آدمی کے حق پر اس کی حاجت اور ضرورت کی وجہ سے فرض کو مقدم نہیں کیا جائے گا، اور اگر آدمی غیر معین ہو اس طرح کہ وہ فقراء پر صدقہ کرنے کی وصیت کرے تو پھر اسے تقسیم نہیں کیا جائے گا، بلکہ اُقویٰ کو مقدم کیا جائے گا اور پھر اس کے بعد اقویٰ کو، کیونکہ تمام کا تمام اللہ تعالیٰ کا حق ہو کر باقی رہتا ہے جب تک وہاں کوئی معین مستحق نہ ہو۔ یہ حکم تب ہے جب وصیت میں ایسا عتق نہ ہو جو مرض میں نافذ ہو یا موت کے ساتھ معلق ہو جیسا کہ تدبیر (غلام کو مدبر بنانا) اور نہ محاباۃ ہو جو مرض میں بالفور نافذ ہو، پس اگر ایسا ہو تو وہ دونوں سے آغاز کرے جیسا کہ اس کی تفصیل عنقریب باب العتق فی المرض میں آئے گی، پھر باقی کو تمام وصایا کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ یہ ''العنایہ''، ''النہایہ'' اور ''التبیین'' سے ملخص ہے۔

36269۔ (قولہ: قُدِّمَ الْفَرْضُ) وہ فرض کو مقدم کرے، جیسا کہ حج، زکوٰۃ اور کفارات، کیونکہ فرض نفل سے اہم ہے

وَإِنْ تَسَاوَتْ) قُوَّةً (قُدِّمَ مَا قَدَّمَ) إِذَا ضَاقَ الثُّلُثُ عَنْهَا) قَالَ الزَّيْلَعِيُّ كَفَّارَةُ قَتْلٍ وَظِهَارٍ وَيَمِينٍ

اور اگر وہ قوت کے اعتبار سے برابر ہوں تو پھر اسے مقدم کیا جائے گا، جسے موصی نے مقدم کیا ہو جبکہ ثلث مال ان کے لیے تنگ ہو۔''زیلعی'' نے کہا ہے: قتل، ظہار، اور قسم کا کفارہ

اور اہم سے ابتدا ہونا اس سے ظاہر ہے،''زیلعی''۔ اور فرض سے ارادہ اس کا کیا ہے جو واجب کو بھی شامل ہے۔ اور اس پر قرینہ ان کا قول: والکفارات ہے۔ لیکن فرض حقیقی واجب پر مقدم ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور''القہستانی'' میں ہے: وہ اس فرض سے ابتدا کرے گا جو بندے کا حق ہے پھر وہ جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے، پھر واجب سے، اور پھر نفل سے جیسا کہ ان سے مروی ہے۔

36270۔ (قولہ: وَإِنْ تَسَاوَتْ قُوَّةً الخ) اور اگر وہ قوۃ کے اعتبار سے مساوی ہوں،''الملتقی'' میں کہا ہے: اگر وصایا فرضیت وغیرہ میں برابر اور مساوی ہوں تو وہ اسی سے آغاز کرے جس سے میت نے آغاز کیا ہے (یعنی وہ اسے مقدم کرے جسے میت نے مقدم کیا ہے۔) بعض نے کہا ہے: حج پر زکوٰۃ کو مقدم کیا جائے گا، اور بعض نے اس کے برعکس قول کیا ہے۔ اور اسی کی مثل''الاختیار'' اور''القہستانی'' میں ہے۔ پس اس طرف اشارہ کیا ہے کہ بعض فرائض کو بعض پر موصی کے مقدم کئے بغیر مقدم نہیں کیا جائیگا جبکہ وہ قوت میں برابر ہوں، یعنی اس طرح کہ وہ تمام کے تمام فرائض حقیقی ہوں۔ یہ اس صورت سے احتراز ہے جس میں بعض واجبات ہوں، اور بلاشبہ بعض فرائض کو بعض پر مقدم کرنے کا قول غیر معتمد ہے، اور اس کے قائل''امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ'' ہیں، اور پہلے قول کے قائل''امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ'' ہیں۔ اور ذکر کیا ہے کہ یہ تمام کا قول ہے اس طرح کہ انہوں نے اپنی''مختصر'' میں کہا ہے:''ہشام'' نے امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے اور انہوں نے امام اعظم''ابوحنیفہ'' اور امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہما سے نقل کیا ہے۔ اور یہی امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: ہر وہ شے جو کلی طور پر اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جیسا کہ حج، صدقہ، اور عتق وغیرہ۔ پس کوئی آدمی اس کے بارے وصیت کرے اور ثلث اس کے لیے کافی نہ ہو تو اگر وہ تمام نفلی ہوں تو وہ اس پہلی سے ابتدا کرے جس کا ذکر موصی نے پہلے کیا یہاں تک کہ وہ آخر تک پہنچ جائے یا ثلث کم ہو جائے تو پھر وہ باطل ہو جائے گی جو باقی رہ جائے اور اسی طرح اگر وہ تمام فرض ہوں تو وہ پہلی سے آغاز کرے اور اسی ترتیب پر عمل کرتا جائے یہاں تک کہ کمی اور نقصان آخر میں واقع ہو، اور اگر بعض نفل اور بعض فرض ہوں یا اس نے اسے اپنے آپ پر واجب کیا ہو تو فرض سے یا اس سے جسے اس نے اپنے آپ پر واجب کیا ہے، ابتدا کرے اگرچہ اس نے اس کا ذکر آخر میں کیا ہو،''ہشام'' نے کہا ہے: یہاں تک ان تمام کا قول ہے۔ اور اس کی مکمل بحث''غایۃ البیان'' میں ہے۔

36271۔ (قولہ: قَالَ الزَّيْلَعِيُّ الخ)''زیلعی'' نے کہا ہے، میں کہتا ہوں:''زیلعی'' نے''کنز'' کے قول کے بعد کہا ہے اور اگرچہ قوت میں برابر ہیں الخ: کیونکہ آدمی کے حال سے ظاہر ہے کہ وہ اس سے ابتدا کرے جو اس کے نزدیک اہم ہے، اور ظاہر سے ثابت ہونے والا نصا ثابت ہونے والے کی طرح ہے، تو گویا انہوں نے اسے مقدم کرنے پر نص بیان کی ہے پس زکوٰۃ کو حج پر مقدم کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے ساتھ بندے کا حق متعلق ہے اور ان دونوں کو کفارہ پر مقدم کیا جائے گا

مُقَدَّمَةٌ عَلَى الْفِطْرَةِ لِوُجُوبِهَا بِالْكِتَابِ دُونَ الْفِطْرَةِ وَالْفِطْرَةُ عَلَى الْأُضْحِيَّةِ لِوُجُوبِهَا إجْمَاعًا دُونَ الْأُضْحِيَّةِ وَفِي الْقُهُسْتَانِيِّ عَنْ الظَّهِيرِيَّةِ عَنْ الْإِمَامِ الطَّوَاوِيسِيِّ يُبْدَأُ بِكَفَّارَةِ قَتْلٍ ثُمَّ يَمِينٍ ثُمَّ ظِهَارٍ

صدقہ فطر پر مقدم ہے، اس لیے کہ ان کا وجوب کتاب اللہ سے ثابت ہے نہ کہ صدقہ فطر، اور صدقہ فطر کو قربانی پر مقدم کیا جائے گا، کیونکہ اس کا وجوب اجماع سے ثابت ہے نہ کہ قربانی کا۔ اور ''القہستانی'' میں ''الظہیریہ'' سے امام ''الطواویسی'' سے منقول ہے: وہ ابتدا کفارہ قتل سے کرے گا، پھر کفارہ یمین، پھر ظہار،

کیونکہ ان دونوں کو اس پر ترجیح حاصل ہے، کیونکہ ان دونوں کے بارے میں وعید آئی ہے جو ان دونوں کے سوا کسی کے بارے میں نہیں آئی، اور قتل، ظہار، اور قسم کا کفارہ صدقہ فطر پر مقدم ہوگا الخ۔ اور اسی کی مثل ''النہایہ'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی تقریر کا اول حصہ امام ''کرخی رحمۃ اللہ علیہ'' کے قول کے موافق ہے اور اس کا آخر امام ''طحاوی رحمۃ اللہ علیہ'' کے قول کے موافق ہے، یہ دونوں قولوں کے درمیان جمع ہے اس حال میں کہ ان میں سے ایک کو دوسرے پر بطور تفریع ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ آپ ''ملتقی'' کی عبارت سے ان دونوں کا باہمی اختلاف جان چکے ہیں، اور یہ کہ ان میں سے دوسرا قول ضعیف ہے، فتدبر۔ اور میں نے اسے نہیں دیکھا جس نے اس محل کی وضاحت کی ہو، فتامل۔ پھر میں نے ''الاتقانی'' کو دیکھا انہوں نے ''غایۃ البیان'' میں کہا ہے: اور ان میں سے بعض نے کہا ہے: بلا شبہ کفارہ قتل کو کفارہ یمین پر مقدم کیا جائے گا۔ اس لیے کہ وہ اسلام کی شرط کے سبب قوی ہے، پھر کفارہ یمین کو کفارہ ظہار پر مقدم کیا جائے گا، اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسم کی حرمت تار تار کرنے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، اور دوسرا اپنی ذات پر حرمت ثابت کرنے کے سبب واجب ہوتا ہے۔ اور ہمارے لیے اس میں نظر ہے۔ کیونکہ یہ منصوص روایت کے خلاف ہے۔ کیونکہ فرائض میں سے بعض کو بعض پر مقدم نہیں کیا جاتا۔ اور اسی طرح نفل ہیں بلکہ ابتدا اس سے کی جائے گی جس سے موصی نے ابتدا کی، تحقیق اس پر علامہ ''کرخی رحمۃ اللہ علیہ'' کی نص گزر چکی ہے، اور کفارات پر زکوۃ اور حج کو مقدم کرنے کا معنی وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے اور وہ وعید ہے، اور اس کی مثل کفارات میں سے کسی میں نہیں پایا جاتا۔ اور بعض سے صاحب ''نہایہ'' کا ارادہ کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: کفارات پر حج اور زکوۃ کی تقدیم ظاہر ہے۔ کیونکہ کفارات واجب ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے، لیکن ''الاتقانی'' نے بذات خود ذکر کیا ہے کہ کفارات صدقہ فطر پر مقدم ہیں اور صدقہ فطر قربانی پر مقدم ہے جیسا کہ ''زیلعی'' اور ''شارح'' نے کہا ہے۔ شاید انہوں نے اس کی بنا امام ''طحاوی رحمۃ اللہ علیہ'' کے قول پر کی ہے، اور اس پر کہ کفارات میں سے بعض کو بعض پر مقدم کرنے سے کوئی شی مانع نہیں جب وجہ ترجیح پائی جائے جیسا کہ صاحب ''النہایہ'' نے یہی کہا ہے۔ اور ''زیلعی'' نے ان کی اتباع کی ہے، اور اس سے نظر ساقط ہو جاتی ہے۔ پس اس میں تدبر کرو۔

قتل، ظہار اور قسم کا کفارہ صدقہ فطر پر مقدم ہوگا

36272۔ (قولہ: يُبْدَأُ بِكَفَّارَةِ قَتْلٍ ثُمَّ يَمِينٍ ثُمَّ ظِهَارٍ) وہ ابتدا کرے کفارہ قتل سے پھر کفارہ یمین سے اور پھر

ثُمَّ إِفْطَارٍ ثُمَّ النَّذْرِ ثُمَّ الْفِطْرَةِ، ثُمَّ الْأُضْحِيَّةِ، وَقَدَّمَ الْعُشْرَ عَلَى الْخَرَاجِ، وَفِي الْبُرْجَنْدِيِّ مَذْهَبُ أَبِي حَنِيفَةَ آخِرًا أَنَّ حَجَّ النَّفْلِ أَفْضَلُ مِنَ الصَّدَقَةِ (أَوْصَى بِحَجٍّ) أَيْ حَجَّةِ الْإِسْلَامِ أُحِجَّ (عَنْهُ رَاكِبًا)

پھر افطار، پھر نذر، پھر صدقہ فطر اور پھر قربانی ادا کرے گا۔ اور وہ عشر کو خراج پر مقدم کرے، اور ''البرجندی'' میں امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا مذہب ہے کہ نفلی حج صدقہ سے افضل ہے، کسی نے حج اسلام کی وصیت کی تو اس کی طرف سے سواری پر حج کرایا جائے

کفارہ ظہار سے، ان کی ترتیب کی وجہ پہلے گزر چکی ہے۔

36273_(قولہ: ثُمَّ إِفْطَارٍ الخ) پھر افطار سے الخ، یہ اس کے مخالف ہے جو ''النہایہ'' میں ہے کہ صدقہ فطر کو اجماع اور اخبار مستفیضہ سے ثابت ہونے کی وجہ سے کفارہ افطار پر مقدم کیا جائے، اس لیے کہ وہ خبر واحد سے ثابت ہے، اور اسے نذر پر مقدم کیا جائے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے کے سبب واجب ہے۔ اس لیے اسے اس پر مقدم کیا جائے گا جو بندے کے ایجاب کے ساتھ واجب ہے، اور نذر کو قربانی پر مقدم کیا جائے گا، اس لیے کہ قربانی کے وجوب میں اختلاف ہے لیکن نذر کے واجب ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

36274_(قولہ: وَقَدَّمَ الْعُشْرَ) اور وہ عشر کو مقدم کرے، اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حق پر مشتمل ہے بخلاف خراج کے کیونکہ وہ دوسرے یعنی حق العباد پر محصور ہے، ''طحطاوی''۔

نفلی حج صدقہ سے افضل ہے

36275_(قولہ: أَنَّ حَجَّ النَّفْلِ أَفْضَلُ مِنَ الصَّدَقَةِ) بلاشبہ نفلی حج صدقہ سے افضل ہے۔ یہ حج کو صدقہ پر مقدم کرنے کی طرف اشارہ ہے اگرچہ موصی اسے موخر ذکر کرے۔ لیکن ''العنایہ'' اور ''النہایہ'' میں ہے کہ جو عمل واجب نہیں ہے اس میں وہ اسے مقدم کرے جسے موصی نے مقدم کیا ہے جیسا کہ نفلی حج، غیر معین غلام کو آزاد کرنا، اور فقراء پر صدقہ کرنا۔ اور یہی ظاہر روایت ہے۔ اور ''حسن'' رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے اصحاب سے روایت کیا ہے کہ وہ افضل سے ابتدا کرے اور پھر اس کے بعد جو افضل ہو، وہ صدقہ سے ابتدا کرے پھر حج اور پھر اس کے بعد عتق۔ اور ان کا قول یبدأ بالصدقة ثم الحج کی بنیاد اس پر ہے جو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ پہلے کہتے رہے ہیں اور جب انہوں نے حج کی مشقت کا مشاہدہ کیا تو اس سے رجوع کر لیا۔ پس اگر وہ اس مقدار سے حج کرے جو وہ خرچ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو یہ افضل ہے۔

36276_(قولہ: أُحِجَّ عَنْهُ) یہ صیغہ مجہول ہے، یعنی اس کی طرف سے حج کرایا جائے۔

36277_(قولہ: رَاكِبًا) اس حال میں کہ وہ سوار ہو، کیونکہ یہ لازم نہیں کہ وہ پیدل حج کرے۔ پس اس پر اسی طرح حج کرانا واجب ہے جس طرح اس پر لازم ہوا ہے، ''زیلعی''۔

فَلَوْلَمْ تَبْلُغْ النَّفَقَةُ مِنْ بَلَدِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ أَنَا أَحُجُّ عَنْهُ بِهٰذَا الْمَالِ مَاشِيًا لَا يَجْزِيهِ قُهُسْتَانِيٌّ مَعْزِيًّا لِلتَّتِمَّةِ (مِنْ بَلَدِهٖ إِنْ كَفَى نَفَقَتُهُ ذٰلِكَ وَالَّا فَمِنْ حَيْثُ تَكْفِي وَإِنْ مَاتَ حَاجٌّ فِي طَرِيقِهٖ وَأَوْصَى بِالْحَجِّ عَنْهُ يُحَجُّ مِنْ بَلَدِهٖ) رَاكِبًا وَقَالَ مِنْ حَيْثُ مَاتَ اسْتِحْسَانًا هِدَايَةٌ وَمُجْتَبَى وَمُلْتَقَى قُلْتُ وَمُفَادُهُ أَنَّ قَوْلَهُ قِيَاسٌ وَعَلَيْهِ الْمُتُونُ

اور اگر شہر سے خرچہ پورا نہ ہو، اور کوئی آدمی یہ کہے: میں اس کی طرف سے اسی مال کے ساتھ پیدل حج کرتا ہوں تو یہ جائز نہیں ہے۔ ''قہستانی'' نے اسے ''تتمہ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ یعنی موصی کے شہر سے اگر اس کا خرچہ اس کے لیے کافی ہو، ورنہ اس جگہ سے جہاں سے وہ کافی ہو، اور اگر حاجی راستے میں فوت ہو جائے اور وہ اپنی طرف سے حج کرنے کی وصیت کرے تو وہ اس کے شہر سے سوار ہو کر حج کرے گا، اور کہا: اس جگہ سے جہاں وہ فوت ہوا، یہ استحسانا ہے۔ ''ہدایہ''، ''مجتبیٰ''، ''ملتقی''۔ میں کہتا ہوں: اور اس کا مفاد یہ ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول قیاس ہے اور اسی کے مطابق متون ہیں

36278۔ (قولہ: فَلَوْ لَمْ تَبْلُغْ النَّفَقَةُ الخ) پس اگر نفقہ کافی نہ ہو الخ اور اسی کی مثل بدرجہ اولیٰ وہ ہے جو ''القہستانی'' میں بھی ہے: اگر دیا ہوا مال سواری کے لیے کافی ہو پھر وہ پیدل چلا اور اس نے اپنی ذات کے لیے کچھ خرچہ باقی رکھ لیا تو اس نے مخالفت کی ہے اور نفقہ کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس کا ثواب اسے حاصل نہیں ہوا۔

36279۔ (قولہ: أَنَا أَحُجُّ عَنْهُ) میں اس کے شہر سے حج کروں گا۔

36280۔ (قولہ: وَإِنْ مَاتَ حَاجٌّ فِي طَرِيقِهٖ الخ) اور اگر حج کرنے والا راستے میں فوت ہو جائے، ''شارح'' نے باب الحج عن الغیر میں پہلے ذکر کیا ہے کہ بلاشبہ اس کے بارے وصیت واجب ہوتی ہے جب وہ اسے واجب ہونے کے بعد موخر کرتا رہے، لیکن جب وہ کسی سال حج کرلے تو پھر وصیت واجب نہیں۔

36281۔ (قولہ: مِنْ بَلَدِهٖ) کیونکہ اس پر اپنے شہر سے حج کرنا واجب ہے اور وصیت اسے ادا کرنے کے لیے ہے جو اس پر واجب ہے، ''زیلعی''۔ پس اگر وصی نے کسی دوسرے شہر سے حج کرایا تو وہ ضامن ہوگا، مگر یہ کہ وہ مکان ایسی جگہ ہو جہاں رات ہونے سے پہلے وہ پہنچ کر واپس اپنے وطن لوٹ سکتا ہو، ''مناسک السندی''۔ اور اسی میں ہے: اگر وہ اپنے شہر کے علاوہ کہیں اور سے حج کرنے کی وصیت کرے تو وہ وہیں سے حج کرے جیسے اس نے وصیت کی ہے چاہے وہ مکہ مکرمہ سے قریب ہو یا دور ہو۔

میں کہتا ہوں: اور ظاہر یہ ہے کہ موصی اس کے ساتھ گنہگار ہوگا، اس لیے کہ اس نے اپنے اوپر واجب کو ترک کر دیا ہے، اور اسی کی مثل ہے اگر وہ اس کی وصیت کرے جو اس کے شہر سے حج کرانے کے لیے کافی نہ ہو، تامل۔

36282۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ الْمُتُونُ) اسی پر متون ہیں، اور یہی صحیح ہے، اور اسے ہی ''محبوبی''، ''نسفی'' اور ''صدر الشریعہ'' وغیرہ نے اختیار کیا ہے، ''قاسم''۔

فَكَانَ الْقِيَاسُ هُنَا هُوَ الْمُعْتَمَدُ فَافْهَمْ (إِنْ بَلَغَ نَفَقَتُهُ لَكَ وَإِلَّا فَمِنْ حَيْثُ تَبْلُغُ) وَمَنْ لَا وَطَنَ لَهُ فَمِنْ حَيْثُ مَاتَ إِجْمَاعًا (أَوْصَى بِأَنْ يُشْتَرَى بِكُلِّ مَالِهِ عَبْدٌ فَيُعْتَقُ عَنْهُ) عَنِ الْمُوصِي (وَلَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ بَطَلَتْ كَذَا إِذَا أَوْصَى بِأَنْ يُشْتَرَى لَهُ عَبْدٌ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ وَزَادَ الْأَلْفُ عَلَى الثُّلُثِ) وَقَالَا يُشْتَرَى بِكُلِّ الثُّلُثِ فِي الْمَسْأَلَتَيْنِ مَجْمَعٌ (مَرِيضٌ أَوْصَى وَصَايَا ثُمَّ بَرِئَ مِنْ مَرَضِهِ ذَالِكَ وَ عَاشَ سِنِينَ ثُمَّ مَرِضَ فَوَصَايَاهُ بَاقِيَةٌ اَن لَمْ يَقُلْ إِنْ مِتُّ مِنْ مَرَضِي هٰذَا فَقَدْ أَوْصَيْتُ بِكَذَا) كَذَا فِي الْخَانِيَةِ (أَوْصَى بِوَصِيَّةٍ ثُمَّ جُنَّ إِنْ أَطْبَقَ الْجُنُونُ) حَتَّى بَلَغَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ (بَطَلَتْ وَإِلَّا لَا)

تو گویا یہاں قیاس ہی معتمد علیہ ہوا۔ پس تو اسے سمجھ لے، اگر سواری کا خرچہ تیرے لیے کافی ہو (تو وطن سے حج کرائے) ورنہ جہاں سے وہ کافی ہو (وہاں سے حج کرائے) اور وہ جس کا کوئی وطن نہ ہو تو جہاں وہ فوت ہوا بالاجماع وہاں سے حج کرائے۔ کسی نے اس بارے وصیت کی کہ اس کے کل مال سے غلام خریدا جائے اور پھر موصی کی طرف سے اسے آزاد کر دیا جائے، اور ورثاء نے اس کی اجازت نہ دی تو وہ وصیت باطل ہو جائے گی۔ اسی طرح حکم ہے جب کسی نے وصیت کی کہ اس کے لیے ہزار درہم کے عوض غلام خریدا جائے اور وہ ہزار اس کے ثلث مال سے زائد ہو۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے کہا ہے: دونوں مسئلوں میں مال کے تہائی حصہ کے عوض خریدا جائے گا، ''مجمع''۔ مریض نے چند وصیتیں کیں پھر وہ اس بیماری سے صحت یاب ہو گیا اور کئی سال تک زندہ رہا، پھر وہ بیمار ہوا تو اس کی وصیتیں باقی رہیں گی اگر اس نے یہ نہ کہا: اگر میں اپنے اس مرض سے فوت ہو گیا تو میں اس اس طرح کی وصیت کرتا ہوں۔ اسی طرح ''الخانیہ'' میں ہے۔ کسی نے وصیت کی، پھر وہ مجنون ہو گیا، اگر جنون دیر تک مسلسل رہا یہاں تک کہ وہ چھ مہینے تک پہنچ گیا تو وہ وصیت باطل ہو جائے گی، ورنہ نہیں۔

36283_(قولہ: فَافْهَمْ) یہ اس طرف اشارہ ہے کہ یہ قیاس پر استحسان کو مقدم کرنے کے قاعدہ سے خارج ہے۔

36284_(قولہ: وَمَنْ لَا وَطَنَ لَهُ الخ) اور وہ جس کا کوئی وطن نہ ہو، اور اگر اس کے کئی وطن ہوں تو جو اس میں سے ''مکہ مکرمہ'' کے زیادہ قریب ہوگا (وہاں سے حج کرائے)، اور اگر وہ مکہ مکرمہ کا رہنے والا ہو اور خراسان میں فوت ہو تو مکہ مکرمہ سے حج کرائے، مگر یہ کہ وہ حج قران کی وصیت کرے تو پھر وہ خراسان سے کرائے، ''جوہرہ''۔

فرع

اس نے کہا: تم میری طرف سے میرے تہائی حصہ مال کے ساتھ یا ہزار کے ساتھ حج کرواؤ اور وہ کئی حجوں کے لیے کافی ہو: پس اگر وہ ایک کی تصریح کرے تو وہ اس کی اتباع کرے اور مابقی اضافی مال ورثاء کو واپس لوٹا دے، اور اگر وہ ایک کی تصریح نہ کرے تو وہ ایک ہی سال میں اس کی طرف سے کئی حج کروائے اور یہی افضل ہے، یا پھر ہر سال میں ایک حج کروائے، ''سندی''۔

36285_(قولہ: بطلت الوصية) وصیت باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ کل مال کے ساتھ خریدا ہوا غلام اس کا مغایر

وَكَذَا لَوْ أَوْصَى ثُمَّ أَخَذَ بِالْوَسْوَاسِ فَصَارَ مَعْتُوهًا حَتَّى مَاتَ بَطَلَتْ خَانِيَّةٌ (أَوْصَى بِأَنْ يُعَارَ بَيْتُهُ مِنْ فُلَانٍ أَوْ بِأَنْ يُسْقَى عَنْهُ الْمَاءُ شَهْرًا فِي الْمَوْسِمِ أَوْ فِي سَبِيلِ اللهِ فَهُوَ بَاطِلٌ) فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى خَانِيَّةٌ (كَمَا لَوْ أَوْصَى بِهَذَا التِّبْنِ لِدَوَابِّ فُلَانٍ) فَإِنَّ الْوَصِيَّةَ بَاطِلَةٌ وَلَوْ قَالَ يُعْلَفُ بِهَا دَوَابُّ فُلَانٍ جَازَ،

اور اسی طرح اگر اس نے وصیت کی پھر اسے وساوس نے آلیا اور وہ غافل اور بے ہوش ہو گیا یہاں تک کہ فوت ہو گیا، تو وہ باطل ہو جائے گی، ''خانیہ''۔ کسی نے وصیت کی کہ اس کا گھر فلاں کو عاریۃً دے دیا جائے، یا یہ کہ اس کی طرف سے ایک مہینہ تک حج کے دنوں میں یا فی سبیل اللہ پانی پلایا جائے تو یہ وصیت باطل ہے۔ یہ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، ''خانیہ''۔ جیسا کہ اگر وہ وصیت کرے کہ یہ بھوسہ فلاں کے جانوروں کے لیے ہے، تو یہ وصیت باطل ہے، اور اگر وہ یہ کہے: اسے فلاں کے جانور چریں گے تو یہ جائز ہے،

ہے جسے ثلث مال کے عوض خریدا جائے، ''درر''۔ اور اسی کی مثل اس مسئلہ میں کہا جائے گا جو اس کے بعد ہے، ''طحطاوی''۔

36286۔ (قولہ: فَصَارَ مَعْتُوهًا الخ) پس وہ غافل اور بیہوش ہو گیا، ''الخانیہ'' کی عبارت ہے: پس وہ معتوہ ہو گیا، اور ایک زمانہ (طویل وقت) تک اسی حالت پر رہا، پھر اس کے بعد وہ فوت ہو گیا، تو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اس کی وصیت باطل ہے، اور تو اس بارے میں غور کر کہ کیا اس میں وہی مدت معتبر ہو گی جس کا اعتبار حالت جنون میں کیا جاتا ہے، تو ظاہر جواب یہی ہے کہ ہاں۔ کیونکہ ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، اور اس لیے بھی کہ زمان نکرہ ہو تو اس کا اطلاق چھ ماہ پر ہوتا ہے، تامل۔

36287۔ (قولہ: فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ) اسی پر اقتصار کرنا اس کے معتمد علیہ ہونے پر دلالت کرتا ہے، ''طحطاوی''۔ اور ''الظہیریہ'' میں ہے: اس نے کہا: میں نے اپنے تہائی مال کی اللہ تعالیٰ کے لیے وصیت کی تو امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق یہ وصیت باطل ہے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: یہ جائز ہے۔ اور اسے اس کے لیے نیکی کے حصول کی طرف پھیرا جائے گا، اور اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔

36288۔ (قولہ: فَإِنَّ الْوَصِيَّةَ بَاطِلَةٌ) تو بلاشبہ وصیت باطل ہے، کیونکہ وہ اہل ملک میں سے نہیں ہے، نہ موصی کے الفاظ کی طرف دیکھتے ہوئے اور نہ ہی اس کے قصد اور ارادہ کے اعتبار سے۔ اور اسی کی مثل وہ ہے جو ''المعراج'' میں ہے: کہ کسی نے مسجد حرام کے لیے کسی شے کی وصیت کی تو یہ جائز نہیں، مگر یہ کہ وہ یہ کہے: یہ مسجد پر خرچ کرے۔ کیونکہ وہ اہل ملک میں سے نہیں ہے، اور اس کے مصالح پر خرچ کرنے کا ذکر کرنا بمنزلہ نص کے ہے، اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ صحیح ہے اور اس کے کلام کو صحیح قرار دیتے ہوئے اسے اس کے مصالح کی طرف پھیرا جائے گا۔

36289۔ (قولہ: جَازَ) جائز ہے یعنی وہ گھوڑے کے مالک کے لیے وصیت ہو گی، ''خانیہ''۔

وَلَوْ أَوْصَى بِأَنْ يُنْفِقَ عَلَى فَرَسِ فُلَانٍ كُلَّ شَهْرٍ كَذَا جَازَ وَتَبْطُلُ بِبَيْعِهَا وَلَوْ أَوْصَى بِسُكْنَى دَارِهِ لِرَجُلٍ وَلَا مَالَ لَهُ سِوَاهَا جَازَ

اور اس نے وصیت کی: وہ فلاں کے گھوڑے پر ہر ماہ اتنا خرچ کرے تو یہ جائز ہے اور اسے بیچ دینے کے ساتھ وصیت باطل ہو جائے گی، اور اگر اس نے کسی آدمی کے لیے اپنے گھر میں سکونت اختیار کرنے کی وصیت کی اور اس گھر کے سوا اور کوئی مال نہ ہو تو یہ جائز ہے؛

میں کہتا ہوں: اس سے اور اس سے جو ''الاتقانی'' نے ذکر کیا ہے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اگر اس نے ثلث مال کی وصیت اس کے لیے کی جو ابھی فلاں کے جانور کے پیٹ میں ہے تا کہ وہ اس پر خرچ کرے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ اس کا مالک قبول کر لے۔ یہ کہ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے اپنی مصالح میں صرف کرے، اور یہ شرط ہے کہ وہ ان میں سے ہو جس کے لیے اس کی وصیت صحیح ہوتی ہے، اور یہ کہ وہ اس کے رد کر دینے کے ساتھ اور موصی سے پہلے اس کے فوت ہو جانے کے ساتھ وصیت باطل ہو جائے گی، تامل۔

36290۔ (قولہ: وَتَبْطُلُ بِبَيْعِهَا) اور اسے بیچ دینے کے ساتھ وصیت باطل ہو جائے گی، اور اسی طرح اس کے فوت ہو جانے کے ساتھ بھی وصیت باطل ہو جائے گی، ''خانیہ''۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں مسئلوں کی طرف راجع ہے، اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اگرچہ وصیت اس کے مالک کے لیے ہے لیکن معنوی اعتبار سے یہ اس کی ملکیت میں اس کے موجود ہونے پر معلق ہے، تامل۔ پھر میں نے ''الولوالجیہ'' میں دیکھا ہے: انہوں نے اپنے قول فاذا بیع الفرس بطل (پس جب گھوڑا بیچ دیا گیا تو وہ باطل ہو جائے گی) کے بعد یہ بیان کیا ہے: کیونکہ یہ گھوڑے کے مالک کے لیے وصیت ہے۔ اور اسی کی مثل وہ ہے اگر وہ کہے: قسم بخدا میں فلاں کے غلام سے کلام نہیں کروں گا، یا میں فلاں کے گھوڑے پر سوار نہیں ہوں گا یعنی اس میں اضافت زائل ہونے کے ساتھ قسم باطل ہو جاتی ہے مثلاً اس طرح کہ وہ غلام کو یا سواری کے جانور کو فروخت کر دے۔ کیونکہ غلام کو یا جانور کو اس کی ذات کے لیے نہیں چھوڑا جاتا بلکہ اس کے مالک کے لیے چھوڑا جاتا ہے جیسا کہ فقہاء نے اسے اس کے محل میں اعتماد سے ذکر کیا ہے۔ پس یہاں اس وقت تک وصیت باقی رہے گی جب تک اضافت موجود رہے گی، اور اس کے زوال کے ساتھ باطل ہو جائے گی۔ لیکن ''الولوالجیہ'' میں بھی اس فرع سے تھوڑا پہلے ہے: اگر اس نے فلاں کے غلام پر ہر مہینہ دس دراہم خرچ کرنے کی وصیت کی، تو یہ وصیت جائز ہے اور یہ غلام کے ساتھ گھومتی رہے گی جہاں وہ بیع یا آزادی کے سبب گھوما (یعنی آزاد ہو کر یا بک کر جہاں وہ جائے گا وہ اس کے ساتھ رہے گی)۔ اور ''ظہیریہ'' کی عبارت ہے: امام ''ابو یوسف'' اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: وصیت غلام کے لیے ہے۔ اور وہ اس کے ساتھ گھومتی رہے گی جہاں وہ بیع یا عتق کے سبب گھوما۔ اور اگر اس کے آقا نے اس کی صلح کر لی اور غلام نے اجازت دے دی تو یہ جائز ہے۔ اور اگر وہ آزاد ہو گیا پھر اس نے اجازت دی تو اس کی اجازت باطل ہے۔ اور تو اس میں غور کر اس کے باوجود کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ وارث

وَلَهُ سُكْنَاهَا مَا دَامَ حَيًّا وَلَيْسَ لِلْوَارِثِ بَيْعُ ثُلُثَيْهَا، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ لَهُ ذَلِكَ وَلَهُ أَنْ يُقَاسِمَ الْوَرَثَةَ أَيْضًا وَيُفْرِزَ الثُّلُثَ لِلْوَصِيَّةِ خَانِيَّةٌ (وَلَوْ أَوْصَى بِقُطْنِهِ لِرَجُلٍ وَبِحَبِّهِ لِآخَرَ وَأَوْصَى بِلَحْمِ شَاةٍ مُعَيَّنَةٍ لِرَجُلٍ وَبِجِلْدِهَا لِآخَرَ وَأَوْصَى بِحِنْطَةٍ فِي سُنْبُلِهَا لِرَجُلٍ وَبِالتِّبْنِ لِآخَرَ جَازَتْ الْوَصِيَّةُ لَهُمَا) وَعَلَى الْمُوصَى لَهُمَا أَنْ يَدُوسَ وَيَسْلَخَ الشَّاةَ

اور جب تک وہ فلاں زندہ رہا اس کے لیے اس میں رہائش رکھنا جائز ہے اور وارث کے لیے اس کے دوتہائی کی بیع کرنا جائز نہیں۔ اور امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اس کے لیے وہ جائز ہے، اور اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اسے ورثا میں تقسیم کردے اور وصیت کا ایک تہائی الگ کرلے۔''خانیہ''۔ اور اگر اس نے ایک آدمی کے لیے اپنی روئی اور دوسرے کے لیے اس کے بنولے کی وصیت کی، یا ایک آدمی کے لیے ایک معین بکری کے گوشت کی اور دوسرے کے لیے اس کی کھال کی وصیت کی، یا ایک آدمی کے لیے بالیوں میں موجود گندم کی اور دوسرے کے لیے بھوسے کی وصیت کی تو دونوں کے لیے وصیت جائز ہے، اور دونوں موصی لہ پر گندم کو گاہنا اور بکری کی کھال اتارنا لازم ہے۔

کے غلام کے لیے وصیت جائز نہیں ہوتی کیونکہ وہ دراصل وارث کے لیے ہی وصیت ہوتی ہے۔

36291۔(قولہ: وَلَهُ سُكْنَاهَا) اور ایک زمانہ تک وارث کے ساتھ موافقت کرتے ہوئے وہ اس کے لیے رہائش گاہ ہوگی، (یعنی دونوں اس سے نفع اٹھائیں گے)۔

36292۔(قولہ: وَلَيْسَ لِلْوَارِثِ بَيْعُ ثُلُثَيْهَا) اور وارث کے لیے اس کے دوتہائی کی بیع کرنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ اس پوری رہائش گاہ میں موصی لہ کا حق ثابت ہو چکا ہے دوسرا مال ظاہر ہونے کی وجہ سے یا اس کے خراب ہونے کی وجہ سے جو اس کے قبضہ میں ہے۔ پس اس وقت وہ اس کے باقی حصہ میں ان کے ساتھ مزاحمت کرسکتا ہے۔

36293۔(قولہ: لَهُ ذَلِكَ) یعنی وارث کے لیے اس کے دوتہائی کی بیع کرنا جائز ہے۔

36294۔(قولہ: وَلَهُ أَنْ يُقَاسِمَ الْوَرَثَةَ) یہ''مصنف'' کے قول: ولہ سکناہا پر معطوف ہے، اور ضمیر رجل (آدمی) کے لیے ہے یعنی موصی لہ کے لیے عین دار کو اجزاء کے ساتھ تقسیم کرنا بھی جائز ہے اگر وہ تقسیم کا احتمال رکھتا ہو۔ اور یہ باہم موافقت کرنے اور دونوں کے نفع اٹھانے کی نسبت زیادہ مناسب ہے۔ اس لیے کہ اس میں زمان اور ذات کے اعتبار سے دونوں کے درمیان مساوات ہے جیسا کہ''ہدایہ'' میں ہے۔ اور یہ مسئلہ عنقریب باب الوصیۃ بالخدمۃ والسکنی میں آئے گا۔

36295۔(قولہ: وَعَلَى الْمُوصَى لَهُمَا أَنْ يَدُوسَ وَيَسْلَخَ الشَّاةَ) اور دونوں موصی لہ پر گندم کو گاہنا اور بکری کی کھال اتارنا لازم ہے،''مصنف'' پر لازم تھا کہ وہ اس طرح کہتے: أن یدوسا ویسلخا الشاۃ یعنی الف تثنیہ کے ساتھ ذکر کرتے''حلبی''۔

میں کہتا ہوں: اور وہ یہ زیادہ کرتے ویحلجا القطن (اور وہ دونوں روئی دھنیں) جیسا کہ''الظہیریہ'' میں ہے۔ اور یہ اس

(أَوْصَى بِثُلُثِ مَالِهِ لِبَيْتِ الْمَقْدِسِ جَازَ ذَلِكَ وَيُنْفَقُ فِي عِمَارَةِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَفِي سِرَاجِهِ وَنَحْوِهِ) قَالُوا وَهَذَا يُفِيدُ جَوَازَ النَّفَقَةِ مِنْ وَقْفِ الْمَسْجِدِ عَلَى قَنَادِيلِهِ وَسِرَاجِهِ وَأَنْ يُشْتَرَى بِذَلِكَ الزَّيْتُ وَالنِّفْطُ وَلِلْقَنَادِيلِ فِي رَمَضَانَ خَانِيَّةٌ وَفِي الْمُجْتَبَى أَوْصَى بِثُلُثِ مَالِهِ لِلْكَعْبَةِ جَازَ وَتُصْرَفُ لِفُقَرَاءِ الْكَعْبَةِ لَا غَيْرُ وَكَذَا لِلْمَسْجِدِ وَلِلْقُدْسِ وَفِي الْوَصِيَّةِ لِفُقَرَاءِ الْكُوفَةِ

کسی نے اپنے تہائی مال کی بیت المقدس کے لیے وصیت کی تو یہ جائز ہے اور وہ اسے بیت المقدس کی عمارت اور اس کے چراغوں وغیرہ میں خرچ کیا جائے۔ فقہا نے کہا ہے: یہ اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ مسجد کے وقف سے اس کی قندیلوں اور چراغوں پر خرچ کرنا جائز ہے، اور یہ کہ وہ رمضان میں اس سے تیل اور قندیلوں کے لیے روغن وغیرہ خرید اجائے ''خانیہ''۔ اور ''المجتبیٰ'' میں ہے: کسی نے اپنے تہائی مال کی کعبہ معظمہ کے لیے وصیت کی تو یہ جائز ہے، اور وہ مال صرف کعبہ معظمہ کے فقراء پر صرف کرے کسی اور پر نہیں، اور اسی طرح مسجد اور القدس کا حکم ہے۔ اور فقراء کوفہ کے لیے وصیت کی صورت میں

لیے ہے کیونکہ مقصود دونوں میں سے ہر ایک کو اپنے ساتھی سے الگ کرنا اور نکالنا ہے بخلاف اس صورت کے کہ جب وہ ان تلوں کے تیل کی ایک آدمی کے لیے اور اس کے کسب کی دوسرے آدمی کے لیے وصیت کرے اور دودھ میں مکھن کی ایک آدمی کے لیے وصیت کرے اور لسی کی دوسرے کے لیے تو اس میں نفقہ اور خرچہ تیل اور مکھن والے پر ہوگا۔ کیونکہ مقصود صرف ان دو کو نکالنا ہے۔ اور اسی کے ساتھ اس کا اعتبار کیا جائے گا جو اس کے شریک کے لیے ہو۔ پس اس کو الگ کرنا اسی کے ذمہ ہوگا۔ اور اگر بکری زندہ ہو تو ذبح کی اجرت صرف گوشت لینے والے پر ہوگی۔ کیونکہ اسے گوشت کے حصول کے لیے ذبح کیا گیا ہے نہ کہ چمڑے کے لیے، جیسا کہ ''الولوالجیہ'' میں ہے۔

اپنے تہائی مال کی کعبہ معظمہ یا بیت المقدس کے لیے وصیت کرنا جائز ہے

36296۔ (قولہ: فِي رَمَضَانَ) شاید رمضان میں اس کے اخراجات زیادہ ہونے کی وجہ سے اسے ذکر کے ساتھ خاص کیا ہے، ورنہ رمضان کے علاوہ بھی حکم اسی طرح ہے۔ اور اس بارے میں غور کر کیا یہ حاجت اور ضرورت کی مقدار کے ساتھ مقید ہے؟ پھر میں نے ''البزازیہ'' میں دیکھا ہے: اگر اس نے کہا: میرا ثلث مال اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہے (ثلث مالی فی سبیل اللہ) تو وہ جہاد کے لیے ہوگا۔ پس اگر انہوں نے وہ مال قافلہ سے منقطع ہونے والے کسی حاجی کو دے دیا تو جائز ہے۔ اور ''النوازل'' میں ہے: اگر وہ مسجد کے چراغ کے لیے خرچ کیا گیا تو یہ بھی جائز ہے۔ لیکن ایک ہی چراغ سے بیے چاہے رمضان ہو یا غیر رمضان۔ اور یہ اسی سے قدر حاجت کی تعیین کے ساتھ مانوس ہیں، ''طحطاوی''۔

36297۔ (قولہ: وَتُصْرَفُ لِفُقَرَاءِ الْكَعْبَةِ) اور وہ کعبہ معظمہ کے فقراء کے لیے خرچ کیا جائے گا، اور جو ''الولوالجیہ'' وغیرہ میں ہے وہ لمساکین مکۃ ہے یعنی وہ مکہ مکرمہ کے مساکین کے لیے خرچ کیا جائے گا۔

36298۔ (قولہ: وَكَذَا لِلْمَسْجِدِ وَلِلْقُدْسِ) اور اسی طرح مسجد اور قدس کا حکم ہے۔

جَازَ لِغَيْرِهِمْ وَفِي الْخَانِيَّةِ أَوْصَى بِعَبْدِ يَخْدُمُ الْمَسْجِدَ وَيُؤَذِّنُ فِيهِ جَازَ وَيَكُونُ كَسْبُهُ لِوَارِثِ الْمُوصِي وَلَوْ أَوْصَى بِثُلُثِ مَالِهِ

دوسروں پر خرچ کرنا بھی جائز ہے۔ اور "الخانیہ" میں ہے: کسی نے اپنے غلام کے بارے وصیت کی کہ وہ مسجد کی خدمت کرے گا اور اس میں اذان دے گا تو یہ جائز ہے، اور اس کی کمائی موصی کے وارث کیلئے ہوگی۔ اور اگر وہ اپنے تہائی مال کے ساتھ

میں کہتا ہوں: جو "المنح" میں "المجتبیٰ" سے منقول ہے وہ بیت المقدس ہے۔

حاصل کلام: اس کا حاصل یہ ہے کہ مسجد کے لیے وصیت کرنے کے بارے میں دو قول ہیں: ایک قول میں صحیح نہیں ہے، اور ایک قول میں صحیح ہے جیسا کہ عنقریب وصایا الذمی کی فصل سے تھوڑا پہلے آئے گا۔ پھر جس قول کے مطابق صحیح ہے کیا وہ مال اس کے منافع پر خرچ کیا جائے گا یا اس کے فقراء پر؟ امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے کے بارے قول کیا ہے جیسا کہ وہی ان کے کلام میں صریح کی مثل ہے، اور رہا دوسرا قول تو اس کے بارے "المجتبیٰ" میں تصریح ہے جیسا کہ آپ دیکھ لیں گے۔ اور صحیح نہ ہونے کا قول کرنے والے "شیخین" رحمۃ اللہ علیہما ہیں مگر جب وہ یہ کہے: اسے مسجد پر خرچ کیا جائے تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔ اور امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مطلقاً جائز قرار دیا ہے اس طرح کہ انہوں نے کلام کو صحیح قرار دینے کے لیے اسے مسجد کے مصالح کے ارادہ پر محمول کیا ہے نہ کہ کسی معین شے کے ارادہ پر۔ کیونکہ وہ مالک نہیں رہتا چاہے وہ مسجد کو معین کرے یا نہ کرے۔ اور اسی کے مطابق "صاحب البحر" نے فتویٰ دیا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ اور جہاں تک بیت المقدس کا تعلق ہے تو اس کے مسجد سے الگ ہونے کا کوئی وہم نہیں، یہاں تک کہ "بزازیہ" نے جو متن میں ہے اسے امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ پس تو اسے سمجھ اور پریشان نہ ہو۔ اور مناسب یہ ہے کہ مسجد کے لیے وصیت پر اس کے فقراء کے لیے وصیت ہونے کا فتویٰ دیا جائے جبکہ صورت حال ازہر کی مثل ہو۔ اسی طرح اس مقام کو "السائحانی" رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے، اسے دیکھو جو "شرح الوہبانیہ" میں ہے۔

36299۔ (قولہ: جَازَ لِغَيْرِهِمْ) ان کے علاوہ کے لیے بھی جائز ہے، "الخلاصہ" میں کہا ہے: افضل یہ ہے کہ وہ انہی پر صرف کرے، اور اگر اس نے ان کے علاوہ دوسروں کو بھی دیا تو یہ جائز ہے، اور یہی امام "ابو یوسف" رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اور امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: یہ جائز نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول نذر کے بارے میں فقہاء کے اس قول کے موافق ہے کہ اس میں زمان، مکان، درہم، اور فقیر کی تعیین کرنا لغو ہے۔

36300۔ (قولہ: لِوَارِثِ الْمُوصِي) کیونکہ اس کی ذات اسی کی ملکیت ہے اس لیے اس کی کمائی اسی کے لیے ہوگی، الولوالجیہ۔ اور کیا اس کا نفقہ اور خرچہ مسجد کے وقف میں ہوگا جیسا کہ اگر وہ زید کی خدمت کے لیے اس کی وصیت کرے تو اس کا نفقہ اور خرچہ اسی پر ہوتا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا؟ میں نے اسے نہیں دیکھا۔

لِأَعْمَالِ الْبِرِّ لَا يُصْرَفُ ثُلُثُهُ لِبِنَاءِ السِّجْنِ، لِأَنَّ إصْلَاحَهُ عَلَى السُّلْطَانِ أَوْصَى (بِأَنْ يُتَّخَذَ الطَّعَامُ بَعْدَ مَوْتِهِ لِلنَّاسِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ) كَمَا فِي الْخَانِيَّةِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الْبَلْخِيِّ، وَفِيهَا عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ أَوْصَى بِاتِّخَاذِ الطَّعَامِ بَعْدَ مَوْتِهِ وَيُطْعَمُ الَّذِينَ يَحْضُرُونَ التَّعْزِيَةَ جَازَ مِنَ الثُّلُثِ، وَيَحِلُّ لِمَنْ طَالَ مُقَامُهُ وَمَسَافَتُهُ لَا لِمَنْ لَمْ يَطُلْ وَلَوْ فَضَلَ طَعَامٌ إنْ كَثِيرًا يَضْمَنُ وَإِلَّا لَا قُلْت وَحَمَلَ الْمُصَنِّفُ الْأَوَّلَ عَلَى طَعَامٍ يَجْتَمِعُ لَهُ النَّائِحَاتُ

نیک اعمال کرنے کی وصیت کرے تو اس کا ثلث جیل بنانے کے لیے خرچ نہ کرے۔ کیونکہ اس کی اصلاح اور درستگی سلطان وقت کے ذمہ ہے۔ کسی نے اس بارے وصیت کی کہ اس کی موت کے بعد لوگوں کے لیے تین دن تک کھانا تیار کیا جائے تو یہ وصیت باطل ہے جیسا کہ ''الخانیہ'' میں ''ابوبکر البلخی'' سے منقول ہے۔ اور اسی میں ''ابوجعفر'' سے مروی ہے: کسی نے اپنی موت کے بعد کھانا تیار کرنے کی وصیت کی اور وہ ان لوگوں کو کھلائے جو تعزیت کے لیے حاضر ہوں تو ثلث مال میں سے ایسا کرنا جائز ہے، اور وہ اس آدمی کے لیے کھانا حلال ہے جو زیادہ وقت وہاں ٹھہرے یا اس کی مسافت طویل ہو، لیکن اس کے لیے حلال نہیں جس کی مسافت زیادہ نہ ہو۔ اور اگر کھانا بچ گیا تو اگر وہ کثیر مقدار میں ہو تو پھر وصی اس کا ضامن ہوگا، ورنہ نہیں۔ میں کہتا ہوں: ''مصنف'' نے پہلے قول کو اس طعام پر محمول کیا ہے جس کے لیے تین دنوں کی قید کے ساتھ نوحہ کرنے والی

36301_(قولہ: لِأَعْمَالِ الْبِرِّ) نیکی کے اعمال کے لیے۔ ''الظہیریہ'' میں کہا ہے: ہر وہ عمل جس میں تملیک نہیں ہوتی وہ نیکی کے اعمال میں سے ہے، یہاں تک کہ اسے وقف کی عمارت اور مسجد کے چراغ پر خرچ کرنا جائز ہے، لیکن اس کی تزئین وآرائش پر نہیں، کیونکہ اس میں اسراف ہے۔

اگر کسی نے اپنی موت کے بعد تعزیت کرنے والوں کے لیے کوئی وصیت کی تو اس کا حکم

36302_(قولہ: فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ) پس وصیت باطل ہے، اور یہی اصح ہے جیسا کہ ''جامع الفتاویٰ'' میں ہے۔

36303_(قولہ: وَيُطْعَمُ) مراد بأن یطعم ہے اس طرح کہ وہ کھانا کھلائے، تامل۔

36304_(قولہ: وَيَحِلُّ لِمَنْ طَالَ مُقَامُهُ وَمَسَافَتُهُ) اور وہ اس کے لیے حلال ہے جس کا ٹھہراؤ زیادہ طویل ہو اور اس کی مسافت دور ہو، اور اس میں غنی اور فقیر برابر ہیں، ''خانیہ''۔ اور طول مسافت کی وضاحت یہ ہے کہ وہ رات تک اپنے گھروں میں نہ پہنچیں، ''ظہیریہ''۔ اور مراد یہ ہے کہ اگر وہ اسی دن واپس لوٹنے کا ارادہ کریں تو رات تک اپنے گھروں میں پہنچنا ان کے لیے ممکن نہ ہو۔

36305_(قولہ: يَضْمَنُ) وہ ضامن ہوگا، ظاہر ہے کہ یہ تب ہے جب موصی معین مقدار ذکر نہ کرے۔

36306_(قولہ: وَحَمَلَ الْمُصَنِّفُ الْأَوَّلَ) اور ''مصنف'' نے پہلے قول یعنی وہ جو متن میں وصیت کے بطلان سے متعلق ہے، اسے محمول کیا ہے۔

بِقَيْدِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَتَكُونُ وَصِيَّةً لَهُنَّ فَبَطَلَتْ وَالثَّانِي عَلَى مَا كَانَ لِغَيْرِهِنَّ فَرْعٌ أَوْصَى بِأَنْ يُصَلِّيَ عَلَيْهِ فُلَانٌ أَوْ يُحْمَلَ بَعْدَ مَوْتِهِ إِلَى بَلَدٍ آخَرَ

عورتیں جمع ہو جاتی ہیں۔لہٰذا وصیت انہی کے لیے ہوگی اور وہ باطل ہے، اور دوسرے قول کو ان کے سوا دوسروں پر محمول کیا ہے۔فرع: کسی نے اس بارے وصیت کی کہ فلاں اس کی نماز جنازہ پڑھائے، یا اسے فوت ہونے کے بعد دوسرے شہر منتقل کیا جائے،

36307۔(قولہ: بِقَيْدِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ) اس میں باء سببیہ ہے، اور ''مصنف'' کی عبارت اور جو انہوں نے ''ابوبکر بلخی'' سے ذکر کیا ہے وہ تین دنوں کے ساتھ مقید ہے، اور تیسرے دن نوحہ کرنے والی عورتیں جمع ہوتی ہیں تو یہ وصیت انہی کے لیے ہوگی، للہٰذا یہ باطل ہے۔اور ظاہر ہے کہ ان کے عرف میں اسی طرح ہے، گویا انہوں نے اسے ہی لیا ہے جو ''الخانیہ'' میں ''ابوالقاسم'' سے منقول ہے کہ ابتدا میں اہل مصیبت کی طرف کھانا اٹھا کر لے جانا مکروہ نہیں ہے اس لیے کہ وہ میت کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہیں۔اور رہا تیسرا دن تو یہ مستحب نہیں ہے۔کیونکہ اس دن نوحہ کرنے والی عورتیں جمع ہو جاتی ہیں اور یہ گناہ اور معصیت پر ان کی اعانت اور مدد کرنے کے مترادف ہے۔

میں کہتا ہوں: ''السائحانی'' نے بطلان کی علت اس طرح بیان کی ہے، کہ یہ لوگوں کے لیے وصیت ہے، اور وہ شمار نہیں کئے جا سکتے جیسا کہ اگر وہ کہے: میں نے مسلمانوں کے لیے وصیت کی، اور الفاظ میں کوئی نہیں جو حجت ہونے پر دلالت کرتا ہو۔پس یہ مجہول کے لیے تملیک واقع ہوئی اور وہ صحیح نہیں ہے۔

36308۔(قولہ: وَالثَّانِي) اور یہ جواز کا قول ہے (یعنی وصیت جائز ہے)۔

میں کہتا ہوں: ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ پہلا قول ہی اصح ہے اور اس کا ظاہر اطلاق (مطلق ہونا) ہے، اور اس کی تائید وہ کرتا ہے جو کتاب الجنائز کے آخر میں ''فتح القدیر'' سے منقول ہے جہاں انہوں نے کہا ہے: میت کے گھر والوں کا کھانے کے ساتھ ضیافت کا اہتمام کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں خوشی کا اظہار ہے نہ کہ غم کا اور یہ انتہائی قبیح بدعت ہے۔امام ''احمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے جریر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے: انہوں نے بیان کیا: ہم اہل میت کے پاس جمع ہوتے ہیں اور نوحہ اور غم کی حالت میں ہم ان کے لیے کھانا تیار کرتے ہیں، حالانکہ اہل میت کے پڑوسیوں اور دور کے رشتہ داروں کے لیے مستحب ہے کہ وہ ان کے لیے کھانا تیار کریں اور انہیں رات دن کھلائیں۔اس لیے کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اصنَعُوا لِآلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَقَدْ جَاءَ مَا يُشْغِلُهُمْ(1) (تم آل جعفر کے لیے کھانا تیار کرو تحقیق انہیں ایسی صورت حال پیش آئی ہے جو انہیں اس سے مشغول کر دے گی۔) اس حدیث کو امام ''ترمذی'' نے حسن قرار دیا ہے اور ''حاکم'' نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

36309۔(قولہ: أَوْصَى بِأَنْ يُصَلِّيَ عَلَيْهِ فُلَانٌ) اس نے وصیت کی کہ فلاں اس کی نماز جنازہ پڑھائے۔شاید

1۔سنن ترمذی، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الطعام یصنع لاھل المیت، جلد 1 صفحہ 540، حدیث نمبر 919، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

أَوْ يُكَفَّنَ فِي ثَوْبِ كَذَا أَوْ يُطَيَّنُ قَبْرُهُ أَوْ يُضْرَبَ عَلَى قَبْرِهِ قُبَّةٌ أَوْ لِمَنْ يَقْرَأُ عِنْدَ قَبْرِهِ شَيْئًا مُعَيَّنًا فَهِيَ بَاطِلَةٌ سِرَاجِيَّةٌ وَسَنُحَقِّقُهُ أَوْصَى بِثُلُثِ مَالِهِ لِلَّهِ تَعَالَى فَهِيَ بَاطِلَةٌ وَقَالَ مُحَمَّدٌ تُصْرَفُ لِوُجُوهِ الْبِرِّ قَالَ أَوْصَيْتُ لِفُلَانٍ بِأَلْفٍ وَهُوَ عُشْرُ مَالِي لَمْ يَكُنْ لَهُ إِلَّا الْأَلْفُ وَفِي أَوْصَيْتُ لَهُ بِجَمِيعِ مَا فِي هَذَا الْكِيسِ، وَهُوَ أَلْفٌ فَإِذَا فِيهِ أَلْفَانِ وَدَنَانِيرُ وَجَوَاهِرُ فَكُلُّهُ لَهُ إِنْ خَرَجَ مِنَ الثُّلُثِ مُجْتَبَى

یا اس طرح کے کپڑے میں اسے کفن دیا جائے، یا اس کی قبر کو گارے سے لیپ دیا جائے، یا اس کی قبر پر قبہ بنایا جائے یا اس نے کسی کے لیے وصیت کی کہ وہ اس کی قبر کے پاس کوئی معین شے پڑھے تو یہ وصیت باطل ہے۔ ''سراجیہ''۔ اور ہم عنقریب اس کی تحقیق کریں گے۔ کسی نے اپنے تہائی مال کے بارے اللہ تعالیٰ کے لیے وصیت کی تو یہ وصیت باطل ہے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اسے نیکی کے کاموں کے لیے خرچ کیا جائے۔ کسی نے کہا: میں نے فلاں کے لیے ہزار کی وصیت کی اور وہ میرے مال کا دسواں حصہ ہے، تو اس کے لیے صرف ہزار ہوگا۔ اور اگر یہ وصیت کی میں نے فلاں کے لیے اس تمام کی وصیت کی جو اس تھیلی میں ہے اور وہ ایک ہزار ہے، تو اس میں سے دو ہزار درہم، کچھ دنانیر، اور کچھ جواہر نکلے تو وہ تمام موصی لہ کے لیے ہوں گے بشرطیکہ وہ ثلث سے نکلیں، ''مجتبیٰ''۔

وصیت باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ولی کا اس کی نماز جنازہ پڑھانے کا حق باطل ہوتا ہے۔

36310۔ (قولہ: أَوْ يُكَفَّنَ فِي ثَوْبِ كَذَا) یا اسے اس طرح کے کپڑے میں کفن دیا جائے، اس کی طرف دیکھیں جو ہم پہلے ''مصنف'' کے قول: ولا من صبی ممیز الأ فی تجھیزہ کے تحت ذکر کر چکے ہیں۔

قبر کو مٹی کا لیپ کرنا اور اس کے پاس قرآن کریم پڑھنا مکروہ نہیں

36311۔ (قولہ: وَسَنُحَقِّقُهُ) یعنی فصل الوصیۃ بالخدمۃ سے تھوڑا پہلے ہم اس کی تحقیق بیان کریں گے۔ اس طرح کہ مختار یہ ہے کہ قبر کو مٹی کا لیپ کرنا اور اس کے پاس قرآن کریم پڑھنا مکروہ نہیں ہے، اور چاہیے کہ وصیت کے باطل ہونے کا قول اس کی کراہت کے قول پر مبنی ہو۔ عنقریب اس بارے میں آئے گا۔

36312۔ (قولہ: وَقَالَ مُحَمَّدٌ تُصْرَفُ لِوُجُوهِ الْبِرِّ) اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اسے نیکی اور خیر کے کاموں کے لیے خرچ کیا جائے گا۔ ہم نے پہلے ''الظہیریہ'' سے بیان کیا ہے کہ یہی مفتی بہ ہے یعنی اس لیے کہ اگرچہ ہر شے اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن یہاں قرینہ حالیہ سے اس کے کلام کو صحیح قرار دیتے ہوئے مراد اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صدقہ کرنا ہے۔

36313۔ (قولہ: قَالَ أَوْصَيْتُ الخ) اور اسی طرح حکم ہے اگر وہ کہے: میں نے اپنے تہائی مال کے بارے وصیت کی اور وہ ہزار ہے، تو موصی لہ کے لیے تہائی مال ہوگا وہ جس مقدار کو بھی پہنچ جائے۔ کیونکہ اس کا قول: وھو ألف اس کی کوئی حاجت نہیں ہے، ''ولوالجیہ''۔ اور اسی طرح ہے اگر اس نے کہا: میں نے اس دار میں سے اپنے حصہ کی وصیت کی اور وہ تہائی ہے تو جب اس کا حصہ نصف نکلا تو وہی اس کے لیے ہوگا، یا اس نے اس تمام کی وصیت کی جو اس کمرے میں ہے اور وہ ایک کت

قَالَ لِمَدْيُونِهِ إِذَا مِتُّ فَأَنْتَ بَرِيءٌ مِنْ دَيْنِي الَّذِي عَلَيْكَ صَحَّتْ وَصِيَّتُهُ وَلَوْ قَالَ إِنْ مِتُّ لَا يُبْرَأُ لِلْمُخَاطَرَةِ يَدْخُلُ الْمَجْنُونُ فِي الْوَصِيَّةِ لِلْمَرْضَى وَفِي الْوَصِيَّةِ

کسی نے اپنے مدیون (مقروض) کو کہا: جب میں فوت ہوا تو تو میرے اس قرض سے بری الذمہ ہے جو تجھ پر ہے تو اس کی وصیت صحیح ہے، اور اگر اس نے کہا: اگر تو فوت ہو گیا تو مخاطرہ کی وجہ سے وہ بری الذمہ نہ ہو گا۔ مریضوں کے لیے وصیت میں مجنون بھی داخل ہوتا ہے،

اناج ہے۔ پس جب وہ اس میں اس سے زیادہ ہو یا ایک کر گندم یا جو ہوں۔

حاصل کلام

حاصل کلام یہ ہے کہ جب وہ اشارہ کرنے کے ساتھ وصیت کرے پھر وہ اس کی مقدار بیان کرے تو وہ صحیح ہے، وہ مقدار کے موافق ہو یا نہ ہو۔ اور ''المحیط'' میں اس کی علت اس طرح بیان کی ہے کہ اس نے ایجاب اور تملیک کی مطلق ثلث کی طرف اضافت کی ہے، اور اس تمام کی طرف جو تھیلی میں ہے تو یہ اضافت صحیح ہے، مگر وہ حساب میں غلط ہے۔ پس وہ ایجاب میں مضر نہیں ہے بخلاف بیع کے۔ کیونکہ وہ صحیح نہیں ہوتی مگر تب جب مبیع کی مقدار معلوم ہو۔ پس یہ مذکور مقدار کی طرف ہی راجع ہو گی۔ (یعنی مراد مطلق ثلث ہو گا یا وہ کل مقدار جو کمرے میں موجود ہے چاہے ذکر کردہ مقدار سے زیادہ ہو یا کم)۔ اس کی مکمل بحث ''شرح الوہبانیہ'' میں ہے۔ اس کی طرف رجوع کرو۔

اگر کسی نے اپنے مدیون کے لیے دین براءت کی وصیت کی تو اس کا حکم

36314۔ (قولہ: إِذَا مِتُّ) یہ تاء کے ضمہ کے ساتھ ہے یعنی صیغہ واحد متکلم۔

36315۔ (قولہ: صَحَّتْ وَصِيَّتُهُ) اس کی وصیت صحیح ہے، اس لیے کہ وصیت کو شرط کے ساتھ معلق کرنا جائز ہے جیسا کہ ''القنیہ'' میں یہ ہے، اور جو میں نے ''القنیہ'' میں دیکھا ہے وہ از روئے وصیت کے صحیح ہے (صح وصیۃ) اس میں لفظ وصیت تمیز ہونے کی بنا پر تنوین نصبی کے ساتھ ہے یعنی یہ بری الذمہ قرار دینا نہیں ہے بلکہ یہ وصیت ہے جسے اس نے اپنی موت کے ساتھ معلق کیا ہے۔

36316۔ (قولہ: وَلَوْ قَالَ إِنْ مِتُّ الخ) اسے ''مختصر القنیہ'' میں بعض کتب کی طرف منسوب کیا ہے، پھر یہ ذکر کیا ہے کہ مناسب یہ ہے کہ عدم براءۃ ہو جب تا مفتوح ہو اس سے اخذ کرتے ہوئے جو ''الفصول'' وغیرہ میں ہے، اگر اس نے اپنے مدیون (مقروض) کو کہا: ''اگر تو فوت ہو گیا تو تو بری ہے؟ تو یہ صحیح نہیں ہے؟ کیونکہ یہ خطر کے ساتھ تعلیق ہے۔ یعنی ابراء (بری الذمہ قرار دینا) کو معلق کرنا صحیح نہیں ہوتا بخلاف وصیت کے جیسا کہ گزر چکا ہے، اور اسی سے ضمہ اور فتحہ کے درمیان فرق ظاہر ہے، یہاں خطر سے مراد معدوم منتظر الوقوع پر تعلیق کرنا ہے اگرچہ اس کا واقع ہونا لازم اور ضروری ہو جیسا کہ موت اور کل کا آنا، اور اس کے ساتھ اس سے احتراز کیا ہے کہ اگر اس نے ابراء کو شرط کائن کے ساتھ معلق کیا جیسا کہ وہ اپنے مدیون کو یہ

لِلْعُلَمَاءِ يَدْخُلُ الْمُتَكَلِّمُونَ فِي بِلَادِ خَوَارِزْمَ دُونَ بِلَادِنَا وَلَوْ أَوْصَى لِلْعُقَلَاءِ يُصْرَفُ لِلْعُلَمَاءِ الزَّاهِدِينَ لِأَنَّهُمْ هُمُ الْعُقَلَاءُ فِي الْحَقِيقَةِ فَتَنَبَّهْ وَاعْلَمْ أَنَّ الْوَصِيَّةَ فِي يَدِ الْمُوصِي أَوْ وَرَثَتِهِ بِمَنْزِلَةِ الْوَدِيعَةِ سِرَاجٌ

اور علما کے لیے وصیت میں خوارزم کے شہروں میں رہنے والے متکلمین داخل ہیں نہ کہ وہ جو ہمارے شہروں میں ہیں، اور اگر کسی نے عقلا کے لیے وصیت کی تو اسے زہاد علما پر خرچ کیا جائے گا۔ کیونکہ وہی فی الحقیقۃ عقلا ہیں۔ پس تو اس پر آگاہ رہ۔ اور تو جان کہ موصی اور اس کے ورثا کے ہاتھ میں وصیت کا مال بمنزلہ ودیعت کے ہوتا ہے۔ ''سراج''۔

کہے: ''اگر میرا تجھ پر دین ہے تو میں نے تجھے اس سے بری کر دیا'' تو یہ صحیح ہے جیسا کہ کتاب الھبہ کے آخر میں گزر چکا ہے۔ اور وہاں اس کی مکمل بحث گزر چکی ہے، پس اسی کی طرف رجوع کرو۔

36317۔ (قولہ: فِي بِلَادِ خَوَارِزْمَ) اسی طرح شامی اور مصری سلطنت بھی ہے ''سائحانی''۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ خوارزم کے اہل کلام شبہات کی اتباع نہیں کرتے بلکہ وہ علم سیکھتے ہیں اور ان باتوں کی تعلیم دیتے ہیں جن کا اعتقاد رکھنا واجب ہے، اور دوسرے علاقوں میں وہ فلاسفہ کے شبہات ذکر کرتے ہیں جو مسلمانوں کے عقائد کے ساتھ ملتبس ہیں ان کا رد کرنے اور ان سے دور رہنے پر ابھارنے کا ذکر کئے بغیر، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب وہ اس صفت کے ساتھ متصف ہیں تو وہ گمراہ ہیں اور گمراہ کرنے والے ہیں، ان کے لیے علم الٰہی میں سے کوئی حصہ نہیں، ''طحطاوی''۔

36318۔ (قولہ: فَتَنَبَّهْ) پس تو آگاہ رہ، اسی طرح بعض نسخوں میں ہے، اور اس میں درست قنیۃ ہے، کیونکہ یہ عبارت اسی کی ہے جیسا کہ ''المنح'' میں ہے، ورنہ یہ وہم دلائے گی کہ یہ ''السراج'' کی عبارت ہے، ''طحطاوی''۔

36319۔ (قولہ: بِمَنْزِلَةِ الْوَدِيعَةِ) وصیت بمنزلہ ودیعت کے ہے، پس موصی یا اس کے وارث پر کوئی ضمان نہیں ہے جب وہ بغیر تعدی کے ان کے ہاتھوں میں ہلاک ہو جائے، لیکن جب اسے ہلاک کر دیا جائے تو اگر وہ موصی کی طرف سے واقع ہو تو وہ رجوع ہے، اور اگر ہلاکت وارث کی طرف سے قبول سے پہلے یا اس کے بعد ہو تو اس کا ضمان اسی پر ہوگا، ''طحطاوی'' اور ''السراج'' کی عبارت کو ''المنح'' میں متن کے قول: وانما يصح قبولها بعد موته کے تحت ذکر کیا ہے پس تو اس کی طرف رجوع کر، واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ الْوَصِيَّةِ بِثُلُثِ الْمَالِ

(إِذَا أَوْصَى بِثُلُثِ مَالِهِ لِزَيْدٍ وَالْآخَرِ بِثُلُثِ مَالِهِ وَلَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ فَثُلُثُهُ لَهُمَا نِصْفَيْنِ اتِّفَاقًا (وَإِنْ أَوْصَى) بِثُلُثِ مَالِهِ لِزَيْدٍ وَ (لِآخَرَ بِسُدُسِ مَالِهِ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا) أَثْلَاثًا اتِّفَاقًا (وَإِنْ أَوْصَى لِأَحَدِهِمَا بِجَمِيعِ مَالِهِ وَلِآخَرَ بِثُلُثِ مَالِهِ وَلَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ ذَلِكَ (فَثُلُثُهُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ)

ثلث مال کی وصیت کرنے کا بیان

جب کوئی اپنے تہائی مال کی زید کے لیے وصیت کرے اور تہائی مال کی دوسرے کے لیے وصیت کرے، اور ورثا اس کی اجازت نہ دیں تو بالاتفاق اس کا ثلث دونوں کے لیے نصف نصف ہوگا۔ اور اگر اس نے زید کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور دوسرے کے لیے اپنے مال کے چھٹے حصہ کی تو بالاتفاق تہائی مال ان دونوں کے درمیان تین حصوں میں تقسیم ہو گا (ان میں سے دو حصے تہائی مال کی وصیت والے اور ایک حصہ چھٹے حصہ کی وصیت والے کے لیے ہوگا)۔ اور اگر اس نے ایک کے لیے اپنے تمام مال کی اور دوسرے کے لیے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور ورثا نے اس کی اجازت نہ دی تو اس کا ثلث دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا۔

بعض نسخوں میں بثلث مالِہٖ ہے۔

اگر کوئی تہائی مال کی زید کے لیے اور تہائی مال کی کسی دوسرے کے لیے وصیت کرے تو اس کا حکم

36320۔(قولہ: وَلَمْ تُجِزْ) یعنی ورثا نے دو وصیتوں کی اجازت نہ دی۔ پس اگر وہ اجازت دے دیں تو وہ ظاہر ہے۔

36321۔ (قولہ: فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا أَثْلَاثًا) پس ایک ثلث ان دونوں کے درمیان تین حصوں میں تقسیم ہوگا، اس طرح کہ ان دونوں کے حق کی مقدار وہ ان کے درمیان تقسیم ہوگا (یعنی) چھٹے حصہ والے کے لیے ایک حصہ، اور تہائی حصہ والے کے لیے دو حصے ہوں گے۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک سبب صحیح کے ساتھ اس کا مستحق بن رہا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ وصایا میں سے ہر ایک جب ثلث سے زائد نہ ہو مثلاً ایک کے لیے تہائی حصہ کی وصیت ہو اور دوسرے کے لیے چھٹے حصہ کی اور تیسرے کے لیے چوتھائی حصہ کی، اور ورثا اجازت نہ دیں تو اسے ثلث میں ضرب دی جائے گی، اور ثلث کو ان کے درمیان برابر برابر تقسیم نہیں کیا جائے گا اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے جب تک وہ دونوں سبب استحقاق میں برابر نہ ہوں جیسا کہ متن کے پہلے مسئلہ میں ہے۔ اس کی مکمل بحث ''التاتر خانیہ'' میں ہے۔

36322۔(قولہ: وَلَمْ تُجِزِ الْوَرَثَةُ ذَلِكَ) اور ورثا اس کی اجازت نہ دیں، پس اگر وہ اجازت دے دیں تو اس وقت کل مال کو چار حصوں میں تقسیم کیا جائے گا اور اس میں آپ (یعنی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ) سے کوئی نص نہیں ہے۔ اور امام

لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ بِأَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ إِذَا لَمْ تُجَزْ تَقَعُ بَاطِلَةً
کیونکہ تہائی سے زیادہ کے بارے وصیت کی جب انہوں نے اجازت نہیں دی تو وہ باطل ہو گئی،

''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: ان کے قول کا قیاس یہ ہے کہ بطریق منازعہ اسے چھ حصوں میں تقسیم کیا جائے، کیونکہ دو ثلث اس کے لیے ہیں جس کے لیے کل مال ہے، پس دونوں کا جھگڑا اور اختلاف ایک ثلث اور نصف میں ہوا تو وہ نصف جو کل مال کا چھٹا حصہ ہے وہ اس کے لیے ہوگا جس کے لیے ثلث کی وصیت ہے، اور باقی دوسرے کے لیے ہوگا۔

اور ''حسن'' نے کہا ہے: بلاشبہ یہ تخریج قبیح ہے کہ ان میں سے ثلث حصے والا ورثا کی طرف سے اجازت ہونے اور نہ ہونے کی حالت میں برابر ہے اور وہ اس کے لیے کل مال کا چھٹا حصہ ہے، پس صحیح یہ ہے کہ بطریق منازعہ اسے چار حصوں میں تقسیم کیا جائے اس طرح کہ پہلے ثلث کو ان دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم کیا جائے اور وہ بارہ حصص میں سے چار حصے ہیں۔ کیونکہ ثلث کی مقدار میں ان کی اجازت غیر موثر ہے، اور دو ثلث یعنی آٹھ حصے باقی رہ گئے جن کا دعویٰ کل مال کی وصیت والا کر رہا ہے، ان میں سے دو حصے ثلث والے کو دیئے جائیں گے تا کہ اس کے لیے ثلث مکمل ہو جائے، اور چھ حصے کل مال والے کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔ اور دونوں دو حصوں میں نصف کے ساتھ جھگڑ رہے ہوں تو تین حصے ثلث والے کو ملیں گے اور باقی دوسرے کو جیسا کہ ''الحقائق'' وغیرہ میں ہے، ''قہستانی''۔

میں کہتا ہوں: ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کی بنا پر اجازت اور عدم اجازت دونوں حالتوں میں برابری اور مساوات لازم آتی ہے۔

36323۔ (قولہ: لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ بِأَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ الخ) یہ اشارہ اس طرف ہے کہ ان کا قول: بجميع ماله قید نہیں ہے، بلکہ مراد ثلث سے زائد مقدار ہے۔ اور اسی لیے ''الملتقی'' میں اس قول کے ساتھ تعبیر کیا ہے: ولو لأحدهما بثلثه و للآخر بثلثيه أو بنصفه أو بكله الخ اور اگر ان میں سے ایک کے لیے وصیت ثلث مال کی ہو اور دوسرے کے لیے دو ثلث یا نصف یا کل مال کی ہو تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ثلث مال ان دونوں کے درمیان نصف نصف کیا جائے گا۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک پہلی صورت میں تین حصے کیے جائیں گے اور دوسری صورت میں اسے پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا اور تیسری صورت میں اسے چار حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ پس ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان تمام صورتوں میں جو ثلث سے زائد ہیں چاہے اس میں کل مال کی وصیت ہو یا قدرے کم، نصف کرنے کا حکم متحد اور یکساں ہے۔ اور وہ اصل اور قاعدہ جس پر ان مسائل کی بنیاد ہے وہ ''مصنف'' کا قول: ولا يضرب الخ ہے۔

36324۔ (قولہ: إِذَا لَمْ تُجَزْ) یہ صیغہ مجہول ہے جب اجازت نہ دی جائے۔

وصیت کے باطل ہونے کا معنی

36325۔ (قولہ: تَقَعُ بَاطِلَةً) تو وہ باطل ہو جائے گی، مراد اس کا اصلاً اور بالکل باطل ہونا نہیں ورنہ وہ کسی شے کا

فَيُجْعَلُ كَأَنَّهُ أَوْصَى لِكُلٍّ بِالثُّلُثِ فَيُنَصَّفُ وَقَالَا أَرْبَاعًا لِأَنَّ الْبَاطِلَ مَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ فَاضْرِبُ الْكُلَّ فِي الثُّلُثَيْنِ يَحْصُلُ أَرْبَعَةٌ تَجْعَلُ ثُلُثَ الْمَالِ (وَلَا يَضْرِبُ الْمُوصَى لَهُ بِأَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ)

تو یہ اس طرح ہو جائے گی گویا اس نے ہر ایک کے لیے تہائی مال کی وصیت کی ہے۔ پس اسے نصف نصف کر دیا جائے گا۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: اسے چار حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ کیونکہ باطل وہ ہے جو تہائی سے زائد ہے، پس تو کل کو ثلث میں ضرب دے تو چار حصے حاصل ہو جائیں گے جو تہائی مال سے بنائے جائیں گے۔ اور امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک موصی لہ ثلث سے زیادہ کو ضرب نہیں دے گا،

مستحق نہ ہو، بلکہ ثلث سے زائد مقدار کا باطل ہونا مراد ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ موصی (وصیت کرنے والے) نے دو چیزیں لازم ہونے کا قصد اور ارادہ کیا ہے، ایک ورثا کا اس مقدار میں استحقاق ہے جو تہائی مال سے زائد ہے، اور دوسرا بعض اہل وصایا کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اور دوسری شے پہلی کے ضمن میں ثابت ہوتی ہے تو جب پہلی ورثا کے حق اور ان کے اجازت نہ دینے کی وجہ سے باطل ہوگئی تو جو اس کے ضمن میں ہے وہ بھی باطل ہوگئی اور وہ بعض کو بعض پر فضیلت دینا ہے تو یہ اس طرح ہو گیا گویا اس نے دونوں میں سے ہر ایک کے لیے ثلث مال کی وصیت کی ہے۔ پس ثلث کو ہی ان دونوں کے درمیان نصف نصف کیا جائے گا جیسا کہ اگر وہ دونوں میں سے ہر ایک کے لیے حقیقۃً اس کی وصیت کرے تو حکم اسی طرح ہے۔ یہ ''العنایہ'' سے تفصیلاً لیا گیا ہے۔

36326۔ (قولہ: وَقَالَا أَرْبَاعًا) اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: ثلث کو ان دونوں کے درمیان چار حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

36327۔ (قولہ: لِأَنَّ الْبَاطِلَ مَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ) کیونکہ باطل وہ ہے جو تہائی سے زائد ہے، یعنی باطل ان دو چیزوں میں سے ایک ہے جن کا قصد موصی نے کیا ہے، اور ثلث سے زائد کا استحقاق ہے۔ کیونکہ وہ ورثا کا حق ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔ اور جہاں تک دوسری شے کا تعلق ہے اور وہ موصی کا ایک کو دوسرے پر فضیلت دینے کا قصد کرنا ہے تو اس میں کوئی شے مانع نہیں ہے۔ پس جس کے لیے کل مال کی وصیت ہے اس کے لیے حصہ اس نے اس کا تین گنا رکھا ہے جو صاحب ثلث کے لیے ہے، پس وہ مال کے تہائی حصہ سے اس زائد مقدار کا حصہ اس طرح لے گا کہ اسے چار حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ان میں تین حصے اس کے لیے ہوں جس کے لیے کل مال کی وصیت ہے اور ایک حصہ دوسرے کے لیے ہو۔

36328۔ (قولہ: فَاضْرِبُ الْكُلَّ فِي الثُّلُثَيْنِ) اس عبارت میں درست: فی الثلث ہے جیسا کہ بعض نسخوں میں ہے یعنی تو ہر حصہ کو ثلث مال میں ضرب دے اس طرح کہ ثلث میں سے تین حصے کل مال کی وصیت والے کا حصہ ہوں اور اس میں سے ایک حصہ دوسرے کے لیے ہو تو اس طرح یہ کل چار حصے بن جائیں گے۔ پس پہلے کو ثلث مال میں سے تین چوتھائی دیا جائے گا اور دوسرے کو ایک چوتھائی۔ عنقریب اس کی وضاحت آئے گی۔ پھر صحیح ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جیسا کہ علامہ

الْمُرَادُ بِالضَّرْبِ الْمُصْطَلَحُ بَيْنَ الْحِسَابِ فَعِنْدَهُ سِهَامُ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ فَاضْرِبْ نِصْفَ كُلٍّ فِي الثُّلُثِ يَكُنْ سُدُسًا فَلِكُلٍّ سُدُسُ الْمَالِ

یہاں ضرب سے مراد وہی ہے جو حساب کی اصطلاح ہے۔ پس آپ کے نزدیک وصیت کے حصص دو ہیں، پس تو ہر ایک کے نصف کو ثلث میں ضرب دے تو وہ سدس (چھٹا حصہ) ہو جائے گا۔ پس ہر ایک کے لیے مال کا چھٹا حصہ ہوگا۔

''قاسم'' اور ''الدرر المنتقی'' نے ''المضمرات'' وغیرہ سے اس کی تصحیح کی ہے۔

ضرب کا معنی

36329۔ (قولہ: الْمُرَادُ بِالضَّرْبِ الْمُصْطَلَحُ بَيْنَ الْحِسَابِ) ضرب سے مراد وہی اصطلاح ہے جو حساب دانوں کے درمیان معروف ہے، اور وہ ایسے عدد کو حاصل کرنا ہے جس کی نسبت مضروبین میں سے ایک کی طرف ہو جیسا کہ دوسرے کی نسبت ایک کی طرف کرنا، اور ان کا قول: لا یضرب صیغہ معروف کی بنا پر مجازاً موصی لہ کی طرف منسوب ہے اور با موصی لہ کا صلہ ہے، اور یضرب کا صلہ مفعول سمیت محذوف ہے اور اس کی تقدیر کلام ہے: لا یضرب الموصی لہ باکثر من الثلث عدداً فی عَدَدٍ (موصی لہ ثلث سے زیادہ کے عدد کو عدد میں ضرب نہیں دے گا) پس وہ اس صورت میں تین چوتھائی کو ثلث میں ضرب نہیں دے گا۔ اس کی مکمل بحث ''القہستانی'' میں ہے۔

اور میں کہتا ہوں: حساب کی اصطلاح میں کسور کو ضرب دینا اخذ کے معنی میں ہوتا ہے۔ پس جب کہا جائے: تو چوتھائی کو ثلث میں ضرب دے تو اس کا معنی ہوتا ہے: تو ثلث کا چوتھائی لے لے۔ اور وہ بارہ میں سے ایک ہے۔ لہٰذا یہاں معنی یہ ہوا: موصی لہ ثلث سے زیادہ کے ساتھ ضرب نہیں دے گا یعنی اس کے لیے ثلث سے وصیت کے حکم کے مطابق ثلث سے زیادہ نہیں لیا جائے گا۔ اس لیے کہ فضیلت دینے کا بطلان گزر چکا ہے۔ پس وصیت کے حصص چار نہیں بنائے جائیں گے جیسا کہ دونوں اماموں ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے بنائے ہیں۔ بلا شبہ اس کے لیے ثلث سے صرف ثلث کی وصیت کے حکم کے مطابق لیا جائے گا اس طرح گویا کہ اس نے ہر ایک کے لیے ثلث کی وصیت کی ہے، اور ثلث کو ان دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور اس بنا پر با یضرب کا صلہ ہے اور کلام میں کوئی حذف نہیں ہے۔ پس تو اس میں تدبر کر۔ پھر میں نے ''غرر الافکار'' میں اس بارے تصریح دیکھی جو میں نے ضرب کا معنی ذکر کیا ہے اور آنے والا کلام اس کی موافقت کرتا ہے۔

36330۔ (قولہ: فَعِنْدَهُ سِهَامُ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ) پس ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وصیت کے حصص دو ہیں۔ چنانچہ ہر ایک کے لیے نصف ہوگا اور وہ ایک حصہ ہے۔

36331۔ (قولہ: فَاضْرِبْ نِصْفَ كُلٍّ) یعنی تو دونوں میں سے ہر ایک کے حصہ کو ضرب دے اور وہ ثلث میں نصف ہے تو وہ سدس (چھٹا حصہ) ہو جائے گا، کیونکہ اخذ کے معنی کی بنا پر نصف کو ثلث میں ضرب دینے کا حاصل یہی ہے جیسا کہ ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں۔

وَعِنْدَهُمَا أَرْبَعَةٌ كَمَا قَدَّمْنَا إِلَّا فِي ثَلَاثِ مَسَائِلَ) وَهِيَ (الْمُحَابَاةُ

اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک چار حصے ہوں گے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ سوائے تین مسائل کے، اور وہ محاباۃ،

36332۔ (قولہ: وَعِنْدَهُمَا أَرْبَعَةٌ) اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک چار ہوں گے اس بنا پر کہ ان کے نزدیک وہ زائد کی وصیت کے حکم کے مطابق ضرب دے گا۔ پس وصیت کے حصص چار بنائے جائیں گے جیسا کہ ہم پہلے اسے بیان کر چکے ہیں ان میں سے ایک کے لیے ایک چوتھائی اور دوسرے کے لیے تین چوتھائی حصہ ہوگا۔

''صدر الشریعہ'' اور ''ابن کمال'' نے کہا ہے: پس وہ چوتھائی کو ثلث مال میں ضرب دے گا اور ثلث میں ربع (چوتھائی) ثلث کا ربع ہوتا ہے، پھر کل مال کی وصیت والے کے لیے چار میں سے تین ہوں گے اور وہی تین چوتھائی ہے، پس ثلث میں تین چوتھائی کو ضرب دی جائے گی یہ ثلث کے تین چوتھائی کے معنی میں ہے۔ یہی ضرب کا معنی ہے اور اس میں بہت سے علماء متحیر ہیں۔

تنبیہ

یہ تنبیہ اس اختلاف پر ہے: اگر اس نے کسی آدمی کے لیے غلام کی وصیت کی جس کی قیمت اس کے ثلث مال کے برابر ہو اور دوسرے کے لیے ایک غلام کی وصیت کی جس کی قیمت اس کے نصف مال کے برابر ہو۔ اس کی مکمل بحث ''التاتر خانیہ'' پانچویں باب میں ہے۔ اور اگر اس نے ایک آدمی کے لیے تلوار کے بارے وصیت کی جس کی قیمت اس کے مال کے چھٹے حصہ کے برابر ہو اور دوسرے کے لیے اپنے سدس مال کی وصیت کی اور اس کا مال تلوار کے سوا پانچ سو ہو، تو دوسرے کے لیے اس کا سدس (چھٹا حصہ) ہوگا اور پہلے کے لیے تلوار کے پانچ سدس (یعنی چھ میں سے پانچ حصے) ہوں گے اور تلوار کا ایک سدس ان دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا، کیونکہ ان دونوں کا جھگڑا صرف تلوار کے سدس میں ہے۔ پس وہ ان دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا، اور یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور مکمل کلام ''المجمع'' اور اس کی شروح میں ہے۔

وہ تین مسائل جن میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک موصیٰ لہ ثلث سے زائد کو ضرب نہیں دے گا

36333۔ (قولہ: إِلَّا فِي ثَلَاثِ مَسَائِلَ) سوائے تین مسائل کے۔ یہ ''مصنف'' کے قول ولا یضرب الخ سے استثنا ہے۔

36334۔ (قولہ: الْمُحَابَاةُ) یہ الحباء سے ماخوذ ہے اس کا معنی عطا ہے۔ ''مغرب'' اور ''قہستانی'' نے اس کی تفسیر وصیت بالبیع میں مثلی قیمت سے کم کرنے اور شرا کی وصیت میں مثلی قیمت پر زیادتی کرنے کے ساتھ کی ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے: ایک آدمی کے دو غلام ہوں ان میں سے ایک کی قیمت تیس درہم اور دوسرے کی ساٹھ درہم ہے اس نے وصیت کی اس طرح کہ پہلا غلام زید کو دس درہم کے عوض بیچ دیا جائے اور دوسرا عمرو کو بیس درہم کے عوض بیچا جائے اور اس کا ان دونوں کے سوا کوئی مال نہ ہو تو زید کے حق میں وصیت بیس درہم اور عمرو کے حق میں چالیس درہم کے بارے ہوئی تو ثلث

وَالسِّعَايَةُ وَالدَّرَاهِمُ الْمُرْسَلَةُ) أَيِ الْمُطْلَقَةُ غَيْرُ الْمُقَيَّدَةِ بِثُلُثٍ أَوْ نِصْفٍ أَوْ نَحْوِهِمَا وَمِنْ صُوَرِ ذَلِكَ

سعایہ اور دراہم مرسلہ یعنی مطلقہ ہیں جو ثلث یا نصف وغیرہ کے ساتھ مقید نہ ہوں۔ اور اس کی صورتوں میں سے یہ ہے:

ان دونوں کے درمیان تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ پس پہلا زید کو بیس درہم کے عوض بیچا جائے گا اور دس اس کے لیے وصیت ہوں گے۔ اور دوسرا عمرو کو چالیس درہم کے عوض بیچا جائے گا اور بیس اس کے لیے وصیت ہوں گے اگرچہ وصیت ثلث سے زائد ہو" "ابن کمال"۔

36335۔ (قولہ: وَالسِّعَايَةُ) اس کی صورت یہ ہے: اس نے دو غلام آزاد کئے ان کی قیمت وہی ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہے اور اس کا ان دو کے سوا کوئی مال نہیں، پس پہلے اور دوسرے دونوں کے لیے تہائی مال کے بارے وصیت ہوگی۔ لہٰذا وصیت کا حصہ ان دونوں کے درمیان تین حصوں میں ہوگا۔ ایک حصہ پہلے کے لیے اور دو حصے دوسرے کے لیے ہوں گے۔ نتیجۃً ثلث ان دونوں کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔ پس اس طرح پہلے سے اس کا ثلث آزاد ہوگا اور وہ دس درہم ہیں اور وہ بیس درہم کے لیے سعی اور کوشش کرے گا، اور دوسرے سے اس کا ثلث آزاد ہوگا اور وہ بیس درہم ہیں، چنانچہ وہ چالیس درہم کے لیے سعی کرے گا۔ پس ہر ایک کو اس کی وصیت کی مقدار دیا جائے گا اگرچہ وہ ثلث سے زیادہ ہو۔ "ابن کمال"۔

36336۔ (قولہ: وَالدَّرَاهِمُ الْمُرْسَلَةُ) اس کی صورت یہ ہے: اس نے زید کے لیے تیس درہم کی اور دوسرے کے لیے ساٹھ درہم کی وصیت کی اور اس کا مال نوے درہم ہے، تو ہر ایک کو اس کی وصیت کی مقدار دیا جائے گا۔ پس پہلے کو ثلث مال میں سے ایک ثلث اور دوسرے کو ثلث مال میں سے دو ثلث دیئے جائیں گے۔ امام اعظم "ابوحنیفہ" رحمۃ اللہ علیہ نے ان صورتوں اور ان کے سوا کے درمیان فرق کیا ہے۔ کیونکہ وصیت جب صراحۃً ثلث سے زیادہ کے ساتھ مقدر ہو جیسا کہ نصف اور دو ثلث وغیرہ، اور شریعت نے ثلث سے زائد میں وصیت کو باطل کر دیا تو اس کا ذکر لغو ہوگا اور ضرب کے حق میں اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بخلاف اس کے جب وہ مقدر نہ ہو اس طرح کہ مال میں سے کسی شی کی ہو جیسا کہ مذکورہ صورتوں میں ہے؛ کیونکہ عبارت میں وصیت کو باطل کرنے والی کوئی شے نہیں ہے جیسا کہ جب وہ پچاس درہم کی وصیت کرے اور اتفاق یہ ہو کہ اس کا مال سو درہم ہو تو بلاشبہ وصیت کلی طور پر باطل نہیں ہوگی؛ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اس کے لیے سو درہم سے زائد مال ظاہر ہو جائے، اور جب وہ کلی طور پر باطل نہیں تو پھر وہ ضرب کے حق میں معتبر ہوگی۔ اور یہ انتہائی باریک اور لطیف فرق ہے۔ "ابن کمال"۔

36337۔ (قولہ: وَمِنْ صُوَرِ ذَلِكَ الخ) اس نے اس کا فائدہ دیا ہے کہ یہ شرط نہیں ہے کہ محاباۃ یا سعایہ یا عتق موصی لہما کی دونوں جہتوں سے ہو، بلکہ ایک طرف سے ہی اس کا وجود کافی ہے، اور وہ بقدر دو ثلث مال کے ہوتا ہے اور موصی دوسری طرف کے لیے ثلث مال ہوتا ہے۔ پس چاہیے کہ اس میں غور کر لیا جائے، "طحطاوی"۔

میں کہتا ہوں: لیکن یہ تصویر اشکال پیدا کرتی ہے اس لیے کہ انہوں نے اس بارے تصریح کی ہے کہ حالت مرض میں نافذ ہونے والا عتق اور اس میں بالفور پائی جانے والی محاباۃ دونوں تمام وصایا پر مقدم ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے، اور آنے والے

أَنْ يُوصِيَ لِرَجُلٍ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ مَثَلًا أَوْ يُحَابِيَهُ فِي بَيْعٍ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ أَوْ يُوصِيَ بِعِتْقِ عَبْدٍ قِيمَتُهُ أَلْفُ دِرْهَمٍ وَهِيَ ثُلُثَا مَالِهِ وَلِآخَرَ بِثُلُثِ مَالِهِ وَلَمْ تُجِزْ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا أَثْلَاثًا إجْمَاعًا (وَبِمِثْلِ نَصِيبِ ابْنِهِ صَحَّتْ) لَهُ ابْنٌ أَوْ لَا (وَبِنَصِيبِ ابْنِهِ لَا) لَوْ لَهُ ابْنٌ مَوْجُودٌ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ ابْنٌ صَحَّتْ عِنَايَةٌ وَجَوْهَرَةٌ زَادَ فِي شَرْحِ التَّكْمِلَةِ

وہ ایک آدمی کے لیے مثلاً ہزار درہم کی وصیت کرے یا وہ ہزار درہم کے ساتھ بیع میں اس کے ساتھ محاباہ کرے یا وہ ایک غلام آزاد کرنے کی وصیت کرے جس کی قیمت ہزار درہم ہو اور وہ اس کے مال کا دو تہائی ہو، اور دوسرے کے لیے اپنے ثلث مال کی وصیت کرے اور ورثا اجازت نہ دیں تو بالاجماع ان دونوں کے درمیان ثلث تین حصوں میں تقسیم ہوگا۔ اور اگر اس نے اپنے بیٹے کے حصہ کی مثل کی وصیت کی تو وہ صحیح ہے اس کا بیٹا ہو یا نہ ہو۔ اور اگر اپنے بیٹے کے حصہ کی کسی کے لیے وصیت کی تو وہ صحیح نہیں ہے اگر اس کا بیٹا موجود ہو، اور اگر اس کا بیٹا نہ ہو تو صحیح ہے، "عنایہ" اور "جوہرہ"۔ اور "شرح التکملہ" میں یہ زائد ہے:

باب میں آئے گا۔

36338_(قولہ: أَوْ يُحَابِيَهُ) یعنی وہ مرض موت میں محاباۃ کرتا ہے، "حلبی"۔

36339_(قولہ: بِأَلْفِ دِرْهَمٍ) ہزار درہم کے ساتھ۔ یہ یحابیہ کے متعلق ہے۔

36340_(قولہ: وَهِيَ ثُلُثَا مَالِهِ) یعنی تینوں مسائل میں ہزار درہم اس کے مال کا دو ثلث ہیں، "حلبی"۔ اور وہ اس طرح کہ اس کا مال پندرہ سو درہم ہو اور وہ ان میں سے ہزار کی فلاں کے لیے وصیت کرے، یا مثلاً اس کا کپڑا ہو جس کی قیمت اتنی ہو اور وہ اس طرح وصیت کرے کہ وہ ہزار کے ساتھ محاباۃ کرے اور وہ اس طرح ہوگا کہ اسے پانچ سو کے عوض بیچا جائے اور مسئلۃ العتق تو ظاہر ہے۔

36341_(قولہ: وَلِآخَرَ بِثُلُثِ مَالِهِ) اور دوسرے کیلئے اپنے تہائی مال کی، یہ تینوں مسائل کے متعلق ہے، "حلبی"۔

36342_(قولہ: فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا أَثْلَاثًا إجْمَاعًا) تو بالاتفاق ثلث ان دونوں کے درمیان تین حصوں میں تقسیم ہوگا۔ اس کی تقریر اس سے ظاہر ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

36343_(قولہ: وَبِنَصِيبِ ابْنِهِ لَا) اور اپنے بیٹے کے حصے کی وصیت کی تو وہ صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ بیٹے کا حصہ قرآن کریم کی نص سے ثابت ہے، پس جب اس نے اس کے بارے کسی دوسرے آدمی کے لیے وصیت کی تو اس نے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فرض کو تبدیل کرنے کا ارادہ کیا اور یہ صحیح نہیں ہے، "منح"۔ اور وہ ورثا کی اجازت کی طرف متوجہ نہیں ہوگا؛ کیونکہ وصیت اس کی ملک میں واقع نہیں ہوئی۔ بلاشبہ اس نے اسے ملک غیر کی طرف مضاف کیا ہے، پس وہ اس کی طرح ہو گیا جس نے کسی آدمی کے لیے زید کی ملک کی وصیت کر دی، پھر وہ فوت ہو گیا اور زید نے اس کی اجازت دے دی تو بلاشبہ وہ جائز نہیں ہے۔ اسی طرح یہاں ہے اسے "مکی" نے "السراج" سے نقل کیا ہے، "طحطاوی"۔

وَصَارَ كَمَا لَوْ أَوْصَى بِنَصِيبِ ابْنٍ لَوْ كَانَ انْتَهَى وَفِي الْمُجْتَبَى وَلَوْ أَوْصَى بِمِثْلِ نَصِيبِ ابْنٍ لَوْ كَانَ فَلَهُ النِّصْفُ اهـ وَنَقَلَ الْمُصَنِّفُ عَنْ السِّرَاجِ مَا يُخَالِفُهُ فَتَنَبَّهْ (وَلَهُ) فِي الصُّورَةِ الْأُولَى (ثُلُثٌ إنْ أَوْصَى مَعَ ابْنَيْنِ) وَنِصْفٌ مَعَ ابْنٍ وَاحِدٍ وَإِنْ أَجَازَ

اور وہ اس طرح ہو گیا اگر وہ بیٹے کے حصہ کی وصیت کرے اگر وہ ہو، انتہی۔ اور ''المجتبیٰ'' میں ہے: اگر اس نے بیٹے کے حصے کے مثل کی وصیت کی اگر اس کا بیٹا ہوا تو اس کے لیے نصف ہوگا۔ اور ''مصنف'' نے ''السراج'' سے اس کے خلاف نقل کیا ہے، پس تو اس پر آگاہ رہ۔ اور پہلی صورت میں اس کے لیے ثلث ہوگا اگر اس نے دو بیٹوں کے ساتھ وصیت کی اور ایک بیٹے کے ساتھ نصف ہوگا اگر اس نے اجازت دی،

36344_(قولہ: وَصَارَ) یعنی اس کا قول: بمثل نصیب ابنہ۔ ''حلبی'' یا اس کا قول: بنصیب ابنہ جب اس کا بیٹا نہ ہو۔

36345_(قولہ: وَنَقَلَ الْمُصَنِّفُ الخ) اور ''مصنف'' نے نقل کیا ہے، جہاں انہوں نے کہا ہے: اگر اس نے بیٹے کے حصے کی مثل کی وصیت کی، اگر وہ موجود ہو تو وہ ثلث مال عطا کرے۔ کیونکہ اس نے اس کے لیے معدوم بیٹے کے حصے کی مثل کی وصیت کی ہے۔ پس ضروری ہے کہ وہ اس بیٹے کا حصہ سہم کے ساتھ مقرر کرے اور اس کی مثل بھی سہم ہوگا، تو تحقیق اس نے اس کے لیے حاصل میں تین میں سے ایک سہم کی وصیت کی ہے بخلاف پہلی صورت کے۔ کیونکہ وہاں اس نے بیٹے کے حصے کی وصیت کی ہے اگر وہ موجود ہو، اور اس نے بِمِثْلِ نَصِيبِ ابْنٍ لَوْ كَانَ نہیں کہا ہے۔ اسی طرح ''السراج الوہاج'' میں ہے۔ اور اسی کی مثل ''الجوہرہ'' میں ہے، اور اسی طرح ''غایۃ البیان'' میں ''شرح الطحاوی'' سے ہے۔ اور رہا وہ جو ''المجتبیٰ'' میں ہے تو انہوں نے اسے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا، اور وہ اگرچہ اس کی وجہ ظاہر ہے جبکہ اس کے درمیان اور اس کے درمیان فرق ظاہر نہیں ہوتا جب وہ موجود بیٹے کے حصے کی مثل کی وصیت کرے۔ لیکن یہ اس کے معارض نہیں ہوگا جب تک وہ کسی نقل کے ساتھ تائید نہ کرے۔ کیونکہ ''المجتبیٰ'' جو ''الزاہدی'' کی ہے، اور فقہاء نے کہا ہے: ''زاہدی'' نے جو کچھ قواعد کے مخالف کہا ہے اس کی طرف توجہ نہ کی جائے جب تک وہ کسی نقل کے ساتھ اسے موید نہ کریں، تامل۔

36346_(قولہ: وَلَهُ فِي الصُّورَةِ الْأُولَى) یعنی متن کی دونوں صورتوں میں سے پہلی صورت میں اس کے لیے ثلث ہوگا اگر وہ دو بیٹوں کے ساتھ وصیت کرے، اور قیاس یہ ہے کہ اس کے لیے ورثا کی اجازت کے وقت نصف ہو۔ کیونکہ اس نے اپنے بیٹے کے حصے کی مثل کی وصیت کی ہے۔ اور دونوں میں سے ہر ایک کا حصہ نصف ہے۔ پہلے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ اسے اپنے بیٹے کی مثل بنائے نہ کہ یہ کہ وہ اس کا حصہ بیٹے کے حصہ سے زیادہ کر دے، اور وہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ موصی لہ کو ان میں سے ایک کی مثل بنا دے، ''زیلعی''۔

36347_(قولہ: إِنْ أَجَازَ) یعنی اگر وہ زیادتی کی اجازت دے دے، اور اگر اجازت نہ دے تو صرف ثلث ہوگا۔

وَمِثْلُهُمُ الْبَنَاتُ وَالْأَصْلُ أَنَّهُ مَتَى أَوْصَى بِمِثْلِ نَصِيبِ بَعْضِ الْوَرَثَةِ يُزَادُ مِثْلُهُ عَلَى سِهَامِ الْوَرَثَةِ مُجْتَبَى (وَبِجُزْءٍ أَوْ سَهْمٍ مِنْ مَالِهِ

اور انہی کی مثل بیٹیاں بھی ہیں، اور اصل یہ ہے کہ جب وہ بعض ورثا کے حصہ کی مثل کے بارے وصیت کرے تو اس کی مثل ورثا کے سہام پر اضافہ کردیا جائے گا، ''مجتبیٰ''۔ اور اگر وہ اپنے مال سے جز یا سہم کے ساتھ وصیت کرے

36348۔ (قولہ: وَمِثْلُهُمُ الْبَنَاتُ) اور انہی کی مثل بیٹیاں ہیں، یعنی اگر اس نے اپنی بیٹی کے حصے کی مثل کی وصیت کی اور اس کی ایک بیٹی ہو تو موصی لہ کے لیے نصف ہوگا اگر بیٹی نے اجازت دے دی اور اگر اجازت نہ دی تو پھر ثلث ہوگا، اور دو بیٹیوں کے ساتھ اس کے لیے ثلث ہوگا جیسا کہ ''المنح'' میں ہے اور اگر وہ تین بیٹیوں کے ساتھ ہو تو کیا پھر بھی موصی لہ کے لیے ثلث ہوگا اس اعتبار سے کہ دو بیٹیوں کا حصہ دو ثلث ہے یا ربع (چوتھا حصہ) ہوگا؟ تو اس میں ظاہر دوسرا ہے، ورنہ اس کے لیے بیٹی کے حصہ کی مثل نہیں ہوگا ''حلبی''۔ اور اس کی تائید وہ بھی کرتا ہے جو ''شارح'' نے ''المجتبیٰ'' سے اصل (قاعدہ) ذکر کیا ہے، ''طحطاوی''۔

36349۔ (قولہ: يُزَادُ مِثْلُهُ الخ) اس کی مثل زیادہ کیا جائے گا، یہاں تک کہ اگر اس کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو اور وہ بیٹی کے حصہ کی مثل کی وصیت کرے تو اس کے لیے ربع (چوتھا حصہ) ہوگا۔ اور اگر اس کا خاوند اور تین متفرق بہنیں ہوں، اور وہ ماں کی طرف سے بہن (اخیافی بہن) کے حصے کی مثل کی وصیت کرے تو اس کے لیے عشر ہوگا ''مجتبیٰ''۔ ''ہندیہ'' میں کہا ہے: اور اس میں وجہ یہ ہے کہ پہلے فریضہ کی وضاحت کی جائے، پھر فریضہ کے مخرج پر اس کے حصہ کی مثل زیادہ کیا جائے جس کا ذکر کیا ہے، پس اگر اس نے ماں اور بیٹا چھوڑا اور اس نے بیٹی کے حصہ کی مثل کی وصیت کی تو وصیت سترہ سہم ہوگی: جن میں سے موصی لہ کے لیے پانچ، بیٹے کے لیے دس، اور ماں کے لیے دو سہم ہوں گے، کیونکہ مسئلہ کی اصل چھ سے ہے بیٹے کے لیے پانچ ہیں اور بیٹی کے لیے دو اور نصف ہے (یعنی اڑھائی) پس اصل فریضہ پر اضافہ کیا جائے گا اور اسے کسر کے لیے دوگنا کر دیا جائے گا۔ پس وہ سترہ تک پہنچ گیا ان میں سے پانچ حصے موصی لہ کے لیے ہوں گے، باقی بارہ میں سے ماں کو اس کا سدس (چھٹا حصہ) یعنی ان میں سے دو حصے دیئے جائیں گے اور باقی دس بیٹے کے لیے ہوں گے۔ کیونکہ وراثت وصیت کے بعد تقسیم ہوتی ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے: اگر اس کی ایک بیٹی اور ایک عصبیہ بہن ہو اور وہ کسی آدمی کے لیے بیٹی کے حصے کی مثل کے بارے وصیت کرے تو اس موصی لہ کے لیے ثلث مال ہوگا وہ دونوں اجازت دیں یا نہ دیں۔ اور یہی وہ معتبر فائدہ ہے جس پر ''سائحانی'' نے اپنے ''فتاویٰ النعیمیہ'' میں متعدد صورتوں کی بنا کی ہے جن میں سے بعض کے بارے ان سے سوال کیا گیا، پس چاہیے کہ اسے یاد رکھا جائے۔

اگر موصی اپنے مال سے جز یا سہم کے ساتھ وصیت کرے تو اس کا حکم

36350۔ (قولہ: وَبِجُزْءٍ الخ) اسی کی مثل لفظ الحظ، الشقص، النصیب اور البعض ہیں (یعنی ان تمام کا معنی

فَالْبَيَانُ إِلَى الْوَرَثَةِ يُقَالُ لَهُمْ أَعْطُوهُ مَا شِئْتُمْ ثُمَّ التَّسْوِيَةُ بَيْنَ الْجُزْءِ وَالسَّهْمِ عُرْفُنَا وَأَمَّا أَصْلُ الرِّوَايَةِ فَبِخِلَافِهِ (وَإِنْ قَالَ سُدُسُ مَالِي لَهُ ثُمَّ قَالَ ثُلُثُهُ لَهُ وَأَجَازُوا لَهُ ثُلُثٌ) أَيْ حَقُّهُ الثُّلُثُ فَقَطْ،

تو اس کا بیان اور وضاحت ورثا کے سپرد ہے۔ ان کو کہا جائے گا: تم جو چاہو اسے دے دو، پھر جزاور سہم کا برابر ہونا ہمارا عرف ہے۔ اور رہی اصل روایت تو وہ اس کے خلاف ہے، اور اگر اس نے کہا میرے مال کا سدس اس (فلاں) کے لیے ہے پھر کہا مال کا ثلث اس کے لیے ہے اور ورثا نے اجازت دے دی تو اس کا حق صرف ثلث ہوگا

ایک ہے اور وہ حصہ ہے)،''جوہرہ''۔

36351۔(قولہ: فَالْبَيَانُ إِلَى الْوَرَثَةِ الخ) پس وضاحت ورثا کے ذمہ ہے، کیونکہ وہ مقدار مجہول ہے جو قلیل وکثیر کو شامل ہے، اور وصیت جہالت کے ساتھ ممنوع نہیں ہوتی، اور ورثا موصی کے قائم مقام ہوتے ہیں اس لیے اس کی وضاحت انہی کے ذمہ ہے،''زیلعی''۔

36352۔(قولہ: عُرْفُنَا) یعنی جزاور سہم کے درمیان مساوات ہونا عجم کا عرف ہے،''در منتقی''۔

36353۔(قولہ: وَأَمَّا أَصْلُ الرِّوَايَةِ فَبِخِلَافِهِ) اور رہی اصل روایت تو وہ اس کے خلاف ہے، اور وہ یہ ہے کہ ''جامع صغیر'' کی روایت میں سہم سدس (چھٹا حصہ) ہے۔ کیونکہ اس میں انہوں نے کہا ہے: اس کے لیے ورثا کے حصوں سے اخس (گھٹیا اور کم حصہ) ہوگا، مگر یہ کہ وہ سدس سے کم ہو تو اس کے لیے سدس مکمل کیا جائے گا، اور اس کے لیے زیادہ نہیں کیا جائے گا۔ پس اس کا حاصل یہ ہوا کہ اس کے لیے سدس ہوگا۔ اور کتاب الوصایا کی روایت کے مطابق ورثا کے حصص میں سے اخس وہ ہے جو سدس سے زیادہ نہ ہو۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: اس کے لیے اخس ہے مگر یہ کہ وہ جب ثلث سے زیادہ ہو تو پھر اس کے لیے ثلث ہوگا،''اختیار''۔ پس پہلی روایت کے مطابق سدس نقصان اور کمی کو روکنے کے لیے ہے وہ زیادتی کے مانع نہیں ہے، اور دوسری روایت کے مطابق صورت اس کے برعکس ہے۔ اور ''الہدایہ'' میں جو ذکر کیا ہے وہ زیادتی اور کمی سے مانع ہے،''زیلعی''۔ پس صاحب ''ہدایہ'' ان دونوں کے علاوہ کسی روایت پر مطلع ہوئے ہیں یا انہوں نے دونوں کو جمع کر دیا ہے،''عنایہ''۔ اس کی مکمل بحث مطولات میں ہے۔

تنبیہ

یہ سب تب ہے جب اس کے ورثا ہوں۔ اور ''الاختیار'' اور ''الجوہرہ'' میں ہے: اگر کسی نے کسی آدمی کے لیے اپنے مال کے حصہ (سہم) کی وصیت کی اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کے لیے نصف ہوگا؛ کیونکہ بیت المال بمنزلہ ابن کے ہے۔ پس یہ اس طرح ہو گیا گویا اس کے دو بیٹے ہیں، اور ثلث پر زیادتی سے کوئی مانع نہیں ہے لہٰذا یہ صحیح ہے۔ اور تو جزاور سہم کے درمیان تسویہ اور برابری کے قول پر غور وفکر کر، کیا نصف بھی دیا جائے گا، یا بیت المال کے وکیل کو کہا جائے گا تو جو چاہے اسے دے دے؟ اور انہوں نے اسے نقلاً تحریر کیا ہے۔

وَإِنْ أَجَازَتْ الْوَرَثَةُ لِدُخُولِ السُّدُسِ فِي الثُّلُثِ مُقَدَّمًا كَانَ أَوْ مُؤَخَّرًا أَخْذًا بِالْمُتَيَقَّنِ، وَبِهَذَا انْدَفَعَ سُؤَالُ صَدْرِ الشَّرِيعَةِ وَإِشْكَالُ ابْنِ الْكَمَالِ

اگرچہ ورثا نے اجازت دے دی، اس لیے کہ سدس (چھٹا حصہ) ثلث (تیسرا حصہ) میں داخل ہے اس کا ذکر مقدم ہو یا موخر ہو، اس پر عمل کرتے ہوئے جس کے بارے یقین ہے۔ اور اسی کے ساتھ ''صدر الشریعہ'' کا سوال اور ''ابن کمال'' کا اشکال دور ہو گیا۔

صدر الشریعہ اور ابن کمال کے اشکال کا دفعیہ

36354۔ (قولہ: وَبِهَذَا انْدَفَعَ سُؤَالُ صَدْرِ الشَّرِيعَةِ) اور اسی سے ''صدر الشریعہ'' کا سوال دور ہو گیا۔ ان کے سوال کا حاصل یہ ہے کہ موصی کا قول ثلث مالی لہٗ (میرا ثلث مال فلاں کے لیے ہے) خبر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا) کیونکہ وہ جھوٹ ہے۔ پس اس کا انشا ہونا متعین ہو گیا، لہٰذا چاہیے کہ اس کے لیے نصف ہو۔ اور اس دفع کی تقریر اور وضاحت یہ ہے ہم نے تسلیم کیا ہے کہ اس کا یہ قول انشا ہے مگر یہ اس کے قول: سدس مالی لہٗ (میرے مال کا چھٹا حصہ اس کے لیے ہے) کے بعد یہ محتمل ہے کہ آیا اس نے اس سے سدس پر زیادتی کرنے کا ارادہ کیا ہے یا سدس کے علاوہ دوسرے ثلث کا ارادہ کیا ہے، پس اسے متیقن پر محمول کیا جائے گا۔

36355۔ (قولہ: وَإِشْكَالُ ابْنِ الْكَمَالِ) جہاں انہوں نے اپنی شرح کے حاشیہ میں اس کی تقریر کے بعد گزشتہ سوال کا جواب اسی کے ساتھ ذکر کیا ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اور یہاں ایک شے باقی رہ گئی اور وہ یہ ہے کہ یہ اس سے خالی نہیں ہے کہ وہ ثلث جس کی ورثا نے اسے اجازت دی ہے وہ اس سدس سے زائد ہے جس کی انہوں نے اجازت دے رکھی ہے یا وہ اس پر ثلث زائد نہ ہو۔ کیونکہ مراد یہ کی تعیین کے بغیر ان کی اجازت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا مرجع لفظ کی اجازت ہے اور اس کا کوئی معنی نہیں۔ اور اس کا قول: او أجازوا دوسری صورت کا انکار کرتا ہے۔ کیونکہ وہ ان کی اجازت سے مستغنی ہے، اور پہلی صورت پر جواب مذکور صحیح نہیں ہے، شاید اسی لیے ''صاحب الکنز'' نے قید مذکور کو ساقط کر دیا ہے۔

حاصل کلام

اس کا حاصل یہ ہے کہ دوسرا معنی متعین ہو گا اور وہ یہ ہے کہ اجازت ثلث کی ہو جو اس سدس کے علاوہ نہ ہو یعنی اس ثلث کی جس میں وہ سدس داخل ہو۔ کیونکہ وہی متیقن ہے۔ اور اسی کے ساتھ ''صدر الشریعہ'' کے سوال کا جواب مکمل ہوتا ہے۔ لیکن ''مصنف'' کا قول: وأجازوا زائد باقی رہ جاتا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ کیونکہ ثلث مطلقاً اسے لازم ہے۔ اسی لیے ''صاحب کنز'' نے اسے ساقط کر دیا ہے، اور جواب وہ ہے جس کی طرف ''شارح'' نے اپنے قول: او ان أجازت الورثة کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔ یعنی یہ قید احترازی نہیں ہے، بلکہ انہوں نے اسے ذکر کیا ہے تا کہ یہ وہم نہ ہو کہ اجازت کے وقت اس کے لیے نصف ہے، اور تا کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ اجازت نہ ہونے کے وقت اس کے لیے بدرجہ اولیٰ ثلث ہو گا، فافہم۔ اور اللہ

(وَفِي سُدُسِ مَالِي مُكَرَّرًا لَهُ سُدُسٌ) لِأَنَّ الْمَعْرِفَةَ قَدْ أُعِيدَتْ مَعْرِفَةً (وَبِثُلُثِ دَرَاهِمِهِ وَغَنَمِهِ أَوْ ثِيَابِهِ) مُتَفَاوِتَةً فَلَوْ مُتَّحِدَةً فَكَالدَّرَاهِمِ

اور سدس مالی کا لفظ جب مکرر ذکر کرے اس میں اس کے لیے سدس ہے؛ کیونکہ معرفہ کا اعادہ معرفہ کے ساتھ ہی کیا گیا ہے۔ اور اس نے اپنے دراہم اور ریوڑ یا اپنے کپڑوں کے ثلث کی وصیت کی درآنحالیکہ وہ متفاوت ہوں سو اگر وہ متحد ہوں تو پھر دراہم کی طرح ہیں۔

تعالیٰ نے اس ''شارح'' کو ان رموز کی فراوانی عطا فرمائی ہے جو ''جواہر الکنوز'' ہیں۔ لیکن یہاں اشکال باقی ہے جسے ''الشرنبلالیہ'' میں ذکر کیا ہے۔ اور اسی طرح ''قاضی زادہ'' سے نقل کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ صاحب حق یعنی وارث اس کے ساتھ راضی ہے جس کا احتمال موصی کا کلام رکھتا ہے یعنی ثلث کا سدس کے ساتھ جمع ہونا اور وارث کے حق کی وجہ سے اس کا ممتنع ہونا جو غیر متیقن ہو، تو پھر اس کے راضی ہونے کے بعد منع کرنے اور روکنے کا تکلف کیسا ہے؟

حاصل کلام

اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلا معنی متعین ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کی اجازت زائد کیلئے ہے۔ کیونکہ وہی اجازت کا محتاج ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کا جواب یہ ہے کہ جس کا احتمال موصی کا کلام رکھتا ہے ہم نے اسے متیقن پر محمول کیا ہے جس کا وہ مالک ہوتا ہے اور وہ ثلث کے بارے وصیت ہے جیسا کہ گزر چکا ہے، اور وصیت تملیک کو ثابت کرنا ہے، پس ثلث کو ثابت کرنا متیقن ہے، اور زائد کو ثابت کرنا مشکوک ہے، اور وارث کی اجازت صرف اسی میں عمل کرتی ہے جسے موصی نے ثابت کیا ہو، اور موصی کا ایجاب اس مقدار میں یقینی نہیں جو ثلث سے زائد ہے کہ اجازت اس میں اپنا عمل کرے۔ لہذا یہ لغو ہو جائے گی۔ کیونکہ اجازت ابتداءً تملیک نہیں ہے، بلاشبہ یہ موصی کے اس عقد کو نافذ کرتی ہے جو اس پر موقوف ہے، یہی وجہ ہے کہ مجاز لہ کے لیے موصی کی طرف سے ملکیت ثابت ہوتی ہے نہ کہ مجیز (اجازت دینے والے) کی طرف سے جیسا کہ عنقریب باب کے آخر میں آئے گا۔ یہی فتاح العلیم کے فیض سے میرے کمزور ذہن میں ظاہر ہوا ہے۔

36356۔ (قولہ: مُكَرَّرًا) یعنی وہ ایک مجلس میں یا دو مجلسوں میں اس طرح کہے: لہ سُدُس مالی، لہ سُدُس مالی (اس کے لیے میرے مال کا چھٹا حصہ ہے، اس کے لیے میرے مال کا چھٹا حصہ ہے) جیسا کہ ''ہدایہ'' میں ہے۔

معرفہ کے تکرار میں ضابطہ

36357۔ (قولہ: لِأَنَّ الْمَعْرِفَةَ) کیونکہ معرفہ اور وہ سدس ہے، کیونکہ اسے مال کی طرف مضاف کر کے معرف بالاضافت ذکر کیا ہے اور اسے دوبارہ بھی معرفہ لایا گیا ہے لہذا یہ پہلے کا عین ہے (یعنی اس سے مراد بعینہ پہلا ہے)۔ اور یہ اصل اور قاعدہ کے مطابق ہے۔ پس اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کہ کبھی دوسرا پہلے کا غیر ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ (المائدہ: 48) اس میں دوسرے الکتاب سے مراد

(أَوْ عَبِيدِهِ إِنْ هَلَكَ ثُلُثَاهُ فَلَهُ) جَمِيعُ (مَا بَقِيَ فِي الْأَوَّلَيْنِ) أَيْ الدَّرَاهِمِ وَالْغَنَمِ إِنْ خَرَجَ مِنْ ثُلُثِ بَاقِي جَمِيعِ أَصْنَافِ مَالِهِ أَخِي جَلَبِي (وَثُلُثُ الْبَاقِي فِي الْآخَرَيْنِ) أَيْ الثِّيَابِ وَالْعَبِيدِ وَإِنْ خَرَجَ الْبَاقِي مِنْ ثُلُثِ كُلِّ الْمَالِ (وَكَالْأَوَّلِ كُلُّ مُتَّحِدِ الْجِنْسِ كَمَكِيلٍ وَمَوْزُونٍ) وَثِيَابٍ مُتَّحِدَةٍ وَضَابِطُهُ مَا يُقْسَمُ جَبْرًا وَكَالثَّانِي كُلُّ مُخْتَلِفِ الْجِنْسِ وَضَابِطُهُ مَا لَا يُقْسَمُ جَبْرًا

یا اپنے غلاموں کے ثلث کی وصیت کی۔ اگر اس کے دوثلث ہلاک ہو گئے تو پھر پہلی دو چیزوں یعنی دراہم اور ریوڑ میں سے جو کچھ باقی بچے گا موصیٰ لہٗ کے لیے ہوگا اگر وہ اس کے باقی تمام قسموں کے مال کے ثلث سے نکل پڑے۔ اسے ''اخی جلبی'' نے ذکر کیا ہے۔ اور آخری دونوں چیزوں یعنی کپڑوں اور غلاموں میں سے باقی رہ جانے والے کا ثلث اس کے لیے ہوگا اگرچہ کل مال کے ثلث سے وہ باقی نکل جائے۔ اور ہر متحد الجنس پہلے (دراہم و غنم) کی طرح ہے جیسا کہ کیلی اور وزنی چیزیں اور ایک جیسے کپڑے اور اس کا ضابطہ اور کلیہ یہ ہے کہ اسے جبراً تقسیم کیا جاسکتا ہو، اور ہر مختلف الجنس دوسرے (ثیاب اور عبید) کی طرح ہے اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ وہ جسے جبراً تقسیم نہ کیا جاسکتا ہو۔

تورات ہے لیکن یہ قرینہ کے سبب خلاف اصل ہے، اور ہم نے ''شرح المنار'' پر اپنے حواشی میں مسئلہ کی وضاحت کردی ہے۔

36358۔ (قولہ: أَوْ عَبِيدِهِ) اور یہ متفاوت ہی ہوتے ہیں۔ پس اس لیے صرف کپڑوں میں تفصیل بیان کی ہے۔ اسے ''الشرنبلالیہ'' میں بیان کیا ہے۔

36359۔ (قولہ: إِنْ هَلَكَ ثُلُثَاهُ الخ) یعنی اگر دراہم یا ریوڑ میں سے دوثلث ہلاک ہو جائیں اس طرح کہ مثلاً وہ تین ہوں تو ان میں سے دو ہلاک ہو گئے اور باقی ایک رہ جائے تو وہ باقی مکمل طور پر اس (موصی لہ) کے لیے ہوگا۔ اور امام ''زفر'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: یہاں بھی مابقی کا ثلث اس کے لیے ہوگا، کیونکہ مال مشترک ہے اور اس سے ہلاک ہونے والا بھی مشترک ہی ہوگا۔ اور باقی رہ جانے والا بھی شرکت پر ہی باقی رہے گا۔ اور ''امام صاحب'' اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہم کے قول کی وجہ یہ ہے کہ ایک جنس میں موصی لہ کا حق باقی میں اس حیثیت سے جمع ہو رہا ہے کہ وصیت میراث پر مقدم ہے، اور اس لیے بھی کہ اگر کوئی شی ہلاک نہ ہوتی تو قاضی کے لیے لازم ہے کہ وہ یہ باقی موصی لہ کو دے بخلاف مختلف کپڑوں اور اس طرح کی چیزوں کے۔ کیونکہ انہیں جبراً تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی مکمل بحث مطولات میں ہے۔ ''غایۃ البیان'' میں کہا ہے: ہم امام ''زفر'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو لیتے ہیں اور یہی قیاس ہے۔ اور ''السعدیہ'' میں اسے قائم رکھا ہے، تامل۔

36360۔ (قولہ: إِنْ خَرَجَ الخ) یہ شرط ہے جس کی تصریح عام شروح میں کی گئی ہے حتیٰ کہ ''ہدایہ'' میں بھی ہے۔

36361۔ (قولہ: وَبِأَلْفِ الخ) یہ نہیں کہا جائے گا: مناسب یہ ہے کہ وہ دین میں سے کسی شے کا مستحق نہ ہو۔ کیونکہ الف (ہزار) مال ہے اور دین مال نہیں ہے۔ کیونکہ جو قسم اٹھائے کہ اس کا کوئی مال نہیں ہے حالانکہ اس کا دین ہو تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں: دین کو مال کا نام اس کے خروج کے بعد دیا جائے گا، اور موصی لہ کے حق کا ثبوت خروج کے بعد

(وَبِأَلْفٍ وَلَهُ دَيْنٌ) مِنْ جِنْسِ الْأَلْفِ (وَعَيْنٍ فَإِنْ خَرَجَ) الْأَلْفُ (مِنْ ثُلُثِ الْعَيْنِ دُفِعَ إِلَيْهِ وَإِلَّا) يَخْرُجُ (فَثُلُثُ الْعَيْنِ) يُدْفَعُ لَهُ (وَكُلَّمَا خَرَجَ) شَيْءٌ (مِنَ الدَّيْنِ دُفِعَ إِلَيْهِ ثُلُثُهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ حَقَّهُ) وَهُوَ الْأَلْفُ (وَبِثُلُثِهِ لِزَيْدٍ وَعَمْرٍو وَهُوَ) أَيْ عَمْرٌو

اور کسی نے ہزار کی وصیت کی اور اس کا ہزار کی جنس سے قرض ہو اور عین بھی ہو۔ پس اگر عین مال کے ثلث سے وہ ہزار نکل جائے تو وہ اسے (موصی لہ کو) دے دیا جائے، اور اگر نہ نکلے تو عین کا ثلث اس کو دیا جائے گا اور دین میں سے جب بھی کوئی شے نکلے تو اس کا ثلث اسے دے دیا جائے یہاں تک کہ وہ اس کا حق اسے پورا کر دے اور وہ ایک ہزار ہے۔ کسی نے زید اور عمرو کے لیے ثلث مال کی وصیت کی درآنحالیکہ عمرو فوت ہو چکا ہو

ممکن ہے جیسا کہ وہ موصی لہ جس کے لیے کوئی ثلث کی وصیت ہو اس کا قصاص میں کوئی حق نہیں ہوتا۔ اور جب وہ بدل جائے جس میں اس کا حق ثابت نہیں ہوتا؛ کیونکہ وہ میت کا مال ہے، اور قسم کے مسئلہ کا انحصار عرف پر ہے، ''معراج''۔ ''ملخصاً''۔ اور اس سے یہ ظاہر ہوا کہ اگر وہ اپنے تہائی مال کے بارے وصیت کرے تو اس میں دین بھی داخل ہوگا۔ اور یہ دو قولوں میں سے ایک ہے۔ اور اسے ہی ''الوہبانیہ'' میں ترجیح دی ہے۔ اور ''صاحب البحر'' نے متفرقات القضاء میں اس بارے توقف کیا ہے، پس اس کی طرف رجوع کرو۔

36362۔ (قولہ: مِنْ جِنْسِ الْأَلْفِ) اُلف کی جنس سے۔ اسی طرح ''الدرر'' میں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کا فائدہ ان کے قول: و کلما خرج شئ من الدین دفع الیہ کے مناسب ہے۔ کیونکہ اگر وہ دنانیر ہوں تو وہ اسے نہیں دیئے جائیں گے، تامل۔

اور ''المنح'' میں ''السراج'' سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جب اس نے دراہم مرسلہ کے بارے وصیت کی پھر وہ فوت ہو گیا تو وہ موصی لہ کو دیئے جائیں گے اگر وہ موجود اور حاضر ہوں، ورنہ ترکت کو بیچا جائے گا اور اس سے وہ دراہم دیئے جائیں گے۔

36363۔ (قولہ: وَعَيْنٍ) امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: عین سے مراد دراہم و دنانیر ہیں نہ کہ چاندی کے ٹکڑے، زیورات، سامان اور کپڑے۔ اور دین سے مراد ہر وہ شے ہے جو سونے، چاندی، یا گندم وغیرہ میں سے ذمہ میں واجب ہوتی ہے۔ اس کی مکمل بحث ''الطوری'' میں ہے۔

36364۔ (قولہ: فَإِنْ خَرَجَ الْأَلْفُ الخ) ''العنایہ'' میں کہا ہے: اس کے تین ہزار درہم نقد ہوں تو اسے ایک ہزار دیئے جائیں گے، اور اگر وہ نہ نکل سکے اس طرح کہ نقد بھی ایک ہزار ہی ہو تو اس میں سے اسے اس کا تہائی دیا جائے۔

36365۔ (قولہ: وَإِلَّا يَخْرُجُ فَثُلُثُ الْعَيْنِ الخ) اور اگر وہ نہ نکل سکتا ہو تو پھر عین کا ثلث اسے دیا جائے گا، یعنی اسے عین میں سے ہزار نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ ترکہ اس کے درمیان اور ورثا کے درمیان مشترک ہے اور عین دین سے بہتر ہے۔ پس اگر ان میں سے ایک کو اس کے ساتھ خاص کر دیا جائے تو دوسرے کا نقصان ہوگا ''اختیار''۔ کیونکہ دین کے مدیون

(مَيِّتٌ لِزَيْدٍ كُلُّهُ) أَيْ كُلُّ الثُّلُثِ وَالْأَصْلُ أَنَّ الْمَيِّتَ أَوْ الْمَعْدُومَ لَا يَسْتَحِقُّ شَيْئًا فَلَا يُزَاحِمُ غَيْرَهُ وَصَارَ (كَمَا لَوْ أَوْصَى لِزَيْدٍ وَجِدَارٍ، هَذَا إِذَا خَرَجَ الْمُزَاحِمُ مِنَ الْأَصْلِ أَمَّا إِذَا خَرَجَ) الْمُزَاحِمُ (بَعْدَ صِحَّةِ الْإِيجَابِ يَخْرُجُ بِحِصَّتِهِ) وَلَا يُسَلَّمُ لِلْآخَرِ كُلُّ الثُّلُثِ لِثُبُوتِ الشَّرِكَةِ (كَمَا لَوْ قَالَ ثُلُثُ مَالِي لِفُلَانٍ وَفُلَانِ بْنِ عَبْدِ اللهِ إِنْ مِتُّ وَهُوَ فَقِيرٌ فَمَاتَ الْمُوصِي وَفُلَانُ بْنُ عَبْدِ اللهِ غَنِيٌّ كَانَ لِفُلَانٍ نِصْفُ الثُّلُثِ) وَكَذَا لَوْ مَاتَ أَحَدُهُمَا قَبْلَ الْمُوصِي وَفُرُوعُهُ كَثِيرَةٌ

تو کل ثلث زید کے لیے ہوگا۔ اور اس میں اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ میت یا معدوم کسی شی کا مستحق نہیں ہوتا پس وہ غیر کا مزاحم نہیں ہوسکتا۔ اور یہ اسی طرح ہو گیا جیسا کہ اگر وہ زید اور دیوار کے لیے وصیت کرے۔ یہ تب ہے جب مزاحم اصل سے خارج ہو، لیکن جب مزاحم ایجاب صحیح ہونے کے بعد خارج ہو تو وہ اپنے حصہ کے ساتھ خارج ہوگا اور شرکت ثابت ہونے کی وجہ سے مکمل ثلث دوسرے کو نہیں دیا جائے گا جیسا کہ اگر وہ کہے: میرا ثلث مال فلان کے لیے ہے اور فلاں بن عبداللہ کے لیے ہے اگر میرے فوت ہونے کے وقت وہ فقیر ہو، پھر موصی فوت ہوا اور وہ فلاں بن عبداللہ غنی تھا تو اس دوسرے فلاں کے لیے نصف ثلث ہوگا، اور اسی طرح حکم ہے اگر ان میں سے ایک موصی سے پہلے فوت ہو گیا، اور اس کی فروع کثیر ہیں۔

کے پاس ہلاک ہونے کا احتمال ہے۔

میت یا معدوم کسی شے کا مستحق نہیں ہوتا

36366۔ (قولہ: لِزَيْدٍ كُلُّهُ) یعنی سارا ثلث زید کے لیے ہوگا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے: جب موصی اس کی موت کے بارے نہ جانتا ہو تو اس کے لیے نصف ثلث ہوگا؛ کیونکہ وہ اس کے لیے اسی کے ساتھ راضی ہے، ''زیلعی''۔

36367۔ (قولہ: أَوِ الْمَعْدُومَ) اگر اس نے زید کے لیے اور اس کے لیے وصیت کی جو اس کمرے میں ہے حالانکہ اس میں کوئی موجود نہ ہو تو وہ ثلث زید کے لیے ہوگا؛ کیونکہ معدوم مال کا مستحق نہیں ہوتا، اور اسی طرح اگر اس کے لیے اور اس کے پیچھے آنے والے کے لیے وصیت کی؛ کیونکہ عقب وہی ہے جو اس کی موت کے بعد آئے گا۔ پس وہ فی الحال معدوم ہے، ''درر''۔ ''شرنبلالی'' کے مسئلہ الوصیۃ للعقب میں کلام ہے جو باب الوصیۃ للأقارب میں آئے گی۔

36368۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ مَاتَ أَحَدُهُمَا) اور اسی طرح حکم ہے اگر دو موصی لہ میں سے ایک فوت ہو جائے۔

36369۔ (قولہ: قَبْلَ الْمُوصِي) موصی سے پہلے، لیکن اگر اس کے بعد فوت ہوا تو پھر وارث اس کے قائم مقام ہوگا، لہٰذا مزاحمت موجود ہے۔

36370۔ (قولہ: وَفُرُوعُهُ كَثِيرَةٌ) اور اس کی فروع کثیر ہیں ان میں سے یہ ہے کہ اگر اس نے کہا: میرا ثلث مال فلاں کے لیے اور عبداللہ کے لیے ہے اگر عبداللہ اس کمرے میں ہو حالانکہ وہ اس میں نہیں ہے تو اس فلاں کے لیے نصف ثلث ہوگا، کیونکہ شرط مفقود ہونے کی وجہ سے اس کے استحقاق کا باطل ہونا دوسرے کے حق میں زیادتی کو ثابت نہیں کرتا، ''منح''۔

(وَأَصْلُهُ الْمُعَوَّلُ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَتَى دَخَلَ فِي الْوَصِيَّةِ ثُمَّ خَرَجَ لِفَقْدِ شَرْطٍ لَا يُوجِبُ الزِّيَادَةَ فِي حَقِّ الْآخَرِ، وَمَتَى لَمْ يَدْخُلْ فِي الْوَصِيَّةِ لِفَقْدِ الْأَهْلِيَّةِ كَانَ الْكُلُّ لِلْآخَرِ) ذَكَرَهُ الزَّيْلَعِيُّ (وَقِيلَ الْعِبْرَةُ لِوَقْتِ مَوْتِ الْمُوصِي) وَإِلَيْهِ يُشِيرُ كَلَامُ الدُّرَرِ تَبَعًا لِلْكَافِي حَيْثُ قَالَ أَوْ لَهُ وَلِوَلَدِ بَكْرٍ فَمَاتَ وَلَدُهُ قَبْلَ مَوْتِ الْمُوصِي إِلَى آخِرِهِ لَكِنَّ قَوْلَ الزَّيْلَعِيِّ فِيمَا مَرَّ أَمَّا إِذَا خَرَجَ الْمُزَاحِمُ بَعْدَ صِحَّةِ الْإِيجَابِ إِلَخْ صَرِيحٌ فِي اعْتِبَارِ حَالَةِ الْإِيجَابِ وَقِيلَ فِيهِ رِوَايَتَانِ (وَلَوْ قَالَ بَيْنَ زَيْدٍ وَعَمْرٍو وَهُوَ مَيِّتٌ لِزَيْدٍ نِصْفُهُ)

اور اس کا معتمد علیہ قاعدہ یہ ہے کہ جب وہ وصیت میں داخل ہو پھر شرط مفقود ہونے کی وجہ سے خارج ہو جائے تو وہ دوسرے کے حق میں زیادتی کو ثابت نہیں کرتا، اور جب وہ اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے وصیت میں داخل ہی نہ ہو تو پھر وصیت کا کل مال دوسرے کے لیے ہوگا۔ اسے ''زیلعی'' نے ذکر کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اعتبار موصی کے فوت ہونے کے وقت کا ہے۔ اور اسی کی طرف ''الدرر'' کا کلام ''الکافی'' کی اتباع میں اشارہ کرتا ہے اس حیثیت سے کہ انہوں نے کہا ہے: أوله ولولد بكر فمات ولده قبل موت الموصي الى آخره (یا اس کے لیے اور بکر کے بیٹے کے لیے پس اس کا بیٹا موصی کے فوت ہونے سے پہلے فوت ہو گیا...... تا آخر)۔ لیکن جو گزر چکا ہے اس میں ''زیلعی'' کا قول یہ ہے: جب ایجاب صحیح ہونے کے بعد مزاحم نکل جائے الخ یہ حالت ایجاب کا اعتبار کرنے میں صریح ہے۔ اور کہا گیا ہے: اس میں دو روایتیں ہیں، اور اگر اس نے بین زید و عمرو کہا در آنحالیکہ عمرو فوت ہو چکا ہو تو زید کے لیے اس کا نصف ہوگا،

36371۔ (قولہ: ثُمَّ خَرَجَ لِفَقْدِ شَرْطٍ) پھر وہ شرط مفقود ہونے کی وجہ سے نکل جائے یا اہلیت زائل ہونے کی وجہ سے جیسا کہ ان میں سے ایک موصی سے پہلے فوت ہو جائے۔

36372۔ (قولہ: ذَكَرَهُ الزَّيْلَعِيُّ) یعنی وہ تمام جو متن و شرح میں پہلے گزرا ہے۔ اسے علامہ ''زیلعی'' نے ذکر کیا ہے۔

36373۔ (قولہ: وَقِيلَ الْعِبْرَةُ) اور کہا گیا ہے کہ ایجاب کے صحیح ہونے میں اعتبار موصی کے فوت ہونے کے وقت کا ہے۔

36374۔ (قولہ: أَوْ لَهُ) مراد زید کے لیے ہے۔

36375۔ (قولہ: إِلَى آخِرِهِ) یعنی آخر تک اور مکمل اس طرح ہے یا اس کے لیے اور اس کی اولاد میں سے فقیر کے لیے یا اس کے لیے جو اس کے بیٹوں میں سے فقیر ہو جائے، اور موصی کے فوت ہونے کے وقت اس کی شرط نہ پائی جائے تو اس صورت میں مکمل ثلث زید کے لیے ہوگا؛ کیونکہ معدوم یا میت کسی شی کا مستحق نہیں ہوتا۔ پس مزاحمت زید کے لیے ثابت نہ ہو گی، لہٰذا یہ اسی طرح ہو گیا جیسا کہ جب وہ زید کے لیے اور دیوار کے لیے وصیت کرے۔

اگر موصیٰ لہ غیر معین یا اہل استحقاق میں سے ہو تو اس کا حکم

36376۔ (قولہ: لَكِنَّ قَوْلَ الزَّيْلَعِيِّ فِيمَا مَرَّ) لیکن ''زیلعی'' کا قول جو متن کی عبارت میں گزر چکا ہے، اور

لِأَنَّ كَلِمَةَ بَيْنَ تُوجِبُ التَّنْصِيفَ حَتَّى لَوْ قَالَ ثُلُثُهُ بَيْنَ زَيْدٍ وَسَكَتَ فَلَهُ نِصْفُهُ أَيْضًا

کیونکہ بَیْنَ کا کلمہ تنصیف کو ثابت کرتا ہے، یہاں تک کہ اگر اس نے کہا ثُلُثُهُ بَیْنَ زَیْدٍ (اس کا ثلث مال زید کے درمیان ہے) اور ساتھ ہی خاموش ہو گیا تو پھر بھی اس کے لیے اس کا نصف ہو گا۔

''مصنف'' کے اس قول کے بعد استدراک کا کوئی محل نہیں وقیل الخ کیونکہ اسے اس کے درمیان اور جو گزر چکا ہے اس کے درمیان اختلاف کے بیان کے لیے ذکر کیا گیا ہے، ''فتدبر''۔

پھر تو جان کہ ''مصنف'' کا اپنے قول وقیل کے ساتھ ''الدرر'' اور ''الکافی'' کے اشارہ سے اخذ کرتے ہوئے تعبیر کرنا اس پر مبنی ہے جسے وہ اس کے مخالف سمجھے ہیں جسے اس سے پہلے ذکر کیا ہے اس کے باوجود کہ مخالفت کوئی نہیں ہے۔ اس کا بیان جو انہوں نے ''التاتر خانیہ'' میں چھٹی فصل سے ذکر کیا ہے یہ ہے کہ قاعدہ اور اصل یہ ہے کہ موصی لہ اہل استحقاق میں سے معین ہو تو وصیت کے دن ایجاب کے صحیح ہونے کا اعتبار کیا جائے گا، اور جب وہ غیر معین ہو تو موصی کی موت کے دن ایجاب کے صحیح ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔ پس اگر اس نے کہا: میرا ثلث مال فلاں کے لیے اور بکر کے بیٹے کے لیے ہے پھر اس (بکر) کا بیٹا موصی سے پہلے فوت ہو گیا تو مکمل ثلث اس فلاں کے لیے ہوگا، اور اگر بکر کے دس بچے پیدا ہوئے پھر موصی فوت ہو گیا تو پھر وہ ثلث فلاں اور بکر کی اولاد کے درمیان ان کی تعداد کے مطابق تقسیم ہو گا یعنی موصی کی موت کے دن کا اعتبار کرتے ہوئے وہ گیارہ حصوں میں تقسیم ہو گا۔ کیونکہ ولد غیر معین ہے، اور وہ ایک اور زیادہ کو شامل ہے۔ اور اسی طرح جب وہ بنی فلاں کے لیے وصیت کرے اور وصیت کے دن اس کا کوئی بیٹا نہ ہو، پھر اس کے بچے پیدا ہوں اور موصی فوت ہو جائے تو ثلث مال ان کے لیے ہو گا۔ اور اگر وصیت کے دن اس کے بیٹے ہوں اور وہ ان کا نام نہ لے اور نہ ان کی طرف اشارہ کرے تو ثلث مال اس کی موت کے وقت تمام موجود بیٹوں کے لیے ہو گا اگر چہ وہ وصیت کے وقت موجود نہ ہوں۔ اور اگر اس نے ان کے نام لیے یا ان کی طرف اشارہ کیا تو پھر وصیت صرف انہی کے لیے ہو گی یہاں تک کہ اگر وہ فوت ہو گئے تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ اس صورت میں موصی لہ معین ہے۔ پس وصیت کے دن ایجاب کے صحیح ہونے کا اعتبار کیا جائے گا، ملخصاً۔

اور اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جو ''الدرر'' میں ایجاب کے صحیح ہونے کے لیے موت کے دن کا اعتبار ہے بلاشبہ وہ موصی لہ غیر معین ہونے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اس کا قول: ولد بکر یا فقراء ولدہ یا من افتقر یہ غیر معین ہے جبکہ اس میں نہ تسمیہ ہو اور نہ ہی اشارہ ہو، اور جب اس میں موت کا دن معتبر ہے اور ان کے نزدیک شرط اس طرح فوت ہو گئی کہ ولد فوت ہو جائے یا غنی ہو تو مزاحم اصل سے نکل گیا، پس اسی لیے تمام ثلث زید کے لیے ہے، اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ ''زیلعی'' کا کلام مطلقاً ایجاب کی حالت کا اعتبار ہونے میں صریح نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا کلام موصی لہ معین کے بارے ہے، فتدبر۔

36377۔ (قولہ: لِأَنَّ كَلِمَةَ بَيْنَ تُوجِبُ التَّنْصِيفَ) کیونکہ بین کا کلمہ نصف کرنے کو ثابت کرتا ہے، یہ ظاہر ہے کہ یہ تب ہے جب کلمہ دو مفردوں پر داخل ہو جیسا کہ یہاں ہے۔ لیکن اگر یہ تین پر داخل ہو جیسا کہ اس کا قول: بین زید و عمرو و

(وَبِثُلُثِهِ وَهُوَ) أَيْ الْمُوصِي (فَقِيرٌ) وَقْتَ وَصِيَّتِهِ (لَهُ ثُلُثُ مَالِهِ عِنْدَ مَوْتِهِ) سَوَاءٌ (اكْتَسَبَهُ بَعْدَ الْوَصِيَّةِ أَوْ قَبْلَهَا) لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ الْوَصِيَّةَ إِيجَابٌ بَعْدَ الْمَوْتِ (إِذَا لَمْ يَكُنْ الْمُوصَى بِهِ عَيْنًا أَوْ نَوْعًا مُعَيَّنًا، أَمَّا إِذَا أَوْصَى بِعَيْنٍ أَوْ نَوْعٍ مِنْ مَالِهِ كَثُلُثِ غَنَمِهِ فَهَلَكَتْ قَبْلَ مَوْتِهِ بَطَلَتْ) لِتَعَلُّقِهَا بِالْعَيْنِ فَبَطَلَ بِفَوَاتِهَا (وَإِنْ اكْتَسَبَ غَيْرَهَا وَلَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُ غَنَمٌ عِنْدَ الْوَصِيَّةِ فَاسْتَفَادَهَا) أَيْ الْغَنَمَ (ثُمَّ مَاتَ صَحَّتْ) فِي الصَّحِيحِ لِأَنَّ تَعَلُّقَهَا بِالنَّوْعِ كَتَعَلُّقِهَا بِالْمَالِ

اور اگر اس نے اپنے ثلث مال کے بارے میں وصیت کی درآنحالیکہ موصی اپنی وصیت کرنے کے وقت فقیر ہو تو اس کی موت کے وقت اس کا ثلث مال موصی لہ کے لیے ہوگا چاہے وہ اسے وصیت کے بعد کمائے یا اس سے پہلے۔ کیونکہ یہ پختہ بات ہے کہ وصیت موت کے بعد ثابت ہوئی ہے بشرطیکہ موصی بہ عین یا نوع معین نہ ہو، لیکن جب وہ کسی عین یا اپنے مال میں سے خاص نوع کی وصیت کرے جیسا کہ اپنی بکریوں کے تیسرے حصہ کی پھر وہ اس کے فوت ہونے سے پہلے ہلاک ہو گئی تو وصیت باطل ہو جائے گی اس لیے کہ اس کا تعلق عین کے ساتھ ہے۔ اور وہ اس کے فوت ہونے کے ساتھ باطل ہو گیا ہے اگرچہ اس نے اس کے علاوہ کوئی اور بکری حاصل کی ہو، اور اگر وصیت کے وقت اس کے پاس بکریاں نہ ہوں پھر اس نے انہیں حاصل کر لیا پھر وہ فوت ہو گیا تو صحیح روایت کے مطابق وصیت صحیح ہے، کیونکہ نوع کے ساتھ اس کا تعلق مال کے ساتھ اس کے تعلق کی طرح ہے۔

بلکہ تو بلاشبہ یہ ان کی تعداد پر تقسیم کرنے کو ثابت کرتا ہے، تأمل۔ اور اسی بنا پر یہ ہے کہ جب وہ بین زید کہے اور خاموش ہو جائے تو اسے نصف کیا جائے گا، کیونکہ کم سے کم شرکت دو کے درمیان ہوتی ہے اور دو سے زیادہ کی کوئی انتہا نہیں۔ لیکن جب وہ دو جمعوں پر داخل ہو تو ''المعراج'' میں ہے: اگر اس نے بَيْنَ بني زيد و بَيْنَ بني بكر کہا اور ان میں سے ایک کے بیٹے نہ ہوں تو مکمل ثلث دوسرے کے بیٹوں کے لیے ہوگا۔ کیونکہ اس نے کل ثلث بنی زید کے درمیان مشترک بنا دیا ہے، یہاں تک کہ اگر وہ اسی پر اقتصار کرتا تو ثلث انہی کے درمیان ہوتا۔ پس جب مزاحمت ثابت نہیں تو کل ثلث انہی کے درمیان تقسیم ہوگا۔ اور اس کا قول بین بنی فلان وفلان اسی طرح ہے جیسا کہ گزر چکا ہے مراد یہ ہے کہ بَيْنَ کے تکرار اور عدم تکرار کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

36378_(قولہ: وَهُوَ فَقِيرٌ) اس کا حذف اولیٰ ہے تا کہ آنے والا اطلاق قائم ہو جاتا ''طحطاوی''۔

36379_(قولہ: لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ الْوَصِيَّةَ إِيجَابٌ الخ) اس لیے کہ یہ بات پختہ ہے کہ وصیت موت کے بعد عقد تملیک ہے، اسی لیے قبول ورد کا اعتبار موت کے بعد کیا جاتا ہے، اور اس کا حکم اس کے بعد ثابت ہوتا ہے۔

36380_(قولہ: أَمَّا إِذَا أَوْصَى الخ) اس کا حاصل یہ ہے کہ جو بغیر تفصیل کے گزرا ہے بلاشبہ وہ کل مال میں شائع ہے وہ نہ عین ہے اور نہ ہی معین نوع ہے۔ اور رہا اس کا غیر تو اس میں تفصیل ہے، پس اگر وہ عین ہو جیسا کہ میری بکریوں کا

(وَلَوْ قَالَ لَهُ شَاةٌ مِنْ مَالِی وَلَیْسَ لَهُ غَنَمٌ یُعْطَى قِیمَةَ الشَّاةِ بِخِلَافِ) قَوْلِهِ (لَهُ شَاةٌ مِنْ غَنَمِی وَلَا غَنَمَ لَهُ) یَعْنِی لَا شَاةَ لَهُ

اور اگر اس نے کہا: اس کے لیے میرے مال میں سے ایک بکری ہے اور اس کے پاس کوئی بھیڑ بکریاں نہ ہوں تو اسے ایک بکری کی قیمت دی جائے گی بخلاف اس کے اس قول کے: میری بھیڑ بکریوں میں سے ایک بکری اس کے لیے ہے اور اس کا کوئی ریوڑ نہ ہو یعنی اس کی کوئی بکری نہ ہو

ثلث، درآنحالیکہ اس کی بکریاں ہوں تو اس میں وصیت کے وقت موجود بکریوں کا اعتبار کیا جائے گا، کیونکہ اضافت عہدیہ کے ساتھ وہ معین ہیں۔ کیونکہ یہ وصیت انہی کے لیے ہے جن کے لیے الف لام آ رہا ہے، اور اگر وہ ایک نوع ہو جیسا کہ ثُلُث غَنَمِی حالانکہ اس کی کوئی بکری نہیں تو یہ کل مال میں شائع کی طرح ہے اس میں موت کے وقت موجود کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ عین نہیں ہے کہ اس کے ساتھ وصیت مقید ہو، اس لیے کہ اضافت عہدیہ نہیں ہے۔ یہی میرے لیے ظاہر ہوا ہے، فتامل۔

36381۔(قولہ: وَلَیْسَ لَهُ غَنَمٌ) درآنحالیکہ اس کا کوئی ریوڑ نہ ہو، یا ہو اور وہ ہلاک ہو جائے؛ ''معراج''۔ اور اگر اس کے مال میں بکری ہو تو اس کے ورثا کو وہ بکری دینے یا اس کی قیمت دینے کے درمیان اختیار دیا جائے گا؛ ''نہایہ''۔

36382۔(قولہ: یُعْطَى قِیمَةَ الشَّاةِ) یعنی درمیانی بکری کی قیمت دی جائے گی؛ ''معراج''۔

36383۔(قولہ: بِخِلَافِ قَوْلِهِ الخ) فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں جب اس نے شاۃ (بکری) کی اضافت مال کی طرف کی تو ہم نے جان لیا کہ اس کی مراد یہ ہے کہ وصیت میرے مال سے متعلق ہے۔ اور شاۃ (بکری) اور اس کی مالیت دونوں مطلق مال میں پائی جاتی ہیں۔ اور دوسری صورت میں جب اس نے اضافت غنم کی طرف کی تو ہم نے جان لیا کہ اس سے اس کی مراد عین شاۃ ہے اس حیثیت سے کہ اس نے اسے غنم میں سے جزا بنایا ہے؛ ''زیلعی''۔

36384۔(قولہ: یَعْنِی لَا شَاةَ لَهُ) یعنی اس کی کوئی بکری نہ ہو، انہوں نے ''ابن کمال'' کی اتباع کی ہے اس حیثیت سے کہ انہوں نے اسے اس کے مخالف کے ساتھ تعبیر کیا ہے جو ''ہدایہ'' وغیرہ میں ہے، اور کہا ہے: انما قال ولا شاۃ لہ۔ بلاشبہ انہوں نے کہا: اور اس کی کوئی بکری نہیں اور یہ نہیں کہا: ولا غنم لہ اور اس کا کوئی ریوڑ نہیں۔ جیسا کہ ''صاحب ہدایہ'' نے کہا ہے: کیونکہ شاۃ غنم کا ایک فرد ہے، پس جب اس کی شاۃ (بکری) نہیں تو اس کا ریوڑ (غنم) نہیں ہوگا بخلاف اس کے برعکس اور شرط عدم الجنس ہے عدم الجمع نہیں، یہاں تک کہ اگر ایک فرد پایا گیا تو وصیت صحیح ہوگی۔ اور اس میں ''صدر الشریعہ'' کا رد ہے اس حیثیت سے کہ انہوں نے کہا ہے: بکری موجود ہونے کے باوجود بھی وصیت باطل ہوگی۔

میں کہتا ہوں: اس میں نظر ہے، کیونکہ موصی نے کہا ہے: شاۃ من غنمی (میرے ریوڑ میں سے بکری) یعنی جمع کے لفظ کے ساتھ، اور جس کی بالکل کوئی بکری نہ ہو یا اس کی ایک بکری ہو تو اس کا ریوڑ تو نہ ہوگا، پس دونوں صورتوں میں وصیت باطل ہوگئی جب دونوں صورتوں میں جمع (ریوڑ) نہیں پایا گیا، پس ظاہر ہو گیا کہ بطلان کی شرط جمع کا نہ ہونا ہے، جنس کا نہ ہونا نہیں۔ اسی وجہ

فَإِنَّهَا تَبْطُلُ وَكَذَا لَوْ لَمْ يُضِفْهَا لِمَالِهِ وَلَا غَنَمَ لَهُ، وَقِيلَ تَصِحُّ (وَكَذَا) الْحُكْمُ (فِي كُلِّ نَوْعٍ مِنْ أَنْوَاعِ الْمَالِ كَالْبَقَرِ وَالثَّوْبِ وَنَحْوِهِمَا) زَيْلَعِيٌّ (وَبِثُلُثِهِ لِأُمَّهَاتِ أَوْلَادِهِ وَهُنَّ ثَلَاثَةٌ وَلِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ لَهُنَّ) أَيْ أُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ ثَلَاثَةُ أَسْهُمٍ مِنْ خَمْسَةٍ (وَسَهْمٌ لِلْفُقَرَاءِ وَسَهْمٌ لِلْمَسَاكِينِ) وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يُقَسَّمُ أَسْبَاعًا لِأَنَّ لَفْظَ الْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ جَمْعٌ وَأَقَلُّهُ اثْنَانِ قُلْنَا (أَلْ) الْجِنْسِيَّةُ تُبْطِلُ الْجَمْعِيَّةَ

تو اس صورت میں وصیت باطل ہو جائے گی۔ اور اسی طرح حکم ہے اگر وہ اس کی اضافت اپنے مال کی طرف نہ کرے اور نہ اس کا کوئی ریوڑ ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: وصیت صحیح ہے۔ اور اسی طرح مال کی انواع میں سے ہر نوع میں حکم ہے جیسا کہ گائیں، کپڑے اور اسی طرح کی دیگر اشیاء، ''زیلعی''۔ اور اس نے اپنے ثلث مال کی اپنی ام ولد لونڈیوں کے لیے اور ان کی تعداد تین ہے، اور فقرا اور مساکین کے لیے وصیت کی تو ثلث مال کے پانچ حصوں میں سے تین حصے ام ولد لونڈیوں کے لیے ہوں گے۔ اور ان میں سے ایک حصہ فقرا کے لیے اور ایک حصہ مساکین کے لیے ہوگا۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے سات حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ کیونکہ لفظ فقرا اور مساکین جمع ہے اور اس کی اقل تعداد دو ہے۔ ہم کہتے ہیں: الف لام جنسی جمع کے معنی کو باطل کر دیتا ہے۔

سے ''صدر الشریعہ'' نے کہا ہے: ''ہدایہ'' کی عبارت دونوں صورتوں میں وصیت کے باطل ہونے پر دلالت کو زیادہ شامل ہے۔

36385۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ لَمْ يُضِفْهَا لِمَالِهِ) اور اسی طرح حکم ہے اگر وہ اسے اپنے مال کی طرف منسوب نہ کرے، اسی کے ساتھ اعتماد اور یقین کیا ہے اس کے باوجود کہ ''ہدایہ''، ''التبیین'' اور ''المنح'' میں یہ ہے انہوں نے کہا: کہا گیا ہے: وصیت صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ اس میں مصحح مال کی طرف اس کی اضافت کا ہونا ہے۔ اور اس کے بغیر صورۃ شاۃ اور اس کے معنی کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور بعض نے کہا ہے: وصیت صحیح ہے، کیونکہ جب اس نے شاۃ کا ذکر کیا حالانکہ اس کی ملک میں کوئی بکری نہیں تو اس سے معلوم ہو گیا کہ اس کی مراد مال ہی ہے، تامل۔

36386۔ (قولہ: وَأَقَلُّهُ اثْنَانِ) یعنی میراث میں جمع کا اقل عدد دو ہے، اور وصیت اخت میراث ہے (اس لیے اس میں بھی جمع کا اطلاق کم از کم دو پر ہوگا)، ''ابن کمال''۔

36387۔ (قولہ: تُبْطِلُ الْجَمْعِيَّةَ) یعنی الف لام جنسی جمعیت کو باطل کر دیتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ اسے نکرہ ۔۔۔ ہم نے اسی طرح کہا ہے جیسے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے، ''زیلعی''۔

تنبیہ

یہ وصیت ان ام ولد لونڈیوں کے لیے ہوگی جو اس کی موت کے ساتھ آزاد ہوں گی یا ان کے لیے جو اس کی زندگی میں آزاد ہوں گی اگر ان کے سوا اس کی امہات اولاد نہ ہوں، اور اگر اس کی دونوں قسم کی ہوں تو پھر وصیت ان کے لیے ہوگی جو اس کی موت کے ساتھ آزاد ہوں گی۔ کیونکہ عرف میں یہ اسم انہیں کے لیے ہے، اور جو اس کی زندگی میں آزاد ہو گئیں وہ موالی

(بِثُلُثِهِ لِزَيْدٍ وَلِلْمَسَاكِينِ لِزَيْدٍ نِصْفُهُ) وَلَهُمْ نِصْفُهُ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ أَثْلَاثًا كَمَا مَرَّ وَلَوْ أَوْصَى بِثُلُثِهِ لِزَيْدٍ وَلِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ قُسِّمَ أَثْلَاثًا عِنْدَ الْإِمَامِ وَأَنْصَافًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَأَخْمَاسًا عِنْدَ مُحَمَّدٍ اخْتِيَارٌ (وَلَوْ أَوْصَى لِلْمَسَاكِينِ كَانَ لَهُ صَرْفُهُ إِلَى مِسْكِينٍ وَاحِدٍ) وَقَالَ مُحَمَّدٌ لِاثْنَيْنِ عَلَى مَا مَرَّ، فَلَا يَجُوزُ صَرْفُ مَا لِلْمَسَاكِينِ لِأَقَلَّ مِنْ اثْنَيْنِ عِنْدَهُ، وَالْخِلَافُ فِيمَا إِذَا لَمْ يُشِرْ لِمَسَاكِينَ، فَلَوْ أَشَارَ إِلَى جَمَاعَةٍ وَقَالَ ثُلُثُ مَالِي لِهَذِهِ الْمَسَاكِينِ لَمْ يَجُزْ صَرْفُهُ لِوَاحِدٍ اتِّفَاقًا وَلَوْ أَوْصَى لِفُقَرَاءِ بَلْخَ فَأَعْطَى غَيْرَهُمْ جَازَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى خُلَاصَةٌ وَشُرُنْبُلَالِيَّةٌ (وَبِمِائَةٍ لِرَجُلٍ وَبِمِائَةٍ لِآخَرَ فَقَالَ لِآخَرَ أَشْرَكْتُكَ مَعَهُمَا

اس نے زید اور مساکین کے لیے اپنے ثلث مال کی وصیت کی تو زید کے لیے اس کا نصف ہوگا اور نصف مساکین کے لیے ہوگا، اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ تین حصوں میں تقسیم ہوگا جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور اگر اس نے اپنے ثلث مال کی زید، فقراء اور مساکین کے لیے وصیت کی تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے تین حصوں میں تقسیم کیا جائے، اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نصف نصف دو حصے کر کے اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پانچ حصے بنا کر اسے تقسیم کیا جائے ''اختیار''۔ اور اگر اس نے مساکین کے لیے وصیت کی تو وصی کے لیے اسے ایک مسکین پر صرف کرنا جائز ہے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: دو پر صرف کرنا لازم ہے اس دلیل کی بنا پر جو گزر چکی ہے۔ پس آپ کے نزدیک وہ مال جو مساکین کے لیے ہوا سے دو سے کم پر صرف کرنا جائز نہیں۔ اور یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب وہ مساکین کی طرف اشارہ نہ کرے، اور اگر اس نے جماعت کی طرف اشارہ کیا اور کہا: میرا ثلث مال ان مساکین کے لیے ہے تو پھر اسے ایک مسکین پر صرف کرنا بالاتفاق جائز نہیں۔ اور اگر اس نے ''بلخ'' کے فقراء کے لیے وصیت کی اور وصی نے وہ مال ان کے سوا دوسروں کو دے دیا تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ جائز ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ ''خلاصہ'' اور ''شرنبلالیہ''۔ اور اگر اس نے ایک سو کی ایک آدمی کے لیے اور ایک سو کی دوسرے آدمی کے لیے وصیت کی اور پھر ایک دوسرے کو کہا: میں نے تجھے ان دونوں کے ساتھ شریک کر دیا

ہیں امہات اولاد نہیں۔ بلاشبہ ان (امہات اولاد) کے نہ ہونے کی صورت میں وصیت ان (موالی) کی طرف پھیر دی جائے گی۔ کیونکہ وہ معدوم ہے جو ان کی نسبت اس اسم کا زیادہ مصداق ہے اس کی مکمل بحث ''زیلعی'' میں ہے۔

36388۔(قولہ: وَأَنْصَافًا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ) اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ نصف نصف ہوگی۔ کیونکہ فقراء اور مساکین معنی کی حیثیت سے ایک صنف (قسم) ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک حاجت کی خبر دیتا ہے، ''اختیار''۔ لیکن سابقہ مسئلہ میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی طرح ہے۔ پس یہاں فرق بیان کرنے کی ضرورت ہے، تامل۔

36389۔(قولہ: عَلَى مَا مَرَّ) یعنی جمع کے اقل افراد کا اعتبار کرتے ہوئے اور وہ دو ہیں۔

36390۔(قولہ: جَازَ) جائز ہے لیکن افضل ان تمام پر صرف کرنا ہے، ''خلاصہ''۔

لَهُ ثُلُثُ كُلِّ مِائَةٍ) لِتَسَاوِي نَصِيبِهِمَا فَأَمْكَنَتِ الْمُسَاوَاةُ فَلِكُلٍّ ثُلُثَا الْمِائَةِ (وَ) لَوْ (بِأَرْبَعِمِائَةٍ) مَثَلًا (لَهُ وَبِمِائَتَيْنِ لِآخَرَ فَقَالَ لِآخَرَ أَشْرَكْتُكَ مَعَهُمَا لَهُ نِصْفُ مَا لِكُلٍّ مِنْهُمَا) لِتَفَاوُتِ نَصِيبِهِمَا فَيُسَاوِي كُلًّا مِنْهُمَا (وَبِثُلُثِ مَالِهِ لِرَجُلٍ ثُمَّ قَالَ لِآخَرَ أَشْرَكْتُكَ أَوْ أَدْخَلْتُكَ مَعَهُ فَالثُّلُثُ بَيْنَهُمَا) لِمَا ذَكَرْنَا (وَإِنْ قَالَ لِوَرَثَتِهِ لِفُلَانٍ عَلَيَّ دَيْنٌ فَصَدِّقُوهُ فَإِنَّهُ يُصَدَّقُ) وُجُوبًا (إِلَى الثُّلُثِ) اسْتِحْسَانًا

میں نے تجھے ان دونوں کے ساتھ شریک کر دیا تو اس کے لیے ہر سو کا ثلث ہوگا، اس لیے کہ دونوں کا حصہ مساوی ہے اور مساوات ممکن ہے۔ پس ہر ایک کے لیے سو کے دو ثلث ہوں گے۔ اور اگر اس نے ایک آدمی کے لیے چار سو کی اور دوسرے کے لیے دو سو کی وصیت کی، پھر ایک دوسرے کو کہا: میں نے تجھے ان دونوں کے ساتھ شریک کر دیا تو اس کے لیے ان دونوں میں سے ہر ایک کے حصے کا نصف ہوگا، اس لیے کہ دونوں کا حصہ متفاوت ہے۔ پس وہ دونوں میں سے ہر ایک کے مساوی ہو جائے گا۔ اور اگر اپنے ثلث مال کے بارے ایک آدمی کے لیے وصیت کی، پھر دوسرے کو کہا: میں نے تجھے اس کے ساتھ شریک کر دیا یا اس کے ساتھ داخل کر دیا تو وہ ثلث ان کے درمیان برابر برابر ہوگا۔ اسی وجہ سے جو ہم نے پہلے ذکر کر دی ہے۔ اور اگر اس نے اپنے ورثا کو کہا: فلاں کا مجھ پر قرض ہے پس تم اس کی تصدیق کرنا تو بلاشبہ ثلث تک وجوب میں بطور استحسان اس کی تصدیق کی جائے گی

36391۔(قولہ: لِتَسَاوِي نَصِيبِهِمَا) ان دونوں کا حصہ مساوی ہونے کی وجہ سے۔ کیونکہ لغوی طور پر شرکت مساوات کے لیے ہوتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ (النساء:12) میں اسے مساوات پر محمول کیا گیا ہے، ''زیلعی''۔

36392۔(قولہ: لِتَفَاوُتِ نَصِيبِهِمَا) ان دونوں کا حصہ مختلف ہونے کی وجہ سے۔ پس تمام کے درمیان مساوات ممکن نہیں۔ لہٰذا ہم نے اسے تیسرے کے لیے ان دو میں سے ہر ایک کے ساتھ اس میں مساوی ہونے پر محمول کیا ہے جو اس نے اس کے لیے مقرر کیا ہے۔ پس وہ دونوں مالوں میں سے ہر ایک سے نصف لے گا۔ اور اگر اس نے زید کے لیے ایک لونڈی کی اور بکر کے لیے دوسری کی وصیت کی پھر ایک دوسرے کو کہا: میں نے تجھے ان دونوں کے ساتھ شریک کر دیا، تو اگر وہ دونوں قیمت کے اعتبار سے متفاوت ہوں تو بالاجماع اس کے لیے ہر ایک کا نصف ہوگا، اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسی طرح حکم ہے اگر وہ دونوں مساوی ہوں۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس کے لیے ہر ایک کا ثلث ہوگا، اس کی بنا غلام کی تقسیم اور عدم تقسیم پر ہے۔ ''زیلعی''، ملخصاً۔

36393۔(قولہ: لِمَا ذَكَرْنَا) یعنی اس وجہ سے جو ہم نے ممکنہ مساوات کا ذکر کیا ہے، ''طحطاوی''۔

36394۔(قولہ: فَصَدِّقُوهُ) پس تم اس کی تصدیق کرو، یہ فعل امر ہے۔

36395۔(قولہ: اسْتِحْسَانًا) یہ استحساناً ہے، اور قیاس یہ ہے: کہ اس کی تصدیق نہ کی جائے، کیونکہ یہ مجہول شے کا

بِخِلَافِ قَوْلِهِ (كُلُّ مَنْ ادَّعَى عَلَيَّ شَيْئًا فَأَعْطُوهُ) لِأَنَّهُ خِلَافُ الشَّرْعِ (إِلَّا أَنْ يَقُولَ إِنْ رَأَى الْوَصِيُّ أَنْ يُعْطِيَهُ فَيَجُوزُ مِنْ الثُّلُثِ) وَيَصِيرُ وَصِيَّةً وَلَوْ قَالَ مَا ادَّعَى فُلَانٌ مِنْ مَالِي فَهُوَ صَادِقٌ فَإِنْ سَبَقَ مِنْهُ دَعْوَى فِي شَيْءٍ مَعْلُومٍ فَهُوَ لَهُ وَإِلَّا لَا مُجْتَبَى (فَإِنْ أَوْصَى بِوَصَايَا مَعَ ذَلِكَ) أَيْ مَعَ قَوْلِهِ لِوَرَثَتِهِ لِفُلَانٍ عَلَيَّ دَيْنٌ فَصَدِّقُوهُ

بخلاف اس کے اس قول کے: جو کوئی مجھ پر کسی شے کا دعویٰ کرے تو تم اسے دے دینا۔ کیونکہ یہ خلاف شرع ہے مگر یہ کہ وہ یہ کہے: اگر وصی اسے دینا مناسب سمجھے تو ثلث سے دینا جائز ہے اور وہ وصیت ہو جائے گی۔ اور اگر وہ کہے: جو فلاں نے میرے مال سے دعویٰ کیا تو وہ سچا ہے۔ پس اگر اس سے قبل معلوم شے میں اس کی طرف سے دعویٰ موجود ہو تو وہ شے اس کے لیے ہوگی، اور اگر پہلے دعویٰ موجود نہ ہو تو وہ اس کے لیے نہ ہوگی، ''مجتبیٰ''۔ پس اگر اس نے ورثا کے لیے اپنے اس قول: ''لفلان علیّ دَینٌ فصدِّقوہ'' کے ساتھ ساتھ چند وصیتیں کیں

اقرار ہے اگرچہ صحیح بھی ہو اس پر بغیر بیان اور وضاحت کے حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اور اس کا قول: فصدِّقوہ شرع کے مخالف صادر ہوا ہے۔ کیونکہ بغیر حجت اور دلیل کے دعویٰ کی تصدیق نہیں کی جا سکتی۔ اور وجہ استحسان یہ ہے: اصل حق دین (قرض) ہے اور اس کی مقدار بطریق وصیت ثابت ہو رہی ہے، ''حلبی''۔

36396۔ (قولہ: لِأَنَّهُ خِلَافُ الشَّرْعِ) کیونکہ یہ خلاف شرع ہے۔ یہ اس کی تعلیل ہے جو ان کے قول: بخلاف من انہ باطلٌ (بخلاف اس کے کہ یہ باطل ہے) سے مستفاد ہے، ''طحطاوی''۔ اور یہاں موصی لہ کے مجہول ہونے کی وجہ سے وجہ استحسان کا ذکر نہیں کیا۔

36397۔ (قولہ: وَيَصِيرُ وَصِيَّةً) اور وہ وصیت ہو جائے گی۔ کیونکہ اس نے اسے موصی کی رائے کے سپرد کر دیا ہے۔ ''مصنف'' نے اسے بیان کیا ہے۔ اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وصیت مفوضہ صحیح ہوتی ہے اگرچہ اس کا صاحب (موصی) مجہول ہو، اور ہم نے اسے اول کتاب میں ذکر کیا ہے۔

36398۔ (قولہ: فَإِنْ سَبَقَ مِنْهُ دَعْوَى) یعنی اگر اقرار کرنے والے کی زندگی میں اسکی طرف سے دعویٰ ہو، ''طحطاوی''۔

36399۔ (قولہ: فَهُوَ لَهُ) تو وہ شے اس کے لیے ہوگی، اور یہ اس کی طرف سے اس شے کا اقرار ہوگا جس کے بارے اس نے دعویٰ کیا ہے، ''طحطاوی''۔ پس وہ تمام مال سے ہوگا۔ لیکن جو ''حلبی'' کا قول ہے: وہ ثلث سے ہوگا، اس کا دارومدار مقِرّ کی موت کے بعد دعویٰ پر ہے، اور اس میں نظر ہے۔ اور اسی لیے علامہ ''طحطاوی'' نے کہا ہے: ادعی کی تاویل یدعی سے کرنا لفظ سے فوراً ذہن میں آنے کے خلاف ہے بخلاف پہلی صورت کے۔ کیونکہ اس نے اس پر دین ثابت کیا ہے اور اس نے اس کی مقدار ورثا کے سپرد کر دی ہے۔

36400۔ (قولہ: وَإِلَّا لَا) ورنہ اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی، اور یہ تفصیل ''ابو اللیث'' نے بیان کی ہے، اور ذکر کیا

(عُزِلَ الثُّلُثُ لِأَصْحَابِ الْوَصَايَا وَالثُّلُثَانِ لِلْوَرَثَةِ وَقِيلَ لِكُلٍّ) مِنْ أَصْحَابِ الْوَصَايَا وَالْوَرَثَةِ (صَدِّقُوهُ فِيمَا شِئْتُمْ وَمَا بَقِيَ مِنَ الثُّلُثِ فَلِلْوَصَايَا) وَالدَّيْنُ وَإِنْ كَانَ مُقَدَّمًا عَلَى الْحَقَّيْنِ إِلَّا أَنَّهُ مَجْهُولٌ وَطَرِيقُ تَعْيِينِهِ مَا ذَكَرَ فَيُؤْخَذُ الْوَرَثَةُ بِثُلُثَيْ مَا أَقَرُّوا بِهِ وَالْمُوصَى لَهُمْ بِثُلُثِ مَا أَقَرُّوا بِهِ وَمَا بَقِيَ فَلَهُمْ

تو تہائی مال اصحاب وصایا کے لیے اور دو تہائی ورثا کے لیے الگ الگ کر دیا جائے، اور اصحاب وصایا اور ورثا میں سے ہر ایک کو کہا جائے گا: تم اس مدعی کی جتنی مقدار میں چاہو تصدیق کرو، اور ثلث میں سے جو باقی بچے گا وہ اصحاب وصایا کے لیے ہوگا، اور دین اگرچہ دونوں حقوں پر مقدم ہے مگر وہ مجہول ہے۔ اور اس کے تعین کا طریقہ وہی ہے جو ذکر کیا ہے۔ پس اس کی جتنی مقدار کا ورثا نے اقرار کیا وہ دو ثلث سے لیا جائے گا اور جس کا اصحاب وصایا نے اقرار کیا وہ ایک ثلث سے لیا جائے گا، اور جو باقی بچے گا وہ انہی کے لیے ہوگا۔

ہے کہ مسئلہ میں کوئی روایت نہیں ہے۔ اسی کو ''الکفایہ'' میں بیان کیا ہے۔

36401_(قولہ: عُزِلَ الثُّلُثُ الخ) وہ ثلث کو اصحاب وصایا کے لیے الگ کرے۔ کیونکہ وصایا ثلث میں معلوم حقوق ہیں اور میراث دو ثلث میں معلوم ہے، اور یہ نہ دین معلوم ہے اور نہ ہی وصیت معلومہ ہے، پس یہ معلوم کے مزاحم نہیں ہو سکتی، لہٰذا ہم نے معلوم کے عزل اور الگ کرنے کو مقدم کیا'' زیلعی''۔

36402_(قولہ: وَمَا بَقِيَ مِنَ الثُّلُثِ فَلِلْوَصَايَا) اور جو ثلث سے باقی بچا تو وہ وصایا کے لیے ہوگا۔ متن میں صرف اسی پر اقتصار کرنا مراد اور مقصود کو پورا نہیں کرتا، پس اس پر اس تفصیل کے ذکر کی حاجت تھی جسے ''شارح'' نے اپنے قول: فیؤخذ الخ کے ساتھ ذکر کیا ہے جیسا کہ ''ملتقی''، ''الدرر'' اور ''الاصلاح'' میں کیا ہے۔

36403_(قولہ: وَالدَّيْنُ الخ) یہ ایک سوال کا جواب ہے: وہ یہ ہے کہ یہ دین کے بارے اقرار ہے اور دین ورثہ کے حق اور اصحاب وصایا کے حق پر مقدم ہے تو پھر ان دونوں کے الگ کرنے کو اس پر کیوں مقدم کیا؟

36404_(قولہ: مَا ذَكَرَ) یعنی فریقین کی تصدیق میں سے جو ذکر کیا ہے۔

36405_(قولہ: فَيُؤْخَذُ الْوَرَثَةُ بِثُلُثَيْ مَا أَقَرُّوا بِهِ الخ) پس ورثا کے دو ثلث سے وہ لیا جائے گا جس کے بارے انہوں نے اقرار کیا؛ کیونکہ جب ہر فریق نے ایک حصہ کا اقرار کیا ہے تو ظاہر ہے کہ ترکہ میں دین دونوں حصوں میں مشترک ہے۔ پس ان سے دین اسی حساب سے لیا جائے گا جو ترکہ میں سے ان کے پاس ہے'' عینی'' وغیرہ۔

36406_(قولہ: وَمَا بَقِيَ فَلَهُمْ) یعنی ثلث میں سے جو باقی بچا تو وہ اصحاب وصایا کے لیے ہوگا، اور دو ثلث میں سے جو باقی بچا وہ ورثا کے لیے ہوگا، یہاں تک کہ اگر موصی لہم نے کہا: دین سو ہے تو مقرّ لہٗ کو اس کا ثلث اس میں سے دیا جائے گا جو ان کے پاس ہے، پھر اگر کوئی شے باقی بچی تو وہ ان کے لیے ہوگی اور اگر نہ بچی تو کچھ نہیں ہوگا'' اتقانی''۔

وَيَحْلِفُ كُلٌّ عَلَى الْعِلْمِ لَوْ ادَّعَى الزِّيَادَةَ قُلْتُ بَقِيَ لَوْ كَانَتْ الْوَصَايَا دُونَ الثُّلُثِ هَلْ يُعْزَلُ الثُّلُثُ كُلُّهُ أَمْ بِقَدْرِ الْوَصَايَا؟ لَمْ أَرَهُ وَبَقِيَ أَيْضًا هَلْ يَلْزَمُهُمْ أَنْ يُصَدِّقُوهُ فِي أَكْثَرَ مِنْ الثُّلُثِ يُرَاجَعُ ابْنُ الْكَمَالِ بِهِ

اور ہر فریق اپنے علم پر قسم کھائے گا اگر مدعی نے زیادہ مقدار کا دعویٰ کیا۔ میں کہتا ہوں: باقی رہا یہ مسئلہ کہ اگر وصایا کی مقدار تہائی مال سے کم ہو تو کیا مکمل ثلث الگ کیا جائے گا یا وصیتوں کی مقدار؟ میں نے اسے کہیں نہیں دیکھا۔ اور یہ مسئلہ بھی باقی ہے کہ کیا ان پر لازم ہے کہ وہ ثلث سے زیادہ مقدار میں اس کی تصدیق کریں؟ تو اس کے لیے ''ابن کمال'' کی طرف رجوع کیا جائے۔

36407۔ (قولہ: عَلَى الْعِلْمِ) یعنی اس طرح کہ وہ یہ نہیں جانتے کہ اس کے لیے اس سے زیادہ ہے۔ ''زیلعی'' نے کہا ہے: کیونکہ یہ غیر کے فعل پر حلف اٹھانا ہے یعنی اس معاملے پر جو مدعی اور میت کے درمیان جاری ہے نہ کہ اس کے ذاتی فعل پر، لہٰذا وہ یقین (بتّات) پر قسم نہیں اٹھائے گا۔

36408۔ (قولہ: قُلْتُ بَقِيَ الخ) اس کا منشا یہ ہے کہ ''مصنف'' کا قول: كغيره عزل الثلث لأصحاب الوصايا اس بارے میں ظاہر ہے کہ وصایا ثلث کو مستغرق ہیں، اور اسی کے بارے ''زیلعی'' اور ''ابن کمال'' نے تصریح کی ہے جیسا کہ اشکال میں آئے گا، پس اس سے اس کا حکم معلوم نہیں ہوا جب وہ ثلث سے کم ہوں۔ ہاں اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ ان (وصایا) کی مقدار کے برابر الگ کرے، باقی یہ ہے کہ جب وہ اس سے صرف وصایا کی مقدار ہی الگ کرے۔ اور کہا گیا ہے: اصحاب وصایا اور ورثا میں سے ہر ایک کے لیے کہ تم جتنی مقدار میں چاہو اس کی تصدیق کرو، تو ان میں سے ہر فریق سے کتنا لیا جائے گا؟ علامہ ''طحطاوی'' نے ذکر کیا ہے کہ قیاس وہی ہے جو انہوں نے سابقہ مسئلہ میں ذکر کیا ہے کہ وہ اس کی طرف دیکھے جو تمام کے قبضہ میں ہے، اور جتنی مقدار میں انہوں نے تصدیق کی وہی حصص کی مقدار کے مطابق لازم ہوگی۔

میں کہتا ہوں: یہ مسئلہ بھی باقی ہے کہ اصحاب وصایا سے جو لیا جائے گا کیا وہ اپنی وصایا کی تکمیل کے لیے اس کے بارے ترکہ کے ثلث کی طرف رجوع کریں گے، اس پر بنا کرتے ہوئے کہ جو مقرّ لہ نے لیا ہے وہ دین ہے جو دونوں فریقوں کے اقرار کے بعد ترکہ میں مشترکہ طور پر ثابت ہے جیسا کہ ''عینی'' سے گزر چکا ہے، اور جو ثلث سے باقی بچا اس سے ان کی وصایا کو مکمل کیا جائے گا بخلاف سابقہ مسئلہ کے؛ کیونکہ اس میں وصایا ثلث کو محیط ہوں یا نہ ہوں وہ اس کے ساتھ رجوع نہیں کر سکتے؛ کیونکہ اس میں جو کچھ مقرّ لہ لیتا ہے وہ ان کے حق میں وصیت ہے جیسا کہ ''اتقانی'' نے سابقہ مسئلہ میں اس کی تصریح کی ہے؟ میں نے اسے نہیں دیکھا، پس تو غور و فکر کر لے۔

36409۔ (قولہ: وَبَقِيَ أَيْضًا هَلْ يَلْزَمُهُمْ) یہ بھی باقی ہے کہ کیا یہ ان پر لازم ہے۔ یہ کہنا زیادہ اولیٰ اور بہتر ہے: كيف يلزمهم، ان پر کیسے لازم ہو سکتا ہے، اور یہ ورثا کے وصایا کے لیے ثلث الگ کرنے کے بعد اس کی تصدیق کے ساتھ ان پر لازم کرنے پر اشکال کا اظہار ہے۔ اور ان کا قول يراجع ''ابن کمال''۔ بہ (اس کے بارے ''ابن کمال'' کی طرف رجوع کیا جائے گا) بلا شبہ انہوں نے اس سبب کے بارے جس میں ''شارح'' نے توقف کیا ہے اسی طرح کہا ہے جیسے ہم نے

(وَلِأَجْنَبِيٍّ وَوَارِثِهِ أَوْ قَاتِلِهِ نِصْفُ الْوَصِيَّةِ وَبَطَلَ وَصِيَّتُهُ لِلْوَارِثِ وَالْقَاتِلِ) لِأَنَّهُمَا مِنْ أَهْلِ الْوَصِيَّةِ عَلَى مَا مَرَّ، وَلِذَا تَصِحُّ بِإِجَازَةِ الْوَارِثِ (بِخِلَافِ مَا إِذَا أَقَرَّ بِعَيْنٍ أَوْ دَيْنٍ لِوَارِثِهِ وَلِأَجْنَبِيٍّ) حَيْثُ (لَا يَصِحُّ فِي حَقِّ الْأَجْنَبِيِّ أَيْضًا) لِأَنَّهُ إِقْرَارٌ بِعَقْدٍ سَابِقٍ بَيْنَهُمَا،

اور اجنبی اور اپنے وارث یا اپنے قاتل کے لیے وصیت کی تو وصیت کا نصف اجنبی کے لیے ہوگا اور وارث اور قاتل کے لیے اس کی وصیت باطل ہوگی؛ کیونکہ یہ دونوں اہل وصیت میں سے ہیں اس اصل کے مطابق جو گزر چکا ہے، اسی لیے وارث کی اجازت کے ساتھ وصیت صحیح ہوتی ہے، بخلاف اس کے کہ جب وہ اپنے وارث اور اجنبی کے لیے کسی عین یا دین کے بارے اقرار کرے، اس حیثیت سے کہ وہ اجنبی کے حق میں بھی صحیح نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ ان دونوں کے درمیان عقد سابق کے ساتھ اقرار ہے،

اسے قرار دیا ہے، فافہم۔ اور ''ابن کمال'' کی عبارت ہے: کہا گیا ہے: یہ اس حیثیت سے مشکل ہے کہ ورثا ثلث تک اس کی تصدیق کرتے رہے ہیں اور ان پر لازم نہیں کہ وہ ثلث سے زیادہ میں اس کی تصدیق کریں۔ اور یہاں ان پر لازم قرار دیا ہے کہ وہ ثلث سے زیادہ میں اس کی تصدیق کریں؛ کیونکہ اصحاب وصایا نے ثلث اس تقدیر پر لیا ہے کہ وصایا پورے ثلث کو محیط اور مستغرق ہیں اور ثلث میں سے کوئی شے ان کے پاس باقی نہیں ہے۔ پس واجب ہے کہ اس کی تصدیق کرنا ان پر لازم نہ ہو۔ اور ان کا قول من حیث ان الورثۃ کانوا الخ: یعنی یہ اس مسئلہ میں ہے جب وہ اقرار کے ساتھ وصایا کے بارے کوئی وصیت نہ کرے، اور ان کا قول وھنا: یہ اس بارے میں ہے کہ جب وہ اقرار کے ساتھ وصایا کے بارے وصیت کرے، اور اصل اشکال امام ''زیلعی'' کا ہے۔ اور علامہ ''مقدسی'' نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ یہ اس لیے ہے کہ مقر بہ (جس شے کا اقرار کیا جائے) کی دو مشابہتیں ہیں۔ ایک مشابہت وصیت کے ساتھ ہے اس لیے کہ اس کے مخرج سے وہ ثلث ہے، اور ایک مشابہت دین (قرض) کے ساتھ ہے اس لیے کہ اس نے اسے دین کا نام دیا ہے، پس وہ صورۃً دین ہے اور معنیً وصیت ہے، لہٰذا اس میں وصیت نہ ہونے کے وقت وصیت کی مشابہت کی رعایت رکھی گئی ہے، اور وصیت کی موجودگی میں شبہ دین کا لحاظ رکھا گیا ہے؛ کیونکہ تخصیص اسی پر ہے، اس کے باوجود کہ دلیل مغائرت موجود ہے۔ پس ورثا اور موصی لہٗ کی جانب کا لحاظ رکھنے کے ساتھ ثلث سے زائد کے بارے اس کی تصدیق کی گئی ہے اس حیثیت سے کہ اس نے اس بارے ان کے علم پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی مشیت کے ساتھ اسے معلق کیا ہے، اور وہ اپنے مورث کے ذمہ کو نجات اور خلاصی دینے میں انتہائی کوشاں ہیں، اور علامہ ''قاضی زادہ'' نے ایسا جواب دیا ہے جسے ''شرنبلالی'' نے رد کیا ہے، اور اس اشکال کا ایک دوسرا جواب دیا ہے جو ''مقدسی'' کے جواب کے قریب ہے۔ پس تم ''حاشیہ حلبی'' سے دونوں کی طرف رجوع کرو۔

36410_(قولہ: عَلَى مَا مَرَّ) یعنی اس بنا پر جو اصل سابق سے گزر چکا ہے۔

36411_(قولہ: لِأَنَّهُ إِقْرَارٌ بِعَقْدٍ سَابِقٍ بَيْنَهُمَا الخ) کیونکہ یہ دونوں کے درمیان ہونے والے عقد سابق کا اقرار ہے الخ، میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس طرح علت بیان کی ہو، اور اس میں نظر ہے؛ کیونکہ اقرار اقرار کرنے والے

فَإِذَا لَغَا بَعْضُهُ لَغَا بَاقِيهِ ضَرُورَةً قِيلَ هَذَا إِذَا تَصَادَقَا فَإِنْ أَنْكَرَ أَحَدُهُمَا شَرِكَةَ الْآخَرِ صَحَّ إِقْرَارُهُ فِي حِصَّةِ الْأَجْنَبِيِّ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَعِنْدَهُمَا تَبْطُلُ فِي الْكُلِّ لِمَا قُلْنَا زَيْلَعِيٌّ (وَلَوْ أَوْصَى (بِثِيَابٍ مُتَفَاوِتَةٍ) جَيِّدٍ وَوَسَطٍ وَرَدِيءٍ (لِثَلَاثَةِ) أَنْفُسٍ لِكُلِّ مِنْهُمْ بِثَوْبٍ (فَضَاعَ) مِنْهَا (ثَوْبٌ وَلَمْ يَدْرِ) أَيْ هُوَ (وَالْوَارِثُ يَقُولُ لِكُلِّ مِنْهُمْ هَلَكَ حَقُّكَ بَطَلَتْ) الْوَصِيَّةُ لِجَهَالَةِ الْمُسْتَحِقِّ

تو جب اس کا بعض لغو ہو گیا تو باقی بھی بالضرور لغو ہو جائے گا۔ کہا گیا ہے: یہ حکم تب ہے جب دونوں ایک دوسرے کی تصدیق کریں۔ اور اگر ان میں سے ایک دوسرے کی شرکت کا انکار کر دے تو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اجنبی کے حصہ میں اس کا اقرار صحیح ہے، اور ''شیخین'' رحمہما اللہ کے نزدیک کل میں وصیت باطل ہو جائے گی اسی وجہ سے جو ہم نے بیان کی ہے، ''زیلعی''۔ اور اگر اس نے متفرق یعنی جید، وسط اور ردی (گھٹیا) کپڑوں کے بارے میں تین آدمیوں کے لیے وصیت کی، اس طرح کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک کپڑا ہوگا۔ پھر ان میں سے ایک کپڑا ضائع ہو گیا، اور یہ معلوم نہ ہوا کہ وہ کونسا ہے، اور موصی کا وارث ان میں سے ہر ایک سے کہتا ہے: تیرا حق ضائع ہو گیا ہے تو مستحق کے مجہول ہونے کی وجہ سے وصیت باطل ہو جائے گی

اور مقرلہ کے درمیان پہلے عقد ہونے کا تقاضا نہیں کرتا، البتہ یہ مقرلہ کے لیے پہلے ملکیت ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ بلاشبہ علت وہ ہے جو ''قاضی خان'' کی ''جامع صغیر'' کی ''شرح'' میں ہے۔ جہاں انہوں نے کہا: اقرار اور وصیت کے درمیان فرق یہ ہے کہ اقرار اخبار (خبر دینا) ہے۔ پس اگر اجنبی کے لیے اس کا اقرار صحیح ہے تو مخبر بہ (جس کی خبر دی گئی) ثابت ہو گیا اور وہ دین مشترک ہے؛ کیونکہ اس نے مشترک دین کے بارے اقرار کیا ہے اور وہ اس طرح ثابت ہو گیا۔ پس اجنبی جو بھی شے لے گا وارث کا اس میں حق مشارکت ہوگا، اور وہ وارث کے لیے اقرار ہو جائے گا، رہی وصیت! تو وہ دونوں کے لیے نئی تملیک ہے، لہٰذا دونوں میں سے ایک کی تملیک کا باطل ہونا دوسرے کی تملیک کو باطل نہیں کرتا، اسی طرح ''ہدایہ'' اور ''زیلعی'' میں ہے۔

اگر کسی نے جید، وسط اور ردی کپڑوں کی تین آدمیوں کے لیے وصیت کی تو اس کا حکم

36412۔ (قولہ: لِثَلَاثَةِ أَنْفُسٍ الخ) تین آدمیوں کے لیے الخ اس طرح کہ اس نے کہا: زید کے لیے عمدہ ہے، عمرو کے لیے درمیانہ ہے، اور بکر کے لیے ردی ہے، ''اتقانی''۔

36413۔ (قولہ: فَضَاعَ مِنْهَا ثَوْبٌ) پس ان میں سے ایک کپڑا موصی کے فوت ہونے کے بعد ضائع ہو گیا۔ اسے ''طحطاوی'' نے ''شلبی'' سے نقل کیا ہے۔

36414۔ (قولہ: وَالْوَارِثُ يَقُولُ لِكُلِّ مِنْهُمْ هَلَكَ حَقُّكَ) اور وارث ان میں سے ہر ایک کو کہتا ہے: تیرا حق ضائع ہو گیا، یعنی یہ احتمال ہے کہ ضائع ہونے والا تیرا حق ہو، اس تعبیر میں تسامح ہے، ورنہ تمام کا حق ضائع ہونے کا تصور اس صورت میں کیا جا سکتا ہے جب تینوں کپڑے ضائع ہوں، اور اگر ایسا نہیں تو پھر یہ کذب اور جھوٹ ہے۔ تعبیر میں اولیٰ اور بہتر وہ ہے جو ''جامع صغیر'' کی شروح میں ہے کہ وارث کے انکار سے مراد یہ ہے کہ وہ کہہ رہا ہے: تم میں سے ایک کا حق باطل ہو گیا

كَوَصِيَّةٍ لِأَحَدِ هَذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ (إِلَّا أَنْ يَتَسَامَحُوا وَيُسَلِّمُوا مَا بَقِيَ مِنْهُمَا) فَتَعُودَ صَحِيحَةً لِزَوَالِ الْمَانِعِ وَهُوَ الْجُحُودُ فَتُقْسَمُ (لِذِي الْجَيِّدِ ثُلُثَاهُ وَلِذِي الرَّدِيءِ ثُلُثَاهُ وَلِذِي الْوَسَطِ ثُلُثُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا) لِأَنَّ التَّسْوِيَةَ بِقَدْرِ الْإِمْكَانِ

جیسا کہ یہ وصیت باطل ہوتی ہے جب وہ کہے: میں نے ان دو آدمیوں میں سے ایک کے لیے وصیت کی، مگر یہ کہ وہ نرمی اور درگزر کریں اور ان میں سے مابقی کو تسلیم کریں تو مانع جو کہ انکار ہے وہ زائل ہونے کی وجہ سے وصیت صحیح ہو جائے گی اور جید (عمدہ) والے کو اس کپڑے کے دو ثلث اور ردی والے کو اس کے کپڑے کے دو ثلث اور متوسط والے کو دونوں میں سے ہر ایک کا ایک ثلث دیا جائے گا؛ کیونکہ مساوات بقدر امکان ہی ہوتی ہے۔

ہے، اور میں نہیں جانتا کس کا حق باطل ہوا ہے اور کس کا حق باقی رہا ہے، لہٰذا ہم تمہیں کوئی شے نہیں دیں گے۔ اسے ''الطوری'' نے بیان کیا ہے۔

36415_(قولہ: كَوَصِيَّةٍ الخ) اس میں بطلان کا قول ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے جیسا کہ وصایا الذمی سے تھوڑا پہلے آئے گا۔

36416_(قولہ: وَيُسَلِّمُوا) اور ورثا حوالے کر دیں، اور یہ مسبب کا عطف سبب پر ہے، ''طحطاوی''۔

36417_(قولہ: لِزَوَالِ الْمَانِعِ) یعنی اس مانع کے زائل ہونے کی وجہ سے جو تسلیم (حوالے کرنے) سے مانع ہے نہ کہ صحیح ہونے کے مانع ہے؛ کیونکہ اس سے مانع جہالت ہے اور وہ باقی ہے، تامل۔

36418_(قولہ: وَهُوَ الْجُحُودُ) اور وہ ورثا کا تمام کے حق کے باقی ہونے کا انکار کرنا ہے۔

36419_(قولہ: فَتُقْسَمُ لِذِي الْجَيِّدِ الخ) یعنی جو نفس الامر میں جید اور عمدہ ہے اس کے دو تہائی جید والے کو دیئے جائیں گے، اور ''مصنف'' کا قول: ثلثاہ سے مراد یہ ہے کہ باقی رہ جانے والے دونوں کپڑوں میں سے جو عمدہ ہے اس کے دو ثلث، پس اس میں شبہ استخدام ہے، اور اسی طرح اس کے مابعد میں بھی ہے۔ اسے ''طحطاوی'' نے بیان کیا ہے۔

اور اس تقسیم کی وجہ یہ ہے کہ درمیان والے کا باقی بچ جانے والے دونوں کپڑوں میں سے عمدہ کپڑے میں حق ہے اگر ضائع ہونے والا کپڑا ان دونوں سے اعلیٰ اور عمدہ ہو۔ اور اگر وہ ان دونوں کی نسبت ردی ہو، تو پھر اس کا حق ان دونوں میں سے ردی میں ہے، پس اس کا حق ایک مرتبہ ایک سے متعلق ہے اور دوسری مرتبہ دوسرے سے؛ اور اگر ضائع ہونے والا کپڑا درمیانہ ہو تو پھر اس کا دونوں میں کوئی حق نہیں۔ پس اس کا حق ایک حال میں باقی بچ جانے والے دونوں کپڑوں میں سے ہر ایک کے ساتھ متعلق ہے اور دو حال میں متعلق نہیں۔ لہٰذا وہ دونوں میں سے ہر ایک کا ثلث لے گا، اور جید والا ان دونوں میں سے جید کا دعویٰ کرتا ہے نہ کہ ردی کا؛ کیونکہ اس کا اس میں قطعاً کوئی حق نہیں، اور ردی والا صرف ردی کا دعویٰ کرتا ہے نہ کہ جید کا، پس جید کے دو ثلث جید والے کو دیئے جائیں گے اور ردی کے دو ثلث ردی والے کو دیئے جائیں گے، یہ ''شرح الجامع الخانی'' سے منقول ہے۔

وَلَوْ أَوْصَى أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ (بِبَيْتٍ مُعَيَّنٍ مِنْ دَارٍ مُشْتَرَكَةٍ وَقُسِمَ وَوَقَعَ فِي حَظِّهِ فَهُوَ لِلْمُوصَى لَهُ وَإِلَّا يَقَعْ فِي حَظِّهِ (فَلَهُ مِثْلُ ذَرْعِهِ) صَرَّحَ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ وَغَيْرُهُ بِوُجُوبِ الْقِسْمَةِ فَلَوْ قَالَ قُسِمَ فَإِنْ وَقَعَ إِلَخْ لَكَانَ أَوْلَى (وَالْإِقْرَارُ بِبَيْتٍ مُعَيَّنٍ مِنْ دَارٍ مُشْتَرَكَةٍ مِثْلُهَا) أَيْ مِثْلُ الْوَصِيَّةِ فِي الْحُكْمِ الْمَذْكُورِ (وَبِأَلْفٍ عُيِّنَ) أَيْ مُعَيَّنٍ بِأَنْ كَانَتْ وَدِيعَةً عِنْدَ الْمُوصِي (مِنْ مَالِ آخَرَ فَأَجَازَ رَبُّ الْمَالِ الْوَصِيَّةَ بَعْدَ مَوْتِ

اور اگر دو شریکوں میں سے ایک نے مشترکہ دار میں سے ایک معین کمرہ کی وصیت کی اور اسے تقسیم کیا گیا اور وہ کمرہ موصی کے حصہ میں آیا تو وہ موصی لہ کے لیے ہوگا، اور اگر وہ اس کے حصہ میں واقع نہ ہوا تو پھر موصی لہ کے لیے اس کی مثل (برابر) جگہ ہو گی۔ ''صدر الشریعہ'' وغیرہ نے تقسیم واجب ہونے کے بارے تصریح کی ہے۔ پس اگر ''مصنف'' اس طرح کہتے: ''قُسِمَ فان وقع الخ'' (اسے تقسیم کیا جائے پس اگر وہ اس کے حصہ میں واقع ہوا لخ) تو زیادہ بہتر ہوتا، اور مشترکہ دار میں سے معین کمرہ کے بارے اقرار کرنا بھی حکم میں وصیت کی مثل ہے۔ اور اس نے معین ہزار کے بارے وصیت کی جو کہ موصی کے پاس بطور ودیعت دوسرے کے مال سے پڑے تھے۔ پس اگر موصی کے فوت ہونے کے بعد مال کے مالک نے وصیت کو جائز قرار دیا

36420۔ (قولہ: وَقُسِمَ) اور اسے زندہ اور میت کے ورثا کے درمیان تقسیم کیا گیا۔ ''قاضیخان'' اور و قُسِمَتْ کہنا زیادہ درست ہے جیسا کہ ''ابن کمال'' وغیرہ نے تعبیر کیا ہے، کیونکہ اس میں ضمیر دار کے لیے ہے۔

36421۔ (قولہ: وَوَقَعَ) اور وہ کمرہ میت کے حصہ میں واقع ہوا۔

36422۔ (قولہ: فَهُوَ لِلْمُوصَى لَهُ) تو وہ ''شیخین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک موصی لہ کے لیے ہوگا۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا نصف موصی لہ کے لیے ہوگا، اور اگر وہ دوسرے کے حصہ میں واقع ہوا تو پھر نصف کمرے کے ذراع (گز) کی مثل اس کے لیے ہوگا۔ اور ہر ایک کی دلیل تقسیم کی کیفیت کے بیان کے ساتھ ہے۔ اسے ''زیلعی'' نے وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور ''الاتقانی'' اور ''سعدی'' نے اس کی تحقیق کی ہے۔

36423۔ (قولہ: لَكَانَ أَوْلَى) تو بہتر تھا، کیونکہ فقہاء کے کلام میں اخبار وجوب کے لیے ہوتا ہے۔

36424۔ (قولہ: وَالْإِقْرَارُ) اگر کالاقرار کہتے اور اپنا قول مثلھا حذف کر دیتے جیسا کہ ''الدرر'' اور ''الاصلاح'' میں تعبیر کیا ہے تو یہ زیادہ اولیٰ اور بہتر ہوتا۔ کیونکہ اصح یہ ہے کہ یہ مسئلہ وفاقیہ ہے جیسا کہ ''الشرنبلالیہ'' نے ''الکافی'' سے نقل کیا ہے۔ پس مناسب یہ ہے کہ مسئلہ خلافیہ اس کے مشابہ ہو جیسا کہ عادت ہے نہ کہ اس کا برعکس۔

36425۔ (قولہ: وَبِأَلْفٍ عُيِّنَ) اس طرح کہ وہ کہے: میں نے اس ہزار کے بارے فلاں کے لیے وصیت کی ہے، اور اسے ودیعت ہونے کے ساتھ مقید کرنا میں نے کسی غیر کو اس طرح نہیں دیکھا۔

36426۔ (قولہ: مِنْ مَالِ آخَرَ) یعنی دوسرے آدمی کے مال سے یہ الف کی صفت ہے، اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب وہ ہزار کو اس کے ساتھ معین نہ کرے اس طرح کہ وہ کہے: میں نے زید کے مال سے ہزار کی وصیت کی تو یہ بالکل صحیح نہیں

الْمُوصِي وَدَفَعَهُ) إلَيْهِ (صَحَّ وَلَهُ الْمَنْعُ بَعْدَ الْإِجَازَةِ) لِأَنَّ إجَازَتَهُ تَبَرُّعٌ فَلَهُ أَنْ يَمْتَنِعَ مِنْ التَّسْلِيمِ وَأَمَّا بَعْدَ الدَّفْعِ فَلَا رُجُوعَ لَهُ شَرْحُ تَكْمِلَةٍ (بِخِلَافِ مَا إذَا أَوْصَى بِالزِّيَادَةِ عَلَى الثُّلُثِ أَوْ لِقَاتِلِهِ أَوْ لِوَارِثِهِ فَأَجَازَتْهَا الْوَرَثَةُ) حَيْثُ لَا يَكُونُ لَهُمْ الْمَنْعُ بَعْدَ الْإِجَازَةِ بَلْ يُجْبَرُوا عَلَى التَّسْلِيمِ لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ الْمُجَازَ لَهُ يَتَمَلَّكُهُ مِنْ قِبَلِ الْمُوصِي عِنْدَنَا،

اور وہ اسے (موصی لہ کو) دے دیئے تو یہ صحیح ہے اور اجازت دینے کے بعد بھی اسے روکنے کا حق حاصل ہے؛ کیونکہ اس کی اجازت بطور تبرع اور احسان ہے، لہٰذا اسے اختیار ہے کہ وہ حوالے کرنے سے رک جائے، باز رہے۔ لیکن حوالے کرنے کے بعد اس کے لیے رجوع کا کوئی حق نہیں، ''شرح تکملہ''۔ بخلاف اس کے کہ جب وہ ثلث سے زیادہ کی وصیت کرے یا اپنے قاتل یا اپنے وارث کے لیے وصیت کرے اور ورثا اس کی اجازت دے دیں تو اجازت کے بعد انہیں روکنے کا حق حاصل نہیں ہوگا، بلکہ انہیں حوالے کرنے پر مجبور کیا جائے گا؛ اس لیے کہ یہ بات پختہ ہے کہ مجاز لہ (جس کے لیے اجازت دی جائے) ہمارے نزدیک موصی کی طرف سے اس کا مالک بنتا ہے،

ہوگی اگر چہ زید اجازت دے دے اور اس کے حوالے کر دے، اور چاہیے کہ اسے نقلاً تحریر کیا جائے۔

36427۔ (قولہ: وَدَفَعَهُ إلَيْهِ) یعنی وہ ہزار موصی لہ کو دے دے، کیونکہ اس کی اجازت تبرع اور احسان ہے۔ یعنی یہ قائم مقام ہبہ کے ہے۔ اور ہبہ حوالے کرنے کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، پس اگر وہ دے دے تو ہبہ مکمل ہو گیا، اور اگر نہ دے تو یہ مکمل نہیں۔ یہ ''شرح الجامع'' وغیرہ سے منقول ہے۔

36428۔ (قولہ: فَلَا رُجُوعَ لَهُ) تو اس کے لیے رجوع نہیں ہے، شاید یہ اس لیے ہے کہ یہ من کل الوجوہ ہبہ نہیں ہے جیسا کہ اسی کا فائدہ اس نے دیا ہے جسے ابھی ہم نے نقل کیا ہے۔ کیونکہ وصیت کا عقد صحیح ہے اور اجازت پر موقوف ہے۔ کیونکہ اگر یہ باطل ہو تو پھر یہ اجازت کے ساتھ نافذ نہ ہو، اور اسی پر وہ دلالت کرتا ہے جو ''الولوالجیہ'' میں ہے: اس نے فلاں کے لیے فلاں کے غلام کے بارے وصیت کی پھر وہ اس کا مالک بن گیا تو وصیت باقی رہے گی۔ لیکن ''زیلعی'' نے ذکر کیا ہے کہ وہ باقی نہیں رہے گی، ''تامل''۔

36429۔ (قولہ: بَلْ يُجْبَرُوا) بلکہ انہیں مجبور کیا جائے گا، اس میں درست یُجبرون ہے۔

36430۔ (قولہ: لِمَا تَقَرَّرَ الخ) یہ فرق کا بیان ہے۔

حاصل کلام

حاصل کلام یہ ہے کہ یہاں وصیت اپنے مخرج میں صحیح ہے اس لیے کہ یہ اس کی ذاتی ملک کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ اور توقف ورثا کے حق کی وجہ سے ہے تو جب انہوں نے اجازت دے دی تو ان کا حق ساقط ہو گیا اور وہ موصی کی جانب سے نافذ ہوگئی، ''الدرر''۔

وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ مِنْ قِبَلِ الْمُجِيزِ (وَلَوْ أَقَرَّ أَحَدُ الِابْنَيْنِ بَعْدَ الْقِسْمَةِ بِوَصِيَّةِ أَبِيهِ) بِالثُّلُثِ (صَحَّ) إقْرَارُهُ (فِي ثُلُثِ نَصِيبِهِ) لَا نِصْفُهُ اسْتِحْسَانًا لِأَنَّهُ أَقَرَّ لَهُ بِثُلُثٍ شَائِعٍ فِي كُلِّ التَّرِكَةِ وَهِيَ مَعَهُمَا فَيَكُونُ مُقِرًّا بِثُلُثِ مَا مَعَهُ وَبِثُلُثِ مَا مَعَ أَخِيهِ بِخِلَافِ مَا لَوْ أَقَرَّ أَحَدُهُمَا بِدَيْنٍ عَلَى أَبِيهِمَا حَيْثُ يَلْزَمُهُ كُلُّهُ

اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مُجیز (اجازت دینے والے) کی طرف سے مالک بنتا ہے۔ اور اگر دو بیٹوں میں سے ایک نے تقسیم کے بعد ثلث کے بارے اپنے باپ کی وصیت کا اقرار کیا تو اس کے اپنے حصہ کے ثلث میں اس کا اقرار صحیح ہے نہ کہ اس کے نصف میں یہ استحساناً ہے۔ کیونکہ اس نے کل ترکہ میں مشترکہ ثلث کے بارے اس کے لیے اقرار کیا ہے اور وہ ترکہ دونوں کے پاس ہے، پس وہ اپنے پاس موجود ثلث کے بارے اور اپنے بھائی کے پاس موجود ثلث کے بارے اقرار کرنے والا ہوگا بخلاف اس کے کہ اگر ان میں سے ایک اپنے باپ پر قرض کے بارے اقرار کرے تو وہ سارے کا سارا اس پر لازم ہوگا،

36431۔ (قولہ: يَتَمَلَّكُهُ مِنْ قِبَلِ الْمُوصِي عِنْدَنَا) ہمارے نزدیک وہ موصی کی جانب سے اس کا مالک ہوتا ہے، پس وارث کو حوالے کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے، اور اگر اس نے اپنی حالت مرض میں غلام آزاد کر دیا اور اس کے سوا اس کا کوئی مال نہ ہو اور ورثا نے آزادی کی اجازت دے دی تو ساری ولاء میت کے لیے ہوگی، اور اگر وارث نے مورث کی لونڈی کے ساتھ شادی کی ہو اور اس کا اس کے سوا کوئی مال نہ ہو، اور وہ اس کے بارے کسی دوسرے کے لیے وصیت کر دے، اور وارث اجازت دے دے اور وہی اس لونڈی کا خاوند ہو تو یہ وصیت اس کے نکاح کو باطل نہیں کرے گی۔ اس کی مکمل بحث ''زیلعی'' باب الوصایا کے شروع میں ہے۔

36432۔ (قولہ: وَلَوْ أَقَرَّ أَحَدُ الِابْنَيْنِ) اور اگر دو بیٹوں میں سے ایک نے اقرار کیا۔ اور اسی طرح حکم ہے اگر تین یا چار بیٹوں میں سے کسی ایک نے اقرار کیا کہ اس کا اقرار اس کے اپنے حصہ کے ثلث میں صحیح ہوگا جیسا کہ ''المجمع'' میں ہے۔

36433۔ (قولہ: بَعْدَ الْقِسْمَةِ) اس کا مفہوم یہ ہے کہ تقسیم سے پہلے اس کا اقرار صحیح نہیں ہوگا، تامل۔

36434۔ (قولہ: صَحَّ إِقْرَارُهُ الخ) اس کا اقرار صحیح ہے، یہ حکم تب ہے جب دوسرے آدمی کے لیے ثلث کے بارے وصیت پر بینہ قائم نہ ہو، اور اگر بینہ قائم ہو جائے تو اس کے لیے اقرار کرنے والے پر کوئی شے نہ ہوگی اور اقرار باطل ہو گا جیسا کہ اسے ''الطوری'' نے ''المبسوط'' سے نقل کیا ہے۔

36435۔ (قولہ: اسْتِحْسَانًا) یہ استحسان ہے۔ اور قیاس یہ ہے: کہ وہ اسے اس کا نصف دے جو اس کے پاس ہے۔ اور یہی امام ''زفر'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اس کی مکمل بحث ''زیلعی'' میں ہے۔

36436۔ (قولہ: حَيْثُ يَلْزَمُهُ كُلُّهُ) یعنی وہ اسے اس کے ساتھ پورا کرے جس کا وہ وارث ہوا، اور اگر اس میں اقرار کرنے والے نے کسی دوسرے کے ساتھ مل کر شہادت دی کہ قرض میت پر تھا تو وہ قبول کی جائے گی جیسا کہ باب الاستثناء

لِتَقَدُّمِ الدَّيْنِ عَلَى الْمِيرَاثِ (وَبِأَمَةٍ فَوَلَدَتْ بَعْدَ مَوْتِ الْمُوصِي وَلَدًا وَكِلَاهُمَا يَخْرُجَانِ مِنَ الثُّلُثِ فَهُمَا لِلْمُوصَى لَهُ وَإِلَّا) يَخْرُجَا (أَخَذَ الثُّلُثَ مِنْهَا ثُمَّ مِنْهُ) لِأَنَّ التَّبَعَ لَا يُزَاحِمُ الْأَصْلَ وَقَالَا يَأْخُذُ مِنْهُمَا عَلَى السَّوَاءِ هَذَا إِذَا وَلَدَتْ قَبْلَ الْقِسْمَةِ، وَقَبُولِ الْمُوصَى لَهُ فَلَوْ بَعْدَهُمَا فَهُوَ لِلْمُوصَى لَهُ لِأَنَّهُ نَمَاءُ مِلْكِهِ، وَكَذَا لَوْ بَعْدَ الْقَبُولِ وَقَبْلَ الْقِسْمَةِ عَلَى مَا ذَكَرَهُ الْقُدُورِيُّ وَلَوْ قَبْلَ مَوْتِ الْمُوصَى فَلِلْوَرَثَةِ

اس لیے کہ دین (قرض) میراث پر مقدم ہوتا ہے۔ اور اس نے لونڈی کے بارے وصیت کی، پھر موصی کے فوت ہونے کے بعد اس نے بچہ جنا، اور وہ دونوں ثلث مال سے نکل سکتے ہوں تو وہ دونوں موصی لہ کے لیے ہوں گے، اور اگر نہ نکل سکتے ہوں تو وہ لونڈی سے ثلث لے لے پھر (باقی) بچے سے لے لے، کیونکہ تابع اصل کا مزاحم نہیں ہو سکتا۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: وہ دونوں سے برابر برابر حصہ لے گا، یہ حکم تب ہے جب وہ تقسیم سے پہلے اور موصی لہ کے قبول کرنے سے پہلے بچہ جنے۔ اور اگر ان دونوں امروں کے بعد اس نے بچے کو جنم دیا تو وہ موصی لہ کے لیے ہوگا، کیونکہ وہ اس کی ملک کی نما اور بڑھوتری ہے۔ اور اسی طرح حکم ہے اگر اس نے موصی لہ کے قبول کرنے کے بعد اور تقسیم سے پہلے بچہ جنا جیسا کہ ''قدوری'' نے اسے ذکر کیا ہے۔ اور اگر موصی کے فوت ہونے سے پہلے اس نے بچے کو جنم دیا تو وہ ورثا کے لیے ہوگا۔

سے تھوڑا پہلے کتاب الاقرار میں گزر چکا ہے۔

36437_(قولہ: لِتَقَدُّمِ الدَّيْنِ عَلَى الْمِيرَاثِ) اس لیے کہ دین میراث پر مقدم ہوتا ہے، پس وہ اس کے میراث پر مقدم ہونے کے بارے اقرار کرنے والا ہوگا، اور وصیت اس طرح نہیں ہوتی، کیونکہ موصی لہ ورثا کے ساتھ شریک ہوتا ہے، پس وہ کوئی شے نہیں لے سکتا مگر جب وارث کو اس کا دوگنا دیا جائے، ''زیلعی''۔

36438_(قولہ: وَبِأَمَةٍ) یعنی اگر اس نے لونڈی کے بارے وصیت کی۔

36439_(قولہ: فَهُمَا لِلْمُوصَى لَهُ) پس وہ دونوں موصی لہ کے لیے ہوں گے، کیونکہ ماں اس میں اصلاً اور بچہ تبعاً داخل ہے جب وہ اس کے ساتھ متصل ہو، ''زیلعی''۔

36440_(قولہ: وَقَالَا يَأْخُذُ مِنْهُمَا عَلَى السَّوَاءِ) اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: وہ ان دونوں سے برابر برابر حصہ لے گا۔ پس جب اس کے پاس چھ سو درہم اور ایک لونڈی ہو جو تین سو درہم کے مساوی ہو، پھر اس نے تقسیم سے پہلے بچہ جنا جو تین سو درہم کے مساوی ہو تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک موصی لہ کے لیے ماں اور بچے کا تہائی حصہ ہوگا۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک دونوں میں سے ہر ایک کا ایک ایک ثلث ہوگا، ''ابن کمال''۔

36441_(قولہ: هَذَا) یعنی حمل کا وصیت میں بالتبع داخل ہونا، ''معراج''۔

36442_(قولہ: عَلَى مَا ذَكَرَهُ الْقُدُورِيُّ) جیسا کہ اسے ''قدوری'' اور ہمارے مشائخ نے ذکر کیا ہے، انہوں نے کہا ہے: وہ موصی بہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے ثلث سے نکلنے کا اعتبار کیا جاتا ہے جیسا کہ جب وہ اسے قبول سے پہلے

وَالْكَسْبُ كَالْوَلَدِ فِيمَا ذَكَرَ
اور اس کی کمائی مذکورہ تمام صورتوں میں بچے کی مانند ہے۔

جنم دے، ''زیلعی''۔

36443۔(قولہ: وَالْكَسْبُ كَالْوَلَدِ فِيمَا ذَكَرَ) مذکورہ حکم میں کمائی بچے کی مانند ہے۔ ''ہندیہ'' میں کہا ہے: موصی کے فوت ہونے کے بعد موصی بہ سے حاصل ہونے والی زیادتی مثلاً غلہ، کمائی اور دیت، موصی لہ کے وصیت کو قبول کرنے سے پہلے کیا وہ موصی بہ ہو جاتی ہے؟ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ذکر نہیں کیا ہے، اور ''قدوری'' نے ذکر کیا ہے کہ وہ موصی بھا نہیں ہو گی، یہاں تک کہ وہ جمیع مال سے موصی لہ کے لیے ہو جائے جیسا کہ اگر وہ تقسیم کے بعد پیدا ہو۔ اور ہمارے مشائخ نے کہا ہے: وہ موصی بہ ہو جائے گا یہاں تک کہ ثلث سے اس کے نکلنے کا اعتبار کیا جائے گا۔ اسی طرح ''محیط السرخسی'' میں ہے۔ ''طحطاوی'' واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ الْعِتْقِ فِي الْمَرَضِ

(يُعْتَبَرُ حَالُ الْعَقْدِ فِي تَصَرُّفٍ مُنَجَّزٍ هُوَ الَّذِي أَوْجَبَ حُكْمَهُ فِي الْحَالِ (فَإِنْ كَانَ فِي الصِّحَّةِ فَمِنْ كُلِّ مَالِهِ وَإِلَّا فَمِنْ ثُلُثِهِ) وَالْمُرَادُ التَّصَرُّفُ الَّذِي هُوَ إنْشَاءٌ وَيَكُونُ فِيهِ مَعْنَى التَّبَرُّعِ حَتَّى إنَّ الْإِقْرَارَ بِالدَّيْنِ فِي الْمَرَضِ يَنْفُذُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ وَالنِّكَاحُ فِيهِ يَنْفُذُ بِقَدْرِ مَهْرِ الْمِثْلِ مِنْ كُلِّ الْمَالِ (وَالْمُضَافُ إلَى مَوْتِهِ)

حالت مرض میں غلام کی آزادی کے احکام

تصرف منجز میں عقد کی حالت کا اعتبار کیا جاتا ہے، اور تصرف منجز وہ ہے جو اپنا حکم فی الحال ثابت کردے۔ پس اگر وہ حالت صحت میں ہو تو وہ کل مال سے نافذ ہوگا، اور اگر حالت صحت میں نہ ہو تو پھر ثلث مال سے نافذ ہوگا۔ اور مراد وہ تصرف ہے جو انشا ہے اور اس میں تبرع کا معنی ہوتا ہے یہاں تک کہ حالت مرض میں قرض کا اقرار کل مال سے نافذ ہوگا، اور اس میں نکاح مہر مثل کی مقدار کے ساتھ کل مال سے نافذ ہوگا۔ اور وہ تصرف جو اس کی موت کی طرف منسوب ہو

یہ بھی وصیت کی انواع میں سے ہے، لیکن چونکہ اس کے مخصوص احکام ہیں اس لیے اسے علیحدہ باب میں ذکر کیا ہے۔ اور اسے صریح وصیت سے موخر کیا ہے کیونکہ صریح بھی اصل ہے، ''عنایہ''۔

تصرف منجز کی تعریف

36444_(قولہ: مُنَجَّزٍ) یہ اس (تصرف) مضاف سے احتراز ہے جس کا بیان آگے آرہا ہے، پس اس میں اعتبار اضافت کی حالت کا ہے۔

36445_(قولہ: فِي الْحَالِ) مراد اس کے صادر ہونے کی حالت ہے، ''طحطاوی''۔

تصرف حالت صحت میں ہو تو کل مال سے وگرنہ ثلث سے نافذ ہوگا

36446_(قولہ: وَإِلَّا فَمِنْ ثُلُثِهِ) یہ استثنا تبرع کے منافع کے مشابہ ہونے میں ہے جیسا کہ سکنی الدار (دار کا رہائش گاہ ہونا) فرمایا: وہ کل مال سے نافذ ہوگا۔ اور اس کی مکمل بحث اس میں اور اس کے حواشی میں ہے۔

36447_(قولہ: وَالْمُرَادُ) یعنی تصرف مذکور سے مراد۔

36448_(قولہ: حَتَّى إنَّ الْإِقْرَارَ الخ) یعنی غیر وارث کے لیے اقرار کرنا، اور یہ اپنے قول: انشاءٌ سے احتراز کر رہے ہیں۔ کیونکہ اقرار اخبار (خبر دینا) ہوتا ہے۔

36449_(قولہ: وَالنِّكَاحُ الخ) یہ اپنے قول: فیه معنی التبرع سے احتراز ہے۔ کیونکہ مہر مثل کی مقدار کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی تبرع نہیں ہے، اس لیے کہ بضع حالت دخول میں متقوم ہے اور اس کی قیمت مہر مثل ہے۔ پس اگر اسے

وَهُوَ مَا أَوْجَبَ حُكْمَهُ بَعْدَ مَوْتِهِ كَأَنْتَ حُرٌّ بَعْدَ مَوْتِي أَوْ هَذَا لِزَيْدٍ بَعْدَ مَوْتِي (مِنَ الثُّلُثِ وَإِنْ كَانَ فِي الصِّحَّةِ) وَمَرَضٌ صَحَّ مِنْهُ كَالصِّحَّةِ وَالْمُقْعَدُ وَالْمَفْلُوجُ وَالْمَسْلُولُ إِذَا تَطَاوَلَ وَلَمْ يُقْعِدْهُ فِي الْفِرَاشِ كَالصَّحِيحِ مُجْتَبَى ثُمَّ رَمَزَ حَدَّ التَّطَاوُلِ سَنَةٌ وَفِي الْمَرَضِ الْمُعْتَبَرِ الْمُبِيحُ لِصَلَاتِهِ قَاعِدًا

وہ ثلث مال سے نافذ ہوگا اگر چہ وہ حالت صحت میں ہو، اور اس سے مراد وہ تصرف ہے جو اپنا حکم اس کی موت کے بعد ثابت کرے جیسے اس کا یہ قول: تو میرے فوت ہونے کے بعد آزاد ہے یا یہ شے میری موت کے بعد زید کے لیے ہے۔ اور ایسی بیماری جس سے وہ صحت یاب ہو جائے وہ صحت کی طرح ہے۔ اور اپاہج، مفلوج (فالج زدہ)، اور مسلول (جسے سل (ٹی بی) کا مرض ہو) جب ان کی بیماری طویل ہو جائے اور وہ اسے بستر پر نہ ڈال دے تو وہ صحیح اور تندرست آدمی کی مانند ہے، ''مجتبیٰ''۔ پھر انہوں نے طویل ہونے کی حد ایک سال بیان کی ہے، اور وہ بیماری جس کا اعتبار کیا جاتا ہے اس میں حد یہ بیان کی ہے کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کو مباح قرار دے۔

اس کے مقابل لایا جائے تو وہ عقد معاوضہ ہے نہ کہ تبرع۔ اور اس پر زائد محاباۃ ہے اور یہ وصیت کے قبیل سے ہے، کیونکہ وصیت انشا ہے اور اس میں تبرع کا معنی ہے، اور اسی طرح بدل خلع ہے، کیونکہ بضع خروج کی حالت میں غیر متقوم ہے، پس جو اس کے مقابل رکھا گیا ہے وہ تبرع ہے چاہے وہ قلیل ہو یا کثیر ہو، ''رحمتی''۔

36450۔ (قولہ: وَإِنْ كَانَ فِي الصِّحَّةِ) اگر چہ وہ حالت صحت میں ہو، اس میں ان وصلیہ ہے کیونکہ وہ تصرف جو موت کی طرف منسوب ہو اس میں موت کی حالت کا اعتبار کیا جاتا ہے جیسا کہ ''الدرر'' میں ہے۔

اگر وصیت بیماری کے ساتھ مقید ہو تو تندرست ہونے کے بعد باطل ہو جائے گی ورنہ نہیں

36451۔ (قولہ: وَمَرَضٌ صَحَّ مِنْهُ كَالصِّحَّةِ) اور وہ بیماری جس سے وہ تندرست ہو گیا تو وہ صحت کی طرح ہے، یہ مسئلہ اس مقام پر عام معتبر کتب میں اسی طرح ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ ''ملتقی'' اور ''الاصلاح'' وغیرہ۔ اور اولیٰ اور بہتر اسے ''مصنف'' کے قول: والمضاف سے پہلے ذکر کرنا ہے۔ کیونکہ اس میں صحت اور بیماری کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ تامل۔

''قہستانی'' نے کہا ہے: پس اگر اس نے کسی شے کے بارے وصیت کی تو وہ باطل ہوگی، کیونکہ صحت یاب ہونے کے ساتھ یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ اس کے مال کے ساتھ کسی کا حق متعلق نہیں۔ اور یہ حکم تب ہے جب اس نے مرض کے ساتھ مقید کیا اس طرح کہ وہ کہے: اگر میں اپنی اس بیماری کے سبب فوت ہوا۔ لیکن جب اس نے مطلق قول کیا، پھر وہ تندرست ہو گیا تو وصیت باقی رہے گی اگر چہ وہ اس کے بعد کئی سال زندہ رہا جیسا کہ ''التتمہ'' میں ہے۔

معتبر مرض کی حد

36452۔ (قولہ: وَفِي الْمَرَضِ الْمُعْتَبَرِ) اس میں معتبر جر کے ساتھ مرض کی صفت ہے: یعنی وہ جو ثلث سے تصرف انشائی کے نافذ ہونے کے لیے معتبر ہے، اور یہ محذوف کے متعلق ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے: والحد فی المرض المعتبر ھو

(اِعْتَاقُهُ وَ مُحَابَاتُهُ وَهِبَتُهُ وَوَقْفُهُ وَضَمَانُهُ)

مریض کا اعتاق (آزاد کرنا) محابات کرنا، ہبہ کرنا، وقف کرنا، اور اس کا ضامن بننا

المبیح لصلاتہ قاعدًا اور مرض معتبر میں حد بیٹھ کر نماز کی ادائیگی کو مباح قرار دینا ہے۔ کتاب الوصایا کے شروع میں یہاں سے زیادہ تفصیل اور وضاحت کے ساتھ اس پر کلام کی گئی ہے، ''طحطاوی''۔

مریض کا اعتاق، محابات کرنا، ضامن بننا، وقف اور ہبہ کرنے کا حکم وصیت کی طرح ہے

36453_(قولہ: وَمُحَابَاتُهُ) یعنی اجارہ پر دینے اور لینے میں، مہر، اور خرید وفروخت میں محابات کرنا، مثلاً اس طرح کہ مریض کسی اجنبی کو سو کی چیز پچاس کے عوض بیچ دے جیسا کہ ''النتف'' میں ہے۔ ''قہستانی'' نے کہا ہے: یا وہ پچاس کی چیز سو کے عوض خرید لے، پس خریدنے کی صورت میں مثلی قیمت سے زائد کرنا اور بیع (فروخت کرنے) کی صورت میں مثلی قیمت سے کم کرنا یہ محابات یعنی مسامحۃ ہے۔ یہ حبوتہ حباء جیسا کہ ''کتاب'' سے ماخوذ ہے یعنی میں نے بغیر عوض کے اسے شے دی۔ ''طحطاوی'' نے ''المصباح'' سے نقل کیا ہے۔ اور محابات کو ''بزازیہ'' وغیرہ میں اس کے ساتھ مقید کیا ہے کہ جس میں غبن اور دھوکہ نہ ہو۔

میں کہتا ہوں: ''الوہبانیہ'' کے باب الاجارات کے آخر میں ہے:

وَ ایجارُ ذِی ضَعْفٍ من الکُلِّ جَائِزٌ وَلَوْ اَنَّ أجْرَ المثل من ذاك اَکْثَرُ

کمزور اور مریض کا کل مال اجارہ پر دینا جائز ہے اگرچہ اجرت مثل اس سے زیادہ ہو۔ ''شرنبلالی'' نے اس کی شرح میں کہا ہے: محابات کی صورت یہ ہے کہ مریض اپنا گھر اجرت مثل سے کم اجرت کے عوض اجارہ پر دے، فقہاء نے کہا ہے: اس کے تمام مال سے اجارہ جائز ہے اور ثلث سے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اگر وہ اسے حالت مرض میں عاریۃً دے تو یہ عاریہ جائز ہے، تو اجرت مثل سے کم کے ساتھ اجارہ کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا ''طرسوسی'' نے کہا ہے: یہ مسئلہ قاعدہ کے مخالف ہے، کیونکہ اصل یہ ہے کہ منافع اعیان کے قائم مقام ہوتے ہیں، اور فرع کو اصل پر قیاس کرتے ہوئے بیع میں ثلث سے اعتبار کیا جائے گا اور وجہ فرض یہ ہے کہ بیع عقد لازم ہے جو عین مال کے ساتھ تعلق رکھتی ہے حالانکہ اس کے ساتھ ورثا اور غرماء کا حق متعلق ہے، اور اجارہ نفقہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور موت کے ساتھ فسخ ہو جاتا ہے۔ پس موت کے بعد اس کے تعلق کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ تو اس پر آگاہ رہ۔ شاید یہ دونوں روایتیں ہیں جیسا کہ ''شارح'' عنقریب کتاب الوصایا کے آخر فروع میں ذکر کریں گے۔

36454_(قولہ: وَهِبَتُهُ) اور اس کا ہبہ کرنا، یعنی جب اس کے فوت ہونے سے پہلے اس پر قبضہ ہو جائے۔ لیکن جب وہ فوت ہو جائے اور اس پر قبضہ نہ ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی، کیونکہ مریض کا ہبہ حقیقۃً ہبہ ہے اگرچہ وہ حکماً وصیت ہے جیسا کہ ''قاضیخان'' وغیرہ نے اس بارے تصریح کی ہے۔ اسے ''طحطاوی'' نے ''مکی'' سے نقل کیا ہے۔

36455_(قولہ: وَضَمَانُهُ) یہ کفالت سے اعم ہے، کیونکہ ضمان میں سے وہ بھی جو کفالت نہیں ہوتی اس طرح کہ کسی

كُلُّ ذٰلِكَ حُكْمُهُ (كَ) حُكْمِ (وَصِيَّةٍ فَيُعْتَبَرُ مِنَ الثُّلُثِ) كَمَا قَدَّمْنَا فِي الْوَقْفِ أَنَّ وَقْفَ الْمَرِيضِ الْمَدْيُونِ بِمُحِيطٍ بَاطِلٌ فَلْيُحْفَظْ وَلْيُحَرَّرْ (وَيُزَاحِمُ أَصْحَابَ الْوَصَايَا فِي الضَّرْبِ وَلَمْ يَسْعَ الْعَبْدُ)

ان تمام کا حکم وصیت کے حکم کی طرح ہے۔پس ان کا اعتبار ثلث سے ہی کیا جائے گا جیسا کہ ہم وقف میں پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ایسا مریض جس کا قرض اس کے مال کو محیط ہو اس کا وقف باطل ہے، پس چاہیے کہ اسے یاد رکھا جائے اور تحریر کر لیا جائے۔اور یہ اصحاب الوصایا کے ساتھ تقسیم میں مزاحم ہوتے ہیں۔اور غلام سعی اور محنت نہ کرے

اجنبی نے کسی کو کہا: خالع امرأتك علی ألف علی أني ضامنٌ (تو ہزار کے عوض اپنی بیوی سے خلع کر اس شرط پر کہ میں ضامن ہوں) یا کہا: بع عبدك هذا علی أني ضامن (تو اپنا غلام اسے بیچ دے اس شرط پر کہ میں ضامن ہوں) لیکن ہزار کے سواثمن میں سے پانچ سو کے عوض، تو اس میں بدل خلع اجنبی پر ہو گا نہ کہ اس عورت پر اور پانچ سو ضامن پر ہوں گے نہ کہ مشتری پر۔''عنایہ''۔

تنبیہ

''البزازیہ'' میں کہا ہے: اور اس کی کفالت کی تین صورتیں ہیں: ایک صورت میں وہ حالت صحت کے قرض کی مثل ہے اس طرح کہ وہ حالت صحت میں کفیل بنے درآنحالیکہ وہ کسی سبب کے ساتھ معلق ہو اور وہ سبب حالت مرض میں پایا جائے، اس طرح کہ وہ کہے: ما ذاب لك علی فلان فعليَّ (جو تیرا فلاں پر لازم ہے پس وہ مجھ پر لازم ہے یعنی میں اس کا کفیل اور ضامن ہوں)۔اور ایک صورت میں یہ حالت مرض کے قرض کی مثل ہے جیسا کہ وہ حالت مرض میں خبر دے کہ میں نے حالت صحت میں فلاں کی کفالت اٹھائی تھی، تو وہ حالت صحت کے غرماء (قرض خواہ) کے حق میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، اور مکفول لہ حالت مرض کے غرماء کے ساتھ ہے، اور پہلی صورت میں وہ حالت صحت کے غرماء کے ساتھ ہے۔اور ایک صورت میں وہ تمام وصایا کی مانند ہے اس طرح کہ وہ مرض موت میں کفالت اٹھائے۔

36456۔(قولہ: حُكْمُهُ كَ حُكْمِ وَصِيَّةٍ) یعنی ثلث سے اعتبار کی حیثیت سے اس کا حکم وصیت کے حکم کی مثل ہے نہ کہ حقیقت وصیت کے اعتبار سے۔کیونکہ وصیت موت کے بعد ثابت ہوتی ہے، اور یہ تمام تصرفات بالفور فی الحال ثابت ہو جاتے ہیں۔''زیلعی''۔

36457۔(قولہ: وَلْيُحَرَّرْ) اور چاہیے کہ اسے واضح کر دیا جائے، اس کی وضاحت یہ ہے کہ یہ اس کے منافی نہیں ہے جو یہاں ہے، کیونکہ جو دین اور قرض کے ساتھ مستغرق ہو اس کا ثلث نہیں ہوتا۔''رحمتی''۔

36458۔(قولہ: وَيُزَاحِمُ أَصْحَابَ الْوَصَايَا فِي الضَّرْبِ) اور یہ حصص کی تقسیم میں اصحاب وصایا کے مزاحم ہوتا ہے، یعنی وہ غلام جسے آزاد کر دیا جائے اور جس میں محابات کی جائے، اور موہوب لہ اور مضمون لہ کو ثلث میں اصحاب وصایا کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا۔پس اگر ثلث ان تمام کے ساتھ پورا ہو گیا تو بہتر، ورنہ وہ اسے آپس میں تقسیم کر لیں گے۔اور تقسیم میں اسی

إِنْ أُجِيزَ عِتْقُهُ لِأَنَّ الْمَنْعَ لِحَقِّهِمْ فَيَسْقُطُ بِالْإِجَازَةِ (فَإِنْ حَابَى فَحَرَّرَ) وَضَاقَ الثُّلُثُ عَنْهُمَا (فَهِيَ) أَيْ الْمُحَابَاةُ (أَحَقُّ وَبِعَكْسِهِ) بِأَنْ حَرَّرَ فَحَابَى (اسْتَوَيَا)

اگر اس کی آزادی کی اجازت دے دی گئی۔ کیونکہ اسے آزاد ہونے سے روکنا ان (ورثا) کے حق کی وجہ سے تھا اور وہ اجازت دینے کے ساتھ ساقط ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس نے محاباۃ کی پھر اسے آزاد کر دیا، اور ثلث مال ان دونوں کے لیے کافی نہ ہو تو پھر محاباۃ کا حق زیادہ اور اولیٰ ہے، اور اگر اس کا برعکس ہوا یعنی آزاد کیا پھر محابات کی تو دونوں مساوی اور برابر ہیں۔

مقدار کا اعتبار کیا جائے گا جو ثلث میں سے ہر ایک کے لیے ہے، یہی کچھ میرے لیے ظاہر ہوا ہے۔ ''طحطاوی''۔

میں کہتا ہوں: اور علامہ ''اتقانی'' نے کہا ہے: اصحاب وصایا کے ساتھ ان کے ثلث کو تقسیم کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ صرف ثلث کے مستحق ہوں گے مزید کسی اور کے نہیں۔ یہ مراد نہیں ہے کہ وہ ثلث میں اصحاب وصایا کے برابر ہوتے ہیں اور وہ ان سے حصص لیں گے۔ کیونکہ حالت مرض میں نافذ ہونے والی آزادی ثلث میں وصیت بالمال پر مقدم ہوتی ہے بخلاف اس صورت کے کہ جب وہ اپنی موت کے بعد اپنے غلام کے آزاد ہونے کی وصیت کرے، یا یہ کہے: ھو حرّ بعد موتی بیوم أو شھر (وہ میرے فوت ہونے کے ایک دن یا ایک مہینہ بعد آزاد) کیونکہ یہ تمام وصایا کی مانند ہے۔ ملخصاً۔

میں کہتا ہوں: اور فی الحال واقع ہونے والی محابات نافذ ہونے والے عتق کی طرح ہے جیسا کہ ''مصنف'' کے قول: واذا اجتمع الوصایا کے تحت گزر چکا ہے، اور عنقریب آ گے گا۔

36459۔ (قولہ: إِنْ أُجِيزَ عِتْقُهُ) اگر اس کی آزادی کی اجازت دے دی گئی، یعنی جب ثلث تنگ اور ناکافی ہو، اگرچہ اجازت موصی کی موت سے پہلے ہو جیسا کہ ہم نے اسے باب الوصایا کے شروع میں ''البزازیہ'' سے ذکر کیا ہے۔

36460۔ (قولہ: لِأَنَّ الْمَنْعَ) کیونکہ منع اسے کل مال سے نافذ کرنا ہے، اور اس میں لأن السعی کہنا اولیٰ ہے۔ تامل۔

36461۔ (قولہ: فَإِنْ حَابَى فَحَرَّرَ الخ) اگر اس نے محابات کی اور پھر آزاد کیا الخ، پہلی کی صورت یہ ہے کہ اس نے وہ غلام جس کی قیمت دو سو تھی اسے ایک سو کے عوض فروخت کر دیا پھر اس نے وہ غلام آزاد کر دیا جس کی قیمت ایک سو تھی حالانکہ اس کا ان دو غلاموں کے سوا کوئی مال نہیں تو ثلث کو محابات کی طرف پھیرا جائے گا اور آزاد ہونے والا غلام اپنی مکمل قیمت کما کر دے گا۔ اور اس کی برعکس صورت یہ ہے کہ اس نے پہلے وہ غلام آزاد کیا جس کی قیمت ایک سو تھی پھر اس نے وہ غلام سو کے عوض بیچ دیا جس کی قیمت دو سو تھی، تو ثلث یعنی سو کو ان دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم کیا جائے گا۔ پس جسے آزاد کیا گیا اس کا نصف مفت آزاد ہوگا اور اپنی نصف قیمت وہ کما کر دے گا، اور جس کے ساتھ محابات کی گئی ہے وہ دوسرا غلام ایک سو پچاس کے عوض لے گا۔ ''ابن کمال''۔

اس میں اصل یہ ہے: وصایا میں جب ایسی وصیت نہ ہو جو ثلث سے تجاوز کر جائے تو اصحاب وصایا میں سے ہر ایک کو اپنی جمیع وصیت کے ساتھ ثلث میں تقسیم کیا جاتا ہے بعض کو بعض پر مقدم نہیں کیا جاتا، سوائے اس عتق کے جو حالت مرض میں واقع

وَقَالَا عِتْقُهُ أَوْلَى فِيهِمَا (وَوَصِيَّتُهُ بِأَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ بِهٰذِهِ الْمِائَةِ عَبْدٌ لَا تَنْفُذُ) الْوَصِيَّةُ (بِمَا بَقِيَ إِنْ هَلَكَ دِرْهَمٌ) لِأَنَّ الْقُرْبَةَ تَتَفَاوَتُ بِتَفَاوُتِ قِيمَةِ الْعَبْدِ (بِخِلَافِ الْحَجِّ) وَقَالَا هُمَا سَوَاءٌ (وَتَبْطُلُ الْوَصِيَّةُ بِعِتْقِ عَبْدِهِ) بِأَنْ أَوْصَى بِأَنْ يُعْتِقَ الْوَرَثَةُ عَبْدَهُ بَعْدَ مَوْتِهِ (إِنْ جَنَى بَعْدَ مَوْتِهِ فَدُفِعَ) بِالْجِنَايَةِ كَمَا لَوْ بِيعَ بَعْدَ مَوْتِهِ بِالدَّيْنِ

اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے کہا ہے: دونوں صورتوں میں اس کا عتق اولیٰ ہے۔ اور مریض کی وصیت اس طرح ہو کہ اس سو کے عوض اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا جائے تو پھر اگر ان میں سے ایک درہم ضائع ہو گیا تو مابقی کے ساتھ وصیت نافذ نہ ہو گی۔ کیونکہ قربت غلام کی قیمت کے تفاوت کے ساتھ متفاوت ہو جاتی ہے بخلاف حج کے۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے کہا ہے: دونوں کا حکم برابر ہے۔ اور اپنے غلام کو آزاد کرنے کے بارے وصیت باطل ہوتی ہے یعنی وہ اس طرح وصیت کرے کہ ورثا اس کے فوت ہونے کے بعد اس کے غلام کو آزاد کر دیں، اگر اس نے اس کی موت کے بعد جنایۃ کی اور اسے جنایت کے بدلے دے دیا گیا جیسا کہ اگر اسے اس کی موت کے بعد دین کے بدلے فروخت کر دیا جائے،

ہو اور اس عتق کے جو موت کے ساتھ معلق ہو جیسا کہ تدبیر صحیح (یعنی غلام کو مدبر بنانا کہ وہ اس کی موت کے بعد آزاد ہے) چاہے وہ مطلق ہو یا مقید ہو، اور اس محابات کے جو حالت مرض میں واقع ہو۔ اس کی مکمل بحث ''زیلعی'' میں ہے۔

36462۔ (قولہ: وَقَالَا عِتْقُهُ أَوْلَى فِيهِمَا) اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے کہا ہے: اس کی آزادی دونوں مسئلوں میں اولیٰ ہے۔ کیونکہ فسخ اس کے ساتھ ملحق نہیں ہوتا۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک محابات اقویٰ ہے، کیونکہ وہ عقد معاوضہ کے ضمن میں ہے، لیکن اگر آزادی پہلے پائی گئی اور وہ دفع (دور ہونا، ختم کرنا) کا احتمال نہ رکھتی ہو تو وہ محابات کے مزاحم ہو گی، ''ابن کمال'' اور ''زیلعی''۔ اور ''المنح'' میں ''مصنف'' کا قول ہے: اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے کہا ہے: هما سواء فی المسألتین (یہ دونوں مسئلوں میں برابر ہیں) یہ سبقت قلم ہے۔ اور درست وہ ہے جو یہاں ہے جیسا کہ ''شلبی'' نے اس پر آگاہ کیا ہے۔

36463۔ (قولہ: بِهٰذِهِ الْمِائَةِ) یعنی اس معین سو سے، بلاشبہ اسے اس کے ساتھ مقید کیا ہے یہاں تک کہ ان میں سے بعض کے ضائع اور ہلاک ہونے کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ پس اگر وہ بمائۃ کہے اور وہ ثلث سے زیادہ ہو تو بھی وصیت باطل ہو گی جیسا کہ متن میں گزر چکا ہے۔

36464۔ (قولہ: لِأَنَّ الْقُرْبَةَ تَتَفَاوَتُ الخ) کیونکہ قربت (تقرب الی اللہ) متفاوت ہوتی ہے الخ، اس تعلیل کے ساتھ عتق اور حج کے درمیان فرق ظاہر نہیں ہوتا۔ پس مناسب ''زیلعی'' کا قول ہے: اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ غلام کو آزاد کرنے کی وصیت ہے جسے اس کے مال میں سے سو کے عوض خریدا جائے گا، اور اسے اس غلام میں نافذ کرنا جسے سو سے کم کے ساتھ خریدا جائے۔ موصی بہ کے غیر میں نافذ کرنا ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔ بخلاف حج کے بارے وصیت کے کہ یہ محض قربت (عبادت) ہے جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور مستحق تبدیل نہیں ہوتا، اور یہ اس طرح ہو گیا جیسا کہ جب وہ ایک

(وَإِنْ فَدَى) الْوَرَثَةُ الْعَبْدَ (لَا) تَبْطُلُ وَكَانَ الْفِدَاءُ فِي أَمْوَالِهِمْ بِالْتِزَامِهِمْ (وَ) لَوْ أَوْصَى (بِثُلُثِهِ) أَيْ ثُلُثِ مَالِهِ (لِبَكْرٍ وَتَرَكَ عَبْدًا) فَأَقَرَّ كُلٌّ مِنَ الْوَارِثِ وَبَكْرٍ أَنَّ الْمَيِّتَ أَعْتَقَ هَذَا الْعَبْدَ (فَادَّعَى بَكْرٌ عِتْقَهُ فِي الصِّحَّةِ) لِيَنْفُذَ مِنْ كُلِّ الْمَالِ (وَ) ادَّعَى (الْوَارِثُ) عِتْقَهُ (فِي الْمَرَضِ) لِيَنْفُذَ مِنَ الثُّلُثِ وَيُقَدَّمَ عَلَى بَكْرٍ (فَالْقَوْلُ لِلْوَارِثِ مَعَ الْيَمِينِ) لِأَنَّهُ يُنْكِرُ اسْتِحْقَاقَ بَكْرٍ (وَلَا شَيْءَ لِزَيْدٍ) كَذَا فِي نُسَخِ الْمَتْنِ وَالشَّرْحِ قُلْتُ صَوَابُهُ لِبَكْرٍ لِأَنَّهُ الْمَذْكُورُ أَوَّلًا

اور اگر ورثا نے غلام کا فدیہ دے دیا تو پھر وصیت باطل نہ ہوگی اور ان کے مالوں میں فدیہ ان کے التزام کے سبب ہے اور اگر اس نے اپنے ثلث مال کے بارے بکر کے لیے وصیت کی اور اس نے ایک غلام چھوڑا، اور تمام ورثا اور بکر نے اقرار کیا کہ میت نے اس غلام کو آزاد کر دیا ہے اور بکر نے حالت صحت میں اس کی آزادی کا دعویٰ کیا تا کہ وہ کل مال سے نافذ ہو اور وارث نے حالت مرض میں اس کی آزادی کا دعویٰ کیا تا کہ وہ (وصیت) ثلث سے نافذ ہو اور وہ بکر پر مقدم ہو، تو وارث کا قول قسم کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ بکر کے استحقاق کا انکار کر رہا ہے، اور زید کے لیے کوئی شے نہیں ہے۔ اسی طرح متن اور شرح کے نسخوں میں ہے۔ میں کہتا ہوں: اس عبارت میں درست لبکرٍ ہے، کیونکہ پہلے اسی کا نام مذکور ہے۔

آدمی کے لیے سو کے بارے وصیت کرے پھر ان میں سے بعض ضائع ہو جائیں تو باقی اسے دے دیئے جائیں گے۔

36465_(قولہ: وَإِنْ فَدَى لَا) اور اگر اس نے فدیہ دے دیا تو وصیت باطل نہیں ہوگی، پس اگر غلام کو دینا اور فدیہ نہ پایا گیا اور وصی نے اسے آزاد کر دیا۔ پس اگر اسے جنایۃ کے بارے علم ہو تو مکمل دیت اس پر لازم ہوگی، اور اگر علم نہ ہو تو قیمت لازم ہوگی، اور وہ رجوع نہیں کر سکتا، کیونکہ غلام کی آزادی کے بارے وصیت اس صورت میں ہے جب وہ جنایۃ کرنے والا نہ ہو، اور اس نے اس کا خلاف کیا ہے۔ ''سائحانی''۔

36466_(قولہ: وَلَوْ أَوْصَى بِثُلُثِهِ الخ) اور اگر وہ اپنے ثلث کے بارے وصیت کرے اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے غلام، مال اور وارث چھوڑا، اور غلام اس کے ثلث مال کی مقدار ہے۔ اسی کے بارے ''قاضیخان'' نے تصریح کی ہے۔ ''معراج''۔

36467_(قولہ: لِيَنْفُذَ مِنْ كُلِّ الْمَالِ) تا کہ وہ کل مال سے نافذ ہو، تو گویا وہ یہ کہتا ہے: عتق بطور وصیت واقع نہیں ہوا، اور میری وصیت اس کے ثلث مال کے بارے ہے جو غلام کے ماوراء میں بھی صحیح ہے۔

36468_(قولہ: وَيُقَدَّمَ عَلَى بَكْرٍ) اور اسے بکر پر مقدم کیا جائے گا، کیونکہ جب آزادی حالت مرض میں واقع ہو تو وہ بطور وصیت واقع ہوئی، اور غلام کی قیمت ثلث مال ہے تو پھر موصی لہ کے لیے ثلث سے کوئی شے نہ ہوگی۔ کیونکہ آزادی کے بارے وصیت بالاتفاق مقدم ہے۔ ''معراج''۔

36469_(قولہ: وَلَا شَيْءَ لِزَيْدٍ) اور زید کے لیے کوئی شے نہیں ہے، اس لیے کہ آپ عتق کی تقدیم کے بارے جان چکے ہیں۔ اور رہا ''مصنف'' کا قول: ويزاحم أصحاب الوصايا جو کہ گزر چکا ہے تو اس کے معنی مراد بہ کو بھی آپ جان چکے ہیں۔

غَايَةُ الْأَمْرِ أَنَّ الْقَوْمَ مَثَّلُوا بِزَيْدٍ فَغَيَّرَهُ الْمُصَنِّفُ أَوَّلًا وَنَسِيَهُ ثَانِيًا وَاللهُ أَعْلَمُ - (إِلَّا أَنْ يَفْضُلَ مِنْ ثُلُثِهِ شَيْءٌ) مِنْ قِيمَةِ الْعَبْدِ (أَوْ تَقُومَ حُجَّةٌ عَلَى دَعْوَاهُ فَإِنَّ الْمُوصَى لَهُ خَصْمٌ) لِأَنَّهُ يُثْبِتُ حَقَّهُ وَكَذَا الْعَبْدُ (وَلَوْ ادَّعَى رَجُلٌ دَيْنًا عَلَى الْمَيِّتِ وَ) ادَّعَى (الْعَبْدُ عِتْقًا فِي الصِّحَّةِ وَلَا مَالَ لَهُ غَيْرُهُ فَصَدَّقَهُمَا الْوَارِثُ يَسْعَى فِي قِيمَتِهِ وَتُدْفَعُ إِلَى الْغَرِيمِ) وَقَالَا يَعْتِقُ وَلَا يَسْعَى فِي شَيْءٍ،

اس میں غایت امر یہ ہے کہ قوم (فقہاء) نے زید کے ساتھ مثال بیان کی ہے، اور ''مصنف'' نے پہلے اسے تبدیل کیا ہے اور پھر دوسری بار اسے بھول گئے ہیں۔ واللہ اعلم۔ مگر یہ کہ غلام کی قیمت سے اس کے ثلث مال میں سے کوئی شے فالتو بچ جائے یا اس کے دعویٰ پر حجت قائم ہو جائے، چونکہ موصی لہ خصم ہے، کیونکہ وہ اپنا حق ثابت کر رہا ہے، اور اسی طرح غلام بھی ہے۔ اور اگر ایک آدمی نے میت پر قرض کا دعویٰ کیا، اور غلام نے حالت صحت میں آزادی کا دعویٰ کیا، اور اس کا اس کے سوا کوئی مال نہ ہو، اور وارث ان دونوں کی تصدیق کر دے تو غلام اپنی قیمت کما کر دے گا اور وہ قرض خواہ کو دی جائے گی، اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: وہ آزاد ہو جائے گا، اور کوئی شے کما کر نہیں دے گا۔

36470۔ (قولہ: إِلَّا أَنْ يَفْضُلَ الخ) مگر یہ کہ ثلث مال غلام کی قیمت سے زائد ہو تو قیمت سے زائد مال میں وہ وصیت زید کے لیے نافذ ہوگی (یعنی وہ مال زید کو ملے گا)۔ ''منح''۔

36471۔ (قولہ: مِنْ قِيمَةِ الْعَبْدِ) غلام کی قیمت سے۔ اسی طرح اسے ''زیلعی'' نے بیان کیا ہے۔ اور ''الدرر'' کی عبارت ہے: علی قیمۃ العبد (غلام کی قیمت پر) اور یہ اولیٰ ہے اگرچہ مِنْ کو عَلٰی کے معنی میں رکھنا ممکن ہے جیسا کہ ''اخفش'' اور ''کوفیوں'' نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ (الانبیاء: 77) میں کہا ہے۔ اسے ''طحطاوی'' نے ''المکی'' سے نقل کیا ہے۔

36472۔ (قولہ: فَإِنَّ الْمُوصَى لَهُ خَصْمٌ الخ) چونکہ موصی لہ خصم ہے الخ۔ یہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ امام ''صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بینہ قائم کرنے کے لیے عتق کے بارے دعویٰ کرنا شرط ہے اور یہاں بغیر خصم کے اسے قائم کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ تو فرمایا: وہ خود ہی اپنا حق ثابت کرنے میں خصم ہے، کیونکہ وہ غلام کی آزادی پر بینہ قائم کرنے کے لیے مجبور اور مضطر ہے تاکہ ثلث غیر کے حق کے ساتھ مشغول ہونے سے فارغ ہو جائے۔ ''معراج''۔

36473۔ (قولہ: وَكَذَا الْعَبْدُ) اور اسی طرح غلام بھی خصم ہے، کیونکہ آزادی اس کا حق ہے۔

میں کہتا ہوں: مراد یہ ہے کہ وہ اس صورت کے سوا میں خصم ہے، کیونکہ یہاں تو وارث اس کی آزادی کا اقرار کر رہا ہے یا اس صورت میں جب اس کی قیمت ثلث سے زائد ہو تو وہ حالت صحت میں اس کی آزادی کو ثابت کرنے میں خصم ہو۔ تامل۔

36474۔ (قولہ: وَقَالَا يَعْتِقُ وَلَا يَسْعَى الخ) اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: وہ آزاد ہو جائے گا اور کوئی شے کما کر نہیں دے گا، کیونکہ دین اور عتق دونوں حالت صحت میں ایک ساتھ وارث کی تصدیق کے ساتھ ایک کلام میں ظاہر

وَعَلَى هٰذَا الْخِلَافِ لَوْ تَرَكَ ابْنًا وَأَلْفَ دِرْهَمٍ فَادَّعَاهَا رَجُلٌ دَيْنًا وَآخَرُ وَدِيعَةً وَصَدَّقَهُمَا الِابْنُ فَالْأَلْفُ بَيْنَهُمَا نِصْفَانِ عِنْدَهُ وَقَالَا الْوَدِيعَةُ أَقْوَى۔ قُلْت وَعَكَسَ فِي الْهِدَايَةِ فَقَالَ عِنْدَهُ الْوَدِيعَةُ أَقْوَى، وَعِنْدَهُمَا سَوَاءٌ، وَالْأَصَحُّ مَا ذَكَرْنَا كَمَا فِي الْكَافِي وَتَمَامُهُ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ فَلْيُحْفَظْ

اوراسی طرح کا اختلاف اس مسئلہ میں بھی ہے کہ اگر اس نے ایک بیٹا اور ایک ہزار درہم ترکہ میں چھوڑے تو ایک آدمی نے دین کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے اس کے پاس ودیعت کا دعویٰ کیا، اور بیٹے نے ان دونوں کے قول کی تصدیق کر دی، تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ ہزار ان دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے کہا ہے: ودیعت اُقویٰ ہے۔ میں کہتا ہوں: ''ہدایہ'' میں اس کے برعکس ہے، پس انہوں نے کہا ہے: ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ودیعت اُقویٰ ہے، اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک دونوں برابر ہیں۔ اور اُصح وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے جیسا کہ ''الکافی'' میں ہے، اور اس کی مکمل بحث ''الشرنبلالیہ'' میں ہے، پس چاہیے کہ اسے یاد رکھ لیا جائے۔

ہوئے ہیں، تو گویا وہ دونوں اکٹھے واقع ہوئے ہیں اور حالت صحت کی آزادی محنت اور سعی کو ثابت نہیں کرتی اگرچہ آزاد کرنے والے پر دین ہو۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ دین کے بارے اقرار کرنا عتق کے بارے اقرار کرنے سے اولیٰ ہے۔ اسی لیے حالت مرض میں دین کے بارے اس کے اقرار کا کل مال سے اور آزادی کے بارے اقرار کا ثلث مال سے اعتبار کیا جاتا ہے اور اقوی ادنیٰ کو دور اور ختم کر دیتا ہے، مگر یہ اپنے واقع ہونے کے بعد باطل ہونے کا احتمال نہیں رکھتا، پس معنی کی حیثیت سے اس پر سعایت واجب کر کے اس کا دفاع کیا جائے گا۔ ''ابن کمال''۔

36475۔ (قولہ: وَعَلَى هٰذَا الْخِلَافِ) اسی طرح اسے ''ہدایہ'' میں تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ تعبیر کرنا اس صورت پر ظاہر ہے جسے ''صاحب ہدایہ'' نے آنے والے اختلاف کے ذکر سے پختہ کیا ہے، اور ''شارح'' نے ان کی اتباع نہیں کی ہے بلکہ وہ اس کے برعکس چلے ہیں۔ پس اس وقت یہاں اختلاف پہلے مسئلہ میں اختلاف کے برعکس ہے، لہٰذا ان پر اس کے بغیر نئے سرے سے مسئلہ کا ذکر کرنا لازم تھا۔ فافہم۔

36476۔ (قولہ: نِصْفَانِ) کیونکہ ودیعت قرض کے ساتھ ہی ظاہر ہوئی ہے اس لیے دونوں برابر اور مساوی ہوں گے۔ ''زیلعی''۔

36477۔ (قولہ: وَقَالَا الْوَدِيعَةُ أَقْوَى) اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے کہا ہے: ودیعت اُقویٰ ہے، کیونکہ وہ ہزار سے عین میں ثابت ہو رہی ہے اور قرض پہلے ذمہ میں ثابت ہوتا ہے اور پھر عین کی طرف منتقل ہوتا ہے، پس ودیعت اُسبق ہے اور اس کا مدعی زیادہ حقدار ہے۔ ''زیلعی''۔

36478۔ (قولہ: وَالْأَصَحُّ مَا ذَكَرْنَا) اور اصح وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے، اور یہی عام کتب میں مذکور ہے۔ ''عنایہ''۔

بَابُ الْوَصِيَّةِ لِلْأَقَارِبِ وَغَيْرِهِمْ

(جَارُهُ مَنْ لَصِقَ بِهِ) وَقَالَا مَنْ يَسْكُنُ فِي مَحَلَّتِهِ وَيَجْمَعُهُمْ مَسْجِدُ الْمَحَلَّةِ وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ الْجَارُ إِلَى أَرْبَعِينَ دَارًا مِنْ كُلِّ جَانِبٍ

قریبیوں وغیرہ کے لیے وصیت کے احکام

آدمی کا پڑوسی اور ہمسایہ وہ ہے جو اس کے ساتھ ملصق اور متصل ہو۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: وہ جو اس کے محلہ میں رہتا ہو اور محلہ کی مسجد ان تمام کو جامع ہو، اور یہ استحسان ہے۔ اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: پڑوس ہر جانب سے چالیس گھروں تک ہوتا ہے۔

اقارب سے مراد أهل، أصهار اور أختان وغیرہ ہیں۔ بلاشبہ ''مصنف'' نے اس باب کو موخر کیا ہے، اس لیے کہ اس میں مخصوص لوگوں کی وصیت کے احکام ہیں اور جو ابواب اس سے پہلے ذکر کئے ہیں ان میں وصیت کے احکام علی وجہ العموم ذکر کئے ہیں، اور خصوص ہمیشہ عموم کے بعد ہی ہوتا ہے۔ ''منح''۔

پڑوسی کے اطلاق میں آئمہ احناف اور امام شافعی کا موقف

36479۔ (قولہ: جَارُهُ مَنْ لَصِقَ بِهِ) اس کا پڑوسی وہ ہے جو اس کے ساتھ متصل اور ملصق ہو، کیونکہ اقارب اور پڑوسیوں میں سے ہر ایک کے لیے خصوصیت ہے جو اہتمام کا تقاضا کرتی ہے۔ ''مصنف'' نے ان دونوں میں سے ہر ایک کی اہمیت پر اس وجہ سے متنبہ کیا ہے کہ انہوں نے عنوان میں اقارب کو مقدم کیا ہے اور یہاں جیران (پڑوسیوں) کے ذکر کو مقدم کیا ہے۔ ''سعدیہ''۔

36480۔ (قولہ: وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ) اور یہ استحسان ہے، اور صحیح ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جیسا کہ اسے ''الدر المنتقی'' میں بیان کیا ہے اور علامہ ''قاسم'' نے اس کی تصریح کی ہے، اور یہی قیاس ہے جیسا کہ ''ہدایہ'' میں ہے۔ پس یہ مسئلہ ان میں سے ہے جس میں قیاس کو استحسان پر ترجیح دی گئی ہے۔

تنبیہ

جار (پڑوس) میں فقط سکونت رکھنے والا، مالک، مذکر، مونث، مسلمان، ذمی، صغیر اور کبیر سبھی برابر ہیں۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں غلام بھی داخل ہوتا ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: وہ اس کے آقا کے لیے وصیت ہوگی اور پڑوس (جار) میں داخل نہیں بخلاف مکاتب کے، اور وہ عورت اس میں داخل نہیں ہوتی جس کا خاوند موجود ہو۔ کیونکہ وہ اس کے تابع ہوتی ہے۔ پس وہ حقیقی پڑوسن نہ ہوئی۔ ''مقدسی''۔ اور ان کا قول: و مالک اس سے مراد یہ ہے جب

(وَصِهْرُهُ كُلُّ ذِي رَحِمٍ مُحَرَّمٍ مِنْ عُرْسِهِ) كَآبَائِهَا وَأَعْمَامِهَا وَأَخْوَالِهَا وَأَخَوَاتِهَا وَغَيْرِهِمْ (بِشَرْطِ مَوْتِهِ وَهِيَ مَنْكُوحَتُهُ أَوْ مُعْتَدَّتُهُ مِنْ رَجْعِيٍّ) فَلَوْ بَائِنٍ مِنْ بَائِنٍ لَا يَسْتَحِقُّهَا وَإِنْ وَرِثَتْ مِنْهُ قَالَ الْحَلْوَانِيُّ هَذَا فِي عُرْفِهِمْ، أَمَّا فِي زَمَانِنَا فَيَخْتَصُّ بِأَبَوَيْهَا عِنَايَةٌ وَغَيْرُهَا،

اور اس کا سسرال اس کی بیوی کی جانب سے تمام رشتہ دار ہیں جیسے اس کے آبا، چچے، ماموں اور اس کے بھائی وغیرہ بشرطیکہ وہ اس حال میں فوت ہو کہ وہ بیوی اس کے نکاح میں ہو یا اس کی طرف سے طلاق رجعی کی عدت گزار رہی ہو۔ اور اگر وہ طلاق بائن کی عدت میں ہو تو ان میں سے کوئی بھی وصیت کا مستحق نہیں ہوگا اگرچہ عورت اس کی وارث ہو۔ "حلوانی" نے کہا ہے: یہ ان کے عرف میں ہے۔ رہا ہمارا زمانہ تو اس میں صہر (سسرال) عورت کے والدین کے ساتھ مختص ہو گیا ہے۔ "عنایہ" وغیرہ،

وہ مالک سکونت پذیر بھی ہو۔ "ابوالسعود"۔

لفظ صہر کا اطلاق

36481۔ (قولہ: وَصِهْرُهُ كُلُّ ذِي رَحِمٍ مُحَرَّمٍ مِنْ عُرْسِهِ) اور اس کے سسرال اس کی بیوی کی جانب سے تمام رشتہ دار ہیں۔ کیونکہ روایت ہے: أَنَّهُ عليه الصلوٰة والسلام لَمَّا تَزَوَّجَ صفيةَ أَعْتَقَ كُلَّ مَنْ مَلَكَ مِنْ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهَا إِكْرَامًا لَهَا(1) کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت "صفیہ" رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے) ہر ایک نے ان کی تکریم میں ان کے رشتہ داروں کو قید سے آزاد کر دیا) اور وہ اصہار النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دیتے تھے۔ اسی تفسیر کو امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ اور "ابو عبید" نے اختیار کیا ہے۔ اور اسی طرح ان میں اپنے باپ کی بیوی، اپنے بیٹے کی بیوی کے تمام رشتہ دار اور اپنے تمام ذی رحم محرموں کی بیویوں کے رشتہ دار داخل ہیں۔ کیونکہ یہ تمام سسرال (اصہار) ہیں۔ "ہدایہ"۔ اور امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ کا قول لغت میں حجت ہے، "ابو عبید" نے ان کے قول کے ساتھ غریب الحدیث میں استشہاد کیا ہے اس کے ساتھ ساتھ اس کی تائید خلیل کے قول کے ساتھ کی گئی ہے: عورت کے اہل بیت کو فقط أصهار کہا جاتا ہے۔ اور "شرح الزیادات"، "للبزدوی" میں ہے: کبھی صہر کا اطلاق ختن پر کیا جاتا ہے۔ لیکن غالب وہ ہے جسے امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ "اتقانی"، ملخصاً۔ اور اس کی مکمل بحث "الشرنبلالیہ" میں ہے۔

36482۔ (قولہ: وَأَخَوَاتِهَا) اسی طرح میں نے اسے کئی نسخوں میں دیکھا ہے، حالانکہ درست: وأخواتها ہے، کیونکہ أخوات أخت کی جمع ہے۔

36483۔ (قولہ: وَإِنْ وَرِثَتْ مِنْهُ) اگرچہ وہ عورت اس کی وارث ہو، اس طرح کہ وہ اسے حالت مرض میں جدا کر دے۔ کیونکہ طلاق رجعی نکاح کو ختم نہیں کرتی اور طلاق بائن اسے ختم کر دیتی ہے۔ "زیلعی"۔

36484۔ (قولہ: عِنَايَةٌ) میں نے اسے اس کتاب میں نہیں پایا۔ البتہ "زیلعی" نے اسے ذکر کیا ہے جیسا کہ عنقریب

1۔ نصب الرایہ، کتاب الوصایا، باب الوصیۃ للاقارب وغیرھم، جلد 5، صفحہ 225-224، حدیث نمبر 3، فی ہذہ الباب مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

وَأَقَرَّهُ الْقُهُسْتَانِيُّ قُلْت لَكِنْ جَزَمَ فِي الْبُرْهَانِ وَغَيْرِهِ بِالْأَوَّلِ وَأَقَرَّهُ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ ثُمَّ نَقَلَ عَنِ الْعَيْنِيِّ أَنَّ قَوْلَ الْهِدَايَةِ وَغَيْرِهَا أَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا تَزَوَّجَ صَفِيَّةَ بِنْتَ الْحَارِثِ صَوَابُهُ جُوَيْرِيَةَ قُلْت فَلْتُحْفَظْ هٰذِهِ الْفَائِدَةُ

اور ''قہستانی'' نے اسے برقرار اور ثابت رکھا ہے۔ میں کہتا ہوں: لیکن ''البرہان'' وغیرہ میں پہلے قول پر اعتماد اور یقین کیا ہے اور ''الشرنبلالیہ'' نے اسے ثابت رکھا ہے۔ پھر علامہ ''عینی'' سے نقل کیا ہے کہ ''ہدایہ'' وغیرہ کا یہ قول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ''صفیہ'' بنت حارث...... جبکہ درست حضرت ''جویریہ'' بنت حارث ہے...... سے شادی کی۔ میں کہتا ہوں: اس فائدہ کو یاد رکھ لینا چاہیے۔

آئے گا۔

36485۔ (قوله: قُلْت لَكِنْ الخ) میں کہتا ہوں: ظاہر ہے اس میں عرف کا اعتبار ہے، اس لیے کہ ''جامع الفصولین'' میں ہے کہ لوگوں کے درمیان ہونے والی مطلق کلام متعارف معنی پر محمول ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر عرف کلی طور پر اس کے خلاف ہو تو بھی اسی کا اعتبار کیا جائے گا جیسا کہ اہل دمشق صہر کا اطلاق ختن (داماد) پر کرتے اور وہ اس سے اس کے سوا کچھ نہیں سمجھتے۔ اور یہ بھی ایک لغت ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور رہا وہ جو ''البرہان'' وغیرہ میں ہے تو وہ اس کی نقل ہے جسے صاحب مذہب نے مدون کیا ہے، پس اس میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہاں عرف کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ یہی میرے لیے ظاہر ہوا ہے۔ فتدبر۔

36486۔ (قوله: ثُمَّ نَقَلَ) یعنی ''الشرنبلالیہ'' میں ''العینی'' سے نقل کیا گیا ہے، یعنی ''ہدایہ'' کی جو عبارت ابھی ہم نے نقل کی ہے اس کے تحت اس کی شرح میں ہے۔

حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کا واقعہ

36487۔ (قوله: صَوَابُهُ جُوَيْرِيَةَ) اسے ''ابوداؤد'' نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: ''حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بنت حارث بن مصطلق، ثابت بن قیس بن شماس اور اس کے چچا کے بیٹے کے حصہ میں واقع ہوئیں تو انہوں نے اپنے آپ کو مکاتب بنا لیا''۔ اور ''مسند احمد''، ''البزار'' اور ''ابن راہویہ'' میں ہے: ''اس نے انہیں نو اوقیہ سونے کے عوض مکاتب بنا لیا، پس وہ بدل کتابت کی طلب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں، اور عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمان عورت ہوں میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، اور میں اپنی قوم کے سردار حارث کی بیٹی ''جویریہ'' ہوں، مجھے وہ امر آ پہنچا ہے جسے آپ جانتے ہیں اور ''ثابت بن قیس'' کے حصہ میں آئی ہوں تو اس نے مجھے اتنے مال کی شرط پر مکاتب بنایا ہے جس کی میں طاقت نہیں رکھتی، اور مجھے اس پر کسی نے مجبور نہیں کیا مگر یہ کہ میں آپ سے امید رکھتی ہوں اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں فرمائے۔ پس آپ میری آزادی اور خلاصی میں

(وَخَتَنُهُ زَوْجُ كُلِّ ذِي) كَذَا النُّسَخُ قُلْتُ الْمُوَافِقُ لِعَامَّةِ الْكُتُبِ ذَاتِ (رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ كَأَزْوَاجِ بَنَاتِهِ وَعَمَّاتِهِ وَكَذَا كُلُّ ذِي رَحِمٍ مِنْ أَزْوَاجِهِنَّ) قِيلَ هَذَا فِي عُرْفِهِمْ وَفِي عُرْفِنَا الصِّهْرُ أَبُو الْمَرْأَةِ وَأُمُّهَا

اور آدمی کا ختن اس کی ہر ذی رحم محرم عورت کا خاوند ہے۔ اسی طرح اس کے نسخوں میں ہے۔ میں کہتا ہوں: عام کتب کے موافق لفظ ذات ہے جیسا کہ آدمی کی بیٹیوں کے خاوند، پھوپھیوں کے خاوند اور اسی طرح تمام محرم عورتوں کے خاوند۔ کہا گیا ہے: یہ ان کے عرف میں ہے، اور ہمارے عرف میں یہ ہے: صہر سے مراد صرف بیوی کے والدین

میری مدد فرمایئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اس سے بھی بہتر ہو جائے؟ تو انہوں نے عرض کی: وہ کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تیری طرف سے تیرا مال کتابت ادا کرتا ہوں اور تجھ سے شادی کر لیتا ہوں۔ انہوں نے عرض کی: جی ہاں یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تحقیق میں نے ایسا کر لیا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر جو مال کتابت لازم تھا وہ ادا کر دیا اور اس سے شادی کر لی، جب یہ خبر لوگوں تک پہنچی تو انہوں نے کہا: اصھار رسول الله صلی الله علیه وسلم یسترقون (وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال کو غلام بنا رہے ہیں) چنانچہ بنی مصطلق کے جو قیدی ان کے پاس تھے انہوں نے انہیں آزاد کر دیا اور وہ سو گھرانے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: فلا اعلم امراۃ کانت علی قومها اعظم برکة منها(1) (میں کسی عورت کو نہیں جانتی جو اپنی قوم کے لیے ان سے بڑھ کر باعث برکت ہو)۔ ''الشرنبلالیہ'' میں کہا ہے: حالانکہ آپ جانتی ہیں کہ بچوں کو تقسیم کیا گیا ہے، اور یہ کہ قیدیوں کو آزاد کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں نہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اس سے اس پر استدلال کرنے میں تامل ہے کہ صہر سے مراد اپنی عورت کا ہر ذی رحم محرم ہے، اس کی وجہ سے جو آپ قصہ سے جان چکے ہیں۔

اختان کا مفہوم

36488۔ (قولہ: وَكَذَا كُلُّ ذِي رَحِمٍ) اور اسی طرح ہر ذی رحم محرم جیسا کہ ''المنح'' وغیرہ میں ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاملاء'' میں کہا ہے: جب اس نے کہا: میں نے اپنے اختان کے لیے اپنے ثلث مال کے بارے وصیت کی۔ تو اختان سے مراد اس کی ہر محرم عورت کا خاوند اور خاوند کا ہر ذی رحم محرم ہے۔ پس یہ سب اس کے اختان ہیں۔ پس اگر اس کی بہن، بھانجی، اور خالہ ہو اور ان میں سے ہر ایک کا خاوند ہو، اور ان میں سے ہر ایک کے خاوند کے ارحام ہوں تو وہ سب کے سب اس کے اختان ہیں۔ اور ثلث مال ان کے درمیان برابر تقسیم ہوگا، اس میں مونث اور مذکر برابر ہیں اور خاوند کی ماں اور اس کی دادی اور دیگر سب برابر ہیں۔ ''اتقانی''۔ اور یہاں موصی کے فوت ہونے کے وقت اس کی محرمات اور ان کے خاوندوں کے درمیان نکاح کا موجود ہونا بھی شرط ہے جیسا کہ اسے ''الطوری'' نے نقل کیا ہے۔

36489۔ (قولہ: وَفِي عُرْفِنَا الصِّهْرُ أَبُو الْمَرْأَةِ وَأُمُّهَا) اور ہمارے عرف میں صہر سے مراد بیوی کے والدین

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب العتق، باب فی بیع المکاتب اذا نسخت الکتابة، جلد 3، صفحہ 135، حدیث نمبر 3429، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وَالْخَتَنُ زَوْجُ الْمَحْرَمِ فَقَطْ زَيْلَعِيٌّ وَغَيْرُهُ زَادَ الْقُهُسْتَانِيُّ وَيَنْبَغِي فِي دِيَارِنَا أَنْ يَخْتَصَّ الصِّهْرُ بِأَبِي الزَّوْجَةِ، وَالْخَتَنُ بِزَوْجِ الْبِنْتِ لِأَنَّهُ الْمَشْهُورُ (وَأَهْلِ زَوْجَتِهِ) وَقَالَا كُلُّ مَنْ فِي عِيَالِهِ وَنَفَقَتِهِ غَيْرَ مَمَالِيكِهِ، وَقَوْلُهُمَا اسْتِحْسَانٌ شَرْحُ تَكْمِلَةٍ قَالَ ابْنُ الْكَمَالِ وَهُوَ مُؤَيَّدٌ بِالنَّصِّ، قَالَ تَعَالَى فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ قُلْت وَجَوَابُهُ فِي الْمُطَوَّلَاتِ (وَآلُهُ أَهْلُ بَيْتِهِ) وَقَبِيلَتُهُ الَّتِي يُنْسَبُ إِلَيْهَا

اور ختن سے مراد محرم عورت کا خاوند ہے۔''زیلعی''وغیرہ۔''قہستانی'' نے یہ زیادہ کیا ہے کہ ہمارے دیار میں چاہیے کہ صہر بیوی کے خاوند کے ساتھ مختص ہو، اور ختن بیٹی کے خاوند کے ساتھ، کیونکہ یہی مشہور ہے۔ اور آدمی کے اہل سے مراد اس کی بیوی ہے۔ اور''صاحبین'' رحمہما اللہ نے کہا ہے: اہل سے مراد آدمی کے غلاموں کے سوا ہر وہ آدمی ہے جو اس کے عیال میں داخل ہو اور اس کا نفقہ اس کے ذمہ ہو۔ اور''صاحبین'' رحمہما اللہ کا قول استحسان ہے۔''شرح تکملۃ''۔''ابن کمال'' نے کہا ہے: اور اس کی تائید نص سے کی گئی ہے جو کہ یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ (پس ہم نے اسے اور اس کے اہل کو نجات دلائی سوائے اس کی بیوی کے) میں کہتا ہوں: اور اس کا جواب مطولات میں ہے۔ اور اس کی آل سے مراد اس کے اہل بیت (گھر والے) اور اس کا وہ قبیلہ ہے جس کی طرف وہ (موصی) منسوب ہے۔

ہیں۔ یہ مکرر ذکر کیا گیا ہے اس کے باوجود کہ اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔''طحطاوی''۔

36490۔(قولہ: غَيْرَ مَمَالِيكِهِ) یعنی اس کے غلاموں اور اس کے وارث کے سوا''شرنبلالیہ''اور''اتقانی''۔

لفظ اہل کے مصداق میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور''صاحبین'' رحمہما اللہ کے اقوال

36491۔(قولہ: قُلْت وَجَوَابُهُ فِي الْمُطَوَّلَاتِ) میں نے کہا ہے: اور اس کا جواب مطولات میں ہے، اور وہ یہ ہے کہ یہ اسم (اہل) زوجہ (بیوی) کے لیے حقیقت ہے اور نص اور عرف اس کی شہادت دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا (القصص:29) (آپ نے اپنے اہل خانہ سے کہا تم ذرا ٹھہرو)۔

اور اسی سے ان کا یہ قول ہے: تأهل ببلدة كذا (اس فلاں نے شہر میں شادی کر لی) اور مطلق حقیقۃ مستعملہ پر محمول ہوتا ہے۔''زیلعی''۔ یہ اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ جس سے''صاحبین'' رحمہما اللہ نے استدلال کیا ہے وہ استثناء کے قرینہ کے ساتھ غیر مطلق ہے، اور''شارح'' کا میلان''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی ترجیح کی طرف ہے اگرچہ وہ قیاس ہے۔ اسی لیے''الدر المنتقی'' میں کہا ہے: لیکن متون''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہیں اور''مصنف'' نے بھی اسے مقدم کیا ہے۔ پس چاہیے کہ اسے یاد رکھا جائے۔ اور یہ تب ہے جب زوجہ کتابیہ ہو یا ورثا نے اجازت دی ہو۔ اور''ابوالسعود'' نے''حموی'' سے نقل کیا ہے: اس کا حکم دیکھا جائے گا کہ عورت اپنے اہل کے لیے وصیت کرے کیا وہ صرف خاوند ہوگا اور کوئی نہیں۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ نہیں۔ کیونکہ اس میں نہ کوئی حقیقت ہے اور نہ عرف۔

36492۔(قولہ: وَقَبِيلَتُهُ) یہ''مصنف'' کے قول: اہل بیتہ کے لیے عطف تفسیر ہے۔ اس پر دلیل''ہدایہ'' کا

(وَ) حِينَئِذٍ (يَدْخُلُ فِيهِ كُلُّ مَنْ يُنْسَبُ إِلَيْهِ مِنْ قِبَلِ آبَائِهِ إِلَى أَقْصَى أَبٍ لَهُ فِي الْإِسْلَامِ) سِوَى الْأَبِ الْأَقْصَى لِأَنَّهُ مُضَافٌ إِلَيْهِ قُهُسْتَانِيٌّ عَنْ الْكَرْمَانِيِّ (الْأَقْرَبُ وَالْأَبْعَدُ وَالذَّكَرُ وَالْأُنْثَى وَالْمُسْلِمُ وَالْكَافِرُ وَالصَّغِيرُ وَالْكَبِيرُ فِيهِ سَوَاءٌ) وَيَدْخُلُ فِيهِ الْغَنِيُّ وَالْفَقِيرُ إِنْ كَانُوا لَا يُحْصَوْنَ كَمَا فِي الِاخْتِيَارِ

اور اس وقت اس میں ہر وہ آدمی داخل ہوگا جو اس کے آبا کی جانب سے اسلام میں اس کے آخری باپ تک اس کی طرف منسوب ہے سوائے آخری باپ کے، کیونکہ وہ مضاف الیہ ہے۔ ''قہستانی'' نے ''الکرمانی'' سے نقل کیا ہے۔ اس میں قریبی اور بعیدی، مذکر اور مونث، مسلمان اور کافر، صغیر اور کبیر سبھی برابر ہیں۔ اور اس میں غنی اور فقیر داخل ہوتے ہیں اگرچہ وہ محصور نہ ہوں جیسا کہ ''الاختیار'' میں ہے۔

قول ہے: اس لیے کہ آل وہ قبیلہ ہے جس کی طرف وہ منسوب ہوتا ہے۔

36493۔ (قولہ: مَنْ يُنْسَبُ إِلَيْهِ) اس میں مضاف محذوف ہے یعنی الی نسبہ، یعنی جس کے نسب کی طرف وہ منسوب ہوتا ہے، اس طرح کہ وہ اس کا شریک ہوتا ہے اور اس کے آباء میں سے کسی ایک میں اس کے ساتھ جمع ہوتا ہے اگرچہ وہ جد اعلیٰ ہو۔ یہ میرے لیے ظاہر ہوا ہے اور اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر موصی کا قبیلہ جس کی طرف اس کی ذات منسوب نہ ہو (نہیں ہوسکتا) مگر تب جب وہ خود قبیلے کا باپ ہو۔

پھر میں نے ''الاسعاف'' میں وہ دیکھا جو انہوں نے بیان کیا ہے: کہ آدمی کے اہل بیت، اس کی آل اور اس کی جنس سے مراد ایک ہے، اور وہ ہر وہ آدمی ہے جس کے ساتھ آباء میں سے اسلام میں آخری باپ تک وہ مناسبت رکھتا ہے، اور وہ وہ ہے جس نے اسلام کا زمانہ پایا چاہے اسلام قبول کیا یا نہ کیا۔ پس مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے جو بھی اس باپ کی طرف منسوب ہوگا وہ اس کی اہل بیت میں سے ہوگا۔ پس ان کے قول يناسِبُهٗ سے مراد ہے جو کوئی اس کے نسب میں شریک ہوگا، اور یہ ''مصنف'' کے قول: ينسب اليه سے اولیٰ اور بہتر ہے جیسا کہ یہ امر مخفی نہیں ہے۔

36494۔ (قولہ: لِأَنَّهُ مُضَافٌ إِلَيْهِ) کیونکہ وہ مضاف الیہ ہے، اور وصیت مضاف کے لیے ہوتی ہے نہ کہ مضاف الیہ کے لیے۔ اسے ''زیلعی'' نے ''الکافی'' سے نقل کیا ہے۔ علامہ ''طحطاوی'' نے کہا ہے: اور اس میں یہ ہے کہ یہ معنی ظاہر نہیں ہوگا مگر تب اگر وہ کہے مثلاً میں نے آل عباس کے لیے وصیت کی، لیکن اگر اس نے کہا: میں نے اپنی آل کے لیے، یہ ... کے لیے وصیت کی اور وہ آخری باپ نہ ہو تو یہ معنی ظاہر نہیں ہوگا، اور اگر وہ اس طرح علت بیان کرتے کہ آخری باپ کو اس کی اہل بیت نہیں کہا جائے گا تو یہ اولیٰ اور بہتر ہوتا۔

میں کہتا ہوں: اور ''ہدایہ'' کی عبارت: أوصى لآل فلانٍ ہے یعنی اس نے آل فلاں کے لیے وصیت کی۔

36495۔ (قولہ: إِنْ كَانُوا لَا يُحْصَوْنَ) اس میں ''الاختیار'' کی عبارت: وان كان لا يحصون (اگرچہ وہ محصور نہ ہوں) ہے۔

وَيَدْخُلُ فِيهِ أَبُوهُ وَجَدُّهُ وَابْنُهُ وَزَوْجَتُهُ كَمَا فِي شَرْحِ التَّكْمِلَةِ، يَعْنِي إِذَا كَانُوا لَا يَرِثُونَهُ (وَلَا يَدْخُلُ فِيهِ أَوْلَادُ الْبَنَاتِ) وَأَوْلَادُ الْأَخَوَاتِ وَلَا أَحَدٌ مِنْ قَرَابَةِ أُمِّهِ لِأَنَّ الْوَلَدَ إِنَّمَا يُنْسَبُ لِأَبِيهِ لَا لِأُمِّهِ (وَجِنْسُهُ أَهْلُ بَيْتِ أَبِيهِ) لِأَنَّ الْإِنْسَانَ يَتَجَنَّسُ بِأَبِيهِ لَا بِأُمِّهِ (وَكَذَا أَهْلُ بَيْتِهِ وَأَهْلُ نَسَبِهِ) كَآلِهِ وَجِنْسِهِ فَحُكْمُهُ كَحُكْمِهِ (وَلَوْ أَوْصَتِ الْمَرْأَةُ لِجِنْسِهَا أَوْ لِأَهْلِ بَيْتِهَا لَا يَدْخُلُ وَلَدُهَا) أَيْ وَلَدُ الْمَرْأَةِ لِأَنَّهُ يُنْسَبُ إِلَى أَبِيهِ لَا إِلَيْهَا (إِلَّا أَنْ يَكُونَ أَبُوهُ) أَيِ الْوَلَدِ (مِنْ قَوْمِ أَبِيهَا) فَحِينَئِذٍ يَدْخُلُ لِأَنَّهُ مِنْ جِنْسِهَا دُرَرٌ وَكَافِي وَغَيْرُهَا

اور اس میں اس کا باپ، دادا، بیٹا اور اس کی بیوی داخل ہوتے ہیں جیسا کہ ''شرح التکملہ'' میں ہے یعنی جب وہ اس کے وارث نہ ہوں۔ اور اس میں بیٹیوں کی اولاد، بہنوں کی اولاد اور اس کی ماں کے قرابتداروں میں سے کوئی ایک داخل نہیں ہو گا۔ کیونکہ بیٹا اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے نہ کہ اپنی ماں کی طرف) اور موصی کی جنس اس کے باپ کے اہل بیت ہیں۔ کیونکہ انسان اپنے باپ کا ہم جنس ہوتا ہے نہ کہ اپنی ماں کا۔ اور اسی طرح اس کے اہل بیت اور اہل نسب اس کی آل اور اس کی جنس کی طرح ہیں۔ پس اس کا حکم اس کے حکم کی طرح ہی ہے۔ اور اگر عورت نے اپنی جنس یا اہل بیت کے لیے وصیت کی تو اس عورت کا بیٹا اس میں داخل نہیں ہوگا کیونکہ وہ اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے نہ کہ اس کی طرف، مگر یہ کہ اس بچے کا باپ اس عورت کے باپ کی قوم سے ہو تو اس وقت وہ داخل ہوگا، کیونکہ وہ اس کی جنس سے ہے۔ ''درر'' اور ''کافی'' وغیرہ۔

36496۔ (قولہ: وَزَوْجَتُهُ) اور اس کی بیوی، جبکہ وہ اس کے باپ کی قوم سے ہو۔ ''سائحانی''۔

36497۔ (قولہ: وَلَا يَدْخُلُ فِيهِ أَوْلَادُ الْبَنَاتِ الخ) یعنی جب ان کے آباء اسکی قوم سے نہ ہوں، ''سائحانی''۔

36498۔ (قولہ: يَتَجَنَّسُ بِأَبِيهِ) آدمی اپنے باپ کا ہم جنس ہوتا ہے، یعنی وہ کہتا ہے: میں فلاں کی جنس سے ہوں۔ ''غایۃ البیان'' میں کہا ہے: کیونکہ جنس نسب سے عبارت ہے اور نسب باپوں کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ ''طحطاوی''۔

اگر عورت نے اپنی آل یا اہل بیت کے لیے وصیت کی تو اس کا حکم

36499۔ (قولہ: كَآلِهِ وَجِنْسِهِ) یہ ''مصنف'' کے قول: وکذا میں اسم اشارہ کے مرجع کا بیان ہے یعنی اس کے اہل بیت اور اہل نسب اس کی آل اور جنس کی مثل ہیں اس معنی میں کہ وہ تمام سے مراد اس کے باپ کی قوم ہے نہ کہ اس کی ماں کی قوم، اور وہ اس کا وہ قبیلہ ہے جس کی طرف وہ منسوب ہوتا ہے۔

''ہندیہ'' میں کہا ہے: اور اگر اس نے اپنے اہل بیت کے لیے وصیت کی تو وہ تمام اس میں داخل ہوں گے اور انہی میں اسلام میں آخری باپ بھی ہے یہاں تک کہ اگر موصی علوی یا عباسی ہوا تو اس میں ہر وہ آدمی داخل ہوگا جو باپ کی طرف سے حضرت علی یا حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہوگا نہ کہ وہ جو ماں کی طرف سے منسوب ہوگا۔ اور اسی طرح ہے اگر اس نے اپنے حسب یا نسب کے لیے وصیت کی۔ کیونکہ یہ اس سے عبارت ہے جو باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے نہ کہ ماں کی طرف۔ اور اسی طرح حکم ہے جب وہ فلاں کی جنس کے لیے وصیت کرے تو مراد بنو الاب (باپ کے بیٹے) ہوں گے۔ اور

قُلْت وَمُفَادُهُ أَنَّ الشَّرَفَ مِنْ الْأُمِّ فَقَطْ غَيْرُ مُعْتَبَرٍ كَمَا فِي أَوَاخِرِ فَتَاوَى ابْنِ نُجَيْمٍ وَبِهِ أَفْتَى شَيْخُنَا الرَّمْلِيُّ، نَعَمْ لَهُ مَزِيَّةٌ فِي الْجُمْلَةِ

میں کہتا ہوں: اور اس کا مفاد یہ ہے کہ صرف ماں کی طرف سے شرف وکرامت غیر معتبر ہے جیسا کہ ''فتاویٰ ابن نجیم'' کے اواخر میں ہے۔ اور اسی کے مطابق ہمارے شیخ ''الرملی'' نے فتویٰ دیا ہے۔ ہاں اس کو فی الجملہ فضیلت حاصل ہے۔

اسی طرح اللحمة بھی جنس سے عبارت ہے۔ اور اسی طرح آل فلاں کے لیے وصیت فلاں کے اہل بیت کے لیے وصیت کے قائم مقام ہے۔ ملخصاً۔

حسب ونسب باپ کے ساتھ مختص ہوتا ہے ماں کے ساتھ نہیں

36500۔ (قولہ: وَمُفَادُهُ الخ) ''البدائع'' سے ''ہندیہ'' کا قول اس کی تائید کرتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حسب و نسب باپ کے ساتھ مختص ہوتا ہے نہ کہ ماں کے ساتھ۔ پس اس پر زکوٰۃ حرام نہیں ہوگی، اور نہ وہ ہاشمیہ (عورت) کا کفو (ہمسر) ہوگا، اور نہ ہی وہ اس وقف میں شامل ہوگا جو سادات کے لیے ہے۔ ''طحطاوی''۔

36501۔ (قولہ: وَبِهِ أَفْتَى شَيْخُنَا الرَّمْلِيُّ) اور اسی کے بارے ہمارے شیخ ''الرملی'' نے فتویٰ دیا ہے، اس حیثیت سے کہ انہوں نے اپنے فتاویٰ باب ثبوت النسب میں کہا ہے جس کا ماحاصل یہ ہے: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کے لیے عمومی شرف اور فضیلت ہے، اور اسی طرح اس کی اولاد کے لیے اور آگے آخر زمانہ تک آنے والی ان کی اولاد کے لیے فضیلت و شرف حاصل ہے۔ لیکن رہا اصل نسب تو وہ آباء کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور زینب بنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہما جو کہ حضرت عبداللہ بن جعفر الطیار رضی اللہ عنہما کی زوجہ محترمہ تھیں ان کی اولاد کے بارے میں بھی پوچھا گیا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ بلاشبہ اشراف اور سادات ہیں۔ کیونکہ شریف (اور صاحب فضل) ہر وہ ہے جو اہل بیت سے ہو چاہے وہ علوی ہو، یا جعفری ہو، یا عباسی ہو، لیکن آل کا شرف ان کے لیے ہے جن پر صدقہ حرام ہے، نہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت کا شرف۔ کیونکہ علماء نے ذکر کیا ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں کی اولاد آپ کی طرف منسوب ہوتی ہے اور یہ خصوصیت طبقہ علیا کے لیے ہے۔ پس حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی چاروں اولادیں یعنی حضرت امام حسن، حضرت امام حسین، حضرت ام کلثوم اور حضرت زینب رضی اللہ عنہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ اور حضرت امام حسین اور امام حسن رضی اللہ عنہما کی اولاد دونوں کی طرف منسوب ہوتی ہے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہوتے ہیں، اور حضرت زینب اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما کی اولاد اپنے باپوں کی طرف منسوب ہوتی ہے نہ کہ اپنی ماؤں کی طرف۔ پس وہ نہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور نہ ہی آپ کے والد حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کی بیٹی کی اولاد ہے نہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کی اولاد ہے۔ پس ان میں شرع شریف کے قاعدہ کے مطابق حکم جاری ہوگا کہ بچہ نسب میں اپنے باپ کے تابع ہوتا ہے نہ کہ اپنی ماں کے۔ بلاشبہ صرف حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد اس خصوصیت کی وجہ سے اس قاعدہ

(وَإِنْ أَوْصَى لِأَقَارِبِهِ أَوْ لِذِي قَرَابَتِهِ) كَذَا النُّسَخُ قُلْت صَوَابُهُ لِذَوِي (أَوْ لِأَرْحَامِهِ أَوْ لِأَنْسَابِهِ فَهِيَ لِلْأَقْرَبِ فَالْأَقْرَبِ مِنْ كُلِّ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ،

اور کسی آدمی نے اپنے اقارب یا اپنی قرابت والوں کے لیے وصیت کی۔ اسی طرح نسخوں میں ہے۔ میں کہتا ہوں: اس میں درست لذی کے بجائے لذوی ہے۔ یا اس نے اپنے ذوی الارحام یا ذوی الانساب کے لیے وصیت کی تو یہ وصیت اس کے ہر ذی رحم محرم میں سے سب سے قریبی اور پھر اس کے بعد قریبی کے لیے ہوگی،

سے خارج ہے جس کے بارے حدیث طیبہ وارد ہے، اور وہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کی اولاد پر محصور ہے۔ لیکن مطلق وہ شرف اور سیادت جو آل کے لیے ہے وہ انہیں شامل ہے۔ البتہ وہ شرف خاص جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کا شرف ہے وہ انہیں شامل نہیں۔ ملخصاً۔ اور اس کی اصل علامہ ''ابن حجر'' کی شافعی کی ہے۔

میں کہتا ہوں: بلاشبہ ان کے لیے اس آل کا شرف ہوگا جس کے لیے صدقہ حرام کیا گیا ہے جب ان کا باپ آل میں سے ہو جیسا کہ گزر چکا ہے، اور یہی اس حدیث سے مراد ہے جسے ''ابونعیم'' وغیرہ نے روایت کیا ہے: كل ولد آدم فانّ عصبتهم لأبيهم، ماخلا ولد فاطمة فانّي أنا أبوهم و عصبتهم(1) (تمام اولاد آدم میں بلاشبہ ان کا عصبہ ان کے باپ کی طرف سے ہوتا ہے سوائے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کے، کیونکہ میں ان کا باپ اور ان کا عصبہ ہوں)۔

36502۔ (قولہ: وَإِنْ أَوْصَى لِأَقَارِبِهِ الخ) اور اگر اس نے اپنے اقارب کے لیے وصیت کی۔ ''الملتقی'' میں واقرباءہ و ذوی أرحامہ زائد ہے یعنی اس نے اپنے قریبیوں اور ذوی الارحام کے لیے وصیت کی۔

36503۔ (قولہ: كَذَا النُّسَخُ) اسی طرح نسخوں میں ہے، اور اسی طرح ''کنز''، ''غرر'' اور ''الاصلاح'' میں ہے۔

36504۔ (قولہ: قُلْت صَوَابُهُ لِذَوِي) میں کہتا ہوں: اس میں درست لذوی جمع کے ساتھ ہے جیسا کہ ''الملتقی'' میں ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ جب وہ اپنے ذی قرابہ کے لیے وصیت کرے اور اس کا ایک چچا اور دو ماموں ہوں تو وہ سب مال چچا کے لیے ہوگا، کیونکہ یہ لفظ مفرد ہے اور ایک تمام وصیت کو اکٹھا کر سکتا ہے جب وہ اقرب ہو۔ ''زیلعی''۔ اور ''غرر الافکار'' میں ہے: جب اس نے لقرابتہ یا لذی قرابتہ یا لذی نسبہ کہا تو ایک آدمی تمام کے نزدیک کل وصیت کا مستحق ہوگا۔

36505۔ (قولہ: أَوْ لِأَنْسَابِهِ) ''زیلعی'' نے اس میں شبہ ظاہر کیا ہے اس طرح کہ یہ نسب کی جمع ہے۔ اور اس میں ہے: ماں کی جانب سے اس کے قرابتدار وصیت میں داخل نہیں ہوتے تو وہ یہاں اس میں کیسے داخل ہو گئے!۔ اور ''شلبی'' نے اس طرح جواب دیا ہے کہ أنسابہ سے مراد نسبت کی حقیقت ہے اور وہ ماں سے بھی باپ کی طرح ثابت ہے۔

میں کہتا ہوں: اور انہی میں ہے کہ فقہاء نے اس کے اہل نسب میں آباء کی جانب سے نسب کا اعتبار کیا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے، تو پھر ان دونوں کے درمیان کیا فرق ہے؟

36506۔ (قولہ: فَهِيَ لِلْأَقْرَبِ فَالْأَقْرَبِ الخ) پس یہ زیادہ قریبی اور پھر اس کے بعد زیادہ قریبی کے لیے ہے

1۔ موضوعات، حرف الکاف، صفحہ 176، حدیث نمبر 678

وَلَا يَدْخُلُ الْوَالِدَانِ، قِيلَ مَنْ قَالَ لِلْوَالِدِ قَرِيبٌ فَهُوَ عَاقٌّ
اور والدین اس میں داخل نہیں ہوں گے۔ کہا گیا ہے: جس نے والد کو قریب کہا تو اس نے نافرمانی کی۔

الخ۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ شرائط کا اعتبار کیا ہے: اور وہ اس کا ذی رحم محرم ہونا، دو اور دو سے زیادہ ہونا، باپ اور بیٹے کے سوا کسی اور کا ہونا، غیر وارث ہونا، اور اقرب فالاقرب ہونا ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: ہر وہ مراد ہے جسے اور اس کے باپ کو اسلام میں آخری باپ جامع ہو۔ اور انہوں نے دو شرطوں میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کیا ہے: ایک محرمیت اور ایک قرب (محرم ہونا اور قریبی ہونا)۔ پس ان کے نزدیک رحم محرمیت کے بغیر کافی ہے، اور قریبی اور بعیدی برابر ہیں۔ اور دو اور دو سے زائد کے اعتبار پر اتفاق کیا ہے، کیونکہ یہ جمع کا اسم ہے اور تثنیہ جمع کی مثل ہے، اور اس پر اتفاق کیا ہے کہ وہ وارث نہ ہو اور نہ ہی باپ یا بیٹا ہو۔ ''اتقانی'' نے ''المختلف'' سے تلخیص کے ساتھ نقل کیا ہے۔ لیکن ''زیلعی'' نے کہا ہے: دونوں مذہبوں کے مطابق آزاد اور غلام، مسلمان اور کافر، صغیر اور کبیر، مذکر اور مونث اس میں برابر ہیں۔ اور بلاشبہ یہ ''امام صاحب'' کے نزدیک دو اور دو سے زائد کے لیے ہوگی۔ اور اسی طرح ''السعدیہ'' میں ''الکافی'' سے نقل کیا گیا ہے۔ پھر کہا ہے: اور یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے مخالف ہے جو تین امہات اولاد، فقراء، اور مساکین کے لیے وصیت کے بارے میں ہے، اس حیثیت سے کہ اس میں آپ نے جمعیت کا اعتبار کیا ہے اور یہاں اعتبار نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں: اور پہلے قول کی بنا پر کوئی مخالفت نہیں ہے گویا کہ یہ دو روایتیں ہیں۔ تأمل۔ پھر میں نے ''الحقائق'' اور ''القہستانی'' میں دونوں قول دیکھے ہیں۔ اسے یاد رکھ لو۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہی صحیح ہے جیسا کہ ''تصحیح القدوری'' اور ''الدر المنتقی'' میں ہے۔

تنبیہ

''غرر الافکار'' اور ''شرح المجمع'' میں ''الحقائق'' سے ذکر کیا ہے: جب ان الفاظ کے ساتھ الأقرب فالأقرب کا ذکر کیا جائے تو بالاتفاق جمع کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ الأقرب مفرد اسم ہے جو پہلے کے لیے بطور تفسیر ذکر ہوا ہے اور اس میں محرم اور غیر محرم داخل ہوتے ہیں، لیکن اقرب کو اس کی صریح شرط ہونے کی وجہ سے مقدم کیا جائے گا۔ اور ''الشرنبلالیہ'' اور ''الاختیار'' میں بھی اسے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ 1230ھ کا اس آدمی کے بارے میں نیا فتویٰ ہے جس نے اپنے ارحام کے لیے وصیت کی تو ان میں سے الأقرب فالأقرب ہوگا۔ پس یہ فتویٰ بشمول غیر محارم کے دیا گیا جیسا کہ وہ اس طرح صراحۃً منقول ہے۔

36507۔ (قولہ: قِيلَ الخ) ''المعراج'' میں کہا ہے: اور خبر (روایت) میں ہے: من سمی والدہ قریبًا عقہ (جس نے اپنے والد کو قریب کا نام دیا اس نے اس کی نافرمانی کی) اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد: الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ (البقرہ: 180) میں الأقربین کا الوالدین پر عطف کیا ہے، اور فی الحقیقت شے کا عطف اپنے غیر پر کیا جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ لوگوں کی زبان میں قریب کا لفظ اس پر بولا جاتا ہے جو کسی واسطہ کے ساتھ اپنے غیر کے قریب ہوتا

(وَالْوَلَدُ) وَلَوْ مَمْنُوعَيْنِ بِكُفْرٍ أَوْ رِقٍّ كَمَا يُفِيدُهُ عُمُومُ قَوْلِهِ (وَالْوَارِثُ) وَأَمَّا الْجَدُّ وَوَلَدُ الْوَالِدِ فَيَدْخُلُ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، وَقِيلَ لَا وَاخْتَارَهُ فِي الِاخْتِيَارِ

اور بیٹا بھی اس میں داخل نہیں ہوگا اگرچہ کفر یا غلامی کے سبب انہیں وراثت سے روک دیا گیا ہو جیسا کہ عموم قول اس کا فائدہ دیتا ہے، اور وارث اس میں داخل نہیں ہوگا۔ لیکن دادا اور پوتا اس میں داخل ہوں گے اور یہ ظاہر روایت میں ہے۔ اور بعض نے کہا ہے: نہیں۔ اور ''الاختیار'' میں اسے ہی اختیار اور پسند کیا ہے۔

ہے۔ اسی طرح ''المبسوط'' میں ہے: یعنی والدین اور بیٹا بغیر کسی واسطہ کے بذات خود قریب ہوتے ہیں۔

36508۔ (قولہ: وَلَوْ مَمْنُوعَيْنِ) اگرچہ وہ وراثت سے روک دیئے گئے ہوں، یہ جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے۔ ''طحطاوی''۔

36509۔ (قولہ: كَمَا يُفِيدُهُ عُمُومُ قَوْلِهِ وَالْوَارِثُ) جیسا کہ اس کے قول کا عموم اس کا فائدہ دیتا ہے یعنی ان کے شامل نہ ہونے کا فائدہ دیتا ہے اگرچہ انہیں وراثت سے روک دیا گیا ہو۔ کیونکہ اگر اس میں علت ان کا وارث ہونا ہوتو پھر ان کے شامل نہ ہونے پر نص بیان کرنے کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ تو اس کے قول والوارث کے ساتھ نکل جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے عموم کے سبب انہیں شامل ہے۔ تو جب ''مصنف'' نے اس پر اکتفا نہیں کیا اور انہیں خارج کرنے پر نص بیان کی ہے تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ ''مصنف'' نے ارادہ یہ کیا ہے کہ وہ داخل نہیں ہوں گے برابر ہے کہ وہ وارث ہوں یا انہیں وراثت سے روک دیا جائے۔ فافہم۔

36510۔ (قولہ: وَالْوَارِثُ) انہوں نے اس کی علت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کے ساتھ بیان کی ہے: لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ(1) (وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں) اور اسی کے ساتھ اس کی توجیہ بیان ہوتی ہے جو بعض نے بحث کی ہے کہ یہ اس صورت میں ہے اگر وہ اپنے اقارب کے لیے وصیت کرے، لیکن اگر وہ فلاں کے اقارب کے لیے وصیت کرے تو پھر چاہیے کہ وارث خارج نہ ہو۔

36511۔ (قولہ: فَيَدْخُلُ) پس وہ داخل ہوگا، اس میں اولیٰ فیدخلان ہے یعنی وہ دونوں داخل ہوں گے، ''طحطاوی''۔

36512۔ (قولہ: وَاخْتَارَهُ فِي الِاخْتِيَارِ) اور ''الاختیار'' میں اسے ہی اختیار کیا ہے۔ اس حیثیت سے کہ انہوں نے اسی پر اقتصار کیا ہے، اور اس کی علت اس طرح بیان کی ہے کہ لغوی طور پر قریب وہ آدمی ہوتا ہے جو غیر کے واسطہ کے ساتھ اپنے غیر کے قریب ہو اور دونوں کے درمیان جزئیت معدوم ہو۔ من یتقرب الی غیرہ بواسطة غیرہ و تکون الجزئیة بینهما منعدمة اور ''ابو السعود'' نے علامہ ''قاسم'' کے واسطہ سے ''البدائع'' سے نقل کیا ہے کہ یہی صحیح ہے، پھر کہا: لیکن ''شرح الحموی'' میں اسی کے خط کے ساتھ یہ ہے کہ داخل ہونا ہی اصح ہے۔

1۔ سنن ترمذی، کتاب الوصایا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ماجاء لا وصیة لوارث، جلد 2، صفحہ 105، حدیث نمبر 2046

(وَيَكُونُ لِلِاثْنَيْنِ فَصَاعِدًا) يَعْنِي أَقَلُّ الْجَمْعِ فِي الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ كَمَا فِي الْمِيرَاثِ (فَإِنْ كَانَ لَهُ) لِلْمُوصِي (عَمَّانِ وَخَالَانِ فَهِيَ لِعَمَّيْهِ) كَالْإِرْثِ، وَقَالَا أَرْبَاعًا (وَلَوْ لَهُ عَمٌّ وَخَالَانِ كَانَ لَهُ النِّصْفُ وَلَهُمَا النِّصْفُ) وَقَالَا أَثْلَاثًا (وَلَوْ عَمٌّ وَاحِدٌ لَا غَيْرُ فَلَهُ نِصْفُهَا وَيُرَدُّ النِّصْفُ) الْآخَرُ (إِلَى الْوَرَثَةِ)

اور یہ دو اور دو سے زیادہ کے لیے ہوگی یعنی وصیت میں کم سے کم جمع دو ہے جیسا کہ میراث میں ہے۔ پس اگر موصی کے دو چچا اور دو ماموں ہوں تو وصیت وراثت کی طرح اس کے دو چچاؤں کے لیے ہوگی۔ اور "صاحبین" رحمۃاللہ علیہما نے کہا ہے: وہ چار حصوں میں تقسیم ہوگی۔ اور اگر اس کا ایک چچا اور دو ماموں ہوں تو چچا کے لیے نصف ہوگا اور نصف ان دونوں کے لیے ہوگا۔ اور "صاحبین" رحمۃاللہ علیہما نے کہا ہے: اس کے تین حصے ہوں گے۔ اور اگر صرف ایک چچا ہو اور کوئی نہ ہو تو اس کے لیے نصف ہوگا اور دوسرا نصف ورثا کی طرف واپس لوٹا دیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: اور "المواہب" کے متن کی عبارت: وأدخل ہے یعنی امام "محمد" رحمۃاللہ علیہ نے دادے اور پوتے کو داخل کیا ہے اور یہی "صاحبین" رحمۃاللہ علیہما سے ظاہر روایت ہے، اور الحفدۃ حَافِد کی جمع ہے اس کا معنی پوتا ہے۔ اور دادا کی مثل ہی دادی ہے جیسا کہ "المجمع" میں ہے۔

36513۔ (قولہ: وَيَكُونُ لِلِاثْنَيْنِ) اور وہ جمع کے ساتھ تعبیر میں دو کے لیے ہوگی بخلاف اس کے کہ جب وہ کہے: لذی قرابتہ جیسا کہ ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اسے "طحطاوی" نے بیان کیا ہے۔

36514۔ (قولہ: يَعْنِي أَقَلُّ الْجَمْعِ) یعنی کم سے کم جمع، اس سے زیادہ واضح یہ کہنا تھا: لأن أقل الجمع، "طحطاوی"۔ (کیونکہ کم سے کم جمع دو ہے)۔

36515۔ (قولہ: فَهِيَ لِعَمَّيْهِ) تو وہ وصیت اس کے چچاؤں کے لیے ہوگی، کیونکہ وہ دونوں ماموؤں کی نسبت زیادہ قریب ہیں، کیونکہ ان کی قرابت باپ کی جانب سے ہے اور انسان اپنے باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ ولایت نکاح چچا کو حاصل ہے نہ کہ ماموں کو۔ پس یہ ثابت ہو گیا کہ وہ دونوں حکم کے اعتبار سے زیادہ قریب ہیں۔ "اتقانی"۔ اور یہ وہاں ہے جہاں وارث ان دونوں کے سوا ہو، اور اسی طرح مابعد صورت میں بھی کہا جائے گا اور یہی ظاہر ہے۔

36516۔ (قولہ: وَقَالَا أَرْبَاعًا) اور "صاحبین" رحمۃاللہ علیہما نے کہا ہے: چار حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، کیونکہ انہوں نے اقرب ہونے کا اعتبار نہیں کیا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

36517۔ (قولہ: وَلَهُمَا النِّصْفُ) اور ان دونوں کے لیے نصف ہوگا، کیونکہ ایک چچا پر جمع کا اسم واقع نہیں ہو سکتا۔ پس وہ تمام وصیت کا مستحق نہیں ہو سکتا، پس جب نصف اسے دے دیا گیا اور نصف باقی رہ گیا تو اسے دونوں ماموؤں کی طرف پھیر دیا جائے۔ کیونکہ وہ دونوں چچا کے بعد اس کے زیادہ قریبی ہیں لہٰذا باقی نصف میں اس طرح کیا جائے گویا اس نے صرف دو ماموؤں کو ہی چھوڑا ہے۔ "اتقانی"۔

لِعَدَمِ مَنْ يَسْتَحِقُّهُ (وَلَوْ عَمٌّ وَعَمَّةٌ اسْتَوَيَا) لِاسْتِوَاءِ قَرَابَتِهِمَا (وَلَوْ انْعَدَمَ الْمَحْرَمُ بَطَلَتْ) خِلَافًا لَهُمَا (وَلِوَلَدِ فُلَانٍ) فَهِيَ (لِلذَّكَرِ وَالْأُنْثَى سَوَاءٌ) لِأَنَّ اسْمَ الْوَلَدِ يَعُمُّ الْكُلَّ حَتَّى الْحَمْلِ وَلَا يَدْخُلُ وَلَدُ ابْنٍ مَعَ وَلَدِ صُلْبٍ، فَلَوْ لَهُ بَنَاتٌ لِصُلْبِهِ وَبَنُو ابْنٍ فَهِيَ لِلْبَنَاتِ عَمَلًا بِالْحَقِيقَةِ، فَلَوْ تَعَذَّرَتْ صُرِفَ إِلَى الْمَجَازِ تَحَرُّزًا عَنِ التَّعْطِيلِ، وَلَا يَدْخُلُ أَوْلَادُ الْبَنَاتِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ يَدْخُلُونَ اخْتِيَارٌ (وَلِوَرَثَةِ فُلَانٍ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ) لِأَنَّهُ اعْتَبَرَ الْوِرَاثَةَ (وَشَرْطُ صِحَّتِهَا) أَيِ الْوَصِيَّةِ

اس لیے کہ اس کا مستحق موجود نہیں ہے۔ اور اگر ایک چچا اور ایک پھوپھی ہو تو ان دونوں کی قرابت مساوی ہونے کی وجہ سے وہ دونوں برابر ہوں گے۔ اور اگر محرم معدوم ہو تو وصیت باطل ہوگی۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ اور اگر ولد فلاں کے لیے وصیت کی تو یہ مذکر اور مونث دونوں کے لیے برابر ہوگی، کیونکہ ولد کا اسم تمام کو شامل ہوتا ہے حتیٰ کہ حمل کو بھی، اور پوتا صلبی بیٹے کے ساتھ داخل نہیں ہوگا۔ پس اگر اس کی صلبی بیٹیاں اور پوتے ہوں تو حقیقت پر عمل کرتے ہوئے وصیت بیٹیوں کے لیے ہوگی۔ اور اگر حقیقت پر عمل متعذر ہو جائے تو پھر اسے باطل ہونے سے بچانے کے لیے مجاز کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ اور بیٹیوں کی اولاد داخل نہیں ہوگی۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے: وہ داخل ہوں گے۔ ''اختیار''۔ اور اگر وصیت فلاں کے ورثا کے لیے ہو تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہوگا۔ کیونکہ موصی نے وراثت کا اعتبار کیا ہے۔ اور فلاں کے ورثا یا اس کے ہم معنی

36518۔ (قولہ: لِعَدَمِ مَنْ يَسْتَحِقُّهُ) اس کے معدوم ہونے کی وجہ سے جو اس کا مستحق ہو، کیونکہ جمع کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔ ''اتقانی''۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس کے لیے مجموعی ثلث ہوگا۔ ''غرر الافکار''۔ اور اس کا دار و مدار اس پر ہے جو ''زیلعی'' اور ''الکافی'' سے گزر چکا ہے۔ تامل۔

36519۔ (قولہ: يَعُمُّ الْكُلَّ) وہ تمام کو شامل ہوتا ہے، کیونکہ یہ جنس مولود کا اسم ہے چاہے پیدا ہونے والا بچہ ہو یا بچی، ایک ہو یا زیادہ۔ ''اختیار''۔

36520۔ (قولہ: حَتَّى الْحَمْلِ) یہاں تک کہ حمل کو بھی یہ اسم شامل ہے۔ اس کو اس شرط کے ساتھ مقید کرنا کہ وصیت کے وقت سے لے کر چھ مہینے گزرنے سے پہلے ماں اسے جنم دے۔ یہ وصیت کے وقت اس کے وجود کے ثبوت اور تحقق کے لیے ہے جیسا کہ فقہاء نے اسے الوصیة للحمل کے باب میں ذکر کیا ہے۔ ''طحطاوی''۔

36521۔ (قولہ: وَلَا يَدْخُلُ وَلَدُ ابْنٍ مَعَ وَلَدِ صُلْبٍ) اور پوتا صلبی بیٹے کے ساتھ اس میں داخل نہیں ہوگا، یہ تب ہے جب وہ فلاں أب خاص ہو۔ پس اگر وہ فخذ (قبیلہ) ہو تو اولاد کی اولاد بھی صلبی اولاد موجود ہونے کی حالت میں وصیت کے تحت داخل ہوگی۔ ''عنایہ''۔ اس کی مکمل بحث ''المنح'' میں ہے۔

36522۔ (قولہ: لِأَنَّهُ اعْتَبَرَ الْوِرَاثَةَ) کیونکہ اس (موصی) نے وراثت کا اعتبار کیا ہے، اور اولاد اور بہنوں کے درمیان وراثت کی تقسیم اسی طرح ہوتی ہے، اور اس لیے کہ اسم مشتق پر تنصیص اس پر دلالت کرتی ہے کہ حکم ماخذ اشتقاق پر مرتب

(هُنَا) أَيْ فِي الْوَصِيَّةِ لِوَرَثَةِ فُلَانٍ وَمَا فِي مَعْنَاهَا كَعَقِبِ فُلَانٍ (مَوْتُ الْمُوصِي لِوَرَثَتِهِ) أَوْ لِعَقِبِهِ (قَبْلَ مَوْتِ الْمُوصَى) لِأَنَّ الْوَرَثَةَ وَالْعَقِبَ إِنَّمَا يَكُونُ بَعْدَ الْمَوْتِ، ثُمَّ إِنْ كَانَ مَعَهُمْ مُوصًى لَهُ آخَرُ قُسِمَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَهُ عَلَى عَدَدِ الرُّءُوسِ ثُمَّ مَا أَصَابَ الْوَرَثَةَ يُقْسَمُ بَيْنَهُمْ لِلذَّكَرِ كَالْأُنْثَيَيْنِ كَمَا مَرَّ فَلَوْ مَاتَ الْمُوصَى قَبْلَ مَوْتِهِ أَيْ مَوْتِ الْمُوصِي لِوَرَثَتِهِ أَوْ عَقِبُهُ بَطَلَتِ الْوَصِيَّةُ لِوَرَثَتِهِ أَوْ عَقِبِهِ ثُمَّ إِنْ كَانَ مَعَهُمْ مُوصًى لَهُ

جیسا کہ فلاں کے پسماندگان کے لیے وصیت کی صورت میں وصیت کے صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ جس کے ورثا یا پسماندگان کے لیے وصیت کی گئی ہے اس کی موت موصی کی موت سے پہلے ہو۔ کیونکہ ورثا اور عقب (پسماندگان) موت کے بعد ہی ہوتے ہیں۔ پھر اگر ان کے ساتھ دوسرا موصی لہ ہو تو مال وصیت ان کے درمیان اور اس کے درمیان افراد کی تعداد کے مطابق تقسیم کیا جائے گا، پھر جو ورثا کے حصہ میں ہوگا وہ ان کے درمیان ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ کی طرز پر تقسیم کیا جائے گا جیسا کہ گزر چکا ہے اور اگر وصی اپنے ورثا یا اولاد کے لیے وصیت کرنے والے کی موت سے پہلے فوت ہو گیا تو اس کے ورثا یا اولاد کے لیے وصیت باطل ہو جائے گی پھر اگر ان کے ساتھ کوئی دوسرا وصی ہو

ہوتا ہے، پس وراثت ہی علت ہوئی۔ ''زیلعی''۔ اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ اس کا یہ قول: لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ یہ تمام ورثا میں عام نہیں ہے، بلکہ یہ اولاد، بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور ان کے سوا میں مال ان کے حصوں کی مقدار کے مطابق تقسیم کیا جائے گا، اور یہی ''الاسعاف'' اور ''الخصاف فی مسائل الأوقاف'' میں مذکور ہے۔ اور وصیت اخت وقف ہے۔

36523۔ (قولہ: إِنَّمَا يَكُونُ بَعْدَ الْمَوْتِ) بلاشبہ وہ موت کے بعد ہو، کیونکہ ان کا وارث ہونا مورث کی موت کے بعد ہی ثابت ہوتا ہے، اور اسی طرح عقب بھی ہے، کیونکہ اس سے مراد وہ اولاد ہے جو انسان کی موت کے بعد پائی جائے (یعنی پیچھے رہ جائے)، رہی اس کی زندگی کی حالت تو اس میں وہ اس کا عقب نہیں ہوتے۔ اسے ''منح'' نے ''السراج'' سے نقل کیا ہے۔

36524۔ (قولہ: ثُمَّ) یعنی وصیت صحیح ہونے کی مذکورہ شرط پائے جانے کے بعد انکے ساتھ اگر کوئی دوسرا موصی لہ ہو۔

36525۔ (قولہ: عَلَى عَدَدِ الرُّءُوسِ) یعنی ان کے سروں اور دوسرے موصی لہ کے سر کی تعداد کے مطابق اسے تقسیم کیا جائے گا۔

36526۔ (قولہ: ثُمَّ مَا أَصَابَ الْوَرَثَةَ) پھر جو ورثا کو ملے، اسے ورثہ کے ساتھ مقید کیا ہے۔ کیونکہ ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ دینے کی تقسیم انہیں کے ساتھ خاص ہے۔ رہا عقب تو یہ اسم ان تمام کو شامل ہے پس وہ برابر اور مساوی ہوں گے جیسا کہ ''المنح'' میں یہی کہا ہے۔

36527۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی متن میں قریب ہی گزر چکا ہے کہ ورثا کے لیے تقسیم اسی طرح ہے۔

36528۔ (قولہ: ثُمَّ) یعنی ورثا یا عقب کے لیے مذکورہ شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے وصیت باطل ہونے کے حکم

آخَرُ كَقَوْلِهِ أَوْصَيْتُ لِفُلَانٍ وَلِوَرَثَتِهِ وَعَقِبِهِ كَانَتْ الْوَصِيَّةُ كُلُّهَا لِفُلَانٍ الْمُوصَى لَهُ دُونَ وَرَثَتِهِ وَعَقِبِهِ لِأَنَّ الِاسْمَ لَا يَتَنَاوَلُهُمْ إِلَّا بَعْدَ الْمَوْتِ وَتَمَامُهُ فِي السِّرَاجِ وَفِيهِ عَقِبُهُ وَلَدُهُ مِنَ الذُّكُورِ وَالْإِنَاثِ، فَإِنْ مَاتُوا فَوَلَدُ وَلَدِهِ كَذَلِكَ، وَلَا يَدْخُلُ أَوْلَادُ الْإِنَاثِ لِأَنَّهُمْ عَقِبُ آبَائِهِمْ لَا لَهُ (وَفِي أَيْتَامِ بَنِيهِ) أَيْ بَنِي فُلَانٍ وَالْيَتِيمُ اسْمٌ لِمَنْ مَاتَ أَبُوهُ قَبْلَ الْحُلُمِ قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُتْمَ بَعْدَ الْبُلُوغِ

جیسے وصی کا قول کہ میں نے فلاں کے لیے اور اس کے ورثا اور اولاد کے لیے وصیت کی تو تمام وصیت اس فلاں موصی لہ کے لیے ہوگی نہ کہ اس کے ورثا اور پسماندگان کے لیے۔ کیونکہ یہ اسم انہیں شامل ہی نہیں ہوتا مگر موت کے بعد۔ اور اس کی مکمل بحث ''السراج'' میں ہے۔ اور اس میں اس کے عقب سے مراد اس کا ولد ہے چاہے وہ مذکر (مرد) ہوں یا مؤنث (عورتیں)۔ اور اگر وہ اولاد فوت ہوگئی تو پھر اس کے بیٹے کی اولاد اسی طرح ہے، اور مؤنثوں (بیٹیوں) کی اولاد اس میں داخل نہیں ہوگی۔ کیونکہ وہ اپنے آبا کے عقب ہیں نہ کہ اس کے۔ اور اگر بنی فلاں کے یتیم بچوں کے بارے میں وصیت کی، اور یتیم سے مراد وہ بچہ ہے جس کے بالغ ہونے سے پہلے اس کا باپ فوت ہو گیا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلوغت کے بعد یتیمی نہیں ہے''۔

کے بعد، اگر ان کے ساتھ کوئی دوسرا موصی لہ ہو اور وہ آنے والی مثال میں وہ ہے جس کے ورثا یا عقب کے لیے وصیت کی گئی، اور اسی کی مثل اگر وہ اجنبی ہو جیسا کہ ''المنح'' میں اس کے ساتھ مثال بیان کی گئی ہے۔ فافہم۔

36529۔ (قولہ: لِأَنَّ الِاسْمَ لَا يَتَنَاوَلُهُمْ) کیونکہ اسم انہیں شامل نہیں ہوتا، پس وہ معدوم کے لیے وصیت ہے اور وہ اس فلاں کے ساتھ شریک نہیں، جیسا کہ اگر وہ اس کے لیے اور میت کے لیے وصیت کرے۔ ''اتقانی''۔

تنبیہ

تحقیق آپ نے جو ثابت ہوا اس سے اس کا ساقط ہونا جان لیا جو ''الشرنبلالیہ'' باب الوصیۃ بالثلث میں ہے اس حیثیت سے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں ''کہ اگر اس نے فلاں اور اس کے عقب کے لیے وصیت کی'' کہا ہے: شاید فلاں کا کل وصیت میں استحقاق اس صورت میں ہے جب عقب چھ ماہ سے کم مدت میں پیدا نہ ہو، ورنہ مشارکت سے کوئی شے مانع نہیں۔ اور یہ ''الشرنبلالی'' کی مثالوں میں سے عجیب ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس سے پہلے پیدا ہوا تو وہ داخل نہیں ہوگا، پس تو اس پر آگاہ رہ۔

36530۔ (قولہ: كَذَلِكَ) اسی طرح مذکروں اور مؤنثوں میں سے ہوگا۔

36531۔ (قولہ: وَلَا يَدْخُلُ أَوْلَادُ الْإِنَاثِ) اور عورتوں کی اولاد داخل نہیں ہوگی بخلاف نسل کے۔ کیونکہ وہ اس میں داخل ہوتے ہیں اور وہ وقف اور وصیت کی تقسیم میں برابر ہوتے ہیں۔ یہ ''ابوالسعود'' نے ''الخصاف'' وغیرہ سے نقل کیا ہے۔

36532۔ (قولہ: لَا يُتْمَ بَعْدَ الْبُلُوغِ) بلوغت کے بعد یتیمی نہیں ہے۔ اسے ''ابوداؤد'' نے لا یتم بعد احتلام (1) کے الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور امام ''نووی'' نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الوصایا، باب ماجاء متی ینقطع الیتم، جلد 2، صفحہ 354، حدیث نمبر 2489، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

(وَعُمْيَانِهِمْ وَزَمْنَاهُمْ وَأَرَامِلِهِمْ) الْأَرْمَلُ الَّذِي لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ رَجُلًا كَانَ أَوْ امْرَأَةً وَيُؤَيِّدُهُ قَوْلُهُ (دَخَلَ) فِي الْوَصِيَّةِ (فَقِيرُهُمْ وَغَنِيُّهُمْ وَذَكَرُهُمْ وَأُنْثَاهُمْ) وَقُسِمَ سَوِيَّةً (إِنْ أُحْصُوا) بِغَيْرِ كِتَابٍ أَوْ حِسَابٍ فَإِنَّهُ حِينَئِذٍ يَكُونُ تَمْلِيكًا لَهُمْ

اور وصیت کی ان کے اندھوں، اپاہجوں اور محتاجوں کے بارے میں، ارمل سے مراد وہ ہے جو کسی شے پر قدرت نہ رکھتا ہو چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ اور اس کی تائید ''مصنف'' کا یہ قول کرتا ہے کہ اس وصیت میں ان کے فقیر، غنی، مرد اور عورتیں سبھی داخل ہوں گے۔ اور مال برابر برابر تقسیم کیا جائے گا اگر وہ لکھنے یا حساب کرنے کے بغیر محصور ہوں۔ کیونکہ اس وقت وہ ان کے لیے تملیک ہو جائے گا،

لفظ ارمل کی لغوی تحقیق

36533۔ (قولہ: الْأَرْمَلُ الخ) ''المغرب'' میں ہے: أرمل بمعنی افتقر (محتاج ہونا) الرمل سے ماخوذ ہے۔ پھر کہا ہے: اور ''التہذیب'' میں ہے: اس فقیر کو أرمل کہا جاتا ہے جو کسی شے پر قادر نہ ہو چاہے مرد ہو یا عورت، اور اس عورت کو ارملۃ نہیں کہا جاتا جس کا خاوند ہو اور وہ خوشحال ہو۔

علامہ ''شبی'' نے کہا ہے: مونث ہونا شرط نہیں ہے بلکہ اس میں مذکر اور مونث (مرد و عورت) داخل ہیں، مگر صحیح وہ ہے جو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر بیان کی ہے: أرملہ سے مراد وہ بالغہ عورت ہے جس کا خاوند اسے فارغ کر دے یا وہ اس سے فوت ہو جائے، اس نے اس سے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اور آپ کا قول لغت میں حجت ہے۔ ''کفایہ''۔ اور ''النہایہ'' میں حاجت کی قید زیادہ کی ہے، اور کہا ہے: کیونکہ خاوند سے اس کا نفقہ ساقط ہونے کی وجہ سے اس میں حقیقی معنی کا نفاذ ہے لہٰذا اس کا اضافہ کر دیا۔ اور ''السعدیہ'' میں ''المحیط'' سے ہے: آدمی کو أرمل نہیں کہا جاتا مگر شاذ طریقہ پر، اور مطلق کلام کو لوگوں کے درمیان مروج اور مشہور معنی پر محمول کیا جائے گا۔

36534۔ (قولہ: وَيُؤَيِّدُهُ الخ) اور ''مصنف'' کا قول اس کی تائید کرتا ہے اس حیثیت سے کہ انہوں نے کہا ہے ذکرھم وأنثاھم کہ ان کے مرد اور عورتیں سبھی اس میں داخل ہوں گے۔ اور ''شارح'' نے اس میں ''صاحب عنایہ'' کی اتباع کی ہے، اور اس میں نظر ہے۔ کیونکہ ان کا قول: فقیرھم وغنیھم اس کے منافی ہے۔ اور اسی لیے ''السعدیہ'' میں کہا ہے: ظاہر یہ ہے کہ ''مصنف'' کا کلام عدم التباس کی بنا پر تقسیم کرنے کے بارے ہے۔

36535۔ (قولہ: بِغَيْرِ كِتَابٍ أَوْ حِسَابٍ) لکھنے یا حساب کرنے کے بغیر۔ یہ حضرت امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اگر وہ سو سے زیادہ ہوئے تو وہ غیر محصور ہوں گے۔ اور بعض نے کہا ہے: اسے قاضی کی رائے کے سپرد کیا گیا ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ لیکن سہولت اور آسانی اس میں ہے جو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ ''کفایہ'' نے ''الخانیہ'' سے نقل کیا ہے، اور آسان وہ ہے جس پر فتویٰ ہے۔ ''الاختیار'' میں کہا ہے: یہی مختار اور زیادہ محتاط ہے۔

وَإِلَّا لِفُقَرَائِهِمْ يُعْطِي الْوَصِيُّ مَنْ شَاءَ مِنْهُمْ شَرْحُ التَّكْمِلَةِ لِتَعَذُّرِ التَّمْلِيكِ حِينَئِذٍ فَيُرَادُ بِهِ الْقُرْبَةُ (وَفِي بَنِي فُلَانٍ يَخْتَصُّ بِذُكُورِهِمْ) وَلَوْ أَغْنِيَاءَ (إِلَّا إِذَا كَانَ) فُلَانٌ عِبَارَةً عَنْ (اسْمِ قَبِيلَةٍ أَوْ) اسْمِ (فَخِذٍ فَيَتَنَاوَلُ الْإِنَاثَ) لِأَنَّ الْمُرَادَ حِينَئِذٍ مُجَرَّدُ الِانْتِسَابِ كَمَا فِي بَنِي آدَمَ، وَلِهَذَا يَدْخُلُ فِيهِ أَيْضًا (مَوْلَى الْعَتَاقَةِ وَ) مَوْلَى (الْمُوَالَاةِ وَحُلَفَاؤُهُمْ)

اور اگر وہ محصور نہ ہوں تو وہ ان کے فقرا کے لیے ہو گا وصی ان میں سے جسے چاہے گا دے گا۔ ''شرح التکملہ''۔ اس لیے کہ اس وقت تملیک متعذر ہے۔ پس اس سے قربت مراد ہو گی۔ اور اگر بنی فلاں کے بارے میں وصیت کی تو وہ ان کے مذکروں کے ساتھ مختص ہو گی اگر چہ وہ غنی ہوں مگر جب فلاں قبیلہ یا فخذ کا نام ہو تو یہ مؤنثوں کو بھی شامل ہو گی۔ کیونکہ اس وقت مراد صرف انتساب ہے جیسا کہ بنی آدم میں (مرد و عورت سبھی مراد ہوتے ہیں)۔ اسی لیے اس میں مولی عتاقہ اور مولی الموالاۃ اور ان کے حلیف بھی داخل ہوتے ہیں

36536۔ (قولہ: وَإِلَّا لِفُقَرَائِهِمْ) یعنی اگر وہ محصور نہ ہوں تو پھر وصیت ان کے فقراء کے لیے ہو گی۔ کیونکہ اس سے مقصود قرابت ہے۔ اور یہ حاجت کو بند کرنے اور بھوک کو دور کرنے کے بارے میں ہے، اور یہ اسماء حاجت کے ثبوت اور تحقق کا شعور دلاتے ہیں، پس اسے فقراء پر محمول کرنا جائز ہے۔

36537۔ (قولہ: يَخْتَصُّ بِذُكُورِهِمْ) وہ ان کے مذکروں کے ساتھ مختص ہو گی، اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اور یہی ایک روایت ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ہے کہ اس میں مونث (عورتیں) بھی داخل ہوں گی۔ ''ملتقی''۔ اور اسی طرح اختلاف ہے اگر صرف بیٹوں کی اولاد ہو اور بیٹیوں کی اولاد کے داخل ہونے میں۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔ اور اگر ایک بیٹا اور بیٹوں کے بیٹے ہوں تو بیٹے کے لیے نصف ہے اور ان کے لیے کوئی شے نہ ہو گی۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک باقی اس کے لیے ہو گی، اور جنین داخل ہو گا جو کم سے کم مدت سے پہلے پیدا ہوا۔ ''اتقانی''، ملخصاً۔

عرب کے طبقات

36538۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا كَانَ الخ) وہ طبقات جن پر عرب ہیں وہ چھ ہیں: اور وہ شعب، قبیلہ، عمارہ، بطن، فخذ اور فصیلہ ہیں۔ پس شعب کئی قبائل کو جامع ہوتا ہے، اور قبیلہ کئی عمارہ کو جامع ہوتا ہے اور اسی طرح عمارہ کئی بطن کو جامع ہے اور دوسرے بھی اسی طرح ہیں۔ پس خزیمہ شعب ہے، کنانہ قبیلہ ہے، قریش عمارہ ہے، قصی بطن ہے، ہاشم فخذ ہے، اور عباس فصیلہ ہے۔ اسے ''صاحب کشاف'' نے بیان کیا ہے۔

36539۔ (قولہ: مَوْلَى الْعَتَاقَةِ) اس سے مراد آزاد کیا ہوا غلام ہے، اور ان کا قول مولی الموالاۃ اس سے مراد مولی اسفل ہے۔ اور وہ وہ ہے جس کا ان میں سے کوئی ایک والی اور معاون ہو کیونکہ وہ قوم کا مولیٰ ہے۔ تأمل۔

36540۔ (قولہ: وَحُلَفَاؤُهُمْ) یہ لفظ حا مہملہ کے ساتھ ہے۔ اور حلیف وہ ہے جو ایک قبیلہ کے پاس آتا ہے اور وہ

يَعْنِي وَهُمْ يُحْصَوْنَ وَإِلَّا فَالْوَصِيَّةُ بَاطِلَةٌ وَالْأَصْلُ أَنَّ الْوَصِيَّةَ مَتَى وَقَعَتْ بِاسْمٍ يُنْبِئُ عَنِ الْحَاجَةِ كَأَيْتَامِ بَنِي فُلَانٍ تَصِحُّ وَإِنْ لَمْ يُحْصَوْا عَلَى مَا مَرَّ لِوُقُوعِهَا لِلّٰهِ تَعَالَى وَهُوَ مَعْلُومٌ وَإِنْ كَانَ لَا يُنْبِئُ عَنِ الْحَاجَةِ، فَإِنْ أُحْصُوا صَحَّتْ وَيُجْعَلُ تَمْلِيكًا وَإِلَّا بَطَلَتْ وَتَمَامُهُ فِي الِاخْتِيَارِ (أَوْصَى مَنْ لَهُ مُعْتَقُونَ وَمُعْتَقُونَ لِمَوَالِيهِ بَطَلَتْ) لِأَنَّ اللَّفْظَ مُشْتَرَكٌ، وَلَا عُمُومَ لَهُ عِنْدَنَا وَلَا قَرِينَةَ تَدُلُّ عَلَى أَحَدِهِمَا وَلَا فَرْقَ فِي ذٰلِكَ

یعنی اس حال میں کہ وہ محصور ہوں۔ اور اگر وہ محصور نہ ہوں تو وصیت باطل ہے۔ اس میں اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ وصیت جب ایسے اسم کے ساتھ واقع ہو جو حاجت کی خبر دیتا ہو جیسا کہ بنی فلاں کے یتیم تو وہ صحیح ہوتی ہے اگرچہ وہ محصور نہ ہوں اس بنا پر جو پہلے گزر چکی ہے۔ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے واقع ہوئی ہے اور بالکل ظاہر اور معلوم ہے۔ اور اگر وہ اسم حاجت کے بارے خبر نہ دیتا ہو، تو پھر اگر وہ محصور ہوں تو وصیت صحیح ہے، اور اسے تملیک بنایا جائے گا، اور اگر محصور نہ ہوں تو وصیت باطل ہے۔ اس کی مکمل بحث ''الاختیار'' میں ہے۔ جس نے اپنے موالی کے لیے وصیت کی اس حال میں کہ اس کے آزاد کرنے والے اور اس کے آزاد کیے ہوئے دونوں قسم کے موالی ہوں تو وصیت باطل ہے۔ کیونکہ یہ لفظ (مولیٰ) مشترک ہے، ہمارے نزدیک اس کے لیے عموم نہیں ہے، اور نہ کسی ایک معنی پر دلالت کرنے والا قرینہ ہے، ہمارے عام اصحاب کے نزدیک

ان کے لیے اور اس قبیلہ والے اس کے لیے ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حلف اٹھاتے ہیں۔ ''اتقانی''۔

36541۔ (قولہ: وَإِنْ كَانَ لَا يُنْبِئُ عَنِ الْحَاجَةِ) اور اگر وہ حاجت کی خبر نہ دیتا ہو جیسا کہ شبان بنی فلان (بنی فلاں کے نوجوان کے لیے وصیت) اور اسی طرح علویہ یا فقہاء کے الفاظ ہیں جیسا کہ ''الہندیہ'' میں ہے۔

36542۔ (قولہ: لِمَوَالِيهِ) یہ أوصی کے متعلق ہے۔ یعنی اس نے اپنے موالی کے لیے وصیت کی۔

36543۔ (قولہ: بَطَلَتْ) تو وصیت باطل ہوگی، تو جان کہ اس مسئلہ کی آٹھ صورتیں ہیں۔ کیونکہ موصی کے لیے یا تو اعلیٰ اور اسفل دونوں قسم کے موالی ہوں گے (یعنی آزاد کرنے والا اور آزاد کیے ہوئے)، یا ان میں ایک مولیٰ ہوگا، یا ایک جانب میں کئی موالی ہوں گے اور دوسری جانب سے ایک مولیٰ ہوگا، اور ان دونوں میں دو صورتیں ہیں، اور ہر ایک میں موصی صیغہ جمع کے ساتھ اسے تعبیر کرے گا یا واحد کے ساتھ، اور ''مصنف'' کا صریح ذکر اس صورت میں ہے جب دونوں جانبوں میں موالی متعدد ہوں۔ اور لفظ موالی کے ساتھ تعبیر واقع ہو، اور چاہیے کہ باقی صورتیں بھی تحریر کی جائیں۔ ''طحطاوی''۔

میں کہتا ہوں: فقہاء نے یہاں یہ تصریح کی ہے کہ جمع دو اور دو سے زائد کے لیے ہوتی ہے۔ پس اگر دو پائے گئے تو دونوں کے لیے کل مال ہوگا یا ایک پایا گیا تو اس کے لیے نصف ہوگا۔

اور میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ لفظ مولیٰ اسم جنس ہے جیسا کہ لفظ ولد۔ پس ایک اور زیادہ کو شامل ہوتا ہے، اور دونوں فریقوں کے اجتماع کے وقت وصیت باطل ہوتی ہے۔ تحقیق مراد ظاہر ہے۔ تامل۔

36544۔ (قولہ: وَلَا فَرْقَ فِي ذٰلِكَ) اور اس میں یعنی مشترک کے عام نہ ہونے میں کوئی فرق نہیں۔

عِنْدَ عَامَّةِ أَصْحَابِنَا بَيْنَ النَّفْيِ وَالْإِثْبَاتِ، وَاخْتَارَ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ وَصَاحِبُ الْهِدَايَةِ أَنَّهُ يَعُمُّ إِذَا وَقَعَ فِي حَيِّزِ النَّفْيِ، وَحِينَئِذٍ فَقَوْلُهُمْ لَوْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ مَوَالِيَ فُلَانٍ يَعُمُّ الْأَعْلَى وَالْأَسْفَلَ لَا لِوُقُوعِهِ فِي النَّفْيِ بَلْ لِأَنَّ الْحَامِلَ عَلَى الْيَمِينِ بُغْضُهُ وَهُوَ غَيْرُ مُخْتَلِفٍ عِنَايَةٌ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ (إِلَّا إِذَا عَيَّنَهُ) أَيِ الْأَعْلَى وَالْأَسْفَلَ قَبْلَ مَوْتِهِ فَحِينَئِذٍ تَصِحُّ لِزَوَالِ الْمَانِعِ (وَيَدْخُلُ فِيهِ) أَيْ فِي الْمَوَالِي (مَنْ أَعْتَقَهُ فِي صِحَّتِهِ وَمَرَضِهِ،

اس میں کلام منفی اور کلام مثبت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اور ''شمس الائمہ'' اور ''صاحب ہدایہ'' نے اسے اختیار کیا ہے کہ وہ جب نفی کے محل میں واقع ہو تو عام ہوتا ہے۔ اور اس وقت ان کا یہ قول اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ فلاں کے موالی سے کلام نہیں کرے گا تو وہ اعلیٰ اور اسفل (یعنی آزاد کرنے والا، اور آزاد کیا ہوا) دونوں کو شامل ہوگا، اس لیے نہیں کہ وہ نفی کے تحت واقع ہے بلکہ اس لیے کہ قسم پر ابھارنے والا اس کا بغض ہے اور یہ مختلف نہیں ہوتا۔ ''عنایہ''۔ اور ''مصنف'' نے اسے ثابت رکھا ہے مگر جب وہ اعلیٰ یا اسفل کو اپنی موت سے پہلے معین کر دے، تو اس وقت مانع زائل ہونے کی وجہ سے وصیت صحیح ہوگی۔ اور موالی میں وہ داخل ہوگا جسے اس نے اپنی صحت اور بیماری کی حالت میں آزاد کر دیا ہو،

36545۔ (قولہ: وَاخْتَارَ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ الخ) اور ''شمس الائمہ'' نے اختیار کیا ہے۔ اسی طرح اسے ہی محقق ''ابن ہمام'' نے ''التحریر'' میں اختیار کیا ہے۔

36546۔ (قولہ: فِي حَيِّزِ النَّفْيِ) نفی کے محل میں، جیسا کہ آگے آنے والے قسم کے مسئلہ میں ہے۔

36547۔ (قولہ: وَحِينَئِذٍ) یعنی اس وقت جب تو نے جان لیا ہے کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک عدم عموم میں کلام منفی اور مثبت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ ''طحطاوی''۔

36548۔ (قولہ: لِأَنَّ الْحَامِلَ عَلَى الْيَمِينِ بُغْضُهُ) کیونکہ قسم پر ابھارنے والا اس فلاں کا بغض ہے، اور وہ یعنی فلاں یا اس کا بغض مختلف ہے یعنی اس میں اشتراک نہیں ہے کیونکہ وہ ایک شے ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ابھارنے والی شے ایک ہے، لیکن کلام لفظ مولیٰ کے بارے میں ہے، اور ابھارنے والے کے ایک ہونے کے باوجود اس کے دونوں معنوں میں سے ہر ایک مراد لیا گیا ہے، پس اس کا عموم لازم ہے، اللّٰھم مگر یہ کہا جائے: قسم پر ابھارنے والے کا ایک ہونا اس پر قرینہ ہے کہ یہ عموم مجاز میں سے ہے، اس طرح کہ اس سے ایسا لفظ مراد لیا جائے جو دونوں معنوں کو شامل ہو اور وہ وہ ہے جس کے ساتھ عتق (آزادی) متعلق ہو اس سے واقع ہونے کے ساتھ یا اس پر واقع ہونے کے ساتھ، پس چاہیے کہ اس میں غور کی جائے۔

36549۔ (قولہ: لِزَوَالِ الْمَانِعِ) مانع زائل ہونے کی وجہ سے، اور وہ مراد بہ کو نہ سمجھنا ہے۔

36550۔ (قولہ: وَيَدْخُلُ فِيهِ مَنْ أَعْتَقَهُ) اور اس میں وہ داخل ہوگا جسے موصی نے اپنی حالت صحت اور حالت مرض میں آزاد کیا، چاہے اس نے وصیت سے پہلے آزاد کیا ہو یا اس کے بعد۔ کیونکہ وصیت موت کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔

لَا لَا یَدْخُلُ فِیهِ (مُدَبَّرُوْهُ وَأُمَّهَاتُ أَوْلَادِهِ) وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ يَدْخُلُونَ۔ (أَوْصَى بِثُلُثِ مَالِهِ إِلَى الْفُقَهَاءِ دَخَلَ فِيهِ مَنْ يُدَقِّقُ النَّظَرَ فِي الْمَسَائِلِ الشَّرْعِيَّةِ وَإِنْ عَلِمَ ثَلَاثَ مَسَائِلَ مَعَ أَدِلَّتِهَا) كَذَا فِي الْقُنْيَةِ

اس میں اس کے مدبر غلام اور امہات اولاد لونڈیاں داخل نہیں ہوں گے، اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: وہ داخل ہوں گے۔ اس نے اپنے ثلث مال کی فقہاء کے لیے وصیت کی تو اس میں وہ داخل ہوں گے جو مسائل شرعیہ میں دقیق اور گہری نظر رکھتے ہوں اگرچہ کوئی تین مسائل ہی اپنے دلائل کے ساتھ جانتا ہو۔ اسی طرح ''القنیہ'' میں ہے۔

اور ان میں سے ہر ایک کے لیے موت کے وقت ولاء ثابت ہے، پس وہ اس میں صفت پائے جانے کی وجہ سے وصیت کا مستحق ہے۔ اور اس میں مردوں اور عورتوں میں ان کی اولاد بھی داخل ہوگی۔ کیونکہ وہ اس ولا کے سبب اس کی طرف منسوب ہوتے ہیں جو عتق کے ساتھ متعلق ہے۔ پس وہ ان کے ساتھ ہی داخل ہوں گے اور مولی الموالاۃ اور مولیٰ کا مولیٰ داخل نہیں ہوں گے مگر جب معدوم ہوں تو حقیقت متعذر ہونے کی وجہ سے یہ مجازاً داخل ہوں گے جیسا کہ ''الاختیار'' اور ''ملتقی'' میں ہے۔

36551۔ (قولہ: لَا یَدْخُلُ فِیهِ مُدَبَّرُوْهُ الخ) اور اس میں اس کے مدبر غلام داخل نہیں ہوں گے۔ کیونکہ وہ موت کے بعد اس کے موالی ہیں نہ کہ اس وقت۔

36552۔ (قولہ: وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ يَدْخُلُونَ) اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ وہ داخل ہوں گے اس لیے کہ ولا کے استحقاق کا سبب موجود ہے۔ ''اتقانی''۔

36553۔ (قولہ: مَنْ يُدَقِّقُ النَّظَرَ) یعنی جو دلیل کے ساتھ غور و فکر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ ''طحطاوی''۔

فقیہ کی تعریف

36554۔ (قولہ: وَإِنْ عَلِمَ ثَلَاثَ مَسَائِلَ مَعَ أَدِلَّتِهَا) اگرچہ وہ تین مسائل ہی اپنی ادلہ کے ساتھ جانتا ہو۔ فقیہ ''ابو جعفر'' رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے کہا: ہمارے نزدیک فقیہ وہ ہے جو فقہ کی آخری حد تک پہنچا ہوا ہو۔ اور متفقہ (بغیر دلائل کے مسائل جاننے والا) فقیہ نہیں ہے اور اس کے لیے وصیت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور ہمارے علاقے میں ہمارے شیخ ''ابو بکر الاعمش'' کے بغیر کوئی ایک بھی نہیں جسے فقیہ کا نام دیا جاسکتا ہو۔ ''طوری''۔

اور اسی میں ہے: جب اس نے علویہ کے لیے وصیت کی تو فقیہ ''ابو جعفر'' سے منقول ہے کہ وہ جائز نہ ہوگی، اس لیے کہ وہ (علوی) محصور نہیں ہیں، اور اس اسم میں ایسا کوئی معنی نہیں ہے جو فقر و حاجت کی خبر دیتا ہو، اور اگر اس نے علویہ کے فقرا کے لیے وصیت کی تو وہ جائز ہے، اور اسی کے مطابق فقہا کے لیے وصیت بھی ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''الاسعاف'' میں مذکور ہے کہ اپاہجوں، اندھوں، قرآن کریم پڑھنے والوں، فقہا اور محدثین پر وقف صحیح ہے، اور اسے ان میں سے فقرا کے لیے صرف کیا جائے گا۔ کیونکہ استعمال کے اعتبار سے یہ اسماء حاجت کا احساس اور شعور دلاتے ہیں۔ کیونکہ اندھا اور علم کے حصول میں مشغول ہونے والا مال کمانے سے کٹ جاتا ہے۔ لہٰذا ان میں فقر غالب ہوتا

قَالَ حَتَّى قِيلَ مَنْ حَفِظَ أُلُوفًا مِنَ الْمَسَائِلِ لَمْ يَدْخُلْ تَحْتَ الْوَصِيَّةِ (أَوْصَى بِأَنْ يُطَيَّنَ قَبْرُهُ أَوْ يُضْرَبَ عَلَيْهِ قُبَّةٌ فَهِيَ بَاطِلَةٌ) كَمَا فِي الْخَانِيَّةِ وَغَيْرِهَا، وَقَدَّمْنَاهُ عَنِ السِّرَاجِيَّةِ وَغَيْرِهَا، لَكِنْ قَدَّمْنَا فِيهَا فِي الْكَرَاهِيَةِ أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ تَطْيِينُ الْقُبُورِ فِي الْمُخْتَارِ، فَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ الْقَوْلُ بِبُطْلَانِ الْوَصِيَّةِ بِالتَّطْيِينِ مَبْنِيًّا عَلَى الْقَوْلِ بِالْكَرَاهَةِ لِأَنَّهَا حِينَئِذٍ وَصِيَّةٌ بِالْمَكْرُوهِ

انہوں نے کہا: یہاں تک کہا گیا ہے جسے ہزاروں مسائل یاد ہوں (لیکن ان کی ادلہ معلوم نہ ہوں) تو وہ وصیت کے تحت داخل نہیں ہوگا۔ اس نے وصیت کی کہ اس کی قبر پر مٹی کا لیپ کیا جائے، یا اس پر گنبد بنایا جائے تو وہ باطل ہے جیسا کہ "الخانیہ" وغیرہ میں ہے۔ اور ہم پہلے "السراجیہ" وغیرہ سے اسے بیان کر چکے ہیں۔ لیکن ہم نے اس کی کراہیت کے بیان میں یہ بیان کیا ہے کہ قول مختار کے مطابق قبروں پر مٹی کا لیپ کرنا مکروہ نہیں ہے۔ پس چاہیے کہ مٹی کا لیپ کرنے کے بارے وصیت باطل ہونے کا قول کراہت کے بارے قول پر مبنی ہو۔ کیونکہ وہ اس وقت مکروہ کے بارے وصیت ہے۔

ہے۔ اور یہی اصح قول ہے۔

36555۔ (قولہ: حَتَّى قِيلَ مَنْ حَفِظَ أُلُوفًا مِنَ الْمَسَائِلِ) یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ جسے بغیر دلائل کے ہزاروں مسائل یاد ہوں۔ اور اس میں یہ ہے: فقہا نے بلاشبہ وصیت کے بہت سے مسائل میں عرف کا اعتبار کیا ہے تو پھر انہوں نے موصی کے عرف کا اعتبار کیونکر نہیں کیا؟ "طحطاوی"۔

میں کہتا ہوں: یہ ظاہر ہے کہ ان کا وہ عرف ان کے زمانہ میں ہے۔ اور ہم پہلے "جامع الفصولین" سے یہ بیان کر چکے ہیں: کہ مطلق کلام لوگوں کے درمیان متعارف معنی پر ہی محمول ہوتی ہے۔ اور "الاشباہ" میں یہ قاعدہ ہے: العادۃ محکمۃ (عادت کو حکم بنایا گیا ہے) اور وقف کرنے والوں کے الفاظ ان کے عرف کی خبر دیتے ہیں جیسا کہ "فتح القدیر" کے باب الوقف میں ہے۔ اور اسی طرح لفظ الناذر، الموصی اور الحالف ہیں۔ اس بنا پر کہ "شارح" نے صدر کتاب میں فقہ کی تعریف میں یہ پہلے ذکر کیا ہے کہ فقہاء کے نزدیک فقہ فروعی مسائل کو یاد کرنا ہے اور ان کی کم سے کم تعداد تین ہے۔ اور اسے "البحر" میں "الملتقی" کی طرف منسوب کیا ہے۔ پھر کہا ہے: اور "التحریر" میں ذکر ہے: مروج اور مشہور فقیہ کا اطلاق اس پر ہے جو مطلقاً فروع کو یاد رکھتا ہو چاہے ان کے دلائل ساتھ ہوں یا نہ ہوں۔

36556۔ (قولہ: لَكِنْ قَدَّمْنَا الخ) یہ صرف مٹی کا لیپ کرنے پر استدراک ہے، اور گنبد بنانے کے بارے کوئی تعرض نہیں اس لیے کہ وہ بالاتفاق مکروہ ہے۔ "طحطاوی"۔

36557۔ (قولہ: لِأَنَّهَا حِينَئِذٍ وَصِيَّةٌ بِالْمَكْرُوهِ) اس لیے کہ اس وقت وہ مکروہ کے بارے وصیت ہوگی، اس کا مقتضی یہ ہے کہ وصیت کے صحیح ہونے کے لیے کراہت کا نہ ہونا شرط ہے۔ اور باب الوصایا کے شروع میں یہ ذکر کیا ہے کہ وصایا چار قسم کی ہیں اور وہ (وصیت) اہل فسق کے لیے مکروہ ہے، اور یہاں اس کا مقتضی وصیت کا باطل ہونا ہے، اللّٰھم مگر یہ کہ

قَالَهُ الْمُصَنِّفُ قُلْتُ وَكَذَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ الْقَوْلُ بِبُطْلَانِ الْوَصِيَّةِ لِمَنْ يَقْرَأُ عِنْدَ قَبْرِهِ بِنَاءً عَلَى الْقَوْلِ بِكَرَاهَةِ الْقِرَاءَةِ عَلَى الْقُبُورِ أَوْ بِعَدَمِ جَوَازِ الْإِجَارَةِ عَلَى الطَّاعَاتِ

''مصنف'' نے یہی کہا ہے۔ میں کہتا ہوں: اور اسی طرح چاہیے کہ اس آدمی کی وصیت باطل ہونے کا قول ہو جو یہ وصیت کرے کہ اس کی قبر کے پاس قرآن کریم پڑھا جائے اس قول پر بنا کرتے ہوئے کہ قبروں پر قراءت مکروہ ہے، یا اس بنا پر کہ طاعات پر اجارہ جائز نہیں،

اس طرح فرق کیا جائے کہ وصیت صلہ ہو گی یا قربت اور یہ ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی نہیں ہے۔ پس یہ باطل ہے، بخلاف فاسق کے لیے وصیت کرنے کے۔ کیونکہ وہ صلہ ہے اس کے لوگوں سے مطالب ہیں۔ پس وہ صحیح ہے اگرچہ وہ قربت نہیں جیسا کہ غنی کے لیے وصیت کرنا۔ کیونکہ وہ مباح ہے اور وہ قربت نہیں ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ یہ وہ ہے جو میرے لیے ظاہر ہوا ہے، اور عنقریب وصایا الذمی کی فصل کے شروع میں وہ آئے گا جو اس کی وضاحت کرے گا۔

36558۔ (قولہ: بِنَاءً عَلَى الْقَوْلِ بِكَرَاهَةِ الْقِرَاءَةِ عَلَى الْقُبُورِ) اس قول پر بنا کرتے ہوئے جو قبروں پر قراءت کے مکروہ ہونے کے بارے ہے۔

میں کہتا ہوں: اس طرح نہیں ہے اس لیے کہ ''الولوالجیہ'' میں ہے: اگر کسی نے اپنے دوست یا قریبی کی قبر کی زیارت کی اور اس کے پاس قرآن کریم میں سے کوئی شے پڑھی تو یہ حسن اور اچھا ہے۔ رہی اس بارے وصیت! تو اس کا کوئی معنی نہیں۔ اور قاری (پڑھنے والا) کے صلہ کا بھی کوئی معنی نہیں۔ کیونکہ یہ اسے قرآن کریم پڑھنے کے لیے اجرت پر لینے کے مشابہ ہے اور یہ باطل ہے۔ خلفاء میں سے کسی ایک نے بھی ایسا نہیں کیا الخ۔ تحقیق انہوں نے قبر پر قراءت کے حسن ہونے اور وصیت باطل ہونے کی تصریح کر دی ہے۔ پس اس کا دارومدار کراہت کے بارے قول پر نہ ہوا۔

کسی شخص کو قبر وغیرہ پر قرآن کریم پڑھنے کے لیے اجرت پر لینا عدم ضرورت کی وجہ سے جائز نہیں

36559۔ (قولہ: أَوْ بِعَدَمِ الخ) یا اس کا دارومدار طاعات وعبادات پر اجارہ جائز نہ ہونے کے قول پر ہو گا، اور یہ ان میں سے ہے جن پر اجرت لینا جائز قرار دیا گیا ہے۔ تامل۔ کیونکہ وہ امور جن میں انہوں نے جائز قرار دیا ہے بلاشبہ انہوں نے ضرورت کے محل میں اس کی اجازت دی ہے جیسا کہ قرآن کریم یا فقہ کی تعلیم کے لیے، اذان کہنے یا امامت کے لیے کسی کو اجارہ پر لینا اس خوف کی وجہ سے کہ خیر اور نیکی کے کاموں میں لوگوں کی رغبت کم ہونے کی وجہ سے یہ امور معطل نہ ہو جائیں اور کسی شخص کو قبر پر یا کہیں اور قرآن کریم پڑھنے کے لیے اجرت پر لینے کی کوئی ضرورت اور حاجت نہیں (اس لیے یہ جائز نہیں)۔ ''رحمتی''۔

میں کہتا ہوں: یہی درست ہے، حالانکہ اس مسئلہ میں ایک جماعت نے خطا کی ہے ان میں سے بعض کا گمان ہے کہ متاخرین کے نزدیک تمام طاعات پر اجرت لینے کا جواز مفتیٰ بہ ہے، اس کے باوجود کہ متاخرین نے یہ فتویٰ صرف تعلیم،

أَمَّا عَلَى الْمُفْتَى بِهِ مِنْ جَوَازِهِمَا فَيَنْبَغِي جَوَازُهَا مُطْلَقًا وَتَمَامُهُ فِي حَوَاشِي الْأَشْبَاهِ مِنَ الْوَقْفِ وَحَرَّرَ فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ أَنَّهُ يَتَعَيَّنُ الْمَكَانُ الَّذِي عَيَّنَهُ الْوَاقِفُ لِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ أَوْ لِلتَّدْرِيسِ، فَلَوْ لَمْ يُبَاشِرْ فِيهِ

لیکن مفتی بہ قول کی بنا پر یہ دونوں جائز ہیں۔ پس اس کا جواز مطلقاً ہونا چاہیے۔ اس کی مکمل بحث ''حواشی الاشباہ'' باب الوقف میں ہے۔ اور ''تنویر البصائر'' میں تحریر کیا ہے: وہ مکان متعین ہو جاتا ہے جسے وقف کرنے والے نے قرآن کریم پڑھنے یا تدریس کے لیے معین کیا ہو۔ پس اگر اس نے اس میں وہ کام نہ کیا

اذان اور امامت کے بارے دیا ہے۔ اور ''مصنف'' نے ''المنح'' کتاب الاجارات میں، ''صاحب ہدایہ''۔ عام شارحین اور اصحاب الفتاویٰ نے اس کی علت ضرورت اور ان امور کے ضائع ہونے کا خوف قرار دی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور اگر اجرت ہر طاعت پر جائز ہو تو یقیناً روزے، نماز اور حج پر بھی جائز ہو باوجود اس کے کہ وہ بالاجماع باطل ہے۔ میں نے ایک پورے رسالہ میں اس کی وضاحت کی ہے اس میں سے تھوڑا سا حصہ اجارہ فاسدہ کے باب میں ذکر کیا ہے۔ اور تلاوت کے لیے اجرت پر لینا اگرچہ متعارف ہے لیکن اسے جائز نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ نص کے مخالف ہے اور وہ وہ ہے جس سے ہمارے ائمہ ''صاحب ہدایہ'' وغیرہ نے اس بارے استدلال کیا ہے اور وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد گرامی ہے: اقْرَؤوا القرآنَ ولا تأكلوا بِهِ(1) (تم قرآن کریم پڑھو اور اس کے بدلے نہ کھاؤ) اور عرف جب نص کے مخالف ہو تو وہ بالاتفاق مردود ہوتا ہے۔ اسے یاد رکھ لے۔ اور تو ان میں سے نہ ہو جس نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے عوض ثمن قلیل خریدا اور انہیں دکان بنا دیا جس سے وہ زندگی گزارتا ہے۔

36560۔ (قولہ: أَمَّا عَلَى الْمُفْتَى بِهِ مِنْ جَوَازِهِمَا فَيَنْبَغِي جَوَازُهَا مُطْلَقًا) لیکن مفتی بہ قول کی بنا پر اسے مطلقاً جائز ہونا چاہیے چاہے بطلان کے بارے قول قبر پر قرأت کے مکروہ ہونے پر مبنی ہو یا طاعات پر اجرت لینے کے عدم جواز پر۔

میں کہتا ہوں: تحقیق آپ نے اس بحث کے منقول کے مخالف ہونے کو جان لیا ہے اور وہ مقبول نہیں۔ بلکہ بطلان کا دارومدار اس پر ہے جو ہم نے پہلے ''الولوالجیہ'' سے بیان کر دیا ہے۔ اور ''الاختیار'' اور بہت سی کتابوں میں اس کے بارے تصریح ہے اور وہ قرآن کریم پڑھنے پر اجرت لینے کے مشابہ ہے۔ اور وہ جو متاخرین نے اجرت لینے کے جواز پر فتویٰ دیا ہے وہ تعلیم قرآن کریم پر ہے نہ کہ اس کی تلاوت پر بخلاف اس کے جسے وہم ہوا ہے۔

36561۔ (قولہ: فَلَوْ لَمْ يُبَاشِرْهُ فِيهِ الخ) یعنی اس میں مباشرت کے امکان کے باوجود کہ اس میں مباشرۃ (خود کام کرنے) کا امکان ہے۔ اس لیے کہ فتاویٰ ''الحانوتی'' میں ہے: جب واقف معلوم نے کسی ایک کے لیے شرط لگا دی تو وہ عمل سے مانع کے پائے جانے کے وقت اس کا مستحق ہو گا اور یہ اس کی کوتاہی اور سستی کے سبب نہیں ہوا چاہے وہ ناظر (نگران) ہو

1۔ مسند امام احمد، بروایت عبد الرحمٰن بن شبل، صفحہ 1069، حدیث نمبر 15614

لَا يَسْتَحِقُّ الْمَشْرُوطَ لَهُ لِمَا فِي شَارِحِ الْمَنْظُومَةِ يَجِبُ اتِّبَاعُ شَرْطِ الْوَاقِفِ، وَبِالْمُبَاشَرَةِ فِي غَيْرِ الْمَكَانِ الَّذِي عَيَّنَهُ الْوَاقِفُ يَفُوتُ غَرَضُهُ مِنْ إِحْيَاءِ تِلْكَ الْبُقْعَةِ قَالَ وَتَحْقِيقُهُ فِي الدُّرَّةِ السَّنِيَّةِ فِي مَسْأَلَةِ اسْتِحْقَاقِ الْجَامِكِيَّةِ

تو وہ اس کے لیے مشروط (معاوضہ) کا مستحق نہیں ہوگا، اس لیے کہ ''شارح المنظومہ'' میں ہے: واقف کی شرط کی پیروی کرنا واجب ہے، اور وہ مکان جسے واقف نے معین کیا ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے مکان میں وہ کام کرنے سے اس جگہ کے احیاء اور متبرک کرنے کی اس کی غرض فوت ہو جاتی ہے۔ فرمایا: اور اس کی تحقیق ''الدرۃ السنیۃ فی مسألۃ استحقاق الجامکیۃ'' میں ہے۔

یا کوئی اور جیسا کہ الجابی (وصول کنندہ) اور اسی طرح مدرس جب اپنے مدرسے میں تدریس متعذر ہونے کی وجہ سے دوسرے مدرسہ میں درس دے۔ جیسا کہ ''شارح'' نے اسے ''النہر'' سے کتاب الوقف کے آخر میں فروع سے تھوڑا پہلے بطور بحث نقل کیا ہے۔ اور اسی طرح ''حموی'' کے حاشیہ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ الْوَصِيَّةِ بِالْخِدْمَةِ وَالسُّكْنَى وَالثَّمَرَةِ

(صَحَّتُ الْوَصِيَّةُ بِخِدْمَةِ عَبْدِهِ وَسُكْنَى دَارِهِ مُدَّةً مَعْلُومَةً وَأَبَدًا) وَيَكُونُ مَحْبُوسًا عَلَى مِلْكِ الْمَيِّتِ فِي حَقِّ الْمَنْفَعَةِ كَمَا فِي الْوَقْفِ كَمَا بَسَطَ فِي الدُّرَرِ (وَبِغَلَّتِهِمَا،

خدمت، سکونت اور پھل کی وصیت کا بیان

اپنے غلام کی خدمت اور اپنے گھر کی سکونت کے بارے میں ایک معلوم مدت تک اور ہمیشہ کے لیے وصیت کرنا صحیح ہے، اور وہ منفعت کے حق میں میت کی ملکیت پر محبوس رہے گا جیسا کہ وقف میں ہوتا ہے جیسا کہ ''الدرر'' میں تفصیل کے ساتھ ہے۔ اور اگر وصیت ان دونوں کے غلہ اور حاصل کے بارے ہوئی

جب ''مصنف'' اُعیان سے متعلقہ وصیتوں کے احکام سے فارغ ہوئے تو منافع سے متعلقہ وصیتوں کے احکام میں شروع ہوئے۔ کیونکہ منافع وجود کے اعتبار سے اعیان کے بعد ہیں لہٰذا ''مصنف'' نے وضع کے اعتبار سے انہیں ان سے موخر کیا۔ ''عنایہ''۔

کسی معین فرد کے لیے اپنے غلام کی خدمت اور اپنے گھر کی سکونت کی وصیت کا جواز

36562۔(قولہ: صَحَّتُ الْوَصِيَّةُ بِخِدْمَةِ عَبْدِهِ وَسُكْنَى دَارِهِ) یعنی کسی معین فرد کے لیے اپنے غلام کی خدمت اور اپنے گھر کی سکونت کے بارے وصیت کرنا صحیح ہے۔ ''مقدسی'' نے کہا ہے: اور اگر اس نے اپنے گھر یا اپنے غلام کے غلہ اور حاصل کی مساکین کے لیے وصیت کی تو وہ جائز ہے۔ اور سکونت اور خدمت کے بارے وصیت سوائے معلوم فرد کے جائز نہیں ہوتی۔ کیونکہ غلہ عین مال ہے جسے وہ صدقہ کر سکتا ہے، لیکن خدمت اور سکونت کو صدقہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کے لیے عین کو بطور عاریہ دیا جاتا ہے، اور اعادہ صرف معلوم کے لیے ہی ہوتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے: چاہیے کہ یہ جائز ہو ان کے قیاس کے مطابق جو وقف کو جائز قرار دیتے ہیں۔ فرق کی مکمل بحث ''البدائع'' میں ہے۔ ''سائحانی''۔

36563۔(قولہ: مُدَّةً مَعْلُومَةً وَأَبَدًا) معلوم مدت تک اور ہمیشہ کے لیے، اور اگر وصیت مطلق ہو تو اسے ہمیشہ پر محمول کیا جائے گا، اور اگر وہ سنین (کئی سالوں) کے لیے وصیت کرے تو اسے تین سالوں پر محمول کیا جائے گا، اور اسی طرح غلام اور گھر کے غلہ اور حاصل کے بارے وصیت کا حکم ہے۔ ''مسکین''۔

36564۔(قولہ: كَمَا فِي الْوَقْفِ) جیسا کہ وقف میں ہوتا ہے، کیونکہ موقوف علیہ وقف کے منافع واقف کی ملکیت کے حکم پر حاصل کرتا ہے۔

36565۔(قولہ: وَبِغَلَّتِهِمَا) یعنی غلام اور گھر کا غلہ۔ اور عنقریب ''شارح'' غلہ کا معنی بیان کریں گے۔

فَإِنْ خَرَجَتْ الرَّقَبَةُ مِنَ الثُّلُثِ سُلِّمَتْ إِلَيْهِ) أَيْ إِلَى الْمُوصَى لَهُ (لَهَا) أَيْ لِأَجْلِ الْوَصِيَّةِ (وَإِلَّا) تَخْرُجُ مِنَ الثُّلُثِ (تُقْسَمُ الدَّارُ أَثْلَاثًا) أَيْ فِي مَسْأَلَةِ الْوَصِيَّةِ بِالسُّكْنَى، أَمَّا الْوَصِيَّةُ بِالْغَلَّةِ فَلَا تُقْسَمُ عَلَى الظَّاهِرِ

تو اگر وہ غلام ثلث سے نکل آئے تو اس وصیت کی وجہ سے اسے موصی لہ کے حوالے کر دیا جائے ورنہ اسے ثلث سے نکالا جائے گا اور گھر کو سکونت کی وصیت کے مسئلہ میں تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ رہی غلہ کی وصیت تو اسے ظاہر روایت کے مطابق تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

36566۔ (قولہ: فَإِنْ خَرَجَتْ الرَّقَبَةُ مِنَ الثُّلُثِ) پس اگر خدمت، سکونت اور غلہ کے بارے وصیت میں غلام کی گردن اور گھر ثلث سے نکل آئیں، اسے رقبہ کے ساتھ مقید کیا ہے اس لیے کہ ''الکفایہ'' میں ہے کہ ان کے اعیان کی طرف دیکھا جائے گا جن کے بارے میں اس نے وصیت کی ہے۔ پس اگر ان کی گردنیں (ذاتیں) ثلث کی مقدار ہوں تو جائز ہے۔ اور خدمت، پھل، غلہ اور سکونت کی قیمت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اعیان سے مقصود ان کے منافع ہیں۔ پس جب منافع مستحق کے ہو گئے اور عین وارث کی ملکیت پر باقی رہا تو یہ بمنزلہ اس عین کے ہو گیا جس کی کوئی منفعت نہیں۔ پس اسی لیے رقبہ کی قیمت کا اعتبار کیا جاتا ہے گویا کہ وصیت اسی کے ساتھ واقع ہوئی۔

میں کہتا ہوں: شاید ''الاشباہ'' کے قول سے یہی مراد ہے: بلاشبہ منافع کے ساتھ تبرع اور احسان جمیع مال سے نافذ ہوتا ہے۔ تامل۔

غلام اور گھر کی تقسیم کا طریقہ

36567۔ (قولہ: (تُقْسَمُ الدَّارُ أَثْلَاثًا) گھر کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، ''الغرر'' میں یہ زائد ہے: یا بطور مہایاۃ یعنی زمان اور وقت کے اعتبار سے اسے تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ اور پہلی صورت زیادہ مناسب ہے کیونکہ اجزاء کے اعتبار سے تقسیم ممکن ہے اور اس وجہ سے کہ ان دونوں کے درمیان زمان اور ذات کے اعتبار سے برابری اور مساوات ہے۔ اور مہایاۃ میں زمانہ کے اعتبار سے ان میں سے ایک کو مقدم کرنا پڑتا ہے (یعنی ایک پہلے رہے گا اور دوسرا اس کے بعد)۔ ''قہستانی'' نے کہا ہے: اور یہ تب ہے جب گھر تقسیم کا احتمال رکھتا ہو، ورنہ پھر مہایاۃ ہوگی کچھ اور نہیں، جیسا کہ ''الظہیریہ'' میں ہے۔

36568۔ (قولہ: فَلَا تُقْسَمُ) پس نفس دار کو تقسیم نہیں کیا جائے گا، رہا غلہ تو اسے تقسیم کیا جائے گا۔ ''الاتقانی'' نے کہا ہے: جب اس نے اپنے غلام یا اپنے گھر کے غلہ کے بارے ایک سال کے لیے وصیت کی اور اس کا اس کے سوا کوئی مال نہ ہو تو اس (موصی لہ) کے لیے اس سال کے غلہ کا تیسرا حصہ ہوگا۔ کیونکہ غلہ عین مال ہے جو تقسیم کا احتمال رکھتا ہے۔ اور اگر اس نے ان میں باغ تقسیم کیا تو اس نے صرف ایک حصے کا پھل توڑا تو وہ تقسیم باطل ہونے کی وجہ سے اس میں شریک ہوں گے۔ اسے ''سائحانی'' نے ''المبسوط'' سے نقل کیا ہے۔

36569۔ (قولہ: عَلَى الظَّاهِرِ) یعنی یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے۔ کیونکہ اس کا حق غلہ میں ہے نہ کہ عین دار میں۔

(وَتَهَایَآ الْعَبْدَ فَیَخْدُمُهُمْ أَثْلَاثًا) هَذَا إذَا لَمْ یَکُنْ لَهُ مَالٌ غَیْرُ الْعَبْدِ وَالدَّارِ وَإِلَّا فَخِدْمَةُ الْعَبْدِ وَقِسْمَةُ الدَّارِ بِقَدْرِ ثُلُثِ جَمِیعِ الْمَالِ کَمَا أَفَادَهُ صَدْرُ الشَّرِیعَةِ (وَلَیْسَ لِلْوَرَثَةِ بَیْعُ مَا فِی أَیْدِیهِمْ مِنْ ثُلُثَیْهَا) عَلَی الظَّاهِرِ لِثُبُوتِ حَقِّهِ فِی سُکْنَی کُلِّهَا بِظُهُورِ مَالٍ آخَرَ أَوْ بِخَرَابِ مَا فِی یَدِهِ فَحِینَئِذٍ یُزَاحِمُهُمْ فِی بَاقِیهَا وَالْبَیْعُ یُنَافِیهِ فَمُنِعُوا عَنْهُ، وَعَنْ أَبِی یُوسُفَ لَهُمْ ذَلِکَ (وَلَیْسَ لِلْمُوصَی لَهُ بِالْخِدْمَةِ أَوْ السُّکْنَی أَنْ یُؤَجِّرَ الْعَبْدَ أَوْ الدَّارَ)

اور وارث اور موصی لہ دونوں غلام کے بارے میں باری مقرر کرلیں اور وہ تین حصوں میں (تقسیم ہوکر) ان کی خدمت کرے گا (یعنی دو دن وارث کی اور ایک دن موصی لہ کی) اور یہ تب ہے جب غلام اور گھر کے بغیر اس کا کوئی مال نہ ہو۔ اور اگر اور مال بھی ہو تو غلام کی خدمت اور گھر کی تقسیم کل مال کے ثلث کی مقدار کے ساتھ ہوگی جیسا کہ اسے ''صدر الشریعہ'' نے بیان کیا ہے۔ اور ورثا کے لیے اس حصہ کو بیچنا جائز نہیں جو اس کے ثلث میں سے ان کے پاس ہے، یہ ظاہر روایت ہے۔ کیونکہ دوسرا مال ظاہر ہونے کے ساتھ یا جو موصی لہ کے پاس ہے اس کے خراب اور ویران ہونے کے سبب موصی لہ کا تمام گھر کی سکونت میں حق ثابت ہو چکا ہے۔ پس اس وقت وہ باقی میں ان کا مزاحم ہوسکتا ہے اور بیع اس کے منافی ہوتی ہے پس انہیں اس سے منع کیا جائے گا۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے: ان کے لیے بیع جائز ہے۔ اور جس موصی لہ کے لیے خدمت یا سکونت کے بارے وصیت کی گئی اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ غلام یا گھر اجارہ پر دے۔

اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں ہے: اسے تقسیم کیا جائے گا تا کہ وہ اس کا ثلث حاصل کر سکے۔ اسے ''شرنبلالیہ'' نے ''الکافی'' سے نقل کیا ہے۔

36570۔ (قولہ: وَتَهَایَآ الْعَبْدَ) اور وہ دونوں غلام کی باری مقرر کریں، کیونکہ بالا جزاء اس کی تقسیم ممکن نہیں۔

36571۔ (قولہ: فَیَخْدُمُهُمْ أَثْلَاثًا) پس وہ (وقت کے اعتبار سے) تین حصوں میں ان کی خدمت کرے گا، یعنی وہ ہمیشہ کے لیے ورثا کی دو دن اور موصی لہ کی ایک دن خدمت کرے گا، مگر جب ایک سال کے ساتھ مدت مقرر ہو۔ اور اگر ایک سال (السَّنة) غیر معین ہو تو پھر تین سال گزرنے تک (اسی ترتیب سے خدمت کرے گا) اور اگر وہ ایک سال معین ہو تو پھر اس کے گزرنے تک، بشرطیکہ موصی اس معین سال سے پہلے یا اس کے دوران فوت ہو جائے، پھر اسے ورثا کے حوالے کر دیا جائے گا۔ کیونکہ موصی لہ نے اپنا حق حاصل کر لیا ہے اگر موصی اس کے بعد فوت ہوا تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ ''منح''، ملخصاً۔

36572۔ (قولہ: هَذَا) یعنی گھر کی تقسیم اور غلام کی مہایاۃ تین حصوں میں ہوگی۔

36573۔ (قولہ: بِقَدْرِ ثُلُثِ جَمِیعِ الْمَالِ) تمام مال کے ثلث کی مقدار کے ساتھ، اس کی مثال یہ ہے: جب غلام ترکہ کا نصف ہو تو وہ موصی لہ کی دو دن اور ورثا کی ایک دن خدمت کرے گا۔ کیونکہ غلام کے دو ثلث ترکہ کا ایک ثلث ہے۔ پس غلام کے دو ثلث موصی بہ ہو گئے اور اس کا ایک ثلث ورثا کے لیے ہوا نتیجۃً اسے اسی طرح تقسیم کیا جائے گا جیسے ہم نے اسے ذکر

لِأَنَّ الْمَنْفَعَةَ لَيْسَتْ بِمَالٍ عَلَى أَصْلِنَا، فَإِذَا مَلَّكَهَا بِعِوَضٍ كَانَ مُمَلِّكًا أَكْثَرَ مِمَّا مَلَكَهُ يَعْنِي وَهُوَ لَا يَجُوزُ (وَلَا لِلْمُوصَى لَهُ بِالْغَلَّةِ اسْتِخْدَامُهُ) أَيِ الْعَبْدِ (أَوْ سُكْنَاهَا) أَيِ الدَّارِ (فِي الْأَصَحِّ) وَمِثْلُهُ الدَّارُ الْمَوْقُوفَةُ عَلَيْهِ، وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى شَرْحُ الْوَهْبَانِيَّةِ

کیونکہ منفعت ہماری اصل اور قاعدہ کے مطابق مال نہیں ہے۔ پس جب اس نے عوض کے ساتھ اس کا دوسرے کو مالک بنایا تو وہ اس سے زیادہ کے ساتھ مالک بنانے والا ہوا جس کا وہ خود مالک ہے حالانکہ یہ جائز نہیں۔ اور جس کے لیے غلہ کے بارے وصیت کی جائے صحیح روایت کے مطابق اس کے لیے غلام سے خدمت لینا یا گھر میں سکونت اختیار کرنا جائز نہیں۔ اور اسی کی مثل وہ گھر ہے جو اس پر وقف کیا گیا ہو، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ ''شرح الوہبانیہ''۔

کیا ہے۔ اور اسی اعتبار پر اس کے بقیہ مسائل بھی تخریج کیے جائیں گے۔ ''اختیار''۔

36574۔ (قولہ: لِأَنَّ الْمَنْفَعَةَ لَيْسَتْ بِمَالٍ الخ) کیونکہ منفعت مال نہیں ہے، یعنی مالک کے لیے صحیح ہے کہ وہ بدل کے ساتھ اجارہ کرے۔ کیونکہ وہ ملک عین کی تبع میں اس کا مالک ہے، اور مستاجر اجارہ پر دینے کا مالک ہے اس کے باوجود کہ وہ صرف منفعت کا مالک ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جب عقد معاوضہ کے ساتھ اس کا مالک ہوا ہے تو وہ مال ہے بخلاف اس کے کہ وہ عقد تبرع کے ساتھ اس کا مالک ہو جیسا کہ ہم اسی کے بیان میں ہیں۔ ''سائحانی''۔

36575۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) اسی طرح ''الملتقی'' اور ''ہدایہ'' وغیرہ میں ہے۔ علت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ غلہ سے مراد دراہم یا دنانیر ہیں اور وصیت انہی کے بارے ثابت ہے اور یہ منافع کو حاصل کرنا ہے، اور یہ دونوں ورثا کے حق میں متغایر اور متفاوت ہیں۔ کیونکہ اگر دین ظاہر ہو غلہ میں سے اس کی ادائیگی انہیں ممکن ہے اس طرح کہ ان کا غلہ حاصل کرنے کے بعد اس سے واپس لوٹا لیا جائے اور منافع سے بعینہ انہیں حاصل کر لینے کے بعد ان کے لیے ممکن نہیں۔

36576۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) اور اسی پر فتویٰ ہے، ''الظہیریہ'' میں اسے ہی ذکر کیا ہے جہاں انہوں نے وصیت کے بیان میں کہا ہے: کسی آدمی کے لیے اپنے گھر کے غلہ کی وصیت ہو تو اس کا اجارہ کیا جا سکتا ہے اور اس کا غلہ اسے دے دیا جائے گا۔ اور اگر وہ بذات خود سکونت کا ارادہ کرے: تو ''الاسکاف'' نے کہا ہے: اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔ اور ''ابوالقاسم'' اور ''ابوبکر بن سعید'' نے کہا ہے: اس کے لیے یہ جائز نہیں، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور وصیت اخت وقف ہے۔ پس اسی بنا پر وقف میں فتوی اسی پر ہے، بلکہ اولی ہے، کیونکہ اس میں مشائخ کا اختلاف منقول نہیں۔ علامہ ''عبدالبر بن الشحنہ'' نے اسے نقل کرنے کے بعد کہا ہے: اور یہ روایت کے اعتبار سے مسلم ہے، لیکن فقہ کی جہت سے وہ فرق ظاہر ہے جسے ''مصنف'' یعنی ''ابن وہبان'' نے ذکر کیا ہے اس طرح کہ بلاشبہ یہ غلہ اور سکونت کے بارے وصیت اسے معدوم کرنے والی ہے۔ پس موصی کا مقصود فوت ہو جاتا ہے بخلاف اس پر وقف کے، کیونکہ یہ سکونت یا غلہ کے ساتھ نفع کے حصول سے اعم ہے۔ پس مناسب ہے کہ وقف میں اختلاف بدرجہ اولیٰ جاری ہو۔ اور اس کا حاصل ''صاحب الظہیریہ'' کے ساتھ ان کے اولویت کے

لِاَنَّ حَقَّهُمْ فِی الْمَنْفَعَةِ لَا الْعَیْنِ، وَقَدْ عَلِمْتَ الْفَرْقَ بَیْنَهُمَا (وَلَا یُخْرِجُ) الْمُوْصٰی لَهُ (الْعَبْدَ) الْمُوْصٰی بِخِدْمَتِهٖ (مِنَ الْکُوْفَةِ) مَثَلًا (اِلَّا اِذَا کَانَ ذٰلِکَ مَکَانُهُ) وَاَهْلُهُ فِیْ مَوْضِعٍ آخَرَ (اِنْ خَرَجَ مِنَ الثُّلُثِ)

کیونکہ ان کا حق منفعت میں ہے نہ کہ عین میں۔ حالانکہ آپ ان دونوں کے درمیان فرق جان چکے ہیں۔ اور موصی لہ اس غلام کو جس کی خدمت کی وصیت کی گئی ہو مثلاً کوفہ سے نہیں نکالے گا (یعنی شہر سے باہر منتقل نہیں کرے گا) مگر جبکہ اس کا مکان اور اس کے اہل وعیال دوسری جگہ میں ہوں، بشرطیکہ وہ ثلث سے نکلے۔

دعویٰ میں نزاع کرنا اور جھگڑنا ہے۔

میں کہتا ہوں: پس اگر وقف کرنے والا اس بارے تصریح کردے کہ یہ غلہ حاصل کرنے کے لیے ہے تو پھر اولویت اور ترجیح ظاہر ہے۔ اسے یاد رکھو۔ لیکن علامہ ''الشرنبلالی'' کا رسالہ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سکونت کا مستحق استغلال کا مالک نہیں ہوتا۔ اور اس کے برعکس اس میں اختلاف ہے اور راجح جواز ہے، فتامل۔ اور اس پر ''الوہبانیہ'' میں اس کی شرح میں یہاں اور کتاب الوقف میں تنبیہ کی ہے۔

36577۔ (قولہ: لِاَنَّ حَقَّهُمْ فِی الْمَنْفَعَةِ لَا الْعَیْنِ) کیونکہ ان کا حق منفعت میں ہے نہ کہ عین میں، یعنی موصی لہم اور موقوف علیہم کا حق۔ اور عین سے مراد غلہ ہے چونکہ وہ عین مال ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ لیکن یہ تعلیل خلاف مطلوب کو ثابت کرتی ہے اور اس مسئلہ کے عکس کی علت بیان کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اس سے میری مراد ''مصنف'' کا قول: لیس للموصٰی لہ الخ ہے۔ پس درست فی بدل المنفعۃ کہنا ہے نہ کہ فیہا کہنا۔ کیونکہ ان دونوں کے درمیان ورثا کے حق میں فرق ہے۔ میری مراد وہ ہے جسے ہم نے پہلے ''ہدایہ'' سے بیان کر دیا ہے، لیکن ان کے کلام سے یہ فرق معلوم نہیں ہوتا۔ اللّٰھم مگر یہ کہ منفعت سے استغلال مراد لیا جائے نہ کہ خدمت اور سکونت، اور عین سے غلام کی ذات اور دار مراد ہے۔ اور ''شارح'' کے قول: وقد علمت الفرق بینھما کے ساتھ اشارہ اس کی طرف ہے جسے پہلے ذکر کیا ہے کہ وہ جس کے لیے غلہ کی وصیت کی گئی ہو اس کے لیے دار کی تقسیم جائز نہیں، کیونکہ دار کے عین میں اس کا کوئی حق نہیں۔ چاہیے کہ اس میں غور کیا جائے۔

36578۔ (قولہ: وَلَا یُخْرِجُ الخ) ''ہدایہ'' میں کہا ہے: موصی لہ کے لیے جائز نہیں کہ وہ غلام کو کوفہ سے نکالے مگر اس صورت میں کہ موصی لہ اور اس کے اہل وعیال کوفہ سے باہر رہتے ہوں تو وہ اسے اپنے اہل وعیال کی طرف لے جا سکتا ہے تاکہ وہ وہاں اس کی خدمت کرے جبکہ وہ ثلث سے نکل سکتا ہو۔ کیونکہ وصیت اسی پر نافذ ہوتی ہے جو موصی کے مقصود سے پہچانا جائے۔ پس جب وہ اس کے شہر میں ہوں تو اس کا مقصود یہ ہے کہ شہر میں وہ اسے خدمت کرنے کی قدرت دے اس کے بغیر کہ سفر کی مشقت اس پر لازم ہو۔ اور جب وہ اس کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں رہتے ہوں تو اس کا مقصود یہ ہے کہ وہ غلام کو اپنے اہل وعیال تک پہنچائے تاکہ وہ ان کی خدمت کرے۔ اور ''ابو السعود'' نے ''المقدسی'' سے نقل کیا ہے: اگر وہ اپنے اہل کے ساتھ موصی کے شہر سے نکلا اور موصی کو علم نہ ہوا تو اس کے لیے غلام کو نکالنا جائز نہیں۔

36579۔ (قولہ: اِلَّا اِذَا کَانَ ذٰلِکَ مَکَانُهُ الخ) متن کی عبارت کے ظاہر کے مطابق یہ اشارہ اس مکان اور جگہ کی

وَإِلَّا فَلَا يُخْرِجُهُ (إِلَّا بِإِذْنِ الْوَرَثَةِ) لِبَقَاءِ حَقِّهِمْ فِيهِ (وَبِمَوْتِهِ) أَيِ الْمُوصَى لَهُ (فِي حَيَاةِ الْمُوصِي بَطَلَتْ) الْوَصِيَّةُ (وَبَعْدَ مَوْتِهِ يَعُودُ) الْعَبْدُ وَالدَّارُ (إِلَى الْوَرَثَةِ) أَيْ وَرَثَةِ الْمُوصِي بِحُكْمِ الْمِلْكِ وَلَوْ أَتْلَفَهُ الْوَرَثَةُ ضَمِنُوا قِيمَتَهُ لِيَشْتَرِيَ بِهَا عَبْدًا يَقُومُ مَقَامَ الْأَوَّلِ وَلِهَذَا يُمْنَعُ الْمَرِيضُ

ورنہ وہ اسے ورثا کی اجازت کے بغیر نہیں لے جا سکتا، اس لیے کہ ان کا حق اس میں باقی ہے۔ اور موصی کی زندگی میں موصی لہ کے فوت ہو جانے کے ساتھ وصیت باطل ہو جاتی ہے، اور اس کی موت کے بعد غلام اور گھر ملکیت کے حکم کے سبب موصی کے ورثا کی طرف لوٹ آئیں گے۔ اور اگر ورثا نے اسے ضائع کر دیا تو وہ اس کی قیمت کے ضامن ہوں گے تا کہ اس کے ساتھ غلام خریدا جائے جو پہلے غلام کے قائم مقام ہوگا۔ اور اسی لیے مریض کو ثلث سے

طرف ہے جس کی طرف وہ غلام کو نکالنے کا ارادہ کرتا ہے، اور اسی کے ساتھ ''المنح'' میں تصریح کی ہے۔ لیکن ''شارح'' کے حل کی بنا پر اشارہ اس مخرج کی طرف ہے جو موصی لہ ہے نہ کہ کوفہ کی طرف جیسا کہ ''حلبی'' نے کہا ہے۔ اس لیے کہ اس کی بعد والے قول: وأهله في موضع آخر کے ساتھ مناسبت نہیں اور اس بنا پر جو ہم نے کہا ہے اسم اشارہ کَانَ کا اسم ہے اور مکانه مبتدا اور أهله اس پر معطوف ہے۔ اور في موضع آخر مبتدا کی خبر ہے، اور پھر جملہ اسمیہ کَانَ کی خبر ہے، اور اس میں متن کے اعراب کو تبدیل کرنا لازم آتا ہے اور اس کے لیے یہ کثرت سے واقع ہوتا ہے۔ اور اشارہ کو کوفہ کی طرف لوٹانا بھی جائز ہے اور مکانه میں ضمیر غلام (عبد) کے لیے اور أهله میں ضمیر موصی کے لیے ہوگی۔ اور ''المواہب'' کی عبارت ہے: اور وہ اس کے ساتھ صرف اپنے شہر کے لیے سفر کر سکتا ہے۔

36580۔ (قوله: وَبَعْدَ مَوْتِهِ) یعنی موصی کی موت کے بعد اور اس کا عطف ''مصنف'' کے قول: في حياة الْمُوصِي پر ہے، یعنی موصی کے فوت ہونے کے بعد موصی لہ کے فوت ہونے کے ساتھ وہ ورثا کی طرف لوٹ جائے گا۔

36581۔ (قوله: يَعُودُ الْعَبْدُ وَالدَّارُ) یعنی غلام کی خدمت اور گھر کی سکونت اور ان دونوں کا غلہ اور حاصل ورثہ کی طرف لوٹ جائے گا جیسا کہ ''الاتقانی'' نے بیان کیا ہے، کیونکہ وہی موصی بہ ہے۔ تأمل۔

36582۔ (قوله: بِحُكْمِ الْمِلْكِ) یعنی موصی یا اس کے ورثا کی ملک کے حکم کے ساتھ۔ پس وہ موصی لہ کے ورثا کی طرف نہیں لوٹے گا۔ اور ''ہدایہ'' کی عبارت ہے: پس اگر موصی لہ فوت ہو گیا تو وہ ورثا کی طرف لوٹ جائے گا، کیونکہ موصی نے موصی لہ کے لیے حق ثابت کیا ہے تا کہ وہ اس کی ملکیت کے حکم پر منافع حاصل کر سکے، اور اگر وہ موصی لہ کے وارث کی طرف منتقل ہو تو وہ ابتداءً ہی موصی کی ملک سے اس کی رضا کے بغیر اس کا مستحق بنا اور یہ جائز نہیں ہے۔

36583۔ (قوله: وَلَوْ أَتْلَفَهُ الْوَرَثَةُ) یعنی اگر ورثا نے اس غلام کو ضائع اور ہلاک کر دیا جس کی خدمت کے بارے وصیت کی گئی۔

36584۔ (قوله: وَلِهَذَا الخ) یعنی جنایت کے وقت تاوان کی وجہ سے ان کے مورث کو ثلث مال سے زیادہ کے

مِنَ التَّبَرُّعِ بِأَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ كَذَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ فِي الرَّهْنِ وَلَوْ أَوْصَى بِهَذَا الْعَبْدِ لِفُلَانٍ وَبِخِدْمَتِهِ لِآخَرَ وَهُوَ يَخْرُجُ مِنَ الثُّلُثِ صَحَّ وَتَمَامُهُ فِي الدُّرَرِ وَفِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ وَنَفَقَتُهُ إِذَا لَمْ يُطِقِ الْخِدْمَةَ عَلَى الْمُوصَى لَهُ بِالرَّقَبَةِ إِلَى أَنْ يُدْرِكَ الْخِدْمَةَ فَيَصِيرَ كَالْكَبِيرِ، وَنَفَقَةُ الْكَبِيرِ عَلَى مَنْ لَهُ الْخِدْمَةُ، وَإِنْ أَبَى الْإِنْفَاقَ عَلَيْهِ رَدَّهُ إِلَى مَنْ لَهُ الرَّقَبَةُ كَالْمُسْتَعِيرِ مَعَ الْمُعِيرِ،

زیادہ کے ساتھ تبرع کرنے سے منع کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ''مصنف'' نے اسے کتاب الرہن میں ذکر کیا ہے۔ اور اگر اس نے اس غلام کے بارے فلاں کے لیے اور اس کی خدمت کے بارے دوسرے آدمی کے لیے وصیت کی درآنحالیکہ وہ ثلث سے نکل سکتا ہو تو وصیت صحیح ہے۔ اور اس کی مکمل بحث ''الدرر'' میں ہے۔ اور ''الشرنبلالیہ'' میں ہے: جب وہ خدمت کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا نفقہ اس موصی لہ پر ہوگا جس کے لیے رقبہ کی وصیت کی گئی ہے یہاں تک کہ وہ خدمت کے قابل ہو جائے، تو پھر وہ کبیر کی طرح ہو جائے گا، اور کبیر کا نفقہ (خرچہ) اس پر ہوتا ہے جس کے لیے اس کی خدمت ہے۔ اور اگر وہ اس پر خرچ کرنے سے انکار کر دے تو وہ اسے اس موصی لہ کی طرف لوٹا دے جس کے لیے رقبہ کی وصیت کی گئی ہے جیسا کہ مستعیر کا معاملہ معیر (عاریۃً لینے اور دینے والا) کے ساتھ ہوتا ہے۔

ساتھ تبرع اور احسان کرنے سے منع کیا گیا ہے تاکہ کل مال کا تاوان ان پر لازم نہ آئے اگر اس میں وصیت لازم ہو اور وہ اس پر جنایت کریں، اور یہ کمزور تعلیل ہے۔ ''سائحانی'' اور ''رحمتی''۔

36585۔ (قولہ: صَحَّ) پس جب وہ موصی لہ فوت ہو گیا جس کے لیے خدمت کی وصیت تھی تو وہ اس موصی لہ کی طرف لوٹ جائے گا جس کے لیے رقبہ (ذات) کی وصیت ہے۔

36586۔ (قولہ: وَنَفَقَتُهُ إِذَا لَمْ يُطِقِ الْخِدْمَةَ الخ) اور جب وہ خدمت کی طاقت نہ رکھے صغرسنی کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے تو اس کا نفقہ موصی لہ بالرقبۃ پر ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ''الکفایہ'' میں ہے۔ لیکن ''الولوالجیہ'' میں ہے: جب وہ ایسی بیماری میں مبتلا ہو جس سے تندرست ہونے کی امید ہو تو پھر اس کا نفقہ صاحب خدمت پر ہوگا، اور اگر اس سے صحیح ہونے کی امید نہ ہو تو پھر نفقہ صاحب رقبہ پر ہوگا۔

36587۔ (قولہ: وَنَفَقَةُ الْكَبِيرِ عَلَى مَنْ لَهُ الْخِدْمَةُ) اور کبیر کا نفقہ اس پر ہے جس کے لیے خدمت ہے۔ کیونکہ وہ حاصل کی ہوئی خدمت (استخدام) سے اس پر خرچ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ ''عنایہ''۔

36588۔ (قولہ: فَإِنْ جَنَى فَالْفِدَاءُ عَلَى مَنْ لَهُ الْخِدْمَةُ) پس اگر وہ جنایت کرے تو فدیہ اس پر ہوگا جس کے لیے خدمت ہے، اور اس کی موت کے بعد ورثا اس کے لیے اس پر رجوع کریں گے جس کے لیے رقبہ کی وصیت ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ وہی اس سے نفع حاصل کرنے والا ہے، اور وہ اس کے لیے مضطر اور مجبور ہے اور اگر وہ انکار کر دے تو غلام کو اس جنایت میں بیچ دیا جائے گا۔ کیونکہ اگر فدیہ نہ ہو تو وہ جنایت کے سبب لازم اور ضروری ہے۔ ''ولولوالجیہ''۔ اور اس کی مکمل

فَإِنْ جَنَى فَالْفِدَاءُ عَلَى مَنْ لَهُ الْخِدْمَةُ، وَلَوْ أَبَى فَدَاهُ صَاحِبُ الرَّقَبَةِ أَوْ دَفَعَهُ وَبَطَلَتْ الْوَصِيَّةُ (وَبِثَمَرَةِ بُسْتَانِهِ فَمَاتَ وَ) الْحَالُ أَنَّ فِيهِ ثَمَرَةً

پس اگر وہ کوئی جنایت کرے تو اس کا فدیہ اس پر ہے جس کے لیے خدمت ہے، اور اگر وہ انکار کر دے تو صاحب الرقبہ اس کا فدیہ دے یا اسے اس کے حوالے کر دے اور وصیت باطل ہو جائے گی۔ اور اگر اس نے اپنے باغ کے پھل کے بارے وصیت کی اور پھر فوت ہو گیا اور حال یہ کہ اس میں پھل ہے

بحث ''الاشباہ''، القول فی الملک میں ہے۔

36589۔ (قولہ: وَبَطَلَتْ الْوَصِيَّةُ) اور فدیہ اور جنایت کے بدلے دے دینے کی دونوں صورتوں میں وصیت باطل ہے اور اس کی وضاحت ''الولوالجیہ'' کے ساتویں حصہ میں ہے۔

تتمہ

اسے بیان نہیں کیا جب وہ غلہ کے بارے وصیت کرے اور اس میں غلہ نہ ہو، اور اسے ''صاحب المبسوط'' نے بیان کیا ہے اور کہا ہے: اگر اس نے ایک آدمی کے لیے کھجور کے غلہ کے بارے ہمیشہ کے لیے وصیت کی اور دوسرے کے لیے اس کی ذات (یعنی نفس درخت) کی اور وہ پھل کی عمر کو نہ پہنچی اور نہ اس پر پھل لگا تو اسے پانی لگانے اور اس کی حفاظت کرنے کا خرچہ صاحب رقبہ پر ہوگا۔ کیونکہ یہ خرچہ اس کی ملک کا نمو اور زیادتی ہے، اور صاحب غلہ اس سے کوئی نفع حاصل نہیں کر سکتا لہٰذا اس نفقہ میں سے اس پر کوئی شے نہ ہوگی۔ پھر جب وہ پھل دینے لگے تو نفقہ صاحب غلہ پر ہوگا۔ کیونکہ اس کی منفعت اسی کی طرف لوٹتی ہے۔ کیونکہ اس سے پھل حاصل ہو رہا ہے۔ اور اگر وہ ایک سال پھل لائے پھر بدل جائے اور کوئی چیز بھی نہ اٹھائے تو نفقہ صاحب غلہ پر ہوگا؛ کیونکہ اس کے منافع صاحب غلہ کی طرف ہی راجع ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ درخت جن کی عادت یہ ہو کہ وہ ایک سال پھل دیتے ہوں اور ایک سال نہ دیتے ہوں تو جس سال وہ پھل دیتے ہیں اس سال ان کا پھل عمدہ اور بڑا ہوتا ہے ان کے مقابلے میں جو ہر سال پھل دیتے ہیں۔ اور یہی اس کے نفقہ کی نظیر ہے جس کی خدمت کے بارے وصیت کی گئی ہو۔ کیونکہ وہ رات دن دونوں میں اس موصی لہ پر ہوتا ہے جس کی خدمت کے لیے وصیت کی گئی ہے اگرچہ وہ رات کے وقت سو جاتا ہے اور خدمت نہیں کرتا۔ کیونکہ رات کے وقت سونے کے سبب جب وہ راحت اور سکون حاصل کر لے تو وہ دن کے وقت خدمت کے لیے زیادہ قوی اور طاقتور ہو جاتا ہے اور اگر وہ نہ کرے تو صاحب رقبہ اس پر خرچ کرے یہاں تک کہ وہ پھل لے آئے۔ کیونکہ وہ اپنا خرچہ اس سے پورا کر سکتا ہے، اور اس لیے کہ وہ اس پر خرچہ کرنے کا محتاج ہے تا کہ اس کی ملک ضائع نہ ہو جائے، پس وہ متبرع نہ ہوگا، لیکن وہ نفقہ پھلوں سے پورا کرے گا اور جو اس سے باقی بچے گا تو وہ صاحب غلہ کے لیے ہوگا۔ اسے ''طحطاوی'' نے ''سری الدین'' سے نقل کیا ہے۔

36590۔ (قولہ: فَمَاتَ وَ الْحَالُ الخ) یعنی موصی فوت ہو اس حال میں کہ باغ میں پھل موجود ہو۔

لَهُ (هٰذِهِ الثَّمَرَةُ) فَقَطْ (وَإِنْ زَادَ أَبَدًا لَهُ هٰذِهِ الثَّمَرَةُ وَمَا يَسْتَقْبِلُ كَمَا) فِي الْوَصِيَّةِ (بِغَلَّةِ بُسْتَانِهِ) فَإِنَّ لَهُ هٰذَا وَمَا يَحْدُثُ ضَمَّ أَبَدًا أَوْ لَا (وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ) أَيِ الْبُسْتَانِ وَالْمَسْأَلَةُ بِحَالِهَا (ثَمَرَةٌ) حِينَ الْوَصِيَّةِ (فَهِيَ) كَالْوَصِيَّةِ (بِالْغَلَّةِ) فِي تَنَاوُلِهَا الثَّمَرَةَ الْمَعْدُومَةَ مَا عَاشَ الْمُوصَى لَهُ زَيْلَعِيٌّ وَفِي الْعِنَايَةِ السَّقْيُ وَالْخَرَاجُ وَمَا فِيهِ إِصْلَاحُ الْبُسْتَانِ عَلَى صَاحِبِ الْغَلَّةِ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُنْتَفِعُ بِهِ فَصَارَ كَالنَّفَقَةِ فِي فَصْلِ الْخِدْمَةِ

تو صرف یہی پھل اس کیلئے ہوگا۔ اور اگر وہ ابداً کے لفظ کا اضافہ کر دے تو پھر یہ موجود پھل اور جو اس کے بعد لگے گا اسی کے لیے ہو گا جیسا کہ وصیت میں ہوتا ہے۔ اور اگر اپنے باغ کے غلہ (پیداوار) کے بارے وصیت کی تو بلاشبہ اس کے لیے ہوگا یہ بھی اور جو اس کے بعد پیدا ہوگا چاہے وہ ابدا کا کلمہ ساتھ ملائے یا نہ ملائے۔ اور اگر باغ میں وصیت کے وقت پھل نہ ہوں اور مسئلہ اپنے حال پر ہی ہو تو یہ معدوم پھل کو شامل ہونے میں غلہ کے بارے وصیت کی طرح ہے جب تک موصی لہ زندہ رہا ''زیلعی''۔ اور ''العنایہ'' میں ہے: باغ کو سیراب کرنا، خراج اور ہر وہ عمل جس میں باغ کی اصلاح ہو اس کا خرچہ صاحب غلہ پر ہوگا۔ کیونکہ وہی اس سے نفع اٹھانے والا ہے۔ پس یہ خدمت کے مسئلہ میں نفقہ کی طرح ہو گیا۔

36591۔ (قولہ: لَهُ هٰذِهِ الثَّمَرَةُ) یعنی یہ پھل موصی لہ کے لیے ہی ہوگا اگر باغ ثلث مال سے نکل آئے۔ اسی بنا پر جو ہم نے ''الکفایہ'' سے پہلے بیان کر دی ہے۔

36592۔ (قولہ: فَقَطْ ضَمَّ أَبَدًا أَوْ لَا) وہ ابداً کا لفظ ساتھ ملائے یا نہ ملائے۔ اور فرق یہ ہے کہ ثمرہ عرف میں موجود کا اسم ہے۔ پس یہ معدوم کو شامل نہیں ہوتا مگر کسی زائد دلالت کے ساتھ مثلاً ابد پر نص بیان کرنا وغیرہ۔ رہا غلہ کا لفظ تو یہ موجود کو بھی شامل ہوتا ہے اور اسے بھی جسے وجود یکے بعد دیگرے عرفاً عارض ہو۔ ''درر''۔

36593۔ (قولہ: وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ ثَمَرَةٌ) اور اگر اس میں پھل نہ ہو، اس میں ان کے قول: فمات و فیہ ثمرۃ سے احتراز کیا گیا ہے۔

36594۔ (قولہ: وَالْمَسْأَلَةُ بِحَالِهَا) اور مسئلہ اپنے حال پر ہو، یعنی اس نے ابداً کا لفظ زیادہ کئے بغیر اپنے باغ کے پھل کے بارے وصیت کی، پھر وہ فوت ہو گیا لیکن اس حال میں کہ اس میں پھل نہ ہو۔

36595۔ (قولہ: حِينَ الْوَصِيَّةِ) وصیت کے وقت، اس میں درست حین الموت یعنی (موت کے وقت) ہے جیسا کہ سابق و لاحق سے معلوم ہوتا ہے۔ اور اسی کے بارے ''الطوری'' نے تصریح کی ہے۔

36596۔ (قولہ: زَيْلَعِيٌّ) انہوں نے کہا ہے: بلاشبہ یہ اسی طرح ہے کیونکہ ثمرہ حقیقتاً موجود کا اسم ہے اور یہ معدوم کو صرف مجازاً شامل ہوتا ہے، پس جب موت کے وقت اس میں پھل ہو تو وہ لفظ اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہوا، پس وہ مجاز کو شامل نہ ہوگا۔ اور جب اس میں پھل نہ ہو تو وہ مجاز کو شامل ہوگا۔ اور ان دونوں (یعنی حقیقت و مجاز) کو جمع کرنا جائز نہیں ہوگا مگر جب وہ لفظ ابد ذکر کرے تو عموم مجاز کے طریقہ پر وہ دونوں کو شامل ہوگا نہ کہ اس طور پر کہ حقیقت و مجاز دونوں جمع ہیں۔

تَنْبِيهٌ اَلْغَلَّةُ كُلُّ مَا يَحْصُلُ مِنْ رِيعِ الْأَرْضِ وَكِرَائِهَا وَأُجْرَةِ الْغُلَامِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ كَذَا فِي جَامِعِ اللُّغَةِ قُلْتُ وَظَاهِرُهُ دُخُولُ ثَمَنِ الْحَوَرِ وَنَحْوِهِ فِي الْغَلَّةِ فَيُحَرَّرُ (وَبِصُوفِ غَنَمِهِ وَوَلَدِهَا وَلَبَنِهَا لَهُ مَا) بَقِيَ

تنبیہ: (غلہ سے مراد ہر وہ شے ہے جو زمین کی آمدن، اس کے کرائے اور غلام کی اجرت وغیرہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح ''جامع اللغہ'' میں ہے۔ میں کہتا ہوں: اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ غلہ میں ایسے درخت وغیرہ کے ثمن داخل ہیں جن پر کوئی پھل نہیں ہوتا۔ پس اس میں غور وفکر کرنی چاہیے۔ اور اپنی بکریوں کی اون، ان کے بچوں، اور ان کے دودھ کی وصیت کی

تنبیہ: اس نے اپنی زمین کے غلہ کے بارے وصیت کی اس حال میں کہ اس زمین میں کوئی درخت نہیں اور اس کے سوا اس کا کوئی مال نہیں تو اسے اجارہ پر دیا جائے گا اور صاحب غلہ (موصی لہ) کو اجرت کا تہائی دیا جائے گا اور اگر اس میں درخت ہوں تو پھر اس سے جو حاصل ہوگا اس کا ثلث دیا جائے گا۔ اور اگر موصی لہ نے ورثا سے باغ خرید لیا تو یہ جائز ہے اور وصیت باطل ہو جائے گی۔ اور اگر وہ کسی شے پر باہم راضی ہو گئے اور وہ اسے اس شرط پر دے دیں کہ وہ غلہ ان کے حوالے کر دے تو یہ جائز ہے۔ اور اسی طرح گھر کی سکونت اور غلام کی خدمت کی صلح کرنا بھی جائز ہے اگر چہ ان حقوق کی بیع کرنا جائز نہیں۔ ''طوری''۔

36597۔ (قولہ: وَكِرَائِهَا وَأُجْرَةِ) سے مراد اجرت ہے، اور یہ اصل میں کاری کا مصدر ہے، اور اس سے المکاری یا کی تخفیف کے ساتھ ہے۔ ''مغرب''۔

36598۔ (قولہ: كَذَا فِي جَامِعِ اللُّغَةِ) اسی طرح ''جامع اللغہ'' میں ہے، اور اسی طرح ''المغرب'' میں بھی ہے۔

36599۔ (قولہ: وَظَاهِرُهُ دُخُولُ ثَمَنِ الْحَوَرِ وَنَحْوِهِ) اور اس کا ظاہر چنار کے درخت اور اس طرح اور درختوں کے ثمن کا داخل ہونا ہے جن کا پھل نہیں ہوتا جیسا کہ بید کا درخت اور سرو وغیرہ۔ پھر الحور حا اور را مہملہ کے ساتھ یہ درختوں میں سے ایک قسم ہے۔ اور اہل شام الدلب (چنار کے درخت) کو حور کہتے ہیں اور وہ دو فتحوں کے ساتھ ہے۔ اس پر دلیل راعی (چرواہا) کا قول ہے جسے ''صاحب تکملہ'' نے بیان کیا ہے: کالجوز ینطق بالصفصاف والحور۔ (جیسا کہ جوز (اخروٹ) بید کے درخت اور چنار کے درخت کے بارے بولا جاتا ہے)۔ ''مغرب''۔

36600۔ (قولہ: فَيُحَرَّرُ) میں کہتا ہوں: اس میں تحریر یہ ہے کہ چنار کا درخت بذات خود داخل ہو نہ کہ اس کے ثمن، کیونکہ چنار کا درخت بذات خود موصی بہا غلہ ہے۔ کیونکہ اس سے صرف لکڑی کا ہی قصد کیا جاتا ہے۔ اور ''الخانیہ'' میں ہے: اس نے اپنی انگور کی بیلوں کے غلہ اور حاصل کی کسی انسان کے لیے وصیت کی تو فقیہ ''ابو بکر'' نے کہا ہے: جڑیں، پتے، پھل اور لکڑیاں سبھی داخل ہوں گی۔ کیونکہ اگر وہ بیل بطور معاملہ دے تو پھل کی طرح یہ تمام اشیاء اس میں شامل ہوتی ہیں۔

36601۔ (قولہ: وَوَلَدِهَا) یعنی اس کا حمل۔ ''ولوالجیہ''۔ اور ''زیلعی'' وغیرہ کی عبارت ہے: الولد فی البطن (پیٹ میں موجود بچہ)۔

36602۔ (قولہ: لَهُ مَا بَقِيَ) باقی اسی کے لیے ہوگا۔ زیادہ واضح عبارت لہ ما وُجد ہے۔ ''المنح'' میں کہا ہے:

(فِي وَقْتِ مَوْتِهِ، سَوَاءٌ قَالَ أَبَدًا أَوْ لَا) لِأَنَّ الْمَعْدُومَ مِنْهَا لَا يُسْتَحَقُّ بِشَيْءٍ مِنَ الْعُقُودِ فَكَذَا بِالْوَصِيَّةِ بِخِلَافِ الثَّمَرَةِ بِدَلِيلِ صِحَّةِ الْمُسَاقَاةِ (أَوْصَى بِجَعْلِ دَارِهِ مَسْجِدًا وَلَمْ تَخْرُجْ مِنَ الثُّلُثِ، وَأَجَازُوا تُجْعَلُ مَسْجِدًا) لِزَوَالِ الْمَانِعِ بِإِجَازَتِهِمْ، وَإِنْ لَمْ يُجِيزُوا يُجْعَلُ ثُلُثُهَا مَسْجِدًا رِعَايَةً لِجَانِبِ الْوَارِثِ وَالْوَصِيَّةِ (وَبِظَهْرِ مَرْكَبِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ بَطَلَتْ) لِأَنَّ وَقْفَ الْمَنْقُولِ بَاطِلٌ عِنْدَهُ فَكَذَا الْوَصِيَّةُ وَعِنْدَهُمَا يَجُوزَانِ دُرَرٌ

صورت میں موصی کی موت کے وقت ان میں سے جو باقی ہوگا وہ موصی لہ کے لیے ہوگا چاہے وہ ابداً کا لفظ کہے یا نہ کہے۔ کیونکہ ان میں سے معدوم عقود میں سے کسی شے کا مستحق نہیں ہوتا، تو اسی طرح وصیت بھی ہے بخلاف پھل کے، اس کی دلیل مساقاۃ کا صحیح ہونا ہے۔ کسی نے اپنے گھر کو مسجد بنانے کی وصیت کی درآنحالیکہ وہ ثلث سے نہ نکل سکتا ہو، پھر ورثا اجازت دے دیں تو اجازت کے ساتھ مانع زائل ہونے کی وجہ سے اسے مسجد بنا دیا جائے گا۔ اور اگر وہ اجازت نہ دیں تو جانب وارث اور وصیت دونوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کے تہائی حصہ کو مسجد بنا دیا جائے گا۔ اور اپنی سواری کی پیٹھ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے کی وصیت کی تو وہ باطل ہے۔ کیونکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک منقول کا وقف باطل ہے تو اسی طرح وصیت بھی باطل ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک دونوں جائز ہیں۔ ''درر''۔

کیونکہ یہ ایجاب موت کے وقت ہے لہٰذا اسی دن ان اشیاء کے قیام کا اعتبار کیا جائے گا۔ ''طحطاوی''۔

36603۔ (قولہ: لِأَنَّ الْمَعْدُومَ الخ) ''ہدایہ'' میں کہا ہے: فرق یہ ہے کہ قیاس معدوم کی تملیک کا انکار کرتا ہے، مگر معدوم پھل اور غلہ کے بارے میں شرعی حکم ان کا عقد وارد ہونے کے ساتھ موجود ہے جیسا کہ معاملہ اور اجارہ کرنا، اور وہ وصیت میں بدرجہ اولیٰ اس کے جواز کا تقاضا کرتا ہے۔ کیونکہ وصیت کا باب نسبتاً زیادہ وسیع ہے۔ رہا معدوم بچہ اور اس کی مثل اس پر عقد کرنا بالکل جائز نہیں اور نہ وہ کسی عقد کے ساتھ مستحق بنتا ہے، پس اسی طرح وہ وصیت کے تحت بھی داخل نہیں ہوگا۔ بخلاف موجود کے۔ کیونکہ عقد بیع کے ساتھ بالتبع اور عقد خلع کے ساتھ بالقصد اس کا استحقاق جائز ہے اور اسی طرح وصیت بھی ہے۔

36604۔ (قولہ: وَلَمْ تَخْرُجْ مِنَ الثُّلُثِ) اور وہ ثلث سے نہ نکلے، اولیٰ یہ کہنا ہے: ولیس لہ مال غیرھا اور اس کا اس کے سوا کوئی مال نہ ہو، اس کی وجہ اس کے بعد یہ قول ہے وان لم یجیزوا یجعل ثلثھا مسجداً (اور اگر وہ اجازت نہ دیں تو اس کے ثلث کو مسجد بنا دیا جائے گا) ''طحطاوی''۔

36605۔ (قولہ: فِي سَبِيلِ اللهِ) یعنی کسی انسان کی تعیین کے بغیر۔ لیکن اگر اس نے اپنے جانور کی پشت اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے کی وصیت کسی معین آدمی کے لیے کی تو بالاتفاق وصیت جائز ہے۔ ''غرر الافکار''۔

منقولہ اشیا کے وقف میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا موقف

36606۔ (قولہ: وَعِنْدَهُمَا يَجُوزَانِ) اور ''صاحبین'' کے نزدیک منقول کا وقف اور اس کے بارے وصیت دونوں جائز ہیں، اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ وصیت نہ وقف ہے اور نہ اس کی طرح ہے۔ ''غرر الافکار'' میں کہا ہے: امام ''ابو یوسف''

وَعِنْدَهُمَا يَجُوزَانِ دُرَرٌ وَقَالَ الْمُصَنِّفُ وَفِيهِ نَظَرٌ لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ تَصِحُّ حَيْثُ لَا يَصِحُّ الْوَقْفُ فِي مَوَاضِعَ كَثِيرَةٍ كَالْوَصِيَّةِ بِالْغَلَّةِ وَالصُّوفِ وَنَحْوِ ذَلِكَ كَمَا مَرَّ (أَوْصَى بِشَيْءٍ لِلْمَسْجِدِ لَمْ تَجُزْ الْوَصِيَّةُ) لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ، وَجَوَّزَهَا مُحَمَّدٌ قَالَ الْمُصَنِّفُ وَبِقَوْلِ مُحَمَّدٍ أَفْتَى مَوْلَانَا صَاحِبُ الْبَحْرِ (إِلَّا أَنْ يَقُولَ) الْمُوصِي (يُنْفَقُ عَلَيْهِ) فَيَجُوزُ اتِّفَاقًا۔ (قَالَ أَوْصَيْت بِثُلُثِي لِفُلَانٍ أَوْ فُلَانٍ بَطَلَتْ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لِجَهَالَةِ الْمُوصَى لَهُ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لَهُمَا أَنْ يَصْطَلِحَا عَلَى أَخْذِ الثُّلُثِ۔ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يُخَيَّرُ الْوَرَثَةُ فَأَيُّهُمَا شَاءُوا أَعْطَوْا

اور ''مصنف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اور اس میں نظر ہے۔ کیونکہ بہت سے مقامات میں جہاں وصیت صحیح ہوتی ہے وہاں وقف صحیح نہیں ہوتا، جیسا کہ غلہ، اون اور اسی طرح کی دوسری چیزیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔ کسی نے مسجد کے لیے کسی شے کے بارے وصیت کی تو وہ وصیت جائز نہیں۔ کیونکہ مسجد مالک نہیں ہوتی۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ ''مصنف'' نے کہا ہے: اور مولانا ''صاحب البحر'' نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیا ہے مگر یہ کہ موصی یہ کہے: وہ شے اس پر خرچ کی جائے تو وہ بالاتفاق جائز ہے۔ اس نے کہا: میں نے اپنے ثلث مال کے بارے فلاں کے لیے یا فلاں کے لیے وصیت کی، تو امام اعظم ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک موصی لہ کے مجہول ہونے کی وجہ سے وصیت باطل ہے۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان دونوں کے لیے جائز ہے کہ وہ ثلث لینے پر صلح کر لیں۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ورثا کو اختیار دیا جائے گا۔ وہ ان میں سے جسے چاہیں اسے عطا کر دیں۔

اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سواری کو وقف بنایا ہے جو امام کے ہاتھ میں ہوگی اور وہ بیت المال سے اس پر خرچ کرے گا۔ کیونکہ جانوروں اور ہتھیاروں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کرنا ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک آثار کی وجہ سے جائز ہے، اور اونٹوں کے لیے جانوروں (مراد گھوڑے اور خچر وغیرہ ہیں) کا حکم ہے۔

36607۔ (قولہ: وَفِيهِ نَظَرٌ) یعنی بطلان کی جو تعلیل ذکر کی گئی ہے اس میں نظر ہے۔

میں کہتا ہوں: اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حقیقی وصیت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وقف کے معنی میں ہے، اور ''غرر الافکار'' میں اس کے بارے تصریح ہے جیسا کہ اپنے گھر کو مسجد بنانے کی وصیت کرنا۔ کیونکہ وہ معنی کے اعتبار سے وقف ہے اور منقولہ شے کا وقف ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں تو اسی طرح یہ بھی ہے۔ بخلاف غلہ اور اون وغیرہ کی وصیت کے۔ کیونکہ وہ ہر وجہ سے تملیک ہے اور بالکل وقف کے معنی میں نہیں ہے۔ پس اس میں غور و فکر کرو۔

36608۔ (قولہ: لَمْ تَجُزْ) یہ جائز نہیں، اسی طرح ''الغرر'' میں ہے، اور ''الشرنبلالیہ'' میں اسے ''الکافی'' کی طرف منسوب کیا ہے، اور ہم پہلے ''مصنف'' کے اس قول: أوصی بثلث ماله لبيت المقدس جاز کے تحت اس پر کلام کر چکے ہیں۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

فَصْلٌ فِی وَصَایَا الذِّمِّیِّ وَغَیْرِهِ

(ذِمِّیٌّ جَعَلَ دَارَهُ بِیعَةً أَوْ كَنِیسَةً أَوْ بَیْتَ نَارٍ (فِی صِحَّتِهِ فَمَاتَ

ذمی وغیرہ کی وصایا کے بیان میں فصل

(کسی ذمی نے اپنی حالت صحت میں اپنے گھر کو بیعہ (یہود کی عبادت گاہ) یا کنیسہ (گرجا گھر، عیسائیوں کی عبادت گاہ) یا آتشکدہ (مجوس کی عبادت گاہ) بنا دیا پھر وہ فوت ہو گیا

یعنی مستأمن، صاحب ہوئی اور مرتدہ اور یہ عنوان ''المنح'' میں ساقط ہے۔

ذمی کی وصایا کی اقسام

تو جان کہ ذمی کی وصایا کی تین قسمیں ہیں:

(1) پہلی قسم بالاتفاق جائز ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب وہ ایسی شے کے بارے وصیت کرے جو ہمارے اور ان کے نزدیک قربت ہو جیسا کہ جب وہ بیت المقدس میں چراغ روشن کرنے کے بارے یا ترکوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے نکلنے کے بارے وصیت کرے درآنحالیکہ وہ اہل روم میں سے ہو۔ برابر ہے اس کی یہ وصیت معین قوم کے لیے ہو یا ایسی قوم کے لیے جو معین نہ ہو۔

(2) اور دوسری قسم بالاتفاق باطل ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب وہ ایسی شے کے بارے وصیت کرے جو ہمارے اور ان کے نزدیک قربت نہ ہو جیسا کہ جب وہ گانا گانے والی عورتوں اور نوحہ کرنے والی عورتوں کے لیے وصیت کرے، یا ایسی شے کے بارے وصیت کرے جو صرف ہمارے نزدیک قربت ہو جیسے حج اور مسلمانوں کے لیے مساجد بنانا، مگر یہ کہ وہ معین قوم کے لیے ہو تو وہ تملیکاً صحیح ہوگی۔

(3) اور تیسری قسم مختلف فیہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب وہ ایسی شے کے بارے وصیت کرے جو صرف ان کے نزدیک قربت ہو جیسا کہ غیر معین قوم کے لیے کنیسہ (گرجا گھر) بنانا۔ پس یہ وصیت ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے، اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک جائز نہیں۔ اور اگر یہ معین قوم کے لیے ہو تو بالاجماع جائز ہے۔

حاصل کلام

اس کا حاصل یہ ہے کہ معین قوم کے لیے اس کی وصیت تمام صورتوں میں اس بنا پر جائز ہے کہ وہ ان کے لیے تملیک ہے، اور مساجد کے چراغ روشن کرنے وغیرہ کی جہت سے جو ذکر کیا ہے وہ بطریق مشورہ نکلا ہے نہ بطریق الزام، پس وہ اس کے بارے جو چاہیں کر سکتے ہیں، کیونکہ وہ ان کی ملکیت ہے۔ اور وصیت بلا شبہ ان کو مالک بنانے کے اعتبار سے صحیح ہے۔ ''زیلعی''، ملخصاً۔

فَهِيَ مِيرَاثٌ، لِأَنَّهُ كَوَقْفٍ لَمْ يُسَجَّلْ، وَأَمَّا عِنْدَهُمَا فَلِأَنَّهُ مَعْصِيَةٌ وَلَيْسَ هُوَ كَالْمَسْجِدِ لِأَنَّهُمْ يَسْكُنُونَ وَيَدْفِنُونَ فِيهِ مَوْتَاهُمْ، حَتَّى لَوْ كَانَ الْمَسْجِدُ كَذٰلِكَ يُورَثُ قَطْعًا قَالَهُ الْمُصَنِّفُ وَغَيْرُهُ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ لَمْ يَصِرْ مُحَرَّرًا خَالِصًا لِلّٰهِ تَعَالَى (وَإِنْ أَوْصَى الذِّمِّيُّ أَنْ يَبْنِيَ دَارَهُ بِيعَةً أَوْ كَنِيسَةً لِمُعَيَّنِينَ فَهُوَ جَائِزٌ مِنَ الثُّلُثِ وَيُجْعَلُ تَمْلِيكًا، وَإِنْ) أَوْصَى (بِدَارِهِ أَنْ تُبْنَى كَنِيسَةً) أَوْ بِيعَةً (فِي الْقُرَى)

تو وہ میراث ہو گی۔ کیونکہ یہ غیر مسجل وقف کی طرح ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہ اس لیے ہے کیونکہ وہ معصیت ہے، اور وہ مسجد کی طرح نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ان میں سکونت اختیار کرتے ہیں اور ان میں اپنے مردے دفن کرتے ہیں یہاں تک کہ اگر مسجد اس طرح ہو تو یقیناً اس کا وارث بنایا جائے گا۔ ''مصنف'' وغیرہ نے کہا ہے: کیونکہ اس وقت وہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے محرر نہیں۔ اور اگر ذمی نے وصیت کی کہ اس کے گھر کو معین افراد کے لیے بیعہ یا کنیسہ بنا دیا جائے تو یہ ثلث سے جائز ہے اور اسے تملیک قرار دیا جائے گا۔ اور اگر اس نے اپنے گھر کے بارے میں وصیت کی کہ اسے دیہات میں کنیسہ یا بیعہ بنا دیا جائے۔

36609۔(قولہ: فَهِيَ مِيرَاثٌ) پس یہ بالاتفاق میراث ہے، البتہ تخریج میں اختلاف ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔

36610۔(قولہ: لِأَنَّهُ كَوَقْفٍ لَمْ يُسَجَّلْ) کیونکہ یہ وقف غیر مسجل کی طرح ہے، یعنی جس کے لازم ہونے کا حکم نہ لگایا گیا ہو۔ مراد یہ ہے کہ اسے مذکورہ وقف کی طرح وارث بنایا جائے گا۔ اور یہ مراد نہیں ہے کہ جب وہ تحریر کر دے تو وقف کی طرح لازم ہو جائے گی۔ اسے ''الشرنبلالیہ'' میں بیان کیا ہے۔

36611۔(قولہ: وَلَيْسَ هُوَ كَالْمَسْجِدِ) اور وہ مسجد کی طرح نہیں ہے۔ یہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کا تتمہ نہیں ہے بلکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا تتمہ ہے اور یہ سوال کا جواب ہے جس کی تقدیر یہ ہے: بلاشبہ یہ ان کے حق میں ایسے ہی ہے جیسے ہمارے حق میں مسجد ہے، اور مسجد کو نہ بیچا جا سکتا ہے اور نہ اس کا وارث بنایا جا سکتا ہے تو پھر چاہیے کہ یہ بھی اسی طرح ہو۔ ''حلبی''۔

36612۔(قولہ: حَتَّى لَوْ كَانَ الْمَسْجِدُ كَذٰلِكَ) یہاں تک کہ اگر مسجد اس طرح ہو، جیسا کہ جب وہ اپنے گھر کو مسجد بنا دے، اس کے نیچے تہ خانہ ہو اور اس کے اوپر رہنے کا کمرہ (گھر) ہو، جیسا کہ کتاب الوقف میں گزر چکا ہے۔ ''اتقانی''۔

36613۔(قولہ: لِمُعَيَّنِينَ) یعنی وہ معلوم ہوں ان کی تعداد شمار کی جا سکتی ہو۔ ''معراج''۔

36614۔(قولہ: فَهُوَ جَائِزٌ) تو وہ ثلث سے بالاتفاق جائز ہے اور اسے کنیسہ بنانا ان پر لازم نہیں ہو گا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

36615۔(قولہ: فِي الْقُرَى) قری سے مراد وہ مقام ہے جہاں شعائر اسلام میں سے کوئی شے نہ ہو ورنہ وہ امصار (شہروں) کی طرح ہو گا۔ اسے ''قہستانی'' اور ''برجندی'' نے ذکر کیا ہے۔ ''در منتقی''۔

فَلَوْ فِي الْمِصْرِ لَمْ يَجُزْ اتِّفَاقًا (لِقَوْمٍ غَيْرِ مُسَمَّيْنَ صَحَّتْ) عِنْدَهُ لَا عِنْدَهُمَا لِمَا مَرَّ أَنَّهُ مَعْصِيَةٌ وَلَهُ أَنَّهُمْ يُتْرَكُونَ وَمَا يَدِينُونَ فَتَصِحُّ (كَوَصِيَّةِ حَرْبِيٍّ مُسْتَأْمَنٍ) لَا وَارِثَ لَهُ هُنَا (بِكُلِّ مَالِهِ لِمُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ)

پس اگر وہ شہر میں ہوتو وہ بالاتفاق جائز نہیں۔ غیر معین قوم کے لیے تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ صحیح ہے نہ کہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس لیے کہ یہ گزر چکا ہے کہ وہ معصیت ہے۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ انہیں چھوڑا جا رہا ہے اور اسے جو وہ دین رکھتے ہیں۔ پس وصیت صحیح ہے جیسا کہ حربی مستامن کا وصیت کرنا اپنے کل مال کے بارے کسی مسلمان یا کسی ذمی کے لیے اور یہاں (دارالاسلام میں) اس کا کوئی وارث نہ ہو۔

36616۔ (قولہ: غَيْرِ مُسَمَّيْنَ) یہ لفظ ایک یا کے ساتھ ہے جیسا کہ مصطفین ہے اور بہت سے نسخوں میں یہ لفظ دو یا کے ساتھ ہے اور وہ تحریف ہے۔ کیونکہ پہلی یاء متحرک ماقبل مفتوح ہونے کے سبب الف سے بدلنے کے بعد حذف کر دی گئی ہے۔

36617۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ أَنَّهُ مَعْصِيَةٌ) اس لیے کہ گزر چکا ہے کہ یہ معصیت ہے، اور ان کے معین نہ ہونے کی وجہ سے اسے تملیک بنانا ممکن نہیں۔ اور یہی ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک صحیح نہ ہونے کی علت ہے۔

بنا اور وصیت کے درمیان فرق

36618۔ (قولہ: وَلَهُ أَنَّهُمْ يُتْرَكُونَ وَمَا يَدِينُونَ) اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انہیں اور جو وہ دین رکھتے ہیں اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ ان کے اعتقاد میں قربت ہے۔ اور اسی لیے اگر وہ ایسی شے کے بارے وصیت کرے جو حقیقتاً قربت ہو اور ان کے اعتقاد کے مطابق معصیت ہو تو ان کے اعتقاد کا اعتبار کرتے ہوئے وہ جائز نہ ہوگی۔ اور آپ کے نزدیک بنا اور وصیت کے درمیان فرق ہے کہ بنا بذات خود بنانے والے کی ملکیت زائل ہونے کا سبب نہیں ہے، اور وصیت ملکیت زائل کرنے کے لیے ہی وضع کی گئی ہے۔ ''ہدایہ'' ملخصاً۔

36619۔ (قولہ: كَوَصِيَّةِ حَرْبِيٍّ مُسْتَأْمَنٍ) جیسا کہ حربی مستامن کی وصیت، اس کے ساتھ اسے مقید کیا۔ کیونکہ ذمی کی وصیت کا ثلث سے اعتبار کیا جاتا ہے اور وہ اس کے وارث کے لیے صحیح نہیں ہوتی، اور وہ اس ذمی کے لیے جائز ہوتی ہے جو دوسرے دین پر ہو لیکن دارالحرب میں حربی کے لیے جائز نہیں ہوتی۔ ''ملتقی''۔

36620۔ (قولہ: لَا وَارِثَ لَهُ هُنَا) اس کا ہمارے دار میں کوئی وارث نہ ہو۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اس کا وارث یہاں ہو تو ثلث سے زیادہ کے ساتھ جائز نہ ہوگی۔ ''زیلعی'' وغیرہ نے اس مفہوم کو قیل کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور اس کے ضعف کو بیان کیا ہے۔ لیکن اس پر اعتماد اور یقین کیا ہے جسے ''شارح'' نے ''الوقایہ'' ''الاصلاح'' اور ''الملتقی'' میں ذکر کیا ہے۔ اور اسی کی طرف ''ہدایہ'' اور ''جامع صغیر'' میں اشارہ کیا ہے۔ پس یہ اس کا فائدہ دیتا ہے کہ وہی معتمد علیہ ہے۔ کیونکہ متون شروح پر مقدم ہیں۔ اور اسی پر ''الاتقانی'' نے اس کی طرف منسوب کرتے ہوئے اعتماد کیا ہے جو ''سرخسی'' کی شرح میں

كَذَا فِي الْوِقَايَةِ، وَلَا عِبْرَةَ بِمَنْ ثَمَّةَ لِأَنَّهُمْ أَمْوَاتٌ فِي حَقِّنَا وَلَوْ أَوْصَى بِنِصْفِهِ مَثَلًا نَفَذَ وَرُدَّ بَاقِيهِ لِوَرَثَتِهِ لَا إِرْثًا، بَلْ لِأَنَّهُ لَا مُسْتَحِقَّ لَهُ فِي دَارِنَا، وَكَذَا لَوْ أَوْصَى لِمُسْتَأْمَنٍ مِثْلِهِ وَلَوْ أَعْتَقَ عَبْدَهُ عِنْدَ الْمَوْتِ أَوْ دَبَّرَهُ نَفَذَ مِنَ الْكُلِّ لِمَا قُلْنَا۔ وَلَوْ أَوْصَى لَهُ مُسْلِمٌ أَوْ ذِمِّيٌّ جَازَ عَلَى الْأَظْهَرِ زَيْلَعِيٌّ

اسی طرح ''الوقایہ'' میں ہے۔ اور جو دارالحرب میں وارث ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ وہ ہمارے حق میں مردہ ہیں۔ اور اگر مثال کے طور پر اس نے اپنے نصف مال کے بارے وصیت کی تو وہ نافذ ہو جائے گی اور باقی مال اس کے ورثا کی طرف لوٹا دیا جائے گا لیکن وراثۃً نہیں، بلکہ اس لیے کہ ہمارے دار میں اس کا کوئی مستحق نہیں، اور اسی طرح حکم ہے اگر اس نے مستامن کے لیے اس کی مثل وصیت کی۔ اور اگر اس نے موت کے وقت اپنا غلام آزاد کر دیا یا اسے مدبر بنا لیا تو وہ تمام مال سے حکم نافذ ہوگا اسی بنا پر جو ہم نے بیان کر دیا۔ اور اگر کسی مسلمان یا ذمی نے اس کے لیے وصیت کی تو ظاہر روایت کے مطابق یہ جائز ہے۔ ''زیلعی''۔

ہے۔ کیونکہ یہاں اس کے وارث کا حق امان کے سبب معتبر ہے۔ اور اگر اس کا وہاں دوسرا وارث ہو تو وہ حاضر کے ساتھ شریک ہوگا اور موصی لہ کے لیے صرف ثلث ہوگا۔

36621۔ (قولہ: كَذَا فِي الْوِقَايَةِ) اسی طرح ''الوقایہ'' میں ہے۔ اس کا ذکر ''شارح'' کے قول: لا وارث لہ هنا کے پیچھے ہونا مناسب تھا تا کہ وہ اس کے ساتھ ''زیلعی'' کی مخالفت کی طرف اشارہ کرتے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

36622۔ (قولہ: وَلَا عِبْرَةَ بِمَنْ ثَمَّةَ) یعنی اس کے ان ورثا کا کوئی اعتبار نہیں جو دارالحرب میں ہیں، یعنی ثلث سے زائد کو باطل کرنے میں ان کے حق کی رعایت نہیں کی جائے گی۔

36623۔ (قولہ: وَرُدَّ بَاقِيهِ لِوَرَثَتِهِ) اور اس کے حق کی رعایت کرتے ہوئے باقی مال اس کے ورثا کو لوٹا دیا جائے نہ کہ ان کے حق کی وجہ سے۔ پس اس کا مال اس کے ورثا کے حوالے کرنا اس کے حق میں سے ہے جب وہ اس کی حاجت اور اس کے تصرف سے فارغ ہو جائے۔ ''اتقانی''۔

36624۔ (قولہ: لَا إِرْثًا الخ) نہ کہ وراثۃً۔ اسی طرح ''المنح'' میں الوصایا کے شروع میں ہے۔ اور یہ اس وہم کی نفی ہے جو ''شارح'' کے قول: لورثتہ سے پیدا ہوتا ہے، اور یہ اس مسئلہ اور ماقبل مسئلہ کے درمیان فرق کا بیان ہے۔ کیونکہ وہاں یہ ارادہ نہیں کیا کہ جو ثلث سے زائد ہے وہ اس کے ورثا کی طرف لوٹا دیا جائے۔ کیونکہ اس کا مستحق موجود ہے اور وہ ہے جس کے لیے کل مال کی وصیت کی گئی ہے۔

36625۔ (قولہ: وَكَذَا) یعنی اسی طرح وصیت صحیح ہے۔

36626۔ (قولہ: لِمَا قُلْنَا) اس کی وجہ سے جو ہم نے کہا ہے کہ یہاں اس کے ورثا کا کوئی اعتبار نہیں ہے الخ۔

36627۔ (قولہ: عَلَى الْأَظْهَرِ) اظہر روایت کے مطابق، اس کے مقابل وہ ہے جو شیخین رضی اللہ عنہما سے عدم جواز منقول

(وَصَاحِبُ الْهَوَى إِذَا كَانَ لَا يَكْفُرُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُسْلِمِ فِي الْوَصِيَّةِ) لِأَنَّا أُمِرْنَا بِبِنَاءِ الْأَحْكَامِ عَلَى ظَاهِرِ الْإِسْلَامِ (وَإِنْ كَانَ يَكْفُرُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُرْتَدِّ) فَتَكُونُ مَوْقُوفَةً عِنْدَهُ نَافِذَةً عِنْدَهُمَا شَرْحُ الْمَجْمَعِ۔ (وَالْمُرْتَدَّةُ فِي الْوَصِيَّةِ كَذِمِّيَّةٍ) فِي الْأَصَحِّ لِأَنَّهَا لَا تُقْتَلُ (الْوَصِيَّةُ الْمُطْلَقَةُ) كَقَوْلِهِ هٰذَا الْقَدْرُ

اور ہوس پرست جب کفر نہ کرتا ہو تو وہ وصیت میں بمنزلہ مسلمان کے ہے۔ کیونکہ ہمیں ظاہر اسلام پر احکام کی بنا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اگر وہ کفر کرتا ہو تو پھر وہ بمنزلہ مرتد کے ہے۔ پس ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی وصیت موقوف ہو گی اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک وہ نافذ ہوگی۔ ''شرح المجمع''۔ اور مرتدہ عورت وصیت میں ذمیہ عورت کی طرح ہے۔ یہی اصح روایت ہے۔ کیونکہ اسے قتل نہیں کیا جاتا۔ وصیت مطلقہ جیسا کہ اس کا قول ''میرے مال میں سے یہ مقدار

ہے۔ کیونکہ وہ حکماً ان کے دار میں ہیں یہاں تک کہ اس کی طرف رجوع کرنا ممکن ہے۔ پس وہ وراثت کی طرح ہو گئی۔ اور پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ وصیت ابتداءً ہی تملیک ہے۔ اسی لیے یہ ذمی اور غلام کے لیے جائز ہوتی ہے بخلاف ارث کے۔ ''زیلعی''۔

اہل ہوا کی تعریف

36628۔ (قولہ: وَصَاحِبُ الْهَوَى) سید ''جرجانی'' نے اپنی ''تعریفات'' میں کہا ہے: أهل هوى سے مراد وہ أهل قبلہ ہیں جن کے عقائد اہل السنت کے عقائد کے مطابق نہیں ہوتے، اور وہ جبریہ، قدریہ، روافض، خوارج، معطلہ اور مشبہہ ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کے بارہ فرقے ہیں۔ پس اس طرح یہ بہتر ہو گئے۔

36629۔ (قولہ: إِذَا كَانَ لَا يَكْفُرُ) یعنی جب وہ اس کے ساتھ کفر نہ کرتا ہو پس اس کے ظاہر ہونے کی وجہ سے اس سے بہ حرف جار حذف کر دیا گیا۔ ''طحطاوی''۔

36630۔ (قولہ: فَتَكُونُ مَوْقُوفَةً) پس وہ موقوف ہو گی یعنی اگر وہ اسلام لے آیا تو وہ نافذ ہو جائے گی اور اگر وہ حالت ردّت پر فوت ہو گیا تو دیگر تمام تصرفات کی طرح یہ بھی باطل ہو جائے گی۔

36631۔ (قولہ: كَذِمِّيَّةٍ فِي الْأَصَحِّ) اصح قول کے مطابق ذمیہ عورت کی طرح ہے۔ پس اس کی وصایا صحیح ہوں گی۔ ''ہدایہ''۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: صحیح نہیں ہوں گی۔ ''صاحب ہدایہ'' نے ''الزیادات'' میں کہا ہے: اور یہی صحیح ہے کیونکہ ذمیہ عورت اپنے اعتقاد پر پختہ ہوتی ہے بخلاف مرتدہ عورت کے۔

''العنایہ'' میں کہا ہے: اور ظاہر یہ ہے کہ ''صاحب ہدایہ'' کے دونوں کلاموں کے درمیان کوئی منافاۃ نہیں ہے۔ کیونکہ صحیح اور اصح دونوں سچے ہوتے ہیں یعنی ان میں سے ایک کا اصح (زیادہ صحیح ہونا) دوسرے کے صحیح ہونے کے منافی نہیں ہوتا۔ اور علامہ ''زیلعی'' نے پہلے کو ترجیح دی ہے۔

وصیت مطلقہ اور عامہ میں فرق

36632۔ (قولہ: الْوَصِيَّةُ الْمُطْلَقَةُ) وصیت مطلقہ وہ ہوتی ہے جس میں غنی اور فقیر کسی کا ذکر نہ کیا جائے، اور وصیت

مِنْ مَالِی أَوْ ثُلُثُ مَالِی وَصِیَّةٌ (لَا تَحِلُّ لِلْغَنِیِّ) لِأَنَّهَا صَدَقَةٌ، وَهِیَ عَلَى الْغَنِیِّ حَرَامٌ (وَإِنْ عُمِّمَتْ) كَقَوْلِهِ یَأْكُلُ مِنْهَا الْغَنِیُّ وَالْفَقِیرُ، لِأَنَّ أَكْلَ الْغَنِیِّ مِنْهَا إنَّمَا یَصِحُّ بِطَرِیقِ التَّمْلِیكِ وَالتَّمْلِیكُ إنَّمَا یَصِحُّ لِمُعَیَّنٍ وَالْغَنِیُّ لَا مُعَیَّنَ وَلَا یُحْصَى۔ (وَلَوْ خُصَّتْ) الْوَصِیَّةُ (بِهِ) أَیْ بِالْغَنِیِّ كَقَوْلِهِ هَذَا الْقَدْرُ مِنْ مَالِی وَصِیَّةٌ لِزَیْدٍ وَهُوَ غَنِیٌّ (أَوْ لِقَوْمٍ) أَغْنِیَاءَ (مَحْصُورِینَ حَلَّتْ لَهُمْ) لِصِحَّةِ تَمْلِیكِهِمْ (وَكَذَا) الْحُكْمُ (فِی الْوَقْفِ) كَمَا حَرَّرَهُ مُنْلَا خُسْرو
یا میرے مال کا تہائی وصیت ہے'' کسی غنی کے لیے حلال نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ صدقہ ہوتی ہے، اور صدقہ غنی پر حرام ہے اگرچہ وصیت عامہ ہو جیسا کہ اس کا یہ قول کہ اس سے غنی اور فقیر کھا سکتے ہیں۔ کیونکہ اس سے غنی کا کھانا بطریق تملیک صحیح ہوتا ہے، اور بلاشبہ تملیک معین کے لیے صحیح ہوتی ہے اور غنی معین نہیں ہوتا اور نہ اسے شمار کیا جاتا ہے۔ اور اگر وصیت غنی کے ساتھ خاص ہو جیسے اس کا قول: ''میرے مال سے یہ مقدار زید کے لیے وصیت ہے اور وہ غنی ہو یا یہ اغنیا کی محصور جماعت کے لیے وصیت ہے تو وہ ان کی تملیک صحیح ہونے کی وجہ سے ان کے لیے حلال ہے، اور اسی طرح وقف میں بھی حکم ہے جیسا کہ اسے منلا ''خسرو'' نے تحریر کیا ہے۔

عامہ وہ ہوتی ہے جس میں ان دونوں کا ذکر کیا جائے۔ ''طحطاوی''۔

36633۔ (قولہ: وَهِیَ عَلَى الْغَنِیِّ حَرَامٌ) اور وہ غنی پر حرام ہے، اور موصی کی موت کے بعد اس کے لیے اسے ہبہ بنانا ممکن نہیں ہوتا بخلاف اس پر فی الحال صدقہ کرنے کے کیونکہ اسے ہبہ بنا دیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ فقہاء نے کہا ہے: بلاشبہ غنی پر صدقہ کرنا ہبہ ہے، اور فقیر کے لیے ہبہ کرنا صدقہ ہے۔ ''طحطاوی''۔

36634۔ (قولہ: وَإِنْ عُمِّمَتْ) اگرچہ وہ عام ہو، اس میں اِنْ وصلیہ ہے۔ اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہاں وصیت صحیح ہے بخلاف اس کے کہ اگر وہ اسے صرف اغنیاء کے ساتھ خاص کرے۔ کیونکہ اسے تملیک بنانا ممکن نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ شمار نہیں کیے جا سکتے۔ اور نہ وہ صدقہ ہے کیونکہ لفظ حاجت کے معنی سے آگاہ نہیں کرتا اس اختیار کی بنا پر جسے باب الوصیۃ للأقارب میں پہلے ذکر کر دیا ہے۔

36635۔ (قولہ: وَالْغَنِیُّ لَا مُعَیَّنَ) اور غنی معین نہیں ہوتا۔ ''الدرر'' کی عبارت ہے: لایعین۔

36636۔ (قولہ: وَكَذَا الْحُكْمُ فِی الْوَقْفِ) اور اسی طرح وقف میں حکم ہے، یعنی وقف مطلق فقراء کے ساتھ مختص ہوتا ہے، وہ غنی کے لیے حلال نہیں ہوتا اگرچہ وقف کرنے والا عام قرار دے، اور جب وہ اسے معین غنی یا اغنیاء کی محصور جماعت کے ساتھ خاص کر دے تو وہ ان کے لیے حلال ہے اور وہ اس کے منافع کے مالک ہو جائیں گے نہ کہ اس کے عین کے۔ ''درر''۔

اور اس پر وہ اشکال وارد کیا جاتا ہے جس کے بارے فقہاء نے اس طرح تصریح کی ہے کہ سبیل، قبرستان اور سرائے اور اسی طرح کی دیگر چیزیں وہ ہیں جن سے فقیر اور غنی دونوں کے لیے نفع اٹھانا جائز ہے، اس لیے کہ وقف کرنے والا ان سے عموم

وَفِي جَامِعِ الْفُصُولَيْنِ الْمُتَوَلِّي عَلَى الْوَقْفِ كَالْوَصِيِّ فُرُوعٌ أَوْصَى بِثُلُثِ مَالِهِ لِلصَّلَوَاتِ جَازَ لِلْوَصِيِّ صَرْفُهُ لِلْوَرَثَةِ لَوْ مُحْتَاجِينَ يَعْنِي لِغَيْرِ قَرَابَةِ الْوِلَادِ مِمَّنْ يَجُوزُ صَرْفُ الْكَفَّارَةِ إلَيْهِمْ، بِخِلَافِ مُطْلَقِ الْوَصِيَّةِ لِلْمَسَاكِينِ فَإِنَّهَا تَجُوزُ لِكُلِّ وَرَثَتِهِ وَلِأَحَدِهِمْ يَعْنِي لَوْ مُحْتَاجِينَ حَاضِرِينَ بَالِغِينَ رَاضِينَ، فَلَوْ مِنْهُمْ صَغِيرٌ أَوْ غَائِبٌ أَوْ حَاضِرٌ غَيْرُ رَاضٍ

اور ''جامع الفصولین'' میں ہے: وقف پر متولی وصی کی طرح ہے۔ کسی نے اپنے ثلث مال کے ساتھ نمازوں کا فدیہ دینے کی وصیت کی، تو وصی کے لیے اسے اس کے وارثوں پر خرچ کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ محتاج ہوں، ولادت کے اعتبار سے قریبی نہ ہوں اور ان میں سے ہوں جن کی طرف کفارہ کو پھیرنا جائز ہوتا ہے، بخلاف مساکین کے لیے مطلق وصیت کے۔ کیونکہ وہ اس کے ورثا میں سے تمام کے لیے اور ان میں سے کسی ایک کے لیے جائز ہوتی ہے بشرطیکہ وہ محتاج، حاضر، بالغ اور لینے کے لیے راضی ہوں۔ پس اگر ان میں سے کوئی صغیر یا غائب یا حاضر لینے کے لیے راضی نہ ہو

کا قصد کرتا ہے تو جب اس کے عموم کا قصد کافی ہے تو پھر اس پر تنصیص کرنے کے ساتھ وہ ممتنع کیسے ہو سکتا ہے۔ پس چاہیے کہ اسے تحریر کر لیا جائے۔ ''رحمتی''۔

وقف کے متولی اور وصی میں وجہ اشتراک

36637۔ (قولہ: الْمُتَوَلِّي عَلَى الْوَقْفِ كَالْوَصِيِّ) وقف کا متولی بہت سے احکام میں وصی کی طرح ہے۔ اسی لیے انہوں نے کہا ہے: بلاشبہ متولی أخو الوصی ہے (وصی کا بھائی مراد وصی کی مثل ہے) اور یہاں اس کی مناسبت وہ ہے جسے گزشتہ کلام میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ وقف اور وصیت دونوں کا حکم ایک ہے۔ تحقیق انہوں نے یہ بھی کہا ہے: یہ دونوں بھائی (یعنی ہم مثل) ہیں، اور کہا ہے: وقف وصیت سے سیراب ہوتا ہے، اور یہ بھی کہا ہے: بلاشبہ دونوں ایک وادی سے سیراب ہوتے ہیں۔

36638۔ (قولہ: يَعْنِي لِغَيْرِ قَرَابَةِ الْوِلَادِ) یعنی وہ اصول وفروع کے بغیر ہوں۔ اور اس قید کو ''القنیہ'' میں اس سے لیتے ہوئے ذکر کیا ہے جو ''ابو القاسم'' نے کہا ہے: اگر اس نے وصیت کی کہ اس کی نمازوں کا کفارہ اس کے پوتے کو دیا جائے اور وہ وارث نہیں تو بلاشبہ وہ اسی طرح دیا جائے گا جیسے اس نے حکم دیا ہے اور وہ کفارہ کی طرف سے اسے ادا نہیں ہوگا۔

36639۔ (قولہ: مِمَّنْ يَجُوزُ صَرْفُ الْكَفَّارَةِ إلَيْهِمْ) اور وہ ان میں سے ہو جن کی طرف کفارہ کو پھیرنا جائز ہوتا ہے اس طرح کہ وہ مسلمان محتاج ہوں۔ ''طحطاوی''۔

36640۔ (قولہ: وَلِأَحَدِهِمْ) اور ان میں سے کسی ایک کے لیے، یعنی جمع ہونا شرط نہیں ہے۔ کیونکہ الف لام جنسی نے جمعیت کا معنی باطل کر دیا ہے۔ ''طحطاوی''۔

36641۔ (قولہ: فَلَوْ مِنْهُمْ صَغِيرٌ) پس اگر ان میں سے کوئی صغیر ہو، اس میں أو غیر محتاج کی زیادتی کرنا اولیٰ ہے تاکہ وہ مکمل ہو جائے جن سے احتراز مطلوب ہے۔ ''طحطاوی''۔

لَمْ يَجُزْ أَوْصَى بِكَفَّارَةِ صَلَاتِهِ لِرَجُلٍ مُعَيَّنٍ لَمْ تَجُزْ لِغَيْرِهِ بِهِ يُفْتَى لِفَسَادِ الزَّمَانِ أَوْصَى لِصَلَوَاتِهِ، وَثُلُثُ مَالِهِ دُيُونٌ عَلَى الْمُعْسِرِينَ فَتَرَكَهَا الْوَصِيُّ لَهُمْ عَنِ الْفِدْيَةِ لَمْ تُجْزِهْ وَلَا بُدَّ مِنَ الْقَبْضِ ثُمَّ التَّصَدُّقِ عَلَيْهِمْ وَلَوْ أَمَرَ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِالثُّلُثِ فَمَاتَ فَغَصَبَ غَاصِبٌ ثُلُثَهَا مَثَلًا وَاسْتَهْلَكَهَا فَتَرَكَهُ صَدَقَةً عَلَيْهِ وَهُوَ مُعْسِرٌ يُجْزِيهِ لِحُصُولِ قَبْضِهِ بَعْدَ الْمَوْتِ،

تو وہ جائز نہیں۔ کسی نے معین آدمی کے لیے اپنی نماز کے کفارہ کی وصیت کی تو وہ اس کے سوا کسی دوسرے کے لیے جائز نہیں۔ فساد زمانہ کی وجہ سے اسی کے ساتھ فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کسی نے اپنی نمازوں کے فدیہ کے بارے وصیت کی درآنحالیکہ اس کا تہائی مال تنگدستوں اور فقراء کے پاس بطور قرض تھا، اور وصی نے وہ مال بطور فدیہ ان کے لیے چھوڑ دیا تو فدیہ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں ایک بار قبضہ کرنا اور پھر اسے ان پر صدقہ کرنا ضروری ہے۔ اور اگر اس نے تہائی مال صدقہ کرنے کا حکم دیا اور فوت ہو گیا، پھر غاصب نے اس کا تہائی مال غصب کر لیا اور اسے ہلاک کر دیا اور وصی نے اسے اس پر بطور صدقہ چھوڑ دیا درآنحالیکہ وہ تنگدست ہو، تو وہ جائز ہے کیونکہ غاصب نے موصی کی موت کے بعد اس پر قبضہ کیا ہے

36642۔ (قولہ: لَمْ يَجُزْ) وہ جائز نہیں۔ کیونکہ وہ وارث کے لیے وصیت کرنے کے قبیل سے ہے اور وہ تمام ورثا کی اجازت کی محتاج ہوتی ہے، اور وہ غائب اور جو راضی نہیں اس کی طرف سے نہیں پائی گئی اور صغیر کی طرف سے وہ صحیح نہیں۔ اور کیا یہ شرائط دوسری قسم کے لیے ہیں یا دونوں قسموں کے لیے یعنی نماز کے کفارہ اور تبرع کے لیے۔ چاہیے کہ اسے تحریر کیا جائے۔ ''رحمتی''۔

36643۔ (قولہ: أَوْصَى بِكَفَّارَةِ صَلَاتِهِ) اس نے اپنی نماز کے کفارہ کے بارے وصیت کی۔ یہ کفارہ پر نص ہے۔ کیونکہ اگر وہ وصیت کے ساتھ معین کے لیے وصیت کرے تو بلا اختلاف وہ اسے دینا متعین ہو جاتا ہے۔ ''طحطاوی''۔

36644۔ (قولہ: لَمْ تَجُزْ لِغَيْرِهِ) یعنی قاضی اور وصی کے لیے اسے کسی غیر کی طرف پھیرنا جائز نہیں۔ ''منح''۔

36645۔ (قولہ: لِفَسَادِ الزَّمَانِ) فساد زمانہ کی وجہ سے اور وہ قاضی وغیرہ کا طمع اور لالچ ہے۔ ''منح''۔ کیونکہ بسا اوقات وہ اسے کسی کو بھی نہیں دیں گے جب ہم اس کے لیے اسے اس سے روکنا جائز قرار دیں جسے میت نے معین کیا ہے، اس لیے کہ وہ معدوم ہے جو اس کے بارے مطالبہ کرے۔

36646۔ (قولہ: أَوْصَى لِصَلَوَاتِهِ) اس نے اپنی نمازوں یا اپنے روزوں کے لیے وصیت کی۔ ''منح''۔

36647۔ (قولہ: لَمْ تُجْزِهْ) تو وہ جائز نہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے جائز ہے۔ ''القنیہ'' میں کہا ہے: ہمارے استاذ نے کہا ہے: پہلا قول میرے نزدیک پسندیدہ ہے یہاں تک کہ کوئی روایت پائی جائے۔

36648۔ (قولہ: ثُمَّ التَّصَدُّقِ عَلَيْهِمْ) پھر فدیہ کی نیت سے ان پر صدقہ کرنا ورنہ مامور بہ ادا نہیں ہوگا۔ تامل۔

36649۔ (قولہ: ثُلُثَهَا) مراد ترکہ کا ثلث ہے۔ (یعنی غاصب نے اسے غصب کر لیا)۔

بِخِلَافِ الدَّيْنِ الْكُلُّ مِنَ الْقُنْيَةِ وَفِي الْجَوَاهِرِ أَوْصَى لِرَجُلٍ بِعَقَارٍ وَمَاتَ فَقُسِمَتْ التَّرِكَةُ وَالْمُوصَى لَهُ فِي الْبَلَدِ وَقَدْ عَلِمَ بِالْقِسْمَةِ وَلَمْ يَطْلُبْ ثُمَّ بَعْدَ سِنِينَ ادَّعَى تُسْمَعُ، وَلَا تَبْطُلُ بِالتَّأْخِيرِ إِنْ لَمْ يَكُنْ رَدَّ الْوَصِيَّةَ أَوْصَى لَهُ بِدَارٍ فَبَاعَهَا بَعْدَ مَوْتِهِ قَبْلَ الْقَبْضِ صَحَّ لِجَوَازِ التَّصَرُّفِ فِي الْمُوصَى بِهِ قَبْلَ قَبْضِهِ وَقَفَتْ ضَيْعَتَهَا عَلَى وَلَدِهَا وَجَعَلَتْ عَمَّ الْوَلَدِ مُتَوَلِّيًا وَلِلْوَلَدِ أَبٌ فَالْمُتَوَلِّي أَوْلَى مِنَ الْأَبِ شَرَى دَارًا وَأَوْصَى بِهَا لِرَجُلٍ فَأَخَذَهَا الشَّفِيعُ مِنْ يَدِ الْمُوصَى لَهُ يُؤْخَذُ بِالثَّمَنِ وَلَوْ اسْتُحِقَّ الدَّارُ لَا يَرْجِعُ الْمُوصَى لَهُ عَلَى الْوَرَثَةِ بِشَيْءٍ لِأَنَّهُ ظَهَرَ أَنَّهُ أَوْصَى بِمَالِ الْغَيْرِ انْتَهَى وَاللهُ أَعْلَمُ

بخلاف قرض کے (کیونکہ اس پر قبضہ موصی کی زندگی میں ہوا تھا)۔ یہ تمام مسائل ''القنیہ'' سے نقل کئے گئے ہیں۔ اور ''الجواہر'' میں ہے: اس نے ایک آدمی کے لیے اپنے مکانوں والی زمین کے بارے وصیت کی اور وہ فوت ہو گیا، پھر اس کا ترکہ تقسیم کیا گیا اور موصی لہ اس شہر میں تھا اور اسے اس تقسیم کا علم تھا لیکن مطالبہ نہیں کیا، پھر کئی سال گزرنے کے بعد دعویٰ کیا تو وہ سنا جائے گا اور وہ تاخیر کے سبب باطل نہیں ہوگا بشرطیکہ اس نے وصیت کو رد نہ کیا ہو۔ کسی نے ایک آدمی کے لیے دار کے بارے وصیت کی تو اس نے اس کی موت کے بعد قبضہ کرنے سے پہلے اسے فروخت کر دیا تو یہ صحیح ہے۔ اس لیے کہ موصی بہ میں قبضہ کرنے سے پہلے تصرف کرنا اس کے لیے جائز ہے۔ کسی عورت نے اپنی زمین اپنے بیٹے کے لیے وقف کی اور بیٹے کے چچا کو اس کا متولی بنا دیا حالانکہ بیٹے کا باپ بھی موجود ہے تو متولی باپ کی نسبت اولیٰ ہوگا۔ کسی نے گھر خریدا اور کسی آدمی کے لیے اس کی وصیت کر دی۔ پھر شفیع نے موصی لہ کے قبضہ سے اسے لے لیا تو ثمن لے لیے جائیں گے۔ اور اگر اس گھر کا کوئی مستحق نکل آیا تو پھر موصی لہ کسی شے کے لیے ورثا کی طرف رجوع نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ اس نے غیر کے مال کے بارے وصیت کی ہے۔ انتہی۔ واللہ اعلم۔

36650۔ (قولہ: بِخِلَافِ الدَّيْنِ) بخلاف اس قرض کے جس کا ذکر سابقہ مسئلہ میں ہے۔ کیونکہ اس پر موصی کی موت سے پہلے قبضہ کیا گیا ہے۔ باقی رہا یہ کہ اگر وہ اپنی نمازوں کے کفارہ کے بارے وصیت کرے اور مسئلہ اپنے حال پر رہے تو کیا موت کے بعد اس کا قبضہ ہونے کی وجہ سے وہ اس کے لیے جائز ہوگا یا نہیں؟ رجوع کیا جائے۔

36651۔ (قولہ: فَبَاعَهَا) یعنی موصی لہ نے موصی کی موت کے بعد اسے بیچ دیا۔

36652۔ (قولہ: لِجَوَازِ التَّصَرُّفِ الخ) تصرف جائز ہونے کی وجہ سے۔ کیونکہ یہ قبول کرنے کی دلیل ہے۔

36653۔ (قولہ: فَالْمُتَوَلِّي أَوْلَى مِنَ الْأَبِ) پس متولی باپ سے اولیٰ ہے، اگر وہ ماں کے وصی کے قبیل سے نہ ہو تاکہ وہ باپ سے موخر ہو، کیونکہ متولی کی ولایت وقف پر ہے نہ کہ بیٹے پر۔

36654۔ (قولہ: يُؤْخَذُ بِالثَّمَنِ) یعنی موصی لہ کے لیے مشتری کے ترکہ سے ثمن لے لیے جائیں گے اور مشتری کے ورثا اس کے لیے شفیع پر رجوع کریں گے جیسا کہ ''المنح'' میں ہے۔

. . ..

فرع

اس نے کئی وصیتیں کیں اور پھر کہا: باقی فقراء کے لیے ہے، اور پھر ان میں سے بعض فوت ہو گئے جن کے لیے اس نے وصیت کی تو وہ مال فقراء کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ کیونکہ جب وہ فوت ہو گئے تو وصی نے ان میں محل نفاذ نہیں پایا۔ پس وہ باقی رہے گا اور وہ فقراء کے لیے ہو گا۔ ''الولوالجیہ''، واللہ اعلم۔

بَابُ الْوَصِيِّ وَهُوَ الْمُوصَى إِلَيْهِ

(أَوْصَى إِلَى زَيْدٍ) أَيْ جَعَلَهُ وَصِيًّا (وَقَبِلَ عِنْدَهُ صَحَّ، فَإِنْ رَدَّ عِنْدَهُ)

وصی یعنی موصی الیہ کا بیان

کسی نے زید کی طرف وصیت کی یعنی اسے وصی بنایا، اور اس نے اس کے پاس اسے قبول کر لیا تو یہ صحیح ہے۔ اور اگر اس نے اس کے پاس،

جب ''مصنف'' موصی لہ کے بیان سے فارغ ہوئے تو موصی الیہ کے احکام کے بیان میں شروع ہوئے اور وہی وصی ہے اس لیے کہ کتاب الوصایا اسے شامل ہوتا ہے لیکن موصی لہ کے احکام کو ان کی کثرت اور ان کے کثرت سے واقع ہونے کی وجہ سے مقدم کیا ہے۔ پس ان کی معرفت کی حاجت کا بیان گزر چکا ہے۔ ''عنایہ''۔

وصیت قبول کرنے کے بارے میں اسلاف کا نقطہ نظر

اور تو جان! وصی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ انہیں (وصایا) کو قبول کرلے کیونکہ ان میں خطرہ ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ پہلی بار ان میں داخل ہونا غلط ہے، دوسری بار خیانت ہے، اور تیسری بار سرقہ (چوری) ہے۔ اور امام ''حسن'' رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے: وصی عدل کرنے پر قادر نہیں ہوتا اگرچہ وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوں۔ اور ''ابو مطیع'' نے کہا ہے: میں نے اپنی بیس سالہ مدت قضا میں ایسا کوئی نہیں دیکھا جو اپنے بھتیجے کے مال میں عدل کرتا ہو۔ ''قہستانی''۔

اور بعض نے کہا ہے: [الکامل]

احذَرْ من الواوات اربعةً فهن من الحُتُوفِ

تو چار واؤں سے بچ، پس وہ موتوں میں سے ہیں۔

ولو الوکالة والولاية، والوصاية والوقوف

اور وہ وکالت، ولایت، وصایت اور وقوف کی واؤ ہے۔

وصیت کے الفاظ

36655۔ (قولہ: أَوْصَى إِلَى زَيْدٍ) یہ لفظ فَوَّضَ کے معنی کو متضمن ہے اس لیے اسے الی کے ساتھ متعدی کیا ہے۔ اور ہم اس پر کتاب کے شروع میں کلام کر چکے ہیں۔ اور یہ تفویض ہر اس لفظ کیساتھ صحیح ہوتی ہے جو اس پر دلالت کرتا ہو۔ پس ''الخانیہ'' میں ہے: اس نے کہا: تو میری موت کے بعد میرا وکیل ہے تو وہ وصی ہو جائے گا، تو میری زندگی میں میرا وصی ہے تو یہ کہنے سے وہ وکیل ہو جائے گا۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کو اپنا قائم مقام بناتا ہے لہٰذا دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کی

أَيْ بِعِلْمِهِ (يَرْتَدُّ وَإِلَّا لَا يَصِحُّ) الرَّدُّ بِغَيْبَتِهِ لِئَلَّا يَصِيرَ مَغْرُورًا مِنْ جِهَتِهِ،

یعنی اس کے علم کے ساتھ اسے رد کر دیا تو وہ رد ہو جائے گا، ورنہ اس کی عدم موجودگی میں رد صحیح نہیں ہوگا تا کہ وہ اس کی جانب سے فریب خوردہ نہ ہو جائے۔

عبارت کے ساتھ منعقد ہوتا ہے۔ اور ''الخانیہ'' اور ''الخلاصہ'' وغیرہ میں ہے: تو میرا وصی ہے، یا تو میرے مال میں میرا وصی ہے، یا میں نے اپنی موت کے بعد اولاد تیرے حوالے کی، یا میری موت کے بعد تو میری اولاد کا خیال رکھ اور حفاظت کر، یا میری موت کے بعد ان کے لوازم اور ضروریات کو پورا کر، یا وہ الفاظ کہے جو ان کی جگہ استعمال ہو سکتے ہیں تو وہ وصی ہو جائے گا۔

اور ''الولوالجیہ'' میں ہے: تم میری موت کے بعد اس طرح کرو تو وہ تمام أوصیاء ہوں گے۔ اور اگر وہ خاموش رہے یہاں تک کہ وہ فوت ہو گیا، پھر ان میں سے دو یا زیادہ نے اسے قبول کر لیا تو وہ أوصیاء ہوں گے۔ اور اگر ایک نے قبول کیا تو وہ تصرف نہیں کر سکتا یہاں تک کہ قاضی اس کے ساتھ کسی دوسرے کو مقرر کر دے یا اس کے لیے تصرف مطلق قرار دے۔ کیونکہ یہ اس طرح ہو گیا گویا اس نے دو کو وصی بنایا تو پھر ان میں سے ایک منفرد نہیں ہو سکتا (یعنی اکیلا تصرف نہیں کر سکتا) اور ''الدر المنتقی'' میں ''الذخیرہ'' سے ہے: اگر اس نے کسی آدمی کو ایک نوع میں وصی بنایا تو وہ تمام انواع میں وصی ہو جائے گا۔ اس کی مکمل بحث عنقریب آئے گی۔ ''طحطاوی''۔

36656۔ (قولہ: أَيْ بِعِلْمِهِ) دونوں مقامات میں یہ عبد کی تفسیر ہے یعنی اس کا حاضر ہونا شرط نہیں ہے۔ ''طحطاوی''۔

36657۔ (قولہ: بِغَيْبَتِهِ) اس میں سابقہ کلام کے مطابق مناسب: بغیر علمہ کہنا ہے بلکہ سیاق کلام کے اس پر دلالت کرنے کی وجہ سے اسے ساقط کرنا ہے، ''حلبی''۔ کیونکہ ''مصنف'' کے قول: وَإِلَّا کا معنی ہے: وان لم یرد بعسمہ یعنی یہ کہ اس نے اس کی موت کے بعد یا اس سے پہلے اس کے علم کے بغیر رد کر دیا۔

36658۔ (قولہ: لِئَلَّا يَصِيرَ) تا کہ میت اس کی جانب سے فریب خوردہ نہ ہو جائے۔ کیونکہ اس نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ پس اس میں تو میت کو نقصان پہنچانا ہے، اور موصی لہ اور موصی الیہ کے درمیان فرق کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ پہلے کا فی الحال قبول کرنا غیر معتبر ہے یہاں تک کہ اگر وہ موصی کی زندگی میں قبول کر لے پھر موت کے بعد رد کر دے تو یہ صحیح ہے۔ کیونکہ وصیت کے ساتھ اس کا نفع اس کی اپنی ذات کے لیے ہے بخلاف دوسرے کے جیسا کہ اسے ''العنایہ'' میں بیان کیا ہے۔

تنبیہ

قاضی کا وصی جب اپنے آپ کو معزول کرے تو مناسب ہے کہ اس کی معزولی کے بارے قاضی کا جاننا شرط ہو جیسا کہ جب وکیل اپنے آپ کو معزول کرے تو موکل کو اس کے بارے علم ہونا اور قاضی کے معزول ہونے کے بارے میں سلطان کو اس کا علم ہونا شرط ہوتا ہے۔ ''بزازیہ''۔

وَيَصِحُّ إِخْرَاجُهُ عَنْهَا وَلَوْ فِي غَيْبَتِهِ عِنْدَ الْإِمَامِ خِلَافًا لِلثَّانِي بَزَّازِيَّةٌ (فَإِنْ سَكَتَ) الْمُوصَى إِلَيْهِ (فَمَاتَ) مُوصِيهِ (فَلَهُ الرَّدُّ وَالْقَبُولُ وَلَزِمَ) عَقْدُ الْوَصِيَّةِ (بَيْعُ شَيْءٍ مِنَ التَّرِكَةِ وَإِنْ جَهِلَ بِهِ) أَيْ بِكَوْنِهِ وَصِيًّا؛ فَإِنَّ عِلْمَ الْوَصِيِّ بِالْوِصَايَةِ لَيْسَ بِشَرْطٍ فِي صِحَّةِ تَصَرُّفِهِ (بِخِلَافِ الْوَكِيلِ)

اور اس کا اس سے نکالنا صحیح ہوگا اگرچہ اس کی عدم موجودگی میں ہو۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے بخلاف امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے۔ ''بزازیہ''۔ اور اگر وصی خاموش رہا اور اس کا موصی فوت ہوگیا تو اس کے لیے رد اور قبول کرنے کا اختیار ہے۔ اور ترکہ میں سے کوئی شے بیچنے کے ساتھ عقد وصیت لازم ہوجائے گا اگرچہ وہ اس کے وصی ہونے کے بارے نہ جانتا ہو۔ کیونکہ وصی کا وصایۃ کے بارے جاننا اس کے تصرف کے صحیح ہونے میں شرط نہیں ہے بخلاف وکیل کے۔

موصی کا وصی کو وصیت سے نکالنا صحیح ہے

36659_ (قولہ: وَيَصِحُّ إِخْرَاجُهُ) یعنی اس کو قبول کرنے کے بعد اسے نکالنا صحیح ہوتا ہے جیسا کہ ''البزازیہ'' میں ہے۔

36660_ (قولہ: وَلَوْ فِي غَيْبَتِهِ) اگرچہ اس کی عدم موجودگی میں ہو۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ وہ معزول ہوجائے گا اگرچہ معزول ہونے کی خبر اسے نہ پہنچے بخلاف وکیل کے۔ تامل۔

36661_ (قولہ: فَلَهُ الرَّدُّ وَالْقَبُولُ) پس اس کے لیے رد و قبول کا اختیار ہے۔ کیونکہ یہاں کوئی فریب اور دھوکا دہی نہیں ہے، کیونکہ موصی وہی ہے جس نے اس حیثیت سے دھوکا کھایا ہے کہ وہ اس کے حال سے آگاہ نہیں کہ اس نے وصایا کو قبول کیا ہے یا نہیں۔ ''الدرر''۔

میں کہتا ہوں: لیکن اس کا رد کرنا اسے اس سے کلی طور پر نہیں نکالے گا، اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر وہ رد کرنے کے بعد قبول کرلے تو یہ صحیح ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

36662_ (قولہ: وَلَزِمَ الخ) اس میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ قبول جس طرح قول کے ساتھ ہوتا ہے اسی طرح فعل کے ساتھ بھی ہوتا ہے کیونکہ یہ اس پر دلالت کرتا ہے۔

36663_ (قولہ: بَيْعُ شَيْءٍ) یعنی موصی کی موت کے بعد کوئی شی بیچنے کے ساتھ عقد وصیت لازم ہوجائے گا اور بیع نافذ ہوجائے گی۔ کیونکہ یہ اس سے صادر ہوئی ہے جسے ولایت کے ساتھ اہلیت حاصل ہے۔ اور اسی طرح جب وہ کوئی شے خریدے جو ورثا کے لیے صلاحیت رکھتی ہو یا وہ کوئی مال ادا کرے یا اس کا تقاضا کرے۔ ''اختیار''۔

36664_ (قولہ: بِخِلَافِ الْوَكِيلِ الخ) بخلاف وکیل کے۔ کیونکہ توکیل انابت ہے اس لیے کہ یہ موکل کی ولایت قائم ہونے کی حالت میں ثابت ہوتی ہے۔ رہا کسی کو وصی بنانا! تو یہ ایصاء اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ میت کی ولایت منقطع ہونے کی حالت کے ساتھ مختص ہے۔ پس یہ ورثہ کی طرح علم پر موقوف نہیں ہوتی۔ ''زیلعی''۔

فَإِنَّ عِلْمَهُ بِالْوَكَالَةِ شَرْطٌ (فَإِنْ سَكَتَ ثُمَّ رَدَّ بَعْدَ مَوْتِهِ ثُمَّ قَبِلَ صَحَّ إِلَّا إِذَا نَفَّذَ قَاضٍ رَدَّهُ) فَلَا يَصِحُّ قَبُولُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ (وَلَوْ) أَوْصَى (إِلَى صَبِيٍّ وَعَبْدِ غَيْرِهِ وَكَافِرٍ وَفَاسِقٍ

کیونکہ اسے وکالت کا علم ہونا شرط ہے۔ پس اگر وہ خاموش رہا پھر اس کی موت کے بعد اس نے رد کر دیا پھر قبول کر لیا تو یہ صحیح ہے، مگر جب قاضی اس کے رد کو نافذ کر دے تو پھر اس کے بعد اس کا قبول کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اور اگر وہ بچے، کسی دوسرے کے غلام، کافر یا فاسق کو وصی بنائے

36665_(قولہ: صَحَّ) تو یہ صحیح ہے کیونکہ یہ رد موصی کے علم کے بغیر صحیح نہیں۔ ''کفایہ''۔ اور رد کے صحیح نہ ہونے سے اس کا وصی ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ وہ قبول پر موقوف ہے جیسا کہ قول سابق: فلہ الرد والقبول نے اس کا فائدہ دیا ہے۔

حاصل کلام

حاصل کلام یہ ہے کہ جب وہ خاموش ہو گیا تو وہ وصی نہیں ہوا۔ پس اسے رد یعنی عدم قبول اور قبول کے درمیان اختیار دیا جائے گا۔ لہٰذا جب وہ رد کر دے یعنی قبول نہ کرے تو اسے قبول پر مجبور نہ کیا جائے، اور جب وہ قبول کر لے اگرچہ رد کے بعد ہی ہو تو وہ صحیح ہے۔ کیونکہ اس کا رد صحیح نہیں یعنی اس نے اسے قبول کی اہلیت سے خارج نہیں کیا۔ پس جب یہ کہا گیا تو وہ وصی ہو گیا، ورنہ پھر وہ وصی نہ ہوتا۔ اور اسی سے ہمارے زمانہ میں نئے فتویٰ کا جواب ظاہر ہو گیا اس آدمی کے بارے میں جس نے دو آدمیوں کو وصی بنایا تو ان میں سے ایک نے اسے قبول کر لیا اور دوسرا خاموش رہا اور اس سے کوئی ایسا فعل صادر نہ ہوا جو رضا اور عدم رضا پر دلالت کرتا ہو اور قبول کرنے والے نے ترکہ میں تصرف کیا تو کیا پہلے کے رضا اور رد کا اظہار کرنے سے پہلے تنہا اس کا تصرف صحیح ہوگا؟ تو جواب یہ ہے: خاموش رہنے والا اسی وجہ سے وصی نہیں ہوا جو ہم نے بیان کر دی ہے، لیکن قبول کرنے والا ''طرفین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک انفرادی طور پر تصرف نہیں کر سکتا۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ انفرادی تصرف کر سکتا ہے جیسا کہ ہم عنقریب اسے ''الولوالجیہ'' سے ذکر کریں گے۔ پس قاضی اس کے ساتھ دوسرا وصی مقرر کرے گا، اور وہ دونوں مل کر ایک ساتھ تصرف کریں گے۔ واللہ اعلم۔

36666_(قولہ: إِلَّا إِذَا نَفَّذَ قَاضٍ رَدَّهُ) مگر جب قاضی اس کا رد نافذ کر دے۔ کیونکہ یہ مقام اجتہاد کا مقام ہے۔ کیونکہ یہ رد امام ''زفر'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح ہے۔ ''کفایہ''۔ میں کہتا ہوں: یہ ہمارے زمانہ کے قضاۃ کے سوا میں ہے۔

36667_(قولہ: وَعَبْدِ غَيْرِهِ) یا غیر کے غلام کو وصی بنایا، اگرچہ اس کے آقا کی اجازت کے ساتھ ہی ہو۔ ''قہستانی''۔ یہاں اور اس کے بعد واؤ بمعنی أو ہے۔

36668_(قولہ: وَكَافِرٍ) یعنی ذمی ہو یا حربی ہو یا مستامن ہو۔ ''عنایہ''۔ یا وہ مرتد ہو جیسا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے جو آگے آ رہا ہے۔

36669_(قولہ: وَفَاسِقٍ) یعنی وہ جس سے مال کے بارے میں خوف ہو۔ ''قہستانی''۔

بَدَّلَ) أَيْ بَدَّلَهُمُ الْقَاضِي (بِغَيْرِهِمْ) إِتْمَامًا لِلنَّظَرِ وَلَفْظُ بَدَّلَ يُفِيدُ صِحَّةَ الْوَصِيَّةِ، فَلَوْ تَصَرَّفُوا قَبْلَ الْإِخْرَاجِ جَازَ سِرَاجِيَّةٌ (فَلَوْ بَلَغَ الصَّبِيُّ وَعَتَقَ الْعَبْدُ وَأَسْلَمَ الْكَافِرُ) أَوْ الْمُرْتَدُّ وَتَابَ الْفَاسِقُ مُجْتَبَى وَفِيهِ فَوَّضَ وِلَايَةَ الْوَقْفِ لِصَبِيٍّ صَحَّ اسْتِحْسَانًا (لَمْ يُخْرِجْهُمُ الْقَاضِي عَنْهَا)

تو قاضی اتمام نظروفکر کے لیے انہیں دوسروں کے ساتھ بدل دے، اور بدل کا لفظ وصیت صحیح ہونے کا فائدہ دیتا ہے۔ پس اگر انہوں نے اخراج سے قبل تصرف کیا تو وہ جائز ہے۔ ''سراجیہ''۔ اور اگر بچہ بالغ ہو گیا، غلام آزاد ہو گیا، اور کافر یا مرتد نے اسلام قبول کر لیا اور فاسق نے توبہ کر لی۔ ''مجتبیٰ''۔ اور اسی میں ہے: اس نے وقف کی ولایت کسی بچے کو سونپ دی تو وہ استحساناً صحیح ہے۔ قاضی انہیں موجب عزل زائل ہونے کی وجہ سے وصایا سے خارج

36670۔ (قولہ: بَدَّلَ) یعنی وہ وجوباً آزاد، مسلمان اور صالح کے ساتھ اسے بدل دے۔ کیونکہ غلام کو اس کے ساتھ روک دیا جاتا ہے، اور کافر دشمن ہے، اور فاسق متہم بالخیانت ہے۔ ''قہستانی''۔

36671۔ (قولہ: وَلَفْظُ بَدَّلَ يُفِيدُ صِحَّةَ الْوَصِيَّةِ) اور بدل کا لفظ وصیت صحیح ہونے کا فائدہ دیتا ہے۔ اور ''قدوری'' کی عبارت ہے: قاضی انہیں نکال دے۔ ''ہدایہ'' میں کہا ہے: یہ وصیت کے صحیح ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے، کیونکہ اخراج (نکالنا) صحت کے بعد ہونے کے ساتھ ہی ثابت ہوتا ہے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاصل'' میں کہا ہے: بلاشبہ ایصاء باطل ہے۔

اور اس کے معنی میں فقہا نے اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے: یہ عنقریب قاضی کے باطل کرنے کے ساتھ ان تمام صورتوں میں باطل ہو جائے گا۔ اور بعض نے کہا ہے: یہ عنقریب غیر کے غلام میں اس کی ولایت نہ ہونے کی وجہ سے باطل ہو جائے گا۔ پس یہ باطل ہوگا۔ اور بعض نے کہا ہے: یہ عنقریب فاسق میں باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ کافر غلام کی طرح ہے جیسا کہ ''الکافی'' میں ہے۔ ''قہستانی''۔ اور پہلا عام مشائخ کا قول ہے جیسا کہ ''العنایہ'' میں ہے۔

پھر تو جان کہ ''مصنف'' نے متون اور ''ہدایہ'' پر بچے کے ذکر کا اضافہ کیا ہے اور ''المجتبیٰ'' پر اس کی شرح میں نقل کیا ہے: اور بچے کو وصی بنانا جائز ہے، لیکن اس پر ذمہ داری لازم نہیں ہوگی جیسا کہ وکالت ہے۔ اور اسے ''الاختیار'' میں بھی ذکر کیا ہے جیسے ''مصنف'' نے کہا ہے۔ لیکن ''شرح الوہبانیہ'' میں نقل کیا ہے: جب وہ غلام یا بچے کو وصی بنائے تو قاضی دونوں کو نکال دے، کیونکہ بچہ تصرف کی طرف راہنمائی نہیں پاتا۔ کیا اخراج سے پہلے اس کا تصرف نافذ ہوگا؟ تو بعض نے کہا ہے: ہاں نافذ ہو جائے گا۔ اور بعض نے کہا ہے: نہیں۔ اور یہی صحیح ہے، کیونکہ اس میں ذمہ داری کو لازم کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ پس اگر وہ اخراج سے پہلے بالغ ہو گیا تو امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: وہ وصی نہیں ہوگا۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: وہ وصی ہو گا۔ ملخصاً۔ اور اس کی مکمل بحث اسی میں ہے۔ پس تو اس کی طرف رجوع کر۔

36672۔ (قولہ: وَأَسْلَمَ الْكَافِرُ) یعنی اصلی کافر اسلام لے آیا۔ ''طحطاوی''۔

أَيْ عَنِ الْوَصَايَا لِزَوَالِ الْمُوجِبِ لِلْعَزْلِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ غَيْرَ أَمِينٍ اخْتِيَارٌ (وَإِلَى عَبْدِهِ وَ) الْحَالُ أَنَّ (وَرَثَتَهُ صِغَارٌ صَحَّ) كَإِيصَائِهِ إِلَى مُكَاتَبِهِ أَوْ مُكَاتَبِ غَيْرِهِ، ثُمَّ إِنْ رَدَّ فِي الرِّقِّ فَكَالْعَبْدِ (وَإِلَّا لَا) وَقَالَا لَا يَصِحُّ مُطْلَقًا دُرَرٌ

نہ کرے مگر یہ کہ وہ امین نہ ہو۔ ''اختیار''۔ کسی نے اپنے غلام کو وصی بنایا درآنحالیکہ اس کے ورثا چھوٹے ہوں تو وہ صحیح ہے جیسا کہ اپنے یا غیر کے مکاتب کو وصی بنانا صحیح ہے۔ پھر اگر وہ غلامی میں لوٹ گیا تو وہ غلام کی طرح ہے اور اگر اس کے ورثا بچے اور نابالغ نہ ہوں تو پھر غلام کو وصی بنانا صحیح نہیں ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: غلام کو وصی بنانا مطلقاً صحیح نہیں ہے۔ ''درر''۔

36673۔ (قولہ: أَيْ عَنِ الْوَصَايَا) بعض نسخوں میں الوصایۃ ہے یعنی اوصیاء میں سے۔

36674۔ (قولہ: ثُمَّ إِنْ رَدَّ فِي الرِّقِّ) پھر اگر وہ غلامی میں لوٹ گیا، اس طرح کہ وہ بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز آ گیا۔

غلام کو وصی بنانے میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا اختلاف

36675۔ (قولہ: فَكَالْعَبْدِ) تو وہ غلام کی طرح ہے، یعنی اگر وہ کسی غیر کا مکاتب ہو تو وصیت صحیح ہے اور قاضی اسے کسی غیر کے ساتھ بدل دے۔ اور اگر وہ اس کا اپنا مکاتب تھا تو یہی ''مصنف'' کا اختلافی مسئلہ ہے۔ ''طحطاوی''۔

36676۔ (قولہ: وَإِلَّا) یعنی اس طرح کہ اگر ان میں کوئی کبیر (بڑا، بالغ) ہو تو وصی بنانا صحیح نہیں ہے، کیونکہ ورثا میں سے اس بڑے کے لیے اس غلام کی بیع کرنا یا اپنے حصے کی بیع کرنے کا اختیار ہے۔ پس وہ وصی بننے سے عاجز ہے۔ کیونکہ مشتری اسے اس سے روک سکتا ہے لہٰذا وصیت کا فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ ''اختیار''۔

36677۔ (قولہ: وَقَالَا لَا يَصِحُّ مُطْلَقًا) اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: وہ مطلقاً صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں مالک پر مملوک کی ولایت کا اثبات ہے اور یہ قلب مشروع (مشروع حکم کا الٹ کرنا) ہے۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے ایسے آدمی کو وصی بنایا ہے جو اس کا اہل ہے۔ پس وہ صحیح ہے جیسا کہ اگر وہ مکاتب کو وصی بنائے۔ اور یہ اس لیے ہے کیونکہ وہ مکلف اور تصرف کو ترجیح دینے والا ہے اور اس پر کسی کے لیے ولایت نہیں ہے۔ کیونکہ چھوٹے (نابالغ) اگرچہ مملوک اور تابع ہیں لیکن جب ان کا باپ ان میں سے کسی کو اپنا قائم مقام بنا دے تو وہ تصرف کے اہل ہو جاتا ہے لیکن اسے دوسروں پر ولایت حاصل نہیں ہوتی۔ ''درر''۔

لیکن اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اس کا غلام بیچ دے۔ ''طحطاوی''۔

اور اگر کہا جائے: اگر ان کو بیع کی ولایت حاصل نہیں تو قاضی کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے بیچ دے۔ پس منع تو ثابت ہو گیا۔ تو جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ جب ایصاء (وصی بنانا) ثابت ہو جائے تو قاضی کے لیے بیع کی ولایت باقی نہ رہی۔ ''عنایہ''۔

(وَمَنْ عَجَزَ عَنِ الْقِيَامِ بِهَا) حَقِيقَةً لَا بِمُجَرَّدِ إِخْبَارِهِ (ضَمَّ) الْقَاضِي (إِلَيْهِ غَيْرَهُ) عَارِيَةً لِحَقِّ الْمُوصِي وَالْوَرَثَةِ۔ (وَلَوْ ظَهَرَ لِلْقَاضِي عَجْزُهُ أَصْلًا اسْتَبْدَلَ غَيْرَهُ وَلَوْ عَزَلَهُ) أَيِ الْمُوصَى الْمُخْتَارُ

اور جو حقیقتاً وصایت کو قائم کرنے سے عاجز ہو نہ کہ صرف اس کے خبر دینے سے تو قاضی موصی اور ورثا کے حق کی رعایت کرتے ہوئے اس کے ساتھ کسی دوسرے کو ملا دے۔ اور اگر قاضی کے لیے اس کا عجز اصلاً ظاہر ہو جائے تو وہ کسی دوسرے کو اس کا بدل بنا دے اور اگر قاضی نے موصی کے پسندیدہ وصی کو

اگر کوئی اکیلے وصی کی ذمہ داری ادا کرنے سے عاجز ہو تو اس کا حکم

36678۔ (قولہ: وَمَنْ عَجَزَ عَنِ الْقِيَامِ بِهَا) یعنی جو اکیلے وصی کی ذمہ داری ادا کرنے سے عاجز ہو اس طرح کہ اسے کسی معاون کی حاجت اور ضرورت ہو جیسا کہ آنے والا مسئلہ اس پر قرینہ ہے۔

36679۔ (قولہ: حَقِيقَةً) اس طرح کہ وہ بیّنہ کے ساتھ ثابت ہو۔ کیونکہ بیّنہ کے ساتھ ہونے والا معاینہ کی طرح ہوتا ہے، نہ کہ وہ قاضی کے علم کے ساتھ ثابت ہو۔ کیونکہ مفتی بہ یہ ہے کہ وہ اپنے علم کے ساتھ فیصلہ نہ کرے۔ ''رحمتی''۔

36680۔ (قولہ: لَا بِمُجَرَّدِ إِخْبَارِهِ) نہ کہ صرف اس کے خبر دینے کے ساتھ۔ کیونکہ وہ کبھی اپنے اوپر آسانی اور تخفیف کے لیے جھوٹ بول سکتا ہے، اور اسی طرح اگر ورثا یا ان میں سے بعض قاضی کے پاس وصی کی شکایت کریں تو اس کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اسے معزول کر دے یہاں تک کہ اس کی طرف سے کوئی خیانت ظاہر ہو جائے۔ ''ہدایہ''۔

تنبیہ

جو کچھ انہوں نے ذکر کیا ہے اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ وصی کے لیے وصایہ کو قبول کرنے کے بعد اپنے آپ کو نکالنے کا اختیار نہیں اور اس کے بارے تصریح پہلے گزر چکی ہے۔ اور اس میں حیلہ دو چیزیں ہیں جیسا کہ ''الاشباہ'' میں ہے: ان میں سے ایک یہ ہے کہ میت اسے اس شرط پر وصی بنائے کہ وہ جب چاہے اپنے آپ کو معزول کر لے، اور دوسری یہ کہ وہ میت کے خلاف قرض کا دعویٰ کرے اور قاضی اسے متہم قرار دے کر نکال دے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ میت کے وصی میں ہے۔ رہا قاضی کا وصی تو ہم پہلے ''البزازیہ'' سے یہ نقل کر چکے ہیں کہ وہ قاضی کو اطلاع دے کر اپنے آپ کو الگ کر سکتا ہے۔ تامل۔ اور ان کا قول فیخرجہٗ (اور وہ اسے نکال سکتا ہے) اس میں اختلاف ہے۔ ''ہندیہ'' میں ''الخصاف'' سے منقول ہے کہ وہ اسے نہیں نکال سکتا بلکہ وہ میت کے لیے صرف قرض کی مقدار میں وصی بنائے گا۔ اور اسی کو مشائخ نے لیا ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔

36681۔ (قولہ: عَارِيَةً لِحَقِّ الْمُوصِي) اسے باقی رکھنے میں موصی کے حق کی رعایت ہے اس حیثیت سے کہ موصی نے اسے وصی چنا ہے اور اس کے ساتھ غیر کو ملانے میں ورثا کے حق کی رعایت ہے۔

36682۔ (قولہ: اسْتَبْدَلَ غَيْرَهُ) ''ظہیریہ'' میں ہے: وہ عاجز ہو گیا لہٰذا اس نے کسی دوسرے کو قائم مقام مقرر کر دیا، پھر کچھ دنوں کے بعد پہلے نے کہا: میں اس کے قیام پر قادر ہو گیا ہوں انہوں نے کہا: یہ وصی اپنے حال پر قائم ہے، کیونکہ

(الْقَاضِي مَعَ أَهْلِيَّتِهِ لَهَا نَفَذَ عَزْلُهُ وَإِنْ جَارَ الْقَاضِي (وَأَثِمَ) فِي الْأَشْبَاهِ اخْتَلَفُوا فِي صِحَّةِ عَزْلِهِ، وَالْأَكْثَرُ عَلَى الصِّحَّةِ كَمَا فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ، لَكِنْ يَجِبُ الْإِفْتَاءُ بِعَدَمِ الصِّحَّةِ كَمَا فِي الْفُصُولَيْنِ۔ وَأَمَّا عَزْلُ الْخَائِنِ فَوَاجِبٌ۔ انْتَهَى

اس کی اہلیت کے باوجود معزول کر دیا تو اس کا معزول کرنا نافذ ہو جائے گا اگر قاضی نے ظلم کیا ہے اور وہ گنہگار ہوا ہے۔ ''الاشباہ'' میں فقہا نے اس کی معزولی کے صحیح ہونے میں اختلاف کیا ہے، اور اکثر نے صحیح ہونے کا قول کیا ہے جیسا کہ ''شرح الوہبانیہ'' میں ہے۔ لیکن صحیح نہ ہونے کے بارے فتویٰ دینا واجب ہے جیسا کہ ''الفصولین'' میں ہے۔ رہا خیانت کرنے والے کو معزول کرنا تو وہ واجب ہے۔ انتہی۔

حاکم نے دوسرے کو اس کے قائم مقام مقرر نہیں کیا تا کہ اس کو مقرر کرنا اس پہلے کی معزولی کا سبب بنے، بلا شبہ یہ ضم ہے عزل نہیں ہے۔ (یعنی دوسرے کو پہلے کے ساتھ ملانا ہے پہلے کو معزول کرنا نہیں ہے) اسی کی مثل ''الخانیہ'' وغیرہ میں ہے۔

اور ''الخلاصہ'' میں ہے: اس نے دوسرے کو عاجز (یعنی پہلے) کی جگہ مقرر کیا ہے لہٰذا وہ معزول ہو جائے گا: ''الناصحی'' نے کہا ہے: کیونکہ وہ پہلے کے قائم مقام اس کے معزول ہونے کے بعد ہی ہو سکتا ہے، اور قاضی کے لیے عجز کے سبب معزول کرنا جائز ہے۔ یہ ''أدب الأوصیاء'' سے تلخیص کے ساتھ منقول ہے۔

میں کہتا ہوں: تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ قاضی جب کہے: میں نے تجھے وصی بنایا یا میں نے تجھے پہلے کے ساتھ ملا دیا تو اس سے پہلا وصی معزول نہیں ہوگا۔ اور اگر وہ کہے: میں نے تجھے اس کی جگہ مقرر کیا تو وہ معزول ہو جائے گا۔ فتامل۔

تنبیہ

''الخانیہ'' سے ''الأدب'' میں منقول ہے: اگر وصی مسلسل جنون کے ساتھ مجنون ہو جائے تو قاضی کو چاہیے کہ وہ اسے بدل دے، اور اگر اس نے ایسا نہ کیا یہاں تک کہ وہ تندرست ہو گیا تو وہ اپنی وصایۃ پر رہے گا۔

اگر قاضی وصی کو اس کی اہلیت کے باوجود معزول کر دے تو اس کا حکم

36683۔ (قولہ: مَعَ أَهْلِيَّتِهِ لَهَا) باوجود اس کے کہ وہ اس کی اہلیت رکھتا ہے اس طرح کہ وہ عادل اور کافی ہو۔

36684۔ (قولہ: نَفَذَ عَزْلُهُ) تو اس کا معزول کرنا نافذ ہو جائے گا، ''القنیہ'' میں کہا ہے: اور علامہ ''ظہیر الدین'' نے اسے بعید قرار دیا ہے اس طور پر کہ وہ قاضی پر مقدم ہے۔ کیونکہ اسے میت نے پسند کیا ہے۔ ہمارے استاذ صاحب نے کہا ہے: جب میت کا وصی معزول ہو جاتا ہے اگرچہ وہ عادل و کافی ہو تو پھر قاضی کے وصی کا کیا حال ہوگا۔

36685۔ (قولہ: وَأَمَّا عَزْلُ الْخَائِنِ فَوَاجِبٌ) اور رہا خیانت کرنے والے کو معزول کرنا تو وہ واجب ہے، بلکہ عامۃ الکتب میں ہے: جب باپ فضول خرچ اور اپنے صغیر بیٹے کا مال ضائع کرنے والا ہو تو قاضی اس کا وصی مقرر کر دے گا اور باپ کے قبضہ سے مال لے لے گا۔

قُلْت وَعِبَارَةُ جَامِعِ الْفُصُولَيْنِ مِنْ الْفَصْلِ السَّابِعِ وَالْعِشْرِينَ الْوَصِيُّ مِنْ الْمَيِّتِ لَوْ عَدْلًا كَافِيًا لَا يَنْبَغِي لِلْقَاضِي أَنْ يَعْزِلَهُ، فَلَوْ عَزَلَهُ قِيلَ يَنْعَزِلُ أَقُولُ الصَّحِيحُ عِنْدِي أَنَّهُ لَا يَنْعَزِلُ لِأَنَّ الْمُوصِيَ أَشْفَقُ بِنَفْسِهِ مِنْ الْقَاضِي فَكَيْفَ يَنْعَزِلُ، وَيَنْبَغِي أَنْ يُفْتَى بِهِ لِفَسَادِ قُضَاةِ الزَّمَانِ قَالَ الْمُصَنِّفُ قَالَ شَيْخُنَا فَقَدْ تَرَجَّحَ عَدَمُ صِحَّةِ الْعَزْلِ لِلْوَصِيِّ فَكَيْفَ بِالْوَظَائِفِ فِي الْأَوْقَافِ

میں کہتا ہوں: ''جامع الفصولین'' کی ستائیسویں فصل کی عبارت ہے: میت کا وصی اگر عادل اور کافی ہو تو قاضی کے لیے اسے معزول کرنا مناسب نہیں۔ اور اگر وہ اسے معزول کر دے تو کہا گیا ہے: وہ معزول ہو جائے گا۔ میں کہتا ہوں: میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وہ معزول نہیں ہوگا۔ کیونکہ موصی اپنی ذات کے بارے میں قاضی سے زیادہ شفیق ہے تو پھر وہ کیسے معزول ہو سکتا ہے، اور قضاۃ زمانہ کے فساد کی وجہ سے اسی کے مطابق فتویٰ دینا چاہیے۔ ''مصنف'' نے کہا ہے: ہمارے شیخ نے کہا ہے: تحقیق وصی کی معزولی کا صحیح نہ ہونا ترجیح پا گیا تو پھر وظائف اوقاف میں کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

36686۔ (قولہ: مِنْ الْفَصْلِ السَّابِعِ وَالْعِشْرِينَ) ستائیسویں فصل سے منقول ہے، اور اسی میں ''المنتقی'' سے ہے: اور اگر وہ کافی ہو لیکن عادل نہ ہو تو وہ اسے معزول کر دے گا۔ اور اگر عادل ہو لیکن کافی نہ ہو تو وہ اس کے ساتھ کافی کو ملا دے گا۔ ''الولوالجیہ'' میں یہ زیادہ کیا ہے: اور اگر وہ اسے معزول کر دے تو وہ صحیح ہے۔

36687۔ (قولہ: وَيَنْبَغِي أَنْ يُفْتَى بِهِ) اور چاہیے کہ اسی کے مطابق فتویٰ دیا جائے۔ ''نور العین'' میں کہا ہے: تحقیق اس نے اس میں خوب اچھا عمل کیا ہے جس نے فائدہ دیا ہے۔ لیکن انہوں نے اپنے پہلے قول عندی سے یہ وہم دیا ہے کہ وہ اس کے ساتھ منفرد ہیں اس کے باوجود کہ یہ سلف وخلف میں سے کثیر کا مختار اور پسندیدہ ہے۔

36688۔ (قولہ: لِفَسَادِ قُضَاةِ الزَّمَانِ) قضاۃ زمانہ کے فاسد ہونے کی وجہ سے۔ پس ان کی طرف سے اسے معزول کرنا دنیوی غرض کیلئے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اہل وصی کو معزول کرنے میں یتیم کا تو کوئی فائدہ اور مصلحت نہیں ہے۔ ''طحطاوی''۔

تنبیہ

یہ تمام بحث میت کے وصی کے بارے میں ہے، رہا قاضی کا وصی تو اس کے لیے اسے معزول کرنا جائز ہے اگرچہ وہ عادل ہو جیسا کہ ''شارح'' اسے عنقریب فروع میں ذکر کریں گے۔ لیکن قریب ہی اس کے اس قید کے ساتھ مقید ہونے کا ذکر آ رہا ہے کہ جب وہ مصلحت دیکھے، ورنہ وہ اسے معزول نہیں کر سکتا۔

36689۔ (قولہ: قَالَ الْمُصَنِّفُ قَالَ شَيْخُنَا) ''مصنف'' نے کہا: ہمارے شیخ نے کہا: اس سے مراد علامہ ''ابن نجیم'' صاحب ''البحر'' ہیں۔

بغیر خیانت کے کسی دوسرے کو تولیت سونپنے کا عدم جواز

36690۔ (قولہ: فَكَيْفَ بِالْوَظَائِفِ فِي الْأَوْقَافِ) وقف پر وظائف تولیۃ کی معزولی کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔ ''فتاویٰ

(وَبَطَلَ فِعْلُ أَحَدِ الْوَصِيَّيْنِ كَالْمُتَوَلِّيَيْنِ) فَإِنَّهُمَا فِي الْحُكْمِ كَالْوَصِيَّيْنِ أَشْبَاهٌ وَوَقْفُ الْقُنْيَةِ، وَمُفَادُهُ أَنَّهُ لَوْ أَجَرَ أَحَدُهُمَا أَرْضَ الْوَقْفِ لَمْ تَجُزْ بِلَا رَأْيِ الْآخَرِ وَقَدْ صَارَتْ وَاقِعَةَ الْفَتْوَى (وَلَوْ) وَصْلِيَّةٌ (كَانَ إِيصَاؤُهُ لِكُلٍّ مِنْهُمَا عَلَى الِانْفِرَادِ) وَقِيلَ يَنْفَرِدُ

اور دو وصیوں میں سے ایک کا کوئی فعل کرنا باطل ہے جیسا کہ (وقف کے) دو متولیوں میں ایک کا فعل باطل ہے۔ کیونکہ وہ دونوں حکم میں دو وصیوں کی طرح ہیں۔ ''اشباہ'' اور ''القنیہ'' باب الوقف۔ اور اس کا مفاد یہ ہے کہ اگر ان میں سے ایک نے وقف کی زمین اجارہ پر دی تو یہ اجارہ دوسرے کی رائے کے بغیر جائز نہیں۔ البتہ یہ صورت فتویٰ طلب ہوگئی اگرچہ اس کا دونوں میں سے ہر ایک کو وصی بنانا انفرادی طور پر ہو۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: وہ منفرد ہوتا ہے۔

خیر الدین'' میں ''البحر'' سے نقل کیا ہے: قاضی کے وقف کے ناظر (نگران) کو معزول کرنے کے لیے شرط ہے کہ وہ خیانت کے ثبوت کے ساتھ ہو، اور اس پر انہوں نے استدلال اس سے کیا ہے جو انہوں نے ''الاسعاف'' اور ''جامع الفصولین'' سے نقل کیا ہے۔ پھر کہا ہے: اس نے یہ فائدہ دیا ہے کہ بغیر خیانت کے کسی دوسرے کو تولیت سونپنا حرام ہے اور اگر اس نے ایسا کیا تو وہ صحیح نہیں ہے۔ پھر کہا: بغیر خیانت کے ناظر کی معزولی صحیح نہ ہونے سے مستفاد ہوا کہ وقف میں صاحب وظیفہ کے لیے معزولی صحیح نہیں۔ اور اس پر اس سے استدلال کیا ہے جو ''البزازی'' وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ ''طحطاوی''۔ اور اپنے قول: فکیف الخ کے ساتھ اسے بیان کیا ہے کہ اس کی معزولی بدرجہ اولیٰ صحیح نہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں محترم حق کا ابطال ہے اور وہ وہ ہے جسے اس کے لیے واقف نے معین کیا ہے۔

دو وصیوں میں سے ایک کا دوسرے کی اجازت کے بغیر تصرف کرنے کا بطلان

36691۔ (قولہ: وَبَطَلَ فِعْلُ أَحَدِ الْوَصِيَّيْنِ) اور دو وصیوں میں سے ایک کا فعل کرنا باطل ہے۔ مگر جب اس کا ساتھی اسے اجازت دے تو وہ جائز ہے اور وہ تجدید عقد کا محتاج نہیں ہوگا جیسا کہ ''المنح'' میں ہے۔ ''طحطاوی''۔

میں کہتا ہوں: اور اسی طرح اس پر ناظر کے ساتھ وصی کا حکم ہے۔ اور ''الحامدیہ'' میں ''اسماعیلیہ'' سے ہے: اگر یتیم کے اموال میں ناظر کے علم کے بغیر وصی نے تصرف کیا اور وہ ہلاک ہو گیا تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔

36692۔ (قولہ: وَمُفَادُهُ الخ) اس پر ''الاسعاف'' میں اس طرح نص ہے کہ انہوں نے کہا: دو ناظروں میں سے ایک اجازت کے ساتھ منفرد نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ان میں سے ایک نے اپنے دوسرے ساتھی کو وکیل بنا لیا تو وہ جائز ہے۔ اسے ''ابو السعود'' نے نقل کیا ہے۔ ''طحطاوی''۔ اور جو ''شارح'' نے ذکر کیا ہے وہ ''المنح'' سے ماخوذ ہے۔

36693۔ (قولہ: لِكُلٍّ مِنْهُمَا) اس میں اولیٰ الی کل منهما ہے جیسا کہ ''الغرر'' میں تعبیر کیا گیا ہے۔

36694۔ (قولہ: وَقِيلَ يَنْفَرِدُ) اور کہا گیا ہے کہ وہ منفرد تصرف کر سکتا ہے۔ اور اس کے قائل حضرت امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ ہیں جیسا کہ عنقریب ''شارح'' اس کے بارے تصریح کریں گے۔ اور پہلا ''طرفین'' رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے۔ پھر کہا

قَالَ أَبُو اللَّيْثِ وَهُوَ الْأَصَحُّ وَبِهِ نَأْخُذُ، لَكِنَّ الْأَوَّلَ صَحَّحَهُ فِي الْمَبْسُوطِ وَجَزَمَ بِهِ فِي الدُّرَرِ وَفِي الْقُهُسْتَانِيِّ أَنَّهُ أَقْرَبُ إِلَى الصَّوَابِ قُلْت وَهَذَا إِذَا كَانَا وَصِيَّيْنِ أَوْ مُتَوَلِّيَيْنِ مِنْ جِهَةِ الْمَيِّتِ أَوْ الْوَقْفِ أَوْ قَاضٍ وَاحِدٍ، أَمَّا لَوْ كَانَا مِنْ جِهَةِ قَاضِيَيْنِ مِنْ بَلْدَتَيْنِ

''ابو اللیث'' نے کہا ہے: اور یہی اصح قول ہے اور ہم اسی کو لیتے ہیں۔ لیکن پہلے قول کو ''المبسوط'' میں صحیح قرار دیا ہے۔ اور ''الدرر'' میں اس پر اعتماد اور یقین کیا ہے۔ اور ''القہستانی'' میں ہے کہ یہی صواب کے زیادہ قریب ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ تب ہے جب دونوں وصی یا دونوں متولی میت یا وقف یا ایک قاضی کی طرف سے ہوں۔ لیکن اگر دونوں دو شہروں کے دو قاضیوں کی طرف سے مقرر ہوں

گیا ہے: اختلاف اس صورت میں ہے کہ اگر وہ دونوں کو ایک دوسرے کے پیچھے وصی بنائے، اور اگر دونوں کو اکٹھا ایک عقد کے ساتھ وصی بنائے تو پھر بالا جماع ان میں سے کوئی ایک انفرادی تصرف نہیں کر سکتا۔ اور کہا گیا ہے: اختلاف عقد واحد میں ہے، رہا دو عقدوں میں تو ان میں سے ایک بالا جماع منفرد ہو سکتا ہے۔ ''ابو اللیث'' نے کہا ہے: اور یہی اصح ہے۔ اور ہم اسی کو لیتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اختلاف دونوں صورتوں میں ہے۔ ''المبسوط'' میں کہا ہے: یہی اصح ہے، اور اسی پر منلا ''خسرو'' نے اعتماد کیا ہے۔ ''منح''، ملخصاً۔ اور اسی کی مثل ''زیلعی'' وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

36695۔ (قولہ: لَكِنَّ الْأَوَّلَ صَحَّحَهُ فِي الْمَبْسُوطِ الخ) لیکن پہلے کو ''المبسوط'' میں صحیح قرار دیا ہے، میں کہتا ہوں: یہ اس کا وہم دلاتا ہے کہ انہوں نے انفرادی تصرف کے بارے قول کو صحیح قرار دیا ہے اس کے باوجود کہ آپ جان چکے ہیں کہ یہ کلام محل اختلاف میں ہے۔ اور وہ جسے ''المبسوط'' میں صحیح قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ اختلاف دونوں جگہوں میں ہے۔ اور اس میں انفراد اور عدم انفراد کے قول کی تصحیح نہیں ہے۔ ہاں وہ جسے ''ابو اللیث'' نے صحیح قرار دیا ہے وہ انفراد کی تصحیح کو متضمن ہے اگر وہ دو عقدوں کے ساتھ ہو۔ کیونکہ انہوں نے اس میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ پس تو اس پر آگاہ رہ۔ اور یہ کہا جانا بھی ممکن ہے: جو ''المبسوط'' میں ہے وہ بھی عدم انفراد کی تصحیح کو متضمن ہے۔ چونکہ جب انہوں نے اسے صحیح قرار دیا کہ اختلاف دونوں صورتوں میں ہے تو یہ ثابت کر دیا کہ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہما کا قول دونوں صورتوں میں عدم انفراد کا ہے۔ اور عمل اکثر ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے، اور یہی متون کے اطلاق کا ظاہر ہے اور ''مصنف'' کی عبارت کا صریح مفہوم ہے۔ تامل۔

36696۔ (قولہ: أَنَّهُ أَقْرَبُ إِلَى الصَّوَابِ) بلاشبہ یہ صواب اور درستگی کے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ موت کے وقت وصیت کا وجوب دونوں کے لیے ایک ساتھ ثابت ہے، بخلاف وکالت کے جو ایک دوسرے کے پیچھے ہو، تو پھر ثابت ہو گیا کہ اختلاف دونوں میں ہے۔ ''زیلعی''۔ یعنی وصی بنانے کی دونوں صورتوں میں وہ دونوں اکٹھے ہوں یا ایک دوسرے کے پیچھے ہوں۔

36697۔ (قولہ: وَهَذَا) مراد دونوں میں سے ایک کا منفرد نہ ہونا ہے۔

36698۔ (قولہ: مِنْ بَلْدَتَيْنِ) ظاہر یہ ہے کہ غالب کی طرف دیکھتے ہوئے یہ محض اتفاق ہے یہاں تک کہ اگر

فَيَنْفَرِدُ أَحَدُهُمَا بِالتَّصَرُّفِ لِأَنَّ كُلًّا مِنَ الْقَاضِيَيْنِ لَوْ تَصَرَّفَ جَازَ تَصَرُّفُهُ فَكَذَا نَائِبُهُ وَلَوْ أَرَادَ كُلٌّ مِنَ الْقَاضِيَيْنِ عَزْلَ مَنْصُوبِ الْقَاضِي الْآخَرِ جَازَ إِنْ رَأَى فِيهِ الْمَصْلَحَةَ وَإِلَّا لَا، وَتَمَامُهُ فِي وَكَالَةِ تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ مَعْزِيًّا لِلْمُلْتَقَطَاتِ وَغَيْرِهَا فَلْيُحْفَظْ وَفِي وَصَايَا السِّرَاجِ أَوْ لَمْ يَعْلَمِ الْقَاضِي أَنَّ لِلْمَيِّتِ وَصِيًّا فَنَصَبَ لَهُ وَصِيًّا ثُمَّ حَضَرَ الْوَصِيُّ فَأَرَادَ الدُّخُولَ فِي الْوَصِيَّةِ فَلَهُ ذٰلِكَ وَنَصْبُ الْقَاضِي الْآخَرِ لَا يُخْرِجُ الْأَوَّلَ

تو پھران میں سے ہرایک تصرف کرنے میں منفرد ہوتا ہے۔ کیونکہ دونوں قاضیوں میں سے ہرایک اگر تصرف کرے تو اس کا تصرف جائز ہوتا ہے۔ پس اسی طرح اس کے نائب کا تصرف بھی جائز ہوگا۔ اور اگر دونوں قاضیوں میں سے ہرایک دوسرے قاضی کے مقرر کردہ وصی کو معزول کرنے کا ارادہ کرے تو یہ جائز ہے اگر وہ اس میں مصلحت دیکھے، اور اگر مصلحت نہ ہوتو جائز نہیں۔ اور اس کی مکمل بحث ''تنویر البصائر'' کے کتاب الوکالہ میں ہے جو کہ ''ملتقطات'' وغیرہ کی طرف منسوب ہے۔ پس چاہیے کہ اسے یادر کھ لیا جائے۔ اور ''السراج'' کے کتاب الوصایا میں ہے: اگر قاضی نہ جانتا ہو کہ میت کا وصی ہے اور وہ اس کے لیے وصی مقرر کردے پھر وہ وصی حاضر ہو جائے اور وہ وصیت میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو اس کے لیے یہ جائز ہے۔ اور قاضی کا دوسرے کو مقرر کرنا پہلے کو خارج نہیں کرے گا۔

سلطان ایک شہر میں دو قاضی مقرر کرے اور دونوں کو وصی مقرر کرنے کا اختیار دے دے تو بھی حکم اسی طرح ہے۔ اور اس کی تائید وہ کرتا ہے جو انہوں نے تعلیل اور قیاس ذکر کیا ہے۔ اسے ''طحطاوی'' نے بیان کیا ہے۔

36699۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ الخ) اور اس کی مکمل بحث وہی ہے جسے ''تنویر البصائر'' میں ''ملتقطات'' سے ذکر کیا ہے اور وہ پہلے گزر چکی ہے۔ پھر اس کے بعد کہا ہے: اور ان کے قول: فکذا نائبہ میں نظر ظاہر ہے۔ کیونکہ یہ ثابت ہے کہ قاضی کا مقرر کیا ہوا وصی میت کا نائب ہوتا ہے نہ کہ قاضی کا تاکہ ذمہ داری اس سے ملحق ہو بخلاف قاضی کے امین کے۔ کیونکہ وہ اس کا نائب ہوتا ہے۔ پس ذمہ داری اس سے ملحق نہیں ہوتی۔ جو انہوں نے ذکر کیا ہے اس کا مقتضی یہ ہے کہ قاضی کا وصی اس کا نائب ہوتا ہے قاضی یتیم کے مال میں تصرف سے مجبور نہیں ہوتا۔ اور منقول ہے کہ وہ اس کے وصی کے موجود ہونے کے وقت تصرف سے مجبور ہے اگر چہ وہ اس کا مقرر کیا ہوا ہو بخلاف اس کے کہ وہ اس کے امین کے ساتھ ہو۔ اور اس کا مقتضی یہ بھی ہے کہ قاضی اس وصی سے یتیم کا مال خرید نے کا مالک نہیں جسے اس نے مقرر کیا ہے جیسا کہ اگر وہ اس کا امین ہو اور حکم اس کے خلاف ہے جیسا کہ غالب کتب مذہب میں ہے۔

قاضی میت کے وصی کی موجودگی میں دوسرا وصی مقرر نہیں کرسکتا

36700۔ (قولہ: وَنَصْبُ الْقَاضِي الْآخَرِ لَا يُخْرِجُ الْأَوَّلُ) اور قاضی کا دوسرے کو مقرر کرنا پہلے کو خارج نہیں کرتا، اور وصی وہ پہلا ہی ہے نہ کہ وہ جسے قاضی نے مقرر کیا ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ میت کی پسند ملی ہوئی ہے جیسا کہ جب قاضی اسے جانتا ہو۔ اسی طرح ''الاشباہ'' پر حاشیہ ''ابی السعود'' میں ''المحیط'' سے ہے۔

إِلَّا بِشِرَاءِ كَفَنِهِ وَتَجْهِيزِهِ وَالْخُصُومَةُ فِي حُقُوقِهِ وَشِرَاءِ حَاجَةِ الطِّفْلِ وَالِاتِّهَابِ لَهُ
مگر موصی کے لیے کفن خریدنے، اس کی تجہیز، اس کے حقوق میں خصومت، چھوٹے بچے کی حاجت کے لیے خریداری، اس کے لیے ہبہ قبول کرنے،

میں کہتا ہوں: باقی رہا یہ کہ کیا پہلے کی عدم موجودگی میں دوسرے کا تصرف نافذ ہوگا؟ تو یہ ظاہر ہے کہ وہ نافذ ہوگا اگر وہ غیبۃ منقطعۃ پر ہو۔ اور ''الاشباہ'' میں ہے: اور قاضی میت کا وصی موجود ہونے کی صورت میں کوئی وصی مقرر نہیں کرے گا مگر جب وہ غیبۃ منقطعہ پر غائب ہو یا وہ قرض کے مدعی کا اقرار کرے۔

غیبۃ منقطعہ: اس سے مراد اس کا ایسے مقام پر ہونا ہے جہاں تک قافلے نہ پہنچ سکتے ہوں جیسا کہ ''حاشیہ ابی السعود'' میں ہے۔

اور ''الولوالجیہ'' میں ہے: کسی آدمی نے میت پر قرض کا دعویٰ کیا اور وصی غائب ہو تو قاضی میت کی طرف سے خصم مقرر کرے گا۔ کیا آپ جانتے نہیں ہیں کہ اگر وہ حاضر ہو اور قرض کا اقرار کرے تو قاضی میت کی طرف سے خصم مقرر کرسکتا ہے تاکہ مدعی اپنے حق تک پہنچ سکے۔ کیونکہ میت کے خلاف وصی کا اقرار جائز نہیں ہوتا، اور نہ مدعی وصی کے ساتھ اس بارے میں خصومت کا مالک ہے جس کا اس نے اقرار کیا۔

وہ مسائل جو دو وصیوں میں سے ایک کے انفرادی تصرف کے باطل ہونے سے ضرورتاً مستثنیٰ ہیں

36701۔ (قولہ: إِلَّا بِشِرَاءِ كَفَنِهِ الخ) یہ مسائل دو وصیوں میں سے ایک کے انفرادی تصرف کے باطل ہونے سے ضرورت کی وجہ سے مستثنیٰ ہیں۔

36702۔ (قولہ: وَتَجْهِيزِهِ) اگر اسی پر اقتصار کرتے تو یہ ماقبل کی طرف سے بھی کافی ہوتا۔ ''التبیین'' میں کہا ہے: کیونکہ ان میں تاخیر کرنے میں میت کا فساد ہے، اسی لیے شہر میں پڑوسی اور سفر میں ساتھی بھی تجہیز و تکفین کے مالک ہوتے ہیں۔ ''طحطاوی''۔

36703۔ (قولہ: وَالْخُصُومَةُ) اس میں انفراد کی وجہ یہ ہے کہ عادۃً دونوں خصومت پر جمع نہیں ہوسکتے، اور اگر دونوں جمع ہوں تو بھی اکثر ان میں بات ایک ہی کرتا ہے۔ ''الدرر''۔

36704۔ (قولہ: وَشِرَاءِ حَاجَةِ الطِّفْلِ) یعنی ایسی شے خریدنا جو بچے کے لیے لازم اور ضروری ہو جیسے طعام اور لباس۔ ''اتقانی''۔ کیونکہ اس کی تاخیر میں اسے ضرر اور نقصان ہوسکتا ہے۔ ''منح''۔

36705۔ (قولہ: وَالِاتِّهَابِ لَهُ) مراد بچے کے لیے ہبہ قبول کرنا ہے۔ کیونکہ اس کی تاخیر میں اس کے فوت اور ضائع ہونے کا خوف ہے۔ ''قہستانی'' اور اس لیے بھی کہ یہ ولایت کے باب سے نہیں ہے اسی لیے ماں اور جو اس کے عیال میں سے ہو وہ اس کا مالک ہوتا ہے۔ ''ہدایہ''۔

وَإِعْتَاقِ عَبْدٍ مُعَيَّنٍ وَرَدِّ وَدِيعَةٍ وَتَنْفِيذِ وَصِيَّةٍ مُعَيَّنَتَيْنِ) زَادَ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ عَشَرَةً أُخْرَى مِنْهَا رَدُّ الْمَغْصُوبِ،

معین غلام آزاد کرنے، معین ودیعت واپس لوٹانے، اور معین وصیت نافذ کرنے میں ایک وصی کا فعل جائز ہے۔''شرح الوہبانیہ'' میں علاوہ ازیں دوسری دس چیزوں کا اضافہ کیا ہے: ان میں سے مغصوب کو واپس لوٹانا،

36706۔ (قولہ: وَإِعْتَاقِ عَبْدٍ مُعَيَّنٍ) اور معین غلام کو آزاد کرنا۔ کیونکہ اس میں رائے کی احتیاج نہیں ہوتی بخلاف غیر معین کو آزاد کرنے کے۔ کیونکہ اس میں وہ رائے کا محتاج ہوتا ہے۔''قہستانی''۔ اور''قاضیخان'' نے غلام کو مطلق قرار دیا ہے اور اسے مقید پر محمول کرنے سے کوئی مانع نہیں۔ اسے''طحطاوی'' نے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اور ظاہر یہ ہے کہ یہ سب اس صورت میں ہے جب وہ غلام کو مفت آزاد کرنے کی وصیت کرے۔ پس اگر وہ مال کے عوض ہو تو پھر وہ رائے کا محتاج ہے لہٰذا دونوں کا اکٹھا ہونا ضروری ہے۔ تامل۔

36707۔ (قولہ: وَرَدِّ وَدِيعَةٍ) اور ودیعت کو واپس لوٹانا، اس کے ساتھ مقید ہے۔ کیونکہ وہ میت کی ودیعت پر انفرادی طور پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ اسے''سائحانی'' نے''ہندیہ'' سے نقل کیا ہے۔

36708۔ (قولہ: وَتَنْفِيذِ وَصِيَّةٍ) یعنی کسی معین شے کے بارے وصیت ہو یا مطلق ہزار کے بارے ہو۔''ابن الشحنہ''۔ پس اگر وہ کسی کو بیچنے کا محتاج ہوتا کہ وہ اس کے ثمن سے وصیت ادا کر دے تو یہ اپنے دوسرے ساتھی کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔''اتقانی''۔ اور ان کا قول معینتین ودیعت اور وصیت کی صفت ہے۔''قہستانی'' نے کہا ہے: کیونکہ صاحب حق کے لیے وصی کے دیئے بغیر اسے لینا جائز ہے۔ اور''ظہیریہ'' میں ہے: اس نے اس بارے وصیت کی کہ وہ گندم فقراء پر صدقہ کر دے اس سے پہلے کہ جنازہ اٹھایا جائے۔ پس دو وصیوں میں سے ایک نے یہ کیا: اگر گندم موصی کی ملکیت تھی تو اس کا دینا جائز ہے، اور اگر نہ تھی تو پھر اگر اس نے اسے خریدا تو گندم مشتری کے لیے ہوگی اور صدقہ اس کی ذات کی طرف سے ہوگا۔ اور''الولوالجیہ'' میں ہے: اسی اختلاف پر جب اس نے اس بارے وصیت کی کہ وہ اس کے مال میں سے اتنا صدقہ کرے اور فقراء معین نہ کئے تو اس کے لیے انفرادی تصرف جائز نہیں۔ اور اگر معین کر دیئے تو بالاجماع ان میں سے ایک انفرادی تصرف کر سکتا ہے۔ اور اسی سے یہ معلوم ہوا کہ متن میں تقیید موصی لہ فقیر معین ہونے کے سبب ہے۔ تامل۔

36709۔ (قولہ: زَادَ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ الخ) اسے ان دس کے بعد ذکر کرنا اولیٰ ہے جنہیں''مصنف'' نے ذکر کیا ہے۔ اس بنا پر کہ جن کا ذکر''شرح الوہبانیہ'' میں کیا ہے وہ مجموعی طور پر سترہ ہیں۔ پس جو متن میں ہیں ان پر زائد سات ہیں ان میں سے چار شارح نے ذکر کی ہیں جیسا کہ عنقریب آپ اسے جان لیں گے اور باقی تین ہیں: یتیم کے مال کی حفاظت کرنا، کیونکہ ان میں سے جس کے ہاتھ اور قبضہ میں وہ واقع ہوگا اس پر اس کی حفاظت کرنا واجب ہے، وصی سے بیع کرنے کے سبب مبیع کے ثمن واپس لوٹانا، اور نفس یتیم کا اجارہ کرنا۔ اور''الوہبانیہ'' کے شارح نے تکفین کو ساقط کر دیا ہے، اور اسے تجہیز

وَمُشْتَرَى شِرَاءً فَاسِدًا، وَقِسْمَةَ كَيْلِيٍّ أَوْ وَزْنِيٍّ وَطَلَبُ دَيْنٍ، وَقَضَاءُ دَيْنٍ بِجِنْسِ حَقِّهِ (وَبَيْعُ مَا يَخَافُ تَلَفَهُ وَجَمْعُ أَمْوَالٍ ضَائِعَةٍ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ يَنْفَرِدُ كُلٌّ بِالتَّصَرُّفِ

شراء فاسد کے ساتھ خریدی ہوئی شے کو واپس لوٹانا، کیلی یا وزنی شے کو تقسیم کرنا، دین (قرض) کا مطالبہ کرنا، اور دین کو اپنے حق کی جنس کے ساتھ ادا کرنا، اور اس شے کی بیع کرنا جس کے ضائع ہونے کا خوف ہو، اور ضائع ہونے والے مالوں کو جمع کرنا۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: تمام امور میں دونوں وصیوں میں سے ہر ایک تصرف کے ساتھ منفرد ہوتا ہے۔

کے تحت داخل کیا ہے، اور اس کے بدلے ایک دوسری صورت ذکر کی ہے اور وہ معین فقیر کے لیے اس کی اس وصیت کو نافذ کرنا ہے کہ وہ اس کے مال سے اتنا مال اس کی طرف سے صدقہ کر دے۔

میں کہتا ہوں: یہ صورت اسی کا تکرار ہے جسے آپ متن میں جان چکے ہیں کہ وہ معین فقیر کے ساتھ مقید ہے۔ تامل۔

''طحطاوی'' نے کہا ہے: ''مکی'' نے ''الخانیہ'' سے یہ زائد کیا ہے کہ ان میں سے ایک کے لیے میت کے ترکہ پر قبضہ کرنے کا اختیار ہے جب اس پر کوئی دین نہ ہو، اور اس مال پر جو اس کے پاس اس کے گھر میں ودیعت پڑا ہوا ہے یہاں تک کہ وہ ہلاک ہونے کے سبب ضامن نہیں ہوگا، اور یہ کہ ان میں سے ایک کے لیے اس گندم کو صدقہ کرنا جائز ہے جسے جنازہ اٹھائے جانے سے پہلے صدقہ کرنے کی وصیت ہو، اور یہ کہ وہ اسے ودیعت بنالے جو میت کے ترکہ اور یتیم کے مال کے اجارہ میں سے اس کے ہاتھ آیا ہے اور عاریۃً لی ہوئی چیزوں اور امانتوں کو واپس لوٹا دے۔ ان میں سے بعض اپنے انجام اور مال کے اعتبار سے ان چیزوں میں داخل ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

36710۔ (قولہ: وَمُشْتَرَى) بر بنائے مجہول یہ صیغہ اسم مفعول ہے اس کا عطف مغصوب پر ہے یعنی اس شے کو واپس لوٹانا جسے میت نے شراء فاسد کے ساتھ خریدا۔ کیونکہ موت کے ساتھ رد کرنا باطل نہیں ہوتا جیسا کہ پہلے اس کے باب میں گزر چکا ہے۔ پس دو وصیوں میں سے ایک اس کے ساتھ منفرد ہو سکتا ہے۔ ''ابن الشحنہ'' نے کہا ہے: کیونکہ یہ وصیت کے ساتھ حاصل ہونے والی ولایت میں سے نہیں ہے بلکہ یہ قضاء دین کے ساتھ ملحق ہے۔

36711۔ (قولہ: وَقِسْمَةَ كَيْلِيٍّ أَوْ وَزْنِيٍّ) اور کیلی یا وزنی شے کو تقسیم کرنا، یعنی مثال کے طور پر موصی کے شریک کے ساتھ۔ ''طحطاوی''۔

36712۔ (قولہ: وَطَلَبُ دَيْنٍ) اور قرض کا مطالبہ کرنا۔ اس کے ساتھ مقید کیا ہے وہ انفرادی طور پر میت کے قرضہ پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ اسے ''سائحانی'' نے ''ہندیہ'' سے نقل کیا ہے۔ کیونکہ دین پر قبضہ کرنا باہم تبادلہ کرنے کے معنی میں ہے بالخصوص جب جنس مختلف ہو۔ ''ہدایہ''۔ اور جو ''شرح الوہبانیہ'' میں ہے کہ اسے اقتضا کا حق حاصل نہیں تو وہ اس کے مخالف نہیں جو یہاں ہے۔ کیونکہ اس کا معنی لینا ہے جیسا کہ ''المغرب'' میں ہے۔ اور رہا وہ جو طلب کے معنی میں ہے تو وہ لفظ التقاضی ہے جیسا کہ یہ بھی ''المغرب'' میں ہے۔ فافہم۔ اور ''شارح'' کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ ان کا قول: و طلب الدین ان

فِي جَمِيعِ الْأُمُورِ؛ وَلَوْ نَصَّ عَلَى الِانْفِرَادِ أَوْ الِاجْتِمَاعِ اُتُّبِعَ اتِّفَاقًا شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ (وَإِنْ مَاتَ أَحَدُهُمَا، فَإِنْ أَوْصَى إِلَى الْحَيِّ أَوْ إِلَى آخَرَ فَلَهُ التَّصَرُّفُ فِي التَّرِكَةِ وَحْدَهُ) وَلَا يَحْتَاجُ إِلَى نَصْبِ الْقَاضِي وَصِيًّا (وَإِلَّا) يُوصِ (ضَمَّ) الْقَاضِي (إِلَيْهِ غَيْرَهُ) دُرَرٌ وَفِي الْأَشْبَاهِ مَاتَ أَحَدُهُمَا

اور اگر موصی انفراد یا اجتماع کی تصریح کردے تو بالاتفاق اس کی اتباع لازم ہے۔''شرح وہبانیہ''۔ اور اگر دو وصیوں میں سے ایک فوت ہو گیا: پس اگر اس نے زندہ وصی کو یا کسی دوسرے آدمی کو وصی بنالیا تو اس کے لیے ترکہ میں اکیلے تصرف کرنا جائز ہے اور وہ قاضی کے وصی مقرر کرنے کا محتاج نہیں ہوگا۔ اور اگر وہ وصی نہ بنائے تو قاضی اس کے ساتھ کسی دوسرے کو ملا دے۔''درر''۔ اور''الاشباہ'' میں ہے: ان دونوں میں سے ایک فوت ہو جائے۔

میں سے ہے جنہیں''شرح الوہبانیہ'' میں زیادہ کیا ہے اس کے باوجود کہ یہ اس میں موجود نہیں ہے۔ بلاشبہ اسے''النقایہ'' میں ذکر کیا ہے۔ اس کے شارح''القہستانی'' نے کہا ہے: اس کا خصومت کے ساتھ استدراک کیا گیا ہے اور اس پر ''الذخیرہ'' کا کلام دلالت کرتا ہے۔

36713۔ (قولہ: فِي جَمِيعِ الْأُمُورِ) یعنی ان مستثنیات وغیرہ میں۔ اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ استثنا کی بنیاد امام اعظم''ابوحنیفہ'' اور امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر ہے۔ اور بعض نے یہ کہا ہے: امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔

36714۔ (قولہ: فَلَهُ التَّصَرُّفُ فِي التَّرِكَةِ وَحْدَهُ) پس اس کے لیے ترکہ میں اکیلے تصرف کرنا جائز ہے، یہ بلاشبہ اس صورت میں درست ہوگا جب وہ زندہ وصی کو اپنا وصی بنا جائے، لیکن جب وہ کسی دوسرے آدمی کو وصی بنائے تو پھر تصرف کے وقت دونوں کا اکٹھا ہونا واجب ہے۔''حلبی''۔ اور اسی طرح''العزمیہ'' میں ہے۔

''ہدایہ'' میں کہا ہے: اگر ان دونوں میں سے فوت ہونے والا زندہ کو وصی بنالے تو ظاہر روایت کے مطابق زندہ کے لیے اکیلے تصرف کرنا بمنزلہ اس کے ہے جب وہ کسی دوسرے شخص کو وصی بنائے، اور قاضی کو کسی دوسرے آدمی کو وصی بنانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کیونکہ میت کی رائے حکماً اس کی رائے کے ساتھ باقی ہے جیسے وہ خلیفہ اور نائب بنا رہا ہے۔ اور امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے: وہ تصرف کے ساتھ منفرد نہیں ہوسکتا، کیونکہ موصی اس اکیلے کے تصرف کے ساتھ راضی نہیں بخلاف اس کے کہ جب وہ کسی غیر کو وصی بنائے۔ کیونکہ اس صورت میں اس کا تصرف دو کی رائے کے ساتھ نافذ ہوگا جیسا کہ فوت ہونے والا اس سے راضی ہو۔

36715۔ (قولہ: وَإِلَّا يُوصِ ضَمَّ الْقَاضِي إِلَيْهِ غَيْرَهُ) اور اگر وہ وصی نہ بنائے تو قاضی اس کے ساتھ کسی دوسرے کو ملا دے،''طرفین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک تو یہ ظاہر ہے کیونکہ ان دونوں میں سے باقی رہنے والا انفرادی طور پر تصرف کرنے سے عاجز ہے۔ پس قاضی میت کے عجز کے وقت اس کا لحاظ رکھتے ہوئے دوسرا وصی اس کے ساتھ ملا دے۔ لیکن امام''ابو یوسف''

أَقَامَ الْقَاضِي الْآخَرَ مَقَامَهُ أَوْ ضَمَّ إِلَيْهِ آخَرَ وَلَا تَبْطُلُ الْوَصِيَّةُ إِلَّا إِذَا أَوْصَى لَهُمَا أَنْ يَتَصَدَّقَا بِثُلُثِهِ حَيْثُ شَاءَا اهـ وَتَمَامُهُ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ،

قاضی دوسرے کو اس کا قائم مقام کر دے یا اس کے ساتھ کسی دوسرے کو ملا دے، اور وصیت باطل نہیں ہوتی، مگر جب وہ دونوں کو وصیت کرے کہ دونوں اس کا تہائی مال صدقہ کر دیں جہاں وہ دونوں چاہیں۔ اور اس کی مکمل بحث ''شرح الوہبانیہ'' میں ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ہے: ان میں سے زندہ اگرچہ تصرف پر قدرت رکھتا ہے اور موصی نے اسے خلیفہ بنانے کا قصد کیا ہے اور اس کے حقوق میں تصرف کرنے والے دو بچے ہیں، اور یہ پہلے کی جگہ دوسرے وصی کو مقرر کرنے کے بارے ممکن التحقیق ہے۔

''زیلعی'' اور ''ہدایہ''۔ اور یہ اس بارے میں صریح ہے کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں مخالفت نہیں کی۔ اور ''الولوالجیہ'' میں اختلاف کے بارے اعتماد و یقین کیا ہے، اور یہی دو قول ہیں جیسا کہ ''شارح'' اسے ذکر کریں گے۔

تنبیہ

موت کی مثل ہی یہ حالت ہے کہ اگر ان میں سے ایک پر جنون طاری ہو جائے یا اس میں وہ کیفیت پائی جائے جو اس کی معزولی کو واجب کر دے تو حاکم امین کو اس کا قائم مقام بنا دے۔ پس اگر حاکم ان میں سے دوسرے کی طرف نظر لوٹانے کا ارادہ کرے تو بلا اختلاف اس کے لیے یہ جائز نہیں۔ ''معراج''۔ لیکن ''الولوالجیہ'' میں ہے: اسی اختلاف پر ہے اگر ان میں سے ایک فاسق ہو جائے تو قاضی دوسرے کو اکیلے تصرف کرنے کے لیے چھوڑ دے یا اس کے ساتھ کسی دوسرے کو ملا دے۔ تامل۔ اور اسی میں ہے: اور اس طرح جب وہ دو آدمیوں کو وصی بنائے اور خود فوت ہو گیا پھر ان میں سے صرف ایک اسے قبول کرے یا موصی کے فوت ہونے سے پہلے ایک فوت ہو جائے پھر دوسرا قبول کرے تو ''طرفین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک قبول کرنے والا اکیلے تصرف نہیں کر سکتا۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ اکیلے تصرف کر سکتا ہے۔

36716۔ (قولہ: أَقَامَ الْقَاضِي الْآخَرَ مَقَامَهُ) قاضی دوسرے کو اس کا قائم مقام کر دے۔ یہ اس کے خلاف ہے جس کا مذکورہ تعلیل تقاضا کرتی ہے۔ تامل۔

36717۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا أَوْصَى لَهُمَا الخ) اس میں اولیٰ الیھما ہے پھر یہ تب ہے جب وہ مصرف معین نہ کرے، پس اگر وہ مصرف معین کر دے تو وصیت باطل نہ ہوگی۔ ''الولوالجیہ'' میں کہا ہے: کسی نے دو آدمیوں کو وصی بنایا اور دونوں کو کہا: میرے مال کا تہائی حصہ جہاں تم چاہو خرچ کرو پھر ان میں سے ایک فوت ہو گیا تو وصیت باطل ہو جائے گی اور وہ تہائی حصہ ورثا کی طرف لوٹ جائے گا۔ کیونکہ اس نے ان دونوں کی مشیت پر اسے معلق کیا ہے اور موت کے بعد اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور اگر وہ کہے: میں نے اپنے مال کا تہائی حصہ مساکین کے لیے کر دیا دونوں وصی اسے مساکین میں سے جنہیں چاہیں دے سکتے ہیں پھر ان میں سے ایک وصی فوت ہو گیا تو قاضی دوسرا وصی مقرر کر دے گا۔ ''ظہیریہ'' میں یہ زائد ہے: اور اگر قاضی چاہے تو اس دوسرے کو کہہ دے تو اکیلے ہی اسے رکھ۔

وَهَلْ فِيهِ خِلَافُ أَبِي يُوسُفَ؟ قَوْلَانِ وَعَنْهُ أَنَّ الْمُشْرِفَ يَنْفَرِدُ دُونَ الْوَصِيِّ كَمَا حَرَّرْتُه فِيمَا عَلَّقْتُه عَلَى الْمُلْتَقَى وَيَأْتِي

اور کیا اس میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے؟ اس میں دو قول ہیں۔ اور آپ سے یہ بھی ہے کہ مشرف (نگران) منفرد ہو سکتا ہے نہ کہ وصی جیسا کہ میں نے اسے اس میں تحریر کیا ہے جو میں نے ''الملتقی'' پر تعلیق کی ہے اور وہ آگے آرہا ہے۔

36718۔ (قولہ: وَهَلْ فِيهِ الخ) یعنی اس صورت میں جب ان میں سے ایک فوت ہو جائے اور وہ کسی دوسرے کو وصی نہ بنائے۔ ''قہستانی'' نے کہا ہے: پس اگر ان دو وصیوں میں سے ایک فوت ہو جائے تو واجب ہے کہ وہ دوسرا وصی مقرر کرے اس لیے کہ زندہ وصی تصرف کرنے سے عاجز ہے۔ ہمارے مشائخ کے نزدیک اس میں اختلاف ہے۔ اور ان میں سے بعض نے کہا ہے: اس پر تمام کا اتفاق ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: کیونکہ یہ اس کو حاصل کرنا ہے جس کا موصی نے دو میں سے ہر ایک کو دوسرے پر نگران مقرر کر کے قصد کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: جو ہم نے پہلے ''زیلعی'' اور ''ہدایہ'' سے بیان کیا ہے وہ اس بارے میں صریح ہے کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''طرفین'' رحمہما اللہ کے ساتھ موافقت کی ہے۔ اور ''الولوالجیہ'' میں اختلاف کا ذکر صریح ہے جیسا کہ آپ جان چکے ہیں۔

مشرف کا معنی اور اس کے تصرف کا شرعی حکم

36719۔ (قولہ: كَمَا حَرَّرْتُه الخ) جیسا کہ میں نے اسے تحریر کر دیا ہے جہاں انہوں نے کہا: لیکن اتفاق کے بارے قول میں اس کا احساس اور شعور دلانا ہے کہ اگر وہ وصی پر نگران مقرر کرے تو ان میں سے کوئی ایک بلا اختلاف انفرادی تصرف نہیں کر سکتا باوجود اس کے کہ اس میں اختلاف ہے۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ مشرف (نگران) انفرادی تصرف کر سکتا ہے نہ کہ وصی جیسا کہ ''قہستانی'' میں ''ذخیرہ'' سے منقول ہے۔

میں کہتا ہوں: اور ''المجتبیٰ'' میں ہے: اس نے وصی کے لیے نگران مقرر کر دیا تو پھر وہ اس کے بغیر تصرف نہیں کر سکتا۔ اور کہا گیا ہے: مشرف کے لیے تصرف کرنا جائز ہے۔

36720۔ (قولہ: وَيَأْتِي) یعنی فروع میں آئے گا، اور جو وہاں آئے گا وہ ''المجتبیٰ'' کی عبارت ہے۔

تنبیہ

مشرف بمعنی ناظر (نگران) ہے۔ اور ''ہندیہ'' میں ہے: مال محفوظ اور روک کر رکھنے میں وصی اولیٰ ہے، اور مشرف وصی نہیں ہوتا۔ اور اس کے مشرف ہونے کا اثر یہ ہے کہ اس کے علم کے بغیر وصی کا تصرف جائز نہیں ہوتا۔ اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے جیسا کہ ''أدب الاوصیاء'' میں ''الخاصی'' سے منقول ہے۔ ''حامدیہ''۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: وہ وصی ہوتا ہے۔ پس ان دونوں میں سے کوئی ایک اس بارے میں انفرادی تصرف نہیں کر سکتا جس میں دو وصیوں میں سے کوئی ایک انفرادی تصرف نہیں کر سکتا۔ اور ''قاضیخان'' نے اسے بیان کیا ہے اور عادت کے مطابق یہی ان کا معتمد علیہ ہے جیسا کہ اسے ''زواہر الجواہر'' میں بیان کیا ہے۔

(وَوَصِيُّ الْوَصِيِّ) سَوَاءٌ أَوْصَى إِلَيْهِ فِي مَالِهِ أَوْ مَالِ مُوصِيهِ وِقَايَةٌ (وَصِيٌّ فِي التَّرِكَتَيْنِ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ
اور وصی کا وصی چاہے وہ اسے اپنے مال میں وصی بنائے یا اپنے موصی کے مال میں وہ دونوں ترکوں میں وصی ہے بخلاف امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے۔

فرع

اس نے ایک آدمی کو وصی بنایا اور اسے حکم دیا کہ وہ فلاں آدمی کی رائے کے ساتھ کام کرے تو وہی وصی ہے اور اس کے لیے اس کی رائے کے بغیر کام کرنا جائز ہے۔ اور اگر وہ اسے اس طرح کہے: ''تو کام نہ کر مگر اس کی رائے کے ساتھ'' تو وہ دونوں وصی ہوں گے۔ کیونکہ پہلا مشورہ ہے اور یہ دوسرا نہی ہے۔ ''ولولوالجیہ'' اور ''الخانیہ'' میں ہے: اور یہی زیادہ مناسب ہے۔

تتمہ

اگر مال کی حفاظت میں دو وصیوں کا اختلاف ہو جائے تو اگر مال کی تقسیم کا احتمال ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کے پاس نصف نصف ہو جائے گا، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر وہ وقت کے اعتبار سے آپس میں موافقت کریں گے یا پھر اسے ودیعت رکھ دیں گے۔ کیونکہ دونوں کو ودیعت رکھنے کی ولایت حاصل ہے۔ اسے ''بیری'' نے ''البدائع'' سے نقل کیا ہے۔

وصی کے وصی کا شرعی حکم اور اقسام

36721۔ (قولہ: وَوَصِيُّ الْوَصِيِّ) اور وصی کا وصی اگرچہ وہ دور کا ہو جیسا کہ ''جامع الفصولین'' میں ہے: یعنی اس طرح کہ یہ دوسرا کسی دوسرے کو وصی بنائے اور آگے اس طرح ہو۔

36722۔ (قولہ: سَوَاءٌ أَوْصَى إِلَيْهِ فِي مَالِهِ أَوْ مَالِ مُوصِيهِ) برابر ہے وہ اسے اپنے مال میں یا اپنے موصی کے مال میں وصی بنائے۔ اسی کے موافق وہ بھی ہے جو ''الملتقی'' میں ہے جہاں انہوں نے کہا ہے: وصی کا وصی دونوں ترکوں میں وصی ہوگا۔ اور اسی طرح حکم ہے اگر وہ اسے دو میں سے ایک میں وصی بنائے۔ اس میں ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا اختلاف ہے۔ لیکن ''رملی'' نے کہا ہے: اس مسئلہ کی چار قسمیں ہیں: کیونکہ یا تو وہ مبہم کلام کرتا ہے اور کہتا ہے: میں نے تجھے اس کا وصی بنایا جو میرے بعد ہے یا میں نے تجھے وصی بنایا یا اس طرح کے الفاظ، یا بیان کرتا ہے اور کہتا ہے: میں نے تجھے اپنے ترکہ میں، یا کہتا ہے: موصی کے ترکہ میں، یا کہتا ہے: دونوں ترکوں میں وصی بنایا۔ پس جب وہ مبہم رکھے یا بیان کرے اور کہے: ''دونوں ترکوں میں'' تو وہ ان کے نزدیک دونوں میں وصی ہوگا بخلاف امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''زفر'' رحمۃ اللہ علیہ کے۔ اور اس نے کہا: اپنے ترکہ میں (فی ترکتی) تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس میں دو روایتیں ہیں۔ آپ سے ظاہر روایت یہی ہے کہ وہ دونوں میں وصی ہوگا۔ کیونکہ اس کے موصی کا ترکہ اسی کا ترکہ ہے جیسا کہ ''الاختیار'' میں اس کے بارے تصریح ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما سے بھی دو روایتیں ہیں۔ ان میں سے اظہر یہ ہے کہ وہ اپنے ترکہ پر ہی اقتصار کرے گا۔ اور اگر اس نے فی ترکۃ الاول کہا تو پھر وہ ایسے ہی ہوگا جیسے انہوں نے کہا ہے جیسا کہ ''التاتر خانیہ'' میں ''شرح الطحاوی'' سے ہے اور ''الاختیار'' کی تعلیل

(وَتَصِحُّ قِسْمَتُهُ) أَيِ الْوَصِيِّ حَالَ كَوْنِهِ (نَائِبًا عَنْ وَرَثَةٍ) كِبَارٍ (غُيَّبٍ أَوْ صِغَارٍ مَعَ الْمُوصَى لَهُ) بِالثُّلُثِ (وَلَا رُجُوعَ) لِلْوَرَثَةِ (عَلَيْهِ) أَيِ الْمُوصَى لَهُ (إِنْ ضَاعَ قِسْطُهُمْ مَعَهُ) أَيِ الْوَصِيِّ لِصِحَّةِ قِسْمَتِهِ حِينَئِذٍ

اور وصی کی تقسیم صحیح ہوتی ہے اس حال میں کہ وہ ورثا کا نائب ہو۔ ورثا بالغ غائب ہوں یا صغیر ہوں اس کے ساتھ جس کے لیے تہائی مال کی وصیت کی گئی ہو، اور پھر ورثا کے لیے موصی لہ پر رجوع کرنے کا حق نہیں اگر وصی کے ساتھ ان کا حصہ ضائع ہو جائے اس لیے کہ اس وقت اس کی تقسیم صحیح ہے۔

بھی اسی کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ کیونکہ اس کا ترکہ ترکہ اولی نہیں ہے بخلاف اس کے قول ترکتی کے۔ کیونکہ اس کے موصی کا ترکہ اسی کا ترکہ ہے پس لفظ اسے شامل ہوگا۔ سو تو اس تحریر کو غنیمت جان کیونکہ یہ منفرد ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ جو ''شارح'' نے ذکر کیا ہے اسے اس آخری صورت کے بغیر خاص کر دیا جائے۔ تامل۔

وصی کی تقسیم کی صحت یا عدم صحت کا شرعی حکم

36723۔ (قولہ: وَتَصِحُّ قِسْمَتُهُ الخ) اور اس کی تقسیم صحیح ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہے: ایک آدمی نے ایک آدمی کو وصی بنایا اور دوسرے کے لیے اپنے مال میں سے تہائی کی وصیت کی اور اس کے وارث صغیر ہوں یا بالغ غائب ہوں۔ پس وصی نے ورثا کا نائب بن کر موصی لہ کے ساتھ ترکہ تقسیم کیا اور اسے تہائی حصہ دے دیا اور دو تہائی ورثا کے لیے روک لیا تو یہ تقسیم ورثا پر نافذ ہو جائے گی بخلاف اس کے برعکس کے اور وہ اس کا موصی لہ کا نائب بن کر وارث کے ساتھ مال کی تقسیم ہے۔ کیونکہ ورثا اور وصی دونوں میت کے خلیفہ ہیں۔ پس وصی کا ان کی طرف سے خصم ہونا اور ان کے قائم مقام ہونا جائز ہے۔ رہا موصی لہ تو وہ کسی اعتبار سے میت کا خلیفہ نہیں ہے۔ پس اس کے اور وصی کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے کہ وہ تقسیم کے نفاذ میں اس کی طرف سے خصم اور اس کا قائم مقام ہو۔ اس کی مکمل بحث ''العنایہ'' میں ہے۔

اور امام ''المحبوبی'' نے ''شیخ الاسلام'' کی ''مبسوط'' سے ذکر کیا ہے کہ وہ پہلی صورت میں سامان اور زمین میں جائز ہے اگر ورثا صغیر ہوں ورنہ صرف سامان میں جائز ہے۔ اور دوسری صورت میں دونوں میں باطل ہے جیسا کہ ''الکفایہ'' اور ''المعراج'' وغیرہ میں ہے، اور اسی پر ''زیلعی'' نے اعتماد کیا ہے۔ ''العنایہ'' میں کہا ہے: منقولہ سامان اور زمین کے درمیان فرق یہ ہے کہ ورثا اگر صغیر ہوں تو وصی کے لیے ان دونوں کی بیع کرنا جائز ہے۔ اور اگر وہ بالغ ہوں تو پھر زمین کی بیع کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہے اور منقولہ سامان کی بیع کا اختیار ہے۔ اور اسی طرح تقسیم بھی ہے کیونکہ وہ بھی بیع کی ایک نوع ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ تب ہے جب ترکہ میں دین (قرض) نہ ہو، ورنہ اس کے لیے زمین کی بیع کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ پھر تو جان کہ اس سے مراد صغار کا حصہ دوسروں سے الگ کرنا ہے۔ رہا یہ کہ اگر وہ ہر صغیر کا حصہ دوسرے سے الگ کرنے کا ارادہ کرے تو یہ جائز نہیں ہے۔ اور اس کی مکمل بحث عنقریب وصایا کے آخر فروع میں آئے گی۔

36724۔ (قولہ: غُيَّبٍ) یعنی وہ تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت پر ہو۔ ''قہستانی''۔

(وَ) أَمَّا (قِسْمَتُهُ عَنْ الْمُوصَى لَهُ) الْغَائِبِ أَوْ الْحَاضِرِ بِلَا إِذْنِهِ (مَعَهُمْ) أَيْ الْوَرَثَةِ وَلَوْ صِغَارًا زَيْلَعِيٌّ (فَلَا تَصِحُّ، وَحِينَئِذٍ (فَيَرْجِعُ الْمُوصَى لَهُ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ) مِنْ الْمَالِ (إذَا ضَاعَ قِسْطُهُ) لِأَنَّهُ كَالشَّرِيكِ (مَعَهُ) أَيْ مَعَ الْوَصِيِّ، وَلَا يَضْمَنُ الْوَصِيُّ لِأَنَّهُ أَمِينٌ. (وَصَحَّ قِسْمَةُ الْقَاضِي وَأَخْذُهُ قِسْطَ الْمُوصَى لَهُ إنْ غَابَ) الْمُوصَى لَهُ فَلَا شَيْءَ لَهُ إنْ هَلَكَ فِي يَدِ الْقَاضِي أَوْ أَمِينِهِ وَهَذَا (فِي الْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ) لِأَنَّهُ إفْرَازٌ (وَفِي غَيْرِهِمَا لَا تَجُوزُ) لِأَنَّهُ مُبَادَلَةٌ كَالْبَيْعِ، وَبَيْعُ مَالِ الْغَيْرِ لَا يَجُوزُ فَكَذَا الْقِسْمَةُ (وَإِنْ قَاسَمَهُمْ الْوَصِيُّ فِي الْوَصِيَّةِ

اور رہی موصی لہ غائب یا حاضر کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر ورثا کے ساتھ اس کی تقسیم اگرچہ وہ صغار ہوں تو وہ صحیح نہیں ہوتی۔ ''زیلعی''۔ اور اس وقت موصی لہ مابقی مال کے تہائی کے ساتھ رجوع کر سکتا ہے جب اس کا حصہ ضائع ہو جائے۔ کیونکہ وہ وصی کے ساتھ شریک کی مثل ہے۔ اور وصی ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ تو امین ہے۔ اور قاضی کا تقسیم کرنا اور اس کا موصی لہ کا حصہ لے لینا صحیح ہے۔ اگر موصی لہ غائب ہو تو اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی اگر وہ قاضی یا اس کے امین کے ہاتھ میں ضائع ہو گیا۔ اور یہ حکم کیلی اور وزنی چیزوں میں ہے۔ کیونکہ یہ محض الگ اور جدا کرنا ہے اور ان دونوں کے سوا میں یہ جائز نہیں۔ کیونکہ وہ بیع کی طرح مبادلہ ہے اور کسی دوسرے کے مال کی بیع جائز نہیں ہوتی۔ پس اسی طرح تقسیم بھی ہے۔ اگر وصی حج کے بارے وصیت میں انہیں تقسیم کرے

36725۔ (قولہ: فَيَرْجِعُ الْمُوصَى لَهُ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ) پس موصی لہ مابقی مال جو ورثا کے ہاتھوں میں ہے اس کے ثلث کے بارے رجوع کرے گا اگر وہ موجود ہو، اور اگر وہ ان کے پاس ہلاک ہو جائے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ انہیں اس کے ثلث کی مقدار کا ضامن بنائے جس پر انہوں نے قبضہ کیا، اور اگر چاہے تو وصی کو اتنی مقدار کا ضامن ٹھہرائے۔ کیونکہ اس نے انہیں مال دے کر اور ورثا نے اس پر قبضہ کر کے اس میں تعدی کی ہے۔ پس وہ دونوں میں سے جسے چاہے ضامن ٹھہرائے۔ ''زیلعی''۔ اور یہ حکم تب ہے جب تقسیم قاضی کے حکم کے بغیر ہو۔ لیکن اگر وہ اس کے حکم کے ساتھ تقسیم کرے تو وہ جائز ہے اور وہ اس صورت میں رجوع نہیں کر سکتا۔ ''مسکین''۔

36726۔ (قولہ: لِأَنَّهُ كَالشَّرِيكِ) کیونکہ وہ ورثا کے لیے شریک کی طرح ہے۔ پس مال مشترک میں سے جو ہلاک ہو جائے وہ شرکت پر ہلاک ہوتا ہے اور جو باقی رہ جائے وہ اسی پر ہی باقی رہتا ہے۔ ''زیلعی''۔

36727۔ (قولہ: مَعَهُ) یہ ضاع کے متعلق ہے۔

36728۔ (قولہ: لِأَنَّهُ أَمِينٌ) کیونکہ وہ امین ہے، یعنی اسے حفاظت کی ولایت حاصل ہے۔ ''زیلعی''۔

قاضی کی تقسیم کا شرعی حکم

36729۔ (قولہ: وَصَحَّ قِسْمَةُ الْقَاضِي) اور قاضی کی تقسیم صحیح ہے۔ کیونکہ وہ عاجز کے حق میں ناظر (نگران) اور غائب کے حصہ کو الگ کرنے والا ہے اور اس کا قبضہ نظر و فکر کے ساتھ ہے۔ پس وہ اس پر نافذ ہوگا اور صحیح ہے۔ ''زیلعی''۔

بِحَجٍّ حَجَّ) عَنْ الْمَيِّتِ (بِثُلُثِ مَا بَقِيَ إِنْ هَلَكَ) الْمَالُ (فِي يَدِهِ أَوْ فِي يَدِ (مَنْ دُفِعَ إِلَيْهِ لِيَحُجَّ) خِلَافًا لَهُمَا وَقَدْ تَقَرَّرَ فِي الْمَنَاسِكِ (وَلَوْ أَفْرَزَ الْمَيِّتُ شَيْئًا مِنْ مَالِهِ لِلْحَجِّ فَضَاعَ بَعْدَ مَوْتِهِ لَا) يُحَجُّ عَنْهُ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ لِأَنَّهُ عَيَّنَهُ فَإِذَا هَلَكَ بَطَلَتْ (وَصَحَّ بَيْعُ الْوَصِيِّ عَبْدًا مِنْ التَّرِكَةِ بِغَيْبَةِ الْغُرَمَاءِ) لِلْغُرَمَاءِ لِتَعَلُّقِ حَقِّهِمْ بِالْمَالِيَّةِ (وَضَمِنَ وَصِيٌّ بَاعَ مَا أَوْصَى بِبَيْعِهِ وَتَصَدَّقَ بِثَمَنِهِ فَاسْتَحَقَّ الْعَبْدُ بَعْدَ هَلَاكِ ثَمَنِهِ)

تو مابقی مال کے تہائی سے میت کے لیے حج کیا جائے اگر مال اس کے پاس ہلاک ہو یا اس کے پاس جسے حج کرنے کے لئے دیا جائے بخلاف ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے۔ البتہ یہ مناسک حج کی کتابوں میں ثابت ہے۔ اور اگر میت نے اپنے مال سے حج کے لیے کچھ مال الگ کیا اور وہ اس کے فوت ہونے کے بعد ضائع ہو گیا تو پھر مابقی مال کے ثلث کے ساتھ اس کی طرف سے حج نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے وہ مال معین کر دیا تھا اور جب وہ ہلاک ہو گیا تو وصیت باطل ہو گئی۔ اور وصی کا ترکہ سے غلام بیچنا قرض خواہوں کے لیے ان کی عدم موجودگی میں صحیح ہے اس لیے کہ ان کا حق مالیت کے ساتھ متعلق ہے۔ اور وصی اس کا ضامن ہو گا جب اس نے اسے فروخت کیا جسے بیچنے کی اسے وصیت کی گئی اور اس کے ثمن صدقہ کر دیئے پھر اس کے ثمن اس کے پاس سے ہلاک ہونے کے بعد

36730۔ (قولہ: حَجَّ عَنْ الْمَيِّتِ بِثُلُثِ مَا بَقِيَ) مابقی مال کے ثلث کے ساتھ میت کی طرف سے حج کیا جائے یعنی حکم دینے والے کے گھر سے یا وہاں سے جہاں سے وہ پہنچ سکتا ہو۔ اور اسی طرح حکم ہے اگر وہ دوسری اور تیسری بار ہلاک ہو جائے، مگر یہ کہ اس کے ثلث سے اتنا باقی نہ رہے جو حج کے لیے کافی ہو سکتا ہو تو پھر وصیت باطل ہو جائے گی جیسا کہ باب الحج عن الغیر میں گزر چکا ہے۔

36731۔ (قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) بخلاف ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے۔ پس امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اگر الگ کیا ہوا مال ثلث کو مستغرق ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی اور اس کی طرف سے حج نہ کیا جائے، اور اگر ثلث کو مستغرق نہ ہو تو کل مال کے ثلث کی تکمیل تک ثلث لے کر مابقی کے ساتھ اس کی طرف سے حج کیا جائے گا۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: کسی بھی شے کے ساتھ اس کی طرف سے حج نہیں کیا جائے گا ہم نے اسے مناسک میں ثابت کر دیا ہے۔ ''زیلعی''۔

36732۔ (قولہ: لِتَعَلُّقِ حَقِّهِمْ بِالْمَالِيَّةِ) اس لیے کہ ان کا حق مالیت کے ساتھ متعلق ہے نہ کہ صورت سے، [illegible] اور بیع مالیت کو باطل نہیں کرتی اس لیے کہ اس میں مالیت خلف (نائب) سے بدل جاتی ہے اور وہ ثمن ہیں بخلاف اس غلام کے جسے تجارت کرنے کی اجازت دی گئی۔ کیونکہ آقا کے لیے اس کی بیع کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس کے قرض خواہوں کا اس سے حق اور محنت کرانے کا حق ہے بخلاف اس صورت کے جس میں ہم بحث کر رہے ہیں۔ ''زیلعی''۔

36733۔ (قولہ: بَاعَ مَا أَوْصَى بِبَيْعِهِ) اسے بیچا جسے بیچنے کی اسے وصیت کی گئی، یعنی اس نے غلام بیچا۔ اور اگر ''مصنف'' اس کے بارے دوسروں کی طرح تصریح کر دیتے وہ زیادہ ظاہر ہوتا اس لیے کہ ''درر'' کا قول ہے: فاستحق العبد۔

أَيْ ضَيَاعِهِ (عِنْدَهُ) لِأَنَّهُ الْعَاقِدُ فَالْعُهْدَةُ عَلَيْهِ (وَرَجَعَ) الْوَصِيُّ (فِي التَّرِكَةِ) كُلِّهَا وَقَالَ مُحَمَّدٌ فِي الثُّلُثِ، قُلْنَا إِنَّهُ مَغْرُورٌ فَكَانَ دَيْنًا، حَتَّى لَوْ هَلَكَتْ التَّرِكَةُ أَوْ لَمْ تَفِ فَلَا رُجُوعَ وَفِي الْمُنْتَقَى أَنَّهُ يَرْجِعُ عَلَى مَنْ تَصَدَّقَ عَلَيْهِمْ لِأَنَّ غُنْمَهُ لَهُمْ فَغُرْمُهُ عَلَيْهِمْ (كَمَا يَرْجِعُ فِي مَالِ الطِّفْلِ وَصِيٌّ بَاعَ مَا أَصَابَهُ) أَيْ الطِّفْلَ (مِنْ التَّرِكَةِ وَهَلَكَ ثَمَنُهُ مَعَهُ فَاسْتَحَقَّ) الْمَالَ الْمَبِيعَ، وَالطِّفْلُ يَرْجِعُ عَلَى الْوَرَثَةِ بِحِصَّتِهِ لِانْتِقَاضِ الْقِسْمَةِ بِاسْتِحْقَاقِ مَا أَصَابَهُ (وَصَحَّ احْتِيَالُهُ بِمَالِ الْيَتِيمِ لَوْ خَيْرًا) بِأَنْ يَكُونَ الثَّانِي أَمْلَأَ، وَلَوْ مِثْلَهُ لَمْ يَجُزْ مُنْيَةٌ

کسی اور آدمی کو اس غلام کا مستحق بنادیا گیا۔ کیونکہ وصی ہی عقد کرنے والا ہے لہٰذا ذمہ داری بھی اسی پر ہوگی۔ اور پھر وصی کل ترکہ سے اسے واپس لوٹالے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: وہ ثلث ترکہ سے واپس لے گا۔ ہم کہتے ہیں: بلاشبہ اس سے دھوکا ہوا ہے پس وہ دین ہوگا یہاں تک کہ اگر ترکہ ہلاک ہوجائے یا وہ کافی نہ ہو تو پھر کوئی رجوع نہیں ہے۔ اور ''المنتقی'' میں ہے کہ وہ ان کی طرف رجوع کرے گا جن پر اس نے صدقہ کیا۔ کیونکہ اس کا نفع ان کے لیے ہے تو پھر اس کا نقصان اور تاوان بھی انہی پر ہوگا جیسا کہ بچے کے مال میں وہ رجوع کرسکتا ہے جب وصی اسے بیچ دے جو ترکہ میں بچے کے حصہ میں آیا ہے اور اس کے پاس اس کے ثمن ہلاک ہوگئے۔ پھر اس مال مبیع کا کوئی اور مستحق نکل آیا، اور بچہ اپنے حصہ کے لیے ورثا کی طرف رجوع کرے گا، اس لیے دوسرے آدمی کے استحقاق کی وجہ سے تقسیم ٹوٹ گئی ہے۔ اور وصی کا یتیم کے مال کے بارے حوالہ قبول کرنا صحیح ہے اگر وہ بہتر ہو اس اعتبار سے کہ دوسرا زیادہ خوشحال اور مالدار ہو، اور اگر وہ بھی اسی کی مثل ہو تو پھر جائز نہیں۔ ''منیہ''۔

36734۔ (قولہ: أَيْ ضَيَاعِهِ) یعنی اس کے ثمن ضائع ہونے کے بعد، یہ ظاہر ہے کہ ہلاک ہونے سے مراد وہی ہے جو صدقہ کرنے کو شامل ہے جیسا کہ عنقریب آرہا ہے۔

36735۔ (قولہ: لِأَنَّهُ الْعَاقِدُ) کیونکہ وہ عقد کرنے والا ہے یہ ''مصنف'' کے قول: وضمن وصیٌ کی علت کا بیان ہے۔

36736۔ (قولہ: قُلْنَا إِنَّهُ مَغْرُورٌ) ہم کہتے ہیں: بلاشبہ اس سے دھوکا ہوا ہے۔ کیونکہ میت نے جب اسے اس کی بیع کرنے اور اس کے ثمن صدقہ کرنے کا حکم دیا تو گویا اس نے یہ کہا: کہ یہ غلام میری ملکیت ہے۔ ''عنایہ''۔

36737۔ (قولہ: فَلَا رُجُوعَ) تو کوئی رجوع نہیں ہے نہ ورثا پر اور نہ ہی مساکین پر اگر اس نے ان پر صدقہ کیا ہے۔ کیونکہ بیع میت کے لیے ہی واقع ہوئی ہے تو یہ اس طرح ہوگیا جیسا کہ جب میت پر کوئی دوسرا دین ہو۔ ''عنایہ''۔

36738۔ (قولہ: وَفِي الْمُنْتَقَى الخ) ''العنایہ'' میں کہا ہے: یہ روایت ''جامع صغیر'' کی روایت کے مخالف ہے۔ اور ''جامع صغیر'' کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ میت اس تصرف کے نفع میں اصل ہے اور وہ ثواب ہے اور فقیر تابع ہے۔

وصی کا یتیم کے مال کا حوالہ کرنے کا شرعی حکم

36739۔ (قولہ: وَلَوْ مِثْلَهُ لَمْ يَجُزْ) اور اگر اس کی مثل ہو تو پھر جائز نہیں، یہ دو قولوں میں سے ایک ہے۔ ''الکفایہ''

(وَصَحَّ بَيْعُهُ وَشِرَاؤُهُ مِنْ أَجْنَبِيٍّ بِمَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ)

اور اجنبی سے اس کا اتنے کے عوض بیع وشرا کرنا صحیح ہے جتنا لوگ ایک دوسرے سے دھوکا کھاتے رہتے ہیں۔

میں کہا ہے: اور ''کتاب'' میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ جائز نہیں ہے یعنی اس حیثیت سے کہ جواز خوشحالی کے ساتھ مقید کیا ہے، اور یہ تب ہے جب دین میت کو قرض دینے کے ساتھ ثابت ہو، پس اگر وہ وصی کو قرض دینے کے ساتھ ہو تو وہ جائز ہے چاہے وہ یتیم کے لیے باعث نفع ہو یا اس کے لیے شر اور نقصان کا سبب ہو مگر وہ جب اس کے لیے بہتر اور نفع کا باعث ہو تو بالاتفاق جائز ہے، یہاں تک کہ جب وہ ادراک کرلے تو اس کے لیے اسے توڑنا جائز نہیں، اور اگر وہ اس کے لیے نقصان دہ ہو تو اسے توڑنا جائز ہے۔ اور ''طرفین'' رحمۃاللہ علیہما کے نزدیک وصی یتیم کے لیے ضامن ہوگا۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃاللہ علیہ کے نزدیک وہ جائز نہیں ہے۔ اسے ''اتقانی'' نے ''شرح الطحاوی'' سے نقل کیا ہے۔

وصی کا کسی اجنبی کے ساتھ بیع وشرا کا شرعی حکم

36740۔ (قولہ: وَصَحَّ بَيْعُهُ وَشِرَاؤُهُ) اور اس کا خرید وفروخت کرنا صحیح ہے۔ ان دونوں کو مطلق ذکر کیا ہے۔ پس یہ نقد اور متعارف مدت تک ادھار بیع کو شامل ہے لیکن خوشحال اور مالدار آدمی سے۔ پس اگر وہ مفلس ہو تو اس کا ذکر عنقریب وصایا کے آخر فروع میں آئے گا۔ ''الخانیہ'' میں کہا ہے: جب اس نے میت کے ترکہ سے کوئی شے ادھار بیچی۔ پس اگر اس سے یتیم کو نقصان ہوتا ہو اس طرح کہ مدت بہت زیادہ ہو تو وہ جائز نہیں ہے۔ ''رملی''۔

36741۔ (قولہ: مِنْ أَجْنَبِيٍّ) یعنی ایسے آدمی سے جو میت اور وصی سے اجنبی ہو۔ پس اگر اس نے اپنے آپ سے بیع کی تو اس کا ذکر آگے آرہا ہے، یا اس سے بیع کی جس کی شہادت اس کے لیے قبول نہیں کی جاتی، یا میت کے وارث سے بیع کی تو یہ جائز نہیں ہے۔ ''جامع الفصولین'' میں کہا ہے: مضارب کا ایسے آدمی سے تھوڑے سے محاباۃ کے ساتھ بیع کرنا جس کی شہادت اس کے لیے جائز نہ ہو جائز نہیں۔ اور اسی طرح وصی کا حکم ہے اگر وہ ان سے بیع کرے۔ پس اگر مثلی قیمت کے ساتھ بیع کرے تو وہ جائز ہے۔ اور اگر صحیح اور صحت مند وارث اپنے مریض مورث سے مثلی قیمت پر خرید وفروخت کرے تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃاللہ علیہ کے نزدیک وہ جائز نہیں۔ اور اگر غبن یسیر کے ساتھ کرے تو پھر بالاجماع جائز نہیں۔ کیونکہ وہ اس سے بیع وصی کی طرح ہے اور میت کا وصی اگر وارث کے ساتھ مثلی قیمت پر عقد کرے تو اس میں مذکورہ اختلاف ہے۔

تنبیہ

''الخانیہ'' میں کہا ہے: دو یتیم ہیں، دونوں میں سے ہر ایک کے لیے وصی ہے تو ایک وصی کے لیے اپنے یتیم کی خاطر دوسرے وصی سے کوئی شے خریدنا جائز نہیں۔ کیونکہ اوصیاء کے تصرفات خیر ونفع اور یتیم کے لیے نظر وفکر کے ساتھ مقید ہوتے ہیں۔ پس یہاں اگر ایک کی طرف سے خیر اور نفع پایا بھی جائے تو پھر دوسرے کی جانب سے یقیناً نہیں پایا جائے گا اس لیے اس کا تصرف جائز نہیں ہوگا۔

لَا بِمَا لَا يَتَغَابَنُ وَهُوَ الْفَاحِشُ لِأَنَّ وَلَايَتَهُ نَظَرِيَّةٌ، فَلَوْ بَاعَ بِهِ كَانَ فَاسِدًا حَتَّى يَمْلِكَهُ الْمُشْتَرِي بِالْقَبْضِ قُهُسْتَانِيٌّ، وَهَذَا إِذَا تَبَايَعَ الْوَصِيُّ لِلصَّغِيرِ مَعَ الْأَجْنَبِيِّ (وَإِنْ بَاعَ) الْوَصِيُّ (أَوْ اشْتَرَى) مَالَ الْيَتِيمِ (مِنْ نَفْسِهِ،

لیکن اتنے دھوکا کے ساتھ نہیں جو لوگ نہیں کھاتے اور وہ غبن فاحش ہے۔ کیونکہ اس کی ولایت نظری ہے۔ پس اگر اس نے غبن فاحش کے ساتھ بیع کی تو وہ فاسد ہوگی حتیٰ کہ مشتری قبضہ کرنے کے ساتھ مالک ہو جائے گا۔ ''قہستانی''۔ اور یہ تب ہے جب وصی صغیر کے لیے اجنبی کے ساتھ بیع کرے۔ اور اگر وصی یتیم کے مال کی خرید و فروخت اپنے ساتھ کرے

میں کہتا ہوں: یہ مشکل ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے اجنبی ہے اور اس نے اپنے لیے نہیں خریدی بلکہ اپنے یتیم کے لیے خریدی ہے۔ پس خیریت شرط نہیں ہوگی۔ پس چاہیے کہ اس میں غور و فکر کی جائے۔ مگر یہ کہ وہ اسے زمین کے ساتھ مقید کرے اور اس کی بیع نفقہ وغیرہ کے لیے نہ ہو تو اس وقت ضروری ہے کہ اسے دوگنا قیمت کے ساتھ بیچا جائے جیسا کہ آگے آئے گا۔ اور اس میں تعلیل ظاہر ہوئی ہے۔ اور میرے لیے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہی مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

36742_(قولہ: لَا بِمَا لَا يَتَغَابَنُ) نہ کہ اس کے ساتھ جس کے ساتھ لوگ دھوکہ نہیں کھاتے۔ اس کی تفسیر میں صحیح یہ ہے کہ وہ قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت داخل نہ ہو جیسا کہ ''البحر'' اور ''المنح'' وغیرہ میں ہے۔

36743_(قولہ: لِأَنَّ وَلَايَتَهُ نَظَرِيَّةٌ) کیونکہ اس کی ولایت نظری ہے۔ اور غبن فاحش میں کوئی نظر و فکر نہیں ہے بخلاف غبن یسیر کے۔ کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہوتا۔ ''زیلعی''۔

36744_(قولہ: كَانَ فَاسِدًا) یہ دو قولوں میں سے دوسرا ہے جنہیں ''القنیہ'' میں بیان کیا ہے۔ اور پہلا یہ ہے کہ وہ باطل ہے اور مشتری قبضہ کرنے کے ساتھ اس کا مالک نہیں ہوگا۔

36745_(قولہ: حَتَّى يَمْلِكَهُ الْمُشْتَرِي بِالْقَبْضِ) یہاں تک کہ مشتری قبضہ کرنے کے ساتھ مالک ہو جائے گا۔ اور کیا وصی غبن فاحش کا ضامن ہوگا؟ تو یہ ظاہر ہے ہاں وہ ضامن ہوگا۔ ''طحطاوی''۔

تنبیہ: مقروض مریض اگر محاباۃ کے ساتھ بیع کرے تو وہ جائز نہ ہوگی بخلاف اس کی موت کے بعد اس کے وصی کے۔ اور یہ عجیب مسائل میں سے ہے اس حیثیت سے کہ خلیفہ اور نائب محاباۃ کا مالک ہے لیکن مالک اور اصل کو اس کا اختیار نہیں۔ اسے ''الفصولین'' میں بیان کیا ہے۔

36746_(قولہ: وَهَذَا إِذَا تَبَايَعَ الْوَصِيُّ الخ) اور یہ تب ہے جب وصی بیع کرے، اس کی کوئی حاجت نہیں اس لیے کہ ''مصنف'' نے اس بارے تصریح کر دی ہے۔ ''طحطاوی''۔

36747_(قولہ: وَإِنْ بَاعَ الْوَصِيُّ) اور اگر وصی نے یتیم کا مال بیچا۔

36748_(قولہ: مِنْ نَفْسِهِ) یہ اشتری کے متعلق ہے اور ضمیر وصی کے لیے ہے۔

فَإِنْ كَانَ وَصِيَّ الْقَاضِي لَا يَجُوزُ ذٰلِكَ مُطْلَقًا لِأَنَّهُ وَكِيلُهُ (وَإِنْ كَانَ وَصِيَّ الْأَبِ جَازَ بِشَرْطِ مَنْفَعَةٍ ظَاهِرَةٍ لِلصَّغِيرِ وَهِيَ قَدْرُ النِّصْفِ زِيَادَةً أَوْ نَقْصًا وَقَالَا لَا يَجُوزُ مُطْلَقًا (وَبَيْعُ الْأَبِ مَالَ صَغِيرٍ مِنْ نَفْسِهِ جَائِزٌ

تو اگر وہ قاضی کی طرف سے وصی ہو تو یہ مطلقاً جائز نہیں۔ کیونکہ وہ اس کا وکیل ہے۔ اور اگر باپ کی طرف سے وصی ہو تو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس میں صغیر کے لیے منفعت ظاہر ہو، اور وہ زیادتی یا کمی کے اعتبار سے نصف کی مقدار ہو۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: وہ مطلقاً جائز نہیں۔ اور باپ کا صغیر کا مال اپنی ذات سے بیچنا جائز ہے

36749۔ (قولہ: لِأَنَّهُ وَكِيلُهُ) کیونکہ وہ قاضی کا وکیل ہے اور وکیل کا فعل موکل کے فعل کی مثل ہوتا ہے اور موکل کا فعل قضا ہے اور وہ اپنی ذات کے لیے فیصلہ نہیں کر سکتا۔ ''طحطاوی''۔

اگر صغیر کے باپ کا وصی یتیم کے مال کی بیع وشرا کرے تو اس کا شرعی حکم

36750۔ (قولہ: وَهِيَ قَدْرُ النِّصْفِ زِيَادَةً أَوْ نَقْصًا) اور وہ زیادتی اور کمی کے اعتبار سے نصف کی مقدار ہے، اس میں زیادتی کا تعلق خریدنے کے ساتھ ہے اور کمی کا تعلق بیچنے کے ساتھ ہے۔ (یعنی زیادہ قیمت پر خود خریدے اور کم قیمت پر بیچے)۔ ''زیلعی'' نے کہا ہے: منفعت ظاہرہ کی تفسیر یہ ہے کہ وہ پندرہ کی شے صغیر کو دس کے عوض فروخت کرے یا صغیر کے مال میں سے اپنی ذات کے لیے دس کے مساوی شے پندرہ کے عوض خریدے۔ ''أدب الاوصیاء'' میں کہا ہے: اور ''المنتقی'' میں ہے: کہ اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اور ''الخانیہ'' میں ہے: زمین کے سوا دیگر اشیا میں امام ''سرخسی'' نے خیریۃ کی تفسیر اسی کے ساتھ کی ہے۔ اور بعض کے نزدیک زمین میں یہ ہے کہ وہ دوگنا قیمت کے ساتھ اسے خریدے اور نصف قیمت کے ساتھ اسے فروخت کرے۔ اور ''الحافظیہ'' میں ہے: وصی کا اپنی ذات سے خرید وفروخت کرنا جائز ہے بشرطیکہ دونوں صورتوں میں نفع ظاہر ہو جیسا کہ نو کے مساوی شے دس کے عوض بیچنا اور دس کے مساوی شے نو کے عوض خریدنا۔

میں کہتا ہوں: جہاں تک تعلق ہے زمین کا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ شرا کے وقت خیریۃ اور بہتر قیمت کو دوگنا کرنا اور بیع میں قیمت کو نصف کرنا ہے۔ کیونکہ وہ کسی غیر کو دوگنا قیمت کے بغیر بیچنے پر قادر نہیں جیسا کہ گزر چکا ہے تو پھر اپنی ذات کے لیے اس سے کم قیمت کے عوض خریدنا اس کے لیے کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اور زمین کے سوا دیگر اشیا میں دس میں دو کی زیادتی اور دس سے دو کی کمی خیریۃ کی تفسیر میں میں کافی سمجھتا ہوں۔ کیونکہ غبن فاحش وہ ہوتا ہے جسے لوگ برداشت نہ کرتے ہوں۔ یہی اس کی تفسیر ہے جو ''أدب الاوصیاء'' میں ہے۔ اور اسی سے یہ معلوم ہوا کہ اس کی شرا کا صحیح ہونا منقولہ اشیا کے ساتھ خاص نہیں۔ فافہم

باپ کے لیے صغیر کا مال اپنی ذات کو مثلی قیمت یا غبن یسیر کے ساتھ بیچنا جائز ہے

36751۔ (قولہ: وَبَيْعُ الْأَبِ الخ) اور باپ کا بیع کرنا اسی کی مثل ہے کہ جب وہ اجنبی سے اس کی بیع کرے تو ایک حکم میں اس کی تین صورتیں ہیں، اور وہ باپ کا اپنی ذات سے بیع کرنا، یا اجنبی سے بیع کرنا، اور وصی کا اجنبی سے بیع کرنا ہے، ''طحطاوی''۔

میں کہتا ہوں: اور یہ تب ہے جب باپ عادل یا مستور الحال ہو، اور اگر وہ فاسد ہو تو اس کی منقولہ شے کی بیع کرنے میں دو

بِمِثْلِ الْقِيمَةِ وَبِمَا يُتَغَابَنُ فِيهِ) وَهُوَ الْيَسِيرُ وَإِلَّا لَا وَهٰذَا كُلُّهُ فِي الْمَنْقُولِ، أَمَّا فِي الْعَقَارِ فَسَيَجِيءُ۔ (وَلَوْ زَادَ الْوَصِيُّ عَلَى كَفَنِ مِثْلِهِ فِي الْعَدَدِ ضَمِنَ الزِّيَادَةَ، وَفِي الْقِيمَةِ وَقَعَ الشِّرَاءُ لَهُ، وَ) حِينَئِذٍ (ضَمِنَ مَا دَفَعَهُ مِنْ مَالِ الْيَتِيمِ) وَلْوَالِجِيَّةٌ (وَ) فِيهَا (لَوْ دَفَعَ الْمَالَ إِلَى الْيَتِيمِ قَبْلَ ظُهُورِ رُشْدِهِ

مثلی قیمت کے ساتھ اور اس قیمت کے ساتھ جس میں لوگ دھوکا کھاتے رہتے ہیں اور وہ غبن یسیر ہے ورنہ نہیں، اور یہ تمام احکام منقولہ اشیا میں ہیں۔ رہی زمین (غیر منقولہ اشیا) تو اس کا ذکر آگے آئے گا۔ اور اگر وصی نے میت کے کفن مثل پر تعداد میں اضافہ کر دیا تو وہ زیادتی کا ضامن ہوگا، اور اگر قیمت میں اضافہ کیا تو وہ شرا اس (وصی) کے لیے واقع ہوگی، اور اس وقت وہ اس مال کا ضامن ہوگا جو اس نے یتیم کے مال میں سے دیا ہے۔ "ولوالجیہ"۔ اور اسی میں ہے: اگر اس نے یتیم کے بالغ ہونے کے بعد

روایتیں ہیں جیسا کہ عنقریب آئے گا، اور شرا بھی بیع کی مثل ہے۔ اور "جامع الفصولین" میں کہا ہے: باپ کے لیے اپنے بچے کا مال اپنی ذات کے لیے غبن یسیر کے ساتھ خریدنا جائز ہے لیکن غبن فاحش کے ساتھ نہیں۔

اور اسی میں ہے: اگر اس نے اپنا مال اپنے بیٹے سے بیچا تو وہ صرف بیع کرنے سے اپنے بچے کے لیے قبضہ کرنے والا نہیں ہوگا یہاں تک کہ اگر وہ اس کے حقیقی قبضہ کی قدرت سے پہلے ہلاک ہوگیا تو وہ والد کا نقصان ہوگا۔ اور اگر اس نے اپنے لیے بیٹے کا مال خریدا تو وہ ثمن سے بری نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ قاضی اس کے بچے کے لیے وکیل مقرر کرے جو ثمن وصول کرے اور پھر انہیں باپ پر لوٹا دے۔ اور بیع اس کے قول: بعت من ولدی (میں نے اپنے بچے سے بیع کی) سے مکمل ہو جائے گی اور اسے قَبِلْتُ کہنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اور اسی طرح شرا بھی ہے اور اگر وصی ہو تو خرید و فروخت دونوں جائز نہیں جب تک کہ وہ قبلتُ نہ کہے۔ اور دو صغیروں میں سے ایک کا مال دوسرے سے بیچنا باپ کے لیے تو جائز ہے۔ لیکن اس کے وکیل اور وصی کے لیے جائز نہیں، اور اگر باپ نے اس کے لیے دو وکیل مقرر کئے تو پھر جائز ہے اور قاضی کی اس طرح کی بیع میں اختلاف ہے۔

اور اگر باپ نے اپنا مال اپنے بچے سے بیچنے یا اس سے خریدنے کے لیے کسی آدمی کو وکیل بنایا تو وہ جائز نہیں مگر جب باپ حاضر ہو، اور قاضی کے لیے یتیم کا مال اپنی ذات سے بیچنا اور اس کا برعکس جائز نہیں۔ کیونکہ قاضی کی طرف سے جواز علی وجہ الحکم ہے اور اس کا اپنی ذات کے لیے فیصلہ کرنا جائز نہیں بخلاف اس کے جسے وہ اس کے وصی سے خریدے یا وہ اسے یتیم سے بیچے اور اس کا وصی قبول کرے تو وہ جائز ہے اگرچہ وہ اسی قاضی کی جانب سے وصی ہو۔ ملخصاً۔

36752۔ (قولہ: ضَمِنَ الزِّيَادَةَ) وہ زیادتی کا ضامن ہوگا یعنی جب اسے اس کے بارے وصیت کی جائے اور وہ ثلث سے نکل سکتی ہو۔ "طحطاوی"۔

36753۔ (قولہ: وَقَعَ الشِّرَاءُ لَهُ) تو یہ شرا اس کے لیے واقع ہوگی۔ کیونکہ زیادتی میں وہ تعدی کرنے والا ہے اور یہ ممتاز اور الگ نہیں ہوسکتی۔ پس وہ میت کو اس کے ساتھ کفن پہنانے میں احسان کرنے والا اور متبرع ہوتا ہے۔ "رحمتی"۔

36754۔ (قولہ: قَبْلَ ظُهُورِ رُشْدِهِ) رشد سے مراد مال کے بارے میں اس کا اصلاح کرنے والا ہونا ہے جیسا کہ

بَعْدَ الْإِدْرَاكِ فَضَاعَ ضَمِنَ) لِأَنَّهُ دَفَعَهُ إِلَى مَنْ لَيْسَ لَهُ أَنْ يَدْفَعَ إِلَيْهِ (وَجَازَ بَيْعُهُ) أَيِ الْوَصِيِّ (عَلَى الْكَبِيرِ الْغَائِبِ (فِي غَيْرِ الْعَقَارِ) إِلَّا الدَّيْنَ أَوْ خَوْفَ هَلَاكِهِ ذَكَرَهُ عَزْمِي زَادَهْ مَعْزِيًّا لِلْخَانِيَةِ

عقل وشعور کے ظاہر ہونے سے پہلے مال اسے دے دیا اور وہ ضائع ہو گیا تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے وہ مال اسے دیا ہے جو اس لائق نہیں کہ اسے دیا جائے۔ اور وصی کا بالغ غائب کے ساتھ زمین کے علاوہ کی بیع کرنا جائز ہے مگر دین یا اس کے ہلاک ہونے کے خوف کے وقت زمین کی بیع بھی جائز ہے۔ اسے ''عزمی زادہ'' نے ''الخانیہ'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

باب الحجر میں گزر چکا ہے۔ اور وہاں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اس کا ظہور بینہ کے ساتھ ہوگا، اور اگر اس کا رشد اور مصلح ہونا ظاہر ہو جائے اگرچہ بالغ ہونے سے پہلے ہو اور اسے مال دے دیا گیا تو پھر وہ ضامن نہیں ہوگا جیسا کہ ''الخانیہ'' میں ہے۔

36755۔ (قولہ: ضَمِنَ) وہ ضامن ہوگا، یہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے اس کی دلیل تعلیل ہے۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے عدم ضمان کا قول کیا ہے جب وہ اسے پچیس سال عمر ہونے کے بعد دے۔ کیونکہ اس وقت اسے دینے کی ولایت حاصل ہے۔ ''طحطاوی''۔

36756۔ (قولہ: وَجَازَ بَيْعُهُ الخ) اور وصی کا بیع کرنا جائز ہے۔ مسئلہ کی وضاحت یہ ہے کہ جب میت پر کوئی دین نہ ہو اور نہ کوئی وصیت ہو۔ پس اگر ورثا عاقل بالغ اور حاضر ہوں تو وہ کوئی شے نہیں بیچ سکتا۔ اور اگر وہ غائب ہوں تو اس کے لیے صرف سامان کی بیع کرنا جائز ہے۔ اور اگر وہ تمام ہی صغیر ہوں تو وہ سامان اور زمین دونوں کی بیع کر سکتا ہے۔ اور اگر بعض ورثا صغیر اور بعض بالغ ہوں تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حکم اسی طرح ہے اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک وہ صغار کا حصہ بیچ سکتا ہے اگرچہ وہ زمین سے ہو لیکن بڑوں کا حصہ نہیں بیچ سکتا، مگر جب وہ غائب ہوں تو سامان بیچ سکتا ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہی قیاس ہے اور ہم اسی کو لیتے ہیں۔ اور اگر میت پر دین ہو یا وہ دراہم کے بارے وصیت کرے اور ترکہ میں دراہم نہ ہوں اور ورثا بالغ اور حاضر ہوں تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ تمام ترکہ بیچ سکتا ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک صرف دین کے حصہ کی بیع کرنا جائز ہے۔ یہ ''غاية البيان عن نكت الوصايا لأبي الليث'' سے ملخص ہے۔

36757۔ (قولہ: إِلَّا الدَّيْنَ) مگر قرض کی صورت میں اس کے لیے زمین کی بیع کرنا جائز ہے۔ لیکن یہ وہم دلاتا ہے کہ یہ بالغ وارث کے غائب ہونے کے ساتھ مقید ہے حالانکہ یہ اس طرح نہیں ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور ''العنایہ'' میں ہے: اسے غیب ہونے کے ساتھ مقید کیا ہے، کیونکہ جب وہ حاضر ہوں تو وصی کے لیے ترکہ میں تصرف کرنا بالکل جائز نہیں ہے مگر جب میت پر قرض ہو یا وہ کوئی وصیت کرے اور ورثا قرضے ادا نہ کریں اور نہ وہ اپنے مالوں سے وصیت پر عمل کریں تو اس صورت میں وہ کل ترکہ بیچ سکتا ہے اگر قرض اسے محیط ہو۔ اور اگر قرض سارے ترکہ کو محیط نہ ہو تو پھر قرض کی مقدار کے برابر بیع کر سکتا ہے۔ اور امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرض کی مقدار سے زیادہ کی بیع بھی اس کے لیے جائز ہے، اس میں ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اختلاف کیا ہے۔ اور وصیت ثلث کی مقدار کے ساتھ نافذ ہوگی۔ اور اگر وہ وصیت کو نافذ کرنے کے

قُلْت وَفِي الزَّيْلَعِيِّ وَالْقُهُسْتَانِيِّ الْأَصَحُّ لَا لِأَنَّهُ نَادِرٌ، وَجَازَ بَيْعُهُ عَقَارَ صَغِيرٍ مِنْ أَجْنَبِيٍّ لَا مِنْ نَفْسِهِ بِضِعْفِ قِيمَتِهِ،

میں کہتا ہوں: ''زیلعی'' اور ''قہستانی'' میں ہے کہ اصح قول یہ ہے کہ زمین کی بیع جائز نہیں، کیونکہ اس کی ہلاکت شاذ و نادر ہے، اور اس کیلئے صغیر کی زمین اجنبی سے بیچنا جائز ہے دوگنا قیمت سے، اپنی ذات سے نہیں،

لیے ترکہ میں سے کوئی شے فروخت کرے تو اس کی مقدار کے برابر بالا جماع جائز ہے۔ اور ''الزیادات'' میں دین کے بارے میں اختلاف مذکور ہے۔ ''أدب الاوصیاء'' میں کہا ہے: اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے ساتھ فتویٰ دیا جائے گا۔ اسی طرح ''الحافظیہ'' و ''الغنیہ'' اور تمام کتابوں میں ہے۔ اور اسی کی مثل ''البزازیہ'' میں ہے۔

تنبیہ

''القنیہ'' میں کہا ہے: وصی نفقہ کے لیے یتیم کے گھر سے جز مشترک کی بیع کرنے کا مالک نہیں ہوتا جب وہ ایسے آدمی کو پائے جو اس سے معین جز خریدتا ہو۔ کیونکہ اس طرح باقی کو عیب زدہ کر دے گا۔

36758۔ (قولہ: الْأَصَحُّ لَا) اصح قول یہ ہے کہ نہیں۔ یہ ''شارح'' کے قول: أو خوف ہلاکہ کی طرف راجع ہے۔

36759۔ (قولہ: لِأَنَّهُ) یعنی اس کا ہلاک ہونا شاذ و نادر ہے۔

''المعراج'' میں کہا ہے: اور بعض فقہاء نے کہا ہے: وہ مالک نہیں، اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ اغلب أدوار ہلاک اور ضائع نہیں ہوتا۔ پس نادر پر حکم کی بنا صحیح نہیں ہوتی۔

36760۔ (قولہ: وَجَازَ بَيْعُهُ عَقَارَ صَغِيرٍ الخ) اور اس کا صغیر کی زمین بیچنا جائز ہے۔ سلف نے اس کی زمین کی بیع کو مطلق جائز قرار دیا ہے، اور متاخرین نے اسے مذکورہ شرائط کے ساتھ مقید کیا ہے جیسا کہ ''الخانیہ'' وغیرہ میں ہے۔ ''زیلعی'' نے کہا ہے: ''الصدر الشہید'' نے کہا ہے: اور اسی یعنی متاخرین کے قول کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اور جو ''الاشباہ'' میں ہے کہ یہ متقدمین کے نزدیک جائز نہیں ہے وہ سبقت قلم ہے۔ پس اس پر آگاہ رہ۔

36761۔ (قولہ: لَا مِنْ نَفْسِهِ) نہ کہ اپنی ذات سے، ''ابن کمال'' نے کہا ہے: اور ان کا قول أجنبیٌّ اس پر آگاہ کرتا ہے کہ اس کا اپنی ذات سے بیع کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ زمین عمدہ اور اعلیٰ مالوں میں سے ہے۔ پس جب وہ اپنی ذات سے بیع کرے گا تو اس میں تہمت ظاہر ہے۔ اور اسی میں ہے: جب وہ بیع دوگنا قیمت کے ساتھ ہوگی تو اس کے لیے تہمت واقع نہیں ہوگی، شاید یہ قید اتفاقی ہے، اور اسی کی تائید وہ کرتا ہے جو ''الہندیہ'' میں ہے: اگر وصی یتیم کی زمین اپنے لیے خریدے تو یہ جائز ہے اگر یہ باعث نفع ہو، اس طرح کہ بعض کے نزدیک وہ اسے دوگنا قیمت کے ساتھ لے۔ اسے ''سائحانی'' نے بیان کیا ہے۔ اور ہم اس کی مثل ''أدب الاوصیاء'' سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور ان کا قول عند البعض ان کے قول: بأن یأخذہ الخ کے لیے قید ہے نہ کہ جواز کے لیے جیسا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے جو ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے۔

أَوْ لِنَفَقَةِ الصَّغِيرِ أَوْ دَيْنِ الْمَيِّتِ، أَوْ وَصِيَّةٍ مُرْسَلَةٍ لَا نَفَاذَ لَهَا إِلَّا مِنْهُ، أَوْ لِكَوْنِ غَلَّاتِهِ لَا تَزِيدُ عَلَى مُؤْنَتِهِ، أَوْ خَوْفِ خَرَابِهِ أَوْ نُقْصَانِهِ، أَوْ كَوْنِهِ فِي يَدِ مُتَغَلِّبٍ دُرَرٌ وَأَشْبَاهٌ مُلَخَّصًا قُلْت وَهَذَا لَوْ الْبَائِعُ وَصِيًّا لَا مِنْ قِبَلِ أُمٍّ أَوْ أَخٍ فَإِنَّهُمَا لَا يَمْلِكَانِ بَيْعَ الْعَقَارِ مُطْلَقًا

یا صغیر کے نفقہ کیلئے یا میت کے دین کے لیے یا وصیۃ مرسلہ کیلئے جس کا نفاذ فقط اس سے ہو، یا اس لیے کہ اس کا غلہ اس کی مشقت سے زیادہ نہیں ہوتا، یا اس کے خراب ہونے کے خوف سے یا نقصان کے خوف سے، یا اس کے ظالم کے ہاتھ میں ہونے سے۔ ''درر'' اور ''اشباہ''۔ ملخصاً۔ میں کہتا ہوں: یہ حکم تب ہے جب بائع ماں یا بھائی کی طرف سے وصی نہ ہو۔ کیونکہ یہ دونوں مطلقاً زمین کی بیع کرنے کے مالک نہیں

36762۔ (قولہ: أَوْ لِنَفَقَةٍ) یا نفقہ کے لیے اگرچہ وہ مثلی قیمت کے ساتھ ہو یا غبن یسیر کے ساتھ ہو۔ ''طحطاوی''۔ میں کہتا ہوں: اور اسی طرح اس کے مابعد میں کہا جائے گا اس لیے کہ دلیل سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اسے پہلے کے مقابل رکھا ہے۔

36763۔ (قولہ: أَوْ دَيْنِ الْمَيِّتِ) یعنی میت پر قرض ہو اور اس کی ادائیگی اسے فروخت کئے بغیر ممکن نہ ہو۔ ''خانیہ''۔ لیکن مفتی بہ قول کے مطابق وہ صرف قرض کی مقدار کے برابر فروخت کرے گا جیسا کہ ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں، اور اسی طرح وصیت میں ہے۔

36764۔ (قولہ: مُرْسَلَةٍ) اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے کہ وہ جو کسر مثلاً ثلث اور ربع وغیرہ کے ساتھ مقید نہ ہو، اور وہ اس طرح کہ مثلاً جب وہ سو کی وصیت کرے۔

36765۔ (قولہ: أَوْ خَوْفِ خَرَابِهِ) یا اس کے خراب اور فاسد ہونے کا خوف ہو، بالغ غائب کی زمین کے بیان میں یہ پہلے گزر چکا ہے کہ اصح قول یہ ہے کہ وہ اسے اس کے لیے نہیں بیچ سکتا۔ اور ظاہر یہ ہے کہ یہاں تصحیح جاری نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ یہاں مقصود صغیر کی منفعت ہے۔ اسی لیے یہاں ان بعض صورتوں میں جائز ہے جو بالغ کی زمین میں جائز نہیں۔ تامل۔

36766۔ (قولہ: أَوْ كَوْنِهِ فِي يَدِ مُتَغَلِّبٍ) یا وہ کسی ظالم کے قبضہ میں ہو اس طرح کہ وصی اسے اس سے واپس لوٹائے اور اس کے پاس کوئی بینہ نہ ہو اور یہ خوف ہو کہ ظالم اس کے بعد اس سے پھر لے لے گا اس سے استدلال کرتے ہوئے کہ پہلے اس کا اس پر قبضہ تھا تو وصی کے لیے اس کی بیع جائز ہے اگرچہ یتیم کے لیے اس کے ثمن کی حاجت نہ ہو جیسا کہ ''الخانیہ'' کے کتاب البیوع میں ہے۔

36767۔ (قولہ: لَا مِنْ قِبَلِ أُمٍّ أَوْ أَخٍ) وہ ماں یا بھائی کی طرف سے وصی نہ ہو، اور باپ، دادا، اور قاضی کے سوا دیگر اقارب کا وصی بھی ان دونوں کی طرح ہے۔ اور اس بارے میں مکمل کلام باب کے آخر میں آئے گا۔

36768۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی اگرچہ یہ ان مستثنیات میں ہے، اور جب حال اس کی بیع کا محتاج ہو تو معاملہ قاضی

وَلَا شِرَاءَ غَيْرِ طَعَامٍ وَكِسْوَةٍ، وَلَوِ الْبَائِعُ أَبًا فَإِنْ مَحْمُودًا عِنْدَ النَّاسِ أَوْ مَسْتُورَ الْحَالِ يَجُوزُ ابْنُ كَمَالٍ (وَلَا يَتَّجِرُ الْوَصِيُّ (فِي مَالِهِ) أَيِ الْيَتِيمِ (لِنَفْسِهِ) فَإِنْ فَعَلَ تَصَدَّقَ بِالرِّبْحِ

اور نہ یہ طعام اور لباس کے بغیر کوئی شے خریدنے کے مالک ہیں۔ اور اگر بائع باپ ہو، تو اگر وہ لوگوں کے نزدیک قابل تعریف (پسندیدہ) یا مستورالحال ہو تو اس کا زمین کی بیع کرنا جائز ہے۔ ''ابن کمال''۔ اور وصی یتیم کے مال میں اپنی ذات کے لیے تجارت نہیں کرسکتا۔ پس اگر وہ کرے تو نفع صدقہ کردے،

کے پاس پیش کیا جائے گا۔ ''طحطاوی''۔

36769۔ (قولہ: يَجُوزُ) وہ جائز ہے، اور صغیر کو بالغ ہونے کے بعد اسے توڑنے کا اختیار نہیں ہے۔ کیونکہ باپ کی شفقت کامل ہے، اور یہ معنی دوسرے معنی کے معارض نہیں۔ پس یہ بیع صغیر کی طرف دیکھنے اور اس کی رعایت کے لیے ہے۔ اور اگر باپ فاسد ہو تو اس کے لیے زمین کی بیع کرنا جائز نہیں ہے۔ اور صغیر کے لیے بالغ ہونے کے بعد اسے توڑنا جائز ہے۔ یہی قول مختار ہے مگر جب وہ اسے دوگنا قیمت کے ساتھ بیچے۔ کیونکہ وہ معنی دوسرے معنی کے معارض ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق اس کا منقولہ شے کی بیع کرنا جائز ہے، اور اس کے ثمن عادل آدمی کے پاس رکھے جائیں گے۔ اور ایک روایت میں ہے: جائز نہیں مگر اس کی دگنی قیمت کے ساتھ۔ اور اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''جامع الفصولین''۔ اور عنقریب فروع میں آئے گا۔

تنبیہ

یہاں ان کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ باپ کا اپنے بیٹے کی زمین کی بیع کرنا ان مسوغات (جائز کردہ صورتوں) کا محتاج نہیں جو وصی کے بارے میں مذکور ہیں۔ اور ''حموی'' نے ''حواشی الاشباہ'' باب الوصایا سے نقل کیا ہے کہ باپ وصی کی طرح ہے اس کے لیے زمین کی بیع جائز نہیں مگر مذکورہ مسائل میں جیسا کہ ''الحانوتی'' نے اسی کے ساتھ فتویٰ دیا ہے۔ پھر میں نے ہمارے مشائخ کے شیخ ''ملاعلی الترکمانی'' کے مجموعہ میں دیکھا انہوں نے ''حموی'' کی مذکورہ عبارت نقل کی ہے۔ پھر وہ کہا جو انہوں نے بیان کیا اور وہ اس اطلاق کے مخالف ہے جو ''الفصول'' وغیرہ میں ہے، اور ''الحانوتی'' نے اس میں نقل صحیح کی طرف نسبت نہیں کی لیکن جب باپ کی بیع میں بھی جواز کی صورتیں ہوگئیں جیسا کہ وصی میں ہیں تو وہ بھی اچھا اور مفید ہوگیا۔ کیونکہ بالاتفاق اخذ کرنا زیادہ موافق اور بہتر ہے۔ اسی طرح اسے ہمارے شیخ ''شیخ محمد مراد السقامینی'' رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

وصی کے لیے یتیم کے مال سے اپنی ذات کے لیے تجارت کا عدم جواز

36770۔ (قولہ: فَإِنْ فَعَلَ تَصَدَّقَ بِالرِّبْحِ) اور اگر اس نے ایسا فعل کیا تو پھر ''طرفین'' رحمہما اللہ کے نزدیک نفع صدقہ کردے، اور وہ رأس المال کا ضامن ہوگا۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ نفع اس کے حوالے کردے گا اور کوئی شے صدقہ نہیں کرے گا۔ ''خانیہ''۔ اور اسی میں ہے: اور وہ یتیم کا مال قرض دینے کا مالک نہیں ہوگا۔ پس اگر اس نے قرض دیا تو وہ ضامن ہوگا، اور قاضی اس کا مالک ہوتا ہے۔ اور صحیح قول یہ ہے کہ باپ وصی کی طرح ہے نہ کہ قاضی کی مثل۔ اور

(وَجَازَ لَوِ اتَّجَرَ مِنْ مَالِ الْيَتِيمِ (لِلْيَتِيمِ) وَتَمَامُهُ فِي الدُّرَرِ) قُلْت وَفِي الْأَشْبَاهِ

اور اگر وہ یتیم کے مال سے اسی کے لیے تجارت کرے تو یہ جائز ہے۔ اور اس کی مکمل بحث ''الدرر'' میں ہے۔ میں کہتا ہوں: اور ''الاشباہ'' میں ہے:

اگر وصی اسے اپنی ذات کے لیے قرض لے تو یہ جائز نہیں اور وہ اس پر دین ہوگا۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: لیکن میں امید رکھتا ہوں کہ اگر وہ ایسا کرے درآنحالیکہ وہ پورا کرنے پر قادر ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ اور ''جامع الفصولین'' میں ہے: قاضی بلاشبہ قرض دینے کا مالک ہوتا ہے جب وہ اسے نہ پائے جسے وہ خرید رہا ہے تو وہ یتیم کے لیے غلہ اور آمدن ہو جائے گی نہ کہ اس صورت میں جبکہ وہ یا مضارب اسے پائے۔ اور ''الحاوی الزاہدی'' میں ہے: قاضی وصی کو یتیم کے مال میں شرکت اور تجارت کرنے کا حکم دے سکتا ہے لیکن نفع کے لیے معاملہ کرنے کا نہیں۔ اور ''الرملی'' نے بیان کیا ہے کہ جو بعض جاہل قاضی کرتے ہیں کہ وہ اس کے مال میں بغیر معاملہ کے نفع کا فیصلہ کرتے ہیں جب اس میں پہلی بار عمل کیا جائے اور وہ اس میں سہارا اس کا لیتے ہیں جس کے کلام کی مذہب میں کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ پس وہ اس ربوا (سود) کے بارے محض خیالات فاسدہ کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے جو تمام ادیان میں حرام ہے حالانکہ وہ یتیم کی طرف نظر اور خیال رکھتا ہے۔ اور کیا اس میں نظر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے؟ یہ محض کھلی گمراہی ہے۔

36771۔ (قولہ: وَجَازَ الخ) اس نے یہ فائدہ دیا ہے کہ وصی کو یتیم کے مال کے ساتھ تجارت کرنے اور اس میں تصرف کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اور اسی کے بارے ''نور العین'' میں ''مجمع الفتاوی'' سے تصریح کی ہے۔ ''البیری'' نے کہا ہے: وصی جب تصرف سے انکار کر دے تو اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ ''الخلاصہ'' میں ہے۔ اور ''الحاوی الحصیری'' میں ہے: ''محمد بن مقاتل'' نے کہا ہے: اگر میت پر لوگوں کے قرضے ہوں تو ورثا کے لیے جائز نہیں کہ وہ وصی کو اسے نکالنے اور اسے پورا کرنے کے لیے پکڑ لیں۔

تتمہ

اگر باپ، دادا یا وصی اسے اجرت پر دے تو یہ صحیح ہے۔ کیونکہ تہذیب اور اچھی حالت میں بدلنے کے لیے بغیر عوض کے ان کے لیے اس کا استعمال جائز ہے تو عوض کے ساتھ بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگا۔ اور وصی اسے اپنی ذات کے لیے اجارہ پر دے تو یہ صحیح ہے۔ لیکن اگر وہ اپنا آپ یتیم کو اجارہ پر دے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ اور اگر باپ اپنی ذات اس کو اجارہ پر دے تو یہ صحیح ہے اور اس کے لیے اپنا قرض اپنے بیٹے کے مال سے ادا کرنا صحیح ہے بخلاف وصی کے (کہ اس کے لیے صحیح نہیں ہے)۔ اور دونوں کے لیے اپنے ذاتی قرض کے عوض اس کا مال بیچنا جائز ہے جیسا کہ اس کے عوض اسے رہن رکھنا۔ اور باپ کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ اس کے مال سے اپنی حاجت اور ضرورت کے مطابق کھائے اگر وہ محتاج ہو اور وہ ضامن بھی نہیں ہوگا بخلاف وصی کے مگر جب اس کی اجرت ہو تو وہ اس کی مقدار کھا سکتا ہے۔ اور اس زمانہ میں وصی کے لیے یتیم کا مال مضاربت پر لینا اور اس کے

لَا يَمْلِكُ الْوَصِيُّ بَيْعَ شَيْءٍ بِأَقَلَّ مِنْ ثَمَنِ الْمِثْلِ لَا فِي مَسْأَلَةِ الْوَصِيَّةِ بِبَيْعِ عَبْدِهِ مِنْ فُلَانٍ، وَفِيهَا فِي الْكَلَامِ فِي أَجْرِ الْمِثْلِ لِلْمُتَوَلِّي أَجْرُ مِثْلِ عَمَلِهِ، فَلَوْ لَمْ يَعْمَلْ لَا أَجْرَ لَهُ،

وصی ثمن مثل سے کم قیمت کے ساتھ کوئی شے بیچنے کا مالک نہیں ہوتا مگر وصیت کے مسئلہ میں یہ جائز ہے یعنی وہ اپنا غلام فلاں کو بیچنے کی وصیت کرے۔ اور اسی یعنی ''الاشباہ'' میں اجرت مثل کے بارے کلام میں ہے: متولی کے لیے اس کے کام کی اجرت مثل ہوگی، پس اگر وہ کوئی کام نہ کرے تو اس کے لیے اجرت نہیں ہوگی۔

مال کو بطور قرض دینا صحیح نہیں ہے۔ اور اگر اس نے قرض دیا تو اسے خیانت شمار نہیں کیا جائے گا اور نہ وہ اس کے ساتھ معزول ہو گا۔ اور اس کے لیے جائز ہے کہ وہ ہر اس کام کے لیے وکیل بنائے جو کام اس کے لیے بذات خود کرنا جائز ہے۔ تمام فروع کا بیان ''جامع الفصولین'' 27 میں ہے۔

36772۔ (قولہ: بِأَقَلَّ مِنْ ثَمَنِ الْمِثْلِ) مثلی ثمن سے کم کے ساتھ، شاید یہ غبن فاحش پر محمول ہے ورنہ ''مصنف'' اتنے دھوکا کے ساتھ اس کی خرید وفروخت صحیح ہونے کا ذکر کر چکے ہیں جتنا اس میں لوگ دھوکا کھاتے رہتے ہیں۔ ''طحطاوی''۔

36773۔ (قولہ: لَا فِي مَسْأَلَةِ الْوَصِيَّةِ بِبَيْعِ عَبْدِهِ مِنْ فُلَانٍ) مگر اس کے غلام کو فلاں سے بیچنے کی وصیت کے مسئلہ میں، ''الاشباہ'' کی عبارت کی تکمیل اس طرح ہے۔ پس موصی لہ ثمن مثل کے عوض راضی نہ ہو تو اس کے لیے کمی کرنا جائز ہے ثلث مال کی مقدار تک۔ ''البیری'' نے کہا ہے: اور ''تلخیص الکبری'' میں ہے: اس نے وصیت کی کہ اس کی لونڈی اس سے بیچی جائے جسے وہ پسند کرے تو یہ جائز ہے اور اس کے ورثا کو اس پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ اسے اس سے بیچ دیں جسے وہ پسند کرے۔ اور اگر وہ آدمی پوری قیمت کے ساتھ اسے لینے سے انکار کر دے تو وہ اس کی قیمت سے موصی کے تہائی مال کی مقدار کم کر دے۔ ''الحاوی'' میں یہ زائد ہے کہ وہ وصیت کی طرح ہوگا۔ ''ابو السعود'' نے کہا ہے: اور تو دیکھ جب اس کی مکمل قیمت تہائی مال سے نکل سکتی ہو تو کیا اسے بغیر ثمن کے دے دیا جائے گا؟ اور ''الحاوی'' کا قول یکون کالوصیۃ اسی کا تقاضا کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں بحث ہے۔ کیونکہ اس نے اسے بیچنے کی وصیت کی ہے نہ کہ اسے مفت دینے کی، اور بیع میں ثمن کا ہونا ضروری ہے اگرچہ وہ قلیل ہوں، پس یہ محاباۃ کی حیثیت سے ثلث تک وصیت ہے نہ کہ من کل الوجوہ۔ اور ''الحاوی'' کا قول کالوصیۃ اسی کا تقاضا کرتا ہے اس حیثیت سے کہ وہ اسے کاف تشبیہ کے ساتھ لائے ہیں، فتدبر۔

متولی اور وصی کے لیے اجرت مثل کا شرعی حکم

36774۔ (قولہ: لِلْمُتَوَلِّي أَجْرُ مِثْلِ عَمَلِهِ) متولی کے لیے اس کے کام کے برابر اجرت جائز ہے یہاں تک کہ اگر وقف ہو چکی ہو اور جن پر وہ وقف ہے وہ اس سے غلہ حاصل کرتے ہوں تو متولی کے لیے اس میں کوئی اجرت نہیں ہوگی جیسا کہ ''الخانیہ'' میں ہے۔ اور یہ ناظر (نگران) کے بارے ہے جس کے لیے وقف کرنے والے نے کسی شے کی شرط نہ لگائی ہو جیسا کہ ''الاشباہ'' میں ہے۔ ''طحطاوی''۔

وَأَمَّا وَصِيُّ الْمَيِّتِ فَلَا أَجْرَ لَهُ عَلَى الصَّحِيحِ،
اور رہا میت کا وصی تو صحیح قول کے مطابق اس کے لیے اجرت نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: اور اجرت مثل کے ساتھ اسے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ قاضی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کے لیے اس سے زیادہ مقرر کرے یہاں تک کہ اگر وہ اس کے لیے دس مقرر کرے جیسا کہ یہی متعارف ہے تو اگر یہ اجرت مثل سے زیادہ ہوں تو وہ زائد واپس لوٹائے گا جیسا کہ علامہ ''البیری'' نے ''الاشباہ'' پر اپنی شرح کی کتاب القضاء میں اس کی تحقیق کی ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کرو۔ کیونکہ وہ انتہائی اہم ہے۔ لیکن اگر وقف کرنے والا اس کے لیے کسی شے کی شرط لگا دے تو اس کے لیے اسے لینا جائز ہے اگرچہ وہ اجرت مثل سے زائد ہو، کیونکہ اب وہ موقوف علیہم میں سے ہے جیسا کہ ''البحر'' میں ہے۔

36775۔(قولہ: وَأَمَّا وَصِيُّ الْمَيِّتِ فَلَا أَجْرَ لَهُ عَلَى الصَّحِيحِ) رہا میت کا وصی تو صحیح روایت کے مطابق اس کے لیے کوئی اجرت نہیں۔ ''الرملی'' نے اپنے فتاویٰ میں اس کی پیروی کی ہے اس کے ساتھ جو ''جامع الفصولین'' سے گزر چکا ہے کہ وصی یتیم کے مال سے نہیں کھا سکتا اگرچہ وہ محتاج ہو مگر جب اس کے لیے اجرت ہو تو وہ اس کی مقدار لے سکتا ہے۔ فرمایا: ''الخانیہ'' اور ''البزازیہ'' میں ہے: اسی کے لیے وہ ہے اگر وہ محتاج ہو اور یہ استحسان ہے۔

تحقیق یہ ثابت ہے کہ ماخوذ بہ استحسان ہے مگر چند مسائل میں یہ ان میں سے نہیں ہے۔ اور ''القنیہ'' کا نقل کردہ مسئلہ ''قاضیخان'' کی نقل کے معارض نہیں ہوگا کیونکہ یہ اہل ترجیح میں سے ہیں۔ ملخصاً۔ اور ''الاشباہ'' پر اپنے حاشیہ میں کتاب الامانات کے اواخر میں طویل کلام کے بعد کہا ہے: اور یہ امر مخفی نہیں کہ میت کا وصی جب بغیر اجرت کے وصیت پر عمل کرنے سے رک جائے تو اسے کام پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ وہ متبرع اور احسان کرنے والا ہے، اور متبرع پر کوئی جبر نہیں۔ پس جب قاضی دیکھے کہ وہ کام کرے اس کے لیے اجرۃ مثل ہوگی تو پھر اس سے مانع کیا ہے؟ اور اسی پر فتویٰ واقع ہے، اور میں نے اس کے بارے کئی بار فتویٰ دیا۔ اور اسی کے ساتھ ''الحامدیہ'' میں بھی فتویٰ دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ''الخانیہ'' کی عبارت ''نصیر'' سے منقول ہے: وصی کے لیے جائز ہے کہ وہ یتیم کے مال سے کھائے اور اس کی سواری پر سوار ہو جب وہ یتیم کی حوائج وضروریات کے لیے جائے اور بعض نے کہا ہے: یہ جائز نہیں ہے۔ اور یہی قیاس ہے۔ اور استحسان یہ ہے کہ معروف طریقہ سے کھانا جائز ہے جب وہ محتاج ہو، اتنی مقدار جتنی وہ سعی اور کوشش کرے۔

میں کہتا ہوں: اس کو محتاج ہونے کے ساتھ مقید کرنا اللہ تعالیٰ کے اس قول کے موافق ہے: وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء: 6) (اور جو سرپرست فقیر ہو تو وہ کھالے مناسب مقدار سے)

یہ بغیر احتیاج کے اجرت کے جواز پر دلالت نہیں کرتا، کھانے کے بارے مکمل کلام فروع میں آئے گا اور اس کا ذکر نہیں کیا جسے میت اجارہ پر لے۔

اور ''الخانیہ'' میں ہے: اس نے ایک آدمی کو وصی بنایا اور اپنی وصیت کو نافذ کرانے کے لیے سو درہم کے عوض اسے اجارہ پر

وَهٰذَا إِذَا عَيَّنَ الْقَاضِي لِلْمُتَوَلِّي أَجْرًا، فَإِنْ لَمْ يُعَيِّنْ وَسَعَى فِيهِ سَنَةً فَلَا شَيْءَ لَهُ وَعَزَاهُ لِلْقُنْيَةِ ثُمَّ ذَكَرَ مَا يُخَالِفُهُ فَافْهَمْ، وَقَدْ مَرَّ فِي الْوَقْفِ وَأَمَّا وَصِيُّ الْقَاضِي، فَإِنْ نَصَّبَهُ بِأَجْرِ مِثْلِهِ

اور یہ تب ہے جب قاضی متولی کے لیے اجرت معین کرے۔ پس اگر وہ مقرر نہ کرے اور وہ سال بھر اس میں کوشش کرتا رہے تو اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔ اور انہوں نے اس قول کو ''القنیہ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ پھر انہوں نے وہ قول ذکر کیا ہے جو اس کے مخالف ہے۔ فافہم۔ اور یہ وقف کے بیان میں گزر چکا ہے۔ اور رہا قاضی کا وصی! تو اگر قاضی اس کے لیے اجرت مثل مقرر کر دے

لیا تو فقہاء نے کہا ہے: وہ اجارہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کی موت کے بعد وصی ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ اجارہ باطل ہو جاتا ہے، بلکہ وہ صلہ ہوگا پس وہ اسے ثلث مال سے دیا جائے گا۔

اس نے کہا: تیرے لیے سو اجرت ہے اس شرط پر کہ تو میرا وصی ہو۔ اس میں فقہاء نے اختلاف کیا ہے: ''نصیر'' نے کہا ہے: اجارہ باطل ہے اور اس کے لیے کوئی شے نہیں ہوگی اور ''ابوسلمہ'' نے کہا ہے: شرط باطل ہے اور سو اس کے لیے وصیت ہے اور وہ وصی ہوگا۔ اور اسی کو ''ابوجعفر'' اور ''ابواللیث'' نے لیا ہے۔

36776۔ (قولہ: وَهٰذَا) اور یہ متولی کے لیے اجرت مثل کا ثبوت ہے جب وہ معین کرے الخ۔ پس اگر وہ زیادہ ہو تو اس کے لیے صرف اس کے کام کی مثل اجرت ہوگی، اور اگر اجرت مثل زیادہ ہو تو اس کے لیے صرف وہی ہوگی جو قاضی نے معین کی ہے، اس لیے کہ وہ اس کے ساتھ راضی ہے۔ یہ وہی ہے جو ظاہر ہے۔ ''طحطاوی''۔

36777۔ (قولہ: وَسَعَى فِيهِ سَنَةً) مثال کے طور پر وہ اس میں سال بھر سعی اور محنت کرے۔ ''طحطاوی''۔ (تو اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی)۔

36778۔ (قولہ: فَلَا شَيْءَ لَهُ) اس کی سعی تبرع اور احسان ہونے کی وجہ سے اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔

36779۔ (قولہ: ثُمَّ ذَكَرَ) پھر ''الاشباہ'' میں ''القنیہ'' سے وہ ذکر کیا ہے جو اس کے مخالف ہے جہاں انہوں نے کہا ہے: بلاشبہ وہ مستحق ہوگا اگرچہ قاضی اس کے لیے شرط نہ بھی لگائے۔

36780۔ (قولہ: فَافْهَمْ) یہ اس پر تنبیہ ہے جو ان کے دو کلاموں کے درمیان مخالفت ہے، یا دوسرے کو اس کے متاخر ہونے کی وجہ سے اختیار کرنے پر تنبیہ ہے۔ اور اسی کے ساتھ ''الخیریہ'' میں ''البحر'' سے نقل کرتے ہوئے فتویٰ دیا ہے کہ متولی اپنی سعی و محنت کی اجرت کا مستحق ہوتا ہے چاہے اس کی شرط لگائی جائے یا نہ لگائی جائے۔ کیونکہ وہ ظاہراً اجرت کے بغیر ذمہ داری قبول نہیں کرتا اور معہود مشروط کی مثل ہے۔

36781۔ (قولہ: وَقَدْ مَرَّ فِي الْوَقْفِ) تحقیق باب الوقف جو اس کے دو مقامات میں ہے میں گزر چکا ہے کہ اس کے لیے اس کے کام کی مثل اجرت ہوگی۔ گویا اس کے اطلاق سے انہوں نے یہ استفادہ کیا کہ اس کے لیے اجرت ہوگی اگرچہ اس

جَازَ اوَفِي الْقُهُسْتَانِيِّ مَعْزِيًّا لِلذَّخِيرَةِ وَلَوْ كَانُوا صِغَارًا وَكِبَارًا بَاعَ حِصَّةَ الصِّغَارِ كَمَا مَرَّ، وَكَذَا الْكِبَارُ عَلَى مَا مَرَّ مِنَ التَّفْصِيلِ وَنَقَلَ عَنِ الْعِمَادِيَّةِ أَنَّ فِي بَيْعِهِ لِلْعَقَارِ وَفَاءً اخْتِلَافَ الْمَشَايِخِ، وَجَوَّزَهُ صَاحِبُ الْهِدَايَةِ لِأَنَّ فِيهِ اسْتِبْقَاءَ مِلْكِهِ مَعَ دَفْعِ الْحَاجَةِ وَإِنَّ لِغَيْرِ الْوَصِيِّ التَّصَرُّفُ لِخَوْفِ مُتَغَلِّبٍ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى وَتَمَامُهُ فِيمَا عَلَّقْته عَلَى الْمُلْتَقَى

تو یہ جائز ہے۔ اور ''القہستانی'' میں ''الذخیرہ'' کے حوالہ سے ہے: اور اگر وہ صغار اور بڑے ہوں تو وہ چھوٹے وارثوں کا حصہ بیچ دے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور اسی طرح بڑوں کے حصہ کی بیع اس طریقہ پر کر سکتا ہے جو تفصیل سے گزر چکا ہے۔ اور ''العمادیہ'' سے نقل کیا ہے کہ زمین کی اس کے لیے بطریق بیع الوفاء بیع کرنے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اور ''صاحب الہدایہ'' نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس میں دفع حاجت کے ساتھ ساتھ اس (صغیر) کی ملکیت کو باقی رکھنا ہے۔ اور بلاشبہ ظالم کے خوف کی وجہ سے غیر وصی کے لیے تصرف کرنا جائز ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور اس کی مکمل بحث اس میں ہے جو میں نے ''الملتقی'' پر شرح لکھی ہے۔

کی شرط نہ بھی لگائی گئی۔ تامل۔

36782_(قولہ: جَازَ) وہ جائز ہے، پس اگر قاضی کے مقرر کرنے سے پہلے اس کے کام کی اجرت کا ارادہ کیا ہے تو اس کے لیے یہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا مشروع ہونا بطور تبرع اور احسان ہے جیسا کہ ''الخیریہ'' میں ہے۔

36783_(قولہ: كَمَا مَرَّ) جیسا کہ گزر چکا ہے، کہ وہ زمین کے سوا منقولہ شے اتنے کے ساتھ بیچ سکتا ہے جس سے لوگ دھوکہ کھاتے رہتے ہیں مگر وہ جو مستثنیات میں ہیں۔

36784_(قولہ: عَلَى مَا مَرَّ مِنَ التَّفْصِيلِ) اس بنا پر جو تفصیل گزر چکی ہے یعنی وہ بالغ غائب کا زمین کے علاوہ حصہ بیچ سکتا ہے مگر قرض کے لیے (زمین کی بیع بھی کر سکتا ہے۔)

36785_(قولہ: وَفَاءً) یہ نصب کے ساتھ مفعول مطلق ہے یعنی بیع وفا اور بیع جائز اور بیع طاعہ کو یہی نام دیا گیا ہے، اور اس پر کلام کفالہ سے پہلے گزر چکا ہے۔

''جامع الفصولین'' میں کہا ہے: وصی کے لیے زمین کی بیع بیع بالوفا کرنا جائز ہے، اور بعض نے کہا ہے: نہیں۔

36786_(قولہ: لِأَنَّ فِيهِ اسْتِبْقَاءَ مِلْكِهِ) کیونکہ اس میں اس کی ملک کو باقی رکھنا ہے۔ اس کی بنا تحقیق پر ہے کیونکہ اسے رہن کے محل میں اتارا گیا ہے۔

ظالم کے خوف کی وجہ سے غیر وصی کے صغیر کے مال میں تصرف کرنا جائز ہے

36787_(قولہ: وَتَمَامُهُ فِيمَا عَلَّقْته عَلَى الْمُلْتَقَى) اور اس کی مکمل بحث اس شرح میں ہے جو میں نے ''الملتقی'' پر تحریر کی ہے، جہاں کہا ہے: بلاشبہ تصرف وصی میں محصور نہیں یہ اس کے غیر کے تصرف کے جائز ہونے کی طرف اشارہ ہے

(وَلَا يَجُوزُ إِقْرَارُهُ بِدَيْنٍ عَلَى الْمَيِّتِ وَلَا بِشَيْءٍ مِنْ تَرِكَتِهِ أَنَّهُ لِفُلَانٍ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْمُقِرُّ وَارِثًا فَيَصِحُّ فِي حِصَّتِهِ،

اور وصی کے لیے میت پر قرض کا اقرار کرنا اور اس کے ترکہ میں سے کسی شے کے بارے یہ اقرار کرنا جائز نہیں کہ وہ فلاں کی ہے مگر یہ کہ اقرار کرنے والا وارث ہو تو پھر اس کے اپنے حصہ میں وہ صحیح ہوگا۔

جیسا کہ جب اسے صغیر کے مال پر قاضی سے خوف ہو۔ کیونکہ گلی میں رہنے والوں میں سے ایک کے لیے جائز ہے کہ وہ عند الضرورت بطور استحسان اس میں تصرف کرے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اسے ''قہستانی'' نے ذکر کیا ہے۔

36788۔ (قولہ: وَلَا يَجُوزُ إِقْرَارُهُ بِدَيْنٍ عَلَى الْمَيِّتِ) اور میت پر دین کے بارے اس کا اقرار جائز نہیں، کیونکہ یہ غیر پر اقرار ہے۔ ''منح''۔ پس مقرلہ کے لیے اس کو لینا جائز نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ اس پر برہان اور دلیل قائم کرے اور اس پر حلف دے۔ اور وصی ضامن ہوگا اگر اس نے مقرلہ کو دے دیا۔ ''طحطاوی''۔ پس اگر اس کے پاس بینہ نہ ہو اور وصی قرض کے بارے جانتا ہو تو حیلہ وہ ہے جو ''الخانیہ'' اور ''الخلاصہ'' میں ''نصیر'' سے منقول ہے کہ اگر ترکہ میں خاموش مال (یعنی سونا، چاندی) ہو تو وہ اسے قرض کی مقدار امانۃً دے دے، اور اگر نہ ہو تو پھر ترکہ سے قرض کی مقدار فروخت کرے، پھر قرض خواہ اس کا انکار کردے تو وہ قصاص اور بدل ہو جائے گا۔ ''أدب الاوصیاء'' میں ''الخاصی'' سے کہا ہے: فتویٰ اسی پر ہے۔ اور ''الخانیہ'' میں بھی ہے: اس کے پاس عادل آدمی نے شہادت دی کہ اس آدمی کے ہزار درہم میت پر قرض ہیں۔ ''ابوسلیمان'' سے بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا: وصی کے پاس اسے دینے کی گنجائش اور اختیار ہے مگر یہ کہ اسے اپنی ذات پر ضمان کا خوف ہو۔ اس کو کہا گیا پس اگر وہ معینہ لونڈی ہو، وہ جانتا ہو کہ میت نے اسے اس سے غصب کیا ہے تو اس نے کہا: وہ اسے اس کے حوالے کردے ورنہ وہ غاصب ضامن ہوگا۔

36789۔ (قولہ: فَيَصِحُّ فِي حِصَّتِهِ) یعنی اس کا اقرار اس کے حصہ میں صحیح ہوگا، پس وہ تمام اس کے حصہ سے لیا جائے گا جس کے بارے اس نے اقرار کیا ہے۔ فافہم۔ اور یہ اس کے خلاف ہے کہ جب وہ ثلث کے بارے وصیت کا اقرار کرے اس حیثیت سے کہ وہ اس کے حصہ کے ثلث میں لازم ہوگا جیسا کہ باب العتق فی المرض سے پہلے گزر چکا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے: قرض بھی اسی طرح ہے۔ پس وہ اتنی مقدار ہی لازم ہوگا جتنا اس میں سے اس کے حصہ کے ساتھ خاص ہوگا۔ اور اسے ''ابواللیث'' نے اختیار کیا ہے جیسا کہ ''مصنف'' نے اسے کتاب الاقرار میں باب الاستثناء سے پہلے ذکر کیا ہے۔

فرع

وہ ترکہ جس میں قرض اسے مستغرق نہ ہو تقسیم کر دیا گیا، پھر قرض خواہ آ گیا تو وہ ورثا میں سے تمام سے اپنے قرضے کا حصہ لے سکتا ہے۔ اور یہ تب ہے جب وہ ان تمام کو اکٹھا قاضی کے پاس پکڑ لے۔ لیکن اگر وہ ان میں سے کسی ایک پر کامیاب ہو جائے تو اس سے جو کچھ اس کے پاس ہے وہ سارا لے لے۔ ''جامع الفصولین''۔

وَلَوْ أَقَرَّ) الْوَصِيُّ (بِعَيْنٍ لِآخَرَ ثُمَّ ادَّعَى أَنَّهُ لِلصَّغِيرِ لَا يُسْمَعُ) دُرَرٌ. (وَوَصِيُّ أَبِي الطِّفْلِ أَحَقُّ بِمَالِهِ مِنْ جَدِّهِ

اور اگر وصی کسی دوسرے کے لیے کسی معین شے کے بارے اقرار کرے پھر وہ دعویٰ کرے کہ وہ صغیر کی ہے تو وہ نہیں سنا جائے گا۔ ''درر''۔ اور بچے کے باپ کا وصی اس کے مال کا اس کے دادا کی نسبت زیادہ حقدار ہے۔

36790۔ (قولہ: وَلَوْ أَقَرَّ بِعَيْنٍ) اور اگر وہ اس معین کے بارے اقرار کرے جو اس کے ہاتھ میں ہے جیسا کہ ''أدب الاوصیاء'' میں ہے۔ اور یہ تب ہے جب وہ ترکہ میں سے نہ ہو، ورنہ اس کا اقرار جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اس سے پہلے یہ قول گزر چکا ہے: ولا بشئ من ترکتہ۔ (اور ترکہ میں سے کسی شے کا اقرار جائز نہیں)۔

36791۔ (قولہ: لَا يُسْمَعُ) تناقض کی وجہ سے اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ کیونکہ اس کا اقرار اگر غیر پر جاری نہیں ہو سکتا تو وہ اس پر جاری ہو سکتا ہے یہاں تک کہ وہ کسی دن اس کا مالک بن گیا تو اسے مقرلہ کے حوالے کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ ''طحطاوی''۔

بچے کے باپ کا وصی دادا کی نسبت اس کے مال کا زیادہ حق دار ہے

36792۔ (قولہ: وَوَصِيُّ أَبِي الطِّفْلِ أَحَقُّ الخ) اور بچے کے باپ کا وصی زیادہ حق رکھتا ہے الخ۔ صغیر کے مال میں ولایت باپ کی ہے، پھر اس کے وصی کی، پھر اس کے وصی کے وصی کی اگرچہ وہ دور ہو۔ پس اگر باپ فوت ہو جائے اور وہ وصی نہ بنائے تو پھر ولایت باپ کے باپ یعنی دادا کو حاصل ہوگی، پھر اس کے وصی کو، پھر اس کے وصی کے وصی کو، اور اگر وہ نہ ہو تو پھر قاضی اور اس کے مقرر کیے ہوئے کو۔ اور اگر وہ کسی آدمی کو وصی بنائے اور اولاد چھوٹی بڑی ہو پھر ان میں سے کوئی فوت ہوا اور اس نے صغیر بیٹا چھوڑا، تو دادا کا وصی ہی ان کا وصی ہوگا اس کا اس پر بیع کرنا صحیح ہوگا جیسا کہ زمین کے سوا اس کے باپ پر صحیح ہے، اسے یاد رکھنا چاہیے۔ رہا بھائی، ماں، چچا اور تمام ذوی الارحام کا وصی تو ''شرح الاسبیجابی'' میں ہے کہ ان کے لیے میت کا ترکہ فروخت کرنا اس کے قرض کے لیے یا اس کی وصیت کے لیے جائز ہے۔ اور اگر مذکورہ لوگوں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو صغار کی زمین بیچنا جائز نہیں۔ کیونکہ ان کے لیے مال کی حفاظت کرنا لازم ہے۔ اور تجارت کے لیے خریدنا اور اس میں تصرف کرنا جس کا صغیر مالک ہوتا ہے جائز نہیں۔ اور ان کے موصی کی جہت سے یہ مطلقاً ہے۔ کیونکہ وہ اس کی طرف دیکھنے کے اعتبار سے اجنبی ہیں۔ ہاں ان کے لیے ایسی شے خریدنا جائز ہے جو ضروری ہو مثلاً طعام اور لباس۔ اور یتیم کے ورثا کا منقولہ شے کی بیع کرنا موصی کی جہت سے ہے اس لیے کہ اس کا تعلق حفاظت سے ہے۔ کیونکہ ثمن کی حفاظت کرنا عین شے کی حفاظت کرنے سے آسان ہے۔ یہ ''أدب الاوصیاء'' وغیرہ سے منقول ہے۔ اور ''جامع الفصولین'' میں ہے: اس میں اصل یہ ہے کہ دو حالتوں میں سے قوی ترین حالت میں دو وصیوں سے کمزور ترین دو حالتوں میں سے کمزور تر حالت میں اقویٰ وصی کی طرح ہے۔ اور دو وصیوں میں سے اضعف ماں، بھائی اور چچا کا وصی ہے۔ اور قوی ترین حالت ورثا کے صغیر ہونے کی حالت ہے۔ اور دو میں سے اقویٰ وصی باپ، دادا اور قاضی کا وصی ہے۔ اور ضعیف ترین ورثا کے بالغ ہونے کی حالت ہے۔ پھر ورثا کے صغیر ہونے کی

وَإِنْ لَمْ يَكُنْ وَصِيُّهُ فَالْجَدُّ) كَمَا تَقَرَّرَ فِي الْحَجْرِ فِي الْمُنْيَةِ لَيْسَ لِلْجَدِّ بَيْعُ الْعَقَارِ وَالْعُرُوضِ لِقَضَاءِ الدَّيْنِ وَتَنْفِيذِ الْوَصَايَا بِخِلَافِ الْوَصِيِّ فَإِنَّ لَهُ ذَلِكَ انْتَهَى، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ

اور اگر اس کا وصی نہ ہو تو دادا کا حق زیادہ ہے جیسا کہ ''المنیہ''۔ کتاب الحجر میں یہ ثابت ہو چکا ہے۔ اور دادا کے لیے قرض ادا کرنے اور وصیتوں کے نفاذ کے لیے زمین اور سامان کی بیع کرنا صحیح نہیں بخلاف وصی کے۔ کیونکہ اس کے لیے یہ جائز ہے۔ انتہیٰ واللہ اعلم۔

حالت میں ماں کا وصی باپ کے وصی کی طرح ہے اس حال میں کہ ورثا بالغ ہوں اور وارث غائب ہو۔ پس وصی کے لیے اس کی منقولہ شے بیچنا جائز ہے نہ کہ اس کی زمین جیسا کہ ان کے بالغ ہونے کی حالت میں باپ کے وصی کا حکم ہے۔

36793۔ (قولہ: وَإِنْ لَمْ يَكُنْ) اور اگر وہ نہ پایا جائے۔

36794۔ (قولہ: كَمَا تَقَرَّرَ فِي الْحَجْرِ) جیسا کہ باب الحجر میں ثابت ہے اس میں اولیٰ باب الماذون ہے، ''طحطاوی''۔

36795۔ (قولہ: لَيْسَ لِلْجَدِّ الخ) ''الخانیہ'' میں کہا ہے: امام اعظم ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے وصی اور میت کے باپ کے درمیان فرق کیا ہے، پس میت کے وصی کے لیے قرضہ ادا کرنے اور وصیت نافذ کرنے کے لیے ترکہ بیچنا جائز ہے، اور میت کے باپ کے لیے ترکہ کی بیع کرنا جائز ہے اس قرض کی ادائیگی کے لیے جو اولاد پر ہے نہ کہ اس کی ادائیگی کے لیے جو میت پر ہے۔ ''شمس الائمہ الحلوانی'' نے کہا ہے: یہ فائدہ ''خصاف'' سے ذکر کیا جاتا ہے۔ اور رہے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ تو آپ نے دادا کو باپ کے قائم مقام قرار دیا ہے، اور ہم کہتے ہیں: فتویٰ ''خصاف'' کے قول کے مطابق ہے۔ اور ''جامع الفصولین'' میں ہے: دادا کے لیے سامان کی خرید و فروخت جائز ہے مگر یہ کہ اگر وہ دین یا وصیت کے لیے ترکہ کی بیع کرے تو وہ جائز نہیں بخلاف باپ کے وصی کے۔

36796۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْوَصِيِّ) بخلاف باپ کے وصی کے جیسا کہ ''أدب الاوصیاء'' میں ہے، اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ دادا کا وصی دادا کی مثل ہے۔ پس وہ بدرجہ اولیٰ اس کا مالک نہیں ہوگا۔ تأمل۔ علامہ ''طحطاوی'' نے کہا ہے: پس غرماء (قرض خواہ) اپنا معاملہ قاضی کے پاس پیش کریں گے تاکہ وہ ان کے قرضوں کی مقدار کے برابر ان کے لیے بیع کرے، اور اسی طرح ان کا بھی حکم ہے جن کے لیے وصیت کی گئی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فَصْلٌ فِي شَهَادَةِ الْأَوْصِيَاءِ

(وَبَطَلَتْ شَهَادَةُ الْوَصِيَّيْنِ لِوَارِثٍ صَغِيرٍ بِمَالٍ) مُطْلَقًا (أَوْ كَبِيرٍ بِمَالِ الْمَيِّتِ وَصَحَّتْ) شَهَادَتُهُمَا (بِغَيْرِهِ) أَيْ بِغَيْرِ مَالِ الْمَيِّتِ لِانْقِطَاعِ وِلَايَتِهِمَا عَنْهُ فَلَا تُهْمَةَ حِينَئِذٍ (كَشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ لِآخَرَيْنِ بِدَيْنِ أَلْفٍ عَلَى مَيِّتٍ وَ) شَهَادَةِ (الْآخَرَيْنِ لِلْأَوَّلَيْنِ بِمِثْلِهِ، بِخِلَافِ شَهَادَةِ كُلِّ فَرِيقٍ بِوَصِيَّةِ أَلْفٍ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ۔ لَا تُقْبَلُ فِي الدَّيْنِ أَيْضًا،

وصیوں کی شہادت کے احکام

اور دو وصیوں کی شہادت صغیر وارث کے لیے مطلقاً مال کے بارے میں یا کبیر وارث کے لیے میت کے مال کے بارے میں باطل ہے۔ اور ان دونوں کی شہادت میت کے مال کے بغیر صحیح ہے، اس لیے کہ ان سے ان کی ولایت منقطع ہو چکی ہے۔ پس اس وقت تہمت کا اندیشہ نہیں جیسا کہ دو آدمیوں کا دوسرے دو کے لیے میت پر ہزار درہم قرض ہونے کے بارے شہادت دینا اور دوسرے دو کا پہلے دونوں کے لیے اسی کی مثل شہادت دینا صحیح ہے بخلاف اس کے کہ ہر فریق ہزار درہم کی وصیت کے بارے شہادت دے۔ (کیونکہ یہ باطل ہے) اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: دین میں بھی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔

اس میں وغیر ذالك کا اضافہ کرنا اولیٰ تھا۔ کیونکہ فصل کا زیادہ حصہ دیگر مسائل پر مشتمل ہے۔ ''طحطاوی''۔

صغیر یا کبیر وارث کے لیے میت کے مال میں دو وصیوں کی شہادت مطلقاً باطل ہے

36797۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی برابر ہے وہ مال اس کی طرف میت کی جانب سے منتقل ہوا ہو یا کسی اور طرف سے۔ کیونکہ صغیر کے مال میں وصی کے لیے تصرف کرنا جائز ہے چاہے وہ ترکہ میں سے ہو یا نہ ہو۔ ''منح''۔ اور ان دونوں کی شہادت میں مشہود بہ میں تصرف کرنے کا اثبات ہے۔

36798۔ (قولہ: أَوْ كَبِيرٍ بِمَالِ الْمَيِّتِ) یا کبیر یعنی بالغ وارث کے لیے میت کے مال کے بارے۔ کیونکہ یہ دونوں حفاظت کرنے کی ولایت، وارث کے غائب ہونے کے وقت منقولہ شے کی بیع کرنے کی ولایت، اور وارث کے مجنون ہونے کے سبب اس کی ولایت ان دونوں کی طرف لوٹنے کو ثابت کرتے ہیں۔ ''غرر الافکار''۔ اور یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے کہا ہے: دونوں صورتوں یعنی میت کے ترکہ اور اس کے غیر میں جائز ہے۔ ''زیلعی''۔

36799۔ (قولہ: وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ لَا تُقْبَلُ فِي الدَّيْنِ أَيْضًا) اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: قرض میں بھی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ موت کے ساتھ قرض ترکہ کے ساتھ متعلق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ موت کے سبب ذمہ خراب اور فاسد ہو گیا۔ اور اسی لیے اگر ان میں سے ایک اپنا حق ترکہ میں پورا کر لے تو دوسرا اس کا شریک ہوگا۔ پس اس میں

وَقَدْ تَقَدَّمَ فِي الشَّهَادَاتِ (أَوْ شَهَادَةِ (الْأَوَّلَيْنِ بِعَبْدٍ وَالْآخَرَيْنِ بِثُلُثِ مَالِهِ) أَوْ الدَّرَاهِمِ الْمُرْسَلَةِ لِإِثْبَاتِهَا لِلشَّرِكَةِ فَتَبْطُلُ (وَتَصِحُّ لَوْ شَهِدَ رَجُلَانِ لِرَجُلَيْنِ بِالْوَصِيَّةِ بِعَيْنٍ) كَالْعَبْدِ (وَشَهِدَ الْمَشْهُودُ لَهُمَا لِلشَّاهِدَيْنِ بِالْوَصِيَّةِ بِعَيْنٍ أُخْرَى) لِأَنَّهُ لَا شَرِكَةَ فَلَا تُهْمَةَ زَيْلَعِيٌّ (شَهِدَ الْوَصِيَّانِ أَنَّ الْمَيِّتَ أَوْصَى لِزَيْدٍ مَعَهُمَا لَغَتْ) لِإِثْبَاتِهِمَا لِأَنْفُسِهِمَا مُعِينًا وَحِينَئِذٍ فَيَضُمُّ الْقَاضِي لَهُمَا ثَالِثًا وُجُوبًا لِإِقْرَارِهِمَا بِآخَرَ

اور یہ مسئلہ کتاب الشہادات میں پہلے بیان ہو چکا ہے یا یہ کہ پہلے دونوں غلام کی وصیت کے بارے اور دوسرے دونوں ثلث مال کے بارے یا دراہم مرسلہ کے بارے شہادت دیں۔ کیونکہ یہ شرکت کو ثابت کرتی ہے اس لیے باطل ہوگی۔ اور شہادت صحیح ہوگی اگر دو آدمی دو آدمیوں کے لیے کسی معین شے مثلاً غلام وغیرہ کی وصیت کے بارے شہادت دیں اور جن دونوں کے حق میں شہادت دی گئی ہے وہ شہادت دینے والوں کے لیے کسی دوسری معین شے کی وصیت کے بارے شہادت دیں۔ کیونکہ اس میں کوئی شرکت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی تہمت ہے۔ ''زیلعی''۔ دو وصیوں نے شہادت دی کہ میت نے زید کو ان کے ساتھ وصی بنایا ہے تو یہ لغو ہوگی، کیونکہ انہوں نے اپنے لیے معاون و مددگار ثابت کیا ہے، اور اس وقت قاضی ان کے ساتھ ایک تیسرا وصی لازماً ملا دے گا اس لیے کہ ان دونوں نے دوسرے کے بارے اقرار کیا ہے۔

شہادت شرکت کو ثابت کرنے والی ہے لہٰذا تہمت ثابت ہے۔ اور ''طرفین'' رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ دین ذمہ میں واجب ہوتا ہے اور ترکہ سے پورا کرنا اس کا ثمرہ اور نتیجہ ہے، اور ذمہ مختلف حقوق کو قبول کرنے والا ہے۔ پس اس میں کوئی شرکت نہیں ہے۔ اور یہی وجہ ہے اگر کوئی ایک ان میں سے ایک کا قرضہ ادا کرنے کے ساتھ تبرع کرے تو دوسرے کے لیے مشارکت کا حق نہیں ہوتا بخلاف وصیت کے۔ کیونکہ اس میں حق ذمہ میں ثابت نہیں ہوتا بلکہ عین میں ہوتا ہے۔ پس مال ان دونوں کے درمیان مشترک ہو گیا اور اس نے شبہ کا وارث بنا دیا۔ ''درر''۔ شیخ ''قاسم'' نے ''حاشیۃ المجمع'' میں کہا ہے: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ''نسفی'' اور ''محبوبی'' نے اعتماد کیا ہے۔ ''المقدسی'' نے کہا ہے: اگر ''نسفی'' سے ''صاحب الکنز'' کا ارادہ کیا ہے تو بلا شبہ اس میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور دین میں فقط وہی قبول ہے۔ پھر کہا: اس کی مثل میں فتویٰ کے وقت مناسب یہ ہے کہ اگر شہادت دینے والے معروف باخبر ہوں تو وہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کرے اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق عمل کرے۔ اسے ''طحطاوی'' نے ''شرح الحموی'' سے نقل کیا ہے۔

36800۔ (قولہ: بِعَبْدٍ) یعنی غلام کی وصیت کے بارے شہادت دی۔ ''طحطاوی''

36801۔ (قولہ: لِإِثْبَاتِهَا لِلشَّرِكَةِ) یعنی مشہود بہ میں شرکت کو ثابت کرنے کے لیے۔ کیونکہ ثلث وصیت کا محل ہے پس وہ ان کے درمیان مشترک ہو جائے گا۔ ''معراج''۔

36802۔ (قولہ: مُعِينًا) یہ أعَانَ سے اسم فاعل ہے۔

فَيَمْتَنِعُ تَصَرُّفُهُمَا بِدُونِهِ كَمَا تَقَرَّرَ (إِلَّا أَنْ يَدَّعِيَ زَيْدٌ ذَلِكَ) أَيْ يَدَّعِيَ أَنَّهُ وَصِيٌّ مَعَهُمَا فَحِينَئِذٍ تُقْبَلُ شَهَادَتُهُمَا اسْتِحْسَانًا لِأَنَّهُمَا أَسْقَطَا مُؤْنَةَ التَّعْيِينِ عَنْهُ (وَكَذَا ابْنَا الْمَيِّتِ إِذَا شَهِدَا أَنَّ أَبَاهُمَا أَوْصَى إِلَى رَجُلٍ) لِجَرِّهِمَا نَفْعًا لِنَصْبِ حَافِظٍ لِلتَّرِكَةِ (وَ) هَذَا لَوْ (هُوَ مُنْكِرٌ) وَلَوْ يَدَّعِي تُقْبَلُ اسْتِحْسَانًا (بِخِلَافِ شَهَادَتِهِمَا بِأَنَّ أَبَاهُمَا وَكَّلَ زَيْدًا بِقَبْضِ دُيُونِهِ بِالْكُوفَةِ حَيْثُ لَا تُقْبَلُ مُطْلَقًا) ادَّعَى زَيْدٌ الْوَكَالَةَ أَمْ لَا لِأَنَّ الْقَاضِيَ لَا يَمْلِكُ نَصْبَ الْوَكِيلِ عَنِ الْحَيِّ بِطَلَبِهِمَا ذَلِكَ بِخِلَافِ الْوَصِيَّةِ، وَشَهَادَةُ الْوَصِيِّ تَصِحُّ عَلَى الْمَيِّتِ

پس اس کے بغیر ان دونوں کا تصرف کرنا ممتنع ہوگا جیسا کہ یہ ثابت ہو چکا ہے، مگر یہ کہ زید بھی اس بارے دعویٰ کرے کہ وہ ان کے ساتھ وصی ہے تو اس وقت ان کی شہادت استحساناً قبول کی جائے گی۔ کیونکہ انہوں نے قاضی سے معین کرنے کی مشقت کو ساقط کر دیا ہے۔ اور اسی طرح جب میت کے دو بیٹوں نے شہادت دی کہ ان کے باپ نے فلاں آدمی کو وصی بنایا ہے (تو یہ شہادت لغو ہے)۔ کیونکہ دونوں نے ترکہ کا محافظ مقرر کر کے اپنے لیے نفع حاصل کیا ہے۔ اور یہ حکم تب ہے جب وہ آدمی انکار کر رہا ہو، اور اگر وہ دعویٰ کرتا ہو تو پھر استحساناً شہادت قبول کی جائے گی بخلاف ان کی اس شہادت کے کہ ان کے باپ نے زید کو اہل کوفہ سے اپنے قرض وصول کرنے کے لیے وکیل بنایا ہے تو اسے مطلقاً قبول نہیں کیا جائے گا زید وکالت کا دعویٰ کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ قاضی زندہ کی طرف سے ان کے اس مطالبہ پر وکیل مقرر کرنے کا مالک نہیں بخلاف وصیت کے۔ اور وصی کی شہادت میت کے خلاف صحیح ہوتی ہے

36803۔ (قولہ: كَمَا تَقَرَّرَ) یعنی اُوصیاء میں سے ایک کے اکیلے تصرف کا ممتنع ہونا ثابت ہو چکا ہے۔

36804۔ (قولہ: اسْتِحْسَانًا) اور قیاس یہ ہے کہ وہ پہلی کی طرح قبول نہ کی جائے۔

36805۔ (قولہ: لِأَنَّهُمَا أَسْقَطَا مُؤْنَةَ التَّعْيِينِ عَنْهُ) کیونکہ انہوں نے قاضی سے تعیین کی مشقت ساقط کر دی ہے۔ کیونکہ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان دونوں کے ساتھ تیسرا ملائے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ پس وہ ان دونوں کے ساتھ قاضی کے اسے مقرر کرنے کے سبب وصی ہو جائے گا جیسا کہ جب وہ فوت ہو جائے اور کوئی وصی نہ چھوڑے تو قاضی ابتداءً وصی مقرر کرتا ہے پس یہ تو بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ ''زیلعی''۔

میں کہتا ہوں: اس کا ظاہر یہ ہے کہ اس تیسرے کے لیے قاضی کے وصی کا حکم ہوگا، میت کے وصی کا حکم نہیں ہوگا۔ اور یہ کہ شہادت تعیین کے سوا مؤثر نہیں ہوتی۔ تامل۔ اور دونوں وصیوں کے درمیان فرق عنقریب آئے گا۔

36806۔ (قولہ: تُقْبَلُ اسْتِحْسَانًا) یعنی شہادت اس پر استحساناً قبول کی جائے گی کہ اسے ابتداءً وصی مقرر کیا گیا ہے جیسا کہ ہم نے دو وصیوں کی شہادت کے بیان میں ذکر کیا ہے۔ ''زیلعی''۔

36807۔ (قولہ: بِخِلَافِ شَهَادَتِهِمَا الخ) یا اگر دونوں باپ کی زندگی میں شہادت دیں کہ ان کے باپ نے اسے

لَا لَهُ وَلَوْ بَعْدَ الْعَزْلِ وَإِنْ لَمْ يُخَاصِمْ مُلْتَقَى (وَصِيٌّ أَنْفَذَ الْوَصِيَّةَ مِنْ مَالِ نَفْسِهِ رَجَعَ مُطْلَقًا) وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى دُرَرٌ (كَوَكِيلٍ أَدَّى الثَّمَنَ مِنْ مَالِهِ فَإِنَّ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ، وَكَذٰلِكَ) (الْوَصِيُّ إِذَا اشْتَرَى كِسْوَةً لِلصَّغِيرِ أَوْ) اِشْتَرَى (مَا يُنْفِقُ عَلَيْهِ مِنْ مَالِ نَفْسِهِ) فَإِنَّهُ يَرْجِعُ إِذَا أَشْهَدَ عَلَى ذٰلِكَ،

اس کے حق میں نہیں اگرچہ معزول ہونے کے بعد ہو اگرچہ وہ خصومت نہ کرے۔ ''ملتقی''۔ وصی نے اپنے ذاتی مال سے وصیت کا نفاذ کیا تو مطلقاً رجوع کر سکتا ہے (یعنی ترکہ سے اسے پورا کر سکتا ہے) اسی پر فتویٰ ہے۔ ''درر''۔ جیسا کہ وکیل اپنے مال سے ثمن ادا کرے تو اس کیلئے موکل کے مال سے لینے کا اختیار ہے۔ اور اسی طرح وصی جب صغیر کے لیے لباس خریدے یا کوئی ایسی شے اپنے ذاتی مال سے خریدے جسے وہ اس پر خرچ کرتا ہو تو وہ اس کے مال سے لوٹا سکتا ہے جب وہ اس پر شاہد بنائے۔

اپنے حقوق پر قبضہ کے لیے وکیل بنایا ہے در آنحالیکہ باپ غائب ہو اور اس کے مقروض (غرماء) انکار کر رہے ہوں تو وہ شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ اور فرق یہ ہے کہ ان دونوں نے اگرچہ اس بارے شہادت نہیں دی ہے لیکن دونوں نے قاضی سے سوال کیا ہے کہ وہ اسے وصی بنا دے اور وصی وصی بننے کا ارادہ رکھتا ہو تو قاضی کے پاس اسے وصی بنانے کا اختیار ہے۔ پس یہاں بدرجہ اولیٰ ہے۔ اور اگر وہ دونوں باپ کے غائب ہونے کی حالت میں اس کے حقوق پر قبضہ کرنے کے لیے وکیل مقرر کرنے کا مطالبہ کریں اور وکیل اس کا ارادہ رکھتا ہو تو قاضی وکیل مقرر نہیں کر سکتا۔ اور اگر وہ یہاں مقرر کرے تو بلاشبہ وہ ان کی شہادت کے ساتھ مقرر کرے گا اور یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ دونوں اپنے باپ کے لیے شہادت دے رہے ہیں۔ ''ولوالجیہ''۔

36808۔ (قولہ: لَا لَهُ وَلَوْ بَعْدَ الْعَزْلِ) نہ کہ اس کے لیے اگرچہ معزول ہونے کے بعد ہو، اور اسی طرح یتیم کے لیے قبول نہیں کی جائے گی۔ اور یہ وکیل کے خلاف ہے اس حیثیت سے کہ اس کی شہادت خصومت سے پہلے معزول ہونے کے بعد اپنے موکل کے لیے قبول کی جاتی ہے۔ کیونکہ وصایۃ (وصی بنانا) اس کے خلاف ہے اور اسی لیے یہ علم پر موقوف نہیں ہوتی۔ ''خلاصہ''۔

اگر وصی وصیت کے نفاذ میں ذاتی سرمایہ صرف کرے تو ترکہ سے پورا کر سکتا ہے

36809۔ (قولہ: رَجَعَ مُطْلَقًا) وہ مطلقاً اپنا خرچہ ترکہ سے واپس لے سکتا ہے۔ ''المنح'' میں کہا ہے۔ اور کہا گیا ہے: اگر یہ وصی میت کا وارث ہو تو میت کے ترکہ سے واپس لوٹا سکتا ہے، ورنہ نہیں۔ اور بعض نے کہا ہے: اگر وصیت بندوں کے لیے ہو تو وہ لوٹا سکتا ہے، کیونکہ بندوں کی طرف سے اس کا مطالبہ کرنے والا ہے تو یہ قرض ادا کرنے کی طرح ہو گیا، اور اگر وصیت اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو وہ رجوع نہیں کر سکتا۔ اور بعض نے کہا ہے: ہر حال میں اس کے لیے رجوع کرنا جائز ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ ''الدرر'' میں ہے۔ اور ''البزازیہ'' میں ہے: یہی مختار قول ہے۔

36810۔ (قولہ: فَإِنَّهُ يَرْجِعُ إِذَا أَشْهَدَ عَلَى ذٰلِكَ) کیونکہ وہ واپس لوٹا سکتا ہے جب وہ اس پر گواہ بنائے، یعنی اس پر کہ اس نے خرچ کیا ہے تاکہ وہ واپس لوٹا سکے، اور یہ وہی موقف ہے جسے ''مصنف'' نے باب عزل الوکیل سے پہلے اختیار کیا ہے۔

وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ إِنَّمَا شُرِطَ الْإِشْهَادُ لِأَنَّ قَوْلَ الْوَصِيِّ فِي الْإِنْفَاقِ يُقْبَلُ لَا فِي حَقِّ الرُّجُوعِ بِلَا إِشْهَادٍ انْتَهَى فَلْيُحْفَظْ قُلْتُ لَكِنْ فِي الْقُنْيَةِ وَالْخُلَاصَةِ وَالْخَانِيَّةِ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ بِالثَّمَنِ وَإِنْ لَمْ يُشْهِدْ بِخِلَافِ الْأَبَوَيْنِ،

اور''البزازیہ'' میں ہے: بلا شبہ شاہد بنانا شرط ہے۔ کیونکہ انفاق (خرچ کرنے) کے بارے میں وصی کا قول قبول کیا جاتا ہے لیکن رجوع کے حق میں بغیر شاہد بنائے قبول نہیں کیا جاتا۔''بزازیہ'' کا کلام ختم ہوا۔ پس اسے یاد رکھ لینا چاہیے۔ میں کہتا ہوں: لیکن''قنیہ''،''خلاصہ'' اور''خانیہ'' میں ہے: اس کیلئے ثمن لوٹانا جائز ہے اگرچہ وہ شاہد نہ بنائے بخلاف والدین کے

36811۔ (قولہ: لَا فِي حَقِّ الرُّجُوعِ) نہ کہ رجوع کے حق میں، اور اسی کی مثل وقف کا نگران بھی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اپنی ذاتوں کے لیے یتیم پر قرض کا دعویٰ کر رہے ہیں پس صرف دعویٰ کے ساتھ وہ اس کے مستحق نہیں ہوں گے۔ اسی طرح ''أدب الاوصیاء'' میں ہے۔

مطلقاً رجوع کرنے میں یا اس پر گواہ بنانے کے ساتھ رجوع کرنے میں آئمہ کے اقوال

36812۔ (قولہ: قُلْتُ الخ) ''شرنبلالیہ'' میں ''العمادیہ'' سے وہ نقل کیا ہے جو اس کے موافق ہے اور جو اس کے مخالف ہے۔ پھر کہا ہے: ہمارے ائمہ کا کلام مطلقاً رجوع کرنے میں یا اس پر شاہد بنانے کے ساتھ رجوع کرنے میں مضطرب ہے پس چاہیے کہ اسے تحریر کیا جائے۔

میں کہتا ہوں: اور وہ تحریر جو''أدب الاوصیاء'' میں ''المحیط'' سے ہے وہ یہ ہے کہ رجوع کے لیے شاہد بنائے۔ بغیر وصی کے رجوع میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اور''أدب الاوصیاء'' میں دونوں قولوں میں سے ہر ایک متعدد کتب اور''الخانیہ'' سے نقل کیا گیا ہے، اور''الخانیہ'' کا کلام بھی مضطرب ہے۔ اور''الخلاصہ'' سے گواہ بنانے کی شرط منقول ہے جو اس کے خلاف ہے جو ''شارح'' نے اس سے نقل کیا ہے۔ پھر کہا ہے: اور''المنتقی'' میں ہے: وصی نے اپنے مال سے بچے کے لیے خرچ کیا درآنحالیکہ بچے کا غائب مال ہو تو وہ استحساناً خرچ کرنے میں متبرع ہوگا، مگر یہ کہ وہ گواہ بنائے کہ وہ قرض ہے یا وہ اس کی واپسی کے لیے اس پر رجوع کرے، کیونکہ رجوع میں وصی کا قول قبول نہیں کیا جاتا، پس وہ اس کے لیے شاہد بنائے۔ اور''العتابیہ'' میں ہے: اس میں نیت کافی ہوتی ہے جو معاملہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔ اور''المحیط'' میں امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: جب باپ واپس لوٹانے کی نیت کرے اور اسی نیت پر وہ ثمن ادا کرے تو جو امر اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے اس میں اپنے ثمن واپس لوٹانے کی گنجائش ہے، لیکن قضاءً وہ اس وقت تک واپس نہیں لوٹا سکتا جب تک وہ شاہد نہ بنائے، اور اسی کی مثل ''المنتقی'' میں ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے: اور اگر باپ نے اپنے بچے کے لیے کوئی شے خریدی جس پر اسے اپنے صغیر فقیر کے لیے مجبور کیا جا سکتا ہو جیسے طعام اور لباس، تو وہ اس کے مال سے واپس نہیں لوٹا سکتا، وہ اس پر گواہ بنائے یا نہ بنائے، کیونکہ وہ اس پر واجب ہے۔ اور اگر وہ اس کے لیے ایسی شے خریدے جو اس پر واجب نہ ہو جیسا کہ اپنے اس بیٹے کے لیے طعام جس کا مال، گھر، اور خادم ہو، تو وہ رجوع کر سکتا ہے اگر وہ اس پر گواہ بنائے، اور اگر گواہ نہ بنائے تو پھر نہیں۔ اور امام

وَسَيَجِیءُ مَا يُفِيدُهُ فَتَنَبَّهُ (أَوْ قَضَى دَيْنَ الْمَيِّتِ) الثَّابِتِ شَرْعًا (أَوْ كَفَنَهُ)
اور عنقریب اس کا ذکر آئے گا جو اس کا فائدہ دیتا ہے، پس تو اس پر آگاہ رہ۔ یا وہ میت کا وہ قرض جو شرعاً ثابت ہے وہ ادا کرے یا اسے کفن پہنائے

اعظم ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے دار کی طرح میں ہے: اگر بیٹے کا مال ہو تو وہ رجوع کر سکتا ہے اگر وہ گواہ بنائے ورنہ نہیں۔ اور اگر اس کا کوئی مال نہ ہو تو پھر وہ رجوع نہیں کر سکتا گواہ بنائے یا نہ بنائے۔ اور ''الخانیہ'' میں ہے: اگر وہ اپنے بچے کے لیے کوئی شے خریدے اور اس کی طرف سے ضامن ہو، پھر اسے اپنے مال سے ادا کر دے تو قیاس یہ ہے کہ وہ بیٹے کے مال سے واپس لوٹا سکتا ہے، لیکن استحساناً ایسا نہیں کر سکتا۔

میں کہتا ہوں: تحقیق یہ ہے کہ اس مسئلہ میں دو قول ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے کہ باپ اور وصی میں سے ہر ایک کے لیے شاہد بنائے بغیر رجوع جائز نہیں اور دوسرا یہ ہے کہ صرف باپ کے لیے گواہ بنانا شرط ہے۔ اور اسی کی مثل ماں ہے جو اپنی اولاد پر وصی ہو، اور فقہا نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ والدین کی شفقت کے سبب غالب یہ ہے کہ وہ اولاد پر نیکی اور صلہ کے لیے خرچ کرتے ہیں نہ کہ پھر واپس لینے کے لیے بخلاف کسی اجنبی وصی کے۔ پس وہ رجوع کے لیے گواہ بنانے کا محتاج نہیں ہوتا۔ اور آپ جان چکے ہیں کہ پہلا قول استحسان ہے، اور دوسرا قیاس ہے، اور اس کا مقتضی پہلے کی ترجیح ہے، اور اسی کو ''مصنف'' نے باب عزل الوکیل سے پہلے اختیار کیا ہے، اور یہ سب کا سب قضا میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

36813۔ (قولہ: وَسَيَجِیءُ) اور عنقریب فروع میں آئے گا جو اس کا فائدہ دیتا ہے: یعنی وہ والدین میں رجوع کے شرط ہونے کا فائدہ دیتا ہے، بلکہ وہ اس میں صریح ہے۔ کیونکہ وہ جو عنقریب آ رہا ہے وہ وہ ہے جسے ہم نے ''المنتقی'' سے دوبارہ نقل کیا ہے۔

36814۔ (قولہ: أَوْ قَضَى دَيْنَ الْمَيِّتِ) یا وہ میت کا قرض ادا کرے۔ ''أدب الاوصیاء'' میں کہا ہے: اور ''الخانیہ'' میں ہے: گواہ بنانا شرط ہے جب وہ اسے وارث کے حکم کے بغیر ادا کرے، اور ''النوازل'' میں اس کی شرط نہیں ہے، اور کہا ہے: اور یہی مختار قول ہے۔ کیونکہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ وصی جب اپنے مال سے وصیت کا نفاذ کرے تو وہ اپنا مال میت کے مال سے واپس لے سکتا ہے اور یہی مختار ہے۔ پس وصیت کے بارے میں روایت دین میں روایت ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ وصیت پر مقدم ہے۔ اور اس کی ادائیگی کا واجب ہونا وصیت کو نافذ کرنے کے لزوم سے زیادہ مؤکد ہے۔ اور یہ اس کے موافق ہے جو ''المنح'' اور ''الدرر'' سے گزر چکا ہے۔ یعنی یہ قول: پس وہ قرض کو ادا کرنے کی طرح ہو گیا۔

36815۔ (قولہ: أَوْ كَفَنَهُ) یا اسے کفن دے، مراد کفن مثل ہے۔ تحقیق ''مصنف'' نے اس فصل سے پہلے ذکر کیا ہے کہ اگر وصی کفن مثل پر تعداد میں اضافہ کرے تو وہ زیادتی کا ضامن ہوگا اور قیمت میں اضافہ کرے تو شرا اس (میت) کے لیے واقع ہوگی۔

أَوْ أَدَّى خَرَاجَ الْيَتِيمِ أَوْ عُشْرَهُ (مِنْ مَالِ نَفْسِهِ أَوْ اشْتَرَى الْوَارِثُ الْكَبِيرُ طَعَامًا أَوْ كِسْوَةً لِلصَّغِيرِ أَوْ كَفَّنَ الْوَارِثُ الْمَيِّتَ
یا یتیم کا خراج یا اس کا عشر اپنے مال سے ادا کرے یا بالغ وارث صغیر کے لیے طعام یا لباس خریدے یا وارث میت کو کفن پہنائے

36816_(قولہ: أَوْ أَدَّى خَرَاجَ الْيَتِيمِ الخ) یا وہ یتیم کی زمین کا خراج ادا کرے، اور اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ گواہ بنائے بغیر قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی، اور اس میں اختلاف ہے جیسے ''أدب الاوصیاء'' میں بیان کیا ہے۔

36817_(قولہ: أَوْ اشْتَرَى الْوَارِثُ الْكَبِيرُ الخ) یا بالغ وارث خریدے۔ اسی طرح ''الخانیہ'' میں ہے۔ اور اس کا بیان یہ ہے: یا بالغ وارث اپنے مال سے صغیر کے لیے طعام یا لباس خریدے تو وہ متبرع نہ ہوگا اور میت کے مال اور ترکہ میں اس کے لیے رجوع جائز ہے۔

میں کہتا ہوں: اور گواہ بنانا شرط نہیں اس کے باوجود کہ وصی کے خرچ کرنے میں اختلاف ہے جیسا کہ گزر چکا ہے، اور یہاں اسے بدرجہ اولیٰ جاری ہونا چاہیے، اس بنا پر کہ اس کے صغیر پر خرچ کرنے میں اختلاف واقع ہے کہ ترکہ سے اس کا حصہ اس کا نفقہ مثلی ہے، اس بارے میں اس کی تصدیق کی جائے گی یا نہیں، اس میں دو قول ہیں جنہیں ''زاہدی'' نے ''الحاوی'' میں بیان کیا ہے۔ پھر کہا ہے: فتویٰ کے لیے مختار وہ ہے جو ''المحیط'' کے باب الوصایا میں ہے اور وہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے ''ابن سماعہ'' نے روایت کیا ہے: ایک آدمی صغیر اور کبیر دو بیٹے اور ایک ہزار درہم چھوڑ کر فوت ہو گیا پس اس نے صغیر پر پانچ سو درہم نفقہ مثلی خرچ کئے تو وہ متبرع (بلاعوض خرچ کرنے والا) ہے جب وہ وصی نہ ہو، اور اگر مشترک طعام یا کپڑے ہوں اور وہ بالغ (کبیر) صغیر کو کھلا دے یا اسے پہنا دے تو استحسان یہ ہے کہ کبیر (بالغ) پر کوئی ضمان نہ ہو۔ اور ''جامع الفتاویٰ'' میں ہے: اور اگر بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی پر ترکہ میں سے اپنا حصہ خرچ کر دیا: اگر وہ طعام ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا، اور اگر وہ دراہم ہوں تو بھی حکم اسی طرح ہے بشرطیکہ وہ اس کی زیر تربیت رہے، اور اس کے علاوہ وہ ضامن ہوگا اگر وہ وصی نہ ہو، اور اسی کی مثل ''التاتر خانیہ'' میں ہے۔

اور ''مصنف'' نے کتاب الکراہیہ کی فصل البیع میں ذکر کیا ہے: اور استحسان یہ ہے کہ وہ شے خریدنا جائز ہے جو صغیر کے لیے لازم اور ضروری ہو اور بھائی، چچا، ماں اور ملتقط (گری ہوئی شے کو اٹھانے والا) کو وہ شے بیچنا جائز ہے جبکہ وہ ان کی گود میں زیر پرورش ہو، اور صرف اس کی ماں کو اسے اجارہ پر دینا جائز ہے۔ اور اسی کی مثل ''الہدایہ'' میں ہے۔ اور اسی پر اسے محمول کرنا ممکن ہے جو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے گزر چکا ہے اس بنا پر جب وہ اس کی پرورش میں نہ ہو۔ تامل۔ اور تمام کی بنا پر پس جو ''الخانیہ'' میں ہے وہ مشکل ہے اگر بالغ وصی نہ ہو، اس میں غور کر لینی چاہیے۔

36818_(قولہ: أَوْ كَفَّنَ الْوَارِثُ الْمَيِّتَ) یا وارث میت کو کفن دے، اسی طرح ''الخانیہ'' میں بھی ہے، اور اس میں اس بارے تصریح کی ہے کہ وہ ترکہ پر رجوع کر سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں: اور یہ تب ہے اگر وہ کفن مثل دے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

أَوْ قَضَى دَيْنَهُ (مِنْ مَالِ نَفْسِهِ) فَإِنَّهُ يَرْجِعُ وَلَا يَكُونُ مُتَطَوِّعًا۔ (وَلَوْ كَفَّنَ الْوَصِيُّ الْمَيِّتَ مِنْ مَالِ نَفْسِهِ قَبْلَ قَوْلِهِ فِيهِ) قِيلَ هُوَ مُسْتَدْرَكٌ بِقَوْلِهِ أَوْ كَفَّنَهُ (وَلَوْ بَاعَ) الْوَصِيُّ (شَيْئًا مِنْ مَالِ الْيَتِيمِ ثُمَّ طَلَبَ مِنْهُ بِأَكْثَرَ)

یا اس کا قرض ادا کرے اپنے ذاتی مال سے تو اسے اس کے مال سے پورا کر سکتا ہے اور وہ متطوع نہ ہوگا۔ (یعنی اس کا مال بلاعوض نہیں ہوگا) اور اگر وصی نے میت کو اپنے مال سے کفن دیا تو اس بارے میں اس کا قول قبول کیا جائے گا۔ کہا گیا ہے: یہ قول ''مصنف'' کے قول أو کفنہ کے ساتھ مکرر اور زائد ہے۔ اور اگر وصی نے یتیم کے مال میں سے کوئی شے فروخت کی پھر اس سے زیادہ قیمت کے ساتھ اس سے مطالبہ ہوا

تنبیہ

اگر آدمی فوت ہو اور اس کی کوئی شے نہ ہو اور اس کا کفن اس کے ورثا پر واجب ہو پھر ان میں سے حاضر وارث اپنے مال سے اسے کفن دے دے تا کہ وہ ان میں سے غائب پر اپنے حصہ کے ساتھ رجوع کرے تو اس کے لیے رجوع کا حق نہیں ہے اگر اس نے قاضی کی اجازت کے بغیر اپنا مال خرچ کیا۔ ''حاوی الزاہدی''۔ ''الرملی'' نے ''حاشیۃ الفصولین'' میں کہا ہے: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ یہ اگر ان پر واجب نہیں جیسا کہ زوجہ کو کفن پہنانا جب زوج کے علاوہ کوئی دوسرا اس کی اجازت کے بغیر یا قاضی کی اجازت کے ساتھ اپنے مال سے اس پر خرچ کرے تو وہ اجنبی کی طرح متبرع ہے۔ پس اسے کفن پہنانا مطلقاً اجازت کے بغیر مستثنیٰ ہوگا، مفتی بہ قول پر بنا کرتے ہوئے اس لیے کہ وہ اس کے خاوند پر لازم ہے اگر چہ وہ خوشحال ہو۔

36819۔ (قولہ: أَوْ قَضَى دَيْنَهُ) یا وہ اس کا وہ قرض ادا کرے جو شرعاً ثابت ہے اور اگر وہ شرعاً ثابت نہ ہو تو وہ غائب پر رجوع نہیں کر سکتا، اور اگر اس نے ترکہ سے دیا تو غائب کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے حصہ کی مقدار واپس لوٹا لے۔ کیونکہ وہ شرعاً ثابت نہیں، اور اسی طرح دین یا ودیعت میں وصی کا حکم ہے اور رہا مہر تو اگر اس نے اس کے ساتھ دخول کیا اس سے (مہر کی) اتنی مقدار روک لی جتنی عرفاً بالفور ادا کی جاتی ہے اور اس مقدار میں قول ورثا کا ہوگا، اور جو اس پر زائد ہے اس میں قول عورت کا قبول ہوگا۔ ''شرنبلالیہ'' نے ''العمادیہ'' سے اختصار کے ساتھ لکھا ہے: اگر ورثا اس مقدار کا دعویٰ کریں جس کی تعجیل (بالفور ادا کرنا) عادت جاریہ ہے تو پھر قول ان کا معتبر ہوگا، اور اگر وہ اس سے زیادہ کا دعویٰ کریں تو پھر اس زیادتی کی نفی میں قول عورت کا معتبر ہوگا۔

36820۔ (قولہ: قِيلَ هُوَ مُسْتَدْرَكٌ) اسے قیل کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ فرق کا امکان اس طرح ہے کہ جو گزر چکا ہے وہ اصل رجوع کے بارے ہے اور یہ ثمن کی مقدار کے بارے ہے اگر وہ اسے اس میں جھٹلا دیں۔ اسے ''طحطاوی'' نے بیان کیا ہے اور ''أدب الاوصیاء'' میں ''الخلاصہ'' سے ہے: اگر اس نے اپنے مال سے ثمن ادا کئے تو اس کی تصدیق کی جائے گی اگر وہ کفن مثل ہو۔ اور ''الوجیز'' میں ہے: اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی مگر بینہ کے ساتھ اگر چہ وہ اسے

مِمَّا بَاعَهُ (رَجَعَ الْقَاضِي فِيهِ إِلَى أَهْلِ الْبَصِيرَةِ) وَالْأَمَانَةِ (إِنْ أَخْبَرَهُ اثْنَانِ مِنْهُمْ أَنَّهُ بَاعَ بِقِيمَتِهِ، وَأَنَّ قِيمَتَهُ ذَلِكَ لَا يَلْتَفِتُ) الْقَاضِي (إِلَى مَنْ يَزِيدُ، وَإِنْ كَانَ فِي الْمُزَايَدَةِ يُشْتَرَى بِأَكْثَرَ وَفِي السُّوقِ بِأَقَلَّ لَا يُنْتَقَضُ بَيْعُ الْوَصِيِّ لِذَلِكَ) أَيْ لِأَجْلِ تِلْكَ الزِّيَادَةِ (بَلْ يَرْجِعُ إِلَى أَهْلِ الْبَصِيرَةِ، فَإِنْ اجْتَمَعَ رَجُلَانِ مِنْهُمْ عَلَى شَيْءٍ يُؤْخَذُ بِقَوْلِهِمَا) عِنْدَ مُحَمَّدٍ (وَكَفَى قَوْلٌ وَاحِدٌ فِي ذَلِكَ) عِنْدَهُمَا كَمَا فِي التَّزْكِيَةِ.

جتنے کے ساتھ اس نے بیچی تو قاضی اس بارے میں اہل بصیرت اور اہل امانت کی طرف رجوع کرے، اگر ان میں سے دو آدمی اسے خبر دیں کہ اس نے اس کی مناسب قیمت کے ساتھ بیع کی ہے، اور بلاشبہ وہی اس کی قیمت ہے تو قاضی اس کی طرف التفات نہیں کرے گا جو زیادہ قیمت کے ساتھ طلب کر رہا ہے۔ اور اگر وہ چیز مزایدہ (نیلام گھر، منڈی) میں زیادہ قیمت کے ساتھ خریدی جاتی ہو اور بازار میں کم قیمت کے ساتھ تو اس زیادتی کی وجہ سے وصی کی بیع نہیں ٹوٹے گی بلکہ وہ اہل بصیرت کی طرف رجوع کرے گا۔ پس اگر ان میں سے دو آدمی کسی شے پر جمع ہو گئے تو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان دونوں کا قول لے لیا جائے گا۔ اور ''شیخین'' رحمہما اللہ کے نزدیک اس بارے میں ایک کا قول ہی کافی ہے جیسا کہ تزکیہ میں ایک کا قول کافی ہوتا ہے۔

ترکہ سے ادا کرے۔

36821_(قوله: إِلَى أَهْلِ الْبَصِيرَةِ) یعنی اہل عقل کی طرف رجوع کرے۔ اور جو ''الخانیہ'' وغیرہ میں ہے وہ اہل البصر ہے، اور یہی یہاں مناسب ہے یعنی اس شے کی قیمت میں نظر و فکر اور واقفیت رکھنے والے۔

36822_(قوله: وَأَنَّ قِيمَتَهُ ذَلِكَ) اور بلاشبہ اس کی قیمت وہی ہے، یہ ماقبل کی وضاحت ہے۔ اور رہی یہ صورت! کہ جب دونوں اس بارے خبر دیں کہ اس کی قیمت اس سے زیادہ ہے جتنے کے عوض مشتری نے اسے لیا ہے تو وہ باطل ہے۔ ''أدب الاوصیاء'' میں ''الجواہر'' سے نقل کیا ہے: وصی نے دین کے لیے سامان فروخت کیا پھر یہ ظاہر ہوا کہ اس کی قیمت اس سے زیادہ ہے تو وہ بیع باطل ہے اور وہ فسخ حاکم کا بھی محتاج نہیں ہوگا۔ پھر وہ دوبارہ ثمن مثل کے عوض اسے بیچے تو دوسری بیع صحیح ہے اور ''شارح'' نے اسے مقدم کیا ہے کہ بیع فاسد ہے اور وہ دو قولوں میں سے ایک ہے۔ اور یہ اس حیثیت سے ہے کہ وہ غبن فاحش کے ساتھ ہو جیسا کہ گزر چکا ہے۔

36823_(قوله: لَا يَلْتَفِتُ الْقَاضِي إِلَى مَنْ يَزِيدُ) اور قاضی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوگا جو زیادہ قیمت دیتا ہے۔ کیونکہ زیادتی کبھی حاجت اور غرض کے لیے ہوتی ہے نہ کہ اس لیے کہ قیمت اس سے زیادہ ہے جس کے ساتھ وصی نے بیع کی ہے۔ یہاں تک کہ بیع جائز نہیں ہوگی اگر نقصان فاحش اور کثیر ہو۔ ''أدب الاوصیاء''۔

36824_(قوله: لَا يُنْتَقَضُ بَيْعُ الْوَصِيِّ لِذَلِكَ) اس کے لیے وصی کی بیع نہیں ٹوٹے گی یعنی صرف اس زیادتی کے سبب وہ اسے توڑنے کا حکم نہیں دے گا۔ کیونکہ یہ احتمال ہے کہ جتنے کے عوض اس نے اسے بیچا وہی اس کی قیمت ہو۔ پس اسی لیے

وَعَلَى هٰذَا قَيِّمُ الْوَقْفِ إِذَا أَجَرَ مُسْتَغَلَّ الْوَقْفِ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ يَزِيدُ فِي الْأَجْرِ الْكُلُّ فِي الدُّرَرِ مَعْزِيًّا لِلْخَانِيَّةِ فُرُوعٌ يُقْبَلُ قَوْلُ الْوَصِيِّ فِيمَا يَدَّعِيهِ مِنَ الْإِنْفَاقِ بِلَا بَيِّنَةٍ إِلَّا فِي ثِنْتَيْ عَشْرَةَ مَسْأَلَةً عَلَى مَا فِي الْأَشْبَاهِ

اور اسی طرح وقف کے متولی کا حکم ہے کہ جب اس نے وقف کی کرایہ والی شے اجرت پر دی پھر ایک دوسرا آئے اور وہ اس اجرت میں اضافہ کر دے (یعنی زیادہ کرایہ دینے کے لیے تیار ہو تو اجارہ نہیں توڑا جائے گا)۔ یہ تمام مسائل ''الدرر'' میں ''الخانیہ'' کے حوالہ سے مذکور ہیں۔ فروع: وصی کا قول بغیر بینہ کے قبول کیا جائے گا اس صورت میں جس میں خرچ کرنے کا دعویٰ کرتا ہو سوائے بارہ مسائل کے جیسا کہ ''الاشباہ'' میں ہے۔

کہا ہے: بل یرجع الخ بلکہ وہ اہل بصیرت کی طرف رجوع کرے گا۔ فافہم۔ علامہ ''طحطاوی'' نے کہا ہے: اور اگر ''مصنف'' اپنے قول: ثم طلب منه بأكثر کے بعد: مما باعه أو كان في المزايدة يُشترى بأكثر وفي السوق بأقل کہتے تو یہ زیادہ مختصر ہوتا۔

تتمہ

''أدب الاوصياء'' میں کہا ہے: باپ نے اپنے بچے کا مال فروخت کیا پھر اس میں غبن فاحش کا دعویٰ کر دیا، تو اس کا دعویٰ نہ سنا جائے، پس حاکم بچے کی طرف سے نگران مقرر کرے گا اور وہ مشتری کے خلاف اس کا دعویٰ کرے گا۔ اور یہ تب ہے جب باپ ثمن مثل پر قبضہ کرنے کا اقرار کرے یا رسید (رجسٹری) میں اس پر گواہ بنائے۔ لیکن جب وہ اس کے بارے اقرار نہ کرے اور نہ اس پر گواہ بنائے یا کہے: میں نے اسے بیچا ہے اور غبن کو نہیں پہچانتا، یا کہے: میں اسے پہچانتا ہوں لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ بیع اس کے ساتھ جائز نہیں ہوتی، تو اس وقت اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کے بعد غبن کا دعویٰ کرے۔ اور اگر یتیم بالغ ہو گیا پھر اس نے باپ یا وصی کی بیع غبن فاحش کے ساتھ ہونے کا دعویٰ کیا اور مشتری نے اس کا انکار کر دیا تو حال کا فیصلہ کیا جائے گا اگر مدت اتنی مقدار میں نہ ہو جس میں بھاؤ (ریٹ) تبدیل ہو جاتا ہے، ورنہ مشتری کی تصدیق کی جائے گی۔ اور اگر دونوں میں سے ہر ایک نے بینہ قائم کر دیا تو زیادتی کو ثابت کرنے والے کا بینہ اولیٰ ہوگا۔

وہ مسائل جن میں خرچ کرنے کا دعویٰ بینہ کے بغیر قبول نہیں کیا جائے گا

36825۔ (قوله: يُقْبَلُ قَوْلُ الْوَصِيِّ الخ) ''الاشباہ'' میں کہا ہے: وصی کا قول بغیر بینہ کے ان امور میں قبول کیا جاتا ہے جن میں وہ خرچ کرنے کا دعویٰ کرتا ہے سوائے تین صورتوں کے: یتیم کے محرم رشتہ دار پر خرچ کرنا، اس کی زمین کا خراج ادا کرنا، اور اس کے بھاگ جانے والے غلام کو واپس لانے پر خرچ کرنا۔ ملخصاً۔ پھر کہا: حاصل کلام یہ ہے کہ اس کا قول ان امور میں قبول کیا جاتا ہے جن میں وہ دعویٰ کرتا ہے مگر بارہ مسائل میں الخ۔ پس ''شارح'' کے لیے اپنے قول من الانفاق کو حذف کرنا مناسب ہے۔

تنبیہ

''ذخیرہ'' میں ہے: وصی کو چاہیے کہ وہ صغیر پر نفقہ میں تنگی نہ کرے بلکہ اسراف (فضول خرچی) کے بغیر اسے وسعت

ادَّعَى قَضَاءَ دَيْنِ الْمَيِّتِ، وَادَّعَى قَضَاءَهُ مِنْ مَالِهِ بَعْدَ بَيْعِ التَّرِكَةِ قَبْلَ قَبْضِ ثَمَنِهَا، أَوْ أَنَّ الْيَتِيمَ اسْتَهْلَكَ مَالًا آخَرَ فَدَفَعَ ضَمَانَهُ، أَوْ أُذِنَ لَهُ بِتِجَارَةٍ فَرَكِبَهُ دُيُونٌ فَقَضَاهَا عَنْهُ،

وہ میت کا قرض ادا کرنے کا دعویٰ کرے، اور ترکہ کی بیع کرنے کے بعد اس کے ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے اپنے مال سے اسے ادا کرنے کا دعویٰ کرے، یا یہ کہ یتیم نے کسی دوسرے کا مال ہلاک کیا اور اس نے اس کا ضمان ادا کیا ہے، یا یتیم کو تجارت کی اجازت دی۔ پس اس پر لوگوں کے قرض ہو گئے تو اس نے اس کی طرف سے وہ قرض ادا کیا،

دے، اور یہ اس کا مال قلیل اور کثیر ہونے کے اعتبار سے متفاوت ہوتا ہے، پس وہ اس کے مال کی طرف دیکھے اور حسب حال خرچ کرے۔ اور ''شیخ الاسلام'' کی ''شرح الاصل'' میں ہے: صغیر بچے بڑے (بالغ) ہو گئے اور انہوں نے وصی پر الزام لگایا اور کہا: بلاشبہ تو نے ہم پر مال کا نفع خرچ کیا ہے یا فلاں نے اس کے ساتھ تبرع کیا ہے تو وصی پر اپنے دعویٰ پر قسم کھانا واجب ہے، مگر جب وہ ایسا دعویٰ کریں جس میں ظاہر حال ان کی تکذیب کرتا ہو، جیسا کہ وہ ایسا دعویٰ کریں جس کی مثل ان کی مثل کے لیے اتنی مدت میں اغلباً کافی نہ ہو۔ اور یہ تب ہے جب وہ تھوڑی شے کے عوض نفقہ مثلی یا اس سے زیادہ کا دعویٰ کرے، اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر تصدیق نہیں کی جائے گی اور وہ اس کا ضامن ہوگا جب تک وہ اپنے دعویٰ کی ایسی تفسیر اور وضاحت نہ کرے جس کا وہ احتمال رکھتا ہو جیسے اس کا قول: میں نے ان کے لیے طعام خریدا اور وہ چوری ہو گیا، پھر میں نے دوسری بار اور تیسری بار خریدا تو وہ ہلاک ہو گیا تو قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ وہ امین ہے۔ یہ ''أدب الاوصیاء'' سے ملخص ہے۔

36826۔ (قولہ: ادَّعَى قَضَاءَ دَيْنِ الْمَيِّتِ) یہاں سے بارہ مسائل کا آغاز ہو رہا ہے، اور ظاہر ہے کہ اس مسئلہ سے مراد وہ ہے جسے ''الاشباہ'' میں ان مسائل کے بیان سے پہلے ذکر کیا ہے جہاں انہوں نے کہا ہے: اور ''جامع الفصولین'' میں ہے: اس کے وصی نے قاضی کے حکم کے بغیر قرض ادا کیا، پس جب یتیم بالغ ہو گیا تو اس نے اپنے باپ پر قرض ہونے کا انکار کر دیا تو اس کا وصی اس کا ضامن ہوگا جو اس نے دیا ہے اگر وہ بینہ نہ پائے، جب وہ ضمان کے سبب یعنی اجنبی کو دینے کا اقرار کرے۔ اور اگر دوسرا قرض خواہ قرض کے ساتھ ظاہر ہو گیا تو اس کا حصہ اسے دے الخ ورنہ اگر وارث اس کے بارے اقرار کرے اور وصی ترکہ سے اسے ادا کرنے کا دعویٰ کرے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔

36827۔ (قولہ: وَادَّعَى الخ) ہم ''أدب الاوصیاء'' سے بیان کر چکے ہیں کہ ''الخانیہ'' میں گواہ بنانے کو شرط قرار دیا ہے اور ''النوازل'' میں اس کی شرط نہیں لگائی۔ اور تو دیکھ کہ ان کے قول: بعد بیع الترکۃ کا فائدہ کیا ہے؟ شاید یہ اتفاقی ہے کیونکہ اس سے پہلے بدرجہ اولیٰ حکم اسی طرح ہے۔

36828۔ (قولہ: أَوْ أَنَّ الْيَتِيمَ اسْتَهْلَكَ مَالًا آخَرَ الخ) اور ''الاشباہ'' میں مال آخر اضافت کے ساتھ ہے۔ یا یہ کہ یتیم نے دوسرے کا مال ہلاک کر دیا۔ اور اس کی صورت یہ ہے: وصی نے اسے کہا بلاشبہ تو نے اپنی صغرسنی میں فلاں کا مال ہلاک کیا تھا سو میں نے تیرے مال سے اسے ادا کر دیا ہے تو اس نے اسے جھٹلا دیا اور کہا: میں نے کوئی شے ہلاک نہیں کی، تو

أَوْ أَدَّى خَرَاجَ أَرْضِهِ فِي وَقْتٍ لَا يَصْلُحُ لِلزِّرَاعَةِ، أَوْ جُعْلَ عَبْدِهِ الْآبِقِ أَوْ فِدَاءَ عَبْدِهِ الْجَانِي

یا اس نے یتیم کی زمین کا خراج ادا کیا ایسے وقت میں جب وہ زراعت کی صلاحیت نہیں رکھتی، یا اس نے اس کے بھاگ جانے والے غلام کو پکڑ کر لانے والے کو دیا ہے، یا اس نے جنایت کرنے والے غلام کا فدیہ دیا ہے

اس میں قول یتیم کا قبول ہوگا اور وصی اس کا ضامن ہوگا مگر یہ کہ وہ بینہ قائم کر دے جیسا کہ ''أدب الاوصیاء'' میں ہے۔

36829۔ (قولہ: أَوْ أَدَّى خَرَاجَ أَرْضِهِ الخ) یا وہ اس کی زمین کا خراج ادا کرے، اور اسی طرح جب وصی دعویٰ کرے کہ یتیم کا باپ دس سال سے فوت ہو چکا ہے اور اس نے اتنی مدت اس کی زمین کا خراج دیا ہے اور یتیم کہے: میرے باپ کو فوت ہوئے دو سال ہوئے ہیں۔ اور اس پر اجماع کیا ہے کہ اگر خصومت کے دن زمین زراعت کی صلاحیت رکھتی ہو تو وصی کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ مراد یہ ہے اور وہ دونوں اس وقت پر متفق ہوں جس میں یتیم کا باپ فوت ہوا ہے جیسا کہ اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے جو ''شرح تنویر الاذہان'' میں ''التاتر خانیہ'' سے ہے۔ ''ابوالسعود''۔ اور ان کے قول کا ظاہر یہ ہے کہ اگر زمین خصومت کے دن زراعت کی صلاحیت رکھتی ہے، اور اگر خصومت کے دن زراعت کی صلاحیت نہیں رکھتی تو اس کے لیے بینہ ضروری ہے۔ کیونکہ پہلی صورت میں ظاہر حال اس کا شاہد ہے بخلاف دوسری صورت کے۔ اور اسی بنا پر ''شارح'' کا قول: فی وقت لا یصلح للزراعة، أدی کے متعلق نہیں بلکہ وہ ادعی مقدارا کے متعلق ہے یعنی اس نے اس کی زمین کا خراج ادا کرنے کا دعویٰ کیا الخ، ورنہ اس کی نفی ہو جائے گی جو متن میں گزرا ہے کہ اس کا خراج ادا کرنے میں اس کا قول قبول کیا جائے گا، لیکن وہ اس کی تفصیل پر محمول ہے، پس تو اس پر گواہ رہ۔

36830۔ (قولہ: أَوْ جُعْلَ عَبْدِهِ الْآبِقِ) یا وہ اس کے بھاگ جانے والے غلام کو واپس لانے والے کو دے، یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی بنا پر ہے۔ رہا امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول! تو اس کے مطابق اس کا قول بیان کے بغیر قبول کیا جائے گا، اور ''الولوالجیہ'' میں پہلے پر اعتماد کیا ہے۔ اور ''الصدر الشہید'' نے اس میں اختلاف بیان نہیں کیا ہے۔ ''الخلاصہ'' میں کہا ہے: اور کہا گیا ہے کہ اس میں اختلاف ہے اور تمام نے اس پر اجماع کیا ہے کہ وصی اگر کسی آدمی کو کرائے پر لے تا کہ وہ اسے واپس لوٹا لائے تو پھر اس کی تصدیق کی جائے گی جیسا کہ ''الخانیہ'' میں ہے۔ اور ''الاصل'' وغیرہ میں ہے: اگر وہ کہے: میں نے اپنے ذاتی مال سے ادا کیا ہے کہ میں تجھ سے واپس لوٹا لوں گا تو بینہ کے بغیر اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ اسے ''أدب الاوصیاء'' میں بیان کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: اور اس کا ظاہر امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی ترجیح ہے۔ تامل۔

36831۔ (قولہ: أَوْ فِدَاءَ عَبْدِهِ الْجَانِي) یا اس کے جنایت کرنے والے غلام کا فدیہ دے۔ ''الکافی'' میں ہے: اگر اس نے کہا: میں نے تیرے غصب یا تیری جنایت، یا تیرے غلام کی جنایت کا ضمان ادا کیا ہے تو بغیر بینہ کے اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ ''ابوالسعود''۔

میں کہتا ہوں: اس کا ظاہر یہ ہے اگرچہ یتیم جنایت کے بارے اقرار کرے۔ تامل۔

أَوِ الْإِنْفَاقَ عَلَى مَحْرَمِهِ أَوْ عَلَى رَقِيقِهِ الَّذِينَ مَاتُوا أَوِ الْإِنْفَاقَ عَلَيْهِ مِمَّا فِي ذِمَّتِهِ وَكَذَا مِنْ مَالِ نَفْسِهِ حَالَ غَيْبَةِ مَالِهِ وَأَرَادَ الرُّجُوعَ أَوْ أَنَّهُ زَوَّجَ الْيَتِيمَ امْرَأَةً وَدَفَعَ مَهْرَهَا مِنْ مَالِهِ وَهِيَ مَيِّتَةٌ

یا اس کے محرم پر خرچ کرنے کا دعویٰ کیا یا اس کے ان غلاموں پر خرچ کرنے کا دعویٰ کیا جو فوت ہو چکے ہیں، یا اس پر خرچ کرنے کا جو اس کی ذمہ داری میں ہے اور اسی طرح یتیم کا مال موجود نہ ہونے کی حالت میں اپنے مال سے خرچ کرنے کا دعویٰ کیا اور اب اسے واپس لینے کا ارادہ کیا، یا اس نے یتیم کی کسی عورت سے شادی کی اور اس کا مہر اپنے مال سے دیا ہے حالانکہ وہ فوت ہو چکی ہے۔

36832۔(قولہ: أَوِ الْإِنْفَاقَ عَلَى مَحْرَمِهِ) یا اس کے محرم پر خرچ کرے۔''الخانیہ'' میں ہے: وصی نے کہا: قاضی نے تیرے نابینے بھائی کے لیے تیرے مال سے ہر مہینے اتنے درہم نفقہ مقرر کیا تھا۔ پس میں اسے وہ دس سال سے ادا کر رہا ہوں اور بیٹے نے اسے جھٹلا دیا تو پھر وصی کا قول بالاجماع قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ مال کا ضامن ہوگا جب تک وہ قاضی کے مقرر کرنے، اور جس بھائی کے لیے مقرر کیا گیا اسے دینے پر بینہ قائم نہ کرے۔ اور''شرح المجمع'' میں اس کی علت اس طرح بیان کی ہے کہ وہ یتیم کی حوائج اور ضروریات میں سے نہیں ہے۔ بلاشبہ اس کا قول اس شے میں قبول کیا جاتا ہے جو یتیم کی حوائج میں سے ہو۔ پس چاہیے کہ اس کی بیوی کا نفقہ اس طرح نہ ہو۔ کیونکہ وہ اس کی حوائج میں سے ہے۔ اس کی مکمل بحث''الاشباہ'' میں ہے۔

36833۔(قولہ: أَوْ عَلَى رَقِيقِهِ الَّذِينَ مَاتُوا) یا اس نے اس کے ان غلاموں پر خرچ کیا ہے جو فوت ہو چکے ہیں، یہ امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: قول وصی کا قبول ہوگا۔

فقہاء نے اس پر اجماع کیا ہے کہ غلام اگر زندہ ہوں تو پھر قول وصی کا قبول ہے۔ اور کیا حلف لیا جائے گا؟ تو اس میں اختلاف ہے۔ ان میں سے بعض نے کہا ہے: وہ حلف نہیں اٹھائے گا جب تک اس سے خیانت ظاہر نہ ہو۔ اور''البیری'' نے ''البزازیہ'' سے تفصیلاً نقل کیا ہے اور کہا ہے: اگر وہ اس میت کی مثل ہو اور اس کے لیے اس غلام کی مثل ہو سکتا ہو تو پھر قول وصی کا ہوگا ورنہ نہیں۔''ابوالسعود''۔

36834۔(قولہ: أَوِ الْإِنْفَاقَ عَلَيْهِ) یا وہ اس پر خرچ کرے، ہم اس کے بارے میں کلام پہلے کر چکے ہیں۔ اور ان کا قول: مما فی ذمتہ''الاشباہ'' میں نہیں ہے۔ اور اس کے ساتھ اور اس کے مابعد کے ساتھ اس سے احتراز کیا ہے کہ اگر وہ یتیم کے مال سے خرچ کرے تو اس کے نفقہ مثلی میں اس کی تصدیق کی جائے گی جیسا کہ ہم نے اسے''الاصل'' کی شرح سے بیان کر دیا ہے۔ اور ان کا قول: حال غیبة مالہ سے مراد یتیم کا مال ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی موجودگی کی حالت میں بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ اور''أدب الاوصیاء'' میں ہے: اور وصی کا قول اس میں قبول کیا جائے گا جسے وہ یتیم پر اور غلاموں، زمین اور جانوروں میں سے اس کے اموال پر خرچ کرنے کا دعویٰ کرے۔ اور اسی طرح جب وہ اس کا دعویٰ کرے جتنا ان کی مثل پر اتنی مدت میں خرچ کیا جا سکتا ہے، کیونکہ وہ موصی یا قاضی کے قائم مقام ہے۔

36835۔(قولہ: وَهِيَ مَيِّتَةٌ) اور وہ فوت ہو چکی ہو، اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ وہ اگر زندہ ہو یا مردہ لیکن یتیم شادی

الثَّانِیَةَ عَشْرَةَ اتَّجَرَ وَرَبِحَ ثُمَّ ادَّعَی أَنَّهُ کَانَ مُضَارِبًا وَالْأَصْلُ أَنَّ کُلَّ شَیْءٍ کَانَ مُسَلَّطًا عَلَیْهِ فَإِنَّهُ یُصَدَّقُ فِیهِ وَمَا لَا فَلَا یُنَصِّبُ الْقَاضِی وَصِیًّا فِی سَبْعَةِ مَوَاضِعَ مَبْسُوطَةً فِی الْأَشْبَاهِ مِنْهَا إِذَا کَانَ لَهُ دَیْنٌ أَوْ عَلَیْهِ

بارہواں مسئلہ یہ ہے کہ وصی تجارت کرے اور نفع کمائے پھر دعویٰ یہ کرے کہ اس نے بطور مضارب کام کیا ہے۔ اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہر وہ شے جس پر وصی مسلط اور معین ہو تو اس میں اس کی تصدیق کی جائے گی، اور جس پر معین نہ ہو اس میں تصدیق نہیں کی جائے گی۔ قاضی سات مقامات میں وصی مقرر کر سکتا ہے جن کی تفصیل ''الاشباہ'' میں ہے۔ ان میں سے یہ ہیں: جب میت کا قرض دوسروں پر ہو، یا دوسروں کا قرض میت پر ہو،

کرنے کے بارے اقرار کرے تو وہ رجوع کر سکتا ہے (یعنی دیا ہوا مہر اس کے مال سے لے سکتا ہے)۔ تامل۔

36836۔ (قولہ: الثَّانِیَةَ عَشْرَةَ الخ) ''شرح الطحاوی'' میں ہے: وصی یا باپ نے یتیم کے مال میں تصرف کیا اور نفع کمایا، پھر کہا: میں تو مضارب تھا تو نفع میں سے اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی، مگر یہ کہ وہ تصرف کے وقت اس پر شاہد بنائے کہ وہ اس میں مضاربت کے ساتھ تصرف کرے گا اور یہ قضاءً ہے۔ رہا دیانۃً تو اس کے لیے اتنا نفع لینا حلال ہے جس کی اس نے شرط لگائی اگرچہ اس پر وہ شاہد نہ بھی بنائے، ''أدب الاوصیاء''۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس زمانے میں وصی کے لیے یتیم کا مال بطور مضاربت لینا جائز نہیں۔

ہر وہ چیز جس پر وصی مسلط ہو اس میں اس کی تصدیق کی جائے گی

36837۔ (قولہ: فَإِنَّهُ یُصَدَّقُ فِیهِ) اس میں قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی جب ظاہر حال اس کی تکذیب نہ کرے۔ اسے ''حموی'' اور ''بیری'' نے ''الولوالجیہ'' کے باب الصلح سے نقل کیا ہے۔ ''طحطاوی''۔

وہ مقامات جہاں قاضی وصی مقرر کر سکتا ہے

36838۔ (قولہ: مَبْسُوطَةً فِی الْأَشْبَاهِ) یعنی ''الاشباہ'' کے کتاب القضاء میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ اور ''شارح'' نے ان میں سے تین مقام ذکر کیے ہیں۔ ''الاشباہ'' میں کہا ہے: اور اس صورت میں جب میت کا صغیر بیٹا ہو، اور اس صورت میں جب وہ اپنے مورث سے کوئی شے خریدے اور اس کی موت کے بعد عیب کے سبب وہ اسے واپس لوٹانا چاہے، اور اس میں جب صغیر کا باپ مسرف اور فضول خرچ ہو تو قاضی اسے حفاظت کے لیے مقرر کرے۔ اور ''الولوالجیہ'' کے باب القسمۃ میں ایک دوسرے مقام کا ذکر کیا ہے جس میں وہ وصی مقرر کر سکتا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اور جو ''الولوالجیہ'' میں ہے: وہ یہ ہے کہ اگر وہ صغیر، غائبین اور حاضرین کے درمیان جائیداد چھوڑے ان دو میں سے ایک نے اپنا حصہ کسی آدمی کو فروخت کر دیا اور اس نے تقسیم کا مطالبہ کیا تو قاضی غائبین اور صغیر کی طرف سے وکیل بنائے گا۔

36839۔ (قولہ: مِنْهَا إِذَا کَانَ لَهُ دَیْنٌ أَوْ عَلَیْهِ) ان میں سے یہ ہے کہ جب اس (میت) کا یا اس پر قرض ہو تو قاضی وصی مقرر کرے گا تاکہ وہ اسے ثابت کرنے، ادا کرنے اور اس پر قبضہ کرنے میں خصم بن سکے۔

أَوْ لِتَنْفِيذِ وَصِيَّتِهِ- وَزَادَ فِي الزَّوَاهِرِ مَوْضِعَيْنِ آخَرَيْنِ اشْتَرَى الْأَبُ مِنْ طِفْلِهِ شَيْئًا فَوَجَدَهُ مَعِيبًا يُنَصِّبُ الْقَاضِي وَصِيًّا لِيَرُدَّهُ عَلَيْهِ، وَإِذَا احْتِيجَ لِإِثْبَاتِ حَقِّ صَغِيرٍ أَبُوهُ غَائِبٌ غَيْبَةً مُنْقَطِعَةً يُنَصِّبُ وَإِلَّا فَلَا وَعَزَاهُمَا لِمَجْمَعِ الْفَتَاوَى

یا اس کی وصیت کو نافذ کرنے کے لیے (قاضی وصی مقرر کرسکتا ہے)۔ اور ''الزواہر'' میں دوسرے دو مقام کا اضافہ کیا ہے: ایک یہ ہے کہ باپ اپنے بچے سے کوئی شے خریدے اور اسے عیب دار پائے تو قاضی بچے کے لیے وصی مقرر کرے گا تا کہ باپ وہ شے اسے واپس لوٹا دے، اور دوسرا یہ ہے کہ جب صغیر کا حق ثابت کرنے کی حاجت اور ضرورت ہو اور اس کا باپ غیبۃ منقطعہ پر غائب ہو تو قاضی وصی مقرر کرے گا، اور اگر وہ غیبۃ منقطعہ پر غائب نہ ہو تو پھر نہیں۔ اور انہوں نے دونوں کو ''مجمع الفتاوی'' کی طرف منسوب کیا ہے۔

36840_(قولہ: لِيَرُدَّهُ عَلَيْهِ) تا کہ وہ اسے اس پر لوٹا سکے، اس نے یہ فائدہ دیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ وہ خاص طور پر رد کے لیے وصی مقرر کرے نہ کہ مطلقاً۔ کیونکہ اس کے علاوہ میں ولایت باپ کی ہے۔ اور عنقریب آئے گا کہ قاضی کا وصی تخصیص قبول کرسکتا ہے۔

36841_(قولہ: غَيْبَةً مُنْقَطِعَةً) غیبۃ منقطعہ کے ساتھ غائب ہو، اس طرح کہ وہ ایسے شہر میں ہو جہاں قافلے نہ پہنچ سکتے ہوں جیسا کہ ہم نے اسے پہلے بیان کردیا ہے۔

تتمہ

''حموی'' وغیرہ نے اور مسائل کا بھی اضافہ کیا ہے: ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

(1) اگر کوئی شخص قرض کا دعویٰ کرے اور وارث بالغ ہوں جو متوفی کے شہر سے بلد منقطع میں غائب ہوں، اس سے مراد وہ شہر ہے جس کی طرف قافلے نہ آتے جاتے ہوں۔

(2) اگر وارث کہے: میں قرض ادا نہیں کروں گا اور نہ ہی میں ترکہ فروخت کروں گا، بلکہ وہ ترکہ قرض خواہ کے حوالے کردے تو ترکہ کی بیع کے لیے قاضی وصی مقرر کرے۔

(3) اگر مبیع کا کوئی مستحق بن جائے اور پھر مشتری چاہے کہ وہ اپنے ثمن واپس لوٹا لے، درآنحالیکہ اس کا بائع فوت ہو جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو قاضی اس کی طرف سے وصی مقرر کرے گا تا کہ مشتری اس کی طرف رجوع کرسکے۔

(4) اگر مبیع غلام آزاد نکل آئے حالانکہ اس کا بائع فوت ہو گیا اور اس نے کوئی شے، وارث اور وصی نہ چھوڑا تو قاضی وصی مقرر کرے گا تا کہ مشتری اس پر رجوع کرے اور وہ میت کو بیچنے والے پر رجوع کرے۔

(5) اگر مدعی علیہ گونگا ہونے کے ساتھ ساتھ بہرہ اور اندھا ہو اور اس کا کوئی ولی نہ ہو۔

(6) اگر وکیل کوئی شے خریدے اور فوت ہو جائے تو اس کے موکل کے لیے عیب کے سبب اسے واپس لوٹانا جائز ہے۔ اور کہا گیا

......	......	......	......	......	......	......	......	......	......	......

ہے کہ اس کے وارث یا اس کے وصی کے لیے جائز ہے، اور اگر وہ نہ ہو تو پھر اس کے موکل کے لیے اختیار ہے، یہ ''ابواللیث'' کی روایت پر ہے۔ اور ایک روایت میں ہے: قاضی رد کے لیے وصی مقرر کرے گا۔

(7) اگر وصی فوت ہو جائے تو صغیر کے مال میں سے جو اس نے فروخت کیا اس میں مطالبہ کی ولایت وصی یا وصیۃ کے ورثا کے لیے ہے اور اگر وہ نہ ہو تو قاضی وصی مقرر کرے۔

(8) اگر مستقرض (قرض لینے والا) مال لے کر آئے تا کہ وہ اسے دے دے پس مقرض (قرض دینے والا) چھپ جائے تو قاضی اس میں مستقرض کے مطالبہ پر وصی مقرر کرے گا تا کہ وہ مال پر قبضہ کر لے۔

(9) کسی نے اپنی ذات کے لیے اس شرط پر کفیل بنایا کہ اگر کل تک وہ اسے ادا نہ کرے تو اس کا قرض کفیل (ضامن) پر ہوگا، پھر دوسرے دن طالب غائب ہو گیا تو قاضی اس کی طرف سے وکیل مقرر کرے گا اور مقروض (مدیون) قرض اس کے حوالے کر دے گا۔

(10) اگر وصی غائب ہو اور کوئی آدمی میت پر قرض کا دعویٰ کرے تو قاضی میت کی جانب سے خصم مقرر کرے گا۔ ملخصاً۔ اور غیبۃ سے مراد غیبۃ منقطعہ ہے۔

میں کہتا ہوں: وہ زیادہ کیا جائے گا جو باب الوصی کے شروع میں گزر چکا ہے کہ اگر وہ بچے یا کسی دوسرے کے غلام، یا کافر یا فاسق کو وصی بنائے تو قاضی انہیں غیر کے ساتھ بدل دے، اور یہ کہ اگر وہ دو کو وصی بنائے اور ان میں سے ایک فوت ہو جائے اور وہ کسی غیر کو وصی نہ بنائے تو قاضی اس کے ساتھ کسی دوسرے کو ملا دے، اور یہ کہ اگر وصی وصایۃ سے عاجز ہو۔

(11) اور ان میں سے وہ ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اگر وہ اپنے بیٹے کا مال اپنے لیے خریدے تو وہ ثمن سے بری نہیں ہو گا یہاں تک کہ قاضی اس کے بیٹے کے لیے وکیل مقرر کرے، وہ ثمن وصول کرے گا اور پھر وہ باپ کی طرف لوٹا دے گا۔

(12) یہ کہ اگر وصی دین کے مدعی کو صدقہ دے تو وہ صحیح نہیں ہے بلکہ وہ کسی دوسرے کو مقرر کرے تا کہ مدعی اپنے حق تک پہنچ سکے جیسا کہ ہم نے اسے ''الولوالجیہ'' سے بیان کر دیا ہے۔

(13) جب مجنون کافر کی بیوی اسلام لے آئے اور اس کا نہ باپ ہو اور نہ ماں تو اس کی طرف سے قاضی وصی مقرر کرے اور اس کے خلاف فرقت کا فیصلہ کرے جیسا کہ نکاح الکافر کے بیان میں گزر چکا ہے۔

(14) مفقود کی طرف سے وصی مقرر کرنا۔

(15) جب وصی میت پر قرض کا دعویٰ کرے تو قاضی میت کے لیے قرض کی اس مقدار میں وصی مقرر کرے گا جس کا وہ دعویٰ کر رہا ہے اور پہلا بھی وصایۃ سے خارج نہیں ہوگا۔ اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ ''الہندیہ'' میں ہے۔ پس ان مسائل کی تعداد ستائیس تک پہنچ گئی۔ اور یہ ہکلاہٹ اور کثرت حصر کی نفی کرتی ہے۔

وَصِيُّ الْقَاضِي كَوَصِيِّ الْمَيِّتِ إِلَّا فِي ثَمَانٍ لَيْسَ لِوَصِيِّ الْقَاضِي الشِّرَاءُ لِنَفْسِهِ، وَلَا أَنْ يَبِيعَ مِمَّنْ لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ لَهُ، وَلَا أَنْ يَقْبِضَ إِلَّا بِإِذْنٍ مُبْتَدَأً مِنَ الْقَاضِي

قاضی کا وصی میت کے وصی کی مثل ہے سوائے آٹھ صورتوں کے: قاضی کے وصی کے لیے ترکہ میں سے اپنی ذات کے لیے خریدنا جائز نہیں، اور نہ اس سے اس کی بیع کرنا جائز ہے جس کے لیے اس کی شہادت قبول نہ کی جاتی ہو، اور وہ قبضہ نہیں کر سکتا مگر قاضی کی جانب سے نئی اجازت کے ساتھ،

وہ صورتیں جن میں قاضی کا وصی میت کے وصی کی مثل نہیں

36842۔ (قولہ: إِلَّا فِي ثَمَانٍ) مگر آٹھ صورتوں میں، ان پر نادیں کا بھی اضافہ کیا جاتا ہے جسے ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ اور دسویں بھی ہے وہ یہ کہ اگر قاضی کا وصی اس کے لیے وہ اجرت مثل معین کر دے تو وہ جائز ہے بخلاف میت کے وصی کے کہ صحیح روایت کے مطابق اس کے لیے کوئی اجرت نہیں جیسا کہ اسے ''القنیہ'' سے پہلے بیان کر دیا ہے، اور ہم اس پر پہلے کلام کر چکے ہیں۔

36843۔ (قولہ: لَيْسَ لِوَصِيِّ الْقَاضِي الشِّرَاءُ لِنَفْسِهِ) یعنی قاضی کے وصی کے لیے یتیم کے مال میں سے اپنی ذات کے لیے خریدنا اور اپنا مال اس سے بیچنا مطلقاً جائز نہیں۔ بخلاف باپ کے وصی کے، کہ اس کے لیے جائز ہے بشرطیکہ یتیم کے لیے منفعت ظاہر ہو جیسا کہ متن میں گزر چکا ہے، پس اگر اس وصی نے قاضی سے خریدا یا بیچا تو وہ جائز ہے۔ اسے ''حموی'' نے ''البزازیہ'' سے نقل کیا ہے۔

36844۔ (قولہ: وَلَا أَنْ يَبِيعَ الخ) اور بیع کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ اس میں تہمت کا اندیشہ ہے۔ اور بیع پر اقتصار کیا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ شرا کا حکم بھی اسی کی مثل ہے۔ ''طحطاوی''۔

36845۔ (قولہ: وَلَا أَنْ يَقْبِضَ الخ) یعنی اگر قاضی اسے وصی مقرر کرے تاکہ وہ صغیر کی طرف سے اس کے ساتھ خصومت اور مقدمہ لڑے جس نے صغیر کی زمین پر ناحق قبضہ کر رکھا ہے تو اسے اس پر قبضہ کا اختیار نہیں ہوگا مگر جب وصی بنانے کے بعد قاضی اسے نئے سرے سے قبضہ کرنے کی اجازت دے بشرطیکہ اس نے خصومت کی اجازت کے وقت اسے قبضہ کی اجازت نہ دی ہو۔ کیونکہ وہ وکیل کی طرح ہے۔ اور فتویٰ امام ''زفر'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے کہ وکیل بالخصومۃ قبضہ کا مالک نہیں ہوتا بخلاف میت کے وصی کے، کیونکہ وہ بغیر اجازت کے اس کا مالک ہوتا ہے۔ کیونکہ باپ نے اسے اپنی طرف سے نائب اور خلیفہ بنایا ہے۔ پس اس کے خلیفہ کے باقی ہونے کے ساتھ اس کی رائے باقی ہوگی، اور اگر وہ حقیقۃً باقی ہو تو قاضی کو اس کے مال میں تصرف کرنے کا حق حاصل نہیں تو اسی طرح حکم ہے اگر وہ حکماً باقی ہو جیسا کہ ''خصاف'' نے یہی کہا ہے۔ اور یہ اس بارے قطعی فائدہ دیتا ہے کہ میت کا وصی قاضی کے معزول کرنے کے ساتھ معزول نہیں ہوتا۔ ''البیری'' نے کہا ہے: اور اس نے یہ فائدہ دیا ہے کہ قاضی کے لیے میت کے وصی سے ترکہ کی مقدار کے بارے پوچھنا اور اس بارے میں اس کے ساتھ کلام

وَلَا أَنْ يُؤجِرَ الصَّغِيرَ لِعَمَلٍ مَا، وَلَا أَنْ يَجْعَلَ وَصِيًّا عِنْدَ عَدَمِهِ، وَلَوْ خَصَّصَهُ الْقَاضِي تَخَصَّصَ،

اور وہ صغیر کو کسی کام کے لیے بطور اجارہ نہیں دے سکتا، اور نہ ہی وہ اپنی عدم موجودگی کے وقت کسی کو وصی بنا سکتا ہے، اور اگر قاضی اسے خاص کردے تو وہ (اسی کام کے ساتھ) خاص ہو جاتا ہے،

کرنا جائز نہیں ہے، بخلاف قاضی کے وصی کے۔ اور اس کی مکمل بحث اسی میں ہے۔ یہ ''حاشیہ أبی السعود'' کی تلخیص ہے۔ اور جو ''البیری'' نے ذکر کیا ہے وہ مذکورہ آٹھ مسائل پر زائد ہے۔

36846۔ (قولہ: وَلَا أَنْ يُؤجِرَ الصَّغِيرَ لِعَمَلٍ مَا) اور نہ وہ صغیر کو کسی کام کے لیے اجارہ پر دے، یعنی کام جو بھی ہو، اور اسے ''الاشباہ'' میں ''القنیہ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس پر وہ اشکال ہوتا ہے جسے ہم نے پہلے بیان کردیا ہے کہ وہ اس کا اجارہ کرنے کا مالک ہے جس کے لیے بالکل وصایۃ نہ ہو اور وہ اس کا وہ ذورحم محرم ہے جو اس کی گود میں ہو (یعنی زیر پرورش ہو) تامل۔ اور چاہیے کہ اسے کسی پیشہ کے حوالے کرنا مستثنا ہو۔ اور ''أدب الاوصیاء'' میں وصی کے لیے ہے کہ وہ یتیم کی ذات، اس کی زمین اور اس کے تمام اموال کا اجارہ کرسکتا ہے اگرچہ وہ تھوڑے غبن کے ساتھ ہو۔ اور جب اس کا باپ جولاھا (کپڑا بننے والا) یا حجام نہ ہو تو اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ جس کی وہ پرورش کررہا ہے اسے وہ جولاہے یا حجام کے حوالے کردے۔ کیونکہ اس کے سبب وہ عار محسوس کرے گا۔ اس کی مکمل بحث اسی میں ہے۔

36847۔ (قولہ: وَلَا أَنْ يَجْعَلَ وَصِيًّا عِنْدَ عَدَمِهِ) یعنی وہ اپنی موت کے وقت کسی کو وصی نہ بنائے۔ ''الاشباہ'' میں کہا ہے: قاضی کا وصی جب اپنی موت کے وقت کسی کو وصی بنائے تو دوسرا وصی نہیں ہوگا بخلاف میت کے وصی کے، اسی طرح ''تتمہ'' میں ہے۔ پھر ''الخانیہ'' سے وہ نقل کیا ہے جسے بیان کیا ہے کہ وصی وصی بنانے کا مالک ہوتا ہے چاہے وہ میت کا وصی ہو یا قاضی کا وصی ہو۔ اور اسی کی مثل ''القنیہ'' میں ''صاحب المحیط'' سے ہے۔ توفیق وتطبیق آگے آئے گی۔

قاضی کے وصی کی تخصیص کا جواز

36848۔ (قولہ: وَلَوْ خَصَّصَهُ الْقَاضِي تَخَصَّصَ) اور قاضی اسے خاص کردے تو وہ خاص ہو جاتا ہے۔ کیونکہ قاضی نے اسے بطور قضا مقرر کیا ہے اور قضا تخصیص کو قبول کرتی ہے، اور باپ کا وصی اسے قبول نہیں کرتا بلکہ اس کا قائم مقام ہونے کی وجہ سے وہ تمام اشیا میں وصی ہوتا ہے۔ اسے ''بیری'' نے ''بزازیہ'' سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یا اس لیے کہ قاضی کا وصی وکیل کی مثل ہوتا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اور اس کی تخصیص ہو سکتی ہے بخلاف باپ کے وصی کے۔ اور ''التاتر خانیہ'' کے حیل میں ہے کہ کسی نے ایک آدمی کو ان چیزوں کے بارے میں وصی بنایا جو کوفہ میں اس کی ہیں اور دوسرے کو ان کے لیے جو شام میں ہیں اور تیسرے کو ان کے لیے جو بصرہ میں ہیں تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ سب کے سب تمام اشیاء میں وصی ہوں گے، اور وصایۃ کسی نوع، مکان یا زمان کے ساتھ تخصیص کو قبول نہیں کرتی،

وَلَوْ نَهَاهُ عَنْ بَعْضِ التَّصَرُّفَاتِ صَحَّ نَهْيُهُ،
اور اگر وہ اسے بعض تصرفات سے روک دے تو اس کا روکنا صحیح ہے،

بلکہ وہ عام ہوتی ہے۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر ایک اسی میں وصی ہوگا جس کے لیے اسے وصی بنایا گیا، اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول مضطرب ہے۔ اور حیلہ یہ ہے کہ وہ کہے: خاص طور پر ان اشیاء میں جو میری کوفہ میں ہیں (وصی بنایا) ان کے سوا کے لیے نہیں۔ اور اس میں امام ''الحلوانی'' نے اس طرح نظر کی ہے کہ اس کی تخصیص کرنا اسے روکنے اور اس پر پابندی لگانے کی مثل ہے جب کہ وہ اذن عام پر وارد ہو۔ کیونکہ اگر وہ اپنے غلام کو تجارت کے بارے میں اذن عام دے۔ پھر بعض چیزوں میں اس پر پابندی لگا دے تو وہ صحیح نہیں ہوتی اور اس طرح کہ انہوں نے اس میں تردد کیا ہے جب وہ اسے ان چیزوں میں وصی بنائے جو اس کی لوگوں پر لازم ہیں اور ان میں اسے وصی نہ بنائے جو لوگوں کی اس پر ہیں۔ اور اکثر کا موقف یہی ہے کہ ایسا کرنا صحیح نہیں۔ پس اس حیلہ میں ایک نوع کا شبہ ہے۔ ملخصا۔ اور جو ''الخانیہ'' میں ہے وہ ''الحلوانی'' کی نظر کی تائید کرتا ہے اس نے کہا ہے: میں نے اپنا قرض وصول کرنے کے لیے فلاں کو وصی بنایا اور اس کے سوا کسی اور کام کے لیے وصی نہیں بنایا، اور میں نے فلاں دوسرے کو اپنے تمام مال کے بارے وصی بنایا تو ان دونوں میں سے ہر ایک تمام انواع میں وصی ہوگا گویا اس نے دونوں کو وصی بنایا۔ اور اسی کی تائید ان کا یہ مطلق قول بھی کرتا ہے کہ ''میت کا وصی تخصیص کو قبول نہیں کرتا۔'' اور اس کا مفاد یہ ہے کہ وہ مخصوص نہیں ہوگا اگرچہ متعدد ہو۔ لیکن ''الخانیہ'' میں ''ابن الفضل'' سے یہ بھی ہے کہ جب اس نے ایک کو اپنے بیٹے پر اور دوسرے کو اپنی بیٹی پر یا دو میں سے ایک کو اپنے حاضر مال میں اور دوسرے کو اپنے غائب مال میں وصی بنایا، تو اگر اس نے شرط لگا دی کہ ہر ایک اس میں وصی نہیں ہوگا جس میں اس نے دوسرے کو وصی بنایا ہے تو تمام کے نزدیک اسی طرح ہوگا جیسے اس نے شرط لگائی۔ اور اگر شرط نہ لگائی تو پھر مذکورہ اختلاف پر ہی ہوگا، اور فتویٰ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے۔ اور شاید جو ''الخانیہ'' میں پہلے ہے وہ ''حلوانی'' کے قول پر مبنی ہے۔ فتامل۔

میں کہتا ہوں: اور ان چیزوں میں سے جن پر اس کے لیے آگاہ ہونا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جب وہ کسی آدمی کو خیر اور نیکی کے راستوں میں اپنا تہائی مال تقسیم کرنے کے لیے وصی بنائے تو وہ اس کی اولاد اور اس کے ترکہ پر عام وصی ہوگا اگرچہ وہ اس میں کسی غیر کو وصی بنائے۔ یہ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے مفتی بہ قول کی بنا پر ہے۔ پس ان دونوں میں سے ایک کا انفرادی تصرف نافذ نہیں ہوگا اور ہمارے زمانے میں لوگ اس سے غافل ہیں۔ اور یہی واقعۃ الفتوی ہے۔ تحقیق ''الخانیہ'' میں اس پر نص بیان کی ہے اور کہا ہے: اور اگر اس نے ایک آدمی کو قرض کے بارے وصی بنایا اور دوسرے کو اس بارے کہ وہ اس کا غلام آزاد کرے یا اس کی وصیت کو نافذ کرے تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ دونوں ہر شے میں وصی ہوں گے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: ہر ایک اسی میں وصی ہوگا جس پر اسے مقرر کیا گیا دوسرا اس کے ساتھ داخل نہیں ہوگا۔

36849۔ (قولہ: وَلَوْ نَهَاهُ الخ) اور اگر وہ اسے روک دے الخ، یہ تخصیص کو قبول کرنے اور نہ کرنے کی طرف راجع

وَلَهُ عَزْلُهُ وَلَوْ عَدْلًا بِخِلَافِ وَصِیِّ الْمَیِّتِ فِی ذَلِكَ كُلِّهِ وَفِی الْخِزَانَةِ وَصِیُّ وَصِیِّ الْقَاضِی كَوَصِیِّهِ لَوْ الْوَصِیَّةُ عَامَّةً انْتَهَى، وَبِهِ یَحْصُلُ التَّوْفِیقُ وَفِی الْفَتَاوَى الصُّغْرَى تَبَرُّعُهُ فِی مَرَضِهِ إنَّمَا یَنْفُذُ مِنْ الثُّلُثِ عِنْدَ عَدَمِ الْإِجَازَةِ إلَّا فِی تَبَرُّعِهِ فِی الْمَنَافِعِ فَیَنْفُذُ مِنْ الْكُلِّ بِأَنْ أَجَرَ بِأَقَلَّ مِنْ أَجْرِ الْمِثْلِ لِأَنَّهَا تَبْطُلُ بِمَوْتِهِ

اور اس کے لیے اسے معزول کرنا جائز ہے اگرچہ وہ عادل متقی ہو بخلاف ان تمام امور میں میت کے وصی کے۔ اور ''الخزانہ'' میں ہے: قاضی کے وصی کا وصی اس کے وصی کی طرح ہے بشرطیکہ وصیت عام ہو انتھٰی (الخزانہ کا کلام ختم ہوا)۔ اور اس کے ساتھ تطبیق و توفیق حاصل ہو جاتی ہے۔ اور ''الفتاویٰ الصغریٰ'' میں ہے: مریض کا حالت مرض میں تبرع اور احسان کرنا اجازت نہ ہونے کے وقت بلاشبہ ثلث سے نافذ ہوگا، مگر منافع میں اس کا تبرع کل سے نافذ ہوگا اس طرح کہ وہ اجرت مثل سے کم کے ساتھ اس کا اجارہ کرے، کیونکہ وہ اس کی موت کے ساتھ باطل ہو جائے گا۔

ہے۔ ''اشباہ''۔

36850۔ (قولہ: وَلَهُ عَزْلُهُ الخ) اور اس کے لیے اسے معزول کرنا جائز ہے الخ، یہ آٹھواں مسئلہ ہے۔ اور ''شارح'' نے باب الوصی کے شروع میں اسے اس کے ساتھ مقید کیا ہے کہ جب قاضی مصلحت دیکھے، پس اس کی طرف رجوع کرو۔

36851۔ (قولہ: وَصِیُّ وَصِیِّ الْقَاضِی الخ) یعنی جب قاضی کا وصی اپنی موت کے وقت کسی دوسرے کو وصی بنائے تو وہ صحیح ہے اور دوسرا پہلے کی طرح ہو جائے گا اگر پہلے کی وصایۃ عام ہو۔

36852۔ (قولہ: وَبِهِ یَحْصُلُ التَّوْفِیقُ) اور اسی سے توفیق و تطبیق حاصل ہو جاتی ہے، اس طرح کہ ان کے گزشتہ قول: ولا أن یجعل وصیًا عند عدمہ کو اس پر محمول کیا جائے کہ جب وصایہ خاصہ ہو، اور اسی طرح جو ہم نے ''الخانیہ'' اور ''القنیہ'' سے ذکر کیا ہے اسے وصایۃ عامہ پر محمول کیا جائے تو پھر ان کی عبارات میں منافات اور تضاد نہیں ہوگا۔ فافہم۔

حالت مرض میں بلا اجازت مریض کے تبرع اور احسان کرنے کا شرعی حکم

36853۔ (قولہ: بِأَنْ أَجَرَ الخ) یہ فتاویٰ صغریٰ کے کلام میں سے نہیں ہے۔ اور علامہ ''زیلعی'' نے کتاب الغصب میں اس کی صورت اس طرح بیان کی ہے کہ وہ اجنبی کو عاریتاً دے۔ اور ''الاشباہ'' میں کہا ہے: اور اس پر نص بیان کی گئی ہے کہ وہ جب اجرت مثل سے کم کے ساتھ اجارہ کرے تو وہ تمام مال سے نافذ ہوگا۔ اور یہ بھی کہ جب اعارہ جائز ہے تو پھر اجارہ بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ اور اسی کی مثل وہ ہے کہ جب وہ اپنے گھر کی رہائش اور اپنے غلام کی خدمت کے بارے وصیت کرے، تو وہ جس کا ثلث سے اعتبار کیا جائے گا تو وہ نفس دار اور غلام کی ذات ہے نہ کہ دار کی رہائش اور غلام کی خدمت جیسا کہ یہ اپنے محل میں گزر چکا ہے۔ پس حصر مراد نہیں ہے۔

منافع اعیان کے قائم مقام ہوتے ہیں

36854۔ (قولہ: لِأَنَّهَا تَبْطُلُ بِمَوْتِهِ الخ) کیونکہ وہ اس کی موت کے ساتھ باطل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اسے

فَلَا إِضْرَارَ عَلَى الْوَرَثَةِ وَفِي حَيَاتِهِ لَا مِلْكَ لَهُمْ، لَكِنْ فِي الْعِمَادِيَّةِ أَنَّهَا مِنَ الثُّلُثِ
پس وہ ورثا کے لیے نقصان دہ نہ ہوگا، اور اس کی زندگی میں ان کی ملکیت ثابت نہیں۔ لیکن ''العمادیہ'' میں ہے کہ وہ ثلث مال سے نافذ ہوگا،

''طرسوی'' کے قول کا جواب دیتے ہوئے ''شرح الوہبانیہ'' اور ''الاشباہ'' میں ذکر کیا ہے: بلاشبہ یہ مسئلہ قاعدہ کے مخالف ہے، کیونکہ اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ منافع اعیان کے قائم مقام ہوتے ہیں، اور بیع میں ثلث سے اعتبار کیا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: جو میرے لیے ظاہر ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ دوسرے جواب پر اقتصار کرنا اولیٰ ہے، اور وہ یہ کہ اس مسئلے میں دو روایتیں ہیں۔ کیونکہ رہائش اور سکنیٰ کے بارے وصیت میں منفعت ہے، اور خدمت کا اعتبار ثلث سے نہیں کیا جاتا اس کے باوجود کہ وہ موت کے بعد باقی ہے۔ پس اس میں یہ وہم دلانا ہے کہ اجارہ کا باطل ہونا کل مال سے وصیت کا اعتبار کرنے کا سبب ہے حالانکہ اس طرح نہیں ہے جیسا کہ آپ جان چکے ہیں۔ تامل۔

36855۔ (قولہ: فَلَا إِضْرَارَ عَلَى الْوَرَثَةِ) یعنی موت کی مابعد صورت میں وارثوں کا کوئی نقصان نہیں۔ کیونکہ اجارہ جب باطل ہو گیا تو منافع ان کی ملکیت ہو گئے۔

36856۔ (قولہ: وَفِي حَيَاتِهِ لَا مِلْكَ لَهُمْ) اور اس کی زندگی میں ان کے لیے کوئی ملکیت نہیں، پس مستاجر نے موت سے پہلے جو کچھ حاصل کر لیا ہے اس میں بھی ان (ورثا) کے لیے کوئی ضرر اور نقصان نہیں۔ اور اسی کے ساتھ وہ اعتراض بھی ساقط ہو گیا جو اس پر وارد کیا گیا ہے کہ اگر مثال کے طور پر وہ اس کا اجارہ چالیس کے عوض کرے جس کی اجرت سو ہے، اور اس کا مرض طویل ہو جائے یہاں تک کہ مستاجر اجارہ کی مدت میں منفعت حاصل کر لے، تو اگر وہ (نفع) تہائی مال سے زیادہ ہوا تو یہ ورثا کے لیے نقصان دہ ہے۔ فافہم۔

اور ''شرح البیری'' میں ''المحیط'' کے باب المزارعۃ سے ہے کہ غرما (قرض خواہ) اور ورثا کا حق اس کے ساتھ متعلق ہوتا ہے جس میں وراثت جاری ہوتی ہے اور وہ اعیان ہیں، اور اس کے ساتھ حق متعلق نہیں ہوتا جس میں وراثت جاری نہیں ہوتی جیسا کہ منافع اور وہ شے جو مال سے نہ ہو۔ کیونکہ وراثت اس میں جاری ہوتی ہے جو دو زمانوں میں باقی رہتی ہے تاکہ وہ موت کے ساتھ میت کی جانب سے ان کی طرف منتقل ہو سکے اور منافع دو زمانوں میں باقی نہیں رہتے۔ اور ''البیری'' نے اس حصر پر اس طرح اعتراض کیا ہے کہ یہ منافع کے حیز اور محل میں ہے۔ کیونکہ قصاص بالنفس سے معافی مال نہیں ہے۔ اسی لیے مریض کا جمیع مال سے اسے معاف کرنا صحیح ہے۔ اور ''ابوالسعود'' نے اسے ثابت رکھا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ عجیب ہے، کیونکہ یہ تو حصر کے لیے موید ہے، اس کے لیے مانع نہیں ہے۔ پس اس میں غور و فکر کر لو۔

36857۔ (قولہ: لَكِنْ فِي الْعِمَادِيَّةِ أَنَّهَا مِنَ الثُّلُثِ) لیکن ''العمادیہ'' میں ہے کہ یہ ثلث مال سے نافذ ہوگا، اور اسی کی مثل ''الکشف'' میں ہے جیسا کہ ہم نے اسے باب العتق فی المرض میں ''القہستانی'' سے پہلے بیان کر دیا ہے، اور وہاں ہم

فَلَعَلَّهُ رِوَايَتَانِ بَاعَ مَالَ الْيَتِيمِ أَوْ ضَيْعَتَهُ وَالْمُشْتَرِي مُفْلِسٌ يُؤَجَّلُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، فَإِنْ نَقَدَ وَإِلَّا فُسِخَ، فَإِنْ أَنْكَرَ الشِّرَاءَ وَقَدْ قَبَضَ يَرْفَعُ الْوَصِيُّ الْأَمْرَ لِلْحَاكِمِ فَيَقُولُ إِنْ كَانَ بَيْنَكُمَا بَيْعٌ فَقَدْ فَسَخْتُه قَبْلَ الْوَصِيَّةِ

تو پھر شاید اس میں دو روایتیں ہیں۔ وصی نے یتیم کا مال یا اس کی زمین فروخت کی اور مشتری مفلس ہو تو اسے تین دن کی مہلت دی جائے گی، پس اگر وہ ثمن ادا کر دے (تو بہتر) ورنہ وہ بیع کو فسخ کر دے۔ پھر اگر وہ شرا (خرید) کا انکار کر دے درآنحالیکہ وہ مبیع پر قبضہ کر چکا ہو تو وصی معاملہ حاکم کے پاس پیش کرے۔ اور وہ کہے: بلاشبہ تم دونوں کے درمیان بیع ہو چکی ہے لیکن میں نے اسے فسخ کر دیا ہے وصی نے وصی ہونا قبول کیا،

نے ''الوہبانیہ'' سے پہلے کے ساتھ جزم و یقین بیان کیا ہے۔

36858_(قولہ: أَوْ ضَيْعَتَهُ) یہ خاص کا عطف عام پر ہے۔

36859_(قولہ: يُؤَجَّلُ) یعنی حاکم اسے مہلت دے گا جیسا کہ ''أدب الاوصیاء'' میں ہے۔ اور اس میں غور کر کیا کفیل کا مطالبہ کیا جائے گا جب اس کے بھاگ جانے کا خوف ہو یا وہ فی الحال فسخ کر دے گا جب وہ ثمن ادا نہ کرے؟ انہوں نے اسے بطور نقل تحریر کیا ہے۔

36860_(قولہ: وَقَدْ قَبَضَ) درآنحالیکہ وہ قبضہ کر چکا ہو، تو یہ ظاہر ہے کہ جب اس نے قبضہ نہ کیا تو حکم اسی طرح ہو گا، کیونکہ مراد عقد کو فسخ کرنا ہے۔ ''طحطاوی''۔

36861_(قولہ: فَيَقُولُ) یعنی حاکم اس کے اسے حلف دینے کے بعد کہے گا پس اس نے حلف دیا۔ ''نجم الدین خاصی'' نے کہا ہے: اس طرح کہ فسخ جائز ہے اگرچہ یہ مخاطرہ کے ساتھ معلق کرنا ہے، اور بلاشبہ یہ حاکم کے فسخ کرنے کا محتاج ہے۔ کیونکہ اگر وصی مشتری کے بیع کا انکار کرنے کے بعد خصومت ترک کرنے کا ارادہ کرے تو یہ فسخ اقالہ کے حکم میں ہو جائے گا اور یہ وصی کو لازم ہو گا جیسا کہ اگر وہ دونوں حقیقۃً اقالہ کریں۔ لیکن جب حاکم اسے فسخ کرے تو مبیع اس پر لازم نہیں ہو گی بلکہ وہ میت کی ملک کی طرف لوٹ جائے گی، کیونکہ قاضی کی ولایت کامل اور عام ہے۔ اور اسی کی مثل ''الخانیہ'' میں ہے۔ ''أدب الاوصیاء''۔

تنبیہ

اگر خوشحال آدمی یتیم کا مال ہزار کے عوض خریدے اور مفلس آدمی پندرہ سو کے عوض خریدے تو وصی اسے خوشحال اور دولتمند کے ہاتھ فروخت کرے اور مفلس کی زیادہ قیمت کی طرف توجہ نہ کرے۔ کیونکہ اس میں مال کے ضائع ہونے سے بچاؤ اور احتیاط ہے۔ جیسا کہ ''الخانیہ'' وغیرہ میں ہے۔ ''أدب الاوصیاء''۔

ثُمَّ أَرَادَ عَزْلَ نَفْسِهِ لَمْ يَجُزْ إلَّا عِنْدَ الْحَاكِمِ دَفَعَ لِلْيَتِيمِ مَالَهُ بَعْدَ بُلُوغِهِ وَأَشْهَدَ الْيَتِيمَ عَلَى نَفْسِهِ أَنَّهُ لَمْ يَبْقَ لَهُ مِنْ تَرِكَةِ وَالِدِهِ لَا قَلِيلٌ وَلَا كَثِيرٌ ثُمَّ ادَّعَى شَيْئًا فِي يَدِ الْوَصِيِّ أَنَّهُ مِنْ تَرِكَةِ أَبِي وَبَرْهَنَ تُسْمَعُ

پھر اس نے اپنے آپ کو معزول کرنا چاہا تو یہ جائز نہ ہوگا مگر حاکم کے پاس۔ اس نے یتیم کے بالغ ہونے کے بعد اس کا مال اسے دیا اور یتیم نے اپنے آپ پر گواہ بنالیا کہ اس کے باپ کے ترکہ میں سے کچھ باقی نہیں رہا نہ تھوڑا نہ زیادہ، پھر اس نے وصی کے ہاتھ میں کوئی شے دیکھ کر دعویٰ کیا کہ وہ میرے باپ کے ترکہ میں سے ہے اور اس پر گواہ قائم کر دیئے تو وہ دعویٰ سنا جائے گا۔

اگر وصی وصی ہونا قبول کرلے پھر اپنے آپ کو معزول کرنا چاہے تو اس کا حکم

36862۔ (قولہ: لَمْ يَجُزْ إلَّا عِنْدَ الْحَاكِمِ) یہ جائز نہیں مگر حاکم کے پاس، اسے ''البزازیہ'' میں باب منصوب القاضی میں ذکر کیا ہے جیسا کہ ہم نے اسے باب الوصی کے شروع میں اس سے نقل کیا ہے۔ اور رہا میت کا وصی! تو متن میں گزر چکا ہے کہ میت کے غیب ہونے کا سبب اس کا قبول کرنے کے بعد اسے رد کرنا صحیح نہیں تا کہ وہ اس کی جانب سے مغرور (دھوکا کھایا ہوا) نہ ہو جائے۔ اور ''البزازیہ'' میں ''الایضاح'' سے ہے: اس نے اپنے آپ کو معزول کرنے کا ارادہ کیا تو وہ صرف حاکم کے پاس جائز ہے۔ کیونکہ اس نے قیام (یعنی ذمہ داری ادا کرنے) کا التزام کیا ہے۔ پس وہ اس کے اخراج (یعنی چھوڑنے) کا مالک نہیں ہو سکتا مگر وصی بنانے والے (موصی) کی موجودگی میں یا اس کی موجودگی میں جو اس کے قائم مقام ہو، اور وہ وہ ہے جسے یتیم کے مال میں تصرف کرنے کی ولایت حاصل ہو، اور جب وہ حاکم کے پاس حاضر ہوگا تو وہ اس کی حالت دیکھے گا۔ اگر وہ مامون اور تصرف پر قادر ہوا تو وہ اسے وصایہ سے نہیں نکالے گا۔ کیونکہ اس نے اس کے قیام کا التزام کیا ہے، اور اس کے باقی رکھنے میں وصی کا کوئی نقصان نہیں۔ اور اگر وہ اس کے عجز اور کثرۃ مشغولیت کو دیکھے تو وہ اسے وصایہ سے نکال دے۔ کیونکہ اسے باقی رکھنے میں ضرر اور نقصان ہے اور اس سے مقصود حاصل نہیں ہوگا، کیونکہ معزولی کا مطالبہ کرنے کے بعد اس کی طرف سے اس کے امور کا اہتمام کم ہوگا۔ اور ''الاشباہ'' میں ہے: اور کامل عدل کرنے والا اپنے آپ کو معزول کرنے کا مالک نہیں ہوتا، اور اس میں حیلہ دو چیزیں ہیں الخ۔ اور ہم نے اسے پہلے بیان کر دیا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کرو۔

36863۔ (قولہ: تُسْمَعُ) وہ دعویٰ سنا جائے گا، ''الخانیہ'' میں اس کے بعد کہا ہے: اور اسی طرح اگر وارث اقرار کرے کہ اس نے اس تمام مال پر قبضہ کرلیا ہے جو اس کے والد کے ترکہ میں سے لوگوں کے ذمے تھا، پھر اس نے کسی آدمی پر اپنے والد کے قرضہ کا دعویٰ کیا تو اس کا دعویٰ سنا جائے گا۔ ''الشرنبلالیہ'' میں کہا ہے: اس لیے کہ اس سے مانع اور روکنے والی کوئی شے موجود نہیں۔ کیونکہ اس میں کسی معلوم کو نہ کسی معلوم سے بری کرنا ہے اور نہ مجہول سے۔ پس یہ خالی اقرار ہے جو بری الذمہ قرار دینے کو مستلزم نہیں۔ لہٰذا یہ اس کے دعویٰ کے لیے مانع نہیں ہو سکتا۔ اور ''صاحب الاشباہ'' کو اشتباہ ہوا ہے اور انہیں یہ گمان ہوا ہے کہ یہ براءۃ عامہ کے قبیل سے ہے اور یہ دعویٰ کے مانع ہونے سے مستثنیٰ ہے۔ ملخصاً۔

میں کہتا ہوں: یہ اس پر غالب اور ظاہر نہیں ہے جو ''أدب الاوصیاء'' میں ''المنتقی'' وغیرہ سے اس قول کی زیادتی کے ساتھ

لِلْوَصِيِّ الْأَكْلُ وَالرُّكُوبُ بِقَدْرِ الْحَاجَةِ، قَالَ تَعَالَى۔ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ۔ لَهُ أَنْ يُنْفِقَ فِي تَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَالْأَدَبِ إِنْ تَأَهَّلَ لِذٰلِكَ، وَإِلَّا فَلْيُنْفِقْ عَلَيْهِ بِقَدْرِ

وصی کے لیے بقدر حاجت مال سے کھانا، اور سواری کرنا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ (النساء:6)''اور جو فقیر ہو تو اسے چاہیے کہ وہ معروف طریقہ پر کھائے''۔ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ قرآن کریم اور ادب کی تعلیم میں خرچ کرے اگر وہ (یتیم) اس کا اہل ہو، ورنہ اسے چاہیے کہ وہ اس پر اتنی مقدار خرچ کرے

ہے: ولم یبق عند الوصی لاقلیل ولا کثیر الا استوفاہ الخ پس یہ معین کا اقرار ہے اور اقرار اقرار کرنے والے پر حجت ہوتا ہے۔ تأمل۔ اور کتاب الصلح کے شروع میں یہ مسئلہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور وہاں ''شارح'' نے کہا ہے کہ اس کے قول: لم یبق لی حق ''یعنی اس سے جس پر میں نے قبضہ کیا ہے میرا کوئی حق باقی نہیں''۔ کو اس پر محمول کرنے سے اعیان سے بری قرار دینا باطل ہے تناقض ثابت نہیں ہوتا۔ مکمل بحث وہاں ہے۔

وصی کے لیے بقدر ضرورت مال سے کھانا اور سواری کرنا جائز ہے،

36864۔ (قولہ: لِلْوَصِيِّ الْأَكْلُ الخ) وصی کے لیے کھانا جائز ہے الخ۔ ہم نے ''الخانیہ'' میں پہلے بیان کیا ہے کہ یہ استحسان ہے جب وہ محتاج ہو تو اتنی مقدار جائز ہے جتنی وہ کوشش اور محنت کرے۔ ''أدب الاوصیاء'' میں کہا ہے: اور قیاس یہ ہے کہ وہ نہ کھائے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی عام ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا (النساء:10)

(بیشک وہ لوگ جو یتیموں کے مال ظلم سے کھاتے ہیں)۔

فقیہ نے کہا ہے: شاید قول باری تعالیٰ: وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا اس آیت کے ساتھ منسوخ ہے۔

میں کہتا ہوں: گویا کہ وہ دوسرے قول کو اختیار کرنے کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ اور وہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ''القنیہ'' میں کہا ہے: ''ابوذر'' نے کہا ہے: اور یہی صحیح ہے، کیونکہ وہ وصایا میں بطور تبرع اور احسان شروع ہوا ہے، پس یہ ضمان واجب نہیں کرے گا۔ ''الاسبیجابی'' نے اپنی شرح میں کہا ہے: مگر جب اس کے لیے معین اور معلوم اجرت ہو تو وہ اس کی مقدار کے برابر کھا سکتا ہے۔

یتیم کی تعلیم و تربیت پر مال خرچ کرنے کا جواز

36865۔ (قولہ: لَهُ أَنْ يُنْفِقَ الخ) اس کے لیے جائز ہے کہ وہ خرچ کرے الخ۔ اسی طرح ''مختارات النوازل'' میں ہے۔ اور ''الخلاصہ'' وغیرہ میں ہے: اگر وہ اس کی صلاحیت رکھتا ہو تو جائز ہے اور وصی ماجور ہوگا، ورنہ پھر اس پر لازم ہے کہ وہ اسے اتنی مقدار میں پڑھنے کا پابند بنائے جو وہ اپنی نماز میں پڑھ سکتا ہو۔ پس انہوں نے اسے قرأۃ واجبہ کے ساتھ مقید نہیں کیا۔ تأمل۔ اور ''القنیہ'' میں ہے: اور وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا جو اس نے یتیم بچے اور یتیم بچی کی آپس میں یا کسی اور کے

مَا يَتَعَلَّمُ الْقِرَاءَةَ الْوَاجِبَةَ فِي الصَّلَاةِ مُجْتَبَى- وَفِيهِ جَعَلَ لِلْوَصِيِّ مُشْرِفًا لَمْ يَتَصَرَّفْ بِدُونِهِ، وَقِيلَ لِلْمُشْرِفِ أَنْ يَتَصَرَّفَ وَفِيهِ لِلْأَبِ إِعَارَةُ طِفْلِهِ اتِّفَاقًا لَا مَالِهِ عَلَى الْأَكْثَرِ- وَفِيهِ يَمْلِكُ الْأَبُ لَا الْجَدُّ عِنْدَ عَدَمِ الْوَصِيِّ مَا يَمْلِكُهُ الْوَصِيُّ- يَمْلِكُ الْأَبُ لَا الْجَدُّ قِسْمَةَ مَالٍ مُشْتَرَكٍ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الصَّغِيرِ

جس سے وہ نماز میں قرأۃ واجبہ سیکھ لے۔''مجتبیٰ''۔اور اسی میں ہے: وصی کے لیے مشرف (نگران) مقرر کیا گیا تو وہ اس کے بغیر تصرف نہ کرے، اور کہا گیا ہے کہ مشرف کے لیے تصرف کرنا جائز ہے۔ اور اسی میں ہے کہ باپ کے لیے اپنا بچہ عاریتاً دینا بالاتفاق جائز ہے نہ کہ اس کا مال یہ اکثر روایات کے مطابق ہے۔ اور اسی میں ہے: باپ وصی نہ ہونے کے وقت اس کا مالک ہوتا ہے نہ کہ دادا جس کا وصی مالک ہوتا ہے۔ باپ اپنے اور صغیر کے درمیان مشترک مال کی تقسیم کا مالک ہوتا ہے نہ کہ دادا،

ساتھ منگنی کرنے میں جو کچھ منگیتر مرد اور عورت کے لباس پر، اور مروجہ مہمان نوازی، اور معینہ اور معہودہ تحائف، اور عیدوں کے مواقع پر خرچ کیا اگرچہ اس کا اس سے چارۂ کار ہو۔ اور اس کے ختنہ کے لیے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کی ضیافت کا اہتمام کرنے میں جو خرچ کیا جبکہ وہ اس میں فضول خرچی نہ کرے، اور اسی طرح اس کی دعوت اور جو بچوں میں سے اس کے پاس ہوں اور اسی طرح عیدین کے موقع پر خرچ کرنے سے وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اور بعض نے کہا ہے: وہ دعوت اور عیدین کی ضیافت میں ضامن ہوگا۔ ملخصاً۔ اور ''المغرب'' میں ہے: ''ابوزید'' سے منقول ہے: ادب کا اسم ہر پسندیدہ ریاضت پر بولا جاتا ہے جس سے انسان کسی فضیلت سے متصف ہو کر ظاہر ہوتا ہے۔

36866۔(قولہ: جَعَلَ لِلْوَصِيِّ مُشْرِفًا الخ) اس پر ہم پہلے کلام کر چکے ہیں۔

وصی اور باپ کے لیے صغیر کا مال عاریتاً دینا جائز ہے

36867۔(قولہ: لِلْأَبِ إِعَارَةُ طِفْلِهِ الخ) ''اسبیجابی'' کی ''شرح طحاوی'' میں ہے: وصی اور باپ کے لیے یتیم کا مال عاریۃً دینا جائز ہے۔ ''عماد الدین'' نے اپنی ''فصول'' میں کہا ہے: یہ ان میں سے ہے جسے بہت زیادہ یاد رکھا جاتا ہے۔ اور ''التجنیس'' میں ''النوازل'' سے ہے: باپ کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اس کے مال میں تجارت کے توابع میں سے نہیں ہے۔ اور ''الذخیرۃ'' میں ہے: اس کے لیے اپنے بچے کا اعارہ جائز ہے۔ رہا اس کے مال کا اعارہ تو اسی طرح بعض کے نزدیک استحساناً ہے نہ کہ اکثر کے نزدیک، اور یہی قیاس ہے۔ اور ''صاحب المحیط'' کے فوائد میں ہے: اس کے بیٹے کا اعارہ جائز ہے جبکہ کوئی فن اور ہنر سیکھنے کے لیے استاذ کی خدمت کے لیے ہو اور علاوہ ازیں جائز نہیں ہے۔ ''ادب الاوصیاء''۔

باپ اپنے اور صغیر کے درمیان مشترک مال کی تقسیم کا مالک ہوتا ہے

36868۔(قولہ: يَمْلِكُ الْأَبُ لَا الْجَدُّ الخ) باپ مالک ہوتا ہے نہ کہ دادا الخ۔ میں کہتا ہوں: ''المجتبیٰ'' کی عبارت ہے: جو صغیر اولاد اور باپ چھوڑ کر فوت ہوا اور اس کا کوئی وصی نہ ہو تو باپ اس کا مالک ہوتا ہے جس کا مالک اس کا وصی ہوتا ہے پس وہ اس کی وصیتیں نافذ کر سکتا ہے۔ اور اس کا قرض ادا کرنے کے لیے سامان اور زمین فروخت کر سکتا ہے اور دادا ایسا نہیں

بِخِلَافِ الْوَصِيِّ يَمْلِكُ الْأَبُ وَالْجَدُّ بَيْعَ مَالِ أَحَدِ طِفْلَيْهِ لِلْآخَرِ، بِخِلَافِ الْوَصِيِّ۔ وَلَوْ بَاعَ الْأَبُ أَوْ الْجَدُّ مَالَ الصَّغِيرِ مِنَ الْأَجْنَبِيِّ بِمِثْلِ قِيمَتِهِ جَازَ

بخلاف وصی کے (کہ اس کے لیے یہ جائز نہیں)۔ باپ اور دادا اپنے دو بچوں میں سے ایک کا مال دوسرے کو بیچنے کے مالک ہوتے ہیں بخلاف وصی کے۔ اور باپ یا دادا نے صغیر کا مال مثلی قیمت کے عوض اجنبی کو بیچ دیا تو وہ جائز ہے

کر سکتا، اسی طرح میں نے اپنے نسخہ میں دیکھا ہے۔ فتامل۔ اور انہوں نے اپنے قول: ولیس للجد ذالك کے ساتھ اس طرف اشارہ کیا ہے جسے ہم فصل سے تھوڑا پہلے ''الخانیہ'' سے بیان کر چکے ہیں کہ میت کا وصی میت کا قرض ادا کرنے کے لیے ترکہ بیچنے کا مالک ہوتا ہے بخلاف دادا کے، اور اگر ''شارح'' کہتے باپ اس کا مالک ہوتا ہے جس کا وصی مالک نہیں ہوتا تو یہ ایسا کلام ہوتا جس کا معنی ظاہر ہے اور اس کے بعد آنے والے مسائل اس پر تفریع ہوتے۔ کیونکہ وہ مسائل ان میں سے ہیں جن میں باپ وصی کا مخالف ہے۔ ''الاشباہ'' کے کتاب الفرائض کے آخر میں ان میں سے گیارہ مسائل ذکر کئے ہیں اور ''حاشیہ حموی'' وغیرہ میں مزید سترہ مسائل زائد کئے ہیں۔ پس اس کی طرف رجوع کرو۔ ان مسائل میں أب سے مراد صغیر کا باپ ہے میت کا باپ نہیں ہے۔

36869۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْوَصِيِّ) بخلاف وصی کے کیونکہ اس کے لیے اپنے اور صغیر کے درمیان مشترک مال کی تقسیم کرنا جائز نہیں جس میں نفع ظاہر ہو۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: تقسیم مطلقاً جائز نہیں ہے۔ ''ذخیرہ''۔ اس میں اصل اس کی بیع کرنا ہے جو تقسیم میں مبادلہ (تبادلہ کرنا) اور افراز (تقسیم کرنا) کے معنی سے ماخوذ ہے۔ پس اوصیاء میں سے ہر وہ جو ترکہ میں سے کوئی شے بیچنے کا مالک ہوتا ہے وہ اس کی تقسیم کا بھی مالک ہوتا ہے، اور جو بیع کا مالک نہیں ہوتا وہ تقسیم کا مالک بھی نہیں ہوتا۔ اور وصی دو صغیروں میں سے ایک کا مال دوسرے کو فروخت کرنے کا مالک نہیں ہوتا۔ پس وہ اس کی تقسیم کا مالک بھی نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ قاضی (ادا کرنے والا) اور متقاضی (تقاضا کرنے والا) ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے تقسیم جائز نہیں۔ اور اسی طرح دو وصیوں میں سے ایک دوسرے سے بیع کرنے کا مالک نہیں ہوتا۔ پس وہ دونوں تقسیم کرنے کے بھی مالک نہیں ہوں گے بخلاف باپ کے۔ پس اس کے لیے اپنی اولاد کا مال تقسیم کرنا جائز ہے۔

اور وصی کے لیے حیلہ یہ ہے کہ وہ دو صغیروں میں سے ایک کا حصہ فروخت کرے اور پھر مشتری کے ساتھ اس کی تقسیم کرے بعد ازاں ثمن کے ساتھ اس سے وہ خرید لے جو اسے فروخت کیا۔ اور اگر ورثا میں بالغ بھی ہوں تو ان کا حصہ انہیں دے اور جو صغیر بچوں کا حصہ ہے وہ مجموعی طور پر بلا تمیز الگ کر لے تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ یہ تقسیم صغیروں کے درمیان جاری نہیں ہوئی بلکہ صغار اور بالغوں کے درمیان جاری ہوئی ہے۔ اور اسی طرح اگر وصی موصی لہ کے ساتھ ثلث کی تقسیم کر لے اور دو ثلث صغار کے لیے روک لے تو یہ بھی جائز ہے۔ اس کی مکمل بحث ''أدب الاوصیاء'' کی فصل القسمہ میں ہے۔ لیکن اس کا قول وکذا أحد الوصیین الخ ہے ''طحطاوی'' نے کہا ہے: اس میں ہے کہ وصی کا بیع اور شرا کے ساتھ اجنبی کے لیے تصرف کرنا قیمت اور

إِذَا لَمْ يَكُنْ فَاسِدَ الرَّأْيِ؛ وَلَوْ فَاسِدَهُ، فَإِنْ بَاعَ عَقَارَهُ لَمْ يَجُزْ، وَفِي الْمَنْقُولِ رِوَايَتَانِ۔ وَلَوْ اشْتَرَى لِطِفْلِهِ ثَوْبًا أَوْ طَعَامًا وَأَشْهَدَ أَنَّهُ يَرْجِعُ بِهِ عَلَيْهِ يَرْجِعُ لَوْ لَهُ مَالٌ وَإِلَّا لَا لِوُجُوبِهِمَا عَلَيْهِ حِينَئِذٍ، وَبِمِثْلِهِ لَوْ اشْتَرَى لَهُ دَارًا أَوْ عَبْدًا يَرْجِعُ سَوَاءٌ كَانَ لَهُ مَالٌ أَوْ لَا،

جبکہ وہ رائے کے اعتبار سے فاسد اور احمق نہ ہو۔ اور اگر وہ فاسد الرائے ہو تو پھر اگر وہ اس کی زمین بیچے تو وہ جائز نہیں، اور منقولہ شے کی بیع میں دو روایتیں ہیں۔ اور اگر وہ اپنے بچے کے لیے کپڑا یا طعام خریدے اور اس پر گواہ بنالے کہ وہ اس کے ساتھ اس پر رجوع کرے گا تو وہ رجوع کرسکتا ہے اگر اس کا مال ہو، ورنہ نہیں، کیونکہ اس وقت یہ دونوں چیزیں اس پر واجب ہیں۔ اور اسی کی مثل اگر وہ اس کے لیے گھر یا غلام خریدے تو وہ رجوع کرسکتا ہے برابر ہے اس کا مال ہو یا نہ ہو۔

غبن یسیر کے ساتھ جائز ہے اور دو یتیموں میں سے ہر ایک دوسرے سے اجنبی ہے۔ اور ہم اس طرح پہلے بیان کر چکے ہیں۔

36870۔ (قولہ: وَلَوْ بَاعَ الْأَبُ أَوْ الْجَدُّ الخ) یہ مسئلہ ''ابن کمال'' سے ''مصنف'' کے قول: ولا یتجر فی مالہ سے پہلے گزر چکا ہے۔ پھر دادا کی بیع صغار پر قرض اور نفقہ کی طرز کے لیے جائز ہے، لیکن اس قرض کے لیے جو میت پر ہو یا اس کی وصیتوں کو نافذ کرنے کے لیے جائز نہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے پس تو اس میں غافل نہ رہ۔

36871۔ (قولہ: إِذَا لَمْ يَكُنْ فَاسِدَ الرَّأْيِ) جب وہ فاسد الرائے نہ ہو، ظاہر ہے انہوں نے وصی کے بارے میں یہ تفصیل بیان نہیں کی۔ کیونکہ میت یا قاضی وصی کے لیے اسی کا انتخاب کرتا ہے جو یتیم کے معاملات حسن تدبیر کے ساتھ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ ''طحطاوی''۔

میں کہتا ہوں: تحقیق فقہاء نے اس بارے تصریح کی ہے کہ وصی کا حکم اب فاسد کا حکم ہے لہٰذا اس میں اس تفصیل کی کوئی حاجت ہی نہیں۔ فافہم۔

36872۔ (قولہ: لَمْ يَجُزْ) وہ جائز نہیں مگر جب وہ اسے دوگنا قیمت کے ساتھ بیچے جیسا کہ ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں۔

36873۔ (قولہ: وَفِي الْمَنْقُولِ رِوَايَتَانِ) اور منقول میں دو روایتیں ہیں، ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ فتویٰ عدم جواز پر ہے۔

36874۔ (قولہ: وَلَوْ اشْتَرَى لِطِفْلِهِ الخ) اور اگر وہ اپنے بچے کے لیے خریدے الخ، ہم فصل کے شروع میں اس پر مکمل کلام کر چکے ہیں۔

36875۔ (قولہ: لِوُجُوبِهِمَا) یعنی کپڑا اور طعام دونوں واجب ہیں، اور اس سے مراد نفقہ اور کسوہ ہے، اس میں حرف عطف أو کی وجہ سے ضمیر کو مفرد لانا اولیٰ ہے۔

36876۔ (قولہ: وَبِمِثْلِهِ) یعنی اس میں کہ وہ دار یا غلام کی قیمت کے ساتھ رجوع کرسکتا ہے اگر وہ گواہ بنالے۔ اور

وَإِنْ لَمْ يُشْهِدْ لَا يَرْجِعُ كَذَا عَنْ أَبِي يُوسُفَ وَهُوَ حَسَنٌ يَجِبُ حِفْظُهُ انْتَهَى

اور اگر وہ گواہ نہ بنائے تو وہ رجوع نہیں کرسکتا۔ اسی طرح امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے اور یہ بہت خوب ہے اس کو یادرکھنا واجب ہے۔ انتہی۔

اس میں اولیٰ با کو حذف کرنا ہے۔

36877۔(قولہ: لَا يَرْجِعُ) اس کے عدم وجوب کی وجہ سے وہ رجوع نہیں کرسکتا۔

36878۔(قولہ: وَهُوَ حَسَنٌ الخ) اور یہ اچھا ہے، اس کے قائل صاحب ''المجتبیٰ'' ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

كِتَابُ الْخُنْثَى

لَمَّا ذَكَرَ مَنْ غَلَبَ وُجُودُهُ ذَكَرَ نَادِرَ الْوُجُودِ (وَهُوَ ذُو فَرْجٍ وَذَكَرٍ أَوْ مَنْ عَرِيَ عَنْ الِاثْنَيْنِ جَمِيعًا،

خنثیٰ کے احکام

جب ''مصنف'' غالب الوجود کا ذکر کر چکے تو نادر الوجود کے ذکر میں شروع ہوئے اور وہ وہ ہے جس کی فرج اور ذکر دونوں ہوں یا وہ دونوں سے خالی ہو۔

لفظ خنثیٰ کی لغوی تحقیق

خُنثی فُعلیٰ کے وزن پر الخَنْث (خاء کے فتحہ اور نون کے سکون کے ساتھ) سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی نرمی اور تکسر ہے۔ کہا جاتا ہے: خَنَثْتُ الشئ فتخنث یعنی میں نے شے کو نرم کیا (یعنی موڑا) تو وہ نرم ہوگئی (مڑ گئی)۔ اور اسی وجہ سے اسے مخنث نام دیا گیا ہے، اور خنثیٰ کی جمع الخناثی (فتحہ کے ساتھ) ہے جیسا کہ حُبلیٰ اور حُبَالی ہے۔ ''شرح السراجیہ للسید''۔

اور تو جان کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو مذکر اور مؤنث پیدا فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (النساء: 1) (اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد میں اور عورتیں (کثیر تعداد میں)۔ اور مزید فرمایا: يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ ۝ (الشوریٰ) (بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے بچیاں اور عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے فرزند۔)

اور ان دونوں میں سے ہر ایک کا حکم بیان فرمایا اور اس کا حکم بیان نہیں کیا جو مذکر اور مؤنث دونوں ہو، تو یہ اس پر دلیل ہے کہ یہ دو وصف ایک آدمی میں جمع نہیں ہو سکتے، اور کیسے جمع ہو سکتے ہیں جبکہ یہ دونوں آپس میں متضاد ہیں۔ ''کفایہ''۔

خنثیٰ کی تفسیر اور علامات

36879۔ (قولہ: وَهُوَ ذُو فَرْجٍ) یہاں اس سے مراد عورت کی قبل ہے ورنہ باتفاق اہل لغت فرج کا اطلاق مرد و عورت کی قبل پر ہوتا ہے۔ ''مغرب''۔

36880۔ (قولہ: أَوْ مَنْ عَرِيَ الخ) یہ لفظ را کے کسرہ کے ساتھ ہے اس کا معنی خالی ہونا ہے۔ ''اِتقانی'' نے کہا ہے: اور یہ ''الاشتباہ'' کی دونوں وجہوں سے زیادہ بلیغ ہے اور اسی لیے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ''مصنف'' کا قول: ذو فرج و ذکر لغوی طور پر خنثیٰ کی تفسیر ہے۔ اور رہا یہ تو ''زیلعی'' وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ اسے خنثیٰ کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے۔ اور اس پر امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول دلالت کرتا ہے: یہ ہمارے نزدیک ہے۔ اور خنثی

فَإِنْ بَالَ مِنَ الذَّكَرِ فَغُلَامٌ، وَإِنْ بَالَ مِنَ الْفَرْجِ فَأُنْثَى وَإِنْ بَالَ مِنْهُمَا فَالْحُكْمُ لِلْأَسْبَقِ، وَإِنْ اسْتَوَيَا فَمُشْكِلٌ، وَلَا تُعْتَبَرُ الْكَثْرَةُ خِلَافًا لَهُمَا، هَذَا قَبْلَ الْبُلُوغِ (فَإِنْ بَلَغَ وَخَرَجَتْ لِحْيَتُهُ

پھر اگر وہ ذکر سے پیشاب کرے تو وہ لڑکا یعنی مذکر ہے، اور اگر وہ فرج سے پیشاب کرے تو وہ مونث ہے، اور اگر وہ دونوں سے پیشاب کرے تو حکم اس کے مطابق ہوگا جس سے پیشاب پہلے آتا ہو، اور اگر دونوں برابر یعنی دونوں سے پیشاب ایک ساتھ آتا ہو تو وہ خنثیٰ مشکل ہے۔ اور پیشاب کی کثرت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اس میں ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اختلاف کیا ہے۔ یہ تفصیل بلوغت سے پہلے کی ہے۔ اور اگر وہ بالغ ہو اور اس کی ڈاڑھی نکل آئے

مشکل حکم میں برابر ہے۔ تحقیق آپ نے ان دونوں کو حکم میں برابر قرار دیا ہے نہ کہ دلالت میں۔ اور اس کا ''الاشتباہ'' میں ابلغ ہونا یہ ہے کہ وہ لغۃً اس کا نام خنثیٰ رکھنے پر دلالت نہیں کرتا۔ اور اسی لیے ''القہستانی'' نے کہا ہے: اگر اس کی دونوں میں سے کوئی شے نہ ہو اور اس کا پیشاب اس کی ناف سے خارج ہو تو وہ خنثیٰ نہیں ہے۔ اور اسی لیے امام اعظم ''ابوحنیفہ'' اور امام ''ابویوسف'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: ہم اس کا نام نہیں جانتے جیسا کہ ''الاختیار'' میں ہے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: بلاشبہ وہ خنثیٰ کے حکم میں ہے۔ فافہم۔

36881۔ (قولہ: فَإِنْ بَالَ الخ) یعنی جب اشتباہ واقع ہو جائے تو حکم پیشاب کے راستے کے مطابق ہوگا۔ کیونکہ ماں سے بچے کے جدا ہونے کے وقت آلہ کی منفعت پیشاب کا خارج ہونا ہے اور یہی آلہ کی اصلی منفعت ہے اور اس کے علاوہ دیگر منافع اس کے بعد پیدا ہوتے ہیں اور یہ زمانہ جاہلیت کا حکم ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے برقرار رکھا ہے۔ اور اس کی مکمل بحث مطولات میں ہے۔

36882۔ (قولہ: فَالْحُكْمُ لِلْأَسْبَقِ) پس حکم أسبق کا ہوگا۔ کیونکہ یہ اس پر دلیل ہے کہ وہ عضو اصلی ہے۔ اور اس لیے کہ جیسے ہی پیشاب خارج ہوا تو حکم اس کے مقتضیٰ کے مطابق لگایا گیا، کیونکہ یہ مکمل اور تام علامت ہے۔ پس وہ اس کے بعد دوسرے آلہ سے پیشاب خارج ہونے کے ساتھ متغیر نہیں ہو سکتی۔ ''زیلعی''۔

خنثیٰ مشکل

36883۔ (قولہ: وَإِنْ اسْتَوَيَا) اور اگر وہ دونوں برابر ہوں، اس طرح کہ پیشاب دونوں راستوں سے ایک ساتھ خارج ہو۔

36884۔ (قولہ: فَمُشْكِلٌ) تو وہ مشکل ہے، یہاں مشکلۃ نہیں کہا، کیونکہ دو امروں میں سے ایک متعین نہیں، پس یہ اصل پر آیا ہے اور وہ تذکیر (مذکر ہونا) ہے، یا پھر اس لیے کہ جب مذکر اور مونث ہونے کا احتمال ہے تو اس میں تذکیر غالب ہے۔ اسے ''الاتقانی'' نے بیان کیا ہے۔

36885۔ (قولہ: وَلَا تُعْتَبَرُ الْكَثْرَةُ) اور کثرت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ قوت پر دلیل نہیں ہے، کیونکہ یہ

أَوْ وَصَلَ إِلَى امْرَأَةٍ أَوْ احْتَلَمَ) كَمَا يَحْتَلِمُ الرَّجُلُ (فَرَجُلٌ، وَإِنْ ظَهَرَ لَهُ ثَدْيٌ أَوْ لَبَنٌ أَوْ حَاضَ أَوْ حَبِلَ أَوْ أَمْكَنَ وَطْؤُهُ فَامْرَأَةٌ، وَإِنْ لَمْ تَظْهَرْ لَهُ عَلَامَةٌ أَصْلًا أَوْ تَعَارَضَتْ الْعَلَامَاتُ فَمُشْكِلٌ) لِعَدَمِ الْمُرَجِّحِ

یا وہ عورت کے ساتھ وطی پر قادر ہو یا اسے احتلام ہو جیسے مرد کو احتلام ہوتا ہے تو وہ مرد ہے، اور اس کے پستان یا دودھ ظاہر ہو جائے یا اسے حیض آئے یا وہ حاملہ ہو یا اس کے ساتھ وطی ممکن ہو تو وہ عورت ہے۔ اور اگر اس میں بالکل کوئی علامت ظاہر نہ ہو یا علامات متعارض ہوں تو کسی علامت کو ترجیح نہ ہونے کی وجہ سے وہ خنثیٰ مشکل ہے۔

مخرج کے کھلا اور تنگ ہونے کے سبب ہوتا ہے نہ کہ اس لیے کہ وہ عضو اصلی ہے، اور اس لیے کہ نفس خروج بذات خود دلیل ہے اور کثیر ہونا اس کی جنس میں سے ہے جس کے ساتھ معارضت کے وقت ترجیح واقع نہیں ہوگی جیسا کہ دو گواہ اور چار گواہ اور امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسے قبیح سمجھا ہے اور کہا ہے: کیا آپ نے کسی قاضی کو دیکھا ہے جو اوقیہ کے ساتھ پیشاب کا ماپ کرتا ہو۔ ''زیلعی''۔

36886۔ (قولہ: كَمَا يَحْتَلِمُ الرَّجُلُ) جیسا کہ آدمی کو احتلام ہوتا ہے اس طرح کہ اس کی منی ذکر سے خارج ہو۔ ''طحطاوی''۔

36887۔ (قولہ: أَوْ لَبَنٌ) یا اس کے پستانوں میں عورتوں کے دودھ کی طرح دودھ اتر آئے، ورنہ مرد کے پستانوں سے بھی کبھی دودھ نکل آتا ہے۔ اور ''الجوہرہ'' میں ہے: پس اگر کہا جائے کہ پستانوں کا ظاہر ہونا ایک مستقل علامت ہے اس لیے دودھ کا ذکر کرنے کی کوئی حاجت نہیں تو کہا گیا ہے: یہ اس لیے ہے کیونکہ کبھی دودھ اتر آتا ہے اور پستان نہیں ہوتا، یا اس کا پستان ظاہر ہو جاتا ہے جو مرد کے پستان سے متمیز نہیں ہوتا، پس جب دودھ اتر آیا تو تمیز واقع ہو جائے گی۔ اسے ''طحطاوی'' نے ''حموی'' سے نقل کیا ہے۔

36888۔ (قولہ: أَوْ حَبِلَ) یا وہ حاملہ ہو جائے، اس طرح کہ وہ روئی کے ساتھ منی لے کر اسے اپنی فرج میں داخل کر دے اور حاملہ ہو جائے۔ اسے ''طحطاوی'' نے ''سری الدین'' سے نقل کیا ہے۔

36889۔ (قولہ: أَوْ أَمْكَنَ وَطْؤُهُ) یا اس کے ساتھ وطی ممکن ہو، اس طرح کہ عورتیں اس کا معائنہ کریں اور وہ اس کا ذکر کریں۔ اسے ''طحطاوی'' نے بیان کیا ہے۔ اور اس کے علاوہ کی عبارت ہے: یا اس سے جماع کیا جائے جیسے عورتوں سے جماع کیا جاتا ہے۔

علامات متعارض ہوں تو ان کا حکم

36890۔ (قولہ: أَوْ تَعَارَضَتْ الْعَلَامَاتُ) یا علامات متعارض ہوں جیسا کہ جب اس کے پستان ابھر آئیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی داڑھی بھی نکل آئے یا اسے مردانہ شرمگاہ سے منی آئے اور زنانہ شرمگاہ سے حیض آئے، یا وہ زنانہ شرمگاہ سے پیشاب کرے اور مردانہ سے منی خارج ہو۔ ''قہستانی''۔

وَعَنِ الْحَسَنِ أَنَّهُ تُعَدُّ أَضْلَاعُهُ فَإِنَّ ضِلْعَ الرَّجُلِ يَزِيدُ عَلَى ضِلْعِ الْمَرْأَةِ بِوَاحِدٍ ذَكَرَهُ الزَّيْلَعِيُّ وَحِينَئِذٍ (فَيُؤْخَذُ فِي أَمْرِهِ بِمَا هُوَ الْأَحْوَطُ) فِي كُلِّ الْأَحْكَامِ قُلْتُ لَكِنْ قَدَّمْنَا أَنَّهُ لَا يَجِبُ الْغُسْلُ بِالْإِيلَاجِ فِيهِ وَأَنَّهُ لَا يَتَعَلَّقُ التَّحْرِيمُ بِلَبَنِهِ فَتَنَبَّهْ

اور ''حسن'' سے منقول ہے کہ اس کی پسلیاں شمار کی جائیں گی۔ کیونکہ مرد کی پسلی عورت کی پسلیوں پر ایک زیادہ ہوتی ہے۔ اسے ''زیلعی'' نے ذکر کیا ہے۔ اور اس وقت اس کے بارے میں تمام احکام میں وہ حکم لیا جائے گا جو انتہائی محتاط ہو۔ میں کہتا ہوں: لیکن ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس میں ادخال کرنے سے غسل واجب نہیں ہوتا، اور یہ کہ اس کے دودھ سے تحریم متعلق نہیں ہوتی پس تو اس پر آگاہ رہ۔

36891۔ (قولہ: وَعَنِ الْحَسَنِ) مراد حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ''المعراج'' میں کہا ہے: اور حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان دونوں نے کہا ہے: اس کی پسلیاں شمار کی جائیں گی، کیونکہ عورت کی پسلیاں مرد کی پسلیوں سے زیادہ ہوتی ہیں۔ اور ''جابر بن زید'' نے کہا ہے: اسے دیوار کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا، پس اگر وہ اس پر پیشاب کرے تو وہ مرد ہے، اور اگر وہ اس کے رانوں پر بہہ جائے تو وہ عورت ہے۔ اور یہ دونوں قول صحیح نہیں ہیں۔

36892۔ (قولہ: يَزِيدُ) اس کا صحیح ینقص ہے جس طرح تو جان چکا ہے۔ ''اشباہ'' پر جو ''حموی'' کا حاشیہ ہے اس کی طرف رجوع کرو۔

36893۔ (قولہ: وَحِينَئِذٍ) یعنی اس وقت جب وہ اشکال پیدا کرے۔

36894۔ (قولہ: قُلْتُ الخ) میں کہتا ہوں: اور یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے، بیشک خنثیٰ کے معاملہ میں زیادہ محتاط قول کو لینا ہمیشہ علی سبیل الوجوب نہیں ہے بلکہ کبھی بہت سے مسائل میں مستحب ہوتا ہے۔ ان میں سے وہ ہے جسے ''شارح'' نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اس کے اشکال نے شبہ پیدا کر دیا ہے اور یہ اسے رفع نہیں کر سکتا جو بالیقین ثابت ہے۔ کیونکہ جنابت اور تحریم کا نہ ہونا یہ دونوں یقیناً ثابت ہیں۔ پس یہ دونوں اس کے مونث ہونے کے شبہ کے ساتھ مرتفع نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا احتیاط مستحب ہے بخلاف اس کی توریث وغیرہ کے جس کا بیان آگے آ رہا ہے۔ کیونکہ اس میں ثابت کا رفع یقینی نہیں ہے اس لیے اس میں احتیاط واجب ہے۔ اور جو ہم نے کہا ہے اس پر وہ دلالت کرتا ہے جو ''غایۃ البیان'' میں علامہ ''سرخسی'' کی ''شرح الکافی'' سے ہے: جب وہ عورتوں کی صف میں کھڑا ہو تو میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ وہ نماز کا اعادہ کرے۔ اسی طرح امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاصل'' میں کہا ہے۔ اور وہ اس لیے ہے کیونکہ مسقط معلوم ہے اور وہ ادا ہے، اور مفسد موہوم اور وہ محاذاۃ ہے۔ اور توہم کی وجہ سے نماز کا اعادہ کرنا زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور اگر وہ مردوں کی صف میں کھڑا ہوا تو اس کی نماز تمام اور مکمل ہوگی اور اس کے دائیں اور بائیں طرف والا آدمی اعادہ کرے گا اور وہ جو اس کے بالمقابل پیچھے ہے اس پر محاذاۃ کے وہم کی وجہ سے نماز کا اعادہ مستحب ہے۔ ملخصاً۔ پھر تجھ پر یہ امر مخفی نہیں ہے کہ یہ کلام اس خنثیٰ کے بارے میں ہے جس میں علامات متعارض

(فَيَقِفُ بَيْنَ صَفِّ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ) (وَ) إِذَا بَلَغَ حَدَّ الشَّهْوَةِ (تُبْتَاعُ لَهُ أَمَةٌ تَخْتِنُهُ مِنْ مَالِهِ) لِتَكُونَ أَمَتَهُ أَوْ مِثْلَهُ (وَيُكْرَهُ أَنْ يَخْتِنَهُ رَجُلٌ أَوْ امْرَأَةٌ) احْتِيَاطًا وَلَا ضَرُورَةَ، لِأَنَّ الْخِتَانَ عِنْدَنَا سُنَّةٌ (وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ فَمِنْ بَيْتِ الْمَالِ

اور وہ مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہوگا۔ اور جب حد شہوت کو پہنچ جائے تو اس کے لیے اس کے مال سے ایک لونڈی خریدی جائے گی جو اس کا ختنہ کرے گی تا کہ وہ اس کی لونڈی ہو یا پھر اسی کی مثل (عورت) ہو۔ اور یہ مکروہ ہے کہ کوئی مرد یا عورت اس کا ختنہ کرے، یہ احتیاطاً ہے اور ضروری نہیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک ختنہ سنت ہے۔ اور اگر اس کا کوئی مال نہ ہو تو پھر بیت المال سے اسے خریدا جائے گا

ہوں پس اس میں ادخال کا امکان رد نہیں کیا جا سکتا یا اس کے لیے دودھ کا ظاہر ہونا اس کے مونث ہونے کی علامت ہے۔ پس غسل واجب ہوگا اور تحریم ثابت ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ منفرد ہونے اور تعارض نہ ہونے کے وقت مونث ہونے کی علامت ہے اور اس میں کوئی کلام نہیں ہے۔ فافہم۔

خنثیٰ کے احکام

36895۔ (قولہ: فَيَقِفُ بَيْنَ صَفِّ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ) پس وہ مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان کھڑا ہوگا، کیونکہ اگر وہ مردوں کے ساتھ کھڑا ہو تو احتمال ہے کہ وہ مونث ہو یا عورتوں کے ساتھ کھڑا ہو تو احتمال ہے کہ وہ مرد ہو، اور ہم نے اس کا حکم پہلے بیان کر دیا ہے۔

36896۔ (قولہ: وَإِذَا بَلَغَ حَدَّ الشَّهْوَةِ) اور جب وہ شہوت کی حد تک پہنچ جائے، یعنی جب وہ قریب البلوغ ہو جائے، ورنہ مرد کے لیے اس کا ختنہ کرنا جائز ہے۔ اسے ''قہستانی'' نے ''الکرمانی'' سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: نماز کی شرائط کے بیان سے پہلے ''السراج'' سے گزر چکا ہے کہ صغیر کی کوئی شرمگاہ نہیں ہے پھر جب تک اسے شہوت نہ آئے۔ پس وہ قبل اور دبر ہے۔ پھر وہ دس سال کی عمر تک غلیظ ہو جاتی ہے اور وہ بالغ کی طرح ہو جاتا ہے۔ تامل۔

36897۔ (قولہ: لِتَكُونَ أَمَتَهُ) تا کہ وہ اس کی لونڈی ہو جائے، پس اس کا اس کی طرف دیکھنا جائز ہے اگر وہ مذکر ہو۔ اور ''شارح'' کا قول: أو مثله اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ مونث نہ ہو تو پھر یہ ایک جنس کا اپنی ہی جنس کی طرف دیکھنا ہوگا اور یہ عذر کی حالت میں جائز ہے جیسا کہ ولادت کے وقت دایہ کا دیکھنا یا فرج میں زخم کو اس کا دیکھنا وغیرہ۔

36898۔ (قولہ: احْتِيَاطًا) کیونکہ ہر احتمال میں جنس کا خلاف جنس کی طرف دیکھنا لازم آتا ہے اور وہ زیادہ غلیظ ہے اور وہ بغیر ضرورت کے جائز نہیں۔

36899۔ (قولہ: فَمِنْ بَيْتِ الْمَالِ) یہ تب ہے جب اس کا باپ تنگ دست ہو اور اگر ایسا نہ ہو تو اس کے مال سے اسے خریدا جائے گا۔ اسے ''قہستانی'' نے ''الذخیرہ'' سے نقل کیا ہے۔

ثُمَّ تُبَاعُ، أَوْ يُزَوِّجُ امْرَأَةً خَتَّانَةً لِتَخْتِنَهُ لِأَنَّهُ إِنْ كَانَ ذَكَرًا صَحَّ النِّكَاحُ، وَإِنْ أُنْثٰى فَنَظَرُ الْجِنْسِ أَخَفُّ، ثُمَّ يُطَلِّقُهَا وَتَعْتَدُّ إِنْ خَلَا بِهَا احْتِيَاطًا (وَيُكْرَهُ لَهُ لُبْسُ الْحَرِيرِ وَالْحُلِيِّ، وَلَا يَخْلُو بِهِ غَيْرُ مَحْرَمٍ وَإِنْ قَبَّلَهُ رَجُلٌ ثَبَتَتْ حُرْمَةُ الْمُصَاهَرَةِ

یا وہ کسی ختنہ کرنے والی عورت سے شادی کرے تا کہ وہ اس کا ختنہ کردے۔ کیونکہ اگر وہ مذکر ہوا تو نکاح صحیح ہے، اور اگر وہ مونث ہوا تو ہم جنس کا دیکھنا اخف ہے، پھر وہ اسے طلاق دے گا اور وہ احتیاطاً عدت گزارے گی اگر اس نے اس کے ساتھ خلوت اختیار کی۔ اور اس کے لیے ریشم اور زیور پہننا مکروہ ہے۔ اور غیر محرم اس کے ساتھ خلوت اختیار نہیں کرسکتا، اور اگر کسی آدمی نے اس کا بوسہ لیا تو حرمت مصاہرۃ ثابت ہو جائے گی۔

36900۔ (قولہ: ثُمَّ تُبَاعُ) پھر اسے بیچ دیا جائے گا، اور اس کے ثمن بیت المال میں واپس لوٹا دیئے جائیں گے۔

36901۔ (قولہ: أَوْ يُزَوِّجُ الخ) یا وہ کسی ختنہ کرنے والی عورت سے شادی کرے۔ یہ ''حلوانی'' کا قول ہے۔ ''الکفایہ'' میں کہا ہے: اور ''شیخ الاسلام'' نے ذکر کیا ہے کہ یہ مفید نہیں ہوگا۔ کیونکہ نکاح موقوف ہوگا، اور نکاح موقوف شرمگاہ کی طرف دیکھنے کی اباحت کا فائدہ نہیں دیتا۔

میں کہتا ہوں: اور کبھی اس طرح جواب دیا جاتا ہے کہ اس کا موقوف ہونا بلاشبہ ظاہر کے اعتبار سے ہے، ورنہ نفس الامر میں نکاح یا صحیح ہوگا اگر وہ مذکر ہوا اور دیکھنا حلال ہوگا، یا وہ باطل ہوگا اگر وہ مونث ہوا اور اس میں اپنی ہم جنس کی طرف دیکھنا ہوگا۔ پس ہر حال میں مفید ہے اور اس کی بنا اس حالت پر ہے جو نفس الامر میں ہے۔ تدبر۔

36902۔ (قولہ: ثُمَّ يُطَلِّقُهَا) پھر وہ اسے طلاق دے دے گا، یعنی جب وہ بالغ ہو۔

خنثیٰ کے لیے ریشم اور زیورات پہننا مکروہ ہے

36903۔ (قولہ: وَيُكْرَهُ لَهُ لُبْسُ الْحَرِيرِ وَالْحُلِيِّ) اور اس کے لیے ریشم اور زیور پہننا مکروہ ہے، کیونکہ یہ مردوں پر حرام ہے نہ کہ عورتوں پر، اور اس کی حالت ابھی واضح نہیں ہوئی۔ لہٰذا احتیاط کو لیا جائے گا۔ کیونکہ حرام سے اجتناب کرنا فرض ہے، اور مباح کا اقدام کرنا مباح ہے۔ پس اسے حرام میں واقع ہونے سے بچنے کے لیے مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ ''عنایہ''۔

خنثیٰ کے لیے حرمت مصاہرت کا ثبوت

36904۔ (قولہ: ثَبَتَتْ حُرْمَةُ الْمُصَاهَرَةِ) حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی، پس شہوت کے ساتھ بوسہ دینے والے کے لیے اس کی ماں سے شادی کرنا حلال نہیں ہوگا۔ ''السائحانی'' نے کہا ہے: اور اسی طرح اگر کسی عورت نے اسے بوسہ دیا تو وہ اس کے باپ سے شادی نہیں کرسکتی یہاں تک اس کی حالت واضح ہو جائے اس لیے کہ اس کا بوسہ لینے والے کی مثل ہونا ظاہر ہے۔

میں کہتا ہوں: اور گویا اس کی وجہ یہ ہے کہ خروج میں اصل تحریم ہے۔ اور احتمال ہے کہ وہ بوسہ لینے والے کی مثل ہو تو یہ

(وَلَا يُسَافِرُ بِغَيْرِ مَحْرَمٍ) لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ امْرَأَةٌ (وَإِنْ قَالَ أَنَا رَجُلٌ أَوْ امْرَأَةٌ لَا عِبْرَةَ بِهِ) فِي الصَّحِيحِ لِأَنَّهُ دَعْوَى بِلَا دَلِيلٍ (وَقِيلَ يُعْتَبَرُ) لِأَنَّهُ لَا يَقِفُ عَلَيْهِ غَيْرُهُ، لَكِنْ فِي الْمُلْتَقَى بَعْدَ تَقَرُّرِ إشْكَالِهِ لَا يُقْبَلُ وَقِيلَ يُقْبَلُ

اور وہ غیر محرم کے ساتھ سفر نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ عورت ہو، اور اگر اس نے کہا: میں مرد ہوں یا میں عورت ہوں تو صحیح قول کے مطابق اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ یہ دعویٰ بغیر دلیل کے ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ کوئی دوسرا اس پر واقف نہیں ہوسکتا۔ لیکن ''الملتقی'' میں ہے: اس کا اشکال ثابت ہونے کے بعد اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور بعض نے کہا ہے: اسے قبول کیا جائے گا۔

ثابت ہونے والی اصل ختم نہیں ہوگی۔ پس یہ اس کے منافی نہیں ہے جو ہم نے پہلے تحریر کیا ہے۔ تامل۔

36905۔ (قولہ: وَلَا يُسَافِرُ بِغَيْرِ مَحْرَمٍ) اور وہ غیر محرم کے ساتھ سفر نہیں کرسکتا، یعنی کسی بھی غیر محرم مرد کے ساتھ، اور عورت کے ساتھ سفر کرنا مکروہ ہے اگرچہ وہ محرم ہو، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ عورت ہو۔ پس یہ دو عورتوں کا سفر بغیر کسی محرم کے ہو جائے گا اور یہ حرام ہے۔ ''اتقانی''۔

36906۔ (قولہ: بَعْدَ تَقَرُّرِ إشْكَالِهِ) اس کا ثابت ہونا ہمارے نزدیک یہ ہے کہ وہ ہمیں اس کے بارے آگاہ کر دے جیسا کہ ہم اس کے پستان اور داڑھی دیکھ لیں۔

میں کہتا ہوں: اور اسی کے ساتھ توفیق و تطبیق حاصل ہو جاتی ہے۔ پس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو ''مصنف'' کو وہم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ یہ دو قول ہیں ''زیلعی'' کا کلام ہے انہوں نے کہا ہے: اور اگر خنثیٰ نے کہا: میں مرد یا عورت ہوں اس کا قول قبول نہ کیا جائے اگر وہ مشکل ہو۔ کیونکہ یہ دعویٰ بغیر دلیل کے ہے۔

اور ''النہایہ'' میں ''الذخیرہ'' سے منقول ہے۔ اگر خنثیٰ مشکل کہے: میں مذکر یا مونث ہوں تو اس کا قول قبول کیا جائے گا، کیونکہ وہ اپنی ذات کے حق میں امین ہے اور قول امین کا معتبر ہوتا ہے جب اس کے قول کے خلاف کوئی شے معلوم نہ ہو، اور پہلا قول ''ہدایہ'' میں مذکور ہے۔ یہ ''زیلعی'' کے کلام کی تلخیص ہے۔

میں کہتا ہوں: ان دونوں کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے۔ کیونکہ ''الذخیرہ'' کی خنثیٰ مشکل سے مراد وہ ہے جس کا اشکال ہمارے لیے اس کے اس قول کی دلیل سے ظاہر نہ ہو جس کے خلاف کوئی شے معروف نہ ہو، اور ''الذخیرہ'' کی عبارت کا آخر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے جو ''النہایہ'' میں مذکور ہے اور اس کا بیان ہے: جب اس کا مشکل ہونا معروف نہ ہوا تو جو اس نے کہا ہے اس کے خلاف بھی معروف نہ ہوا تو پھر وہ اس میں سچا ہے جو اس نے کہا ہے۔ اور جب اس کا مشکل ہونا معروف ہو تو جو اس نے کہا ہے اس کا خلاف معروف ہوا، پھر اس سے معلوم ہوگیا کہ وہ اپنے قول میں محض اندازہ لگانے والا ہے۔ کیونکہ جب وہ مشکل ہے تو اس کی ذات کے بارے وہ معروف ہوگا جسے ہم جانتے ہیں۔ اور ''زیلعی'' نے اسے ساقط کر دیا ہے۔ پس اس

قُلت وَبِهِ يَحصُلُ التَّوفِيقُ، وَيَضعُفُ مَا نَقلَهُ القُهُستَانِيُّ عَن شَرحِ الفَرَائِضِ لِلسَّيِّدِ وَغَيرِهِ إِلَّا أَن يُحمَلَ عَلَى هَذَا فَتَنَبَّهُ (وَلَو مَاتَ قَبلَ ظُهُورِ حَالِهِ لَم يُغَسَّلَ وَيُيَمَّم بِالصَّعِيدِ) لِتَعَذُّرِ الغُسلِ (وَلَا يَحضُرُ) حَالَ كَونِهِ مُرَاهِقًا (غُسلَ مَيِّتٍ ذَكَرٍ أَو أُنثَى)

میں کہتا ہوں: اور اسی سے توفیق و تطبیق حاصل ہو جاتی ہے اور اس سے وہ قول کمزور اور ضعیف ہو جاتا ہے جسے ''القہستانی'' نے ''شرح الفرائض للسید'' وغیرہ سے نقل کیا ہے مگر یہ کہ اسے اس پر محمول کیا جائے۔ پس تو اس پر آگاہ رہ۔ اور اگر وہ اپنی حالت ظاہر ہونے سے پہلے فوت ہو جائے تو اسے غسل نہ دیا جائے بلکہ مٹی کے ساتھ تیمم کرایا جائے، اس لیے کہ غسل متعذر ہے۔ اور وہ (خنثیٰ مشکل) قریب البلوغ ہونے کی حالت میں کسی میت کے غسل کے وقت حاضر نہ ہو چاہے وہ میت مذکر ہو یا مونث۔

نے یہ وہم پیدا کیا ہے کہ جو ''الذخیرہ'' میں ہے وہ اس کے خلاف ہے جو ''الہدایہ'' میں ہے۔ اور ''مصنف'' نے ان کی اتباع کی ہے، اور دونوں کو دو قول بنا دیا ہے اس کے باوجود کہ ''الکفایہ'' میں ''ہدایہ'' کے کلام کی شرح ''الذخیرہ'' کے کلام سے ہے۔

36907۔ (قولہ: إِلَّا أَن يُحمَلَ عَلَى هَذَا) مگر یہ کہ اسے اسی پر محمول کیا جائے، اس بنا پر کہ انہوں نے اس کا اشکال ثابت ہونے سے پہلے کا ارادہ کیا ہے۔ اور اس کی تائید یہ کرتا ہے کہ ''سید'' قدس سرہ نے مشکل کا ذکر نہیں کیا ہے اور ان باطل امور کے ساتھ مقید کیا ہے جو ہمارے لیے اس کا اشکال ثابت نہیں کرتے۔ کیونکہ انہوں نے کہا ہے اور اس کا قول مقبول ہے اس لیے کہ یہ امور باطنہ میں سے ہے جسے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر کہا ہے: اور جب خنثیٰ حیض یا منی یا مردوں یا عورتوں کی طرف میلان کی خبر دے تو اس کا قول قبول کیا جائے گا، اور اس کے بعد اس کا رجوع قبول نہیں کیا جائے گا مگر یہ کہ اس کا کذب بالیقین ظاہر ہو جائے مثلاً وہ اس بارے خبر دے کہ وہ مرد ہے پھر وہ بچے کو جنم دے تو پھر اس کے پہلے قول پر عمل ترک کر دیا جائے گا۔

36908۔ (قولہ: وَيُيَمَّم) اور اسے کسی کپڑے کے ساتھ تیمم کرایا جائے اگر تیمم کرانے والا اجنبی ہو۔ اور اگر تیمم کرانے والا ذو رحم محرم ہو تو پھر بغیر کپڑے کے تیمم کرائے گا۔ اور اجنبی اپنا چہرہ اپنے بازوؤں سے پھیر کر رکھے گا۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ عورت ہو۔ اور اسے غسل دینے کے لیے کسی لونڈی کو نہیں خریدا جائے گا جیسا کہ ختنہ کرنے کے لیے اسے خریدا جاتا ہے، اس لیے کہ موت کے بعد وہ اس کا مالک نہیں بن سکتا، لہٰذا یہ خرید غیر مفید ہے۔ ''عنایہ''۔ اور اسی طرح اگر اس کی لونڈی ہو۔ پس اگرچہ اس کی ملکیت اس کی موت کے بعد باقی ہے مگر لونڈی اپنے آقا کو غسل نہیں دے سکتی۔ بخلاف زوجہ کے، اور اسی سے وہ اعتراض دور ہو گیا جو ''ابن کمال'' نے اس کی ملکیت باقی ہونے کے بارے ذکر کیا ہے جیسا کہ اسے ''الدرر المنتقی'' میں تحریر کیا ہے۔

36909۔ (قولہ: وَلَا يَحضُرُ) یعنی وہ (خنثیٰ) کسی مرد یا عورت کو غسل نہیں دے سکتا۔ ''نہایہ'' اور ''معراج''۔ اور مراہق کی قید اس لیے لگائی ہے۔ کیونکہ وہ اغلباً بالغ ہونے کے بعد مشکل باقی نہیں رہتا۔

36910۔ (قولہ: ذَكَرٍ أَو أُنثَى) یعنی میت مرد ہو یا عورت۔ اور بعض نسخوں میں ذکر جر کے ساتھ ہے۔

وَنُدِبَ تَسْجِيَةُ قَبْرِهِ، وَيُوضَعُ الرَّجُلُ بِقُرْبِ الْإِمَامِ ثُمَّ هُوَ ثُمَّ الْمَرْأَةُ إِذَا صَلَّى عَلَيْهِمْ) رِعَايَةً لِحَقِّ التَّرْتِيبِ، وَتَمَامُ فُرُوعِهِ فِي أَحْكَامِهِ مِنَ الْأَشْبَاهِ بَلْ عِنْدِي تَأْلِيفٌ مُجَلَّدٌ مُنِيفٌ (وَلَهُ) فِي الْمِيرَاثِ (أَقَلُّ النَّصِيبَيْنِ) يَعْنِي أَسْوَأَ الْحَالَيْنِ بِهِ يُفْتَى كَمَا سَنُحَقِّقُهُ. وَقَالَا نِصْفُ النَّصِيبَيْنِ،

چاہے وہ میت مذکر ہو یا مونث۔ اور اس کی قبر پر پردہ کرنا مستحب ہے۔ اور امام کے قریب پہلے مرد کو پھر خنثیٰ کو اور پھر عورت کو رکھا جائے گا جب وہ ان پر نماز پڑھائے، تا کہ حق ترتیب کی رعایت ہو جائے۔ اس کے احکام کے بارے میں تمام فروعات ''الاشباہ'' میں ہیں بلکہ میرے نزدیک ضخیم مجلد تالیف ہے، اور میراث میں اس کے لیے دو حصوں میں سے اقل ہوگا یعنی دو حالتوں میں سے اسوأ اور بدتر حالت اس کی ہوگی، اور اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے جیسا کہ ہم عنقریب اس کی تحقیق کریں گے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: اس کے لیے دو حصوں کا نصف ہوگا۔

خنثیٰ مشکل کی قبر پر پردہ کرنا مستحب ہے

36911۔ (قولہ: وَنُدِبَ تَسْجِيَةُ قَبْرِهِ) یعنی اس کی قبر پر پردہ کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ وہ مونث ہو تو پھر واجب پر عمل کیا گیا ہے، اور اگر وہ مذکر ہو تو پردہ کرنا اسے کوئی نقصان نہیں دیتا۔ ''زیلعی''۔ شاید واجب سے عورت کے ستر عورۃ کا ارادہ کیا ہے، ورنہ قبر پر پردہ کرنا تو مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔ ''منح''۔

36912۔ (قولہ: ثُمَّ هُوَ) یعنی پھر خنثیٰ کو رکھا جائے گا، پس اسے مرد کے بعد رکھا جائے گا۔ کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ عورت ہو۔ اور اگر کسی عذر کی وجہ سے اسے مرد کے ساتھ ایک قبر میں دفن کیا جائے تو اسے مرد کے پیچھے رکھا جائے اور ان دونوں کے درمیان مٹی سے آڑ (رکاوٹ) بنا دی جائے۔ اور اگر عورت کے ساتھ دفن کیا جائے تو اسے عورت پر مقدم کیا جائے، کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ مرد ہو۔ اور اسے عورت کی طرح پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے گا۔ اس کی مکمل بحث ''المنح'' میں ہے۔

36913۔ (قولہ: فِي أَحْكَامِهِ) یعنی خنثیٰ کے احکام کی بحث میں، اور انہیں ''المنح'' میں بھی ذکر کیا ہے۔

خنثیٰ کا میراث میں حصہ

36914۔ (قولہ: يَعْنِي أَسْوَأَ الْحَالَيْنِ) مراد دو حالتوں میں سے بدتر حالت ہے، بلاشبہ عبارت کو اس کے ساتھ بدلہ گیا ہے یا یہ اس کے محروم ہونے کی تقدیر کو بھی شامل ہو جائے۔ ''حلبی''۔ ''المنح'' میں کہا ہے: تو جان کہ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو حصوں میں اقل یہ ہے کہ اس کے حصہ کی طرف دیکھا جائے اگر وہ مذکر ہو، اور اس حصہ کی طرف دیکھا جائے اگر وہ مونث ہو، تو ان دونوں میں سے جو حصہ اقل ہوگا وہ اسے دیا جائے گا، اور اگر وہ دو تقدیروں میں سے ایک پر محروم ہو تو پھر اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔

36915۔ (قولہ: وَقَالَا نِصْفُ النَّصِيبَيْنِ) یعنی مذکر اور مونث کے مجموعی حصہ میں سے نصف ہوگا۔ پھر تو جان کہ یہ ''شعبی'' کا قول ہے۔ اور جب آپ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے اشیاخ میں سے ہیں اور آپ کا اس باب میں ان سے یہ قول

فَلَوْ مَاتَ أَبُوهُ وَتَرَكَ مَعَهُ (ابْنًا) وَاحِدًا (لَهُ سَهْمَانِ وَلِلْخُنْثَى سَهْمٌ) وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لَهُ ثَلَاثَةٌ مِنْ سَبْعَةٍ۔ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَهُ خَمْسَةٌ مِنْ اثْنَيْ عَشَرَ۔ وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لَهُ سَهْمٌ مِنْ ثَلَاثَةٍ (لِأَنَّهُ الْأَقَلُّ) وَهُوَ مُتَيَقَّنٌ بِهِ فَيُقْتَصَرُ عَلَيْهِ لِأَنَّ الْمَالَ لَا يَجِبُ بِالشَّكِّ، حَتَّى لَوْ كَانَ الْأَقَلُّ تَقْدِيرَهُ ذَكَرًا قُدِّرَ ابْنًا

پس اگر اس کا باپ فوت ہوا، اور اس نے اس کے ساتھ ایک بیٹا چھوڑا تو اس کے لیے دو حصے ہوں گے اور خنثیٰ کے لیے ایک حصہ ہوگا۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے لیے سات میں سے تین حصے ہوں گے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بارہ میں سے پانچ ہوں گے۔ اور امام اعظم ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے لیے تین میں سے ایک حصہ ہوگا۔ کیونکہ وہی اقل ہے اور وہ اس کے لیے یقینی ہے، پس اسی پر اقتصار کیا جائے گا۔ کیونکہ مال شک کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگر اقل اسے مذکر (مرد) فرض کرنے کی بنا پر ہو تو مذکر فرض کرلیا جائے گا

ہے۔ امام ''ابو یوسف'' اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس کی تخریج میں اختلاف کیا ہے تو پھر یہ ان دونوں کا قول نہیں ہے۔ کیونکہ وہ جو ''السراجیہ'' میں ہے کہ امام اعظم ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہی آپ کے اصحاب کا قول ہے۔ اور وہی عام صحابہ کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور ''النہایہ'' اور ''الکفایہ'' میں ذکر کیا ہے کہ وہ جو عام روایات میں ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں، اور اسی طرح امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے پہلے قول میں آپ کے ساتھ ہیں۔ پھر آپ نے اس کی طرف رجوع کیا جس کے ساتھ ''شعبی'' کے کلام کی تفسیر بیان کی۔

36916۔ (قولہ: وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ الخ) ''زیلعی'' نے کہا ہے: اور امام ''ابو یوسف'' اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہما نے ''شعبی'' کے قول کی تخریج میں اختلاف کیا ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: ان دونوں کے درمیان میراث سات حصوں پر تقسیم ہوگی: بیٹے کے لیے چار حصے ہوں گے اور خنثیٰ کے لیے تین حصے ہوں گے۔ انہوں نے دونوں میں سے ہر ایک کے حصہ میں اس کی انفرادی حالت کا اعتبار کیا ہے۔ پس بیٹا اگر اکیلا ہوتا تو اس کے لیے کل مال ہوتا۔ اور خنثیٰ اگر اکیلا ہو: پھر اگر وہ مذکر ہو تو حکم اسی طرح ہے ورنہ اس کے لیے نصف مال ہوتا۔ پس وہ دونوں حصوں کا نصف لے گا، ایک کل کا نصف اور ایک نصف کا نصف اور مال کا تین چوتھائی ہے۔ اور بیٹے کے لیے کل مال واضح ہے۔ پس دونوں سے ہر چوتھائی رکھا جائے گا۔ پس اس طرح سات حصے بن جائیں گے۔ ان میں سے چار بیٹے کے لیے اور تین خنثیٰ کے لیے ہوں گے۔ کیونکہ انفرادی حالت میں بیٹا کل مال کا مستحق ہوتا ہے اور خنثیٰ تین چوتھائی کا۔ پس دونوں میں سے ہر ایک کو اس کے جمیع حق کے ساتھ بطریق عول اور مضاربت ضرب دی جائے گی۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: ان دونوں کے درمیان بارہ حصوں پر مال تقسیم ہوگا: سات حصے بیٹے کے لیے ہوں گے اور پانچ خنثیٰ کے لیے۔ انہوں نے دونوں میں سے ہر ایک کے حصہ میں اجتماعی حالت کا اعتبار کیا ہے۔ پس اگر خنثیٰ مذکر ہوتا تو مال ان دونوں کے درمیان نصف نصف ہوتا، اور اگر مؤنث ہوتا تو مال تین حصوں میں تقسیم ہوتا۔ پس مذکر ہونے کی صورت میں تقسیم دو سے ہے اور مؤنث ہونے کی صورت میں تقسیم تین سے ہے۔ پس دو میں

كَزَوْجٍ وَأُمٍّ وَشَقِيقَةٍ هِيَ خُنْثَى مُشْكِلٌ، فَلَهُ السُّدُسُ عَلَى أَنَّهُ عَصَبَةٌ، لِأَنَّهُ الْأَقَلُّ وَلَوْ قُدِّرَ أُنْثَى كَانَ لَهُ النِّصْفُ وَعَالَتْ إلَى ثَمَانِيَةٍ، وَلَوْ كَانَ مَحْرُومًا عَلَى أَحَدِ التَّقْدِيرَيْنِ فَلَا شَيْءَ لَهُ كَزَوْجٍ وَأُمٍّ وَوَلَدَيْهَا وَشَقِيقٍ خُنْثَى فَلَا شَيْءَ لَهُ لِأَنَّهُ عَصَبَةٌ، وَلَوْ قُدِّرَ أُنْثَى كَانَ لَهُ النِّصْفُ وَعَالَتْ إلَى تِسْعَةٍ، وَلَوْ مَاتَ عَنْ عَمِّهِ وَوَلَدِ أَخِيهِ خُنْثَى قُدِّرَ أُنْثَى وَكَانَ الْمَالُ لِلْعَمِّ، وَاللهُ تَعَالَى أَعْلَمُ

جیسا کہ (عورت فوت ہو) اور وہ خاوند، ماں اور سگی بہن چھوڑے جو خنثیٰ مشکل ہے تو اس کے لیے چھٹا حصہ ہوگا اس بنا پر کہ وہ عصبہ ہے۔ کیونکہ وہی اقل ہے اور اگر اسے مونث فرض کیا جائے تو اس کے لیے نصف ہوگا اور یہ مسئلہ آٹھ تک عول ہوگا۔ اور اگر وہ دو تقدیروں میں سے ایک پر محروم ہوتا ہے تو اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی جیسا کہ (ایک عورت فوت ہوئی) اور اس نے خاوند، ماں، دو اخیافی بھائی اور ایک سگا بھائی خنثیٰ چھوڑا تو اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی، اس لیے کہ وہ عصبہ ہے۔ اور اگر اسے مؤنث فرض کیا جائے تو اس کے لیے نصف ہے اور مسئلہ نو تک عول ہوگا۔ اور اگر کوئی اپنا چچا اور اپنا خنثیٰ بھتیجا چھوڑ کر فوت ہو تو اسے مؤنث فرض کیا جائے گا اور مال چچا کے لیے ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سے ایک کو دوسرے میں ضرب دینے سے وہ خنثیٰ کے لیے چھ تک پہنچ جائے گا اس بنا پر کہ وہ مؤنث ہے اس کے دو حصے ہیں، اور اس بناء پر کہ وہ مذکر ہے اس کے تین حصے ہیں۔ اور اس (خنثیٰ مشکل) کے لیے دونوں کا نصف ہے اور تین کا نصف کسر ہے۔ پس چھ کو دو میں ضرب دی جائے گی تو وہ بارہ حصے ہو جائیں گے۔ پس خنثیٰ مشکل کے لیے ان دونوں کا نصف پانچ حصے ہوں گے۔ ملخصاً۔ اور اس کی مکمل بحث اسی میں ہے۔ اور ''ہدایہ'' میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول اختیار کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے اس لیے کہ خنثیٰ کا حصہ قلیل ہونے پر اتفاق ہے۔ اور جس طرف امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ گئے ہیں وہ اس کی نسبت اقل ہے جس کی طرف امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ گئے ہیں اور وہ چوراسی حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ اور اس کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ سات کو بارہ میں ضرب دینے سے چوراسی حصے بن جاتے ہیں اور سات میں سے خنثیٰ کے حصے تین ہیں پس تو تین کو بارہ میں ضرب دے تو چھتیس حصے ہو جائیں گے اور بارہ میں سے اس کے حصے پانچ ہیں۔ پس تو انہیں سات میں ضرب دے تو وہ پینتیس حصے ہوں گے، تو اس میں ظاہر ہو گیا کہ تفاوت چوراسی میں سے ایک حصہ کا ہے جیسا کہ ''العنایہ'' وغیرہ میں ہے۔

36917۔ (قولہ: وَوَلَدَيْهَا) یعنی دو اخیافی بھائی۔

36918۔ (قولہ: وَلَوْ مَاتَ عَنْ عَمِّهِ الخ) یعنی اگر کوئی آدمی اپنا چچا اور ایک بھتیجا چھوڑ کر فوت ہوا اس حال میں کہ بھتیجا خنثیٰ ہو۔ عمہ میں ضمیر میت آدمی کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور یہ مؤنث ہونے کی تقدیر پر اس کے محروم ہونے کی مثال ہے اور جو اس سے پہلے ہے وہ اس کے مذکر ہونے کی تقدیر پر ہے۔

36919۔ (قولہ: وَكَانَ الْمَالُ لِلْعَمِّ) اور مال چچا کے لیے ہوگا۔ کیونکہ بھتیجی وارث نہیں ہوتی۔ اور اگر اسے مذکر فرض کیا جائے تو پھر کل مال اس کے لیے ہوگا نہ کہ چچا کے لیے، کیونکہ بھتیجا چچا پر مقدم ہوتا ہے۔ ''طحطاوی''۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مَسَائِلُ شَتّٰی

جَمْعُ شَتِيتٍ بِمَعْنَى مُتَفَرِّقَةٍ وَهُوَ مِنْ دَأْبِ الْمُصَنِّفِينَ لِتَدَارُكِ مَا لَا يُذْكَرُ فِيمَا كَانَ يَحِقُّ ذِكْرُهُ فِيهِ قُلْتُ وَقَدْ أَلْحَقْتُ غَالِبَهَا بِمَحَالِّهَا، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔ (عَرَقُ مُدْمِنِ الْخَمْرِ خَارِجٌ نَجِسٌ) هٰذِهِ مُقَدِّمَةٌ صُغْرَى فِي تَسْلِيمِهَا كَلَامٌ قَدْ وَعَدْتُكَ بِهِ فِي أَوَائِلِ نَوَاقِضِ الْوُضُوءِ (وَكُلُّ خَارِجٍ نَجِسٍ يَنْقُضُ الْوُضُوءَ) هٰذِهِ مُقَدِّمَةٌ كُبْرَى وَ هِيَ مُسَلَّمَةٌ عِنْدَنَا (فَيُنْتِجُ) أَنَّ (عَرَقَ مُدْمِنِ الْخَمْرِ يَنْقُضُ الْوُضُوءَ) لٰكِنَّهُ يَحْتَاجُ لِإِثْبَاتِ الصُّغْرَى وَحَاصِلُهُ مَا فِي الذَّخَائِرِ الْإِشْرَافِيَّةِ لِابْنِ الشِّحْنَةِ مَعْزِيًّا لِلْمُجْتَبَى عَرَقُ الدَّجَاجَةِ الْجَلَّالَةِ نَجِسٌ قَالَ وَعَلَيْهِ فَعَرَقُ مُدْمِنِ الْخَمْرِ نَجِسٌ

متفرق مسائل کے احکام

شتّی شتیت کی جمع ہے اس کا معنی متفرق ہونا ہے۔ اور یہ مصنّفین کا طریقہ ہے تا کہ ان مسائل کا تدارک ہو جائے جو اپنے مناسب مقامات پر ذکر نہیں کئے گئے۔ میں کہتا ہوں: میں نے ان میں سے اکثر مسائل اپنے مناسب مقامات پر ملحق کر دیئے ہیں۔ سب تعریفیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے ہیں۔ دائمی شراب پینے والے کا خارج ہونے والا پسینہ ناپاک ہے۔ یہ شکل اول کا مقدمہ اولیٰ یعنی صغری ہے اسے تسلیم کرنے میں کلام ہے جس کے بارے میں نے نواقض وضو کے اوائل میں تیرے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ اور ہر خارج ہونے والی نجاست وضو کو توڑ دیتی ہے۔ یہ مقدمہ ثانیہ یعنی کبریٰ ہے اور یہ ہمارے نزدیک تسلیم شدہ ہے۔ پس نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ دائمی شراب پینے والے کا پسینہ وضو کو توڑ دیتا ہے۔ لیکن یہ صغریٰ کے اثبات کا محتاج ہے۔ اور اس کا حاصل وہ ہے جو ''ابن شحنہ'' کی ''الذخائر الاشرافیہ'' میں ہے اور وہ ''المجتبیٰ'' کی طرف منسوب ہے: غلاظت کھانے والی مرغی کا پسینہ ناپاک ہوتا ہے۔ فرمایا: اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے دائمی شراب پینے والے کا پسینہ ناپاک ہے

لفظ شتیٰ کی لغوی تحقیق

36920_(قولہ: شَتِيتٍ الخ) شَتّٰی شَتِيت کی جمع ہے، یہ فعیل بمعنی فاعل ہے، اسے فعیل بمعنی مفعول پر محمول کیا گیا ہے جیسے مریض اور مرضی ہے، اسی لیے اس کی جمع فعلی کے وزن پر لائی گئی ہے۔ ''قہستانی''۔

36921_(قولہ: مَا لَا يُذْكَرُ) اس میں اولیٰ مالم یذکر ہے جیسا کہ دیگر نے اسے تعبیر کیا ہے۔

شراب کے عادی کے پسینے کا حکم

36922_(قولہ: فَيُنْتِجُ) پس صغریٰ کو تسلیم کرنے کے بعد شکل اول سے نتیجہ برآمد ہوگا۔

بَلْ أَوْلٰى ثُمَّ قَالَ وَمَا أَسْمَجَ مَنْ كَانَ عَرَقُهُ كَعَرَقِ الْكَلْبِ وَالْخِنْزِيرِ۔ قَالَ ابْنُ الْعِزِّ فَحِينَئِذٍ يَنْقُضُ الْوُضُوءَ، وَهُوَ فَرْعٌ غَرِيبٌ وَتَخْرِيجٌ ظَاهِرٌ۔ قَالَ الْمُصَنِّفُ وَلِظُهُورِهِ عَوَّلْنَا عَلَيْهِ قُلْتُ قَالَ شَيْخُنَا الرَّمْلِيُّ حَفِظَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى كَيْفَ يُعَوَّلُ عَلَيْهِ وَهُوَ مَعَ غَرَابَتِهِ لَا يَشْهَدُ لَهُ رِوَايَةٌ وَلَا دِرَايَةٌ، أَمَّا الْأُولٰى فَظَاهِرٌ إِذْ لَمْ يُرْوَ عَنْ أَحَدٍ مِمَّنْ يُعْتَمَدُ عَلَيْهِ، وَأَمَّا الثَّانِيَةُ فَلِعَدَمِ تَسْلِيمِ الْمُقَدِّمَةِ الْأُولٰى وَيَشْهَدُ لِبُطْلَانِهَا مَسْأَلَةُ الْجَدْيِ إِذَا غُذِّيَ بِلَبَنِ الْخِنْزِيرِ

بلکہ یہ بدرجہ اولیٰ ناپاک ہوگا۔ پھر فرمایا: اور کتنا قبیح ہے وہ جس کا پسینہ کتے اور خنزیر کے پسینے کی طرح ہے۔ ''ابن العز'' نے کہا ہے: پس اس وقت وہ وضو کو توڑ دے گا، اور یہ غریب اور نادر فرع ہے اور تخریج ظاہر ہے۔ ''مصنف'' نے کہا ہے: اس کے ظاہر ہونے کی وجہ سے ہم نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: ہمارے شیخ ''الرملی'' حفظہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: وہ اس پر کیسے اعتماد کرتے ہیں حالانکہ اس کی غرابت کے باوجود نہ کوئی روایت اس کی شہادت دیتی ہے اور نہ درایت۔ جہاں تک روایت کا تعلق ہے تو وہ ظاہر ہے۔ کیونکہ کسی بھی ایسے آدمی سے کوئی روایت نہیں جس پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اور رہی درایت تو وہ اس لیے ہے کہ مقدمہ اولیٰ تسلیم نہیں۔ اور بکری کے بچے کا مسئلہ اس کے باطل ہونے کی شہادت دیتا ہے جبکہ اسے خنزیر کا دودھ بطور غذا پلایا جائے۔

36923۔ (قولہ: بَلْ أَوْلٰى) بلکہ بدرجہ اولیٰ ہے۔ کیونکہ تصرف میں مائع کی تاثیر جامد کی تاثیر سے زیادہ ہوتی ہے۔ ''منح''۔ پس جب وہ مرغی جو جامد نجاست کھاتی ہے اس کا پسینہ نجس اور ناپاک ہے تو ہمیشہ مائع شراب پینے والے کا پسینہ بدرجہ اولیٰ نجس ہوگا۔

36924۔ (قولہ: وَمَا أَسْمَجَ) یہ السماجہ سے ہے اور اس کا معنی قبیح ہونا ہے جیسا کہ القاموس میں ہے۔

36925۔ (قولہ: قَالَ ابْنُ الْعِزِّ) یہ لفظ عین مہملہ اور زا معجمہ کے ساتھ ہے اور یہ ''ہدایہ'' کے شارحین میں سے ہیں۔

36926۔ (قولہ: فَحِينَئِذٍ) یعنی اس وقت جب اس کا پسینہ نجس ہے تو وہ وضو کو توڑ دے گا، کیونکہ یہ قاعدہ ہے: ہر خارج ہونے والی نجاست وضو کو توڑ دیتی ہے۔ ''طحطاوی''۔

36927۔ (قولہ: وَهُوَ مَعَ غَرَابَتِهِ) یعنی اس استنباط کے ساتھ ''ابن العز'' منفرد ہیں۔

36928۔ (قولہ: لَا يَشْهَدُ لَهُ رِوَايَةٌ) یعنی کوئی نقلی دلیل اس کی شہادت نہیں دیتی ولا درایۃ اور نہ کوئی عقلی دلیل اس کی شہادت دیتی ہے۔

36929۔ (قولہ: وَيَشْهَدُ لِبُطْلَانِهَا الخ) اور اس کے باطل ہونے کی شہادت دیتا ہے الخ، اس کا حاصل بکری کے بچے کے مسئلہ پر قیاس سے استدلال کرنا ہے اس علت کے ساتھ کہ جس طرح اس میں خنزیر کا دودھ مکمل طور پر ضم ہو گیا ہے۔ اسی طرح اس میں شراب ضم ہو کر گم ہو گئی ہے۔ اور اسی لیے اس پر اپنے قول: (فکذالك نقول الخ) سے تفریع بیان کی ہے۔ اور

فَقَدْ عَلَّلُوا حِلَّ أَكْلِهِ بِصَيْرُوْرَتِهِ مُسْتَهْلَكًا لَا يَبْقَى لَهُ أَثَرٌ فَكَذٰلِكَ نَقُوْلُ فِي عَرَقِ مُدْمِنِ الْخَمْرِ، وَيَكْفِيْنَا فِيْ ضَعْفِهِ غَرَابَتُهُ

پس فقہاء نے اس کے کھانے کی حلت کی علت اس طرح بیان کی ہے کہ وہ دودھ اس میں اس طرح ضم اور گم ہو جاتا ہے کہ اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ پس اسی طرح ہم مدمن الخمر کے پسینہ کے بارے میں کہیں گے۔ اور اس کے ضعیف ہونے میں ہمارے لیے اس کی غرابت

یہ امر مخفی نہیں ہے کہ قیاس دلیل عقلی ہے۔ فافہم۔

36930۔ (قولہ: بِصَيْرُوْرَتِهِ مُسْتَهْلَكًا) اس کے بالکل ہلاک اور گم ہو جانے کی وجہ سے، بخلاف نجاست کھانے والی مرغی کے، کیونکہ جو کچھ وہ کھاتی ہے وہ جامد ہونے کی وجہ سے ہلاک اور گم نہیں ہوتی بلکہ وہ اس کے گوشت کو بدبو اور فساد میں بدل دیتی ہے۔ تامل، ''حلبی''۔

36931۔ (قولہ: وَيَكْفِيْنَا فِيْ ضَعْفِهِ غَرَابَتُهُ الخ) اور اس کے ضعیف ہونے میں اس کی غرابت ہی ہمارے لیے کافی ہے۔ ''الرملی'' نے بھی ''حاشیۃ المنح'' میں کہا ہے: اور ''کتاب الاشربہ'' میں محقق ''ابن وہبان'' سے گزر چکا ہے کہ جو کچھ ''صاحب القنیہ'' نے قواعد کے مخالف کہا ہے اس پر نہ اعتماد ہے اور نہ اس کی طرف التفات کی ضرورت ہے جب تک کسی غیر کی طرف سے کوئی نقلی دلیل اسے تقویت نہ دے، اور ہمارے علماء متقدمین ومتاخرین میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں کہ دائمی شراب پینے والے کا پسینہ ناقض وضو ہے سوائے اس کے جو ''ابن العز'' نے اس کی بحث کی ہے۔ اور کبھی فرق اس طرح کیا جاتا ہے کہ دائمی شراب خلط ملط ہو جاتا ہے اور نجاست اس طرح خلط ملط نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ اگر وہ بھی خلط ملط ہو جائے تو اس (مرغی) کے پسینہ کی نجاست کا حکم نہیں لگایا جائے گا جیسا کہ فقہاء نے اس کی تفسیر میں کہا ہے۔ اور اس میں غایت اور حد یہ ہے کہ اس بارے میں شک ہے کہ آیا پسینہ اس خمر سے پیدا ہوا ہے یا کسی دوسری شے سے، اور شک کے ساتھ وضو نہیں ٹوٹتا۔ ہم نے غیر سبیلین سے نجاست محققہ کے خارج ہونے سے نقض وضو کو ثابت نہیں کیا مگر قوی علاج اور اپنے اور شافعیہ کے درمیان کلی باحث مباحثہ کے بعد، تو پھر کسی موہومہ شے سے نقض وضو کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟ اور نجاست کھانے والی مرغی کے پسینہ کے نجس ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس کے گوشت کے مکروہ ہونے کے بارے تصریح کی ہے جب وہ متغیر اور بدبودار ہو جائے۔ اور بلاشبہ وہ کراہت کا لفظ حرمت میں شک ہونے کے لیے استعمال کرتے ہیں، اور حرمت نجاست کی فرع ہے اور نقض وضو نجاست کے ساتھ تب ہوتا ہے جب اس کے نجاست ہونے میں کوئی شک نہ ہو۔ اور جو بحث ''ابن العز'' نے کی ہے اس سے اس آدمی کے پسینہ سے ہمیشہ کے لیے وضو کا ٹوٹنا لازم آتا ہے جس نے کوئی نجس شے کھائی یا پی، اور کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ ملخصاً۔

میں کہتا ہوں: اور اس پر اس کے آنسوؤں اور اس کے تھوک سے بھی وضو کا ٹوٹنا لازم آتا ہے، کیونکہ یہ دونوں پسینے کی طرح ہیں۔ اور یہ کہ اس کا لعاب ہمیشہ خارج ہونے کی وجہ سے اس کا حکم معذور کے حکم کی مثل ہونا چاہیے۔ اور یہ کسی نے بھی نہیں کہا۔

وَخُرُوجُهُ عَنِ الْجَادَّةِ فَيَجِبُ طَرْحُهُ عَنِ السَّرْحِ مِنْ مَتْنٍ وَشَرْحٍ (خُبْزٌ وُجِدَ فِي خِلَالِهِ خُرْءُ فَارَةٍ، فَإِنْ كَانَ الْخُرْءُ (صُلْبًا رُمِيَ بِهِ وَأُكِلَ الْخُبْزُ، وَلَا يُفْسِدُ) خُرْءُ الْفَارَةِ (الدُّهْنَ وَالْمَاءَ وَالْحِنْطَةَ) لِلضَّرُورَةِ (إِلَّا إِذَا ظَهَرَ طَعْمُهُ أَوْ لَوْنُهُ) فِي الدُّهْنِ وَنَحْوِهِ لِفُحْشِهِ وَإِمْكَانِ التَّحَرُّزِ عَنْهُ حِينَئِذٍ خَانِيَّةٌ۔ (فِي السُّنَنِ الرَّوَاتِبِ

اور اس کا اس طریقہ پر نکلنا کافی ہے۔ پس اسے متن وشرح سے ساقط کر دینا واجب ہے۔ وہ روٹی جس میں چوہیا کی بیٹ پائی گئی، پس اگر وہ بیٹ خشک اور سخت ہو تو اسے پھینک دیا جائے اور روٹی کھالی جائے۔ اور چوہیا کی بیٹ تیل، پانی، اور گندم کو ضرورت کی وجہ سے فاسد نہیں کرتی مگر جب اسکا ذائقہ یا رنگ تیل اور اس جیسی چیزوں میں ظاہر ہو جائے تو وہ اسے ناپاک کر دے گی، اس لیے کہ اس وقت اسکی مقدار زیادہ ہے اور اس سے بچنا ممکن ہے۔ ''خانیہ''۔ اور سنن مؤکدہ میں (درمیان کے تشہد میں)

ہے۔ اور ''شارح'' نے کتاب الطہارۃ میں پہلے بیان کر دیا ہے کہ نجاست کھانے والے اونٹ اور گائے کا سور (جوٹھا) مکروہ تنزیہ ہے۔ اور ''الخانیہ'' میں ہے کہ نجاست کھانے والے کا پسینہ پاک ہے۔

36932۔ (قولہ: وَخُرُوجُهُ عَنِ الْجَادَّةِ) اس سے مراد بڑا راستہ ہے جیسا کہ ''القاموس'' میں ہے، اور یہاں مراد طریق الفقہ ہے۔

36933۔ (قولہ: عَنِ السَّرْحِ) مراد مہمل چیزیں ہیں۔ ''جامع اللغہ'' میں کہا ہے: السرح سے مراد مال اور بہت بڑا طویل درخت ہے، اور یہاں اس سے مراد مسائل فقہ ہیں۔ ''حلبی''۔ پس یہ استعارہ مصرحہ ہے۔

چوہیا کی بیٹ اگر کسی چیز میں پائی جائے تو اس کا حکم

36934۔ (قولہ: فَإِنْ كَانَ الْخُرْءُ صُلْبًا) یہ صاد مہملہ کے ضمہ کے ساتھ ہے: یعنی اگر بیٹ (مینگنی) خشک ہو۔ ''مختارات النوازل'' میں یہ زائد ہے: اگر چہ وہ ٹوٹی ہوئی ٹکڑے ٹکڑے ہو، جب تک اس کا ذائقہ تبدیل نہ ہو اسے کھایا جائے گا۔

36935۔ (قولہ: وَلَا يُفْسِدُ الخ) وہ فاسد نہیں کرتی، ''البحر'' میں کہا ہے: اور ''المحیط'' میں ہے: اور چوہیا کی مینگنی اور اس کا پیشاب نجس ہے، کیونکہ وہ بدبو اور فساد میں بدل دیتا ہے اور پانی میں اس سے بچنا ممکن ہے لیکن طعام اور کپڑے میں نہیں۔ پس ان دونوں میں وہ معفو ہے۔ اور ''الخانیہ'' میں ہے: بلی اور چوہے کا بول اور ان دونوں کا پیشاب اظہر روایت کے مطابق نجس ہے۔ یہ پانی اور کپڑے کو فاسد (ناپاک) کر دیتا ہے۔ اور چمگادڑ کا پیشاب اور اس کی بیٹ فاسد نہیں کرتی۔ کیونکہ اس سے بچنا متعذر ہے۔ اور ''القہستانی'' میں ''المحیط'' سے ہے: چوہیا کی بیٹ تیل اور پسی ہوئی گندم کو ناپاک نہیں کرتی جب تک اس کا ذائقہ متغیر نہ ہو۔ ''ابواللیث'' نے کہا ہے: ہم اسے ہی لیتے ہیں۔

سنن مؤکدہ کی ادائیگی کا طریقہ

36936۔ (قولہ: فِي السُّنَنِ الرَّوَاتِبِ) یہ سنن مؤکدہ تین ہیں: ظہر سے پہلے چار، جمعہ کی نماز سے پہلے چار اور چار اس کے بعد۔ یہی قول اصح ہے۔ کیونکہ یہ فرائض کے مشابہ ہوتی ہیں۔ اور روایت کی قید کے ساتھ چار مستحب اور نوافل سے

لَا يُصَلِّي وَلَا يَسْتَفْتِحُ) تَقَدَّمَ فِي بَابِ الْوِتْرِ (الدَّعْوَةُ الْمُسْتَجَابَةُ فِي الْجُمُعَةِ عِنْدَنَا وَقْتُ الْعَصْرِ) عَلَى قَوْلِ عَامَّةِ مَشَايِخِنَا أَشْبَاهٌ، وَقَدَّمْنَاهُ فِي الْجُمُعَةِ عَنْ التَّتَارْخَانِيَّةِ۔ (الْخُرُوجُ مِنْ الصَّلَاةِ لَا يَتَوَقَّفُ عَلَى قَوْلِهِ (عَلَيْكُمْ) وَحِينَئِذٍ (فَلَوْ دَخَلَ رَجُلٌ فِي صَلَاتِهِ بَعْدَهُ لَا يَصِيرُ دَاخِلًا فِيهَا) قَدَّمْنَاهُ فِي صِفَةِ الصَّلَاةِ (لُفَّ ثَوْبٌ نَجِسٌ رَطْبٌ فِي ثَوْبٍ طَاهِرٍ يَابِسٍ

نہ درود پاک پڑھے اور نہ تیسری رکعت میں ثناء غیرہ پڑھی جائے، یہ مسئلہ باب الوتر میں گزر چکا ہے۔ جمعہ کے دن دعا کی قبولیت کا وقت ہمارے نزدیک عصر کا وقت ہے۔ ہمارے عام مشائخ کا قول یہی ہے۔ ''اشباہ''۔ اور ہم اسے پہلے ''التاتر خانیہ'' سے باب الجمعہ میں بیان کر چکے ہیں۔ نماز سے نکلنا اس کے قول علیکم پر موقوف نہیں ہوتا، اور اس وقت اگر کوئی آدمی اس کے بعد اس کی نماز میں داخل ہوا تو وہ اس میں داخل شمار نہیں ہوگا۔ ہم نے یہ مسئلہ باب صفۃ الصلوٰۃ میں پہلے بیان کر دیا ہے۔ اگر کوئی تر ناپاک کپڑا خشک پاک کپڑے میں لپیٹا گیا

احتراز کیا ہے۔ کیونکہ وہ پہلے قعدہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پاک پڑھے گا اور پھر تیسری رکعت میں دعاء استفتاح (ثنا) بھی پڑھے گا۔ اسے ''طحطاوی'' نے بیان کیا ہے۔

جمعہ کے دن دعا کی قبولیت کا وقت

36937۔ (قولہ: فِي الْجُمُعَةِ) یعنی جمعہ کے دن، کیونکہ اس دن قبولیت کی ایک ساعۃ آتی ہے جس میں دعا بعینہٖ قبول ہوتی ہے۔ ''طحطاوی''۔

36938۔ (قولہ: وَقْتُ الْعَصْرِ) اور کہا گیا ہے کہ وہ وقت خطبہ کے وقت سے لے کر نماز سے فارغ ہونے تک ہے جیسا کہ ''مسلم'' میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ ثابت ہے۔ علامہ ''نووی'' نے کہا ہے: یہی صحیح ہے بلکہ یہی درست ہے۔ علامہ ''طحطاوی'' نے کہا ہے: دل سے دعا کرنا کافی ہے جیسا کہ اسے ''الشرنبلالی'' نے ذکر کیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے: وہ وقت اس دن کی آخری ساعت ہے۔ اور یہ ''الزہراء'' رضی اللہ عنہا کا مذہب ہے۔ اور پہلے قول کے مطابق یہ ظاہر ہے کہ وہ ساعۃ عصر کے تمام وقت میں دائر ہے۔ اور وہ ائمہ کے دو مختلف اقوال کے مطابق ہر شے کا سایہ ایک مثل یا دو مثل تک پہنچنے سے لے کر غروب آفتاب تک ہے۔ ''حموی''۔

36939۔ (قولہ: عَلَى قَوْلِهِ عَلَيْكُمْ) یعنی پہلے سلام میں نماز سے نکلنا علیکم کہنے پر موقوف نہیں ہے۔

36940۔ (قولہ: بَعْدَهُ) یعنی لفظ سلام کے بعد اور علیکم کہنے سے پہلے۔ ''منح''۔ اولیٰ یہ ہے کہ وہ قبلہ کہتے تا کہ مذکور علیکم کی طرف ضمیر صراحۃً لوٹتی۔

اگر کوئی تر ناپاک کپڑا خشک پاک کپڑے میں لپیٹا گیا تو اس کا حکم

36941۔ (قولہ: لُفَّ ثَوْبٌ نَجِسٌ رَطْبٌ) تر ناپاک کپڑے کو لپیٹا گیا، یعنی وہ جسے پانی کے ساتھ تر کیا گیا اور پاک

فَظَهَرَتْ رُطُوبَتُهُ عَلَى ثَوْبٍ طَاهِرٍ كَذَا النُّسَخُ وَعِبَارَةُ الْكَنْزِ عَلَى الثَّوْبِ الطَّاهِرِ (لَكِنْ لَا يَسِيلُ لَوْ عُصِرَ لَا يَتَنَجَّسُ) قَدَّمْنَاهُ قُبَيْلَ كِتَابِ الصَّلَاةِ (كَمَا لَوْ نُشِرَ الثَّوْبُ الْمَبْلُولُ عَلَى حَبْلٍ نَجِسٍ يَابِسٍ)

اور اس کی تری پاک کپڑے پر ظاہر ہوگئی اسی طرح یعنی علی ثوب طاہر متن کے نسخوں میں ہے، اور ''الکنز'' کی عبارت: علی الثوب الطاہر ہے۔ لیکن اگر اسے نچوڑا جائے تو اس سے پانی نہ نکلے تو وہ ناپاک نہیں ہوگا۔ ہم نے اسے کتاب الصلوٰۃ سے پہلے بیان کر دیا ہے۔ جیسا کہ اگر تر کپڑے کو خشک ناپاک رسی پر پھیلایا جائے

کپڑے میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہوا، بخلاف اس کے جو بول (پیشاب) وغیرہ کے ساتھ تر ہو، کیونکہ اس میں تری عین نجاست ہے۔ اور بخلاف اس کے کہ جب پاک کپڑے میں نجاست کا اثر رنگ، ذائقہ، یا بو ظاہر ہو جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گا جیسا کہ ''شارح المنیہ'' نے اس کی تحقیق کی ہے۔ اور شارح کتاب کے شروع میں اسی پر چلے ہیں۔

36942۔ (قولہ: لَا يَتَنَجَّسُ) وہ ناپاک نہیں ہوگا، کیونکہ جب نچوڑنے کے ساتھ اس سے قطرے نہیں گرے تو اس سے کوئی شے جدا اور الگ نہیں ہوگی، البتہ جو اس کا مجاور ہوگا (یعنی اس کے ساتھ ملے گا) وہ تراوت کے ساتھ تر ہوگا اور اس طرح وہ اس سے ناپاک نہیں ہوگا۔ اور ''المرغینانی'' نے ذکر کیا ہے: اگر خشک پاک کپڑا ہو تو وہ ناپاک ہو جائے گا، کیونکہ وہ تر نجاست سے تری حاصل کر رہا ہے، اور اگر خشک ناپاک کپڑا ہو اور پاک تر کپڑا ہو تو وہ ناپاک نہیں ہوگا۔ کیونکہ خشک ناپاک کپڑا پاک کپڑے سے تری حاصل کرتا ہے اور وہ تر خشک سے کوئی شے حاصل نہیں کرتا۔ ''زیلعی''۔ اور تعلیل کا ظاہر یہ ہے کہ یسیل اور عصر میں ضمیر نجس کی طرف لوٹ رہی ہے، اور اس کے بارے ''صاحب مواہب الرحمٰن'' نے تصریح کی ہے، اور اسی کو ''الشرنبلالی'' نے اختیار کیا ہے، اور ''مصنف'' کی عبارت سے ''کنز'' وغیرہ کی طرح فوراً ذہن میں آتا ہے کہ وہ ضمیر طاہر کے لیے ہے، اور یہی ''خلاصہ''، ''الخانیہ''، اور ''منیۃ المصلی'' کی صریح عبارت ہے اور دیگر بہت سی کتب مثلاً ''قہستانی''، ''ابن کمال''، ''بزازیہ'' اور ''البحر'' سے منقول ہے اور پہلے میں زیادہ احتیاط ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے، اور دوسرا زیادہ وسیع اور زیادہ سہل ہے۔ پس اس میں غور کر لو۔

پھر یہ مسئلہ مذہب کی اکثر کتب میں مذکور ہے ان میں سے بعض میں اختلاف مذکور نہیں، اور بعض میں لفظ اصح کے ساتھ ذکر ہے۔

اگر تر کپڑا خشک ناپاک رسی پر پھیلایا جائے یا کوئی ناپاک بستر پر سوئے اور پسینہ آجائے تو اس کا حکم

36943۔ (قولہ: كَمَا لَوْ نُشِرَ الخ) یہ اس کے موافق ہے جسے ''المرغینانی'' نے ذکر کیا ہے، اور ''زیلعی'' نے اسے اس پر تفریع قرار دیا ہے اس حیثیت سے کہ انہوں نے اپنی سابقہ عبارت کے بعد کہا ہے: اور اسی بنا پر جب تر کپڑے کو ناپاک رسی پر پھیلایا گیا در آنحالیکہ وہ خشک ہو تو کپڑا ناپاک نہیں ہوگا اسی علت اور معنی کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے۔

اور ''قاضیخان'' نے اپنے ''فتاویٰ'' میں کہا ہے: جب کوئی آدمی بستر پر سویا اور اس پر منی لگی ہوئی تھی اور وہ خشک تھا، آدمی

أَوْ غَسَلَ رِجْلَهُ وَمَشَى عَلَى أَرْضٍ نَجِسَةٍ أَوْ نَامَ عَلَى فِرَاشٍ نَجِسٍ فَعَرِقَ وَلَمْ يَظْهَرْ أَثَرُهُ لَا يَتَنَجَّسُ خَانِيَّةٌ (نَوَى الزَّكَاةَ إِلَّا أَنَّهُ سَمَّاهُ قَرْضًا جَازَ) فِي الْأَصَحِّ، لِأَنَّ الْعِبْرَةَ لِلْقَلْبِ لَا لِلِّسَانِ (مَنْ لَهُ حَظٌّ فِي بَيْتِ الْمَالِ) كَالْعُلَمَاءِ (ظَفِرَ بِمَا هُوَ وَجْهٌ لِبَيْتِ الْمَالِ فَلَهُ أَخْذُهُ دِيَانَةً) قَدَّمْنَاهُ قُبَيْلَ بَابِ الْمَصْرِفِ

یا کوئی اپنا پاؤں دھوئے اور ناپاک زمین پر چلے یا کوئی ناپاک بستر پر سوئے اور اسے پسینہ آجائے اور نجاست کا اثر نہ ہو تو وہ ناپاک نہیں ہوگا۔ ''خانیہ''۔ آدمی نے نیت زکوٰۃ کی کی مگر اسے نام قرض کا دیا تو اصح قول کے مطابق یہ جائز ہے، کیونکہ نیت میں اعتبار دل کا ہوتا ہے نہ کہ زبان کا۔ وہ جس کا بیت المال میں حصہ اور حق ہو جیسے علماء وغیرہ تو وہ اگر بیت المال کا مال پانے میں کامیاب ہو جائے تو اس کے لیے اس سے دیانۃً لینا جائز ہے، ہم اسے باب المصرف سے تھوڑا پہلے بیان کر چکے ہیں۔

کو پسینہ آیا اور اس کے پسینہ سے بستر تر ہو گیا۔ اگر تری کا اثر اس کے بدن میں ظاہر نہ ہوا تو اس کا جسم ناپاک نہیں ہوگا، اور اگر پسینہ زیادہ ہوا یہاں تک کہ بستر تر ہو گیا پھر بستر کی تری اس کے جسم کو پہنچی اور اس (منی) کا اثر اس کے جسم میں ظاہر ہو گیا تو اس کا بدن ناپاک ہو جائے گا۔ اور اسی طرح جب وہ اپنا پاؤں دھوئے اور نجس زمین پر بغیر مکعب پہننے کے چلے، پس زمین اس کے پاؤں کی تری سے تر ہو گئی اور زمین کی سطح سیاہ ہو گئی لیکن زمین کی تری کا اثر اس کے پاؤں میں ظاہر نہ ہوا، اور اس نے نماز پڑھی تو اس کی نماز جائز ہے۔ اور اگر پانی کی تری اس کے پاؤں میں زیادہ ہو یہاں تک کہ زمین کی سطح تر ہو جائے اور وہ کیچڑ ہو جائے پھر وہ کیچڑ اس کے پاؤں کو لگ جائے تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔ اور اگر وہ ناپاک تر زمین پر چلے اور اس کا پاؤں خشک ہو تو وہ ناپاک ہو جائے گا۔

36944۔ (قولہ: عَلَى أَرْضٍ نَجِسَةٍ) اور وہ ناپاک زمین پر چلے، اس طرح کہ وہ زمین کیچڑ زدہ ہو، لیکن اگر نجاست اس پر پہنچی اور وہ خشک ہو گئی تو پھر وہ زمین نجس باقی نہیں رہے گی اور معتمد علیہ قول کے مطابق پانی لگنے سے، اسے نجس شمار نہیں کیا جائے گا۔

36945۔ (قولہ: كَالْعُلَمَاءِ) یعنی جیسا کہ علا، قضاۃ، عمال، جنگ میں شریک ہونے والے اور ان کی اولاد۔ اور وہ مقدار جو ان کے لیے جائز ہے وہ ان کا اپنی حاجت اور ضرورت کے مطابق لینا ہے۔ ''ابن الشحنہ''۔

اگر مودع بغیر وارث کے فوت ہو جائے تو مودع کے لیے اپنی ذات پر مال ودیعت خرچ کرنے کا جواز

36946۔ (قولہ: ظَفِرَ بِمَا هُوَ وَجْهٌ لِبَيْتِ الْمَالِ) اسی طرح بعض نسخوں میں ہے۔ اور ان میں سے اکثر میں ہو کے بغیر ہے۔ اور اسی بنا پر وجہ بر بنائے مفعول ہے۔ ''البزازیہ'' میں کہا ہے: امام ''الحلوانی'' نے کہا ہے: جب اس کے پاس ودیعت کا مال ہو اور مودع وارث کے بغیر فوت ہو جائے تو اس کے لیے ودیعت کو اپنی ذات کے لیے خرچ کرنا ہمارے اس زمانے میں جائز ہے۔ کیونکہ اگر اس نے وہ مال بیت المال کو دے دیا تو وہ ضائع ہو جائے گا، کیونکہ وہ اسے اس کے مصارف میں خرچ نہیں کرتے۔ پس جب یہ اس کے اہل میں سے ہو تو وہ اسے اپنی ذات پر خرچ کر دے ورنہ اس مصرف کی طرف

(أَفْطَرَ فِي رَمَضَانَ فِي يَوْمٍ وَلَمْ يُكَفِّرْ حَتَّى أَفْطَرَ فِي يَوْمٍ آخَرَ فَعَلَيْهِ كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ) وَلَوْ فِي رَمَضَانَيْنِ عَلَى الصَّحِيحِ، وَقَدَّمْنَاهُ فِي الصَّوْمِ (وَلَوْ نَوَى قَضَاءَ رَمَضَانَ وَلَمْ يُعَيِّنْ الْيَوْمَ صَحَّ) وَلَوْ عَنْ رَمَضَانَيْنِ كَقَضَاءِ الصَّلَاةِ

کسی نے رمضان میں ایک دن روزہ افطار کر دیا اور اس کا کفارہ نہیں دیا یہاں تک کہ ایک دوسرے دن روزہ افطار کر دیا (یعنی توڑ دیا) تو اس پر ایک کفارہ لازم ہوگا۔ اگر چہ وہ دو رمضانوں میں ہوں، یہی صحیح روایت ہے، ہم نے اسے کتاب الصوم میں بیان کر دیا ہے۔ اور اگر اس نے رمضان کے قضا روزے کی نیت کی اور اس نے دن معین نہ کیا تو وہ صحیح ہے اگر چہ وہ دو رمضانوں سے ہو جیسا کہ نماز کی قضا بھی

پھیر دے۔''منح''۔

اگر کسی نے روزہ توڑ دیا پھر کفارہ کی ادائیگی سے پہلے دوسرا روزہ توڑ دیا تو کفارہ کا حکم

36947۔(قولہ: فَعَلَيْهِ كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ) پس اس پر ایک کفارہ ہوگا، کیونکہ کفارہ شبہ کے ساتھ ساقط ہو جاتا ہے۔ پس وہ حد کی طرح ایک دوسرے میں داخل ہو جاتا ہے۔''مجتبیٰ''۔ پھر کہا: اور تداخل میں اختلاف ہے۔ پس بعض نے کہا ہے: دوسرا سبب کے تداخل کی وجہ سے واجب نہیں ہوتا۔ اور بعض نے کہا ہے: وہ واجب ہوتا ہے پھر ساقط ہو جاتا ہے لیکن جب اس نے پہلا کفارہ ادا کر دیا تو پھر نہ اجتماع لازم آتا ہے اور نہ تداخل ہوتا ہے۔

36948۔(قولہ: وَلَوْ فِي رَمَضَانَيْنِ الخ) اگر چہ دو رمضانوں میں، یہ لو وصلیہ ہے۔ اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ایک رمضان کے ساتھ مقید کرنا صحیح کے خلاف ہے۔ اور یہی امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ ''المجتبیٰ'' میں کہا ہے: اور ہمارے اکثر مشائخ نے کہا ہے: اعتماد اسی روایت پر ہے، اور صحیح یہ ہے کہ تداخل کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے ایک کفارہ اسے کافی ہوتا ہے۔

36949۔(قولہ: وَلَمْ يُعَيِّنْ) اور اس نے تعیین نہ کی یعنی اس طرح کہ یہ فلاں دن کی طرف سے ہے۔

36950۔(قولہ: وَلَوْ عَنْ رَمَضَانَيْنِ الخ) اگر چہ وہ دو رمضانوں کی طرف سے ہو۔''زیلعی'' نے کہا ہے: اسی طرح اگر وہ روزہ رکھے اور دو یا زیادہ دنوں کی طرف سے نیت کرے تو وہ ایک دن کی طرف سے جائز ہوگا۔ اور اگر وہ دو رمضانوں کی طرف سے بھی نیت کرے تو وہ جائز ہے۔ اور اسی بنا پر معنی یہ ہے کہ اگر اس پر دو رمضانوں کے دو دن ہوں اور وہ ایک دن کی قضا کرے اور وہ نیت دو دنوں کی طرف سے کرے تو دونوں میں سے ایک کی طرف سے اس کا روزہ جائز ہوگا۔ اور دوسرا اس کے ذمے باقی رہے گا۔ لیکن اسے ''مسکین'' نے ذکر کیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ وہ دو میں سے ایک دن کی طرف سے اس کا مہینہ متعین کئے بغیر اس کی نیت کرے۔ اس حیثیت سے کہ انہوں نے کہا ہے: اور تو جان کہ ان کے قول ولو عن رمضانین سے مراد دو رمضانوں میں سے ایک کی قضا ہے اگر چہ روزہ رکھنے والا اول رمضان یا آخر رمضان کی نیت نہ کرے اور نہ وہ نیت میں

صَحَّ أَيْضًا (وَإِنْ لَمْ يَنْوِ) فِي الصَّلَاةِ (أَوَّلَ صَلَاةٍ عَلَيْهِ أَوْ آخِرَ صَلَاةٍ عَلَيْهِ) كَذَا فِي الْكَنْزِ۔ قَالَ الْمُصَنِّفُ قَالَ الزَّيْلَعِيُّ وَالْأَصَحُّ اشْتِرَاطُ التَّعْيِينِ فِي الصَّلَاةِ وَفِي رَمَضَانَيْنِ إلَخْ۔ قُلْت وَهَكَذَا قَدَّمْته فِي بَابِ قَضَاءِ الْفَوَائِتِ تَبَعًا لِلدُّرَرِ وَغَيْرِهَا ثُمَّ رَأَيْت فِي الْبَحْرِ قُبَيْلَ بَابِ اللِّعَانِ مَا نَصُّهُ وَنِيَّةُ التَّعْيِينِ لَمْ تُشْتَرَطْ بِاعْتِبَارِ أَنَّ الْوَاجِبَ مُخْتَلِفٌ مُتَعَدِّدٌ بَلْ بِاعْتِبَارِ أَنَّ مُرَاعَاةَ التَّرْتِيبِ وَاجِبَةٌ عَلَيْهِ وَلَا يُمْكِنُهُ مُرَاعَاتُهُ إلَّا بِنِيَّةِ التَّعْيِينِ، حَتَّى لَوْ سَقَطَ التَّرْتِيبُ بِكَثْرَةِ الْفَوَائِتِ يَكْفِيهِ نِيَّةُ الظُّهْرِ

صحیح ہوتی ہے اگر چہ وہ نماز کی نیت کرتے وقت اپنی پہلی قضا نماز یا آخری قضا نماز کی نیت نہ بھی کرے، اسی طرح ''الکنز'' میں ہے۔ ''مصنف'' نے کہا ہے: ''زیلعی'' نے کہا ہے: نماز میں اور دو رمضانوں میں تعیین کی شرط لگانا اصح ہے الخ۔ میں کہتا ہوں: اسی طرح میں نے اسے باب قضاء الفوائت میں ''الدرر'' وغیرہ کی اتباع کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ پھر میں نے ''البحر'' میں باب اللعان سے پہلے دیکھا جو انہوں نے بیان کیا ہے: اور تعیین کی نیت اس اعتبار سے شرط نہیں ہے کہ واجب مختلف اور متعدد ہے، بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ اس پر ترتیب کی رعایت کرنا واجب ہے اور اس کی رعایت بغیر نیت تعیین کے ممکن نہیں۔ یہاں تک کہ اگر فوت شدہ نمازیں زیادہ ہونے کے ساتھ ترتیب ساقط ہو جائے تو مثلاً صرف ظہر کی نیت کرنا ہی کافی ہے

دونوں کو جمع کرنے کا ارادہ کرے۔ کیونکہ روزے میں دو قربتوں کی نیت کرنے والا نفل روزہ رکھنے والا ہو جاتا ہے۔ فلیتامل۔

میں کہتا ہوں: متن کا قول کقضاء الصلاۃ الخ بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر مثلاً اس کی دو دنوں کی ظہر فوت ہو جائے اور وہ ظہر کی قضا کرے اور دو دنوں میں سے ایک کی تعیین نہ کرے تو یہ صحیح ہے۔ یہ مراد نہیں ہے کہ وہ دو دنوں کی طرف سے ایک ظہر کی نیت کرے، اس پر قرینہ اس کا مابعد ہے۔ اور ''مسکین'' کے قول میں ہے: کیونکہ دو قربتوں کی نیت کرنے والا الخ۔ یہ ''زیلعی'' کے صدر کلام کے منافی ہے۔ اور ''شارح'' نے باب صفۃ الصلاۃ سے پہلے ذکر کیا ہے کہ اگر اس نے دو فوت شدہ نمازوں کی نیت کی تو وہ پہلی نماز کی طرف سے ہوگی اگر وہ اہل ترتیب میں سے ہے ورنہ وہ لغو ہو جائے گی۔ اس کا مقتضی یہ ہے کہ وہ روزے میں لغو ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں ترتیب نہیں اس لیے کہ یہ نماز کے ساتھ خاص ہے۔ اور اسی کے ساتھ ''مسکین'' کے کلام کی تائید ہوتی ہے۔ قریب ہی آنے والے اصل کے ساتھ اس میں غور وفکر کر۔

36951۔ (قولہ: صَحَّ أَيْضًا وَإِنْ لَمْ يَنْوِ الخ) یہ صحیح ہے اگر چہ وہ نیت نہ کرے۔ ''شارح'' نے باب شروط الصلاۃ میں ''القہستانی'' سے اور انہوں نے ''المنیہ'' نے نقل کیا ہے کہ یہی اصح ہے۔ اور ''طحطاوی'' نے ''الولوالجیہ'' سے بھی اس کی تصحیح نقل کی ہے اور یہ کہ تعیین احوط ہے۔

نماز اور دو رمضانوں کی قضا میں تعیین کی شرط لگانے میں ضابطے

36952۔ (قولہ: وَالْأَصَحُّ اشْتِرَاطُ التَّعْيِينِ الخ) اور تعیین کا شرط ہونا اصح ہے۔ ''الملتقی'' کے متن میں بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور تصحیح میں اختلاف ہے۔ اور تعیین یہ ہے کہ وہ یہ معین کرے کہ وہ فلاں سال کے رمضان کا روزہ رکھ رہا

لَا غَيْرُ كَذَا فِي الْمُحِيطِ، وَهُوَ تَفْصِيلٌ حَسَنٌ فِي الصَّلَوَاتِ يَنْبَغِي حِفْظُهُ انْتَهَى بِلَفْظِهِ، ثُمَّ رَأَيْتُه نَقَلَهُ عَنْهُ فِي الْأَشْبَاهِ فِي بَحْثِ تَعْيِينِ الْمَنْوِيِّ، ثُمَّ قَالَ وَهَذَا مُشْكِلٌ، وَمَا ذَكَرَهُ أَصْحَابُنَا كَقَاضِي خَانْ وَغَيْرِهِ خِلَافُهُ وَهُوَ الْمُعْتَمَدُ

کسی اور کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح ''المحیط'' میں ہے۔ اور وہ نمازوں کے بارے میں حسین تفصیل ہے اسے یاد کر لینا چاہیے۔ انتھی بلفظہ۔ پھر میں نے اسے دیکھا، انہوں نے اسے ''المحیط'' سے ''الاشباہ'' میں تعیین منوی کی بحث میں نقل کیا ہے، پھر کہا ہے: یہ مشکل ہے۔ اور جو ہمارے اصحاب ''قاضیخان'' وغیرہ نے اس کے خلاف ذکر کیا ہے وہ قابل اعتماد ہے۔

ہے۔ اور نماز میں تعیین یہ ہے کہ وہ نماز اور اس کے دن کو اس طرح معین کرے مثلاً وہ فلاں دن کی ظہر کا تعین کرے۔ اور اگر اس نے اپنے اوپر واجب الاداء پہلی ظہر یا آخری ظہر کی نیت کی تو بھی جائز ہے اور یہ اس کے لیے خاص ہے جسے ان اوقات کا علم نہ ہو جن میں نمازیں فوت ہوئیں، یا وہ اس پر مشتبہ ہوں یا وہ اپنے اوپر آسانی اور سہولت کا ارادہ کرے۔

اس میں اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ فرائض باہم مزاحم ہوتے ہیں، لہٰذا جسے وہ ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اس کی تعیین کرنا ضروری ہے۔ اور نیت کے ساتھ جنس واحد کی تعیین شرط ہے۔ کیونکہ یہ مختلف اجناس کو تمیز دینے اور الگ الگ کرنے کے لیے بھی مشروع ہے۔ رہی ایک جنس میں تعیین: یعنی اس کے بعض افراد کو بعض سے الگ کرنے کے لیے نیت کرنا تو یہ لغو ہے۔ کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں یہاں تک کہ اگر اس پر معین دن کی قضا لازم ہو اور وہ دوسرے دن کی نیت کے ساتھ روزہ رکھے یا اس پر دودنوں یا زیادہ کے روزوں کی قضا ہو اور وہ دو یا زیادہ دنوں کی قضا کی نیت کرتے ہوئے روزہ رکھے تو یہ جائز ہے بخلاف اس کے کہ جب وہ دو رمضانوں یا دوسرے رمضان کی طرف سے نیت کرے۔ کیونکہ اس میں جنس مختلف ہے۔ پس وہ اس طرح ہو گیا جیسا کہ اگر وہ دو ظہروں یا عصر کی بجائے ظہر کی نیت کرے، یا وہ ہفتہ کی ظہر کی نیت کرے حالانکہ اس پر جمعرات کی ظہر واجب الاداء ہو، اور اختلاف جنس اختلاف سبب سے پہچانا جاتا ہے جیسا کہ نمازیں یہاں تک کہ دودنوں کی دو ظہریں۔ کیونکہ ایک دن میں سورج کا ڈھلنا دوسرے دن کا غیر ہوتا ہے بخلاف رمضان کے روزے کے۔ کیونکہ اس کا تعلق شہود شہر کے ساتھ ہے اور وہ (مہینہ) ایک ہے۔ کیونکہ وہ تیس دن اور رات سے عبارت ہے، پس وہ اس میں فلاں دن کی تعیین کا محتاج ہی نہیں ہے، بخلاف دو رمضانوں کے۔ ''زیلعی'' ملخصاً۔

36953۔ (قولہ: ثُمَّ رَأَيْتُه) یعنی اس تفصیل کو انہوں نے ''المحیط'' سے ''الاشباہ'' میں نقل کیا ہے۔ فافہم۔

36954۔ (قولہ: وَهَذَا مُشْكِلٌ) اور یہ مشکل ہے، اس لیے کہ یہ گزر چکا ہے کہ ہر نماز اپنے اسباب کے مختلف ہونے کی وجہ سے ایک جنس ہے اور تعیین مختلف اجناس کے لیے شرط ہے۔ اور اس لیے کہ اگر امر اسی طرح ہے جیسے ''المحیط'' میں کہا ہے تو یقیناً وہ ترتیب کے واجب ہونے کے باوجود بھی جائز ہے، کیونکہ اسے اول کی طرف پھیرنا ممکن ہے، کیونکہ ترتیب کے وقت تعیین نہ واجب ہوتی ہے اور نہ مفید ہوتی ہے اسی طرح اسے ''زیلعی'' نے بیان کیا ہے۔

36955۔ (قولہ: خِلَافُهُ) یعنی تعیین کے خلاف، اگرچہ وہ اول ظہر یا آخر ظہر کے ساتھ ہو۔ ''طحطاوی''۔

كَذَا فِي التَّبْيِينِ بِحُرُوفِهِ فَلْيُتَنَبَّهْ لِذَلِكَ (رَأْسُ شَاةٍ مُتَلَطِّخٌ بِدَمٍ أُحْرِقَ) رَأْسُهُ وَزَالَ عَنْهُ الدَّمُ فَاتُّخِذَ مِنْهُ مَرَقَةٌ (جَازَ اسْتِعْمَالُهَا) وَالْحَرْقُ (كَالْغَسْلِ، وَقَدَّمْنَا أَنَّهُ مِنَ الْمُطَهِّرَاتِ) (سُلْطَانٌ جَعَلَ الْخَرَاجَ لِرَبِّ الْأَرْضِ جَازَ، وَإِنْ جَعَلَ لَهُ الْعُشْرَ لَا) لِأَنَّهُ زَكَاةٌ قُلْتُ وَقَدْ قَدَّمَهُ فِي الْجِهَادِ،

اسی طرح ''التبیین'' میں ہے۔ انتہی بحروفہ، پس اس پر آگاہ ہونا چاہیے۔ بکری کا خون میں لت پت سر آگ میں جلایا گیا اور اس سے خون زائل ہو گیا پھر اس سے شوربہ بنایا گیا تو اس کا استعمال کرنا جائز ہے، اور اس میں جلانا دھونے کی مثل ہی ہے۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ بھی مطہرات میں سے ہے۔ سلطان وقت نے زمین کے مالک کے لیے خراج مقرر کیا تو یہ جائز ہے، اور اگر اس نے اس کے لیے عشر مقرر کیا تو یہ جائز نہیں، کیونکہ یہ زکوۃ ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کا ذکر کتاب الجہاد میں ہو چکا ہے

36956۔ (قولہ: وَهُوَ الْمُعْتَمَدُ) تحقیق آپ جانتے ہیں کہ دوسرے کو صحیح قرار دیا گیا ہے اگر چہ احوط تعیین ہے۔ ''طحطاوی''

آگ مطہر ہے

36957۔ (قولہ: وَالْحَرْقُ كَالْغَسْلِ) اور جلانا دھونے کی مثل ہے۔ کیونکہ آگ اس میں موجود نجاست کو کھا جاتی ہے یہاں تک کہ اس میں کوئی شے باقی نہیں رہتی یا وہ اسے بدل دیتی ہے۔ پس خون راکھ ہو جاتا ہے اور وہ بدلنے کے ساتھ پاک ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اگر گوبر وغیرہ نجاست کو آگ جلا دے اور وہ راکھ ہو جائے تو وہ اس تبدیلی کے سبب پاک ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ خمر جب سرکہ بن جائے اور جیسا کہ خنزیر جب نمک کی کان میں واقع ہو اور نمک ہو جائے۔ اسی بنا پر فقہا نے کہا ہے: جب تنور ناپاک ہو جائے تو وہ آگ کے ساتھ پاک ہو جاتا ہے یہاں تک کہ روٹی ناپاک نہیں ہو گی۔ اور اسی طرح جب نانبائی کا تنور کو صاف کرنے کا کپڑا ناپاک ہو جائے تو وہ آگ کے ساتھ پاک ہو جاتا ہے۔ ''زیلعی''۔ ''سائحانی'' نے کہا ہے: اس سے وہ ظاہر نہیں ہوتا جو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے کہ وہ چھری جسے ناپاک پانی کے ساتھ ملمع اور گلٹ کیا گیا تو پھر اسے تین بار پاک پانی کے ساتھ گلٹ کیا جائے۔ کیونکہ وہ جب آگ میں داخل ہوا اور تھوڑی دیر اس میں ٹھہرا رہا تو اس میں ظاہراً اور باطناً نجاست کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔

اگر حاکم وقت زمین کے مالک کو خرچ چھوڑ دے تو اس کا حکم

36958۔ (قولہ: وَقَدْ قَدَّمَهُ فِي الْجِهَادِ) کتاب الجہاد میں اس کا ذکر پہلے کیا ہے۔ جہاں انہوں نے کہا ہے: سلطان وقت یا اس کے نائب نے زمین کے مالک کو خراج چھوڑ دیا یا وہ اسے ہبہ کر دیا اگر چہ سفارش کے ساتھ ہی ہو تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ جائز ہے اور وہ اس کے لیے حلال ہے اگر وہ اس کا مصرف ہو، ورنہ وہ اسے صدقہ کر دے۔ اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اور ''الحاوی'' میں غیر مصرف کے لیے اس کے حلال ہونے کی جو ترجیح مذکور ہے وہ قول مشہور کے خلاف ہے اور اگر وہ عشر چھوڑ دے تو یہ بالاجماع جائز نہیں اور وہ اسے بذات خود فقرا کے لیے نکالے یہ اس کے خلاف ہے

وَقَدَّمْته فِي الزَّكَاةِ أَيْضًا (عَجَزَ أَصْحَابُ الْخَرَاجِ عَنْ زِرَاعَةِ الْأَرْضِ وَأَدَاءِ الْخَرَاجِ وَدَفَعَ الْإِمَامُ الْأَرْضَ إلَى غَيْرِهِمْ) بِالْأُجْرَةِ (لِيُعْطُوا الْخَرَاجَ) مِنْ أُجْرَتِهَا الْمُسْتَحَقَّةِ (جَازَ) فَإِنْ فَضَلَ شَيْءٌ مِنْ أُجْرَتِهَا دَفَعَهُ لِمَالِكِهَا رِعَايَةً لِلْحَقَّيْنِ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ الْإِمَامُ مَنْ يَسْتَأْجِرُهَا بَاعَهَا لِقَادِرٍ وَأَخَذَ الْخَرَاجَ الْمَاضِيَ مِنْ الثَّمَنِ لَوْ عَلَيْهِمْ خَرَاجٌ وَرَدَّ الْفَضْلَ لِأَرْبَابِهَا زَيْلَعِيٌّ

اور میں نے اسے کتاب الزکوۃ میں بھی ذکر کر دیا ہے۔ اہل خراج زمین میں کاشت کرنے اور خراج ادا کرنے سے عاجز آ گئے اور امام وقت وہ زمین دوسروں کو اجارہ پر دے دے تاکہ وہ اس کی اجرت مستحقہ سے خراج ادا کریں تو یہ جائز ہے۔ پس اگر اس کی اجرت میں سے کوئی شے فالتو بچ جائے تو وہ زمین کے مالک کو دے دے تاکہ دونوں کے حق کی رعایت ہو جائے۔ اور اگر امام ایسے آدمی کو نہ پائے جو اسے اجارہ پر لے تو وہ اس زمین کو قدرت رکھنے والے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دے اور اس کے ثمن سے گزشتہ خراج لے لے اگر ان پر خراج ہو اور جو بچ جائے وہ زمین کے مالکوں کو لوٹا دے۔ ''زیلعی''۔

جو امام کے تصرف کے قاعدہ میں ہے اور اس کی علت مصلحت بیان کی گئی ہے۔ یہ ''الاشباہ'' سے منقول ہے جو ''البزازیہ'' کی طرف منسوب ہے۔ پس تو اس پر آگاہ رہ یعنی یہ کہ اگر سلطان عشر اس آدمی کے لیے چھوڑ دے جس پر وہ لازم ہے تو یہ جائز ہے چاہے وہ آدمی غنی ہو یا فقیر ہو۔ لیکن اگر وہ غنی ہوگا تو سلطان فقرا کے لیے خراج کے بیت المال سے صدقہ کے لیے ضامن ہوگا، اور اگر وہ فقیر ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔

36959۔ (قولہ: عَنْ زِرَاعَةِ الْأَرْضِ) یعنی اہل خراج اپنی مملوکہ زمین میں کاشت کرنے سے عاجز آ جائیں۔

36960۔ (قولہ: الْمُسْتَحَقَّةِ) یعنی خراج کے مستحق کے لیے۔

36961۔ (قولہ: رِعَايَةً لِلْحَقَّيْنِ) دونوں حقوں کی رعایت کرتے ہوئے۔ کیونکہ ان کی رضامندی کے بغیر کسی ضرورت کے بغیر ان کی ملک زائل کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور نہ ہی قتال کرنے والوں کے حق کو معطل کرنے کی کوئی وجہ ہے لہذا وہ متعین ہو گیا جو ہم نے کہا ہے۔ ''زیلعی''۔

36962۔ (قولہ: بَاعَهَا لِقَادِرٍ) تو وہ اسے زراعت پر قدرت رکھنے والے کو فروخت کر دے۔ کیونکہ اگر وہ اسے نہ بیچے تو اس طرح خراج میں مقاتلہ کا حق بالکل فوت ہو جائے گا، اور اگر وہ بیچ دے تو عین میں مالک کا حق فوت ہوتا ہے، اور خلف کا فوت ہونا فوت نہ ہونے کی مثل ہے۔ پس دونوں جانبوں کا لحاظ رکھتے ہوئے وہ اسے بالیقین بیچ دے گا۔ ''زیلعی''۔ اسے یاد رکھ لو۔ اور ''البحر'' میں مذکور ہے کہ بیع کرنے سے پہلے اگر وہ چاہے تو وہ کسی غیر کو وہ زمین مزارعت پر دے دے۔ اور اگر چاہے تو بیت المال کے خرچہ پر اسے کاشت کر لے۔ پس اگر اس پر قادر نہ ہوا اور وہ کوئی ایسا آدمی نہ پائے جو اسے مزارعت پر قبول کرے تو پھر وہ اسے بیچ دے الخ۔

قُلْتُ وَقَدَّمْنَا فِي الْجِهَادِ تَرْجِيحَ سُقُوطِهِ بِالتَّدَاخُلِ، فَيُحْمَلُ عَلَى الْمَرْجُوحِ أَوْ عَلَى أَنَّ مُرَادَهُ أَخْذُ خَرَاجِ السَّنَةِ الْمَاضِيَةِ فَقَطْ (غَنَمٌ مَذْبُوحَةٌ وَمَيِّتَةٌ، فَإِنْ كَانَتْ الْمَذْبُوحَةُ أَكْثَرَ تَحَرَّى وَأَكَلَ وَإِلَّا) بِأَنْ كَانَتْ الْمَيِّتَةُ أَكْثَرَ أَوْ اسْتَوَيَا

میں کہتا ہوں: اور ہم تداخل کے ساتھ اس کے ساقط ہونے کی ترجیح کتاب الجہاد میں ذکر کر چکے ہیں۔ پس اسے قول مرجوح پر محمول کیا جائے گا یا اس پر کہ ان کی مراد صرف گزشتہ سال کا خراج لینا ہے۔ ذبح کی ہوئی اور مردار بکریاں پڑی ہوں تو اگر مذبوحہ بکریوں کی تعداد زیادہ ہو تو وہ تحری (تتبع وتلاش) کرے اور کھالے، اور اگر مردار کی تعداد زیادہ ہو یا دونوں برابر ہوں

36963۔ (قولہ: قُلْتُ الخ) ''مصنف'' کے لیے اس کی اصل اس حیثیت سے ہے کہ انہوں نے اپنے قول وأخذ الخراج الماضي میں اس کے ساتھ اشکال پیدا کر دیا ہے جو ''الخانیہ'' میں ہے۔ ان کا قول ہے: پس اگر خراج جمع ہو جائے اور وہ دو سال تک ادا نہ کرے تو امام اعظم ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سال کا خراج لیا جائے گا، اور پہلے سال کا خراج نہیں لیا جائے گا اور وہ اس سے ساقط ہو جائے گا جیسا کہ جزیہ میں کہا ہے: اور ان میں سے وہ ہے جو کہتا ہے: خراج بالا جماع ساقط نہیں ہوتا بخلاف جزیہ کے۔ یہ حکم تب ہے جب وہ زراعت سے عاجز ہو۔ اور اگر وہ عاجز نہ ہو تو تمام کے نزدیک خراج لیا جائے گا۔

36964۔ (قولہ: فَيُحْمَلُ عَلَى الخ) اسے عدم عجز کی حالت پر محمول نہ کیا جائے کیونکہ ہمارا مسئلہ حالت عجز کے بارے میں ہے۔ فافہم۔

36965۔ (قولہ: الْمَاضِيَةِ فَقَطْ) یعنی وہ سال جس میں وہ عاجز ہوئے، اور یہ اس سال سے پہلے والا سال ہے جس میں امام وقت نے وہ زمین دوسروں کو دے دی نہ کہ وہ جو اس سے پہلے ہیں۔ اور صرف دینے والے سال کے داخل ہونے سے تداخل ثابت نہیں ہوتا، یہاں تک کہ اس پر یہ وارد ہو کہ وہ اس گزشتہ سال کا خراج ساقط کر دیتا ہے۔ کیونکہ خراج کا واجب ہونا سال کے آخر کے ساتھ ثابت ہوتا ہے نہ کہ سال شروع ہونے کے ساتھ بخلاف جزیہ کے، جیسا کہ ''البحر'' میں تصریح کر دی ہے۔ فافہم

اگر ذبح شدہ اور مردار بکریاں پڑی ہوں تو ان کا حکم

36966۔ (قولہ: تَحَرَّى وَأَكَلَ) وہ تلاش کرے اور کھائے، کیونکہ اکثر اور غالب کے لیے کل کا حکم ہوتا ہے۔ اور اسی طرح تیل ہے اگر وہ مردار یا خنزیر کی چربی کے ساتھ مل جائے تو اس سے کسی حالت میں نفع حاصل نہیں کیا جا سکتا سوائے اس کے کہ جب تیل غالب ہو۔ لیکن اس کا کھانا حلال نہیں ہوگا بلکہ اس سے چراغ جلایا جائے گا یا وہ اسے اس کا عیب بیان کرنے کے ساتھ اس کی بیع کرے گا یا وہ اس کے ساتھ چمڑے رنگے گا اور انہیں دھوئے گا۔ کیونکہ مغلوب غالب کے تابع ہوتا ہے اور تبع کا کوئی حکم نہیں ہے اگر اس کے ساتھ ملے جلے کپڑے ہوں۔ اور حال اضطرار میں یہ کہ وہ یقینی طاہر اور پاک نہ پائے اور اس کے پاس دھونے کے لیے پانی بھی نہ ہو تو وہ مطلقاً تحری کرے۔ کیونکہ حالت اضطرار میں بالا جماع نماز ایسے کپڑے میں جائز ہے جو یقینی طور پر نجس اور ناپاک ہو تو پھر مشکوک کپڑے میں بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی۔ اور رہی حالت اختیار تو اس میں اگر

(لَا) يَتَحَرّٰى لَوْفِي حَالَةِ الِاخْتِيَارِ بِأَنْ يَجِدَ ذَكِيَّةً وَإِلَّا تَحَرّٰى وَأَكَلَ مُطْلَقًا
تو وہ تحری نہ کرے گا۔ اگر حالت اختیار میں ہو اس طرح کہ وہ ذبح شدہ بکری پالے اور اگر حالت اختیار میں نہ ہو تو پھر مطلقاً تحری کرے اور کھالے۔

طاہر اور پاک کا غلبہ ہو تو وہ تحری کرے۔ ورنہ نہیں جیسا کہ بکری وغیرہ کی کھالیں اتارنے میں جواب ہے۔ اور اسی طرح پانی کے برتن میں مگر حالت اضطرار میں اگر ناپاک غالب اور زیادہ ہوں تو وہ پانی پینے کے لیے بالاجماع تحری کرے گا۔ کیونکہ ضرورت اور حاجت کے وقت یقینی نجس کو پینا جائز ہوتا ہے تو مشکوک بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ اور وضو کے لیے ہمارے نزدیک تحری نہیں کرے گا بلکہ تیمم کرے گا۔ اور اولیٰ یہ ہے کہ وہ اس سے پہلے پانی بہادے یا اسے نجس پانی کے ساتھ ملادے۔ اس کی مکمل بحث ''غایۃ البیان'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: چربی کے ساتھ تیل کے ملنے سے مراد دونوں کے اجزاء کا ملنا ہے نہ کہ ان کے برتنوں کا اختلاط مراد ہے۔ اور اسی لیے اسے کھانا حلال نہیں ہے۔ فتنبہ۔

36967_(قولہ: لَا يَتَحَرّٰى) وہ تحری نہیں کرے گا، اگر وہاں ایسی کوئی علامت نہ ہو جس سے ذبح کو جانا جاسکتا ہو۔ اور اگر کوئی علامت ہو تو اس پر اس کے ساتھ لینا واجب ہے جیسا کہ ''الدر المنتقی'' میں ہے۔ ''غایۃ البیان'' میں کہا ہے: فقہاء نے کہا ہے: مردار کی علامت یہ ہے کہ وہ پانی کے اوپر تیرنے لگے گی اور ذبح کی ہوئی نہیں تیرے گی۔ اور اصح یہ ہے کہ ذبح کی ہوئی بکری کی علامت خون سے اس کی رگوں کا خالی ہونا ہے اور مردار کی علامت خون سے اس کی رگوں کا بھرا ہوا ہونا ہے۔

36968_(قولہ: بِأَنْ يَجِدَ ذَكِيَّةً) اس طرح کہ وہ ذبح شدہ بکری پالے۔ میں کہتا ہوں: مراد یہ ہے کہ وہ ایسی چیز پالے جس کے ساتھ اس کی حاجت پوری ہو جائے چاہے وہ ذبح کی ہوئی بکری کا گوشت ہو یا روٹی ہو یا کوئی اور شے۔

36969_(قولہ: وَإِلَّا تَحَرّٰى الخ) ورنہ وہ تحری کرے، ''ہدایہ'' میں کہا ہے: لیکن ضرورت اور حاجت کی حالت میں اس کے لیے وہ حلال ہے، کیونکہ حاجت تمام کو شامل ہے، کیونکہ یقینی مردار بھی ضرورت کی حالت میں حلال ہوتی ہے، پس وہ جس کے بارے ذبح شدہ ہونے کا احتمال ہو وہ بدرجہ اولیٰ حلال ہوگی۔ مگر یہ کہ وہ تحری کرے گا۔ کیونکہ فی الجملہ ذبح کی ہوئی تک پہنچنے کا یہی طریقہ ہے۔ پس وہ اسے بغیر حاجت اور ضرورت کے ترک نہیں کرے گا۔ ''العنایہ'' میں کہا ہے: اور بکریوں اور کپڑوں کے درمیان فرق کا مطالبہ کیا گیا ہے، کیونکہ مسافر کے پاس اگر دو کپڑے ہوں ایک پاک اور ایک ناپاک اس کے سوا کچھ نہ ہو اور ان دونوں کے درمیان تمیز کرنے والی کوئی علامت نہ ہو تو وہ تحری کرے گا اور نماز پڑھے گا۔ پس تحری اس صورت میں جائز قرار دی گئی ہے جب دونوں نصف نصف ہوں، اور کھالیں اتارنے میں جائز نہیں۔ اور جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ کپڑوں کا حکم اخف ہے۔ کیونکہ اگر وہ سارے کا سارا بھی نجس اور ناپاک ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کے بعض میں نماز پڑھ لے، کیونکہ وہ مضطر اور مجبور ہے بخلاف بھیڑ بکریوں کے الخ۔ اور اسی کی مثل ''النہایہ''، ''الکفایہ'' اور ''المنح'' وغیرہ میں ہے۔

وَ مَرَّ فِی الْحَظْرِ (إِيمَاءُ الْأَخْرَسِ وَ كِتَابَتُهُ كَالْبَيَانِ) بِاللِّسَانِ

یہ باب الحظر میں گزر چکا ہے۔ گونگے آدمی کا اشارہ کرنا اور اس کا لکھنا زبان سے بیان کرنے کی طرح ہے

میں کہتا ہوں: یہ ان کی طرف سے عجیب مسئلہ ہے۔ کیونکہ انہوں نے حالت ضرورت میں دو کپڑوں کا مسئلہ ذکر کیا ہے، اور اس حالت میں بکریوں اور کپڑوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ آپ اس کے بارے تصریح سن چکے ہیں جسے ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے، اور ''ہدایہ'' کے قول میں ہے: ان تمام میں کھانا اس کے لیے حلال ہے یعنی اس صورت میں جبکہ مذبوحہ بکریاں غالب ہوں یا مغلوب ہوں یا برابر ہوں تو پھر اس صورت میں فرق کیسے تلاش کیا جائے گا جس میں کوئی فرق نہیں؟ اور اگر انہوں نے حالت ضرورت میں کپڑوں کے درمیان اور حالت اختیار میں بکریوں کے درمیان فرق کرنے کا ارادہ کیا ہے تو یہ اصلاً ساقط ہے۔ کیونکہ فرق صرف دو متحد اور ایک جیسی حالتوں کے وقت ہی تلاش کیا جا سکتا ہے۔ پھر میں نے علامہ ''الطوری'' کو دیکھا اور انہوں نے اس پر آگاہ کیا۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

36970۔ (قولہ: وَمَرَّ فِی الْحَظْرِ) یعنی باب الحظر کے شروع میں ان کے قول: دمن دعی الی ولیمۃ سے پہلے گزر چکا ہے۔ اور اکثر نسخوں میں لفظ الحظر ساقط ہے۔

گونگے آدمی کے اشارہ کرنے اور لکھنے کا حکم

36971۔ (قولہ: إِيمَاءُ الْأَخْرَسِ) یعنی گونگے کا اپنے ابرو یا ہاتھ یا کسی اور عضو کے ساتھ اشارہ کرنا زبان کے بیان کی مثل ہے جبکہ قاضی اس کا اشارہ پہچان لے اور اگر قاضی نہ جانتا ہو تو پھر مناسب یہ ہے کہ وہ اس کے بھائیوں، دوستوں اور پڑوسیوں میں سے ایسے آدمی سے اس کی معلومات لے جو اس کے اشارے جانتا ہو، یہاں تک کہ وہ قاضی کے سامنے یہ کہے کہ اس نے اس اشارہ سے یہ ارادہ کیا ہے، اور وہ اس کی تفسیر، وضاحت اور ترجمانی کرے یہاں تک کہ قاضی کا علم اسے محیط ہو جائے، اور چاہیے کہ وہ آدمی عادل اور ایسا ہو جس کی بات قبول کی جاتی ہو۔ کیونکہ فاسق کا تو کوئی قول نہیں ہوتا۔ اسے ''بیری'' نے ''الولوالجیہ'' سے بیان کیا ہے۔ اور اس کا مطلق ہونا لکھنے کی قدرت ہونے کے باوجود اشارہ کے معتبر ہونے کا فائدہ دیتا ہے اور یہی معتمد علیہ قول ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک حجۃ ضرور یہ ہے جیسا کہ ''القہستانی'' وغیرہ میں ہے۔ ''در منتقی''۔

36972۔ (قولہ: وَكِتَابَتُهُ) ''المقدسی'' نے اس طرح اعتراض کیا ہے کہ پیدائشی گونگا لکھنا نہیں جانتا اور اسے جاننا اس کے لیے ممکن ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ کتابت ان الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے جو حروف سے مرکب ہوتے ہیں اور وہ نہ بول سکتا ہے اور نہ آواز سن سکتا ہے۔

میں کہتا ہوں: وہ ممکن ہو سکتا ہے اسے یہ پہچان کرا دینے کے ساتھ کہ فلاں معنی پر ان حروف کے ساتھ دلالت ہوتی ہے جو اس صورت پر لکھے ہوئے اور نقش ہوں۔ تامل۔

(بِخِلَافِ مُعْتَقَلِ اللِّسَانِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ هُمَا سَوَاءٌ فِي وَصِيَّةٍ وَنِكَاحٍ وَطَلَاقٍ وَبَيْعٍ وَشِرَاءٍ وَقَوَدٍ وَغَيْرِهَا مِنَ الْأَحْكَامِ أَيْ إِيمَاءُ الْأَخْرَسِ فِيمَا يُذْكَرُ مُعْتَبَرٌ

بخلاف اس کے جس کی زبان میں لکنت ہو (یعنی وہ جو سہولت کے ساتھ بولنے پر قادر نہ ہو) اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: یہ دونوں وصیت، نکاح، طلاق، خرید وفروخت اور قصاص وغیرہ احکام میں برابر ہیں یعنی مذکورہ امور میں گونگے کا اشارہ معتبر ہے۔

معتقل اللسان (جس کی زبان میں لکنت ہو) کا حکم

36973۔(قولہ: بِخِلَافِ مُعْتَقَلِ اللِّسَانِ) یہ لفظ قاف کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ کہا جاتا ہے: أُعْتُقِلَ لسانہ اس میں یہ لفظ تا کے ضمہ کے ساتھ ہے: جب زبان کلام کرنے سے رک جائے اور اس پر قادر نہ رہے۔ ''مغرب''۔ پس اس کا نہ اشارہ معتبر ہوگا اور نہ کتابت، مگر جب اس کی لکنت ممتد اور طویل ہو جائے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ اور یہ اس لیے ہے کیونکہ امر عارض زوال کے قریب ہوتا ہے اس لیے اسے اصلی گونگے پن پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ پھر تو جان! کہ یہ غیر معتاد کتابت کے بارے میں ہے، اس لیے کہ ''التبیین'' وغیرہ میں ہے: کتابت کے تین مراتب ہیں: جو واضح لکھا ہوا ہو اور وہ ہے جس کا آغاز کسی عنوان کے ساتھ ہو، اور وہ اس طرح کہ اس کے شروع میں لکھا جائے کہ فلاں کی طرف سے فلاں کے نام ہے جیسا کہ اسی کے مطابق عادۃ جاریہ ہے۔ یہ کتابت (تحریر) بولنے کی طرح ہے اور یہ بطور حجت لازم ہے۔ اور وہ کتابت جو غیر معتاد ہو جیسے دیواروں اور درختوں کے پتوں پر لکھنا یا کاغذ پر لکھنا لیکن وہ معتاد طریقہ پر نہ ہو تو وہ حجت نہیں ہوگی مگر جب کوئی دوسری شی اس کے ساتھ مل جائے جیسے نیت، اس پر کسی کو گواہ بنانا، اور کسی غیر کو املاء کرانا یہاں تک کہ وہ اسے لکھ دے۔ کیونکہ کتابت کبھی تجربہ اور مہارت کے حصول کے لیے ہوتی ہے، اور ان اشیاء کے ساتھ اس کی جہت متعین ہو جاتی ہے۔ اور وہ گواہ بنائے بغیر املاء کرانے سے پہلے حجت نہیں ہوتی، اور پہلا قول اظہر ہے۔ اور تیسرا مرتبہ غیر ظاہر کتابت کا ہے جیسے ہوا یا پانی پر لکھنا اور یہ غیر مسموع کلام کے قائم مقام ہے اور اس کے ساتھ احکام میں سے کوئی شے ثابت نہیں ہوتی اگرچہ وہ نیت کرے۔

حاصل کلام: اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلی قسم صریح ہے، دوسری کنایہ ہے، اور تیسری لغو ہے۔ اور باقی ایک چوتھی صورۃ عقلیہ بچتی ہے جس کا کوئی وجود نہیں، یہ معتاد تو ہے لیکن غیر ظاہر ہے۔ اور یہ سب بحث ناطق (بولنے والے) کے بارے میں ہے۔ پس غیر ناطق میں بدرجہ اولیٰ ہوگی۔ لیکن ''الدر المنتقی'' میں ''الاشباہ'' سے ہے کہ گونگے کے حق میں یہ شرط ہے کہ اس کی کتابت عنوان کے ساتھ ہو اگرچہ وہ غائب کے لیے نہ ہو۔ اور اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ ناطق حاضر کی طرف سے عنوان کے ساتھ کتابت غیر معتبر ہے۔

اور ''الاشباہ'' میں ہے: کسی آدمی نے وصیت نامہ لکھا اور جو اس میں ہے اس کے بارے گواہ بنا لیے، اور اپنی وصیت گواہوں پر نہ پڑھی، تو فقہاء نے کہا ہے: گواہوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس کے بارے شہادت دیں جو اس وصیت میں

وَمِثْلُهُ مُعْتَقَلُ اللِّسَانِ إِنْ عُلِمَتْ إِشَارَتُهُ وَامْتَدَّتْ عُقْلَتُهُ إِلَى مَوْتِهِ بِهِ يُفْتَى قُلْت وَمَرَّ فِي الْوَصَايَا وَذَكَرَهُ هُنَا الْأَكْمَلُ وَابْنُ الْكَمَالِ وَالزَّيْلَعِيُّ وَغَيْرُهُمْ. ثُمَّ مُفَادُ كَلَامِهِمْ أَنَّهُ لَوْ أَقَرَّ بِالْإِشَارَةِ أَوْ طَلَّقَ مَثَلًا تَوَقَّفَ فَإِنْ مَاتَ عَلَى عُقْلَتِهِ نَفَذَ مُسْتَنِدًا وَإِلَّا لَا وَعَلَيْهِ، فَلَوْ تَزَوَّجَ بِالْإِشَارَةِ لَا يَحِلُّ لَهُ وَطْؤُهَا لِعَدَمِ نَفَاذِهِ،

اور اسی کی مثل وہ ہے جس کی زبان میں لکنت ہو بشرطیکہ اس کا اشارہ معلوم ہو اور اس کی لکنت اس کی موت تک برقرار رہے، اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کا ذکر کتاب الوصایا میں گزر چکا ہے۔ اور یہاں اسے ''اکمل''، ''ابن کمال'' اور ''زیلعی'' وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ پھر ان کے کلام کا مفاد یہ ہے کہ اگر وہ اشارہ کے ساتھ کوئی اقرار کرے یا طلاق دے تو وہ موقوف رہے گی۔ پس اگر وہ اپنی لکنت پر ہی فوت ہو گیا تو اس کی نسبت سے نافذ ہو جائیں گے ورنہ نہیں۔ اور اس بنا پر یہ ہے کہ اگر اس نے اشارہ کے ساتھ کسی سے شادی کی تو اس کے لیے وطی حلال نہیں ہو گی، اس لیے کہ وہ ابھی نافذ نہیں ہوا،

ہے اور یہی صحیح ہے: کیونکہ شہادت علم کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

36974۔ (قولہ: وَمِثْلُهُ مُعْتَقَلُ الخ) اور اسی کی مثل وہ ہے جس کی زبان میں لکنت ہو، الخ۔ اسے لا معتقل اللسان ان علمت اشارتہ الخ سے تعبیر کرنا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے۔ تامل۔

36975۔ (قولہ: بِهِ يُفْتَى) اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے، یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ اور اس کے مقابل وہ ہے جو ''الکفایہ'' میں ''امام التمرتاشی'' سے منقول ہے۔ انہوں نے ایک سال کے ساتھ اس کا اندازہ مقرر کیا ہے۔ ''الدر المنتقی'' میں کہا ہے اور ''العمادی'' نے مریض کی استثنا کی ہے جب اس پر لکنت طویل ہو جائے۔ کیونکہ وہ گونگے آدمی کی طرح ہے جیسا کہ ''البرجندی'' نے اسے ''العمادیہ'' کی طرف منسوب کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ یہ اس کے خلاف ہے جسے ''القہستانی'' نے اس سے نقل کیا ہے، کیونکہ اس کا ذکر ان میں ہے جن سے کلام کرنے کی امید کی جا سکتی ہے۔ پس تو مقصد کو سمجھ اور ''قہستانی'' کی عبارت ہے: اگر اسے فالج پڑ جائے اور اس کی زبان بولنے پر قادر نہ رہے یا وہ بیمار ہو اور وہ کمزوری اور ضعف کے سبب کلام پر قادر رہے مگر یہ کہ وہ عاقل ہو، سمجھ سکتا ہو اور وہ اپنے سر کے ساتھ وصیت کی طرف اشارہ کرے تو اس کی وصیت صحیح ہے۔ اور ہمارے اصحاب نے کہا ہے: بلاشبہ وہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ ''العمادی'' میں ہے۔

36976۔ (قولہ: أَوْ طَلَّقَ مَثَلًا) یا مثال کے طور پر وہ طلاق دے، جیسا کہ جب وہ غلام کو آزاد کرے۔ ''طحطاوی''۔

36977۔ (قولہ: نَفَذَ مُسْتَنِدًا) تو وہ بطور استناد نافذ ہو جائے گی، پس عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ شادی کرے اگر اشارہ یا کتابت کے وقت سے اس کی عدت گزر گئی، اور اسی وقت سے اس کی آزادی کا تصرف بھی نافذ ہو جائے گا۔ ''طحطاوی''۔

36978۔ (قولہ: لِعَدَمِ نَفَاذِهِ) اس کے نافذ نہ ہونے کی وجہ سے، کیونکہ اس کا نفاذ اس کی لکنت کی حالت پر دائر

لٰكِنَّهُ إِذَا مَاتَ بِحَالِهِ كَانَ لَهَا الْمَهْرُ مِنْ تَرِكَتِهِ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ لٰكِنْ ذَكَرَ ابْنُهُ فِي الزَّوَاهِرِ عِنْدَ ذِكْرِ الْأَشْبَاهِ الْأَحْكَامَ الْأَرْبَعَةَ أَنَّ قَوْلَهُمْ وَالضَّابِطُ لِلْمُقْتَصِرِ وَالْمُسْتَنَدُ أَنَّ مَا صَحَّ تَعْلِيقُهُ بِالشَّرْطِ يَقَعُ مُقْتَصِرًا وَمَا لَا يَصِحُّ تَعْلِيقُهُ يَقَعُ مُسْتَنَدًا كَمَا فِي الْبَحْرِ مِنْ بَابِ التَّعْلِيقِ يُخَالِفُ ذٰلِكَ إِذْ مُقْتَضَاهُ وُقُوعُ الطَّلَاقِ وَالْعَتَاقِ وَنَحْوِهِمَا مِمَّا يَصِحُّ تَعْلِيقُهُ بِالشَّرْطِ مُقْتَصِرٌ فَتَنَبَّهْ (لَا) تَكُونُ إِشَارَتُهُ وَكِتَابَتُهُ كَالْبَيَانِ

البتہ جب وہ اسی حالت پر فوت ہو گیا تو اس کے ترکہ میں سے اس کے لیے مہر لازم ہوگا۔ یہ ''مصنف'' نے بیان کیا ہے۔ لیکن ان کے بیٹے نے ''الزواہر'' میں ''الاشباہ'' کے چار احکام ذکر کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ فقہا کا قول ہے اور مقتصر اور مستند کے لیے ضابطہ یہ ہے کہ جسے شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہے وہ بطور اقتصار واقع ہوتا ہے اور جس کی تعلیق صحیح نہیں ہوتی وہ بطور استناد واقع ہوتا ہے جیسا کہ جو ''البحر'' باب التعلیق میں ہے وہ اس کے مخالف ہے کیونکہ اس کا مقتضی طلاق، عتاق اور ان کی طرح وہ امور جن کی شرط کے ساتھ تعلیق صحیح ہوتی ہے ان کا بطور اقتصار واقع ہونا ہے۔ پس تو اس پر آگاہ رہ۔ حد میں اس کا اشارہ اور اس کی تحریر بیان کی مثل نہیں ہوتی،

کی موت واقع ہونے پر موقوف ہے، نہ کہ اس کی اجازت پر یہاں تک کہ یہ کہا جائے: چاہیے کہ اس کا وطی کا مطالبہ کرنا نکاح کے ارادہ پر دلیل ہو۔ فافہم۔

36979۔ (قولہ: لٰكِنْ ذَكَرَ ابْنُهُ الخ) لیکن ان کے بیٹے نے ذکر کیا ہے، یہ ان کے قول نفذ مستندًا پر استدراک ہے یہاں تک کہ طلاق اور عتاق میں بھی۔

تبیین اور استناد میں فرق

36980۔ (قولہ: الْأَحْكَامَ الْأَرْبَعَةَ) وہ چار احکام جو کہ ایک اقتصار ہے جیسا کہ طلاق، عتاق کی انشاء اور دوسرا انقلاب ہے، جیسا کہ جب وہ طلاق اور عتاق کو شرط کے ساتھ معلق کر دے، تو شرط کے پائے جانے کے وقت جو علت نہیں وہ علت میں بدل جاتی ہے، اور تیسرا استناد ہے جیسا کہ مضمونات ضمان ادا کرنے کے وقت ان کا مالک بنا جاتا ہے درآنحالیکہ وہ سبب پائے جانے کے وقت کی طرف منسوب ہو، اور چوتھا تبیین ہے، مثلاً اگر زید آج گھر میں ہے تو تجھے طلاق، اور پھر دوسرے دن اس کا گھر میں موجود ہونا ظاہر ہو تو طلاق آج واقع ہو جائے گی اور اسی دن سے اس کی عدت شروع ہوگی۔ اور تبیین اور استناد میں فرق یہ ہے کہ تبیین میں یہ ممکن ہوتا ہے کہ بندے اس پر مطلع ہوں اور استناد میں یہ ممکن نہیں ہوتا۔ یہ ''الاشباہ'' سے ملخص ہے۔ اور ہم اس پر مکمل کلام باب الطلاق الصریح میں کر چکے ہیں۔

36981۔ (قولہ: أَنَّ قَوْلَهُمْ) یہ ذکر کا مفعول ہے۔ اور ان کا قول والضابط الخ قول کا مقولہ ہے، اور یخالف کا جملہ أَنَّ کی خبر ہے۔

36982۔ (قولہ: يُخَالِفُ ذٰلِكَ) یعنی وہ معتقل اللسان کی طلاق اور اس کے عتاق وغیرہ میں استناد کے قول کے

(فِي حَدٍّ) لِأَنَّهَا تُدْرَأُ بِالشُّبْهَةِ
کیونکہ حد شبہ کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہے

مخالف ہے۔ "طحطاوی"۔

میں کہتا ہوں: "کنز" کے قول کے نزدیک "البحر" کی عبارت ہے: اور تعلیق بلاشبہ ملک میں صحیح ہوتی ہے یا اس میں جو ملک کی طرف مضاف ہو۔

پھر تو جان! کہ صحت سے مراد لازم ہونا ہے۔ کیونکہ تعلیق غیر ملک اور جو اس کی طرف مضاف ہو اس میں صحیح ہے اور خاوند کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی اجنبی نے کسی آدمی کی بیوی کو کہا: ان دخلت الدار فأنت طالق۔ (اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق) تو وہ اجازت پر موقوف ہے، پس اگر اس نے اجازت دے دی تو تعلیق لازم ہو جائے گی اور اجازت کے بعد داخل ہونے کے سبب سے وہ مطلقہ ہو جائے گی نہ کہ اجازت سے پہلے، اور اسی طرح اجنبی کی طرف سے طلاق منجز خاوند کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے۔ پس جب اس نے ان کی اجازت دے دی تو وہ واقع ہو جائے گی۔ درآنحالیکہ اس کا اقتصار اجازت کے وقت پر ہوگا، اور وہ منسوب نہیں ہوگی بخلاف بیع موقوف کے۔ کیونکہ وہ اجازت کے ساتھ بیع کے وقت کی طرف منسوب ہوتی ہے، یہاں تک کہ مشتری اس دوران ہونے والے متصل اور منفصل زوائد کا بھی مالک بن جاتا ہے۔ اور اس میں ضابطہ یہ ہے کہ وہ جس کی شرط کے ساتھ تعلیق صحیح ہے اس میں اقتصار ہوتا ہے، اور وہ جس کی تعلیق صحیح نہیں ہوتی اس میں استناد ہوتا ہے۔ اور آپ اسے دیکھ رہے ہیں کہ یہ ضابطہ ہر مقتصر اور مستند کے لیے نہیں بنایا گیا بلکہ یہ اس کی ایک خاص نوع کے لیے ہے۔ اور وہ فضولی کا عقد ہے جو اجازت پر موقوف ہوتا ہے ورنہ یہ لازم آئے گا کہ طلاق اور عتاق وغیرہ واقع نہ ہوں مگر اس حال میں کہ تمام صورتوں میں اقتصار ہو، اور اس طرح قطعاً نہیں ہے جیسا کہ "الاشباہ" سے گزر چکا ہے۔ اور اس وقت کوئی مخالف نہیں۔ کیونکہ ہمارا مسئلہ اس قبیل سے نہیں ہے۔ فتدبر۔

حدود میں گونگے کے اشارے اور کتابت کا حکم

36983۔ (قولہ: فِي حَدٍّ) یہ حد کی تمام انواع کو شامل ہے: یعنی گونگے کو حد نہیں لگائی جائے گی جب وہ اشارہ یا کتابت کے ساتھ قذف (تہمت) لگائے، اور اسی طرح حکم ہے جب وہ زنا، یا سرقہ (چوری کرنا)، یا شراب پینے کا اقرار کرے۔ کیونکہ اپنے خلاف سزا کو واجب کرنے والے بعض اسباب کا اقرار کرنے والا جب تک صریح لفظ ذکر نہ کرے وہ اقرار سزا کو واجب نہیں کرتا۔ "کفایہ"۔ "ہدایہ" میں یہ زیادہ کیا ہے: اور اسے حد نہیں لگائی جائے گی مراد صرف حد قذف ہے جب وہ مقذوف ہو۔

36984۔ (قولہ: لِأَنَّهَا تُدْرَأُ بِالشُّبْهَةِ الخ) کیونکہ حد شبہ کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہے، اور حد اور قصاص کے درمیان فرق یہ ہے: کہ حد ایسے بیان سے ثابت نہیں ہوتی جس میں شبہ ہو۔ کیا آپ جانتے نہیں ہیں کہ اگر گواہ حرام وطی کے

لِكَوْنِهَا حَقَّ اللّٰهِ تَعَالٰى وَلَا فِي شَهَادَةٍ مَا مُنْيَةٌ وَهَلْ يَصِحُّ إِسْلَامُهُ بِالْإِشَارَةِ؟ ظَاهِرُ كَلَامِهِمْ نَعَمْ وَلَمْ أَرَهُ صَرِيحًا أَشْبَاهٌ (ابْتَدَعَ الصَّائِمُ بُصَاقَ مَحْبُوبِهِ) يَقْضِي وَ(يُكَفِّرُ وَإِلَّا) يَكُنْ مَحْبُوبَهُ (لَا) يُكَفِّرُ

اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اور نہ کسی کی شہادت میں بیان کی مثل ہوتی ہے۔''منیہ''۔ کیا اشارہ کے ساتھ اس کا اسلام لانا صحیح ہوتا ہے؟ تو ظاہر کلام یہی ہے کہ جی ہاں، اور میں نے صراحۃً اسے کہیں نہیں دیکھا۔''اشباہ''۔ روزہ دار نے اپنے محبوب کا لعاب نگل لیا تو وہ روزے کی قضا کرے گا اور کفارہ بھی دے گا، اور اگر وہ اس کا محبوب نہ ہو تو وہ کفارہ ادا نہیں کرے گا۔

ساتھ شہادت دیں یا وہ حرام وطی کا اقرار کرے تو حد واجب نہیں ہوتی۔ اور اگر وہ مطلق قتل کی شہادت دیں یا وہ مطلق قتل کا اقرار کرے تو قصاص واجب ہو جاتا ہے اگرچہ قصد نہ پایا جائے، کیونکہ قصاص میں عوضیت کا معنی ہے، اس لیے کہ وہ نقصان کو پورا کرنے کے لیے مشروع کیا گیا ہے، پس جائز ہے کہ وہ شبہ کے ساتھ بھی ثابت ہو جیسا کہ وہ تمام معاوضات جو بندے کا حق ہیں۔ رہیں وہ حدود جو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں وہ زجر و توبیخ کے لیے مشروع ہیں، اور ان میں عوضیت کا معنی نہیں ہے، پس وہ حاجت نہ ہونے کی وجہ سے شبہ کے ساتھ ثابت نہیں ہوتیں۔''ہدایہ''۔

اور یہاں علامہ''الطوری'' نے ان کے کلام پر اس طرح اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے حدود اور قصاص کو اس میں برابر قرار دیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک شبہ کے ساتھ ساقط ہو جاتا ہے جیسا کہ انہوں نے اس بارے کثیر مقامات پر تصریح کی ہے ان میں سے کفالہ ہے کہ کفالہ بالنفس دونوں میں جائز نہیں ہوتا، اور ان میں سے وکالہ ہے کہ وہ بھی ان دونوں کو پورا کرنے کے لیے جائز نہیں ہوتا، اور ان میں سے شہادۃ علی الشہادۃ ہے کہ یہ بھی دونوں میں جائز نہیں ہوتی۔ اور انہوں نے ان تمام کی علت یہ بیان کی ہے کہ یہ دونوں شبہ کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور اسی طرح کتاب الدعویٰ والجنایات میں ہے اور انہوں نے بہت سے مسائل اس پر بطور تفریع ذکر کئے ہیں۔ ملخصاً۔

36985۔ (قوله: وَلَا فِي شَهَادَةٍ مَا) اور نہ کسی شہادت میں،''فتح القدیر'' میں''المبسوط'' سے منقول ہے کہ اس پر فقہاء کا اجماع ہے۔ کیونکہ لفظ شہادت اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ اس کی مکمل بحث اسی میں ہے۔

36986۔ (قوله: ظَاهِرُ كَلَامِهِمْ) ہاں کتاب الاقرار میں صراحۃً یہ گزر چکا ہے کہ بولنے والے (ناطق) کے سر سے سر سے اشارہ کرنا اقرار بالمال، آزاد کرنا، طلاق دینا، بیع کرنا، نکاح، اجارہ اور ہبہ نہیں ہو سکتا بخلاف افتاء، نسب، اسلام اور کفر کے الخ۔

36987۔ (قوله: يَقْضِي وَيُكَفِّرُ) وہ قضا کرے گا اور کفارہ بھی دے گا، اس لیے کہ اس میں اصلاح بدن کا معنی موجود ہے جیسا کہ اسے باب الصوم میں''الدرایہ'' وغیرہ سے ذکر کیا ہے۔

36988۔ (قوله: لَا يُكَفِّرُ) وہ کفارہ نہیں دے گا، بلکہ صرف قضا کرے گا۔

وَمَرَّ فِي الصَّوْمِ۔ (قَتْلُ بَعْضِ الْحُجَّاجِ عُذْرٌ فِي تَرْكِ الْحَجِّ) مَرَّ فِي الْحَجِّ (مَنْعُهَا زَوْجَهَا مِنَ الدُّخُولِ عَلَيْهَا وَهُوَ يَسْكُنُ مَعَهَا فِي بَيْتِهَا نُشُوزٌ) حُكْمًا كَمَا حَرَّرْنَاهُ فِي بَابِ النَّفَقَةِ (وَلَوْ) كَانَ (الْمَنْعُ لِيَنْقُلَهَا إِلَى مَنْزِلِهِ) فَلَيْسَتْ نَاشِزَةً لِوُجُوبِ السُّكْنٰى عَلَيْهِ (أَوْ كَانَ يَسْكُنُ فِي بَيْتِ الْغَصْبِ فَامْتَنَعَتْ مِنْهُ) لَا تَكُونُ نَاشِزَةً لِأَنَّهَا مُحِقَّةٌ إِذِ السُّكْنٰى فِيهِ حَرَامٌ مَا لَوْ كَانَ فِيهِ (شُبْهَةٌ قَالَتْ لَا أَسْكُنُ مَعَ أَمَتِكَ وَأُرِيدُ بَيْتًا عَلٰى حِدَةٍ لَيْسَ لَهَا ذٰلِكَ)

یہ باب الصوم میں گزر چکا ہے۔ بعض حاجیوں کا قتل ہونا حج کے ترک میں عذر ہے۔ یہ باب الحج میں گزر چکا ہے۔ عورت کا اپنے خاوند کو اپنے پاس آنے سے روکنا اس حال میں کہ وہ اس کے ساتھ اس کے کمرے میں رہ رہا ہو حکماً نافرمانی ہے۔ ہم نے اسے باب النفقہ میں تحریر کر دیا ہے۔ اور اگر روکنا اس وجہ سے ہو تا کہ وہ اسے اپنے گھر میں منتقل کر لے تو یہ نافرمانی نہیں ہے اس لیے رہائش مہیا کرنا خاوند پر واجب ہے، یا غصب کیے ہوئے مکان میں رہ رہا ہو اور وہ اس سے انکار کر دے تو وہ نافرمانی کرنے والی نہیں ہوگی، کیونکہ وہ حق پر ہے، کیونکہ اس میں رہنا حرام ہے بخلاف اس کے کہ اگر اس میں شبہ ہو۔ عورت کہے: میں تیری لونڈی کے ساتھ نہیں رہوں گی اور میں علیحدہ مکان چاہتی ہوں تو اس کے لیے اس کا اختیار نہیں،

بعض حاجیوں کا قتل ہونا حج کے ترک میں عذر ہے

36989۔ (قولہ: عُذْرٌ فِي تَرْكِ الْحَجِّ) حاجیوں کا مقتول ہونا ترک حج میں عذر ہے کیونکہ راستے کا پر امن ہونا حج کے وجوب یا ادا کے لیے شرط ہے۔ لیکن ''شارح'' نے وہاں راستے کے امن کو غالب سلامتی کے ساتھ مقید کیا ہے اگرچہ رشوت کے ساتھ ہو اور اسے ''الکمال'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور بعض افراد کے قتل سے غلبہ کی نفی نہیں ہوتی۔ اسی لیے ''طحطاوی'' نے اسے ہر مرحلہ میں قتل کے ساتھ مقید کیا ہے۔ تامل۔

عورت کا اپنے خاوند کو اپنے پاس آنے سے روکنا حکماً نافرمانی ہے

36990۔ (قولہ: مَنْعُهَا زَوْجَهَا) اس میں مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے۔

36991۔ (قولہ: نُشُوزٌ حُكْمًا) حکماً نافرمانی ہے۔ کیونکہ نافرمان عورت وہ ہوتی ہے جو اپنے خاوند کے گھر سے بغیر حق کے باہر نکلتی ہے، اور اس کا خاوند کو اپنے گھر میں داخل ہونے سے روکنا اس کے باوجود کہ وہ اس میں رہنے کا ارادہ رکھتی ہے یہ حکماً خروج ہے۔ (یعنی یہ حکمی طور پر باہر نکلنا ہی ہے۔)

36992۔ (قولہ: مَا لَوْ كَانَ فِيهِ شُبْهَةٌ) بخلاف اس کے کہ اگر اس میں شبہ ہو، جیسا کہ بیت السلطان (سرکاری مکان) تو وہ ہمارے زمانے میں شبہ کا اعتبار نہ ہونے کی وجہ سے نافرمان شمار ہوگی۔ اسی طرح ''التجنیس'' میں ہے۔

36993۔ (قولہ: لَيْسَ لَهَا ذٰلِكَ) اس کے لیے اس کا اختیار نہیں، کیونکہ خاوند کے لیے ایسے آدمی کا ہونا ضروری ہے جو اس کی خدمت کرے، اور یہ اس کی خدمت سے منع کر رہی ہے، پس اس سے اسے روکنا ممکن نہیں۔ ''طحطاوی''۔

وَكَذَا مَعَ أُمِّ وَلَدِهِ وَكُلُّهُ مَرَّ فِي النَّفَقَةِ (قَالَ لِعَبْدِهِ يَا مَالِكِي أَوْ قَالَ لِأَمَتِهِ أَنَا عَبْدُكَ لَا تَعْتِقُ) لِأَنَّهُ لَيْسَ بِصَرِيحٍ وَلَا كِنَايَةٍ (بِخِلَافِ قَوْلِهِ) لِعَبْدِهِ (يَا مَوْلَايَ) لِأَنَّهُ كِنَايَةٌ عَلَى مَا مَرَّ فِي مَحَلِّهِ (الْعَقَارُ الْمُتَنَازَعُ فِيهِ لَا يَخْرُجُ مِنْ يَدِ ذِي الْيَدِ

اور اسی طرح اس کی ام ولد کے ساتھ رہنے سے انکار کا حکم ہے، اور یہ سب باب النفقہ میں گزر چکا ہے۔ کسی نے اپنے غلام کو کہا: اے میرے مالک یا اپنی لونڈی کو کہا: میں تیرا غلام ہوں تو وہ آزاد نہیں ہوگی، کیونکہ یہ لفظ اس کے لیے نہ صریح ہے اور نہ کنایہ ہے بخلاف اس کے کہ وہ اپنے غلام کو کہے: اے میرے مولیٰ، کیونکہ یہ اس کے لیے کنایہ ہے جیسا کہ یہ اپنے محل میں گزر چکا ہے۔ متنازع فیہ زمین صاحب قبضہ کے قبضہ سے نہیں نکالی جائے گی

36994۔ (قولہ: وَكَذَا مَعَ أُمِّ وَلَدِهِ) اور اسی طرح اس کی ام ولد کے ساتھ، اور اسی طرح اس کے اس بچے کے ساتھ جو جماع کو نہیں سمجھتا (رہنے سے انکار اس کے اختیار میں نہیں ہے) بخلاف مرد اور عورت کے بقیہ اہل خانہ کے (کہ ان کے ساتھ رہنے سے انکار کر سکتی ہے)۔

اگر کسی نے اپنے غلام سے کہا: اے میرے مالک یا لونڈی سے کہا: میں تیرا غلام ہوں تو اس کا حکم

36995۔ (قولہ: لِأَنَّهُ لَيْسَ بِصَرِيحٍ وَلَا كِنَايَةٍ) کیونکہ یہ لفظ آزادی کے لیے نہ صریح ہے اور نہ کنایہ، اس کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ آزادی ثابت نہیں ہوگی اگرچہ نیت بھی ہو۔ اور ''حموی'' میں ''البزازیہ'' سے ہے: کسی نے اپنے غلام یا اپنی لونڈی کو کہا: میں تیرا غلام ہوں تو وہ آزاد ہو جائے گا اگر اس نے نیت کی۔ اور اسی کی مثل اس صورت میں جو یا مالکی میں ظاہر ہو رہی ہے۔ کیونکہ دونوں عبارتوں کا مفہوم ایک ہے۔ ''طحطاوی''۔ اور ''الخانیہ'' میں ''الصغار'' سے ہے: اس آدمی کے بارے میں جس نے اپنی لونڈی کو کہا: اے فلاں میں تیرا غلام ہوں۔ انہوں نے کہا ہے: یہ لطف و مہربانی کا کلمہ ہے وہ اس کے ساتھ آزاد نہیں ہوگی۔ پس اگر اس نے آزادی کی نیت کی تو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔

36996۔ (قولہ: عَلَى مَا مَرَّ فِي مَحَلِّهِ) جیسا کہ یہ اپنے محل یعنی کتاب العتق میں گزر چکا ہے۔

میں کہتا ہوں: ''مصنف'' نے وہاں اسے الفاظ صریح سے شمار کیا ہے۔ اور وہاں ''زیلعی'' وغیرہ کے قول کا ظاہر یہی ہے۔ کیونکہ اس کی حقیقت غلام پر ولا کے ثبوت کے بارے آگاہ کرتی ہے، اور وہ آزادی کے ساتھ ہے۔ کیونکہ اس کی جہت سے اسے ثابت کرنا ممکن ہے، اور اس کا قول: یا مالکی (اے میرے مالک) یا أنا عبدك (میں تیرا غلام ہوں) فی الحقیقت آقا پر غلام کی ملکیت ثابت ہونے کی خبر دیتا ہے اور اس کا اثبات مولیٰ کی جہت سے ممکن نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں: اور اس سے مولیٰ کو یہاں معتوق (آزاد کردہ غلام) کے ساتھ ان کے خاص کرنے کی وجہ تمام ہوتی ہے، اگرچہ اس کا اطلاق معتق پر بالاشتراک ہوتا ہے۔ کیونکہ آقا کی جانب سے اس کا اثبات ممکن نہیں ہوتا: یعنی یہ ممکن نہیں کہ ولاء اس کے غلام کے لیے بنا دی جائے جو اس پر ہے۔ پس یہ لغو ہے تو اس سے ممکن معنی کا ارادہ متعین ہو گیا۔ فافہم۔

مَا لَمْ یُبَرْهِنِ الْمُدَّعِی) عَلٰی وَفْقِ دَعْوَاهُ بِخِلَافِ الْمَنْقُولِ (أَوْ یَعْلَمْ بِهِ الْقَاضِی) وَلَا یَکْفِی تَصْدِیقُ الْمُدَّعٰی عَلَیْهِ أَنَّهُ فِی یَدِهِ فِی الصَّحِیحِ لِاحْتِمَالِ الْمُوَاضَعَةِ قُلْتُ قَدَّمْنَا غَیْرَ مَرَّةٍ آخِرُهَا فِی بَابِ جِنَایَةِ الْمَمْلُوكِ أَنَّ الْمُفْتَی بِهِ فِی زَمَانِنَا أَنَّهُ لَا یُعْمَلُ بِعِلْمِ الْقَاضِی فَتَأَمَّلْ۔ وَهٰذَا إِذَا ادَّعَاهُ مِلْكًا مُطْلَقًا أَمَّا إِذَا ادَّعَی الشِّرَاءَ مِنْ ذِی الْیَدِ وَإِقْرَارُهُ بِأَنَّهُ فِی یَدِهِ فَأَنْكَرَ الشِّرَاءَ وَأَقَرَّ بِكَوْنِهِ فِی یَدِهِ لَمْ یَحْتَجْ لِبُرْهَانٍ عَلٰی كَوْنِهِ فِی یَدِهِ لِأَنَّ دَعْوَی الْفِعْلِ كَمَا تَصِحُّ عَلٰی ذِی الْیَدِ

جب تک مدعی اپنے دعویٰ کے موافق گواہ پیش نہ کرے، بخلاف منقولہ شے کے، یا قاضی اس کے بارے جانتا ہو۔ اور مدعی علیہ کی تصدیق کافی نہیں ہوگی کہ وہ اس کے قبضہ میں ہے اس لیے کہ قول صحیح میں مواضعۃ و موافقۃ کا احتمال ہے۔ میں کہتا ہوں: ہم نے کئی بار پہلے ذکر کیا ہے اس کا آخر باب جنایۃ المملوک میں ہے کہ ہمارے زمانے میں مفتی بہ یہ ہے کہ قاضی کے علم کے مطابق عمل نہیں کیا جائے گا۔ فتامل۔ اور یہ تب ہے جب وہ اس پر مطلق ملکیت کا دعویٰ کرے، لیکن جب وہ صاحب قبضہ سے خریدنے اور اس کے اس بارے اقرار کا دعویٰ کرے کہ وہ اس کے قبضہ میں ہے، اور اس نے شرا کا انکار کیا اور اس کے قبضہ میں ہونے کا اقرار کیا تو وہ اس کے قبضہ میں ہونے پر دلیل کا محتاج نہیں ہے، کیونکہ فعل کا دعویٰ جس طرح صاحب قبضہ پر صحیح ہوتا ہے

جب تک مدعی گواہ پیش نہ کرے متنازع فیہ زمین صاحب قبضہ کے قبضہ سے نہیں نکلے گی

36997۔ (قولہ: مَا لَمْ یُبَرْهِنِ الْمُدَّعِی عَلٰی وَفْقِ دَعْوَاهُ) جب تک مدعی اپنے دعویٰ کے موافق حجت نہ پیش کرے۔ اسی طرح ''شرح مسکین'' میں ہے۔ اور مناسب ''زیلعی'' وغیرہ کا قول ہے: جب تک وہ اس پر حجت نہ لائے کہ زمین مدعی علیہ کے قبضہ میں ہے۔ کیونکہ مدعی کا دعویٰ ملکیت کا ہے جیسا کہ عنقریب اس کی تصریح آئے گی۔

36998۔ (قولہ: وَلَا یَکْفِی الخ) یعنی اس کے بارے تصریح کافی نہیں جو اسکے مطلق قول مالم یبرھن سے سمجھا گیا۔

36999۔ (قولہ: لِاحْتِمَالِ الْمُوَاضَعَةِ) یعنی موافقت کے احتمال کی وجہ سے جب زمین کا مالک غائب ہو تو دو آدمی اتفاق کر سکتے ہیں کہ ان میں سے ایک قبضے کا اقرار کرے اور دوسرا اس پر ملکیت کو ثابت کرے، اور گواہوں میں تسامح ہو سکتا ہے، پھر حاکم کے حکم کو علت بناتے ہوئے وہ مالک کو دے دی جائے، اور منقولہ شے میں یہ تہمت منتفی ہے، کیونکہ منقولہ شے سے مالک کا قبضہ عادۃً ختم نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کے قبضہ میں باقی رہتی ہے۔ اسے صاحب ''البحر'' نے ''البزازیہ'' سے نقل کیا ہے۔

37000۔ (قولہ: وَهٰذَا) یعنی دلیل کے ساتھ قبضہ کے اثبات کا لازم ہونا۔

37001۔ (قولہ: أَمَّا إِذَا ادَّعَی الشِّرَاءَ) لیکن جب وہ شرا کا دعویٰ کرے اور اسی کی مثل غصب بھی ہے۔

37002۔ (قولہ: وَإِقْرَارُهُ) یہ نصب کے ساتھ ہے اور اس کا الشراء پر عطف ہے۔

37003۔ (قولہ: لِأَنَّ دَعْوَی الْفِعْلِ) کیونکہ فعل مثلاً شرا و غیرہ کا دعویٰ۔

تَصِحُّ عَلٰی غَیْرِہٖ أَیْضًا کَمَا بُسِطَ فِی الْبَزَّازِیَّۃِ (عَقَارٌ لَا فِی وِلَایَۃِ الْقَاضِی یَصِحُّ قَضَاؤُہُ فِیہِ) کَمَنْقُولٍ ھُوَ الصَّحِیحُ وَتَقَدَّمَ فِی الْقَضَاءِ أَنَّ الْمِصْرَ لَیْسَ بِشَرْطٍ فِیہِ بِہٖ یُفْتٰی وَیُکْتَبُ بِالْحُکْمِ لِقَاضِی تِلْکَ النَّاحِیَۃِ لِیَأْمُرَہُ بِالتَّسْلِیمِ (وَقِیلَ لَا تَصِحُّ) وَمَشٰی عَلَیْہِ فِی الْکَنْزِ وَالْمُلْتَقٰی (قَضَی الْقَاضِی بِبَیِّنَۃٍ فِی حَادِثَۃٍ ثُمَّ قَالَ رَجَعْتُ عَنْ قَضَائِی أَوْ بَدَا لِی غَیْرُ ذٰلِکَ أَوْ وَقَعْتُ فِی تَلْبِیسِ الشُّھُودِ أَوْ أَبْطَلْتُ حُکْمِی أَوْ نَحْوَ ذٰلِکَ

غیر پر بھی صحیح ہوتا ہے جیسا کہ ''البزازیہ'' میں تفصیل کے ساتھ ہے۔ ایسی زمین جو قاضی کی ولایت میں نہ ہو اس کے بارے میں اس کا فیصلہ کرنا صحیح ہے جیسا کہ منقولہ شے کا فیصلہ صحیح ہوتا ہے، یہی صحیح روایت ہے۔ اور کتاب القضاء میں پہلے گزر چکا ہے کہ اس میں اسی شہر کا ہونا شرط نہیں ہے، اور اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے اور وہ اپنا فیصلہ اس طرف کے قاضی کو لکھ بھیجے گا تاکہ وہ اسے تسلیم کے بارے حکم دے اور بعض نے کہا ہے: صحیح نہیں ہے۔ اسی کو ''کنز'' اور ''الملتقی'' نے اختیار کیا ہے۔ قاضی نے بیّنہ کے ساتھ کسی واقعہ کا فیصلہ کیا پھر کہا: میں نے اپنے فیصلہ سے رجوع کیا، یا میرے لیے اس کا غیر ظاہر ہوا ہے، یا میں گواہوں کے فریب میں پڑ گیا، یا میں نے اپنا فیصلہ باطل کر دیا، یا اسی طرح کا کوئی اور قول کیا

37004۔ (قولہ: تَصِحُّ عَلٰی غَیْرِہٖ) وہ غیر پر بھی صحیح ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اس پر تملیک کا دعویٰ کرتا ہے اور وہ اس کی طرف سے بھی ثابت ہو جاتا ہے جو صاحب قبضہ نہ ہو۔ پس اقرار کے ساتھ قبضہ کا ثابت نہ ہونا دعویٰ کے صحیح ہونے سے مانع نہیں ہوتا۔ رہا ملک مطلق کا دعویٰ تو قبضہ زائل کرنے کے ساتھ ترک تعرض کا دعویٰ، اور اس (قبضہ) کے ازالہ کی طلب کا دعویٰ صاحب قبضہ کی طرف سے متصور نہیں ہو سکتا اور اس کے اقرار کے ساتھ صاحب قبضہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ اس میں موافقت کا احتمال ہے جیسا کہ ہم نے اسے ثابت کر دیا ہے۔ اسے ''منح'' نے ''البزازیہ'' سے نقل کیا ہے۔

37005۔ (قولہ: ھُوَ الصَّحِیحُ) یہی صحیح ہے۔ ''البحر'' میں کہا ہے: کتاب القضاء کے شروع میں ہے: یہ شرط نہیں ہے کہ دونوں دعویٰ کرنے والے قاضی کے شہر سے ہوں جبکہ دعویٰ منقولہ شے اور دین (قرض) کے بارے ہو، لیکن جب وہ ایسی زمین کے بارے ہو جو اس کی ولایت میں نہ ہو تو صحیح یہ ہے کہ وہ جائز ہے جیسا کہ ''الخلاصہ'' اور ''البزازیہ'' میں ہے۔ اور تو اس کے خلاف سمجھنے سے بچ کیونکہ وہ غلط ہے۔

37006۔ (قولہ: لَیْسَ بِشَرْطٍ فِیہِ) اس میں شرط نہیں ہے، پس زمین کے بارے میں فیصلہ کرنا صحیح ہوگا، اور اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''بحر''۔

37007۔ (قولہ: وَیُکْتَبُ الخ) اور وہ لکھ کر بھیج دے گا، یہ متن کے مسئلہ کی طرف راجع ہے۔

37008۔ (قولہ: قَضَی الْقَاضِی بِبَیِّنَۃٍ) قاضی بیّنہ کے ساتھ فیصلہ کرے، بلاشبہ اسے ذکر کیا ہے اس لیے کہ اس کے بعد أو وقعت فی تلبیس الشھود کا قول ہے ورنہ اقرار بیّنہ کی مثل ہے ان امور میں جو ظاہر ہوتے ہیں۔ ''طحطاوی''۔

37009۔ (قولہ: أَوْ نَحْوَ ذٰلِکَ) اور اسی کی مثل جیسے میں نے اسے توڑ دیا، یا میں نے اسے فسخ کر دیا یا میں نے اسے

لَا یُعْتَبَرُ قَوْلُ الْقَاضِی فِی کُلِّ ذٰلِکَ لِتَعْلِیقِ حَقِّ الْغَیْرِ بِهِ وَهُوَ الْمُدَّعِی (وَالْقَضَاءُ مَاضٍ إِنْ کَانَ بَعْدَ دَعْوَی صَحِیحَةٍ وَشَهَادَةٍ مُسْتَقِیمَةٍ) إِلَّا فِی ثَلَاثِ مَرَّاتٍ فِی الْقَضَاءِ، لَوْ بِعِلْمِهِ أَوْ بِخِلَافِ مَذْهَبِهِ أَوْ ظَهَرَ خَطَؤُهُ (إِذَا قَالَ الشُّهُودُ قَضَیْتَ وَأَنْکَرَ الْقَاضِی فَالْقَوْلُ لَهُ) بِهِ یُفْتٰی

تو ان تمام صورتوں میں قاضی کا قول معتبر نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ اس کے ساتھ غیر یعنی مدعی کا حق متعلق ہو چکا ہے۔ اور فیصلہ نافذ ہو جاتا ہے اگر وہ دعویٰ صحیحہ اور شہادت مستقیمہ کے بعد ہو سوائے تین حالتوں کے جن کا ذکر کتاب القضاء میں گزر چکا ہے: اگر وہ اپنے علم کے ساتھ فیصلہ کرے یا اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کرے، یا اس کی خطا ظاہر ہو جائے۔ جب شاہد کہیں: تو نے فیصلہ کیا ہے اور قاضی انکار کرے تو قول قاضی کا معتبر ہوگا۔ یہی مفتی بہ ہے۔

اٹھا دیا۔ اسے ''طحطاوی'' نے ''حموی'' سے نقل کیا ہے۔

وہ صورتیں جن میں دعویٰ صحیحہ اور شہادت مستقیمہ کے باوجود فیصلہ نافذ نہیں ہوتا

37010۔ (قولہ: إِنْ کَانَ بَعْدَ دَعْوَی صَحِیحَةٍ) اگر وہ صحیح دعویٰ کے بعد ہو، اس کے صحیح ہونے کی شرائط کتاب القضاء میں پہلے گزر چکی ہے اور ان میں کچھ آگے آ رہا ہے۔

37011۔ (قولہ: إِلَّا فِی ثَلَاثٍ الخ) پہلی کی نسبت سے استثنا غیر ظاہر ہے۔ کیونکہ اس میں شہادت نہیں ہے۔ تامل۔

37012۔ (قولہ: أَوْ ظَهَرَ خَطَؤُهُ) یا اس کی خطا یقین کے ساتھ ظاہر ہو جائے جیسا کہ اگر وہ قصاص کے بارے فیصلہ کرے تو مقتول زندہ آ جائے۔ یا وہ اجتہاد کے ساتھ فیصلہ کرے پھر وہ اس کے خلاف نص دیکھ لے جیسا کہ اگر اس کا اجتہاد بدل جائے۔ اور ''زیلعی'' نے ''المحیط'' سے بیان کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فیصلہ کو نہیں توڑا جو آپ نے اپنے اجتہاد کے ساتھ کیا اور پھر قرآن کریم اس کے خلاف نازل ہوا۔ کیونکہ وہ فیصلہ ایسے امر کے بارے میں ہے جس میں کوئی نص موجود نہیں، پس وہ صحیح ہے اور وہ آپ کی شریعت ہو گیا، پھر جب قرآن کریم اس کے خلاف نازل ہوا تو وہ اس شریعت کے لیے ناسخ ہو گیا بخلاف اس کے کہ جب قاضی اپنے اجتہاد کے ساتھ فیصلہ کرے پھر نص اس کے خلاف ظاہر ہو جائے، کیونکہ نص موجود منزل ہے مگر وہ اس پر مخفی ہے، پس اجتہاد نص کے محل میں ہوا اور وہ صحیح نہیں۔ اس کی مکمل بحث اسی میں ہے۔ اور ''السیوطی'' کی ''اشباہ'' میں ''السبکی'' سے ہے کہ حنفیہ کے نزدیک قاضی کا فیصلہ ٹوٹ جاتا ہے جب وہ ایسا حکم ہو جس پر کوئی دلیل نہ ہو، اور جو واقف کی شرط کے مخالف ہو وہ نص کے مخالف ہے اور وہ ایسا حکم ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ اور اس کی تائید ''البحر'' میں ''شارح المجمع'' وغیرہ کے قول سے کی ہے کہ واقف کی شرط شارع کی نص کی طرح ہے۔

37013۔ (قولہ: وَأَنْکَرَ الْقَاضِی) اور قاضی انکار کر دے، لیکن اگر وہ اعتراف کرے تو وہ حکم ثابت ہو جائے گا جہاں وہ والی ہوگا نہ کہ اگر وہ معزول ہو۔ اور ''البزازیہ'' میں ہے: اور اگر وہ ارادہ کریں کہ وہ خلیفہ کا حکم اصل کے پاس ثابت کریں تو حاضر خصم کے خلاف صحیح دعویٰ کا مقدم ہونا اور اس پر بینہ قائم کرنا ضروری ہے، جیسا کہ اگر وہ دوسرے قاضی کا فیصلہ

قَالَهُ ابْنُ الْغَرْسِ فِي الْفَوَاكِهِ الْبَدْرِيَّةِ زَادَ فِي الْبَزَّازِيَّةِ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ زَادَ فِي الْبَحْرِ (مَا لَمْ يُنَفِّذْهُ قَاضٍ آخَرُ) فَحِينَئِذٍ لَا يَكُونُ الْقَوْلُ قَوْلَهُ فِي أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ لِوُجُودِ قَضَاءِ الثَّانِي بِهِ۔ قَالَ الْمُصَنِّفُ وَهُوَ قَيْدٌ حَسَنٌ لَمْ أَقِفْ عَلَيْهِ لِغَيْرِ صَاحِبِ الْبَحْرِ (شَرْطُ نَفَاذِ الْقَضَاءِ فِي الْمُجْتَهَدَاتِ) مِنْ حُقُوقِ الْعِبَادِ (أَنْ يَصِيرَ الْحُكْمُ فِي حَادِثَةٍ) بِأَنْ يَتَقَدَّمَهُ دَعْوَى صَحِيحَةٌ مِنْ خَصْمٍ عَلَى خَصْمٍ حَاضِرٍ مُنَازِعٍ شَرْعِيٍّ، فَلَوْ بَرْهَنَ بِحَقٍّ عَلَى آخَرَ عِنْدَ قَاضٍ

''ابن الغرس'' نے ''الفواکہ البدریہ'' میں یہی کہا ہے: ''بزازیہ'' میں یہ زائد ہے: اس میں امام ''محمد'' رطیٹھلیہ کا اختلاف ہے۔ ''البحر'' میں یہ زیادہ کیا ہے: جب تک دوسرا قاضی اسے نافذ نہ کرے اس وقت تک اس کا قول اس بارے میں قبول نہیں ہوگا کہ اس نے فیصلہ نہیں کیا، اس لیے کہ دوسرے کا فیصلہ اس بارے میں موجود ہے۔ ''مصنف'' نے کہا ہے: اور یہ اچھی قید ہے میں صاحب ''البحر'' کے سوا اس پر کہیں واقف اور آگاہ نہیں ہوا۔ حقوق العباد میں سے اجتہادی مسائل میں قضاء کے نفاذ کی شرط یہ ہے کہ کسی حادثہ اور واقعہ میں فیصلہ اس طرح ہو کہ اس سے پہلے ایک خصم کی طرف سے دوسرے حاضر خصم پر شرعی تنازعہ کی بنا پر صحیح دعویٰ موجود ہو۔ پس اگر وہ اپنا حق دوسرے پر قاضی کے پاس بینہ کے ساتھ ثابت کر دے

ثابت کرنے کا ارادہ کریں۔ ''بحر''۔

37014۔ (قولہ: خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ) اس میں امام ''محمد'' رطیٹھلیہ نے اختلاف کیا ہے، ''البحر'' میں کہا ہے: اور ''جامع الفصولین'' میں امام ''محمد'' رطیٹھلیہ کے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔ فرمایا: اور چاہیے کہ اسی کے ساتھ فتویٰ دیا جائے اس لیے کہ ہمارے زمانے کے قضاۃ کے احوال سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

37015۔ (قولہ: لِوُجُودِ قَضَاءِ الثَّانِي بِهِ) اس کے بارے دوسرے کا فیصلہ موجود ہونے کی وجہ سے، کیونکہ وہ اسے اپنے پاس ثابت ہونے کے بعد ہی نافذ کر سکتا ہے اور اس میں بھی دعویٰ کا ہونا ضروری ہے۔ ''البحر'' میں کہا ہے: پہلے کے حکم کو دوسرے کے نافذ کرنے میں بھی دعویٰ ہونا ضروری ہے۔ اور اصل کے گواہوں کا حاضر ہونا شرط نہیں ہے۔ پس اگر اس نے پہلے کا قول قبول کر لیا تو صرف اس کے قول سے ثبوت اور نفاذ کے بعد دوسرے فیصلے کا ابطال لازم آتا ہے۔ کیونکہ اس پر ... پہلے پر کی گئی ہے اور بالخصوص جب وہ دوسرے قاضی کے مذہب کے مخالف ہو۔ فافہم۔

حقوق العباد میں اجتہادی مسائل میں قضا کے نفاذ کی شرط

37016۔ (قولہ: مِنْ حُقُوقِ الْعِبَادِ) حقوق العباد کے ساتھ مقید کیا، کیونکہ حقوق اللہ تعالیٰ میں حادثہ کا ہونا شرط نہیں جیسا کہ حدود، لونڈی کی آزادی اور زوجہ کی طلاق۔ ''طحطاوی''۔

37017۔ (قولہ: مُنَازِعٍ شَرْعِيٍّ) شرعی جھگڑا اور تنازعہ کرنے والا جیسا کہ اصیل، یا وکیل، یا وصی، یا متولی، یا ورثاء میں سے کوئی ایک بخلاف فضولی، مودع اور مستعیر کے، کیونکہ ان دونوں کا نزاع معتبر نہیں ہوتا۔

فَقَضَى بِهِ بِبُرْهَانِهِ بِدُونِ مُنَازَعَةٍ، وَمُخَاصَمَةٍ شَرْعِيَّةٍ وَتَدَاعٍ بَيْنَهُمَا لَمْ يَنْفُذْ قَضَاؤُهُ لِفَقْدِ شَرْطِهِ، وَهُوَ التَّدَاعِي بِخُصُومَةٍ شَرْعِيَّةٍ وَكَانَ إِفْتَاءً فَيَحْكُمُ بِمَذْهَبِهِ لَا غَيْرُ كَمَا قَدَّمْنَاهُ فِي الْقَضَاءِ وَأَفَادَهُ بِقَوْلِهِ (فَلَوْ رَفَعَ إِلَيْهِ) أَيْ إِلَى الْحَنَفِيِّ (قَضَاءُ مَالِكِيٍّ بِلَا دَعْوَى لَمْ يَلْتَفِتْ إِلَيْهِ وَعَمِلَ الْحَنَفِيُّ بِمُقْتَضَى مَذْهَبِهِ) لِعَدَمِ تَقَدُّمِ مَا يَمْنَعُهُ مِنْ ذَلِكَ لِخُرُوجِ قَضَاءِ الْمَالِكِيِّ مَخْرَجَ الْفَتْوَى، لِعَدَمِ تَقَدُّمِ الْخُصُومَةِ الشَّرْعِيَّةِ الَّتِي هِيَ شَرْطُ انْعِقَادِ الْقَضَاءِ فِي حَقِّ الْعِبَادِ۔ (إِذَا ارْتَابَ) الْقَاضِي (فِي حُكْمِ) الْقَاضِي (الْأَوَّلِ لَهُ طَلَبُ شُهُودِ الْأَصْلِ) مَرَّ فِي الْقَضَاءِ قَيَّدَ بِارْتِيَابِهِ فِي حُكْمِ الْأَوَّلِ

اور وہ اس کے بیّنہ کے ساتھ اس کے بارے فیصلہ کرے اس کے بغیر کہ وہاں کوئی شرعی منازعہ اور مخاصمہ ہو یا ان دونوں کے درمیان باہمی دعویٰ کا اظہار ہو تو اس کا فیصلہ شرط مفقود ہونے کی وجہ سے نافذ نہیں ہوگا، اور وہ شرط شرعی خصومت کے ساتھ باہمی دعویٰ کا ہونا ہے۔ اور یہ افتا ہوگا، اور وہ اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے گا نہ کہ دوسرے کے مذہب کے مطابق جیسا کہ ہم اسے کتاب القضاء میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور اس کا فائدہ اپنے اس قول کے ساتھ دیا ہے کہ اگر اس نے مالکی قاضی کا فیصلہ بغیر دعویٰ کے حنفی قاضی کے پاس پیش کیا تو وہ اس کی طرف توجہ نہ کرے اور حنفی قاضی اپنے مذہب کے مطابق عمل کرے۔ کیونکہ اس سے پہلے کوئی ایسی شے نہیں ہے جو اسے ایسا کرنے سے مانع ہو۔ کیونکہ مالکی قاضی کا فیصلہ فتویٰ کے محل میں داخل ہو چکا ہے، اس لیے کہ اس سے پہلے وہ خصومت شرعیہ موجود نہیں جو حقوق العباد میں انعقاد قضا کے لیے شرط ہے۔ جب قاضی کو پہلے قاضی کے فیصلہ میں شک پڑ جائے تو اسے اصل کے گواہوں کو طلب کرنے کا اختیار ہے۔ یہ کتاب القضاء میں گزر چکا ہے۔ اسے پہلے فیصلہ میں شک پڑنے کے ساتھ مقید کیا ہے

37018۔ (قولہ: فَقَضَى بِهِ بِبُرْهَانِهِ) پس وہ اس کی حجت کے ساتھ اس کا فیصلہ کر دے، اس عبارت میں پہلی با تعدیہ اور دوسری سببیہ ہے۔ ''طحطاوی''۔

37019۔ (قولہ: بِدُونِ مُنَازَعَةٍ) یہ محذوف حال کے متعلق ہے، اور اس سے مراد جن تنازع کرنے والوں کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ان میں سے کسی کی موجودگی کے بغیر فیصلہ کرنا ہے۔

37020۔ (قولہ: فَيَحْكُمُ بِمَذْهَبِهِ) پس وہ اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے گا، یعنی اگر یہ فیصلہ کسی دوسرے قاضی کے پاس پیش کیا جائے تو وہ اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے، اس پر پہلے فیصلہ کو نافذ کرنا واجب نہیں، کیونکہ اس کی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے اس کی پابندی لازم نہیں۔ بلاشبہ یہ تو افتا یعنی حکمی شرعی کا بیان ہے۔

37021۔ (قولہ: أَيْ إِلَى الْحَنَفِيِّ) یعنی مثال کے طور پر وہ حنفی قاضی کے پاس پیش کیا جائے، کیونکہ جو ذکر کیا گیا ہے اگر اس میں غیر حنفی کی شرط لگائی جائے تو اس کا حکم بھی اسی طرح ہے۔

37022۔ (قولہ: إِذَا ارْتَابَ الخ) اسے ''النہر'' میں ''صاحب البحر'' سے نقل کیا ہے۔ اور کہا ہے: میں نے اسے کسی

فَأَفَادَ أَنَّهُ إِذَا لَمْ يَرْتَبْ فِيهِ لَا يَتَعَرَّضُ لَهُ قَالَ فِي الْفَوَاكِهِ الْبَدْرِيَّةِ قَالُوا فِي قَضَاءِ الْعَدْلِ الْعَالِمِ لَا يُنْقَضُ، وَيُحْمَلُ عَلَى السَّدَادِ بِخِلَافِ قَضَاءِ غَيْرِهِ يَعْنِي إِذَا تَبَيَّنَ وَجْهُ فَسَادِهِ بِطَرِيقِهِ فَلِلثَّانِي نَقْضُهُ (إِذَا تَرَتَّبَ بَيْعُ التَّعَاطِي عَلَى بَيْعٍ بَاطِلٍ أَوْ فَاسِدٍ لَا يَنْعَقِدُ) مَرَّ فِي أَوَّلِ الْبُيُوعِ عَنِ الْخُلَاصَةِ وَالْبَزَّازِيَّةِ وَالْبَحْرِ (خَبَّأَ قَوْمًا ثُمَّ سَأَلَ رَجُلًا عَنْ شَيْءٍ فَأَقَرَّ بِهِ وَهُمْ يَرَوْنَهُ وَيَسْمَعُونَ كَلَامَهُ وَهُوَ لَا يَرَاهُمْ جَازَتْ شَهَادَتُهُمْ عَلَيْهِ بِذَلِكَ الْإِقْرَارِ (وَإِنْ سَمِعُوا كَلَامَهُ وَلَمْ يَرَوْهُ لَا تَجُوزُ) شَهَادَتُهُمْ عَلَيْهِ لِأَنَّ النَّغْمَةَ تَشْتَبِهُ عَلَيْهِ فَتَقَعُ الشُّبْهَةُ إِلَّا إِذَا عَلِمُوا أَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ غَيْرُهُ بِأَنْ دَخَلُوا الْبَيْتَ ثُمَّ خَرَجُوا وَجَلَسُوا عَلَى بَابِهِ

تو اس نے یہ فائدہ دیا ہے کہ جب اسے اس میں شک لاحق نہ ہو تو وہ اس میں کوئی تعرض نہ کرے۔ ''الفواکہ البدریہ'' میں کہا ہے: فقہاء نے عادل عالم قاضی کے فیصلہ میں کہا ہے وہ نہیں توڑا جائے گا، اور اسے درستگی پر محمول کیا جائے گا بخلاف کسی دوسرے کے فیصلہ کے یعنی جب کسی طریقہ سے اس کی وجہ فساد ظاہر ہو جائے تو پھر دوسرے قاضی کے لیے اسے توڑنے کا اختیار ہے۔ جب بیع التعاطی بیع باطل یا فاسد پر مرتب ہو تو وہ منعقد نہیں ہو گی، یہ کتاب البیوع کے شروع میں ''الخلاصہ''، ''البزازیہ'' اور ''البحر'' سے گزر چکا ہے۔ کسی نے ایک قوم کو چھپالیا پھر ایک آدمی سے کسی شے کے بارے پوچھا تو اس نے اس کے بارے اقرار کیا درآنحالیکہ وہ اسے دیکھ رہے تھے اور اس کا کلام سن رہے تھے لیکن وہ انہیں نہیں دیکھ رہا تھا تو اس کے اس اقرار پر ان کی شہادت جائز ہے۔ اور اگر وہ اس کا کلام سن رہے تھے اور اسے دیکھ نہیں رہے تھے تو اس پر ان کی شہادت جائز نہیں ہو گی۔ کیونکہ آواز دوسرے کے مشابہ ہو سکتی ہے لہٰذا اشتباہ واقع ہو جائے گا۔ مگر جب وہ یہ جان لیں کہ اس میں اس کے سوا اور کوئی نہیں اس طرح کہ وہ کمرے میں داخل ہوں پھر اس سے باہر نکلیں، اور اس کے دروازے پر بیٹھ جائیں

غیر کے لیے نہیں پایا۔

37023۔ (قولہ: يَعْنِي الخ) میں کہتا ہوں: اس بنا پر تو عادل عالم اور غیر عادل کے فیصلہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ پس اگر کہا جائے: مراد یہ ہے وہ اسے توڑنے کے لیے تعرض نہ کرے تو یہ زیادہ اچھا اور خوبصورت ہوتا۔ یعنی اس سے ان احوال کے بارے نہیں پوچھے گا جو فیصلہ کو توڑنے کا موجب ہیں۔ پس یہ نہیں کہا جائے گا: کیا اس نے رشوت اور اس طرح کے سبب سے فیصلہ کیا ہے؟ اور اس پر قرینہ ان کا یہ قول ہے: ویحمل علی السداد (اور اسے صحت و درستگی پر محمول کیا جائے گا) اور رہا غیر عادل اور غیر عالم قاضی! تو اس کے حال کے بارے وہ پوچھے گا۔

37024۔ (قولہ: مَرَّ فِي أَوَّلِ الْبُيُوعِ الخ) اور یہ گزر چکا ہے کہ اسے اس صورت پر محمول کیا گیا ہے جب یہ متارکۃ الاول سے پہلے ہو، اور یہ کہ وہ بیع بالتعاطی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ بیع بالایجاب والقبول بھی اسی طرح ہے۔ اور ''الخانیہ'' میں ہے: کسی نے فاسد شرا کے ساتھ کوئی کپڑا خریدا پھر وہ اسے دوسرے دن ملا اور اسے کہا: تو نے مجھے اپنا یہ کپڑا ایک ہزار درہم کے عوض بیچ دیا؟ تو اس نے کہا: کیوں نہیں۔ تو اس نے کہا: میں نے اسے لے لیا تو یہ باطل ہے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کیونکہ

وَلَا مَسْلَكَ لَهُ غَيْرُهُ ثُمَّ دَخَلَ رَجُلٌ فَسَمِعُوا إِقْرَارَهُ وَلَمْ يَرَوْهُ وَقْتَهُ (بَاعَ عَقَارًا) أَوْ حَيَوَانًا أَوْ ثَوْبًا (وَابْنُهُ أَوْ امْرَأَتُهُ) أَوْ غَيْرُهُمَا مِنْ أَقَارِبِهِ

اور اس کا اس ایک کے سوا کوئی راستہ (دروازہ) نہ ہو پھر وہ آدمی داخل ہو اور وہ اس کا اقرار سنیں، اور اقرار کے وقت اسے نہ دیکھیں (تو پھر ان کی شہادت جائز ہوگی)۔ کسی نے زمین، یا جانور یا کوئی کپڑا بیچا اس حال میں کہ اس کا بیٹا یا بیوی یا ان کے علاوہ اقارب میں سے

اس سے پہلے بیع فاسد تھی۔ اور اگر وہ دونوں پہلی بیع فاسد کو توڑ دیں تو پھر آج کی یہ بیع جائز ہوگی۔

میں کہتا ہوں: اس پر وہ اعتراض وارد ہوتا ہے جو ''شارح'' نے وہاں بیع قطیع غنم کے مسئلہ میں ذکر کیا ہے کہ ہر بکری اتنے کے عوض۔ بلاشبہ وہ فاسد ہے اور اگر مجلس میں بکریوں کی تعداد معلوم بھی ہو جائے تو اصح قول کے مطابق وہ بیع صحیح میں نہیں بدلتی۔ اور اگر دونوں راضی ہوں تو پھر تعاطی کے ساتھ منعقد ہو جاتی ہے۔ اور اس کی نظیر بیع بالرقم ہے۔ ''سراج''۔ اور اسی کی مثل ''النہایہ'' اور ''الفتح'' وغیرہ میں ہے۔ پس چاہیے کہ اس میں غور و فکر کی جائے۔

37025۔ (قولہ: ثُمَّ دَخَلَ رَجُلٌ) پھر وہ آدمی اکیلا داخل ہو، جیسا کہ ان کا قول: الا اذا علموا أنه ليس فيه غيره نے اسی کا فائدہ دیا ہے۔ اور اسی پر ہے پس اگر اس کے ساتھ مقر لہ داخل ہوا تو پھر ان کی شہادت جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں یہ شبہ اور احتمال ہے کہ اقرار کرنے والا وہی حق کا دعویٰ کرنے والا ہو اور اس نے اپنی آواز دوسرے کی آواز کی مثل بنالی ہو۔ تامل۔

کسی نے زمین، جانور یا کپڑا بیچا جب کہ بیٹا یا بیوی پاس موجود ہوں تو اس کا حکم

37026۔ (قولہ: بَاعَ عَقَارًا الخ) کسی نے زمین بیچی الخ، اور اسی طرح ہے اگر وہ ہبہ کرے یا صدقہ کرے اور حوالے کر دے۔ اور اسے بیع کے ساتھ مقید کیا، کیونکہ اگر وہ اجارہ کرے، یا رہن رکھے، یا بطور عاریہ دے پھر قریبی حاضر دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ سنا جائے گا، کیونکہ ملک سے نکلنا اس کے لوازم میں سے نہیں ہے۔ اور کبھی آدمی اپنی ملک سے نفع حاصل کرنے پر راضی ہوتا ہے۔ اور اپنی ملک سے نکلنے کے ساتھ راضی نہیں ہوتا۔ اور اس لیے کہ یہ بیع اور اس طرح کے معاملات میں خلاف قیاس ہے۔ پس اس پر کسی غیر کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اور میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو اس پر آگاہ ہوا ہو۔ پس اس میں غور و فکر کرنی چاہیے۔ ''رملی''۔

میں کہتا ہوں: اور بیع کی مثل ہی وقف بھی ہے جیسا کہ ''الشہاب الشلبی'' نے اس کے بارے فتویٰ دیا ہے۔ اور اکابر علمائے احناف میں سے تیرہ علماء نے ان کے زمانہ میں ان کی موافقت کی ہے جن کے اسماء اور ان کی موافقت میں ان کے خطوط انہوں نے اپنے مشہور فتاویٰ کے کتاب الدعویٰ کے آخر میں لکھے ہیں، پس اس کی طرف رجوع کرو۔

پھر تو جان کہ بیع کے ساتھ مقید کرنا بلاشبہ قریب کی طرف نسبت کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ رہا اجنبی کی طرف نسبت کے اعتبار سے تو وہ قید نہیں ہے۔ اس لیے کہ ''جامع الفتاویٰ'' کے کتاب الدعوی کے شروع میں ''الخلاصہ'' سے ہے: ایک آدمی نے

(حَاضِرٌ يَعْلَمُ بِهِ ثُمَّ ادَّعَى الِابْنُ) مَثَلًا
کوئی اس کے پاس موجود ہو اور وہ اس کے بارے جانتا ہو، پھر مثلاً بیٹا یہ دعویٰ کر دے

ایک زمانہ تک ایک زمین میں تصرف کیا اور دوسرا آدمی اس میں اس کا تصرف کرتا دیکھتا رہا، پھر وہ تصرف کرنے والا فوت ہو گیا اور دوسرے آدمی نے اس کی زندگی میں اس پر کوئی دعویٰ نہ کیا تو اب اس کے فوت ہونے کے بعد اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔

اور ''الحامدیہ'' میں ''الولوالجیہ'' سے ہے: ایک آدمی نے ایک زمانہ تک ایک زمین میں تصرف کیا اور دوسرا آدمی زمین اور تصرف کو دیکھتا رہا اور اس نے کوئی دعویٰ نہ کیا اور وہ آدمی اسی حال پر فوت ہو گیا تو اس کے بعد اس کے بیٹے کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا، اور زمین کو تصرف کرنے والے کے ہاتھ میں ہی چھوڑ دیا جائے گا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ موت قید نہیں ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ فقہاء نے اسے یہاں موت کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے۔ اور اسی سے یہ معلوم ہوا کہ تصرف پر اطلاع ہونے کے بعد صرف خاموش رہنا بھی مانع ہے۔ اگرچہ بیع اس سے پہلے نہ ہو۔ رہا بیع کے وقت سکوت اختیار کرنا تو وہ صرف قریبی کے دعویٰ کے مانع ہوتا ہے۔ پھر تو جان! کہ علامہ ''ابن الغرس'' نے ''الفواکہ البدریہ'' میں ''المبسوط'' سے نقل کیا ہے: جب تینتیس برس اس نے دعویٰ چھوڑے رکھا حالانکہ دعویٰ سے کوئی مانع نہ ہو پھر وہ دعویٰ کر دے تو اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا، کیونکہ قدرت کے باوجود دعویٰ کو ترک کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس میں حق کا نہ ہونا ظاہر ہے۔ اور اسی کی مثل ''البحر'' اور ''جامع الفتاویٰ'' میں ہے۔ اور اہل فتویٰ میں سے متاخرین نے کہا ہے: چھتیس سال کے بعد دعویٰ نہیں سنا جائے گا، مگر یہ کہ مدعی غائب ہو، یا بچہ ہو یا مجنون ہو اور ان دونوں کے لیے کوئی ولی نہ ہو، یا مدعی علیہ ظالم امیر ہو جس سے خوف کیا جاتا ہو۔ اسی طرح ''الفتاویٰ العتابیہ'' میں ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اس مدت کے بعد دعویٰ کا نہ سنا جانا تصرف پر اطلاع ہونے یا نہ ہونے دونوں حالتوں کو شامل ہے۔ کیونکہ تصرف پر اطلاع ہونے کے ساتھ دعویٰ کے نہ سنے جانے کو یہاں کسی مدت کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے، پس ان کے کلام کے درمیان کوئی منافاۃ نہیں ہے۔ تأمل۔

پھر تو جان! کہ اس کا عدم سماع بطلان حق پر مبنی نہیں ہے، یہاں تک کہ یہ اعتراض وارد ہو کہ یہ قول چھوڑ دیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ بطلان حق کے بارے حکم نہیں ہے۔ بلکہ اس کے سماع سے قضاۃ کو روکنا فریب اور دھوکہ دہی کے خوف اور دلالت حال کی وجہ سے ہے جیسا کہ تعلیل اور قیاس اس پر دلالت کرتا ہے۔ ورنہ فقہاء نے کہا ہے: بلاشبہ حق تقادم کے ساتھ ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ ''الاشباہ'' کے باب القضاء میں ہے۔ پس دوسرے کے لیے حق باقی ہونے کے باوجود ان مسائل میں دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ اور اسی لیے اگر وہ اس کا اقرار کرے تو وہ لازم ہو جاتا ہے جیسا کہ پندرہ سال گزرنے کے بعد دعویٰ کے عدم سماع کے مسئلہ میں ہے جب سلطان اس کے سماع سے منع کر دے جیسا کہ باب التحکیم سے پہلے گزر چکا ہے۔ پس تو اس منفرد تحریر کو غنیمت جان۔

37027۔(قولہ: حَاضِرٌ) اس میں حضور سے مراد اطلاع ہے۔ ''رملی''۔

37028۔(قولہ: مَثَلًا) یعنی بیوی یا اس کے علاوہ کوئی اور اقارب میں سے ہو۔

(أَنَّهُ مِلْكُهُ لَا تُسْمَعُ دَعْوَاهُ) كَذَا أَطْلَقَهُ فِي الْكَنْزِ وَالْمُلْتَقَى وَجُعِلَ سُكُوتُهُ كَالْإِفْصَاحِ قَطْعًا لِلتَّزْوِيرِ وَالْحِيَلِ، وَكَذَا لَوْ ضَمِنَ الدَّرْكَ أَوْ تَقَاضَى الثَّمَنَ وَقَالُوا فِيمَنْ زَوَّجُوهُ بِلَا جِهَازٍ إِنَّ سُكُوتَهُ عَنْ طَلَبِ الْجِهَازِ عِنْدَ الزِّفَافِ رِضًا

کہ وہ اس کی ملکیت ہے تو اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ اسی طرح اسے ''الکنز'' اور ''الملتقی'' میں مطلق ذکر کیا ہے۔ اور کسی تزویر (فریب) اور حیلہ کو قطع کرنے کے لیے اس کے سکوت کو بیان کی مثل بنایا گیا ہے۔ اور اسی طرح ہے اگر وہ درک یا ثمن کا تقاضا کرنے کا ضامن ہو۔ اور فقہا نے اس آدمی کے بارے میں کہا ہے جس کی انہوں نے بغیر جہیز کے شادی کی: بلاشبہ شادی کے وقت جہیز کا مطالبہ کرنے سے سکوت اختیار کرنا رضامندی ہے،

37029۔ (قولہ: أَنَّهُ مِلْكُهُ) یعنی یہ کل یا بعض مشترک طور پر یا معین اس کی ملکیت ہے، اور جو ثمن میں بھی دعویٰ کا عدم سماع ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس کی تائید وہ بھی کرتا ہے جو ''التبیین'' وغیرہ میں ہے کہ اس کا حاضر ہونا اور اس کا ترک کرنا اس میں ہے جس میں اس کی طرف سے یہ اقرار ہو سکتا ہو کہ یہ شے بائع کی ملکیت ہے اور یہ کہ مبیع میں اس کا کوئی حق نہیں الخ۔ ''رملی''۔

37030۔ (قولہ: كَذَا أَطْلَقَهُ فِي الْكَنْزِ الخ) یعنی ''کنز'' میں اسے اس سے مطلق ذکر کیا ہے جس کے ساتھ ''زیلعی'' نے ''فتاویٰ أبی اللیث'' سے نقل کرتے ہوئے اسے مقید کیا ہے اس کے ساتھ کہ مشتری اس میں ایک زمانہ تک تصرف کرے۔ ''المنح'' میں کہا ہے: اور ''کنز''، ''بزازیہ'' اور بہت سی معتبر کتابوں میں اس کے ساتھ اسے مقید نہیں کیا۔ اور اسی وجہ سے ہم نے بھی اسے اس کے ساتھ مقید نہیں کیا اور اس لیے کہ اس کے ساتھ مقید کرنا قریبی اور پڑوسی کے درمیان تسویہ اور برابری کو ثابت کرتا ہے باوجود اس کے کہ پڑوسی اس کے مخالف ہو۔ اس مسئلہ میں کئی دوسرے اقوال بھی ہیں۔ پس اس کی طرف رجوع کرو۔

37031۔ (قولہ: وَجُعِلَ سُكُوتُهُ كَالْإِفْصَاحِ) اور اس کے سکوت کو بیان کی مثل بنایا گیا ہے یعنی اس بارے کہ وہ بائع کی ملکیت ہے۔ اور ''مصنف'' کے فتاویٰ میں ہے کہ جب وہ بیع کے وقت اس بارے عدم علم کا دعویٰ کرے کہ وہ اس کی ملک ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اور ''نہج النجاۃ'' میں کہا ہے: میں کہتا ہوں: یہ تب ہے جب مدعی معذور نہ ہو ورنہ اس کا دعویٰ سنا جائے گا۔ تحقیق فقہا نے کہا ہے: وارث، وصی، اور متولی کو محل خفا میں جہالت کے سبب تناقض سے معذور قرار دیا جائے گا۔ اور ''الاستروشنی'' نے کہا ہے: کسی نے اپنے بچے کے لیے اپنی طرف سے دار خریدا، پس بیٹا بڑا ہو گیا اور اسے اس کا علم نہ ہو پھر باپ اس دار کو بیچ دے اور اسے مشتری کے سپرد کر دے پھر وہ بیٹا اس سے اسے جارہ پر لے پھر اسے اس کے بارے علم ہوا جو کچھ اس کے باپ نے کیا، پس اس نے دار کا دعویٰ کر دیا تو اس کا دعویٰ قبول کیا جائے گا۔ اور وہ اجارہ پر لینے کے سبب ٹوٹنے والا نہیں ہو گا۔ کیونکہ اس میں خفا ہے۔ کیونکہ باپ صغیر کے لیے خریدنے کو ترجیح دیتا ہے اور قریب ہے کہ بالغ ہونے کے بعد بھی اسے علم نہ ہو۔ ''سائحانی''۔

37032۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ ضَمِنَ الدَّرْكَ الخ) اس کا ذکر اجنبی کے بعد کرنا اولیٰ ہے تاکہ یہ قریبی کے ساتھ اس

فَلَا يَمْلِكُ طَلَبَ الْجِهَازِ بَعْدَ سُكُوتِهِ كَمَا مَرَّ فِي بَابِ الْمَهْرِ (بِخِلَافِ الْأَجْنَبِيِّ) فَإِنَّ سُكُوتَهُ وَ (لَوْ جَارًا) لَا يَكُونُ رِضًا (إِلَّا إِذَا) سَكَتَ الْجَارُ وَقْتَ الْبَيْعِ وَالتَّسْلِيمِ وَ (تَصَرَّفَ الْمُشْتَرِي فِيهِ زَرْعًا وَبِنَاءً) فَحِينَئِذٍ (لَا تُسْمَعُ دَعْوَاهُ) عَلَى مَا عَلَيْهِ الْفَتْوَى قَطْعًا لِلْأَطْمَاعِ الْفَاسِدَةِ، وَبِخِلَافِ مَا إِذَا بَاعَ الْفُضُولِيُّ

پس وہ اس سکوت کے بعد اب جہیز طلب کرنے کا مالک نہیں ہوگا، جیسا کہ باب المہر میں گزر چکا ہے بخلاف اجنبی کے۔ کیونکہ اس کا سکوت رضامندی نہیں ہوتا اگرچہ وہ پڑوسی ہو مگر جب پڑوسی بیع اور مبیع حوالے کرنے کے وقت خاموش رہے اور اس میں مشتری کا تصرف بطور زراعت اور بنا کے ہوگا۔ پس اس وقت اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ اور اطماع فاسدہ کو قطع کرنے کے لیے فتویٰ اسی پر ہے بخلاف اس کے کہ جب فضولی

کے خاص ہونے کا وہم پیدا نہ کرے۔ اور ''زیلعی'' نے اس مسئلہ کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، اس کی طرف رجوع کرو۔

37033۔ (قولہ: فَلَا يَمْلِكُ الخ) پس وہ اس قول کا مالک نہیں کہ اس کیلئے مطالبہ کا حق ہے۔ اور یہ صحیح کے خلاف ہے۔

37034۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْأَجْنَبِيِّ) بخلاف اجنبی کے۔ ''الرملی'' نے کہا ہے: میں کہتا ہوں: میرے لیے جو فرق ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اطماع فاسدہ (فاسد حرص ولالچ) قریبی میں اغلب اور زیادہ ہوتے ہیں، اور اس میں دھوکہ دہی کا گمان ارجح ہے۔ اسی وجہ سے اقرباء میں بالخصوص وراثت کے دعویٰ کو ثابت کرنے میں سہولت اور آسانی غالب ہے، بخلاف اجنبی کے۔ کیونکہ اس کا کسی اجنبی کے مال میں طمع اور حرص رکھنا نادر ہے۔ اور مرجح کی طرف سے جہت تزویر کو ترجیح دینا ضروری ہے۔ اور وہ جہت یہ ہے کہ مشتری اس میں ایک زمانہ تک تصرف کرے۔

37035۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا سَكَتَ الْجَارُ) مگر جب پڑوسی خاموش رہے، اور اس کے علاوہ کسی بھی اجنبی کے لیے بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہے۔ پس پڑوسی کو ذکر کے ساتھ خاص کرنا اس لیے ہے کیونکہ اس کے بارے گمان ہے کہ وہ قریبی اور بیوی کے حکم میں ہے۔

37036۔ (قولہ: وَقْتَ الْبَيْعِ وَالتَّسْلِيمِ) یعنی ان دونوں کے بارے اس کے جاننے کے وقت جیسا کہ ''الرملی'' کے کلام سابق نے اس کا فائدہ دیا ہے۔ حالانکہ تو جانتا ہے کہ بیع قید نہیں ہے، بلکہ تصرف پر اطلاع کے وقت صرف سکوت اختیار کرنا دعویٰ کے مانع ہے۔

37037۔ (قولہ: زَرْعًا وَبِنَاءً) اس سے مراد ہر وہ تصرف ہے جس کا اطلاق صرف مالک کے لیے کیا جاتا ہے، بس یہ دونوں تمثیل کے قبیل سے ہیں۔

37038۔ (قولہ: لَا تُسْمَعُ دَعْوَاهُ) یعنی اجنبی کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا اگرچہ وہ پڑوسی ہو۔ ''رملی''۔

37039۔ (قولہ: وَبِخِلَافِ مَا إِذَا بَاعَ الْفُضُولِيُّ الخ) بخلاف اس کے جب فضولی بیع کرے الخ۔ اس کا ذکر ادنیٰ سی مناسبت کی وجہ سے کیا ہے، ورنہ کلام تو اس کے بارے میں ہے کہ جب خاموش رہنے والا ملکیت کا دعویٰ کرے اور بائع اور

مِلْكَ رَجُلٍ وَالْمَالِكُ سَاكِتٌ حَيْثُ لَا يَكُونُ سُكُوتُهُ رِضًا عِنْدَنَا خِلَافًا لِابْنِ أَبِي لَيْلَى بَزَّازِيَّةٌ آخِرَ الْفَصْلِ الْخَامِسَ عَشَرَ وَغَيْرُهُ (بَاعَ ضَيْعَةً ثُمَّ ادَّعَى أَنَّهَا وَقْفٌ عَلَيْهِ) أَوْ عَلَى مَسْجِدِ كَذَا أَوْ كُنْت وَقَفْتُهَا (وَأَرَادَ تَحْلِيفَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ) اتِّفَاقًا لِلتَّنَاقُضِ (وَإِنْ أَقَامَ بَيِّنَةً تُقْبَلُ) عَلَى الْأَصَحِّ لَا لِصِحَّةِ الدَّعْوَى، بَلْ لِقَبُولِ الْبَيِّنَةِ فِي الْوَقْفِ بِلَا دَعْوَى

کسی آدمی کی مملوکہ شے بیچ دے اور مالک خاموش رہے تو ہمارے نزدیک اس کا سکوت رضا مندی نہیں ہوگا، اس میں ''ابن ابی لیلیٰ'' کا اختلاف ہے۔ یہ ''بزازیہ'' پندرھویں فصل کے آخر میں اور دیگر کتب میں ہے۔ کسی نے زمین بیچی پھر دعویٰ کیا کہ وہ زمین تو اس پر وقف ہے یا مسجد پر وقف ہے یا میں نے اسے وقف کیا تھا اور اس نے مدعیٰ علیہ کو قسم دینے کا ارادہ کیا تو تناقض کی وجہ سے اس کے لیے ایسا کرنا بالاتفاق جائز نہیں۔ اور اگر اس نے بیّنہ قائم کر دیا تو اصح قول کے مطابق اسے قبول کر لیا جائے گا، اس لیے نہیں کہ دعویٰ صحیح ہے، بلکہ اس لیے کہ وقف میں بغیر دعویٰ کے بھی بینہ مقبول ہے۔

مشتری انکار کر دے، اور یہاں کوئی انکار نہیں ہے۔

اگر فضولی کسی کی مملوکہ چیز بیچ دے اور مالک خاموش رہے تو اس کا سکوت رضا مندی نہیں

37040۔(قولہ: لَا يَكُونُ سُكُوتُهُ رِضًا عِنْدَنَا) اس کا سکوت ہمارے نزدیک رضا نہیں ہوگا، ''فتاویٰ امین الدین'' میں ''المحیط'' سے ہے: جب کوئی فضولی سے سامان خریدے اور مشتری سامان کے مالک کی موجودگی میں مبیع پر قبضہ کر لے اور وہ خاموش رہے تو یہ خاموشی رضا ہوگی۔ اسی کی مثل ''بزازیہ'' میں بھی ''محیط'' سے ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ جو یہاں ہے اس کا محل یہ ہے کہ جب مشتری سامان کے مالک کی موجودگی میں سامان پر قبضہ نہ کرے، اور وہ خاموش رہے۔ تامل۔ ''رملی''۔

37041۔(قولہ: آخِرَ الْفَصْلِ الْخَامِسَ عَشَرَ) یعنی کتاب الدعویٰ کی پندرھویں فصل کے آخر میں۔

37042۔(قولہ: وَغَيْرُهُ) یعنی کتاب النکاح کی ناویں فصل میں۔ اور یہاں ''زیلعی'' نے اسے ''الجامع الصغیر'' سے نقل کیا ہے۔

37043۔(قولہ: تُقْبَلُ عَلَى الْأَصَحِّ) اصح قول کے مطابق شہادت قبول کر لی جائے گی، اسی کو ''الصدر الشہید'' نے اختیار کیا ہے۔ اور ''الفقیہ'' نے کہا ہے: بعض لوگوں نے کہا ہے: بینہ قبول نہیں کیا جائے گا، لیکن ہم اس قول کو نہیں لیں گے۔ ''تاتر خانیہ''۔ اور قبول والے قول کو لیں گے اور یہی اصح قول ہے۔ ''عمادیہ''۔ بینہ قبول کیا جائے گا اگرچہ دعویٰ صحیح نہیں۔ ''خلاصہ'' اور ''بزازیہ''۔ اور بہت سے فتاویٰ میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور ''البحر'' میں اس کے ساتھ مقید کیا ہے کہ جب وہ شہادت پیش کر دے کہ وہ وقف ہے تو پھر اس کے لازم ہونے کا حکم لگا دیا جائے، اور اگر شہادت پیش نہ کرے تو نہیں، کیونکہ صرف وقف ملکیت کو زائل نہیں کرتا۔ اسی کی مثل ''فتح القدیر'' میں ہے اور وہ خوب اچھی تفصیل ہے چاہیے کہ اس پر اعتماد کیا جائے۔ ''مصنف'' نے اسے بیان کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: مفتی بہ یہ ہے کہ ملک صرف اس کے قول وقفت (میں نے وقف کی) کے ساتھ زائل ہو جاتی ہے۔

خِلَافًا لِمَا صَوَّبَهُ الزَّيْلَعِيُّ وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ فِي الْوَقْفِ وَبَابِ الِاسْتِحْقَاقِ- (وَهَبَتْ مَهْرَهَا لِزَوْجِهَا فَمَاتَتْ وَطَالَبَتْ وَرَثَتُهَا بِمَهْرِهَا وَقَالُوا كَانَتِ الْهِبَةُ فِي مَرَضِ مَوْتِهَا وَقَالَ بَلْ فِي الصِّحَّةِ فَالْقَوْلُ لِلْوَرَثَةِ) هَذَا مَا اعْتَمَدَهُ فِي الْخَانِيَةِ تَبَعًا لِرِوَايَةِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ بَعْدَ نَقْلِهِ لِمَا فِي فَتَاوَى النَّسَفِيِّ أَنَّ الْقَوْلَ لِلزَّوْجِ، فَقَالَ وَالِاعْتِمَادُ عَلَى تِلْكَ الرِّوَايَةِ لِأَنَّهُمْ تَصَادَقُوا عَلَى وُجُوبِ الْمَهْرِ وَاخْتَلَفُوا فِي السُّقُوطِ فَالْقَوْلُ لِمُنْكِرِهِ إلَخْ قُلْتُ وَأَقَرَّهُ فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ وَاعْتَمَدَهُ شَيْخُنَا عَلَى خِلَافِ مَا جَزَمَ بِهِ فِي الْمُلْتَقَى كَالْكَنْزِ مِنْ أَنَّ الْقَوْلَ لِلزَّوْجِ، وَإِنْ جَزَمَ بِهِ شُرَّاحُهُ كَالزَّيْلَعِيِّ وَابْنِ سُلْطَانٍ

یہ اس کے خلاف ہے جسے ''زیلعی'' نے درست قرار دیا ہے۔ اور ہم نے کتاب الوقف اور باب الاستحقاق میں اس کی تحقیق کی ہے۔ کسی عورت نے اپنا مہر خاوند کو ہبہ کر دیا اور فوت ہوگئی اور اس کے ورثا نے اس کے مہر کا مطالبہ کیا اور انہوں نے کہا: یہ ہبہ اس کی مرض موت میں واقع ہوا ہے۔ اور خاوند نے کہا: (نہیں) بلکہ حالت صحت میں واقع ہوا، تو قول ورثاء کا معتبر ہوگا۔ اسی پر ''الخانیہ'' میں ''جامع صغیر'' کی روایت کی اتباع کرتے ہوئے اعتماد کیا ہے، اسے نقل کرنے کے بعد جو ''فتاوی النسفی'' میں ہے کہ قول خاوند کا معتبر ہوگا اور کہا: اعتماد اس روایت پر ہے، کیونکہ انہوں نے مہر کے وجوب پر ایک دوسرے کی تصدیق کی ہے اور اس کے ساقط ہونے میں اختلاف کیا ہے، پس قول منکر کا معتبر ہوگا۔ الخ۔ میں کہتا ہوں: اور اسے ہی ''تنویر البصائر'' میں ثابت رکھا ہے، اور ہمارے شیخ نے اس پر اعتماد کیا ہے برخلاف اس کے جس کے ساتھ ''الملتقی'' میں ''کنز'' کی مثل یقین کیا ہے کہ قول خاوند کا معتبر ہے اگرچہ ''کنز'' کے شارحین جیسا کہ ''زیلعی'' اور ''ابن سلطان'' نے اس کے ساتھ اس بارے یقین کیا ہے

37044۔ (قولہ: خِلَافًا لِمَا صَوَّبَهُ الزَّيْلَعِيُّ) یہ اس کے خلاف ہے جسے ''زیلعی'' نے درست قرار دیا ہے، اس حیثیت سے کہ انہوں نے کہا ہے: اور کہا گیا ہے شہادت قبول نہیں کی جائے گی اور یہی زیادہ درست اور زیادہ محتاط ہے، کیونکہ وہ بینہ قائم کر کے کہ زمین اس پر وقف ہے بیع کے فاسد ہونے اور اپنا ذاتی حق ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ پس تناقض کی وجہ سے اسے نہیں سنا جائے گا۔ اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ اگر وہ مسجد یا اس طرح کی چیز پر وقف ہو تو شہادت سنی جائے گی کیونکہ وہ اپنی ذات کے لیے حق کا دعویٰ نہیں کر رہا۔

37045۔ (قولہ: فَالْقَوْلُ لِلْوَرَثَةِ) پس قول ورثا کا معتبر ہوگا، یہ شہادت نہ ہونے کے وقت ہے۔ پس اگر وہ بینہ قائم کر دیں تو بینہ اس کا معتبر ہوگا جو حالت صحت میں ہبہ کا دعویٰ کر رہا ہے۔ ''منح''۔

میں کہتا ہوں: اور دوسرے قول کی بنا پر یہ ظاہر ہے کہ بینہ ورثاء کا مقبول ہوگا۔

37046۔ (قولہ: هَذَا مَا اعْتَمَدَهُ فِي الْخَانِيَةِ) یہ وہ ہے جس پر ''الخانیہ'' میں اعتماد کیا ہے۔ اور ''قاضیخان'' کی تصحیح تصاحیح کی وجہ سے ہے، اور یہ ان مسائل میں سے ہے جن میں فقہاء نے قیاس کو استحسان پر ترجیح دی ہے۔ ''سائحانی''۔

37047۔ (قولہ: بَعْدَ نَقْلِهِ) اس کی ضمیر قال کی ضمیر کی طرح ''قاضیخان'' کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ''طحطاوی''۔

بِأَنَّهُ الِاسْتِحْسَانُ فَتَنَبَّهْ. قُلْتُ وَاسْتَظْهَرَهُ ابْنُ الْهُمَامِ فِي آخِرِ النَّهْرِ فَقَالَ وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ الْوَرَثَةَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ حَقٌّ بَلْ لَهَا وَهُمْ يَدَّعُونَهُ لِأَنْفُسِهِمْ، وَالزَّوْجُ يُنْكِرُ فَالْقَوْلُ لَهُ (وَكَّلَهَا بِطَلَاقِهَا لَا يَمْلِكُ عَزْلَهَا) لِأَنَّهُ يَمِينٌ مِنْ جِهَتِهِ (وَكَّلْتُك بِكَذَا عَلَى أَنِّي مَتَى عَزَلْتُك فَأَنْتَ وَكِيلِي) فَطَرِيقُهُ أَنْ (يَقُولَ فِي عَزْلِهِ عَزَلْتُك ثُمَّ عَزَلْتُك) لِأَنَّ مَتَى لِعُمُومِ الْأَوْقَاتِ،

کہ یہ استحسان ہے، پس تو اس پر آگاہ رہ۔ میں کہتا ہوں: اور ''ابن الہمام'' نے ''النہر'' کے آخر میں اسے تقویت دی ہے اور کہا ہے: ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ ورثاء کے لیے کوئی حق نہیں بلکہ یہ حق عورت کا ہے، وہ اس کا مطالبہ اپنی ذاتوں کے لیے کر رہے ہیں، اور خاوند اس کا انکار کر رہا ہے۔ پس قول اسی کا معتبر ہوگا۔ کسی آدمی نے عورت کو اپنی طلاق کے لیے وکیل بنایا تو وہ اسے معزول کرنے کا مالک نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ مرد کی جانب سے قسم ہے۔ میں نے تجھے اس کام کے لیے اس شرط پر وکیل بنایا کہ جب میں تجھے معزول کروں تو تو میرا وکیل ہے۔ پس اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اسے معزول کرتے وقت کہے: میں نے تجھے معزول کیا پھر میں نے تجھے معزول کیا۔ کیونکہ متیٰ عموم اوقات کے لیے آتا ہے۔

37048۔ (قولہ: الیٰ آخرہ) یہ ان کا قول ہے۔ اور اس لیے کہ ہبہ ایک حادثہ اور واقعہ ہے اور حوادث میں اصل یہ ہے کہ انہیں قریب ترین اوقات کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

37049۔ (قولہ: بِأَنَّهُ الِاسْتِحْسَانُ) یہ باء سببیہ ہے اور یہ ان کے قول جزم کے ساتھ مربوط ہے۔ ''طحطاوی''۔

37050۔ (قولہ: وَاسْتَظْهَرَهُ) یعنی خاوند کا قول معتبر ہونے کو تقویت دی ہے۔

37051۔ (قولہ: وَجْهُ الظَّاهِرِ) اس کا مفاد یہ ہے کہ یہ ظاہر روایت ہے۔

37052۔ (قولہ: لَمْ يَكُنْ لَهُمْ حَقٌّ) یعنی ہبہ کے وقت ان کا کوئی حق نہیں۔

37053۔ (قولہ: لِأَنَّهُ يَمِينٌ مِنْ جِهَتِهِ) کیونکہ وہ اس کی جہت سے قسم ہے، اس لیے کہ اس میں قسم کا معنی ہے، اور وہ طلاق کو اس کے فعل کے ساتھ معلق کرنا ہے، اور قسم میں رجوع صحیح نہیں ہوتا، اور وہ عورت کی جہت سے تملیک ہے۔ کیونکہ وکیل وہ ہوتا ہے جو غیر کے لیے عمل کرتا ہے اور یہ اپنی ذات کے لیے عمل کر رہی ہے۔ پس یہ وکیل نہیں ہوگی بخلاف اجنبی کے۔ ''زیلعی''۔ اور تملیک کے معنی کی وجہ سے اس کا اقتصار مجلس پر ہے جیسا کہ باب تفویض الطلاق میں گزر چکا ہے۔

متیٰ عموم اوقات کے لیے جبکہ کلما عموم افعال کے لیے آتا ہے

37054۔ (قولہ: لِأَنَّ مَتَى لِعُمُومِ الْأَوْقَاتِ) کیونکہ متی عموم اوقات کے لیے آتا ہے۔ پس وہ صرف ایک بار معزول کرنے اور مقرر کرنے کا فائدہ دیتا ہے۔ ''زیلعی'' نے کہا ہے: پس جب اس نے معزول کر دیا تو وہ وکالت منجزہ سے معزول ہو گیا اور وکالۃ معلقہ بالفور واقع ہو گئی تو وہ نیا وکیل ہو گیا، پھر دوسری بار معزول کرنے سے وہ دوسری وکالت سے معزول ہو گیا۔

وَأَمَّا كُلَّمَا فَلِعُمُومِ الْأَفْعَالِ (فَلَوْ قَالَ كُلَّمَا عَزَلْتُكَ فَأَنْتَ وَكِيلِي يَقُولُ) فِي عَزْلِهِ (رَجَعْتُ عَنِ الْوَكَالَةِ الْمُعَلَّقَةِ وَعَزَلْتُكَ عَنِ الْوَكَالَةِ الْمُنَجَّزَةِ) الْحَاصِلَةِ مِنْ لَفْظِ كُلَّمَا فَحِينَئِذٍ يَنْعَزِلُ (قَبْضُ بَدَلِ الصُّلْحِ شَرْطٌ إِنْ) كَانَ (دَيْنًا بِدَيْنٍ) بِأَنْ صَالَحَ عَلَى دَرَاهِمَ عَنْ دَنَانِيرَ أَوْ عَنْ شَيْءٍ آخَرَ فِي الذِّمَّةِ (وَإِلَّا) يَكُنْ دَيْنًا بِدَيْنٍ (لَا) يُشْتَرَطُ قَبْضُهُ لِأَنَّ الصُّلْحَ إِذَا وَقَعَ عَلَى عَيْنٍ تَتَعَيَّنُ لَا تَبْقَى دَيْنًا فِي الذِّمَّةِ، فَجَازَ الِافْتِرَاقُ عَنْهُ

اور رہا کلّما تو یہ عموم افعال کے لیے آتا ہے۔ پس اگر وہ کہے: کلّما عزلتك فانت وکیلی جب بھی میں تجھے معزول کروں تو تو میرا وکیل ہے۔ تو وہ اس کے معزول کرتے وقت کہے گا: میں نے وکالۃ معلقہ سے رجوع کیا اور وکالۃ منجزہ سے تجھے معزول کیا جو کہ لفظ کلّما سے ثابت ہو رہی ہے تو اس وقت وہ معزول ہو جائے گا۔ بدل صلح پر قبضہ کرنا شرط ہے اگر صلح دین کے بدلے دین کے ساتھ ہو اس طرح کہ وہ دنانیر یا کوئی شے جو ذمہ میں واجب ہے اس کی صلح دراہم کے ساتھ کرے۔ اور اگر وہ دین کی دین کے ساتھ نہ ہو تو اس پر قبضہ کرنا شرط نہیں ہے، کیونکہ صلح جب عین متعین پر واقع ہو تو پھر وہ ذمہ میں دین باقی نہیں رہتا۔ اور اس پر افتراق جائز ہے۔

37055۔ (قولہ: يَقُولُ فِي عَزْلِهِ رَجَعْتُ الخ) وہ معزول کرتے وقت کہے گا: میں نے رجوع کیا الخ، کیونکہ اگر وہ وکالت منجزہ سے بغیر رجوع کے اسے معزول کر دے تو وہ وکیل ہو جائے گا۔ اسی کی مثل ہے: اگرچہ وہ اسے ہزار بار معزول کرے، کیونکہ کلما کا کلمہ لامحدود حد تک تکرار افعال کا تقاضا کرتا ہے، پس یہ عزل کا فائدہ نہیں دیتا مگر رجوع کے بعد یہاں تک کہ اگر وہ اسے معزول کر دے پھر وہ وکالۃ معلقہ سے رجوع کرے تو وہ دوسرے عزل کا محتاج ہوگا، کیونکہ جب بھی وہ اسے معزول کرے گا تو وہ پھر وکیل ہو جائے گا، پس وہ اس کے بعد وکالۃ معلقہ سے اس کے حق میں رجوع کا فائدہ نہیں دیتا۔ کیونکہ وہ رجوع کے بعد دوسرے عزل کا محتاج ہوتا ہے۔ ''زیلعی''۔ اس کی مکمل بحث اسی میں ہے۔

37056۔ (قولہ: الْحَاصِلَةِ مِنْ لَفْظِ كُلَّمَا) جو کلّما کے لفظ سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح ''المنح'' میں بھی ہے، اور یہ سہو ہے۔ کیونکہ وکالۃ منجزہ اس کے قول: أنت وکیلی سے ثابت ہوئی ہے۔ اور معلقہ اس کے قول: کلّما عزلتك الخ سے ثابت ہوئی ہے۔ ''سائحانی''۔

37057۔ (قولہ: أَوْ عَنْ شَيْءٍ آخَرَ) یعنی دراہم کے علاوہ کسی اور شے سے۔ اس لیے کہ ''مسکین'' کا قول ہے: یہ تب ہے جب وہ اس کی جنس کے خلاف پر ہو، کیونکہ وہ اگر بالتاجیل اس کی جنس پر صلاحیت رکھتا ہو تو یہ جائز ہے۔

37058۔ (قولہ: فِي الذِّمَّةِ) یہ دراہم، دنانیر اور شے آخر کی صفت ہے۔ تأمل۔

37059۔ (قولہ: وَإِلَّا) یعنی اس طرح کہ وہ زمین کی زمین کے عوض یا زمین کی دین کے عوض ہو۔ ''مسکین''۔

37060۔ (قولہ: عَيْنٍ تَتَعَيَّنُ) یہ عین کی صفت ہے یعنی وہ اس کی طرف اشارہ کرنے کے ساتھ متعین ہو جاتی ہے۔

37061۔ (قولہ: فَجَازَ الِافْتِرَاقُ عَنْهُ) پس اس سے افتراق جائز ہے اگرچہ وہ ربا کا مال ہو جیسا کہ جب معین جو پر

(قَالَ الْمُدَّعِی (لَا بَيِّنَةَ لِی فَبَرْهَنَ) وَلَوْ بَعْدَ حَلِفِ خَصْمِهِ جَوَاهِرُ الْفَتَاوٰی وَكَذَا لَوْ قَالَ عِنْدَ طَلَبِهِ لِيَمِينِهِ إِذَا حَلَفْتَ فَأَنْتَ بَرِیءٌ عَنِ الْمَالِ الَّذِی لِی عَلَيْكَ وَحَلَفَ ثُمَّ بَرْهَنَ عَلَى الْحَقِّ قُبِلَ وَقَضَى لَهُ بِالْمَالِ خَانِيَّةٌ (أَوْ قَالَ) الشَّاهِدُ (لَا شَهَادَةَ لِی) فَشَهِدَ تُقْبَلُ لِإِمْكَانِ التَّوْفِيقِ بِالنِّسْيَانِ، ثُمَّ التَّذَكُّرِ (كَمَا لَوْ قَالَ لَيْسَ لِی عِنْدَ فُلَانٍ شَهَادَةٌ ثُمَّ جَاءَ بِهِ فَشَهِدَ أَوْ قَالَ لَا حُجَّةَ لِی عَلَى فُلَانٍ ثُمَّ أَتَى بِهَا) بِالْحُجَّةِ فَإِنَّهَا تُقْبَلُ لِمَا قُلْنَا بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ لَيْسَ لِی حَقٌّ،

مدعی نے کہا: میرے پاس کوئی بینہ نہیں پھر اس نے گواہ پیش کر دیا (تو وہ ثابت ہوگی) اگرچہ خصم کے حلف دینے کے بعد ہی ہو۔ ''جواہر الفتاوی''۔ اور اسی طرح اگر اس نے قسم کے مطالبہ کے وقت کہا: جب تو قسم اٹھا دے تو تو اس مال سے بری ہے جو میرا تجھ پر ہے اور اس نے قسم کھالی اور پھر اس نے اپنے حق پر بینہ قائم کر دیا تو اسے قبول کیا جائے گا اور اس کے لیے مال کا فیصلہ کیا جائے گا۔ ''خانیہ''۔ یا گواہ نے کہا: میرے پاس کوئی شہادت نہیں، پھر اس نے شہادت دے دی تو اسے قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ پہلے بھول جانے اور پھر یاد آ جانے کے ساتھ توفیق و تطبیق ممکن ہے جیسا کہ اگر وہ کہے: میرے لیے فلاں کے پاس کوئی شہادت نہیں ہے، پھر وہ اسے لے آئے اور وہ شہادت دے یا وہ کہے: میرے پاس فلاں کے خلاف کوئی حجت نہیں پھر وہ حجت پیش کر دے تو اسے قبول کیا جائے گا اسی وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی ہے بخلاف اس کے کہ جب وہ کہے: میرا کوئی حق نہیں ہے،

اس گندم کی صلح واقع ہو جو ذمہ میں لازم ہے۔ ''زیلعی''۔

37062۔(قولہ: قُبِلَ الخ) اسے قبول کیا جائے گا، الخ کیونکہ بری کرنے کو خطر کے ساتھ معلق کرنا صحیح نہیں ہوتا۔

37063۔(قولہ: أَوْ قَالَ لَا حُجَّةَ لِی) یا اس نے کہا: میرے لیے کوئی حجت نہیں جب حجت ہو تو ایک کی شہادت کے ساتھ ان امور میں تصدیق کی جائے گی جن میں بینہ کے بعد اس کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ''سائحانی''۔ پس اس میں تکرار نہیں ہے۔ فافہم۔

37064۔(قولہ: بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ لَيْسَ لِی حَقٌّ) بخلاف اس کے جب وہ کہے: میرا کوئی حق نہیں، یعنی فلاں پر، بلاشبہ اس کے معلوم ہونے کی وجہ سے اسے متن سے حذف کر دیا۔ اور ''المنح'' کی عبارت ہے: بخلاف ما اذا قال لیس لی علیہ حق الخ۔ اور اسی میں ہے: اور اگر اس نے کہا: یہ دار میرا نہیں ہے یا کہا: وہ غلام میرا نہیں ہے، پھر اس پر بینہ قائم کر دیا کہ وہ دار یا غلام اسی کا ہے تو اس کا بینہ قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے اقرار کے ساتھ کسی کا حق ثابت نہیں ہوا، پس وہ لغو ہو گا۔ اور اسی لیے لعان کرنے والے کا بچے کے نسب کے بارے دعویٰ صحیح ہوتا ہے جس کے نسب کی اس کے لعان کے ساتھ نفی ہوئی تھی، کیونکہ جس وقت اس نے اس کی نفی کی اس نے اس میں کوئی حق ثابت نہیں کیا۔

اور اسی میں ہے: اگر وہ کہے: میں نہیں جانتا کہ میرا فلاں پر کوئی حق ہے پھر وہ بینہ قائم کر دے کہ اس کا اس پر حق ہے تو

ثُمَّ ادَّعَى حَقًّا لَمْ تُسْمَعْ لِلتَّنَاقُضِ (لِلْإِمَامِ الَّذِى وَلَّاهُ الْخَلِيفَةُ أَنْ يُقْطِعَ) مِنَ الْإِقْطَاعِ (إِنْسَانًا مِنْ طَرِيقِ الْجَادَّةِ إِنْ لَمْ يَضُرَّ بِالْمَارَّةِ) لِأَنَّ لِلْإِمَامِ وِلَايَةَ ذَلِكَ فَكَذَا نَائِبُهُ

پھر وہ حق کا دعویٰ کر دے تو تناقض کی وجہ سے اسے نہیں سنا جائے گا۔ وہ امام (حاکم) جسے خلیفہ وقت نے والی مقرر کیا تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ بڑے راستے کے درمیان سے قطعہ زمین کسی آدمی کو دے دے بشرطیکہ اس طرح گزرنے والوں کے لیے راستہ تنگ نہ ہو۔ کیونکہ امام وقت کے لیے اس کی اجازت ہے تو اسی طرح اس کے نائب کے لیے بھی اجازت ہے۔

اسے قبول کیا جائے گا، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ اس پر مخفی ہو، لہٰذا تطبیق و توفیق ممکن ہے۔

37065۔ (قولہ: لَمْ تُسْمَعْ لِلتَّنَاقُضِ) تناقض کی وجہ سے اسے نہ سنا جائے، کبھی کہا جاتا ہے: مذکورہ توفیق یہاں بھی ممکن ہے تو پھر وہ کیونکر معتبر نہیں۔ اور توفیق اس طرح ممکن ہے کہ اس نے اس مسئلہ میں پہلے قول کے ساتھ مدعیٰ علیہ کے بری الذمہ ہونے کو ثابت کیا ہے پھر وہ دوسرے قول کے ساتھ اسے مشغول رکھنے کا ارادہ رکھتا ہے اور اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ ''طحطاوی''۔

37066۔ (قولہ: أَنْ يُقْطِعَ) کہ وہ اس کے لیے زمین کا ایک قطعہ معین کر دے۔ اسے ''طحطاوی'' نے ''الحموی'' سے نقل کیا ہے۔

37067۔ (قولہ: مِنْ طَرِيقِ الْجَادَّةِ) اس سے مراد وسط الطریق (راستے کا درمیان) اور بڑا راستہ ہے۔ ''طحطاوی''۔

37068۔ (قولہ: إِنْ لَمْ يَضُرَّ بِالْمَارَّةِ) بشرطیکہ وہ گزرنے والوں کے لیے تنگ نہ ہو اس طرح کہ وہ وسیع راستہ ہو اور وہ اس کے ساتھ تنگ نہ ہو۔ ''معدن'' میں کہا ہے: اس کے ساتھ مقید کیا ہے کیونکہ اگر وہ گزرنے والوں کے لیے تنگ ہو جائے تو پھر وہ کسی کو نہیں دے سکتا۔ کیونکہ اس میں راستے کا حصہ ہے، اور اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ راستے کو کاٹ دے اگرچہ ان کے لیے دوسرا راستہ ہو یہاں تک کہ اگر اس نے ایسا کیا تو وہ گنہگار ہوگا۔ اور اگر معاملہ قاضی کے پاس پیش کیا جائے تو وہ اسے رد کر دے۔ اسی طرح ''نصاب الفقہاء'' میں ہے۔ اور ''الخانیہ'' میں ذکر کیا ہے: سلطان کے لیے جائز ہے کہ وہ حاجت کے وقت راستہ کسی آدمی کی ملک میں دے دے۔ ''طحطاوی''۔

37069۔ (قولہ: لِأَنَّ لِلْإِمَامِ وِلَايَةَ ذَلِكَ) کیونکہ امام کو اس کی ولایت اور اختیار حاصل ہے۔ کیونکہ اس کے لیے تمام کے حق میں اس میں تصرف کرنا جائز ہے جس میں مسلمانوں کے لیے فائدہ اور بہتری ہو۔ پس جب وہ ان کے لیے مصلحت دیکھے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی ایک کو ضرر اور نقصان پہنچائے بغیر وہ کام کر گزرے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں ہیں کہ جب وہ یہ دیکھے کہ وہ بعض راستے کو مسجد میں شامل کر دے یا اس کا برعکس کرے اور اس میں مسلمانوں کے لیے فائدہ اور مصلحت ہو تو اس کے لیے ایسا کرنے کا اختیار ہے۔ ''منح''۔ اور یہاں امام سے مراد خلیفہ ہے تا کہ یہ ''شارح'' کے قول فکذا نائبہ کے مناسب ہو جائے۔

(صَادَرَهُ السُّلْطَانُ وَلَمْ يُعَيِّنْ بَيْعَ مَالِهِ فَلَوْ عَيَّنَهُ فَمُكْرَهٌ إِلَّا أَنْ يَأْخُذَ الثَّمَنَ طَوْعًا فَبَاعَ مَالَهُ) بِسَبَبِ الْمُصَادَرَةِ (صَحَّ) بَيْعُهُ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُكْرَهٍ كَمَا مَرَّ فِي الْإِكْرَاهِ (كَالدَّائِنِ إِذَا حَبَسَ بِالدَّيْنِ فَبَاعَ مَا لَهُ لِقَضَائِهِ صَحَّ) إِجْمَاعًا (خَوَّفَهَا) زَوْجُهَا أَوْ غَيْرُهُ (بِالضَّرْبِ حَتّٰى وَهَبَتْ مَهْرَهَا لَمْ يَصِحَّ إِنْ قَدَرَ عَلَى الضَّرْبِ) لِأَنَّهَا مُكْرَهَةٌ عَلَيْهِ (وَإِنْ أَكْرَهَهَا عَلَى الْخُلْعِ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَلَمْ يَسْقُطِ الْمَالُ) لِأَنَّ طَلَاقَ الْمُكْرَهِ وَاقِعٌ وَلَا يَلْزَمُ الْمَالُ

سلطان نے کسی سے بالاصرار مال کا مطالبہ کیا اور اس کے لیے مال فروخت کرنے کو معین نہ کیا، پس اگر وہ اسے معین کر دے تو پھر وہ مکرہ ہوگا، مگر یہ کہ بائع اپنی مرضی اور پسند سے ثمن وصول کرے۔ پس وہ مصادرہ کے سبب سے اپنا مال بیچ دے تو اس کی بیع صحیح ہے۔ کیونکہ وہ اس میں مکرہ اور مجبور نہیں ہے جیسا کہ باب الاکراہ میں گزر چکا ہے۔ جیسا کہ مقروض کو جب قرض کے سبب قرض خواہ محبوس کر لے اور وہ اپنا قرض ادا کرنے کے لیے اپنا مال فروخت کرے تو یہ بیع بالاجماع صحیح ہے۔ خاوند یا کسی اور آدمی نے عورت کو شدید مارنے کی دھمکی کے ساتھ خوفزدہ کیا یہاں تک کہ اس نے اپنا مہر ہبہ کر دیا تو یہ صحیح نہیں ہے بشرطیکہ وہ مارنے پر قادر ہو۔ کیونکہ عورت کو اس پر مجبور کیا گیا ہے۔ اور اگر وہ اسے خلع پر مجبور کرے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور مال ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ مکرہ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ مال لازم نہیں ہوتا

37070۔ (قولہ: صَادَرَهُ السُّلْطَانُ) یعنی سلطان اس سے مال لینے کا ارادہ کرے۔ ''طحطاوی''۔

37071۔ (قولہ: لِأَنَّهُ غَيْرُ مُكْرَهٍ) کیونکہ وہ مکرہ اور مجبور نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے اسے اپنے اختیار کے ساتھ بیچا ہے۔ غایت امر یہ ہے کہ وہ سلطان کے مطالبہ کو پورا کرنے کے لیے اسے بیچنے کا محتاج ہے، اور یہ جبر اور اکراہ کو ثابت نہیں کرتا۔ ''منح''۔

37072۔ (قولہ: كَالدَّائِنِ إِذَا حَبَسَ) یہ مبنی للفاعل یعنی صیغہ معروف ہے اور مفعول محذوف ہے اور وہ مدیون (مقروض) ہے۔ ''طحطاوی''۔

37073۔ (قولہ: بِالضَّرْبِ) ظاہر ہے کہ اس سے مراد شدید ضرب ہے۔ ''طحطاوی''۔

37074۔ (قولہ: عَلَى الْخُلْعِ) یعنی وہ اس کے ساتھ مال کے عوض خلع کرنے پر مجبور کرے۔

37075۔ (قولہ: لِأَنَّ طَلَاقَ الْمُكْرَهِ وَاقِعٌ) کیونکہ مکرہ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ''زیلعی'' وغیرہ نے علت بیان کی ہے۔ اور ''شلبی'' نے اس طرح ان کا تعاقب کیا ہے کہ جب خاوند ہی وہ ہو جو اسے مجبور کرے تو یہ تعلیل صحیح نہیں ہوگی مگر جب اسے دانِ اکرہا پڑھا جائے یعنی زوج اور عورت: یعنی کوئی اور انسان ان دونوں کو مجبور کرے۔ ''ابوالسعود''۔

میں کہتا ہوں: یا مُکْرِہ، کسرہ کے ساتھ اسم فاعل پڑھا جائے گا۔

37076۔ (قولہ: وَلَا يَلْزَمُ الْمَالُ) اور مال یعنی بدل خلع لازم نہیں ہوگا۔ اور جب وہ بدل کبھی وہ ہوتا ہے جو مہر میں

بِهِ لِمَا قُلْنَا (وَلَوْ أَحَالَتْ إِنْسَانًا عَلَى الزَّوْجِ ثُمَّ وَهَبَتْ الْمَهْرَ الزَّوْجَ لَمْ يَصِحَّ) قَالُوا وَهُوَ الْحِيلَةُ قُلْت وَإِنَّمَا تَتِمُّ بِقَبُولِهِ فَيَعْلَمُ حِيلَتَهَا إلَّا أَنْ يُقَالَ إنَّهُ يَتَمَكَّنُ الْمُحَالُ مِنْ مُطَالَبَتِهِ

اسی وجہ سے جو ہم نے کہا ہے۔اور اگر عورت نے کسی آدمی کے قرض کا حوالہ اپنے خاوند پر کیا، پھر اس نے اپنا مہر خاوند کو ہبہ کر دیا تو یہ صحیح نہیں ہے۔فقہاء نے کہا ہے: اور یہ ایک حیلہ ہے۔میں کہتا ہوں بلاشبہ حوالہ خاوند کے قبول کرنے کے ساتھ مکمل ہوگا اور وہ اس کے حیلہ کو جان لے گا۔مگر یہ کہا جائے: کہ محال (صاحب قرض) خاوند سے مطالبہ کے بارے ایسے قاضی کے پاس معاملہ پیش کرنے کی قدرت رکھتا ہے

سے خاوند کے ذمہ ہے اور کبھی اس کے سوا ہوتا ہے، اور ''مصنف'' نے اس کے ساتھ تعبیر کیا ہے جو پہلے کے مناسب ہے اور وہ ساقط ہونا ہے، اور ''شارح'' نے اس کے ساتھ تعبیر کیا ہے جو دونوں کو جمع کرتے ہوئے دوسرے کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے۔

37077۔(قولہ: لِمَا قُلْنَا) یعنی یہ کہ وہ مکرہ ہے، اور مال کے ساقط ہونے یا لازم ہونے کے لیے رضا شرط ہے۔

37078۔(قولہ: قَالُوا وَهُوَ الْحِيلَةُ) فقہا نے کہا ہے: اور وہ ایک حیلہ ہے۔''المنح'' میں کہا ہے: یہ فرع ''الکنز'' وغیرہ میں مذکور ہے، اور ان کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ یہ خالص اس عورت کے لیے ہے جو مہر ہبہ کر کے ظاہراً اپنے خاوند کو راضی رکھنا چاہتی ہو اور وہ اس کے صحیح ہونے کا ارادہ نہ رکھتی ہو۔

37079۔(قولہ: قُلْتُ الخ) یہ ''مصنف'' کے لیے ہے۔اور میں کہتا ہوں: بلاشبہ یہ حیلہ خلع میں عورت کو فائدہ دیتا ہے اگر خاوند جان لے کہ اس پر کوئی مہر نہیں ہے۔اس لیے کہ ''خلاصہ'' میں ہے: کسی نے اپنی بیوی کے ساتھ اس کے اس مال کے ساتھ خلع کیا جو اس پر مہر میں سے ہے، اسے گمان یہ ہوا کہ عورت کے لیے اس پر مہر باقی ہے، پھر اسے اس کا باقی نہ ہونا یاد آیا تو اس پر اس کے مہر کے عوض طلاق واقع ہوگئی، پس اس پر واجب ہے کہ وہ مہر واپس لوٹا دے اگر وہ قبضہ کر چکی ہے۔لیکن جب اسے علم ہو کہ اس پر اس کا کوئی مہر نہیں ہے اس طرح کہ اس نے ہبہ کر دیا تو خلع صحیح ہے اور وہ اس پر کسی شے کا اضافہ نہ کرے۔

اور میں یہ بھی کہتا ہوں: ''کنز'' وغیرہ کے کلام میں ایسی کوئی شے نہیں ہے جو یہ تقاضا کرتی ہو کہ یہ فرع ماتقدم کے لیے حیلہ ہے یہاں تک کہ اس پر وہ اعتراض وارد ہو جو ذکر کیا گیا ہے۔بلاشبہ یہ اس کے سوا کے لیے حیلہ ہے۔اور ''الاشباہ'' کے حِیَل میں ہے: مرد نے عورت کو کہا: اگر تو نے اپنا مہر آج مجھے ہبہ نہ کیا تو تجھے طلاق، تو اس میں حیلہ یہ ہے کہ وہ اس سے اپنے مہر کے عوض ایک لپیٹا ہوا کپڑا خرید لے پھر آج کے بعد وہ اسے واپس لوٹا دے تو مہر باقی رہیگا اور حانث ہونا بھی ثابت نہ ہوگا۔اور مداینات ''الاشباہ'' میں ''القنیہ'' سے ہے: اور ہبہ کے صحیح نہ ہونے کے لیے تین حیلے ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے: ہبہ سے پہلے مہر کے عوض اپنے خاوند سے کوئی لپٹی ہوئی شے خریدنا، دوسرا یہ ہے: آدمی کا عورت کے ساتھ ہبہ سے پہلے کسی لپٹی ہوئی شے کے ساتھ مہر کی صلح کرنا، اور تیسرا یہ ہے: ہبہ سے پہلے عورت کا اپنے صغیر بیٹے کے لیے مہر ہبہ کر دینا۔اور آخری میں نظر ہے۔پس چاہیے کہ یہاں اس کے لیے کوئی دوسرا حیلہ ہو۔تامل۔بلاشبہ وہ اس میں حانث نہیں ہوا جو ذکر کیا ہے۔کیونکہ آج

بِرَفْعِهِ إِلَى مَنْ لَا يُشْتَرَطُ قَبُولُهُ (اتَّخَذَ بِئْرًا فِي مِلْكِهِ أَوْ بَالُوعَةً فَنَزَّ مِنْهَا حَائِطُ جَارِهِ وَطَلَبَ جَارُهُ تَحْوِيلَهُ لَمْ يُجْبَرْ) عَلَيْهِ وَمُفَادُهُ أَنَّهُ يُؤْمَرُ بِالرِّفْقِ دَفْعًا لِلْإِيذَاءِ (وَإِنْ سَقَطَ الْحَائِطُ مِنْهُ لَمْ يَضْمَنْ) لِعَدَمِ تَعَدِّيهِ إِذَا حَفَرَهُ فِي مِلْكِهِ فَكَانَ تَسَبُّبًا وَمَرَّ فِي آخِرِ الْإِجَارَةِ أَنَّهُ لَوْ سَقَى أَرْضَهُ سَقْيًا لَا تَحْتَمِلُهُ فَتَعَدَّى لِجَارِهِ ضَمِنَ

جو حوالہ کے صحیح ہونے کے لیے خاوند کے قبول کرنے کو شرط قرار نہیں دیتا۔ کسی نے اپنی ملک میں کنواں یا گٹر بنایا اور اس سے اس کے پڑوسی کی دیوار تر ہوگئی اور اس کا پڑوسی اسے وہاں سے بدلنے اور پھیرنے کا مطالبہ کرے تو اس پر جبر نہ کیا جائے، اور اس کا مفاد یہ ہے کہ اسے نرمی کے ساتھ اذیت کو دور کرنے کا حکم دیا جائے۔ اور اگر اس سے دیوار گر جائے تو وہ عدم تعدی کی وجہ سے اس کا ضامن نہیں ہوگا جب اس نے اسے اپنی ملک میں کھودا ہے تو وہ تسبب ہوا، اور کتاب الاجارہ کے آخر میں گزر چکا ہے کہ اگر کسی نے اپنی زمین کو اتنا سیراب کیا جسے وہ برداشت نہ کرتی ہو (یعنی پانی اس میں نہ ٹھہرے) اور وہ اس کے پڑوسی کی طرف تجاوز کر جائے تو وہ ضامن ہوگا۔

کے دن میں اسے پورا کرنے کا کوئی امکان نہیں ہے، اور اسے ملفوف (لپٹا ہوا کپڑا) کے ساتھ مقید کیا ہے تا کہ آج کا دن گزرنے کے بعد خیار رؤیت کے سبب واپس لوٹانا ثابت ہو جائے۔

37080۔(قولہ: بِرَفْعِهِ إِلَى مَنْ لَا يُشْتَرَطُ قَبُولُهُ) یعنی ایسے قاضی کے پاس پیش کرنا جو یہ رائے نہ رکھتا ہو کہ محال علیہ کو قبول کرنا حوالہ کی تکمیل کے لیے شرط ہے جیسا کہ قاضی مالکی ہو۔

37081۔(قولہ: لَمْ يُجْبَرْ) ''جامع الفصولین'' میں کہا ہے: اور حاصل کلام یہ ہے کہ ان مسائل کی جنس میں قیاس یہ ہے کہ جو کوئی خالص اپنی ملک میں تصرف کرے تو اسے اس سے نہیں روکا جائے گا اگرچہ وہ غیر کے لیے نقصان دہ ہو۔ لیکن یہ قیاس ایسے مقام پر ترک کر دیا گیا ہے جہاں تصرف غیر کے لیے واضح طور پر ضرر رساں ہو۔ پس یہ کہا گیا ہے: اسے اس سے منع کیا جائے گا۔ اور اسی کو ہمارے مشائخ میں سے اکثر نے اختیار کیا ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔

37082۔(قولہ: وَمُفَادُهُ الخ) اس میں تامل اور غور وفکر ہے۔

37083۔(قولہ: لِعَدَمِ تَعَدِّيهِ الخ) اس کی طرف سے تعدی اور تجاوز نہ ہونے کی وجہ سے، تعبیر میں زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ کہا جائے: کیونکہ وہ متسبب (وسیلہ) ہے تجاوز کرنے والا نہیں ہے جبکہ اس نے کنواں وغیرہ اپنی ملک میں کھودا، یعنی اس لیے کہ متسبب ضامن نہیں ہوتا مگر جب وہ تعدی کرے جیسا کہ راستے میں پتھر رکھنا۔

37084۔(قولہ: ضَمِنَ) وہ ضامن ہوگا، کیونکہ اسے مباشر بنایا گیا ہے۔ اور ''جامع الفصولین'' میں تفصیل اس حیثیت سے ہے کہ انہوں نے کہا: پس اگر اس نے پانی اپنی زمین میں جاری کیا اتنی مقدار جو اس میں نہ ٹھہر سکتا ہو تو وہ ضامن ہوگا، اور اگر وہ اس میں ٹھہر سکتا ہو پھر وہ اس کے پڑوسی کی زمین کی طرف تجاوز کر جائے تو اگر اس کے پڑوسی نے اسے پہلے بند

(عَمَرَ دَارَ زَوْجَتِهٖ بِمَالِهٖ بِإِذْنِهَا فَالْعِمَارَةُ لَهَا وَالنَّفَقَةُ دَيْنٌ عَلَيْهَا) لِصِحَّةِ أَمْرِهَا

کسی نے اپنی بیوی کے دار میں اس کی اجازت کے ساتھ اپنے مال سے عمارت بنائی تو عمارت بیوی کے لیے ہوگی اور خرچہ اس پر قرض ہوگا، اس لیے کہ اس کی طرف سے حکم صحیح ہے۔

بنانے اور اسے پختہ کرنے کو کہا تھا اور اس نے ایسا نہ کیا تو پھر یہ ضامن ہوگا جیسا کہ جھکی ہوئی دیوار پر شاہد بنالینا وغیرہ۔ اور اگر ایسا نہ تھا تو پھر وہ ضامن نہیں ہوگا۔ ''الرملی'' نے اس پر اپنے حاشیہ میں کہا ہے: میں کہتا ہوں: اس سے نئے فتویٰ کا جواب معلوم ہوتا ہے: کسی نے اپنے گھر میں گٹر بنایا جس کا پانی پڑوسی کی بنیادوں تک سرایت کر کے اس کی عمارت کو کمزور کر دے تو وہ اسے پہلے بنیادوں کو پختہ کرنے کو کہے تاکہ پانی سرایت نہ کرے۔ تأمل۔ اور اسی کے ساتھ ''مصنف'' کا مطلق قول: لم یضمن مقید ہے۔ بالخصوص اس بنا پر جو ہم نے مفتی بہ قول پہلے ذکر کیا ہے۔

اگر کوئی اپنی بیوی کے مکان میں عمارت بنائے تو اس کا حکم

37085۔ (قولہ: عَمَرَ دَارَ زَوْجَتِهٖ الخ) یہی تفصیل اس کا باغ اور اس کی تمام املاک کو تعمیر کرنے میں ہے۔ ''جامع الفصولین''۔ اور اس میں العدۃ سے ہے: ہر وہ آدمی جس نے غیر کے دار میں اس کی اجازت اور حکم سے عمارت تعمیر کی تو عمارت حکم دینے والے کے لیے ہوگی۔ اور اگر اس نے اس کے حکم کے بغیر اپنی ذات کے لیے بنائی تو وہ اسی کے لیے ہوگی، اور اس کے لیے اسے اٹھانا ہوگا مگر یہ کہ عمارت نقصان دہ ہو، تو پھر اسے منع کیا جائے گا، اور اگر وہ زمین کے مالک کے لیے اس کی اجازت کے بغیر بنائے تو چاہیے کہ وہ متبرع اور احسان کرنے والا ہو جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور اس میں ہے کہ متولی نے وقف کی زمین میں عمارت بنائی اگر وہ وقف کے مال سے ہو تو وقف کی ہوگی، اور اسی طرح حکم ہے اگر وہ اپنے ذاتی مال سے بنائے لیکن وہ وقف کے لیے ہوگی۔ اور اگر وہ اپنی ذات کے لیے اپنے مال سے بنائے تو اس پر اگر وہ گواہ بنائے تو وہ اس کے لیے ہوگی، ورنہ وقف کے لیے ہوگی اور بخلاف اجنبی کے جو کسی غیر کی ملک پر عمارت بنالے۔

37086۔ (قولہ: وَالنَّفَقَةُ دَيْنٌ عَلَيْهَا) اور نفقہ اس پر دین ہوگا، کیونکہ وہ اخراجات کرنے میں احسان کرنے والا نہیں، پس وہ اس کی اجازت صحیح ہونے کی وجہ سے اخراجات کے لیے اس پر رجوع کرے گا۔ پس وہ قضا دین کے بارے مامور کی طرح ہوگیا۔ ''زیلعی''۔ اور اس کا ظاہر یہ ہے: اگرچہ رجوع شرط نہیں ہے۔ اور مسئلہ میں اختلاف ہے اور اس کی مکمل بحث ''جامع الفصولین'' پر ''حاشیہ رملی'' میں ہے۔

37087۔ (قولہ: الْعِمَارَةُ لَهٗ) پس عمارت اس کے لیے ہوگی، یہ تب ہے اگر تمام آلات اس (مرد) کے ہوں، اور اگر بعض مرد کے ہوں اور بعض عورت کے تو یہ عمارت دونوں کے درمیان مشترک ہوگی۔ اسے ''طحطاوی'' نے ''المقدسی'' سے نقل کیا ہے۔

(وَلَوْ عَمَرَ (لِنَفْسِهِ بِلَا إِذْنِهَا الْعِمَارَةُ لَهُ) وَيَكُونُ غَاصِبًا لِلْعَرْصَةِ فَيُؤْمَرُ بِالتَّفْرِيغِ بِطَلَبِهَا ذٰلِكَ (وَلَهَا بِلَا إِذْنِهَا فَالْعِمَارَةُ لَهَا وَهُوَ مُتَطَوِّعٌ) فِي الْبِنَاءِ فَلَا رُجُوعَ لَهُ وَلَوْ اخْتَلَفَا فِي الْإِذْنِ وَ عَدَمِهِ، وَلَا بَيِّنَةَ فَالْقَوْلُ لِمُنْكِرِهِ بِيَمِينِهِ، وَفِي أَنَّ الْعِمَارَةَ لَهَا أَوْ لَهُ فَالْقَوْلُ لَهُ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُتَمَلِّكُ كَمَا أَفَادَهُ شَيْخُنَا

اور اگر وہ اس کی اجازت کے بغیر اپنی ذات کے لیے عمارت بنائے تو عمارت اس کے لیے ہوگی اور وہ زمین کا غاصب ہو گا۔ پس اسے بیوی کے مطالبہ کرنے پر خالی کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ اور بغیر اجازت کے اس کے لیے بنائی تو عمارت بیوی کے لیے ہوگی اور وہ بنا میں احسان کرنے والا ہوگا۔ پس اس کے لیے (اخراجات کے لیے) رجوع کا کوئی حق نہیں۔ اور اگر اجازت اور عدم اجازت میں دونوں کا اختلاف ہو جائے اور کوئی گواہ نہ ہو تو قسم کے ساتھ منکر کا قول معتبر ہوگا۔ اور اگر عمارت بیوی یا خاوند کے لیے ہونے میں اختلاف ہوا تو قول خاوند کا معتبر ہوگا، کیونکہ وہی متملک ہے جیسا کہ ہمارے شیخ نے اسے بیان کیا ہے

37088۔ (قولہ: بِلَا إِذْنِهَا) اس کی اجازت کے بغیر، پس اگر اس کی اجازت کے ساتھ ہو تو وہ عاریہ ہوگی۔ ''طحطاوی''۔

37089۔ (قولہ: فَيُؤْمَرُ بِالتَّفْرِيغِ) تو اسے فارغ کرنے کا حکم دیا جائیگا، اس کا ظاہر یہ ہے: اگرچہ عمارت کی قیمت زمین کی قیمت سے زیادہ ہو۔ اور اسی کے مطابق مفتی روم علامہ ''ابوالسعود'' نے فتویٰ دیا ہے۔ اور یہ اس کے خلاف ہے جسے ''شارح'' نے کتاب الغصب میں اختیار کیا ہے: اکثر والا اقل کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ اور ہم وہاں اس پر کلام کر چکے ہیں پس اس کی طرف رجوع کرو۔

37090۔ (قولہ: بِطَلَبِهَا) عورت کے مطالبہ کے ساتھ، اس سے زیادہ واضح ''زیلعی'' کا قول ہے: ان طلبت۔ اگر وہ مطالبہ کرے۔

37091۔ (قولہ: لَهَا) یہ نفسہ پر معطوف ہے یعنی اگرچہ وہ اس کے لیے تعمیر کرے الخ۔

37092۔ (قولہ: كَمَا أَفَادَهُ شَيْخُنَا) جیسا کہ اسے ہمارے شیخ ''الرملی'' نے ''المنح'' کے حاشیہ میں بیان کیا ہے۔ اور اس کے بعد کہا ہے: لیکن کتاب الغصب کے الفوائد الزینیہ میں ذکر کیا ہے: جب کوئی غیر کی ملک میں تصرف کرے پھر دعویٰ کرے کہ وہ اس کی اجازت کے ساتھ ہوا ہے تو قول مالک کا معتبر ہوگا، مگر جب وہ اپنی بیوی کے مال میں تصرف کرے اور وہ فوت ہو جائے، اور وہ دعویٰ کرے کہ تصرف اس کی اجازت کے ساتھ تھا اور وارث انکار کر دے تو قول خاوند کا معتبر ہو گا۔ اسی طرح ''القنیہ'' میں ہے۔ پس اس کا مقتضی یہ ہے کہ جب اس نے بیوی کے دار میں اس کے لیے عمارت بنائی اور فوت ہوگئی اور اس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اس کی اجازت کے ساتھ بنائی گئی ہے تا کہ جو کچھ اس نے خرچ کیا ہے اس کے لیے اس کے ترکہ میں رجوع کر سکے اور باقی ورثاء نے اس کی اجازت کا انکار کر دیا تو قول خاوند کا معتبر ہوگا، اور اس کی وجہ یہ ہے عرف ظاہر کی شہادت اسی کے لیے ہے۔ تامل۔

وَتَقَدَّمَ فِي الْغَصْبِ (قَالَ هٰذِهِ رَضِيعَتِي ثُمَّ اعْتَرَفَ) بِالْخَطَإِ (وَصَدَّقَتْهُ) فِي خَطَئِهِ (فَلَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا إِذَا لَمْ يَثْبُتْ عَلَيْهِ بِأَنْ قَالَ) أَفَادَ بِأَنَّهُ لَا يَثْبُتُ إِلَّا بِالْقَوْلِ كَقَوْلِهِ (هُوَ حَقٌّ أَوْ صِدْقٌ أَوْ كَمَا قُلْتُ أَوْ أَشْهَدَ عَلَيْهِ بِذٰلِكَ شُهُودًا أَوْ مَا فِي مَعْنَى ذٰلِكَ) مِنَ الثَّبَاتِ اللَّفْظِيِّ الدَّالِّ عَلَى الثَّبَاتِ النَّفْسِيِّ وَهَلْ يَكُونُ تَكْرَارُ إِقْرَارِهِ بِذٰلِكَ ثَبَاتًا خِلَافٌ مَبْسُوطٌ فِي الْمَبْسُوطِ۔

اور باب الغصب میں پہلے گزر چکا ہے۔ آدمی نے کہا: یہ میری رضاعی بیٹی ہے، پھر اس نے اپنی غلطی اور خطا کا اعتراف کر لیا، اور عورت نے بھی اس کی خطا میں اس کی تصدیق کر دی، تو پھر اس کے لیے اس سے شادی کرنا جائز ہے جب وہ اپنے پہلے قول پر ثابت نہ رہے۔ اور اسی طرح کہ وہ کہے: وہ حق ہے، یا سچ ہے، یا ایسے ہی ہے جیسے میں نے کہا ہے: یا وہ اس پر اس بارے گواہ بنا لے یا اس پر جو اس کے معنی میں ہے یعنی ایسا ثبات لفظی جو ثبات نفسی پر دلالت کرتا ہو۔ تو اس نے یہ فائدہ دیا ہے کہ یہ صرف قول سے ثابت ہو سکتا ہے۔ اور کیا اس بارے اس کے اقرار کا تکرار ثابت ہوگا؟ تو اس بارے میں اختلاف ''المبسوط'' میں خوب وضاحت کے ساتھ مذکور ہے۔

37093_(قولہ: وَتَقَدَّمَ فِي الْغَصْبِ) اور غصب میں پہلے گزر چکا ہے، میں نے اس میں اسے نہیں دیکھا، بلاشبہ اس میں وہ گزر چکا ہے جو ابھی ہم نے ''الفوائد الزينية'' سے ذکر کیا ہے۔

37094_(قولہ: فَلَهُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا) پس اس کے لیے اس سے شادی کرنا جائز ہے، اور اس کے لیے اپنے اس قول سے رجوع کرنے میں عذر ہے اس لیے یہ ان امور میں سے ہے جو اس پر مخفی ہے۔ پس کبھی اس کے اقرار کے بعد اس پر ناقل کی خطا اور غلطی ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہ ان مسائل میں سے ہے جن میں علماء نے تناقض کو معاف رکھا ہے۔ اسے ''المنح'' میں بیان کیا ہے۔

37095_(قولہ: وَهَلْ يَكُونُ الخ) یہ مسئلہ شیخ الاسلام ''ابن الشحنہ'' کے زمانہ میں پیش آیا۔ اور انہوں نے فتویٰ دیا: وہ ثابت نہیں ہوگا۔ اور ان کے بعض معاصرین نے ان سے اختلاف کیا، اور طویل نزاع پیدا ہو گیا۔ اور آپ نے اس کے لیے سلطان ''قایتبائی'' کے حکم سے کئی مجالس کا اہتمام کیا، اور معاملہ یہاں تک پہنچا کہ شیخ الاسلام ''قاضی زکریا'' پر تقریبا چ... کتابوں سے نقول پیش کی گئیں تو انہوں نے جواب دیا کہ ان نقول کی صریح عبارت اور منطوق کلام اس پر دلالت کرتا ہے کہ ثبات صرف اور صرف اس کے قول: ھو أحق یا اس طرح کے قول سے ہی حاصل ہوگا، اور ان کی صریح عبارت میں یہ نہیں ہے کہ تکرار اس طرح ہے۔ ہاں اسے ''المبسوط'' کے قول سے لیا جاتا ہے، لیکن اقرار پر ثابت رہنے والا عقد کے بعد اس کا قصد کرنے والے کی طرح ہے کہ جب وہ عقد سے پہلے اس کے بارے اقرار کرے پھر وہ اس کے بعد اس کا اقرار کرے تو یہ اس کے قول ھو حق وغیرہ کے قائم مقام ہو جائے گا۔ میں نے اس پر کتاب الرضاع میں مبسوط کلام کر دی ہے پس اس کی طرف رجوع کرو۔

37096_(قولہ: خِلَافٌ مَبْسُوطٌ فِي الْمَبْسُوطِ الخ) میں جانتا ہوں کہ ''المبسوط'' میں اختلاف کا بیان نہیں ہے۔

وَحَاصِلُهُ أَنَّ التَّكْرَارَ لَا يَثْبُتُ بِهِ الْإِقْرَارُ (وَلَوْ أَخَذَ) رَجُلٌ (غَرِيمَهُ فَنَزَعَهُ إِنْسَانٌ مِنْ يَدِهِ لَمْ يَضْمَنْ) لِأَنَّهُ تَسَبُّبٌ (وَكَذَا إِذَا دَلَّ السَّارِقَ عَلَى مَالِ غَيْرِهِ أَوْ أَمْسَكَ هَارِبًا مِنْ عَدُوِّهِ حَتَّى قَتَلَهُ) عَدُوُّهُ لِمَا قُلْنَا (فِي يَدِهِ مَالُ إِنْسَانٍ فَقَالَ لَهُ سُلْطَانٌ ادْفَعْ إِلَيَّ هَذَا الْمَالَ وَإِلَّا) تَدْفَعْهُ إِلَيَّ (اقْطَعْ يَدَكَ أَوْ أَضْرِبْكَ خَمْسِينَ فَدَفَعَهُ لَمْ يَضْمَنْ) الدَّافِعُ لِأَنَّهُ مُكْرَهٌ (قَالَ تَرَكْتُ دَعْوَايَ عَلَى فُلَانٍ وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَى الْآخِرَةِ لَا تُسْمَعُ دَعْوَاهُ بَعْدَهُ) أَيْ بَعْدَ هَذَا الْقَوْلِ ذَكَرَهُ فِي الْقُنْيَةِ

اور اس کا حاصل یہ ہے کہ تکرار سے اقرار ثابت نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی آدمی اپنے مقروض کو پکڑ لے اور پھر کوئی دوسرا انسان اس کے ہاتھ سے اسے کھینچ لے تو وہ ضامن نہ ہوگا، کیونکہ وہ محض وسیلہ اور متسبب ہے۔ اور اسی طرح جب کوئی غیر کے مال پر چور کی راہنمائی کرے یا کوئی اپنے دشمن سے بھاگنے والے کو روک لے یہاں تک کہ اس کا دشمن اسے قتل کر دے تو جو ہم نے کہا ہے اس بنا پر راہنمائی کرنے والے اور روکنے والے پر ضمان نہیں ہوگا۔ ایک آدمی کے پاس کسی آدمی کا مال ہو پس سلطان اسے کہے: یہ مال مجھے دے دے اور اگر تو مجھے نہیں دے گا تو میں تیرا ہاتھ کاٹ دوں گا، یا تجھے پچاس بار ماروں گا۔ پس اس نے وہ مال اسے دے دیا تو دینے والا ضامن نہ ہوگا، اس لیے کہ وہ مکرہ اور مجبور ہے۔ کسی نے کہا: میں نے فلاں کے خلاف اپنا دعویٰ چھوڑ دیا اور اپنا معاملہ آخرت کے سپرد کر دیا، تو اس کے اس قول کے بعد اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ اور اسے ''القنیہ'' میں ذکر کیا ہے۔

اور یہ کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ تکرار سے اصرار ثابت ہوتا ہے، اور ''شارح'' کے قول لا یثبت میں درست لا کا حذف ہے (یعنی یثبت) اور اگر وہ کہتے: صریح نقول یہ ہیں کہ تکرار سے اصرار ثابت نہیں ہوتا تو یہ زیادہ اچھا ہوتا۔

37097۔ (قولہ: لِأَنَّهُ تَسَبُّبٌ) کیونکہ یہ کھینچنا محض تسبب اور وسیلہ ہے، اور اس کے اور اس کے حق ضائع ہونے کے درمیان ایک فاعل مختار کا فعل ہے، اور وہ اس کا بھاگنا ہے لہٰذا تلف اور ضائع ہونے کی نسبت اس کی طرف نہیں کی جائے گی جیسا کہ جب کوئی غلام کی بیڑی کھول دے اور وہ بھاگ جائے۔ ''زیلعی''۔

37098۔ (قولہ: أَوْ أَضْرِبْكَ خَمْسِينَ) یا میں تجھے پچاس یعنی بہت زیادہ ماروں گا۔ پس اگر وہ اسے کہے: میں تجھے ایک بار محبوس رکھوں گا، یا میں تجھے ایک بار ماروں گا (أضربك ضربًا) تو وہ ضامن ہوگا، کیونکہ غیر کو مال دینا جائز نہیں ہوتا مگر تبھی جب تلف اور ضیاع کا خوف ہو، لیکن باب الاکراہ میں پہلے گزر چکا ہے کہ سلطان کا حکم اکراہ ہے۔ تامل۔

37099۔ (قولہ: فَدَفَعَهُ) پس اس نے اسے دے دیا، لیکن جب وہ اپنے ذاتی مال سے دے تو اس کے لیے کوئی رجوع نہیں ہے جیسا کہ جو پہلے گزر چکا ہے وہ اس کا فائدہ دیتا ہے۔ ''طحطاوی''۔

37100۔ (قولہ: لِأَنَّهُ مُكْرَهٌ) کیونکہ وہ مکرہ اور مجبور ہے، علامہ ''المقدسی'' نے کہا ہے: پس اگر وہ جبراً لیے جانے کا دعویٰ کرے تو کیا اس کی طرف سے قسم پر اکتفا کیا جائے گا یا ایسی برہان اور حجت ضروری ہے جو بیان کی محتاج ہو؟ ''حموی''۔

(الْإِجَازَةُ تَلْحَقُ الْأَفْعَالَ) عَلَى الصَّحِيحِ (فَلَوْ غَصَبَ عَيْنًا لِإِنْسَانٍ فَأَجَازَ الْمَالِكُ غَصْبَهُ صَحَّ) إِجَازَتُهُ وَحِينَئِذٍ (فَيَبْرَأُ الْغَاصِبُ عَنِ الضَّمَانِ) وَلَوِ انْتَفَعَ بِهِ فَأَمَرَهُ بِالْحِفْظِ لَا يَبْرَأُ عَنِ الضَّمَانِ مَا لَمْ يَحْفَظْ وَتَمَامُهُ فِي الْعِمَادِيَّةِ (وَضَعَ مِنْجَلًا فِي الصَّحْرَاءِ لِيَصِيدَ بِهِ حِمَارَ وَحْشٍ وَسَمَّى عَلَيْهِ فَجَاءَ فِي الْيَوْمِ الثَّانِي)

صحیح قول کے مطابق اجازت افعال کو لاحق ہوتی ہے۔پس اگر کسی نے کسی انسان کی کوئی معین شے غصب کی۔اور مالک نے اس کے غصب کو جائز قرار دیا تو اس کی اجازت صحیح ہوگی۔اور اس وقت غاصب ضمان سے بری ہو جائے گا۔اور اگر اس نے اس سے نفع حاصل کیا، پھر مالک نے اسے حفاظت کا حکم دیا تو وہ ضمان سے بری نہیں ہوگا جب تک وہ حفاظت نہ کرے۔اس کی مکمل بحث ''العمادیہ'' میں ہے۔کسی نے صحرا میں درانتی رکھی تا کہ اس کے ساتھ وحشی گدھے کو شکار کرے اور اس پر بسم اللہ بھی پڑھ دی، پھر وہ دوسرے دن آیا،

میں کہتا ہوں: اس کے امین ہونے کا مقتضی یہ ہے کہ قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے جیسا کہ اگر وہ ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے۔تامل۔

37101۔(قولہ: الْإِجَازَةُ تَلْحَقُ الْأَفْعَالَ) اجازت افعال کو لاحق ہوتی ہے۔یہ ہی صحیح ہے، اور اس پر کتاب الغصب کے شروع میں کلام گزر چکی ہے۔

37102۔(قولہ: فَأَجَازَ الْمَالِكُ غَصْبَهُ) پس مالک نے اس کے غصب کو جائز قرار دے دیا، اور جو ''العمادیہ'' وغیرہ میں ہے وہ یہ ہے: غصب شيئا و قبضه فأجاز المالك قبضه الخ۔اس نے کوئی شے غصب کی اور اس پر قبضہ کر لیا تو مالک نے اس کے قبضہ کو جائز قرار دیا۔اور یہ ''مصنف'' کے قول غصبه سے زیادہ مناسب ہے۔

37103۔(قولہ: لَا يَبْرَأُ عَنِ الضَّمَانِ مَا لَمْ يَحْفَظْ) وہ ضمان سے بری نہیں ہوگا جب تک حفاظت نہ کرے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر وہ اس سے نفع حاصل نہ کرے تو وہ صرف حکم کے ساتھ بری ہو جائے گا۔اور شاید مراد یہ ہے کہ جب وہ اس سے نفع حاصل کرے اور اس انتفاع پر دوام اختیار کرے جیسا کہ اگر وہ کپڑا غصب کرے اور اسے پہن لے تو جب وہ اسے حفاظت کرنے کا حکم دے تو وہ ضمان سے بری نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ اسے اتار دے اور اس کی حفاظت کرنے لگے۔لیکن اگر وہ حفاظت کے حکم سے پہلے اسے اتار دے اور اس کی حفاظت کرنے لگے پھر وہ اسے حفاظت کرنے کا حکم دے تو ظاہر ہے کہ وہ بری ہو جائے گا۔کیونکہ امر کے بعد انتفاع پر دوام اختیار کرنے سے وہ تعدی کرنے والا ہوگا بخلاف اس کے کہ اگر وہ اسے امر سے پہلے اتار دے۔یہ وہ ہے جو میرے نزدیک ظاہر ہوا ہے۔اور ''طحطاوی'' نے بھی اسی کی مثل بیان کیا ہے۔

37104۔(قولہ: وَضَعَ مِنْجَلًا) یہ لفظ میم کے کسرہ کے ساتھ ہے یعنی وہ درانتی جس کے ساتھ فصل کاٹی جاتی ہے۔''مغرب''۔

قَیْدٌ اتِّفَاقِیٌّ إِذْ لَوْ وَجَدَهُ مَیِّتًا مِنْ سَاعَتِهِ لَمْ یَحِلَّ زَیْلَعِیٌّ (وَوَجَدَ الْحِمَارَ مَجْرُوحًا مَیِّتًا لَمْ یُؤْكَلْ) لِأَنَّ الشَّرْطَ أَنْ یَذْبَحَهُ إِنْسَانٌ أَوْ یَجْرَحَهُ، وَإِلَّا فَهُوَ كَالنَّطِیحَةِ (كُرِهَ تَحْرِیمًا)

یہ قید اتفاقی ہے۔ کیونکہ اگر وہ اسے اسی ساعت مردہ پائے تو وہ حلال نہیں ہوگا۔ ''زیلعی'' اور اس نے زخمی گدھے کو مردہ پایا تو اسے نہیں کھایا جائے گا، کیونکہ شرط یہ ہے کہ آدمی اسے ذبح کرے یا اسے زخمی کرے، ورنہ وہ دوسرے جانور کے سینگ کے زخم کے ساتھ مرنے والے کی طرح ہے۔ بکری کے اعضاء میں سے سات مکروہ تحریمہ ہیں

37105۔ (قولہ: قَیْدٌ اتِّفَاقِیٌّ الخ) یہ قید اتفاقی ہے الخ، مصنف ''المنح'' میں بھی اسی پر چلے ہیں اور ''عینی'' نے ''زیلعی'' کی اتباع کرتے ہوئے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور اس کا مقتضی جسے ''شارح'' نے الذبائح میں پہلے ذکر کیا ہے کہ یہ قید احترازی ہے جہاں انہوں نے کہا ہے: ذبح کرتے وقت، یا شکار کے لیے تیر پھینکتے وقت یا اس کے لیے (کتا یا باز) چھوڑتے وقت یا وحشی گدھے کے لیے لوہے کا کوئی ہتھیار رکھتے وقت بسم اللہ پڑھنا شرط ہے بشرطیکہ وہ اس کی تلاش سے تھک کر بیٹھ نہ جائے اور اسے غور سے دیکھو جو ہم نے وہاں اور کتاب الصید میں لکھا ہے۔

بکری کے وہ اعضا جو مکروہ تحریمی نہیں

37106۔ (قولہ: كُرِهَ تَحْرِیمًا) مکروہ تحریمی ہے اس لیے کہ امام ''اوزاعی'' نے ''واصل بن ابی جمیلہ'' کے واسطہ سے حضرت ''مجاہد'' سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری میں سے ذکر، خصیتین، فرج، غدود، پتا، مثانہ اور خون کو مکروہ قرار دیا ہے (1)۔ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: خون حرام ہے اور چھ اعضاء مکروہ ہیں۔ اور وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ الآیہ (تم پر مردار اور خون حرام کئے گئے ہیں۔) پس جب نص اسے شامل ہے تو اسکی حرمت قطعی ہے اور اسکے سوا باقی مکروہ ہیں، کیونکہ وہ ان میں سے ہیں جنہیں لوگ ناپاک سمجھتے ہیں اور مکروہ قرار دیتے ہیں۔ اور یہی معنی کراہیت کا سبب ہے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ الاعراف: 157) ''زیلعی''۔

اور ''البدائع'' میں کتاب الذبائح کے آخر میں ہے: اور جو حضرت ''مجاہد'' سے مروی ہے پس اس سے مراد کراہۃ تحریمہ ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ انہوں نے ان چھ اور خون کو کراہت میں جمع کیا ہے اور دم مسفوح کو حرام قرار دیا گیا ہے، اور امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: خون حرام ہے اور چھ کو مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ پس آپ نے حرام کا اطلاق خون پر کیا ہے۔ اور اس کے علاوہ کو مکروہ کا نام دیا ہے، کیونکہ حرام مطلق وہ ہے جس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو اور یہی کتاب اللہ سے مفسر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا (الانعام: 145) ''یا بہایا گیا خون''۔ اور اس کی حرمت پر اجماع منعقد ہے۔ اور اس کے علاوہ چھ اعضاء کی حرمت کا جہاں تک تعلق ہے تو وہ دلیل قطعی سے ثابت نہیں۔ بلکہ اجتہاد سے یا کتاب اللہ کے ظاہر سے جو تاویل کا احتمال رکھتا ہے، یا حدیث سے۔ پس اسی لیے فرق بیان کیا اور خون کو حرام کہا

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، باب مایکرہ من الشاۃ، جلد 10 صفحہ 7

وَقِيلَ تَنْزِيهًا وَالْأَوَّلُ أَوْجَهُ (مِنْ الشَّاةِ سَبْعٌ الْحَيَاءُ وَالْخُصْيَةُ وَالْغُدَّةُ وَالْمَثَانَةُ وَالْمَرَارَةُ وَالدَّمُ الْمَسْفُوحُ وَالذَّكَرُ) لِلْأَثَرِ الْوَارِدِ فِي كَرَاهَةِ ذَلِكَ وَجَمَعَهَا بَعْضُهُمْ فِي بَيْتٍ وَاحِدٍ
اور بعض نے کہا ہے: مکروہ تنزیہ ہیں، اور پہلا قول زیادہ اقرب ہے یعنی: فرج، خصیہ (کپورے) غدود، مثانہ، پتا، دم مسفوح (بہنے والا خون) اور ذکر۔ اور یہ اس اثر کی وجہ سے ہے جو ان کی کراہت کے بارے میں وارد ہے۔ بعض نے ان تمام کو ایک شعر میں جمع کر دیا ہے

اور بقیہ کو مکروہ۔ میں کہتا ہوں: متون کا اطلاق ظاہر تو کراہت ہی ہے۔

37107۔ (قولہ: وَقِيلَ تَنْزِيهًا) اور بعض نے کہا ہے: وہ مکروہ تنزیہی ہیں، اس کا قائل ''صاحب القنیہ'' ہے۔ کیونکہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ ذکر یا غدود اگر اسے شوربے میں پکایا جائے تو شوربہ مکروہ نہیں ہوگا۔ اور ان اشیا کی کراہت کراہۃ تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔ اور ''الوہبانیہ'' میں اسے اختیار کیا ہے جو ''القنیہ'' میں ہے اور کہا ہے: بے شک اس میں دو فائدے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے، اور دوسرا یہ کہ شوربہ اور گوشت کھانا مکروہ نہیں ہوگا۔ اسے ان سے ''ابن الشحنہ'' نے اپنی شرح میں نقل کیا ہے اور اسے ثابت رکھا ہے۔

37108۔ (قولہ: وَالْأَوَّلُ أَوْجَهُ) اس لیے کہ ہم نے اسے آیت کے ساتھ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال سے ذکر کیا ہے، اور یہ بھی کہ ''صاحب القنیہ'' کا کلام متون کے ظاہر اور ''البدائع'' کے کلام کا معارض نہیں ہوسکتا۔

37109۔ (قولہ: مِنْ الشَّاةِ) شاۃ (بکری) کا ذکر اتفاقی ہے، کیونکہ اس کے علاوہ دیگر کھائے جانے والے جانوروں میں حکم مختلف نہیں ہوگا۔ ''طحطاوی''۔

37110۔ (قولہ: الْحَيَاءُ) اس سے مراد پاؤں، کھر، اور درندہ صفت جانوروں کی فرج ہے، اور کبھی یہ الف مقصورہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ ''قاموس''۔

37111۔ (قولہ: وَالْغُدَّةُ) یہ لفظ غین معجمہ کے ضمہ کے ساتھ ہے: اس سے مراد جسم میں ہر گانٹھ ہے جس کے اردگرد چربی ہو، اور پٹھوں کے درمیان ہر سخت ٹکڑا ہے اور یہ پیٹ میں نہیں ہوتی جیسا کہ ''القاموس'' میں ہے۔

37112۔ (قولہ: وَالدَّمُ الْمَسْفُوحُ) بہہ جانے والا خون۔ رہا وہ خون جو ذبح کے بعد رگوں میں باقی رہ جاتا ہے تو وہ مکروہ نہیں ہوتا۔

37113۔ (قولہ: فِي بَيْتٍ) اور اس سے پہلے ایک دوسرا شعر ہے جسے ''المنح'' میں ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے: [الطویل]

و يُكرهُ أجزاءٌ من الشّاةِ سَبعةٌ   فَخُذْها فقد أو ضَحْتُهالك بالعَدَدِ

(بکری کے سات اجزاء مکروہ قرار دیئے جاتے ہیں پس تو انہیں یاد کر لے میں نے تیرے لیے تعداد کے ساتھ ان کی وضاحت کر دی ہے۔

فَقَالَ فَقُلْ ذَكَرٌ وَالْأُنْثَيَانِ مَثَانَةٌ كَذَاكَ دَمٌ ثُمَّ الْمَرَارَةُ وَالْغُدَدُ وَقَالَ غَيْرُهُ

إِذَا مَا ذُكِّيَتْ شَاةٌ فَكُلْهَا سِوَى سَبْعٍ فَفِيهِنَّ الْوَبَالُ

فحاء ثم خاء ثم غين و دال ثم میمان و ذال

(لِلْقَاضِي إِقْرَاضُ مَالِ الْغَائِبِ وَالطِّفْلِ وَاللُّقَطَةِ بِشُرُوطٍ تَقَدَّمَتْ فِي الْقَضَاءِ (بِخِلَافِ الْأَبِ

اور کہا ہے۔ترجمہ: پس تو کہہ: ذکر، خصیتین، مثانہ، اسی طرح خون، پھر پتا اور غدود ہیں۔اور اس کے علاوہ ایک دوسرے نے کہا ہے۔ترجمہ: جب بھی بکری کو ذبح کیا جائے تو تو اسے کھا، سوائے سات اعضا کے کیونکہ ان میں وبال ہے، حا، خا پھر غین، دال پھر دو میمیں اور ذال۔قاضی کیلئے غائب، بچے اور لقطہ کا مال ان شرائط کے ساتھ قرض دینا جائز ہے جو باب القضاء میں گزر چکی ہے بخلاف باپ،

37114۔(قولہ: فَقُلْ ذَكَرٌ الخ) اسی طرح بعض نسخوں میں ہے۔اور اسی بنا پر ان مجموعی اجزاء کی تعداد چھ ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ شعر کی اصل حیاءً ذکر الخ ہے۔

37115۔(قولہ: وَقَالَ غَيْرُهُ) اور کسی دوسرے نے بطریق رمز کہا ہے، اور اسی کی مثل میرا قول ہے۔[الرجز]

ان الذی من المذکاۃ رُمِی بجمعِہٖ حُرُوف فَخِذٍ مُدغِم

بیشک ذبح کئے ہوئے جانور سے جو اجزاء پھینکے جائیں گے ان کا مجموعہ حروف فخذ مدغم ہے۔

37116۔(قولہ: إِذَا مَا ذُكِّيَتْ) یہ فعل مجہول ہے اور اس میں تا علامت تانیث ہے۔

37117۔(قولہ: وَاللُّقَطَةِ) بعض فقہا نے اسے ذمی کے لقطہ کے سوا کے ساتھ مقید کیا ہے پس قاضی کے لیے اسے بطور قرض دینا جائز نہیں، اس لیے کہ فقہا کا قول ہے اسے صدقہ کرنا جائز نہیں ہے بلکہ وہ اسے بیت المال میں رکھ لے گا۔کیونکہ قرض دینا قربت ہے اور ذمی اہل قرب میں سے نہیں ہے۔اور اس کے قرض دینے میں لقطہ کو مطلق ذکر کیا ہے۔پس یہ ملتقط اور غیر کی طرف سے اس کے قرض دینے کو شامل ہے اور ''البحر'' کا قول من الملتقط یہ ظاہر ہے کہ یہ قید نہیں ہے۔تامل۔

37118۔(قولہ: بِشُرُوطٍ تَقَدَّمَتْ فِي الْقَضَاءِ) یعنی ان شرائط کے ساتھ جو باب القضاء میں گزر چکی ہیں، جہاں کہا ہے: خوشحال امانت دار ہو اس حیثیت سے کہ وہ وصی نہ ہو، اور نہ وہ ہو جو اسے بطور مضاربہ قبول کرتا ہو اور نہ وہ غلہ حاصل کرنے والا ہو کہ وہ اسے خرید لے۔ان کا قول: حیث لا وصی کو ''صاحب البحر'' نے بطور بحث ذکر کیا ہے، اور اس میں کلام ہے جسے اپنے محل پر جانا جائے گا۔

37119۔(قولہ: بِخِلَافِ الْأَبِ الخ) بخلاف باپ کے الخ، پس اگر وہ قرض دیں گے تو اسے وصول کرنے سے عاجز آنے کی صورت میں وہ ضامن ہوں گے بخلاف قاضی کے، اور حاجت اور ضرورت کی وجہ سے ان کا قرض دینا اس سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ جب جلنے یا اچک کر لے جانے کا خوف ہو، تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔''بحر''۔اسی طرح ''شارح'' نے اسے

وَالْوَصِيِّ وَالْمُلْتَقِطِ) إِلَّا إِذَا أَنْشَدَهَا حَتَّى سَاغَ تَصَدُّقُهُ فَإِقْرَاضُهُ أَوْلَى زَيْلَعِيٌّ (قَالَ إِنْ كَانَ اللهُ يُعَذِّبُ الْمُشْرِكِينَ فَامْرَأَتُهُ طَالِقٌ قَالُوا لَا تَطْلُقُ امْرَأَتُهُ لِأَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ مَنْ لَا يُعَذَّبُ) كَذَا فِي الْخَانِيَّةِ وَظَاهِرُ تَوْجِيهِهِ أَنَّ الْمُرَادَ بِهَذَا الْبَعْضِ مَنْ يَصْدُقُ عَلَيْهِ الْمُشْرِكُ فِي الْجُمْلَةِ بِأَنْ يَكُونَ مُشْرِكًا فِي عُمْرِهِ، ثُمَّ يُخْتَمَ لَهُ بِالْحُسْنَى أَوْ أَطْفَالُ الْمُشْرِكِينَ فَإِنَّهُمْ مُشْرِكُونَ شَرْعًا وَإِذَا ثَبَتَ أَنَّ الْبَعْضَ لَا يُعَذَّبُ وَهِيَ سَالِبَةٌ جُزْئِيَّةٌ

وصی اور ملتقط کے، مگر جب وہ اسے مشہور کر دے یہاں تک کہ اس کا صدقہ کرنا جائز ہے تو پھر اسے قرض دینا بدرجہ اولی جائز ہوگا۔ ''زیلعی''۔ کسی نے کہا: اگر اللہ مشرکین کو عذاب دے گا تو اس کی بیوی کو طلاق، فقہا نے کہا ہے: اس کی عورت مطلقہ نہیں ہوگی، کیونکہ مشرکین میں سے وہ ہیں جنہیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ اسی طرح ''الخانیہ'' میں ہے۔ اور اس کی ظاہر توجیہ یہ ہے کہ اس سے مراد وہ بعض ہیں جن پر فی الجملہ لفظ مشرک صادق آتا ہے اس طرح کہ وہ اپنی عمر میں مشرک رہے پھر اس کا خاتمہ بالخیر یعنی کلمہ توحید پر ہو، یا مراد مشرکین کے بچے ہیں۔ کیونکہ وہ شرعی طور پر مشرک ہیں۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ بعض کو عذاب نہیں دیا جائے گا، اور یہ سالبہ جزئیہ ہے

کتاب القضاء میں ذکر کیا ہے۔ اور جو ''مصنف'' نے ذکر کیا ہے کہ باپ وصی کی طرح ہے نہ کہ قاضی کی طرح، یہ دو صحیح قولوں میں سے ایک ہے، اور اسی پر متون ہیں۔ پس یہی معتمد علیہ ہے جیسا کہ اسے ''البحر'' میں بیان کیا ہے۔

37120۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا أَنْشَدَهَا الخ) مگر جب وہ اسے مشہور کر دے، اسے ''زیلعی'' نے ینبغی کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ پس ظاہر یہ ہے کہ اس کے بارے بحث ہے۔ لیکن یہ وہم دلاتا ہے کہ وہ ضامن نہیں ہوگا جب اس کا مالک اجازت نہ دے جیسا کہ قاضی، باوجود اس کے کہ قرض دینے کو صدقہ کرنے کے ساتھ ملانا ممکن نہیں مگر تب جب ہم ضمان کا قول کریں۔

37121۔ (قولہ: فَإِقْرَاضُهُ أَوْلَى) پس اس کا قرض دینا بدرجہ اولی ہے، یعنی اس کا کسی فقیر کو قرض دینا۔ ''زیلعی''۔

37122۔ (قولہ: وَظَاهِرُ تَوْجِيهِهِ الخ) ''المنح'' کی عبارت ہے: جو کچھ امام ''قاضیخان'' کے کلام سے سمجھا گیا ہے اس کی ظاہر توجیہ یہ ہے کہ شرط میں مذکور مشرکین سے مراد تمام ہیں۔ پس اسی لیے انہوں نے اس کی تعلیل میں کہا ہے: کیونکہ مشرکین میں سے بعض وہ ہیں جنہیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ پس ممکن ہے کہ ان بعض سے مراد وہ ہوں جن پر لفظ مشرک فی الجملہ صادق آتا ہو الخ۔ پس تو اس پر آگاہ رہ۔

37123۔ (قولہ: بِهَذَا الْبَعْضِ) یعنی وہ بعض جن پر من تبعیضیہ دلالت کرتا ہے۔

37124۔ (قولہ: فَإِنَّهُمْ مُشْرِكُونَ شَرْعًا) کیونکہ وہ شرعاً بطریق تبع مشرک ہیں۔ ''منح''۔ پس معنی یہ ہے کہ شرعی طور پر ان کے ساتھ ان کے آبا کی مثل معاملہ کیا جائے گا۔ رہا آخرت میں ان کا حکم! تو اس بارے میں دس اقوال ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اہل جنت کے خدام ہوں گے۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے مشہور قول ان کے بارے توقف ہے۔

لَمْ تَصْدُقِ الْمُوجَبَةُ الْكُلِّيَّةُ الْقَائِلَةُ كُلُّ مُشْرِكٍ يُعَذَّبُ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ وَقَدْ أَوْرَدَ هَذَا اللُّغْزَ عَلَى غَيْرِ هَذَا الْوَجْهِ ابْنُ وَهْبَانَ فَقَالَ

وَهَلْ قَائِلٌ لَا يَدْخُلُ النَّارَ كَافِرٌ وَلَكِنَّهَا بِالْمُؤْمِنِينَ تُعَمَّرُ

قَالَ وَمَعْنَاهُ أَنَّ الْكُفَّارَ لَمَّا يَرَوْنَ النَّارَ يُؤْمِنُونَ بِاللهِ تَعَالَى وَرَسُولِهِ؛ وَلَا يَنْفَعُهُمْ، قَالَ تَعَالَى - فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا - وَلِعَجُزِ الْبَيْتِ مَعْنًى آخَرَ وَهُوَ أَنَّ عَمَرَتَهَا خَزَنَتُهَا الْقَائِمُونَ بِأَمْرِهَا وَهُمْ مُؤْمِنُونَ فَفِي الْبَيْتِ سُؤَالَانِ قَالَ ابْنُ الشِّحْنَةِ وَعِنْدِي أَنَّ هَذَا مِمَّا يُنْكَرُ ذِكْرُهُ وَالتَّلَفُّظُ بِهِ، وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يُدَوَّنَ وَيُسَطَّرَ وَلَا يُقْبَلُ تَأْوِيلُ قَائِلِهِ انْتَهَى

تو پھر موجبہ کلیہ یعنی کہنے والے کا یہ قول: ہر مشرک کو عذاب دیا جائے گا، صادق نہیں آئے گا۔ یہ ''مصنف'' نے کہا ہے۔ اور ''ابن وہبان'' نے یہی پہیلی ایک اور طریقہ پر ذکر کی ہے اور کہا ہے: ترجمہ: اور کیا کوئی قائل ہے کہ کوئی کافر جہنم میں داخل نہیں ہوگا لیکن اسے مومنین کے ساتھ بھر دیا جائے گا؟ فرمایا: اور اس کا معنی یہ ہے کہ کفار جب جہنم کو دیکھیں گے تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں گے اور وہ انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا (المومن: 85) پس کوئی فائدہ نہ دیا انہیں ان کے ایمان نے جب دیکھ لیا انہوں نے ہمارا عذاب) اور اس لیے کہ شعر دوسرے معنی سے عاجز ہے اور وہ یہ ہے کہ جہنم کو بھرنا ان فرشتوں کے ساتھ ہو جو اس کے انتظام و انصرام پر مقرر ہیں اور وہ مومنین ہیں۔ پس شعر میں دو سوال ہیں۔ ''ابن الشحنہ'' نے کہا ہے: میرے نزدیک یہ اس میں سے ہے جس کا ذکر کرنا اور جس کا تلفظ کرنا (یعنی بولنا) ناپسندیدہ اور ناجائز ہے، اور یہ مناسب نہیں کہ اسے مدون کیا جائے اور کتاب میں لکھا جائے، اور نہ اس کے قائل کی کوئی تاویل قبول کی جائے گی۔ ''انتہی کلامہ''۔

37125۔ (قولہ: لَمْ تَصْدُقِ الْمُوجَبَةُ الْكُلِّيَّةُ) موجبہ کلیہ صادق نہیں آئے گا، پس وہ حانث نہیں ہوگا، کیونکہ اس نے طلاق کو تمام مشرکین کے عذاب یافتہ ہونے پر معلق کیا ہے اور وہ ثابت نہیں، ''منح''۔ یعنی یہ الف لام کو استغراق پر محمول کرتے ہوئے ہے۔

37126۔ (قولہ: وَهَلْ قَائِلٌ) یعنی کیا اس کا کوئی قائل پایا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد جملہ قول کا مقولہ ہے، اور کافر یدخل کا فاعل ہے۔

37127۔ (قولہ: فَفِي الْبَيْتِ سُؤَالَانِ) پس شعر ہی دو سوال ہیں اور وہ دونوں کافر کا جہنم میں داخل نہ ہونا اور مومنین کا جہنم میں داخل ہونا ہے۔

37128۔ (قولہ: وَلَا يُقْبَلُ تَأْوِيلُ قَائِلِهِ) اور اس کے قائل کی تاویل قبول نہیں کی جائے گی، اس کا مقتضی یہ ہے کہ اس پر کفر کا حکم لگایا جائے۔ اور اس میں نظر ہے۔ کیونکہ یہ ثابت ہے کہ اگر کئی وجوہ کفر کو ثابت کرتی ہوں اور ایک وجہ اس

قُلْت هٰذَا مَعَ وُضُوحِ وَجْهِهِ تُكُلِّمَ فِيهِ، فَكَيْفَ الْأَوَّلُ فَلَا تَغْفُلْ، ثُمَّ رَأَيْت شَيْخَنَا قَالَ قَدْ قَضَى بِنَقْلِهِ عَلَى نَفْسِهِ بِالْإِنْكَارِ، وَأَنَّهُ مَا كَانَ لَهُ أَنْ يُدَوِّنَهُ وَبِاَللّٰهِ التَّوْفِيقُ (صَبِيٌّ حَشَفَتُهُ ظَاهِرَةٌ بِحَيْثُ لَوْ رَآهُ إنْسَانٌ ظَنَّهُ مَخْتُونًا وَلَا تُقْطَعُ جِلْدَةُ ذَكَرِهِ إلَّا بِتَشْدِيدٍ أَلِمَهُ تُرِكَ عَلَى حَالِهِ كَشَيْخٍ أَسْلَمَ وَقَالَ أَهْلُ النَّظَرِ لَا يُطِيقُ الْخِتَانَ) تُرِكَ أَيْضًا (وَلَوْ خُتِنَ وَلَمْ تُقْطَعْ الْجِلْدَةُ كُلُّهَا يُنْظَرُ فَإِنْ قَطَعَ أَكْثَرَ مِنْ النِّصْفِ كَانَ خِتَانًا وَإِنْ قَطَعَ النِّصْفَ فَمَا دُونَهُ

میں کہتا ہوں: اس دوسرے معنی کی وجہ واضح ہونے کے باوجود اس میں کلام کی گئی ہے تو پھر پہلے معنی کو کیسے قبول کیا جا سکتا ہے۔ پس تو اس سے غافل نہ رہ۔ پھر میں نے اپنے شیخ کو دیکھا، انہوں نے کہا: تحقیق ''مصنف'' نے اپنے بارے میں ''ابن الشحنہ'' کا کلام انکار کے ساتھ نقل کرنے کا فیصلہ کیا ہے، اور یہ کہ ان کے لیے اسے مدون کرنا مناسب نہ تھا۔ و باللہ التوفیق۔ ایسا بچہ جس کا حشفہ (سپاری) اس طرح ظاہر ہو کہ اگر کوئی آدمی اسے دیکھے تو اسے گمان ہو کہ وہ مختون ہے اور اس کے عضو خاص کی جلد نہ کاٹی جائے مگر شدید تکلیف کے ساتھ تو اسے اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے جیسا کہ بوڑھا آدمی جو اسلام لے آئے۔ اور اہل نظر نے کہا: یہ ختنہ کی طاقت نہیں رکھتا تو اسے بھی اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ اور اگر ختنہ کیا گیا اور مکمل جلد نہ کاٹی گئی تو دیکھا جائے گا پس اگر نصف سے زیادہ کاٹ دی گئی تو ختنہ ثابت ہو جائے گا اور اگر نصف یا اس سے کم کاٹی گئی

کے مانع ہو تو مفتی پر اس کی طرف میلان لازم ہے جو کفر سے منع کرتی ہے۔ اور بالخصوص جب قرینہ موجود ہو۔ پس وہ غیر واضح کلام کرنے اور معنی کو پوشیدہ رکھنے کا ارادہ کرنا ہے جیسا کہ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک عورت کو مزاح کرتے ہوئے فرمایا: ان الجنة لا يدخلها عجوز (1) کہ جنت میں کوئی بڑھیا داخل نہیں ہو گی۔

37129۔ (قوله: قُلْت هٰذَا) یعنی وہ جو دوسرے حصہ میں ہے۔

37130۔ (قوله: فَكَيْفَ الْأَوَّلُ) یعنی جو متن میں اس کے مساوی ہے جو پہلے حصہ میں ہے۔

37131۔ (قوله: ثُمَّ رَأَيْت شَيْخَنَا قَالَ) پھر میں نے دیکھا ہمارے شیخ نے ''حاشیۃ المنح'' میں ''مصنف'' پر اعتراض کرتے ہوئے کہا جہاں انہوں نے ''ابن الشحنہ'' کا کلام نقل کیا ہے۔ پس نقلہ میں ضمیر ''ابن الشحنہ'' کے کلام [illegible] ہے۔ اور قضی اور نفسہ میں ضمیر ''مصنف'' کے لیے ہے۔ فافہم۔ لیکن ''شارح'' کے لیے مناسب یہ تھا کہ وہ [illegible] تصریح کرتے کہ ''مصنف'' نے ''ابن الشحنہ'' کا کلام نقل کیا ہے تاکہ ضمائر کا مرجع متعین ہو جاتا۔

37132۔ (قوله: أَلِمَهُ) یہ لفظ ہمزہ کی مد کے ساتھ ایلام مصدر سے فعل ماضی کا صیغہ ہے، اور پھر یہ جملہ تشدید کی صفت ہے۔

37133۔ (قوله: وَقَالَ أَهْلُ النَّظَرِ) یعنی اہل معرفت نے کہا۔ ''منح''۔

1۔ شمائل ترمذی، باب ماجاء فی صفة مزاح رسول الله ﷺ، صفحہ 158، حدیث نمبر 230، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لا) يَكُونُ خِتَانًا يُعْتَدُّ بِهِ لِعَدَمِ الْخِتَانِ حَقِيقَةً وَحُكْمًا (وَ) الْأَصْلُ أَنَّ (الْخِتَانَ سُنَّةٌ) كَمَا جَاءَ فِي الْخَبَرِ (وَهُوَ مِنْ شَعَائِرِ الْإِسْلَامِ) وَخَصَائِصِهِ (فَلَوْ اجْتَمَعَ أَهْلُ بَلْدَةٍ عَلَى تَرْكِهِ حَارَبَهُمْ) الْإِمَامُ فَلَا يُتْرَكُ إِلَّا لِعُذْرٍ وَعُذْرُ شَيْخٍ لَا يُطِيقُهُ ظَاهِرٌ (وَوَقْتُهُ) غَيْرُ مَعْلُومٍ وَقِيلَ (سَبْعٌ) سِنِينَ كَذَا فِي الْمُلْتَقَى وَقِيلَ عَشْرٌ وَقِيلَ أَقْصَاهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ سَنَةً وَقِيلَ الْعِبْرَةُ بِطَاقَتِهِ

تو وہ ختنہ شمار نہیں ہوگا، کیونکہ وہ نہ حقیقی ختنہ ہے اور نہ حکمی۔ اور اصل یہ ہے کہ ختنہ سنت ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے، اور وہ شعائر اسلام اور اس کے خصائص میں سے ہے۔ پس اگر ایک شہر کے رہنے والے اسے ترک کرنے پر اتفاق کر لیں تو امام وقت ان کے خلاف جنگ کرے۔ اور اسے بغیر عذر کے نہیں چھوڑا جائے گا۔ اور ایسا بوڑھا جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو اس کا عذر ظاہر ہے۔ اور اس کا وقت معلوم نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا وقت سات سال کی عمر ہے۔ اسی طرح ''الملتقی'' میں ہے۔ اور بعض نے کہا ہے: دس سال، اور بعض کا قول ہے: اس کی انتہائی مدت بارہ سال ہے۔ اور بعض نے کہا ہے: اس کی طاقت کا اعتبار ہوگا

37134۔ (قولہ: وَحُكْمًا) اکثر حصہ کاٹنے کے ساتھ حکمی بنتا ہے اور وہ نہیں پایا گیا۔ ''طحطاوی''۔

37135۔ (قولہ: حَارَبَهُمُ الْإِمَامُ) تو امام وقت انکے خلاف جنگ کرے جیسا کہ اگر وہ اذان ترک کر دیں۔ ''منح''۔

ختنے کا وقت

37136۔ (قولہ: وَوَقْتُهُ) مراد اس کے وقت کی ابتدا ہے۔ ''مسکین''۔ یا اس کا وقت مستحب ہے جیسا کہ ''کنز'' پر ''باکیر'' کی شرح سے منقول ہے۔

37137۔ (قولہ: غَيْرُ مَعْلُومٍ) یعنی وہ کسی مدت کے ساتھ مقرر نہیں۔ تحقیق ''شارح'' نے اس سے عدول کیا ہے جس کے ساتھ ''مصنف'' نے ''کنز'' کی طرح اعتماد اور یقین کیا ہے تاکہ متن ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر جاری رہے جیسا کہ متون کی عادت ہے۔

37138۔ (قولہ: وَقِيلَ سَبْعٌ) اور کہا گیا ہے کہ سات سال۔ کیونکہ بچہ جب اس عمر کو پہنچ جائے تو اسے نماز کا حکم دیا جاتا ہے، پس اسے ختنہ کا بھی حکم دیا جائے گا تاکہ نظافت اور صفائی میں مبالغہ ہو سکے۔ ''الکافی'' میں یہی کہا ہے۔ ''خزانۃ الاکمل'' میں یہ زیادہ کیا ہے: اور اگر وہ اس سے چھوٹا ہو تو بہت خوب ہے، اور اگر اس سے تھوڑا بڑھ جائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اور بعض نے کہا ہے: اس کا ختنہ نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے۔ کیونکہ یہ طہارت کے لیے ہوتا ہے اور اس سے پہلے وہ اس پر واجب نہیں ہوتی۔ ''طحطاوی''۔

37139۔ (قولہ: وَقِيلَ عَشْرٌ) بعض نے کہا ہے: دس سال ہے۔ اس لیے کہ جب بچہ اس عمر کو پہنچ جائے تو نماز کے بارے حکم بڑھ جاتا ہے۔

وَهُوَ الْأَشْبَهُ وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ لَا عِلْمَ لِي بِوَقْتِهِ وَلَمْ يَرِدْ عَنْهُمَا فِيهِ شَيْءٌ فَلِذَا اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ فِيهِ وَخِتَانُ الْمَرْأَةِ لَيْسَ سُنَّةً بَلْ مَكْرُمَةً لِلرِّجَالِ وَقِيلَ سُنَّةٌ وَقَدْ جَمَعَ السُّيُوطِيُّ مَنْ وُلِدَ مَخْتُونًا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فَقَالَ

اور یہی زیادہ مناسب ہے۔ اور امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: مجھے اس کے وقت کے بارے علم نہیں ہوا۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما سے بھی اس بارے میں کوئی شے منقول نہیں۔ اس لیے مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ اور عورت کا ختنہ سنت نہیں ہے بلکہ یہ مردوں کی تکریم کے لیے ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سنت ہے۔ اور امام ''سیوطی'' رحمۃ اللہ علیہ نے ان انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کو جمع کیا ہے جو مختون پیدا ہوئے ہیں۔ اور کہا ہے:

37140۔ (قولہ: وَهُوَ الْأَشْبَهُ) اور یہی زیادہ مناسب اور فقاہت کے زیادہ قریب ہے۔ ''زیلعی''۔ اور یہ تصحیح کے صیغوں میں سے ہے۔

37141۔ (قولہ: وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ الخ) یہ ظاہر ہے کہ یہ ماقبل کے مخالف نہیں ہے اس میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے عدم تقدیر کے قاعدہ پر عمل کرتے ہوئے جس کے بارے مقررہ مدت سے متعلقہ کوئی نص وارد نہ ہو اور وہ رائے کے سپرد ہو۔ تامل۔ اور اسے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی تائید میں نقل کیا ہے جسے پہلے انہوں نے اختیار کیا پس یہ تکرار نہیں ہے۔ فافہم۔

37142۔ (قولہ: عَنْهُمَا) یعنی ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما سے۔

عورت کے ختنے کا شرعی حکم

37143۔ (قولہ: وَخِتَانُ الْمَرْأَةِ) اس میں درست خفاض ہے، کیونکہ عورت کے حق میں ختان نہیں بولا جاتا۔ بلکہ خفاض بولا جاتا ہے۔ ''حموی''۔

37144۔ (قولہ: بَلْ مَكْرُمَةً لِلرِّجَالِ) بلکہ مردوں کی تکریم کے لیے ہے، کیونکہ یہ جماع میں زیادہ باعث لذت ہے۔ ''زیلعی''۔

37145۔ (قولہ: وَقِيلَ سُنَّةٌ) اور کہا گیا ہے کہ یہ سنت ہے، ''البزازی'' نے اس پر اعتماد کیا ہے، اور علت یہ بیان کی ہے کہ اس پر نص ہے کہ خنثیٰ کا ختنہ کیا جائے گا۔ اور اگر عورت کا ختنہ صرف تکریم کے لیے ہوتا تو خنثیٰ کا ختنہ نہ کیا جاتا اس احتمال کی وجہ سے کہ وہ عورت ہو، لیکن یہ اس طرح نہیں جیسا کہ مردوں کے حق میں سنت ہے۔

میں کہتا ہوں: خنثیٰ کا ختنہ اس کے مرد ہونے کے احتمال کی وجہ سے ہے، اور مرد کا ختنہ ترک نہیں کیا جائے گا پس اس لیے وہ احتیاطاً سنت ہے، اور وہ عورت کے لیے سنت ہونے کا فائدہ نہیں دیتا۔ تامل۔

اور کتاب الطہارۃ میں ''السراج الوہاج'' سے ہے: تو جان! کہ ہمارے نزدیک مردوں اور عورتوں کے لیے سنت ہے۔ اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: یہ واجب ہے۔ اور بعض نے کہا ہے: مردوں کے لیے سنت ہے اور عورتوں کے لیے مستحب

وَفِي الرُّسُلِ مَخْتُونٌ لَعَمْرُكَ خِلْقَةً	ثَمَانٍ وَتِسْعٌ طَيِّبُونَ أَكَارِمُ
وَهُمْ زَكَرِيَّا شِيثُ إِدْرِيسُ يُوسُفُ	وَحَنْظَلَةٌ عِيسَى وَمُوسَى وَآدَمُ
وَنُوحٌ شُعَيْبٌ سَامُ لُوطٌ وَصَالِحٌ	سُلَيْمَانُ يَحْيَى هُودُ يٰسٓ خَاتَمُ

تیری عمر کی قسم رسولوں میں سے سترہ پیدائشی طور پر مختون ہیں وہ انتہائی پاک باز اور بزرگی والے ہیں۔اور وہ حضرت زکریا، حضرت شیث، حضرت ادریس، حضرت یوسف، حضرت حنظلہ، حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ، حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت شعیب، حضرت سام، حضرت لوط، حضرت صالح، حضرت سلیمان، حضرت یحییٰ، حضرت ہود اور خاتم الانبیاء جن کا لقب یٰس حضرت محمد رسول اللہ علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں۔

ہے، اس لیے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ختان الرجال سنة، و ختان النساء مكرمة(1) (مردوں کے لیے ختنہ سنت ہے، اور عورتوں کا ختنہ تکریم کے لیے ہے) اور اگر بچے کے دو ذکر ہوں، اگر دونوں تندرست اور عامل ہوں تو دونوں کا ختنہ کیا جائے، اور اگر ان میں سے صرف ایک صحیح ہو تو صرف اسی کا ختنہ کیا جائے۔ اور اس کا عامل اور صحیح ہونا بول اور انتشار سے معلوم ہوتا ہے۔ اور خنثیٰ مشکل کا دونوں فرجوں سے ختنہ کیا جائے گا تاکہ یقین حاصل ہو جائے اور بچے کے ختنہ کی اجرت اس کے باپ پر ہوگی اگر اس کا اپنا مال نہ ہو، اور غلام کے ختنہ کی اجرت اس کے آقا پر ہوگی۔ اور جو کوئی غیر مختون بالغ ہو تو حاکم اسے اس پر مجبور کرے۔ اور اگر وہ فوت ہو گیا تو اس کا خون ہدر ہوگا اس لیے کہ اس کی موت ایسے فعل سے واقع ہوئی ہے جس کی شرعاً اجازت دی گئی ہے۔ ملخصاً۔

وہ رسول جو مختون پیدا ہوئے

37146۔ (قولہ: وَفِي الرُّسُلِ الخ) یہ اس میں صریح ہے کہ حضرت سام اور حضرت حنظلہ علیہما السلام دونوں رسول ہیں۔ "طحطاوی"۔

37147۔ (قولہ: شِيثُ إِدْرِيسُ) یہ دونوں بغیر تنوین کے ہیں جیسا کہ سام اور ہود ہیں۔

تتمہ

کہا گیا ہے: ختنہ کا سبب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب اپنے لخت جگر کو ذبح کرنے کے امتحان میں مبتلا کیا گیا تو اس نے پسند کیا کہ وہ ہر ایک کے لیے قطع عضو اور خون بہانے کے ساتھ خوفزدہ کرنے کو جاری رکھے، اور اس نے آباء کو اسلام پر صبر کرنے کے ساتھ ان کے بیٹوں کو آزمایا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اظہار ہمدردی و غمخواری کرتے ہوئے، تحقیق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ختنہ کروایا اور اس وقت آپ کی عمر اسی برس یا ایک سو بیس برس تھی، اس میں پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اور دونوں کے درمیان تطبیق اس طرح ہے کہ پہلا قول نبوت کے وقت سے اور دوسرا ولادت کے وقت سے ہے، اور قدوم میں ختنہ کروایا۔

1۔ الکامل لابن عدی، جلد 1، صفحہ 442، راوی ابراہیم بن مبشر، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

(وَيَجُوزُ كَيُّ الصَّغِيرِ وَبَطُّ قُرْحَتِهِ وَغَيْرُهُ مِنَ الْمُدَاوَاةِ لِلْمَصْلَحَةِ وَ) يَجُوزُ (فَصْدُ الْبَهَائِمِ وَكَيُّهَا وَكُلُّ عِلَاجٍ فِيهِ مَنْفَعَةٌ لَهَا وَجَازَ قَتْلُ مَا يَضُرُّ مِنْهَا كَكَلْبٍ عَقُورٍ وَهِرَّةٍ) تَضُرُّ (وَيَذْبَحُهَا) أَيِ الْهِرَّةَ (ذَبْحًا) وَلَا يَضُرُّ بِهَا لِأَنَّهُ لَا يُفِيدُ، وَلَا يُحْرِقُهَا وَفِي الْمُبْتَغَى يُكْرَهُ إِحْرَاقُ جَرَادٍ وَقَمْلٍ وَعَقْرَبٍ، وَلَا بَأْسَ بِإِحْرَاقِ حَطَبٍ فِيهَا نَمْلٌ وَإِلْقَاءُ الْقَمْلَةِ

اور صغیر کو داغنا اور اس کے زخم اور پھوڑے کو چیرنا اور علاوہ ازیں مصلحت اور نفع کے لیے کوئی علاج کرنا جائز ہے۔ اور جانوروں کو فصد لگانا، انہیں داغنا، اور ہر وہ علاج کرنا جس میں ان کے لیے منفعت ہو جائز ہے، اور اسے قتل کرنا جائز ہے جس سے ضرر اور اذیت پہنچ سکتی ہو جیسے باؤلا کتا اور وہ بلی جو نقصان دیتی ہو، اور وہ بلی کو ذبح کر دے گا، اور وہ اسے نہیں مارے گا۔ کیونکہ وہ کوئی فائدہ نہیں دے گا اور نہ اسے جلائے گا۔ اور ''المجتبیٰ'' میں ہے: ٹڈی، جوں اور بچھو کو جلانا مکروہ ہے، اور اس لکڑی کو جلانے میں کوئی حرج نہیں ہے جس میں چیونٹیاں ہوں۔ اور جوں کو پھینک دینا

یہ جگہ کا نام ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے: یہ بڑھئی کا آلہ ہے اور ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختون پیدا ہونے میں رواۃ اور حفاظ حدیث نے اختلاف کیا ہے، اور اس بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے۔ اور امام ''ذہبی'' نے ''حاکم'' کے اس قول کو رد کرنے میں طویل بحث کی ہے کہ اس بارے میں متواتر روایت ہے حالانکہ ان کے نزدیک اس بارے حدیث کا ضعیف ہونا ثابت ہے۔ اور بعض محققین حفاظ نے کہا ہے: صواب کے زیادہ قریب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختون پیدا نہیں ہوئے۔

37148۔ (قولہ: وَبَطُّ قُرْحَتِهِ) یعنی اس کے زخم کی چیر پھاڑ کرنا، یہ قتل کے باب سے ہے۔

37149۔ (قولہ: وَغَيْرُهُ) یعنی داغنے اور چیرنے کے علاوہ کوئی علاج۔

باؤلا کتا اور وہ بلی جو نقصان دیتی ہو اسے قتل کرنے کا جواز

37150۔ (قولہ: وَهِرَّةٍ تَضُرُّ) نقصان پہنچانے والی بلی، جیسا کہ جب وہ کبوتر اور مرغیاں کھانے لگے۔ ''زیلعی''۔

37151۔ (قولہ: وَيَذْبَحُهَا) اور وہ اسے ذبح کر دے، اور یہ ظاہر ہے کہ کتا اسی کی مثل ہے۔ تامل۔

ٹڈی، جوں اور بچھو کو جلانا مکروہ ہے

37152۔ (قولہ: يُكْرَهُ إِحْرَاقُ جَرَادٍ) ٹڈی وغیرہ کو جلانا مکروہ تحریمی ہے، اور جوں کی مثل مچھر ہے، اور [illegible] سانپ ہے۔ ''طحطاوی''۔

37153۔ (قولہ: وَإِلْقَاءُ الْقَمْلَةِ لَيْسَ بِأَدَبٍ) اور جوں کو زمین پر پھینک دینا ادب نہیں ہے، اس لیے کہ وہ کسی دوسرے کو اذیت پہنچائے گی۔ اور نسیان کا وارث بنائے گی۔ اور اس میں اسے بھوک کے ساتھ عذاب دینا بھی ہے۔ ''طحطاوی''۔ رہا مچھر تو وہ مٹی میں زندہ رہتا ہے۔

لَیْسَ بِأَدَبٍ (وَجَازَتْ الْمُسَابَقَةُ بِالْفَرَسِ وَالْإِبِلِ وَالْأَرْجُلِ وَالرَّمْیِ) لِیَرْتَاضَ لِلْجِهَادِ (وَحَرُمَ شَرْطُ الْجُعْلِ مِنْ الْجَانِبَیْنِ) إلَّا إذَا أَدْخَلَ مُحَلِّلًا بِشَرْطِهِ

کوئی ادب نہیں ہے، گھوڑے، اونٹ، پیدل اور تیر اندازی میں مسابقت جائز ہے۔ تا کہ جہاد کے لیے ریاضت اور مشق ہو سکے۔ اور دونوں جانب سے مال کی شرط لگانا حرام ہے مگر جب وہ محلل کو اس کی شرط کے ساتھ داخل کر لیں

گھوڑے، اونٹ کی دوڑ اور تیر اندازی میں مسابقت کا جواز

37154۔ (قولہ: وَجَازَتْ الْمُسَابَقَةُ) اور مسابقت اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس کی انتہاء وہاں تک ہو کہ گھوڑا اسے برداشت کر سکتا ہو، اور یہ کہ دو گھوڑوں میں سے ہر ایک میں دوڑنے اور وہاں تک پہنچنے اور دوسرے سے آگے بڑھنے کی قوت موجود ہو، لیکن جب یہ معلوم ہو کہ ان میں سے ایک یقیناً آگے بڑھ جائے گا تو پھر وہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ مسابقت خلاف قیاس ریاضت اور مشق کی حاجت کے تحت جائز ہے، اور اس میں فقط اپنے اوپر غیر کے لیے مال لازم کرنا ہوتا ہے ایسی شرط کے ساتھ جس میں کوئی فائدہ نہیں لہٰذا یہ جائز نہ ہوگی۔ "زیلعی"۔

37155۔ (قولہ: وَالرَّمْیِ) یعنی تیر اندازی کرنا۔

37156۔ (قولہ: لِیَرْتَاضَ لِلْجِهَادِ) تا کہ جہاد کے لیے ریاضت اور مشق ہو جائے، اس نے یہ فائدہ دیا ہے کہ وہ (مسابقت) مندوب (مستحب) ہے جیسا کہ اس کے بارے کتاب الحظر میں تصریح کی ہے اور یہ کہ لہو ولعب کے لیے یہ مکروہ ہے، اور رہی حدیث پاک: لا تحضر الملائکة شیئًا من الملاهی سوی النضال کہ فرشتے کھیل کی جگہوں میں سے کسی جگہ حاضر نہیں ہوئے سوائے تیر اندازی کے مقابلہ کے، مراد تیر اندازی اور مسابقت ہے۔ پس ظاہر ہے کہ اسے لہو کا نام دینا صرف صوری مشابہت کی وجہ سے ہے۔ تامل۔

مسابقت میں جانبین سے مال کی شرط لگانے کی حرمت

37157۔ (قولہ: وَحَرُمَ شَرْطُ الْجُعْلِ مِنْ الْجَانِبَیْنِ) اور دونوں جانبوں سے مال کی شرط لگانا حرام ہے، اس طرح کہ ان میں سے ایک کہے: اگر تیرا گھوڑا سبقت لے گیا تو مجھ پر تیرے لیے اتنا مال ہوگا، اور اگر میرا گھوڑا سبقت لے گیا تو تجھ پر میرے لیے اتنا مال ہوگا۔ "زیلعی"۔

37158۔ (قولہ: إلَّا إذَا أَدْخَلَ مُحَلِّلًا) مگر جب وہ محلل داخل کر لے۔ اس میں مناسب عبارت: أدخلا ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ دونوں ایک تیسرے آدمی کو کہیں: اگر تو ہم پر سبقت لے گیا تو دونوں مال تیرے لیے ہوں گے، اور اگر ہم تجھ پر سبقت لے گئے تو ہمارے لیے تجھ پر کوئی شے نہ ہوگی۔ لیکن وہ شرط جو ان دونوں نے مقرر کی وہ ان کے درمیان قائم رہے گی اور وہ یہ ہے کہ ان میں سے جو بھی سبقت لے گیا اس کے لیے اس کے ساتھی پر مال اپنے حال پر باقی رہے گا، پس اگر وہ ان دونوں پر غالب آ گیا تو وہ دونوں کا مال لے لے، اور اگر وہ دونوں اس پر غالب آئے تو ان کے لیے اس پر کوئی

كَمَا مَرَّ فِي الْحَظْرِ (لَا) يَحْرُمُ (مِنْ أَحَدِ الْجَانِبَيْنِ) اسْتِحْسَانًا وَلَا يَجُوزُ الِاسْتِبَاقُ فِي غَيْرِ هٰذِهِ الْأَرْبَعَةِ كَالْبَغْلِ بِالْجُعْلِ، وَأَمَّا بِلَا جُعْلٍ فَيَجُوزُ فِي كُلِّ شَيْءٍ وَتَمَامُهُ فِي الزَّيْلَعِيِّ (وَلَا يُصَلِّي عَلَى غَيْرِ الْأَنْبِيَاءِ

جیسا کہ کتاب الحظر میں گزر چکا ہے۔ اور ایک جانب سے شرط لگانا استحساناً حرام نہیں۔ اور ان چار کے علاوہ میں مسابقت جائز نہیں جیسا کہ مال کی شرط لگا کر خچر دوڑانا وغیرہ۔ اور رہی مال کی شرط کے بغیر مسابقت! تو یہ ہر شے میں جائز ہے۔ اس کی مکمل بحث ''زیلعی'' میں ہے۔ اور غیر انبیاء

شے نہ ہوگی۔ اور جو بھی ان میں غالب آیا تو وہ اپنے ساتھی سے مال مشروط لے لے گا۔ ''زیلعی''۔

37159۔ (قولہ: بِشُرُوطِهٖ) اور وہ شرط یہ ہے کہ محلل کا گھوڑا ان دونوں کے گھوڑوں کے مساوی ہو، اور اس کا سبقت لے جانا اور اس پر سبقت حاصل کرنا دونوں ممکن ہوں۔

37160۔ (قولہ: وَلَا يَجُوزُ الخ) اور جائز نہیں ہے الخ، یہ ''زیلعی'' نے کہا ہے، اور اسی کی مثل ''الخانیہ'' اور ''الذخیرہ'' وغیرہ میں ہے، لیکن ''شارح'' نے کتاب الحظر والاباحۃ میں اس پر اعتماد اور یقین کیا ہے کہ خچر اور گدھا گھوڑے کی طرح ہیں۔ اور اسے ''الملتقی'' اور ''المجمع'' کی طرف منسوب کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اور اسی کی مثل ''المختار'' اور ''المواہب'' وغیرہ میں ہے۔ اور ''مصنف'' نے وہاں اسے ثابت رکھا ہے بخلاف اس کے جو یہاں ذکر کیا ہے، اور اس پر مکمل کلام کتاب الحظر میں گزر چکی ہے۔ پس تو اس کی طرف رجوع کر۔

37161۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ فِي الزَّيْلَعِيِّ) اور اس کی مکمل بحث ''زیلعی'' میں ہے۔ اس حیثیت سے کہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ اگر کسی ایک آدمی نے گھڑ سواروں کی ایک جماعت کو یا دو کو کہا جو سبقت لے گیا تو اس کے ذاتی مال سے اس کے لیے اتنا مال ہوگا، یا اس نے تیراندازوں کو کہا جس کا تیر اپنے ہدف اور نشانہ پر لگا تو اس کے لیے اتنا ہوگا تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ یہ تنفیل کے باب سے ہے۔ تو جب تنفیل بیت المال سے جائز ہے جیسا کہ چھینا ہوا مال وغیرہ تو پھر خالص اس کے اپنے مال کے ساتھ ہو تو اس کے جائز ہونے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ اور اسی بنیاد پر فقہاء کا جب مسائل میں تنازع ہو جائے اور ان میں سے مصیب (درست اور صحیح مسئلہ بیان کرنے والے) کے لیے مال کی شرط لگا دی جائے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ یہ دونوں جانبوں سے نہ ہو جیسا کہ ہم نے گھڑ دوڑ کے مسئلہ میں اسے ذکر کر دیا ہے۔ کیونکہ دونوں بابوں میں تعلّم (سیکھنا) دین کی تقویت اور اللہ تعالیٰ کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے ہے۔ اور مسابقت کے باب میں مذکور جواز سے مراد حلال ہونا ہے نہ کہ استحقاق۔ یہاں تک کہ اگر مغلوب دینے سے انکار کر دے تو قاضی اسے مجبور نہیں کر سکتا۔ اور نہ وہ اس کے بارے اس کے خلاف فیصلہ کر سکتا ہے۔

انبیا اور ملائکہ کے علاوہ پر بطریق تبع صلوٰۃ بھیجنا جائز ہے

37162۔ (قولہ: وَلَا يُصَلِّي عَلَى غَيْرِ الْأَنْبِيَاءِ الخ) اور وہ غیر انبیاء پر صلوٰۃ (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ پڑھے، کیونکہ صلوٰۃ میں

....

وہ تعظیم ہے جو اس کے علاوہ دیگر دعاؤں میں نہیں ہے، اور وہ رحمت اور اللہ تعالیٰ سے قرب کی زیادتی ہے، اور وہ اس کے لائق اور مناسب نہیں جس سے خطاؤں اور گناہوں کا تصور کیا جا سکتا ہو مگر بالتبع درست ہے اس طرح کہ وہ کہے: اللّٰھم صلّ علی محمد و آلہ و صحبہ و سلم۔ اس لیے کہ اس میں حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم ہے۔ ''زیلعی''۔

اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا یہ مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی ہے یا خلاف اولیٰ ہے۔ امام ''النووی'' نے الاذکار میں دوسرے قول کو صحیح قرار دیا ہے، لیکن ''البیری'' کی ''شرح الاشباہ'' کے خطبہ میں ہے: جس نے غیر انبیاء پر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھا اس نے گناہ کیا اور یہ مکروہ ہے، اور یہی صحیح ہے۔ اور ''المستصفی'' میں ہے: رہی صَلَّى اللهُ عَلَى آلِ أَبِي أَوْفَى(1) والی حدیث صلاۃ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اختیار ہے کہ آپ کسی غیر پر ابتداءً صلاۃ پڑھیں۔ لیکن کسی غیر کے لیے یہ اختیار نہیں ہے۔ اور جہاں تک سلام کا تعلق ہے تو ''اللقانی'' نے ''جوہرۃ التوحید'' کی شرح میں امام ''جوینی'' سے نقل کیا ہے کہ یہ صلواۃ کے معنی میں ہی ہے پس یہ کسی غائب کے بارے میں استعمال نہیں ہو سکتا اور نہ غیر انبیا کے لیے اسے انفرادی طور پر استعمال کیا جائے گا، لہٰذا یہ نہیں کہا جائے گا: حضرت علی علیہ السلام۔ اور اس میں زندے اور مردے برابر ہیں مگر حاضر ہونے کی صورت میں یہ کہا جائے گا: السلام یا سلام علیك یا علیکم۔ اور اس پر اجماع ہے۔

میں کہتا ہوں: اور حاضر کی طرف پہلے ہی السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ منع سلام میں علت وہی ہے جو امام ''النووی'' نے منع صلواۃ کی علت بیان کی ہے کہ وہ اہل بدعت کا شعار اور علامت ہے، اور اس لیے کہ وہ سلف کی زبان میں حضرات انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ ہمارا قول عزوجل اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے، پس یہ نہیں کہا جاتا محمد عزّوجلّ اگرچہ آپ عزیز اور جلیل ہیں۔ پھر ''اللقانی'' نے کہا ہے: اور قاضی ''عیاض'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: جسے محققین نے اختیار کیا ہے اور میں بھی اسی کی طرف مائل ہوں وہ وہ ہے جسے ''امام مالک'' اور ''سفیان'' رحمۃ اللہ علیہما نے بیان کیا ہے اور اسے فقہا اور متکلمین میں سے کئی ایک نے اختیار کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر تمام انبیا علیہم الصلوٰت والتسلیمات کو صلوٰۃ و سلام کے ساتھ خاص کرنا واجب ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے ذکر کے وقت تقدیس و تنزیہ کے ساتھ خاص ہوتا ہے، اور ان کے سوا کا ذکر غفران (غفر اللہ لهم) اور رضا (رضی اللہ عنهم) کے ساتھ کیا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (المائدہ: 119) (راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اللہ تعالیٰ سے) يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ (الحشر: 10) (جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے۔)

اور اس لیے بھی کہ وہ ایسا امر ہے جو صدر اول میں معروف نہیں ہوا، بلاشبہ رافضیوں نے اسے بعض ائمہ کے حق میں ایجاد کیا ہے، اور اہل بدعت کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے، پس ان کی مخالفت واجب ہے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب الدعا لمن اتی بصدقۃ، جلد 1، صفحہ 996، حدیث نمبر 1841، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وَلَا غَيْرَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا بِطَرِيقِ التَّبَعِ وَهَلْ يَجُوزُ التَّرَحُّمُ عَلَى النَّبِيِّ؟ قَوْلَانِ زَيْلَعِيٌّ قُلْتُ وَفِي الذَّخِيرَةِ أَنَّهُ يُكْرَهُ وَجَوَّزَهُ السُّيُوطِيُّ تَبَعًا لَا اسْتِقْلَالًا، فَلْيَكُنِ التَّوْفِيقُ وَبِاللهِ التَّوْفِيقُ

اور غیر ملائکہ پر صلواۃ (یعنی صلی اللہ علیہ وسلم کہنا) نہ بھیجے مگر بطریق تبع، اور کیا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ترحم (یعنی رحمۃ اللہ علیہ کہنا) جائز ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ ''زیلعی''۔ میں کہتا ہوں: اور ''الذخیرہ'' میں ہے کہ وہ مکروہ ہے۔ اور امام ''سیوطی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بالتبع جائز قرار دیا ہے مستقل طور پر نہیں، پس چاہیے کہ دونوں کے درمیان تطبیق اور توفیق ہو جائے۔ وباللہ التوفیق۔

میں کہتا ہوں: اہل بدع کے ساتھ مشابہت کا مکروہ ہونا ہمارے نزدیک بھی ثابت ہے، لیکن مطلقاً نہیں، بلکہ قابل مذمت اعمال میں اور ان امور میں جن میں ان کے ساتھ تشبیہ کا قصد کیا گیا ہو جیسا کہ ''شارح'' نے مفسدات صلوٰۃ میں اسے بیان کر دیا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ترحم کا شرعی حکم

37163۔ (قولہ: قَوْلَانِ) دو قول ہیں، بعض نے کہا ہے: وہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس میں وہ معنی نہیں ہے جو صلوٰۃ کی مثل تعظیم پر دلالت کرتا ہو۔ اور اسی لیے یہ جائز ہے کہ انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام کے سوا کو اس کے ساتھ دعا دی جائے، اور وہ تو قطعی طور پر مرحوم (رحم کئے گئے) ہیں۔ پس تحصیل حاصل لازم آئے گا، حالانکہ ہم صلوٰۃ کے سبب اس سے مستغنی ہو چکے ہیں اور ہمیں اس کی کوئی حاجت نہیں۔ اور بعض نے کہا ہے: وہ جائز ہے، کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام بندوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی مزید رحمت کے مشتاق ہیں، اور اس کا معنی صلوٰۃ کا معنی ہی ہے، پس ایسی کوئی شے نہیں پائی گئی جو اس سے مانع ہو۔ ''زیلعی''۔ اور صحیح جواز ہی ہے جیسا کہ اسے ''زیلعی'' نے کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا ہے اور ''البحر'' میں کہا ہے: اور بعض مشائخ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: آدمی یہ نہ کہے: ارحم محمدًا، اور اکثر مشائخ اس پر ہیں کہ وہ یہ کلمہ توارث کے لیے کہہ سکتا ہے۔ اور علامہ ''سرخسی'' نے کہا ہے: اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ حضرت ''ابو ہریرہ'' اور حضرت ''ابن عباس'' رضی اللہ عنہم کی سند سے اس بارے اثر وارد ہے۔ اور اس لیے بھی کہ کوئی ایک اگرچہ اس کی قدر و عظمت انتہائی بلند ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

37164۔ (قولہ: وَجَوَّزَهُ السُّيُوطِيُّ تَبَعًا لَا اسْتِقْلَالًا) اور علامہ ''سیوطی'' نے اسے بالتبع جائز قرار دیا ہے مستقل طور پر نہیں، یعنی اسے صلواۃ و سلام سے ملا دیا جائے نہ کہ اکیلے، پس اس طرح کہنا جائز ہے: اللّٰھم صل علی محمد وارحم محمدًا۔ اور بغیر صلواۃ کے ارحم محمدًا کہنا جائز نہیں۔

37165۔ (قولہ: فَلْيَكُنِ التَّوْفِيقُ) پس چاہیے کہ ان کے درمیان تطبیق کی جائے، یعنی جواز کے قول کو بالتبع پر محمول کیا جائے گا اور عدم جواز کے قول کو ابتدا پر۔ اور وہ اس کے مخالف ہے جو ''البحر'' میں ہے جہاں انہوں نے کہا ہے: جواز اور عدم جواز میں اختلاف کا محل بلاشبہ وہ ہے جس میں اسے صلواۃ و سلام کے ساتھ ملا کر کہا جاتا ہے، جیسا کہ اسے شیخ الاسلام علامہ ''ابن حجر'' رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔ پس اسی لیے علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ ابتدا رحمہ اللہ نہیں کہا جائے گا۔ علامہ

(وَيُسْتَحَبُّ التَّرَضِّي لِلصَّحَابَةِ) وَكَذَا مَنْ أُخْتُلِفَ فِي نُبُوَّتِهِ كَذِي الْقَرْنَيْنِ وَلُقْمَانَ وَقِيلَ يُقَالُ صَلَّى اللهُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ وَعَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا فِي شَرْحِ الْمُقَدِّمَةِ لِلْقَرْمَانِيِّ (وَالتَّرَحُّمُ لِلتَّابِعِينَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَالْعُبَّادِ وَسَائِرِ الْأَخْيَارِ وَكَذَا يَجُوزُ عَكْسُهُ)

اور صحابہ کرام کے لیے رضی اللہ عنہم کہنا مستحب ہے۔ اور اسی طرح ان کے لیے بھی جن کی نبوت میں اختلاف ہے جیسے ذوالقرنین اور لقمان۔ اور بعض نے کہا ہے: اس طرح کہا جائے گا صلی اللہ علی الانبیاء وعلیہ وسلم جیسا کہ ''القرمانی'' کی ''شرح المقدمہ'' میں ہے۔ اور رحمۃ اللہ علیہ تابعین اور ان کے بعد کے علماء، عبادت گزار اور تمام نیک لوگوں کے لیے ہے۔ اور اسی طرح اس کا برعکس بھی جائز ہے۔

''طحطاوی'' نے کہا ہے: اور چاہیے کہ غفر اللہ لہ و سامحہ جائز نہ ہو، کیونکہ یہ نقص کا وہم دلاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح عفاعنہ ہے اگرچہ قرآن کریم میں واقع ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ اپنے بندے کو جیسے چاہے خطاب کرے، جیسا کہ رعایا کیلئے امراء کو ایسے الفاظ اور انداز سے خطاب کرنا مناسب نہیں ہوتا جس طرح بادشاہ انہیں خطاب کرتے ہیں، اور میں نے ایسا کوئی نہیں دیکھا جو ملائکہ پر ترحم (رحمہ اللہ کہنا) کا درپے ہوا ہو پس چاہیے کہ رجوع کر لیا جائے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جن کی نبوت میں اختلاف ہے کے لیے رضی اللہ عنہ کہنے کا استحباب

37166۔ (قولہ: وَيُسْتَحَبُّ التَّرَضِّي لِلصَّحَابَةِ) اور صحابہ کرام کے لیے رضی اللہ عنہ کہنا مستحب ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے طلب رضا میں مبالغہ کرتے رہے ہیں اور ایسے اعمال میں کوشاں رہے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے، اور جو ابتلا اور آزمائش انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے آتی رہی ہے وہ اس پر انتہائی زیادہ راضی رہے ہیں، پس وہی رضا کے زیادہ حقدار ہیں، اور ان کے سوا دوسرے ان کے ادنیٰ عمل کو بھی نہیں پہنچ سکتے اگرچہ وہ سونے سے بھری ہوئی زمین خرچ کر دیں۔ ''زیلعی''۔

37167۔ (قولہ: وَكَذَا مَنْ أُخْتُلِفَ فِي نُبُوَّتِهِ) اور اسی طرح وہ ہے جس کی نبوت میں اختلاف ہے، امام ''نووی'' نے کہا ہے: وہ جو میں جانتا ہوں کہ یہ یعنی صلوٰۃ کے ساتھ دعا کرنا اس میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ ارجح یہ ہے کہ رضی اللہ عنہ کہا جائے۔ کیونکہ یہ غیر انبیاء کے لیے مرتب ہے، اور ان دونوں کا نبی ہونا ثابت نہیں۔ اور متن کے قول: ولا یصلی علی غیر الأنبیاء و الملائکۃ کا ظاہر یہی ہے اور اسی طرح قاضی ''عیاض'' رحمۃ اللہ علیہ کا سابقہ کلام ہے کہ اس کے لیے صلوٰۃ کے ساتھ دعا نہیں کی جائے گی لیکن اختلاف کے شبہ کی وجہ سے اس کے ساتھ گناہ نہیں ہونا چاہیے۔

37168۔ (قولہ: وَقِيلَ يُقَالُ الخ) اور بعض نے کہا ہے کہ کہا جائے گا الخ، یعنی تاکہ صلوٰۃ اس پر بالتبع ہو جائے اور یہ اس میں سے ہو جائے گی جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور یہی عمدہ ہے جیسا کہ ذہین اور شریف پر یہ امر مخفی نہیں ہے۔

تابعین، علما اور صالحین کے لیے رحمۃ اللہ علیہ کا استحباب

37169۔ (قولہ: وَالْعُبَّادِ) یہ لفظ عین کے ضمہ کے ساتھ عابد کی جمع ہے۔

التَّرَحُّمُ لِلصَّحَابَةِ وَالتَّرَضِّی لِلتَّابِعِينَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ (عَلَى الرَّاجِحِ) ذَكَرَهُ الْقَرْمَانِيُّ وَقَالَ الزَّيْلَعِيُّ الْأَوْلَى أَنْ يَدْعُوَ لِلصَّحَابَةِ بِالتَّرَضِّي وَلِلتَّابِعِينَ بِالرَّحْمَةِ وَلِمَنْ بَعْدَهُمْ بِالْمَغْفِرَةِ وَالتَّجَاوُزِ (وَالْإِعْطَاءُ بِاسْمِ النَّيْرُوزِ وَالْمِهْرَجَانِ لَا يَجُوزُ) أَيْ الْهَدَايَا بِاسْمِ هَذَيْنِ الْيَوْمَيْنِ حَرَامٌ (وَإِنْ قَصَدَ تَعْظِيمَهُ)

یعنی رحمۃ اللہ علیہ صحابہ کرام کے لیے اور رضی اللہ عنہ تابعین اور ان کے بعد آنے والوں کے لیے۔ یہ راجح قول کی بنا پر ہے۔ اسے ''القرمانی'' نے ذکر کیا ہے۔ اور ''زیلعی'' نے کہا ہے: اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ صحابہ کرام کے لیے رضی اللہ عنہ، تابعین کے لیے رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد آنے والوں کے لیے غفر اللہ لہ اور تجاوز اللہ لہ کے ساتھ دعا کرے۔ اور نیروز اور مہرجان کے نام کے ساتھ کسی کو کوئی شے دینا جائز نہیں یعنی ان دونوں کے نام پر ہدایا اور تحائف دینا حرام ہے۔ اور اگر اس نے ان کی تعظیم کا قصد کیا

37170۔ (قولہ: وَقَالَ الزَّيْلَعِيُّ الخ) اور علامہ ''زیلعی'' نے کہا ہے: یہ اپنے ماقبل کے مخالف نہیں ہے مگر اس قول میں: ولمن بعدهم بالمغفرة والتجاوز۔

غیر ضروری چیزوں کے بارے سوال کرنے کا شرعی حکم

اس بارے میں اختلاف اور جھگڑا کرنا مکروہ ہے کہ حضرت لقمان، ذوالقرنین اور ذوالکفل انبیا ہیں یا نہیں۔ اور چاہیے کہ آدمی اس بارے سوال نہ کرے جس کی اسے کوئی حاجت نہیں جیسا کہ وہ یہ کہے: حضرت جبرائیل علیہ السلام کیسے نازل ہوئے اور کون سی صورت پر حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھا، اور جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں انسانی شکل میں دیکھا تو کیا وہ فرشتہ باقی تھے یا نہیں؟ اور جنت اور دوزخ کہاں ہیں، قیامت کب آئے گی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول کب ہوگا؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام افضل ہیں یا حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان دونوں میں سے ذبیح کون ہے؟ اور حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہیں یا نہیں؟ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کون سے دین پر تھے؟ اور حضرت ابو طالب کا دین کیا ہے؟ اور حضرت امام مہدی کون ہیں؟ اور اسی طرح کے دیگر وہ امور جن کی معرفت اور پہچان واجب نہیں۔ اور ان کی تکلیف اور پابندی کا ارادہ بھی نہیں کیا گیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر عظمت وشان والے اسماء کے ساتھ کرنا واجب ہے، پس یہ کہنا جائز نہیں کہ آپ فقیر، غریب، مسکین، فرید اور طویل ہیں۔ اور اہل عرب کی تعظیم کرنا واجب ہے بالخصوص اہل حرمین شریفین کی خاص کر مہاجرین وانصار کی اولاد کی اور خصوصاً خلفائے اربعہ کی اولاد کی رضی اللہ عنہم۔ اسے قدسی نے ''خزانۃ الاکمل'' سے نقل کیا ہے۔

نیروز اور مہرجان کے نام پر تحائف دینے اور کفار کی دعوت میں شریک ہونے کا شرعی حکم

37171۔ (قولہ: وَالْإِعْطَاءُ بِاسْمِ النَّيْرُوزِ وَالْمِهْرَجَانِ) اور یوم نیروز اور مہرجان کے نام پر دینا، یعنی اس طرح کہا جائے کہ یہ اس دن کا ہدیہ ہے، اور اسی کی مثل قول جس میں نیت ظاہر ہو۔ ''طحطاوی''۔ اور نیروز موسم ربیع (بہار) کا پہلا دن اور مہرجان موسم خزاں کا پہلا دن ہے، اور یہ دونوں وہ دن ہیں بعض کفار جن کی تعظیم کرتے ہیں اور ان میں ایک دوسرے کو ہدیئے اور تحائف دیتے ہیں۔

كَمَا يُعَظِّمُهُ الْمُشْرِكُونَ (يَكْفُرُ) قَالَ أَبُو حَفْصٍ الْكَبِيرُ لَوْ أَنَّ رَجُلًا عَبَدَ اللّٰهَ خَمْسِينَ سَنَةً ثُمَّ أَهْدَى لِمُشْرِكٍ يَوْمَ النَّيْرُوزِ بَيْضَةً يُرِيدُ تَعْظِيمَ الْيَوْمِ فَقَدْ كَفَرَ وَحَبِطَ عَمَلُهُ اهـ وَلَوْ أَهْدَى لِمُسْلِمٍ وَلَمْ يُرِدْ تَعْظِيمَ الْيَوْمِ بَلْ جَرَى عَلَى عَادَةِ النَّاسِ لَا يَكْفُرُ وَيَنْبَغِي أَنْ يَفْعَلَهُ قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ نَفْيًا لِلشُّبْهَةِ وَلَوْ شَرَى فِيهِ مَا لَمْ يَشْتَرِهِ قَبْلُ وَإِنْ أَرَادَ تَعْظِيمَهُ كَفَرَ وَإِنْ أَرَادَ الْأَكْلَ كَالشُّرْبِ وَالتَّنْعِيمِ لَا يَكْفُرُ زَيْلَعِيٌّ (وَلَا بَأْسَ

جیسا کہ مشرکین ان کی تعظیم کرتے ہیں تو وہ کافر ہو جائے گا۔ ''ابوحفص الکبیر'' نے کہا ہے: اگر کسی آدمی نے پچاس برس تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی پھر اس نے یوم نیروز کو کسی مشرک کو انڈا ہدیہ کے طور پر دیا اور اس کا مقصود اس دن کی تعظیم ہو تو وہ کافر ہو جائے گا اور اس کا عمل ضائع ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے کسی مسلمان کو ہدیہ دیا اور اس دن کی تعظیم کا ارادہ نہ کیا، بلکہ محض لوگوں کی عادت اور رواج پر عمل کیا تو وہ کافر نہیں ہوگا۔ اور مناسب یہ ہے کہ وہ شبہ کو ختم کرنے کے لیے اس دن سے پہلے یا اس کے بعد ہدیہ وغیرہ دے۔ اور اگر اس نے اس دن ایسی شے خریدی جو اس سے پہلے نہ خریدی ہو اور اس سے ارادہ اس دن کی تعظیم ہو تو وہ کافر ہو جائے گا، اور اگر اس نے کھانے، پینے اور حظ اٹھانے کا ارادہ کیا تو وہ کافر نہیں ہوگا۔ ''زیلعی''۔ اور ٹوپیاں پہننے میں

37172۔ (قولہ: ثُمَّ أَهْدَى لِمُشْرِكٍ الخ) پھر اس نے مشرک کو ہدیہ دیا الخ۔ ''جامع الفصولین'' میں کہا ہے: اور یہ اس کے خلاف ہے کہ اگر کوئی مجوسی اپنے بیٹے کے سر کے حلق کے لیے دعوت کرے اور کوئی مسلمان اس میں حاضر ہو اور وہ اسے کوئی شے بطور ہدیہ دے تو وہ کافر نہیں ہوگا۔ اور بیان کیا گیا ہے کہ مجوسیوں میں سے ایک کثیر المال اور خوشحال تھا، مسلمانوں کے ساتھ اس کے تعلقات اور معاملات بہت اچھے تھے، اس نے اپنے بچے کے سر کے حلق کے لیے ایک دعوت کا انتظام کیا اور بہت سے مسلمان اس کی دعوت میں شریک ہوئے، اور ان میں سے بعض نے اسے ہدایا اور تحائف بھی دیئے، تو یہ عمل ان کے مفتی پر شاق گزرا، اس نے یہ واقعہ اپنے استاذ ''علی السعدی'' کی طرف لکھا کہ اپنے شہر کے باسیوں کی خبر لو وہ تو مرتد ہو گئے ہیں اور وہ مجوسی کے شعار میں حاضر ہوئے ہیں۔ اور اس نے ان پر سارا قصہ بیان کیا۔ تو انہوں نے پھر اس کی طرف لکھا: بلاشبہ اہل ذمہ کی مطلق دعوت کو قبول کرنا شرع میں جائز ہے، اور احسان کا بدلہ دینا مروت ہے، اور سر کا حلق کرانا اہل ضلالت (گمراہ لوگ) کے شعار میں سے نہیں ہے، اور اتنی مقدار کے ساتھ کسی مسلمان کے مرتد ہونے کا حکم لگانا ممکن نہیں۔ اور مسلمانوں کے لیے اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ اس طرح کے احوال میں فرحت و سرور کے اظہار کے لیے ان کے ساتھ موافقت نہ کریں۔

37173۔ (قولہ: وَالتَّنْعِيمِ) ''زیلعی'' کی عبارت ہے: والتنعم یعنی عین کی تشدید کے ساتھ۔

ٹوپیاں پہننے کا شرعی حکم

37174۔ (قولہ: وَلَا بَأْسَ) یہ البؤس سے ہے: یعنی شریعت کی جانب سے اس پر کوئی شدت اور سختی نہیں ہے۔ یا یہ الباس سے ہے اور اس کا معنی جرأت کرنا ہے یعنی اس کے کرنے میں کوئی جرات نہیں ہے۔ کیونکہ یہ امر مشروع ہے۔ اور اس میں اس پر دلالت ہے کہ اس کے فاعل کو اجر نہیں دیا جائے گا اور نہ وہ اس کے ساتھ گنہگار ہوگا۔ اسے ''حموی'' نے ''المفتاح''

بِلُبْسِ الْقَلَانِسِ) غَيْرَ حَرِيرٍ وَكِرْبَاسٍ عَلَيْهِ إِبْرَيْسَمٌ فَوْقَ أَرْبَعِ أَصَابِعَ سِرَاجِيَّةٌ وَصَحَّ أَنَّهُ حَرَامٌ لُبْسُهَا (وَنُدِبَ لُبْسُ السَّوَادِ وَإِرْسَالُ ذَنَبِ الْعِمَامَةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ إِلَى وَسَطِ الظَّهْرِ) وَقِيلَ لِمَوْضِعِ الْجُلُوسِ وَقِيلَ شِبْرٌ (وَيُكْرَهُ) أَيْ لِلرِّجَالِ كَمَا مَرَّ فِي بَابِ الْكَرَاهِيَةِ (لُبْسُ الْمُعَصْفَرِ وَالْمُزَعْفَرِ) لِقَوْلِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا وَنَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُبْسِ الْمُعَصْفَرِ

کوئی حرج نہیں ہے جبکہ وہ ریشم یا ایسا کپڑا جس پر چار انگلیوں سے زیادہ ریشم لگا ہو سے نہ بنی ہوئی ہوں۔ ''سراجیہ''۔ اور یہ صحیح ہے کہ ریشم کی بنی ہوئی پہننا حرام ہے۔ اور سیاہ لباس پہننا اور پگڑی کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان پیٹھ کے درمیان تک چھوڑنا مستحب ہے، اور بعض نے کہا ہے: بیٹھنے کے مقام تک اور بعض نے کہا ہے: ایک بالشت شملہ مستحب ہے اور مردوں کے لیے جیسا کہ باب الکراہیۃ میں گزر چکا ہے۔ کسم اور زعفران سے رنگا ہوا لباس پہننا مکروہ ہے، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کسم سے رنگا ہوا لباس پہننے سے منع فرمایا ہے

سے نقل کیا ہے۔ ''طحطاوی''۔

میں کہتا ہوں: اس کا غالب استعمال ان امور میں ہوتا ہے جنہیں ترک کرنا اولیٰ اور بہتر ہوتا ہے۔

37175۔ (قولہ: الْقَلَانِسِ) یہ قلنسوۃ کی جمع ہے یہ لفظ قاف کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ یعنی کانوں والی ٹوپی جو پگڑی کے نیچے پہنی جاتی ہے۔ ''طحطاوی''۔

37176۔ (قولہ: غَيْرَ حَرِيرٍ الخ) جبکہ وہ ریشم کی نہ ہو الخ، یہ ''مسکین'' کے قول کا رد ہے اس حیثیت سے کہ انہوں نے کہا ہے: لفظ جمع ریشم، سونے، چاندی، کھدڑ، سیاہ اور سرخ سبھی قسم کی ٹوپی کو شامل ہے۔

37177۔ (قولہ: وَصَحَّ أَنَّهُ حَرَامٌ لُبْسُهَا) اور یہ صحیح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پہنا ہے، اسی طرح بعض نسخوں میں ہے، اور اسی کی مثل ''الدر المنتقی'' میں ہے: یعنی آپ نے ٹوپیاں پہنی ہیں۔ اور ''مصنف'' اور ''زیلعی'' نے اسے ''الذخیرۃ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور بعض نسخوں میں ہے: اور یہ صحیح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یعنی ریشم اور سونے کی ٹوپیاں پہننے کو حرام قرار دیا ہے۔ تامل۔

سیاہ وسرخ لباس پہننے کا شرعی حکم

37178۔ (قولہ: وَنُدِبَ لُبْسُ السَّوَادِ) اور سیاہ لباس پہننا مستحب ہے۔ کیونکہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''السیر الکبیر'' باب الغنائم میں ایک حدیث ذکر کی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ سیاہ لباس پہننا مستحب ہے۔ اور یہ کہ جو کوئی اپنی پگڑی نئے سرے سے باندھنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے ایک ایک بل کر کے کھولے۔ کیونکہ یہ طریقہ اس سے اچھا ہے کہ وہ ایک ہی بار سر سے اٹھا کر اسے زمین پر پھینک دے اور یہ کہ پگڑی کا شملہ دونوں کندھوں کے درمیان چھوڑنا مستحب ہے۔ اس کی مکمل بحث ''زیلعی'' میں ہے۔

وَقَالَ إِيَّاكُمْ وَالْأَحْمَرَ فَإِنَّهُ زِيُّ الشَّيْطَانِ وَيُسْتَحَبُّ التَّجَمُّلُ وَأَبَاحَ اللهُ الزِّينَةَ بِقَوْلِهِ تَعَالَى قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ الْآيَةَ وَخَرَجَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِدَاءٌ قِيمَتُهُ أَلْفُ دِينَارٍ زَيْلَعِيٌّ (وَلِلشَّابِّ الْعَالِمِ أَنْ يَتَقَدَّمَ عَلَى الشَّيْخِ الْجَاهِلِ)

اور ارشاد فرمایا ہے: تم سرخ سے بچو کیونکہ وہ شیطان کا لباس ہے''۔ اور زیب وزینت کا اہتمام کرنا مستحب ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد کے ساتھ زینت کو مباح قرار دیا ہے: قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ الآیہ (اعراف: 32)۔ (آپ فرمائیے کس نے حرام کیا زینت کو جو پیدا کی اس نے اپنے بندوں کے لیے الخ) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اس حال میں کہ آپ جو چادر لیے ہوئے تھے اس کی قیمت ایک ہزار دینار تھی۔ ''زیلعی''۔ اور جوان عالم کو بوڑھے جاہل پر مقدم کرنا مباح ہے

37179۔ (قولہ: وَقَالَ إِيَّاكُمْ وَالْأَحْمَرَ) اور فرمایا: تم سرخ سے بچو، جو ''زیلعی'' میں ہے: ایا کم والحمرۃ کیونکہ یہ شیطان کا لباس ہے۔

زیب وزینت اختیار کرنے کا استحباب

37180۔ (قولہ: وَيُسْتَحَبُّ التَّجَمُّلُ الخ) اور زیب وزینت کرنا مستحب ہے، حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان اللہ تعالیٰ اذا أنعم علی عبدہ أحب أن یری أثر نعمتہ علیہ (1) (بے شک اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے پر انعام واحسان فرماتا ہے تو وہ پسند کرتا ہے کہ وہ اس پر اپنی نعمت کا اثر دیکھے)۔ اور امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ ایسی چادر لیا کرتے تھے جس کی قیمت چار سو دینار تھی۔ اور آپ اپنے اصحاب کو اس کے بارے تلقین کرتے رہتے تھے اور فرماتے تھے، کیونکہ لوگ تمہاری طرف رحمت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ انتہائی نفیس اور عمدہ لباس پہنتے تھے، اور فرماتے تھے: بلاشبہ میری بیویاں اور لونڈیاں ہیں، میں اپنے آپ کو مزین رکھتا ہوں تا کہ وہ میرے سوا کسی کی طرف نہ دیکھیں۔ ایک شیخ سے عرض کی گئی: کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسی قمیص نہیں پہنتے تھے جس پر اتنے پیوند لگے ہوتے تھے؟ تو آپ نے فرمایا: آپ حکمت کے سبب ایسا کرتے تھے وہ یہ کہ آپ امیر المؤمنین تھے، اور آپ کے عمال آپ کی اقتدا کرتے تھے، اور بسا اوقات ان کے پاس مال نہ ہوگا تو پھر وہ مسلمانوں سے (بالجبر) لیں گے۔ ''ذخیرہ''، ملخصاً۔

37181۔ (قولہ: قِيمَتُهُ أَلْفُ دِينَارٍ) اس کی قیمت ایک ہزار دینار تھی، ''شارح'' نے ''مصنف'' کی اتباع کی ہے، اور وہ جو ''زیلعی'' میں ہے: وہ ایک ہزار درہم مذکور ہے۔

عالم کی فضیلت

37182۔ (قولہ: وَلِلشَّابِّ الْعَالِمِ أَنْ يَتَقَدَّمَ الخ) اور نوجوان عالم کے لیے آگے ہونا مباح ہے الخ، کیونکہ وہ

1۔ کنز العمال، الباب الاول فی الترغیب، جلد 6، صفحہ 640، حدیث نمبر 17173، مکتبۃ التراث الاسلامی

وَلَوْ قُرَشِيًّا قَالَ تَعَالَى وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ - فَالرَّافِعُ هُوَ اللهُ فَمَنْ يَضَعُهُ يَضَعُهُ اللهُ فِي جَهَنَّمَ وَهُمْ أُولُو الْأَمْرِ عَلَى الْأَصَحِّ وَوَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ بِلَا خِلَافٍ (اخْتَضَبَ لِأَجْلِ التَّزَيُّنِ لِلنِّسَاءِ وَالْجَوَارِي جَازَ) فِي الْأَصَحِّ وَيُكْرَهُ بِالسَّوَادِ

اگر چہ وہ بوڑھا قریشی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ۔ اور وہ بلندی عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے، پس جو انہیں گھٹیا اور ذلیل جانے گا اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں ڈالے گا۔ اور اصح قول کے مطابق وہی اولوالامر ہیں اور بلا اختلاف وہی انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کے وارث ہیں۔ کسی نے عورتوں اور اپنی حلال لونڈیوں کے لیے زیب و زینت کے واسطے خضاب لگایا تو اصح قول کے مطابق یہ جائز ہے اور سیاہ خضاب لگانا مکروہ ہے

اس سے افضل ہے، اسی لیے اسے نماز میں مقدم کیا جاتا ہے۔ اور وہ (نماز) ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے، اور وہ ایمان کے بعد متصل ہے۔ ''زیلعی''۔

اور ''الرملی'' نے اپنے فتاویٰ میں جاہل کو عالم پر مقدم کرنے کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے۔ اس لیے کہ یہ اس کے درجہ کو عوام الناس کے نزدیک کم کرنے کا شعور دلاتا ہے اور اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مخالف ہے: يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (المجادلہ: 11) (اللہ تعالیٰ ان کے جو تم میں سے ایمان لے آئے اور جن کو علم دیا گیا درجات بلند فرمادے گا۔) یہاں تک کہ یہ کہا: اس پر اجماع کیا گیا ہے۔ پس مقدم کرنے والے نے معصیت کا ارتکاب کیا ہے اسے تعزیر لگائی جائے گی۔

37183۔ (قولہ: فَمَنْ يَضَعُهُ) یعنی جو عالم کی تذلیل کرے گا۔

37184۔ (قولہ: وَهُمْ أُولُو الْأَمْرِ عَلَى الْأَصَحِّ) یعنی تفسیری اقوال میں سے اصح قول کے مطابق وہی اولی الامر ہیں جو کہ اس ارشاد باری تعالیٰ کے تحت ذکر کیے گئے ہیں: أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اپنے میں سے اولی الامر کی) جیسا کہ اسے ''زیلعی'' نے ذکر کیا ہے۔ اور ''المنح'' میں ''البزازیہ'' سے ہے: اور ''الزندویستی'' نے کہا ہے: جاہل پر عالم کا حق اور شاگرد پر استاذ کا حق ایک اور برابر برابر ہے، اور وہ یہ کہ وہ اس سے پہلے کلام کا آغاز نہ کرے، اور وہ اس کی عدم موجودگی میں اس کی جگہ پر نہ بیٹھے، اور اس پر اس کا کلام نہ لوٹائے، اور چلنے میں اس سے آگے نہ چلے، اور بیوی پر خاوند کا حق اس سے بھی زیادہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ وہ ہر مباح عمل میں اس کی اطاعت کرے۔ اور خلف سے منقول ہے کہ شدید زلزلہ آیا تو انہوں نے طلبا کو دعا کرنے کا حکم دیا۔ تو اس بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: ان میں سے نیک دوسرے نیک لوگوں سے بہتر ہیں۔ اور ان کا شر دوسروں کے شر سے بہتر ہے۔

سیاہ خضاب کا شرعی حکم

37185۔ (قولہ: جَازَ فِي الْأَصَحِّ) اصح قول کے مطابق جائز ہے، اور یہی حضرت امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی

وَقِیلَ لَا وَمَرَّ فِی الْحَظْرِ (کَمَا یَجُوزُ أَنْ یَأْکُلَ مُتَّکِئًا) فِی الصَّحِیحِ لِمَا رُوِیَ أَنَّهُ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَکَلَ مُتَّکِئًا مَجْمَعُ الْفَتَاوَی (أَخَذَتْهُ الزَّلْزَلَةُ فِی بَیْتِهِ فَفَرَّ إِلَی الْفَضَاءِ لَا یَکْرَهُ) بَلْ یَسْتَحِقُّ

اور بعض نے کہا: مکروہ نہیں ہے۔ اور یہ کتاب الحظر میں گزر چکا ہے۔ جیسا کہ یہ جائز ہے کہ وہ تکیہ لگا کر کھانا کھائے۔ یہی صحیح روایت ہے اس لیے کہ روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکیہ لگا کر کھانا کھایا۔ ''مجمع الفتاویٰ''۔ کسی کے گھر میں زلزلہ شروع ہو گیا اور وہ باہر صحن اور میدان کی طرف بھاگ گیا تو یہ مکروہ نہیں ہے بلکہ وہ اس کا مستحق ہے

ہے۔ تحقیق آپ نے فرمایا: مجھے یہ پسند ہے کہ میری بیوی میرے لیے بناؤ سنگار کرے جیسا کہ اسے یہ پسند ہے کہ میں اس کے لیے زیب و زینت کروں۔ اور اصح یہ ہے کہ جنگ وغیرہ میں اس کا کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اس بارے میں روایت مختلف ہے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی عمر مبارک میں ایسا کیا۔ اور اصح یہ ہے کہ نہیں۔ اور ''المحیط'' میں سیاہ خضاب کے بارے میں تفصیل ہے۔ عام مشائخ نے کہا ہے: بلا شبہ یہ مکروہ ہے۔ اور بعض نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ رہا سرخ خضاب تو وہ مردوں کے لیے سنت ہے بالخصوص مسلمانوں کے لیے۔ ''منح''، ملخصاً۔ اور ''الاکمل'' کی ''شرح المشارق'' میں ہے: اور مختار یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی وقت خضاب کیا اور اکثر اوقات اسے چھوڑ دیا۔ اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ مہندی اور وسمہ کے ساتھ رنگنا اچھا ہے جیسا کہ ''الخانیہ'' میں ہے۔ امام ''النووی'' نے کہا ہے: اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ مرد اور عورت کے لیے اپنے بڑھاپے کو زرد یا سرخ رنگ کے ساتھ خضاب کرنا مستحب ہے، اور اسے سیاہ رنگ کا خضاب لگانا اصح قول کے مطابق حرام ہے، کیونکہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: غَیِّرُوا هٰذَا الشَّیْبَ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ (1) (تم اس بڑھاپے کو تبدیل کرو اور سیاہ رنگ سے اجتناب کرو)۔ ''حموی'' نے کہا ہے: اور یہ حکم ان کے لیے ہے جو جنگ میں شریک ہونے والے نہ ہوں۔ اور لشکریوں کے حق میں رعب اور خوف پیدا کرنے کے لیے حرام نہیں ہے۔ اور شاید یہی ان کا محمل ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جنہوں نے یہ فعل کیا۔ ''طحطاوی''۔

ٹیک لگا کر کھانا کھانا جائز ہے

37186۔ (قولہ: کَمَا یَجُوزُ أَنْ یَأْکُلَ مُتَّکِئًا فِی الصَّحِیحِ) جیسا کہ یہ جائز ہے کہ وہ تکیہ لگا کر کھائے یہ صحیح روایت میں ہے، ہم نے پہلے کتاب الحظر میں ذکر کر دیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ مختار مذہب میں ہے یعنی اسے ترک کرنا اولیٰ ہے۔ اور یہ تب ہے جب وہ تکبر کی وجہ سے نہ ہو ورنہ وہ حرام ہے۔

37187۔ (قولہ: لِمَا رُوِیَ الخ) اس لیے کہ جو ''صحیح البخاری'' وغیرہ میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا (2)''۔ ''ابن حجر'' نے ''شرح الشمائل'' میں امام ''نسائی'' سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

1۔ سنن نسائی، کتاب الزینۃ، باب نہی عن الخضاب بالسواد، جلد 3، صفحہ 441، حدیث نمبر 4988

2۔ صحیح بخاری، کتاب الاطعمۃ، باب الاکل متکئاً، جلد 3، صفحہ 205، حدیث نمبر 4979

لِفِرَارِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَائِطِ الْمَائِلِ (وَإِذَا خَرَجَ مِنْ بَلْدَةٍ بِهَا الطَّاعُونُ
اور اس کے لیے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھکی ہوئی دیوار سے فرار کی وجہ سے یہ امر مستحب ہے۔ اور جب وہ اس شہر سے نکلے جس میں طاعون (وبا) ہو:

کو تکیہ لگا کر کھاتے ہوئے کبھی بھی نہیں دیکھا گیا۔ لیکن ''ابن ابی شیبہ'' نے حضرت ''مجاہد'' رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے ایک بار تکیہ لگائے ہوئے کھایا۔ بلاشبہ یہ صحیح ہے اور یہ زیادتی مقبول ہے۔ اور اس کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جسے انہوں نے ''ابن شاہین'' سے اور انہوں نے ''عشاء بن یسار'' سے روایت کیا ہے: حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکیہ لگا کر کھاتے دیکھا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منع کیا۔ اور اکثر ائمہ نے اتکا کی تفسیر دو جانبوں میں سے ایک کی طرف جھکنے کے ساتھ کی ہے کیونکہ یہ کیفیت کھانے والے کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ اور ضعیف سند کے ساتھ وارد ہے: حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ آدمی کھاتے وقت اپنے بائیں ہاتھ پر ٹیک لگائے (1)۔ امام ''مالک'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اور یہ بھی اتکا (تکیہ لگانے) کی ایک قسم ہے۔ اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ (تکیہ لگانا) کسی معین صفت اور حالت کے ساتھ مختص نہیں۔ ملخصاً۔ اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکیہ لگائے ہوئے کھایا اور پھر اسے چھوڑ دیا جب اس سے منع کیا گیا۔ پس اس میں جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ ہاں بعض شافعیہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ وہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے۔ اور ان کے نزدیک اصح یہ ہے کہ وہ عام ہے۔ ''علقمی'' نے ''جامع صغیر'' کی شرح میں کہا ہے: اتکا کی صفت اور حالت میں اختلاف ہے، پس بعض نے کہا ہے کہ یہ کھانے کے لیے بیٹھنے پر قادر ہونا ہے کسی بھی صفت پر ہو، اور بعض نے کہا ہے: وہ کسی ایک پہلو پر جھک جائے۔ بعض نے کہا ہے: وہ بائیں ہاتھ کے ساتھ زمین پر ٹیک لگانا ہے۔ ان میں سے پہلا قول معتمد علیہ ہے اور وہ دوسرے دونوں قولوں کو شامل ہے۔ اور اس کے ترک کرنے میں حکمت یہ ہے کہ یہ عجمی حکمرانوں اور بڑوں کا فعل ہے، اور یہ کہ یہ زیادہ کھانے کی طرف داعی ہے، کھانے کے لیے بیٹھنے کی حالتوں میں سے بہترین حالت سرین کے بل بیٹھنا اور گھٹنوں کو کھڑا کرنا ہے، پھر گھٹنوں کے بل دوزانو بیٹھنا اور پاؤں کو ظاہر کرنا ہے، پھر دائیں ٹانگ کو کھڑا کرنا اور بائیں پر بیٹھنا ہے۔ اس کی مکمل بحث اسی میں ہے۔

فرع

''الکنز'' کے آخر میں ہے: حافظ قرآن کو چاہیے کہ وہ ہر چالیس دن میں ایک بار قرآن کریم ختم کرے۔ واللہ اعلم

طاعون زدہ شہر سے نکلنے کا شرعی حکم

37188۔ (قولہ: وَإِذَا خَرَجَ مِنْ بَلْدَةٍ بِهَا الطَّاعُونُ) اور جب وہ اس شہر سے نکلے جس میں وبا ہو، اس میں اس عبارت کی زیادتی مناسب ہے۔ أو دخل یا وہ اس میں داخل ہو، تا کہ وہ اپنے مابعد کلام کے مناسب ہو جائے۔ ''طحطاوی''۔

1۔ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح (مترجم) باب (تکیہ لگا کر نہ کھانا، جلد 8، صفحہ 148، مکتبہ رحمانیہ

فَإِنْ عَلِمَ أَنَّ كُلَّ شَيْءٍ بِقَدَرِ اللهِ تَعَالَى فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَخْرُجَ وَيَدْخُلَ وَإِنْ كَانَ عِنْدَهُ أَنَّهُ لَوْ خَرَجَ نَجَا وَلَوْ دَخَلَ ابْتُلِيَ بِهِ كُرِهَ لَهُ ذَلِكَ) فَلَا يَدْخُلُ وَلَا يَخْرُجُ صِيَانَةً لِاعْتِقَادِهِ وَعَلَيْهِ حُمِلَ النَّهْيُ فِي الْحَدِيثِ الشَّرِيفِ مَجْمَعُ الْفَتَاوَى (فَقِيهٌ فِي بَلْدَةٍ لَيْسَ فِيهَا غَيْرُهُ أَفْقَهُ مِنْهُ يُرِيدُ أَنْ يَغْزُوَ لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ) بَزَّازِيَّةٌ وَغَيْرُهَا (قَضَى الْمَدْيُونُ الدَّيْنَ الْمُؤَجَّلَ قَبْلَ الْحُلُولِ أَوْ مَاتَ) فَحَلَّ بِمَوْتِهِ (فَأَخَذَ مِنْ تَرِكَتِهِ لَا يَأْخُذُ مِنَ الْمُرَابَحَةِ الَّتِي جَرَتْ بَيْنَهُمَا إِلَّا بِقَدْرِ مَا مَضَى مِنَ الْأَيَّامِ وَهُوَ جَوَابُ الْمُتَأَخِّرِينَ) قُنْيَةٌ

تو اگر اس کا نظریہ یہ ہو کہ ہر شے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ ہوتی ہے تو پھر کوئی حرج نہیں کہ وہ وہاں سے نکلے اور اس میں داخل ہو۔ اور اگر اس کا نظریہ یہ ہو کہ اگر وہ وہاں سے نکلا تو نجات پا جائے گا اور اگر اس میں داخل ہوا تو اس میں مبتلا ہو جائے گا تو یہ اس کے لیے مکروہ ہے۔ پس وہ اپنے اعتقاد کو بچانے کے لیے نہ اس میں داخل ہو اور نہ وہاں سے نکلے، اور اسی پر اس نہی کو محمول کیا گیا ہے جو حدیث شریف میں مذکور ہے۔ ''مجمع الفتاویٰ''۔ ایک شہر میں ایک فقیہ ہو اس میں اس سے بڑھ کر اور کوئی فقیہ نہ ہو اور وہ جہاد میں جانے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کے لیے یہ جائز نہیں۔ ''بزازیہ'' وغیرہ۔ مدیون (مقروض) نے دین موجل مقررہ مدت آنے سے پہلے ادا کر دیا یا وہ فوت ہو گیا اور وہ قرض اس کی موت کے ساتھ دین حال ہو گیا تو وہ اس کے ترکہ سے لے لے وہ اس منفعت سے نہیں لے گا جو ان دونوں (دائن اور مدیون) کے درمیان قائم ہوئی مگر صرف اتنی مقدار جو دن گزر چکے ہیں، اور یہی متاخرین کا جواب ہے۔ ''قنیہ''۔

37189۔ (قولہ: لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ) اس کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں، یہ حکم تب ہے جب وہ جہاد فرض عین نہ ہو، کیونکہ مسلمانوں کو اس کا نفع اس جہاد کے ثواب سے کہیں زیادہ ہے جو اس صفت کے ساتھ ہو یعنی فرض عین نہ ہو بلکہ فرض کفایہ ہو۔

37190۔ (قولہ: قَضَى الْمَدْيُونُ الخ) مدیون ادا کر دے الخ، اس نے یہ فائدہ دیا ہے کہ دین جب موجل ہو اور مدیون مقررہ مدت آنے سے پہلے اسے ادا کر دے تو دائن (قرض خواہ) کو قبول کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے جیسا کہ ''الخانیہ'' میں ہے۔

37191۔ (قولہ: لَا يَأْخُذُ مِنَ الْمُرَابَحَةِ الخ) وہ منفعت سے نہیں لے گا، الخ اس کی صورت یہ ہے: اس نے کوئی شے دس درہم نقد کے عوض خریدی اور دوسرے کو بیس درہم کے عوض ادھار بیچ دی اور اس کی مدت دس مہینے مقرر کی، پس جب وہ اسے پانچ مہینے مکمل ہونے کے بعد ادا کر دے یا اس کے بعد وہ فوت ہو جائے تو وہ منافع میں سے پانچ درہم لے لے اور پانچ چھوڑ دے۔ ''طحطاوی''۔

میں کہتا ہوں: اور یہ ظاہر ہے کہ اس کی مثل وہ ہے کہ اگر وہ اسے قرض دے اور اسے ثمن معلوم کے ساتھ سامان بیچ دے اور اس کی مدت مقرر کر دے تو اس کے لیے سامان کے ثمن میں سے صرف اتنے دنوں کی مقدار کا حساب لگایا جائے گا جو گزر چکے ہیں۔ تامل۔

وَبِهِ أَفْتَى الْمَرْحُومُ أَبُو السُّعُودِ أَفَنْدِي مُفْتِي الرُّومِ وَعَلَّلَهُ بِالرِّفْقِ لِلْجَانِبَيْنِ وَقَدْ قَدَّمْتُهُ قَبْلَ فَصْلِ الْقَرْضِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ فَرْعٌ فِي آخِرِ الْكَنْزِ يَنْبَغِي لِحَافِظِ الْقُرْآنِ فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ يَوْمًا أَنْ يَخْتِمَ مَرَّةً وَاللّٰهُ أَعْلَمُ

اوراسی کے مطابق مرحوم ''ابوالسعو دافندی'' مفتی الروم نے فتویٰ دیا ہے۔ اوراس کی علت دونوں جانبوں کے لیے نرمی کو قرار دیا ہے۔ اور میں نے اسے فصل القرض سے پہلے بیان کر دیا ہے۔ واللہ اعلم۔ فرع: الکنز کے آخر میں ہے حافظ قرآن کو چاہیے کہ وہ چالیس دنوں میں ایک دفعہ قرآن حکیم ختم کرے۔ واللہ اعلم

37192_(قولہ: وَعَلَّلَهُ الخ) علامہ ''حانوتی'' نے ربا کے شبہ سے دوری کے ساتھ اس کی علت بیان کی ہے، کیونکہ یہ ربا کے باب میں حقیقت کے ساتھ ملحق ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نفع اُجل (مدت) کے مقابلہ میں ہے، کیونکہ اجل اگرچہ مال نہیں ہے اور ثمن میں سے کوئی شے اس کے مقابل نہیں ہوتی لیکن فقہاء نے مرابحہ میں اسے مال شمار کیا ہے جب اُجل (مدت) ثمن کی زیادتی کے مقابلہ میں ذکر کی جائے۔ پس اگر وہ کل ثمن مدت گزرنے سے پہلے لے لے تو اس کا لینا بلاعوض ہو گا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

کِتَابُ الْفَرَائِض

هِيَ عِلْمٌ بِأُصُولٍ مِنْ فِقْهٍ وَحِسَابٍ تُعَرِّفُ حَقَّ كُلٍّ مِنْ التَّرِكَةِ وَالْحُقُوقُ هَاهُنَا خَمْسَةٌ بِالِاسْتِقْرَاءِ لِأَنَّ الْحَقَّ إمَّا لِلْمَيِّتِ أَوْ عَلَيْهِ أَوْ لَا وَلَا الْأَوَّلُ التَّجْهِيزُ وَالثَّانِي إمَّا أَنْ يَتَعَلَّقَ بِالذِّمَّةِ وَهُوَ الدَّيْنُ الْمُطْلَقُ أَوْ لَا وَهُوَ الْمُتَعَلِّقُ بِالْعَيْنِ وَالثَّالِثُ إمَّا اخْتِيَارِيٌّ وَهُوَ الْوَصِيَّةُ أَوْ اضْطِرَارِيٌّ وَهُوَ الْمِيرَاثُ وَسُمِّيَ فَرَائِض

فرائض کا بیان

یہ فقہ اور حساب کے ایسے اصولوں کا علم ہے جن کے ساتھ ترکہ میں سے ہر وارث کا حق معلوم ہوتا ہے۔ اور یہاں حقوق پانچ ہیں۔ یہ استقرا سے معلوم ہوا ہے۔ کیونکہ حق یا تو میت کے لیے ہوگا یا میت پر ہوگا یا نہ یہ ہوگا اور نہ وہ ہوگا۔ پہلا تجہیز ہے۔ اور دوسرا یا تو ذمہ سے متعلق ہوگا۔ اور وہ دین مطلق ہے یا نہ ہوگا اور وہ وہ ہے جو عین سے متعلق ہو۔ اور تیسرا یا اختیاری ہوگا اور وہ وصیت ہے یا اضطراری ہوگا اور وہ میراث ہے۔ اور اسے فرائض کا نام دیا گیا ہے

اس کی مناسبت وصیت کے ساتھ یہ ہے کہ وہ اخت میراث ہے، اور اس لیے کہ وہ مرض موت میں واقع ہوتی ہے، اور میراث کی تقسیم اس کے بعد ہوتی ہے اسی لیے اسے اس سے موخر ذکر کیا گیا ہے۔ پھر فرائض فریضہ کی جمع ہے، اور یہ وہ ہوتا ہے جو مکلف پر فرض ہوتا ہے۔ اور فرائض الابل سے مراد وہ ہیں جو اونٹوں میں فرض ہوتے ہیں جیسا کہ پچیس اونٹوں میں ایک بنت مخاض۔ اور ہر مقدار اور مقرر کو فرائض کا نام دیا گیا ہے۔ پس میراث کے حصوں کو بھی فرائض کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ اپنے اصحاب کے لیے مقدر اور مقرر ہوتے ہیں۔ پھر مسائل میراث کے علم کو علم الفرائض کہا گیا ہے۔ اور اس کے عالم کو فرضی، فارض اور فراض کہا جاتا ہے۔ ''مغرب''۔

علم الفرائض کی تعریف، ارکان شرائط اور اصول

37193۔ (قولہ: هِيَ عِلْمٌ بِأُصُولٍ الخ) یعنی یہ ایسے قواعد وضوابط کا علم ہے جو ورثا میں سے ہر ایک کا حق بیان کرتے ہیں یعنی اس مقدار کو جس کا ترکہ میں سے وہ مستحق ہوتا ہے۔ اور اس میں کوئی خفا نہیں ہے کہ ان اصولوں میں سے جو ذکر کے ساتھ متصف ہیں ایسے اصول بھی ہیں جو میراث اور حجب سے منع کے ساتھ متعلق ہیں، بلکہ یہی اس میں عمدہ اور اصل ہیں۔ کیونکہ ان کے بغیر حقوق معلوم نہیں ہو سکتے۔ اسی لیے فقہا نے کہا ہے: جسے ان کے بارے مہارت نہ ہو اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ حصہ تقسیم کرے۔ اور ان میں وارث کے صاحب فرض یا عصبہ یا ذی رحم ہونے کی معرفت، اور اسباب میراث، ضرب، تصحیح، عول، رد اور دیگر امور کی معرفت داخل ہیں۔ فافہم۔

لِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالَى قَسَمَهُ بِنَفْسِهِ وَأَوْضَحَهُ وُضُوحَ النَّهَارِ بِشَمْسِهِ وَلِذَا سَمَّاهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِصْفَ الْعِلْمِ لِثُبُوتِهِ بِالنَّصِّ لَا غَيْرُ وَأَمَّا غَيْرُهُ

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بذات خود اسے تقسیم کیا ہے اور اسے اس طرح واضح اور ظاہر کر دیا ہے جیسے آفتاب کے ساتھ دن کو روشن اور ظاہر کیا ہے۔ اور اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نصف علم قرار دیا ہے کیونکہ اس کا ثبوت نص سے ہے نہ کہ کسی اور سے۔ اور رہے اس کے علاوہ دیگر علوم

اور فرائض سے مراد مقررہ حصص ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔ پس اس میں عصبات اور ذورحم داخل ہیں کیونکہ ان کے حصص مقرر ہیں اگرچہ وہ تقدیر غیر صریح کے ساتھ ہیں۔ اور اس علم کا موضوع ترکات ہے۔ اور اس کی غایت: حقوق کو ان کے اصحاب تک پہنچانا ہے۔ اور اس کے ارکان تین ہیں: وارث، مورث اور موروث (وہ شے جس کا وارث بنایا جائے)۔ اور اس کی شرائط تین ہیں: مورث کا فوت ہونا حقیقتاً ہو یا حکماً جیسے مفقود (گمشدہ)، یا تقدیراً ہو جیسا کہ جنین جس میں غرہ ہو، اور اس کی موت کے وقت وارث کا موجود ہونا چاہے وہ حقیقتاً زندہ ہو یا تقدیراً جیسا کہ حمل، اور اس کی جہت ارث کا معلوم ہونا اور اس کے اسباب اور موانع عنقریب آئیں گے۔ اور اس کے اصول تین ہیں: کتاب اللہ، سنت پس نانی کی وراثت حضرت مغیرہ اور حضرت ابن سلمہ رضی اللہ عنہما کی شہادت سے ثابت ہے، اور اجماع امت چنانچہ دادی کی وراثت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد سے ثابت ہے جو عموم اجماع میں داخل ہے، اور پھر اسی پر اجماع ہوا ہے۔ اور یہاں قیاس کا کوئی عمل دخل نہیں بخلاف اس کے جسے دادی میں اس کا گمان ہوا ہے۔ تحقیق تو نے اس کا جواب اور ان اصولوں سے اس کی استمداد کو جان لیا ہے۔ اسے ''الدرر المنتقی'' میں بیان کیا ہے۔

37194۔ (قولہ: لِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالَى قَسَمَهُ) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے تقسیم کیا ہے۔ اس میں اولیٰ لفظ قدّرہٗ ہے جیسا کہ ''زیلعی'' نے کہا ہے کیونکہ وہ فرض کے معنی میں ہے۔ تامل۔

37195۔ (قولہ: بِنَفْسِهِ) بذات خود، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی تقدیر کسی مقرب فرشتے اور کسی نبی مرسل کے سپرد نہیں کی بخلاف دیگر تمام احکام کے جیسا کہ نماز، زکوٰۃ اور حج وغیرہ۔ کیونکہ ان کے بارے میں نصوص مجمل ہیں، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (الحج: 78) (اے دین حق کے علمبردارو! صحیح صحیح ادا کیا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ) وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ (آل عمران: 97) (اور اللہ کے لیے فرض ہے لوگوں پر حج اس گھر کا) بلاشبہ سنت نے انہیں بیان کیا ہے۔ ''زیلعی''۔

علم الفرائض کا ثبوت

37196۔ (قولہ: لِثُبُوتِهِ بِالنَّصِّ لَا غَيْرُ) اس لیے کہ اس کا ثبوت نص سے ہے نہ کہ نص کے علاوہ کسی اور سے۔ نص سے ارادہ اس کا کیا ہے جو اجماع کو شامل ہے۔ اور اس کے ساتھ قیاس سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ مواریث میں قیاس

فَبِالنَّصِّ تَارَةً وَبِالْقِيَاسِ أُخْرَى وَقِيلَ لِتَعَلُّقِهِ بِالْمَوْتِ وَغَيْرُهُ بِالْحَيَاةِ أَوْ بِالضَّرُورِيِّ وَغَيْرُهُ بِالِاخْتِيَارِيِّ

تو وہ کبھی نص سے ثابت ہوتے ہیں اور کبھی قیاس سے۔ اور کہا گیا ہے: اس لیے کہ اس کا تعلق موت کے ساتھ ہے اور دیگر کا تعلق حیات کے ساتھ ہے، یا اس کا تعلق ضروری کے ساتھ ہے اور دیگر کا اختیاری کے ساتھ۔

جاری نہیں ہوتا اس لیے کہ مقدرات (مقررہ حصص) میں اس کے لیے کوئی مال نہیں۔ کیونکہ ایک مقدار کے ساتھ دوسری کے بغیر تخصیص میں حکمت کی وجہ مخفی ہے، پھر بلاشبہ یہ علت کی علت ہے۔ اور اولیٰ یہ کہنا ہے: أو لثبوته یا اس کے ثابت ہونے کی وجہ سے تو اس طرح یہ اس علم کا نام نصف علم رکھنے کی دوسری علت ہو جائے گی۔ اور وجہ تسمیہ میں اس کے علاوہ بھی کہا گیا ہے جو انہوں نے ذکر کیا ہے۔ اور کہا گیا ہے: بلاشبہ یہ ان میں سے ہے جس کے معنی کا ادراک نہیں ہو سکتا لہٰذا اس بارے تصدیق کی جائے گی کہ یہ نصف علم ہے، اور ہم اس کی وجہ کے بارے میں بحث نہیں کریں گے۔ پھر تو جان کہ وجوہ میں سے جو انہوں نے ذکر کی ہیں وہ اس پر مبنی ہیں کہ نصف سے ایک شے کی دو قسموں میں سے ایک مراد لی جاتی ہے، کیونکہ ہر شے کے تحت دو قسمیں ہیں، ان میں سے ایک اس کا ایک نصف ہے اگرچہ وہ دونوں تعداد میں متحد اور برابر نہ ہوں۔ اسی میں سے امام ''احمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ حدیث ہے: الطھور نصف الایمان (1) (وضو (طہارت) نصف ایمان ہے) اور عربوں کا قول ہے: نصف السنة حضر و نصفھا سفر (سال کا نصف حضر ہے اور اس کا نصف سفر ہے) یعنی وہ دو زمانوں میں منقسم ہوتا ہے اگرچہ ان کی تعداد متفاوت ہے۔ اور قاضی ''شریح'' کا قول ہے کہ انہیں کہا گیا آپ نے صبح کیسے کی ہے؟ تو انہوں نے کہا: أصبحت و نصف الناس علیّ غضبان (میں نے صبح اس حال میں کی کہ نصف لوگ مجھ پر غصے میں تھے) وہ ارادہ یہ کر رہے ہیں کہ لوگ محکوم لہ اور محکوم علیہ کے درمیان منقسم ہیں محکوم لہ راضی ہیں اور محکوم علیہ ناراض ہیں۔ اور شاعر کا قول ہے: [الطویل]

اذا مِتُّ كَانَ النَّاسُ نِصفانِ شَامِتٌ و آخَرُ رَاضٍ بِالَّذِی كُنْتُ أَصْنَعُ

جب میں فوت ہوں گا تو لوگ دو نصفوں میں منقسم ہوں گے ایک نصف ناراض ہوں گے اور میری موت پر خوش ہوں گے اور دوسرا نصف اس سے راضی اور خوش ہو گا جو میں کرتا رہا۔

اور حضرت ''مجاہد'' رضی اللہ عنہ کا قول ہے: المضمضة والاستنشاق نصف الوضوء کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا نصف وضو ہے۔ یعنی اس کی دو قسمیں ہیں ایک باطن کے بعض کو پاک کرنے والی ہے اور دوسری ظاہر کے بعض کو پاک کرنے والی ہے۔ اسے ''ابن حجر'' نے ''الاربعین'' کی شرح میں بیان کیا ہے۔

37197۔ (قولہ: فَبِالنَّصِّ) یہاں نص سے مراد وہ ہے جو اجماع کو شامل ہوتی ہے۔

37198۔ (قولہ: أَوْ بِالضَّرُورِيِّ) یا اس کا تعلق ضروری کے ساتھ ہے یعنی ارث اور اختیاری کے ساتھ جیسا کہ بیع، شرا اور ہبہ اور وصیت کو قبول کرنا۔

1۔ الترغیب والترہیب، کتاب الطہارات، باب الوضوء، جلد 1، صفحہ 108، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وَهَلْ إِرْثُ الْحَيِّ مِنَ الْحَيِّ أَمْ مِنَ الْمَيِّتِ؟ الْمُعْتَمَدُ الثَّانِي شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ (يَبْدَأُ مِنْ تَرِكَةِ الْمَيِّتِ الْخَالِيَةِ عَنْ تَعَلُّقِ حَقِّ الْغَيْرِ بِعَيْنِهَا كَالرَّهْنِ
اور کیا زندہ کو وراثت زندہ سے ملتی ہے یا میت سے؟ تو اس میں معتمد علیہ دوسرا قول ہے۔ ''شرح وہبانیہ''۔ میت کے اس ترکہ سے جو غیر کے اس کے عین کے ساتھ تعلق سے خالی ہو جیسا کہ رہن،

کیا زندہ زندہ سے میراث حاصل کرتا ہے یا مردہ سے؟

37199۔(قولہ: وَهَلْ إِرْثُ الْحَيِّ مِنَ الْحَيِّ الخ) کیا زندہ زندہ سے میراث حاصل کرتا ہے یا مردہ سے؟ یعنی اس کی زندگی کے اجزاء میں سے آخری جز میں موت سے تھوڑا پہلے۔ پہلا امام ''زفر'' اور مشائخ عراق کا قول ہے، اور دوسرا ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے۔ اور اختلاف کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ اگر وہ اپنے مورث کی لونڈی سے شادی کرے اور اس کے سوا کوئی وارث نہ ہو اور وہ اسے کہے: جب تیرا آقا فوت ہوگا تو تو آزاد ہے۔ تو پہلے قول کے مطابق وہ آزاد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس نے آزادی کی اضافت موت کی طرف کی ہے اور ملک اس کے لیے اس سے پہلے ثابت ہے۔ اور دوسرے قول کے مطابق وہ آزاد نہیں ہوگی، کیونکہ ملکیت اس کے بعد ثابت ہوتی ہے۔ اسے ''شرح الوہبانیہ'' میں بیان کیا ہے۔ اور ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا اگر وارث اس کی طلاق کو اس کے آقا کی موت کے ساتھ معلق کرے جیسا کہ ''البیری'' نے ''السراجیہ'' سے اس پر نص بیان کی ہے۔

میں کہتا ہوں: اور اسی لیے زوج کے ساتھ اس کی صورت بیان کرنے کا فائدہ ظاہر ہوتا ہے ورنہ تو عتق کو معلق کرنا زوجیت پر موقوف نہیں ہوتا۔ تامل۔

37200۔(قولہ: الْمُعْتَمَدُ الثَّانِي) معتمد علیہ دوسرا قول ہے۔ اور اسی طرح ''الطرابلسی'' نے ''سکب الانہر'' میں ذکر کیا ہے کہ اسی پر اعتماد ہے، لیکن ''الدر المنتقی'' میں ''التاتر خانیہ'' سے ذکر کیا ہے کہ اعتماد پہلے قول پر ہے۔

37201۔(قولہ: الْخَالِيَةِ الخ) یہ صفۃ کاشفہ ہے، کیونکہ اصطلاح میں ترکہ وہ مال ہوتا ہے جسے میت چھوڑے درآنحالیکہ وہ اموال میں سے کسی عین کے ساتھ غیر کے حق کے تعلق سے خالی اور صاف ہو جیسا کہ ''شروح السراجیہ'' میں ہے۔ اور تو جان! کہ ترکہ میں وہ دیت بھی داخل ہے جو قتل خطا کے ساتھ یا قتل عمد کی صلح کے ساتھ یا بعض اولیاء کے معاف کر دینے کے سبب قصاص کے مال میں بدل جانے کے ساتھ واجب ہو۔ اور میت کے قرضے ترکہ سے ادا کئے جائیں گے اور اس کی وصیتیں بھی اسی سے نافذ ہوں گی جیسا کہ ''الذخیرہ'' میں ہے۔

37202۔(قولہ: بِعَيْنِهَا) یہ ''مصنف'' کے قول: ''تعلق'' سے متعلق ہے۔

37203۔(قولہ: كَالرَّهْنِ الخ) یہ اس عین کی مثال ہے جس کے ساتھ غیر کا حق متعلق ہے۔ پس جب وہ کوئی شے رہن رکھے اور اسے حوالے کر دے وہ اس کے سوا کچھ نہ چھوڑے تو مرتہن کا دین اس تجہیز پر مقدم ہے۔ پس اگر اس کے

وَالْعَبْدِ الْجَانِي وَالْمَأْذُونِ الْمَدْيُونِ وَالْمَبِيعِ الْمَحْبُوسِ بِالثَّمَنِ
جنایت کرنے والا غلام، عبد ماذون ومدیون، اور وہ مبیع جسے ثمن کے سبب روک لیا گیا ہو،

بعد کوئی شے باقی بچی تو وہ اس پر صرف کی جائے گی۔

37204۔(قولہ: وَالْعَبْدِ الْجَانِي) یعنی وہ غلام جس نے اپنے آقا کی زندگی میں جنایت کی ہو اور اس کا اس کے سوا کوئی مال نہ ہو تو بلا شبہ مجنی علیہ (جس پر جرم کیا جائے) آقا سے اس کا زیادہ حقدار ہے۔مگر یہ کہ جنایت کی دیت ادا کرنے کے بعد کوئی شے فالتو بچ جائے۔

تنبیہ

اگر جنایت کرنے والا غلام ہی مرہون بھی ہو تو مجنی علیہ کا حق زیادہ اور مقدم ہوگا۔کیونکہ وہ غلام کے ذمہ ثابت ہونے کی وجہ سے اقوی ہے، اور مرتہن کا حق راہن کے ذمہ میں ہے اور وہ غلام کی ذات کے ساتھ متعلق ہے نہ کہ اس کے ذمہ میں ہے۔ اسے ''یعقوب پاشا'' نے سید ''شریف'' کی ''شرح السراجیہ'' کے حاشیہ میں ذکر کیا ہے۔

وہ امور جنہیں تکفین پر مقدم کیا جائے گا

37205۔(قولہ: وَالْمَأْذُونِ الْمَدْيُونِ) یعنی جب آقا فوت ہو جائے اور اس کا اس عبد ماذون مدیون کے سوا کوئی مال نہ ہو تو قرض خواہوں کو تجہیز پر مقدم کیا جائے گا۔

37206۔(قولہ: وَالْمَبِيعِ الْمَحْبُوسِ بِالثَّمَنِ) اور وہ مبیع جسے ثمن کے سبب روک لیا جائے جیسا کہ اگر کوئی غلام خریدے اور اس پر قبضہ نہ کرے اور پھر ثمن ادا کرنے سے پہلے فوت ہو جائے، تو بائع مشتری کی تجہیز کی نسبت غلام کا زیادہ حقدار ہے۔''یعقوب پاشا'' نے کہا ہے: لیکن جب مبیع مشتری کے قبضہ میں ہو اور وہ ثمن ادا کرنے سے پہلے ہی فوت ہو گیا تو وہ اس کے رجوع (لوٹانے) سے ابتدا کرے گا نہ کہ مطلقاً۔ بلکہ جب حقوق لازمہ میں سے کوئی شے اس کے ساتھ متعلق نہ ہو جیسا کہ جب مشتری اسے مکاتب بنا لے یا اسے رہن رکھ دے یا وہ اسے ام ولد بنا لے یا وہ مبیع کسی غیر کے خلاف جنایۃ کا ارتکاب کرے تو اس وقت قومی مانع کی وجہ سے اس کے لیے رجوع کا حق ثابت نہیں ہوگا یہاں تک کہ اگر مکاتب عاجز آجائے اور وہ غلامی کی طرف لوٹ جائے یا وہ رہن چھڑا لے یا جنایۃ کا فدیہ ادا کر دے تو پھر اس مانع کے زائل ہونے کی وجہ سے اس کے لیے رجوع کا حق ہے۔اور اسی کی مثل ''طحطاوی'' نے ''السید'' کی شرح پر ''حاشیہ نجم زادہ'' سے نقل کیا ہے۔ پھر کہا ہے: اور تو اسے فقہاء کے اس قول کے ساتھ دیکھ کہ ہمارے نزدیک اس میں بائع غرماء (قرض خواہ) کے ساتھ برابر کا شریک ہے: یعنی اس صورت میں جب مشتری مبیع پر قبضہ کر لے اور اس میں انہوں نے صرف امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ذکر کیا ہے جیسا کہ خیار شرط سے تھوڑا پہلے گزر چکا ہے۔اور ظاہر ہے کہ جو یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ کتب شافعیہ سے ماخوذ ہے۔ پس چاہیے کہ اس پر آگاہی رہے۔

وَالدَّارِ الْمُسْتَأْجَرَةِ وَإِنَّمَا قُدِّمَتْ عَلَى التَّكْفِينِ لِتَعَلُّقِهَا بِالْمَالِ قَبْلَ صَيْرُورَتِهِ تَرِكَةً (بِتَجْهِيزِهِ) يَعُمُّ التَّكْفِينُ (مِنْ غَيْرِ تَقْتِيرٍ وَلَا تَبْذِيرٍ)

اجرت پر لیا ہوا گھر۔ ابتدا اس کی تجہیز سے کی جائے گی۔ اور بلا شبہ مذکورہ امور کو تکفین پر مقدم کیا جائے گا اس لیے کہ مال کے ساتھ ان کا تعلق اس کے ترکہ ہونے سے پہلے ہے۔ تجہیز کا لفظ تکفین کو بھی شامل ہے۔ اور اس کے ترکہ سے بغیر کسی کمی اور اسراف کے تجہیز و تکفین سے ابتدا کی جائے

37207۔ (قولہ: وَالدَّارِ الْمُسْتَأْجَرَةِ) کیونکہ جب پہلے اس نے اجرت ادا کر دی، پھر اجارہ پر دینے والا فوت ہو گیا تو یہاں یہ گھر اجرت پر ہو گیا۔ (لہٰذا اس کے حق کو تجہیز پر مقدم کیا جائیگا)۔ علامہ ''طحطاوی'' نے کہا ہے: ''روح الشروح'' میں جو ذکر کیا گیا ہے اس پر یہ زائد ہے کہ وہ غلام جسے مہر بنایا گیا یعنی جب خاوند فوت ہو جائے اور وہ اس کے پاس ہی ہو اور اس کے سوا اس کا کوئی مال نہ ہو تو بلا شبہ زوجہ کا حق خاوند کی تجہیز پر مقدم کیا جائے گا، اور وہ جس پر بیع فاسد کے ساتھ قبضہ کیا جائے جب بائع بیع فسخ کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو اس میں مشتری کو بائع کی تجہیز پر مقدم کیا جائے گا۔

37208۔ (قولہ: وَإِنَّمَا قُدِّمَتْ الخ) یعنی یہ وہ حقوق ہیں جو ان اعیان کے ساتھ متعلق ہیں (انہیں مقدم کیا جائے گا)۔ اور اس میں اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ حق جسے زندگی میں مقدم کیا جاتا ہے اسے وفات میں مقدم کیا جائے گا۔ ''در منتقی''۔ اور انہیں تجہیز پر مقدم کرنا ہی وہ ہے جس پر ''المعراج'' میں اعتماد اور یقین کیا ہے۔ اور اسی طرح ''الکنز'' اور ''السراجیہ'' کے شراح نے کہا ہے، بلکہ ''السراجیہ'' کے بعض شارحین نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے۔ پس وہ جو ''مسکین'' نے ذکر کیا ہے کہ وہ ایک روایت ہے اور صحیح تجہیز کو مقدم کرنا ہے۔ ''الدر المنتقی'' میں کہا ہے: اس میں نظر ہے۔ بلکہ ان کی تعلیل اس کا فائدہ دیتی ہے کہ وہ بالکل ترکہ نہیں ہے۔ پس اسے متون کے اس اطلاق پر رد نہیں کیا جائے گا کہ ترکہ سے ابتدا تجہیز سے کی جائے گی۔

37209۔ (قولہ: بِتَجْهِيزِهِ) اس کی تجہیز کے ساتھ، اور اسی طرح اس کی تجہیز سے جس کا نفقہ (خرچہ) اس پر لازم ہوتا ہے، جیسا کہ بیٹا جو اس سے پہلے فوت ہو گیا اگرچہ ایک لحظہ ہی ہو اور اس کی بیوی اگرچہ وہ غنیہ اور خوشحال ہو۔ یہی معتمد علیہ قول ہے۔ ''در منتقی''۔

37210۔ (قولہ: يَعُمُّ التَّكْفِينُ) وہ تکفین کو بھی شامل ہے، گویا کہ وہ اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ''سراجیہ'' کا قول ہے: يبدأ بتكفينه و تجهيزه یعنی اس کی تکفین و تجہیز سے ابتدا کی جائے گی یہ عام کا عطف خاص پر ہے۔

37211۔ (قولہ: مِنْ غَيْرِ تَقْتِيرٍ وَلَا تَبْذِيرٍ) تقتیر تقصیر یعنی کمی کرنے کو کہتے ہیں، اور تبذیر کا استعمال اسراف (فضول خرچی) کے معنی میں مشہور ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان فرق ہے، اور وہ یہ ہے کہ اسراف کسی شے کو اسی میں خرچ کرنا ہے جہاں اسے خرچ کرنا چاہیے لیکن وہ خرچ ضرورت سے زیادہ ہو۔ اور تبذیر کسی شے کو اس میں خرچ کرنا ہے جہاں اسے خرچ نہیں کرنا چاہیے۔ اس کے بارے ''الکرمانی'' نے ''شرح البخاری یعقوب'' میں تصریح کی ہے۔ اور اسی بنا

كَكَفَنِ السُّنَّةِ أَوْ قَدْرِ مَا كَانَ يَلْبَسُهُ فِي حَيَاتِهِ وَلَوْ هَلَكَ كَفَنُهُ فَلَوْ قَبْلَ تَفَسُّخِهِ كُفِّنَ مَرَّةً بَعْدَ أُخْرَى وَكُلُّهُ مِنْ كُلِّ مَالِهِ (ثُمَّ) تُقَدَّمُ (دُيُونُهُ الَّتِي لَهَا مُطَالِبٌ مِنْ جِهَةِ الْعِبَادِ)

جیسا کہ کفن سنت یا اتنی مقدار جو وہ اپنی زندگی میں پہنتا تھا۔ اور اگر اس کا کفن ہلاک یعنی چوری ہو جائے تو اگر وہ اس کے پھٹنے سے پہلے ہو تو اسے یکے بعد دیگرے کفن پہنایا جائے اور یہ سب اس کے کل مال سے ہوگا، پھر اس کے ان قرضوں کو پہلے ادا کیا جائے جن کا مطالبہ بندوں کی جانب سے ہو

پر اسے تبذیر کے بدلے اسراف کے ساتھ تعبیر کرنا زیادہ مناسب ہے تاکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے موافق ہو جائے: وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا (الفرقان: 67) (اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوسی) لیکن مشہور کی رعایت کی گئی ہے۔

37212۔ (قولہ: كَكَفَنِ السُّنَّةِ) یعنی جیسا کہ عدد کے اعتبار سے کفن سنت، اور ''شارح'' کا قول: أو قدر ما كان یلبسہ فی حیاتہ یہ قیمت کی حیثیت سے ہے، اور اس میں أو بمعنی واو ہے۔ ''سکب الانہر'' میں کہا ہے: پھر اسراف کی عدد کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں اس طرح کہ مرد میں کفن تین کپڑوں سے زیادہ ہو، اور عورت میں پانچ کپڑوں سے زیادہ ہو۔ اور قیمت کی حیثیت سے اس طرح ہے کہ اسے ایسے کپڑے میں کفن پہنایا جائے جس کی قیمت مثلاً نوے درہم ہو حالانکہ وہ اپنی زندگی میں ساٹھ درہم والا کپڑا پہنتا ہو۔ اور تقتیر کی بھی اسراف کے برعکس عدد اور قیمت کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں۔ اور یہ تب ہے جب وہ اس بارے وصیت نہ کرے۔ اور اگر وہ وصیت کرے تو پھر ثلث سے کفن مثل پر زیادتی کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور اسی طرح ہے اگر ورثاء یا کوئی اجنبی اس کے ساتھ تبرع اور احسان کرے۔ اور قیمت کے اعتبار سے زیادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن عدد کے اعتبار سے نہیں۔ اور کیا قرض خواہوں کو کفن مثل سے روکنے کا اختیار ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں، اور صحیح یہ ہے کہ ہاں (وہ منع کر سکتا ہے)۔ ''در منتقی'': پس اسے کفن کفایہ پہنایا جائے گا اور وہ مرد کے لیے دو کپڑے ہیں اور عورت کے لیے تین۔ ''ابن کمال''۔

37213۔ (قولہ: أَوْ قَدْرِ مَا كَانَ يَلْبَسُهُ فِي حَيَاتِهِ) اور اس طرح کا کپڑا جو وہ اپنی زندگی میں پہنا کرتا ہے، یعنی اس کے کپڑوں میں سے اوسط قسم کے کپڑے کے ساتھ اسے کفن دیا جائے۔ یا ایسے کپڑے کے ساتھ جس سے وہ عیدوں، جمعوں اور ملاقاتوں میں اپنے آپ کو آراستہ کرتا تھا۔ اور یہ فقہاء کے اس بارے اختلاف ہونے کی بنا پر ہے۔ ''زیلعی''۔

37214۔ (قولہ: وَلَوْ هَلَكَ كَفَنُهُ الخ) اور اگر اس کا کفن ضائع ہو جائے۔ ''سکب الانہر'' میں کہا ہے: جب کفن چور میت کی قبر اکھیڑے اور اس کا کفن اتار لے تو پھر اسے تین کپڑوں میں کفن پہنایا جائے گا اگرچہ تیسری یا چوتھی بار ہو جب تک وہ تازہ ہو۔ اور اس کے غسل اور اس پر نماز جنازہ کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر وہ پھٹ جائے تو پھر اسے ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جائے ہمارے نزدیک یہ سب اس کے اصل مال سے ہوگا۔ اگرچہ اس پر دین ہو مگر یہ کہ غرماء (قرض خواہ) ترکہ پر

وَيُقَدَّمُ دَيْنُ الصِّحَّةِ عَلَى دَيْنِ الْمَرَضِ إِنْ جُهِلَ سَبَبُهُ وَإِلَّا فَسِيَّانِ كَمَا بَسَطَهُ السَّيِّدُ، (وَأَمَّا دَيْنُ اللهِ تَعَالَى فَإِنْ أَوْصَى بِهِ

اور اس میں حالت صحت کے قرضوں کو حالت مرض کے قرضوں پر مقدم کیا جائے گا اگر اس کا سبب مجہول ہو، ورنہ دونوں برابر ہوں گے جیسا کہ ''السید'' نے اس کی وضاحت کی ہے۔ اور رہا اللہ تعالیٰ کا دین! تو اگر اس نے اس کے بارے وصیت کی

قبضہ کر لیں، تو پھر وہ ان سے واپس نہیں لوٹایا جائے گا۔ اور اگر اس کا مال تقسیم کر دیا گیا تو پھر ہر وارث پر اس کے حصے کی مقدار کے مطابق ہوگا لیکن غرماء اور اصحاب وصیت پر نہیں ہوگا کیونکہ وہ اجنبی ہیں۔ اور ورثاء کو متبرع کا کفن قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں انہیں عار لاحق ہوتی ہے، مگر جب ورثاء صغار اور نابالغ ہوں تو اس وقت اگر امام مصلحت دیکھے تو اسے قبول کر لے مگر یہ کہ بذات خود اس کے قیام اور اہتمام کو اختیار کریں تو اس وقت انہیں بدرجہ اولیٰ اختیار ہوگا مگر یہ کہ ان میں سے بڑے پسند کریں۔ تامل۔

37215۔ (قولہ: وَيُقَدَّمُ دَيْنُ الصِّحَّةِ) اور حالت صحت کے قرض کو مقدم کیا جائے گا، یہ وہ ہے جو مطلقاً بینہ یا اقرار کے ساتھ حالت صحت میں ثابت ہو۔ ''طحطاوی''۔ اور کبھی بعض کو بعض پر ترجیح دی جاتی ہے جیسے اجنبی کے دین کو جو کہ مکاتب پر ہو جو مال کتابت ادا کرنے سے پہلے فوت ہو گیا ہوا سے آقا کے دین پر مقدم کیا جائے گا، اور جیسا کہ وہ دین جو کسی نصرانی پر مسلمانوں کی شہادت کے ساتھ ثابت ہو تو اسے اس قرض پر مقدم کیا جائے گا جو اس پر اہل ذمہ کی شہادت سے ثابت ہو، اور وہ قرض جو اس پر مسلمان کے دعویٰ کے ساتھ ثابت ہو اسے اس قرض پر مقدم کیا جائے گا جو اس پر کافر کے دعویٰ کے ساتھ ثابت ہو بشرطیکہ دونوں کے گواہ کافر ہوں یا صرف کافر کے گواہ کافر ہوں۔ لیکن جب دونوں کے گواہ مسلمان ہوں یا صرف کافر کے گواہ مسلمان ہوں تو پھر دونوں مساوی اور برابر ہوں گے۔ جیسا کہ ''الرملی'' کے حاشیۃ ''البحر'' کتاب الشہادات میں ہے۔ فافہم

37216۔ (قولہ: عَلَى دَيْنِ الْمَرَضِ) حالت مرض کے دین پر۔ یہ وہ ہے جو حالت مرض میں یا اس میں جو مرض کے حکم میں ہے اس کے اقرار کے ساتھ ثابت ہو، جیسا کہ دعوت مبارزت دینے کے لیے نکلتے وقت اقرار کرنا یا جب اسے قصاصاً یا رجماً قتل کرنے کے لیے نکالا جائے تو وہ اقرار کرے۔ اسے ''طحطاوی'' نے ''نجم زادہ'' سے نقل کیا ہے۔

37217۔ (قولہ: إِنْ جُهِلَ سَبَبُهُ) اگر اس کا سبب مجہول ہو، لیکن جب معلوم ہو اس طرح کہ وہ اپنی حالت مرض میں قرض کے بارے اقرار کرے اور اس کا ثبوت بطریق معاینہ معلوم ہو۔ جیسا کہ وہ مملوکہ مال کے بدل کے طور پر واجب ہو یا وہ اسے ہلاک کر دے تو وہ فی الحقیقت دین صحت میں سے ہو گیا۔ کیونکہ اس کا وجوب اس کے اقرار کے بغیر معلوم ہے۔ پس اسی لیے حکم میں دونوں مساوی ہیں۔ ''سید''۔

37218۔ (قولہ: وَأَمَّا دَيْنُ اللهِ تَعَالَى الخ) رہا اللہ تعالیٰ کا دین، ''مصنف'' کے قول من جهة العباد کے ساتھ اسی سے احتراز کیا گیا ہے۔ اور وہ زکوٰۃ اور کفارات وغیرہ ہیں۔ ''زیلعی'' نے کہا ہے: چونکہ وہ موت کے ساتھ ساقط ہو جاتے

وَجَبَ تَنْفِيذُهُ مِنْ ثُلُثِ الْبَاقِي وَإِلَّا لَا ثُمَّ تُقَدَّمُ (وَصِيَّتُهُ) وَلَوْ مُطْلَقَةً عَلَى الصَّحِيحِ

تو باقی ثلث سے اسے نافذ کرنا واجب ہے، ورنہ نہیں۔ پھر اس کی وصیت کو مقدم کیا جائے گا اگرچہ وہ مطلق ہو یہ صحیح قول کے مطابق ہے

ہیں اس لیے ان کی ادائیگی ورثاء پر لازم نہیں ہوتی۔ مگر جب وہ ان کے بارے وصیت کرے یا وہ اپنی طرف سے بطور تبرع اسے ادا کریں۔ کیونکہ عبادات میں رکن مکلف کی نیت اور اس کا فعل ہے، اور وہ اپنی موت کے ساتھ فوت ہوا ہے۔ پس واجب کے باقی ہونے کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس کی مکمل بحث اسی میں ہے۔

میں کہتا ہوں: اور تعلیل کا ظاہر یہ ہے کہ ورثاء اگر اس کے ساتھ تبرع کریں تو اس کی طرف سے نیت نہ ہونے کی وجہ سے اس سے واجب ساقط نہیں ہوگا، اور اس لیے بھی کہ اس کی اجازت کے بغیر ان کا فعل اس کے فعل کے قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ تامل

37219۔ (قولہ: مِنْ ثُلُثِ الْبَاقِي) باقی کے ثلث سے، یعنی اس کے ثلث سے جو سابقہ حقوق سے اور بندوں کے دین سے فالتو بچ جائے۔ کیونکہ بندوں کے دین کو مقدم کیا جاتا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے ساتھ جمع ہوجائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ غنی ہے اور ہم فقراء ہیں جیسا کہ ''الدر المنتقی'' میں ہے۔

37220۔ (قولہ: ثُمَّ تُقَدَّمُ وَصِيَّتُهُ) یعنی پھر اس کی وصیت کو ورثا کے درمیان ترکہ کی تقسیم پر مقدم کیا جائے گا۔ ''زیلعی'' نے کہا ہے: پھر یہ معنی میں ورثاء پر تقدیم نہیں ہے بلکہ وہ (موصی لہٗ) ان کا شریک ہے۔ یہاں تک کہ جب شے اس کے حوالے کردی گئی اور ورثاء کو اس سے دوگنا یا اس سے زیادہ دے دیا گیا اور ایسا کرنا ضروری ہے تو یہ فی الحقیقت تقدیم نہیں بخلاف تجہیز اور قرض کی ادائیگی کے۔ کیونکہ ورثاء اور موصی لہ صرف وہی لیتے ہیں جو ان دونوں سے فالتو بچ جائے۔

37221۔ (قولہ: وَلَوْ مُطْلَقَةً عَلَى الصَّحِيحِ) اگرچہ وہ وصیت مطلقہ ہو، یہ صحیح قول کی بنا پر ہے، اسی طرح ''السیّد'' وغیرہ نے کہا ہے۔ پھر کہا ہے: اور شیخ الاسلام ''خواہر زادہ'' نے کہا ہے: اگر وصیت معینہ ہو تو وہ تقسیم میراث پر مقدم ہوگی، اور اگر مطلقہ ہو جیسا کہ اگر وہ اپنے ثلث مال یا چوتھائی حصہ کے بارے وصیت کرے تو وہ میراث کے معنی میں ہوگی، اس لیے کہ وہ ترکہ میں مشترک ہے۔ پس موصی لہ ورثاء کا شریک ہوگا ان پر مقدم نہیں ہوگا۔ اور یہ اس میں اس کے حق کے مشترک ہونے پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ وارث کا حق کہ جب وصیت کے بعد مال زیادہ ہوجائے گا تو دونوں کا حق بھی بڑھ جائے گا، اور جب مال کم ہوجائے گا تو دونوں کے حق میں بھی کمی واقع ہوجائے گی، یہاں تک کہ جب وصیت کے وقت اس کا مال مثلاً ایک ہزار ہو پھر وہ دو ہزار ہوجائے تو اس کے لیے دو ہزار کا ثلث ہوگا، اور اگر اس کا برعکس ہوا تو اس کے لیے ایک ہزار کا ثلث ہوگا۔

''اکمل'' نے کہا ہے: شاید صواب اسی کے ساتھ ہے۔ کیونکہ اس میں تقدیم کا تصور موصی لہ کے حق کو صورت اور معنی کے متعلق کرنے سے کیا جاتا ہے جبکہ وہ ثلث سے نکلے۔ پس یہ اس کی صورت کے ساتھ وارث کے حق کے تعلق کے مانع ہے۔ پس وہی ورثاء پر تقدیم ہے۔ لیکن جب وصیت مطلقہ ہو تو وہاں تقدیم کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

خِلَافًا لِمَا اخْتَارَهُ فِي الِاخْتِيَارِ (مِنْ ثُلُثِ مَا بَقِيَ) بَعْدَ تَجْهِيزِهِ وَدُيُونِهِ
بخلاف اس کے جسے ''الاختیار'' میں اختیار کیا ہے۔ یعنی میت کی تجہیز کے بعد اور اس کے قرض ادا کرنے کے بعد مابقی کے ثلث سے (وصیت پر عمل کیا جائے گا)۔

37222۔(قولہ: خِلَافًا لِمَا اخْتَارَهُ فِي الِاخْتِيَارِ) یہ اس کے خلاف ہے جو ''الاختیار'' میں ''شیخ الاسلام'' کا سابقہ قول اختیار کیا ہے۔ اور اس کا بیان یہ ہے: پس اگر وصیت معین شے کے بارے ہو تو ثلث سے اس کا اعتبار کیا جائے گا اور وہ اسی میں نافذ ہوگی۔ اور اگر وہ جزء مشترک جیسے ثلث اور ربع وغیرہ کے بارے ہو تو موصی لہ ورثاء کے ساتھ شریک ہوگا اور ترکہ کے زیادہ ہونے کے ساتھ اس کا حصہ بڑھ جائے گا اور اس کے کم ہونے کے ساتھ مال کے حساب سے اس کا حصہ بھی کم ہو جائے گا۔ اور موصی لہ کا حصہ اسی طرح نکالا جائے گا جیسے وارث کا حصہ نکالا جاتا ہے اور اسے ورثاء کے درمیان ترکہ کی تقسیم پر مقدم کیا جائے گا اس آیت کی وجہ سے جو ہم نے تلاوت کی ہے۔

حاصل کلام

حاصل یہ ہے کہ معین شے جیسے دار اور کپڑا وغیرہ کے بارے وصیت میں وصی کو مقدم کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس معنی میں کہ وہ وصیت جب تہائی مال سے نکل آئے تو ورثاء کا اس میں کوئی حق نہیں ہے۔ پس اسے اکیلے الگ کیا جائے گا اور اس کے سوا باقی مال ورثاء کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔ اور رہی وصیت مطلقہ! پس جس نے اس طرف دیکھا کہ وہ ترکہ میں شریک ہے اور اس کے بڑھنے کے ساتھ بڑھ جاتی ہے اور اس کا برعکس تو اس نے یہ کہا ہے: اس (وصیت) میں تقدیم نہیں ہے بلکہ موصی لہ ہمیشہ ورثاء کے ساتھ شریک ہے، اس معنی میں کہ اس کے لیے انفرادی طور پر اسے لینا ممکن نہیں اگر چہ وہ ترکہ کو مستغرق اور محیط ہو بخلاف دین وغیرہ کے۔ اور جس نے اس طرف دیکھا ہے کہ میراث کی تقسیم نہیں ہوسکتی مگر موصی لہ کا حصہ نکالنے کے بعد تو اس نے کہا ہے کہ وصیت مقدم ہے، کیونکہ اگر اس کا حصہ پہلے الگ نہ کیا جائے بلکہ اس کے ورثاء کے ساتھ شریک ہونے کا اعتبار کیا جائے تو لازم آتا ہے کہ اس کا حصہ ان کے ساتھ تقسیم کیا جائے۔ گویا وہ ان میں سے ایک ہے اور اس کے لیے تہائی ترکہ ہے اور اس سے خلل لازم آئے گا۔ مثلاً اگر ایک عورت خاوند اور دو سگی بہنیں چھوڑے اور زید کے لیے تہائی مال کے بارے وصیت کرے تو موصی بہ ثلث پہلے نکالا جائے گا پس زید تین میں سے ایک حصہ لے گا پھر باقی سات سے تقسیم کیا جائے گا، تین حصے خاوند کے ہوں گے اور چار دو سگی بہنوں کے۔ اور اگر اس طرح نہ کیا جائے تو پھر یہ لازم ہے کہ ترکہ نو سے تقسیم کیا جائے، پس موصی لہ دو لے گا، خاوند تین لے گا اور دو سگی بہنیں چار حصے لیں گی، تو اس میں موصی لہ کا حصہ کم ہو جائے گا۔ اور تو جب حقیقی نظر و فکر کرے گا تو تیرے لیے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ اختلاف لفظی ہے۔ کیونکہ دونوں قول کرنے والوں میں سے ہر ایک اسے تسلیم کرتا ہے جو دوسرے نے کہا ہے۔ بلاشبہ نزاع اس میں ہے کہ موصی لہ کے حصہ کو پہلے نکالنے کو کیا تقدیم کا نام دیا جائے گا یا نہیں؟ اور اس پر ''زیلعی'' کا سابقہ کلام دلالت کرتا ہے، اور اسی طرح صاحب ''اختیار'' کا کلام بھی ہے۔ کیونکہ وہ مشارکت کے

وَإِنَّمَا قُدِّمَتْ فِي الْآيَةِ اهْتِمَامًا لِكَوْنِهَا مَظِنَّةَ التَّفْرِيطِ (ثُمَّ) رَابِعًا بَلْ خَامِسًا (يُقْسَمُ الْبَاقِي) بَعْدَ ذَلِكَ (بَيْنَ وَرَثَتِهِ) أَيْ الَّذِينَ ثَبَتَ إرْثُهُمْ بِالْكِتَابِ أَوْ السُّنَّةِ كَقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَطْعِمُوا الْجَدَّاتِ بِالسُّدُسِ

اور آیت میں بلاشبہ اہتمام شان کے لیے وصیت کو مقدم کیا گیا ہے، اس لیے کہ وہ تفریط کے محل میں ہے۔ پھر چوتھے یا پانچویں مرتبہ میں باقیماندہ ترکہ کو اس کے بعد اس کے ان ورثا میں تقسیم کیا جائے گا جن کے لیے وراثت کتاب اللہ یا سنت سے ثابت ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: أطعموا الجدّات بالسدس (1) کہ دادیوں کو چھٹا حصہ دو

قول میں ''شیخ الاسلام'' کے تابع ہیں۔ پھر یہ ذکر کیا ہے کہ موصی لہ کا حصہ ترکہ کی تقسیم پر مقدم کیا جائے گا۔ پس انہوں نے مشارکت اور تقدیم دونوں کو جمع کر دیا۔ تو اس تحقیق کو غنیمت جان جو فی الحقیقت قبول ہے۔ واللہ تعالیٰ ولی التوفیق۔

37223۔ (قولہ: فِي الْآيَةِ) یعنی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں: مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ (النساء: 11) ((اور یہ تقسیم) اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد ہے جو میت نے کی اور قرض ادا کرنے کے بعد۔)

37224۔ (قولہ: لِكَوْنِهَا مَظِنَّةَ التَّفْرِيطِ) اس لیے کہ وہ تفریط (کمی) کے محل میں ہے، کیونکہ وہ بلاعوض لی جاتی ہے اور وہ ورثاء پر شاق گزرتی ہے، اور اس کے ساتھ ان کے دل خوش نہیں ہوتے بخلاف قرض کے، یا اس لیے کہ وہ نیکی اور طاعت ہے، اور قرض اغلباً مذموم ہوتا ہے، اسی لیے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پناہ طلب کی ہے یا اس لیے کہ وصیت کا حکم مخاطبین کے نزدیک مجہول ہے بخلاف دین اور قرض کے۔ اور اس کی مکمل بحث ''سکب الانہر'' میں علامہ ''زمخشری'' سے منقول ہے۔

37225۔ (قولہ: بَلْ خَامِسًا) بلکہ پانچویں مرتبہ میں، یہ تجہیز سے پہلے اس عین سے شروع کرنے کے اعتبار سے ہے جس کے ساتھ غیر کا حق متعلق ہو، لیکن پہلے یہ گزر چکا ہے کہ وہ ترکہ میں سے نہیں ہے۔ اور مراد ان حقوق کو بیان کرنا ہے جو ترکہ سے متعلق ہے، پس اس وقت وہ چار ہیں۔

37226۔ (قولہ: يُقْسَمُ الْبَاقِي) باقی تقسیم کر دیا جائے گا، یہاں یُقدّمُ نہیں کہا جیسا کہ اس سے پہلے کہا ہے، اس لیے کہ یہ حقوق میں سے آخری ہے پس اور کوئی باقی نہیں جس پر اسے مقدم کیا جائے۔

37227۔ (قولہ: أَيْ الَّذِينَ ثَبَتَ إرْثُهُمْ بِالْكِتَابِ) یعنی وہ جن کی وراثت قرآن کریم سے ثابت ہے، اور وہ ماں باپ، زوجین، بیٹے، بیٹیاں، بھائی اور بہنیں ہیں۔

37228۔ (قولہ: أَوْ السُّنَّةِ) یا سنت سے، أو کا کلمہ یہاں اور اس کے مابعد میں بطور مانعۃ الخلو ہے۔ پس یہ تینوں کے اجتماع پر صادق آتا ہے۔ اور سنت سے مراد وہ ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو چاہے وہ فعل ہو جیسا کہ پوتی اور سگی یا علاتی بہنوں کا صلبی بیٹی اور نانی کے ساتھ ہونا، یا وہ قول ہو جیسا کہ وہ مثال جو ''شارح'' نے بیان کی ہے۔ اسے ''سکب

1۔ سنن نسائی کبریٰ، باب ذکر الجداث والاجداد و مقادیر تصیبهم، جز 4، صفحہ 72، (قریب المعنی)

أَوْ الْإِجْمَاعِ فَجَعَلَ الْجَدَّ كَالْأَبِ وَابْنَ الِابْنِ كَالِابْنِ (وَيُسْتَحَقُّ الْإِرْثُ) وَلَوْ لِمُصْحَفٍ بِهِ يُفْتَى وَقِيلَ لَا يُورَثُ إِنَّمَا هُوَ لِلْقَارِئِ مِنْ وَلَدَيْهِ صَيْرَفِيَّةٌ بِأَحَدِ ثَلَاثَةٍ (بِرَحِمٍ وَنِكَاحٍ) صَحِيحٍ فَلَا تَوَارُثَ بِفَاسِدٍ وَلَا بَاطِلٍ إِجْمَاعًا

یا اجماع سے، پس دادے کو باپ کی مثل اور پوتے کو بیٹے کی مثل بنایا گیا ہے۔ اور وہ وراثت کا مستحق ہوتا ہے اگرچہ وہ مصحف ہی ہو، اسی پر فتویٰ ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: مصحف کا وارث نہیں بنایا جائے گا، بلاشبہ یہ اس کے بیٹوں میں سے قاری کے لیے ہوگا۔ ''صیرفیہ''۔ تین امور میں سے ایک کے ساتھ یعنی قرابت کے ساتھ، نکاح صحیح کے ساتھ، پس نکاح فاسد اور باطل ہونے کی صورت میں وہ بالا جماع ایک دوسرے کے وارث نہیں بنیں گے۔

الانہر'' میں بیان کیا ہے۔

37229۔ (قولہ: أَوْ الْإِجْمَاعِ) یعنی حضور نبی رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت کے مجتہدین کی رائے کا کسی زمانہ میں حکم شرعی پر متفق ہو جانا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں اس سے مراد ایک مجتہد کا قول ہے، اور یہ کل کے اسم کا جز پر اطلاق کرنے کے قبیلے سے ہے جیسا کہ قرآن کریم کا اطلاق اس کی ہر آیت پر کیا جاتا ہے، تاکہ یہ انہیں بھی شامل ہو جائے جن کی وراثت میں اختلاف ہے جیسے ذوی الارحام۔ اور اس میں نظر ہے کیونکہ اس سے وہ خارج ہو جاتا ہے جس پر مجتہدین کی رائے متفق ہے اور اس لیے کہ جس کی وراثت میں اختلاف ہے تو اس کی دلیل اس کے قائل کے نزدیک کتاب اللہ یا سنت ہے، پس تاویل کی کوئی حاجت نہیں۔

37230۔ (قولہ: فَجَعَلَ الْجَدَّ كَالْأَبِ الخ) پس دادا کو باپ کی مثل قرار دیا ہے، اور جیسا کہ دادی کو ماں کی مثل، پوتی کو صلبی بیٹی کی مثل، علاتی بھائی کو سگے بھائی کی مثل، اور علاتی بہن کو سگی بہن کی مثل قرار دیا گیا ہے۔ ''سکب الانہر''۔

37231۔ (قولہ: وَيُسْتَحَقُّ) یہ صیغہ مجہول یا معروف ہے اور اس کی ضمیر وارث کے لیے ہے جو کہ مقام سے سمجھا جا رہا ہے۔

37232۔ (قولہ: بِأَحَدِ ثَلَاثَةٍ) یعنی یہ کہ ان تین میں سے ہر ایک وراثت کے استحقاق کی علت ہے اس معنی میں کہ تینوں یا ان میں سے بعض کا اجتماع لازم نہیں۔ پس یہ ان میں سے دو کے ساتھ استحقاق کے حصول کے منافی نہیں جیسا کہ زوجہ جو چچا کی بیٹی ہو یا آزاد کردہ ہو تو اس سے خاوند زوجیت کے اعتبار سے نصف کا وارث ہوتا ہے اور باقی کا عصبہ ہونے کی حیثیت سے یا ولاء کی وجہ سے۔ فافہم۔

37233۔ (قولہ: وَنِكَاحٍ صَحِيحٍ) اور نکاح صحیح کے ساتھ اگرچہ وہ وطی اور خلوت کے بغیر ہو۔ اس پر اجماع ہے۔ ''در منتقی''۔

37234۔ (قولہ: فَلَا تَوَارُثَ بِفَاسِدٍ) پس نکاح فاسد کے ساتھ وراثت حاصل نہیں ہوتی، اور یہ وہ ہوتا ہے جس

(وَوَلَاءٍ) وَالْمُسْتَحِقُّونَ لِلتَّرِكَةِ عَشَرَةُ أَصْنَافٍ مُرَتَّبَةٍ كَمَا أَفَادَهُ بِقَوْلِهِ (فَيُبْدَأُ بِذَوِي الْفُرُوضِ)

اور ولا کے ساتھ۔ اور ترکہ کی مستحق بالترتیب دس اصناف ہیں جیسا کہ "مصنف" نے اسے اپنے آگے آنے والے قول کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پس ابتدا ذوی الفروض سے کی جائے گی

میں نکاح صحیح کی شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو جیسا کہ گواہ اور نہ نکاح کے ساتھ وراثت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ نکاح متعہ اور نکاح موقت اگرچہ مدت مجہول یا طویل ہو۔ یہ اصح قول ہے جیسا کہ یہ اپنے محل میں گزر چکا ہے۔

37235۔ (قولہ: وَوَلَاءٍ) یعنی اس کی دونوں قسموں کے ساتھ اور وہ عتاق اور موالاۃ ہیں۔

ترکہ کے مستحقین کی اصناف

37236۔ (قولہ: وَالْمُسْتَحِقُّونَ لِلتَّرِكَةِ عَشَرَةُ أَصْنَافٍ) اور ترکہ کے مستحقین کی دس اصناف ہیں، انہیں علامہ "محمد بن الشحنہ" نے اسی ترتیب پر اپنی اس "منظومہ فرضیہ" میں جمع کیا ہے جس کی شرح ہمارے مشائخ کے شیخ فقیہ "ابراہیم السائحانی" نے لکھی ہے۔ پس انہوں نے کہا ہے: (الرجز)

يُعطى ذووالفروض ثم العَصَبَةُ　ثُمّ الّذى جَادَ بعتق الرقبة

ثم الّذى يَعصِبُهُ كَالجَدِّ　ثُمّ ذوُو الأرحَامِ بَعد الرَّدِّ

ثُمّ مُحتَمَلٌ وَرَا مُوَالٍ　ثُمّ مُزَادٌ ثم بَيتُ المالَ

میراث ذوی الفروض کو دی جائے گی، پھر عصبہ کو پھر اسے جو غلام آزاد کرنے کے سبب عصبہ بنا، پھر اسے جسے وہ عصبہ بنائے جیسے دادا پھر رد کے بعد ذوی الارحام کو پھر موال کے بعد محمل کو، پھر مزاد کو اور پھر بیت المال کو۔ اس میں محمل سے مراد وہ لیا ہے جس کے لیے اس نے نسب کا اقرار کیا جسے غیر پر محمول کیا جا رہا تھا۔ اور مزاد سے مراد وہ موصی لہ ہے جس کے لیے ثلث سے زیادہ کی وصیت ہو۔

میں کہتا ہوں: جہاں عصبۃ المعتق کا ذکر کیا ہے وہاں ساتھ ہی عصبۃ الموالی کا ذکر کرنا بھی مناسب تھا یعنی مولی الموالاۃ کا بھی، کیونکہ اس کے بعد وہ بھی وارث ہوتے ہیں جیسا کہ آگے آئے گا، پس کل اصناف گیارہ ہوئیں۔

تنبیہ

اسے ترکہ کے ساتھ مقید کیا ہے، کیونکہ وراثت اعیان مالیہ میں جاری ہوتی ہے۔ رہے حقوق! تو ان میں سے بعض کا وارث بنایا جاتا ہے جیسے مبیع کو روکنے اور رہن کو روکنے (محبوس کرنے) کا حق۔ اور بعض وہ ہیں جن کا وارث نہیں بنایا جاتا جیسے حق شفعہ، خیار شرط، حد قذف اور نکاح یعنی حق تزویج جیسا کہ اگر شقیق بیٹا چھوڑ کر فوت ہو جائے اور پھر ایک علاتی بھائی ہو تو حق بھائی کے لیے ہوگا نہ کہ بیٹے کے لیے، ولایات، عواری اور ودائع جیسا کہ اگر مستعیر (عاریہ پر لینے والا) فوت ہو جائے تو پھر اس کا وارث مستعیر نہیں ہوگا، اور اسی طرح مودع ہے، اسی طرح ہبہ سے رجوع کرنا ہے، اور اسی طرح ولاء ہے جیسا کہ معتق

أَيُ السِّهَامِ الْمُقَدَّرَةِ وَهُمُ اثْنَا عَشَرَ مِنَ النَّسَبِ ثَلَاثَةٌ مِنَ الرِّجَالِ وَسَبْعَةٌ مِنَ النِّسَاءِ وَاثْنَانِ مِنَ التَّسَبُّبِ وَهُمَا الزَّوْجَانِ
اور فروض سے مراد سہام مقدرہ (مقررہ حصص) ہیں۔اور وہ نسبی اعتبار سے بارہ ہیں۔تین مردوں سے ہیں، سات عورتوں میں سے ہیں اور دو سبب بننے کے اعتبار سے ہیں اور وہ زوجین (خاوند، بیوی) ہیں۔

(آزاد کرنے والے) کے دو بیٹے ہوں، پھر ان میں سے ایک اس کے بعد بیٹا چھوڑ کر فوت ہو جائے تو ولاء باقی رہنے والے بیٹے کے لیے ہوگی۔اور اگر یہ دو بیٹے چھوڑ کر فوت ہو جائے تو پھر ولاء ان دونوں کے درمیان اور پہلے بیٹے کے بیٹے کے درمیان تین حصوں میں تقسیم ہوگی گویا وہ تمام اپنے دادا کے وارث بنے ہیں نہ کہ اپنے آباء کے۔اور اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ خیار قبول کا وارث نہیں بنایا جائے گا، اور اسی طرح اجارہ ہے، اور فضولی کی بیع میں اجازت کا حکم بھی اسی طرح ہے، اور اسی طرح اجل (ادھار وغیرہ کی مدت مقرر کرنا) بھی ہے۔

اور خیار عیب میں اختلاف ہے سو بعض نے کہا ہے: اس کا وارث بنایا جائے گا اور ''الدرر'' میں اسی پر اقتصار کیا گیا ہے، اور ''شارح الطحاوی'' نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔اور بعض نے کہا ہے: یہ وارث کے لیے ابتدا سے ہی ثابت ہوتا ہے اور قصاص میں بھی اسی طرح کا اختلاف ہے۔اور رہا خیار رؤیۃ! تو اس میں صحیح قول یہ ہے کہ اس کا وارث بنایا جائے گا۔اور جہاں تک تعلق خیار تعیین کا ہے جیسے اگر کوئی دو غلام اس شرط پر خریدے کہ اسے ان دو میں سے ایک میں خیار ہے تو فقہاء اس پر متفق ہیں کہ وہ وارث کے لیے ابتدا سے ہی ثابت ہوگا۔اور اسی طرح خیار الوصف بھی بالاجماع وارث کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جیسا کہ ''الفتح'' میں ہے۔اور اسی سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ خیار تغریر کا وارث بنایا جائے گا، کیونکہ وہ وصف کے فوت ہونے کے مشابہ ہوتا ہے۔اور علامہ ''المقدسی'' بھی اسی کی طرف مائل ہیں۔اور ''صاحب التنویر'' اس کے خلاف کی طرف مائل ہوئے ہیں، لیکن وہ اپنی ''منظومۃ الفقہیہ'' میں پہلے کی طرف مائل ہیں۔اسے ''الاشباہ'' اور اس کی شرح جسے ہمارے شیخ علامہ ''بعلی'' نے لکھا ہے، سے ملخصاً اور مختصراً ذکر کیا ہے۔

مقرر حصص

37237۔(قولہ: أَيُ السِّهَامِ الْمُقَدَّرَةِ) یعنی وہ حصص جو مقرر ہیں اور وہ یہ ہیں نصف، ربع (چوتھائی)، ثمن (آٹھواں حصہ)، ثلثان (دو تہائی)، ثلث (تہائی) اور سدس (چھٹا حصہ)۔''سراج''۔

حصص کی تعداد

37238۔(قولہ: ثَلَاثَةٌ مِنَ الرِّجَالِ) وہ مردوں میں سے تین ہیں، اور وہ باپ، دادا اور اخیافی بھائی ہے۔''حلبی''۔

37239۔(قولہ: وَسَبْعَةٌ مِنَ النِّسَاءِ) اور عورتوں میں سے سات ہیں، اور وہ بیٹی، پوتی، سگی بہن، علاتی (سوتیلی) بہن، اخیافی بہن، ماں اور دادی ہے۔''حلبی''۔

(ثُمَّ بِالْعَصَبَاتِ) أَلْ لِلْجِنْسِ فَيَسْتَوِي فِيهِ الْوَاحِدُ وَالْجَمْعُ وَجَمَعَهُ لِلِازْدِوَاجِ (النَّسَبِيَّةِ) لِأَنَّهَا أَقْوَى (ثُمَّ بِالْمُعْتِقِ)

پھر عصبات کو میراث دی جائے گی۔ اس میں الف لام جنسی ہے پس اس میں واحد اور جمع دونوں برابر ہیں اور اس کو جمع ذکر کرنا ذوی الفروض کی مناسبت کی وجہ سے ہے۔ پہلے عصبہ نسبی کو کیونکہ وہ زیادہ قوی ہے۔ پھر معتق (آزاد کرنے والا)

37240۔ (قولہ: فَيَسْتَوِي فِيهِ الْوَاحِدُ وَالْجَمْعُ) پس اس میں واحد اور جمع برابر ہوتے ہیں، کیونکہ یہ ثابت ہے کہ الف لام جمعیت کے معنی کو باطل کر دیتا ہے اس حیثیت سے کہ وہ ہر ایک کو شامل ہوتا ہے جیسا کہ مفرد شامل ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ کہے: واللہ لا أتزوج النساء (قسم بخدا میں کسی عورت سے شادی نہیں کروں گا) تو وہ کسی ایک سے بھی شادی کرنے کے سبب حانث ہو جائے گا۔ اور جب نسا کہے تو وہ حانث نہیں ہو گا مگر تین کے ساتھ شادی کرنے سے۔ ''یعقوب''۔

ذوی الفروض کے درمیان میراث کی تقسیم میں ترتیب

37241۔ (قولہ: وَجَمَعَهُ لِلِازْدِوَاجِ) اور اس کو جمع ذکر کرنا مناسبت کے لیے ہے، یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے اس کی تقدیر یہ ہے: اس کی مختصر ترین تعبیر لفظ عصبہ مفرد کے ساتھ تھی جیسا کہ اسے اس کے قسیم میں تعبیر کیا گیا ہے اور وہ عصبہ سببیہ ہے اور اس میں جنس کا معنی اظہر اور بین ہے؟ تو جواب یہ ہے: انہوں نے اسے لفظاً جمع ذکر کیا ہے اگرچہ جمع کا معنی مراد نہیں ہے تا کہ اس کے اور ''مصنف'' کے قول ذوی الفروض کے درمیان مناسبت پیدا ہو جائے۔ کیونکہ اسے جمع کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا ہے، یا یہ کہا جائے گا کہ اس کی انواع متعدد ہونے کی وجہ سے اسے جمع ذکر کیا گیا ہے مثلاً عصبہ بنفسہ، عصبہ بغیرہ اور عصبہ مع غیرہ جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا۔ اور کبھی کہا جاتا ہے: بے شک جمعیت کے معنی کو باطل کرنے کی طرف دعوت دینے والا اسے معتق پر مقدم کرنے میں تعدد شرط نہیں ہے، بلکہ اسے مقدم لایا جائے گا اگرچہ وہ ایک ہو بخلاف اصحاب فروض کے۔ کیونکہ ان میں وہ نہیں ہے جو اکیلا عصبہ پر مقدم ہو اس معنی میں کہ اس کے ساتھ عصبہ وارث نہ بنے۔ کیونکہ اصحاب فروض میں ایسا کوئی نہیں جو فرضیت کے سبب اکیلا کل مال کو محفوظ کر لے۔ اور اگر کوئی اس پر مقدم ہو تو وہ دوسرے معنی میں ہے، اور وہ یہ ہے کہ عصبہ کو نہیں دیا جاتا مگر وہی جو صاحب فرض (حصہ کا مالک) اس کے لیے باقی چھوڑے۔ تأمل۔

عصبہ نسبی کو مقدم کرنے کی وجہ

37242۔ (قولہ: لِأَنَّهَا أَقْوَى) کیونکہ وہ زیادہ قوی ہے، یہ اس تقدیم کی علت ہے جو ثُمَّ اور جار کے متعلق سے مستفاد ہے۔ ''السید'' نے کہا ہے: چونکہ عصبہ نسبی عصبہ سببی سے زیادہ قوی ہے، اور یہ تیری اس طرف راہنمائی کرتا ہے کہ اصحاب فروض نسبی پر دوبارہ حصص لوٹائے جائیں گے لیکن اصحاب فروض سببی پر نہیں اس سے مراد زوجین ہیں۔

37243۔ (قولہ: ثُمَّ بِالْمُعْتِقِ) پھر معتق کو، اس میں اولیٰ ''سراجیہ'' کا قول ہے: یعنی مولی العتاقہ، تا کہ وہ اختیار یہ کو بھی شامل ہو اس طرح کہ اس پر عتق (آزادی) واقع ہو الفظ اعتاق کے ساتھ یا اس کی فرع تدبیر (مدبر بنانا) یا کسی اور کے

وَلَوْ أُنْثَى وَهُوَ الْعَصَبَةُ السَّبَبِيَّةُ (ثُمَّ عَصَبَتُهُ الذُّكُورُ لِأَنَّهُ لَيْسَ لِلنِّسَاءِ مِنَ الْوَلَاءِ إِلَّا مَا أَعْتَقْنَ

کو اگر چہ وہ مونث ہو اور وہ عصبہ سببی ہے۔ پھر اس کے مذکر عصبات کو میراث دی جائے، کیونکہ عورتوں کے لیے ولا میں سے کوئی شے نہیں ہے مگر وہ جسے وہ خود آزاد کریں۔

ساتھ، یا ذی رحم محرم کے اسے خریدنے کے ساتھ۔ اور اضطراریہ کو بھی شامل ہو اس طرح کہ وہ ذی رحم محرم کا وارث بنے اور وہ اس سے آزاد ہو جائے۔ اور مراد مولی العتاقہ کی جنس ہے۔ پس یہ متعدد اور منفرد کو شامل ہو گا جیسا کہ مذکر اور مونث معتق کو واسطہ کے ساتھ شامل ہوتا ہے جیسا کہ معتق کا معتق جیسا کہ عنقریب آئے گا اور جیسا کہ باپ کا معتق۔ اور یہ اسے بھی شامل ہے جیسا کہ ''ابن کمال'' نے کہا ہے: یعنی معروف اور مقرلہ، اور اس میں مقرلہ پر معروف کو مقدم کیا جائے گا، اور اس کے صحیح ہونے میں یہ شرط ہے کہ اقرار کرنے والے کے لیے مولی عتاقہ معروفہ نہ ہو، اور نہ شرعاً اسے جھٹلایا گیا ہو۔

تنبیہ

ولا کے ثبوت میں اہم ترین شرط یہ ہے کہ ماں اصلاً آزاد نہ ہو اس معنی میں کہ اس میں اور اس کی اصل میں کہیں غلامی نہ ہو۔ پس اگر ہو تو پھر اس کی اولاد کے لیے ولاء نہیں ہو گی اگر چہ باپ معتق ہو جیسا کہ ''البدائع'' میں ہے۔ پس جب آزاد ہونے والے نے اصلاً آزاد عورت کے ساتھ شادی کی تو اغلباً آزادی کی وجہ سے اس کی اولاد پر ولاء نہیں ہو گی جیسا کہ ''سکب الانہر'' میں ''الدرر'' وغیرہ سے ہے۔ اور اس کی مکمل بحث اسی میں ہے۔ اور اس بارے میں جو ہم نے کتاب الولاء میں پہلے ذکر کیا ہے۔ پس اسے یاد رکھ لو۔ کیونکہ یہاں مزلۃ الاقدام (پاؤں کی پھسلاہٹ) ہے۔

37244۔ (قولہ: وَهُوَ الْعَصَبَةُ السَّبَبِيَّةُ) اور وہ عصبہ سببیہ ہے، یہ معتق کے ساتھ خاص ہے نہ کہ اس کے عصبہ ہونے کے ساتھ، اور اس طرح نہیں ہے بلکہ عصبہ سببیہ ان دونوں کا مجموعہ ہے جیسا کہ علامہ ''ابن حنبلی'' کی شرح ''السراجیہ'' میں ہے۔ اور اس پر ''شارح'' کا کلام فصل العصبات میں آئے گا۔ اور جو ''السید'' کے کلام نے اس کے خلاف کے بارے وہم دلایا ہے اس کا جواب ''یعقوب'' نے دیا ہے۔ پس ''شارح'' پر لازم تھا کہ وہ اپنے قول ثم عصبته الذکور کے بعد کہتے: وهما العصب السببية یعنی تثنیہ کی ضمیر کے ساتھ۔

37245۔ (قولہ: ثُمَّ عَصَبَتُهُ الذُّكُورُ) پھر اس کے مذکر عصبہ کو، مراد عصبہ بنفسہ ہے (یعنی جو بذات خود عصبہ ہو) پس وہ قطعی طور پر مذکر ہوتا ہے۔ اور مولی عتاقہ کے لیے عصبہ بنفسہ ہونا میت کے لیے اس کے عصبہ سببیہ ہونے کے منافی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ''ابن حنبلی'' نے کہا ہے۔ پس اگر آزاد ہونے والا اپنے آقا کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیچھے چھوڑے تو میراث صرف بیٹے کے لیے ہو گی۔ اور اگر اس نے اپنے آقا کی بیٹی اور اس کی بہن پیچھے چھوڑیں تو اس کی میراث میں دونوں کا کوئی حق نہیں ہو گا۔

37246۔ (قولہ: لِأَنَّهُ الخ) یہ مذکر کے ساتھ مقید کرنے کی علت ہے جو ''السید'' نے کہا ہے کہ وہ اس کے لیے ضروری ہے لیکن اس کا دارومدار اس پر ہے کہ معتق سے مراد وہ ہے جو قریبی اور بعیدی دونوں کو شامل ہو جیسا کہ معتق اور معتق کا

(ثُمَّ الرَّدُّ) عَلَى ذَوِي الْفُرُوضِ النِّسْبِيَّةِ بِقَدْرِ حُقُوقِهِمْ

پھر اسے دوبارہ نسبی ذوی الفروض پر ان کے حقوق کی مقدار کے مطابق لوٹا دیا جائے۔

معتق۔ (پہلا قریبی ہے اور دوسرا البعیدی ہے) اور اسی طرح ہے چاہے مذکر ہو یا مونث ہو، لیکن جب اس سے مراد وہ ہو جو اس سے فوراً ذہن میں آتا ہے اور وہ معتق قریب ہے تو پھر اس کے ساتھ مقید کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ اور اس کے عصبہ ہونے سے مراد مردوں اور عورتوں میں سے عصبہ سببیہ ہونا ہے جیسا کہ معتق المعتق اور معتقة المعتق اور عصبہ نسبیہ بھی۔ لیکن دوسرے میں اس کا بذات خود عصبہ ہونا ضروری ہے، اور وہ یقیناً مردوں میں سے ہوتا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے نہ کہ عصبہ بالغیر یا مع الغیر یہ مذکورہ حدیث کی وجہ سے ہے۔

تنبیہ

اس کو معتق اور اس کے عصبہ پر محصور کرنا اس کا فائدہ دیتا ہے کہ اگر معتق کے عصبہ کا عصبہ ہوا تو اس کے لیے میراث نہ ہو گی۔ اس کی وضاحت یہ ہے: ایک عورت نے غلام آزاد کیا پھر وہ عورت خاوند اور اس سے ایک بیٹا چھوڑ کر فوت ہو گئی، پھر وہ آزاد ہونے والا غلام بھی فوت ہو گیا تو میراث اس عورت کے بیٹے کے لیے ہو گی، کیونکہ وہی اس کا عصبہ ہے۔ اور اگر بیٹا اس آزاد ہونے والے غلام سے پہلے فوت ہو گیا تو اس عورت کے خاوند کے لیے میراث نہیں ہو گی۔ کیونکہ وہ اس عورت کے عصبہ کا عصبہ ہے۔ لیکن جب کوئی مرد کسی غلام کو آزاد کرے پھر وہ غلام دوسرے کو آزاد کرے پھر وہ دوسرا ایک تیسرے غلام کو آزاد کرے اور وہ تیسرا آزاد ہونے والا فوت ہو جائے اور وہ معتق اول کا عصبہ پیچھے چھوڑے تو وہ اس کا وارث ہو گا اگرچہ وہ صورۃً معتق کے عصبہ کا عصبہ ہے لیکن وہ اس لیے نہیں ہے، بلکہ اس لیے کہ پہلے آزاد ہونے والے نے اس میت کی ولا کو اپنی طرف کھینچا ہے۔ پس پہلے آزاد ہونے والے کا عصبہ اس کا وارث ہو گا اس لیے کہ وہ حدیث کی وجہ سے قائم مقام معتق اول کے ہے۔ یہ ''الذخیرہ'' باب الولاء سے ملخص ہے۔ اور ہم نے اسے وہاں ذکر کر دیا ہے، اور عنقریب حدیث پر مکمل گفتگو آئے گی۔

37247۔ (قولہ: ثُمَّ الرَّدُّ) یعنی عصبات میں سے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ان میں سے اگر کوئی بھی نہ ہو تو پھر اصحاب فروض سے باقی بچ جانے والی میراث نسبی ذوی الفروض پر لوٹا دی جائے گی، اور اس قید کے ساتھ سببی ذوی الفروض سے احتراز کیا ہے جیسا کہ زوجین (یہ سببی ذوی الفروض ہیں)۔ کیونکہ رد کا سبب فرض (حصہ) لینے کے بعد باقی رہنے والی قرابت ہے۔ اور زوجیت کی قرابت حکمی ہے وہ حصہ لینے کے بعد باقی نہیں رہتی لہٰذا اس میں سبب کی نفی کے ساتھ رد کا حکم ثابت نہیں۔ اسے ''یعقوب'' نے بیان کیا ہے۔ لیکن عنقریب ''الاشباہ'' سے آئے گا۔ اور ولا میں پہلے گزر چکا ہے کہ ہمارے زمانہ میں ان پر بھی میراث لوٹائی جائے گی۔ اس کی مکمل بحث ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گی۔

37248۔ (قولہ: بِقَدْرِ حُقُوقِهِمْ) ان کے حقوق کی مقدار کے برابر، اس سے مراد قدر نسبی ہے نہ کہ عددی، کیونکہ رد کے سبب جو کچھ دیا جاتا ہے کبھی وہ اس سے کم ہوتا ہے جو بطور حصہ دیا جاتا ہے، جیسا کہ دو علاتی بہنوں اور ایک اخیافی بہن

(ثُمَّ ذَوِي الْأَرْحَامِ ثُمَّ بَعْدَهُمْ مَوْلَى الْمُوَالَاةِ) كَمَا مَرَّ فِي كِتَابِ الْوَلَاءِ وَلَهُ الْبَاقِي بَعْدَ فَرْضِ أَحَدِ الزَّوْجَيْنِ ذَكَرَهُ السَّيِّدُ

پھر ذوالارحام سے ابتدا کی جائے گی پھر ان کے بعد مولی الموالاۃ سے جیسا کہ کتاب الولاء میں گزر چکا ہے۔ اور زوجین میں سے کسی ایک کے حصہ کے بعد باقی اس کے لیے ہوگا۔ ''السید'' نے اسے ذکر کیا ہے۔

میں اور کبھی مساوی ہوتا ہے جیسا کہ دو اخیافی بہنیں اور ایک ماں ہو، اور کبھی اس سے زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ ایک اخیافی بہن اور دادی ہو۔ اور نسبت کا طریقہ یہ ہے کہ جس کا حصہ نصف ہو اس کے لیے رد میں سے نصف حصے کی مقدار ہوگا، اور جس کے لیے حصہ تیسرا ہو اس کے لیے اسی کی بقدر ہوگا۔ پس اسی طرح مثلاً جب کسی نے سگی بہن چھوڑی اور ماں، تو مسئلہ چھ سے چلے گا اس کا نصف اور وہ تین ہے وہ سگی بہن کو ملے گا اور اس کا ثلث اور وہ دو ہے وہ ماں کو ملے گا۔ پس مجموعی حصص پانچ ہو گئے۔ باقی ایک رہ گیا وہ ان دونوں پر ان کے حصوں کی نسبت سے لوٹا دیا جائے گا۔ تحقیق سگی بہن کے لیے ایک کے تین خمس اور ماں کے لیے دو ہوں گے، پس اس کے لیے ایک کے دو خمس ہوئے۔ اور رد کا مسئلہ پانچ کی طرف لوٹے گا جیسا کہ اس کا بیان اپنے محل میں آئے گا۔

37249۔ (قولہ: ثُمَّ ذَوِي الْأَرْحَامِ) پھر ذوی الارحام کو میراث دی جائے گی یعنی ذوی الفروض النسبیہ اور عصبات کے نہ ہونے کے وقت ذوی الارحام سے ابتدا کی جائے گی اور سارا مال وہی لیں گے۔ اور زوجین پر رد نہ ہونے کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک کے حصہ لینے کے بعد باقیماندہ مال ذوی الارحام لیں گے۔

37250۔ (قولہ: ثُمَّ بَعْدَهُمْ) یعنی ذوی الارحام جب موجود نہ ہوں تو پھر مولی الموالاۃ کو مقدم کیا جائے گا یعنی وہ جو میت کی موالاۃ (دوستی) کو قبول کرنے والا ہو اس وقت جب وہ اسے کہے: تو میرا دوست (مولیٰ) ہے تو میرا وارث ہوگا جب میں فوت ہوا اور تو میری طرف سے دیت ادا کرے گا جب میں نے کسی جنایت کا ارتکاب کیا، اور وہ عرب میں سے نہ ہو اور نہ اس کے موالی میں سے ہو، اور نہ اس کا کوئی نسبی وارث ہو، اور نہ اس کی طرف سے بیت المال یا دوسرے مولی الموالاۃ نے دیت ادا کی ہو تو اس موالاۃ کو قبول کرنے والا اس کا وارث ہوگا بلکہ اس کا برعکس بھی ہوگا مگر یہ کہ اس کی شرط دونوں جانبوں سے ہو اور دونوں میں شرائط ثابت ہوں، اور اس کے لیے رجوع کرنا جائز ہے جب تک اس کا مولیٰ اس کی طرف سے دیت ادا نہ کرے، اور یہ حضرت عمر، حضرت علی رضی اللہ عنہما اور کثیر ائمہ کا مذہب ہے، پھر اس کا عصبہ بھی مولی العتاقہ کے عصبہ کی ترتیب پر وارث ہوگا اگرچہ ''مصنف'' نے اسے ذکر نہیں کیا ہے۔ اسے ''سائحانی'' نے ''شرح المنظومہ'' میں نقل کیا ہے۔ اور ہم نے اسے کتاب الولاء میں استیفاء شروط اور ان کے بیان کے ساتھ ذکر کر دیا ہے۔

37251۔ (قولہ: وَلَهُ الْبَاقِي الخ) یعنی اگر ان میں سے کوئی ایک بھی نہ پایا گیا جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے تو اس کے لیے کل مال ہوگا، مگر جب زوجین میں سے کوئی ایک پایا گیا تو پھر اس کے لیے اس کا حصہ نکالنے کے بعد باقی ہوگا۔

(ثُمَّ الْمُقَرُّ لَهُ بِنَسَبٍ) عَلَى غَيْرِهِ (لَمْ يَثْبُتْ) فَلَوْ ثَبَتَ بِأَنْ صَدَّقَهُ الْمُقَرُّ عَلَيْهِ

پھر اس کے لیے میراث ہوگی جس کے لیے نسب کے بارے غیر کے خلاف اقرار کیا گیا، تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔ پس اگر ثابت ہو جائے اس طرح کہ مقر علیہ اس کی تصدیق کر دے

37252۔ (قولہ: ثُمَّ الْمُقَرُّ لَهُ بِنَسَبٍ الخ) پھر اسے جس کے لیے نسب کا اقرار کیا جائے، یعنی مولی الموالاۃ کے بعد جبکہ وہ نہ ہو تو اسے مقدم کیا جائے گا جس کے لیے نسب کے بارے اقرار کیا جائے الخ۔ پس کل مال اسے دیا جائے گا مگر جب زوجین میں سے ایک ہو تو پھر اسے وہ دیا جائے گا جو اس کے حصہ میں فالتو بچے۔

37253۔ (قولہ: عَلَى غَيْرِهِ) یہ تحمیل کے معنی کو متضمن ہے اور اسے علی کے ساتھ متعدی کیا ہے یعنی وہ جس کے نسب کو اپنی طرف سے اقرار بالنسب کے ضمن میں اس کے غیر پر محمول کیا جائے جیسا کہ اگر وہ اس کے لیے اقرار کرے کہ وہ اس کا بھائی یا اس کا پوتا ہے۔ تو بلا شبہ اس کا یہ اقرار نسب کو باپ یا بیٹے پر محمول کرنے کو متضمن ہے، اور اس کے ساتھ اس سے احتراز کیا ہے جب وہ نسب کو غیر پر محمول کرنے کو متضمن نہ ہو جیسا کہ جب وہ مجہول النسب کے لیے یہ اقرار کرے کہ وہ اس کا بیٹا ہے تو بلا شبہ وہ اس سے نسب کے ثبوت کو ثابت کر دے گا اور وہ نسبی ورثاء میں داخل ہو جائے گا بشرطیکہ اقرار اپنے صحیح ہونے کی شرائط پر مشتمل ہو جیسا کہ مُقِر کا آزاد، عاقل اور بالغ ہونا اور مقر لہ کا نسب کے بارے تصدیق کرنا، اور اس کا اس طرح ہونا کہ اس کی مثل اس کی مثل کے لیے پیدا ہو سکتا ہو۔ اور باب اقرار المریض میں اس پر مکمل کلام گزر چکا ہے جس سے وہ صحیح ہوتا ہے اور جس سے صحیح نہیں ہوتا اور اس کے ساتھ ساتھ شرائط بھی بیان کر دی گئیں ہیں، اور ہم نے اسے اپنی شرح جو کہ نظم فرائض ''الملتقی'' پر ہے اور اس کا نام ''الرحیق المختوم شرح قلائد الدر المنظوم'' ہے میں بھی تحریر کیا ہے اور ''جامع الفصولین'' کی انتیسویں فصل کے آخر میں اہم ترین فروع ہیں جن کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔

37254۔ (قولہ: لَمْ يَثْبُتْ) یہ دوسری قید ہے، اور ''شارح'' نے اس کا محترز بیان کر دیا ہے، اور ''السراجیہ'' میں ایک تیسری قید کا اضافہ کیا ہے۔ اور وہ اقرار کرنے والے کا اپنے اقرار پر قائم رہتے ہوئے فوت ہونا ہے، کیونکہ جب وہ رجوع کر لے تو پھر اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور وہ وارث نہیں ہوگا۔ اور جب یہ صفات مقر لہ میں جمع ہو جائیں تو وہ ہمارے نزدیک مذکورہ مرتبہ میں وارث ہوگا۔ کیونکہ اقرار کرنے والا دو چیزوں کے بارے اقرار کرنے والا ہے: ایک نسب، اور دوسرا وراثت کے مال کا استحقاق۔ لیکن اس کا اقرار بالنسب باطل ہے۔ کیونکہ وہ اس کے نسب کو غیر پر محمول کر رہا ہے، اور غیر پر اقرار ایک دعویٰ ہے پس وہ سنا نہیں جائے گا، اور مال کے بارے میں اس کا اقرار صحیح باقی رہے گا۔ کیونکہ وہ غیر کی طرف تجاوز نہیں کر رہا ہے جبکہ اس کا کوئی معروف وارث نہ ہو۔ ''السید''۔ یعنی یہ اقرار معنوی طور پر وصیت ہے۔ اسی لیے اس سے رجوع کرنا صحیح ہے اور یہ مقر لہ کی فرع اور اس کی اصل کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔

37255۔ (قولہ: بِأَنْ صَدَّقَهُ الْمُقَرُّ عَلَيْهِ) کہ مقر علیہ اس کی تصدیق کرے اس طرح کہ باپ کہے: ہاں وہ میرا بیٹا اور تیرا بھائی ہے۔ اور اسی طرح اگر ورثاء اس کی تصدیق کر دیں درآنحالیکہ وہ اہل اقرار میں سے ہوں۔ یہ ''روح الشروح'' میں

أَوْ أَقَرَّ بِمِثْلِ إِقْرَارِهِ أَوْ شَهِدَ رَجُلٌ آخَرُ ثَبَتَ نَسَبُهُ حَقِيقَةً وَزَاحَمَ الْوَرَثَةَ وَإِنْ رَجَعَ الْمُقِرُّ وَكَذَا لَوْ صَدَّقَهُ الْمُقَرُّ لَهُ قَبْلَ رُجُوعِهِ وَتَمَامُهُ فِي شُرُوحِ السِّرَاجِيَّةِ سِيَّمَا رَوْحُ الشُّرُوحِ وَقَدْ لَخَّصْتُه فِيمَا عَلَّقْتُه عَلَيْهَا

یا وہ اس کے اقرار کی مثل اقرار کرے یا دوسرا آدمی شہادت دے تو اس کا نسب حقیقتاً ثابت ہو جائے گا اور وہ ورثا کا مزاحم ہوگا اگرچہ اقرار کرنے والا رجوع کر لے۔ اور اسی طرح حکم ہے اگر مقرلہ اس کے رجوع سے پہلے اس کی تصدیق کر دے۔ اور اس کی مکمل بحث شروح ''السراجیہ'' میں ہے خصوصاً ''روح الشروح'' میں۔ میں نے اس کی تلخیص اس کی شرح میں بیان کر دی ہے۔

منقول ہے۔ اور مراد اقرار کرنے والے کے ورثاء ہیں اس طرح کہ مقر کی اولاد کہے: وہ ہمارا چچا ہے۔ ''طحطاوی''۔

37256۔ (قولہ: أَوْ أَقَرَّ بِمِثْلِ إِقْرَارِهِ) یا وہ اس کے اقرار کی مثل اقرار کرے یعنی اس طرح کہ مقر کے اقرار کا علم ہوئے بغیر کہے: وہ میرا بیٹا ہے، کیونکہ جب وہ اس کے اقرار کو جان لے تو پھر یہ تصدیق ہوگی۔ تامل۔

اور ظاہر یہی ہے کہ وہ جب اس کے نسب کو اپنی ذات پر محمول کرے تو وہ قصداً اس کا اور اس کے غیر کا وارث ہوگا اگرچہ وہ غیر اقرار نہ بھی کرے۔ اسے ''طحطاوی'' نے بیان کیا ہے۔

37257۔ (قولہ: أَوْ شَهِدَ رَجُلٌ) یا مقر کے ساتھ کسی آدمی نے شہادت دی۔ ''شارح'' نے باب اقرار المریض میں کہا ہے: وہ اقرار غیر کے حق میں صحیح نہیں ہوگا مگر دلیل کے ساتھ، اور اس کی طرف سے دو کا اقرار ہو۔ اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ اس اقرار میں لفظ شہادت لازم نہیں ہوتا۔ اور اس نے یہ فائدہ دیا ہے کہ وہ وارث کے اقرار کے ساتھ صحیح ہوگا اگرچہ مورث نے اس کے بارے اقرار نہ کیا، اور یہ ظاہر ہے۔

37258۔ (قولہ: وَإِنْ رَجَعَ الْمُقِرُّ) اگرچہ اقرار کرنے والے نے رجوع کر لیا۔ ''روح الشروح'' میں کہا ہے: اور تو جان! کہ اگر مقر کے ساتھ ایک دوسرے آدمی نے شہادت دی یا مقر علیہ یا ورثاء نے اس کی تصدیق کی در آنحالیکہ وہ اہل اقرار میں سے ہوں تو پھر موت تک اقرار پر اصرار شرط نہیں ہوگا اور نہ اس وقت رجوع نسب کے ثبوت کا فائدہ دے گا۔ اور ''سکب الانہر'' میں ہے: اور اس کا رجوع کرنا صحیح ہے۔ کیونکہ وہ معنیٔ وصیت ہے۔ اور مقرلہ کیلئے اس کے ترکہ میں سے کوئی شے نہ ہوگی۔

''شرح السراجیہ'' جس کا نام ''المنہاج'' ہے اس میں کہا ہے: یہ تب ہے جب مقر علیہ اس کے رجوع سے پہلے اس کے اقرار کی تصدیق نہ کرے، یا اس کے اقرار کی مثل اقرار نہ کرے الخ۔ پس بعض شروح سراجیہ سے ''المنح'' کا قول ہے: یہ تب ہے جب مقرلہ تصدیق نہ کرے۔ اس میں درست مقر علیہ ہے جیسا کہ میں نے اسے اپنے نسخہ میں بعض فضلاء کے خط سے اصلاح کیا ہوا دیکھا ہے۔

37259۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ صَدَّقَهُ الْمُقَرُّ لَهُ الخ) اور اسی طرح ہے اگر مقرلہ اس کی تصدیق کر دے، اس میں درست اسے کلی طور پر ساقط کرنا ہے اور وہ جس نے اسے اس میں واقع کیا ہے وہ ''المنح'' کی سابقہ عبارت ہے۔ اور آپ اسے جان چکے ہیں جو اس میں صواب اور درست ہے۔ کیونکہ مقرلہ کی تصدیق قطعی طور پر نسب ثابت نہیں کرتی۔ کیونکہ وہ تو اس سے

(ثُمَّ) بَعْدَهُمْ (الْمُوصَى لَهُ بِمَا زَادَ عَلَى الثُّلُثِ) وَلَوْ بِالْكُلِّ وَإِنَّمَا قُدِّمَ عَلَيْهِ الْمُقَرُّ لَهُ لِأَنَّهُ نَوْعُ قَرَابَةٍ بِخِلَافِ الْمُوصَى لَهُ (ثُمَّ) يُوضَعُ (فِي بَيْتِ الْمَالِ) لَا إِرْثًا بَلْ فَيْئًا لِلْمُسْلِمِينَ

پھر ان کے بعد وہ موصی لہ ہے جس کے لیے ثلث مال سے زیادہ کی وصیت ہو اگرچہ کل مال کی ہو۔ اور بلاشبہ اس پر مقرلہ کو مقدم کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ قرابت کی ایک نوع ہے۔ بخلاف موصی لہ کے، پھر اس کے بعد وہ ترکہ بیت المال میں رکھ دیا جائے گا بطور میراث نہیں بلکہ مسلمانوں کے لیے بطور مال غنیمت۔

نفع حاصل کرنے والا ہے۔ پس وہ متہم ہو جائے گا۔ جب وہ مقر کے اقرار کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا تو پھر متہم مقرلہ کی تصدیق کے ساتھ کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟ اس بنا پر کہ آپ یہ جان چکے ہیں کہ جو ''روح الشروح'' وغیرہ میں ہے وہ مقر علیہ کی تصدیق کے ساتھ اس کا ثابت ہونا ہے نہ کہ مقرلہ کی تصدیق کے ساتھ۔ پس تو اس پر آگاہ رہ۔ اور اس پر مکمل کلام باب اقرار المریض میں جانا جا سکتا ہے۔ پس تو اس کی طرف رجوع کر۔

37260۔ (قولہ: ثُمَّ بَعْدَهُمُ الخ) یعنی جب وہ نہ ہو جس کا ذکر پہلے کیا ہے تو اس سے ابتدا کی جائے گی جس کے بارے اس نے تمام مال کی وصیت کی۔ پس اس کی وصیت اس کے لیے مکمل کی جائے گی۔ کیونکہ اسے اس سے منع کرنا جو تہائی مال سے زیادہ ہو وہ ورثاء کی وجہ سے ہے تو اگر ورثاء میں سے کوئی ایک بھی نہ پایا گیا تو ہمارے نزدیک اس کے لیے وہ سب ہو گا جو اس نے اس کے لیے معین کیا ہے۔ ''سید''۔ اور اس میں کوئی خفا نہیں ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ زائد بطریق استحقاق اجازہ پر توقف کئے بغیر لے گا۔ پس یہ اعتراض وارد نہیں ہو گا کہ زائد کے لینے میں ورثاء کا نہ ہونا شرط نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ اجازت دے دیں تو وہ جائز ہے۔

37261۔ (قولہ: لِأَنَّهُ نَوْعُ قَرَابَةٍ) کیونکہ وہ قرابت کی ایک نوع ہے، اس میں اولیٰ ''السید'' کا قول ہے: أن لہ نوع قرابة (کہ اس کے لیے قرابت کی نوع ہے۔)

37262۔ (قولہ: ثُمَّ يُوضَعُ) یعنی اگر وہ موصی لہ نہ پایا گیا جس کے لیے ثلث سے زائد کی وصیت ہو تو پھر کل ترکہ بیت المال میں رکھ دیا جائے گا یا زائد سے جو باقی بچے گا وہ بیت المال میں رکھ دیا جائے گا اگر ایسا موصی لہ پایا گیا جس کے لیے کل ترکہ میں سے کم کی وصیت ہو۔ اور یہاں ''مصنف'' نے یہ نہیں کہا: ثم يُقدّم۔ کیونکہ اب اس کے بعد کوئی شے باقی نہیں ہے۔ اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ''مصنف'' کا کلام راجز کے اس قول کے قبیل سے ہے۔ [الرجز] عَلَفْتُهَا تِبْنًا وَمَاءً بَارِدًا (میں نے اسے بطور چارہ بھوسہ کھلایا اور ٹھنڈا پانی پلایا۔)

37263۔ (قولہ: لَا إِرْثًا) بطور میراث نہیں، اس میں اس کی نفی ہے جو شافعیہ کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ وہ اگر بطور میراث ہو تو پھر فقراء کے لیے ثلث کے بارے اس کا وصیت کرنا صحیح نہیں جب اس کا خاص وارث نہ ہو۔ کیونکہ وہ وارث کے لیے وصیت ہے۔ اور وہ بقیہ ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے اور اس سے کہ اس مال

(وَمَوَانِعُهُ) عَلَى مَا هُنَا أَرْبَعَةٌ (الرِّقُّ) وَلَوْ نَاقِصًا كَمُكَاتَبٍ وَكَذَا مُبَعَّضٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمَالِكٍ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالَى وَقَالَا حُرٌّ فَيَرِثُ وَيَحْجُبُ

اور اس مقام پر میراث کے موانع چار ہیں: غلامی یعنی مملوک ہونا اگرچہ وہ ناقص ہو جیسا کہ مکاتب۔ اور اسی طرح وہ جس کا بعض حصہ آزاد ہو یہ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' اور امام ''مالک'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: وہ آزاد کے حکم میں ہوگا۔ پس وہ وارث بھی بنے گے اور حاجب بھی ہوگا۔

سے اسے دیا جا سکتا ہے جو اس کے مالک کے فوت ہونے کے بعد پیدا ہوا اور بیٹے کو اس کے والد سمیت، اور اگر یہ وراثت ہو تو پھر یہ صحیح نہیں ہے۔ لیکن متاخرین شافعیہ نے رد کے بارے فتویٰ دیا ہے اگر بیت المال انتظام نہ کرے۔

مانع کی لغوی اور اصطلاحی تعریف اور میراث کے موانع

37264۔ (قولہ: وَمَوَانِعُهُ) مانع کا لغوی معنی حائل ہونا ہے۔ اور اصطلاح میں اس سے مراد وہ ہے جس کے کسی شخص کی ذات میں پائے جانے کی وجہ سے سبب قائم ہونے کے بعد حکم ثابت نہ ہو سکے، ایسے آدمی کو محروم کہا جاتا ہے۔ پس اس سے وہ خارج ہو گیا جس سے حکم کی نفی اس معنی کی وجہ سے ہو جو کسی غیر میں ہو کیونکہ اسے محجوب کہا جاتا ہے (یعنی وہ آدمی جسے کسی دوسرے کی وجہ سے میراث سے روک دیا گیا ہو) یا سبب کے قائم نہ ہونے کی وجہ سے ہو جیسے اجنبی۔ اور یہاں مانع سے مراد وہ ہے جو وارث بننے سے مانع ہو نہ کہ وارث بنانے کے مانع ہو اگرچہ ان میں سے بعض مثلاً دین کا اختلاف دونوں سے مانع ہوتا ہے جیسا کہ میں نے اسے ''الرحیق المختوم'' میں تحریر کیا ہے۔

37265۔ (قولہ: عَلَى مَا هُنَا) کیونکہ بعض نے ان چار کے علاوہ اور بھی ذکر کیے ہیں جیسا کہ ''شارح'' عنقریب ذکر کریں گے۔

پہلا مانع غلامی

37266۔ (قولہ: كَمُكَاتَبٍ) جیسا کہ مکاتب، اسے صراحۃً ذکر کیا گیا ہے اس لیے کہ اس کی غلامی کامل ہے اور اس کی ملک ناقص ہے۔ پس صواب اور درست یہ کہنا ہے: كمدبر و أم ولد جیسا کہ مدبر اور ام ولد۔ ''حلبی''۔ اور کبھی کہا جاتا ہے: اس کی غلامی کا کامل ہونا بلاشبہ مدبر اور ام ولد کی طرف نسبت کرنے کے اعتبار سے ہے، اس لیے اسے کفارہ کی طرف سے آزاد کرنے اور اس کی کمائی کا مالک ہونے کو جائز قرار دیا ہے لیکن مدبر اور ام ولد میں یہ جائز نہیں۔ رہی مملوک کی طرف نسبت تو وہ ناقص ہے اس حیثیت سے کہ اس میں آزادی کا سبب مدبر اور ام ولد کی مثل منعقد ہے۔

37267۔ (قولہ: وَكَذَا مُبَعَّضٌ الخ) اور اسی طرح وہ ہے جس کا بعض حصہ آزاد کر دیا ہو اور وہ باقی حصہ کو آزاد کرانے کی کوشش کر رہا ہو، اور وہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بمنزلہ مملوک کے ہے جب تک ایک درہم بھی اس پر باقی ہو۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: وہ آزاد مقروض ہے۔ پس وہ وارث ہو سکتا ہے اور حاجب بھی۔ اور اس کی بنا اس پر ہے

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ، لَا يَرِثُ بَلْ يُورَثُ وَقَالَ أَحْمَدُ يَرِثُ وَيُورَثُ وَيَحْجُبُ بِقَدْرِ مَا فِيهِ مِنَ الْحُرِّيَّةِ۔ قُلْتُ وَقَدْ ذَكَرَ الشَّافِعِيَّةُ مَسْأَلَةً يُورَثُ فِيهَا الرَّقِيقُ مَعَ رِقِّ كُلِّهِ صُورَتُهَا مُسْتَأْمَنٌ جَنَى عَلَيْهِ فَلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ فَاسْتُرِقَّ وَمَاتَ رَقِيقًا بِسِرَايَةِ تِلْكَ الْجِنَايَةِ فَدِيَتُهُ لِوَرَثَتِهِ وَلَمْ أَرَهُ لِأَئِمَّتِنَا فَيُحَرَّرُ (وَالْقَتْلُ)

اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: وہ وارث تو نہیں بن سکتا البتہ اس کا وارث بنایا جائے گا۔ اور امام ''احمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: وہ وارث بھی ہوگا، اس کا وارث بھی بنایا جائے گا، اور وہ اپنی آزادی کی مقدار کے برابر حاجب بھی ہوگا۔ میں کہتا ہوں: تحقیق شافعیہ نے ایک مسئلہ ذکر کیا ہے جس میں غلام کا اس کی کامل غلامی سمیت وارث بنایا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے: مستامن پر کسی نے جنایت کی اور وہ دارالحرب چلا گیا پھر وہ غلام بنالیا گیا اور پھر وہ اسی غلامی کی حالت میں اس جنایت کے سرایت کرنے کے سبب فوت ہو گیا تو اس کی دیت اس کے ورثا کے لیے ہوگی۔ میں نے اپنے ائمہ سے اسے نہیں دیکھا۔ پس اس کی تحقیق کی جائے۔ اور قتل ہے،

کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اعتاق تقسیم ہو سکتا ہے اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک نہیں۔

37268۔ (قولہ: وَقَالَ الشَّافِعِيُّ، لَا يَرِثُ بَلْ يُورَثُ) اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: وہ وارث نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا وارث بنایا جائے گا۔ کہا گیا ہے کہ آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ نہ وہ وارث بن سکتا ہے اور نہ کسی کو اس کا وارث بنایا جائے گا۔ پس چاہیے کہ رجوع کیا جائے۔

37269۔ (قولہ: يُورَثُ فِيهَا الرَّقِيقُ) اس میں غلام کا وارث بنایا جاتا ہے یعنی اول اصابۃ کی طرف نسبت کرنے کے طریقہ پر۔ ''طحطاوی''۔

37270۔ (قولہ: جَنَى عَلَيْهِ) مثلاً اس نے اسے زخم لگا دیا۔

37271۔ (قولہ: بِسِرَايَةِ تِلْكَ الْجِنَايَةِ) یعنی اس جنایت کے سرایت کرنے کی وجہ سے جو غلامی سے پہلے اس پر واقع ہوئی۔ ''طحطاوی''۔

37272۔ (قولہ: فَدِيَتُهُ لِوَرَثَتِهِ الخ) یعنی جنایت واقع ہونے کے وقت کا اعتبار کرتے ہوئے اس کی دیت اس کے ورثاء کے لیے ہوگی۔ کیونکہ اگر وہ غلام بنائے جانے سے پہلے اس کے ساتھ فوت ہو جاتا تو اس کی میراث انہیں کے لیے ہوتی تو اسی طرح اس کے بعد بھی انہیں کے لیے ہوگی۔ کیونکہ اس کا سبب غلامی سے پہلے پایا گیا ہے۔ ''طحطاوی''۔

37273۔ (قولہ: وَلَمْ أَرَهُ لِأَئِمَّتِنَا) اور میں نے اپنے ائمہ کو نہیں دیکھا، انہوں نے کئی مسائل میں جنایت لگنے کے وقت کا اعتبار کیا ہے۔ پس ممکن ہے کہ یہ بھی ان میں سے ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس کی موت واقع ہوئی اس حال میں کہ وہ آقا کی ملکیت میں تھا لہٰذا دیت اسی کے لیے ہوگی۔ ''طحطاوی''۔

میں کہتا ہوں: میرے لیے یہ ظاہر ہے کہ ہمارے نزدیک جنایت کرنے والے پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ فصل

الْمُوجِبُ لِلْقَوَدِ أَوْ الْكَفَّارَةِ وَإِنْ سَقَطَا بِحُرْمَةِ الْأُبُوَّةِ
یعنی وہ جو قصاص یا کفارہ کا موجب ہوتا ہے اگرچہ یہ دونوں حرمت پدری کے سبب ساقط ہیں

المستامن میں یہ گزر چکا ہے کہ وہ جب دارالحرب کی طرف لوٹ جائے درآنحالیکہ وہ مال ودیعت یا قرض چھوڑ جائے پھر اسے قید کر لیا جائے یا ان پر ظاہر ہو تو اسے پکڑ لیا جائے یا قتل کر دیا جائے تو اس کا قرض اور جو کچھ اس سے غصب کیا گیا وہ سب ساقط ہو جائے گا، اور اس کا مال اس کی ودیعت کی طرح ہو گیا، اور جو اس کے شریک کے پاس ہے یا ہمارے دار اسلام میں اس کے گھر میں ہے وہ مال فئی ہو گیا۔ اور اگر ان پر غلبہ پائے بغیر اسے قتل کر دیا گیا یا وہ فوت ہو گیا تو اس کی دیت، اس کا قرض اور اس کا مال ودیعت اس کے ورثاء کے لیے ہو گا۔ کیونکہ اس کی ذات غنیمت نہیں بنی۔ اور یہ معلوم ہے کہ دیت جنایت کرنے والے پر دین (قرض) ہوتی ہے پس اس کے دارالحرب کی طرف لوٹ جانے اور اسے غلام بنائے جانے کی وجہ سے وہ ساقط ہو جائے گی۔ پس وہ نہ اس کے ورثاء کے لیے ہو گی اور نہ ہی اس کے آقا کے لیے ہو گی، کیونکہ جنایت مجنی علیہ کی ملک پر واقع ہوئی ہے نہ کہ آقا کی ملک پر۔ کیونکہ اس نے اسے اس حال میں غلام بنایا ہے کہ اس پر جنایت واقع ہو چکی تھی۔ پس اس کے لیے جنایت کرنے والے سے کسی شے کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔ پس تو اس میں غور کر۔

دوسرا مانع قتل

37274۔ (قولہ: الْمُوجِبُ لِلْقَوَدِ أَوْ الْكَفَّارَةِ) وہ قتل جو قصاص یا کفارہ کا موجب ہو۔ پہلا قتل عمد ہے، اور وہ یہ ہے کہ آدمی تیز دھار آلے کے ساتھ یا جو اجزاء کو کاٹنے میں اس کے قائم مقام ہو اس کے ساتھ کسی کو مارنے کا قصد کرے۔ اور دوسرے کی تین قسمیں ہیں:

(1) شبہ عمد: یہ وہ ہے جس میں آدمی ایسی شے کے ساتھ قتل کا ارادہ کرے جس کے ساتھ اغلباً قتل نہ کیا جا سکتا ہو جیسا کہ لاٹھی وغیرہ۔

(2) قتل خطا: یہ وہ ہے کہ آدمی شکار کو تیر مارے اور وہ کسی انسان کو جا کر لگے۔

(3) قائم مقام قتل خطا: جیسا کہ سونے والا آدمی کسی آدمی پر اپنی کروٹ بدلے یا چھت سے اس پر آ گرے۔ پس قتل بسبب خارج ہو گیا۔ کیونکہ وہ ان دونوں کو ثابت نہیں کرتا جیسا کہ اگر کسی نے روشندان نکالا، یا کنواں کھودا، یا راستے میں پتھر رکھا اور اپنے مورث کو قتل کر دیا، یا جانور کو آگے سے کھینچا یا پیچھے سے ہانکا اور اس نے مورث کو روند ڈالا یا اسے بطور قصاص یا بطور رجم یا اپنی ذات کے دفاع میں قتل کر دیا، یا اس کا مورث اس کے گھر میں مقتول پایا گیا، یا عادل نے باغی کو قتل کیا۔ اور اسی طرح اس کا برعکس ہے اگر وہ کہے: میں نے اسے قتل کیا ہے اور میں حق پر ہوں، اور میں اب بھی حق پر ہوں۔ اور اس سے وہ قتل بھی خارج ہو گیا جو بچے اور مجنون سے واقع ہو۔ کیونکہ وہ بھی قصاص اور کفارہ کو واجب نہیں کرتا۔ اس کی مکمل بحث "سکب الانہر" وغیرہ میں ہے۔ اور "الحاوی الزاہدی" میں اشارۃً ہے: جب خاوند اپنی بیوی کو یا اپنی محرم عورتوں میں سے کسی کو زنا کی وجہ سے قتل کر دے تو ہمارے نزدیک وہ اس کا وارث ہو گا بخلاف امام "شافعی" رحمۃ اللہ علیہ کے یعنی زنا کے ثبوت کے ساتھ۔ لیکن صرف

عَلَى مَا مَرَّ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ لَا يَرِثُ الْقَاتِلُ مُطْلَقًا وَلَوْ مَاتَ الْقَاتِلُ قَبْلَ الْمَقْتُولِ وَرِثَهُ الْمَقْتُولُ إِجْمَاعًا (وَاخْتِلَافُ الدِّينِ) وَإِسْلَامًا وَكُفْرًا وَقَالَ أَحْمَدُ إِذَا أَسْلَمَ الْكَافِرُ قَبْلَ قِسْمَةِ التَّرِكَةِ وَرِثَ، وَأَمَّا الْمُرْتَدُّ فَيُورَثُ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ قُلْت ذَكَرَ الشَّافِعِيَّةُ مَسْأَلَةً يُورَثُ فِيهَا الْكَافِرُ صُورَتُهَا كَافِرٌ مَاتَ عَنْ زَوْجَتِهِ حَامِلًا وَوَقَفْنَا مِيرَاثَ الْحَمْلِ

جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قاتل مطلقاً وارث نہیں ہوگا اور اگر قاتل مقتول سے پہلے فوت ہو جائے تو مقتول بالاجماع اس کا وارث ہوگا۔ اور اسلام اور کفر کے اعتبار سے دین کا مختلف ہونا۔ اور امام ''احمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: جب کافر ترکہ کی تقسیم سے پہلے مسلمان ہو جائے تو وہ وارث ہوگا، اور رہا مرتد تو ہمارے نزدیک اس کا وارث بنایا جائے گا بخلاف امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے۔ میں کہتا ہوں: شافعیہ نے ایک مسئلہ ذکر کیا ہے جس میں کافر کا وارث بنایا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک کافر اپنی حاملہ بیوی چھوڑ کر فوت ہوا اور ہم نے حمل کی میراث ٹھہرالی۔

تہمت کے ساتھ وہ وارث نہیں ہوگا جیسا کہ ہمارے علاقہ میں دیہاتوں کے کسانوں سے واقع ہوتا ہے۔ پس تو اسے جان لے۔ ''رملی''۔ اور موجب کے ساتھ مقید کرنا امر غالب کی بنا پر ہے۔ کیونکہ حکم اسی میں ہے جس میں اس طرح کفارہ مستحب ہو جیسا کہ وہ آدمی جس نے اپنی بیوی کو مارا اور اس نے مردہ جنین پھینک دیا تو اس میں غرہ لازم ہوتا ہے اور کفارہ مستحب ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ میراث سے محروم ہو جائے گا۔

37275_(قولہ: عَلَى مَا مَرَّ) جیسا کہ کتاب الجنایات میں گزر چکا ہے۔

37276_(قولہ: مُطْلَقًا) یعنی کسی حق کے ساتھ ہو مباشر ہو یا نہ ہو اگرچہ شہادت کے ساتھ ہو یا قتل کے شاہد کے تزکیہ کے ساتھ ہو۔

37277_(قولہ: وَلَوْ مَاتَ الْقَاتِلُ قَبْلَ الْمَقْتُولِ) اور اگر قاتل مقتول سے پہلے فوت ہو جائے اس طرح کہ اس نے اسے شدید زخمی کر دیا جس کے سبب وہ صاحب فراش ہو گیا اور پھر زخم لگانے والا اس سے پہلے فوت ہو گیا۔

تیسرا مانع اختلاف دین

37278_(قولہ: إِسْلَامًا وَكُفْرًا) اسلام اور کفر کے اعتبار سے۔ اس کے ساتھ مقید کیا کیونکہ کفار آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں اگرچہ ہمارے نزدیک ان کے دین مختلف ہوں۔ کیونکہ تمام کا تمام کفر ملۃ واحدہ ہے۔

37279_(قولہ: وَأَمَّا الْمُرْتَدُّ فَيُورَثُ عِنْدَنَا) اور رہا مرتد تو اس کا ہمارے نزدیک وارث بنایا جائے گا۔ یعنی اس کی اس کمائی کا جو حالت اسلام میں اس نے مال جمع کیا۔ اور حالت ردت میں کمایا ہوا مال مسلمانوں کے لیے مال فئی ہوگا۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے کہا ہے: مرتدہ کی کمائی کی طرح وہ مسلمان وارث کے لیے ہوگی۔

37280_(قولہ: خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ) بخلاف امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے۔ پس انہوں نے کہا ہے: اس کے دونوں

فَأَسْلَمَتْ ثُمَّ وَلَدَتْ وَرِثَ الْوَلَدُ وَلَمْ أَرَهُ لِأَئِمَّتِنَا صَرِيحًا (وَ) الرَّابِعُ (اخْتِلَافُ الدَّارَيْنِ) فِيمَا بَيْنَ الْكُفَّارِ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ

پھر وہ عورت مسلمان ہوگئی اور اس نے بچہ جنا تو وہ اس کا وارث ہوگا، میں نے اپنے ائمہ سے اسے صراحۃً نہیں دیکھا۔ اور چوتھا مانع اختلاف دارین ہے۔ ہمارے نزدیک اس صورت میں جبکہ یہ کفار کے درمیان ہو بخلاف امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے۔

زمانوں کی کمائی بیت المال کے لیے ہوگی۔

37281۔ (قولہ: فَأَسْلَمَتْ) پس وہ اس کی موت کے بعد اسلام لے آئی، سو اگر وہ اس کی موت سے پہلے اسلام قبول کرے تو یہ ظاہر ہے کہ حمل وارث نہیں ہوگا یہ ایک ہی قول ہے۔ کیونکہ وہ ماں کا جز ہے۔ پس وہ مورث کی موت کے وقت مسلمان ہے اور ولادت کے وقت ماں کے تابع ہے۔ اور واقعۃ الفتویٰ ہے۔

37282۔ (قولہ: وَلَمْ أَرَهُ لِأَئِمَّتِنَا صَرِيحًا) اور میں نے اپنے ائمہ کو صریح قول کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ میں کہتا ہوں: ''شارح'' نے اسے صریحاً کے قول کے ساتھ مقید کیا ہے، کیونکہ ان کا کلام اس پر دلالۃ ظاہرہ کے ساتھ دلالت کرتا ہے، پس اس میں سے ان کا قول ارث الحمل ہے کہ انہوں نے میراث کی اضافت اس کی طرف کی ہے اور وہ حمل ہے۔ اور رہا یہ کہ انہوں نے اس کے زندہ پیدا ہونے کی شرط لگائی ہے تو وہ اس کے مورث کی موت کے وقت اس کے وجود کے تحقق کے لیے ہے۔ اور اسی وجہ سے ہمارے لیے کہا گیا ہے: جماد مالک ہوتا ہے اور وہ نطفہ ہے۔ اور ''حاشیۃ الحموی'' میں ''الظہیریہ'' سے ہے: جب حمل مردہ حالت میں جدا ہو تو بلاشبہ وہ وارث نہیں ہوگا جب وہ بذات خود خارج ہو، لیکن جب اسے جدا کیا جائے تو وہ من جملہ ورثاء میں سے ہوگا، اس کی وضاحت یہ ہے: جب کوئی آدمی عورت کے پیٹ پر ضرب لگائے اور وہ مردہ جنین گرا دے تو وہ وارث ہوگا، کیونکہ شارع نے ضرب لگانے والے پر غرہ واجب کیا ہے اور زندہ پر جنایت کے عوض ضمان واجب ہوتا ہے نہ کہ میت پر۔ پس ہم نے جنایت کا حکم لگا دیا تو پھر اس کے لیے میراث ہوگی اور اس کی طرف سے اس کے حصے کا وارث بنایا جائے گا جیسا کہ اس کی طرف سے اس کی ذات کے بدل کا وارث بنایا جاتا ہے اور وہ غرہ ہے۔

میں کہتا ہوں: تحقیق انہوں نے اسے وارث اور موروث بنایا ہے حالانکہ وہ اپنے جدا ہونے سے پہلے جنین ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ وہ اپنے مورث کی موت کے وقت مسلمان نہیں ہے۔ پس اس کے میراث کا مستحق ہونے کے وقت مانع نہیں پایا گیا، بلاشبہ وہ اس کے بعد پایا گیا ہے تو وہ اس کی طرح ہوگیا جو اپنے کافر مورث کی موت کے بعد اسلام لے آیا۔ پس یہ فی الحقیقت کافر سے مسلمان کو میراث حاصل نہیں ہو رہی ہے بلکہ یہ کافر کی وراثت کافر سے ہے۔ ہاں ہمارے نزدیک مرتد کے مسئلہ میں کافر سے مسلمان کی میراث کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

چوتھا مانع اختلاف دارین

37283۔ (قولہ: وَ الرَّابِعُ اخْتِلَافُ الدَّارَيْنِ) اور چوتھا مانع اختلاف دارین ہے۔ ان دونوں کا اختلاف لشکر اور

(حَقِيقَةً) كَحَرْبِيٍّ وَذِمِّيٍّ (أَوْ حُكْمًا) كَمُسْتَأْمَنٍ وَذِمِّيٍّ وَكَحَرْبِيَّيْنِ مِنْ دَارَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ

چاہیے یہ اختلاف حقیقتاً ہو جیسا کہ حربی اور ذمی کے درمیان، یا حکماً ہو جیسا کہ مستامن اور ذمی کے درمیان اور جیسا کہ دو حربی جب کہ وہ دو مختلف داروں سے ہوں

فوجی قوت کے اختلاف اور ملک اور سلطنت کے اختلاف کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ دو ملکوں میں سے ایک ہند میں ہو اور اس کا الگ دار اور لشکر ہو اور دوسرا ترک میں ہو اور اس کے لیے دوسرا دار اور لشکر ہو۔ اور ان کے درمیان عصمت (یعنی جان و مال کی حفاظت) منقطع ہو، یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ قتال کو حلال سمجھے۔ پس دو آدمی دو مختلف داروں کے ہوں تو ان دونوں کے اختلاف کے ساتھ وراثت منقطع ہو جائے گی۔ کیونکہ وراثت کا دارومدار عصمت اور ولایت پر ہوتا ہے۔ لیکن جب دونوں اپنے دشمنوں کے خلاف ایک دوسرے کے مددگار اور معاون ہوں تو پھر ایک دار شمار ہوگا اور وراثت بھی ثابت ہوگی۔

پھر تو جان! کہ یہ اختلاف حقیقی اور حکمی ہوگا جیسا کہ حربی اور ذمی اور اسی طرح دو حربی سابقہ معنی کے مطابق دو مختلف داروں میں رہتے ہوں۔ یا صرف حکمی ہوگا جیسے مستامن اور ذمی جب ہمارے داز میں ہوں۔ کیونکہ یہ دار اگرچہ حقیقتاً ایک ہے مگر یہ حکماً مختلف ہے۔ کیونکہ مستامن حکماً دارالحرب والوں سے ہے اس لیے کہ وہ اس کی طرف واپس لوٹنے کی قدرت رکھتا ہے۔ یا وہ صرف حقیقی ہوگا جیسا کہ مستامن ہمارے دار میں ہو اور حربی ان کے دار میں ہو۔ چونکہ دار اگرچہ حقیقتاً مختلف ہے لیکن مستامن حکمی طور پر اہل حرب سے ہے جیسا کہ آپ جان چکے ہیں۔ پس وہ دونوں حکماً متحد ہوئے۔ اس آخری صورت میں مستامن کا مال اس کے حربی وارث کو دے دیا جائے گا اس لیے کہ اس کے حق کی وجہ سے اس کے مال میں امان کا حکم باقی ہے، اور اس کا مال اس کے ورثاء تک پہنچانا اس کے حق میں ہے جیسا کہ عام کتب میں ہے۔ پس یہ اسے بیت المال کی طرف پھیرنے کے مانع ہوگا بخلاف اس کے جو ''شرح السراجیہ'' میں اس کے ''مصنف'' کے نزدیک ہے جیسا کہ اس پر ''الدر المنتقی'' اور ''سکب الانہر'' میں آگاہ کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اور اسی سے معلوم ہوا کہ مانع اختلاف حکمی ہے، چاہے حقیقی اختلاف بھی ہو یا نہ ہو نہ کہ وہ اختلاف جو صرف حقیقی ہو۔ یہی وہ ہے جو ''زیلعی'' نے کہا ہے کہ مؤثر وہ اختلاف حکمی ہے یہاں تک کہ حکمی کے بغیر حقیقی معتبر نہیں ہوگا۔

37284۔ (قولہ: حَقِيقَةً) یعنی حقیقی اور حکمی دونوں طرح کا اختلاف ہو جیسا کہ آپ جان چکے ہیں۔

37285۔ (قولہ: كَحَرْبِيٍّ وَذِمِّيٍّ) جیسا کہ حربی اور ذمی، یعنی جب حربی دارالحرب میں فوت ہو اور اس کا وارث ذمی ہمارے دار میں ہو، یا ذمی ہمارے دار میں فوت ہو اور اس کا وارث دارالحرب میں ہو تو حقیقتاً اور حکماً دونوں کے دار جدا ہونے کی وجہ سے ان میں سے کوئی ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوگا اگرچہ دونوں کا دین ایک ہے۔

37286۔ (قولہ: أَوْ حُكْمًا) یا صرف حکماً دار مختلف ہو۔

37287۔ (قولہ: وَكَحَرْبِيَّيْنِ الخ) اور جیسا کہ دو حربی ہیں۔ اسی طرح ''السراجیہ'' میں ہے۔ اور اسی میں ہے کہ یہ

كَتُرْكِيّ وَهِنْدِيّ لِانْقِطَاعِ الْعِصْمَةِ فِيمَا بَيْنَهُمْ بِخِلَافِ الْمُسْلِمِينَ قُلْت وَبَقِيَ مِنْ الْمَوَانِعِ جَهَالَةُ تَارِيخِ الْمَوْتَى كَالْغَرْقَى وَالْحَرْقَى وَالْهَدْمَى وَالْقَتْلَى

جیسا کہ ترکی اور ہندی اس لیے کہ ان کے درمیان عصمت (مال وجان کی حفاظت) منقطع ہو جاتی ہے بخلاف دو مسلمانوں کے۔ میں کہتا ہوں: موانع میں سے مردوں کی تاریخ کا مجہول ہونا باقی ہے جیسا کہ وہ لوگ جو پانی میں ڈوب جائیں، آگ میں جل جائیں، جن پر دیوار یا چھت گر پڑے اور وہ فوت ہو جائیں، اور وہ جو قتل کر دیئے جائیں۔

حقیقتاً اور حکماً دار کے مختلف ہونے میں سے ہے جیسا کہ ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ مگر یہ کہ اسے اس پر محمول کیا جائے کہ یہ دونوں حقیقتاً دو مختلف داروں سے ہوں۔ لیکن وہ دونوں ہمارے دار میں مستامن ہوں تو وہ دونوں حقیقی طور پر ایک دار میں ہیں اور حکمی طور پر دو مختلف داروں میں ہیں۔ اور اسی کی تائید یہ بھی کرتا ہے کہ ''شارح'' نے من دارین کہا ہے: فی دارین نہیں کہا ہے۔ اگرچہ اولیٰ حربیین کے بدلے مستامنین کہنا تھا۔ گویا انہوں نے اس اولیٰ اور بہتر کو اس طرف اشارہ کرنے کے لیے چھوڑا کہ اسے دو اختلافوں کی مثال بنانا ممکن ہے۔ اسے ''السید'' نے بیان کیا ہے اور اس کی مکمل بحث اسی میں ہے۔

37288۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْمُسْلِمِينَ) بخلاف مسلمانوں کے۔ اسی سے ''شارح'' نے اپنے قول: فیما بین الکفار کے ساتھ احتراز کیا ہے۔ یعنی اختلاف دار مسلمانوں کے حق میں موثر نہیں ہوگا جیسا کہ عام شروح میں ہے، یہاں تک کہ مسلمان تاجر یا قیدی اگر دار الحرب میں فوت ہو جائے تو اس کے وہ وارث جو دار الاسلام میں رہ رہے ہیں وہ وارث ہوں گے جیسا کہ ''سکب الانہر'' میں ہے۔

''ابن حنبلی'' کی ''شرح السراجیہ'' میں کہا ہے: اور رہا ''العتابی'' کا قول کہ جو اسلام لایا اور اس نے ہماری طرف ہجرت نہ کی وہ ہمارے دار میں رہنے والے اصلی مسلمان کا وارث نہیں ہوگا اور نہ ہی وہ اصلی مسلمان اس کا وارث ہوگا جس نے اسلام قبول کیا اور ہماری طرف ہجرت نہیں کی چاہے وہ دار الحرب میں مستامن ہو یا نہ ہو تو اس کا دفاع ہمارے بعض علماء کے قول کے ساتھ کیا گیا ہے: میرے خیال میں یہ آ رہا ہے کہ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا جبکہ ہجرت فرض تھی۔ کیا آپ جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنہوں نے ہجرت کی اور جنہوں نے ہجرت نہیں کی ان کے درمیان ولایت کی نفی کر دی اور فرمایا: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّى يُهَاجِرُوا (الانفال: 72) (اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی نہیں تمہارے لیے ان کی وراثت سے کوئی چیز یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں) تو جب ان کے درمیان ولایت کی نفی ہوگئی تو میراث کی بھی نفی ہوگئی۔ کیونکہ میراث کا دارومدار ولایت پر ہے۔ لیکن رہا اب تو یہ مناسب ہے کہ وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں۔ کیونکہ ہجرت کا حکم حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد: لا هجرة بعد الفتح (1) (فتح کے بعد کوئی ہجرت نہیں) کے ساتھ منسوخ ہو گیا ہے۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب فضل الجہاد والسیر، جلد 2، صفحہ 84، حدیث نمبر 2575، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

كَمَا سَيَجِيءُ وَمِنْهَا جَهَالَةُ الْوَارِثِ وَذٰلِكَ فِي خَمْسِ مَسَائِلَ أَوْ أَكْثَرَ فِي الْمُجْتَبٰى مِنْهَا أَرْضَعَتْ صَبِيًّا مَعَ وَلَدِهَا وَمَاتَتْ وَجُهِلَ وَلَدُهَا فَلَا تَوَارُثَ، وَكَذَا لَوِ اشْتَبَهَ وَلَدُ مُسْلِمٍ مِنْ وَلَدِ نَصْرَانِيٍّ عِنْدَ الظِّئْرِ وَكَبِرَا فَهُمَا مُسْلِمَانِ

ان کی تفصیل عنقریب آئے گی۔ اور موانع میں سے وارث کا مجہول ہونا بھی ہے۔ اور یہ ''المجتبیٰ'' میں پانچ یا اس سے زیادہ مسائل میں موجود ہے، ان میں سے ایک یہ ہے: کسی عورت نے اپنے بیٹے کے ساتھ کسی بچے کو دودھ پلایا اور وہ فوت ہوگئی اور اس کا بیٹا مجہول ہوگیا تو ان میں سے کوئی بھی اس کا وارث نہیں بنے گا۔ اور اسی طرح اگر مسلمان بچہ دایہ کے پاس نصرانی کے بچے کے ساتھ مشتبہ ہوجائے اور وہ دونوں بالغ ہوجائیں تو وہ دونوں مسلمان ہوں گے

مردوں کی تاریخ اور وارث کا مجہول ہونا بھی موانع میں سے ہے

37289۔(قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) جیسا کہ عنقریب فصل الحرقی والغرقی میں آئے گا۔

37290۔(قولہ: فِي خَمْسِ مَسَائِلَ أَوْ أَكْثَرَ) ''شارح'' نے أو اکثر کا قول ''المجتبیٰ'' کی اتباع کرتے ہوئے زیادہ کیا ہے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ انہوں نے پانچ مسائل شمار کئے ہیں اور اس سے حصر کا ارادہ نہیں کیا۔ کیونکہ ان کے علاوہ مزید اضافہ کا امکان ہے۔ تأمل۔ اور ''شارح'' نے ان میں سے دو ذکر کئے ہیں۔ اور تیسرا یہ ہے: کسی آدمی نے رات کے وقت اپنا بچہ مسجد کے صحن میں رکھ دیا، پھر وہ صبح کے وقت نادم ہوا تو وہ اسے اٹھانے کے لیے واپس لوٹ کر آیا، تو اچانک اس میں دو بچوں کو پایا اور وہ اپنے بچے کو دوسرے سے نہ پہچان سکا، اور حقیقت حال ظاہر ہونے سے پہلے ہی فوت ہوگیا تو دونوں میں سے کوئی ایک بھی وارث نہیں ہوگا اور اس کا مال بیت المال میں رکھ دیا جائے گا اور ان دونوں کا نفقہ بیت المال پر ہوگا، اور ان دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کا وارث نہیں ہوگا۔

اور چوتھا مسئلہ یہ ہے: ایک آزاد عورت اور ایک لونڈی دونوں میں سے ہر ایک نے ایک تاریک کمرے میں ایک ایک بچے کو جنم دیا اور آزاد عورت کا بچہ دوسرے سے الگ معلوم نہ ہوسکتا ہو تو دونوں میں سے کوئی بھی وارث نہیں ہوگا، اور دونوں میں سے ہر ایک لونڈی کے آقا کے لیے سعی کرے گا۔

اور پانچواں مسئلہ یہ ہے: ایک آدمی کا ایک بیٹا آزاد عورت سے ہو اور ایک بیٹا کسی آدمی کی لونڈی سے ہو، دونوں کو کوئی ایک دایہ دودھ پلائے یہاں تک کہ وہ دونوں بڑے ہوجائیں اور آزاد عورت کے بیٹے کی دوسرے سے پہچان نہ ہوسکتی ہو تو وہ دونوں آزاد ہوں گے۔ اور دونوں میں سے ہر ایک لونڈی کے آقا کے لیے اپنی نصف قیمت کے لیے سعی کرے گا اور وہ دونوں اس کے وارث نہیں ہوں گے۔

37291۔(قولہ: فَلَا تَوَارُثَ) یعنی ان دونوں میں سے کوئی ایک اس کا وارث نہیں ہوگا۔

37292۔(قولہ: مِنْ وَلَدِ) اس میں اولیٰ بولدِ ہے۔

وَلَا یَرِثَانِ مِنْ أَبَوَیْهِمَا زَادَ فِی الْمُنْیَةِ إِلَّا أَنْ یَصْطَلِحَا فَلَهُمَا أَنْ یَأْخُذَا الْمِیرَاثَ بَیْنَهُمَا ثُمَّ بَیَّنَ ذَوِی الْفَرْضِ
اور دونوں اپنے والدین سے وارث نہیں ہوں گے۔''المنیہ'' میں یہ زائد ہے: مگر یہ کہ دونوں صلح کر لیں تو پھر دونوں کے لیے آپس میں میراث لینا جائز ہے۔ پھر اس کے بعد ''مصنف'' نے ذوالفروض کو بیان کیا ہے

37293_(قولہ: إِلَّا أَنْ یَصْطَلِحَا) مگر یہ کہ دونوں بچے صلح کر لیں، کیونکہ میراث ان دونوں سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ پس جس نے حصہ لیا درآنحالیکہ وہ حقیقی وارث ہو تو اس نے اپنے حق میں سے لیا ہے، اور اس کے بعد جو دوسرے نے لیا ہے وہ مستحق کی طرف سے ہبہ ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ بھی سابقہ مسئلہ کی طرف راجع ہے۔ ''طحطاوی''۔

میں کہتا ہوں: بلکہ گزشتہ تمام مسائل کی طرف، بلاشبہ جو بیت المال میں مال رکھنے کا مسئلہ گزرا ہے وہ بھی اسی پر محمول ہے کہ جب ان دونوں کی صلح نہ ہو۔ تامل۔

تتمہ

اس وقت مجموعی موانع چھ ہیں۔ اور بعض نے موانع میں نبوت کا اضافہ کیا ہے اس لیے کہ ''صحیحین'' کی حدیث ہے: نَحْنُ مَعَاشِرُ الْأَنْبِیَاءِ لَا نُورَثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَةٌ(1) (ہم گروہ انبیاء ہیں ہمارا کوئی وارث نہ ہوگا جو ہم نے چھوڑا وہ صدقہ ہے) اور ''الاشباہ'' میں تتمہ سے ہے: ہر انسان وارث ہوتا ہے اور وارث بناتا ہے مگر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات نہ وارث ہوتے ہیں اور نہ وارث بناتے ہیں۔ اور جو یہ کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے وارث بنے یہ صحیح نہیں ہے۔ بلاشبہ انہوں نے اپنا مال اپنی صحت کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیا تھا۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''ابن کمال'' اور ''سکب الانہر'' کا کلام اس بارے شعور دلاتا ہے کہ وہ وارث ہوتے ہیں۔ اس کی مکمل بحث ''الرحیق المختوم'' میں ہے۔ اور بعض نے ردت کا اضافہ کیا ہے، پس مرتد بالاجماع کسی کا وارث نہیں بنتا، اور یہ دین کے اختلاف کی وجہ سے نہیں۔ کیونکہ اس کا کوئی دین نہیں ہوتا جیسا کہ اپنے محل میں یہ پہچانا جا چکا ہے۔ پس اب موانع آٹھ ہو گئے۔ اور بعض نے نویں کا اضافہ کیا ہے اور وہ لعان ہے۔ ''الدر المنتقی'' میں کہا ہے: فی الحقیقت موانع پانچ ہیں: چار متن میں ہیں، اور پانچواں ردت جیسا کہ استقراء شرعی سے یہی معلوم ہوا ہے اور جو ان پر زائد ہیں انہیں مجازاً مانع کا نام دیا گیا ہے۔ کیونکہ ان کے ساتھ میراث کی نفی مانع کے وجود کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ شرط یا سبب نہ پائے جانے کی وجہ سے ہے۔

وضاحت

اس کی وضاحت یہ ہے کہ میراث کی شرط مورث کی موت کے وقت وارث کا زندہ موجود ہونا ہے۔ اور مردہ کی تاریخ مجہول ہونے کی صورت میں اس کی نفی ہو جاتی ہے اس لیے کہ شرط کے وجود کا علم نہیں اور شک کے ساتھ وارث ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح وارث کے مجہول ہونے کی صورت بھی ہے۔ کیونکہ جہالت حکماً اس کی موت کی طرح ہے جیسا کہ مفقود میں

1۔ مرقاۃ علی القاری (مترجم)، کتاب الفضائل والشمائل، جلد 11، صفحہ 263، مکتبہ رحمانیہ

مُقَدَّمًا لِلزَّوْجَةِ لِأَنَّهَا أَصْلُ الْوِلَادِ إذْ مِنْهَا تَتَوَلَّدُ الْأَوْلَادُ فَقَالَ (فَيُفْرَضُ لِلزَّوْجَةِ فَصَاعِدًا الثُّمُنُ مَعَ وَلَدٍ أَوْ وَلَدِ ابْنٍ) وَأَمَّا مَعَ وَلَدِ الْبِنْتِ فَيُفْرَضُ لَهَا الرُّبُعُ

اور ان میں سے زوجہ کو مقدم کیا ہے۔ کیونکہ وہی ولاد (جنم دینا) میں اصل ہے، کیونکہ اولاد اسی سے پیدا ہوتی ہے۔ پس کہا: بیوی ایک ہو یا زیادہ ہوں اسے اپنی اولاد یا بیٹے کی اولاد کے ساتھ آٹھواں حصہ دیا جائے گا اور رہا بیٹی کی اولاد کے ساتھ تو اس صورت میں اسے چوتھا حصہ دیا جائے گا۔

ہوتا ہے۔ اور رہا ولد اللعان (یعنی وہ بچہ جس کے سبب زوجین کے درمیان لعان ہوا) تو وہ اپنے باپ کا وارث نہیں ہوتا اور اس کا برعکس بھی (یعنی باپ اس کا وارث نہیں بنتا) اس لیے کہ اس کا نسب منقطع ہو چکا ہے۔ تو حقیقت میں میراث کا نہ ہونا عدم سبب کی وجہ سے ہے۔ اور وہ اس کا اپنے باپ کی طرف منسوب ہونا ہے۔ اور رہی نبوت تو اس کے شرط یا سبب کی نفی میں سے ہونے میں کلام ہے جسے ہماری شرح ''الرحیق المختوم'' سے جانا جا سکتا ہے اور جو ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ اس کے موانع میں سے نہ ہونے کی علت یہ ہے کہ نبوت معنوی اعتبار سے مورث میں قائم ہے، اور وہ مانع جو میراث سے روکتا ہے وہ معنوی اعتبار سے وارث میں قائم ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے اسے اس کی تعریف میں بیان کر دیا ہے۔

تکمیل

شافعیہ نے دور حکمی کو موانع میں سے شمار کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وارث بنانے سے اس کا عدم لازم آئے جیسا کہ اگر ایک آدمی بھائی چھوڑ کر فوت ہو جائے اور وہ بھائی میت کے بیٹے کے بارے اقرار کرے تو اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور ان کے نزدیک وہ وارث نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ وارث بنے تو وہ بھائی کو میراث سے روک دے گا (یعنی اس کے لیے حاجب بن جائے گا)۔ پس اس کا اقرار قبول نہیں کیا جائے گا۔ پس نہ بیٹے کا نسب ثابت ہوگا اور نہ وہ وارث بنے گا، کیونکہ اس کے حق ارث کو ثابت کرنا اس کی نفی تک پہنچا دیتا ہے۔ پس اس کی اصل کی ہی نفی ہو جائے گی اور اسے ہمارے علماء نے ذکر نہیں کیا اس لیے کہ اقرار کرنے والے کا اقرار صرف اپنی ذات کے حق میں صحیح ہوتا ہے۔ پس بیٹا وارث ہوگا نہ کہ وہ جیسا کہ ''الرحیق المختوم'' میں میں نے نقلی دلائل سے تائید لے کر اس کی تحقیق کی ہے، اور اس کی مکمل بحث باب اقرار المریض میں گزر چکی ہے۔

37294۔ (قولہ: لِأَنَّهَا أَصْلُ الْوِلَادِ) ولاد واؤ کے کسرہ کے ساتھ ولد کا مصدر ہے: یعنی اصل اور فروع کی ولادت کی اصل وہی ہے۔ پس تمام غالباً اس کی اولاد ہیں۔ کیونکہ ولادت کبھی لونڈی بنانے سے ہوتی ہے۔ پھر یہ اسی اعتبار سے ہے اگرچہ وہ ماں ہے لیکن زوجیت کی صفت ماں ہونے کی صفت پر مقدم ہے۔ پس اسی لیے ماں کو مقدم نہیں کیا گیا۔ تامل۔

37295۔ (قولہ: مَعَ وَلَدٍ) مراد فوت ہونے والے زوج کی اولاد ہے چاہے وہ مذکر ہو یا مونث اگرچہ وہ اس کے علاوہ دوسری بیوی سے ہو۔

(وَإِنْ سَفَلَ وَالرُّبُعُ لَهَا عِنْدَ عَدَمِهِمَا) فَلِلزَّوْجَاتِ حَالَتَانِ الرُّبُعُ بِلَا وَلَدٍ وَالثُّمُنُ مَعَ الْوَلَدِ (وَالرُّبُعُ لِلزَّوْجِ) فَأَكْثَرَ كَمَا لَوْ ادَّعَى رَجُلَانِ فَأَكْثَرَ نِكَاحَ مَيِّتَةٍ وَبَرْهَنَا وَلَمْ تَكُنْ فِي بَيْتِ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَلَا دَخَلَ بِهَا فَإِنَّهُمْ يَقْسِمُونَ مِيرَاثَ زَوْجٍ وَاحِدٍ لِعَدَمِ الْأَوْلَوِيَّةِ (مَعَ أَحَدِهِمَا) أَيْ الْوَلَدِ أَوْ وَلَدِ الِابْنِ

اگر چہ وہ کتنا نیچے تک ہو (یعنی پوتا، پروتا اور سروتا وغیرہ) اوران دونوں (یعنی اپنی اولاد اور بیٹے کی اولاد) کے نہ ہونے کی حالت میں اس کے لیے چوتھا حصہ ہوگا۔ پس بیویوں کے لیے دو حالتیں ہوئیں۔ (1) بغیر اولاد کے ان کا حصہ چوتھائی ہے۔ (2) اور اولاد کے ساتھ ان کا حصہ آٹھواں ہے۔ اور خاوند کے لئے چوتھائی حصہ ہے خاوند ایک ہو یا زیادہ، جیسا کہ اگر دو آدمی یا زیادہ ایک مردہ عورت کے ساتھ نکاح کا دعویٰ کریں اور دونوں گواہ پیش کر دیں اور وہ عورت دونوں میں سے کسی کے گھر میں نہ ہو اور نہ کسی نے اس سے دخول کیا ہو تو وہ عدم اولویت اور عدم ترجیح کی وجہ سے ایک خاوند کی میراث تقسیم کر لیں گے جبکہ خاوند کے ساتھ بیٹا یا پوتا ہو۔

37296۔ (قولہ: وَإِنْ سَفَلَ) یہ لفظ فا کے فتحہ کے ساتھ السفول سے ہے جو کہ علو (بلندی) کی ضد ہے اور باب نصر ینصر سے ہے۔ اور فا کے ضمہ کے ساتھ السفال سے ہے اور اس کا معنی دناءۃ (گھٹیا ہونا) ہے اور یہ باب شَرُفَ یشرُف سے ہے۔ ''ابن کمال'' یہاں مراد پہلا ہے۔

37297۔ (قولہ: نِكَاحَ مَيِّتَةٍ) لیکن اگر نکاح کا دعویٰ زندہ عورت سے ہو تو پھر شہادت ساقط ہو جائے گی، اور یہ عورت اس کی ہوگی جس کی اس نے خود تصدیق کی بشرطیکہ وہ اس کے پاس نہ ہو جس کی اس نے تکذیب کی، اور نہ ہی اس نے اس سے مقاربت کی ہو جسے اس نے جھٹلایا۔ اور اگر دونوں نے تاریخ بیان کر دی تو جس کی تاریخ اسبق ہوگی وہ زیادہ حقدار ہوگا، ''طحطاوی''۔

37298۔ (قولہ: وَبَرْهَنَا) ''البحر'' باب دعویٰ الرجلین میں کہا ہے: اگر دو آدمیوں نے عورت کے فوت ہونے کے بعد اس کے نکاح پر شہادت قائم کر دی اور دونوں نے کوئی تاریخ بیان نہ کی یا تاریخ بیان کی اور دونوں کی تاریخ برابر ہو تو اس کے ساتھ دونوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا۔ اور دونوں میں سے ہر ایک پر نصف مہر ہوگا اور دونوں ایک خاوند کی میراث کے وارث ہوں گے۔ اور اگر اس نے بیٹے کو جنم دیا تو اس کا نسب دونوں سے ثابت ہوگا، اور وہ دونوں میں سے ہر ایک کا ایک کامل بیٹے کی میراث کا وارث ہوگا۔ اور وہ دونوں اس بیٹے سے ایک باپ کی میراث کے وارث ہوں گے۔ اسی طرح ''الخلاصہ'' اور ''منیۃ المفتی'' میں ہے۔ اور اس میں اقرار اور قبضہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اور اسی کی مثل ''جامع الفصولین'' میں ہے۔

37299۔ (قولہ: وَلَمْ تَكُنْ فِي بَيْتِ وَاحِدٍ مِنْهُمَا) اور وہ ان دونوں میں سے کسی کے گھر میں نہ ہو، یہی اس کا معنی ہے جو ''روح الشروح'' میں ہے: اور وہ دونوں میں سے کسی کے قبضہ میں نہ ہو۔ اور اس کا مفہوم قبضہ کا اعتبار کرنا ہے، اور یہ اس کے خلاف ہے جو ابھی ہم نے بیان کیا ہے۔ فتدبر۔

(وَالنِّصْفُ لَهُ عِنْدَ عَدَمِهِمَا) فَلِلزَّوْجِ حَالَتَانِ النِّصْفُ وَالرُّبْعُ (وَلِلْأَبِ وَالْجَدِّ) ثَلَاثُ أَحْوَالِ الْفَرْضُ الْمُطْلَقُ وَهُوَ (السُّدُسُ) وَذٰلِكَ (مَعَ وَلَدٍ أَوْ وَلَدِ ابْنٍ) وَالتَّعْصِيبُ الْمُطْلَقُ عِنْدَ عَدَمِهِمَا وَالْفَرْضُ وَالتَّعْصِيبُ مَعَ الْبِنْتِ أَوْ بِنْتِ الِابْنِ قُلْت وَفِي الْأَشْبَاهِ الْجَدُّ، كَالْأَبِ إِلَّا فِي ثَلَاثَةَ عَشَرَ مَسْأَلَةً

اور اگر ان دونوں میں سے کوئی نہ ہو تو پھر اس کا حصہ نصف ہے۔ پس خاوند کی دو حالتیں ہوئیں: ایک حالت میں اس کا حصہ نصف ہے اور دوسری میں چوتھائی ہے۔ اور باپ اور دادا کے تین احوال ہیں: (1) فرض مطلق اور وہ چھٹا حصہ ہے اور یہ تب ہے جب اس کے ساتھ بیٹا یا پوتا ہو۔ (2) مطلق عصبہ ہونا۔ اور یہ تب ہے جب یہ دونوں ساتھ نہ ہوں۔ (3) فرض اور بیٹی یا پوتی کے ساتھ عصبہ ہونا۔ میں کہتا ہوں: ''الاشباہ'' میں ہے: دادا باپ کی مثل ہے سوائے تیرہ مسائل کے:

37300۔ (قولہ: وَالنِّصْفُ لَهُ) اور خاوند کے لئے نصف ہے۔ اور جو نصف حصہ کے مستحق ہوتے ہیں ان میں سے چار باقی ہیں ان کا ذکر یہاں کرنا چاہئے جیسا کہ بقیہ فروض کا کیا ہے۔ اور وہ بیٹی ہے اور بیٹی نہ ہونے کی صورت میں پوتی ہے، اور سگی بہن ہے اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں علاتی بہن ہے بشرطیکہ یہ اس سے منفرد ہوں جو انہیں عصبہ بناتا ہے۔

جد صحیح اور جد فاسد میں فرق

37301۔ (قولہ: وَالْجَدِّ) اور دادا۔ پس یہ باپ کے نہ ہونے کی صورت میں اس کی مثل ہوتا ہے اگر میت کی طرف اس کی نسبت میں کوئی عورت داخل نہ ہو اور وہی جد صحیح ہے۔ اور اگر میت کی طرف اس کی نسبت میں ماں خلل انداز ہو تو پھر یہ جد فاسد ہے اور وہ وارث نہیں ہوگا مگر اس بنا پر کہ وہ ذوی الارحام میں سے ہو۔ کیونکہ نسبت میں ماں کا خلل انداز ہونا نسب کو کاٹ دیتا ہے جبکہ نسب آباء کی طرف ثابت ہوتا ہے۔ ''زیلعی''۔

37302۔ (قولہ: الْفَرْضُ الْمُطْلَقُ) یعنی وہ عصبہ ہونے سے خالی ہو۔

37303۔ (قولہ: مَعَ وَلَدٍ أَوْ وَلَدِ ابْنٍ) یعنی اس کے ساتھ بیٹا یا پوتا ہو۔ یہ فرض مطلق کے لئے قید ہے۔ پس زیادہ مناسب تھا کہ الولد کو الذکر کی صفت کے ساتھ مقید کیا جاتا۔ کیونکہ ولد کا لفظ مونث کو بھی شامل ہوتا ہے۔ لیکن ''شارح'' نے اس صفت کو چھوڑ دیا۔ کیونکہ مابعد سے یہ سمجھی جارہی ہے۔

37304۔ (قولہ: مَعَ الْبِنْتِ أَوْ بِنْتِ الِابْنِ) بیٹی یا پوتی کے ساتھ۔ پس اس یعنی باپ یا دادا کے لئے چھٹا حصہ ہوگا اور بیٹی یا پوتی کے لئے نصف حصہ ہوگا اور باقی اس کے لئے عصبہ ہونے کے اعتبار سے ہوگا۔

وہ تیرہ مسائل جن میں دادا باپ سے جدا ہے

37305۔ (قولہ: إِلَّا فِي ثَلَاثَةَ عَشَرَ مَسْأَلَةً) مگر تیرہ مسائل میں۔ زیادہ صحیح وہ ہے جو بعض نسخوں میں ثلاث عشرۃ ہے یعنی مسألۃ کے مونث ہونے کی وجہ سے ثلاث کو مذکر اور عشرہ کو مونث لایا گیا ہے اگرچہ لفظ مسئلہ کی تانیث لفظی ہے۔

خَمْسٌ فِي الْفَرَائِضِ وَبَاقِيهَا فِي غَيْرِهَا
ان میں سے پانچ فرائض میں ہیں اور باقی اس کے سوا میں ہیں۔

37306۔ (قولہ: خَمْسٌ فِي الْفَرَائِضِ) پانچ مسائل فرائض میں ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ اس کی ماں (دادی) اس (باپ) کے ساتھ وارث نہیں ہوتی اور دادا کے ساتھ وارث ہوتی ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے: میت جب والدین اور زوجین میں سے ایک کو باقی چھوڑے تو زوجین میں سے ایک کا حصہ نکالنے کے بعد جو میراث باقی ہوگی اس کا تیسرا حصہ ماں کے لئے ہوگا، اور باپ کی جگہ دادا ہو تو پھر ماں کے لئے جمیع مال کا تیسرا حصہ ہوگا۔ مگر امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ماتبقی کا ثلث ہی ماں کے لئے ہوگا۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے: بنی اعیان (سگے بھائی بہن) اور علاتی بھائی بہن (جن کا باپ ایک ہو ماں الگ الگ ہو) تمام باپ کے ساتھ بالاجماع ساقط ہو جاتے ہیں اور دادا کے ساتھ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ساقط ہوتے ہیں لیکن ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک نہیں۔

چوتھا مسئلہ یہ ہے: آزاد کرنے والے کا باپ اس کے بیٹے کے ساتھ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ولاء میں سے چھٹا حصہ لے گا۔ اور دادا کے لئے اس میں سے کوئی شے نہ ہوگی، بلکہ کل ولاء بیٹے کے لئے ہوگی اور تمام ائمہ کے نزدیک دادا ولاء میں سے کوئی شے نہیں لے گا۔

پانچواں مسئلہ یہ ہے: اگر وہ اپنے آزاد کرنے والے کا دادا اور اس کا بھائی چھوڑے تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: دادا ولاء کے لئے مختص ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: ولاء دونوں کے درمیان تقسیم ہوگی۔ اور اگر دادا کی جگہ باپ ہو تو ساری میراث بالاتفاق اسی کے لئے ہوگی۔ ''المنح'' میں کہا ہے: اس مسئلہ کا حکم تیسرے مسئلہ کے حکم سے مستفاد ہے۔ ''حلبی''۔

37307۔ (قولہ: وَبَاقِيهَا فِي غَيْرِهَا) اور باقی غیر فرائض میں ہیں۔ وہ یہ ہیں:

(1) اگر وہ فلاں کے اقرباء کے لئے وصیت کرے تو ظاہر روایت کے مطابق اس میں باپ داخل نہیں ہوگا اور دادا داخل ہوگا۔

(2) بچے کا صدقہ فطر اس کے غنی باپ پر واجب ہوتا ہے اس کے دادا پر نہیں۔

(3) اگر باپ کو آزاد کیا گیا تو اس کے بیٹے کی ولاء اس کے موالی کے لئے ہوگی نہ کہ دادا کے موالی کے لئے۔

(4) صغیر اپنے باپ کے اسلام لانے کے ساتھ مسلمان ہوتا ہے نہ کہ دادا کے اسلام کے ساتھ۔

(5) اگر کسی نے صغیر اولاد اور مال چھوڑا تو ولایت باپ کو حاصل ہوگی پس وہ میت کے وصی کی مثل ہے بخلاف دادا کے۔

(6) ولایۃ نکاح میں۔ اگر صغیر کا بھائی اور دادا ہو تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق دونوں شریک ہوں گے۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق وہ دادا کے ساتھ مختص ہوگی، اور اگر اس کی جگہ باپ ہو تو بالاتفاق وہ اس کے ساتھ مختص ہوگی۔

(7) جب کسی کا باپ فوت ہو گیا تو وہ یتیم ہو گیا، اور اس سے اس یتیمی کو زائل کرنے کے لئے دادا باپ کے قائم مقام نہیں ہوگا۔

(8) اگر کوئی فوت ہوا اور اس نے صغیر اولاد چھوڑی اور اس کا کوئی مال نہ ہو اور اس کی ماں اور دادا (أبو الأب) ہو تو نفقہ (خرچہ)

زَادَ ابْنُ الْمُصَنِّفِ فِي زَوَاهِرِهِ أُخْرَى مِنَ الْفُصُولَيْنِ
''ابن مصنف'' نے اپنی ''زواہر'' میں ''الفصولین'' سے ایک مسئلہ کا اضافہ کیا ہے۔

ان دونوں پر تین حصوں میں تقسیم ہوگا۔ ایک تہائی ماں پر ہوگا۔ اور دو تہائی دادا پر ہوگا۔ اور اگر دادا باپ کی مثل ہوتا ہے تو سارا نفقہ اسی پر ہوتا ہے۔ ''حلبی''۔

میں کہتا ہوں: پانچویں مسئلہ میں نظر ہے۔ اس لئے کہ شہادۃ الاوصیاء سے پہلے یہ گزر چکا ہے کہ صغیر کے مال میں ولایت اس کے باپ کی ہوتی ہے، پھر باپ کے وصی کے لئے، پھر دادا کے لئے، پھر اس کے وصی کے لئے، پھر قاضی کے لئے، پس دادا باپ اور اس کے وصی کی عدم موجودگی میں باپ کے قائم مقام ہوتا ہے۔ پس اس میں دادا باپ کے مخالف نہیں۔ تامل۔ اور چھٹے مسئلہ میں وہ جاری ہوتا ہے جو ''المنح'' سے گزر چکا ہے۔ اور آٹھویں مسئلہ میں اس کا قول: ولہ أم وجدّ یہ اس کے موافق ہے جو ''الاشباہ'' کے بعض نسخوں میں ہے۔ اور اس کے بعض نسخوں میں ولھم جمع کی ضمیر کے ساتھ ہے جو الصغار کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور یہی درست ہے۔ کیونکہ صغیر کا نفقہ اس کے قریبی محرم پر بقدر میراث واجب ہوتا ہے جیسا کہ متون میں ہے یعنی صغیر سے محرم کی میراث کی مقدار اگر وہ فوت ہوجائے، تو جب یہاں ام سے مراد صغار کی ماں ہو تو اس پر تیسرا حصہ اور باقی دادا پر ہونا صحیح ہے۔ کیونکہ یہ ان سے اس کی میراث کی مقدار ہے، لیکن اگر اس سے مراد ان کے فوت ہونے والے باپ کی ماں ہو تو پھر اس کا چھٹا حصہ ہوگا، کیونکہ وہ ان کی دادی ہے اور دادی کا حصہ چھٹا ہے نہ کہ تیسرا۔ پس میت کی طرف ضمیر کو لوٹانا صحیح نہیں ہوگا بلکہ صغار کی طرف اس کو لوٹانا متعین ہے۔ یہ وہ ہے جو میرے لئے الفتاح العلیم کے فیض سے ظاہر ہوا ہے۔

37308۔ (قولہ: وَزَادَ ابْنُ الْمُصَنِّفِ الخ) اور ''مصنف'' کے بیٹے نے اضافہ کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ بھی زیادہ کیا جائے گا کہ اس کا نفقہ تنگ دست دادا پر واجب نہیں ہوتا، اور یہ کہ وہ اپنے دادا کے اسلام لانے کے ساتھ مسلمان نہیں ہوتا، اور یہ کہ دادا جب پوتے کے بارے اقرار کرے درآنحالیکہ اس کا بیٹا زندہ ہو تو صرف دادا کے اقرار کے ساتھ نسب ثابت نہیں ہوگا۔ اسے ''السیّد'' نے ''شرح السراجیہ'' میں ذکر کیا ہے۔ اور میں نے ایک دوسرا بھی اضافہ کیا ہے جو شہادۃ الأوصیاء کی فصل سے پہلے گزر چکا ہے۔ اور یہ وہی ہے جو ''الخانیہ'' میں ہے جہاں انہوں نے کہا ہے: امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے وصی اور میت کے باپ کے درمیان فرق کیا ہے، پس وصی کے لئے قرضہ ادا کرنے کے لئے ترکہ کو بیچنا جائز ہے، اور میت کا باپ اولاد پر قرضہ کو ادا کرنے کے لئے ترکہ کو بیچ سکتا ہے نہ کہ میت پر قرضہ کو ادا کرنے کے لئے۔ یہ فائدہ ''خصاف'' سے محفوظ کیا گیا ہے۔ اور رہے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ تو انہوں نے دادا کو باپ کے قائم مقام قرار دیا ہے۔ اور فتویٰ ''خصاف'' کے قول کے مطابق دیا جاتا ہے۔

حاصل کلام

اس کا حاصل یہ ہے کہ صغیر کا دادا اس مسئلہ میں باپ اور باپ کے وصی کے مخالف ہے۔ پھر میں نے ''صاحب الوہبانیہ''

ضَمِنَ الْأَبُ مَهْرَ صَبِيِّهِ فَأَدّٰى رَجَعَ لَوْ شَرَطَ وَإِلَّا لَا وَلَوْ وَلِيًّا غَيْرَهُ أَوْ وَصِيًّا رَجَعَ مُطْلَقًا انْتَهٰى فَقَوْلُهُ لَوْ وَلِيًّا غَيْرَهُ يَعُمُّ الْجَدَّ فَيَرْجِعُ كَالْوَصِيِّ بِخِلَافِ الْأَبِ (وَلِلْأُمِّ) ثَلَاثَةُ أَحْوَالٍ (السُّدُسُ مَعَ أَحَدِهِمَا أَوْ مَعَ اثْنَيْنِ مِنَ الْإِخْوَةِ أَوْ مِنَ (الْأَخَوَاتِ) فَصَاعِدًا

وہ یہ ہے: باپ اپنے بچے کے مہر کا ضامن بنا اور اس نے ادا کر دیا تو اگر اس نے واپس لوٹانے کی شرط لگائی ہے تو وہ بچے کے مال سے واپس لوٹا لے اور اگر شرط نہیں لگائی تو نہ لوٹائے۔ اور اگر باپ کے علاوہ کوئی دوسرا ولی یا وصی ضامن بنے تو وہ مطلق واپس لوٹا سکتا ہے۔ انتھی۔ پس ان کا قول لَوْ وَلِيًّا غیرہ یہ دادا کو بھی شامل ہے۔ پس وہ بھی واپس لے سکتا ہے جیسا کہ وصی بخلاف باپ کے۔ اور ماں کے تین احوال ہیں: اس کا چھٹا حصہ ہے جب اس کے ساتھ بیٹے یا پوتے میں سے کوئی ایک ہو یا بھائیوں یا بہنوں میں سے دو یا زیادہ اس کے ساتھ ہوں

کو دیکھا انہوں نے یہاں اسی کو ذکر کیا ہے۔ وللہ الحمد۔

37309۔ (قولہ: ضَمِنَ الْأَبُ مَهْرَ صَبِيِّهِ) باپ اپنے بیٹے کے مہر کا ضامن ہوا، مراد اس کے صغیر بیٹے کی بیوی کا مہر ہے اور جو عام نسخوں میں تا کے ساتھ بصبیتہ مذکور ہے وہ تحریف ہے۔

37310۔ (قولہ: رَجَعَ لَوْ شَرَطَ) یعنی اگر اس نے واپس لینے کی شرط لگائی تو پھر وہ صغیر کے مال میں سے اسے واپس لوٹا سکتا ہے اگرچہ عقد کے وقت اس کا کوئی مال نہ ہو اور اس پر گواہ بنایا ہو۔ یہ اس سے ماخوذ ہے جو ''جامع الفصولین'' میں ہے: اس نے اپنے مال سے اس شے کے ثمن لئے جسے اس نے اپنے بیٹے کے لئے خریدا، اور واپس لوٹانے کا ارادہ کیا تو وہ دیانۃً واپس لوٹا سکتا ہے نہ کہ قضا جب تک وہ شاہد نہ بنائے۔ اور اگر وہ کپڑا یا طعام ہو اور گواہ بنا لے کہ وہ رجوع کرے گا تو اس کے لئے اسے واپس لوٹانا جائز ہے اگر اس کا مال ہو اور اگر نہ ہو تو اس کے واجب ہونے کی وجہ سے اس پر رجوع نہیں ہوگا۔ اور اگر وہ غلام یا کوئی شے ہو جو اس پر لازم نہ ہو تو وہ رجوع کر لے اگرچہ اس کا مال نہ ہو اگر وہ گواہ بنا لے، اور اگر گواہ نہ بنائے تو نہیں۔

میں کہتا ہوں: تزویج ان امور میں سے ہے جو باپ پر لازم نہیں ہوتے۔ پس وہ رجوع کرے گا اگر وہ گواہ بنائے اگرچہ صغیر کے لئے مال نہ ہو۔

37311۔ (قولہ: وَإِلَّا لَا) ورنہ نہیں، یعنی عرف کی وجہ سے یہی استحسان ہے۔ ''جامع الفصولین''۔

37312۔ (قولہ: رَجَعَ مُطْلَقًا) وہ مطلقاً رجوع کر سکتا ہے، یعنی اگرچہ وہ شرط نہ بھی لگائے، کیونکہ صغیر کی طرف سے اس کے مہر برداشت کرنے کی عادت جاریہ نہیں ہے۔

ماں کے احوال

37313۔ (قولہ: مَعَ أَحَدِهِمَا) ان دو میں سے ایک کے ساتھ، یعنی بیٹے اور پوتے کے ساتھ (چونکہ یہاں لفظ ولد مذکور ہے جس کا اطلاق مذکر اور مونث دونوں پر ہوتا ہے) اس لئے مراد یہی ہے کہ چاہے وہ مذکر ہو یا مونث۔

مِنْ أَيِّ جِهَةٍ كَانَا وَلَوْ مُخْتَلِطَيْنِ وَالثُّلُثُ عِنْدَ عَدَمِهِم وَثُلُثُ الْبَاقِي مَعَ الْأَبِ وَأَحَدِ الزَّوْجَيْنِ (وَ) السُّدُسُ (لِلْجَدَّةِ مُطْلَقًا) كَأُمِّ أُمٍّ وَأُمِّ أَبٍ (فَصَاعِدًا) يَشْتَرِكْنَ فِيهِ (إِذْ كُنَّ ثَابِتَاتٍ) أَيْ صَحِيحَاتٍ كَالْمَذْكُورَتَيْنِ فَإِنَّ الْفَاسِدَةَ مِنْ ذَوِي الْأَرْحَامِ كَمَا سَيَجِيءُ (مُتَحَاذِيَاتٌ فِي الدَّرَجَةِ لِأَنَّ الْقُرْبَى تَحْجُبُ الْبُعْدَى)

وہ دونوں کسی جہت سے ہوں اگر چہ ملے جلے ہوں، اوران میں سے کوئی بھی ساتھ نہ ہونے کی صورت میں اس کا حصہ تہائی ہو گا، اور اگر اس کے ساتھ باپ اور زوجین میں سے کوئی ایک ہو تو پھر ماں کے لئے مابقی کا تیسرا حصہ ہوگا۔ اور چھٹا حصہ مطلقاً جدہ کے لئے ہے چاہے وہ نانی ہو یا دادی ہو، ایک ہو یا زیادہ ہوں وہ سب اس میں شریک ہوں گی جبکہ وہ ثابتات یعنی صحیح ہوں جیسا کہ مذکورہ نانی اور دادی جدہ صحیحہ ہیں۔ کیونکہ جدہ فاسدہ ذوی الارحام میں سے ہے جیسا کہ عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔ اور جدات صحیحہ تمام درجہ میں برابر ہوں۔ کیونکہ جدہ قریبہ بعیدہ کو میراث سے روک دیتی ہے

37314۔(قولہ: مِنْ أَيِّ جِهَةٍ كَانَا) وہ دونوں کسی بھی جہت سے ہوں، یعنی برابر ہے وہ دو یا دو سے زیادہ والدین کی طرف سے سگے ہوں یا صرف باپ کی طرف سے یعنی علاتی ہوں یا صرف ماں کی طرف سے یعنی اخیافی ہوں۔

37315۔(قولہ: وَلَوْ مُخْتَلِطَيْنِ) اگر چہ ملے جلے ہوں، یعنی مذکر اور مونث ایک جہت یا زیادہ سے ہوں۔

37316۔(قولہ: وَالثُّلُثُ عِنْدَ عَدَمِهِمَا) یعنی تیسرا حصہ ہوگا اس صورت میں کہ بیٹا، پوتا اور متعدد بھائی اور بہنیں نہ ہوں۔ اور اسی طرح تیسرا حصہ ہوگا جب باپ زوجین میں سے کسی کے ساتھ نہ ہو۔ فافہم۔

37317۔(قولہ: وَثُلُثُ الْبَاقِي الخ) اور باقی کا تہائی حصہ ہوگا الخ، اس کے تحت دوصورتیں ہیں جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ علامہ ''طحطاوی'' نے کہا ہے: بلاشبہ ''شارح'' نے یہ دو حالتیں ذکر کی ہیں: یعنی کل ترکہ کا تیسرا حصہ اور مابقی کا تیسرا حصہ اس کے باوجود کہ ''مصنف'' نے دونوں کا ذکر کیا ہے جیسا کہ عنقریب آرہا ہے۔ لیکن ''شارح'' نے اس طرف اشارہ کرنے کے لئے ایسا کیا ہے کہ ماں کے جمیع حالات کو لگا تار اور تسلسل کے ساتھ ذکر کرنا اولیٰ اور بہتر ہے۔

37318۔(قولہ: مُطْلَقًا كَأُمٍّ) مطلقاً یعنی وہ ماں کی ماں (نانی) ہو یا باپ کی ماں (دادی) ہو جیسا کہ مثال بیان کی گئی ہے۔

جدہ صحیحہ کی تعریف اور اقسام

37319۔(قولہ: أَيْ صَحِيحَاتٍ) جدہ صحیحہ وہ ہوتی ہے جس کی میت کی طرف نسبت میں جد فاسد نہ ہو۔ اور اس کی تین اقسام ہیں: قرابت کا وسیلہ محض عورتوں کے سبب ہو جیسے ماں کی ماں کی ماں (پرنانی) یا صرف مردوں کے سبب ہو جیسے باپ کے باپ کی ماں (پردادی) یا محض عورتوں کے سبب سے محض مردوں کی طرف ہو جیسے باپ کی ماں کی ماں، (باپ کی نانی) بخلاف اس کے برعکس کے جیسے ماں کے باپ کی ماں (ماں کی دادی) کیونکہ وہ جدہ فاسدہ ہے۔

مُطْلَقًا كَمَا سَيَجِيءُ (وَ) السُّدُسُ (لِبِنْتِ الِابْنِ) فَأَكْثَرَ (مَعَ الْبِنْتِ) الْوَاحِدَةِ تَكْمِلَةً لِلثُّلُثَيْنِ (وَ) السُّدُسُ (لِلْأُخْتِ) لِأَبٍ فَأَكْثَرَ (مَعَ الْأُخْتِ) الْوَاحِدَةِ (لِأَبَوَيْنِ) تَكْمِلَةً لِلثُّلُثَيْنِ
مطلقاً جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ اور پوتی ایک ہو یا زیادہ ایک بیٹی کے ساتھ اس کے لئے چھٹا حصہ ہوتا ہے تا کہ دو ثلث کی تکمیل ہو جائے۔ اور علاتی ایک یا زیادہ بہنوں کے لئے ایک سگی بہن کے ساتھ دو تہائی مکمل کرنے کے لئے چھٹا حصہ ہوگا،

37320۔(قولہ: مُطْلَقًا) یعنی برابر ہے وہ قرب یا بعد ماں کی جہت سے ہو یا باپ کی جہت سے ہو، اور برابر ہے کہ قریبی وارث ہو جیسے باپ کی ماں (دادی) باپ کے نہ ہونے کے وقت ماں کی ماں کے ساتھ، یا وہ باپ کے سبب مجوبہ ہو اس کے موجود ہونے کے وقت۔

37321۔(قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) جیسا کہ عنقریب اس کا ذکر باب الحجب میں آئے گا۔

37322۔(قولہ: وَ السُّدُسُ لِبِنْتِ الِابْنِ الخ) اور چھٹا حصہ پوتی کے لئے ہوگا الخ۔ بیٹیوں کے چھ احوال ہیں: تین حالتیں صلبی بیٹیوں اور پوتیوں میں ثابت ہوتی ہیں اور وہ ایک کے لئے نصف اور ایک سے زیادہ کے لئے دو تہائی حصہ ہے، اور جب ان کے ساتھ مذکر ہو تو وہ انہیں عصبہ بنا دیتا ہے۔ اور تین حالتوں کے ساتھ پوتیاں منفرد ہوتی ہیں۔

(1) ایک وہ ہے جس کا ذکر ''مصنف'' نے کیا ہے۔

(2) دوسری یہ کہ وہ دو صلبی اور زیادہ کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہیں، مگر یہ کہ ان کے ساتھ کوئی غلام (بچہ) ہو جو ان سے اعلیٰ نہ ہو پس وہ انہیں عصبہ بنا دے گا۔

(3) اور تیسری یہ ہے کہ وہ صلبی بیٹے کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہیں۔ اس کا بیان عنقریب آئے گا۔

37323۔(قولہ: وَ السُّدُسُ لِلْأُخْتِ لِأَبٍ الخ) اور علاتی بہن کے لئے چھٹا حصہ ہوگا الخ۔ تو جان! کہ اخیافی کے سوا دیگر بہنوں کے سات احوال ہیں: پانچ احوال سگی بہنوں اور علاتی بہنوں میں ثابت ہوتے ہیں، اور ان میں سے تین وہی ہیں جو صلبی بیٹیوں کے بیان میں گزر چکے ہیں۔

(4) اور چوتھی حالت یہ ہے کہ وہ بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں۔

(5) اور پانچویں حالت یہ ہے کہ وہ بیٹے اور پوتے اور باپ کے ساتھ بالاتفاق ساقط ہو جاتی ہیں۔ اور دادا کے ساتھ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ساقط ہو جاتی ہیں۔

اور دو حالتیں وہ ہیں جن کے ساتھ علاتی بہنیں منفرد ہوتی ہیں: ایک وہ ہے جسے ''مصنف'' نے ذکر کیا ہے۔ اور دوسری یہ ہے کہ وہ دو یا زیادہ سگی بہنوں کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہیں، مگر یہ کہ ان کے ساتھ کوئی ایسا ہو جو انہیں عصبہ بنا رہا ہو۔ اور ''السراجیہ'' کے بعض نسخوں میں ہے: اور وہ سگی بہن کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہیں جب وہ عصبہ ہو جائے یعنی جب وہ بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ ہو۔ ''السید'' نے کہا ہے: کیونکہ وہ اس وقت عصبہ ہونے میں بھائی کی طرح میت کے زیادہ قریب ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

(وَ) السُّدُسُ (لِلْوَاحِدِ مِنْ وَلَدِ الْأُمِّ وَالثُّلُثُ لِاثْنَيْنِ فَصَاعِدًا مِنْ وَلَدِ الْأُمِّ) ذُكُورُهُمْ كَإِنَاثِهِمْ (وَ) الثُّلُثُ (لِلْأُمِّ عِنْدَ عَدَمِ مَنْ لَهَا مَعَهُ السُّدُسُ) كَمَا مَرَّ (وَلَهَا ثُلُثُ الْبَاقِي بَعْدَ فَرْضِ أَحَدِ الزَّوْجَيْنِ) كَمَا قَدَّمْنَا وَذٰلِكَ (فِي زَوْجَةٍ وَأَبَوَيْنِ) وَأُمٍّ فَلَهَا حِينَئِذٍ الرُّبُعُ (أَوْ زَوْجٍ وَأَبَوَيْنِ) وَأُمٍّ فَلَهَا حِينَئِذٍ السُّدُسُ وَيُسَمَّى ثُلُثًا تَأَدُّبًا مَعَ قَوْلِهِ تَعَالَى وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ

اور ماں کی اولاد میں سے ایک کے لئے چھٹا حصہ ہوگا اور ماں کی اولاد میں سے دو یا زیادہ ہوں تو ان کے لئے ایک تہائی ہوگا۔ اور ان میں سے مذکر مونثوں کی مثل ہیں۔ اور ماں کے لئے تیسرا حصہ ہوگا جبکہ اس کے ساتھ ایسا کوئی نہ ہو جس کے ساتھ اس کا حصہ چھٹا ہوتا ہے جیسا کہ یہ گزر چکا ہے اور اس کے لئے زوجین میں سے ایک کا حصہ نکالنے کے بعد مابقی کا تیسرا حصہ ہوگا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ زوجہ اور والدین چھوڑنے کی صورت میں ہے۔ پس اس صورت میں ماں کے لئے کل مال کا چوتھائی ہوتا ہے۔ یا بیوی فوت ہوئی اور اس نے خاوند اور والدین چھوڑے تو اس وقت ماں کے لئے چھٹا حصہ ہوگا اور اسے ادباً ثلث کا نام دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے: وَوَرِثَهُ أَبَوٰهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ (النساء: 11)

37324۔(قولہ: وَ السُّدُسُ لِلْوَاحِدِ مِنْ وَلَدِ الْأُمِّ) اور ماں کی اولاد میں سے ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے، یعنی اخیافی بھائی ہو یا بہن ہو، اور ان کے تین احوال ہیں ان میں دو ذکر کر دیئے ہیں، اور تیسری حالت یہ ہے کہ وہ فرع وارث کے ساتھ اور باپ اور دادا کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

37325۔(قولہ: عِنْدَ عَدَمِ مَنْ لَهَا مَعَهُ السُّدُسُ) یعنی اس کے نہ ہونے کے وقت جس کے ساتھ اس کا حصہ چھٹا ہوتا ہے، یا مابقی کا تیسرا حصہ ہوتا ہے۔

37326۔(قولہ: بَعْدَ فَرْضِ أَحَدِ الزَّوْجَيْنِ) زوجین میں سے ایک کا حصہ نکالنے کے بعد، یہ الباقی سے متعلق ہے یعنی اس کا تیسرا حصہ جو زوجہ یا زوج کا حصہ نکالنے کے بعد باقی بچتا ہے۔

37327۔(قولہ: وَأُمٍّ) لفظ أم دونوں مقامات میں زائد ہے۔ اسے ''حلبی'' نے بیان کیا ہے یعنی اس لئے کہ وہ (ماں) والدین میں سے ایک ہے۔

37328۔(قولہ: فَلَهَا حِينَئِذٍ الرُّبُعُ) پس اس کے لئے اس وقت چوتھا حصہ ہوگا، کیونکہ زوجہ کے لئے چوتھائی ہوتا ہے، اور اس کا مخرج چار سے ہے تین رہ جائیں گے ماں کے لئے اس کا تیسرا حصہ ایک ہے اور وہ چار کا چوتھائی ہے اور باقی باپ کے لئے ہوں گے۔

37329۔(قولہ: فَلَهَا حِينَئِذٍ السُّدُسُ) پس اس کے لئے اس وقت چھٹا حصہ ہوگا، کیونکہ یہ مسئلہ چھ سے صحیح ہوتا ہے: زوج کے لئے نصف یعنی تین حصے، اور ماں کے لئے مابقی کا تیسرا حصہ اور وہ ایک ہے اور باقی یعنی دو باپ کے لئے ہیں۔

37330۔(قولہ: تَأَدُّبًا الخ) کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ (النساء: 11) (پس اس کی ماں کے لئے

(وَالثُّلُثَانِ لِكُلِّ اثْنَيْنِ فَصَاعِدًا مِمَّنْ فَرْضُهُ النِّصْفُ) وَهُوَ خَمْسَةٌ الْبِنْتُ وَبِنْتُ الِابْنِ وَالْأُخْتُ لِأَبَوَيْنِ وَالْأُخْتُ لِأَبٍ وَالزَّوْجُ (إِلَّا الزَّوْجَ) لِأَنَّهُ لَا يَتَعَدَّدُ، وَاللهُ تَعَالَى أَعْلَمُ

اور جن کا حصہ نصف ہے اگر وہ دو یا دو سے زیادہ ہوں تو پھر ان کا حصہ دو ثلث ہوگا اور وہ پانچ ہیں۔ بیٹی، پوتی، سگی بہن، علاتی بہن اور خاوند، مگر خاوند کے لئے دو تہائی نہیں ہوں گے کیونکہ اس میں تعدد نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ثلث ہے) میں مراد اس ترکہ کا ثلث ہے جس کا والدین وارث بنیں چاہے وہ کل مال ہو یا بعض ہو ان دلائل کی وجہ سے جو مطولات میں مذکور ہیں۔ پس یہاں پر ثلث اگرچہ فی الحقیقت کل مال کا چوتھائی یا چھٹا حصہ ہوگیا ہے مگر ثلث کے ساتھ اسے ادبا تعبیر کرنا قرآن کے لفظ سے حصول برکت اور مخالفت کے وہم کو دور کرنے کے لئے ہے۔

37331۔(قولہ: لِأَنَّهُ لَا يَتَعَدَّدُ) کیونکہ وہ متعدد نہیں ہوتے، اسے ساقط کرنا اولیٰ ہے اس لئے کہ ماتقدم میں تعدد کا امکان ہے۔ اور کبھی کہا جاتا ہے: وہاں تعدد نہیں ہے نہ حقیقتاً اور نہ صورۃً۔ اور بلاشبہ وہ ان دونوں کے درمیان ترجیح بلا مرجح کو دور کرنے کے لئے شریک ہے، اس لئے دونوں کو صرف ایک زوج کا حصہ دیا گیا ہے۔ اور اسی بنا پر ''مصنف'' کا قول: الا الزوج ''مجمع متدرک'' کی اتباع کرتے ہوئے ہے۔ تامل۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فَصْلٌ فِی الْعَصَبَاتِ

اَلْعَصَبَاتُ النَّسَبِیَّةُ ثَلَاثَةٌ عَصَبَةٌ بِنَفْسِهِ وَعَصَبَةٌ بِغَيْرِهِ وَعَصَبَةٌ مَعَ غَيْرِهِ (يَجُوزُ الْعَصَبَةُ بِنَفْسِهِ وَهُوَ كُلُّ ذَكَرٍ) فَالْأُنْثَى لَا تَكُونُ عَصَبَةً بِنَفْسِهَا بَلْ بِغَيْرِهَا أَوْ مَعَ غَيْرِهَا (لَمْ يَدْخُلْ فِي نِسْبَتِهِ إِلَى الْمَيِّتِ أُنْثَى) فَإِنْ دَخَلَتْ لَمْ يَكُنْ عَصَبَةً كَوَلَدِ الْأُمِّ

عصبوں کے احکام

عصبہ نسبی کی تین اقسام ہیں: عصبہ بنفسہٖ، عصبہ بغیرہ، اور عصبہ مع غیرہ۔ عصبہ بنفسہٖ میں جائز ہے کہ وہ ہر مرد ہو۔ پس عورت عصبہ بنفسہٖ نہیں ہوسکتی بلکہ وہ عصبہ بغیرہ یا مع غیرہ ہوتی ہے۔ اور عصبہ بنفسہٖ وہ ہوتا ہے جس کی میت کی طرف نسبت اور رشتہ میں کوئی عورت داخل نہ ہو۔ پس اگر عورت داخل ہوگی تو وہ عصبہ نہیں ہوگا جیسا کہ ماں کا بیٹا (یعنی اخیافی بھائی)۔

''المغرب'' میں کہا ہے: عصبہ سے مراد آدمی کی اپنے باپ کی وجہ سے قرابت اور رشتہ داری ہے، گویا یہ عاصب کی جمع ہے اگرچہ یہ مسموع نہیں ہے، یہ عصبوا بہٖ سے ماخوذ ہے جب وہ اس کے اردگرد کا احاطہ کرلیں۔ پھر واحد، جمع، مذکر اور مونث کو غلبہ کی وجہ سے یہی نام دیا گیا ہے۔ اور علماء نے اس کا مصدر العصوبۃ بیان کیا ہے۔ اور مذکر عورت کو عصبہ بناتا ہے، اور عصبات جمع الجمع ہے جیسے جمالات، یا یہ مفرد کی جمع ہے اس بنا پر کہ عصبہ کو اسم بنایا جائے۔ تامل۔

عصبہ نسبی کی اقسام

37332۔ (قولہ: وَعَصَبَةٌ بِغَيْرِهِ وَعَصَبَةٌ مَعَ غَيْرِهِ) ان دونوں کا فرق عنقریب بیان ہوگا۔

37333۔ (قولہ: فَالْأُنْثَى لَا تَكُونُ عَصَبَةً بِنَفْسِهَا الخ) پس عورت عصبہ بنفسہٖ نہیں ہوسکتی، یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ''مصنف'' کے قول: وھو کل ذکر کے ساتھ عصبہ بالغیر اور عصبہ مع الغیر دونوں خارج ہوگئے، کیونکہ وہ دونوں فقط عورتیں ہوتی ہیں۔ اور رہی معتقہ (آزاد کرنے والی) تو وہ اگرچہ عصبہ بنفسھا ہے لیکن وہ عصبہ نسبیہ نہیں ہے۔ اور یہاں مقصود عصبات نسبیہ کا بیان ہے جیسا کہ ''شارح'' نے پہلے اس طرف اشارہ کردیا ہے۔ اور اسی وجہ سے معتق بھی خارج ہے۔

عصبہ بنفسہٖ کی تعریف

37334۔ (قولہ: لَمْ يَدْخُلْ الخ) مراد عورت کا درمیان میں نہ ہونا ہے، برابر ہے اس کے اور میت کے درمیان مرد ہو جیسا کہ دادا اور پوتا یا نہ ہو جیسے باپ اور صلبی بیٹا۔

37335۔ (قولہ: كَوَلَدِ الْأُمِّ) یعنی ماں کی طرف سے بھائی (اخیافی بھائی)۔ اور رہا سگا بھائی تو وہ عصبہ بنفسہٖ ہے اس کے باوجود کہ ماں اس کی نسبت میں داخل ہے۔ اور جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ ہے جو صرف عورت کے ساتھ

فَإِنَّهُ ذُو فَرْضٍ وَكَأَبِي الْأُمِّ وَابْنِ الْبِنْتِ فَإِنَّهُمَا مِنْ ذَوِي الْأَرْحَامِ (مَا أَبْقَتْ الْفَرَائِضُ) أَيْ جِنْسُهَا
کیونکہ وہ ذوی الفروض میں سے ہے۔ اور ماں کا باپ (یعنی نانا) اور بیٹی کا بیٹا (یعنی نواسہ)۔ کیونکہ یہ دونوں ذوی الارحام میں سے ہیں۔ اور فرائض کی جنس سے جو باقی بچے گا وہ عصبہ کے لئے ہوگا۔

منسوب نہ ہو۔ اور "السید" نے جواب اس طرح دیا ہے کہ باپ کی قرابت عصبہ ہونے کے استحقاق میں اصل ہے۔ کیونکہ وہ جب منفرد ہو تو بھی عصوبیت کے اثبات میں کافی ہوتی ہے بخلاف ماں کی قرابت کے، کیونکہ وہ انفرادی طور پر عصوبیت کے اثبات کی علت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ پس وہ عصوبیت کے استحقاق کو قائم کرنے میں ملغی ہے۔ ہم نے اسے بمنزلہ وصف زائد کے قرار دیا ہے، پس ہم نے اس کے ساتھ سگے بھائی کو علاتی بھائی پر ترجیح دی ہے۔

میں کہتا ہوں: اور یہ بعض علما کے اس قول سے اولیٰ ہے کہ وہ "مصنف" کے قول فی نسبتہ کے ساتھ خارج ہو گیا اس حیثیت سے انہوں نے فی قرابتہ نہیں کہا۔ کیونکہ عورت بھائی کے ساتھ اس کی قرابت میں داخل ہے اس کی طرف اس کی نسبت میں داخل نہیں۔ کیونکہ نسب باپ کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔ پس وہ اس کے غیر کے واسطہ کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہاں معتبر میت کی طرف نسبت ہے نہ کہ باپ کی طرف۔ پس اس سے مراد قرابت ہے نہ کہ نسب شرعی۔ ورنہ لازم آئے گا کہ عصبہ نہیں ہوگا مگر تب جب میت باپ یا دادا ہو۔ پس بھائی، چچا اور ان جیسے دیگر خارج ہو جائیں گے۔ فافہم۔

پھر میں نے علامہ "یعقوب" کو دیکھا انہوں نے اس جواب کو کمزور قرار دیا ہے اور اسے درست اور صحیح کے دائرہ سے خارج کر دیا ہے اسی طرح جیسے ہم نے اس بارے کہا ہے۔ والحمد للہ۔

المختصر عصبہ کی تعریف کلام سے خالی نہیں ہے اگرچہ وہ مراد اور مقصود اتحریر کرنے کے بعد ہو۔ کیونکہ یہ وارد ہونے والے اعتراضات کا دفاع نہیں کرتی۔ اسی لئے "ابن الہائم" نے اپنی "منظومہ" میں کہا ہے۔ [الرجز]

وَلَيْسَ يَخْلُو حَدُّهُ عَنْ نَقْدٍ　　فَيَنْبَغِي تَعْرِيفُهُ بِالْعَدِّ

(اور اس کی تعریف نقد سے خالی نہیں ہوتی۔ پس اس کی تعریف عد سے کرنی چاہئے اور یہ بھی کہ عصبہ نسبیہ کے ساتھ اس کی تخصیص کا کوئی داعی نہیں۔ علامہ "قاسم" نے "شرح فرائض المجمع" میں اپنے اس قول کے ساتھ تعریف کی ہے وہ مرد جو میت کی طرف بنفسہ یا محض مردوں کے سبب منسوب ہو یا وہ معتق ہو، پس ان کا قول مُعْتِق رفع کے ساتھ لفظ ذکر پر معطوف ہے۔ اور اگر لفظ محض حذف کر دیا جاتا تو وہ اولیٰ ہوتا تا کہ سگا بھائی بھی تعریف میں داخل ہو جاتا اور اس کے بعد بھی اس میں نظر ہے۔ فتدبر

37336۔ (قولہ: فَإِنَّهُ ذُو فَرْضٍ) کیونکہ وہ صرف صاحب فرض (حصہ لینے والا) ہے ورنہ ذوفرض کے وارث ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عصبہ نہ ہو۔ کیونکہ باپ اور دادا میں سے ہر ایک ذوفرض ہے اور وہ عصبہ بھی ہوتا ہے۔

37337۔ (قولہ: أَيْ جِنْسُهَا) یعنی جنس کے لئے کہا تو اس سے جمعیت کا معنی باطل ہو جاتا ہے۔ پس وہ اسے شامل

(وَعِنْدَ الِانْفِرَادِ يَحُوزُ جَمِيعَ الْمَالِ) بِجِهَةٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ الْعَصَبَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ أَرْبَعَةُ أَصْنَافٍ جُزْءُ الْمَيِّتِ ثُمَّ أَصْلُهُ ثُمَّ جُزْءُ أَبِيهِ ثُمَّ جُزْءُ جَدِّهِ (وَيُقَدَّمُ الْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ مِنْهُمْ) بِهَذَا التَّرْتِيبِ فَيُقَدَّمُ جُزْءُ الْمَيِّتِ (كَالِابْنِ ثُمَّ ابْنِهِ وَإِنْ سَفَلَ

اور عصبہ منفرد ہونے کی صورت میں تمام مال ایک جہت سے لے گا۔ پھر عصبہ بنفسہ کی چار اقسام ہیں: میت کا جز پھر میت کی اصل، پھر اس کے باپ کا جز اور پھر اس کے دادا کا جز۔ اور ان میں سے زیادہ قریبی کو مقدم کیا جائے گا اور پھر اسے جو اس کے بعد زیادہ قریبی ہوگا اسی ترتیب کے مطابق۔ پس میت کے جز کو مقدم کیا جائے گا جیسے بیٹا پھر پوتا اگرچہ کتنا نیچے تک ہو،

ہوگا جب وہاں ایک فرض ہو اور اسے دینے کے بعد باقی اپنے مستحق کے لئے جائز ہوگا۔ ''طحطاوی''۔

37338۔ (قولہ: بِجِهَةٍ وَاحِدَةٍ) ایک جہت سے۔ ''المنح'' میں کہا ہے: ہم نے اس کے ساتھ مقید کیا ہے تاکہ یہ اعتراض وارد نہ ہو کہ صاحب فرض جب عصبہ ہونے سے خالی ہو تو وہ جمیع مال لے لیتا ہے۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کیونکہ بعض مال کے لئے اس کا استحقاق بطور فرضیت کے اور باقی کے لئے بطور رد کے ہوتا ہے۔

عصبہ بنفسہ کی اقسام

37339۔ (قولہ: جُزْءُ الْمَيِّتِ الخ) تمام قسموں میں مراد مذکر (مرد) ہیں جیسا کہ یہی معنی موضوع ہے۔

37340۔ (قولہ: ثُمَّ جُزْءُ جَدِّهِ) جد سے اس کا ارادہ کیا ہے جو باپ کے باپ (دادا) کو اور اس سے اوپر والوں کو شامل ہوتا ہے اور اس پر دلیل آنے والا قول وان علا ہے۔ پس یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ باپ کا چچا اور دادا کا چچا آنے والے کلام میں ان چار اقسام سے خارج ہو جاتے ہیں۔

37341۔ (قولہ: وَيُقَدَّمُ الْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ الخ) یعنی اسے مقدم کیا جائے گا جو جہت کے اعتبار سے زیادہ قریبی ہو پھر جو درجہ کے اعتبار سے زیادہ قریبی ہو پھر جو اقوی ہو جیسے قرابت ہونا۔ پس ترجیح کا اعتبار پہلے تمام کے نزدیک جہت کے ساتھ ہوگا۔ اور اس کے جز جیسا کہ بیٹا اور پوتا کو اس کی اصل جیسا کہ باپ اور دادا پر مقدم کیا جائے گا۔ اور اس کی اصل کو اس کے باپ کے جز پر مقدم کیا جائے گا جیسا کہ بھائی اور ان کے بیٹے جو کہ اخیافی نہ ہوں، اور اس کے باپ کے جز کو دادا کے جز پر مقدم کیا جائے گا جیسا کہ چچے اور ان کے بیٹے جو کہ اخیافی نہ ہوں۔ اور جہت کی ترجیح کے بعد جب اس جہت والے متعدد ہوں تو پھر قرابت کے ساتھ ترجیح کا اعتبار کیا جائے گا۔ پس بیٹے کو پوتے پر، باپ کو دادا پر اور بھائی کو اس کے بیٹے پر قرب درجہ کی وجہ سے مقدم کیا جائے گا۔ اور جہت اور قرابت کے اتحاد کے بعد ترجیح بالقوۃ کا اعتبار کیا جائے گا، پس سگے بھائی کو علاتی بھائی پر اور اسی طرح ان کے سگے بیٹوں کو علاتی بیٹوں پر مقدم کیا جائے گا۔ اور یہ سب ''مصنف'' کے کلام سے مستفاد ہے اور اس کے بارے علامہ ''الجعبری'' نے تصریح کی ہے جہاں انہوں نے کہا: [الطویل]

فبالجهة التقديمُ ثُمَّ بقربه وبَعْدَهما التقديمُ بالقوة اجْعَلَا

ثُمَّ أَصْلُهُ الْأَبُ وَيَكُونُ مَعَ الْبِنْتِ) بِأَكْثَرَ (عَصَبَةً وَذَا سَهْمٍ) كَمَا مَرَّ (ثُمَّ الْجَدُّ الصَّحِيحُ) وَهُوَ أَبُو الْأَبِ (وَإِنْ عَلَا) وَأَمَّا أَبُو الْأُمِّ فَفَاسِدٌ مِنْ ذَوِي الْأَرْحَامِ (ثُمَّ جُزْءُ أَبِيهِ الْأَخُ) لِأَبَوَيْنِ (ثُمَّ) لِأَبٍ ثُمَّ (ابْنُهُ) لِأَبَوَيْنِ ثُمَّ لِأَبٍ (وَإِنْ سَفَلَ) تَأْخِيرُ الْإِخْوَةِ عَنِ الْجَدِّ وَإِنْ عَلَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَهُوَ الْمُخْتَارُ لِلْفَتْوَى خِلَافًا لَهُمَا وَلِلشَّافِعِيِّ قِيلَ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى (ثُمَّ جُزْءُ جَدِّهِ الْعَمُّ) لِأَبَوَيْنِ ثُمَّ لِأَبٍ ثُمَّ ابْنُهُ لِأَبَوَيْنِ ثُمَّ لِأَبٍ (وَإِنْ سَفَلَ ثُمَّ عَمُّ الْأَبِ ثُمَّ ابْنُهُ ثُمَّ عَمُّ الْجَدِّ ثُمَّ ابْنُهُ) كَذَلِكَ

پھر میت کی اصل یعنی باپ کو اور وہ ایک بیٹی یا زیادہ کے ساتھ عصبہ اور صاحب حصہ ہوتا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ پھر جد صحیح کو اور وہ دادا ہے اگرچہ کتنا اوپر تک ہو۔ اور رہا ماں کا باپ یعنی نانا تو وہ جد فاسد ہے اور ذوی الارحام سے ہے۔ پھر اس کے باپ کا جز یعنی سگا بھائی پھر علاتی بھائی پھر اس کا سگا بیٹا پھر علاتی بیٹا اگرچہ کتنا نیچے تک ہو۔ اور بھائیوں کو دادا سے موخر کرنا اگر کتنا اوپر تک ہو۔ یہ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور یہی فتویٰ کے لئے مختار قول ہے بخلاف ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے۔ کہا گیا ہے: اور اسی پر فتویٰ ہے۔ پھر اس کے دادا کا جز یعنی وہ چچا جو سگا ہو پھر جو علاتی ہو، پھر اس کا سگا بیٹا پھر علاتی بیٹا اگرچہ کتنا نیچے تک ہو۔ پھر باپ کا چچا پھر اس کا بیٹا پھر دادا کا چچا اور پھر اس کا بیٹا اسی طرح ہوگا

پس تقدیم جہت کے ساتھ ہے پھر قرابت کے ساتھ اور ان دونوں کے بعد تقدیم بالقوۃ کو بنالو۔

37342۔ (قولہ: وَيَكُونُ الخ) اس کا ذکر باپ کے ذکر کے ساتھ کرنا اولیٰ ہے جو کہ پہلے گزر چکا ہے جیسا کہ ''شارح'' نے ایسا کیا ہے۔ ''طحطاوی''۔

37343۔ (قولہ: ثُمَّ الْجَدُّ الصَّحِيحُ) جد صحیح وہ ہوتا ہے جس کی میت کی طرف نسبت میں کوئی عورت داخل نہ ہو۔

37344۔ (قولہ: وَهُوَ أَبُو الْأَبِ) اس میں اولیٰ اَبُو واؤ کے ساتھ لکھنا ہے اس لئے کہ لغت مشہورہ کی بنا پر اس کا اعراب بالحرف ہوتا ہے۔

37345۔ (قولہ: ثُمَّ لِأَبٍ) یعنی پھر علاتی بھائی، رہا اخیافی بھائی تو وہ صرف ذوالفرض ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

37346۔ (قولہ: لِأَبَوَيْنِ) یہ محذوف کے متعلق ہے جو ضمیر سے حال ہے۔

37347۔ (قولہ: قِيلَ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) کہا گیا ہے: اور اسی پر فتویٰ ہے۔ یہ ''صاحب السراجیہ'' نے اپنی ''شرح'' میں کہا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ اور تحقیق اس طرف اشارہ کیا ہے کہ معتمد علیہ پہلا قول ہے اور یہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔

37348۔ (قولہ: كَذَلِكَ) یعنی پہلے وہ جو ماں باپ دونوں کی طرف سے سگا ہو اور پھر وہ جو صرف باپ کی طرف سے ہو۔ اور یہ کلام عم الأب اور عم الجد سے حال کے محل میں ہے۔

وَإِنْ سَفَلَا فَأَسْبَابُهَا أَرْبَعَةٌ بُنُوَّةٌ ثُمَّ أُبُوَّةٌ ثُمَّ أُخُوَّةٌ ثُمَّ عُمُومَةٌ (وَ) بَعْدَ تَرْجِيحِهِمْ بِقُرْبِ الدَّرَجَةِ (يُرَجَّحُونَ) عِنْدَ التَّفَاوُتِ بِأَبَوَيْنِ وَأَبٍ كَمَا مَرَّ (بِقُوَّةِ الْقَرَابَةِ فَمَنْ كَانَ لِأَبَوَيْنِ) مِنَ الْعَصَبَاتِ وَلَوْ أُنْثَى كَالشَّقِيقَةِ مَعَ الْبِنْتِ تُقَدَّمُ عَلَى الْأَخِ لِأَبٍ (مُقَدَّمٌ عَلَى مَنْ كَانَ لِأَبٍ) لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَعْيَانَ بَنِي الْأُمِّ يَتَوَارَثُونَ دُونَ بَنِي الْعَلَّاتِ وَالْحَاصِلُ أَنَّهُ عِنْدَ الِاسْتِوَاءِ فِي الدَّرَجَةِ يُقَدَّمُ ذُو الْقَرَابَتَيْنِ وَعِنْدَ التَّفَاوُتِ فِيهَا يُقَدَّمُ الْأَعْلَى

اگرچہ وہ دونوں کتنا نیچے تک ہوں۔ پس عصبہ ہونے کے اسباب چار ہیں: بیٹا ہونا، پھر باپ ہونا، پھر بھائی ہونا اور پھر چچا ہونا۔ اور انہیں قرب درجہ کے سبب ترجیح دینے کے بعد والدین اور صرف والد سے (سگے اور سوتیلے) ہونے کے تفاوت کے وقت قوۃ قرابت کے ساتھ ترجیح دی جائے گی جیسا کہ گزر چکا ہے۔ پس عصبات میں سے جو سگا یعنی والدین کی طرف سے ہو اگرچہ وہ مونث ہو جیسے سگی بہن بیٹی کے ساتھ اسے علاتی بھائی پر مقدم کیا جائے گا۔ یعنی جو دونوں طرف سے ہو اسے اس پر مقدم کیا جائے گا جو صرف باپ کی طرف سے ہو۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے: بلاشبہ سگی ماں کے بیٹے باہم وارث ہوتے ہیں نہ کہ سوتیلی ماؤں کے۔ حاصل کلام یہ ہے: درجہ میں برابر ہونے کے وقت دو قرابت والے کو مقدم کیا جائے گا اور ان میں تفاوت کے وقت اعلیٰ کو مقدم کیا جائے گا۔

37349۔ (قولہ: وَإِنْ سَفَلَا) اگرچہ باپ کے چچا کا بیٹا اور دادا کے چچا کا بیٹا کتنا نیچے تک ہو۔

37350۔ (قولہ: فَأَسْبَابُهَا) یعنی عصبہ ہونے کے اسباب۔

37351۔ (قولہ: وَبَعْدَ تَرْجِيحِهِمْ الخ) یعنی چاروں اقسام میں سے ہر قسم والوں کی قرب درجہ کے ساتھ ترجیح کے بعد مثلاً بھائیوں کو ان کے بیٹوں پر ترجیح دینا۔ قوۃ قرابت کے ساتھ ترجیح دی جائے گی جب وہ اس میں متفاوت ہوں جیسا کہ سگے بھائی کو علاتی بھائی پر ترجیح دینا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

37352۔ (قولہ: بِأَبَوَيْنِ وَأَبٍ) یہ تفاوت کے متعلق ہے، اور ''شارح'' کا قول: کما مرّ اس سے حال ہے۔ اور ان کا قول بقوۃ القرابة۔ یرجحون سے حال ہے۔

37353۔ (قولہ: كَالشَّقِيقَةِ الخ) اس میں یہ ہے کہ کلام عصبہ بالنفس کے بارے میں ہے، اور یہ عصبہ مع الغیر ہے لیکن ''السید'' نے کہا ہے: بے شک یہاں اس کا ذکر کیا ہے اگرچہ یہ عصبہ بنفسہا نہیں ہے، اس لئے کہ یہ حکم میں عصبہ بنفسہ کے ساتھ شریک ہے۔

37354۔ (قولہ: إِنَّ أَعْيَانَ بَنِي الْأُمِّ الخ) مکمل حدیث اس طرح ہے: يَرِثُ الرَّجُلُ أَخَاهُ لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ دون أخيه لأبيه (1) رواہ الترمذی وابن ماجہ۔ ''قاسم''۔ (آدمی کا وارث اس کا سگا بھائی ہوگا نہ کہ اس کا علاتی بھائی)۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب الوصایا، باب ماجاء فی میراث الاخوۃ من الأب والام، جلد 2، صفحہ 93، حدیث نمبر 2021

ثُمَّ شَرَعَ فِي الْعَصَبَةِ بِغَيْرِهِ فَقَالَ (وَيَصِيرُ عَصَبَةً بِغَيْرِهِ الْبَنَاتُ بِالِابْنِ وَبَنَاتُ الِابْنِ بِابْنِ الِابْنِ) وَإِنْ سَفَلُوا (وَالْأَخَوَاتُ) لِأَبَوَيْنِ أَوْ لِأَبٍ (بِأَخِيهِنَّ) فَهُنَّ أَرْبَعٌ

پھر ''مصنف'' عصبہ بغیرہ کے بیان میں شروع ہوئے اور کہا: عصبہ بغیرہ بیٹیاں بیٹے کے ساتھ اور پوتیاں پوتے کے ساتھ ہوتی ہیں اگرچہ وہ نیچے ہوں اور سگی بہنیں یا علاتی بہنیں اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ بغیرہ ہوتی ہیں۔ پس یہ چار ہوئیں،

اور عنقریب ''شارح'' ذکر کریں گے کہ بنی الاعیان سگے بھائی ہیں۔ انہیں یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ وہ ایک عین یعنی ایک ماں باپ سے ہیں، اور بنی العلات وہ بھائی ہیں جو صرف باپ کی طرف سے ہوں (یعنی علاتی بھائی) انہیں یہ نام اس لئے دیا گیا ہے، کیونکہ خاوند اپنی دوسری زوجہ سے سیراب ہوا ہے۔ اور العلل کا معنی دوسری بار پینا ہے۔ کہا جاتا ہے: عَلَّهُ: جب وہ اسے دوسری بار پلائے۔ اور رہے ماں کی طرف سے بھائی! تو وہ بنوالاخیاف کہلاتے ہیں جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ اور ظاہر ہے کہ حدیث پاک میں بنی الام سے مراد وہ ہیں جو سگے بھائیوں اور صرف اخیافی بھائیوں کو شامل ہیں۔ اور یہ کہ ان کے أعیان سے مراد قسم اول ہے جس پر ان کا قول دلالت کرتا ہے جو ''المغرب'' میں ہے: أعیان القوم أشرافهم۔ کہ اعیان القوم سے مراد قوم کے اشراف ہیں۔ اور اسی وجہ سے سگے بھائیوں کے لئے ان کا قول بنوالاعیان ہے، اور اسی سے حدیث اعیان بنی أمر یتوارثون ہے۔ اور ''السید'' نے کہا ہے: یہاں أم کے ذکر سے مقصود اس کا اظہار ہے جس کے ساتھ بنوالاعیان بنی العلات پر ترجیح پاتے ہیں: یعنی اس لئے کہ وہ ماں کی قرابت کے سبب ان سے فائق ہیں، اسی لئے وہ اعیان ہیں۔

37355۔ (قوله: الْبَنَاتُ) یہ اسم موخر ہے اور اس کی خبر ''مصنف'' کا قول: عصبة بغیرہ اور اس کا قول: بالابن ہے۔ بالابن کے ساتھ اسے مقید کیا۔ کیونکہ وہ (بیٹیاں) اس کے نہ ہونے کی صورت میں ہمیشہ صاحبات فرض رہتی ہیں۔ اور پوتا صاحب فرض کو عصبہ نہیں بنا سکتا۔

37356۔ (قوله: وَإِنْ سَفَلُوا) مراد پوتیاں اور پوتا ہے۔

37357۔ (قوله: بِأَخِيهِنَّ) یعنی اپنے اس بھائی کے ساتھ جو قرابت میں ان کے مساوی ہو'' درر البحار''۔ ''الطوری'' نے کہا ہے: اور ''کشف الغوامض'' میں ہے: سگی بہن کو علاتی بھائی بالاجماع عصبہ نہیں بنا سکتا۔ کیونکہ وہ بہن بھائی کی نسبت نسب میں اقوی ہے، بلکہ وہ اپنا حصہ لے گی۔ اور علاتی بہن کو سگا بھائی عصبہ نہیں بنا سکتا، بلکہ وہ ساقط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ بھائی بالاجماع اس سے زیادہ قوی ہے۔ اور ''مصنف'' کی منظوم کتاب جس کا نام ''تحفة الاقران'' ہے اس میں ہے: [الرجز]

ولا ترث أخت له من الأب مع صنوه الشقيق فاحفظ تُصِب

اور اس کی علاتی بہن اس کے سگے بھائی کے ساتھ وارث نہیں ہوگی پس تو اسے یاد رکھ کامیاب ہو جائے گا۔

اور اس کی شرح میں ''الجواہر'' سے ذکر کیا ہے کہ بعض علماء نے یہ گمان کیا ہے کہ بہن کے لئے نصف ہو گا حالانکہ یہ کوئی شے نہیں ہے۔

ذَوَاتُ النِّصْفِ وَالثُّلُثَيْنِ يَصِرْنَ عَصَبَةً بِإِخْوَتِهِنَّ، وَلَوْ حُكْمًا كَابْنِ ابْنِ ابْنٍ يُعَصِّبُ مَنْ مِثْلَهُ أَوْ فَوْقَهُ ثُمَّ شَرَعَ فِي الْعَصَبَةِ مَعَ غَيْرِهِ فَقَالَ (وَمَعَ غَيْرِهِ الْأَخَوَاتُ مَعَ الْبَنَاتِ) أَوْ بَنَاتِ الِابْنِ لِقَوْلِ الْفَرَضِيِّينَ اجْعَلُوا الْأَخَوَاتِ مَعَ الْبَنَاتِ عَصَبَةً وَالْمُرَادُ مِنْ الْجَمْعَيْنِ هُنَا الْجِنْسُ

چنانچہ نصف اور دو تہائی حصہ والی عورتیں اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں اگر چہ وہ بھائی حکمی ہو جیسا کہ بیٹے کے بیٹے کا بیٹا یعنی پروتا اپنی مثل بہن یا اپنے سے اوپر والی بہن کو عصبہ بنا دیتا ہے۔ پھر ''مصنف'' عصبہ مع غیرہ کے بیان میں شروع ہوئے اور کہا: عصبہ مع غیرہ بہنیں ہیں جبکہ وہ بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ ہوں اس لئے کہ علماء میراث کا قول ہے: تم بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بناؤ۔ اور اس عبارت میں دونوں جمعوں (الاخوات اور البنات) سے مراد جنس ہے (یعنی ان پر الف لام جنسی ہے)

37358۔(قولہ: ذَوَاتُ النِّصْفِ وَالثُّلُثَيْنِ) نصف اور دو ثلث حصہ والیاں، یہ خبر کے بعد خبر ہے یا اربع سے بدل ہے یعنی وہ جن کا حصہ نصف ہوتا ہے جب وہ منفرد ہوں۔ اور دو تہائی ہوتا ہے جب وہ متعدد ہوں۔ اور وہ بیٹی، پوتی، سگی بہن یا علاتی بہن ہے۔ کہا گیا ہے: واجب ہے کہ تو ماں کا ذکر باپ کے ساتھ کرے کیونکہ وہ اسے عصبہ بناتا ہے زوجین میں سے کسی ایک کے ساتھ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور جواب یہ دیا گیا ہے: اس کا مابقی کا تہائی حصہ لینا بطریق فرض ہے عصبہ ہونے کی حیثیت سے نہیں ہے۔ اور اس کی طرف اشارہ کیا ہے جو''السراجیہ'' میں اور اس کی شرح میں ہے کہ عورتوں میں سے وہ جس کا کوئی فرض (حصہ) نہیں اور اس کا بھائی عصبہ ہو تو وہ اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ نہیں ہوگی جیسا کہ چچا اور پھوپھی جبکہ وہ دونوں سگے ہوں یا علاتی ہوں۔ اور مال سارے کا سارا چچا کے لئے ہوگا نہ کہ پھوپھی کے لئے۔ اور اسی طرح چچا کا بیٹا ہو چچا کی بیٹی کے ساتھ، اور بھائی کا بیٹا (بھتیجا) ہو بھائی کی بیٹی (بھتیجی) کے ساتھ۔ اور میں نے اسے اپنے قول کے ساتھ نظم کیا ہے۔ [الرجز]

و لم يُعَصِّبْ غَيْرَ ذاتِ سَهْمٍ أَخٌ كمثل عَمَّةٍ وَ عَمٍّ

اور بھائی غیر سہم والے کو عصبہ نہیں بناتا جیسا کہ پھوپھی اور چچا۔

37359۔(قولہ: وَلَوْ حُكْمًا) اگر چہ وہ حکمی ہو۔ پوتی کی طرف دیکھتے ہوئے اس میں بھائی کے لئے تعمیم ہے؟ کیونکہ اس کا عصبہ ہونا صرف اس کے بھائی کے ساتھ مختص نہیں۔ کیونکہ وہ اس کے ساتھ اور چچا کے بیٹے کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ بھی جو اس سے نیچے ہو بشرطیکہ وہ صاحب فرض نہ ہو جیسا کہ اس کا بیان عنقریب آئے گا۔

37360۔(قولہ: الْأَخَوَاتُ مَعَ الْبَنَاتِ) یعنی سگی یا علاتی بہنیں۔ رہی اخیافی بہن تو اس کا بھائی اسے عصبہ نہیں بناتا حالانکہ وہ مذکر ہے۔ پس اس کا عصبہ مع الغیر نہ ہونا اولیٰ ہے۔

37361۔(قولہ: لِقَوْلِ الْفَرَضِيِّينَ الخ) اسے ''السراجیہ'' وغیرہ میں حدیث قرار دیا ہے۔ ''سکب الانہر'' میں کہا

(وَعَصَبَةُ وَلَدِ الزِّنَا وَ) وَلَدِ (الْمُلَاعَنَةِ) (مَوْلَى الْأُمِّ) الْمُرَادُ بِالْمَوْلَى مَا يَعُمُّ الْمُعْتِقَ وَالْعَصَبَةَ لِيَعُمَّ مَا لَوْ كَانَتْ الْأُمُّ حُرَّةَ الْأَصْلِ كَمَا بَسَطَهُ الْعَلَّامَةُ قَاسِمٌ

اور ولد الزنا اور ولد الملاعنہ کا عصبہ ماں کا مولیٰ ہے اور یہاں مولیٰ سے مراد وہ ہے جو معتق اور عصبہ دونوں کو شامل ہے تا کہ اگر ماں اصلاً آزاد ہو تو اسے بھی یہ شامل ہو جائے جیسا کہ علامہ ''قاسم'' نے اسے شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ہے: اور میں اس پر واقف نہیں جس نے اسے خارج کیا ہے، البتہ اس کی اصل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے۔ اور یہ وہ ہے جسے امام ''بخاری'' وغیرہ نے بیٹی، پوتی، اور بہن کے بارے میں روایت کیا ہے۔ بیٹی کے لئے نصف، پوتی کے لئے چھٹا حصہ اور مابقی بہن کے لئے ہے اور ''ابن الہائم'' نے اسے اپنی ''فصول'' میں علماء میراث کا قول قرار دیا ہے اور اس کے شارحین مثلاً قاضی ''زکریا'' اور ''سبط المارديني'' وغیرہ نے ان کی اتباع کی ہے۔

تنبیہ

ان دونوں عصبوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ عصبہ بغیرہ میں غیر بذات خود عصبہ ہوتا ہے اور پھر اس کے سبب سے عصوبۃ مونث کی طرف متعدی ہو جاتی ہے اور عصبہ مع غیرہ میں وہ غیر اصلاً عصبہ نہیں ہوتا بلکہ اس عصبہ کی عصوبۃ اس غیر کو جمع کرنے والی ہوتی ہے۔ ''سید''۔ اور اس میں پہلے کو با کے ساتھ اور دوسرے کو مع کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ کی طرف اشارہ ہے۔ ''سکب الانہر'' میں کہا ہے: با، الصاق کے لئے ہے۔ اور الصاق ملصق اور ملصق بہ کے درمیان ثابت نہیں ہوتا مگر تبھی جب ملصق بہ کے حکم میں دونوں شریک ہوں۔ پس وہ دونوں عصبہ ہونے کے حکم میں باہم شریک ہوتے ہیں۔ بخلاف مع کے کلمہ کے کیونکہ وہ قران کے لئے آتا ہے۔ اور قران دو آدمیوں کے درمیان حکم میں مشارکت کے بغیر بھی ثابت ہو جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ جَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ۝ (الفرقان) (اور ہم نے ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو (ان کا) وزیر مقرر کیا) یعنی اس کا وزیر اس حیثیت سے کہ وہ نبوت میں ان کے مقارن ہیں۔ اور جیسا کہ ''قدوری'' کے الفاظ ہیں: و من فاتته صلاة العيد مع الامام یعنی اس کی وہ نماز فوت ہوئی جو امام کی نماز کے ساتھ مقارن ہے نہ کہ ان دونوں کا فوت ہونا ایک ساتھ ہے۔ پس یہ اس غیر کے بغیر عصبہ ہوتی ہے۔ ''بدیع الدین'' نے ''شرح السراجیہ'' میں کہا ہے: فرق یہ ہے کہ مع کبھی شرط کے لئے اور با سبب کے لئے مستعار لئے جاتے ہیں۔

37362۔ (قولہ: كَمَا بَسَطَهُ الْعَلَّامَةُ قَاسِمٌ) جیسا کہ علامہ ''قاسم'' نے اسے ''تصحیح القدوری'' میں ''الجواہر'' سے نقل کرتے ہوئے شرح و بسط کے ساتھ ذکر کیا ہے جہاں انہوں نے کہا ہے: اگر لعان کرنے والی عورت اصلاً آزاد ہو تو پھر میراث دونوں کے موالی کے لئے ہوگی۔ اور وہ دونوں کے بھائی ہوں گے اور تمام دونوں کی ماں کا عصبہ ہوں گے۔ اور اگر وہ معتقہ (آزاد کی گئی) ہو تو پھر میراث اس کے معتق (آزاد کرنے والے) کے لئے ہوگی۔ اور اسی طرح معتق کا بیٹا، اس کا بھائی اور اس کا باپ ہے۔ پس ان کا قول لمواليهما معتق اور غیر معتق دونوں کو شامل ہے اور وہی ان کی ماں کا عصبہ ہے اور

....

اسی طرح ''الجوہرۃ'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اس کے مخالف ہے جسے شارحین ''کنز'' وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

''زیلعی'' نے کہا ہے: اور یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ وارث بنے یا عصوبۃ کے اعتبار سے اسے وارث بنایا جائے مگر ولاء یا ولاد کے ساتھ۔ پس اس کا وارث وہ ہوگا جس نے اسے آزاد کیا ہے یا اس کی ماں کو آزاد کیا ہے یا اس کا بیٹا عصوبۃ کے سبب وارث ہوگا، اور اسی طرح وہ اپنے معتق (جس کو آزاد کیا گیا) کا یا معتق کے معتق کا یا اپنے بیٹے کا اس کے سبب وارث ہوگا۔ پس یہ اس بارے میں صریح ہے کہ جب وہ یا اس کی ماں اصلاً آزاد ہو تو نہ وہ وارث ہوگا اور نہ اسے عصوبۃ کے سبب وارث بنایا جائے گا مگر جب وہ اس کا بیٹا ہو: یعنی بیٹا یا پوتا ہو۔

اور ''معراج الدرایۃ'' میں کہا ہے: پھر اس کے باپ کی طرف سے اس کی کوئی قرابت نہیں اور اگر اس کی ماں کی جہت سے قرابت ہو تو پھر اس کی ماں کا عصبہ اس کا عصبہ نہیں ہوگا، اور نہ اس کی ماں اس کے لئے عصبہ ہوگی یہ جمہور کے نزدیک ہے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: اس کی ماں کا عصبہ اس کا عصبہ ہے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک دوسری روایت میں ہے: اس کی ماں اس کا عصبہ ہے۔ اس لئے کہ حضرت ''واثلۃ بن الاسقع'' نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الْمرأةُ تَحُوزُ ثلاثَ مواريثَ عَتِيقَهَا، ولَقِيطَهَا وَوَلَدَهَا الَّذِي لَاعَنَتْ عَلَيْهِ (1) (عورت تین قسم کی وارثتوں کی وارث ہوتی ہے: اپنے آزاد کردہ غلام کی، اپنے لقیط (لاوارث اٹھایا ہوا بچہ) کی اور اپنے بچے کی جس پر اسے لعان کرنا پڑا)

اور ہم نے کہا ہے: میراث بلاشبہ نص سے ثابت ہوتی ہے، اور ماں کو وارث بنانے کی صورت میں ثلث سے زیادہ کے بارے کوئی نص نہیں ہے۔ اور نہ ہی اخیافی بھائی کی توریث میں چھٹے حصہ سے زیادہ کی کوئی نص ہے۔ اور نہ ہی ماں کے باپ یعنی نانا کی توریث میں کوئی نص ہے۔ اور اسی طرح ماں کے عصبہ ہونے کے بارے کوئی نص ہے۔ اور اس لئے بھی کہ عصبہ ہونا وراثت کے اسباب میں سے زیادہ قوی ہے اور اسے ماں کے ساتھ قائم اور معلق کرنا اضعف ہے، پس یہ جائز نہیں کہ وہ اس کے ساتھ اقوی اسباب ارث کی مستحق ہو۔ اور حدیث میں بیان یہ ہے کہ وہ جمع کرے اور جمع کرنا عصبہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ فرض اور رد کے اعتبار سے اسے جمع اور محفوظ کرے نہ کہ عصبہ ہونے کے اعتبار سے۔ اور رہی یہ حدیث: عصبتُهُ قومُ أمّه (اس کا عصبہ اس کی ماں کی قوم ہے) تو اس کا معنی ہے عصوبۃ کے معنی کے استحقاق میں اس کی قوم ہے، اور وہ رحم (رشتہ داری) ہے، نہ کہ حقیقی عصوبۃ کے اثبات میں اس کی قوم ہے۔ ملخصاً۔

اور ''المجتبیٰ''، ''شرح القدوری'' میں کہا ہے: ''مصنف'' کا یہ قول کہ ولد الزنا اور ولد الملاعنہ کا عصبہ دونوں کی ماں کا مولیٰ ہے، اس کا معنی واللہ اعلم یہ ہے کہ ماں اس کا عصبہ نہیں ہے اور نہ ماں کا عصبہ اس کا عصبہ ہے جیسا کہ حضرت ''ابن مسعود'' رضی اللہ عنہ

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الفرائض، باب میراث ابن الملاعنہ، جلد 2، صفحہ 371، حدیث نمبر 2519

لِأَنَّهُ لَا أَبَا لَهُمَا وَيَفْتَرِقَانِ فِي مَسْأَلَةٍ وَاحِدَةٍ وَهِيَ أَنَّ وَلَدَ الزِّنَا يَرِثُ مِنْ تَوْأَمِهِ مِيرَاثَ أَخٍ لِأُمٍّ وَوَلَدَ الْمُلَاعَنَةِ يَرِثُ مِنْ تَوْأَمِهِ مِيرَاثَ أَخٍ لِأَبَوَيْنِ

کیونکہ ان دونوں کا کوئی باپ نہیں۔ اور یہ دونوں ایک مسئلہ میں الگ الگ ہوجاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ولد الزنا اپنے اخیافی بھائی کی میراث کا وارث ہوتا ہے اور ولد الملاعنہ اپنے سگے بھائی کی میراث کا وارث ہوتا ہے۔

اس طرف گئے ہیں۔ بلاشبہ اس کا عصبہ اس کی ماں کا مولیٰ ہے جب اس کا مولیٰ ہو۔ اور جو موقف ہمارے اصحاب نے اختیار کیا ہے وہ حضرت علی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ماں جب ولد الزنا اور ولد ملاعنہ کے غیر کے حق میں عصبہ نہیں ہے تو اسی طرح اس کے حق میں بھی عصبہ نہیں ہوگی جیسا کہ ذوی الارحام (عصبہ نہیں ہوتے)۔

37363۔ (قولہ: لِأَنَّهُ لَا أَبَا لَهُمَا) کیونکہ ان دونوں کا (شرعی) باپ نہیں ہے، یہ متن کی تعلیل ہے۔ اور ''الاختیار'' میں وہ زائد ہے جو انہوں نے بیان کیا ہے: اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاعنہ کے بیٹے کو اس کی ماں کے ساتھ ملحق کیا ہے (1)۔ پس وہ اس شخص کی طرح ہوگیا جس کے لئے باپ کی جہت سے کوئی قرابت نہ ہو، تو پھر واجب ہے کہ اس کی ماں کے قرابتدار اس کے وارث ہوں اور وہ ان کا وارث ہو۔ پس اگر اس نے ایک بیٹی، ماں اور ملاعن (لعان کرنے والا) پیچھے چھوڑے تو بیٹی کے لئے ترکہ میں سے نصف اور ماں کے لئے چھٹا حصہ ہوگا اور پھر ماباقی انہی دو پر لوٹا دیا جائے گا گویا اس کا باپ ہے ہی نہیں۔ اور اسی طرح اگر ان دونوں کے ساتھ زوج یا زوجہ ہو تو وہ اپنا حصہ لے گا اور باقی ان دونوں کے درمیان بطور فرض اور رد تقسیم ہوجائے گا۔ اور اگر اس نے اپنی ماں اور ایک اخیافی بھائی اور ملاعن کا بیٹا چھوڑا تو اس کی ماں کے لئے تیسرا حصہ، اخیافی بھائی کے لئے چھٹا حصہ اور باقی پھر انہی دو پر لوٹا دیا جائے گا، اور لعان کرنے والے کے بیٹے کے لئے کوئی شے نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ باپ کی جہت سے اس کا بھائی نہیں ہے۔ اور جب لعان کرنے والی عورت کے بیٹے کا بیٹا فوت ہوا تو اس کے باپ کی قوم اس کی وارث ہوگی اور وہ بھائی ہیں، اور اس کے دادا کی قوم اس کی وارث نہیں ہوگی یعنی چچے اور ان کی اولاد اور اسی سے اس کے بقیہ مسائل بھی پہچانیں جائیں گے۔ اس کی مثل ''المنح'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: اور یہ اس کی تائید کرتا ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ اس کی ماں کے لئے تیسرا حصہ اور اخیافی بھائی کے لئے چھٹا حصہ رکھا، اس کے باوجود کہ اس کا بھائی ماں کا عصبہ ہے۔ پس اگر اس کی آزاد ماں کا عصبہ اس کے لئے عصبہ ہوتا تو وہ یقیناً ماں کے حصہ کے بعد ماباقی لیتا۔

37364۔ (قولہ: وَيَفْتَرِقَانِ الخ) اسی طرح ''الاختیار'' میں کہا ہے، اور ''المنح'' اور ''سکب الانہر'' وغیرہ میں اسی کی اتباع کی ہے۔

میں کہتا ہوں: اور یہ اس کے خلاف ہے جس پر ''شارح'' نے باب اللعان کے آخر میں اعتماد اور یقین کیا ہے۔ جہاں

1۔ صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب یلحق الولاء بالملاعنۃ، جلد 3، صفحہ 171، حدیث نمبر 4903

(وَتُخْتَمُ الْعَصَبَاتُ بِ) الْعَصَبَةِ السَّبَبِيَّةِ أَيْ (الْمُعْتِقِ ثُمَّ عَصَبَتِهِ) بِنَفْسِهِ عَلَى التَّرْتِيبِ الْمُتَقَدِّمِ

اور عصبات کا اختتام عصبہ سببیہ کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد معتق (آزاد کرنے والا آقا) ہے۔ پھر اس کے بعد اس کا عصبہ بنفسہ ہوگا اسی ترتیب پر جو پہلے بیان کی گئی ہے

انہوں نے ذکر کیا ہے کہ ملاعنہ کا بیٹا اپنے جڑواں میں سے اخیافی بھائی کی میراث کا بھی وارث ہوگا۔ اور اسی کی مثل ''البحر'' باب شہادت الجامع میں ہے۔ اور ''معراج الدرایہ'' میں کہا ہے: لعان کرنے والی کا بیٹا جب توأم (جڑواں) ہو تو ہمارے نزدیک اور امام ''شافعی''، امام ''احمد'' رحمۃاللہ علیہما اور جمہور کے نزدیک وہ دونوں دو اخیافی بھائیوں کی طرح ہوں گے۔ اور امام ''مالک'' رحمۃاللہ علیہ نے کہا ہے: وہ دونوں دو سگے بھائیوں کی مثل ہوں گے۔ پھر دلیل اور اس پر تفاریع ذکر کی ہیں لہٰذا اس کی طرف رجوع کرو۔ اور یہ اس بارے میں صریح ہے کہ ''شارح'' نے جو یہاں ذکر کیا ہے وہ امام ''مالک'' رحمۃاللہ علیہ کا مذہب ہے۔ تأمل۔

37365۔ (قولہ: وَتُخْتَمُ الْعَصَبَاتُ الخ) یعنی عصبات کا اختتام، اور یہ ختم اضافی ہے۔ ورنہ حقیقی طور پر اختتام معتق کے عصبہ کے ساتھ ہے۔ پھر بلاشبہ یہ دوسری قسم کا بیان ہے اور وہ عصبہ سببیہ ہے اور اس میں کوئی خفا نہیں کہ معتق عصبہ بنفسہ ہے۔ یہ نہ عصبہ بغیرہ ہے اور نہ مع غیرہ ہے۔ لیکن بسا اوقات اس بنا پر وہم پیدا ہوجاتا ہے کہ وہ عصبہ بنفسہ ہے اس کو نسبی عصبہ میں سے عصبہ بغیرہ اور مع غیرہ پر مقدم ہونا چاہئے۔ تو اس عبارت کے ساتھ عصبات نسبیہ کی تمام اقسام سے اس کے موخر ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، کیونکہ نسبی عصبہ سببی عصبہ سے اقویٰ ہوتا ہے۔ پس اسی لئے اسلوب بدل دیا ہے ورنہ یہ بالکل ظاہر ہے کہ ماقبل کے مناسب یہ کہنا ہے: والعصبۃ السببیۃ مولی العتاقۃ کہ سببی عصبہ مولی عتاقہ (آزاد کرنے والا آقا) ہے۔ اسے ''یعقوب'' نے بیان کیا ہے۔

37366۔ (قولہ: أَيْ الْمُعْتِقِ) یعنی آزاد کرنے والا، اس میں اولیٰ مولیٰ العتاقہ ہے جیسا کہ ہم نے اس میں اس کی وضاحت کر دی ہے جو گزر گیا ہے۔

37367۔ (قولہ: ثُمَّ عَصَبَتِهِ بِنَفْسِهِ الخ) پھر اس کا عصبہ بنفسہ، اس نے یہ فائدہ دیا ہے کہ معتق کے عصبہ کا عصبہ وارث نہیں ہوتا جیسا کہ ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور عصبہ کے ساتھ معتق کے اصحاب فروض سے احتراز کیا ہے جیسا کہ اس کی بیٹی، اس کی ماں اور اس کی بہن۔ پس یہ وارث نہیں ہوں گے۔ کیونکہ ولاء میں فرض کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اور عصبہ کو بنفسہ کے ساتھ مقید کیا ہے تاکہ عصبہ بغیرہ اور مع غیرہ سے احتراز ہوجائے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ولاء کے ثبوت کی شرائط میں سے ہے کہ ماں اصلاً آزاد نہ ہو۔ پس اگر وہ اصلاً آزاد ہوگی تو پھر اس کے بچے پر کسی کے لئے ولاء نہیں ہے اگرچہ باپ معتق ہو۔

37368۔ (قولہ: عَلَى التَّرْتِيبِ الْمُتَقَدِّمِ) سابقہ ترتیب پر۔ پس معتق کا نسبی عصبہ بنفسہ اس کے عصبہ سببیہ پر مقدم ہوگا یعنی معتق المعتق اور اس کا معتق اور اسی طرح پس معتق کے بیٹے کو مقدم کیا جائے گا پھر اس کے بیٹے یعنی پوتے کو اگرچہ وہ

بِقَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَلَاءُ لُحْمَةٌ كَلُحْمَةِ النَّسَبِ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے سبب: ''ولاء نسبی قرابت کی طرح قرابت ہے''

کتنا نیچے ہو، پھر اس کے باپ کو اور پھر اس کے دادا کو اگرچہ وہ کتنا اوپر ہو الخ۔ پھر معتق المعتق کو پھر اس کے عصبہ کو مذکورہ ترتیب پر، پھر معتق المعتق کے معتق کو پھر اس کے عصبہ کو اور پھر اسی طرح۔ ''ابن کمال''۔

تنبیہ

بیٹے اور بیٹی نے مل کر اپنے باپ کو خریدا اور پھر باپ نے ایک غلام خریدا اور اسے آزاد کر دیا، پھر باپ کے بیٹا اور بیٹی چھوڑ کر فوت ہونے کے بعد وہ فوت ہو گیا تو کل ترکہ بیٹے کے لئے ہوگا۔ کیونکہ معتق کا نسبی عصبہ بیٹی پر مقدم ہے۔ کیونکہ وہ عصبہ سببیہ ہے۔ ''سائحانی''۔ اور اسی طرح اگر بیٹی نے اپنا باپ خریدا اور وہ اس پر آزاد ہو گیا اور پھر اسے اور ایک دوسری بیٹی کو چھوڑ کر فوت ہو گیا اور اس نے مال چھوڑا تو اس کے دو تہائی ان دونوں کے لئے بطور فرض (حصہ) ہوں گے اور باقی مال پہلی کے لئے عصبہ ہونے کی وجہ سے ہوگا۔

37369۔ (قولہ: الْوَلَاءُ لُحْمَةٌ) یعنی نسب کے تعلق اور قرابت کی مثل ولا بھی ایک تعلق ہے(1) اسے ''ابن جریر'' نے ''التہذیب'' میں حضرت ''عبداللہ بن ابی اوفی'' رضی اللہ عنہ کی حدیث سے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور ''ابن ابی حاتم'' نے حضرت ''ابن عمر'' رضی اللہ عنہما کی حدیث سے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ''السید'' نے کہا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ آزادی انسان کے لئے حیات ہے۔ کیونکہ اسی کے ساتھ وہ صفت مالکیت ثابت ہوتی ہے جس کے ساتھ اپنے ماسوا تمام حیوانات اور جمادات سے وہ ممتاز ہو جاتا ہے۔ اور غلامی تلف ہونا اور ہلاکت ہے، پس معتق (آزاد کرنے والا) معتق (جس کو آزاد کیا جائے) کو زندہ کرنے کا سبب ہے جیسا کہ باپ بیٹے کو پیدا کرنے کا سبب ہے۔ اور جس طرح بیٹا اپنے باپ کی طرف نسب کے اعتبار سے اور اس کے قرابتداروں کی طرف اس کی اتباع کے اعتبار سے منسوب ہوتا ہے۔ اسی طرح معتق بھی ولاء کے ساتھ معتق کی طرف اور اس کی اتباع میں اس کے اقرباء کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ پس جس طرح نسب سے وراثت ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح ولاء سے بھی ثابت ہوتی ہے۔

اور اس میں اس پر تنبیہ ہے کہ یہ حدیث بلاشبہ صرف اس پر دلالت کرتی ہے کہ جس کو مولی العتاقہ یا اس کے عصبہ سے ولاء حاصل ہو تو وہ وارث ہوگا، اس کے سوا کسی امر زائد پر نہیں کہ وراثت دونوں جانبوں سے ہو جیسا کہ نسب میں ہوتا ہے مثلاً باپ کا وارث اس کا بیٹا ہوتا ہے اور اس کا برعکس (یعنی بیٹے کی میراث باپ کے لئے) یا دو میں سے ایک جانب سے ہو، اور یہ اس کا شعور دلاتی ہے کہ جس کے لئے ولاء ہے اس کا عصبہ ہو۔ کیونکہ یہ اسے باپ کے ساتھ تشبیہ دینے کو متضمن ہے اس حیثیت سے کہ وہ باپ ہے، اور یہ اس پر دلالت نہیں کرتی کہ وہ آخری عصبہ ہے۔ اس کی مکمل بحث ''شرح ابن الحنبلی'' میں ہے۔

1۔ مجمع الزوائد، باب ماجاء فی الولاء ومن یرثہ، جلد 4، صفحہ 419، حدیث نمبر 7181

(وَإِذَا تَرَكَ) الْمُعْتَقُ (أَبَ مَوْلَاهُ وَابْنَ مَوْلَاهُ فَالْكُلُّ لِلِابْنِ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ لِلْأَبِ السُّدُسُ (أَوْ تَرَكَ جَدَّهُ) أَيْ جَدَّ مَوْلَاهُ (وَأَخَاهُ فَهُوَ لِلْجَدِّ) عَلَى التَّرْتِيبِ الْمُتَقَدِّمِ (وَقَالَا بَيْنَهُمَا) كَالْمِيرَاثِ وَلَيْسَ هُنَا عَصَبَةٌ بِغَيْرِهِ وَلَا مَعَ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ لِلنِّسَاءِ مِنَ الْوَلَاءِ

اور جب آزاد کیا ہوا غلام اپنے آقا کا باپ اور اس کا بیٹا پیچھے چھوڑے تو کل ترکہ بیٹے کے لئے ہوگا۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: باپ کے لئے چھٹا حصہ ہوگا۔ یا وہ اپنے آقا کا دادا اور اس کا بھائی چھوڑے تو میراث سابقہ ترتیب پر دادا کے لئے ہوگی۔ اور ''طرفین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے: ان دونوں کے درمیان میراث کی طرح تقسیم ہوگی۔ اور اس میں عصبہ بغیرہ اور عصبہ مع غیرہ نہیں ہوتے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عورتوں کے لئے ولا میں سے کوئی شے نہیں ہے

اسے زیادہ کرنا اولیٰ ہے جو علامہ ''قاسم'' نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ذکر کیا ہے: الميراث للعصبة، فان لم تكن عصبة فللمولى(1) (میراث عصبہ کے لئے ہے پس اگر عصبہ نہ ہو تو پھر مولیٰ کے لئے ہے) اسے ''سعید بن منصور'' نے ''حسن'' کی حدیث سے روایت کیا ہے۔

37370۔ (قولہ: وَإِذَا تَرَكَ الْمُعْتَقُ) اور جب معتق (تاء کے فتحہ کے ساتھ) معتق اسم مفعول ہے۔ اور جب معتق اپنے آقا کا باپ اور اس کا بیٹا چھوڑے الخ۔

37371۔ (قولہ: وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ لِلْأَبِ السُّدُسُ) امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: باپ کے لئے چھٹا حصہ ہوگا، یہ آپ کا دوسرا قول ہے اور آپ کا پہلا قول ''طرفین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کی مثل ہے۔ اور دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ ساری ولاء ملک کا اثر ہے۔ پس اسے حقیقت ملک کے ساتھ ملایا جائے گا اور اگر معتق (تاء کے کسرہ کے ساتھ) مال چھوڑے اور باپ اور بیٹا چھوڑے تو اس کے باپ کے لئے اس کے مال کا چھٹا حصہ ہوگا اور باقی اس کے بیٹے کے لئے ہو گا۔ پس اسی طرح ہے جب وہ ولاء چھوڑے۔ اور جواب یہ ہے کہ وہ اگرچہ ملک کا اثر ہے لیکن وہ (ولاء) مال نہیں ہے اور نہ اس کے لئے مال کا حکم ہے جیسا کہ وہ قصاص جس کے عوض مال لینا جائز ہے بخلاف ولاء کے کہ اس میں ورثاء کے حصص فرضیت کے اعتبار سے جاری نہیں ہوتے جیسا کہ مال میں ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ سبب ہے جس کے ساتھ بطریق عصوبۃ وارث بنایا جاتا ہے۔ پس اس میں أقرب فالأقرب کا اعتبار کیا جاتا ہے اور بیٹا عصبات میں سب سے قریبی عصبہ ہے۔ اس کی مکمل بحث ''شرح السید'' میں ہے۔

37372۔ (قولہ: عَلَى التَّرْتِيبِ الْمُتَقَدِّمِ) سابقہ ترتیب پر، یعنی اس ترتیب پر بنا کرتے ہوئے جو عصبات نسبیہ میں بیان ہو چکی ہے۔

37373۔ (قولہ: وَلَيْسَ هُنَا الخ) بنفسہ کے قول کے ساتھ عصبہ بغیرہ اور مع غیرہ سے احتراز کیا گیا ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الفرائض، باب فی میراث ذوی الارحام، جلد 2، صفحہ 370، حدیث نمبر 2518، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

إِلَّا مَا أَعْتَقْنَ الْحَدِيثَ
مگر اس کی جسے وہ خود آزاد کریں" الحدیث۔

حدیث لیس للنساء من الولاء الا ما أَعْتَقْنَ پر کلام کا مفہوم

37374۔(قولہ: الْحَدِيثَ) اس کے الفاظ جیسا کہ "السراجیہ" میں ہے یہ ہیں: لیس للنساء من الولاء الا ما أعتقن أو أعتق من أعتقن، أو كاتبن أو كاتب من كاتبن، أو دبرن أو دبر من دبرن، أو جرّ ولاء معتقهن أو معتق معتقهن، (1) اور اس کا معنی یہ ہے: عورتوں کے لئے ولاء میں سے کوئی شے نہیں ہے مگر اس غلام کی ولاء جسے انہوں نے آزاد کیا ہو، یا اس غلام کی ولاء جسے اس غلام نے آزاد کیا ہو جسے عورتوں نے آزاد کیا ہے، یا اس غلام کی ولاء جسے انہوں نے مکاتب بنایا ہو، یا اس کی ولاء جسے اس نے مکاتب بنایا ہو جسے ان عورتوں نے مکاتب بنایا، یا اس کی ولاء جسے انہوں نے مدبر بنایا ہو، یا اس کی ولاء جسے اس نے مدبر بنایا ہو جسے انہوں نے مدبر بنایا، یا ان کا معتق ولاء کو کھینچ لائے، یا وہ ولاء جو ان کے معتق کے معتق کی کھینچی ہوئی ہو۔ اور ہر نظیر سے اسے حذف کیا گیا ہے جسے دوسرے سے ثابت رکھا ہے یعنی ان کے لئے ولاء نہیں ہے مگر اس کی ولاء جسے انہوں نے آزاد کیا یا اس کی ولاء جسے انہوں نے آزاد کیا یا مکاتب بنایا یا مدبر بنایا اسے جسے انہوں نے آزاد کیا، یا اس کی ولاء جسے انہوں نے مکاتب بنایا یا اس کی ولاء جسے اس نے مکاتب بنایا یا اسے آزاد کیا، یا اسے مدبر بنایا جسے انہوں نے مکاتب بنایا یا اس کی ولاء جسے انہوں نے مدبر بنایا یا اس کی ولاء جسے اس نے مدبر بنایا یا آزاد کیا یا اسے مکاتب بنایا جسے انہوں نے مدبر بنایا۔ پس ما کا کلمہ جو مذکور اور مقدر ہے اس سے مراد وہ غلام ہے جس کے ساتھ اعتاق تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ ان تمام کے قائم مقام ہے جو ان میں سے مالک بنتا ہے جس کی عقل نہ ہو جیسا کہ اس کا استعمال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ (المومنون: 6) اور من کا کلمہ اس سے عبارت ہے جو آزاد مالک ہو۔ پس وہ اس کا مستحق ہے کہ اسے عقلاً کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا جائے۔ پس پہلے کو ما کے ساتھ تعبیر کیا گیا اور دوسرے کو مَن کے ساتھ اگرچہ دونوں آزاد ہیں، کیونکہ پہلے میں تمام اموال کی طرح تصرف کیا گیا ہے، اور دوسرا تمام مالکوں کی طرف تصرف کرنے والا ہے۔ اور ان کا قول أو جرّ کا مستثنیٰ محذوف پر عطف ہے اور وہ ولاء ہے اور عبارت میں مذکور ولاء اس کا مفعول ہے اور معتقهن اس کا فاعل ہے۔ اور وہ ان کی تقدیر پر ہے۔ اور اس سے بننے والا مصدر بمعنی اسم مفعول ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى (یونس: 37) (اور نہیں ہے یہ قرآن کہ گھڑ لیا گیا ہو) یہ بمعنی مفتری ہے۔ یا اس تقدیر پر کہ موصوف کو حذف کر دیا گیا اور صفت کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا۔ اور مظہر کو مضمر کی جگہ رکھ دیا گیا۔ اور تقدیر کلام یہ ہے: لیس للنساء من الولاء الا كذا و الا أن جرّ: أي مجرور معتقهن، أو الولاء جرّه معتقهن۔ پھر دوسری توجیہات بھی ہیں جو ظاہر نہیں۔ اور ان کے مدبر کی ولاء کی صورت یہ ہے کہ ایک عورت نے غلام کو مدبر بنایا پھر وہ مرتد ہوگئی

1۔ نصب الرایہ، کتاب الولاء، جلد 4، صفحہ 373، حدیث نمبر 7، فی ہذہ الباب

وَهُوَ وَإِنْ كَانَ فِيهِ شُذُوذٌ
اس میں اگرچہ شذوذ ہے،

اور دارالحرب چلی گئی، اور اس کے دارالحرب چلے جانے اور اس کے مدبر غلام کے آزاد ہونے کا حکم لگا دیا گیا، پھر اس کے بعد وہ اسلام لے آئی اور واپس دارالاسلام لوٹ آئی، پھر وہ مدبر فوت ہو گیا، اور اس کے پیچھے کوئی نسبی عصبہ نہ ہو تو یہ عورت اس کا عصبہ ہوگی۔ اور اس مدبر کے مدبر کا حکم اسی طرح ہے۔ پس جب قاضی نے اس کے دارالحرب چلے جانے کے سبب اس کے مدبر کی آزادی کا حکم لگا دیا، پھر اس نے غلام خریدا اور اسے مدبر بنالیا پھر وہ فوت ہو گیا اور وہ عورت توبہ کر کے دارالاسلام واپس لوٹ آئی چاہے وہ اپنے مدبر غلام کے فوت ہونے سے پہلے یا اس کے بعد آئے پھر دوسرا مدبر فوت ہو گیا اور اس نے کوئی نسبی عصبہ پیچھے نہیں چھوڑا تو اس کی ولاء اسی عورت کے لئے ہوگی۔ اور ہم نے ایک دوسرے طریقہ پر اس کی تصویر کتاب الولاء میں بیان کر دی ہے۔ اور ان کے معتق کے ولاء کو کھینچنے کی صورت یہ ہے کہ ایک عورت کا غلام اس کی اجازت کے ساتھ کسی لونڈی سے شادی کرے درآنحالیکہ اس کا آقا اسے آزاد کر دے پھر ان کے درمیان بچہ پیدا ہوا تو وہ آزاد ہوگا، اپنی ماں کے تابع ہوگا اور اس کی ولاء اس کی ماں کے مولیٰ کے لئے ہوگی۔ پس جب اس عورت نے اپنا غلام آزاد کر دیا تو وہ غلام عورت کے اسے آزاد کرنے کے ساتھ اپنے بچے کی ولاء کو اپنی مالکہ (مولاۃ) کی طرف کھینچ لایا۔ یہاں تک کہ جب معتق فوت ہو گیا، پھر اس کا بچہ فوت ہوا اور اس کے معتق نے اپنا باپ پیچھے چھوڑا تو اس کی ولاء اس عورت کے لئے ہوگی۔

اور ان کے معتق کے معتق کے ولاء کو کھینچنے کی صورت کہ ایک عورت نے غلام آزاد کیا، پھر اس آزاد ہونے والے غلام نے غلام خریدا اور اس کی کسی دوسرے آدمی کی آزاد کردہ لونڈی سے شادی کی۔ اور ان دونوں سے بچہ پیدا ہوا تو وہ آزاد ہوگا اور اس کی ولاء اس کی ماں کے مولیٰ کے لئے ہوگی۔ پس جب اس آزاد ہونے والے غلام نے اپنے غلام کو آزاد کیا تو اس نے اسے آزاد کرنے کے ساتھ اس کے بچے کی ولاء اپنی طرف کھینچ لی اور پھر اپنی مولاۃ (آزاد کرنے والی عورت) کی طرف کھینچ لی۔ یہ اس کا حاصل ہے جو فقہاء نے اس مقام پر ذکر کیا ہے۔ اس پر مکمل کلام اور جر کی شروط کتاب الولاء میں تلاش کی جاسکتی ہیں لہٰذا اس کی طرف رجوع کرو۔

شاذ حدیث کی تعریف اور اس کا حکم

37375۔ (قولہ: وَهُوَ وَإِنْ كَانَ فِيهِ شُذُوذٌ الخ) شاذ وہ حدیث ہے جسے ثقہ راوی روایت کرے اور وہ اس کے مخالف ہو جسے لوگوں نے روایت کیا۔ پس جب راوی کسی شے کے ساتھ منفرد ہو تو اس میں دیکھا جائے گا۔ پس اگر وہ اس روایت کے مخالف ہو جسے حفظ وضبط میں اس سے اعلیٰ راوی نے روایت کیا ہے تو پھر جس کے ساتھ وہ منفرد ہوا ہے وہ شاذ مردود ہے اور اگر اس کا مخالف نہ ہو تو پھر اگر وہ ان میں سے ہو جن کی حفظ واتقان پر اعتماد کیا جاتا ہو تو پھر وہ مقبول ہے اور اس میں اس کا منفرد ہونا باعث جرح نہ ہوگا۔ اور اگر ان میں سے نہ ہو جن کے حفظ واتقان پر اعتماد کیا جاتا ہو تو پھر وہ اسی کے لئے

لَكِنَّهُ تَأَيَّدَ بِكَلَامِ كِبَارِ الصَّحَابَةِ فَصَارَ بِمَنْزِلَةِ الْمَشْهُورِ كَمَا بَسَطَهُ السَّيِّدُ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ ثُمَّ شَرَعَ فِي الْحَجْبِ فَقَالَ (وَلَا يُحْرَمُ سِتَّةٌ) مِنَ الْوَرَثَةِ (بِحَالٍ) أَلْبَتَّةَ (الْأَبُ وَالْأُمُّ وَالِابْنُ وَالْبِنْتُ)

لیکن کبار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کلام سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ پس یہ بمنزلہ مشہور کے ہوگئی ہے جیسا کہ ''السیّد'' نے اس کی وضاحت کی ہے، اور ''مصنف'' نے اسے ثابت رکھا ہے۔ پھر ''مصنف'' رحمۃ اللہ علیہ حجب کے بیان میں شروع ہوئے اور کہا: ورثاء میں سے چھ کسی حال میں بھی وراثت سے محروم نہیں ہوتے وہ باپ، ماں، بیٹا اور بیٹی

ہے جس کے ساتھ وہ منفرد ہوا ہے، پھر اگر وہ حافظ ضابط اور مقبول راوی کے درجہ سے اس کا تفرد دور نہ ہو تو اس کی حدیث حسن ہوگی ورنہ وہ شاذ مردود ہوگی۔ اسی کو ''ابن صلاح'' نے اس کی تعریف میں اختیار کیا ہے۔

37376۔ (قولہ: لَكِنَّهُ تَأَيَّدَ الخ) لیکن اس کی تائید ہوتی ہے، پس حضرت عمر، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے روایت ہے: وہ عورتوں کو ولا کا وارث نہیں بناتے تھے مگر اس کی ولا کا جسے وہ خود آزاد کریں، یا وہ آزاد کرے جسے انہوں نے آزاد کیا، یا انہوں نے مکاتب بنایا۔ اسے ''ابن ابی شیبہ''، ''عبدالرزاق''، ''دارمی'' اور ''بیہقی'' نے روایت کیا ہے۔ اور اسے ''رزین بن العبدی'' نے اپنی ''مسند'' میں ان لفظوں کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ميراثُ الوَلَاءِ لِلأكبرِ من الذُّكورِ، وَلَا يَرِثُ النِّسَاءُ من الوَلَاءِ إِلَّا وَلَاءَ مَنْ أَعْتَقْنَ أَوْ أَعْتَقَ مَنْ أَعْتَقْنَ (1)۔ ''ق سم''۔ (ولا کی میراث مردوں میں سے بڑے کے لئے ہے اور عورتیں ولا کی وارث نہیں ہوتیں مگر اس کی ولا کی جسے وہ آزاد کریں یا جسے وہ آزاد کرے جسے انہوں نے آزاد کیا۔)

37377۔ (قولہ: فَصَارَ بِمَنْزِلَةِ الْمَشْهُورِ) پس وہ حدیث مشہور کے قائم مقام ہوگی۔ حدیث مشہور وہ ہوتی ہے جو قرن اول میں آحاد ہو پھر وہ پھیل جائے اور قرن ثانی اور اس کے بعد میں متواتر ہو جائے۔ اور جب قرن اول اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور ہے وہ ثقہ ہیں ان پر کوئی تہمت عائد نہیں ہوسکتی تو ان کی شہادت بمنزلہ متواتر کے حجت ہوگی۔ یہاں تک کہ ''جصاص'' نے یہ کہا ہے کہ حدیث مشہور متواتر کی دو قسموں میں سے ایک ہے۔ ''یعقوب''۔

حجب کا بیان

37378۔ (قولہ: ثُمَّ شَرَعَ فِي الْحَجْبِ الخ) یعنی ذوفرض اور عصبہ وارثوں کے بیان کے بعد ''مصنف'' حجب کے بیان میں شروع ہوئے۔ کیونکہ ان میں سے بعض وہ ہیں جو کلی طور پر وراثت سے محروم ہو جاتے ہیں یا مقررہ حصہ سے اقل کی طرف ان کا حصہ منتقل ہو جاتا ہے۔ اور حجب کا لغوی معنی مطلقا روکنا ہے۔ اصطلاح میں وراثت کے اصل آدمی کو کسی دوسرے کے سبب وراثت کے اس حصہ سے روکنا ہے جو اس کے لئے ہوتا اگر وہ دوسرا نہ ہوتا۔ پس قاتل اور کافر خارج ہو گئے اور یہ حجب کی دونوں قسموں کو شامل ہے۔ کیونکہ ہمارے ائمہ نے اصطلاحاً اس کا نام محروم رکھا ہے جسے اپنی ذات میں پائے جانے والے

1۔ نصب الرایہ، کتاب الولاء، جلد 4 صفحہ 373، حدیث نمبر 7، فی ہذہ الباب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

أَيِ الْأَبَوَانِ وَالْوَلَدَانِ (وَالزَّوْجَانِ) وَفَرِيقٌ يَرِثُونَ بِحَالٍ، وَيُحْجَبُونَ حَجْبَ الْحِرْمَانِ بِحَالٍ أُخْرَى وَهُمْ غَيْرُ هَؤُلَاءِ السِّتَّةِ سَوَاءٌ كَانُوا عَصَبَاتٍ أَوْ ذَوِي فُرُوضٍ وَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى أَصْلَيْنِ أَحَدُهُمَا (أَنَّهُ يَحْجُبُ الْأَقْرَبُ مِمَّنْ سِوَاهُمُ الْأَبْعَدَ) لِمَا مَرَّ أَنَّهُ يُقَدَّمُ الْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ

یعنی والدین اور اولاد، اور زوجین (خاوند، بیوی) اور ورثا میں سے ایک فریق وہ ہے جو ایک حال میں وارث ہوتے ہیں اور دوسرے حال میں وہ اس سے بالکل محروم ہو جاتے ہیں اور وہ مذکورہ چھ کے سوا ہیں چاہے وہ عصبات سے ہوں یا ذوی الفروض سے۔ اور اس کی بنیاد دو قاعدوں اور اصلوں پر ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ زیادہ قریبی بعیدی وارث کو وراثت سے روک دیتا ہے۔ کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ اُقرب فالاقرب کو مقدم کیا جائے گا

معنی اور وصف کی وجہ سے میراث سے روک دیا جائے جیسا کہ اس کا غلام یا قاتل ہونا۔ اور جسے کسی غیر کی وجہ سے میراث سے روکا جائے اسے محجوب کا نام دیا ہے۔ اور انہوں نے حجب کی دو قسمیں بیان کی ہیں (1) حجب حرمان: اس سے مراد کسی معین شخص کو کسی دوسرے شخص کے پائے جانے کی وجہ سے کلی طور پر میراث سے روک دینا ہے۔ (2) حجب نقصان: اس سے مراد کسی شخص کو کسی دوسرے کے پائے جانے کی وجہ سے مقررہ حصہ سے روک کر اقل حصہ کی طرف منتقل کر دینا ہے۔ پس عول کے سبب حصوں کا کم ہونا اس سے خارج ہو گیا۔ اور اسی طرح اصحاب فرائض کے حصص کا اپنے ہم جنسوں کے ساتھ جمع ہونے کے سبب حالت انفراد سے کم ہونا بھی خارج ہو گیا جیسا کہ بیویاں جب ایک سے زیادہ ہوں۔ پھر حجب حرمان متن میں مذکور چھ افراد کے سوا میں داخل ہوتا ہے۔ اور حجب نقصان صرف پانچ میں داخل ہوتا ہے جیسا کہ ''شارح'' عنقریب اسے ذکر کریں گے۔

37379۔ (قولہ: أَيِ الْأَبَوَانِ) یعنی باپ اور ماں ان کے بغیر جو ان سے اوپر ہیں۔ کیونکہ دادا اور دادی (نانی) میں سے ہر ایک کو حجب حرمان لاحق ہوتا ہے پس وہ دونوں دوسرے فریق سے ہیں۔ فافہم۔

37380۔ (قولہ: وَالْوَلَدَانِ) یعنی بیٹا اور بیٹی۔ اسے مناسبت کے لئے تثنیہ ذکر کیا ہے۔ ورنہ لفظ ولد مذکر اور مونث دونوں کو شامل ہوتا ہے۔ تامل۔

37381۔ (قولہ: سَوَاءٌ كَانُوا عَصَبَاتٍ) برابر ہے وہ عصبات ہوں، اسی طرح وہ ہیں جو عصبات کے معنی میں ہیں جیسے ذوی الارحام۔

37382۔ (قولہ: وَهُوَ) یعنی فریق ثانی میں حجب حرمان کا دارومدار دو قاعدوں پر ہے یعنی اس کا وجود دونوں کے مجموعہ کے وجود پر مترتب ہے۔ پس جب دونوں یا ان میں سے ایک پایا جائے تو وہ پایا جاتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو نہیں پایا جاتا۔ اور اس میں بحث عنقریب آئے گی۔

37383۔ (قولہ: يَحْجُبُ الْأَقْرَبُ) یعنی درجہ یا قرابت کے اعتبار سے اقرب حاجب ہوتا ہے۔ اور سواھم میں ضمیر متن میں مذکور چھ افراد کے لئے ہے۔

اتَّحَدَا فِي السَّبَبِ أَمْ لَا (وَ) الثَّانِي (أَنَّ مَنْ أَدْلَى بِشَخْصٍ لَا يَرِثُ مَعَهُ) كَابْنِ الِابْنِ لَا يَرِثُ مَعَ الِابْنِ (إِلَّا وَلَدَ الْأُمِّ) فَيَرِثُ مَعَهَا لِعَدَمِ اسْتِغْرَاقِهَا لِلتَّرِكَةِ بِجِهَةٍ وَاحِدَةٍ

چاہے سبب میں دونوں متحد ہوں یا نہ ہوں۔ اور دوسری اصل یہ ہے کہ وہ جس کا وارث ہونا کسی دوسرے شخص کے ساتھ معلق ہوتو وہ اس کے ساتھ وارث نہیں بن سکتا جیسا کہ پوتا بیٹے کے ہوتے ہوئے وارث نہیں ہوسکتا مگر اخیافی بھائی وہ اپنی ماں کے ساتھ وارث ہوتا ہے اس لئے کہ ماں ایک جہت سے ترکہ کا احاطہ نہیں کئے ہوتی (یعنی پورے ترکہ کی وارث نہیں ہوتی)

37384۔(قولہ: اتَّحَدَا فِي السَّبَبِ) وہ دونوں سبب میں متحد ہوں، جیسے دادیاں ماں کے ساتھ اور پوتیاں سگی بہنوں کے ساتھ۔ یا سبب میں متحد نہ ہوں جیسے بھائی باپ کے ساتھ۔

37385۔(قولہ: مَنْ أَدْلَى) لغت میں ادلاء کنوئیں میں ڈول لٹکانے کو کہتے ہیں۔ پھر اسے ہر اس شے میں استعمال کیا گیا ہے جس میں استعمال ممکن ہو اگرچہ بطریق مجاز ہو۔ پس یدلی الی المیت کا معنی ہے کسی شخص کے واسطہ کے ساتھ میت کے ساتھ اپنی قرابت کو معلق کرنا اور جوڑنا۔ اس میں باالصاق کے لئے ہے۔ پس مدلی اور واسطہ کے درمیان قرابت مشترک ہوتی ہے۔ ''طحطاوی''۔

37386۔(قولہ: كَابْنِ الِابْنِ الخ) جیسا کہ پوتا یہ عصبات میں سے مثال ہے اور اسی کی مثل اصحاب فروض میں سے نانی ہے کہ وہ ماں کے ساتھ وارث نہیں بن سکتی۔

تنبیہ

جو ''مصنف'' نے ذکر کیا ہے اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ باپ کے ساتھ نانی کا حجب لازم آتا ہے۔ کیونکہ باپ اس سے زیادہ قریبی ہے اگرچہ وہ اس کے ساتھ معلق نہیں۔ اور اسی طرح پوتی کا حجب ایک صلبی بیٹی کے ساتھ اور علاتی بہن کا حجب سگی بہن کے ساتھ، اور سگے بھائی کے بیٹے (بھتیجے) کا حجب اخیافی بھائی کے ساتھ لازم آتا ہے۔ تو اگر جواب اس طرح دیا جائے کہ مراد أقرب من العصبات (عصبات میں سے زیادہ قریبی) ہے، تو پھر اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ دونوں قاعدے اور اصل اس دوسرے فریق کے لئے ہیں جو کبھی وارث ہوتے ہیں اور کبھی محروم ہوجاتے ہیں، اور ان میں عصبات اور غیر عصبات شامل ہیں۔ اور اگر جواب اس کے ساتھ دیا جائے کہ مراد یہ ہے کہ أقرب أبعد کو روک دیتا ہے (یعنی زیادہ قریبی دور والے کے لئے حاجب ہوتا ہے) جبکہ بعیدی وارث اُقرب کے ساتھ معلق ہو، تو پھر دونوں کے دو اصلیں ہونے کا کوئی معنی نہیں اور اس پر یہ لازم آئے گا کہ ولد الابن اس بیٹے کے ساتھ وارث ہو جو علاتی نہ ہو۔ کیونکہ وہ اس کے ساتھ معلق نہیں ہوتا۔ اسے ''السید'' نے بیان کیا ہے۔

37387۔(قولہ: بِجِهَةٍ وَاحِدَةٍ) یہ قول اس سے احتراز ہے اگر وہ منفرد ہے کیونکہ وہ پورے ترکہ کو فرض اور رد کی دو جہتوں سے مستغرق ہے۔

(وَالْمَحْرُومُ) كَابْنِ كَافِرٍ أَوْ قَاتِلٍ (لَا يَحْجُبُ) عِنْدَنَا أَصْلًا (وَيَحْجُبُ الْمَحْجُوبُ) اتِّفَاقًا كَأُمِّ الْأَبِ تُحْجَبُ بِالْأَبِ وَتَحْجُبُ أُمَّ أُمِّ الْأُمِّ (كَالْإِخْوَةِ وَالْأَخَوَاتِ) فَإِنَّهُمْ يُحْجَبُونَ بِالْأَبِ حَجْبَ حِرْمَانٍ (وَيَحْجُبُونَ الْأُمَّ مِنَ الثُّلُثِ إِلَى السُّدُسِ) حَجْبَ نُقْصَانٍ وَيَخْتَصُّ حَجْبُ النُّقْصَانِ بِخَمْسَةٍ بِالْأُمِّ وَبِنْتِ الِابْنِ وَالْأُخْتِ لِأَبٍ

اور محروم جیسا کہ کافر کا بیٹا یا قاتل یہ ہمارے نزدیک بالکل حاجب نہیں بن سکتا۔ اور محجوب بالاتفاق حاجب ہوتا ہے جیسا کہ دادی کو باپ کے ساتھ (میراث سے) روک دیا جاتا ہے اور وہ نانی کی ماں کو روک دیتی ہے۔ جیسا کہ بھائی اور بہنیں۔ کیونکہ انہیں باپ کے ساتھ بطور حجب حرمان روک دیا جاتا ہے۔ اور یہ ماں کو بطور حجب نقصان تیسرے حصہ سے چھٹے حصہ کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔ اور حجب نقصان پانچ کے ساتھ مختص ہوتا ہے یعنی ماں، پوتی، علاتی بہن،

37388۔ (قولہ: وَالْمَحْرُومُ) اس سے مراد وہ ہے جس کے ساتھ ذاتی وصف اور معنی کی بنا پر میراث سے مانع اور روکنے والا قائم ہو۔

37389۔ (قولہ: عِنْدَنَا) ہمارے نزدیک، اور اسی موقف پر عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اسے حجب نقصان قرار دیتے ہیں نہ کہ حجب حرمان جیسا کہ کافر کا بیٹا زوجین میں سے کسی ایک کے ساتھ ہو۔ اور آپ رضی اللہ عنہ سے ہی یہ بھی ہے کہ آپ اخیافی بھائی کو کافر کے بیٹے کے ساتھ مکمل طور پر (یعنی حجب حرمان کے ساتھ) میراث سے روک دیتے ہیں۔

37390۔ (قولہ: أَصْلًا) یعنی بالکل، نہ بطور حجب نقصان اور نہ بطور حرمان۔

37391۔ (قولہ: وَيَحْجُبُ الْمَحْجُوبُ) یعنی محجوب حرمان اپنے غیر کے لئے حجب حرمان اور حجب نقصان کے ساتھ حاجب ہوتا ہے۔ اور ہر ایک کی مثال بیان کی ہے۔

37392۔ (قولہ: وَتَحْجُبُ أُمَّ أُمِّ الْأُمِّ) اور وہ نانی کی ماں کے لئے حاجب ہوتی ہے۔ اسی طرح بعض نسخوں میں اُم کا تکرار تین بار ہے اور بعض میں دو بار ہے۔ اور درست پہلا ہے۔

37393۔ (قولہ: بِالْأُمِّ) کیونکہ یہ بیٹے اور پوتے کے ساتھ، اور بھائیوں یا بہنوں کے متعدد ہونے کی صورت میں تیسرے حصے سے چھٹے حصے کی طرف محجوب ہو جاتی ہے۔

37394۔ (قولہ: وَبِنْتِ الِابْنِ) اور پوتی صلبی بیٹی ہونے کی صورت میں نصف سے چھٹے حصہ کی طرف محجوب ہو جاتی ہے۔

37395۔ (قولہ: وَالْأُخْتِ لِأَبٍ) اور علاتی بہن سگی بہن ہونے کی صورت میں نصف سے چھٹے حصے کی طرف محجوب ہوتی ہے۔

وَالزَّوْجَيْنِ (وَيَسْقُطُ بَنُو الْأَعْيَانِ) وَهُمُ الْإِخْوَةُ وَالْأَخَوَاتُ لِأَبٍ وَأُمٍّ بِثَلَاثَةٍ (بِالِابْنِ) وَابْنِهِ وَإِنْ سَفَلَ (وَبِالْأَبِ) اتِّفَاقًا (وَبِالْجَدِّ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى (وَقَالَا يُقَاسِمُهُمْ عَلَى أُصُولِ زَيْدٍ وَيُفْتَى بِالْأَوَّلِ) وَهُوَ السُّقُوطُ

خاوند اور بیوی کے ساتھ۔ اور بنو اعیان یعنی سگے بھائی اور بہنیں تین کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں یعنی بیٹا اور پوتا اگر کتنا نیچے تک ہو، اور باپ کے ساتھ بالاتفاق، اور دادا کے ساتھ یہ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے کہا: وہ ان کے ساتھ تقسیم میں شریک ہوگا۔ یہ حضرت ''زید بن ثابت'' رضی اللہ عنہ کے اصول پر ہے۔ اور فتویٰ پہلے کے ساتھ دیا جاتا ہے اور وہ ساقط ہونا ہے

37396۔ (قولہ: وَالزَّوْجَيْنِ) پس خاوند نصف سے چوتھائی کی طرف اور بیوی چوتھائی سے آٹھویں حصہ کی طرف محجوب ہوتے ہیں جبکہ بیٹا یا پوتا موجود ہو۔

37397۔ (قولہ: وَيَسْقُطُ بَنُو الْأَعْيَانِ) اور بنو اعیان ساقط ہو جاتے ہیں ہم ان کی یہ وجہ تسمیہ پہلے بیان کر چکے ہیں۔

37398۔ (قولہ: عَلَى أُصُولِ زَيْدٍ) مراد حضرت زید بن ثابت الصحابی الجلیل رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے اصول کا حاصل کلام

کہ دادا بھائیوں کے ساتھ باہمی تقسیم کے وقت ان میں سے ایک فرد کی طرح ہے بشرطیکہ ان کے ساتھ تقسیم کرنے سے اس کا حصہ ذی الفرض نہ ہونے کی صورت میں تہائی سے کم نہ ہو اور اس کے موجود ہونے کی صورت میں چھٹے حصے سے کم نہ ہو۔ اور اس کے لئے پہلی صورت میں مقاسمہ اور کل مال کے تہائی حصہ میں سے جو بہتر ہوگا وہ ہوگا۔ اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر اس کے ساتھ اس کی دو مثل سے کم ہو تو پھر مقاسمہ اس کے لئے بہتر ہے، یا اس کے ساتھ اس کی دو مثل ہوں تو پھر دونوں مساوی اور برابر ہیں، اور اگر اس کے ساتھ دو مثل سے زیادہ ہوں تو پھر اس کے لئے تہائی حصہ بہتر ہے۔ اور پہلے کی صورتیں صرف پانچ ہیں: دادا اور ایک بھائی ہو، یا ایک بہن یا دو بہنیں ہوں یا تین بہنیں ہوں یا ایک بھائی اور ایک بہن ہو۔ اور دوسرے کی تین صورتیں ہیں: دادا اور دو بھائی یا چار بہنیں، یا ایک بھائی اور دو بہنیں ہوں۔ اور تیسرا محصور نہیں ہے۔

اور دوسری صورت میں ذی الفرض کو اس کا حصہ دینے کے بعد اس کے لئے تین امور میں سے جو بہتر ہوگا وہ دیا جائے گا یعنی مقاسمۃ جیسا کہ خاوند، دادا اور بھائی ہو تو اس میں خاوند کے لئے نصف اور باقی دادا اور بھائی کے درمیان تقسیم ہو جائے گا۔ یا مابقی کا تیسرا حصہ! جیسا کہ دادی، دادا، دو بھائی اور ایک بہن ہو تو دادی کے لئے چھٹا حصہ اور دادے کے لئے باقی مال کا تیسرا حصہ ہوگا۔ یا کل مال کا چھٹا حصہ: جیسا کہ دادی، بیٹی، دادا اور دو بھائی ہوں تو دادی کے لئے چھٹا حصہ بیٹی کے لئے نصف اور دادے کے لیے چھٹا حصہ ہوگا۔ کیونکہ اس کے لئے مقاسمہ اور مابقی کے ثلث سے یہ بہتر ہے۔ اس کی مکمل شرح ''الرحیق المختوم'' وغیرہ میں ہے۔

كَمَا هُوَ مَذْهَبُ أَبِي حَنِيفَةَ وَأُصُولُ زَيْدٍ مَبْسُوطَةٌ فِي الْمُطَوَّلَاتِ وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ
وَمَا أَسْقَطَا أَوْلَادَ عَيْنٍ وَعَلَّةٍ وَقَدْ أَسْقَطَ النُّعْمَانُ وَهُوَ الْمُحَرَّرُ
وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى كَمَا فِي الْمُلْتَقَى وَالسِّرَاجِيَّةِ وَإِنْ قَالَ مُصَنِّفُهَا فِي شَرْحِهَا وَعَلَى قَوْلِهِمَا الْفَتْوَى (وَ) يَسْقُطُ (بَنُو الْعَلَّاتِ) وَهُمُ الْإِخْوَةُ وَالْأَخَوَاتُ لِأَبٍ (بِهِمْ)

جیسا کہ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔ اور حضرت ''زید بن ثابت'' رضی اللہ عنہ کا اصول مطولات میں شرح و بسط کے ساتھ موجود ہے۔ اور ''الوہبانیہ'' میں ہے۔ [الطویل] ترجمہ: اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے سگی اور علاتی اولاد کو ساقط نہیں کیا حالانکہ حضرت ''نعمان بن ثابت'' (یعنی حضرت امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ) نے ساقط کر دیا ہے اور وہی معتمد علیہ قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ ''الملتقی'' اور ''السراجیہ'' میں ہے اگرچہ اس کے ''مصنف'' نے اس کی شرح میں کہا ہے: اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے قول پر فتویٰ ہے۔ اور علاتی اولاد اور وہ باپ کی طرف سے بھائی اور بہنیں ہیں

37399۔(قولہ: كَمَا هُوَ مَذْهَبُ أَبِي حَنِيفَةَ) جیسا کہ یہ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے، اور یہی مذہب خلیفہ اعظم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اور آپ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے زیادہ علم رکھنے والے اور افضل تھے، اور اس بارے میں ان سے روایات متعارض نہیں ہیں، سو اسی لئے ''امام اعظم'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اختیار کیا ہے بخلاف اس کے غیر کے۔ کیونکہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے دادا کے بارے میں سو فیصلے کئے جن میں سے بعض بعض کے مخالف ہیں۔ اور متفق علیہ کو لینا اولیٰ ہے، اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے چودہ صحابہ کرام کا قول ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: ألا يتقي الله زيد؟ يجعل ابن الابن ابنا ولا يجعل أب الأب أبا؟ (کیا زید اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے؟ کہ وہ پوتے کو بیٹا بناتے ہیں اور دادا کو باپ نہیں بناتے۔) اس کی مکمل بحث ''سکب الانہر'' میں ہے۔

37400۔(قولہ: وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى الخ) اور اسی پر فتویٰ ہے، ''سکب الانہر'' میں کہا ہے: اور شمس الائمہ علامہ ''سرخسی'' نے ''المبسوط'' میں کہا ہے: اور فتویٰ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے قول پر ہے۔ اور ''حیدر'' نے شرح ''السراجیہ'' میں کہا ہے: مگر ہمارے مشائخ میں سے بعض متاخرین نے دادا کے متعلق مسائل میں اختلاف کے مواقع میں صلح کے فتویٰ کو مستحسن قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے: جب ہم اجیر مشترک کی تضمین میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف کی وجہ سے صلح کا فتویٰ دیتے ہیں تو یہاں اختلاف زیادہ ظاہر ہے، پس اس میں صلح کا فتویٰ بدرجہ اولیٰ ہوگا، اور اسی کی مثل ''المبسوط'' میں ہے۔

اور اس میں ان کے اختلاف کا سبب بھائیوں کے ساتھ دادا کی میراث کے بارے میں کتاب اللہ یا سنت میں سے نص کا نہ ہونا ہے۔ بلا شبہ یہ کثیر اختلاف کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد سے ثابت ہے۔ اور یہ فرائض کے مشکل ترین ابواب میں سے ہے۔ لیکن متون ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہیں۔ اور اسی لئے ''شارح'' نے یہاں اور ماقبل میں اسے اختیار کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

أَيْ بِبَنِي الْأَعْيَانِ أَيْضًا (وَبِهٰؤُلَاءِ) أَيْ بِالِابْنِ وَابْنِهِ وَبِالْأَبِ وَالْجَدِّ وَكَذَا بِالْأُخْتِ لِأَبَوَيْنِ إِذَا صَارَتْ عَصَبَةً كَمَا عَلِمْتَه (وَيَسْقُطُ بَنُو الْأَخْيَافِ) وَهُمُ الْإِخْوَةُ وَالْأَخَوَاتُ لِأُمٍّ (بِالْوَلَدِ وَوَلَدِ الِابْنِ) وَإِنْ سَفَلَ

وہ سگے بیٹوں کے ساتھ بھی اور ان کے ساتھ یعنی بیٹے، پوتے، باپ اور دادا کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں اور اسی طرح وہ سگی بہن کے ساتھ بھی ساقط ہو جاتی ہے جبکہ وہ عصبہ ہو جائے جیسا کہ آپ اسے جانتے ہیں۔ اور اخیافی اولاد اور وہ ماں کی طرف سے بھائی اور بہنیں ہیں وہ سب ولد اور ولد الابن اگرچہ وہ کتنا نیچے ہو،

37401۔(قولہ: أَيْ بِبَنِي الْأَعْيَانِ) یعنی ان میں سے مذکوروں کے ساتھ جیسا کہ یہی عبارت کا صریح معنی ہے اس حیثیت سے کہ اسے بنی کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اولاد کے ساتھ تعبیر نہیں کیا گیا بخلاف اس کے جو پہلے گزر چکا ہے اس حیثیت سے کہ وہاں بنی الاعیان کی تفسیر مونثوں سے بھی کی گئی ہے۔ کیونکہ وہ مقام اغلباً اسے قبول کرتا ہے۔ رہا یہ مقام تو یہ اسے قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ علاتی اولاد سگی بہنوں کے ساتھ ساقط نہیں ہوتی، اور اس پر ان کا قول وکذا بالأخت الخ دلالت کرتا ہے۔ ''حلبی''۔

میں کہتا ہوں: ہاں، لیکن بعض علاتی اولاد بنی اعیان میں سے مونثات کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہے جیسے علاتی بہنیں سگی بہنوں کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہیں جب تک علاتی بھائی انہیں عصبہ نہ بنائے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ اور ''السراجیہ'' کی عبارت زیادہ واضح ہے۔ اور اس کا بیان یہ ہے: بنی اعیان اور بنی علات سارے کے سارے بیٹے اور پوتے کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں اگرچہ وہ نیچے ہو اور باپ کے ساتھ بالاتفاق، اور دادا کے ساتھ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رطیٹھیہ کے نزدیک۔ اور بنو العلات سگے بھائی کے ساتھ بھی ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور اسی سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ علاتی بہن سگے بھائی کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہے جیسا کہ ہم نے اسے ''کشف الغوامض'' اور ''تحفۃ الاقران'' سے صراحۃً ذکر کر دیا ہے۔

37402۔(قولہ: أَيْضًا) اس کا ذکر وبھولاء کے قول کے بعد کرنا مناسب تھا۔

37403۔(قولہ: وَالْجَدِّ) اس کے بارے میں گزشتہ اختلاف ہی ہے۔

37404۔(قولہ: إِذَا صَارَتْ عَصَبَةً) جب وہ بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ عصبہ ہو جائیں۔ بلاشبہ وہ اس کے ساتھ ساقط ہو گئے۔ کیونکہ اس وقت وہ عصبہ ہونے میں بھائی کی طرح ہیں جو میت کے زیادہ قریب ہے۔ ''سید''۔

37405۔(قولہ: وَيَسْقُطُ بَنُو الْأَخْيَافِ) اور اخیافی بیٹے ساقط ہو جاتے ہیں الخیف سے مراد دو ... (آنکھوں) میں اختلاف کا ہونا ہے۔ اور وہ یہ کہ ان میں سے ایک نیلی ہو اور دوسری سرگیں ہو۔ اور فرس أخیف (مختلف رنگوں والا گھوڑا)۔ اور اسی سے الأخیاف ہے یہ وہ بھائی ہیں جن کے باپ مختلف ہوں (اور ماں ایک ہو)۔ کہا جاتا ہے: اخوۃ أخیاف (ماں کی طرف سے بھائی) اور رہا بنو الأخیاف تو اگر اسے متقن کہے تو پھر یہ اضافت بیانیہ ہے۔ ''مغرب''۔

37406۔(قولہ: بِالْوَلَدِ الخ) اگرچہ وہ مونث ہو، پس وہ چھ کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں یعنی بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، باپ اور دادا کے ساتھ اور انہیں تیرا قول الفرع الوارث والاصول الذکور جامع ہے۔ اور میں نے اسے اپنے اس قول سے

(وَبِالْأَبِ وَالْجَدِّ) بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّهُمْ مِنْ قَبِيلِ الْكَلَالَةِ كَمَا بَسَطَهُ السَّيِّدُ (وَ) تَسْقُطُ (الْجَدَّاتُ مُطْلَقًا) أَبَوِيَّاتٍ أَمْ أُمِّيَّاتٍ (بِالْأُمِّ وَالْأَبَوِيَّاتُ بِالْأَبِ)

اور باپ اور دادا کے ساتھ بالاجماع ساقط ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ کلالہ کے قبیل سے ہیں جیسا کہ "السیّد" نے اسے وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اور جدات مطلقاً ماں کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہیں چاہے وہ دادیاں ہوں یا نانیاں۔ اور دادیاں باپ کے ساتھ

ساتھ نظم کیا ہے: [الرجز]

وَ يَحْجُبُ ابنُ الأُمِّ آصلَ ذَكَرٍ كذاك فرعُ وارثٍ قد ذَكَرُوا

اوراخیافی بھائی مذکر اصل کے لئے حاجب ہوگا، اسی طرح وارث کی فرع (بھی) جیسا کہ فقہاء نے ذکر کیا ہے۔

37407۔ (قولہ: بِالْإِجْمَاعِ) اس کا ربط اور تعلق "مصنف" کے قول والجد کے ساتھ ہے بخلاف بنی اعیان اور علات کے۔ کیونکہ اس کے ساتھ ان کے ساقط ہونے میں گزشتہ اتفاق ہے۔

37408۔ (قولہ: لِأَنَّهُمْ مِنْ قَبِيلِ الْكَلَالَةِ) کیونکہ وہ کلالہ کے قبیل سے ہیں، یہ ان کے ساقط ہونے کی علت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُوْرَثُ كَلٰلَةً أَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ الآیہ (النساء: 12) (اور اگر ہو وہ شخص جس کی میراث تقسیم کی جانے والی ہے کلالہ وہ مرد ہو یا عورت اور اسکا بھائی یا بہن ہو الخ) اس سے مراد بالاجماع ماں کی اولاد ہے۔ اور اس پر حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی قرأت دلالت کرتی ہے: ولہ أخٌ أو أختٌ من الأم۔ اور کلالہ کی وراثت میں بالاجماع ولد اور والد کا نہ ہونا شرط ہے۔ پس ان کے ہوتے ہوئے ماں کی اولاد کے لئے میراث نہ ہوگی۔ پھر لفظ کلالۃ اصل میں تھکن اور قوت ختم ہو جانے کے معنی میں ہے۔ پھر اسے اس کی قرابت کے لئے مستعار لیا گیا ہے جو ولد اور والد کو نہ پائے گویا کہ یہ ولادت کی قرابت پر قیاس کے اعتبار سے انتہائی ضعیف اور کمزور قرابت ہے اور اس کا اطلاق اس پر بھی کیا جاتا ہے جو اپنے پیچھے اولاد اور والد نہ چھوڑے اور اس پر بھی جس کے پیچھے رہنے والوں میں سے اولاد اور والد نہ ہو۔ یہ اس کا حاصل اور خلاصہ ہے جسے "السیّد" نے ذکر کیا ہے۔

37409۔ (قولہ: وَ تَسْقُطُ الْجَدَّاتُ الخ) اور دادیاں ساقط ہو جاتی ہیں الخ، اصل یہ ہے کہ تمام کے لئے سبب ایک ہو، اور ادلاء یعنی معلق ہونے کی حجب میں تاثیر ہوتی ہے۔ پس دادی اس کے ساتھ صرف ادلاء کی وجہ سے اور ماں کے ساتھ سبب ایک ہونے کی وجہ سے محجوب ہوتی ہے اور وہ سبب ماں ہونا ہے۔ اور نانی باپ کے ساتھ دونوں معنی کے معدوم ہونے کی وجہ سے وارث ہوتی ہے، اور ماں کے ساتھ دونوں معنی کے پائے جانے کی وجہ سے محجوب ہوتی ہے۔ اور تو جان: باپ کے ساتھ ماں کی طرف سے صرف ایک نانی وارث ہوتی ہے۔ کیونکہ دادیاں اس کے ساتھ محجوب ہو جاتی ہیں۔ اور صحیح مائیں ہمیشہ ایک سے زیادہ نہیں ہوتیں۔ اور رہا دادا، تو اس کے ساتھ ایک دادی وارث ہوتی ہے، اور وہ باپ کی ماں ہو یا اس سے اوپر کی ہو جیسے باپ کی ماں کی ماں، اور جب وہ دو درجے دور ہو جیسے باپ کے باپ کا باپ (یعنی پردادا) تو اس کے ساتھ

وَكَذَا بِالْجَدِّ إِلَّا أُمَّ الْأَبِ وَإِنْ عَلَتْ فَإِنَّهَا تَرِثُ مَعَ الْجَدِّ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ قِبَلِهِ بَلْ هِيَ زَوْجَتُهُ فَكَانَا كَالْأَبَوَيْنِ (وَتَحْجُبُ الْقُرْبَى) مِنْ أَيِّ جِهَةٍ كَانَتْ (الْبُعْدَى) كَذَلِكَ (وَارِثَةً كَانَتْ الْقُرْبَى أَوْ مَحْجُوبَةً) كَمَا قَدَّمْنَاهُ (وَإِذَا اجْتَمَعَا وَكَانَتْ إِحْدَاهُمَا ذَاتَ قَرَابَةٍ وَاحِدَةٍ كَأُمِّ الْأَبِ) كَذَا فِي نُسَخِ الْمَتْنِ وَالشَّرْحِ، وَالصَّوَابُ الْمُوَافِقُ لِلسِّرَاجِيَّةِ وَغَيْرِهَا كَأُمِّ أُمِّ الْأَبِ وَقَدْ قُدِّمَ أَنَّ الْقُرْبَى تَحْجُبُ الْبُعْدَى مُطْلَقًا فَافْهَمْ

اور اسی طرح دادا کے ساتھ ساقط ہو جاتی ہیں۔ سوائے باپ کی ماں (دادی) کے اگرچہ وہ اوپر ہو۔ کیونکہ وہ دادا کے ساتھ وارث ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ (باپ کی ماں کی قرابت) اس (دادا) کی طرف سے نہیں ہے بلکہ یہ تو اس کی بیوی ہے۔ پس وہ دونوں ماں باپ کی طرح ہو گئے۔ اور جدہ قریبہ کسی بھی جہت سے ہو وہ اسی طرح کی جدہ بعیدہ کو مجوب کر دیتی ہے چاہے جدہ قریبہ خود وارث ہو یا مجوبہ یعنی وارث نہ ہو جیسا کہ ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور جب دو جدہ جمع ہو جائیں ان میں سے ایک قرابت والی ہو جیسا کہ باپ کی ماں (دادی) اسی طرح متن اور شرح کے نسخوں میں ہے۔ اور درست وہ ہے جو ''سراجیہ'' وغیرہ کے موافق ہے جیسا کہ باپ کی ماں کی ماں اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ قریبی جدہ بعیدی جدہ کو مطلقاً مجوب کر دیتی ہے۔ فافہم۔

دو دادیاں وارث ہوتی ہیں: ان میں سے ایک باپ کے باپ کی ماں (پردادی) یا جو اس سے اوپر ہو جیسے باپ کے باپ کی ماں کی ماں ہے۔ اور دوسری باپ کی ماں کی ماں یا عورت کی طرف سے اوپر ہو، جیسے باپ کی ماں کی ماں کی ماں۔ اس کی مکمل بحث ہماری شرح ''الرحیق المختوم'' میں ہے۔

37410۔(قولہ: لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ قِبَلِهِ) کیونکہ وہ اس کی طرف سے نہیں ہے، یعنی وہ اس کے ساتھ معلق نہیں، اور یہ بھی کہ اتحاد سبب نہیں پایا گیا۔ کیونکہ جد کی جہت اُبوۃ (باپ ہونا) ہے۔ اور جدۃ کی جہت ماں ہونا ہے۔

37411۔(قولہ: بَلْ هِيَ زَوْجَتُهُ) بلکہ یہ اس کی زوجہ ہے، یہ ظاہر ہے جب وہ اس کے درجہ میں ہو، اور اگر وہ اس سے اعلیٰ ہو تو وہ اس کی بیوی کی ماں یا اس کی دادی یا اس سے اجنبیہ ہو گی۔

37412۔(قولہ: مِنْ أَيِّ جِهَةٍ كَانَتْ) یعنی وہ ماں کی جہت سے ہو یا باپ کی جہت سے ہو۔

37413۔(قولہ: كَذَلِكَ) یعنی وہ بھی کسی جہت سے ہو۔ پس چار صورتیں ہو گئیں: ماں کی جہت سے قریبی جدہ دونوں جہتوں (یعنی ماں اور باپ کی جہت) سے بعیدی جدہ کے لئے حاجب ہو گی اور باپ کی جہت سے قریبی جدہ دونوں جہتوں سے بعیدی جدہ کے لئے حاجب ہو گی۔

37414۔(قولہ: كَمَا قَدَّمْنَاهُ) جیسا کہ ہم نے اسے اپنے قول ويحجب المحجوب کے تحت بیان کر دیا ہے۔

37415۔(قولہ: وَقَدْ قُدِّمَ الخ) اس سے اس پر استدلال کا ارادہ کیا ہے کہ متن اگر ام الأب (باپ کی ماں) ہو تو پھر وہ اپنے سوا کے لئے حاجب ہو گی اور امام ''محمد'' اور دیگر دونوں اماموں کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ''حلبی''۔

(وَالْأُخْرَى ذَاتُ قَرَابَتَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ كَأُمِّ أُمِّ الْأُمِّ وَهِيَ أَيْضًا أُمُّ أَبِي الْأَبِ) بِهَذِهِ الصُّورَةِ وَتَوْضِيحُهَا أَنَّ امْرَأَةً زَوَّجَتْ ابْنَ ابْنِهَا بِنْتَ بِنْتِهَا فَوُلِدَ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فَهَذِهِ الْمَرْأَةُ جَدَّتُهُ لِأَبَوَيْهِ (قَسَمَ مُحَمَّدٌ السُّدُسَ بَيْنَهُمَا أَثْلَاثًا) بِاعْتِبَارِ الْجِهَاتِ (وَهُمَا) أَيْ أَبُو حَنِيفَةَ وَأَبُو يُوسُفَ (أَنْصَافًا) بِاعْتِبَارِ الْأَبْدَانِ وَبِهِ قَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ وَبِهِ جَزَمَ فِي الْكَنْزِ

اور دوسری دو یا زیادہ قرابتوں والی ہو جیسا کہ ماں کی ماں کی ماں (پرنانی) اور یہ باپ کے باپ کی ماں بھی ہے (یعنی باپ کی دادی)

یہ دو قرابت والی ہے	میت		یہ ایک قرابت والی ہے
	(ام)	(اب)	
	ماں	باپ	
	ماں	ماں	
	ماں	ماں	

اور اس کی توضیح یہ ہے: ایک عورت نے اپنے پوتے کی شادی اپنی نواسی کے ساتھ کی اور ان دونوں سے ایک بچہ پیدا ہوا۔ پس یہ عورت اس بچے کے والدین کی جدہ ہوئی (یعنی ایک جہت سے دادی اور ایک جہت سے نانی)۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے سدس یعنی چھٹے حصہ کو ان دونوں کے درمیان جہتوں کے اعتبار سے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور امام اعظم ''ابوحنیفہ'' اور امام ''ابو یوسف'' رحمہما اللہ نے ابدان کا اعتبار کرتے ہوئے اسے نصف نصف تقسیم کیا ہے۔ اور اسی طرح امام ''مالک'' اور امام ''شافعی'' رحمہما اللہ نے بھی کہا ہے۔ اور اسی کے ساتھ ''کنز'' میں اعتماد کیا ہے

37416۔ (قولہ: فَهَذِهِ الْمَرْأَةُ جَدَّتُهُ لِأَبَوَيْهِ) یعنی یہ عورت وہ بچہ جو فوت ہوا اس کے باپ کی طرف سے اس کی پردادی ہوگی۔ کیونکہ یہ اس کے باپ کے باپ کی ماں ہے، اور اس کی ماں کی طرف سے اس کی پرنانی ہوگی۔ کیونکہ وہ اس کی ماں کی ماں کی ماں ہے۔ پھر ہم کہتے ہیں: وہاں ایک دوسری عورت ہو جو اپنی بیٹی کی شادی اس پہلی عورت کے بیٹے سے کرے۔ پس دوسری عورت کی بیٹی سے پہلی کا وہ پوتا پیدا ہوا جو میت کا باپ ہے تو یہ دوسری عورت میت کے باپ کی نانی ہوئی اور یہ ایک قرابت والی ہے۔ ''منح''۔

37417۔ (قولہ: وَبِهِ جَزَمَ فِي الْكَنْزِ) اور اسی پر ''کنز'' میں اعتماد کیا ہے۔ ''الدر المنتقی'' میں کہا ہے: پس یہی ترجیح یافتہ ہے اگرچہ ''مصنف'' کا عمل اس کے خلاف کا تقاضا کرتا ہے۔ پس اس پر متنبہ ہونا چاہئے۔ اور اس کی اصل یہ ہے کہ کثرت علت کے ساتھ ترجیح جائز نہیں ہوتی جیسا کہ اصول میں پہچانا جا چکا ہے۔ پھر مسئلہ کی وضع دو قرابت والی میں اتفاقی ہے۔ کیونکہ لا الی نہایہ تک (قرابت کی) زیادتی کا امکان ہے۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے مطلقاً نصف

فَقَالَ وَذَاتُ جِهَتَيْنِ كَذَاتِ جِهَةٍ (وَإِذَا اسْتَكْمَلَ الْبَنَاتُ وَالْأَخَوَاتُ لِأَبَوَيْنِ فَرْضَهُنَّ) وَهُوَ الثُّلُثَانِ (سَقَطَ بَنَاتُ الِابْنِ وَ) سَقَطَ (الْأَخَوَاتُ لِأَبٍ) أَيْضًا (إِلَّا بِتَعْصِيبِ ابْنِ ابْنٍ) فِي الصُّورَةِ الْأُولَى (أَوْ أَخٍ) فِي الثَّانِيَةِ (مُوَازٍ) أَيْ مُسَاوٍ أَوْ نَازِلٍ أَيْ سَافِلٍ فَحِينَئِذٍ يُعَصِّبُهُنَّ وَيَكُونُ الْبَاقِي لِلذَّكَرِ كَالْأُنْثَيَيْنِ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ فِي شَرْحِهِ قُلْت وَفِي إطْلَاقِهِ نَظَرٌ ظَاهِرٌ لِتَصْرِيحِهِمْ بِأَنَّ ابْنَ الْأَخِ لَا يُعَصِّبُ أُخْتَهُ كَالْعَمِّ لَا يُعَصِّبُ أُخْتَهُ وَابْنَ الْعَمِّ لَا يُعَصِّبُ أُخْتَهُ وَابْنَ الْمُعْتِقِ لَا يُعَصِّبُ أُخْتَهُ بَلْ الْمَالُ لِلذَّكَرِ دُونَ الْأُنْثَى

اور کہا ہے: دو جہتوں والی ایک جہت والی کی طرح ہے اور جب سگی بیٹیاں اور بہنیں اپنا حصہ مکمل کر لیں اور وہ دو تہائی ہے تو پوتیاں ساقط ہو جائیں گی اور علاتی بہنیں بھی ساقط ہو جائیں گی مگر یہ کہ پہلی صورت میں پوتا اور دوسری صورت میں بھائی انہیں عصبہ بنا دے درآنحالیکہ وہ ان کے مساوی ہو یا ان سے سافل اور نیچے ہو تو اس وقت وہ انہیں عصبہ بنا دے گا اور باقی مال للذکر مثل حظ الانثیین کے طریقہ پر تقسیم ہوگا۔ مصنف نے یہ اپنی شرح میں کہا ہے۔ میں کہتا ہوں: اور اس کے اطلاق میں نظر ظاہر ہے۔ اس لئے کہ اس بارے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ بھائی کا بیٹا (بھتیجا) اپنی بہن کو عصبہ نہیں بنا سکتا جیسا کہ چچا اپنی بہن کو، چچا کا بیٹا اپنی بہن کو، اور آزاد کرنے والے کا بیٹا اپنی بہن کو عصبہ نہیں بنا سکتا۔ بلکہ مال صرف مرد کے لئے ہوگا نہ کہ عورت کے لئے۔

نصف تقسیم کیا جائے گا۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جہتوں کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے گا اگرچہ وہ زیادہ ہوں۔ پس اسے یاد رکھ لینا چاہئے۔

37418۔ (قولہ: وَالْأَخَوَاتُ) اس میں واؤ بمعنی أو ہے۔ کیونکہ مکمل لینے والی دونوعوں میں سے ایک ہے نہ کہ دونوں کا مجموعہ (یعنی یا صرف بیٹیاں یا صرف بہنیں)۔ اسے ''طحطاوی'' نے بیان کیا ہے۔

37419۔ (قولہ: سَقَطَ الخ) یہ لف ونشر مرتب ہے۔

37420۔ (قولہ: أَوْ أَخٍ) مراد علاتی بھائی ہے۔

37421۔ (قولہ: وَفِي إطْلَاقِهِ) ''مصنف'' نے ''المجمع'' کی اتباع کی ہے، اور جواب دیا جاتا ہے جیسا کہ ''غرر الافکار'' میں ہے کہ ان کا قول مواز أو سافل ابن الابن کی صفت ہے (یعنی پوتے کی) نہ کہ أخ (بھائی) کی۔ کیونکہ أخ کو نزول کے ساتھ متصف کرنا صحیح نہیں ہوتا۔ کیونکہ بھائی کے بیٹے (یعنی بھتیجے) کو أخ کا نام نہیں دیا جاتا بخلاف ابن الابن کے۔ کیونکہ اس کا اطلاق اس پر بھی کیا جاتا ہے جو دوسرے درجہ میں ہو اور اس پر بھی جو اس سے بھی نیچے ہو۔ ہاں اس میں حق یہ ہے جیسا کہ علامہ ''قاسم'' نے کہا ہے کہ أخ یعنی بھائی کو ابن الابن پر مقدم کیا جائے۔

37422۔ (قولہ: لِتَصْرِيحِهِمْ الخ) اس کا حاصل یہ ہے جیسا کہ ''السراجیہ'' اور ''الملتقی'' میں ہے کہ عورتوں میں سے جس کا کوئی حصہ نہیں اور اس کا بھائی عصبہ ہو تو وہ اپنے بھائی کے سبب عصبہ نہیں بنے گی اور ہم نے اسے پہلے

لِأَنَّهَا مِنْ ذَوِي الْأَرْحَامِ قَالَ فِي الرَّحْبِيَّةِ

وَلَيْسَ ابْنُ الْأَخِ بِالْمُعَصِّبِ مَنْ مِثْلَهُ أَوْ فَوْقَهُ فِي النَّسَبِ

بِخِلَافِ ابْنِ الِابْنِ وَإِنْ سَفَلَ فَإِنَّهُ يُعَصِّبُ مَنْ مِثْلَهُ أَوْ فَوْقَهُ مِمَّنْ لَمْ تَكُنْ ذَاتَ سَهْمٍ وَيَسْقُطُ مَنْ دُونَهُ فَلَوْ تَرَكَ ثَلَاثَ بَنَاتِ ابْنٍ بَعْضُهُنَّ أَسْفَلُ مِنْ بَعْضٍ وَثَلَاثَ بَنَاتِ ابْنِ ابْنٍ آخَرَ كَذَلِكَ وَثَلَاثَ بَنَاتِ ابْنِ ابْنِ ابْنٍ كَذَلِكَ بِهَذِهِ الصُّورَةِ

کیونکہ وہ (عورت) ذوی الارحام میں سے ہے۔ ''الرحبیہ'' میں کہا ہے۔ [الرجز] اور بھتیجا اپنی مثل کو (یعنی اپنی بہن کو) یا نسب میں اپنے سے اوپر والی کو عصبہ نہیں بنا سکتا بخلاف پوتے کے اگرچہ وہ سافل ہو۔ کیونکہ وہ اپنی مثل (بہن) کو یا اپنے سے اوپر والی کو عصبہ بنا دیتا ہے جو حصہ رکھنے والیوں میں سے نہ ہو اور درجہ میں اپنے سے نیچے والیوں کو ساقط کر دیتا ہے۔ پس اگر کوئی تین پوتیاں چھوڑے جن میں سے بعض بعض سے اسفل ہوں اور تین دوسرے بیٹے کی پوتیاں چھوڑے جو اسی طرح ہوں اور تین تیسرے بیٹے کی پر پوتیاں چھوڑے جو اسی طرح ہوں جن کی صورت یہ ہوگی۔

منظوم ذکر کر دیا ہے۔

37423۔(قولہ: لِأَنَّهَا مِنْ ذَوِي الْأَرْحَامِ) یعنی ان صورتوں میں بہن ذوی الارحام میں سے ہے۔ لیکن آزاد کرنے والے کی بیٹی میت کے ذوی الارحام میں سے نہیں ہے۔ پس مراد وہ ہیں جو اس کے سوا ہیں۔ بلاشبہ اس کا بھائی اسے عصبہ نہیں بناتا۔ کیونکہ عورتوں کے لئے اس کی ولایت نہیں ہے مگر اس کی ولا جسے وہ آزاد کریں۔ اسے ذوی کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور ذوات نہیں کہا یہ مردوں کو عورتوں پر غلبہ دینے کے لئے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾ (تحریم) (اور وہ اللہ کے فرمانبرداروں میں سے تھی)۔

37424۔(قولہ: مَنْ مِثْلَهُ) یعنی درجہ میں اس کی مثل ہو جیسے اس کی بہن، یا اس کے چچا کی بیٹی۔

37425۔(قولہ: أَوْ فَوْقَهُ) یا درجہ میں اس سے بلند ہو جیسے اس کی پھوپھی۔

37426۔(قولہ: فَإِنَّهُ يُعَصِّبُ مَنْ مِثْلَهُ أَوْ فَوْقَهُ الخ) کیونکہ وہ اپنی مثل یا اپنے سے اوپر والی کو عصبہ بنا دیتا ہے۔ یہ ظاہر روایت ہے۔ اور بعض متاخرین کے نزدیک وہ اپنے سے بلند درجہ کو عصبہ نہیں بنا سکتا مگر یہ کہ وہ محروم ہو جائے۔ کیونکہ عصبہ کی وراثت میں اصل یہ ہے کہ اقرب کو ابعد پر مقدم کیا جائے اگرچہ وہ مونث ہو۔ اسی لئے بہن کو بھتیجے پر مقدم کیا جاتا ہے جب وہ بیٹی کے ساتھ مل کر عصبہ بن جائے۔ اور جواب یہ ہے کہ جو اس سے بلند درجہ ہے بلاشبہ وہ اس کے ساتھ مل کر عصبہ ہو چکی ہو، اور اگر وہ نہ ہوتا تو وہ کسی شے کی وارث نہ ہوتی پس وہ کیسے اس کے لئے حاجب ہو سکتی ہے؟ اور تو اسے دیکھ جو ''السید'' قدس سرہ نے جواب دیا ہے۔

37427۔(قولہ: ذَاتَ سَهْمٍ) یعنی فرض اور حصہ والی۔

مَيِّتٌ ابْنُ ابْنِ ابْنِ بِنْتِ ابْنِ ابْنِ بِنْتِ ابْنُ بِنْتِ ابْنِ ابْنِ بِنْتِ- ابْنُ بِنْتِ ابْنِ بِنْتِ ابْنِ بِنْتِ ابْنِ بِنْتِ فَالْعُلْيَا مِنَ الْفَرِيقِ الْأَوَّلِ لَا يُوَازِيهَا أَحَدٌ فَلَهُمَا النِّصْفُ وَالْوُسْطَى مِنَ الْفَرِيقِ الْأَوَّلِ تُوَازِيهَا الْعُلْيَا مِنَ الْفَرِيقِ الثَّانِي فَيَكُونُ لَهُمَا السُّدُسُ تَكْمِلَةً لِلثُّلُثَيْنِ

میــــــــــــــــت

فریق اول	فریق ثانی	فریق ثالث
بیٹا	بیٹا	بیٹا
پوتا	پڑپوتا	
علیا بیٹا اور بیٹی	علیا بیٹا اور بیٹی	علیا بیٹا اور بیٹی
وسطی بیٹا اور بیٹی	وسطی بیٹا اور بیٹی	وسطی بیٹا اور بیٹی
سفلی بیٹا اور بیٹی	سفلی بیٹا اور بیٹی	سفلی بیٹا اور بیٹی

توفریق اول میں سے علیا کے مساوی کوئی عورت نہیں ہے۔ پس اس کے لئے ترکہ میں سے نصف ہوگا اور فریق اول میں سے وسطی کے مساوی فریق ثانی میں سے علیا ہے۔ پس ان دونوں کے لئے دو تہائی کی تکمیل کے لئے چھٹا حصہ ہوگا۔

37428۔(قولہ: لَا يُوَازِيهَا أَحَدٌ) کوئی ایک اس کے مساوی نہیں ہے اس لئے کہ وہ میت کی طرف ایک واسطہ کے ساتھ منسوب ہے اور ان بیٹیوں میں کوئی اور اس طرح نہیں ہے۔

37429۔(قولہ: فَلَهُمَا النِّصْفُ) تو اس کے لئے ترکہ میں سے نصف ہوگا، کیونکہ وہ صلبی بیٹی کی عدم موجودگی میں اس کے قائم مقام ہے۔

37430۔(قولہ: تُوَازِيهَا الْعُلْيَا مِنَ الْفَرِيقِ الثَّانِي) دوسرے فریق میں سے علیا اس کے مساوی اور برابر ہے۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک دو واسطوں کے ساتھ میت کے ساتھ معلق ہے۔ اور رہی پہلے فریق کی سفلی تو دوسرے فریق کی وسطی اور تیسرے فریق کی علیا اس کے مساوی اور برابر ہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک تین واسطوں کے ساتھ میت کے ساتھ معلق ہے اور رہی دوسرے فریق میں سے سفلی تو تیسرے فریق کی وسطی اس کے مساوی ہے۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک چار واسطوں کے ساتھ میت کی طرف منسوب ہے۔ اور جہاں تک تعلق ہے تیسرے فریق میں سے سفلی کا تو کوئی بھی اس کے مساوی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ پانچ واسطوں کے ساتھ معلق ہے اور ان بیٹیوں میں سے کوئی اور اس طرح نہیں ہے۔

37431۔(قولہ: فَيَكُونُ لَهُمَا السُّدُسُ الخ) پس ان دونوں کے لئے چھٹا حصہ ہوگا۔ اور وہ اس لئے کہ فریق اول میں سے علیا جب صلبی بیٹی کے قائم مقام ہے تو پھر جو اس سے ایک درجہ کم ہیں وہ پوتیوں کے قائم مقام ہوں گی۔

وَلَا شَيْءَ لِلسُّفْلِيَّاتِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَعَ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ غُلَامٌ فَيُعَصِّبُهَا وَمَنْ يُحَاذِيهَا وَمَنْ فَوْقَهَا
اور باقی نیچے والے درجہ کی تمام کے لئے کوئی شے نہ ہوگی مگر یہ کہ ان میں سے کسی کے ساتھ بھائی ہو تو وہ اسے، اور جو اس کے مساوی ہے اور جو اس سے درجہ میں اوپر ہے

37432۔ (قولہ: وَلَا شَيْءَ لِلسُّفْلِيَّاتِ) اور نیچے والیوں کے لئے کوئی شے نہیں ہوگی، اور وہ نو بیٹیوں میں سے باقی رہنے والی چھ ہیں۔ کیونکہ ان تین کے لئے دو تہائی مکمل ہو چکے ہیں۔ تو پھر باقی کے لئے کوئی فرض اور حصہ باقی نہیں رہا۔ اور عصبہ ہونا ان کے لئے قطعاً نہیں ہے۔ پس وہ ترکہ میں سے بالکل وارث نہیں بنیں گی۔

37433۔ (قولہ: إِلَّا أَنْ يَكُونَ الخ) پس اگر بھائی فریق اول میں سے سفلی کے ساتھ ہو تو ان میں سے علیا نصف لے گی۔ اور ان میں سے وسطی دوسرے فریق کی علیا کے ساتھ مل کر دونوں چھٹا حصہ لیں گی، اور باقی رہ جانے والا تیسرا حصہ بھائی فریق اول کی سفلی، فریق ثانی کی وسطی اور فریق ثالث کی علیا کے درمیان للذکر مثل حظ الانثیین کے تحت پانچ حصوں میں تقسیم ہو جائے گا (یعنی پانچ میں سے دو حصے بھائی کو اور ایک ایک حصہ تینوں ان بیٹیوں (بہنوں) کو ملے گا) اور فریق ثانی کی سفلی اور فریق ثالث کی وسطی اور سفلی یہ ساقط ہو جائیں گی۔ اور اگر بھائی دوسرے فریق کی سفلی کے ساتھ ہو تو پھر باقی کا تیسرا حصہ اس کے درمیان اور پہلے فریق کی سفلی، دوسرے کی وسطی اور سفلی، اور تیسرے فریق کی علیا اور وسطیٰ کے درمیان سات حصوں میں للذکر مثل حظ الانثیین کے اصول پر تقسیم ہوگا۔ اور تیسرے فریق کی سفلی ساقط ہو جائے گی۔

اور اگر بھائی فریق ثالث کی سفلی کے ساتھ ہو تو پھر باقی رہنے والا تیسرا حصہ بھائی، اور چھ سفلیات کے درمیان آٹھ حصوں میں تقسیم ہوگا۔ اور بلاشبہ فریق اول کی علیا کے ساتھ بھائی کا حصہ یہ ہے کہ کل مال اس کے اور اس کی بہن کے درمیان للذکر مثل حظّ الانثیین کے طریقہ پر تقسیم ہوگا (یعنی دو حصے بھائی کے اور ایک حصہ بہن کے لئے ہوگا) اور سفلیات کے لئے کوئی شے نہ ہوگی اور وہ آٹھ ہیں۔ اور اگر اسے پہلے فریق کی وسطیٰ کے ساتھ فرض کیا جائے تو فریق اول کی علیا نصف لے گی اور باقی بھائی کے لئے اور جو اس کے ساتھ اس کے مساوی ہیں ان کے لئے للذکر مثل حظ الانثیین کے طریقہ پر ہوگا اور وہ فریق اول کی وسطی اور دوسرے کی علیا ہے، اور اسی حال پر ہوگا جب اسے فریق ثانی کی علیا کے ساتھ فرض کیا جائے۔

اور رہی ان تمام صورتوں میں مسائل کی تصحیح تو وہ اس بنا پر ہے جو مابعد میں اسے محیط ہے۔ پس اسے یہاں ذکر کرنے کی حاجت اور ضرورت نہیں۔

اور تو جان کہ مختلف درجات پر بیٹیوں کا ذکر کرنا جیسا کہ کتاب میں ذکر کیا گیا ہے اسے مسئلۃ التشبیب کا نام دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ اپنی دقت اور حسن کے ساتھ دماغوں کو تیز کرتا ہے اور کان اسے سننے کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ پس یہ شاعر کے قصیدہ کو تشبیب کے ساتھ حسین بنانے اور اسے غور سے سننے کی دعوت دینے کے مشابہ ہے۔ یہ ''شرح السید'' سے منقول ہے۔

مِمَّنْ لَا تَكُونُ صَاحِبَةَ فَرْضٍ وَسَقَطَ السُّفْلِيَاتُ (وَيَأْخُذُ ابْنُ عَمٍّ) كَذَا فِي نُسَخِ الْمَتْنِ وَالشَّرْحِ وَعِبَارَةُ السَّيِّدِ وَغَيْرِهِ وَيَأْخُذُ أَحَدُ ابْنَيْ عَمٍّ هُوَ أَخٌ (لِأُمٍّ السُّدُسَ) بِالْفَرْضِ وَكَذَا لَوْ كَانَ الْآخَرُ زَوْجًا فَلَهُ النِّصْفُ (وَيَقْتَسِمَانِ الْبَاقِي) بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ بِالْعُصُوبَةِ حَيْثُ لَا مَانِعَ مِنْ إِرْثِهِ بِهِمَا فَيَرِثُ

ان میں سے جو صاحب فرض نہیں ہوتیں وہ انہیں عصبہ بنادے گا اور باقی نیچے درجے والیوں کو ساقط کردے گا۔ اور چچا کا بیٹا فرض کے اعتبار سے چھٹا حصہ لے گا، متن اور شرح کے نسخوں میں اسی طرح ہے اور ''السید'' وغیرہ کی عبارت ہے: اور چچا کے دو بیٹوں میں سے ایک لے گا، جو اخیافی بھائی ہے۔ اور اسی طرح اگر دوسرا زوج ہو تو اس کے لئے نصف ہوگا۔ اور باقی ان دونوں کے درمیان عصبہ ہونے کے اعتبار سے تقسیم ہوگا اس حیثیت سے کہ ان دونوں کے لئے اس کی میراث سے کوئی مانع نہیں ہے۔ پس وہ

37434۔ (قولہ: مِمَّنْ لَا تَكُونُ صَاحِبَةَ فَرْضٍ) وہ ان میں سے ہو جو صاحب فرض نہ ہو، رہی وہ جو صاحب فرض ہو تو چونکہ وہ اپنا حصہ لیتی ہے اور اس کے ساتھ وہ عصبہ نہیں ہوسکتی۔ اور وہ فریق اول میں سے وہ علیا ہے جس نے نصف لیا ہے، اور فریق اول میں سے وسطی جس نے فریق ثانی کی علیا کے ساتھ مل کر دونوں نے چھٹا حصہ لیا ہے۔ اور یہ قید ہے جس کا ان میں اعتبار کیا گیا ہے جو درجہ میں اس سے اوپر ہیں نہ کہ ان میں جو اس کے مساوی ہیں۔ کیونکہ وہ انہیں مطلقاً عصبہ بنا دیتا ہے۔

37435۔ (قولہ: وَسَقَطَ السُّفْلِيَاتُ) یعنی وہ جو درجہ میں اس سے نیچے ہیں وہ ساقط ہو جاتی ہیں۔

37436۔ (قولہ: وَعِبَارَةُ السَّيِّدِ الخ) یعنی ''مصنف'' پر لازم تھا کہ وہ اسی طرح کہتے بالخصوص اپنے قول: و یقتسمان الباقی کے بعد۔

37437۔ (قولہ: هُوَ أَخٌ لِأُمٍّ) وہ اخیافی بھائی ہو جیسا کہ ایک عورت دو بھائیوں سے شادی کرے اور وہ ہر ایک سے ایک ایک بچہ جنے اور دونوں بھائیوں کا اس کے علاوہ دوسری عورت سے ایک دوسرا بیٹا ہو پھر اس عورت کے بیٹوں میں سے ایک اپنے اس بھائی کو چھوڑ کر جو اس کے چچا کا بیٹا ہے اور اپنے دوسرے چچا کے بیٹے کو چھوڑ کر فوت ہو گیا (تو اس کے اخیافی بھائی کے لئے اس کی میراث سے چھٹا حصہ ہوگا)۔

37438۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ كَانَ الْآخَرُ زَوْجًا) اور اسی طرح ہے اگر وہ دوسرا خاوند ہو، اور زیادہ واضح یہ کہنا ہے: و کذا لو کان أحدھما یعنی اس کے چچا کے دو بیٹوں میں سے ایک اس کا خاوند ہو۔ ''طحطاوی''۔

37439۔ (قولہ: وَيَقْتَسِمَانِ الْبَاقِي) اور باقیماندہ وہ دونوں تقسیم کرلیں گے۔ اور وہ پہلی صورت میں پانچ سدس ہے اور دوسری صورت میں نصف ہے۔ ''طحطاوی''۔

37440۔ (قولہ: حَيْثُ لَا مَانِعَ مِنْ إِرْثِهِ بِهِمَا) اس حیثیت سے کہ دونوں کے لئے اس کی میراث سے کوئی مانع نہ ہو۔ یہ اس سے احتراز ہے کہ اگر پہلی صورت میں میت کی بیٹی ہو تو بلاشبہ اس کے لئے نصف ہوگا۔ اور وہ چچا کے بیٹے کو سدس سے روک دے گی اس لئے کہ وہ اخیافی بھائی ہے۔ اور وہ اور چچا کا دوسرا بیٹا باقی مال میں شریک ہوں گے۔ اور اس سے احتراز ہے

بِجِهَتَيْ فَرْضٍ وَتَعْصِيبٍ وَإِمَّا بِفَرْضٍ وَتَعْصِيبٍ مَعًا بِجِهَةٍ وَاحِدَةٍ فَلَيْسَ إِلَّا الْأَبُ وَأَبُوهُ۔ قُلْتُ وَقَدْ يَجْتَمِعُ جِهَتَا تَعْصِيبٍ كَابْنٍ هُوَ ابْنُ ابْنِ عَمٍّ بِأَنْ تَنْكِحَ ابْنَ عَمِّهَا فَتَلِدُ ابْنًا وَكَابْنٍ هُوَ مُعْتِقٌ وَقَدْ يَجْتَمِعُ جِهَتَا فَرْضٍ، وَإِنَّمَا يُتَصَوَّرُ فِي الْمَجُوسِ لِنِكَاحِهِمُ الْمَحَارِمَ

فرض اور عصبہ ہونے کی دونوں جہتوں سے وارث ہوگا۔ اور رہا فرض اور عصبہ دونوں کا ایک ساتھ ایک جہت سے ہونا تو وہ فقط باپ اور دادا میں ہے۔ میں کہتا ہوں: کبھی عصبہ ہونے کی دو جہتیں جمع ہو جاتی ہیں جیسے بیٹا اور وہی چچا کا پوتا ہو اس طرح کہ ایک عورت اپنے چچا کے بیٹے سے نکاح کرے اور وہ بچے کو جنم دے۔ اور جیسا کہ بیٹا اور وہی آزاد کرنے والا (معتق) ہو۔ اور کبھی فرض کی دو جہتیں جمع ہو جاتی ہیں اور بلاشبہ اس کا تصور مجوسیوں میں کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ وہ محارم سے نکاح مباح سمجھتے ہیں

کہ اگر زوجہ کی دوسری صورت میں سگی بہن ہو تو بلاشبہ اس کے لئے نصف ہوگا اور دوسرا نصف زوج کے لئے بطور فرض ہوگا اور اس کے لئے کوئی شے نہ ہوگی جیسا کہ چچا کے دوسرے بیٹے کے لئے چچا کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے کوئی شے نہ ہوگی۔

37441۔ (قولہ: بِجِهَتَيْ فَرْضٍ وَتَعْصِيبٍ) یعنی فرض اور عصوبۃ کی دونوں جہت سے۔ پس فرض کی جہت زوجیت اور اخیافی بھائی ہونا ہے، اور عصبہ ہونے کی جہت اس کا چچا کا بیٹا ہونا ہے۔ ''طحطاوی''۔

37442۔ (قولہ: وَإِمَّا بِفَرْضٍ) اور رہی میراث فرض اور عصبہ ہونے کی حیثیت سے۔ ''طحطاوی''۔

37443۔ (قولہ: بِجِهَةٍ وَاحِدَةٍ) ایک جہت سے اور وہ ابوۃ یعنی باپ ہونا ہے۔ ''طحطاوی''۔

37444۔ (قولہ: فَلَيْسَ إِلَّا الْأَبُ وَأَبُوهُ) پس وہ نہیں مگر باپ اور دادا میں بیٹی کے ساتھ یا پوتی کے ساتھ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور لیس کا اسم ضمیر ہے جو فرض اور عصوبۃ کے اعتبار سے میراث (یعنی علی الارث بفرض وتعصیب) کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور ان کا قول: الا الأب، الا ارث الأب یعنی مضاف محذوف کی تقدیر پر ہے اور مضاف الیہ کو اس مضاف کے قائم مقام رکھا گیا ہے۔ اور یہ ان کے اس قول کی حد اور طرز پر ہے: لیس الطیب الا المسك (خوشبو تو فقط کستوری ہے) اس میں المسك میں رفع اور نصب پڑھنے کے بارے مشہور اختلاف ہے، پس تو اس پر آگاہ رہ۔

37445۔ (قولہ: وَقَدْ يَجْتَمِعُ جِهَتَا تَعْصِيبٍ) اور کبھی عصبہ ہونے کی دو جہتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ یعنی دونوں کے ساتھ میراث کا لحاظ رکھے بغیر۔ کیونکہ میراث دو جہتوں میں سے ایک کے سبب ہوتی ہے اس لئے کہ بنوۃ یعنی بیٹا ہونے کی جہت چچا ہونے کی جہت اور ولاء کی جہت پر مقدم ہے۔

37446۔ (قولہ: وَقَدْ يَجْتَمِعُ جِهَتَا فَرْضٍ) اور کبھی فرض کی دو جہتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مجوسی نے اپنی بیٹی سے نکاح کیا اور اس سے بچہ پیدا ہوا۔ پس وہ بچہ اس عورت کا بیٹا بھی ہے اور اس کا بھائی بھی۔ اور جب یہ اس سے فوت ہوا تو وہ اپنی ماں اور اپنی بہن چھوڑ کر فوت ہوا پس وہ دونوں جہتوں سے وارث ہوگی۔ ''طحطاوی''۔

37447۔ (قولہ: وَإِنَّمَا يُتَصَوَّرُ فِي الْمَجُوسِ) بلاشبہ مجوسیوں میں ہی اس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں:

وَيَتَوَارَثُونَ بِهِمَا جَمِيعًا عِنْدَنَا وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ بِأَقْوَى الْجِهَتَيْنِ وَتَمَامُهُ فِي كُتُبِ الْفَرَائِضِ وَتَأْتِي الْإِشَارَةُ إِلَيْهِ فِي الْغَرْقَى (وَلَوْ تَرَكَتْ زَوْجًا وَأُمًّا أَوْ جَدَّةً وَإِخْوَةً لِأُمٍّ وَإِخْوَةً لِأَبَوَيْنِ أَخَذَ الزَّوْجُ النِّصْفَ وَالْأُمُّ أَوِ الْجَدَّةُ (السُّدُسَ وَوَلَدُ الْأُمِّ الثُّلُثَ وَلَا شَيْءَ لِلْإِخْوَةِ لِأَبَوَيْنِ) لِأَنَّهُمْ عَصَبَةٌ وَلَمْ يَبْقَ لَهُمْ شَيْءٌ وَعِنْدَ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ يُشَرَّكُ بَيْنَ الصِّنْفَيْنِ الْأَخِيرَيْنِ كَأَنَّ الْكُلَّ أَوْلَادُ أُمٍّ وَكَذَلِكَ يَفْرِضُ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ لِلْأُخْتِ لِأَبَوَيْنِ أَوْ لِأَبٍ النِّصْفَ وَلِلْجَدِّ السُّدُسَ مَعَ زَوْجٍ وَأُمٍّ

اور وہ ہمارے نزدیک دو جہتوں سے اکٹھے وارث ہوتے ہیں اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں میں سے اقوی جہت کے ساتھ وارث ہوں گے۔ اس کی مکمل بحث کتب فرائض میں ہے۔ اور فصل فی الغرقی میں اس کی طرف اشارہ آئے گا۔ اور اگر کوئی عورت اپنے پیچھے خاوند اور ماں یا دادی اور اخیافی بھائی اور سگے بھائی چھوڑے تو خاوند نصف حصہ لے گا۔ اور ماں یا دادی چھٹا حصہ، اور اخیافی بھائیوں کے لئے تیسرا حصہ ہوگا، اور سگے بھائیوں کے لئے کوئی شے نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ عصبہ ہیں، اور ان کے لئے کوئی شے باقی نہیں رہی۔ اور امام ''مالک'' اور امام ''شافعی'' رحمہما اللہ کے نزدیک وہ تیسرا حصہ آخری دونوں قسموں کے درمیان مشترک ہوگا گویا کہ وہ سارے اخیافی بھائی ہیں۔ اور اسی طرح امام ''مالک'' اور امام ''شافعی'' رحمہما اللہ سگی بہن یا علاتی (سوتیلی) بہن کے لئے نصف اور دادا کے لئے زوج اور ماں کے ساتھ چھٹا حصہ مقرر کرتے ہیں۔

کتاب الحدود میں پہلے گزر چکا ہے کہ محرم سے نکاح کر کے وطی کرنا شبهة المحل میں سے ہے اور یہ کہ اس میں نسب ثابت ہو جاتا ہے جیسا کہ اسے ''النہر'' میں تحریر کیا ہے۔ پس تو اس کی طرف رجوع کر۔ پھر میں نے ''سکب الانہر'' میں دیکھا انہوں نے کہا: بلاشبہ یہ مجوسیوں کے نکاح میں متصور ہوسکتا ہے اور مسلمانوں وغیرھم میں شبہ کی وطی میں متصور ہوسکتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کے نکاح صحیح میں اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ عنقریب اس کی مکمل بحث آئے گی۔

37448۔ (قولہ: وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ بِأَقْوَى الْجِهَتَيْنِ) اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو جہتوں میں سے اقوی کے ساتھ وارث ہوگا۔ اور وہ وہ ہے جس کے ساتھ وہ ہر حال میں وارث ہوتا ہے۔ پس اگر بیٹا فوت ہو جائے اور وہ ماں کو چھوڑے وہی اس کی بہن ہو تو ہمارے نزدیک وہ دونوں جہتوں کے ساتھ وارث ہوگی۔ ماں ہونے کی جہت سے تہائی مال کی اور بہن ہونے کی حیثیت سے نصف مال کی۔ اور رہا ان یعنی امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو وہ صرف ماں ہونے کی جہت سے وارث ہوگی کسی اور جہت سے نہیں، جیسا کہ ''غرر الافکار'' میں ہے۔

37449۔ (قولہ: يُشَرَّكُ بَيْنَ الصِّنْفَيْنِ الْأَخِيرَيْنِ) یعنی وہ ماں کی اولاد (اخیافی بھائی) اور سگے بھائیوں کے درمیان مشترک ہوگا۔ اسی لئے اسے مشرکہ بفتح الراء یا مشرکہ بکسر الراء کا نام دیا گیا ہے۔ اور یہ اس کی طرف مجازاً تشریک کی نسبت کرنے کی بنا پر ہے۔

37450۔ (قولہ: وَكَذَلِكَ يَفْرِضُ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ) اور اسی طرح امام ''مالک'' اور امام ''شافعی'' رحمہما اللہ حصہ

فَتَعُولُ إِلَى تِسْعَةٍ وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَحْمَدَ تَسْقُطُ الْأُخْتُ۔ قُلْت وَحَاصِلُهُ أَنَّهُ لَيْسَ عِنْدَ الْحَنَفِيَّةِ مَسْأَلَةُ الْمُشَرَّكَةِ اتِّفَاقًا وَلَا مَسْأَلَةُ الْأَكْدَرِيَّةِ عَلَى الْمُفْتَى بِهِ كَمَا مَرَّ

پس یہ نو کی طرف عول ہوگا۔ اور امام اعظم ''ابوحنیفہ'' اور امام ''احمد'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک بہن ساقط ہو جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں: اور اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ احناف کے نزدیک بالاتفاق مسئلہ مشترکہ نہیں ہے۔ اور یہ مسئلہ الکدریہ ہے۔ یہی مفتی بہ ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

دیتے ہیں، اور اسی طرح امام ''احمد'' رحمۃ اللہ علیہ بھی جیسا کہ اسے ''الشنشوری'' نے ذکر کیا ہے بخلاف اس کے جو ''شارح'' نے ذکر کیا ہے۔ اور یہی قول امام ''ابو یوسف'' اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہما کا ہے۔ اس کا نام المسئلۃ الاکدریہ ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ حضرت ''زید بن ثابت'' رضی اللہ عنہ پر اپنے مذہب کے مطابق مکدر اور مشتبہ ہو گیا تھا۔

37451۔(قولہ: فَتَعُولُ إِلَى تِسْعَةٍ) پس عول نو کی طرف ہوگا، خاوند کے لئے تین حصے، ماں کے لئے ایک حصہ، دادا کے لئے ایک حصہ اور بہن کے لئے تین حصے ہوں گے۔ لیکن جب بہن اس حصہ کے ساتھ مستقل ہو جو اس کے لئے مقرر ہے تو وہ دادا سے بڑھ جاتی ہے اور وہ فرض (حصہ) کے بعد دادا کے ساتھ عصبہ کی طرف لوٹ جاتی ہے اور دادا کا حصہ اس کے حصہ کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے اور وہ دونوں چار حصے اپنے درمیان تین حصوں پر للذکر مثل حظ الأنثیین کے طریقہ پر تقسیم کریں گے۔ کیونکہ مقاسمہ دادا کے لئے جمیع مال کے سدس اور مابقی کے ثلث سے بہتر ہے۔ اور یہ مقاسمہ ستائیس حصوں سے صحیح ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ''سکب الانہر'' میں ہے۔

37452۔(قولہ: تَسْقُطُ الْأُخْتُ) بہن ساقط ہو جائے گی، پس خاوند کے لئے نصف، ماں کے لئے ثلث اور باقی مال دادا کے لئے ہوگا، اور اس کی اصل چھ سے ہوگی، اور اسی سے صحیح ہو جائے گا۔

37453۔(قولہ: عَلَى الْمُفْتَى بِهِ) مفتی بہ قول کے مطابق یعنی ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بنی اعیان اور علاتی اولاد دادا کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں بخلاف ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے۔

37454۔(قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی جیسا کہ باب الحجب میں گزر چکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ الْعَوْلِ

وَضِدُّهُ الرَّدُّ كَمَا سَيَجِيءُ (هُوَزِيَادَةُ السِّهَامِ) إِذَا كَثُرَتْ الْفُرُوضُ (عَلَى مَخْرَجِ الْفَرِيضَةِ) لِيَدْخُلَ النَّقْصُ عَلَى كُلٍّ مِنْهُمْ بِقَدْرِ فَرْضِهِ

عول کا بیان

عول کی ضد رد ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ اور عول سے مراد حصص کو زیادہ کرنا اور بڑھانا ہے جبکہ فروض (مقررہ حصص) ایک فریضہ کے مخرج سے زیادہ ہو جائیں تا کہ نقصان اور کمی ان میں سے ہر ایک میں اس کے مقررہ حصہ کی مقدار داخل ہو جائے

مسائل فرائض کی اقسام اور عول کا لغوی اور اصطلاحی معنی

مسائل فرائض کی تین قسمیں ہیں: عادلہ، عاذلہ اور عائلہ: یعنی وہ بغیر کسر کے منقسم ہوتا ہے یا رد کے ساتھ یا عول کے ساتھ۔ اور عول کا لغوی معنی میل (میلان رکھنا) اور جور (ظلم کرنا، زیادتی کرنا) ہے۔ اور یہ لفظ غلبہ کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، کہا جاتا ہے: عیل صبرہ: یعنی اس کا صبر غالب آ گیا۔ اور رفع یعنی اٹھا دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: عال المیزان: جب وہ ترازو کو اٹھائے۔ تو کہا گیا ہے: اصطلاحی معنی پہلے معنی سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ مسئلہ اپنے اہل پر زیادتی کے ساتھ مائل ہے اس حیثیت سے کہ ان کے حصص کو کم کر دیا ہے۔ اور گزشتہ تقسیم اس میں صریح کی طرح ہے۔ کیونکہ عادلہ عدل سے ماخوذ ہے جو جور اور زیادتی کے مقابل ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ وہ دوسرے معنی سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ وہ اپنے اہل پر ضرر اور نقصان داخل کر کے غالب آ گیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے: وہ تیسرے معنی سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ جب اس کا مخرج اجتماعی فروض کے ساتھ تنگ ہو گیا تو ترکہ کو اس مخرج سے زیادہ عدد کی طرف بلند کر دیا جاتا ہے، پھر اسے تقسیم کیا جاتا ہے یہاں تک کہ نقصان اور کمی تمام ورثا کے حصص میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور اسے ''السید'' نے اختیار کیا ہے۔

37455۔ (قولہ: وَضِدُّهُ الرَّدُّ) اور اس کی ضد رد ہے، کیونکہ عول کے ساتھ ذوی الفروض کے حصص کم ہو جاتے ہیں اور اصل مسئلہ زیادہ ہو جاتا ہے اور رد کے ساتھ حصص بڑھ جاتے ہیں اور اصل مسئلہ کم ہو جاتا ہے، اور دوسرے الفاظ میں عول میں حصص مخرج سے زائد اور فاضل ہوتے ہیں اور رد میں مخرج حصص سے زائد اور فاضل ہوتا ہے۔ ''سید''۔

37456۔ (قولہ: هُوَزِيَادَةُ السِّهَامِ) یعنی وہ ورثا کے حصوں کو زیادہ کرنا ہے۔ پس السہام پر الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے اور اسی وجہ سے آنے والے قول: علی کل منہم میں اسے ضمیر کی صورت میں لانا سہل ہے۔ ''طحطاوی''۔

37457۔ (قولہ: عَلَى مَخْرَجِ الْفَرِيضَةِ) یعنی مقررہ حصوں کے اس مخرج پر جسے اصل مسئلہ کہا جاتا ہے۔ اور وہ کم سے کم اس عدد صحیح سے عبارت ہے جس سے ورثاء میں سے ہر فریق کا حصہ کسر کے بغیر نکل آتا ہے۔ ''سکب الانہر''۔

كَنَقْصِ أَرْبَابِ الدُّيُونِ بِالْمُحَاصَّةِ، وَأَوَّلُ مَنْ حَكَمَ بِالْعَوْلِ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ ثُمَّ الْمَخَارِجُ سَبْعَةٌ

جیسا کہ قرض خواہوں کے مال کا مال تقسیم کرنے اور بانٹنے کے ساتھ کم ہو جانا۔ اور سب سے پہلے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عول کے بارے فیصلہ فرمایا۔ پھر مخارج سات ہیں:

37458۔ (قولہ: كَنَقْصِ أَرْبَابِ الدُّيُونِ بِالْمُحَاصَّةِ) جیسا کہ قرض خواہوں کا حصہ بانٹنے اور تقسیم کرنے سے کم ہو جاتا ہے، یعنی وہ قرضے جن سے ترکہ تنگ ہو جائے (یعنی ترکہ ان کی ادائیگی کے لئے کافی نہ ہو) اور ان میں سے بعض بعض سے اولیٰ نہ ہوں تو وہ کمی ان تمام پر ان کے حقوق کی مقدار کے مطابق واقع ہوتی ہے۔

عول کے بارے سب سے پہلا فیصلہ

37459۔ (قولہ: وَأَوَّلُ مَنْ حَكَمَ بِالْعَوْلِ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ) اور سب سے پہلے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عول کے بارے فیصلہ کیا۔ کیونکہ آپ کے سامنے ایسی صورت پیش آئی جس میں مخرج فروض سے تنگ اور ان کے لئے ناکافی تھا، تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا، تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عول کی طرف اشارہ کیا تو آپ نے فرمایا: فرائض کو زیادہ کرلو (یعنی ان میں عول کرلو)۔ پس تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بارے آپ کی اتباع کی اور کسی نے بھی انکار نہیں کیا سوائے اس کے کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے اختلاف کیا۔ اس کی مکمل بحث ''شرح السیّد'' وغیرہ میں ہے۔

مخارج کی تعداد

37460۔ (قولہ: ثُمَّ الْمَخَارِجُ سَبْعَةٌ) پھر مخارج سات ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ فروض چھ ہیں۔ اور ان کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم: نصف، ربع (چوتھا حصہ) اور ثمن (آٹھواں حصہ) ہے۔ اور دوسری قسم: ثلثان (دو تہائی)، ثلث (ایک تہائی) اور سدس (چھٹا حصہ) ہے۔ اور ان کی دو حالتیں ہیں: حالت انفراد اور حالت اجتماع۔ اور حالت انفراد میں ان کے مخارج پانچ ہیں: نصف کے لئے دو، ربع کے لئے چار، ثمن کے لئے آٹھ، ایک تہائی اور دو تہائی کے لئے تین، اور سدس کے لئے چھ۔ اور جب فروض جمع ہو جائیں تو اگر وہ ایک نوع سے ہوں تو وہ مذکورہ پانچ مخارج سے نہیں نکل سکتے۔ کیونکہ ان میں کم سے کم مخرج کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ پس نصف اور ربع میں مسئلہ چار سے ہوگا، یا نصف اور ثمن میں مسئلہ آٹھ سے یا ثلث اور سدس کی صورت میں مسئلہ چھ سے ہوگا۔ اور اگر وہ دونوعوں میں سے ہوں تو جب پہلی نوع میں سے نصف دوسری مکمل نوع یا اس کے بعض سے مل جائے تو مسئلہ چھ سے چلے گا۔ اور یہ اس سے باہر نہیں نکل سکتا، اور جب ربع دوسری مکمل نوع یا اس کے بعض سے ملے تو مسئلہ بارہ سے ہوگا۔ اور جب آٹھواں حصہ دوسری مکمل نوع یا اس کے بعض سے ملے تو مسئلہ چوبیس سے چلے گا۔ پس ان دونوں کو پہلے پانچ کے ساتھ ملا دیا جائے تو مخارج سات ہو جائیں گے اور اس کا مکمل بیان عنقریب باب المخارج میں آئے گا۔

أَرْبَعَةٌ لَا تَعُولُ الِاثْنَانِ وَالثَّلَاثَةُ وَالْأَرْبَعَةُ وَالثَّمَانِيَةُ وَثَلَاثَةٌ قَدْ تَعُولُ بِالِاخْتِلَاطِ كَمَا سَيَجِيءُ فِي بَابِ الْمَخَارِجِ (فَسِتَّةٌ تَعُولُ) أَرْبَعَ عَوْلَاتٍ (إلَى عَشَرَةٍ وِتْرًا وَشَفْعًا) فَتَعُولُ لِسَبْعَةٍ كَزَوْجٍ وَشَقِيقَتَيْنِ وَلِثَمَانِيَةٍ كَهُمْ وَأُمٍّ وَلِتِسْعَةٍ كَهُمْ وَأَخٍ لِأُمٍّ وَلِعَشَرَةٍ كَهُمْ وَأَخٍ آخَرَ لِأُمٍّ (وَاثْنَا عَشَرَةَ تَعُولُ ثَلَاثًا إلَى سَبْعَةَ عَشَرَ وِتْرًا لَا شَفْعًا) فَتَعُولُ لِثَلَاثَةَ عَشَرَ كَزَوْجَةٍ وَشَقِيقَتَيْنِ وَأُمٍّ وَلِخَمْسَةَ عَشَرَ كَهُمْ وَأَخٍ لِأُمٍّ وَلِسَبْعَةَ عَشَرَ كَهُمْ وَآخَرَ لِأُمٍّ (وَأَرْبَعَةٌ وَعِشْرُونَ تَعُولُ إلَى سَبْعَةٍ وَعِشْرِينَ) فَقَطْ (كَامْرَأَةٍ وَبِنْتَيْنِ وَأَبَوَيْنِ)

چار وہ ہیں جن میں عول نہیں ہوتا وہ دو، تین، چار، اور آٹھ ہیں۔ اور تین وہ ہیں جن میں اختلاط کے ساتھ کبھی عول ہوتا ہے جیسا کہ عنقریب باب المخارج میں آئے گا۔ اور چھ وہ ہیں جن میں چار عول ہوتے ہیں۔ دس تک چاہے طاق ہو یا جفت۔ پس چھ میں عول ہوتا ہے سات تک جبکہ وارث خاوند اور دو سگی بہنیں ہوں۔ اور آٹھ تک عول ہوتا ہے جبکہ مذکورہ وارث اور ماں ہو، اور نو تک عول ہوتا ہے جبکہ ورثا میں مذکورہ وارث اور اخیافی بھائی ہو۔ اور دس تک عول ہوتا ہے جبکہ ورثاء میں مذکورہ وارث اور ایک دوسرا اخیافی بھائی ہو۔ اور بارہ میں طاق کے اعتبار سے تین بار سترہ تک عول ہوتا ہے نہ کہ جفت کے اعتبار سے، پس تیرہ تک عول ہوتا ہے جیسا کہ وارث زوجہ، دو سگی بہنیں اور ماں ہو، اور اس میں پندرہ تک عول ہوتا ہے جبکہ مذکورہ ورثاء اور اخیافی بھائی ہو، اور سترہ تک عول ہوتا ہے جبکہ مذکورہ ورثا اور ایک مزید اخیافی بھائی ہو۔ اور چوبیس میں صرف ستائیس تک عول ہوتا ہے جیسا کہ جب ورثا میں بیوی، دو بیٹیاں اور والدین (ماں، باپ) ہوں

وہ مخارج جن میں عول ہوتا ہے اور جن میں عول نہیں ہوتا

37461۔ (قولہ: أَرْبَعَةٌ لَا تَعُولُ) اور چار میں عول نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس سے متعلقہ فروض یا تو مال ان کے ساتھ پورا ہو جاتا ہے، یا اس سے کوئی زائد شے ان پر باقی بچ جاتی ہے۔ اور اس کی تفصیل ''المنح'' میں ہے۔

37462۔ (قولہ: وَثَلَاثَةٌ قَدْ تَعُولُ) اور تین میں کبھی عول ہوتا ہے، اور وہ چھ اور اس کا دوگنا (یعنی بارہ) اور اس کے دوگنا کا دوگنا (یعنی چوبیس) اور ''مصنف'' نے لفظ قد کے ساتھ اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کے لئے عول لازم نہیں ہے۔

37463۔ (قولہ: بِالِاخْتِلَاطِ) یعنی دونوعوں میں سے ایک کے دوسری کے کل یا اس کے بعض کے ساتھ ملنے کے سبب (عول ہوتا ہے) جیسا کہ ہم نے اسے بیان کر دیا ہے۔

37464۔ (قولہ: إلَى عَشَرَةٍ وِتْرًا وَشَفْعًا) دس تک طاق اور جفت کے اعتبار سے، یعنی ان اعداد کی طرف عول ہوتا ہے درآنحالیکہ ان کی انتہا دس پر ہوتی ہے۔ پس اس میں الی، تعول کا صلہ نہیں ہے بلکہ اس کا صلہ مقدر ہے۔ کیونکہ دس طاق اور جفت نہیں ہے۔ اور ''مصنف'' کا قول: وترا و شفعا اس عدد سے حال ہونے کی بنا پر منصوب ہیں جس کی طرف عول ہوا ہے: ای حال کون تلك الأعداد منقسمة الى وتر و شفع۔ (یعنی درآنحالیکہ وہ اعداد طاق اور جفت میں منقسم ہوں)۔ تأمل۔

وَتُسَمَّى مِنْبَرِيَّةً (وَالرَّدُّ ضِدُّهُ) كَمَا مَرَّ وَحِينَئِذٍ (فَإِنْ فَضَلَ عَنْهَا) أَيْ عَنِ الْفُرُوضِ (وَ) الْحَالُ أَنَّهُ لَا (عَصَبَةَ) ثَمَّةَ (يُرَدُّ) الْفَاضِلُ (عَلَيْهِمْ بِقَدْرِ سِهَامِهِمْ) إِجْمَاعًا لِفَسَادِ بَيْتِ الْمَالِ (إِلَّا عَلَى الزَّوْجَيْنِ) فَلَا يُرَدُّ عَلَيْهِمَا وَقَالَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يُرَدُّ عَلَيْهِمَا أَيْضًا قَالَهُ الْمُصَنِّفُ وَغَيْرُهُ۔ قُلْت وَجَزَمَ فِي الِاخْتِيَارِ بِأَنَّ هَذَا وَهْمٌ مِنَ الرَّاوِي فَرَاجِعْهُ

اور اسے مسئلہ منبریہ کہا جاتا ہے۔ اور رد عول کی ضد ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور اس وقت اگر فروض سے مال فالتو بچ جائے اور حال یہ ہو کہ وہاں عصبہ نہ ہو تو وہ فاضل مال انہی ورثا پر ان کے حصص کی مقدار کے مطابق بیت المال کے فساد کی وجہ سے بالاجماع لوٹا دیا جاتا ہے سوائے زوجین کے کہ وہ ان پر نہیں لوٹایا جاتا۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: وہ ان پر بھی لوٹایا جائے گا۔ ''مصنف'' وغیرہ نے یہی کہا ہے۔ میں کہتا ہوں: ''الاختیار'' میں اس پر اعتماد اور یقین کیا ہے کہ یہ راوی کا وہم ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کرو۔

مسئلہ منبریہ

37465۔ (قولہ: وَتُسَمَّى مِنْبَرِيَّةً) اور اسے مسئلہ منبریہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے پوچھا گیا درآنحالیکہ کوفہ کے منبر پر آپ اپنے خطبہ میں یہ کہہ رہے تھے: الحمد للہ الذی یحکم بالحق قطعاً، ویجزی کل نفس بما تسعی، و الیہ المآب والرجعی (سب تعریف اس اللہ تعالیٰ کے لئے جو یقیناً حق کے ساتھ فیصلہ فرماتا ہے، اور ہر نفس کو اس کی سعی اور کوشش کے مطابق جزا عطا فرماتا ہے اور اسی طرف رجوع اور لوٹنا ہے) تو اس وقت اس کے بارے آپ سے سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عورت کا آٹھواں حصہ نواں ہو گیا ہے اور آپ نے اپنا خطبہ جاری رکھا تو لوگ آپ کی ذہانت وفطانت پر متعجب ہوئے۔ ''در منتقی''۔

مسئلہ الرد

37466۔ (قولہ: ثَمَّةَ) یعنی وہاں مراد یہ ہے کہ ورثا میں عصبہ نہ ہو۔ ''طحطاوی''۔

37467۔ (قولہ: عَلَيْهِمْ) یعنی ذوی الفروض پر۔ زیادہ واضح اس کو صراحۃً بیان کرنا ہے۔ ''طحطاوی''۔

37468۔ (قولہ: لِفَسَادِ بَيْتِ الْمَالِ) بیت المال کے فاسد ہونے کی وجہ سے۔ یہ ''شارح'' کے قول اجماعاً کی علت ہے اور ظاہر نہیں ہے۔ کیونکہ امام ''مالک'' رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ وہ مال بیت المال کے لئے ہوگا اگرچہ وہ منتظم نہ ہو، اور یہی امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ اور امام ''مالک'' رحمۃ اللہ علیہ سے ہمارے قول کی طرح بھی مروی ہے، اور اسی کے ساتھ متاخرین شافعیہ نے فتویٰ دیا ہے جب بیت المال کے معاملہ کا انتظام نہ ہو۔ اسی کو ''غرر الافکار'' میں بیان کیا ہے۔

37469۔ (قولہ: وَغَيْرُهُ) جیسا کہ ''السراجیہ'' اور ''کنز'' کے شارحین۔ اور ''روح الشروح'' میں کہا ہے: اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حجت اور دلیل یہ ہے کہ فریضہ اگر بڑھ جائے (یعنی اس میں عول ہو) تو نقص اور کمی تمام پر داخل ہوتی ہے تو

قُلْتُ وَفِي الْأَشْبَاهِ
میں کہتا ہوں: اور''الاشباہ'' میں ہے:

جب شے فاضل ہوجائے تو پھر لازم ہے کہ وہ زیادتی بھی تمام کے لئے ہو۔ کیونکہ منافع تاوان اور نقصان کے ساتھ ہوتے ہیں (یعنی الغنم بالغرم)۔ اور جواب یہ ہے کہ زوجین کی باہمی میراث تو خلاف قیاس ہے۔ کیونکہ ان دونوں کا رشتہ اور تعلق نکاح کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ موت کے ساتھ منقطع ہوجاتا ہے۔

اور جو خلاف قیاس بطور نص ثابت ہو تو وہ نص کے وارد ہونے کے محل میں محصور ہوتا ہے۔ اور زوجین کے مقررہ حصہ پر زیادتی کے بارے کوئی نص نہیں ہے، اور جب ان دونوں کے حصہ میں نقص اور کمی کو داخل کرنا اس قیاس کے میلان کی وجہ سے ہے جو ان کی میراث کی نفی کرتا ہے تو اس کا قول کیا گیا ہے۔ اور رد کا قول دلیل نہ ہونے کی وجہ سے نہیں کیا گیا۔ پس فرق اور حق کے حصص ظاہر ہو گئے۔ ''طحطاوی''، ملخصاً۔

37470۔ (قولہ: وَفِي الْأَشْبَاهِ الخ) ''القنیہ'' میں کہا ہے: اور ہمارے زمانے میں بیت المال کے فساد کی وجہ سے زوجین پر مال کے رد کا فتویٰ دیا جائے گا۔ اور ''زیلعی'' میں ''النہایہ'' سے ہے: زوجین میں سے کسی ایک کے حصہ سے جو مال فاضل ہو وہ اسی پر لوٹا دیا جائے گا، اور اسی طرح رضاعی بیٹے اور بیٹی کی طرف اسے پھیر دیا جائے گا۔ اور ''المستصفی'' میں کہا ہے: آج فتویٰ زوجین پر مال لوٹانے کے بارے میں ہے اور یہی ہمارے متاخرین علما کا قول ہے۔ اور ''الحدادی'' نے کہا ہے: آج فتویٰ زوجین پر مال لوٹانے کے بارے ہے۔ اور محقق ''احمد بن یحییٰ بن سعد التفتازانی'' نے کہا ہے: بہت سے مشائخ نے زوجین پر مال لوٹانے کا فتویٰ دیا ہے جبکہ ان دونوں کے سوا اقارب میں سے کوئی نہ ہو۔ اس لئے کہ اس زمانے میں امام وقت کا فساد اور حکام کے مظالم غالب ہیں۔ بلکہ معتق کی بیٹیوں اور اس کے ذوی الارحام کو وارث بنانے کے بارے فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح ''ہروی'' نے کہا ہے: کثیر مشائخ نے معتق کی بیٹیوں اور اس کے ذوی الارحام کی توریث کا فتویٰ دیا ہے۔ ''ابوالسعود'' نے اسے ''الکازرونی'' کی شرح ''السراجیہ'' سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ''معراج الدرایہ شرح الہدایہ'' میں ہے: اور کہا گیا ہے: اگر اس نے معتق کی بیٹی کے سوا کوئی وارث نہ چھوڑا تو مال اسے ہی دے دیا جائے گا لیکن بطور وراثت نہیں بلکہ اس لئے کہ وہی زیادہ قریبی ہے۔ اور اسی طرح زوجین میں سے کسی ایک کے حصہ سے فاضل مال بھی اسی کی طرف رد کیا جائے گا۔ اور اسی طرح رضاعی بیٹی اور بیٹے کو دیا جائے گا۔ اور بیت المال نہ ہونے کی صورت میں اسی کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا۔ اور ''المستصفی'' میں ہے: اور آج فتویٰ زوجین پر مال رد کرنے کے بارے ہے جب بیت المال نہ ہونے کی وجہ سے مستحق نہ ہو۔ کیونکہ ظالم لوگ اسے اپنے مصرف میں خرچ نہیں کرتے۔ اور یہ اسی طرح ہے جیسے بعض اصحاب شافعیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ اسی علت کی وجہ سے ذوی الارحام کو وارث بنانے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اور ''شارح'' نے ''الدرالمنتقی'' میں کتاب الولاء سے نقل کیا ہے: میں کہتا ہوں: لیکن مجھ تک خبر پہنچی ہے کہ وہ اس بارے فتویٰ نہیں دیتے۔ فتنبہ۔

أَنَّهُ يُرَدُّ عَلَيْهِمَا فِي زَمَانِنَا لِفَسَادِ بَيْتِ الْمَالِ وَقَدَّمْنَاهُ فِي الْوَلَاءِ ثُمَّ مَسَائِلُ الرَّدِّ أَرْبَعَةُ أَقْسَامٍ، لِأَنَّ الْمَرْدُودَ عَلَيْهِ إِمَّا صِنْفٌ أَوْ أَكْثَرُ وَعَلَى كُلٍّ إِمَّا أَنْ يَكُونَ مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ أَوْ لَا يَكُونُ (ف) الْأَوَّلُ (إِنْ اتَّحَدَ جِنْسُ الْمَرْدُودِ عَلَيْهِمْ) كَبِنْتَيْنِ أَوْ أُخْتَيْنِ أَوْ جَدَّتَيْنِ

ہمارے زمانہ میں بیت المال کے فساد کی وجہ سے اسے ان پر لوٹایا جائے گا، اور ہم اسے ولا کے باب میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔ پھر رد کے مسائل کی چار قسمیں ہیں۔ کیونکہ جن پر مال لوٹایا جاتا ہے وہ ایک قسم ہیں یا زیادہ، اور ہر صورت پر یا اس کے ساتھ وہ ہوگا جس پر مال نہیں لوٹایا جاتا یا نہیں ہوگا۔ پس پہلی قسم یہ ہے اگر ان کی جنس ایک ہو جن پر ترکہ دوبارہ لوٹایا جاتا ہے (یعنی فرائض کی تقسیم کے بعد اضافی مال دوبارہ دیا جاتا ہے) جیسا کہ دو بیٹیاں یا دو بہنیں یا دو دادیاں جب وارث ہوں

میں کہتا ہوں: ہم نے اپنے زمانہ میں بھی ایسا نہیں سنا جس نے اس طرح کا فتویٰ دیا ہو اور شاید یہ اس کے متون کی مخالفت کی وجہ سے ہے۔ پس اس میں غور کرنا چاہئے۔ لیکن یہ امر مخفی نہیں ہے کہ متون مذہب کو نقل کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں اور یہ مسئلہ جس کے بارے متاخرین نے فتویٰ دیا ہے مذکورہ علت کی وجہ سے اصل مذہب کے خلاف ہے جیسا کہ انہوں نے تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے مسئلہ میں اس طرح کا فتویٰ دیا ہے اس میں انہوں نے قرآن کریم کے ضائع ہونے کے خوف کی وجہ سے اصل مذہب کی مخالفت کی ہے۔ اور اسی طرح کی اور مثالیں بھی ہیں۔ اور جہاں شراح نے ہمارے مسئلہ میں افتاء کا ذکر کیا ہے چاہئے کہ اس پر عمل کیا جائے بالخصوص جب حالات ہمارے زمانہ کی مثل ہوں۔ کیونکہ وہ مال لے لیتا ہے جسے بیت المال کا وکیل مقرر کیا جاتا ہے اور پھر اسے اپنی ذات پر اور اپنے خدام پر خرچ کر دیتا ہے اور بیت المال تک اس میں سے کوئی شے نہیں پہنچتی۔

حاصل کلام

حاصل یہ ہے کہ متون کا کلام بلاشبہ بیت المال کے منتظم ہونے کے وقت سے متعلق ہے۔ اور شروح کا کلام اس کے منتظم نہ ہونے کے وقت سے متعلق ہے۔ پس ان دونوں کے درمیان کوئی معارضت نہیں۔ پس جو کوئی ہمارے زمانہ میں اس بارے فتویٰ دے تو اسے اس سے موڑ دیا جائے گا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

رد کے مسائل کی اقسام اور تقسیم کا طریقہ

37471_(قولہ: أَوْ أَكْثَرُ) یعنی دو یا تین قسمیں ہوں اس سے زیادہ نہ ہوں جیسا کہ عنقریب وہ اسے ذکر کریں گے۔

37472_(قولہ: إِمَّا أَنْ يَكُونَ) یعنی یا وہ پایا جائے گا جس پر رد نہیں کیا جاتا یا نہیں پایا جائے گا۔

37473_(قولہ: إِنْ اتَّحَدَ جِنْسُ الْمَرْدُودِ عَلَيْهِمْ) اگر ان کی جنس ایک ہو جن پر رد کیا جاتا ہے، یہ اسے شامل ہے اگر وہ جنس ایک شخص ہو یا ایک سے زیادہ ہوں۔ اسی لئے علامہ ''قاسم'' نے اپنے اس قول کے ساتھ مثال بیان کی ہے جیسا کہ ماں یا ایک دادی یا دادیاں یا ایک بیٹی یا بیٹیاں یا ایک پوتی یا پوتیاں یا ایک سگی بہن یا بہنیں یا علاتی بہنیں یا اخیافی اولاد میں

(قُسِمَتْ الْمَسْأَلَةُ مِنْ عَدَدِ رُءُوسِهِمْ) ابْتِدَاءً قَطْعًا لِلتَّطْوِيلِ (وَ) الثَّانِي (إنْ كَانَ) الْمَرْدُودُ عَلَيْهِ (جِنْسَيْنِ) أَوْ ثَلَاثَةً لَا أَكْثَرَ بِالِاسْتِقْرَاءِ (فَمِنْ عَدَدِ سِهَامِهِمْ) فَمِنْ اثْنَيْنِ لَوْ سُدُسَانِ وَثَلَاثَةٍ

تو ابتداءً ہی مسئلہ ان ورثا کی تعداد سے تقسیم کیا جائے گا تا کہ طوالت ختم ہو جائے۔ اور دوسری قسم یہ ہے کہ جنہیں دوبارہ دیا جاتا ہے اگر ان کی جنسیں دو یا تین ہوں نہ کہ اس سے زیادہ جیسا کہ استقراء سے ثابت ہے تو پھر مسئلہ ان کے سہام (حصص) کی تعداد سے تقسیم کیا جائے گا۔ پس مسئلہ کی تقسیم دو سے ہوگی اگر سہام دو سدس ہوں، اور تین سے ہوگی

سے ایک یا ایک سے زیادہ۔

37474۔ (قولہ: مِنْ عَدَدِ رُءُوسِهِمْ) یعنی اس ایک جنس کے ورثاء کی تعداد سے اس صورت میں جبکہ مسئلہ میں ایک شخص سے زیادہ افراد ہوں۔ اور اس ایک شخص کی اصل اگر وہی مسئلہ میں ہو تو اس وقت تو وہ مسئلہ ایک ہوتا ہے۔ ''شرح ابن الحنبلی''۔

37475۔ (قولہ: قَطْعًا لِلتَّطْوِيلِ) طوالت کو ختم کرنے کے لئے، یعنی تقسیم کو ایک تقسیم بنانے کے ساتھ۔ کیا آپ جانتے نہیں کہ تو جب ورثاء میں سے ہر ایک کو اس کا وہ حصہ دے جس کا وہ مستحق ہے، پھر ان کے حصص سے جو باقی بچ رہے اسے ان کے حصوں کی مقدار کے مطابق ان کے درمیان تقسیم کرے تو یہ تقسیم دوبار ہوگی۔ ''سید''۔

37476۔ (قولہ: جِنْسَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً) یعنی سبب میراث کے اعتبار سے دو جنسیں ہوں یا تین جیسا کہ دادی ہونا، بہن ہونا، بیٹی ہونا، اور ماں ہونا اگرچہ دو جنسوں کا فرض (حصہ) ایک جنس ہو جیسا کہ دادی اور اخیافی بہن دونوں وہ ہیں جن میں سے ہر ایک کا حصہ چھٹا (سدس) ہے یا تین اجناس میں سے دو کا حصہ ایک جنس ہو جیسا کہ بیٹی، پوتی اور ماں۔ کیونکہ بیٹی ہونا ایک سبب ہے اور پوتی ہونا دوسرا سبب ہے اگرچہ مطلق بیٹی ہونا دونوں کو شامل ہے۔ پس اس مسئلہ میں تین اجناس ہیں نہ کہ صرف دو جنسیں ہیں۔ ''ابن الحنبلی''۔

37477۔ (قولہ: بِالِاسْتِقْرَاءِ) یعنی ان کی جزئیات میں غور وفکر کرنے سے جنہیں ترکہ میں سے دوبارہ دیا جاتا ہے۔ اور یہ جار مجرور اس فعل محذوف کے متعلق ہے جو حرف نفی کے بعد مقدر ہے: یعنی لا یکون اکثر بالاستقراء (استقراء کے مطابق وہ اجناس تین سے زیادہ نہیں ہوتیں)۔ ''طحطاوی''۔

37478۔ (قولہ: فَمِنْ عَدَدِ سِهَامِهِمْ) تو مسئلہ کو ان کے حصوں کی تعداد سے تقسیم کیا جائے گا، اور وہ چار ہیں اور کوئی نہیں: الاثنان (دو) الثلاثۃ (تین) الأربعۃ (چار) اور الخمسۃ (پانچ) تحقیق ''شارح'' نے انہیں ذکر کیا ہے اور یہ سارے کے سارے چھ سے لئے گئے ہیں جیسا کہ ہم عنقریب اسے ذکر کریں گے۔

37479۔ (قولہ: لَوْ سُدُسَانِ) اگر دو سدس ہوں جیسا کہ ورثاء میں دادی اور اخیافی بہن ہو تو مسئلہ چھ سے ہوگا اور اس میں دونوں کے لئے فرض کے اعتبار سے دو حصے ہوں گے، پس تو دو کو اصل مسئلہ بنا لے اور ترکہ کو ان دونوں پر نصف نصف

لَوْ ثُلُثٌ وَسُدُسٌ وَأَرْبَعَةٍ لَوْ نِصْفٌ وَسُدُسٌ وَخَمْسَةٍ كَثُلُثَيْنِ وَسُدُسٍ تَقْصِيرًا لِلْمَسَافَةِ

اگر وہ ایک ثلث اور سدس ہوں، اور چار سے ہوگی اگر سہام نصف اور سدس ہوں، اور پانچ سے تقسیم ہوگی اگر وہ دو ثلث اور ایک سدس ہوں۔ اور یہ مسافت کو کم کرنے کے لئے ہے (یعنی اختصار کے لئے ہے)۔

تقسیم کر دے، چنانچہ دونوں میں سے ہر ایک کے لئے نصف مال ہوگا۔ ''سیّد''۔

37480۔ (قولہ: لَوْ ثُلُثٌ وَسُدُسٌ) اگر سہام تہائی اور چھٹا حصہ ہوں، جیسا کہ دو اخیافی بھائی ماں کے ساتھ ہوں تو یہ مسئلہ بھی چھ سے چلے گا اور اخیافی بھائیوں کے لئے تیسرا حصہ اور ماں کے لئے چھٹا حصہ ہوگا۔ پس تو اسے ان کے حصص کے عدد کے مطابق تین سے بنالے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ تو اس کی طرف دیکھے جو اقل کی امثال اکثر میں ہیں اور اسے اس کے ساتھ ملا دے، پس ایک ثلث میں دو سدس ہیں، پس ان دونوں کو ماں کے سدس کے ساتھ ملا دے گا۔ (نتیجتاً مسئلہ تین سے چلے گا دو تہائی مال اخیافی بھائیوں کو ملے گا اور ایک تہائی ماں کو)۔ ''قاسم''۔

37481۔ (قولہ: لَوْ نِصْفٌ وَسُدُسٌ) مسئلہ چار سے چلے گا اگر سہام نصف اور سدس ہوں جیسا کہ ورثاء میں بیٹی اور ایک پوتی ہو یا ایک بیٹی اور ماں ہو۔ کیونکہ یہ مسئلہ بھی چھ سے ہے۔ اور مجموعی حصص جو اس سے لئے گئے ہیں وہ چار ہیں کہ تین حصے بیٹی کے لئے اور ایک حصہ پوتی کے لئے یا ماں کے لئے۔ پس تو مسئلہ تو چار سے بنالے اور ترکہ کو چار حصوں میں تقسیم کر دے اس میں سے تین چوتھائی بیٹی کے لئے اور ایک چوتھائی ماں یا پوتی کے لئے ہوگا۔ ''سید''۔

37482۔ (قولہ: كَثُلُثَيْنِ وَسُدُسٍ) اور مسئلہ پانچ سے چلے گا اگر سہام دو تہائی اور چھٹا حصہ ہوں جیسا کہ ورثاء میں دو بیٹیاں اور ماں ہو۔ بلاشبہ یہاں اسے کاف کے ساتھ ذکر کیا ہے لو کے ساتھ ذکر نہیں کیا جیسا کہ اس سے پہلے والوں میں ہے۔ اس لئے کہ مسئلہ پانچ سے ہونے کی تین صورتیں ہیں، ان میں سے دوسری نصف اور دو سدس ہے جیسا کہ جب بیٹی، پوتی اور ماں وارث ہوں اور تیسری نصف اور ثلث ہے جیسا کہ اس کی سگی بہن ماں کے ساتھ یا دو اخیافی بہنوں کے ساتھ وارث ہو۔ ان تینوں صورتوں میں بھی مسئلہ چھ سے چلے گا، اور وہ سہام جو اس سے لئے گئے ہیں وہ پانچ ہیں۔ پس تو اصل مسئلہ پانچ سے بنالے گا اور ترکہ پانچ حصوں میں تقسیم کرے گا۔

تنبیہ

مذکورہ طریقوں پر تقسیم اگر ورثاء پر درست اور برابر ہو جائے تو پھر وہی ہوگی۔ اور اگر وہ صحیح نہ ہو جیسا کہ جب وہ اپنے پیچھے ایک بیٹی اور تین پوتیاں چھوڑے تو بیٹی کے لئے تین حصے جو اس پر تقسیم ہوں گے اور پوتیوں کے لئے ایک سہم ہے اور وہ ان پر تقسیم نہیں ہو سکتا۔ پس تو تین کو ضرب دے، یعنی ان ورثاء کی تعداد کو جن پر ترکہ تقسیم نہیں ہو سکا اسے اصل مسئلہ میں ضرب دے اور اصل مسئلہ چار سے ہے، پس ضرب دینے سے وہ بارہ حصے ہو جائیں گے۔ ان میں سے بیٹی کے لئے نو ہوں گے اور پوتیوں کے لئے تین ہوں گے جو ان پر تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ ''سیّد''۔

(وَ) الثَّالِثُ (إِنْ كَانَ مَعَ الْأَوَّلِ) أَيِ الْجِنْسِ الْوَاحِدِ (مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ) وَهُوَ الزَّوْجَانِ (أُعْطِيَ) مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ (فَرْضَهُ مِنْ أَقَلِّ مَخَارِجِهِ وَقُسِمَ الثَّانِي عَلَى) رُءُوسِ (مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ كَزَوْجٍ وَثَلَاثِ بَنَاتٍ) فَهِيَ مِنْ أَرْبَعَةٍ لِلزَّوْجِ وَاحِدٌ وَبَقِيَ ثَلَاثَةٌ وَهِيَ تَسْتَقِيمُ عَلَيْهِنَّ فَلَا حَاجَةَ إِلَى الضَّرْبِ (وَإِنْ لَمْ يَسْتَقِمْ فَإِنْ وَافَقَ رُءُوسَهُمْ) أَيْ رُءُوسَ مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِمْ (كَزَوْجٍ وَسِتِّ بَنَاتٍ ضُرِبَ وَفْقُهَا) وَهُوَ هُنَا اثْنَانِ (فِي مَخْرَجِ فَرْضِ مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ) وَهُوَ هُنَا أَرْبَعَةٌ تَبْلُغُ ثَمَانِيَةً فَلِلزَّوْجِ اثْنَانِ وَلِلْبَنَاتِ سِتَّةٌ (وَإِلَّا) يُوَافِقْ بَلْ بَايَنَ (ضُرِبَ كُلُّ) عَدَدِ رُءُوسِهِمْ (فِيهِ) أَيِ الْمَخْرَجِ الْمَذْكُورِ

اور تیسری قسم یہ ہے کہ اگر پہلی قسم یعنی جنس واحد کے ساتھ وہ ہو جسے ترکہ میں سے دوبارہ نہیں دیا جاتا اور وہ زوجین یعنی خاوند یا بیوی ہے تو اسے جسے دوبارہ نہیں دیا جاتا اس کا مقررہ حصہ (فرض) اس کے اقل مخرج سے دیا جائے اور باقی ان وارثوں کی تعداد پر تقسیم کر دیا جائے جنہیں دوبارہ دیا جاتا ہے جیسا کہ جب خاوند اور تین بیٹیاں وارث ہوں، تو یہ مسئلہ چار سے ہوگا خاوند کے لئے ایک اور باقی تین حصے تین بیٹیوں پر تقسیم ہو جائیں گے اور اس میں ضرب کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں۔ اور اگر باقی کی تقسیم برابر نہ ہو تو اگر ان ورثاء کی تعداد میں توافق ہو جن پر رد کیا جاتا ہے جیسا کہ ورثاء میں خاوند اور چھ بیٹیاں ہوں تو پھر اس کے وفق کو اور وہ یہاں دو ہے اس کے فرض کے مخرج میں ضرب دی جائے جس پر رد نہیں کیا جا سکتا اور وہ یہاں چار ہے تو حاصل ضرب آٹھ ہوگا۔ پس آٹھ حصوں میں سے دو خاوند کے لئے ہوں گے اور چھ بیٹیوں کے لئے ہوں گے۔ اور اگر توافق نہ ہو بلکہ تباین ہو تو پھر ان ورثاء کی کل تعداد کو مذکورہ مخرج میں ضرب دی جائے

37483۔(قولہ: وَ الثَّالِثُ) یعنی چار اقسام میں سے تیسری قسم۔

37484۔(قولہ: وَقُسِمَ الثَّانِي عَلَى رُءُوسِ مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ) یعنی اس مخرج سے باقی بچ جانے والا ترکہ اس ایک جنس کی ذاتوں کی تعداد پر تقسیم کر دیا جائے گا جیسا کہ کل مال ان کی ذاتوں کی تعداد پر تقسیم کیا جاتا ہے جب وہ اس سے منفرد ہوں جس پر ترکہ رد نہیں کیا جاتا۔

37485۔(قولہ: فَهِيَ مِنْ أَرْبَعَةٍ) پس وہ چار سے ہے، اور اس کی اصل بارہ سے ہے۔ کیونکہ اس میں چوتھائی اور دو تہائی جمع ہیں۔ اور اسی کی مثل آنے والے دو مسئلے ہیں۔

37486۔(قولہ: وَإِنْ لَمْ يَسْتَقِمْ) اور اگر اس مخرج سے باقی تقسیم نہ ہو۔

37487۔(قولہ: ضُرِبَ وَفْقُهَا) یعنی ان کی ذاتوں کے وفق کو ضرب دی جائے۔

37488۔(قولہ: وَهُوَ هُنَا اثْنَانِ) اور وہ یہاں دو ہے۔ کیونکہ ذاتوں کی تعداد چھ ہے اور مخرج سے باقی تین ہے اور ان دونوں کے درمیان موافقت تہائی کے ساتھ ہے۔ اور یہاں مداخلت کا کوئی اعتبار نہیں ہے جیسا کہ اپنے محل میں معلوم ہوگا۔

37489۔(قولہ: وَإِلَّا يُوَافِقْ) یعنی اگر ان کی ذاتوں کے باقی عدد میں توافق نہ ہو۔

(كَزَوْجٍ وَخَمْسِ بَنَاتٍ) فَالْمَخْرَجُ هُنَا أَرْبَعَةٌ لِلزَّوْجِ وَاحِدٌ بَقِيَ ثَلَاثَةٌ تُبَايِنُ الْخَمْسَةَ فَاضْرِبْ الْأَرْبَعَةَ فِي الْخَمْسَةِ تَبْلُغُ عِشْرِينَ كَانَ لِلزَّوْجِ وَاحِدٌ اضْرِبْهُ فِي الْمَضْرُوبِ يَكُنْ خَمْسَةً فَهِيَ لَهُ وَالْبَاقِي ثَلَاثَةٌ اضْرِبْهَا فِي الْمَضْرُوبِ تَبْلُغُ خَمْسَةَ عَشَرَ فَلِكُلِّ بِنْتٍ ثَلَاثَةٌ (وَ) الرَّابِعُ (لَوْ كَانَ مَعَ الثَّانِي) أَيْ الْجِنْسَيْنِ فَقَطْ لَا أَكْثَرُ هُنَا بِحُكْمِ الِاسْتِقْرَاءِ إذْ لَا يُرَدُّ مَعَ أَرْبَعِ طَوَائِفَ أَصْلًا بِالِاسْتِقْرَاءِ وَلَعَلَّ هَذَا نُكْتَةُ اقْتِصَارِهِ فِيمَا مَرَّ

جیسا کہ جب ورثاء میں خاوند اور پانچ بیٹیاں ہوں، تو یہاں مخرج چار ہے اور اس میں سے خاوند کے لئے ایک ہے، باقی تین ہیں جو پانچ کے مباین ہیں (یعنی تین حصے پانچ بیٹیوں میں برابر تقسیم نہیں ہو سکتے) پس چار کو پانچ میں ضرب دو تو وہ بیس ہو جائیں گے، خاوند کے لئے ایک تھا اسے مضروب یعنی پانچ میں ضرب دی تو وہ پانچ ہو گئے پس وہی پانچ حصے خاوند کے لئے ہوں گے، اور باقی تین کو پانچ مضروب میں ضرب دو تو وہ پندرہ ہو جائیں گے پس ہر بیٹی کے لئے تین تین حصے ہوں گے۔ اور چوتھی قسم یہ ہے کہ اگر دوسری قسم کے ساتھ یعنی صرف دو جنسوں کے ساتھ، یہاں استقرا کے حکم کے مطابق دو سے زیادہ اجناس نہیں ہیں۔ کیونکہ استقرا سے یہ ثابت ہے کہ چار اجناس کے ساتھ بالکل رد نہیں کیا جا سکتا۔ شاید ''مصنف'' کے اس صورت میں جو متن میں گزر چکی ہے

37490۔ (قولہ: فَاضْرِبْ الْأَرْبَعَةَ فِي الْخَمْسَةِ) تو چار کو پانچ میں ضرب دے یہ اپنے سابق اور لاحق کے موافق ہے۔ پس تو پانچ کو چار میں ضرب دے۔ ''طحطاوی''۔ کیونکہ مضروب (جس کو ضرب دی گئی) وہ ذاتوں کا عدد پانچ ہے اور مضروب فیہ (جس میں ضرب دی گئی) وہ مخرج ہے اور وہ چار ہے۔

37491۔ (قولہ: وَالرَّابِعُ) مراد چار اقسام میں سے چوتھی قسم ہے۔

37492۔ (قولہ: هُنَا) یعنی جنہیں ترکہ دوبارہ نہیں دیا جا سکتا ان کے ان کے ساتھ جمع ہونے کے مسائل میں جنہیں دوبارہ ترکہ دیا جا سکتا ہے۔ رہا ان کا منفرد ہونا جن پر رد کیا جا سکتا ہے تو وہ کبھی تین اجناس سے ہوتا ہے جیسا کہ ''شارح'' نے اس کے بارے پہلے تصریح کر دی ہے۔ اور وہ نصف اور دو سدس کے جمع ہونے کی صورت میں ہے۔

37493۔ (قولہ: إذْ لَا يُرَدُّ مَعَ أَرْبَعِ طَوَائِفَ أَصْلًا) کیونکہ چار اجناس کے ساتھ تو بالکل رد نہیں کیا جا سکتا، یعنی برابر ہے ان میں سے ایک وہ ہو جسے ترکہ دوبارہ نہیں دیا جا سکتا اور باقی تین ان میں سے ہوں جن پر رد کیا جا سکتا ہے، یا چاروں ان میں سے ہوں جن میں رد کیا جا سکتا ہے۔

37494۔ (قولہ: وَلَعَلَّ هَذَا) یعنی دو جنسوں سے زیادہ پر رد کا نہ پایا جانا۔

حاصل کلام

اس کا حاصل یہ ہے کہ ''مصنف'' نے دوسری قسم میں دو جنسوں پر اقتصار کیا ہے جیسا کہ اس میں کہا ہے جو گزر چکا ہے: اور اگر دو جنسیں ہوں، اس کے باوجود کہ وہ تین بھی ہوتی ہیں تا کہ یہاں ان کا قول: ولو کان مع الثانی الخ صحیح ہو جائے۔ کیونکہ

مَتْنًا عَلَى الْجِنْسَيْنِ وَإِلَّا فَيُرَادُ بِالثَّانِي بَعْضُهُ لَا كُلُّهُ فَتَأَمَّلْ (مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ فَاقْسِمِ الْبَاقِيَ) مِنْ مَخْرَجِ فَرْضِ مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ (عَلَى مَسْأَلَةِ مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ) إِنِ اسْتَقَامَ (كَزَوْجَةٍ وَأَرْبَعِ جَدَّاتٍ وَسِتِّ أَخَوَاتٍ لِأُمٍّ فَمَخْرَجُ مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ أَرْبَعَةٌ لِلزَّوْجَةِ وَاحِدٌ بَقِيَ ثَلَاثَةٌ تَسْتَقِيمُ عَلَى سَهْمِ الْجَدَّاتِ

دوجنسوں پر اقتصار کرنے کا نکتہ یہی ہے۔ ورنہ پھر دوسری قسم کی بعض صورتیں مراد ہوں گی نہ کہ تمام صورتیں۔ پس اس میں غور کرلو۔ وہ ہو جس پر ترکہ رد نہیں کیا جاتا تو اس کا مقررہ حصہ نکالنے کے بعد جو باقی بچے اسے ان کے مسئلہ پر تقسیم کر دو جنہیں ترکہ دوبارہ دیا جاسکتا ہے اگر تقسیم درست ہو جیسا کہ ورثا میں بیوی اور چار دادیاں اور چھ اخیافی بہنیں ہوں، تو جن پر رد نہیں ہوسکتا ان کا مخرج چار ہے۔ پس بیوی کے لئے اس میں سے ایک ہے باقی تین دادیوں کے ایک حصہ پر

یہ صحیح نہیں ہے کہ اس سے تین کا ارادہ کیا جائے۔ یہاں تک کہ اگر وہ گزشتہ کلام میں دوجنسوں پر اقتصار نہ کرتے اس طرح کہ وہ تین اجناس کا ذکر کرتے جیسا کہ ''المنتقی'' میں کیا ہے تو پھر واجب ہے کہ یہاں دوسری قسم سے اس کا بعض مراد لیا جائے، اور وہ دوجنسیں ہیں، نہ کہ اس کا کل مراد لیا جائے اور وہ تین اجناس ہیں۔ پس گزشتہ کلام میں ان کا دوجنسوں پر اقتصار کرنا اس لئے نہیں کہ وہاں تین اجناس آتی ہی نہیں، بلکہ اس لئے ہے کہ اس استقرا کے حکم کے مطابق یہاں وہ نہیں آئیں جسے ''شارح'' نے ''السید'' وغیرہ کی اتباع کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ صحیح ہے کہ اگر استقرا کو تسلیم کیا جائے، اور وہ تسلیم نہیں۔ کیونکہ مسئلہ رد یہ پایا گیا ہے جس میں چار اجناس جمع ہیں جیسا کہ جب ورثاء میں بیوی، بیٹی، پوتی اور ماں یا دادی ہو۔ اس مسئلہ کی اصل چوبیس سے ہے۔ بیوی کے لئے آٹھواں حصہ یعنی چوبیس میں سے تین، بیٹی کے لئے نصف یعنی بارہ، پوتی کے لئے دوثلث کی تکمیل کے لئے چھٹا حصہ یعنی چار، اور ماں یا دادی کے لئے بھی چھٹا حصہ یعنی چار ہیں۔ ایک باقی بچ جاتا ہے جسے بیوی کے علاوہ دوسروں پر رد کیا جائے گا اور وہ دوسرے تین اجناس ہیں۔ اور مسئلہ چالیس سے صحیح ہوگا جیسا کہ میں نے اسے ''الرحیق المختوم'' میں ذکر کیا ہے۔ پھر میں نے اسے وہاں ''حاشیہ یعقوب'' اور ''شرح ابن الحنبلی'' میں دیکھا ہے۔ اور ''یعقوب'' نے کہا ہے: بلاشبہ یہ اس قدیمی شبہ میں سے ہے جو اس مقام پر وارد کیا جاتا ہے۔ اور اسی بنا پر ''مصنف'' پر لازم تھا کہ وہ دوسری قسم میں تین اجناس کا ذکر کرتے۔ اور یہاں اس کے بارے ان کے کلام میں اس کا کل مراد لیا جاتا نہ کہ اس کا بعض۔ اور اسی کو علامہ ''قاسم'' اور ''الباقانی'' وغیرہ نے اختیار کیا ہے اگرچہ ''شارح'' نے ''الدر المنتقی'' میں ان پر اعتراض کیا ہے اور ان پر سہو کا حکم لگایا ہے۔ بلاشبہ ان کے کلام میں سہو نہیں ہے بلکہ وہ درست ہے جیسا کہ آپ نے جان لیا ہے۔ پس اس پر آگاہ رہو یہ وہ مقام ہے جہاں قدم پھسلے ہیں۔

37495۔ (قولہ: إِنِ اسْتَقَامَ) اگر ان کے مسئلہ یعنی ان کے سہام اور حصص پر تقسیم درست ہو جن پر رد کیا جاسکتا ہے، برابر ہے ان کی ذاتوں کی تعداد پر بھی تقسیم درست ہو یا نہ ہو۔ پس دوسری وہ ہے جس کے ساتھ ''مصنف'' نے مثال بیان کی ہے اور پہلی جیسا کہ جب بیوی، دادی اور دو اخیافی بہنیں وارث ہوں۔ کیونکہ بیوی کا مقررہ حصہ مخرج سے نکالنے کے بعد باقی

وَسِهَامُ الْأَخَوَاتِ لَكِنَّهُ مُنْكَسِرٌ عَلَى آحَادِ كُلِّ فَرِيقٍ كَمَا سَيَجِيءُ (وَإِنْ لَمْ يَسْتَقِمْ ضَرَبَ جَمِيعَ مَسْأَلَةِ مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ فِي مَخْرَجِ مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ) فَالْمَبْلَغُ الْحَاصِلُ بِهَذَا الضَّرْبِ مَخْرَجُ فُرُوضِ الْفَرِيقَيْنِ كَأَرْبَعِ زَوْجَاتٍ وَتِسْعِ بَنَاتٍ وَسِتِّ جَدَّاتٍ فَمَخْرَجُ مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ ثَمَانِيَةٌ لِلزَّوْجَاتِ الثُّمُنُ وَاحِدٌ

اور بہنوں کے دو حصوں پر تقسیم ہوں گے۔ لیکن وہ ہر فریق کے افراد پر ٹوٹ جائیں گے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ اور اگر تقسیم درست نہ ہو تو جن پر رد صحیح ہوتا ہے ان کے کل مسئلہ کو ان کے مخرج میں ضرب دی جائے جن پر رد صحیح نہیں ہوتا تو اس ضرب کا ماحاصل دونوں فریضوں کے فروض اور حصص کا مخرج ہوگا جیسا کہ جب ورثا میں چار بیویاں، نو بیٹیاں، اور چھ دادیاں ہوں تو جن پر رد نہیں ہوسکتا ان کا مخرج آٹھ ہے۔ پس بیویوں کے لئے ایک آٹھواں حصہ ہوگا۔

بچ جانے والے تین دادی کے ایک سہم اور دو بہنوں کے دو حصوں پر تقسیم ہوسکتے ہیں اور ان کی ذاتوں پر بھی تقسیم ہوسکتے ہیں۔

37496۔ (قولہ: مُنْكَسِرٌ عَلَى آحَادِ كُلِّ فَرِيقٍ) لیکن وہ ہر فریق کے افراد کے انفرادی عدد پر ٹوٹ جاتا ہے۔ کیونکہ چار دادیوں کا حصہ ایک ہے جو ان پر برابر تقسیم نہیں ہوسکتا بلکہ ان دونوں (یعنی عدد اور سہم) کے درمیان تباین ہے اور ہم نے ان کی ذاتوں کے عدد کو مکمل طور پر محفوظ کیا ہے۔ اور اسی طرح چھ بہنوں کا حصہ دو ہے اور وہ دو ان پر تقسیم نہیں ہوسکتے۔ لیکن ان کی ذاتوں کی تعداد اور ان کے سہام کے درمیان نصف کے ساتھ موافقت ہے۔ لہٰذا ہم نے بہنوں کی ذاتوں کے عدد کو ان کے نصف کی طرف لوٹا دیا اور وہ تین ہے، پھر ہم نے ذاتوں کے اعداد اور ذاتوں کے درمیان توافق کو تلاش کیا تو ہم نے اسے نہیں پایا، چنانچہ ہم نے بہنوں کی ذاتوں کے وفق کو اور وہ تین ہے دادیوں کی ذاتوں کے عدد میں ضرب دی اور وہ چار ہے تو حاصل ضرب بارہ ہوا پھر ہم نے اسے اس چار میں ضرب دی جو اس کے فرض اور حصہ کا مخرج ہے جس پر رد نہیں ہوسکتا۔ پس اس کا حاصل ضرب اڑتالیس ہوا، تو پھر اس سے مسئلہ صحیح ہوجائے گا۔ بیوی کے لئے حصہ ایک تھا تو ہم نے اسے اس مضروب میں ضرب دی جو بارہ ہے، وہ متغیر نہیں ہوا، چنانچہ ہم نے اڑتالیس میں سے بارہ بیوی کو دے دیئے، اور دادیوں کا بھی ایک ہے۔ ہم نے اسے بھی اسی مضروب میں ضرب دی اور وہ بارہ ہوا، پس ان چار میں سے ہر ایک کے لئے تین ہوئے۔ اور اخیافی بہنوں کے لئے دو ہیں تو ہم نے ان دو کو اس مضروب میں ضرب دی تو حاصل ضرب چوبیس ہوا، پس ان میں سے ہر ایک کے لئے چار حصے ہوئے۔ ''سید''۔

37497۔ (قولہ: الْفَرِيقَيْنِ) یعنی ایک فریق ان کا جن پر رد کیا جاسکتا ہے اور دوسرا فریق ان کا جن پر رد نہیں کیا جاسکتا۔ ''طحطاوی''۔

37498۔ (قولہ: كَأَرْبَعِ زَوْجَاتٍ الخ) اس مسئلہ کی اصل چوبیس سے ہے اس لئے کہ ثمن (آٹھواں حصہ) دو ثلث اور ایک سدس کے ساتھ ملا ہوا ہے، لیکن یہ مسئلہ ردیہ ہے۔ پس ہم نے اسے اس کے فرض کے اقل مخارج کی طرف رد کیا ہے جس پر رد نہیں ہوتا اور وہ آٹھ ہے۔ ''سید''۔

بَقِيَ سَبْعَةٌ لَا تَسْتَقِيمُ عَلَى مَسْأَلَةِ مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ وَهِيَ هُنَا خَمْسَةٌ لِأَنَّ الْفَرْضَيْنِ ثُلُثَانِ وَسُدُسٌ فَاضْرِبْ الْخَمْسَةَ فِي الثَّمَانِيَةِ تَبْلُغُ أَرْبَعِينَ فَهِيَ مَخْرَجُ فُرُوضِ الْفَرِيقَيْنِ (ثُمَّ ضَرَبْتَ سِهَامَ مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ) وَهُوَ سَهْمٌ لِلزَّوْجَاتِ (فِي) خَمْسَةِ (مَسْأَلَةِ مَنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ) يَكُنْ خَمْسَةً فَهِيَ حَقُّ الزَّوْجَاتِ الْأَرْبَعِ مِنَ الْأَرْبَعِينَ وَاضْرِبْ سِهَامَ كُلِّ فَرِيقٍ مِمَّنْ يُرَدُّ عَلَيْهِ وَهِيَ أَرْبَعٌ لِلْبَنَاتِ وَسَهْمٌ لِلْجَدَّاتِ (فِيمَا بَقِيَ) أَيْ فِي السَّبْعَةِ الْبَاقِيَةِ (مِنْ مَخْرَجِ فَرْضِ مَنْ لَا يُرَدُّ عَلَيْهِ) يَكُنْ لِلْبَنَاتِ ثَمَانِيَةٌ وَعِشْرُونَ، وَلِلْجَدَّاتِ سَبْعَةٌ فَاسْتَقَامَ فَرْضُ كُلِّ فَرِيقٍ لَكِنَّهُ مُنْكَسِرٌ عَلَى آحَادِ كُلِّ فَرِيقٍ

باقی سات رہ جاتے ہیں اور وہ ان کے مسئلہ پر تقسیم نہیں ہو سکتے جن پر رد کیا جا سکتا ہے۔ اور وہ مسئلہ یہاں پانچ ہے۔ کیونکہ دو فرض ہیں یعنی ثلث اور ایک سدس۔ لہٰذا پانچ کو آٹھ میں ضرب دو تو وہ چالیس ہو جائیں گے۔ پس یہی دونوں فریقوں کے فروض اور حصص کا مخرج ہے پھر ان کے سہام کو جن پر رد نہیں کیا جا سکتا اور وہ بیویوں کا سہم اور حصہ ہے پانچ میں یعنی ان کے مسئلہ میں ضرب دو جن میں رد ہو سکتا ہے تو وہ ایک کو پانچ میں ضرب دینے سے حاصل ضرب پانچ ہوا۔ پس وہی چار بیویوں کا چالیس میں سے حق ہے۔ اور جن پر رد ہو سکتا ہے اور وہ چار بیٹیاں اور دادیوں کا ایک حصہ ہے۔ ان میں سے ہر فریق کے حصص کو مابقی یعنی باقی رہنے والے سات میں ضرب دو۔ مراد وہ سات ہیں جو آٹھ سے ان کا حصہ نکالنے کے بعد باقی بچے تھے جن پر رد صحیح نہیں ہوتا تو حاصل ضرب پینتیس ہو جائے گا، ان میں سے بیٹیوں کے لئے اٹھائیس اور دادیوں کے لئے سات ہوں گے۔ پس ہر فریق کا حصہ صحیح ہو گیا۔ لیکن ہر فریق کے افراد پر وہ ٹوٹ گیا ہے۔

37499۔ (قولہ: ثُلُثَانِ وَسُدُسٌ) پس دو ثلث بیٹیوں کا حصہ ہے چار سدس کے ساتھ، اور ایک سدس دادیوں کا حصہ ہے اور یہ مجموعی طور پر پانچ سدس ہوئے۔ یہی رد کا مسئلہ ہے۔

37500۔ (قولہ: ثُمَّ ضَرَبْتَ الخ) یہ اس مقدار سے ورثاء میں سے ہر فریق کے حصہ کی پہچان میں شروع ہو رہے ہیں۔ "طحطاوی"۔

37501۔ (قولہ: وَاضْرِبْ) اس میں اولیٰ اور بہتر "و ضربت ماضی کے ساتھ" ہے تا کہ یہ معطوف علیہ کے مناسب اور موافق ہو جائے۔

37502۔ (قولہ: فَاسْتَقَامَ فَرْضُ كُلِّ فَرِيقٍ) پس وہ ہر فریق کا فرض (حصہ) تقسیم کرے یعنی وہ جن پر رد ہو سکتا ہے اور وہ جن پر رد نہیں ہو سکتا۔

37503۔ (قولہ: لَكِنَّهُ مُنْكَسِرٌ الخ) لیکن وہ ٹوٹ جاتا ہے، یعنی اگر چہ ان کے سہام اور حصص پر تقسیم صحیح ہے لیکن وہ ان ذاتوں پر ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اگر مسئلہ بیوی، سات بیٹیوں اور سات دادیوں کا ہو تو عمل مکمل ہو جاتا ہے اور آنے والی تصحیح کی حاجت نہیں رہتی۔

فَصَحِّحْهُ بِالْأُصُولِ السَّبْعَةِ الْآتِيَةِ فِي بَابِ الْمَخَارِجِ تَصِحُّ مِنْ أَلْفٍ وَأَرْبَعِمِائَةٍ وَأَرْبَعِينَ وَتَصِحُّ الْأُولَى مِنْ ثَمَانِيَةٍ وَأَرْبَعِينَ وَلَوْلَا خَشْيَةُ الْإِطَالَةِ لَأَوْسَعْتُ الْكَلَامَ هُنَا

پس تو اسے باب المخارج میں آنے والے سات اصولوں کے ساتھ صحیح کرلے۔ پس ہر فرد کا حصہ ایک ہزار چار سو چالیس سے صحیح ہوتا ہے، اور پہلا مسئلہ اڑتالیس سے صحیح ہوتا ہے۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو میں یہاں مزید تفصیل سے کلام کرتا۔

37504۔ (قولہ: فَصَحِّحْهُ بِالْأُصُولِ السَّبْعَةِ الخ) پس تو اس کی سات اصول کے ساتھ تصحیح کرالخ، ان میں سے تین ہر فریق کے حصص اور ان کی ذاتوں کے درمیان ہیں۔ اور وہ انقسام، توافق اور تباین ہیں۔ اور چار ذاتوں اور ان میں سے بعض کے بعض کے ساتھ ہونے کے درمیان ہیں اور وہ تماثل، تداخل، توافق اور تباین ہیں۔ ''حلبی''۔ پس ہمارے مسئلہ میں بیویوں کے لئے پانچ ہیں اور ان کی تعداد چار ہے ان کی ان پر تقسیم صحیح نہیں ہے اور توافق بھی نہیں ہے۔ اور دادیوں کے لئے سات ہیں اور ان کی تعداد چھ ہے ان پر تقسیم صحیح نہیں ہے اور توافق بھی نہیں ہے۔ اور بیٹیوں کے لئے اٹھائیس ہیں اور ان کی تعداد نو ہے ان پر تقسیم صحیح نہیں ہے اور نہ توافق ہے۔ پس ہمارے پاس چار، چھ اور نو ذاتیں جمع ہوئیں۔ اور چار اور چھ کے درمیان نصف کے ساتھ موافقت ہے۔ پس تو ایک کے نصف کو دوسرے کے کل میں ضرب دے تو وہ حاصل ضرب بارہ ہوگا۔ اور پھر بارہ اور نو کے درمیان ثلث (تہائی) کی موافقت ہے۔ پس تو ایک کے ثلث کو دوسرے کے کل میں ضرب دے تو حاصل ضرب چھتیس ہوگا اور یہی سہم کا جز ہے۔ پس تو اسے چالیس میں ضرب دے گا تو حاصل ضرب ایک ہزار چار سو چالیس ہوگا۔ اس سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔ ہر وہ جس کے لئے چالیس میں سے کوئی شے ہے وہ اسے سہم کے جز میں ضرب دے کر لے گا تو اس کا حصہ نکل آئے گا۔ پس بیویوں کے لئے پانچ کو چھتیس میں ضرب دینے سے ایک سو اسی (180) اور ہر ایک کے لئے پینتالیس ہوں گے، اور دادیوں کے لئے سات کو چھتیس میں ضرب دینے سے دو سو باون (252) اور ہر ایک کے لئے بیالیس (42) ہوں گے، اور بیٹیوں کے لئے اٹھائیس کو چھتیس میں ضرب دینے سے ایک ہزار آٹھ (1008) اور ہر ایک کے لئے ایک سو بارہ (112) حصص ہوں گے۔ ''سکب الانہر''۔

37505۔ (قولہ: وَتَصِحُّ الْأُولَى مِنْ ثَمَانِيَةٍ وَأَرْبَعِينَ) اور پہلا مسئلہ اڑتالیس سے صحیح ہو جاتا ہے، ہم نے اس سے اس کی تصحیح پوری تفصیل کے ساتھ پہلے بیان کر دی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ تَوْرِيثِ ذَوِي الْأَرْحَامِ

(هُوَ كُلُّ قَرِيبٍ لَيْسَ بِذِي سَهْمٍ وَلَا عَصَبَةٍ) فَهُوَ قِسْمٌ ثَالِثٌ حِينَئِذٍ (وَلَا يَرِثُ مَعَ ذِي سَهْمٍ وَلَا عَصَبَةٍ سِوَى الزَّوْجَيْنِ) لِعَدَمِ الرَّدِّ عَلَيْهِمَا (فَيَأْخُذُ الْمُنْفَرِدُ جَمِيعَ الْمَالِ) بِالْقَرَابَةِ (وَيَحْجُبُ أَقْرَبُهُمُ الْأَبْعَدَ)

ذوی رحم محرم کی وراثت کے احکام

ذورحم سے مراد ہر وہ قریبی ہے جو صاحب فرض (مقررہ حصہ والا) اور عصبہ نہ ہو۔ پس یہ ورثا کی تیسری قسم ہے۔ اور ذورحم صاحب فرض اور عصبہ کے ساتھ وارث نہیں ہوتا سوائے زوجین کے، کیونکہ زوجین پر رد نہیں ہوسکتا۔ پس ذورحم منفرد ہو تو وہ قرابت کے سبب تمام مال لے گا۔ اور ان میں سے اقرب ابعد کے لئے حاجب ہوتا ہے

ذورحم کا لغوی معنی اور اصطلاحی تعریف

37506۔ (قولہ: هُوَ كُلُّ قَرِيبٍ الخ) یعنی اصطلاحاً ذورحم سے مراد ہر وہ قرابتدار ہے جس کے لئے میراث میں نہ تو مقررہ حصہ (فرض) ہو اور نہ ہی وہ عصبہ ہو۔ رہا لغوی معنی، تو اس سے مراد مطلق قرابتدار ہے۔ ''سید''۔ یعنی برابر ہے وہ صاحب فرض ہو یا عصبہ ہو یا ان دونوں کے سوا ہو، یا برابر ہے میت اس کی طرف منسوب ہو یا وہ میت کی طرف یا اس کے اصول کی طرف منسوب ہو۔

37507۔ (قولہ: فَيَأْخُذُ الْمُنْفَرِدُ) یعنی ان میں سے ایک کسی بھی نوع سے ہو تو وہ سارا مال لے گا، یا زوجین میں سے کسی ایک کا حصہ نکالنے کے بعد جو مال ہوگا وہ لے گا۔

37508۔ (قولہ: بِالْقَرَابَةِ) اس کے ساتھ اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ہمارے نزدیک ذوی الارحام کی توریث قرابت کے اعتبار سے ہے جیسا کہ عصبہ قرابت کے سبب بنایا جاتا ہے۔ پس جو قرابت کے اعتبار سے اقوی ہو اسے مقدم کیا جاتا ہے چاہے وہ قرب درجہ کے سبب ہو یا قوۃ سبب کے ساتھ ہو۔ اور منفرد کل مال لے گا۔ اسی لئے ہمارے علماء نے اہل قرابۃ نام رکھا ہے۔ اور ایک جماعت معلق کو استحقاق میں معلق بہ کے درجہ میں اتارنے کی طرف گئی ہے اور وہ اہل تنزیل کا نام دیتے ہیں۔ اور ایک قوم نے بغیر تنزیل کے قریب و بعید کے درمیان مساوات اور برابری کو اختیار کیا ہے اور انہیں اہل الرحم کہتے ہیں۔ ثمرہ اختلاف کے ساتھ اس کی تفصیل ''شرح السید'' میں ہے۔

ذوی الارحام میں سے زیادہ قریبی، بعیدی کے لیے حاجب ہوتا ہے

37509۔ (قولہ: وَيَحْجُبُ أَقْرَبُهُمُ الْأَبْعَدَ) اور ان میں سے زیادہ قریبی بعیدی کے لئے حاجب ہوتا ہے، چاہے وہ ان کی مختلف انواع جمع ہونے کے وقت تک نوع ہو یا ایک نوع کے کئی افراد جمع ہونے کے وقت ایک فرد ہو۔ اسے ''قاسم''

كَتَرْتِيبِ الْعَصَبَاتِ فَهُمْ أَرْبَعَةُ أَصْنَافٍ جُزْءُ الْمَيِّتِ، ثُمَّ أَصْلُهُ ثُمَّ جُزْءُ أَبَوَيْهِ ثُمَّ جُزْءُ جَدَّيْهِ أَوْ جَدَّتَيْهِ (وَ) حِينَئِذٍ (يُقَدَّمُ) جُزْءُ الْمَيِّتِ

جیسا کہ عصبات کی ترتیب ہے۔ اور ذوالارحام کی چار انواع ہیں میت کا جز، پھر اس کی اصل، پھر اس کے والدین کا جز، پھر اس کے اجداد (دادا، نانا) یا جدات (دادی، نانی) کا جز۔ اور اس وقت میت کے جز کو مقدم کیا جائے گا۔

نے بیان کیا ہے۔ پس پہلے میں اشارہ جہت کے ساتھ ترجیح کی طرف ہے، اور دوسرے میں قرب درجہ اور قوت کے سبب ترجیح کی طرف ہے۔ اور اگر ''مصنف'' اسے اپنے قول: ویقدم أولاد البنات الخ سے موخر ذکر کرتے تو وہ تین جہتوں کے ساتھ ترجیح کی ترتیب کے مطابق ہو جاتا جیسا کہ عصبات میں گزر چکا ہے۔ اور وہ جہت کے ساتھ ترجیح کا اعتبار ہے، پھر قرب کے ساتھ اور پھر قوت کے ساتھ، اور اس تیسری کی طرف اپنے قول: قدم ولد الوارث کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔

ذوی الارحام کی انواع اور ترتیب

37510۔ (قولہ: كَتَرْتِيبِ الْعَصَبَاتِ) جیسا کہ عصبات کی ترتیب ہے۔ پس دوسری نوع سے کوئی وارث نہ ہوگا اگرچہ وہ قریب ہو۔ درآنحالیکہ وہاں پہلی صنف میں سے کوئی ایک ہو اگرچہ وہ بعید ہو، اور اسی طرح دوسری کے ساتھ تیسری نوع میں سے اور تیسری کے ساتھ چوتھی میں سے کوئی وارث نہیں ہو سکتا۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ ''درمنتقی''۔

37511۔ (قولہ: ثُمَّ أَصْلُهُ) پھر اس کی اصل، یہی ظاہر روایت ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت اسے صنف اول پر مقدم کرنے کی ہے، لیکن اس سے آپ کا رجوع کر لینا صحیح ہے۔ ''قاسم''۔ اور ''الاختیار'' میں اسی روایت کو ذکر کیا ہے جس سے رجوع کر لیا گیا ہے۔ اسی لئے ''الدر المنتقی'' میں کہا ہے: پس جسے ''الاختیار'' میں مقدم کیا ہے وہ مختار نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: اس بنا پر کہ وہ اس کے بعد اس کے خلاف پر چلے ہیں۔

37512۔ (قولہ: يُقَدَّمُ جُزْءُ الْمَيِّتِ الخ) میت کے جز کو مقدم کیا جائے گا، یہی صنف اول ہے۔ تمام کلام اسی نوع کے بارے میں ہے کہ وہ یا تو درجہ میں متفاوت ہوں گے یا نہیں۔ سو اگر وہ متفاوت ہوں تو ان میں سے زیادہ قریبی کو مقدم کیا جائے اگرچہ وہ مؤنث ہو جیسے بیٹی کی بیٹی (نواسی) اور نواسی کا بیٹا، اور اگر وہ متفاوت نہ ہوں تو پھر ان میں سے بعض وارث کی اولاد ہوں گے اور بعض نہیں، یا تمام وارث کی اولاد ہوں گے یا تمام غیر وارث کی اولاد ہوں گے۔ پس پہلی صورت میں بالاتفاق وارث کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا جیسا کہ پوتی کی بیٹی کو نواسی کے بیٹے پر مقدم کیا جائے گا۔ اور آخری دونوں صورتوں میں یا تو مذکر یا مؤنث ہونے میں اصول کی صفت متفق ہوگی یا مختلف ہوگی۔ سو اگر صفت متفق ہو تو بالاتفاق فروع کے ابدان پر تقسیم مساوات اور برابری کے ساتھ ہوگی اگر وہ صرف مذکر ہوں یا صرف مؤنث ہوں جیسا کہ پوتی کا بیٹا اپنی مثل کے ساتھ یعنی دوسرے بیٹے کی بیٹی کے بیٹے کے ساتھ اور جیسا کہ نواسی کی بیٹی اپنی مثل کے ساتھ۔ اور ایک مذکر کے لئے دو مؤنث کے برابر

وَهُمْ (أَوْلَادُ الْبَنَاتِ وَأَوْلَادُ بَنَاتِ الِابْنِ) وَإِنْ سَفَلُوا بِهَذِهِ الصُّورَةِ

بِنْتُ	بِنْتِ	بِنْتِ
بِنْتِ	بِنْتِ	ابْنِ
بِنْتِ	ابْنِ	بِنْتِ
ابْنِي	بِنْتِ	بِنْتِي
6	6	16

بِهَذِهِ الصُّورَةِ

بِنْتُ	بِنْتِ	بِنْتِ
بِنْتِ	ابْنِ	بِنْتِ
بِنْتِي		ابْنِ
22		6

اور وہ بیٹیوں کی اولاد اور پوتیوں کی اولاد ہے اگر چہ وہ نیچے تک ہو۔ جیسا کہ مذکورہ صورتوں سے ظاہر ہے۔

حصہ ہوگا اگر وہ مخلوط ہوں جیسا کہ نواسہ اور نواسی ہو اور اگر اصول کی صفت بطن (خاندان) یا اکثر میں مختلف ہو۔ تو پھر یا تو فروع ایک ایک ہوں گی اس طرح کہ ہر اصل کی ایک فرع ہوگی یا وہ متعدد ہوں گی اور ہر صورت پر یا تو فروع میں کوئی دو جہتوں والا ہو گا یا نہیں ہوگا۔ پھر اگر وہ ایک ایک ہو اور ان میں کوئی بھی دو جہتوں والا نہ ہو جیسا کہ نواسے کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا تو امام "ابو یوسف" رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بھی فروع کے ابدان پر مال کو تقسیم کیا ہے۔ پس اس کا ایک ثلث مؤنث کے لئے اور دو ثلث مذکر کے لئے ہوں گے۔ اور امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ بطن پر تقسیم کرتے ہیں جو مختلف ہے اور وہ یہاں دوسرا بطن ہے۔ اور ہر اصل کے حصہ میں جو آئے وہ اس کی فرع کو دیتے ہیں اگر اس کے بعد اختلاف واقع نہ ہو جیسا کہ مذکورہ مثال میں ہے۔ تو اس وقت مؤنث کے لئے مال کے دو ثلث ہوں گے جو اس کے باپ کا حصہ ہے اور مذکر کے لئے ایک ثلث ہوگا جو اس کی ماں کا حصہ ہے۔ پس یہ اس کے برعکس ہے جو امام "ابو یوسف" رحمۃ اللہ علیہ نے تقسیم کی ہے۔ لیکن جب اس کے بعد دوسرے بطن میں یا اکثر میں مذکر اور مؤنث ہونے کے اعتبار سے اختلاف واقع ہو جائے تو امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ نے اس اعلیٰ بطن پر جس میں اختلاف ہے تقسیم کرنے کے بعد مردوں کا ایک گروہ بنا دیا ہے اور عورتوں کا ایک گروہ بنا دیا ہے۔ اور ہر گروہ کا حصہ اس اعلیٰ بطن پر تقسیم کیا ہے جس سے اختلاف کیا گیا ہے۔ اسی طرح ہے جیسا کہ عنقریب ظاہر ہوگا۔ اور اگر مختلف اصول کی فروع ان میں سے کل یا بعض متعدد ہوں اور ان میں دو جہتوں والا بھی کوئی نہ ہو جیسا کہ نواسی کے دو بیٹے، اور نواسی کے بیٹے کی بیٹی، اور نواسے کی بیٹی کی دو بیٹیاں تو امام

''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ فروع کے ابدان پر تقسیم میں اپنے اصل پر چلے ہیں۔ پس وہ ان پر مال سات حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ اصل کو اپنی صفت کے ساتھ موصوف بناتے ہیں جو کہ فروع کے عدد کے ساتھ متعدد ہے، اور اسے خلاف کے اعلیٰ پر تقسیم کرتے ہیں یعنی بطن ثانی میں سات حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ کیونکہ دوسرے بطن میں پہلی بیٹی اپنی فرع کے متعدد ہونے کی وجہ سے دو بیٹیوں کی مثل ہے۔ کیونکہ اس کی آخری فرع دو بیٹے ہیں۔ اور اس میں دوسری بیٹی اپنے حال پر ہے۔ کیونکہ اس کی فرع میں تعدد نہیں ہے۔ اور اس میں بیٹا اپنی آخری فرع متعدد ہونے کی وجہ سے دو بیٹوں کی مثل ہے، پس وہ چار بیٹیوں کی مثل ہو گیا۔ سو اس کے لئے سات میں سے چار حصے ہوں گے اور دو بیٹیوں کے لئے سات میں سے تین ہوں گے، پھر ہم نے مذکروں کا ایک گروہ اور مونثوں کا دوسرا گروہ بنا دیا، اور ہم نے بیٹے کے سات میں سے چار حصے اس کی بیٹی کے دو بیٹوں کو دے دیئے اور دو بیٹیوں کے سات میں سے تین حصے ان کی اولاد کو دے دیئے۔ اور وہ دونوں بیٹی اور بیٹا تیسرے بطن میں ان دونوں کے درمیان برابر ہیں۔ کیونکہ بیٹی اپنی فرع کے تعدد کی وجہ سے دو بیٹیوں کی مثل ہے۔ تحقیق وہ بیٹے کے مساوی ہے اور اس کے ساتھ چار ذاتوں (افراد) کی مثل ہو گئی۔ اور چار پر تین کی تقسیم صحیح نہیں ہوتی اور متباین ہوتی ہے۔ پس تو چار ذاتوں کے عدد کو اصل مسئلہ سات میں ضرب دے تو حاصل ضرب اٹھائیس ہو گا، اور نواسے کی بیٹی کی دو بیٹیوں کے لئے چار حصے تھے۔ پس تو انہیں مذکورہ چار میں ضرب دے گا تو وہ سولہ بن جائیں گے اور یہی ان دونوں کے لئے ہوں گے۔

اور بطن ثانی میں دو بیٹیوں کے لئے جو تین تھے انہیں بھی مذکورہ چار میں ضرب دے گا تو وہ بارہ بن جائیں گے تو انہیں بطن ثالث میں بیٹی اور بیٹے دونوں کے درمیان برابر برابر تقسیم کرے گا اسی وجہ سے جو پہلے گزر چکی ہے۔ پس بیٹی کے لئے چھ ہوں گے جو اس کے دو بیٹوں کو دے دے گا، اور بیٹے کے لئے چھ ہوں گے جو اس کی بیٹی کو دے دے گا، اور اگر فروع میں کوئی دو جہتوں والا ہو جیسا کہ نواسی کی دو بیٹیاں وہی دونوں نواسے کی دو بیٹیاں ہوں اور ان دونوں کے ساتھ ایک دوسری نواسی کا بیٹا ہو تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فروع کے ابدان میں جہات کا اعتبار کیا ہے۔ پس انہوں نے دو بیٹیوں کو چار بیٹیوں کی مثل قرار دیا ہے کہ دو بیٹیاں ماں کی جہت سے ہیں اور دو بیٹیاں باپ کی جہت سے ہیں، تو ان دونوں کے لئے دو ثلث ہوں گے اور بیٹے کے لئے ایک ثلث ہو گا۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اعلیٰ الخلاف میں جہتوں کا اعتبار کیا ہے اس کے ساتھ ساتھ آپ نے فروع سے بھی عدد کو لیا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور وہ اسے بطن ثانی پر تقسیم کرتے ہیں، اور اس میں ایک بیٹا دو بیٹوں کی مثل ہے اور دو بیٹیاں ان میں سے ایک دو بیٹیوں کی مثل ہے۔ پس مجموعہ سات بیٹیوں کی مثل ہو گیا۔ پس مسئلہ ان کی ذاتوں کے عدد سے چلے گا، تو بیٹے کے لئے چار حصے ہوں گے۔ کیونکہ وہ اپنی فرع متعدد ہونے کے سبب دو بیٹیوں کی مثل ہے، پس وہ چار بیٹیوں کی مثل ہو جائے گا، اور اس کی ایک بیٹی کے لئے جس کی فرع میں تعدد ہے دو حصے ہوں گے اور دوسری کے لئے ایک حصہ ہو گا۔ پس جب ہم نے اس بطن میں مذکروں کو ایک گروہ اور مونثوں کو دوسرا گروہ قرار دیا اور ہم نے بیٹے کا حصہ ان دو بیٹیوں کو دیا جو تیسرے بطن میں ہیں تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو دو حصے ملیں گے۔ اور جب ہم نے مونثوں کے گروہ کا حصہ ان کو دیا جو

ثُمَّ أَصْلُهُ وَهُمْ (الْجَدُّ الْفَاسِدُ وَالْجَدَّاتُ الْفَاسِدَاتُ) وَإِنْ عَلَوْا
پھر اس (میت) کی اصل کو مقدم کیا جائے گا اور وہ جد فاسد اور جدات فاسدہ ہیں اگرچہ وہ اوپر ہوں،

تیسرے بطن میں ان کے بالمقابل اور سامنے ہیں تو وہ ان پر تقسیم نہیں ہو سکا۔ کیونکہ ان کا حصہ سات میں سے تین ہے، اور جو ان کے مقابل ہیں وہ ایک بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں، اور ان کا مجموعہ چار بیٹیوں کی مثل ہے، اور تین اور چار کے درمیان تباین ہے۔ پس ہم نے اس چار کو جو ذاتوں کی تعداد ہے اسے اصل مسئلہ میں ضرب دی اور وہ سات ہے تو حاصل ضرب اٹھائیس آیا۔ اور اس سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔ کیونکہ دوسرے بطن میں نواسے کے لئے چار ہیں۔ پس جب ہم نے اسے اس مضروب میں ضرب دی جو وہ بھی چار ہے تو وہ سولہ ہو گئے، تو ہم نے اس کی دو بیٹیوں میں سے ہر ایک کو آٹھ حصے دے دیئے۔ اور دوسرے بطن میں دو بیٹیوں کے لئے تین حصے تھے تو جب ہم نے انہیں اسی مضروب میں ضرب دی تو بارہ حصے حاصل ہوئے تو ہم نے نواسی کے بیٹے کو چھ دے دیئے اور چھ نواسی کی دو بیٹیوں کو دے دیئے، پس دونوں میں سے ہر ایک کے لئے تین ہوئے اور آخری بطن میں ہر بیٹی کا حصہ گیارہ ہو گیا، آٹھ حصے اس کے باپ کی جہت سے اور تین اسے اپنی ماں کی جہت سے ملے۔ مفتی بہ قول امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب سے حاصل ہوتا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ اس لئے کہ وہ اصول کا ان کی صفات کے ساتھ اعتبار کرتے ہیں اور ان میں فروع کا عدد اور ان کی جہت بھی شامل کرتے ہیں۔ یہ اس کا خلاصہ ہے جو "شروح السراجیہ" وغیرہ میں ہے۔

37513۔ (قولہ: ثُمَّ أَصْلُهُ وَهُمْ الْجَدُّ الْفَاسِدُ الخ) پھر اس کی اصل اور وہ جد فاسد ہے الخ، اس میں جد سے مراد جنس ہے اور یہ متعدد کو شامل ہے۔ اور یہ نصف ثانی کا آغاز ہے اور اس میں مختصر قول یہ ہے کہ یا تو ان کے درجات متفاوت ہوں گے یا نہیں ہوں گے۔ پس اگر وہ متفاوت ہوں جیسا کہ نانا کی ماں اور نانی کا دادا تو ان میں اقرب کو مقدم کیا جائے گا چاہے وہ باپ کی جہت سے ہو یا ماں کی جہت سے اگرچہ مؤنث ہو جو غیر وارث کے ساتھ معلق ہو اور ابعد ایسا مذکر ہو جو وارث کے ساتھ معلق ہو۔ اور اگر ان کے درجات مساوی ہوں تو پھر یا تو ان میں سے بعض وارث کے ساتھ معلق ہوں گے یا تمام یا نہیں ہوں گے۔ تو کسی کو مقدم نہیں کیا جائے گا۔ پس پہلی صورت میں کہا گیا ہے کہ وارث کے ساتھ معلق کو مقدم کیا جائے گا جیسا کہ پہلی صنف میں ہے۔ پس نانی کا باپ نانے کے باپ سے اولیٰ ہے اس لیے کہ پہلا جد صحیحہ کے ساتھ معلق ہے اور دوسرا جد فاسد (نانا) کے ساتھ معلق ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دونوں برابر ہیں۔ اور یہی اصح ہے جیسا کہ "الاختیار" اور "سکب الانہر" وغیرہ میں ہے۔ اور "روح الشروح" میں ہے: روایات اس پر شاہد ہیں اور آخری دونوں قسموں میں جیسا کہ دادی کا باپ اور نانی کا باپ، اور جب کہ نانا کا باپ اور نانا کی ماں؛ پھر یا تو ان کی قرابت مختلف ہو گی یعنی ان میں سے بعض باپ کی جانب سے ہوں گے اور بعض ماں کی جانب سے ہوں گے جیسا کہ پہلی مثال میں ہے، یا ان کی قرابت متحد ہو گی جیسا کہ دوسری مثال میں ہے۔ پس اگر ان کی قرابت مختلف ہو تو دو ثلث باپ کی قرابت کے ہوں گے اور ایک ثلث ماں کی قرابت کا ہو گا۔ گویا وہ آدمی باپ اور ماں کو چھوڑ کر فوت ہوا، پھر جو باپ کی قرابت کا حصہ ہو گا وہ ان کے درمیان اول بطن پر تقسیم کیا

(ثُمَّ) جُزْءُ أَبَوَيْهِ وَهُمْ (أَوْلَادُ الْأَخَوَاتِ) لِأَبَوَيْنِ أَوْ لِأَبٍ وَأَوْلَادُ الْإِخْوَةِ وَالْأَخَوَاتِ لِأُمٍّ وَبَنَاتُ الْإِخْوَةِ لِأَبَوَيْنِ أَوْ لِأَبٍ وَإِنْ نَزَلُوا وَيُقَدَّمُ الْجَدُّ عَلَيْهِمْ خِلَافًا لَهُمَا بِهَذِهِ الصُّورَةِ

أُخْتٌ لِأُمٍّ	أُخْتٌ لِأَبَوَيْنِ	أُخْتٌ لِأَبٍ	أَخٌ لِأَبٍ
ابْنٌ	بِنْتٌ	ابْنٌ	بِنْتٌ
بِنْتٌ	بِنْتِي		ابْنٌ
4	18		2

پھر اس کے والدین کے جز کو، اور وہ سگی بہنوں کی اولاد ہے یا علاتی بہنوں کی اولاد اور اخیافی بھائیوں اور بہنوں کی اولاد ہے، اور سگے یا علاتی بھائیوں کی بیٹیاں ہیں اگرچہ وہ نازل اور سافل ہوں۔ اور ان پر نانا کو مقدم کیا جائے گا بخلاف صاحبین کے۔ اس کی صورت یہ ہے:

اخیافی بہن	سگی بہن	علاتی بہن	علاتی بھائی
بیٹا	بیٹی	بیٹا	بیٹی
بیٹی	دو بیٹیاں		بیٹا
4	18		2

جائے گا، اس میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ اور اسی طرح جو ماں کی قرابت کا حصہ ہے وہ تقسیم کیا جائے گا۔ اور اگر ان میں بطن مختلف نہ ہوں تو پھر ہر نوع کے بدنوں پر تقسیم ہوگی۔ اور اگر ان کی قرابت متحد اور مساوی ہو یعنی تمام ماں کی جانب سے ہوں یا تمام باپ کی جانب سے ہوں۔ تو پھر مذکر یا مؤنث ہونے میں جس صفت کے ساتھ وہ معلق ہیں وہ صفت متفق ہوگی یا مختلف ہو گی۔ پس اگر صفت متفق ہو تو ان کے ابدان کا اعتبار کیا جائے گا، اور تقسیم میں وہ برابر ہوں گے اگر وہ تمام مذکر ہوئے یا مؤنث ہوئے، ورنہ مذکر کے لیے دو مؤنث کے برابر حصہ ہوگا۔ اور اگر صفت مختلف ہو تو تقسیم پہلے بطن پر ہوگی جس میں اختلاف ہے اور مذکر کا حصہ مؤنث سے دوگنا ہوگا۔ پھر مذکروں کا ایک گروہ اور مؤنثوں کا دوسرا گروہ بنایا جائے گا اس پر قیاس کرتے ہوئے جو پہلی نوع میں بالاتفاق ثابت ہو چکا ہے۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اختلاف بطون کا اعتبار کیا ہے اگرچہ انہوں نے پہلی نوع میں اس کا اعتبار نہیں کیا، اور اس کا فرق مطولات میں ہے۔

37514۔(قولہ: ثُمَّ جُزْءُ أَبَوَيْهِ وَهُمْ أَوْلَادُ الْأَخَوَاتِ الخ) پھر اس کے والدین کا جز اور وہ بہنوں کی اولاد ہے الخ، اس میں اولاد کا لفظ مذکر و مؤنث سبھی کو شامل ہے۔ اور یہاں سے تیسری نوع کے بیان میں شروع ہو رہے ہیں۔ اور اس میں پوری بحث اسی طرح ہے جیسے صنف اول میں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ یا تو درجہ میں متفاوت ہوں گے یا نہیں، پس اگر وہ متفاوت ہوئے تو اقرب کو مقدم کیا جائے گا اگرچہ وہ مؤنث ہو جیسا کہ بھانجی اور بھتیجی کا بیٹا جب ورثاء میں ہوں۔ اور اگر

....

متفاوت نہ ہوں تو پھر یا تو ان میں سے بعض وارث کی اولاد ہوں گے یا تمام یا اولاد نہیں ہوں گے تو مقدم نہیں کیا جائے گا۔ اور یہاں وارث سے مراد وہ ہے جو عصبہ کو شامل ہوتا ہے۔ پس پہلی صورت میں وارث کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا جیسا کہ بھتیجے کی بیٹی اور بھانجی کا بیٹا دونوں سگے ہوں یا علاتی ہوں دونوں مختلف ہوں۔ اور آخری دونوں صورتوں میں یعنی جب کہ وہ تمام وارث کی اولاد ہوں جو عصبہ ہے جیسا کہ سگے یا علاتی بھائی کے دو بیٹوں کی دو بیٹیاں یا وہ صاحب فرض ہوں (ذوی الفروض میں سے ہوں) جیسا کہ متفرق بہنوں کی بیٹیاں یا وارث اولاد، دونوں میں سے ایک عصبہ ہو، اور دوسرا ذوفرض ہو جیسا کہ سگے یا علاتی بھائی کی بیٹی، اور اخیافی بھائی کی بیٹی۔ اور وہ جب کہ ان میں وارث کی اولاد نہ ہو جیسا کہ اخیافی بھائی کے بیٹے کی بیٹی اور اخیافی بہن کا بیٹا۔ ان تمام صورتوں میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اقوی کا اعتبار کیا جائے گا پھر اسے ابدان پر للذکر مثل حظ الانثیین کے طریقہ پر تقسیم کیا جائے گا۔ پس وہ جس کی اصل سگا بھائی ہو وہ اس سے اولیٰ ہوگا جس کی اصل علاتی یا اخیافی بھائی ہو۔ اور جس کی اصل علاتی بھائی ہو وہ اس سے اولیٰ ہوگا جس کی اصل اخیافی ہو۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اور یہی امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہر ہے کہ مال اصول پر تقسیم کیا جائے گا۔ یعنی بھائیوں اور بہنوں میں فروع کی تعداد کا اعتبار کرتے ہوئے اور اصل میں جہات کا اعتبار کرتے ہوئے۔ پس جو مال ہر فریق کو ملے گا وہ ان کی فروع کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا جیسا کہ صنف اول میں کیا ہے۔ پس اگر اس نے علاتی بھائی کا نواسہ اور علاتی بہن کی دو پوتیاں چھوڑیں وہ دونوں سگی بہن کی دو نواسیاں بھی ہیں اور اس نے اخیافی بہن کی پوتی بھی چھوڑی۔ تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قوۃ قرابت کی وجہ سے سارا مال سگی بہن کی دونواسیوں کے لئے ہوگا۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اصول پر تقسیم کیا جائے گا جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔ پس اس کی اصل چھ سے ہوگی اس میں سے چھٹا حصہ (ایک سدس) اخیافی بہن کے لئے اور اس کے دو ثلث (دو تہائی) یعنی چار سگی بہن کے لئے، کیونکہ وہ اپنی فرع کے متعدد ہونے کی وجہ سے دو بہنوں کی مثل ہے اور باقی ایک علاتی بھائی اور بہن کے لئے عصبہ ہونے کے طریقہ پر مذکر کے لئے مؤنث کا دوگنا ہوگا۔ پھر یہ علاتی بہن اپنی فرع کے تعدد کی وجہ سے دو بہنوں کی مثل ہے۔ پس یہ اپنے علاتی بھائی کے ساتھ مل کر چار ذاتوں کی مثل ہے۔ اور ایک کی چار پر تقسیم صحیح نہیں ہوتی اور اس میں تباین ہے۔ پس چار کو اصل مسئلہ چھ میں ضرب دی جائے گی اور وہ چوبیس ہو جائیں گے، اور اس سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔ پس ہر وہ جس کے لئے اصل مسئلہ سے کوئی شے ہے وہ اسے چار میں ضرب دے کر لے گا۔ لہٰذا اخیافی بہن کے لئے ایک ہے اسے چار میں ضرب دینے سے حاصل ضرب چار آئے گا سو وہ اس کی پوتی کو دے دیئے جائیں گے، اور سگی بہن کے لئے چار ہیں اسے چار میں ضرب دینے سے سولہ آئے گا وہ اس کی دونواسیوں کو دے دیئے جائیں گے، اور علاتی بھائی اور بہن کے لئے ایک ہے اسے چار میں ضرب دینے سے چار حاصل ضرب ہوگا۔ پس وہ بھائی کے نواسے اور بہن کی دو پوتیوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہو جائے گا۔ پس مجموعی طور پر دو جہتوں سے دو بیٹیوں کا حصہ اٹھارہ ہو جائے گا۔ اسے یاد رکھ لو اور تو جان! کہ ''السید شریف'' قدس سرہ نے بعض شارحین سے اس مثال کو ذکر کیا ہے اور اسے برقرار اور ثابت رکھا ہے، اور اس تقسیم پر اس کا مقتضی

ثُمَّ) جُزْءُ جَدَّيْهِ أَوْ جَدَّتَيْهِ وَهُمْ (الْأَخْوَالُ وَالْخَالَاتُ وَالْأَعْمَامُ لِأُمٍّ وَالْعَمَّاتُ وَبَنَاتُ الْأَعْمَامِ وَأَوْلَادُ هَؤُلَاءِ

پھراس کے دادا، نانا یا دادی، نانی کے جز کو مقدم کیا جائے گا اور وہ ماموں، خالائیں، اخیافی چچے، پھوپھیاں، چچوں کی بیٹیاں اوران کی اولاد ہے۔

یہ ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس نصف میں اختلاف بطون کا اعتبار نہیں کیا جاتا اور یہی ظاہر روایت ہے۔''السراجیہ'' نے کہا ہے: بلاشبہ ان کا حکم صنف اول میں حکم کی مثل ہے۔ اور اسی طرح ان کا یہ قول ہے کہ جو ہر فریق ملے اسے ان کی فروع کے درمیان تقسیم کیا جائے گا جیسا کہ پہلی قسم میں کیا ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے بطن اول میں تقسیم کیا جائے گا جس میں اختلاف ہے جیسا کہ صنف اول میں کیا ہے اور جیسا کہ صنف ثانی میں بھی کیا ہے اور جیسا کہ صنف رابع کی اولاد میں ہوگا۔ اور میں نے ایسا کوئی نہیں دیکھا جس نے اس سے تعرض کیا ہو۔ پس اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

37515۔(قولہ: ثُمَّ جُزْءُ جَدَّيْهِ أَوْ جَدَّتَيْهِ الخ) یہاں جدّین سے مراد باپ کا باپ یعنی دادا اور ماں کا باپ یعنی نانا ہے اور جدتین سے مراد باپ کی ماں یعنی دادی اور ماں کی ماں یعنی نانی ہے۔ یہاں سے ''مصنف'' چوتھی قسم میں شروع ہو رہے ہیں۔ اس میں ساری بحث یہ ہے کہ یہاں درجات کا تفاوت نہیں ہے مگر ان کی اولاد اور ان کے بعد آنے والوں میں ہے اور عنقریب ان پر کلام آئے گا۔ اور اس وقت یا تو ان کی قرابت کا محل ایک ہوگا یا نہیں، پس اگر وہ متحد ہوں اس طرح کہ وہ میت کے باپ کی جانب سے ہوں یا اس کی ماں کی جانب سے تو اقوی کو مقدم کیا جائے گا اگرچہ وہ مؤنث ہو، اس پر اجماع ہے۔ یعنی سگے کو علاتی پر اور علاتی کو اخیافی پر مقدم کیا جائے گا۔ اور اصول کے متفق ہونے کی وجہ سے مال بالاتفاق ابدان پر تقسیم کیا جائے گا اور مذکر کو مؤنث کا دوگنا دیا جائے گا جیسا کہ چچا اور پھوپھی جبکہ دونوں اخیافی ہوں یا ماموں اور خالہ دونوں سگے ہوں یا علاتی ہوں یا اخیافی ہوں۔ اور اگر ان کی قرابت کا محل مختلف ہو اس طرح کہ ان میں سے بعض کی قرابت باپ کی جہت سے ہو اور بعض کی ماں کی جانب سے ہو تو باپ کی قرابت کے لئے دو ثلث اور ماں کی قرابت کے لئے ایک ثلث ہوگا، اور ایک جہت میں اقوی کو اس دوسرے پر مقدم نہیں کیا جائے گا جو دوسری جہت میں ہو۔ بلکہ ہر جہت کے اقوی کو غیر پر مقدم کیا جائے گا۔ پس سگی پھوپھی کو اخیافی خالہ پر مقدم نہیں کیا جائے گا، بلکہ اسے علاتی یا اخیافی پھوپھی پر مقدم کیا جائے گا۔ اور سگے ماموں کو اخیافی پھوپھی پر مقدم نہیں کیا جائے گا، بلکہ اسے علاتی یا اخیافی ماموں پر مقدم کیا جائے گا۔ اور ہر جہت کے حصہ کو ان کے بدنوں پر تقسیم کیا جائے گا اور مذکر کو مؤنث کا دوگنا دیا جائے گا۔ پس اگر کوئی دس پھوپھیاں، ایک ماموں اور ایک خالہ چھوڑ کر فوت ہو جائے تو مال کا دو تہائی دو پھوپھیوں پر برابر برابر تقسیم ہو جائے گا اور ایک تہائی ماموں اور خالہ میں تین حصوں میں تقسیم ہوگا (یعنی دو حصے ماموں کو اور ایک حصہ خالہ کو دیا جائے گا۔)

37516۔(قولہ: وَبَنَاتُ الْأَعْمَامِ) اور چچوں کی بیٹیاں، یہاں اعمام کو مطلق ذکر کیا ہے۔ پس یہ سگے، علاتی یا اخیافی سبھی کو شامل ہے۔

37517۔(قولہ: وَأَوْلَادُ هَؤُلَاءِ) مراد اس چوتھی قسم کی اولاد ہے جب اس کے اصول نہ ہوں۔ اور انہیں ذکر کے

ساتھ خاص کیا ہے اس لئے کہ چچے، پھوپھیاں، ماموں اور خالائیں ان کی اولاد کو شامل نہیں ہیں بخلاف بیٹیوں اور بہنوں کی اولاد کے، اور اسی طرح جدات اور اُجداد ہیں۔ کیونکہ یہ اسے شامل ہیں جو واسطہ اور بغیر واسطہ کے ہوتا ہے۔ پھر ان کا حکم اس حکم کی طرح ہے جو نوع اول میں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ یا تو درجہ میں متفاوت ہوں گے یا نہیں۔ پس اگر وہ درجہ میں متفاوت ہوں تو ان میں سے اقرب کو غیر پر مقدم کیا جائے گا اگرچہ وہ اس کی دوسری جہت سے ہو۔ پس پھوپھی کی اولاد پھوپھی یا خالہ کی اولاد کی اولاد سے اولیٰ ہوگی اور خالہ کی اولاد خالہ یا پھوپھی کی اولاد کی اولاد سے اولیٰ ہوگی۔ اور اگر وہ درجہ میں برابر ہوں تو پھر ان کی قرابت کا محل ایک ہوگا یا نہیں ہوگا۔ پس اگر ان کی قرابت کا محل ایک ہو اس طرح کہ تمام کی قرابت میت کے باپ کی جانب سے ہو یا اس کی ماں کی جانب سے ہو پھر یا تو وہ تمام عصبہ کی اولاد ہوں گے یا ذوالرحم کی اولاد ہوں گے یا ان میں سے بعض عصبہ کی اولاد ہوں گے۔ پس پہلی دونوں صورتوں میں جیسا کہ ان چچوں کی اولاد جو سگے یا علاتی ہوں اور جیسا کہ پھوپھیوں کی اولاد ان میں بالاجماع قرابت کے اعتبار سے اقوی کو مقدم کیا جائے گا۔ پس اس میں سگا علاتی سے اور علاتی اخیافی سے اولیٰ ہوگا۔ کیونکہ سبب ایک ہونے کے وقت سبب کے اعتبار سے اقوی کو درجہ کے اعتبار سے اقرب کے معنی میں رکھا جاتا ہے۔ پس وہی اولیٰ ہوتا ہے۔ اور آخری صورت میں! اور وہ یہ ہے کہ جب ان میں سے بعض عصبہ کی اولاد ہو اور بعض ذورحم کی اولاد ہو تو عصبہ کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا جبکہ ذورحم کی اولاد قرابت کے اعتبار سے اقوی نہ ہو۔ پس سگے چچا کی بیٹی سگی پھوپھی کے بیٹے سے اولیٰ ہے بخلاف اس کے کہ جب چچا علاتی ہو تو پھر سگی پھوپھی کا بیٹا اولیٰ ہوگا۔ کیونکہ کسی شخص کی ترجیح اس معنی کے ساتھ ہوتی ہے جو اس میں پایا جاتا ہے۔ اور وہ یہاں قرابت کی قوت ہے اور وہ اس معنی کے ساتھ ترجیح سے اولیٰ ہے جو دوسرے میں ہے اور وہ اصل کا عصبہ ہونا ہے۔ اور یہی ظاہر روایت ہے۔ اور بعض نے کہا ہے: علاتی چچا کی بیٹی اولیٰ ہے۔ اور اسے ظاہر روایت پر ترجیح دی ہے۔ ''سید'' اور ''عماد الدین'' نے شمس الائمہ ''ابن کمال'' کی اتباع کرتے ہوئے اسے اختیار کیا ہے۔ لیکن ''سکب الانہر'' میں ہے کہ فتویٰ پہلے قول کے مطابق ہی دیا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اور ''الملتقی'' کے مطلق قول سے یہی فوراً ذہن میں آتا ہے: اور فقہاء پہلے درجہ کے قرب کو پھر قرابۃ کی قوت کو پھر اتحاد کی جہت کے وقت اصل کے وارث ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور اگر ان کی قرابت کا محل مختلف ہو تو دو ثلث اس کے لئے ہوں گے جو باپ کی قرابت کے ساتھ معلق ہوتا ہے اور ایک ثلث اس کے لئے ہوگا جو ماں کی قرابت کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔ پھر امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو ہر فریق کو ملے گا اسے ان کی فروع کے ابدان پر فروع میں جہتوں کی تعداد کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے گا۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بطن اول پر مال تقسیم کیا جائے گا جس کی فروع میں تعداد کے اعتبار سے اور اصول میں جہتوں کے اعتبار سے اختلاف ہو جیسا کہ پہلی قسم میں کیا ہے۔ اس کی مکمل بحث ''شرح السید'' میں ہے۔

پھر تو جان! کہ دو فریقوں کے درمیان قوۃ قرابت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ پس سگی پھوپھی کی اولاد کو ماموں یا خالہ کی اولاد پر ترجیح نہیں دی جائے گی۔ اور اسی طرح عصبہ کی اولاد کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ پس سگے چچا کی بیٹی کو ماموں یا خالہ کی بیٹی پر ترجیح

ثُمَّ عَمَّاتُ الْآبَاءِ وَالْأُمَّهَاتِ وَأَخْوَالُهُمْ وَخَالَاتُهُمْ وَأَعْمَامُ الْآبَاءِ لِأُمٍّ وَأَعْمَامُ الْأُمَّهَاتِ كُلُّهُمْ

پھر باپوں اور ماؤں کی پھوپھیاں، ان کے ماموں، ان کی خالائیں، باپوں کے اخیافی چچے، اور ماؤں کے چچے سارے کے سارے (یعنی خواہ سگے ہوں یا علاتی ہوں یا اخیافی ہوں)

نہیں دی جائے گی۔ بلاشبہ اس کے خاص ہونے کے سبب ہر فریق میں اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ پس جو باپ کی قرابت کے ساتھ معلق ہیں انہی کے درمیان قوۃ قرابت کا پھر عصبہ کی اولاد ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور جو ماں کی قرابت کے ساتھ معلق ہیں ان کے درمیان قوۃ قرابت کا اعتبار کیا جائے گا، اور ماں کی قرابت میں عصبہ ہونے کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ ظاہر روایت ہے جیسا کہ ''السراجیہ'' اور ''صاحب ہدایہ'' کے ''الفرائض العثمانیہ'' میں ہے، اور یہی متون وشروح کے اطلاق کا ظاہر ہے جہاں انہوں نے کہا ہے: اور قرابت کی جہت مختلف ہونے کے وقت باپ کی قرابت کے لئے ماں کی قرابت کا دوگنا ہوگا۔ اور انہوں نے عصبہ کی اولاد اور دوسروں کے درمیان فرق نہیں کیا ہے۔ لیکن اس کے بعد ''معراج الدرایہ'' میں ''شمس الائمہ'' سے ذکر کیا ہے: ظاہر روایت یہ ہے کہ عصبہ کی اولاد اولیٰ ہے محل متحد ہو یا مختلف ہو۔ پس سگے چچا کی بیٹی ماموں کی بیٹی سے اولیٰ ہے۔ اور یہ کہ ''التمر تاشی'' نے ان کی موافقت کی ہے، پھر کہا ہے: اور ''السراج'' کی روشنی میں ''شمس الائمہ'' کی روایت کو لینا اولیٰ ہے۔

میں کہتا ہوں: اور ''الخلاصہ'' میں ہے: عصبہ کی اولاد اولیٰ ہے جہت متحد ہو یا مختلف ہو۔ یہ ظاہر روایت میں ہے۔ اور اسی طرح ''مجمع الفتاویٰ'' میں ہے اور اسے ''المضمرات'' میں صحیح قرار دیا ہے۔ اور اسی کے مطابق علامہ ''خیر الدین الرملی'' نے فتویٰ دیا ہے۔ لیکن ''الحامدیہ'' میں یہ کہتے ہوئے اس کی مخالفت کی ہے کہ معتبر وہی ہے جو متون میں ہے اس لئے کہ وہ مذہب کو نقل کرنے کے لئے لکھے گئے ہیں۔ فتامل۔ اور ''الفتاویٰ الخیریہ'' کی طرف رجوع کرو۔

37518۔ (قولہ: ثُمَّ عَمَّاتُ الْآبَاءِ الخ) بعض نے انہیں چوتھی قسم کے تحت داخل کیا ہے اور وہ وہ ہے جو میت کے دادا کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ کیونکہ باپ کا دادا بھی دادا ہوتا ہے۔ اور بعض نے انہیں پانچویں قسم قرار دیا ہے اور یہی ''مصنف'' کی عبارت سے فوراً ذہن میں آتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب میت کی پھوپھیاں اور خالائیں اور ان کی اولاد نہ پائی جائے تو ان کا مذکورہ حکم ان کی طرف اور پھر ان کی اولاد کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ اور اگر وہ بھی نہ پائے جائیں تو حکم میت کے والدین کی پھوپھیوں کی طرف اور ان کی خالاؤں کی طرف اور پھر ان کی اولاد کی طرف منتقل ہوجائے گا۔ اور اسی طرح یہ سلسلہ لا الی نہایہ تک چل سکتا ہے۔ پس تو غافل نہ ہو۔ اور ''الحاوی القدسی'' وغیرہ میں ہے: جب دو قرابتیں باپ کی جانب سے اور دو قرابتیں ماں کی جانب سے جمع ہو جائیں جیسا کہ باپ کی پھوپھی اور اس کی خالہ، اور ماں کی پھوپھی اور اس کی خالہ، تو دو تہائی باپ کی قرابت والوں کے لئے اور ایک تہائی ماں کی قرابت والوں کے لئے ہوگا۔ پھر باپ کی دونوں قرابتوں کو جو ملے گا اسے تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا اس کے دو حصے اس کے باپ کی جانب سے قرابت کے لئے ہوں گے اور ایک حصہ اس کی ماں کی قرابت کے لئے ہوگا۔ اور جو ماں

وَأَوْلَادُ هَؤُلَاءِ) وَإِنْ بَعُدُوا بِالْعُلُوِّ أَوْ السُّفُولِ وَيُقَدَّمُ الْأَقْرَبُ فِي كُلِّ صِنْفٍ (وَإِذَا اسْتَوَوْا فِي دَرَجَةٍ وَاتَّحَدَتْ الْجِهَةُ (قُدِّمَ وَلَدُ الْوَارِثِ) فَلَوْ اخْتَلَفَ

اوران کی اولاد ہے اگر چہ وہ بعید ہوں اوپر کی جانب یا نیچے کی جانب اور ہر نوع میں اقرب کو مقدم کیا جائے گا۔ اور جب وہ درجہ میں برابر ہوں اور جہت متحد ہو تو وارث کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا۔ اور اگر اختلاف ہو

کی دونوں قرابتوں کو ملے گا وہ بھی اسی طرح تقسیم کیا جائے گا۔

37519۔ (قولہ: كُلُّهُمْ) یہ لفظ رفع کے ساتھ اعمام الامہات کی تاکید ہے۔ مراد یہ ہے کہ ان کے سگے چچے ہوں یا علاتی یا اخیافی ہوں۔

37520۔ (قولہ: وَإِنْ بَعُدُوا) اگر چہ وہ بعید ہوں، یہ ''مصنف'' کے قول: ثم مات الأبـاء والامهات الخ کی طرف راجع ہے لیکن یہ تقسیم کے اصول پر ہے۔ کیونکہ ''شارح'' کا قول بالعلوان میں سے اصول کی طرف راجع ہے، اور ان کا قول أو السفول ان کی اولاد کی طرف راجع ہے، پس اس میں لف ونشر مرتب ہے۔ فافہم۔

37521۔ (قولہ: وَيُقَدَّمُ الْأَقْرَبُ فِي كُلِّ صِنْفٍ) اور ہر قسم میں اقرب کو مقدم کیا جائے گا، جب ہم نے پانچ قسموں کا اعتبار کیا ہے جیسا کہ بعض نے یہی کہا ہے تو یہ چوتھی قسم میں ظاہر نہیں ہوتا، کیونکہ ان میں اقرب کوئی نہیں ہے، لیکن ان کے اعتبار میں ''شارح'' نے جو موقف اختیار کیا ہے تو وہ چار اقسام ہیں اور وہ ظاہر ہے۔ فافہم۔

37522۔ (قولہ: وَاتَّحَدَتْ الْجِهَةُ) یعنی قرابت کی جہت متحد ہو اس طرح کہ وہ باپ کی جہت سے ہوں یا ماں کی جہت سے ہوں، اور یہ بلاشبہ نوع اول کے سوا دیگر انواع میں ثابت ہوتی ہے۔ فافہم۔

37523۔ (قولہ: قُدِّمَ وَلَدُ الْوَارِثِ) وارث کی اولاد کو مقدم کیا جائے، تحقیق آپ جانتے ہیں کہ جہت کا متحد ہونا پہلی قسم میں متحقق نہیں ہوتا۔ پس اس میں اس اتحاد کی شرط کے بغیر وارث کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ شرط اس میں ہے جس میں اس کا پایا جانا ممکن ہوگا۔ اور اسی طرح وارث کی اولاد کی تقدیم اس میں ہوگی جس میں وہ متحقق ہوگی اور وہ پہلی اور تیسری قسم ہے۔ اور اسی طرح چوتھی قسم کی اولاد ہے جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ رہی دوسری قسم تو ان میں وارث کی اولاد متحقق نہیں ہوتی۔ کیونکہ وارث ان کی فرع ہے۔ بلاشبہ ان میں وارث کے ساتھ معلق ہونے والے ثابت ہوتے ہیں۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اصح اس کا اعتبار نہ ہونا ہے۔ اور ذاتی طور پر چوتھی قسم تو وہ درجہ میں مساوات، برابری اور جہت میں اتحاد کے وقت ہوتے ہیں، یا تو وہ سارے وارث کی اولاد ہوں گے یا غیر وارث کی اولاد ہوں گے۔ پس ان میں وارث کی اولاد کو مقدم کرنا ثابت نہیں ہوتا، بلاشبہ ان میں اقوی کی تقدیم ثابت ہوتی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ پھر ولد الوارث سے مراد وہ ہے جو بذات خود وارث کے ساتھ معلق ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی واسطہ کے ساتھ اس کے ساتھ تعلیق معتبر نہیں ہوگی۔ پس پوتی کی نواسی کو نواسی کی نواسی پر مقدم نہیں کیا جائے گا جیسا کہ ''سکب الانہر'' وغیرہ میں اس کے بارے تصریح ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ ''مصنف'' کا وارث کے ساتھ معلق سے اپنے قول: ولد الوارث کی طرف عدول کرنا دوسری قسم سے اور کسی

فَلِقَرَابَةِ الْأَبِ الثُّلُثَانِ وَلِقَرَابَةِ الْأُمِّ الثُّلُثُ وَعِنْدَ الِاسْتِوَاءِ فَإِنْ اتَّفَقَتْ صِفَةُ الْأُصُولِ فِي الذُّكُورَةِ أَوْ الْأُنُوثَةِ اُعْتُبِرَ أَبْدَانُ الْفُرُوعِ اتِّفَاقًا (وَ) أَمَّا (إذَا اخْتَلَفَتْ الْفُرُوعُ وَالْأُصُولُ) كَبِنْتِ ابْنِ بِنْتٍ وَابْنِ بِنْتِ بِنْتٍ (اعْتَبَرَ مُحَمَّدٌ فِي ذَلِكَ الْأُصُولَ وَقَسَمَ) الْمَالَ عَلَى أَوَّلِ بَطْنٍ اخْتَلَفَ بِالذُّكُورَةِ وَالْأُنُوثَةِ وَهُوَ هُنَا لِبَطْنِ الثَّانِي وَهُوَ ابْنُ بِنْتٍ وَبِنْتُ بِنْتٍ فَمُحَمَّدٌ اعْتَبَرَ صِفَةَ الْأُصُولِ فِي الْبَطْنِ الثَّانِي فِي مَسْأَلَتِنَا فَقَسَمَ (عَلَيْهِمْ أَثْلَاثًا وَأَعْطَى كُلًّا مِنْ الْفُرُوعِ نَصِيبَ أَصْلِهِ) فَحِينَئِذٍ يَكُونُ ثُلُثَاهُ لِبِنْتِ ابْنِ الْبِنْتِ نَصِيبُ أَبِيهَا وَثُلُثُهُ لِابْنِ بِنْتِ الْبِنْتِ لِأَنَّهُ نَصِيبُ أُمِّهِ وَتَمَامُهُ فِي السِّرَاجِيَّةِ وَشُرُوحِهَا

تو باپ کی قرابت کے لئے دو تہائی اور ماں کی قرابت کے لئے ایک تہائی مال ہوگا۔ اور برابر ہونے کے وقت اگر اصول کی صفت مذکر یا مؤنث ہونے میں متفق ہو تو بالاتفاق فروع کے ابدان کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور جب فروع اور اصول مختلف ہوں جیسا کہ نواسے کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا تو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں اصول کا اعتبار کیا ہے اور مال کو اول بطن پر تقسیم کیا ہے جس میں مذکر اور مؤنث ہونے کے اعتبار سے اختلاف ہے اور وہ یہاں بطن ثانی ہے اور وہ نواسہ اور نواسی ہے۔ پس امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے بطن ثانی میں اصول کی صفت کا ہمارے مسئلہ میں اعتبار کیا ہے، اور ان پر تین حصوں میں مال تقسیم کیا ہے اور فروع میں سے ہر ایک کو اس کے اصل کا حصہ دیا ہے۔ پس اس وقت اس کے دو ثلث نواسے کی بیٹی کے لئے ہوں گے جو اس کے باپ کا حصہ ہے اور ایک ثلث نواسی کے بیٹے کے لئے ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کی ماں کا حصہ ہے۔ اس کی مکمل بحث ''السراجیہ'' اور اس کی شروح میں ہے۔

واسطہ کے ساتھ وارث کے ساتھ معلق ہونے والوں سے احتراز کے لئے ہے۔

37524۔ (قوله: فَلَوْ اخْتَلَفَ) پس اگر قرابت کی جہت مختلف ہو۔ اور یہ قول ان کے قول: واتخذت الجهة کے مقابل ہے۔ ''زیلعی'' نے کہا ہے: فروع میں اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اصول، پھوپھیوں اور ماموں میں یعنی دوسری اور چوتھی قسم میں اور اسی طرح چوتھی قسم کی اولاد میں اس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

37525۔ (قوله: وَعِنْدَ الِاسْتِوَاءِ) یعنی قرب، قوت، جہت اور ان تمام کے وارث کی اولاد ہونے میں یا غیر کی اولاد ہونے میں برابر ہونے کے وقت جیسا کہ اسے ''الملتقی'' اور اس کی شرح میں بیان کیا ہے۔

37526۔ (قوله: فَإِنْ اتَّفَقَتْ صِفَةُ الْأُصُولِ) یعنی اگر ان کی صفت متفق ہو جو وارث کے ساتھ معلق ہوتے ہیں۔ اس میں اصول سے مراد وارث کے ساتھ معلق ہونے والے ہیں، چاہے وہ ان کے اصول ہوں یا نہ ہوں۔ ''زیلعی''۔ تاکہ یہ دوسری قسم کو شامل ہو جائے۔

37527۔ (قوله: وَأَمَّا إذَا اخْتَلَفَتْ الْفُرُوعُ وَالْأُصُولُ) لیکن جب فروع اور اصول مختلف ہوں۔ یہ قول ان کے قول فان اتفقت الخ کے مقابل ہے، لیکن فروع کے اختلاف کا ذکر کرنا لازم نہیں ہے، کیونکہ اختلاف صرف اصول کے مختلف ہونے میں ہے۔

(وَهُمَا اعْتَبَرَا الْفُرُوعَ) فَقَطْ لَكِنَّ قَوْلَ مُحَمَّدٍ أَشْهَرُ الرِّوَايَتَيْنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ فِي جَمِيعِ ذَوِي الْأَرْحَامِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى كَذَا فِي شَرْحِ السِّرَاجِيَّةِ لِمُصَنِّفِهَا وَفِي الْمُلْتَقَى وَبِقَوْلِ مُحَمَّدٍ يُفْتَى سُئِلْتُ عَمَّنْ تَرَكَ بِنْتَ شَقِيقِهِ وَابْنَ وَبِنْتَ شَقِيقَتِهِ كَيْفَ تُقْسَمُ فَأَجَبْتُ بِأَنَّهُمْ قَدْ شَرَطُوا عَدَّ الْفُرُوعِ فِي الْأُصُولِ فَحِينَئِذٍ تَصِيرُ الشَّقِيقَةُ كَشَقِيقَتَيْنِ فَيُقْسَمُ الْمَالُ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ ثُمَّ يُقْسَمُ نِصْفُ الشَّقِيقَةِ بَيْنَ أَوْلَادِهَا أَثْلَاثًا وَاللهُ تَعَالَى أَعْلَمُ

اور ''شیخین'' نے صرف فروع کا اعتبار کیا ہے۔ لیکن امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول تمام ذوی الارحام کے بارے میں امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتوں میں سے مشہور روایت ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اسی طرح ''شرح السراجیہ'' میں اس کے ''مصنف'' کا قول ہے۔ اور ''الملتقی'' میں ہے: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ مجھ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنے سگے بھائی کی بیٹی (بھتیجی) اور اپنی سگی بہن کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی (یعنی بھانجا اور بھانجی) چھوڑی تو اس کی میراث کیسے تقسیم کی جائے گی؟ تو میں نے جواب دیا: چونکہ فقہاء نے فروع کو اصول میں شمار کرنے کی شرط لگائی ہے تو اس وقت ایک سگی بہن دو سگی بہنوں کی مثل ہو جائے گی۔ پس مال ان دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم کیا جائے گا، پھر سگی بہن کا نصف اس کی اولاد کے درمیان تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

37528۔ (قولہ: وَهُمَا) یعنی امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ آپ سے ایک شاذ روایت میں ہے۔ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اپنے آخری قول میں اصول میں فروع کے عدد کو تقسیم کرتے ہیں یعنی وصف اصول سے لیا جائے گا۔ ''طحطاوی''۔

37529۔ (قولہ: وَفِي الْمُلْتَقَى وَبِقَوْلِ مُحَمَّدٍ يُفْتَى) یعنی اگرچہ ''المختلف'' اور ''المبسوط'' میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو صحیح قرار دیا گیا ہے کیونکہ وہ قول مفتی پر زیادہ آسان ہے جس طرح علماء نے حیض کے بعض مسائل میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو لیا ہے، ''در منتقی''۔

37530۔ (قولہ: بِنْتَ شَقِيقِهِ) یعنی اپنی سگے بھائی کی بیٹی۔

37531۔ (قولہ: فَأَجَبْتُ) یعنی میں نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر جواب دیا ہے اصل مسئلہ دو سے ہے۔ اور جو صحیح ہو سکتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ تین کو دو سے ضرب دی جائے نہ کہ نصف کے مخرج کو تین پر تقسیم کیا جائے جہاں تک امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے تو یہ مسئلہ چار سے ہے بیٹے کے دو حصے اور ہر بیٹی کے لیے ایک حصہ ہوگا۔

37532۔ (قولہ: فَيُقْسَمُ الخ) یعنی گویا کہ وہ ایک سگے بھائی اور دو سگی بہنوں کو چھوڑ کر فوت ہوا۔ ''طحطاوی''۔

37533۔ (قولہ: بَيْنَ أَوْلَادِهَا) اس کی اولاد یعنی بیٹے اور بیٹی کے درمیان اسے تقسیم کیا جائے گا۔ جمع کا ایک سے زیادہ پر اطلاق کرتے ہوئے (یہاں لفظ اولاد ذکر کیا ہے) اور اس میں اچھا یہ ہے کہ بیٹے کو دو بیٹیوں کی مثل قرار دیا جائے تو وہ بیٹی کے ساتھ مل کر تین افراد کی مثل ہو جائیں گے۔ فافہم۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

فَصْلٌ فِي الْغَرْقَى وَالْحَرْقَى وَغَيْرِهِمْ

(لَا تَوَارُثَ بَيْنَ الْغَرْقَى وَالْحَرْقَى إِلَّا إِذَا عُلِمَ تَرْتِيبُ الْمَوْتَى) فَيَرِثُ الْمُتَأَخِّرُ فَلَوْ جُهِلَ عَيْنُهُ أُعْطِيَ كُلٌّ

غرق ہونے والے وغیرہ کے احکام

ڈوب جانے والوں اور جل جانے والوں کے درمیان باہم کوئی وراثت نہیں ہے مگر جب مردوں کی ترتیب معلوم ہو جائے تو پھر بعد میں فوت ہونے والا وارث ہوگا۔ پس اگر اس کی ذات مجہول ہو تو ہر ایک کو

غرقی غریق اور حرقی حریق کی جمع ہے، یہ فعیل بمعنی مفعول ہے۔ اور مراد یہ اور وہ ہیں جو ان کے ہم معنی ہیں جیسے وہ جن پر کوئی دیوار وغیرہ گر جائے اور وہ جو کسی معرکہ میں قتل ہو جائیں۔ اور ''مصنف'' نے بغیرہم سے کافر، ولد الزنا، ولد اللعان اور حمل کا ارادہ کیا ہے۔

ڈوب جانے والوں اور جل جانے والوں کے احوال اور میراث کا حکم

37534۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا عُلِمَ الخ) تو جان کہ ان کے احوال پانچ ہیں جیسا کہ ''سکب الانہر'' وغیرہ میں ہے۔

(1) ایک یہ ہے کہ ان میں سے ایک کی موت پہلے واقع ہونے کا یقین ہو اور اس میں کوئی التباس اور اشتباہ نہ ہو تو اس میں دوسرا پہلے کا وارث ہوگا۔

(2) سابق ولاحق ہونا تو معروف ہو لیکن سابق کی ذات معلوم نہ ہو۔

(3) دونوں کی موت کا ایک ساتھ واقع ہونا معلوم ہو۔

(4) کوئی شے بھی معلوم نہ ہو۔ ان تینوں صورتوں میں ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے کسی شے کا وارث نہیں بنے گا۔

(5) ان میں سے ایک کی موت کا پہلے واقع ہونا تعیین کے ساتھ پہلے معلوم ہو، پھر اس کے بعد اس کا معاملہ مشتبہ ہو جائے۔ اس کے بارے میں کلام عنقریب آئے گا۔ اور اسی کی مثل ''الدر المنتقی'' میں ہے۔

ترتیب جاننے کے بعد ذات مجہول ہو تو اس کا حکم

37535۔ (قولہ: فَلَوْ جُهِلَ عَيْنُهُ) یعنی ترتیب جاننے کے بعد اس کی ذات مجہول ہو، اور یہ دوسری اور پانچویں حالت کا احتمال رکھتا ہے۔ لیکن ''شرح المجمع'' کی عبارت صرف دوسری حالت کا فائدہ دیتی ہے۔ اور اس کا بیان یہ ہے کہ اگر یہ معلوم ہو کہ ان میں سے ایک پہلے فوت ہوا ہے اور اس کی ذات مجہول ہو تو ہر ایک کو یقین کے ساتھ دے دیا جائے اور مشکوک میں توقف کیا جائے یہاں تک کہ صورت حال واضح ہو جائے یا پھر ورثاء صلح کر لیں۔

37536۔ (قولہ: أُعْطِيَ كُلٌّ الخ) یعنی ان کے ورثا میں سے ہر ایک کو دے دیا جائے اور اس پر قرینہ ''شارح'' کا

بِالْيَقِينِ وَوُقِفَ الْمَشْكُوكُ فِيهِ حَتَّى يَتَبَيَّنَ أَوْ يَصْطَلِحُوا شَرْحُ مَجْمَعٍ قُلْتُ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ لَكِنْ نَقَلَ شَيْخُنَا عَنْ ضَوْءِ السِّرَاجِ مَعْزِيًّا لِمُحَمَّدٍ

یقین کے ساتھ دیا جائے اور جس کے بارے میں شک ہو اس میں توقف کیا جائے یہاں تک کہ اس کی حالت واضح ہو جائے یا ورثا صلح کر لیں۔''شرح مجمع''۔ میں کہتا ہوں: اور''مصنف'' نے اسے ثابت رکھا ہے۔ لیکن ہمارے شیخ نے''ضوء السراج'' سے امام''محمد'' رطیٹھلیہ کی نسبت سے نقل کیا ہے

قول: أو یصطلحوا ہے۔ پس اگر دو بھائی ڈوب جائیں ان دونوں میں سے ہر ایک کی ایک بیٹی ہو تو ہر ایک کی بیٹی اپنے باپ کا نصف ترکہ لے گی یہاں تک کہ متاخر (بعد میں فوت ہونے والا) ظاہر ہو جائے تو پھر اس کی بیٹی اپنے باپ کا باقی نصف ترکہ اور اپنے چچا کا نصف ترکہ لے گی یا وہ دونوں کسی شے پر صلح کر لیں۔ تامل۔

37537۔(قولہ: شَرْحُ مَجْمَعٍ) مراد اس کے''مصنف'' کی شرح ہے اور اسی کی مثل''الاختیار'' میں ہے جہاں انہوں نے کہا ہے: اور اگر ان میں سے کسی ایک کی موت پہلے ہونے کا علم ہو جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ ان میں سے کون ہے تو جس کے بارے یقین ہو وہ ہر ایک کو دے دیا جائے اور مشکوک میں توقف کیا جائے یہاں تک کہ وہ حالت ظاہر ہو جائے یا وہ ورثہ صلح کر لیں۔ اور اسی کی مثل''شرح السراجیہ'' میں ہے جو اس کے مصنف کی ہے اور اس کے بعض شارحین نے ان کی اتباع کی ہے اور''حاشیہ عجم زادہ'' میں اس کی علت اس قول سے بیان کی ہے۔ کیونکہ یاد آنے سے مایوسی اور ناامیدی نہیں ہے۔

37538۔(قولہ: لَكِنْ نَقَلَ شَيْخُنَا الخ) لیکن ہمارے شیخ نے''المنح'' پر اپنے حاشیہ میں نقل کیا ہے جیسا کہ''معراج الدرایہ علی شرح المجمع'' میں بھی اس''ضوء السراج'' کی عبارت سے استدراک ہے جو''السراجیہ'' کی شرح ہے اور علامہ''قاسم'' نے''شرح فرائض المجمع'' میں کہا ہے کہ جو کچھ''صاحب المجمع'' نے ذکر کیا ہے انہوں نے اسے''الاختیار'' سے لیا ہے اور وہ شافعیہ کا قول ہے اور ہمارے نزدیک کوئی روایت اور درایت اس کی تائید و معاونت نہیں کرتی۔''المبسوط'' میں کہا ہے: اور اسی طرح جب یہ معلوم ہو کہ ان دونوں میں سے ایک پہلے فوت ہوا اور ان کے درمیان تعارض ثابت ہونے کی وجہ سے یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کون ہے تو انہیں اس طرح رکھا جائے گا گویا وہ دونوں ایک ساتھ فوت ہوئے۔ اور''المحیط'' میں کہا ہے: پس اسے اس طرح بنایا جائے گا گویا وہ دونوں اکٹھے فوت ہوئے، اور اسی طرح اگر ان دو میں سے ایک کی موت مقدم ہو مگر یہ کہ متاخر سے متقدم کی پہچان نہ ہو۔ کیونکہ میراث کا سبب دونوں میں سے متاخر کے لئے ثابت ہے لیکن مستحق مجہول ہے۔ پس کسی ایک کے لئے ثابت کرنا متعذر ہے، اور وہ اس طرح ہو گیا جیسا کہ اگر کوئی اپنی دو لونڈیوں میں سے ایک معین لونڈی کو آزاد کرے پھر وہ اسے بھول جائے تو مملوکہ لونڈی کے مجہول ہونے کی وجہ سے اس کے لئے دونوں کی وطی حلال نہیں ہوتی۔ اور''الارفاد'' میں کہا ہے: یا دو میں سے ایک دوسرے سے پہلے فوت ہو جائے اور سابق کے بارے میں اشکال اور التباس پیدا ہو جائے تو انہیں اس طرح رکھا گیا گویا وہ اکٹھے فوت ہوئے اور ہر ایک کا مال اس کے زندہ ورثا کے لئے ہو گا اور مرنے والوں

أَنَّهُ لَوْ مَاتَ أَحَدُهُمَا وَلَا يَدْرِي أَيُّهُمَا هُوَ يُجْعَلُ كَأَنَّهُمَا مَاتَا مَعًا لِتَحَقُّقِ التَّعَارُضِ بَيْنَهُمَا وَهُوَ مُخَالِفٌ لِمَا مَرَّ فَتَدَبَّرْ (وَ) إِذَا لَمْ يَعْلَمْ تَرْتِيبَهُمْ (يَقْسِمُ مَالَ كُلٍّ مِنْهُمْ عَلَى وَرَثَتِهِ الْأَحْيَاءِ) إِذْ لَا تَوَارُثَ بِالشَّكِّ (وَالْكَافِرُ يَرِثُ بِالنَّسَبِ وَالسَّبَبِ كَالْمُسْلِمِ وَلَوْ اجْتَمَعَ (لَهُ قَرَابَتَانِ) لَوْ تَفَرَّقَتَا

کہ اگر دو میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے اور یہ معلوم نہ ہو کہ ان میں سے کون ہے تو اس طرح قرار دیا جائے گا گویا دونوں ایک ساتھ فوت ہو گئے تا کہ ان کے درمیان تعارض ثابت ہو اور یہ اس کے مخالف ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔ سو اس میں غور کر لو۔ اور جب ان کی ترتیب معلوم نہ ہو تو ان میں سے ہر ایک کا مال اس کے زندہ ورثا پر تقسیم کیا جائے گا، کیونکہ شک کے ساتھ وراثت ثابت نہیں ہوتی۔ اور کافر نسب اور سبب کے ساتھ مسلمان کی طرح وارث ہوتا ہے۔ اور اگر اس کے لئے دو قرابتیں جمع ہو جائیں، اگر وہ دونوں دو شخصوں میں متفرق ہوں

میں سے بعض بعض کے وارث نہیں ہوں گے۔ یہ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ اور اسے ''سکب الانہر'' اور ''المقدسی'' کی ''شرح الکنز'' میں بھی ذکر کیا ہے، اور میں نے ''الرحیق المختوم'' میں اس کی تلخیص کی ہے۔ اور میں نے اس میں ذکر کیا ہے کہ ان تمام عبارات سے فوراً ذہن میں یہ آتا ہے کہ محل نزاع دوسری حالت ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب سابق ولاحق ہونے کا علم تو ہو لیکن عین سابق مجہول ہو۔ اور ''سکب الانہر'' میں اسے پانچویں حالت کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اور وہ وہ ہے کہ پہلے بعینہ سابق معلوم ہو پھر اس میں اشکال اور اشتباہ پیدا ہو جائے۔ اور شاید انہوں نے اسے علامہ ''قاسم'' کے قول سے لیا ہے۔ بلاشبہ یہ شافعیہ کا قول ہے۔ کیونکہ شافعیہ نے صرف پانچویں حالت میں ذکر کیا ہے جیسا کہ ''شنشوری'' کی ''شرح الترتیب'' میں ہے۔ لیکن جب دوسری حالت میں نزاع جاری ہے تو پانچویں حالت میں بدرجہ اولیٰ جاری ہو گا۔ تامل۔

37539۔ (قولہ: أَنَّهُ لَوْ مَاتَ أَحَدُهُمَا) کہ اگر ان میں سے ایک پہلے فوت ہوا جیسا کہ ان کے شیخ کے حاشیہ میں ہے۔

فوت ہونے والوں کی ترتیب معلوم نہ ہو تو ان کی میراث کا حکم

37540۔ (قولہ: إِذْ لَا تَوَارُثَ بِالشَّكِّ) کیونکہ شک کے ساتھ وراثت ثابت نہیں ہو سکتی۔ یہ مقدر کی علت ہے اور وہ یہ ہے: ان میں سے بعض بعض کے وارث نہیں ہوں گے، یا اس لئے کہ ''مصنف'' نے اس کے بارے پہلے تصریح کر دی ہے، اور یہ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا قول ہے۔ اور پہلے قول میں آپ فرماتے ہیں: ان میں سے بعض بعض کے وارث ہوں گے سوائے اس مال کے جس کا وہ اپنے ساتھی سے وارث ہوا۔ اور معتمد علیہ پہلا قول ہے۔ کیونکہ یہ احتمال ہے کہ دونوں کی موت ایک ساتھ ہو یا آگے پیچھے ہو۔ پس استحقاق میں شک واقع ہو گیا، اور زندہ ورثا کا استحقاق یقینی ہے اور شک یقین کا معارض نہیں ہو سکتا۔ پس اگر دو بھائی ڈوب گئے اور دونوں میں سے ہر ایک کے نوے درہم ہوں اور وہ اپنے پیچھے بیٹی، ماں اور چچا چھوڑ ے تو معتمد علیہ قول کے مطابق ہر ایک کا ترکہ اس کے زندہ ورثاء پر چھ سے تقسیم کیا جائے گا بیٹی کے لئے نصف ہو

(فِي شَخْصَيْنِ حَجَبَ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ فَإِنَّهُ يَرِثُ بِالْحَاجِبِ وَإِنْ لَمْ يَحْجُبْ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ يَرِثُ بِالْقَرَابَتَيْنِ)

تو ان میں سے ایک دوسرے کے لئے حاجب ہوتو وہ حاجب کے ساتھ وارث ہوگا۔ اور اگر ان میں سے ایک دوسرے کے لئے حاجب نہ ہوتو پھر وہ ہمارے نزدیک دونوں قرابتوں کے ساتھ وارث ہوگا

گا، ماں کے لئے چھٹا حصہ ہوگا اور چچا کے لئے ماقی ہوگا۔ اور دوسرے قول کے مطابق ماقی اور وہ تیس درہم ہیں بھائی کے لئے ہوں گے نہ کہ چچا کے لئے، پھر تیس کو بیٹی، ماں اور چچا کے درمیان چھ سے تقسیم کیا جائے گا جیسا کہ پہلے گزرا۔ پس بیٹی کے لئے ساٹھ، ماں کے لئے تیس اور چچا کے لئے دس ہوں گے۔ ''قاسم''۔ ملخصاً۔

تنبیہ

ورثا میں سے ہر ایک نے بینہ قائم کیا کہ اس کا باپ آخر میں فوت ہوا ہے تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں کا دعویٰ جھوٹا ہوگا۔ اور اسی طرح اگر ہر ایک کے ورثاء نے دعویٰ کیا: بے شک دوسرے کا باپ پہلے فوت ہوا اور اس نے حلف اٹھایا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی ایک پہلی صورت میں بینہ قائم کر دے یا دوسری صورت میں دعوی کرے اور حلف اٹھا دے تو معارض نہ ہونے کی وجہ سے اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اور اگر دو بھائی ایک دن میں زوال کے وقت یا سورج طلوع ہونے کے وقت یا غروب ہونے کے وقت فوت ہوئے اس حال میں کہ ان میں سے ایک مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں ہو تو مغرب میں فوت ہونے والا مشرق میں فوت ہونے والے کا وارث ہوگا۔ کیونکہ اس کی موت اس سے پہلے واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ سورج اور دیگر ستارے وغیرہ مشرق میں مغرب سے پہلے زوال پذیر، طلوع اور غروب ہوتے ہیں۔ ''سکب الانہر''۔

''الدر المنتقی'' میں کہا ہے: اور اس کا مفاد یہ ہے کہ اگر علاقہ ایک ہو یا قریب قریب ہو تو پھر حکم اس طرح نہیں ہوگا، پس چاہئے کہ اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

میں کہتا ہوں: شک کے ساتھ وراثت کی نفی میں اور عدم شک کے ساتھ اس کے ثبوت میں کوئی شک نہیں ہے۔

37541۔ (قولہ: فَإِنَّهُ يَرِثُ بِالْحَاجِبِ) کیونکہ وہ حاجب کے ساتھ وارث ہوتا ہے جیسا کہ اگر مجوسی بیٹی ماں کے ساتھ شادی کرے۔ ''سکب الانہر'' میں یہ زائد ہے: یا کوئی مسلمان یا کوئی اور شبہ کے ساتھ وطی کرے اور وہ عورت بچی کو جنم دے پھر وہ بچی اپنی ماں کو چھوڑ کر فوت ہو جائے اور یہی اس کی دادی ہو تو یہ صرف ماں ہونے کی حیثیت سے وارث ہوگی، کیونکہ ماں دادی (جدہ) کے لئے حاجب ہوتی ہے۔

37542۔ (قولہ: يَرِثُ بِالْقَرَابَتَيْنِ) وہ دونوں قرابتوں کے ساتھ وارث ہوگا۔ جیسا کہ اگر مذکورہ ماں اپنی بیٹی کو چھوڑ کر فوت ہو جائے اور یہ اس کے بیٹے کی بیٹی ہو تو اس کی بیٹی ہونے کے اعتبار سے نصف کی وارث ہوگی اور اس کی پوتی ہونے کے اعتبار سے دو تہائی کو مکمل کرنے کے لئے چھٹے حصہ کی وارث ہوگی۔

(عِنْدَنَا كَمَا قَدَّمْنَاهُ) لِلْبِنْتَيْنِ الثُّلُثَيْنِ قُلْت (وَلَا يَرِثُونَ بِأَنْكِحَةٍ مُسْتَحَلَّةٍ عِنْدَهُمْ) أَيْ يَسْتَحِلُّونَهَا كَتَزَوُّجِ مَجُوسِيٍّ أُمَّهُ لِأَنَّ النِّكَاحَ الْفَاسِدَ لَا يُوجِبُ التَّوَارُثَ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ فَلَا يُوجِبُهُ بَيْنَ الْمَجُوسِ كَذَا فِي الْجَوْهَرَةِ قَالَ وَكُلُّ نِكَاحٍ لَوْ أَسْلَمَا يُقَرَّانِ عَلَيْهِ يَتَوَارَثَانِ وَمَا لَا فَلَا انْتَهَى وَصَحَّحَهُ فِي الظَّهِيرِيَّةِ

جیسا کہ ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ دو بیٹیوں کے لئے دو ثلث ہوں گے۔ میں کہتا ہوں: اور وہ ان نکاحوں کے ساتھ وارث نہیں ہوں گے جو ان کے نزدیک حلال ہیں یعنی جنہیں وہ حلال قرار دیتے ہیں مثلاً مجوسی کا اپنی ماں سے نکاح کرنا۔ اسی طرح ''الجوہرہ'' میں ہے۔ فرمایا: ہر وہ نکاح کہ اگر وہ دونوں اسلام لے آئیں تو انہیں اس پر برقرار رکھا جائے اس کے ساتھ وہ باہم وارث ہوں گے، اور جو اس طرح نہ ہو اس کے ساتھ نہیں۔ انتہی۔ اور اسے ''الظہیریہ'' میں صحیح قرار دیا ہے۔

37543۔ (قولہ: عِنْدَنَا) یہ ہمارے نزدیک ہے۔ رہا امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو وہ دونوں میں سے اقوی قرابت کے ساتھ وارث ہوگا جیسا کہ ہم نے اسے باب العول سے پہلے بیان کر دیا ہے۔

کافر ان نکاحوں کے ساتھ وارث نہیں ہوں گے جو ان کے نزدیک حلال ہیں

37544۔ (قولہ: وَلَا يَرِثُونَ بِأَنْكِحَةٍ مُسْتَحَلَّةٍ عِنْدَهُمْ) اور وہ ان نکاحوں کے ساتھ وارث نہیں ہوں گے جو ان کے نزدیک حلال سمجھے جاتے ہیں۔ ''مصنف'' کے قول بالقرابتین سے احتراز کیا گیا ہے۔ اور فرق یہ ہے کہ یہ نکاح دین اسلام میں مطلقاً ثابت نہیں بخلاف قرابت کے۔ کیونکہ نسب کے ساتھ وہ میراث کا مستحق ہو جاتا ہے اگرچہ اس کا سبب محظور اور ممنوع ہو جیسا کہ نکاح فاسد اور وطی بالشبہہ میں ہے۔ ''مقدسی''۔ اور اسی میں ہے: اور اگر زوجین کے درمیان حرمۃ مصاھرۃ ثابت ہو اور ان کے درمیان سے بچہ پیدا ہو جائے اور باپ فوت ہو جائے تو قاضی ''سلیمان'' نے اس کا وارث بننے سے منع کیا ہے۔ اور شیخ الاسلام ''السعدی'' نے کہا ہے: وہ وارث ہوگا۔ ''سائحانی''۔

میں کہتا ہوں: اس مسئلہ کو یہاں ''الوہبانیہ'' میں نظم کیا گیا ہے پس تو اس کی شروح کی طرف رجوع کر۔

37545۔ (قولہ: كَتَزَوُّجِ مَجُوسِيٍّ أُمَّهُ) جیسا کہ مجوسی کا اپنی ماں سے شادی کرنا۔ پس اگر ان میں سے ایک دوسرے کو چھوڑ کر فوت ہو گیا تو وہ نسب کے اعتبار سے وارث ہوگا نہ کہ زوجیت کے اعتبار سے۔

جائز اور فاسد نکاح کا ضابطہ

37546۔ (قولہ: وَكُلُّ نِكَاحٍ الخ) اور وہ جیسا کہ بغیر گواہوں کے نکاح کرنا یا کافر کی عدت میں نکاح کرنا درآنحالیکہ وہ اس کی حلت کا اعتقاد رکھتے ہوں بخلاف محارم کے، یا کسی مسلمان کی عدت میں نکاح کرنا تو ان دونوں کو اس پر برقرار نہیں رکھا جائے گا۔ اور ''الجوہرہ'' میں اسے نکاح جائز اور نکاح فاسد کے لئے ضابطہ قرار دیا ہے یعنی وہ جس کے ساتھ وراثت ثابت ہوتی ہے اور وہ جس کے ساتھ وراثت ثابت نہیں ہوتی۔

(وَيَرِثُ وَلَدُ الزِّنَا وَاللِّعَانِ بِجِهَةِ الْأُمِّ فَقَطْ) لِمَا قَدَّمْنَاهُ فِي الْعَصَبَاتِ أَنَّهُ لَا أَبَ لَهُمَا (وَوُقِفَ لِلْحَمْلِ حَظُّ ابْنٍ وَاحِدٍ) أَوْ بِنْتٍ وَاحِدَةٍ أَيُّهُمَا كَانَ أَكْثَرَ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى

اور ولد الزنا اور ولد اللعان صرف ماں کی جہت سے وارث ہوگا۔ کیونکہ ہم پہلے عصبات کے بیان میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ ان دونوں کا (شرعاً) کوئی باپ نہیں ہوتا۔ اور حمل کے لئے ایک بیٹے یا ایک بیٹی میں سے جس کا حصہ زیادہ ہو وہ روک لیا جائے گا اور اسی پر فتویٰ ہے۔

ولد الزنا اور ولد اللعان کے لیے وراثت کی جہت

37547۔ (قولہ: بِجِهَةِ الْأُمِّ فَقَطْ) صرف ماں کی جانب سے جیسا کہ اگر اس کا ایک عورت سے ایک بیٹا ہو پھر وہ اس کے ساتھ زنا کرے اور وہ ایک بیٹے کو جنم دے یا وہ دوسرے بیٹے کی ولادت پر اس سے لعان کر لے، پھر ان دو بھائیوں میں سے ایک فوت ہو جائے تو بلاشبہ دوسرا ماں کی طرف سے بھائی ہونے کے سبب اس کا وارث ہوگا نہ کہ سگا بھائی ہونے کی حیثیت سے۔ ''حلبی''۔

37548۔ (قولہ: لِمَا قَدَّمْنَاهُ فِي الْعَصَبَاتِ الخ) کیونکہ ہم نے عصبات کے بیان میں ان دونوں کے درمیان فرق بیان کر دیا ہے، اور اس کے بارے تفصیل بھی ذکر کر دی ہے۔ فتنبہ۔

حمل کے لیے میراث کا شرعی حکم

37549۔ (قولہ: وَوُقِفَ لِلْحَمْلِ حَظُّ ابْنٍ وَاحِدٍ الخ) اور حمل کے لئے ایک بیٹے کا حصہ روک لیا جائے یہ حکم تب ہے جبکہ حمل ورثا کے ساتھ شریک ہو یا ان کے لئے حجب نقصان کا باعث ہو۔ اور اگر وہ ان کے لئے حجب حرمان کا سبب ہو تو پھر کل ترکہ روک لیا جائے۔ کہا گیا ہے: اور اسی طرح حکم ہے اگر ولادت مہینے سے کم مدت میں متوقع ہو۔ اور اسی کے ساتھ زیلعی نے ''السراجیہ'' پر اپنی شرح میں یقین اور اعتماد کیا ہے۔ لیکن اسے مطلق قرار دینا زیادہ ظاہر ہے جیسا کہ ''الاکمل'' نے اسے اس کی شرح میں ذکر کیا ہے۔ اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ پیٹ میں حمل ہے یا نہیں تو پھر کوئی شے نہ روکی جائے۔ پھر اگر وہ حمل کو جنم دے تو تقسیم نئے سرے سے کی جائے گی۔ اور اگر عورت حمل کا دعویٰ کرے تو وہ یقین اور اعتماد کے ساتھ پیش کرے۔ اور اگر وہ مردہ بچے کو جنم دے تو وہ وارث نہیں ہوگا یعنی جب وہ بذات خود خارج ہوا۔ لیکن اگر اسے جنایہ کے ساتھ خارج کیا گیا تو وہ خود بھی وارث ہوگا اور اس کا وارث بھی بنایا جائے گا۔ اور جب اس کا اکثر حصہ زندہ خارج ہوا جس سے اس کا زندہ ہونا معلوم ہوتا ہو اگرچہ وہ آنکھ اور ہونٹ کو حرکت دینے کے ساتھ ہی ہو اور پھر وہ فوت ہو جائے تو وہ وارث ہوگا اور اس پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ اور اگر وہ نصف سے کم زندہ خارج ہوا پھر فوت ہو گیا تو وہ وارث نہیں ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ''الدر المنتقی'' میں ہے۔

37550۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) اور اسی پر فتویٰ ہے، اور یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے کہ چار بچوں کا حصہ روکا جائے گا۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو کا حصہ۔

لِأَنَّهُ الْغَالِبُ وَيُكَفِّلُونَ احْتِيَاطًا كَمَا لَوْ تَرَكَ أَبَوَيْنِ وَبِنْتًا وَزَوْجَةً حُبْلَى
کیونکہ یہی غالب ہے۔ اور احتیاطاً ان سے کفیل اور ضامن لیا جائے گا جیسا کہ اگر وہ والدین، بیٹی اور حاملہ بیوی چھوڑے

37551۔ (قولہ: لِأَنَّهُ الْغَالِبُ) یعنی عادۃً غالب یہی ہے کہ ایک عورت ایک پیٹ میں صرف ایک بچے کو جنم دیتی ہے۔ پس حکم کی بنیاد اسی پر رکھی جائے گی جب تک اس کا خلاف معلوم نہ ہو۔ ''سید''۔

37552۔ (قولہ: وَيُكَفِّلُونَ) یعنی امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر قاضی ورثا سے امر معلوم پر ضامن لے گا اور وہ صرف ایک بیٹے کے حصہ سے زیادہ ہونا ہے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے جو اپنے لئے نظر و فکر سے عاجز ہے۔ اس سے میری مراد حمل ہے۔ ''سید''۔

حمل کے مسائل میں اصل

37553۔ (قولہ: كَمَا لَوْ تَرَكَ الخ) تو جان کہ حمل کے مسائل کی تصحیح میں اصل یہ ہے کہ اس کے مذکر اور مؤنث ہونے کے مسئلہ کی تصحیح ہو جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے، پھر ان میں سے ایک کو دوسرے میں ضرب دی جائے گی اگر ان کے درمیان تباین ہو یا اس کے وفق میں ضرب دی جائے گی اگر ان کے درمیان توافق ہو۔ پھر جس کے لئے مؤنث ہونے کے مسئلہ سے کوئی شے ہوگی وہ اسے دوسرے کل مسئلہ میں یا اس کے وفق میں ضرب دے کر لے اور دو حاصلوں میں سے اقل دے دیا جائے گا اور باقی (فضل، فالتو) روک لیا جائے گا۔ پس اس صورت میں مذکر ہونے کا مسئلہ چوبیس سے ہے۔ زوجہ کے لئے آٹھواں حصہ یعنی چوبیس میں سے تین حصے، والدین میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ یعنی چوبیس میں سے چار حصے، اور بیٹی کے لئے مذکر حمل کے ساتھ مابقی ہوگا اور وہ تیرہ حصے ہیں۔ اور مؤنث ہونے کا مسئلہ ستائیس سے چلے گا۔ اس لئے کہ آٹھواں حصہ چھٹے حصہ کیساتھ مل جائے گا۔ پس والدین کے لئے سات حصے ہوں گے، زوجہ کے لئے تین حصے ہوں گے اور بیٹے کے لئے مؤنث حمل کے ساتھ سولہ ہوں گے۔ اور دونوں مسئلوں کے درمیان ثلث کے ساتھ توافق ہے۔ پس جب دو میں سے ایک کے وفق کو دوسرے میں ضرب دی (مراد 3x72=216 ہے) تو حاصل ضرب دو سو سولہ ہوگا اور اسی سے مسئلہ صحیح ہوگا، پس مذکر ہونے کی تقدیر پر زوجہ کے لئے ستائیس (27) حصے تین کو دوسرے مسئلہ کے وفق میں اور وہ نو ہے ضرب دینے سے، اور والدین میں سے ہر ایک کے لئے چار کو نو میں ضرب دینے سے چھتیس، اور بیٹی کے لئے مذکر حمل کے ساتھ تیرہ کو نو میں ضرب دینے سے ایک سو سترہ حصص ہوں گے۔ بیٹی کے لئے ان سے ایک تہائی یعنی انتالیس اور باقی مذکر حمل کے لئے ان میں سے دو تہائی یعنی اٹھتر (78) حصص ہوں گے۔ اور مؤنث ہونے کی تقدیر پر زوجہ کے لئے تین کو پہلے کے وفق جو کہ آٹھ ہے میں ضرب دینے سے چوبیس، والدین میں سے ہر ایک کے لئے چار کو آٹھ میں ضرب دینے سے بتیس، اور بیٹی کے لئے مؤنث حمل کے ساتھ سولہ کو آٹھ میں ضرب دینے سے ایک سو اٹھائیس حصص ہوں گے۔ ان میں سے بیٹی کے لئے نصف چونسٹھ (64) اور باقی نصف چونسٹھ ہی حمل کے لئے ہوگا۔ پس زوجہ اور والدین کو وہ دیا جائے گا جو مؤنث ہونے کی تقدیر پر ان کے لئے حصہ نکلا

فَإِنَّ الْمَسْأَلَةَ مِنْ أَرْبَعَةٍ وَعِشْرِينَ إِنْ فُرِضَ الْحَمْلُ ذَكَرًا وَتَعُولُ لِسَبْعَةٍ وَعِشْرِينَ إِنْ فُرِضَ أُنْثَى لِأَنَّ هَذَا عَلَى كَوْنِ الْحَمْلِ مِنَ الْمَيِّتِ

تو بلاشبہ یہ مسئلہ چوبیس سے چلے گا اگر حمل کو مذکر فرض کیا جائے، اور یہ ستائیس کی طرف عول کرے گا اگر اسے مؤنث فرض کیا جائے۔ کیونکہ یہ حمل کے میت سے ہونے کی بنا پر ہے

اور فالتو اور اضافی حصہ کو روک لیا جائے گا اور وہ گیارہ حصص ہیں، زوجہ کے حصہ میں سے تین اور والدین کے حصہ میں سے آٹھ ہیں۔ اور بیٹی کو وہ دیا جائے گا جو مذکر ہونے کی تقدیر پر اس کے لئے نکلا اور باقی حمل کے لئے روک لیا جائے گا اور وہ اٹھتر (78) حصص ہیں۔ پس مجموعی طور پر روکے گئے حصص میں سے پچیس بیٹی کو دیئے جائیں گے تاکہ اس کا حصہ حمل کے حصہ کے برابر ہو جائے اور باقی حمل کے لئے ہوگا۔ اور اگر اس نے اسے مذکر جنا تو پھر زوجہ کو تین اور والدین کو آٹھ دیئے جائیں گے اور باقی اس کے لئے ہوگا۔ اور اگر وہ اسے مردہ جنے تو پھر بیٹی کو موقوف حصص میں سے انہتر (69) دیئے جائیں تاکہ نصف مکمل ہو جائے، زوجہ کو تین تاکہ اس کا آٹھواں حصہ مکمل ہو جائے، ماں کو چار تاکہ چھٹا حصہ مکمل ہو جائے، باقی تیرہ حصے بچیں گے ان میں چار باپ کو دیئے جائیں گے تاکہ چھٹا حصہ مکمل ہو جائے اور باقی نو حصے اسے ہی عصبہ ہونے کی حیثیت سے دیئے جائیں گے۔ تحقیق میں نے اس تقسیم میں اس کی مخالفت کی ہے جو ''السراجیہ'' اور اس کی شروح میں ہے، اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ فتویٰ اس پر ہے کہ موقوف یعنی روکا ہوا مال ایک بچے کا حصہ ہے اور دوسرا یہاں بیٹی کے حق میں حمل کا مذکر ہونا اور زوجہ اور والدین کے حق میں اس کا مؤنث ہونا ہے جیسا کہ آپ نے دیکھ لیا ہے۔ اور اس پر تعجب ہے جو ''السراجیہ'' میں ہے اس حیثیت سے کہ انہوں نے مفتی بہ اسے ذکر کیا ہے اور پھر چار بچوں کا حصہ روکا ہے اور اسی بنا پر تقسیم کی ہے۔ فتبین مل۔

تنبیہ

یہ توقف بلاشبہ وارث کے حق میں ہوتا ہے جس کا فرض (حصہ) اکثر سے اقل کی طرف بدل جاتا ہے۔ رہا وہ جس کا حصہ تبدیل نہیں ہوتا جیسا کہ دادی اور حاملہ بیوی، تو اس کے لئے کوئی شے نہیں روکی جائے گی۔ اور جہاں تک اس کا تعلق ہے جو حمل کی دو حالتوں میں سے ایک میں ساقط ہو جاتا ہے جیسا کہ بھائی یا چچا حاملہ بیوی کے ساتھ وارث ہو تو اسے کوئی شے نہیں دی جائے گی۔ مکمل بحث ''سکب الانہر'' میں ہے۔

37554۔ (قولہ: هَذَا) یعنی یہ جو مثال گزر چکی ہے۔ اور تو جان کہ جب حمل میت سے ہو تو بلاشبہ وہ وارث ہوگا جب وہ دو سال سے کم مدت میں پیدا ہوا اور عورت اپنی عدت گزرنے کا اقرار نہ کرے۔ پس اگر مکمل دو سال یا زیادہ عرصہ گزر گیا یا عورت نے عدت گزرنے کا اقرار کر لیا تو وہ وارث نہیں ہوگا۔ اور جو ''السراجیہ'' میں مکمل دو سال کو اس سے کم مدت کے ساتھ ملایا گیا ہے وہ ظاہر روایت کے خلاف ہے۔ اور اگر حمل میت کے سوا کسی غیر سے ہو تو بلاشبہ وہ وارث ہوگا بشرطیکہ وہ چھ ماہ یا اس سے کم عرصہ میں پیدا ہو۔ ورنہ وارث نہیں ہوگا۔ مگر جب عورت عدت گزار رہی ہو اور اس نے عدت گزرنے کا اقرار نہ کیا ہو، یا

وَإِلَّا فَمُثُلُهُ كَثِيرَةٌ كَمَا لَوْ تَرَكَتْ زَوْجًا وَأُمًّا حُبْلَى فَلِلزَّوْجِ النِّصْفُ وَلِلْأُمِّ الثُّلُثُ وَلِلْحَمْلِ إنْ قُدِّرَ ذَكَرًا السُّدُسُ لِأَنَّهُ عَصَبَةٌ فَيُقَدَّرُ أُنْثَى لِيُفْرَضَ لَهُ النِّصْفُ وَتَعُولُ لِثَمَانِيَةٍ كَمَا لَا يَخْفَى قُلْت وَلَمْ أَرَ مَا لَوْ كَانَ عَلَى أَحَدِ التَّقْدِيرَيْنِ يَرِثُ وَعَلَى الْآخَرِ لَا كَهُمْ وَأَخَوَيْنِ لِأُمٍّ فَإِنْ قُدِّرَ ذَكَرًا لَمْ يَبْقَ لَهُ شَيْءٌ فَيَنْبَغِي أَنْ يُقَدَّرَ أُنْثَى

ورنہ اس کی مثالیں کثیر ہیں جیسا کہ اگر عورت خاوند اور حاملہ ماں چھوڑے تو خاوند کے لئے نصف، ماں کے لئے ثلث اور حمل کو اگر مذکر فرض کیا جائے تو اس کے لئے سدس (چھٹا حصہ) ہوگا۔ کیونکہ وہ عصبہ ہے۔ پس اسے مؤنث فرض کیا جائے گا تا کہ اس کے لئے نصف مقرر کیا جائے اور مسئلہ آٹھ کی طرف عول کرے گا جیسا کہ یہ امر مخفی نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں: میں نے ایسے مسئلہ کا حکم نہیں دیکھا کہ اگر وہ ایک تقدیر پر وارث ہوتا ہو اور دوسری تقدیر پر وارث نہ ہو جیسا کہ مذکورہ ورثاء کے ساتھ دو اخیافی بھائی ہوں تو اگر اسے مذکر فرض کیا جائے تو اس کے لئے کوئی شے نہیں ہوتی۔ پس چاہئے کہ اسے مؤنث فرض کیا جائے

ورثاء نے حمل کے وجود کا اقرار کیا ہو جیسا کہ یہی ''سکب الانہر'' مع شرح ''ابن کمال'' اور حاشیہ ''یعقوب'' سے معلوم ہوتا ہے۔

37555۔ (قولہ: وَإِلَّا فَمُثُلُهُ كَثِيرَةٌ) یہ دو ضموں کے ساتھ مثال کی جمع ہے۔ اور یہ وہم پیدا کرتا ہے کہ اگر حمل میت سے ہو تو وہ سابقہ مثال کے ساتھ مختص ہے حالانکہ اس طرح نہیں ہے۔ اسے ''طحطاوی'' نے بیان کیا ہے۔

37556۔ (قولہ: وَأُمًّا حُبْلَى) حاملہ ماں، جو فوت ہونے والی کے باپ سے حاملہ ہو، پس اگر وہ حمل اس کے باپ کے سوا کسی اور سے ہو تو پھر اس کا حصہ چھٹا ہوگا چاہے حمل مذکر ہو یا مؤنث۔

37557۔ (قولہ: فَيُقَدَّرُ أُنْثَى) پس اسے مؤنث فرض کیا جائے گا، کیونکہ اس کا حصہ زیادہ ہے۔

37558۔ (قولہ: وَلَمْ أَرَ الخ) یہ عجیب ہے اس کے باوجود کہ بعینہ فرع ''الوہبانیہ'' سے نقل کی ہے۔ ''حلبی''۔

میں کہتا ہوں: ان کی مراد یہ ہے کہ انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ کیا اس کے لئے کوئی شے روکی جائے گی یا نہیں۔ اور ''الوہبانیہ'' کے کلام میں ایسی کوئی شے نہیں ہے جو اس کا فائدہ دیتی ہو جیسا کہ عنقریب ظاہر ہو جائے گا۔

37559۔ (قولہ: مَا لَوْ كَانَ) یعنی اگر حمل ہو۔

37560۔ (قولہ: كَهُمْ) جیسا کہ وہ یعنی خاوند اور سگے بھائی یا سگی بہن سے حاملہ ماں ان کی طرف ضمیر جمع لوٹائی اس اعتبار سے کہ حمل کو وارث شمار کیا ہے۔ ''طحطاوی''۔

37561۔ (قولہ: لَمْ يَبْقَ لَهُ شَيْءٌ) یعنی حمل کے لئے کوئی شے باقی نہیں بچی۔ کیونکہ وہ عصبہ ہے۔ اور فروض ترکہ کو مستغرق اور محیط ہیں۔ کیونکہ یہ مسئلہ چھ سے ہے۔ پس خاوند کے لئے نصف یعنی تین حصے، ماں کے لیے چھٹا حصہ یعنی ایک، اور دو اخیافی بھائیوں کے لئے ایک تہائی یعنی دو حصے ہیں۔ اور یہی شافعیہ کے نزدیک مسئلہ مشرکہ ہے۔

37562۔ (قولہ: فَيَنْبَغِي أَنْ يُقَدَّرَ أُنْثَى الخ) پس چاہئے کہ اسے مؤنث فرض کیا جائے۔ اسی پر ''زیلعی'' کا قول

وَتَعُولُ لِتِسْعَةٍ احْتِيَاطًا وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ وَحَامِلَةٌ إِنْ أَتَتْ بِابْنٍ فَلَمْ يَرِثْ وَإِنْ وَلَدَتْ بِنْتًا لَهَا الثُّلُثُ يُقْدَرُ

اور مسئلہ نو کی طرف عول کرے گا یہ احتیاطاً ہے۔ اور ''الوہبانیہ'' میں ہے: اور حاملہ اگر بیٹے کو جنم دے تو وہ وارث نہ ہوگا اور اگر اس نے بیٹی جنی تو اس کے لئے تہائی مقرر کیا جائے گا۔

دلالت کرتا ہے: اور اگر وارث کا حصہ دو تقدیروں میں سے ایک پر زیادہ ہو تو اسے اقل دیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے بارے یقین ہے اور باقی روک لیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے مسئلہ میں ورثاء کا حصہ حمل کے مذکر ہونے کی تقدیر کی نسبت اس کے مؤنث ہونے کی تقدیر پر زیادہ ہے۔ لہٰذا اسے مؤنث فرض کیا جائے گا اور اس کے نصف کو بطور عول روک لیا جائے گا اور وہ ترکہ کا تیسرا حصہ ہے اور ورثاء کو وہ اقل دے دیا جائے گا جس کے بارے یقین ہے۔

پہیلی

37563۔ (قولہ: وَحَامِلَةٌ الخ) کہا جاتا ہے: امرأة حامل أو حاملة (یعنی صفت حامل اور حاملة دونوں طرح آتی ہے) جیسا کہ ''القاموس'' میں اس کے بارے تصریح ہے۔ فافہم۔ اور ان کے قول: فلم یرث میں فا زائدہ ہے۔ اور یُقْدَرُ قاف ساکن اور دال کے فتحہ کے ساتھ صیغہ مجہول ہے اور یہ شعر ''الوہبانیہ'' کے مشکل کلام میں سے ہے۔ اور یہ حاملہ عورت کے بارے میں ایک پہیلی ہے کہ اگر وہ مذکر کو جنم دے تو وہ وارث نہ ہوگا اور اگر اس نے مؤنث کو جنم دیا تو اس کے لئے تیسرا حصہ مقرر ہے اور وہ عول کرتے ہوئے نصف ہے، اس کا جواب وہ ہے جس کی صورت ''شارح'' نے ابھی بیان کی ہے۔ پس کہا جائے گا: بے شک وہ اس صورت میں ہے کہ اگر عورت خاوند، حاملہ ماں اور دو اخیافی بھائی چھوڑ کر فوت ہو۔ اور اس میں کوئی خفا نہیں ہے کہ ''وہبانیہ'' کے کلام میں ایسی کوئی شے نہیں ہے جو یہ فائدہ دیتی ہو کہ کیا اس حمل کے لئے کوئی شے روکی جائے گی یا نہیں؟ بلاشبہ یہ اس مسئلہ کی صورت بیان کرنے کے بارے محض ایک سوال ہے۔ فافہم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فَصْلٌ فِی الْمُنَاسَخَةِ

(مَاتَ بَعْضُ الْوَرَثَةِ قَبْلَ الْقِسْمَةِ لِلتَّرِكَةِ صَحَّحْتَ الْمَسْأَلَةَ الْأُولَى) وَأَعْطَيْتَ سِهَامَ كُلِّ وَارِثٍ (ثُمَّ الثَّانِيَةَ) إِلَّا إِذَا اتَّحَدُوا كَأَنْ مَاتَ عَنْ عَشَرَةِ بَنِينَ، ثُمَّ مَاتَ أَحَدُهُمْ عَنْهُمْ (فَإِنْ اسْتَقَامَ نَصِيبُ الْمَيِّتِ الثَّانِي عَلَى تَرِكَتِهِ فَبِهَا) وَنِعْمَتْ

مناسخہ کے احکام

ترکہ کی تقسیم سے پہلے کوئی وارث فوت ہو گیا تو تو پہلے مسئلہ کو صحیح قرار دے اور ہر وارث کے سہام (حصص) اسے دے پھر دوسرے مسئلہ کو صحیح قرار دے، مگر جب وہ متحد ہوں جیسا کہ وہ آدمی دس بیٹے چھوڑ کر فوت ہوا، پھر ان میں سے کوئی ایک فوت ہو گیا تو اگر دوسرے میت کا حصہ اس کے ترکہ پر تقسیم ہو گیا تو بہتر اور بہت اچھا،

مناسخہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

یہ نسخ سے باب مفاعلہ ہے اس کا معنی نقل کرنا، تبدیل کرنا اور پھیرنا ہے اور یہاں اس سے مراد ترکہ تقسیم ہونے سے پہلے کسی وارث کے فوت ہونے کے سبب اس کے حصہ کو اس کے اپنے ورثا کی طرف منتقل کرنا ہے۔ ''سیّد''۔

دوسرے مسئلہ کی تصحیح

37564۔ (قولہ: ثُمَّ الثَّانِيَةَ) یعنی پھر دوسرے مسئلہ کی تصحیح کی جائے گی۔ مراد دوسرے میت کا مسئلہ ہے۔ اور تصحیح میں سے جو اس کے قبضہ میں ہے اس کے درمیان اور دوسری تصحیح کے درمیان تین احوال کو دیکھا جائے گا اور وہ مماثلت، موافقت اور مباینت ہیں۔ ''سیّد''۔ عنقریب ان کی مثالیں آئیں گی۔

37565۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا اتَّحَدُوا) مگر جب دونوں میتوں کے ورثا متحد ہوں تو پھر ایک تصحیح پر اکتفا کیا جائے گا تو اس وقت مذکورہ مثال میں ابتدا سے ہی ترکہ نو بھائیوں پر تقسیم کیا جائے گا گویا دوسری میت ہے ہی نہیں۔

37566۔ (قولہ: فَإِنْ اسْتَقَامَ الخ) پس اگر دوسری میت کا حصہ تقسیم ہو جائے جیسا کہ جب کوئی ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑ کر فوت ہو پھر وہ بیٹا اپنے دو بیٹے چھوڑ کر فوت ہو جائے تو پہلا مسئلہ تین سے ہے۔ اور ان میں سے بیٹے کے لئے دو حصے ہیں اور پھر اس کا مسئلہ دو سے ہے اور جو اس کے پاس ہے وہ اس کے مسئلہ پر تقسیم ہو جاتا ہے۔

37567۔ (قولہ: عَلَى تَرِكَتِهِ) یعنی اس کے ترکہ کے مسئلہ پر۔ اور اس میں زیادہ درست علی مسئلتِہٖ (یعنی اس کے مسئلہ پر) ہے۔

37568۔ (قولہ: فَبِهَا وَنِعْمَتْ) یعنی اسی تقسیم پر اکتفا کیا جائے گا اور یہ بہت خوب اور اچھا ہے۔ کیونکہ اسی سے

وَإِنْ لَمْ يَسْتَقِمْ فَإِنْ كَانَ بَيْنَ سِهَامِهِ وَمَسْأَلَتِهِ مُوَافَقَةٌ (ضَرَبْتَ وَفْقَ التَّصْحِيحِ فِي كُلِّ التَّصْحِيحِ الْأَوَّلِ وَإِلَّا) يَكُنْ بَيْنَهُمَا مُوَافَقَةٌ بَلْ مُبَايَنَةٌ (ضَرَبْتَ كُلَّ الثَّانِي فِي كُلِّ الْأَوَّلِ يَحْصُلُ مَخْرَجُ الْمَسْأَلَتَيْنِ

اور اگر تقسیم نہ ہوا تو پھر اگر اس کے سہام اور اس کے مسئلہ کے درمیان موافقت ہو تو اس تصحیح کے وفق کو پہلی تصحیح کے کل میں ضرب دے۔ اور اگر ان دونوں کے درمیان موافقت نہ ہو بلکہ مباینت ہو تو پھر دوسرے کے کل کو پہلے کے کل میں ضرب دے تو دونوں مسئلوں کا مخرج نکل آئے گا

دونوں مسئلے صحیح ہو گئے جس سے پہلا مسئلہ صحیح ہوا، لہٰذا مزید عمل کی حاجت اور ضرورت نہیں ہو گی۔

37569_(قولہ: وَإِنْ لَمْ يَسْتَقِمْ) اور اگر دوسرے میت کا حصہ تقسیم نہ ہو اور اس سے مراد وہ ہے جو پہلے مسئلہ سے اس کے ہاتھ آیا ہے۔ یعنی وہ اس کے مسئلہ پر تقسیم نہ ہو۔

37570_(قولہ: فَإِنْ كَانَ بَيْنَ سِهَامِهِ) یعنی اس کے وہ حصص جو پہلے مسئلہ سے اس کے ہاتھ میں ہیں ان کے درمیان اور اس کے مسئلہ کے درمیان موافقت ہو جیسا کہ جب وہ دو بیٹے اور دو بیٹیاں چھوڑ کر فوت ہو جائے پھر دو بیٹوں میں سے کوئی ایک بیوی، بیٹی اور عصبہ چھوڑ کر فوت ہو جائے تو پہلا مسئلہ چھ سے چلے گا اور دوسرا آٹھ سے۔ اور پہلے مسئلہ سے اس کے حصص دو ہیں جو اس کے مسئلہ پر تقسیم نہیں ہو سکتے لیکن نصف کا توافق ہے۔ پس تو اس کے مسئلہ کے وفق جو کہ چار ہے اسے تصحیح اول اور وہ چھ ہے اس میں ضرب دے تو حاصل ضرب چوبیس ہو گا اور اس سے دونوں مسئلے صحیح ہو جائیں گے پہلے بیٹے کے لئے آٹھ حصے، اور تین میں سے ہر بیٹی کے لئے چار حصے اور فوت ہونے والے بیٹے کے لئے آٹھ حصے ہوں گے۔ ان میں سے ایک حصہ اس کی بیوی کے لئے، چار حصے بیٹی کے لئے اور تین حصے عصبہ کے لئے ہوں گے۔

37571_(قولہ: وَإِلَّا الخ) اور اگر ان کے درمیان موافقت نہ ہو جیسا کہ اگر کوئی بیوی اور متفرق بہنیں چھوڑ کر فوت ہو جائے، پھر سگی بہن اپنی دو بہنیں اور خاوند چھوڑ کر فوت ہو گئی تو پہلا مسئلہ بارہ سے چلے گا اور عول تیرہ تک ہو گا۔ پس بیوی کے لئے تین حصے، سگی بہن کے لئے چھ حصے، علاتی بہن کے لئے دو حصے اور اخیافی بہن کے لئے دو حصے ہوں گے، اور دوسرا مسئلہ چھ سے ہو گا اور سات تک عول ہو گا۔ پس خاوند کے لئے تین حصے، علاتی بہن کے لئے تین حصے اور ماں کے لئے ایک حصہ ہو گا۔ اور پہلے مسئلہ میں سے سگی بہن کے چھ حصے سات پر برابر تقسیم نہیں ہو سکتے اور ان کے درمیان توافق بھی نہیں ہے۔ پھر سات کو تیرہ میں ضرب دی جائے گی تو حاصل ضرب اکانوے (91) ہو گا اور اس سے دونوں مسئلے صحیح ہو جائیں گے۔

37572_(قولہ: يَحْصُلُ مَخْرَجُ الْمَسْأَلَتَيْنِ) یعنی موافقت اور مباینت دونوں صورتوں میں ضرب دینے سے جو حاصل ضرب ہو گا وہی دونوں صورتوں میں دونوں مسئلوں کا مخرج ہو گا جیسا کہ آپ جان چکے ہیں۔ اور اس حاصل ضرب کو الجامعہ کا نام دیا جاتا ہے، اور جسے پہلے مسئلہ میں ضرب دی جائے اور وہ دوسرا مسئلہ یا اس کا وفق ہے اسے جزء السہم کہا جاتا ہے۔ یہ اس کے خلاف ہے جو "الدر المنتقی" میں ہے۔ پس تو اس پر آگاہ رہ۔

فَتَضْرِبُ سِهَامَ وَرَثَةِ الْمَيِّتِ الْأَوَّلِ فِي الْمَضْرُوبِ) أَيْ فِي التَّصْحِيحِ الثَّانِي أَوْ فِي وَفْقِهِ (وَسِهَامَ وَرَثَةِ الْمَيِّتِ الثَّانِي فِي كُلِّ مَا فِي يَدِهِ أَوْ وَفْقِهِ مِنْ) التَّصْحِيحِ (الْأَوَّلِ) وَإِنْ كَانَ فِيهِمْ مَنْ يَرِثُ مِنَ الْمَيِّتَيْنِ ضَرَبْتَ نَصِيبَهُ مِنَ الْأَوَّلِ فِي الثَّانِي أَوْ وَفْقَهُ وَنَصِيبَهُ مِنَ الثَّانِي فِيمَا فِي يَدِ الْمَيِّتِ الثَّانِي أَوْ وَفْقَهُ

پھر پہلے میت کے ورثا کے سہام کو مضروب یعنی دوسری تصحیح یا اس کے وفق میں ضرب دے گا، اور دوسرے میت کے ورثا کے سہام کو اس کے کل میں جو اس کے ہاتھ میں ہے یا تصحیح اول کے وفق میں ضرب دے۔ اور اگر ان میں کوئی ایسا ہو جو دونوں میتوں سے وارث بن رہا ہو تو پہلے میت سے اس کے حصہ کو دوسرے میں یا اس کے وفق میں اور دوسرے میت سے اس کے حصہ کو اس میں جو میت کے قبضہ میں ہے یا اس کے وفق میں ضرب دے۔

37573۔ (قولہ: فَتَضْرِبُ الخ) ''مصنف'' یہاں سے دونوں مسئلوں میں تصحیح سے ہر وارث کا حصہ پہچاننے میں شروع ہو رہے ہیں۔ اور اس کا بیان اس صورت میں ہے جسے ہم نے موافقت کے لئے بیان کیا ہے کہ بیٹے کے لئے پہلے مسئلہ سے دو حصے ہیں۔ پس تو ان دو کو مضروب میں یعنی دوسرے مسئلہ کے وفق میں ضرب دے اور وہ چار ہے اور اسے ضرب دینے سے آٹھ ہو جائیں گے اور ہر بیٹی کے لئے ایک کو چار میں ضرب دینے سے چار اور بیوی کے لئے دوسرے مسئلہ سے ایک ہے اسے اس کے وفق میں ضرب دو جو اس کی میت کے پاس ہے اور وہ ایک ہے اسے ایک کے ساتھ ضرب دینے سے ایک، اور بیٹی کے لئے چار کو ایک میں ضرب دینے سے چار اور عصبہ کے لئے تین کو ایک میں ضرب دینے سے تین ہوں گے۔ اور اس میں جو ہم نے مباینت کے لئے صورت بیان کی ہے کہ صرف پہلے مسئلہ سے بیوی کے لیے تین کو سات میں ضرب دینے سے اکیس اور علاتی بہن کے لئے پہلے مسئلہ سے دو کو سات میں ضرب دینے سے چودہ ہوں گے۔ اور دوسرے مسئلہ میں تین کو اس میں ضرب دینے سے جو میت کے پاس ہے اور وہ چھ ہے اٹھارہ ہو جائیں گے۔ اور پہلے مسئلہ سے اخیافی بہن کے لئے دو کو سات میں ضرب دینے سے چودہ اور دوسرے مسئلہ سے ایک کو چھ میں ضرب دینے سے چھ، اور خاوند کے لئے صرف دوسرے مسئلہ سے تین کو چھ میں ضرب دینے سے اٹھارہ حصے ہوں گے۔

37574۔ (قولہ: وَإِنْ كَانَ فِيهِمْ الخ) اور اگر ان میں کوئی ایسا موجود ہو جو دونوں میتوں کا وارث ہو جیسا کہ علاتی اور اخیافی بہن ہے اس صورت میں جو ہم نے مباینت کے لئے بیان کی ہے۔ لیکن وہ تصحیح اول سے حصہ کو دوسرے مسئلہ کے کل میں ضرب دینے کی مثال ہے۔ اور تصحیح ثانی سے حصہ کو اس کے کل میں ضرب دینے کی مثال جو دوسرے میت کے ہاتھ میں ہے وفق میں ضرب کے لئے ہے۔ اگر کوئی آدمی بیوی، اس سے اپنی بیٹی اور باپ کو چھوڑ کر فوت ہو گیا پھر وہ بیٹی اپنی ماں اور دادا کو چھوڑ کر فوت ہو گئی تو پہلا مسئلہ چوبیس سے چلے گا۔ بیٹی کے لئے نصف یعنی بارہ حصے، بیوی کے لئے آٹھواں حصہ یعنی تین حصے، اور باپ کے لئے چھٹا حصہ یعنی چار حصے بطور فرض اور باقی پانچ بطور عصبہ ہوں گے۔ اور دوسرا مسئلہ تین سے چلے گا، ماں کے لئے تین میں سے ایک حصہ اور باقی دو دادا کے لئے ہوں گے۔ اور اس کے درمیان اور جو بارہ حصص بیٹی کے پاس ہیں ان کے

(وَلَوْ مَاتَ ثَالِثٌ) قَبْلَ الْقِسْمَةِ (جَعَلَ الْمَبْلَغَ) الثَّانِي (مَقَامَ الْأُولَى و) جَعَلَ (الثَّالِثَةَ مَقَامَ الثَّانِيَةِ)

اور اگر تقسیم سے پہلے کوئی تیسرا وارث فوت ہو گیا تو پھر عمل میں مبلغ ثانی کو مسئلہ اولیٰ کے مقام پر اور تیسرے کو دوسرے مسئلہ کے مقام پر رکھ دیا جائے،

درمیان ثلث کی موافقت ہے۔ پس تو تصحیح ثانی کے وفق کو اور وہ ایک ہے اسے تصحیح اول کے کل میں ضرب دے گا تو وہ اسی طرح چوبیس ہو جائیں گے۔ پس بیوی کے لئے پہلے مسئلہ سے تین کو تصحیح اول کے وفق ایک میں ضرب دینے سے تین اور اس کے لئے دوسرے مسئلہ سے اس کے ماں ہونے کے سبب ایک کو چار میں جو اس کا وفق ہے جو بیٹی کے پاس ہے ضرب دینے سے چار حصے ہوں گے اور باپ کے لئے پہلے مسئلہ سے نو کو ایک میں ضرب دینے سے نو اور دوسرے مسئلہ سے اس کے اس کا دادا ہونے کی حیثیت سے دو کو چار میں ضرب دینے سے آٹھ حصے ہوں گے۔

اگر کوئی تیسرا وارث فوت ہو جائے تو تصحیح کا ضابطہ

37575۔(قولہ: وَلَوْ مَاتَ ثَالِثٌ الخ) اور اگر تیسرا وارث فوت ہو جائے۔ اس کا بیان اس ایک مثال کے ساتھ ہے جو اس تمام کو جامع ہے جو استقامت، موافقت اور مباینت میں سے گزر چکا ہے۔ اگر کوئی عورت خاوند، دوسرے خاوند سے ایک بیٹی، اور ماں چھوڑ کر فوت ہو گئی، پھر ترکہ کی تقسیم سے پہلے خاوند ایک بیوی اور والدین چھوڑ کر فوت ہو گیا، پھر بیٹی دو بیٹے، ایک بیٹی اور دادی چھوڑ کر فوت ہو گئی پھر دادی خاوند اور دو بھائی چھوڑ کر فوت ہو گئی۔ تو ان میں سے پہلا مسئلہ اور وہ عورت کا مسئلہ ہے رد یہ ہے وہ سولہ سے صحیح ہو گا۔ پس خاوند کے لئے چار، بیٹی کے لئے نو اور ماں کے لئے تین حصے ہوں گے۔ اور دوسرا اور وہ خاوند کا مسئلہ ہے وہ چار سے صحیح ہو گا، اور وہ اس پر پورا پورا تقسیم ہو جائے گا جو اس کے ہاتھ میں ہے اور ضرب کی حاجت نہیں ہو گی۔ اور تیسرا بیٹی کا مسئلہ ہے وہ چھ سے چلے گا۔ اور پہلے مسئلہ سے اس کا حصہ نو ہے جو اس کے مسئلہ پر تقسیم نہیں ہو سکتا۔ اور ان میں ثلث کا توافق ہے۔ پس تو اس کے مسئلہ کے ثلث کو اور وہ دو ہے سولہ میں ضرب دے گا تو وہ بتیس ہو جائیں گے۔ پس اس سے دونوں فریضے صحیح ہو جائیں گے۔ پس جس کے لئے سولہ میں سے کوئی شے ہے تو اسے دو میں ضرب دی جائے گی اور جس کے لئے چھ میں سے کوئی شے ہے تو اسے اس کے وفق میں ضرب دی جائے گی جو اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ تین ہے۔ اور چوتھا جدہ کا مسئلہ ہے۔ یہ چار سے چلے گا اور بتیس میں سے اس کے حصے نو ہیں۔ کیونکہ وہ اس نے چھ پوتی بیٹی سے اور تین اپنی نواسی سے جمع ہوئے ہیں اور نو چار پر تقسیم نہیں ہو سکتا۔ اور ان کے درمیان توافق بھی نہیں ہے۔ پس تو چار کو بتیس میں ضرب دے تو وہ ایک سو اٹھائیس ہو جائیں گے۔ پس اس سے تمام مسائل صحیح ہو جائیں گے۔ پس جس کے لئے بتیس میں سے کوئی شے ہے تو اسے چار میں ضرب دی جائے گی۔ اور جس کے لئے چار میں سے کوئی شے ہے تو اسے اس میں ضرب دی جائے گی جو اس کے پاس ہے اور وہ نو ہے۔ اس کی مزید وضاحت "شرح السراجیہ" میں ہے۔

37576۔(قولہ: جَعَلَ الْمَبْلَغَ الثَّانِي) اور مبلغ ثانی وہ ہے جس سے پہلا اور دوسرا مسئلہ صحیح ہوا ہے۔

فِی الْعَمَلِ وَهَكَذَا كُلَّمَا مَاتَ وَاحِدٌ تُقِيمُهُ مَقَامَ الثَّانِيَةِ وَالْمَبْلَغُ الَّذِی قَبْلَهُ مَقَامَ الْأُولَى إِلَى مَا لَا يَتَنَاهَى وَهَذَا عِلْمُ الْعَمَلِ فَلَا تَغْفُلْ وَاللهُ تَعَالَى أَعْلَمُ

اور اسی طرح جب بھی کوئی فوت ہو تو اسے دوسرے کے قائم مقام رکھ دو اور اس سے پہلے کے مبلغ کو پہلے کے مقام پر رکھ دو۔ یہی سلسلہ وہاں تک چلتا رہے گا کہ اس کی کوئی انتہا نہیں۔ اور یہ عمل کرنے کا علم ہے پس تو اس میں غفلت نہ کر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

37577۔ (قولہ: فِی الْعَمَلِ) مراد سابقہ عمل ہے اس طرح کہ تو پہلے اور دوسرے دونوں مسئلوں کی تصحیح سے تیسرے میت کے حصے لے اور انہیں اس کے مسئلہ پر تقسیم کر تو اگر وہ تقسیم ہو جائیں تو بہتر اور خوب ہے۔ اور اگر تقسیم نہ ہوں تو تو اس تیسرے مسئلہ کے وفق کو جسے تو نے دوسرا اعتبار کیا ہے یا اس کے کل کو پہلے دونوں مسئلوں کی اس مجموعی تصحیح میں جسے تو نے اول اعتبار کیا ہے ضرب دے اور دونوں کے حاصل ضرب کو ایک مسئلہ کی طرح اعتبار کر، اور اسے دونوں مسئلوں میں ورثاء پر تقسیم کر تو مطلوب حاصل ہو جائے گا جیسا کہ تو اسے جامع مثال میں جان چکا ہے۔

37578۔ (قولہ: وَهَذَا عِلْمُ الْعَمَلِ فَلَا تَغْفُلْ) ''مصنف'' یہ اس باب کے مسائل کے مشکل ہونے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ان میں صرف صاحب عقل ہی پختہ اور ماہر ہوتا ہے اور ہر وہ جو علم الفرائض اور علم الحساب دونوں میں ماہر ہوتا ہے اور وہ جس پر کثرت عمل اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ آسان ہو جاتا ہے اور چنگل مارنے والوں کے عمل کا پختہ ہونا حساب دانوں کے درمیان مشہور ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الْمَخَارِجِ

(الْفُرُوضُ) الْمَذْكُورَةُ فِي الْقُرْآنِ (نَوْعَانِ الْأَوَّلُ النِّصْفُ) وَمَخْرَجُ كُلِّ كَسْرٍ سَمِيُّهُ كَالرُّبُعِ مِنْ أَرْبَعَةٍ إِلَّا النِّصْفَ فَإِنَّهُ مِنِ اثْنَيْنِ وَالرُّبُعُ مِنْ أَرْبَعَةٍ وَالثُّمُنُ مِنْ ثَمَانِيَةٍ (وَالثَّانِي) الثُّلُثُ وَ (الثُّلُثَانِ) كِلَاهُمَا (مِنْ ثَلَاثَةٍ وَالسُّدُسُ مِنْ سِتَّةٍ)

مخارج کے احکام

وہ فروض جو قرآن کریم میں مذکور ہیں ان کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم نصف ہے اور ہر کسر کا مخرج اسی کا ہم نام ہے جیسے ربع اربعہ سے (یعنی چوتھائی چار سے) نکلا ہے۔ سوائے نصف کے، کیونکہ یہ اثنین (دو) سے نکلتا ہے۔ اور ربع (چوتھا حصہ) اربعہ (چار) سے، اور ثمن (آٹھواں حصہ) ثمانیہ (آٹھ) سے نکلتا ہے۔ اور دوسری قسم ثلث (ایک تہائی) اور ثلثان (دو تہائی) ہے۔ یہ دونوں ثلاثۃ (تین) سے نکلتے ہیں۔ اور سدس (چھٹا حصہ) ستۃ (چھ) سے نکلتا ہے۔

مخارج کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

زیادہ مناسب باب المخارج وغیرھا کہنا ہے جیسا کہ گزشتہ ابواب میں کہا ہے، کیونکہ ''مصنف'' نے باب التصحیح اور باب النسب بین الاعداد بھی اسی باب میں ذکر کئے ہیں۔ اور اسے مناسخہ پر مقدم کرنا زیادہ مناسب تھا جیسا کہ ''السراجیہ'' میں کیا ہے، کیونکہ وہ اس پر موقوف ہے اور مخارج مخرج کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ اقل عدد ہے جس سے ہر فرض کو انفرادی طور پر صحیح نکالنا ممکن ہو۔ پس واحد (ایک) حساب دانوں کے نزدیک عدد نہیں ہے نہ کہ نحویوں کے نزدیک۔

فروض کی انواع

37579_(قولہ: اَلْفُرُوضُ الخ) یعنی آنے والے چھ فروض جو کہ سورہ نساء کی پانچ آیات سے ماخوذ ہیں۔

37580_(قولہ: نَوْعَانِ) ان کی دو قسمیں ہیں، وہ سبب جس کی بنا پر فقہا نے چھ فروض کو دو قسمیں قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ ان میں سے مقدار کے اعتبار سے سب سے اقل وہ ثمن (آٹھواں حصہ) ہے جس کا مخرج ثمانیہ (آٹھ) ہے۔ اور ربع (چوتھائی) اور نصف دونوں بغیر کسر کے آٹھ سے نکل آتے ہیں۔ پس انہوں نے ان تینوں کو ایک قسم قرار دیا ہے۔ اور اس کے بعد اقل فرض وہ سدس (چھٹا حصہ) ہے جس کا مخرج الستۃ (چھ) ہے اور ثلث (ایک تہائی) اور ثلثان (دو تہائی) بغیر کسر کے اس سے نکل آتے ہیں۔ پس انہوں نے ان تینوں کو دوسری قسم بنا دیا، اسے ''السیّد'' نے بیان کیا ہے۔

ہر کسر کا مخرج اس کا ہم نام ہے

37581_(قولہ: وَمَخْرَجُ كُلِّ كَسْرٍ سَمِيُّهُ) اور ہر کسر کا مخرج اس کا ہم نام ہے، یعنی اعداد صحیحہ میں سے ہر کسر مخرج

عَلَى التَّضْعِيفِ وَالتَّنْصِيفِ فَتَقُولُ مَثَلًا الثُّمُنُ وَضِعْفُهُ وَضِعْفُ ضِعْفِهِ أَوْ تَقُولُ النِّصْفُ وَنِصْفُهُ وَنِصْفُ نِصْفِهِ قُلْت وَأَخْصَرُ الْكُلِّ أَنْ تَقُولَ الرُّبُعُ وَالثُّلُثُ وَنِصْفُ كُلٍّ وَضِعْفُهُ فَإِذَا جَاءَ فِي الْمَسْأَلَةِ مِنْ هَذِهِ الْفُرُوضِ آحَادٌ فَمَخْرَجُ كُلِّ فَرْدٍ مُنْفَرِدٌ سَمِيِّهِ إلَّا النِّصْفَ كَمَا مَرَّ

اور یہ تضعیف (دوگنا کرنا) اور تنصیف (نصف کرنا) کی بنا پر ہے۔ مثلاً تو کہتا ہے: ثمن (آٹھواں حصہ) اور اس کا دوگنا اور اس کے دوگنے کا دوگنا، یا کہتا ہے: نصف اور اس کا نصف اور اس کے نصف کا نصف۔ میں کہتا ہوں: تمام عبارات میں سے زیادہ مختصر تیرا یہ کہنا ہے: ربع (چوتھا حصہ)، ثلث (تیسرا حصہ) اور ہر ایک کا نصف اور ہر ایک کا دوگنا۔ پھر جب مسئلہ میں ان فروض میں سے ایک ایک آئے تو ہر فرد کا مخرج اسی کے نام سے منفرد ہوگا سوائے نصف کے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

کے ساتھ اس کے نام کے مادہ میں شریک ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ سدس اپنے مخرج ستہ کے ساتھ اس میں شریک ہے۔ کیونکہ ستہ کی اصل سدستہ ہے پھر دال اور دوسری سین میں سے ہر ایک کو تاء کے ساتھ بدلا گیا ہے اور پھر تا کو تا میں ادغام کر دیا گیا ہے تو وہ ستہ بن گیا ہے۔ اور اسے کسر کے ساتھ تعبیر کیا ہے تاکہ یہ مذکورہ فروض کے علاوہ کو بھی شامل ہو جائے جیسا کہ کسور منطقہ میں سے خمس (پانچواں حصہ) سبع (ساتواں حصہ) تسع (نانواں حصہ) اور عشر (دسواں حصہ) ہیں۔ کیونکہ یہ بھی اسی طرح ہیں، اور ان کا کلام کسر مفرد کو شامل ہے جیسا کہ نصف اور کسر مرکب کو بھی شامل ہے جیسا کہ ثلثین (دوتہائی)۔ اور تو جان کہ مخرج جب بھی اقل (کم) ہوگا فرض (حصہ) زیادہ ہوگا، اور جب مخرج زیادہ ہوگا تو فرض کم ہوگا، کیونکہ نصف ربع سے زیادہ ہے اور اس کا مخرج اس کے مخرج سے کم ہے۔

37582۔ (قولہ: عَلَى التَّضْعِيفِ) اس سے ارادہ یہ کیا ہے کہ ثمن (آٹھواں حصہ) جب دوگنا ہو تو ربع (چوتھا حصہ) حاصل ہو جاتا ہے اور ربع جب دوگنا ہو تو نصف حاصل ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح سدس (چھٹا حصہ) جب دوگنا ہو تو وہ ثلث (تیسرا حصہ) ہو جاتا ہے اور جب ثلث دوگنا ہو جائے تو وہ ثلثان (دوتہائی) ہو جاتا ہے۔ ''سید''۔

37583۔ (قولہ: وَالتَّنْصِيفِ) اس سے ارادہ یہ کیا ہے کہ نصف کا جب نصف ہو جائے تو وہ ربع بن جاتا ہے، اور ربع جب نصف ہو جائے تو وہ آٹھواں حصہ (ثمن) بن جاتا ہے۔ اور یہی حال ایک ثلث اور دو ثلث کو نصف کرنے میں ہے۔ ''سید''۔

37584۔ (قولہ: فَتَقُولُ مَثَلًا الخ) یعنی تو اسی طرح دوسری قسم میں بھی کہے گا، اور حاصل کلام یہ ہے کہ جب دو قسموں کے اصغر (یعنی چھوٹے حصے) سے شروع کیا جائے تو وہ تضعیف پر محمول ہوگا۔ اور جب اکبر (یعنی بڑے حصے) سے شروع کیا جائے تو وہ تنصیف پر محمول ہوگا۔

37585۔ (قولہ: وَأَخْصَرُ الْكُلِّ) یعنی ان عبارات میں سے مختصر ترین جن کے ساتھ دونوں قسموں کو تعبیر کیا گیا ہے۔

37586۔ (قولہ: آحَادٌ) یعنی ایک ایک، پس اس کا معنی مکرر ہوگا اگرچہ اسے ایک بار ذکر کیا جائے۔ اور ''السراجیہ'' میں اسے لفظ کی جانب دیکھتے ہوئے مکرر ذکر کیا ہے جیسا کہ حدیث طیبہ میں ہے صلاۃ اللیل مثنی مثنی (رات کی نماز دو دو

وَإِذَا جَاءَ مَثْنَى أَوْ ثَلَاثَ وَهُمَا مِنْ نَوْعٍ وَاحِدٍ فَكُلُّ عَدَدٍ يَكُونُ مَخْرَجًا لِجُزْءٍ فَذَلِكَ الْعَدَدُ أَيْضًا يَكُونُ مَخْرَجًا لِضِعْفِهِ وَأَضْعَافِهِ كَالسِّتَّةِ هِيَ مَخْرَجٌ لِلسُّدُسِ وَضِعْفُ وَضِعْفُ ضِعْفِهِ (فَإِذَا اخْتَلَطَ النِّصْفُ مِنَ النَّوْعِ الْأَوَّلِ (بِكُلِّ) النَّوْعِ (الثَّانِي) أَيِ الثَّلَاثَةِ الْأُخَرِ (أَوْ بِبَعْضِهِ) فَإِذَا كَانَ فِي الْمَسْأَلَةِ نِصْفٌ وَثُلُثَانِ وَثُلُثٌ وَسُدُسٌ

اور جب دو دو یا تین تین آئیں اور وہ دونوں ایک نوع سے ہوں تو ہر وہ عدد جو جز کا مخرج ہوگا تو وہی عدد ہی اس کے دوگنا اور اس کے سہ گنا کا مخرج ہوگا جیسا کہ چھ یہ سدس، اس کے دوگنا، اور اس کے دوگنا کے دوگنا کا مخرج ہے۔ اور جب پہلی قسم میں سے نصف دوسری قسم کے کل یعنی دوسرے تینوں فروض کے ساتھ یا اس کے بعض کے ساتھ مل جائے، تو جب مسئلہ میں نصف، دوثلث، ایک ثلث، اور سدس ہو

رکعت ہے) اسے ''السید'' نے بیان کیا ہے۔ اور جو ''دیوان المتنبی'' کی شرح میں امام ''واحدی'' کا قول ہے کہ ھو أحاد نہیں کہا جاتا ہے یعنی وہ ایک ہے، بلاشبہ وہ کہتے ہیں جاؤ وا أحاد أحاد یعنی وہ ایک ایک ہو کر آئے۔ اور واحد کی جگہ میں أحاد ذکر کرنا غلطی ہے۔ یہ متعدد میں اس کے ایک بار ذکر کرنے کے عدم جواز پر دلالت نہیں کرتا جیسا کہ اس صورت میں ہے جو ہم بیان کر رہے ہیں۔ بلاشبہ یہ واحد (ایک) میں اس کے عدم جواز پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جائے گا۔ زید أحاد۔ فافہم۔

37587۔(قولہ: وَهُمَا) یعنی مثنیٰ (دودو) یا ثلاث (تین تین) ایک نوع سے ہوں۔ یعنی صرف پہلی قسم سے ہوں یا صرف دوسری قسم سے ہوں، دونوں قسموں میں سے ایک کی کوئی شے دوسری میں ملی ہوئی نہ ہو۔

37588۔(قولہ: لِجُزْءٍ) مراد ان میں سے اقل جز ہے۔

37589۔(قولہ: يَكُونُ مَخْرَجًا لِضِعْفِهِ الخ) وہی دوگنا کا مخرج ہوتا ہے۔ کیونکہ دوگنا کا مخرج جز کے مخرج میں موجود ہے۔ پس وہ اس کے سبب دوگنا کے مخرج سے مستغنی ہوتا ہے۔ پس ثلث اور ثلثین کا مخرج ثلاثۃ (تین) ہے اور یہ سدس کے مخرج چھ میں داخل ہے۔ اور اسی طرح ربع اور نصف کے مخرج میں سے ہر ایک ثمن کے مخرج (آٹھ) میں داخل ہے۔ پس جب مسئلہ میں سدس اور ثلث جمع ہوں جیسا کہ ورثاء میں ماں اور دو اخیافی بہنیں ہوں، یا سدس اور دوثلث جمع ہو جائیں جیسا کہ ورثاء میں ماں اور دو سگی بہنیں ہوں تو مسئلہ چھ سے چلے گا۔ یا ایک ثلث اور دوثلث جمع ہو جائیں جیسا کہ ورثاء میں دو سگی بہنیں اور دو اخیافی بہنیں ہوں تو پھر مسئلہ تین سے ہوگا۔ یا جب تین جمع ہو جائیں جیسا کہ ماں، دو اخیافی بہنیں، اور دو حقیقی بہنیں ورثاء میں ہوں تو مسئلہ چھ سے چلے گا۔ اور جب اس میں نصف کے ساتھ آٹھواں حصہ (ثمن) جمع ہو جیسا کہ بیوی اور ایک بیٹی وارث ہوں تو مسئلہ آٹھ سے چلے گا۔ یا ربع اور نصف جمع ہو جائیں جیسا کہ خاوند اور بیٹی وارث ہوں تو مسئلہ چار سے ہوگا۔ ربع کے ثمن کے ساتھ جمع ہونے کا کوئی تصور نہیں ہو سکتا اور نہ ہی تین کے اجتماع کا کوئی تصور ہے۔

37590۔(قولہ: فَإِذَا اخْتَلَطَ النِّصْفُ الخ) اسی سے ''شارح'' کے قول: وهما من نوع واحد کے ساتھ احتراز کیا

كَزَوْجٍ وَشَقِيقَتَيْنِ وَأُخْتَيْنِ لِأُمٍّ وَأُمٍّ (فَمِنْ سِتَّةٍ) لِتَرَكُّبِهَا مِنْ ضَرْبِ اثْنَيْنِ فِي ثَلَاثَةٍ (أَوْ اخْتَلَطَ (الرُّبُعُ) مِنَ النَّوْعِ الْأَوَّلِ (بِكُلِّ الثَّانِي أَوْ بِبَعْضِهِ) فَإِذَا كَانَ فِي الْمَسْأَلَةِ زَوْجَةٌ وَمَنْ ذُكِرَ (فَمِنْ اثْنَيْ عَشَرَ) لِتَرَكُّبِهَا مِنْ ضَرْبِ الْأَرْبَعَةِ فِي ثَلَاثَةٍ لِمُوَافَقَةِ السِّتَّةِ بِالنِّصْفِ (أَوْ اخْتَلَطَ (الثُّمُنُ) مِنَ النَّوْعِ الْأَوَّلِ

جیسا کہ خاوند، دوسگی بہنیں، دواخیافی بہنیں اور ماں وارث ہوں تو مسئلہ چھ سے ہوگا، اس لئے کہ وہ دو کو تین میں ضرب دینے سے مرکب ہے۔ یا پہلی قسم میں سے ربع (چوتھائی) دوسری قسم کے کل یا بعض کے ساتھ مختلط ہو تو جب مسئلہ میں بیوی اور مذکورہ ورثاء ہوں تو مسئلہ بارہ سے چلے گا، اس لئے کہ وہ چار کو تین میں ضرب دینے سے مرکب ہے اور چھ کی چار کے ساتھ نصف سے موافقت ہے۔ یا پہلی قسم سے ثمن (آٹھواں حصہ) دوسری قسم کے بعض کے ساتھ

گیا ہے۔ پس جو گزر چکا ہے وہ ہر قسم کے افراد میں سے بعض کے بعض کے ساتھ آپس میں ملنے کے بارے میں ہے۔ اور یہاں سے دوسری نوع کے کل یا بعض افراد کے ساتھ اختلاط کے بیان کا آغاز ہے۔ اور تو جان کہ مطلقاً اختلاط کی ستاون صورتیں ہیں: ان میں سے ستائیس شرعی ہیں اور تیس عقلی ہیں، میں نے ان تمام کو ''الرحیق المختوم'' میں مختصراً ذکر کیا ہے، تم اس کی طرف رجوع کرو۔

37591۔ (قولہ: كَزَوْجٍ الخ) یہ نصف کے تین کے ساتھ اختلاط کی مثال ہے، اور اس میں لف ونشر مرتب ہے، اور اسی سے نصف کے اس کے بعض کے ساتھ اختلاط کی مثالیں معلوم کی جاسکتی ہیں اس طرح کہ خاوند ان میں سے صرف ایک کے ساتھ ہو یا ان میں سے دو کے ساتھ ہو۔

37592۔ (قولہ: لِتَرَكُّبِهَا مِنْ ضَرْبِ اثْنَيْنِ فِي ثَلَاثَةٍ) اس لئے کہ وہ دو کو تین میں ضرب دینے سے مرکب ہے، یہ بلاشبہ ظاہر ہے جب مسئلہ میں سدس (چھٹا حصہ) نہ ہو۔ لیکن جب اس میں سدس ہو تو پھر اسی کے مخرج پر اکتفا کیا جائے گا، کیونکہ نصف کا مخرج دو ہے اور ایک ثلث اور دو ثلث کا مخرج تین ہے۔ اور یہ دونوں چھ میں داخل ہیں۔ پس اسی پر اکتفا کیا جائے گا۔ ''طحطاوی''۔

37593۔ (قولہ: فَإِذَا كَانَ فِي الْمَسْأَلَةِ زَوْجَةٌ وَمَنْ ذُكِرَ) پس جب مسئلہ میں بیوی اور وہ ورثاء ہوں جو سابقہ مثال میں ہیں یعنی دوسگی بہنیں، دواخیافی بہنیں، اور ماں، اور یہ ربع کے دوسری قسم کے کل کے ساتھ اختلاط کی مثال ہے اور اسی سے اس کا بعض کے ساتھ مخلوط ہونا معلوم ہوسکتا ہے اس طرح کہ بیوی ان میں سے صرف ایک کے ساتھ ہو یا ان میں سے دو کے ساتھ ہو جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

37594۔ (قولہ: لِمُوَافَقَةِ السِّتَّةِ بِالنِّصْفِ) یہ اس کی تعلیل ہے جو انہوں نے اپنے کلام کا مفہوم چار کو تین میں ضرب دینے سے بیان کیا ہے چاہے اس میں سدس ہو یا نہ ہو۔ رہی دوسری صورت تو وہ ظاہر ہے۔ لیکن جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تو وہ اس لئے کہ سدس کا مخرج چھ ہے اور اس کی چار کے ساتھ نصف کی موافقت ہے جو کہ ربع کا مخرج ہے۔ اور چھ

بِبَعْضِ الثَّانِي وَأَمَّا بِكُلِّهِ فَغَيْرُ مُتَصَوَّرٍ إِلَّا عَلَى رَأْيِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَوْ فِي الْوَصَايَا فَلْيُحْفَظْ (فَمِنْ أَرْبَعَةٍ وَعِشْرِينَ) كَزَوْجَةٍ وَبِنْتَيْنِ وَأُمٍّ لِتَرَكُّبِهَا مِنْ ضَرْبِ الثَّمَانِيَةِ فِي ثَلَاثَةٍ لِمَا قَدَّمْنَا مِنْ مُوَافَقَةِ السِّتَّةِ بِالنِّصْفِ

ملا ہوا ہو۔ اور رہا اس کے کل کے ساتھ مختلط ہونا تو وہ متصور نہیں سوائے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے کے یا پھر وصایا میں۔ اسے یاد رکھ لینا چاہئے۔ تو وہ مسئلہ چوبیس سے چلے گا جیسا کہ بیوی، دو بیٹیاں اور ماں ورثاء میں ہوں۔ اس لئے کہ وہ آٹھ کو تین سے ضرب دینے سے مرکب ہے جیسا کہ ہم چھ کی موافقت بالنصف میں بیان کر چکے ہیں۔

کا نصف تین ہے لہٰذا چار کو ہمیشہ تین میں ضرب دی جائے گی۔ فافہم۔

37595۔ (قولہ: بِبَعْضِ الثَّانِي) دوسری قسم کے بعض کے ساتھ۔ یہ اپنے اطلاق پر نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دو ثلث کے ساتھ مختلط ہوتا ہے جیسا کہ ورثاء میں بیوی اور دو بیٹیاں ہوں، اور سدس کے ساتھ جیسا کہ جب بیوی، ماں اور بیٹا وارث ہوں۔ اور دو ثلث اور سدس کے ساتھ مختلط ہوتا ہے جیسا کہ بیوی، دو بیٹیاں اور ماں وارث ہوں۔ اور رہا ثمن کا غیر کے ساتھ اختلاط تو اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا سوائے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی آنے والی رائے کے ان کے نزدیک محروم غیر کے لئے حجب نقصان کے ساتھ حاجب ہوتا ہے۔ پس ان کے نزدیک وہ ثلث کے ساتھ مختلط ہوتا ہے جیسا کہ بیوی، دو اخیافی بہنیں اور محروم کا بیٹا وارث ہوں۔ اور ثلث اور سدس کے ساتھ مختلط ہوتا ہے جیسا کہ مذکورہ ورثاء اور ماں ہو۔ اور دو ثلث اور ایک ثلث کے ساتھ اختلاط ہو سکتا ہے جیسا کہ بیوی، دو سگی بہنیں، دو اخیافی بہنیں اور محروم کا بیٹا ورثاء ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے

37596۔ (قولہ: إِلَّا عَلَى رَأْيِ ابْنِ مَسْعُودٍ) مگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق جیسا کہ اگر وہ کافر بیٹا، بیوی، ماں، دو علاتی بہنیں اور دو اخیافی بہنیں چھوڑے تو یہ دونوں مسئلے چوبیس سے چلیں گے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کا عول اکتیس تک ہوگا۔ "حلبی"۔ رہا ان کے سوا دوسروں کے نزدیک تو یہ مسئلہ بارہ سے ہوگا اور سترہ تک عول ہوگا۔

37597۔ (قولہ: أَوْ فِي الْوَصَايَا) یا وصایا میں جیسا کہ اگر کوئی کسی آدمی کے لئے اپنے مال کے آٹھویں حصہ کے بارے، دوسرے کے لئے دو ثلث کے بارے، تیسرے کے لئے ایک ثلث کے بارے، اور چوتھے کے لئے سدس کے بارے وصیت کرے۔ اور اس کا کوئی وارث نہ ہو یا وارث ہو اور وہ تمام کو اجازت دے دے تو یہ مسئلہ چوبیس سے ہوگا اور اکتیس تک عول ہوگا جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔ اور اسی طرح جو صورتیں ہم نے پہلے بیان کی ہیں وہ صرف آپ رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق آتی ہیں، اور دوسروں کی رائے کے مطابق وہ وصایا میں بھی آتی ہیں جیسا کہ یہ امر مخفی نہیں ہے۔

37598۔ (قولہ: فِي ثَلَاثَةٍ) یعنی ہمیشہ تین میں ضرب دینے سے، برابر ہے سدس مسئلہ میں ہو یا نہ ہو۔ اور اسی سے تعلیل واضح ہو جاتی ہے جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے اس کی نظیر پر متنبہ کیا ہے۔

37599۔ (قولہ: مِنْ مُوَافَقَةِ السِّتَّةِ بِالنِّصْفِ) لیکن جو پہلے گزر چکا ہے اس میں چھ کی چار کے ساتھ نصف کی

وَلَا يَجْتَمِعُ أَكْثَرُ مِنْ أَرْبَعِ فُرُوضٍ فِي مَسْأَلَةٍ وَاحِدَةٍ وَلَا يَجْتَمِعُ مِنْ أَصْحَابِهَا أَكْثَرُ مِنْ خَمْسِ طَوَائِفَ وَلَا يَنْكَسِرُ عَلَى أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِ فِرَقٍ (وَإِذَا انْكَسَرَ سِهَامُ فَرِيقٍ

اور ایک مسئلہ میں چار فروض سے زیادہ جمع نہیں ہو سکتے۔ اور اُصحاب فرائض میں سے پانچ گروہوں سے زیادہ جمع نہیں ہو سکتے، اور سہام میں چار فرقوں سے زیادہ پر کسر واقع نہیں ہوتا۔ اور جب ایک فریق کے سہام ان پر ٹوٹ جائیں

موافقت ہے اور یہاں آٹھ کے ساتھ ہے۔

ایک مسئلہ میں چار فروض سے زیادہ کا اجتماع جائز نہیں

37600۔ (قولہ: وَلَا يَجْتَمِعُ أَكْثَرُ مِنْ أَرْبَعِ فُرُوضٍ) اور چار فروض سے زیادہ جمع نہیں ہو سکتے یعنی تکرار کے بغیر۔ لہٰذا خاوند، ماں، سگی بہن، علاتی بہن اور دو اخیافی بہنیں اگر ورثاء ہوں تو اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ''حلبی''۔

اصحاب فرائض میں سے پانچ سے زیادہ گروہوں کا اجتماع جائز نہیں

37601۔ (قولہ: وَلَا يَجْتَمِعُ مِنْ أَصْحَابِهَا أَكْثَرُ مِنْ خَمْسِ طَوَائِفَ) اور اصحاب فرائض میں سے پانچ سے زیادہ گروہ جمع نہیں ہو سکتے، اس کی وضاحت یہ ہے: اگر میت خاوند یا بیوی اور باپ، ماں، دادا، دادی، بیٹی، پوتی، سگی بہن، علاتی بہن، بھائی، اور اخیافی بہن چھوڑ کر فوت ہو گیا تو یہ وہ ہیں جن کے فروض اور حصص مقرر ہیں۔ لیکن دادا اور بہنیں باپ کے ساتھ اور دادی ماں کے ساتھ محجوب ہوتے ہیں۔ اور باقی جس کے لئے آٹھواں یا چوتھا حصہ ہے وہ زوجین میں سے ایک ہے۔ اور جس کے لئے نصف ہے وہ بیٹی ہے، اور جس کے لئے چھٹا حصہ ہے وہ تین گروہ ہیں یعنی باپ، ماں اور پوتی۔ پس نتیجتاً یہ پانچ گروہ ہو گئے۔ پس اگر باپ، دادا، بیٹی اور پوتی نہ ہوں تو باقی جس کے لئے ربع یا نصف ہے اور وہ زوجین میں سے ایک ہے۔ اور جس کے لئے نصف ہے اور وہ سگی بہن ہے، اور جس کے لئے سدس ہے اور وہ دو گروہ ہیں یعنی ماں اور علاتی بہن، اور جس کے لئے ثلث ہے اور وہ ماں کی اولاد (اخیافی) ہے تو یہاں بھی پانچ گروہ ہو گئے۔

سہام میں سے چار فرقوں سے زیادہ پر کسر نہیں ہوتا

37602۔ (قولہ: وَلَا يَنْكَسِرُ عَلَى أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِ فِرَقٍ) اور چار فرقوں سے زیادہ پر کسر نہیں ہوتا۔ کیونکہ ضروری ہے کہ پانچ گروہوں میں سے ایک وہ ہو جو منفرد ہو جیسا کہ باپ یا ماں یا خاوند اور اس پر اس کے سہام میں بالکل کسر نہیں ہوتا۔

37603۔ (قولہ: وَإِذَا انْكَسَرَ سِهَامُ فَرِيقٍ الخ) یہاں سے ''مصنف'' مسائل کی تصحیح میں شروع ہو رہے ہیں۔ اور اس سے مراد اقل عدد کا بیان ہے اس میں ہر وارث کا حصہ بغیر کسر کے نکل آتا ہے۔ اور تو جان کہ یہاں وہ سات اصولوں کا محتاج ہوتا ہے۔ ان میں سے تین سہام اور رؤس کے درمیان ہیں اور ان میں سے چار رؤس اور رؤس کے درمیان ہیں۔ رہے وہ تین جو سہام اور رؤس کے درمیان ہیں تو ان میں سے ایک استقامت ہے اس طرح کہ ہر فریق کے سہام ان پر بغیر کسر کے تقسیم ہو جائیں جیسا کہ والدین اور چار بیٹیاں وارث ہوں تو اس میں ضرب کی کوئی حاجت اور ضرورت نہیں۔ اور ان میں سے

عَلَيْهِمْ ضَرَبْتَ عَدَدَهُمْ فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ وَعَوْلِهَا إِنْ كَانَتْ عَائِلَةً (كَامْرَأَةٍ وَأَخَوَيْنِ) لِلْمَرْأَةِ الرُّبُعُ يَبْقَى لَهُمَا ثَلَاثَةٌ لَا تَسْتَقِيمُ وَلَا تُوَافِقُ فَاضْرِبْ اثْنَيْنِ فِي أَرْبَعَةٍ فَتَصِحُّ مِنْ ثَمَانِيَةٍ (وَإِنْ وَافَقَ سِهَامُهُمْ عَدَدَهُمْ ضَرَبْتَ وَفْقَ عَدَدِهِمْ فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ)

تو توان کی تعداد کو اصل مسئلہ میں ضرب دے، اور اس کے عول میں ضرب دے اگر وہ مسئلہ عائلہ ہو جیسا کہ بیوی اور دو بھائی وارث ہوں، تو بیوی کے لئے ربع (چوتھا حصہ) ہوگا اور ان دونوں بھائیوں کے لئے تین حصے باقی رہ جائیں گے جو ان پر تقسیم نہیں ہو سکتے اور ان کے درمیان توافق بھی نہیں ہے۔ پس تو دو کو چار میں ضرب دے تو مسئلہ آٹھ سے صحیح ہو جائے گا۔ اور اگر ان کے سہام ان کے عدد کے موافق ہوں تو پھر ان کے عدد کے وفق کو اصل مسئلہ

دوسرا مباینت کے ساتھ انکسار (ٹوٹنا) ہے اس طرح کہ سہام ایک طائفہ پر ٹوٹ جائیں اور ان کے سہام اور ان کے رؤوس کے درمیان موافقت نہ ہو تو رؤوس کے عدد کو صرف اصل مسئلہ میں یا اس کے عول کے ساتھ اگر وہ مسئلہ عائلہ ہو ضرب دے۔ اور تیسرا اصول موافقت کے ساتھ انکسار (ٹوٹنا) ہے اس طرح کہ سہام ایک طائفہ پر ٹوٹ جائیں لیکن ان کے سہام اور ان کے رؤوس کے درمیان موافقت ہو تو پھر رؤوس کے وفق کو اصل مسئلہ میں یا اصل مسئلہ میں اس کے عول سمیت ضرب دے۔

اور رہے وہ چار اصول جو رؤوس اور رؤوس کے درمیان ہیں تو وہ تماثل، تداخل، توافق، اور تباین ہیں۔ ''مصنف'' عنقریب ان چاروں کی پہچان کا بیان ذکر کریں گے۔ اور یہ چاروں استعمال نہیں ہوتے مگر جب کسر دو یا زیادہ گروہوں پر واقع ہو۔ بلاشبہ فقہا نے سہام اور رؤوس کے درمیان تداخل کا اعتبار نہیں کیا جیسا کہ انہوں نے رؤوس اور رؤوس کے درمیان اس کا اعتبار کیا ہے۔ بلکہ انہوں نے اسے موافقت کی طرف رد کر دیا ہے اگر رؤوس زیادہ ہوں، اور مماثلت کی طرف لوٹا دیا ہے اگر سہام زیادہ ہوں جیسا کہ اختصار کے لئے چھ کو تین پر رد کرنا جیسا کہ عنقریب وضاحت آئے گی۔ تحقیق ''مصنف'' نے ان ساتوں اصولوں کو ان کی امثلہ کے ساتھ اسی مذکورہ ترتیب پر ذکر کیا ہے سوائے استقامت کے۔ کیونکہ اس کا حذف اس کے ظاہر ہونے کی وجہ سے ہے۔

اگر ایک فریق کے سہام ان پر ٹوٹ جائیں تو تصحیح کا طریقہ

37604۔ (قولہ: عَلَيْهِمْ) یعنی اس فریق پر۔ اور اس میں جمع کی ضمیر معنی کے اعتبار سے ہے۔

37605۔ (قولہ: إِنْ كَانَتْ عَائِلَةً) اگر مسئلہ عائلہ ہو۔ یعنی دونوں میں ضرب دی جائے گی اگر عول ہو۔ اور اگر عول نہ ہو تو پھر صرف اصل مسئلہ میں ضرب دی جائے۔ بلاشبہ ''مصنف'' نے یہاں اس تفصیل کو چھوڑ دیا ہے اور اس میں بھی جو اس کے بعد ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ مسئلہ اور اس کا عول اس بارے میں اصل مسئلہ کے قائم مقام ہو گئے ہیں کہ رؤوس کی تعداد کو دونوں میں ضرب دی جائے گی جیسا کہ اسے اصل مسئلہ میں ضرب دی جاتی ہے۔ اسے ''السیّد'' نے بیان کیا ہے۔

37606۔ (قولہ: كَامْرَأَةٍ وَأَخَوَيْنِ) جیسا کہ بیوی اور دو بھائی وارث ہوں۔ یہ ایسے مسئلہ کی مثال ہے جس میں عول

وَعَوْلِهَا (كَامْرَأَةٍ وَسِتِّ إِخْوَةٍ) فَلَهُمْ ثَلَاثَةٌ تُوَافِقُهُمْ بِالثُّلُثِ فَاضْرِبْ اثْنَيْنِ فِي أَرْبَعَةٍ فَتَصِحُّ مِنْ ثَمَانِيَةٍ أَيْضًا

اور اس کے عول میں ضرب دے جیسا کہ بیوی اور چھ بھائی وارث ہوں تو ان بھائیوں کے لئے تین حصے ہوں گے اب ان کی تعداد اور تین کے درمیان توافق ہے۔ پس تو دو کو چار میں ضرب دے تو یہ مسئلہ بھی آٹھ سے صحیح ہو جائے گا۔

نہیں۔ اور اس کی اصل چار ہے۔ اور مسئلہ عائلہ کی مثال خاوند اور پانچ سگی یا علاتی بہنوں کا وارث ہونا ہے۔ اس کی اصل چھ ہے پس خاوند کے لئے نصف یعنی تین حصے اور دو بھائیوں کے لئے دو ثلث یعنی چار حصے ہیں۔ پس اس میں سات تک عول ہوا۔ اور بہنوں کے سہام اور ان کے رؤوس کے درمیان مباینت ہے۔ پس تو ان کے رؤوس کی تعداد یعنی پانچ کو اصل مسئلہ میں عول سمیت ضرب دے اور وہ عول سات ہے تو حاصل ضرب پینتیس آئے گا اور اس سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔

37607۔ (قولہ: وَعَوْلِهَا) اور اس کے عول میں اگر وہ مسئلہ عائلہ ہو۔ اور اگر عائلہ نہ ہو تو صرف اصل مسئلہ میں ضرب دے جیسا کہ ''مصنف'' نے اسے ذکر کیا ہے۔

37608۔ (قولہ: كَامْرَأَةٍ وَسِتِّ إِخْوَةٍ) جیسا کہ بیوی اور چھ بھائی وارث ہوں، یہ مسئلہ غیر عائلہ کی مثال ہے اور اس کی اصل بھی چار سے ہے۔ اور عائلہ کی مثال خاوند، والدین، اور چھ بیٹیوں کا وارث ہونا ہے۔ اس کی اصل بارہ سے ہے۔ پس خاوند کے ربع یعنی تین حصے، والدین کے دو سدس یعنی چار حصے، اور چھ بیٹیوں کے لئے دو ثلث یعنی آٹھ حصے ہوں گے۔ پس یہ مسئلہ پندرہ تک عول ہوا۔ اور بیٹیوں کے آٹھ سہام ان کے رؤوس کی تعداد چھ پر ٹوٹ گئے لیکن ان دونوں کے درمیان موافقت بالنصف ہے۔ پس ہم نے ان کے رؤوس کے عدد کو اس کے نصف کی طرف لوٹا دیا اور وہ تین ہے۔ پھر ہم نے اسے اصل مسئلہ میں عول سمیت ضرب دی اور وہ پندرہ ہے تو حاصل ضرب پینتالیس ہوا اور اس سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔

37609۔ (قولہ: فَلَهُمْ ثَلَاثَةٌ تُوَافِقُهُمْ بِالثُّلُثِ) پس ان یعنی بھائیوں کے لئے تین حصے ہیں تو ان کے رؤوس یعنی چھ اور تین کے درمیان توافق ہے، موافقت کا اعتبار کیا ہے اس کے باوجود کہ تین اور چھ کے درمیان مداخلت ہے۔ یہ سہام اور رؤوس کے درمیان تداخل کا اعتبار نہ ہونے کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ اگرچہ اس کا اعتبار اس طرح ممکن ہے کہ تو بڑے عدد کو اور وہ رؤوس کی مجموعی تعداد چھ ہے اسے چار میں ضرب دے لیکن وہ بہت طوالت کی طرف لے جائے گی اور حساب میں تطویل کو ترک کرنا نفع مند ہے۔ سو اسی لئے ہم نے اسے موافقت کی طرف لوٹا دیا۔ اور اسی طرح اگر بیٹیاں اس مثال میں چار ہوں جو ہم نے مسئلہ عائلہ کی ذکر کی ہے تو پھر بڑے عدد کو اور وہ آٹھ ہے اسے ان کے مجموعی سہام کے عدد میں ضرب نہ دو اسی سبب سے جو ہم نے بیان کر دیا ہے بلکہ اسے تماثل کی طرف لوٹایا جائے گا، اس لئے کہ بغیر ضرب کے تقسیم صحیح ہے۔

(فَإِنْ انْكَسَرَ سِهَامُ فَرِيقَيْنِ أَوْ أَكْثَرَ وَعَدَدُ رُءُوسِهِمْ مُتَمَاثِلَةٌ ضَرَبْتَ أَحَدَ الْأَعْدَادِ فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ) وَعَوْلِهَا (كَثَلَاثِ بَنَاتٍ وَثَلَاثَةِ أَعْمَامٍ فَتَكْتَفِي بِأَحَدِ الْمُتَمَاثِلَيْنِ فَاضْرِبْ ثَلَاثَةً فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ)

اور اگر دو فریقوں یا زیادہ کے سہام ٹوٹ جائیں اور ان کے رؤوس کی تعداد متماثل اور برابر ہو تو پھر اعداد میں سے ایک کو اصل مسئلہ اور اس کے عول میں ضرب دے جیسا کہ تین بیٹیاں اور تین چچے وارث ہوں تو متماثلین میں سے ایک پر اکتفا کر اور تین کو اصل مسئلہ میں ضرب دے

اگر کچھ فریقوں کے سہام ٹوٹ جائیں اور ان کے رؤوس کی تعداد برابر ہو تو تصحیح کا ضابطہ

37610۔(قولہ: فَإِنْ انْكَسَرَ الخ) یہاں سے ان چار اصولوں کا آغاز ہے جو رؤوس اور رؤوس کے درمیان پائے جاتے ہیں۔ اور تو جان! کہ تو پہلے ہر فریق کے درمیان اس کے سہام سمیت غور و فکر کرے گا۔ پس اگر ان کے درمیان تباین ہو تو پھر اس فریق کو کامل طور پر ثابت کر۔ اور اگر توافق ہو تو اس فریق کا وفق ثابت کر۔ پھر ان چار اصولوں کے ساتھ ثابت ہونے والے اعداد کے درمیان غور و فکر کر۔ پس اگر دو عدد متماثل اور برابر ہوں تو ان میں سے ایک کو اصل مسئلہ میں ضرب دے۔ اور اگر وہ متداخل ہوں تو ان میں سے بڑے عدد کو اصل مسئلہ میں ضرب دے۔ اور اگر ان دونوں کے درمیان توافق ہو تو پھر ایک کے وفق کو دوسرے کامل عدد میں ضرب دے اور پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دے۔ اور اگر دونوں متبائن ہوں تو پھر ان میں سے ایک کو دوسرے میں ضرب دے اور پھر حاصل ضرب کو اصل مسئلہ میں ضرب دے۔ اور ''مصنف'' نے ان چاروں کو اسی ترتیب پر ذکر کیا ہے۔ اور وہ مضروب جسے اصل مسئلہ میں ضرب دی جائے اسے جزء السہم کہا جاتا ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

37611۔(قولہ: أَوْ أَكْثَرَ) یعنی تین یا چار اس سے زیادہ نہیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔

37612۔(قولہ: وَعَدَدُ رُءُوسِهِمْ مُتَمَاثِلَةٌ) اور ان کے رؤوس کا عدد متماثل ہو، اس میں اولیٰ اور بہتر أعدادہم ہے جو کہ عدد کی جمع ہے۔ ''السید'' نے کہا ہے: رؤوس کے اعداد سے مراد وہ ہیں جو ان اعداد کے عین (ذات) اور ان کے وفق کو بھی شامل ہوتے ہیں، کیونکہ جب ایک طائفہ کے رؤوس اور ان کے سہام کے درمیان مثلاً موافقت ہو تو ان کے رؤوس کے عدد کو پہلے اپنے وفق کی طرف رد کیا جاتا ہے پھر اس کے اور تمام اعداد کے درمیان مماثلت کا اعتبار کیا جاتا ہے جیسا کہ عنقریب تو اس پر مطلع ہوگا۔

37613۔(قولہ: وَعَوْلِهَا) اور اس کے عول میں ضرب دے جیسا کہ چھ سگی بہنیں، تین اخیافی بہنیں، اور تین دادیاں وارث ہوں۔ اس مسئلہ کی اصل چھ سے ہے اور یہ سات کی طرف عول کرتا ہے۔ سگی بہنوں کے لئے دو ثلث یعنی چار حصے ہوں گے جو ان پر تقسیم نہیں ہو سکتے۔ اور ان میں نصف کے ساتھ توافق ہے اور وہ تین ہے اور اخیافی بہنوں کے لئے ایک ثلث یعنی دو حصے ہیں جو ان پر تقسیم نہیں ہو سکتے اور ان میں توافق بھی نہیں ہے، اور دادیوں کے لئے سدس یعنی ایک حصہ ہے۔ وہ بھی ان

تَكُنْ تِسْعَةً مِنْهَا تَصِحُّ وَإِنْ انْكَسَرَ عَلَى ثَلَاثِ فِرَقٍ أَوْ أَرْبَعٍ فَاطْلُبْ الْمُشَارَكَةَ أَوَّلًا بَيْنَ السِّهَامِ وَالْأَعْدَادِ ثُمَّ بَيْنَ الْأَعْدَادِ وَالْأَعْدَادِ ثُمَّ افْعَلْ كَمَا فَعَلْتَ فِي الْفَرِيقَيْنِ فِي الْمُدَاخَلَةِ وَالْمُمَاثَلَةِ وَالْمُوَافَقَةِ وَالْمُبَايَنَةِ فَمَا حَصَلَ يُسَمَّى جُزْءَ السَّهْمِ فَاضْرِبْهُ فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ أَشَارَ إِلَيْهِ بِقَوْلِهِ (وَإِنْ دَخَلَ بَعْضُ الْأَعْدَادِ فِي بَعْضٍ

تو وہ نو ہو جائے گا اور اس سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔ اور اگر سہام کا ٹوٹنا تین یا چار فرقوں پر واقع ہو تو پہلے سہام اور اعداد کے درمیان مشارکت تلاش کرو اور پھر اعداد اور اعداد کے درمیان تلاش کرو بعد ازاں اسی طرح کر جیسے دو فریقوں میں مداخلت، مماثلث، موافقت، اور مباینت کا عمل کیا، اور جو حاصل ہوگا اسے جزء السہم کا نام دیا جائے گا، پھر تو اسے اصل مسئلہ میں ضرب دے۔ ''مصنف'' نے اسی کی طرف اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے اور اگر بعض اعداد بعض میں داخل ہوں

طرح ہے۔ پس تیرے پاس تین متماثل اعداد جمع ہو گئے تو ان میں سے ایک کو فریضہ یعنی عول سمیت اصل مسئلہ میں ضرب دے تو وہ اکیس تک پہنچ جائے گا، اور اس سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔ ''زیلعی''۔

اگر کسر تین فریقوں پر واقع ہو تو تصحیح کا ضابطہ

37614۔ (قولہ: وَإِنْ انْكَسَرَ عَلَى ثَلَاثِ فِرَقٍ الخ) اور اگر کسر تین فریقوں پر واقع ہو الخ، یہ اس طرف اشارہ کر رہے ہیں جو ہم نے پہلے ہر فریق کی طرف اس کے سہام سمیت دیکھنے اور پھر ثابت ہونے والے اعداد کی طرف دیکھنے کا ذکر کیا ہے۔ پس دو فریقوں اور زیادہ کے درمیان اس میں کوئی فرق نہیں ہے جو ذکر کیا ہے۔ بلاشبہ فرق اس حیثیت سے ہے کہ مثال کے طور پر فریق جب تین ہوں، ان میں صورتیں زیادہ ہو جاتی ہیں اور ثابت ہونے والے اعداد کے متعدد ہونے سے ضرب متکرر (بار بار) ہوتی ہے۔ کیونکہ تو جب پہلے تین فریقوں اور ان کے سہام کے درمیان غور و فکر کرے گا تو یا تو ان میں سے ہر فریق اپنے سہام کے مباین ہوگا یا موافق ہوگا (یعنی اعداد اور سہام کے درمیان تباین کی نسبت ہوگی یا توافق کی) یا وہ دو فریقوں کے موافق ہوگا اور آخری کے مباین ہوگا یا دو فریقوں کے مباین ہوگا اور آخری کے موافق ہوگا۔ تو یہ چار احوال ہوئے۔ پھر تو ان میں سے ہر حال میں چاروں اصولوں کے ساتھ ثابت ہونے والوں کے درمیان غور و فکر کرے گا تو وہ باون (52) صورتوں تک پہنچ جائیں گی۔ اور ان کے بیان کا محل مطولات ہیں جیسا کہ ''شرح الترتیب'' وغیرہ۔

37615۔ (قولہ: فَاطْلُبْ الْمُشَارَكَةَ) پس تو مشارکت کو تلاش کر، اسے مناسبت کے ساتھ تعبیر کرنا اولیٰ ہے۔ ''طحطاوی''

37616۔ (قولہ: ثُمَّ افْعَلْ كَمَا فَعَلْتَ فِي الْفَرِيقَيْنِ) پھر تو اس طرح کر جیسے تو نے دو فریقوں کے بیان میں کیا ہے۔ اس میں کما تفعل کہنا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے۔ کیونکہ دو فریقوں کے احوال میں سوائے مماثلث کے پہلے کچھ نہیں گزرا۔ اور رہی مداخلت، موافقت، اور مباینت تو ان کا ذکر عنقریب آئے گا۔ فافہم۔

37617۔ (قولہ: أَشَارَ إِلَيْهِ) یعنی جزء السہم کی ضرب کی طرف اشارہ کیا ہے، اور اس کی طرف جو انہوں نے

كَأَرْبَعِ زَوْجَاتٍ وَثَلَاثِ جَدَّاتٍ وَاثْنَيْ عَشَرَ عَمًّا ضَرَبْتَ أَكْثَرَ الْأَعْدَادِ لِتَدَاخُلِهَا (فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ) وَهُوَ اثْنَا عَشَرَ تَكُنْ مِائَةً وَأَرْبَعَةً وَأَرْبَعِينَ مِنْهَا تَصِحُّ (وَإِنْ وَافَقَ بَعْضُهَا بَعْضًا) كَأَرْبَعِ زَوْجَاتٍ وَخَمْسَةَ عَشَرَ جَدَّةً وَثَمَانِ عَشَرَةَ بِنْتًا وَسِتَّةِ أَعْمَامٍ

جیسا کہ چار بیویاں، تین دادیاں، اور بارہ چچے جب وارث ہوں تو تو اکثر اعداد کو ان میں تداخل کی وجہ سے اصل مسئلہ میں ضرب دے۔ اور وہ بارہ ہے تو ضرب دینے سے وہ ایک سو چوالیس (144) ہو جائیں گے۔ اور اس سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔ اور اگر ان میں سے بعض بعض کے موافق ہوں (یعنی ان کے درمیان توافق پایا جائے) جیسا کہ چار بیویاں، پندرہ دادیاں، اٹھارہ بیٹیاں اور چھ چچے وارث ہوں

اپنے قول: وان انکسر علی ثلاث فرق الخ سے پہلے ذکر کیا ہے۔ تأمل۔

37618۔ (قولہ: كَأَرْبَعِ زَوْجَاتٍ الخ) اس مسئلہ کی اصل بارہ سے ہے۔ لہٰذا دادیوں کے لئے سدس یعنی دو حصے، بیویوں کے لئے ربع یعنی تین حصے، اور بارہ میں سے باقی سات حصے چچوں کے لئے ہیں۔ اور ان میں سے ہر فریق کے سہام اور ان کے رؤس کے عدد کے درمیان تباین پایا جاتا ہے۔ لہٰذا ہم نے رؤس کے اعداد مکمل طور پر لے لئے اور وہ چار، تین اور بارہ ہیں اور ہم نے پہلے دو کو تیسرے میں متداخل پایا (یعنی چار اور تین بارہ میں داخل ہیں) اور وہ تیسرا بارہ ہے، پھر ہم نے اسے اصل مسئلہ میں ضرب دی اور وہ بھی بارہ ہے۔ اور اس سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔

37619۔ (قولہ: كَأَرْبَعِ زَوْجَاتٍ وَخَمْسَةَ عَشَرَ جَدَّةً الخ) اس میں اولیٰ خمس عشرۃ ہے اور مسئلہ کی اصل چوبیس سے ہے۔ پس بیویوں کے لئے ثمن (آٹھواں حصہ) یعنی چوبیس میں سے تین حصے ہیں۔ جو ان کی تعداد پر تقسیم نہیں ہو سکتے اور ان کے درمیان توافق بھی نہیں ہے تو ہم نے ان کے عدد یعنی چار کو محفوظ کر لیا۔ اور دادیوں کے لئے سدس (چھٹا حصہ) یعنی چوبیس میں سے چار حصے ہیں جو ان کے عدد کے مبائن ہے۔ اور ان کی تعداد پندرہ ہے۔ پس ہم نے اسے بھی محفوظ کر لیا۔ اور بیٹیوں کے لئے دو ثلث یعنی سولہ (16) حصے ہیں جو ان کے عدد کے ساتھ موافق بالنصف ہے اور ان کی تعداد اٹھارہ ہے اور وہ نصف نو ہے۔ سو ہم نے اسے بھی محفوظ کر لیا، اور باقی چچوں کے لئے اور وہ ایک ہے جو ان کے عدد کے مبائن ہے، اور ان کی تعداد چھ ہے۔ پس ہم نے اسے بھی محفوظ کر لیا، چنانچہ جو اعداد ہمارے پاس محفوظ ہیں وہ چار، چھ، نو اور پندرہ (4,6,9,15) ہیں۔ پھر ہم نے ان کے درمیان مناسبت تلاش کی تو ہم نے چار کو نصف کے ساتھ چھ کے موافق پایا، تو ہم نے ان میں سے ایک کے نصف کو دوسرے کے کل میں ضرب دی تو وہ بارہ تک پہنچ گیا۔ اور اس کے اور نو کے درمیان ثلث کے ساتھ موافقت ہے سو ہم نے ان میں سے ایک کے ثلث کو دوسرے کے کل میں ضرب دی تو وہ چھتیس تک پہنچ گیا۔ اور ان دونوں اور پندرہ کے درمیان بھی ثلث کے ساتھ موافقت ہے چنانچہ ہم نے اسے پندرہ کے ثلث پانچ میں ضرب دی تو وہ ایک سو اسی (180) ہو گیا اور یہی جزء السہم ہے۔

(ضَرَبْتَ وَفْقَ أَحَدِهِمَا) أَيْ أَحَدَ الْأَعْدَادِ (فِي جَمِيعِ الْآخَرِ وَالْخَارِجُ فِي وَفْقِ الثَّالِثِ إِنْ وَافَقَ وَإِلَّا فِي جَمِيعِهِ ثُمَّ الرَّابِعُ كَذَلِكَ) ثُمَّ الْمُجْتَمِعُ وَهُوَ جُزْءُ السَّهْمِ وَهُوَ فِي مَسْأَلَتِنَا مِائَةٌ وَثَمَانُونَ فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ وَهُوَ هُنَا أَرْبَعَةٌ وَعِشْرُونَ يَحْصُلُ أَرْبَعَةُ آلَافٍ وَثَلَاثُمِائَةٍ وَعِشْرُونَ مِنْهَا تَصِحُّ (وَإِنْ تَبَايَنَتْ) أَعْدَادُ رُءُوسِ مَنْ انْكَسَرَ عَلَيْهِمْ سِهَامُهُمْ (كَامْرَأَتَيْنِ وَعَشْرِ بَنَاتٍ وَسِتِّ جَدَّاتٍ وَسَبْعَةِ أَعْمَامٍ ضَرَبْتَ أَحَدَهَا) أَيْ أَحَدَ الْأَعْدَادِ (فِي جَمِيعِ الثَّانِي وَالْحَاصِلَ فِي جَمِيعِ الثَّالِثِ وَالْحَاصِلَ فِي جَمِيعِ الرَّابِعِ) يَحْصُلُ جُزْءُ السَّهْمِ وَهُوَ هُنَا مِائَتَانِ وَعَشَرَةٌ لِتَوَافُقِ رُءُوسِ الْبَنَاتِ وَالْجَدَّاتِ لِسِهَامِهِمْ بِالنِّصْفِ فَاضْرِبْهَا فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ

تو دو میں سے ایک کے اعداد کے وفق کو دوسرے کے کل اعداد میں ضرب دے اور پھر اس کے حاصل ضرب کو تیسرے کے وفق میں ضرب دے اگر توافق ہو اور اگر توافق نہ ہو تو پھر اس کے کل میں ضرب دے اور پھر چوتھے میں بھی اسی طرح کر اور پھر جو مجموعی حاصل ضرب ہو اور وہی جزء السہم ہے۔ اور وہ ہمارے مسئلہ میں ایک سو اسی (180) ہے۔ اسے اصل مسئلہ میں ضرب دے اور وہ یہاں چوبیس ہے تو اس کا حاصل ضرب چار ہزار تین سو بیس (4320) ہے اور اس سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔ اور اگر ان کے رؤوس کے اعداد متبائن ہوں جن پر ان کے سہام ٹوٹے جیسا کہ دو عورتیں، دس بیٹیاں، چھ دادیاں اور سات چچے وارث ہوں تو اعداد میں سے ایک کو دوسرے کے کل میں ضرب دے اور پھر حاصل ضرب کو تیسرے کے کل میں پھر حاصل ضرب کو چوتھے کے کل میں ضرب دے تو اس سے جزء السہم نکل آئے گا، اور وہ یہاں دو سو دس (210) ہے اس لئے کہ بیٹیوں اور دادیوں کے رؤوس کا ان کے سہام کے ساتھ نصف کے ساتھ توافق ہے، پھر تو اسے اصل مسئلہ میں ضرب دے

اگر رؤوس کے اعداد متباین ہوں تو تصحیح کا طریقہ

37620۔ (قولہ: كَامْرَأَتَيْنِ الخ) اس مسئلہ کی اصل چوبیس سے ہے۔ دو بیویوں کے لئے ثمن (آٹھواں حصہ) یعنی چوبیس میں سے تین حصے ہیں۔ اور ان دونوں یعنی ان کے عدد اور سہام کے درمیان تباین ہے۔ پس ہم نے ان کے رؤوس کے عدد کو محفوظ کر لیا اور وہ دو (2) ہے، اور بیٹیوں کے دو ثلث یعنی چوبیس میں سے سولہ (16) حصے ہیں اور ان کے عدد اور وہ دس ہے نصف کے ساتھ توافق ہے اور وہ پانچ ہے سو ہم نے اسے بھی محفوظ کر لیا۔ اور دادیوں کے لئے سدس (چھٹا حصہ) یعنی چوبیس میں چار حصے ہیں اور ان کے عدد جو کہ چھ ہے اس میں نصف کے ساتھ توافق ہے اور وہ تین ہے تو ہم نے اسے بھی محفوظ کر لیا اور باقی چچوں کے لئے ہے اور وہ ایک ہے جو ان کے عدد کے مبائن ہے اور وہ سات ہے تو ہم نے اسے بھی محفوظ کر لیا۔ چنانچہ ہمارے پاس محفوظ عدد دو، تین، پانچ اور سات (7,5,3,2) ہو گئے اور یہ تمام آپس میں مبائن اور الگ الگ ہیں۔ تو ہم نے دو کو تین میں ضرب دی تو حاصل ضرب چھ ہوا، پھر چھ کو پانچ میں ضرب دی تو حاصل ضرب تیس ہو گیا، پھر ہم نے تیس کو سات میں ضرب دی تو حاصل ضرب دو سو دس (210) تک پہنچ گیا اور یہی جزء السھم ہے۔ اور یہی وہ مکمل عمل ہے جسے ''شارح'' نے ذکر کیا ہے۔ اور رہی ان تمام مثالوں اور دیگر میں ان میں سے ہر ایک کے حصہ کی پہچان تو

وَهُوَ هُنَا أَرْبَعَةٌ وَعِشْرُونَ يَحْصُلُ خَمْسَةُ آلَافٍ وَأَرْبَعُونَ وَمِنْهَا تَسْتَقِيمُ (وَإِذَا أَرَدْتَ مَعْرِفَةَ التَّمَاثُلِ وَالتَّوَافُقِ وَالتَّدَاخُلِ وَالتَّبَايُنِ بَيْنَ الْعَدَدَيْنِ) هَذِهِ مُقَدِّمَةٌ يُحْتَاجُ إِلَيْهَا فِي تَقْسِيمِ التَّرِكَةِ (فَتَمَاثُلُ الْعَدَدَيْنِ كَوْنُ أَحَدِهِمَا مُسَاوِيًا لِلْآخَرِ) كَثَلَاثَةٍ وَثَلَاثَةٍ (وَتَدَاخُلُ الْعَدَدَيْنِ الْمُخْتَلِفَيْنِ) بِأَحَدِ أَمْرَيْنِ

اور وہ یہاں چوبیس (24) ہے تو اس کا حاصل ضرب پانچ ہزار چالیس (5040) ہوگا اور اس سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔ اور جب تو دو عددوں کے درمیان تماثل، توافق، تداخل اور تباین کو پہچاننے کا ارادہ کرے۔ یہ مقدمہ ہے جس کا ترکہ کی تقسیم میں آدمی محتاج ہوتا ہے۔ پس دو عددوں کا تماثل ان میں سے ایک کا دوسرے کے مساوی ہونا ہے جیسا کہ تین اور تین۔ اور دو مختلف عددوں کا تداخل دو امروں میں سے ایک کے ساتھ ہے

اس کا بیان عنقریب آئے گا۔

دو عددوں کے درمیان نسبتوں (تماثل) توافق، تداخل اور تباین کو پہچاننے کا ضابطہ

37621۔ (قولہ: وَإِذَا أَرَدْتَ مَعْرِفَةَ التَّمَاثُلِ الخ) اور جب تو تماثل وغیرہ کو پہچاننے کا ارادہ کرے، ''مصنف'' یہاں سے اعداد کے درمیان نسبتوں کے بیان میں شروع ہو رہے ہیں۔ اور وہ چار ہیں جیسا کہ کلیات منطقیہ کے درمیان نسبتیں پائی جاتی ہیں۔ پس ہر دو عدد کے درمیان نسبت کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ دو عدد یا تو آپس میں مساوی ہوں گے یا نہیں۔ پس اگر وہ باہم مساوی ہوں تو وہ دونوں متماثل ہوتے ہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر یا تو اقل عدد (چھوٹا عدد) اکثر (بڑا عدد) کو فنا کر دے گا یا نہیں۔ پس اگر وہ اسے فنا کر دے تو وہ دونوں متداخل ہوتے ہیں۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر یا تو کوئی تیسرا عدد ان دونوں کو فنا کر دے گا یا نہیں اگر پہلی صورت ہو تو وہ دونوں متوافق ہوں گے اور اگر دوسری ہو تو وہ دونوں متباین ہوں گے۔

37622۔ (قولہ: هَذِهِ مُقَدِّمَةٌ الخ) مستحقین کے اعداد پر بغیر کسر کے ترکہ کی تقسیم میں ان نسبتوں کی پہچان کی حاجت اور ضرورت ہوتی ہے تا کہ اقل عدد سے مسئلہ کو صحیح قرار دینا ممکن ہو سکے تو یہ تصحیح مسائل کا تعارف و تمہید ہے۔ پس انہیں اس پر مقدم کرنا ہی مناسب اور موزوں ہے۔ اور تو جان کہ عدد وہ ہے جو اکائیوں سے مرکب ہوتا ہے جیسا کہ دو اور اس سے اوپر کے اعداد۔ اور اس کے خواص میں سے یہ ہے کہ وہ اپنی دو قریبی یا بعیدی اطراف کے مجموعہ کے نصف کے مساوی ہوتا ہے جیسا کہ چار۔ کیونکہ اس کی دو قریبی اطراف میں تین اور پانچ کے عدد ہیں اور ان دونوں کا مجموعہ آٹھ ہے اور چار اس کا نصف ہے۔ اور اس کی دو بعیدی اطراف دو اور چھ یا ایک اور سات ہیں اور چار ان کے مجموعہ کا نصف ہے۔ اور اسی طرح دو ہے یہ ایک اور تین کے مجموعہ کے نصف کے مساوی ہے۔ اور اسی سے یہ معلوم ہو گیا کہ حساب دانوں کے نزدیک ایک کو عدد کا نام نہیں دیا جاتا۔

37623۔ (قولہ: الْمُخْتَلِفَيْنِ) یعنی قلت اور کثرت میں دونوں مختلف ہوں، اور تماثل میں اختلاف کا تصور نہیں کیا جاتا بلکہ تداخل اور اس کے مابعد میں اس کا تصور کیا جاتا ہے مگر یہ کہ اس کے بارے صرف تداخل میں تصریح کی ہے اور مابعد میں اس کا احساس دلایا ہے۔ ''سید''۔

عَلَى مَا هُنَا إِمَّا (بِأَنْ يَعُدَّ أَقَلُّهُمَا الْأَكْثَرَ) أَيْ يُفْنِيهِ (أَوْ يَكُونَ أَكْثَرُ الْعَدَدَيْنِ مُنْقَسِمًا عَلَى الْأَقَلِّ قِسْمَةً صَحِيحَةً) بِلَا كَسْرٍ كَقِسْمَةِ السِّتَّةِ عَلَى ثَلَاثَةٍ أَوْ اثْنَيْنِ (وَتَوَافُقُ الْعَدَدَيْنِ أَنْ لَا يَعُدَّ) أَيْ لَا يُفْنِي أَقَلُّهُمَا الْأَكْثَرَ لَكِنْ يَعُدُّهُمَا (عَدَدٌ ثَالِثٌ) كَالثَّمَانِيَةِ مَعَ الْعِشْرِينَ يَعُدُّهُمَا أَرْبَعَةٌ فَيَتَوَافَقَانِ بِالرُّبُعِ (وَتَبَايُنُ الْعَدَدَيْنِ) أَنْ لَا يَعُدَّ الْعَدَدَيْنِ الْمُخْتَلِفَيْنِ (عَدَدٌ ثَالِثٌ) أَصْلًا كَالتِّسْعَةِ مَعَ الْعَشَرَةِ

جو کہ اس مقام پر ہے یا تو اس طرح کہ ان میں سے اقل عدد اکثر کو فنا کر دے مٹا دے، یا دو عددوں میں سے اکثر عدد اقل پر بغیر کسر کے تقسیم صحیح کے ساتھ منقسم ہو جائے جیسا کہ چھ کا تین یا دو پر تقسیم ہو جانا۔ اور دو عددوں کا توافق یہ ہے کہ ان میں سے اقل عدد اکثر کو فنا نہ کرے لیکن کوئی تیسرا عدد ان دونوں کو فنا کر دے جیسا کہ آٹھ بیس کیساتھ ہو تو ان دونوں کو چار فنا کر دیتا ہے۔ پس دونوں کے درمیان توافق چار کے ساتھ ہوگا۔ اور دو عددوں کا تباین یہ ہے کہ دو مختلف عددوں کو کوئی تیسرا عدد بالکل فنا نہ کر سکے جیسا کہ نو جب دس کے ساتھ ہو۔

37624۔ (قولہ: عَلَى مَا هُنَا) کیونکہ ''سراجیہ'' میں دوسرے دو امر زائد ہیں: ایک یہ ہے کہ تو اقل پر اس کی مثل یا اس کی امثال زیادہ کرے تاکہ وہ اکثر کے مساوی ہو جائے۔ اور دوسرا یہ ہے کہ اقل اکثر کا جز ہو اور وہ عبارت میں اختلاف کے قبیل سے ہے۔

37625۔ (قولہ: أَيْ يُفْنِيهِ) یعنی وہ اسے فنا کر دے بایں معنی کہ جب وہ اکثر سے اقل گرائے تو اکثر میں سے کوئی باقی نہ رہے جیسا کہ تین اور چھ کہ جب تو چھ سے دو بار تین گرائے، کم کرے تو چھ کلی طور پر فنا اور ختم ہو جائے گا۔ اور اس طرح ہو گا جب تو اسے نو سے تین بار گرائے۔ بخلاف آٹھ کے! کیونکہ جب تو اس سے تین دو بار گرائے تو اس میں دو باقی رہ جاتے ہیں لہٰذا اسے تین کے ساتھ فنا اور ختم کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن جب تو اس سے دو چار مرتبہ گرائے تو آٹھ ختم ہو جائے گا۔ پس یہ دو بھی باہم متداخل ہیں۔ ''سید''۔

37626۔ (قولہ: يَعُدُّهُمَا أَرْبَعَةٌ) چار ان دونوں کو فنا کر دیتا ہے، اور اسی طرح دو بھی ان دونوں کو فنا کر دیتا ہے۔ پس ان دونوں میں نصف کا توافق ہے۔ لیکن جب عدد متعدد ہوں تو پھر بڑے عدد کا اعتبار ہوگا تاکہ وفق کا جز اقل ہو جائے جیسا کہ بارہ اور اٹھارہ یہ دونوں نصف، ثلث اور سدس کے ساتھ موافق ہیں مگر حساب کی سہولت اور آسانی کے لئے اعتبار چھ میں اور ان دونوں کے توافق کا ہوگا۔

37627۔ (قولہ: فَيَتَوَافَقَانِ بِالرُّبُعِ) پس ان دونوں کے درمیان توافق بالربع ہے، کیونکہ ان دونوں کا عدد ان کے درمیان پائے جانے والے وفق کے جز کا مخرج ہے۔ پس جب چار نے ان دونوں کو فنا کر دیا اور یہی چار ربع کا مخرج ہے تو یہ دونوں اسی کے ساتھ باہم موافق ہوئے۔

37628۔ (قولہ: كَالتِّسْعَةِ مَعَ الْعَشَرَةِ) جیسا کہ نو دس کے ساتھ، کیونکہ سوائے ایک کے انہیں کوئی شے فنا نہیں کر

(وَإِذَا أَرَدْتَ مَعْرِفَةَ التَّوَافُقِ وَالتَّبَايُنِ بَيْنَ الْعَدَدَيْنِ الْمُخْتَلِفَيْنِ أَسْقِطِ الْأَقَلَّ مِنَ الْأَكْثَرِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ) مِرَارًا حَتَّى إِذَا اتَّفَقَا فِي دَرَجَةٍ وَاحِدَةٍ (فَإِنْ تَوَافَقَا فِي وَاحِدٍ تَبَايَنَا) الْأَوْفَقُ (وَإِنْ تَوَافَقَا فِي اثْنَيْنِ فَبِالنِّصْفِ أَوْ ثَلَاثَةٍ فَبِالثُّلُثِ) هَكَذَا (إِلَى الْعَشَرَةِ)

اور جب تو دو مختلف عددوں کے درمیان توافق اور تباین جاننے کا ارادہ کرے تو پھر دونوں جانبوں سے اقل کو اکثر سے بار بار ساقط کر یہاں تک کہ جب وہ ایک درجہ میں متفق ہو جائیں تو اگر وہ دونوں ایک میں متفق ہوں تو وہ آپس میں متبائن ہیں اور ان میں وفق نہیں ہے اور اگر دونوں دو میں متفق ہوں تو پھر ان میں توافق بالنصف ہے یا تین میں متفق ہوں تو پھر توافق بالثلث ہے، اور اسی طرح یہ دس تک ہے

سکتی اور ایک عدد نہیں ہے۔ (معلوم ہوا ان دونوں کے درمیان تباین پایا جا رہا ہے)۔

تنبیہ

''ابن کمال'' نے تعریف میں ایک دوسری قید کا اضافہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو فنا نہ کرے۔ کیونکہ دو چار کے ساتھ ہو تو کوئی تیسرا عدد انہیں فنا نہیں کر سکتا اس کے باوجود یہ دونوں باہم متداخل ہیں متباین نہیں ہیں۔ اور مذکورہ قید کے ساتھ ان دونوں سے احتراز ہو جاتا ہے کیونکہ دو چار کو فنا کر سکتا ہے۔ (یعنی دو چار کو پورا پورا تقسیم کر کے ختم کر سکتا ہے۔)

37629۔ (قولہ: وَإِذَا أَرَدْتَ مَعْرِفَةَ التَّوَافُقِ الخ) جب دو عددوں کے درمیان تماثل اور تداخل کی پہچان ظاہر ہے اور دونوں کے درمیان توافق اور تباین کی پہچان میں خفا ہے تو ''مصنف'' نے ان دونوں کے لئے ایک دوسرا طریقہ ذکر کیا۔

37630۔ (قولہ: مِنَ الْجَانِبَيْنِ) دونوں جانبوں سے، یعنی تو اکثر سے اقل کو ساقط کرتا رہے یہاں تک کہ اکثر اقل ہو جائے پھر تو اسے اقل سے کم کرے گا۔ ''قاسم''۔

37631۔ (قولہ: تَبَايَنَا) یعنی ان دونوں کے درمیان تباین حاصل ہو جائے گا جیسا کہ پانچ جب سات کے ساتھ ہو۔ کیونکہ جب تو پانچ کو سات سے ساقط کرے گا تو دو باقی رہیں گے اور جب تو ان دو کو پانچ سے دو بار ساقط کرے گا تو باقی ایک رہے گا۔

37632۔ (قولہ: فَبِالنِّصْفِ) یعنی وہ دونوں نصف کے ساتھ باہم موافق ہوں گے جیسے چھ جب دس کے ساتھ ہو، تو جب چھ کو دس سے ساقط کرے گا تو باقی چار رہیں گے۔ اور جب چار کو چھ سے ساقط کرے گا تو باقی دو رہ جائیں گے۔

37633۔ (قولہ: فَبِالثُّلُثِ) یعنی دونوں میں توافق بالثلث ہوگا جیسا کہ نو جب بارہ کے ساتھ ہو۔

37634۔ (قولہ: هَكَذَا إِلَى الْعَشَرَةِ) اسی طرح دس تک ہے، یعنی اگر دونوں عدد چار میں موافق ہوں تو دونوں میں توافق بالربع ہوگا جیسا کہ آٹھ جب بیس کے ساتھ ہو، یا پانچ میں متفق ہوں تو توافق بالخمس ہوگا جیسا کہ پندرہ جب پچیس کے ساتھ ہو، یا چھ میں متفق ہوں تو توافق بالسدس ہوگا جیسا کہ بارہ جب اٹھارہ کے ساتھ ہو، یا سات میں متفق ہوں تو توافق بالسبع

وَتُسَمَّى الْكُسُورَ الْمُنْطَقَةَ (أَوْ أَحَدَ عَشَرَ فَيُجْزَأُ مِنْ أَحَدَ عَشَرَ وَهَكَذَا) وَيُسَمَّى الْأَصَمَّ (وَإِذَا أَرَدْتَ مَعْرِفَةَ نَصِيبِ كُلِّ فَرِيقٍ) كَالْبَنَاتِ وَالْجَدَّاتِ وَالْأَعْمَامِ وَغَيْرِهِمْ (مِنَ التَّصْحِيحِ)

اوران کا نام کسور منطقہ ہے، یا دونوں عدد گیارہ میں متفق ہوں تو پھر گیارہ کے ایک جز میں توافق ہوگا۔ اوراسی طرح آگے بھی ہوگا اوراسے اصم کہا جاتا ہے۔ اور جب تو ہر فریق کا حصہ جاننا چاہے جیسا کہ بیٹیاں، دادیاں اور چچے وغیرہ۔ اس تصحیح سے جس سے تمام پر مسئلہ صحیح ہوا،

ہوگا جیسے چودہ جب اکیس کے ساتھ ہو، یا آٹھ میں متفق ہوں تو توافق بالثمن ہوگا جیسا کہ سولہ جب چوبیس کے ساتھ ہو، یا نو میں متفق ہوں تو توافق بالتسع ہوگا جیسا کہ اٹھارہ جب ستائیس کے ساتھ ہو، یا دس میں متفق ہوں تو توافق بالعشر ہوگا جیسا کہ بیس جب تیس کے ساتھ ہو۔

کسر منطق کی تعریف

37635۔(قولہ: وَتُسَمَّى الْكُسُورَ الْمُنْطَقَةَ) کسر منطق وہ ہے جسے حقیقۃً جزئیت کے لفظ وغیرہ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ خمس تو جس طرح اس میں خمس بولا جاتا ہے۔ اسی طرح اس میں جزء من خمسة (پانچ کا ایک جز) بولا جاتا ہے۔ اور اصم وہ ہے جسے صرف جزئیت کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے جیسے واحد من أحد عشر (یعنی گیارہ میں سے ایک)۔ پس اس میں سوائے جزء من أحد عشر کے جزء أمن الواحد نہیں بولا جاتا۔

37636۔(قولہ: أَوْ أَحَدَ عَشَرَ) یعنی اگر وہ دونوں عدد گیارہ میں متفق ہوں تو وہ دونوں گیارہ کے ایک جز میں باہم موافق ہوں گے جیسا کہ بائیس جب تینتیس کے ساتھ ہو۔

37637۔(قولہ: وَهَكَذَا) اور اسی طرح ہوگا جیسا کہ جب وہ دونوں تیرہ کے ایک جز میں موافق ہوں جیسے چھبیس جب انتالیس کے ساتھ ہو، یا سترہ کے جز میں موافق ہوں جیسے چونتیس جب اکاون کے ساتھ ہو، یا انیس کے جز میں موافق ہوں جیسا کہ اڑتیس جب ستاون کے ساتھ ہو۔

تنبیہ

جب ان کے درمیان توافق عدد مرکب میں ہو اور وہ وہ ہے جو عدد کو عدد میں ضرب دینے سے مرکب ہوتا ہے جیسا کہ پندرہ جب پینتالیس کے ساتھ ہو تو اگر تو چاہے تو یہ کہہ کہ یہ دونوں پندرہ کے جز کے ساتھ باہم موافق ہیں، اور اگر چاہے تو ایک کی اس کی طرف دو کسروں کے ساتھ نسبت کر جن میں سے ایک کو دوسری کی طرف مضاف کیا جا رہا ہو اور تو یہ کہے گا: ان دونوں کے درمیان موافقت بثلث خمس یا خمس ثلث ہے۔ پس اسے جز اور کسور منطقہ مضافہ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے بخلاف غیر مرکب کے کہ اسے صرف جز کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

37638۔(قولہ: وَإِذَا أَرَدْتَ الخ) یہاں سے ''مصنف'' ہر فریق کے حصے کی پہچان اور اس فریق کے افراد میں سے

الَّذِي اسْتَقَامَ عَلَى الْكُلِّ (فَاضْرِبْ مَا كَانَ لَهُ) أَيْ لِكُلِّ فَرِيقٍ (مِنْ أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ فِيهَا) أَيْ فِي جُزْءِ السَّهْمِ الَّذِي ضَرَبْته (فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ يَخْرُجُ نَصِيبُهُ) أَيْ ذَلِكَ الْفَرِيقِ (ثُمَّ إذَا) أَرَدْت مَعْرِفَةَ نَصِيبِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْ آحَادِ ذَلِكَ الْفَرِيقِ (ضَرَبْت سِهَامَ كُلِّ وَارِثٍ فِي) جُزْءِ السَّهْمِ (الْمَضْرُوبِ يَخْرُجُ نَصِيبُهُ) وَالْأَوْضَحُ طَرِيقُ النِّسْبَةِ

تو اصل مسئلہ میں سے ہر فریق کے لئے جو حصہ تھا اسے اس جز سہم (مضروب) میں ضرب دے جسے تو نے اصل مسئلہ میں ضرب دی ہے تو اس سے اس فریق کا حصہ نکل آئے گا۔ پھر جب تو اس فریق کے افراد میں سے ہر فرد کا حصہ جاننا چاہے تو ہر وارث کے سہام کو جز سہم مضروب میں ضرب دے تو اس کا حصہ نکل آئے گا۔ اور زیادہ واضح نسبت کا طریقہ ہے

ہر فرد کے حصہ کی پہچان کے بیان میں شروع ہو رہے ہیں۔ دوسرے کو قسمة النصیب کہا جاتا ہے۔ اس کا بیان آخری مسئلہ میں یہ ہے کہ دو بیویوں کے لئے اصل مسئلہ سے تین حصے ہیں تو تو انہیں اس جزء السهم میں ضرب دے جسے تو نے اصل مسئلہ میں ضرب دی ہے اور وہ دو سو دس (210) ہے ضرب دینے سے وہ چھ سو تیس (630) ہو جائے گا۔ پس یہی تصحیح مسئلہ سے زوجات کا حصہ ہے۔ اور بیٹیوں کے لئے سولہ (16) تھا پس تو اسے مذکورہ جزء السهم میں ضرب دے تو وہ تین ہزار تین سو ساٹھ (3360) تک پہنچ جائے گا تو یہی ان کا حصہ ہے۔ اور دادیوں کے لئے چار (4) تھا پس تو اسے بھی اس میں ضرب دے تو وہ آٹھ سو چالیس (840) ہو جائے گا اور یہی ان کا حصہ ہے۔ اور چچوں کے لئے ایک سہم تھا پس تو اسے دو سو دس (210) میں ضرب دے تو وہ ان کے لئے ہو جائے گا۔

37639۔ (قولہ: ضَرَبْت سِهَامَ كُلِّ وَارِثٍ الخ) تو ہر وارث کے سہام کو ضرب دے الخ یعنی اصل مسئلہ میں سے ہر فریق کے لئے جو ہے اسے ان کے رؤوس کے عدد پر تقسیم کرنے کے بعد، اور اس پر لازم ہے کہ وہ اسے ذکر کرے یہاں تک کہ وہ معلوم ہو جائے جسے جزء السهم میں ضرب دی جاتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ دو بیویوں کے لئے اصل مسئلہ میں سے تین حصے تھے۔ پس تو اسے ان دونوں پر تقسیم کر تو ایک اور نصف (یعنی ڈیڑھ) حصہ نکلے گا۔ پس تو اسے مضروب میں ضرب دے اور وہ دو سو دس (210) ہے تو حاصل ضرب تین سو پندرہ (315) ہوگا۔ پس یہی اس کی ہر بیوی کے لئے ہوگا۔ اور بیٹیوں کے لئے سولہ تھا پس تو اسے ان کے رؤوس کے عدد دس پر تقسیم کر تو اس سے ایک اور تین خمس نکلے گا، پھر تو اسے اسی مضروب میں ضرب دے تو حاصل ضرب تین سو چھتیس ہوگا اور وہی ہر ایک بیٹی کا حصہ ہے۔ اور دادیوں کے لئے چار سہم تھے۔ پس تو انہیں ان کے رؤوس کے عدد چھ پر تقسیم کر تو اس سے ایک سہم کی دو تہایاں نکلے گا پھر تو اسے مضروب میں ضرب دے تو حاصل ضرب ایک سو چالیس ہوگا، سو وہی ہر دادی کا حصہ ہے۔ اور چچوں کے لئے ایک سہم تھا پس تو اسے ان کی تعداد سات پر تقسیم کر تو اس سے ایک سہم کا ساتواں حصہ نکلے گا پھر تو اسے مضروب میں ضرب دے تو حاصل ضرب تیس آئے گا۔ پس وہی ہر چچا کا حصہ ہے۔

37640۔ (قولہ: وَالْأَوْضَحُ طَرِيقُ النِّسْبَةِ الخ) اور زیادہ واضح نسبت کا طریقہ ہے، الخ۔ پس مذکورہ مسئلہ میں دو

وَهُوَ أَنْ تَنْسُبَ سِهَامَ كُلِّ فَرِيقٍ مِنْ أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ إِلَى عَدَدِ رُءُوسِهِمْ وَحْدَهُمْ ثُمَّ تُعْطِي بِمِثْلِ تِلْكَ النِّسْبَةِ مِنَ الْمَضْرُوبِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْ آحَادِ ذَلِكَ الْفَرِيقِ (وَإِذَا أَرَدْتَ قِسْمَةَ التَّرِكَةِ بَيْنَ الْوَرَثَةِ وَالْغُرَمَاءِ) يَعْنِي أَنَّ كُلًّا وَحْدَهُ

اور وہ یہ ہے کہ تو اصل مسئلہ میں سے ہر فریق کے سہام کو صرف ان کے رؤوس کے عدد کی طرف نسبت کرے پھر مضروب میں سے اسی نسبت کی مثل اس فریق کے افراد میں سے ہر فرد کو دے۔ اور جب تو ترکہ کو ورثا اور غرما کے درمیان تقسیم کرنے کا ارادہ کرے یعنی یہ کہ تقسیم ان میں الگ الگ ہو

بیویوں کے لئے تین سہم ہیں اور ان کی نسبت ان دو کی طرف مثل اور نصف یعنی ڈیڑھ کی ہے۔ چنانچہ تو ہر ایک کو مضروب سے اسی نسبت کی مثل دے دے یعنی اس کی مثل اور نصف اسی کے مثل سہام ہوں گے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ اور بیٹیوں کے سہام سولہ ہیں ان کی نسبت ان کے رؤوس دس کی طرف ایک مثل اور تین خمس ہے۔ پس مضروب میں سے اسی کی مثل ہر ایک کو دے دے جو کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور دادیوں کے سہام چار ہیں اس کی نسبت ان کے رؤوس کی تعداد جو کہ چھ ہے اس کی طرف دو تہائی کی ہے۔ پس تو ہر ایک کو مضروب کا دو تہائی دے دے جو کہ وہی ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔ اور چچوں کے لئے ایک سہم ہے اس کی نسبت ان کے رؤوس کی طرف جن کی تعداد سات ہے ایک سہم کا ساتواں حصہ ہے۔ پس تو ان میں سے ہر ایک کو مضروب کا ساتواں حصہ دے دے جو وہی ہے جو گزر چکا ہے۔ بلاشبہ یہ طریقہ زیادہ واضح ہے۔ کیونکہ اس میں تقسیم اور ضرب کی حاجت نہیں ہوتی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: جو نسبت کا مالک اور ماہر ہو وہ حساب کا ماہر ہوتا ہے، لیکن بسا اوقات نسبت زیادہ مشکل ہوتی ہے اور ضرب پر عمل کرنا آسان ہوتا ہے اور ایسے مقام پر دوسرے طریقے ہیں۔

37641۔ (قولہ: وَإِذَا أَرَدْتَ قِسْمَةَ التَّرِكَةِ الخ) اور جب تو ترکہ کی تقسیم کا ارادہ کرے الخ۔ ''مصنف'' جب تصحیح مسئلہ سے ہر فریق کا حصہ متعین کرنے اور پھر اس سے ہر وارث کا حصہ متعین کرنے کے بیان سے فارغ ہوئے تو اس کے مقصود کے بیان میں شروع ہوئے اور وہ کل ترکہ سے ہر وارث کا حصہ دو طریقوں سے متعین کرنا ہے وہ دونوں تصحیح مسئلہ سے ہر وارث کے حصہ کی پہچان میں باہم موافق ہوتے ہیں۔

37642۔ (قولہ: يَعْنِي أَنَّ كُلًّا وَحْدَهُ) یعنی یہ کہ وہ ہر ایک الگ الگ اور اکیلا ہو۔ یہ اس کا جواب ہے جو اعتراض وارد کیا گیا ہے کہ ان کا قول ''سراجیہ'' کی طرح والغرماء واو کے ساتھ ہے اور یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ترکہ اگر تمام قرضوں کے لئے پورا ہو جائے اور ورثاء کے لئے کوئی شے باقی بچ جائے تو غرماء کے درمیان تقسیم کرنے کی حاجت نہیں رہے گی، البتہ ورثاء کے درمیان تقسیم ہوگی۔ ورنہ ورثاء کے لئے کوئی شے باقی نہیں رہی۔ اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ مراد و بين الغرماء ہے۔ پس لفظ بین مقدر ہے یعنی اس گروہ کے افراد کے درمیان اور اس گروہ کے افراد کے درمیان أي بين أفراد هذه الطائفة و بين أفراد هذه الطائفة۔ پس تقسیم کے احوال متعدد ہونے کے سبب تقسیم متعدد ہوگی نہ کہ دونوں گروہوں پر ایک ساتھ۔ یا پھر

لَا مَعًا لِتَقَدُّمِ الْغُرَمَاءِ عَلَى قِسْمَةِ الْمَوَارِيثِ كَمَا فِي شَرْحِ السِّرَاجِيَّةِ لِحَيْدَرٍ (فَإِنْ كَانَ بَيْنَ التَّرِكَةِ وَالتَّصْحِيحِ مُمَاثَلَةٌ) فَظَاهِرٌ أَوْ (مُوَافَقَةٌ ضَرَبْت سِهَامَ كُلِّ وَارِثٍ مِنْ التَّصْحِيحِ فِي جَمِيعِ التَّرِكَةِ) كَذَا فِي نُسَخِ الْمَتْنِ وَالشَّرْحِ وَالْمُوَافِقُ لِلسِّرَاجِيَّةِ وَغَيْرِهَا فِي وَفْقِ التَّرِكَةِ فَإِنَّمَا يَضْرِبُ فِي جَمِيعِ التَّرِكَةِ عِنْدَ الْمُبَايَنَةِ وَهَذَا لِمَعْرِفَةِ نَصِيبِ كُلِّ فَرْدٍ

نہ کہ ایک ساتھ، اس لئے کہ ورثا کے مابین تقسیم پر غرما (قرض خواہ) مقدم ہیں جیسا کہ ''حیدر'' کی ''شرح سراجیہ'' میں ہے۔ پھر اگر ترکہ اور تصحیح کے درمیان مماثلت ہو تو یہ بالکل ظاہر ہے یا موافقت ہو تو تصحیح مسئلہ سے ہر وارث کے سہام کو کل ترکہ میں ضرب دے۔ اسی طرح متن اور شرح کے نسخوں میں ہے۔ اور ''سراجیہ'' وغیرہ کے موافق یہ ہے کہ تو ترکہ کے وفق میں ضرب دے۔ بلاشبہ مباینت کے وقت کل ترکہ میں ضرب دی جاتی ہے اور یہ ہر فرد کا حصہ پہچاننے کے لئے ہے۔

جواب یہ دیا جائے گا کہ یہاں واؤ بمعنی أو ہے سو معنی پھر بھی وہی ہوگا جو ہم نے بیان کر دیا ہے۔

37643۔ (قولہ: ضَرَبْت سِهَامَ كُلِّ وَارِثٍ الخ) یعنی پھر تو اس حاصل ضرب کو تصحیح مسئلہ پر تقسیم کر اگر تو نے کل ترکہ میں ضرب دی ہے یا اس کے وفق پر تقسیم کر اگر تو نے اس کے وفق میں ضرب دی ہے۔ اور یہ اس میں ضروری ہے اگرچہ ''مصنف'' اور ''شارح'' نے اسے چھوڑ دیا ہے۔

37644۔ (قولہ: وَالْمُوَافِقُ لِلسِّرَاجِيَّةِ الخ) یہاں ''مصنف'' نے والصواب نہیں کہا۔ کیونکہ موافقت کے وقت کل ترکہ میں ضرب اسی طرح صحیح ہوتی ہے جس طرح مباینت کے وقت صحیح ہوتی ہے۔ اور اسی طرح مداخلت کی صورت میں بھی ہے مگر اس میں حساب طویل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا موافقت کے وقت وفق میں ضرب دینا اور مباینت کے وقت کل میں ضرب دینا اولیٰ ہے۔ موافقت کی مثال یہ ہے: خاوند، دو اخیافی بھائی، اور دو سگی بہنیں وارث ہوں تو اصل مسئلہ چھ سے ہوگا اور وہ نو تک عول کرے گا۔ اور ترکہ ساٹھ دینار ہے۔ پس اس کے درمیان اور تصحیح مسئلہ کے درمیان موافقت بثلث ہے۔ لہٰذا خاوند کو نو میں سے تین حصے ملیں گے پھر تو انہیں ترکہ کے وفق بیس میں ضرب دے تو وہ ساٹھ حصے ہو جائیں گے، پھر تو انہیں تصحیح کے وفق پر تقسیم کر اور وہ تین ہے تو بیس سہام نکل آئیں گے۔ پس ترکہ میں سے یہی اس کے لئے ہیں۔ اور دو اخیافی بھائیوں میں سے ایک کے لئے ایک سہم ہے۔ پس تو اسے وفق میں ضرب دے تو وہ بیس ہو جائیں گے۔ پھر تو انہیں تین پر تقسیم کر تو چھ اور دو تہائی ایک سہم کا نکل آئے گا یہی اس کے لئے ہوں گے اور اس کے بھائی کے لئے بھی اسی کی مثل یعنی اتنا ہی ہوگا۔ اور دو سگی بہنوں میں سے ایک کا حصہ دو ہے۔ پس تو ان دونوں کو وفق میں ضرب دے تو وہ چالیس ہو جائے گا تو پھر اسے تین پر تقسیم کر تو تیرہ اور ثلث نکل آئے گا یہی اس کا حصہ ہے اور اس کی بہن کے لئے بھی اسی کی مثل ہوگا۔ اور مباینت کی مثال خاوند، ماں اور سگی بہن ہے۔ اس مسئلہ کی اصل چھ سے ہے اور اس میں آٹھ تک عول ہوتا ہے اور ترکہ پچیس (25) دینار ہے تو ان دونوں کے درمیان مباینت ہے۔ پس خاوند کے لئے آٹھ میں سے تین حصے ہیں، پھر تو انہیں کل ترکہ پچیس (25) میں ضرب دے تو یہ پچھتر

(وَتَعْمَلُ كَذٰلِكَ فِي مَعْرِفَةِ نَصِيبِ كُلِّ فَرِيقٍ) مِنْهُمْ وَأَمَّا قَضَاءُ الدُّيُونِ فَإِنْ وَفَّى فَبِهَا (وَ) إِنْ لَمْ يُوفِ وَتَعَدَّدَ الْغُرَمَاءُ (يَنْزِلُ مَجْمُوعُ الدُّيُونِ) كَالتَّصْحِيحِ لِلْمَسْأَلَةِ

اور تو اسی طرح ان میں سے ہر فریق کا حصہ پہچاننے کے لئے عمل کرے گا۔ اور رہی قرضوں کی ادائیگی تو اگر یہ پورا ہو جائے تو بہتر۔ اور اگر پورا نہ ہو اور غرما متعدد ہوں تو مجموعی قرضوں کو بمنزلہ مسئلہ کی تصحیح کے قرار دیا جائے گا

(75) تک پہنچ جائیں گے۔ پھر تو انہیں آٹھ پر تقسیم کر تو نو اور ایک دینار کے تین ثمن نکلیں گے یہی اس کا حصہ ہے اور سگی بہن کے لئے بھی اسی کی مثل ہے، اور ماں کے لئے آٹھ میں سے دو حصے ہیں سوان دونوں کو پچیس میں ضرب دے تو وہ پچاس ہو جائیں گے۔ پھر انہیں آٹھ پر تقسیم کر تو اس سے چھ اور ایک دینار کا چوتھائی حصہ نکلے گا اور یہی اس کا حصہ ہے۔ اور اگر تو پہلی مثال میں تصحیح مسئلہ سے ہر وارث کے سہام کو کل ترکہ میں ضرب دے پھر حاصل کو کل تصحیح پر تقسیم کرے جیسے یہاں کیا ہے تو یقیناً وہ صحیح ہو گا۔ لیکن اس میں طوالت ہے جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔ اور اگر ترکہ دوسری مثال میں چوبیس ہو تو آٹھ کے چوبیس میں داخل ہونے کی وجہ سے ان کے اور تصحیح کے درمیان مداخلت ہے اور اس میں بھی مباینت کی طرح کا عمل جائز ہے، لیکن ان دونوں کے کسر میں اشتراک کی وجہ سے موافقت کا عمل زیادہ مختصر ہے اور وہ ثمن ان دونوں میں سے اقل کا مخرج ہے اور وہ آٹھ ہے۔ پس یہ دونوں متوافقین کے حکم میں ہیں۔

37645۔ (قولہ: وَتَعْمَلُ كَذٰلِكَ فِي مَعْرِفَةِ نَصِيبِ كُلِّ فَرِيقٍ مِنْهُمْ) اور تو ان میں سے ہر فریق کا حصہ جاننے کے لئے اسی طرح کا عمل کرے گا اس طرح کہ تو پہلی مثال میں دو بھائیوں اور دو بہنوں کے حصہ کو اس میں ضرب دے جس میں تو نے ان میں سے ایک کے حصہ کو ضرب دی ہے اور پھر حاصل ضرب کو تصحیح مسئلہ کے وفق پر تقسیم کر تو اس سے خارج ہونے والا ہر فریق کا حصہ ہو گا۔ اور ضرب کے طریقہ کے ساتھ تقسیم میں سے جو ذکر کیا ہے وہ پانچ وجوہ میں سے زیادہ مشہور ہے۔ اور ان کا بیان اس کے بیان کے ساتھ ساتھ کہ اگر ترکہ میں کسر ہو۔ یہ مطولات میں ہے۔

37646۔ (قولہ: وَأَمَّا قَضَاءُ الدُّيُونِ) اور رہا قرضوں کو پورا کرنا یعنی ان کی تقسیم کا طریقہ اور اس کا نام محاصہ ہے۔

37647۔ (قولہ: فَبِهَا) یعنی پورا کرنے اور مکمل ادا کرنے کے ساتھ مقصود حاصل ہو جائے گا اور وہ بہت خوب ہے۔

37648۔ (قولہ: وَتَعَدَّدَ الْغُرَمَاءُ) اور غرماء کا متعدد ہونا۔ پس اگر غریم (قرض خواہ) ایک ہو تو پھر تقسیم نہیں ہے۔

37649۔ (قولہ: يَنْزِلُ مَجْمُوعُ الدُّيُونِ كَالتَّصْحِيحِ الخ) یعنی مجموعی قرضوں کو تصحیح کے محل میں رکھا جائے گا، اس طرح کہ تو مجموعی قرضوں اور تجہیز و تکفین کے بعد بقیہ ترکہ میں غور و فکر کرے گا۔ پس اگر دونوں کے درمیان توافق ہو جیسا کہ جب وہ بارہ دینار ترکہ چھوڑے اور اس پر اٹھارہ دینار قرض ہو۔ زید کے چار، عمرو کے دو اور بکر کے بارہ دینار۔ تو ان میں سدس کے ساتھ موافقت پائی گئی۔ پس تو ان میں سے ہر ایک کے قرض کو ترکہ کے وفق میں ضرب دے اور وہ دو ہے پھر حاصل ضرب کو مجموعی قرضہ کے وفق پر تقسیم کر اور وہ تین ہے تو زید کے لئے دو دینار اور ایک دینار کا دو ثلث، عمرو کے لئے ایک دینار

(وَ) يُنَزَّلُ (كُلُّ دَيْنٍ) غَرِيمٌ (كَسِهَامِ وَارِثٍ) وَيُعْمَلُ كَمَا مَرَّ ثُمَّ شَرَعَ فِي مَسْأَلَةِ التَّخَارُجِ فَقَالَ (وَمَنْ صَالَحَ مِنَ الْوَرَثَةِ) وَالْغُرَمَاءِ عَلَى شَيْءٍ مَعْلُومٍ مِنْهَا (طُرِحَ)

اور ہر قرض خواہ کے قرض کو بمنزلہ وارث کے سہام کے قرار دیا جائے گا اور پھر وہی عمل کیا جائے گا جو گزر چکا ہے۔ پھر ''مصنف'' مسئلہ تخارج میں شروع ہوئے اور کہا: ورثا اور غرما میں سے جو کوئی ترکہ میں سے کسی معلوم شے پر صلح کرلے تو تصحیح مسئلہ میں سے اس کا حصہ ساقط کر دیا جائے

اور ایک دینار کا ایک ثلث، اور بکر کے لئے آٹھ دینار نکل آئیں گے۔ اور اگر دونوں کے درمیان تباین ہو جیسا کہ جب ہم اپنے مسئلہ میں ترکہ گیارہ دینار فرض کریں تو پھر ہر ایک کے قرض کو کل ترکہ میں ضرب دے اور پھر حاصل ضرب کو مجموعی قرضہ پر تقسیم کر تو زید کے لئے دو دینار اور ایک دینار کے ناویں حصہ میں سے چار، اور عمرو کے لئے ایک دینار اور ایک کے ناویں حصہ میں سے دو اور بکر کے لئے سات دینار اور ایک دینار کا ثلث نکلے گا۔ اور اگر اسی پر پہلی صورت میں چوبیس دینار ہوں تو ان دونوں کے درمیان مداخلت ہوگی سو تو اس میں موافقت کی طرح عمل کرے گا۔ اور صحیح ہے کہ تو اس میں اور موافقت میں مباینت کی طرح عمل کرے جیسا کہ تو نے جان لیا ہے۔

تخارج کا لغوی معنیٰ اور اصطلاحی تعریف

37650۔(قولہ: ثُمَّ شَرَعَ فِي مَسْأَلَةِ التَّخَارُجِ) تخارج تفاعل کے وزن پر خروج سے ماخوذ ہے۔ اور اصطلاح میں اس سے مراد ورثا کا کسی وارث کو میراث سے نکالنے پر صلح کرنا ہے ترکہ میں سے کسی شے کے عوض وہ عین ہو یا دین۔ ''سکب الانہر'' میں کہا ہے: اس کی اصل یہ روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی مرض موت میں اپنی چار بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے دی پھر آپ اس کی عدت کے دوران ہی وصال فرما گئے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسے آٹھویں حصہ کے چوتھائی کا وارث بنایا تو ورثاء نے اس عورت سے تراسی ہزار درہم کے عوض صلح کرلی۔ اور ایک روایت میں دنانیر کا ذکر ہے۔ اور ایک روایت میں اسی (80) ہزار کا ذکر ہے اور یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں بغیر کسی انکار اور اعتراض کے ہوا۔

میں کہتا ہوں: اس کے احکام اور اس کی شرائط کتاب الصلح کے آخر میں گزر چکی ہیں اور وہاں یہ گزر چکا ہے کہ اگر انہوں نے کسی ایک کو نکالا اور اسے اپنے مال میں سے دیا تو پھر اس کا حصہ باقی ورثاء کے درمیان برابر برابر تقسیم کیا جائے گا۔ اور اگر اسے دیا گیا مال اس میں سے ہے جس کے وہ وارث ہوئے ہیں تو پھر ان کی میراث کے سہام کی مقدار ان پر تقسیم کیا جائے گا، ''شارح'' نے وہاں کہا ہے: ''خصاف'' نے اسے اس کے انکار کے ساتھ ہونے سے مقید کیا ہے۔ پس اگر اقرار کے ساتھ ہو تو پھر برابر برابر تقسیم ہوگا۔ فتامله۔

ورثا اور غرما سے کوئی ترکہ میں معلوم شے پر صلح کرلے تو تصحیح کا طریقہ

37651۔(قولہ: وَالْغُرَمَاءِ) مراد قرضوں کے مالک (قرض خواہ) ہیں۔ ''سراجیہ'' میں ان کا ذکر نہیں ہے اور

أَيْ اطْرَحْ سَهْمَهُ مِنَ التَّصْحِيحِ وَجُعِلَ كَأَنَّهُ اسْتَوْفَى نَصِيبَهُ (ثُمَّ قَسَمَ الْبَاقِيَ مِنَ التَّصْحِيحِ) أَوْ الدُّيُونِ (عَلَى سِهَامِ مَنْ بَقِيَ مِنْهُمْ) فَتَصِحُّ مِنْهُ كَزَوْجٍ وَأُمٍّ وَعَمٍّ فَصَالَحَ الزَّوْجُ عَلَى مَا فِي ذِمَّتِهِ مِنَ الْمَهْرِ وَخَرَجَ مِنْ بَيْنِ الْوَرَثَةِ فَاطْرَحْ سِهَامَهُ مِنَ التَّصْحِيحِ وَهِيَ ثَلَاثَةٌ وَاقْسِمْ بَاقِيَ التَّرِكَةِ وَهِيَ مَا عَدَا الْمَهْرِ بَيْنَ الْأُمِّ وَالْعَمِّ أَثْلَاثًا بِقَدْرِ سِهَامِهِمَا مِنَ التَّصْحِيحِ قَبْلَ التَّخَارُجِ وَحِينَئِذٍ يَكُونُ سَهْمَانِ لِلْأُمِّ وَسَهْمٌ لِلْعَمِّ وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُجْعَلَ الزَّوْجُ كَأَنْ لَمْ يَكُنْ لِئَلَّا يَنْقَلِبَ فَرْضُ الْأُمِّ مِنْ ثُلُثِ أَصْلِ الْمَالِ إِلَى ثُلُثِ أَصْلِ الْبَاقِي لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ يَكُونُ لِلْأُمِّ سَهْمٌ وَلِلْعَمِّ سَهْمَانِ وَهُوَ خِلَافُ الْإِجْمَاعِ قَالَهُ السَّيِّدُ وَغَيْرُهُ

اور اسے اس طرح بنا دیا جائے گو یا اس نے اپنا حصہ پورا کر لیا ہے۔ پھر تصحیح مسئلہ یا قرضوں میں سے باقی کو ان میں سے باقی ورثا کے حصوں پر تقسیم کر دیا جائے تو اس سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا جیسا کہ خاوند، ماں اور چچا وارث ہوں۔ پھر خاوند اس مہر کے عوض صلح کرلے جو اس کے ذمہ ہے اور ورثا کے درمیان سے نکل جائے تو تصحیح سے اس کا سہم ساقط کر دیا جائے گا اور وہ تین حصے ہیں اور پھر مہر کے سوا باقی ترکہ ماں اور چچا کے درمیان تخارج سے قبل تصحیح مسئلہ میں ان کے سہام کی مقدار تین حصوں میں تقسیم کر دے، اس وقت دو سہم ماں کے لئے ہوں گے اور ایک سہم چچا کے لئے۔ اور یہ جائز نہیں کہ خاوند کو اس طرح کر دیا جائے گو یا وہ تھا ہی نہیں تا کہ ماں کا حصہ اصل مال کے ثلث سے باقی مال کے ثلث کی طرف بدل نہ جائے۔ کیونکہ اس وقت ماں کے لئے ایک حصہ اور چچا کے لئے دو حصے ہو جائیں گے اور وہ اجماع کے خلاف ہے۔ ''السید'' وغیرہ نے یہی کہا ہے۔

''ملتقی'' اور ''المجمع'' وغیرہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ پس تقسیم اور تخارج میں ان کا حکم ورثاء کے حکم کی مثل ہے۔ اور انہی کی مثل موصی لہ بھی ہے جیسا کہ کتاب الصلح کے آخر میں ذکر ہو چکا ہے۔

37652۔ (قولہ: أَيْ اطْرَحْ سَهْمَهُ مِنَ التَّصْحِيحِ) یعنی تو اس کا حصہ تصحیح مسئلہ سے ساقط کر دے، مراد یہ ہے کہ ورثاء کے درمیان مصالحت ہونے کے باوجود تو اصل مسئلہ کو صحیح قرار دے پھر تصحیح سے اس کا حصہ ساقط کر دے۔ ''سید''۔

37653۔ (قولہ: كَزَوْجٍ الخ) اس مسئلہ کی اصل چھ سے ہے۔ خاوند کے لئے نصف یعنی تین سہم، ماں کے لئے ثلث یعنی دو سہم اور باقی ایک سہم چچا کے لئے ہے۔

37654۔ (قولہ: وَحِينَئِذٍ يَكُونُ الخ) پس اگر فرض کیا جائے کہ چچا نے ترکہ میں سے کسی شے پر صلح کی ہے اور وہ ان کے درمیان سے خارج ہو گیا ہے تو بھی اصل مسئلہ چھ سے ہوگا تو جب چچا کا حصہ نکل گیا تو باقی پانچ رہ گئے۔ ان میں سے تین خاوند کے لئے اور دو ماں کے لئے ہوں گے۔ پھر باقی ایک کو پانچ حصوں میں خاوند اور ماں کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔ پس خاوند کے لئے تین خمس اور ماں کے لئے دو خمس ہوں گے۔ اور اگر ماں کسی شے پر صلح کرلے اور وہ نکل جائے تب بھی مسئلہ چھ سے چلے گا تو جب اس سے مال کے دو حصے ساقط ہو گئے تو باقی چار رہ گئے۔ پس باقی ترکہ کو چار حصوں میں تقسیم کر کے ان میں سے تین خاوند کو اور ایک چچا کو دیا جائے گا۔

37655۔ (قولہ: لِئَلَّا يَنْقَلِبَ فَرْضُ الْأُمِّ الخ) تا کہ بعض صورتوں میں ماں کا فرض (حصہ) بدل نہ جائے۔ جیسا

قُلْت وَهَذَا هُوَ الصَّوَابُ وَلَقَدْ غَلِطَ فِي قِسْمَةِ هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ صَاحِبُ الْمُخْتَارِ وَصَاحِبُ مَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ وَغَيْرُهُمَا عَلَى مَا عِنْدِي مِنْ النُّسَخِ فَإِنَّهُمَا قَسَمَا الْبَاقِي لِلْأُمِّ سَهْمٌ وَلِلْعَمِّ سَهْمَانِ وَقَدْ عَلِمْت أَنَّهُ خِلَافُ الْإِجْمَاعِ وَقَالَ الْعَلَّامَةُ قُطْبُ الدِّينِ مُحَمَّدُ بْنُ سُلْطَانٍ فِي شَرْحِهِ لِلْكَنْزِ وَقَوْلُهُ وَاجْعَلْهُ كَأَنْ لَمْ يَكُنْ، فِيهِ نَظَرٌ. ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ مَا تَحَرَّرَ فَتَدَبَّرْ قَالَ مُؤَلِّفُهُ الْعَبْدُ

میں کہتا ہوں: اور یہی درست ہے۔ تحقیق اس مسئلہ کی تقسیم میں ''صاحب المختار'' اور ''صاحب مجمع البحرین'' وغیرہ نے غلطی کی ہے ان کتابوں کے مطابق جو میرے پاس ہیں۔ کیونکہ ان دونوں نے ماں بقی کو تقسیم کیا ہے (یعنی) ماں کے لئے ایک سہم اور چچا کے لئے دو سہم۔ حالانکہ آپ یہ جان چکے ہیں کہ یہ اجماع کے خلاف ہے۔ اور علامہ قطب الدین ''محمد بن سلطان'' نے ''کنز'' پر اپنی شرح میں کہا ہے: اور ان کا قول: واجعله كأن لم يكن (اور تو اسے ایسا قرار دے گویا وہ تھا ہی نہیں) اس میں نظر ہے۔ پھر اسے اسی طرح ذکر کیا جیسے اوپر تحریر ہوا ہے۔ پس تو اس میں تدبر اور غور کر۔ اس کے مؤلف

کہ اس صورت میں ہے بخلاف اس کے کہ جب چچا کی جگہ باپ ہو۔ کیونکہ تصحیح میں خاوند کے دخول کا اعتبار کرنا لازم نہیں ہوتا، اس لئے کہ ہر حال میں ماں کے لئے ایک سہم اور باپ کے لئے دو سہم ہیں۔

37656_(قولہ: فِيهِ نَظَرٌ) اس میں نظر اور اعتراض ہے، اس کی اصل ''زیلعی'' میں ہے اور انہوں نے اسے اپنے اس قول کے ساتھ بیان کیا ہے: کیونکہ اس نے اپنے حصہ کے بدل پر قبضہ کر لیا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اسے اس طرح قرار دیا جائے گویا وہ موجود ہی نہیں؟ بلکہ اسے اس طرح قرار دیا جائے گا گویا اس نے اپنا حصہ وصول کر لیا ہے اور باقیوں نے اپنے حصے وصول نہیں کئے۔ کیا آپ جانتے نہیں ہیں کہ اگر کوئی عورت فوت ہو جائے اور وہ اپنے پیچھے تین متفرق بہنیں اور خاوند چھوڑے۔ پھر سگی بہن صلح کر لے اور ان کے درمیان سے نکل جائے تو باقی ان کے درمیان پانچ حصوں میں تقسیم ہوگا، تین حصے خاوند کے لئے، ایک حصہ علاتی بہن کے لئے اور ایک حصہ اخیافی بہن کے لئے ہوگا اسی کے مطابق جو ان کے لئے آٹھ میں سے تھے۔ کیونکہ اس مسئلہ کی اصل چھ سے ہے اور یہ آٹھ تک عول ہوتا ہے۔ پس جب بہن نے اپنا حصہ پورا کر لیا اور وہ تین سہم ہیں تو باقی پانچ رہ گئے اور اگر اسے اس طرح قرار دیا جائے گویا وہ موجود ہی نہ تھی تو پھر یقیناً مسئلہ چھ سے ہوگا اور باقی ایک سہم عصبہ کے لئے ہوگا۔ اور اس میں درست یہ کہنا ہے: مسئلہ چھ سے ہے اور وہ ایک سہم سے سات تک عول کرے گا جیسا کہ ''زیلعی'' کے بعض نسخوں میں موجود ہے۔ لیکن جو گزر چکا ہے وہ ان کے خط اور تحریر سے ساتھ اسی طرح پایا گیا ہے پس وہ سبق قلم ہے کیونکہ یہاں کوئی عصبہ نہیں ہے۔

37657_(قولہ: ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ مَا تَحَرَّرَ) یعنی پھر اپنے سابقہ قول: فاطرح سهمامه من التصحيح کی طرح ذکر کیا۔

37658_(قولہ: قَالَ مُؤَلِّفُهُ) یہ تالیف سے ماخوذ ہے یہ دو چیزوں یا زیادہ اشیا کے درمیان الفت واقع کرنا ہے اور یہ ترکیب سے اخص ہے۔ اور عرف میں ایسی کتاب پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے جس میں کسی بھی علم کے متفرق مسائل جمع

الْفَقِيْرُ الْحَقِيْرُ مُحَمَّدُ عَلَاءُ الدِّيْنِ ابْنُ الشَّيْخِ عَلِيٍّ الْحَصْنِيُّ الْحَنَفِيُّ الْعَبَّاسِيُّ الْإِمَامُ بِجَامِعِ بَنِي أُمَيَّةَ ثُمَّ الْمُفْتِي بِدِمَشْقَ الْمَحْمِيَّةِ قَدْ فَرَغْتُ مِنْ تَأْلِيْفِهِ أَوَاخِرَ شَهْرِ مُحَرَّمِ الْحَرَامِ سَنَةَ إِحْدَى وَ سَبْعِيْنَ وَ أَلْفِ هِجْرِيَّةٍ، عَلَى صَاحِبِهَا أَفْضَلُ الصَّلَاةِ وَأَزْكَى التَّحِيَّةِ، وَقَدْ بَالَغْتُ فِي تَلْخِيْصِهِ وَ تَحْرِيْرِهِ وَ تَنْقِيْحِهِ، وَ تَبِعْتُ الْمُصَنِّفَ رَحِمَهُ اللهُ فِي تَغْيِيْرِهِ

عاجز ومحتاج بندے محمد علاء الدین ابن شیخ علی جو حصن کے رہنے والے حنفی المسلک، عباسی النسب، جامع بنی امیہ کے امام اور محفوظ و مامون دمشق کے مفتی نے کہا: تحقیق میں اس کتاب کی تالیف سے 1071ھ محرم الحرام کے مہینے کے اواخر میں فارغ ہوا علی صاحب الہجرۃ أفضل الصلاۃ وأزکی التحیۃ۔ تحقیق میں نے اس کی تلخیص، تحریر اور تنقیح وتہذیب میں مبالغہ کی حد تک عمل کیا۔ اور میں نے بہت سے مقامات پر اس کے متن کو تبدیل کرنے اور اس کی تصحیح کرنے میں "مصنف" رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع کی ہے

کئے گئے ہوں وہ بمعنی مؤلَّف لام کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اسے جمع کرنے والا مؤلِّف لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

37659۔ (قولہ: الْفَقِيْرُ) یہ حقر سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی ذلت ہے "قاموس"۔ مراد (ناچیز ہونا اور عاجز ہونا ہے)۔

37660۔ (قولہ: الْحَصْنِيُّ) یہ جگہ اور گاؤں کی طرف نسبت ہے جس کا نام حصن کیفا ہے۔ اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت میں لفظ حصکفی مشہور ہے اور یہ نحت کے باب سے ہے۔

37661۔ (قولہ: الْعَبَّاسِيُّ) ظاہر ہے کہ یہ نسبت ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی طرف ہے۔

37662۔ (قولہ: الْإِمَامُ) یہ لفظ رفع کے ساتھ لفظ محمد کی صفت ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ علی کی صفت ہو، لیکن وہ جو جامع بنی امیہ میں حنفیہ کے امام اور دمشق الحمیہ کے مفتی تھے وہ "شارح" رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔ اسی طرح آپ ہی جامع بنی امیہ میں گنبد کے نیچے مدرس الحدیث اور مدرس التکیۃ السلیمیۃ تھے، اور آپ کے والدان میں سے کسی بھی شے کے ساتھ مشہور نہ تھے۔

37663۔ (قولہ: هِجْرِيَّةٍ) یہ ہجرت کی طرف نسبت ہے یعنی حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت اور تاریخ اسی کی طرف منسوب ہے، کیونکہ اس کی ابتدا اسی سے ہوئی۔ اور سب سے پہلے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تاریخ کی ابتدا اس سے کی۔ اور عرب پہلے عام التفرق سے تاریخ بیان کرتے تھے اور وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کے متفرق ہونے اور مکہ مکرمہ سے ان کے نکلنے کا سال ہے۔ پھر وہ عام الفیل سے تاریخ بیان کرنے لگے جیسا کہ "الظہیریہ" میں محاضر سے پہلے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

37664۔ (قولہ: فِي تَلْخِيْصِهِ) تلخیص کا معنی تبیین (ظاہر کرنا، بیان کرنا) شرح (وضاحت کرنا) اور تخلیص (آمیزش سے صاف کرنا مختصر کرنا) ہے۔ "قاموس"۔

37665۔ (قولہ: وَ تَحْرِيْرِهِ وَ تَنْقِيْحِهِ) تحریر الکتاب وغیرہ سے مراد اس کی تقویم ہے اور تنقیح سے مراد تہذیب

لِمَوَاضِعَ كَثِيْرَةٍ مِنْ مَتْنِهِ وَ تَصْحِيْحِهِ وَ نَبَّهْتُ عَلَيْهَا وَ عَلٰى مَوَاضِعَ سَهْوٌ آخَرُ وَ بِالْجُمْلَةِ فَالسَّلَامَةُ مِنْ هٰذَا الْخَطَرِ، أَمْرٌ يَعِزُّ عَلَى الْبَشَرِ، فَسَتَرَ اللهُ عَلٰى مَنْ سَتَرَ وَ غَفَرَ لِمَنْ غَفَرَ الرَّجَز

وَإِنْ تَجِدْ عَيْبًا فَسُدَّ الْخَلَلَا ....

اور میں نے ان پر اور دوسرے سہو کے مقامات پر متنبہ کر دیا ہے۔ المختصر اس پرخطر وادی سے محفوظ وسلامت رہنا انسان کے لئے قلیل الوجود اور نادر الوقوع ہے۔ سو اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے جو دوسروں کی پردہ پوشی کرے اور اس کی مغفرت فرمائے جو دوسروں کی غلطیاں معاف کرے۔ [الرجز] اور اگر تو کوئی عیب اور نقص پائے تو خلل کو بند کر دے

ہے۔ قاموس۔ یعنی حشو وزوائد سے پاک کرنا۔

37666۔ (قولہ: لِمَوَاضِعَ) اس میں لام زائدہ تقویت کے لئے ہے۔

37667۔ (قولہ: وَ تَصْحِيْحِهِ) اس کا عطف تغییرہ پر ہے۔

37668۔ (قولہ: وَ عَلٰى مَوَاضِعَ سَهْوٌ آخَرُ) یعنی وہ مقامات جنہیں تبدیل کرنا ''مصنف'' سے رہ گیا۔

37669۔ (قولہ: وَ بِالْجُمْلَةِ) یعنی میں مجموعہ کلام سے ملتبس قول کرتا ہوں۔ ''القاموس'' میں کہا ہے: جُمل جمع ہے، اور أجمل الشئ کا معنی ہے اس نے بکھری ہوئی شے کو جمع کیا۔ اور یہاں مراد یہ ہے کہ اگرچہ ''مصنف'' یا کسی غیر سے سہو واقع ہوا، یا اگرچہ میں نے اس پر آگاہ کیا جو ان سے سہو ہوا لیکن بلاشبہ میں بھی بھول سکتا ہوں۔ کیونکہ اس پرخطر وادی سے سلامتی کے ساتھ گزرنا (بہت مشکل امر ہے) اس میں لفظ خطر کا معنی ہلاکت پر جھانکنا ہے اور یہاں اس سے مراد انتہائی مشکل امر ہے جسے سہو کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ أمرٌ یعِزُّ یہ وزن اور معنی میں یقلّ کی مثل ہے یعنی ایسا امر جو نادر، قلیل یا مشکل یا تنگ یا آدمی پر بہت عظیم اور بھاری ہو اور لوگ اسے حاصل نہ کر سکتے ہوں۔ کیونکہ سہو اور نسیان انسان کے لوازم میں سے ہے۔ اور لوگوں میں سے پہلا انسان ہی سب سے پہلا بھولنے والا ہے۔ یہ اپنی طرف سے عجز کا اظہار ہے اور اپنی طرف سے اور ''مصنف'' کی طرف سے عذر بیان کرنا ہے۔

37670۔ (قولہ: فَسَتَرَ اللهُ عَلٰى مَنْ سَتَرَ) اس میں فا فصیحہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے جو دوسرے کی پردہ پوشی کرے، یعنی جب صورت حال وہ ہے جو ذکر کی گئی ہے تو مطلوب پردہ پوشی ہے سوائے ایسے مقام کے جو بیان کا متقاضی ہو۔

37671۔ (قولہ: وَ غَفَرَ لِمَنْ غَفَرَ) الغفر کا معنی پردہ ڈالنا، چھپانا ہے اور یہ عطف مرادف ہے (یعنی ستر اور غفر دونوں ہم معنی ہیں۔)

37672۔ (قولہ: وَإِنْ تَجِدْ عَيْبًا الخ) یہ شعر اس کلام کے معنی میں ہے جو اس سے پہلے ہے۔

37673۔ (قولہ: فَسُدَّ الْخَلَلَا) خلل سے مراد وہ شگاف اور خلا ہے جو دو چیزوں کے درمیان ہو، اور کسی کام میں کمزوری اور سستی کا ہونا ہے۔ اور امر مختل کمزور عمل کو کہتے ہیں۔ اور أخل بالشئ۔ اس نے شے کو بنا دیا، چھوڑ دیا۔

جَلَّ مَنْ لَا فِيْهِ عَيْبٌ وَعَلَا　　..................

كَيْفَ لَا وَقَدْ بَيَّضْتُهُ وَفِيْ قَلْبِيْ مِنْ نَّارِ الْبِعَادِ عَنِ الْبِلَادِ وَالْأَوْلَادِ وَالْاِخْوَانِ

بزرگ و برتر ہے وہ ذات جس میں کوئی عیب نہیں۔ اور کیسے خطا اور بھول نہ ہو؟ حالانکہ جب میں نے اسے صاف لکھا تو اس وقت میرے دل میں ان شہروں، اولاد، بھائیوں

''قاموس''۔ اسے ذکر تو مطلق معنی کے لئے کیا ہے۔ اور اس سے مراد عیب ہے، اور حق یہ ہے کہ وہ اس کی جگہ ضمیر ذکر کرتے، لیکن انہوں نے دوسرے لفظ سے اسے تعبیر کرتے ہوئے اسم ظاہر کیا تاکہ اس پر نص ہو جائے کہ سہو اور اس طرح کے عمل کے ساتھ عیب خلل ہوتا ہے اور اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: فَإِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٩٨﴾ (البقرہ) جو کہ اس قول کے بعد ہے: مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ الآیہ (البقرہ: 98) اور یہ ان پر کفر کی مہر ثبت کرنے کے لئے ہے۔ اور بسدّہ سے مراد اسے چھپانا یا اس کی ایسی تاویل کرنا ہے جو ممکن ہو۔

37674۔ (قولہ: جَلَّ) یعنی وہ عظمت و شان والا اور بلند ہے، اور اس پر عَلَا کا عطف کرنا یہ عطف تفسیر ہے۔ اور یہ کلام محذوف کلام کے ساتھ مربوط ہے جس پر سیاق کلام دلالت کرتا ہے: ای فسد الخلل ولا تعیر بہ ولا تفضح یعنی تو خلل اور عیب کو دور کر دے اور اس پر کوئی عار نہ دلا اور نہ برائی ظاہر کر۔ کیونکہ اولاد آدم میں سے سوائے اس کے جو معصوم ہے ہر ایک میں عیب اور نقص موجود ہے، اور وہ جو تمام تر عیوب و نقائص سے پاک اور مبرہ ہے وہ اللہ تعالیٰ جل و علیٰ کی ذات ہے۔

''طحطاوی''۔ اس شعر کا پہلا مصرعہ بحر رجز سے ہے اور دوسرا بحر رمل سے ہے۔ اور اگر کہے: ان تجد واؤ کے بغیر جیسا کہ بعض نسخوں میں ہے تو پھر پہلا مصرعہ دوسری بحر سے ہو جائے گا، یا وہ کہے: فجلّ فاء کے ساتھ تو پھر دوسرا پہلی بحر سے ہو جائے گا۔

37675۔ (قولہ: كَيْفَ لَا) اس میں لا کی منفی محذوف ہے: یعنی کیف لا یوجد منی سہو والحال کذا۔ یعنی مجھ سے سہو کیسے نہیں پایا جائے گا حالانکہ صورت حال اس طرح ہے۔ تو یہ سہو کے پائے جانے پر دوسرا اعتذار ہے۔

37676۔ (قولہ: بَيَّضْتُهُ) میں نے اسے صاف کر کے لکھا، یعنی میں نے اسے مسودہ سے مبیضہ کی طرف نقل کیا، اور مولفین کی اصطلاح میں مسودہ سے مراد وہ اوراق ہیں جن میں نئی تالیف واقع ہوتی ہے۔ اور دوران تحریر کثرت سے الفاظ مٹانے اور انہیں ثبت کرنے کے سبب ان اوراق کے سیاہ ہو جانے کی وجہ سے انہیں مسودہ کا نام دیا گیا ہے۔ اور مبیضہ سے مراد وہ اوراق ہیں جن میں مولف وہ کچھ نقل کرتا ہے جو کچھ اس نے مسودہ میں لکھا اور ثبت کیا ہو۔

37677۔ (قولہ: مِنْ نَّارِ الْبِعَادِ) یہ لفظ با کے کسرہ کے ساتھ باعد کا مصدر ہے، اور من اس کا بیان ہے جو ان کے قول مایفتت میں ہے یا یہ من تعلیلیہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: مِمَّا خَطِيْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا (نوح: 25) تحقیق دوری کی مشقت اور فراق اور جدائی کے درد کو آگ سے تشبیہ دی گئی ہے یہ استعارہ تصریحیہ اصلیہ ہے اور اس پر قرینہ نار (آگ) کی بعاد کی طرف اضافت ہے۔ یا بعاد (دوری) کو اس لکڑی سے تشبیہ دی گئی ہے جس سے آگ جلتی ہے یہ استعارہ مکنیہ ہے اور اس کے لئے نار کو ثابت رکھنا تخییل ہے۔ یا پھر مشبہ بہ کو مشبہ کی طرف مضاف کیا ہے یعنی من بعاد کالنار (یعنی

وَالْأَحْفَادِ مَا يُفَتِّتُ الْأَكْبَادَ فَرَحِمَ اللهُ التَّفْتَازَانِي حَيْثُ اعْتَذَرَ وَأَجَادَ،

اور پوتوں وغیرہ سے جدائی کی آگ اس قدر بھڑک رہی تھی کہ وہ دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ علامہ ''تفتازانی'' پر رحم فرمائے کہ انہوں نے عذر پیش کیا اور خوب کیا

اس دوری سے جو آگ کی طرح ہے جیسا کہ لجین الماء میں ہے۔ تأمل۔

37678۔ (قولہ: وَالْأَحْفَادِ) اس سے مراد بیٹیاں یا اولاد کی اولاد (یعنی پوتے پوتیاں، اور نواسے نواسیاں) یا داماد اور بہنوئی وغیرہ ہیں۔ ''قاموس''۔

37679۔ (قولہ: مَا يُفَتِّتُ الْأَكْبَادَ) یعنی جو دلوں کو کاٹ دیتی ہے اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔ اور اکباد کبد کی جمع ہے یہ لفظ با کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ ہے اور کبھی اسے کتف کی طرح ذکر کیا جاتا ہے۔ ''قاموس''۔ اور مراد ایک کلیجہ ہے اور یہی اس کا کلیجہ ہے، کیونکہ جو اس کے دل میں درد ہے وہ کسی غیر کے کلیجے کو ٹکڑے ٹکڑے نہیں کرتا۔ اور یہاں اسے سجع کے لئے جمع ذکر کیا گیا ہے، یا پھر اس معنی کی بنا پر کہ میرے دل میں اس جنس کا درد ہے جو کلیجوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے، یا بلاشبہ میرے دل میں وہ درد ہے کہ اگر میرے متعدد کلیجے بھی ہوتے تو وہ انہیں پاش پاش کر دیتا، یا ہر وہ امر جو میرے دل میں واقع ہے وہ کلیجے کو پھاڑنے میں مستقل ہے تو وہ اس طرح ہو گیا گویا کلیجے متعدد ہیں۔

37680۔ (قولہ: فرحم اللہ) اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، یہ اپنے ماقبل پر تفریع ہے اور وہ اس طرح کہ انہوں نے فراق اور جدائی کے درد کا ذائقہ چکھا ہے اور تکلیف کو برداشت کیا ہے جسے ایک عاشق دل کے بکھرنے اور متواتر شدید غموں میں سے برداشت کرتا ہے، معلوم ہوا کہ یہ اس امام کی طرف سے عذر کا اظہار ہے جو ان سے پہلے ہوئے ہیں اور اس طرح کے کلام کے ساتھ عذر پیش کرنا لامحالہ مقبول ہے۔ پس ان کا نفس بھی ان کے لئے اس دعا کی طرف مائل ہوا، کیونکہ شاعر نے کہا ہے: [البسیط]

لَا يَعْرِفُ الْوَجْدَ إِلَّا مَنْ يُكَابِدُهُ وَلَا الصَّبَابَةَ إِلَّا مَنْ يُعَانِيهَا

وجد کو نہیں جانتا مگر وہی جو اس کے درد کو برداشت کرتا ہے اور سوزش عشق کو نہیں جانتا مگر وہی جو اس کی تکلیف کو برداشت کرتا ہے۔

37681۔ (قولہ: التَّفْتَازَانِي) ان کا اسم گرامی ''مسعود'' ہے، اور ان کا لقب سعد الملۃ والدین ہے، اور یہ نسبت خراسان کے شہروں میں سے ایک شہر ''تفتازان'' کی طرف ہے۔ وہاں ان کی ولادت 722ھ میں ہوئی اور 792ھ میں ''سمرقند'' میں وصال ہوا، اور انہیں ''سرخس'' منتقل کیا گیا اور وہیں دفن کیا گیا۔

37682۔ (قولہ: حَيْثُ اعْتَذَرَ) یعنی انہوں نے ''المختصر شرح تلخیص المعانی'' کے خطبہ میں اپنا عذر پیش کیا ہے۔ اور اس شعر سے پہلے بھی کہا ہے: باوجود اس کے کہ سخت مصیبتوں کے سبب طبیعت بجھی ہوئی تھی اور رنج و غم کی آندھیوں کے سبب ذہن افسردہ تھا، اور مختلف اطراف و جوانب اور شہروں میں چکر لگانے پڑے اور وطن اور وسائل سے دور تھا یہاں تک کہ میں

حَيْثُ قَالَ نَظْماً الطَّوِيْلُ

يَوماً بُحزْوَى ويَوْمًا بالعَقِيقِ　　وبالعُذَيبِ يومًا ويومًا بِالخليصا

لٰكِنَّ لِلّٰهِ الْحَمْدُ أَوَّلًا وَّآخِرًا ظَاهِرًا وَ بَاطِنًا فَلَقَدْ مَنَّ بِابْتِدَاءِ تَبْيِيْضِهٖ تُجَاهَ وَجْهِ صَاحِبِ الرِّسَالَةِ وَ الْقَدْرِ

اس حیثیت سے کہ انہوں نے نظم کی صورت میں کیا: [الطویل] (میں) کسی دن حزوی میں ہوتا ہوں اور کسی دن عقیق میں، کسی دن عذیب میں اور کسی دن خُلَیصا میں۔ لیکن اولاً، آخراً اور ظاہراً اور باطناً سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ تحقیق اس نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مقدسہ جو کہ انتہائی عالی مرتبت ہے اس کے سامنے اسے صاف لکھنے کی ابتدا کرنے

غبار آلود بڑے بڑے مظلم وتاریک جنگلوں کو قطع کرتا تھا اور کتاب کی ایک ایک سطر زمین کے ایک ایک قطعہ میں لکھتا تھا۔

37683۔ (قولہ: حَيْثُ قَالَ) یہ ان کے قول حیث اعتذر سے بدل ہے۔

37684۔ (قولہ: يَوماً بُحزْوَى الخ) یہ بستیوں کے نام ہیں۔ اور یوم سے مراد مطلق وقت ہے۔ اور اس کا متعلق محذوف ہے اس کی تقدیر اکون ہے۔

37685۔ (قولہ: لٰكِنَّ لِلّٰهِ الْحَمْدُ الخ) یہ استدراک ہے یعنی یہ کہ اگرچہ مجھے وہ پریشانی و پشیمانی حاصل ہے جو شہروں سے دور ہونے کے سبب لاحق ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا پھل عطا فرمایا جس کے فوائد اور منافع عظیم ہیں۔ یہی وہ ہے جو قبولیت کی علامت اور مقصود تک پہنچنے کی دلیل ہے۔

37686۔ (قولہ: أَوَّلًا وَّآخِرًا) یعنی ہر امر کی ابتدا اور آخر میں۔

37687۔ (قولہ: ظَاهِرًا وَ بَاطِنًا) یعنی ظاہر میں زبان کے ساتھ حمد وثنا بیان کرنا اس کی موافقت کرتے ہوئے جو باطن میں دل کے ساتھ ہے۔

37688۔ (قولہ: فَلَقَدْ) اس میں فا برائے تعلیل ہے اور لام قسم کے لئے ہے۔ پس یہ معین اور خاص نعمت پر حمد وثنا ہے۔

37689۔ (قولہ: مَنَّ) یعنی اللہ تعالیٰ نے انعام واحسان فرمایا۔

37690۔ (قولہ: بِابْتِدَاءِ تَبْيِيْضِهٖ) یعنی اس مولف کو صاف لکھنے کے آغاز سے جسے ان کے قول: قال مؤلفه اور ان کے قول: قد فرغت من تأليفه سے سمجھا گیا ہے۔

37691۔ (قولہ: تُجَاهَ) اس کی اصل وجاہ ہے اس میں واؤ کو تا سے بدلا گیا ہے اور یہ مواجهة سے ماخوذ ہے یہ بمعنی مقابلة ہے یعنی سامنے۔

37692۔ (قولہ: صَاحِبِ الرِّسَالَةِ) اس میں الف لام عہد کے لئے ہے یعنی وہ رسالت جو عام اور دائمی ہے۔

37693۔ (قولہ: وَ الْقَدْرِ) یعنی بلند رتبہ۔

الْمُنِيفِ، وَ بِخَتْمِهِ تُجَاهَ قَبْرِ صَاحِبِ هٰذَا الْمَتْنِ الشَّرِيفِ، فَلَعَلَّهُ عَلَامَةُ الْقَبُولِ مِنْهُمْ وَالتَّشْرِيفُ۔ قَالَ مُؤَلِّفُهُ الطَّوِيلُ

فَيَا شَرَفِي اِن كُنْتَ رَبِّ قَبِلْتَهُ　　وَاِنْ كَانَ كُلُّ النَّاسِ رَدُّوْهُ عَنْ حَسَدِ

اور اس متن شریف کے صاحب (یعنی "مصنف" رحمۃ اللہ علیہ) کے مزار کے سامنے اسے ختم کرنے کا احسان عظیم فرمایا، شاید یہ ان کی طرف سے قبولیت وتشریف کی علامت ہے۔ اس کے مؤلف نے کہا ہے: [الطویل] اے میرے شرف تو حاضر ہو، اے میرے پروردگار! اگر تو اسے قبول فرمالے اگرچہ سارے لوگ حسد کی وجہ سے اسے رد کردیں،

37694۔ (قولہ: الْمُنِيفِ) یعنی جو غیر کے مقابلہ میں زائد یا بلند اور عالی ہو یہ ان کے اس قول سے ہے جب عقد پر کچھ زائد ہو: لہا زاد علی العقد نیف و ناف و أناف علی الشی: اس پر نمایاں ہونا اور زیادہ ہونا۔

37695۔ (قولہ: تُجَاهَ قَبْرِ صَاحِبِ هٰذَا الْمَتْنِ الشَّرِيفِ) یعنی اس متن شریف کو لکھنے والے "مصنف" کی قبر کے سامنے، اور یہ یعنی نقل مسودہ کا اختتام ان کے شہر میں ہوا اور وہ غزہ ہاشم ہے۔

37696۔ (قولہ: فَلَعَلَّهُ) یعنی وہ جو ابتدا کرنے اور ختم کرنے کا ذکر کیا ہے۔

37697۔ (قولہ: عَلَامَةُ الْقَبُولِ مِنْهُمْ) یعنی اللہ تعالیٰ، صاحب رسالت حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحب متن رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے قبول کی علامت ہے۔ اور قبول سے مراد کسی کام کے کرنے والے پر اعتراض ترک کر کے اس کے کام کے ساتھ راضی ہونا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: کسی صحیح عمل پر ثواب دینا ہے۔

37698۔ (قولہ: وَالتَّشْرِيفُ) کہا جاتا ہے شرف ککرم شرفا: یعنی وہ دین یا دنیا میں بلند ہو گیا۔ اور شرف اللہ الکعبۃ اللہ تعالیٰ نے کعبہ معظمہ کو بلند کر دیا یہ شرف سے ماخوذ ہے۔ "قاموس"۔

37699۔ (قولہ: قَالَ مُؤَلِّفُهُ) اس کے مولف نے کہا، اسی طرح بعض نسخوں میں ہے۔

37700۔ (قولہ: فَيَا شَرَفِي) پس اے میرے شرف تو حاضر ہو۔ پس یہ اور قبل تیرے مقتضی کے حصول کے لئے ہیں، اور یہ اشعار بحر طویل سے ہیں۔ اور قبلتہ میں ضمیر تالیف کے لئے ہے۔ "طحطاوی"۔ (یعنی تو میری اس تالیف (کتاب) کو قبول فرمالے۔)

37701۔ (قولہ: وَاِنْ كَانَ كُلُّ النَّاسِ) اگرچہ تمام لوگ یعنی ان کے اہل زمانہ اور وہ جو ان کے بعد آئیں گے۔

37702۔ (قولہ: رَدُّوْهُ عَنْ حَسَدِ) یہ دال کے اسکان کے ساتھ ہے اور عن بمعنی لام ہے: ای لأجل حسد هم له (یعنی ان کے اس کے ساتھ حسد کرنے کی وجہ سے وہ اسے رد کردیں) جیسا کہ اس ارشاد باری تعالیٰ میں ہے: وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ یا بمعنی مِن ہے ای ردا ناشئا من حسد (یعنی حسد سے پیدا ہونے والے رد کے ساتھ رد کردیں) جیسا کہ اس ارشاد باری تعالیٰ میں ہے: وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ۔

فَتُقْبِلُنِی مَعْ ماتِنٍ و أَسَاتِذٍ و تَحْشُرُنَا جُمعًا مَعَ الْمُصْطَفٰی أَحْمدِ

وَاِخْوَانِنَا الْمُسْدِی لَنَا الْخَیْرَ...... ....

پس تو مجھے ماتن اور اساتذہ کے ساتھ قبول فرمالے اور تو ہم تمام کا آقا کریم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں حشر فرما، اور ہمارے ان مسلمان بھائیوں کا جو ہمیشہ ہمارے لئے خیر کی دعا مانگتے ہیں

37703_(قولہ: فَتُقْبِلُنِی) یہ تخفیف کے ساتھ ہے یعنی تو مجھے اجر اور بدلہ عطا فرما یہ خبر بمعنی دعا ہے۔

37704_(قولہ: و أَسَاتِذٍ) یہ استاذ کی جمع ہے۔ استاذ میں ہمزہ مضموم ہے اور اس کا معنی کسی شے کا ماہر ہونا ہے۔ اور یہاں ان سے مراد "مصنف" کے اشیاخ ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے جسے عربی بنایا گیا ہے اس لئے کہ "القاموس" میں ہے: سین اور ذال معجمہ عربی کلمہ میں جمع نہیں ہو سکتے۔

37705_(قولہ: و تَحْشُرُنَا جُمعًا) یعنی اس حال میں تو ہمارا حشر فرما کہ ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں اکٹھے ہوں۔ پس مصدر حال ہے اور وہ سماع پر مقصور و محصور ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ جمعًا بمعنی جمیعًا ہو اور جمع کی ضمیر کے لئے تاکید ہو۔ یا مفعول مطلق ہو، کیونکہ حشر بمعنی جمع ہے۔ اور یہ وارد ہے: حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت کو تمام مخلوق کے محشر سے الگ اور منفرد محشر میں جمع کیا جائے گا۔ پس معیت اسی پر مقصور نہیں ہوتی جس کا ذکر کیا جائے، نہ اس کے ساتھ کوئی مخصوص حالت مراد ہوتی ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب ہونا۔

37706_(قولہ: مَعَ الْمُصْطَفٰی أَحْمدِ) ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ اشعار بحر طویل سے ہیں، اور طویل کے لئے عروض واحدہ مقبوضہ ہوتا ہے اس کا وزن مفاعلن ہے، اور اس کے عروض کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم صحیح ہے اس کا وزن مفاعیلن ہے۔ اور دوسری مقبوض ہے جو اسی کی مثل ہے، اور تیسری محذوف ہے اس کا وزن فعولن ہے۔ اور یہ شعر پہلی قسم میں سے ہے۔ اور وہ شعر جو اس سے پہلے ہے اور وہ جو اس کے بعد ہے وہ دوسری قسم سے ہے، اور یہ قوافی کے عیوب میں سے شمار کیا جاتا ہے اور اسے "التحرید" "حاء مہملہ کے ساتھ" کہا جاتا ہے جیسا کہ "الخزرجیہ" میں ہے۔ اور کتاب کے شروع میں وضو کی شرائط کی نظم کے اشعار گزر چکے ہیں، ان میں اس کی نظیر واقع ہوئی ہے جیسا کہ ہم نے وہاں اس پر متنبہ کر دیا ہے۔ اور اگر ناظم مع المصطفٰی السند کہتے تو زیادہ صحیح اور مضبوط ہوتا۔

37707_(قولہ: وَاِخْوَانِنَا) یہ لفظ مجرور ہے اور اس کا عطف ماتن یا المصطفٰی پر ہے۔ یا یہ منصوب ہے۔ اور اس کا عطف تحشرنا میں نا ضمیر پر ہے۔ اور پہلا اولیٰ اور بہتر ہے۔

37708_(قولہ: الْمُسْدِی) یہ اسداء بمعنی اعطاء (عطا کرنا) سے ہے یا اس کا لفظ مفرد ہے جسے حرف عاطف کو ساقط کرنے کے ساتھ عطف کیا گیا ہے یا جمع ہے جو کہ اخواننا کی صفت ہے۔ اور اس کی اصل المسدین ہے۔ اس کا نون اس خیر کی طرف اضافت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے جو اس کے ساتھ مجرور ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان ظرف کے ساتھ فاصلہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ مضاف شبہ فعل ہے اور یہ وسعت میں جائز ہے۔ "الفیہ" میں کہا ہے: الرجز۔

دَائِمًا .... وَ وَالِدُنَا دَاعٍ لَنَا طَالِبَ الرُّشْدِ

وَحَسْبُنَا اللهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ، وَ صَلَّى اللهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَسَلَّمَ

اور ہمارے والد کا جو ہمارے لئے رشد و ہدایت کی طلب اور دعا مانگتے رہے، اور اللہ تعالیٰ ہمیں کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے اور نہیں ہے گناہ سے بچنے کی طاقت اور نہ ہی نیکی کی قوت مگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جو بلند و برتر اور عظمت و شان والا ہے اور اللہ تعالیٰ رحمتوں کا نزول فرمائے ہمارے آقا و مولیٰ ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کی آل اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سلام فرمائے۔

فَصْلُ مُضَافٍ شِبْهِ فِعْلٍ مَا نَصَبْ مفعولاً أو ظرفاً أجِزْ وَلَمْ يُعَبْ

تیرے لئے مضاف شبہ فعل اور مضاف الیہ کے درمیان اس کے ساتھ فاصلہ کرنا جائز ہے جسے وہ نصب دے درآنحالیکہ وہ مفعول ہو یا ظرف اور یہ معیوب نہیں ہے۔ اور اسی کی مثل حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ھل انتم تار کولی صاحبی (1) اور شاعر کا قول ہے: کناحت یوما صخرۃ بعسیل (یہ بالترتیب شبہ ظرف اور ظرف کے ساتھ فاصلہ کی مثالیں ہیں۔)

37709۔ (قولہ: دَائِمًا) یہ مصدر محذوف کی صفت ہے جو کہ قبولاً یا حشراً یا اسداً ہے۔

37710۔ (قولہ: دَاعٍ) یہ اصل میں وداع ہے اس میں حرف عطف محذوف ہے یا پھر یہ والدنا سے بدل ہے۔

37711۔ (قولہ: طَالِبَ الرُّشْدِ، أی لنا) یعنی ہمارے لئے رشد و ہدایت کے طالب، چونکہ اس کا ماقبل لنا پر دلالت کر رہا ہے اس لئے اسے یہاں سے حذف کر دیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے رشد جیسا کہ نَصَرَ اور فَرِحَ رُشْدًا و رَشَدًا و رَشَادًا ہدایت پانا اور حق پر استقامت اختیار کرنا، اور رشید اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے یعنی وہ صراط مستقیم کی طرف راہنمائی فرمانے والا ہے، ہدایت دینے والا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں صراط مستقیم پر چلائے اور ہمیں صحیح حق پر ثابت قدم رکھے اور اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ واتم التسلیم کے جوار میں اپنے وجہ کریم کے دیدار سے متمتع اور لطف اندوز فرمائے۔ آمین

تمت بالخیر

محمد انور مگھالوی

مدرس دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت متخذا خلیلا، جلد 2، صفحہ 445، حدیث نمبر 3388، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز